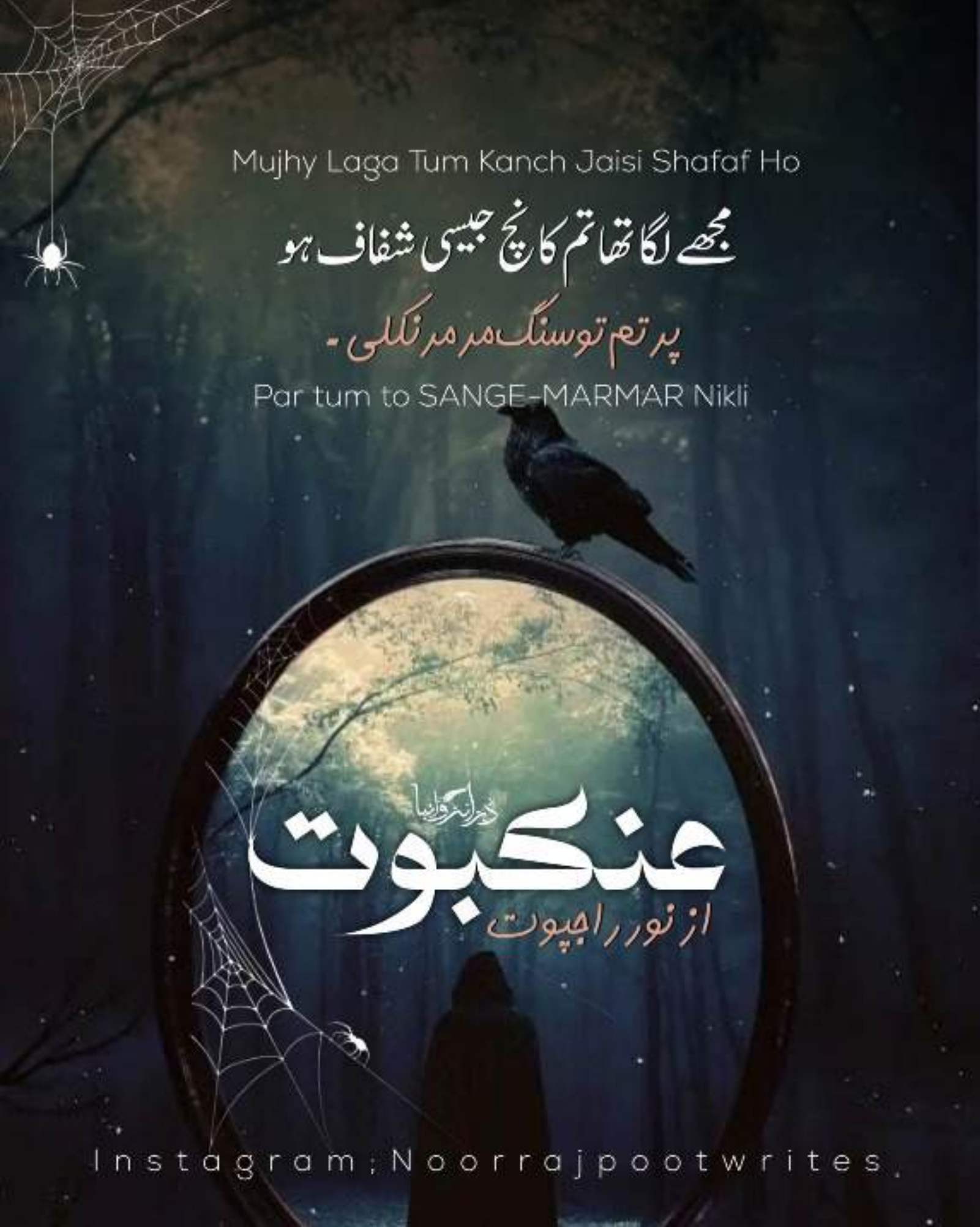
Mujhy Laga Tum Kanch Jaisi Shafaf Ho
مجھے لگا تھا تم کانچ جیسی شفاف ہو
پر تم تو سنگ مرمر نکلی۔
Par tum to SANGE-MARMAR Nikli
عنکبوت
از نور راجپوت
Instagram;Noorrajpootwrites

عنکبوت

از قلم: نور راجپوت

باب اول: انت کی شروعات

قسط نمبر:1

اللہ اکبر، اللہ اکبر

اللہ سب سے بڑا ہے! اللہ سب سے بڑا ہے!

شہر کے تنگ گلیوں والے پرانے محلے میں، گہرے ہوتے کُہرے کے درمیان مغرب کی پرفسوں آواز گونجی۔ سردیوں کی آمد تھی۔ مغرب کے وقت اندھیرا گہرا ہونے لگا تھا۔ اونچی نیچی تنگ گلیوں میں کھیلتے بچے اب گھروں کو لوٹ رہے تھے۔ اسی محلے کی ایک تنگ گلی میں داخل ہوں تو آخر میں ایک چھوٹا سا گھر تھا۔ جس کا دروازہ لوہے کا تھا جس کی حالت خستہ تھی۔ دروازے سے اندر داخل ہوں تو سامنے ہی چھوٹا سا صحن تھا جس کے فرش کا سیمنٹ جگہ جگہ سے اکھڑا ہوا تھا۔ دائیں جانب چھوٹی سی کیاری بنی تھی جس میں چند پودے لگے تھے اور بائیں جانب پانی کی موٹر

اور ساتھ ہی نل لگا تھا اور کپڑے دھونے کی جگہ بنی تھی۔ اس کے ساتھ ہی باتھ روم تھا۔ سامنے دیکھیں تو برآمدہ نظر آتا تھا اور اس سے ملحقہ دو چھوٹے چھوٹے کمرے تھے۔ برآمدے میں ایک جانب باورچی خانہ تھا تو دوسری جانب ایک اسٹور روم تھا۔ گھر کے ٹوٹے پھوٹے سے باورچی خانے میں بیٹھی وہ لگاتار ایک ہی جملہ دہرا رہی تھی۔

" اماں ارسل میرا ہے، ارسل میرا ہے اماں۔۔۔"

"چپ کر جا فجر، خدا کا خوف کھا، اذانیں ہو رہی ہیں۔۔" اماں کی غصے بھری آواز ابھری۔ وہ باہر لگے نل پر وضو کرنے گئی تھی۔

"تو بھی خوف کھایا کر امّاں۔ تجھے خوف کیوں نہیں آتا یہ کہتے کہ ارسل میرا نہیں ہے؟؟ تجھے خوف کیوں نہیں آتا میرا دل دکھاتے؟؟"

وہ پوری قوت سے چلائی۔ چہرے کے نقوش بگڑ گئے۔ باورچی خانے میں بچھے چھوٹے سے دسترخوان پر بیٹھی فجر معراج کا دل کھانے سے اچاٹ ہو چکا تھا۔ پہلے ہی کھانے میں دال دیکھ کر اس کی بھوک آدھی اڑ گئی تھی اور اب آدھی امّاں کی باتوں نے اُڑا دی تھی۔ اس نے بے دلی سے پلیٹ کھِسکا دی اور اب فون نکال کر کچھ ڈھونڈنے لگی۔ اگلے ہی پل فون کی اسکرین پر ایک خوبصورت سی گھڑی جگمگ کر رہی تھی۔ گھڑی کی قیمت دس ہزار تھی۔

"اتنے پیسے کہاں سے لاؤں؟؟"

کل ارسل کا برتھ ڈے تھا اور فجر اُسے ہر قیمت پر یہ گھڑ گفٹ کرنا چاہتی تھی۔ ارسل برہان گردیزی، فجر معراج کی پوری دنیا تھا۔ پچھلے کئی مہینوں سے پیسے جوڑنے کے بعد بھی وہ اتنے اکٹھے نہیں کر پائی تھی کہ اسے اپنی پسند کے سارے تحفے دے سکے۔ غصے کی جگہ اب اُداسی نے لے لی۔

کئی لمحے وہ یونہی بیٹھی رہی۔ اذان کب ختم ہوئی کچھ پتا نہ چلا۔ چونکی تب، جب امّاں اس کے سر پر آن کھڑی ہوئی۔

"کھانا پھر چھوڑ دیا؟؟ کیوں ضائع کرتی ہے رزق فجر؟؟" پلیٹ میں رکھی روٹی اور کٹوری میں بچی دال کو دیکھ کر وہ افسوس سے بولی۔

"یہاں میری زندگی ضائع ہو رہی ہے امّاں اس کی پرواہ نہیں ہے تجھے؟؟"

وہ مارے ضبط سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ آنکھوں میں نمی تھی۔ غصہ تھا، بے بسی تھی، پر امّاں کو دال روٹی کی پڑی تھی۔

"چل جا نماز پڑھ۔۔" امّاں نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے کہا اور کونے میں رکھی انگیٹھی کے پاس کھڑے ہو کر کوئلوں کی گرمائش لی۔ ٹھنڈے پانی سے وضو کے بعد ان کی حالت خراب ہو رہی تھی۔ باورچی خانے میں کافی گرمائش تھی جبکہ باہر ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور پانی تو حد سے زیادہ ٹھنڈا تھا۔

"پڑھ لوں گی پہلے مجھے سات ہزار چاہئیں۔۔" لہجے کو حد درجہ نارمل بناتے اُس نے مطالبہ کیا۔

"سات ہزار؟؟" اماں کو ہول پڑا انہوں نے بے اختیار سینے پر ہاتھ رکھا۔ "کس لیے چاہئیں تجھے اتنے پیسے؟"

"مجھے ضرورت ہے اماں ورنہ میں تجھ سے کبھی نہ مانگتی۔" وہ بضد تھی جانتی تھی اگر وجہ بتا دیتی تو اماں کبھی نہ دیتی۔ دینے والی تو وہ ابھی بھی نہیں تھی لیکن پھر بھی ایک موہوم سی اُمید تھی۔ شاید اُنکا دل نرم پڑ جائے۔ شاید انہیں اپنی بیٹی پر ترس آ جائے۔

"ایسی کیا ضرورت آ گئی تجھے راتوں رات؟؟ یونیورسٹی کی فیس تو بھر دی نا۔۔؟؟" اماں نے دوپٹے کو حجاب کی صورت میں اچھے سے لپیٹتے پوچھا۔ وہ اب نماز پڑھنے والی تھی۔ اُنکی بات سن کر فجر کا دل کلس کر رہ گیا۔

"ارسل کا برتھ ڈے ہے کل مجھے اس کے لیے گفٹ خریدنا ہے۔" سپاٹ لہجے میں کہتی وہ وہیں جمی کھڑی رہی۔ اس کی بات سن کر اماں نے ایسی نگاہوں سے دیکھا جیسے لعنت بھیجی ہو۔

اور پھر بنا کچھ کہے اس کے پاس سے گزر کے باہر نکل گئی۔

"اماں پیسے دے دے مجھے۔" وہ انکے پیچھے لپکی۔ جبکہ اماں برآمدے میں جائے نماز بچھا کر اس پر کھڑی ہو چکی تھی۔

" اماں۔۔۔" نیت باندھتی اماں کو اس نے پھر سے پکارہ۔ ضبط کے مارے آنکھوں میں آنسوں بھر گئے۔ وہ مٹھیاں بھینچے کھڑی تھی۔ جبکہ اماں نیت باندھ چکی تھی۔ وہ اب نماز پڑھ رہی تھی۔

"ایسے اولاد کو تڑپا کر نمازیں قبول نہیں ہوتیں۔۔۔" وہ غصے سے چیختی اپنے چھوٹے سے کمرے کی جانب بڑھی اور دروازے پوری قوت سے دے مارا۔ اب وہ بیڈ پر اوندھے منہ پڑی رو رہی تھی۔ کمرے میں ایک چھوٹے سے سنگل بیڈ کے علاوہ ایک پرانی سی الماری تھی اور ایک خستہ سی کرسی اور میز رکھی تھی۔ اور کوئی سامان نہیں تھا۔

"فجر، نماز پڑھ لے۔۔۔" اماں نے فرض رکعات پڑھنے کے بعد پھر سے اسے پکارہ اور فجر کے رگ وپے میں نفرت کی لہر پھیل گئی۔ لیکن وہ بولی کچھ نہیں۔ جبکہ باہر اماں اب بیٹھے بیٹھے باقی کی رکعات پڑھ رہی تھی جبکہ ساتھ والے کمرے سے ابا کے کھانسنے کی آواز بار بار آرہی تھی۔ انہیں ٹی بی تھا اور سردیوں میں یہ مرض بڑھ جاتا تھا۔

"فجر اٹھ جا اپنے باپ کو دیکھ لے۔" اماں کی پھر سے آواز ابھری لیکن فجر نے تکیہ اٹھا کر اپنے کانوں پر رکھ لیا۔ اس وقت وہ جس تکلیف میں تھی کوئی محسوس نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی زندگی عذاب بنانے والے اس کے اپنے تھے۔ اس کے ماں باپ جن کی کنجوسی کی عادت نے اسے ہر چیز سے ترسا رکھا تھا۔ کم از کم فجر کو تو یہی لگتا تھا۔

باہر اندھیرا آہستہ آہستہ گہرا ہوتا گیا۔ اماں نے نماز پڑھ کر اس کے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔

" فجر۔۔۔۔ چل اٹھ جا چائے بنا لے۔ مجھے بھی دینا۔ اٹھ جا برتن بھی دھونے ہیں۔" اماں کی آواز ابھری اور فجر کا دل شدت سے چاہا کہ وہ بہری ہو جائے یا پھر اماں گونگی ہو جائے کیونکہ جتنی دیر وہ گھر ہوتی تھی فجر فجر کی پکار اُسے سکون نہیں لینے دیتی تھی۔

" نہیں پینا مجھے زہر۔۔" وہ روتے ہوئے بڑبڑائی۔ تصور میں بار بار ارسل کا خوبصورت چہرہ ابھر رہا تھا۔ مہینوں پیسے جمع کر کے، اپنی ضرورتیں کاٹ کر اس نے ارسل کے لیے دو تین گفٹ لیے تھے اور بس گھڑی رہ گئی تھی لیکن اس کے مٹی کے گلّے میں صرف تین ہزار تھا جو اُس نے گن گن کر اب تک ڈالا تھا پر گھڑی دس ہزار کی تھی۔ اور اماں اسے ایک روپیہ دینے کو تیار نہیں تھی۔

اماں کچھ دیر دروازے پر کھڑی رہی پھر چلی گئی۔ اب وہ اپنے کمرے میں تھی۔

"کیوں رُلاتی ہے اسے فجر کی اماں؟؟ دے دیا کر جو مانگتی ہے جو ہے اُسی کا ہے۔۔" ابا نے کھانسی پر قابو پاتے بمشکل کہا۔ کھانس کھانس کر انکا وجود درد کرنے لگا تھا۔

"میرے پاس کونسا قارون کا خزانہ ہے؟ جو تھوڑا بہت جوڑ رکھا ہے وہ اس کی شادی کے لیے ہے فضول خرچی کے لیے کہاں سے لاؤں؟؟" اماں نے تڑخ کر جواب دیا۔ آواز فجر تک گئی تھی۔

وہ جھٹکے سے اٹھی اور دروازہ کھول کر باہر نکلی پھر ساتھ والے کمرے کا دروازہ جھٹکے سے کھولا۔ بلب کی مدھم سی روشنی میں اس کے اماں ابا بستر میں دبکے پڑے تھے۔ وہ دونوں کافی ضعیف تھے بلکہ غربت اور مشکل حالات نے دونوں کو ایسا بنا دیا تھا۔

" تو کس نے کہا تھا مجھے بڑھاپے میں پیدا کرنے کو؟؟ جب پہلی بیٹی بیس سال کی عمر میں مر گئی تھی تو مجھے شادی کے بائیس سال بعد پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟؟ یہ ترسی ہوئی زندگی دینے کے لیے پیدا کیا تھا؟؟" وہ تنفر سے بولی۔ چہرہ لال بھبھو کا تھا۔

معراج الدین اور سکینہ کی شادی کم عمری میں ہو گئی تھی۔ اللہ نے ایک ہی بیٹی دی تھی اس کے بعد کوئی اولاد نہ ہوئی۔ بیٹی کا نام منار رکھا گیا جو بیس سال کی عمر میں اچانک اللہ کو پیاری ہو گئی۔ یوں دونوں میاں بیوی اکیلے رہ گئے۔ پھر اللہ نے کرم کیا تو منار کی موت کے ایک سال بعد اللہ نے انہیں ایک اور بیٹی سے نوازہ۔ لوگوں نے مزاق اڑایا کہ اس عمر میں اولاد پیدا کر کے اُسے کیسے پالیں گے لیکن وہ دونوں خوش تھے۔

دوسری بیٹی کا نام فجر رکھا گیا تھا اور آج بائیس سال بعد فجر معراج اپنے ماں باپ کو اپنے پیدا کرنے کا طعنہ دے رہی تھی کیونکہ وہ اسے کچھ نہیں دے پائے تھے۔

"فجر جا چلی جا زبان نہ چلایا کر۔۔" اماں نے ڈپٹا۔

"تو تو یہی چاہتی ہے اماں کہ میں مر جاؤں۔ تو مجھے زندہ دیکھنا ہی نہیں چاہتی۔۔۔" وہ تن فن کرتی کمرے سے نکل گئی۔ سینے میں الاؤ دہک رہا تھا۔ ایک چھوٹی سی اُمید تھی جس پر اماں نے پانی پھیر دیا تھا۔ اب وہ باورچی خانے میں برتنوں کو زور زور سے پٹخ رہی تھی۔

" کہتی ہوں کل بلقیس سے کہ جلدی اپنے بیٹے کا رشتہ لائے میں اس لڑکی کو اِس کے گھر کا کرنا چاہتی ہوں۔۔۔"

کچھ دیر بعد وہ چائے بنا کر لائی تو اماں کی آواز نے اس کے قدموں کو جکڑ لیا اور اس وقت فجر کا شدت سے دل چاہا کہ وہ چائے میں زہر گھول کر اپنی اماں کو پلا دے جو اس کی خوشیوں کی دشمن بن چکی تھی۔

"فجر کی مرضی کے بنا کچھ نہ کرنا۔۔" ابا دھیمی آواز میں بولے۔

"ابا۔۔۔" اس نے باپ کو پکارہ۔

" اماں سے میری خوشی برداشت نہیں ہوتی میں انہیں ہزار بار بتا چکی ہوں میں ارسل سے شادی کروں گی لیکن یہ پھر اپنے ان پڑھ جاہل بھانجے سے باندھنا چاہتی ہے مجھے۔۔" اس نے چائے کی ٹرے لا کر اماں اور ابا کے بستر کے درمیان رکھے چھوٹے سے میز پر پٹخی۔ چائے اچھل کر ٹرے میں گر گئی۔

"وہ تجھ سے بیاہ نہیں کرے گا۔۔۔" وہ پلٹی۔ جب اماں کے الفاظ نے اس کے دل پر ہاتھ ڈالا۔ اس کا دل ہول اٹھا۔

" اماں ایسی باتیں نہ کیا کر۔۔۔۔" وہ تھوک نگلتے بولی۔ یہ خیال بھی روح فرساں تھا اور اماں کتنی آسانی سے بول دیتی تھی۔

"کنول کا پھول، پھول ہو کر بھی کیچڑ میں ہی رہ جاتا ہے۔" اماں نے پھر طنز کیا اور فجر کی آنکھیں پھر سے بھرنا شروع ہوئیں۔

"اماں مجھے بد دعائیں نہ دیا کر تجھے اللہ کا واسطہ! میری زندگی ارسل ہے وہ نہیں تو فجر معراج بھی نہیں۔۔" وہ ضبط نہیں رکھ پائی اور رو دی۔

"بے حیا ماں باپ کے سامنے غیر مرد کے لیے ایسی باتیں کرتے تجھے حیا نہیں آتی۔۔؟؟ جا اپنا کام کر، دفع ہو جا ادھر سے۔" اماں نے پھر گھرکا اور فجر جبڑے بھینچے کمرے سے نکل آئی۔ اس کا دل اب رو رہا تھا۔

"پیسے نہیں دینے تو نہ دے لیکن میری محبت کو بد دعائیں کیوں دیتی ہے اماں۔۔۔؟؟" وہ ہولے ہولے بڑبڑاتے باورچی خانہ صاف کر رہی تھی اور آنکھوں سے آنسوں مسلسل جاری تھے۔

✿••✿••✿••✿

"فجر۔۔۔ فجر اٹھ جا نماز پڑھ لے۔" وہ پر سکون نیند سو رہی تھی جب اماں کی آواز ہتھوڑے کی مانند اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ فجر کا وقت ہو گیا تھا اور اماں نہ صرف اسے آوازیں دے رہی تھی بلکہ کمرے کا دروازہ بھی بجا رہی تھی۔

"فجر اٹھ جا۔۔۔ فجر۔۔۔" پتا نہیں انہیں فجر کا نام پسند تھا یا کچھ اور جو وہ ہر وقت اُسے پکارتی رہتی تھی۔ نرم گرم بستر میں دبکی فجر نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں۔ پہلا خیال ارسل کا آیا اور اس کے لبوں پر مسکان بکھر گئی۔

کتنا خراب موڈ تھا رات اس کا وہ روتی رہی تھی لیکن جیسے ہی ارسل سے بات ہوئی ساری اداسی دور جا سوئی تھی۔ اس نے ٹھیک بارہ بجے ارسل کو وش کیا تھا اور دوسری جانب وہ بھی اس کا منتظر تھا۔

"تم میرا سکون ہو فجر اور میں تمہارے بنا اپنی زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔۔۔" اور فجر کو لگا تھا جیسے اماں کے دیے سارے زخم بھر گئے ہوں۔ وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ چہرہ دمک رہا تھا۔ آج ارسل سے ملنا تھا آج اس کا برتھ ڈے سیلیبریٹ کرنا تھا۔ بہت سارا کام تھا وہ تیزی سے بستر سے نکلی۔ نیند دور جا سوئی۔

سب سے پہلے اس نے بال باندھے اور پھر الماری کھول کر اپنا مٹی کا گلّا نکالا۔ جس میں اس نے تین ہزار جمع کر رکھے تھے۔ اس نے وہ گلّا زمین پر دے مارا۔ کھٹاک کی آواز ابھری اور اماں کی پھٹکار بھی۔

"فجر۔۔۔اللہ تجھے غارت کرے کیا توڑ دیا صبح صبح؟؟"لیکن فجر کو بھی پرواہ نہیں تھی۔کم از کم آج وہ اپنا موڈ خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔کچھ دیر وہ زمین پر بیٹھی پیسے اٹھا اٹھا کر گن رہی تھی جانتی تھی اچھے سے جانتی تھی تین ہزار ہی تھے لیکن پھر بھی گنتی کر رہی تھی جیسے گلے میں پڑے پڑے ڈبل ہو گئے ہوں۔پورے تین ہزار ہی تھے۔ اس نے گہرا سانس لیا اور پیسے بیگ میں رکھ کر دوپٹہ لیتی کمرے سے باہر نکل آئی۔برآمدے میں لگے پردے سردی کی شدت کو نہیں روک پائے تھے۔ٹھنڈی ہوا اس کی ہڈیوں تک گھس گئی۔باورچی خانے سے کھٹ پٹ کی آواز آرہی تھی۔اور دور دراز سے فجر کی اذان سنائی دے رہی تھی۔اماں کوئلوں کی انگیٹھی جلانے کی کوشش میں تھی۔

"آجا فجر آگ جلالے۔مجھ سے پھونکیں نہیں ماری جاتیں۔پانی بہت ٹھنڈا ہے گرم پانی سے وضو کر لیں گے۔"

اماں نے اسے دیکھتے ہی کہا اور فجر کے دل پر اوس سی پڑ گئی۔

"اچھی بھلی گیس لگی تھی اماں بلاوجہ اتروادی تو نے۔بتا بھلا اس دور میں کوئلے کون جلاتا ہے۔"

وہ آج خوش خوش رہنا چاہتی تھی لیکن شاید خوش ہونا قسمت میں نہیں تھا۔

"ساتھ والی رکعیا آدھا بل مانگ رہی تھی لو بھلا ہم کدھر سے لائیں اتنے پیسے؟؟تین لوگ ہیں ہم کبھی کبھی چولہا جلتا تھا لیکن لوگوں میں خوف خدا نہیں رہا۔۔"اماں بڑبڑاتی اٹھ کھڑی ہوئی جبکہ فجر نے پہلے اپنے چمکتے ہاتھوں کو دیکھا اور پھر کوئلوں کو۔۔۔اور پھر اس نے افسردہ سی آہ بھری۔ٹھیک کہا تھا اماں نے کنول کا پھول کیچڑ کی نذر ہی ہوتا ہے۔۔۔!!

✿••✿••✿••✿

فجر کی نماز کے لیے وہ کمرے میں گھسی تو پھر آٹھ بجے تک باہر نہیں نکلی۔ اماں اسے آوازیں دے دے کر تھک گئی۔

"فجر آجا باہر ناشتہ کر لے۔۔ فجر۔۔۔؟؟"

لیکن فجر نے نہ کوئی جواب دیا نہ وہ باہر نکلی۔ فی الوقت اس کا دال کے ساتھ گھی والی روٹی کھانے کا کوئی موڈ نہیں تھا اور وہ خوش اتنی تھی کہ موڈ خراب کرنا نہیں چاہتی تھی۔

"فجر۔۔ نافرمان۔۔ کبھی ماں کی پکار بھی سن لیا کر۔۔ "

ٹھک کی آواز سے کمرہ کھلا اور ہاتھ میں تین چار شاپنگ بیگ تھامے وہ کمرے سے باہر نکلی۔ اب وہ اپنی گرم چادر کو درست کر رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی اماں کا حیرت سے منہ کھل گیا۔ خوشبوؤں میں رچی بسی فجر برآمدے میں کھڑی تھی۔ سرخ لباس پہنے وہ خستہ ہال برآمدے میں کھڑی کیچڑ میں کھلا گلاب لگ رہی تھی۔

"یہ سب کیا ہے؟؟" اتنے سارے شاپنگ بیگز دیکھ کر اماں سکتے میں چلی گئی۔ وہ دروازہ کھلنے کی آواز پر فٹافٹ باورچی خانے سے باہر نکلی تاکہ فجر کی تیاری دیکھ سکے۔ بوڑھی آنکھوں کی بینائی کم ہو چکی تھی لیکن فجر کے معاملے میں وہ آنکھیں مائیکروسکوپ بن جاتی تھیں۔

"اماں تجھے نظر آرہا ہے نا تو پوچھ کیوں رہی ہے؟؟" وہ کوفت سے بولی۔ شاپنگ بیگز کو برآمدے میں بچھے تختے پر رکھتی وہ اپنا شولڈر بیگ اٹھانے اندر گئی۔ اماں نے فٹافٹ آگے ہو کر سارے بیگ ٹٹول لیے اور اندر موجود قیمتی ڈبے دیکھ کر اماں کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"گھر دینے کے لیے تیرے پاس پیسے نہیں اور اس غیر مرد کے لیے تونے اتنا سب خرید لیا؟ اللہ کی مار تجھ پر فجر۔۔۔" اماں برے دل سے بولی۔ چہرے پر غصہ ہی غصہ تھا۔

"اماں۔۔۔" وہ کمرے سے نکلتی احتجاجاً چلائی اور پھر تیزی سے سارے بیگ جھپٹ لیے۔ وہ اس کے لیے قیمتی تھے کیونکہ وہ ارسل کے لیے تھے۔

" کبھی تو مجھے سکون کا سانس لینے دیا کر، کبھی تو کوئی جملہ بنا بد دعا کے بولا کر۔۔" فجر کا دل برا ہوا۔ "اور یہ سب میری محنت کی کمائی ہے۔ تو نے پیسے نہیں دیے اور نہ یہ حرام کے ہیں۔ میں نے کمائے ہیں اور اِن پر میرا حق ہے۔۔" وہ چادر درست کرتی تن فن کرتی برآمدے سے باہر نکلی اب وہ خارجی دروازے کی جانب بڑھ رہی تھی۔ ہیل کی ٹک ٹک گونج گئی۔ اماں نے ایک نظر اس کے نئے جوتے پر ڈالی۔ گلابی پاؤں سیاہ نازک سی سینڈل میں جگمگ کر رہے تھے۔

"کمائی یوں لٹانے کے لیے نہیں ہوتی اور جس کے لیے تو یہ سب کر رہی ہے وہ تجھے ایک دن آسمان سے زمین پر پٹخ دے گا۔۔"

فجر کا دل کسی نے مٹھی میں پکڑ کر بھینچ دیا۔ اس کے قدم رک گئے اور چہرہ سرخ پڑ گیا۔ اس نے شکایتی نظروں سے پلٹ کر اماں کو دیکھا۔ جبڑے بھنچ گئے۔ آنکھوں میں آنسوں تھے پر اماں کو کیا پرواہ؟؟ وہ نخوت چہرے پر سجائے کھڑی تھی۔ نرم گرم سی نکلتی دھوپ میں فجر کا چہرہ دہک رہا تھا۔ وہ خود کو کچھ غلط کہنے سے روک رہی تھی۔

برآمدے میں اماں پرانی سی گرم چادر خود پر لپیٹے ایستادہ تھی۔ دھوپ نکل آئی تھی لیکن ہوا میں ٹھنڈک تھی۔

"دعا کر اماں فجر مر جائے، فجر آج واپس ہی نہ آئے۔۔" اس نے آخری نظر اماں پر ڈالی اور پھر تیزی سے ٹوٹا پھوٹا دروازہ پار کر گئی۔ ہیل کی آواز دور ہوتی گئی۔ جھریوں والا چہرہ لیے اماں کھڑی رہ گئی۔ اسے ذرا ملال نہیں تھا۔

اندر کمرے میں بستر پر لیٹے ابا کو کھانسی کا دورہ پڑا۔ سامنے دروازہ کے قریب ہی وہ کھڑی تھی۔ منار معراج۔۔ !!

وہ ہنس رہی تھی۔

"روک ابا۔۔۔ اب فجر کو روک کر دکھا۔۔۔"

وہ معراج الدین سے مخاطب تھی جبکہ اسے دیکھتے ہی ابا کو کھانسی کا ایسا دورہ پڑا کہ ان سے سانس لینا مشکل ہو گیا۔

✿••✿••✿••✿

آج اس نے لوکل چنگچی کی بجائے آٹو لیا۔ صبح کے نو بج رہے تھے۔ آج یونیورسٹی میں ایک ہی لیکچر تھا۔ لیکچر کے بعد وہ مارکیٹ جانے والی تھی تاکہ وہ گھڑی خرید سکے اور اس وقت آٹو میں بیٹھی وہ پورے دل سے مسکرا رہی تھی۔ ارسل کے لیے، لیے گئے گفٹس کو اس نے متاع جان کی طرح تھام رکھا تھا اور لبوں پر خوبصورت مسکان تھی۔

فجر معراج وہ لڑکی تھی جو آج کی تیزی سے بدلتی دنیا میں سروائیو کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کی فیملی میں اماں ابا کے علاوہ کوئی نہ تھا۔ نہ چچا نہ تایا۔ کوئی رشتہ دار نہیں تھا۔ جب سے ہوش سنبھالا تھا خود کو اسی گھر میں پایا تھا۔ ابا کی پہلے دکان تھی جو اب کرائے پر دے دی تھی۔ اسی کے پیسوں سے گھر کا خرچہ چلتا تھا۔ جبکہ فجر خود ذہین لڑکی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ڈھیروں خواب تھے۔ وہ بہت کچھ کرنا چاہتی تھی۔ کچھ بننا چاہتی تھی۔ میٹرک تک وہ سرکاری سکول میں پڑھی اور پھر کالج اسکالرشپ پر جاتی رہی۔ یونیورسٹی پہنچتے پہنچتے اس نے ایک کال سینٹر میں جاب شروع کر لی۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ اس کی کمیونیکیشن اچھی ہو گئی اور وہ جاب کو لے کر سنجیدہ تھی اس لیے

اسکی سیلری کمیشن کے ساتھ اچھی بن جاتی تھی۔ وہ کوشش کر کے گھر بھی راشن ڈال دیتی ورنہ زیادہ تر خود پر خرچ کرتی تھی۔ نفیس کپڑے، مہنگے جوتے اور قیمتی بیگ اسے سب پسند تھے۔

وہ کسی سے کچھ نہیں لیتی تھی جو تھا اپنی محنت سے تھا۔ یونیورسٹی میں اگر کوئی جان لیتا کہ مغرور فجر معراج کس محلے میں رہتی تھی اور اس کے گھر کے حالات کیسے تھے تو یقیناً تماشا بنتا پر فجر نے ایسا کوئی دوست نہیں بنایا جو گھر تک آئے اِس لیے وہ کامیابی سے آگے بڑھتی رہی۔ یونیورسٹی کا آخری سیمسٹر تھا۔ یونیورسٹی کے ان چار سالوں میں جانے کتنے ہاتھ اس کی جانب بڑھے۔ کتنے لوگ اس پر دل ہارے پر فجر معراج نے کسی کو گھاس نہیں ڈالی۔ آخر اس کا دل آیا بھی تو کس پر۔ ارسل برہان پر۔ ارسل برہان گردیزی جو چاند جیسا تھا۔ وہ اسے کمپنی کی ایک کانفرنس میں ملا تھا۔ رکھ رکھاؤ والا ارسل اسے پہلی ہی نظر میں پسند آگیا اور پھر ان کا رابطہ سوشل میڈیا پر ہوا۔ جانے کیوں وہ اس کے دماغ سے چپک گیا تھا وہ چاہ کر بھی اس سے پیچھا نہیں چھڑا پائی تھی۔

پسندیدگی آہستہ آہستہ کب محبت میں بدلی فجر کو پتا ہی نہیں چلا۔ اب ارسل اس کا سب کچھ تھا۔ وہ نہیں تھا تو کچھ نہیں تھا۔

ڈیپارٹمنٹ کی راہداری میں، سرخ لباس پہنے، فجر معراج کو آگے بڑھتے جانے کتنے لوگوں نے دیکھا۔ کتنی ستائش بھری نگاہیں تھیں، کتنی حسرت بھری، وہ خود پر اٹھنے والی ہر نظر پہنچانتی تھی لیکن اسے کسی کی پرواہ نہیں تھی۔ وہ اگر کسی پر ٹھہر گئی تھی تو وہ ارسل برہان تھا۔ وہ اس کا مان تھا وہ اس کا غرور تھا وہ اس کا سب کچھ تھا۔

وہ اس کے بارے میں سب جانتا تھا اور فجر کا فنانشل اسٹیٹس جان کر بھی اس کی محبت میں کمی نہیں آئی تھی اور فجر نے اُسے اُسکے فنانشل اسٹیٹس کو دیکھ کر دل نہیں دیا تھا وہ گردیزی نہ بھی ہوتا تو فجر کے لیے وہی سب ہوتا جو اب تھا۔

"جانے کس کی لاٹری نکلے گی۔ ہمارے ہاتھ تو یہ بلبل آئی نہیں۔۔"لڑکوں کے گروپ میں کسی نے سرگوشی کی۔

" وہ منگنی شدہ ہے۔"کوئی دوسرا بولا۔ وہ خود کو انگیجڈ کہتی تھی۔ وہ ارسل سے کمیٹڈ تھی اور حقیقتاً نہیں چاہتی تھی کوئی اس کی جانب بڑھے اس لیے سب جانتے تھے فجر معراج انگیجڈ تھی۔

یونیورسٹی میں لیکچر کے بعد اس نے اپنے پراجیکٹ پر کام کیا پھر ایک ریسٹورینٹ فون کر کے برتھ ڈے بکنگ کروائی اور پھر مارکیٹ کے لیے نکل پڑی۔ تین بجے ارسل اسے پک کرنے والا تھا اور اس سے پہلے اسے سب کچھ ریڈی رکھنا تھا۔ اب وہ گھڑیوں والی ایک چمچماتی دکان میں کھڑی تھی۔

اس نے اس مہینے کی پوری سیلری ارسل پر لگادی تھی۔ اس نے پتا نہیں کیا کچھ کیا تھا۔ ارسل کے ساتھ اس کا یہ دوسرا برتھ ڈے تھا۔ وہ اسے ہر صورت اسپیشل بنانا چاہتی تھی۔

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا میں آپ کو آدھی پیمنٹ کچھ دن بعد کر دوں؟؟"اس نے دکاندار سے پوچھا۔

" نہیں میڈم ایسا تو پاسیبل نہیں۔ ہاں آپ آدھی پیمنٹ اب کر دیں اور رسید لے جائیں باقی پیمنٹ جب ہو گی آکر گھڑی لے جایئے گا۔۔"دکاندار نے مسئلے کا حل پیش کیا۔ فجر نے بے ساختہ لب کچلے۔

" نہیں مجھے گھڑی آج ہی چاہیے۔۔"وہ بس اتنا ہی کہہ پائی۔

" آپ کا بجٹ کیا ہے؟؟ "

" ابھی میرے پاس تین ہزار ہے۔۔" اسے بتاتے ہوئے بھی شرمندگی ہوئی۔ دکاندار کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

" میرے پاس اسی ڈیزائن میں Versace کی سب سے سستی کاپی ہے جو تین ساڑھے تین ہزار تک مل جائے گی۔۔" دکاندار نے حل پیش کیا۔ فجر کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

دکاندار نے اسے گھڑی دکھائی وہ اسے پسند آگئی۔

"ٹھیک ہے آپ اسے پیک کر دیں۔۔" آنکھیں اب جگمگ کر رہی تھیں۔ وہ گھڑی پیک کروا رہی تھی جب اس کا فون تھرتھرایا۔ ارسل کا فون تھا۔ دل کی دھڑکن تیز ہوئی۔ چہرے پر سارے رنگ پھیل گئے۔

"السلام علیکم!" اس نے فون ریسیو کرتے کان سے لگایا۔

" وعلیکم السلام! کہاں ہو۔۔۔؟؟" ارسل کی آواز ابھری۔

"میں مارکیٹ ہوں۔ آپ کدھر ہیں؟؟" دھڑکتے دل پر قابو پاتے بتایا۔

"میں آرہا ہوں۔ مجھے لوکیشن شیئر کر دو۔۔۔ "

دل پھول کر غبارہ ہوا۔ وہ اپنی اہم میٹنگ چھوڑ کر آرہا تھا۔ وہ فجر معراج کے لیے آرہا تھا۔۔۔ ہوا خوشبوؤں سے رچ بس گئی۔

"بھائی ذرا جلدی کریں۔۔" لوکیشن شیئر کر کے اس نے دکاندار سے کہا۔ جس نے ایک گھڑی سمیت ایک خوبصورت سا بیگ اسے تھمایا۔

" شکریہ۔۔۔" پیمنٹ کرتی وہ دکان سے باہر نکل آئی۔اب اس کا رخ اس کی بیکری کی جانب تھا جو قریب ہی تھی اور جس کی لوکیشن اس نے شیئر کی تھی۔پانچ منٹ اسے کھڑے ہو کر انتظار کرنا پڑا۔اور پھر لمبی سی سیاہ گاڑی اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔ارسل باہر نکلا اور اسے دیکھ کر فجر کے دل نے بیٹ مس کی۔

وہ اب اس سے بیگز لے کر گاڑی رکھ رہا تھا۔اب وہ اس کے لیے دروازہ کھول رہا تھا۔وہ اندر بیٹھ چکی تھی۔اب وہ گاڑی آگے بڑھا چکا تھا۔

"ہیپی برتھڈے۔۔۔" وہ دلکشی سے بولی اور اسی دلکشی سے وہ مسکرا دیا۔نک سک سا تیار ارسل برہان اس کے ساتھ بیٹھا تھا۔

"سوری اگر میری وجہ سے ویٹ کرنا پڑا۔بتاؤ اب کہاں چلیں۔۔۔" نسبتاً ایک پرسکون سی جگہ پر گاڑی روکنے کے بعد وہ اس کی جانب متوجہ ہوا۔وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"بہت پیاری لگ رہی ہو۔۔۔" وہ مسکرایا تو وہ فجر بھی مسکرا دی۔

"دیکھیں میں آپ کے لیے کچھ لائی ہوں۔۔" وہ اب پیچھے رکھے بیگ اٹھا رہی تھی۔اس کے لہجے میں شیرنی گھلی تھی۔سب کو کاٹ کھانے والی فجر معراج کے لہجے میں ارسل کے لیے صرف محبت ہوتی تھی۔

" لگتا ہے ساری سیلری مجھ پر اڑا دی ہے۔۔" وہ اتنے بیگز کو دیکھتے بولا۔"یہ سب لانے کی کیا ضرورت تھی فجر۔میرا گفٹ تم ہو۔۔" اسے حقیقتاً برا لگا۔اور اس کی بات سن کر فجر کا چہرہ گلنار ہوا۔

"یہ دیکھیں۔۔" وہ اس کی بات کو نظر انداز کرتی اب باکس اسے تھماتے بولی۔وہ اب پوری توجہ سے ایک ایک باکس اوپن کر رہا تھا۔پرفیوم تھا، کی چین تھی، کچھ میموریز باکس تھے۔ایک بہت بڑا پورٹریٹ تھا جو اس نے اپنے

فیورٹ آرٹسٹ سے بنوایا تھا اور اسے کیسے وہ سارا دن اٹھائے پھرتی رہی تھی یہ وہی جانتی تھی۔ اب وہ گھڑی دیکھ رہا تھا۔

" اچھی لگی آپ کو؟؟" اسے اشتیاق سے گھڑی کو دیکھتے وہ پوچھنے لگی۔

" بہت اچھی ہے۔۔" وہ بشاشت سے مسکرایا۔

" آپ اسے پہنیں گے؟؟" دھڑکتے دل سے پوچھا۔

" ابھی پہن لیتے ہیں۔۔۔" سیاہ ڈریس شرٹ میں ملبوس ارسل برہان یہ کہتا کتنا اچھا لگا تھا۔ اب وہ اپنی کلائی میں بندھی گھڑی اتار رہا تھا۔ اور فجر ساکت سی اسے دیکھے گئی۔ اب وہ اپنی گھڑی اتار کر سائیڈ پر رکھ چکا تھا۔ اب وہ فجر کی لائی گھڑی پہن رہا تھا۔

" دیکھو اچھی لگ رہی ہے نا۔۔" وہ اس کی جانب متوجہ ہوا۔

"فجر۔۔۔" اور اس کی ڈبڈبائی آنکھیں دیکھ کر وہ ساکت رہ گیا۔ "رو کیوں رہی ہو پاگل۔۔۔؟؟" فجر کے آنسوں اس کے دل پر گر رہے تھے اور فجر نے نفی میں سر ہلایا۔

" ارسل تمہارا ہے فجر۔ یہ جان لو۔" اس نے فجر کے آنسوں پونچھتے اس کا گال تھپتھپایا اور فجر نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

" مجھے لگتا ہے میں اب نہیں جی پاؤں گی۔ آپ کے بنا تو بالکل نہیں۔۔" وہ رو دی۔

"یار میرے برتھڈے پر تم رو رہی ہو یہ ظلم نہ کرو۔۔" اور وہ مسکرا دی۔ "مجھے بہت بھوک لگی ہے۔ اب بتاؤ کہاں جانا ہے؟؟" اس کے بیچارگی سے کہنے پر فجر نے مسکرا کر ریستوران کا بتایا اور ارسل نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ اب گاڑی میں خاموشی تھی۔

"ارسل ایک بات بتائیں۔۔۔" وہ اب اس کی گھڑی کو اٹھائے الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔

"آپ کی یہ گھڑی کتنے کی ہے؟؟" سرسری سا سوال تھا۔

"ہو گی اڑھائی تین لاکھ کی۔۔۔" اور فجر کو لگا وہ سانس نہیں لے پائے گی۔ اس شخص نے اپنی تین لاکھ کی گھڑی اتار کر اس کی دی تین ہزار کی گھڑی پہن لی تھی۔ دل سینے میں ہی رک گیا تھا۔

"بائے داوے میری گھڑی اب یہ ہے جو میں نے پہن رکھی ہے۔۔" وہ خوشدلی سے بولا تو فجر بس مسکرا کر رہ گئی۔

✿••✿••✿••✿

سرمئی شام دھیرے دھیرے پر پھیلانے لگی۔ ہوا تیز ہوئی تو دھند اتارنا شروع ہو گئی۔ باہر گاڑیاں تیزی سے گزر رہی تھیں اور بڑی سی گلاس وال کے پار وہ دونوں ایک خوبصورت Ambience والے ریستوران کے کپل ایریا میں بیٹھے تھے۔ کچھ دیر پہلے ہی ارسل نے کیک کاٹا تھا اور اب کھانا سرو کیا جا رہا تھا۔ اچانک گلاس ڈور اوپن ہوا اور ایک لڑکا اندر داخل ہوا۔ اس کا حلیہ وہاں بیٹھے سبھی لوگوں سے مختلف تھا۔ وہ سیاہ جوگرز پر شارٹ ٹراوزر پہنے ہوئے تھا جو گھٹنوں سے بمشکل نیچے آ رہا تھا۔ سیاہ ٹی شرٹ پر سیاہ لیدر کی جیکٹ اور کندھے پر سیاہ بیگ تھا۔ سر پر سیاہ کیپ جمی تھی جس میں اسکا آدھا چہرہ چھپا ہوا تھا اور کیپ کے اوپر سے کانوں پر ہیڈ فون جما تھا ہیڈ فون سے منسلک ایک لمبی وائر اس کے بیگ تک جا رہی تھی۔ اس کے گلے میں کیمرہ لٹکا تھا جبکہ ہاتھ میں فون تھا۔۔۔ وہ تیز تیز قدم

اٹھاتا آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ حلیہ اور نین نقش دونوں سے مقامی نہیں لگتا تھا۔ اسے دیکھتے ہی فلور مینیجر اس کی جانب بڑھا اب وہ انگلش میں اسے کوئی بات کر رہا تھا۔

"You can check my Account...this is William Joseph"

وہ فلور مینیجر کو فون پر کچھ دکھا رہا تھا۔ پھر وہ ہنس دیا۔

"Thank You so Much"

فلور مینیجر چلا گیا۔ اب وہ اپنے کیمرہ میں ریستوران کی مختلف زاویوں سے لی گئی پکچرز کلک کر رہا تھا۔ اب وہ ویڈیو بنا رہا تھا اور پھر اس کیمرہ میں گلاس وال کے قریب بیٹھی سرخ لباس والی لڑکی نظر آئی۔ وہ ارسل کی کسی بات پر ہنس رہی تھی۔

"Beauty in Red"

اس نے کمینٹ کیا اور پھر کیمرے کا رخ موڑ لیا۔ اسے انسانوں کو کیمرہ میں ریکارڈ کرنے کا شوق نہیں تھا۔ اب وہ دوسری جانب رکھی میز کرسیوں میں سے نسبتاً ایک پر سکون جگہ پر بیٹھ گیا۔ اس نے کیمرہ اور اپنا فون میز پر رکھا اور پھر کندھے سے بیگ اتار کر اس میں سے کچھ نکالا۔ وہ ایک مشین تھی۔ سیاہ رنگ کی ٹیپ ریکارڈر جیسی ایک ڈیوائس جس میں ہیڈ فون کی وائر کنیکٹ تھی۔ اس نے بٹن دبایا اور اس مشین کو میز پر رکھ دیا۔ اب اس نے آنکھ بند کر کے کرسی سے پشت ٹکالی۔ ہیڈ فون سے اب اُسے عجیب قسم کی وائبریشنز سنائی دے رہی تھیں۔ ایسی آوازیں جو شاید ہی کبھی کسی نے سُنی ہوں۔

✿••✿••✿••✿

"کیا بات ہے آج بہت خوش ہو؟؟" اس کے چہرے سے پھوٹتی چمک اور اس کی کھکھلاتی ہنسی پر ارسل نے بالآخر پوچھ ہی لیا۔

"کچھ بتانا ہے آپ کو۔۔" فجر پر جوش سی بولی۔ ارسل متوجہ ہوا۔ اس کا فون، والٹ اور گاڑی کی چابی میز پر ایک جانب رکھے تھے۔

"میں نے ایک اچھی کمپنی میں جاب کے لیے انٹرویو دیا تھا اور میری سلیکشن ہو گئی ہے۔ انہوں نے اچھا آفر دی ہے۔" وہ چہک رہی تھی۔ دنیا میں اگر کہیں جنت تھی تو فجر معراج کے لیے بس یہی تھی۔

"ارے واؤ! میری فجر تو تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے۔۔" ارسل کی ایسی تعریف پر وہ جھینپ گئی۔ رخسار گلاب ہوئے۔ پلکیں لرز اٹھیں اور ارسل کے لیے یہ نظارہ بہت حسین تھا۔

"اور یونیورسٹی؟؟" پاستہ کی پلیٹ میں کانٹا ہلاتے ارسل نے اگلا سوال کیا وہ کھانا کھا رہا تھا لیکن متوجہ اس کی طرف تھا جبکہ فجر کی تو بھوک اسے دیکھتے ہی مٹ جاتی تھی۔ اسے کچھ ہوش نہیں رہتا تھا۔

"بس پراجیکٹ چل رہا ہے۔ کچھ ہی مہینے ہیں۔ اسکے بعد یونیورسٹی ختم۔۔"

"اور اماں بابا کیسے ہیں۔۔؟؟" چمچ منہ تک لے جاتی فجر کا ہاتھ ہوا میں ہی معلق رہ گیا۔ اس کا حلق تک کڑوا ہوا۔ اگر وہ بتا دیتی کہ اُسکی اماں اُسکی محبت کو کتنی بد دعائیں دیتی تھی تو سامنے بیٹھے ارسل کا دل ٹوٹ جاتا۔

"وہ بھی ٹھیک ہیں۔۔" بس اتنا ہی کہہ پائی۔ چہرے کی شادابی ماند پڑ گئی۔

"ان کی باتوں پر غصہ مت کیا کرو۔۔" وہ اب اسے سمجھا رہا تھا فجر خاموش رہی۔ "اور میرے پاس بھی تمہارے لیے ایک خوشخبری ہے۔۔" ارسل کے پر اسرار سے انداز پر فجر کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ وہ اب سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اور ان سے کچھ فاصلے پر دوسری جانب بیٹھے شخص کو ویٹر نے مخاطب کیا۔

"سر یور کافی۔۔۔" ویٹر اسے پکار رہا تھا جبکہ وہ ہیڈ فون سے ابھرتی آواز میں کھویا تھا۔

"سر۔۔۔" ویٹر نے کافی میز پر رکھتے پھر سے پکارہ۔ اس بار اس نے آنکھیں کھولیں۔

"او ایم سوری۔۔۔ اینڈ تھینک یو۔" وہ اب سیدھا ہو بیٹھا۔ ویٹر کافی رکھ کر چلا گیا۔ ریستوران برقی قمقموں سے سجا ہوا۔ دیواروں اور چھتوں سے لٹکتے برقی قمقمے وہاں کے پر سکون ماحول کو چار چاند لگا رہے تھے اور تبھی اس کی نظر سامنے اٹھی۔ وہ کپل ابھی تک وہیں بیٹھا تھا۔ لڑکے کی اس کی جانب پشت تھی۔ وہ اب ایک نازک سی مخملی ڈبیا میز پر رکھ رہا تھا۔ لڑکی نے بے ساختہ اپنے منہ پر دونوں ہاتھ رکھے۔ اس کی آنکھیں حیرت اور خوشی سے پھیل گئیں۔ وہ اندازہ نہیں لگا پایا کہ برقی قمقموں کی چمک زیادہ تھی یا اس لڑکی کے چہرے سے پھوٹنے والی روشنی۔ پھر وہ سر جھٹک کر رخ موڑ گیا۔

"او مائے گاڈ ارسل آپ کے پیرنٹس مان گئے؟؟" وہ بے یقینی سے چمچماتی اس ڈائمنڈ کی رنگ کو دیکھتے بولی۔ اس نے کہا تھا جب وہ اپنے گھر والوں کو منا لے گا تو اس کے لیے رنگ لائے گا اور آج وہ لے آیا تھا۔

"پوری طرح سے تو نہیں لیکن وہ تم سے ملنے کو راضی ہو گئے ہیں۔۔" وہ بھی اتنا ہی خوش تھا اور تبھی اس کا فون بج اٹھا۔

"بابا کی کال ہے۔۔" اس نے ایکسکیوز کرتے فون اٹھایا۔

"جی بابا؟؟" وہ ادب سے بولا۔ دوسری طرف سے کچھ پوچھا گیا تھا جبکہ فجر ڈائمنڈ کی رنگ چھوڑ کر اسے دیکھ رہی تھی۔

"باہر ہوں۔۔" اس نے جواب دیا۔ آگے سے پھر کچھ پوچھا گیا۔

"فجر کے ساتھ۔۔۔" دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔

"جی میں کچھ دیر تک آتا ہوں۔۔" فون بند ہو گیا اور ارسل نے اپنا اٹکا سانس بحال کیا۔ وہ اپنے باپ کی بہت عزت کرتا تھا بلکہ کسی حد تک ڈرتا بھی تھا پر وہ اپنی محبت کا مقدمہ بھی لڑ رہا تھا اور یہ مشکل کام تھا۔

"غصہ تو نہیں تھے وہ؟؟" فجر نے دھڑکتے دل پر قابو پاتے پوچھا۔

ارسل نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ سیاہ گرم شال کو قدموں پر پھیلائے سیاہ بالوں کے گھیرے میں چمکتے چاند سے چہرے والی فجر معراج کئی متضاد کیفیات کا شکار تھی۔

"نہیں۔۔۔" وہ مسکرایا۔

"یہ رنگ آپ مجھے انگیجمنٹ پر پہنائیے گا۔" اس نے مخملی ڈبیا ارسل کی جانب کھسکا دی۔ جسے ارسل نے کچھ سمجھتے اثبات میں سر ہلایا۔

"اگر آپکے بابا اسٹیٹس پر کوئی بات کریں تو آپ انہیں بتا دیجیے گا کہ میں نے اسٹیٹس دیکھ کر آپ سے محبت نہیں کی اور میں مستقبل کی ایک بہت بڑی فیشن ڈیزائنر بننے والی ہوں اور میں تب تک ویٹ کر سکتی ہوں مجھے شادی کی جلدی نہیں ہے۔۔" وہ پورے یقین سے بولی تو ارسل اس کی بات پر بے ساختہ مسکرا دیا۔

سامنے ٹیبل پر موجود لڑکا اب ویٹر سے کوئی بات کر رہا تھا۔ اس نے رستوران کی سفید اور ہلکی گلابی رنگ کی دیواروں کی تعریف کی۔ ویٹر اب مینیجر کو بلا لایا تھا۔ وہ اس سے بل نہیں لینا چاہتے تھے پر وہ دینے پر بضد تھا۔

"میں کل پھر آؤں گا۔ کافی بھی پیوں گا پر آج آپ کو بل لینا ہو گا۔۔" اس نے بل کے ساتھ ساتھ ویٹر کو ٹپ بھی دی۔ فجر کی سرسری سی نظر اٹھی اور اس نے عجیب و غریب حلیے والے لڑکے کو دیکھا جو اب اپنا بیگ کندھے پر لٹکاتے اپنا کیمرہ اٹھا رہا تھا اور پھر وہ باہر نکل گیا۔

"میں یہاں بیٹھا ہوں میری موجودگی میں کسی اور کو مت دیکھو فجر۔۔" ارسل نے شکوہ کیا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

✿••✿••✿••✿

"میں تمہیں گھر تک چھوڑ سکتا ہوں۔" گلی کے سامنے گاڑی روکتے ارسل نے پیشکش کی۔

"پہلی بات آپکی یہ لمبی گاڑی ہماری تنگ سی گلی میں داخل نہیں ہو گی اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ لمبی گاڑی دیکھ کر میرے محلے والوں کی اتنی لمبی زبان نکل آئے گی۔۔" فجر نے آنکھیں مٹکائیں تو ارسل نہ چاہتے بھی ہنس دیا۔ وہ پریشان تھا لیکن اسے محسوس نہیں کروانا چاہتا تھا۔

"ٹھیک ہے اپنا خیال رکھیے گا۔۔" وہ شال اچھے سے اوڑھتی گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلی۔

"اپنا سامان تو لے لو۔۔" ارسل نے گاڑی کی پچھلی سیٹ پر رکھے بیگ اٹھا کر اسے پکڑائے۔ وہ خالی ہاتھ نہیں آیا تھا اس کے لیے بیکری کی کافی چیزیں لایا تھا۔ فجر نے بیگ تھام لیے۔ دھند پڑ رہی تھی اور اسٹریٹ لائٹس کی مدھم روشنی میں بمشکل ہی کچھ نظر آ رہا تھا۔ سامنے نکڑ والی ایک کریانے کی دکان کھلی تھی۔

"اپنا خیال رکھنا۔۔۔" گاڑی کا دروازہ بند کرتے وقت اسے ارسل کی آواز سنائی دی۔ فجر نے دیکھا تو اسے ارسل کے چہرے پر پریشانی نظر آئی۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا محبت سے حسرت سے۔

شاید وہ آنے والے طوفان سے واقف تھا۔

"اللہ حافظ۔۔" وہ گلی میں مڑ گئی۔ ٹک ٹک کی آواز رات کے سناٹے میں گونجی گئی۔ رات کے آٹھ بج رہے تھے پر یوں لگتا تھا جیسے گیارہ بج گئے ہوں۔ وہ رات نو بجے جاب سے واپس آتی تھی لیکن آج اس نے چھٹی کی تھی۔ گاڑی میں ہیٹر چل رہا تھا اور اب باہر نکل کر اسے سردی کا احساس ہوا۔ ٹھنڈی ہوا ہڈیوں میں گھس رہی تھی۔ اس نے کانپتے ہوئے گھر کا گیٹ بجایا۔ جب کوئی نہ آیا تو اسے پھر سے بجانا پڑا۔ کچھ دیر بعد اسے اماں کی آواز سنائی دی۔ وہ گیٹ کھول رہی تھی۔

"السلام علیکم!" اس نے گھر میں داخل ہوتے سلام کیا جبکہ اماں کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ وہ ہاتھ میں تسبیح لیے خوشبوؤں میں رچی بسی فجر کو گھور رہی تھی۔ فجر بھی انہیں نظر انداز کرتی آگے بڑھ گئی۔ آج اس کی چال میں فخر تھا مان تھا غرور تھا۔ ارسل کے گھر والے اس سے ملنے کو تیار تھے۔

اماں اپنی تمام بد دعاؤں سمیت ہارنے والی تھی۔

اس نے کمرے میں آکر سب سے پہلے سامان رکھا اور پھر کپڑے بدل کر منہ ہاتھ دھو کر جب وہ واپس کمرے میں آئی تو اماں اتنا کھانے پینے کا سامان دیکھ کر حیران رہ گئی۔ وہ تمام ڈبے کھول کر دیکھ چکی تھی۔

بالوں کو اچھے سے فولڈ کیے دھلے دھلائے چہرے کے ساتھ وہ اب بھی اتنی ہی خوبصورت لگ رہی تھی۔

"یہ شریف لڑکیوں کے گھر آنے کا وقت ہے؟؟" اماں کو کہنے کو یہی ملا تھا۔ فجر نے ایک نظر اماں کو دیکھا اور پھر گھڑی دیکھی۔

"ابھی آٹھ بجے ہیں روز مجھے آفس سے آتے آتے نو بج جاتے ہیں اماں! تب شرافت کہاں ہوتی ہے۔" اس نے بمشکل خود کو کچھ غلط کہنے سے روکا۔ اسے اپنی اماں کے دہرے معیار کی سمجھ نہیں آتی تھی۔

"تو نہ کر کمائی۔ ہم نے اسے آگ لگانی ہے؟؟" اماں نے شاید زہر اگلنا ہی سیکھا تھا۔

"ہاں تاکہ میں گھٹ گھٹ کر مر جاؤں۔۔" وہ چیزیں سمیٹتی بڑبڑائی۔ فی الوقت وہ بحث کے موڈ میں نہیں تھی۔

"جانتی ہے محلے والے ایسی لڑکیوں کو کیا سمجھتے ہیں جو یوں سج دھج کر رات کو کسی غیر مرد کی گاڑی سے اُتریں؟؟" اماں نے لتاڑنا چاہا۔

"اماں میں محلے کی نظروں میں ویسے بھی شریف نہیں ہوں تو مجھے فرق نہیں پڑتا وہ کیا سوچتے ہیں۔ تجھے بھی نہیں پڑنا چاہیے تو جانتی ہے مجھے۔۔" وہ پھر بڑبڑائی۔

"ہاں تجھے کیوں فرق پڑے گا تجھے ماں باپ کی عزت کی کیا پرواہ؟؟" اماں بھی باز نہیں آتی تھی۔ وہ تسبیح گھما رہی تھی اور ساتھ ساتھ اس کی کلاس لے رہی تھی۔

"اماں۔۔۔" وہ احتجاجاً بولی۔ ہاتھ میں پکڑا بیگ وہ الماری میں رکھ رہی تھی پر اماں کے الفاظ تیر کی طرح لگتے تھے۔

"ارسل کے گھر والے مان گئے ہیں وہ جلد رشتہ لینے آئیں گے۔۔" اس نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی خبر اماں کو دی۔ اماں کچھ دیر اس کے چہرے کو دیکھتی رہی۔ ایک پل کے لیے الفاظ گم ہو گئے۔ جبکہ فجر اب الماری کھولے چیزیں سیٹ کر رہی تھی۔

"محلے والوں کی زبانیں بند ہو جائیں گی اماں جب ارسل بارات کے کر آئے گا۔۔" مان تھا، فخر تھا کیا کچھ نہیں تھا۔

"ہاں دیکھتی رہ اُسکے خواب۔۔۔"

"ارسل میرا خواب نہیں میری زندگی ہے اماں۔۔"

"ارسل تیری موت ہے فجر۔۔۔" اماں کو ذرا ترس نہ آیا۔

تہہ لگے کپڑے الماری میں رکھتی فجر کے ہاتھ کانپ اٹھے۔ اس کا دل رک سا گیا۔

"اماں ایسے نہ بولا کر۔" اس نے الماری کا پٹ زور سے بند کیا۔ آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

"اسے کھونے کا خوف پہلے پیچھا نہیں چھوڑتا۔۔" وہ بولی تو آواز بھرا گئی۔ پتا نہیں اماں اسکے احساسات کیوں نہیں سمجھتی تھی۔ اس نے کبھی کچھ غلط نہیں کیا تھا ایک محبت ہی تو کی تھی۔ پھر اماں ایسی باتیں کیوں کرتی تھی؟؟

"جن چیزوں کے کھو جانے کا ڈر ہو نا اُنکا چھن جانا یقینی ہوتا ہے۔۔!!" اماں کا لہجہ عجیب تھا پر فجر کے دل کو پہلے ہی ہاتھ پڑ چکا تھا۔ اماں نے اسکی ساری خوشی ملیامیٹ کر دی تھی۔ وہ اب بیڈ پر بیٹھی آنسوں بہانے لگی۔ اماں نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"دیکھ فجر یہ تیرا پہلا اور آخری موقع ہے۔ اگر اس لڑکے کے گھر والے مان گئے اور وہ رشتہ لے آیا تو تیری قسمت۔ پر میں تجھے دوسرا موقع نہیں دوں گی۔ تجھے بلقیس کے لڑکے سے شادی کرنی ہو گی۔۔" اماں نے جیسے حکم دیا۔ وہ کچھ نہ بولی۔ اپنی سسکیوں کو ضبط کرنے کی کوشش کرتی رہی۔ اماں اسے چھوڑ کر چلی۔ دروازہ بند ہو گیا۔ کچھ دیر پہلے وہ سینکڑوں برقی قمقموں میں بیٹھی تھی اور اب پلستر اتری دیواروں والے کمرے میں تھی جس میں ایک چھوٹے بلب کی زرد روشنی کمرے کے اندھیرے کو کم نہیں کر پا رہی تھی۔ کتنی ہی دیر وہ یوں بیٹھی رہی۔ اس کے پاؤں نیلے پڑ گئے۔ سردی کی شدت سے دانت بجنے لگے تو وہ اٹھی اور بستر سیدھا کر کے لیٹ گئی۔ ارسل کا ابھی تک کچھ میسج نہیں آیا تھا۔

دوسری طرف اماں اپنے کمرے میں جا چکی تھی۔

"اس پر اتنی سختی نہ کر۔" ابا بولا۔

"تو چپ کر فجر کے ابا۔۔۔" اماں نے ابا کا منہ بند کیا۔ ابا کچھ پل کے لیے چپ ہو گیا۔

"مجھے لگتا ہے میرا وقت آ گیا ہے یا فجر کا وقت آ گیا ہے۔۔" وہ بولا تو لہجہ عجیب تھا۔ اماں نے چونک کر اسے دیکھا۔ معراج دین ہڈیوں کا ڈھانچہ بن چکا تھا ٹی بی کے علاوہ جانے کونسی بیماری تھی جو انہیں ٹھیک نہیں ہونے دیتی تھی۔

"وہ مجھے دِکھائی دینے لگی ہے۔ وہ مجھ پر ہنستی ہے۔ وہ دیکھ سامنے دروازے کے پاس کھڑی ہے۔ وہ دیکھ منار کھڑی ہے۔۔" ابا نے کپکپاتا ہاتھ اٹھا کر انگلی سے دروازے کی جانب بمشکل اشارہ کیا۔ اماں حیرت سے کبھی ابا کو تو کبھی دروازے کو دیکھ رہی تھی جہاں کوئی نہیں تھا جبکہ ابا کے چہرے کی رنگت خوف اور وحشت سے پھیکی پڑ گئی تھی کیونکہ وہ تالیاں بجاتے ابا پر ہنس رہی تھی۔

✿••✿••✿••✿

ارسل جب گھر پہنچا تو ساڑھے آٹھ کا وقت تھا۔ گاڑی گیراج میں کھڑی کرتے وہ اندر کی جانب بڑھا۔ فجر کے دیے گئے سارے گفٹس اس نے گاڑی میں ہی رہنے دیے تھے۔ جانتا تھا اندر کا ماحول کیسا تھا۔

وہ ڈرائنگ روم سے گزرتے لاؤنج میں آیا تو سبھی گھر والوں کو وہاں موجود پایا۔ گھر میں خلاف معمول زیادہ خاموشی تھی۔

"السلام علیکم" اس نے ہولے سے سلام کیا۔ دادی اماں، برہان گردیزی، مسز برہان، اس کی چھوٹی بہن سہانا اور چھوٹا بھائی صائم سب وہاں تھے۔ مسز برہان اور سہانا دونوں سر پر دوپٹہ جمائے سلیقے سے بیٹھی تھی۔ مسز برہان زیر لب کچھ پڑھ رہی تھیں۔ اس کے سلام کا جواب سب نے مشترکہ دیا تھا۔

"خیریت ہے آج سب یہاں؟؟" وہ دھڑکتے دل پر قابو پاتے بولا۔

"ہاں تمہارا ہی انتظار ہو رہا تھا۔۔" برہان گردیزی نے ایک ایک لفظ چبا کر کہا۔ سر پر ٹوپی اوڑھے اور شلوار قمیص پہنے وہ سرد آنکھوں سے اسے گھور رہے تھے۔

" صائمہ پوچھو اپنے سپوت سے کہاں تھا یہ؟؟" انہوں نے مسز برہان کو مخاطب کیا۔ مسز برہان نے التجائی نظروں سے ارسل کو دیکھا۔ وہ آج اس کے برتھ ڈے کے دن کوئی تماشہ نہیں چاہتی تھیں۔ دونوں ماں بیٹیوں نے مل کر کتنی تیاری کی تھی۔ ڈنر بنایا تھا پر یہاں سب الٹ ہو گیا تھا۔

" بتایا تھا آپ کو۔۔" وہ براہ راست برہان گردیزی سے بولا۔

" ہاں بتایا تھا موصوف ایک لڑکی کے ساتھ تھا۔ جس سے یہ عشق کرتا ہے ایک بے پردہ بے حیا لڑکی سے۔۔" ان کے لہجے میں حقارت ہی حقارت تھی۔

" بابا۔۔۔" وہ احتجاجاً چلایا۔ آنکھوں اور چہرے پر صدمہ واضح تھا۔

"میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اُس لڑکی کے ساتھ بیٹھا تھا۔ وہ لڑکی جس کے سر پر دوپٹہ تک نہیں تھا۔۔ "

وہ کڑکے لہجے میں بولے جبکہ مسز برہان اور سہانا ان کی آواز پر کانپ اٹھتی تھیں۔ ارسل نے بے یقینی سے اپنی ماں کو دیکھا۔ انہوں نے بتایا تھا اس کا باپ فجر سے ملنا چاہتا تھا رشتہ لے کر وہ بعد میں جاتے۔ مسز برہان نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے چپ رہنے کی تلقین کی۔

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے فجر ایسی نہیں ہے وہ بہت اچھی لڑکی ہے آپ ایک بار مل لیں یقیناً آپ کو اچھا لگے گا۔۔" اس نے لہجے کو حد درجہ نرم رکھنے کی کوشش کرتے اپنی عرضی رکھی۔ جانتا تھا وہ انکے فیصلے کے خلاف نہیں جا سکتا تھا اس لیے ان کا ماننا بہت ضروری تھا۔

"ہمارے گھر کی عورتوں کو آج تک کسی غیر محرم نے نہیں دیکھا اور وہ لڑکی سر عام سج سنور کر بیٹھی تھی۔۔"

انہوں نے پہلو بدل کر بے چینی سے ٹہوکا دیا۔

" چلو بس کر جاؤ برہان۔ بچے کے خاص دن کو برا مت بناؤ۔۔" دادی اماں بالآخر بول پڑیں۔

"کل بلاؤ اس لڑکی کو میں ملنا چاہتا ہوں اس کے بعد فیصلہ ہو گا۔۔" برہان گردیزی اپنا فیصلہ سناتے اٹھ کھڑے ہوئے جبکہ ارسل حیران رہ گیا۔

"کل۔۔۔؟؟" بے ساختہ اس کے لبوں سے پھسلا۔

"کیوں کل نہیں آسکتی؟؟" وہ بھڑکے۔

" نہیں نہیں ٹھیک ہے وہ آجائے گی۔۔" وہ لبوں پر زبان پھیرتے بولا۔ سہانا اور مسز برہان کے چہرے پر خوشی کی رمق ابھری۔ وہ بیٹے کی خوشی دل سے چاہتی تھیں۔

✿••✿••✿••✿

آج کے دور میں جہاں دو لوگوں کا ایک دوسرے کے ساتھ مخلص ہونا سب سے مشکل فعل ہے وہیں اگر دو لوگ مخلص ہو جائیں تو ان کے درمیان معاشرہ اور لوگ آجاتے ہیں اور لوگ بھی اپنے، اپنے ماں باپ۔۔ !!

اس رات وہ سو نہیں پائی۔ بستر میں دبکی روتی رہی۔ اپنی کم مائیگی پر، اپنے احساس کمتری پر، معراج دین کی بیٹی ہونے پر۔

رضائی اوڑھے وہ بستر میں لیٹی کپکپاتی رہی حالانکہ بستر گرم تھا پر اس کے اندر ٹھنڈک اتر رہی تھی۔ باہر تاریکی بڑھتی گئی اور اندر وحشت۔

پھر کہیں رات بارہ بجے ارسل کا میسج آیا۔

"بابا کل تم سے ملنا چاہتے ہیں۔۔"

وہ ساکت رہ گئی۔

"کل۔۔؟؟" وہ اٹھ بیٹھی۔ لیٹ کر میسج ٹائپ نہیں ہو رہا تھا۔

"ہاں کل شام پانچ بجے۔۔" وہ کافی سنجیدہ تھا۔

"لیکن میرا آفس۔۔۔" وہ بات اُدھوری چھوڑ گئی۔

"ایک چھٹی کرلو فجر۔ کمپنی رک نہیں جائے گی۔۔۔"

اسے لگا وہ روڈ تھا۔ فجر نے لب بھینچ لیے۔ وہ جانتی تھی وہ لڑ رہا تھا اپنی محبت کے لیے لیکن وہ نہیں چاہتی تھی اس لڑائی میں انکی محبت کم ہو۔

"ٹھیک ہے میں آجاؤں گی۔۔" وہ بس اتنا ہی کہہ پائی۔ ارسل نے میسج سین کرنے کے بعد کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کتنی دیر فون ہاتھ میں پکڑے بیٹھی رہی لیکن اس کا میسج نہیں آیا۔ وہ شاید سو چکا تھا۔ پھر وہ بھی فون تکیے کے نیچے رکھ کر لیٹ گئی۔ اسکا فون سائلنٹ پر ہوتا تھا کیونکہ اماں کو اسکے فون کا بار بار بجنا پسند نہیں تھا۔ وہ تکیے کے نیچے رکھ کر سوتی تھی کہ رات کے کسی پل اگر ارسل میسج کرے تو وہ وائبریشن سے اٹھ ہو جائے۔ ارسل کو انتظار کرانا اسے پسند نہیں تھا۔

کوئی اور دن ہوتا تو اسے ارسل سے اگلے دن ملنے کی بہت خوشی ہوتی کیونکہ وہ کم کم ہی مل پاتے تھے۔ پہلے پہل وہ اس سے ملنے سے ڈرتی تھی اور جب پہلی بار ملی تو اس نے جانا وہ ایک بے ضرر سا انسان تھا۔ نہ وہ اسے بلاوجہ چھوتا تھا اور نہ کبھی اس نے کوئی فضول گفتگو کی تھی۔ پھر اس کا ڈر کھل گیا۔ خوف دور ہو گیا اور اب وہ اس کا سب کچھ تھا۔ جانے کیا ہونے والا تھا۔ جانے ارسل کے گھر والے اس سے مل کر کیا رہ ایکٹ کرنے والے تھے۔ جانے وہ انہیں پسند آتی بھی یا نہیں۔۔؟؟ بہت ساری باتیں دماغ میں چل رہی تھی۔ پچھلے پہر اس کی آنکھ لگی تھی اور فجر کے وقت اماں نے دروازا بجا بجا کر اٹھا دیا۔ وہ بھی بنا کچھ بولے اٹھ گئی۔ آج اسے دعا کرنی تھی۔ اپنی محبت کے لیے اور جانے

کتنے عرصے بعد اس نے دعا مانگی تھی۔ اس کے بعد نیند پھر سے کہیں دور جا سوئی۔ وہ اماں کے پاس ہی باورچی خانے میں بیٹھ گئی۔ اماں کو صبح صبح خالی معدہ چائے پینے کی عادت تھی۔

"ارسل کے گھر والے آج مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔۔" اس نے ڈرتے ڈرتے اماں کو آگاہ کیا۔ توقع کے مطابق اماں کے چہرے کے ساتھ تاثرات بگڑ گئے۔

"پہلے مجھ سے پوچھ کر جاتی ہے؟؟ "

"اماں میں ابا اور تیری مرضی کے بغیر تو یہ شادی نہیں کر سکتی۔۔" اس نے احتجاجاً بتایا۔ اماں نے چائے چھوٹے کپ میں ڈال دی۔

"دیکھ فجر عزت دار لوگ رشتہ مانگنے گھر آتے ہیں یوں لڑکی کو باہر نہیں بلاتے۔۔۔ "

بات تو اماں کی ٹھیک تھی۔ اسکے دل کو کچھ ہوا پر وہ خود پر قابو پاتے فوراً بولی۔

"رشتہ لینے وہ لوگ گھر ہی آئیں گے پر تو انہیں کدھر بٹھائے گی؟؟ یہاں اس گھر میں؟؟ اماں ان کے بیٹھنے کے لیے کرسی تک نہیں ہے۔۔" وہ خود پر قابو پاتے لڑ رہی تھی ارسل کے لیے اسکی محبت کے لیے۔

"جا تیرے باپ کو چائے دے آ۔۔" اماں نے اس کی بات نظر انداز کی۔ وہ اب آٹا گوندھنے کے لیے پانی گرم کر رہی تھی۔ باورچی خانے میں جلتے کوئلوں کی گرمائش تھی جس سے ہڈیوں کو سکون مل رہا تھا۔

"خالی پیٹ صبح صبح ابا کو چائے پلا دیتی ہے ایسے بیماری ٹھیک ہو گی کیا؟؟" وہ کپ اٹھاتے بڑبڑائی۔ جبکہ اماں کچھ نہ بولی۔ چائے اٹھا کر وہ اندر آئی تو ابا اپنے بستر پر، آنکھیں پھاڑے، لیٹا تھا۔ آنکھوں میں خوف واضح تھا۔

"جا منار چلی جا۔۔۔" وہ منار کو جانے کا کہہ رہا تھا جو اب جاتی ہی نہیں تھی۔ اس پر ہنستی رہتی تھی۔

"ابا۔۔۔" کمرے کی فضا میں عجیب سی مہک تھی۔ فجر نے بے اختیار دوپٹہ ناک پر رکھا۔ ابا کے بستر کے نیچے پیتل کا برتن رکھا تھا جس میں چولہے کی راکھ تھی۔ ابا کو اکثر کھانس کھانس کر قے آجاتی تھی اور اس کے لیے یہ برتن استعمال ہوتا تھا۔ اسی کی ہی بدبو کمرے میں پھیلی تھی۔

"ابا لے چائے پی لے۔۔۔" اس نے چھوٹے سے پرانے ٹوٹے پھوٹے میز پر چائے کا کپ رکھ دیا۔ پہلے ابا مٹی کی پیالی میں چائے پیتا تھا۔ پیالی کو کپ سے فجر نے ہی بدلا تھا۔ جیسے ہی وہ کپ رکھ کر مڑنے لگی ابا نے اس کا بازو پکڑ لیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو مدھم روشنی میں ابا کا چہرہ خوفناک لگا۔ وحشت سے پھٹی آنکھیں دیکھ کر فجر گھبرا گئی۔

"ابا کیا ہو گیا ہے تجھے؟؟" وہ اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی پر ابا کے ڈھانچہ نما بازو میں جانے اتنی طاقت کہاں سے آگئی تھی۔ فجر کو اپنی کلائی جلتی محسوس ہوئی۔

"تو بھی نہیں بچے گی۔ تو بھی مرے گی۔ تجھے بھی منار کی طرح مرنا ہو گا۔۔"

"ابا چھوڑ۔۔" اس نے زوردار جھٹکے سے اپنا بازو چھڑایا اور پھر کمرے سے نکل گئی۔ دل دھک دھک کر رہا تھا۔ آج کل سب اس کے دشمن بن گئے تھے۔

"ابا کو ہسپتال لے جا اماں پتا نہیں کیا اول فول بولے جا رہا ہے۔ پاگل ہو گیا ہے۔۔" اپنی جلتی کلائی سہلاتے وہ واپس آئی۔

"پیسہ کہاں سے لاؤں؟ پیڑ پر اگتے ہے کیا؟؟" اماں کا لہجہ تلخ تھا۔ وہ آٹا گوندھ چکی تھی۔

"جو رکھے ہیں انکا اچار ڈالے گی؟؟"

"تیرے بیاہ کے لیے رکھے ہیں۔۔ "

"مجھے نہیں چاہیے اور چند ہزار میں تو میرا کونسا جہیز بنالے گی؟؟ دل کھٹا ہو گیا۔

"جا چلی جا فجر! میرا دماغ نہ خراب کر۔۔ "

اس نے ایک نظر اماں کو دیکھا جو اب رات والا سالن گرم کر رہی تھی۔ ان کے لیے یہی سالن من و سلوی سے کم نہیں تھا۔

"میں جا رہی ہوں بس بتانے آئی تھی کہ ارسل میرا ہے۔۔۔ "

وہ اٹھنے لگی پر اماں کے چہرے پر ابھرتی طنزیہ مسکراہٹ اسے اندر تک سلگا گئی۔

"کسی کو اپنا مان لینے سے وہ اپنا نہیں ہو جاتا فجر۔۔!! "

وہ پتا نہیں اتنی تلخ باتیں کیوں کرتی تھی۔ فجر کا دل ڈوب کر ابھرا۔

"وہ میرا ہے اماں۔۔۔" اسے اپنی ہی آواز دور کھائی سے آتی محسوس ہوئی۔

"ہنہہ۔۔۔" اماں نے آگ پر تیل چھڑک دیا۔ فجر کو اپنی نم آنکھوں میں اماں کا وجود دھندلایا محسوس ہوا۔

"زمانہ بدل گیا ہے اماں۔ آج کل شادیاں ایسے ہی ہوتی ہیں۔۔" بودی سی دلیل دی۔ جانے خود کو دی تھی یا اماں کو۔

"زمانہ بدلنے سے روایات نہیں بدل جاتیں۔۔۔" اماں کی بوڑھی ہڈیوں میں جان باقی تھی۔ باہر چڑیوں کے چہچہانے کی آوازیں تیز ہو گئیں۔ فجر کا وقت ختم ہو چکا تھا۔ اماں اب آٹے کا پیڑہ بنانے لگی۔

"مجھے یقین ہے اماں اللہ نے اسے میرے لیے بنایا ہے اسے میرے لیے بھیجا ہے ورنہ وہ مجھے ملتا ہی کیوں؟؟ "

"اسکا سوچا ہے کبھی جس کے لیے اللہ نے تجھے بنایا ہے؟؟ اسے کل کو کیا جواب دے گی؟؟ ساری محبت کسی غیر پر لٹادی؟؟" اماں نے اس بار اس کا دل نکال کر انگیٹھی میں ڈال دیا۔ وہ لہولہان سینہ لیے کھڑی رہی۔ جلن بڑھتی گئی۔ اماں نے اب گرم توے پر روٹی ڈالی۔ اس نے کچھ سوچنا چاہا پر ارسل سے آگے کچھ نظر ہی نہیں آیا۔ آگے بس اندھیرا تھا۔

"ہماری محبت سچی ہے اماں اللہ ہم پر اپنا کرم کرے گا۔۔ "وہ پورے جذب سے بولی۔

اماں نے کہنا چاہا کہ **"ماں باپ کی محبت کے سامنے ساری محبتیں دم توڑ جاتی ہیں۔۔"** پر وہ خاموش رہی۔ فجر کو سمجھانے کا فائدہ نہیں تھا۔ وہ ارسل کی محبت میں پتھر ہو چکی تھی اور پتھروں سے سر پھوڑ کر کیا ملتا ہے؟؟

✿••✿••✿••✿

گھر سے نکلتے وقت اماں نے اسے ٹوکا۔

"یہ تیرا پہلا اور آخری موقع ہے فجر! یاد رکھ اس کے بعد کچھ بھی نہیں۔۔" اماں نے اسے یاددہانی کرائی۔ اگر اسکی محبت ہار جاتی تو اسے بلقیس کے لڑکے سے۔۔۔۔۔

"کبھی نہیں۔۔۔۔" وہ تصور بھی نہیں کر سکی۔

اور اب وہ اضطراب کی کیفیت میں بیٹھی ہاتھ مسل رہی تھی۔ پانچ بج چکے تھے پر ارسل اور اس کے گھر والے ابھی تک نہیں آئے تھے۔ آج وہ کل والے حلیے میں نہیں تھی۔

آج چہرہ میک اپ سے عاری تھا۔ بال بندھے تھے۔ ہلکے جامنی رنگ کا خوبصورت سا کھدر کا سوٹ پہنا تھا جس کھلا ٹراوزر سفید رنگ کا تھا اور سر پر قمیص کے ہم رنگ دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا جبکہ سفید گرم جیکٹ ٹھنڈ سے بچنے کے لیے پہن رکھی تھی۔ پاؤں سفید بند جوتوں میں مقید تھے۔ وہ نہیں چاہتی تھی ارسل کے گھر والوں کے سامنے وہ اوور لگے۔ وہ سمپل اور ڈیسنٹ لگنا چاہتی تھی۔ تیار تو وہ کبھی کبھی ارسل کے لیے ہوتی تھی۔

ریستوران کا دروازہ کھلا اور فجر نے بے تابی سے دیکھا پر آنے والا ارسل نہیں تھا۔ کندھے پر سیاہ بیگ لٹکائے ایک لڑکا اندر داخل ہوا۔ وہ آج پھر کل والے ریستوران میں تھی۔ دل تیزی سے دھڑک رہا تھا وہ چاہتی تھی ارسل کے گھر والے جلدی سے آئیں اور اس کے حق میں فیصلہ کر دیں تا کہ کانٹوں پر گزرتی یہ رات ختم ہو۔ آج وہ کپل ایریا میں نہیں بیٹھی تھی۔ بڑی سی میز کے گرد پانچ کرسیاں رکھی تھیں اور وہ ان میں سے ایک پر بیٹھی تھی۔ اب اس نے رخ پلٹ کر داخلی دروازے کی جانب کر لیا۔ گلاس وال اور گلاس ڈور سے باہر کا منظر واضح ہوا۔ وہ دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہی تھی جیسے اسکا کوئی بڑا امتحان ہو۔

اچانک ایک لمبی گاڑی باہر آ کر رکی۔ باہر کھڑا گارڈ اب گاڑی پارک کروا رہا تھا۔ یہ ارسل کی گاڑی نہیں تھی وہ اسے پہچانتی تھی۔ تبھی دروازہ کھلا اور ارسل باہر نکلا۔ فجر نے بے ساختہ خشک لبوں پر زبان پھیری۔ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑنے لگے۔ وہ فٹافٹ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ارسل اب گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول رہا تھا۔ ایک برقعے والی خاتون باہر نکلی۔ وہ انہیں ہی دیکھ رہی تھی۔

ساتھ والے میز پر بیٹھے لڑکے کی نظر اچانک اس پر پڑی۔

"Beauty in Purple.."

وہ ہولے سے بڑبڑایا۔ کل بھی وہ دونوں ایک وقت میں یہاں موجود تھے اور آج پھر۔ لیکن آج وہ اکیلی تھی اور بے چین تھی۔ وہ کندھے اُچکاتا اپنے فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔ آج پھر اس کے ہاتھ میں کیمرہ تھا اور عجیب سی ٹیپ ریکارڈر تھی۔ ہیڈ فون اس کے کانوں پر لگا تھا اور کیپ سر پر تھی۔ شاید یہ اس کا ازلی حلیہ تھا۔ وہ بھی وہاں کسی کا ویٹ کر رہا تھا۔

✿••✿••✿••✿

جاری ہے۔

* * * * * * *

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔۔۔

السلام علیکم احباب۔۔۔۔"

"ناولز کی دنیا" کے ناولز میں خوش آمدید ----

ناولز کی دنیا (NKD) کی جانب سے ناولز کو بغیر کسی غلطی کے آپ تک پہچانے کی کوشش کی گئی۔ اگر کوئی غلطی اس میں ملتی ہے تو اسے محض اتفاق سمجھا جائے۔ کیونکہ ناول کو پورا پروف ریڈ کر کے ہی پبلش کیا جاتا ہے چوک ہونا محض اتفاق ہوگا۔۔

نئے اور مختلف لکھنے والوں کے لیے "ناولز کی دنیا" ویب سائیٹ /گروپ / پیج / یوٹیوب چینل دے رہا ہے تمام لکھاریوں کو ایک ایسا پلیٹ فارم جہاں آپ اپنی خدا داد صلاحیتوں کو اپنے قلم سے تحریر کر کے اپنا اور اپنے ملک کا نام روشن کرسکتے ہیں --- اگر آپ کو بھی اللہ کی طرف سے یہ صلاحیت دی گئی ہے تو اسے اجاگر ضرور کریں --- ہمیں آپ جیسے ہی لکھاریوں کی تلاش اور ضرورت ہے---

اگر آپ ہمارے بلاگز پر اپنا ناول، ناولٹ،افسانہ،کالم،آرٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ہم سے رابطہ کریں -- اپنی تحریر اردو میں ٹائیپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ جتنا جلدی ہوسکا آپکی تحریر پوسٹ ہوجائے گی ---

مزید تفصیلات یا کسی بھی طرح کی مدد کے لیئے ہم سے گروپ یا پیج انباکس میں رابطہ کریں یا ای میل پر ہم سے رابطہ کرسکتے ہیں۔۔

Email address :- Novelskiduniya77@gmail.com

Facebook page :- Novels ki duniya

(user name @zoyatalib77)

Facebook group :- Novels ki duniya

Instagram Page:- Nkd (ZT) (UserName: Novelskiduniya77)

Youtube Channel: Novels Ki Dunya (NKD) Official

(پر خیال رہے کہ یہ گروپ زویا طالب کا ہی ہو) اور باقی کے رابطے کے لیئے ہر پیج کے نیچے **Blue** الفاظ میں لکھے لفظ میں آپکو لنکس مل جائے گے شکریہ۔۔۔۔۔

قسط نمبر:2

یہ اتفاق نہیں تو اور کیا تھا کہ وہ لڑکی کل بھی وہاں موجود تھی اور آج بھی۔ کل بھی وہ خوبصورت لگ رہی تھی اور آج بھی۔ وہ انسانوں میں دلچسپی نہیں لیتا تھا پھر بھی نا جانے کیوں یہ چہرہ اسے یاد رہ گیا۔ اس نے نوٹس کیا پھر سر جھٹک دیا۔

اور تبھی دروازہ کھلا۔ ارسل اپنے پیرنٹس کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ گلاس ڈور جیسے ہی کھلا پورے رستوران میں ونڈ چارم کی پرسوز سی آواز گونج گئی۔ یہ ونڈ چارم داخلی دوازے پر لٹکا تھا اور دروازہ کھلتے بند ہوتے ضرور بجتا تھا۔
رستوران میں داخل ہوتے ہی سیدھی لمبی روش تھی کو کاؤنٹر تک جا رہی تھی جبکہ دائیں بائیں سٹنگ ایریا تھا۔ دائیں جانب نارمل ایریا جبکہ بائیں جانب کپل ایریا تھا۔ ہلکے گلابی اور سفید رنگ کی دیواروں والا یہ رستوران شہر کا مہنگا ترین رستوران تھا۔ اور فجر آج دائیں جانب بیٹھی ان کا انتظار کر رہی تھی۔ آج کا دن جیسے فیصلہ کا دن تھا۔

تھری پیس سوٹ پہنے برہان گردیزی کے چہرے پر نرماہٹ بالکل بھی نہیں تھی جبکہ مسز برہان مکمل پردے میں تھی انکے تاثرات کا کچھ پتا نہیں تھا۔ ارسل فجر کو دیکھ کر اس کی جانب بڑھا۔

"السلام علیکم!" وہ بمشکل بول پائی۔ حلق میں کانٹے آگ آئے۔

"وعلیکم السلام۔۔"مسز برہان نے جواب دیا۔فجر نے گھبرا کر ارسل کی جانب دیکھا جس نے اُسے ریلیکس رہنے کا اشارہ کیا پر وہ خود کافی پریشان تھا۔ آنکھوں سے رتجگا واضح تھا۔برہان گردیزی نے اس کے سوال کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھا۔وہ چاروں جانب عجیب نظروں سے دیکھ رہے تھے شاید انہیں خطرہ تھا کہ کوئی انہیں وہاں دیکھ نہ لے۔

مستطیل میز کے دونوں جانب رکھی آرام دہ صوفہ نما کرسیوں میں سے چار پر وہ چاروں ٹک گئے تھے۔فجر کو اپنے چہرے سے تپش نکلتی محسوس ہو رہی تھی۔دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔وہ بار بار برہان گردیزی کو دیکھ رہی تھی جو وہاں غیر آرام دہ محسوس کر رہے تھے۔وہ چاہتے تو اسے گھر بلا سکتے تھے یا پھر اپنے آفس لیکن باہر کیوں؟؟

فجر سوچ ہی نہ پائی۔وہ سوچ ہی نہ پائی کہ اس کی اہمیت اتنی بھی نہیں کہ اسے گھر بلایا جاتا۔۔۔لیکن محبت نے آنکھوں پر پٹی باندھ رکھی تھی۔برہان گردیزی اپنے بیٹے ارسل گردیزی کے لیے خود آیا تھا۔وہ فجر معراج سے ملنے آیا تھا فجر کے لیے یہ بہت بڑی بات تھی۔

سیلنگ سے لٹکتے برقی قمقموں میں تذبذب کا شکار فجر دونوں ہاتھ گود میں گرائے بیٹھی تھی۔برہان گردیزی سرد وسپاٹ تاثرات لیے اسے گھور رہے تھے جبکہ مسز برہان کو وہ لڑکی پہلی ہی نظر میں اچھی لگی تھی۔

رستوران میں کافی کی تیز اور کیفین کی کڑوی سی، فوراً اثر کرنے والی، خوشبو پھیلی تھی۔رستوران ابھی خالی تھا چند ایک لوگ بیٹھے اور زیادہ تر کافی ہی پی رہے تھے۔گلاس ڈور پھر سے کھلا، ونڈ چارم کی سماعت کو سکون پہنچاتی آواز پھر سے گونجی اور ایک لڑکا اندر داخل ہوا۔وہ تیز تیز چلتا ہوا آیا اور پھر ساتھ والے ٹیبل پر بیٹھے اس ہیڈ فون والے لڑکے کے ساتھ آکر بیٹھ گیا۔

ساتھ والے میز پر بیٹھے ان چاروں کے درمیان پھیلی خاموشی بھیانک ہونے لگی تھی تو ارسل فوراً بولا۔

" بابا یہ فجر ہے۔۔" وہ فجر کی طرف دیکھتے بولا۔

" اور فجر یہ میرے بابا اور اماں ہیں۔۔" فجر مسکرائی۔ اس نے باری برہان اور مسز برہان کی طرف دیکھا۔ جانے کیوں بار بار ہونٹ خشک ہو رہے تھے۔ ویٹر آڈر لینے آیا تو ارسل نے کافی کا آڈر دے دیا۔

برہان گردیزی غور سے فجر کو دیکھ رہے تھے۔ وہ ایک خوبصورت لڑکی تھی۔ بیضوی چہرہ، روشن آنکھیں، لمبی گھنی پلکیں جو بار بار لرز رہی تھیں اور اس کی ٹھوڑی پر چمکتا وہ بھورا تل۔۔۔ ارسل تو کیا کوئی بھی لڑکا اس پر دل ہار جاتا۔ انہوں نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ جانے کیوں وہ چہرہ انہیں جانا پہچانا لگا۔

"کیا کرتی ہیں آپ مس فجر؟؟" بالآخر وہ بول پڑے۔ بیٹے کی خوشی کے لیے یہ سب ضروری تھا۔

"فیشن ڈیزائنگ کی اسٹوڈنٹ ہوں لاسٹ سمیسٹر چل رہا ہے۔۔" وہ بس اتنا ہی کہہ پائی۔

" ارسل کے ساتھ کیوں ہو؟؟" اگلا سوال ابھرا۔ عجیب غریب سا۔ فجر نے چونک کر نظریں اٹھائیں۔ اس کی نظریں ایک پل کو برہان گردیزی سے ٹکرائیں اور اگلے ہی پل اس نے ارسل کو دیکھا وہ خاموش بیٹھا تھا۔ اُسے خاموش بیٹھنا تھا۔ اسے یہ حکم تھا۔

"ہم ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ شادی کرنا چاہتے ہیں۔" اسے اپنی آواز دور کھائی سے آتی سنائی دی۔

" غیر مرد سے محبت کی اجازت کس نے دی۔۔؟؟ "

فجر کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس نے تڑپ کر ارسل کو دیکھا اور ارسل نے اپنے باپ کو۔ کوئی پوچھتا برہان گردیزی سے انہیں ایسے سوال کی اجازت کس نے دی تھی؟؟

" بابا پلیز۔۔۔" وہ احتجاجاً بولا۔

"ہمارے خاندان میں سات پشتوں سے عورتیں شرعی پردہ کرتی آ رہی ہیں۔ میں تمہیں اپنے خاندان کی بہو کیوں بناؤں۔۔؟؟" برہان گردیزی کے چہرے کے نقوش بھنچے ہوئے تھے۔ بھنویں سکڑی ہوئی تھیں اور آنکھوں میں کھلا استہزاہ تھا۔ فجر کا چہرہ خفت سے سرخ پڑا۔ وہ تو جانے کتنے جواب یاد کر کے آئی تھی لیکن یہاں تو سوال ہی بدل گئے تھے۔ اس نے ایک نظر برہان گردیزی کو دیکھا یہ نظر بڑی گہری تھی۔ خوبصورت نین نقش والا وہ شخص یقیناً اپنی جوانی میں کئی دلوں کی دھڑکن رہا ہو گا۔ سرمئی اور سیاہ بال ایک طریقے سے سیٹ تھے۔ قیمتی گھڑی کلائی میں بندھی تھی۔ تھری پیس سوٹ کے ساتھ چمچماتے جوتے پہنے وہ شخص اپنے بیٹے کی پسند کی لڑکی سے ملنے نہیں آیا تھا بلکہ وہ اسے ذلیل کرنے آیا تھا۔

"فجر کو میں نے چُنا ہے بابا۔۔" لہجے کو حد درجہ نارمل رکھنے کی کوشش کی گئی۔ ساتھ والے میز پر بیٹھے لڑکوں میں سے نئے آنے والے نے کسی بات پر قہقہہ لگایا جبکہ دوسرا، وہ فارنر، دھیمے سے مسکرایا تھا۔

ارسل کی بات سن کر برہان گردیزی نے گہرہ سانس فضا میں خارج کیا۔ ویٹر آڈر لے آیا تھا۔ ان کے سامنے اب سفید چمچماتے چوکور کپوں میں گہرے بھورے رنگ کی کافی رکھی جا رہی تھی۔ چند پل کی خاموشی چھائی اور پھر ویٹر چلا گیا۔

"جوان بیٹا ہے پلیز تھوڑا حوصلے سے کام لیں۔۔" مسز برہان نے اپنے پہلو میں بیٹھے اپنے شوہر سے عرض کی۔

" تمہارے ماں باپ کیا کرتے ہیں بیٹا۔۔۔" اس بار مسز برہان بولیں۔ فجر کو تھوڑا حوصلہ ہوا ورنہ وہ رو دینے کو تھی۔

" اماں ہاؤس وائف ہیں اور ابا بیمار ہیں وہ کچھ نہیں کرتے گھر ہی ہوتے ہیں۔۔" وہ شستہ لہجے میں بولی اور اب کافی کے کپ کے کناروں پر انگلی پھیر رہی تھی۔ برقی قمقموں میں اس کے ہاتھ اور اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔

"تو گھر کیسے چلتا ہے۔۔۔؟؟ "

کیا کسی نے اُن کو بتایا نہیں تھا کہ وہ لڑکی دیکھنے آئے تھے اپنے بیٹے کے لیے۔ اپنی کمپنی کے لیے کسی ملازم کو ہائر کرنے نہیں۔ وہ کوئی انٹرویو نہیں تھا پر انہیں کون سمجھاتا۔ مسز برہان نیک دل خاتون تھیں۔ لیکن شوہر کے آگے وہ بھی مجبور تھیں یا شاید یہ اُنکا پہلا موقع تھا انہیں اندازہ ہی نہیں تھا کہ بیٹے کی پسند سے کیسے ملا جاتا ہے اسے کیا رتبہ دیا جاتا ہے۔

" دکانوں کا کرایہ آتا ہے اور میں جاب کرتی ہوں۔" اگر وہ ارسل کے ماں باپ نہ ہوتے تو فجر معراج کافی اُن کے خوبصورت چہروں پر انڈیل کر جا چکی ہوتی۔ وہ اُن کے خوبصورت چہروں کو بگاڑ چکی ہوتی۔ وہ ان کی باہر کھڑی مہنگی گاڑی کو آگ لگا چکی ہوتی لیکن کمبخت وہ پھنس چکی تھی کیونکہ وہ ارسل کے ماں باپ تھے۔

"کیا جاب کرتی ہو؟؟" اگلا سوال ابھرا اور ارسل نے جبڑا بھینچ کر خود پر قابو پایا۔

" اسٹوڈنٹ ہوں اور پاکستان میں اسٹوڈنٹس کو کال سینٹرز میں ہی جاب کرنی پڑتی ہے۔۔" لہجہ تیکھا ہو گیا نا چاہتے ہوئے بھی۔ برہان گردیزی نے بھنویں اٹھا کر اپنے سامنے بیٹھی فجر معراج کو دیکھا۔ ارسل بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا۔

"کتنے بہن بھائی ہیں؟؟" وہ پتا نہیں کیا جاننے چاہ رہے تھے۔ سفید کپ میں رکھی گرم کافی اب ٹھنڈی ہو رہی تھی۔

" اکلوتی ہوں۔ ایک بڑی بہن تھی منار معراج تئیس سال پہلے انتقال ہو گیا۔" اس بار چونکنے کی باری برہان گردیزی کی تھی۔ پیشانی پر لکیریں ابھریں۔ انہوں نے بے ساختہ اپنی ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔

"فجر معراج۔۔۔ منار معراج۔۔۔ معراج الدین کی بیٹیاں۔۔"

کچھ تھا جو ماضی کے گزرے پنّوں سے جڑ گیا تھا۔ وہ اب سمجھے تھے سامنے بیٹھی لڑکی کا چہرہ اتنا جانا پہچانا کیوں لگ رہا تھا۔ انہوں نے بے ساختہ ارسل کو دیکھا جو خود پر قابو رکھے بیٹھا تھا جو چاہتا تھا اسکا باپ فیصلہ اس کے حق میں دے دے۔ اسی لیے وہ اُنکی باتیں برداشت کر رہا تھا۔ منار معراج کے نام پر چونکی تو مسز برہان بھی تھیں۔ اُنہوں نے بھی پہلو بدلا تھا لیکن کہا کچھ نہیں۔

انہوں نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا ماضی کسی روز یوں سامنے آجائے گا۔۔۔ آکر کھڑا ہو جائے گا۔

رستوران کا گلاس ڈور بار بار کھل رہا تھا۔ ونڈ چارم بار بار بج رہا تھا۔ لوگ آجا رہے تھے۔ فجر سنجیدہ سی بیٹھی تھی۔

"تمہاری بہن کی موت کیسے ہوئی؟؟"

اس سوال کی اس نے خواب میں بھی توقع نہیں کی تھی۔ وہ حقیقتاً پریشان ہو گئی تھی۔

" منار کا یہاں کیا ذکر؟؟"

"وہ تو مر گئی تھی۔۔۔"

"وہ لوگ منار کو کیسے جانتے تھے؟؟ "

"کیا کوئی راز ایسا تھا جس سے وہ ناواقف تھی؟؟ "

ہزاروں سوال دماغ میں کھلبلا اٹھے۔

" میری مری ہوئی بہن کا یہاں کیا ذکر۔۔۔؟؟" وہ واقعی اُلجھ گئی تھی۔ کیا والدین کے لیے اپنے بیٹے کی پسند کی لڑکی کو اپنانا اتنا مشکل کام ہوتا ہے؟؟ کیا وہ اُسے ایک موقع بھی نہیں دے سکتے؟؟ ہزاروں خدشے سانپ کی طرح پھن پھیلائے اس کے ارد گرد منڈلانے لگے۔ وہ اُسے ڈسنے کو تیار تھے اور فجر معراج کسی صورت یہ زہر برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

اُسکے الٹے سوال پر برہان گردیزی نے ایک گہرا سانس لیا اور اپنے اندر اٹھتے ابال کو دبایا۔ اب اُنکے چہرے پر گہری ناپسندیدگی تھی جسے اُنہوں نے چھپانا ضروری نہیں سمجھا۔

"مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے ارسل میرے ساتھ آؤ۔۔" وہ ارسل کو حکم دیتے اٹھ کھڑے ہوئے۔

ارسل نے بے چینی سے فجر کو دیکھا جو رو دینے کو تھی۔

" بابا۔۔۔" برہان گردیزی دروازے کی جانب قدم بڑھا چکے تھے جب ارسل نے پکارہ۔

"رائٹ ناؤ ارسل۔۔۔" وہ اونچی آواز میں بولے۔ پیچھے مڑ کر دیکھنا گوارہ نہیں کیا۔ انکی آواز پر ساتھ والے میز پر بیٹھے لڑکے نے چونک کر دیکھا۔ ارسل اب فجر کو دلاسہ دیتے ان کے پیچھے لپکا۔

فجر اور مسز برہان اکیلی بیٹھی رہ گئی تھیں۔ خاموشی چھا گئی۔۔۔ وقفہ لمبا ہوا۔ فجر سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اسکی کافی کب کی ٹھنڈی پڑ چکی تھی۔ وہ کرسی سے پشت ٹکائے گود میں رکھے اپنے ہاتھوں کو گھور رہی تھی۔ یہ سب اتنا آسان نہیں

تھااُسے آج سمجھ آیا تھا۔کسی بھی لڑکے کے لیے اپنے ماں باپ کو منانا اتنا آسان نہیں ہوتا۔کسی بھی لڑکی کے لیے اپنی محبت کی خاطر لڑنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔

"کیا یہ اتنا مشکل ہے؟؟"اس نے نظریں اٹھا کر مسز برہان کو دیکھا۔آنکھوں میں نمی کی تہہ تھی جسے وہ اندر چھپائے بیٹھی تھی۔مسز برہان نے نا سمجھی کے عالم میں اُسے دیکھا۔

"کیا اتنا مشکل ہے فجر معراج کو قبول کرنا۔۔۔؟؟"وہ ہولے سے بڑبڑائی۔مسز برہان کے دل کو کچھ ہوا۔انہیں اپنے بیٹے کی پسند سے مسئلہ نہیں تھا۔مسئلہ برہان گردیزی کو تھا۔وہ اپنے بیٹے کے لیے سات پردوں میں چھپی لڑکی لانا چاہتے تھے اور اب انہیں انکار کا ایک اور جواز مل گیا تھا۔

منار معراج۔۔۔۔ !!

✿••✿••✿••✿

گاڑی کی فضا میں اس وقت حبس تھی۔برہان گردیزی اپنا کوٹ اتار چکے تھے اور پیشانی پر انگوٹھا جمائے وہ اپنا غصہ ضبط کرنے کی کوشش کر رہے تھے جبکہ ارسل بے تابی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔وہ نہیں جانتا تھا اُسکے باپ کو کیا ہوا تھا پر وہ اُنہیں ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"بابا۔۔۔"بالآخر اس نے پکارہ۔

"تم جانتے ہو وہ لڑکی کون ہے؟تم جانتے ہو اُس کا خاندان کیسا ہے؟کیا تم اتنے اندھے ہو گئے محبت میں یہ تک نہ جان پائے اُس لڑکی کے خاندان نے ہمیں برباد کرنے کی قسم اٹھا رکھی ہے۔۔۔"وہ بولے تو بولتے چلے گئے۔چہرہ

لال بھبھوکا ہو چکا تھا۔ باہر دھنداتر آئی تھی جبکہ ارسل ان کی بات سن کر ششدر رہ گیا۔ اسکے خوبصورت چہرے پر پریشانی تھی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔

" یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟؟" وہ بمشکل بول پایا۔ وہ کسی صورت فجر کو نہیں گنوانا چاہتا تھا۔

" تم جانتے ہو تمہارا اکلوتا چچا نفسیاتی مریض کیوں ہے؟؟ جانتے ہو وہ وہیل چیئر پر کیوں ہے؟؟ جانتے ہو اسکی اس حالت کا ذمہ دار کون ہے؟؟ "

کوئی گہرا راز تھا جو کھلنے والا تھا۔ ارسل کا دل ڈوب کر ابھرا۔ اس نے پل کے ہزارویں حصے میں خواہش کی تھی کہ فجر کا اِس سے کوئی تعلق نہ ہو۔۔۔ پر کبھی کبھی زندگی ہمیں منہ کے بل گرا دیتی ہے جب ہمیں اس کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے یہ ہمیں دھوکا دیتی ہے۔ وہ بس اپنے باپ کو دیکھے گیا کچھ پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی۔

" اس لڑکی کی بہن اور اس کا خاندان، انہوں نے مل کر فرقان (چچا) کو اس حال تک پہنچایا ہے۔۔۔"

اور ارسل کا دل ڈوب گیا۔ وہ جانتا تھا اب کبھی ابھر نہیں پائے گا۔

" یہ لڑکی صرف تمہیں استعمال کر رہی ہے۔۔۔ "

ارسل کے ہونٹ بھنچ گئے۔

" میں کسی بے پردہ لڑکی کو پہلے ہی اپنے خاندان کا حصہ نہیں بنانا چاہتا تھا پر اب یہ سب جان کر کہ وہ کس خاندان سے ہے اس کا ماضی کیا ہے۔۔ اب تو بالکل نہیں۔۔"

ارسل نے ضبط سے آنکھیں میچ لیں۔

"وہ لڑکی میری زندگی ہے بابا۔۔۔ "آنکھوں کو جھپک کر نمی کو اندر کھینچنا چاہا۔

"اور میں۔۔۔؟؟ میں کیا ہوں تمہارے لیے؟؟ تمہارا چچا کیا ہے تمہارے لیے۔۔؟؟" وہ سخت لہجے میں بولے۔ وہ خاندان کو محبت کے مقابل لے آئے تھے۔

" میں اُس کے ساتھ جینا چاہتا ہوں۔۔ "

" یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ تمہارے چچا کو موت کے منہ میں بھیجنے کی ایک وجہ ہے۔۔۔؟؟" وہ کتنے سخت دل تھے۔ ارسل کے لب پھڑ پھڑا کر رہ گئے۔ وہ اب انہیں نہیں دیکھ رہا تھا وہ رستوران کے اس گلاس ڈور کو گھور رہا تھا جس کے پار وہ لڑکی بیٹھی تھی جس کے ساتھ اس نے ہزاروں خواب دیکھے تھے۔ وہ اس کے ساتھ جینا چاہتا تھا۔

" اماں آج بھی روتی ہیں فرقان کی یہ حالت دیکھ کر، وہ آج بھی اس لڑکی کو اور اس کے خاندان کو بد دعائیں دیتی ہیں اگر انہیں پتا چلا کہ تم اُسی لڑکی کی بہن کو اِس گھر کی بہو بنانا چاہتے ہو، وہ مر جائیں گی۔۔ "برہان گردیزی کاری وار کر رہے تھے۔ جانتے تھے بیٹے کو کیسے توڑنا تھا۔

" میں اُس کے لیے سب کچھ ہوں۔ میں نے اُسے چھوڑ دیا تو وہ ٹوٹ جائے گی۔۔ "اس نے ایک اور دلیل دی۔

"چاہے خاندان ٹوٹ جائے؟؟ چاہے باپ ٹوٹ جائے؟؟ میں نے تمہیں یہ تو نہیں سکھایا تھا ارسل۔۔۔ "انکے لہجے میں گہرا افسوس تھا جبکہ ارسل کا سانس سینے میں ہی اٹک چکا تھا۔

"میں اُسے چاہتا ہوں بابا۔۔۔ "اس نے جیسے منت کی۔

"اس جیسی ہزاروں آئیں جائیں گی ارسل۔۔۔۔ "خالص مردانہ لہجے میں کہا گیا۔ ارسل نے ضبط سے آنکھیں میچ لیں۔

"میں اُسے نہیں چھوڑ سکتا۔۔۔ "

برہان گردیزی کا خون کھول اٹھا۔

" ٹھیک ہے ہمیں چھوڑ دو۔چلے جاؤ اور کبھی پلٹ کر مت دیکھنا۔۔" یہ آخری فیصلہ تھا۔

"کیا آپ ایک بار۔۔۔" اس نے کچھ کہنا چاہا۔

" میرے جیتے جی وہ لڑکی ہمارے گھر کی بہو نہیں بن سکتی ارسل! میرے مرنے کا انتظار کرو پھر اپنی محبت نبھا لینا۔۔۔" تابوت میں کیل ٹھونک دیا گیا۔اور ارسل کے کندھے ڈھلک گئے۔کچھ دیر گہری خاموشی چھائی رہی پھر وہ خاموشی سے گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

آگے کیا کرنا تھا برہان گردیزی کو اسے سمجھانے کی ضرورت نہیں تھی وہ خود سمجھدار تھا۔

رستوران کے دروازے کی جانب بڑھتے اُسکے قدم من من کے ہو گئے۔کندھوں پر ڈھیروں بوجھ تھا اور دل تو حسرتوں اور خواہشوں کے بوجھ میں مارا گیا تھا۔

کاش دنیا کے سبھی ماں باپ اپنے جوان بیٹے کا وہ دکھ سمجھ پائیں جب اُسے ماں باپ اور اپنی محبت میں سے کسی ایک کو چننے کا حکم دیا جاتا ہے۔کاش وہ سمجھ پائیں کہ وہ جوان لڑکے، وہ توانا مرد اس وقت بھر بھری ریت کی مانند ڈھے جاتے ہیں۔اُنکے دل مر جاتے ہیں اور پھر کبھی وہ پورے دل سے مسکرا نہیں پاتے۔وہ وہ نہیں رہتے جو ہوتے ہیں وہ جیتے جی مر جاتے ہیں۔کاش ماں باپ یہ سمجھ پائیں۔آہ کاش۔۔۔۔ !!

گلاس ڈور کھول کر ارسل اندر داخل ہوا اور شکستہ قدموں سے فجر کی جانب بڑھا۔۔۔وہ اُسکی جانب جا تو رہا تھا پھر حقیقت میں اُس کی جانب اٹھنے والا ہر قدم اُس سے فجر کو دور لے جا رہا تھا۔اُسے دیکھتے ہی فجر کی آنکھوں کے جُگنوں جل اٹھے۔یوں جیسے تپتے صحرا میں چھاؤں مل جائے۔

پر فجر اُس کے ڈھلکے کندھے نہیں دیکھ پائی تھی اُس کے لیے اتنا کافی تھا وہ آ رہا تھا۔

ساتھ والے ٹیبل کے قریب سے گزرتے اُس کی سماعت سے چند الفاظ ٹکرائے۔

"ولیم تم بہت سارے ملک گھوم چکے ہو بہت خوبصورتی دیکھی ہے تم نے۔کہیں نظریں ٹھہریں ہیں؟؟سب سے زیادہ خوبصورت کیا دیکھا تم نے؟؟" وہ پاکستانی لڑکا اپنے ساتھ بیٹھے،سیاہ کیپ اوڑھے فارنر سے پوچھ رہا تھا جس کی نظر بے ساختہ اٹھی۔بیوٹی ان پرپل اس کے سامنے بیٹھی تھی۔۔۔۔ !!

اب ارسل فجر تک پہنچ چکا تھا۔فارنر لڑکے نے نگاہیں پھیر لیں۔

"بابا آپکا گاڑی میں ویٹ کر رہے ہیں۔۔" اس نے مسز برہان کو ہولے سے کہا۔ارسل کی آنکھوں کی بجھی جوت دیکھ کر وہ جان چکی تھیں فیصلہ کیا ہوا تھا۔انہیں اپنے چاند سے بیٹے کے لیے برا لگا پر انہیں اپنے شوہر کے احکامات پر چلنا تھا اس لیے وہ فجر کا گال تھپتھپا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"خدا تمہیں بہترین سے نوازے، تمہیں خوش رکھے آمین۔۔!!" وہ اسے دُعا دیتی پلٹ گئیں جبکہ فجر نے حیرانی سے انہیں دیکھا۔ایسی دعا کبھی اُسکی ماں نے اُسے نہیں دی تھی۔اُسے تو ہمیشہ بد دعائیں ملی تھیں۔

ارسل اب اس کے ساتھ نہیں بیٹھا تھا فاصلہ رکھ کر بیٹھ چکا تھا اس کا چہرہ جھکا ہوا تھا۔آنکھیں اٹھنے سے انکاری تھیں۔

"ارسل کیا کہا ہے انکل نے؟؟" وہ دھڑکتے دل پر قابو پاتے بولی۔ وہ خاموش رہا۔ کچھ بولنے کی ہمت کہاں تھی۔

" ارسل۔۔۔" اسکی خاموشی بری لگی تو فجر نے پھر سے پکارہ اور اپنا سرد ہاتھ بڑھا کر اسکا گرم ہاتھ تھامنا چاہا لیکن ارسل نے اپنا ہاتھ جھٹکے سے پیچھے کر لیا۔

اسکی یہ حرکت ایسی تھی کہ فجر کا دل ڈوب گیا۔ چہرے کا رنگ خفت سے پھیکا پڑ گیا۔

"ارسل۔۔۔" بے یقینی اور صدمے سے اسے پکارہ گیا۔

"ایم سوری فجر۔۔۔" وہ بولا بھی تو کیا۔ فجر کو کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا۔ انہونی کا احساس جو روح سلب کر لیتا ہے۔

"میں یہ نہیں کر سکتا میں اُنہیں نہیں چھوڑ سکتا۔۔ "

روح سلب کر لی گئی۔ فجر کا چہرہ سفید پڑ گیا کفن کی مانند۔

"وہ کہتے ہیں انہیں ایک شرعی پردہ کرنے والی بہو چاہیے جبکہ تم فیشن ڈیزائنر بننا چاہتی ہو۔ "

کیا یہ جواز تھا؟؟ وہ نظریں چرائے ہوئے تھا۔

"وہ تجھے آسمان سے زمین پر پٹخ دے گا۔۔۔" اماں کے الفاظ گونج گئے۔

اس نے آسمان سے زمین پر پٹخ دیا تھا۔ اور اتنی اونچائی سے گرنے کی تکلیف کوئی فجر سے پوچھتا۔ وہ بے یقینی سے ارسل کو دیکھ رہی تھی جو کسی مجرم کی طرح چہرہ جھکایا بیٹھا تھا۔ وہ جانتی تھی ارسل اپنی بات کا پکا تھا۔ اس نے کہا تھا

وہ اپنے ماں باپ کو اس سے ملوائے گا وہ لے آیا تھا اب وہ کہہ رہا تھا وہ اسے چھوڑ دے گا تو وہ چھوڑ دیتا۔ وہ پلٹ کر نہ دیکھتا۔

"وہ میرے ماں باپ ہیں فجر۔۔ "

"ماں باپ کے سامنے ساری محبتیں دم توڑ جاتی ہیں۔۔۔"

اماں نے ٹھیک ہی کہا تھا۔

"میں اُنہیں نہیں چھوڑ سکتا میں اپنے بابا کے خلاف نہیں جا سکتا۔۔۔ "

"وہ تجھے کبھی نہیں اپنائے گا۔۔۔"

اماں کی کہی ایک ایک بات سچ ہو رہی تھی۔

"ایم سوری۔۔۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا اور اسی پل فجر کسی برے خواب سے جاگی۔

"نہیں ارسل۔۔۔" اُس نے تڑپ کر ارسل کا ہاتھ پکڑ لیا گرفت مضبوط تھی۔ وہ ٹھہر گیا۔

ساتھ والے ٹیبل پر بیٹھے لڑکے ٹھٹک گئے۔ وہ فارنر الجھی نظروں سے اُنہیں دیکھنے لگا۔ ابھی کل ہی لڑکا اس لڑکی کو رنگ دے کر پرپوز کر رہا تھا اور آج۔۔۔۔۔۔ وہ ہاتھ چھڑائے جا رہا تھا۔ کیوں؟؟؟

اس کے ساتھ بیٹھے دوسرے لڑکے نے بڑے نامحسوس سے انداز میں کیمرے کا رخ ارسل اور فجر کی جانب کر کے ویڈیو ریکارڈنگ کا بٹن دبا دیا۔

" ارسل پلیز۔ آپ مجھے نہیں چھوڑ سکتے۔ آپ ایسے نہیں جاسکتے۔۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا ہاتھ کسی متاع جاں کی طرح پکڑا ہوا تھا جیسے وہ چھوٹ گیا تو سب ختم۔

ارسل نے اپنا بازو چھڑانا چاہا۔ وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا جانتا تھا اگر دیکھے گا تو پگھل جائے گا۔ وہ رخ موڑے کھڑا تھا۔

"ارسل مجھے آپ کے بنا جینا نہیں آتا۔ آپ مجھے لے جائیں میں انکل کو منالوں گی میں وہ سب کروں گی جو وہ چاہتے ہیں میں اُنکی ہر بات مانوں گی مم۔۔ میں۔۔۔" وہ بولتے بولتے سسکیوں سے رو دی۔

ساتھ والے ٹیبل پر بیٹھا وہ فارنر لڑکا بے چین ہوا۔ اس کے جبڑے بھینچ سے گئے۔ اپنی کرسی پر بلاوجہ ہی پہلو بدلنے لگا جبکہ دوسرا لڑکا بڑے مزے سے یہ تماشہ دیکھ رہا تھا بلکہ سب دیکھ رہے تھے۔

" فجر پاگل مت بنو لوگ دیکھ رہے ہیں۔۔" اسکا لہجہ سخت تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کوئی انکی ویڈیو بنائے اور گردیزی خاندان پر کوئی بات آئے۔

"آپ مجھے دیکھ لیں پلیز۔ ایک بار دیکھ لیں۔ میں آپکی فجر ہوں آپ نے کہا تھا آپ میرے ہیں۔ آپ نے کہا تھا ہم ساتھ رہیں گے۔ مجھے چھوڑیں مت ارسل۔۔۔"

لڑکوں کو جوتے کی نوک پر رکھنے والی فجر معراج کی انا اُسکا غرور سب دور جا سوئے۔ اُس سے بچھڑنے کا خیال روح فرساں تھا۔ وہ اُسے چھوڑ رہا تھا یہ ناقابل یقین تھا۔ یہ ناقابل بیان تھا۔

"فجر چھوڑو مجھے۔" ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑایا۔ وہ اُس کی پہنچ سے دور جانا چاہتا تھا اِس سے پہلے کہ وہ لڑکی اُسے اپنے فیصلے ڈگمگانے سے مجبور کر دیتی پر اگلے پل جو ہوا وہ نا قابل یقین تھا۔ وہ اُسکے قدموں میں بیٹھتی اس کا پاؤں پکڑ چکی تھی۔

لوگوں نے حیرت سے منہ پر ہاتھ رکھے۔ "ہاہ ہائے" کی آوازیں گونج گئیں۔

"کتنی بے شرم لڑکی ہے۔۔۔" کسی خاتون نے تجزیہ کیا۔

"اپنی سیلف ریسپیکٹ کا ذرا سا خیال نہیں۔۔" کسی نازک حسینہ نے نخوت سے بال لہرائے۔

"کوئی مجھے یوں ٹھکرائے میں تو اسے مڑ کر نہ دیکھوں۔۔" تبصرہ کیا گیا۔

"ارسل مجھے چھوڑ کر مت جائیں۔۔۔" کیسی آہ بکا تھی۔ ارسل کا برہان کا دل ساکت ہوا۔ یہ سب کرنے کا فجر معراج نے بھی کبھی تصور نہیں کیا ہو گا۔ اس کا دوپٹہ سر سے پھسل گیا۔

اُس کی کل کائنات ارسل تھا۔ وہ اُس کے لیے پاگل تھی۔ اُسے لگتا تھا ابا مر جائے گا تو وہ جی لے گی۔ اماں مر گئی تو بھی وہ جی لے گی پر ارسل بچھڑ گیا تو وہ مر جائے گی۔۔۔۔۔!!

اور اس پل فجر معراج کو اپنی موت چاروں طرف نظر آ رہی تھی پر وہ مرنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ جینا چاہتی تھی۔

"مجھے بھول جاؤ۔۔۔" گلے میں اٹکے آنسوؤں کے گولے پر قابو پاتا وہ پوری قوت سے اپنا پاؤں چھڑائے تیز تیز قدم اٹھاتا باہر نکل گیا۔ ایک آنسوں آنکھ سے پھسل کر گال پر بہتا چلا گیا تھا۔ گلاس ڈور کھلا اور بند ہو گیا۔ ونڈ چارم کی آواز پھر سے گونج گئی۔ رستوران میں موت جیسی خاموشی تھی۔ لوگ دم سادھے بیٹھے تھے۔

پیچھے وہ بیٹھی رہ گئی اکیلی۔ خالی ہاتھ خالی دامن !

وہ گھٹنوں میں سر دیے رو رہی تھی۔ اس کا وجود ہچکیوں کی زد میں تھا۔ اماں کی بد دعائیں قبول ہو چکی تھیں۔

ارسل برہان، فجر معراج کو چھوڑ کر جا چکا تھا۔ اُس نے اپنے ماں باپ کو چن لیا تھا۔ ایک بار پھر ایک محبت ماں باپ کے ہاتھوں دم توڑ گئی تھی۔ وہ رو رہی تھی ہچکیوں سے۔۔۔۔۔ اور ساتھ والی ٹیبل پر بیٹھا وہ فارنر لڑکا ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ولیم میں اُسکے بنا مر جاؤں گی۔ مجھے اُسکے بنا جینا نہیں آتا۔۔۔" اس کی سماعت سے کچھ جملے ٹکرانے لگے۔ کوئی دور اسے پکار رہا تھا کوئی اپنی تکلیف بیان کر رہا تھا۔

وہ اب اپنا کیمرہ بیگ میں ڈال رہا تھا وہ اپنی باقی چیزیں سمیٹ رہا تھا۔

"واٹ ہیپنڈ۔۔؟؟" اسے یوں اٹھتے دیکھ کر دوسرا لڑکا حیران ہوا۔ پر وہ کچھ نہ بولا۔ سپاٹ چہرہ لیے وہ اب اپنا بیگ کندھے پر ڈال رہا تھا۔

"ولیم پلیز ہیلپ می۔۔۔" نسوانی آواز تیز ہو گئی۔ کوئی اسکے قریب آ چکا تھا۔ کوئی اس کے داہنے جانب کھڑا تھا ایک ہیولا، پر وہ دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ سسکیوں کی آوازیں واضح ہوتی گئیں۔ وہ اسے التجائی نظروں سے دیکھ رہی تھی وہ اس کی مدد چاہتی تھی۔ پھر وہ جھٹکے سے مڑا اور تیز تیز قدم اٹھاتا گلاس ڈور کھول کر باہر نکل گیا۔ ہیولا ہوا میں تحلیل ہو گیا۔ ونڈ چارم کی آواز پھر سے گونجی اور ساکت ہو گئی۔

✿••✿••✿••✿

خوشیوں کے دن ہمیشہ چھوٹے ہوتے ہیں جبکہ غم کی شام لمبی ہو جاتی ہے پر فجر کی زندگی میں تو غم کی رات آئی تھی۔ ایسی لمبی رات جسکی کوئی صبح نہیں تھی۔ پرپل ڈریس میں سفید جیکٹ پہنے فجر کے چہرے کا رنگ بالکل جیکٹ جیسا سفید ہو چکا تھا۔ جانے وہ کتنی دیر رستوران میں بیٹھی رہی کسی میں ہمت نہیں تھی کوئی اسے اٹھاتا کوئی اسے بلاتا۔ پھر وہ کسی احساس کے تحت اٹھ کر باہر بھاگتے ہوئے باہر نکل آئی۔ اب وہ ارسل ڈھونڈ رہی تھی۔ آتی جاتی گاڑیاں دیکھ رہی تھی۔ پر وہ کہیں نہیں تھا اسے کہیں نہیں ہونا تھا وہ جا چکا تھا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پر فجر کے لیے یہ سب کسی برے خواب کی مانند تھا جیسے وہ بھی نیند سے جاگ اٹھے گی۔ وہ خود کو تھپڑ مار رہی تھی وہ خود کو اس برے خواب سے جگانا چاہتی تھی پر یہ خواب نہیں حقیقت تھی اور خوفناک تھی۔۔۔ !!

" ارسل۔۔۔ ارسل پلیز آجائیں۔۔۔" وہ وہیں کھڑی رہی۔ رستوران کے دروازے کے باہر، اُسکا نمبر ملاتی رہی پر مطلوبہ نمبر بند جا رہا تھا۔ وہ کھڑی رہی۔ ٹھنڈ سے ٹھٹھر گئی۔ ہونٹ نیلے پڑ گئے۔ گارڈز اسے دیکھ رہے تھے اور اسکی نگاہیں سڑک پر تھیں جیسے ابھی اسکی گاڑی آکر رکے گی اور وہ کہے گا۔

" دیکھو فجر میں آگیا۔ میں مزاق کر رہا تھا۔ ایم سوری۔۔ "

اور وہ اُسے فوراً معاف کر دے گی۔ وہ اس سے پہلی بار لپٹ جائے گی وہ اُسکو اور اسکی خوشبو کو قید کر لے گی وہ اسے کہیں نہیں جانے دے گی۔ پر وہ نہیں آیا۔ وہ واپس آنے کے لیے نہیں گیا تھا۔ رات کے دس بجے اور پھر گیارہ۔۔ وہ کھڑے کھڑے اکڑ گئی۔ آنکھوں میں آنسوں جم رہے تھے پر وہ رو نہیں رہی تھی۔ وہ انتظار کر رہی تھی۔ اسے یقین تھا وہ آجائے گا وہ رات کے اس پہر اسے اکیلا نہیں چھوڑے گا پر وہ نہیں آیا۔

"کیا آپ کسی کا انتظار کر رہی ہیں۔۔؟؟" گارڈ بالآخر قریب آتے بولا۔ فجر نے چونک کر اسے دیکھا۔ کچھ کہنے کے لیے لب کھولے پر وہ پھڑ پھڑا کر رہ گئے۔ الفاظ گلے میں اٹک گئے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔ آنکھیں لبالب بھر گئیں۔ اس نے بنا کوئی جواب پھر سے ارسل کا نمبر ملایا جو ابھی بھی بند جا رہا تھا۔ وہ اسے میسجز کر رہی تھی پر شاید اس کا واٹس اپ بھی بند تھا۔

"کیا وہ واقعی اسے چھوڑ گیا تھا؟؟" مشکل تھا بہت مشکل تھا یہ قبول کرنا۔ پھر وہ بنا کچھ بولے ایک جانب چل پڑی۔ گھر میں اماں ابا کے پاس فون نہیں تھا کوئی اسے پوچھنے والا نہیں تھا۔ چمچماتی روشنیوں میں رہنا اسے راس نہیں آیا۔ وہ اب فٹ پاتھ کنارے چل رہی تھی۔ دماغ کچھ سوچنے کے قابل ہوا تو الفاظ گڈمڈ ہونے لگے۔

" فجر باہر جاتے وقت دوپٹہ سر پر اوڑھا کر۔ عورت کی عزت اسی میں ہے۔" اماں کی آواز ابھری۔

"اوڑھتی ہو اماں بس کبھی کبھی اتر جاتا ہے اور ارسل کو کوئی مسئلہ نہیں ہے میرے دوپٹہ سر پر نہ اوڑھنے سے۔ ویسے بھی وہ لوگ بہت اوپن مائنڈڈ ہیں انہیں ویسے بھی یہ سب نہیں پسند ہو گا۔۔ " اسے اپنی آواز دور کھائی سے آتی سنائی دی۔

"انہیں شرعی پردہ کرنے والی بہو چاہیے۔۔ "

دل کٹ کر سینکڑوں ٹکڑوں میں بٹ گیا۔ اور ہر ٹکڑا تڑپ رہا تھا۔

"ایک بات تو بتائیں ارسل۔۔۔" اب وہ رستوران میں بیٹھی اس سے پوچھ رہی تھی۔ **"اگر آپکے پیرنٹس نہ مانے تو آپ کیا کریں گے؟؟ مجھے چنیں گے یا انہیں۔۔؟ "**

" وہ مان جائیں گے میں انہیں منالوں گا۔۔ "

پر اس نے فجر کی بات کا جواب نہیں دیا تھا اور فجر آج احساس ہو گیا تھا کہ اسے اپنے پیرنٹس کو ہی چننا تھا اس لیے وہ اسکی ایسی باتیں ٹال دیتا تھا۔

ہارن کی تیز چنگاڑتی آواز سنائی دی اور ایک گاڑی شوں کی آواز سے اسکے قریب سے گزری۔ وہ گاڑی سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی۔ اس نے آنکھیں پھاڑ کر چاروں جانب دیکھنا چاہا۔ گہری دھند میں اسے کچھ نظر نہ آیا۔ وہ حواسوں میں لوٹ آئی تھی اور اب سمجھ نہیں آیا کہ کہاں کھڑی تھی۔ اسے کچھ محسوس نہ ہوا نہ خوف نہ درد۔۔ وہ بس کھڑی رہی پھر فون نکال کر لوکیشن دیکھی تو گھر کے قریب ہی تھی۔ جانے وہ کب سے چل رہی تھی۔ رات کے اس پہر باہر اکیلے نکلتے جہاں عام لڑکیوں کی روح کانپ جائے وہیں فجر معراج اکیلی رہ گئی تھی۔ سامنے ہی مین سڑک تھی۔ وہ چلتے ہوئے وہاں تک آئی اور پھر ایک آٹو میں بیٹھ گئی۔ گھر کا پتہ اس نے سمجھا دیا تھا۔ آٹو والا موٹی چادر لپیٹے اب اس کے دیے گئے پتے کی جانب چل پڑا تھا۔

✿••✿••✿••✿

اماں موٹی چادر اوڑھے بے چینی سے صحن میں ٹہل رہی تھی۔ وہ سردی سے ٹھٹھر چکی تھی لیکن پریشان تھی کیونکہ فجر ابھی تک گھر نہیں آئی تھی اتنا لیٹ تو وہ آج تک نہیں ہوئی تھی۔ چاروں اور کہرا تھا اور سوکھی ٹھنڈ پڑ رہی تھی۔

"یا اللہ اس لڑکی کو عقل دے۔۔" وہ اسکی عقل پر ماتم کرتے بولی اور تبھی دروازہ کھٹکا۔ اماں تیزی سے دروازے کی اور بڑھی اور پٹ سے دروازہ کھولا۔ سامنے ہی وہ کھڑی تھی۔ لٹھے جیسا سفید چہرہ لیے۔ وہ کسی روبوٹ کی مانند کھڑی رہی۔

"یہ کوئی وقت ہے گھر سے باہر رہنے کا۔" اماں نے بازو سے پکڑ کر اسے اندر کھینچا۔ آج اس کی چال میں آج اس کے وجود میں وہ غرور وہ مان نہیں تھا جو تب ہوتا تھا جب جب وہ ارسل سے مل کر آتی تھی۔

فجر نے ایک نظر اماں کو دیکھا۔ خالی خالی سی نظر۔ اسکی ساری بد دعائیں قبول ہو چکی تھیں۔ وہ بنا کچھ کہے اندر کی جانب بڑھ گئی۔ اماں کی بھنویں سکڑ گئیں وہ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ آخر اُسے ہوا کیا تھا؟؟

وہ اس کے پیچھے پیچھے ہی کمرے تک آئی۔

"کیا ہوا؟؟ یہ مُردے جیسی شکل کیوں بنا رکھی ہے؟؟ "

اماں نے لہجے اور آواز کو سخت ہی رکھا۔ وہ کچھ نہ بولی۔ بیگ میز پر پھینک کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"بول فجر کیا ہوا ہے؟؟" کمرے کی دھیمی روشنی میں بیٹھی فجر اماں کو وہ فجر نہیں لگی۔

" تیری بد دعائیں قبول ہو گئی اماں۔ ارسل نے مجھے چھوڑ دیا۔۔۔" اماں کے کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔ چہرے کے تاثرات نرم ہوئے جبکہ دل پر منوں بوجھ آ گرا پر اگلے ہی پل اماں کے چہرے پر مسکراہٹ اُبھری۔۔۔ طنزیہ مسکراہٹ۔

" چل اچھا ہوا۔ سو جا اب۔ کل بلقیس کو بلاتی ہوں۔۔"

ان کے لہجے میں ذرا سا بھی تاسف نہیں تھا۔ وہ ذرا بھی افسردہ نہیں تھی۔ انکی اکلوتی بیٹی کا دل اجڑ گیا تھا پر اماں کو کچھ محسوس نہ ہوا۔ وہ دروازے میں کھڑی اسے دیکھتی رہی۔ فجر یونہی بیٹھی رہی۔

بلقیس اماں کے دور دراز کی رشتہ دار تھی جانے کس گاؤں میں رہتی تھی۔ اُسکا بیٹا کیا کرتا تھا وہ کچھ نہیں جانتی تھی نہ کبھی پوچھا تھا اور نہ دلچسپی تھی۔

اماں اُسکے جواب کی توقع کر رہی تھی پر وہ کچھ نہ بولی۔ خاموش رہی اور اِس خاموشی سے اماں کو ڈر محسوس ہوا۔ فجر خاموش رہنے والوں میں سے نہیں تھی وہ تو حشر نشر کر دیتی تھی۔ اماں کی ہر بات کا تڑخ جواب دیتی تھی۔ آج اُسے کیا ہوا تھا؟؟ اماں نے اُچنبھے سے منہ پر ہاتھ رکھا۔

"اب کیا بیٹھے بیٹھے پتھر ہونا ہے؟ سو جا چپ کر کے تیرے نصیب ہی ایسے ہیں۔۔" اماں کے لفظوں نے زخمی سینے کو چھلنی چھلنی کر دیا۔ اس نے بے ساختہ اپنے دونوں ہاتھوں کو پیالے کی شکل میں جوڑ کر ہاتھ کی لکیروں کو دیکھا۔

"کیا اُن میں ارسل نہیں تھا؟؟ کیا وہ اُسکا نصیب نہیں تھا؟؟ کیا وہ بلقیس کے لڑکے کے لیے بنی تھی۔۔؟؟" دل کرلایا تو آنکھوں میں آنسوں ابھر آئے۔

"تیرے ہاتھ خالی ہیں۔ ان میں کچھ نہیں ہے۔ کچھ تلاش نہ کر۔۔۔ سو جا۔۔" اماں نے ایک اور وار کیا اور پھر دروازہ بند کر دیا۔ وہ چہرہ ہاتھوں پر گرائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

کیا کسی نے کسی کو یوں بھی چھوڑا ہو گا؟؟

کیا کسی نے کسی کو یوں بھی جھٹکا ہو گا؟؟

کیا اسکی ساری وفاؤں کا صلہ یہ تھا؟؟؟

"ارسل۔۔۔۔" وہ تڑپ اٹھی۔

"ارسل واپس آجائیں۔۔۔" وہ بیٹھے بیٹھے بستر پر گر گئی۔ گھٹنے سینے سے لگائے وہ کسی گھڑی کی طرح گول مول سی پڑی سسک رہی تھی۔ وہ شخص اس کی روح نکال کر لے گیا تھا اور تکلیف جانے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

بیوٹی ان پرپل اس وقت تڑپ رہی تھی سسک رہی تھی۔

دنیا میں روزانہ نا جانے کتنے دل ٹوٹتے تھے، کتنے بریک اپس ہوتے تھے، کتنے رشتے ٹوٹتے تھے۔ کتنے پیارے بچھڑ جاتے تھے، مر جاتے تھے۔ سب کو تکلیف ہوتی ہو گی لیکن فجر کو لگتا تھا ساری تکلیفیں ملا کر اُسے دے دی گئی تھیں۔ درد حد سے سواء تھا اور ہمدرد کوئی نہ تھا۔

اماں بھرے دل کے ساتھ اپنے بستر میں آ کر لیٹ گئی۔

"تو جیت گئی فجر کی ماں دیکھ فجر ہار گئی۔۔۔" ابا کی آواز گونجی۔

" مجھے اُسکی خاموشی ڈرا رہی ہے۔۔۔" وہ ہولے سے بڑبڑائی۔ جبکہ ابا نے ہنسنے کی ناکام کوشش کی۔ جسم کو ذرا سا ہلانے پر انہیں کھانسی کا دورہ پڑتا تھا۔

"اب جیتنے کی باری میری ہے دیکھنا تو۔۔۔" ابا کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔ عجیب سی سفاکیت۔ آج منار بھی نہیں آئی تھی آج اسکی بھی ہار ہوئی تھی۔ اماں نے گھبرا کر ابا کو دیکھا پر کہا کچھ نہیں۔ آنے والے کل سے وہ ناواقف تھی۔

✿••✿••✿••✿

اگلے دن صبح سے ہی موسم ابر آلود تھا۔ وہ فجر کی نماز کے لیے نہیں اٹھی۔ اماں دروازہ بجا بجا کر چلی گئی لیکن وہ نہ اٹھی۔ صبح آٹھ بجے آسمان سیاہ گہرے بادلوں سے ڈھک گیا۔ ٹھنڈی ہوا ہڈیوں میں گھسی جا رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے دور کہیں بارش برس رہی ہو اور یہاں برسنے کو تیار ہو۔

"فجر اٹھ جا یونیورسٹی نہیں جانا تو نے؟؟" اماں آوازیں دے رہی تھی۔ انکے لیے سب کچھ نارمل تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

"فجر۔۔۔ نو بج گئے ہیں۔" اماں کی کوفت زدہ آواز ابھری۔

اور پھر کھٹاک سے کمرے کا دروازہ کھلا۔ فجر باہر نکلی۔ سوجھی آنکھیں، ستا ہوا چہرہ، وہ ساری رات سوئی نہیں تھی اور اس وقت سفید کھدر کا موٹا سوٹ پہنا ہوا تھا۔ سر پر سفید سکارف تھا اور سیاہ موٹی شال کندھوں پر تھی۔
اسکا چہرہ سپاٹ اور تاثرات سے عاری تھا۔ یقیناً وہ یونیورسٹی جانے کے لیے تیار تھی۔ پر سفید سوٹ پہن کر؟؟

وہ تو ہمیشہ سفید کے ساتھ کمبینشن میں پہنتی تھی۔

"کدھر جا رہی ہو صبح صبح؟؟" اماں نے اچنبھے سے پوچھا۔

وہ کچھ نہ بولی۔ بیگ کندھے سے لٹکائے وہ تیز تیز قدم اٹھاتی گیٹ کی جانب بڑھ گئی۔ یقیناً یونیورسٹی جا رہی تھی۔

"یونیورسٹی سے سیدھا گھر آنا بلقیس نے آنا ہے آج۔۔" گھر کا دروازہ پار کرتے اماں کی آواز سنی اور وہ پھر وہ دہلیز پار کر گئی۔ یہ سفید سوٹ اس نے ایسے ہی نہیں پہنا تھا۔ اپنی محبت کو ایک آخری موقع دینا تھا۔ وہ ارسل کے آفس جا رہی تھی۔

آٹو میں بیٹھے اُس نے شال کو اچھے سے خود کے گرد لپیٹا۔ ارسل کا ہونا کتنا محفوظ احساس دلاتا تھا اور اب وہ اکیلی تھی۔ یوں لگا جیسے پوری دنیا میں وہ غیر محفوظ رہ گئی ہو۔ آنکھوں میں نمی ابھری اور جلن بڑھ گئی۔

اس نے ساری رات سوچتے گزاری تھی۔ اس نے سوچا تھا وہ پہلے اسکے آفس جائے گی اسے منانے کی کوشش کرے گی۔ وہ اسکے لیے سب کچھ کرے گی۔ وہ شرعی پردہ کرلے گی وہ فیشن ڈیزائننگ چھوڑ دے گی۔ اور اگر وہ نہ مانا۔۔؟؟

پھر وہ کسی گاڑی کے نیچے آکر مر جائے گی کیونکہ وہ جی نہیں سکتی تھی۔ اپنی محبت ہار کر، اماں سے ہار کر تو بالکل نہیں۔ اسی لیے وہ سفید سوٹ پہن آئی تھی۔ کیا پتا کفن ملتا بھی یا نہیں۔۔۔!! اس وقت وہ سفاک تھی خود کے لیے اپنی جان کے لیے۔

وہ کبھی ارسل کے آفس نہیں گئی تھی۔ اس نے باہر سے بھی نہیں دیکھا تھا اور رات اس نے انٹرنیٹ سے اسکے آفس کی لوکیشن نکالی تھی۔ گردیزی ٹیکسٹائل کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے گردن پیچھے جھکا کر شیشوں والی اونچی عمارت کو دیکھا۔ شان و شوکت سے کھڑی گردیزی ٹیکسٹائل !

ایک گہرا سانس لیا پھر اپنا بیگ سنبھالتے اندر چلی گئی۔ صبح کے دس بج چکے تھے۔ یقیناً وہ آفس ہی ہو گا۔ اس نے موبائل نکالا اور اسکا نمبر ملایا پھر نمبر بند جا رہا تھا۔ اندر ریسیپشن پر پہنچنے کے بعد اس نے ارسل کا پوچھا۔

"آپکا تعارف؟؟" ریسیپشن پر بیٹھی خوبصورت سی لڑکی نے پوچھا۔

"میں فجر ہوں فجر معراج۔ آپ پلیز انہیں بتائیں وہ خود آجائیں گے۔۔" محبت یقیناً انسان کے سمجھنے کی صلاحیت مفلوج کر دیتی ہے ورنہ رات والے واقعے کے بعد وہ کبھی پلٹ کر اسے نہ دیکھتی۔

"اوکے میم!ویٹ کیجیے پلیز۔۔۔" وہ اب کریڈل اٹھائے مطلوبہ ایکسٹینشن ڈائل کر رہی تھی جبکہ فجر چمچماتی دیواروں اور فرش کو دیکھتے ہوئے اب تھوک نگل رہی تھی نگاہیں چاروں جانب ہی اسے ڈھونڈ رہی تھیں۔کاش وہ کہیں سے آجائے۔کاش وہ نظر آجائے۔

"جی سر۔۔۔اوکے سر۔۔" دوسری جانب سے کچھ کہا گیا۔لڑکی نے کریڈل واپس رکھ دیا۔

" سوری میم لیکن ارسل سر آپ کو نہیں جانتے آپ جاسکتی ہیں۔۔"فجر کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

وہ اسے نہیں جانتا تھا؟؟وہ جس نے ساتھ جینے کے کتنے خواب دیکھے تھے وہ اس سے انکاری تھا؟؟

"وہ مجھے جانتے ہیں۔۔۔" وہ اب فون پر اس کا نمبر ملا رہی تھی جو ابھی بھی بند تھا۔

"آپ پلیز میری ایک بار بات کروادیں مجھے بہت ضروری بات کرنی ہے۔۔"اس نے ریسیپشنٹ کی منت کی پر اسے بھی حکم ملا گیا تھا۔اسے اپنی جاب پیاری تھی۔

"پلیز میری ایک بار بات کروادیں۔۔" وہ رو دینے کو تھی۔سوکھے ہونٹ اور سوجھی آنکھیں لیے یہ دو دن پہلے والی فجر معراج نہیں لگ رہی تھی۔**بیوٹی ان ریڈ** والی فجر معراج !

"کیا ہو رہا ہے یہاں؟؟"ایک سخت سی آواز اسے عقب سے سنائی دی۔برہان گردیزی ابھی ابھی آفس میں داخل ہوئے اور فجر کو دیکھ چکے تھے۔فجر نے جھٹکے سے پلٹ کر انہیں دیکھا۔

"انکل میری بات سنیں۔۔۔" وہ بے تاب سی انکی جانب بڑھی۔

"وہیں رک جاؤ لڑکی۔۔۔"ہاتھ اٹھا کر اسے روکا گیا۔ان کے دائیں بائیں انکے دو ملازم کھڑے تھے۔

"اسے اندر کس نے آنے دیا؟؟" وہ اب گارڈز پر برس رہے تھے۔

"انکل مجھے ضروری بات کرنی ہے۔۔" اس نے سرخ متورم آنکھوں سے منت کی۔

"نکالو اسے یہاں سے باہر اور مجھے دوبارہ نظر نہ آئے۔۔" وہ نخوت سے کہتے آگے بڑھ گئے جبکہ گارڈز کے بھاری بوٹوں کی آواز ابھری۔ وہ فجر کی جانب بڑھے اب وہ اسکا راستہ روکے کھڑے سے۔ اسے باہر جانے کا کہہ رہے تھے۔

"انکل پلیز! میری بہن کی غلطی کی سزا مجھے مت دیں۔۔" وہ انکی جانب لپکی۔

انسان مرنے سے پہلے اپنے ہاتھ پاؤں مارتا ہے وہ پوری کوشش کرتا ہے کسی طرح بچ جائے وہ اپنا پورا زور لگاتا ہے اور فجر یہی کرنے آئی تھی۔ اسے موت اتنی جلدی قبول نہیں تھی۔

وہ ان تک پہنچنے کے لیے مچل رہی تھی۔ لیکن گارڈز نے اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ لیا اور فجر ساکت ہوئی۔

گارڈز اب اسے باہر لے جا رہے تھے۔

ایسی ذلت ایسی سبکی۔۔۔۔ کاش وہ مر جاتی۔۔۔۔ !!

"چھوڑو مجھے، ہاتھ مت لگاؤ۔۔" وہ خود کو چھڑانے کی ناکام کوشش کرنے لگی اور تبھی اس کی نظر اٹھی۔ بالائی منظر پر گول ریلینگ کے پار ایسکلیٹر کے قریب ارسل کھڑا تھا جو اس کا سب کچھ تھا۔ وہ خاموشی سے تماشہ دیکھ رہا تھا۔ وہ جو فجر کے کسی اور کو دیکھنے پر ہنگامہ کھڑا کر دیتا تھا آج وہ فجر کو گارڈز کے ہاتھوں ذلیل ہوتے دیکھ کر خاموش کھڑا تھا۔

وہ فجر معراج کی دنیا تھا وہ سب کچھ تھا۔ وہ اس کا بچھڑنا برداشت نہیں کر پا رہی تھی اور پھر ایک لمحہ ہوتا ہے وہ لمحہ جس میں ہماری محبت ہماری ہی نظروں میں گر جاتی ہے۔ اور فجر کے لیے یہ لمحہ وہی تھا۔۔ وہ آنکھوں پر چشمہ جماتے واپس پلٹ گیا۔ وہ آخری نظر تھی وہ آخری موقع تھا جو وہ شخص گنوا چکا تھا اور فجر کا سر جھک گیا۔ اس کی محبت اس کی اپنی نظروں میں گر گئی۔ گارڈز نے گلاس ڈور کھول کر اسے باہر نکال دیا۔

اور پھر ہر انسان کی زندگی میں ایک لمحہ وہ بھی آتا ہے جب وہ اپنے ہی دل پر قدم رکھ کر آگے بڑھ جاتا ہے۔

ارسل برہان کی زندگی میں یہ لمحہ ایک دن پہلے آ چکا تھا اور فجر معراج کی زندگی کا یہ لمحہ اب تھا۔

وہ لمحہ جو عذاب تھا۔۔! وہ لمحہ جو آغاز تھا۔۔!

ایک قدم رکھنا تھا دل پر اور سب آسان ہو جاتا بس وہ ایک قدم اٹھانا تھا۔ وہ پتھر کا بت بنے کھڑی رہی۔ دل جیسے سینے میں بند ہو چکا تھا۔ آنکھیں ضبط سے میچ لیں۔ محبت دل سے اتری تو اس نے دل پر قدم رکھ ہی دیا۔ گردیزی ٹیکسٹائل کی عمارت شان و شوکت سے کھڑی تھی۔ ہوا کے تھپیڑے اس سے ٹکرا کر واپس پلٹ رہے تھے۔ اب وہ گردیزی ٹیکسٹائل کے مخالف قدم بڑھا چکی تھی۔ پہلا قدم ارسل برہان سے دوری کا پہلا قدم۔۔۔ اسے لگ رہا تھا اس نے ارسل کو گنوایا تھا پر حقیقت یہ تھی وہ شخص فجر معراج کو گنوا چکا تھا۔ وہ اسے کھو چکا تھا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

✿••✿••✿••✿

بارش یک دم ہی شروع ہوئی اور پورے شہر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ وہ کندھے پر بیگ جمائے تیز تیز چلتا بس اسٹاپ کی جانب بڑھ رہا تھا۔ گیلی شاہراہ پر اس وقت گاڑیاں تیزی سے مخالف سمت میں آ جا رہی تھیں۔ بس اسٹاپ خالی

تھا۔ شہر کا یہ سب سے ڈیویلپڈ ایریا تھا شہر سے تھوڑا باہر جہاں بڑی بڑی عمارتیں کھڑی تھیں اور یہ ایریا ٹیکسٹائل انڈسٹری سے منسوب تھا۔

وہ جیسے ہی بس اسٹاپ پر پہنچا اس نے اپنا بیگ اتار کر بینچ پر رکھا جسکے اوپر لوہے کا شیلٹر بنا تھا اور نیچے مسافر دھوپ، سردی اور بارش کے موسم میں، کھڑے ہو کر بس کا انتظار کرتے تھے۔ شیلٹر کے دونوں جانب کی دیوار شیشے کی بنی تھی تاکہ بارش سے بچا جا سکا۔ مزید سمجھا جائے تو یہ ایک چھوٹی سی جھونپڑی ٹائپ بنا تھا جسکے آگے پیچھے کی دیوار خالی تھی جبکہ دائیں بائیں شیشے کی دیواریں تھیں۔ دن کے اس وقت بس اسٹاپ پر رش نہیں تھا لوگ اپنے اپنے دفتر وقت پر پہنچ چکے تھے۔ یہ سب سے بہترین موقع تھا۔ اس نے اپنے بیگ سے اسٹینڈ نکالا اور زمین پر جما دیا تین ٹانگوں والا یہ لوہے کا نازک سا دکھنے والا اسٹینڈ کافی مضبوط تھا۔ اِس کے بعد اُس نے کیمرہ نکالا اور اسٹینڈ پر جما دیا اور اسے تھوڑے سے فاصلے پر رکھا۔ ویڈیو ریکارڈنگ شروع ہو چکی تھی۔ اُسکا چہرہ سپاٹ تھا جبکہ ہاتھ تیزی سے کام کر رہے تھے اب اپنے بیگ سے ایک چھوٹی سی سیاہ رنگ کی اسپیکر نما گول مشین نکالی۔ یہ اتنی چھوٹی تھی کہ اِسے ہتھیلی میں بند کیا جا سکتا تھا۔ اس مشین کے ساتھ اُس نے ہیڈ فون کی تار اٹیچ کی اور سیاہ کیپ کے اوپر سے ہیڈ فون کو کانوں پر جما لیا۔ وہ اس وقت بھی سیاہ کیپ اوڑھے ہوئے تھا جس سے اُسکا آدھا چہرہ چھپا ہی رہتا تھا۔

بس اسٹاپ کی پچھلی جانب آدھے کلو میٹر کے فاصلے پر ایک بڑی سی عمارت تھی۔ گردیزی ٹیکسٹائل۔

وہ اپنا سیٹ اپ کر رہا تھا جب ایک لڑکا بھاگتے ہوئے بس اسٹاپ تک پہنچا وہ کچھ دیر اسے کام کرتے دیکھتا رہا اور پھر بس جیسے ہی بس آ کر رکی آٹو میٹرک دروازہ کھلا تو وہ اندر چلا گیا۔ بس سے دو لڑکیاں اتریں جنہوں نے چھاتہ پکڑا ہوا تھا وہ کچھ دیر اُسے دیکھتی رہیں اور پھر گردیزی ٹیکسٹائل تک جانے والی چھوٹی سی سڑک کی جانب چل پڑیں۔ شاید انکی آفس ٹائمنگ یہی تھی۔

ہیڈ فون کو کانوں پر سیٹ کرنے کے بعد اُس نے اس مشین کو چھوٹی سی گلاس وال پر جما دیا۔ وہ کسی مقناطیس کی طرح گلاس سے چپک گئی۔ گلاس وال پر پانی تیزی سے بہہ رہا تھا پھر اُس نے مشین پر موجود ایک چھوٹا سا بٹن دبایا اور آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ فاصلے پر رکھا کیمرہ یہ سب ریکارڈ کر رہا تھا جس میں اسکا چہرہ واضح نہیں تھا وہ اپنے چہرے کو سامنے نہیں لاتا تھا۔ وہ اب مشین کے پاس کھڑا تھا چہرہ جھکا ہوا تھا اور گلاس وال پر لگی مشین واضح نظر آ رہی تھی۔ سیٹنگ کرتے اس کے ہاتھ واضح تھے۔ سیاہ بیگی پینٹ پر بھوری اوور سائزڈ گول گلے والی اونی شرٹ پہنے وہ بند آنکھوں کے ساتھ کسی اور دنیا کا باسی لگا۔

جیسے ہی بٹن آن ہوا ٹپ ٹپ کی تیز آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ کوئی عام انسان اُسے دیکھے تو سمجھ ہی نہ پائے آخر وہ کیا کر رہا تھا۔

وہ ایک فیلڈ ریکارڈسٹ تھا۔ وہ قدرتی آوازوں کو ریکارڈ کرتا تھا۔

ہوا کی، بارش کی، پتوں کی، درختوں کی، گلیشیرز کی، پونڈ کی، پول کی، دریا کی، ریت کی، مٹی کی، گھاس کی، آندھی اور طوفان غرض کہ قدرتی طور پر پیدا ہونے والی ہر آواز کو ریکارڈ کرنا اُسکا کام تھا۔ اُس کے پاس مختلف میڈیمز کے لیے مختلف مشینیں اور ڈیوائس تھیں۔ وہ یہ آوازیں ریکارڈ کرتے وقت ویڈیوز بناتا تھا اور اس پل بھی وہ یہی کام کر رہا تھا۔ کئی ثانیے گزر گئے وہ یونہی کھڑا رہا۔

"ولیم ہیلپ می۔۔۔!!" تیز جھنجھناتی آواز اُبھری اور اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ جانے وہ کتنی دیر کھڑا رہا تھا۔ جانے اسکا دماغ کہاں غائب رہا تھا۔ اس نے چاروں جانب نظر دوڑائی کوئی بھی نہیں تھا۔ گاڑیاں شوں کی آواز سے گزر رہی تھیں۔ اس نے گہرا سانس لیا اور پھر اسٹینڈ پر لگے کیمرہ کے پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا۔ تھوڑا جُھکا اور

پھر سلو موشن پر سیٹ کر کے اس نے کیمرہ کا رخ بائیں جانب موڑا جہاں سڑک تھی اور گاڑیاں تیزی سے گزر رہی تھیں۔ بارش پہلے سے ہلکی تھی۔ اب وہ کیمرہ گھما رہا تھا سڑک سے ہوتا کیمرہ واپس گلاس وال پر چپکی مشین تک آیا اور پھر دائیں جانب مڑ گیا۔ بس اسٹاپ کے پیچھے پودے لگے تھے وہ اب زوم کر کے پتوں پر گرتی بارش ریکارڈ کر رہا تھا۔ کیمرہ تھوڑا اور دائیں جانب گھمایا تو پتلی سی سڑک پر، جو بس اسٹاپ کی جانب آ رہی تھی، وہ آتی دکھائی تھی۔ سیاہ شال لپیٹے ٹپ ٹپ گرتی بارش میں وہ غائب دماغی سے چل رہی تھی۔۔۔۔۔

اور کیمرہ وہیں ٹھہر گیا۔ ہاتھ ساکت ہوئے وہ جو کیمرہ کے لینز پر جھکا ہوا تھا وہیں رک گیا۔ گردن کو تھوڑا دائیں جانب گرایا کیمرہ لینز کی بجائے اپنی کتھئی آنکھوں سے اُسے دیکھا۔ سفید رنگ اس کا پسندیدہ رنگ تھا۔۔۔۔

"Beauty in White.."

وہ اس کے سامنے تھی وہ اسی جانب آ رہی تھی۔ سرد آنکھوں کا تاثر نرم پڑ گیا۔ بھنچے ہوئے جبڑے ڈھیلے پڑے۔ وہ انسانوں کی تصویریں نہیں لیتا تھا۔ وہ انہیں ریکارڈ نہیں کرتا تھا لیکن وہ اس کے کیمرہ میں خود بخود آ گئی تھی۔ وہ سیدھا ہوا اور کیمرہ بند کر دیا۔ اسٹینڈ سے اتار کر بینچ پر رکھا اور اسٹینڈ لپیٹ کر بیگ میں رکھنے لگا۔ وہ بس اسٹاپ تک آئی اور غائب دماغی سے کھڑی رہی۔ اس نے پاکستان میں پہلا بریک اپ دیکھا تھا۔ پہلی بار کسی لڑکی کو یوں کسی مرد کے پاؤں پڑتے دیکھا تھا۔

وہ وہیں کھڑی تھی شاید بس کا انتظار کر رہی تھی۔ اس کے کپڑے کسی حد تک گیلے ہو چکے تھے۔ ٹھنڈی ہوا چلنے کے باعث ہونٹ نیلے پڑ گئے جبکہ ناک سرخ۔

ولیم نے ایک نظر فجر کو دیکھا اور پھر اپنی مشین گلاس وال سے اتار لی۔ اس کا کام ختم ہو چکا تھا وہ وہاں سے جا سکتا تھا پر وہ گیا نہیں۔۔۔۔

وہ ملکوں ملکوں گھومتا تھا پر وہ لوگوں سے کم ہی بات کرتا تھا۔ اس وقت بھی اسے سمجھ نہ آیا بات کرنی چاہیے یا نہیں۔

وہ بت بنی اسکے بائیں جانب کھڑی رہی۔

"**ولیم۔۔۔**" اس کے داہنے کان کے قریب کسی نے سرگوشی کی۔ وہ پھر سے آگئی تھی۔ وہ ہیولا۔۔۔ وہ ساکت ہوا۔ وہ جانتا تھا وہ اسکے قریب ہی کھڑی تھی۔ سلک کے سفید لہلاتے سلیولیس گاؤن میں، بھورے اڑتے بالوں کے ساتھ، ننگے پاؤں وہ پھر آگئی تھی۔

"**ولیم ہیلپ ہر۔۔**" ایک اور سرگوشی ابھری۔ وہ ہمیشہ "**ہیلپ می**" کہتی تھی آج اس نے پہلی بار 'Help her' کہا تھا۔ وہ کسی اور کی مدد کرنے کا کہہ رہی تھی۔ ولیم نے ذرا سی گردن موڑ کر دیکھا۔ وہ بائیں جانب تھی۔

بیوٹی ان وائٹ عجیب سی نظروں سے دائیں جانب سے آتی تیز رفتار گاڑی کو دیکھ رہی تھی۔ وہ دیکھتی رہی۔ گاڑی قریب آرہی تھی اور پھر اگلے ہی پل وہ بس اسٹاپ سے نیچے اتری اب وہ اسکارخ سڑک کی جانب تھا وہ چاہتی تھی گاڑی اسے کچل دے۔ گاڑی مزید قریب آئی۔ ہارن بجنے لگا وہ انتظار کر رہی تھی گاڑی کے اور قریب آنے کا۔ مسافروں سے بھری، بڑی تیز رفتار بس، جو اسے کچل کر آگے بڑھ جاتی۔

وہ جانتا تھا اگلے پل وہ کیا کرنے والی تھی۔ اسکی حواس خمسہ بہت تیز تھی۔ وہ جانتا تھا وہ خودکشی کرنے جا رہی تھی۔ وہ جانتا تھا بریک اپ کے بعد اکثر لوگ ایسا کرتے ہیں۔ وہ سب جانتا تھا پر بت بنا کھڑا رہا۔ وہ اسکی مدد کرنا نہیں چاہتا تھا وہ چاہتا تھا بیوٹی ان وائٹ اس کے سامنے دم توڑ دے پر۔۔۔۔۔۔

"William Help Her.."

آواز اتنی اونچی تھی کہ ولیم کے وجود کو جھٹکا لگا اگلے ہی پل وہ اچھل کر فجر تک پہنچا اور اس نے اپنی پوری قوت سے اسے واپس کھینچ لیا۔ گاڑی ہارن بجاتی شوں کی آواز سے گزر گئی۔ وہ کسی خواب سے جاگی۔

"Are you Mad..??"

وہ غصے سے چلایا۔ دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ پسلیاں توڑ کر باہر نکلنے کو تیار۔۔۔۔ اور ایسی ہی حالت فجر کی تھی۔ وہ تو جیسے اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔ اس نے ایک پل کے لیے اپنے مردہ، ٹکڑوں میں بٹے وجود کو خون میں لتھڑے سڑک پر پڑا تصور کیا۔ اور اگلے ہی پل اس نے سر اٹھا کر دیکھا وہ اسکے قریب کھڑا تھا۔ شعلے بار آنکھوں سے اسے گھورتے ہوئے۔ وہ جبڑے بھینچے ہوئے تھا۔ اس کی کتھئی آنکھوں میں بے پناہ غصہ تھا اور اگلے ہی پل اس نے جھٹکے سے فجر کو خود سے دور کیا۔

"Do you think it's easy to die?"

(”تمہیں کیا لگتا ہے مرنا اتنا آسان ہے۔۔؟؟“)

وہ اب اپنا بیگ اٹھا رہا تھا۔ اسکی انگلش شستہ تھی۔ فجر اسے بخوبی سمجھ سکتی تھی کیونکہ انگریزوں سے بات کرنا اسکا روزانہ کا کام تھا۔

"Idiot, stupid.."

وہ اب اسے سنا رہا تھا۔ جھنجھلایا ہوا۔

"You Lily_Livered"

وہ جھٹکے سے مڑا اور انگلی اٹھا کر اسے نئے القاب سے نوازہ۔ بس نہیں چل رہا تھا ایک دو بار تھپڑ جڑ دیتا۔

فجر حیرت سے اسے دیکھے گئی۔ اس نے پہلی بار یہ لفظ سنا تھا اور اس کا مطلب ہوتا ہے **بزدل شخص**۔ اسکی انگلش اچھی تھی پر vocabulary ابھی اتنی اچھی نہیں ہوئی تھی۔ کوئی اور موقع ہوتا وہ فٹافٹ گوگل سے مطلب دیکھتی اور پھر فون ولیم کے سر میں دے مارتی پر فی الوقت فجر کے جبڑے بھنچ گئے۔ کچھ بولنا چاہتی تھی پر کچھ نہ بولی خاموشی سے قدم بڑھا کر بینچ پر بیٹھ گئی۔ جبکہ وہ اپنا سامان اٹھائے، بیگ کندھے پر لٹکاتا، دائیں جانب چل پڑا۔ وہ وہیں بیٹھی رہی۔ نظریں پھر سے خالی ہو گئی۔ دل ایک بار پھر کُرلایا۔ ہاں مرنا اتنا آسان نہیں تھا۔ بارش بند ہو گئی۔ آنکھیں پھر سے جلنے لگیں۔ اماں کی صبح والی بات یاد آئی۔

بلقیس کے لڑکے سے اماں اُس کی شادی کرنا چاہتی تھی۔ وہ ہار گئی تھی۔ وہ اماں سے ہار گئی تھی پر یہ ہار قبول نہیں ہو رہی تھی۔ ٹھٹھرتی سردی سے وجود کپکپانا شروع ہوا۔ وہ اب بینچ پر بیٹھی کانپنے لگی۔ کیوں بچایا تھا اُس نے؟؟ مر جاتی تو اچھا تھا۔ دل پر قدم رکھ کر آگے بڑھ آئی تھی وہ ارسل کو اپنی زندگی سے نکال چکی تھی پر دل کیوں تڑپ رہا تھا؟؟ اتنی ٹھنڈ میں بھی یہ جلن کم کیوں نہیں ہو رہی تھی؟؟

وہ تیز تیز قدم اُٹھاتا اُس سے دور ہوا۔ دماغ بری طرح گھوم چکا تھا۔

کیا ہوتا اگر وہ اُسے نہ بچاتا؟؟ بیوٹی ان وائٹ مر جاتی۔ وہ جھرجھری لے کر رہ گیا۔

"کیا تم اُسے ایسے ہی چھوڑ دو گے۔۔؟؟" وہ ہیولا اب اُس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ پر ولیم نے نظر اٹھا کر ہیولے کو نہیں دیکھا۔ آج بھی اُس کی وجہ سے اس نے ایک انجان لڑکی کی جان بچائی تھی۔

"اگر اُس نے پھر سے خود کشی کی کوشش کی تو؟؟" اِس بار وہ رک گیا۔ پلٹ کر دیکھا تو فجر وہیں بیٹھی تھی۔ اُس نے ضبط کرتے چہرے پر ہاتھ پھیر کر گہرا سانس فضا میں خارج کیا اور پھر واپس بس اسٹاپ کی جانب قدم بڑھا دیے۔ اگلے چند لمحوں میں وہ اُس سے کچھ فاصلہ رکھے بیٹھا تھا۔

وہ آکر بیٹھ تو گیا تھا پر نہیں جانتا تھا کیا بولے؟؟ بات کہاں سے شروع کرے؟ اُسے دلاسے دینے نہیں آتے تھے۔ وہ کسی کا دکھ نہیں بانٹ سکتا تھا پر اِس پل چاہتا تھا کہ وہ لڑکی جسکا نام تک وہ نہیں جانتا تھا وہ خود کشی کا نہ سوچے۔

"زندگی میں لوگ آتے جاتے رہتے ہیں، محبت بھی ہو جاتی ہے اور بچھڑ بھی جاتی ہے پر زندگی رُکتی نہیں۔۔" وہ خود کو ریلیکس کرتے بولا۔ لہجہ نارمل تھا فجر خاموش بیٹھی رہی۔

"زندگی میں آنے والا ہر شخص آپکا نہیں ہوتا اور کوئی بار بار آپکو بچانے نہیں آتا۔ اپنی زندگی کی قدر کرنا سیکھو۔" وہ ہولے ہولے بولتا رہا۔ فجر کے وجود میں کوئی جنبش نہیں ہوئی۔

"ویسے تمہیں میری بات سمجھ آرہی ہے نا؟؟ انگلش تو آتی ہے نا تمہیں۔۔؟؟" اس نے گردن کا رخ موڑ کر فجر کو دیکھا۔ اُسکی بات سنتے ہی فجر کی تیوری چڑھی۔ اس نے جھٹکے سے ولیم کو دیکھا اور اگلے ہی لمحے وہ چبا چبا کر بولی۔

"انگلش آتی ہے مجھے پر آپ کو گیان جھاڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔" اسکا لہجہ برٹش تھا۔ ولیم جتنا پر فیکٹ تو نہیں لیکن وہ اُسکی بات سمجھ گیا۔ وہ اب سڑک کنارے بنے چھوٹے سے کھڈے پر نظریں جمائے بیٹھی تھی جس

میں بارش کا صاف پانی جمع تھا اور شیلٹر کی چھت سے ٹپکتا پانی قطرہ قطرہ اس میں گر رہا تھا۔ ہر قطرے پر گول گول لہریں ابھرتیں اور کنارے تک آتی مٹ جاتیں۔ ٹپ کی آواز ابھرتی اور خاموشی چھا جاتی۔

"ایک فارنر جس نے تمہاری جان بچائی ہو اُس سے ایسے بات کرتی ہو تم؟؟" وہ ابرو اچکائے پوچھنے لگا۔

"تم جیسے لوگوں سے بات کرنا روز کا کام ہے میرا۔ میں اچھے سے جانتی ہوں فارنرز کو۔۔۔" وہ چاہتی تھی یہ بات جلد ختم ہو تا کہ وہ فارنر اسکی جان چھوڑ دے۔ اسکا ذہن فی الوقت کہیں اور الجھا تھا۔ اماں کی بد دعاؤں نے اس کی محبت چھین لی تھی اب اُسے اماں سے بدلا لینا تھا۔۔۔ پر کیسے؟؟ یہی سمجھ نہیں آرہا تھا۔

"اچھا ایسا کیا کرتی ہو تم؟؟" سوال پہ سوال۔ وہ انگریز پاگل تھا فجر کو تو کم از کم یہی لگا۔ اور انسانوں سے اُکتایا ولیم ایک اجنبی سے یوں بات کر رہا تھا اگر اسکے بہن بھائی دیکھ لیتے تو ضرور بے ہوش ہو جاتے۔

"کال سینٹر میں جاب کرتی ہوں۔۔۔" وہ ہولے سے بولی۔

"اومائے گاڈ۔۔۔" ولیم کو تو جیسے کرنٹ لگا۔

"تو وہ تم لوگ ہو؟؟" وہ آنکھیں پھاڑے اسے دیکھنے لگا۔ جیسے کوئی معمہ حل ہو گیا ہو۔ گہرا راز ہاتھ لگ گیا ہو۔

"تم لوگ ہو وہ جو ہمارے ساتھ Scam کرتے ہو؟؟" وہ گہرے صدمے سے بولا یوں جیسے یقین کرنا مشکل ہو۔ فجر کے ہونٹ بھنچ گئے۔ اس کی آنکھیں چھوٹی ہو گئیں وہ اسے گھور رہی تھی اور اگلے ہی پل وہ حلق کے بل چلائی۔

"اور تم لوگ جو پوری دنیا کے ساتھ سالوں سے کرتے آرہے ہو وہ کیا ہے؟؟" ولیم کو لگا کم از کم وہ اپنا بیگ اُسکے سر پر دے مارے گی یا اُسکا سر زمین میں۔۔۔بے ساختہ اُسکے لبوں کو مسکراہٹ نے چھوا جسے وہ چھپا گیا۔وہ یہی چاہتا تھا کہ وہ بے وقوف لڑکی خودکشی کو ذہن سے نکال دے۔وہ اُسکا ذہن بھٹکا رہا تھا۔

کچھ پل کی خاموشی چھا گئی وہ نہیں جانتا تھا کیا جواب دے۔پر اسے وہاں بیٹھنا اچھا لگا۔وہ جان گیا تھا وہ بیوٹی ان وائٹ بس دیکھنے میں معصوم تھی۔وہ شاید کسی ایک لیے ہی نرم تھی ورنہ باقیوں کو تو وہ شاید گھاس بھی نہیں ڈالتی ہو گی۔ باقیوں کے لیے یقیناً وہ ڈائن ہو گی۔

"کچھ سال بعد جب تمہاری شادی ہو جائے گی جب تم اپنے ہسبنڈ اور بچوں کے ساتھ ایک اچھی زندگی گزار رہی ہو گی تب تمہیں اس خودکشی کا خیال آئے گا اور تم خود پر ہنس دو گی۔۔۔"

وہ سنجیدہ تھا۔فجر کا دل پھر سے تڑپ اٹھا۔شادی کرنی ہوتی تو ارسل ہی کر لیتا اور اب وہ کس پر بھروسہ کرے گی؟؟ کسی پر نہیں کسی بھی مرد پر نہیں۔پر اماں کا کیا؟؟ اس نے اپنی ضد پوری کر لی تھی اور اب اماں بلقیس کے لڑکے سے اسکی شادی کی ضد لگا کر بیٹھی تھی اور پوری کیے بنا سکون سے نہ بیٹھتی۔ساری کوششوں کے باوجود ارسل جا چکا تھا۔آنکھوں میں آنسوں پھر سے بھرنے لگے۔خودکشی کی کوشش کے باوجود وہ بچ گئی تھی۔اب باقی کیا بچتا تھا؟؟ اماں سے بدلا۔بس اب یہی باقی تھا۔یہ تو طے تھا وہ کسی بلقیس کے لڑکے سے شادی نہیں کر سکتی تھی ہرگز نہیں۔۔ تو پھر ایسا کیا کرتی کہ اماں ویسے ہی ٹوٹ جاتی جیسے وہ ٹوٹی تھی۔ایسا کیا کرتی کہ اسے کبھی کسی سے شادی نہ کرنی پڑتی؟؟

وہ سوچ رہی تھی اور پھر ایک جھماکہ سا ہوا۔سنسناتی ہوا نے ماضی کے پنّے تیزی سے پلٹے۔

"اماں مجھے فیشن ڈیزائنر بننا ہے۔باہر پڑھنے جانا ہے۔اپنا نام بنانا ہے۔۔ "

"ہاں جیسے اورنگزیب کی بیٹی گئی تھی اور پھر وہیں کسی انگریز سے شادی کرلی۔۔۔" اماں کا جملہ سماعت سے ٹکرایا۔اورنگزیب کون تھا وہ نہیں جانتی تھی پر اُسکی بیٹی سے اماں کو شدید نفرت تھی۔وہ اکثر اُسکا ذکر برے لفظوں میں کرتی تھی۔

فجر آنکھوں کی چمک بڑھ گئی۔اسے بدلا لینے کی ایک کڑی مل گئی تھی۔

"اپنی زندگی آزادی سے جیو جب تک کوئی اچھا لڑکا تمہیں مل نہیں جاتا پھر اُس سے شادی کرلینا۔۔۔ "

اس نے گردن موڑ کر دائیں جانب بیٹھے ولیم کو دیکھا وہ اسے سمجھا رہا تھا۔

"مجھ سے شادی کون کرے گا؟؟" وہ ہولے سے بڑبڑائی۔ولیم نے اُسے دیکھا۔اپنی کتھئی آنکھوں سے۔۔۔۔

فجر کا چہرہ روشن تھا۔بالوں کی چند گیلی لٹیں دونوں جانب چہرے سے چپکی ہوئی تھیں۔خوبصورت ہونٹ نیلے پڑ گئے تھے، آنکھیں روشن تھیں اور اسکی ٹھوڑی پر چمکتا وہ تل۔۔۔۔

" ہولے سے بڑبڑایا۔یہ انگریز تعریف کے معاملے میں ذرا کنجوسی نہیں کرتے۔

دل بلاوجہ ہی گدگدایا اور وہ دل کو گالیاں دیتے چہرے کا رخ موڑ گیا۔

"کوئی بھی کرلے گا۔۔۔" وہ اُسے breathtaking کہہ رہا تھا جسکا نام تک نہیں جانتا تھا۔

"Will You??"

اس بار وہ جھٹکے سے مڑا۔فجر اپنی چمکتی آنکھیں لیے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔چہرے پر حد درجہ سنجیدگی تھی۔

وہ حیرت سے ساکت ہوا۔ کم از کم اُسے اپنی پوری زندگی میں یہ توقع نہیں کی ہو گی کہ کوئی لڑکی اسے یوں پرپوز کرے گی۔

"کیا تم مجھ سے شادی کر سکتے ہو؟؟" واضح الفاظ میں پوچھا گیا۔

وہ ناں کہنا چاہتا تھا وہ اٹھ کر بھاگ جانا چاہتا تھا وہ اس پر دل کھول کر ہنسنا چاہتا تھا پر۔۔۔ کئی گڈ مڈ جملے اُسکی سماعت سے ٹکرانے لگے۔ ہوا کے تھپیڑوں نے اسے بھی پیچھے دھکیلا۔

"بس کچھ وقت کے لیے۔۔" وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے کبھی پلٹ کر نہ آنا۔ مجھے تم سے نفرت ہے۔۔۔"

ولیم نے سانس لینے کی کوشش کی۔ دم سینے میں ہی گھٹنے لگا۔

"وہ تمہارا ملک تھا جہاں میری بیٹی نے تمہارے باپ سے شادی کر لی تھی ایک عیسائی سے۔ تم یہاں کر کے دکھاؤ کسی مسلمان سے شادی۔۔۔" کتنی تضحیک تھی۔ نفرت ہی نفرت تھی۔

ہارن بجاتی ایک گاڑی گزری اور وہ حال میں لوٹ آیا۔ ابلیس کے پروانے دونوں کی سماعت میں بدلے کی پھونک مار چکے تھے۔

"ولیم تم نے کسی مسلمان لڑکی سے شادی کی تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔۔۔" مختلف لوگ، مختلف آوازیں پر نفرت ایک جیسی تھی۔

وہ دونوں زخمی تھے۔ دونوں اپنے اپنے ماں باپ سے بدلا چاہتے تھے اور بدلے کی اس آگ میں کودنے سے ذرا دریغ نہیں کرنے والے تھے۔ دونوں نے اپنا مطلب دیکھا۔

"ہاں میں تم سے شادی کر سکتا ہوں۔ مجھے کوئی مسئلہ نہیں۔۔" ٹھنڈے لہجے میں کہا گیا۔

فجر کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ دونوں اپنی دماغ میں چلتی جنگ لڑ رہے تھے۔

✿••✿••✿••✿

جاری ہے۔

* * * * * * *

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔۔۔

السلام علیکم احباب۔۔۔۔"

"ناولز کی دنیا" کے ناولز میں خوش آمدید ۔۔۔۔

ناولز کی دنیا (NKD) کی جانب سے ناولز کو بغیر کسی غلطی کے آپ تک پہچانے کی کوشش کی گئی۔ اگر کوئی غلطی اس میں ملتی ہے تو اسے محض اتفاق سمجھا جائے۔ کیونکہ ناول کو پورا پروف ریڈ کر کے ہی پبلش کیا جاتا ہے چوک ہونا محض اتفاق ہوگا۔۔

نئے اور مختلف لکھنے والوں کے لیے "ناولز کی دنیا" ویب سائیٹ /گروپ / پیج / یوٹیوب چینل دے رہا ہے تمام لکھاریوں کو ایک ایسا پلیٹ فارم جہاں آپ اپنی خدا داد صلاحیتوں کو اپنے قلم سے تحریر کر کے اپنا اور اپنے ملک کا نام روشن کرسکتے ہیں ۔۔۔ اگر آپ کو بھی اللہ کی طرف سے یہ صلاحیت دی گئی ہے تو اسے اجاگر ضرور کریں ۔۔۔ ہمیں آپ جیسے ہی لکھاریوں کی تلاش اور ضرورت ہے۔۔۔

اگر آپ ہمارے بلاگز پر اپنا ناول، ناولٹ،افسانہ،کالم،آرٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ہم سے رابطہ کریں ۔۔ اپنی تحریر اردو میں ٹائیپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ جتنا جلدی ہوسکا آپکی تحریر پوسٹ ہوجائے گی ۔۔۔

مزید تفصیلات یا کسی بھی طرح کی مدد کے لیئے ہم سے گروپ یا پیج انباکس میں رابطہ کریں یا ای میل پر ہم سے رابطہ کرسکتے ہیں۔۔

Email address :- Novelskiduniya77@gmail.com

Facebook page :- Novels ki duniya

(user name @zoyatalib77)

Facebook group :- Novels ki duniya

Instagram Page:- Nkd (ZT) (UserName: Novelskiduniya77)

Youtube Channel: Novels Ki Dunya (NKD) Official

(پر خیال رہے کہ یہ گروپ زویا طالب کا ہی ہو) اور باقی کے رابطے کے لیئے ہر پیج کے نیچے **Blue** الفاظ میں لکھے لفظ میں آپکو لنکس مل جائے گے شکریہ۔۔۔۔۔

قسط نمبر:3

انسان جب اپنی انا پر آتا ہے تو وہ نفع نقصان نہیں دیکھتا بلکہ وہ ہمیشہ نقصان ہی اُٹھاتا ہے، سارے خسارے سمیٹ لیتا ہے، ذرا نہیں پچھتاتا، ذرا نہیں گھبراتا، ذرا نہیں ڈرتا۔

اور اس وقت وہ دونوں اپنی اپنی انا کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنے ہوئے تھے وہ دونوں سارے خسارے سمیٹ لینا چاہتے تھے پر کیا واقعی اُنکے حصے میں صرف خسارے آنے والے تھے؟؟

سیاہ بادلوں سے ڈھکے آسمان نے پورے سماں کو سرمئی سا کر دیا تھا۔ ہوا کے ساتھ بارش کی بوچھاڑ وقفے وقفے سے پڑتی اور رک جاتی۔

بس اسٹاپ پر بس اپنے وقت پر کئی بار رکی اور چلی گئی۔ پر وہ دونوں وہیں بیٹھے رہے۔

"مجھے تم سے شادی کرنے میں کوئی مسئلہ نہیں ہے ہاں پر مسئلہ تمہیں ہو گا۔" ولیم نے سادہ سے لہجے میں کہا۔ فجر نے سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھا۔ ہوا چلنے کے باعث اب اُسکے کپڑے سوکھ چکے تھے۔ چہرے سے چپکی وہ بالوں کی چند لٹیں بھی اب اڑ اڑ کر کبھی آنکھوں کو تو کبھی گالوں کو چھو رہی تھیں۔

"مجھے کیا مسئلہ ہو گا؟؟"

"تم مسلم ہو اور میں کرسچن۔ مجھے نہیں لگتا ہم اِس ملک میں مذہبی آزادی کے بنا شادی کر پائیں گے۔۔۔ "

فجر خاموش رہی کہہ تو وہ ٹھیک رہا تھا۔ وہ اب سامنے دیکھنے لگی۔ اُسکے بس میں ہوتا تو وہ فوراً یہ شادی کر لیتی۔ اُسے فرق نہیں پڑتا تھا ولیم کون تھا؟ فی الوقت وہ اُس کے لیے ایک ذریعہ تھا۔ ایک ہتھیار اپنوں سے بدلے لینے کے لیے اور بس۔۔۔ اِس سے آگے کچھ بھی نہیں۔

" لیکن اگر تم چاہو تو ایک طریقہ ہے۔۔" وہ اُس کی جانب مڑا۔ کتھئی آنکھیں فجر کی آنکھوں سے ٹکرا گئیں۔ تمام رنگوں سے واقف ولیم جوزف اس پل سمجھ نہیں پایا کہ فجر کی آنکھوں کا رنگ کیا تھا۔ جیسے سارے رنگ ملا کر کوئی ایک رنگ بنا دیا گیا ہو۔ سارے جذبے ملا کر کوئی ایک تاثر بنا دیا گیا ہو۔ جیسے سارے تارے توڑ کر اُسکی آنکھوں میں بھر دیے گئے ہوں اور جیسے سارا درد دھان کر دیا گیا ہو جیسے سارے سمندر ان آنکھوں میں جمع ہو گئے ہوں کچھ ایسی ہی اُسکی آنکھیں تھی۔

"میں مسلم ہو جاؤں یا تم کرسچن ہو جاؤ۔۔۔" عام سا جملہ تھا عام سی بات۔ ولیم جوزف نے فجر معراج کی آنکھوں کی پتلیوں کو پھیلتے دیکھا تھا پر وہ سمجھ نہ پایا وہ کیوں پھیلی تھیں۔ حیرت سے یا خوف سے؟؟ وہ خاموشی رخ پھیر گئی۔ یہ کرنے کی فی الوقت ہمت نہیں تھی۔۔۔ یعنی کچھ اور حل نکالنا تھا۔ پھر کچھ خیال آنے پر وہ دوبارہ اُسکی جانب مڑی۔

"کیا تم میرے لیے یہ کر سکتے ہو؟" چہرے پر معصومیت اور آنکھوں میں آس سجا کر پوچھا گیا۔

"کیا۔۔۔؟؟" ولیم نے کیپ والا سر اونچا کیا۔

" تم میرے لیے مسلمان ہو سکتے ہو؟؟" دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھا گیا۔ وہ اُسکی بات سن کر سوچ میں پڑ گیا۔ وہ اچھا کر سچن تھا پر کیا فرق پڑتا تھا اگر وہ ذرا سا ڈرامہ کر لیتا؟؟

اُسے ایک تیر سے دو شکار کرنے تھے اور اِس سے بہتر موقع کیا ہو سکتا تھا۔۔؟؟ وہ کئی ثانیے اسے دیکھتا رہا۔ خاموشی سے اور پھر فون نکالتے بولا۔

"Okay I will..."

کیا شان بے نیازی تھی۔ کیا فراخدلی تھی۔ فجر تو حیران رہ گئی۔ اور پھر اگلے لمحے وہ فون پر کوئی نمبر ملاتا اٹھ کر چلا گیا۔ اب وہ کسی سے فون پر بات کر رہا تھا۔۔۔ فجر اُسے دیکھ رہی تھی۔ وہ ایک کم عمر نوجوان تھا اس سے دو سال ہی بڑا ہو گا۔ بیگی پینٹ اور بھوری اوور سائزڈ اونی گول گلے والی شرٹ پہنے وہ اب ہاتھ اٹھا کر کسی سے بات کر رہا تھا۔ اُسکا رنگ انگریزوں جیسا سفید نہیں تھا یعنی حد سے زیادہ سفید جو عجیب لگے۔ اُسکا رنگ صاف تھا صاف شفاف۔

وہ سر پر کیپ اوڑھے رکھتا تھا اور ابھی تک اوڑھ رکھی تھی۔ پاؤں بند جوتوں میں قید تھے۔ وہ لمبا تھا۔ دبلی پتلی جسامت والا لڑکا بنا کسی جم مسلز کے تھا پر وہ کمزور نہیں تھا۔ وہ اسے یونہی دیکھے گئی خالی خالی نظروں سے اور پھر وہ فون بند کرتا واپس اُسکے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

" جنید آ رہا ہے وہ ہماری مدد کرے گا تم ایک بار پھر سوچ لو۔۔۔" وہ ہولے سے بولا۔ اب کی بار چہرے پر سنجیدگی تھی۔ فجر نے اس سے نظریں ہٹا کر ایک بار پھر روڈ پر گزرتی گاڑیوں پر جما دیں۔

"فجر نے جو سوچ لیا سوچ لیا۔ فجر معراج اپنے فیصلے نہیں بدلا کرتی۔" لہجے میں سختی تھی۔ وہ کچھ نہیں بولا۔

"تو ولیم جوزف شادی کر رہا ہے واؤ۔۔۔" وہ پھر آگئی تھی۔ وہ اُسکے لہراتے سلک کے گاؤن کی آواز سن سکتا تھا وہ اُسکے دائیں جانب کھڑی تھی اور جھک کر اُسکے کان کے قریب سرگوشی کر رہی تھی۔

"تم اتنے کمزور کب سے ہو گئے ولیم کہ بدلے کے لیے ایک لڑکی کو استعمال کرو۔۔؟؟" وہ اسے غصہ دلا رہی تھی۔ ولیم کے جبڑے بھنچ گئے۔

" جاؤ یہاں سے۔۔۔" وہ ہولے سے بڑبڑایا۔ اتنی آہستگی سے کہ پاس بیٹھی فجر نہ سن سکے۔ چہرے کی رنگت بدل گئی۔ نقوش تن سے گئے۔

"تم بزدل ہو ولیم جوزف۔۔۔" وہ اب ہنستے ہوئے چلی گئی جبکہ ولیم نے بے ساختہ پہلو بدلا۔ آج رات دس بجے اُسکی فلائٹ تھی۔ اُسے واپس جانا تھا اور جانے سے پہلے یہ کام اب ضروری سا لگ رہا تھا۔ شاید یہ اسکی زندگی کا سب سے برا ایڈونچر ہونے والا تھا۔

دونوں خاموش بیٹھے اپنی اپنی سوچوں میں سرگرداں تھے۔

آنے والے وقت کا سوچ رہے تھے تبھی وہاں ایک گاڑی آکر مین سڑک سے تھوڑا سائیڈ ہو کر رکی۔ دروازہ کھلا اور جنید باہر نکلا۔ یہ وہی لڑکا تھا جو کل ولیم کے ساتھ رستوران میں بیٹھا تھا۔ وہ گاڑی سے باہر آیا اور پھر فجر کو دیکھ کر ٹھٹھک کر رک گیا۔ اسے دیکھ کر ولیم اٹھ کر اسکی جانب چلا گیا۔

پہلے پہل جنید کو لگا ولیم مزاق کر رہا ہو گا پر اس نے فجر کو ساتھ بیٹھے تو وہ ساکت ہوا۔

"کیا تم سچ میں یہ کرنا چاہتے ہو؟؟" جنید اب کن انکھیوں سے فجر کو دیکھتے بولا۔ دونوں سوشل میڈیا پر ہی ملے تھے اور جنید ٹوور گائیڈ کے طور پر ولیم کی مدد کر رہا تھا۔ وہ ولیم سے انسپائرڈ تھا اور اسے اچھا دوست مانتا تھا۔

" ہاں تم نے بتایا تھا تمہارے انکل وکیل ہیں تو تمہاری ہیلپ چاہیے۔۔" وہ آرام سے بولا۔

" وہ سب تو ٹھیک ہے پر تمہیں پتا نہیں ہے وہ لڑکا جو کل اُسکے ساتھ تھا اُسکا تعلق کس خاندان سے ہے۔ میں اُنہیں جانتا ہوا گر اسے پتا چل گیا تو۔۔؟؟ اگر اُس نے کوئی ہنگامہ کھڑا کیا تو۔۔؟؟" جنید پھنس گیا تھا۔ وہ مدد سے انکار نہیں کر سکتا تھا پر معاملہ ایسا تھا مدد کرنا بھی نہیں چاہتا تھا۔۔

اسکی بات سن کر ولیم زیر لب مُسکرایا۔

" میں ولیم ہوں اور میں خود کو جانتا ہوں میں نے ہاں کر دی ہے میں پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔۔۔ "

جبکہ جنید بار بار گردن موڑ کر بت بنی بیٹھی فجر کو دیکھ رہا تھا۔ وہ پریشان تھا اور ساتھ ہی ساتھ فجر پر حیران تھا جو اتنا بڑا اقدم اٹھا رہی تھی۔ کیا واقعی وہ سنجیدہ تھی؟؟

" اب بتاؤ سب سے پہلا مجھے کیا کرنا ہے؟" ولیم نے اسکے کندھے پر ہاتھ رکھتے پوچھا۔ وہ قد میں جنید سے لمبا تھا۔ وہ کیا باتیں کر رہے تھے فجر کو کچھ اندازہ نہیں تھا۔

" برو تمہیں سب سے پہلے مسجد جانا ہے ک مسلمان ہونا ہے پھر آگے کا پروسیجر ہو گا۔۔" وہ جلے کٹے سے لہجے میں بولا۔

" اوکے لیٹس گو۔۔۔" وہ لہراتا فجر کی جانب پلٹ گیا تا کہ اسے بلا لائے جبکہ جنید وہیں کھڑا رہا۔ اسے یہ کام کرتے ڈر تو لگ رہا تھا پر وہ ولیم کو انکار نہیں کر سکتا تھا۔ جنید کے بار بار بلانے پر وہ پاکستان کی خوبصورتی دیکھنے آیا تھا پر جنید نہیں جانتا تھا اسے پاکستانی خوبصورتی اتنی بھا جائے گی کہ وہ ایسے ایڈونچر پر اتر آئے گا۔ اب وہ فجر کے قریب

کھڑا کچھ کہہ رہا تھا اور پھر وہ دونوں جنید کو اپنی طرف آتے دکھائی دیے اور پھر اگلے ہی لمحے فجر پیچھے بیٹھی تھی جبکہ ولیم جنید کے ساتھ آگے بیٹھا تھا اور جنید اب شہر کی سب سے بڑی جامعہ مسجد کی جانب گاڑی لے جا رہا تھا۔

فجر نے ہاتھ میں پکڑے موبائل کو دیکھا۔۔۔ ارسل کا چمچماتا میسج اسکرین پر دیکھنے کی عادت ہو گئی تھی کہ اب اسکے بنا موبائل فون بے کار لگ رہا تھا۔ دل میں ایک ٹیس سی اٹھی اور آنکھیں پھر سے لبالب بھرنے لگیں۔

" نہیں۔۔۔ بس اب اور نہیں۔۔۔" صبح والی تضحیک کیسے بھول سکتی تھی وہ۔ نظریں موبائل سے اٹھا کر گاڑی کے شیشے سے باہر دیکھا تو بارش ہلکی ہلکی پھر سے شروع ہو چکی تھی۔ گاڑی میں خاموشی چھائی تھی۔ شاید وہ دونوں فجر کی موجودگی میں خاموش تھے۔ گاڑی میں ہیٹر آن تھا اسے گرمائش کا احساس ہوا اور جسم کو سکون ملا تو آنکھیں بند کر کے گاڑی کے شیشے سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔

ارسل مسکراتا چہرہ ابھرہ اور فجر نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

آخر وہ شخص پیچھا کیوں نہیں چھوڑ رہا تھا؟؟؟

وہ رودی منہ پر ہاتھ رکھے، سسکیوں کو دباتے، بے آواز، تاکہ آگے بیٹھے وہ دونوں لڑکے اسکا مزاق نہ اڑائیں۔

اور تم انسان کی تکلیف نہیں سمجھ سکتے جو اپنی ہی سسکیاں دباتے بے آواز رو دے۔

جانے کتنی دیر وہ یونہی روتی رہی۔ آگے بیٹھے ولیم اور جنید جان گئے تھے۔ جنید نے ولیم کو اشارہ کیا جبکہ ولیم نے اسے خاموش رہنے کا جواب دیا وہ چاہتا تھا فجر رو لے۔ اسی لیے اسے رونے دیا۔ آدھے گھنٹے کی ڈرائیونگ کے بعد وہ لوگ اب ایک مسجد کے سامنے کھڑے تھے۔ سفید میناروں والی خوبصورت بڑی سی مسجد۔ اسکا گنبد سبز تھا۔ مرکزی شاہراہ پر بنی یہ مسجد کافی بڑی تھی۔ عید نماز کے موقع پر سارا شہر یہیں اکٹھا ہوتا تھا۔

گاڑی جھٹکے سے رک گئی اور فجر جیسے ہوش میں آئی۔

فٹافٹ آنکھیں صاف کرتی سیدھی ہو بیٹھی۔ ولیم نے ایک نظر باہر دیکھا۔ آسمان اور بھی سیاہ بادلوں سے ڈھک چکا تھا اور ٹھنڈی ہوا مزید تیز ہوئی۔ پھر اس نے کچھ سوچتے ہوئے اپنے بیگ کی زپ اوپن کی اور اندر سے اپنی سیاہ جیکٹ نکالی۔

"تم یہ پہن لو باہر کافی ٹھنڈ ہے۔۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر جیکٹ فجر کی جانب کی۔ وہ اسے منع کر دینا چاہتی تھی پھر کچھ سوچتے ہوئے جیکٹ تھام لی جبکہ جنید انہیں وہیں انتظار کرنے کا کہہ کر گاڑی سے باہر نکل گیا۔

اسے اپنے انکل سے بات کرنی تھی۔ فجر کی طرف سے کوئی نہیں تھا۔ کوئی اسکا ولی نہیں تھا اور ایسے میں کورٹ میرج بیسٹ آپشن تھا۔ وہ اسی سلسلے میں بات کرنے گیا تھا اور آج کی آج یہ کام لازمی تھا۔ گاڑی میں خاموشی چھا گئی۔ ولیم کے چہرے پر اب پہلے والا جوش نہیں تھا فجر کی حالت اسے الجھن میں ڈال رہی تھی۔

کیا وہ لڑکی اپنے ساتھ ٹھیک کر رہی تھی؟؟

کیا وہ اسکے ساتھ ٹھیک کر رہا تھا؟؟

کیا وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ٹھیک رہے تھے؟؟ وسوسے سر ابھارنے لگے تو اسکی انا نے سب کو کچل دیا۔

اس سے پہلے وہ کچھ بولتا مسجد کے اسپیکر سے آواز ابھری۔

"اللہ اکبر اللہ اکبر۔۔"

ظہر کی اذان تھی۔ ولیم ساکت ہوا۔ اُس نے پلٹ کر فجر کو دیکھا جو بے اختیار ہی موؤذن کے پیچھے زیر لب اذان کے الفاظ دہرانے لگی تھی اور ایسا کرنا ہمارے خون میں شامل ہے اس سے ولیم ناواقف تھا۔ دماغ جہاں بھی ہو، دھیان کہیں بھی ہو، انسان کوئی بھی کام کر رہا ہو لیکن اذان کی آواز کے ساتھ زیر لب دہرانا جیسے فطرت میں شامل تھا۔

اذان مکمل ہو گئی۔ ولیم یونہی بیٹھا رہا ساکت سا۔ جنید واپس آیا وہ اب فجر کو وہیں انتظار کرنے کا کہہ کر ولیم کو اپنے ساتھ مسجد کے اندر لے گیا۔

جیسے ہی وہ مسجد کے بڑے سے گیٹ سے اندر داخل ہوئے تو سکون سا اندر اترنے لگا۔ بائیں جانب ڈھیر سارے غسل خانے تھے جبکہ دائیں جانب نل لگے تھے۔ جنید خود تذبذ کا شکار تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا ایسی صورتحال میں کیا کیا جاتا تھا۔

سامنے ہی کھلا بڑا سا سرخ ٹائیلوں والا صحن اور دائیں جانب دیوار کے ساتھ ایک جانب پودے لگے تھے۔
مسجد کافی رقبے پر پھیلی تھی اور اسکے مینار جس شان و شوکت سے کھڑے تھے ولیم مرعوب نظر آیا۔ کچھ دیر بعد لوگ مسجد میں داخل ہوتے دکھائی دیے۔ سب نمازی تھے۔ نماز پڑھنے آئے تھے۔ سردیوں میں یوں بھی دن ذرا چھوٹے ہوتے ہیں تو وقت کم ہی ہوتا ہے۔

وہ سب قطار میں لگے نل پر بیٹھے وضو کر رہے تھے۔ پانی گرم آ رہا تھا۔ مسجد کا گیزر آن تھا۔ ولیم نے دیکھا بوڑھے بزرگوں کو، مردوں اور کم عمر لڑکوں کو دلجمعی سے وضو کرتے وہ سب ایک ساتھ بیٹھے ایک جیسا طریقہ اپنائے ہوئے تھے۔ یہ سب ویسا ہی تھا جیسے وہ ہر سنڈے چرچ جاتا تھا باقاعدگی سے۔ دل سے۔۔۔ وہ خدا کا پیروکار تھا۔ لیکن یہاں کچھ الگ محسوس ہو رہا تھا۔ وہ کسی ٹرانس کے زیر اثر سب دیکھ رہا تھا۔

" تم یہیں رکو میں امام صاحب سے بات کر کے آتا ہوں۔۔" جنید اسے وہیں چھوڑ کر جوتے اتارتے صحن کی جانب بڑھا جس کے دوسرے حصے پر مسجد کا اندرونی حصہ تھا۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے وہ واپس پلٹ آیا۔ اس نے اپنی جیکٹ اتاری اور ولیم کو تھمادی۔

"تمہاری وجہ سے اب مجھے نماز پڑھنی پڑے گی۔۔" وہ بے زار سا کہتا وضو کرنے نل کی جانب بڑھا اور پھر کچھ دیر وہ وضو کر کے اٹھا اس نے اونچی آواز میں دعا پڑھی۔ وہ عربی میں پڑھ رہا تھا ولیم سمجھ نہیں پایا لیکن وہ غور سے ایک ایک حرکت نوٹ کر رہا تھا۔ وہ دعا پڑھتا اسکی جانب آیا۔ وہ اب فولڈ کیے کف سیدھے کر رہا تھا۔

"تم روز نہیں کرتے عبادت؟؟" ولیم کی حیرت سے پوچھا۔ اسکی کتھئی آنکھوں میں الجھن واضح تھی۔

"نہیں۔۔۔ اتنا وقت کس کے پاس ہوتا ہے؟؟" وہ اب اپنی جیکٹ پہن رہا تھا۔ چہرے پر پانی کے قطرے چمک رہے تھے۔

"لاسٹ ٹائم کب کی تھی؟؟ "

جنید ٹھٹھک کر رکا۔

"شاید عید پر۔۔۔" گہری خفت نے آگھیرا۔

" پھر تمہیں یہ سب کیسے یاد رہتا ہے؟؟" ولیم نے اچنبھے سے پوچھا۔

" یہ سب اسٹپ بائے اسٹیپ جو تم نے اپنی کیا اور تم نے کچھ پڑھا۔۔۔ یہ تمہیں کیسے یاد رہتا ہے؟؟" وہ الجھی آنکھیں لیے اسے ہی دیکھ رہا تھا جبکی جنید ساکت ہوا۔ یہ تو وہ خود نہیں جانتا تھا۔ اسکے گھر میں سے شاید ہی کوئی شخص روز مسجد جاتا ہو گا وہ خود عید نماز ہی پڑھتا تھا پھر اسے کیسے دعا یاد تھی؟؟ کیسے وہ وضو کا ایک بھی اسٹیپ نہیں

بھولا تھا۔کیسے اس نے وضو کے بعد بے ساختہ آسمان کو دیکھا تھا۔کیسے اسکے لبوں نے اشھدان کہا تھا۔۔۔یہ گواہی تو بے ساختہ تھی۔وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔

"میں نہیں جانتا شاید یہ سب ہمارے اندر رہے ہمیشہ سے ایسے ہی۔۔۔" وہ اب اپنی جیکٹ پہن رہا تھا۔

ولیم کو حیرت ہوئی۔

"کیا مطلب؟؟میرے اندر کیوں نہیں کے۔۔؟؟" وہ الجھ چکا تھا۔

"تم یہ سب امام سے پوچھنا۔اب آؤ جماعت کھڑی ہو چکی ہو گی۔۔۔" وہ کہتا تیزی سے اندرونی حصے کی جانب بھاگا۔ اسکے قدموں میں تیزی تھی۔

وہ تو نماز نہیں پڑھتا تھا پھر یہ تیزی کس لیے؟؟ نماز چھوٹ جاتی جماعت چھوٹ جاتی تو کیا ہو جاتا۔۔؟؟

وہ کیا چیز تھی جو اسے الجھا رہی تھی ولیم خود بھی نہیں سمجھ پایا۔جیسے ہی وہ اندر پہنچے قطاریں کھڑی ہو چکی تھیں۔ جیند جلدی جلدی سب سے آخری قطار میں کھڑ ہو گیا۔جبکہ ولیم ایک جانب۔اس نے بیگ سے کیمرہ نکالا وہ پہلی بار انسانوں کو ریکارڈ کر رہا تھا۔لوگ ابھی تک آ رہے تھے اور کھڑے ہوتے جا رہے تھے۔یہ حصہ کافی پر سکون تھا۔ ولیم نے دیکھا وہ سب ایک ساتھ جھک رہے تھے پھر ایک ساتھ کھڑے ہوئے پھر وہ جھکے اور سجدے میں چلے گئے۔۔۔

ہاں یہ دلچسپ تھا۔چرچ میں اسے یہ نظارہ دیکھنے کو نہیں ملا تھا۔

اس نے تھوڑی سی ویڈیو بنائی پھر کیمرہ واپس رکھ دیا وہ اب چل پھر کر چاروں جانب سے مسجد کے اندرونی حصے کو وزٹ کر رہا تھا۔ اونچے اونچے ریکوں میں رکھے قرآن پاک اور دینی کتابیں۔۔۔ نمازی بہت زیادہ نہیں تھے پر جو تھے انہوں نے سماں باندھ دیا تھا۔

نماز پڑھ لی گئی۔ دعا ہو گئی۔ لوگ واپسی کے لیے پلٹ گئے اور کچھ قرآن پاک کونوں کھدروں میں بیٹھ گئے۔

آج کے دور میں اللہ والے کم تھے پر جو تھے وہ اللہ والے ہی تھے انہیں اللہ سے کوئی دور نہیں کر سکتا تھا۔

اس نے دیکھا جنید اب ایک سفید کپڑوں والے ادھیڑ عمر آدمی کے قریب کھڑا تھا۔ اس نے انگلی سے ولیم کی جانب اشارہ کیا۔ وہ آدمی امام مسجد تھا جس نے سفید ٹوپی اوڑھ رکھی تھی ولیم کو دیکھ کر وہ مسکرایا اور پھر وہ دونوں اسکی جانب بڑھے۔ جنید کے چہرے پر اب چمک تھی جبکہ ولیم کا دل بے ساختہ دھڑکا۔ وہ اسی جانب آ رہے تھے اور آتے ہی امام نے ولیم کو گلے لگا لیا۔ ولیم دھک سے رہ گیا۔ اس بے یہ توقع نہیں کی تھی۔ اس نے اپنی زندگی کے چوبیس سالوں کو یاد کیا ہوش سنبھالنے سے اب تک اس نے کبھی کسی کو گلے نہیں لگایا تھا۔ وہ یونہی کھڑا رہا ساکت تھا۔

دونوں ہاتھ پہلو میں تھے۔ بیگ کندھے پر۔۔۔ امام مسجد کے وجود سے اسے ایک گرمائش پھوٹتی محسوس ہوئی۔ وہ پودوں کے احساسات تک کو ریکارڈ کرنے والا فی الوقت اپنے احساسات سے انجان تھا۔ امام مسجد ہولے سے اس سے الگ ہو گیا۔ پھر اس نے ولیم کا کندھا تھپتھپایا۔

"شاباش۔۔۔" امام مسجد مسکرایا جبکہ ولیم نے آنکھیں پھیلا کر جنید کو یہ دیکھا۔

یہ سب کیا تھا۔۔؟؟ جبکہ جنید نے مسکراتے ہوئے کندھے اچکا دیے۔

"میں چاہتا ہوں تم سب سے پہلے غسل کر لو۔۔۔" پتا نہیں کیوں امام مسجد کے کندھے خوشی سے پھیلے ہوئے تھے۔ جنید نے انگلش میں فوراً ترجمہ کیا۔ ولیم نے سر اثبات میں ہلا دیا۔ پھر وہ اسے غسل کا طریقہ کی ویڈیو دکھانے لگا۔

اسکے بعد ولیم نے غسل کیا اور اس نے ہیڈ فون اور کیپ اتار دی تھی۔ اسکے بال گیلے تھے جسے امام نے مسجد نے اپنے کندھے سے سفید کپڑا اتار کر اسے صاف کرنے کو کہا۔

اسکے بعد اسے وضو کروایا گیا جیسے جنید کر رہا تھا۔ وہ خاموشی سے سب کر رہا تھا۔ یہ دلچسپ تجربہ تھا۔

" مجھے مسلمانوں سے نفرت ہے تمہارے سرکل میں دور دور تک کوئی مسلمان نہ ہو۔۔" اسکی سماعت سے باپ کی آواز ٹکرائی۔ لیکن وہ رکا نہیں۔ غسل اور وضو کے بعد وہ اب تینوں دوبادہ مسجد کے اندر بیٹھے تھے۔ گرم پانی سے نہانے کے بعد اب گرم ہال میں بیٹھے ولیم کو ذرا بھی ٹھنڈ محسوس نہ ہوئی۔ البتہ باہر گھپ اندھیرا چھا گیا تھا اور بارش پھر سے برسنے لگی تھی۔

" تم یہ سب اپنے لیے کر رہے ہو یا کسی اور کے لیے۔۔؟؟" امام مسجد نے ولیم سے براہ راست پوچھا۔ جنید کے چہرے کا رنگ اڑا اور اس نے ولیم کو دیکھا جو اسکے ترجمے کا انتظار کر رہا تھا۔ جنید کے پوچھنے پر ولیم نے اسے سچ بتانے کا کہا۔ جسے امام مسجد نے سن کر خاموشی سے سر جھکا لیا۔

"اس لڑکی کو بلا لاؤ۔۔۔" کچھ دیر بعد امام مسجد نے سر اٹھاتے جنید سے کہا۔ چہرے پر پہلے والی رمق نہیں تھی لیکن نرمی اب بھی ویسی ہی تھی۔

"میں چاہتا ہوں جس لڑکی سے شادی کرنے کے لیے یہ سب کر رہا ہے وہ اسکی گواہی کے وقت موجود ہو۔۔۔"

"جی امام صاحب۔۔۔" جنید فوراً اور نرم گرم سے قالین پر تیز تیز چلتا ہال کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ جاتے ہوئے وہ دروازے کے قریب رکھی چھتری لینا نہیں بھولا تھا۔ باہر تیزی سے بارش جاری تھی۔ آواز ایسی تھی جیسے ژالہ باری جاری ہو۔ وہ باہر گاڑی تک آیا اور پھر فجر کی جانب آتے تھوڑا جھک کر شیشے کو دو انگلیوں سے بجایا۔ وہ جو سر ٹکائے آنکھیں بند کیے لیٹی تھی فوراً اٹھی۔ جنید کے اشارہ کرنے پر وہ دروازہ کھول کر باہر نکلی۔ جنید نے چھتری اسے پکڑا دی۔

"امام مسجد آپ کو بلا رہے ہیں۔۔" جنید نے بارش سے بچنے کے لیے سر پر دونوں ہاتھوں کا سایہ کرتے ادب سے کہا اور فجر ایک ہاتھ میں چھاتہ تھامے جبکہ دوسرے سے سر پر دوپٹہ درست کرتی آگے بڑھی۔ جنید نے گاڑی لاک کی اور وہ دونوں اندر آ گئے۔ جنید بارش سے بچتے بھاگتے ہوئے اندر پہنچ گیا تھا جبکہ مسجد کے سرخ صحن میں، شفاف پانی کے درمیان، ننگے پاؤں چلتے، فجر نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ اسکی زندگی میں ایسا کوئی پل آئے گا۔ کچھ دیر بعد وہ اندر ان تینوں سے ذرا سے فاصلے پر بیٹھی تھی۔ ولیم کی دی جیکٹ پہنی ہوئی تھی۔ اس نے ولیم کو دیکھا تو حیرانی ہوئی اسکے سر پر کیپ نہیں تھی۔ اس کے بالوں کا رنگ اسکی آنکھوں جیسا تھا۔ کتھئی۔۔۔ گہرا۔۔۔ بالکل درخت کی سوکھی لکڑی جیسا۔

اور اسکے بال گھنے تھے جو کچھ پیچھے سیٹ تھے کچھ ماتھے پر گر رہے تھے۔ وہ بیگی پینٹ پر بالوں اور آنکھوں سے ہم رنگ موٹی اونی شرٹ پہنے ہوئے، پالتی مارے بیٹھا تھا۔ بالکل ویسے ہی جیسے جنید بیٹھا تھا۔ چاروں جانب جلتے برقی قمقموں میں اُسکا چہرہ چمک رہا تھا۔ وہ پہلی بار اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔ لمبی گردن، گلے میں ابھرتا Adam A، کسی بھی قسم کی داڑھی سے صاف چہرہ، روشنی پیشانی اور چمکتی آنکھیں۔ اسکی Jawline بہت

شارپ تھی۔ناک اٹھی ہوئی اور ہاں ٹھوڑی میں پڑتا گڑھا اس نے پہلی بار کسی لڑکے کی ٹھوڑی میں زنخداں دیکھا تھا۔وہ جنید کی کسی بات پر مسکرایا تو بھلا لگا۔

پر جو دل میں رہتے ہیں ان کے آگے سب ہیچ لگتا ہے۔

اب نظریں اسکے ہاتھوں تک آئیں۔رگیں تھوڑی سی ابھری ہوئیں تھیں۔لمبی انگلیوں والے صاف ہاتھ جو اسکی اوور سائزڈ شرٹ میں آدھے چھپے ہوئے تھے۔وہ فجر کو اس وقت کسی بھی قسم کی پریشانی سے آزاد لگا۔کسی بھی قسم کے دباؤ سے کسی بھی قسم کے منفی اثر سے۔۔۔۔وہ آزاد تھا۔وہ پریشان بھی نہیں تھا۔وہ یہ سب کیوں کر رہا تھا؟؟؟ اور تبھی فجر جی نظر اس کے سینے پر ٹنگی چھوٹی سی مشین پر پڑی۔ولیم نے اس چھوٹی سی ریکارڈنگ مشین کو اپنے بائیں جانب دل کے مقام پر لگا رکھا اور اسکی لمبی تار نیچے پہلو کے قریب رکھی ٹیپ ریکارڈر سے جڑی تھی۔وہ یہ تجربہ پہلی بار خود پر کر رہا تھا وہ اپنے ہی دل کی دھڑکن سننا چاہتا تھا۔وہ اسے ریکارڈ کرنا چاہتا تھا اس سارے تجربے کے دوران۔ہاں وہ عجیب ہی تھا۔

امام نے ایک نظر فجر کو دیکھا۔

"میں شروع کرنے لگا ہوں اور آپ کو اس بلایا تا کہ آپکے سامنے سب ہو۔۔" وہ کچھ نہ بولی۔ہال میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر لگے پلر میں سے ایک کے ساتھ پشت ٹکائے بیٹھی رہی۔ابا کا خیال آیا دل سکڑ کر پھیلا پر اگلے ہی پل اماں کی بد دعائیں یاد آئیں تو نفرت کی لہر پورے جسم میں پھیل گئی۔

امام مسجد اب بسمہ اللہ پڑھ رہا تھا۔ولیم نے ایک نظر اٹھا کر فجر کو دیکھا۔بیوٹی ان وائٹ اسکی جیکٹ پہنے ہوئے تھی۔ وہ اسکے بھروسے یہاں آئی تھی اور اگلی ہی نظر اس نے پہلو میں رکھے اپنے ہاتھوں پر جمالی۔

"میں گواہی دیتاہوں نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے۔۔۔"

اس نے ولیم کو امام مسجد کے پیچھے اپنے برٹش لہجے میں دہراتے سنا اور تبھی بیگ میں رکھا فون تھرتھرایا۔ وہ بند ہی نہیں ہو رہا تھا۔

اس نے بیگ سے نکالا تو ارسل لکھا چمک رہا تھا۔ فجر کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ ارسل کے نام کے ساتھ وہ گلابی پھول بھی تھا۔ اس کے ہاتھ کپکپا گئے۔ گھبرا کر چاروں جانب دیکھا کوئی نہیں تھا سامنے ولیم تھا جو شہادہ پڑھ رہا تھا۔۔۔ سب آہستہ آہستہ غائب ہونے لگا۔

کیا وہ اسکا فون نظر انداز کر سکتی تھی۔۔۔؟؟ کبھی نہیں۔

کپکپاتے ہاتھوں سے یس کرتے کان سے لگایا۔

"فجر۔۔۔" اور فجر کا دل رک گیا۔ دو دن وہ کتنا تڑپی تھی یہ پکار سننے کے لیے۔ اس پکار پر اسکی دنیا رک جاتی تھی۔ پتھر ہوا دل دھڑکنے لگا۔ وجود کپکپا اٹھا اور آنکھیں بھیگتے چلی گئیں۔ بارش ابھی بھی جاری تھی۔ لیکن فجر کی ساری سماعت فون کے دوسری جانب سے ابھرتی آواز پر جمی تھی۔

فجر نے جان لیا تھا ہم کسی بھی Love کو فوراً Unlove نہیں کر سکتے۔

یہ اتنا آسان نہیں ہوتا یہاں تک کہ وہ شخص Love کی وجہ ختم نہ کر دے۔

"اور میں گواہی دیتاہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ "

"ایم سوری فجر میں تمہارے بنا نہیں رہ سکتا۔۔۔" وہ بھرائے لہجے میں بولا۔

فجر نے بے ساختہ ولیم کو دیکھا۔ امام مسجد نے اسکے کندھے پر ہاتھ رکھا ہوا تھا وہ جنید کی کسی بات پر مسکرایا۔

"میرے پاس ایک آپشن ہے ہم ساتھ رہ سکتے ہیں۔۔۔" وہ جلدی جلدی بول رہا تھا۔

" ہم دونوں کورٹ میرج کر لیتے ہیں۔ کسی کو نہیں بتائیں گے۔ میں تمہیں خوش رکھوں گا اور بابا کو بھی۔ بس تم تھوڑا کمپرومائز کر لینا۔۔" وہ پتا نہیں کس کمپرومائز کی بات کر رہا تھا۔ فجر کے الفاظ گلے میں ہی اٹک گئے۔

"فجر بس ہمیں ہمیشہ کے لیے یہ شادی چھپانی ہو گی۔ میں بابا کو اُنکی پسند سے شادی کر کے خوش کر دوں گا یوں وہ بھی خوش ہم بھی خوش۔۔۔" شاید اسے اپنی ساری کوشش کے باوجود آخری حل یہی ملا تھا۔ فجر کے وجود میں کسی نے نیزے گھسا دیے۔ تکلیف سر سے پاؤں تک گئی۔

"پلیز کچھ تو بولو۔۔۔؟؟" آواز ابھری اور فجر نے ہولے سے فون کاٹ دیا۔ اس نے نظریں اٹھا کر ولیم کو دیکھنا چاہا پر سب دھندلا گیا۔ اسکی آنکھیں آنسوؤں سے بھری تھیں۔ وہ رونا چاہتی تھی پر ابھی نہیں۔ پھر اس نے ہتھیلی کی پشت سے آنکھیں رگڑ ڈالیں۔ خوبصورت آنکھوں کا رو رو کر حشر نشر ہو چکا تھا۔

"Come..."

ولیم نے اسے ہاتھ کے اشارے سے اٹھ کر قریب آنے کا کہا۔ وہ روبوٹ کی طرح اٹھی اور جا کر قریب بیٹھ گئی۔ ارسل نے دل کی تکلیف پھر سے بڑھا دی تھی۔

وہ اسکے ساتھ شادی تو کر سکتا تھا پر اپنا نہیں سکتا تھا۔ وہ ظالم تھا یا کم ظرف؟؟ وہ سمجھ نہیں پائی۔

"بیٹی تمہارے ماں باپ کہاں ہیں؟؟" امام صاحب نے براہ راست پوچھا۔

"نہیں ہیں۔۔۔" ٹھنڈہ ٹھار لہجہ۔ امام مسجد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ یہ کہتے اسکا دل ذرا بھی نہیں کانپا۔

"تو تم دونوں شادی کرنا چاہتے ہو؟؟" ایک اور سوال آیا۔

فجر نے ولیم کا دیکھا جو اُسے ہی دیکھ رہا تھا۔ زبان تو سمجھ نہیں آرہی تھی پر وہ تاثرت سے سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تم چاہو تو میں نکاح کا اہتمام کروا سکتا ہوں۔۔۔" وہ ہولے سے بولے۔ لڑکی کے گھر والے نہیں تھے وہ اسکے ولی بننے کو تیار تھے۔

"ہم کورٹ میرج کرنا چاہتے ہیں۔۔ "

" ٹھیک ہے۔۔" انہوں نے پھر سے سر ہلایا۔ جنید خاموش بیٹھا رہا وہ امام مسجد کی مصلحت سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تو میں کیا آپ لوگوں ایجاب و قبول کروا سکتا ہوں۔۔؟؟" جانے امام صاحب خود کیوں کروانا چاہتے تھے۔ وہ سر جھکائے خاموش بیٹھی رہی۔ پھر اس نے اجازت دے دی۔ امام مسجد نے دوسرے امام کو بلایا جو نوجوان تھا اور امام مسجد کی صحبت میں رہ کر سیکھ رہا تھا۔

جنید اور وہ لڑکا اب دو گواہ موجود تھے۔ امام اب ولیم سے اُسکے نکاح کی بابت پوچھ رہے تھے جبکہ فجر جسمانی طور پر تو وہاں موجود تھی پر ذہن ارسل کی باتوں میں اٹکا تھا۔ اس نے ایک بار پھر گہری چوٹ دی تھی۔ اس نے خاموشی سے ہاں میں سر ہلا دیا۔ امام اب ولیم کی جانب متوجہ ہوئے۔

"ولیم ولی احمد کیا تمہیں فجر معراج بنت معراج الدین اپنے عقد میں قبول ہے؟؟ "

ولیم کو سمجھ نہیں آیا۔ جنید نے ترجمہ کیا پر امام کا لہجہ اور انکا انداز ایسا تھا کہ ولیم پل بھر کو ساکت ہوا۔ اس نے فجر کو دیکھا۔ بال اب پونی میں بندھے ہوئے تھے۔ سفید کپڑوں میں ملبوس فجر اسے زندہ لاش لگی۔ وہ اسے نہیں دیکھ رہی تھی پھر امام کے دوبارہ پوچھنے پر وہ کسی خواب سے جاگی۔

کیا وہ صرف بدلا لینے کے لیے یہ سب کر رہا تھا؟؟؟ فجر نے بھیگی پلکیں اٹھا کر ولیم کو دیکھا سرخ متورم زخمی آنکھیں، اور ولیم نے اپنے سینے میں دل کو رکتے اور دھڑکتے پایا۔ وہ Breathtaking تھی۔ وہ اُسکی سانسیں کنٹرول کر رہی تھی۔

"قبول ہے۔۔۔۔"!!

اللہ تعالیٰ اور اُسکے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد ولیم نے فجر معراج کو قبول کر لیا تھا۔

✿••✿••✿••✿

بارش جس قدر ٹوٹ کر برسی تھی سب کچھ جل تھل ہو گیا تھا اور اُسکے بعد ایک بار پھر خاموشی چھا گئی تھی۔ وہ تینوں اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھے اب کورٹ کی طرف جا رہے تھے۔ ولیم کے لیے یہ احساس عجیب تھا جبکہ فجر ابھی تک خود کو ارسل کی باتوں سے نہیں نکال پائی تھی۔

"انکل کہہ رہے تھے آج ہی سارا کام ہونا مشکل ہے اور کافی پیسے لگیں گے۔۔" جنید آہستگی سے بولا۔ وہ فجر کی موجودگی میں ویسے ہی غیر آرام دہ محسوس کر رہا تھا۔

"میں پیسے دوں گا بس کام آج ہو جائے۔" ولیم سامنے دیکھ رہا تھا۔ ناک کی عین سیدھ میں۔ کیونکہ وہ ہیولا اب فجر کے قریب پیچھے بیٹھا تھا۔

" ہاں تمہارے باپ کا پیسہ ہے تم کیوں نہیں دو گے ؟؟" ہیولے نے سرگوشی کی۔ استہزائیہ سرگوشی۔

" یہ میرے پیسے ہیں میرے باپ کے نہیں۔۔" وہ غصے سے پھنکارتا ایک جھٹکے سے پیچھے مڑا اور پھر ساکت رہ گیا۔ پیچھے کوئی نہیں تھا۔ فجر اکیلی بیٹھی تھی۔ وہ تیزی سے پیچھے بھاگتے نظاروں کو دیکھ رہی تھی۔ جبکہ ولیم کے اس طرح چلانے پر وہ دونوں چونک گئے۔

" ایم سوری۔۔۔" وہ خفت سے سرخ پڑا اور پھر اپنے ہی چہرے پر بے ساختہ ہاتھ پھیرا۔

"ہاں بھئی پونڈز لیے گھومتا ہے کیوں نہیں دے گا پیسے۔۔" جنید زیر لب بڑبڑایا جبکہ ولیم نے سیٹ سے گردن ٹکا کر آنکھیں موندھ لیں۔

" یہ تم کیا کرنے جا رہے ہو ولیم ؟؟" وہ اب بائیں جانب کے شیشے سے لٹکی تھی۔ کسی بدروح کی طرح۔ جو الٹی چل لیتی ہے۔ دیواروں پر لٹک جاتی ہے۔ بالکل ویسے ہی بس چہرہ اندر تھا جبکہ سفید سلک کا گاؤن ہوا میں لہراتا پچھلی سائیڈ کے شیشے تک جا رہا تھا۔ وہ اگلی جانب کے شیشے سے جھانکتی سرگوشیاں کر رہی تھی۔

" یہ لڑکی تمہاری موت ہے ولیم۔ وہ تمہیں نہیں چھوڑیں گے۔۔" وہ عجیب تھی۔ کبھی اُسکے ساتھ تو کبھی اُسکے خلاف۔ وہ کچھ اور بھی بول رہی تھی جب ولیم نے بیگ سے ہیڈ فون نکال کر کانوں پر جما لیے اور وہ اُسے غصے سے گھورتی غائب ہو گی۔

✿••✿••✿••✿

کورٹ کی ابتدائی کاروائی کافی لمبی تھی۔ فجر کا شناختی کارڈ جبکہ ولیم کا پاسپورٹ لے لیا گیا تھا۔ انکی تصویریں لی گئی تھیں اور فجر سے سب سے پہلے Free Will کا "**حلف نامہ**" سائن کروا گیا تھا۔ جس میں چند باتیں واضح تھیں۔

وہ اگر گھر چھوڑ رہی تھی تو اپنی مرضی سے۔

وہ اپنی مرضی سے ولیم سے شادی کر رہی تھی۔

کسی نے اسے یہ کرنے پر مجبور نہیں کیا تھا۔

اسے اغواء نہیں کیا گیا تھا۔

وہ بالغ تھی اور اپنے فیصلے خود کر سکتی تھی۔

اُس نے اِس پورے سلسلے میں اپنے گھر سے کچھ نہیں لیا تھا کوئی پیسہ کوئی زیور کچھ نہیں۔

ولیم کے مسلمان ہونے کے لیے ایک گواہ چاہیے تھا۔ جنید موجود تھا اُس کے بعد خاموشی سے دونوں نے اپنی طرف کی کاروائی مکمل کی۔ کورٹ میرج نکاح نامہ اردو اور انگلش دونوں میں موجود تھے جسے دونوں نے سائن کیا اور انکے کاغذات کی ایک فائل بنا کر جنید کے انکل نے کورٹ میں پیش کی تھی۔

شام ڈھلی اور پھر رات ہو گئی۔ عدالت کی طرف سے منظوری آئی تو دونوں کا نکاح عدالت میں ہی پڑھایا گیا۔

ایسے کیسز عدالت میں روز آتے تھے۔ یہ انکا روز کا کام تھا البتہ ولیم نے اس سلسلے میں اچھی خاصی رقم دی تھی۔ وہ فارنر تھا اور اُس سے پونڈز بٹورے گئے تھے۔ جب وہ دونوں نکاح نامے کی اپنی اپنی کاپی لے کر باہر نکلے تو رات کے آٹھ بج چکے تھے۔

فجر کے پاس اردو جبکہ ولیم کے پاس انگلش والا نکاح نامہ تھا۔

"مبارک ہو بہت بہت ولیم اب تم شادی شدہ ہو۔۔" جنید نے اُسے گلے لگاتے مبارکباد دی۔ وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔ آج ایک ہی دن میں اُسے دوسری بار گلے لگایا گیا تھا۔ جبکہ فجر کا دل اب تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

انسان جذبات میں ہر قدم اٹھالیتا ہے اور جب جذبات کا طوفون گزرتا ہے تب احساس ہوتا ہے کہ وہ کیا کر گزرا ہے۔

لیکن فجر کو پچھتاوہ نہیں تھا۔ اسے پچھتاوہ نہیں تھا کہ اس نے کورٹ میرج کی تھی بس تھوڑا خوف تھا تو ولیم کی طرف سے کہیں وہ اُسکا دعویدار نہ بن جائے۔

وہ ایک جانب کھڑی اُن دونوں کو دیکھتی رہی اور پھر فون نکال لیا۔ دن میں نا جانے کتنی بار اُسے ایک اجنبی نمبر سے فون آیا تھا پر اُس نے نہیں اٹھایا تھا اور جیسے ہی اُس نے فون نکالا ارسل کا نمبر جگمگ کرنے لگا۔

دل پر کسی نے برچھی پھیر دی۔ کیا اُسکے لیے یہ سب کرنا اتنا آسان تھا؟؟ نہیں بالکل نہیں۔۔۔۔

سائن کرتے وقت دل کے ساتھ ساتھ ہاتھ کانپ اٹھے تھے۔

وہ اسے اپنے دل سے بے دخل کر رہی تھی۔

وہ اسے کبھی نہ پانے کے لیے کھو رہی تھی۔

وہ اسے کبھی نہ دیکھنے کی قسم اٹھا رہی تھی۔

وہ اسے اپنی محبت سے آزاد کر رہی تھی۔

وہ اسے سوچنے تک کہ سارے اختیارات گنوا رہی تھی۔

یہ سب اتنا آسان نہیں تھا۔ دل کتنی بار رویا تھا۔ کتنی بار تڑپا تھا پر یہ سب تو کرنا ہی تھا۔۔۔۔ کیونکہ وہ یہ ٹھان چکی تھی۔ اور اب پھر سے وہ شخص اسے فون کر رہا تھا۔

شاید یہ آخری بار تھا جب فجر معراج اس شخص کی کی آواز سننے والی تھی جسے وہ اپنا مانتی تھی۔

اس شخص نے فجر معراج کو گنوا دیا تھا یہ خبر بھی تو دینی تھی نا۔

فون کی اسکرین پر انگوٹھا پھیرتے اس نے فون کان سے لگایا۔ جنید اور ولیم کچھ فاصلے پر کھڑے جانے کیا ڈسکس کر رہے تھے۔ وہ ولیم کو اُسکی جیکٹ لوٹا چکی تھی جسے ولیم نے اپنے بیگ میں ڈال لیا تھا۔

"ہیلو فجر۔۔۔" ارسل کی بے چین سی آواز ابھری۔ اسکا گلا بھاری تھا۔ شاید وہ بھی رویا ہو گا۔ فجر کا دل مٹھی میں آیا۔

جانے کتنے پل خاموشی چھائی رہی۔ فجر نے آس پاس کے نظاروں کو دھندلا ہوتے محسوس کیا۔ بیگ کندھے پر لٹکائے اور چادر کو اچھے سے خود پر لپیٹے اسے اپنے آپ وہاں کھڑا بہت اجنبی سا لگا۔ ایسی تو کبھی خواہش نہیں کی تھی اس نے۔ وہ تو بہت دھوم دھام سے اپنی محبت کے سنگ جانا چاہتی تھی۔ ڈنکے کی چوٹ پر۔ پر جب محبت ہی دغا دے جائے تو پھر کیسی شکایت؟؟؟

اس نے آنسوں کو اندر پیتے سر اٹھا کر آسماں کو دیکھا۔

" کچھ تو بولو فجر تمہاری خاموشی مجھے مار رہی ہے۔۔" وہ شکست خوردہ بولا۔

" تو سنیے ارسل برہان صاحب سنیے۔۔۔" لہجہ سرد رکھا گیا۔ آنکھیں جل رہی تھیں پر اب اُسکے سامنے کیا رونا جو کچھ بھی نہیں تھا۔

"میں فجر معراج ایک مڈل کلاس لڑکی جسکے ڈھیر سارے مسائل تھے۔مجھے اپنے مسائل کا سدباب کرنا تھا مجھے اُنکا حل نکالنا تھا پر میں نے فرار ڈھونڈ لیا۔میں نے محبت کرلی۔" آنکھوں سے آنسوں بھل بھل بہنے لگے تھے۔جسم میں کپکپاہٹ تھی۔ہونٹ خشک پڑ چکے تھے۔وہ خود پر ہی استہزائیہ ہنس دی تھی۔

"پتا ہے میری زندگی عذاب تھی پھر تم آئے۔۔۔"

وہ آپ سے تم پر آئی۔ارسل ساکت ہوا۔

"تم ہوا کا ٹھنڈہ جھونکا تھے پر مجھے نہیں پتا یہ ہوا مجھے جھلسا کر رکھ دے گی۔۔۔" وہ ہولے ہولے بول رہی تھی۔سسکیوں کا گلا گھونٹتے۔

"فجر۔۔۔" وہ بے یقینی سے بولا۔

" ارسل تم میرا سکون تھے لیکن مجھے نہیں پتا تھا تم مجھے زندگی بھر کی تڑپ دے جاؤ گے۔۔۔"

"ارسل تم میرا جنون تھے پر مجھے نہیں پتا تھا تم مجھے سسکتا چھوڑ جاؤ گے۔۔۔"

"ارسل تم میرا غرور تھے پر مجھے نہیں پتا تھا تم مجھے ہمیشہ کے لیے توڑ دو گے۔"

"ارسل تم میرا مان تھے پر مجھے نہیں پتا تھا تم مجھے آسمان سے زمین پر پٹخ دو گے۔۔"

"میں نے کسی کو دیکھا تو صرف تمہیں، کسی کو سوچا تو صرف تمہیں، کسی کی خواہش کی تو صرف تمہاری، کسی کا دل توڑا تو صرف تمہارے لیے، میں نے فجر معراج کو تمہارے نام لکھ دیا تھا ارسل۔۔۔۔ارسل تھا تو فجر تھی۔۔"

دل کٹتا گیا۔تکلیف حد سے سواء ہوئی۔خون رسنے لگا پر وہ کھڑی رہی۔ آس پاس لگے اسٹریٹ پولز کی روشنی میں اسکے آنسوں واضح دیکھے جاسکتے تھے۔

"میں تمہارے لیے پوری دنیا سے لڑ رہی تھی اور تم میرے لیے اپنے خاندان سے نہیں لڑ پائے؟؟ "

وہ اپنا پاؤں چھڑاتا جا رہا تھا۔فجر نے ضبط سے آنکھیں میچ لیں۔

"تمہیں میرا خیال آیا بھی تو ایک آپشن کے طور پر؟ایک دوسری عورت کے طور پر جسے چھپا کر رکھا جاتا؟؟ کیا تم بھول گئے تھے کہ فجر اُجالا لاتی ہے اُسے چھپا کر نہیں رکھا جاسکتا۔۔۔؟؟"وہ خود کو زخمی کر رہی تھی اور زخم ناسور بننے والا تھا۔

"فجر ایم سوری۔۔۔"

"جہاں تم پاؤں دھرتے وہاں میں اپنا دل رکھنے کو تیار تھی۔میں نے صرف محبت نہیں کی تھی میں نے اپنے اندر تمہارا بت سجالیا تھا۔میں نے تمہیں بہت بڑا مقام دیا تھا ارسل تمہیں راس نہیں آیا پھر اس بت کا ٹوٹنا تو لازم تھا نا۔۔۔"لہجے میں پھر استہزاہ تھا۔

گارڈز اسے پکڑ کر باہر نکال رہے تھے۔وہ اسے دھکے دے رہے تھے۔وہ کھڑا دیکھ رہا تھا۔محبت اپنے مقام سے گری اور کرچی کرچی ہو گئی۔

"اماں کہتی رہی کہ مرد اُس عورت کا نہیں ہوتا جو اُسکی ہو جائے جو اُسے مفت میں مل جائے۔۔۔ "

"فجر ایسے مت بولو۔۔"وہ تڑپ گیا۔

"میں نے اماں کا یقین نہیں کیا ارسل۔ میں نے کتنا غلط کیا۔۔ "

" میں تم سے ابھی شادی کرنے کے لیے تیار ہوں۔ پلیز مجھے ایک موقع اور دے دو۔۔۔" اسپیکر سے آواز اُبھری اور فجر کی نظر اٹھی۔

سامنے ہی ولیم جنید کے ساتھ کھڑا تھا۔ جنید اب اسے اپنی گاڑی کی چابی پکڑا رہا تھا۔ ولیم نے فجر کو دیکھتے کلائی کی جانب اشارہ کیا اور پھر ہوا میں داہنے ہاتھ سے اڑتا ہوا جہاز بنایا۔ اسکی فلائٹ تھی۔ اسے جانا تھا پر کیا ایسے ہی؟؟ وہ ہاتھ میں چھاتہ لیے کھڑا تھا۔

"فجر نہیں میں مسز فجر ہوں اب۔۔۔۔" اس نے گویا دھماکہ کیا۔ پھر آسمان کی جانب دیکھا۔ تیز ہوا کے ساتھ بارش کی پھوار پڑتی محسوس ہوئی۔ یوں جیسے قدرت نے گواہی دی ہو کہ وہ اب مسز فجر تھی۔

"مبارک ہو ارسل برہان گردیزی تم نے مجھے کھو دیا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔ میں اب شادی شدہ ہوں میرا خیال اپنے دل و دماغ سے نکال دو اپنے باپ کی پسند سے شادی کر کے انہیں خوش کرو۔ محبت تمہارے نصیب میں نہیں تھی۔"

آنسوں ہتھیلی سے رگڑ ڈالے۔ جو دل میں تھا سب کہہ دیا تھا۔ فون ٹک سے بند کر دیا اور پھر ارسل کا نمبر ڈیلیٹ کر کے اسے بلاک کر دیا۔ ایک ایک عمل اسے اتنی ہی تکلیف پہنچا رہا تھا پر اسے کرنا تھا۔ وہ فون کو ہاتھ میں تھامے گم سم سی کھڑی رہی۔ دل خالی ہو گیا۔ سب ختم ہو گیا۔ پر ایک نئے آغاز سے وہ ناواقف تھی۔ ولیم چلتا ہوا اُسکے قریب آیا اور چھاتہ کھول کر اُسکے اوپر کر دیا۔ وہ اُسے ہی دیکھ رہا تھا۔ فجر نے چونک کر سر اٹھایا۔ سرخ متورم آنکھیں اور

بھیگی پلکیں۔ پھڑ پھڑاتے لب۔ چھاتہ پکڑے کیپ اوڑھے، کتھئی آنکھوں سے اسے دیکھتا ولیم اور برقی روشنیوں میں چمکتے بارش کے قطرے۔۔۔۔ !!

کلک کی آواز ابھری۔ بارش کے قطرے ہوا میں ہی ٹھہر گئے اور وہ دونوں جُنید کے ہاتھ میں پکڑے کیمرے میں قید ہو کر رہ گئے۔

"یہ تمہارے لیے۔۔" اُس نے ایک سیاہ ٹیپ ریکارڈ فجر کی جانب بڑھائی۔

فجر نے بھنویں سکیڑ کر دیکھا۔ آنکھوں سے ہی پوچھا گیا۔ "کس لیے؟ "

"میں نے سنا ہے شادی کے بعد ہسبنڈ اپنی وائف کو گفٹ دیتا ہے۔ مجھے ایسا کچھ قیمتی نظر نہیں آیا جو تمہیں دے سکوں۔ ہاں پر یہ میرے لیے بہت خاص ہے میرے دل کے قریب۔ شاید تمہارے کام آجائے۔۔" وہ ابھی بھی ٹیپ اُسکی جانب کیے کھڑا تھا۔ فجر کچھ تذبذ کا شکار ہوئی پھر اُس نے ہاتھ بڑھا کر ٹیپ تھام لی۔ ولیم مسکرا دیا۔

"تو اب؟؟ تمہیں گھر نہیں جانا۔۔؟؟" وہ لمبا تھا تھوڑا سر جھکائے کھڑا تھا۔

"میں چلی جاؤں گی۔۔" یوں جیسے اُسے جانتی ہی نہ ہو۔

"میں تمہیں گھر چھوڑ دیتا ہوں۔۔" وہ چمکتی آنکھوں سے آفر دے رہا تھا اور نظریں اُسکی بھیگی لرزتی پلکوں پر جمی تھیں جو رخساروں پر سایہ فگن تھیں۔

"اسکی ضرورت نہیں ہے۔۔" روکھا سا جواب۔

"لیکن مجھے لگتا ہے اسکی ضرورت ہے۔۔" ڈھٹائی سے بار بار کہتا ولیم۔ فجر کے نقوش تن گئے۔ وہ اب سر پر سوار ہو رہا تھا۔

"I am your husband, You should consider my wishes..."

(میں تمہارا شوہر ہوں تمہیں میری خواہشات کا خیال کرنا چاہیے۔۔!!)

اُس نے نہیں کہا تھا کہ تمہیں "**میرا حکم**" ماننا چاہیے وہ تو بس اپنی خواہش رکھ رہا تھا۔

اور اب یہ زیادہ ہو رہا تھا۔ فجر نے گھور کر دیکھا جیسے ابھی کچا چبا جائے گی اور اسکے یوں دیکھنے پر ولیم سٹپٹا گیا۔

"I just google it..."

"**میں نے انٹرنیٹ پر دیکھا ہے۔**" گڑبڑا کر کہتے فون والا ہاتھ اوپر اٹھایا اور صفائی۔ یعنی گوگل پر لکھا تھا کہ بیوی کو شوہر کی اطاعت کرنی چاہیے۔ خاموشی چھا گئی۔

اس لڑکی سے بات کرنا اتنا مشکل کیوں لگ رہا تھا۔

"میں تمہارا ویٹ کر رہا ہوں۔ بھابھی کو چھوڑ کر جلدی آنا۔۔۔" جنید اسے آگاہ کرتا اُسکا کیمرہ لے کر چلا گیا۔

شاید وہ لوگ طے کر چکے تھے کہ فجر کو گھر چھوڑ کر انہیں دوبادہ کہاں ملنا تھا تاکہ ایئرپورٹ جایا جا سکے۔

لفظ بھابھی پر فجر کی آنکھیں حیرت اور بے یقینی سے پھیلیں۔ جبکہ ولیم نے امڈ آنے والی بے ساختہ مسکراہٹ کو چھپایا۔ مبادہ کہیں قریب کھڑی فجر دیکھ ہی نہ لے اور اُسے یہیں پاکستان میں دفن ہونا پڑے۔

"چلیں۔۔؟؟" پھر سے پوچھا۔

" میں چلی جاؤں گی اب تم میرا پیچھا چھوڑ دو۔۔" وہ کوفت زدہ لہجے میں بولی۔ آج کا دن کتنا لمبا ہو گیا تھا ختم ہی نہیں ہوا تھا اور اب رات کا اندھیرا دل ہولا رہا تھا۔

"میں نے تمہارے لیے اتنا سب کیا۔ کیا تم میری ایک بات نہیں مان سکتی؟؟" احسان جتا کر فوراً شکوہ کر دیا گیا۔ فجر نے ہونٹ بھینچے۔

" دیکھو بارش پھر سے شروع ہونے والی ہے مجھے لگتا ہے ہمیں چلنا چاہیے۔۔۔" وہ اسے کہتا گاڑی کی جانب بڑھا اور فجر کو بھی ناچار قدم بڑھانے پڑے۔ کچھ دیر بعد گاڑی ایک بڑی کھلی شاہراہ پر آگے بڑھ رہی تھی۔ بارش بہت ہلکی تھی۔ لیکن گاڑی کی ونڈ اسکرین پر چلتا وائپر تیزی سے پانی صاف کر رہا تھا۔ وہ خاموش بیٹھی رہی۔ دماغ نے کچھ کام کرنا شروع کیا تو آنے والے وقت کا سوچنے لگی۔ پہلو میں ہاتھ رکھے وہ کسی خاموش مورت کی طرح بیٹھی تھی۔

"تم مجھ سے کچھ کہو گی نہیں؟؟" اسکی خاموشی بری لگ رہی تھی۔ وہ بول پڑا۔

" تھینکس۔۔۔" یک لفظی جواب۔ وہ مسکرا دیا۔ آج جانے کتنی بار مسکرا لیا تھا۔ پاگل نہ ہو تو۔

" اور کچھ۔۔۔؟؟" کیا سننا چاہ رہا تھا وہ؟؟

"کچھ نہیں۔۔۔" وہ رخ موڑے باہر دیکھ رہی تھی۔

"تمہارا نام خوبصورت ہے۔ میں نے گوگل کیا تھا۔ اسکا مطلب دیکھا اور مجھے پسند آگیا۔۔۔" وہ ایکسٹرورٹ تو نہیں تھا پھر بھی بولے جا رہا تھا۔

" ویسے تمہارا نام فجر نہ ہوتا تو جانتی ہو کیا ہوتا؟؟" دلجمعی سے ڈرائیونگ کرتے وہ بولتا گیا اور ایک نظر موبائل میں کھلے گوگل میپ پر ڈال لیتا۔ فجر نے رخ موڑ کر سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"Breath-taking.."

ذرا سا رخ موڑ کر فجر کو دیکھا جس کا چہرہ پل کے ہزارویں حصے میں کان کی لوؤں تک سرخ پڑا۔ کیا یوں کوئی منہ پھاڑ کر تعریف کرتا ہے؟؟ اور اگلے ہی پل اسکے چہرے پر ناگواری ابھری۔ وہ پھر سے رخ موڑ گئی۔

"ویسے میری دس بجے کی فلائٹ ہے میں Edinburgh واپس جا رہا ہوں۔"

"کبھی پلٹ کر مت آنا۔۔۔" سفاک لہجہ۔ گہری خاموشی چھا گئی۔ وہ کس حق سے اُس سے یوں باتیں کر رہا تھا۔ اور لہراتے بالوں والا ہیولا اب پچھلی سیٹ پر آ کر بیٹھ چکا تھا۔ بیک مرر سے نظر آتا اسکا وجود واضح تھا۔ وہ اس پر ہنسی تھی۔ قہقہہ لگایا تھا۔

"ہاں میں کبھی نہیں آؤں گا۔ جو کام تھا وہ پورا ہو گیا۔۔" وہ بھی اسی لہجے میں بولا۔ کتھئی آنکھوں کی چمک ماند پڑ گئی۔ کچھ دیر خاموشی چھائی رہی پھر گاڑی جھٹکے سے رک گئی۔ فجر نے حیرت سے چاروں جانب دیکھا۔ دائیں جانب ایک بیکری اور کافی شاپ تھی۔

"مجھے بھوک لگی ہے تم کچھ کھاؤ گی؟" سنجیدہ لہجہ تھا۔ وہ اب خود پر ضبط کر رہا تھا۔ خود کو لعنت ملامت کر رہا تھا۔

"نہیں۔۔" یک لفظی جواب آیا۔

"میں دوبارہ نہیں پوچھوں گا۔ کچھ چاہیے تو بتا دو۔ ویسے بھی ولیم جوزف ہر کسی پر مہربان نہیں ہوتا۔۔" لیکن اس پر ایک ہی دن میں کافی پیسے لگا دیے تھے کافی مہربانیاں کر دی تھیں۔ فجر نے گہرا سانس لیا اور پھر ہولے سے بولی۔

"کولڈ کافی۔۔۔"

" اتنی ٹھنڈ میں کولڈ کافی؟ آگ نکالے گی منہ سے پھر کولڈ کافی کی ضرورت تو پڑے گی نا۔۔" وہ زیر لب بڑبڑاتا باہر نکل گیا۔ تقریباً دس منٹ بعد وہ واپس آتا دکھائی دیا۔ دونوں ہاتھوں میں کافی کے مگ تھامے۔ اسکی جانب آکر اشارہ کیا۔ فجر نے شیشہ نیچے کیا تو پہلے اسے پکڑایا اور پھر اپنی جانب آکر دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ گیا۔ وہ اپنے لیے بھی کولڈ کافی ہی لایا تھا۔ سینے میں جلتی آگ دونوں کو بجھانی تھی۔

" کتنے کی ہے؟؟" وہ اس سے کافی کی قیمت پوچھ رہی تھی۔ ولیم کی بھنویں سکڑ گئیں اس نے حیرت سے فجر کو دیکھا اور پھر اُبھرنے والا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"تم جانتی ہو میرے آج دن میں کتنے پیسے خرچ ہوئے ہیں؟؟ کیا تم سب ادا کر دو گی؟؟" وہ سلگانے والے انداز میں بولا۔

" ہاں دے دوں گی ویسے بھی فجر معراج کسی کا احسان نہیں رکھتی۔۔۔" تڑخ کر جواب دیا گیا۔ وہ اب کافی کے مگ میں پائپ ہلاتی اسے پگھلانے کی کوشش کر رہی تھی۔ کچھ زیادہ ہی آئس کریم ڈال دی گئی تھی۔ ولیم نے اپنے دوسرے قہقہے کو دبایا۔

"کب۔۔؟؟" پر شوق نگاہوں سے پوچھا گیا۔

" جب ہوں گے۔۔" انداز بے نیاز تھا۔ وہ محظوظ ہوا۔

" ابھی تو میں جا رہا ہوں۔ پیسے لینے تو مجھے واپس آنا پڑے گا۔۔" اس سے بات کرنا اچھا لگ رہا تھا۔ وہ بات بڑھا رہا تھا۔

"آجانا اور طلاق بھی دے جانا۔۔۔" پائپ ہلاتا ولیم کا ہاتھ ساکت ہوا۔ کہہ تو وہ ٹھیک رہی تھی۔ یہ شادی ہمیشہ تھوڑی رکھنی تھی انہیں۔ پر ابھی طے نہیں ہوا تھا کب تک رکھنی تھی پھر طلاق کا ذکر کیوں؟؟ اس نے بے چینی سے بہلو بدلا۔

کافی کا مگ اپنے اور اسکے درمیان اچھے سے ٹکا کر رکھ دیا اور پھر گاڑی چلادی۔ وہ رخ موڑے خاموشی سے کافی پی رہی تھی۔

"اب تم کیا کرو گی؟؟" وہ کیا جاننا چاہ رہا تھا۔

" زندگی آگے بڑھاؤں گی۔۔ "

"کبھی میری ضرورت پڑی تو؟؟ "

"نہیں پڑے گی۔۔۔ "

"مجھے بلا لینا میں شاید آجاؤں۔ ویسے بھی پیسے لینے آنا ہی ہے۔۔ "

" ہنہہ۔۔۔ گندی نیت والا فارنر۔۔۔" وہ زیر لب بڑبڑائی۔ باقی کا راستہ خاموشی سے کٹا۔ فجر نے نہیں پوچھا وہ کیا کرتا تھا؟؟ وہ پاکستان کیوں آیا تھا؟؟ وہ پورا انگریز کیوں نہیں لگتا تھا؟؟ سب سے بڑھ کر ایک بار کہنے پر اس سے شادی کیوں کر لی تھی؟؟ کلمہ کیوں پڑھ لیا تھا؟ اسے شاید دلچسپی ہی نہیں تھی۔

" بس گاڑی یہیں روک دو۔۔۔" مرکزی سڑک سے اتر کر گاڑی اب گلی کے نکڑ پر کھڑی تھی۔ ارسل اسے یہیں اتارا کرتا تھا۔ بیوٹی ان وائٹ جا رہی تھی۔ وہ پھر کبھی نہیں ملنے والے تھے۔

"یہ میرا کارڈ۔۔" ولیم نے اپنا وزٹنگ کارڈ اسکی جانب بڑھایا۔ سفید رنگ کا وہ چھوٹا سا کارڈ جس پر اسکی مکمل تفصیلات تھیں اور ساتھ میں رابطہ نمبر۔

"کس لیے؟؟" وہ اُلجھی۔

"شاید کبھی ضرورت پڑ جائے۔ شاید تم کبھی اپنے ہسبنڈ کی یاد آئے۔۔" سنجیدہ بات کرتے آخر میں لہجہ شرارتی ہو گیا۔

فجر نے ضبط سے مٹھیاں بھینچیں۔

شوہر کے نام پر اُسے صرف ارسل کا خیال ابھرتا تھا۔ جواب تکلیف دہ تھا وہ شخص کس دھڑلے سے اسکی تکلیف بڑھا رہا تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے مسٹر ولیم؟؟ پاکستانی کڑوڑوں مردوں کو چھوڑ کر تم سے شادی کیوں کی میں نے؟؟" وہ سرد لہجے میں بولی۔ آواز اونچی تھی۔ چہرہ سرخ اور آنکھوں میں شعلے بھڑک رہے تھے۔ وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھے گیا۔ ویسے تو اسے فرق نہیں پڑتا تھا پر اب جاننا چاہتا تھا اس نے ولیم کو ہی کیوں چُنا؟

"کیونکہ تم سات سمندر پار واپس چلے جاؤ گے اور دوبارہ کبھی مجھے تمہاری شکل نہ دیکھنی پڑے۔۔۔۔" کتنی سفاکیت سے بولی تھی۔ بیوٹی ان وائٹ اب black witch لگنے لگی تھی۔

"یہ کورٹ میرج صرف یہ سمجھوتہ تھا۔ میں نے شرائط نہیں رکھیں اس کا مطلب یہ نہیں میں تمہیں شوہر قبول کر چکی ہوں۔ یہ کھیل آج کا تھا اور صرف اس پیپر (نکاح نامہ) کے لیے تھا جو ایک تمہارے پاس ہے اور ایک میرے۔۔۔"

بیوٹی ان وائٹ یہ سب بولتی بری لگ رہی تھی اور ولیم جبڑے بھینچے اسے سنتا گیا۔ اُس نے بھی صرف اِس پیپر کے لیے یہ سب کیا تھا۔ وہ ایک پیپر جو دونوں اپنے اپنے مفاد کے لیے استعمال کرنے والے تھے۔

اُسے بھی تو کسی کی چھوڑی ہوئی لڑکی میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ دونوں مفاد پرست تھے پر توقعات کیوں بڑھ رہی تھیں؟ اُسے تو یہ تک بھول گیا تھا کہ اُس نے آج کلمہ پڑھا تھا۔ وہ ولیم جوزف سے ولیم ولی احمد بنا تھا۔

"یہ سفر یہیں تک تھا۔۔۔" وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکل جانا چاہتی تھی پر دروازہ لاکڈ تھا۔ ولیم کی دی وہ ٹیپ اسکے بیگ میں تھی جس میں اسے ذرا بھی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ اس ٹیپ کو جانے کہاں پھینکنے والی تھی۔

"میں جانتا ہوں یہ سب یہیں تک تھا اور مجھے بھی اس کاغذی شادی میں کوئی دلچسپی نہیں ہے پر ہاں میرا کارڈ رکھ لو جب پیسے ہوں مجھے فون کر لینا میں اکاؤنٹ نمبر دوں گا لوٹا دینا۔۔"

ہک ہاہ۔۔۔ گہری خفت نے آگھیرا۔ وہ کیا سمجھ رہی تھی اور کیا نکلا تھا۔ جھٹکے سے مڑی اور کارڈ جھپٹ لیا پر گود میں رکھا بیگ اسی لمحے نیچے گر گیا۔ چیزیں بکھر گئیں۔

فٹافٹ جھک کر ایک ہاتھ سے چیزیں اٹھائیں اور پھر سر سیدھی ہو کر گہرا سانس لیا۔ سیٹ سے گردن ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔

ولیم یونہی بیٹھا رہا۔ کافی یونہی رکھی رہی۔

"ایم سوری۔۔۔" ہولے سے بڑبڑائی۔ آنکھیں بند تھیں۔

وہ یونہی ہونٹ بھینچے بیٹھا رہا۔

" دیکھو میں نے شادی صرف اپنے مفاد کے لیے کی ہے۔ اپنی ضد میں۔ تم چاہو تو ابھی طلاق دے سکتے ہو۔ مجھے اس شادی میں دلچسپی نہیں۔ مجھے فرار کا ایک راستہ چاہیے تھا تاکہ مجھے کسی اور کو نہ چننا پڑے۔۔"لہجہ بھرا گیا۔

"میں کبھی واپس نہیں آؤں گا۔ تمہیں کل کسی سے محبت ہو گئی؟ یا تمہیں دوسری شادی کرنی ہوئی پھر کیا کرو گی؟؟"اسکی بات میں دم تھا۔

" ایسا کبھی نہیں ہو گا۔ فجر ایک ہی غلطی بار بار نہیں دہراتی۔ میں ہمیشہ ایسے ہی رہ لوں گی۔۔"مضبوط لہجے میں جواب دیا گیا۔ ولیم گلاس ونڈ کے اس پار جانے کیا کھوج رہا تھا۔ پیچھے بیٹھا ہیولا جو خاموش تھا اب پھر سے ہنسی کی آواز ابھری۔ آج وہ خاموش تھی۔ ان دونوں کی سن رہی تھی۔

" میرے پاس تمہارا کارڈ ہے جب مجھے خلع چاہیے ہو گا میں کنٹیکٹ کر لوں گی۔۔"اور ولیم نے بٹن دبا کر گاڑی کا لاک کھول دیا۔ وہ اسے نہیں دیکھ رہا تھا دیکھنا بھی نہیں تھا۔

ہاں اب اسے یقین ہو گیا تھا فجر معراج نے یہ شادی اپنے مطلب کے لیے کی تھی۔ دل کو سکون سا ملا۔ یعنی وہ دونوں ایک ہی لکیر پر کھڑے تھے۔ ایک کونے پر وہ اور دوسرے پر فجر۔۔۔ درمیان میں سات سمندر کا فاصلہ تھا۔

دونوں کو فرق نہیں پڑتا تھا دوسرا کہاں جانے والا تھا کیا کرنے والا تھا۔

"ٹھیک ہے آئندہ آنے والی زندگی کے لیے گڈ لک۔۔۔"وہ سنجیدہ سا مسکرایا تو فجر کافی کا مگ واپس رکھتے گاڑی کا دروازہ کھول کر نکل گئی۔ کافی بچی ہوئی تھی۔ وہ دروازہ بند کر کے جا رہی تھی۔ خدا حافظ بھی نہیں کہا۔ پلٹ کر بھی نہیں دیکھا۔ فجر معراج کی زندگی میں ولیم نامی یہ باب آج ہی کھلا اور آج ہی بند ہو گیا تھا۔ ولیم نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر تیزی سے گاڑی ریورس کی۔ وہ دیکھتے ہی دیکھتے گاڑی بھگا لے گیا۔

بارش برسنے سے کیچڑ ہو چکی گلی میں وہ بنا کسی احتیاط کے چلتی جا رہی تھی۔ اس بات سے بے خبر کہ ایک طوفان اُسکا منتظر تھا۔

✿••✿••✿••✿

فجر معراج کی زندگی تین دن کے اندر تین سو ساٹھ ڈگری پر گھوم چکی تھی۔ دل ٹوٹا تھا، مان ٹوٹا تھا، جان سے پیارے شخص نے ہاتھ چھڑا لیا تھا اور تو اور ایک اجنبی شخص اُسکے ساتھ جڑ چکا تھا جسکے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتی تھی۔ سارے خسارے سمیٹ لینے کے بعد وہ اب شکستہ سی اپنے گھر کے پرانے ٹوٹے پھوٹے لوہے کے گیٹ پر کھڑی تھی۔ بند جوتے کیچڑ میں بھر چکے تھے۔ سفید کپڑے داغ دار تھے اور اُسکی روح بھی تو ایسے ہی داغ دار تھی۔ گھائل تھی۔ اس نے گیٹ بجایا اور پھر بازو ڈھلکا کر کھڑی رہی۔ رم جھم کرتی بارش اب مزید ہلکی ہو گئی۔ کچھ دیر بعد گیٹ کے دوسری جانب اماں کی چاپ ابھری۔ ابا تو اپنی کمزوری اور بیماری کے باعث مشکل ہی چل پاتا تھا۔ سارا دن بستر پر گزرتا۔

کنڈی کھلنے کی آواز ابھری اور پھر دروازہ کھل گیا۔ وہ یونہی کھڑی رہی۔ اماں نے غضبناک نظروں سے اسے دیکھا۔ اماں کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن فجر کی حالت نے انہیں لب بھینچنے پر مجبور کر دیا۔ وہ کھڑی تو اپنے گھر کی دہلیز پر تھی پر ذہنی طور پر جانے کہاں تھی۔

"اب کیا کھڑی کھڑی جم گئی ہو؟؟" اماں نے بازو پکڑ کر اسے کھینچا اور وہ کسی خواب سے جاگی۔ اماں اب دروازہ بند کر کے دوبادہ کنڈی لگا رہی تھی۔ گھر کے صحن میں مٹیالی سی روشنی تھی۔ گھر ویسا ہی تھا اماں ویسی ہی تھی پھر سب بدلا بدلا کیوں لگ رہا تھا؟؟

"کہاں تھی اب تک؟؟ میں نے کہا تھا نا گھر واپس جلدی آنا۔۔" اماں میں اتنی ہمت پتا نہیں کہاں سے آئی تھی کہ اماں نے اُسے گردن سے دبوچ لیا۔ سرسراتی ہوا سرگوشیاں کرتی گزر گئی۔

"سارا دن بلقیس تیرا انتظار کر کے چلی گئی تو نے میری ناک کٹوا دی فجر۔۔" اماں نے اُسے پوری قوت سے دھکا دیا وہ جو حملے کے لیے تیار نہیں تھی، توازن بگڑا اور نیچے جا گری کہنی چھل گئی۔ سیاہ بادلوں سے ڈھکے آسماں کے نیچے وہ گیلے مٹی والے صحن میں وہ دھڑام سے گری تھی۔ اگلے ہی پل اماں اس کے سر پر تھی۔ اماں نے اسے بالوں سے پکڑا اور جھٹکے سے اسکا منہ اوپر کیا، جبڑے دبوچ لیے۔ فجر کے سپاٹ چہرے پر بارش کی ننھی ننھی بوندیں چمک رہی تھیں۔

"میں نے کہا تھا یہ تیرا آخری موقع ہے فجر اس کے بعد کچھ نہیں۔۔۔" اماں کے جھریوں زدہ چہرے پر طیش ہی طیش تھا۔ اسکی بوڑھی ہڈیوں میں جان تھی۔ وہ فجر کو گلا دبا کر مار سکتی تھی پر اسکی سزا اس سے بڑی تھی جو انہوں نے سوچ لی تھی۔

"تجھے اب وہ کرنا ہے جو میں کہوں گی چل دفع ہو اندر۔۔" اماں نے زوردار جھٹکا دیا اور فجر نے دانت بھینچ لیے۔ وہ کچھ نہ بولی۔ اتنی سی مار تو اسے اکثر پڑتی رہتی تھی۔ اماں ہانپتی اندر چلی گئی جبکہ کئی لمحے وہیں بیٹھی رہی پھر بیگ پکڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ گندے ہو چکے ہاتھ کپڑوں سے صاف کیے۔ زبان بند تھی لیکن کندھے اکڑے ہوئے تھے۔ آخر کو جو اس نے کرنا تھا وہ کر چکی تھی۔ اماں اب اسکا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی۔

بیگ اٹھاتے وہ اپنے کمرے میں آئی۔ شال اتار کر پھینک دی۔ کہنی کو نہیں دیکھا۔ بیگ بیڈ پر پھینک دیا۔ پاؤں جوتوں سے آزاد کیے اور پھر جھک کر بیڈ کے نیچے سے ایک کارٹن (ڈبہ) نکالا۔ اماں اب اپنے کمرے میں غصے سے بولے گئی۔

"تاریخ طے کر دی ہے میں نے وہ لوگ اگلے جمعہ کو آئیں گے اور اسے لے جائیں گے۔۔" وہ اونچا اونچا اسے ہی سنا رہی تھی۔ جبکہ فجر سپاٹ چہرہ لیے الماری سے ارسل کی دی ساری چیزیں نکال رہی تھی۔ کچھ کپڑے، کچھ جوتے، کچھ اور سامان جسے وہ اب نیچے کارٹن کے پاس پھینک رہی تھی۔ کمرہ ٹھنڈا تھا۔ یوں جیسے بارش باہر نہیں اندر برستی رہی ہو اور وپ ننگے سر ننگے پاؤں کسی پاگل کی طرح چیزیں پٹخ رہی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ زمین پر دوزانوں بیٹھی تھی اور ارسل سے جڑی ہر چیز ہر یاد اس کارٹن میں ڈال رہی تھی۔ اماں اب خاموش تھی اور پھر کچھ دیر بعد وہ دروازے پر نمودار ہوئی۔ کریم رنگ کے، مرینا کا پرانا گرم سوٹ پہنے، اماں کی سانولی رنگت واضح تھی۔ جھریوں زدہ چہرہ پر جلال تھا، اندر کو دھنسی آنکھیں، جن میں سے ایک میں موتیا اتر آیا تھا، حد درجہ طیش تھا۔ وہ خود پر قابو پانے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔ اماں کے ہاتھ میں کاغذ تھا جسے اماں نے اسکے قریب آتے اسکے منہ پر مارا۔

"اگلے جمعے کو تیرا نکاح ہے۔ آج سے تیرا باہر آنا جانا بند بلقیس کو میں زبان دے چکی ہوں۔۔" فجر نے نہ اماں کو دیکھا اور نہ اس کاغذ کو جس پر دن تاریخ لکھی تھی۔

وہ خاموشی سے اپنا کام کرتی رہی۔ اماں واپس پلٹی۔

"اسکی ضرورت نہیں ہے اماں میں یہ نکاح نہیں کروں گی۔" اسکی اتنی مجال؟؟ اماں جھٹکے سے مڑی۔

"نکاح تو تجھے کرنا پڑے گا فجر نہیں تو موت تیرا مقدر ہو گی۔" حکم صادر ہوا۔

"میرا نکاح ہو چکا ہے اور موت بھی قبول کر لی میں نے۔۔" ٹھنڈے ٹھار لہجے میں بم گرایا گیا۔ اماں ساکت رہ گئی۔ موت جیسی خاموشی چھا گئی۔ اماں نے غور سے اُسے دیکھا جو اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔ اُس پر کسی پاگل کا گمان ہوا۔ وجود ڈھیلا تھا۔ جسم یہاں تھا دماغ کہیں دور۔

اور روح؟؟ وہ تو جیسے تھی ہی نہیں۔

وہ ہاتھ بڑھا کر ایک چیز اٹھاتی اور اپنے سامنے رکھے ڈبے میں ڈال دیتی۔ یوں جیسے ان چیزوں سے جڑی یاد کو دفنا رہی ہو۔ ہونٹ نیلے تھے۔ ہاتھ پاؤں بھی۔ چہرہ سفید تھالٹھے کی مانند اور سفید کپڑے صحن میں گرنے کے باعث مزید گندے ہو چکے تھے۔ وہ اس پل اماں کو زندہ لاش لگی۔

"کیا بکواس کر رہی تو فجر؟؟" اماں نے سینے پر ہاتھ رکھے پوچھا۔ فجر سے کچھ بھی توقع کیا جا سکتا تھا۔ اس جیسا انا پرست شاید ہی کوئی تھا۔

"بکواس نہیں ہے اماں۔" وہ ہولے سے بولی اور پھر گھٹنوں کے بل اونچا ہوتے، ہاتھ بڑھا کر بیڈ سے بیگ اٹھایا۔ اسکی زپ کھولی اور اندر سے ایک کاغذ نکالا یہ صرف کاغذ نہیں نکاح نامہ تھا۔

" یہ دیکھ یہ میرا نکاح نامہ ہے۔" اماں کے قدم لڑکھڑا گئے۔ منہ حیرت سے کھل گیا۔ آنکھوں میں بے یقینی اُبھری۔ وہ فجر کو بے یقینی سے تکتی رہی۔

"لے نا اماں پکڑ۔ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔ فجر اب شادی شدہ ہے۔" انداز سرار مزاق اڑانے والا تھا۔ اپنا مزاق اماں کا مزاق سب کا مزاق۔

اماں نے مشکل سے قدم اٹھایا اور پھر کپکپاتے ہاتھوں سے وہ کاغذ پکڑا۔ دل جیسے ہزار کی رفتار پر دھڑک رہا تھا۔

"جا ابا کو دکھا دے اور اسے بتا دے میں نے وہی کیا ہے جو اورنگزیب کی بیٹی نے کیا تھا۔" وہ کتنی پر سکون تھی جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ پھر واپس بیٹھ گئی۔ اس بار اپنے بیگ سے وہ ٹیپ جو ولیم نے دی تھی نکالی اور ڈبے میں پھینک دی۔ اماں نے کپکپاتے ہاتھوں سے کاغذ کھولا جانا پہچانا لگا۔ پھر وہ تیزی سے باہر نکلی تا کہ ابا کو دکھا سکے۔ اماں کو پڑھنا نہیں آتا تھا۔

"فجر کے ابا یہ دیکھ یہ کیا ہے۔۔؟؟" آنکھوں میں بے تحاشہ خوف تھا۔ دل لرز رہا تھا۔ انہونی کا خوف !

" یہ نکاح نامہ ہے ابا میں نے شادی کر لی۔۔۔" وہ زور سے بولی۔ اب کی بار اسکے چہرے پر مسکان تھی۔ کمینی سی مسکان۔ زخمی سی مسکان۔

" پتا ہے میں نے شادی کس سے کی ہے؟؟" وہ ابا تک اپنی آواز پہنچا رہی تھی۔ ابا کی کوئی آواز نہ ابھری۔ وہ بڑی مشکل سے اٹھ کر بیٹھا اور پھر کپکپاتے ہاتھوں سے نکاح نامہ کھولا۔

" ابا میں نے ایک انگریز سے شادی کر لی۔ کورٹ میرج۔ کوٹ میرج کا پتا ہے نہ تجھے۔۔۔؟؟ "

وہ اب بھی ویسے ہی بیٹھی تھی۔ ٹھنڈی زمین پر گھٹنے موڑے۔ اس پل اس پر کسی پاگل کا گمان ہو رہا تھا۔ باہر صحن میں اندھیرا جیسے گہرا ہو گیا۔ سیاہ پر پھیلائے بد قسمتی وارد ہونے لگی۔

ہاں وہ نکاح نامہ ہی تھا۔ ابا نے اپنے سینے میں چبھن سی محسوس کی۔ انہونی کا احساس ہوا اور اگلے ہی پل جب ابا نے دلہے کا خانہ دیکھا تو نکاح نامہ انکے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ ولیم جوزف کا نام واضح لکھا تھا۔ وہ سچ کہہ رہی تھی۔

ابا واپس گر گیا جبکہ اماں نے منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنی چیخ کا گلا گھونٹا۔

" فف۔۔۔ فجر کی ماں۔۔۔۔" ابا نے بے یقینی سے اماں کو دیکھا اور اماں کے وجود میں جیسے ہلچل ہوئی۔ انہوں نے وہ نکاح نامہ فٹافٹ اٹھایا اور تیزی سے کمرے سے نکل کر باورچی خانے میں گھس گئی۔ سانپ گزر گیا تھا اور وہ لکیر مٹانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اگلے ہی پل انہوں نے نکاح نامہ کو انگیٹھی میں رکھا اور کپکپاتے ہاتھوں سے ماچس اٹھائی ماچس گر گئی۔ پھر سے ماچس اٹھا کر تیلی نکالی۔ وہ اب تیلی جلانے کی کوشش کر رہی تھی وہ بہت جلدی میں تھی تاکہ فجر کی اس غلطی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مٹایا جا سکے کسی کو پتا لگنے سے پہلے۔

" ابا اورنگزیب کی بیٹی مر گئی تھی نا۔ دیکھ میں زندہ ہوں۔۔۔" وہ پاگلوں کی طرح بولے جا رہی تھی۔ تیلی جلی اور نکاح نامے کو آگ نے پکڑ لیا۔ اماں کے اندر طیش اٹھا انہوں نے چاروں طرف نظریں اور پھر لکڑی کا روٹیوں والا بیلن نظر آ گیا اگلے ہی پل وہ بیلن اٹھاتی فجر کے کمرے کی جانب بڑی۔

" میں تو زندہ ہوں پر سب ختم ہو گیا ابا۔ میں بھی ہار گئی تو بھی ہار گیا اماں بھی ہار گئی۔ سب ہار گئے۔۔" وہ استہزائیہ ہنسی۔ اماں کسی پاگل جنونی کی طرح اسکے سر پر پہنچ چکی تھی۔

" تجھے لگتا ہے تو جیت گئی؟؟ تجھے لگتا ہے تو جیت جائے گی۔؟؟" اماں نے پوری وقت سے بیلن اسکے کندھے پر دے مارا۔ فجر کی کراہ ابھری پر وہ ہلی نہیں۔ زبان دانتوں تلے دبالی۔ ہاں شاید یہ جسمانی تکلیف ہی اندرونی تکلیف کو کم کر پاتی۔ اماں کو روکا نہیں۔

" کیوں کیا تو نے ایسا فجر کیوں کیا۔۔؟؟" اماں نے ایک اور کاری وار کیا۔ وہ تکلیف سے جھک گئی۔ پر بیٹھی رہی۔ آنکھوں کے سامنے ارسل کا مسکراتا چہرہ اُبھرا۔ وہ اسکے سامنے انگوٹھی رکھ رہا تھا۔

" یہ سب کرنے سے پہلے تو مر جاتی فجر۔۔۔" اماں نے تیسرا وار کیا۔ ارسل اب اپنے ماں باپ کے ساتھ اندر آ رہا تھا۔

"تو کسی گاڑی کے نیچے آ کر مر جاتی فجر تو آج واپس ہی نہ آتی۔۔" کمر پر لگنے والا بیلن زوردار تھا۔ ضبط کے مارے فجر کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ آنکھیں بھرنے لگیں۔

وہ اسکے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا رہا تھا۔

"فجر اللہ نے تجھے غرق کیوں نہیں کیا۔ تو مر جاتی فجر تو مر جاتی۔۔" اماں اب اسے مارے جا رہی تھی۔ بیلن کہاں لگ رہا تھا اسے کتنی تکلیف ہو رہی تھی اماں کو کچھ فرق نہیں پڑتا تھا۔ فجر نے جو قدم اٹھایا تھا وہ سزائے موت کی حقدار تھی۔ اس نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ دانتوں تلے دبی زبان زخمی ہو گئی۔ آنکھوں سے آنسوں بہہ نکلے۔

وہ پاؤں چھڑاتا جا رہا تھا۔

" بول تو نے یہ کیوں کیا؟؟ بول فجر بول۔۔" اماں چاہتی تھی وہ بولے۔ وہ مار مار کر تھک گئی تھی پر فجر ڈھیٹ بنی بیٹھی رہی۔

"اماں۔۔۔" دل درد سے پھٹنے کو تیار تھا۔ اسکی پکار میں اتنی تکلیف تھی کہ اماں نے ایک پل کو محسوس کی پر رُکی نہیں۔ باہر ٹھٹھرتی رات نے محسوس کی اور رات بے زبان سی رو دی۔

"اماں ارسل نے چھوڑ دیا۔" سینہ اب زمین پر ٹکے گھٹنوں سے جا لگا۔ درد ہی درد تھا۔ آہ بکا تھی۔

اسے ٹھکرا دیا گیا تھا اور انسان سب برداشت کر لیتا ہے اپنا رد ہونا نہیں اپنا ٹھکرایا جانا نہیں۔ اس لیے تکلیف حد سے سواء تھی۔

"میں نے تو بس محبت کی تھی۔ گناہ تو نہیں کیا تھا۔ تو نے مجھے بد دعائیں دیں۔" وہ اب سسک رہی تھی۔ تڑپ رہی تھی۔

"اس نے ہاتھ چھڑا لیا ام۔۔۔ما۔۔۔اماں۔۔۔" الفاظ ٹوٹنے پھوٹنے لگے۔

" مم۔۔۔میں نے اس کو آزاد کر دیا۔۔۔" آواز آہستہ ہو گئی۔ پر اماں نہ رکی۔ اسے لگ رہا تھا فجر کی کوئی ہڈی ٹوٹے نہ ٹوٹے پر اُنکا اپنا ہاتھ ٹوٹ جائے گا۔

" ارسل۔۔۔" وہ حلق کے بل چلائی۔ گردن کی نسیں ابھر گئیں۔ ضبط ٹوٹ گیا۔ تکلیف بہہ نکلی۔ آخری بار اُسکا نام لیا گیا۔ آخری بار اُسے پکارہ گیا۔ اور اماں نے بیلن پوری قوت سے گردن کے نچلے حصے پر دے مارا۔

انسان کبھی نہ رونے کے لیے ایک بار ضرور روتا ہے اور یہ آنسوں وہ آخری آنسوں تھے جو وہ بہا رہی تھی۔ اُس سے دستبردار ہو چکی تھی معاف نہیں کیا تھا۔ اُسکا دیا زخم ناسور بنتا جا رہا تھا اور تب تک رہتا جب تک وہ اُسے معاف نہ کر دیتی اور بیچ راستے میں چھوڑنے والوں کو معافی نہیں ملتی۔ جس نے چھوڑا ہو وہ سکون سے نہیں جی پاتا اور جسے چھوڑا جائے اسکا مقدر تو بس تڑپنا ہوتا ہے۔

بیلن چھوٹ کر گیا اماں ہانپتے ہوئے ہٹ گئی۔ آج سارا غصہ نکال لیا تھا ساری وحشت اماں نے اُسکے وجود پر اتاری تھی۔ آوازیں یقیناً محلے والوں نے سنی ہونگی۔ پر جو ہونا تھا ہو چکا تھا۔ اماں کمرے کی دہلیز میں بیٹھی رو رہی تھی۔ فجر نے انہیں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔ بلقیس کو دی گئی زبان ایک بار پھر ٹوٹ گئی تھی۔

جبکہ دوسرے کمرے میں بستر پر پڑا ابا کا وجود کپکپا رہا تھا۔ وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر بولنے کی کوشش میں تھا پر الفاظ حلق میں ہی پھنس گئے۔ آنکھیں ابل آئیں، ابا کے سرہانے کھڑی منار ہنس رہی تھی۔ ابا پر قہقہے لگا رہی تھی۔

"تو ہار گیا ابا۔۔۔ تو ہار گیا۔۔۔" وہ ابا کا مزاق اڑا رہی تھی۔ ابا نے منہ کھول کر سانس لینا چاہا پر نہیں آیا۔ ابا نے چاروں طرف گہرا اندھیرا چھاتا محسوس کیا۔ وجود کو ایک آخری جھٹکہ لگ اور پھر ساکت ہو گیا۔ پھٹی پھٹی آنکھوں میں بے یقینی رقم رہ گئی۔

اماں کمرے کی دہلیز پر سر پکڑے بیٹھی رو رہی تھی جبکہ زمین پر پڑا فجر کا وجود اب ساکت تھا۔

کبھی کبھی قیامت خاموشی سے آتی ہے اور گزر جاتی ہے کسی کو احساس تک نہیں ہوتا۔ معراج الدین کے گھر میں بھی ایسی ہی ایک قیامت آکر گزر چکی تھی اور کسی کو جیسے خبر تک نہ ہوئی تھی۔

✿••✿••✿••✿

"فجر۔۔۔" رات کے اس پہر اپنے گھر کے عالیشان میں کمرے میں، نرم گرم قالین پر بیٹھا ارسل زیر لب بڑبڑایا۔ اسکی آنکھوں میں آنسوں تھے۔

کیا اس نے سچ کہا تھا؟ کیا ایک ہی دن میں اسکی شادی بھی ہو گئی تھی؟؟ کیا سچ میں اس نے فجر کو ہمیشہ کے لیے گنوا دیا تھا؟؟ ہزاروں سوال کسی اژدھے کی طرح ڈسنے لگے۔

اسکا پاؤں پکڑنا یاد آیا اور اپنا چھڑا لینا۔

اسکا تڑپ کر اپنی جانب بڑھنا یاد آیا اور گارڈز کا اسے دھکے دے کر باہر نکالنا۔

لٹی پٹی سی حالت لیے کمرے میں سوگ مناتا ارسل برہان اس وقت بے طرح تڑپ رہا تھا۔ اسے برا لگتا تھا جب کوئی فجر کا کوئی کلاس فیلو اسے میسج بھی کر لیتا تھا۔ جب وہ کسی کا کام کر دیتی تھی۔ جب کوئی کولیگ اسے سوشل میڈیا

پر فالو کر لیتا تھا اسے سب زہر لگتے تھے وہ کسی کو فجر کے ساتھ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ پھر خود کیسے اتنی آسانی سے گنوا دیا؟؟

کیا وہ مزید ضد نہیں کر سکتا تھا؟ کیا خاندان زیادہ اہم تھا؟؟ اسے ہمیشہ عزت اور ادب سکھایا گیا تھا۔ اسے بتایا گیا کہ جو برہان گردیزی نے کہہ دیا وہ پتھر پر لکیر اسے ویسا ہی کرنا تھا پھر محبت کیوں اپنی مرضی سے کر لی تھی۔ کر لی تھی تو کھڑا کیوں نہیں ہو پایا؟؟ وہ کسی اور کی ہو چکی تھی کسی اور کی وائف تھی۔ ارسل نے اپنے بال نوچ ڈالے۔ آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں۔

وہ تو ہمیشہ اسکا انتظار کرنے کا کہتی تھی کیوں اس نے ایک ہی رات میں شادی کر لی تھی؟؟

وہ جو خود کو اسکے نام لکھ چکی تھی کیسے کسی اور کا نام اپنے ساتھ جوڑ لیا تھا؟؟

غصہ آ رہا رونا آ رہا تھا۔ بے بسی سی بے بسی تھی۔ دل کو کسی کروٹ آرام نہیں تھا۔ وہ اسے فون کر رہا تھا پر نمبر بند جا رہا تھا۔ وہ کبھی ایک گھنٹے کے لیے بھی ناراض نہیں رہی تھی پھر اب کیسے تعلق ختم کر لیا تھا؟؟

گہرا پچھتاوہ تھا اور ارسل برہان کے پاس اب بس یہی بچا تھا اور اسے ارسل برہان کو ساری عمر جھیلنا تھا۔

✿••✿••✿••✿

رات کے ساڑھے نو بجے کا وقت تھا۔ گاڑی تیزی سے بھیگی کشادہ شاہراہ پر آگے بڑھ رہی تھی۔ گاڑی میں تیز میوزک بج رہا تھا اور جنید ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا گاڑی چلا رہا تھا جبکہ ولیم ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا۔ فجر کو چھوڑنے کے بعد وہ نکاح نامہ کے لے کر سیدھا وہاں گیا تھا جہاں سے اسے محبت چاہیے تھی پر دھتکار ملی۔

اسکا سینہ فخر سے پھولا ہوا تھا۔ اس نے سوچا نہیں تھا کہ وہ اس دھتکار کا بدلا اتنی آسانی سے لے لے گا۔

"کیا کہا تھا آپ نے کہ وہ میرا ملک تھا جہاں آپکی بیٹی نے میرے ڈیڈ سے شادی کی؟؟ یہی کہا تھا نا کہ میں یہاں کسی مسلمان لڑکی سے شادی کر کے دکھاؤں۔ دیکھیں میں نے کر لی۔۔۔" وہ ہنسا اور ہنستا چلا گیا۔ اسکے سامنے بیٹھے بوڑھے وجود کی آنکھوں اور چہرے پر بے یقینی رقم تھی۔ وہ بوڑھے وجود کو اِسی صدمے میں غرق چھوڑ آیا تھا اور اب ہیٹر کی گرمائش میں اونچی آواز سے چلتا میوزک مسرور کر رہا تھا۔

ایئرپورٹ بس آنے ہی والا تھا جب جنید نے میوزک آہستہ کیا اور اُسکی جانب متوجہ ہوا جو اُس نکاح نامے کو ہاتھوں میں پھیلائے چمکتی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ یہ اُسکے لیے ہتھیار تھا اور ابھی اُسے اِس ہتھیار سے کافی جنگیں لڑنی تھیں۔

"ولیم تم واپس کب آؤ گے؟؟" جنید کے اُبھرتے سوال پر اُس نے نکاح نامہ تہہ کیا اور جیکٹ کی اندرونی جیب میں اڑس لیا۔ سر پر کیپ تھی جبکہ ہیڈ فون اس وقت بیگ میں تھے۔ سارا سامان اچھے سے پیک ہوا گاڑی کی ڈگی میں رکھا تھا۔

"میں واپس کیوں آؤں گا؟" اس نے اچنبھے سے پوچھا۔

"کیا مطلب کیوں آؤں گا؟؟ اپنی وائف کے بارے میں کیا خیال ہے۔۔؟؟ "

وائف لفظ پر اُسکے لبوں کو شریر سی مسکان نے چھوا۔ کھا جانے والی آنکھوں سے گھورتی فجر تصور کے پردے پر لہرائی۔ دل گداز ہوا اور اس سے کوئی جواب نہیں بن پایا کئی لمحے خاموشی چھائی رہی پھر وہ آہستگی سے بولا۔

"اُسے اِس شادی میں کوئی دلچسپی نہیں۔۔" کتھئی آنکھوں کی چمک ماند پڑ گئی۔

"اور تمہیں۔۔؟؟" جنید ذرا سی گردن موڑ کر دیکھتا اور پھر نظریں سامنے سڑک پر جما دیتا۔

"مجھے بھی نہیں ہے۔۔۔"اُسے اپنی ہی آواز اجنبی لگی۔

"تو کیا تم دونوں ساری عمر ایسے ہی رہو گے ؟؟"جنید کو حیرت ہوئی۔

"ہاں۔۔۔"یک لفظی جواب ابھرا۔وہ اب فون نکالے نوٹیفیکیشن دیکھ رہا تھا۔

"ولیم تم کب واپس آؤ گے ؟؟ڈیڈ غصہ ہیں۔۔"نساء(ولیم کی چھوٹی بہن)کا میسج تھا۔

"ڈیفالٹ پیس اگر ڈیڈ کو پتا چلا تم پاکستان گئے ہو تو مجھے وہ زندہ دفنا دیں گے۔"جارج(ولیم کا بڑا بھائی)کا بھی میسج تھا۔ وہ زیر لب مسکرا دیا۔

"تم کسی اور سے شادی نہیں کرو گے ؟؟"جنید کی آواز ابھری اور اسکرین پر پھسلتا اُسکا انگوٹھا ساکت ہوا۔پھر وہ جینڈ کی جانب مڑا۔

"میرا چہرہ دیکھو۔۔"وہ جنید کی جانب جھکا۔داہنا ہاتھ بڑھا کر کیپ کھینچ کر اُتار دی۔گہرے بھورے بال ماتھے پر آ گرے۔کون کہتا ہے بال صرف عورت کی خوبصورتی میں اضافہ کرتے ہیں ؟؟کوئی پوچھتا ولیم جوزف سے اُسکی آدھی دنیا اسکے بال تھے اور آدھی دنیا اسکی وہ کتھئی آنکھیں۔۔۔اور اُسکا چہرہ ؟؟ہاں وہ تو پوری کائنات تھا۔

"دیکھو مجھے غور سے ؟؟"وہ سنجیدہ تھا۔جنید کی جانب رخ کیے بیٹھا تھا۔اُسکے یوں پوچھنے پر جنید کو حیرت ہوئی۔وہ ابھرو سیکڑے اسے دیکھے گیا۔

"تمہیں میں اِس حسین شکل سے گدھا لگتا ہوں جو شادی کر کے اپنی زندگی خراب کروں گا ؟؟"اس نے بائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی چہرے کے گرد گھمائی۔اسکے یوں کہنے پر جنید کا پورا منہ کھل گیا۔

"وہ جو آج دن میں کی ہے وہ کیا برتھ ڈے پارٹی تھی؟؟" وہ جل بھن کر بولا۔ اُسے سارا دن خوار کر کے وہ کس قدر آسانی سے کہہ رہا تھا۔

"وہ بس ذرا سا۔۔۔" وہ بولتے بولتے رک گیا۔ فجر کا عکس اُبھرا۔ وہ دماغ سے کیوں چپک رہی تھی؟؟ ولیم کی بھنویں سکڑنے لگیں۔ وہ جھٹکے سے پیچھے ہو بیٹھا۔ کیپ دوبارہ سر پر جمالی۔

"ہاں بولو؟؟" جنید چلایا۔

" میں نہیں جانتا۔۔۔" تین لفظی جواب دے کر جان چھڑا لی گئی۔

" دیکھو بھئی ہمارے ملک کی لڑکی نے ہم سب کو چھوڑ کر تم سے شادی کی ہے اور تم بھی فٹافٹ اسکے لیے مسلم ہو گئے اور اب تم دونوں ایسے برتاؤ کر رہے ہو جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔۔" وہ شدید کوفت میں مبتلا تھا۔ جبکہ ولیم خاموش رہا۔ ایئرپورٹ بس آنے ہی والا تھا۔

"تم کچھ بولو گے؟؟" جنید نے اسکی خاموشی پر استفسار کیا۔

"یس پلیز شٹ اپ۔۔" وہ بولا بھی تھا تو کیا؟؟ جینید نے تاسف سے گردن ہلائی۔

"تم انگریزوں پر بھروسہ کرنا ہی نہیں چاہیے۔۔" وہ زیر لب بڑبڑایا۔

"یہ بات اُسے بتانی تھی۔" اسکا اشارہ فجر کی طرف تھا۔

"ولیم صاحب اُسکی خوبصورت کے آگے تم بچھ گئے تھے۔ تمہارا بس نہیں چل رہا تھا اپنے دل نکال کر اسکے قدموں میں رکھ دو۔ تم اُسکی خوبصورتی ہینڈل نہیں کر پا رہے تھے۔ کبھی بیوٹی ان ریڈ کبھی بیوٹی ان پرپل تو کبھی بیوٹی ان بلیک۔" منہ بنا کر اُسکی نقل اتاری۔

" میری کیا مجال جو میں اُس جیسی تیکھی تلوار کو دیکھ بھی لوں۔ حلال ہونے کا شوق نہیں مجھے۔۔ "

"بیوٹی ان بلیک نہیں بیوٹی ان وائٹ۔۔" کان کھجھا کر تصحیح کی گئی۔ چہرے کو پھر سے دلکش مسکان نے چھو لیا۔ وہ بیوٹی ان وائٹ اسکی بیوی تھی۔

دل کیوں کر رہا تھا بیچ سڑک گاڑی روک کر رقص کرنے کو؟؟ یہ صرف جیتنے کی خوشی تو نہیں تھی۔ وہ اب گاڑی کے شیشے پر کہنی ٹکائے، پہلی دو انگلیاں ہونٹوں پر رکھے مسکراہٹ چھپا رہا تھا جبکہ جنید غصے میں بڑبڑائے جا رہا تھا۔

✿••✿••✿••✿

چالیس منٹ بعد وہ اپنی فلائٹ میں بیٹھا تھا۔ جیسے جہاز نے اڑان بھری ولیم نے ایک آخری نظر چمچماتے شہر کو دیکھا۔ اسی شہر میں وہ رہتی تھی فجر معراج۔ ولیم جوزف کی اکلوتی بیوی۔ وہ کتنی ہی دیر کھڑی سی جھانکتا رہا۔ فجر کے ساتھ گزرے دن کا ایک ایک لمحہ آنکھوں میں گھوم گیا۔ پھر اس نے تھک کر سیٹ سے پشت ٹکا دی۔

وہ اپنی دنیا میں واپس جا رہا تھا وہ دنیا جہاں اذیتیں تھی درد تھا، سب کچھ تھا۔ اسکی فلائٹ ساڑھے چودہ گھنٹے کی تھی۔ رات دس بجے اڑنے والی یہ فلائٹ اگلے دن ایک بجے (سکاٹ لینڈ کے وقت کے مطابق) کے قریب ایڈنبرا پہنچتی۔ اس نے بیگ سے ہیڈ فون نکال کر کانوں پر جمائے اور پھر چھوٹی سی ٹیپ نکال کر ہیڈ فون سے جوڑ دی اور پھر آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔

اور انسان اتنا پاگل ہے کہ اگلے انسان کو تکلیف پہچا کر اس سے بدلا لے کر سکون محسوس کرتا ہے۔ وہ سکون جو وقتی ہوتا ہے۔

"تف ہے تم پر ولیم۔ اپنی وائف کو چھوڑ آئے۔" کتنی خاموشی سے وہ وارد ہوتی تھی۔ اس پل وہ ولیم کو اپنی شہہ رگ جتنا قریب لگی۔

"ویسے ہی چھوڑ دیا حالات کے رحم و کرم پر جیسے تمہارے باپ نے تمہاری ماں کو چھوڑا تھا۔۔" ولیم نے تڑپ کر آنکھیں کھول دیں۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ ساتھ والی سیٹ پر ایک ادھیڑ عمر آدمی کسی رسالے کی ورق گردانی کر رہا تھا۔

وہ اپنے باپ جیسا نہیں تھا۔ اسے اپنے باپ جیسا ہرگز نہیں بننا تھا تبھی تو وہ فجر کے لیے مسلمان ہوا تھا۔

"تم اپنی چیزیں تک نہیں چھوڑتے، تم اپنی وائف کیسے چھوڑ آئے ولیم۔۔؟؟" آواز میں استہزاء تھا طنز تھا۔ آج تو ہیڈ فون بھی اسکی آواز کو نہیں روک پائے تھے۔ وہ بے چین ہوا۔

اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"کیا تم ٹھیک ہو؟؟" ساتھ بیٹھے آدمی نے پوچھا۔ اسے ولیم کی حالت عجیب لگ رہی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔۔" بے ساختہ چہرہ دونوں ہاتھوں میں گرا دیا تھا۔ اب اسکی آواز نہیں آ رہی تھی۔ ولیم کا سکون برباد کر کے وہ جا چکی تھی۔

اور کئی گھنٹے جاگتے رہنے کے بعد وہ جس قدر تھکا ہوا تھا سو گیا۔ پر سکون نیند !

اور جب آنکھ کھلی تو جہاز ایڈنبرا میں لینڈ کرنے والا تھا۔ اس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ صبح کے آٹھ بجنے والے تھے اور ایڈنبرا میں درجہ حرارت اس وقت سات سینٹی گریڈ تھا۔ شدید ٹھنڈ پڑ رہی تھی۔ آج کل درجہ حرارت رات میں ایک سینٹی گریڈ تک گر جاتا تھا۔ وہ غور سے دیکھتا رہا سب کچھ ویسا ہی تھا پھر بھی سب بدلا بدلا سب روشن روشن کیوں لگ رہا تھا؟؟ حالانکہ صبح کے آٹھ بجے بھی ایڈنبرا میں رات کا سماں تھا۔ سرمئی اندھیرا چاروں جانب پھیلا تھا۔

یہ عجیب سی کیفیت تھی۔ وہ جیکٹ پہنتا کھڑکی سے ہٹ گیا اور پھر بیس منٹ بعد وہ ایئرپورٹ سے باہر نکل رہا تھا۔ یونائیٹڈ کنگڈم کا چھٹا مصروف ترین ایئرپورٹ جسکی بھوری عمارت پر بڑا سا Edinburgh Airport لکھا تھا۔ وہ جگہ جہاں سکاٹ لینڈ دنیا سے ملتا تھا یا دنیا سکاٹ لینڈ سے ملتی تھی۔ یہ دور سے ہی دکھائی دیتا تھا۔

اگر ایڈنبرا کے بارے میں بات کی جائے تو یہ ایک بہت ہی خوبصورت شہر ہے جو اسکاٹ لینڈ میں واقع ہے۔ یہ اسکاٹ لینڈ کا دارالحکومت ہے۔ یہ اپنی تاریخ، ثقافت اور فنون لطیفہ کے لیے مشہور ہے۔ یہاں آپ کو تاریخی قلعے، خوبصورت مناظر، اور ثقافتی میلوں کا تجربہ کرنے کو ملتا ہے۔ شہر کی خوبصورتی میں اس کی قدیم عمارتیں، باغات، اور پہاڑی علاقے شامل ہیں، جیسے آرتھر سیٹ، جو ایک مشہور پہاڑی ہے جہاں سے شہر کا شاندار منظر دیکھا جا سکتا ہے۔ ایڈنبرا کی خاص بات یہ ہے کہ یہ تاریخ اور جدیدیت کا حسین امتزاج پیش کرتا ہے۔

جغرافیائی طور پر، ایڈنبرا ایک پہاڑی علاقے میں واقع ہے، جس کے گرد پہاڑ اور گھنے جنگلات ہیں۔

ایڈنبرا کی سب سے خاص بات یہ ہے کہ اس کو "**ادب کا شہر**" کہا جاتا ہے کیونکہ یہاں بہت سے مشہور ادیب پیدا ہوئے، جیسے رابرٹ برنس، آرتھر کانن ڈوئل اور جے کے رولنگ۔۔ جی ہاں ہیری پوٹر کی مصنفہ جے کے رولنگ !

ایڈنبرا "**اولڈ سموکی**" کے نام سے بھی مشہور ہے۔ اولڈ سموکی کہنے کی وجہ اس شہر کی تاریخی اور ثقافتی خصوصیات ہیں۔ یہ نام خاص طور پر ایڈنبرا کی دھوئیں دار، پتھریلی گلیوں اور قدیم عمارتوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ کیونکہ یہاں کی عمارتیں سرمئی ہیں۔

یہاں کی گلیاں اور عمارتیں کئی صدیوں کی تاریخ کی گواہی دیتی ہیں، اور ایڈنبرا کی قدیم طرز تعمیر میں اکثر دھوئیں کا اثر ہوتا تھا، خاص طور پر جب کوئلے کے چولہے استعمال ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ، "**سموکی**" کا لفظ اس شہر کی روایتی "**اسکاچ وہسکی**" کے ساتھ بھی جڑا ہوا ہے، جو کہ دھوئیں دار ذائقے کی وجہ سے مشہور ہے۔

یہ نام ایڈنبرا کی ثقافتی ورثے، تاریخی اہمیت اور اس کی منفرد خصوصیات کو اجاگر کرتا ہے، جو اسے ایک خاص شناخت فراہم کرتا ہے۔

اسی ایڈنبرا کی ایک خوبصورت صبح میں ولیم کندھے پر بیگ ڈالے، ایک ہاتھ میں فون پکڑے جبکہ دوسرے ہاتھ سے کیری تھامے باہر نکل رہا تھا۔

"**کہاں ہو؟؟**" اسکا انگوٹھا تیزی سے ٹائپ کر رہا تھا۔ جبکہ ویٹنگ ایریا سے کچھ فاصلے پر ایک خوبصورت سی گاڑی کھڑی تھی۔

AMG SL Roadster چمچماتی مرکری رنگ کی کار، جسکی چھت کھلی تھی۔ سیاہ چمکتے پہیوں والی کار پوری شان و شوکت سے کھڑی اترا رہی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر نیل بیٹھا تھا۔ جینز شرٹ پر لیدر کی جیکٹ پہنے مفلر کو کانوں پر لپیٹے اور سر پر گرم ٹوپی اوڑھے وہ ولیم کا ہی انتظار کر رہا تھا۔ جیسے ہی اسکی نظر باہر آتے ولیم پر پڑی وہ اچھلتے

ہوا گاڑی کا دراز ہ پھلانگ کر باہر نکلا اور تیزی سے اُسکی جانب لپکا۔ اگلے لمحے وہ اس سے چپکا کھڑا تھا۔ دونوں بازو اسکے گرد جمائے۔

"میں نے تمہیں بہت مِس کیا۔۔" وہ مسرور سا بولا۔ اسے ولیم بہت عزیز تھا۔ آنکھیں بند کیے چہرہ اسکے کندھے پر ٹکائے وہ کسی حسینہ کی طرح اس سے چپکا ہوا تھا جبکہ ولیم کے ہاتھ پہلو میں ہی رہے اس نے نیل کے گرد اپنے بازو نہیں پھیلائے۔

"پیچھے ہٹو، تمہارے جسم سے اٹھتے بدبد کے بھبوکوں سے مجھے قے آجائے گی۔۔" وہ بے مروتی سے بولا تو نیل منہ بناتا اسے سے الگ ہوا۔ گاڑی کو دیکھتے ولیم کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ ہینڈ کیری کو وہیں چھوڑتے وہ گاڑی کی جانب بڑھا۔

"بیلا۔۔۔" ہاں اسکی گاڑی کا نام بیلا تھا اور اسے وہ بہت عزیز تھی۔ حد سے زیادہ۔ نیل سے بھی زیادہ۔
اب وہ گھوم پھر کر چاروں سے جانب سے بیلا کا معائنہ کر رہا تھا کہ کہیں کوئی کھروچ تو نہیں جبکہ نیل کمر پر دونوں ہاتھ جمائے، آنکھیں چھوٹی کیے اسے دیکھ رہا تھا۔ بیس دنوں بعد وہ ایک دوسرے سے مل رہے تھے اور ولیم کو اس سے زیادہ اپنی بیلا کی پرواہ تھی جو وہ نیل کے حوالے کر کے گیا تھا۔ کندھے پر لٹکا بیگ ولیم نے اتار کر پچھلی سیٹ پر پھینکا اور جب اسے یقین ہو گیا گاڑی بالکل اسی حالت میں تھی جس میں وہ چھوڑ کر گیا تھا تو اسکی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"بہت بڑے کمینے ہو تم۔ دوست سے زیادہ یہ گاڑی عزیز ہے جس نے بیس دن اسکا خیال رکھا۔" نیل بولے بنا نہیں رہ سکے۔ نہ بولتا تو پیٹ میں مروڑ اٹھنے لگتے۔ ایشائی نین نقش والا نیل ایک انڈین لڑکا تھا۔ لوگ تیزی سے

آجارہے تھے اور کئی ستائشی نظریں بیلا کی جانب اٹھیں۔ولیم ان تمام نظروں سے اچھے سے واقف تھا۔کیونکہ اس نے یہ گاڑی محنت سے حاصل کی تھی۔جانتے ہیں کیسے حاصل کی تھی؟؟لمبی کہانی ہے آگے راز کھلے گا۔

مسکراہٹ ولیم کی آنکھوں تک محدود رہی۔ہونٹوں تک آنے کی گستاخی نہیں کی۔اگلے ہی پل وہ اُچھلا اور گاڑی کے اندر چھلانگ لگادی۔وہ اب ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تھا۔ہاتھ سے چھو کر دیکھ رہا تھا محسوس کر رہا تھا۔

"ایک دن بھی میں نے اِسے باہر نہیں نکالا، گیراج سے ابھی لے کر آیا ہوں۔۔"نیل نے اُسکا ہینڈ کیری اٹھا کر پچھلی سیٹ پر رکھ دیا اور دوسری طرف کا دروازہ کھول کر وہ اندر اسکے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔جبکہ ولیم ابھی تک خاموش تھا۔

"اب جلدی سے مجھے اچھا ناشتہ کرواؤ تمہاری وجہ سے صبح صبح یہاں ایئرپورٹ پر جھک مار رہا ہوں۔"اس نے بیٹھتے ہی فرمائش کی۔یوں بھی اسے ولیم سے اس دورے کے سبھی قصے سننے تھے۔

"گھر چلتے ہیں۔۔"ولیم نے گاڑی اسٹارٹ کی۔وہ اکثر سفر سے واپس آتا تو تھکا ہوتا تھا پر آج نہیں تھا۔جانے کیوں ایک نئی انرجی اندر دوڑتی محسوس ہو رہی تھی۔

"او بھائی! خدا کا خوف کر۔۔"گھر کے نام پر نیل بدک گیا۔

"تمہارے اس محل جیسے گھر میں مجھے اس وقت جانے کا کوئی شوق نہیں ہے جب تمہارا ڈریکولا جیسا باپ وہاں موجود ہو۔۔"اسکا حلق تک کڑوا ہوا۔نیل کو مسٹر جوزف نہیں پسند تھا اور مسٹر جوزف کو تو نیل زہر لگتا تھا۔اسی لیے نیل مسٹر جوزف کی موجودگی میں وہاں جانے سے گھبراتا تھا۔

"کسی کافی شاپ چلتے ہیں گرم گرم کافی پیئیں گے کافی ٹھنڈ ہے۔" اُس نے اپنے ہاتھ مسل کر گرمائش پیدا کی جبکہ منہ سے اڑتی بھاپ ایڈنبرا کو سموکی بنانے کی ایک اور وجہ لگ رہی تھی۔ جب جب وہ نیل منہ کھول رہا تھا سفید دھویں نماں بھاپ منظر کو دھندلا سا کر دیتی۔

اس نے ڈیش بورڈ پر موجود بٹن دبایا سیاہ رنگ کی جالی نما چھت گاڑی کے پچھلے حصے سے کسی چھتری کی طرح کھلتی انکے اوپر سے گزر کر سامنے ڈیش بورڈ میں فکس ہو گئی۔ اور اگلے ہی پل بیلا فراٹے بھرتی گہری سرمئی رنگ کی سڑک پر تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔

✿••✿••✿••✿

اسی صبح میں ایئرپورٹ سے تقریباً سات میل کے فاصلے پر موریفیلڈ (Morrayfield) میں واقع جوزف پیلس پوری شان و شوکت سے کھڑا تھا۔ وکٹورین طرز کا بنا یہ پیلس اپنے اونچے منار اور بے پناہ کھڑکیوں کے باعث دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔

اگر بات کی جائے موریفیلڈ کی تو یہ ایڈنبرا کا ایک مشہور علاقہ ہے، جو خاص طور پر اپنے رگبی (رگبی فٹبال کی طرح کا میچ ہے جس میں گیند کو ہاتھ میں پکڑ کر حریف کے اینڈ زون میں لے جانا ہوتا ہے) اسٹیڈیم کے لیے جانا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ، موریفیلڈ ایک رہائشی علاقے کے طور پر بھی جانا جاتا ہے، جہاں وکٹورین اور ایڈورڈین طرز کی عمارتیں موجود ہیں۔ یہاں کے گھر عموماً کشادہ ہوتے ہیں اور اس میں باغات بھی ہوتے ہیں، جو اس علاقے کی خوبصورتی میں اضافہ کرتے ہیں۔ یہاں پر گھر ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر ہوتے ہیں اور تقریباً ہر گھر کے گرد

اپنا ایک باغ ہوتا ہے۔ ایسے ہی ایک ایکڑ پر بنے اس ہرے بھرے سے باغ میں جوزف پیلس موجود تھا۔ پیلس کی ظاہری وضع قطع کو سمجھنے کے لیے پہلے وکٹورین اسٹائل کو سمجھنا زیادہ ضروری ہے۔

وکٹورین گھر (Victorian houses) 19ویں صدی کے دوران برطانیہ میں تعمیر کیے گئے تھے، خاص طور پر ملکہ وکٹوریہ کے دور حکومت (1837-1901) کے دوران۔ یہ گھر عام طور پر اپنی خوبصورتی اور تفصیلی ڈیزائن کے لیے مشہور ہیں۔ وکٹورین گھروں میں پیچیدہ اور خوبصورت آرکیٹیکچرل تفصیلات ہوتی ہیں، جیسے کہ کڑھائی، چھوٹی بڑی بے شمار کھڑکیاں، اور مختلف شکلوں کی چھتیں۔

جوزف پیلس گوتھک طرز پر بنایا گیا پیلس تھا اس لیے اس کی چھت اونچی تھی جس میں سلیٹ کا استعمال ہوا تھا۔ اسٹین گلاس کی بنی کھڑکیاں کافی بڑی تھیں۔ اس گھر میں کئی کمرے تھے جن میں سے آج تک کچھ کمرے استعمال میں ہی نہیں لائے گئے تھے۔ گہرے سرمئی اور گہرے بھورے رنگ کا بنا یہ جوزف پلیس پہلی نظر میں ہی اپنے دیکھنے والے کو تحیر میں ڈال دیتا تھا۔ سرسبز باغ کے درمیان، جو سردیوں میں سوکھ جاتا تھا، بنا یہ گھر پہلی نظر میں کسی قلعے کی مانند لگتا تھا۔ گھر کے گرد چاروں جانب بڑا سا لان تھا اور بائیں جانب بڑا سا باغ بنا تھا۔ باغ اور لان کے گرد کوئی باڑ نہیں لگائی گئی تھی۔ یہاں سبھی گھر ایسے ہی بنے تھے کسی کو باڑ لگانے کی یا اپنی جگہ کی حد بندی کی ضرورت نہیں تھی۔ جوزف پیلس زیادہ رقبے پر پھیلا تھا۔

اور جو خاصیت اسے سب سے الگ بناتی تھی وہ یہ تھی کہ یہ اس علاقے میں اپنی طرز کا اکیلا گھر تھا۔ آس پاس کے گھر اب جدید طرز کے تھے بہت سارے گھروں کے اسٹرکچر بدل چکے تھے۔ گھر اب زیادہ اونچے نہیں تھے۔

یہ چوڑائی رخ بنے ہوئے تھے ایک منزلا دور دور تک پھیلی عمارتیں۔ کوئی گھر ایسا تھا جو دو منزلہ ہو ورنہ ڈیزائن تبدیل کر لیے گئے تھے۔ موریفیلیڈ میں گھر کسی لائن یا سیدھ میں نہیں بنتے بلکہ یہ بے ترتیب تھے۔ آگے پیچھے آمنے سامنے۔

اور ان کے بیچ جوزف پیلس کسی ڈریکولا کے پرانے محل جیسا کھڑا تھا۔ اگر ہم صبح کے اس پہر مرکزی بھیگی سڑک سے اتر کر بائیں جانب ایک پتھریلی روش پر چلتے جائیں تو روش کے آخر میں جوزف پیلس تھا۔ دونوں دور دور تک سبزہ تھا اور پیلس کے بائیں جانب باغ تھا۔

صبح کے اس پہر نم آلود دھند نے پورے موریفیلڈ کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا اور یہ کسی پھوار کی طرح گھروں، درختوں، پیڑ پودوں اور سڑکوں اور آس پاس کے جنگلات پر اتر رہی تھی۔

صبح کے اس پہر ایک پرانی سی زرد رنگ کی ٹیکسی جوزف پیلس کے سامنے مرکزی شاہراہ پر آ کر رکی۔

"تم نے مجھے لیٹ کر دیا۔۔ "ایک ادھیڑ عمر عورت کی نسوانی آواز گونجی۔ گاڑی کا دروازہ کھلا اور وہ تیزی سے باہر نکلی۔ چست سی پنڈلیوں تک آتی بھوری سکرٹ کے اوپر سیاہ رنگ اونی بلاؤز پہنے وہ پینتالیس سالا مسز صوفی تھی۔ پاؤں کورٹ شوز میں مقید تھی۔ بال چھوٹے چھوٹے اور گھنگریالے تھے جو بمشکل کانوں تک آ رہے تھے۔ ایک بھورے مفلر کو گردن کے گرد لپیٹے سرخ و سپید رنگت والی صوفی اب اپنے جھولے نما بیگ سے پیسے نکال کر ڈرائیور کو دے رہی تھی۔ پھر وہ اپنے بھاری وجود کو تیزی سے آگے گھسیٹتی بھیگی روش پر چلتی جوزف پیلس کی جانب بڑھنے لگی۔ اسکے چہرے پر خوف تھا وحشت تھی۔ نوکری سے نکالے جانے کا ڈر تھا۔ بے عزت ہونے کا ڈر تھا۔ جوتوں کے ٹک ٹک کی آواز گونجتی چلی گئی۔

صبح کے آٹھ بج رہے تھے اور اس گھر کے افراد ساڑھے آٹھ روزانہ ناشتہ کرتے تھے اور صوفی وہاں سالوں سے خانساماں کے فرائض سرانجام دے رہی تھی۔

اسے پورے پانچ منٹ لگ گئے تھے مرکزی سڑک سے پیلس پہنچنے میں۔ہاتھ بڑھا کر پوری قوت لگائی اور جہاز سائز لڑکی کا دروازہ کھل گیا۔ دروازے میں ہی پڑے چھوٹے سے قالین پر جوتے صاف کیے اور پھر بیگ سنبھالتی اندر داخل ہوئی۔

دراوازے کے دونوں جانب بڑے بڑے شیشوں والی کھڑکیاں تھیں۔ جبکہ لڑکی کا گہرا بھورا سیاہی مائل فرش دور تک بچھا تھا۔ دائیں جانب ڈرائینگ روم تھا جسکی دیواریں اسٹین گلاس کی تھیں اور اندر صوفے رکھے تھے وہ تیزی سے چلتی ڈرائنگ روم کے پہلو سے گزرتی آگے بڑھ رہی تھی۔ سامنے ہی بڑا سا ہال تھا۔ اتنا بڑا جیسے کوئی کانفرنس ہال ہو لیکن یہ مختلف تھا۔ اس ہال نما لاؤنج کے مختلف کونوں میں اٹھنے بیٹھنے کی مختلف جگہیں بنی تھیں۔ ڈرائینگ روم سے گزر کر تھوڑا آگے آؤ تو دائیں جانب دیوار پر بڑی سی لکڑی کی شیلف نسب تھی جس میں سجاوٹ کی قیمتی چیزیں تھیں۔ کئی میڈلز شان و شوکت سے سجے اترا رہے تھے۔ شیلف کے سامنے ہی وکٹورین صوفے رکھے تھے۔ ڈھلوانی شکل والے لکڑی کے یہ صوفے اپنی مثال آپ تھے۔ گہرے مہرون اور سیاہ رنگ کے امتزاج میں بنے صوفے جنکی ابھری ہوئی لکڑی پر نقش و نگار تھے۔ یہاں کھڑے ہو کر پورے لاؤنج کا نظارہ کیا جا سکتا تھا۔ مخالف سمت میں بائیں جانب گیسٹ روم تھے اور گیسٹ روم سے تھوڑا آگے ڈائینگ ہال اور اسکے ساتھ ہی بڑا سا کچن۔

ڈائینگ ہال سے تھوڑا آگے سیڑھیاں تھیں۔ لکڑی کی موٹی اور چوڑی سیڑھیاں جو بالائی منزل تک جا رہی تھیں۔

لاؤنج میں کئی کھڑکیاں تھیں جن پر بھاری عمدہ پردے ٹنگے ہوئے تھے اور اس وقت وہ سب آدھے کھلے تھے جبکہ آدھے دونوں جانب سے بند تھے۔ شیلف کے سامنے صوفے چوکور شکل میں رکھے تھے۔ تین ایک جانب تین دوسری جانب، دو دائیں دو بائیں اور درمیان بیش قیمتی قالین کے اوپر بڑا سا میز رکھا تھا۔ اگر شیلف کے ساتھ دیکھا جائے تو دیوار پر پانچ فٹ کی پینٹنگ لٹکی ہوئی تھی اور اسکے ساتھ کئی پرانی تصویریں۔ یہ پینٹنگ مسٹر جوزف پیٹرسن کی تھی۔ پہلی ہی نظر دیکھنے پر وہ کوئی عام انسان بالکل نہیں لگتا تھا۔ سیاہ سوٹ پہنے وہ شخص اپنے کھڑے ہوئے نین نقش اور سرد آنکھوں سے کوئی ویمپائر اور ڈریکولا ہی لگتا تھا۔ سرخ آنکھیں، سرخ ہونٹ، شاید انہیں اس پینٹنگ میں کسی ویمپائر کا روپ دیا گیا تھا۔

ہاتھوں کو دونوں جانب کی پینٹ میں اڑسے وہ اپنی سرد آنکھوں سے، ایسے لگتا تھا جیسے ہمیں ہی دیکھ رہا ہو۔ وہ پینٹنگ کے اندر سے ہی خون جما دینے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

صوفی اب تیزی سے چلتی کچن کی جانب بڑھ رہی تھی اور ایک شخص ہاتھ میں لمبا جھاڑو تھامے سیڑھیوں کے نیچے صفائی کرتا نظر آرہا تھا۔

"تم آج پھر لیٹ ہو گئی صوفی! جوزف کو پتا چلا تو غضب ہو جائے گا۔۔" کچن سے نینی کی آواز ابھری۔ وہ خود ہی ناشتہ بنا رہی تھیں۔

"ایم سوری نینی۔ میں نے کوشش کی پر ٹیکسی نہیں ملی۔۔" وہ اب اپنا بیگ ایک جانب رکھتی تیزی سے برتن اٹھانے لگی۔

" میں بنا رہی ہوں ناشتہ تم جاؤ دیکھو صفائی مکمل ہو گئی ہو تو برتن لگاؤ۔۔" کچن میں نینی اور صوفی کے علاوہ ایک نوجوان لڑکی بھی تھی جو انڈے چھیل رہی تھی۔ یہ صوفی کی زیر نگرانی کام کرتی تھی۔

جبکہ نینی اسکاچ ہاٹ پوٹ (Scottish Hot Pot) کو بڑے سے پیالے میں انڈیل رہی تھی۔ صوفی کے اشارہ کرنے پر لڑکی انڈے چھوڑ کر تیزی سے باہر بھاگی۔ اس نے بھی بھوری سکرٹ اور سیاہ اونی بلاؤز پہنا ہوا تھا جسکے اوپر اپرن تھا۔ اور سر پر ٹوپی تھی۔ لڑکی کے جانے کے بعد صوفی نے اپرن پہن لیا۔

باہر صفائی والا مکمل صفائی کے بعد اب سیڑھیوں کے پیچھے بنے دروازے سے باہر نکل گیا۔ یہ دوسرا دروازہ تھا جو گھر کے پچھلے حصے میں کھلتا تھا۔ اس دروازے کے ساتھ ایک اور دروازہ تھا جس پر موٹا تالا لگا تھا اور یہ ہمیشہ بند رہتا تھا جبکہ دونوں جانب بڑی بڑی کھڑکیاں تھیں۔

صوفی اب ناشتے کا سامان اٹھا کر جلدی جلدی ڈائننگ ہال میں رکھے میز پر دھر رہی تھی۔ ناشتے میں زیادہ تر ساسیجز، بیکن، انڈے، ہیرنگ، اور ٹوسٹ شامل تھے۔

اسکے علاوہ اسکاچ ہاٹ پوٹ (ایک قسم کی سوپ جو مختلف قسم کی سبزیوں اور گوشت کے ساتھ بنایا جاتا ہے اور یہ سرد موسم میں خاص طور پر پسند کیا جاتا ہے) کا بڑا سا پیالا موجود تھا۔

ڈائننگ ہال کی کی عقبی دیوار میں بڑا سا گہرے بھورے رنگ کا گھنٹا نصب تھا اور اسکے عین نیچے رکھی میز پر ایک جانب گرام فون (ایک طرح کا میوزکل آلہ) رکھا تھا جبکہ دوسری جانب ٹیلی فون تھا۔ ڈائننگ ہال اوپن تھا اور یہ لاؤنج سے ہی ملحقہ تھا۔

جیسے ہی ساڑھے آٹھ کا گھنٹا بجا۔ صوفی اور وہ لڑکی بونی ایک جانب ادب سے کھڑی ہو گئیں۔ نینی سربراہی کرسی کے قریب کھڑی تھیں۔ مستطیل شکل کا یہ میز طرح طرح کے لوازمات سے سجا ہوا تھا۔

سیڑھیوں پر دوڑنے کی آواز ابھری اور دیکھتے ہی دیکھتے جارج اور نساء بھاگتے ہوئے آئے۔

"گڈ مارننگ نینی۔۔" دونوں نے باری باری نینی کے دونوں گالوں کو چھوا اور پھر سربراہی کرسی کے دونوں جانب بیٹھ گئے۔

قدموں کی چاپ ایک بار پھر سے ابھری اور اس بار مسٹر جوزف آتے دکھائی دیے۔ سیاہ ڈریس پینٹ پر گہرے رنگ کا اوور کوٹ پہنے، بالوں کو جیل کی مدد سے پیچھے جمائے، چمچماتے جوتے پہنے وہ ایک ایک زینہ اتر رہے تھے۔

چہرہ سپاٹ تھا۔ آنکھیں سرد۔ ہر روز اسی وقت پر وہ یہ زینے اترتے تھے۔ ہر روز اسی وقت پر ناشتہ ہوتا تھا۔ ہر روز اسی وقت پر ہر چیز پرفیکٹلی تیار ہوتی تھی۔

صوفی اور بونی کے پاس ہاتھ باندھے اب انکا ذاتی ملازم کھڑا تھا۔

"گڈ مارننگ نینی۔۔" وہ قدم دھرتے نیچے اتر آئے اور پھر نساء اور جارج کی طرح انہوں نے بھی نینی کے گال پر پیار کیا۔

نینی ہولے سے مسکرائیں۔ پینسٹھ سالا نینی ایک حبشی خاتون تھیں وہ مسٹر جوزف کی آیا تھیں اور مسٹر جوزف انہیں ماں کا درجہ دیتے تھے۔

"بیٹھ جائیں۔۔۔" نینی کو کندھوں سے پکڑتے دوسرے جانب کی سربراہی کرسی پر بٹھانے کے بعد اب وہ اپنی کرسی پر بیٹھ چکے تھے۔ نساء اور جارج خاموشی سے بیٹھے تھے۔

"کیسے ہو تم دونوں؟؟" انہوں نے بیٹھتے ہی دونوں سے پوچھا۔ نساء تر و تازہ تھی جبکہ جارج کی آنکھیں شدید نیند سے بھری تھیں۔ اس کی یونیورسٹی کی چھٹی تھی لیکن ناشتے کے لیے سب کا ایک ساتھ ہونا ضروری تھا۔ ڈائننگ ہال میں اس وقت سوپ کی اشتہا انگیز خوشبو نتھنوں سے ٹکرا رہی تھی۔

" فائن ڈیڈ۔۔" دونوں یک زبان بولے۔

" چلو پہلے دعا مانگتے ہیں۔۔" ایک ہاتھ کی مٹھی پر دوسرا جمائے وہ سب آنکھیں بند کیے زیر لب کچھ مانگ رہے تھے اور پھر آمین کی آواز ابھری۔ نینی کے اشارے پر صوفی نے آگے بڑھ کر ناشتہ پیش کرنا شروع کیا۔

بڑی کی نفاست اور خاموشی کے ساتھ کھانا شروع ہوا۔ جوزف نے ان دونوں سے انکی پڑھائی کا پوچھا۔

"کچھ پتا ہے ولیم کہاں گیا ہے؟؟ "

جیسے ہی ناشتہ ختم ہوا مسٹر جوزف ہولے سے بولے۔ چہرہ ابھی بھی سپاٹ تھا جبکہ نساء اور جارج کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی دونوں نے گھبرا کر ایک دوسرے کو دیکھا۔

"نہیں پتا ڈیڈ! اس بار اس نے ابھی تک کوئی ویڈیو اپلوڈ نہیں کی ہے۔۔" لہجے کو حد درجہ نارمل بنانے کی کوشش کی گئی۔ جبکہ مسٹر جوزف نے کچھ سمجھتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا اور اگلے ہی پل وہ میز سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ انکا ملازم جو بیگ تھامے کھڑا تھا تیزی سے آگے بڑھا جبکہ نینی ابھی خاموش تھیں۔

وہ اب خدا حافظ کہتے خارجی دروازے کی جانب بڑھ رہے تھے جبکہ ملازم پیچھے پیچھے تھا۔ پھر وہ اچانک رک گئے۔ اور انکے رکنے پر نساء، جارج اور نینی تینوں کا سانس رک گیا تھا۔

"تم لوگوں کی بات ہوئی اس سے ؟؟ کچھ بتایا کب تک آرہا ہے ؟؟" اگلا سوال اُبھرا۔ نساء نے بس کندھے اچکانے پر اکتفا کیا۔

"نہیں بات نہیں ہوئی۔۔" جارج نے بمشکل جواب دیا۔

مسٹر جوزف نے ایک بار پھر سے اثبات میں سر ہلایا اور جانے کے لیے پلٹے۔ پیچھے گہرا سناٹا چھایا تھا۔ وہ سب اپنا سانس روکے کھڑے تھے۔ انہیں شور نہیں پسند تھا اور باقی سب اپنے سانس چلنے کی آواز تک روک لیتے تھے جب وہ لاؤنج عبور کر کے ڈرائنگ روم تک پہنچے بڑے سے گھنٹے کے نیچے رکھا ٹیلی فون زور سے چنگاڑا۔ نساء کی بے ساختہ چیخ ابھری جسے اس نے منہ پر ہاتھ رکھتے دبایا جبکہ باقی سب اپنی اپنی جگہ پر اچھل پڑے۔

ٹیلی فون بج رہا تھا اور مسٹر جوزف کے قدم ساکت ہوئے۔

کچھ پل وہ یونہیں کھڑے رہے اور پھر پلٹ کر دیکھا۔ یہ ٹیلی فون نہیں بلکہ خطرے کی گھنٹی تھا اور خطرہ ولیم سے جڑا تھا۔ مسٹر جوزف نے ایک گہرا سانس فضا میں خارج کیا جبکہ جارج تیزی سے چنگاڑے فون کی طرف لپکا۔

"آگیا ولیم جوزف واپس۔۔۔" وہ اب جبڑے بھینچے کھڑے تھے۔ کچھ نہ کچھ غلط ہوا تھا اور کیا غلط تھا وہ اب جارج فون رکھ ہی بتا سکتا تھا۔

✿••✿••✿••✿

نیل اور ولیم صبح کے اس پہر ایک رستوران میں بیٹھے تھے جہاں لوگ ناشتہ کرنے آتے تھے۔ گلاس وال کے قریب رکھے گول میز پر وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ پورے رستوران میں ناشتے کی مہک پھیلی تھی۔ ولیم نے منہ ہاتھ دھوئے اور جیکٹ اتار کر ایک جانب کرسی سے لٹکا دی وہ ابھی تک اس بھوری اونی اوورسائزڈ گول گلے والی

شرٹ میں تھا جو اس نے ایک دن پہلے فجر سے نکاح کے وقت پہن رکھی تھی۔اس بھوری شرٹ میں اسکی رنگ نمایاں تھی۔

گھنے بالوں کو گیلے ہاتھوں سے پیچھے کی جانب سیٹ کیا گیا تھا جبکہ شرٹ کے بازوؤں کو کہنیوں سے ذرا نیچے تک فولڈ کر لیا۔وہ کرسی سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا جبکہ ویٹر اب ناشتہ میز پر لگا رہا تھا۔

گرم گرم سوپ اور کڈنی پائی کو دیکھ کر نیل کے کی رال ٹپکنے کے ساتھ ساتھ ولیم کی بھوک بھی جاگ اٹھی۔کڈنی پائی ایک روایتی اسکاٹش ڈش ہے جو گائے یا بھیڑ کے گردے، گوشت اور مختلف سبزیوں کے ساتھ تیار کی جاتی ہے۔ یہ پائی پیسٹری کی تہوں میں لپیٹی ہوتی ہے جو اسے کرنچی اور مزیدار بناتی ہے۔یہ گرم اور تسکین بخش ہوتی ہے اس لیے زیادہ تر سریوں میں کھائی جاتی ہے۔پائی کی اٹھتی مہک نے اسے سیدھا ہو کر بیٹھنے پر مجبور کیا۔

اس سے کچھ فاصلے پر کونے والی میز پر دو لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ان کی نظریں ولیم اور نیل پر تھیں۔

"یہ تو اسٹار لائٹ پروڈکشن کے مالک جوزف پیٹرسن کا بیٹا ہے نا؟؟میں نے اسے ایک مرتبہ اُنکے ساتھ دیکھا تھا۔۔"موضوع گفتگو اب ولیم تھا۔

"جو بھی ہے ہینڈسم ہے۔۔"دوسری لڑکی نے اسے دیکھتے فوراً کہا۔وہ اب نیل کی کسی بات پر مسکرایا تھا۔وہ اب پائی کی چھوٹی پیسٹری کو اٹھائے منہ تک لے جا رہا تھا اور اسکے بازو اور ان پر ابھری ہلکی نیلی نسیں نمایاں ہوئیں۔

"ریجیکٹڈ۔۔۔"پہلی لڑکی فوراً بولی جبکہ دوسری نے تعجب سے اسے دیکھا۔

"تم اُسے ریجیکٹ کر رہی ہو؟؟اسے کوئی کیسے ریجیکٹ کر سکتا ہے؟؟ "

"میں خود کو ریجیکٹ کر رہی ہوں۔۔۔" پہلی لڑکی استہزائیہ بولی جبکہ دوسری نے ٹھنڈی آہ بھرتے ولیم سے نظریں ہٹالیں۔

"چلو جلدی ناشتہ کرو آفس پہنچنا ہے۔۔" وہ دونوں اب مگن سی ناشتہ کر رہی تھیں لیکن ولیم گفتگو کا موضوع ہی رہا۔ کبھی اسکے بارے میں تو کبھی مسٹر جوزف کے بارے میں کچھ کہا جاتا۔

جبکہ کچھ فاصلے پر بیٹھا ولیم انکی نظروں سے انجان نہیں تھا۔ ہاں وہ ولیم جوزف تھا اسے دیکھ کر لڑکیاں خود کو خود ہی ریجیکٹ کر لیتی تھیں۔

"تو بتاؤ تمہارا یہ ٹوور کیسا رہا؟؟" نیل نے سوپ پیتے پوچھا۔

"زبردست۔۔۔" کوئی چھم سے تصور کے پردے پر لہرایا۔

"اور اس بار نیا کیا کیا؟؟؟" اگلا سوال ابھرا۔ پیٹ بھرتے ہی اسکا دماغ کام کرنا شروع ہو گیا تھا۔

"شادی۔۔۔" پرسکون سے ولیم نے بم پھوڑا اور نیل کو زوردار اچھو لگا۔ اس نے بے ساختہ گردن پر ہاتھ رکھا۔ بری طرح کھانستے ہوئے اس نے پانی اٹھا کر پیا جبکہ ولیم نے بھنویں سکیڑ کر اسے دیکھا۔

"کیا ہو گیا ہے؟"

"تمہیں کیا ہو گیا ہے بھائی؟ تم ٹھیک ہو؟ کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو؟؟" اسے ولیم پر شبہ ہوا اسکی ذہنی حالت دن بدن بگڑی جا رہی تھی اس بار نیل کو افسوس ہوا۔

"تم نے پوچھا میں نے بتادیا اس میں اتنا ری ایکٹ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟؟" وہ سنجیدہ تھا اور مزے سے سوپ پی رہا تھا جبکہ نیل کی بھوک اڑ چکی تھی وہ اب حیرت اور پریشانی کے ملے جلے تاثرات سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"کس سے کی شادی؟؟" وہ ابھی تک بے یقین تھا۔

" لڑکی سے ہی۔ میں اسٹریٹ ہوں لڑکوں میں ذرا دلچسپی نہیں ہے۔۔" سکون سے اگلا جواب دیا گیا۔

" اندھی تھی کیا وہ؟؟" نیل نے سوال کیا تھا یا تبصرہ؟ ولیم نے گھور کر اسے دیکھ جبکہ وہ گڑبڑا گیا۔

"میرا مطلب شادی وہ بھی تم سے؟؟ اور تم نے کیسے کرلی؟ میں نہیں مانتا بھئی۔۔" دونوں ہاتھ اٹھا کر اعلان کیا گیا۔ ولیم نے سوپ کا پیالا رکھا اور پھر جیکٹ اٹھا کر اسکی اندرونی جیب سے ایک تہہ شدہ کاغذ نکالا اور نیل کی جانب بڑھایا نیل نے اسے پکڑا اور کھول کر دیکھا۔

ولیم دوبارہ سوپ کی جانب متوجہ ہو چکا تھا۔ جیسے ہی نیل نے کاغذ کھولا اور سرسری سی نظر اس پر ڈالی اگلے ہی پل وہ شدت جذبات سے چلاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

"واٹ دا۔۔" اس نے منہ پر ہاتھ رکھ کر خود کو کچھ غلط بولنے سے روکا جبکہ ولیم اتنا شدید ردعمل کی توقع نہیں کر رہا تھا۔ رستوران میں بیٹھے کافی لوگوں نے تعجب سے نیل کو دیکھا جو معذرت کرتا واپس بیٹھا پھر اسکی جانب جھک کر سرگوشی نما انداز میں بولا۔

"بھائی تم نے شادی کرلی؟؟ تم نے پاکستانی لڑکی سے شادی کرلی؟؟" اسکی آنکھیں حیرت سے پھٹنے کو تیار تھیں۔ چہرہ سرخ پڑ چکا تھا۔ ولیم نے اسکے جواب میں ذرا سے کندھے اچکا دیے۔

"شادی کے لیے تجھے پاکستانی لڑکی ہی ملی تھی؟؟"

وہ سوال پر سوال کر رہا تھا جبکہ ایک پل کو ولیم نے خود کو بس اسٹاپ پر پایا بیوٹی ان وائٹ اسکے ساتھ بیٹھی تھی۔

"تمہارے ڈریکولا باپ کو پتا چلا وہ تیرا خون پی جائے گا۔۔" وہ رازدانہ انداز میں بولا پھر کاغذ تہہ کرتے واپس اسکی جانب بڑھایا مبادہ کہیں مسٹر جوزف اسے اس کاغذ کے ساتھ نہ دیکھ لے اور پھر ولیم سے پہلے اسکی موت واقع ہو۔

ولیم نے وہ کاغذ پکڑ کر واپس رکھ لیا۔ مسلمان ہونے والی بات وہ چھپا گیا تھا اور نہ نیل نے پوچھا۔ اگلے ہی پل نیل منہ پر ہاتھ رکھتا جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ولیم نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"میرا اور تمہارا تعلق ختم۔۔۔" وہ دونوں ہاتھ جھٹکتے بولا۔

" تم مجھے نہیں جانتے اور میں تمہیں نہیں جانتا۔۔۔" اس نے تعلق ہی کر دیا۔

" پاگل ہو گئے ہو؟؟" ولیم سنجیدہ سا بولا۔

" پاگل میں نہیں پاگل تم ہو گئے ہو۔ تیرے باپ کو پتا چلانا سالے تیرا خون پی کر، تیرا گوشت چبا کر، تیری ہڈیاں ایسی جگہ دبائے گا کہ شکاری کتے بھی نہ ڈھونڈ پائیں۔۔" وہ تڑخ کر بولا جبکہ ولیم نے جبڑے بھینچے۔ کہہ تو وہ ٹھیک ہی رہا تھا۔

" میں چلا اپنے گھر۔ میں تجھے نہیں جانتا نہ میرا اس معاملے سے کوئی تعلق ہے۔۔" ولیم نے اسے ہاتھ پکڑ کر روکنے کی کوشش کی لیکن وہ بدک کر پیچھے ہٹا اور پھر تیزی سے باہر نکل گیا۔ مہنگا ناشتہ گیا بھاڑ میں جان زیادہ پیاری تھی۔

جبکہ پیچھے ولیم اکیلا بیٹھا رہ گیا۔ کچھ دیر تک وہ وہیں بیٹھا رہا اور پھر بل ادا کرنے کے بعد وہ اپنی جیکٹ اٹھاتا باہر نکل آیا۔ گاڑی میں بیٹھ کر جیکٹ پھر سے پہن لی۔

جیب سے وہ نکاح نامہ نکال کر دیکھا۔۔۔فجر معراج اور ولیم جوزف واضح تھا۔اسکی کتھئی آنکھیں چمک اٹھیں۔ اگلے ہی پل نے اس نے نکاح نامہ واپس ڈال لیا۔گاڑی اسٹارٹ کی اور تیزی سے فراٹے بھرتا آگے بڑھا۔کچھ دیر بعد وہ تیزی سے چمچماتی روڈ سٹر مرکزی شاہراہ پر آگے بڑھ رہا تھا۔

آج جانے کیوں اتنی خوشی محسوس ہو رہی تھی۔ہاتھ بڑھا کر میوزک کا بٹن دبا دیا۔گاڑی کی چھت کھول دی۔ہڈیاں چیرتی ٹھنڈی تیز ہوا اسکے چہرے سے ٹکرائی۔گاڑی میں میوزک کی تیز آواز گونج رہی تھی۔آنکھوں میں سرد پن اتر آیا۔

اب وہ گاڑیوں کو کٹ کرتا آگے بڑھ رہا تھا۔ہارن کی آواز گونجنے لگی۔بل کھاتی اسکی گاڑی کسی ناگن کی طرح بھاگ رہی تھی۔لوگ اسے پاگل سمجھ رہے تھے اور اپنی گاڑیوں کا بچاؤ کرتے اسے گالیاں دے رہے تھے۔

گاڑیوں کو اوورٹیک کرتا وہ جس قدر تیزی سے جا رہا تھا اسکی وجہ سے کچھ گاڑیوں کی بریک لگی۔لوگ گاڑی سے باہر منہ نکال کر اسے گالیاں دینے لگے۔

ولیم نے منہ کھول کر سانس لیا۔سالوں کی حبس تھی جو آج باہر نکل آئی تھی۔تصور میں ایک بوڑھا چہرہ ابھرا جسکی آنکھوں میں بے یقینی تھی،اگلے ہی پل جوزف پیٹرسن کا چہرہ سامنا آیا۔۔۔وہ وقت جب انہیں پتا چلے گا کہ ولیم پاکستانی مسلمان لڑکی سے شادی کر چکا تھا۔۔۔کیا نظارہ ہو گا وہ؟؟جوزف پیٹرسن پہلی بار شکست کھائے گا۔

کتنا مسرور تھا وہ یہ سب سوچ سوچ کر۔

"زیادہ ہوا میں اڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔"پہلو سے ابھرنے والی آواز پر وہ جھٹکے سے مڑا اور اگلے ہی پل حیرت سے اسکی آنکھیں پھیلیں۔

بیوٹی ان وائٹ اپنے جنتر متر لیے بیٹھی تھی۔ کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورتے ہوئے۔

"اس شادی کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔۔۔" اگلے ہی پل اسکی آنکھوں میں درد ابھرا۔ اسٹرینگ پر ولیم کے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی پڑی۔ وہ حیرانی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ذہن بھٹک گیا۔ ایڈنبرا غائب ہوا۔ ٹریفک اور اسکا شور بھی۔ وہ دونوں بس اسٹاپ پر تھے۔

وہ بے ساختہ اسے دیکھے جا رہا تھا۔ بھول گیا تھا اسکی گاڑی اوور سپیڈ تھی۔ وہ اسے پکارنا چاہتا تھا کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن اگلے ہی پل ہارن کی کان کے پردے پھاڑ دینے والی آواز ابھری۔ وہ کسی خواب سے جاگا۔ گردن سیدھی کی، اسٹرینگ پر گرفت جمائی، گاڑی کا رخ موڑنا چاہا۔ پر دیر ہو چکی تھی۔ گاڑی جس رفتار سے بھاگ رہی تھی سنبھل نہیں پائی اور سڑک کے ایک کنارے کھڑے ٹرک سے جا ٹکرائی۔ زوردار دھماکہ ہوا اور پھر خاموشی چھا گئی۔۔ !

✿••✿••✿••✿

معراج الدین کے گھر کے سامنے ہجوم تھا۔ لوگ آ جا رہے تھے۔ پچھلی رات معراج الدین دل کا دورہ پڑنے کے باعث انتقال کر گیا تھا۔ جنازہ ظہر کے بعد تھا۔

کھلے صحن میں تمبو لگا کر بیٹھنے کی جگہ بنائی گئی تھی۔

محلے کی ساری عورتیں جما تھیں۔ کچھ عورتیں اور لڑکیاں معراج الدین کی چارپائی کے گرد ہاتھوں میں سورہ یسین اور سپارے پکڑے کھڑی تھیں اور ہل ہل کر زور زور سے پڑھنے میں مگن تھیں۔

"رات کو انکے گھر سے رونے پیٹنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ کچھ تو ایسا ضرور ہوا ہے جس سے بیچارے معراج کی موت ہو گئی۔۔" محلے کی عورتیں آدھا منہ دوپٹے میں چھپائے کھسر پھسر کر رہی تھیں۔ جبکہ کچھ فاصلے پر فجر بیٹھی

تھی کسی لاش کی طرح۔ اسکا چہرہ نیلا پڑ چکا تھا اور سوجھا ہوا تھا۔ آنکھیں خشک اور ویران تھیں ایک آنسوں بھی نہیں تھا۔ وہ اکڑی ہوئی تھی۔ پورا جسم اکڑا ہوا تھا۔ ذرا سا سانس لینے پر ہی درد کی ٹیسیں اٹھنے لگتیں۔ سفید رنگ کی چادر اوڑھے وہ زندہ لاش لگ رہی تھی۔

ہڈیوں میں اتنا درد تھا جیسے ساری ٹوٹ گئی ہوں۔

" دیکھ فجر کو کیسے بیٹھی ہے باپ کے لیے ایک آنسوں نہیں نکلا۔۔" اب اُس پر تبصرے کیے جا رہے تھے۔ ہلتے ہلاتے عورتوں میں سے کوئی اس سے ٹکرا گئی اور فجر کی درد کے باعث سسکی اُبھری۔ آنکھیں اذیت سے میچ لیں۔ ہونٹ آپس میں پیوست کر لیے۔ سردی کی چوٹ تھی درد جانے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ اماں ابا کی چارپائی کے پاس بیٹھی آنسوں بہا رہی تھی۔ سالوں کا ساتھی اکیلا چھوڑ کر چلا گیا تھا۔

کوئی اپنا نہیں تھا کوئی رشتے دار نہیں تھا۔ محلے والوں نے ہی مل ملا کر سارا انتظام کیا تھا۔

" فجر رو لے پتر۔۔" کسی بوڑھی عورت نے اسے پکڑ کر سینے سے لگا لیا تا کہ وہ رو کر اپنا دل ہلکا کر چکے تھے پر وہ آنسوں کہاں سے لاتی؟؟ سب بہا دیے تھے۔ سب ختم ہو چکا تھا۔ کچھ لوگ مر جاتے ہیں انہیں دفنا دیا جاتا ہے جبکہ کچھ لوگ مر تو جاتے ہیں پر انہیں موت نہیں آتی۔ انہیں دفنایا نہیں جاتا وہ زندہ رہتے ہیں۔ انہیں زندہ رہنا پڑتا ہے اور فجر کو بھی زندہ رہنا تھا۔

✿••✿••✿••✿

جاری ہے۔

* * * * * * *

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم---

السلام علیکم احباب----"

"ناولز کی دنیا" کے ناولز میں خوش آمدید ----

ناولز کی دنیا (NKD) کی جانب سے ناولز کو بغیر کسی غلطی کے آپ تک پہچانے کی کوشش کی گئی۔ اگر کوئی غلطی اس میں ملتی ہے تو اسے محض اتفاق سمجھا جائے۔ کیونکہ ناول کو پورا پروف ریڈ کر کے ہی پبلش کیا جاتا ہے چوک ہونا محض اتفاق ہوگا۔۔

نئے اور مختلف لکھنے والوں کے لیے "ناولز کی دنیا" ویب سائیٹ /گروپ / پیج / یوٹیوب چینل دے رہا ہے تمام لکھاریوں کو ایک ایسا پلیٹ فارم جہاں آپ اپنی خدا داد صلاحیتوں کو اپنے قلم سے تحریر کر کے اپنا اور اپنے ملک کا نام روشن کرسکتے ہیں --- اگر آپ کو بھی اللہ کی طرف سے یہ صلاحیت دی گئی ہے تو اسے اجاگر ضرور کریں --- ہمیں آپ جیسے ہی لکھاریوں کی تلاش اور ضرورت ہے---

اگر آپ ہمارے بلاگز پر اپنا ناول، ناولٹ،افسانہ،کالم،آرٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ہم سے رابطہ کریں -- اپنی تحریر اردو میں ٹائیپ کرکے ہمیں بھیجیں۔ جتنا جلدی ہوسکا آپکی تحریر پوسٹ ہوجائے گی ---

مزید تفصیلات یا کسی بھی طرح کی مدد کے لیئے ہم سے گروپ یا پیج انباکس میں رابطہ کریں یا ای میل پر ہم سے رابطہ کرسکتے ہیں۔۔

Email address :- Novelskiduniya77@gmail.com

Facebook page :- Novels ki duniya

(user name @zoyatalib77)

Facebook group :- Novels ki duniya

Instagram Page:- Nkd (ZT) (UserName: Novelskiduniya77)

Youtube Channel: Novels Ki Dunya (NKD) Official

(پر خیال رہے کہ یہ گروپ زویا طالب کا ہی ہو) اور باقی کے رابطے کے لیئے ہر پیج کے نیچے **Blue** الفاظ میں لکھے لفظ میں آپکو لنکس مل جائے گے شکریہ-----

"باب دوئم:ڈیفالٹ پیس"

قسط نمبر:4

ہر گھر میں بچوں کی درجہ بندی کچھ اس طرح ہوتی ہے۔بڑا، درمیانہ اور چھوٹا۔سب سے پہلے بات کرتے ہیں گھر کے بڑے بچوں کی۔یہ وہ بچے ہے جنہیں نسبتاً زیادہ زمہ داری اُٹھانی پڑتی ہے۔زیادہ محنتی،زیادہ سمجھدار، نسبتاً ذہین اور کم گو۔یہ والدین کے بعد دوسرے والدین کہلاتے ہیں۔

پہلے قدم اُٹھانے والا چاہے اچھائی کی طرف ہو یا برائی کی طرف لیکن اُنکا رجحان زیادہ تر اچھائی کی طرف ہوتا ہے۔ انہیں رہنمائی کرنی ہوتی ہے اپنے باقی بہن بھائیوں کی کیونکہ یہ بچے جانتے ہیں ان کے پیچھے،ان کے نقش قدم پر چلنے والے چھوٹے بہن بھائی موجود ہیں۔

گھر کے بڑوں بچے کی پوری زندگی پرفکیٹ بنتے گزر جاتی ہے۔سب کے پسندیدہ اور کبھی کبھی باقیوں کے لیے قربانیاں دیتے۔یہ فیصلے لینے والے ہوتے ہیں اس لیے زیادہ ان کی زندگی سوچتے سمجھتے گزر جاتی ہے۔

دوسرے نمبر پر ہم بات کریں گے گھر کے سب سے چھوٹے بچوں کی۔سب سے زیادہ حساس!اُنہیں یا تو سب سے زیادہ پیار ملتا ہے،زیادہ توجہ ملتی ہے یا توجہ ملتی ہی نہیں ہے۔یہ بچے بچپن سے ہی تیز طرار اور تیکھے ہوتے ہیں۔

ہر چیز پر گہری نظر رکھنے والے، گہرا مشاہدہ کرنے والے، انکے پاس پورے خاندان کی خبریں ہوتی ہیں۔

انہیں زیادہ غلطیاں کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی کیونکہ یہ اپنے بڑے بہن بھائیوں کی غلطیوں سے زیادہ سیکھتے ہیں۔ گھر سنبھالنے کی پوری زمہ داری کبھی کبھی اِن پر آجاتی ہے۔ مڈل کلاس گھروں میں سب سے چھوٹا بھائی سودا سلف لانے والا اور چھوٹی بہن کام والی کہلائی جاتی ہے۔

اور انہیں سب سے زیادہ ذہنی مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ اپنی عمر سے جلدی سمجھدار ہو جاتے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنی کم عمری میں ہی کافی کچھ دیکھا ہوتا ہے۔

اور تیسرے نمبر پر ہم بات کرتے ہیں درمیانے بچوں کی۔ انہیں بیان کرنا تھوڑا مشکل ہے۔ ان کے لیے مناسب لفظ "**ڈیفالٹ پیس**" ہے۔ انکی سیٹنگ ڈیفالٹ ہوتی ہے یعنی آٹو میٹک۔ اس سیٹنگ کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ انہیں سمجھنا سمجھانا پتھر سے سر پھوڑنے کے برابر ہے۔ انکا دماغ الگ رخ پر بہتا ہے۔ یہ وہ بچے ہیں جنہیں خاندان میں سب سے زیادہ نظر انداز کیا جاتا ہے اور یہی وہ بچے ہیں جنہیں خاندان میں سب سے زیادہ زیر بحث لایا جاتا ہے لیکن اچھے الفاظ میں تو ہرگز نہیں۔ یہ منہ پھٹ اور بدتمیز کہلائے جاتے ہیں۔

انکی گنگا الٹ بہتی ہے۔ نہ انکی چھوٹے بہن بھائیوں سے بنتی ہے اور نہ بڑوں سے۔ انکا کام کھانا پینا اور دوسروں کا جینا حرام کرنا ہوتا ہے۔ انہیں فرق نہیں پڑتا کوئی انکے بارے میں کیا سوچتا ہے۔ یہ زمہدار یا حساس نہیں ہوتے بلکہ یہ شدت پسند ہوتے ہیں۔ یہ بڑے اور چھوٹے کے درمیان پسے ہوتے ہیں اس لیے تھوڑے رف ٹف سے لگتے ہیں۔

انہیں فرق نہیں پڑتا دنیا میں کیا چل رہا ہے۔ دنیا کہاں جا رہی ہے۔ دنیا میں آگ لگی ہے یا دنیا میں قیامت آگئی ہے کیونکہ انکی اپنی دنیا الگ ہوتی ہے۔ یہ تو آج کوئی نہیں جان پایا انکی دنیا کونسی ہوتی ہے پر کوئی تو ہوتی ہے۔

انہیں متاثر کرنا اتنا آسان نہیں ہے۔ انہیں آپ دنیا میں یا تو سب سے آگے دیکھیں گے یا سب سے پیچھے۔ میانہ روی کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ یا تو ماڈل بنے گھومتے ہیں یا پھر مسکین فقیر جنہوں نے کبھی کچھ نہیں دیکھا۔ کہا جاتا ہے ان کا فیملی میں سب سے زیادہ استحصال ہوتا ہے پر سچ تو یہ ہے دنیا کا سب سے زیادہ استحصال یہی کرتے ہیں۔ یہ دنیا کو جوتے کی نوک پر رکھتے ہیں۔ یہ باقی بہن بھائیوں کے کپڑے جوتے استعمال کر کے ان پر احسان کرتے ہیں۔ یہ ماں باپ کی وہ اولاد ہے جسکے ساتھ ہمیشہ کوئی نہ کوئی مسئلہ رہتا ہے اور یہ جانور کی وہ دُم ہے جو کبھی سیدھی نہیں ہو سکتی۔

انکی اس سے زیادہ تعریف کیا کی جا سکتی ہے؟؟

اور ایسا ہی ایک ڈیفالٹ پیس جوزف پیٹرسن کے گھر میں بھی پیدا ہوا تھا جس کا نام ولیم جوزف تھا۔ لیکن اسکے ڈیفالٹ پیس ہونے کی وجوہات الگ تھیں۔ مسٹر جوزف نے جتنی پریشانی ولیم کی وجہ سے اٹھائی تھی جتنی توجہ اسے دی تھی اتنی گھر میں موجود باقی تین بچوں کو کُل ملا کر بھی نہیں ملی تھی۔

ولیم اپنی ڈیفالٹ سیٹنگ کے ساتھ پیدا ہوا تھا اور وہ ڈیفالٹ کیوں تھا یہ تو جلد ہی آپ جان جائیں گے لیکن فی الوقت جوزف پیلس میں آکسیجن کی کمی محسوس ہو رہی تھی اور مسٹر جوزف ہونٹ بھینچے کھڑے تھے جبکہ جارج فون سن رہا تھا۔

"جوزف پیلس سے بات کر رہے ہیں؟؟" دوسری جانب سے پوچھا گیا۔

" جی بات کر رہا ہوں۔۔"اُسکا دل دوسو کی رفتار سے دھڑک رہا تھا۔

" میں سٹی ہاسپٹل سے بات کر رہا ہوں۔ ہمارے ہاں ولیم جوزف کو لایا گیا ہے۔ جن کا کافی برا ایکسڈنٹ ہوا ہے۔ آپ پلیز جلد از جلد ہاسپٹل پہنچیں۔"فون بند کر دیا گیا جبکہ جارج کے ہاتھ پاؤں باقاعدہ کانپنے لگے۔ گلا خشک ہو گیا۔

وہ دھیرے سے پلٹا۔

" ولیم کا ایکسڈنٹ ہوا ہے۔"اس نے ڈرتے ڈرتے خبر دی۔ مسٹر جوزف نے ضبط سے آنکھیں میچ لیں۔

" یا خدایا۔۔۔!"نینی نے سینے پر ہاتھ رکھ کر دہائی دی۔ چہرے پر ہوائیاں اڑ چکی تھیں۔ انہیں ولیم عزیز تھا۔ نساء تیزی سے جارج کی جانب بڑھی جبکہ صوفی نے آگے بڑھ کر نینی کو سنبھالا۔

" ولیم ٹھیک ہے نا؟؟ زیادہ چوٹ تو نہیں لگی؟؟"نساء گھبرائی گھبرائی سی پوچھنے لگی۔

" یہ تو ہاسپٹل جا کر پتا چلے گا میں گاڑی نکالتا ہوں۔"وہ تیزی سے کہتا ان کے پہلو سے گزر کر چلا گیا جبکہ مسٹر جوزف نے پہلے ہی ڈرائیور کو ہاسپٹل جانے کا حکم دے دیا تھا وہ جارج سے پہلے ہی پیلس سے نکل چکے تھے۔

✿••✿••✿••✿

وہ کہتے ہیں وہ مجھ سے

ناراض نہیں ہیں

میں اس سب کا حصہ نہیں ہوں

لیکن وہ میرا حصہ ہیں

ان میں سے ہر ایک میرا حصہ ہے

جب وہ چیختے چلاتے ہیں

جب وہ خاموش ہوتے ہیں

انکی آوازیں گہرے راز رکھتی ہیں

یہ تکلیف پہنچاتی ہیں

میرے اس حصے کو

جو میں حقیقت میں ہوں

شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے اور ایسے میں کمرے کے وسط میں رکھا وہ میز اور اس پر جلتی وہ تین چھوٹی بڑی کینڈلز اپنے تمام تر اُجالوں کے ساتھ کمرے کے اندھیرے کو مٹانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ ان کی مہک مسحور کن تھی۔ کمرے کی دیواروں کا کریم رنگ پر سکون تھا۔ بڑی سی گلاس وال سے باہر عمارتوں کے عقب میں ڈوبتا سورج اپنی آخری سانسیں لیتے ہلکی سی شفق چھوڑ رہا تھا۔ گلاس وال کے سامنے ہی سفید رنگ کا ڈبل سیٹر صوفہ رکھا تھا یہ بہت ہی صاف ستھرا اور آرام دہ تھا۔

سفید صوفے کے بالکل سامنے میز تھا اور دوسری جانب دو سنگل صوفے رکھے تھے۔ نباتاتی رنگ کے یہ صوفے آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچا رہے تھے۔ صوفوں کے داہنے جانب کی دیوار پر بڑی سی شیلف نقب تھی جس میں ڈھیر ساری کتابیں تھیں اور صوفوں کے درمیان جہاں میز رکھا تھا کریم رنگ کا بڑا سا آرام دہ قالین بچھا تھا جبکہ باہنی دیوار

کے قریب ایک قطار میں پودے رکھے تھے جنکے اوپر خوبصورت پینٹنگز لٹکی تھیں۔ اور چاروں صوفوں کے اطراف میں برقی قمقمے لٹک رہے تھے جنکی روشنی مدھم تھی۔ کمرے کا فرش لکڑی کا تھا اور کمرے میں زیادہ سامان نہیں تھا۔ پہلی ہی نظر میں کمرہ سکون کا احساس دلاتا تھا۔

کمرے کی اس خاموشی میں ایک عجیب سی آواز ابھر رہی تھی وہی آواز جو اسکیچ بک پر تیزی سے پینسل چلاتے وقت ابھرتی ہے۔

ایک نوسالہ بچہ قالین کے وسط میں رکھے میز کے قریب نیچے بیٹھا تھا وہ اسکیچ بک پر تیزی سے ہاتھ چلا رہا تھا۔ کینڈلز کی روشنی میں اسکا اسکیچ واضح نہیں تھا تھا۔ سفید ٹی شرٹ پہنے وہ کتھئی آنکھوں والا بچہ اس وقت کافی مصروف محسوس ہوتا تھا۔ دونوں گھٹنے موڑے، کہنیوں کے بل جھکے وہ انہماک سے کام کر رہا تھا۔ گہرے بھورے، آنکھوں کے ہم رنگ بال ماتھے پر بکھرے تھے وہ کئی لمحے یونہی جھکا رہا اس نے سر اٹھا کر نہیں دیکھا کھڑی کھڑی سوئیاں تیزی سے گھومتی رہیں اور کچھ دیر بعد گلاس وال کے مخالف دیوار میں نقب دروازے کے پرے ٹک ٹک کی آواز گونجی۔ یہ لمحہ بہ لمحہ آواز تیز ہوتی گئی۔ کوئی اسی جانب آرہا تھا۔ کمرے کا فرش لکڑی کا تھا۔ کچھ دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی اور پھر دروازہ کھل گیا۔

"ہیلو ولیم۔۔" ایک نسوانی آواز اُبھری۔ گہرے سرمئی رنگ کی پنڈلیوں تک آتی سکرٹ اور سفید بلاؤز کے ساتھ وہ ایک چالیس سال خوبصورت سی عورت تھی۔ آنکھوں پر سفید چشمہ تھا جبکہ بال جوڑے میں بندھے تھے۔ اسکی مسکراہٹ غائب ہوئی جب اسے کمرے میں کوئی نظر نہیں آیا۔ وہ بے تابی سے آگے بڑھی اور پھر ٹھہر گئی۔ ولیم کا ننھا وجود صوفوں کے درمیان چھپا ہوا تھا۔ ولیم نے آواز پر ذرا سا سر اٹھایا وہ اب مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔ یہ شہر کا سب سے بڑا اور مشہور ہسپتال تھا جہاں ابنارمل بچوں کو لایا جاتا تھا۔ اُنکا علاج کیا جاتا تھا۔

ایسے بچے جو ذہنی لحاظ سے باقیوں سے الگ تھے۔ جو باقیوں سے پیچھے تھے جو کہیں ٹھہر گئے تھے۔ ایسے بچے جو نفسیاتی لحاظ سے بیمار تھے۔

"تم یہاں چھپے ہو۔" وہ پیشہ ورانہ انداز میں مسکراتی آگے بڑھی۔ ہیل پیل کی ٹک ٹک گونج گئی۔ وہ سلینا تھی۔ اسی شہر کی سب سے مشہور سائیکالوجسٹ۔ ولیم کی نظریں اسکے جوتوں پر چپک گئیں۔ اونچی نازک سی ہیل والے کورٹ شوز جن کی آواز گونج رہی تھی اور تب تک گونجتی رہی جب تک وہ فرش سے گزرتی قالین پر آکر کھڑی نہیں ہوئی۔ ان چند لمحوں میں جب تک وہ ٹک ٹک گونجتی رہی ولیم کے چہرے پر تکلیف کے گہرے آثار تھے۔ جیسے ہی وہ اسکے سامنے کھڑی ہوئی ولیم کا اٹھا سر جھک گیا اب وہ اپنے اسکیچ پر متوجہ تھا اس کے پاس ڈھیر سارے پینسل کلرز تھے پر وہ اسکیچنگ صرف چار کول پینسل سے کرتا تھا۔

"کیا تم مجھے دکھاؤ گے تم نے آج کیا بنایا ہے؟" وہ اب گھٹنوں پر ہاتھ رکھے جھکی ہوئی تھی۔ وہ سیدھا ہو بیٹھا اور پھر اسکیچ اٹھا کر سلینا کو دے دیا۔ وہ اب اسکیچ کو تھامے کھڑی تھی۔

اسکیچ واضح نہیں تھا پر سمجھا جا سکتا تھا۔ ایک شخص تھا جسے زنجیروں سے باندھا گیا تھا۔ موٹی موٹی زنجیروں سے۔ اسکے سبھی اسکیچ تقریباً ایسے ہی ہوتے تھے۔ کوئی ایسا شخص جو بہت تکلیف میں ہو جو کہیں قید ہو۔

"ویری نائس!" وہ پھر سے مسکرائی۔ "تو کیا اب ہم سیشن شروع کریں؟؟" اسکیچ کو گول میز پر کینڈلز کے قریب رکھتے پر وہ پیار سے بولی۔ ولیم کچھ نہیں بولا وہ کسی روبوٹ کی طرح کھڑا ہوا اور عقب میں رکھے سفید صوفوں میں سے ایک پر ٹک گیا۔ وہ بہت پیارا بچہ تھا جسے دیکھ کر ہی اس پر پیار آنے لگتا۔

"پھر سے سپنا دیکھا۔۔؟؟" سلینا نباتاتی رنگ کے صوفے پر ٹک گئی۔ ٹانگ پر ٹانگ جمائے وہ مہارت سے بیٹھی تھی۔ اسکی سڈول پنڈلیاں واضح تھیں۔ اسکے سوال پر ولیم نے نفی میں سر ہلایا۔

"حقیقت میں دیکھا؟ کیا دیکھا؟" اگلا سوال ابھرا۔ ولیم نے ہاتھ بڑھا کر میز پر رکھے اسکیچ کی طرف اشارہ کیا۔ اسکے عقب میں ڈوبتا سورج تھا اور اسی سورج کی کرنیں سلینا کے چہرے سے ٹکرا کر پلٹ رہی تھیں۔ یعنی اس نے خواب میں نہیں بلکہ حقیقت میں کچھ دیکھا۔

"میں نے سنا کل تم اپنے گھر کے تہہ خانے میں پائے گئے تھے؟؟ تم وہاں کیا لینے گئے تھے ولیم؟؟" وہ اسے پچکار رہی تھی۔

جبکہ ولیم اب اپنے دونوں ہاتھ مسل رہا تھا۔ بے چینی اور اضطراب سے۔ چہرہ سرخ پڑ چکا تھا۔ وہ آوازیں اسکی سماعت سے ٹکرا رہی تھیں۔ کوئی چیخ رہا تھا مدد کے لیے پکار رہا تھا۔ کل رات بھی ایسا ہی ہوا تھا۔

وہ اپنے اور جارج کے مشترکہ کمرے میں سویا ہوا تھا۔ لکڑی کے مسہری نما پلنگ جن کے چاروں جانب سفید پردے لٹک رہے تھے اور کمرے میں دو مسہریوں کے علاوہ دیوار میں نقب لکڑی کی الماریاں تھیں۔ دونوں مسہریوں کے اطراف میں رکھے لکڑی کے میزوں پر لیمپ کے علاوہ مشعلیں رکھی تھیں۔

موسم خراب ہونے کی صورت میں جب بجلی بند ہو جاتی تھی جب ان مشعلوں کو جلایا جاتا تھا۔ تیل پر جلنے والی یہ لکڑی کی مشعلیں دیکھنے میں کافی خوبصورت تھیں۔

رات کے اس پہر کافی سکون تھا۔ وہ دونوں اپنے اپنے نرم گداز بستروں میں لیٹے تھے۔ کمرے میں موجود جہاز سائز کھڑکی بند تھی جبکہ پردے سرکے ہوئے تھے اور پورے چاند کی رات تابناک تھی۔ چاند کی نیلی روشنی کھڑکی کے

شیشوں سے منعکس ہوتی ولیم کے وجود سے ٹکرا کر پلٹ رہی تھی۔اس کا وجود کسی سفید ہالے میں مقید نظر آتا تھا۔ سفید بستر میں ہلکے نیلے رنگ کے شب خوابی کے لباس میں ولیم اس وقت گہری نیند سویا ہوا تھا۔

"جانے دو۔۔۔ڈیڈ۔۔۔پلیز۔۔۔"

اچانک ایک زوردار آواز ابھری اور ولیم نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔اسکا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔کئی لمحے وہ یونہی ساکت لیٹا رہا۔ سمجھنے کی کوشش کرنے لگا کہ اُبھرنے والی آواز خواب تھی یا حقیقت۔۔۔ !

لیکن اگلے ہی پل اُس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا جب وہ آواز اُسے جاگتے ہوئے سنائی دی۔

"مجھے جانا ہے۔"کسی نے درد سے التجا کی۔وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔کمرے کی لائٹ بند تھی۔ مشعلیں بھی۔مدھم روشنی والا ایک لیمپ جل رہا تھا جبکہ چاند کی روشنی میں پورا کمرہ نہایا ہوا تھا۔ولیم نے ایک نظر ساتھ والے پلنگ پر سوئے جارج کو دیکھا جو گہری نیند میں تھا پھر وہ بستر سے نیچے اتر آیا اپنا جوتا پہنتے وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا دروازے تک پہنچا اور زور لگا کر دروازہ کھولا۔

لمبی راہداری تھی جس کے دوسری جانب نینی کا کمرہ تھا۔نساء انکے ساتھ ہی سوتی تھی۔داہنے جانب راہداری کے آخر میں بنی کھڑکی پر لگے سفید پردے ہوا سے ہل رہے تھے۔شاید کھڑکی کھلی رہ گئی تھی۔جبکہ دوسری جانب کھلا راستہ تھا۔ولیم نے کمرے سے ذرا سا سر نکال کر باہر جھانکا۔وہاں کوئی نہیں تھا۔راہداری میں لگے برقی قمقمے روشن تھے۔وہ اب دھڑکتے دل کے ساتھ اس آواز کو سننے کی کوشش کر رہا تھا۔پھر وہ کمرے سے نکل کر بائیں جانب چل پڑا۔ آواز مسلسل آرہی تھی۔وہ تیز تیز چلنے لگا راہداری سے نکل کر وہ سیڑھیوں کی جانب آیا اور پھر سیڑھیاں

اترنے لگا۔ سیڑھیاں اترتے وہ نیچے آیا۔ تہہ خانے کے دروازے پر۔ہاں وہ آواز اندر سے آرہی تھی۔اس نے کان لگا کر سننا چاہااور پھر ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔

کچھ دیر یونہی کھڑا تھا پر وہ آواز اسے اپنی اور بلا رہی تھی پھر اس نے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا۔نیچے سیڑھیاں تھیں۔اندھیرا تھا۔اس نے گردن گھما کر لاؤنج میں دیکھا۔میز پر رکھی مشعل نظر آئی۔وہ بھاگتے ہوئے مشعل اٹھالیااور پھر اسے جلاتے ہوئے سیڑھیاں اترتا نیچے جانے لگا۔

آواز اب اور واضح ہو گئی۔وہ سیڑھیاں اترتے نیچے آیا۔اور مشعل کو تھامے آگے بڑھنے لگا۔کاٹھ کباڑ جانے کیا کیا پڑا تھااور پھر ایک جگہ وہ ٹھٹک کر رک گیا۔ سنسنی سی پورے وجود میں دوڑ گئی۔زنجیر کے ہلنے کی آواز ابھری عین اسکے عقب سے۔وہ کئی لمحے یونہی کھڑا رہا۔بت بنے۔ حلق خشک ہو گیا۔خوف سے چہرہ سفید پڑنے لگا۔ہونٹوں پر زبان پھیرتے وہ دھیرے سے پلٹااور اگلے ہی پل اسکی آنکھیں وحشت سے پھٹ گئیں۔

سامنے ہی ایک لمبا تڑنگا وجود دیوار سے بندھا ہوا۔

"مجھے جانے دو خدا کا واسطہ ہے۔۔" ولیم کو دیکھتے ہی وہ بے حال سا بولا۔اسکے جسم پر جگہ جگہ زخم تھے۔کپڑے خون سے تر،بال بڑھے ہوئے۔ عجیب سا حلیہ!اگلے ہی پل ولیم کے ہاتھ سے مشعل چھوٹ کر نیچے گر گئی۔وہ پوری قوت سے چلایا۔چلاتا رہا۔یہاں تک کہ جوزف پیلس اسکی چیخوں سے گونج اٹھااور پھر اگلے ہی لمحے وہ بے ہوش ہو کر گر چکا تھا۔

"تم مجھے بتاؤ گے تو میری تمہاری ہیلپ کروں گی۔" وہ اسے بولنے پر اکسا رہی تھی۔سلینا کی آواز پر وہ چونک کر رات والے واقعے سے باہر آیا۔ آنکھوں میں اب تک وحشت تھی۔

وہ بولنے کے لیے پر تولنے لگا۔

مسٹر جوزف کو دس منٹ لگے تھے اسے پورے پیلس میں ڈھونڈنے اور پھر تہہ خانے تک پہنچنے میں جہاں وہ بے ہوش ملا تھا۔

"میں نے دیکھا وہاں کوئی تھا۔ وہاں نیچے زنجیروں سے کسی کو باندھا گیا تھا۔ وہ چیخ رہا تھا چلا رہا تھا۔ اسے ہیلپ چاہیے تھی۔"

دولائنوں کے اس جملے میں ولیم کا سارا خون نچڑ کر چہرے پر آگیا۔ ٹھوڑی گردن سے جا لگی۔ سلینا تشویش ناک نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ وہ اس بچے کو سمجھنے کی پوری کوشش کر رہی تھی جسکا پچھلے دو سالوں سے علاج چل رہا تھا۔ اسے ہیلوسینشنز ہوتے تھے۔ بصری، سماعتی اور لمسی ہیلوسینشنز۔ وہ ایسی چیزیں دیکھتا، سنتا اور محسوس کرتا تھا جنکا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

"ولیم۔۔۔" سلینا نے بے ساختہ اسے پکارہ۔ وہ رو دینے کو تھا۔

"تم ایک سمجھدار بچے ہو ولیم! سچائی اور سپنوں میں فرق کرنا سیکھو۔" سلینا اُسکے رونے پر پہلو بدل کر رہ گئی۔ اسے ولیم بہت پسند تھا پر ساری کوششوں کے باوجود اُسکی یہ بیماری بڑھتی جا رہی تھی۔

"مسٹر جوزف تمہیں صبح تہہ خانے میں دوبارہ لے کر گئے تھے لیکن وہاں کچھ نہیں تھا۔ ہے ناں؟؟" ولیم کی تصدیق چاہی جبکہ وہ اپنے موٹے موٹے آنسوں پیتا صرف سر ہلا رہا تھا۔ مسٹر جوزف اُسے دن میں تہہ خانے میں واپس لے کر گئے تھے پر وہاں کوئی کوئی نہیں تھا۔

وہ کچھ اور بھی کہہ رہی تھی پھر آوازیں مدھم ہو گئیں سرگوشی نما اور پھر وہ ختم ہونے لگیں وقت تیزی سے بھاگ رہا تھا جوزف پیلس کی جانب جہاں وہ رہتا تھا۔

پانچ سال کا تھا ولیم جب پہلی بار اسے جوزف پیلس لایا گیا۔ مسٹر جوزف کی انگلی پکڑے وہ عالیشان محل میں داخل ہوا۔ اسکے استقبال کے لیے وہاں نینی تھی، اور اسکے سوتیلے بہن بھائی جارج اور نساء بھی۔

مسٹر جوزف پیٹرسن نے دو شادیاں کی تھیں۔ پہلی شادی روزینا سے جو لڑکپن سے ان سے منسوب تھی۔ خاندان کی مرضی کے مطابق مسٹر جوزف نے یہ شادی بنا چوں چراں کر لی تھی کیونکہ روزینا ایک خوبصورت لڑکی تھی اور مسٹر جوزف کو یوں بھی اپنے خاندان کی روایات بہت عزیز تھیں۔

روزینا سے مسٹر جوزف کے دو بچے تھے بڑا بیٹا جارج اور چھوٹی بیٹی نساء !

نساء کی پیدائش سے پہلے ہی مسٹر جوزف کی زندگی میں وہ آگئی، جس کے آنے بعد سب تباہ ہو گیا۔ افق نامی وہ لڑکی پاکستان سے تھی۔ وہ یہاں پڑھنے آئی تھی اور مسٹر جوزف ان دنوں فلم اور ڈائریکشن کے آخری سال میں تھے۔ وہ پڑھائی مکمل ہونے کے بعد اپنے باپ کا اسٹار لائٹ پروڈکشن ہاؤس سنبھالنا چاہتے تھے جو سالوں سے کام کر رہا تھا۔ اور یونیورسٹی میں ہی مسٹر جوزف کی ملاقات افق سے ہوئی وہ فیشن ڈیزائننگ کے لیے آئی تھی۔

حادثاتی طور پر ہونے والی ایک ملاقات کے بعد وہ قریب ہو گئے۔ افق مسٹر جوزف سے بے پناہ محبت کرنے لگی۔ وہ اسکی سحر انگیز شخصیت کے جانب کسی مقناطیس کی طرح کھنچتی چلی گئی۔ پہل بھی افق کی جانب سے ہوئی تھی۔

تب جارج ایک سال کا تھا جب مسٹر جوزف نے افق سے دوسری شادی کر لی۔ افق کے گھر والے اُس سے تمام رشتے ناطے ختم کر چکے تھے اور افق کو شاید اس سے فرق نہیں پڑتا تھا۔

لیکن شادی کے کچھ ماہ بعد ہی افق بدلنا شروع ہو گئی۔ وہ حاملہ تھی کہ اچانک ڈر کر راتوں کو اٹھ جاتی۔ مسٹر جوزف دونوں بیویوں کو خوش رکھنے کی پوری کوشش کر رہے تھے جب افق نے اچانک ہی مسٹر جوزف سے طلاق کا مطالبہ کر لیا۔ وہ انکے ساتھ نہیں رہنا چاہتی تھی۔ مسٹر جوزف نے بہت سمجھایا پر وہ نہیں مانی اور پھر ایک دن وہ غائب ہو گئی۔ اس دوران مسٹر جوزف کے ہاں نساء پیدا ہوئی وہ جارج سے چار سال چھوٹی تھی اور اسکی پیدائش کے دوران ہونے والی کچھ پیچیدگیوں کی وجہ سے روزینا کی وفات ہو گئی۔ یوں مسٹر جوزف اکیلے رہ گئے۔ افق کے غائب ہونے کے پانچ سال بعد مسٹر جوزف کو فون آیا۔ افق ایک اپارٹمنٹ میں مردہ پائی گئی۔ افق اور جوزف کا ایک بیٹا تھا جو جارج سے دو سال چھوٹا جبکہ نساء سے دو سال بڑھا تھا۔ وہ درمیانہ بچہ تھا۔

وہ پانچ سال کا تھا جب اسکی ماں نے خودکشی کر لی اور وہ ایسا بچہ تھا جو بچپن میں ہی ذہنی مسائل کا شکار ہو گیا۔

نینی جارج اور نساء سب نے اسے خوش دلی سے اپنایا۔ اس محل جیسے گھر میں اس کی دلچسپی کی بہت ساری چیزیں تھیں پر وہ جلد گھلنے ملنے والا بچہ نہیں تھا۔ اسے کافی وقت لگا جارج اور نساء کے ساتھ گھلنے ملنے میں۔

مسٹر جوزف کو وہ بہت پیارا تھا وہ اس سے باتیں کرنے کی کوشش کرتے اسے نارمل کرنے کی کوشش کرتے پر ولیم کا زیادہ وقت خاموشی کی نذر ہو جاتا اور پھر اصل مسئلہ تب شروع ہوا جب وہ سات سال کا تھا۔ اسے آوازیں سنائی دینے لگیں۔ عجیب و غریب خواب نظر آنے لگے۔ وہ ڈر کر اٹھ جاتا چیختا چلاتا۔ نینی اسے اپنی آغوش میں چھپا لیتی پر وہ برے خواب اسکے ساتھی بن گئے۔ وہ کبھی نہیں گئے۔

کوئی اسے ولی کہہ کر پکارتا تھا۔ ولی کون تھا وہ نہیں جانتا تھا پر یہ پکارا اجنبی نہیں تھی۔ اس گھر میں اس کی ماں کی کوئی تصویر نہیں تھی کوئی اسکا ذکر نہیں کرتا تھا۔ ولیم کو آہستہ آہستہ سب بھولنے لگا پر وہ آواز، اس آواز نے کبھی پیچھا نہیں چھوڑا اور یاد رہا تو اتنا کہ اسکی ماں نے خودکشی کر لی تھی۔

✿••✿••✿••✿

پتا ہے اکثر والدین اپنے بچوں کو دوسرے ملک تو کیا دوسرے شہر بھی پڑھنے بھیجنے کو راضی نہیں ہوتے۔ ایسا کیوں ہے؟؟

انہیں لگتا ہے بچے پردیس جا کر ویسے نہیں رہتے جیسے وہ جاتے ہیں۔ وہ بدل جاتے ہیں۔ وہ خود غرض بن جاتے ہیں۔ ماں باپ سے دور ہو جاتے ہیں۔ انہیں کوئی آسیب لپیٹ لیتا ہے اور نوجوانوں کے لیے سب سے بڑا آسیب کیا ہے بھلا؟؟ محبت۔۔۔۔۔ !!

وہ جذبہ جو ہر دل پر مختلف طریقے سے وارد ہوتا ہے، کہیں خوشنما بہار کی طرح جو اجڑے ویران دل کو پھر سے آباد کر دیتا ہے۔ کہیں کسی آزمائش کی طرح جو ہم سے ہمارا سب کچھ چھین لیتی ہے اور یہ کبھی کبھی کسی عذاب کی طرح نازل ہوتی ہے پتا ہے کب؟

جب ہم اُسے بھول جاتے ہیں جس نے یہ جذبہ پیدا کیا ہے جب ہم اُس سے محبت نہیں کرتے جس کا یہ حق ہے۔ جب ہم محبت میں اندھے بہرے اور گونگے ہو جاتے ہیں جب ہمیں محبوب کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا۔ تب یہ محبت بس عذاب ہوتی ہے۔ جسے پا لینے کے بعد احساس ہوتا ہے کہ محبت لاحاصل ہی اچھی تھی۔

اور ایسی ہی محبت کے زیر اثر وہ تھی۔ حسین ذہین اور فطین لڑکی جو آنکھوں میں ڈھیروں خواب سجا کر آئی تھی۔ جو اپنے والدین سے ڈھیروں وعدے کرنے آئی تھی۔ وہ افق اور نگزیب تھی۔

جو محبت کی تاب نہ لا سکی اور اس نے اپنے حصے میں صرف خسارے سمیٹے۔۔۔۔۔ بدلے میں اسے کیا ملا؟ یہ جاننا بہت ضروری ہے۔

"ہیلو بابا۔۔۔؟؟" وہ فون کان سے لگائے کھڑی تھی۔

"افق۔۔۔؟؟" دوسری جانب سے پکارہ گیا۔ لہجے میں بے یقینی کے ساتھ ساتھ تڑپ بھی تھی۔

"افق واپس آجاؤ۔" وہ اسکے بابا تھے اسے پکار رہے تھے۔ اس پکار پر افق اور نگزیب اپنا سب کچھ لٹا سکتی تھی پر آنکھوں کے سامنے کھڑا وہ شخص اب اُسکے اور اُسکے باپ کے درمیان تھا۔ جوزف پیٹرسن اسے یونیورسٹی میں ملا۔ وہ یونیورسٹی میں منعقد ہونے والی کسی تقریب کی تیاری کر رہے تھے۔ اس تقریب میں انہیں ایک پلے کرنا تھا جسے لیڈ جوزف کر رہا تھا۔ تیکھے نین نقش والا اونچا لمبا جوزف اپنی ریزرو شخصیت کی وجہ سے افق کو پہلی ہی ملاقات میں اچھا لگا۔ افق کا ابھی پہلا سال تھا جبکہ جوزف کا آخری۔ وہ سینئر تھا اور اپنی محنت اور لگن کی وجہ سے وہ کافی جانا جاتا تھا۔ وہ خوابوں کو حقیقت بنانے پر یقین رکھتا تھا۔ وہی خواب جو افق نے بھی دیکھے تھے۔

جوزف شادی شدہ ہونے کے باوجود افق کی جانب کھنچنے لگا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے سنگ ہنسنے مسکرانے لگے اور تقریب کے آخر تک وہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرنے لگے۔ بے تحاشہ محبت جہاں ایک دوسرے کے بنا جینا محال لگتا ہے۔

"میری یونیورسٹی ختم ہونے والی ہے میں جلد چلا جاؤں گا۔" ایک دن باتوں ہی باتوں میں جوزف نے اسے بتایا۔ وہ دونوں کیفے ٹیریا میں تھے اور اس دن افق کو اپنا دل رکتا محسوس ہوا۔ وہ شخص کب اتنا عزیز ہوا کچھ پتا ہی نہیں چلا۔

"ملنے نہیں آؤ گے؟؟" وہ اب پر امید نظروں سے اسے تکنے لگی۔

"نہیں۔" جوزف نے کندھے ہلا دیے اور افق کو لگا وہ سانس نہیں لے پائے گی۔ وہ اٹھ کر چلی گئی۔ جوزف نے اسے نہیں روکا۔ اس رات وہ سو نہیں پائی خود سے لڑتی رہی۔ وہ عام لڑکی نہیں تھی۔ وہ سات سمندر پار آئی تھی۔ اسے سات سمندر پار بلاوجہ نہیں بھیج دیا گیا تھا۔ اسکے بڑے بھائی کو اسکے باپ کو اس پر بھروسہ تھا۔ وہ ان کا مان نہیں توڑ سکتی تھی لیکن جوزف پیٹرسن کسی آسیب کی طرح چمٹ گیا۔ وہ دو دن یونیورسٹی نہیں گئی وہ اس سے نہیں ملنا چاہتی تھی پر آنکھیں اسے دیکھنے کو ترس رہی تھیں۔ تیسرے دن وہ یونیورسٹی گئی تو اسے سب سے پہلے جوزف ملا۔ اسکی آنکھیں سرخ انگارہ تھیں۔ اسکی حالت بھی افق سے الگ نہیں تھی۔ دونوں طرف محبت کی سلگائی آگ برابر بھڑک رہی تھی جو ساتھ ساتھ دونوں کو جلا رہی تھی۔

"کہاں تھی تم؟؟" وہ ضبط کرنے کے باوجود چلا اٹھا اور پھر کچھ دیر بعد وہ دونوں اسی کیفے ٹیریا میں بیٹھے تھے جہاں سے دو دن پہلے افق اٹھ کر گئی تھی۔

"میں تمہارے بنا نہیں رہ سکتی جوزف۔" وہ خود پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔ جوزف نے اسے بتا دیا تھا کہ وہ شادی شدہ تھا۔ وہ اس سے دوسری شادی کرنے کو تیار تھا پر وہ عیسائی تھا اور کسی صورت اپنے مذہب کو نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ افق نے بہت سوچا۔ اس سے دور رہنے کی کوشش کی پر جان نکلتے محسوس ہوتی تھی۔

بالآخر دل کے ہاتھوں ہار مان کر اس نے اپنے بابا کو سب بتانے کا فیصلہ کیا۔ توقع کے عین مطابق وہ بھڑک اٹھے۔ اسے واپس آنے کا کہا پر وہ نہیں مانی۔ انہیں دو دن سوچنے کا وقت دے کر وہ آج دوبارہ انہیں فون ملائے کھڑی تھی۔

"افق خدا کا واسطہ ہے واپس آجاؤ یہ ظلم نہ کرو۔" وہ منت کرنے لگے۔

"میں نے کوشش کی بابا بہت کوشش کی پر دل نہیں مانتا۔۔" وہ آنسوں پیتے بولی۔

"افق میرا سر جھک جائے گا۔" فون کے دوسری جانب سے ابھرتی آواز خوفزدہ تھی۔ آنے والے وقت سے۔ برے اندیشے انہیں ڈس رہے تھے۔

"بابا آپ پلیز مان جائیں۔ جوزف اچھا انسان ہے وہ مجھے بہت خوش رکھے گا۔" وہ انہیں اپنی اور جوزف کی شادی کے لیے منانا چاہتی تھی۔ وہ انکی رضامندی چاہتی تھی۔ کئی لمحے خاموشی چھائی رہی۔

"ٹھیک ہے۔ میں تمہارا نکاح اس سے کروادوں گا اسے کہو مسلمان ہو کر جلد تمہارے ساتھ یہاں آئے۔" پہلی بات سننے پر جہاں افق کا دل دھڑکنے لگا وہیں دوسری بات پر وہ دل مسوس کر رہ گئی۔

جوزف اسے سب دینے کو تیار تھا وہ بھی خاندان کے خلاف جا کر اس سے شادی کر رہا تھا پر وہ مسلمان نہیں ہو سکتا تھا۔

"بابا وہ اپنا مذہب نہیں چھوڑ سکتا۔۔" وہ دھیرے سے بولی۔ آنسوں آنکھوں سے بہہ جانے کو تیار تھے۔

"اور تم افق؟؟"

"میں اسے نہیں چھوڑ سکتی بابا۔۔۔" آنسو گال پر پھسلتا چلا گیا۔

"افق۔۔۔؟؟" کیا کچھ نہیں تھا اس ایک پکار میں پر افق کچھ محسوس کرنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ اس نے اپنی حسیات کو مردہ کر لیا تھا۔ دماغ کو بند اور آنکھوں پر محبت نے ویسے ہی پٹی باندھ دی تھی۔

"تم اللہ کو چھوڑ دو گی افق؟ میں نے تمہیں یہ تو نہیں سکھایا تھا بچے۔۔" انکے لہجے میں تاسف ہی تاسف تھا۔ افسوس تھا۔ دکھ تھا۔ اپنے لیے اپنی اولاد کے لیے۔ وہ اولاد جو باغی ہو جاتی ہے۔ وہ اولاد جو سب بھول جاتی ہے۔

"نہیں میں اللہ کو نہیں چھوڑ رہی بابا میں بس جوزف کو اپنا رہی ہوں۔ ویسے ہی جیسا وہ ہے۔ یہی محبت کا تقاضا ہے۔"

کئی لمحے پھر سے خاموشی چھائی رہی۔ افق کا دل ڈر رہا تھا فیصلہ جو بھی ہو تا وہ جانتی تھی جوزف کو پانے کے بدلے وہ سب کھونے جا رہی تھی۔

"کبھی پلٹ کر مت آنا افق۔" فون بند ہو گیا۔ وہ فون تھامے کھڑی رہی جوزف سامنے تھا۔ وہ اس سے شادی کے لیے آزاد تھی لیکن اس پل وہ فیصلہ نہیں کر پائی اس نے گھاٹے کا سودا کیا تھا یا فائدے کا؟

ہاں انسان خسارے ہی سمیٹتا ہے۔ اس نے کبھی فائدے کا سودا کیا ہی نہیں۔۔۔ !!

✿••✿••✿••✿

صبح کے اس پہر جوزف پیلس میں کافی گہما گہمی تھی۔ ہفتے کے لمبے اختتام کے بعد آج ہفتے کا پہلا دن تھا۔ نیا ہفتہ شروع ہو چکا تھا۔ ناشتہ کیا جا چکا تھا۔ بچے سکول جانے کے لیے تیار تھے۔ مسٹر جوزف کی گاڑی پیلس کے باہر تیار کھڑی تھی۔ ڈرائیور ان کا انتظار کر رہا تھا۔ مسٹر جوزف تینوں بچوں کو صبح اسکول چھوڑنے کے بعد اپنے اسٹوڈیو

جاتے تھے۔اس وقت جارج اور نساء اسکول کا یونیفارم پہنے لاؤنج میں بیٹھے انتظار کر رہے تھے۔نساء نے سیاہ اسکرٹ پر سفید شرٹ اور اسکے اوپر نیلا کوٹ پہن رکھا تھا جس پر اسکول کا لوگو لگا تھا جبکہ جارج سیاہ پینٹ کے ساتھ سفید شرٹ اور نیلے کوٹ میں ملبوس تھا۔دونوں کے گلے میں لٹکتی ٹائی کوٹ کے ہم رنگ تھی۔آج ولیم ابھی تک نیچے نہیں آیا تھا۔نینی ان کے دوپہر کے کھانے کے ڈبے ملازم کو پکڑا رہی تھیں۔اسی لمحے مسٹر جوزف سیڑھیوں پر وارد ہوئے۔وہ کافی تیزی میں تھے اور پھر ٹھٹھک کر رک گئے۔

"ولیم کہاں ہے؟؟" بے ساختہ پوچھا گیا۔نساء اور جارج نے لاعلمی سے کندھے اچکا دیئے۔مسٹر جوزف کی پیشانی پر شکنیں اُبھریں اور اسکے ہی پل وہ واپس پلٹ گئے اُنکا رخ ولیم اور جارج کے مشترکہ کمرے کی جانب تھا۔

تہہ خانے والے حادثے کو بیتے ایک سال ہونے والا تھا۔کچھ دنوں بعد ولیم کی دسویں سالگرہ تھی۔وہ قد کاٹھ میں جارج کی طرح تیزی سے بڑھ رہا تھا۔کمرے کے باہر پہنچ کر مسٹر جوزف نے لکڑی کے دیو قامت دروازے پر دستک دی۔

"آجائیں نینی۔۔۔" اندر سے ولیم کی آواز ابھری۔اسے یقین تھا نیچے نہ آنے پر نینی اس سے ملنے ضرور آئے گی پر اگلے ہی لمحے وہ حیران رہ گیا جب مسٹر جوزف کا وجود دروازے میں نمودار ہوا۔

"کیا بات ہے ولیم اسکول نہیں جانا آج؟؟" وہ براہ راست اسی سے مخاطب تھے۔ولیم اپنے بستر پر بیٹھا رہا۔سیاہ پینٹ اور سفید شرٹ پہنے۔اسکا کوٹ پلنگ پر رکھا تھا۔گہری کتھئی آنکھیں ایک پل کو اٹھیں اور مسٹر جوزف کی نگاہوں سے ٹکرا کر پلٹ گئیں۔اسکے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا جسے اس نے برق رفتاری سے اپنے پیچھے چھپا لیا۔

"نہیں۔مجھے اسکول نہیں جانا۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔

"وجہ۔۔؟؟" مسٹر جوزف اس کی ایک ایک حرکت کو نوٹ کر رہے تھے۔ وہ الجھا ہوا تھا۔ الجھا ہوا تو ہمیشہ ہی رہتا تھا پر اس نے کبھی کسی کام منع نہیں کیا تھا۔ یہ اس کا پہلا انکار تھا۔

"ولیم کیا میں وجہ جان سکتا ہوں؟؟" اس کی خاموشی پر مسٹر جوزف نے کلائی میں بندھی گھڑی پر سرسراتی نظر ڈالتے پوچھا۔ اسکول کا وقت ہو چکا تھا۔ وہ دو قدم بڑھا کر اندر داخل ہوئے۔

"میں ایڈنبرا اکیڈمی میں نہیں پڑھنا چاہتا۔" اسکے جواب پر مسٹر جوزف نے حیرت سے اسے دیکھا اور پھر مزید قدم بڑھاتے ہوئے اسکے پلنگ پر ٹک بیٹھ گئے۔ ایک ٹانگ اوپر تھی ایک نیچے۔ خوشبوؤں میں رچا بسا جوزف پیٹرسن اگر کسی کے پاس بیٹھ جاتا تو اسکے ہوش اڑ جاتے تھے اور اس وقت ولیم نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ مسٹر جوزف اپنے تمام بچوں سے بے پناہ محبت کرتے تھے پر انکے اور بچوں کے درمیان باقی والدین اور بچوں والا رشتہ نہیں تھا۔ ایک سرد سی دیوار تھی۔ ان دیکھی جھجھک تھی۔ وہ بے ساختہ مسٹر جوزف سے نہیں لپٹتے تھے اور مسٹر جوزف کے انداز میں کبھی بھی والہانہ پن نہیں ہوتا تھا۔ اسی لیے بچے مسٹر جوزف سے زیادہ نینی سے جڑے تھے۔

"اور کیا میں جان سکتا ہوں تم ایڈنبرا کے سب سے بہترین اسکول میں کیوں نہیں پڑھنا چاہتے۔۔؟؟" اس وقت ولیم کی ٹھوڑی گردن سے چپکی ہوئی تھی وہ چاہتا تھا مسٹر جوزف وہاں سے جلد از جلد چلے جائیں۔

"ولیم۔۔۔؟؟" اسکی خاموشی پر مسٹر جوزف نے دوبارہ پکارہ۔

"مجھے نینی سے بات کرنی ہے۔۔" وہ سرخ ٹماٹر چہرے کے ساتھ بولا۔ مسٹر جوزف نے سیدھا ہوتے گہرا سانس لیا۔ دوسری ٹانگ نیچے کر کے گھٹنوں پر دونوں ہاتھ جما لیے۔ انکے لمبے ترشے ہاتھ کس قدر خوبصورت تھے۔ ولیم نے کن انکھیوں سے ان ہاتھوں کو دیکھا وہ اپنے باپ کے ان ہاتھوں کو چھونا چاہتا تھا پر ان دیکھی دیوار حائل تھی۔

وہ محسوس کرنا چاہتا تھا اس لمس کو جو باپ کا ہوتا ہے۔ اس شفقت، اس محبت کو پر وہ یونہی بیٹھا رہا اور پھر دروازے پر دوبارہ دستک ہوئی۔ نینی دروازے میں کھڑی نظر آئیں۔

سیاہ رنگ کے پاؤں کو چھوتے اپنے ازلی گاؤن میں۔ نینی ایک حبشی خاتون تھیں۔ سیاہ رنگت، چمکتے دانت، بھرے بھرے پھیلے ہوئے نقوش، نہایت گھنگھریالے بال جو سر پر کسی ٹوپی کی مانند سجے تھے۔ انکا جسم وزنی تھا۔ لیکن ان دنوں نینی کسی حد تک جوان تھیں وہ بنا کسی سہارے کے سیڑھیاں اتر چڑھ لیتی تھیں۔ یہاں کے لوگوں کو عموماً سیاہ فاموں سے نفرت تھی لیکن نینی کو دیکھتے ہی ان پر پیار آتا تھا۔ انکی آغوش میں سکون تھا۔ محبت تھی۔ اس لیے پیلس کے سبھی ملازموں کے ساتھ ساتھ تینوں بچے بھی انہی سے ساری باتیں کرتے تھے۔ بہت سالوں سے انکے خاندان والوں سے مسٹر جوزف کا خاندان سے جڑا رہا تھا۔

"آپ جایئے میں ولیم سے بات کرتی ہوں۔۔" نینی نے پریشان بیٹھے جوزف سے کہا جو اثبات میں سر ہلاتے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئے لیکن وہ اپنی تمام خوشبوئیں چھوڑ گئے تھے۔ انکی سحر انگیز شخصیت کا اثر ان کے جانے بعد بھی قائم رہتا تھا۔

"ولیم میرے بچے کیا ہوا ہے مجھے بتاؤ۔۔" نینی نے اسکے قریب بیٹھتے اسے خود سے لگایا اور ولیم ان سے لپٹ گیا۔ تیزی سے دھڑکتا دل پر سکون ہونے لگا۔ اسکے ذہن میں کل والا واقعہ پوری تابناکی سے گھوم گیا۔

یہ پچھلے دن کی بات تھی۔ مسٹر جوزف اور نینی بچوں کو گھمانے لے گئے تھے۔ مسٹر جوزف ملک کی جانی مانی شخصیت تھے اس لیے وہ عوامی جگہوں پر کم ہی نکلتے تھے۔ جبکہ نینی ہی زیادہ تر بچوں کے ساتھ ہوتی تھیں۔ کل اتوار تھا۔ وہ سب شام کے پہر پورتوبیلو ساحل پر گھومنے گئے۔ یہ ساحل ایڈنبرا کا مشہور ساحل سمندر ہے۔ بچے ساحل پر گھومنا

چاہتے تھے۔کچھ وقت وہاں ٹھہرنے کے بعد مسٹر جوزف کو ایک اہم میٹنگ کے لیے نکلنا پڑا وہ گارڈز کو نینی اور بچوں کے پاس چھوڑ گئے۔یوں بھی انکی موجودگی میں بچے زیادہ اچھل کود نہیں کرتے تھے۔انکے جانے کے بعد تینوں بچے فٹبال لیے ریتیلے ساحل پر کھیل رہے تھے۔جارج نے فٹبال کو زوردار لات ماری تو فٹبال پکڑنے ولیم بھاگا۔وہ بھاگتے ہوئے ریت پر بیٹھے ایک لڑکے کے قریب سے گزرا اور پھر ٹھٹھک کر رک گیا۔وہ کوئی پندرہ سالہ لڑکا تھا جو ہاتھ میں لکڑی کا باریک تنکا پکڑے ساحل پر کچھ لکھ رہا تھا۔ولیم اب بھاگتے فٹبال اور اس لڑکے کے درمیان کھڑا تھا۔وہ کیوں رک گیا تھا وہ خود نہیں جانتا تھا۔

"ولیم جلدی آؤ۔۔"جارج اور نساء اسے پکارنے لگے۔ولیم نے ایک نظر انہیں دیکھا پھر اس لڑکے کو اور تیسری نظر اس نے فٹبال پر ڈالی۔اگلے ہی لمحے وہ تیزی سے فٹبال کی جانب بھاگا۔قریب پہنچ کر اس نے زوردار کک فٹبال کو ماری اور اسے جارج اور نساء کی جانب واپس بھیج دیا۔

لوگ ساحل سمندر پر لیٹے ڈوبتے سورج کا مزہ لے رہے تھے۔بچے اپنے پالتوں جانوروں کے ساتھ اچھل کود کر رہے تھے۔منچلے جوڑے ہاتھوں میں ہاتھ لیے ہمیشہ ساتھ رہنے کے وعدے کر رہے تھے۔ایسے میں وہ لڑکا ریت پر جھکا کچھ لکھ رہا تھا۔ولیم اب اسکے سر پر کھڑا تھا۔جارج اور نساء کو وہ آنے کا اشارہ کر چکا تھا جبکہ نینی تمام بچوں پر نظر رکھے ہوئی تھیں۔

"ایم سوری مام۔۔۔"ولیم نے ذرا سا جھکتے ہوئے لڑکے کے لکھے لفظوں کو پڑھنا چاہا اور پھر وہ حیران ہوا۔لہریں بار بار آکر ان لفظوں کو مٹا رہی تھیں اور وہ بار بار لکھ رہا تھا۔پھر وہ لڑکا اٹھ کھڑا ہوا اب اسکا رخ سمندر کی جانب تھا وہ کسی روبوٹ کی طرح چلتا رہا اور پل کے ہزارویں حصے میں شاید ولیم جان چکا تھا وہ کیا کرنے جا رہا تھا۔وہ کئی ثانیے اسے جاتے دیکھتا رہا۔

"ولی میں چاہتی ہوں تم مدد گار بنو۔ یاد رکھو جو مدد نہیں کرتا وہ اپنے پروردگار کو بھول چکا ہے۔" وہ نسوانی جانی پہچانی آواز اسکی سماعت سے ٹکرائی اور ولیم کے وجود میں حرکت پڑ گئی۔ وہ اس لڑکے کے پیچھے چل پڑا۔ لڑکا بے خوف سا گہرائی کی جانب بڑھ رہا تھا۔

مسٹر جوزف کا فون تھا نینی کی نظر پل بھر کو ولیم سے ہٹی اور ولیم نے خود کو زور آور لہروں سے لڑتے پایا۔ اسکا قد چھوٹا تھا۔ وہ دھڑ تک ڈوب گیا اگر کوئی بڑی لہر آتی تو یقیناً وہ بہہ جاتا جبکہ وہ لڑکا لمبا تھا اس لیے آسانی سے چل رہا تھا۔ ولیم کا چہرہ خوفزدہ تھا۔ اسے ڈر لگ رہا تھا۔ اپنی موت سے زیادہ اس لڑکے کی موت سے جو اس کے آگے چل رہا تھا۔ پھر اس نے اپنی پوری ہمت جٹائی اور تیزی سے آگے بڑھ کر لڑکے کا ہاتھ تھام لیا۔ لڑکا جھٹکے سے مڑا وہ اپنے پیچھے کھڑے تقریباً ڈوب چکے ولیم کو دیکھنے لگا جو ایڑھیاں اونچی کئے اپنا چہرہ پانی سے باہر نکالے ہوئے تھا۔

"تم مر نہیں سکتے۔۔؟؟" سرخ ٹماٹر چہرہ لیے کتھئی آنکھوں والا ولیم گہری سانسیں لیتے بولا۔

"چھوڑو مجھے۔۔"

جبکہ ولیم نے دوسرا ہاتھ بڑھا کر اپنی گرفت مضبوط کر دی۔

"تم ایسے نہیں مر سکتے۔۔" ولیم اب اپنے دونوں ہاتھوں سے اسے اپنی جانب کھینچنے لگا۔

"کون ہو تم چھوڑو مجھے۔۔" لڑکے کو اسکی مداخلت بری لگی۔

"پلیز واپس چلو۔۔" ولیم رو دینے کو تھا۔ اس کی ماں نے خودکشی کی تھی۔ خودکشی کرنے والے گہرے زخم دے جاتے ہیں وہ جانتا تھا۔ اور اس پل اسکا ننھا ذہن بس چاہتا تھا کہ وہ لڑکا یہ کام نہ کرے۔ وہ اپنی جان نہ لے۔

"نینی۔۔" اس نے جب دیکھا وہ لڑکا اپنا بازو چھڑا لینے کے درپے تھا تو ولیم نے بے ساختہ انہیں پکارہ۔ کچھ لوگوں کی نظر اس جانب پڑی جہاں دو لڑکے لہروں سے لڑ رہے تھے۔ نینی کے پیروں سے ایڈنبرا کی زمین نکل گئی۔ گارڈز تیزی سے بھاگے اور کچھ دیر دونوں کو بچا لیا گیا وہ اب کنارے پر تھے۔ ولیم کے گرد جمگھٹا تھا۔ پولیس کو فون کر دیا گیا تھا۔ اس لڑکے کو گھیر رکھا تھا کہیں وہ بھاگ نہ جائے۔

نینی نہیں چاہتی تھیں ولیم یا جوزف کا نام آئے۔ اس لیے وہ بچوں کو لے کر جلد از جلد وہاں سے نکلنا چاہتی تھیں۔ ولیم کے گرد انہوں نے اپنی چادر لپیٹ دی۔

"مجھے اس لڑکے سے بات کرنی ہے نینی۔۔"

"ہمیں گھر جانا ہے ولیم۔۔" وہ اب انہیں تھامے گارڈز کے گھیرے میں گاڑی کی جناب بڑھ رہی تھیں۔ خوف انکے چہرے پر واضح تھا۔ اگر ولیم کو کچھ ہو جاتا تو؟؟ وہ جھرجھری سی لے کر رہ گئیں۔

"پلیز نینی بس پانچ منٹ؟؟" وہ وہیں جم کر کھڑا ہو گیا اور نینی جو ناچار اسکی بات ماننا پڑی۔ کچھ دیر بعد وہ اس لڑکے کے قریب بیٹھا تھا۔ جو گھٹنوں میں سر دیے رو رہا تھا۔ اسکی ماں آ رہی تھی۔ وہ اپنی ماں کو کیا منہ دکھاتا؟؟ اسکا وجود سسک رہا تھا۔

"تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔۔" ولیم نے اسکے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ وہ اپنی عمر کے بچوں کے لحاظ سے کافی ہوشیار تھا۔ شاید بچپن کے اس حادثے نے اسے ایسا بنا دیا تھا یا پھر اسکی ذہنی حالت نے۔

"تو میں اور کیا کروں؟؟ میں فیل ہو گیا۔ پتا ہے میری ماں نے کتنی مشکل سے پیسے اکٹھے کر کے ٹیسٹ کی فیس بھری تھی۔ میں ٹیسٹ میں فیل ہو گیا۔ تم امیر لوگ کبھی کسی غریب کا دکھ نہیں سمجھ سکتے۔ تم جانتے ہو خواب ٹوٹنا

کیسا ہوتا ہے؟؟" وہ گھٹنوں سے سر اٹھا کر دبا دبا سا چلایا۔ آنکھوں سے آنسوں جاری تھے۔ وجود ابھی تک ہچکیوں کی زد میں تھا۔ ولیم لب بھینچے اسے دیکھتا رہا۔ وہ اسکی باتیں سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تمہارا خواب کیا ہے؟؟" اس نے اپنا ہاتھ کرنے کے کندھے سے اٹھا لیا۔

"میں امیر لوگوں کی طرح بڑے اسکول جا کر پڑھنا چاہتا ہوں۔ میں دی ایڈنبرا اکیڈمی (ایڈنبرا کا سب سے بڑا اور مہنگا سکول) میں پڑھنا چاہتا ہوں میں وہ زندگی جینا چاہتا ہوں جو تم جیتے ہو۔۔" کتنی تلخی تھی اسکے الفاظ میں ولیم بس اسے یونہی دیکھے گیا۔

"جاؤ یہاں سے چلے جاؤ۔ تم امیر لوگ بس ہم جیسوں کا تماشہ بنا سکتے ہو۔۔" اس نے پھر سے گھٹنوں میں سر دے لیا۔

"تمہیں جوزف پیلس کا پتا ہے؟؟ "

ولیم کے سوال پر لڑکے نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ آنکھوں میں الجھن واضح تھی۔

"میں ولیم جوزف ہوں۔ اسٹار لائٹ پروڈکشن ہاؤس کے مالک جوزف پیٹرسن کا بیٹا۔ میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ نیلی آنکھوں والا لڑکا حیرانی سے اسے دیکھتا رہا۔

"تم کل صبح آٹھ بجے جوزف پیلس پہنچ جانا تم جہاں چاہو گے تمہارا ایڈمیشن ہو جائے گا۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ نینی کچھ فاصلے پر اسی کا انتظار کر رہی تھیں۔

"تم مزاق کر رہے ہو نا؟؟" لڑکا بے یقینی سے بولا۔

"تمہیں لگتا ہے میں نے مزاق میں تمہاری جان بچائی ہے؟؟" وہ اب ابرو اچکائے تفتیشی انداز میں بولا۔ لڑکے سے کوئی جواب نہیں بن پایا۔ ولیم چل پڑا۔

"تم چھوٹے ہو تم میری مدد کیسے کرو گے؟؟" وہ عقب سے بولا۔ ابھی تک حیران تھا۔

"میرا باپ بڑا آدمی ہے وہ تمہاری مدد ضرور کرے گا۔" وہ تیز تیز چلتا اس سے دور ہوتا گیا۔

"ولیم۔۔" نینی کی آواز اسے حال میں واپس کھینچ لائی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اپنے پیچھے رکھا کاغذ اٹھایا اور اسے نینی کے سامنے کیا۔ وہ جس کلاس میں تھا اسکے اسکول کی سالانہ فیس تقریباً پندرہ ہزار سے بیس ہزار پاؤنڈز تھی اور یہ اچھی خاصی رقم تھی۔ اس نے سارا حساب لکھ رکھا تھا۔

"یہ کیا ہے۔۔؟؟" نینی نے وہ کاغذ تھامتے پوچھا۔

"یہ میری سالانہ فیس ہے مجھے سکول نہیں جانا بلکہ مجھے یہ پیسے چاہئیں۔۔"

"لیکن کیوں۔۔؟؟" نینی نے الجھن زدہ نگاہوں سے دیکھا۔

"اور اسکول نہیں جاؤ گے تو کیا کرو گے؟؟"

"میں سرکاری اسکول جاؤں گا نینی۔۔" وہ چمکتی آنکھوں سے بولا۔

"پیسے کس لیے چاہئیں؟؟"

"جیکب کے لیے؟؟"

"کون جیکب؟؟"

وہ اٹھ کھڑا ہوا اور پھر قدم بڑھا کر کھڑکی تک پہنچا اور پردہ کھینچ کر ہٹا دیا۔ پیلس کے حدود کے پار اسے کوئی کھڑا نظر آیا۔ نینی اٹھ کر اسکے پیچھے آ کھڑی ہوئیں۔ پیلس کے باہر جو بھی کھڑا تھا اسکا وجود واضح نہیں تھا۔

"یہ وہی لڑکا ہے جو کل مرنا چاہتا تھا میں چاہتا ہوں میری جگہ یہ میرے اسکول جائے۔"

وہ بولا تو نینی نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو ولیم؟؟" وہ صحیح معنوں میں پریشان ہوئیں۔

مسٹر جوزف کو کل والے واقعے کا نہیں پتا تھا اور ولیم کسی اجنبی کو یوں گھر بلانا۔ انہیں پتا چلتا تو غضب ہو جاتا۔

"آپ ڈیڈ سے بات کریں۔ مجھے ایسے اسکول نہیں جانا نینی۔۔" وہ پلٹ کر ان سے لپٹ گیا اپنے بازو انکی کمر کے گرد جما دیے۔

جبکہ نینی حقیقتاً پریشان تھیں۔ ولیم کے سر پر ہاتھ رکھتے انہوں نے دور کھڑے جیکب کو دیکھا جو اس کی بات پر یقین رکھتے وہاں آ گیا تھا۔

جوزف کو منانا اتنا آسان نہیں تھا۔ وہ ایسا انسان نہیں تھا جس کے دل میں غریبوں کی بھلائی کا جذبہ ٹوٹ ٹوٹ کر بھرا ہو بلکہ مسٹر جوزف کو تو غریبوں سے ویسے ہی چڑ تھی۔ وہ راہ چلتے غریبوں کی مدد کرنے پر بھروسہ نہیں رکھتے تھے ہاں البتہ وہ بڑے بڑے ڈونیشنز دیتے تھے جہاں ان کا فائدہ ہوتا۔ جہاں ان کا نام ہوتا۔ انہوں نے گہری سانس خارج کی اور اپنے ذہن میں لائحہ عمل تیار کرنے لگیں۔

اگلے چند منٹوں کے بعد وہ مسٹر جوزف کے سامنے بیٹھی تھیں۔ بچے لاؤنج میں تھے۔ اسکول سے دیر ہو چکی تھی۔

"مجھے یہ سمجھ نہیں آتا وہ ابھی دس سال کا ہے اُسکے ذہن میں ایسی باتیں کون انڈیل رہا ہے؟؟" وہ شدید کوفت کا شکار تھے۔

پہلے ہی ولیم کی خراب ذہنی حالت نے مسٹر جوزف کو ناکوں چنے چبوا دیے تھے۔ روزانہ کوئی نہ کوئی حادثہ، باقاعدگی سے چلتا اسکا علاج اور اب اوپر سے اس کی یہ عجیب و غریب ضد۔

"اس نے پہلی بار کچھ مانگا ہے مجھے لگتا ہے ہمیں اس بارے میں سوچنا چاہیے اور اس میں فائدہ ہے۔ آپ کی عزت ہے۔ لوگوں کو پتا چلا کہ آپ کسی یتیم بچے کو اعلی تعلیم دلا رہے ہیں تو آپ کا ہی نام ہو گا۔" نینی نے بات کا دوسرا رخ انکے سامنے رکھا۔ مسٹر جوزف نے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔

"اور اگر یہ بات باہر نکل گئی کہ جوزف پیٹرسن کا بیٹا ذہنی طور پر غیر متوازن ہے تو آپ جانتی ہیں نتیجہ کیا ہو گا؟؟" وہ کسی اور پہلو پر سوچ رہے تھے۔ آج تک جارج پیلس میں انہوں نے کوئی تقریب نہیں رکھی تھی۔ بچوں کی سالگرہ پر بھی ملازم اور گھر کے افراد ہی ہوتے تھے۔ ہمسائے یا انکے بچے کوئی نہیں آتا تھا اور بچوں کو اپنے دوست گھر لانے کی اجازت نہیں تھی۔

جیکب کا مہنگے اسکول میں داخلے کا مطلب ولیم کا اس سے دوستی تھا اور جوزف نہیں چاہتا تھا ان کی گھریلو زندگی کی بھنک بھی باہر والوں کو پڑے۔ وہ اس معاملے میں کافی احتیاط کرتے تھے۔

"ولیم سمجھدار ہے۔" نینی نے اسکی طرف داری کی۔ جبکہ حقیقت میں وہ اتنا بھی سمجھدار نہیں تھا اسکا ذہن جہاں اٹک جاتا تھا بس اٹک جاتا تھا وہاں سے ہلتا نہیں تھا۔

"نینی آپ جانتی ہیں اگر آج میں نے اس کی کوئی ناجائز ضد پوری کی تو کل وہ کوئی اور ضد لے آئے گا۔" وہ بچوں کی ناجائز خواہشیں پوری کرنے کے حق میں نہیں تھے۔

"ایک بات مان لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔" انہیں منانے کا کام وہی کر سکتی تھیں اور ولیم جوزف مان بھی گئے تھے۔

گھنٹے بعد وہ لوگ اسکول کے لیے نکل رہے تھے۔ گاڑی میں بیٹھے ولیم کی گردن فخر سے اکڑی ہوئی تھی۔ کندھے چوڑے لگ رہے تھے جبکہ جارج اور نساء اس سے مرعوب نظر آتے تھے۔ پہلی بار جوزف ولیم نے اپنے اصول بدلے تھے وجہ ولیم جوزف تھا اور آگے آگے جانے کیا ہونے والا تھا۔ جیکب ان کے ساتھ ہی بیٹھا تھا۔ وہ انہیں اسکول اپنے ساتھ لے جا رہے تھے تاکہ اس کا ایڈمیشن کروا سکیں۔ آج مسٹر جوزف دوسری گاڑی میں تھے۔ ڈرائیور کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھے ولیم نے رخ موڑ کر شیشے سے باہر دیکھا۔ اسکے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ وہ جانتا تھا اسکا باپ اپنے معیار سے نیچے نہیں اترتا تھا۔ وہ کسی صورت ولیم کو عام سے اسکول میں پڑھنے نہ بھیجتا اور یہی ہوا تھا۔ وہ اب مسرور سا بیٹھا اسکول آنے کا انتظار کر رہا تھا۔

✿••✿••✿••✿

یہ کچھ دن بعد کی بات تھی۔ وہ تینوں اسکول میں تھے۔ جارج کی اسکول میں کسی سے لڑائی ہو گئی۔ عموماً بچے وہاں لڑتے جھگڑتے نہیں تھے لیکن پچھلے کئی دنوں سے جارج کا کلاس فیلو اس سے عجیب سے جملے کس رہا تھا۔ وہ پڑھائی میں اچھا تھا اور اس بار جب اس نے پہلی پوزیشن لی تو اسے عجیب و غریب باتیں سننے کو ملیں۔

"تم لوگوں کو کیا لگتا ہے جارج ذہین ہے اس لیے اس نے یہ پوزیشن حاصل کی؟ اس کے باپ کے پاس بہت پیسہ ہے وہ لوگ پیسے سے سب خریدتے ہیں۔" یہ دوسرے نمبر پر آنے والا لڑکا تھا۔

تیرہ سالہ یہ لڑکا آج کل ان سے خار کھانے لگا تھا۔

کئی بار جارج نے اسے کلاس میں غلط باتیں کرتے سنا اور نظر انداز کر دیا لیکن اس دن حد ہو گئی۔

"جھوٹی باتیں کرنے سے کچھ نہیں ہو گا تم بھی فرسٹ آسکتے ہو بس تھوڑی زیادہ محنت کرنی ہو گی۔" وہ جوابا بولا۔

"میں تم لوگوں کی اصلیت اچھے سے جانتا ہوں اس لیے تم کچھ نہ بولو تو بہتر ہو گا۔" وہ لڑکا نفرت سے بولا تو اس بار جارج کی تیوری چڑھ گئی۔ انہیں لڑائی جھگڑے سے منع کیا گیا تھا اور ویسے بھی وہ دھیمے انداز کا مالک تھا لیکن یہ باتیں اس کا دماغ خراب کرنے کے لیے کافی تھیں۔

"کیا جانتے ہو تم؟؟ بتاؤ ذرا۔۔" جارج آگے بڑھا۔ اسٹوڈنٹس ان کے گرد گھیرا ڈالنے لگے۔

"تم بتاؤ نا کہ تمہارا بھائی پاگل ہے۔ تم بتاؤ اسکا علاج چل رہا ہے۔ کیوں چھپا رکھا ہے پورے اسکول سے؟؟" لڑکا زور سے چلایا اور جارج اپنی جگہ پر ساکت رہ گیا۔ یہ بات تو راز تھی۔ پھر اسے کیسے پتا چلا؟؟ چاروں جانب اسٹوڈنٹس کی سرگوشیاں پھیل گئیں۔

"میرا بھائی پاگل نہیں ہے۔" جبڑے بھینچتے بولا۔

"اچھا پھر کیا ہے بتاؤ۔ ہر ہفتے کیا لینے جاتا ہے وہ ہاسپٹل۔۔؟؟" لڑکا آگے بڑھا اور اس نے جارج کو دھکا مارا۔ دراصل جس ہسپتال میں ولیم کے سیشن ہوتے تھے وہاں اس لڑکے کی ماں سینئر نرس تھی۔ لڑکے نے وہیں ولیم کو دیکھا تھا۔

"میں نے کہا بکواس بند کرو۔" جارج اس پر جھپٹ پڑا اور اگلے ہی لمحے وہ گتھم گتھا تھے۔ ولیم جو بریک ٹائم میں جارج کو بلانا آیا تھا وہ اسے جھگڑتے دیکھ کر ساکت رہ گیا۔ جارج نیچے تھا اور لڑکا اسے مار رہا تھا۔ ولیم اپنی جگہ جم گیا۔ اس نے کبھی لڑائی نہیں کی تھی اور انسان ایک بار جب ہاتھ اٹھانا سیکھ جائے پھر اس کا ہاتھ نہیں رکتا۔

"یاد رکھنا جو شخص اپنوں کو مصیبت میں اکیلا چھوڑ دے وہ اپنے پروردگار کو بھول چکا ہے۔" سرسراتی آواز سرگوشی نما ابھری اور اگلے ہی پل ولیم کسی چھلاوے کی طرح اچھل کر لڑکے پر جھپٹا۔ اسے زوردار دھکا دیا اور پھر ساتھ والے ڈیسک پر رکھا بیگ اٹھا کر لڑکے کے سر پر دے مارا۔ اب وہ اوپر تھا لڑکا نیچے۔

اس نے تین چار بار بیگ لڑکے کے سر میں دے مارا اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے دیکھ کر باقی اسٹوڈنٹس پیچھے ہٹ گئے۔

ہاتھ بڑھا کر جارج کو اٹھایا۔ گردن گھما کر سب کو دیکھا۔ شعلے اگلتی آنکھیں۔ سب مرعوب نظر آنے لگے۔ ولیم نے اپنے سے بڑے لڑکے کو مارا تھا۔

اس سے پہلے وہ کلاس سے نکلتے ٹیچرز بھاگتے وہاں تک پہنچ چکے۔ لڑکا نیچے پڑا کراہ رہا تھا۔ جبکہ جارج پل بھر کو گھبرا گیا۔ جو کام وہ کر چکے تھے مسٹر جوزف کو لازمی طلب کیا جاتا اور مسٹر جوزف یقیناً اس ناخوشگوار بلاوے پر انکی اچھی خاصی کلاس لینے والے تھے۔

دو گھنٹے بعد وہ سب پرنسپل کے آفس میں موجود تھے۔

مسٹر جوزف اپنی لمبی چمچاتی گاڑی میں اسکول پہنچے۔ اسکول کے مرکزی گیٹ سے پرنسپل کے آفس تک آتے جانے کتنی نگاہوں نے انہیں رشک سے دیکھا۔

سوٹڈ بوٹڈ چمچماتے جوتے پہنے انکی شخصیت نمایاں تھی اور اس وقت وہ پرنسپل کے آفس میں موجود تھے۔

جارج اوڑکا اہم ان سکے والد تھے آفس دوسرے تھے۔ مسٹر جوزف کی شخصیت ایسی تھی کہ پرنسپل ان سے مرعوب نظر آتے تھے۔

"تم کیوں آئے بیچ میں؟؟" جارج نے ولیم کے کان میں سرگوشی کی۔ اس کا ہونٹ پھٹا ہوا تھا جبکہ دوسرے لڑکے ماتھے پر گومڑ بن چکا تھا۔

" تم نے جھگڑا شروع کیوں کیا؟؟" ولیم نے اسی انداز میں الٹا سوال کیا۔

" اس نے تمہیں پاگل کہا میں کیسے چپ رہتا؟؟" وہ دونوں کھا جانے والی نظروں سے سامنے بیٹھے اس لڑکے کو دیکھ رہے تھے اور لڑکے کے تاثرات بھی کچھ مختلف نہ تھے۔

" وہ تمہیں مار رہا تھا میں کیسے پیچھے رہتا؟؟" انکی کھسر پھسر کی آوازیں بھن بھن کرنے لگیں جبکہ مسٹر جوزف خاموش ہی رہے۔ وہ گہری نگاہوں سے صورتحال کا مشاہدہ کر رہے تھے۔

" مسٹر جوزف آپ کو بتانا چاہیے تھا کہ آپکا بیٹا ذہنی طور پر ابنارمل ہے۔" پرنسپل برہم لگ رہی تھی۔

"اور آپ سے یہ کس نے کہا؟؟" ٹھنڈہ ٹھار لہجہ۔

" میں اسی ہسپتال میں سینئر نرس ہوں جہاں آپ اپنے بیٹے کو سیشن کے لیے لاتے رہے ہیں اور ہمیں تو یہ سمجھ نہیں آتا پرنسپل کہ آپ نے ایسے بچے کو داخلہ کیسے دیا؟ "

توپوں کا رخ اب پرنسپل کی طرف تھا۔

"مسٹر جوزف آپ کچھ کہیں گے ؟؟" پرنسپل اب مسٹر جوزف سے استفسار کرنے لگیں۔ ان پر ہاتھ ڈالنا اتنا آسان نہیں تھا۔

"آپ ابھی بھی ان سے پوچھ رہی ہیں ؟؟ آپ کو نارمل بچوں کی کوئی پرواہ نہیں ہے ؟؟ اگر میرے بیٹے کو کچھ ہو جاتا تو۔۔؟؟" وہ دونوں میاں بیوی بھڑکے ہوئے تھے۔

"دیکھیں اسکول کے اصولوں کے مطابق آپ کو بچے کی میڈیکل رپورٹ جمع کروانی ہوتی ہے یہ ضروری ہے۔" مسٹر جوزف کی خاموشی پر نسپل کو کھٹک رہی تھی۔ جبکہ جارج اب اس لڑکے کو دیکھ رہا تھا جو تمسخرانہ مسکراہٹ اچھال رہا تھا۔ جارج نے داہنا ہاتھ اٹھا کر سیدھا کیا اور گردن پر پھیرا۔ وہ اسکا پتا کٹ جانے کا اشارہ کر رہا تھا جبکہ دوسرا لڑکا اب نخوت سے منہ موڑ گیا۔ دونوں اچھی خاصی چوٹ کھانے کے بعد بھی سکون سے نہیں بیٹھ رہے تھے۔

" میڈیکل رپورٹ میں ہسپتال سے لا کر دوں گی آپ برائے مہربانی ایسے بچے کو فوراً اسکول سے نکالیں۔ اگر کل کو اس نے کسی کی جان لے لی تو پھر ؟؟" اشارہ ولیم کی طرف تھا۔

"اگر رپورٹ سے یہ ثابت ہوا کہ ولیم کا ذہنی توازن درست نہیں ہے تو ہمیں معذرت ہمیں سخت کاروائی کرنی ہو گی۔" پرنسپل نے مسٹر جوزف سے کہا۔

" اور رپورٹ کلیئر ہوئی تو ؟؟" سرد سپاٹ تاثرات سے پوچھا گیا پرنسپل کے ساتھ ساتھ دوسرے لڑکے کے ماں باپ نے چونک کر مسٹر ولیم کو دیکھا۔

"تو اسکا فیصلہ جیوری فیصلہ کرے گی۔" پرنسپل نے سنبھلتے جواب دیا۔

"ہر گز نہیں! آپ لوگ مجھ پر انگلی اٹھا رہے ہیں۔ جوزف پیٹرسن پر۔" انہوں نے شہادت کی انگلی سے اپنے سینے پر دستک دی۔ چہرہ سپاٹ تھا جبکہ آنکھیں شعلے اگل رہی تھیں۔

"یہ میری بدنامی ہے میں اسے ایسے ہی نہیں جانے دوں گا۔ اگر رپورٹس کلیئر ہوئیں تو ایسے بچے کو اسکول سے نکالا جائے گا جو دوسرے بچوں پر الزام لگائے انکی شخصیت کو داغدار کرے۔ منظور ہے؟؟" انہوں نے کھلے عام للکارانہ لہجے میں کہا۔ پرنسپل نے بے ساختہ دوسرے لڑکے کے والدین کی جانب دیکھا وہ پل بھر کو گھبرا گئے لیکن لڑکے کی ماں کو پورا بھروسہ تھا۔

"ہمیں منظور ہے۔" اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتی وہ فوراً بولی ایک سفاکانہ سی مسکان مسٹر جوزف کے لبوں پر دوڑ گئی۔

ہسپتال فون کر کے رپورٹ منگوالی گئی تھی اور ایک گھنٹے بعد جیوری فیصلہ سنا چکی تھی۔

ولیم کی رپورٹ کلیئر تھی۔ اسکا سالوں سے چلتا علاج کامیاب رہا تھا وہ اب نارمل تھا۔ بالکل باقی بچوں کی طرح۔

دوسرے لڑکے کو اسکول سے نکالنے کا حکم دیا گیا۔

لڑکے کے والدین تو صدمے میں چلے گئے۔

"آپ لوگ ایسا نہیں کر سکتے۔ پرنسپل صاحبہ ہماری بات سنیں۔" لڑکے کے والدین پرنسپل کے پیچھے لپکے۔ انہوں نے اپنی پوری کمائی لگا کر اپنے بیٹے کو اس سکول میں داخل کروایا تھا۔

"مجھ سے بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے یہ آپ لوگوں کا فیصلہ تھا جو بات کرنی ہے مسٹر جوزف سے کریں۔۔"

پرنسپل نے اپنے آفس میں داخل ہوتے دروازہ انکے منہ پر بند کر دیا جبکہ وہ دونوں میاں بیوی حواس باختہ مسٹر

جوزف کی جانب بڑھے۔ وہ جارج اور ولیم کو گھر لے جا رہے تھے۔ آج کے لیے اتنا کافی تھا۔ جارج کے ہونٹ پر مرہم پٹی کر دی گئی تھی۔

"مسٹر جوزف مسٹر جوزف! پلیز ہماری بات سنیں۔۔" وہ لپک کر انکے راستے میں حائل ہوئے۔ مسٹر جوزف کی بھنویں سکڑ گئیں۔ انکے بیٹے کو اسکول سے نکالا گیا تھا یہ چھوٹی بات نہیں تھی۔

"ہم معافی مانگتے ہیں اپنے اور اپنے بیٹے کی طرف سے پلیز ہمیں معاف کر دیں۔۔" وہ ہاتھ جوڑے کھڑے تھے۔

"ہمارے بیٹے کو اسکول سے نکالنے کا فیصلہ واپس لے لیں وہ کبھی آپکے بیٹوں کو تنگ نہیں کرے گا۔ خدا کا واسطہ ہے۔"

اسٹوڈنٹس ٹیچرز کلاس کی کھڑکیوں سے جھانکنے لگے۔ ہر سو سناٹا تھا۔

" جوزف پیٹرسن سب معاف کر سکتا ہے لیکن عزت پر انگلی اٹھانے والے کو نہیں۔" اپنی جانب اٹھنے والی انگلی کو وہ بازو سمیت دھڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے روادار تھے۔

" رحم کریں خدا کا واسطہ ہے۔" نسوانی آہ و پکار گونجتی رہی لیکن کسی کو وہاں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ مسٹر جوزف اپنے ساتھ جارج اور ولیم کو لے کر جا چکے تھے۔

✿••✿••✿••✿

یہ ولیم کی دسویں سالگرہ تھی جب جوزف پیلس میں ایک اور نفوس کا اضافہ ہوا۔ مسٹر جوزف کی انگلی تھامے وہ پیلس میں ٹھیک اسی طرح داخل ہوئی جیسے پانچ سال پہلے ولیم آیا تھا۔ سنہرے (blonde) بالوں والی نینسی جیسن مسٹر جوزف کی بھانجی تھی۔ حال ہی میں مسٹر جوزف کی اکلوتی بہن اور بہنوئی کا ایک کار حادثے میں انتقال

ہو گیا۔ مسٹر جوزف نینسی کو پیلس لے آئے۔ وہ ولیم کی عم عمر تھی۔ وہ دونوں ایک دن پیدا ہوئے تھے۔ دونوں کی آج دسویں سالگرہ تھی۔

جوزف پیلس کو اندر سے برقی قمقموں سے سجایا گیا۔ پیلس کے اندر ہی تقریب تھی۔ مسٹر جوزف کے کچھ اہم مہمان مدعو تھے کچھ رشتے دار اور باقی ملازمین تھے۔

جارج، ولیم اور نساء تینوں نینی کے ساتھ ہاتھ میں گلدستہ پکڑے نینسی کے استقبال کے لیے کھڑے تھے۔ مسٹر جوزف نینسی کا تعارف باری باری سب سے کروانے لگے۔ سب سے پہلے نینسی نساء سے ملی۔

نساء کے بال گہرے لال تھے کسی سیاہ چیری کی طرح اور اسکی آنکھیں بھوری مائل تھیں۔ نینسی نے نساء سے ہاتھ ملایا جو اسے دیکھ کر مسکرائی۔ اسکے بعد جارج تھا۔

وہ اپنی ماں جیسا تھا لیکن آنکھیں مسٹر جوزف جیسی سیاہ تھیں۔ وہ نینسی کو دیکھ کر شرما سا گیا۔ پھر نینی تھیں۔ نینی نے نینسی کو ٹھیک اسی طرح گلے لگایا جیسے ولیم کو لگایا اور آخر میں ولیم تھا۔

" ہیلو۔۔۔ "گہری کتھئی آنکھوں والا ولیم جوزف ایک طرح سے اس کا جڑواں تھے کیونکہ دونوں کی پیدائش ایک ہی تھی۔ ولیم نے ایک نظر اپنے سامنے کھڑی نینسی کو دیکھا۔

سنہری آنکھیں، سنہری بال اور کسی گڑیا جیسے نین نقش۔ وہ حقیقتاً گڑیا جیسی تھی۔ سفید میکسی پہنے بالوں کو شہزادیوں کے سے انداز میں پیچھے باندھے، دونوں جانب سے نکلی ہوئی چند لٹوں کے ساتھ وہ ولیم کو پسند آگئی۔ اس نے مسکرا کر نینسی کا ہاتھ تھاما۔ نینسی نے اس کم عمری میں اپنے والدین کو کھویا تھا اور اب اسکا گھر یہی تھا یہی اس کی فیملی تھی یہی سب کچھ تھا۔

وہ وہاں آکر خوش تھی۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں مہمانوں کی توجہ کا مرکز بنے ایک ساتھ کیک کاٹ رہے تھے۔ جلتی مشعلوں کے درمیان، دھیمے سروں میں بجتا گرام فون اور اس پر ملتی نیک تمنائیں، ولیم کو آج سے پہلے کبھی اتنا اچھا نہیں لگا۔ وہ خوش تھا۔ جب کیک کاٹ لیا گیا اور کھانا شروع ہوا تب نینسی اس کے قریب آکر بیٹھ گئی۔

اس کے بیٹھنے اٹھنے میں ایک رکھ رکھاؤ تھا یوں جیسے وہ کسی شہزادی کی زندگی جیتی آئی ہو۔

" تمہیں اپنے دسویں جنم دن پر کیسا لگ رہا ہے؟؟" اس نے براہ راست ولیم سے پوچھا۔ گردن ایک ادا سے اٹھی ہوئی تھی۔ ہاتھ نفاست سے گود میں رکھے تھے۔

" یہ سب اچھا ہے۔" وہ بس اتنا ہی کہہ پایا۔

" لیکن مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے پہلی بار میں کسی ایسے انسان سے ملی ہوں جس کا جنم دن میرے ساتھ آتا ہو۔۔" وہ ذرا سا رخ موڑ کر ایک ادا سے مسکرائی۔ ولیم نے جوزف پیلس کی چکا چوند کو ان سنہری آنکھوں کے سامنے مدھم ہوتے دیکھا۔

" تو۔۔۔؟؟" وہ بڑبڑایا۔

" تو یہ کہ ہمیں اچھے دوست بننا چاہیے۔۔" کندھے اچکا کر کہا گیا۔

" میں مختص دوست بناتا ہوں۔ "

" اور میں بناتی ہی نہیں۔ کوئی مجھے اپنے جیسا نہیں لگتا۔" ادا قائم رہی۔ ولیم مسکرا دیا۔

"ڈن۔۔۔" اس نے اپنی طرف سے پکا کر دیا اور اسی کے انداز میں نینسی نے بھی اور یوں ایک ایسے رشتے کا آغاز ہوا جس میں سب کچھ تھا۔ دوستوں جیسا پیار، بہن بھائیوں جیسا احترام اور دشمنوں جیسی ضد۔

وہ سچ میں جڑواں بن گئے۔ جو ایک کرتا وہی دوسرا کرتا۔

نینسی بہت جلد گھل مل گئی۔ وہ ولیم کی کلاس میں تھی۔

دونوں کا کورس ایک ہوتا۔ اسائمنٹ ایک ہوتا۔ دونوں ہوم ورک ایک ساتھ کرتے اور دونوں کو ایک جیسے کھیل پسند تھے۔ ولیم نارمل ہوتا گیا۔ وہ نارمل بچوں کی طرح ردعمل ظاہر کرنے لگا۔ خوشی کا، غم کا، غصے کا۔ وہ سب ظاہر کرنے لگا۔ وہ شرارتیں کرنے لگا۔ ہیلوسینیشن ختم ہو گئے۔ سب ٹھیک ہو گیا۔

وہ سب ساتھ میں بڑے ہو رہے تھے۔ مسٹر جوزف انہیں دنیاوی تعلیم دلا رہے تھے تو نینی دینی تعلیم کی طرف توجہ دے رہی تھیں۔ وہ انہیں ہر اتوار چرچ لے کر جاتیں انہیں ہر رات درس دیتیں۔ انہیں قصے کہانیاں سناتیں۔

جوزف پیلس میں زندگی گونجنے لگی تھی اور مسٹر جوزف بے فکر ہو کر اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گئے۔ انہیں بلندیوں کو چھونا تھا لیکن وہ بچوں سے ہرگز غافل نہ ہوئے۔ انہوں نے ڈسپلن قائم رکھا۔

ان چاروں کی پسندیدہ فلم The Chronicles of Narnia تھی۔ جس میں وہ چاروں بہن بھائی خود کو پاتے تھے۔ پیلس کی بڑی الماریوں کے اندر چھپ کر وہ مووی کے سین ری کری ایٹ کرتے۔ وہ چاروں ایڈمز کے بیٹے اور بیٹیاں تھے۔ تہہ خانے سے انہیں اسٹوڈیو کے کچھ پرانے کاسٹیومز مل جاتے جنہیں پہن کر وہ چاروں شہزادے اور شہزادیاں بنے گھومتے۔ جارج زیادہ پڑھائی پر توجہ دیتا تھا جبکہ نساء تھوڑی کم گو اور ڈرپوک تھی پر ولیم اور نینسی ہر کام میں آگے ہوتے۔ مسٹر جوزف کی غیر موجودگی میں پورے پیلس انکے عتاب کے زیر نظر ہوتا اور

یہ سب ہائی اسکول تک چلتا رہا۔ زندگی خوبصورت تھی بالکل کسی خواب کی طرح۔ پر یہ خواب زیادہ دیر قائم نہیں رہا پھر زندگی نے رخ موڑا تو سب بدلنے لگا۔ وقت ایک سا نہیں رہتا اور زندگی میں ہونے والے حادثات انسان کو بدل دیتے ہیں اور ایسے کئی حادثے ان کی زندگی میں پیش آئے جس نے انہیں بدل کر رکھ دیا۔

✿••✿••✿••✿

جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا "**اسٹار لائٹ اسٹوڈیو**" پروڈکشن ہاؤس کا نام مزید روشن ہونے لگا۔ مسٹر جوزف کا یہ پروڈکشن ہاؤس ملک کا ٹاپ پروڈکشن ہاؤس تھا جہاں بڑے بڑے برینڈز کے کمرشل کیے جاتے۔ مسٹر جوزف نے جانے کتنے کامیاب ماڈلز اور اداکار اس پروڈکشن ہاؤس سے نکالے تھے۔ شابز انڈسٹری میں انکے نام کا ڈنکا بجتا تھا۔ وہ محنت کرتے تھے۔ خوب محنت وہ محنت جس سے انہیں فائدہ ہوتا۔

لوگ ان کی عزت کرتے تھے ان کے کام کو سراہتے تھے۔ پچھلے پانچ سالوں سے وہ فلم انڈسٹری میں قدم رکھ چکے تھے اور پانچ سالوں میں انہوں نے پانچ فلمیں اور کئی ٹی وی سیریز کی تھیں جو سپر ہٹ تھیں۔

وقت کے ساتھ ساتھ انکا کام انکا جنون بنتا جا رہا تھا۔ کچھ لوگوں کو پیسے کی ہوس ہوتی ہے جبکہ جوزف پیٹرسن کو نام کی ہوس تھی۔ شہریت کی۔ ہمیشہ چمکتے رہنے کی۔ انہیں روشنیوں میں رہنے کی عادت تھی اور اس کے لیے وہ کچھ بھی کر سکتے تھے۔ اس لیے انہوں نے ایک بڑا فیصلہ کیا تھا۔

جارج ہائی اسکول کے بعد کالج جا چکا تھا۔ اس نے اپنے باپ کی طرح فلم اور ہدایتکاری کو چنا۔ وہ ذہین اور محنتی تھا۔ اس لیے مسٹر جوزف نے اسے ہدایتکاری کی پڑھائی کے لیے بھیج دیا۔

جبکہ نینسی اور ولیم کا ہائی اسکول کے آخری سال میں تھے۔اس سال انہوں نے فیصلہ کرنا تھا کہ وہ آگے کیا کرنا چاہتے تھے۔

جارج گرمی کی چھٹیوں میں گھر آیا تو مسٹر ولیم نے شام کی چائے کے بعد اہم میٹنگ کا اعلان کیا۔

سب حیران تھے۔میٹنگ کیوں رکھی جارہی تھی کوئی نہیں جانتا تھا لیکن اس میٹنگ میں سب کا موجود ہونا ضروری تھا۔

باہر موسم خوشگوار تھا۔بادل چھائے ہوئے تھے اور بارش کسی بھی وقت ہو سکتی تھی۔

لاؤنج میں رکھے قیمتی صوفوں پر وہ سب ٹکے ہوئے تھے۔کچن سے چائے کی اٹھتی مہک مسحور کن تھی۔

مسٹر جوزف سربرائی صوفے پر بیٹھے تھے۔ٹانگ پر ٹانگ جمائے۔ڈریس پینٹ اور سفید شرٹ پہنے جس کے کف فولڈ تھے اور بیش قیمتی گھڑی پہنے وہ اپنے سامنے بیٹھے ولیم کو دیکھ رہے تھے۔

✿••✿••✿••✿

مسٹر جوزف کن انکھیوں سے ولیم کو دیکھ رہے تھے اور اُن کے ساتھ والے صوفے پر ایک جانب نینی تو دوسری جانب جارج بیٹھا تھا۔گرے پینٹ اور نیلی گول گلے والی ٹی شرٹ میں وہ ادب سے بیٹھا تھا۔

وہ بڑا بیٹا تھا اور اس کا کام اپنے باپ کو خوش رکھنا تھا۔

وہ ان کی محبت کے لیے انہیں خوش کرنے کے لیے ہر وہ کام کرتا جو اُسے ناپسند ہوتا۔ اس نے ناں کرنا نہیں سیکھا تھا۔ وہ ذہین تھا لیکن اس کی شخصیت ایسی نہیں تھی جو ماڈل یا ایکٹر کی ہوتی ہے اس لیے مسٹر جوزف نے اسے ڈائریکشن کی جانب لگایا اور جارج نے کھلے دل سے یہ قبول کر لیا۔ وہ ایک اچھا ڈائریکٹر بن سکتا تھا۔

مسٹر جوزف کن انکھیوں سے ولیم کو دیکھتے رہے۔ وہ سفید بیگی پینٹ پر کالی پولو شرٹ پہنے ہوا تھا۔ بال پیچھے کی جانب سیٹ تھے اور اسکی کتھئی آنکھیں کسی کو بھی اپنی جانب راغب کر سکتی تھیں۔ وہ بالوں اور آنکھوں کے رنگ کو چھوڑ کر اپنی شخصیت میں کسی حد تک مسٹر جوزف کی کاپی تھا۔ وہ وجیہہ تھا اُسکی ذات میں ایک بے نیازی تھی جو کسی کو بھی اپنی جانب کھینچ لیتی اور قدمیں وہ ان کے برابر آ گیا تھا۔

اسے دیکھ کر مسٹر جوزف کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی۔ وہ مستقبل کا ایک چمکتا ستارہ تھا ایسا ستارہ جسے سالوں پوجا جاتا۔ بس اسے کسی ہیرے کی طرح تھوڑا تراشنے کی ضرورت تھی اور مسٹر جوزف چاہتے تھے یہ کام ابھی سے شروع ہو۔

انہوں نے ولیم سے نظریں ہٹا کر نینسی کو دیکھا وہ بے پناہ حیسن لڑکی تھی لیکن مسٹر جوزف اسے ایکٹنگ کی جانب نہیں لانا چاہتے تھے۔ پھر نساء کو دیکھا جو نینسی سے لگی بیٹھی تھی۔ وہ ابھی چھوٹی تھی۔

"ہائی اسکول کے بعد تم دونوں نے کیا سوچا ہے؟؟" وہ براہ راست ولیم اور نینسی سے مخاطب ہوئے۔ اُنکا آخری سال تھا۔ لہجہ حد درجہ سنجیدہ رکھا گیا۔ ایک ہاتھ کو ٹانگ پر رکھے جبکہ دوسرے میں سلگتا مہنگا سگار لیے ان کی نظریں ولیم کو پڑھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"ہم دونوں کافی اسکول پراجیکٹس میں کام کر رہے ہیں اور مجھے لگتا میری دلچسپی کاسٹیوم ڈیزائننگ کی طرف ہے۔۔ "نینسی پہلے بولی۔وہ پر اعتماد تھی۔اپنے فیصلے لے سکتی تھی۔اب تک وہ اور ولیم ہمیشہ ایک ہی کام کرتے رہے تھے لیکن انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ ہائی اسکول کے بعد جس کی جس فیلڈ میں دلچسپی ہو گی وہ وہی کام کرے گا۔

"اور ولیم تم؟؟"مسٹر جوزف نے ولیم کو مخاطب کیا۔سگار سے اٹھتے دھویں کے مرغولوں میں انہیں کئی سالوں بعد ولیم الجھا ہوا نظر آیا۔وہ کافی سنجیدہ تھا۔بھنویں سکڑی ہوئی تھیں اور وہ کسی غیر مرئی نقطے پر گھور رہا تھا۔

حقیقت تو یہ تھی وہ اپنے اندر کی اس جلن کو مٹانے کی کوشش کر رہا تھا جو صبح سے سینے میں جاری تھی۔

آج صبح وہ کسی کام سے تہہ خانے میں گیا تو اسے اپنا مطلوبہ سامان ڈھونڈتے ایک چھوٹا سا لکڑی کا باکس ملا جسے دیکھ کر وہ ساکت ہو گیا۔دماغ میں درد کی گہری ٹیس اٹھی یہ باکس اس نے بچپن میں کہیں دیکھا تھا۔ماضی کے منظر کسی فلم کی طرح تصور کے پردے پر لہرانے لگے۔

یہ باکس اُسکی ماں کا تھا۔

" ولی۔۔۔"وہ پکار واضح ہوئی۔ہنسنے مسکرانے کی آوازیں ابھریں۔اس نے کانپتے ہاتھوں سے وہ مٹی سے اٹا باکس اٹھایا۔دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔وہ وہاں نینسی کے لیے ایک پرانا کاسٹیوم لینے آیا تھا جسکی اسے اسکول کی کسی تقریب کے لیے ضرورت تھی پر وہ نہیں جانتا تھا سالوں بعد اس کا سامنا اپنے بچپن سے ہو جائے گا۔

اس نے کانپتے ہاتھوں سے باکس اٹھایا اور اسے کھولا۔ٹک کی آواز سے ڈھکن اوپر اٹھ گیا اور پھر اندر رکھی اس تصویر کو دیکھ کر اس کی آنکھیں دُھندلا گئیں۔

وہ تصویر اس کی ماں تھی۔ سفید رنگ کے اسکارف میں وہ ولیم کو اپنے حصار میں لیے بیٹھی تھی۔ وہ دونوں مسکرا رہے تھے لیکن اسے اپنی ماں کی آنکھوں میں نمی واضح دکھائی دی۔ وہ انگلی کی پوروں سے ان کے چہرے کو چھونے لگا۔

" ولی اپنے پروردگار کو یاد رکھنا۔"

آوازیں پھر سے گڈمڈ ہونے لگیں۔ کئی الفاظ اس کی سماعت پر کسی ہتھوڑے کی طرح پڑنے لگے۔ آس پاس کا سامان غائب ہوا، تہہ خانہ اور جوزف پیلس بھی اب وہ ایک چھوٹے سے اپارٹمنٹ میں تھا جہاں وہ بھاگ رہا تھا اور اس کی ماں اسے پکڑنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ دونوں ہنس رہے تھے۔ کھلکھلا رہے تھے۔ وہ دونوں خوش تھے۔

"ولیم۔۔" سیڑھیوں پر نینسی کی آواز ابھری اور

وہ کسی خواب سے جاگ اٹھا۔ تیزی سے باکس بند کر کے واپس رکھ دیا اور بازو سے آنکھیں رگڑیں۔

کبھی کبھی کچھ یادیں یادداشت سے اوجھل ہو جاتی ہیں لیکن ہماری روح سے چپکی رہتی ہیں کسی آسیب کی طرح جو کبھی بھی کسی بھی وقت ایک آئینے کی طرح ہمارے سامنے آ کھڑی ہوتی ہیں۔

اور ولیم کے ساتھ اس وقت یہی ہوا تھا۔ جو باتیں وہ بھول چکا تھا وہ پوری جزئیات سے تازہ ہو گئی تھیں۔

"ولیم کاسٹیوم مل گیا تمہیں؟؟" نینسی پکارتے اس کے قریب آئی جبکہ ولیم نے نظریں چراتے نفی میں سر ہلایا۔

کچھ دیر بعد وہ کاسٹیوم ڈھونڈ کر اوپر آ گئے پر ولیم ابھی تک ان احساسات کے زیر اثر تھا۔

"ولیم۔۔۔؟؟" مسٹر جوزف کی پکار پر وہ حال میں واپس لوٹا ایک نظر اٹھا کر مسٹر جوزف کو دیکھا جو اپنی پوری توجہ اسی کی جانب مرکوز کیے بیٹھے تھے۔

لوگوں کو اس پر رشک آتا تھا کہ وہ جوزف پیٹرسن کا بیٹا تھا۔ وہ شخص جس کی ایک جھلک دیکھنے کو لوگ بے تاب رہتے تھے۔ وہ جس فریم آجاتا اس کا حسن بڑھ جاتا تھا۔ وہ شخص جس نے اپنے بچوں کو شہزادے شہزادیوں جیسی زندگی دی تھی۔ وہ شخص اپنا ہو کر بھی اپنا کیوں نہیں لگتا تھا؟ وہ کئی لمحے اپنے باپ کو دیکھتا رہا اور پھر نظریں جھکا لیں۔ وہ ہولے سے بڑبڑایا۔

"ابھی کچھ سوچا نہیں ہے۔" وہ بس اتنا ہی کہہ پایا۔ مسٹر جوزف نے سمجھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

"لیکن میں نے کچھ سوچ رکھا ہے۔" سگار کو ایش ٹرے میں رکھتے وہ اسی انداز میں بولے۔ ولیم چونکا۔ سب مسٹر جوزف کی جانب متوجہ تھے۔ ولیم کے لیے انہوں نے کیا سوچ رکھا تھا؟؟

" میں چاہتا ہوں تم شوبز جوائن کرو۔۔" عام سے انداز میں حکم چلایا گیا۔ نینی اور نینسی دونوں نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ ولیم کو شوبز میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ کسی صورت اس فیلڈ میں نہیں جانا چاہتا تھا۔

"جارج نے میرے کہنے پر ڈائریکشن کو چنا ہے وہ ذہین ہے کر لے گا جبکہ تم وجیہہ ہو اور میں چاہتا ہوں تم اس کا فائدہ اٹھاؤ۔" وہ اب تھوڑا آگے ہو بیٹھے۔ گلے کا اوپری بٹن کھلا ہوا تھا۔ وہ آج ہی دوسرے شہر سے لوٹے تھے۔ تکان انکی آنکھوں میں واضح تھی پر وہ تازہ دم تھے۔ ان کی اس ذرا سی تعریف پر جارج کا چہرہ سرخ پڑا جبکہ ولیم نے جبڑے سختی سے بھینچ لیے۔

" تمہارا رنگ روپ، تمہارا قد کاٹھ، تمہاری آنکھیں تمہاری شخصیت تمہیں آسمان کی بلندیوں پر پہنچا دے گی ولیم اور میں چاہتا ہوں تم اسکی شروعات ابھی سے کرو۔۔" ولیم کو خاموش دیکھ کر انہوں نے اپنی بات جاری رکھی۔ تبھی

صوفی چائے کی ٹرالی باقی لوازمات کے ساتھ گھسیٹے لاؤنج تک پہنچی۔اب وہ چائے رکھ رہی تھی۔خاموشی چھائی رہی۔ سفید نازک سے کپ میں مسٹر جوزف کے قہوہ سے اٹھتی مہک ذہن کو جگانے لگی۔

"میں چاہتا ہوں تمہارا فوٹو شوٹ ہو۔ایک بہت بڑے برینڈ کا کمرشل شوٹ چل رہا ہے۔میں چاہتا ہوں وہ تم کرو۔۔"وہ بتا رہے تھے وہ کیا چاہتے تھے۔اور جو وہ چاہتے تھے وہ کرنا پڑتا تھا۔نینسی مسٹر جوزف کی ہر اگلی بات پر پریشانی سے ولیم کو دیکھ رہی تھی۔

" اور اگر میں انکار کر دوں؟؟ "

قہوہ کا کپ اٹھاتے مسٹر جوزف کا ہاتھ پل بھر کو ساکت ہوا لیکن اگلے ہی انہوں نے کپ اٹھا لیا۔وہ ہولے سے مسکائے اور پھر کپ کو لبوں تک لے جاتے انہوں نے قہوہ کا پہلا گھونٹ لیا۔سفید کپ میں چمکتا گہرا سبزی مائل قہوہ واضح تھا۔عقب میں لگی دیوار پر وہ بڑی سی پینٹنگ سیدھا ولیم کو ہی گھور رہی تھی۔

"تو اس سے بہتر کچھ بتاؤ جو تم کرنا چاہتے ہو؟؟"وہ محظوظ سے بولے۔ولیم یونہی بیٹھا رہا جبڑے بھینچے۔وہ ابھی تک نہیں سوچ پایا تھا اسے کیا کرنا تھا پر وہ یہ تو کسی صورت نہیں کرنا چاہتا تھا۔

" وہ ابھی میں نے سوچا نہیں ہے۔ایک سال ہے میرے پاس سوچ لوں گا۔"سب اسے دم سادھے سن رہے تھے۔ جارج نے اسے رشک سے دیکھا۔وہ کتنے اعتماد سے مسٹر جوزف سے بات کر لیتا تھا۔

"تو تب تک وہ کر لو جو میں کہہ رہا ہوں۔۔"مسٹر جوزف اسی سکون سے بولے۔

"ولی۔۔۔"کسی نے اس کے کان کے قریب سرگوشی کی۔وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

" معاف کیجیے گا لیکن مجھے اس فیلڈ میں دلچسپی نہیں ہے۔۔"پہلی بار مسٹر جوزف کی آنکھوں کی چمک ماند پڑی۔ لبوں کی وہ مسکان غائب ہوئی جو ابھی تک قائم تھی۔

جارج نے گھبرا کر ولیم کو دیکھا۔نینی نے بے ساختہ منہ پر ہاتھ رکھا اور نینسی پریشانی سے مسٹر جوزف کو دیکھنے لگیں۔

جوزف پیلس میں کسی نے پہلی بار مسٹر جوزف کو انکار کیا تھا۔سب کا ساکت ہونا تو بنتا تھا۔مسٹر جوزف نے کپ واپس رکھتے ایک گہرا سانس فضا میں خارج کیا اور پھر بھنویں سکیڑ کر ولیم کو دیکھا۔

"تم جانتے ہو تم کیا کہہ رہے ہو؟؟" لہجے کو نارمل رکھنے کی کوشش کی گئی۔

" جی بالکل۔میں جانتا ہوں میں کیا کہہ رہا ہوں۔۔"اس نے مسٹر جوزف کو دیکھا۔زخمی نگاہیں لیے۔زخمی دل لیے۔اپنے باپ پر غصہ آرہا تھا کیوں آرہا تھا وہ نہیں جانتا تھا۔

" میں تمہارے لیے ایک صحیح فیصلہ لے سکتا ہوں ولیم۔۔ "

"میں اپنے فیصلے خود لے سکتا ہوں ڈیڈ اور میں چاہتا ہوں مجھے مجبور نہ کیا جائے۔۔"وہ انکی بات کاٹتا تیزی سے بولا اور پھر لاؤنج سے نکل کر خارجی دروازے کی جانب بڑھ گیا۔وہ دور جا رہا تھا۔پیچھے موت کی سی خاموشی چھا گئی۔ لکڑی کا قد آور دروازہ کھلا اور بند ہو گیا۔

" میں دیکھتی ہوں۔۔"نینسی کی آواز ابھری اور وہ ولیم کے پیچھے لپکی۔پیچھے مسٹر جوزف جبڑے بھینچے بیٹھے رہ گئے۔ سبکی کا احساس ہو رہا تھا۔انکی اولاد نے انہیں انکار کر دیا تھا۔یہ ناممکن تھا۔یہ تو غضبناک تھا۔

✿••✿••✿••✿

نینسی پیلس سے باہر نکلی تو ولیم وہاں نہیں تھا۔ اس نے گہرا سانس لیا اور پھر پیلس کے پچھلے حصے کی جانب بڑھ گئی۔ وہ جانتی تھی ولیم کہاں گیا تھا۔ جو زف پیلس اونچائی پر بنا تھا جبکہ آس پاس کا علاقہ ڈھلوانی تھا اور محل کے شمالی جانب ایک چھوٹا سا جنگل تھا جہاں اس کا اور ولیم کا پسندیدہ اسپوٹ (ایک مخصوص جگہ) تھا جو انہوں نے مل کر بنایا تھا اور اکثر اوقات وہ وہاں آتے جاتے تھے۔ وہ اب پیلس کے احاطے سے نکل آئی تھی۔

ڈھلوان اترتے وقت اس کے پونی میں بندھے سنہری بال تیز ہوا سے اڑ رہے تھے۔ مٹیالے رنگ کی کھلی پینٹ پر سفید شرٹ پہنے نینسی ہمیشہ کی طرح ہی پیاری لگ رہی تھی۔

تقریباً پانچ منٹ پیدل چلنے کے بعد وہ اپنی مطلوبہ جگہ پہنچ گئی۔ یہ درختوں کے درمیان بنایا گیا اسپوٹ تھا۔ درختوں کے نیچے رکھا لکڑی کا بینچ اور درختوں سے لٹکتے دو ہیموک (ہیموک ایک خاص قسم کی جھولتی ہوئی بیڈ یا جھولا ہوتا ہے جو عموماً دو درختوں یا کسی مضبوط چیز کے درمیان لٹکایا جاتا ہے۔ یہ آرام کرنے، سونے یا کتاب پڑھنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ ہیموک کو کپڑے یا رسی سے بنایا جاتا ہے، اور یہ مختلف سائز اور ڈیزائن میں دستیاب ہوتا ہے) تھے۔ اس کے علاوہ دو کرسیاں اور ایک گول میز رکھا تھا۔ درختوں پر برقی قمقمے لٹکے تھے جسے انہوں نے بیٹری سے جوڑ رکھا تھا۔ وہ اکثر اوقات شام کو یہاں آیا کرتے تھے۔ اس جگہ سے کچھ فاصلے پر ندی تھی۔

انکے ساتھ کبھی کبھی جارج اور نساء بھی آتے۔ اکثر باربی کیو کیا جاتا۔ آگ جلائی جاتی۔ میوزک لگایا جاتا اور مختلف کھیل کھیلے جاتے۔ اس جگہ سے انکی بہت ساری یادیں جڑی تھیں۔ وہ خوش ہوتے تو یہاں آتے۔ مایوس ہوتے تو یہاں آتے۔ یہ انکا کنفرٹ زون تھا۔ وہ یہاں ساری باتیں کر لیتے تھے۔

اس وقت بھی ولیم بنچ پر بیٹھا نظر آیا۔ نینسی چلتے ہوئے اس کے قریب گئی اور کچھ فاصلہ رکھ کر ساتھ بیٹھ گئی۔

ٹھنڈی ہوا سے پورا جنگل جھوم رہا تھا۔ ہوا سے ہلتی شاخیں عجیب پیام سنا رہی تھیں۔

"تم کیا چھپا رہے ہو مجھ سے؟؟" ذرا سا رخ موڑ کر ولیم کو دیکھتے پوچھا۔ وہ کچھ نہ بولا۔ یونہی جبڑے بھینچے بیٹھا رہا۔ نینسی اسے دیکھتی رہی۔ اس کی Jaw Line واضح تھی۔ صاف شفاف سا چہرہ بنا کسی داڑھی کے۔ وہ واحد لڑکا تھا جو نینسی کو کلین شیو اچھا لگتا تھا۔

"ویسے انکل ٹھیک کہہ رہے ہیں تم اچھے ماڈل بن سکتے ہو۔۔ "

"ہاں جیسے تم ہیروئن۔۔" جلا بھن کر جواب آیا۔ نینسی نے بے ساختہ امڈ آنے والے مسکراہٹ کو چھپایا۔

"تم لاکھوں کڑوڑوں دل جیت سکتے ہو۔۔" وہ پر شوق سی بولی۔

"ہاں جیسے تم آسکر۔۔۔" اسی انداز میں اگلا جواب آیا۔

"نینسی جیسن کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔۔" وہ مسکرائی۔ ولیم یونہی بیٹھا رہا۔

"خیر مجھے اچھا لگا تم نے اپنے حق کے لیے بات کی لیکن تم مجھ سے کچھ چھپا نہیں سکتے۔ یہ رولز کے خلاف ہے۔ تو بتاؤ پریشان کیوں ہو؟؟ تمہارا موڈ صبح سے خراب ہے۔۔" وہ اسے سب سے زیادہ جانتی تھی۔ ولیم نے اس کی بات سن کر آنکھیں موند لیں۔

"گہرا سانس لو ولیم۔" وہ دونوں ایک دوسرے کو ایسے ہی پر سکون کرتے تھے۔ ولیم نے گہرا سانس اندر کھینچا تازی ہوا اور پھر بوجھل ہوا باہر نکال دی۔ تین چار بار ایسا کرنے سے اسے کافی حد تک پر سکون محسوس ہوا پھر اس نے تھوڑا سا اٹھتے ہوئے اپنی پینٹ کی سائیڈ جیب سے کچھ نکالا اور نینسی کی جانب ہاتھ بڑھا دیا۔ یہ صبح والی تصویر تھی۔ ولیم کی اپنی ماں کے ساتھ۔

نینسی نے وہ تصویر تھام لی۔ وہ اسے دیکھنے لگی۔

" تمہاری مام بہت پیاری تھیں ولیم۔۔" روشن چہرے والی وہ عورت نینسی کو پہلی ہی نظر میں اچھی لگی۔

"تمہاری آنکھیں اور تمہاری رنگت بالکل تمہاری مام جیسی ہے۔" ہاں وہ جارج، نساء اور نینسی یہاں تک کہ مسٹر جوزف کی طرح دودھیالی رنگت نہیں رکھتا تھا۔ اس کی رنگت میں ایک سنہرا پن تھا جو اسے آدھا مشرقی بناتا تھا۔

"تمہاری مام پاکستانی تھیں نا؟؟" وہ اب بھی انہیں غور سے دیکھ رہی تھی۔ ولیم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

" یعنی تم آدھے پاکستانی ہو؟؟" اگلا جملہ ابھرا۔ نینسی کی آنکھوں میں چمک تھی۔ ولیم کچھ نہ بولا۔

"اب سمجھ آیا کہ تم یہاں کے ہو کر بھی یہاں کہ کیوں نہیں لگتے ہو۔" نینسی نے پہلی بار اس پر اتنے تبصرے کیے تھے۔

"ویسے تم اپنی مام جیسے ہو بس فیس کٹ کو چھوڑ کر۔ تمہاری Jaw line کافی شارپ ہے انکل کی طرح۔ باقی تم اپنی مام جیسے ہو۔۔" وہ انکے چہرے کو کو انگلی کی پوروں سے چھونے لگی۔

" مام نے خودکشی کی تھی۔۔۔" گھٹی گھٹی سی ولیم کی آواز پر نینسی کے ہاتھ ساکت ہوئے۔

" ایم سوری ولیم۔۔" وہ دونوں ہتھیلیاں بینچ پر جمائے بیٹھا تھا۔ اسکی داہنی ٹانگ زور زور سے ہل رہی تھی۔ وہ صبح سے بے چین تھا۔ نینسی نے اسے دیکھا اور پھر اس کے داہنے ہاتھ پر اپنا بایاں ہاتھ رکھ دیا۔

"وہ کبھی انکا ذکر نہیں کرتے، کبھی بھی نہیں۔۔"

وہ تکلیف میں تھا۔

"انہیں جارج اور نساء کی مام کی برسی یاد ہے، انہیں تمہارے مام ڈیڈ کی برسی یاد ہے وہ ہر سال دعا کرواتے ہیں پر انہیں میری مام نہیں یاد وہ جیسے کبھی تھی ہی نہیں۔۔ "

نینسی کو اس پل اس پر ترس آیا۔

"تم ہو نا۔ تم انکی بہترین یاد ہو۔ وہ تم سے بہت پیار کرتے ہیں۔ ہم سب سے زیادہ۔ وہ تم پر جان وارتے ہیں ولیم۔۔"

نینسی اس کے زخموں پر مرہم رکھنے لگی۔ ولیم نے مسکرانے کی ناکام کوشش کی۔ وہ کتنی ہی دیر وہاں بیٹھے رہے۔ واپسی پر نینی اس کا موڈ ٹھیک کر چکی تھی۔

مسٹر جوزف ولیم پر جان وارتے تھے یہ سچ تھا لیکن وہ کتنی آسانی سے جان لے لیتے تھے اس سے ابھی وہ دونوں ناواقف تھے۔

✿••✿••✿••✿

رات کے اس پہر جوزف پیلس میں خاموشی کا بسیرا تھا اور اس خاموشی میں پلیٹ میں چلنے والے چمچ کی آوازیں وقفے وقفے سے گونج رہی تھیں۔ رات کے کھانے پر آج مسٹر جوزف، نینسی، نساء اور نینی موجود تھیں۔ جارج اپنے ہاسٹل تھا جبکہ ولیم غائب۔ وہ آج کل یونہی غائب رہنے لگا تھا۔ وہ کوشش کرتا تھا مسٹر جوزف سے اس کا سامنا نہ ہو۔ مسٹر جوزف اور ولیم کے درمیان ایک عجیب سی سرد دیوار قائم تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو کم کم بلاتے تھے اور ولیم ان سے کھنچا کھنچا رہنے لگا۔ اس نے رگبی کھیلنا شروع کر دیا۔ وہ جانتا تھا مسٹر ولیم کو نہیں پسند لیکن اسے پسند تھا اور وہ ان کے لیے اپنی پسند نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

"ولیم کہاں ہے؟؟" انہوں نے سربراہی کرسی پر بیٹھتے پوچھا۔ وہ اس وقت سفید ٹراؤزر اور سفید ہی پولو شرٹ پہنے ہوئے تھے۔ اپنی تابناک شخصیت کے ساتھ وہ سارے پیلس تمام چمکتے برقی قمقموں کو مات دے رہے تھے۔

"ولیم کا کل میچ ہے وہ پریکٹس کے لیے گیا تھا ابھی تک نہیں لوٹا۔۔" نینسی نے خوشگوار لہجے میں ماحول کو قدرے خوشگوار بنانے کی کوشش کی لیکن مسٹر جوزف کی تیوری چڑھ گئی۔ وہ کچھ نہ بولے۔

تبھی مرکزی دروازہ کھلا اور ولیم اندر داخل ہوا۔ سیاہ گھٹنوں تک آتے ٹراؤزر پر سرخ رنگ کی شرٹ پہنے، سر پر اوڑھی سیاہ کیپ اور جوگرز میں مقید پاؤں دھرتا وہ تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔ کندھے پر سیاہ بیگ تھا اور ہاتھ میں وہ بیضوی گیند جس کے ساتھ رگبی کھیلا جاتا تھا۔

"ہیلو گائز۔۔" وہ لاؤنج میں داخل ہوتے بولا۔ اب وہ مسٹر جوزف سے جھکتا بھی نہیں تھا۔ مسٹر جوزف کے سواء سب نے اسے دیکھا جو اب سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جا رہا تھا۔

"ولیم ادھر آؤ۔۔" نینی کی آواز پر وہ رک گیا اور پھر سیڑھیاں پھلانگتا واپس آیا۔ کیپ سر سے اتار دی۔ نینی کے قریب آ کر ان کے گال پر پیار کیا۔

"کیسی ہیں آپ دلربا؟؟" وہ شوخ لہجے میں بولا۔ وہ آج کل انہیں ایسے ہی بلاتا تھا۔ کبھی حسینہ، کبھی دلربا، کبھی جان من تو کبھی گرل فرینڈ !

"بدمعاش اس عمر میں مجھے دلربا کہہ رہے ہو۔۔" نینی نے اسکا کان پکڑ لیا۔

"ارے نینی میں تو وہ کہتا ہوں جو سچ ہے آپ بلاوجہ ہی بلش کرنے لگتی ہیں۔ اپنا چہرہ دیکھیں ذرا لال ٹماٹر ہو گیا ہے۔۔" وہ اپنا کان چھڑاتے بولا یوں جیسے مسٹر جوزف وہاں موجود ہی نہ ہوں۔ جبکہ نساء اور نینسی آنکھیں پھاڑے

اسے دیکھ رہی تھیں اور نینی تو شرم سے بے حال ہونے لگیں جبکہ مسٹر جوزف کی زیرک نگاہوں نے ایک ہی نظر میں اسے سر سے پاؤں تک اسکین کر لیا۔

اس کی حالت بری تھی۔ کپڑے مٹی سے اٹے ہوئے اور گھٹنا چھلا ہوا تھا۔

"چلو ہاتھ دھو کر آؤ پہلے کھانا کھاؤ بعد میں باتیں کرنا۔۔" نینی نے سنجیدہ ہوتے کہا۔ وہ مسٹر جوزف سے واقف تھیں اور جانتی تھیں ولیم کا حلیہ اس وقت انہیں سلگا رہا تھا۔

"میں پہلے شاور لوں گا پھر کھانا کھاؤں گا آپ لوگ کھائیں۔" وہ کن انکھیوں سے مسٹر جوزف کو دیکھتا ڈائننگ ہال سے باہر نکل گیا۔ ارادہ انہیں سلگانا ہی تھا۔ جب وہ سیڑھیاں پھلانگ رہا تھا تب اس نے مسٹر جوزف کی آواز سنی۔

"آسمان کی بلندیاں اس کی منتظر تھیں پر اس نے زمین کی خاک کو چنا۔" لہجہ کڑوہ تھا۔ انکی بھوک مٹ چکی تھی۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے تھے جبکہ ولیم زیر لب مسکرانے کے بعد اب سیٹی بجاتا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ جوزف پیلس میں ناشتہ اور رات کا کھانا اکٹھا کھایا جاتا تھا اور ولیم آہستہ آہستہ اس روایت کو بھی توڑ رہا تھا۔

جبکہ مسٹر جوزف اب پھولی کنپٹیوں کے ساتھ سیڑھیاں چڑھ رہے تھے۔ جوزف پیٹرسن کا بیٹا ہو کر اس نے کیا چنا تھا؟؟ ایک کھیل۔ عام سا کھیل۔ یہ تو بالکل ایسے تھا کہ پوری دنیا چھوڑ کر انسان کسی جھونپڑی میں رہنے کو ترجیح دے۔

✿••✿••✿••✿

جہاں ولیم کی شخصیت میں باغی پن آگیا تھا وہیں وہ آوازیں جو سالوں پہلے ولیم کا پیچھا چھوڑ چکی تھیں وہ پھر سے لوٹ آئی تھی لیکن ولیم اب بچہ نہیں رہا تھا وہ اب ان آوازوں کو خود تک رکھنے لگا۔ صرف آوازیں آتی تھیں کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔

وقت گزرنے لگا۔ ولیم اور مسٹر جوزف کے درمیان قائم سرد دیوار مزید گہری ہو گئی۔ مسٹر جوزف، ولیم کو لے کو شوبز کے حوالے سے کافی خواب دیکھ چکے تھے جنہیں ولیم لمحہ بہ لمحہ توڑ رہا تھا۔ ہائی اسکول کا آخری سال بھی گزر گیا۔ ہائی اسکول مکمل ہونے سے پہلے ہی نینسی اسکالرشپ کے لیے لندن اپلائے کر چکی تھی۔ وہ کاسٹیوم ڈیزائننگ کرنا چاہتی تھی۔ جارج کے کالج میں ہی اس نے اپلائے کیا تھا۔ اسے انٹرویو کے لیے بلایا گیا۔ وہ ولیم کو ساتھ لے کر گئی۔

انٹرویو پاس ہو گیا۔ نینسی کو داخلہ مل چکا تھا جبکہ ولیم نے یونیورسٹی آف ایڈنبرا میں، انٹرنیشنل بزنس میں داخلہ لے لیا۔ وہ ابھی تک نہیں جانتا تھا اسے کیا کرنا تھا اس نے شوبز سے دور رہنے کے لیے یہ فیلڈ چن لی تھی لیکن اس نے رگبی کو جاری رکھا۔ رگبی وقت کے ساتھ ساتھ اس کا جنون بن گیا تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح کھیلتا تھا۔

آج نینسی کا جوزف پیلس میں آخری دن تھا۔ کل اسے جارج کے ساتھ چلے جانا تھا اس لیے آج کا دن وہ سب خاص بنانا چاہتے تھے۔

نینسی صبح صبح ہی اٹھ گئی۔ سب سے پہلا کام ولیم کو اٹھانے کا تھا تاکہ سب مل کر ناشتہ کر سکیں۔ مسٹر جوزف شہر سے باہر گئے تھے وہ کل ہی لوٹنے والے تھے۔ نینسی نے جیسے ہی ولیم کے کمرے کا دروزہ کھولا وہ ساکت رہ گئی۔ سامنے

ہی بستر پر ولیم پڑا تھا وہ پسینے سے شرابور تھا اور نیند میں سر زور زور سے دائیں بائیں مار رہا تھا یقیناً وہ کسی برے خواب کے زیر اثر تھا۔

"ولیم۔۔" نینسی تڑپ کر اسکی جانب بڑھی۔

"ولیم آنکھیں کھولو۔۔" وہ اب اسے جھنجھوڑنے لگی اسکی آواز ولیم کی سماعت سے ٹکرائی تو وہ برے خواب سے جاگ اٹھا۔ اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ سنہرے بالوں والی نینسی اس کے اوپر جھکی ہوئی تھی۔

"تم ٹھیک ہو؟؟" وہ اسے آنکھیں کھولتے دیکھ کر پوچھنے لگی۔ ولیم جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔ اس کا پورا وجود پسینے سے شرابور تھا۔ سینہ دھونکنی کی مانند چل رہا تھا اور آنکھوں میں وحشت واضح تھی۔

"تم ٹھیک ہو نا۔۔؟؟" وہ بیڈ کے کنارے ٹک گئی۔ ولیم نے بے ساختہ دونوں ہاتھ چہرے پر پھیرے اور خود کو نارمل کرنے لگا۔

"میں ٹھیک ہوں۔۔" کچھ دیر بعد وہ بولا جبکہ نینسی تشویش سے اسے دیکھے گئی۔ اسکے گھنے کتھئی بال ماتھے پر بکھرے پڑے تھے اور کتھئی آنکھوں میں درد واضح تھا۔ وہ جانے کب سے ان برے خوابوں کے زیر اثر تھا اس نے نینسی کو نہیں بتایا تھا۔ تو اب وہ باتیں چھپانے لگا تھا؟؟

ان میں کوئی راز نہیں تھا۔ تو کیا اب وہ راز رکھنے لگا تھا؟؟

"میں ناشتے کے لیے بلانے آئی تھی۔۔" نینسی کو اس موضوع پر بات کرنا اس وقت مناسب نہیں لگا۔

"ٹھیک ہے تم جاؤ میں فریش ہو کر آتا ہوں۔" وہ مخملی کمبل اتارتا اٹھ کھڑا ہوا۔ سفید شب خوابی کے شکنوں زدہ لباس میں وہ خود الجھا ہوا تھا۔ سفید رنگ اس کا پسندیدہ رنگ تھا۔ اس کے بستر کا رنگ سفید تھا۔ کمرے میں لگے پردے سفید تھے اور اس کا شب خوابی کا لباس سفید تھا۔

"ٹھیک ہے جلدی آؤ ناشتہ ریڈی ہے۔۔" وہ ٹخنوں سے ذرا اوپر تک آتی فراک پہنے ہوئے تھی۔ بال کھلے تھے اور چہرہ دمک رہا تھا۔ وہ مسکرا کر کہتی باہر نکل گئی جبکہ ولیم کتنی ہی دیر شاور کے نیچے کھڑا رہا۔

اسے اپنی ماں کے خواب نظر آتے تھے۔ وہ منظر جب اس کی ماں نے خودکشی کی تھی۔ وہ باہر بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا اور جب واپس آیا تو اس نے اپنی ماں کو چھت کے پھنکے سے لٹکے پایا وہ میز پر کھڑی تھی۔ گلے میں رسی ڈالے۔ وہ نہیں جانتا تھا وہ کیا کر رہی تھی پر اس کے دل نے کہا تھا کچھ غلط ہونے جا رہا تھا۔

"مام۔۔۔" وہ انہیں پکارتا انکی جانب بڑھا پر تب تک میز ان کے پیروں کے نیچے سے نکل چکا تھا۔ انکا جسم تڑپ رہا تھا۔ جان نکل رہی تھی۔ آنکھیں ابل آئی تھیں۔ پانچ سالہ ولیم کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھٹی رہ گئیں۔

یہ وہ منظر جسے وہ بھول چکا تھا کیونکہ اس حادثے نے اسے ذہنی طور پر کافی نقصان پہنچایا تھا پر یہ منظر اب اسے جزئیات سے یاد تھا جب سے اسے تہہ خانے سے اپنی ماں کی تصویر ملی تھی تب سے وہ یہ منظر ہر روز خواب میں دیکھتا تھا۔ اسے سونے سے خوف محسوس ہونے لگا تھا۔ وہ کئی کئی گھنٹے پاگلوں کی طرح رگبی کھیلتا تاکہ تھک ہار کر سوئے تو اسے کوئی خواب نظر نہ آئے پر وہ برے سپنے کبھی نہیں گئے وہ اس کی زندگی کا حصہ بن گئے۔

✿••✿••✿••✿

وہ دونوں رات کے اس پہر اپنی پسندیدہ جگہ پر تھے جہاں انہوں نے لکڑیاں اکٹھی کر کے آگ جلا رکھی تھی۔ جب سے نینسی، جوزف پیلس آئی تھی وہ دونوں ہمیشہ ساتھ رہے تھے اور اب اچانک وہ جا رہی تھی۔ دونوں اُداس تھے۔ سب اُداس تھے یہاں تک کہ نینی بھی بہت اُداس تھیں۔ پیلس کے نفوس آہستہ آہستہ کم ہو رہے تھے۔ پہلے جارج گیا اور اب نینسی۔ جوزف پیلس کی رونق پھر سے ماند پڑنے لگی تھی۔ شاید اسی کو وقت کہتے ہیں کبھی ہمارا تو کبھی کسی کا بھی نہیں۔

آج کا دن نینسی اور ولیم نے گھوم پھر کر گزارا تھا۔ پورے ایڈنبرا میں ہر پسندیدہ جگہ، ہر پسندیدہ رستوران وہ گئے تھے اور اب آخر میں یہاں تھے۔

کتنی ہی دیر وہ جلتی آگ کے قریب بینچ پر بیٹھے رہے۔

" تم مجھے یاد کرو گے ؟؟" نینسی نے بالآخر خاموشی کو توڑا۔

" ہر گز نہیں۔۔" وہ اسی سنجیدگی سے بولا تو نینسی مسکرا دی۔ وہ فراک پہنے بالکل کسی گڑیا جیسی لگ رہی تھی۔ ولیم کو وہ عزیز تھی۔ اسکے خواب بھی عزیز تھے پر اس پل وہ چاہ رہا تھا کہ نینسی نہ جائے رک جائے۔

"ہم نے وعدہ کیا تھا کہ ایک دوسرے کے خواب پورے کرنے میں مدد کریں گے۔۔" نینسی نے یاد دہانی کی۔

"تمہیں بتانے کی ضرورت نہیں ہے مجھے یاد ہے۔" وہ جلتی لکڑیوں کو دیکھتے بولا۔ اس کی جانب دیکھنے سے گریز کر رہا تھا۔

" جیسے میں نے تمہارے ہر میچ میں چلا چلا کر تمہیں سپورٹ کیا۔" اس کے پر میچ پر وہ گلا پھاڑ پھاڑ کر ولیم ولیم چلاتی تھی۔

"اور تمہاری انہی حرکتوں کی وجہ سے میری کوئی گرل فرینڈ نہیں ہے۔۔" وہ برا سا منہ بناتے بولا۔ کیونکہ جیسا ان کا رشتہ تھا سب کو یہی لگتا تھا وہ دونوں ساتھ تھے۔

نینسی کو دیکھ کر ولیم کے جانب کوئی لڑکی بڑھتی نہیں تھی اور نینسی کی جانب کوئی دیکھ لے ولیم اس کی آنکھیں نکالنے پہ آجاتا تھا۔

"میری وجہ سے تمہارا معیار برقرار رہا ہے۔۔" وہ بال جھٹکتے بولی۔ چہرے پر دلکش مسکان تھی۔

" تم وعدہ کرو وہاں جا کر مجھے بھول نہیں جاؤ گی۔۔" وہ اس کی جانب پلٹا۔ ایک نینسی ہی اُسے سمجھتی تھی۔ اس کا ساتھ دیتی تھی وہ اب دور جا رہی تھی اور ولیم کے دل کو کچھ ہو رہا تھا۔

" میں تمہیں کیوں بھولوں گی؟؟" نینسی نے الٹا سوال کیا۔ ولیم ایک مضبوط سہارا تھا۔ بہترین محافظ۔ اس سے دور جانے پر اس کی اپنی دھڑکن رک جاتی تھی۔

"ہم روزانہ ویڈو کال کریں گے۔ تم مجھ سے کچھ نہیں چھپاؤ گی۔" وہ انگلی اٹھا کر تنبیہہ کرنے والے انداز میں بولا۔ نینسی نے مسکراہٹ کو ابھرنے دیا۔

"ایم سیریس نینسی۔" وہ خفا خفا سا بولا۔ کتھئی آنکھیں اس پہر آگ کی روشنی میں چمک رہی تھیں۔

" تم بھی وعدہ کرو کہ کچھ نہیں چھپاؤ گے۔ جیسے تم نے ابھی اپنے خوابوں کے بارے میں مجھے نہیں بتایا دوبارہ ایسی حرکت نہیں کرو گے۔" سونے جیسے چمکتے بالوں میں اس کے دمکتے چہرے پر سنجیدگی تھی۔

" کبھی نہیں۔۔۔" وہ مسکرایا اور پھر جیکٹ کی اندرونی جیب سے کچھ نکالا۔ وہ ایک مخملی سی ڈبیا تھی۔

"تمہارے لیے گفٹ۔۔" اس نے ڈبیا نینسی کی جانب بڑھائی جسے نینسی نے خوش ہوتے تھام لیا۔ جیسے ہی اس نے ڈبی کو کھولا اندر ایک نازک سی چمکتی بریسلٹ تھی۔ وہ بہت خوبصورت تھی لیکن جیسے ہی نینسی نے اسے ہاتھ کی نازک پوروں پر اٹھایا وہ حیران رہ گئی۔ بریسلٹ ان دونوں کی نگاہوں کے درمیان تھے اور بریسلٹ سے لٹکتا وہ چھوٹا سا W واضح تھا۔ نینسی نے بھنویں سکیڑ کر اسے دیکھا۔

"تاکہ لڑکے تم سے دور رہیں۔۔" وہ کان کھجاتے بولا۔ نینسی نے بریسلٹ ڈبی میں واپس رکھا اور اسے بند کر دیا۔

"پہلے ہی وہاں میرے سر پر جارج نامی بڑے بھائی کی تلوار لٹکتی رہے گی اور تم مجھے اپنے نام کا بریسلٹ دے رہے ہو۔ بھئی مجھے ساری عمر سنگل نہیں رہنا۔۔" وہ ناک بھوں چڑا کر بولی۔

"اور وعدہ کرو کہ تمہیں کوئی لڑکا پسند آیا تو سب سے پہلے مجھے بتاؤ گی۔۔"

"ولیم مجھے سب رولز یاد ہیں جو ہم نے بچپن میں بنائے تھے۔۔" نینسی نے اسے یاد دہانی کرائی۔ ولیم نے اثبات میں سر ہلایا۔

"میں بھی تمہارے لیے کچھ لائی ہوں۔" اب وہ اپنے چھوٹے سے بیگ سے کچھ نکال رہی تھی۔ پھر اس نے اسپیکر جیسی چھوٹی سی مشین نکالی اور ولیم کی جانب بڑھائی۔

"یہ کیا ہے؟؟" وہ حیران ہوا اور مشین کو تھام کر اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ مشین کے ساتھ ایک ہینڈ فری جڑی ہوئی تھی۔

"تمہیں آوازیں پریشان کرتی ہیں نا لیکن کیا ہو اگر اچھی آوازیں تمہیں سکون پہنچانے لگیں؟؟" وہ پراسرار انداز میں بولی تو ولیم چونک گیا۔

"ادھر لاؤ میں بتاتی ہوں۔۔" نینسی نے اس کے ہاتھ سے وہ مشین لے کر جلتی لکڑی کے دوسرے سرے پر لگا دیا جہاں تک ابھی آگ نہیں پہنچی تھی پھر اس نے ہینڈ فری ولیم کے کانوں میں اڑیس دی۔

"تم تیار ہو؟؟" وہ چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھتے بولی تو ولیم نے نا سمجھی سے کندھے اچکا دیے اور اگلے ہی پل نینسی نے مشین پر لگا ایک چھوٹا سا بٹن دیا۔

چڑچڑ کی ایک عجیب سی آواز ابھری۔ وہ پوری سماعت لگا کر سننے اور سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔

"یہ جلتی ہوئی لکڑی کی آواز ہے ولیم۔ سننے کی کوشش کرو وہ کیا کہہ رہی ہے۔" ولیم کی آنکھیں بند تھیں جبکہ نینسی ہولے ہولے سرگوشیاں کرنے لگی۔ وہ دونوں اپنی دنیا میں کس قدر مگن تھے۔

"تم کائنات کی ہر آواز کو سن سکتے ہو۔ تمہارے پاس وہ سماعت ہے ولیم۔ یہ تمہیں غلط رخ دکھانے کی کوشش کرتی ہے تمہیں صحیح رخ چننا ہے تمہیں اسے کنٹرول کرنا ہے۔۔" وہ اب اس کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی۔ ولیم نے آنکھیں کھولیں اور مسکرا کر اسے دیکھا۔

"میں نے تمہاری بیماری پر بہت تحقیق کی اور پھر میں نے جانا کہ اسے ٹھیک کیا جا سکتا ہے۔ تم اسے قدرتی طور پر H کر سکتے ہو۔ تمہیں اپنے دماغ کو پر سکون کرنا ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ تم ایسی چیزوں پر دھیان لگاؤ جو قدرتی ہوں۔۔" نینسی نے ہولے سے ولیم کے کندھے پر سر ٹکا دیا۔ لکڑیاں اب جل کر چٹخنے لگی تھیں۔

"تھینک یو سو مچ نینسی! مجھے سمجھنے کے لیے۔" وہ دل کی گہرائیوں سے بولا تو نینسی مسکرا دی۔ وہ کئی ثانیے یونہی بیٹھے رہے اور پھر تھوڑی دیر بعد ان کی لڑائی شروع ہو چکی تھی کیونکہ ولیم چاہتا تھا کہ نینسی کسی لڑکے سے دوستی کرنے سے پہلے ولیم اور جارج سے اس لڑکے کو approve کروائے۔

"کسی لڑکے کو پتا چلا کہ میرے دو کزن ہیں جو بھائیوں سے کم نہیں ہیں تو کوئی مجھ سے دوستی نہیں کرے گا۔" وہ دبی دبی سی آواز میں چلائی۔

"تمہیں لڑکوں سے دوستی کی ضرورت ہی کیا ہے؟؟"

" میں ساری زندگی اکیلے نہیں رہ سکتی مجھے ایک لائف پارٹنر چاہیے۔ "

"تم وہاں پڑھنے جا رہی ہو لائف پارٹنر ڈھونڈنے نہیں۔" ولیم کی آواز تیز تھی۔ رات کے اندھیرے کے ساتھ ساتھ ان کی لڑائی بڑھتی جا رہی تھی۔ لڑکیاں چٹکھ رہی تھیں۔ وہ دونوں اپنی دنیا میں بہت خوش تھے آنے والے وقت سے ناواقف۔

اچھا ہی ہے نا کہ انسان آنے والے وقت سے ناواقف ہوتا ہے ورنہ وہ کبھی سکون کی سانس نہ لے پائے۔

✿••✿••✿••✿

نینسی، جارج کے ساتھ چلی گئی۔ جوزف پیلس میں ایک بار پھر سے خاموشی چھا گئی۔ ولیم صبح نکلتا تو رات گئے گھر لوٹتا۔

مسٹر جوزف کو اپنے کام سے ہی فرصت نہیں ملتی تھی۔

ایسے میں نساء نے نینی نے ساتھ مل کر پیلس کی کافی زمہ داریاں سنبھال لیں۔ وہ گھر کی چھوٹی بیٹی تھی۔ اسے یہ کرنا ہی تھا۔

نینسی جانے کے بعد انہیں بھولی نہیں تھی۔ وہ روزانہ فون کرتی سب سے ڈھیروں باتیں کرتی۔ پہلے پہل اس کے لیے وہاں ایڈجسٹ ہونا مشکل تھا پھر آہستہ آہستہ اسے عادت ہو گئی۔

ولیم اور اس کی دوستی ابھی بھی ویسی ہی تھی۔ پورے دن کی ہر گھنٹے کی ہر پل کی خبر ایک دوسرے کو دی جاتی۔ وہ جب واپس آتی تو وہ ساری یادیں دہراتے ویسے ہی گھومتے پھرتے۔

وہ نئے دوست بنا رہی تھی اور ولیم کو کوئی اعتراض نہیں تھا اسے خود نیل مل گیا تھا بلکہ یہ کہنا درست ہو گا کہ نیل اس سے چپک گیا تھا۔ وہ اسے ڈیپارٹمنٹ میں ہی ملا۔

ولیم کا پاگلوں کی طرح رگبی کھیلنا بہت پسند تھا۔ شروعات نیل کی طرف سے ہوئی اور آہستہ آہستہ وہ دوست بن گئے زندگی نے کروٹ تب لی جب نینسی کی زندگی میں نیا موڑ آیا۔

"کہاں گم رہتی ہو تم؟ جانتی ہو پچھلے تین دن سے تم نے مجھے فون نہیں کیا۔ مجھے تمہیں کچھ دکھانا تھا۔۔" ولیم خفا تھا۔ نینسی نے تین دن بعد اسے فون کیا تھا۔

"تم ٹھیک ہو نا؟؟" اسکی متورم آنکھیں دیکھ کر ولیم کو پریشانی ہوئی۔

"میں ٹھیک ہوں۔۔" وہ زبردستی مسکرائی۔ لیکن وہ ٹھیک نہیں تھی ولیم جانتا تھا وہ ٹھیک لگ ہی نہیں رہی تھی۔

"جلدی سے بتاؤ کیا ہوا ہے؟" وہ سیدھا ہو بیٹھا تاکہ نینسی تفصیل سے بتا سکے۔ لیپ ٹاپ کی اسکرین پر نظر آتا نینسی کا وجود گہری کشمکش کا شکار تھا۔ اس نے نینسی کو کبھی اتنا الجھا ہوا نہیں دیکھا تھا وہ پچھلے کئی دنوں سے کافی خاموش خاموش تھی۔ ولیم کے ہر بار پوچھنے پر وہ امتحان کا کہہ کر ٹال دیتی لیکن پچھلے تین دن غائب رہنے کے بعد وہ اب جیسے ہمت ہار رہی تھی۔

"ولیم۔۔۔"اس نے ہولے سے پکارہ۔

"میں سن رہاہوں نینسی بولو کیاہوا ہے؟کسی نے کچھ کہا؟جارج نے کچھ کہا؟"وہ بے چین ہوا۔گردن کی رگیں تن سی گئیں۔

اس نے زندگی میں پہلی بار نینسی کی آنکھوں میں نمی دیکھی تھی اور یہ چھوٹی بات نہیں تھی۔وہ رونے دھونے والی لڑکی نہیں تھی۔ولیم کے اس طرح پوچھنے پر وہ گردن ناں میں ہلاتی رہی۔آنسوؤں کو پینے کی ناکام سی کوشش ولیم کی آنکھوں سے مخفی نہیں رہی۔

"خدا کا واسطہ ہے نینسی کچھ بولو۔۔"اسکی خاموشی بھیانک تھی۔

"مجھے لگتا ہے مجھے محبت ہوگئی ہے۔۔"وہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ہاتھوں کو مسلتے ہوئے۔بال آدھے ہونی میں تھے اور آدھے باہر نکلے ہوئے تھے۔اس نے کبھی نینسی کو اتنے بگڑے حلیے میں نہیں دیکھا تھا۔اس کی آنکھوں کے گرد سیاہ ہلکے واضح تھے۔

ولیم کئی لمحے بے یقینی سے اسے دیکھتا رہااور پھر اس کا ابھرنے والا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"ایڈیٹ نینسی!اس میں رونے والی کیابات ہے؟؟"وہ اب ہنسی چھپانے کی کوشش کرنے لگا جبکہ نینسی یونہی بیٹھی رہی۔وہ اب ولیم کو دیکھ رہی تھی جو ذرا بھی غصہ یاناراض نہیں تھا۔

"دیکھو تمہیں محبت کرنے کا پورا حق حاصل ہے اور میں خوش ہوں تم نے سب سے پہلے مجھے بتایا۔۔"وہ اسے نارمل کرناچاہتا تھاپر نینسی کی پریشانی کم نہ ہوئی۔

"نام کیا ہے اس کا؟؟ کیا کرتا ہے؟ جلدی سے مجھے اس کی تصویر بھیجو۔۔" وہ اب پرجوش تھا یا بننے کی کوشش کر رہا تھا نینسی سمجھ نہیں پائی۔

"احمد۔۔۔" اگلے ہی پل نینسی نے دھماکہ کیا۔ یہ نام وہ پہلے بھی سن چکا تھا۔ یہ نینسی کا نیا دوست تھا۔ وہ اکثر اس کی باتیں کرتی تھی۔ وہ کافی سمجھدار تھا اور نینسی اس سے متاثر تھی۔

ولیم کے لبوں کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔ وہ پل کے ہزارویں حصے میں نینسی کی پریشانی کی وجہ بھانپ گیا۔ مسٹر جوزف کو مسلمانوں سے نفرت تھی۔ وہ کسی صورت نہ مانتے۔ ولیم نے گہرا سانس لیا اور دونوں بازو پیچھے موڑ کر گردن ٹکا لی۔ لیپ ٹاپ سامنے میز پر رکھا تھا۔

"تمہاری لو اسٹوری کافی مشکل ہونے والی ہے نینسی۔۔" وہ اسے چڑانے والے انداز میں بولا جبکہ نینسی کچھ نہ بولی۔ پھر وہ سیدھا ہو بیٹھا شاید کوئی اور بات بھی تھی جو وہ کرنا چاہتی تھی پر ہمت نہیں جٹا پا رہی تھی۔

"اچھا بتاؤ جارج سے ملوایا تم نے اسے؟ جارج کو پتا ہے؟ اس نے کچھ کہا تو نہیں۔۔" وہ اب سنجیدگی سے پوچھنے لگا۔

"نہیں۔ جارج کو نہیں بتایا ابھی میں جانتی ہوں وہ نہیں مانے گا۔۔" وہ پلکیں جھپکتے بولی۔ کہیں آنسوں نہ بہہ نکلیں۔

"اچھا میری بات سنو۔۔" وہ اس کی نینسی تھی۔ اسے سب سے پہلے نینسی کا ساتھ دینا تھا۔

"تمہیں اپنی پسند کا پورا حق ہے۔ میں تمہارے ساتھ ہوں اور جب ولیم تمہارے ساتھ کھڑا ہے تو یاد رکھو دنیا تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔۔" وہ پوری سنجیدگی سے بولا۔ نینسی نے نم نگاہوں سے اسے دیکھا وہ یہ بات جانتی تھی اور

یہ بھی جانتی تھی کہ اگر ولیم خلاف ہو گیا تو پوری دنیا مل کر بھی اسے نہیں جیتا نہیں سکتی تھی۔ پریشانی والی بات یہی تھی کہ پوری سچائی جان کر ولیم اس کا ساتھ کبھی نہ دیتا۔

"تو اب میری اس سے بات کرواؤ یا میں آجاتا ہوں خود مل لوں گا۔۔" وہ اسے کمپوز کرنے کی پوری کوشش کرنے لگا۔ وہ نینسی کو اداس نہیں دیکھ سکتا تھا۔ لیکن وہ جانے کہاں کھوئی تھی۔

"نینسی۔۔؟؟" اسے بت بنا بیٹھے دیکھ کر ولیم نے پھر سے پکارہ۔

"اس نے مجھے بلاک کر دیا ہے وہ مجھ سے بات نہیں کرنا چاہتا۔۔" ولیم کی پیشانی پر شکنیں ابھریں۔ کوئی نینسی جیسن کو جیسے بلاک کر سکتا ٹھا؟؟ کوئی اسے کیسے ٹھکرا سکتا تھا؟؟

"اور ایسا کیوں کیا اس نے؟؟" بھنویں سکڑ گئیں۔

"وہ کہتا ہے ہمارا کوئی جوڑ نہیں۔ میں ابھی بہت چھوٹی ہوں۔۔" اکیس سالہ نینسی رو دینے کو تھی جبکہ ولیم کو حقیقتاً پریشانی ہوئی۔ وہ باقی لڑکیوں جیسی نہیں تھی۔ اسے کبھی ٹین ایج کرش نہیں ہوئے تھے۔ یہ پہلی بار تھا جب سے کوئی پسند آیا تھا۔

"مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا نینسی صاف صاف بتاؤ۔۔" اسے کوفت ہوئی۔ دوٹوک بات کرنے والی نینسی پہلیوں میں بات کیوں کر رہی تھی؟

"احمد میرے پروفیسر ہیں اور وہ مجھ سے کافی بڑے ہیں۔۔"

نینسی کے چہرے پر سارا خون نچڑ آیا۔ جبکہ ولیم ساکت رہ گیا۔ وہ بے یقینی سے اسے دیکھے گیا۔ اسے واقعی یقین نہ ہوا۔

"نینسی۔۔۔"اس نے بے یقینی سے نینسی کو پکارہ۔

"ایم سوری ولیم میں نے بہت کوشش کی لیکن۔۔۔"وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔چہرہ دونوں ہاتھوں میں گرائے وہ سسک رہی تھی جبکہ ولیم حیران پریشان سا بیٹھا تھا۔اس نے ایسا تو کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔

"کیا تم نے کبھی جادو گر دیکھا ہے؟؟وہ شخص جادو گر ہے ولیم۔۔"کچھ دیر بعد وہ چہرہ ہاتھوں سے اٹھاتے بولی۔ آنسوں ہتھیلی سے رگڑ ڈالے۔سر درد سے پھٹ رہا تھا۔

"میں اس کے سحر سے نہیں بچ پائی حالانکہ میں نے بہت کوشش کی۔۔"وہ سسکتے بولی۔

"وہ مجھے بچوں کی طرح ٹریٹ کرتا ہے۔اس کے نزدیک میں چھوٹی بچی ہوں اور وہ میری محبت کو میرا پاگل پن کہتا ہے۔۔"

وہ اسے اپنے دل کی ہر بات سے آگاہ کر رہی تھی جسے وہ مہینوں سے چھپائے بیٹھی تھی۔

"وہ اچھا انسان ہے ولیم اور اچھے انسانوں سے محبت ہو ہی جاتی ہے۔"

ولیم کے تو جیسے الفاظ ہی گم ہو گئے تھے۔وہ پتا نہیں کب اتنی بڑی ہو گئی تھی جو ایسی باتیں کرنے لگی تھی۔

"اس نے میری محبت کو ٹھکرا دیا ہے ولیم اس نے مجھے بلاک کر دیا وہ کہتا ہے وہ اس پاگل پن میں میرا ساتھ نہیں دے سکتا۔۔"

پہلی بار دل ٹوٹا تھا اور دل کا پہلا درد ہمیشہ یاد رہتا ہے۔

"نینسی سنبھالو خود کو وہ ٹھیک کہہ رہا ہے یہ صرف اٹریکشن ہو گی تم دیکھنا بہت جلد ختم ہو جائے گی۔۔"

"پچھلے ایک سال سے یہی تو کوشش کر رہی ہوں ولیم لیکن دیکھو یہ اٹریکشن ختم ہونے کی بجائے بڑھتی جا رہی ہے۔۔" لہجے میں درد تھا۔ استہزاہ تھا۔ ولیم لب بھینچ کر رہ گیا۔

"وہ بالکل انکل جیسا ہے۔ وجیہہ، پروقار اور سمجھدار۔۔ "

"پھر تمہیں اس سے محبت کیسے ہو گئی نینسی؟؟" ولیم نے طنز کیا۔ مسٹر جوزف جیسے شخص سے محبت کرنا آسان نہیں تھا۔

"مرد وجیہہ، سمجھدار اور پروقار ہونے ساتھ ساتھ مہربان بھی ہو تو کس عورت کو اس سے محبت نہیں ہو گی؟؟ "

یہ وہ نینسی تو نہیں تھی جسے ولیم جانتا تھا۔ وہ پردیس جا کر بالکل بدل سی گئی تھی۔

"وہ مہربان ہے ولیم اور مجھے اُس کی اِس مہربانی سے محبت ہے۔۔ "

"نینسی۔۔۔" ولیم کو سمجھ نہ آیا کیا بولے۔

"کیا عمر ہے اس کی؟؟" کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔ نینسی خاموش رہی۔ وہ جانتا تھا جوان پروفیسر کالج میں اکثر پائے جاتے تھے۔

"اٹھائیس سال؟ تیس سال؟؟ "

نینسی نے نفی میں گردہلائی۔

"پینتیس؟؟" نینسی نے کرب سے آنکھیں موندھ لیں۔

"خدایا نینسی یہ تم کیسے کر سکتی ہو؟؟" اس نے بے ساختہ چہرے پر ہاتھ پھیرا۔

وہ کسی صورت نینسی کے لیے ایسے شخص کو قبول نہیں کر سکتا تھا جو اس سے پندرہ بیس سال بڑا ہو۔

"تم اس شخص سے دوبارہ بات نہیں کرو گی نینسی تمہیں میری قسم ہے۔۔" اب وہ غصہ تھا۔ نینسی جانتی تھی ایسا ہی ہو گا۔ اس نے نم آنکھوں سے ولیم کو دیکھا جس کے تاثرات تنے ہوئے تھے۔

"بعد میں بات کرتے ہیں۔۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر اسکرین بند کر دی۔ نینسی یونہی بیٹھی رہ گئی جبکہ ولیم اب اٹھ کر کمرے میں بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ نینسی نے اس کا دماغ گھما دیا تھا۔ مذہب اس کے لیے مسئلہ نہیں تھا پر وہ کیسے نینسی کو اپنے لیے ایک ایسے شخص کا انتخاب کرنے دے سکتا تھا جو اُس سے کئی سال بڑا تھا۔ پتا نہیں کون تھا کیسا تھا۔ وہ جتنا سوچ رہا تھا بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔

✿••✿••✿••✿

کھیل کے میدان میں رات کے اس پہر چند اسٹوڈنٹس شورٹس (کھیل کی وردی) پہنے بھاگ رہے تھے۔ ان میں ایک ولیم بھی تھا۔ سیاہ گھٹنوں تک آتے ٹراؤزر اور سرخ شرٹ میں وہ اتنی سردی میں بھی پسینے سے بھیگا ہوا تھا۔

سوکھا کہر اپڑ رہا تھا اور رات کے اس پہر رگبی کھیلنے والے وہ تمام نوجوان میدان میں موجود تھے جو قومی سطح پر کھیلنا چاہتے تھے۔ جیسے ہی سیٹی بجی ولیم بیضوی گیند لے کر بھاگا پر اگلے ہی پل وہ منہ کے بل گرا۔

مخالف ٹیم کے کھلاڑی اسے بے طرح گرا رہے تھے۔

"تم ٹھیک ہو؟؟" نیل اسی کی ٹیم میں تھا۔ اس نے قریب آتے ولیم کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ وہ پچھلے ایک ہفتے سے نینسی کی وجہ سے حد درجہ پریشان تھا۔ کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا اور تو اور وہ میچ پر بھی فوکس نہیں کر پا رہا تھا اور بار بار گرنے کی وجہ سے اسکے دونوں گھٹنے اور ایک کہنی چھل گئی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔" وہ گھٹنوں کے بل جھکتے بولا۔

" میرے خیال سے آج رہنے دیتے ہیں کل پریکٹس کرلیں گے۔" نیل کے مشورے پر اس نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر وہ دونوں اپنے بیگ اٹھاتے گراؤنڈ سے باہر نکل آئے۔

"نینسی کیسی ہے اب؟؟" نیل نے مخلصانہ پوچھا۔

"کل ٹھیک تھی آج صبح سے بات نہیں ہوئی۔۔" بیگ کندھے پر لٹکائے وہ دونوں لمحہ بہ لمحہ گراؤنڈ سے دور ہو رہے تھے۔ اس سے پہلے نیل مزید کچھ کہتا ولیم کا فون بج اٹھا۔ جارج کا فون تھا۔ ولیم کو تشویش ہوئی۔ اس نے فون اٹھاتے فوراً کان سے لگایا۔

" ہیلو ولیم۔۔" جارج کی پریشان سی آواز ابھری۔

" ہاں بولو۔۔" کافی دنوں بعد اس نے اسے ولیم پکارہ تھا۔ ورنہ جارج اسے ڈیفالٹ پیس ہی کہتا تھا۔

" ولیم وہ نینسی۔۔۔"

"کیا ہوا نینسی کو؟؟" ولیم کے پیروں تلے سے ایڈنبرا کی زمین کھسکی۔

" وہ ٹھیک نہیں ہے۔ آج صبح بے ہوش ہوگئی تھی۔ ہاسپٹل میں ہے۔ میں نے کسی کو نہیں بتایا۔ میں اسے صبح واپس لا رہا ہوں سوچا تمہیں بتادوں۔۔" وہ کافی سنجیدہ تھا اور جارج کا ہر جملہ ولیم کے چہرے کا رنگ اڑا رہا تھا۔

"کیا مطلب ہے بے ہوش ہوگئی تھی؟ تم کہاں تھے؟ ڈاکٹر نے کیا کہا۔۔؟؟" وہ چلا اٹھا اور تیز تیز چلنے لگا۔ نیل ٹھٹھک گیا پر وہ سمجھ گیا تھا کچھ ضرور ہوا تھا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ولیم کے ساتھ چلنے لگا۔

" میں دیکھتا ہوں ٹکٹ مل گئی تو ابھی آجاتا ہوں۔۔ "

" تمہیں آنے کی ضرورت نہیں ہے ولیم میں صبح اسے واپس لا رہا ہوں۔ڈاکٹر نے آرام کا کہا ہے۔شاید کئی دنوں سے اس نے کچھ کھایا نہیں۔۔" جارج نے دھیمے لہجے میں اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

" تم سارا وقت کہاں تھے جارج؟ تم اس کا خیال نہیں رکھ پائے۔۔" وہ اب اس پر غصہ کر رہا تھا۔

" ولیم میری اپنی ایک اسٹوڈنٹ لائف ہے۔میں بے بی اسٹنگ نہیں کر سکتا۔وہ بچی نہیں ہے تم بھی جانتے ہو۔مجھے پتا چلا ہے اس کا بریک اپ ہوا ہے اس کی ایک کلاس فیلو نے بتایا۔مجھے تو یہ سمجھ نہیں آتا اس کا ریلیشن شپ کب اور کس سے شروع ہوا؟" وہ خود جھنجھلایا ہوا تھا۔مسٹر جوزف تک بات پہنچانا نہیں چاہتا تھا کیونکہ اسی کی کلاس لگتی اور یہاں معاملے کسی لڑکے کا تھا کیا پتا وہ کیسا رد عمل دیتے۔فی الوقت جارج کوئی رسک نہیں لینا چاہتا تھا۔اس کی بات سن کر ولیم ٹھہر گیا۔

"تم جانتے ہو وہ کون ہے؟؟ جسے نینسی پسند کرتی ہے؟" اب وہ دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھ رہا تھا۔

"میں نہیں جانتا۔پتا نہیں کون ہے؟ کوئی نہیں جانتا۔نینسی نے اس کے بارے میں کسی دوست کو نہیں بتایا۔عجیب گڑبڑ ہے۔میرا دماغ پھٹنے کو ہے۔میں یہ سب ہینڈل نہیں کر سکتا۔"

جارج کی بات سن کر ولیم نے گہرا سانس لیا۔

"ٹھیک ہے تم صبح ہونے تک اس کا خیال رکھو۔" وہ سنجیدگی سے کہتا فون بند کر چکا تھا۔

"سب ٹھیک ہے؟" نیل نے اسے پریشان دیکھ کر پوچھا۔

"کچھ ٹھیک نہیں ہے پتا نہیں کیا ہو رہا ہے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔۔" وہ بوجھل قدم اٹھاتا چل پڑا۔

رات لمبی ہو گئی۔ وہ صبح تک یونہی جاگتا رہا۔ نینسی کا نمبر بند جا رہا تھا۔ اس نے گھر میں کسی کو نہیں بتایا۔ جارج سے وہ وقفے وقفے سے اس کی خبر لیتا رہا اور پھر صبح کے کسی پہر اس کی آنکھ لگی تھی۔ اگلے دن اتوار تھا وہ سوتا رہا۔ ناشتے پر بھی نہیں اٹھا۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو دن کے گیارہ بج رہے تھے۔ وہ اٹھ گیا۔ جارج کا فون تھا وہ لوگ ایئرپورٹ پہنچ چکے تھے۔ وہ جھٹکے سے اٹھا اور پھر فریش ہو کر ایئرپورٹ کے لیے نکل پڑا۔

نینی اسے آوازیں دیتی رہ گئیں لیکن وہ نہیں رکا اور ایئرپورٹ پر نینسی کو دل کرا اس کا دل ساکت رہ گیا۔

وہ اینجل جیسی لڑکی مردہ لگ رہی تھی۔ بہت کمزور۔ ٹوٹی بکھری۔ یہ وہ نینسی تو نہیں تھی جسے وہ جانتا تھا۔

آخر اسے ہوا کیا تھا؟؟

"ہائے۔۔" نینسی اسے دیکھ کر مسکرائی پر وہ اسے نظر انداز کرتا اس کا سامان اٹھا کر گاڑی میں رکھتا فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔ جبڑے بھنچ گئے۔

" اتنی ناراضی؟؟" وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھتے بولی۔ لہجہ خوشگوار بنانے کی کوشش ناکام ہو گئی۔ اس کی سنہری آنکھوں کی چمک ماند پڑ گئی تھی۔ جارج ولیم کے ساتھ بیٹھ چکا تھا۔ ولیم نے گاڑی اسٹارٹ کی اور پھر کچھ دیر بعد گاڑی فراٹے بھر رہی تھی۔

"کچھ لوگوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ مجھ سے ہمیشہ مسکرا کر ملیں گے۔۔۔" وہ اسے بولنے پر اکسا رہی تھی پر وہ یونہی بیٹھا رہا۔ تیوری چڑھی ہوئی تھی۔

نیلی پینٹ پر ہلکے بھورے رنگ کی اونی شرٹ پہنے اور سیاہ اوور کوٹ میں نینسی کا وجود چھپ گیا تھا پر اس کے چہرے کی زردی نمایاں تھیں۔

"کچھ لوگوں کا دماغ ہمیشہ خراب ہی رہتا ہے ان سے کچھ اچھے کی توقع نہیں کی جاسکتی۔۔" نینسی کی بات پر جارج نے جواب دیا تو وہ ہلکا سا مسکرا دی۔ جوزف پیلس آچکا تھا۔ وہ گاڑی میں ہی بیٹھا رہا۔ جارج باہر نکل گیا۔ اب وہ سامان نکال رہا تھا۔ ملازم انہیں دیکھ کر بھاگتے ہوئے آگے بڑھے۔ جبکہ نینسی بھی یونہی بیٹھی۔ ولیم سے بات کرنا اس وقت بہت مشکل لگ رہا تھا۔

"ولیم۔۔۔" نینسی نے ہولے سے پکارہ تو وہ ایک جھٹکے سے دروازہ کھولتا باہر نکلا اور پھر زور سے دروازہ واپس دے مارا۔ نینسی اپنی جگہ پر اچھل پڑی۔ کیا وہ اتنا غصہ تھا۔ اب اسے پریشانی ہو رہی تھی۔ وہ نینسی کو وہیں چھوڑتا تیز تیز قدم اٹھاتا پیلس میں داخل ہو گیا۔

پیچھے جوزف نے سہارا دے کر نینسی کو باہر نکالا اور پھر اسے لے کر اندر آیا۔ نینی ان دونوں کو دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

"میری بچی کیا ہو گیا ہے تمہیں؟؟" وہ اب نینسی کا منہ چوم رہی تھیں جبکہ نینسی کو ولیم کی فکر کھا رہی تھی۔ وہ کبھی اتنا غصہ نہیں ہوا تھا۔

مسٹر جوزف رات کے کھانے پر گھر آئے تھے۔ جارج اور نینسی کو دیکھ کر وہ حیران ہوئے۔

"سب ٹھیک ہے نا؟؟" وہ براہ راست نینسی سے پوچھنے لگے۔

"جج۔۔جی۔۔۔سب ٹھیک ہے۔" وہ زبردستی مسکرائی۔

"اور تم لوگوں کی پڑھائی کیسی چل رہی ہے؟؟" وہ اب جارج کی طرف متوجہ ہوئے۔

"زبردست۔۔" وہ بمشکل مسکرایا۔ مسٹر جوزف سے کچھ چھپانا آسان نہیں تھا۔

"کھانے کے بعد میرے کمرے میں آنا مجھے ضروری بات کرنی ہے۔۔" وہ نیپکن اتارتے اٹھ کھڑے ہوئے۔ جارج کی جان پر بن آئی۔ اس نے گھبرا کر نینسی کو دیکھا جس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں انہیں کچھ بھی بتانے سے منع کیا تھا جبکہ ولیم یونہیں بیٹھا رہا جیسے کچھ جانتا ہی نہ ہو۔

کچھ دیر بیٹھنے کے بعد ولیم اٹھ کر چلا گیا۔

"تم دونوں کا جھگڑا ہوا ہے؟؟" اس بار نساء نے نینسی سے پوچھا۔ وہ گھر آئی تھی اور ولیم اس سے بات بھی نہیں کر رہا تھا۔۔ کیوں؟

"ہاں وہ غصہ ہے کہ میں نے خود کا خیال نہیں رکھا۔۔" وہ روکھا سا مسکرا دی۔

"تم دعا کرو میری گردن بچ جائے ورنہ مجھے آج قتل ہونے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔۔" جارج کھانے کی میز سے اٹھتے ہوئے بولا۔ اسے مسٹر جوزف کے سامنے پیش ہونا تھا۔

"انہیں کچھ مت بتانا۔۔" نینسی نے التجا کی۔

"ان سے کچھ چھپا نہیں رہ سکتا۔۔" وہ بیچارگی سے بولا اور پھر دو چار گہرے سانس لے کر وہاں سے نکل گیا۔

جبکہ نینسی سر جھکا گئی۔ اس کی ایک بے وقوفی نے سب کو کتنا پریشان کر دیا تھا۔ اسے اب افسوس ہو رہا تھا۔

"نینسی۔۔"نینی نے اسے پکارا۔وہ کپڑے بدل چکی تھی۔اور اس وقت سفید اونی پنڈلیوں تک آتی فراک پہنے ہوئے تھی۔بال آگے سے دو لٹیں پکڑ کر پیچھے باندھے ہوئے تھے باقی کندھوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ہونٹوں پر گلوز لگائے اس نے خود کو تازہ دم رکھنے کی پوری کوشش کی تھی۔سفید رنگ اس لیے پہنا تھا کیونکہ یہ ولیم کا پسندیدہ تھا اور شاید اس کا غصہ کم ہو جاتا۔

نینی کی آواز پر اس نے گردن اٹھا کر دیکھا۔نینی کو اس پر کسی اداس شہزادی کا گمان ہوا۔برف کی شہزادی۔

" پریشان مت ہو بچے سب ٹھیک ہو جائے گا۔۔"وہ کچھ اور کہنا چاہتی تھی پر اس کی حالت کی پیش نظر بات بدل گئیں۔

"ارے دیکھو ذرا باہر برف باری ہو رہی ہے۔اس سال کی پہلی برف باری۔۔۔"نساء کی آواز پر نینسی نے رخ موڑ کر دیکھا۔دیوار گیر کھڑکی سے باہر روئی کے گالے اڑتے نظر آئے۔

"آپ دونوں لاؤنج میں بیٹھیں میں چائے کا انتظام کرتی ہو آج ہم خوب مزے کریں گے۔۔"وہ چہکتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔بال اونچی پونی میں بندھے تھے اور وہ سیاہ چھوٹے چھوٹے گول بندکیوں (polka dots) والی مہرون فراک پہنے ہوئے تھی۔بالکل ویسی جیسی نینسی نے پہن رکھی تھی۔پیروں میں اونی چپٹے گرم جوتے۔ فراک کے بازو کافی کھلے تھے جو ہاتھ کے قریب کلائی پر آکر بند ہو جاتے تھے۔کمر پر لگے بیلٹ نے فراک کو ایک خوبصورت شکل دے دی تھی۔نساء اٹھ کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔صوفی ملازمہ کے ساتھ مل کر برتن اٹھا رہی تھی۔

نینسی نے سہارا دے کر نینی کو اٹھایا۔ وہ دونوں اب لاؤنج کی طرف قدم دھر رہی تھیں۔ لاؤنج میں جگہ جگہ بنے آتش دان اس وقت جل رہے تھے جن سے پیلس کے اندر سردی کی شدت مٹ رہی تھی اور جگہ جگہ لگی مشعلوں نے پیلس کے اندھیرے کو مٹا دیا تھا۔

ابھی وہ لاؤنج تک پہنچی بھی نہیں تھیں جب پورے جوزف پیلس میں عجیب سی آواز گونج گئی۔ نینسی کے قدم ساکت ہوئے۔ اس نے جھٹکے سے پلٹ کر سیڑھیوں کی جانب اوپر دیکھا۔

آواز اوپر سے آ رہی تھی۔ جیسے کوئی پیانوں پر بے ترتیب ہاتھ مار رہا تھا۔

"جاؤ جا کر ولیم کو منالو۔۔" سب جانتے تھے اس گھر میں اوپری منزل پر لونگ روم میں رکھا وہ پیانوں صرف ولیم بجاتا تھا۔ جب وہ بہت خوش ہوتا تھا یا جب وہ بہت غصہ ہوتا تھا۔ نینسی نے اُن کی بات سنتے اثبات میں سر ہلایا اور انہیں صوفے پر بٹھاتے سیڑھیوں کی جانب بھاگی۔

پہلے پیانوں کی کیز پر غصہ اترا پھر وحشت اور اب ڈیفالٹ پیس کی انگلیاں عجیب سی دھن بکھیر رہی تھیں۔ وہ اب بھاگتے ہوئے سیڑھیاں چڑھ رہی تھیں۔

پیلس میں ایک اداس دھن بکھرنے لگی۔ پیلس کی دیواروں کے درمیان بجتی وہ دھن سحر زدہ تھی۔ کوئی سن لیتا تو سن کر ٹھہر جاتا۔ وہ اب راہداری میں بھاگ رہی تھی۔ جلتی مشعلوں کے درمیان لکڑی کے فرش والی راہداری سے بھاگتی اب وہ کمرے کے دروازے میں آ کھڑی ہوئی اور اس کے سامنے ہی کمرے کے کونے میں پیانوں کے سامنے ولیم بیٹھا تھا۔ دروازے کی جانب اس کی پیٹھ تھی۔

یہ لونگ روم تھا جس میں ایک جانب ڈھیروں کتابیں لکڑی کی شیلفوں میں سجی ہوئی تھیں۔ دوسری دیوار پر مسٹر جوزف کے کئی میڈل اور ایوارڈ سجے تھے۔ تیسری دیوار کے سامنے صوفے رکھے تھے اور چوتھی دیوار جس میں قد آور کھڑکی تھی اس کے سامنے وہ پیانو رکھا تھا جسے اس وقت ولیم بجا رہا تھا۔ پیانوں کے دونوں اطراف میں بڑے بڑے لکڑی کے اسٹینڈ تھے جن پر موم بتیاں رکھی جل رہی تھیں۔

نینسی قدم قدم چلتی اس کی جانب بڑھی۔ لمبے اسٹول پر دو لوگ آرام سے بیٹھ سکتے تھے۔ وہ بھوری کھلی پینٹ پر سفید اونی گول گلے والی اوور سائزڈ شرٹ پہنے، بکھرے بال، الجھا ذہن اور بگڑا مزاج لیے بیٹھا تھا۔

نینسی اس کے قریب پہنچ کر ساتھ بیٹھ گئی۔ یہاں بیٹھ کر پیانو کے پار کھڑکی سے باہر اڑتے برف کے گالے آرام سے دیکھے جا سکتے تھے۔

جیسے ہی نینسی ولیم کے قریب بیٹھی ولیم کے ہاتھ رک گئے۔ اُداس دھن خاموش ہو گئی۔ جوزف پیلس پر چھایا سحر ٹوٹ گیا۔ وہ خاموش بیٹھا رہا۔ اٹھ کر جانا چاہتا تھا پر ہمت نہ ہوئی۔ اُس کے وجیہہ چہرے پر غصہ واضح تھا لیکن اِس وقت وہ خود کو بے بس محسوس کر رہا تھا۔

"دوستی کا پہلا اُصول زیادہ دیر ناراض نہیں رہتے۔" نینسی نے ہولے سے کہا۔

"دوسرا اصول دوستوں سے باتیں نہیں چھپاتے۔" وہ تڑخ کر بولا۔

"ایم سوری ولیم۔۔" وہ شرمندہ ہوئی۔

"تمہارے لیے وہ انسان اتنا عزیز ہو گیا ہے نینسی کہ ہماری کوئی اہمیت نہیں رہی؟؟" وہ شکوہ کناں لہجے میں بولا۔

"اہمیت ہے ولیم۔ اہمیت ہے۔" وہ ولیم کا ہاتھ تھامتے بولی۔

"جھوٹ۔۔۔" اس نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑایا۔

" پہلی بار دل ٹوٹا ہے ولیم میں برداشت نہیں کر پائی۔۔" وہ پھیکا سا مسکرائی۔ دونوں ایک دوسرے کو نہیں دیکھ رہے تھے۔

" وعدہ کرو نینسی دوبارہ خود کے ساتھ ظلم نہیں کرو گی۔۔" وہ اسکی جانب مڑتے بولا۔

" اب ایسا کچھ نہیں ہو گا پکا وعدہ۔۔" وہ مسکرا دی۔ اپنی طرف سے پوری کوشش کر رہی تھی کہ اس شخص سے دور رہے لیکن وہ نہیں جانتی تھی آسیب کا راستی جلدی پیچھا نہیں چھوڑتا۔

" تم ہماری فیورٹ دھن بجاؤ نا۔۔" نینسی نے ہمیشہ کی طرح اس کے کندھے پر سر ٹکا دیا۔ وہ اس شخص کو نہیں سوچنا چاہتی تھی جو ذہن سے چپک گیا تھا اور جس کے الفاظ اسے سونے ہی نہیں دیتے تھے۔

"تم جیسی بزدل لڑکی محبت نہیں کر سکتی۔ آخر کر ہی کیا سکتی تم میرے لیے؟؟" سماعت میں چند الفاظ گڈمڈ کرنے لگے۔

" دور رہو مجھ سے۔۔" اس کے کندھے پر سر رکھنے پر ولیم برا سا منہ بناتے بولا۔ نینسی نے مسکرا کر آنکھیں کھول دیں۔ سامنے ہی گلاس ونڈو پر گرتی برف واضح تھی۔

" کبھی کبھی سوچتی ہوں وہ لڑکی کتنی خوش قسمت ہو گی جس سے تمہیں محبت ہو گی۔" وہ ہولے سے مسکرا کر بولی۔ ولیم کی انگلیاں ہولے ہولے کیز پر پھسل رہی تھیں۔

" ایسی کوئی لڑکی پیدا نہیں ہوئی۔۔۔" وہ اسی انداز میں بولا۔

"تم مجھ سے محبت کرلو۔۔" وہ اب شرارتاً بولی۔

"اس سے پہلے میں خودکشی نہ کرلوں۔۔" وہ بھنا کر بولا۔

"کیا ہو گا جب ولیم جوزف کو محبت ہو گی۔۔" وہ اب پرسکون ہو رہی تھی۔ اس آسیب کا رکا دیا درد کم ہوتا جا رہا تھا۔ ولیم کے پہلو میں سکون ہی سکون تھا۔ وہ شخص ایسا کیوں تھا؟ وہ بس سوچے گئی۔

"میرا کوئی ارادہ نہیں تمہاری طرح عقل سے پیدل ہونے کا۔ میں حیران ہوں کہ انسان محبت میں اتنا بے وقوف کیسے ہو جاتا ہے۔ تف ہے ایسی محبت پر۔۔" وہ اسی انداز میں بولتا گیا جبکہ نینسی نے اپنی پلکوں پر بھاری پن اترتا محسوس کیا۔ اُس نے دھیرے سے آنکھیں دوبارہ موند لیں۔

"میں دیکھنا چاہتی ہوں وہ پل جب تم اپنا دل نکال کر اُس کے قدموں میں رکھنے سے دریغ نہیں کرو گے۔" وہ ہولے ہولے بڑبڑانے لگی جبکہ ولیم کی انگلیاں بہت دھیمی اور پرسکون سی دھن بجا رہی تھیں۔

"میں اتنا پاگل نہیں ہوں کہ ایک محبت کے لیے باقی محبتیں بھول جاؤں۔۔" وہ گردن اکڑا کر بولا۔

"ولیم جوزف تم اُس ایک محبت کے لیے خود کو بھی بھول جاؤ گے۔" کتنا یقین تھا اسے۔

" ایسا نہیں ہو گا مجھے ذلیل ہونے کا شوق نہیں ہے۔ "

وہ ہولے سے بڑبڑایا اور پھر نینسی کے جواب کا انتظار کرنے لگا پر وہ شاید سو چکی تھی۔ ولیم اس کی سب سے محفوظ جگہ تھا۔ اس جیسا تحفظ اسے کہیں نہیں ملتا تھا۔

وقت تیزی سے بھاگنے لگا۔ اب ان دونوں کی پشت نظر آ رہی تھی۔ سفید فراک اور سفید شرٹ والا لڑکا۔ پھر کمرے کا دروازہ پھر راہداری۔ پھر سیڑھیاں پھر لاؤنج اور پھر جوزف پیلس چھوڑ کر آسمانوں کی جانب اڑان بھری۔ جوزف پیلس کی اوپری منزل کی کھڑکی سے ایک منظر واضح تھا۔ وہ دونوں پیانوں کے سامنے بیٹھے تھے اور پھر رخ تیزی سے آسمان کی جانب کر لیا گیا۔ ہواؤں کو چیرتا ہوا وہ سات سمندر پار بڑھ رہا تھا۔ وہاں جہاں وہ لڑکی پہلے ہی پیدا ہو چکی تھی۔

✿••✿••✿••✿

جاری ہے۔

* * * * * * *

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔۔۔

السلام علیکم احباب۔۔۔۔"

"ناولز کی دنیا" کے ناولز میں خوش آمدید ----

ناولز کی دنیا (NKD) کی جانب سے ناولز کو بغیر کسی غلطی کے آپ تک پہچانے کی کوشش کی گئی۔ اگر کوئی غلطی اس میں ملتی ہے تو اسے محض اتفاق سمجھا جائے۔ کیونکہ ناول کو پورا پروف ریڈ کر کے ہی پبلش کیا جاتا ہے چوک ہونا محض اتفاق ہوگا۔۔

نئے اور مختلف لکھنے والوں کے لیے "ناولز کی دنیا" ویب سائیٹ /گروپ / پیج / یوٹیوب چینل دے رہا ہے تمام لکھاریوں کو ایک ایسا پلیٹ فارم جہاں آپ اپنی خدا داد صلاحیتوں کو اپنے قلم سے تحریر کر کے اپنا اور اپنے ملک کا نام روشن کر سکتے ہیں --- اگر آپ کو بھی اللہ کی طرف سے یہ صلاحیت دی گئی ہے تو اسے اجاگر ضرور کریں --- ہمیں آپ جیسے ہی لکھاریوں کی تلاش اور ضرورت ہے---

اگر آپ ہمارے بلاگز پر اپنا ناول، ناولٹ،افسانہ،کالم،آرٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ہم سے رابطہ کریں ۔۔ اپنی تحریر اردو میں ٹائیپ کرکے ہمیں بھیجیں۔ جتنا جلدی ہوسکا آپکی تحریر پوسٹ ہوجائے گی ۔۔۔

مزید تفصیلات یا کسی بھی طرح کی مدد کے لیئے ہم سے گروپ یا پیج انباکس میں رابطہ کریں یا ای میل پر ہم سے رابطہ کرسکتے ہیں۔۔

Email address :- Novelskiduniya77@gmail.com

Facebook page :- Novels ki duniya

(user name @zoyatalib77)

Facebook group :- Novels ki duniya

Instagram Page:- Nkd (ZT) (UserName: Novelskiduniya77)

Youtube Channel: Novels Ki Dunya (NKD) Official

(پر خیال رہے کہ یہ گروپ زویا طالب کا ہی ہو) اور باقی کے رابطے کے لیئے ہر پیج کے نیچے **Blue** الفاظ میں لکھے لفظ میں آپکو لنکس مل جائے گے شکریہ۔۔۔۔

"باب سوئم: آسیب کار"

قسط نمبر:5

کچھ زخم ناسور ہوتے ہیں۔ وہ کبھی نہیں بھرتے۔ اُنکی کوئی مرہم پٹی نہیں ہوتی۔ ایسے زخم بس ہمیں تکلیف پہنچاتے ہیں کیونکہ وہ آسیب کار ہوتے ہیں اُنکا کام یہی ہوتا ہے تکلیف پہنچانا اور آسیب کاروں میں سب سے بڑا آسیب کار ناکام محبت ہے۔

معراج الدین کو گزرے پانچ دن ہو چکے تھے۔ پہلے تین دن کھانا محلے والوں کی طرف سے آتا رہا اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ چولہا کئی دنوں سے بند تھا۔ کبھی کوئی محلے والی سالن کی پیالی بھیج دیتی کبھی کوئی چاولوں کی پلیٹ۔ اماں اکیلی رہ گئی تھی۔ معراج الدین کا یوں اچانک کچھ کہنے سنے بنا چلے جانا انہیں توڑ گیا تھا جبکہ فجر کو تو لگ رہا تھا جیسے یہ ایک برا خواب تھا یہ اس کی دنیا تھی ہی نہیں۔ ایسا برا خواب جو ختم ہی نہیں ہو رہا تھا۔

وہ بستر پر چت لیٹی تھی۔ دونوں ہاتھ سینے پر سجائے وہ چھت سے لٹکتا پنکھا دیکھ رہی تھی۔ کہرے جیسے جاڑے میں گرم بستر اسے جہاں سکون بخش رہا وہیں اماں کی دی گئی چوٹ بے طرح دکھتی تھی۔ کوئی مرہم نہیں تھا کوئی پٹی نہیں

تھی۔ کوئی اِس غم میں اُسکا ساتھی نہیں تھا۔ اس نے تو ارسل کے علاوہ کوئی دوست کوئی ساتھی بنایا ہی نہیں تھا۔ اس نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا اسے ارسل کے علاوہ کسی کی ضرورت پڑے گی۔ وہ یونہی خالی خالی نظروں سے پنکھے کو گھورتی رہی جب تکیے کے نیچے رکھا فون تھرتھرانے لگا۔ وہ چونک کر خیالوں سے باہر آئی۔ اس کا فون پچھلے پانچ دنوں سے بند تھا۔ آج ہی اس نے فون چارج کیا تھا۔ تکیے کے نیچے رکھا فون اٹھانے کے لیے ذرا سی کروٹ لی تو درد کی ٹیس پوری جسم میں پھیل گئی۔ وہ بلبلا اٹھی۔ چہرے کے خوبصورت نقوش میں تکلیف پھیل گئی۔ اس نے بمشکل کروٹ لی اور گھٹنے سکیڑ کر سینے سے لگا لیے۔ آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر گئی اور پھر فون اٹھا کر دیکھا تو "**نرگسی آدمی**" لکھا چمک رہا تھا۔ یہ اس کا کلاس فیلو صفدر تھا۔ اس کا پروجیکٹ پارٹنر۔

"ہیلو۔۔" تکلیف پر قابو پاتے وہ ہولے سے بولی۔

"محترمہ تمہیں شوق ہو گا فیل ہونے کا مجھے نہیں ہے۔ تمہاری وجہ سے ہمارا پروجیکٹ سب پیچھے ہے۔ کہاں ہو تم۔۔؟؟" غصے بھری آواز اُبھری اور کوئی خواب سا ٹوٹ گیا۔

"تمہیں تو دنیا کی سب سے بڑی کاسٹیوم ڈیزائنر بننا تھا نا؟؟ ایسے بنا جاتا ہے ڈیزائنر؟؟" وہ شدید غصہ تھا۔

"پچھلے کئی دنوں سے تمہیں فون کر رہا ہوں۔ ایک ہفتہ ہو گیا ہے تمہیں غائب ہوئے۔ تمہیں اندازہ ہے میرا کتنا نقصان ہوا ہے؟؟" وہ پچھلے سات دنوں کی بھڑاس نکال رہا تھا۔ وہ کچھ نہ بولی۔ بولنے کو کچھ تھا ہی نہیں۔

"تم سن رہی ہو؟؟"

"ہاں۔۔۔" وہ بس اتنا ہی کہہ پائی۔

"مجھے یقین نہیں ہوتا یہ تم ہو فجر۔ تم اتنی لاپرواہ کب سے ہو گئی ہو؟؟" وہ بے بسی سے بولا۔ جبکہ فجر یونہی لیتی ہونٹ کچلتی رہی۔

"میں آرہی ہوں۔۔" وہ بنا اس کا جواب سنے فون بند کر چکی تھی اور پھر جسم سے اٹھتی تکلیف پر قابو پاتے اٹھ کھڑی ہوئی۔

وہ ارسل کے لیے اپنا خواب چھوڑ دینے کو تیار تھی پر اب وہ نہیں تھا تو خواب سہی۔ اُسے اب خواب ہی پورا کرنا تھا۔ وہ بستر سے اٹھی۔ بال جوڑے میں باندھ لیے۔ بیڈ پر بیٹھتے جھک کر بند جوتے پہننے لگی تو منہ سے درد کی کراہ نکل گئی۔ اس کی کمر اس کی ہڈیاں بلبلا رہی تھیں۔ تکلیف کو دباتے وہ جوتے پہن کر چادر لپیٹتی، بیگ اٹھائے کمرے سے باہر نکل آئی۔ اب اسے فرق نہیں پڑتا تھا وہ کیسی دکھتی تھی۔ وہ جس کے خیالوں سے خود کو سجاتی تھی وہ اب نہیں تھا۔ باہر ناہموار صحن میں چٹائی بچھائے اماں محلے ہی چند عورتوں کے ساتھ گھٹلیاں پڑھ رہی تھی۔

"دیکھ باپ کی موت کے بعد فجر آج نظر آئی ہے۔" اسے دیکھ کر ہی تبصرہ کیا گیا۔ اماں سن چکی تھی پر یونہی بیٹھی رہی۔ وہ جیسے فجر سے سارے تعلق توڑ چکی تھی۔ جیسے وہ اس کی بیٹی تھی ہی نہیں۔ فجر نے بھی ان پر دھیان نہیں دیا۔ اس گھر سے اس محلے سے اسے نکلنا تھا اور اس لیے ضروری تھا کہ وہ اپنے اس خواب کو پورا کرتی جو اس نے خوشی خوشی دیکھا تھا شائد ایسے ہی تکلیف میں کچھ کمی آجاتی۔

وہ تیز تیز چلتی گھر کا ٹوٹا پھوٹا گیٹ کھول کر باہر نکل گئی۔ آج دھوپ نکلی تھی لیکن سردی کی شدت مزید بڑھ گئی تھی کیونکہ دھوپ کے ساتھ ساتھ ٹھنڈی ہوا چل ہی تھی۔

وہ کسی روبوٹ کی طرح چلتی جارہی تھی۔ گلی سے گزرتے محلے کے چند لوگوں نے اسے ترحم بھری نظروں سے دیکھا۔ وہ ان نظروں سے واقف تھی اور اسے یہ نظریں گولی کی طرح چبھتی تھیں۔ اسے ان نظروں سے خود کو چھڑانا تھا اسے یتیم مسکین نامی عنوان سے باہر نکلنا تھا اور اس کے لیے ضروری تھا وہ کیا جاتا جو اس نے سوچ رکھا تھا۔

✿••✿••✿••✿

"تمہیں کیا لگتا ہے بیٹی ہو گی یا بیٹا۔۔؟؟" جوزف نے پہلو میں اُسکے سینے سے سر ٹکائے بیٹھی افق نے پوچھا۔

جوزف پر جوش تھا۔ وہ بھی خوش تھی لیکن ایک پچھتاوہ تھا جو پیچھا نہیں چھوڑتا تھا۔ ماں باپ کو چھوڑ دینے کا پچھتاوہ لیکن وہ جوزف کے سامنے ظاہر نہیں کرتی تھی۔ وہ اُسے بہت خوش رکھ رہا تھا۔ وہ جس قدر اُس سے محبت کرتا تھا کبھی کبھی افق کو خود پر رشک آتا لیکن کیا ایک محبت کافی تھی؟؟

جوزف دونوں بیویوں میں انصاف کی پوری کوشش کرتا۔ اس نے اپنے باپ کا پروڈکشن ہاؤس سنبھال لیا تھا کیونکہ حال ہی میں انکا انتقال ہوا تھا اور ساری زمہ داری اب جوزف پر تھی۔ وہ تین دن اگر افق کے پاس ہوتا تو دو دن اپنی پہلی بیوی کو لازمی دیتا اور باقی دن کام میں بیتا دیتا۔

"جو بھی ہو گا ہمارا ہو گا۔۔" اس نے اُفق کی ہتھیلی لبوں سے لگائی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے بہترین ساتھی تھے۔ دونوں اپنے عقائد پر قائم تھے۔ جوزف چرچ جاتا تو افق بھی اپنی نمازوں کو پورا کرنے کی کوشش کرتی۔

"مجھے لگتا ہے بیٹا ہو گا۔" کتھئی آنکھوں والی افق کو پورا یقین تھا۔

"اچھا پھر؟؟" وہ اس کے دماغ میں چلتی سوچیں جاننے کی کوشش کر رہا تھا۔

"مجھے ولی نام بہت اچھا لگتا ہے۔ ہم اس کا نام ولی رکھ سکتے ہیں؟؟" وہ گھبرا ابھی رہی تھی کہ کہیں جوزف اس نام پر اعتراض نہ کرے۔ وہ اس کی بات سن کر سوچ میں پڑ گیا۔

"مجھے ولیم نام بہت پسند ہے۔" وہ ہولے سے بولا جبکہ افق گہری سوچ میں پڑ گئی۔

"ولیم ولی۔۔؟؟" کچھ دیر بعد وہ سوچتے ہوئے بولی۔

"ولیم ولی کیسا رہے گا۔۔؟؟" اب وہ سینے سے سر اٹھائے سوالیہ نظروں سے جوزف کے دلکش چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ جوزف نے آنکھیں کھول کر افق کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں جلتے جگنوں اس وقت بھلے لگے۔ انہیں نوچ لینے کی ہمت نہیں ہوئی۔

"ٹھیک ہے۔ ہم ولیم ولی رکھ لیں گے۔ ولیم ولی جوزف۔۔" وہ ذرا سا جھک کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے بولا تو افق کو اپنے اندر ایک نرم گرم سی تاثیر اترتی محسوس ہوئی۔ اس پل وہ دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی تھی جس کے پاس اس کی محبت تھی۔ محبت بھی جوزف پیٹرسن جیسے شخص کی۔

✿••✿••✿••✿

وہ ڈیپارٹمنٹ میں صفدر کے ساتھ بیٹھی تھی اور صفدر حیرت سے فجر کو دیکھے جا رہا تھا۔ یہ وہ فجر تو نہیں تھی جس کی ایک نظر ہلچل مچا دیتی تھی۔ سفید سوگ میں لپٹی چادر لیے یہ فجر معراج جانے کون تھی۔ صرف صفدر ہی نہیں باقی کلاس فیلوز بھی اسے دیکھ کر حیران ہوئے تھے۔ وہ ایک ہفتہ غائب رہی تھی اور جب واپس لوٹی تو بالکل بدل گئی۔

"تم ٹھیک ہو؟؟" وہ اب پریشانی سے پوچھنے لگا۔

"ہاں میں ٹھیک ہوں۔" وہ بس اتنا ہی کہہ پائی۔

"گھر میں سب ٹھیک ہیں نا۔۔؟؟" کچھ تو غلط تھا۔ وہ ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔

"ابا نہیں رہے۔" عام سے لہجے میں کہتی فجر صفدر کو ساکت کر گئی۔ وہ اب فون نکالے سوشل میڈیا دیکھ رہی تھی جیسے اسے فرق ہی نہ پڑتا ہو۔ ارسل کو اُس نے ہر جگہ سے بلاک کر دیا تھا یہاں تک کہ اُس نے اپنا نمبر بھی بدل لیا تھا۔ یونیورسٹی آتے ہوئے وہ نئی سم لائی تھی۔

"معذرت مجھے پتا نہیں تھا۔" وہ اب پشیمانی سے کہنے لگا جبکہ نظریں فجر کے چہرے پر جمی تھیں جو سرد سپاٹ تھا۔ اُس کا باپ مر گیا تھا۔ اب پتا چلا تھا اس کی حالت ایسی کیوں تھی۔

" معذرت کی ضرورت نہیں ہے نر کسی آدمی۔ اُنکا وقت آ گیا تھا۔ ہر ایک کا وقت آنا ہے۔" کتنا عام سا لہجہ تھا جیسے مرنے والا اُسکا نہیں کسی اور کا باپ ہو۔ کئی لمحے خاموشی چھائی رہی۔ صفدر کو سمجھ نہ آیا کیا بولے۔ فجر پہلے بھی کسی کو منہ نہیں لگاتی تھی لیکن ہنسنا مسکرانا اور لڑکوں کے دل پر بجلی گرانا اسے خوب آتا تھا پر اب تو وہ ہنسنا جیسے بھول ہی گئی تھی۔

" آج آخری دن ہے۔ سب اپنا پراجیکٹ آئیڈیا پیش کرنے والے ہیں۔ سب ریڈی ہیں۔ تم بتاؤ ہم کیا پیش کریں گے؟ میرے دماغ میں تو کچھ ہے ہی نہیں۔ اگر آج ہم نے آئیڈیا نہیں پیش کیا تو ہمارا سال ضائع ہو سکتا ہے۔" وہ پریشان تھا۔ اُنکی یونیورسٹی ملک کی مہنگی ترین اور مشہور یونیورسٹی تھی اور اس بار وہ ملک کے نامور ڈیزائنرز کو جیوری کے طور پر بلا رہے تھے۔ یہ ایک سنہری موقع تھا اسٹوڈنٹس کے پاس کہ وہ اپنا ٹیلنٹ دکھاتے اور بدلے میں اُنہیں چن لیا جاتا۔ وہ سیدھا کسی بڑی فیشن ڈیزائنر کمپنی کا حصہ بن سکتے تھے۔ صفدر پریشان تھا جبکہ موبائل کی اسکرین پر پھسلتی فجر کی انگلیاں ساکت ہو گئیں۔

وہ ارسل تھا۔ ارسل برہان گردیزی۔ اپنے باپ کے ساتھ کھڑا تھا۔ اُسکی کل منگنی ہوئی تھی اور جس بڑے پیمانے پر منگنی کی رسومات ادا کی گئی تھیں وہ خبر پورے سوشل میڈیا پر گردش کر رہی تھی۔ اُس کا ہاتھ کانپ اٹھا۔

محبوب کو کسی اور کا ہوتے دیکھنا سب سے دردناک لمحہ ہوتا ہے۔ دل سکڑ کر پھیلا تھا۔ وہ یونہی خالی خالی نظروں سے مسکراتے ارسل کو دیکھتی رہی۔ اسکے نام کی انگوٹھی فجر کو پہننی تھی۔ اسکے نام کے ساتھ اپنا نام جوڑنا تھا۔ اسے لگ رہا تھا سب ٹھیک ہو گیا تھا۔ ارسل آیا اور چلا گیا۔ وہ ولیم سے نکاح کر کے سب کو تکلیف پہنچا کر اپنا بدلہ لے چکی تھی لیکن یہ کونسی تکلیف تھی جو اسے سانس نہیں لینے دے رہی تھی۔ وہ بھول گئی تھی آسیب کار اتنی جلدی پیچھا نہیں چھوڑتے۔

وہ یونہی دیکھے گئی۔ صفدر کچھ کہہ رہا تھا لیکن سنائی کہاں دے رہا تھا۔ اُسکی سماعت میں ارسل کے تمام وعدے گونج گئے۔

"اگر منگنی ایسی تھی تو شادی کیسی ہو گی؟؟" لوگ ستائش سے تبصرے کر رہے تھے۔

اُسکی دلہن تو فجر کو بننا تھا۔ تو کیا وہ کسی اور لڑکی کے ساتھ وہ سارے لمحات جیے گا جو اسے جینے تھے؟ آنکھیں پھر سے نم ہونے لگیں۔

"کیا دیکھ رہی ہو فون میں؟ میں تم سے بات کر رہا ہوں فجر۔" صفدر نے اس کا فون جھپٹا اور وہ جیسے کسی ٹرانس سے نکلی۔ اپنے سامنے بیٹھے صفدر کو دیکھا۔

" بتاؤ کیا کریں گے ہم آج؟ کوئی آئیڈیا دو۔ "

کئی لمحے وہ پریشان سے صفدر کو دیکھتی رہی اور پھر بے ساختہ بولی۔

"برائیڈل گاؤن۔" وہ ہولے سے بڑبڑائی۔

"کیا؟؟ برائیڈل گاؤن؟؟ یہ آئیڈیا بہت پرانا ہو چکا ہے فجر۔ کوئی ہمیں دیکھے گا بھی نہیں۔" وہ مایوس ہوا۔ کم از کم اسے فجر سے اتنے عام اور بیسک آئیڈیا کی توقع نہیں تھی۔

"سب ہمیں ہی دیکھیں گے۔" وہ سیدھی ہو بیٹھی۔ گردن اکڑ گئی۔ ٹھوڑی اونچی کی۔ آنکھوں میں عزم تھا۔ دنیا جیت لینے کا عزم۔ ارسل برہان گردیزی سے زیادہ اونچائیاں چھونے کا عزم۔ صفدر کو ایک لمحے کے لیے وہ پرانی فجر معراج لگی۔ آگ لگا دینے والی فجر معراج۔ آنکھوں میں آئی نمی وہ اندر ہی پی گئی۔

"تمہارے دماغ میں چل کیا رہا ہے فجر۔۔؟؟" وہ تھوڑا سا اس کی جانب جھکتے ہوئے رازدانہ انداز میں پوچھنے لگا۔

فجر نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا اور پھر میز پر رکھے بیگ سے اپنی اسکیچ بک اور پینسل نکالی۔

اب وہ خالی صفحے پر تیزی سے کچھ اسکیچ کر رہی تھی جبکہ صفدر بھنویں سکیڑے اس کے تیزی سے چلتے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے خوابوں کا محل ٹوٹ گیا تھا۔ کانچ بکھرا پڑا تھا جو تکلیف دہ تھا اور اُسے اب اِسی ٹوٹے کانچ سے ایک نیا خواب بننا تھا۔ وہ خواب جسے صرف وہ نہیں بلکہ اُس کے ساتھ پوری دنیا دیکھتی۔ پوری دنیا جیتی۔

✿••✿••✿••✿

یہ دو دن بعد کی بات تھی۔ جارج واپس چلا گیا تھا جبکہ نینسی ابھی چھٹیوں پر تھی۔ ولیم پریکٹس کے لیے گیا تھا جبکہ وہ دونوں نساء کے کمرے میں تھیں۔ کرسمس آنے والی تھی اور جارج کرسمس پر واپس آجاتا۔

وہ اور نساء آنے والی کرسمس کی پلاننگ کر رہی تھیں جب اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔

"آجائیں۔۔" نساء کی آواز پر دروازہ کھلا۔ صوفی دروازے پر کھڑی تھی۔

"مسٹر جوزف آپکو بلا رہے ہیں۔۔" نینسی کو مسٹر جوزف کا بلاوہ دے کر صوفی واپس پلٹ گئی جبکہ نینسی کا دل ڈوب کر ابھرا۔ اُس نے بے ساختہ انیس سالہ نساء کو دیکھا جو پہلے ہی اُسے دیکھ رہی تھی۔ سنہری بالوں والی نینسی جان گئی تھی اسے کیوں طلب کیا گیا تھا۔

" پریشان مت ہوں سب ٹھیک ہو جائے گا۔۔" نساء نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھاما۔ نینسی زبردستی مسکرائی اور پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اب اس کا رخ مسٹر جوزف کے کمرے کی جانب تھا۔ کسی کو اُنکے کمرے میں جانے کی اجازت نہیں تھی۔ وہ لاؤنج میں ہی ضروری باتیں کر لیتے تھے پر اگر بات حد درجہ اہم ہوتی تو پھر مسٹر جوزف کے کمرے میں میٹنگ ہوتی۔

کچھ دیر بعد نینسی اُنکے کمرے کے باہر کھڑی تھی۔ دھڑکتے دل پر قابو پاتے اس نے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے مسٹر جوزف کی آواز ابھری تو نینسی نے دھڑکتے دل کے ساتھ دروازہ کھولا۔ وہ قدم بڑھا کر اندر داخل ہو گئی۔ مسٹر جوزف کا کمرہ کھلا اور آرام دہ تھا۔ کمرے میں رکھے فرنیچر کا رنگ گہرہ سیاہ تھا۔ پردے سرمئی تھے اور دیواروں کا رنگ ہلکا سرمئی تھا۔ وہ بیڈ کے مخالف دیوار کے سامنے کھڑے تھے۔ نینسی کی جانب انکی پشت تھی۔ دیوار پر بہت ساری تصویریں ٹنگی تھیں۔ بچوں کے بچپن کی تصویریں۔ نینسی کے ماں باپ کے ساتھ اس کے بچپن کی تصویر بھی تھی۔ وہ اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

"آپ نے بلایا انکل؟؟" وہ اب سر جھکائے ادب سے کھڑی تھی۔ مسٹر جوزف اس کی آواز پر پلٹے۔ سیاہ ڈریس پینٹ میں ملبوس مسٹر جوزف اس وقت کمرے کی شان بڑھا رہے تھے۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ یونہی کھڑے نینسی کو دیکھتے رہے اور پھر دیوار کے ساتھ رکھے دو سنگل صوفوں میں سے ایک پر بیٹھ گئے۔ صوفے کا رنگ سیاہ تھا اور دونوں صوفوں کے درمیان رکھا میز گہرا سرمئی تھا جس پر اس وقت ایک مشعل رکھی جل رہی تھی۔

"آؤ نینسی بیٹھو۔" انہوں نے نرم لہجے میں نینسی کو پکارہ تو نینسی اثبات میں سر ہلاتی قدم قدم چلتی اُنکے سامنے والے صوفے پر ٹک گئی۔ سر اٹھا کر اُنہیں دیکھا اور ہلکا سا مسکرائی۔ بدلے میں وہ بھی مسکرا دیئے۔

"کیسی طبیعت ہے اب؟؟" وہ صوفے سے پشت ٹکائے بیٹھے۔ ٹانگ پر ٹانگ جمائے اس وقت وہ ہر خوبصورتی کو مات دینے کی صلاحیت رکھتے تھے۔

"میں ٹھیک ہوں آپ کیسے ہیں؟؟" وہ اب خود پر کافی حد تک قابو پا چکی تھی۔ مسٹر جوزف نے ایک نظر اپنے سامنے بیٹھی نینسی کو دیکھا۔ ڈھیلے ڈھالے سے اونی ٹراؤزر شرٹ میں بالوں کی اونچی پونی ٹیل کیے وہ اس وقت بہت معصوم لگ رہی تھی۔ نینسی کے سوال پر انہوں نے ہولے سے سر اثبات میں ہلایا۔

"مجھے جارج نے بتایا لندن میں جو بھی ہوا۔" وہ نرم لہجے میں بولے تو نینسی کو اپنے دل کی دھڑکن تیز ہوتی محسوس ہوئی۔ چہرے پر سرخی چھا گئی۔ پلکیں جھک گئیں۔

"نینسی تم مجھے اتنی ہی عزیز ہو جتنی کہ نساء تم جانتی ہو نا۔۔؟؟ "

"جج۔۔جی۔۔" وہ اب بے چینی سے ہاتھ مسلنے لگی۔ ہتھیلیوں میں پسینا اتر آیا۔ وہ جو سوچتی تھی کہ اگر احمد مان گیا تو مسٹر جوزف سے وہ اپنی محبت اور حق کے لیے لڑ لے گی اسے اب احساس ہوا تھا اُن سے لڑنا تو دور، بات کرنا ہی روح فرساں تھا۔

"نینسی تم ابھی چھوٹی ہو۔ بہت سارے لوگ زندگی میں آئیں جائیں گے۔ بہت سارے رشتے بنیں گے۔ ہر رشتے کو لے کر یوں سنجیدہ ہونا شروع ہو گئی تو زندگی مشکل ہو جائے گی۔۔" وہ اب اسے سمجھانے لگے۔ نینسی مشعل پر نظریں جمائے انہیں سنتی رہی۔ وہ اب اٹھ کھڑے ہوئے اور پھر کمرے میں ایستادہ جہاز سائز کھڑکی میں جا

کھڑے ہوئے۔ہاتھ بڑھا کر پردہ کھینچ دیا۔گلاس ونڈو سے باہر موریفیلڈ میں اترتی شام واضح تھی۔چاروں جانب بس سفید برف تھی۔

" موو اون کرو نینسی۔میں نہیں چاہتا تم کسی انجان شخص کے لیے اپنا مستقبل اور میری عزت داؤ پر لگاؤ۔"اس بار ان کا لہجہ تھوڑا حکمیہ تھا۔نینسی نے چونک کر انہیں دیکھا۔وہ اب جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑے تھے۔نینسی انہیں دیکھتی رہی سمجھ نہ آیا وہ کہنا کیا چاہتے تھے۔

" آپ کی عزت؟؟میں سمجھی نہیں۔"وہ ہولے سے بڑبڑاتے کھڑی ہوئی۔مسٹر جوزف کھڑے تھے وہ کیسے بیٹھی رہ سکتی تھی۔

"تم لندن میں بے ہوش ہوئی ایک بریک اپ کی وجہ سے۔اگر یہ سب یہاں ایڈنبرا میں ہوا ہوتا اور میڈیا کو بھنک بھی پڑ جاتی تو جانتی ہو کیا ہوتا؟؟"انکا لہجہ حد درجہ سنجیدہ تھا۔نینسی کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی محسوس ہوئی۔

"انکل۔۔۔"اس نے مسٹر جوزف کو بے ساختہ پکارہ۔

"تم مجھے عزیز ہو نینسی اور میں چاہتا ہوں تم محبت جیسی فضولیات پر فی الوقت دھیان نہ دو۔اپنا کریئر بناؤ۔تمہارے لیے بہترین لڑکوں کی لائن لگ جائے گی۔"وہ جیسے حکم دے رہے تھے۔نینسی کو سمجھ نہ آیا کیا بولے۔

" اس بار کرسمس پارٹی جوزف پیلس میں منعقد ہو گی۔بہت سارے مہمان آئیں گے۔تم نئے دوست بناؤ۔اُس لڑکے کو بھول جاؤ۔اگر زیادہ مشکل ہو تو لندن مت جاؤ یہاں ایڈنبرا میں ہی اپنی پڑھائی مکمل کرو۔وہاں جانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔"

نینسی تو ساکت رہ گئی۔ یہ اُنکا فیصلہ تھا۔ وہ نینسی کی کم عمری کی محبت پر یقین نہیں کرتے تھے۔ ان کے لیے خاندان کی عزت اور حرمت ہر جذبے سے بڑھ کر تھی۔ یقیناً وہ ابھی یہ نہیں جانتے تھے وہ لڑکا مسلمان تھا اور نینسی سے عمر میں کافی بڑا تھا ورنہ غضب ہو جاتا۔

"میں لندن ضرور جاؤں گی پر کوشش کروں گی آپ کو شکایت کا موقع نہ ملے۔" وہ سنجیدہ لہجے میں بولی تو مسٹر جوزف نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ ان کے سامنے کھڑی نینسی اس وقت متضاد کیفیات کے زیر اثر تھی۔

"ٹھیک ہے ضرور جاؤ پر جانے سے پہلی میری ایک شرط ہے۔۔" اس بار چونکنے کی باری نینسی کی تھی۔

"میرے دوست البرٹ کو جانتی ہو؟؟" وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھے گئے۔

"نہیں۔۔" نینسی نے نفی میں گردن ہلائی۔

"البرٹ میرا بچپن کا دوست ہے۔ ایک کامیاب ڈائریکٹر وہ چاہتا ہے ہماری دوستی رشتہ داری میں بدل جائے وہ اس کرسمس پر اپنی فیملی کے ساتھ آرہا ہے۔ میں چاہتا ہوں تم ان کے بیٹوں سے اچھے سے پیش آؤ۔"

نینسی بے یقینی سے انہیں دیکھے گئی۔ دوسرے لفظوں میں انہوں نے واضح کر دیا تھا کہ محبت کی شادی کی اجازت نہیں تھی۔

"رشتے وہی کامیاب رہتے ہیں جو بڑوں کی باہمی رضامندی سے طے ہوں۔ محبت کی چاندنی بس چار دن برستی ہے۔ اُسکے بعد صرف اندھیرا ہی اندھیرا رہ جاتا ہے۔" وہ کہتے ہوئے رخ واپس کھڑکی کی جانب موڑ گئے۔ وہ اب پتا نہیں کھڑکی کے اس پار کیا ڈھونڈ رہے تھے۔ نینسی یونہی کھڑی رہی۔

"ٹھیک ہے انکل! میں کوشش کروں گی آپ کو شکایت کا موقع نہ ملے۔" کچھ دیر بعد اس کی مردہ سی آواز ابھری۔

مسٹر جوزف نے اپنی پرورش کی بڑی قیمت مانگی تھی۔ نینسی سر جھکا کر چلی گئی جبکہ مسٹر جوزف نے گہرا سانس لیا۔ وہ جانتے تھے اُنکے فیصلوں کے خلاف جانا اتنا آسان نہیں تھا۔

✿••✿••✿••✿

جوزف پیلس میں کرسمس کی رات جیسے پورا شہر امڈ آیا تھا۔ پہلی بار جوزف پیلس تک میڈیا کو رسائی ملی تھی۔ ڈھیروں کیمرہ مین وہاں موجود تھے۔ پیلس کی ہر زاویے سے تصویر لی جارہی تھی۔ پورا جوزف پیلس اندر سے سجا ہوا تھا۔ کرسمس ٹری کے ساتھ ساتھ بہترین کھانے مہمانوں کے منتظر تھے اور پھر کچھ دیر بعد ہی لمبی لمبی گاڑیاں پیلس کے باہر آکر رکنے لگیں۔ ملازموں کی پوری فوج جمع تھی۔

مشہور مصنف، اداکار، فنکار اور چمکتے ستارے سب باری باری آرہے تھے۔ محل کا نچلا حصہ بھر گیا تھا۔ نینی کی سربراہی میں ہر چیز پرفیکٹ تھی۔ جبکہ اوپری حصے میں سب کنفیوز سے گھوم رہے تھے سب سے زیادہ الجھا ہوا تھا جارج تھا۔ جو ہر وقت مسٹر جوزف کو خوش کرنے کی کوشش کرتا رہتا تھا اور اس وقت بھی ڈرا ہوا تھا کہیں کچھ غلط نہ ہو جائے۔ نینسی اپنے ہاتھوں سے نساء کو تیار کر رہی تھی۔ جوزف پیلس میں یہ پہلی تقریب تھی جہاں مشہور ستارے مدعو تھے۔ نساء اس تقریب کو لے کر بہت خوش تھی۔ ہلکے نیلے رنگ کی میکسی پہنے وہ سنڈریلا لگ رہی تھی۔ جبکہ جارج سرمئی بلیک تھری پیس پہنے ہوئے تھا۔

" ڈیفالٹ پیس دیکھو ذرا میں کیسا لگ رہا ہوں۔۔؟؟" وہ سب ولیم کے کمرے میں جمع تھے اور ولیم کی کنپٹی کی رگیں پھولی ہوئی تھیں۔ پہلی بات تو اسے سمجھ نہیں آرہا تھا مسٹر جوزف نے یہ تقریب اچانک جوزف پیلس میں کیوں منعقد کی تھی اور دوسرا اسے یہ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ سب نے اس کا کمرہ ڈریسنگ روم کیوں بنا دیا تھا؟

"یقین رکھو کوئی اداکارہ تم پر فدا نہیں ہونے والی تو اتنا تیار ہونے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔" اس نے عام سے لہجے میں کہتے جارج کو سلگانے کی کوشش کی۔

"گستاخ تمہاری ہمت کیسے ہوئی مہاراجہ جارج کی بے عزتی کرنے کی۔ تمہاری زبان کاٹ دی جائے گی۔" وہ آئینے میں ایک آخری نظر خود پر ڈالتے بولا۔

"ارے نکلو یار میرے کمرے سے رہ گئے تم مہاراجہ اور جاؤ جا کر اصلی مہاراجہ کے سامنے سر جھکاؤ۔" وہ اس بار اٹھ کھڑا ہوا۔ کب سے ان تینوں کو دیکھ رہا تھا۔ کسی کی ٹائی نہیں مل رہی تھی تو کسی کی جیولری۔

نینسی سیاہ میکسی پہنے ہوئے تھی۔ وہ بے پناہ حسین لگ رہی تھی۔ ہلکے میک اپ سے مزین چہرہ۔ بالوں کو کرل کیے وہ تیار تھی اور نساء کی تیاری آخری مراحل میں تھی۔

"بات تو صحیح ہے ڈیڈ میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔" وہ بالوں کو دوبادہ سیٹ کرتے بولا اور فٹافٹ کمرے سے باہر نکل گیا۔

"اور تم ذرا جلدی آؤ ورنہ ڈیڈ کا پارہ ہائی ہو جائے گا۔" اچانک دروازہ پر اس کا سر نمودار ہوا۔ ولیم کی وجہ سے مسٹر جوزف کا موڈ اکثر خراب ہوتا تھا اور پھر عتاب کر شکار وہ سب ہوتے۔ وہ جا چکا تھا۔

"پرفیکٹ۔۔" نساء کو آئینے کے سامنے کھڑا کرتی نینسی مسکرائی۔ وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔

"چلو چلتے ہیں۔" نساء خوشی سے اس کا ہاتھ تھامتے بولی۔

"تم چلو میں یہ سامان رکھ کر آتی ہوں۔" وہ اپنے بکھرے سامان کی جانب انگلی کرتے بولی تو نساء اثبات میں گردن ہلا کر چلی گئی جبکہ نینسی اب میک اپ کا سامان واپس ڈبوں میں رکھ رہی تھی۔ جبکہ ولیم بیڈ پر چت لیٹا تھا۔ اسکے پاؤں نیچے لٹک رہے تھے جن میں ابھی تک جوگرز تھے۔ اسے نینسی الجھی نظر آئی۔

"تم ٹھیک ہو۔۔؟؟" ولیم نے اسے دیکھتے پوچھا۔

"ہاں میں بالکل ٹھیک ہوں۔" وہ اب تیزی سے ڈبے بیگ میں ڈال رہی تھی۔

"اچھی لگ رہی ہو۔" وہ ہولے سے بڑبڑایا تو نینسی مسکرا دی۔ ساری پریشانی جیسے دور جا سوئی۔

"ارے واہ! آج تو ولیم جوزف نے تعریف کی ہے خدا خیر کرے۔" وہ شریر ہوئی۔

"اس لیے کی ہے تاکہ تم کسی اور لڑکے کی تعریف پر پھیل نہ جاؤ۔" وہ ولیم ہی کیا جو قبول کر لے کہ نینسی حسین تھی۔

"اوکے اوکے سمجھ گئی اب تم بھی جلدی نیچے آؤ اِس سے پہلے کہ انکل تمہاری غیر موجودگی محسوس کریں اور ان کا پارہ آسمان کو چھوئے۔" وہ اسے تنبیہہ کرتی کمرے سے نکل گئی جبکہ ولیم گہرا سانس لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔ الماری میں لٹکے ایک نظر اپنے سیاہ ڈریس کو دیکھا اور پھر سر جھٹکتا باتھروم میں چلا گیا اسے بھی تیار ہو کر عجیب و غریب اور نقلی لوگوں سے ملنا تھا۔

بیس منٹ بعد وہ تیار ہو کر لکڑی کی چوڑی اور بھاری سیڑھیوں پر نمودار ہوا تو پل بھر کو ٹھہر گیا۔ جوزف پیلس کا تو اندرونی نقشہ ہی جیسے بدل گیا۔ ہاتھوں میں مشروب کی ٹرے تھامے بہت سارے ویٹر گھوم رہے تھے۔ اس نے سیاہ

تھری پیس سوٹ پہلی بار پہنا تھا۔ سیفد ڈریس شرٹ کے ساتھ سیاہ پینٹ اور سیاہ کوٹ پہنے کتھئی آنکھوں والا ولیم جوزف پتا نہیں کتنے دل دھڑکانے آگیا تھا۔

اس نے طائرانہ سی نظر چاروں جانب ڈالی۔ نینی، صوفی کی سربراہی میں کھڑے کئی ملازموں سے کچھ کہہ رہی تھیں۔ نینسی اور نساء ایک لڑکی اور دو لڑکوں کے گروہ میں کھڑی تھیں۔ یقیناً وہ ابھرتے یا پھر چمکتے ستارے ہوں گے۔

مسٹر جوزف اسے سوٹڈ بوٹڈ لوگوں کے حلقے میں گھرے نظر آئے جبکہ جارج نظر نہیں آرہا تھا یقیناً وہ مہمانوں کا استقبال کر رہا ہو گا۔ پورے پیلس میں گرمائش تھی۔ ولیم نے گہرا سانس لیا اور پھر اپنا کوٹ اتار لیا اُسے یہ سب عجیب لگ رہا تھا۔ وہ اب سیڑھیاں اتر رہا تھا جب مسٹر جوزف کی نظر اس پر پڑی اور پھر ٹھہر گئی۔ ان کی آنکھوں میں جہاں ستائش ابھری وہیں بے پناہ حسرتیں جاگ اٹھیں۔ کیا ہوتا اگر وہ ایک فوٹو شوٹ کر لیتا تو آج ہر زبان پر اس کا نام ہوتا۔

کاش۔۔۔! کاش۔۔۔! وہ اپنے باپ کی لاج رکھ لیتا۔ لیکن وہ ولیم ہی کیا جو مسٹر جوزف کا دل رکھ لے۔

ولیم کی نظر مسٹر جوزف پر پڑی تو مسٹر جوزف نے اُسے اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا۔

"ارے جوزف یہ کون ہے؟؟" البرٹ اُسے دیکھتے ہی بولا۔

"یہ ولیم ہے میرا چھوٹا بیٹا۔" انکا سینہ پھول گیا۔

"ارے بھئی کیوں چھپا رکھا ہے یہ ہیرا؟؟ اُسکی چمک تو اندھا کر دینے والی ہے۔" ایسی بے باک سی تعریفیں یقیناً اسی فیلڈ میں کی جاتی ہوں گی۔

"گڈ ایوننگ۔۔۔" وہ ان سب کے قریب آتا گویا ہوا۔ زبردستی کی مسکراہٹ چہرے پر سجائی جبکہ کتھئی آنکھوں کا تاثر بالکل بھی نرم نہیں پڑا۔

"اپنی چمک سے ابھی یہ خود واقف نہیں ہے ورنہ ایک دنیا روشن ہو جاتی ہے۔" مسٹر جوزف نے ولیم کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ ہولے سے مسکرا دیا۔ نقلی مسکراہٹ۔

"تمہارا باپ تو چھپا رستم نکلا بھئی۔ ایسا شاندار محل ہم صرف فلموں میں ہی دیکھتے ہیں اور تمہارے باپ نے اس محل کے ساتھ ساتھ اپنی خوبصورت اولاد کو سب سے چھپا کر رکھا ہے۔ بھئی ہم تو حیران ہیں۔ کیسے کر لیا یہ سب؟" یہ ایک مشہور گلوکار تھا۔ ولیم کو اس سب میں کوئی دلچسپی نہیں تھی کچھ دیر وہ ان کے گھیرے میں پھنسا رہا۔ وہ سب اُسے شوبز جوائن کرنے کی تلقین کرتے رہے جبکہ اس کی بس ہو گئی تو وہ معذرت کرتا نینسی اور نساء کی جانب بڑھ گیا۔ وہ دونوں ایک میز پر بیٹھی تھیں اور البرٹ کا بڑا بیٹا وہاں سے ہل نہیں رہا تھا۔ نینسی کے چہرے پر بے زاری واضح تھی۔

"ہیلو گائز۔" ولیم بھانپ چکا تھا اس لیے فوراً انکے سر پر پہنچا۔ البرٹ کا بیٹا جیکب ایک پل کو اسے دیکھ کر ٹھہر گیا۔

"آپکی تعریف؟؟" وہ ولیم کو پہلی بار دیکھ رہا تھا۔

"ولیم جوزف! ان دو لڑکیوں کا محافظ۔" وہ تپانے والی مسکراہٹ لیے کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ کوٹ اس نے کرسی پر جما دیا۔ جیکب ایک پل کو چونک گیا۔ تو کیا وہ جوزف پیٹرسن کا بیٹا تھا؟ وہ آنکھیں سکوڑے ولیم کو دیکھ رہا تھا۔

"تم دونوں نے کھانا کھایا؟؟" وہ نینسی اور نساء کی جانب متوجہ تھا۔

"ابھی نہیں۔" نساء نے جواب دیا۔

"انتظار کس کا ہے؟ مجھے تو بہت بھوک لگی ہے۔" وہ جیکب کو نظر انداز کر رہا تھا جیسے وہ وہاں ہو ہی نہیں۔ جیکب ایک ابھرتا ستارہ تھا۔ اسکی پہلی فلم آچکی تھی اور وہ چاکلیٹ ہیرو بنے لڑکیوں کا دل جیت رہا تھا۔ ولیم کا اسے یوں نظر انداز کرنا اس کے لیے سبکی کا باعث تھا۔ وہ جو نینسی میں دلچسپی لے رہا تھا اگلے ہی پل وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔

"اُلو کا پٹھا۔۔" اس کے جاتے ہی ولیم نے جبڑے بھینچتے کہا۔

"مجھے سمجھ نہیں آتا ڈیڈ نے یہ سب کیا کیوں؟؟" وہ شدید کوفت میں مبتلا تھا۔ اس کی نظریں چاروں جانب گھوم رہی تھیں اور پھر اسے جارج نظر آیا لڑکیوں کے گھیرے میں کھڑا وہ نقلی قہقہے لگا رہا تھا۔

"گدھا ہی لگ رہا ہے۔" اس کے لبوں سے بے ساختہ پھسلا جبکہ نساء اور نینسی اس کے چہرے کے بگڑے تاثرات پر کھلکھلا کر ہنس دیں۔ کھانے کے دوران ولیم کئی حسین لڑکیوں کی نظروں کا مرکز بنا رہا۔ کئی دل اسے دیکھ کر دھڑک اٹھے تھے مگر مجال ہے جو وہ نینسی اور نساء سے دور ہٹا ہو۔ نہ خود کسی لڑکی سے ہیلو ہائے کی اور نہ کسی لڑکے کو ان کے قریب آنے دیا۔

میوزک اب دھیمے سروں میں بج رہا تھا۔ پیلس کی قد آور کھڑکیوں سے گرتے برف کے گالے نظر آرہے تھے۔ کچھ منچلے جوڑے اب ہاتھوں میں ہاتھ تھامے رقص کرنے لگے۔

جتنی نظریں ولیم پر تھیں اس سے کئی زیادہ مسٹر جوزف پر تھیں وہ اپنی سحر انگیز شخصیت لیے ہاتھ میں گلاس تھامے کھڑے تھے۔ وہ حدود رکھنا جانتے تھے۔ ان سے آدھی عمر کی لڑکیاں تک ان سے رشتہ بنانے کو تیار تھیں لیکن مسٹر جوزف نے طے کر لیا تھا اب ان کی زندگی میں کسی عورت کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ نینسی نے ایک نظر مسٹر جوزف کو دیکھا اور پھر اپنے ساتھ بیٹھے ولیم کو۔

"ولیم تم یونہی بیٹھے رہے تو انکل خفا ہو جائیں گے۔۔" نینسی نے ولیم کی جانب جھکتے کہا۔

"تو کیا کروں؟؟ پلیٹ میں خود کو رکھ کر ان اداکاروں کو پیش کر دوں۔۔؟؟" وہ بگڑے مزاج لیے بولا۔

"لیکن تمہیں کسی سے تو بات چیت کرنی چاہیے نا۔" وہ مسٹر جوزف کے ارادوں سے واقف تھی۔ وہ جانتی تھی انہوں نے یہ تقریب جوزف پیلس میں کیوں رکھی تھی لیکن اگر وہ اپنی اور مسٹر جوزف کی باتیں ولیم کو بتا دیتی تو وہ طوفان کھڑا کر دیتا۔ اس سے پہلے وہ مزید کچھ کہتی جیکب اچانک وارد ہوا۔

" میرے ساتھ ڈانس کرو گی۔۔؟؟" اس نے اپنا ہاتھ نینسی کے سامنے کیا۔ ولیم کی بھنویں سکڑ گئیں۔ اس سے پہلا وہ کچھ کہتا نینسی کی نظر مسٹر جوزف پر پڑی وہ اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

"شیور۔" وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور ولیم حیران رہ گیا۔ جیکب اس کا ہاتھ تھامے اسے رقص کرتے چند جوڑوں کے درمیان لے گیا جبکہ ولیم گہرے سانس لیتا خود کو نارمل کرنے لگا۔ جیکب کا ہاتھ نینسی کی کمر پر تھا۔

"تم جانتی ہو میں آج یہاں کیوں آیا ہوں۔۔؟؟" اس نے جھکتے نینسی کے کان کے قریب سرگوشی کی۔

" نہیں۔۔" نینسی کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ وہ غیر آرامدہ محسوس کر رہی تھی۔ ولیم کئی لمحے انہیں دیکھتا رہا اور جب اس نے ایک چست لباس پہنے خود کی نمائش کرتی لڑکی کو اپنی جانب بڑھتے دیکھا تو وہ جھٹکے سے اٹھ کر ایک جانب بڑھ گیا۔ وہ لڑکی سبکی کا احساس لیے کھڑی رہ گئی۔

"ڈیڈ چاہتے تھے میں تم سے ملوں۔۔"

ستائیس سالہ جیکب اکیس بائیس سالا نینسی کے کان میں نرم گرم سی سرگوشیاں کر رہا تھا۔

"وہ چاہتے ہیں میں تم دونوں میں سے کسی ایک کو پسند کروں تا کہ ان کی دوستی رشتے داری میں بدل سکے۔" وہ اسے ان باتوں سے آگاہ کر رہا تھا جنہیں وہ جانتی تھی۔ وہ خاموشی سے سنتی رہی۔

"تم بتاؤ تمہیں میں کیسا لگا۔۔؟؟" کریم رنگ کے تھری پیس سوٹ میں ملبوس جیکب کو خود پر کافی بھروسہ تھا۔

"میں اتنی جلدی فیصلے نہیں لیتی۔" وہ سرخ چہرے کے ساتھ بولی۔ اتنے قریب وہ صرف ولیم کے رہتی تھی۔ اسے کبھی غیر محفوظ محسوس نہیں ہوا تھا۔

مسٹر جوزف اور البرٹ ایک جانب کھڑے مسکرا رہے تھے۔ دونوں نینسی اور جیکب کو دیکھ کر خوش تھے۔

"لیکن میں فیصلہ لے چکا ہوں۔" اس نے رازدانہ انداز میں کہا تو نینسی نے گھبرا کر نظریں اٹھائیں۔ وہ اسے کسی نازک گڑیا کی طرح گھما کر اپنے ساتھ لگا چکا تھا۔

"تم مجھے پسند آگئی ہو۔" اس نے جھکتے ہوئے نینسی کے گال کو چھوا۔ وہ ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹی اور پھٹی پھٹی نگاہوں سے جیکب کو دیکھا۔ وہ کندھے اُچکا کر مسکرایا۔ پسندیدگی کا عندیہ دے دیا گیا۔ وہ جھٹکے سے پلٹی اور لوگوں کی بھیڑ سے نکلتی چلی گئی وہ اب سرخ چہرہ لیے دور جا رہی تھی۔ اس کے قدم کچن کی جانب بڑھ رہے تھے۔ حلق میں کانٹے اگ آئے تھے اور دل پسلیاں توڑ کر باہر نکلنے کو تیار تھا۔

" نینسی تمہارا فون کب سے بج رہا ہے۔" نساء نے اسے راستے میں ہی روک لیا۔ وہ فون تھامتے تیزی سے کچن کی جانب بڑھ گئی۔ نینی ایک جانب بیٹھی سب دیکھ رہی تھیں۔ انہیں کچھ چیزیں پسند نہیں آئی تھیں وہ یقیناً مسٹر جوزف سے بعد میں بات کرنے والی تھی۔

نینسی نے کچن میں گھستے ہی فون کو دیکھا۔ اجنبی نمبر تھا۔ وہ اس وقت فون اٹھانے کی حالت میں نہیں تھی۔ وہ اب بوتل سے گلاس میں پانی انڈیل رہی تھی اور پھر ایک اسٹول پر بیٹھتے پانی پینے لگی۔ اسکی سیاہ میکسی زمین پر پھیل گئی۔ وہ خود کو نارمل کرنے کی پوری کوشش کر رہی تھی آنکھوں میں بلاوجہ ہی نمی اُبھرنے لگی تھی۔ اسے رونا آرہا تھا۔ اُس نے اتنے سالوں میں پہلی بار اپنے ماں باپ کو یاد کیا۔ فون پھر سے بجنے لگا۔ اس بار اس نے فون اٹھاتے کان سے لگایا۔

"ہیلو۔۔" بھرائی بھرائی آواز میں بولی۔

"نینسی۔۔" جادوگر کی سحر انگیز آواز ابھری اور نینسی کے ہاتھ سے گلاس گرتے گرتے بچا۔ یہ آواز وہ لاکھوں میں بھی پہچان سکتی تھی۔

"کیسی ہو نینسی؟؟ اتنی جلدی بھول گئی مجھے۔ بس یہ محبت تھی تمہاری۔۔۔؟؟" وہ شکوہ کناں لہجے میں بولا جبکہ نینسی تو حیران پریشان تھی۔ اسے یقین نہیں آیا کہ اس شخص نے اُسے فون کیا تھا۔

"احمد آپ۔۔۔؟؟" وہ اب اٹھ کھڑی ہوئی۔ ٹانگوں کی جان نکل رہی تھی۔ اس شخص کی آواز نے سارے زخم اُدھیڑ دیئے تھے۔

"میں نے بلاک کیا کیا تم شہر ہی چھوڑ گئی۔ کیا محبت ایسی ہوتی ہے نینسی؟؟ کیا تم بھی بے وفا ہو۔۔۔؟؟" وہ شخص جو بھی تھا جانتا تھا اسے کیسے تڑپانا تھا۔

"نن۔۔ نہیں ایسا نہیں ہے۔۔" وہ اب بے چینی سے ٹہلنے لگی۔

"میں نے بہت کوشش کی نینسی لیکن میں تمہارے بنا نہیں رہ سکتا۔ مجھے ڈر تھا کہیں تم بھی مجھے میری فیانسی کی طرح چھوڑ نہ جاؤ پر دیکھو میں خود ہی نہیں رہ پایا تمہارے بغیر۔ بتاؤ میں کیا کروں۔۔؟؟ "

اور نینسی کے آنسوں ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ ایک جانب اس کی محبت تھی تو دوسری جانب فیملی تھی اور دونوں میں سے کسی ایک کو چننا بہت مشکل تھا۔

"احمد آپ۔۔۔" الفاظ لبوں میں ہی دم توڑ رہے تھے۔

"میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں نینسی! مجھے بتاؤ مجھے تمہیں پانے کے لیے کیا کرنا ہو گا۔۔؟؟" نینسی کو لگا جیسے کائنات تھم گئی ہو۔ جوزف پیلس میں بجتا میوزک رک گیا۔ ہوائیں ساکت ہوئیں۔ جوزف پیلس غائب ہو گیا اب وہ دونوں تھے بس۔ وہ اور اس کے سامنے کھڑا چشمے والا احمد !

" بولو نینسی تم مجھ سے شادی کرو گی؟؟ "

"میں آپ سے شادی نہیں کر سکتی احمد۔" وہ جیسے خواب سے جاگی۔ وہ جانتی تھی یہ ناممکن تھا۔ اب تو بالکل ہی ناممکن تھا۔

"تو تم بھی بے وفا نکلی۔ تمہاری محبت بھی جھوٹی نکلی۔ میں جانتا تھا۔ عورت ذات وفا کر ہی نہیں سکتی۔ اگر تمہیں یہ سب کرنا تھا تو میری طرف بڑھی کیوں؟" فون بند کر دیا گیا اور نینسی وہیں زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔ آنسوں بہہ نکلے۔ اب وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ اس کی شخص کی باتیں کچوکے لگا رہی تھیں۔

"میں ایسا نہیں کر سکتی۔" وہ بے طرح رو رہی تھی جب اسے ڈھونڈتے ولیم وہاں آیا اور اگلے ہی پل اسے دیکھ کر ساکت رہ گیا۔

"نینسی۔۔۔" وہ تڑپ کر اسکی جانب بڑھا اور پھر گھٹنے ٹکائے وہ اس کے سامنے بیٹھا تھا۔

"کیا ہوا ہے؟ کیوں رو رہی ہو؟؟ کسی نے کچھ کہا ہے۔۔؟؟" وہ اسے کندھوں سے تھامے بولا۔ چہرے کی ہوائیاں اڑ گئی تھیں۔ اس نے کبھی نینسی کو یوں روتے نہیں دیکھا تھا۔

"میں یہ سب نہیں کر سکتی ولیم۔ میں اُسکے بنا نہیں رہ سکتی۔" نینسی وجود سسکیوں کی زد میں تھا۔ وہ ولیم کے سینے سے جا لگی۔

"ریلیکس ہو جاؤ نینسی میں ہوں نا۔۔۔" ولیم نے اسے تھام لیا تھا۔ روتی تڑپتی نینسی وہ کسی صورت برداشت نہیں کر سکتا تھا وہ اب ہولے ہولے اسکا سر تھپک رہا تھا اس بات سے بے خبر کہ ایک کیمرہ یہ منظر قید کر چکا تھا۔

✿••✿••✿••✿

"میرے خیال سے آپ کو ہمیں مدعو کرنے سے پہلے اپنے بچوں سے پوچھ لینا چاہیے تھا۔ مجھے لگتا ہے نینسی اور ولیم ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں اور یہ ویڈیو اس بات کا ثبوت ہے۔۔"

اسٹار لائٹ اسٹوڈیو کے بڑے سے آفس میں مسٹر جوزف اپنے کرسی پر بیٹھے بھنویں سکیڑے موبائل کی اسکرین پر چلتی اس ویڈیو کو دیکھ رہے تھے جس میں نینسی ولیم سے لپٹ کر رو رہی تھی۔ البرٹ داہنی جانب رکھے صوفے پر بیٹھے تھے۔ یہ ویڈیو دو دن پہلے جیکب نے ہی بنائی تھی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے البرٹ۔۔" مسٹر جوزف فون میز پر پھینکتے سرد لہجے میں بولا۔ ان کے تاثرات تنے ہوئے تھے۔

"پھر کیسی بات ہے جوزف؟؟ کیا تم ہم سے کچھ چھپا رہے ہو؟؟" البرٹ تمسخر سے بولا۔

"بچے بچپن سے ساتھ رہے ہیں۔ انکے درمیان ایسا کوئی غلط رشتہ ہو ہی نہیں سکتا۔ یقیناً کچھ ہوا ہو گا تم بے فکر رہو۔ نینسی اب تم لوگوں کی ہے۔" مسٹر جوزف نے البرٹ کو تسلی دی۔

"اور جیکب؟؟ اسے کیا جواب دوں میں؟؟" البرٹ نے پہلو بدلا۔ جیکب کا موڈ کافی بگڑا ہوا تھا۔

"اسے سمجھانا تمہارا کام ہے۔" اس بار انکا لہجہ سرد تھا جبکہ دماغ کی نسیں پھٹنے کو تیار تھیں۔ وہ نہیں جانتے نینسی اور ولیم میں کیا چل رہا تھا لیکن کچھ تو ہوا تھا جسے وہ آج معلوم کرنے والے تھے۔

اور پھر شام میں جوزف ہاؤس مسٹر جوزف کے عتاب کے زیر اثر تھا۔

"یہ سب کیا ہے؟ جانتے ہو یہ ویڈیو اگر اپلوڈ ہو گئی تو کیا ہو گا۔" نینسی سر جھکائے کھڑی تھی۔ جارج اور نساء سہمے ہوئے تھے جبکہ ولیم کے جبڑے بھنچے ہوئے تھے۔

"آپ کو اپنی شہرت کی پرواہ ہے؟ آپ نے ایک بار بھی نینسی سے اس کی مرضی پوچھی؟ آپ نے اِس سے پوچھا کہ اِسے جیکب پسند بھی ہے یا نہیں؟ اور آپ کو باقی لوگوں پر ہم سے زیادہ بھروسہ ہے؟" ولیم دبے دبے لہجے میں چلایا۔ اسے جیکب ایک آنکھ نہیں بھایا تھا۔

"تم ابھی بچے ہو۔ میں تمہارا باپ ہوں مجھے فیصلے لینے کا حق ہے۔۔"

"نینسی کے باپ نہیں ہیں آپ۔ نینسی کو اپنے فیصلے لینے کا حق ہے۔" وہ انہی کے لہجے میں بولا جبکہ نینسی گھبرا گئی۔ اس کی وجہ سے وہ دونوں باپ بیٹا آمنے سامنے تھے۔ مسٹر جوزف ایک پل کو ساکت ہوئے۔ کیا نینسی پر انکا کوئی حق نہیں تھا؟؟ مسٹر جوزف نے گھور کر نینسی کو دیکھا۔

"ولیم۔۔" نینسی نے بے ساختہ اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

"تم اگر اپنے لیے لڑ نہیں سکتی تو محبت کی ہی کیوں نینسی؟؟" وہ اس پر چلایا۔ پتا نہیں اسے اتنا غصہ کیوں آرہا تھا۔ نینسی سہم کر پیچھے ہٹی۔

"ولیم یہ میرا اور نینسی کا معاملہ ہے تم اس سے دور رہو۔۔" مسٹر جوزف نے سرد لہجے میں تنبیہہ کی۔

"یہ ہم سب کا معاملہ ہے ڈیڈ! آپ اپنی شہرت کے لیے ہمارا سودا نہیں کر سکتے۔" وہ غرایا پر اگلے ہی پل چٹاخ کی آواز ابھری۔ مسٹر جوزف آگے بڑھ کر اسے تھپڑ رسید کر چکے تھے۔ نینسی نے منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنی چیخ کو دبایا۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے ولیم کو دیکھ رہی تھی جو خطرناک تیور لیے کھڑا تھا۔ اس کا گال اگلے ہی پل سرخ پڑا۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے۔۔۔" وہ خود پر قابو پاتے بولے۔ کنپٹیاں سلگنے لگیں۔

"جوزف۔۔۔" نینی بے ساختہ انکی جانب بڑھیں۔

"نینی اسے کہو جائے یہاں سے۔۔۔" مسٹر جوزف کا چہرہ ضبط کے باعث سرخ پڑا۔

"میں چلا جاؤں گا لیکن بتا رہا ہوں نینسی جہاں چاہے گی اس کی شادی وہیں ہو گی۔ جیکب سے ہرگز نہیں۔۔۔" وہ انہی کی اولاد تھا۔ انہی کے لہجے میں جواب دیتا وہ پلٹ گیا۔ اسکا رخ باہر کی جانب تھا۔ فی الوقت اسے جوزف پیلس سے دور جانا تھا جبکہ نینسی سیڑھیوں کی جانب بھاگی۔ اس کا دل کر رہا تھا وہ مر جائے۔ اسکی وجہ سے پہلی بار مسٹر جوزف نے ولیم پر ہاتھ اٹھایا تھا۔ کاش وہ بھی اپنے ماں باپ کے ساتھ مر جاتی۔

بیڈ پر اوندھے منہ لیٹے وہ آنسوں بہا رہی تھی پر قسمت کو جانے کیا منظور تھا۔

✿••✿••✿••✿

ولیم اس رات گھر نہیں آیا۔ اگلے دن جارج واپس چلا گیا جبکہ نینسی کو جانے کی اجازت نہیں ملی تھی جب تک اس مسئلے کا کوئی حل نہ نکل آتا مسٹر جوزف اسے لندن بھیجنے پر راضی نہیں تھے۔

ولیم جب پیلس واپس آیا تب مسٹر جوزف نہیں تھے۔ وہ سیدھا نینسی کے کمرے میں گیا۔ نینسی اسے دیکھ کر حیران ہوئی۔

"تم ٹھیک ہو؟؟" وہ دیکھتے ہی اُسکی جانب بڑھی۔

"مجھے کچھ نہیں ہو گا۔ تم بتاؤ چھٹیاں تو ختم ہو گئی ہیں تم جارج کے ساتھ کیوں نہیں گئی؟" وہ اسکے بیڈ کے کنارے بیٹھا پوچھ رہا تھا۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ چہرے پر حد درجہ سنجیدگی تھی۔ کتھئی آنکھوں کی تکان واضح تھی۔

"انکل نے منع کیا ہے اور میرا خود بھی جانے کا دل نہیں ہے۔۔" وہ ہولے سے مسکرائی۔ ساری رات رونے کے باعث اسکی آنکھیں سوجھن کا شکار تھیں۔

"میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔" وہ اس کی آنکھوں کو دیکھتے بولا۔

"کیسا فیصلہ؟؟" وہ الجھی۔

"تمہاری شادی احمد سے ہی ہو گی۔" اونچے منار والے جوزف پیلس نے اس کے فیصلے پر قہقہہ لگایا۔

"ولیم۔۔۔" نینسی حیران ہوئی۔

"ڈیڈ کو منانا میرا کام ہے۔ تم اسے کہو رشتہ لائے۔ ایک بار ہم سب سے ملے اس کے بعد دیکھیں گے۔" وہ اپنی عمر سے اتنا بڑا کب ہوا تھا جو ایسی سمجھداری والی باتیں کر رہا تھا۔

"اُن کو منانا میرا کام ہے۔ تم اسے بلاؤ۔" اسے مسٹر جوزف کی طرح ہی فیصلے سنانے کی عادت تھی۔

"مجھے کل تک جواب چاہیے۔ یہ آخری موقع ہے نینسی اسکے بعد شاید میں بھی مدد نہ کر پاؤں۔۔" وہ جانتا تھا مسٹر جوزف کے خلاف جانا اتنا آسان نہیں تھا۔ بیشک نینسی کا محبوب اس سے عمر میں بڑا تھا لیکن وہ اس کے ساتھ خوش تو رہتی۔ شوبز کی نقلی دنیا سے دور رہتی۔

وہ اٹھا اور کمرے سے نکل گیا پیچھے نینسی گہری سوچ کا شکار تھی۔ کچھ سوچتے ہوئے اس نے وہی نمبر ملایا جس سے کل فون آیا تھا۔ بیل جا رہی تھی۔ کچھ دیر بعد اسکی آواز اُبھری۔

"ہیلو احمد۔۔۔" وہ بے تابی سے بولی۔

"بولو سن رہا ہوں۔" اسکے لہجے میں خفگی واضح تھی۔

"ایم سوری۔" وہ بھرائے لہجے میں بولی۔

"تمہارے ایک سوری سے میرے زخم نہیں بھر جائیں گے نینسی۔ تمہیں میری تکلیف کا اندازہ نہیں ہے۔ "

"سب تکلیفیں دور ہو جائیں گی۔ ولیم مان گیا ہے احمد وہ سب کو منا لے گا۔ آپکو بس جوزف پیلس آنا ہو گا اپنے پیرنٹس کے ساتھ۔۔۔" نینسی کی آواز پر دوسری جانب گہری خاموشی چھا گئی۔

" تم سچ کہہ رہی ہو؟؟"

"ہاں میں سچ کہہ رہی ہوں۔ ولیم ہمارے ساتھ ہے تو پوری دنیا ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔۔" وہ نم آنکھوں سے مسکرائی۔ جسم میں جان سی پڑ گئی تھی۔

"اور اگر مجھ سے ملنے کے بعد وہ خلاف ہو گیا تو؟ اس نے انکار کر دیا تو؟" وہ نیا خدشہ اٹھالایا۔

" ایسا نہیں ہو گا۔۔" اسے ولیم پر یقین تھا۔

"بتاؤ نا نینسی اس نے انکار کر دیا تو تم کیا کرو گی؟ اپنے خاندان کے خلاف جاؤ گی میرے لیے؟؟" عجیب سوال تھا۔ نینسی نے سوچنے کی کوشش کی لیکن جھرجھری سی لے کر رہ گئی۔

" ایسی باتیں نہ کریں سب اچھا ہی ہو گا۔ "

"ٹھیک ہے میں اپنے والدین سے بات کر کے بتاتا ہوں۔۔ "

"کیا مطلب انہیں منانا پڑے گا؟؟" وہ اُلجھی۔

"ہاں میرا خاندان بھی تمہارے خاندان کی طرح صدیوں سے اپنی روایتوں پر قائم ہے۔ وہ اتنی جلدی نہیں مانیں گے۔۔" وہ نینسی کی پریشانی بڑھا کر فون بند کر چکا تھا جبکہ نینسی جلے پیر کی بلی کی طرح گھومتی رہی۔ اسے ایک موقع ملا تھا وہ گنوا نہیں سکتی تھی۔ کیا پتا پھر ملتا یا نہیں؟؟

اب وہ دعا کر رہی تھی کہ احمد کے ماں باپ مان جائیں۔

جبکہ دوسری جانب ولیم نینسی سے ملنے کے بعد اسٹار لائٹ اسٹوڈیو پہنچ چکا تھا۔ وہ پہلی بار یہاں آیا تھا۔ شہر کے وسط میں کئی منزلہ شان سے کھڑا اسٹار لائٹ اسٹوڈیو اپنی پہچان آپ تھا۔ اسٹوڈیو کے نیلے کانچ سے پھوٹتی روشنیاں واضح تھیں۔ اسے گیٹ پر ہی روک لیا گیا اور جب تک اندر سے کنفرم نہیں ہوا کہ وہ واقعی مسٹر جوزف کا بیٹا تھا اسے اندر نہیں جانے دیا جبکہ مسٹر جوزف تو اس کے وہاں آنے پر ہی حیران رہ گئے۔

آج وہ اپنے باپ کے ساتھ سودا کرنے آیا تھا۔ چمچماتے فرش پر قدم دھرتا وہ لفٹ کی جانب بڑھ رہا تھا۔ کئی نظروں نے دور تک اس کا تعاقب کیا۔ کئی لوگ اسے پہچان چکے تھے۔ حال ہی میں اسے کرسمس تقریب میں دیکھا گیا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ اپنے باپ کے سامنے بیٹھا تھا۔

"خیریت تمہیں آج یہاں کیا کھینچ لایا۔۔؟؟" مسٹر جوزف اپنی اونچی کرسی پر شان سے بیٹھے تھے۔

"سودا کرنا تھا آپ سے ایک اور اس کے لیے ضروری تھا کہ کام کی جگہ پر ملا جاتا۔" اس وقت مسٹر جوزف کو وہ ہو بہو اپنی کاپی لگا۔ ان کے لبوں پر دلکش سی مسکراہٹ ابھری۔

"کیسا سودا؟؟" وہ ابرو اچکائے پوچھنے لگے۔

"میں فوٹو شوٹ کے لیے ریڈی ہوں۔ "

مسٹر جوزف تو جیسے ساکت ہوئے۔ اپنے سامنے بیٹھے بھوری جیکٹ پہنے ولیم کو دیکھا جس کے بال بے ترتیب تھے۔

"واقعی۔؟؟" وہ آگے کو ہو بیٹھے۔ بمشکل اپنی حیرت کو چھپایا۔

"بدلے میں آپ کو نینسی کو آزاد کرنا ہو گا۔" وہ مسٹر جوزف کی آنکھوں میں دیکھتے بولا۔ یہ سب انہی سے سیکھا تھا۔ مسٹر جوزف کئی لمحے اسے دیکھتے رہے۔ وہ اپنے دماغ میں تیزی سے حساب کتاب کر رہے تھے کہ یہ سودا فائدہ مند تھا یا گھاٹے کا اور پھر کچھ دیر بعد وہ انہوں نے گہرا سانس خارج کرتے کرسی سے پشت ٹکالی۔ انکی کرسی اب جھول رہی تھی۔

"ٹھیک ہے۔" مسٹر جوزف کی آواز ابھری۔ ولیم نے دھڑکتے دل کے ساتھ انہیں دیکھا۔

"اس کے لیے ہمارے درمیان ایک معاہدہ ہو گا۔ آپ اسے تیار کروالیں۔ نینسی پر آپ کسی طرح کا حق نہیں جتائیں گے۔ وہ آزاد ہے۔ وہ اپنی مرضی سے شادی کر سکتی ہے۔ میری یہ شرائط ہیں اور جب تک اس کی شادی نہیں ہو جاتی کوئی فوٹو شوٹ نہیں ہو گا۔" وہ سپاٹ لہجے میں تیز تیز بولا۔

"میں یہ معاہدہ پوری عمر کا رکھ سکتا ہوں۔" مسٹر جوزف نے کنکھیوں سے اسے دیکھتے کہا۔

" مجھے منظور ہے۔" وہ اُنکی طرف دیکھے بغیر بولا۔

"خود کو بیچ رہے ہو؟؟" وہ اب تمسخرانہ بولے۔

"جب باپ مسٹر جوزف پیٹر سن ہو پھر یہی آپشن بچتا ہے۔" وہ انہی کے لہجے میں بولا۔ تپانے والی مسکراہٹ لیے۔

"گیٹ آؤٹ۔۔!" مسٹر جوزف واقعی سلگ اٹھے۔ ولیم نے اب تک یہی تو سیکھا تھا۔ باتیں منہ پر مارنا اور مسٹر جوزف کو سلگانا۔

"تھینک یو۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا اور دروازہ کھول کر آفس سے باہر نکل گیا۔ اس کے جاتے ہی مسٹر جوزف نے اپنا ماتھا پیٹ ڈالا۔ کاش وہ ولیم جوزف نہ ہوتا تو آج یہ سب نہ ہوتا۔

✿••✿••✿••✿

جوزف پیلس میں موجود نینسی کے کمرے کی کھڑکی سے اس وقت پیلس کے باہر کا منظر بخوبی دیکھا جا سکتا تھا۔ رات پھیل چکی تھی۔ باہر سناٹا تھا اور سناٹے میں اڑتے برف کے گالے اس وقت نینسی کا دل ہولا رہے تھے۔

"آپ نے تو کہا تھا وہ مان جائیں گے۔" وہ فون کان سے لگائے کھڑی تھی۔ چہرے پر زردپن تھا۔

"وہ مان گئے ہیں نینسی وہ بس چاہتے ہیں میں ایک مسلمان لڑکی سے شادی کروں انہیں میرے تم سے شادی پر اعتراض نہیں ہے وہ بس نہیں چاہتے ہیں ان کی ہونے والی بہو عیسائی ہو۔۔" دوسری جانب سے کہا گیا۔

"محبت میں مذہب کہاں سے آگیا احمد؟؟" وہ روہانسی ہوئی۔ دل کی دھڑکن آہستہ ہو گئی تھی۔ وہ شخص جیسے اس کے ذہن سے کھیل رہا تھا۔

"اس لیے میں تمہیں منع کرتا تھا نینسی۔ میں تم سے دور رہتا تھا۔" ہاتھ جھاڑ لیے گئے۔ سارا ملبہ نینسی پر ڈال دیا گیا۔

"کیا آپ اُنہیں منا نہیں سکتے؟؟" وہ رو دینے کو تھی۔

"نینسی میں نے اپنی پوری کوشش کر لی ہے۔ اس عمر میں میں انہیں کیسے اتنا بڑا دُکھ دوں؟؟" الٹا سوال کیا گیا۔

نینسی اپنے ہونٹوں کو بے ساختہ کچلنے لگی۔ وہ پردہ تھامے کھڑی تھی۔ آنکھوں کو ابھری نمی کو پینے کی کوشش کرتے ہوئے وہ مری مری سی آواز میں بولی۔

"میں نے بھی تو منایا ہے ناسب کو بلکہ ولیم نے منایا ہے۔ ابھی تو مجھے یہ نہیں پتا وہ انکل کو منانے کی کیا قیمت چکانے والا ہے۔ پھر آپ کے پیرنٹس کیوں نہیں مان سکتے۔؟؟ "

"میں نے اپنی پوری کوشش کر لی ہے نینسی۔" فون سے آواز ابھری اور نینسی نے برف گراتے آسمان کو دیکھا۔ آخر محبتیں اتنی مشکل کیوں ہوتی ہیں۔۔؟؟ وہ قدرت سے شکوہ کناں تھی۔

"میں کیا جواب دوں گی ولیم کو؟؟ "

وہ دکھی تھی کہ اس کی محبت اس کے لیے اسٹینڈ نہیں لے رہی تھی۔

"تمہیں کسی کو جواب دینے کی ضرورت ہی کیا ہے نینسی؟ وہ کرو جو تمہارا دل چاہتا ہے۔ اپنی محبت کے لیے ہم سب کچھ کریں گے۔" آسیب کار اس کے گرد اپنا جال بُن رہا تھا۔

"ولیم کو برا لگے گا احمد! وہ اس معاملے میں کبھی میرا ساتھ نہیں دے گا۔" وہ ہولے سے بڑبڑائی۔ اسے گہری شرمندگی نے گھیر لیا تھا۔ کیا منہ دکھاتی وہ اُسے؟؟

"تمہیں ولیم مجھ سے زیادہ عزیز ہے؟؟" چٹختی لکڑیوں میں دھواں اٹھنے لگا پر وہ محسوس نہ کر پائی۔

"ایسی بات نہیں ہے۔" تڑپ کر صفائی دی گئی۔

"پھر کیسی بات ہے نینسی؟؟ تم بتاؤ میں اتنے قریب آکر کیسے اپنی محبت کھو دوں؟ صرف اس بنا پر کہ میرے والدین میری ایک عیسائی لڑکی سے شادی پر راضی نہیں ہیں۔ تم بتاؤ کیا کروں میں؟ جان دے دوں۔؟؟" دوسری طرف سے چلّا کر کہا گیا۔

"احمد میں۔۔۔۔ "

" میں تمہارے بنا نہیں رہ سکتا نینسی اور میں جانتا ہوں تم بھی میرے بنا نہیں رہ سکتی۔ ہماری محبت اب تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ پلیز اِسے بچالو۔" اس کی بات اچک لی گئی۔ وہ یونہی کھڑی لب کچلتی رہی جبکہ سر بری طرح چکرا گیا تھا۔ عجیب محبت تھی جس نے اُسے مکڑی کے جالے کی طرح لپیٹ لیا تھا اور اب سانس لینا مشکل لگنے لگا تھا۔

"ٹھیک ہے میں دیکھتی ہوں۔" اس نے ہولے سے کہہ کر فون بند کر دیا۔ کئی لمحے وہ یونہی کھڑکی میں کھڑی رہی اور پھر اپنا ذرد رنگ کا اونی کوٹ پہنتے، گرم اونی مفلر کو کانوں پر لپیٹتے وہ کمرے سے باہر نکل آئی اب اس رکا رخ باہر کی جانب تھا۔ وہ جوزف پیلس سے باہر نکل رہی تھی۔

"کہاں جا رہی ہو نینسی؟ کھانا تیار ہونے والا ہے۔ "نینی نے اسے باہر جاتے دیکھا تو پکار کر کہا۔

"میں بس ابھی آجاؤں گی نینی۔ دل کر رہا ہے چہل قدمی کا۔۔" وہ زبردستی مسکراتے بولی اور پھر بڑے سے لاؤنج نماہال کو عبور کرتی باہر نکل آئی۔ اسے یاد تھا بچپن میں جب بھی برف باری ہوتی تھی وہ سب مل کر اسنو مین بنایا کرتے تھے۔ وہ گھنٹوں پیلس کے باہر برف پر کھیلا کرتے تھے۔ ہر کرسمس پر سینتا کلاز آیا کرتا تھا اپنی بڑی سی بگھی میں ڈھیروں تحفے لیے۔ مسٹر جوزف بچوں کی خوشی کے لیے سب کیا کرتے تھے۔ پھر وقت گزر گیا بچے بڑے ہو گئے اور کرسمس بھی بدل گئی۔ اب کوئی سینتا کلاز نہیں آتا تھا۔

اس نے دروازے سے ملحقہ سیڑھیوں پر کھڑے ہوتے ایک نظر پیلس کے دور تک پھیلے احاطے پر ڈالی۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ اُسے پتھر کا وہ بینچ نظر آیا جہاں وہ اور ولیم بیٹھ کر گھنٹوں باتیں کرتے تھے۔

وہ برف کے قالین پر ہولے ہولے قدم جماتی آگے بڑھنے لگی۔ اس کے لمبے بوٹ برف پر گہرے نشان چھوڑتے گئے۔

وہ تو ہمیشہ ہنسی خوشی رہنے والی لڑکی تھی۔ پتا نہیں پھر یہ محبت جیسا آسیب کار کہاں سے آگیا اب کچھ بھی پہلے جیسا نہیں رہا تھا۔

وہ قدم قدم چلتے بینچ تک پہنچی اور پھر بینچ پر پڑی برف ہاتھ سے ہٹاتی اس پر بیٹھ گئی۔ بینچ کے عقب میں لگی اسٹریٹ لیمپ کی روشنی میں اس وقت برف کے گرتے گالے بھلے لگ رہے تھے۔ برف اب اُسکے بالوں کے ساتھ ساتھ شانوں پر بھی پڑنے لگی۔ اس نے کوٹ کی جیب سے داہنا ہاتھ نکالا اور گالوں کو ہتھیلی پر گرنے دیا۔ نرم ملائم سی گلابی ہتھیلی دیکھتے ہی دیکھتے نیلی پڑنے لگی۔ برف مٹھی میں اکٹھی ہوتی گئی۔

"سب ٹھیک ہے نا؟؟" کسی نے جھکتے ہوئے اُسکے کان میں سرگوشی کی اور وہ ایک دم اُچھلی۔ پلٹ کر دیکھا تو بھوری جیکٹ پہنے ولیم اُسکے پیچھے کھڑا تھا۔

"ولیم۔۔" نینسی نے خفگی سے اسے گھورا۔ وہ واقعی ڈر گئی تھی۔

"تم آج یہاں کیسے؟؟" وہ گھوم کر آتے اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ کندھے پر لٹکا بیگ نیچے رکھ دیا۔ یہاں سے دیوہیکل جوزف پیلس اپنی شان کے ساتھ کھڑا نظر آتا تھا۔ اس کی سینکڑوں کھڑکیوں سے جلتی روشنیاں واضح تھیں۔

"بس ایسے ہی اندر دم گھٹ رہا تھا۔" وہ ہولے سے بڑبڑائی۔

"تمہیں تو خوش ہونا چاہیے۔ اب تو ڈیڈ مان گئے ہیں۔ پھر کیوں دم گھٹ رہا ہے؟" وہ اس کی جانب متوجہ ہوا۔ نینسی نے اُسکی بات پر رخ موڑ کر اُسے دیکھا۔ وہ اُلجھی نظریں لیے بیٹھا تھا۔

"تم نے انکل سے ایسا کیا کہا کہ وہ مان گئے؟" اس نے الٹا سوال کیا۔

"یہ جاننا ضروری نہیں ہے نینسی۔" ولیم نے رخ سیدھا کر لیا۔ اس کے بھورے بال برف سے سفید پڑنے لگے۔

"ضروری ہے ولیم۔ تم جانتے ہو ضروری ہے۔" وہ گہرا سانس لیتے بولی۔ نہیں جانتی تھی ولیم نے اُنہیں کیسے منایا تھا۔ وہ مان گئے تھے یہ حیران کن تھا۔

"پہلے تم بتاؤ تمہاری احمد سے بات ہوئی؟ کیا کہا اُس نے کب لا رہا ہے وہ اپنے پیرنٹس کو؟؟ "

اور نینسی کا دل ڈوب کر اُبھرا۔ حلق خشک ہو گیا۔ وہ ولیم کو دیکھتی رہی۔ کیا بتاتی اُسے کہ وہ شخص اُس کے لیے لڑ نہیں پا رہا تھا۔

"احمد کے پیرنٹس نہیں مان رہے۔" سر جھکا کر ہولے سے کہا گیا۔ ولیم نے چونک کر اُسے دیکھا۔ نینسی کی ٹھوڑی گردن سے چپکی ہوئی تھی۔ اگلے ہی لمحے ولیم کی بھنویں سکڑ گئیں۔

"کیا مطلب ہے نہیں مان رہے؟" چہرے کے زاویے بگڑ گئے۔

"وہ نہیں چاہتے اُنکا بیٹا ایک عیسائی لڑکی سے شادی کرے۔۔" وہ بھرائی آواز میں بولی۔ ولیم کئی لمحے نینسی کو بے یقینی سے دیکھتا رہا اور پھر اُسکا ابھرنے والا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"سیریسلی؟" وہ اب تمسخرانہ بولا۔

"مجھے یقین نہیں ہوتا وہ ایسے کیسے کہہ سکتا ہے؟ ایک مرد ہو کر وہ اپنی محبت کے لیے نہیں لڑ سکتا؟ میرا دل کر رہا ہے اس کی محبت پر سو بار۔۔۔" ہنسی غائب ہوئی اب چہرے پر غصہ ہی غصہ تھا۔ وہ خود کو کچھ غلط کہنے سے روک رہا تھا۔ وہ اب داہنی ٹانگ کو زور زور سے ہلاتے مٹھیاں بھینچ رہا تھا۔ وہ جب بھی پریشان ہوتا بیٹھے بیٹھے ٹانگ کو ہلانے لگتا تھا۔

"بزدل انسان۔۔" اُسکا بس نہیں چل رہا ورنہ وہ نینسی کے محبوب کا حلیہ بگاڑ دیتا۔ اس کا حشر نشر کر دیتا۔

"میں کیا کروں ولیم؟؟" وہ بمشکل بولی۔

"اِدھر دیکھو میری طرف۔" وہ اب اس کی جانب متوجہ ہوا۔ نینسی نے رخ موڑ کر ولیم کو دیکھا۔ ولیم نے اپنا داہنا ہاتھ آگے بڑھا اس کے گال پر رکھا۔ نرمی سے اُس کے گال کو چھوا۔

"جو محبت شرائط پر اتر آئے وہ محبت نہیں ہوتی نینسی۔ وہ تم سے محبت کرتا ہے تو اسے تمہیں ایسے ہی اپنانا ہو گا۔ سمجھ گئی نا۔۔؟"

نینسی نے ہولے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اب تو اسے بھی احساس ہونے لگا تھا کہ اس نے یہ محبت کر کے غلطی کر دی تھی۔ احمد غلط تھا یا نہیں پر اسے اپنا آپ غلط محسوس ہو رہا تھا۔ اس کی وجہ سے جوزف پیلس کے مکینوں کو کتنی پریشانی آئی تھی وہ اچھے سے جانتی تھی۔

"میں تمہارا ہر قدم پر ساتھ دوں گا نینسی لیکن اس معاملے میں نہیں۔ یہ محبت نہیں ہے۔ جب وہ تمہاری محبت کے لیے مسلمان سے عیسائی نہیں ہو سکتا۔ یہاں تک کہ وہ تمہیں تمہارے مذہب کے ساتھ قبول نہیں کر سکتا تو پھر یہ کیسی محبت ہے؟ ساری قربانیاں تم سے کیوں مانگ رہا ہے؟" وہ سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھے گیا جبکہ نینسی کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ ولیم کی ایک ایک بات ٹھیک تھی پر وہ پھنس چکی تھی۔ خود کو اس جال سے نکالنے کی کوشش کر رہی تھی پر جال کی گرفت بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ جتنا اس شخص سے دور جانے کی کوشش کر رہی تھی وہ آسیب کا را اتنا ہی اس کا پیچھا کر رہا تھا۔

"نینسی ڈیڈ کو ابھی یہ نہیں پتا کہ تم ایک مسلمان لڑکے سے شادی کرنا چاہتی ہو اور انہیں پتا چل بھی جاتا تو میں انہیں منا لیتا پر یہ کیا ڈرامہ ہے؟ کم از کم میری سمجھ سے باہر ہے۔" وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ نینسی کی پلکوں پر ابھرتی

نمی وہ دیکھ سکتا تھا۔ اس کی تکلیف کو وہ محسوس کر سکتا تھا۔ وہ اس کی خوشی کے لیے خود کو بیچ رہا تھا اس سے بڑھ کر اس رشتے کا حق کیسے ادا کرتا؟؟

" میں ابھی تک تم دونوں کے درمیان نہیں آیا کہ کہیں وہ تمہیں غلط نہ سمجھے۔ کہیں اُسے ہمارے رشتے پر اعتراض نہ ہو لیکن جو وہ چاہ رہا ہے وہ ٹھیک نہیں ہے اور اب میں درمیان میں کھڑا ہوں میں تمہیں یہ نہیں کرنے دوں گا۔" اس کا لہجہ تنبیہہ تھا۔ نم آنکھوں والی نینسی مسکرا دی۔

"کیا ہم کوئی اور بات کریں؟ میں اب یہ سب سوچنا نہیں چاہتی۔ شاید مجھے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔" وہ سنجیدگی سے کہتی مسکرائی تو ولیم کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔

"ہاں چلو میں تمہیں کچھ دکھاتا ہوں۔" اس نے جھک کر بائیں جانب رکھا بیگ اٹھایا اور زپ کھولنے کے بعد اندر سے وہی ٹیپ ریکارڈر نکالی جو نینسی نے اسے دی تھی۔ اسے دیکھتے ہی نینسی کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"تم اس پر کام کر رہے ہو؟؟" وہ اب خوشگوار حیرت سے پوچھ رہی تھی۔ ولیم اثبات میں سر ہلاتے نیچے برف پر بیٹھ گیا اس نے ہاتھ سے برف میں تھوڑی کھدائی کی اور پھر ٹیپ ریکارڈر سے جڑی چھوٹی سی مشین اندر رکھ کر اوپر برف ڈال دی۔ اس نے مشین برف میں دبا دی تھی۔ پھر اس نے ہیڈ فون نکالا اور اسے ٹیپ ریکاڈر سے جوڑ دیا۔ نینسی اسے دلچسپی سے دیکھے گئی۔

"یہاں آؤ۔۔۔" اس نے نینسی کو نیچے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ سامنے برف میں دبی مشین سے ہٹ کر بیٹھ گئی۔ ولیم نے وہ ہیڈ فون اس کے کانوں پر جما دیا اور بٹن دبا کر میشن چلا دی۔

"برف کی آواز سنو۔۔" وہ اپنی چمکتی کتھئی آنکھوں سے کہتا کتنا دلکش لگا۔ اس کے بال ماتھے پر پڑے تھے اور بکھرے بالوں پر جگہ جگہ برف کے روئی جیسے گالے چمک رہے تھے۔ وہ اتنا دلکش لگ رہا تھا کہ برف کی آواز سنتے نینسی نے بے ساختہ سوچا تھا۔

"ولیم جوزف پر سات سو اڑسٹھ چاند کی راتیں صدقہ واری جا سکتی تھیں۔"

وہ دونوں برف پر دوزانوں بیٹھے تھے۔ ولیم اب مسکرا رہا تھا جبکہ نینسی کا ذہن کس قدر بھٹک گیا تھا وہ چمکتی آنکھیں لیے اس آواز کو سننے اور محسوس کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

ولیم نے کچھ دیر بعد مشین برف کے اندر سے نکال کر برف کے اوپر رکھ دی۔ برف کے گالے اب براہ راست مشین پر گرنے لگے۔ نینسی ولیم کی کسی بات مسکرا دی۔

لمبے اسٹریٹ لیمپ کے نیچے بیٹھی زرد کوٹ والی نینسی اور بھوری جیکٹ والا ولیم اب ہنس رہے تھے۔ لیمپ کی روشنی میں برف کے گالے اڑتے ہوئے واضح نظر آتے تھے جبکہ ولیم اور نینسی اب کس قدر برف سے ڈھک گئے۔ پل بھر کو سارے دکھ درد دور جا سوئے۔ نینسی وہاں بیٹھے بیٹھے فیصلہ کر چکی تھی اُسے اب احمد سے دور رہنا تھا۔ اُسے اب احمد سے کوئی تعلق نہیں رکھنا تھا۔ اُسکی زندگی یونہی حسین تھی۔

✿••✿••✿••✿

"گناہوں سے توبہ نہ کی جائے تو وہ انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔" ابا اکثر کہا کرتے تھے۔

"وہ گناہ اژدھے کی مانند ہمارے پیچھے بھاگتے رہتے ہیں اور جب ہم بنا توبہ کیے مر جاتے ہیں تو وہ گناہ ہمیں نگل جاتے ہیں افق! بالکل ایسے ہی جیسے اژدھا نگل جاتا ہے۔"

ایڈنبرا میں اترتی یہ رات پر سکون ہونے کے ساتھ ساتھ روشن بھی تھی لیکن نرم ملائم بستر پر سویا افق کا وجود پر سکون ہر گز نہیں تھا۔ وہ نیند میں تھی پر اُسکا جسم پسینے سے شرابور تھا۔ وہ سر کو دائیں بائیں جھٹک رہی تھی جبکہ چہرے پر وحشت چھائی تھی شاید وہ کسی برے خواب کے زیر اثر تھی۔ لیمپ کی مدھم روشنی میں اس کے چہرے سے ٹپکتی وحشت واضح تھی۔ کئی لمحے وہ یونہی تڑپتی رہی اور پھر ایک خوفناک چیخ کے بعد جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ دل پسلیاں توڑ کر باہر نکلنے کو تیار تھا جبکہ پیشانی پر پسینہ چمک رہا تھا۔ وہ آس پاس دیکھتی خود کو برے خواب سے نکالنے کی کوشش کرنے لگی۔ حلق خشک ہو گیا۔

"جوزف۔۔" خیال آنے پر اس نے اپنے پہلو میں سوئے جوزف کو پکارہ پر اسکی جگہ خالی تھی۔ وہ کمرے میں نہیں تھا۔

"جوزف۔۔" وہ ڈرتے ڈرتے اسے پکار رہی تھی پر شاید وہ جا چکا تھا۔ وہ گہرے سانس لے کر خود کر نارمل کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ جب سے اسے ماں بننے کی خوشخبری ملی تھی وہ خوش رہنے لگی تھی پر اچانک ان خوابوں کا آنا اسے بوکھلا گیا تھا۔ وہ سیاہ اژدھا بہت ہی خوفناک تھا جو اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا وہ اسے نگل لینے کے درپے تھا اور اُفق اس سے جان چھڑا کر بھاگ رہی تھی۔

اس کے ذہن میں اورنگزیب کی کہی گئی وہ بات گونجنے لگی۔ سر جھٹکتے ہوئے اس نے جوزف کا نمبر ملایا پر وہ فون نہیں اٹھا رہا تھا۔ دو تین بار ملانے کے بعد اس نے فون رکھ دیا اور کروٹ لے کر لیٹ گئی۔

نیند اڑ چکی تھی اور اب ذہن میں جانے کیا کیا گھومنے لگا تھا پوری کوشش کے باوجود وہ سو نہ پائی۔ جیسے ہی آنکھیں بند کرتی وہ خوفناک اژدھا منہ کھولے وارد ہو جاتا۔ وہ اب بے چینی سے کروٹیں بدلنے لگی۔ لیکن نہیں جانتی تھی کہ آسیب کار وارد ہو چکا تھا، گناہوں کا آسیب کار جس سے پیچھا چھڑانا ناممکن تھا۔

یہ افق اورنگزیب کے آسیب کار کی شروعات تھی۔ اچانک شروع ہونے والے ان خوابوں کا سلسلہ کبھی نہیں رکا۔ جوزف نے اسکے لیے ملازمہ رکھی ہوئی تھی جو دن رات وہیں رہتی تھی پر افق پھر کبھی سکون کی نیند نہیں سو پائی۔ پہلے پہل اسے لگا وہ حاملہ تھی شاید اسی لیے ایسا ہو رہا تھا پر جب سلسلہ بڑھتا گیا تو اس کے لیے مشکل ہو گیا۔ وہ جوزف کی موجوگی میں بھی چیختے چلاتے اٹھ جاتی۔ خواب بھیانک ہوتے گئے۔ کبھی وہ خود کو آگ میں جلتے محسوس کرتی کبھی سینکڑوں سانپ اسے بے طرح ڈستے اور یہ اتنے حقیقی ہوتے کہ خواب سے جاگ جانے کے بعد بھی اسے اپنے جسم میں تکلیف محسوس ہوتی رہتی۔

جب یہ سلسلہ ناقابل برداشت ہو گیا تو جوزف اسے سائیکولوجسٹ کے پاس لے گیا۔ اس کے سیشن ہونے لگے۔ کچھ دن سکون رہا پر پھر سے وہی سب شروع ہو گیا۔ جیسے جیسے ڈیلیوری کا وقت قریب آتا گیا افق کی حالت بگڑتی گئی۔ ڈاکٹر اسے سمجھاتے کہ اتنا ذہنی دباؤ بچے کے لیے ٹھیک نہیں تھا پر یہ سب اس کے اختیار میں نہیں تھا۔

"تمہیں کیا ہو گیا ہے افق؟ پلیز ٹھیک ہو جاؤ۔" ابھی بھی وہ چیختے چلاتے اٹھ گئی تھی۔ جوزف نے اسے نیند کی دوا دی تھی تاکہ وہ سکون سے سو سکے پر جیسے سکون روٹھ گیا تھا۔ اس کے آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ چکے تھے۔ رنگت ذرد پڑ گئی تھی اور چہرے کی شادابی کہیں کھو گئی تھی۔

افق کو لگنے لگا تھا وہ دنیا کے کسی کونے میں بھی چلی جاتی اسے سکون کبھی نہیں ملتا۔

"پلیز افق میں تمہیں ایسے نہیں دیکھ سکتا۔" وہ سینے سے اس کا سر لگائے ہولے ہولے تھپک رہا تھا۔ افق کی حالت جوزف کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ وہ اسے تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"مجھے لگتا ہے ابا نے مجھے بد دعا دی ہو گی جوزف۔ اسی لیے یہ سب ہو رہا ہے۔" کئی دنوں سے اسے اورنگزیب کا خیال ستا رہا تھا۔ اسے اب لگنے لگا تھا اسکی یہ حالت اسکے یہ خواب اس کے گناہوں کی وجہ سے تھے۔

"ایسا کچھ نہیں ہے۔" وہ خود پر قابو پاتے بولا۔

"ایسا ہی ہے جوزف ایسا ہی ہے۔" اس نے اس کے سینے سے سر اٹھالیا اور پھر اس کے پہلو سے اٹھ کر، اس سے دور ہو کر سامنے بیٹھ گئی۔ جوزف نے اس کی حرکت کو محسوس کیا پر کہا کچھ نہیں۔ وہ سننا چاہتا تھا جو افق کے ذہن میں چل رہا تھا۔

" ابا کہتے تھے ہمارے گناہ سانپ جیسے ہوتے ہیں۔ پیچھا نہیں چھوڑتے جب تک ان کی معافی نہ مل جائے۔۔۔ "

وہ دائیں ہاتھ کے ناخنوں سے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت رگڑ رہی تھی۔ قریب ہی تھا وہ اپنے ہاتھ کو زخمی کر لیتی۔

"افق ایسا کچھ نہیں ہے۔ تم نے باتوں کو سر پر سوار کر لیا ہے۔" جوزف نے ہاتھ بڑھا کر اسے چھونا چاہا پر وہ بدک کر پیچھے ہٹ گئی۔ اس کا وجود کن آندھیوں کی زد میں تھا یہ جوزف سمجھنے سے قاصر تھا پر اس کی اِس حرکت پر جوزف ساکت ہو گیا تھا۔

"ایسا ہی ہے۔ ایسا ہی ہے۔ یہ میرے گناہ ہیں یہ مجھے کھا جائیں گے جوزف۔" وہ سر اٹھاتے ہیجانی انداز میں چلائی۔ جوزف کو وہ حواسوں میں نہیں لگی۔

"گناہ کھا جاتے ہیں۔ گناہ نہیں چھوڑتے۔ جوزف گناہ کھا جاتے ہیں۔" اس نے گھٹنوں کو سینے تک لے جانے کی کوشش کی۔ بازوؤں کو لپیٹ لیا۔ وہ اب رو رہی تھی۔

"افق۔۔۔" جوزف تڑپ کر اس کی جانب بڑھا۔

"پلیز نہیں۔ مجھے مت چھوئیں۔ جائیں یہاں سے۔ "

وہ اس سے دور بھاگ رہی تھی۔ شاید اس کے دماغ نے تانے بانے بن لیے۔ اس نے اللہ کے حکم کے خلاف جا کر یہ شادی کی تھی۔ اس نے گناہوں کو چُن لیا تھا۔ پھر سکون کہاں سے آتا؟ جوزف جبڑے بھینچے کئی لمحے اسے صدمے سے دیکھتا رہا۔ وہ اب بیڈ پر گر گئی۔ وہ اب سسک رہی تھی۔

"چلے جائیں پلیز۔۔" وہ جانتی تھی جوزف وہیں کھڑا تھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ جانتی تھی اس وقت وہ کن احساسات سے گزر رہا ہو گا پر وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

"میں تمہیں چھوڑ کر نہیں جا سکتا افق۔۔" وہ اس کی جانب جُھکا اسے اپنی آغوش میں لینا چاہتا تھا۔

"مجھے مت چھوئیں ورنہ میں مر جاؤں گی۔" افق کی جانب بڑھتا اس کا ہاتھ وہیں رک گیا۔ وہ تڑپ رہی تھی اور جوزف کو اس پل احساس ہوا کہ وہ اس کی ہو کر بھی اس کی نہیں تھی۔ وہ اس سے بہت دور جا چکی تھی اور کبھی کبھی محبتیں پا لینے کے بعد بھی ہم بس خالی ہاتھ ہی رہ جاتے ہیں۔ ہمارے حصے میں کچھ نہیں آتا۔

✿••✿••✿••✿

سپر وائزر کے آفس میں اس وقت فجر اور صفدر دونوں آرام دہ کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ بیچ میں رکھا گول میز اور اس کی دوسری جانب رکھا وہ قیمتی ڈبل سیٹر صوفہ تھا جس پر اس وقت دو سپر وائزر بیٹھے تھے۔ ایک میڈم رشنا اور

دوسرے سر واصف۔ دونوں اس وقت سنجیدہ تھے۔ میڈم رشنا چھوٹے بالوں والی ایک ماڈرن اور خوبصورت عورت تھیں۔ وہ ڈیپارٹمنٹ میں اپنی شخصیت اور اپنے فیشن کے طرز کی بنا پر سب کی پسندیدہ تھیں جبکہ ان کے برعکس سر واصف تھوڑے سنجیدہ اور سخت مزاج تھے وہ اسٹوڈنٹس کی پرفارمنس پر زیادہ فوکس کرتے تھے۔

آج انکے پروجیکٹ کی منظوری دی جانی تھی۔ فجر نے کچھ دیر پہلے اپنا آئیڈیا انکے سامنے رکھ دیا تھا۔

"ایک برائیڈل گاؤن؟ سیریسلی؟ مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی فجر۔۔" سرمئی رنگ کے ڈریس پینٹ میں ملبوس سر واصف نے افسردگی سے کہا جبکہ میڈم رشنا کی جانچتی نگاہیں فجر کو ہی دیکھ رہی تھیں۔ انہیں آج وہ پہلی بار اتنے رف حلیے میں نظر آئی تھی۔ ورنہ وہ تو بڑی نفاست پسند اور کمپوزلڑکی تھی۔ اس کی ڈریسنگ سینس اچھی تھی۔ اسے پتا تھا سادگی میں ماڈرن کیسے دکھنا تھا۔ اسی لیے وہ میڈم رشنا کو پسند تھی۔ میڈم رشنا کے بھورے چھوٹے بال بمشکل کانوں تک آتے تھے۔ اس وقت وہ ایک چست سی اسکرٹ پر لمبے گھٹنوں تک آتے گرم ٹاپ پہنے ہوئے تھیں جس کا رنگ سترنگی تھا۔ انکی عینک سر پر جمی تھی اور کانوں میں چمکتے ننھے آویزے انہیں حسین بنا رہے تھے۔

"یہ عام ڈریس نہیں ہوگا سر! یہ بہت خاص اور منفرد ہوگا۔ آپ کو ہمیں ایک موقع دینا چاہیے۔" جوڑے میں بندھے بالوں سے چند لٹیں پھسل کر نکل گئی تھیں اور اب چہرے کے دونوں جانب جھول رہی تھیں۔ میڈم رشنا اسے دیکھے گئی۔ انہیں فجر کا پر اعتماد ہونا پسند تھا۔ اسکی اٹھی ہوئی گردن اسے ممتاز بناتی تھی۔ وہ اپنی غلطی پر نظریں جھکا لیتی تھی پر گردن کبھی نہیں جھکتی تھی۔ میڈم رشنا جانتی تھی فجر میں بہت پوٹینشل تھا۔ وہ بہت آگے جا سکتی تھی۔

"پورے ہفتہ غائب رہ کر تم ایک برائیڈل ڈریس کا آئیڈیا لے کر آئی ہو؟؟ مجھے تم سے کسی دھماکے دار آئیڈیے کی امید تھی۔" وہ ابھی بھی مایوس نظر آرہے تھے۔

"وہ سر دراصل فجر کے فادر کی ڈیتھ ہوگئی تھی۔" صفدر نے صفائی پیش کرتے بات ادھوری چھوڑ دی۔ سر واصف کے ہونٹ اوہ میں سکڑ گئے جبکہ میڈم رشنا نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"مجھے لگتا ہے ہمیں فجر کو ایک موقع دینا چاہیے۔" میڈم رشنا کی آواز ابھری۔ فجر نے نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"ایم سوری فار یور لوس (میں تمہارے نقصان کے لیے معذرت خواہ ہوں) لیکن میں تمہارا آئیڈیا سننا پسند کروں گی۔ کچھ تیار کیا ہے؟؟" انکی بات پر فجر کی آنکھیں چمک اٹھیں اور صفدر تو بشاشت سے کھل اٹھا۔ اس نے فٹافٹ فائل سے وہ چند اسکیچز نکالے جو فجر نے ڈیزائن کیے تھے اور پھر اٹھ کر میڈم رشنا کو پکڑائے۔

"خوب۔۔" پہلا ڈیزائن دیکھتے ہی میڈم رشنا کی آنکھیں چمک اٹھیں جبکہ سر واصف بھی کسی حد تک اب متفق نظر آرہے تھے۔ کچھ دیر تک وہ سارے ڈیزائن دیکھ چکے تھے جبکہ فجر اب میز کے دوسری جانب کھڑی انہیں اپنا ڈیزائن سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

اس کے خوبصورت ہاتھ بات کرتے وقت ایک خاص انداز میں ہلتے تھے۔ آدھی باتیں تو وہی سمجھا دیتے تھے۔ وہ اپنے آئیڈیاز کو بہت وضاحت سے بیان کرتی تھی۔

اب وہ اپنے ہاتھ سے اپنی داہنی آنکھ کے گرد گول دائرہ بنا رہی تھی اور پھر اس نے گردن کے باہنے جانب کندھے کے قریب انگلی رکھی۔ اس کی شال کندھوں پر بکھری ہوئی تھی۔ اسکے سلکی بال جوڑے سے نکلنے کو بے تاب تھے۔

میڈم رشنا کی نظریں رشک سے اسے تک رہی تھیں جیسے جیسے وہ بیان کرتی جارہی تھی میڈم رشنا کی آنکھوں کی چمک بڑھتی گئی۔ مستقبل کی ایک عظیم کاسٹیوم ڈیزائنر اُنکے سامنے کھڑی تھی۔بس اُسے تھوڑا تراشنے کی ضرورت تھی۔

✿••✿••✿••✿

جوزف پیلس میں منعقد ہونے والی کرسمس پارٹی کے بعد بہت کچھ بدل گیا تھا۔اس رات مسٹر جوزف کے ساتھ لی گئی ولیم کی تصویریں ہر جگہ وائرل تھیں۔وہ اور جارج لائم لائٹ میں تھے پر ولیم پر زیادہ فوکس کیا جارہا تھا۔

"تم جوزف پیٹرسن کے بیٹے ہو تم نے کبھی بتایا نہیں؟"ڈیپارٹمنٹ میں اسے عجیب نظروں سے دیکھا جاتا۔کئی حسد کی ہوتیں تو کئی رشک کی اور یہی سب ولیم نہیں چاہتا تھا۔وہ اس زندگی سے دور بھاگتا تھا جہاں کیمرہ ہر وقت اس کے سر پر منڈلاتا رہتا۔وہ خبروں کی زینت نہیں بننا چاہتا تھا۔

" تمہیں کیا ضرورت ہے رگبی کھیلنے کی؟باپ کی طرح شوبز میں نام بناؤ۔"آج دھوپ نکلی تھی اور وہ اپنی ٹیم کے ساتھ پریکٹس کررہا تھا۔مخالف ٹیم تو مخالف تھی ہی پر اس کی اپنی ٹیم میں بھی کئی لڑکے اس کی شاندار پرفارمنس کی وجہ سے خار کھانے لگے تھے۔

" ویسے تم نیشنل ٹیم میں منتخب نہ ہوئے تو کیا شوبز جوائن کروگے؟؟"سب آتے جاتے اس پر جملے کس رہے تھے۔

نیل سب دیکھ رہا تھا جبکہ ولیم کے جبڑے بھنچے ہوئے تھے۔چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔وہ بال ہاتھ میں پکڑے سیٹی بجتے ہی مخالف سمت میں بھاگنے لگا پر ذہن بھٹک چکا تھا۔

پہلے نینسی نے اسے مشکل میں ڈالے رکھا اور اب یہ چرچہ کہ وہ جوزف پیٹرسن کا بیٹا تھا۔ ایک کامیاب پروڈیوسر کا بیٹا۔ اس وقت بھی اسکا ذہن بھٹکا اور مخالف ٹیم کی ٹکر پر وہ دھڑام سے نیچے گرا۔ مخالف ٹیم کے لوگ اسکے اوپر گر گئے۔ وہ اسے اٹھنے نہیں دے سکتے تھے۔ اس بار ولیم نے بھی اٹھنے کی یا آگے بڑھنے کی مزاحمت چھوڑ دی۔ سانس بری طرح پھولا تھا اور ذہن انتشار کا شکار تھا۔

جن ٹمٹماتی روشنیوں والی زندگی کی وجہ سے وہ سب اس سے حسد کر رہے تھے وہ نہیں جانتے تھے ان ٹمٹماتی روشنیوں کے پیچھے کس قدر اندھیرا تھا۔ کتنا اکیلا پن تھا۔

"اس کے باپ کے پاس بہت پیسہ ہے۔ رگبی کی نیشنل ٹیم میں اسے پیسہ کی بنا پر جگہ مل ہی جائے گی۔" مخالف ٹیم کے کیپٹن نے اس کے اوپر سے اٹھتے نخوت سے کہا۔ وہ سب چلے گئے جبکہ ولیم یونہی چت لیٹا رہا۔ وہ اب آنکھیں بند کیے خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

سردیوں کی شدت میں کمی آ رہی تھی۔ نینسی نے احمد سے تعلق ختم کر لیا تھا۔ اس نے لندن سے ایڈنبرا یونیورسٹی میں مائیگریشن کروالی تھی اور اب وہ ولیم کی ہی یونیورسٹی میں پڑھ رہی تھی۔ اس واقعے کو تین مہینے گزر چکے تھے۔ آہستہ آہستہ سب نارمل ہو رہا تھا۔ نینسی پہلے سے بدل گئی تھی شاید وہ محبت جیسے حادثے کے بعد زیادہ سمجھدار ہو گئی تھی۔ محبت تو پھر بدل ہی دیتی ہے۔ وہ اب سنجیدہ رہنے لگی تھی۔

مسٹر جوزف کی طرف سے کوئی ردعمل نہیں آیا تھا کیونکہ انکا کوئی معاہدہ ابھی ہوا ہی نہیں تھا بس ایک گہری خاموشی اور سرد پن تھا جو جوزف پیلس میں اتر آیا تھا۔

"تم ٹھیک ہو؟" نیل نے اس پر جھکتے ہاتھ بڑھایا۔

"ٹھیک ہوں۔۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑتے اٹھ کھڑا ہوا۔

"تم پریشان ہو؟؟"

"نہیں۔۔" ولیم نے دونوں ہاتھوں سے بالوں کو پیچھے سیٹ کرتے نارمل لہجے میں جواب دیا۔

"ایک نہ ایک دن تو سب کو پتا چلنا ہی تھا۔ یہ باتیں مخفی نہیں رہ سکتیں۔" نیل نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"ہاں میں جانتا ہوں۔" وہ دونوں اب چلتے ہوئے گراؤنڈ سے باہر نکل آئے تھے۔

"مجھے بھوک لگی ہے کہیں لنچ کرنے چلیں۔۔؟؟" نیل اسکا ذہن بھٹکانا چاہتا تھا۔

"بل کون دے گا؟؟" وہ اب چینجنگ روم کی طرف جا رہے تھے جہاں انکے بیگ رکھے تھے تاکہ یہ یونیفارم بدل سکیں۔

"آفکورس تم! جوزف پیٹرسن تمہارا باپ ہے میرا نہیں۔ "نیل نے اپنے لاکر سے بیگ نکالتے کہا۔ چہرے پر خباثت بھری مسکراہٹ تھی۔

"میرے باپ کی دولت میرے اکاؤنٹ میں نہیں ہے۔" ولیم اسی کے انداز میں بولا۔ وہ اپنے لاکر سے فون نکالے اب نینسی کا نمبر ملا رہا تھا تاکہ اس سے پوچھ کر اسے ساتھ لے جا سکے لیکن اسے حیرانی ہوئی۔ نینسی کا نمبر بند جا رہا تھا۔ اس نے گہرا سانس لیتے فون واپس رکھا اور اپنے کپڑے اٹھاتے باتھروم میں گھس گیا۔ تقریبا دس منٹ بعد وہ دونوں ڈیپارٹمنٹ سے نکل کر ولیم کی گاڑی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ولیم کو حال ہی میں اپنی بائیسویں سالگرہ پر یہ گاڑی ملی تھی بلکہ یوں کہنا مناسب ہو گا کہ اس نے منہ پھاڑ کر مانگی تھی۔

"تم دونوں کو اس بار کیا گفٹ چاہیے؟؟" مسٹر جوزف نے انکی سالگرہ سے دو دن پہلے پوچھا تھا یہ پہلی بار تھا کیونکہ بچے اب بڑے ہو گئے تھے اس لیے مسٹر جوزف نے پوچھ لیا۔ کھانے کی میز پر بیٹھے سبھی افراد حیران ہوئے تھے۔

"مجھے کچھ نہیں چاہیے انکل۔" نینسی نے مسکرا کر انکار کر دیا۔ وہ پہلے ہی سب کو بہت تنگ کر چکی تھی اور حالیہ اس کی مائیگریشن ہوئی تھی وہ انہیں مزید تنگ نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"اور تمہیں؟؟" مسٹر جوزف نے سکون سے کھانے کھاتے ولیم کو دیکھا۔

"Honda Civic RS e:HEV"

منہ پھاڑ کر کہتے ولیم نے مسٹر جوزف کو ساکت کر دیا۔ یقیناً وہ پوچھ کر پچھتائے ہوں گے۔ نینسی نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"واقعی؟" مسٹر جوزف جانچتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ کیا وہ سنجیدہ تھا؟

"آپ نے پوچھا میں نے بتا دیا۔ اگر آپ نہیں افورڈ کر سکتے تو اٹس اوکے۔" وہ سکون سے کہتے انہیں سلگا دیتا تھا اور پھر اگلی صبح جوزف پیلس کے باہر چمچماتی گاڑی کھڑی تھی۔

"تم منہ پھٹ ہو گئے ہو ولیم۔" اسکی پہلی ڈرائیو میں نینسی اس کے ساتھ تھی۔

"وہ نہ پوچھتے تو میں نہ مانگتا انہوں نے خود کلہاڑی پر پاؤں مارا ہے۔ اس میں میری غلطی نہیں ہے۔"

"میں دیکھ رہی ہوں تم انکل کو بہت تنگ کرنے لگے ہو۔"

"یوں کہو کہ زندگی کا مزہ لینے لگا ہوں۔" گاڑی اسٹارٹ کرتے اس نے نینسی کو دیکھا۔ آنکھوں میں شرارت ہی شرارت تھی جبکہ نینسی اسے گھور کر رہ گئی۔ پہلی گاڑی کا نام اس نے سینوریٹا رکھا تھا۔

اور نیل کو اسکی یہ سینوریٹا بہت پسند آئی تھی۔ ولیم کے ساتھ اس کی گاڑی میں بیٹھ کر وہ خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کرتا تھا اور اس وقت بھی وہ ولیم کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھا تھا اور سینوریٹا اپنی پوری تیزی سے بھاگ رہی تھی۔ وہ صحیح معنوں میں ڈیفالٹ پیس بن گیا تھا اور اس کا پہلا مقصد مسٹر جوزف کو سلگانا ہوتا تھا۔

✿••✿••✿••✿

اس رات نینسی رات کے کھانے پر نیچے نہیں آئی۔ اس کی طبیعت خراب تھی۔ یہ سنتے ہی ولیم اوپر کی جانب بھاگا وہ اس کے کمرے میں پہنچا تو نینسی تکیے میں منہ دیے اوندھی لیٹی تھی۔

"نینسی تم ٹھیک ہو؟؟" وہ اسے پکارتے بولا لیکن کوئی جواب نہیں آیا۔

"نینسی۔۔" اس نے آگے بڑھ کر تکیہ کھینچ لیا۔

"ولیم جاؤ یہاں سے۔ تنگ مت کرو۔" نینسی نے پہلی بار ایسا کچھ کہا تھا۔ ولیم چونک گیا۔

"کیا مطلب ہے تنگ نہ کروں؟ مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے؟"

اس نے تکیہ نینسی کے سر پر مارا۔ وہ اٹھ بیٹھی اور اس کا چہرہ دیکھ کر ولیم ساکت ہو گیا۔ وہ شاید رو رہی تھی۔ آنکھوں کے پپوٹے سوجھے ہوئے تھے۔

"تم ٹھیک ہو نا؟؟" وہ اس کے قریب بیٹھتے بولا۔

"کچھ ٹھیک کیوں نہیں ہو رہا ولیم؟ سب چاہنے کے باوجود ٹھیک کیوں نہیں ہو رہا؟" وہ گھٹی گھٹی آواز میں بولی۔

" مجھے بتاؤ کسی نے کچھ کہا ہے؟" وہ بے چین ہوا۔ نینسی نے یونہی بیٹھے بیٹھے آنکھیں موند لیں۔

"مجھے لگا تھا میں اُسے بھول گئی ہوں۔ مجھے لگا سب ٹھیک ہو گیا ہے۔ پر دیکھو میں اُسے نہیں بھولی۔ کچھ ٹھیک نہیں ہوا۔" وہ بولتی گئی اور ولیم ساکت بیٹھا اسے سنتا گیا۔

"احمد کی کال آئی تھی ولیم۔ ویڈیو کال۔ وہ ہسپتال میں ہے۔ اس کا ایکسڈنٹ ہوا ہے۔ اس کی حالت بری ہے ولیم اور اسے دیکھتے ہی مجھے احساس ہوا کہ میں تو خود کو دھوکا دے رہی تھی۔ میں آگے نہیں بڑھ پائی۔ میں تو وہیں کھڑی ہوں۔ دیکھو۔ خالی ہاتھ ہوں۔ "

وہ کسی ٹرانس میں بولتی گئی اور ولیم سن ہو گیا۔ تو کیا احمد گیا نہیں تھا۔ وہ تو بھول گیا تھا اور اسے لگا تھا نینسی بھی بھول گئی ہو گی پر شاید وہ نہیں جانتا تھا محبتیں یوں آسانی سے بھلائی نہیں جاتیں وہ یوں پیچھا نہیں چھوڑتی ہیں۔ اسے لگا جیسے تین ماہ گزرے ہی نہیں تھے۔ وقت واپس جا کھڑا ہوا۔

"نینسی۔۔۔؟؟" ولیم نے ہولے سے پکارہ۔

"میں اس کے ساتھ جینا چاہتی ہوں ولیم کیا میری یہ خواہش بہت بڑی ہے؟" اس نے آنکھیں کھولیں۔ پل بھر کو دونوں کی نظریں ٹکرائیں۔

" بتاؤ نا ولیم کیا یہ ناممکن ہے؟ وہ کہتا ہے سب مجھ پر منحصر ہے پھر میں اپنی محبت کو کیسے اپنے ہاتھوں سے کھو دوں؟" وہ آج سراپا سوال تھی اور ولیم کے پاس جواب نہیں تھے۔ صرف کسی شخص کے لیے اپنا مذہب تبدیل کرنا اسے نہیں پسند تھا۔ وہ نینسی کو کیا جواب دیتا۔

جبکہ نینسی جن احساسات سے گزر رہی تھی اسے بس وہ سمجھ سکتی تھی۔ احمد کو اپنانے کے لیے اسے باقی سب کو کھونا پڑتا اور وہ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کہ اُسے کسے چننا تھا اور یہ مرحلہ بڑا تکلیف دہ ہوتا ہے جب انسان کو دو پسندیدہ لوگوں میں سے کسی ایک کو چننا پڑے۔

"اس نے تمہارا نمبر کیسے ڈھونڈا؟؟" دیکھتے ہی دیکھتے ولیم کے تاثرات تن گئے۔ نینسی نے مائیگریشن کروالی تھی نمبر بدل لیا تھا پھر وہ شخص آخر کہاں سے آ گیا تھا؟

"مجھے نہیں پتا۔" وہ بس اتنا ہی کہہ پائی۔ ولیم نے اُسکا فون اٹھایا۔

"نمبر بتاؤ مجھے۔" یہ احمد جو بھی تھا پر اسرار تھا۔ نینسی کے پاس اس کی کوئی تصویر نہیں تھی کوئی ڈیٹا نہیں تھا۔

پہلا نمبر اس نے نینسی سے نہیں لیا تھا کیونکہ وہ ان دونوں کے درمیان نہیں آنا چاہتا تھا پر اب معاملہ عجیب ہو گیا تھا۔

آخر اس نے نینسی کا نیا نمبر کیسے ڈھونڈا تھا؟ ولیم کو اب فکر ہو رہی تھی۔ اس نے نینسی کے فون سے نمبر لے کر اپنے فون سے ملایا پر وہ بند جا رہا تھا۔

وہ بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔ دماغ گھوم گیا۔

"ولیم پلیز ہیلپ می۔ مجھ سے یہ سب برداشت نہیں ہو رہا ہے۔ میں نے اس کے بنا جینے کی کوشش کی ہے پر مجھے اس کے بنا جینا نہیں آتا۔"

نینسی کی بات پر ولیم کا دل کسی نے مٹھی میں پکڑ کر بھینچ دیا۔ اس کے چہرے پر مسکان ابھری۔ زخمی مسکراہٹ۔ خود کا مزاق اڑانے والی۔ اسے لگتا تھا وہ اور نینسی ہمیشہ ساتھ رہیں گے پر اسے اب پتا چلا تھا نینسی ان کی نہیں رہی تھی۔

وہ گہرا سانس لیتے اس کے سامنے آ بیٹھا۔ ایک ٹانگ بیڈ پر جمائے جبکہ دوسری نیچے لٹک رہی تھی۔

"تم جانتی ہو نا نینسی تم کیا کہہ رہی ہو؟ یا وہ ہو گا یا ہم سب۔ تم ہمیں چھوڑ دو گی؟؟" وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھتا رہا۔ کتھئی آنکھوں میں خوف بھی تھا۔ کہیں نینسی نے اُسے چن لیا تو؟ نینسی کئی ثانیے اسے دیکھتے رہی اور پھر سر جھکا گئی۔ ولیم نے اپنے دل کو رکتے محسوس کیا۔

"اوکے اوکے۔ میں سمجھ گیا۔" وہ جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ آنکھوں میں بے یقینی تھی۔ اُنکی نینسی اُنکی نہیں رہی تھی۔ نینسی نے کسی اور کی محبت کو چن لیا تھا۔ دل کی تکلیف بڑھتی گئی۔ چہرے میں ابھی تک بے یقینی تھی اور آنکھوں میں استہزاہ !

"ایم آؤٹ۔۔" اس نے دونوں ہاتھ کھڑے کر دیا۔

"تمہیں جو ٹھیک لگتا ہے وہ کرو۔ میں تمہیں نہیں روکوں گا۔" وہ مسکرانے کی کوشش کر رہا تھا پر آنکھوں میں نمی ابھرنے لگی۔

"ولیم۔۔" وہ بے ساختہ بیڈ سے نیچے اتری۔ ولیم کی حالت اسے ٹھیک نہیں لگی تھی۔

"نہیں نینسی نہیں۔ تمہاری آنکھوں نے سب کہہ دیا۔ تم اب آزاد ہو۔ ولیم نے تمہیں آزاد کیا۔" وہ تیزی سے کہتا کمرے سے باہر نکل گیا اور نینسی کھڑی رہ گئی۔

وہ جانتی تھی ولیم شدت پسند تھا۔ وہ جسے چھوڑ دیتا تھا پھر اس کے لیے پوری دنیا میں جگہ کم پڑ جاتی تھی۔ تو کیا وہ اسے واقعی آزاد کر گیا تھا؟

نینسی کو اپنا سر چکراتا محسوس ہوا۔ اس نے بیڈ پر بیٹھتے بے ساختہ اپنے سر کو تھاما۔

وہ اس کی خوشی کے لیے خود کو بیچنے کے لیے تیار تھا پھر یہ سب کیوں ہو رہا تھا؟

"احمد آپ میرا کونسا امتحان لینے آئے ہیں؟؟" وہ اب نم پلکیں لیے اس کا نمبر ملا رہی تھی جو بند جا رہا تھا۔

✿••✿••✿••✿

ولیم اب اسے دیکھتا نہیں تھا۔ نینسی بلانے کی کوشش بھی کرتی تو وہ ہوں ہاں کے علاوہ کوئی جواب نہیں دیتا۔ ان کی ناراضی کو سب نے محسوس کیا۔ نینی کے پوچھنے پر نینسی نے انہیں ولیم کی ناراضی کا بتایا۔ وہ زیادہ دیر ناراض نہیں رہ سکتے تھے لیکن ولیم اب اسے مکمل نظر انداز کر رہا تھا۔ اسے دکھ ہوا تھا کہ بارہ سالوں سے ان کے ساتھ رہتی نینسی کیسے چند مہینوں میں انہیں چھوڑنے کا فیصلہ کر سکتی تھی۔ پر ولیم کی نظر اندازی نینسی کو تکلیف پہنچا رہی تھی۔ وہ اس سے بات کرنا چاہتی تھی۔ اسے کچھ سمجھانا چاہتی پر وہ سننے کو تیار نہیں تھا۔

اس روز تیز بارش تھی۔ وہ مرکزی دروازے سے ملحقہ سیڑھیوں پر کھڑی تھی جب ولیم کی گاڑی آ کر رکی۔ نینسی چوکنی ہو گئی۔ دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اس نے سوچ لیا تھا وہ آج اس سے بات کر کے ہی رہے گی۔

اندر نینی بارش کے پکوان بنوا رہی تھیں اور نساء خوشی خوشی انکا ہاتھ بٹا رہی تھی۔

ولیم گاڑی کھڑی کرنے کے بعد پیلس کی جانب آیا۔ چند سیڑھیاں چڑھتا وہ نینسی کے پہلو سے گزرنے لگا تو نینسی نے اُسے کہنی سے پکڑ کر روک لیا۔

"ولیم پلیز میری بات سن لو۔" وہ روہانسی ہوئی۔ ولیم نے ایک گہرا سانس لیا اور اگلے ہی پل جھٹکے سے اپنا بازو چھڑا لیا۔

"کیا چاہتی ہو نینسی؟ کیا کروں اب میں تمہارے لیے؟؟" وہ غصے سے پلٹا۔ آنکھیں شعلے اگل رہی تھیں جبکہ بال کسی حد تک بارش میں بھیگ چکے تھے۔

"ہیلپ می پلیز!" نینسی نے التجا کی۔

"کیا ہیلپ چاہیے اب تمہیں میری؟ ہاں؟ بولو؟ کیا کروں تمہارے لیے؟" وہ پہلی بار اس پر چلایا تھا۔ کالی جیکٹ پہنے، کندھے پر بیگ ڈالے ولیم اس وقت جانے کیسے خود پر ضبط کیے کھڑا تھا۔

"ایم سوری ولیم۔۔۔" وہ بس اتنا ہی کہہ پائی۔ الفاظ ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

"سوری مائی فٹ! تم ایسی نہیں تھی نینسی تم فیصلہ کر کے قائم رہنے والوں میں سے تھی لیکن اب تم دو کشتیوں کی مسافر بن رہی ہو۔ فیصلہ کر لو تمہیں کیا چاہیے اور اس پر قائم رہو۔ پلیز۔" وہ غصے سے کہتا اندر کی جانب بڑھا۔

"ایسے مت بولو ولیم میں مر جاؤں گی۔" نینسی نے اس کے قدموں میں زنجیر ڈالی۔ وہ رک گیا۔ پھر پلٹا۔ اس کے چہرے پر بے یقینی تھی۔

"تم کون ہو؟؟" وہ اسکی جانب بڑھا اور عین سامنے آ کھڑا ہوا۔

"میں تمہیں نہیں جانتا۔ تم میری نینسی نہیں ہو۔ اسے بلیک میلنگ کی ضرورت نہیں پڑتی۔ وہ اتنی بزدل نہیں ہے۔ میں تمہیں نہیں جانتا۔ کون ہو تم؟؟" وہ ہولے ہولے کہتا الٹے قدموں اس سے دور ہونے لگا پھر وہ پلٹ گیا۔ آنکھوں میں بے یقینی ہی بے یقینی تھی۔ تابڑ توڑ بارش یونہی برستی رہی اور اس کے ساتھ نینسی کا دل روتا رہا۔

ولیم نے پوری قوت سے دیو قامت دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا دروازہ اب بند ہو چکا تھا۔ نینسی وہیں کھڑی رہ گئی۔ ایک محبت اس سے اس کا سب کچھ چھین رہی تھی اور وہ کچھ نہیں کر پا رہی تھی۔

✿••✿••✿••✿

ایک آخری کال

ایک آخری التجا

ایک آخری دیدار

ایک آخری رشتہ

ایک آخری سسکی

اور پھر ایک آخری رات

موت کسی آخری خواہش کو پناہ نہیں دیتی!

یہ ہفتہ بعد کی بات تھی۔ اس رات بھی موسم ابر آلود تھا۔

موریفیلڈ میں موجود رگبی اسٹیڈیم اس وقت عوام سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ اسٹیڈیم میں جلتے برقی قمقموں نے دن کا سماں باندھ دیا تھا۔ چاروں جانب سے شور ابھر رہا تھا۔

آج اس اسٹیڈیم میں سکاٹ لینڈ کی دو ٹیمیں آمنے سامنے تھیں۔ایک ایڈنبرا کی ٹیم جس میں ولیم تھا۔ پچھلے ایک ہفتے سے ان کے میچ چل رہے تھے۔ آج فائنل تھا۔فائنل میں ولیم کی ٹیم پہنچ چکی تھی جبکہ دوسری ٹیم گلاسگو سے آئی تھی۔ یہ بہترین موقع تھاان سب کے پاس نیشنل ٹیم میں جانے کا۔ولیم اپنی پوری ہمت لگا رہا تھا۔

اس کا جسم پسینے سے شرابور تھا۔ماتھے پر بندھی پٹی پر گرتے بال اور سرخ چہرہ لیے وہ صرف جیتنے آیا تھا۔

سامان میں رکھا فون کب سے بج رہا تھا۔ نینسی کا نمبر جگمگ کر رہا تھا۔ نینسی اس کی ناراضی کی وجہ سے میچ دیکھنے بھی نہیں آئی تھی اور یہ بات ولیم کو غصہ دلا رہی تھی اور اس کا یہ غصہ اسے مزید جنونی بنا رہا تھا۔

وہ رگبی کو اپنا جنون بنا چکا تھا اور اس لیے اب جنونی بنا کھیل رہا تھا۔

جب بریک ٹائم ہوا تو وہ اپنے سامان تک آیا۔ نینسی کی کئی کالز تھیں۔ایک پل کو وہ اسے فون کرنے لگا پر اگلے ہی پل اس کے ہاتھ رک گئے۔اس نے جبڑے بھینچتے فون واپس رکھ دیا۔

بادل زور سے گرجے اور ٹپ ٹپ بارش برسنے لگی۔

یہ آخری راؤنڈ تھا۔دونوں ٹیمیں اب تک اسکور کے معاملے میں برابر چل رہی تھیں۔

ایک سیٹی بجی اور آخری راؤنڈ شروع ہوا۔بال پکڑے ولیم کی ٹیم کے کچھ لڑکے ادھر ادھر بھاگتے دکھائی دیے۔

ولیم چوکنا کھڑا تھا۔بال نیل کے ہاتھ میں تھا۔

"ولیم۔۔۔" وہ زور سے چلایا۔وقت جیسے رک گیا۔شور کرتا اسٹیڈیم ساکت ہوا۔ نیل نے اسے پکارتے بال اس کی جانب پھینکا۔ٹپ ٹپ گرتا پانی اب ولیم کے بالوں سے بھی ٹپک رہا تھا۔گہرے سانس لیتا ولیم اچھلا اور اس نے

بال کو تھام لیا وقت پھر سے چل پڑا۔ شور کی آواز ابھری۔ اب وہ بال کو تھامے بھاگ رہا تھا۔ کئی کھلاڑی اس سے ٹکرائے لیکن اس نے ٹھان لیا تھا وہ نہیں گرے گا۔ وہ سب سے ٹکراتا سب کو گراتا آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ ان گول ایریا میں بڑھ رہا تھا۔ قریب تھا کہ وہ گول کر دیتا اسے گرا لیا گیا۔ وہ سب اس پر جھک گئے۔ وہ اسے آگے بڑھنے سے روک رہے تھے۔ ولیم نے اپنی قوت لگائی وہ زور سے چلایا اور سب کو دھکیلتا دوبارہ اٹھا اور پھر اگلے ہی لمحے وہ لمبی چھلانگ بھر تا منہ کے بل گول ایریا میں گرا تھا۔ لوگ منہ کھولے اسے دیکھ رہے تھے۔ پل بھر کو شور مدھم ہوا اور اس کے گول کرتے ہی پورا اسٹیڈیم گونج اٹھا۔ ایڈنبرا ٹیم جیت چکی تھی۔ وہ بال لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی ٹیم اس کی جانب بڑھی۔ وہ سب چلا رہے تھے۔ بارش تیز ہو گئی۔ جیت کا اعلان ہو چکا تھا۔ سب آ کر ولیم سے چپک گئے۔ گلا پھاڑ پھاڑ کر ہوٹنگ کی جا رہی تھی۔ وہ خوش تھا بہت خوش۔ نیل کچھ کہہ رہا تھا پر کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ اپنے فون کو لینے واپس اپنے سامنے کی طرف آیا تو نینسی نے اسے ایک ویڈیو بھیجا ہوا تھا۔ ولیم کی بھنویں سکڑ گئیں۔ اس نے ویڈیو کھولا تو اگلے ہی پل اسے اسٹڈیم تباہ ہوتا محسوس ہوا۔

"ولیم پلیز ہیلپ می! میں مر جاؤں گی ولیم۔" ویڈیو واضح نہیں تھا۔ وہ جنگل میں تھی۔ ان کے فیورٹ اسپوٹ پر۔ وہ خوفزدہ تھی۔ وہ رو رہی تھی۔ ولیم نے بے ساختہ چاروں جانب دیکھا۔ وقت پھر سے رک گیا۔ اس کی ٹیم اب لائن بنائے آگے بڑھ رہی تھی۔ انہیں ٹرافی ملنی تھی۔

وہ لڑکھڑا گیا۔ شور ساکت ہوا۔ کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا۔ سب اسلو موشن میں چلا گیا۔

اس نے پھر سے ویڈیو چلایا۔

"**پلیز ہیلپ می ولیم۔۔**" وہ اس سے ہی مخاطب تھی۔ کانچ کی مانند کچھ ٹوٹا اور اگلے ہی پل ولیم نے خود کو بھاگتے ہوئے پایا۔ بارش تیز ہو گئی تھی۔

"ولیم کہاں جا رہے ہو؟" نیل نے اسے پکارہ۔ لوگ اسے دیکھ رہے تھے پر ولیم کو یاد رہا تو اتنا کہ نینسی مصیبت میں تھی۔ وہ سرپٹ بھاگ رہا تھا۔ نیل پہلے اسے دیکھتا رہا پھر وہ بھی سب چھوڑ چھاڑ کر اس کے پیچھے لپکا۔

دس منٹ لگے تھے اسے اپنی مخصوص جگہ پہنچنے میں اور وہاں پہنچتے ہی وہ منہ کے بل گرا۔ نیل اس کے پیچھے تھا۔

ولیم کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھٹ گئیں۔ رات کے اس پہر تیز برستی بارش جنگل میں واضح سنائی دے رہی تھی۔ وہ گرا پھر اس نے اٹھنے کی کوشش کی پر اگلے ہی پل وہ پھر سے گر گیا۔ اس کی آنکھیں وحشت سے پھٹی رہ گئی تھیں۔ اس کے عین سامنے جہاں انکے ہیموک لگے تھے وہاں بیچوں بیچ نینسی کی لعش جھول رہی تھی۔ درخت کے موٹے تنے سے بندھی رسی نینسی کے گلے میں تھی۔ اس کی گردن ایک جانب ڈھلکی ہوئی تھی۔

نیل جیسے ہی وہاں پہنچا وہ نینسی کو دیکھ کر گرتے گرتے بچا۔ اس نے بے ساختہ منہ پر ہاتھ رکھ لیے۔ وہ برقی قمقمے جو نینسی اور ولیم نے وہاں لگائے وہ سب جل رہے تھے اور ان کے درمیان جھولتی نینسی کی لعش واضح تھی۔

"نو۔۔۔ نینسی۔۔" ولیم کو جیسے ہی ہوش آیا وہ تڑپ کر اس کی جانب بھاگا۔ اس نے قریب جا کر نینسی کی لٹکتے جسم کو تھام لیا۔ وہ اسے ٹانگوں سے تھامے سہارا دینے کی کوشش کر رہا تھا۔

"نینسی۔۔ نو۔۔ نینسی۔۔" وہ بے طرح چلا رہا تھا۔ اس کی حالت بگڑ گئی تھی۔ ایسا تو اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ نیل کو جیسے ہوش آیا وہ جلدی سے آگے بڑھا اور نیچے گرا میز سیدھا کر کے رکھا پھر تیزی سے اوپر

چڑھاوہ اب نینسی کے گلے سے رسی کھول رہا تھا۔ اگلے چند لمحوں میں اسے نیچے اتار لیا گیا۔ وہ ولیم کے بازوؤں میں جھول گئی۔ نیل اب ایمبولینس کو فون کر رہا تھا۔ اس نے ساتھ ہی پولیس کو فون کیا۔

" نینسی پلیز آنکھیں کھولو۔ پلیز نینسی۔" وہ اب اس کا گال تھپتھپا رہا تھا۔ اس کا چہرہ زرد پڑ چکا تھا۔ وہ مردہ تھی اور مردہ ہی لگ رہی تھی۔ پنڈلیوں تک آتا وہ سلک کا سلیولیس گاؤن اس کا نائٹ ڈریس تھا جو گیلا ہو کر جسم سے چپک گیا تھا۔ اس کے سنہری بالوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔ نیل نے ولیم کے قریب بیٹھتے نینسی کی نبض کو چھوا۔ وہ ساکت تھی۔ پھر گردن سے چھوا وہاں زندگی کی کوئی رمق نہیں تھی۔

" ولیم وہ مر چکی ہے۔" نیل نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"نن۔۔ نہیں۔۔ نہیں نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔" اس نے نینسی کے مردہ وجود کو خود میں بھینچ لیا۔

" نینسی نہیں مر سکتی۔" وہ چلایا اور پھر چلاتا گیا۔ رات کے اس پہر اس کی چیخوں سے پورا جنگل گونج اٹھا تھا۔

نیل ان سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گیا۔ اسے بہت بڑا دھچکا لگا تھا۔

کچھ دیر ایمبولینس کے سائرن کی آواز گونج اٹھی۔ وہ ندی کی جانب راستہ نکلتا تھا وہیں کھڑی تھی۔ پولیس آ گئی۔

مسٹر جوزف آ گئے۔

" ولیم چھوڑ دو اسے وہ مر چکی ہے۔" وہ نینسی کو نہیں چھوڑ رہا تھا۔ مسٹر جوزف نے آگے بڑھ کر اسے تھاما۔ اس کے دونوں بازوؤں سے نینسی کے مردہ وجود کو نکال لیا گیا۔ وہ اسے اب اسٹریچر پر ڈال رہے تھے۔

" ولیم۔۔۔" مسٹر جوزف نے اپنا کوٹ اتار کر اس پر ڈال دیا۔ وہ اب اس کا گال تھپتھپا رہے تھے۔

"ڈیڈ نینسی۔۔۔ڈیڈ۔۔۔ڈیڈ۔۔۔" وہ بولنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن الفاظ ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ نینسی کی موت مسٹر جوزف کے لیے بھی تکلیف دہ تھی۔ مسٹر جوزف نے ولیم کو خود میں بھینچ لیا۔ یہ شاید پہلی بار تھا جب مسٹر جوزف نے سے گلے لگایا تھا۔

"وہ نہیں مر سکتی ڈیڈ وہ ایسے نہیں مر سکتی۔۔" وہ اس کے کندھے سے لگا بچوں کی طرح رو رہا تھا۔

"وہ ہماری نینسی ہے ڈیڈ وہ ایسے نہیں مر سکتی۔" ولیم کی ساری تکلیفیں جاگ اٹھی تھیں۔ پنکھے سے جھولتی ماں کی لعش کو وہ آج تک نہیں بھولا تھا۔ یہ نینسی نے کیسا زخم دیا تھا؟ یہ تو ناسور بننے والا تھا۔

"مسٹر جوزف پوسٹ مارٹم کے لیے آپ کو ہمارے ساتھ ہسپتال چلنا ہو گا۔" عقب سے انہیں پکارہ گیا۔ نیل آگے بڑھ آیا اس نے ولیم کو تھام لیا۔ مسٹر جوزف اب کچھ فاصلے پر کھڑے پولیس اہلکاروں سے بات کر رہے تھے۔ وہ نینسی کا پوسٹ مارٹم نہیں چاہتے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے بات مزید پھیلے۔ پہلے ہی یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیلنے والی تھی کہ جوزف پیٹرسن کی بھانجی نے خودکشی کر لی تھی۔

"آر یو شیور؟ ہو سکتا ہے یہ قتل ہو اور آپ کی بھانجی پیلس سے یہاں آ کر خودکشی کیوں کرے گی۔۔؟؟" پولیس اہلکار تفتیشی انداز میں بولا۔

"میں کچھ نہیں جانتا۔ میں بس اتنا جانتا ہوں کہ مجھے یہ کیس یہیں بند کرنا ہے۔ میں اس کا وارث ہوں اور یہ میرا فیصلہ ہے۔" مسٹر جوزف کی بات پر پولیس اہلکاروں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ کچھ دیر بعد ایمبولینس پیلس کی جانب رواں تھی۔ ولیم اب مسٹر جوزف کی گاڑی میں سپاٹ چہرہ لیے بیٹھا تھا۔ بالکل سپاٹ۔ اس کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا آس پاس کیا ہو رہا تھا۔ اس کی سماعت میں صرف نینسی کے الفاظ گونج رہے تھے۔

"میں مر جاؤں گی ولیم پلیز ہیلپ می!"

وہ اسے ساری زندگی کا پچھتاوہ دے گئی تھی۔ جس پیلس میں وہ ٹرافی لانے والا تھا اس پیلس میں وہ نینسی کی لعش کے ساتھ داخل ہوا تھا۔

کئی گاڑیاں آگے پیچھے جوزف پیلس آکر رکیں جہاں روشنیوں کا ایک جہان امڈ آیا تھا۔ ہاتھ میں مائیک اور کیمرہ تھامے میڈیا والے وہاں موجود تھے۔ رپورٹنگ کی جارہی تھی۔ دھڑا دھڑ تصویریں بن رہی تھیں۔

پولیس کی کثیر نفری موجود تھی۔ میڈیا کو پیلس سے دور رکھنے کی کوشش کی جارہی تھی۔ جوزف پیٹرسن شہر کی ایک معزز شخصیت تھے۔ ان کے گھر یہ حادثہ ہوا تھا اور یہ اگلے کئی دن ہیڈ لائن بننے والی تھی۔

ولیم کو جس قدر کیمرے کی فلیش لائٹ سے نفرت تھی اس وقت اتنے ہی کیمروں کی زد میں تھا۔

نینسی کو ایمبولینس سے نکال کر اسٹریچر پر ڈالا گیا اور پھر اسے پیلس کے اندر لے جایا گیا۔

"ولیم ہوش میں آؤ۔۔" اسے بت بنے دیکھ کر نیل نے پکارہ۔ وہ اسے اندر لے جارہا تھا۔ مسٹر جوزف کے سیکرٹری آگئے تھے۔

نینی اور نساء اسٹریچر پر پڑی نینسی کی لعش دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھیں۔ وہ بائیس سالہ لڑکی یوں چھوڑ جائے گی کسی نے نہیں سوچا تھا۔

ولیم تو کسی سناٹے میں قید ہو کر رہ گیا تھا۔ وقت کیسے گزرا کچھ پتا نہ چلا۔ اگلے دن نینسی کی آخری رسومات ادا کی گئیں۔ لکڑی کے تابوت میں رکھا اسکا مردہ وجود مردہ نہیں لگ رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ ابھی اٹھ جائے گی۔

جارج بھی واپس آ چکا تھا۔

بارش میں ہی اس کی آخری رسومات ادا ہوئیں۔

"کیسی لگ رہی ہوں میں؟؟" نینسی کا تابوت اب قبر میں رکھا جا رہا تھا۔ سیاہ کپڑے پہنے سب لوگ سیاہ چھاتے پکڑے کھڑے تھے۔ ولیم بھیگ گیا تھا۔ جارج اسے بارش سے بچانے کی کوشش کر رہا تھا پر اسے کوئی پرواہ نہیں تھی۔

عقب سے ابھرتی آواز پر ولیم نے رخ موڑ کر دیکھا۔ سفید گاؤں پہنے وہ اس کے قریب ہی کھڑی تھی۔

"دیکھو میں اپنے آخری لمحوں میں بھی حسین لگ رہی ہوں نا۔۔" وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھے گیا۔

"تمہیں کیا لگا تھا میں تمہیں چھوڑ جاؤں گی؟" وہ چہرہ اٹھائے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ بلونڈ بالوں والی نینسی اب اس کے ساتھ کھڑی تھی۔ اسے ہیلوسینیشن ہوتے تھے۔ ہر برا حادثہ اسے اس بیماری کے قریب کر دیتا تھا اور ایک بار پھر سے اس بیماری کا آغاز ہو چکا تھا۔ ایک طرف نینسی کی قبر پر مٹی ڈالی جا رہی تھی اور دوسری طرف وہ اس کے سامنے مجسم تھی۔ کئی کیمرے اس منظر کو قید کر رہے تھے۔

✿••✿••✿••✿

قدرتی بات ہے جب انسان کے ساتھ کوئی حادثہ ہوتا ہے تو وہ پہلے کئی دن صدمے میں گزارتا ہے۔ ولیم بھی صدمے میں تھا۔ پہلے پندرہ دن وہ کمرے سے ہی نکلا۔ نکلتا تو نینسی کی قبر پر چلا جاتا۔ اسے رگبی سے نفرت ہو گئی تھی

جسکی وجہ سے وہ نینسی کا فون نہیں اٹھا پایا تھا۔ اسے خود سے نفرت ہو رہی تھی کہ اس نے نینسی کو اکیلے چھوڑ دیا تھا۔

اور جوزف پیلس پر تو موت جیسی خاموشی چھائی گئی تھی۔ نینی ٹوٹ گئی تھیں جبکہ نساء خوفزدہ تھی۔ جارج واپس جا چکا تھا۔ مسٹر جوزف خاموش تھے۔ نینسی کی موت کی وجہ سے ان پر کئی سوال کئی انگلیاں اٹھی تھیں۔ کوئی اسے خودکشی کہہ رہا تھا تو کوئی اسے قتل۔ جتنے منہ اتنی باتیں تھیں اور مسٹر جوزف نے اس سلسلے میں ابھی تک کوئی بیان نہیں دیا تھا۔ میڈیا ان کے بیان کا انتظار کر رہا تھا۔

اس وقت وہ اسٹڈی روم میں تھے جب ولیم کمرے کا دروازہ کھولتے اندر داخل ہوا۔ اس نے اجازت لینا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا۔ وہ آج دن میں نینسی کی بھیجی ویڈیو دوبارہ دیکھ رہا تھا جب اسے نینسی کے موبائل کا خیال آیا۔ اس نے سب سے پہلے جارج کو فون کیا۔

"نینسی کا موبائل تمہارے پاس ہے؟؟"

"کونسا موبائل؟؟" وہ حیران ہوا۔

"اس کے پاس ایک ہی موبائل تھا جارج۔ فیکٹری نہیں تھی۔" کس قدر چبا چبا کر کہا گیا۔

"مجھے نہیں پتا۔ میں نے اسکا موبائل نہیں دیکھا۔ شاید ڈیڈ کے پاس۔۔" وہ اسکی بات پوری سنے بنا فون بند کر چکا تھا۔

اور اب مسٹر جوزف کے سامنے موجود تھا۔

"نینسی کا فون آپ کے پاس ہے؟؟" کس قدر روکھے انداز میں پوچھا گیا۔ مسٹر جوزف نے کنکھیوں سے اسے دیکھا۔ شکن زدہ ٹی شرٹ، بکھرے بال اور لٹا پٹا سا حلیہ۔ پھر انہوں نے گہرا سانس لے کر خود کو پر سکون رکھنے کی کوشش کی کیونکہ وہ جانتے تھے ولیم آیا تھا تو اب سُلگا کر جاتا۔

"کس فون کی بات کر رہے ہو؟" انہوں نے اپنی جھولتی کرسی کو روک کر الٹا سوال کیا۔

"فار گیڈ سیک ڈیڈ! نینسی کے پاس ایک ہی فون تھا۔ وہی چاہیے مجھے۔"

"اسکے کمرے میں دیکھو۔ نساء سے پوچھو۔ میں اسکا فون کیوں لوں گا۔۔؟؟" انہوں نے نرم لہجے میں جواب دیا۔ وہ جانتے تھے ولیم کن احساسات سے گزر رہا تھا اس لیے وہ کوئی سختی نہیں چاہتے تھے۔

"فون اسکے کمرے میں کیسے ہو گا؟ فون تو وہیں تھا جنگل میں۔ اس نے مرنے سے پہلے۔۔۔" وہ بولتے بولتے رک گیا۔ ہونٹ پیوست کر لیے۔ سینے کے مقام پر جلن کا احساس ہوا۔ تکلیف بڑھ گئی۔ کتنا مشکل تھا اس کے لیے موت کا لفظ استعمال کرنا۔ اس نے بے ساختہ اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ مسٹر جوزف اسے گہری نظروں سے دیکھتے رہے۔

"اس نے مجھے کالز کی تھیں۔ اس نے ویڈیو بھیجی تھی۔ وہ اسی جگہ کی تھی پر فون کیسے گھر ہو سکتا ہے؟؟" وہ الجھا ہوا تھا۔ مسٹر جوزف کی کشادہ پیشانی پر شکنیں ابھریں۔

"لیکن کسی کو بھی کوئی فون نہیں ملا۔ پولیس والوں کو بھی نہیں۔ ویسے بھی یہ کیس میں مکمل طور پر بند کروا چکا ہوں تم کیا چاہتے ہو اب؟" مسٹر جوزف کے ٹھنڈے لہجے پر ولیم نے افسوس سے انہیں دیکھا۔

"ڈیڈ آپ نینسی کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟؟" وہ ضبط سے چلایا۔ کتھئی آنکھیں لہو ٹپک رہی تھیں۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ دنیا کو آگ لگا دے۔

"جو اُس نے ہمارے ساتھ کیا وہ کیا تھا؟" مسٹر جوزف زخمی تھے۔ نینسی کی اس موت نے ان کے بھی کئی زخم ادھیڑ دیے تھے پر وہ محسوس نہیں کروانا چاہتے تھے۔

"ڈیڈ وہ خودکشی نہیں کر سکتی۔" ولیم نے دہائی۔ مسٹر جوزف کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتے وہ ولیم کے عین سامنے آ کھڑے ہوئے۔ اپنی سیاہ آنکھیں ولیم کی کتھئی آنکھوں میں گاڑھ دیں۔

"تو پھر یہ بات مان لو کہ میں نے اُسکا خون کیا ہے کیونکہ تیسرا آپشن نہیں بچتا۔" وہ خون جما دینے والے سرد لہجے میں بولے۔ ولیم پل بھر کو ساکت ہوا۔ انکی ساکھ کو جو نقصان پہنچا تھا یہ وہی جانتے تھے۔

عجیب و غریب باتیں بن رہی تھیں۔ یہاں تک کہا جا رہا تھا کہ **"ولیم اور نینسی ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے اور مسٹر جوزف انکے رشتے کے لیے نہیں مانے۔ اس لیے نینسی نے خودکشی کر لی"** اب وہ کتنوں کا منہ پکڑتے۔ میڈیا کئی دنوں سے جوزف پیٹرسن پر خبریں چھاپ کر کمائی کر رہا تھا۔

ولیم لب بھینچے انہیں دیکھتا رہا اور پھر پلٹ گیا۔ اس نے نینی اور نساء سے فون کا پوچھا۔ اس نے نیل سے پوچھا۔ اسے بھی وہاں کوئی فون نہیں ملا تھا۔ پھر وہ پولیس اسٹیشن گیا۔

"دیکھیے ہمیں جائے وقوع پر کچھ نہیں ملا۔ ہمیں مسٹر جوزف نے کیس وہیں بند کرنے کا کہا تھا۔ نینسی کا تو پوسٹ مارٹم بھی نہیں ہوا۔ تو ہم کچھ نہیں کر سکتے۔"

اسے وہاں سے بھی صاف صاف جواب ملا۔ اگر پوسٹ مارٹم ہوتا۔ کیس کی تحقیقات ہوتیں تو کچھ پتا بھی چلتا۔

اگر فون کسی کے پاس بھی نہیں تھا تو وہ فون گیا کہاں؟ اس نے اپنا سر پیٹ لیا۔ کچھ دیر بعد وہ نیل کے سامنے اس کے گھر میں بیٹھا تھا۔

"مجھے سمجھ نہیں آرہا فون آسمان کھا گیا یا زمین نگل گئی۔" وہ ہاتھوں میں چہرہ گرائے بیٹھا تھا۔

"میں جانتا ہوں یہ بہت بڑا حادثہ ہے ولیم پر اس سے باہر نکلنے کی کوشش کرو۔ نینسی اس وقت جن حالات سے گزر رہی تھی شاید وہ کسی ایک کا انتخاب نہیں کر پائی اس لیے۔" نیل نے دانستہ بات ادھوری چھوڑ دی۔

"میرا دل نہیں مانتا نیل۔ نینسی ایسی لڑکی نہیں تھی جو خودکشی کر لے۔ پھر وہ مجھے ویڈیو کیوں بھیجتی۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا۔" سر میں درد کی ٹیس اٹھ رہی تھی۔ نیل اسے تاسف سے دیکھتا رہا۔ اس کی پڑھائی اس کا رگی سب بیچ میں ہی رہ گیا تھا۔ نینسی اسے توڑ پھوڑ گئی تھی۔ کئی لمحے خاموشی کی نذر ہوئے پھر ولیم چونک کر سیدھا ہو بیٹھا۔ اب وہ اپنے فون میں ایک نمبر ڈھونڈ رہا تھا وہی نمبر جو اس نے نینسی کے فون سے لیا تھا۔ جو بقول نینسی کے احمد کا نمبر تھا۔ وہ اب نمبر ملا رہا تھا جو بند جا رہا تھا۔ وہ اب کمرے میں دائیں بائیں چکر لگانے لگا۔

"مجھے اس نمبر کا ڈیٹا نکلوانا ہے۔" پھر اس کی پریڈ رک گئی۔ وہ نیل کی طرف متوجہ ہوا۔

"میں جانتا ہوں ایک ایسے لڑکے کو وہ ہماری مدد کر سکتا ہے۔" کچھ دیر بعد وہ ولیم کی سینوریٹا میں بیٹھے اس لڑکے سے ملنے جا رہے تھے۔ گھنٹے بعد انہیں جو ڈیٹا ملا وہ ایک ساٹھ سالہ آدمی تھا۔ اس کا پتہ لے کر وہ اب اس کے گھر جا رہے تھے۔

یہ ایک قصبے کا پتہ تھا جہاں وہ شخص اپنے چھوٹے سے گھر کے ملحقہ لان میں لگے پودوں کو پانی دے رہا تھا۔ ولیم گاڑی سے نکلتا اسی کی جانب بڑھا۔

"مسٹر پیٹر آپ ہی ہیں؟" وہ اب اپنے سامنے کھڑے آدمی سے سوال کر رہا تھا۔

"جی۔۔" اس کے جواب دینے کی دیر تھی کہ ولیم نے اس کا گریبان پکڑ لیا۔ وہ آدمی اس افتاد پر گھبرا گیا۔

"کک۔۔ کون ہو تم؟ کیا چاہیے۔۔؟؟" وہ وحشت زدہ سا بولا۔

نیل لپک کر ولیم کی جانب بڑھا اور اس سے آدمی کا گریبان چھڑایا۔ نیل جانتا تھا ولیم بارود کی طرح کہیں بھی پھٹ سکتا تھا اس لیے اس نے خود ہی اپنا موبائل اس آدمی کے سامنے کیا۔

" یہ تمہارا نمبر ہے؟ "

"ہاں یہ میرا ہی ہے۔" آدمی نے اپنا سانس بحال کرتے جواب دیا۔ اس کی ہاں پر ولیم اس کی جانب مارنے کو لپکا جبکہ نیل نے اس کے راستے میں حائل اسے ہوتے روکا۔ پانی کا پائپ اس آدمی کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا تھا۔

" یہ بندر کیوں ہے؟ کیا تم کسی نینسی کو جانتے ہو؟؟ "

"میرا فون ہسپتال میں چوری ہو گیا تھا۔ میں نے اس کی رپورٹ بھی درج کروائی تھی۔ ہسپتال میں مجھ سے ساتھ والے مریض نے مانگا تھا میں نے دے دیا۔ پر وہ واپس ہی نہیں آیا۔۔" وہ ولیم کو دیکھتے خوفزدہ سا کہتا گیا۔ اس کی بات سن کر نیل نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ٹھیک ہے تکلیف کے لیے معذرت۔" نیل اب ولیم کو کھینچے گاڑی کی جانب بڑھ رہا تھا۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں ولیم؟ تم ایسے تو نہیں تھے۔ ریلیکس رہو۔ جوش سے کام لو گے تو کبھی جان نہیں پاؤ گے کہ حقیقت کیا ہے۔ اس لیے تھوڑا صبر کرو۔۔" وہ نیل جسے ولیم بدھو کہتا تھا وہ اس وقت سمجھدار لگ رہا تھا۔ گاڑی میں بیٹھ کر اس نے سیٹ سے پشت ٹکا دی۔ آنکھ موند لیں۔

"وہ جو بھی ہے بہت شاطر ہے نیل۔ اس نے یہ سب پلاننگ سے کیا ہے۔ اس نے نینسی کو ہم سے چھین لیا۔" وہ یونہی بند آنکھوں سے بولتا گیا۔ چہرے پر کرب واضح تھا۔ نیل نہیں جانتا تھا اس کا ذہن کس رخ پر بہہ رہا تھا اور وہ کیا سوچ رہا تھا پر کچھ تھا جو اسے پریشان کر رہا تھا اور جب تک وہ جان نہ لیتا یونہی بھٹکتا رہتا۔ ایک گہرا سانس لے کر اس نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

✿••✿••✿••✿

نینسی کی موت کے بعد ولیم پہلے والا ولیم نہیں رہا۔ وہ بدل گیا تھا۔ پہلے سے زیادہ خاموش ہو گیا۔ وہ نینسی کو نہیں بھول پایا کیونکہ وہ اس کے ساتھ ہی رہتی تھی۔ اکثر رات کو اس کی آنکھ کھلتی تو وہ کھڑکی کے قریب رکھے صوفے پر بیٹھی ہوتی۔ وہ اکثر کفن میں لپٹی ہوتی تو کبھی اسی گاؤن میں جس میں وہ مری تھی۔ کبھی وہ مٹی سے لتھڑی ہوتی تو کبھی کیچڑ میں۔ کبھی کبھی اس کے جسم سے پانی ٹپک رہا ہوتا جیسے موت کے وقت اسے اتارا گیا تو اس کے جسم سے بارش کا پانی ٹپک رہا تھا۔

پہلے پہل وہ خوفزدہ ہوتا پھر اسے عادت ہو گئی۔ وہ کبھی کبھی بہت چلاتی۔ کبھی غصہ نکالتی تو کبھی اس کے دکھ درد کی ساتھی بن جاتی۔ وہ اس کے ساتھ رہنے لگی تھی۔

ولیم اب خاموشی سے سب کرنا چاہتا تھا۔ پہلے وہ لندن گیا۔ نینسی کے کالج سے پتا کیا پر وہ ساکت رہ گیا جب اسے پتا چلا وہاں تو کوئی پروفیسر احمد تھا ہی نہیں۔ ایک امید تھی وہ بھی ٹوٹ گئی۔

"کیوں خود کو میرے لیے خوار کر رہے ہو ولیم؟" وہ لندن سے واپس آ رہا تھا جب وہ یونہی کہی بھی وارد ہو جاتی تھی۔

"چھوڑ دو یہ سب اب کچھ پہلے جیسا نہیں ہو سکتا۔ تم آگے بڑھو اپنی زندگی جیو۔" وہ جہاز میں اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی تھی۔ مسکراتی آنکھیں لیے اسے دیکھ رہی تھی۔

"وہ آسیب کار تھا ولیم اس کا مقصد مجھے تکلیف پہنچانا تھا۔ دیکھو اب میں ساری تکلیفوں سے آزاد ہوں تو پھر تم کیوں خود کو معاف نہیں کر پا رہے؟ معاف کر دو خود کو آگے بڑھ جاؤ۔" وہ سیٹ سے ٹیک لگائے نم آنکھیں لیے چہرے موڑے نینسی کو دیکھتا رہا۔ وہ اسی سفید گاؤن میں تھی جو ہر وقت لہراتا رہتا تھا اور اس کے ساتھ ہی نینسی کے بال بھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ ہر وقت ہوا میں ہو۔

"میں خود کو معاف نہیں کر سکتا نینسی۔ کبھی نہیں۔"

اس نے ہولے سے کہتے اپنی آنکھ میچ لیں۔ ایک آنسوں کنپٹی سے پھسلتا بالوں میں جذب ہو گیا اور وہ چلی گئی۔ وہ واپس آ گیا۔ کرنے کو کچھ تھا ہی نہیں۔ کسی چیز میں دلچسپی نہیں رہی تھی۔ مسٹر جوزف سے دوری مزید بڑھ گئی وہ انہیں تکلیف پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا۔ ڈیپارٹمنٹ کبھی چلا جاتا کبھی نہیں۔

مسٹر جوزف پریشان تھے اور پھر اس نے اپنی توجہ ساؤنڈ ریکارڈنگ کی طرف کر دی۔ اسے اب یہی کام سکون پہنچاتا تھا۔ اس نے طرح طرح کی کئی مشینیں خریدیں اور پوری لگن سے کام کرنے لگا۔ وہ نیچر کے قریب ہونے لگا تو اسے

ذہنی سکون ملا۔ نینسی کبھی نہیں گئی ہاں البتہ درد میں کمی آگئی تھی۔ ایک سال لگا اسے اس سب سے نکلنے میں۔ نیل اس دوران اس کے ساتھ ہی رہا۔ اس عرصے میں ولیم کئی ممالک گیا۔ ایک سیاہ کے طور پر لیکن اس نے ریکارڈنگ کا کام جاری رکھا۔ وہ اپنے اکاؤنٹ پر ان ریکارڈنگز کو اپلوڈ کرنے لگا۔ وہ چہرہ سامنے نہیں لاتا تھا پر اس کا کام جلد مشہور ہو گیا۔ لوگ اسے جاننے لگے تھے۔ اس کے فالورز بڑھتے گئے۔ مسٹر جوزف نے جب اسے عجیب و غریب مشینوں پر پیسہ لگاتے دیکھا تو اس کی پاکٹ منی بند کر دی۔ اسکے اکاؤنٹ فریز کروا دیے کیونکہ اس نے جوزف پیلس کے ایک کمرے کو عجیب و غریب مشینوں سے بھر دیا تھا۔ ملکوں ملکوں کی سیاحت میں اس نے مسٹر جوزف کا پیسہ پانی کی طرح بہایا تھا۔

"میرا اکاؤنٹ فریز کروایا آپ نے؟؟" وہ ان کے اسٹوڈیو پہنچ گیا۔ اسے ایک مشین خریدنی تھی جو کافی مہنگی تھی پہلے پہل تو وہ اسے ملی نہیں تھی اور جب اسے ملی اور وہ خریدنے لگا تو اسکا اکاؤنٹ فریز ہو چکا تھا۔ وہ سیدھا ان کے اسٹوڈیو آیا۔ اسے اب کوئی نہیں روکتا تھا۔ وہ سیدھا اندر جا سکتا تھا۔

"ہاں" مسٹر جوزف نے یک لفظی جواب دیا۔

"وجہ؟؟" تیوری چڑھ گئی۔

"جانتے ہو پچھلے ایک سال میں تم کتنا پیسہ اڑا چکے ہو؟ کوئی حساب کتاب ہے؟ پڑھائی تم کر نہیں رہے۔ کام تم نہیں کرتے۔ سیاحت جیسے مہنگے اور ریکارڈنگ جیسے فضول شوق تم پال کر بیٹھے ہو۔ اس سے پیٹ نہیں بھرتا ولیم۔ پیسہ کمانا پڑتا ہے۔ ذرا پورے اسٹوڈیو کا چکر لگاؤ تو تمہیں اندازہ ہو گا کہ لوگ کیسے کام کر رہے ہیں اور پیسہ کیسا کمایا جاتا ہے۔" سرد و سپاٹ لہجے میں کی گئی مسٹر جوزف کی تقریر پر وہ لب بھینچے کھڑا اور پھر بنا کچھ کہے واپس پلٹ گیا۔

جیسے ہی وہ دروازہ کھول کر باہر نکلا عین اسی لمحے اندر آتے ایک نازک وجود سے ٹکرا گیا۔ ایک نسوانی چیخ ابھری۔

"سوری۔۔" ذرا سی گردن موڑ کر کہا۔ وہ ایک لڑکی تھی جو اس سے ٹکرا کر گر چکی تھی۔ جبکہ ولیم نے رکنا گوارہ نہیں کیا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا دور جا رہا تھا اور وہ لڑکی حیرانی سے اسے جاتے دیکھ رہی تھی۔

"ہاؤ روڈ۔۔" وہ بڑبڑائی۔ ہائی ہیلز میں توازن برقرار نہیں رکھ پائی تھی۔ اسے دیکھتے ہی آس پاس کام کرتے کئی ورکرز اسے اٹھانے کے لیے اس کی جانب بھاگے، پر اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا جسے وہ دیکھ رہی تھی۔

اس رات ولیم نے سینوریٹا کو بیچ دیا۔ جانتا تھا مسٹر جوزف اس پر برہم ہوں گے پر اسے فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ اب پیسے کمانے کے طریقے سوچ رہا تھا اور اس کے لیے ضروری تھا اس کے پاس وہ سارا سامان ہوتا جو اسے چاہیے تھا۔ پھر اس نے ساؤنڈ ریکارڈنگ سے متعلقہ سارا سامان خریدا اور پھر وہ اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گیا۔

مسٹر جوزف کو جب پتا چلا اس نے گاڑی بیچ دی تو وہ مٹھیاں بھینچ کر رہ گئے۔ اسے اچھی خاصی سنائی بھی، پر پرواہ کس کو تھی؟ انہوں نے اس کے اکاؤنٹ ری ایکٹیو کروا دیے مبادہ وہ کہیں جوزف پیلس سمیت انہیں بھی نہ بیچ دے۔

اب وہ کئی کئی دن بلکہ مہینوں غائب رہتا۔ وہ جو ساؤنڈ ریکارڈنگ کر رہا تھا اسے دیکھتے ہوئے کئی پروڈکشن کمپنیوں نے اپنی فلموں اور کمرشلز میں ان آوازوں کے استعمال کے لیے اس سے رابطہ کیا۔ وہ مختلف ملکوں میں جا کر ریکارڈنگ کرتا تھا اور آہستہ آہستہ اس کی ڈیمانڈ بڑھتی گئی۔ وہ منہ مانگی قیمتوں پر ان ریکارڈنگز کو فروخت کرنے لگا۔ اس نے بمشکل اپنی گریجوایشن کی ڈگری مکمل کی تھی۔ اس دوران اس نے نینی سے کئی بار اپنی ماں کے متعلق پوچھا۔

"کیا آپ نے کبھی میری مام سے بات کی ہے نینی؟ وہ کیسی تھیں؟؟" وہ حالیہ افریکہ سے لوٹا تھا۔ تقریباً دو سال ہونے والے تھے اور اس دوران اسکے کام کا ایک نام بن گیا تھا۔ اب اسے مسٹر جوزف کے پیسوں کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ وہ اپنا کماتا تھا۔

"وہ بہت پیاری تھی ولیم۔ بالکل تمہاری جیسی۔" وہ ان کی گود میں سر رکھے لیٹا تھا اور نینی اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر رہی تھیں۔ نساء ایک جانب بیٹھی ان دونوں کا پیار دیکھ رہی تھی۔

"میں ان کی فیملی سے ملنا چاہتا ہوں۔" اس نے پہلی بار اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ آج کل اسے اپنی ماں کا خیال بہت آنے لگا تھا۔ اسے چند سال پہلے تہہ خانے سے جو باکس ملا تھا جس میں اس کی اور افق کی تصویر تھی۔ اس کے پیچھے ایک فون نمبر لکھا تھا اور پاکستان کے کسی گھر کا پتہ۔ یقیناً وہ ان کے گھر کا پتا ہو گا۔ ولیم نے کل رات اس نمبر پر فون کیا تھا۔

"ہیلو کیا آپ اورنگزیب بول رہے ہیں؟"

"تم کون ہو؟؟" دوسری جانب سے پوچھا گیا۔

"میں ولیم ہوں افق اور جوزف کا بیٹا۔" ڈرتے ڈرتے اپنا تعارف کروایا گیا۔

"افق ہمارے لیے مر چکی ہے۔ آئندہ یہاں فون مت کرنا۔" درشتگی سے کہہ کر فون بند کر دیا گیا۔

وہ نہیں جانتا تھا اسکی ماں کے اپنے والدین کے ساتھ کیسے تعلقات تھے پر اسے یہ جان کر دکھ ہوا تھا۔ اسے آج کل یہ باتیں پریشان کر رہی تھیں۔

"ایسا سوچنا بھی مت ولیم اگر جوزف کو پتا چلا کہ تم اپنی ماں کے رشتے داروں سے ملنا چاہتے ہو تو غضب ہو جائے گا۔ وہ تمہارے سبھی کارنامے اس لیے برداشت کر رہے ہیں کہ تم انکی اولاد ہو۔ تم غلط صحبت میں نہیں پڑے۔ وہ تم سے بہت محبت کرتے ہیں پر کچھ حدود ہیں تمہیں انکا خیال رکھنا ہے۔ تمہیں اس بات کا ذکر کبھی جوزف کے سامنے نہیں کرنا کہ تم ایسا کچھ چاہتے ہو ولیم۔ وہ برداشت نہیں کر پائیں گے۔۔" نینی نے اسے پیار سے سمجھایا۔ ولیم خاموشی سے سنتا گیا پر وہ اپنے ذہن میں ایک اور دورے کا ارادہ کر چکا تھا اور اس کا اگلا دورہ پاکستان کا تھا۔ اور پھر وہ ولیم ہی کیا جو اپنے باپ کے غصے کا سوچ کر پیچھے ہٹ جائے۔

✿••✿••✿••✿

جاری ہے۔

* * * * * * *

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔۔۔

السلام علیکم احباب۔۔۔۔"

"ناولز کی دنیا" کے ناولز میں خوش آمدید ۔۔۔۔

ناولز کی دنیا (NKD) کی جانب سے ناولز کو بغیر کسی غلطی کے آپ تک پہچانے کی کوشش کی گئی۔ اگر کوئی غلطی اس میں ملتی ہے تو اسے محض اتفاق سمجھا جائے۔ کیونکہ ناول کو پورا پروف ریڈ کر کے ہی پبلش کیا جاتا ہے چوُک ہونا محض اتفاق ہوگا۔۔

نئے اور مختلف لکھنے والوں کے لیے "ناولز کی دنیا" ویب سائیٹ /گروپ / پیج / یوٹیوب چینل دے رہا ہے تمام لکھاریوں کو ایک ایسا پلیٹ فارم جہاں آپ اپنی خدا داد صلاحیتوں کو اپنے قلم سے تحریر کر کے اپنا اور اپنے ملک کا نام روشن کرسکتے ہیں ۔۔۔ اگر آپ کو بھی اللہ کی طرف سے یہ صلاحیت دی گئی ہے تو اسے اجاگر ضرور کریں ۔۔۔ ہمیں آپ جیسے ہی لکھاریوں کی تلاش اور ضرورت ہے۔۔۔

اگر آپ ہمارے بلاگز پر اپنا ناول، ناولٹ،افسانہ،کالم،آرٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ہم سے رابطہ کریں ۔۔ اپنی تحریر اردو میں ٹائیپ کرکے ہمیں بھیجیں۔ جتنا جلدی ہوسکا آپکی تحریر پوسٹ ہوجائے گی ۔۔۔

مزید تفصیلات یا کسی بھی طرح کی مدد کے لیئے ہم سے گروپ یا پیج انباکس میں رابطہ کریں یا ای میل پر ہم سے رابطہ کرسکتے ہیں۔۔

Email address :- Novelskiduniya77@gmail.com

Facebook page :- Novels ki duniya

(user name @zoyatalib77)

Facebook group :- Novels ki duniya

Instagram Page:- Nkd (ZT) (UserName: Novelskiduniya77)

Youtube Channel: Novels Ki Dunya (NKD) Official

(پر خیال رہے کہ یہ گروپ زویا طالب کا ہی ہو) اور باقی کے رابطے کے لیئے ہر پیج کے نیچے **Blue** الفاظ میں لکھے لفظ میں آپکو لنکس مل جائے گے شکریہ۔۔۔۔

"باب چہارم: عنکبوت"

قسط نمبر:6

میں تمہیں یاد آؤں گی

جب پہاڑوں پر برف اُترے گی

جب سفیدی چھا جائے گی

جب پتے جھڑ جائیں گے

جب ساون لوٹ آئے گا

جب رم جھم من بہلائے گی

جب پھول کھل اٹھیں گے

میں تمہیں یاد آؤں گی

جب تنہائی کاٹ کھائے گی

جب رشتے ٹوٹ جائیں گے

جب اپنے چھوٹ جائیں گے

جب آنسوں بہہ نکلیں گے

جب اذیت پھیل جائے گی

میں تمہیں یاد آؤں گی

جب اندھیرا چھا جائے گا

جب سویرا روٹھ جائے گا

جب دنیا تمہیں ستائے گی

میں تمہیں یاد آؤں گی

جب العکبوت پر پھیلائے گا

میں تمہیں یاد آؤں گی

میں تمہیں یاد آؤں گی

ہاتھ میں موبائل تھامے، اسکرین پر نظریں جمائے وہ ہولے ہولے پڑھتا چلا گیا۔ آنکھیں نم تھیں۔ یہ شاعری نینسی نے اُسے بھیجی تھی جب وہ آخری بار اُس سے ناراض ہوا تھا۔

جب وہ اُسے بارش میں دروازے پر ہی جھٹک آیا تھا۔ وہ اُسے منانا چاہتی تھی۔ اُس سے بات کرنا چاہتی تھی پر ہمت نہ ہوئی۔ ولیم ٹھیک کہتا تھا وہ بدل گئی تھی۔ وہ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی اُسے کیا چاہیے تھا۔ وہ واقعی دو کشتیوں میں سوار تھی۔

نینی کی گود میں سر لیٹے اس نے یونہی نینسی کی چیٹ اوپن کر لی تھی اور اس کا لمبا میسج منہ چڑانے لگا۔

"وہ کیوں چلی گئی نینی؟ آخر کیوں؟" وہ فون بند کر کے صوفے پر گراتے نینی کی گود میں سر رکھے اب چت لیٹا تھا۔ آنکھیں موند لیں۔ اذیت پورے جسم میں پھیل گئی تھی۔ نینی نے ایک نظر اپنے گود میں سر رکھے لیٹے ولیم کو دیکھا۔ بند آنکھوں کی اوٹ میں چمکتا وہ آنسوں نینی بخوبی دیکھ سکتی تھی۔ نینی نے ہولے سے جھکتے ہوئے اُس کی کشادہ پیشانی پر بوسہ دیا۔

"تم ایک بار رو لو ولیم۔ تم روئے نہیں۔ تم رو لو گے تو سکون آ جائے گا۔" وہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے اُسے تلقین کرنے لگیں۔ دو سال گزر گئے تھے۔ دو سال کم عرصہ نہیں تھا۔ وہ بھولتی ہی نہیں تھی۔ وہ ساتھ رہتی تھی۔ اور کبھی کبھی شدت سے یاد آتی۔ ولیم نے تو جوزف پیلس سے ہی غائب رہنا شروع کر دیا تھا پر وہ تھی کہ پیچھا ہی نہیں چھوڑتی تھی۔ ابھی وہ کچھ دیر پہلے اپنی ماں کو یاد کر کے آبدیدہ تھا اور پھر چند لمحوں بعد نینسی کی یاد آ ٹپکی۔

"رونے سے کچھ نہیں ہو گا نینی۔ رونے سے کیا ہو گا؟؟"

اس کی ماں اور نینسی دو عورتیں ایسی تھیں جو اُسے عزیز تھیں اور اُنہی دو عورتوں کی لعش کو اُس نے رسّی سے لٹکتے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ وہ دونوں میں سے کسی کو نہیں بچا پایا۔ کوئی اُس کی ذہنی کیفیت کا اندازہ نہیں لگا سکتا تھا۔ اُس نے خود کو بہت مصروف کر لیا تھا۔

خود کو جنگلوں، بیابانوں، پہاڑوں اور قدرت میں چھپالیا۔ گم کر لیا۔ پر یہ احساس پیچھا ہی نہیں چھوڑ تا تھا۔ ہر وقت بس کچوکے لگا تار ہتا تھا۔

"دل ہلکا ہو جائے گا ولیم۔۔" نینی نے اُس کے خوبصورت چہرے کو پیار بھری نظروں میں سموئے بولا۔

"دل ایسے ہلکا نہیں ہوتا نینی۔ یہ بس خام خیالی ہے۔ رو کر ہم خود کو دلاسہ دے لیتے ہیں پر اذیتیں کبھی پیچھا نہیں چھوڑ تیں۔" وہ اٹھ بیٹھا۔ نینی اُسے پریشانی سے دیکھتی رہی۔ پھر وہ موبائل پکڑتے اٹھ کھڑا ہوا۔ خاکی رنگ گی کھلی گار گو پینٹ پہنے وہ سیاہ گول گلے والی ٹی شرٹ پہنے ہوئے تھا۔

"کہاں جا رہے ہو؟ کھانا بس تیار ہے۔"

"میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں۔ کھانا نہیں کھاؤں گا۔"

نینی اُسے پکارتی ہی رہ گئی لیکن وہ تیزی سے لاؤنج سے گزرتا سیڑھیوں کی جانب بڑھ رہا تھا اور پھر سیڑھیاں پھلانگتا نینی کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ وہ پیچھے بھاری دل لیے بیٹھی رہ گئی۔ نینسی کا دُکھ تو کوئی نہیں بھولا تھا۔ وقت نے زخم بھر دیا تھا پر یادوں کی تازی ہوا سارے زخم اُدھیڑ دیتی تھی۔

ولیم سیڑھیاں پھلانگتا اپنے کمرے میں جانے کی بجائے نینسی کے کمرے کی جانب آیا۔ پہلے وہ بے دھڑک اندر چلا جاتا تھا پر جب سے وہ گئی تھی تب سے وہ اِس کمرے میں نہیں آیا تھا آنے کی ہمت ہی نہیں ہوتی تھی۔ وہ کئی لمحے دروازے کے سامنے کھڑے رہا۔ خود پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا اور پھر لکڑی کا بھاری بھرکم دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ دل پل بھر کو ساکت ہوا۔ اُس کے کمرے کی صفائی روز ہوتی تھی۔ ہر چیز اپنی جگہ پر تھی۔ وہ دروازے میں ایستادہ چاروں جانب دیکھے گیا۔ وہ ہر جگہ تھی۔

بستر پر بیٹھی تھی۔ آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ ہنس رہی تھی بول رہی تھی۔ اُس کے قہقہے گونج رہے تھے۔ وہ الماری کے سامنے کھڑی کپڑے نکال رہی تھی۔ اُس کے اسکیچز جگہ جگہ بکھرے پڑے تھے۔ وہ کسی نئے کاسٹیوم کا ڈیزائن کر رہی تھی۔ ولیم کا دم گھٹنے لگا۔ اگلے ہی پل وہ کمرے سے نکلتا دروازہ زور سے بند کر چکا تھا۔ اب وہ دھڑکتے دل کے ساتھ دروازے سے ٹیک لگائے آنکھیں موندیں کھڑا تھا۔ پورے جسم کپکپا رہا تھا۔ وہ کیوں چلی گئی تھی؟ آخر کیوں؟

"ولیم۔۔" سرسراتی سی سرگوشی اُبھری۔ وہ آگئی تھی۔ ایسے کیسے ہو سکتا تھا وہ اسے یاد کرتا اور وہ نہ آتی؟ اس کے ریشمی لباس کی پھڑپھڑاہٹ واضح تھی۔ اس نے آنکھیں نہیں کھولیں۔ یونہی مٹھیاں بھینچے کھڑا رہا۔

"ولیم۔۔" پھر سے پکارہ گیا۔ اس بار اُس نے آنکھیں کھول لیں۔ وہ بائیں جانب اُس کے بالکل قریب کھڑی تھی۔ بند دروازے سے ٹیک لگائے، اُسکی جانب رخ موڑے اُسے ہی دیکھ رہی تھی۔ ولیم نے رخ موڑ کر دیکھا۔ وہ مسکرا رہی تھی پر اُس کی آنکھوں میں نمی تھی۔ وہ واضح دیکھ سکتا تھا۔

"میں کہتی تھی نا محبت کر لو۔ دیکھو اب رہ گئے نا اکیلے۔" وہ جتانے والے انداز میں بولی۔ لبوں پر تپانے والی مسکراہٹ تھی۔

" آئی ہیٹ یو نینسی۔" لہجہ بھیگا تھا۔ وہ مسکرا دی۔ بلونڈ بالوں والی نینسی اُسے اچھے سے جانتی تھی۔ وہ نینسی سے کبھی نفرت نہیں کر سکتا تھا۔

"کیا تم نے سنا اس بار ہوائیں کیا سرگوشیاں کر رہی ہیں؟؟" وہ یونہی اُسے دیکھتے ہوئے بولی۔ ولیم نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"یہ کہہ رہی ہیں ولیم جوزف تیار ہو جاؤ محبت اپنی جادوئی بگھی لیے تمہیں لینے آرہی ہے۔ محبت آرہی ہے ولیم۔ محبت تمہارے لیے آرہی ہے۔" وہ نم آنکھوں سے مسکرا دیا۔ چہرے پر استہزاہ تھا۔

"ایسا کبھی نہیں ہو گا۔" وہ اُسے دیکھے گیا۔ "میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔" جتاتے ہوئے بولا گیا۔

"ولیم جوزف محبت کرے گا۔"

"نہیں کروں گا۔"

"ولیم جوزف کو محبت ہو گی۔"

"نہیں ہو گی۔"

بحث جاری تھی۔ شان و شوکت سے کھڑے جوزف پیلس کی دوسری منزل پر دونوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ پیلس کے در و دیوار دم سادھے سن رہے تھے۔

"اُسے دیکھ کر تمہاری آنکھیں چمک اٹھیں گی۔" وہ بضد تھی۔

"میں آنکھیں نکال دوں گا۔" وہ ماننے والوں میں سے نہیں تھا۔

"تم اُس کے لیے دل نکال کر ہتھیلی پر رکھ لو گے۔" وہ باز آنے والوں میں سے نہیں تھی۔ اب وہ دروازے سے ہٹ گئی اور چلتے ہوئے اُس کے سامنے آئی۔

"میں اُسی دل میں خنجر گھونپ دوں گا پر محبت نہیں کروں گا۔" وہ ڈٹا رہا۔ وہ مسکرا دی۔

"تم اُسے دیکھنا چاہو گے۔ تمہاری آنکھیں صرف اُس کے دیدار کو ترسیں گی۔" وہ اب الٹے قدموں چلتی اُس سے دور ہونے لگی۔ نظریں ابھی تک ولیم پر تھیں۔

"میں آنکھیں پھوڑ لوں گا پر عشق کی نظر سے کسی کو نہیں دیکھوں گا۔" وہ بھی دروازے سے ہٹ گیا۔

"تمہاری سماعت صرف اُسے سُنے گی۔" وہ اب کھکھلا کر ہنس دی۔ پھر ہونہی مشعلوں کے درمیان لمبی، لکڑی کے فرش والی، راہداری میں اُلٹے قدموں چلتی گئی۔

"میں بہرہ ہو جاؤں گا پر کسی کو سننے کی چاہ نہیں کروں گا۔" وہ دھیرے دھیرے اُس کی جانب قدم بڑھانے لگا۔ وہ اب گھوم رہی تھی۔ وہ یوں دلکشی سے گھومتی خوبصورت لگی۔ وہ کھکھلا رہی تھی اور اس کی کھکھلاہٹ گونجنے لگی۔

"تم اُسے ہر تصویر میں ڈھونڈو گے۔ تم اُسے ہر منظر میں پاؤ گے۔ وہ پہلی لڑکی ہو گی جسے تم اپنے کیمرہ میں قید کرو گے۔"

"میں سارے منظر بھلا دوں گا۔ ساری تصویریں جلا دوں گا۔ میں محبت نہیں کروں گا۔" کتنا ڈھیٹ تھا وہ۔ اُسے محبت سے چڑ ہو گئی تھی۔ اسے مرد اور عورت کے اُس رشتے سے نفرت ہو گئی تھی جو سوائے اذیت کے کچھ نہیں دیتا۔

"ولیم جوزف محبت آ رہی ہے اپنی جادوئی بگھی لیے۔ تیار ہو جاؤ۔ وہ تمہیں اُڑا لے جائے گی۔" وہ پوری قوت سے چلائی۔

"میں ہار نہیں مانوں گا۔ میں کھڑا رہوں گا۔"

"تم کھڑے نہیں رہ پاؤ گے۔ تم گھٹنے ٹیک دو گے۔ تم اُس کے سامنے جُھک جاؤ گے۔" وہ راہداری کے آخر میں پہنچ چکی تھی۔ یہاں سے دائیں اور بائیں جانب دو مزید راہداریوں میں بٹ رہی تھی اور درمیان میں بڑی سی کھڑکی تھی۔ کھڑکی کھلی تھی اور سفید پردے ہوا سے ہل رہے تھے۔ کھڑکی سے اندر آتی چاند کی نیلگوں روشنی میں وہ کھڑی تھی۔ وہ روشن تھی۔

"ولیم جوزف وہ تمہاری شروعات ہے۔ تم اُس سے بھاگ نہیں سکتے۔" وہ شرارت سے کہتے بائیں جانب کی راہداری میں مڑ گئی۔ وہ تیزی سے بھاگا۔ جب تک وہ راہداری کے سرے پر پہنچا تو خاموشی چھا گئی۔ راہداری خالی تھی۔ مشعلیں روشن تھیں۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ چلی گئی تھی اور ولیم بھاری دل لیے کھڑا رہ گیا۔

✿••✿••✿••✿

اسٹار لائٹ اسٹوڈیو رات کے اس پہر روشنیوں میں نہایا تھا۔ بڑی بڑی گلاس وال والا یہ اسٹوڈیو وسیع اور عریض رقبے پر پھیلا ہوا تھا۔ اس کے اندر کثیر سیٹ لگائے گئے جہاں روزانہ کی بنیاد پر کئی فوٹو شوٹ ہوتے، کئی کمرشلوں کی ریکارڈنگ کی جاتی اور کوئی نئے پراجیکٹس ڈسکس کیے جاتے تھے۔ آج بھی میٹنگ روم میں اسٹار لائٹ کی پوری ٹیم جمع تھی۔ نئی فلم کی کہانی تیار تھی۔ مسٹر جوزف پیٹرسن اس کے پروڈیوسر تھے۔ مسٹر البرٹ ڈائیکریٹر اور کئی مشہور فنکار وہاں موجود تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ کو پروڈیوسر اور فلم کے مصنف اپنا اسکرپٹ لیے بیٹھے تھے۔

اسٹار لائٹ اسٹوڈیو کی پچھلی فلم کامیاب گئی تھی اور بار انکا ارادہ باکس آفس پر چھا جانے کا تھا۔

مسٹر جوزف تقریباً چوبیس میں سے اٹھارہ گھنٹے کام کرتے تھے۔ انہوں نے یہ اتنی بڑی دنیا ایسے ہی نہیں بنالی تھی۔ ان پر پروجیکٹ کی ابتدائی کاروائی سے لے کر فلم یا سیریز کی بجٹ کا انتظام کرنا، ٹیم کی تشکیل، پروڈکشن کی نگرانی اور مارکیٹنگ جیسے کئی کام ان کے ذمے تھے۔

ٹیم کے ساتھ مل کر فلم کی کاسٹ بھی وہی فائنل کرتے تھے اور آج کی انکی یہ اہم میٹنگ کاسٹ کے لیے تھی۔ آج کاسٹ فائنل کی جانی تھی اور مرکزی کرداروں کے لیے ہیرو ہیروئن وہی لیے جاتے جو اس وقت پوری آب و تاب سے چمک رہے تھے۔ جن کی ڈیمانڈ تھی۔ ہیرو فائنل کر لیا گیا تھا جبکہ ہیروئن کی منظوری ابھی باقی تھی۔

کمرے کے وسط میں رکھے گئے لمبے میز کے گرد دھری کرسیوں پر سب اہم افراد بیٹھے تھے۔ انتظار کیا رہا تھا جینیفر رابرٹ کا۔ وہ اس وقت کی نئی اداکارہ تھی جسے مسٹر جوزف نے لانچ کیا تھا۔ پچیس سالا جینیفر فی الوقت لائم لائٹ میں تھی۔ اس کی ڈیمانڈ تھی۔ پہلا فوٹو شوٹ اور پھر پہلی فلم اس نے اسٹار لائٹ سے ہی کی تھی۔

اور اب مسٹر جوزف نے اسے دوسری فلم کی پیشکش کی تھی۔ اسکرپٹ بھیج دیا گیا تھا جسے جینیفر پڑھ چکی تھی۔ وہ یہ فلم سائن کرنے کے لیے تیار تھی۔ منع ویسے بھی نہیں کر سکتی تھی کیونکہ مسٹر جوزف کو انکار مطلب پورے کریئر کو تباہ کرنا تھا لیکن یہ فلم سائن کرنے سے پہلے اُس کی چند شرائط تھیں اور انہی شرائط کو سننے کی غرض سے یہ میٹنگ رکھی گئی تھی۔

مسٹر جوزف نے ایک نظر کلائی پر بندھی قیمتی گھڑی پر ڈالی۔ اب تک اسے آجانا چاہیے تھا اور تبھی ان کی نظر گلاس وال سے نظر آتی راہداری پر پڑی۔

وہ آرہی تھی۔ سیاہ نرم گرم سا پیروں کو چھوتا ریشمی گاؤن پہنے، جو بالکل سادہ تھا اس پر کوئی کام نہیں تھا اور جس کا گلا آگے سے گہرا تھا، ڈیڑھ انچ کی ہیل والے نازک سے کورٹ شوز پہنے وہ بالوں کو نفاست سے ڈھیلی پونی میں قید کیے، قدم قدم چلتی اسی جانب آرہی تھی۔ ہاتھ میں نازک سا کلچ تھا۔ دروازہ کھول دیا گیا۔

"ہیلو گڈ ایوننگ۔۔" کمرے میں داخل ہوتے وہ اک ادا سے مسکرائی۔ چند ایک نے اٹھ کر اسے سلامی پیش کی۔ جینیفر کا چہرہ چمک رہا تھا۔ وہ مسکراتی ہوئی آگے بڑھی۔ اس کے لیے کرسی کھینچ دی گئی اور پھر وہ ایک ادا سے بیٹھ گئی۔ پورا میٹنگ روم اس کی خوشبوؤں سے مہک اٹھا۔

وہ نظر نہ آنے والا میک اپ کیے ہوئے تھی۔ ہونٹوں پر لگا گلوز چمک رہا تھا۔

ابتدائی علیک سلیک کے بعد وہ سب مدعّے کی بات پر آئے۔

"میں نے سُنا ہے نئے پراجیکٹ کو لے کر آپ کی کچھ شرائط ہیں۔ کیا آپ انہیں واضح کریں گی؟" نہایت دھیمے اور پروفیشنل لہجے میں پوچھا گیا۔ مسٹر جوزف اسی کی جانب متوجہ تھے۔ اُنکی بات سنتے ہوئے وہ ایک پل کو مسکرائی۔

"شرائط کی بجائے اگر آپ خواہش سمجھ لیں تو بہتر ہو گا۔" چند اہم لوگوں کے درمیان وہ اپنی بات کھل کر کر سکتی تھی۔

"تو بتائیں مس جینی آپ کی کیا خواہش ہے؟ کیا چاہیے آپ کو؟" کو پروڈیوسر نے پہلو بدل کر پوچھا۔ مسٹر جوزف میں جانچتی نگاہیں جینی پر جمی تھیں اور آج وہ بھی انہیں ہی دیکھ رہی تھی۔ وقفے وقفے سے۔ اُنکے چہرے میں کسی کو تلاش کر رہی تھی۔ یوں بھی اُس کا مقصد یہی تھا۔

اس کا پورا نام جینیفر رابرٹ تھا لیکن شوبز انڈسٹری میں وہ جینی رابرٹ کے نام سے مشہور ہو چکی تھی۔ اب سب اسے یہی بلاتے تھے۔

"میں یہ فلم کرنے کے لیے تیار ہوں پر بدلے میں مجھے کچھ چاہیے۔" وہ مسٹر جوزف کی جانب متوجہ تھی۔ جیسے وہی اس کی پوری خواہش پوری کر سکتے تھے۔

"ایسا کیا چاہیے آپ کو جو یوں آناً فاناً میٹنگ رکھی گئی۔۔؟" کو پروڈیوسر نے استفسار کیا

"مجھے ولیم جوزف چاہیے۔" ہاں یوں جیسے وہ مل ہی جاتا۔

اُسکے کہنے کا انداز کچھ ایسا تھا کہ پل بھر کو سب ساکت ہوئے۔ اس کی نظریں مسٹر جوزف پر جمی تھیں جو چند پل کے لیے سن رہ گئے تھے۔ آنکھوں میں حیرانی اور بے یقینی بروقت اُبھری۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھے گئے۔

جہاں مسٹر جوزف کی آنکھوں میں حیرانی تھی وہی جینی کی نظریں عجیب الوہی چمک لئے ہوئے تھیں۔

"ولیم جوزف؟؟" سرگوشیاں پھیل گئیں۔ سب اب رخ موڑے کنکھیوں سے مسٹر جوزف کو دیکھنے لگے جو میز پر دونوں بازو رکھے، ہتھیلیوں کو آپس میں جوڑے ان پر ٹھوڑی جمائے بیٹھے تھے۔ اُن کی آنکھوں گہری سوچ میں ڈوبی تھیں اور وہ جانچتی نگاہوں سے جینی کو دیکھتے اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے کہ ولیم اِس سب میں کہاں سے آیا تھا؟

کوئی کچھ نہ بولا۔ سب مسٹر جوزف کے بولنے کا انتظار کرنے لگے۔ جینی نے ایک مسکراہٹ اُچھالی اور پیچھے ہو کر کرسی سے پشت ٹکا دی۔ ٹانگ پر ٹانگ جمائے وہ نفاست سے بیٹھی تھی۔

وہ ولیم کو کیسے جانتی تھی یہ جاننے کے لیے ہمیں ماضی کے پنوں کو کھنگالنا پڑے گا۔ ایڈنبرا میں چلتی ٹھنڈی ہوا نے کے پنّے تیزی سے پیچھے پلٹے۔ ایک پھڑ پھڑاہٹ سی ابھری اور وقت تیزی سے پیچھے بھاگا۔

یہ اس دن کی بات تھی جب مسٹر جوزف نے ولیم کے اکاؤنٹ فریز کروا دیئے تھے اور وہ اُن سے ملنے اسٹوڈیو آیا تھا۔ واپسی پر اُس کی جس لڑکی سے ٹکر ہوئی تھی وہ جینی ہی تھی جسے ولیم نے مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔ اُس روز وہ اُسے پہچان گئی تھی۔ یہ سالوں بعد پہلی ملاقات تھی۔ کتھئی آنکھوں والا ولیم اُسے یاد تھا۔ ہمیشہ سے۔

پر کیوں؟ یہ راز تم آگے جان پاؤ گے۔

اور پھر چند روز پہلے جینی کی ایڈنبرا میں کانفرنس تھی۔

پہلی فلم کی کامیابی کے بعد وہ چاروں جانب چھائی تھی۔ ہر پوسٹر پر اُسکی تصویر تھی۔ وہ سوشل میڈیا پر گردش کر رہی تھی۔ اُسے ہاتھوں ہاتھ لیا جا رہا تھا اور اُس روز وہ کانفرنس میں تھی۔

بڑے سے ہال میں اسٹیج پر رکھے میز کے پیچھے بیٹھی جینی بڑی خوشگواریت سے میڈیا کے سوالوں کا جواب دے رہی تھی۔ وہ تر و تازہ دکھ رہی تھی۔ کریم رنگ کی چست سی اسکرٹ پر ہم رنگ بلاؤز پہنے وہ بالکل ویسے ہی بیٹھی جیسے اداکار بیٹھا کرتے ہیں۔

اس کے گارڈز آس پاس کھڑے تھے۔ کئی مائیک اس وقت میز پر سجے رکھے تھے۔ ہال میں ترتیب سے رکھی گئی کرسیوں پر بیٹھی عوام اُسے دل تھامے سن رہی تھی۔ عوام میں سے باری باری ہاتھ کھڑا کیا جاتا اور پھر سوال پوچھا جاتا۔ جسے جینی پوری توجہ سے سنتی اور پھر مُسکرا کر ایک ادا سے جواب دیا جاتا۔ آدھے جھوٹ آدھے سچ، کچھ بناوٹی تو کچھ توجہ کھینچنے کے لیے۔ اس کی پروفشنل ٹیم اسے یہی سکھاتی تھی۔

کیمرہ کی فلیش لائٹ بار بار چمک رہی تھی۔ ایسے میں عوام میں سے ایک سوال داغا گیا۔

"مس جینیفر رابرٹ کیا آپ سنگل ہیں؟؟"

سوال ایسا تھا کہ وہ سن کر مسکرا دی اور دبی دبی سی ہنسی پورے ہال میں گونج گئی۔ سب جواب سننا چاہتے تھے۔

"ہاں ابھی تو سنگل ہوں۔" مسکرا کر جواب دیا گیا۔

"آپ اپنا لائف پارٹنر کیسا چاہتی ہیں؟ وہ کیسا ہو گا جو جینی رابرٹ کو پسند آئے گا؟" اڑتا اڑتا ایک اور سوال ابھرا۔ جینی نے سوال سنا اور پھر چند لمحوں کی خاموشی چھا گئی۔ عقب میں بنی گلاس وال سے ڈوبتے سورج کی سنہری کرنیں چھن کر اندر آ رہی تھیں۔ وہ جینی کی پشت سے ٹکراتی اور پلٹ جاتیں۔ اس کے کانوں میں چمکتے ننھے آویزے سورج کی سنہری کرنوں میں مزید دمکنے لگتے۔ یوں لگنے لگتا جیسے ساری روشنی جینی رابرٹ کے چہرے سے پھوٹ رہی ہو۔ اِس سوال پر کئی دلکش رنگ اُس کے چہرے پر آ کر گزر گئے۔

"وہ جو نہیں جانتا کہ جینی رابرٹ کون ہے۔" دلکش انداز میں گول مول سا جواب دیا گیا۔ ہال میں سرگوشیاں پھیل گئیں۔

یہ کیسا جواب ہوا بھلا؟ وہ اب اسٹیج سے اتر رہی تھی۔ کیمرے ابھی بھی اسے ہر زاویے سے قید کر رہے تھے۔ رپورٹر کھڑے ہو گئے اور اُس کے گارڈز نے آگے پیچھے اُسے گھیر لیا۔ تبھی ہال کا دروازہ کھلا۔ کوئی اندر داخل ہوا۔ رپورٹرز مزید جاننے کو بے تاب تھے وہ ابھی تک "**جینی میم جینی میم**" کی صدائیں بلند کرتے مزید سوال پوچھے جا رہے تھے۔

جینی کی نظر اچانک اٹھی اور پھر ٹھہر گئی۔ وہ اُسے پہچان گئی تھی۔ سر پر کالی ٹوپی اوڑھے اور جدید ہیڈ فون کانوں پر جمائے وہ موبائل پکڑے اندر داخل ہوا۔ اس نے نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔ وہ کافی مصروف نظر آتا تھا۔ جینی اب دروازے کی جانب بڑھ رہی تھی جبکہ نظریں ولیم پر ہی جمی تھیں۔ مہینوں پہلے وہ اس سے اسٹار لائٹ اسٹوڈیو میں ٹکرائی تھی۔ اس بے مروت شخص نے تب بھی مڑ کر نہیں دیکھا تھا اور اِس پل وہ تیزی سے اُس کے قریب آرہا تھا۔ وہ ہولے ہولے بڑبڑا رہا تھا شاید فون پر دوسری جانب کوئی تھا جس سے وہ بات کر رہا تھا۔

"ٹھیک ہے میں پہنچ جاؤں گا۔" وہ ہوا کے جھونکے کی مانند قریب سے گزر گیا۔ جینی نے اپنے دل کو پل بھر کو ساکت ہوتا محسوس کیا۔ وہ تیز تیز چلتا اب دائیں جانب لگے دروازے سے اندر سے داخل ہو گیا۔ شاید کسی کام کی غرض سے آیا ہو گا۔

جینی نے اپنے چہرے سے آگ نکلتی محسوس کی۔ چہرہ سرخ پڑ گیا۔ کئی کیمروں میں یہ منظر ریکارڈ ہو چکا تھا۔

کیا وہ جینی رابرٹ کو نہیں جانتا؟

کیا وہ موویز نہیں دیکھتا؟

کیا وہ سوشل میڈیا استعمال نہیں کرتا؟

جوزف پیٹرسن کا بیٹا ہو کر وہ جینی رابرٹ کو کیسے نہیں جانتا؟

کئی سوال دماغ میں کھلبلانے لگے۔ وہ اپنے گرد اٹھتے ہجوم کے شور میں تیز تیز چلتی باہر کھڑی لمبی چمچماتی گاڑی میں بیٹھ چکی تھی۔

کیا وہ ولیم جوزف کو یاد نہیں تھی؟

اگر نہیں تو پھر وہ اُسے کیوں یاد رہ گیا تھا؟

اس نے گاڑی میں بیٹھتے سیٹ سے پشت ٹکالی اور آنکھیں موند لیں۔ اتنا لمبا سفر طے کیا تھا اُس نے یہاں تک پہنچنے کے لیے۔ ولیم جوزف کے برابر آنے کے لئے بلکہ وہ اس سے کئی زینے آگے تھی پھر بھی وہ اُسے نہیں جانتا تھا۔ دل میں ایک ٹیس سی اٹھی۔

لوگوں کے جھرمٹ کو چیرتی گاڑی ایک جھٹکے سے آگے بڑھ گئی۔

جبکہ جینی رابرٹ ماضی کے بھول بھلیوں میں بھٹکنے لگی۔ کچھ یادیں تھیں ہاں وہ یادیں جو عنکبوت کی طرح ہمیں جکڑ لیتی تھیں اور پھر کبھی پیچھا نہیں چھوڑتیں۔

وہ موریفیلڈ میں رہنے والے کسان کی بیٹی تھی۔ اُس کے آباؤ اجداد کا صدیوں سے یہی پیشہ رہا تھا۔ موریفیلڈ اسے بے کار لگتا تھا لیکن اس کی توجہ کا مرکز پورے موریفیلڈ میں صرف جوزف پیلس تھا۔ اسے بچپن سے ہی جوزف پیلس پسند تھا۔ وہ بالکل کہانیوں میں بیان کیے جانے والے محل جیسا تھا اور اُس کے مکینوں کی زندگی بھی ویسی ہی تھی۔

وہ دور سے جوزف پیلس کو دیکھتی اور اندر جانے کی خواہش کرتی پر اندر اجنبیوں کا داخلہ منع تھا۔ ملازم اُسے پیلس کے احاطے میں بھی داخل نہیں ہونے دیتے تھے۔

وہ پیلس میں رہنے والے چاروں بچوں سے واقف تھی۔ صبح صبح لمبی گاڑی انہیں سکول لے کر جاتی۔ گارڈز انکے پیچھے ہوتے۔ اسے یہ زندگی بالکل ویسی ہی لگتی تھی جیسی وہ کہانیوں میں پڑھتی تھی۔ وہ اکثر اپنی ماں سے شکایت کرتی کہ

اُسے یہ زندگی کیوں نہیں ملی۔ حالانکہ وہ ماں باپ کی اکلوتی تھی۔ اسکے والدین کے پاس سب کچھ تھا پر جوزف پیلس نہیں تھا وہ اسے اچھا کھلاتے تھے اچھا پہناتے تھے پھر بھی ایک کسک تھی جو جان نہیں چھوڑتی تھی۔

اور یہ انسانی فطرت ہے جو اس کے پاس نہیں ہوتا اس کی تمنا میں اس کی چاہت میں گھٹتا رہتا ہے۔

جینی کا دل کرتا تھا وہ پیلس میں رہنے والے چاروں بچوں کے ساتھ کھیلے پر اسے یہ موقع کبھی نہیں ملا۔ صرف ایک چرچ تھا جہاں وہ انہیں قریب سے دیکھ پاتی تھی اور اس کی توجہ کا مرکز ہمیشہ ولیم اور نینسی رہے تھے۔ وہ دونوں ہمیشہ ساتھ ہوتے۔ ایک سیاہ عورت انہیں چرچ لاتی اور پھر لے جاتی۔

ایک روز اس نے ولیم کو اکیلے دیکھا وہ چرچ کے باہر بنے سنگی بینچ پر بیٹھا تھا اس کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی اور وہ اس پر جُھکا ہوا تھا۔ اس وقت وہ تیرہ سال کی تھی اور ولیم بارہ کا۔

آج نینسی اس کے ساتھ نہیں تھی۔ نینی چرچ کے اندر ہی تھی۔ وہ ہمت کر کے ولیم تک پہنچی اور ذرا سا جھک کر ولیم کو دیکھا جو کتاب پر جھکا ہوا تھا اس کے ہاتھ میں ایک پینسل تھی اور وہ کتاب کی لائنوں کو ہائی لائٹ کر رہا تھا۔ وہ اب کچھ لکھ رہا تھا۔ اس کی کتاب پر رنگ برنگی کئی لائنیں تھیں۔ صحیح معنوں میں کتاب ستر نگی لگ رہی تھی۔

"کیا یہ بائبل ہے؟؟" آواز پر ولیم نے سر اٹھایا اور اپنے سامنے کھڑی جینی کو دیکھا۔

"ہاں۔۔" یک لفظی جواب دے کر وہ دوبارہ جھک گیا۔

"کیا تم خدا پر یقین رکھتے ہو؟؟" وہ اُس کے ساتھ بیٹھ گئی۔

"ہاں۔۔" وہ شاید کم بولتا تھا۔

"آج وہ بلونڈ بالوں والی لڑکی نہیں آئی؟" وہ نینسی کا پوچھ رہی تھی۔

"نینسی کو بخار ہے۔ وہ نہیں آپائی۔" وہ یونہی جھکے جھکے بولا۔ قیمتی لباس والے ولیم جوزف سے بات کرنا اُسے اچھا لگا۔

"کیا تم خدا کو نہیں مانتی؟؟" ولیم نے ایک جھٹکے سے سر اٹھایا۔ بائبل بند کر دی۔ اس عمر میں اس کے بہت سوال ہوتے تھے اور نینی پوری توجہ سے جواب دینے کی کوشش کرتیں۔

"میں نے اُسے کبھی نہیں دیکھا۔" جینی نے کندھے اچکا دیے۔ اُس کی نگاہیں یہاں سے نظر آتے جوزف پیلس کے منار پر جمی تھیں۔

"نینی کہتی ہیں وہ نظر نہیں آتا وہ ساتھ رہتا ہے۔" ولیم نے سمجھداری سے جواب دیا۔

"وہ ساتھ کیوں رہتا ہے؟؟" جینی کی نیلی آنکھوں میں جوزف پیلس کا عکس واضح تھا۔ وہ سر اٹھائے ہوئے تھی۔

"کیونکہ وہ ہم سے محبت کرتا ہے۔" فوراً سے جواب حاضر ہوا۔

"لیکن وہ مجھ سے محبت نہیں کرتا۔" اُس کی نیلی آنکھوں میں اب پیلس کے عکس کے ساتھ ساتھ دکھ عود آیا۔

"تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے؟" وہ اُسے دیکھنے لگا جو جانے کہاں کھوئی تھی۔ وہ بند گیوں والی پرانی سی فراک پہنے ہوئے تھی۔ پنڈلیوں تک آتی فراک جس کے بازو کہنی سے ذرا اوپر آتے تھے۔ جینی کی سرخ و سپید رنگت واضح تھی۔ بھورے بال چٹیا میں کھینچ کر باندھے گئے تھے اور اس کے چہرے پر، ناک اور گالوں کے مقام پر، بھورے تل تھے جو اُسے مزید خوبصورت بنا رہے تھے۔

"اگر وہ مجھ سے پیار کرتا تو مجھے بھی جوزف پیلس میں پیدا کرتا۔"

ولیم بل پھر کو ساکت ہوا۔ وہ جینی کو دیکھے گیا جو اب سر جھکائے اپنی آنکھوں میں اُبھرنے والے کرب کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اُسے آج بھی یاد تھا وہ دن جب وہ پیلس کے احاطے کے باہر کھڑی پیلس کو حسرت سے دیکھ رہی تھی اور تبھی مسٹر جوزف کی گاڑی پیلس سے باہر نکلی۔ اس نے جینی کو کھڑے دیکھا تو گاڑی روک کر ملازم سے کہا۔

"مجھے یہ لڑکی دوبارہ نظر نہ آئے۔" وہ وہاں تقریباً روز کھڑی ہوتی تھی اور مسٹر جوزف کو یہ اچھا نہیں لگتا تھا اور یوں جینی سے پیلس کو دیکھنے کا حق بھی چھین لیا گیا۔

"تم وہیں رہتے ہو نا؟ دیکھو وہ تم سے پیار کرتا ہے مجھ سے کرتا ہوتا تو میں بھی وہیں رہتی۔" وہ سر جھکائے شکوہ کر رہی تھی۔ ولیم لب بھینچے بیٹھا رہا۔ سمجھ نہ آیا کیا بولے۔

"تمہیں جوزف پیلس پسند ہے؟" کئی لمحوں کی خاموشی کو ولیم نے ہی توڑا۔ وہ کچھ نہ بولی۔

"تم کل آنا، میں تمہیں پورس پیلس گھماؤں گا۔" وہ پرجوش سا بولا۔

"میں ضرور آؤں گی پر ابھی نہیں جب میں بڑی ہو جاؤں گی۔" وہ سر اٹھا کر ولیم کی جانب دیکھتے مسکرائی۔ اس کے عقب میں کھڑے سرمئی چرچ کے منار نے مہر ثبت کی۔

اس سے پہلے ولیم کوئی جواب دیتا نینی کی پکار نے ولیم کی توجہ کھینچ لی۔

"ٹھیک ہے میں چلتا ہوں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا اور پھر بھاگتا ہوا نینی کی جانب بڑھ گیا۔ وہ پہلے ہی جارج اور نساء کا ہاتھ تھامے کھڑی تھیں۔ وہ جینی کی آنکھوں کے سامنے لمبی گاڑی میں بیٹھے اور چلے گئے۔ وہ وہیں بیٹھی رہ گئی۔

اور کبھی کبھی وقت گزر جاتا ہے بس خراشیں چھوڑ جاتا ہے کسی مکان کے در و دیوار پر تو کسی جسم کے دل و روح پر۔

وقت تیزی سے بھاگا۔ چرچ سے اڑا، کانفرنس ہال سے ہوتا، اسٹار لائٹ اسٹوڈیو واپس پہنچ گیا۔

"کیا آپ اپنی بات کو واضح کریں گی؟" مسٹر جوزف کی آواز اُسے کئی بھول بھلیوں سے نکال لائی۔ وہ چونک کر حال میں لوٹی۔ نیلی آنکھوں والی جینی انہیں کہاں یاد ہو گی۔

"کیا جوزف کے بیٹے ولیم کی بات کر رہی ہیں؟" مسٹر البرٹ نے پوچھا۔ جبکہ جینی آنکھیں چھوٹی کیے مسٹر جوزف کو دیکھتی رہی جو عقابی نظروں سے سیچویشن کا جائزہ لے رہے تھے۔

انہوں نے ابھی تک یہی سوچا تھا کہ جینی رابرٹ یا تو زیادہ معاوضہ مانگے گی یا پھر کسی مخالف پروڈکشن کے ساتھ کام کرنے کی شرط رکھے گی یا ہو سکتا ہے وہ ہیرو بدلنے کی خواہش رکھے۔

پر یہ ڈیفالٹ پیس کہاں سے آ گیا تھا؟ یہ تو انہوں نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔

"جی میں بالکل مسٹر جوزف کے بیٹے کی بات کر رہی ہوں۔ میں جانتی ہوں ولیم جوزف فیلڈر ریکارڈسٹ ہے۔" وہ سکون سے بولی۔ "میں بس اُس کے ساتھ ایک فوٹو شوٹ چاہتی ہوں۔" وہ اک ادا سے مسکرائی تو ہال میں بیٹھے سبھی لوگوں کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔ اٹکے سانس بحال ہو گئے۔

"ولیم جوزف شوبز جوائن نہیں کرنا چاہتا۔" اُسے آگاہ کیا گیا پر وہ سوالیہ نظروں سے مسٹر جوزف کو دیکھے گئی۔

آخر وہ کیوں کچھ نہیں بول رہے؟

"ٹھیک ہے آپ کو آگاہ کر دیا جائے گا۔" مسٹر جوزف نے گویا میٹنگ برخاست کی۔

"ضرور۔۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ جب انسان اپنی اہمیت سمجھ جاتا ہے تو پھر وہ خود کو سستے داموں نہیں جانے دیتا۔ وہ کڑی قیمت وصول کرتا ہے اور جینی نے جو مانگا تھا وہ کم از کم مسٹر جوزف کے لیے اسے دینا مشکل ترین تھا۔ تو بوجھو آگے کیا ہونے والا ہے؟

✿••✿••✿••✿

سیاہ رات نے جوزف پیلس پر اپنے پر پھیلائے تو ملازمین نے پورے پیلس کی مشعلوں کو روشن کر دیا۔ پیلس کی کھڑکیوں سے نظر آتی زرد روشنی میں پورا جوزف پیلس جگمگ جگمگ کر رہا تھا۔ نیل اس وقت ولیم کے ساتھ اُس کے کمرے میں تھا بلکہ اُس کے اسٹوڈیو میں جہاں اُس نے کئی میزوں پر سینکڑوں مشینیں رکھی ہوئی تھیں۔ اِس وقت بھی وہ ایک مشین کو لیپ ٹاپ سے جوڑے، اُس کی اسکرین نظریں جمائے بیٹھا تھا۔

"کیسا رہا افریقہ کا دورہ؟" چائے کی ٹرالی دیگر لوازمات کے ساتھ اُن دونوں کے درمیان رکھی تھی۔ نیل اس وقت کمرے میں رنگ ڈبل سیٹر صوفہ پر بیٹھا تھا جبکہ ولیم میز کے پیچھے رکھی کرسی پر اور چائے کی ٹرالی نیل کے سامنے رکھی تھی۔ کئی طرح کی پیٹیز اور چائے کی اٹھتی خوشبو نے پورے اسٹوڈیو کو مہکا رکھا تھا۔

ولیم اس وقت سرمئی ٹراؤزر شرٹ میں تھا۔ بال پیچھے کی جانب سیٹ تھے جبکہ نیل کے ٹراؤزر شرٹ کا رنگ ہلکا آسمانی تھا اور اُس کی دبتی رنگت اِس میں واضح تھی۔

"بہترین۔" وہ تیزی سے ہاتھ چلاتے بولا۔ بھوک اُسے بھی لگی تھی۔ جانتا تھا اگر دس منٹ مزید اپنی جگہ سے نہ اُٹھا تو نیل ٹرالی کا صفایا کر جائے گا۔

"کوئی نئی آفر آئی؟" نیل نے پوری چکن پیٹی اٹھا کر منہ میں ڈالتے اگلا سوال داغا۔ آدھے سے زیادہ نگٹس وہ چٹ کر چکا تھا۔

"ہاں ایک پروڈکشن ہاؤس کے ساتھ کام کر رہا ہوں۔" وہ مصروف سا بولا۔ چہرے پر سنجیدگی تھی۔ بھنویں سکڑی ہوئی تھیں۔ اُس کے جواب پر نیل نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"اپنے باپ کا پروڈکشن ہاؤس چھوڑ کر تم کسی دوسرے پروڈکشن ہاؤس کے ساتھ کام کر رہے ہو؟" اُس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"میرا کام میری مرضی میں جس کے ساتھ چاہے ڈیل کروں۔ "

"تمہارے ڈریکولا باپ کو پتا چل گیا تو؟؟" وہ تو نگٹس کھانا ہی بھول گیا۔ ولیم کی جرأت پر اسے کبھی کبھی حیرت ہوتی تھی۔ اِس سے پہلے ولیم جواب دیتا میز پر رکھا اُس کا فون تھرتھرایا۔ اس نے ایک نظر فون کو دیکھا۔ کوئی اجنبی نمبر تھا۔ وہ فی الوقت اٹھانے کے موڈ میں نہیں تھا۔ پر نہیں دوسری جانب موجود شخص اسے زیادہ ہی یاد کر رہا تھا۔ فون مسلسل بج رہا تھا۔ بالآخر اُس نے فون اٹھاتے کان سے لگایا۔

"ہیلو؟؟" آواز میں نری بے زاری تھی۔ لیکن دوسری جانب خاموشی چھائی رہی۔

"ہیلو۔۔؟؟" اگر اِس بار بھی جواب نہ آتا تو وہ فون کاٹ دیتا۔

"کیا تم خدا پر یقین رکھتے ہو؟" ایک خوبصورت نسوانی آواز اُبھری۔ ولیم کی تیوری چڑھی۔

"سوری؟ "

"میں جینیفر رابرٹ بات کر رہی ہوں۔" دوسری جانب سے تعارف کروایا گیا۔

"کون جینیفر رابرٹ؟؟" پیشانی پر لکیریں اُبھریں۔

گدھے کی طرح منہ چلاتے نیل کو بے ساختہ اچھو لگا۔ اس کی آنکھیں ابل آئیں۔ اس کے منہ چلانے کی آوازیں جو پورے کمرے میں گونج رہی تھیں ساکت ہو گئیں۔

"جینیفر رابرٹ؟" اس کا دل رک گیا۔ وہ چھلانگ لگا تا ولیم کے سر پر پہنچا۔

"کیا تم واقعی موویز نہیں دیکھتے۔۔؟؟ "

"میں نارنیئن (نارنیہ کے فین) ہوں۔ کیا تم اُس میں تھی؟ "

وہ سنجیدہ تھا۔ جبکہ نیل کو تو جیسے کرنٹ لگ گیا۔ وہ کبھی اُس کے کان کے قریب جھک کر سننے کی کوشش کرتا تو کبھی سیدھا ہو کر منہ پر ہاتھ رکھ لیتا۔ ولیم کی بات پر دوسری جانب دلکش سی ہنسی گونج گئی۔

"یعنی تم واقعی نہیں جانتے جینی رابرٹ کون ہے؟ یعنی تم نے اُس دن جان بوجھ کر مجھے نظر انداز نہیں کیا تھا۔ یعنی تم آج بھی ویسے ہی ہو۔" وہ ایک جذب سے کہہ رہی تھی۔

"مجھے لگتا ہے آپ غلط نمبر ملا چکی ہیں۔ برائے مہربانی نمبر درست ڈائل کریں۔" وہ ٹک سے فون بند کر گیا۔

"او مائے گاڈ جینی رابرٹ؟ کیا واقعی یہ وہ تھی؟" نیل سر پر دونوں ہاتھ رکھے حیرت سے گنگ تھا۔

"ہے کون یہ؟ "

"میرا لیٹسٹ کرش۔ تم بھول گئے۔؟" وہ اب حیرت سے دائیں بائیں چکر لگا رہا تھا۔

"دن میں دس کرش بدلتے ہو تم۔ سب کو کیسے یاد رکھوں؟" وہ بے زار ہوا۔

"بھائی یہ عام لڑکی نہیں ہے۔ ایکٹرس ہے اور آج کل یہی چھائی ہوئی ہے۔ تیرے ڈریکولا باپ نے ہی لانچ کیا ہے اسے۔" بس نیل کو یہ آخری بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔ فون دوبارہ سے بج اٹھا تھا۔ وہی نمبر تھا۔

"اٹھا اٹھا جلدی اٹھا۔" نیل نے فون اٹھا کر اسے پکڑایا۔ جبکہ ولیم نے فون پکڑتے کال کاٹ دی اور اگلے ہی لمحے اس نے بٹن دبا کر نمبر بلاک کر دیا۔ نیل کا منہ صدمے سے کھل گیا۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"خدا کی مار پڑے گی تجھ پر۔" وہ واپس صوفے کی جانب پلٹ گیا۔ "خوبصورت لڑکی کو بلاک کرنے والوں کو نرک (جہنم) میں بھی جگہ نہیں ملتی۔" وہ کلس رہا تھا۔

"نرک میرا ٹھکانہ ہے بھی نہیں۔" کس قدر گردن اکڑا کر کہا گیا۔

"تمہارے یہی کرتوت رہے تو واقعی نرک سے بھی بدتر ٹھکانہ ہو گا تمہارا۔" وہ اونچی آواز میں بولا اور پھر مارے ضبط کے ایک نگٹس اٹھا کر منہ میں ڈال لیا۔ غم اپنی جگہ کھانا اپنی جگہ۔

"بھئی ایک مشہور ایکٹرس مجھے فون کیوں کرے گی؟" ولیم نے سوال کیا پر اگلے ہی لمحے نوٹیفیکشن اُبھرا۔ انسٹاگرام پر اُسے کسی نے میسج کیا تھا اور میسج کرنے والی جینی رابرٹ تھی۔ وہ فون اوپر کیے اب بھنویں سکیڑے اُس کے میسج کو دیکھ رہا تھا۔ جینی کے کئی ملین فالورز تھے۔ وہ اس کا آفیشل اکاؤنٹ تھا۔

"میں نے تمہیں پہچان لیا۔" ولیم کے انسٹاگرام پر ساری اُسکی فیلڈ ریکارڈنگ والی ویڈیوز تھیں۔ وہ اپنا چہرہ نہیں دکھاتا تھا۔ یعنی وہ اُسے اچھے سے جانتی تھی جو پہچان گئی تھی۔

"یہ تو واقعی جینی رابرٹ کا میسج ہے۔"

نیل کو ایک بار پھر جھٹکا لگا۔ وہ بھاگتا ہوا آیا۔

"دکھاؤ دکھاؤ۔" اب وہ اس کے ہاتھ سے موبائل جھپٹے دیکھ رہا تھا۔ وہ واقعی جینی رابرٹ تھی جسے نیل نے جانے کتنے میسجز کیے تھے۔ اگلے ہی پل اس کے چہرے کے زاویے بگڑے۔

"اس عورت کو بھی نرک میں جگہ نہیں ملے گی۔ میں نے ہزاروں میسجز کیے مجھے تو ریپلائے نہیں کیا۔" اس کا موڈ اب بگڑ چکا تھا۔ فون میز پر پھینکتے وہ واپس پلٹ گیا۔ ولیم کے لبوں کو نرم سی مسکراہٹ نے چھوا۔ وہ فون وہیں چھوڑتا نیل کی جانب بڑھا۔ کیتلی میں رکھی چائے ابھی گرم تھی پر وہ ساکت رہ گیا جب اس نے ٹرالی خالی دیکھی۔ پلیٹ میں رکھا ایک نگٹ اس کا منہ چڑا رہا تھا۔

"تم سب کچھ کھا گئے؟" اس نے صوفے پر بیٹھتے حیرت سے پوچھا۔

"کوئی مال و دولت نہیں کھایا میں نے تمہارا۔ چند پیٹیز کچھ نگٹس اور سینڈوچز ہی کھائے ہیں بس۔" وہ تنک کر جتاتے بولا جبکہ ولیم اب کپ میں چائے ڈال رہا تھا۔

"ویسے تم چوبیس کے ہونے والے ہو؟ کوئی ارادہ نہیں ہے کیا گرل فرینڈ بنانے کا؟؟" اس سے پہلے وہ آخری بچا ہوا نگٹ بھی ہوا کرتا ولیم نے فٹافٹ اٹھا لیا۔ نیل کی نظر اسی نگٹ پر تھی پر وہ ناکام رہ گیا۔

"تم ہو ویسے لعنتی ہی ایک نگٹ نہیں دے سکے مجھے۔" وہ منہ کے زاویے بگاڑ کر بولا جبکہ ولیم کا دل چاہا چائے کا کپ اس کے سر میں دے مارے۔ سب کچھ ہڑپ گیا تھا ابھی بھی اس کا پیٹ نہیں بھرا تھا۔ پر نیل کی ہوا ٹائٹ کرنے کا اس کے پاس ایک اور طریقہ تھا۔

"میں اُس لڑکی کو چُنوں گا جسے نینسی اپروو کرے گی۔"

وہ لبوں پر اُبھرنے والی شرارتی مسکان چھپائے بولا جبکہ نیل کا دل اُچھل کر حلق میں آگیا۔

"کیوں نام لے رہے ہو اُس بلا کا۔" اسے جن بھوتوں سے ڈر لگتا تھا۔

"وہ بلا اس وقت بالکل تمہارے سامنے بیٹھی ہے تمہیں کھا جانے والی نظروں سے گھور رہی ہے۔" وہ چائے کا کپ لبوں سے لگاتے بولا جبکہ نیل نے اُچھلتے ٹانگیں صوفے کے اوپر کر لیں۔ وہ خوفزدہ لگ رہا تھا۔

"دیکھ ولیم یہ مزاق نہیں چلے گا۔" اس نے تنبیہہ کی۔

"وہ کہہ رہی ہے ابھی کچھ نہیں کہے گی پر رات کو تم سے ملنے ضرور۔۔۔"

"ولیم منہ بند کر اپنا۔" وہ جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ کشن اٹھا کر سینے میں بھینچ لیا اور خوفزدہ نظروں سے چاروں جانب دیکھنے لگا۔

"وہ کہہ رہی ہے یہاں سے دفع ہو جاؤ ورنہ۔۔۔"

"ممی۔۔۔" اگلے ہی لمحے وہ کشن گراتا کمرے سے باہر تھا اور پھر بنا پیچھے دیکھا سرپٹ بھاگا۔

"وہ اب تمہارے پیچھے آرہی ہے نیل۔۔۔" ولیم اونچی آواز میں چلایا۔

"ممی بچاؤ۔۔۔" پورا جوزف پیلس اس کی چیخوں سے گونج اٹھا تھا۔ وہ اب چلاتے ہوئے سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ کام کرتے سبھی ملازمین رک گئے۔ لاؤنج میں بیٹھی نینی نے عجیب نظروں سے اُسے دیکھا جو بنا پیچھے دیکھے سرپٹ بھاگ رہا تھا جیسے واقعی اُس کے پیچھے نینسی کا بھوت لگا ہوا تھا۔

چند منٹوں بعد وہ جوزف پیلس کے باہر تھا اور قسم اٹھا چکا تھا اب کبھی یہاں واپس نہیں آئے گا۔

اس کے جانے کے بعد ولیم نے تھک ہار کر گردن صوفے پر گرا دی۔ وہ اب چھت کو گھور رہا تھا۔

"بہت شوق ہے نا تمہیں مجھے بھوت بنانے کا۔" وہ ہوا میں معلق تھی۔ غصہ تھی۔ ولیم اُسے دیکھے گیا۔ وہ جیسا سوچتا تھا نینسی اسے ویسے ہی دکھائی دیتی تھی۔

اگر وہ سوچتا وہ خوش تھی تو وہ خوش دکھائی دیتی۔

اگر وہ سوچتا وہ ناراض تھی تو اسے ناراض دکھائی دیتی۔

اگر اسے لگتا وہ تکلیف میں تھی تو وہ اسے روتی تڑپتی نظر آتی۔

اگر وہ سوچتا وہ اس سے بدگمان تھی تو وہ اسے برا بھلا کہتی نظر آتی۔

یہ اس کا ذہن تھا جہاں وہ قید تھی۔ وہ جیسے چاہتا تھا وہ ویسے ہی نظر آجاتی تھی۔

اور اگر اس پل کوئی اُسے دیکھ لیتا کہ وہ ہوا میں معلق تھی تو یقیناً اسے دل کا دورہ پڑ جاتا پر ولیم بچپن سے اس سب کا عادی تھا۔ اسے اب فرق نہیں پڑتا تھا بلکہ وہ خوش تھا کہ کسی نہ کسی صورت آخر وہ اس کے ساتھ تو تھی۔ تو کیا تم اس کی ذہنی کیفیت کا اندازہ لگا سکتے ہو؟؟

✿••✿••✿••✿

ماضی کے دریچے؛

اُفق کی ڈیلیوری کے دن قریب تھے۔ مسٹر جوزف شہر سے باہر گئے تھے پر جیسے ہی واپس لوٹے تو خالی اپارٹمنٹ کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ جوزف کے جانے کے بعد اُفق نے ملازمہ کی چھٹی کرا دی۔ جتنا اس وقت تک وہ سمجھ پائی تھی

وہ یہی تھا کہ یہ سب اس کے گناہ کی وجہ سے ہو رہا تھا وہ گناہ جو اُس نے مسلمان ہوتے ہوئے ایک عیسائی مرد سے شادی کر کے کیا تھا۔ جو گناہ اُس نے اپنے ماں باپ کا دل دکھا کر کیا تھا۔ جو گناہ اُس نے اللہ کی نافرمانی کر کے کیا تھا۔

"مجھے سمجھ نہیں آتا منار میں کیا کروں۔ میں واپس آنا چاہتی ہوں پر بابا میری بات سننے کو تیار نہیں ہیں۔ میں انکے لیے مر چکی ہوں اور مجھے لگتا ہے میں یہاں رہی تو مر جاؤں گی۔" پاکستان میں ایک واحد منار معراج اس کی دوست تھی۔ وہ اس سے بات کر لیتی تھی۔

"آپ واپس آجائیں۔ کچھ نہیں ہو گا آپ کو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" اسے یہی دلاسہ دیا گیا۔ اس روز افق نے فیصلہ کر لیا تھا وہ جوزف سے خلع لے کر واپس چلی جائے گی۔ وہ مزید اس کے ساتھ نہیں رہ سکتی تھی۔ وہ اس سے محبت کرتی تھی پر اپنی اور اس کی زندگی مزید جہنم نہیں بنانا چاہتی تھی۔ اس نے پہلے ملازمہ کو نکا دیا تا کہ جوزف کو پتا نہ چلے پھر اس نے اپنا پاسپورٹ ڈھونڈا پر وہ نہیں ملا۔ جوزف کو بھی اس کی ذہنی کیفیت کا اندازہ تھا اس لیے وہ پاسپورٹ اپنے ساتھ لے گیا تھا تا کہ وہ کوئی ایسی حرکت نہ کر سکے۔

وہ کتنی ہی دیر بیٹھی روتی رہی پھر اس نے کاغذ قلم اٹھایا اور لکھنا شروع کیا۔

"پیارے جوزف میں خوش نصیب ہوں کہ تم میرے شوہر ہو اور میں بدنصیب ہوں کہ میں تمہاری بیوی ہوں۔ میں تم سے محبت کرتی ہوں پر یہ محبت رفتہ رفتہ ختم ہو رہی ہے۔ گناہوں کا احساس بڑھتا جا رہا ہے اور مجھے ڈر ہے یہ کہیں مجھے تم سے نفرت کرنے پر مجبور نہ کر دے۔ میں پاکستان واپس چلی جاتی اگر تم میرے ڈاکومینٹس نہ لے کر جاتے۔

میں مر جانا چاہتی ہوں پر اپنے اندر پلتے اس وجود کو تکلیف نہیں دے سکتی۔

میں اکثر سوچتی ہوں کہ اس بچے کا نام ولیم ولی ہو گا تو اس کا کیا مستقبل ہو گا؟ اس کا کیا مذہب ہو گا؟

یہ وہ باتیں جو میں تم سے نہیں کہہ سکتی۔ میں خود غرض بن رہی ہوں پر میں اس بچے کی تربیت ایک مسلمان کی حیثیت سے کروں گی۔ یہ ولیم ولی ہی رہے گا۔ اس کی ولدیت میں ہمیشہ تمہارا نام رہے گا بس میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ مجھے معاف کر دینا میں نہیں جانتی تھی ہمارا یہ رشتہ عنکبوت جیسا ہو گا جو میری روح کو یوں جکڑ لے گا۔ میں جا رہی ہوں جوزف ہمیش اپنا خیال رکھنا۔ فقط افق۔"

پھر وہ چلی گئی۔ پتا نہیں کہاں گئی۔ آسمان کھا گیا یا زمین نگل گئی۔ مسٹر جوزف نے اسے بہت ڈھونڈا وہ نہیں ملی۔

اس نے خود کو کہیں چھپا لیا تھا۔

✿••✿••✿••✿

جینی رابرٹ سے میٹنگ کے بعد مسٹر جوزف کافی پریشان تھے۔ پریشانی کی وجہ جینی نہیں ولیم تھا۔ وہ گھاک آدمی تھے۔ جاننے کی کوشش کر رہے تھے کہ آخر جینی نے ولیم کو ہی کیوں چنا؟ وہ بھی فوٹو شوٹ کے لیے؟ یہ بات اُنہیں ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

رات کھانے کے بعد وہ اس وقت اپنے اسٹڈی روم میں تھے۔ سیاہ رات جوزف پیلس پر اپنی تمام تر تنہائیوں کے ساتھ اتر آئی۔

کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے وہ اپنی پوری تحقیق کرنا چاہتے تھے۔ وہ اس وقت جھولتی کرسی پر سر ٹکائے بیٹھے تھے۔ کنپٹی کے چند سرمئی بال چمک رہے تھے۔ پچاس سالہ جوزف پیٹرسن دیکھنے میں واقعی ڈریکولا تھا کیونکہ عمر جیسے اُنہیں چھو کر نہیں گزری تھی۔ اُن کے وقار میں عمر میں کے ساتھ ساتھ مزید اضافہ ہو رہا تھا۔ وہ اس وقت ریشمی

سیاہ رنگ کے شب خوابی کا لباس پہنے ہوئے تھے۔ اسٹڈی روم کی بتیاں بند تھیں صرف ان کے سامنے میز پر رکھا لیمپ روشن تھا۔ جس کی روشنی ان کی گردن تک پڑ رہی تھی جبکہ چہرہ اندھیرے میں چُھپا تھا اور اس وقت انکے تاثرات کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ لیمپ کی روشنی میں، مسٹر جوزف کا عقبی دیوار پر جھولتا عکس واضح تھا۔ چند لمحوں کو مزید سر کا دیں میز پر رکھا ان کا فون جگمگ کرنے لگا۔ جھولتی کرسی رک گئی۔ وہ آگے ہو بیٹھے۔ چہرہ واضح ہو گیا۔

تر و تازہ چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔ انہوں نے فون اٹھاتے کان سے لگایا۔

"بولو۔۔" کمرے کی خاموشی میں اُنکی سحر انگیز آواز گونج گئی۔

"باس جینی کے متعلق میں تحقیقات مکمل کر چکا ہوں۔ اس کا تعلق موریفیلڈ سے ہی ہے۔ اس کے ماں باپ کسان تھے۔ جوزف پیلس کے قریب ہی ان کا گھر اور فارم ہے۔ میں نے باقی تفصیلات آپ کو واٹس اپ کر دی ہیں۔" تادیبی انداز میں آگاہ کیا گیا۔

"ٹھیک ہے۔" مسٹر جوزف نے فون کان سے ہٹاتے کال کاٹ دی۔ اب وہ دوسری جانب سے بھیجی گئی تفصیلات دیکھ رہے تھے۔

جینی رابرٹ کا پورا بائیو ڈیٹا موجود تھا۔ لیمپ کی مدھم روشنی میں دیکھتے ہی دیکھتے اُنکے سنجیدہ چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ ابھر گئی۔ سیاہ آنکھوں میں سرد پن کی جگہ عقابی چمک ابھر آئی اور پھر یہ چمک ماند پڑی جب جینی کی بچپن کی تصویر اسکرین پر نظر آئی۔

اُنکے ہونٹ اوہ کے انداز میں سکڑ گئے اور پھر انہیں جینی کے ارادے سمجھنے میں ذرا دیر نہیں لگی۔

وہ بچی جسے انہوں نے سالوں پہلے جھٹکا تھا وہ جوزف پیلس تک رسائی کے لیے ایسے حربے استعمال کر رہی تھی۔ آنکھوں کا سرد پن مزید بڑھ گیا پر ہونٹوں کی مسکراہٹ قائم رہی۔

"بے وقوف لڑکی۔" جینی رابرٹ کے لیے فی الوقت یہی لفظ انکے لبوں سے پھسلے۔ اگلے ہی پل وہ پیچھے ہوتے کرسی سے پشت ٹکا چکے تھے۔ کرسی پھر سے جھولنے لگی۔ اُنہوں نے فون سے جینی کا نمبر نکالا اور کال ملا دی۔ بیل جا رہی تھی۔

یونانی کہاوت ہے کہ ایک بھیڑیا اپنی شکل بدل سکتا ہے پر اپنے ارادے کبھی نہیں بدلتا۔

مسٹر جوزف جیسے شخص سے وہ کل کی ایک لڑکی کھیل نہیں کھیل سکتی تھی اور اگر وہ کھیلنا چاہتی تھی تو پھر یونہی سہی۔ اُنکا چہرہ ایک بار پھر اندھیرے میں چھپ گیا۔ فون اٹھا لیا گیا۔

"یہ آج چاند کس جانب سے نکلا ہے جو آپ نے ہمیں یاد کیا۔" جینی کی خوبصورت آواز گونجی۔

"چاند وہیں تھا جہاں ہے اس کا رخ کوئی نہیں بدل سکتا۔" کس قدر پر اسرار لہجے میں کہا گیا۔ دوسری جناب جینی چوکنی ہوئی۔

"کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے جوزف صاحب! چاند جدھر سے بھی نکلے ہم تو چکور ہیں اس کے گرد ناچتے رہیں گے۔"

دونوں بھیڑیے اپنی شکل بدل چکے تھے پر ارادے وہی رہے۔

"لیکن میں اس چکور سے معافی مانگتا ہوں۔ دراصل ولیم شوبز، اس کے ستاروں اور انکی اندھا کر دینے والی چمک سے خار کھاتا ہے۔ وہ فوٹو شوٹ کے لیے نہیں مان رہا اور مجھے افسوس ہے کہ میرے بیٹے کی وجہ سے ہم یہ پراجیکٹ ساتھ نہیں کر پائیں گے۔"

عنکبوت اندھیرے میں چیونٹی کی رفتار عود آیا۔ چمکتا ہوا نازک اور خوبصورت جالا بننا شروع ہوا۔ انکی بات سنتے دوسری جانب جینی پل بھر کو ساکت ہوئی۔ اسے توقع نہیں تھی کہ مسٹر جوزف اس سے معذرت کرلیں گے۔ کیا ان کے کیے اپنے بیٹے کو منانا اتنا مشکل تھا؟ کیا وہ واقعی جینی رابرٹ کو یوں آسانی سے اپنی فلم سے جانے دیتے جبکہ پوری ٹیم صرف اسے کاسٹ کرنا چاہتی تھی۔ پل بھر کو جینی کا گلا خشک ہوا پر اگلے ہی پل وہ ہونٹوں کو زبان سے تر کرتے مصنوعی لہجہ اپناتے بولی۔

"ارے جوزف صاحب میں جانتی تھی ایسا ہی ہو گا۔ میں جانتی ہوں ولیم شوبز سے خار کھاتا ہے۔ دراصل میں اُسکے کام سے متاثر ہوں اور چاہ رہی تھی کہ ایک ڈنر ہو جائے۔ اس کے ہنر کو خراج پیش کرنا چاہتی ہوں۔"

مسٹر جوزف کے لبوں پر خبیث سی مسکراہٹ اُبھری۔ وہ جانتے تھے ایسا ہی کوئی جواب آئے گا۔

"چلیں پھر ایک ڈنر رکھ لیتے ہیں۔ کم از کم یہ میں آپ کے لیے کر سکتا ہوں۔"

اپنی فلم کے لیے انہیں بھی جینی چاہیے تھی۔ اب بس ولیم کو اس ڈنر میں تشریف آوری کے لیے راضی کرنا تھا۔ اسے یہ پتا نہیں لگنا چاہیے تھا کہ اس کا باپ اس کے نام پر کوئی ڈیل کر رہا تھا ورنہ نہ ڈنر ہوتا نہ ڈیل ہوتی اور کیا پتا کیا کچھ نہیں رہتا۔ مسٹر جوزف نے یہ کام جارج کو سونپا کہ وہ ولیم کو اس ڈنر میں آنے کے لیے راضی کرے پر کئی دنوں کی لگاتار کوششوں کے باوجود بھی جارج اسے راضی نہیں کر پایا تب مسٹر جوزف نے خود اس سے بات کرنے کا سوچا۔

وہ اس روز آفس سے سیدھا اوپر آئے تو ولیم اپنے کمرے میں نہیں تھا۔ نینی انہیں ولیم کی گھر میں موجودگی سے آگاہ کر چکی تھیں۔ کچھ سوچتے ہوئے ولیم کے اسٹوڈیو کی جانب بڑھے۔ دروازہ کھلا تھا۔ انہوں نے جھانک کر دیکھا تو ولیم

اندر نظر نہیں آیا۔ پورا اسٹوڈیو عجیب گریب مشینوں سے بھرا پڑا تھا اور ان میں سے زیادہ تر ویسی ہی تھیں جو میوزک ریکارڈنگ کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔

وہ قدم قدم چلتے اندر آئے۔ ان کے بھاری بوٹوں کی آواز گونج گئی۔ دفعتاً ان کی نظر میز پر رکھے ولیم کے لیپ ٹاپ پر پڑی اور پھر وہ ٹھہر گئے۔ انہیں ساکت کرنے کی وجہ لیپ ٹاپ نہیں تھا بلکہ لیپ ٹاپ کے قریب رکھی وہ تصویر تھی جسے دیکھ کر ولیم جوزف سن ہو گئے تھے۔

افق اور ولیم کی سالوں پرانی تصویر۔ چہرے پر کئی سائے آکر گزر گئے۔ دل سینے میں ہی لرز گئے۔ اگلے پل انہوں نے اپنے کپکپاتے ہاتھوں کو تصویر کی جانب بڑھتے دیکھا اور پھر انہوں نے وہ تصویر اٹھالی۔

افق اور نگزیب انکی محبت تھی۔ چہرے پر کرب کے سائے لہرائے۔ آنکھوں کا سرد پن غائب ہوا۔ وہ کئی لمحے اسے یونہی دیکھتے رہے۔ کمرے میں گھڑی کی سوئیوں کی ٹک ٹک کے ساتھ ساتھ مسٹر جوزف کو اپنا دل دھڑکنے کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ وہ تصویر دیکھنے میں اتنا مگن تھے کہ لیپ ٹاپ کی دوسری جانب پڑی وہ ٹکٹ نہیں دیکھ پائے جو پاکستان کی تھی۔ ولیم چند دن بعد پاکستان جانے والا تھا۔

"مجھے مت چھوئیں مجھ سے دور رہیں۔" افق کی آواز انہیں ماضی کے جھروکوں سے نکال لی۔ وجیہہ کرب زدہ چہرہ پل کے ہزارویں حصے میں سپاٹ ہوا۔ آنکھیں سرد پڑ گئیں۔ انہوں نے وہ تصویر مٹھی توڑ مروڑ کر مٹھی میں بھینچ لی۔ کنپٹی کی رگیں پھول گئیں اور چہرے پر غصہ عود آیا۔

"ہاں میں دیکھ لوں گا۔" اور ولیم فون پر کسی سے کہتا دروازے پر نمودار ہوا۔ وہ اپنے کمرے سے ایک ٹپ ریکارڈر اٹھانے گیا تھا پر جیسے ہی اس کی نظر میز کے قریب کھڑے مسٹر جوزف پر پڑی، فون اس کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچا۔ دل ساکت ہوا اور چہرے کی رنگت بدل گئی۔

"ڈیڈ آپ یہاں؟" وہ تیزی سے انکی جانب بڑھا۔ دل دھک دھک کر رہا تھا۔ کہیں انہوں نے پاکستان کی فلائٹ کی ٹکٹ تو نہیں دیکھ لی؟ یہ تو غضب ہو جائے گا۔

اس نے جلدی آگے بڑھتے لیپ ٹاپ بند کیا اور نا محسوس انداز میں اسے ٹکٹ کے اوپر سرکا کر ٹکٹ چھپانے کی کوشش کی۔ جبکہ مسٹر جوزف یہی کھڑے رہے جیسے اپنی جگہ جم گئے ہوں۔ وہ سیدھا ہو کر انکی جانب پلٹا۔

"یہ سب کیا ہے؟" گول مول سی گیند بنی تصویر کو اس نے ولیم کے منہ پر مارا۔ وہ ساکت رہ گیا۔ مڑی ہوئی تصویر اس سے ٹکرا کر نیچے گر گئی۔ وہ اب ولیم کے قدموں پر پڑی اپنی بے قدری پر رو رہی تھی۔ ولیم نے جبڑے بھینچتے جھکتے ہوئے تصویر اٹھائی اور اسے کھول کر سیدھا کیا۔

"کہاں سے ملی یہ تمہیں؟" وہ قدم بڑھا کر مزید اس کے قریب ہوئے یوں جیسے ابھی سانسیں روک لیں گے۔ وہ شعلے باز آنکھیں لیے ولیم کو گھور رہے تھے۔ ولیم نے ایک نظر اپنی مسکراتی ماں کو دیکھا اور پھر گردن اٹھالی۔ اپنی کتھئی آنکھیں مسٹر جوزف کی سیاہ آنکھوں میں گاڑھ دیں۔

ولیم قد میں ان کے برابر تھا۔ اب ہوا نا مقابلہ۔

ذرا تصور کرو پچاس سالہ ڈریکولا باپ جوزف پیٹرسن اور اسکے مد مقابل ڈیفالٹ پیس بیٹا ولیم جوزف! ہارنا کسی نے نہیں سیکھا تھا۔

"یہ میری ماں کی تصویر ہے۔ مجھے جہاں سے بھی ملی ہو آپ مجھے بتائیں کہ آپ ان سے اتنی نفرت کیوں کرتے ہیں؟" وہ یونہی ڈٹا رہا۔

"تمہاری کوئی ماں نہیں ہے۔ نہ کبھی تھی۔ تم صرف جوزف کے بیٹے ہو۔ یہ مت بھولو۔" وہ دبی دبی آواز میں چلائے۔ من تو کر رہا تھا ولیم کی گردن مروڑ دیں پر ہائے یہ جوان اولاد جب قد میں برابر آجائے تو ماں باپ کے دل میں ایک وہم بیٹھ جاتا ہے۔ اولاد نے چھوڑ دیا تو؟

"وہ میری ماں ہیں اور ہمیشہ رہے گی۔ آپ یہ حق نہیں چھین سکتے۔" وہ ولیم تھا اس پیچھا ہٹنا نہیں سیکھا تھا۔

مسٹر جوزف نے جبڑے بھینچ کر خود کو کچھ غلط کہنے سے روکا۔ وہ سوچ کر آئے تھے آج ولیم سے اچھے سے پیش آئیں گے۔ پرانی ناراضیاں ختم کریں گے پر ڈیفالٹ پیس ہر بار انہیں سلگانے کا نیا طریقہ ڈھونڈ کر بیٹھا ہوتا تھا۔ وہ کئی ثانیے ولیم کو یونہی دیکھتے رہے جس کی نظریں نہیں جھکی تھیں۔ آج ان نگاہوں میں بہت کچھ تھا اور پھر مسٹر جوزف نے اس کے سامنے سے ہٹتے دروازے کی جانب قدم بڑھائے جبکہ ولیم یونہی کھڑا تھا۔ جیسے ہی وہ دروازے پر پہنچے عقب سے ولیم کی آواز اُبھری۔

"آپ ان سے نفرت اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اچھی مسلمان تھیں۔" مسٹر جوزف کے قدم ساکت ہوئے۔

"اور مسلمانوں سے نفرت کی وجہ کیا ہو گی؟"

وہ کھڑے رہے لیکن پلٹے نہیں۔ ولیم نے اب رخ ان کی جانب کر لیا اور ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈال لیے۔ خاکی کارگو پینٹ پر آسمانی سلیکس سے جھانکتے بازو لیے وہ پوری آب و تاب سے کھڑا تھا۔ وہ جانتا تھا اس وقت اس کی باتیں مسٹر جوزف کے لیے جلتی پر تیل کا کام کر رہی تھیں۔

"کبھی سوچا ہے آپ نے کہ کبھی جارج یا مجھ میں سے کوئی مسلم پارٹنر چن لے تو۔۔"

"ولیم۔۔۔" اس کی بات منہ میں رہ گئی۔ مسٹر جوزف طوفان کی طرح اس کی جانب بڑھے اور اب ولیم کی گردن ان کے ہاتھ میں تھی۔ ولیم یونہی کھڑا رہا۔ وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔ ہاتھ ابھی بھی پینٹ کی جیبوں میں تھے۔

جبکہ مسٹر جوزف کا چہرہ غصے کی زیادتی سے لال بھبھوکا ہو چکا تھا۔ آنکھیں لہو ٹپکانے لگیں۔ وہ ولیم کو دیکھتے رہے اور پھر جیسے ہوش آنے پر ان کی ولیم کی گردن پر گرفت ڈھیلی پڑی۔

"اگر تم نے کسی مسلمان لڑکی سے شادی کا سوچا بھی تو میں تمہیں مار ڈالوں گا۔" وہ مزاق کے موڈ میں ہرگز نہیں تھے اور یہ خالی پیلی دھمکی بھی نہیں تھی۔ ولیم ساکت کھڑا اپنے باپ کا یہ سیریل کلر والا روپ دیکھتا رہا۔

اتنی نفرت مسلمانوں کے لیے آخر کیوں؟ اور اُن کی اِس آخری بات نے ڈیفالٹ پیس کے اندر ہلچل مچادی تھی۔

"اگر ایسا تھا تو پھر مر کر دیکھ لیا جاتا۔" وہ مسٹر جوزف کو دیکھتے سوچ گیا۔ پر بولا کچھ نہیں۔ مسٹر جوزف جھٹکے سے اُسے چھوڑتے پیچھے ہٹے اور پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتے کمرے سے نکل گئے۔ پیچھے کھڑے ولیم نے ایک گہرا سانس فضا میں خارج کیا اور پھر پلٹ کر جھکتے ہوئے لیپ ٹاپ کے نیچے سے ٹکٹ نکالی۔ تنے کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔

"جان جاتی ہے تو جائے بس پاکستان کی ٹکٹ باپ کے ہاتھ نہ لگے۔" وہ ہولے سے بڑبڑایا اور پھر میز رکھا اپنا والٹ اٹھا کر ٹکٹ اس کے اندر ڈال لی۔ وہ اب محفوظ تھی پر مڑی ہوئی تصویر دیکھ کر اس کا دل کلس کر رہ گیا۔ پھر وہ تیزی سے دیوار گیر کھڑکی کی جانب بڑھا۔ کھڑکی کھلی تھی۔ اس نے سر باہر نکالا اور آسمان کی جانب دیکھتے پوری قوت سے چلایا۔

"مسٹر پیٹرسن۔" وہ اپنے دادا سے مخاطب ہوا۔

"ڈریکولا پیدا کر کے دھرتی پر چھوڑ گئے۔ شرمندگی تو ہوتی ہو گی نا آپ کو؟؟" چہرے کے زاویے بگڑے ہوئے تھے۔

"ہوتی ہے نا؟ سچ سچ بتائیں۔" بھنایا ہوا انداز۔

"جوزف جیسا ایک پیدا کرنے سے بہتر میرے جیسے دو چار بیٹے پیدا کر لیتے قسم سے دھرتی سکون میں رہتی۔" انہیں مشورہ دے کر سر اندر کھینچ لیا۔ وہ اپنی بھڑاس نکال چکا تھا۔ شان سے کھڑے جوزف پیلس اس کی بات سن کر زور سے قہقہہ لگایا۔

لو بھلا تم بتاؤ اب ڈیفالٹ پیس ولیم جیسے دو چار پیدا ہو جاتے تو دھرتی بچتی کیا؟؟

✿••✿••✿••✿

آج اتوار تھا۔ فجر اپنے کمرے میں تھی۔ صفدر کا قیمتی لیپ ٹاپ گھٹنوں پر سجائے، پچھلے کئی گھنٹوں سے بستر میں بیٹھی کام کر رہی تھی۔ پرانے محلے کے اِن چھوٹے گھروں سے اس پہر بچوں کے رونے، چیخنے چلانے اور ماؤں کے جھڑکنے کی آوازیں صاف سنی جا سکتی تھیں۔

چھوٹے مکان، چھوٹی دیواریں پر والیوم اونچا تھا۔ ساتھ والے گھر کی آنٹی شکیلہ اپنے چھوٹے بچوں کو مار رہی تھی جو کافی دیر سے آپس میں لڑ جھگڑ رہے تھے۔ پہلے پہل وہ غیر آرام دہ ہوئی پھر اُس نے سر جھٹک دیا۔ لیپ ٹاپ پر اُبھرتے اپنے پراجیکٹ کے Visual 3d ماڈل کو دیکھتے ہوئے اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

وہ تخلیق کار تھی۔ اُس کے پاس ذہانت تھی۔ عقل تھی اور جنون بھی۔ وہ جس کام کو ٹھان لیتی اُسے کر کے ہی سکون لیتی تھی۔ اُس کے پاس یہ سب کچھ تھا تو صفدر کے پاس پیسہ تھا جو پراجیکٹ پر بے دریغ بہایا جا سکتا تھا۔ وہ دونوں

پراجیکٹ پارٹنر تھے اور ایک طرح سے بہترین پارٹنر تھے۔ صفدر پیسے کے ساتھ ساتھ کام میں بھی ساتھ بٹالیتا تھا۔ وہ اب ٹانگیں سیدھی کیے لیپ ٹاپ ٹانگوں پر جمائے بیٹھی تھی۔ جبکہ پیچھے ہوتے ٹیک بیڈ کراؤن سے لگالیا۔ ہاتھ بڑھا کر بٹن دباتے اس نے اسکرین پر ابھرتے ماڈل کو گھمایا۔

وہ اتنا شاندار لگ رہا تھا کہ وہ بے ساختہ دیکھے گئی۔ یہ ماڈل پہلے اُن کے سپروائزر اپروو کرتے اُس کے بعد اِس پر کام کیا جاتا۔

وہ اسکرین پر چمکتے اُس گاؤن کو ٹکٹکی باندھے دیکھے گئی۔ وہ تو پاگلوں کی طرح اس پر کام کرتی رہی تھی اور تخلیق کار کبھی کبھی اپنے ہی شاہکار دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے کیونکہ وہ اُنہیں ایسے لمحوں میں تخلیق کرتا ہے جو جذبات کے زیر اثر ہوتے ہیں اور آرٹسٹ کا وہی آرٹ سب سے بہترین ہوتا ہے جو تب بنایا گیا جب دل میں ارمانوں کا جنازہ پڑا ہو۔ اس سے پہلے وہ مزید کچھ سوچتی بیڈ پر بائیں جانب پڑا اس کا فون تھرتھرایا۔ صفدر کا فون تھا اور اسکرین پر "**نرگسی آدمی**" لکھا واضح چمک رہا تھا۔

"ہاں بولو۔" فون اُٹھاتے کان سے لگایا جبکہ ایک ہاتھ سے گردن مسلنے لگی۔ مہینے گزر گئے تھے اماں کی دی چوٹ کو پر تکلیف آج بھی ہوتی تھی۔ چوٹ ہڈی پر نہیں بلکہ پٹھوں (مسلز) پر لگی تھی اور ایسی چوٹ کبھی نہیں جاتی۔ یہ درد ساری عمر ساتھ رہنا تھا۔

"بندہ کوئی سلام دعا کرلیتا ہے۔" صفدر کی آواز ابھری۔

"کام کی بات کرو نرگسی آدمی۔" ٹانگوں سے لیپ ٹاپ اٹھا کر اطراف میں رکھا اور کمر سیدھی کرنے کی غرض سے لیٹ گئی۔

"وہ میں سوچ رہا تھا ناشتہ کرنے چلیں؟"

"ایک بجے ناشتہ؟ ہنہہ امیروں کے چونچلے۔" اس نے تڑخ کر سوچا پر کہا نہیں۔

"میری سیلری نہیں آئی ابھی۔ جب آجائے گی پھر چلیں گے۔"

"میرے پاس پیسے ہیں تمہیں یہ سوچنے کی ضرورت نہیں ہے فجر۔۔" وہ رسانیت سے بولا۔

"ضرورت کیوں نہیں ہے؟ مجھے کیا پتا تمہارے باپ کی کمائی حلال ہے یا حرام۔"

آہ کاش کوئی اس کی ذرا سی زبان کاٹ دیتا۔ کم از کم نرگسی آدمی صدمے میں تو نہ جاتا۔

"تمہیں کچھ کہنا اپنے پیر پر کلہاڑی مارنے کے برابر ہے۔" وہ صدمے سے بولا۔

"پھر کٹ گئے پیر یا بچت ہو گئی؟"

کاٹ دو کاٹ دو۔ زبان کاٹ دو فجر معراج کی۔ اس سے پہلے کسی کا دل کٹ جائے۔

"تم انتہائی بے مروت عورت ہو۔"

"تبھی تم نے بے عزت ہونے کے لیے فون کیا ہے؟" وہ تپانے والے انداز میں بولی تو دوسری جانب صفدر کا دل چاہا وہ فون فجر کے سر میں دے مارے۔

"دیکھو کہیں فون اپنے سر میں نہ مار لینا بھئی مہنگا آئی فون خراب ہو گیا تو؟؟" اس پل اس کے لبوں پر دھیمی سی مسکان اُبھری۔ وہ صفدر کا بے بس چہرہ تصور کر سکتی تھی۔

"یو نو واٹ تمہارے جیسی عورت جہنم کے نچلے گھڑے میں پھینکی جاتی ہے۔"

"لیکن وہ تو تمہارا ٹھکانہ نہیں تھا؟" لب اوہ کے انداز میں سکڑ گئے۔ "اب اگر میں وہاں چلی گئی تو تم کہاں جاؤ گے؟" پوری دنیا کی فکر وہ اپنے لہجے میں سمو لائی۔

"خدا کی قسم کبھی تم مر رہی ہو گی نا تو بھی میں پانی نہیں پوچھوں گا۔" وہ کلس کر بولا۔

"بہت اچھا فیصلہ ہے نر گسی آدمی اب فون رکھو میں ذرا مصروف ہوں۔"

صفدر کو پروجیکٹ ڈسکس کرنا تھا پر وہ ٹک سے فون کاٹ گیا۔ فجر کو سننا اُس کے بس کی بات نہیں تھی۔

جبکہ فجر نے موبائل واپس بستر پر گرا دیا۔ ناشتہ کے نام سے اس کے پیٹ میں چوہے دوڑ اٹھے۔ صبح سے کچھ نہیں کھایا۔ جب سے اُٹھی تھی لیپ ٹاپ لیے بیٹھی تھی۔ بھوک محسوس ہی نہیں ہوئی پر اب ہونے لگی تھی۔ وہ لیپ ٹاپ بند کرتے بستر سے نیچے اتر آئی۔ ایک ہی پوزیشن میں بیٹھے بیٹھے پورا جسم اکڑ گیا۔ وہ دوپٹہ اٹھاتی کمرے سے باہر نکلی۔ اماں باورچی خانے میں تھی۔ کھانے کی خوشبو اُس کے نتھنوں سے ٹکرائی تو بھوک مزید چمک اٹھی۔ وہ جیسے ہی برآمدے سے گزرتی صحن میں آئی تو سورج کی تیز روشنی سے اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

اس نے بازو آنکھوں پر رکھ کر تیز روشنی سے بچنا چاہا۔ سادہ سا شلوار قمیص پہنے، جو شکن آلود تھا، بالوں کی ڈھیلی سی چٹیا کیے جن میں سے کئی لٹیں باہر نکلی ہوئی تھیں وہ اب صحن میں بنے گھرے (برتن اور کپڑے دھونے کی جگہ) میں لگے نل پر جھکی منہ پر پانی کے چھینٹے مار رہی تھی۔

"ارے تم تو بڑے دنوں بعد نظر آئی ہو فجر۔۔" ساتھ والی آنٹی شکیلہ اب صحن کی مشترکہ دیوار کے اوپر سے جھانکتی نظر آئی۔

آواز سن کر وہ سیدھی ہوئی۔ بھیگا ہوا چہرہ لیے، جو سورج کی شعاؤں میں دمک رہا تھا، وہ آنٹی شکیلہ کو دیکھ کر مسکرائی۔ پھر وہ پاؤں دھونے لگ گئی۔

"بس ذرا پڑھائی میں مصروف ہوتی ہوں۔" لہجہ کو حد درجہ نارمل رکھا گیا۔ نل سے شڑ شڑ بہتے پانی میں اس کے گلابی پاؤں مزید گلابی ہوئے۔ چہرہ کے دونوں جانب جھولتی چند لٹیں اب گیلی ہو کر چہرے سے چپک گئیں۔ وہ سرمئی رنگ کا سادہ سوٹ پہنے ہوئے تھی۔ لمبی قمیض اور کھلا ٹراؤزر۔ پاؤں دھونے کی غرض سے اُس نے ٹراؤزر تھوڑا اوپر اٹھایا تو اس کے ٹخنے واضح ہوئے۔ پاؤں تو چہرے سے بھی زیادہ خوبصورت تھے۔

آنٹی شکیلہ ستائش، رشک اور حسد کی ملی جلی نظروں سے اُسے دیکھے گئی۔ کتنی حسرت تھی اُنکی کہ فجر ان کے بھائی کے رشتے کے لیے ہاں کر دیتی۔ فجر اُن کی بھابھی بن جاتی۔ سب سے چھوٹی بھابھی جسے وہ دلہن بنا کر لے جاتیں تو پورے محلے میں دھوم مچ جاتی کہ شکیلہ اپنے بھائی کے لیے حور پری ڈھونڈ لائی تھی۔ چاند جیسی دلہن لائی تھی۔ لو بھلا انہیں کوئی بتائے حور پری ایسے ہی مل جاتی ہے کیا؟ یہ آنٹیاں بھی نارشتہ لانے سے پہلے ذرا نہیں سوچتیں۔ کتنی بار وہ رشتہ لائیں کتنی بار انہوں نے اماں سے بات کی پر اماں ہر بار انہیں یہ کہہ کر ٹال دیتی کہ فجر کا رشتہ بچپن میں ہی بلقیس کے بیٹے سے طے ہو گیا تھا۔ جب وہ پیدا ہوئی تھی تبھی سے انہوں نے فجر کو بلقیس کے بیٹے کے نام کر دیا تھا۔

پر بلقیس کون تھی یہ تو فجر بھی نہیں جانتی تھی۔ البتہ آنٹی شکیلہ کو پورا بھروسہ تھا انکار کی وجہ فجر تھی۔ بلقیس بیگم کا نام تو بس بہانا تھا۔

"ارے ایسی بھی کیا مصروفیت تم نے تو ہم سے بات کرنا ہی چھوڑ دیا۔" وہ چہرے کے زاویے بگاڑتے بولیں۔ فجر نل بند کرتی کُھرے سے باہر نکل آئی۔ گلے میں لٹکے دوپٹے سے وہ اب اپنے ہاتھ صاف کر رہی تھی۔

دبلا پتلا سراپہ، دراز قد، چمکتی رنگت اور سلکی بال۔ اس کے بال اتنے سیدھے اور سلکی تھے کبھی کبھی نقلی کا گمان ہوتا کیونکہ وہ ہر وقت چٹیا اور جوڑے سے باہر نکلنے کی کوشش میں سرگرداں رہتے تھے۔

"پہلے یونیورسٹی جاتی ہوں پھر آفس۔ رات گئے لوٹتی ہوں تو کسی سے ملنے کا وقت ہی نہیں ملتا۔" وہ دھوپ میں کھڑی چمک رہی تھی۔

"ہاں یاد آیا۔ تمہارے چچا بتا رہے تھے انہوں نے رات تمہیں دس بجے آتے دیکھا تھا۔ افسوس کر رہے تھے کہ عورتیں اکیلی رہ گئی ہیں۔ میں تو کہتی ہوں کوئی اچھا رشتہ آئے تو فوراً ہاں کر دو۔ اکیلی عورتوں کی کوئی زندگی نہیں ہے۔"

سارے دن دھوپ میں بیٹھے رہنے سے کالی ہو چکی رنگت والی آنٹی شکیلہ اسے مفت میں مشورے دیے گئیں۔

فجر کی تیوری چڑھی۔ دل میں ہزار بار خود پر لعنت بھیجی کہ وہ شکیلہ جیسی عورت کے منہ لگی ہی کیوں؟

"بات تو ٹھیک ہے آنٹی۔" اگلے ہی پل وہ چہرے پر مسکراہٹ سجائے بولی۔ "اکیلی عورتوں کی واقعی کوئی زندگی نہیں ہے اسی لیے آپ کی بیٹی روز کالج سے واپسی پر ماسی ذرینہ کے بیٹے کے ساتھ آتی ہے نا؟ چچا بھی تو زیادہ تر دوسرے شہر ہوتے ہیں۔ افسوس کہ آپ ماں بیٹیاں گھر میں اکیلی رہ گئیں۔ بیٹا بھی آپ کا کافی چھوٹا ہے چچ چچ۔" وہ کمر پر دونوں ہاتھ جمائے کہہ رہی تھی۔ آنٹی شکیلہ کے چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ زبان تالو سے جا لگی۔ چہرے پر کئی سائے لہرا گئے۔

فٹے منہ اُن کا جو انہوں نے فجر کو منہ لگایا۔ وہ اب دل ہی دل میں خود کو کوسنے لگی۔

"ارے نہیں نہیں ایسی بات نہیں ہے وہ تو میں نے ہی اُس دن رضا سے کہا تھا کہ صائمہ کو کالج سے لے آئے۔ صائمہ کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی۔" وہ اب اپنی خفت پر قابو پاتے صفائی پیش کرنے لگیں۔

"اچھا۔" فجر نے ذرا سا سوچتے کہا۔ "مجھے نہیں پتا تھا صائمہ کی طبیعت روز بگڑ جاتی ہے۔" مجال ہے جو وہ باز آجائے۔ صائمہ کا کالج اُس کی یونیورسٹی کے قریب ہی تھا اور پاس کے کیفے پر اُس نے کئی بار صائمہ اور رضا کو بیٹھے دیکھا تھا۔

"وہ میں ذرا ہانڈی دیکھ لوں۔" آنٹی شکیلہ نے اپنی شکل گم کرنا ہی ضروری جانا۔ جبکہ فجر سر جھٹکتے اندر بڑھ گئی۔ ہاں اب وہ سکون سے کھانا کھا سکتی تھی۔ باورچی خانے میں داخل ہوتے وہ کھجور کے پتوں کا بنا موڑا کھینچ کر اس پر بیٹھ گئی۔ ٹانگیں لمبی کر لیں۔ اماں انگیٹھی پر رکھی دال میں زیرے کا تڑکہ لگا رہی تھی۔ دال چاول بنے تھے۔ اماں اور اُس کے درمیان سرد جنگ چل رہی تھی۔ مطلب کی بات ہوتی یا ہوتی ہی نہیں تھی۔ اب وہ فجر فجر کی رٹ نہیں لگاتی تھی۔ نہ بلاوجہ بد دعائیں دیتی تھی۔ جو ہونا تھا ہو چکا تھا۔

اماں نے چاول پلیٹ میں ڈال کر اُسے پکڑائے اور پھر گرم گرم دال کٹوری میں ڈال دی۔

دال کی خوشبو پورے باورچی خانے میں پھیل گئی۔

فجر نے دال اٹھا کر چاولوں میں ایک سائیڈ پر ڈال لی۔ اور پھر چمچ سے مکس کرتے اس نے پہلا چمچ منہ میں ڈالا۔

اس کی محنت کی یہ دال روٹی صفدر کے پیسوں کے مہنگے ناشتے سے کہیں بہتر تھی۔ اب سب منظور تھا پر عزت نفس کا سودا نہیں۔

اس سے پہلے وہ دوسرا چمچ منہ میں ڈالتی دیوار پار سے شور کی آواز اُبھری۔

"اماں پاگل ہو گئی ہے۔ کیوں پیچھے پڑ گئی ہے۔ کیوں مار رہی ہے مجھے۔" انیس سالہ صائمہ چیخ رہی تھی۔

" میں نے منع کیا تھا تجھے کہ اس لوفر کا پیچھا چھوڑ دے۔ تیرا عشق میں پورا کرتی ہوں۔" آنٹی شکیلہ کی غضبناک آواز گونجی۔ وہ اب صائمہ کے بال پکڑے اس کی کمر پر مکّوں کی برسات کیے ہوئے تھیں۔ دھپ دھپ کی آواز سنی جا سکتی تھی۔

"تیرا کالج جانا بند۔ گھر سے نکلنا بند۔ تو نے ہمیں ذلیل کروا دیا۔" صد شکر آنٹی شکیلہ کا والیوم پھٹے اسپیکر سے کم نہیں تھا ورنہ وہ یہ سب کیسے سن پاتی؟ چاولوں کا دوسرا چمچ منہ میں ڈالتے فجر کے لبوں پر مسکراہٹ رینگ گئی اور منہ میں جیسے شیرنی گھل گئی ہو۔ اماں نے رغبت سے دال چاول کھاتی فجر کو دیکھا۔ آگ لگانی آگ لگا آئی تھی۔ ادھار رکھنے کی قائل نہیں تھی وہ۔ حساب پورا ہوا۔

کم از کم اب اپنی باقی ماندہ کی زندگی میں آنٹی شکیلہ اسے نہیں بلانے والی تھی۔

✿••✿••✿••✿

تمازت بھری دھوپ لیے صبح موریفیلڈ میں اتر آئی۔ جوزف پیلس کی دیوار گیر کھڑکیوں سے اب یہ دھوپ چھن چھن کر اندر پڑ رہی تھی۔ پیلس کے اندر باہر ایک جیسی وردی پہنے ملازم اپنے اپنے کاموں میں مصروف دیکھے جا سکتے تھے۔

موسم سرما کا آغاز پھر سے ہو رہا تھا اور یہ ٹھنڈی میٹھی سی دھوپ بڑی بھلی لگتی تھی۔

ولیم پوری رات جاگتا رہا تھا۔ کل رات ہی اُس کے اکاؤنٹ میں نجی پروڈکشن نے پیسے ٹرانسفر کر دیے تھے۔ ایک ریکارڈنگ کے لیے اس کی ڈیل ہو چکی تھی اور اب وہ ریکارڈنگ پر کام کر رہا تھا تاکہ فائنل کر کے اُنہیں دے سکے۔ چند منٹ پہلے اس نے USB اپنے سسٹم سے ہٹائی تھی۔

کام تیار تھا۔ اس نے بازو پھیلاتے انگڑائی لی۔ کھڑکی سے اندر آتی دھوپ میں اس کا سراپہ واضح تھا۔ وہ اپنے کمرے میں تھا۔ کھڑکی کے ساتھ رکھے صوفے پر بیٹھا وہ پچھلے کئی گھنٹوں سے کام کر رہا تھا۔ لیپ ٹاپ بند کرتے وہ یونہی صوفے پر لیٹ گیا۔ میز پر رکھا فون بجنے لگا تو اٹھا کر اسکرین پر نظر ڈالی۔ جارج کا فون تھا۔ اُس نے یس کرتے فون کان سے لگایا۔

"ہیلو گڈ مارننگ" جارج کی آواز اُبھری۔ تر و تازہ اور زندگی سے بھرپور۔

"کہو کیسے یاد کیا؟ کبوتر کیا پیغام لایا؟" وہ مسٹر جوزف اور ولیم کے درمیان قاصد بنا رہتا تھا اور اسی چکر میں اچھا خاصا پِس جاتا تھا۔

"پھر تم نے کیا سوچا ڈنر کے بارے میں؟؟" وہ فوراً مدعے کی بات پر آیا۔

سنہری دھوپ کے ذرات میں چمکتی ولیم کی کتھئی آنکھیں واضح تھیں۔

"میں تیار ہوں۔" یک لفظی جواب دیا اور پھر آنکھیں میچ لیں۔ اُس کی پلکیں سیاہ نہیں تھیں۔ بالوں کے ہم رنگ تھیں۔

دھوپ کی تمازت سے چہرہ دمک اٹھا۔ وہ اب آنکھیں بند کیے سینے پر دونوں بازو باندھے اور کندھے کی مدد سے فون لیے لیٹا تھا۔ چہرے تھوڑا سا فون والے کندھے کی جانب جُھکا ہوا تھا۔ کتھئی بال جو خم دار تھے۔ اُس کے

چہرے پر غور کیا جائے تو جلد کسی بھی قسم کے داغ دھبوں سے صاف تھی۔ گالوں کی ہڈیاں ابھری ہوئیں۔ اس کے ہونٹ باقی گوروں کی طرح نہایت پتلے نہیں تھے بلکہ نچلا ہونٹ اوپر والے سے تھوڑا بھرا ہوا تھا۔ جبڑے شارپ تھے۔ ناک اٹھی ہوئی اور گردن میں ابھرتا ایڈم ایپل۔ کچھ بھی تو نظر انداز کیے جانے کے قابل نہیں تھا۔ آنکھیں موندتے ہی اُسکی پلکیں بھاری ہونے لگیں۔ رتجگا تھا نیند کی دیوی فوراً مہربان ہوئی۔ ڈبل سیٹر صوفے سے لمبی ٹانگیں نیچے لٹک رہی تھیں جسے اُس نے موڑتے ہوئے خود کو صوفے پر ایڈجسٹ کیا۔ موبائل کان سے ہٹا کر صوفے پر رکھا اور اسپیکر آن کر دیا۔ اس کے ہاں کہنے پر جارج تو مانو اچھل پڑا تھا۔

"کیا کہا تم نے؟ تم تیار ہو؟ میں ڈیڈ کو بتاتا ہوں وہ بہت خوش ہوں گے۔" وہ مسرور سا بولے گیا۔

"بدلے میں مجھے کیا ملے گا؟ یونو میں فری میں کام نہیں کرتا۔" نیند کتنی اچھی اور مہربان دیوی ہے نا۔ ایک اچھی نیند سو تکلیفوں سے نکال لینے کی طاقت رکھتی ہے۔

اس کی بات سنتے ہی جارج کی خوشی جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔

"اب کیا چاہیے تمہیں۔۔؟؟" آواز میں پہلی جیسی پرجوشی نہیں تھی۔

"مجھے گاڑی چاہیے۔ SL AMG Roadster کا نیا ماڈل۔۔" وہ بے خوف بولا۔ یوں تو وہ زیادہ تر دوروں پر ہی رہتا تھا گاڑی کی زیادہ ضرورت نہیں تھی پر یہ بہترین موقع تھا اپنی پسندیدہ گاڑی حاصل کرنے کا۔

"تم پاگل ہو؟ یہ بہت زیادہ ہو جائے گا ولیم۔" جارج نے تنبیہہ کی۔

"ولیم جوزف کو ہر کوئی افورڈ نہیں کر سکتا۔" ناک سے مکھی اڑائی گئی۔ نیند کے خمار میں اس کی آواز بھاری ہو کر سحر انگیز لگنے لگی۔

"ٹھیک ہے میں ڈیڈ سے بات کرتا ہوں۔" شاید وہ مزید کچھ بھی کہہ رہا تھا پر ولیم نیند کی وادی میں اُتر گیا۔ کچھ دیر بولتے رہنے کے بعد جارج نے فون بند کر دیا جبکہ ولیم جانے کتنے دنوں بعد یوں پر سکون نیند سویا تھا۔

✿••✿••✿••✿

کبھی کبھی بندر کی حرکتوں سے تنگ آکر شیر اُسے بنا کچھ کہے اپنی کھچار میں چلا جاتا ہے اور بندر کو لگتا ہے وہ شیر سے جیت گیا۔ خوش فہمیوں کے سلسلے کتنے دراز ہیں۔ شیر سے جیت جانے کی خوشی میں بندر جنگل کا نیا راجہ بنا پھرتا ہے اور پھر ایک دن پتا کیا ہوتا ہے؟ چلو چلو آگے چلو تمہیں پتا چل جائے گا۔

ایڈنبرا میں بارشوں کے سلسلے دراز ہونے لگے۔ یوں تو اسکاٹ لینڈ میں پورا سال بارشیں ہی چلتی ہیں۔ چاہے موسم گرم ہو یا پھر سرد رم جھم بارشیں جاری رہتی ہیں۔ سال کے کچھ مہینے ہوتے ہیں جب موسم خشک ہو جاتا ہے اور یہ مارچ سے جون کے درمیان ہوتا ہے اور اس وقت بھی رات کے آٹھ بجے کا وقت تھا۔ سردیوں کی شروعات ہو چکی تھی اور پچھلے کئی دنوں سے بارش کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔ صبح سورج نکلتا تو دوپہر میں بارش ہو جاتی۔

ہلکی ہلکی بارش میں ایک چمچماتی روڈ سٹر، اسٹار لائٹ پروڈکشن ہاؤس کے گیٹ کے سامنے آکر رکی۔ مرکری رنگ کی یہ گاڑی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ ونڈ اسکرین پر ٹپ ٹپ بارش کے قطرے گرنے لگے۔ ڈرائیونگ سیٹ پر ولیم بیٹھا تھا جبکہ ساتھ والی سیٹ پر گھبرایا ہوا نیل۔

گیٹ کھلا تو ولیم گاڑی اندر لے گیا۔ آج پروڈکشن ہاؤس کے ڈنر ہال میں وہ خصوصی مہمان تھا۔ جیسے ہی گاڑی اندر نو پارکنگ ایریا میں رکی ایک شوفر جلدی سے گاڑی کی جانب بڑھا اور ولیم کی جانب کا دروازہ کھول دیا۔

"تھینک یو۔۔" ولیم نے مسکرا کر کہتے دروازہ واپس بند کیا۔ ساتھ بیٹھا نیل گھبراہٹ کا شکار تھا۔ وہ ونڈ اسکرین سے ہی اسٹار لائٹ اسٹوڈیو کی کئی منزلہ عمارت کو دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایڈنبرا کے ایک وسیع خطے پر پھیلا یہ پروڈکشن ہاؤس اپنی مثال آپ تھا۔ یہ کبھی خالی نہیں ہوتا تھا۔ اس کے اندر کئی سیٹ تھے۔ بیک وقت کئی فوٹو شوٹ جاری ہوتے۔ کئی کمرشلز کی شوٹنگ چل رہی ہوتی تھی۔ نیل نے ونڈ اسکرین پر چلتے وائپرز کو دیکھا جو بارش کی بوندوں کو بے دردی سے رگڑتے اسکرین کو صاف رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"تم شیور ہو نا تمہارا ڈریکولا باپ مجھے دیکھ کر مجھ پر حملہ نہیں کرے گا؟" وہ زندگی میں پہلی بار اتنا تیار ہوا تھا۔ نیلے رنگ کے ڈنر تھری پیس سوٹ میں ملبوس، بالوں کو جیل سے سیٹ کیے نیل بار بار پہلو بدل رہا تھا۔ اس نے سرسری سا تذکرہ کیا تھا ولیم سے کہ وہ بھی اسٹار لائٹ اسٹوڈیو دیکھنا چاہتا ہے وہ بھی جینی رابرٹ سے ملنا چاہتا ہے اور بس پھر ولیم نے فوراً اسے تیار کر لیا۔

نیل نے ونڈ اسکرین سے نظر اٹھا کو ولیم کر اپنے بائیں جانب بیٹھے ولیم کو دیکھا جو اسٹرنگ پر ہاتھ جمائے سنجیدہ سا بیٹھا تھا۔ وہ سیاہ پینٹ پر سیاہ ڈریس شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ شرٹ کے کف کہنیوں تک فولڈ تھے اور گلے کے اوپری دو بٹن کھلے ہوئے تھے۔ وہ کوٹ نہیں پہنتا تھا۔ بالوں کو نفاست سے سیٹ کیا گیا تھا اور بنا موزوں کے سیاہ جوتے پاؤں میں چم چم کر رہے تھے۔

"ریلیکس ہو جاؤ نیل وہ تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔"

"یہ لوگ ہمادی گاڑی کے ارد گرد کیوں کھڑے ہیں؟" نیل دھڑکتے دل کے ساتھ بولا۔ گاڑی کے دونوں جانب دو سوٹڈ بوٹڈ گارڈ کھڑے تھے۔

"تاکہ گاڑی سے باہر نکلو تو وہ فوراً چھاتہ تمہارے اوپر کر لیں۔ تمہیں بارش سے بچا سکیں۔" ولیم نے گارڈز کو دیکھتے سنجیدہ لہجے میں جواب دیا جبکہ یہ سنتے ہی نیل کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"اتنا پروٹوکول مجھے ملے تو میں روز یہاں آؤں۔" وہ باچھیں پھیلائے بولا۔

"چلو چلتے ہیں۔" وہ پورا آدھا گھنٹہ لیٹ تھا اور جان بوجھ کر ایسا کیا تھا۔ گاڑی کا دروازہ کھولتے ہی باہر کھڑا گارڈ چھاتہ لیے ان کی جانب بڑھا۔ وہ چاہتا تو گاڑی نیچے تہہ خانے میں لے جا سکتا تھا پر نہیں اسے کیا ضرورت تھی یہاں کے اُصولوں پر چلنے کی۔

بارش یک دم ہی تیز ہوئی۔ کہیں گاڑیاں یکے بعد دیگرے اندر داخل ہوتیں اور تہہ خانے میں بنے پارکنگ ایریا کی جانب بڑھ جاتیں۔ وہ دونوں اب تیزی سے عمارت کے داخلی دروازے کی جانب بڑھ رہے تھے اور دونوں کے اطراف میں ہاتھ میں چھاتہ پکڑے، انہیں بارش سے بچاتے، روبوٹک گارڈ چل رہے تھے۔

آٹومیٹک گلاس ڈور کھل گیا اور وہ دونوں روشنیوں سے جگمگ کرتی عمارت میں داخل ہو گئے۔ پیچھے اب گارڈز اس کی گاڑی کو پارکنگ ایریا میں لگا رہے تھے۔ یہاں مسٹر جوزف کی گاڑی بھی کبھی نو پارکنگ ایریا میں کھڑی نہیں ہوئی تھی پر وہ ولیم ہی کیا جو اُصولوں پر چل لے۔

جیسے ہی وہ دونوں اندر داخل ہوئے مسٹر جوزف کا سیکرٹری ہاتھوں میں پھولوں کا بکے لیے اس کی جانب بڑھا۔

"ویلکم مسٹر ولیم۔" سیکرٹری کے پیچھے کئی اور سوٹڈ بوٹڈ لوگ ہاتھ جوڑے کھڑے تھے۔

"شکریہ!" اس نے بکے تھاما اور پھر اگلے ہی لمحے سیکرٹری کے پیچھے کھڑا ایک شخص آگے بڑھا اور ولیم سے بکے لے لیا۔

"آئیں اس طرف۔۔" سیکرٹری ہاتھ کے اشارے سے انہیں لفٹ کی جانب اشارہ کرتا آگے چل پڑھا جبکہ نیل مرعوب نظر آتا تھا۔ وہ چاروں جانب دیکھ رہا تھا۔ یہاں ایک بڑا ہال تھا اور چاروں جانب بس دروازے ہی دروازے تھے۔ ایک ویٹنگ ایریا تھا اور ایک ریسپشن۔ ڈھیروں دروازوں کے پیچھے کئی سیٹ تھے۔ کئی الگ الگ ڈیپارٹمنٹ۔

وہ اب لفٹ کی جانب بڑھ رہے تھے اور پھر عمارت کے سب سے اوپری فلور کی جانب لفٹ تیزی سے بڑھ رہی تھی۔

"اومائے گاڈ۔۔" نیل زیر لب بڑبڑایا۔ لفٹ کی گلاس والز سے پورا ایڈنبرا کا نظارا دیکھا جا سکتا تھا۔ ولیم یونہی پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے بے زار سا کھڑا تھا۔ ٹن کی آواز سے لفٹ رک گئی اور جیسے ہی لفٹ کا دروازہ کھلا اندر کا منظر قابل دید تھا۔ یوں لگا جیسے وہ کسی اور دنیا میں ٹیلی پورٹ ہو گئے ہوں۔ سامنے ہی بڑا سا ڈنر ہال تھا۔

لفٹ کے سرے سے شروع ہوتا بیش قیمتی قالین پر وہ پیر دھرتے لفٹ سے نکل آئے۔ شوبز کے چمکتے دمکتے ستارے، ہاتھوں میں مختلف مشروبات کے گلاس تھامے یہاں سے وہاں تک گروہ کی شکل میں کھڑے نظر آئے۔ اس ہال کی دیواریں گلاس کی تھیں اور ان پر بہتی بارش کی بوندیں پورے ماحول میں ایک عجیب سا سماں باندھ رہی تھیں۔ چھت سے لٹکتی بے شمار روشنیاں اور قیمتی فانوس۔ بائیں جانب ایک ترتیب سے لگے رنگ برنگے کھانوں کے پہاڑ اور نسوانی قہقہوں کے درمیان ہلکے سروں میں بجتا میوزک۔ آدھے ادھورے لباسوں سے جھانکتے گورے بدن اور خوشبوؤں سے رچی بسی فضا۔

"وہ آگیا ہے میم۔۔" دفعتاً کسی نے جینی رابرٹ کے کان میں سرگوشی کی۔ یہ اس کی اسسٹنٹ تھی جو ولیم کو دیکھ چکی تھی۔ جینی کو لگا شور ساکت ہو گیا ہو۔ وہ اپنے دل کی دھڑکن صاف سن سکتی تھی۔ اس نے دھیرے سے پلٹ کر دیکھا۔ سفید پیروں کو چھوتی میکسی پہنے جس میں اس کی پتلی کمر نمایاں تھی۔ اس کی نگاہیں یہاں سے وہاں بھاگتی ولیم پر ٹھہر گئیں۔ ہاں وہ جانتی تھی ولیم کا پسندیدہ رنگ سفید تھا۔ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ تھوڑا سا دائیں جانب جھکا نیل کی بات سننے کی کوشش کر رہا تھا۔

"منحوس آدمی کیوں چھپا رکھی تھی مجھ سے یہ دنیا؟" وہ پرجوش تھا اور غصہ بھی کہ ولیم پہلے اسے یہاں کیوں نہیں لایا۔ ولیم کی نظریں مسٹر جوزف کو ڈھونڈ رہی تھیں پر وہ اسے کہیں نظر نہیں آئے اور پھر اس نے ایک اپسرا کو اپنی جانب بڑھتے دیکھا۔ نازک سی اونچی ہیل پہنے وہ سفید میکسی نما گاؤن والی لڑکی اسے اپنی جانب آتی دکھائی دی۔ بالوں کو گردن کی ایک جانب گرا رکھا تھا۔ نازک سراپا واضح تھا۔ وہ اسے پہچان گیا تھا۔ وہ جینی رابرٹ تھی اور اسے دیکھتے ہی نیل کا پورا منہ کھل گیا۔

"یہ جینی رابرٹ ہے نا؟" اُس نے ولیم کی جانب جھکتے کھسر پھسر کی۔

"تباہی ہے تباہی۔" وہ آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہا تھا۔ کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ جس ایکٹرس کے پوسٹر پورے شہر میں تھے وہ اُس سے یوں ملے گا۔

"ہیلو ولیم۔۔" وہ قریب آتی ولیم کے عین سامنے رک گئی۔ ہائی ہیلز پہنے وہ لمبی تڑنگی جینی ولیم کے قد کے عین برابر کھڑی تھی۔ اس کی یہاں موجوگی باعث شرف تھا۔ شوبز سے جڑے کئی لوگ اس کے پرستار تھے۔

اس کی اسسٹنٹ پیچھے آتے ایک فاصلے پر کھڑی ہو گئی۔

"ہیلو۔۔" وہ زبردستی مسکرایا۔ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ مسٹر جوزف نے یہ پارٹی نما ڈنر کیوں رکھا تھا اور اس میں ولیم کا آنا اتنا ضروری کیوں تھا کہ اس کی مانگ پوری کر دی گئی۔

"یو آر گارجیئس "(Gorgious) نیل کے منہ سے بے ساختہ پھسلا۔ جینی نے ایک ادا سے نیل کو دیکھا۔

"لیٹ می گیس تم وہی ہو نا۔۔" قدمیں نیل سے اونچی جینی اس کی جانب جھکی۔ نیل کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ اس کا جسم سن رہ گیا۔

"تم وہی ہو نا جو پچھلے کئی مہینوں سے مجھے میسجز کر رہے تھے اور پھر آخری میسج غصے سے بھرا تھا کہ مجھ جیسی عورتیں جہنم میں جاتی ہیں۔" وہ مسکرا کر سرگوشی نما انداز میں کہتی سیدھی ہو گئی۔ نیل تو بے ہوش ہوتے ہوتے بچا۔ آنکھیں حیرت سے مزید پھٹ گئیں اور جسم سن ہو گیا۔ اس نے نہیں سوچا تھا جینی رابرٹ اس کے میسجز بھی پڑھتی ہو گی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ اچھل کر جینی کے گلے لگ جاتا تھا۔ اور جینی کے پاس یہ سب کرنے کی ایک وجہ تھی۔ وہ جانتی تھی نیل ولیم کا دوست تھا وہ اس کے بارے میں سب جانتی تھی۔

اس سے پہلے کوئی کچھ کہتا ٹن کی آواز سے لفٹ پھر سے کھلی اور مسٹر جوزف اپنے ساتھ جارج کو لیے اندر داخل ہوئے۔ ولیم نے پلٹ کر نہیں دیکھا جبکہ وہ جینی کو دیکھتے اسی جانب آئے۔

"گڈ ایوننگ۔۔" سرمئی بیش قیمتی سوٹ پہنے وہ سب پر بھاری تھے۔ سب سے قیمتی۔

" ہیلو ڈیفالٹ پیس۔" جارج نے جھک کر ولیم کے کان میں سرگوشی کی۔ وہ کچھ دیر پہلے پہنچا تھا اور فوراً تیار ہو کر اسٹوڈیو پہنچ گیا۔ ولیم یونہی کھڑا تھا۔ اسے کچھ بھی آرام دہ محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ جینی کی وائبز اسے اچھی نہیں لگ رہی تھیں۔

"ہیلو ہینڈسم۔۔۔" جینی نے مسٹر جوزف کی ایو ننگ کا جواب بے باک انداز میں دیا۔ وہ پیشہ ورانہ انداز میں مسکرائے۔

"سمجھ نہیں آتا کس کو دیکھیں باپ کو یا پھر بیٹوں کو۔" قریب کھڑے عورتوں کے ایک گروہ میں سرگوشیاں جاری تھیں۔ ان میں سے کئی ایسی تھیں جن کا کریئر ابھی شروع نہیں ہوا تھا اور کئی ایسی تھیں جن کا ختم ہو چکا تھا۔

"جینی رابرٹ پر مسٹر جوزف کافی مہربان ہیں۔" تبصرے کیے جا رہے تھے۔

"چمکتے سورج کو سبھی سلام کرتے ہیں جب سورج ڈوب جاتا ہے تب حال ہمارے جیسا ہوتا ہے۔" لہجے میں نخوت ہی نخوت تھی۔

"ولیم یہ جینی رابرٹ ہے اور جینی آپ تو میرے بیٹوں سے واقف ہی ہیں یہ ولیم ہے اور یہ جارج۔" دونوں کا تعارف کروا دیا گیا۔ جارج پورے دل سے مسکرایا جبکہ ولیم نے یہ تکلف ضروری نہیں سمجھا۔

"ان سے کون واقف نہیں۔۔" پر سرار سی مسکان لبوں پر سجائے وہ ولیم کو دیکھتے بولی۔

"آپ لوگ انجوائے کریں۔" وہ جارج کو ایک نامحسوس سا اشارہ کرتے آگے بڑھ گئے۔ نیل کی وہاں موجودگی انہیں بری لگی تھی۔ جارج ان کا اشارہ سمجھتے ہوئے نیل کو اپنے ساتھ لیے وہاں سے ہٹ گیا۔ ولیم یونہیں کھڑا رہا۔ ویٹر ہاتھ میں رنگ برنگے مشروبات کی تھال لیے وارد ہوا۔ جینی نے ہاتھ بڑھا کر مہنگی شراب کا چھوٹا سا گلاس اٹھا لیا۔ گول پیندے اور پتلے دھڑ والا گلاس جو اس کی درمیانی دو انگلیوں کے درمیان رکھا تھا۔

"نو تھینکس۔" ولیم نے مسکرا کر منع کیا۔

"یہ مت کہنا کہ تم ڈرنک نہیں کرتے۔" جینی نے دلچسپ نگاہوں سے اسے تاڑتے کہا اور پھر مشروب کا گلاس ہونٹوں سے لگالیا۔

"میں ایسا کیوں کہوں گا؟" الٹا سوال اُبھرا۔ جانے کیوں بھنویں سکڑی ہوئی تھیں۔

"ایک بے انتہا خوبصورت لڑکی کو امپریس کرنے کے لیے، جینٹلمین بننے کے لیے۔" وہ دلچسپی سے ولیم کے ناگوار تاثرات کو دیکھے گئی۔ وہ وہاں کمفرٹیبل نہیں تھا۔ وہ کیا چیز تھی جو اسے غیر آرام دہ کر رہی تھی؟

اس کی بات سنتے ہی ولیم کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ ابھری۔ کتھئی آنکھوں کا سرد پن کم ہوا۔ وہ واقعی ہنسا تھا۔ جینی رابرٹ نے بات ہی ایسی کی تھی۔

"پہلے سے متاثر لوگوں کو متاثر کرنے کے جھوکم نہیں اٹھایا کرتا میں۔۔" وہ محظوظ ہوا تھا اور جینی کے چہرے پر سایہ سا آکر گزر گیا پر اس نے محسوس نہیں ہونے دیا۔

"یعنی تم اپنے مداحوں سے واقف ہو پھر بھی انہیں نظر انداز کرتے ہو؟ غضب کرتے ہو۔" سوال اور تبصرہ ایک ساتھ ہوا۔ ولیم کے لبوں کی مسکراہٹ سمٹی پر آنکھوں کی چمک قائم رہی۔

"کچھ قابل دید ہو تو ہی ولیم دیکھتا ہے۔ ویل ایکسکیوز می۔" وہ جان چھڑاتا نیل کی جانب بڑھ گیا جو جارج کے ساتھ بیٹھا حیرانی و بے یقینی سے چاروں جانب پھیلی خوبصورتی کو تک رہا تھا۔

"انٹرسٹنگ۔۔" وہ پورا گھوم گئی۔ ولیم کو جاتا دیکھتی رہی۔ آنکھوں کی چمک آس پاس جگمگ کرتے سبھی برقی قمقموں کو مات دے رہی تھی۔

✿••✿••✿••✿

یونیورسٹی کے اس ڈیپارٹمنٹ میں اس وقت گہما گہمی تھی۔ وہ سب اسٹوڈنٹس جن کا آخری سمسٹر تھا وہ بڑے سے ہال میں اپنے اپنے گروہ کے ساتھ اپنے اپنے پراجیکٹ پر کام کرتے دکھائی دیے۔ رنگ برنگے ملبوسات شروعاتی اور آخری مراحل میں تھے۔ لیپ ٹاپ کی چمکتی اسکرینوں اور رنگ برنگے اسکیچیز کے بیچ لڑکے اور لڑکیاں تندہی سے کام کرتے دکھائی دیے۔

وہاں سبھی موجود تھے سوائے فجر کے جو اس وقت میڈم رشنا کے آفس میں تھی۔ صفدر ابھی تک آیا نہیں تھا۔ میڈم رشنا اپنی کرسی پر بیٹھی تھیں، میز پر رکھے لیپ ٹاپ کی اسکرین پر گھومتا وہ ماڈل جسے فجر نے تیار کیا تھا اس وقت ان کی نگاہوں کا مرکز تھا۔

"شاندار۔۔۔!" بے ساختہ ان کے لبوں سے پھسلا۔ وہ آج جینز پر ٹاپ پہنے ہوئے تھیں۔ چھوٹے بال چہرے کے دونوں جانب جھول رہے تھے۔ وہ کئی لمحے سحر زدہ سی گاؤن کو دیکھے گئیں اور پھر نظر اٹھا کر لیپ ٹاپ کے پیچھے ایستادہ فجر کو دیکھا۔ وہ سادہ سے سیاہ سوٹ میں ملبوس تھی۔ کاٹن کی لمبی قمیض کس کے بازو کف والے تھے اور کھلا ٹراؤزر۔

وہ ایسے کپڑوں میں مزید دراز قد لگنے لگتی تھی۔ صاف بغیر کسی میک اپ سے پاک چہرہ، اونچی پونی ٹیل اور سر پر جما نظر کا چشمہ جسے اس آنکھوں سے ہٹا کر بالوں پر جما لیا تھا۔

"مجھے آج بھی یاد ہے وہ دن جب تمہارا اس یونیورسٹی میں پہلا دن تھا۔ میں نے تم سے پوچھا تھا تم نے فیشن ڈیزائننگ کیوں چنا ہے؟ تمہیں یاد ہے تم نے کیا جواب دیا تھا؟" وہ فجر کی آنکھوں میں دیکھتے پوچھا۔ انداز جانچنے والا تھا آیا واقعی اسے یاد تھا۔ کیا وہ آج بھی اپنی بات پر قائم تھی۔

"میں فجر معراج ہوں اور میں بلندیوں پر راج کرنے کے لیے پیدا ہوئی ہوں۔" فجر نے ایک ایک لفظ دہرایا۔ میڈم رشنا کے چہرے پر ستائش اُبھری۔

"اور تم پر پھیلا چکی ہو فجر۔ تم نے شروعات کر لی ہے۔ تم بہت جلد راج کرو گی۔ مجھے یقین ہے۔"

انہیں پورا یقین تھا۔ فجر کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ کئی دنوں کی تھکن غائب ہو گئی۔ کبھی کبھی کسی کے چند الفاظ ہمارے زخموں پر مرہم کا کام کرتے ہیں۔ زخموں کا علاج نہ سہی مرہم ہی سہی۔

"تمہارے پاس وقت کم ہے فجر۔ باقی اسٹوڈنٹس کے پراجیکٹ تقریباً تیار ہیں جبکہ تم لوگوں کا ابھی ماڈل ہی تیار ہوا ہے۔ بس زیادہ سے زیادہ ایک مہینہ اور میں چاہتی ہوں، یہ جیت فجر معراج کی ہو۔۔" انہوں نے میز پر دونوں ہاتھ جمائے ذرا سا آگے کو جھکتے کہا۔ یہ ایک حکم تھا۔ فجر معراج کی جیت میڈم رشنا ہی جیت کہلائی جاتی۔

فجر نے سمجھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا اور پھر آگے ہوتے لیپ ٹاپ اٹھا لیا۔ وہ ان سے زیادہ سنجیدہ تھی اور یہ سنجیدگی اسکے چہرے سے چھلکتی تھی۔

"صفدر کہاں ہے؟" میڈم رشنا کو اب اُس کی غیر موجودگی کا احساس ہوا تھا۔

"میٹریل فائنل کرنا ہے آج بس اسی کے لیے گیا ہے۔" وہ اب بیگ کندھے پر ڈال رہی تھی۔ نازک سے لیپ ٹاپ دونوں ہاتھوں میں تھامے سینے سے لگا لیا۔ وہ اب جانے لے لیے تیار تھی۔ جیسے ہی وہ دروازے تک پہنچی میڈم رشنا کے لفظوں نے عقب سے اس کے پیروں میں زنجیر ڈالی۔

"کوئی درد ہے جو تمہیں سونے نہیں دیتا۔ وہ درد کس کا دیا ہے؟" وہ جھٹکے سے رکی۔ کئی یک لمحہ لگا ان کی بات کو سمجھنے میں پر اسیس کرنے میں اور پھر چہرہ سرخ پڑ گیا۔ دل لہولہو ہوا۔ وہ یونہی کھڑی رہی۔ کچھ نہ بولی۔ اپنی ذات پر بات کرنا سب سے مشکل کام تھا۔

"درد کو دبا کر نہیں رکھتے یہ کھا جاتا ہے۔ اسے باہر نکال دو۔ اسے اندر پنپنے مت دو۔" وہ ٹھہر گئیں پر اسے یونہی کھڑے دیکھ کر پھر سے گویا ہوئیں۔

"تمہارے آس پاس سینکڑوں لوگ ہیں فجر۔۔۔"

"لوگوں کو اپنا درد نہیں سنایا کرتے، لوگ فقط مزہ لیتے ہیں۔" وہ جھٹکے سے مڑی۔ اپنی آنکھیں میڈم رشنا کی آنکھوں میں ڈال دیں۔ وہ کئی لمحے فجر کو دیکھے گئیں۔ خوصورت چہرہ ضبط سے سرخ ہوا تھا۔ آنکھیں کرب زدہ لگ رہی تھیں۔

"اور فجر معراج کسی کو اجازت نہیں دیتی کہ کوئی اُس کے درد کا مزاق اڑائے میڈم۔" اس بار اس کی آواز ہلکی تھی پھر وہ رکی نہیں دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ دروازہ بند ہو گیا اور میڈم رشنا بیٹھی رہ گئی۔

ٹھیک ہی تو کہا تھا اس نے۔ فجر معراج کے درد تک رسائی اتنی آسان نہیں تھی۔

✿••✿••✿••✿

"ہیلو لیڈیز اینڈ جنٹلمین۔۔" بڑے سے ہال میں جارج کی آواز گونج گئی۔ وہ ہاتھ میں مائیک تھامے اسٹیج پر کھڑا تھا اور اس کے عقب میں ایک بڑا سا پیانوں رکھا تھا۔ اور پیانوں کے عین عقب میں گلاس ڈور پر بہتا بارش کا پانی

بے دردی سے گرتا نظر آرہا تھا۔ زور سے بادل گرجے اور جیسے بارش نے ٹھان لیا تھا آج برس کر کبھی نہیں برسے گی۔

جو لوگ جلدی جانے کا ارادہ کر کے آئے وہ بھی اس خراب موسم میں پھنس چکے تھے۔ ہوا کے تھپیڑے شیشے کی دیواروں سے ٹکراتے اور پلٹ جاتے۔

جارج کی آواز پر سب اُسکی جانب متوجہ ہوئے سوائے رغبت سے کھانا کھاتے ولیم کے۔ وہ اس وقت آسمانی رنگ کے پیالے کو اپنے سامنے رکھے اس میں موجود ہلکے زرد رنگ کا سوپ (Cullen Skink) چمچ سے پی رہا تھا اور وہ اتنا مگن تھا جیسے پہلی بار کھا رہا ہو یا پھر مہینوں کا بھوکا ہو۔ کلن سوپ دراصل ایک اسکاٹش سوپ ہے جو آلوؤں، پیاز، دودھ، کریم مکھن سے بنتا ہے۔ ذائقے کے لیے نمک اور کالی مرچ ڈالی جاتی ہے اور کٹا ہوا سبز دھنیا اوپر ڈالا جاتا ہے جو اس وقت ولیم کے پیالے میں بھی واضح تھا۔

وہ ایک چمچ بھرتا اور پھر منہ تھوڑا نیچے لے جا کر شڑ سے سوپ کھینچ لیتا۔

"تمہیں کیا ہو گیا ہے آج؟ کھاتے جا رہے ہو؟" قریب بیٹھے نیل نے جھک کر تعجب سے سرگوشی کی جبکہ ولیم نے سر نہیں اٹھایا۔

"آپ لوگ دیکھ سکتے ہیں آج کی یہ حسین شام ایک طوفانی رات میں بدل چکی ہے۔ راستے مسدود ہیں۔ ہم یہاں ایک طرح سے قید ہو چکے ہیں۔" اس کے چہرے پر شرارت ہی شرارت تھی۔ ماحول کو ڈرامائی بنانا کوئی اس سے سیکھے۔

ہال میں چہ میگوئیاں پھیل گئیں۔

"ارے نہیں نہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے مزاق تھا۔"

وہ بتیسی نکالے کھڑا ہو گا ولیم محسوس کر سکتا تھا۔

"وہ میں سوچ رہا تھا بادلوں کی خوفناک گرج اور چمک کے درمیان اگر ایک خوبصورت انسان یہ خوبصورت سا پیانوں اپنی خوبصورت اُنگلیوں سے بجا کر خوبصورت دھن بکھیرے تو کیا ہو گا؟ "

ولیم کے کان کھڑے ہوئے۔ **"اگر اُس نے میرا نام تو لیا تو سوپ کا پیالا اس کے منہ پر ماروں گا۔ "**

"جی تو ساتھیو! یہاں موجود مسٹر ولیم جوزف بہت اچھا پیانوں بجاتے ہیں۔ تو تالیوں میں سواگت کیجیے ولیم جوزف کا۔" تالیاں گونج اٹھیں۔ ولیم نے ضبط سے آنکھیں اور جبڑے بھینچ لیے۔

اسپاٹ لائٹ کی روشنی ولیم پر پڑی۔ ہاتھ میں پکڑا چمچ ہوا میں ہی معلق رہ گیا۔

"جارج قسم سے تمہاری لعش ایڈنبرا کے کتّوں کو بھی نہیں ملے گی۔ "

وہ اپنے نام کی پکار پر جارج کی جانب متوجہ ہوا جو ملتجی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا یہ شام حسین بنی رہے۔ ناچاہتے ہوئے بھی اسے اٹھنا پڑا اور اسٹیج کی زینے چڑھتے اسے پیانوں کے پاس وہ بیٹھی نظر آئی۔ ہاں وہاں نینسی بیٹھی تھی۔ اسے مسکراتے ہوئے تک رہی تھی اور وہ بے ساختہ اس کی جانب بڑھا۔ پھر وہ مکنا طیسی انداز میں اسٹول پر بیٹھ گیا۔ ایک جلتی مشعل لا کر پیانوں کے اوپر رکھ دی گئی۔ منظر واضح ہو گیا۔

"شروع کریں؟" وہ اسے دیکھتے پوچھنے لگی اور پھر اسکے ہاتھ اٹھا کر پیانوں کی کیز پر رکھ دیے۔

اگلے لمحے وہ آنکھیں بند کیے کیز پر انگلیاں چلاتا گیا۔ بتیاں بجھادی گئیں۔ اسپاٹ لائٹ کی روشنی میں اس کا وجود واضح تھا۔ ایسا سحر شاید ہی اس ہال میں کبھی پھونکا گیا ہو۔ جانے کتنے لمحے گزر گئے۔ بادلوں کی گرج پس منظر چلی گئی۔ وہاں آئے ایک ایک فرد بھول چکا تھا وہ وہاں کیوں آیا تھا اگر انہیں یاد رہنے والی تھی تو صرف یہ دھن اور پھر اس کی انگلیاں تھم گئی۔ سحر ٹوٹ گیا۔ بتیاں جلادی گئیں۔ تالیوں کی آوازیں گونج اُٹھیں۔ وہ گردن ڈھلکائے بیٹھا رہا۔

"میں نہیں جانتی تھی بائبل کی آیتوں کو ہائٹ لائٹ کرنے والا لڑکا اتنا اچھا پیانوں بجاتا ہو گا۔" وہ کب اس کے پاس آکر بیٹھی ولیم کو احساس ہی نہیں ہوا۔ اس نے جھٹکے سے رخ موڑ کر دیکھا۔ جینی اس کے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی تھی۔

"بائبل۔۔ہائی لائٹس۔۔؟؟" ذہن میں چند مناظر گڈمڈ ہوئے۔

"کیا تم اب بھی خدا کو مانتے ہو؟" وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ ولیم کی آنکھوں میں حیرانی تھی۔ وہ اس کے چہرے پر وہ بھورے تل ڈھونڈ رہا تھا جو بچپن میں بہت زیادہ ہوا کرتے تھے۔

"تمہیں آج یہاں دیکھ کر مجھے واقعی محسوس ہو رہا ہے کہ خدا ہے۔" وہ سحر زدہ سی کہہ رہی تھی۔ ولیم نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور پھر وہ اگلے ہی پل اٹھ کھڑا ہوا۔ تیوری چڑھ چکی تھی۔ مزاج بگڑ چکا تھا۔

"تمہارے ساتھ بنا کسی ڈر خوف کے بیٹھنے کے لیے مجھے ایک لمبا سفر طے کرنا پڑا ہے ولیم۔۔۔" وہ سر اٹھائے کہہ رہی تھی پر اگلے ہی پل اس نے ولیم کو اسٹیج سے اترتے دیکھا وہ تیز تیز قدم اٹھاتا لفٹ کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔

"ارے اِس کو کیا کرنٹ لگ گیا؟" نیل اس کے پیچھے لپکا۔ کام ہو چکا تھا جارج یا مسٹر جوزف نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی اور پھر چند لمحوں بعد وہ وہاں سے غائب ہو چکا تھا۔ جینی رابرٹ اکیلے بیٹھی رہ گئی۔ ساری رونق ماند پڑھ گئی۔

✿••✿••✿••✿

ولیم اب تک اٹھائیس مختلف ملک اور سو سے زائد مختلف شہر گھوم چکا تھا اور پاکستان کا یہ سفر اُسکا انتیسواں غیر ملکی دورہ تھا۔ دو سالوں میں وہ کافی ملک گھوم چکا تھا اور اُسے اتنی گھبراہٹ کبھی نہیں ہوئی جتنی پاکستان کے اس دورے پر تھی۔

پروڈکشن ہاؤس میں ڈنر کے دو دن بعد وہ پاکستان کے لیے نکل آیا۔ نینی، جارج، نساء اور نیل سب جانتے تھے وہ پاکستان جا رہا تھا پر اگر کوئی مسٹر جوزف کو بتا دیتا تو خود مارا جاتا۔ اِسی لیے سب نے منہ بند رکھا۔ کئی بار مسٹر جوزف نے کریدنے کی کوشش کی پر وہ سب یوں بن جاتے جیسے پیدائشی اداکار ہوں۔

پاکستان میں ولیم نے کئی دن نادرن ایریاز میں گزارے پھر وہ اسلام آباد آیا اور اس کے بعد لاہور جہاں کبھی اُس کی ماں رہا کرتی تھی۔

افق احمد اور نگزیب! احمد اور نگزیب کی بیٹی۔ فون پر اُن کی پھٹکار سننے کے بعد بھی ولیم کی انا نے سر نہیں اٹھایا۔ پتا نہیں وہ کیوں اُن سے ملنا چاہتا تھا پر چاہتا ضرور تھا۔ ایک بار اُن سب سے ملے، اُن سب کو چھو کر محسوس کرے، اُن سب کے گلے لگے جو اُس کے اپنے تھے جو اُس کی ماں کے اپنے تھے۔

پر کبھی کبھی ساری خواہشیں پوری نہیں ہوتی۔ وہ جوزف پیٹرسن کا بیٹا تھا تو کیا اُسے سب کچھ مل جاتا؟ کیوں مل جاتا؟ جب باقی لوگوں کو سسکنا پڑتا ہے تو اُسے کیوں نہیں؟ آخر وہ تھا کون جو اُسے یوں آسانی سے وہ محبت مل جاتی جو اُس کی ماں نے گنوائی تھی؟ تھا کون وہ؟ ولیم جوزف؟ بربادی کا عندیہ جو اپنے ساتھ اپنی ماں کی تباہی لایا تھا۔

"ہو کون تم؟ کون ہو؟ ایک عیسائی کی اولاد؟ ایک مشرک کی اولاد؟ میں نے کہا تھا ہمارا نہ تم سے کوئی رشتہ ہے نہ تمہاری ماں سے۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے۔"

اُس نے کبھی نہیں سوچا تھا اُسے یوں دھتکار دیا جائے۔

بڑے بڑے محلوں میں رہنے والوں کے دل اکثر بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔

جیسے مسٹر جوزف اپنا دل کبھی بڑا نہیں کر پائے۔ جیسے مسٹر اورنگزیب نے اُسے دھتکار دیا۔ اُسے یک دم ہی پاکستان سے نفرت محسوس ہوئی۔ سب زہر لگنے لگے۔ ملک کیسا بھی ہو ترقی پزیر یا ترقی یافتہ لوگوں کے ذہن کبھی نہیں۔ انّا کے مارے لوگ ایک جیسے ہی رہتے ہیں۔ وہ اپنی ذات کے علاوہ کبھی کسی کو قبول نہیں کر پاتے۔

ولیم یہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا لیکن اسکی فلائٹ تین دن بعد کی تھی۔

اُس دن تھک ہار کر وہ ہوٹل واپس آ گیا۔ نشاط ہوٹل شہر کا مہنگا ترین ہوٹل تھا جہاں وہ ٹھہرا ہوا تھا۔ کبھی کبھی وہ یہاں کی لگژری لائف کو دیکھ کر حیران ہو جاتا۔ اس پورے دورے کے دوران نیل اسے ہزار بار فون کر چکا تھا۔

"دِکھا دِکھا پاکستان کیسا ہے جلدی دِکھا۔" وہ پاکستان دیکھنے کو مچل رہا تھا یوں تو بغض تھا پر دیکھنے کو دل بھی مچل رہا تھا۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ وہ پاکستان کا سرکش مداح تھا۔

"سُنا تھا پاکستان غریب ہے پر بھائی یہ کونسا پاکستان ہے؟"

لگژری ہوٹل، گاڑیاں، لوگ اور سروسز وہ تو ویڈیو کال پر سب دیکھ کر حیران ہی رہ گیا تھا۔

"پاکستان غریب ہو گا پر پاکستانی عوام اچھی خاصی امیر ہے۔" ولیم نے اب تک جو مشاہدہ کیا بتا دیا۔ نیل نے ناک بھوں چڑھا لیا۔

"بچہ باپ سے الگ ہو کر کبھی ترقی نہیں کر پاتا۔"

وہ انڈیا اور پاکستان کی پارٹیشن کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔

"اب ایسی بھی بات نہیں ہے۔ بچے باپ کے بنا سروائیو کرنا سیکھ جاتے ہیں بس تھوڑا وقت لگتا ہے اگر وہ صحیح راستے پر چلتے رہیں۔" ولیم نے اُسے اپنی اور مسٹر جوزف کی مثال دی۔ وہ گلاس ونڈو کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھا تھا اور یہاں سے پورا شہر واضح دیکھا جا سکتا تھا۔

عقب میں جلتی روشنیاں اور سیاہی میں بیٹھا ولیم جوزف سب جیت کر بھی ہارا ہوا لگ رہا تھا۔

"پاکستان میں بھی بارش ہوتی ہے؟" وہ اب اچنبھے سے پوچھے گیا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے پاکستان مارس پر ہے؟" وہ اس کے بے ڈھنگے سوالوں سے چڑ گیا۔

"چلو آج مجھے جنید کے ساتھ شہر گھومنا ہے واپسی تک مجھے فون نے کرنا۔" پوری اسکرین پر نیل کی پھیلی ناک ہی نظر آ رہی تھی اور ولیم نے اس کی ناک پر ہی ٹک سے فون بند کر دیا۔

وہ خود کو ریلیکس کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جنید اچھا لڑکا تھا۔ امیر باپ کی اولاد تھا اور وہ ولیم کی مہمان نوازی کے لیے دل و جان سے حاضر تھا۔ اسی شام ولیم نے بیوٹی ان ریڈ کو دیکھا۔ **فجر معراج** کو۔ ایسا نہیں تھا کہ اُس نے

خوبصورتی نہیں دیکھی تھی اور ایسا بھی نہیں تھا کہ اُسے خوبصورتی کی کمی تھی لیکن اُس نے کسی کے چہرے پر وہ چمک دوسالوں بعد دیکھی تھی۔ محبت کی چمک۔ جب انسان دل سے کسی کو قبول کر چکا ہو۔ جب انسان محبت میں ہو اور اُس نے یہ چمک دوسال پہلے نینسی کے چہرے پر دیکھی تھی۔

وہ جب کبھی احمد کا ذکر کرتی تھی تو یونہی خوبصورت لگنے لگتی تھی۔

وہ اُن کے سامنے والے میز پر بیٹھ گیا۔ کھلے بالوں کے ہالے میں چمکتا اُس کا چہرہ۔ وہ بے ساختہ اُسے دیکھے گیا۔ نظریں بار بار بھٹک رہی تھیں۔

کیا سبھی لڑکیاں محبت میں اتنی ہی خوبصورت لگتی ہیں؟

کیا سبھی لڑکیاں اتنے ہی دل سے محبت کرتی ہیں؟

وہ سوچتا رہا اور پھر اُس رات اس نے نیل خود ہی فون ملایا۔

"ابھی دن میں ہی کسی نے کہا تھا اسے ڈسٹرب نہ کیا جائے۔ خود فون کرنے والے لعنت۔"

اس نے ولیم کے منہ پر فون بند کر دیا۔ ہمت کیسے ہوئی ڈیفالٹ پیس کی اُس کے ناک پر فون بند کرنے کی؟

"میں نے آج ایک لڑکی کو دیکھا۔" انگلیوں نے تیز تیز ٹائپ کیا اور میسج لاہور کی فضاؤں سے ہوتا ہوا ایڈنبرا میں بیٹھے نیل کے فون میں زوں زوں کی آواز سے اُبھرا۔ اس نے تہیہ کر لیا تھا اگلے تین دن وہ واقعی ولیم سے بات نہیں کرے گا پر ولیم کا میسج ہی ایسا تھا کہ وہ لیٹے لیٹے اٹھ بیٹھا۔

"ہیں ہیں ہیں۔"

"یہ معجزہ کب ہوا؟کب دیکھا؟کس کو دیکھا کہاں دیکھا؟"

میسج کے ساتھ ہی فون کھڑکا دیا۔دن بھر کا تھکا ہارا ولیم بستر پر اوندھے منہ لیٹا تھا۔وہ سونے کی کوشش کر رہا تھا پر اس کا فون تھرتھرانے سے باز نہیں آیا۔

"ہاں بھونکھو۔"اس نے فون اٹھا کر کان سے لگایا۔

"پاکستانیوں نے تمہیں ایسا کیا کھلا دیا ہے جو تم آج لڑکی کی بات کر رہے ہو؟"

وہ خاموش ہی رہا۔

"کس لڑکی کو دیکھا؟بات کی اُس سے؟"ہاں ساری دنیا چھوڑ کر اُسے پاکستانی لڑکی ہی پسند آنی تھی۔"ہنہہ"نیل پتا نہیں کیوں تلملا رہا تھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے اُسے دیکھ کر مجھے نینسی کی یاد آگئی۔"

"اس بھوتنی کا پیچھا چھوڑ دے اور اُس لڑکی سے بات چیت کر۔کیا نام ہے؟کہاں رہتی ہے؟کوئی فون نمبر؟مجھے بھی کوئی تصویر بھیجو میں بھی دیکھوں ولیم جوزف کو کس نے اٹریکٹ کیا ہے۔"اس کی ٹرین پٹڑی سے اتر چکی تھی۔ولیم لب بھینچے لیٹا رہا۔

"کچھ بولو اب کیا پاکستانیوں نے تمہاری زبان بھی کاٹ لی ہے؟"

وہ صبر نہیں کر سکتا تھا۔اُس کے دوست نے پہلی بار لڑکی کا ذکر کیا تھا۔وہ کیسے صبر کر لیتا؟

انگیجڈ"اسے ارسل کی وہ انگوٹھی یاد آئی جو اُس نے فجر کی جانب بڑھائی تھی۔

"لعنت بے شمار، لعنت لگاتار۔"

وہ جی بھر کر بدمزہ ہوا۔ ساری پر جوشی جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ اُس نے کیسے سوچ لیا تھا ولیم، نینسی بھوتنی کو بھول کر کسی اور لڑکی کو دیکھے گا؟ اس کی سوچ پر بھی لعنت بے شمار اور لگاتار۔

"میں سوچ رہا تھا جب مام کو محبت ہوئی ہو گی تب وہ بالکل اس بیوٹی ان ریڈ جیسی دکھتی ہوں گی۔" ولیم کی ٹرین کسی اور پٹڑی پر گھوم رہی تھی۔

"بے غیرت منگنی شدہ لڑکی کو بیوٹی ان ریڈ بلا رہے ہو ڈوب مرو۔ فون رکھ رہا ہوں تین دن ڈسٹرب مت کرنا۔" وہ فون بند کر چکا تھا اور ولیم کبھی اپنی ماں تو کبھی نینسی نے بارے میں سوچتے سو گیا۔

لیکن وہ نہیں جانتا وہ بیوٹی ان ریڈ اس کی زندگی میں ایک نیا طوفان لانے والی تھی۔ اگلے دن اُس نے بیوٹی ان ریڈ کو پرپل میں دیکھا اور وہ نظر انداز نہیں کر پایا یہ جانتے ہوئے بھی اُس کے سامنے ہی تو ارسل نے اسے پرپوز کیا تھا۔ وہ انگوٹھی اُسے دی تھی۔ آج وہ تھوڑی پریشاں تھی پر اُس کا کیا لینا دینا؟ رخ موڑ لیا گیا۔ اب وہ اُسے نہیں دیکھے گا۔ دل کو ڈپٹ کر سلانے کی کوشش کی گئی۔

وہ جنید کے ساتھ بیٹھا رہا۔ پر اُسے گڑبڑ کا احساس تب ہوا جب لڑکے کا باپ اسے اپنے ساتھ لے گیا۔ بیوٹی ان پرپل لڑکے کی ماں کے ساتھ بیٹھی رہ گئی۔

وہ انہیں بار بار دیکھ رہا تھا شاید جاننا چاہتا تھا کہ جب محبت کو گھر والے قبول کر لیتے ہیں تو کیسا منظر ہوتا ہو گا پر اس نے نہیں سوچا تھا جب قبول نہیں کیا جاتا تو کیسا لگتا ہے؟ کتنی تکلیف ہوتی ہے؟ وہ تکلیف جو نینسی نے سہی تھی۔

لڑکا واپس آ گیا۔ اس کی ماں اٹھ کر چلی گئی اور وہ لڑکا اب بیوٹی ان پرپل سے اپنا ہاتھ چھڑا رہا تھا۔

وہ اردو میں بات کر رہے تھے اسے کچھ پلے نہ پڑا پر وہ سمجھ سکتا تھا اُس تکلیف کو جسے اِس وقت بیوٹی ان پرپل محسوس کر رہی تھی۔ وہ جس تکلیف سے گزر رہی تھی۔

نینسی یونہی گڑگڑایا کرتی تھی۔ اُسکا دل کر رہا تھا وہ اٹھ کر ارسل کا منہ توڑ دے پر وہ ٹیورسٹ تھا ایسی حرکت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جو اسکے نام اور کام کو متاثر کرتی۔

ویسے بھی وہ اس کا لگتا ہی کون تھا؟

وہ خوبصورت لڑکی رو رہی تھی اور ولیم بے چین ہو اپر اس کی مدد نہیں کر سکتا تھا۔

"ایم سوری فجر۔۔" اُسے ارسل کے بس یہی الفاظ سمجھ آئے تھے۔

وہ ہاتھ چھڑا رہا تھا۔ ہاں یونہی احمد نے نینسی سے ہاتھ چھڑایا ہو گا۔ دل پر جیسے کسی نے برچھی پھیر دی۔

"ولیم مجھے اُس کے بنا جینا نہیں آتا۔ میں اُسکے بنا مر جاؤں گی۔" وہ وارد ہو گئی۔ روتے ہوئے۔ تڑپتے ہوئے۔ سسکتے ہوئے۔

شاید یہی اُسکی سزا تھی۔ شاید نینسی نے اُس کے لیے یہی سزا منتخب کی تھی۔ وہ جب سکون میں ہوتا تب تب وہ اُسے بے سکون کرنے آجاتی تھی۔ اور کچھ سزائیں ہماری قسمت میں لکھ دی جاتی ہیں اور وہ سزائیں بری یادیں ہوتی ہیں۔ آسیب زدہ یادیں، جو ہمیں ہمیشہ ٹارچر کرتی ہیں۔

"ارسل مجھے چھوڑ کر مت جائیں۔" فجر اُس کی آنکھوں کے سامنے ارسل کے پاؤں پکڑے تڑپ رہی تھی۔

"ولیم پلیز ہیلپ می۔" اُس کے پیچھے کھڑی نینسی سسکنے لگی۔

اسے لگا وہ آج پاگل ہو جائے گا یا پھر اس کے دماغ کی کوئی نس پھٹ جائے گی۔ تکلیف حد سے سواء ہوئی۔

ارسل اپنا پاؤں چھڑا کر اسے جھٹکتا ہوا چلا گیا۔ ولیم کے جبڑے بھنچ گئے۔ کاش اُسے اختیار ہوتا تو وہ سامنے گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی سسکتی لڑکی کو ایک پل کے لیے گلے ضرور لگاتا۔

وہ اس کا درد چن لیتا۔ پر ہمیں کبھی کبھی اختیار نہیں ہوتے۔ ہمیں حق نہیں ہوتے ہم بس تماش بین بن جایا کرتے ہیں۔ اس نے اپنی آنکھوں کو بھیگتے دیکھا۔ منظر دھندلا ہونے لگا۔ وہ اب مزید وہاں نہیں بیٹھ سکتا تھا اور پھر وہ جنید کو وہیں چھوڑ کر اپنی چیزیں سمیٹتا باہر نکل گیا۔

اسے سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی۔ دل لہولہان تھا۔

"آخر یہ مرد حضرات محبت کرتے ہی کیوں ہیں جب اپنے ماں باپ کو نہیں منا سکتے؟؟" اس کا دماغ درد سے پھٹنے لگا۔

"محبت Curse ہوتی ہے۔ منحوس ہوتی ہے۔ جس کو لگ جاتی ہے اسے کھا جاتی ہے۔"

پاکستان اُس کی توقع سے بڑھ کر ظالم ثابت ہوا وہ سفر اپنی یادوں سے پیچھے چھڑانے کے لیے کرتا تھا پر اِس سفر نے اُسکے زخم ادھیڑ کر دیکھ دیے تھے۔ وہ کبھی یہاں واپس نہیں آنے والا تھا۔ پر کبھی کبھی قسمت ہمارے لیے کچھ اور سوچ کر بیٹھی ہوتی ہے اور ہم بس دیکھ کر رہ جاتے ہیں۔ اس رات وہ سو نہیں پایا۔ ساری رات آنکھوں میں کٹ گئی۔ وہ لڑکی بار بار یاد آتی رہی۔ یقیناً وہ بھی نہیں سوئی ہو گی۔ اس کی تکلیف نینسی کی تکلیف یاد کرواتی تھی۔

اگلی صبح اُس نے فجر کو پھر سے دیکھا جب وہ اپنی آخری ریکارڈنگ کر رہا تھا۔ آج رات اُسے پاکستان سے چلے جانا تھا اور وہ کبھی لوٹ کر نہیں آنے والا تھا۔ اسے اپنے باپ کی طرح پاکستان سے نفرت محسوس ہو رہی تھی۔

یہاں لوگ ظالم تھے۔ حد درجہ ظالم۔ یہ معاف کرنا نہیں جانتے تھے۔ اُس کی ماں کو معافی نہیں ملی۔ نینسی کو قبول نہیں کیا گیا اور اُس کی آنکھوں کے سامنے ہی ایک ہنستی مسکراتی لڑکی کو ٹھکرا دیا گیا۔ ظالموں کا ملک! اسے پاکستان کے متعلق بس یہی یاد رہنے والا تھا۔ وہ اِسکی ساری خوبصورتی بھول گیا جیسے ہمیں اچھی یادوں سے زیادہ بری یادیں ہنٹ کرتی ہیں۔

سفید رنگ پہنے بیوٹی ان وائٹ بارش میں ہوش و حواس سے بیگانہ چلتی آ رہی تھی۔ وہ ساکت رہ گیا۔ یوں لگا دنیا ساکت ہو گئی ہو۔ ولیم جوزف نے وقت کو کبھی رکتے نہیں دیکھا تھا پر اس پہر اس نے وقت کا سلو ہو جانا محسوس کیا۔ سب پس منظر چلا گیا۔ اس کا کیمرہ ایک انسانی وجود کو ریکارڈ کرتا رہا۔

اس نے آج سے پہلے بارش کو کبھی اتنا حسین اور شفاف محسوس نہیں کیا تھا۔ یہ سب بدل کیوں رہا تھا؟

کچھ لوگوں کی چھٹی حس بہت تیز ہوتی ہے یا پھر جو پہلے سہہ چکے ہوں وہ جانتے ہیں کہ سامنے والے کا اگلا قدم کیا ہو گا۔ اور وہ محسوس کر چکا تھا بیوٹی ان وائٹ خودکشی کرنے آئی تھی۔

آہ۔۔۔۔ آخر لڑکیاں ایسا کیوں کرتی ہیں؟

وہ چاہتا تھا وہ مر جائے بھلا بزدلوں کا دنیا میں کیا کام؟

وہ اسے اپنے سامنے مرنے دینا چاہتا تھا پر اگلے ہی پل اُسے نینسی کی جھولتی لعش نظر آئی۔

"ولیم ہیلپ ہر۔۔" وہ جانے کہاں سے وارد ہوئی۔ وہ اُسے کسی اور کی ہیلپ کرنے کا کہہ رہی تھی۔

اور پھر جو ہاتھ مدد کے لیے نہ اٹھتے ہوں انہیں کاٹ دینا چاہیے۔ اُنہیں جسم سے جڑے رہنے کا کوئی حق نہیں۔ انہیں ہاتھ کہلانے کا کوئی حق نہیں۔

"یادرکھنا کہ جو مدد نہیں کرتا وہ اپنے پروردگار کو بھول چکا ہے۔"

متضاد کیفیات کا شکار ولیم جوزف نے فجر کو فٹ پاتھ سے نیچے اُترتے دیکھا۔ وہ بت بنے کھڑا رہا۔ دائیں جانب سے آتی گاڑی اُسے اڑا دیتی اگر وہ بروقت آگے بڑھ کر اُسے نہ کھینچتا۔

غصہ آرہا تھا بے پناہ، دل کر رہا تھا اس بے وقوف لڑکی کو دو چار جڑ دے۔

"تمہیں کیا لگتا ہے مرنا اتنا آسان ہے؟" وہ حلق کے بل چلایا تھا۔ وہ پاگل لڑکی خاموش رہی کوئی جواب نہیں دیا وہ اسے چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔

"میری بلا سے اب ہزار بار مرے۔" وہ بیگ کندھے پر لٹکائے تیز تیز چل رہا تھا۔

"کیا تم اُسے ایسے ہی چھوڑ دو گے؟" پر نینسی اس کا پیچھے نہیں چھوڑ رہی تھی **"اگر اس نے پھر سے خودکشی کی کوشش کی تو؟"** وہ رک گیا۔ ضبط سے مٹھیاں بھینچیں اور پھر تیز تیز قدم اٹھاتا واپس اُس کے پاس بینچ پر آکر بیٹھ گیا۔ وہ اسے موو ان کرنے کی تلقین کرنے لگا۔ یوں جیسے یہی اس کا کام ہو۔

وہی باتیں جو اکثر نینسی سے کہا کرتا تھا پر نینسی کو کبھی سمجھ نہیں آئیں۔

"انگلش آتی ہے نا تمہیں؟" اسے خاموش دیکھ کر حساس ہوا کہیں وہ فضول تو نہیں بولے جا رہا۔

"انگلش آتی ہے مجھے پر آپ کو گیان جھاڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔" نہیں وہ بزدل نہیں تھی۔ موت کو گلے لگانا ویسے بھی بزدلوں کا کام نہیں۔ ایسا یا تو خبطی کرتے ہیں یا پھر وہ بہادر لوگ جنہیں اللہ سے ڈر نہیں لگتا۔ یہ لڑکی اُس لڑکی سے مختلف تھی جو کل ایک لڑکے کو پاؤں سے پکڑ کر روک لینا چاہتی تھی۔

پھر وہ ہوا جو اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ بیوٹی ان وائٹ اس سے کچھ کہہ رہی تھی۔

"کیا تم مجھ سے شادی کر سکتے ہو؟"

وہ آس بھری نظروں سے اُسے دیکھے گئی۔ اگر ولیم کی ماں پاکستانی نہ ہوتی۔ اگر انہوں نے خودکشی نہ کی ہوتی۔ اگر اس کی زندگی میں نینسی نہ آئی ہوتی اگر وہ زندہ ہوتی تو ولیم جوزف اس پل خوب قہقہے لگاتا بلکہ وہ یہاں ہوتا ہی کیوں؟

شاید وہ شوبز پر راج کر رہا ہوتا۔ پر اب یہ سب ہو چکا تھا۔ وقت گزر چکا تھا اور ولیم کے پاس ٹائم مشین ہرگز نہیں تھی جس سے وہ سب ٹھیک کر لیتا۔ وہ فجر کو دیکھے گیا۔ وہ لڑکی جو Breathtaking تھی اور جسے ٹھکرانے والا ولیم کو دنیا کا بدقسمت ترین انسان لگ رہا تھا، وہ اُسے انکار کر دینا چاہتا تھا۔ وہ یہ بدقسمتی ارسل کے بعد خود اٹھا لینا چاہتا تھا۔ پر اُسے نینسی یاد آئی۔ وہ مدد کرتے ہوئے بھی اُس کی مدد نہیں کر پایا تھا تو کیا ایک اور نینسی دنیا کی بھینٹ چڑھ جائے گی۔ کیا پتا بیوٹی ان وائٹ کی زندگی میں بھی کوئی جیکب ہو جسے وہ نہ پسند کرتی ہو؟ کیا پتا اُس کی زندگی بھی کسی مسٹر جوزف کے ہاتھ میں قید ہو؟

وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ ذہن میں چلتی سوچیں مختلف ہو کر بھی ایک جیسی تھیں۔

"میں تم سے شادی کر سکتا ہوں مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔"

"نہیں نہیں۔ مجھے اس لڑکی کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ نینسی کی طرح مرتی ہے تو مرے۔ مجھے اپنے بدلے لینے ہیں۔" دماغ اب دل کو ڈپٹنے لگے۔ وہ خود وضاحتیں دینے لگا۔ وقت تیزی سے جوزف پیلس کی اور بھاگا جہاں کے

ایک بڑے سے مشینوں والے کمرے میں مسٹر جوزف اُس کی گردن دبوچے کھڑے تھے۔وہ کسی مسلمان سے شادی کا سوچتا بھی تو وہ اُسے مار دیتے۔

پھر وقت تیزی سے پاکستان کی اور بھاگا۔اور نگزیب مینشن کی جانب۔سفید محل جیسے گھر کے بڑے سے ہال میں بوڑھا وجود اُسے دھتکار رہا تھا۔

"وہ تمہارا ملک تھا جہاں میری بیٹی نے ایک عیسائی سے شادی کر لی تم یہاں کر کے دکھاؤ کسی مسلمان لڑکی سے شادی۔"

دکھ درد اور انّا عود آئے۔ہاں اُس کے اپنے مسائل تھے۔وہ ڈیفالٹ پیس تھا وہ کیسے اس موقع کو گنوا سکتا تھا؟ وہ کیسے اپنوں کی دی گئی تکلیف بھلا سکتا تھا؟

اس نے ہامی بھر لی۔کیا تھا اگر وہ Breathtaking کے لیے ذرا سا مسلمان ہو جاتا؟ بس ایک ڈرامہ ایک ناٹک؟ کسی کو کیا پتا چلتا اور دونوں کے کئی مسائل حل ہو جاتے۔

سرمئی شہر میں عنکبوت خاموشی سے عود آیا۔صور پھونک دیا گیا اور اب وہ تیزی سے دلکش ریشمی جالا بن رہا تھا جس میں مکھی ہمیشہ پھنس کر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہے۔وہ دونوں اس وقت اس دلکش جالے کو دیکھ رہے تھے جو چمکتا ہوا اور حسین تھا۔کبھی کبھی ہم نے جو نہیں سوچا تھا وہ ہو جاتا ہے۔قدم اٹھانے والے ہم ہی ہوتے ہیں پر ہم نہیں جانتے ہم ایسا قدم کیوں اٹھاتے ہیں۔یہ ہماری شخصیت کے خلاف ہوتا ہے پر ہم کر جاتے ہیں۔کیونکہ ہم عنکبوت کے زیر اثر ہوتے ہیں۔ہم پھنس چکے ہوتے ہیں۔ان دیکھے جال میں۔وقت کے چکر میں۔تقدیر کے پاٹوں میں پسنے کے لیے ہم خود کو پیش کر دیتے ہیں۔

آگے کی کہانی آپ سب جانتے ہیں۔ کیسے اس نے اللہ اور اس کے رسول (**صلی اللہ علیہ وہ آلہ وسلم**) کے بعد فجر معراج کو قبول کیا تھا۔

شام کے وقت جب وہ کورٹ میرج کے بعد کورٹ سے باہر نکلے تو برستی بارش میں اُس نے فون نکال کر فجر کا معنی دیکھا۔ فجر نام اسے اچھا لگا تھا اور فجر معراج تو اس سے بھی زیادہ اچھا لگا۔ گو کہ اس کے لیے بولنا تھوڑا مشکل تھا۔ پر چل جاتا۔ کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ وہ کنکھیوں سے اسے دیکھے گیا۔ دل بہت ہلکا محسوس ہو رہا تھا۔ اپنی زندگی کی دو اہم عورتوں کو کھونے کے بعد بالآخر اس نے تیسری عورت کو بچا ہی لیا تھا۔

وہ فون پر کسی سے بات کر رہی تھی۔ فجر کا معنی اس کے فون کی اسکرین پر جگمگ کر رہا تھا اور اسکرین کی نیلی روشنی میں اس کی کتھئی آنکھوں میں بھی اتنی ہی چمک تھی۔

"Fajar, the Beginning, the Prayer"

اسے جو پسند آیا وہ the beginning تھا۔ کاش اُس پل وہ سمجھ جاتا کہ فجر واقعی اُس کی ایک شروعات تھی۔ وہ سب بدل کر رکھ دینے والی تھی۔

وہ فجر معراج جس کا مطلب بلندیوں کی شروعات تھا وہ اپنی زندگی کے ساتھ ساتھ ولیم جوزف کی زندگی کو پوری طرح پلٹ دینے والی تھی۔ وہ اپنے ساتھ قہر لانے والی تھی۔

نیل نے کہا تھا وہ لڑکی ولیم کی موت تھی۔ اب دیکھنا یہ تھا وہ زندگی کی شروعات لانے والی تھی یا موت کی۔۔؟؟

✿••✿••✿••✿

ماضی کے جھروکوں میں سے ایک جھروکہ پورا ہوا۔ ہم لوٹ آئے ہیں حال کی طرف۔ تو چلیں کہانی کو آگے بڑھاتے ہیں۔

سٹی ہسپتال کے آئی سی یو کے باہر اس وقت نینی چمڑے کے مضبوط صوفے پر بیٹھی تھیں۔ نساء نے اُن کو تھام رکھا تھا۔ اُنکا بوڑھا وجود مزید جوان اولاد کا دُکھ اٹھانے کے قابل نہیں تھا۔ نیل اور جارج وہیں تھے۔ جبکہ مسٹر جوزف اس وقت ایک ڈاکٹر سے بات چیت کرتے نظر آئے۔

بیلا بری طرح کریش ہو چکی تھی جبکہ ولیم کو زیادہ چوٹیں نہیں آئی تھیں۔ داہنا ہاتھ کلائی سے ٹوٹ چکا تھا جبکہ سر پر چوٹ آئی تھی۔ پیشانی پر ٹانکے لگے تھے۔

ہاتھ کا آپریشن ہو چکا تھا اور وہ بے ہوش تھا۔ کئی گھنٹوں سے اسے ہوش نہیں آیا تھا۔

"نینی آپ کو اب گھر جانا چاہیے۔ ہم ہیں یہاں پر۔"

نینی جانے کو تیار ہی نہیں تھیں۔

"ہائے ولیم میرا معصوم بچہ۔۔" وہ سینہ پر ہاتھ رکھے بیٹھی تھیں۔

"معصوم؟ نعوذ باللہ۔۔" ایڈنبرا کی ہواؤں نے دہل کر سرگوشی کی۔ وہ جو معصومیت کی گیم کھیل کر آیا تھا وہ اگر کھلتی تو پتا چلتا کتنا معصوم تھا۔

یہ ایک سرکاری ہسپتال تھا اور مسٹر جوزف کی تیوری چڑھی ہوئی تھی۔ کیا ہوتا اگر ایمبولینس والے اُسے کسی پرائیویٹ ہسپتال لے جاتے؟

میڈیا کو خبر جانے کہاں سے مل جاتی تھی اور اس وقت ہسپتال کے باہر دھڑا دھڑ تصویریں بن رہی تھیں۔ رپورٹنگ کی جارہی تھی۔ مسٹر جوزف کے اسسٹنٹ سمیت ان کے گارڈز آن پہنچے تھے۔ جارج نے مسٹر جوزف کو غیر آرامدہ محسوس کیا۔

وہ پبلک فگر تھے پر انہیں پبلک کے درمیان اس طرح رہنے کی ذرا عادت نہیں تھی۔ بھانت بھانت کے لوگ آجارہے تھے۔

اسٹریچر لیٹے مریض، آئی سی یو کے باہر بیٹھے لوگ، آتے جاتے ڈاکٹرز، یہ سب انہیں زچ کر رہا تھا اوپر سے دوائیوں کی مہک۔ انکا دل خراب کرنے کو کافی تھی۔

یوں تو ڈاکٹرز اور نرسیں ان کے آگے پیچھے پھر رہے تھے۔ انہیں پورا پروٹوکول دیا جارہا تھا پر پھر بھی۔ یہ ان کی شایان شان نہیں تھا۔

"ڈیڈ۔۔" جارج نے آگے بڑھ کر انہیں مخاطب کیا جو پیشانی کو دو انگلیوں سے مسل رہے تھے۔

"آپ گھر چلے جائیں میں دیکھ لوں گا۔" وہ فکر مند سا بولا۔ وہ کسی بھی حال میں اپنے باپ کو ایسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ جانتا تھا یہ ہسپتال ان کے شایان شان نہیں تھا۔

"نہیں میں ٹھیک ہوں۔ تم ایسا کرو نساء اور نینی کو گھر چھوڑ آؤ۔ اُنکا یہاں بیٹھنا مناسب نہیں ہے۔" وہ بے حال سی نینی کو دیکھتے بولے۔ جبکہ نساء ڈری سہمی بیٹھی تھی۔ نینسی کے بعد وہ اب کسی کو کھونے کا حوصلہ نہیں رکھتی تھی۔ اسے جتنی دعائیں آتی تھیں ساری پڑھ ڈالی تھیں۔ بس ولیم ٹھیک ہو جاتا۔

آئی سی یو سے جیسے ہی ڈاکٹر باہر آیا جارج تیزی سے ان کی جانب بڑھا۔

"ولیم کیسا ہے اب؟" وہ پریشان تھا۔ڈیفالٹ پیس نے ہمیشہ اُسے پریشان ہی کیا تھا۔ایک بڑے بھائی ہونے کی حیثیت سے اُس نے ولیم کی بہت سی شرارتوں پر پردہ ڈالا تھا۔مسٹر جوزف کے سامنے اسے کئی بار بچایا تھا لیکن ولیم نے تہیہ کر رکھا تھا وہ جوزف پیلس کے مکینوں کو کبھی سکون سے جینے نہیں دے گا۔

"ولیم خطرے سے باہر ہے۔کچھ گھنٹوں تک اسے ہوش آجائے گا پھر اسے وارڈ میں منتقل کر دیا جائے گا۔آپ لوگ بے فکر رہیں۔ "ڈاکٹر نے مسکرا کر جواب دیا تو جارج کے ساتھ ساتھ مسٹر جوزف کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔نیل خاموشی سے ایک جانب کھڑا تھا اور خود کو کوس رہا تھا اگر وہ اسے چھوڑ کر نہ جاتا تو شاید ولیم ٹھیک ہوتا۔

" لعنت مجھ پر بے شمار اور لگاتار جو میں نے اپنی دوستی پر اپنی جان کو ترجیح دی۔ "وہ خود کو لعنت ملامت کرنے لگا۔ گلاس ونڈو سے نظر آتا ایڈنبرا سنہری تھا۔شام اتر آئی تھی اور رات دھیرے دھیرے آگے بڑھنے لگی۔وہ اپنے سیاہ پر پھیلائے سنہری شام کو نگلنے کو تیار تھی۔

"نینی ولیم ٹھیک ہے۔اسے ہوش آئے گا تو ڈیڈ اسے گھر لے آئیں گے پر ہمیں ابھی جانا ہو گا۔یہاں رکنے کی اجازت نہیں ہے۔مریض کے ساتھ دو لوگ ٹھہر سکتے ہیں۔ "اس نے نینی کو سمجھاتے بازو سے پکڑ کر اٹھایا اور پھر گارڈز کی ہمرائی میں وہ ہسپتال سے باہر نکل آئے۔

مسٹر جوزف اندر تھے میڈیا والے کیسے ٹل سکتے تھے؟

جارج کو دیکھتے ہی وہ امڈ آئے۔رپوٹر سوال پر سوال کر رہے تھے۔فلیش لائٹس چمک رہی تھیں۔جارج نے کوئی جواب نہیں دیا۔اسے پہلی بار کوفت ہوئی۔

گارڈز انہیں بچاتے گاڑی تک لائے۔ جارج نے نینسی اور نساء کو اندر بٹھایا اور پھر ڈرائیور کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

نیل اس وقت مسٹر جوزف کے ساتھ اکیلا رہ گیا تھا۔ اس نے گھبرا کر خشک لبوں پر زبان پھیری۔ مسٹر جوزف کتنی ہی دیر فون پر لگے رہے۔ کال تھی کہ ختم ہی نہیں ہو رہی تھی۔ نیل تک ان کی آواز نہیں پہنچ رہی تھی۔ تقریباً گھنٹے بعد وہ صوفے پر آ بیٹھے۔ نیل کھسک کر دور ہوا۔ ولیم نے انہیں صحیح تپایا ہوا تھا۔

"بس یہ ڈریکولا مجھے مخاطب نہ کرے۔" اس پل نیل نے شدت سے خواہش کی پر خواہشیں یوں پوری ہونے لگ جائیں تو دنیا جنت نہ بن جائے۔

"تمہارا نام نیل پٹیل ہے نا؟" انہیں یہاں بیٹھنا بھی عجیب لگ رہا تھا۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا ایک سرکاری ہسپتال کے صوفے پر کیسے بیٹھا جاتا ہے۔ ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر یا پھر کندھے ڈھلکا کر؟ تم بتاؤ۔

"جج۔۔جی۔۔" نیل کا حلق تک خشک پڑا۔ چہرہ سرخ ہونے لگا۔

"تمہارا باپ ڈاکٹر ہے؟" نیل کا باپ ڈاکٹر تھا اور یہ ولیم نے انہیں بتا رکھا تھا۔ ایک عام سے ڈاکٹر کا بیٹا ولیم جوزف کی دوستی ڈیزرو کرتا تھا کیا؟ مسٹر جوزف کو نیل کا پیلس آنا جانا پسند نہیں تھا اور نیل کافی وقت سے وہاں نہیں گیا تھا وجہ مسٹر جوزف ہی تھے۔

وہ انتظار کرتا رہا کہ مسٹر جوزف اب کچھ بولیں گے اب کچھ کہیں گے پر وہ نہیں بولے اور نیل دھڑکتے دل کے ساتھ بیٹھا رہا۔ کسی لڑکی کے ساتھ ہونے پر بھی اس کا دل اتنی تیزی سے نہیں دھڑکتا تھا جیسے ابھی دھڑک رہا تھا۔

اور پھر دو گھنٹے بعد ولیم کو ہوش آ گیا۔ مسٹر جوزف نے اسے گلاس ڈور سے دیکھا۔ وہ نیل کے ساتھ بات کر رہا تھا۔ جارج بھی ہسپتال واپس آ گیا۔ ولیم بالکل ٹھیک تھا۔ مسٹر جوزف وہیں سے پلٹ گئے۔ فی الوقت ولیم سے بات نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اُن کے جاتے ہی نیل کے وجود میں جیسے جان پڑ گئی۔ شکر ہے بلا ٹلی۔

ولیم اٹھ کر بیٹھ چکا تھا۔ ہاتھ اور سر پر پٹی بندھی تھی۔

وہ تکیہ پیچھے رکھے، پشت ٹکائے بیٹھا تھا۔

"برو تم نے بیلا ٹرک میں دے ماری؟" وہ بیڈ کی پائنتی پر آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔

"نہیں ٹرک سے اپنا سر دے مارا ہے۔ نظر نہیں آ رہا۔" نقاہت محسوس ہوتے ہوئے بھی وہ اپنی ٹون میں جواب دینا نہیں بھولا تھا۔ نیل کو اس سے زیادہ بیلا کا دکھ تھا۔ نئی نکور مہنگی گاڑی۔ ابھی تو اسے لیے مہینہ بھی نہیں ہوا تھا۔

اس کے جل بھن کر جواب دینے پر نیل نے بتیسی دکھائی۔

"تبھی میں کہوں ٹرک کیسے تباہ ہوا۔ بیلا میں تو اتنا دم نہیں اب سمجھ آیا۔" وہ چہرے پر خباثت بھری مسکان سجائے اسے دیکھے گیا۔ جبکہ جارج اسے سنجیدہ نظروں سے گھور رہا تھا۔ ہلکے نیلے رنگ کی مریضوں کا یونیفارم پہنے ولیم کی رنگت زرد دکھائی دیتی تھی۔ اس کا کافی خون بہا تھا۔

"تم کب سدھرو گے ولیم؟" وہ بیڈ سے تھوڑے فاصلے پر رکھے سنگل صوفے پر بیٹھا تھا۔ بے بس، تھکا ہوا۔

"میں کونسا لڑکی بھگا لایا ہوں جو تم سدھرنے کی بات کر رہے ہو۔" وہ جارج کو سنجیدہ لے ہی نہ لے۔

"تمہاری حرکتیں اس سے زیادہ مشکوک ہیں۔پہلے تم لاکھ منع کرنے کے باوجود پاکستان کے دورے پر جاتے ہو اور پھر آتے ہی ہاتھ تڑوا کر بیٹھ جاتے ہو؟ آخر تمہاری جان کو سکون کیوں نہیں ہے؟" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ مسٹر جوزف کا خیال بار بار آرہا تھا۔وجود بے چین تھا۔وہ غصہ ہوں گے۔تپ رہے ہوں گے۔

"ویسے مجھے اِس کے ہاتھ سے زیادہ بیلا کا دُکھ ہے۔مرحومہ کتنی خوبصورت تھی۔آہ موت جلدی لکھی تھی بیچاری کی۔ "نیل کے لہجے میں افسوس ہی افسوس تھا۔جارج نے اسے گھورا پر پرواہ کس کو تھی۔وہ دونوں جارج کو کسی خاطر میں نہیں لاتے تھے۔

"تم نے ڈیڈ کو ناک ناک اُکتا دیا ہے۔سدھر جاؤ اِس سے پہلے کہ پانی سر سے گزر جائے۔" وہ بڑا بھائی تھا۔اسے پرواہ تھی۔وہ سمجھا رہا تھا پر سننے والے کو پرواہ نہیں تھی۔

"تم کب تک میرا دماغ کھاؤ گے؟ مجھے بھوک لگی ہے۔کچھ کھانے کو ملے گا؟" ولیم کے چہرے پر بے زاری ہی بے زاری تھی۔وہ کسی لیکچر سننے کے موڈ میں نہیں تھا۔دماغ پہلے ہی گھوما ہوا تھا۔اُس کی بیلا اس کے ہاتھوں کریش ہوئی تھی اور وجہ وہ فجر معراج تھی۔اگر وہ نہ وارد ہوتی تو اس کا ایکسڈنٹ نہ ہوتا۔اچانک کچھ یاد آنے پر وہ نیل سے مخاطب ہوا۔

"میرے کپڑے کہاں ہیں؟ میری جیکٹ؟" اس میں نکاح نامہ تھا۔دل کو کچھ ہوا۔جارج اور ڈیڈ کے ہاتھ نہیں لگنا چاہیے۔جبکہ جارج جبڑے بھینچے کھڑا رہا۔

"میں نے تمہارے کپڑے نہیں اتارے۔" نیل نے دونوں ہاتھ کھڑے کر دیے جبکہ جارج اسے غیر سنجیدہ دیکھ کر باہر نکل گیا۔

"اس کی شادی وادی کراؤ یار۔ بڑا ہی بورنگ بندہ ہے۔" اس کے جاتے ہی نیل نے تبصرہ کیا۔

"میری جیکٹ ڈھونڈو۔ اس میں میرج سرٹیفیکٹ ہے۔"

ولیم فوراً بولا تو نیل بدک کر بیڈ سے اٹھا۔ یہ تو وہ بھول ہی گیا تھا کہ ولیم کیا کانڈ کر کے آیا تھا۔

"دیکھا دیکھا۔ دھیرے دھیرے اس لڑکے نے موت کو تمہارے پیچھے لگا دیا۔ آتے ہی تمہارا ایکسڈنٹ ہو گیا۔ بیٹا اب تم نہیں بچو گے۔ کیا پتا کون جادوگرنی تھی۔ کس چڑیل سے بیاہ کر آئے ہو۔" وہ اب پریشانی سے ٹہلنے لگا۔ ولیم کو کوفت ہوئی۔

"تمہیں کیا پتا چڑیلیں، جادوگرنیاں، ڈائنیں ساتھ سمندر پار بھی پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ وہ ہمارے ساتھ ہی آجاتی ہیں۔ ہمارے ساتھ چمٹی رہتی ہیں۔ یقیناً وہ تمہارے ساتھ چمٹی ہے۔ کیا تم نے اسے دیکھا؟"

اس نے پتا نہیں کن چڑیلوں کی کہانیاں پڑھ رکھی تھیں جو پیچھا ہی نہیں چھوڑتی تھیں۔

وہ ولیم کو دیکھ رہا تھا اور سفید کپڑوں والی ڈائن فجر معراج یاد آئی جو کسی جادوگرنی کی طرح آ ٹپکی تھی۔

کیا واقعی وہ ٹھیک کہہ رہا تھا؟ کیا وہ واقعی کوئی بلا تھی؟ سوچتے ہوئے اُس نے جھرجھری سی لی۔

✿••✿••✿••✿

جاری ہے۔

* * * * * * *

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔۔۔

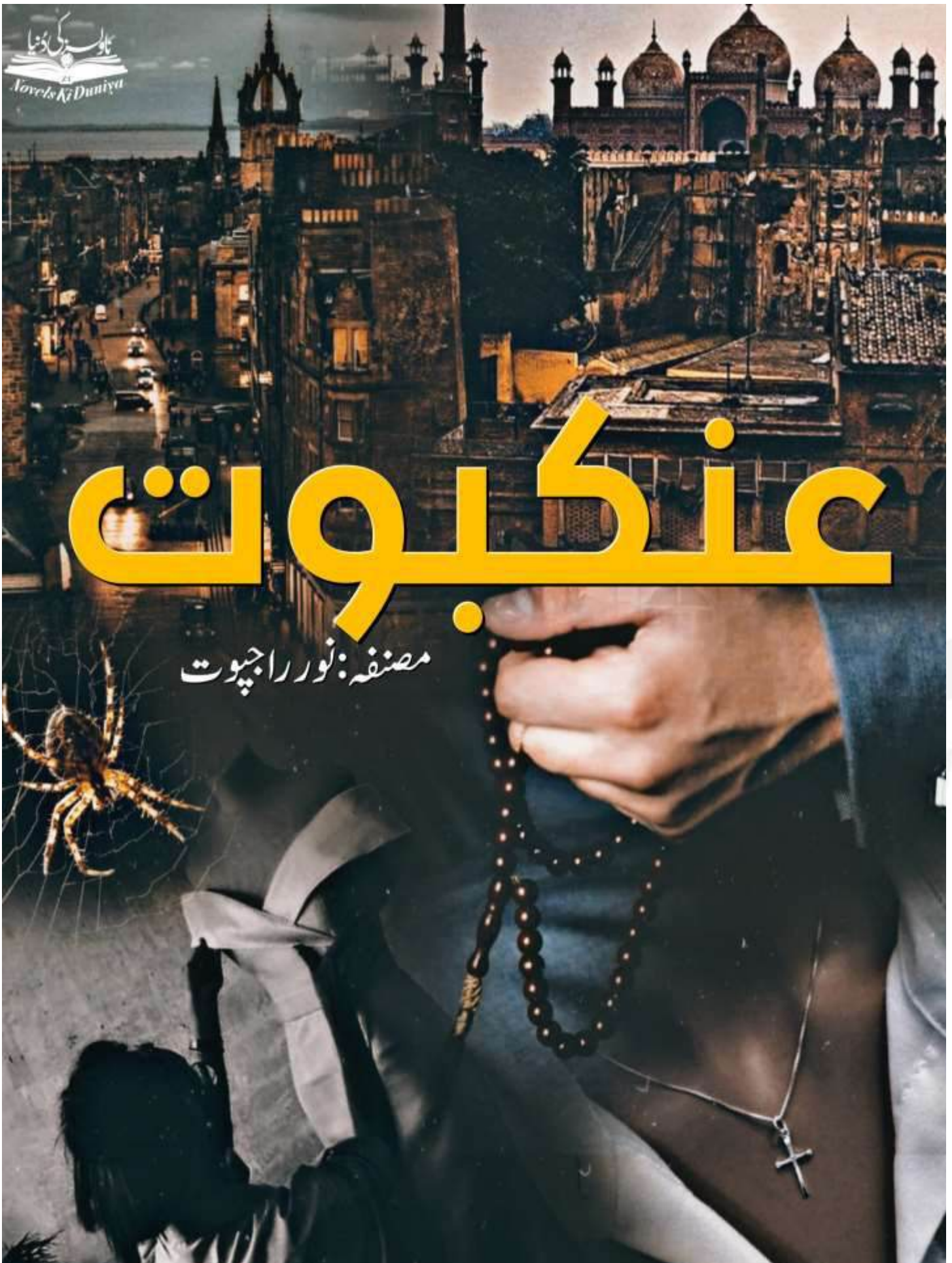
ناولز کی دنیا
Novels Ki Duniya
عنکبوت
مصنفہ: نور راجپوت

عنکبوت

(معرفت اور محبت سب کو نہیں ملتی)

از قلم: نور راجپوت

قسط نمبر:7

کیا کبھی آپ نے عنکبوت یعنی مکڑی کو جالا بنتے دیکھا ہے؟ جب مکڑی جال بنانے کا فیصلہ کرتی ہے، تو وہ ایک مناسب جگہ تلاش کرتی ہے جہاں اسے شکار ملنے کی امید ہو۔ یہ جگہ اکثر درختوں، جھاڑیوں یا دیواروں کے قریب ہوتی ہے۔

پھر مکڑی اپنی پیچھے کی طرف چل کر اپنے جسم سے ایک دھاگہ چھوڑتی ہے۔ یہ دھاگہ ہوا میں لٹک جاتا ہے اور مکڑی اسے اپنے پیروں سے پکڑ لیتی ہے تاکہ یہ مضبوطی سے جڑ جائے۔

کڑی پھر دھاگوں کو مختلف زاویوں میں کھینچ کر جال کی شکل دیتی ہے۔ یہ دھاگے مختلف شکلوں میں ہوتے ہیں، جیسے کہ دائرے یا مثلث، اور انہیں ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ کر ایک مضبوط جال بنایا جاتا ہے۔ مکڑی اپنے جال کو

مضبوط بنانے کے لیے مختلف دھاگوں کا استعمال کرتی ہے۔ یہ دھاگے خاص پروٹین سے بنے ہوتے ہیں جو انہیں لچکدار اور مضبوط بناتے ہیں۔

مکڑی اپنی جال کی دیکھ بھال بھی کرتی ہے۔ اگر کوئی دھاگہ ٹوٹ جائے یا جال خراب ہو جائے تو وہ اسے دوبارہ بناتی ہے۔

اور پھر جب جالا بن لیا جاتا ہے تب وہ شجار کا انتظار کرتی ہے۔

جب کوئی کیڑا جال میں پھنس جاتا ہے، تو مکڑی فوراً حرکت میں آتی ہے اور شکار کو پکڑ لیتی ہے۔

کیا آپ نے اس سے بہترین شکاری دیکھا ہے؟ جو شکار کے لیے پورا گھر بنائے۔ اتنی محنت کرے۔ اتنا بڑا جال بچھائے؟

نہیں؟ اگر نہیں تو آپ یقیناً اس کہانی میں دیکھنے والے ہیں۔

ہم چلتے ہیں اپنی کہانی کی طرف جہاں فجر معراج(Fajar Mairaj) ،وہ نام جس میں کوئی جُھکا ہوا حرف نہیں۔ سارے کھڑے حرف۔ سریے کی طرح اکڑے ہوئے۔ جھکنا نام میں نہیں تھا پھر ذات میں کہاں سے آتا؟ وہ خونخوار نظریں لیے صفدر کو گھور رہی تھی، پروجیکٹ روم میں وہ سرخ متورم چہرا لیے کھڑی تھی۔ گردن کی نسیں پھولی ہوئیں، شعلے اگلتی آنکھیں اور بگڑے تاثرات، اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ صفدر کو کچا چبا جائے۔

" یہ کیا بکواس ہے؟" موسم گرما کا آغاز تھا اور مئی میں ہی شدید گرمی شروع ہو چکی تھی۔ روم میں اس وقت چند اسٹوڈنٹس تھے جو اپنے اپنے پروجیکٹ پر کام کر رہے تھے۔

ہلکے زرد رنگ کا Co_ord سوٹ پہنے، ہم رنگ اسکارف گردن میں دونوں جانب سے آگے لٹکائے وہ صفدر کو گھورتی ڈائن لگ رہی تھی۔ بال جوڑے میں قید میں تھے جن میں پنسل اٹکا رکھی تھی۔ جوڑے سے نکلی لٹیں چہرے کے دونوں جانب جھول رہی تھی اور سر پر عینک جمی تھی۔ کمرے میں چلتا اے سی گرمی کی شدت کو کم کرنے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔

کھڑکیوں کے آگے پردے نہیں تھے۔ نیلے شیشوں کو کاٹتے دھوپ اندر گھسنے کی کوشش کیے جا رہی تھی۔

"میٹریل ہے اور کیا؟" صفدر نے دھڑکتے دل پر قابو پایا۔ فجر نے جو کپڑا لانے کا کہا تھا صفدر اس سے کئی درجے برا میٹریل لایا تھا۔ وہ ہاتھ میں سفید نیٹ کا کھردار سا کپڑا تھامے کھڑی تھی۔ تیوری بری طرح چڑھی ہوئی تھی۔

اور صفدر جانتا تھا بم ضرور پھٹے گا۔

"یہ میٹریل ہے؟ یہ گھٹیا کپڑا؟" کپڑے کا بیگ اٹھا کر اس نے صفدر کو دے مارا۔ وہ بدک کر پیچھا ہٹا۔

"کیا ہو گیا ہے فجر؟ کپڑا ہی چاہیے تھا نا میں لے آیا ہوں جیسا بھی ملا اس میں پارہ ہائی کرنے والی کیا بات ہے؟"

کئی اسٹوڈنٹس نے کانفرنس جیسے اس پراجیکٹ روم میں گردنیں موڑ کر تو کئی نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

صفدر کے لیے یہ صرف پراجیکٹ تھا۔ اسے پاس ہونا تھا ڈگری لینی تھی اور بس جبکہ فجر کے لیے یہ وہ خواب تھا جسے وہ زخمی انگلیوں سے بن رہی تھی۔ لہولہان آنکھوں سے وہ اس خواب کو سینت رہی تھی۔

کئی دنوں کی انتھک محنت کے بعد اس نے صفدر کے ذمے صرف ایک کام لگایا تھا۔ اعلیٰ معیار کا وہ کپڑا لانا جو اتنی آسانی سے نہیں ملتا تھا۔

"پارہ ہائی سیریسلی؟" فجر نے جھلا کر ماتھا مسلا۔ وہ غصے میں بلا لگ رہی تھی ایسی بلا جو صفدر کو سالم نگل جاتی۔

"یہ ایک پراجیکٹ ہے اس کو حواسوں پر کیوں سوار کر رہی ہو؟" وہ ایک قدم آگے آیا۔ گارکو پینٹ پر گولے گلے والی ٹی شرٹ پہنے، پیروں اسنیکرز اڑسے، بالوں کو سلیقے سے جمائے کہیں سے نہیں لگ رہا تھا وہ مارکیٹ خوار ہو کر آیا تھا۔

بلکہ یوں لگ رہا تھا وہ نک سک سا تیار ہو کر گھر سے سیدھا یونیورسٹی آیا تھا۔

"یہ ایک پراجیکٹ نہیں ہے۔" وہ ماتھے سے ہاتھ ہٹاتے بپھری شیرنی کی طرح چلائی۔ چہرہ مزید سرخ پڑ گیا۔ اب کے باقی اسٹوڈنٹس نے اپنا روک کر اسے دیکھا۔ وہ غصے کی تیز تھی سب جانتے تھے پر وہ جلدی غصہ نہیں ہوتی تھی اسے ٹرگر کرنا مشکل تھا۔

"تمہارے لیے ایک پراجیکٹ ہو گا میرے لیے یہ پہلا خواب ہے جسے میں بننے جا رہی ہوں۔ میں پاگل ہوں؟ تمہیں کیا لگتا ہے دن رات کام کر رہی ہوں صرف مارکس کے لیے۔۔؟"

اس کی آواز تیز تھی۔

"ایک کام صرف ایک کام۔ تم سے ایک کام بھی نہیں ہوا؟ تم ایک کام چور آدمی ہو۔" وہ جھلا رہی تھی۔ غصے پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی پر یہ مشکل تھا۔ اس کے سامنے رکھے بڑے سے میز پر کئی طرح کے رنگ، کئی طرح کے موتی اور کافی سامان رکھا تھا۔

"تم جو کپڑا مانگ رہی ہو وہ عام مارکیٹس میں نہیں ملتا۔ اچھا خاصہ مہنگا کپڑا۔۔۔" اس کی بات بیچ میں ہی رہ گئی۔ فجر نے ایک جھٹکے سے بیگ کی زپ کھولی۔ بیگ میں کیش کی صورت پیسے تھے۔ ہزاروں میں۔ اس نے آج ہی ایک لاکھ نکلوایا تھا۔ اس کی سیلری آگئی تھی۔ اگلے ہی لمحے اس نے پیسے نکالتے صفدر کے منہ پر دے مارے۔

یہ بہت اچانک ہوا تھا۔ اتنا کہ صفدر کو سمجھنے کا موقع بھی نہیں ملا۔ وہ ساکت رہ گیا۔ چہرے کا رنگ فق ہوا۔

"کتنے پیسے چاہئیں تمہیں؟ یہ لو۔ یہ بھی لے لو۔ ایک لاکھ میں کپڑا آجائے گا نا؟" وہ ہیجانی انداز میں پیسے نکال نکال کر اس کی جانب پھینک رہی تھی۔ دوسرے لفظوں میں کہنا مناسب ہو گا کہ اُس کے منہ پر مار رہی تھی۔

جبکہ صفدر نے تو خواب میں بھی نہیں سوچا تھا فجر کا ردعمل اتنا شدید ہو گا۔

" تمہیں کیا لگا تھا پراجیکٹ پر لگنے والے پیسے صرف تمہارے ہوں گے؟ میں اپنی سیلری کا انتظار کر رہی تھی لیکن مجھے نہیں پتا تھا تم۔۔۔ "

اس نے ضبط سے جبڑے بھینچ لیے۔ سارے اسٹوڈنٹس کے پراجیکٹس مکمل ہونے والے تھے۔ وہ سب سے پیچھے تھے اور فجر معراج کو پیچھے رہ جانے سے خوف آتا تھا۔

"ایسی بات نہیں ہے فجر دراصل رئیس ٹیکسٹال کے علاوہ وہ کپڑا کہیں اور سے نہیں مل سکتا اور۔۔" وہ مصالحتی انداز میں آگے بڑھا۔ خشک لبوں پر زبان پھیری۔

"وہی رئیس ٹیکسٹائل جس کے تمہارے خاندان سے مراسم ہیں؟ صرف ایک فون کال صرف ایک فون کال۔۔" اس نے ہاتھ اوپر اٹھایا۔ انگوٹھے اور پہلی انگلی کو جوڑ کر کہا۔ چہرے پر ابھی تک بے یقینی تھی۔ گلا رندھ گیا۔ صفدر کی نااہلی پر رونا آرہا تھا۔ اگر اس کا باپ ایک فون کال کر دیتا تو انہیں بہترین سے بہترین کپڑا مل جاتا۔ فون کرنا مشکل نہیں تھا۔ صفدر نے فون نہیں کروایا یہ بھی دُکھ نہیں تھا۔ دُکھ یہ تھا کہ وہ سنجیدہ نہیں تھا۔ سب کچھ فجر پر چھوڑ کر وہ عیاشیاں کر رہا تھا۔

صفدر کا چہرے پر سایہ سا آکر گزر گیا۔ وہ نہیں جانتا تھا فجر پوری تحقیق کیے بیٹھی تھی۔

"اس ڈائن کو کیسے ہلکا لے لیا میں نے؟" زیر لب بڑبڑایا۔ موت واضح نظر آ رہی تھی۔ فجر معرج بخش دے یہ نہیں ہو سکتا۔ وہ اب اپنی چادر اور بیگ اٹھا رہی تھی۔ سب کچھ وہیں میز پر پڑا رہ گیا۔ صفدر کے قدموں میں بینک سے نکلوائے گئے نئے نکور نوٹ اپنی قدری پر رو رہے تھے۔ ایک جانب کپڑے کا تھان پڑا تھا۔ وہ اب اسے دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔ تن فن کرتی دروازے کی جانب بڑھی۔

"فجر میری بات سنو۔۔" وہ اس کے پیچھے لپکا۔

"تمہاری باتیں سننے کے لیے پیدا نہیں ہوئی میں۔" جھٹکے سے مڑتے وہ دھاڑی۔ صفدر سہم کر پیچھے ہوا۔ وہ غصہ کرتی تھی لیکن دوسروں کے سامنے چیختی چلاتی نہیں تھی۔ یا تو اسے صدمہ لگا تھا یا پھر گرمی دماغ کو چڑھ گئی تھی اور اگلے ہی لمحے وہ دروازہ کھول کر باہر نکلے۔ پوری قوت سے دروازہ واپس دے مارا۔ اس کے باہر نکلتے ہی سانس روکے کچھ فاصلے پر تماشہ دیکھتے اسٹوڈنس کا قہقہہ بلند ہوا۔ صفدر نے خفت سے کان کھجائے۔

"ایسی ذہین اور خوبصورت بلاؤں سے دور رہنا چاہیے ورنہ کب تم لڑھک جاؤ کچھ پتا نہیں چلتا۔" سامنے بیٹھے اس کے کلاس فیلو نے گلے پر ہاتھ پھیرا۔ انکا پورا گروپ موجود تھا۔ وہ اپنے میز پر سامان پھیلائے بیٹھے تھے۔

"تمہیں پراجیکٹ کے لیے فجر ہی پارٹنر ملی تھی؟" چھوٹی بالوں والی لڑکی نخوت سے بولی۔ وہ خاموشی سے سنے گیا بولا کچھ نہیں پھر اپنے میز کی جانب واپس آیا اور اب نیچے بکھرے پیسے اٹھا رہا تھا۔

"پیسے وہ یوں اچھال کر گئی ہے جیسے تم کوئی ناچنے گانے والے ہو۔" وہ اس کا حظ اٹھا رہے تھے۔ صفدر کا چہرہ سرخ پڑا۔

"ویسے وہ تمہیں نرگسی آدمی کہتی ہے کہیں تم۔"

" انف۔" وہ جھٹکے سے اٹھا۔

"بکواس بند کرواپنی۔" مارے ضبط کے چہرہ سرخ پڑ گیا۔ ہتک اور شرمندگی نے آن گھیرا۔ فجر نے کسی کے سامنے اسے کبھی نرگسی آدمی نہیں پکارہ تھا اور اسکا نرگسی آدمی کہنا برا بھی نہیں لگتا تھا پر یہ بات باہر کیسے نکلی۔ خون خول اٹھا۔

"ہم تو وہی کہہ رہے ہیں جو سچ ہے۔ دیکھ لینا اِس غرور کے ساتھ وہ منہ کے بل گرے گی اور تمہیں بھی گرائے گی۔ تم لوگ سب سے پیچھے ہو۔ فیل ہونے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ "

لڑکیاں اس سے خار کھاتی تھیں۔ وہ لڑکیاں جن کے پاس سب کچھ تھا۔ اگر نہیں تھا تو صاف گوئی جو فجر کے پاس تھی۔

وہ اب تیزی سے پیسے اکٹھے کر کے بیگ میں اڑس رہا تھا۔

"ڈائن بیگ میں اتنا کیش لے کر گھومتی ہے۔" وہ اب بڑبڑا رہا تھا اور پھر میز پر رکھا سامان سمیٹنے لگا۔

اب اسے سمجھ آیا تھا وہ اتنا غصہ کیوں تھی۔ جب سب اسے گرانا چاہتے ہوں اور وہ اکیلی کھڑی ہو، اوپر سے اس کا پارٹنر اتنا لاپرواہ ہو، کس گدھے کو غصہ نہیں آئے گا؟ وہ تو پھر فجر معراج تھی جو غصہ ناک پر سجائے گھومتی تھی۔

پھر وہ بیگ اٹھاتا باہر نکل آیا۔ گرم ہوا کے تھپیڑوں نے اس کو استقبال کیا۔ رات دیر تک وہ دوستوں کے ساتھ آوارہ گردی کرتا رہا اور پھر دوپہر تک سویا رہا۔ یہ کپڑا بھی اس نے ملازم کو بھیج کر منگوایا تھا۔ اسے بھروسہ تھا فجر کرلے گی۔ لیکن وہ بھول گیا فجر کو پرفیکشن کا کیڑا تھا۔ اسے ہر چیز پرفیکٹ چاہیے ہوتی تھی۔ کہیں کوئی ملاوٹ نہیں۔ کہیں کوئی کھوٹ نہیں۔

وہ اب راہداری میں تیز تیز چلتا کیفے کی جانب بڑھ رہا تھا۔ فون کان اور کندھے کے درمیان دبائے وہ کسی سے بات کر رہا تھا اور جانتا تھا فجر وہیں ملے گی۔ کچھ دیر بیٹھ کر خود کو پر سکون کرے گی، تاکہ کسی کا قتل کرنے سے بچ سکے، اور پھر خود کپڑے کی مارکیٹس میں خوار ہو گی۔

کیفے میں میزوں کے گرد ٹولیاں بنائے بیٹھے اسٹوڈنٹس خوش گپیوں میں مصروف نظر آئے، کئی لڑکیاں اسائمنٹس ڈسکس کر رہی تھیں تو کئی دوسری لڑکیوں کو۔ غرضیکہ ہر کوئی مصروف تھا۔

فجر اُسے نسبتاً پر سکون گوشے میں بیٹھی نظر آئی۔ زور زور سے ٹانگ جھلا رہی تھی۔ پریشانی واضح تھی۔ اس کے سامنے ٹھنڈے پانی کی بوتل خالی رکھی یقیناً وہ سارا پانی غصہ بجھانے کے لیے غٹافٹ پی گئی ہو گی۔

صفدر کئی دعائیں پڑھ کر خود پر پھونکتا اُس کی جانب بڑھا اور پھر بیگ کندھے سے اُتارتے، میز کی دوسری جانب اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ اس نے صفدر کو نظر نہیں دیکھا۔

وہ اس کی شکل فی الوقت نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

وہ ابھی بولنے کو پر تول ہی رہا تھا جب بیرہ منٹ مارگریٹا کا گلاس لایا اور فجر کے سامنے رکھ دیا۔

"ایک میرے لیے بھی پلیز۔" وہ بیرے سے کہتا فجر کی جانب متوجہ ہوا۔ آنکھیں اور چہرہ سرخ تھا۔

"ایم سوری فجر" وہ صلح کر لیتا تھا۔ ڈانٹ ڈپٹ کھا کر۔ گالیاں سن کر (حرکتیں ہی ایسی تھیں) وہ ہمیشہ سوری کر لیتا تھا۔ فجر نے جبڑے مزید بھینچ لیے۔

"دیکھو یہ گلاس اٹھا کر سر میں نہ دے مارنا۔ میرا سر نازک ہے پھٹ جائے گا۔" وہ معصومیت سے آنکھیں پٹپٹاتے بولا۔

فجر نے گھوری سے نوازہ۔ وہ سنجیدہ تھی۔ کمبخت غصہ ضبط کرنا دنیا کا سب سے مشکل کام ہے۔ بزدل لوگ نہیں کر سکتے۔

"سیریسلی یار مجھے نہیں پتا تھا کہ۔۔"

"کیا نہیں پتا تھا تمہیں؟" آنکھیں اسے سالم نگلنے کو تیار تھیں۔ آواز میں دبا دبا غصہ تھا۔ بھنویں سکڑی ہوئی تھیں۔

"بولو کیا نہیں پتا تھا؟" دونوں ہاتھ میز پر رکھے، آنکھیں اس کی آنکھوں میں گاڑے، وہ اسکی جانب جھکی۔ صفدر کا دل اچھل کر حلق میں آیا۔ اگر فجر معراج نے یہاں بھی بے عزتی کر دی تو؟ سب کے سامنے؟ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا وہ۔

"یہ نہیں پتا تھا کہ میں کیسے کام کرتی ہوں؟ یا یہ نہیں پتا تھا کہ تمہیں بھی پیسے دوں گی؟ تمہیں یہ سارا خرچہ اپنی جیب سے نہیں کرنا پڑے گا؟"

"ایسی بات نہیں ہے۔" وہ نظریں چُرا گیا۔ جھوٹ بول کر اس سے پناہ نہیں مل سکتی تھی ہاں سچ بول کر جان بچائی جاسکتی تھی۔

"میں ذرا سی سستی کر گیا لیکن اب نہیں۔" دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لیے مصالحتی انداز۔ "یہ آخری بار تھا۔" وہ شرمسار تھا۔ ہاں بس ایسے ہی بچا جاسکتا تھا۔ فجر اُسے دیکھے گئی۔ ملامتی نظروں سے۔ پھر گلاس اٹھا کر اسٹرالبوں میں دبا لیا۔ وہ اب رخ موڑے کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ خالی گراؤنڈ میں اس کی نظریں کسی غیر مرئی نقطے پر جمی رہیں۔

"میں نے ابھی ڈیڈ سے بات کی ہے۔ ہم آج رئیس ٹیکسٹائل جا رہے ہیں۔ جیسا تم چاہو گی ویسا میٹریل مل جائے گا۔" اس نے تسلی دی اور فجر کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ وہ ابھی تک یہی سوچ رہی تھی کہ آخر وہ اپنا مطلوبہ میٹریل کہاں سے ڈھونڈتی۔

"اب تو رخ سیدھا کر لو اور ہاں لوگوں سے بنا کر رکھا کرو پھر لوگ بھی ہمارے ساتھ اچھے رہتے ہیں۔"

وہ مفت میں مشورہ دے رہا تھا۔ کیوں؟ کیا فجر نے مانگا تھا۔ ہمت کیسے ہوئی اس کی مفت گیان بانٹنے کی۔

"لوگ دو ہی اچھے ہیں۔" فجر نے رخ موڑا۔ اسٹرا کو لبوں سے آزاد کیا۔ وہ اب صفدر کو دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں میں شرارے سے تھے۔

"جو مر گئے اور جو پیدا نہیں ہوئے۔" سپاٹ لہجے میں کہتی وہ پھر سے رخ موڑ گئی۔ صفدر نے ماتھا پیٹ ڈالا۔

"اور باقی کیا ہیں؟" وہ جھلا کر بولا۔

"کچرہ۔۔" یک لفظی جواب آیا۔

"اور تم کچرے کی رانی؟" منہ سے پھسل گیا۔ اگلے ہی پل اس نے زبان دانتوں تلے دبائی۔ فجر نے رخ موڑا۔

"میں وہ ڈائن ہوں جس سے رانیاں ڈرا کرتی ہیں۔" اس کی جانب جُھک کر پر اسرار انداز میں کہا اور پھر پیچھے ہٹتے کرسی سے ٹیک لگائی۔ اس بار لہجہ بدلا ہوا تھا۔

"زبان سنبھال لوں ورنہ حلق سے کھینچ لوں گی۔" وہ سفاک ہوئی۔ کیفے میں اُبھرتے شور کے باوجود وہ اس کے لہجے کی ٹھنڈی تاثیر محسوس کر سکتا تھا۔

"تم اپنا جوس پیو پھر ہم رئیس ٹیکسٹائل جا رہے ہیں آج میں گاڑی لایا ہوں۔" صفدر نے بات پلٹنا چاہی۔

"اور تم سے کس نے کہا میں تمہاری گاڑی میں جاؤں گی؟"

ابرو اچکا کر پوچھا۔ چہرے پر استہزاہ تھا۔

"کک کیا مطلب؟" نہیں نہیں جو وہ سوچ رہا تھا ایسا نہیں ہونا چاہیے۔

"ہم لوکل جائیں گے۔" فجر نے قدرے سکون سے کہتے نرگسی آدمی پر بم پھوڑا۔ وہ حد سے زیادہ نازک تھا۔ ذرا سی موسم کی سختی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ لڑکیوں جیسی حرکتیں تھیں اس کی۔ تبھی فجر اسے "نرگسی آدمی" بلاتی تھی۔

"پاگل ہو؟" وہ جھلایا۔

"تم ہو گے پاگل، تمہارا خاندان پاگل، تمہارے خاندان کا خاندان پاگل۔" وہ تڑخ کر بولی۔

"فجر۔۔" بے بسی سے پکارہ۔ کم از کم فجر سے جیتنا اس کے بس کا کام نہیں تھا۔ دبلا پتلا سا صفدر اس کی آواز پر ہی سہم جاتا تھا۔

"تمہاری یہی سزا ہے۔ میں تمہاری گاڑی میں نہیں جا رہی۔ بات ختم۔" ملکہ معلون حکم صادر کر چکی تھی۔

"سوڈائنیں مری ہوں گی تب یہ پیدا ہوئی ہو گی۔" وہ زیر لب بڑبڑایا۔ رونا آ گیا تھا۔ اتنی گرمی میں وہ لوکل سفر کیسے کرے گا؟ یا خدایا یہ کیسا ظلم ہے؟

"تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے وہ سوڈائنیں فجر معراج ہڑپ کر چکی ہے۔"

ڈائن کی سماعت بھی ڈائن والی تھی۔ مجال ہے کچھ چوک جائے۔

"ٹھیک ہے ہم لوکل چلے جائیں گے۔" یہ جملہ ادا کرتے وقت سو بار صفدر نے خود پر لعنت بھیجی۔ اتنا وہ اپنے باپ سے نہیں ڈرتا تھا جتنا فجر سے ڈر لگتا تھا۔ اندر ہی اندر کلس رہا تھا پر یہی اس کی سزا تھی۔

لیکن وہ بھول گیا تھا ایک عورت ڈائن یونہی نہیں بنتی اس کے پیچھے پوری ایک کہانی ہوتی ہے۔ وہ کہانی جو دھیرے دھیرے کھلتی ہے۔ جو ماضی میں جھانکنے کی اجازت نہیں دیتی اور ایسے ہی ماضی کی ایک یاد سے آپ کو آگاہ کر دیتے ہیں۔ سورج کی تپش میں ہوا نے ہولے سے پھڑ پھڑائے تو وقت کی کتاب کے چند پنّے پھڑ پھڑاہٹ سے کھلتے چلے گئے۔

چار سال پہلے۔ ہاں یہ چار سال پہلے کی بات تھی۔ برآمدے میں رکھی لکڑی کی کرسی پر بیٹھی تھی۔ اماں کے جہیز کی کرسی۔ اوپر ٹم ٹم پھنکا چل رہا تھا۔ خزاں کا موسم حبس زدہ تھا۔ ٹم ٹم پنکھے کے نیچے بھی پسینہ خشک ہونے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔ باہر دھوپ نہیں تھی لیکن حبس انتہا کی تھی۔

فجر ہاتھوں میں اپنا شناختی کارڈ لیے بیٹھی تھی۔ آج ہی ابا نادرہ دفتر سے لایا تھا۔ وہ اٹھارہ کی ہو گئی تھی۔

شناختی کارڈ پر اپنا نام اور اسپیلنگ پڑھتے اُس نے گردن فخر سے اکڑالی۔ اب وہ اٹھارہ کی تھی۔ بالغ اور اپنے فیصلے خود لینے والی۔

اماں باورچی خانے سے اپنی چائے کی پیالی اور اس کا کپ لے آئی۔ اس کے سامنے میز پر رکھتے ہوئے وہ ساتھ رکھی چارپائی پر بیٹھ گئی۔

ایک نظر فجر کو دیکھا جس کا انٹر مکمل ہو گیا تھا۔ بالوں کی اونچی پونی کیے وہ چمکتی نگاہوں سے اپنی شناخت دیکھے جا رہی تھی۔۔

شناختی نشان کے خانے میں "ٹھوڑی پر تل" لکھا تھا۔ ہونٹ سے ذرا نیچے۔ یوں تو یہ تل بہت ہی چھوٹا تھا پر شفاف چہرے پر اور کوئی نشان نہ ہونے کے باعث واضح نظر آتا تھا۔

"بس کر اب اور کتنا دیکھے گی؟" اماں نے تنگ آکر کہا۔ چار سال پہلے اماں کے ہاتھ پاؤں اچھے سے چلتے تھے۔ فجر کو گھر کی صفائی کے علاوہ اور کوئی کام نہیں کرنا پڑتا تھا۔

"اماں دیکھ میں بڑی ہو گئی ہوں۔ اٹھارہ سال کی۔ اب میں موبائل فون لے سکتی ہوں۔" اس نے سر اٹھا کر چمکتی آنکھوں سے اماں کو دیکھے۔ اماں کے چہرے کے زاویے فوراً بگڑے۔

"موبائل فون کی کیا ضرورت ہے۔ اگلے گھر جا کر لینا۔" وہ دوپٹے سے پسینہ صاف کرتے گھونٹ گھونٹ چائے پی رہی تھیں۔ چاہے گرمی کتنی بھی ہو۔ چاہے پسینے کے دریا بہہ جائیں۔ چائے نہیں چھوٹنی چاہیے۔

فجر نے بھنویں سکیڑ کر اماں کو دیکھا۔ آنکھیں چھوٹی ہوئیں اور اگلے ہی پل وہ انہی کے لہجے میں بولی۔

"

ماؤں کو کیوں لگتا ہے اگلے جا کر بیٹیوں کے سارے شوق پورے ہو جائیں گے؟

وہ ہمیشہ سے یہی سنتی آئی تھی۔ ٹرپ پر جانا ہوتا تو اماں کا یہی جواب ہوتا "اگلے جا کر گھومنا پھرنا"

مہنگے جوتے کپڑے چاہئیں ہوتے تو "اگلے گھر جا کر لینا"

موبائل چاہیے تھا تو "اگلے گھر جا کر لینا"

فیشن کرنا تھا تو "اگلے گھر جا کر کرنا"

آگے پڑھنا تھا تو "اگلے گھر جا کر پڑھنا" (ہاں جیسے اگلے گھر والے مڈل کلاس لڑکیوں کے انتظار میں ہوتے ہیں کہ کب وہ آئیں گی اور کب ان کی اعلیٰ تعلیم شروع ہو گی)

وہ یہ جملہ سن سن کر پک گئی تھی۔

"تیرا گھر وہ ہے جہاں بلقیس کا لڑکا تجھے رکھے گا۔ یہ تیرا گھر نہیں ہے۔" اماں نے چائے کا آخری گھونٹ بھرا اور پیالی میز پر رکھ دی۔ پتا نہیں وہ اتنی گرم گرم چائے کیسے پی لیتی تھیں۔ گرم چائے اماں کے معدے میں گئی تھی پر تپ فجر گئی تھی۔

"اماں۔۔" وہ جبڑے بھینچے بولی۔ یہ بلقیس اور اس کا لڑکا آخر مر کیوں نہیں جاتے؟ اس کی اٹھارہ سالہ زندگی حرام کی ہوئی تھی۔

"کیا اماں اماں؟ تجھے لگتا ہے میں جھوٹ بولتی ہوں؟ دیکھ فجر میری بات سن۔" اماں نے اس کا بازو کھینچ کر اپنے پاس چارپائی پر بٹھایا۔ فجر کے تاثرات میں ذرا بھی تبدیلی نہیں آئی۔

"یہ جو تو یونیورسٹی کی رٹ لگائے رکھتی ہے نا اسے اپنے دماغ سے نکال دے۔ بلقیس سے بات ہوئی تھی پوچھ رہی تھی کب بارات لے کر آئے۔ اب تو تیرا شناختی کارڈ بھی بن گیا ہے۔ بالغ ہو گئی ہے تو۔ میں سوچ رہی ہوں اسے ہاں کر دوں۔ آ کر تجھے لے جائے۔ وہاں جا کر اپنے شوق پورے کرتی رہنا۔" اماں پگھلا سیسہ انڈیلنے لگیں۔ فجر نے شاکی نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا۔ کیسی ماں تھی وہ؟ کیا وہ اکلوتی اولاد اپنے ماں باپ کر اتنا بڑا بوجھ تھی جو اُسے سر سے اُتار پھینکنے کو بے چین تھے۔

"تجھے ترس نہیں آتا نا مجھ پر؟" خوبصورت آنکھوں میں پانی بھرنے لگا۔ بے یقینی اور صدمہ چہرے پر رقم تھا۔

"تیری فکر ہے مجھے اِسی لیے کہتی ہوں۔" جھریوں زدہ ہاتھوں نے فجر کے خوبصورت مومی ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے۔

"بلقیس کا لڑکا تجھ سے عمر میں کچھ سال بڑا ہے لیکن وہ تجھے خوش رکھے گا۔"

اور فجر مزید نہیں سن سکتی تھی۔ جھٹکے سے ہاتھ چھڑاتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"خدا کا خوف نہیں آتا؟ جانے کس بڈھے سے باندھنا چاہتی ہے مجھے۔ کیا لالچ دیا ہے بلقیس نے؟ کتنے میں کیا ہے میرا سودا؟" وہ حلق کے بل چلائی۔ گردن کی نسیں پھول گئیں۔ چہرہ سرخ پڑ گیا اور آنکھوں میں قید دریا بہہ جانے کو تھا۔ چائے میز پر رکھی رکھی یونہی ٹھنڈی ہو گئی۔

ایک مکھی جانے کہاں سے آئی اور اپنا چمچماتا پر لیے اندر ڈوب گئی **(مکھی نے ڈوب مرنا ضروری سمجھا)**

"فجر زبان سنبھال کر بات کر۔ تو اُسی کی ہے۔ اُسی کی امانت ہے۔ جتنا مرضی اونچا اڑھ لے تیری ڈور اُسی کی ہاتھ میں رہے گی۔"

اماں پر اس کے چیخنے چلانے کا کوئی اثر نہ ہوا۔ فجر مٹھیاں بھینچے سرخ چہرہ لیے اُنہیں دیکھے گئی اور پھر تن فن کرتی کمرے میں گھس گئی۔ دروازہ زور سے دے مارا۔

وہ اب رو رہی تھی بے طرح چلا رہی تھی اور اماں تاسف سے بند دروازے کو دیکھے گئی۔ کچھ رشتے طے ہوتے ہیں۔ چاہے ہماری مرضی ہو یا نہ ہو۔ وہ ہمارے گلے کا طوق ہوتے ہیں جو صدا دم گھوٹتے رہتے ہیں اور ایسا ہی ایک ان چاہا رشتہ بلقیس اور اس کے لڑکے کا تھا جو فجر معراج کے گلے میں پھندے کی مانند اٹکا ہوا تھا۔ اسے سکون سے جینے نہیں دیتا تھا پر کیا فجر معراج اس رشتے کے آگے جھک جانے والی تھی؟ آپ کو کیا لگتا ہے

✿••✿••✿••✿

رات میں ہی جاگتے ہیں

یہ گناہوں کے گھر

سیاہ رات میں اس پہر سنسنان سڑک پر ایک سفید پراڈو دھند کو چیرتی آگے بڑھ رہی تھی۔ دھند اتنی شدید تھی کہ پیدل چلتے شخص کو قدم بڑھانے کے لیے آنکھیں پھاڑ کر دیکھنا پڑتا۔ گاڑی کی ہیڈ لائٹس میں دھند دھوئیں کی مانند پھیلی نظر آرہی تھی یوں جیسے پورے شہر کو گہرے کُہرے نے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہو۔ گاڑی کے اندر دھیمے سروں میوزک بج رہا تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر مُراد علی بیٹھا تھا اور ساتھ والی سیٹ پر عروزہ جمال (Arooza Jabrajman) تھی۔ سیاہ ڈریس پینٹ کے ساتھ سیاہ بلیزر پہنے، بالوں کو اونچے جوڑے میں مقید کیے، بال یوں جمے تھے جیسے تیل لگا کر جمائے گئے ہوں، وہ ہاتھ میں موبائل پکڑے اونچی آواز میں کچھ پڑھ کر سنا رہی تھی۔ موبائل کی نیلی روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی جس میں اس کے خدوخال واضح ہوئے۔ متناسب نقوش اور بھوری رنگت والی عروزہ جمال اپنے نام کی ایک تھی۔ بہادر اور نڈر !

گاڑی میں ہیٹر چل رہا تھا جس کی گرمائش باہر کی ٹھٹرتی سردی کو کم کرنے کی بھرپور جدوجہد کر رہی تھی۔

پچھلی سیٹ پر بیٹھا وہ بدی کا بادشاہ، ایک ٹانگ اور گردن ہلاتے اپنے پسندیدہ گانے پر جھوم رہا تھا۔ سفید ڈریس پینٹ پہنے، بالوں کو نفاست سے پیچھے جمائے وہ سیدھا کسی تقریب سے آرہا تھا۔ چہرے پر داڑھی تھی اور کنپٹی کے قریب کے چند بال ہلکے سرمئی تھے۔ لیکن سر کے بال سیاہ تھے۔ اُس کی جسمانی صحت اور اُس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے اُسکی کا عمر کا اندازہ لگانا کافی مشکل تھا کیونکہ وہ چند سرمئی بال دیکھنے والے کو کشمکش میں ڈال دیتے تھے۔

یہ ہے گمراہوں کا راستہ

گاڑی زوں کی آواز اسٹریٹ پول کے نیچے سے گزری۔ اسٹریٹ پول کی روشنی میں سڑک پر گرے پتے اچھل کر واضح ہوئے اس سے پہلے وہ نیچے گرتے پیچھے دوسری گاڑی اسی رفتار سے گرزی۔ پتے پھر سے اچھلے اور لہراتے ہوئے نیچے جا گرے۔ گاڑیاں گزر گئیں اور ایک بار پھر سے اسٹریٹ پول کے نیچے خاموشی چھا گئی۔ جھینگوں کی آواز آتی سنائی دیتی تھی۔

مسکانیں جھوٹی ہیں

پہچانیں جھوٹی ہیں

وہ اب ساتھ ساتھ گنگنا رہا تھا۔

"باس یہ سنیں۔۔" عروزہ کی آواز اُبھری اور مراد علی نے ہاتھ بڑھا کر میوزک دھیما کر دیا۔

"مسٹر اورنگزیب میں ابھی صرف انیس سال کی ہوں۔ کیا چاہتے ہیں آپ؟ میں اپنے ایج فیلوز کو نہ دیکھوں؟ اُن کو دیکھوں گی بھی تو کیسے؟ میرے چاروں جانب صرف آپ ہیں۔"

اس کا نیا شوٹ وائرل ہوا تھا اور لڑکیاں دھڑا دھڑ کمینٹس کر رہی تھیں صرف لڑکیاں ہی نہیں اس کی شخصیت سے لڑکے بھی متاثر تھے۔

"سر پلیز اپنی فٹنس کا راز بتائیں۔" ایک لڑکے کی درخواست تھی۔

عروزہ نے انگوٹھے کی مدد سے کمیٹس اوپر کی جانب سوائپ کیے۔

"سر کیا آپ ایک بائیس سالہ لڑکی سے شادی کریں گے؟ میں مستقبل کی ڈاکٹر ہوں۔"

عروزہ نے پڑھتے ہوئے مسکرانے کی کوشش کی پر نہیں مسکرا پائی۔ وہ اپنے باس کو نہیں بلکہ خود کو نارمل رکھنے کی کوشش کر رہی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ یہ گمراہوں کا راستہ تھا اور وہ جو کرنے جا رہے تھے وہ پہلی بار نہیں تھا پر ہر بار وہ ایسے ہی اپنا اور اپنے باس کا ذہن بھٹکانے کی بھرپور کوشش کرتی۔ یوں جیسے یہ سب نارمل ہو۔ پیچھے بیٹھے شخص کی آنکھوں میں بے پناہ چمک تھی اور چہرے پر مسکراہٹ۔ وہ پرجوش تھا۔ اب وہ سیٹ سے کمرے ٹکائے بیٹھا تھا۔ ایک ٹانگ آگے والی دونوں سیٹوں کے درمیان تھی۔ ٹخنوں سے اوپر تک آتی پینٹ اور چمچاتے جوتے۔ وہ پاؤں ہلا رہا تھا۔ سینے پر دونوں بازو جمائے اس نے ونڈ اسکرین کے پار دیکھنے کی کوشش کی پر ہیڈ لائٹس میں اڑتے ذرّوں کے علاوہ کچھ نظر نہ آیا۔

"اس لڑکی کو ریپلائے کرو اور کہو کہ ڈاکٹر بن جاؤ پھر میں سوچوں گا۔" مہربان سی مسکراہٹ چہرے پر سجا کر حکم دیا گیا۔

"باس سیریسلی؟" عروزہ نے خفگی سے چہرہ موڑ کر دیکھا "آپکا ایک ریپلائے، جو آپ مجھ سے کرواتے ہیں، جانتے ہیں وہ کتنے ہی دن مختلف اکاؤنٹس پر گھومتا رہتا ہے؟" وہ سنجیدہ تھی جبکہ اُس کا باس بالکل بھی نہیں تھا۔ بازو سینے پر جمائے وہ فرصت سے بیٹھا تھا۔

عروزہ کی بات پر اُس نے کندھے اچکائے اور عروزہ نے تاسف سے گردن ہلاتے، اپنی لمبی انگلیوں سے ریپلائے ٹائپ کیا۔ وہ اب سیدھی ہو چکی تھی۔

ریپلائے کرنے کی دیر تھی موبائل نوٹیفیکیشن سے بج اٹھا۔

"تم بتاؤ عروز تمہیں کیسا لگا یہ شوٹ؟" وہ شرارتی سی مسکان لیے اسے دیکھ رہا تھا۔

"باس ساری دنیا آپکی تعریف کر رہی ہے؟ مجھے بھی کرنی ہو گی؟" وہ اب اسکرین پر چلتی ویڈیو دیکھتے بولی۔ اسکرین پر وہ ہی تھا۔ بھورے رنگ کا اوور کوٹ پہنے اور کافی کا گلاس پکڑے وہ ایک پرانی عمارت کی دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا اور پھر وہ چل پڑا۔ سیاہ عینک آنکھوں پر جمی تھی۔ کیمرہ نے اسے سر سے پاؤں تک کیش کیا۔ گاڑی مرکزی شاہراہ سے ایک چھوٹی سڑک پر اتر آئی۔

"اگر تم میری تعریف کر دو گی تو کیا تمہارا کیا چلا جائے گا عروز؟" اسے عروزہ کو عروز کہنا پسند تھا۔ چہرے پر خوبصورت مسکان سجائے خفگی سے پوچھا گیا۔ نرم سی مسکراہٹ۔ وہ اُسکے جواب کا منتظر تھا پر اِس سے پہلے عروزہ جواب دیتی گاڑی ایک جھٹکے رُکی اور اس کے پیچھے ہی دوسری گاڑی بھی رک گئی۔ رات کے اس پہر گاڑی کے سامنے کھڑی عمارت ایک کھنڈر سے کم نہیں تھی۔ اندھیرے میں ڈوبی ہوئی پر اسرار اور خاموش۔ گاڑی رکتے ہی عمارت کا بڑا سا گیٹ کھل گیا اور ساتھ ہی دونوں گاڑیاں آگے پیچھے اُس پر اسرار عمارت میں داخل ہو گئیں۔ گیٹ بند کر دیا گیا۔

اندر سفید پراڈو ایک جانب رکی اور پچھلی گاڑی کا دروازہ کھولتے دو ہٹے کٹے مرد باہر نکلے۔ وہ تیزی سے بھاگتے ہوئے آئے ایک نے سفید پراڈو کا پچھلا دروازہ کھولا تو دوسرے نے اگلی جانب کا۔

پہلے عروزہ باہر نکلی اور پھر پچھلی سیٹ پر بیٹھے اس شخص کا چمچماتا جوتا نظر آیا اگلے ہی پل وہ پورے قد سے کھڑا تھا۔ اپنی ہی تباہ ہو چکی پرانی فیکٹری کے سامنے۔ دونوں ہاتھ جیبوں میں ڈال لیے۔ ٹھنڈی ہوا ہڈیوں تک گھس گئیں۔ لیکن وہ ذرا بھی نہیں ہلا۔ گردن اٹھا کر کھنڈر عمارت کو دیکھا۔

"عروزا اگر تم یہ شوٹ والا کوٹ لے آتی تو اس پہر مجھے ٹھنڈ نہ لگتی۔" وہ شخص بولتے وقت ہنس مکھ لگتا تھا۔ مہربان سا۔ جبکہ ساتھ کھڑی عروزہ کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔ اُس نے ایک نظر موبائل دیکھا۔ رات کا ایک بج رہا تھا۔

"ہمیں جلدی نکلنا ہو گا۔۔" اس نے سرگوشی کی تو اگلے ہی پل ہنس مکھ شخص کے چہرے کے تاثرات مکمل طور پر بدل گئے۔

"چلو پھر کھیل ختم کرتے ہیں۔" چمکتی آنکھوں میں سرد پن اُتر آیا۔ مسکراہٹ سمٹ گئی اور جبڑے بھنچ گئے اور پھر اگلے ہی لمحے اُس نے اندر کی جانب قدم بڑھا دیئے۔ مٹی سے آتے فرش پر بھاری بوٹوں کی آواز گونج اٹھی۔

وہ سب سے آگے تھا اس کے پہلو میں عروزہ اور اس کے پیچھے دو گارڈز۔ ڈرائیور باہر گاڑی میں ہی تھا۔ پتھریلی روش پر چلتے وہ اندرونی دروازہ پار کرتے اندر آ گئے۔

سامنے کا منظر بلب کی ہلکی زرد روشنی میں واضح تھا۔ دور تک پھیلا ہال خالی اور ویران تھا۔ دیواریں جلی ہوئی تھیں۔

سامنے ہی فرش پر دو آدمی بیٹھے تھے بلکہ انہیں گھٹنوں کے بل بٹھایا گیا تھا۔ ایک کے پیچھے بندھے ہوئے تھے جبکہ دوسرے کے ہاتھ تھے ہی نہیں جب کہ چہرے پر سیاہ ماسک چڑھا رکھا تھا۔ اطراف میں کھڑے دو مردوں نے آگے بڑھ کر ان کے چہرے سے ماسک ہٹا دیئے گئے۔ چہرے واضح ہوئے۔ ان دونوں پر کپکپی طاری تھی۔ چہرے پر دہشت کی داستان رقم تھی۔ وہ دونوں اپنی اپنی جگہ کانپ رہے تھے۔ ایک پچاس سالہ شخص تھا اور ایک پچیس سالہ جوان۔

وہ عروزہ کے ہمراہ قدم قدم چلتا آگے بڑھا اور پھر ان دونوں کے سامنے رکھی پرانی سی لکڑی کی کرسی پر بیٹھ گیا۔ ٹانگ پر ٹانگ چڑھالی۔

"کیسے ہو شکور؟" اس بے پچاس سالہ شخص سے پوچھا یوں جیسے اسی کی طبیعت پوچھنے آیا ہو۔ یوں جیسے اس کا بہت خیال ہو۔

"مالک ہمیں معاف کر دیں۔" پچاس سالہ شخص اتنی سردی میں بھی پسینے سے شرابور تھا۔ وہ رو دینے کو تھا۔ آنکھوں سے بھل بھل آنسوں گرنے کو بے تاب تھے۔ عروزہ اب اپنے باس کے پہلو میں کھڑی تھی۔ اونچی لمبی ایتھلیٹ عروزہ جمال نہ صرف اس کی سیکرٹری تھی بلکہ وہ اس کے گناہوں کی ساتھی تھی۔ وہ اس کی سالوں کی ساتھی تھی۔ مکامار کر بندہ مار دینے کی صلاحیت رکھنے والی عروزہ جمال سائے کی طرح اپنے باس کے ساتھ رہتی تھی۔

آدمی کی بات سنتے ہی کرسی پر بیٹھے شخص نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹالی اور پھر آگے ہو بیٹھا۔ دونوں گھٹنوں پر کہنیاں جماتے چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں گرالیا۔

"آخر تمہیں ضرورت کیوں پیش آئی یہ سب کرنے کی شکور؟" اس نے ادھیڑ عمر آدمی سے پوچھا۔ لہجے میں چاشنی گھلی تھی۔ جبکہ چہرے کا سرد پن مزید گہرا ہو گیا۔ دیواروں پر ٹنگے پیلے بلب کی مدھم روشنی میں گھٹنوں پر بیٹھے شخص کو اپنے مالک کے چہرے پر جو نظر آیا وہ صرف تاسف تھا۔ گہرا افسوس۔

"میں بھٹک گیا تھا مم۔۔ می۔۔ میں۔۔" وہ شخص پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ عروزہ کے جسم میں ذرا بھی جنبش نہیں ہوئی وہ روبوٹ کی مانند یونہی کھڑی رہی۔

"بابا آپ اس شخص سے معافی کیوں مانگ رہے ہیں؟ یہ اس قابل نہیں ہے۔ اس سے مت ڈریں یہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

پچیس سالہ نوجوان غصے سے چیخا۔ اس نے خوف کو خود پر حاوی نہیں ہونے دیا۔ اُسے اپنا باپ کا یوں گڑگڑانا برا لگ رہا تھا۔

"خون تو گرم ہے۔" کرسی پر بیٹھے شخص نے بائیں جانب گردن ڈھلکا کر نوجوان کو دیکھا۔ خوبصورت آنکھیں الو ہی چمک دے رہی تھیں۔

"نن۔۔ نہیں مالک! میرے بیٹے کی کوئی غلطی نہیں ہے۔ اسے کچھ نہیں پتا یہ بچہ ہے۔" ادھیڑ عمر آدمی کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ "تم اپنی بکواس بند رکھو میں بات کر رہا ہوں" اپنے بیٹے کو ڈپٹتے وہ پھر سے اپنے مالک کی جانب متوجہ ہوا۔ تھوک نگل کر حلق تر کیا۔ خشک لبوں پر زبان پھیری۔

"مالک دوبارہ ایسا نہیں ہو گا۔ یہ پہلی اور آخری غلطی سمجھ کر معاف کر دیں۔" آدمی نے اپنے بازو اٹھا کر جوڑ لیے۔ ہاتھ تو تھے ہی نہیں بازو بچتے تھے۔ اسے اپنے بیٹے کی زندگی پیاری تھی۔ لڑکا اپنے باپ کی حالت دیکھ کر رو پڑا۔ اس کا بس چلتا تو وہ کرسی پر بیٹھے شخص کو کتے کی موت مارتا پر مسئلہ تھا کرسی پر بیٹھے شخص پر کسی کا بس نہیں چلتا تھا۔

اپنے باپ کو یوں گڑگڑاتے دیکھ کر لڑکے کی جہاں آنکھیں نم ہوئیں وہیں پورے جسم میں اشتعال بھر گیا۔ جوان خون میں موت کا ڈر ذرا کم ہی ہوتا ہے۔

یہ دراصل سال پچھلے کی بات تھی رئیس ٹیکسٹائل میں ایک حادثہ ہوا تھا۔کام کے دوران ایک مشینری کی خرابی کی وجہ سے شکور نامی وہ شخص اپنے دونوں ہاتھ کٹوا بیٹھا تھا۔

رئیس ٹیکسٹائل کے لیے یہ بات چھوٹی نہیں تھی بلکہ میڈیا اور اُن کے حریفوں کو موقع مل گیا تھا بات کرنے کا۔ایسے میں عروزہ نے اچھے خاصے پیسے دے کر شکور کا بیان بدلوا دیا۔

"صحت اور حفاظت کے عہد کے مطابق شکور نے احتیاطی تدابیر نہیں اپنائیں جن کی وجہ سے وہ اپنے ہاتھ کٹوا بیٹھا۔"

مشینری خراب ہوئی تھی یہ بات چھپالی گئی۔جو ملازم جانتے تھے وہ بھی خاموش ہو گئے۔پر سال بعد اچانک شکور نے بیان دے دیا کہ اس روز مشینری کی خرابی کی وجہ سے اس کے ہاتھ کٹے تھے۔اس کا ذاتی کوئی قصور نہیں تھا اور اِس بیان نے ایک بار پھر رئیس ٹیکسٹائل کو توپوں کے سامنے کر دیا تھا اور یہ بیان دینے پر شکور کے بیٹے نے باپ کو راضی کیا تھا تاکہ سچ سامنے لایا جا سکے اور وہ دونوں نہیں جانتے تھے کہ شکور کے بیٹے کو جو یہ سب کرنے پر اُکسا رہے تھے وہ اُس کے دوست ضرور تھے پر وہ رئیس ٹیکسٹائل کے دشمن تھے۔دونوں باپ بیٹوں کو استعمال کیا گیا پر اِس بات سے کرسی پر بیٹھے اُس بدی کے بادشاہ کو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

"تمہارے ہاتھ کٹنے پر رئیس ٹیکسٹائل نے تمہیں اتنا پیسہ دیا جتنا تم اپنے دونوں ہاتھوں کے سلامت ہوتے پوری زندگی بھی نہیں کما پاتے۔پھر یہ بیان دینے کی تکلیف کیوں اٹھائی؟"

ہاتھوں کے پیالے سے چہرہ اٹھاتے اس شخص کی آنکھوں میں اب تنفر تھا۔خوبصورت چہرہ یکایک بھیانک ہو گیا۔آنکھوں میں خون اتر آیا۔وہ شخص اپنی عزت پر اپنے نام پر ایک لفظ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔اسے برداشت نہیں تھا کوئی اس کے نام کو اچھالے۔

"مجھے معاف کر دو مالک مجھ سے غلطی ہو گئی ہے۔ "وہ اب گڑ گڑانے لگا۔

"اور پھر؟ پھر کیا ہو گا؟" اُس نے واپس کرسی سے ٹیک لگاتے اپنا ہاتھ عروزہ کے سامنے پھیلایا۔ عروزہ نے کمر کے پیچھے ہاتھ لے جا کر بلیزر کے نیچھے سے گن نکال کر اُس کے ہاتھ پر رکھ دی۔ سیاہ رنگ کی مہنگی گن۔ شکور کی آنکھیں پھٹ کر باہر نکل آئیں۔ سکتہ پورے جسم پر طاری ہوا۔

"نن۔۔ نہیں مالک! آپ جو کہیں گے ویسا ہی ہو گا۔ "

موت کے خوف سے اُس کی گھگھی بند گئی اور اگلے ہی لمحے وہ کرسی پر بیٹھے شخص کے پیروں میں گر گیا۔

موت کا خوف بہت برا خوف ہوتا ہے اس خوف مقابلہ دنیا کا کوئی خوف نہیں کر سکتا۔

لڑکا بھی خوفزدہ تھا پر اپنے باپ کو یوں ذلیل ہوتے دیکھنا تکلیف دہ تھا۔

"بابا۔۔" اس نے گلے میں اٹکے آنسوؤں کا گلا گھونٹتے اپنے باپ کو پکارہ۔ جبکہ بدی کے بادشاہ نے گن کا ہیمر آگے پیچھے کیا۔ گن لوڈ تھی۔ کرسی کے اوپر چھت میں کونے پر لگا تار عنکبوت چمکنے لگا۔ عنکبوت اپنی سلطنت میں دھیرے دھیرے عود آیا۔ وہ اب اپنی ٹانگیں پھیلائے نیچے کا منظر دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے عجیب سی روشنیاں پھوٹ رہی تھیں۔ اس نے اپنے جالے کو چھوڑتے نیچے چھلانگ لگائی۔ وہ اب بدی کے بادشاہ کے سر کے عین اوپر لپک رہا تھا۔ شکور کے بیٹے نے ایک نظر اس چمکتے جالے کو دیکھا جس پر عنکبوت پھسل رہا تھا۔ کاش وہ عنکبوت بدی کے بادشاہ کو کاٹ لیتا۔ کاش بدی کا بادشاہ ایک زہریلے عنکبوت کے کاٹنے سے مر جاتا۔

"ایسا مت کریں اس ذلیل شخص۔۔ "

اس کے باقی کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔ بدی کے بادشاہ نے بازو لمبا کر کے ٹریگر دبا دیا۔ گولی لڑکے کشادہ پیشانی میں سوراخ کرتے گزر گئی۔ پل بھر کو ہوائیں ساکت ہوئیں اور شکور کا دل بند ہوا۔ اس کی آہیں رک گئیں۔ لڑکا پیچھے کی جانب گر گیا۔

بدی کا بادشاہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

شکور تڑپ کر سیدھا ہوا اور پھر جوان بیٹے کو لہولہان دیکھ کر وہ مزید تڑپ اٹھا۔

"مالک۔۔۔۔" اس کے لہجے میں خوف، وحشت، کرب اور نہ جانے کیا کچھ تھا۔ وہ اپنے بازوؤں کو ہلاتے بیٹے کو اٹھانے کی کوشش کرنے لگا پر بے سود تھا۔ ہاتھ نہیں تھے۔ وہ کیسے تھامتا؟ اور پھر اگلے ہی لمحے وہ اٹھ کر بدی کے بادشاہ کی جانب بڑھا۔ غصے سے، نفرت سے یوں جیسے اسے مار ڈالے گا پر ایک اور گولی چلی اور وہ اپنی جگہ پر رک گیا۔ عروزہ سپاٹ تاثرات لیے کھڑی رہی۔

کچھ دیر بعد شکور بیٹے کے قریب ڈھے گیا۔ بدی کے بادشاہ نے گن عروزہ کی جانب بڑھائی اور دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں اڑس لیے۔

"رئیس اورنگزیب کسی کو دوسرا موقع نہیں دیتا۔"

وہ پورے قد سے کھڑا تھا۔ دونوں باپ بیٹوں کو آخری سانسیں لیتے دیکھا اور پھر پلٹ گیا۔ عروزہ نے ان دو آدمیوں کی جانب اشارہ کیا جو انہیں اغواء کر کے لائے تھے اور پھر اپنے باس کے پیچھے لپکی۔

"رئیس اورنگزیب کسی کو دوسرا موقع نہیں دیتا"

پیچھے فیکٹری کے در و دیوار اس کی پکار سے گونج اٹھے۔ کچھ دیر بعد اس کی گاڑی پھر سے مرکزی شاہراہ پر آگے بڑھ رہی تھی۔ عروزہ ابھی بھی کمینٹس پڑھ رہی تھی۔

"مجھے یقین نہیں ہوتا کوئی شخص اتنا حسین، اتنا ذہین اور اتنا امیر ہونے کے باوجود اتنا مہربان اور نرم دل کیسے ہو سکتا ہے؟" ایک خاتون حیران تھی۔

"عروز اسے ریڈ والا ہارٹ بھیجو۔" دلکشی سے مسکراتا وہ عروزہ سے کہہ رہا تھا جس پر اگلے ہی پل اُس نے ریپلائے میں سرخ رنگ کا دل بھیج دیا۔ بدی کے بادشاہ نے سیٹ سے دوبارہ پشت ٹکالی اور آنکھیں بند کر لیں۔ گاڑی میں گونجنے والے الفاظ وہ ہولے ہولے گنگنا رہا تھا۔

یہ ہے گمراہوں کا راستہ

مسکانیں جھوٹی ہیں

پہچانیں جھوٹی ہیں

✿••✿••✿••✿

ہر نقشہ

ہمیں ایک نامعلوم

راستے کی طرف لے جاتا ہے

ہم سیدھی راستے

اور مڑے ہوئے راستوں سے

گزر کر ایک جگہ

تک پہنچتے ہیں

جو ہماری تخیل

کے لیے نامعلوم ہے

ہماری پکار کے لیے

نامعلوم ہے

جہاں گرجا گھر کی گھنٹی

کبھی کبھار

بے ترتیب ہو جاتی ہے

اور وقفے وقفے سے بجتی ہے

زندگی کے

بہت چھوٹے لمحوں میں

خاموشی کو فلٹر کرنا

ہمیشہ چیلنجنگ ہوتا ہے

پھر بھی

زندگی کے ترانوں میں

خوشی منائیں کہ

میں کبھی ہار نہیں مانوں گا

ہر نقشہ

ایک نامعلوم راستے کا

نقشہ بناتا ہے

تاکہ ہمیں

زندگی کے خوابوں اور

رنگوں کے قریب تر لے جاسکے۔

ولیم کی زندگی اگر کہیں رنگ تھا تو نیل کی وجہ سے تھا۔ وہ اس جونک کی مانند تھا جو جسم سے چپکی رہتی ہے۔ الجھن دیتی ہے پر آپ کے جسم کا سارا زہر نکال لیتی ہے اور اس وقت وہ ولیم کے بیڈ پر سوار تھا رنگ برنگے مار کر رکھے وہ اب ولیم کے ہاتھ پر چڑھے پلستر پر اونچے نیچے پہاڑ بنا رہا تھا اور یہ صاف ظاہر کرتا تھا وہ کیمپنگ کے لیے جانا چاہتا ہے۔ گھٹنے موڑے بیٹھا وہ کافی مصروف لگ رہا تھا۔

ولیم بیٹھا بیٹھا اکڑ گیا لیکن وہ نہیں ہٹا۔

"ویسے ایک بات تو بتاؤ۔" پہاڑ کے اوپر خیمہ بناتے اب کی بار نیل نے پوچھا۔ ایک مارکر کان میں اڑسا رکھی تھی اور ایک منہ میں۔ تیسری ہاتھ میں لیے وہ ڈرائنگ کر رہا تھا جبکہ باقی پیکٹ بیڈ پر بکھرا تھا۔

"یار بس کرو ڈیڈ نے دیکھ لیا تو۔۔" وہ بات ادھوری چھوڑ گیا۔ آج ویسے بھی اسے ہسپتال سے چھٹی مل گئی تھی۔ جارج اسے لینے آرہا تھا۔

"کیا؟" نیل نے مارکر والا ہاتھ روک کر گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔ "تمہارے ڈریکولا باپ سے ڈرتا ہوں میں؟" آنکھیں چھوٹی کر کے ولیم کو دیکھا۔ ہنہہ! اگلے ہی پل گردن جھکالی۔ وہ تندہی سے مگن ہو گیا۔ کچھ دیر خاموشی چھائی رہی۔

"ارے ڈیڈ آپ" ولیم کی آواز ابھری اور نیل اچھل کر بیڈ سے اترا اور اگلے ہی پل ولیم کا ابھرنے والا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ وہ فٹافٹ ٹانگیں سیدھی کرتا، پورے بیڈ پر پھیل گیا جبکہ نیل دھڑکتے دل کے ساتھ خالی دروازے کو دیکھا جہاں کوئی نہیں تھا پھر اس نے رخ ولیم کی جانب موڑا۔

"تمہاری انہی حرکتوں کہ وجہ سے تم اس حال میں ہو۔" مارکر کھینچ کر اسے دے ماری اور پھر خود پر قابو پاتے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"امریکی کہتے ہیں مچھلی اور مہمان سے تین دن بعد بو آنے لگتی ہے اور تم پچھلے دو دنوں سے میرے سر پر سوار ہو۔"

وہ نیل کی حرکتوں سے زچ آگیا تھا۔

"منحوس آدمی تم سے کس نے کہا تھا گاڑی ٹرک سے دے مارو؟" وہ غصے سے بڑبڑایا۔

بیوٹی ان وائٹ چھم سے وارد ہوئی۔ہاں وہی تو وجہ تھی اس ایکسڈنٹ کی۔ولیم کے لبوں کو مسکان نے چھوا۔

نیل پٹیل کو پورے ایڈنبرا میں سب سے زیادہ ڈرمسٹر جوزف اور نینسی کے بھوت سے لگتا تھا۔جبکہ ولیم اب بیڈ پر لیٹے مسکرا رہا تھا۔آنکھوں مین شرارت ہی شرارت تھی۔اسے نیل کے اوسان خطا کر کے خوب مزہ آتا تھا۔نیل اب اپنا فون اٹھائے نوٹیفیکشن دیکھ رہا تھا پھر کچھ یاد آنے پر وہ فون واپس رکھتا ولیم کی جانب متوجہ ہوا جو آنکھیں بند کیے سینے پر ایک بازو رکھے سونے کی کوشش میں تھا لیکن درحقیقت اس کا ذہن کہیں اور اٹکا تھا۔

"ویسے ایک بات تو بتاؤ۔"انداز میں تجسس تھا۔ولیم یونہی لیٹا رہا۔

"تم نے شادی کس سے کی ہے؟میرا مطلب وہ لڑکی کون تھی؟ "

" وہی جو انگیجڈ تھی۔۔"سکون سے جواب دیا گیا۔یہ سنتے ہی نیل کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"وہی جو تمہیں اچھی لگی تھی؟"اشتیاق سے پوچھا گیا۔ولیم کچھ نہ بولا۔

"ویسے میں نے تم سے بڑا مہان آدمی نہیں دیکھا۔زندگی میں پہلی بار کسی لڑکی کو پسند کیا اور اگلے ہی دن اس سے شادی کر لی۔پاؤں کدھر ہیں تمہارے مجھے چھونے دو۔"وہ اپنی جگہ سے اٹھتا اس کے پیروں کی جانب بڑھا۔

"ہاتھ مت لگانا ورنہ اٹھا کر باہر پھینک دوں گا۔"آنکھیں کھول اسے تنبیہہ کی۔نیل وہیں رک گیا۔

"آئے ہائے چہرہ تو دیکھو ذرا کیا روشنیاں پھوٹ رہی ہیں "

وہ واپس اپنی پٹڑی پر اترتے ولیم کی جانب بڑھا۔ہاں وہ گنتی کے چند لمحے ناراض رہ سکتا تھا۔اس نے دونوں ہاتھوں سے ولیم کی بلائیں لے ڈالیں۔

"ایک پاکستانی لڑکی تو میں بھی ڈیزور کرتا ہوں۔"وہ اب اسے تنگ کر رہا تھا۔

"تمہیں نہیں پتا پاکستانی لڑکیاں خونی بلاؤں سے کم نہیں ہیں۔۔" فجر کا سراپا مزید واضح ہوا۔ وہ خونخوار نظریں لیے گھور رہی تھی۔

"خیر ہے میں کسی دیو سے کم ہوں کیا؟ "

مستی اُتر ہی نہیں رہی تھی۔

"بیٹا تجھے چیڑ پھاڑ کر کھا جائیں گی۔۔" ولیم کا انداز ایسا تھا کہ نیل کی بتیسی غائب ہوئی۔ مستی فوراً اتر گئی۔

"تو تم سے کس نے کہا تھا خونی بلا سے شادی کرو؟ نارمل لڑکی نہیں ملی تمہیں؟" وہ بدمزہ ہوتا واپس بیٹھ گیا۔

اس سے پہلے ولیم جواب دیتا دروازے پر دستک ہوئی اور دونوں نے چونک کر دیکھا۔ مسٹر جوزف اپنے ازلی حلیے میں دروازے پر براجمان تھے۔ دونوں کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ کہیں انہوں نے سن تو نہیں لیا؟

دونوں کے چہرے پھیکے پڑ گئے۔ بے ساختہ ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔ نیل فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہائے انکل۔۔" مسکرانے کی کوشش کی پر ناکام ٹھہرا۔ گھبرا کر ولیم کو دیکھا جس نے آنکھ سے پرسکون رہنے کا اشارہ کیا۔

"ہمیں چلنا ہو گا۔" ولیم کی کلیرنس ہو چکی تھی۔ مسٹر جوزف کہہ کر باہر نکل گئے اور ان کے جاتے ہی نیل ولیم کی طرف بڑھا۔

"انہوں نے سنا تو نہیں؟" خوف ہی خوف تھا۔

"سن لیا ہوتا تو تم اپنے پیروں پر نہیں کھڑے ہوتے۔" وہ بیڈ سے اتر آیا۔ نیل نے سکھ کا سانس لیا اور پھر کچھ دیر بعد ولیم کو کپڑے تبدیل کرنے میں مدد کے بعد اس کے ساتھ کمرے سے باہر نکل آیا۔ اس کا بیگ جو ایکسڈنٹ کے

وقت گاڑی میں تھا وہ اس وقت نیل کے کندھے پر تھا۔ صد شکر کہ بیگ سلامت تھا اور اس کا کیمرہ بھی۔ باقی کتنا نقصان ہوا تھا یہ ابھی کچھ پتا نہیں تھا۔ باہر راہداری میں مسٹر جوزف کسی سے فون پر بات کر رہے تھے جبکہ ان کے دو ہٹے کٹے گارڈز کسی روبوٹ کی مانند، عقابی نظریں لیے کھڑے تھے۔ ولیم کو دیکھتے ہی اُنہوں نے اشارے سے آگے چلنے کا کہا۔ وہ ایک گارڈ کے ساتھ آگے بڑھ گیا ایک گارڈ مسٹر جوزف کے لیے رکا رہا۔

"تو بتاؤ پھر ہم کیمپنگ کے لیے کب جائیں گے؟" نیل نے ساتھ چلتے اس کی جانب جھک کر سرگوشی نما انداز میں پوچھا۔ وہ جوزف پیلس نہیں جانا چاہتا تھا۔

"یہ ٹوٹے ہاتھ کے ساتھ میں کیمپنگ کرتا اچھا لگوں گا؟"

بازو ذرا سا اٹھایا اور پھر تکلیف کے باعث دوبارہ نیچے کر لیا۔

"اس کو اتنا ہلاؤ جلاؤ مت ورنہ ٹونڈے رہ جاؤ گے۔ یہ صحیح سے جڑے گا بھی نہیں۔" نیل نے پلٹ کر دیکھا تو اب مسٹر جوزف تیزی سے ان کی جانب بڑھتے نظر آئے۔ وہ عجلت میں تھے۔

"تمہارا سامان اس بیگ میں ہے باقی تمہارا ہینڈ کیری جارج لے گیا تھا۔ اس میں تمہارا کیمرہ ہے سنبھال لینا۔" وہ لوگ ہسپتال سے باہر نکل آئے۔ مسٹر جوزف ان کے قریب پہنچے تو دونوں کی کھسر پھسر بند ہو گئی۔ بیلا کریش ہو گئی تھی پر صد شکر اس کا کیمرہ سلامت تھا۔

کچھ دیر بعد وہ مسٹر جوزف کے ہمراہ ان کی گاڑی میں بیٹھ رہا تھا۔ نیل نے بیگ اس کی جھولی میں رکھ دیا اور پھر ہاتھ کے انگوٹھے اور آخری انگلی سے فون کا اشارہ کیا۔

وہ گاڑی سے ہٹ کر کھڑا ہو گیا اور پھر کچھ دیر بعد گاڑی اس کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئی۔ گیٹ کے باہر اسے چند کیمرہ مین نظر آئے۔ آہ یہ میڈیا والے کبھی کسی کو اکیلا نہیں چھوڑتے۔

"سمجھ نہیں آتا یہ ڈیفالٹ پیس خوش قسمت ہے یا بد قسمت؟" وہ اب کمر پر دونوں ہاتھ دھرے پر سوچ انداز لیے کھڑا رہا پھر سر جھٹک کر خود بھی خارجی گیٹ کی جانب بڑھ گیا۔ جو بھی تھا وہ اس کا بیسٹ فرینڈ تھا۔ ولیم سے زیادہ اُسے کوئی نہیں جانتا تھا۔

جبکہ مسٹر جوزف کی گاڑی اب قدیم عمارتوں کے درمیان بنی شاہراہ سے گزر رہی تھی۔

"کیسی طبیعت ہے اب؟" اس کے سر پر بندھی پٹی پر نظریں جماتے مسٹر جوزف نے پوچھا اور اگلے ہی پل ان کی نظر ولیم کے ہاتھ پر لگے پلستر پر پڑی۔ رنگ برنگے پہاڑ واضح تھے۔ انہیں شدید کوفت ہوئی۔

"میں ٹھیک ہوں۔" وہ شیشے سے سر ٹکائے باہر دیکھ رہا تھا۔ کبھی کبھی کچھ راستے ہمیں تکان کے سواء کچھ نہیں دیتے۔ وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ لمبے ہوتے ہیں بلکہ وجہ ہمسفر ہوتا ہے۔ ان چاہا ہمسفر۔

ولیم کو لگا نہیں تھا مسٹر جوزف اسے لینے آئیں گے۔ مسٹر جوزف نے کنکھیوں سے اسکی مڑی ہوئی گردن دیکھی۔ ولیم

اُن کی وہ اولاد تھا جس نے سب سے زیادہ اُنکا نقصان کیا تھا، جس نے سب سے زیادہ پریشانی دی تھی، جس کی پرورش سب سے زیادہ چیلنجنگ رہی تھی۔ وہ بیٹا جو اُن کے پاس ہو کر بھی اُنکا نہیں تھا۔ انہوں نے گہرا سانس لیتے رخ موڑ لیا اور ولیم یہی چاہتا تھا کہ مسٹر جوزف کوئی بات نہ کریں۔ وہ ان سے اِس کے دورے کے بارے میں نہ پوچھیں۔ ورنہ وہ چھپا نہ پاتا اور اگر انہیں پتا چل جاتا تو؟؟ اس سے آگے وہ سوچنا نہیں چاہتا تھا۔

وہ باہر دیکھتا رہا۔ سرمئی ایڈنبرا آج اتنا روشن کیوں لگ رہا تھا؟ بلکہ جب سے وہ واپس آیا تھا سب بدلا بدلا سا تھا۔

روشن روشن یوں جیسے ہر چیز میں روشنی بھر گئی ہو اور اس کے ساتھ ہی خالی پن بھی۔ آخر کیا وجہ تھی؟

کہیں لمحے وہ یونہیں سر ٹکائے سوچتا رہا پر کسی نتیجے پر نہیں پہنچ پایا۔ سر دکھنے لگا تو اس نے مزید سوچنا ترک کر دیا۔ شیشے سے سر ٹکائے آنکھیں موند لیں۔

اور تمہیں کیا لگتا ہے اے انسان! تم گواہی دو کہ اللہ ایک ہے اور پھر سب پہلے جیسا رہ پائے گا؟ کبھی نہیں۔

✿••✿••✿••✿

ولیم، مسٹر جوزف کے ساتھ گھر آیا تو نساء اور نینی اس کا بے تابی سے انتظار کر رہی تھیں۔ نینی نے اس کی ڈھیروں بلائیں لیں۔ جوزف پیلس میں اس کے آنے سے رونقیں بڑھ جاتی تھیں۔

"میرا بچہ جانے کس کی نظر لگ گئی ہے۔" نینی بار بار اس کا ماتھا چوم رہی تھیں۔ وہ کتنی ہی دیر ان کے پہلو میں ٹکا رہا۔ نساء اس کے لیے گرم سوپ بنا لائی۔

مسٹر جوزف اسے پیلس چھوڑ کر جا چکے تھے۔ جارج کی پڑھائی مکمل ہو چکی تھی۔ وہ فائنل اگزامز دے آیا تھا اور اب پوری دلجمعی سے مسٹر جوزف کے ساتھ کام کر رہا تھا۔ جس فلم میں جینی رابرٹ بطور ہیروئن کام کر رہی تھی جارج اس فلم سے اپنی ہدایتکاری کا Debut کر رہا تھا اس لیے اس کا زیادہ وقت اسٹوڈیو میں گزرتا۔ وہ مسٹر جوزف کا بازو بننے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔ گھر کا بڑا بیٹا جسے باپ کا نام روشن کرنا تھا پر کیا تم جانتے ہو جب باپ کا نام پہلے سے ہی روشن ہو تو اولاد کو اس مقام تک اپنا نام لانے کے لیے کڑی تگ و دو کرنی پڑتی ہے اور اس وقت

جارج اسی تگ و دو میں مصروف تھا اور نساء گھر کی بیٹی ہونے کا فرض پورا کر رہی تھی کیونکہ اس کی پرورش نینی نے کی تھی۔ نینی کی کافی زمہ داریاں اس نے اپنے سر لے لی تھیں۔

اس وقت بھی اس نے گرم گرم سوپ کا پیالہ ولیم کے سامنے رکھا۔

"نینی میرا بالکل دل نہیں ہے۔" وہ تھکا ہوا تھا اور یہ تکان اس کے چہرے سے واضح تھی۔ سر کی پٹی اتر گئی تھی لیکن ٹانکوں والی جگہ پر ایک چھوٹی سی پٹی جمی تھی۔

جبکہ ہاتھ پر چڑھا پلستر اسے الجھن دے رہا تھا اور اس وقت اسے اپنے ہاتھ میں درد محسوس ہو رہا تھا۔

"چلو شاباش جلدی سے ختم کرو پھر دواء بھی لینی ہے۔" نینی نے چوبیس سالہ ولیم کو پیار سے پچکارہ اور ولیم جو اس وقت بالکل بھی حواس میں نہیں تھا وہ خاموشی سے بنا کچھ کہے سوپ کا پیالہ پی گیا۔ کچھ دیر بیٹھا رہا۔ نساء نے اسے دواء دی اور پھر اُس کا بازو پکڑتے اسے اس کے کمرے میں چھوڑنے جانے لگی۔ نینی سیڑھیاں نہیں چڑھ پاتی تھیں۔ وہ انہیں سیڑھیاں چڑھتے دیکھتی رہیں۔

"میں چار سال کا بچہ نہیں ہوں نساء چھوڑو میرا ہاتھ۔" وہ اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا جسے نساء نے اپنے بازو میں اڑا لیا اور کندھے پر اس کا بیگ لٹکا رکھا تھا جسے وہ چھوڑ ہی نہیں رہا تھا۔ اس بیگ میں اس کی جیکٹ تھی اور جیکٹ کے اندر نکاح نامہ جو اس کی موت جیسا تھا۔

"چار سالہ نہیں چوبیس سالہ بد دماغ بچہ۔" وہ ہولے سے مسکرائی۔ وہ دونوں اب سیڑھیاں چڑھ رہے تھے۔ ولیم عجیب سی کوفت میں مبتلا تھا۔ جسمانی درد تو تھا ہی پر ذہن پوری طرح الجھا ہوا تھا اور وجہ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ وہ اکثر مہینوں کے دوروں پر نکلتا تھا۔ خطرناک ترین علاقوں میں جاتا تھا۔ جنگلوں بیابانوں میں۔ پر کبھی وہ اتنا

نڈھال نہیں ہوا تھا جتنا اس وقت محسوس کر رہا تھا۔ پچھلے دو دن نیل نے اسے محسوس نہیں ہونے دیا پر اب اسے شدت سے محسوس ہوتا تھا جیسے کچھ کھو گیا ہو۔ عجیب سا خالی پن اتر آیا تھا۔ نینسی کی موت کے بعد سے جوزف پیلس اسے کبھی خوشحال نہیں لگا پر یہ خالی پن۔ یہ تو جان لیوا ء تھا۔

"ویسے کیسا رہا پاکستان کا وزٹ؟" اس کے کندھوں تک آتی سرخ بالوں والی نساء نے اس کے جانب جھکتے سرگوشی کی۔

"ٹھیک تھا۔" وہ بس اتنا ہی کہہ پایا۔ سر بھاری ہو رہا تھا۔ سیڑھیاں چڑھنے کے بعد وہ اب راہداری سے گزر رہے تھے۔

"بس ٹھیک؟ جان پر کھیل کر گئے تھے تم وہاں۔"

جان پر کھیل کر تو وہ بیاہ رچا آیا تھا۔ یہ نساء کو کون بتاتا؟ کیا تم بتاؤ گے؟

"ہاں یہ تو ہے۔" وہ بس اتنا ہی کہہ پایا۔ وہ اب کمرے کے دروازے پر پہنچے۔ نساء نے ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھولا اور بتیاں جلا دیں۔ کمرہ روشن ہو گیا۔ اس کا کمرہ ہمیشہ صاف ستھرا رہتا تھا اور اسے صاف رکھنے کی زمہ داری نساء نے اپنے زمہ لے لی تھی۔ وہ تیزی سے آگے بڑھتا بیڈ پر بیٹھ گیا۔ نیند پلکوں پر اتر آئی۔ پپوٹے بھاری ہو گئے۔ شاید دواء کا اثر تھا۔ وہ بس سو جانا چاہتا تھا۔ اس نے پوری آنکھیں کھول کر نساء سے اپنا بیگ الماری میں رکھنے کو کہا۔ پھر اس نے دیکھا وہ بیگ الماری میں رکھ رہی تھی۔ اب وہ اس کے جوتے اتار رہی تھی۔

بہنیں بھی کتنی عجیب ہوتی ہیں۔ بھائی سے چھوٹی سی لڑائی پر پورا گھر سر پر اٹھا لیتی ہیں اور پھر بھائی کی فکر بھی ماں جیسے کرتی ہیں۔ وہ لیٹ گیا اور پھر اسے کچھ ہوش نہیں رہا۔ نساء اسے کمبل اوڑھاتی، بتیاں بجھاتی، ایک دھیمی روشنی والا

لیمپ جلاتی اس کے کمرے سے باہر نکل گئی۔ دوپہر سے شام ہوئی اور پھر رات سر اٹھانے لگی وہ یونہی بے سود سویا رہا۔

اور پھر اچانک احساس سے اس کی آنکھ کھلی۔ کچھ دیر وہ یونہی لیٹا رہا پھر آنکھیں کھول دیں۔ وہ چت لیٹا تھا۔ نظریں اب چھت پر جمی تھیں۔ سر ابھی تک بھاری تھا اور پھر اس نے دائیں کروٹ لی پر اگلے ہی پل وہ بے ساختہ چلا اٹھا۔ اس کی نظروں کے سامنے ہی بڑی سی دیوار گیر کھڑکی کے ساتھ رکھے ڈبل سیٹر صوفے پر وہ دونوں بیٹھی تھیں۔

وہ چلاتے ہوئے اٹھ بیٹھا۔ سامنے ہی صوفے کے ایک ہونے پر نینسی بیٹھی تھی۔ سفید شب خوابی کے لباس میں بلونڈ بالوں والی نینسی ٹانگ پر ٹانگ دھرے بیٹھی تھی اور صوفے کے دوسرے کونے پر وہ تھی اس کی اکلوتی بیوی فجر معراج! سفید شلوار قمیص پہنے، اونچی پونی کیے، وہ بھی ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھی تھیں۔ وہ دونوں اسے ہی گھور رہی تھیں۔ ولیم نے بے ساختہ آنکھوں کو مسئلہ لیکن وہ ابھی بھی وہیں تھیں۔

اس نے تین چار بار اپنا سر جھٹکا۔ شاید دواء کا اثر ہو۔

پر وہ تو ابھی بھی وہیں تھیں۔

"سیریسلی؟" وہ نینسی سے بے ساختہ مخاطب ہوا۔

"تم اکیلی کیا کم تھی؟" وہ اب گہرے سانس لے رہا تھا۔ بال الجھے پڑے تھے اور ہاتھ پر بندھے پلستر نے مانو اسے معذور کر دیا تھا۔ داہنے ہاتھ سے بیٹھے بیٹھے بال سنوارے اور پھر آنکھیں بند کیے چند گہرے سانس لیے۔

جان گیا تھا اس کی بیماری میں نینسی کے ساتھ اب فجر بھی اس کے ساتھ رہا کرے گی۔ پھر اس نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ دونوں ایک سے تاثرات لیے اسے دیکھ رہی تھیں۔ نینسی کی نظریں جتاتی ہوئی تھیں جبکہ فجر کی اسے ہڑپ کرنے والیں۔

"اسے کیوں لائی ہو؟" اس نے نینسی سے سوال کیا۔

"میں؟ میں کب لائی ہوں۔"

فجر اور نینسی نے بیک وقت رخ موڑ کر ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر رخ ولیم کی جانب کیا۔ سینے پر بازو جمائے وہ دونوں جیسے ولیم کا حظ اٹھا رہی تھیں۔

"تم لائے ہو اسے۔ غالباً یہ تمہاری وائف ہے۔" تپانے والی مسکراہٹ لیے وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ ولیم نے فجر کو دیکھا۔ وہ اسی لباس میں تھی جس میں اُس نے فجر کو قبول کیا تھا۔ وہ اُسے ہی دیکھ رہی تھی۔

وہ رخ پھیر گیا ہاں اس نے پھر سے قبول کیا کہ وہ اتنی ہی Breathtaking تھی۔

"وائف تو بنالیا پر بزدل انسان مجھے چھوڑ کر آ گیا۔۔" لہجے میں کاٹ سموئے وہ طنزیہ مسکرائی اور اگلے ہی پل ولیم بیڈ سے نیچے اترا۔ وہ ننگے پاؤں نرم ملائم سے قالین پر کھڑا تھا۔ وجود میں عجیب سی جنبش تھی۔ وہ جانتا تھا یہ حقیقت نہیں تھا یہ وہم تھا۔ لیکن یہ وہم کیوں ہو رہا تھا؟ نینسی تک تو ٹھیک تھا یہ فجر کیوں؟ دماغ گھوم گیا۔

"تم دونوں پلیز جاؤ یہاں سے۔۔" وہ اب رخ موڑے بولا۔ انداز میں جھلاہٹ تھی۔ گھبراہٹ تھی۔ کچھ دیر وہ یونہی کھڑا رہا تھا پھر رخ پلٹ کر صوفے کی جانب دیکھا تو وہ دونوں ڈھیٹ وہیں بیٹھی تھیں۔ تیوری چڑھ گئی۔

"کیا مصیبت ہے یار۔۔" وہ بڑبڑاتا ڈریسنگ روم میں گھس گیا جس کے ساتھ واشروم اٹیچ تھا۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ فریش ہو کر اپنے کمرے میں واپس آیا تو اس کی ایک اور چیخ ابھرتے ابھرتے رہ گئی۔

نساء اس کے کمرے کے وسط میں کھڑی ہاتھ وہ جیکٹ لیے، اس کی جیبیں چیک کر رہی تھی، جس میں نکاح نامہ تھا اور اس کا کیری کھلا پڑا تھا ساتھ ہی وہ بیگ بھی جو اس نے الماری میں رکھوایا تھا۔ کیری سے وہ دھونے والے کپڑے نکال کر ملازمہ کو دے چکی تھی جو کمرے سے باہر کھڑی تھی۔

"یہ کیا کر رہی ہو تم؟" اگلے ہی پل وہ تیزی سے اس کی جانب بڑھا اور جیکٹ جھپٹ لی۔ دل پسلیاں توڑ کر باہر نکلنے کو تیار تھا۔ پہلے تو نساء، ولیم کی اس حرکت پر حیران ہوئی پھر اُس نے ولیم کے سرخ ہو چکے چہرے کو دیکھا۔

"وہ میں لانڈری کے لیے کپڑے اٹھانے آئی تھی۔" "پہلے یہ کام نینی دیکھا کرتی تھیں پر اب نساء نے سنبھال لیے تھے۔ کام ملازم کرتے تھے بس وہ اپنی نگرانی میں کرواتی تھی۔

ولیم نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا بلکہ بیگ اٹھا کر جیکٹ سمیت اسے کمرے میں بنی چھوٹی سی الماری میں رکھ دیا۔ نساء اسے الجھی نظروں سے دیکھتی رہی۔

ولیم کی نیند پوری ہو چکی تھی بلکہ فجر اور نینسی کو ایک ساتھ دیکھ کر آنکھیں کھل چکی تھی۔

"اس میں کچھ بھی دھونے والا نہیں ہے اور نہ ہی یہ جیکٹ۔۔" وہ بڑبڑایا۔

"تم ٹھیک ہو؟" وہ اپنی جگہ کھڑی رہی ہلی نہیں البتہ اس نے اشارے سے ملازمہ کو جانے کا کہہ دیا تھا۔

"ہاں میں ٹھیک ہوں۔" وہ بس اتنا ہی کہہ پایا۔ نساء سے نظریں نہیں ملا رہا تھا بلکہ اب فون اٹھائے اس میں یوں مگن ہو گیا جیسے نساء وہاں ہو ہی نا۔ کھلے ٹراؤزر اور گول گلے والی اونی آسمانی شرٹ پہنے وہ بالوں کو سیٹ کر کے باہر آیا تھا۔ بالکل فریش۔

" مجھے تم ٹھیک نہیں لگ رہے ہو۔" وہ پریشانی سے اس کی جانب بڑھی۔ ولیم نے ایک گہرا سانس لیا اور موبائل سے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔

" اس پھٹے سر اور ٹوٹے ہاتھ کے ساتھ میں تمہیں کتنا ٹھیک لگ سکتا ہوں؟" اس نے موبائل ہاتھ میں پکڑے پہلے پیشانی کی جانب اشارہ کیا اور پھر ہاتھ کی جانب۔ انداز جلا بھنا تھا۔ نساء بے ساختہ مسکرا دی۔

"ویسے میں تمہیں بتانے آئی تھی تمہارے گیسٹ آئے ہیں ان سے آ کر مل لو۔۔ "

"گیسٹ؟" ابرو اٹھا کر پوچھا۔ اس کے ایسے کوئی گیسٹ نہیں تھے کو گھر ٹپک پڑتے اور نیل تو گیسٹ میں شامل نہیں تھا۔

"آ کر دیکھ لو۔۔" وہ کندھے اچکاتی کمرے سے نکل گئی۔ کچھ سوچنے کے بعد وہ بھی کمرے سے نکل آیا جیسے ہی وہ سیڑھیوں پر پہنچا یہاں سے لاؤنج کا منظر واضح تھا۔ سامنے ہی جینی رابرٹ، نینی اور نساء کے ساتھ بیٹھی تھی۔ وہ بھی سادہ سے آرام دہ کپڑوں میں تھی۔ بالوں کو جوڑے میں مقید کیے وہ یوں بیٹھی تھی جیسے جوزف پیلس سے اس کا صدیوں پرانا رشتہ ہو۔

جیسے ہی اس کی نظر سیڑھیاں اترتے ولیم پر پڑی اس نے ہاتھ ہلا کر ہائے کیا۔ وہ اب سیڑھیاں اتر کر ان کی جانب بڑھ رہا تھا جیسے ہی وہ قریب پہنچا جینی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ آنکھوں کی چمک واضح ہوئی۔

"گڈ ایوننگ۔۔" وہ زبردستی مسکرایا۔

"ہائے گڈ ایوننگ۔۔" مانو برقی قمقمے جل اٹھے ہوں۔

" مجھے تمہارے ایکسڈنٹ کا پتا چلا تو سوچا عیادت کر لوں۔۔" وہ اسٹوڈیو میں ہونے والے ڈنر کے بعد آج اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ آج بھی اتنا ہی بے زار تھا۔ وہ آدم بے زار تھا یا عورت بے زار؟ جینی سمجھ نہ پائی۔

"شکریہ۔۔" وہ بیٹھ گیا تو جینی بھی بیٹھ گئی۔ نساء غور سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ جینی کی آنکھوں کی چمک وہ دیکھ چکی تھی۔

"میں چائے لاتی ہوں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی ہاں جیسے آنے والے سبھی مہمانوں کے لیے چائے وہی بناتی ہو۔ ولیم کو اس کے اٹھنے پر غصہ آیا۔ نساء نے نینی کو بھی اٹھنے کا اشارہ کر دیا۔ دونوں کو اکیلے بات کرنے دیا جائے۔

" میں ذرارات کے کھانے کا انتظام دیکھ لوں اور بیٹا آپ کھانا کھا کر جانا۔" ولیم کے بھنویں مزید سکڑ گئیں۔ کیا ضرورت ہے بھلا یہ سب کرنے کی؟ جینی ان دونوں کی بات پر صرف مسکرا دی۔ وہ دونوں چلی گئیں تو جینی اس سے مخاطب ہوئی جو چاروں جانب دیکھ رہا تھا سوائے اس کے۔

" پاکستان کا دورہ کیسا رہا؟ "

ولیم نے چونک کر سر اٹھایا۔ "تمہیں کیسے پتا چلا؟"

وہ پوچھنا چاہتا تھا پر پوچھا نہیں۔ اس سے پوچھ کر خود کو ہلکا کیوں کرنا؟ یوں ظاہر کیا جیسے فرق ہی نہیں پڑتا ہو جبکہ اندر کہیں بے چینی سی بڑھ گئی تھی۔

"ڈونٹ وری مسٹر جوزف کو نہیں پتا۔" وہ ہولے سے مسکرائی۔

"آخر تم ثابت کیا کرنا چاہتی ہو؟" اِس بار اُس نے اپنی نظریں جینی کی نیلی آنکھوں میں گاڑھ دیں۔

"یہی کہ مجھے یہاں پہنچنے تک ایک لمبا سفر طے کرنا پڑا ہے۔" ہوں وہ اس کی سوچ پڑھ رہی ہو۔ ولیم کو اس سے خطرناک قسم کی وائبز آئیں۔ ہاں ہوتے ہیں کچھ لوگ جو وائبز محسوس کر لیتے ہیں۔ جن کی چھٹی حس تیز ہوتی ہے۔

"اور تم نے ایسا کیوں کیا؟" صوفے سے پشت ٹکا کر وہ پر سکون ہو کر بیٹھ گیا۔ ہلکے گیلے بال پیچھے کو سیٹ تھے۔ لاؤنج میں جلتے آتش دان باہر کی سردی کو پوری طرح کاٹ رہے تھے۔ جینی نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر اس کے عقب میں لگے مسٹر جوزف کے ڈریکولا جیسے پورٹریٹ کو۔

"کیونکہ مجھے یہ پسند ہے۔۔" پورٹریٹ سے نظریں ہٹا کر ولیم پر جما دیں۔ جتاتی ہوئی نظریں۔ وہ سرمئی رنگ کے گرم ٹریک سوٹ میں ملبوس تھی۔

"کیوں پسند ہے؟" ولیم نے سوال داغا۔ وہ صاف صاف بات کرنا چاہتا تھا۔

"کیونکہ اس میں ایک کشش ہے۔۔"

تم کیا سمجھے وہ جوزف پیلس کی بات کر رہی تھی یا ان کے سپوت کی؟

"کشش جان لیوا ہوتی ہے۔" ولیم نے اب کی بار نظریں اس سے ہٹا دیں۔

"یہ پراسرار ہے۔" وہ ہولے سے بولی۔

"پراسراریت موت ہے۔۔۔"

"یہ کسی فیری ٹیل جیسا ہے۔" وہ پھر سے بولی۔ اسے ولیم کو سننا اچھا لگ رہا تھا۔ وہ بھی اسی کے انداز میں بیٹھی تھی لیکن اس سے نظریں نہیں ہٹائی تھیں۔ ہٹانی بھی کیوں؟

"فیری ٹیلز جھوٹی ہوتی ہیں۔۔ "

"وہ جھوٹی کیوں ہیں؟ "

"پھر وہ ہمیشہ ہنسی خوشی رہنے لگے، فیری ٹیلز کا یہ موٹو ہی جھوٹا ہے۔ اصل زندگی میں لوگ ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ "

وہ زخمی تھا کیونکہ نینسی اسے چھوڑ گئی تھی۔

"پھر بھی فیری ٹیل میں جادو ہوتا ہے اور جادو سب ٹھیک کر دیتا ہے۔۔"

وہ اس کی بات پر استہزائیہ ہنس دیا۔

"اصل زندگی میں جادو کرنے والی نیک اور رحم دل پریاں نہیں ہوتیں بلکہ سیاہ طلسم بکھرانے والی چڑیلیں ہوتی ہیں، ڈائنیں ہوتی ہیں۔ اور ڈائنیں کسی کا گھر نہیں چھوڑتیں۔"

وہ یوں کہتا کس قدر برا لگا تھا۔ آخر اُسکا کسی ڈائن نے بگاڑا تھا؟ سوائے فجر کے جو سانس لینے میں دشواری لاتی تھی۔

"اور پھر کچھ لوگ تمہارے جیسے بھی تو ہوتے ہیں جن پر جادو نہیں چلتا۔" وہ دلکشی سے مسکرائی اور اس کی مسکراہٹ نے ولیم کو مزید کوفت میں مبتلا کیا۔

انسان کتنا کم ظرف ہے نا۔ اپنے پسندیدہ انسان کو دل نکال کر دے دیتا ہے۔ اسے قبول کرتا ہے اسکا سب کچھ قبول کرتا ہے جبکہ ایک عام انسان کو دیکھتا تک نہیں بھلے وہ اپنا سینا چاک کیے دل ہتھیلی پر لیے کھڑا ہو۔

"کیا میں جان سکتا ہوں تم نے یہ سب کیوں کیا؟ "

اس بار اس کا لہجہ سرد تھا۔ اسے پہلیوں میں بات کرنا نہیں پسند تھا۔

"جوزف پیلس کو اندر سے دیکھنے کے لیے۔ جوزف پیلس کے لیے۔۔" وہ اسی دلکشی سے مسکرائی۔ انداز میں ذرا بھی تبدیلی نہیں آئی۔ اگر اسے سیلف کنٹرول تھا تو اسے بہت اچھا آتا تھا۔

"پورا ایڈنبرا، پورا اسکاٹ لینڈ قلعوں سے بھرا پڑا ہے پھر جوزف پیلس میں ایسا کیا ہے؟" وہ اس کی جانب جھکتا دبی دبی آواز میں بولا۔ آنکھوں کا سرد پن واضح تھا۔

جینی کئی لمحے اسے دیکھتی رہی۔ اس کی سرخ ہو چکی رنگت اور اس کی آنکھوں کی بے زاری۔ پھر اس نے گہرہ سانس لیا اور وہ بھی اس کی جانب تھوڑا جھکی۔

"تم۔۔۔ تم ہو یہاں ولیم جوزف!" صاف صاف اور واضح الفاظ۔

ولیم کا چہرہ مزید سرخ پڑا۔ کتنی بے باک تھی۔ پھر وہ اک ادا سے پیچھے ہو بیٹھی۔ آنکھوں میں شرارت واضح تھی۔

"وہ لڑکا جو بائبل ہائی لائٹ کر کے رکھتا ہو، اس سے دلچسپ چیز پورے اسکاٹ لینڈ میں کہیں نہیں ہو سکتی۔"

"میں ایسی حرکتیں اب نہیں کرتا۔" وہ پیچھے ہو ب بیٹھا۔ خفت نے آن گھیرا۔

"اب جو کرتے ہو وہ اس سے بھی خطرناک ہے۔"

رگبی اسٹڈیم میں پاگلوں کی طرح رگبی کھیلتا ولیم اسے پوری جزئیات سے یاد تھا۔ اس نے سوچا پر کہا نہیں۔

"ٹھیک ہے پھر میں چلتی ہوں۔" اچانک ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ آج کے لیے اتنا کافی تھا۔ وہ یونہی بیٹھا رہا۔

"تم مجھے دروازے تک نہیں چھوڑو گے؟" اسے سکون سے بیٹھے دیکھ کر وہ گویا ہوئی۔ اس کے اٹھنے کا انتظار کر رہی تھی۔

"میں تمہیں اٹھا کر نہیں لایا تھا تم جن پیروں پر آئی ہو انہی پر واپس بھی جا سکتی ہو۔"

ڈیفالٹ پیس اپنی جون میں لوٹ آیا۔ جینی رابرٹ نے کھڑے کھڑے مسکراتے سر کو اثبات میں ہلایا اور پھر خدا حافظ کہتی لاؤنج سے نکلتی چلی گئی۔ باہر اسکی گاڑی کھڑی تھی۔ اس کے جاتے ہی ولیم نے گہرا سانس لیا۔ نساء ملازمہ کے ساتھ چائے کی ٹرالی لاتی نظر آئی۔

"ارے وہ چلی گئیں؟" وہ حیران ہوئی جبکہ ولیم نے اثبات میں کندھے ہلا دیے۔

وہ کچھ نہیں جانتا۔ اس نے کچھ نہیں کیا۔ وہ بھلا کبھی کچھ کر سکتا ہے؟

✿••✿••✿••✿

صفدر، فجر کے ہمراہ لوکل آٹو میں رئیس ہیڈ آفس تک پہنچتے پہنچتے بے حال ہو چکا تھا۔ فجر سکون سے آٹو میں بیٹھی تھی۔ اسے عادت تھی۔ عادت نہ بھی ہوتی تو اسے یہ کرنا ہی تھا جبکہ صفدر بار بار چہرے پر امڈ آتا پسینہ صاف کر رہا تھا۔ جیسے ہی وہ عمارت کے قریب پہنچے تو فجر آٹو والے کو پیسے دیتی باہر نکل آئی جبکہ ہچکچاہٹ کا شکار تھا۔ اس کے باپ کے رئیس اورنگزیب سے اچھے مراسم تھے اگر اسے کوئی یہاں یوں دیکھ لیتا تو؟

پورے راستے وہ فجر کو بد دعائیں دیتا آیا تھا اور خود کو بھی۔

کاش فجر اس کی پراجیکٹ پارٹنر نہ ہوتی۔

کاش وہ اس دن مر گیا ہوتا جس دن گروپس بنے تھے۔

کم از کم یہ ذلت نہ سہنی پڑتی۔

فجر نے گردن پیچھے گرا کر شان سے کھڑی کئی منزلہ نیلے شیشوں والی عمارت کو دیکھا جس پر بڑے حروف میں Raees جس کے اوپر بادشاہ کا تاج بنا تھا اور اتنا بڑا کے ساتھ کندہ تھا۔ڈائمنڈ جیسا چمکتا
اور روشن تھا کہ رات کو میلوں دور تک نظر آتا۔

یہ رئیس ٹیکسٹائل کا ہیڈ آفس تھا صرف ٹیکسٹائل کا ہی نہیں بلکہ رئیس کے باقی تمام برینڈز کا ہیڈ آفس تھا۔

"میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔۔"صفدر نے جھک کر خفگی سے کہا۔

"میں نر گسی آدمیوں سے معافیاں نہیں مانگتی۔" وہ سکون سے کہتی گیٹ کی جانب بڑھی۔صفدر کلس کر رہ گیا۔

اندر ملازموں کے علاوہ عام لوگوں کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔صفدر کو گیٹ پر سب بتانا پڑا لیکن وہ اس کا اعتبار کیوں کرتے؟

اس نے جھلاتے ہوئے اپنے باپ کو فون ملایا۔

"تم گاڑی لے کر کیوں نہیں گئے؟"گرجدار آواز گونجی۔

"وہ گاڑی خراب ہو گئی تھی۔" اس نے تھوک نگلتے جھوٹ بولا اور سامنے کھڑی فجر پر سو بار لعنت بھیجی۔فون بند ہو گیا۔

"تم نے مجھے بہت ذلیل کروایا ہے فجر۔۔"

" اونچے بنگلے میں رہنے اور مہنگی گاڑیوں میں گھومنے والوں کو کبھی کبھی مڈل کلاس لوگوں کی ذلالت برداشت کر لینی چاہیے۔زندگی کی حقیقت کا پتا چلتا رہتا ہے۔"

اس کے سکون میں کوئی کمی نہیں آئی۔ کچھ دیر بعد گارڈ نے معذرت کرتے گیٹ کھول دیا۔ یقیناً اسے فون آ گیا ہو گا۔

اگلے دس منٹ بعد وہ دونوں اے سی کی ٹھنڈک میں مراد عالم کے دفتر میں بیٹھے تھے۔ چالیس سالہ مراد عالم رئیس اورنگزیب کا پی اے تھا۔

فجر نے ایک ایک چیز کو بہت غور سے دیکھا۔ ایسا نہیں تھا کہ اسے یہ سب متاثر کر رہا تھا بلکہ وہ اپنے ذہن میں خاکہ تیار کر رہی تھی۔ آنے والے وقت تھا جبکہ اس کا اپنا آفس ہو گا۔ جب فجر معراج کا نام ہو گا اور اسے کوئی یوں ایرا گیرا سمجھ کر گیٹ پر ہی نہیں روک لے گا۔

ہلکی سرمئی دیواریں جو دیکھنے میں ہی سادہ اور پر وقار لگتی تھیں۔ مراد عالم کی پاور چیئر کے پیچھے کئی فوٹو فریم ٹنگے تھے۔ سفید کناروں والے فریم جن میں ہلکے پھلکے آرٹ کی تصویریں تھیں۔

اس نے گہرا سانس لیا اور چوکنی ہو کر بیٹھ گئی جبکہ صفدر تو صوفے پر نڈھال سا بیٹھا تھا۔ اندر آتے ہی اس کی جان میں جان آ گئی تھی۔

وہ کئی لمحے یونہی گزر گئے اور پھر کمرے کا دروزہ کھلا۔

وہ دونوں پاور چیئر کے دائیں جانب رکھے صوفوں پر بیٹھے تھے۔ ایل شیپ قیمتی صوفہ اور شیشے کا نازک سا میز۔

"مجھے ماڈل ڈھونڈ کر دو۔ شالے کلیکشن کے لاؤنچ کے لیے نیا چہرا چاہیے۔ تم جانتے ہو رئیس جیولرز ہمیشہ خوبصورت جیولری کے ساتھ خوبصورت چہرے لاتا ہے۔"

فون پر بات کرتا مراد عالم آفس میں داخل ہوا۔ صفدر سدیھا ہو بیٹھا جبکہ فجر نے گردن مزید اٹھالی۔ دوپٹہ سر سے پھسل کر کندھوں پر گر چکا تھا۔ بال جوڑے میں مقید تھے اور بالوں میں ابھی تک پینسل پھنسی ہوئی تھی البتہ اس وقت آنکھوں پر چشمہ لگا تھا اور یہ چشمہ اس کے چہرے کو مزید حسین بنا رہا تھا۔

کون پاگل کہتا ہے چشمہ لڑکیوں کی خوبصورتی ماند کر دیتا ہے؟ کوئی فجر معراج کو بھی دیکھ لیتا۔

" ہاں رئیس آج واپس آرہے ہیں۔ اوکے ٹھیک ہے شام میں ہم آفس پہنچ جائیں گے۔ بائے۔۔ "اس نے ایک نظر فجر اور صفدر کو دیکھا پھر فون بند کر دیا۔

درمیانہ قد، سلیقے سے جمے بال اور بیج پینٹ پر سفید ڈریس شرٹ پہنے مراد عالم اب فون بند کرتا ان کی جانب بڑھا۔

" السلام علیکم!"صفدر اٹھ کھڑا ہوا۔ فجر کو بھی اٹھنا پڑا۔ ویسے بھی وہ یہاں اپنے کام سے آئی تھی۔

" وعلیکم السلام!" دونوں نے مصافحہ کیا اور اگلے نظر مراد عالم کی فجر پر پڑی۔ ایک پل کے لیے وہ ٹھٹک گیا۔ فجر نے سر ہلا کر سلام کرنے پر اکتفا کیا۔

"میں ذرا بزی تھا لیٹ ہو گیا۔ حسین صاحب نے بتایا تھا آپ لوگوں کے آنے کا۔ میں نے فیکٹری سے کچھ کپڑا منگوایا ہے مجھے امید ہے آپ لوگوں کو پسند آئے گا۔"

وہ کہہ صفدر سے رہا تھا لیکن دیکھ فجر کو رہا تھا۔ نہیں ایسا نہیں تھا کہ انہیں خوبصورت چہروں کی کمی تھی۔

پاکستان کی ٹاپ ماڈلز ان کے پاس تھیں لیکن ہوتا ہے ایک چہرہ جو مخصوص ہوتا ہے۔ ویسا ہی چہرہ تھا فجر معراج کا تھا۔

"کوئی بات نہیں۔ وہ دراصل ہم جو کاسٹیوم بنا رہے ہیں اس کے لیے کپڑا صرف رئیس ٹیکسٹائل سے ہی مل سکتا ہے۔ اس لیے ہمیں یہاں آنا پڑا" صفدر نے جھینپ کر صفائی دی۔

"بیٹھیں آپ لوگ میں کچھ پینے کو منگواتا ہوں۔ تسلی سے بات کرتے ہیں۔" وہ اپنے میز کی جانب بڑھ گیا۔ اس نے انٹر کام پر آڈر دیا۔

"Three Pina Cloada Please"

اس نے نان الکوحلک کوکٹیل منگوائی تھی عام طور پر انناس کے رس، ناریل کے دودھ یا کریم اور برف سے بنایا جاتا ہے۔ گرمیوں کے موسم میں بہترین ہوتا ہے۔

وہ آڈر دیتا واپس ان کی طرف آیا اور پھر سامنے صوفے پر ٹک گیا۔

"تو کیا بنا رہے ہیں آپ لوگ؟" وہ اب تفصیل پوچھنے لگا۔

صفدر اور فجر نے اپنے کاسٹیوم کی کچھ تفصیلات فراہم کیں۔ مرام عالم کی نظریں بار بار فجر کی جانب اٹھ رہی تھیں اور فجر پل کے ہزارویں حصے میں یہ محسوس کر چکی تھی اور اگلے ہی پل اس کے چہرے پر ناگواری ابھری۔

کچھ دیر بعد آفس بوائے جوس کے گلاس رکھ کر چلا گیا۔

نچ کے شفاف snifter گلاس میں، جس کا پیندہ چوڑا اور اوپر کی جانب تنگ تھا، سفید رنگ کا پینا کولا ڈاوا ضح تھا۔

گلاس کے کنارے پر لگا انناس کا ٹکڑا اسے مزید رسیلا بنا رہا تھا۔ مراد عالم نے جیسے ہی اپنا گلاس اٹھایا تو ان دونوں نے بھی باری باری اٹھا لیا۔

"تو فیشن ڈیزائننگ انٹرسٹ ہے آپ کا؟" اب کی بار اس نے فجر سے براہ راست پوچھا۔

"کاسٹیوم ڈیزائننگ۔۔" اس نے واضح کیا۔

"ایک ہی بات ہے۔۔" وہ مسکرایا۔

"ایک ہی بات نہیں ہے۔" وہ نہیں مسکرائی۔ آنکھیں چھوٹی کر کے مراد عالم کو دیکھا جو چالیس سال کا ہو کر بھی کافی فٹ تھا۔

ہنہہ امیر لوگ بوڑھے بھی جلدی نہیں ہوتے! تڑخ کر سوچا۔

"تو آپ کاسٹیوم کس کے لیے ڈیزائن کریں گی؟" اسے فجر کا اعتماد اچھا لگا۔

"جن کی قسمت میں ہو گا میرا ڈیزائن پہننا ہو گا۔۔"

مراد عالم کا بے ساختہ قہقہہ بلند ہوا۔

"ویسے Gen Z کے بارے میں، میں نے سنا تھا کہ یہ Overconfidence لوگوں کا گروہ ہے۔ تم لوگوں سے مل کر یقین ہو گیا۔"

اس کے بات کرنے کے انداز میں ٹھہراؤ تھا۔ کیا سبھی پیسے والوں کے پاس اتنا اعتماد ہوتا ہے؟ کیا وہ یونہی کسی پر بھی حکمنٹ دے دیتے ہیں؟ وہ بھنویں سکیڑے اسے دیکھے گئی جبکہ صفدر کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

فجر چپ تھی؟ اگر وہ فلٹر فری بولنے لگ گئی تو؟

اس کی زبان کے جوہر مراد عالم نہیں سہہ پائے گا۔ اس نے بے ساختہ تھوک نگلا۔

"نہیں میں اوور کانفیڈنس نہیں ہوں میں جانتی ہوں مجھے کیا کرنا ہے۔ میرا مقصد واضح ہے۔" وہ نارمل لہجے میں کہتی مسکرائی۔ صفدر نے بے ساختہ سکھ کا سانس لیا۔ اس سے پہلے مراد عالم کچھ کہتا دروازہ پر دستک ہوئی۔ اس کے یس کہنے پر دروازہ کھلا۔

"باس وہ میٹریل آچکا ہے۔" ایک لڑکے نے اندر داخل ہوتے اطلاع دی۔

"اوکے لیٹس گو۔" وہ گلاس رکھتے اٹھ کھڑا ہوا۔ ساتھ ہی صفدر اور فجر کو بھی اٹھنا پڑا۔ اس بار اُس نے فجر کی ہائٹ پر دھیان دیا۔

"Not Bad"

وہ دل ہی دل میں ستائشی بولا۔ اور کچھ دیر بعد وہ آفس سے نکل کر بائیں جانب چلتے ہوئے راہداری کے آخر میں میٹریل روم تک آئے۔ اندر داخل ہوئے تو کمرے کی ساری بتیاں روشن تھیں اور ان کے سامنے ہی لمبے لمبے میزوں پر میٹریل بچھا تھا۔ فجر کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

سرخ اور سفید کپڑے کی مختلف ورائٹی تھی۔ صفدر نے فجر کو اشارہ کیا۔ منتخب اسے ہی کرنا تھا۔ وہ اب سب بھلائے ایک ایک میز پر بچھا کپڑا ہاتھ سے چھو چھو کر دیکھ رہی تھی۔ نیٹ کا بہترین کپڑا آنکھوں کو خیرہ کر رہا تھا۔

"میں فریش ہو کر آتا ہوں تم دیکھو۔" صفدر ایکسکیوز کرتا باہر نکل گیا جبکہ فجر اپنے کام میں منہمک تھی۔ ہاں اسے ایسا ہی کچھ چھاہیے تھا۔ جو ریشم سے زیادہ ملائم اور پانی سے زیادہ شفاف ہو۔

چہرے سے سنجیدگی واضح تھی۔ چھ لمبی میزوں پر تین سفید رنگ کے کپڑے کا مواد اور تین پر سرخ کا مواد رکھا تھا۔ جبکہ مراد عالم اب ایک میز سے ٹیک لگائے، سینے پر بازو جمائے، ٹانگوں کی کینچی بنائے کھڑا تھا۔ وہ فجر کو سر سے پیر تک گھور رہا تھا اور یہ نظریں ہوس کی ماری نہیں تھیں بلکہ ان میں ستائش تھی وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

"اگر میرا ایکسرے ہو گیا ہو تو کیا آپ مجھے ان کپڑوں کی قیمتیں بتا سکتے ہیں؟" اس نے گردن اٹھا کر مراد عالم کو دیکھا۔ لہجے میں سرد پن تھا۔ مراد عالم ایک پل کے لیے گڑبڑا گیا پر اگلے ہی لمحے اس نے خود پر قابو پا لیا۔ وہ پیشہ ورانہ انداز میں مسکرایا۔

"اور تمہیں کیوں لگا میں تمہارا ایکسرے کر رہا ہوں؟" الٹا سوال اُبھرا۔ اسے وہ لڑکی دلچسپ لگ رہی تھی۔

"جہاں مرد کی آنکھ میں ایکسرے مشین فٹ ہوتی ہے وہیں عورت کے اندر سینسر لگے ہوتے ہیں۔ وہ اپنی جانب اٹھنے والی ہر نظر پہچان لیتی ہے۔" اس نے گردن اٹھائے ب۔غیر کہا۔ کپڑے کی چھ مختلف ورائٹی میں سے اسے دو پسند آگئی تھیں اور آنکھوں کی چمک بڑھ گئی۔

"اور تمہیں کیا لگتا ہے میں تمہیں کس نظر سے دیکھ رہا ہوں؟" اگلا سوال ابھرا۔

"بدقسمتی سے آپ مجھ میں ایک ماڈل ڈھونڈ رہے ہیں۔"

اس بار گردن اٹھالی۔ آنکھیں مراد عالم کی آنکھوں میں گاڑھ دیں۔ مراد عالم کی مسکراہٹ غائب ہوئی پر وہ یونہی کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ وہ کیسے جان گئی تھی؟ کیا اسے ادارک ہوتے ہیں؟

"مجھے سرخ رنگ کی یہ ورائٹی جبکہ سفید رنگ کی وہ ورائٹی چاہیے۔" اس نے مسکرا کر دو مختلف میزوں کی طرف اشارہ کیا۔ انداز نارمل تھا۔

"تو کیا میرا تمہیں ایک ماڈل کی نظر سے دیکھنا غلط ہے؟"

اگلا سوال داغا کیا۔ مراد عالم کی پیشانی کی لکیر مزید گہری ہوئی۔ یہ صرف فجر معراج کا اعتماد نہیں تھا بلکہ کچھ اور تھا جو اسے دلچسپ بنا رہا تھا لیکن کیا؟ وہ اسے دیکھتے سوچنے لگا۔

"آپ کا مجھے میری مرضی کے بنا دیکھنا بھی غلط ہے۔" وہ اسی سکون سے بولی۔ چہرے پر تپانے والی مسکراہٹ تھی۔

مراد عالم ہنس دیا۔

"تو پھر تمہیں گھر بیٹھنا چاہیے۔ فیشن ڈیزائنگ تمہارے بس کا کام نہیں۔" وہ بھی اسی کے انداز میں بولا۔ چہرے پر تمسخر واضح تھا۔

فجر نے سکون سے اُس کی بات سنی اور پھر وہ دو قدم بڑھاتی آگے آئی۔ بازو سینے پر باندھ لیے۔

"سر! میں اس خوف سے گھر ہر گز نہیں بیٹھ سکتی کہ لوگ مجھے بری نظروں سے دیکھیں گے البتہ میں دیکھنے والے کی آنکھیں ضرور نکال سکتی ہوں۔" اس بار لہجے کی ٹھنڈک نے لاہور کی گرمی کو مات دے دی۔ مراد عالم ستائش سے اسے دیکھے گیا۔ اس سے پہلے وہ کچھ کہتا دروازہ کھلا اور صفدر اندر آیا۔

"میں میٹریل منتخب کر چکی ہوں۔ صفدر ان سے پیمنٹ پوچھ لیں پھر ہمیں چلنا ہے۔" اس نے رخ صفدر کی جانب کیا۔ صفدر نے بے ساختہ مراد عالم کو دیکھا جو مسکرا دیا۔ کچھ دیر بعد ان کا مطلوبہ کپڑا پیک ہو چکا تھا۔ فجر کو اپنے سر سے بڑا بوجھ اترتا محسوس ہوا۔ وہ دونوں ایک بات پھر مراد عالم کے آفس میں تھے۔

"ہم یہ سامان آٹو پر نہیں لے جا سکتے۔ میں گاڑی منگوا رہا ہوں۔" اس نے فجر کی جانب جھک کر سرگوشی کی۔

"میں رائڈ کروا چکی ہوں ڈونٹ وری گاڑی آتی ہو گی۔" وہ قدرے سکون سے بولی۔ صفدر گہرا سانس لیتا رہ گیا۔

کچھ دیر بعد ان کا میٹریل نیچے گاڑی تک پہنچا دیا گیا۔ وہ دونوں اب مراد عالم کے آفس سے اسے خدا حافظ کرتے باہر نکل رہے تھے جب عقب سے آنے والی آواز پر دونوں رک گئے۔

"مس فجر معراج کیا آپ رئیس جیولرز کے لیے ایک فوٹو شوٹ کریں گی؟" صفدر جہاں حیران ہوا وہیں فجر کے لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ اُبھری۔ وہ جانتی تھی جلد یا بدیر اسے یہ آفر ضرور آئے گی۔ مراد عالم ان کے عقب سے نکلتا سامنے آیا۔

" شالے کلیکشن ہماری اب تک کی بہترین کلیکشن ہے۔ ڈائمنڈز کی یہ جیولری مارکیٹ میں آگ لگانے والی ہے۔ مغربی طرز پر بنا یہ زیور آنکھوں کو خیرہ کرنے والا ہے اور اس کے لیے ہمیں ایسا چہرہ چاہیے جو۔۔ "

"میں ماڈلنگ یا فوٹو شوٹ میں انٹرسٹڈ نہیں ہوں۔" اس کی بات کاٹ کر فجر نے انکار کیا۔

"سوری؟" مراد عالم کو لگا جیسے اس نے غلط سنا ہو۔

کوئی رئیس جیولرز کی آفر کیسے ٹھکرا سکتا ہے؟

"میں نے ابھی آپ کو انکار کیا ہے۔ میں انٹرسٹڈ نہیں ہوں۔ "

صفدر کی رنگت پھیکی پڑی جبکہ مراد عالم کے چہرے پر سایہ سا آ کر گزر گیا۔

"فجر یہ صحیح وقت نہیں ہے۔" صفدر نے سمجھانا چاہا۔ وہ نہیں چاہتا تھا مراد عالم کو کچھ برا لگے ورنہ بات اس کے باپ تک جاتی۔

ماربل کے چمچماتے فرش پر بنے مختلف کیبنز میں لوگ اپنے اپنے کاموں میں مگن تھے۔ یہ ہیڈ آفس تھا اور یہاں ڈیزائن تیار کیے جاتے تھے۔ کئی اسکرینوں پر اس وقت زیورات کے نایاب ڈیزائن چمک رہے تھے۔ کئی لوگ کاغذوں پر ہاتھ سے اپنی مہارت اتار رہے تھے۔

"ماڈلنگ نہیں کرو گی تو کیا کرو گی؟" مراد عالم کا سوال برجستہ تھا۔ کام کرتے کئی ورکرز نے سر اٹھا کر اپنے آفس کے باہر کھڑے مراد عالم کو دیکھا جو ایک لڑکی سے بات کر رہا تھا۔ آواز یہاں تک نہیں آتی تھی لیکن لگتا تھا بات ضروری تھی۔

"کیا یہ کوئی نئی ماڈل ہے؟" اپنے اپنے کیبن میں شیشے کی دیوار کے آر پار بیٹھے ورکرز اب سرگوشیاں کر رہے تھے۔

"جس طرح انہیں مراد عالم کے آفس میں بٹھایا گیا ہے لگ تو یہی رہا ہے۔۔" پر تجسس نگاہیں بار بار ان کی جانب اٹھ رہی تھیں۔

"ماڈلز ہائر کروں گی۔" برق رفتاری سے جواب آیا۔ مراد عالم کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔

"دیکھتے ہیں۔" اس بار وہ سامنے سے ہٹ گیا۔ زندگی میں کسی نے پہلی بار رئیس جیسے برانڈ کے لیے کام کرنے سے منع کیا تھا۔

"دیکھتے رہیے۔" وہ مسکرا کر کہتی آگے بڑھ گئی۔

"ایم سوری۔" صفدر نے شہادت کی انگلی سے کنپٹی کے قریب گول دائرہ بنایا جیسے کہہ رہا ہو یہ تھوڑی پاگل ہے۔ مراد عالم کچھ نہ بولا۔ وہ چمچماتے فرش پر قدم آگے بڑھاتے نکلتے چلے گئے۔

دوسری منزل سے نیچے اترتے وہ اب وہ خارجی دروازے کی جانب بڑھ رہے تھے۔ گھومنے والا آٹومیٹک گلاس ڈور جو گھومتا رہتا تھا باہر ابھی بھی کافی دھوپ تھی اور شیشوں سے اندر آتی دھوپ ماربل سے ٹکرا کر وہ چمک پیدا کر رہی تھی کہ آنکھیں چندھیا جاتیں۔

"کسی کا لحاظ کر لیا کرو۔" وہ دونوں اب ساتھ چلتے لڑ رہے تھے۔ باہر رائیڈر ان کا انتظار کر رہا تھا۔

"میں نے کوئی بدلحاظی نہیں کی۔" وہ فوراً بولی۔

"تم سہولت سے انکار کر سکتی تھی" وہ کوفت زدہ بولا۔ شرمندگی نے آن گھیرا تھا۔

"سہولت سے ہی انکار کیا ہے۔۔" گلاس ڈور کے دہانے پر چمکتے ماربل سے بچنے کے لیے فجر نے بے ساختہ آنکھوں کے سامنے ہاتھ کیا اور اسی پل گھومتے گلاس ڈور سے رئیس اور نگزیب اندر داخل ہوا۔ گرے ڈریس پینٹ پر گرے ہی کاٹج کی ڈریس شرٹ پہنے، سن گلاسز آنکھوں پر جمے تھے۔

اسے دیکھتے ہی آتے جاتے اور کام کرتے لوگ چوکنے ہو گئے۔ ریسپشن پر بیٹھی لڑکی کھڑی ہوئی۔

رئیس کے ایک قدم پیچھے عروزہ تھی۔ نیلی پینٹ پر کاٹن کا ٹاپ پہنے اونچے پونی والی عروزہ کی ساری حسیات رئیس کی جانب متوجہ تھیں۔ جیسے ہی وہ لوگ اندر داخل ہوئے exit سے فجر اور صفدر باہر نکل گئے۔

بدی کے بادشاہ اور ملکہ معلون کا آمنا سامنا ہوتے ہوتے رہ گیا۔

باہر آتے ہی ان کی آوازیں دم توڑ گئیں وہ اب تیزی سے گیٹ کی جانب بڑھ رہے تھے جس کے باہر ان کی ٹیکسی کھڑی تھی۔

"رئیس سے آفرز خوش قسمت لوگوں کو ملتی ہیں۔۔"

"پھر جان لو فجر معراج ان خوش قسمت لوگوں میں شامل نہیں ہے۔۔" وہ دونوں اب گاڑی میں بیٹھ رہے تھے۔ ان کا سامان اندر رکھ دیا گیا تھا۔

"پلیز اے سی آن کر دیں۔" صفدر نے بیٹھتے ہی ڈرائیور سے کہا۔

"آخر تم رئیس برانڈ کے بارے میں کیا جانتی ہو؟" وہ غصہ تھا۔

"رئیس پاکستان کا ایک بڑا برینڈ ہے۔ سالوں تک رئیس جیولری تک محدود رہا پھر آہستہ آہستہ ترقی کر کے رئیس ٹیکسٹائل میں بھی آ گیا۔ رئیس ٹیکسٹائل کا کپڑے پاکستان کے چھوٹے بڑے ہر برینڈ تک جاتا ہے یہاں تک کہ لوکل مارکیٹس میں بھی۔ اس کے علاوہ رئیس پاکستان کے بڑے شہروں میں اپنے ہوٹلز کی چین کھول چکا ہے اور اس سب کا مالک چالیس سالہ رئیس اورنگزیب ہے جو ایک اچھا ماڈل بھی ہے۔ اس کے جیولری ڈیزائن دنیا کے مہنگے ترین ڈیزائنوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ رئیس اورنگزیب شہر کی جانی مانی شخصیت ہے۔ اس کی شخصیت ایسی ہے کہ لوگ اسے دل و جان سے پسند کرتے ہیں۔ وہ ایک ایکسٹرورٹ شخص ہے جہاں جاتا ہے لوگوں کو اپنا گرویدہ کر لیتا ہے۔ وہ ملکی اور غیر ملکی فیشن شوز میں حصہ لیتا ہے۔ وہ فیشن شوز اسپانسر کرتا ہے۔ جہاں تک مجھے لگتا ہے آنے والے چند سالوں میں رئیس کا سٹیوم ڈیزائننگ کی طرف بھی متوجہ ہو جائے گا ہو گا۔"

اس نے ایک ہی سانس میں پوری کہانی سنا دی صفدر منہ کھولے حیرت سے اسے دیکھے گیا۔ اتنا تو وہ بھی نہیں جانتا تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے میں رئیس ہیڈ آفس جاؤں گی اور مجھے کچھ بھی معلوم نہیں ہو گا؟" اس نے استہزائیہ نظروں سے صفدر کو دیکھا جس کی زبان بند ہو چکی تھی پھر اس نے رخ موڑ لیا۔ اب وہ گاڑی سے باہر تیزی سے پیچھے کی جانب بھاگتے نظاروں کو دیکھ رہی تھی۔

کچھ لوگ نام کی طرح قسمت کے بھی رئیس ہوتے ہیں اور رئیس اور نگزیب میں ایسا کیا تھا کہ قدرت اس پر یوں مہربان تھی۔ وہ تلخی سے سوچے گئی۔

✿••✿••✿••✿

دن گزرنے لگے پر ولیم کی طبیعت عجیب ہوتی گئی۔ ایک ہاتھ وہ کوئی کام ڈھنگ سے کر نہیں پاتا تھا اور دوسرا اندر کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ ایک وحشت تھی جو جانے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ کسی کام میں دل نہ لگتا۔ اس نے خود کو کبھی اتنا بے بس محسوس نہیں کیا جتنا اس وقت محسوس کر رہا تھا۔ فی الوقت ٹریول کر نہیں سکتا تھا اور ایک ہاتھ سے وہ اپنا کیمرہ بھی ٹھیک سے نہیں اٹھا پاتا تھا۔ وحشتیں بڑھنے لگیں تو اس نے نیل کے کلاسز جوائن کر لیے۔ دھیان بھٹکانے کے لیے وہ جانے کیا کیا کر رہا تھا پر دھیان بھٹک ہہ نہیں رہا تھا اور

پھر ایسی ہی ایک شام وہ نیل کے بلانے پر ایڈنبرا پہنچ گیا۔

پورے ایڈنبرا میں سرمئی شام اب دھیرے دھیرے رات میں ڈھل رہی تھی۔ شہر کے وسط میں، روشنیوں کے بیچوں بیچ ایک ریستوران کی اوپننگ کی جا رہی تھی۔

Neels Cafe

ہاں ٹھیک جانا تم نے۔ یہ نیل کا ہی کیفے تھا۔ باپ ڈاکٹر تھا پر نیل نے ولیم کے ساتھ ہی بزنس کی پڑھائی کی تھی۔ میڈیکل میں اسے دلچسپی نہیں تھی اور جاب کا اس کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اس کی ماں، یعنی مسز پٹیل بہت اچھی کک تھیں۔ سوچ بچار کے بعد انہوں نے ایڈنبرا میں اپنا کیفے کھول لیا جہاں سکاٹش کے ساتھ ساتھ انڈین کھانا بھی دستیاب تھا۔

کیفے کی اوپننگ میں مسٹر پٹیل کے گھنے چنے دوست مہمان تھے اور باقی سب نیل اور ولیم کے کلاس فیلوز تھے۔

ولیم نے جوزف پیٹرسن کے بیٹے ہونے کا پہلی بار فائدہ تھا۔

وہ ٹوٹے ہاتھ کے ساتھ ہی آیا تھا۔ پلستر والے ہاتھ کو بیلٹ میں ڈال کر اور بیلٹ کو ایک جانب سے گردن سے گزارا گیا تھا تاکہ ہاتھ ہلے جلے نا۔ سوفٹ بیج بیگی پینٹ پر کافی رنگ کی کھلی گول گلے والی اونی شرٹ پہنے وہ کاؤنٹر کے قریب میز کے اوپر چڑھا بیٹھا تھا۔ کتھئی بال نفاست سے سیٹ تھے اور گول گلے والی شرٹ کے اوپر سنہری چین چمک رہی تھی۔

لوگ آجارہے تھے۔ آج کسی تقریب کی طرح میزوں کو کھانوں سے سجایا گیا تھا تاکہ لوگ کھانے کے بعد کھانے کا ذائقہ جان سکیں۔ کھانا مفت تھا۔ جاننے والوں کے لیے بھی اور انجان لوگوں کے لیے بھی۔

لوگ جہاں کھانے کے لیے آرہے تھے وہیں شان سے بیٹھے ولیم جوزف کے ساتھ تصویریں لی جارہی تھیں۔ بیشک وہ خود کسی کا کام نہیں تھا پر باپ جوزف پیٹرسن تھا اور وہ پہلی بار فائدہ اٹھا رہا تھا۔

نیل کے اسی جیسے کپڑے پہن رکھے تھے فرق صرف یہ تھا کہ اس کی شرٹ کا رنگ تھوڑا ہلکا تھا۔

"ویسے اچھے لگ رہے ہو۔۔" وہ اس کے قریب آیا۔

"اور تم اتنے ہی منحوس!" ولیم نے بغیر کسی لگی لپٹی کے کہا تھا تو نیل کی بتیسی دکھائی دی۔

کیفے میں عجیب سا شور تھا۔ لوگوں کے بولنے کی آوازیں، چمچ کانٹوں کی، میوزک کی۔

"ویسے تمہیں کیا لگتا ہے جارج آئے گا؟" نیل نے جارج کو دعوت دی تھی اور جارج آج کل اتنا مصروف تھا کہ ولیم نے پچھلے کئی دنوں سے اس کی شکل نہیں دیکھی تھی۔

ولیم کے ساتھ ساتھ نیل کے جارج کے ساتھ بھی اچھے تعلقات تھے۔وہ تینوں اکثر کیمنگ کے لیے جاتے تھے پر جیسے جیسے وقت گزرتا گیا کافی کچھ بدل گیا۔

"کیوں اس کے بنا تمہارا کھانا ہضم نہیں ہو گا؟" ولیم نے موبائل سے سر نہیں اٹھایا۔وہ موبائل دیکھ رہا تھا۔ اسکرین سے پھوٹتی نیلی روشنی میں اس کا چہرہ واضح تھا۔پیشانی کا زخم بھر چکا تھا۔

"کھانا تو میرا ہضم ہی رہتا ہے لیکن آج کل کچھ بھوک محسوس نہیں ہو رہی۔" نیل نے ایک ٹھنڈی آہ بھری۔

"پھر کسی پر کرش ہو گیا ہو گا۔" وہ دیکھ موبائل کو رہا تھا پر کان نیل کو سن رہے تھے۔

"اس بار یہ کرش سے کچھ زیادہ ہے۔" دل میں گدگدی سی ہوئی۔ولیم نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔اس سے پہلے وہ کچھ پوچھتا یا کہتا ریستوران کے باہر ایک لمبی چمچماتی سیاہ گاڑی آ کر رکی۔

دروازہ کھلا اور چمچاتے بوٹ دکھائی دیا اور اس کے ساتھ ہی جارج باہر نکلا۔سیاہ ڈریس پینٹ میں، سفید شرٹ پہنے، سیاہ کوٹ کو بازو پر پھیلائے وہ شان سے کھڑا تھا۔

وہ جارج تھا جوزف پیٹرسن کا بڑا بیٹا۔اسے پورا ایڈنبرا جانتا تھا۔وہ ہر موقع پر ہر تقریب میں مسٹر جوزف کے ساتھ ہوتا تھا۔اسٹار لائٹ اسٹوڈیو کا وارث اور آج وہ آن بان شان میں بالکل مسٹر جوزف لگ رہا تھا۔

نیل اور ولیم گلاس ڈور سے اسے دیکھ بے ساختہ اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے، ولیم کے ہاتھ سے موبائل گرتے گرتے بچا جبکہ نیل کا جبڑا کھل کر نیچے گر چکا تھا۔

لوگوں نے اسے دیکھا اور پہچان لیا۔لوگ منہ پر ہاتھ رکھے اسے حیرانی سے دیکھنے لگے۔موبائل کے کئی کیمروں کی فلیش لائٹ میں وہ چلتا ہوا اندر آیا۔

"یہ جارج ہے نا؟ تمہارا بھائی جارج؟ اپنا جارج؟" ولیم کے پہلو میں کھڑے نیل نے ذرا سا جھک کر سرگوشی کی۔ دونوں ہاتھ کمر پر جمے تھے اور منہ ابھی تک کھلا ہوا تھا۔ خوشبوؤں میں رچا بسا ہلکے گھنگھریالے بالوں والا جارج لمحہ لمحہ ان کے قریب ہو رہا تھا۔

"ہیلو بوائز۔۔" وہ ان کے قریب آ کر رکا۔ ولیم اور نیل حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھے گئے۔ اگر اسے گرومنگ کہتے تھے تو یہ ورلڈ بیسٹ گرومنگ تھی۔ پہلے وہ اسٹوڈنٹ تھا اور اب وہ اسٹار لائٹ پروڈکشن ہاؤس کا ڈائریکٹر تھا۔

"مبارک ہو۔" اس نے اک وقار سے اپنا ہاتھ نیل کی جانب بڑھایا۔ ولیم اور نیل کی گردن ایک ساتھ جھکی، نگاہیں اب اس کی قیمتی گھڑی پر جم گئیں۔ وہ آنکھیں پھاڑے اس کی گھڑی دیکھ رہے تھے۔

"کیا ہوا تم دونوں کو؟" انہیں بت بنے دیکھ کر جارج گویا ہوا۔ نیل اور ولیم کے رد عمل نے اسے محظوظ کیا تھا۔ آس پاس کھسر پھسر ہو رہی تھی۔ وہ دونوں کسی خواب سے جاگے۔

نیل نے مسکرانے کی کوشش کی پر چہرے کی حیرت کم نہ ہو سکی۔ اس نے جارج کا ہاتھ تھام لیا۔

"تم تو پہچانے نہیں جا رہے۔" نیل نے بے ساختہ اسے گلے لگایا۔ جارج نے مسکرا کر کندھے اچکا دیے۔

"تم ٹھیک ہو؟ بخار تو نہیں ہو گیا؟" ولیم نے اپنا ہاتھ بڑھا کر جارج کی پیشانی چھوئی۔ ڈرا سہما جارج دِنوں میں بدل گیا تھا۔ یہی پریکٹیکل لائف کی پاور ہے۔ انسان کے اندر اعتماد آتا ہے۔ شخصیت میں وقار اور ٹھہراؤ آ جاتا ہے۔ انسان جب اپنے پیروں پر کھڑا ہو جائے تو اس سے بہترین Glow Up کوئی نہیں ہوتا۔

"سر تمہارا پھٹا ہے میرا نہیں۔" جارج نے اس کا ہاتھ جھٹکا۔

مسز اور مسٹر پٹیل سے ملنے کے کچھ دیر بعد وہ تینوں ایک گول میز کے گرد دھری کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ برقی قمقموں کی چمک میں سارا منظر حسین لگ رہا تھا۔

"ویسے کیفے کھول کر بیٹھ گئے ہو کوکنگ کا سی بھی آتا ہے تمہیں؟" اس کا کوٹ کرسی کی پشت پر ٹنگا تھا۔

"میں مالک ہوں کوکنگ شیف کرے گا میں نہیں۔" نیل نے ناک سے مکھی اڑائی۔

"خیر چلو تم میں سے کسی ایک کو تو عقل آئی۔" فرنچ فرائز کی پلیٹ سے اس نے فرائز اٹھاتے منہ میں ڈالی۔

آج تو اس کی شان ہی نرالی تھی۔ لوگ اسے دیکھ رہے تھے۔ بلکہ ان دونوں کو۔ فخر سے جارج کے کندھے چوڑے ہو گئے۔

"اس کی عقل تو ایکسڈنٹ کے بعد دماغ سے نکل کر کہیں گر گئی ہو گی۔"

اس نے استہزائیہ کہتے ولیم کو دیکھا۔ چہرے پر تپانے والی مسکراہٹ تھی اور ولیم کے لیے تو اس کا یہ روپ ہضم کرنا ہی مشکل تھا۔ آج کل اس کے لیے سب کچھ مشکل تھا۔ خود کو سمجھا بجھا کر وہ یہاں لایا تھا لیکن ذہن بھٹکا ہوا تھا اور کہاں تھا یہ وہ نہیں جانتا تھا۔ ولیم نے اسے صرف ایک گھوری سے نوازہ۔ آج کل اس کا بات کرنے کا بھی دل نہیں کرتا تھا۔

"میں فریش ہو کر آتا ہوں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ جانے کیوں دل یہاں سے بھاگ جانے کو کر رہا تھا۔ وہ واشروم کی جانب بڑھ رہا تھا جب اس کی نظر آخر میں ایک کونے والی میز پر بیٹھے شخص پر پڑی۔ وہ ٹھٹھک کر رکا۔

سفید جالی دار ٹوپی اوڑھے ایک ادھیڑ عمر آدمی اکیلا بیٹھا تھا۔ ولیم کے ٹھٹھک کر رکنے کی وجہ اس کی ٹوپی تھی۔ شور تھم گیا اور وقت ساکت ہوا۔ ولیم کی آنکھوں کے سامنے مسجد کا وہ منظر گھوم گیا جب اس نے کلمہ پڑھا تھا۔ اس ٹوپی نے اسے کہیں پیچھے کھینچ لیا تھا۔ وہ بے اختیار ہی اس شخص کی جانب بڑھا۔

"میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟" قریب پہنچ کر اس نے اس شخص کو مخاطب کیا۔ وہ کھانا کھا رہا تھا۔ اپنے ہاتھوں سے پلیٹ میں رکھے دال چاول یہ شاید اس کا آخری نوالہ تھا۔

آدمی نے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر وہ مسکرا دیا۔

"خدا کی زمین پر تم کہیں بھی بیٹھ سکتے ہو بیٹا۔ میں منع کرنے والا کون ہوتا ہوں؟" پھر اس نے کھانے سے ہاتھ روک لیا اور ٹشو سے انگلیاں صاف کیں۔ اس کا موبائل میز پر رکھا تھا۔ اس سے پہلے ولیم مزید کچھ کہتا اس شخص کا موبائل بج اٹھا۔

"اللہ اکبر، اللہ اکبر۔۔"

عشاء کا وقت تھا۔ اس شخص نے اذان الارم لگا رکھا تھا اور ولیم کو لگا کسی نے اس کا دل مٹھی میں جکڑ لیا ہو۔ یہ الفاظ اسے یاد تھے۔ چونکہ آواز بہت آہستہ تھی لیکن وہ با آسانی سن سکتا تھا۔ وہ شخص خاموش تھا اور ولیم کچھ بول نہیں پایا۔ ایک۔۔۔ دو۔۔۔ تین اور جانے کتنے لمحے گزر گئے۔ موبائل بند ہو گیا۔ اذان ختم ہو گئی اور ولیم کے سامنے پاکستان میں گزارا آخری دن کسی فلم کی مانند گھوم گیا۔ اس کے چہرے کی رنگت بدل چکی تھی۔

"کیا تم ٹھیک ہو؟" آدمی نے اب نرم لہجے میں ولیم سے پوچھا۔ وہ خوبرو سانولا جوان انہیں ٹھیک نہیں لگ رہا تھا۔

ولیم چونک کر خیالوں سے باہر نکلا وہ کئی لمحے خالی خالی نگاہوں سے اپنے سامنے بیٹھے آدمی کو دیکھے گیا۔ اس کے چہرے پر بہت سکون تھا۔ ایک شفیق پن تھا۔

"میں نہیں جانتا۔" وہ بس اتنا ہی کہہ پایا۔ آنکھوں میں بے یقنی رقم تھی۔ اس شخص نے پہلے ولیم کی پیشانی کو دیکھا جہاں ٹانکوں کے نشان تھے اور اور پھر اس کے ہاتھ کو۔ پھر وہ گویا ہوا۔

"کیا تم نے کبھی پاکستانی یا انڈین کھانا کھایا ہے؟" ولیم نے اثبات میں سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ وہ دونوں ملک گھوم چکا تھا اور دونوں ملکوں کا کھانا کھایا تھا۔

"میں کافی سالوں سے یہاں موجود ہوں۔ پٹیل سے اچھے تعلقات ہیں اور آج یہاں انڈین کھانا کھانے آیا ہوں۔ ماشاءاللہ بہت مزیدار ہے۔" وہ پھر سے مُسکرایا۔ اس شخص کی مسکراہٹ مرہم کا کام کر رہی تھی ولیم کو سکون سا محسوس ہوا۔

" آپ کہاں رہتے ہیں؟"

"میں Stirling سے آیا ہوں۔۔ "

یہ ایڈنبرا کے قریب ایک خوبصورت قصبہ ہے جسے "**سٹرو تھسائی**" یا Stirling کہتے ہیں۔ یہ قصبہ اپنی تاریخی اہمیت اور خوبصورت مناظر کے لیے جانا ہے۔ ایڈنبرا سے پچیس میل کے فاصلے پر موجود یہ قصبہ Stirling Castle کی وجہ سے مشہور ہے۔

"کیا تم پریشان ہو؟" اس نے ایک بار پھر ولیم سے پوچھا۔

"پتا نہیں۔" اس بار ولیم نے رخ موڑ کر گلاس وال سے باہر دیکھا۔

"ایسا لگتا ہے کچھ کھو گیا ہے۔ ایک خالی پن ہے جو جانے کا نام ہی نہیں لے رہا" وہ یونہیں باہر دیکھے گیا۔ سڑک کے اس پار نظر آتی کافی شاپ کو۔

"جو کھو گیا ہے اسے ڈھونڈ لو" آدمی سے چہرے پر شفیق سے مسکان سجاتے کہا۔

"کیسے پتا چلے گا کیا کھویا ہے میں نے؟" اس نے رخ پلٹ کر دوبارہ اپنے سامنے بیٹھے شخص کو دیکھا۔

"جسے دیکھ کر، جسے سوچ کر دل کو سکون محسوس ہو بس جان لو تمہیں وہی تمہارا گمشدہ حصہ ہے۔"

ولیم بس انہیں دیکھے گیا کچھ نہ بولا۔

"زیادہ ہواؤں میں اڑنے کی ضرورت نہیں ہے یہ بس کاغذی رشتہ ہے۔" وہ کسی بلا کی طرح حاضر ہوئی۔ ولیم ساکت بیٹھا رہ گیا۔ سینے کے مقام پر شدید جلن اٹھی۔

اور تبھی جارج کی نظر ولیم پر پڑی۔ اس کی تیوری چڑھ گئی، اگلے ہی پل اس نے فون نکال کر ولیم کا نمبر ملایا۔ فون کے تھرتھرانے پر ولیم جیسے کسی ٹرانس سے باہر نکلا۔ جارج کا نمبر دیکھ کر وہ بے ساختہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"تھینک یو۔" وہ آدمی کا شکریہ ادا کرتا واشروم کی جانب بڑھ گیا۔ اندر آکر وہ اب واش بیسن کے سامنے کھڑا ہوا۔ کئی لمحے خود کو آئینے میں دیکھتا رہا۔ موبائل پینٹ کی جیب میں ڈالا اور پانی کا وال کھول کر ایک ہاتھ کی مٹھی بھر بھر کر پانی منہ پر پھینکنے لگا۔ سینے میں عجیب سا دہکاؤ تھا۔ کچھ تھا جو جل رہا تھا۔ وہ واش بیشن پر جھکا ہوا تھا پھر اس نے چہرہ اٹھا کر خود کو دیکھا۔

اسے اپنا آپ اجنبی سا لگا۔ یہ ولیم جوزف نہیں تھا۔

آئینے میں وہ خود کو دیکھے گیا۔ خوبصورت چہرے سے پانی ٹپک رہا تھا۔ پھر وہ سیدھا ہوا اور بے اختیار اپنے سینے کو مسلا لیکن جلن کم نہ ہوئی۔ مزید بڑھتی گئی اور اگلے ہی پل اس نے ہاتھ کا مکا بنا کر پوری قوت سے شیشے پر دے مارا پھر وہ رکا نہیں۔ ایک دو تین وہ مکے مارتا گیا۔ جبڑے بھنچے ہوئے تھے۔ آنکھوں سے لہو ٹپک رہا تھا اور پھر ایک چھناکے سے کانچ ٹوٹ گیا۔ اس کا ہاتھ ٹوٹے شیشے پر جما رہا۔ کانچ ٹوٹ کر ہاتھ میں گھس گیا۔ گرم گرم سرخ سیال ہاتھ سے بہتا سفید واش بیسن پر گرنے لگا۔ ہاتھ کی تکلیف محسوس ہوئی تو سینے کی تکلیف دور جا سوئی۔

"ولیم یہ کیا کر رہے ہو؟" نیل اسے دیکھنے آیا تھا اور پھر ٹوٹے ہوئے شیشے پر اس کی لہو ٹپکاتی ہتھیلی دیکھ کر وہ تڑپ کر اس کی جانب کیا۔ کندھے سے کھینچ کر اس کا رخ اپنی جانب کیا۔

"پاگل ہو گئے ہو تم؟ یہ کیا کیا؟" وہ اب اس کی کا ہاتھ پکڑے ہاتھ میں گھسے کانچ کو دیکھ رہا تھا۔ زخم سے رستے خون کو دیکھ کر اسے بے اختیار ابکائی آئی۔

"ڈیڈ۔۔۔" اگلے ہی لمحے وہ پوری قوت سے چلایا اور پھر چند لمحوں بعد پورا نیل کیفے خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔

وہ جبڑے بھنچے بیٹھا تھا جبکہ ڈاکٹر پٹیل اس کے ہاتھ کی پٹی کر رہے تھے۔ نیل حیران تھا جبکہ جارج کے پیشانی پر لکیریں واضح تھیں۔ کچھ مہمان جا چکے تھے۔ کچھ وہیں موجود تھے۔ عجیب سی سرگوشیاں ہو رہی تھیں۔

کئی لوگ اس کی تصویریں کھینچ چکے تھے۔ جارج نے ایک گہرا سانس لیا۔ جانتا تھا ایک اور خبر سوشل میڈیا پر گردش کرنے والی تھی۔

"آخر یہ ولیم انہیں سکون کی زندگی کیوں نہیں جینے دیتا؟"

✿••✿••✿••✿

تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ جارج کے ساتھ اس کی گاڑی میں بیٹھا گھر کی جانب رواں تھا۔ڈرائیور گاڑی چلا رہا تھا اور گارڈ اس کے ساتھ آگے بیٹھا تھا جبکہ وہ دونوں بھائی پیچھے تھے۔ولیم سیٹ سے کمر ٹکائے آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا جبکہ جارج کے چہرے پر سنجیدگی تھی وہ فون ہاتھ میں پکڑے سوشل میڈیا پر چلنے والی خبر دیکھ اور سن رہا تھا۔

کیفے میں موجود لوگوں میں سے کسی نے ولیم کی ویڈیو بنالی تھی لہو ٹپکاتا ہاتھ اور ٹوٹا ہوا شیشہ۔

"مشہور شخصیت مسٹر جوزف پیٹرسن کے چھوٹے بیٹے نے اپنے ہی دوست کے کیفے میں، خود پر تشدد کرتے اپنا ہاتھ زخمی کر لیا۔سننے میں آیا ہے حال ہی میں ولیم جوزف کا ایکسڈنٹ ہوا تھا۔لوگ جاننا چاہتے ہیں کیا مسٹر جوزف کے چھوٹے بیٹے کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے؟"

جارج نے گہرا سانس لیتے فون بند کر کے اپنے اور ولیم کے درمیان سیٹ پر پھینک دیا۔میڈیا کو تو خبر چاہیے تھی جو انہیں مل گئی تھی۔وہ اب خود کو کمپوز کر رہا تھا۔

چہرہ موڑ کر ایک نظر ولیم کو دیکھا۔وہ سر ٹکائے کتنے سکون سے لیٹا تھا۔چہرہ اب پر سکون تھا۔ہاتھ پر لگا زخم گہرا تھا جبکہ بیج پینٹ پر خون کے دھبے واضح تھے۔

کبھی کبھی انسان اندر کی اذیت کو ختم کرنے کے لیے باہری تکلیف کا سہارا لیتا ہے ولیم نے بھی یہی کیا تھا۔

"ولیم۔۔"اس نے آواز دھیمی رکھنے کی کوشش کی۔ولیم کی بند آنکھوں میں حرکت ہوئی۔

"سن رہا ہوں۔۔"وہ قدرے سکون سے بولا۔

"یہ سب کیا ہے؟"جارج غصہ دبانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ڈرامہ! مجھے خبروں میں آنا تھا۔"سکون سے کہتا وہ جارج کو سلگا گیا۔

"بکواس بند کرو۔" وہ دبا دبا چلایا۔ اسے اپنی اور اپنے باپ کی حرمت عزیز تھی۔

"تم شروع ہی نہ کرو۔" ڈیفالٹ پیس اب ریچارج ہو چکا تھا۔

جارج نے بے ساختہ چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ اس نے ایک نظر اگلی سیٹوں پر بیٹھے ڈرائیور اور گارڈ کو دیکھا جو اس کے باپ کے وفادار تھے پر اس نے اپنا سر سیٹ پر گرا لیا۔ بالکل ولیم کے انداز میں۔ پھر وہ دھیمی آواز میں گویا۔

"میں دیکھ رہا ہوں جب سے تم پاکستان سے آئے ہو بدلے بدلے ہو۔" لہجے کی سختی برقرار رکھی۔

"بدل تو تم بھی گئے ہو۔ میں نے تو وجہ نہیں پوچھی۔"

اس کی بات سن کر جارج نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"میں نے صرف اپنی ذمہداری اٹھائی ہے۔ آخر کسی کو تو آگے آنا ہی تھا۔"

"اچھا پھر مبارک ہو۔ تم کامیاب ٹھہرے۔" لہجے میں طنز تھا۔

"ولیم۔" جارج احتجاجاً چلایا۔

"کیا تم اپنا منہ بند رکھ سکتے ہو؟" وہ بدقت بولا۔ اب نقاہت محسوس ہو رہی تھی۔ دل کر رہا تھا سال چھ ماہ کے لیے سو جائے۔

"اگر تمہاری یہی حرکتیں رہیں تو مجھے ڈیڈ کو بتانا پڑے گا۔۔" اس نے دھمکی دی۔ شاید کام آجائے پر ولیم کی جانب سے کوئی جواب نہیں آیا۔ اس نے آنکھیں تک نہیں کھولیں۔ کئی لمحے خاموشی چھائی رہی۔

"کیا تمہاری بیماری لوٹ آئی ہے؟" جارج کی آواز گونجی۔۔

ولیم کے دل کو کسی نے آری سے چیر دیا۔اس نے دانت پر دانت جما لیے۔ہونٹ بھینچ لیے۔چہرے پر اذیت کی داستان پھیلی تھی۔

بیماری؟کیا وہ بیمار تھا؟کب سے ؟اگر یہ بیماری تھی تو وہ ہمیشہ سے بیمار تھا۔اس نے سالوں پہلے ہی خود کو سمجھا لیا تھا کہ اسے ایسے ہی جینا تھا۔اس کی بیماری کبھی گئی ہی نہیں تھی۔نینسی کے جانے بعد تو بڑھ گئی تھی۔اسے اب یہ اب نارمل لگتا تھا پر جو آج کل ہو رہا تھا وہ نارمل ہر گز نہیں تھا۔

"جوزف پیٹرسن کا بیٹا ولیم جوزف ذہنی طور پر بیمار تھا۔۔"

اسے تکلیف پہنچانے کے لیے یہ الفاظ کافی تھے۔

"میں ٹھیک ہوں جارج!برائے مہربانی میری فکر چھوڑ دو۔۔"

جارج نے تاسف سے اسے دیکھا۔وہ بڑا بھائی تھا۔وہ مہاراجہ پیٹر تھا۔اسے اپنے باقی بہن بھائیوں کی حفاظت کرنی تھی لیکن وہ نہیں کر پایا۔نینسی چلی گئی۔ولیم دور جا رہا تھا اور وہ بس دیکھ رہا تھا۔

وہ سب جو بچپن میں خود کو نارنیہ میں پاتے تھے۔نارنیہ کی زندگی جیتے تھے اب بڑے ہوئے تو سمجھ آیا۔

زندگی ناولوں کی کہانیوں سے بہت مختلف ہوتی ہے۔

کبھی کبھی ہماری زندگی کی فیری ٹیلز وہ اینڈ آتا ہی نہیں ہے جس کے بعد سب ہنسی خوشی رہنے لگ جاتے ہیں۔

✿••✿••✿••✿

لاہور کی گرمی میں وقت کے ساتھ ساتھ شدت سے اضافہ ہو رہا تھا۔شام کے چھ بج رہے تھے اور اسٹوڈیو روم کی گلاس ونڈو سے چھن کر آتی سورج کی شعاؤں کی شدت اب کم ہو رہی تھی۔

اسٹوڈیو میں چلتا اے سی کمرے کی گرمی کو کم کرنے کی پوری جدوجہد میں تھا۔

ٹھنڈے فرش پر آلتی پالتی مارے فجر زمین پر بکھرے کپڑے کی کٹنگ کرنے کے بعد اب اسے خاص انداز میں جوڑ رہی تھی۔ ہاتھ میں سوئی دھاگہ پکڑے وہ سرخ جالی دار کپڑے کو پوری توجہ سے اسٹچ کر رہی تھی۔

کئی گھنٹے مسلسل کبھی کرسی پر تو کبھی نیچے بیٹھنے کے بعد اس کی کمر اور گردن اکڑ چکی تھیں۔ ہلکے جامنی رنگ کا کاٹن کا جوڑا پہنے، جو اب شکن زدہ تھا، وہ بالوں کو ہمیشہ کی طرح جوڑے میں قید کیے، ان میں پینسل ٹکائے بیٹھی تھی۔ بڑے شیشوں والی عینک ناک پر دھری تھی اور اس وقت وہ بہت سنجیدہ لگ رہی تھی۔ بالوں کی لٹیں جوڑے سے نکلنے کو بے تاب رہتی تھیں۔

اس سے کچھ فاصلے پر پلاسٹک کا وہ پتلا کھڑا تھا جس پر اس نے اپنے آدھا تیار گاؤن لٹکا رکھا تھا۔ سفید رنگ کا جالی دار گاؤن زمین کو چھو رہا تھا اور اس کا کام ایسا تھا کہ بندہ بس دیکھتا رہ جائے حالانکہ وہ ابھی مکمل نہیں ہوا تھا۔

اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھا صفدر ایک لڑی میں سرخ موتیوں کو پرونے کی کوشش میں تھا پر چمکتے موتی ہاتھ سے پھسلے جا رہے تھے۔ تنگ آ کر وہ بول ہی پڑا۔

"آخر تمہیں کیا ضرورت تھی اتنا مشکل پراجیکٹ اٹھانے کی؟" موتیوں کی لڑی پھینک دی۔ اتنا کام اُس نے اپنی پوری زندگی میں نہیں کیا تھا جتنا فجر معراج نے اس سے چند دنوں میں کروالیا تھا۔

وہ جھنجھلا گیا تھا جبکہ فجر نے اس کی بات سن کر سر نہیں اٹھایا وہ منہمک سی کام کرتی رہی۔ صفدر کی باتیں اتنی اہم نہیں تھیں کہ وہ اپنا وقت ضائع کرتی۔

آج کل اس کا کھانا پینا، اوڑھنا بچھونا سب یہی پراجیکٹ تھا۔ فجر نے اِسے زندگی موت کا مسئلہ بنالیا تھا۔ ارسل کے بعد اُس نے اگر کسی چیز کو اتنی اہمیت اور توجہ دی تھی تو وہ یہ پراجیکٹ تھا۔

یہ صرف پراجیکٹ نہیں تھا یہ وہ سیڑھی تھی جس پر قدم رکھ کر اُسے آگے بڑھنا تھا۔ یہی سیڑھی اُسے اوپر اٹھاتی یا پھر اُسے ڈھا دیتی۔

"فجر تم سن رہی ہو؟" وہ کوفت زدہ بولا۔ ہر چیز سے دل اٹھ گیا تھا۔ اِس پروجیکٹ نے انہیں جسمانی اور ذہنی طور پر بری طرح تھکا دیا تھا۔ آس پاس ٹیلنٹ کی کمی نہیں تھی۔ ہر ایک اسٹوڈنٹ کو یہ موقع چاہیے تھا۔ باقی اسٹوڈنٹس کو شاید مواقع کی کمی نہیں ہو گی پر فجر معراج کے لیے یہ جیسے پہلا اور آخری موقع تھا۔ اسے اپنی بقا کی جنگ لڑنی تھی اس لیے وہ حد درجہ سنجیدہ تھی۔

"بہری نہیں ہوں میں۔" وہ بھنویں سکیڑے بولی۔ گردن ابھی بھی جھکی ہوئی تھی۔ خوبصورت ہاتھ نفاست سے سرخ جالی دار کپڑے کے بازو بن رہے تھے۔

"سب جا چکے ہیں۔ مجھے لگتا ہے پوری یونیورسٹی میں صرف ہم بچے ہیں۔" وہ یہاں سے نکلنا چاہتا تھا۔ فجر نے چہرہ اٹھایا۔ ملکہ معلون کی آنکھوں میں واضح تنبیہہ تھی کہ اسے مزید ڈسٹرب نہ کیا جائے جبکہ صفدر کے چہرے پر بے چارگی ابھری۔

"میں نے تمہیں نہیں روکا تم جا سکتے ہو۔" چہرہ پھر سے جھکا لیا۔ وہ اب سرخ جالی دار بازو جوڑ رہی تھی۔

"میں تمہیں اکیلے چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔" وہ مروتاً بیٹھا تھا واقعی اسے اکیلا نہیں چھوڑ سکتا تھا حالانکہ جانتا تھا اس ڈائن کو دنیا میں کوئی نہیں ڈرا سکتا تھا۔

"ڈونٹ وری میں خود کی حفاظت ایک نرگسی آدمی سے زیادہ کر سکتی ہوں۔" وہ مصروف سی بولی۔ صفدر نے سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ اُسے دیکھا۔

"تمہاری فکر کرنا ہی فضول ہے۔" وہ جھنجھلا کر کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔ بھاڑ میں جائے فجر معراج اور اس کا پراجیکٹ۔

"تمہیں میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ پہلے ہی دبلے پتلے ہو دیکھو کہیں غائب مے ہو جانا۔" وہ اب سرخ بازو اٹھاتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر وہ پتلے کی جانب بڑھی اور ہاتھوں کی جانب سے وہ لمبے دستانے نما بازو اس پتلے کو پہنا دیئے۔ اُن کا آدھا کام ہو چکا تھا۔ پھر اس نے پیچھے ہٹ کر ایک نظر اس پتلے کو دیکھا جس پر ٹنگا سفید گاؤن آدھا مکمل تھا۔ یہ جالی دار بازو بہت خوبصورت لگ رہے تھے۔ ہاتھوں سے ہوتے کہنی سے اوپر تک جا رہے تھے۔ زمین پر پھیلا سفید گاؤن کا گھیر اخوبصورت لگ رہا تھا۔ سرخ و سفید امتزاج کا یہ گاؤن جب مکمل تیار ہو جاتا تو کیا غضب ہوتا؟

"پرفیکٹ۔" وہ زیر لب بڑبڑائی۔ آنکھوں سے عینک اٹھا کر اوپر بالوں پر جمالی۔ آنکھوں کی چمک بڑھ گئی۔

کھڑکی سے آتی سورج کی روشنی اس کے چہرے سے ٹکراتی پلٹ رہی تھی۔ سورج کی روشنی میں اس کی آنکھیں واضح ہوئیں۔ خوبصورت اور ستاروں سے بھری ہوئی آنکھیں۔ وہ جنہیں ایک بار دیکھ لیتی تھیں امر کر دینے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔ وہ سینے پر بازو جمائے کئی پل اس گاؤن کو دیکھتی رہی۔ کھڑکی سے چھن کر آتی روشنی میں فجر معراج پوری کی پوری واضح تھی۔

ڈیفالٹ پیس نے صحیح کہا تھا۔ سرخ، سفید اور جامنی رنگ میں وہ واقعی بیوٹی لگتی تھی۔ ننگے پیر کھڑی وہ دراز قد لڑکی اپنی آنکھوں میں آنے والے وقت کے کئی خواب سجا رہی تھی وہ خواب جن میں وہ بلندیوں پر راج کرتی تھی۔

صفدر اسے گاؤن کو یوں گھورتے ہوئے ہونکوں کی طرح دیکھے گیا۔

"ٹھیک ہے باقی کام کل کرتے ہیں۔۔" وہ پتلے کے سامنے سے ہٹ گئی۔ کھڑکی سے چھن کر آتی دھوپ خالی رہ گئی۔

آہ وہ مزید کھڑی رہتی۔ پر وہ کرسی پر بیٹھی اپنے سیاہ سینڈل پہن رہی تھی۔

"چلو تم الماری کھولو میں سامان سمیٹتی ہوں۔۔" اسٹوڈیو کے اندر اسٹوڈنٹس کے لیے بڑی بڑی الماریاں بنی تھیں جہاں اسٹوڈنٹس اپنا سامان رکھتے تھے۔ صفدر نے تیزی سے آگے بڑھ کر الماری کھولی۔

اب وہ دونوں سامان سمیٹ رہے تھے۔ سارا سامان دھیان سے الماری میں رکھنے کے بعد انہوں نے الماری کو لاک کر دیا۔

ایک چابی صفدر کے پاس ہوتی تھی تو دوسری فجر کے پاس۔

"مجھے بھوک لگی ہے۔" صفدر نے کمر پر ہاتھ رکھتے کہا۔

"ہاں مجھے بھی۔" وہ اب اپنی آنکھیں مسلتے اپنا بیگ اٹھا رہی تھی۔ کاٹن کی بڑی سی چادر کو کندھوں پر پھیلا لیا۔ اسے لو کل ہی گھر جانا تھا۔

"چلو پھر مجھے کھانا کھلاؤ۔"

"میرے پاس تمہاری طرح باپ کا حرام پیسہ نہیں ہے۔"

وہ لحاظ کو طاق پر رکھتی گویا ہوئی، سیاہ نفیس سا لیدر کا بیگ کندھے پر ٹنگا لیا۔

"حلال کا تو ہے نا چلو اس سے کھلا دو۔" صفدر نے بتیسی دکھائی۔ چار سال ہو گئے تھے انہیں ساتھ پڑھتے ہوئے۔ وہ فجر کو کسی حد تک جانتا تھا۔ لیا دیا سا انداز۔ اس کی کوئی خاص دوستیں نہیں تھیں البتہ صفدر کو وہ پسند تھی کیونکہ وہ باقی کلاس فیلوز کی طرح نہیں تھی وہ کھری تھی۔ ہاں کبھی کبھی زیادہ بول کر دل دکھاتی تھی پر اس نے کبھی کسی کی ٹانگ نہیں کھینچی تھی کسی کو نیچے گرانا نہیں چاہا تھا اور چاہتی بھی کیسے؟ اس کا سارا وقت تو اپنے لیے سیڑھی بنانے میں گزر جاتا تھا۔ وہ سیڑھی جو اسے بلندیوں پر لے جاتی پھر ایسے میں کسی کا خیال کیسے آتا؟ کچھ دیر بعد وہ دونوں روم سے باہر نکل رہے تھے۔

"پیسوں کے معاملے میں کوئی رعایت نہیں۔ تم اپنا بل دو میں اپنا دوں گی۔"

"کبھی کبھی دوستوں پر پیسہ لٹا دینا چاہیے۔۔" وہ اسی کے انداز میں بولا۔ یونیورسٹی کے باہر کیفے تھا۔ دونوں اسی جانب جانے کا سوچ رہے تھے۔

"اور تم سے کس نے کہا تم میرے دوست ہو؟" وہ ابرو اٹھائے طنزیہ بولی۔

"کیا نہیں ہوں؟" صفدر نے معصومیت سے آنکھیں پٹپٹاتے پوچھا۔ کچھ اسٹوڈنٹس آتے جاتے نظر آ رہے تھے۔ سورج سارا دن جلتے رہنے کے بعد اب مغرب کی اور جا رہا تھا۔ دھوپ کی شدت میں کمی آ چکی تھی۔

"کلاس فیلو ہو وہی رہو۔" سیاہ سینڈل والے پاؤں آگے دھرتی وہ جلدی دوست بنانے کی قائل نہیں تھی۔

"پراجیکٹ پارٹنر بھی ہوں۔" صفدر نے یاد دہانی کرائی۔

"پراجیکٹ پارٹنر ہو لائف پارٹنر نہیں۔۔" وہ دونوں اب گیٹ کی جانب بڑھ رہے تھے۔ ان کے عقب میں ڈوبتے سورج کی سنہری کرنیں ٹکرا کر واپس پلٹ رہی تھیں۔ سڑک پر ان کے سائے لمبے نظر آ رہے تھے۔ بے پناہ

ٹریفک اور شور سے وہ دونوں نکلتے جا رہے تھے۔ سامنے ہی سڑک کی دوسری جانب کیفے تھا۔ انہیں بس یہ رش زدہ سڑک کراس کرنی تھی۔

"استغفر اللہ میں ایسے خوفناک شوق نہیں پالتا۔"

وہ بدک کر اُس سے دور ہوا۔ مبادہ کہیں ڈائن کا زہر نہ پھیل جائے۔ فجر کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ ابھری۔

ہاں پوری کلاس میں اگر کوئی اس کا خیر خواہ تھا تو وہ صفدر تھا تبھی وہ اس سے لڑ جھگڑ لیتی تھی۔

ہاں وہ فجر معراج تھی۔ وہ کلاس فیلوز کو کلاس فیلوز، کولیگز کو کولیگز اور ہمسایوں کو ہمسایہ ہی کہتی اور مانتی تھی۔ اس کے نزدیک ہر تعلق کی پہچان الگ ہوتی ہے اور ان کی پہچان برقرار رکھی جانی چاہیے۔ وہ جانتی تھی ہر کوئی دوست نہیں ہوتا اور ہر کسی کو دوست نہیں کہا جا سکتا۔

کچھ دیر بعد وہ کیفے کے اندر بیٹھے تھے۔ شیشے کی دیواروں والے کیفے سے اب ڈوبتا سورج کسی آدھے پیالے کی مانند نظر آ رہا تھا۔ کیفے ابھی کھلا ہی تھا۔ پہلے آنے والے گاہک وہی تھے۔ صفدر نے فاسٹ فوڈ آڈر کیا تو فجر نے میز پر سر گرا لیا۔ اس نے اپنے لیے کالڈ کافی منگوائی تھی جبکہ صفدر نے منٹ مارگریٹا۔

"ویسے ایک بات تو بتاؤ۔" کچھ یاد آنے پر صفدر نے پوچھا۔

م انگیجڈ ہونا؟ تمہارا منگیتر تمہیں کیسے جھیلتا ہے؟" وہ تو کہہ کر اپنے موبائل کی طرف متوجہ ہو گیا پر فجر سر نہیں اٹھا پائی۔ جہاں تھی وہیں رہ گئی۔

چہری یکدم ہی سرخ پڑ گیا۔ خوبصورت آنکھیں گلابی ہونے لگیں۔ خود پر جبر کرنا بھی کس قدر مشکل کام ہے نا۔ وہ کئی لمحے جیسے سانس ہی نہیں لے پائی۔ جسم سے ساری جان نکل گئی۔

"منگیتر؟"لب پھڑ پھڑا کر رہ گئے۔

اس نے تو دھتکار دیا تھا۔وہ محلے کی سب سے حسین لڑکی جو جانتی تھی وہ حسن کی ملکہ تھی وہ اب ملکہ ملعون ٹھہری تھی **(ملکہ ملعون؛ دھتکاری گئی، پھٹکاری گئی)**

پھر جیسے کچھ یاد آنے پر وہ سیدھی ہو بیٹھی۔

ویٹر اب صفدر کا مارگریٹا اور فجر کی کولڈ کافی میز پر رکھ کر پلٹ گیا۔کئی ثانیے وہ اپنے سامنے رکھی کافی کو دیکھتی رہی۔

کوئی تھا جو یاد آیا تھا۔

"ولیم ہر کسی پر مہربان نہیں ہوتا۔۔"

آہ وہ فارنر جو کتنا بے باک تھا۔جس نے تعریف کرنے میں ذرا کنجوسی نہیں کی تھی۔صفدر نے گلاس اٹھایا اور اندر جھولتا اسٹرا لبوں سے لگا لیا۔اس کے موبائل پر زوں زوں کی آواز سے میسجز آرہے تھے۔ٹھنڈا جوس اندر گیا تھا وہ چیٹ میں آنے والے کسی میسج پر ہنس دیا۔

کچھ لوگ کتنے خوش نصیب ہوتے ہیں نا؟ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ہنستے رہتے ہیں۔

"میں منگنی شدہ نہیں شادی شدہ ہوں۔"

پھر کی آواز سے صفدر کے منہ سے جوس باہر آیا اور اگلے ہی لمحے وہ بری طرح کھانسنے لگا۔چھینٹے ملکہ معلون تک گئے اور اب وہ کھا جانے والی نظروں سے اسے گھور رہی تھی۔

"اومائی گاڈ؟ یہ کب ہوا؟" گلاس رکھتا وہ فوراً سیدھا ہوا۔ چہرے پر بے یقینی رقم تھی۔ یہ تو سچ تھا وہ جھوٹ نہیں بول رہی تھی پر کب کیسے کیوں؟ وہ حیران تھا۔

فجر کچھ نہ بولی۔ اس نے خاموشی سے کافی کا گلاس اٹھالیا۔ اسٹر ولبوں میں دباتے اس نے ایک نظر صفدر کو دیکھا۔

"اتنا شاکڈ ہونے کی کیا بات ہے؟"

"تم سے شادی کرنے کے بعد وہ اب تک زندہ ہے یا لڑھک گیا؟" وہ حیرانی میں پتا نہیں کیا بول گیا اور پھر اگلے ہی پل زبان دانتوں تلے دبائی۔

"منہ بند رکھو" وہ خفگی سے بولی۔ چہرہ بلاوجہ ہی سرخ پڑا۔ کیا وہ اتنی ظالم بیوی بنتی؟ کیا پتا اس سے بھی زیادہ۔

"ویسے یہ کب ہوا؟" وہ اب سنجیدہ ہوا۔

"جس دن ابا چل بسا تھا۔" ہاں کیسے بھول سکتی تھی وہ دن۔ شاید وہ کبھی نہ بھول پاتی۔ صفدر نے سمجھتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔ جہاں تک اس کے ننھے دماغ کو سمجھ آیا تھا کہ وہ کچھ ایسی کہانی تھی کہ یقیناً فجر کے باپ نے مرنے سے پہلے کسی جاننے والے سے اس کی شادی کروادی ہو گی۔ وہ بتانا نہیں چاہتی۔ وہ ذاتی زندگی کو ڈسکس نہیں کرتی تھی اس لیے اس نے بھی زیادہ نہیں کریدا۔

اور پھر انسان تو وہی ہے جو دوسروں کے غم سے حظ نہ اٹھائے۔ کچھ دیر وہ بیٹھی رہی۔ اماں اور اپنے لیے برگر پیک کروالیا تھا۔ پتا نہیں اماں نے کچھ کھایا ہو گا کہ نہیں۔ یہی سوچتے وہ اپنا اور اماں کا برگر پیک کروا چکی تھی۔

تھکاوٹ کی وجہ سے لوکل سفر کرنا عذاب لگ رہا تھا۔ ٹیکسی کروائی اور پھر اپنا سامان اٹھاتی چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد صفدر نے گہرا سانس لیا۔

"پتا نہیں بیچارہ کیسے جھیلتا ہو گا۔" وہ سر جھٹکتے اٹھ کھڑا ہوا۔ لہجے میں فجر معراج کے شوہر کے لیے افسوس ہی افسوس تھا پر وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ اس کے شوہر نامدار کو جوزف پیلس والے پتا نہیں کیسے جھیل رہے تھے۔

ہک ہاہ ڈیفالٹ پیس !

✿••✿••✿••✿

لمبی سیاہ گاڑی جوزف پیلس کے باہر آ کر رکی۔ شوفر نے آگے بڑھتے دونوں جانب کا دروازہ کھولا۔

پہلے جارج باہر نکلا جبکہ ولیم سیٹ سے پشت ٹکائے غنودگی کی حالت میں تھا۔

"ولیم۔۔؟" اس کی جانب آتے جارج نے اسے کندھے سے پکڑ کر ہلایا۔ ولیم نے آنکھیں کھول دیں اور پھر گاڑی سے باہر نکل آیا۔ چاروں جانب خاموشی کا راج تھا۔ ملازم چھٹی کر کے جا چکے تھے سوائے پہرے داروں کے۔

وہ دونوں متوازن چال چلتے کئی فٹ لمبا جوزف پیلس کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے۔

پیلس میں خاموشی چھائی تھی۔ نینی کی طبیعت آج کچھ ناساز تھی۔ وہ سرے شام ہی اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں۔

نساء کے امتحان چل رہے تھے اس لیے وہ بھی نظر نہیں آئی۔ لاؤنج صاف ستھرا اور ویران پڑا تھا۔

"تم کچھ کھاؤ گے؟" لاؤنج میں پہنچتے ہی جارج نے نے پوچھا۔ ولیم نے نفی میں سر ہلایا۔

"کھانا تو پڑے گا اس کے بعد تمہیں میڈیسن بھی لینی ہے۔۔" وہ اپنا کوٹ صوفے پر ٹکاتے بولا۔ شرٹ کے اوپری دو بٹن کھول لیے۔ چھبیس سالہ جارج آج سے پہلے اتنا شاندار کبھی نہیں لگا تھا جبکہ ولیم ہولے ہولے قدم

اٹھاتا سیڑھیوں کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اسے جاتے دیکھ کر جارج آگے بڑھا اور پھر بازو سے کھینچ کر اسے صوفے پر لا کر بٹھایا۔

"میں کچھ کھانے کو لاتا ہوں۔ ڈیفالٹ پیس یہاں سے ہلنا مت۔۔" انگلی سے اسے وارن کرتے وہ کچن کی جانب بڑھا جبکہ ولیم صوفے پر ٹک گیا۔ آج جو اس نے کیا تھا وہ اس کی بھی سمجھ سے باہر تھا۔ وہ بس سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کے ساتھ ہوا کیا تھا۔

دیواروں پر ٹنگی جلتی مشعلوں والا جوزف پیلس ویران پڑا تھا۔ جانے کتنے لمحے گزر گئے۔ جارج واپس آتا دکھائی دیا۔ ہاتھ مین لکڑی کی گہرے بھورے رنگ کی ٹرے اٹھائے، جس میں رکھا پیالے سے بھانپ نکل رہی تھی، وہ ولیم کی جانب بڑھتا دکھائی دیا۔

"نینی نے تمہارے لیے یخنی بنوا رکھی ہے۔۔" یخنی سے اشتہا انگیز خوشبو اٹھ رہی تھی جو نتھنوں سے ٹکرا بھوک بڑھا رہی تھی۔ یخنی کے اوپر تیرتے ہرے دھنیے کے چند پتے اسے مزید لذیذ بنا رہے تھے۔

"چلو اٹھ جاؤ۔" اس نے ٹرے میز پر رکھتے ولیم سے کہا اور پھر اس کے ہاتھوں کی جانب تھا، ایک تڑوا لیا تھا دوسرا کٹوا لیا تھا۔ یہ ولیم بھی نا۔۔۔

جارج نے تاسف سے اسے دیکھتے، گہرے پیندے والے لکڑی کے چمچ سے یخنی بھر کر اس کے سامنے کی۔

"جارج میرا دل نہیں ہے۔۔" وہ نقاہت سے بولا۔

"کیا ہوا ہے تمہیں؟ کیوں دل نہیں ہے؟" اس نے بے ساختہ ولیم کی پیشانی کو چھوا اور اگلے ہی پل ہاتھ واپس کھینچ لیا۔ اسے تیز بخار تھا۔ اس نے گہرا سانس لیا اور پھر زبردستی اسے چمچ چمچ کر کے یخنی پلائی۔ کچھ دیر بعد وہ اسے پکڑ کر اس کے کمرے تک لایا۔

"ڈیفالٹ پیس تمہیں لاسٹ ٹائم بخار کب ہوا تھا؟ "

کمرے کا دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوئے۔ پر وہ کچھ نہ بولا۔ اس کے سائیڈ ٹیبل پر دوا رکھی تھی اور پانی کا گلاس بھی۔ اسے دواء دینے کے بعد جارج نے جھک کر اس کے اسنکیرز اتارے۔ وہ اوندھے منہ لیٹنا چاہتا تھا پر ہاتھ پر لگے پلستر کی وجہ سے آڑا ترچھا لیٹ گیا۔ اسے کمبل اوڑھانے کے بعد جارج اس کے کمرے کا دروازہ بند کرتے باہر نکل آیا۔

پینٹ کی جیب میں رکھا اس کا فون تھرتھرایا۔

انکی نئی فلم کی شوٹنگ شروع ہونے والی تھی اور اسے آج ہی ٹیم کے ساتھ لاس اینجلس کے لیے نکلنا تھا۔

"جی ڈیڈ۔۔" اس نے فون اٹھاتے کان سے لگایا۔

"ولیم کیسا ہے اب؟" دوسری جانب سے لہجے کو حتی المقدور سرد رکھنے کی کوشش کی گئی پر تشویش واضح تھی۔

"بخار ہے اسے۔ سو گیا ہے۔ میں حیران ہوا اسے آخری بار بخار کب ہوا تھا۔" وہ اب سیڑھیاں اترتے کہہ رہا تھا۔ مسٹر جوزف نے اس کی بات سن کر گہرا سانس لیا۔

"کچھ پتا چلا اس نے ایسا کیوں کیا؟ "

"میں جاننے کی کوشش کر رہا ہوں۔۔" وہ سیڑھیاں اتر آیا اور اب لاؤنج میں رکھے صوفے کی جانب بڑھ رہا تھا جس پر اس کا کوٹ پڑا تھا اور پھر وہ کوٹ اٹھاتا باہر کی جانب بڑھا۔

"نیل سے اگلوانے کی کوشش کرو اسے سب پتا ہو گا۔۔"

مسٹر جوزف صلاح دے کر فون بند کر چکے تھے جبکہ جارج کچھ سوچتے ہوئے پیلس سے باہر نکل آیا۔ اس کی گاڑی وہیں کھڑی تھی۔ وہ گاڑی میں بیٹھا اور تھوڑی دیر بعد اس کی گاڑی پھر سے ایڈنبرا کی جانب رواں تھی۔

✿••✿••✿••✿

ہر تار جو عنکبوت بُن رہی ہے، ایک نئی کہانی کی شروعات ہے، جہاں ہر پل ایک نئے راز کی گہرائی میں اترتا دکھائی دیتا ہے۔ ہر تار ایک نیا راز کھولتی ہے پر اس سے پہلے کہ وہ راز واضح ہو، دوسرا تار اسے ڈھانپ لیتا ہے اور پھر رازوں کا انبار ایک جال بنا دیتا ہے۔

وہ تیز تیز قدم اٹھاتی اسٹوڈیو کی جانب بڑھ رہی تھی۔ صبح صبح کا وقت تھا اور یونیورسٹی میں چہل قدمی نظر آ رہی تھی۔ صفدر ابھی تک نہیں آیا تھا جبکہ فجر نے سوچ لیا تھا آج وہ اپنے گاؤن کا ستر فیصد حصہ مکمل کر لے گی۔

گیلے بال ہلکے جوڑے میں بندے تھے۔ گہرے مہرون رنگ کے شلوار قمیص میں، وہ سیاہ Loafers پہنے تیز تیز قدم دھرتی آگے بڑھ رہی تھی۔ آنکھوں پر چشمہ تھا اور بیگ کندھے پر ٹنگا تھا۔

عنکبوت کے تاروں میں چھپے رازوں کا سامنا کرنے کے لیے، انسان کو اپنی سب سے گہری خوفناک حقیقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ حقیقت جہاں برائی ہم پر غالب آتی ہے۔

وہ اسٹوڈیو روم میں پہنچ گئی تھی۔ کافی اسٹوڈنٹس اپنے اپنے گروپ بنائے، اپنے کام میں مگن تھے۔ اسے دیکھ کر چند عجیب سی سرگوشیاں پھیل گئیں۔ جھکے ہوئے سر، مسکراہٹ دبانے کی کوشش کر رہے تھے۔

فجر نے اپنا بیگ اتار کر بڑے میز پر رکھا اور اندر سے الماری کی چابی نکال لی اور پھر وہ الماری کی جانب بڑھی۔

چابی لگائی اور کلک کی آواز سے تالا کھل گیا پر یہ کیا؟

اگلے ہی پل الماری کا سارا سامان اس کے پیروں میں آ گرا اور فجر کو اسٹوڈیو کی چھت اپنے سر پر گرتی محسوس ہوئی۔

ڈز ڈز ڈز۔۔۔ جیسے عمارت ڈھے گئی ہو۔ اس کی پہلی سیڑھی کو اس کے قدموں سے کھینچنے کا انتظام کیا جا چکا تھا۔

وہ پتلا اس کے پاؤں میں پڑا تھا اور اس کے ساتھ ہی اس کے گاؤن کے کٹے ہوئے ٹکڑے۔۔۔۔۔۔۔ وہ کئی لمحے بے یقینی سے اس کٹے پھٹے گاؤن کو دیکھتی رہی۔ ٹانگوں سے جان نکل چکی تھی۔ وہ گر جانے کے قریب تھی پر کھڑی تھی۔

اس کا خواب ایک بات پھر آنکھوں سے نوچ لیا گیا تھا۔ ضبط سے مٹھیاں بھینچ لیں۔ دل کیا اتنی زور سے چیخے کے سننے والوں کے کانوں کے پردے پھٹ جائیں۔

پر وہ دانت پر دانت جمائے کھڑی رہی۔ اس کا پہلا خواب اپنی ناقدری پر اس کے پیروں میں پڑا رو رہا تھا۔ خواب کے ٹوٹ جانے کی تکلیف کیا ہوتی ہے یہ کوئی فجر معراج سے پوچھتا۔ وہ کھڑی رہی بت بنے، اور پھر اس نے الماری کا پٹ ٹھاہ کی آواز سے بند کیا۔ جانے اب وہ کیا کرنے والی تھی۔

✿••✿••✿••✿

اگلی قسط پندرہ دن بعد اب شاء اللہ

عنکبوت

(معرفت اور محبت سب کو نہیں ملتی)

از قلم: نور راجپوت

قسط نمبر:8

ایک رات کی خاموشی میں، چاند کی ہلکی روشنی زمین پر پڑی رہی تھی، جب ایک چھوٹا سا عنکبوت اپنی جال بچھانے میں مصروف تھا۔ اس کی چمکتی ہوئی رسیوں میں ایک خاص کشش تھی، جیسے وہ خوابوں کی دنیا کے دروازے کی طرح کھل رہی ہوں۔ ہر دھاگہ، جو اس نے اپنی مہارت سے بُنا تھا، ایک نئے راز کی کہانی سناتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی جال میں پھنسنے والے ہر شکار کے ساتھ ایک نیا راز جڑا ہوا ہے، اور وہ ان کہانیوں کو سننے کے لیے بے چین تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب چمک تھی، جیسے وہ وقت کی قید سے آزاد ہو کر ہر چیز کا مشاہدہ کر رہا ہو۔ جب ہوا چلی، تو اس کی جال کی رسیوں نے ایک نرم سرگوشی کی، جیسے وہ اپنی دنیا کی حفاظت کرنے کی کوشش کر رہے ہوں۔ اس کی موجودگی میں ایک پراسرار سکوت تھا، جو ہر چیز کو گہری سوچ میں ڈال دیتا تھا۔ یہ لمحے کی خوبصورتی تھی، جہاں ہر چیز ایک لمحے کے لیے رکی ہوئی محسوس ہوتی تھی، اور ہر دلکش منظر میں ایک نئی کہانی چھپی ہوئی

تھی۔اس رات،وہ عنکبوت صرف ایک مخلوق نہیں تھا،بلکہ ایک کہانی کاراوی بن چکا تھا،جو اپنی جال میں خوابوں کو قید کر رہا تھا۔

وہ عنکبوت جو اپنے خوابوں کا جال بن رہا تھاوہ صرف اس جال کی خوبصورتی دیکھ رہا تھاوہ بھول گیا تھااس کا جال کتنا کمزور تھااور کبھی کبھی خواہشوں کے نرم ریشے موت کے پھندے بن جاتے ہیں۔

تو چلیے بڑھتے ہیں عنکبوت کی کہانی کی طرف جہاں ملکہ ملعون نے اپنے خواب کو اپنے سامنے ٹوٹتے دیکھاوہ خواب جسے وہ زخمی آنکھوں سے سینت رہی تھی وہ جسے زخمی انگلیوں سے بن رہی تھی۔وہ خواب جس میں روح زخمی تھی۔

اس نے پوری وقت سے الماری کے پٹ بند کیے اور پلٹ کر دیکھا۔اسٹوڈنٹس کے گروہ اپنی اپنی میزوں سے سر اٹھائے اسے دیکھ رہے تھے،کچھ کی آنکھوں میں حیرانی تھی تو کچھ کی آنکھوں میں استہزاہ!جبکہ کچھ تماشائی تھے۔ لمحے بھر میں سیچویشن بھانپ کر اب تماشہ شروع ہونے کی خواہش کرنے لگے۔

جو پہلے سے جانتے تھے کیا ہونے والا تھاوہ پر سکون کھڑے تھے،چہرے پر مصنوعی ہمدردی سجائے وہ فجر معراج کا حظ اٹھانا چاہتے تھے۔پر وہ ملکہ ملعون تھی۔وہ کسی کو حق نہیں دیتی کوئی اس کی تکلیف کا تماشہ بنائے۔

اس نے گہرا سانس لیااور ایک نظر پورے اسٹوڈیو روم پر ڈالی،وہ پہلی نظر میں جان چکی تھی کون اس پر خوش تھااور کون اس سے ہمدردی محسوس کر رہا تھااور کون کمینی مسکراہٹ چھپانے کی کوشش میں تھا۔

شدت سے جذبات سے اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔وہ مٹھیاں بھینچے کھڑی رہی اور اسٹوڈنٹس انتظار کر رہے تھے تماشہ شروع ہونے کا۔اس کے چیخنے چلانے،رونے پیٹنے کا۔

پر لمحے گزرنے لگے اور خاموشی بھیانک ہو گئی۔ اس کی نگاہیں جو شعلے اگل رہی تھیں وہ آہستہ آہستہ سرد پڑنے لگیں۔ ایک ٹھنڈا تاثر اس کی آنکھوں میں اتر آیا۔

اس کے دل کی دھڑکن نارمل ہونے لگی جبکہ سامنے کھڑے اسٹوڈنٹس اس بھیانک خاموشی کی وجہ سے دھیرے دھیرے بڑھنے لگی۔ بائیں جانب سے کھڑکی سے چھن کر آتی روشنی میں ملکہ ملعون واضح تھی۔

وہ چیخی چلائی نہیں۔

وہ کچھ نہیں بولی۔

وہ کیا سوچ رہی تھی؟

بس ایک آخری نظر اس نے سب پر ڈالی اور پھر وہ جھکی اور ایک گھٹنے موڑ کر دوسرے پاؤں کے پنجے کے بل بیٹھتے وہ اپنے گاؤن کے ٹکڑے اٹھانے لگی۔ ہاتھوں میں لرزش تھی۔ آنکھوں میں بے ساختہ نمی ابھری۔ ایک دو خیر خواہ کلاس فیلو اس کی جانب بڑھے۔

"فجر آر یو اوکے؟" وہ اس کے اوپر جھکے ہوئے تھے جو ہونٹوں کو آپس میں پیوست کیے خود پر ضبط کر رہی تھی۔

"This is Disgusting"

بھیانک خاموشی ختم ہوئی اور شور پھیل گیا۔ پورا روم اب سرگوشیوں سے گونج اٹھا۔

"ہمیں میڈم رشنا کو بلانا چاہیے" انہیں جیسے ہوش آ گیا تھا۔

آنسوں اس کی پلکوں کی بھاڑ توڑنے کو تیار تھے۔

"تم میری توہین نہیں کر سکتے۔" اس نے ہاتھ روک کر اشکوں کو للکار دی۔

کسی برے حادثے کے بعد انسان کا دماغ کئی لمحے کام نہیں کرتا پر فجر معراج کا دماغ اس پل تیزی سے کام کر رہا تھا۔

اس نے سارا سامان سمیٹا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے گرد اب ایک ہجوم تھا۔ کلاس فیلو کچھ کہہ رہے تھے پر اس کی سماعت بالکل بند ہو چکی تھی۔ صرف دماغ کام کر رہا تھا۔ وہ اسی کی سن رہی تھی۔

اس نے جو ایکسٹرا میٹریل بچا ہوا تھا وہ دونوں بازوؤں میں بھر لیا۔ پھر الماری بند کرتے وہ پلٹی۔ سب دور ہٹ گئے۔

اب وہ بیگ اٹھاتے میٹریل کو سنبھالتی کمرے سے نکل گئی۔

"ہولی شٹ۔۔!!" کئی اسٹوڈنٹس نے سر پکڑ لیا۔ جو ہوا تھا برا ہوا تھا۔ جس نے کیا تھا غلط کیا تھا۔ اب وہ جو کرتی وہ بھلا کون سہہ پاتا؟؟

وہ اسٹوڈیو روم سے باہر نکل آئی۔ سرخ چہرہ لیے وہ اب تیزی سے میڈم رشنا کے آفس کی جانب بڑھ رہی تھی۔

صفدر ابھی تک نہیں آیا تھا۔ تیز تیز قدم بڑھاتے وہ بالکل نہیں جانتی تھی وہ آگے کیا کرنے والی تھی پر اسے میڈم رشنا سے کچھ کنفرم کرنا تھا۔

آفس کے باہر پہنچ کر اس نے ذرا سا ہاتھ بڑھا کر دروازے پر دستک دی۔ دونوں میں بازوؤں میں اس نے میٹریل نہیں بلکہ یوں لگتا تھا کیسے متاع حیات سمیٹ رکھی ہو اور اگلے ہی پل وہ دروازے کھولتے اندر داخل ہوئی۔

"لیکن یہ ہوا کیسے؟" میڈم رشنا سامان ہی اپنی کرسی پر براجمان فون پر بات کر رہی تھیں۔ فجر کو دیکھتے ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"فجر یہ سب۔۔؟؟" وہ فون میز پر رکھتی اس کی جانب بڑھیں۔ یہ کوئی چھوٹی بات نہیں تھی اور یہ کام اتنا آسان بھی نہیں تھا پھر کس نے ہمت کی؟

"مجھے آپ سے کچھ کنفرم کرنا ہے۔" ٹھنڈہ ٹھار لہجہ۔

میڈم رشنا کو کچھ سمجھ نہ آیا کہ ہو کیا رہا تھا۔

"فجر۔۔" وہ آگے بڑھ کر اسے حوصلہ دینا چاہتی تھیں پر فجر کے تاثرات ایسے تھے کہ وہ الجھ کر رہ گئیں پھر بھی انہوں نے آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ فجر کو لگا تھا وہ رو دے گی۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دے گی۔ پر جو اسے روتا ہوا دیکھنا چاہتے تھے ان کے سامنے نہیں۔

"ہمارے پروجیکٹ پریزنٹیشن میں جو فیشن کمپنیاں انوائٹڈ ہیں کیا ان میں چیف گیسٹ رئیس گروپ ہے؟"

ملکہ ملعون کی آنکھوں میں واضح تھا کہ ہاں یاناں میں جواب دیا جاتا۔ ڈیپارٹمنٹ میں یہ افواء جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی تھی۔ اسٹوڈنٹس اب ٹولیاں بنائے کھڑے تھے۔ آخر آگے ہو گا کیا؟ سب یہی جاننا چاہتے تھے۔

"ہاں۔۔۔" کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ گویا ہوئیں پر سمجھ نہیں آیا تھا کہ فجر کو کیسے پتا چلا؟ اور رئیس برانڈ کا اس سب سے کیا تعلق؟

یہ سنتے ہی ملکہ معلون کی آنکھوں میں spark ابھرا۔

وہ ہولے سے مسکرائی اور پھر پلٹ گئی۔

"فجر تم کہاں جا رہی ہو؟" پریشان سی میڈم رشنا نے فوراً پوچھا۔ وہ رکی اور پھر پلٹ کر انہیں دیکھا۔

"بقاء کی جنگ لڑنے۔" وہ پراسرار لہجے میں کہتی آفس سے باہر نکلی۔ باہر اسٹوڈنٹس کا ایک جمگھٹا تھا۔

سورج پوری آب و تاب سے نکل آیا تھا اور آنکھوں کی چندھیا دینے والی روشنی بکھیر رہا تھا۔ بامشکل ہاتھ بڑھا کر بالوں پر جما چشمہ آنکھوں پر لگایا۔

ہاں شاید ایسے ہی آنسوں چھپ جاتے۔ میڈم رشنا اپنے آفس سے باہر نکل آئیں۔ وہ اب تیز تیز قدم اٹھاتی فجر کو دیکھ رہی تھیں جو گیٹ کی جانب بڑھ رہی تھی۔

وہ کہاں جا رہی تھی؟ سب دیکھے گئے۔ کتابوں کا سایہ سر پر جمائے وہ اسے دیکھ رہے تھے۔

گیٹ پر پہنچ کر وہ رک گئی اور پھر پلٹ کر دیکھا۔ ملکہ ملون کی آنکھیں سب کچھ جلا کر راکھ کر دینا چاہتی تھیں۔ اس نے راہداری کے آخر میں کھڑی میڈم رشنا کو دیکھا۔

"میں واپس آؤں گی"

اس نے اعلان کیا تھا پر جو گونج سنائی دے رہی تھی وہ کچھ ایسی تھی۔

"میں تباہی لاؤں گی!"

میڈم رشنا کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے اور وہ گیٹ سے باہر نکل گئی۔ پیچھے بہت کچھ ہونے والا تھا۔ یونیورسٹی کی انتظامیہ جانے کیا ایکشن لینے والی تھی اسے فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ اب اپنے ڈیپارٹمنٹ سے نکل کر یونیورسٹی کے خارجی گیٹ کی جانب بڑھ رہی تھی۔

تیز تیز چلتے اس کے قدم سکشتہ ہوئے۔ دل میں بے اختیار ہی درد اٹھا اور آنسوں پلکوں کی باڑ توڑ کر رخساروں پر بہتے چلے گئے۔ اسے اپنا آپ اب جلتا محسوس ہو رہا تھا۔

دھاڑیں مار مار کر رونے کا دل چاہ رہا تھا۔ آخر کیوں لوگ کسی کے خواب کو پورا ہوتے نہیں دیکھ سکتے؟

دل کے ساتھ ساتھ سر میں بھی وہ درد اٹھا کہ بری طرح چکر آ گیا۔ وہ گرتے گرتے بچی لیکن وہ چلتی رہی۔

یونیورسٹی سے باہر نکلتے ہی اس نے چاروں جانب نظر دوڑائی۔وہ آٹو دیکھ رہی تھی اور پھر اس کی نظریں پھسلتے پھسلتے رک گئیں اور ساتھ ہی دل کی دھڑکن بھی۔

ٹانگیں شل ہو گئیں اور سینے سے لگا سامان گرتے گرتے بچا۔

سامنے ہی سڑک کنارے ارسل کھڑا تھا۔اس کی گاڑی خراب ہو گئی تھی۔مکینک انجن پر جھکا ہوا ٹھیک کرنے کی کوشش کر رہا تھا جبکہ وہ جھنجھلایا ہوا فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔

فجر کو اپنا دل ایک بار پھر کرچی کرچی ہوتے محسوس ہوا۔زندگی کس قدر ظالم تھی نا۔پوری جان کانپ اٹھی۔وہ شخص اس کی محبت تھا مان تھا غرور تھا۔وہ تھا تو سب ٹھیک تھا اور جب سے اس نے چھوڑا تھا وہ رل ہی تو گئی تھی۔وہ تھا تو پوری دنیا اس کی تھی اور اب تو جیسے پوری دنیا ہی اس کے خلاف ہو گئی۔

"ارسل۔۔"دل بے اختیار ہی کرلا اٹھا۔دھیمے مزاج کا ارسل برہان بری طرح تپا ہوا لگ رہا تھا۔فجر کو لگا جیسے وہ جم گئی ہو۔کچھ دکھائی ہی نہیں دے رہا تھا۔سب دھندلا ہو گیا۔

"ارسل۔۔۔"لب پھڑ پھڑا گئے۔

جنہیں دل سے چاہا ہو انہیں دل سے نکالنا اتنا بھی آسان نہیں ہوتا۔ایک آٹو اس کے سامنے آ کر رکا۔

"بیٹا جانا ہے؟"ایک ادھیڑ عمر آدمی سڑک سے آدھ فٹ اونچے فٹ پاتھ پر کھڑی فجر سے پوچھ رہا تھا۔یونیورسٹی کی دیواروں سے کے ساتھ لگے درخت اس پر سایہ کیے ہوئے تھے پر جسم یوں جل رہا تھا جیسے اسے اٹھا کر تیزاب میں پھینک دیا ہو۔

"بیٹا۔۔؟؟" اسے یوں بت بنے کھڑے دیکھ کر آٹو والے نے پھر سے پکارہ۔ وہ جیسے ہوش میں آئی اور تبھی ارسل نے فون بند کر دیتے پلٹ کر دیکھا اور اگلے ہی لمحے وہ بھی پتھر کا ہوا۔

فجر معراج کو وہ لاکھوں کی بھیڑ میں بھی پہچان سکتا تھا ہاں بس لاکھوں کی بھیڑ میں اپنا نہیں سکتا تھا۔

وہ ساکت ہوا۔ ایک پل کو نظریں ٹکرائیں اور پھر فجر نے آٹو میٹک خود کو آٹو میں بیٹھتے دیکھا۔

"فجر۔۔۔" وہ بے ساختہ اسکی جانب بڑھا۔

"انکل پلیز چلیں۔۔" اس نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔ سامان چھوٹ کر آٹو کے اندر ہی گر گیا۔

"جانا کہاں ہے؟"

"پلیز چلیں میں بتاتی ہوں" وہ اب باقاعدہ کانپ رہی تھی۔ یوں لگا جیسے پورے جسم کو بخار نے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہو۔ ہاتھ پیروں میں جان نہیں تھی۔ اس کا سامان اس کے پیروں میں پڑا تھا اور اس نے اپنی ٹانگوں کو واضح کپکپاتے دیکھا۔ آٹو والا اب آٹو اسٹارٹ کرتا تیزی سے آگے بڑھا۔

"فجر رکو۔۔" وہ پیچھے آیا پر تب تک آٹو آگے بڑھ چکا تھا۔

وہ آگے نہیں بڑھا۔ وہ بھی نہیں رکی۔ وہ آٹو میں بیٹھی باقاعدہ جھول رہی تھی۔ لرزتے ہاتھوں پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی پھر اس نے منہ کھول کر گہرا سانس لیا۔ آٹو والے کو پتہ بتایا اور چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں گرا دیا۔

زندگی کے پچھلے تین چار مہینے آنکھوں کے سامنے گھوم گئے۔ اسے لگا تھا وہ ارسل کو بھول گئی تھی۔ اب اسے یاد نہیں کرتی تھی۔ خود کو حد درجہ مصروف کر لیا تھا۔ وہ تو سمجھ رہی تھی کہ وہ تیزی سے آگے بڑھ آئی تھی پر اب سمجھ آیا تھا وہ اب تک اس غم کے جال میں لپٹی تھی۔ وہ جکڑی ہوئی تھی۔

ابا کے مرنے کے ہفتے بعد وہ یونیورسٹی آئی تھی۔ پھر اس نے اپنے گاؤن کا آئیڈیا دیا تھا۔ کچھ وقت انہوں نے آئیڈیے پر کام کیا کیونکہ انہیں ایک ڈھیڑ مہینے میں پروجیکٹ تیار کرنا تھا پر پھر شیڈول بدل دیا گیا تھا۔ فیشن کمپنیاں اُن دنوں میں میسر نہیں تھیں۔ چناچہ انتظامیہ نے تھیوری کے دو مضامین کے امتحان پہلے رکھ دیے جو کہ پروجیکٹ کے بعد ہونے تھے اور یوں ان کا ڈھیڑ ماہ تیاری میں گزر گیا۔ اس کے امتحان اور پھر ساتھ چلتی جاب اسے کچھ سوچنے کا موقع ہی کہاں دیتی تھی۔

امتحانوں کے بعد جب اس نے پروجیکٹ کے تھڑی ڈی ماڈل پر کام کرنا شروع کیا تھا سردی مکمل طور پر ختم ہو چکی تھی۔ اپریل آچکا تھا اور تقریباً مہینہ لگ گیا تھا اسے ماڈل تیار کرتے کیونکہ اسے کچھ بھی جلدی پسند نہیں آتا تھا۔ وقت ملنے کے بعد بھی ان کا پروجیکٹ سب سے پیچھے تھا اور وجہ فجر تھی۔ وہ کام کے معاملے میں Perfectionist تھی۔ اسے ہر چیز پرفیکٹ چاہیے ہوتی تھی حالانکہ وہ خود Imperfect تھی اور اب جب پندرہ دن رہ گئے تھے۔ جب اس کے گاؤن کا مشکل حصہ مکمل ہو چکا تھا۔ جب خواب تعبیر کے قریب تھا پھر اچانک یہ سب کیوں؟

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونا چاہتی تھی پر رویا نہیں جا رہا تھا۔ سینے کی بڑھتی جلن اسے رونے نہیں دے رہی تھی۔ اسے اب احساس ہوا تھا وہ آگے نہیں بڑھی تھی صرف وقت تیزی سے گزرا تھا اور اسے پتا نہیں چلا کیونکہ وہ ایک

dormant کنڈیشن میں تھی۔ڈپریشن میں۔جہاں وہ کام تو سارے کر رہی تھی پر اپنے جذبات اور احساسات کو نہیں سمجھ پا رہی تھی۔جہاں وہ خود کو نہیں سمجھ پا رہی تھی۔

پر ارسل کے سامنے آتے ہی چھناکا ہوا تھا،خول ٹوٹ گیا اور اسے اب تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔

باقی کا راستہ کیسے کٹا وہ کچھ نہیں جانتی تھی۔اپنی ناقدری پر آنکھوں سے آنسوں بہتے رہے۔دل رو رہا تھا۔

مطلوبہ جگہ پہنچ کر آٹو والے نے آٹو روک دیا۔وہ اسے پیسے دیتی سامان اٹھا کر آٹو سے نکل آئی۔شدید گرمی پڑھ رہی تھی۔حلق خشک ہو چکا تھا۔

اسے آج پہلی بار خوف محسوس ہوا۔وہ اس محلے سے کبھی نہیں نکل پائے گی۔اس کی کوئی پہچان نہیں ہو گی۔اس کا کوئی نام نہیں ہو گا۔وہ بس عام سی لڑکی رہے گی۔

کل کو کسی بلقیس کا بیٹا آئے گا اسے بیاہ لے جائے گا اور وہ ساری زندگی ایک ناپسند زندگی گزار دے گی۔

گلی سے گھر کا سفر انہی خوفناک سوچوں کے زیر اثر اگزرا۔

گھر کے گیٹ پر پہنچ کر اس نے زور سے دروازہ بجایا۔چند لمحے گزر گئے۔اماں نہیں آئی۔اس نے پھر سے دروازہ بجایا۔

اس بار دروازہ کھول دیا گیا۔چہرے پر پسینہ چمک رہا تھا۔

اماں اسے دیکھ کر چونکی ضرور پر کہا کچھ نہیں۔اس کا ستا چہرہ اور سرخ متورم آنکھیں اس کے رونے کی کہانی سنائی رہی تھیں۔وہ بھاری آواز میں سلام کرتی اندر داخل ہو گئی۔برآمدے تک آئی۔سامان چارپائی پر پھینک دیا۔چادر

اتار کر پھینکی۔ آس پاس اونچے اونچے گھر تھے۔ ان کا گھر چھوٹا اور دبا ہوا تھا اس لیے دھوپ کم پڑتی تھی اور کمرے ٹھنڈے تھے۔

پھر اس نے بیگ اٹھاتے موبائل نکالا۔ صفدر کی کئی کالز تھیں۔ کچھ کلاس فیلوز نے میسجز کر رکھے تھے۔ اس بے بٹن دبا کر موبائل آف کر دیا۔ جھک کر جوتے اتارے اور بالوں کو اچھے سے باندھ لیے۔

"کیا ہوا ہے؟" اماں نے چارپائی پر پڑے سامان کو دیکھا۔

"ملکہ ملعون کی جنگ کا آغاز" وہ سپاٹ لہجے میں کہتی اپنے کمرے کی جانب بڑھی۔ پنکھا چلایا۔ دروازہ بند کر لیا اور پھر موبائل میز پر پھینکتے خود کو بستر پر گرا دیا۔

سر میں شدید درد تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے پھٹ جائے۔ دل متلا رہا تھا یوں جیسے قے آجائے گی۔ بستر پر لیٹتے ہی آنکھیں بند کر لیں۔ اسے فرار چاہیے تھا۔ اپنے دماغ کو پر سکون کرنا تھا۔ سونا تھا تاکہ وہ جب اٹھے تو کچھ سوچ سکے۔

کئی لمحے گزرے، لمحے منٹوں میں بدل گئے۔

کئی آنسوں کنپٹی سے پھسلتے تکیے میں جذب ہونے لگے۔ وہ یونہی لیٹی رہی۔ جانے کتنے منٹ کتنے گھنٹے آنکھیں بند کیے لیٹی رہی، سر درد تھوڑا کم ہوا تو سو گئی اور سوتے ہوئے بھی اس کے چہرے سے کرب واضح تھا۔

آہ یہ بقا کی جنگیں اتنی آسان نہیں ہوتیں۔۔۔ !!

✿••✿••✿••✿

جہاں فجر معراج کی زندگی تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی وہیں ولیم زندگی کہیں رک سی گئی تھی۔ وقت تھا کہ آگے ہی نہیں بڑھ رہا۔ ڈیڑھ ماہ ہو گیا تھا اسے واپس آئے، ہاتھ پر بندھا پلستر اتر چکا تھا البتہ گرم پٹی ابھی تک بندھی تھی۔

پچھلے دو دنوں سے وہ کمرے میں بند تھا۔ جب سے اسے جارج کمرے میں چھوڑ کر گیا تھا وہ وہیں تھا۔

دو دن بخار میں ہی گزرے تھے۔ ڈاکٹر اسکے معائنہ کرنے کے بعد دواء دے گیا تھا۔ اس نے جاتے ہوئے نینی کو یہی بتایا تھا کہ **"ولیم کسی ذہنی دباؤ کے زیر اثر ہے"**

نینی اپنی طرف سے ساری دعائیں پڑھ کر پھونک رہی تھیں۔ آج سنڈے تھے اور نینی اسے چرچ لے جانا چاہتی تھیں۔

"نینی میرا بالکل دل نہیں ہے" اس نے صاف انکار کیا جبکہ نینی تو حیران رہ گئیں۔ ولیم نے کبھی چرچ جانے سے انکار نہیں کیا تھا۔ وہ تو بچپن میں خوشی خوشی جایا کرتا تھا اور بڑے ہو کر بھی اس نے کبھی نینی کو انکار نہیں کیا۔

یہ پہلی بار تھا اور ولیم جوزف کی زندگی میں بہت کچھ پہلی مرتبہ ہو رہا تھا۔

نینی کو مایوسی ہوئی پر وہ خود ہی چلی گئیں۔ وہ چرچ سے اس کے لیے کچھ لانا چاہتی تھیں کچھ ایسا جو اسے سکون پہنچاتا۔ کچھ ایسا جو اس کی بے چینی کو کم کرتا۔

نینی کو پکا یقین تھا اس بار وہ یقیناً کچھ بھیانک ہوا تھا کوئی بری چیز اس سے چمٹ گئی تھی۔

وہ باہر جا نہیں رہا تھا اور نیل اندر نہیں آ رہا تھا۔ وہ پیلس کے باہر کھڑے ہو کر اسے گالیاں دے کر چلا جاتا۔ پر نینسی سے اتنا خوفزدہ تھا کہ اندر جانے کی ہمت نہیں تھی۔

"ولیم جوزف تم نرک میں جاؤ گے مجھے پورا یقین ہے۔"

اس وقت بھی وہ جوزف پیلس کے احاطے کے باہر کھڑا تھا۔ چمکیلی دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ ولیم نے کھڑکی کھول کر اسے دیکھا جو جلا بھنا نیچے کھڑا تھا۔ ولیم نے اس کے بد دعا دینے پر انگوٹھے، پہلی انگلی اور شہادت کی انگلی سے Yo کہا نشان بنایا۔

"میں وہاں راج کروں گا اور تمہیں آفس بوائے کی نوکری دوں گا۔ میرے چائے پانی کا انتظام تم ہی کرو گے "

اس نے چلا کر جواب دیا۔ دونوں اونچی آواز میں بات کر رہے تھے۔ نیل کا دل کر رہا تھا پتھر مار مار کر جوزف پیلس کی ساری کھڑکیاں شہید کر دے پر پہریدار اسے اوپر پہنچانے میں ذرا تکلف نہ کرتے۔

"تم ذلیل انسان ہو۔ تم وہاں اکیلے سڑو گے۔ بلکہ تم اسی دنیا میں ڈوب مرو۔ "

وہ اس پر لعنت بھیجتا پلٹ گیا۔ کاش جوزف پیلس پر نینسی کا سایہ نہ ہوتا تو وہ اندر بیٹھا ذائقہ دار کھانا کھا رہا ہوتا لیکن وہ پلٹ گیا تو دیکھنے لگی۔

کئی دنوں بعد نکلنے والی دھوپ جسم کو فرحت بخش رہی تھی۔ اسے اپنا موڈ اچھا ہوتا محسوس ہوا۔ ہم انسان اکثر دھوپ سے دور بھاگتے ہیں۔ کہیں رنگ کالا نہ ہو جائے۔ کئی اسکن خراب نہ ہو جائے پر ہم یہ نہیں سوچتے کہ اس کی کمی جو ہمارے جسم میں خرابیاں پیدا کرتی ہے وہ زیادہ نقصان دہ ہے۔

وہ چلا گیا تو ولیم نے اپنے دونوں ہاتھوں کو دیکھا۔ ایک ٹوٹا ہوا اور ایک کٹا ہوا۔

"Such a Chaos"

ہاں وہ خود ایک chaos تھا Disorder تھا جس کا کوئی علاج نہیں تھا۔ ذہین اور فطین اور اونچے خواب رکھنے والے جوزف پیٹرسن اور محنتی جارج جوزف پیٹرسن کے گھر میں رہنے والا ایک عام نفسیاتی مریض جسے ابھی تک یہ سمجھ نہیں آیا تھا کہ اس کی زندگی میں اصل کیا تھا اور برم کیا تھا۔ کیا تھا اگر وہ وجیہہ تھا اس میں اس کا اپنا کوئی کمال نہیں تھا۔ جسامت باپ سے ملی تھی تو نین نقش ماں تھے۔ اس کے علاوہ اس میں کیا خاص تھا؟

وہ جوزف پیٹرسن کا بیٹا تھا کسی عام گھر میں پیدا ہوتا تو اسے بقاء کی جنگ لڑنی پڑتی۔ وہ جنگ جو اس جیسے لاکھوں کڑوڑوں نوجوان لڑ رہے تھے۔

ہاں ایک کام جسکی راہ اسے نینسی نے دکھائی تھی وہ اس میں اچھا تھا۔ وہ اسے جب کرتا تھا تو پورے دل سے کرتا تھا۔ اس وقت وہ کھڑکی کے ساتھ رکھے صوفے پر بیٹھ کر لیپ ٹاپ کھول چکا تھا۔ اسے کافی میلز اور میسجز موصول ہوئے تھے۔ انسٹاگرام پر لوگ اس سے نئے ٹوئر اور ویڈیو کا پوچھ رہے تھے۔ دو ماہ سے اس نے کچھ اپلوڈ نہیں کیا تھا۔ پاکستان جانے سے لے کر اب تک کچھ بھی نہیں۔

کئی پروڈکشن ہاؤس اس سے نیا کام مانگ رہے تھے۔ لیپ ٹاپ میز پر رکھتے وہ اٹھ کر الماری کی جانب بڑھا۔ اپنا بیگ نکال لایا جس میں اس کا کیمرہ تھا۔ جو صد شکر بچ گیا تھا۔

اب وہ نئی ویڈیو پر کام کر رہا تھا۔

"Music of Fir Tree"

پاکستان میں اس نے ایوبیہ کے مقام پر درختوں کے میوزک کو ریکارڈ کیا تھا۔ یہ دراصل درختوں اور پودوں کے الیکٹریکل سنگلز کو ایک مشین کے ذریعے میوزک میں کنورٹ کیا گیا تھا۔

اگر ریسرچ کی بات کریں تو اس کے مطابق پودے اور درخت آوازیں پیدا کرتے ہیں وہ بولتے ہیں پر ان کی یہ آواز انسان نہیں سن سکتے کیونکہ وہ الٹراسونک ہیں۔ یہ الٹراسونک آوازیں زیادہ تر پودے اور درخت اس صورت میں پیدا کرتے ہیں جب وہ stressed ہوتے ہیں، بھوکے پیاسے یا پھر زخمی۔

ہم واپس چلتے ہیں ویڈیو کی جانب جس میں ولیم نے دو probes (کسی چیز کو سمجھنے یا جانچنے کے لیے کسی ٹول یا میتھڈ کو استعمال کرنا) کو استعمال کیا تھا۔ ایک پروب کو اس نے درخت کے پتے سے جوڑ دیا جبکہ دوسرے کو زمین میں درخت کی جڑوں کے قریب دفنا دیا۔

یہ پروب اب الیکٹریکل سنگلز کو detect کر رہے تھے جو درخت پیدا کر رہا تھا اور پھر ان سنگلز کو Bambo N ڈیوائس میوزک میں بدل رہی تھی۔ نہیں درخت میوزک پیدا نہیں کرتے۔ وہ الیکٹریکل سنگلز پیدا کرتے ہیں جنہیں یہ ڈیوائس میوزک میں بدلتی ہے۔ مدھر سا میوزک جو سننے میں Orchestra کی دھن جیسا تھا۔

نینسی اکثر کہتی تھی۔

"If You love the nature, it will show you Magic"

ہاں ولیم اس معاملے میں خوش نصیب تھا کہ وہ قدرت کا یہ جادو دیکھ، سن اور محسوس کر سکتا تھا۔ ویڈیو اپنے اکاؤنٹ پر اپلوڈ کرنے کے بعد اس نے کیمرہ اٹھا کر اپنی گود میں رکھا۔ شام میں وہ نیل کے کیفے جانے والا تھا یہی سوچتے ہوئے وہ اب بیک کر کے اپنی ویڈیوز اور کلکس دیکھنے لگے۔ اور پھر ایک جگہ اس کا انگوٹھا رک گیا۔

ولیم جوزف کو ساکت رہ گیا۔ چمکیلی دھوپ غائب ہوئی اور سیاہ آسمان ٹپ ٹپ برسنے لگا۔ روشنی اندھیرے میں بدل گئی اس کے سامنے ہی اسکرین پر وہ اور فجر کھڑے تھے۔ ایک چھاتے کے نیچے۔ ایک دوسرے کو قبول کرنے کے

بعد۔ دل زور سے دھڑکا۔ آنکھوں میں عجیب سی چمک اتر آئی۔ وہ اب بیک کر رہا تھا۔ بیوٹی ان وائٹ اس کی جانب چلتی آ رہی تھی۔ یہ انجانے میں ہوا تھا جب اس کے کیمرہ نے کسی انسان کو یوں قید کیا تھا۔ وہ دیکھتا رہا۔

جوزف پیلس غائب ہوا اور ایڈنبرا بھی۔ وہ اب پاکستان میں تھا۔ بس اسٹاپ پر۔ ولیم کی آنکھوں کے سامنے منظر کسی فلم کی طرح گھوم گئے۔

کھلی پینٹ اور کاٹن کی سادی سی شرٹ پہنے، چمکیلی دھوپ اس کی پشت سے ٹکرا کر پلٹ رہی تھی اور اس کے کتھئی بال چمک رہے تھے اور اس کی ہم رنگ آنکھیں واضح ہو گئیں۔ وہ کتنی ہی دیر آگے پیچھے کر کے فجر کی اور اپنی تصویر دیکھتا رہا۔ کتنا انوکھا سا احساس تھا جو پہلے کبھی نہیں ہوا۔ دل ایک سرور کی سی کیفیت میں تھا۔ اسے اپنی تکلیف، اپنے اندر جلتا دہکاؤ بھولنے لگا۔ وہ مرہم کا کام کر رہی تھی اور پھر اس نے مزید پیچھے کیا تو ساکت رہ گیا۔

اسکرین پر فجر اور ارسل کھڑے تھے۔ بس اسٹاپ بھی غائب ہوا اور اس کی جگہ ریستوران نے لے لی۔ وہ اور جنید ان کے ساتھ والے میز پر بیٹھے تھے۔ جنید نے ہی اس وقت کیمرہ آن کر کے رخ ان کی جانب کیا تھا جبکہ ولیم انہی کی جانب متوجہ تھا اس لیے وہ اس ویڈیو کے متعلق نہیں جان پایا۔

"نہیں ارسل۔۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑے کھڑی تھی یوں جیسے وہ اس کی متاع حیات ہو۔ وہ چلا گیا تو سب ختم۔

"ارسل پلیز آپ مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔۔" وہ زندہ رہنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔

ولیم کو اردو نہیں آتی تھی۔ وہ سمجھ نہیں پایا وہ کیا بول رہی تھی پر وہ مفہوم جانتا تھا۔ وہ اسے روک رہی تھی۔ بیوٹی ان پر پل رو رہی تھی۔

"آپ مجھے لے جائیں میں انکل کو منا لوں گی، میں وہ سب کروں گی جو وہ چاہتے ہیں۔"

انا پرست لوگوں کو اگر کوئی چیز توڑ سکتی ہے تو وہ محبت ہے اور فجر معراج کا ٹوٹنا بہت ضروری تھا۔ لوگوں کو جوتے کی نوک پر رکھنے والی لڑکی نے اپنی محبت کے لیے ارسل کے پاؤں تک پکڑے تھے۔

وہ رو رہی تھی ولیم جوزف کے دل کو کسی نے مٹھی میں بھینچ دیا۔ وہ گھٹنوں میں سر دیے رو رہی تھی اور ولیم سانس نہیں لے پایا۔

ویڈیو ختم ہوئی پھر سے چلی وہ بت بنے دیکھتا رہا۔ کچھ دیر پہلے وہ پر سکون تھا۔ وہ زخموں پر مرہم رکھتی محسوس ہوئی تھی پر اس ویڈیو نے اُس کے زخموں پر تیزاب چھڑک دیا تھا۔

بھلا ڈائنیں مرہم کا کام کب سے کرنے لگیں؟ وہ بس جلتی پر تیل چھڑکتی ہیں اور ولیم جوزف ان دیکھی آگ میں جلنے لگا تھا۔ وہ کہاں تھا؟ وہ تو وہاں سے چلا گیا تھا پر اس نے خود کو خلاؤں میں بھٹکتے پایا جہاں ہر چیز خلا میں تیر رہی ہوتی ہے جہاں کچھ بھی ہاتھ نہیں آتا۔

اچانک دروازے پر ابھرنے والی ٹک ٹک کی آواز پر وہ جیسے ہوش میں آیا۔ جوزف پیلس وارد ہوا اور چمکیلی دھوپ لوٹ آئی۔ وہ اپنے کمرے میں تھا۔ دروازے پر ملازمہ کھڑی تھی۔

"لنچ تیار ہے۔" وہ اسے آگاہ کرتی پلٹ گئی۔

وہ یونہی کیمرہ ہاتھ میں لیے بیٹھا رہ گیا پھر وہ جھٹکے سے اٹھا اور کیمرہ پھینکنے کے انداز میں میز پر گراتا کمرے سے باہر نکل گیا۔ انداز میں جھلاہٹ تھی جبکہ جبڑے بھنچے ہوئے تھے۔ اسے دور جانا تھا بہت دور پر کانوں میں گونجتی فجر کی سسکیاں اسکا حشر نشر کیے جا رہی تھیں۔ اب کیا ہو گا؟ کیا ولیم جوزف کے لیے زمین تنگ کر دی جائے گی؟

✿••✿••✿••✿

رئیس کے ہیڈ آفس میں اس وقت معمول کی گہما گہمی تھی۔ کسی فلور پر شوٹ چل رہا تھا تو کسی فلور پر ڈیزائنر مختلف ڈیزائنوں سے سر کھپا رہے تھے تو کہیں میٹنگز چل رہی تھیں۔ اگر ہم اوپری منزل پر آئیں تو یہ پورا فلور رئیس کے لیے منتخب تھا۔ آدھے پر اس کا آفس پھیلا تھا۔

Taupe کی دیواروں والا یہ آفس Aesthetic کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ قیمتی اور سادہ فرنیچر جس کے دو جانب گلاس والز تھیں۔ دائیں جانب کی دیوار کے ساتھ رکھا بڑا سا میز اور اس کے پیچھے رکھی پاور چیئر۔

بائیں جانب کی دیوار کے ساتھ رکھے آف وائٹ صوفے اور ان کے درمیان چمچماتا میز۔ شمالی دیوار میں نسب بڑی سی بک شیلف اور ہزاروں کتابیں۔

جنوبی دیوار کے ساتھ رکھے بے پناہ قیمتی مجسمے اور بڑا سا شیشے کا باکس جس میں رکھا وہ ملکہ ملعون کا تاج جو چم چم کرتا تھا۔ مکمل سیاہ رنگ کا یہ تاج جس میں سیاہ ہی ہیرے جڑے تھے، دیکھنے والوں کو خیرہ کر دیتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک اونچا میز تھا جس پر طرح طرح کی مشنیں نصب تھیں اور ہاتھ میں پکڑنے والے چھوٹے بڑے اوزار رکھے تھے۔ تاج ابھی نامکمل تھا۔ اس کے مالک نے اسے جانے کب سے ادھورا چھوڑ رکھا تھا۔

اور اس کے ساتھ ہی دیوار میں لفٹ نصب تھی۔ لفٹ کا دروازہ اندر کھلتا تھا اور دوسرا دروازہ باہر چھت کی جانب کھلتا تھا جہاں سوئمنگ پول تھا اور اس کے ساتھ ہی ایک حسین شام بتانے کے لیے خوبصورت سی سٹنگ تھی۔

کمرہ جتنا بڑا تھا اتنا ہی عالیشان بھی تھا۔

اور وقت رئیس کا مالک سمو کی ڈریس پینٹ کے ساتھ ہم رنگ ڈریس شرٹ پہنے اس تاج کے سامنے کھڑا تھا۔ دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈالے وہ اس تاج کو دیکھ رہا تھا جسے اس نے سالوں پہنے بنانا شروع کیا تھا پر ابھی تک نامکمل تھا۔

ٹن کی آواز سے لفٹ کا دروازہ کھلا اور مراد عالم لفٹ سے باہر نکلا۔ اس نے رئیس کو تاج کے سامنے کھڑے دیکھا تو بے ساختہ مسکرا دیا۔

وہ قدم قدم چلتا اور رئیس سے ایک قدم پیچھے کھڑا ہو گیا۔

"آخر کس حسن کی ملکہ کے نصیب میں ہو گا یہ تاج پہنا؟؟ "وہ سرگوشی نما بولا۔

"حسن کی ملکہ نہیں ملکہ معلون!" رئیس نے فوراً تصحیح کی۔

"بدی کے بادشاہ کو ملکہ ملعون چاہیے۔" وہ کہتے ہوئے بڑے سے جار کے سامنے سے ہٹ گیا۔

اب وہ اپنی کرسی کی جانب بڑھ رہا تھا۔

"کہو کیا خبر لائے ہو؟" وہ اب اپنی کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔ خوبصورت چہرہ واضح ہو گیا۔ سلیقے سے جمے سائیڈ پارٹ بال اور متناسب نین نقش۔ وہ خالص مشرقی مرد تھا۔ اس کی گندمی رنگت اس پر جچتی تھی۔

"شکور کے گھر سے آرہا ہوں۔ سامان پہنچا دیا گیا ہے۔"

شکور اور اس کے بیٹے کی موت کو ڈیڑھ سال گزر چکا تھا اور موت کا الزام شکور کے بیٹے کے دوست پر آیا تھا کیونکہ ایک ریستوران کے کیمرہ میں وہ شکور کے بیٹے کو ڈھیروں پیسے دیتے ریکارڈ ہو گیا تھا۔ یہ پیسے اس نے اس لیے دیے

تھے کہ وہ باپ بیٹا رئیس کے خلاف بولیں پر اس کے کھیل میں اسے ہی پھنسا دیا گیا۔ پچھلے ڈیڑھ سال سے رئیس نے شکور کے گھر کی زمہ داری اٹھا رکھی تھی۔

ہر چھ مہینے میں وہ شکور کی بیوی کو وہ اتنا دے کر آتے تھے کہ ماں بیٹی کا پورا سال آرام سے گزر جاتا۔ وہ انہیں دعائیں دیتی نہیں تھکتی تھیں۔

"پھر۔۔؟" وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا اور کرسی آگے پیچھے جھول رہی تھی۔ مراد اس کے سامنے آ بیٹھا۔

" شکور کی بیٹی جوان ہے اور وہ رئیس میں جاب کرنا چاہتی ہے۔" اس نے داڑھی کھجھاتے اطلاع دی۔

" تو اسے رکھو جاب پر مسئلہ کیا ہے؟" وہ اب بھنویں سکیڑے مراد کو دیکھنے لگا۔

"فیشن کا کچھ نہیں پتا اُسے۔۔" اور مراد کسی صورت بغیر ٹیلنٹ کے لوگوں کو رئیس میں نہیں رکھ سکتا تھا۔

"تو ایچ آر میں بھیج دو بلکہ کسمٹر سپورٹ میں۔ رئیس میں اس کے لیے کہیں جگہ نہیں ہے کیا؟" اس بار وہ کوفت سے بولا جبکہ مراد اسے خاموشی سے دیکھے گیا۔

وہ رئیس تھا جو پہلے جان لیتا تھا پھر کرامات کرتا تھا اور اسے سمجھنا ناممکنات میں سے ایک تھا۔

"میں چاہتا ہوں وہ رئیس سے دور رہے۔" مراد غیر آرامدہ محسوس کر رہا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا شکور کی بیٹی رئیس میں آئے۔

"ڈونٹ وری تم اسے کام دے دو۔" اس نے عام سے لہجے میں جیسے حکم دیا۔ وہ جانتا تھا رئیس گروپ کے ہر برانڈ میں ہر بزنس میں کام کرنے والے ہزاروں ملازم کیا اسی کے وفادار تھے؟

کئی ہزاروں کو فرق ہی نہیں پڑتا تھا رئیس کون تھا انہیں اپنے پیسوں سے مطلب تھا کئی دوسروں کی وفاداری پر یہاں کام کر رہے تھے تاکہ خبر رکھ سکیں اور کئی رئیس برانڈ سے متاثر تھے ان میں شاید گنتی کے ہی اسے عزیز رکھتے تھے۔

ہاں پر رئیس تک پہنچنا اتنا آسان نہیں تھا۔ اس کے اس آفس میں آج تک عروزہ جمال اور چند قریبی دوستوں کے علاوہ کوئی عورت نہیں آئی تھی۔ ہاں پر یہ الگ بات تھی کہ لڑکیوں کو دھڑا دھڑ کمینٹس کے ریپلائے مل جاتے تھے۔

"کتے کے سر پر ایک بار تاج سجا دو تو گلے میں پٹہ ڈالنا مشکل ہو جاتا ہے۔" مراد عالم اس کے فیصلے سے خوش نہیں تھا۔

"رئیس اورنگزیب کو کتوں کو پالنے اور ان کے کے گلے میں پٹہ ڈالنا بخوبی آتا ہے۔" پہلی بار اس ساری گفتگو میں رئیس کے چہرے پر سرد پن نظر آیا تھا۔

"اس لیے تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے تم شالے کی لانچ کا بتاؤ۔" اس نے بات پلٹ دی۔ وہ مراد کے ساتھ مزید اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"کام چل رہا ہے جیسا چہرہ میں چاہتا ہوں وہ مل نہیں رہا۔" مراد نے بھی کرسی سے پشت ٹکا دی۔ وہ نہ صرف رئیس کا وفادار تھا بلکہ وہ اُس کا دوست بھی تھا۔ وہ سالوں سے ساتھ تھے۔

"تمہیں کیا لگتا ہے کوئی آسمان سے اترے گی تمہارے لیے؟ مراد صاحب تمہارے اسٹینڈرڈ میں دیکھ رہا ہوں دن بدن ہائی ہوتے جا رہے ہیں۔ تم رئیس کو بند کرواؤ گے کیا؟؟"

وہ خوشگوار لہجے میں بولا تو مُراد عالم ہنس دیا۔

"ویل۔۔ویل۔۔میرے یہ اسٹینڈرڈ ہائی رئیس نے ہی کیے ہیں اور میں کسی بھی ایرے گیرے کو نہیں رکھ سکتا"

اس نے فخر سے کندھے اچکاتے جواب دیا۔وہ رئیس کا بازو تھا۔مراد عالم اور عروزہ جمال،رئیس اور نگزیب کے لیے جان دے بھی سکتے تھے اور جان لے بھی سکتے تھے۔

"تو پھر اب کیا کرو گے؟شالے کی لانچ میں زیادہ دن نہیں ہیں۔"وہ دلچسپی سے اُسے دیکھتے بولا۔جانتا تھا مراد کوئی نہ کوئی حل نکال لیتا۔یہ اس کا کام تھا۔رئیس جیولری کے ہر لگژری ڈیزائن کو کب کہاں کیسے لانچ کرنا تھا یہ وہ جانتا تھا۔اس کے ساتھ وہ فنانس پر بھی نظر رکھتا تھا۔جبکہ عروزہ کے زمے رئیس کے سبھی برانڈز کی سیکیورٹی تھی۔وہ سیکیورٹی ہیڈ تھی۔

"شالے کی لانچ دنیا یاد رکھے گی بس وہ چہرہ۔۔۔"

"تمہارے پاس ہر رنگ اور نسل کی ماڈلز ہیں۔سینکڑوں کی تعداد میں پھر کیسا چہرہ چاہیے؟"

جھولتی کرسی ایک دم رکی۔وہ میز پر ہاتھ رکھتے اس کی جانب جھکا۔آنکھوں میں الجھن واضح تھی۔

مراد نے ایک نظر رئیس کو دیکھا اور وہ بھی اس کی انداز میں میز پر ہاتھ رکھتا آگے جھکا اور پھر سرگوشی نما پراسرار انداز میں بولا۔

"ویسا ہی جیسا ملکہ ملعون کا ہو گا،وہ جس کے سر پر تم اپنے ہاتھوں سے بنایا یہ تاج سجاؤ گے۔"

دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں جھانک رہے تھے۔لمحے بھر کی خاموشی کے بعد رئیس کا ابھرنے والا قہقہہ بے ساختہ تھا۔وہ کرسی پر جھول گیا۔وہ کتنی ہی دیر ہنستا رہا۔آنکھوں میں نمی ابھر آئی۔

"تمہیں لگتا ہے ملکہ معلون وجود رکھتی ہے؟" انداز حظ اٹھانے والا تھا۔ مراد برا منہ بناتے پیچھے ہو بیٹھا۔

"تو پھر یہ تاج میرے سر پر سجانا ہے یا عروزہ جمال کے؟"

وہ خفگی سے بڑبڑایا جبکہ رئیس مشکل سے ہنستی ضبط کرتے گویا ہوا۔

"عروزہ سر پر تاج نہیں مہنگا اسلحہ سجانا پسند کرے گی۔!! "

ہاں کہہ تو وہ ٹھیک ہی رہا تھا سیکیورٹی اور اسلحے کے معاملے میں وہ کمپرومائز نہیں کرتی تھی۔ اس سے پہلے مراد کوئی جواب دیتا ٹن کی آواز ابھری اور لفٹ کا دروازہ کھلتے ہی عروزہ اندر داخل ہوئی۔

پانچ فٹ نو انچ کی اونچی لمبی عروزہ یونیفارم پہنے ہوئے تھی۔ سیاہ پینٹ اور سفید ڈریس شرٹ پہنے ہوئے، کانوں میں ایئر پوڈ لگا تھا جبکہ کالر سے مائیک جڑا تھا۔ بال جیسے تیل لگا کر جوڑے میں باندھے گئے تھے۔

"Think the Devil and Devil is here"

مراد نے اسے دیکھتے ہی کہا۔ وہ اکثر ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچتے رہتے تھے۔

"ڈیول نہیں ڈیمن ہوں میں۔" وہ پورے آفس کا دورہ کر آئی تھی۔ ہر ہوٹل، ہر آؤٹ لیٹ اور یہاں تک کہ فیکٹریوں کی سیکیورٹی کی معلومات رکھنا اس کا کام تھا۔ اس کی ٹیم میں بھی اس جیسے ہی لوگ تھے۔ مار دھاڑ والے، چوکنے اور مضبوط۔

"ایک ہی بات ہے" مراد نے ناک سے مکھی اڑائی۔

"ڈیول صرف ڈراتے ہیں جبکہ ڈیمنز چیر پھاڑ کر کھا جاتے ہیں، خیر میں نے سنا ہے کہ دو دو بیویاں رکھنے والا وائرس ابھی تک ایک ماڈل نہیں ڈھونڈ پایا۔" اس نے آتے ہی مراد کی کرسی گھمائی اور اس کے دونوں بازوؤں پر ہاتھ رکھ کر اس پر جھکتے ہوئے سرگوشی کی۔ لہجے میں پھنکار سی تھی۔

چہرہ مراد عالم کے چہرے کے اتنا قریب تھا کہ مراد اس کی سانسیں اپنے چہرے پر محسوس کر سکتا تھا۔ اُس کی سٹی گم ہوئی۔

رئیس کی آنکھوں میں ستائش ابھری۔ عروزہ جمال کا یہی روپ تھا جو بدی کے بادشاہ کو پسند تھا۔ اس کا ڈیمن ہونا اسے باقیوں سے الگ بناتا تھا۔

"ماڈل ڈھونڈنا تمہاری جیسی مردمار عورت ڈھونڈنے سے زیادہ مشکل ہے۔" خشک لبوں پر زبان پھیرتے وہ عروزہ کی آنکھوں میں دیکھتے بولا۔

"بلی کو چھیچھڑوں کے خواب۔" وہ مسکرا کر کہتی جھٹکے سے سیدھی ہوئی۔ مراد عالم اپنی کرسی پر جھول کر رہ گیا۔

"ایوری تھنگ از پرفیکٹ۔" وہ کہتے ہوئے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ مراد نے رئیس کو دیکھا تو اس نے کندھے اچکا دیئے۔

"ایسی بھی بات نہیں ہے۔ مجھے ایک لڑکی پسند آئی تھی پر اسے غرور زیادہ ہے۔" اسے فجر معراج پر غصہ آیا۔

"آہاں تو یہ بات ہے اور تم چاہتے ہو وہی لڑکی یہ شوٹ کرے؟" رئیس اب اس کی الجھن سمجھ چکا تھا۔ مراد کا دماغ جہاں اٹک جاتا وہاں سے ہلنا ناممکن تھا۔

"ہاں اور انکار کے باوجود اسے کرنا پڑے گا۔" وہ اڑ گیا تھا۔

"فاسلی کسی نے تو مراد عالم کو انکار کیا۔" عروزہ استہزائیہ بولی۔ چہرے پر تپانے والی مسکراہٹ واضح تھی۔

"اس نے مراد عالم کو نہیں رئیس کو انکار کیا ہے۔"

"ارے پھر تو ایسی لڑکی سے ضرور ملنا چاہیے۔" رئیس مسکرا کر بولا۔ مقصد اس کا بھی مراد کو تپانا ہی تھا۔

"نام کیا ہے؟" لہجہ عام سا تھا۔ نہ کوئی تجسس نہ کوئی غصہ۔ وہ انا پرست نہیں تھا۔ لوگوں کا انکار اسے سمجھ آتا تھا۔ وہ بس جاننا چاہتا تھا آخر مراد کی سوئی کس پر اٹکی تھی۔

"فجر معراج۔۔۔" مراد فوراً بولا۔

"فیشن کی دنیا میں قدم رکھنا چاہتی ہے اور رئیس گروپ کو انکار کر رہی ہے۔ بڑی ہی بے وقوف لڑکی ہے۔" وہ اپنی دھن میں بولے گیا عروزہ اسے دیکھ رہی تھی جبکہ رئیس کے چہرے پر کسی نے غور نہیں کیا۔ اس کے چہرے پر کچھ عجیب سے تاثرات تھے۔ سمجھ میں نہ آنے والے۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

"خیر تم یہ ضد چھوڑو اور کوئی طریقہ ڈھونڈو۔ بنا ماڈل کے لانچ کا سوچو۔ ضروری نہیں ہمارا ہر زیور ماڈل ہی پہنے۔ ہم کچھ الگ کر سکتے ہیں۔" اس نے صلاح پیش کی جو مراد کو ذرا پسند نہیں آئی۔

"ایسا نہیں ہو گا۔ ماڈل تو میں ڈھونڈ ہی لوں گا۔" وہ بھی اپنے نام کا ایک تھا۔

"یہ کام تمہیں ہمارے واپس آنے تک کرنا ہو گا۔ ہم لوگ کل نکل رہے ہیں۔" رئیس نے اسے یاد دہانی کروئی۔ پیرس میں تین ماہ بعد فیش شو ہو رہا تھا بلکہ آرٹ شو کہنا بہتر ہو گا۔ فیشن کے نام پر لوگ اپنے شاہکاروں کی نمائش کرنے والے تھے اور اس شو کے اسپانسرز میں ایک بڑا نام رئیس گروپ کا بھی تھا۔ اسی کی آفیشل میٹنگ کے لیے وہ

اور عروزہ کل پیرس کے لیے نکل رہے تھے اور ایک ہفتے بعد ان کی واپسی تھی اور مراد عالم کے پاس ایک ہفتے کا وقت تھا اور فی الحال مراد عالم کے لیے یہ بھی کافی تھا۔

✿••✿••✿••✿

صفدر ہکا بکا سا مینجمنٹ کے آفس میں کھڑا تھا۔ یونیورسٹی آتے ہی جو خبر اسے ملی تھی وہ اس کو دماغ گھمانے کے لیے کافی تھی اور یونیورسٹی والوں کے لیے بھی یہ خبر چھوٹی نہیں تھی۔

"الماری کی چابیاں کس کے پاس ہیں؟" اس سے مختلف سوال کیے جا رہے تھے۔

"ایک میرے پاس اور ایک فجر کے پاس۔" اس نے سہولت سے جواب دیا۔ تصور کے پردے پر ملکہ ملعون منہ سے آگ نکالتی دنیا کو جلا کر بھسم کر رہی تھی۔ وہ جھرجھری لے کر رہ گیا۔

"تم دونوں یونیورسٹی سے کس وقت نکلے تھے؟"

عجیب سوال تھے وہ تنگ آ گیا۔

"مجھ سے سوال جواب کی بجائے اگر آپ سیکیورٹی کیمرہ چیک کریں تو زیادہ بہتر ہو گا۔" غصہ تو وہ بھی تھا۔ اتنی محنت پر پانی پھر گیا تھا۔ کمرے میں ایک منٹ کے لیے خاموشی چھا گئی۔

"میڈم رشنا کیا آپ کیمرہ چیک کروا سکتی ہیں؟" اس نے براہ راست میڈم رشنا کو مخاطب کیا۔ وہ ان کی سپر وائزر تھیں اور ابھی تک شاک میں تھیں۔

"پروجیکٹ اور اسٹوڈیو روم کا کیمرہ دو تین دنوں سے کام نہیں کر رہا۔" مینجمنٹ کی طرف سے جواب آیا تو وہ ساکت رہ گیا۔

"یہ کیسے ممکن ہے؟ سیکیورٹی کو بلایا جائے ان سے پوچھ گوچھ کریں یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ ہمارا سال ضائع ہو جائے اور ہماری محنت؟"

نہیں وہ مزید بالکل نہیں کھپ سکتا تھا۔

"اس پر ورکنگ جاری ہے۔ آپ فجر کو بلائیں ہمیں ان سے بھی بات چیت کرنی ہے یہ ضروری ہے۔"

میمجنٹ چاہ رہی تھی کسی طرح بات ان دونوں پر ہی گرا دی جائے۔ ان کی حرمت پر کوئی لفظ نہ آئے۔

"اس کا نمبر بند جا رہا ہے۔ وہ بیٹھ کر یہاں کا تماشہ نہیں دیکھ سکتی۔"

وہ پہلی بار روڈ ہوا تو نرگسی آدمی کو بھی غصہ آتا تھا۔

میڈم رشنا نے اسے پر سکون رہنے کا اشارہ کیا تو وہ کمرے سے نکل گیا۔ باہر آکر اس نے فجر کا نمبر ملایا جو ابھی تک بند جا رہا تھا۔

"ڈیم اٹ! فجر فون اٹھاؤ یار۔۔" وہ بے طرح جھنجھلا گیا تھا۔

جبکہ اگر ہماری پوش ایریا سے نکل کر پرانے محلے کی طرف آئیں، ہاں جہاں فجر معراج رہتی تھی، وہ ابھی تک بے سدھ سوئی ہوئی تھی۔ دن کیسے گزرا کچھ پتا نہیں چلا اور اس وقت شام کے تقریباً پانچ بجنے والے تھے۔ ایک جھٹکے سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ چت لیٹی تھی۔ پسینے سے بھیگی ہوئی۔ چھت سے لٹکتا پھنکا بند تھا۔ یقیناً بجلی چلی گئی ہو گی۔ وہ کئی لمحے یونہی لیٹی رہی یعنی یہ برا خواب نہیں تھا جو کچھ ہوا تھا حقیقت میں ہوا تھا۔

وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ آنکھیں مسلتی بیڈ سے اتری اور الماری سے ایک پرانا سا لان کا جوڑا نکال کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ اماں عصر کی نماز پڑھ رہی تھیں۔

وہ باتھروم کی جانب بڑھی اور دس منٹ بعد وہ شاور لے کر باہر نکلی۔ بال تولیے سے خشک کیے اور صحن میں لگے نل سے وضو کیا۔

اس کا ارادہ نماز پڑھنے کا تھا۔ اللہ سے بات کرنی تھی اور ضروری بات تھی۔

اماں نے اسے وضو کرتے دیکھا تو دعا مانگ کر جائے نماز چھوڑتی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ کچھ منٹوں بعد وہ بڑا سا دوپٹہ لپیٹے نماز پڑھ رہی تھی۔ چارپائی پر رکھا اس کا سامان اب ساتھ رکھی میز پر پڑا تھا۔ برآمدہ چھوٹا تھا۔ ایک جانب چار کرسیاں اور ان کے درمیان میز رکھی تھی اور ساتھ ہی ایک چارپائی پڑی تھی۔

وہ اب دعا مانگ رہی تھی جبکہ اماں اس وقت چائے پیتی تھیں۔ وہ نماز کے بعد چائے بنانے باورچی خانے میں گھس گئیں۔

"اللہ مجھ میں اتنا ظرف نہیں ہے کہ میں ایسے لوگوں کو معاف کر دوں میں اپنا بدلہ لوں گی اور آپ جانتے ہیں فجر معراج کتنی بری ہے۔ میں بس چاہتی ہوں میں کچھ زیادہ برا نہ کروں۔" کچھ دیر بعد وہ کرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

آنکھوں میں نمی چمک رہی تھی۔ برآمدے میں لگا پھنکا گڑ گڑ چلنے لگا۔ وہ سکون کا سانس لیتی اٹھ کھڑی ہوئی؟ جائے نماز تہہ کر کے رکھ دیا۔ چادر اتار کر چارپائی پر ڈال دی اور میز پر پڑے اپنے سامان کو دیکھا۔ آنکھیں اب ملکہ معلون کا قہر ڈھا رہی تھیں۔ بالوں کو ڈھیلا سا فولڈ کر کے کیچر لگا لیا۔

"اماں مجھے بھی چائے پینی ہے۔" وہ ہانک لگاتی کمرے کی جانب بڑھی۔ میز پر پڑا اپنا فون اٹھا لائی اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

اماں اور اس کا رشتہ عجیب سا ہو گیا تھا۔ اماں اب ڈانٹتی نہیں تھی۔ لڑتی بھی نہیں تھی۔ ایک سرد مہری اتر آئی تھی۔

ابا کی کبھی پرچون کی دو دکانیں ہوا کرتی تھیں جو انہوں نے بیمار پڑنے کے بعد کرائے پر دے دی تھیں۔ انہی کا کرایہ آتا تھا۔ کبھی اماں راشن لے آتی تو کبھی وہ لے آتی۔

وہ کھانے کو کچھ لاتی تو کبھی اماں کھا لیتی کبھی یونہی پڑا رہتا۔ زندگی بس یونہی گزر رہی تھی۔ اماں نے دوبارہ بلقیس کے بیٹے کا ذکر نہیں کیا تھا اور نہ کبھی فجر نے اپنے نکاح کا اور نہ ہی ابا کی بات ہوتی تھی۔ اماں کو جیسے چپ لگ گئی تھی۔

کرسی پر بیٹھتے اس نے سب سے پہلے فون آن کیا۔ ڈھیروں میسجز اور ڈھیروں نوٹیفکشنز اس کے منتظر تھے۔ صفدر نے کئی کالز کئی میسجز کیے تھے۔

فجر نے کلاس کا گروپ کھولا۔

"Poor Fajar"

اسے مینشن کیا جا رہا تھا۔ کچھ افسوس کر رہے تھے اور کچھ مزاق اڑا رہے تھے۔ دو ہزار کے قریب گروپ میں میسجز تھے۔ وہ سارے نہیں پڑھ پائی۔ سوائپ کرتی اس کی انگلیاں ٹھہر گئیں۔

"گائز ہوٹل کی بکنگ ہو چکی ہے۔ سب تیار رہیں۔"

کلاس کا گروپ پروجیکٹ کے اگلے دن ٹوور کے لیے نکل رہا تھا اور شو آف اس قدر تھا کہ ہوٹل کی بکنگ تک کی رسید بھیجی ہوئی تھیں۔ سب کچھ فائنل تھا۔ اچھا خاصہ پیسہ لگایا گیا تھا۔ بس انتظار تھا تو پروجیکٹ پریزنٹریشن کا۔ کب ہو اور کب وہ لوگ نکلیں۔ تین دن کا ٹوور تھا۔

فجر کی آنکھیں چمک اٹھیں اور اگلے ہی پل اس نے گروپ بند کرتے گوگل اوپن کیا۔ رئیس گروپ کی ویب سائیٹ سے اس نے مراد عالم کا نمبر نکالا اور اگلے لمحے اس کی انگلیاں مراد عالم کا نمبر ڈائل کر رہی تھیں۔ ملکہ ملعون کی آنکھیں قہر ڈھانے کو تیار تھیں۔ سر درد پہلے سے کافی کم تھا۔

اماں نے چائے کا کپ لا کر میز پر رکھ دیا۔ بیل جا رہی تھی لیکن وہ فون نہیں اٹھا رہا تھا۔ پھر اس نے رئیس گروپ کے ہیڈ آفس کا نمبر ملایا۔ ریسپشن پر موجود لڑکی نے اٹھالیا۔

"مجھے مراد عالم سے بات کرنی ہے۔" سلام دعا کے بعد وہ مدعے پر آئی۔

"آپ کی تعریف؟" دوسری جانب سے پوچھا گیا۔

"وہ تو کسی سے برداشت نہیں ہوتی فی الوقت آپ انہیں بتائیں کہ فجر معراج بول رہی ہوں۔" کمر کرسی سے ٹکا دی اور ٹانگیں سامنے رکھے میز پر لمبی کر لیں۔ اس کی تعریف کے لیے اس کا نام ہی کافی تھا۔

"اوکے میم آپ ویٹ کیجیے گا۔" فون ہولڈ پر ہو گیا۔ اس دوران اسے صفدر کی کالز آنے لگیں۔ فجر نے دوسرے ہاتھ سے چائے کا کپ اٹھالیا چائے ابھی گرم تھی۔ ایک گھونٹ لینے کے بعد اس نے کپ واپس رکھ دیا۔

"سر کوئی فجر معراج آپ سے بات کرنا چاہ رہی ہیں۔"

اے سی ٹھنڈک میں بیٹھا مراد عالم چونک سا گیا پر اگلے ہی پل وہ مسکرا دیا۔

پیچھے ہو کر خود کو کرسی پر گرایا اور کال ٹرانسفر کرنے کا حکم دے دیا۔ کل ٹرانسفر ہو گئی۔

"رئیس کو کوئی انکار کر ہی نہیں سکتا۔" استہزاہ بھری آواز رئیس ہیڈ آفس سے اڑی اور تیرتی ہوئی فجر کی سماعت سے جا ٹکرائی۔

"کہہ تو آپ ٹھیک ہی رہے ہیں۔" چائے کا کپ پھر سے اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔ کیا فائدہ نہانے کا؟ گرم سیال تو پھر سے اندر انڈیل رہی تھی۔ لیکن ایک آتش فشاں کا بھلا گرم چائے کیا بگاڑ سکتی تھی؟

"میں جانتا تھا تم مجھے کال ضرور کرو گی۔" کتنا اعتماد تھا اس کے لہجے میں۔

"اور میری بد قسمتی کہ مجھے یہ کال کرنی پڑی۔"

مراد عالم کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"کہیے محترمہ کتنی ماڈلز ہائر کر چکی ہیں اب تک؟" وہ طنز کے تیر بھگو بھگو کر مار رہا تھا اور فجر معراج مر ہی نہ جائے۔ ڈھیٹ لوگ کہاں مرتے ہیں۔

"پہلے تو آپ بتائیے کہ میری یونیورسٹی میں پروجیکٹ پریزنٹیشن کے نام پر ہونے والے فیشن شو کا چیف گیسٹ رئیس گروپ ہے نا؟"

دوسری جانب پل بھر کی خاموشی چھا گئی۔

"تمہیں کیسے پتا چلا؟" مراد عالم کی بھنویں سکڑ گئیں۔

"ملکہ ملعون خبریں پوری رکھتی ہے۔" وہ اک ادا سے بولی۔ اماں اپنی چائے کی پیالی لیے اب چارپائی پر بیٹھ چکی تھیں۔ کنکھیوں سے فجر کو دیکھنے لگیں۔ اس کے پیروں میں اس کے ٹوٹے خواب کی کرچیاں پڑی تھی۔ کٹا پھٹا سا برائیڈل گاؤن۔

"تو تم ہو ملکہ ملعون؟" وہ تھوڑا حیران ہوا لیکن اپنی حیرانی پر جلدی قابو پا گیا۔ چہرے پر اب دلچسپی تھی۔

"فجر معراج کے علاوہ اور کون ہو سکتی ہے؟" وہ اسی اعتماد سے بولی۔ گھونٹ گھونٹ چائے پیتی بائیس سالہ فجر معراج، انتالیس سالہ مراد عالم کو حیران کر رہی تھی۔

"کیا چاہتی ہو؟" وہ مدعے پر آیا۔ فجر مسکرا دی۔

"یونیورسٹی کا ایونٹ تین دن آگے کرنا ہے۔" وہ بنا کسی توقف کے بولی۔ لہجہ واضح اور صاف تھا۔ کچھ پل خاموشی چھائی رہی اور پھر مراد عالم کا ابھرنے والا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ حظ اٹھانے والا۔

"کیوں تمہارا کام مکمل نہیں ہوا؟" وہ طنزیہ بولا۔ لہجہ آگ لگانے والا تھا پر جو پہلے ہی آتش فشاں ہو اسے کیا جلانا۔

"کچھ ایسا ہی ہے۔ آپ بتائیں کر سکتے ہیں یا نہیں؟"

"یہ کوئی مزاق نہیں ہے۔" وہ اب سنجیدہ ہوا۔

"ایک یونیورسٹی کا ایونٹ رئیس گروپ سے بڑا تو نہیں ہے۔" وہ بھی سنجیدہ تھی۔ اماں کے چہرے پر کئی سائے آئے اور گزر گئے وہ خالی خالی نظروں سے فجر کو دیکھے گئیں۔ کبھی کبھی انسان خود کنویں میں چھلانگ لگاتا ہے آج انہیں یقین ہو گیا تھا۔

الم کا نقاڑہ بج چکا تھا۔ موت کا اعلان ہو چکا تھا۔ عنکبوت نے فجر معراج کے گرد الم بننا شروع کیا۔

"اور میں ایسا کیوں کروں گا؟" وہ مراد عالم یونہی نہیں تھا۔ کسی کو فیور دینا اسے پسند نہیں تھا۔

"کیونکہ آپ کو شالے کی لانچ کے لیے میری ضرورت ہے۔"

چائے کا کپ خالی ہو گیا تو اس نے میز پر رکھ دیا۔ نکھری نکھری سی فجر معراج اپنے پیروں کو دیکھ رہی تھی۔

"رئیس میں تمہاری جیسی لڑکیوں کی کمی نہیں ہے دنیا بھر کا ٹیلنٹ بھرا پڑا ہے۔"

"رئیس میں ٹیلنٹ کی کوئی کمی نہیں ہے۔ میں مانتی ہوں۔" وہ سنجیدہ سی بولی۔

"پھر تمہیں خود کو لے کر اس قدر خوش فہمی کیوں ہے؟" ابرو اچکا کر پوچھا گیا۔ وہ واقعی جاننا چاہتا تھا۔

"کیونکہ رئیس کے ٹیلنڈ لوگ خواب بنتے ہیں، Nightmares بننے والی فجر معراج واحد ہے۔"

آہ یہ جین زی کے حد سے پر اعتماد لوگ جانے خود کو کیا سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ کیا؟ مراد عالم اس بات متاثر نظر آرہا تھا۔ ہاں آرٹسٹ لوگ خوابوں سے زیادہ Nightmares پر توجہ دیتے ہیں۔ انہیں ڈارک نیس کھینچتی ہے۔ انہیں برائی فیسینیٹ کرتی ہے۔

"تو تم شوٹ کرو گی؟" وہ اب سنجیدہ نظر آرہا تھا۔

"میں لانچ میں مدد کروں گی۔ آپ فیور سمجھ لیں۔"

"لڑکی تم رئیس گروپ کو فیور دو گی؟" وہ محظوظ ہوا۔

"فیور تو میں اپنے باپ کو بھی نہ دوں اور دینے پر آؤں تو رئیس کے باپ کو بھی دے دوں پر فی الوقت میں بقاء کی جنگ لڑ رہی ہوں تو آپ فیور کے بدلے فیور سمجھ لیں۔ "

دوسری جانب خاموشی چھا گئی۔

"یہ ناممکن ہے۔" اس نے صاف انکار کیا۔

"مجھے نہیں لگتا مراد عالم کے لیے ناممکن کا لفظ ایگزسٹ بھی کرتا ہو گا۔" وہ محظوظ ہوئی۔ انداز تپانے والا تھا، بھڑکانے والا تھا۔

"تم مجھے Manipulate کر رہی ہو؟" مراد عالم کی بھنویں اٹھی ہوئی تھیں۔ چہرے کے نقوش خفگی بھرے تھے۔

"فجر معراج کو Manipulations نہیں پسند پر افسوس کہ لوگ ہو جاتے ہیں۔ "

بس اعتماد ہو تو اتنا ہو۔ مراد عالم کچھ نہ بول پایا۔

"سوچ لیں آپ کا فائدہ ہے میں اس خبر کا انتظار کروں گی۔" اس نے فون بند کیا اور موبائل آف کر کے میز پر پھینک دیا۔ گہرا سانس لیتے خود کو نارمل کیا۔ اس کے پیروں کے قریب اس کا ٹوٹا پھوٹا خواب پڑا تھا۔ فجر نے ایک نظر دیکھا اور آنکھیں میچ لیں۔

"کبھی کبھی راستے کی رکاوٹیں قدرت کی طرف سے اشارے ہوتے ہیں کہ ہمیں آگے نہیں بڑھنا چاہیے۔ قدم روک لینے چاہئیں۔" اماں نے بڑے دنوں بعد ایسی کوئی بات کی تھی۔ آج ان کا لہجہ مختلف تھا۔ جیسے کسی پڑھی لکھی

عورت کا ہو۔ وہ فجر کے پیروں میں پڑے کٹے ہوئے گاؤن کے ٹکڑے دیکھ رہی تھیں۔ ان کے چہرے پر عجیب سی مردنی تھی۔ کرب تھا۔ استہزاہ تھا۔ اپنے لیے فجر کے لیے۔

فجر نے آنکھیں کھولیں اور رخ موڑ کر انہیں دیکھا۔ انہوں نے نظریں کپڑے سے ہٹا کر فجر پر جما دیں۔

"رک جاؤ فجر، تم کنویں کی جانب بڑھ رہی ہو۔ وہ دنیا اندھا کنواں ہے۔ فرار کا راستہ پھر نہیں ملے گا۔"

فجر حیرت سے انہیں تکے گئی۔ کیا عجیب تھا آج؟

انکی باتیں یا پھر انکا لہجہ؟ یا پھر وہ خود الگ سی تھیں۔

"اماں۔۔۔" اس نے اماں کی جانب رخ پلٹتے اُنہیں پکارہ۔

"فجر معراج کو موت قبول ہے ہار نہیں۔" ملکہ معلون نے گردن اکڑا کر جواب دیا۔ اماں جانتی تھی وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ اس کی بات سنتے ہی اماں کے چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"پھر موت قبول کرو فجر معراج! موت قبول ہو۔"

وہ عجیب سے لہجے میں کہتیں اٹھ کھڑی ہوئیں جبکہ فجر الجھ گئی تھی۔ اماں اٹھ کر اپنے کمرے میں گھس گئیں جبکہ فجر نے گہرا سانس لیا۔ وہ دل ہی دل میں دعا کر رہی تھی کہ مراد عالم کسی طرح ایونٹ آگے کروادے۔ بس تین دن۔ بس تین دن۔ کیا ہو جاتا اگر وہ آگے کروا دیتا۔

باہر صحن میں سورج کے سائے لمبے ہوتے جا رہے تھے۔ وہ کرسی سے پشت ٹکائے آنکھیں بند کیے یونہی بیٹھی رہی۔ دماغ میں آوازوں کا کہرام بھرپا تھا۔ لوگوں کی آوازیں، تکلیف دہ آوازیں اور ان آوازوں میں اپنے دل کی اپنے دماغ کی سننا بہت مشکل ہوتا ہے۔

پورا دن کسی فلم کی طرح گھومنے لگا اور جیسے کیمرہ آکر ارسل برہان پر سلو ہو گیا۔ دل میں درد کی عجیب سی ٹیس اٹھی۔ کتنا تکلیف دہ تھا اسے نظر انداز کرنا پر اب تو کر دیا تھا اور پہلا قدم کبھی بھی آخری نہیں ہوتا۔

غم پروسیس کرنے میں وقت لگتا ہے پہلے غم کو Accept کرنا، پھر اسے پروسیس کرنا اور آخر میں اس سے exit لینا ایک لمبا طریقہ کار ہے اور فجر معراج دوسری اسٹیج پر تھی۔

وہ غم قبول کر چکی تھی اب پروسیسنگ میں تھی اور پھر Exit رہ جاتا۔۔۔ کیا وہ یہ سب کر پائے گی؟

✿••✿••✿••✿

ایڈنبرا کا پرائیوٹ کلب اس وقت میوزک کی اونچی آواز سے گونج رہا تھا۔ وہ کلب جو ایلیٹ کلاس کے لیے تھا۔ وہ کلب جہاں تک میڈیا کی رسائی نہیں تھی اور جہاں عام لوگ نہیں جا سکتے تھے۔

کاؤنٹر کے قریب رکھے اسٹول پر بیٹھا ولیم عجیب سی کیفیات کا شکار تھا اور اس کے ساتھ ہی بیٹھا نیل حیران تھا۔ کوئی اور موقع ہوتا تو یہاں آنے پر بہت خوش ہوتا پر حالات مختلف تھے۔ وہ ولیم کے ساتھ پہلی بار کسی ایسے کلب میں آیا تھا وہ بھی اس کی ضد پر کیونکہ وہ ٹھیک نہیں تھا۔

وہ کیوں ٹھیک نہیں تھا؟ آخر اسے کیا ہو گیا تھا؟

"ون مور پلیز۔۔" اس نے انگلیوں میں پکڑے چھوٹے سے گلاس کو کاؤنٹر پر رکھا اور کاؤنٹر کے پیچھے کھڑے لڑکے نے اسے وہسکی سے بھر دیا۔ وہ پہلی بار ڈرنک کر رہا تھا۔

"ولیم بس کرو۔۔" نیل نے اس کا ہاتھ پکڑا۔

"چھوڑو مجھے۔" اس نے نیل کا ہاتھ جھٹک دیا۔ انداز میں جھلاہٹ تھی۔

نیلی،لال اور نا جانے کتنوں رنگوں کی روشنیاں انکا وجود نمایاں کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ بجتے گلاس، تھر تھراتے وجود اور چیختے چلاتے جوان۔ سب خوش تھے سب مگن تھے۔

نیل کو اندازہ نہیں تھا وہ یوں ڈرنک کرے گا۔ وہ تو صرف یہ سوچ کر اسے لے آیا تھا کہ شاید اس کا ذہن بھٹک جائے۔ نینی نے اس کی ایسی تربیت نہیں کی تھی اور نہ نیل کی کمپنی ایسی تھی۔ وہ تو کیمپنگ ٹائپ لڑکے تھے پر ایسا کیا ہوا تھا جو ولیم کو اس حد تک آنا پڑا؟

"ولیم اٹھو ہمیں گھر جانا ہے۔" نیل اپنے اسٹول سے اتر کر اسے اٹھانے کی کوشش کرنے لگا جبکہ ولیم کو شاید ہی زندگی میں کبھی اتنا سر درد محسوس ہوا ہو جتنا ابھی ہو رہا تھا۔ پوری دنیا اسے گھومتی محسوس ہو رہی تھی۔ آنکھیں پانی سے بھری ہوئی تھیں اس نے آنکھیں کھول کر دیکھنا چاہا تو تیز نیلی اور لال روشنیوں کے علاوہ کچھ نظر نہیں آیا۔ وہ کئی لمحے یونہی نیل کو دیکھے گیا اور پھر اس کی آنکھیں حیرت سے کھل گئیں۔

نیل کے عین پیچھے ملکہ ملعون سینے پر دونوں بازو باندھے کھڑی تھی۔ آنکھوں سے شرارے پھوٹ رہے تھے جبکہ چہرے پر استہزاہ تھا۔

"بس یہی اوقات ہے تمہاری؟" وہ ناگن کی طرح پھنکاری۔ اس کا انداز ایسا تھا کہ ولیم جل بھن کر راکھ ہوا۔ نشہ جیسے اڑن چھو ہوا۔ میوزک ساکت اور کلب غائب ہو گیا۔

"ولیم۔۔" نیل اسے پکار رہا تھا پر وہ آواز ولیم کی سماعت تک نہیں پہنچ پائی۔ وہ سفید رنگ میں ملبوس فجر کو دیکھ رہا تھا جس کی آنکھیں سرخ تھیں اور کپڑے کیچڑ سے بھرے تھے۔

"بس یہی کر سکتے ہو تم ولیم جوزف! بزدل انسان!"

وہ اب اس کا مزاق اڑا رہی تھی۔ وہ اس پر ہنس رہی تھی۔ وہ قہقہے لگا رہی تھی۔

"تم۔۔۔" وہ جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وجود لرز رہا تھا۔ کپکپا رہا تھا۔ اندر ایسی آگ لگی تھی جو شاید ہی بجھ پاتی۔

"تم دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ آخر تم میرا پیچھے کیوں نہیں چھوڑ دیتی ہو؟" وہ پوری قوت سے چلایا۔ گردن کی نسین تک ابھر آئیں۔ آنکھیں لبالب بھرنے لگیں۔ وہ اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہو پا رہا تھا اس سے پہلے کہ گر جاتا نیل نے اسے تھام لیا۔

"تم ایک بزدل انسان ہو ولیم جوزف! تم بزدل ہو۔ تم کسی کو نہیں بچا پائے۔" وہ بھی حلق کے بل چلائی۔

"میں بزدل نہیں ہو۔ گیٹ آؤٹ۔۔" اس نے کاؤنٹر پر رکھا گلاس اٹھا کر اس ہیولے نما ملکہ ملعون کو دے مارا۔ وہ ہنستے ہنستے دھواں بن کر فضا میں بکھر سی گئی۔ کانچ دیوار سے لگنے اور پھر ٹوٹنے کی آواز میوزک کے شور میں کہیں دب کر رہ گئی۔

"ولیم ہوش میں آؤ۔۔" نیل نے اسے کندھوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔

"پاگل ہو گئے ہو تم؟ یہ کیا کر رہے ہو؟" وہ اسے جھنجھوڑتے ہوئے ہوش میں لانے کی پوری کوشش کر رہا تھا ولیم نے چونک کر خالی خالی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"چلو یہاں سے۔۔" وہ اسے کھینچتے ہوئے بھیڑ سے راستے بنائے کلب سے باہر نکلنا چاہتا تھا جبکہ ولیم اب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں جانب دیکھ رہا تھا۔ باہر نکلتے ہی نیل نے اسے ایک زوردار جھٹکا دیا۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا؟"

خالی نم رات ٹپ ٹپ کر رہی تھی۔ آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا اور رم جھم برس رہی تھی۔

اونچی اونچی عمارتوں کے بیچ بنا یہ کلب باہری دنیا سے الگ تھا۔

اس سے پہلے نیل مزید کچھ کہتا ولیم کو اپنے اندر ایک ابال اٹھتا محسوس ہوا اور اگلے ہی پل وہ جھکتے ہوئے قے کر رہا تھا۔ سر درد سے پھٹنے لگے۔ یوں لگا جیسے پوری دنیا گھوم گئی ہو۔ وہ اب بے طرح کھانس رہا تھا۔ جو سیال اندر گیا تھا وہ اب باہر نکل رہا تھا۔ نیل نے آگے بڑھ کر اس کی کمر مسلی۔

"یہ تم اپنے ساتھ کیا کر رہے ہو ولیم؟" اسے واقعی افسوس ہوا۔ یہ وہ ولیم جوزف نہیں تھا جسے نیل جانتا تھا۔ ولیم نے سیدھے ہوتے بازو سے منہ پوچھا۔ آنکھوں سے ٹپ ٹپ پانی بہہ رہا تھا۔ ٹھنڈی ہوا ہڈیوں میں گھسی جا رہی تھی۔

" آئی ہیٹ ہر۔۔ آئی ہیٹ ہر۔۔" وہ بے بسی سے کہتا نیل کے کندھے پر ڈھے گیا۔ اسے فجر معراج سے نفرت ہو رہی تھی۔ یہ سب اس کی وجہ سے ہو رہا تھا۔ نہ وہ اس کی زندگی میں آتی نہ یہ سب ہوتا۔

نیل تو پل بھر کے لیے ساکت رہ گیا۔ نینسی کے جانے کے بعد بھی اس کی اتنی بری حالت نہیں ہوئی تھی۔

ہاں اس نے ٹھیک ہی کہا تھا فجر معراج اس کی موت تھی موت۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں ٹیکسی میں بیٹھے جوزف پیلس کی جانب جا رہے تھے۔ قے کر کر کے ولیم کی حالت بری ہو چکی تھی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامے نیل کی گود میں سر رکھے لیٹا تھا۔ جبکہ نیل کبھی اتنا نہیں گھبرایا تھا۔ وہ اس کا سر دبانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے کئی بار سوچا کہ جارج کو فون کر کے ولیم کی حالت کا بتائے پھر ارادہ ملتوی کر دیا۔

پیلس پہنچنے کے بعد وہ اس کا ایک بازو اپنے کندھے پر ڈالتے اسے سنبھالتے اندر لایا تھا۔

لاؤنج میں ہی نینی بے چین سی اس کا انتظار کر رہی تھیں۔

"ولیم۔۔" وہ تڑپ کر اس کی جانب بڑھیں۔

"کیا ہوا ہے اسے؟" وہ اب اسے تھامتے نیل سے پوچھنے لگیں جو نظریں چرا رہا تھا۔ ان کی سالوں کی تربیت پر کیسے منٹوں میں پانی پھیر دیا تھا۔ جبکہ نیل کو اپنی بے وقوفی کا شدت سے احساس ہوا۔ آخر وہ انہیں یہاں کیوں لایا تھا؟ اسے ولیم کو اپنے گھر لے جانا چاہیے تھا۔

"وہ طبیعت خراب ہے۔"

اپنے کندھے سے اس کا بازو ہٹایا تاکہ وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکے۔

ولیم نے آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا۔ نینی کا عکس دھندلا سا نظر آیا۔ دیواروں پر لگی مشعلوں کی لٹیں پھڑ پھڑائیں۔ جانے کونسی کھڑکی کھلی رہ گئی تھی جو ٹھنڈی ہوا نیل کو اپنی ہڈیوں میں گھستی محسوس ہوئی۔

"نینی۔۔۔" وہ لڑکھڑا گیا اور اس کے ساتھ ہی نینی کو وجود بھی۔ زمانہ شناس عورت جان گئی تھیں وہ حواس میں نہیں تھا۔

"نینی۔۔۔" وہ پھر سے انہیں پکارتے ان کی جانب بڑھا جو پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"یو نو واٹ! آئی ہیٹ ہر۔۔ شی از سو سو۔۔" الفاظ بے ترتیب سے تھے۔

"ولیم۔۔" نیل نے اس کا رخ اپنی جانب کرنے کی کوشش کی پر وہ اٹھلا کر نینی کی جانب متوجہ رہا۔

"او نینی آپ ایسے کیوں دیکھ۔۔"

باقی الفاظ اس کے منہ میں رہ گئے۔ سیاہ فام نینی کا ہاتھ اٹھا اور چٹاخ کی آواز ابھری۔ ولیم لڑکھڑا کر نیل سے ٹکرا گیا۔ نیل کا دل اچھل کر حلق میں آیا۔

زندگی میں پہلی بار نینی نے ولیم پر ہاتھ اٹھایا تھا۔ ان کے چہرے پر کرب، تاسف اور بے یقینی رقم تھی۔ آنکھیں چھلک جانے کو بے تاب۔ ولیم کا نشہ جیسے اڑن چھو ہوا۔ اس نے بے ساختہ اپنے گال پر ہاتھ رکھا جو بے طرح جل رہا تھا۔

پھر اس نے سیدھا کھڑے ہونے بھرپور کوشش کی۔ ایک جھٹکے سے نیل کے ہاتھ ہٹا دیے۔

اب وہ سیدھا کھڑا تھا۔ آنکھوں میں نمی لیے۔ وہ نینی کو دیکھتا رہا۔ دونوں کی آنکھیں رم جھم برسنے کو تیار تھیں۔

"نینی۔۔" اس نے پھر سے نینی کو پکارہ پر اس بار لہجے میں کرب تھا۔ تکلیف تھی۔ اس نے مسکرانے کی کوشش کی پر نہیں مسکرایا گیا۔ اگلے پل پھر سے مسکرانے کی کوشش کی۔ اس بار وہ ہنس دیا۔ آنکھوں سے آنسوں پونچھ ڈالے۔

پھر جبڑے بھینچ لیے اور اگلے ہی پل وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ نینی کا دل سینے میں ٹوٹ پھوٹ کر شکار ہوا۔ اس سے پہلے وہ کچھ کہتیں ولیم آگے بڑھتے ان سے لپٹ گیا۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں ولیم؟؟" وہ ان کے کندھے پر ٹھوڑی جمائے جھکا ہوا تھا۔ آنکھوں سے آنسوں ٹوٹ کر نینی کے اونی بلاؤز میں جذب ہونے لگے۔

"نینی میں ٹھیک نہیں ہوں۔۔۔ مم۔۔ میں۔۔"

نینی نے اپنے بازو تڑپتے سسکتے ولیم کے گرد پھیلا دیے۔ سالوں کا غبار وہ اپنے اندر لیے پھرتا تھا وہ آج نکل رہا تھا۔ وہ رو رہا تھا اپنی تکلیف بیان کر رہا تھا۔ نیل انہیں نم آنکھوں سے دیکھتے بے ساختہ مسکرا دیا۔

✿••

اگلی صبح بہت روشن تھی۔ ولیم کے کمرے کی کھڑکی بند تھی۔ سفید پردے ہٹے ہوئے تھے اور چمکیلی دھوپ چھن کر اندر آ رہی تھی۔ سفید بستر پر اس کا وجود آڑا ترچھا پڑا تھا۔

سردیوں کی شدت پہلے سے کم ہو گئی تھی اور چمکیلی دھوپ ایڈنبرا کی سرمئی رنگت کو مٹانے کی بھرپور کوشش کرتی نظر آتی تھی لیکن بادل تھے کہ کبھی بھی برس جاتے تھے۔ وہ یونہی لیٹا رہا۔ پرسکون سا۔ جسم میں جیسے کوئی حرکت نہیں تھی۔ رات اس کی طبیعت کافی خراب ہو گئی تھی۔ مسلسل قے آنے سے جسم کی ساری انتڑیاں سکڑ گئی تھیں اور بلڈ پریشر بالکل ہی لو ہو گیا تھا۔ کافی دیر لگی تھی اسے سنبھلنے میں اور پھر ایسا سویا کہ اب دن کا ایک بج رہا تھا اور اسے کوئی ہوش نہیں تھا۔

"ولیم۔۔۔" کمرے کا دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا اور نیل اندر داخل ہوا۔ ایک لمبے عرصے بعد اس نے رات جوزف پیلس میں گزاری تھی اور وجہ ڈیفالٹ پیس تھا۔ اسے ولیم کی فکر تھی پر یہ الگ بات تھی کہ وہ ساری ورد کرتا رہا تھا۔

"آگ لگے بستی میں ولیم اپنی مستی میں۔" اس نے صوفے سے کشن اٹھا کر ولیم کے سر پر دے مارا اور خود کھڑکی کے ساتھ رکھے صوفے پر بیٹھ گیا۔ کشن پڑنے پر ولیم کسمسایا۔

"اٹھ جاؤ منحوس آدمی! تمہاری وجہ سے بھوکا ہوں۔ دن کا ایک بج رہا ہے۔" ولیم کا ہی ٹراؤزر شرٹ پہنے وہ اپنے پیٹ میں بھوک کی وجہ سے اٹھنے والی آوازوں کو دبانے کی کوشش کر رہا تھا۔ نینی نے کئی بار اسے ناشتے کے لیے بلایا تھا پر وہ ولیم کی وجہ سے انکار کرتا رہا۔

اس کی آواز پر ولیم نے کروٹ لی اور سیدھا ہو کر لیٹ گیا پر اگلے ہی پل چمکیلی دھوپ سے بچنے کے لیے بازو آنکھوں پر جما لیے۔ اس کی نیند کھل چکی تھی۔ وہ مزید نہیں سو سکتا تھا۔ سر بھاری بھاری سا محسوس ہوا۔

البتہ آنکھیں کھولنے میں مشکل پیش آ رہی تھی۔ سائیڈ ٹیبل پر رکھے اس کے فون پر نیل کی نظر پڑی جس اس نے آگے بڑھ کر اٹھا لیا اور پھر ولیم کا داہنا انگوٹھا پکڑ کر فون کا لاک کھولا اور واپس صوفے پر بیٹھ گیا۔

"تم نے جینی رابرٹ کو ان بلاک کیا یا نہیں؟" وہ اب اُس کا انسٹاگرام چیک کر رہا تھا۔ ولیم نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ بیڈ پر چت لیٹا رہا۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ چہرہ پہلے سے کمزور لگ رہا تھا لیکن اندر عجیب سا سکون محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اب چھت کو گھورنے لگا۔

" اتنا بورنگ فون میں نے کبھی نہیں دیکھا۔" اس کا فون واپس پٹختے نیل بڑبڑایا جبکہ ولیم گزری رات کو یاد کرنے کی کوشش کرنے لگا اور نینی کا تھپڑ یاد کر کے وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔

پھر اس نے نیل کی جانب کروٹ لی۔ چہرے پر جو سکون تھا وہ مہینوں بعد نظر آیا تھا۔

"ایسا کونسا خواب دیکھ لیا جو بتیسی بند نہیں ہو رہی؟" نیل بھنویں سکیڑے اسے دیکھے گیا جو پل پل حیران کر رہا تھا۔ ولیم گہرا سانس لیتا اٹھ بیٹھا اور پھر بازو پھیلا کر انگڑائی لی۔ مسکراہٹ یوں ہی چہرے سے چپکی رہی۔

نیل کو اسے دیکھ کر خوشگواریت کا احساس ہوا۔

"سیریسلی اگر مجھے پتا ہوتا کہ نینی کے ایک تھپڑ سے تمہارا سافٹ ویئر اپڈیٹ ہو جائے گا تو میں یہ کام بہت پہلے کر لیتا۔۔"

نیل کا انداز ایسا تھا کہ وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔

"بہت اچھا لگ رہا ہے تمہیں ہنستا دیکھ کر۔" وہ دل کی گہرائیوں سے بول آنکھیں ولیم کے لیے نرم تھیں۔ ولیم نے نظریں اٹھا کر نیل کو دیکھا۔

"تھینک یو" وہ بس اتنا ہی کہہ پایا۔ آنکھوں سے عجیب سی تھکن واضح ہوئی لیکن چہرے پر مسکراہٹ جمی رہی۔

"خالی تھینک یو سے کام نہیں چلے گا مجھے بھوک لگی ہے فریش ہو کر جلدی نیچے آؤ۔" وہ صوفے سے اٹھتے بولا۔ ارادہ اب نیچے جا کر ایک شاندار ناشتہ کرنے کا تھا۔

"نیل۔۔" وہ دروازے کی جانب بڑھا ہی تھا جب ولیم نے اسے پکارہ۔ وہ رک گیا۔ ولیم گہرا سانس لیتا بیڈ سے اترا اور نیل کی جانب قدم بڑھائے۔ اس کے قریب رک کر ایک نظر اسے دیکھا اور اگلے ہی پل اسکے گرد بازو پھیلا دیے۔ نیل تو ساکت رہ گیا۔ آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور منہ کھل گیا۔ آدم بے زار ولیم جوزف نے اسے گلے لگایا تھا۔

"تھینک یو مجھے جھیلنے کے لیے۔" ہاں وہ جانتا تھا اُسے جھیلنا آسان نہیں تھا۔ کبھی کبھی تو بہت مشکل ہو جاتا تھا۔ نینسی کے مرنے کے بعد زیادہ مشکل ہو گیا اور پاکستان سے واپس آنے کے بعد تو جیسے اُس نے خود کو کہیں کھو دیا تھا۔ نیل وہ واحد دوست تھا جو دھوپ چھاؤں میں اس کے ساتھ رہتا تھا۔ نیل کئی لمحے یونہی کھڑا پھر اس نے سرگوشی کی۔

"اب ایک عدد پاکستانی لڑکی تو میں بھی ڈیزورو کرتا ہوں نا؟" آہ نیل اور اس کی پاکستانی لڑکیوں سے آبسیشن۔ انداز معصومانہ تھا۔ ولیم مسکرا کر دور ہٹا۔

"نہیں ملے گی۔" انداز تپانے والا تھا۔ وہ ڈریسنگ روم سے ملحقہ باتھروم کی جانب بڑھا۔

"تم بنے ہی نرک میں سڑنے کے لیے ہو۔ نرک کی آگ میں سب سے پہلے تمہیں جھونکا جائے گا۔" نیل دل کھول کر بدمزہ ہوا اور پھر اسے بددعائیں دیتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

جبکہ ولیم پندرہ منٹ بعد شاور لے کر باہر نکلا تو اسے اپنا آپ تازہ دم محسوس ہوا۔ بھوک کا احساس بھی ہو رہا تھا۔ فون اٹھا کر چند ایک نوٹیفیکشن دیکھے۔ کھڑکی سے چھن کر آتی دھوپ میں اس کا سراپا نمایاں تھا۔ بال ہلکے گیلے پیچھے کی جانب جمے تھے۔

کتھئی آنکھیں اور بال چمک رہے تھے۔ ہلکے نیلے رنگ کی ٹی شرٹ اور سفید ٹراؤزر میں وہ اچھا لگ رہا تھا۔ اچانک کچھ یاد آنے پر وہ تیزی الماری کی جانب بڑھا۔ پٹ کھولتے ہی اسے وہ بیگ نظر آیا جس میں اس کی چیزیں تھیں اور نکاح نامہ بھی۔ بیگ سے اس نے وہ جیکٹ نکالی جس کی جیب میں نکاح نامہ تھا۔ بیگ صوفے پر پھینک دیا۔ تہہ لگے کاغذ کو کھول کر دیکھا۔ فجر معراج کا نام واضح تھا۔

اسکے نزدیک اس کی ساری بے چینیوں کی وجہ یہ کاغذ اور وہ لڑکی تھی۔ کئی ثانیے وہ اس کاغذ کو دیکھتا رہا۔ دل میں عجیب سی چبھن ہوئی۔

پہلی بار احساس ہوا کہ اسے یہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اپنوں سے بدلہ لے کر اپنوں کو تکلیف دے کر وہ کیسے خوش رہ سکتا تھا؟؟ اس کا دماغ اس کے ساتھ گیم کھیل رہا تھا اور وہ کسی مہرے کی طرح استعمال ہوتا جا رہا تھا۔

ہاں اسے اب پاکستان سے اس کے لوگوں سے اور خاص طور پر فجر معراج سے کوئی تعلق نہیں رکھنا تھا۔ کاغذ کو ایک تہہ لگائی وہ اسے پھاڑنا چاہتا تھا پر اس سے پہلے کہ وہ کاغذ کے ٹکڑے کرتا اس کی نظر صوفے کے دہانے پر گری اس چمکتی چیز پر پڑی جو سورج کی روشنی میں ہلکے بھورے نرم قالین پر پڑی چمک رہی تھی۔ وہ بے ساختہ اس کی جانب بڑھا اور پھر جھک کر اسے اٹھایا۔ یہ ایک چین تھی جس میں چھوٹا سا لاکٹ تھا۔ چین کو دیکھتے ہی ایک جھماکہ سا ہوا۔ داہنے ہاتھ کی انگلیوں میں لپٹی چین اور ہتھیلی پر لٹکتا وہ چھوٹا سا لاکٹ۔ وہ اتنا چھوٹا تھا کہ بمشکل نظر آتا تھا۔ ایک ٹس rasin تھی اور اُس کے اندر تیرتا وہ چاول کا ایک دانا جس پر

F واضح لکھا چمک رہا تھا۔

ریزن کی وجہ سے چاول پر لکھا نام صاف نظر آتا تھا اور یہ لاکٹ اتنا چمکتا ہوا تھا جیسے کوئی ہیرا ہو۔

جوزف پیلس کے کمرے کی کھڑکی میں کھڑا ولیم جوزف ساکت رہ گیا۔ دھوپ غائب ہوئی اور روشنی بھی۔

جوزف پیلس کی جگہ وہ اب گاڑی میں بیٹھا تھا۔ وہ رات جب اس نے فجر کو اس کے گھر ڈراپ کیا تھا۔ فجر کا بیگ گاڑی میں گرنے کی وجہ سے یہ لاکٹ گاڑی میں ہی رہ گیا تھا اور اس کے جانے کے بعد ولیم کو نظر آیا تھا جسے اس نے اٹھا کر اپنے بیگ میں ڈال لیا تھا۔ وہ فس اُسے بھول چکا تھا۔ وہ بھول جانا چاہتا تھا پر جیسے قدرت نہیں چاہتی تھی ایسا ہو۔ وقت جیسے گھوم گیا۔ ایک ہاتھ میں پکڑا کاغذ اور دوسرے ہاتھ میں چمکتا لاکٹ اسے واپس کھینچ لے گیا۔

وہ جانے کتنی دیر یونہی کھڑا رہتا لیکن دروازے پر ہونے والی دستک اسے حال میں واپس کھینچ لائی۔

"کھانا تیار ہے۔ نینی آپ کو بلا رہی ہیں۔" ملازمہ اسے اطلاع دے کر جا چکی تھی۔ ولیم نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔ سینے میں قید دل کو تیزی سے دھڑکتے پایا۔

کئی لمحے وہ یونہی کھڑا رہا پھر چہرے پر ناگواری ابھری۔ بیگ اٹھا کر اس نے دونوں چیزیں اندر پھینکی اور اس کی زپ بند کر کے واپس الماری میں رکھ دیا۔

کچھ دیر بعد وہ سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ کھانے کی خوشبو نتھنوں سے ٹکرائی تو بھوک مزید جاگ اٹھی۔ آج موسم اچھا تھا۔ نساء بھی گھر ہی تھی۔

"قسم سے نینی کیا تھپڑ مارا آپ نے۔ ہائے آئے میں تو فین ہی ہو گیا۔"

وہ نیل کی آواز صاف سن سکتا تھا جو اپنے چٹکلوں سے نساء اور نینی کو ہنسانے کا کام کر رہا تھا۔

"اگر رہا نہیں جا رہا تو دو چار تھپڑ خود بھی کھا لو۔"

ٹراؤزر کی جیبوں میں ہاتھ اڑسے وہ فریش سا کھڑا تھا۔ دبلا پتلا لمبا سا ولیم جوزف جیسے اپنی جون میں لوٹ آیا تھا۔ اسے دیکھتے ہی نساء اور نینی کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"اچھے لگ رہے ہو۔۔" نساء چمکتی آنکھوں سے بولی تو نیل کی زبان پر فوراً کھجلی ہوئی۔

"ہاں ہاں آ گیا بن کر ہیرو! پتا ہے نینی رات اس نے بیچ سڑک پر کتنی بار قے۔۔۔"

"شٹ اپ نیل!" اپنی حالت یاد کر کے ولیم کا چہرہ سرخ پڑا۔ اسے بھی یاد تھا اس نے کیا گل کھلائے تھے۔ بلکہ اس کی تو انتڑیاں ابھی تک درد کر رہی تھیں اور پیٹ میں جیسے زخم ہو گئے ہوں۔

"ہنہہ۔۔ اپنی باری شٹاپ شٹاپ۔۔" ڈائننگ ٹیبل کے گرد رکھی کرسیوں پر وہ تینوں بیٹھے تھے اور ان کی توجہ کا مرکز ولیم تھا۔ صوفی کھانا لگا رہی تھی۔

ناشتہ اور لنچ ایک ساتھ کیا جارہا تھا۔ نیل نے فریش جوس کا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگایا۔ ولیم قدم قدم چلتا قریب آیا اور نینی کے ساتھ والی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ کھانے کے دوران کی جارج کا فون آگیا۔ نساء نے ویڈیو کال ملا کر فون گلاس کے ساتھ ٹکا کر رکھ دیا۔

ولیم کو ہنستے، بولتے اور پہلے کی طرح باتیں کرتے دیکھ کر اسے بھی خوشگوار حیرت ہوئی۔

"تم واپس کب آؤ گے؟ ہمیں کیمپنگ کے لیے جانا ہے۔" ولیم نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

"کیمپنگ تم جیسے غریب لوگوں کا کام ہے۔ جارج جوزف تم غریبوں کو Elite Vacation پر لے جائے گا۔ "اس نے فرضی کالر جھاڑے۔ ویسے بھی اس کا ارادہ واپس آکر گھومنے پھرنے کا تھا۔

اس کی بات سن کر نیل کی باچھیں پھیل گئیں۔

"کوئی لڑکی ملی تمہیں؟" اپنی طرف سے اس نے سرگوشی نما انداز میں پوچھا۔

"جہاں جوزف پیٹرسن ہو وہاں مجھے کون دیکھے گا؟" جارج نے منہ بگاڑ کر کہا۔ بے بسی لہجے سے واضح تھی۔ اس کا انداز ایسا تھا کہ سبھی بے ساختہ ہنس دیے۔

" شرم کرو جارج وہ تمہارا باپ ہے۔" نینی نے اسے غیرت دلانا چاہی۔

"نینی یہ بات آپ باہر لڑکیوں کو سمجھائیں کہ مسٹر جوزف پیٹرسن تین جوان بچوں کا باپ ہے۔" وہ بنا بریک بول رہا تھا۔ کافی جھنجھلایا جھنجھلایا سا تھا جیسے واقعی کسی نے اسے منہ نہ لگایا ہو۔

"جب دیکھو کوئی نہ کوئی لڑکی ان کے آس پاس گھوم رہی ہوتی ہے مانو جیسے میں ہی نہیں۔" اسکرین سے نظر آتا اس کا چہرہ تمسخرانہ تھا۔ وہ خود کا مزاق اڑا رہا تھا۔

"تم بڑے بھائی ہو جارج دھیان رکھنا کوئی لڑکی مسٹر جوزف پیٹرسن یعنی ہمارے باپ کو لے نہ اڑے۔۔۔" بریڈ کا سلائس لیتے ولیم نے لقمہ دیا۔ چہرے پر شرارت ہی شرارت تھی۔

" ہٹ شریر۔۔" نینی نے اس کے کندھے پر تھپڑ رسید کیا۔

"سیریسلی آج کل میں ڈائریکشن سے زیادہ ان پر فوکس کر رہا ہوں۔۔۔" وہ سب خوشگوار موڈ میں تھے۔

"پہلی بار دیکھ رہی ہوں بیٹے باپ سے جیلس ہیں چچ چچ۔۔" نساء تپانے والی مسکراہٹ لیے بولی تو سب پھر سے ہنس دیے۔ خوشگوار ماحول میں ناشتہ کیا گیا۔ سب ٹھیک تھا۔ سب پہلے جیسا ہو رہا تھا اس سے اچھا کیا ہو سکتا تھا؟؟

✿••✿••✿••✿

کئی گھنٹوں کی ہمت جمع کرنے اور سوچ بچار کے بعد بالآخر فجر نے نیا ڈیزائن تیار کر ہی لیا تھا۔ وہ ڈیزائن جو خواب جیسا نہیں تھا بلکہ جو ثابت کرنے والا تھا کہ بھیانک خواب بننے والی وہ واقعی ہی اکلوتی تھی۔

برآمدے کی چھت سے ٹنگا گھڑ گھڑ کی آواز سے چلتا پنکھا۔ میز کے اوپر رکھا آدھے دھڑ والا پتلا اور چٹائی پر پھیلا اس کا ساز و سامان۔ برآمدے میں بچھی چارپائی باہر نکال دی گئی تھی۔ برآمدے میں جلتے ایک بلب کے علاوہ اُس نے ایک ایمرجنسی لائٹ جلا رکھی تھی جس کی روشنی اُس کے کام کرنے کے لیے کافی تھی۔

بالوں کو اچھے سے جما کر جوڑا بنایا گیا تھا۔ ناک پر رکھی عینک سے جھانکتی سنجیدہ آنکھیں اپنے نائٹ میئرز کو وجود دینے کے لیے تیار تھیں۔

جب اس نے ڈیزائن مکمل کرنے کے کپڑے کی کٹنگ کر لی تو اس کی بس ہو چکی تھی۔ جسم کی ہڈیاں جیسے اکڑ چکی تھیں۔

بالآخر کرسی پر گرنے والے انداز میں بیٹھ کر اس نے میز پر رکھا فون اٹھا کر آن کیا۔ فون صبح سے ہی بند کر پڑا تھا۔ فون آن کرتے ہی نوٹیفیکیشنز کی لمبی لائن لگ گئی۔

وہ یونہی خالی خالی نگاہوں سے سب دیکھتی رہی۔ ایسا نہیں تھا کہ دل نہیں جل رہا تھا ہاں البتہ وہ آگ باہر نہیں نکال سکتی تھی۔ خود ہی جل رہی تھی۔ بلکہ وہ اس قدر تھک گئی تھی کہ تکان کے علاوہ کچھ اور محسوس ہی نہیں ہو رہا تھا۔

آج کا دن کافی لمبا ہو گیا تھا اور برے حادثے کی مانند ذہن سے چپک گیا تھا۔ کلاس گروپ میں ایک طوفان بھرپا تھا پر اس نے چیٹ اوپن نہیں کی۔ دل ہی نہیں تھا۔ اپنی ذات کو نشانہ بنتے دیکھنے اتنا آسان نہیں ہوتا۔

اس سے پہلے کہ وہ فون دوبارہ بند کرتی فون کی اسکرین پر "**نرگسی آدمی**" جگمگ کرنے لگا۔

بیل بج بج کر بند ہو گئی اس نے فون نہیں اٹھایا۔ دماغ اتنا تھک چکا تھا کہ وہ خالی خالی نظروں سے دیکھے گئی۔

فون دوبارہ بجنے لگا تو اس نے گہرا سانس لیتے فون اٹھا لیا۔

"ہیلو۔۔؟؟" فون کان سے لگاتی وہ سرد لہجے میں بولی۔

"ہیلو فجر؟ کہاں غائب ہو؟ فون کر کر کے تھک گیا ہوں تمہیں ذرا بھی پرواہ ہے؟" غصہ، پریشانی اور ضبط جانے جانے کیا کیا تھا اس کے لہجے میں۔

"کام کی بات کرو صفدر! تمہاری بکواس سننے کے لیے فون نہیں اٹھایا۔" فجر کا پارہ ہائی ہوا۔ وہ اس کی باتیں ہرگز نہیں سن سکتی تھی۔ دوسری جانب صفدر کا چہرہ سرخ پڑا۔ صبح سے وہ کانٹوں پر لوٹ رہا تھا۔

"کہاں ہو تم؟" صفدر نے خود پر ضبط کرتے بمشکل پوچھا۔

"تمہیں اس سے مطلب؟؟" فجر کی تیوری چڑھی۔ بھنویں سکڑ گئیں اور دل میں آگ سی دہکنے لگی۔

"تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتی۔ تم یوں سب بیچ میں چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔" آواز میں لرزش تھی۔

"ہاں جو تم نے کیا ہے وہ میں ہر گز نہیں کر سکتی۔" وہ تمسخرانہ بولی۔

"کیا مطلب؟ میں نے کیا کیا ہے؟" صفدر کا دل زور سے دھڑکا۔ انہونی کا احساس ہوا۔

"یہ تم بھی جانتے ہو جو تم نے کیا ہے۔ فی الوقت میرا دماغ خراب ہے۔ دوبارہ مجھے فون مت کرنا۔"

اس نے نخوت سے کہتے فون بند کرنا چاہا پر صفدر کے الفاظ نے توجہ کھینچ لی۔ ہاتھ ہوا میں ہی معلق ہو گیا۔

"فون بند مت کرنا فجر! یہاں عجیب سی قیامت چھا گئی ہے۔ پروجیکٹ ایونٹ تین دن آگے چلا گیا ہے۔ سمجھ نہیں آ رہا ہو کیا رہا ہے۔ تمہیں کچھ پتا چلا؟"

فجر کے ہاتھ سے فون گرتے گرتے بچا۔ دل زور سے دھڑک اٹھا۔

کیا واقعی اُس کی بات مان لی گئی تھی؟ اس کی عرضی سن لی گئی تھی؟

کیا مراد عالم نے واقعی اسے اتنا اہم سمجھ لیا تھا؟؟

دھک۔۔۔ دھک۔۔۔ دھک۔۔۔

دل پسلیاں توڑ کر باہر آنے کو تیار تھا۔

"اسٹوڈنٹس کے پلانز تھے۔ شارق اور حوریہ کا تو اس دن نکاح ہے۔ ڈیٹ فکس ہو چکی ہے ان کی۔ پتا نہیں اچانک کیسے ہو گیا یہ سب۔۔۔" صفدر مزید کچھ کہہ رہا تھا۔

وہ چونک کر خیالوں سے باہر نکلی اور پھر لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔ گردن مزید اکڑ گئی۔

وہ خود کی ویلیو جانتی تھی اور مراد عالم کے اس فیصلے نے اسے مزید قیمتی بنا دیا تھا۔

فجر معراج یہ احسان کبھی نہیں بھولنے والی تھی۔ اگرچہ وہ احسان کا پورا بدلہ چکانے کی نیت رکھتی تھی لیکن پھر بھی اس انڈسٹری کے بادشاہ جیسے رئیس گروپ نے اس کی بات مان لی تھی یہ ہواؤں میں اڑنے کے لیے کافی تھا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے ٹوٹے پھوٹے اور تھکے ہارے جسم میں انرجی لوٹ آئی ہو۔

"تم یونیورسٹی کب آ رہی ہو؟؟" پتا نہیں وہ کیا کیا بول رہا تھا پر فجر کو یہی سنائی دیا۔

"بہت جلد۔۔۔"

"اور ہمارا پروجیکٹ؟"

"ڈونٹ وری فجر معراج ہار نہیں مانتی۔" گردن اکڑائے کہتے اس نے فون بند کر دیا۔ آنکھوں کی چمک سیاہ آسمان پر جگمگ کرتے ستاروں کو مات دے رہی تھی۔

اگلے بیس منٹ بعد وہ اپنا سامان سمیٹ کر رکھتی اپنے بستر میں تھی۔ اماں کافی دیر پہلے سو چکی تھی۔ وہ فریش ہو کر بستر پر لیٹی تو نیند آنے کے باوجود سونے کا دل نہیں کیا۔ لیٹ ٹاپ اٹھا کر آلتی پالتی مارے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

اس کی خوبصورت انگلیاں تیزی سے کی بورڈ پر پھسل رہی تھیں اور اگلے ہی لمحے اسکرین پر رئیس اور نگزیب نمودار ہوا۔

وہ رئیس گروپ کے بارے میں مزید جاننا چاہتی تھی۔ رئیس اور نگزیب آج کل پیرس میں تھا۔ وہ رئیس گروپ کا مالک کم بالی ووڈ کا اسٹار زیادہ لگتا تھا یا شاید اسے اداکار ہی بننا تھا غلطی سے بزنس اور ڈیزائنر بن گیا تھا۔

اڑتیس انتالیس سالہ رئیس اورنگزیب ایسی شخصیت رکھتا تھا کہ لوگ اس کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔ نہیں نہیں حسن کا بادشاہ نہیں تھا وہ بلکہ حد درجہ ایکسٹرورٹ تھا۔ لوگوں کو اپنا بنانا اس کا بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ اس کا انسٹاگرام اکاؤنٹ کسی ایکٹر کا اکاؤنٹ لگتا تھا۔

اس کے اکاؤنٹ پر اس کے بزنس سے متعلقہ کوئی پوسٹ نہیں تھی بلکہ اس کی اپنی ویڈیوز تھیں۔
آج ہی کچھ گھنٹے پہلے اس نے ویڈیو پوسٹ کیا تھا۔ سیاہ گول گلے والی شرٹ پر بھورا بلیزر پہنے، گرم مفلر کو گردن کے دونوں جانب سے آگے کو گرائے، کانوں پر ہیڈ فون جمائے اور ہاتھ میں کافی کا کپ تھامے وہ کچھ گنگنا رہا تھا۔ اُس کا جسم پھرتیلا اور لچک دار تھا۔ اُس کی باڈی لینگویج ایسی تھی کہ جب وہ بات کرتا تھا اسے دیکھتے رہنے کو دل کرتا تھا۔ اسے سنتے رہنے کو من کرتا تھا۔ اسے گفتگو کا طریقہ آتا تھا اور ایک اداکار کو اس سے بڑھ کر کیا چاہیے؟

وہ اپنے سینے کے مقام پر ہاتھ رکھتا تھوڑا سا جُھکا اور مسکرایا۔ ویڈیو کے بیک گراؤنڈ میں چلتا گانا جنریشن زی سے تعلق رکھنے والی فجر معراج کو کہیں پیچھے کھینچ لے گیا تھا۔

اُسے دیکھنا اور ایکسپلور کرنا اچھا لگ رہا تھا۔ اسکی ویڈیو پر کچھ ہی گھنٹوں میں ملینز ویوز تھے۔ ویڈیو میں وہ پیرس میں گھوم رہا تھا۔ اس کی مسکراہٹ ایسی تھی کہ دو گھڑی دیکھتے دل لگتا۔ اس کی شخصیت مقناطیسی تھی۔ یقیناً وہ خود کو فٹ رکھنے کے لیے کئی کئی گھنٹے ورزش کرتا ہو گا۔

فجر بے ساختہ اسے دیکھے گئی۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بے پناہ حسین نہیں ہوتے پر ان کی شخصیت مقناطیسی ہوتی ہے۔ فی الوقت رئیس اورنگزیب، فجر کو ویسا ہی لگا تھا۔ مقناطیسی شخصیت رکھنے والا مشرقی مرد!

جیسے ہی نے کمیٹس باکس اوپن کیا۔ اس کے کانوں سے دھواں نکلنے لگا۔ کم عمر لڑکیوں سے لے کر پختہ عمر عورتوں تک کے کمینٹس تھے۔ کارپوریٹ سے تعلق رکھنے والی کم و بیش لڑکیاں اس کی حقیقت سے واقف تھیں ورنہ وہ باقیوں کے لیے ایک اداکار تھا۔

نائنٹیز کا ہیرو! جس کے پاس چارم ہی چارم تھا۔ جو حد درجہ Chill بندہ کہلایا جاتا تھا۔ جیسے اسے کبھی ڈپریشن ہوا ہی نہ ہوا۔ بلکہ وہ لڑکیوں کے ڈپریشن کا علاج تھا۔ اس کے ویڈیوز اس کے موووز دیکھ کر اچھا خاصا موڈ فریش ہو جاتا ہو گا۔

تھوڑی دیر بعد ہی وہ اس کے بروڈکاسٹ چینل میں گھسی ہوئی تھی جہاں اس کے ایک ایک میسجز پر ہزاروں ریپلائے تھے۔ لیکن یہ بات کوئی نہیں جانتا تھا وہ مسیجز عروزہ جمال اس کے کہنے پر کرتی تھی۔ شاید ہی اس نے کبھی اپنا اکاؤنٹ فرصت سے دیکھا ہو۔

"شرم کرو ڈیڈی کی عمر کا ہے۔" لڑکیاں ریپلائے میں ایک دوسرے کو ٹھوکے دے ہی تھیں۔ ایک دوسرے کو شرم دلانے کی کوشش میں تھیں۔ اس کے فینز کی ایک کثیر تعداد انڈیا سے تھی۔

ی "With Old Money"

"استغفر اللہ۔۔" فجر کے لبوں سے بے ساختہ پھسلا۔ کانوں سے دھواں نکلنے لگ گیا تھا۔ رئیس اور نگزیب کو تسلی سے Stalk کرنے کے بعد وہ اس کے چینل سے لیفٹ کر چکی تھی اور پھر لیپ ٹاپ بند کرتے ہوئے وہ بڑبڑا رہی تھی۔

"اچھا خاصا ہونے کے باوجود بھی اس عمر میں سنگل گھوم رہا ہے ہنہہ شوخا انکل۔۔!"

سر جھٹک کر رئیس اور نگزیب کو اپنے ذہن سے نکالا اور پھر بتی بند کرتے ہی وہ بستر پر لیٹ گئی۔ رئیس گروپ کہیں بیچ میں ہی رہ گیا تھا البتہ رئیس اور نگزیب کی شخصیت اسے عجیب لگی تھی۔ حالانکہ وہ اسٹالکر نہیں تھی پھر بھی اس نے رئیس اور نگزیب کو اچھا خاصا اسٹالک کر لیا تھا اور یہ آج کے لیے کافی تھا۔ اتنی زیادہ تھکاوٹ تھی کہ مزید کچھ سوچنے کا موقع ہی نہیں ملا اور نیند کی وادی میں اتر گئی۔ ہاں البتہ وہ اس کی بائیو پر دھیان دینا بھول گئی تھی۔

"مجھ سے ملنے تمہیں بلندیوں پر آنا ہو گا۔"

✿••✿••✿••✿

ٹوٹے خوابوں کی دنیا ایک پر اسرار و سنسنی خیز جگہ ہے جہاں امیدیں چکنا چور ہو جاتی ہیں اور خواہشات کی روشنی مدھم پڑ جاتی ہے۔ یہ خواب، جو کبھی خوشیوں کی نوید لاتے تھے، اب ایک گمشدہ حقیقت کی مانند ہیں، جیسے رات کی تاریکی میں کھوئے ہوئے ستارے۔ ہر ٹوٹا خواب ایک کہانی سناتا ہے، ایک ایسی کہانی جو دل کے کونے میں چھپی ہوئی ہے، جہاں محبت کی آرزوئیں، کامیابی کے خواب، اور خوشیوں کی خواہشیں بکھر گئی ہیں۔ ان خوابوں کی ٹوٹ پھوٹ میں ایک عجیب سی خاموشی ہے، جیسے کوئی گمشدہ صدا، جو دل کو چیرتی ہے اور آنکھوں میں آنسو لاتی ہے۔ یہ خواب کبھی کبھی ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کرتے ہیں کہ کیا ہم واقعی اپنی منزل کی طرف بڑھ رہے ہیں یا صرف ایک بے مقصد سفر پر ہیں۔ یہ جاننے کے لیے ہمیں آگے بڑھنا ہو گا۔

اگلی صبح فجر کی آنکھ دیر سے کھلی۔ تکان اتنی تھی کہ اس سے اٹھا ہی نہیں گیا۔ اماں نے کئی بار آواز دی لیکن وہ اٹھ نہیں پائی اور اب باہر سورج اپنی پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر تکیے کے نیچے رکھا فون اٹھایا اور پھر اسے آن کیا۔ دن کے گیارہ بج رہے تھے۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ جسم اکڑا ہوا تھا اور سر الگ درد کر رہا تھا۔ فون آن کر کے اس نے سب سے پہلے گلاس گروپ چیک کیا جہاں اسٹوڈنٹس نے طوفان بھرپا کیا ہوا تھا۔

"یونیورسٹی مینجمنٹ ہمارے ساتھ ایسا کیسے کر سکتی ہے؟ اس روز ہمارا نکاح ہے۔ یہ سراسر زیادتی ہے۔"

فجر کے لبوں کر بے ساختہ مسکراہٹ نے چھوا۔ جلتے دل پر پھوار سی پڑتی محسوس ہوئی۔ جہاں کل تک اس کا مزاق اڑایا جارہا تھا وہیں آج سب اپنے لیے رو رہے تھے۔

اسے تکلیف دینے والے چند اسٹوڈنٹس ہوں گے باقی سب تماشائی تھے۔ سب نے اسے میدان میں اترنے پر مجبور کر دیا تھا اب وہ اتر آئی تھی تو رونا کیسا؟ ابھی کھیل ختم نہیں ہوا تھا۔

وہ مسکرا کر اٹھ بیٹھی۔ اس کا ارادہ فریش ہو کر کام کرنے کا تھا لیکن جیسے ہی وہ بیڈ سے اتری تو فون بج اٹھا۔

انجان نمبر سے فون تھا۔ وہ کئی لمحے فون کو دیکھتی رہی پھر کال اٹینڈ کر کے فون کان سے لگایا۔

"ہیلو۔۔۔"

"محترمہ خبر تو مل گئی ہو گی؟ اب کیا گاڑی بھیجواؤں تاکہ آپ تشریف لائیں اور احسان کا بدلہ چکا سکیں۔؟؟"

مراد عالم کی تمسخرانہ آواز ابھری۔ فجر کی تیوری چڑھ گئی۔ اسے احسان لینے کی، مدد لینے کی عادت نہیں تھی لیکن اس بار وہ مجبور تھی۔

"فجر معراج احسان کا بدلہ پورا پورا چکاتی ہے۔" لہجہ حد درجہ سنجیدہ تھا۔

"تو تشریف لے آئیں تاکہ کام شروع کر سکیں، رئیس گروپ آپ کی راہ میں پلکیں بچھائے بیٹھا ہے۔" مراد عالم کا انداز طنزیہ تھا۔ وہ جان بوجھ کر فجر کو ٹرگر کر رہا تھا۔

"تو آپ مان رہے ہیں کہ رئیس گروپ کو فجر معراج کی ضرورت ہے؟؟" وہ محظوظ ہوئی۔ مراد عالم پل بھر کو خاموش ہوا۔

"12 O clock Sharp"

وہ فون بند کرنے ہی والا تھا کہ فجر کی اگلی بات نے اسے ٹھٹھکنے پر مجبور کیا۔

"سر ذرا اپنے ملازموں کو اطلاع دے دیجئے گا کہ مجھے گیٹ پر مت روکا جائے ورنہ میں برا بھی مان جاتی ہوں۔"

معصومیت سے کہتے آنکھیں پٹپٹائیں تو مراد نے لب بھینچ کر فون بند کر دیا۔

مراد عالم جیسے Goblin سے، اُسی جیسی ملکہ ملعون ٹکرا گئی تھی۔ اللہ جانے اب رئیس گروپ کا کیا بنتا؟؟

✿••✿••✿••✿

پیرس صبح آٹھ بجے؛

پیرس کی یہ صبح خوشگوار تھی۔ موسم نہ گرم تھا نہ سرد بلکہ ٹھنڈی ہوائیں اور چمکیلی سی دھوپ میں لاکھوں سیاہ اپنے سیاحت کو خوشگوار بنانے میں مگن تھے۔ ہنسی بکھیرتے جوڑے محبت کی تازگی کو محسوس کرتے نظر آتے تھے۔ ایسی ہی صبح میں ہاٹل گرینڈ کے عالیشان کمرے کی کھڑکی میں کھڑا رئیس اس وقت مصروف نظر آتا تھا۔ داہنے ہاتھ میں نازک سا سفید کپ تھامے، جس کے پیندے میں بلیک ٹی واضح تھی، دوسرا ہاتھ ٹراؤزر کی جیب میں ڈالے وہ کان میں لگے ائیر پوڈ سے ابھرتی آواز سن رہا تھا۔ یہاں سے قد آور ایفل ٹاور واضح نظر آتا تھا۔ فریش فریش سا رئیس اس پہر اچھا لگ رہا تھا۔ سفید ٹی شرٹ سے اس کے کسرتی بازوں نماں تھے۔ درمیانہ قد اور گندمی رنگت سورج کی مدھم دھوپ میں دمک رہی تھی۔

"تم چاہتے کیا ہو رئیس؟ تم شادی کے لیے ہاں کیوں نہیں کر رہے ہو؟ آخر ترنم کب تک اپنی بیٹی کو بٹھائے رکھے گی۔۔؟" دوسری جانب سے ایک نفیس سی آواز سنائی دی جس میں پریشانی واضح تھی۔

"جب تک رئیس زندہ ہے اس لڑکی پر صرف رئیس کا حق ہے چاہے یہ شادی ہو یا نہ ہو۔"

بلیک ٹی کا گھونٹ بھرتے اس نے قدرے سکون سے کہا "اور مجھے سمجھ نہیں آتا کہ اچانک آپ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ پہلے تو ترنم بیگم مانتی نہیں تھی کہ اُن کی بیٹی ابھی چھوٹی ہے اب اچانک جلدی کیوں ہے؟؟" وہ بھنویں سکیڑے بولا تو فون کے اس پار میلوں دور بیٹھی عورت کا دل کانپ اٹھا۔

"وہ اب بڑی ہو چکی ہے رئیس۔ پچھلی بار میں تمہارے ناں کرنے کے باوجود تاریخ طے کر آئی تھی لیکن معراج کے انتقال کی وجہ سے نکاح نہیں ہو پایا۔ میں چاہتی ہوں اب تمہارا گھر بس جائے۔ شادی کی یہی عمر ہے۔ اس سے لیٹ کیا ہو گا؟" وہ ماں تھی۔ پریشان تھی۔ لیکن پریشان سے زیادہ ڈری ہوئی تھی۔ انہونی سے۔ انجانا خوف تھا جو پیچھا نہیں چھوڑتا تھا۔

"ڈر کس بات کا ہے آپ کو؟" ٹھنڈے لہجے میں کہتا وہ بلقیس بیگم کو ساکت کر گیا۔

"معراج الدین کی بیٹی کے بے وفا ہونے سے ڈرتی ہیں آپ؟ کہیں وہ مجھ سے انکاری نہ ہو جائے۔ ہے نا؟؟"

وہ بدی کا بادشاہ اپنی ماں سمیت ہر انسان کی سوچ کو اندر تک پڑھ لیتا تھا۔ کتنے ہی پل بلقیس بیگم کچھ بول نہ پائیں۔ دل دھک دھک کر رہا تھا۔ وہ جانتی تھی آسیہ ترنم اور معراج الدین کی بیٹی باغی تھی۔ وہ اس رشتے سے انکاری تھی۔ وہ یہ شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ بچپن سے اس کے کانوں میں اس رشتے کی بات ڈالنے کے باوجود وہ انکاری تھی۔ وہ اس رشتے کو کسی خاطر میں نہیں لاتی تھی۔ ترنم کی باتوں سے پتا چلتا تھا۔ ان کی بیٹی آج تک بلقیس بیگم سے نہیں ملی تھی۔ وہ یہ بھی جانتی تھیں جب بھی یہ شادی ہوتی ان کی بیٹی کی مرضی کے خلاف ہوتی لیکن یہی طے تھا۔ سالوں پہلے جو طے پایا تھا وہ تو ہونا ہی تھا۔

"اور تم انتظار کر رہے ہو اس کے بے وفا ہونے کا؟؟" وہ بھی ماں تھیں اور اولاد کو ماں سے بہتر کون جانتا ہے؟

"ہاں تا کہ اُس کے سینے میں اپنے ہاتھوں سے گولی اُتار سکوں۔" سکون سے کہتا وہ بلقیس بیگم کا سکون آرام برباد کر گیا۔ ان کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ ہوئی۔ چہرہ پیلا پڑا۔

"رئیس وہ نادان ہے۔ کم عمر ہے۔ تم تو سمجھدار ہو۔" وہ دہل کر بولیں۔ "کیوں ضد لگائے بیٹھے ہو؟"

"آپ جانتی ہیں رئیس اورنگزیب کسی کو دوسرا موقع نہیں دیتا۔۔۔" اس کے انداز میں کوئی بدلاؤ نہیں آیا۔ چہرے پر ایک بھی شکن نہیں تھی۔ وہ اتنے آرام سکون سے کہہ رہا تھا جی1 سے یہ اُس کا روز کا کام ہو۔

"تمہاری وجہ سے ہو گا جو بھی ہو گا۔ چار سال پہلے ہی اگر تم یہ شادی کر لیتے تو وہ آج تمہاری بیوی ہوتی۔ بے وفائی کا کوئی سوال پیدا ہی نہ ہوتا۔" وہ اپنے بد دماغ بیٹے کو اس کی ہٹ دھرمی پر ڈپٹ رہی تھیں۔

"بے وفائی کا آپشن نہ چار سال پہلے تھا، نہ آج ہے اور نہ کل ہو گا۔ بائیس سالوں کی وفا ہے میری اماں! اگر وہ لڑکی مجھ سے انکاری ہے تو بیٹھی رہے مجھے بھی اس میں کوئی دلچسپی نہیں لیکن اگر مجھے ذرا سی بھی بھنک پڑی کہ اس نے رئیس کی بجائے کسی اور کو چُنا ہے تو آپ جانتی ہیں اس کا حشر کیا ہو گا۔"

وہ معافی کا روادار نہیں تھا۔ وہ مہربان تھا لیکن اپنے ساتھ ظلم نہیں ہونے دیتا تھا۔ رئیس اورنگزیب سے بے وفائی کی سزا صرف موت تھی۔ صرف موت! اور بلقیس بیگم کو یہ موت صاف نظر آئی تھی۔

"دیکھو رئیس میرے بچے میری بات کو سمجھو۔" انہوں نے پیار سے پچکارہ۔

"تم اس سے شادی نہیں کرنا چاہتے تو آزاد کر دو لیکن یہ سزا نہ دو۔ آخر ترنم کب تک اسے بیڑیاں ڈال سکتی ہے؟ وہ لڑکی ہے۔ نوجوان ہے۔ لڑکیوں کے جذبات نازک ہوتے ہیں۔ وہ نہ تم سے کبھی ملی ہے نہ کبھی دیکھا ہے تو کیسے تمہیں قبول کرے گی؟ کیوں تمہارے لیے بیٹھی رہے گی؟"

"جیسا میں بائیس سالوں سے اس کے لیے بیٹھا ہوا ہوں بالکل ایسے ہی اسے بھی میرے لیے بیٹھنا ہو گا۔۔۔" اس کا انداز دوٹوک تھا۔

"رئیس۔۔۔" بلقیس بیگم نے بے بسی سے اسے پکارہ۔

"وہ لڑکی ہے۔ لڑکیاں نازک ہوتی ہیں۔ تم اس کے سامنے آجاؤ اِس سے پہلے کہ اُسے کوئی اور پسند آئے۔ کسی کی سزا اُسے مت دو۔"

"بے وفائی کی سزا صرف موت ہے!"

وہ اس سے کم پر راضی نہیں تھا۔ اس سے پہلے بلقیس بیگم مزید کچھ کہتیں اس نے کان میں لگا ایئر بڈ اتار کر بیڈ کی جانب اچھال دیا اور پھر گہرا سانس لے کر خود کو پر سکون کرنے کی کوشش کی۔ تین چار گہرے سانس لے کر وہ مسکرا دیا۔

وہ رئیس اورنگزیب تھا رئیس گروپ کا مالک! ایک خبطی انسان۔ جس کی وفا عجیب تھی۔ جس کی سزا موت سے کم نہیں ہوتی تھی۔ جو اپنے دور کا مشہور ڈیزائنر اور بزنس مین ہونے کے باوجود روایات کا پابند تھا۔

کمرے کے دروازے پر دستک ابھری اور پھر دروازہ کھلا تو عروزہ داخل ہوئی۔ گرے ڈریس پینٹ کے ساتھ سیاہ پلیزر پہنے، بالوں کو اچھے سے جوڑے میں دبائے۔ سیاہ چشمہ سر پر سجائے وہ تیار کھڑی تھی۔ اس کی بھوری رنگت نمایاں تھی۔

"باس آپ اب تک ریڈی نہیں ہوئے؟" رئیس کو بلیک ٹی کے مزے لوٹتے دیکھ کر وہ حیران ہوئی۔

"ارے عروز کیوں ہوا کے گھوڑے پر سوار رہتی ہو؟ چِل کیا کرو نا۔۔۔" تھوڑی دیر پہلے والا رئیس غائب ہو چکا تھا اور اس وقت عروزہ جمال کے سامنے ایک مختلف شخصیت کا مالک رئیس کھڑا تھا۔

"باس ہمیں نکلنا ہے۔ لیٹ نہیں ہو سکتے۔" عروزہ نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھتے سنجیدہ لہجے میں جواب دیا۔

"کبھی کبھی لگتا ہے باس تم ہو میں نہیں۔" خالی کپ ٹرالی میں رکھتے اس نے قدرے بے چارگی سے کہا۔

عروزہ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ ہاتھ باندھے کسی روبوٹ کی طرح کھڑی رہی۔

"تم چائے انجوائے کرو میں ذرا ریڈی ہو کر آتا ہوں۔" مسکرا کر کہتا وہ اس کے سامنے سے ہٹ گیا اور عروزہ نے تاسف سے گردن ہلائی۔

"باس کبھی نہیں سدھر سکتے۔" وہ دھیرے سے بڑبڑائی۔

"میں نے سن لیا ہے عروز۔" اگلے ہی پل وہ ڈریسنگ روم سے باہر نکلا۔ بیڈ پر پڑا اپنا فون اٹھایا اور ایک نمبر ملاتے فون کان سے لگا لیا۔

"ہیلو فنانس ڈیپارٹمنٹ؟ عروزہ جمال کی اس مہینے کی پچاس فیصد سیلری کاٹ لی جائے۔" وہ ہانک لگاتا واپس ڈریسنگ روم میں گھس گیا۔

"Offense?"

"ہاں offense یہ ہے کہ وہ کہہ رہی ہے باس کبھی نہیں سدھر سکتے۔" وہ پوری سنجیدگی سے کہہ رہا تھا یقیناً فنانس ڈیپارٹمنٹ میں اُس کی اِس کال سے شگوفے کھل اٹھے ہوں گے جبکہ عروزہ جمال اپنا ماتھا پیٹ کر رہ گئی تھی۔

✿••

مراد عالم اپنے آفس میں بیٹھا تھا۔ آج ڈیزائنر ٹیم کے ساتھ اس کی میٹنگ تھی۔ آج شالے کی لانچ کا پلان فائنل کرنا تھا۔

خاکی پینٹ پر آسمانی رنگ کی کاٹن کی ڈریس شرٹ پہنے وہ نک سک سا تیار تھا۔ کف فولڈ تھے اور چہرے پر پریشانی نمایاں تھی۔ اتنی تو شاید رئیس کو بھی ٹینشن نہیں ہو گی جتنی اسے ہو رہی تھی۔ پیشانی کی لکیریں واضح تھیں۔

میز کے دوسری جانب رکھی پاور چیئر بیٹھا وہ سامنے دیوار پر لگی بڑی سی اسکرین دیکھ رہا تھا جس پر رئیس ہیڈ آفس کی اہم جگہوں کی لائیو ریکارڈنگ چل رہی تھی۔ جہاں جہاں سی سی ٹی وی کیمرہ لگے تھے ان کی ریکارڈنگ کنٹرول روم کے علاوہ مراد عالم کے پاس بھی تھی۔ وہ اکثر نظر رکھنے کا کام بھی کرتا تھا۔

آج کا دن اہم تھا کیونکہ آج ماڈلز بھی فائنل کرنی تھیں۔

میز پر رکھا فون بجا تو اُس نے اٹھا کر کان سے لگایا۔

"سر سبھی ڈیزائنرز آ چکے ہیں۔ آپ کا ویٹ کیا جا رہا ہے۔" شستہ سی نسوانی آواز ابھری۔

"اوکے میں آرہاہوں۔" تبھی اس کی نظر اسکرین پر پڑی جہاں مین گیٹ کی انٹرنس واضح تھی۔کیمرہ میں اُسے فجر معراج ہاتھ ہلاتی نظر آئی۔وہ تپانے والی مسکراہٹ لیے اسے ہائے کر رہی تھی۔ڈائن کہیں نہ کہیں جانتی تھی کہ مراد عالم اسے دیکھ رہاہو گا۔اس نے فوراًلینڈ لائن سے سیکیورٹی کا نمبر ملایا۔

"اس لڑکی کو آنے دیں۔"اس نے حکم دیااور فون واپس رکھ دیا۔فجر معراج مسکرا کر اندر داخل ہو گئی۔

اس کی یادداشت تیز تھی یقیناً اسے مراد کا آفس یاد ہو گا۔پانچ سات منٹ تک وہ آفس پہنچ جاتی۔وہ اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ایک گہرا سانس لیااور خود کو کمپوز کرنے لگا۔

شالے کی لانچ کوئی چھوٹی بات نہیں تھی۔شالے میں بیش قیمتی اور نایاب ڈیزائن تھے اور وہ چاہتا تھا کہ اسے یادگار بنایا جائے۔لوگ پرانہیں دیکھنے کے بعد ایک سحر طاری ہو جائے۔وہ بے چینی سے ٹہلنے لگا۔اتنا تو وہ جانتا تھا فجر کا فوٹو شوٹ کا کوئی ارادہ نہیں تھا تو پھر کیسے ہو گا یہ سب؟

پانچ منٹ بعد دروازے پر دستک ہوئی۔

"کم ان۔۔۔"وہ بھاری بھر کم آواز میں بولا تو دروازہ جھٹکے سے کھل گیا۔

تروتازہ سی فجر معراج سامنے ہی کھڑی تھی۔ہلکے گلابی رنگ کے کاٹن کے co ord سیٹ پہنے وہ کافی فریش لگ رہی تھی۔کیپری ٹراؤذر کے ساتھ گھٹنوں تک آتا ٹاپ اتنا کھلا تھا کہ اس میں فجر جیسی دو تین لڑکیاں اور سما جاتیں۔گلے پر ہوئی باریک سی سفید رنگ کی کڑھائی جو چمک رہی تھی۔بازو اوپر سے کھلے تھے جو کلائی کے مقام پر بند ہوتے تھے اور پیروں میں وہ ہائی سول والی چپل پہن کر آئی تھی۔نازک سی سفید چپل جو سوٹ کے ساتھ میچ ہو رہی تھی۔گیلے بال راستے میں ہی سوکھ گئے تھے جنہیں اس نے فولڈ کر رکھا تھا اور چھوٹی بڑی لٹیں باہر نکلی ہوئی تھیں۔

ہمیشہ کی طرح چشمہ بالوں پر جما ہوا تھا اور سر پر اس نے ہم رنگ اسکارف لے رکھا تھا۔

"السلام علیکم!" مراد عالم کو دیکھتے ہی اُس نے سلام کیا۔

کبھی کبھی مجبوری میں گدھے کو بھی باپ بنانا پڑتا ہے اور فجر کے لیے یہ مجبوری وہی تھی۔

"وعلیکم السلام!" اس نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی۔ پورے بارہ بج رہے تھے۔ وہ دل ہی دل میں متاثر ہوا۔

"سر میں وقت کی پابند ہوں۔" وہ آج مسکرا رہی تھی۔ مراد کو حیرت ہوئی ورنہ تو ڈریگن بنی منہ سے آگ ہی نکلتی تھی۔

شاید اُسے اپنی ویلیو کا اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ بے کار نہیں تھی۔ وہ واقعی اہم تھی۔ درد کبھی بھی ختم نہیں ہوتا بس ہم مسکرانے کی نئی وجہ ڈھونڈ لیتے ہیں۔

"گڈ۔۔۔" وہ بس اتنا ہی کہہ پایا۔

کیا لو گی؟ چائے کافی؟" اس نے مروتاً پوچھا ورنہ تو چاہ رہا تھا فٹافٹ کام شروع ہو جائے۔

نو تھینکس۔۔" وہ ناشتہ کر کے چائے پی کر پھر آئی تھی۔

"تو آؤ پھر تمہیں رئیس جیولرز کی بہترین جیولری میں سے شالے دکھاتا ہوں۔" وہ کہتا ہوا آفس سے باہر نکلا تو فجر بھی اس کے ساتھ ہی باہر آئی۔ سیاہ بیگ کندھے پر ڈالے وہ مراد عالم کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ سفید چمچماتا ماربل جس میں وہ اپنے آپ کو واضح دیکھ سکتے تھے، دو دونوں قدم بڑھاتے آگے چلتے گئے۔ آفس سے نکل کر داہنے جانب راہداری میں داہل ہوئے۔ مراد عالم نے اپنے والٹ سے ایک کارڈ نکالا۔ وہ دونوں اب ایک الیکٹرک دروازے کے سامنے کھڑے تھے جو کارڈ اسکین ہونے پر ہی کھلتا تھا۔ یہ وہ کمرہ تھا جہاں بیش قیمتی جیولری اور ہیرے

جواہرات رکھے جاتے تھے۔ یہاں آنے کی اجازت کم و بیش لوگوں کو تھی۔ کارڈ اسکین ہونے کے بعد دروازہ کسی لفٹ کی مانند کھلتا چلا گیا اور وہ مراد عالم کے پیچھے ہی کمرے میں داخل ہو گئی۔ دروازے بند ہو گیا۔ فجر کو یہاں کا سیکیورٹی سسٹم پسند آیا تھا۔ راہداری کے کنارے پر اس نے دو سوٹڈ بوٹڈ لوگوں کو کھڑے دیکھا تھا۔ یقیناً وہ گارڈز تھے۔

"لائٹس پلیز۔۔۔" مراد عالم کے کہنے پر ایک جھماکے سے روشنیوں کا سیلاب امڈ آیا۔ فجر نے اپنی عینک اتار کر آنکھوں پر جمائی۔ زیادہ تیز روشنی اسے irritate کرتی تھی اور جیسے ہی اس نے گردن اٹھا کر دیکھا وہ ساکت رہ گئی۔ پل بھر کو منہ حیرت سے کھل گیا۔ اس کے سامنے ہی کانچ کے جاروں میں آنکھوں کو خیرہ کرنے والے زیوارت رکھے تھے۔ یوں تو پورا کمرے کمرے میں دیواروں سے منسلک شیلف بنے تھے جن میں ہیرے، قیمتی پتھر اور کئی آرٹ کے نمونے رکھے تھے لیکن سامنے ہی میز پر پانچ جار تھے۔

"شالے جیولری میں ٹوٹل پانچ ڈیزائن ہیں۔" مراد عالم نے بولنا شروع لیا۔ Minimal jewellery پہننے والی فجر ان ہیرے جواہرات کو دیکھ کر پل بھر کو حیران رہ گئی۔ اس لیے نہیں کہ یہ ہیرے تھے یا بیش قیمتی تھی بلکہ یہ بہت خوبصورت تھے۔ بے انتہا حسین۔ ہاتھوں کی کاریگری اس قدر حسین بھی ہو سکتی ہے وہ تو دنگ تھی۔

آج اس نے دل میں ہی اعتراف کر لیا تھا کہ واقعی رئیس جیولرز، جیولری اور آرٹ کے معاملے میں پاکستان کا سب سے بڑا برینڈ تھا۔

"یہ آرٹیکل نمبر ون ہے۔" مراد عالم نے سب سے پہلے جار کی جانب اشارہ کیا۔

سیاہ Carbonados (سیاہ ڈائمنڈ) سے بنا یہ نیکلس جو مشرقی اور مغربی ڈیزائن کا منہ بولتا ثبوت تھا یہ دیکھنے والوں کو حیران کر دیتا تھا۔ اس کا ڈیزائن چوکر تھا لیکن اس میں لگے سیاہ ڈائمنڈ بڑے بڑے تھے۔ چار انچ چوڑا یہ

نیکلس بے انتہاہ خوبصورت تھا۔اس کے ڈیزائن کو اتنے مہارت اور خوبصورتی سے بنایا گیا تھا کہ دیکھتے ہوئے دل لگتا اور اس کے ساتھ کے ایئر رنگز چھوٹے سائز کے ہم رنگ تھے۔

"یہ آرٹیکل ٹو ہے۔" مراد نے دوسرے جار کی جانب اشارہ کیا۔یہ نیکلس بڑے بڑے Turquoise (فیروزہ) سے بناہوا تھا اور اس رنگ بھی ویسا ہی تھا۔یہ مالا سیٹ کی طرح تھا جو پہننے پر سینے سے ذرا نیچے تک آتا تھا۔ فیروزہ کو دراصل ویسٹ کا ڈائمنڈ کہا جاتا ہے۔اس نیکلس کو ونٹیج سلور میں کرافٹ کیا گیا تھا اور فیروزے بڑی مہارت اور خوبصورتی سے جوڑے گئے تھے۔نیکلس کے ساتھ ساتھ لمبے ایئر رنگز اور ایک انگوٹھی بھی تھی۔ انگوٹھی کا سائز اتنا تھا کہ فجر کا آدھا ہاتھ چھپ جاتا اور اس کی قیمت ہزاروں ڈالرز میں تھی۔

"یہ آرٹیکل تھری ہے۔"

تیسرا آرٹیکل مکمل مشرقی ڈیزائن تھا۔سنہری رنگت والا سونے کا بنا یہ چوکر اور مالا سیٹ برائیڈل جیولری میں آتا تھا۔یہ پورا ہی سنہری تھا اور اس میں دمکتے اسٹون اسے بیش قیمتی بنا رہے تھے۔یہ ان لڑکیوں کے لیے بہترین تھا جنہیں رنگ برنگی جیولری نہیں پسند آتی۔جو ایک ہی رنگ پہننا پسند کرتی ہیں۔جانے کتنے تولے سونے سے بنا یہ سیٹ بیش قیمتی تھا۔

"یہ رہا آرٹیکل فور جو کافی ڈیمانڈنگ رہا ہے۔ہم نے اسے نیا ٹچ کر دے شالے کلیکشن میں شامل کیا ہے"

یہ سلور جیولری تھی۔ونٹیج سلور۔ایک باریک سا نیکلس جسے غور سے دیکھا جائے تو نیکلس کی چین عجیب و غریب شکلوں سے بنی ہوئی تھی۔اس میں شکلوں کی ایک باقاعدہ ترتیب تھی۔یہ شکلیں، انسانی چہرے نہیں تھے بلکہ غور کرنے پر کہیں مکڑی، کہیں تتلی تو کہیں پنکھ لگے نظر آتے تھے۔اس کے ساتھ بریسلٹ تھی اور یہ خوبصورت تھا۔ آرٹسٹ خود ایسے ڈیزائن پہنتے تھے۔ماڈلز اور راک اسٹارز۔یہ انہی کے لیے بنایا گیا تھا۔

"یہ آخری آرٹیکل ہے جس نے سب سے زیادہ ٹف ٹائم دیا ہے۔ اسے بنانے میں تو سالوں لگے ہی ہیں پر اب یہ سمجھ نہیں آرہا اسے لانچ کیسے کیا جائے۔" مراد عالم بتا رہا تھا اور فجر ٹھہر گئی۔ وہ اسے جھک کر غور سے دیکھ رہی تھی۔ یہ ڈیزائن آرٹ کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ چشمے کے پار سے جھانکتی اس کی خوبصورت ذہین آنکھیں اس ڈیزائن کو دیکھتے ہوئے پراسیس کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"اب تم خود کو باقیوں سے الگ سمجھتی ہو تو اس ڈیزائن کے بارے میں بتاؤ۔ میں بھی دیکھوں تمہاری ان ذہین آنکھوں نے کیا اسکین کیا ہے؟"

مراد عال کے کہنے پر وہ چونک کر سیدھا ہوئی۔

ڈیزائن کو غور سے دیکھا جائے تو زیادہ کچھ سمجھ نہیں آتا۔ بڑی سی خوبصورت سفید، گرے اور مٹیالے رنگ کی سیپی جو کسی تاج کی طرح دکھتی تھی اس سے، چھوٹے بڑے سیپ سے نکلے موتیوں کی لڑیاں لٹکی ہوئی تھیں۔ دیکھنے پر سمجھ نہیں آتا تھا اس کو کیسے پہنا جاتا ہو گا۔ واقعی اسے لانچ کرنا اور صحیح طریقے سے لانچ کرنا کافی مشکل کام تھا۔

"ویل۔۔۔۔ یہ جیولری کا حصہ نہیں ہے۔ یہ آرٹ ہے۔ جیولرز جیولری پر فوکس کرتے ہیں جبکہ ایک آرٹسٹ ہمیشہ اپنے ڈیزائنز اور جیولری کے ساتھ ایک آرٹ ضرور پیس ضرور بناتا ہے جو صرف آرٹ کو ظاہر کرتا ہے۔" سینے پر بازو باندھے وہ فرصت سے بولی۔

"اور تمہیں ایسا کیوں لگا؟" مراد عالم آنکھیں چھوٹی کیے اسے دیکھے گیا۔

"ویل اس کمرے میں ستائیس ایسے پیس ہیں۔ رئیس جیولرز کی پچھلے پچیس سالوں میں ٹوٹل ستائیس کلیکشنز لانچ ہوئی ہیں اور ہر کلیکشن میں ایک پیس ایسا ضرور ہو گا جو ابھی اس کمرے میں موجود ہے۔ اور اس پر کوئی قیمت بھی

نہیں لکھی گئی۔اس کا مطلب یہ ناٹ فار سیل ہے۔"کندھے اچکا کر کہتی وہ مراد عالم کی جانب مڑی جو متاثر نظر آرہا تھا۔

"ویل یہ ناٹ فار سیل نہیں ہیں بلکہ کچھ آرٹسٹ ایسے ڈیزائن بنواتے ہیں ہاں البتہ یہ عام لوگوں کے لیے نہیں ہوتے۔"اس نے اضافہ کیا۔

"اب ہم چلتے ہیں کانفرنس روم میں جہاں میرا انتظار کیا جارہا ہے۔مجھے امید ہے آج سبھی ماڈلز فائنل ہو جائیں گی۔ایک بار ماڈلز فائنل ہو جائیں تو پھر کاسٹیوم کی باری آئے گی۔تم کیا کہتی ہو؟؟"وہ اب دروازے کی جانب بڑھ رہے تھے۔

"آپ کے سب سے مشکل سیپ والے آرٹیکل کی لانچ کیسے کرنی ہے وہ آئیڈیا مجھے آچکا ہے۔یہ میں دیکھ لوں گی باقی آپ اور آپ کے ڈیزائنرز دیکھ لیں۔"

دروازے سے باہر نکلتے فجر نے مشورہ پیش کیا۔اس کی بات سن کر مراد عالم ہنس دیا۔

"تمہیں لگتا ہے تم اس آرٹ پیس کو پریزنٹ کر پاؤ گی؟"وہ تمسخرانہ بولا۔انداز سراسر مزاق اڑانے والا تھا۔شاید اگلے کو نیچا دکھانا اس کی فطرت تھی۔

"تو کیا میں یہاں پیزا کھانے آئی ہو؟"فجر کی تیوری چڑھی۔

"مسٹر مراد عالم میں اپنا پروجیکٹ چھوڑ کر یہاں گھومنے پھرنے نہیں آئی۔میں جو کر سکتی ہوں وہ میں نے بتا دیا۔آپ کو فیور چاہیے تو بتائیں نہیں چاہیے تو بھی بتائیں۔میرا وقت ضائع مت کریں۔"تھوڑی دیر پہلے والا اچھا موڈ غارت ہو چکا تھا۔

"ویل مجھے تمہارے اوور کنفیڈنس ہونے پر حیرت ہوتی ہے۔ تم نے سب سے مشکل کام ہی کیوں چنا؟؟" وہ واقعی جاننا چاہتا تھا۔ راہداری میں کھڑے وہ دونوں بحث کر رہے تھے۔ راہداری کے سرے پر کھڑے گارڈز نے کنکھیوں سے ایک نوجوان لڑکی اور ایک سمجھدار مرد کو جھگڑتے دیکھا۔

شاید مراد عالم ابھی نہیں جانتا تھا کہ اگر اس ڈائن کا دماغ گھوم جاتا تو کیا ہوتا۔ فجر نے ضبط کرتے خود کو کچھ غلط کہنے سے روکا۔ پھر دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر وہ ایک قدم بڑھا کر اس کے سامنے آئی۔

"میں اوور کانفیڈنس رہوں گی تو کانفیڈنس لیول تک کام کر پاؤں گی۔ اب بتائیں یہاں میری ضرورت ہے یہ میں جاؤں؟ "

خوبصورت آنکھیں مراد عالم کو سالم نگل جاتیں۔ وہ مسکرا کر پیچھے ہٹا۔

"میرے ساتھ آؤ۔۔۔" وہ اب واپس قدم بڑھا کر چکا تھا۔ فجر مٹھیاں بھینچ کر اس کے پیچھے چل پڑی۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں کانفرنس روم کے سامنے کھڑے تھے۔ فجر کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ مراد عالم تک تو ٹھیک تھا وہ اپنی زبان کے جوہر دکھا لیتی تھی لیکن اتنے بڑے اور ٹیلنٹڈ لوگوں کے سامنے وہ اپنا بھرم کیسے رکھ پائے گی؟

خشک لبوں پر زبان پھیری اور دل ہی دل میں دعائیں پڑھتے خود کو نارمل کیا۔

"آر یو ریڈی؟" دروازے پر رک کر مراد عالم نے پلٹ کر ایک نظر اسے دیکھا۔ آنکھوں عجیب سی چمک تھی۔

"Always..."

وہ سرخ چہرے کے ساتھ مسکرائی اور پھر دروازہ کھل گیا۔

روشنیوں کا ایک سیلاب سا امڈ آیا۔ مراد عالم اندر داخل ہو گیا۔ فجر نے ایک گہرا سانس لیا اور پھر قدم بڑھا کر وہ کمرے میں داخل ہو گئی۔ کمرے کا دروازہ بند ہوتا چلا گیا۔

کیا کہتے ہو؟ کیا ہو گا؟؟

✿••✿••✿••✿

خوشی گرم جوشی سے گلے لگانا ہے

چہرے پر ایک نرم مسکراہٹ سجائے

یہ دوستوں کے ساتھ بانٹی ہوئی ہنسی ہے

اور یہ جاننا کے آپ کے پیارے آپ کے قریب ہیں

یہ سورج ہے جو آپ کی جلد پر چمکتا ہے

ایک ہلکی ہوا اندر سے بہلاتی ہے

یہ امن، سکون اور سکون کا احساس ہے

ایک دل، جو مطمئن ہے، بغیر کسی برائی کے

خوشی ایک سفر ہے، منزل نہیں

ایک ذہنی کیفیت، ایک میٹھا نشہ

لہذا ہر لمحے کو عزیز رکھیں، بڑا اور چھوٹا

کیونکہ خوشی سب سے بڑا تحفہ ہے۔

اور جب انسان کے پاس پیارے رشتے ہوتے ہیں۔ جب اس کے پاس سب کچھ ہوتا ہے تو وہ خوش ہوتا ہے اور خوشی کو محسوس کرنے کے لیے آپ کے اندر کا خوش ہونا بہت ضروری ہے۔ ایڈنبرا کی چمکیلی دھوپ اس پہر بھلی لگ رہی تھی۔ آج کی دھوپ ٹھنڈی تھی۔ آسمان پر ہلکے بادل تھے۔ کبھی سورج نکل آتا تو کبھی بادل چھا جاتے۔ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ آنکھ مچولی کر رہے تھے۔

"بہت خوب! نوجوان بہت بہت مبارک ہو تمہارا ہاتھ ٹھیک ہو چکا ہے۔" ولیم کے ہاتھ کا ایک آخری معائنہ تھا۔ ایکسرے کی رپورٹ ٹھیک آئی تھی۔ کوئی درد بھی نہیں تھا۔ اس کی زندگی ٹریک پر چل پڑی تھی اور ہاتھ اب بالکل ٹھیک تھا۔

"یعنی میں اس ہاتھ کا مکا مار کر کسی کا بھی ناک پھوڑ سکتا ہوں؟" وہ سنجیدگی سے بولا جبکہ آنکھوں میں شرارت واضح تھی۔

"ہاں اگر تم اچھے فائٹر ہو تو۔۔۔" ڈاکٹر اس کی بات سمجھتے مسکرا دیا۔

"تھینک یو ڈاکٹر! میں اب جا سکتا ہوں؟"

یہ ڈاکٹر مسٹر جوزف کا پرانا دوست تھا۔ ہسپتال سے خارج ہونے کے بعد ولیم کے ہاتھ کے بھی معائنے اسی ڈاکٹر کے پاس ہوئے تھے۔

"ہاں تم جا سکتے ہو۔۔" ڈاکٹر کے کہنے پر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

بیگی پینٹ اور ٹی شرٹ کے اوپر وہ سیاہ جیکٹ پہنے ہوئے تھے۔ جیکٹ کے کالر بڑے تھے اور نئے ہیئر اسٹائل (C میں وہ اچھا لگ رہا تھا۔ آج کل وہ اپنی رگبی کی ٹیم سے مل رہا تھا۔ دوستوں کے ساتھ گھوم پھر رہا تھا۔ وہ زندگی کو نئے سرے سے جینا سیکھ رہا تھا۔ پچھلے چند مہینوں میں کیا کیا ہوا وہ سب بھول جانا چاہتا تھا۔

ہسپتال کے باہر جارج کی مہنگی گاڑی کھڑی تھی۔ آج کل وہ یہی استعمال کر رہا تھا۔ گاڑی میں اس کا سامان رکھا تھا آج اس کا ارادہ سٹرو تھسائی یعنی Stirling جا کر کچھ ریکارڈنگز کرنے کا تھا۔ بہت ہو گئی عیش اب اسے کام پر واپس آنا تھا۔

گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے نیل کا نمبر ملایا۔ بیل جا رہی تھی لیکن اس نے فون نہیں اٹھایا۔ ولیم نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ اس کا رخ ایڈنبرا کے اولڈ ٹاؤن کی طرف تھا۔

پچھلے کافی سالوں سے وہ اس طرف نہیں گیا تھا۔

"نیل فون اٹھاؤ۔۔۔" اس کے فون نہ اٹھانے پر وہ بڑبڑایا۔ اسیرنگ ویل کو گھماتے اس نے گاڑی ریورس کی۔ سامنے ہی بنے لان میں اسے دو لڑکیاں بیٹھی نظر آئیں جنہوں نے یونیفارم پہن رکھا تھا۔ دونوں نرس تھیں۔ ولیم کو وہ کئی بار یہاں دیکھ چکی تھیں۔ اس وقت بھی وہ اسے دیکھ کر مسکرا رہی تھیں۔ ولیم کی نظر اچانک پڑی۔

وہ دونوں کھکھلا رہی تھیں۔ وہ مسکرایا۔ سراہا جانا کس کو اچھا نہیں لگتا؟ گاڑی ریورس کرنے کے بعد اس نے ہاتھ نکال کر انہیں بائے کہا اور پھر زن سے گاڑی بھگا لے گیا۔

پتھریلی سڑک کراس کی گاڑی تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔

گہری سرمئی عالیشان عمارتوں کے درمیان سے گزرتی اس کی گاڑی میں تیز میوزک بج رہا تھا۔اس کی گاڑی کا رخ اولڈ ٹاؤن کی طرف تھا جو دراصل ایڈنبرا کا ایک تاریخی علاقہ ہے۔یہ گلیوں کا ایک نیٹ ورک ہے جو پندرویں صدی میں بنایا گیا تھا اور یہ اینڈنبرا کیسل اور سینٹ گیلس چرچ کی وجہ سے کافی مشہور ہے۔

جیسے ہی وہ اولڈ ٹاؤن پہنچا نیل کا فون آنے لگا۔

"کہاں ہو بدبودار آدمی؟؟" فون اٹھاتے ہی وہ بولا۔

"سویا ہوا تھا۔" نیل کی نیند میں ڈوبی آواز گونجی۔"بائے داوے اسی بدبودار آدمی کو تم نے اُس دن گلے لگایا تھا بھول گئے؟؟" نیل مصنوعی خفگی سے بولا۔

"پی کر آیا تھا میں۔چڑھ گئی تھی مجھے۔یاد ہے؟؟ "مسکراہٹ چھپائے وہ اونچی آواز میں بولا۔

"اور تم بھی بھول رہے ہو کہ اس رات پیچ سڑک تمہاری ہیروگیری کیسے نکلی تھی۔"نیل کونسا کم تھا۔دونوں ایک دوسرے کو روسٹ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔

"میں اسٹرلنگ جا رہا ہوں تم چلو گے؟" ولیم نے بات بدل دی۔وہ رات خوفناک تھی۔اُس کے بعد فجر اسے کبھی دکھائی نہیں دی تھی۔

"کیا لینے جا رہے ہو؟" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"موسم اچھا ہے۔سوچ رہا ہوں تھوڑا کام کر لوں۔" وہ اب سنجیدہ تھا۔

"کیوں آج سورج کس جانب سے نکل آیا ہے جو تمہیں موسم اچھا لگ رہا ہے؟" وہ حیران ہوا۔

"سورج کو چھوڑو تم کیوں اماوس کے چاند بن گئے ہو نظر ہی نہیں آتے۔" تین دن ہو گئے تھے اسے نیل سے ملے۔ جب سے اس نے کیفے سنبھالا تھا وہ کافی بزی ہو گیا تھا۔

"بس میں زمہ دار شہری بن رہا ہوں۔ یہی عمر ہے۔" نیل نے دنیا جہان کی سمجھداری جمع کرتے بولا۔

"زمہ داری شہری نہیں زمہدار عاشق بننے کی تگ و دو میں ہو۔ میں سب جانتا ہوں۔ "

نیل کی بتیسی نکلی۔ آج کل اسے ایک لڑکی پسند آگئی تھی۔ بلکہ یوں کہنا بہتر ہو گا لڑکی اسے گھاس ڈال رہی تھی اور نیل نے شادی اور بچوں تک کے خواب دیکھ لیے تھے۔ لڑکی انڈین تھی اور نیل پوری طرح سنجیدہ تھا۔

"میں تمہاری طرح شادی شدہ ہوتے ہوئے بھی سنگل نہیں گھوم سکتا۔ "

فلو فلو میں نیل کے منہ سے نکل گیا پر اگلے ہی پل اسے افسوس ہوا۔ ولیم کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرایا پر وہ مسکرا دیا۔

"اُس سب کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ "

ہاں اس کے لیے بس وہ ایک خواب جیسا تھا۔ برا خواب۔ جو گزر گیا تھا۔ کیا واقعی؟

اچانک گاڑی کی ونڈ اسکرین پر کئی ٹانگوں والی مکڑی دکھائی دی۔ گاڑی کی چھت سے خراماں خراماں چلتی وہ ونڈ اسکرین پر آگئی۔ عنکبوت ولیم جوزف کی سلطنت میں بھی عود آیا تھا۔

"حقیقت ہو یا خواب لیکن شادی تو تم نے کی ہے نا؟" نیل نے اسے چڑانے کی کوشش کی۔

"میرے لیے وہ ایک ایڈونچر بن چکا ہے۔" وہ اسے ایڈونچر کا نام دے کر بھول جانا چاہتا تھا۔

مکڑی نے اپنا زہریلہ منہ کھولا اور کئی خاموش گالیاں ولیم جوزف کے سپرد کیں۔

"ایڈوانچر؟؟ "

"ولیم صاحب چلو تمہارا ایڈوانچر نکالتے ہیں۔"

ایڈنبرا عنکبوت کی صداؤں سے گونج اٹھا۔

"ایسے کتنے ایڈوانچر کیے ہیں اب تک؟ "

"ویل یہ پہلا تھا اور آخری تھا۔ میں بھی زمہدار شہری بننے کا سوچ رہا ہوں۔" وہ مسکرایا۔

"کیا مطلب جینی رابرٹ تو پسند نہیں آگئی؟ "

"تم آرہے ہو یا نہیں؟" نیل کے سوالوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری تھا۔ ولیم کو ہی موضوع بدلنا پڑا۔

"مجھے ایکچوئلی کیفے کے لیے گروسری کرنی ہے۔ کافی کام ہے آج۔ رات میں ملتے ہیں بلکہ تم آجانا۔" نیل نے جمائی لیتے کہا تو ولیم نے کان میں لگا ایئر بڈ اتار کر رکھ دیا اور ساتھ والی سیٹ پر رکھا فون بند کیا۔

نیل باتوں کی پٹاری تھا۔ اس کی باتیں کبھی ختم نہیں ہوتی تھیں۔ ولیم بھی اولڈ ٹاؤن پہنچ چکا تھا۔

ونڈ اسکرین پر موجود عنکبوت سنجیدہ نگاہوں سے ولیم کو دیکھ رہا تھا۔ اب وہ گاڑی روکے کھڑا تھا۔ میوزک اب تیز تھا۔ ساتھ والی سیٹ سے اس نے اپنی کیپ اٹھائی اور سر پر اوڑھ لی۔ ویسے تو وہ کوئی سپر اسٹار نہیں تھا۔ پر باپ جوزف پیٹرسن تھا اس لیے خود کو ذرا میڈیا والوں سے چھپا بچا کر رکھنا پڑتا تھا کہ کہیں کوئی غلط کام کرتے پکڑا گیا تو جوزف پیلس میں داخلہ ممنوع ہو جائے گا۔

کیپ کے اوپر اس نے اپنے ہیڈ فون جمائے اور بیگ اٹھا کر میوزک بند کیا۔ اور گاڑی کا دروازہ کھولتے باہر نکل آیا۔

ڈینم کی بیگی گہری نیلی پینٹ پر سفید ٹی شرٹ اور اس کے اوپر جیکٹ پہنے ہوئے تھا۔ پیروں میں اسنیکرز تھے۔

اس کے گاڑی سے نکلتے ہی عنکبوت اپنی جگہ سے اٹھا اور تیزی سے چلتا کھلے دروازے سے گاڑی میں گھس گیا۔ کیمرہ اٹھا کر ولیم نے گلے میں ڈالا اور بیگ کندھے پر لٹکاتے اس نے گاڑی لاک کر دی اور سر اٹھا کر دیکھا تو اولڈ ٹاؤن سرمئی بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ چاروں جانب بس سیاح گھوم رہے تھے۔

اپنی چال چلتا وہ آگے بڑھ گیا۔ کچھ دیر ہی میں ہلکی ہلکی بارش ہونے لگی۔ یوں بھی ایڈنبرا میں بارشیں بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ اس نے بارش کی فوٹو گرافی کی اور پھر کوکبرن اسٹریٹ (یہ ایک دلکش، پتھریلی گلی ہے جو کافی ڈھلوان دار اور عجیب وغریب دکانوں سے بھری پڑی ہے۔ یہاں کافی بوتیک کیفے اور ریستوران ہیں) میں The Milkman شاپ کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے ہاتھ میں پکڑی کافی کی تصویر اتاری۔ نیلی، پیلی، لال اور سبز جھنڈیوں والی گلی جس کی پتھریلی زمین پر بارش میں چلنا الگ ہی لطف دیتا ہے۔ اس گلی میں جھنڈیاں ایسے ہی لگی تھیں جیسے ہمارے یہاں چودہ اگست پر گلیاں سجائی جاتی ہیں۔

یہاں اوپر سے ایڈنبرا کا نظارہ بالکل ایسے تھا جیسے کوئی شہر کہرے میں لپٹا ہوا ہو۔

تصویر اس نے اپنے انسٹاگرام اکاؤنٹ پر اپلوڈ کی اور پھر کچھ دیر گھومنے کے بعد وہ واپسی کے لیے مڑ گیا۔

گاڑی میں بیٹھنے کے بعد اس کا رخ اب اسٹرلنگ کی جانب تھا۔ اس کی پچھلی پوسٹوں کے میوزک والے ویڈیو کافی وائرل ہو گئی تھی۔ کئی نجی کمپنیاں اس سے وہ ویڈو خریدنا چاہتی ہیں پر اس نے ناٹ فار سیل کا ٹھپہ لگا دیا تھا۔ اس کا مقصد ان ویڈیوز سے میوزک بنانے تھا۔ نیچرل میوزک اور آج کل وہ اسی پر کام کر رہا تھا۔

ایڈنبرا سے اسٹرلنگ ایک گھنٹے کا سفر تھا جو اس نے کافی تیز رفتاری سے طے کیا تھا۔ یہ قصبہ دیکھنے میں ایڈنبرا جیسا ہی The National Wallace کی عمارت کے سامنے کھڑا تھا۔ بلند و بالا وکٹورین اسٹرکچر جو ایبی کرائگ ہل پر واقع ہے۔ اسے ولیم والیس نے 13 ویں صدی میں بنوایا تھا۔ پھر وہ پہاڑی کے اوپر چڑھنے لگا۔ اپنے سامان کا بیگ کندھے پر لادے وہ اب والیس کے قریب کھڑا تھا۔ یہاں بھی بارش والا موسم تھا لیکن بارش نہیں ہو رہی تھی بلکہ تیز ہوا چل رہی تھی۔ والیس ایک طرح کا ٹاور ہے۔

ٹاور کی اوپری حصے میں پہنچ کر اس نے بیگ سے اپنا سامان نکالا۔ ایک مشین کو ٹاور کی دیوار سے جوڑ دیا اور ہیڈ فون سے اٹیچ کرنے کے بعد اس نے مشین آن کر دی۔

تیز ہوا جب ہوا جب ٹاور کی دیواروں سے ٹکراتی تھی تو عجیب سی آواز پیدا ہوتی تھی جو اس وقت ریکارڈ ہو رہی تھی۔ کیمرہ سے اس نے اس منظر کی ویڈیو بنائی اور پھر وہ واپس نیچے آ گیا۔ کچھ دیر یونہی گھومتا رہا اس سے پہلے وہ واپسی کے لیے قدم بڑھاتا عقب سے ابھرنے والی آواز پر وہ رک گیا۔

مڑ کر دیکھا تو ساکت رہ گیا۔ اس کے سامنے ہی وہ ٹوپی والا شخص کھڑا تھا جو اسے نیل کے کیفے میں ملا تھا۔

"ارے بیٹا تم یہاں۔۔؟؟" وہ بے ساختہ ولیم کی جانب بڑھا اور اسے گلے لگایا۔ ولیم تو اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں پایا تھا۔ وہ تو کوستا تھا اس رات کو جس رات اسے وہ شخص ملا تھا۔ پر یہ کیا؟ اس شخص کو ولیم یاد رہ گیا تھا؟

"تم یہاں گھومنے آیا ہو؟؟" ولیم نے الگ ہوتے اس نے شفقت سے پوچھا۔

"مم۔۔ میں۔۔ وہ کام کے سلسلے میں۔۔" جانے کیوں اس کی آواز لڑکھڑا گئی۔ وہ بھاگ جانا چاہتا تھا۔

"میرا گھر یہاں قریب ہی ہے۔ آؤ میں تمہیں اچھی جگہیں دکھاتا ہوں۔" اس نے بے تکلف پیشکش کی۔

"نہیں دراصل کافی وقت ہو گیا ہے مجھے ابھی جانا ہے" ولیم نے جان چھڑانا چاہی۔ وہ حیران تھا اس آدمی کو وہ کیسے یاد رہ گیا تھا؟

"زیادہ وقت نہیں لوں گا۔" اس آدمی کی آنکھوں میں ایک آس سی تھی۔ ولیم انکار نہیں کر پایا اور پھر کچھ دیر بعد وہ دونوں نیچے قصبے کی جانب جا رہے تھے۔

"آپ یہاں کیا کرتے ہیں؟" ولیم نے پہلا سوال کیا۔

"یہاں اسکول میں ملازمت کرتا ہوں۔ تم کہہ سکتے ہو کہ پڑھاتا ہوں۔" وہ نرمی سے بولا۔ وہ شہر سے ہٹ کر چھوٹے قصبے میں رہ رہا تھا جہاں ایک ہی اسکول تھا۔ اور اس آدمی کا گھر اسکول کے بعد آتا تھا۔

"تم کیا کام کرتے ہو؟" اس بار آدمی نے پوچھا۔

"میں بس شوقیہ فیلڈ ریکارڈنگز کرتا ہوں۔" ولیم نے مسکرا کر جواب دیا۔ اب اسے اتنا برا نہیں لگ رہا تھا۔

"شوقیہ اور کیا کیا کر لیتے ہو؟"

"میں عام سا انسان ہوں مجھے کچھ خاص آتا ہی نہیں ہے۔"

وہ پھیکا سا مسکرا دیا۔

"کس نے کہہ دیا تم عام سے انسان ہو؟ اللہ نے کسی کو عام نہیں بنایا بلکہ اس کا کہنا ہے کہ اس نے انسان کو بڑی ہی اچھی صورت میں پیدا کیا ہے۔"

وہ دونوں اب سکول کے سامنے پہنچ چکے تھے۔

"گھر یہاں سے تھوڑا دور ہے۔ چلو آؤ تمہیں چائے پلاتا ہوں۔ ایشیائی چائے۔۔" اس آدمی کو اب تھوڑا سانس چڑھ چکا تھا۔ وہ کافی دیر چلتے رہے تھے۔

"ویسے آپ کا نام کیا ہے؟" اس کے پیچھے ایک عمارت والے چھوٹے سے اسکول میں داخل ہوتے ولیم نے پوچھا۔

"عیسیٰ۔۔۔" وہ مسکرایا۔

ولیم اب طائرانہ نظروں سے چاروں جانب دیکھ رہا تھا۔ اسے ابھی سمجھ نہیں آیا تھا وہ عیسی نامی شخص اسے یہاں کیوں لایا تھا؟ کچھ دیر بعد وہ آفس نما کمرے میں بیٹھے تھے۔ چھٹی ہو چکی تھی۔ بچے جا چکے تھے۔

"تم بیٹھو میں چائے بنا کر لاتا ہوں۔" ولیم کو بیٹھنے کا اشارہ کر کے عیسی کمرے سے نکل گیا۔ ولیم نے بیگ اتار کر کرسی پر رکھا کمرہ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ ایک میز اور تین کرسیاں۔ دیوار کے لگا شیلف جس میں فائلیں لگی تھیں اور ایک دیوار پر لگی ڈھیر ساری تصویریں۔

وہ اب کمرے کا جائزہ لینے لگا پھر اس نے قدم تصویروں والی دیوار کی جانب بڑھا دیے۔ وہ اب پر شوق نگاہوں سے بچوں کے گروپس دیکھ رہا تھا۔ کئی کئی سال پرانی تصویریں لگی تھیں۔ نگاہیں پھسلتی گئیں اور پھر ایک جگہ پر اس کی نگاہیں رک گئیں۔ پتلیاں جیسے ساکت ہو گئیں۔ ایک پرانی تصویر لگی تھی۔ اس نے کلائی سے تصویر صاف کی اور دوبارہ غور سے دیکھا اور اگلے پل ولیم کو اسکول کی عمارت اپنے سر پر گرتی محسوس ہوئی۔

وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا۔ تصویر افق اور نگزیب کی تھی۔ اس کی ماں کی۔ جو ڈھیر سارے بچوں کے ساتھ کھڑی تھی اور گود میں دو سالہ بچہ تھا۔ وہ ولیم تھا۔ ہاں وہ وہی تھا۔

اسے لگا وہ سانس نہیں لے پائے گا سینے کے مقام پر درد سا اٹھا۔

اس کی ماں یہاں کیا کر رہی تھی؟

سر گھوم گیا۔ وہ کرسی پر بیٹھتا چلا گیا۔ چہرہ سرخ پڑ گیا اور آنکھوں میں بے یقینی واضح تھی۔

"آخر کیوں؟ کیوں اس کا ماضی اسے آگے بڑھنے نہیں دیتا؟ کیوں ولیم جوزف ایک نارمل زندگی نہیں گزار سکتا؟؟"

اس کا دل کیا وہ شدت سے چلائے پر زبان تالو سے جا چپکی تھی۔ جان بے جان سی ہو رہی تھی اتنی بھی ہمت نہیں تھی کہ اٹھ کر یہاں سے بھاگ جائے۔

"ولیم جوزف کو ایڈوانچرز کرنے ہیں؟؟"

اسٹرلنگ کی فضا میں کئی ڈائنوں کے خوفناک قہقہے گونج اٹھے۔ کوئی ہنس رہا تھا۔ کوئی رو رہا تھا۔ عنکبوت نے ولیم کے گرد اپنا شکنجہ سخت کیا اور وہ بن پانی کی مچھلی کی طرح تڑپنے لگا۔

"ولیم پلیز ہیلپ می"

سسکیاں چاروں جانب پھیل گئیں۔

"ولی بیٹا اپنے پروردگار کو یاد رکھنا۔"

"کیا تم مجھ سے شادی کر سکتے ہو؟"

مٹے مٹے سے چہرے واضح ہونے لگے۔وہ اب کانوں پر ہاتھ رکھے جھکا ہوا تھا۔جسم میں لرزش واضح تھی۔یوں لگ رہا تھا جیسے بھونچال آگیا ہو۔

"تین عورتیں، تین کہانیاں"

جن کا مرکزی کردار ولیم جوزف تھا ایک نفسیاتی لڑکا جسے کوئی بھی یاد ماضی میں کھینچ لے جاتی تھی اور ماضی پھر سے اس کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔تو کیا وہ رازوں سے آشنا ہونے کے لیے تیار تھا؟؟ آپ بتائیں۔

✿••✿••✿••✿

اگلی قسط پندرہ دن بعد اب شاء اللہ

جاری ہے۔

* * * * * * *

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔۔۔

السلام علیکم احباب۔۔۔۔"

"ناولز کی دنیا" کے ناولز میں خوش آمدید ۔۔۔۔

ناولز کی دنیا (NKD) کی جانب سے ناولز کو بغیر کسی غلطی کے آپ تک پہچانے کی کوشش کی گئی۔اگر کوئی غلطی اس میں ملتی ہے تو اسے محض اتفاق سمجھا جائے۔کیونکہ ناول کو پورا پروف ریڈ کر کے ہی پبلش کیا جاتا ہے چوک ہونا محض اتفاق ہوگا۔۔

عنکبوت

(معرفت اور محبت سب کو نہیں ملتی)

از قلم: نور راجپوت

باب پنجم؛ خیوط (ان چاہے رشتوں کا تار)

قسط نمبر:9

الجھے رشتوں کا تار یہ دل میں چبھتا ہے

کہاں سے شروع ہوا یہ سلسلہ غم کا

نہ جانے کب سے یہ دل اس غم میں ڈوبا ہے

نہ جانے کب سے یہ آنکھ اس غم سے بھری ہے

یہ رشتے ہیں جیسے تاروں کا جال

جہاں ہر تار ایک درد ایک غم

یہ رشتے ہیں جیسے سمندر کی جھیل

جہاں ہر لہر ایک سوال ایک غم

نہ جانے کب سے یہ دل اس غم میں الجھا ہے

نہ جانے کب سے یہ آنکھ اس غم سے بھری ہے

یہ رشتے ہیں جیسے پتنگوں کا کھیل

جہاں ہر پتنگ ایک امید ایک غم

یہ رشتے ہیں جیسے بارش کا موسم

جہاں ہر قطرہ ایک دعا ایک غم

نہ جانے کب سے یہ دل اس غم میں الجھا ہے

نہ جانے کب سے یہ آنکھ اس غم سے بھری ہے

یہ رشتے ہیں جیسے سانس لینے کا عمل

جہاں ہر سانس ایک درد ایک غم

یہ رشتے ہیں جیسے زندگی کا سفر

جہاں ہر قدم ایک سوال، ایک غم

نہ جانے کب سے یہ دل اس غم میں الجھا ہے

نہ جانے کب سے یہ آنکھ اس غم سے بھری ہے

انسان جب پیدا ہوتا ہے تو وہ اپنی الگ پہچان اپنی الگ شناخت لے کر پیدا ہوتا ہے لیکن دنیا میں آتے ہی انسان کو اس کی شناخت کے لیے نام تو دیا جاتا ہے پر اسے رشتوں میں باندھ دیا جاتا ہے۔

کچھ رشتے جو حقیقی ہوتے ہیں، کچھ رشتے جو ضروری ہوتے ہیں اور کچھ رشتے جو ان چاہے ہوتے ہیں۔

کچھ رشتے انسان سے اس کی پہچان چھین لیتے ہیں۔ انسان کی شناخت ختم ہو جاتی ہے یا پھر وہ کبھی اپنی شناخت بنا ہی نہیں پاتا۔ وہ ہمیشہ اس رشتے کے ریفرنس سے جانا جاتا ہے جو ان چاہا ہوتا ہے۔ وہ رشتہ جو عنکبوت کے تاروں کی طرح انسان کے گلے کا پھندہ بنا رہتا ہے۔ وہ رشتہ جس کی اس انسان نے کبھی خواہش ہی نہیں ہوتی ہے۔

پھر کیوں ایسے ان چاہے رشتے ہم سے ہماری پہچان چھین لیتے ہیں؟ کیوں ایسے رشتے انسان کو دوسرے رشتوں سے نفرت کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں؟

اور اس انسان کی تکلیف تم کیا جانو جس نے پیدا ہونے سے لے کر بائیس سال کے ہونے تک صرف ایک ہی جملہ سنا ہو؛

"تمہاری اپنی کوئی پہچان نہیں ہے تم نے جنم ہی کی کسی اور کے لیے لیا ہے۔"

یہ وہ جملہ ہے جو آزاد پیدا ہوئے انسان کو باغی بناتا ہے۔ انسانی جبلت قید پسند نہیں کرتی اور ایک عورت تو پنچھی کی مانند ہوتی ہے۔ جسے اپنے پنکھ پھیلا کر اونچا اڑنا ہوتا ہے۔ جو بلندیوں پر راج کرنا چاہتی ہے۔ جو چاہتی ہے اسے کسی ان چاہے رشتے میں نہ باندھا جائے۔ جو چاہتی ہے رشتے اس کے گلے کا پھندہ نہ بنیں۔ پر اگر پھندہ بن جائیں تو کیا ہوتا ہے؟ آپ سمجھ تو گئے ہوں گے کہ اس کہانی میں اپنی بقاء کی جنگ لڑنے والی کون ہے؟

وہ جس کا نام مطلب ہی "**بلندیوں کی شروعات**" تھا وہ اپنے پنکھ پھیلائے آسمان کی وسعتوں تک جانا چاہتی تھی پر اسے ہمیشہ یہی سننے کو ملا کہ اس کی شناخت کسی اور سے تھی، اس کی اپنی کوئی پہچان نہیں۔ اسی بات نے اُس کے اندر بغاوت پیدا کی۔ ماضی کو جاننے کے لیے ہمیں ماضی کے پنّوں کو وقفے وقفے سے پلٹنا ہو گا تاکہ ہم حال کو بہتر طریقے سے سمجھ سکیں۔

یہ بات کئی سال پہلے کی ہے جب فجر نے ہوش سنبھالا تھا۔ اس نے اپنے ماں باپ کو عجیب خوف کے سائے میں جیتے دیکھا تھا۔ انجانا خوف جو ہر وقت سر پر منڈلاتا رہتا تھا۔

کبھی کبھی اماں ابا اسے غور سے دیکھتے رہتے۔ وہ پیار کرتے تھے پر کبھی کبھی لگتا تھا جیسے پیار سے زیادہ وہ اس سے نفرت کرتے ہیں۔ جیسے وہ ان پر بوجھ ہو۔ جیسے وہ ان چاہی اولاد ہو۔ پر اکلوتی اولاد ہونے کے باوجود کوئی ان چاہا کیسے ہو سکتا ہے؟

اماں ابا باورچی خانے میں گھسے جانے کونسی راز و نیاز کی باتیں کرتے تھے۔ وہ دونوں کبھی لڑے جھگڑے نہیں تھے پر دونوں میں محبت نام کا جذبہ دم توڑ گیا تھا۔ وہ آپس میں بندھے تو تھے، ساتھ رہتے تھے پر دونوں ایک دوسرے سے صدیوں کے فاصلے پر نظر آتے تھے۔ ان کا گھر علاقے کا شاید اکلوتا گھر تھا جہاں کوئی فون نہیں تھا۔ کوئی ٹی وی

نہیں تھا۔ اماں اس کی سہیلی نہیں تھی جو وہ اماں سے ساری باتیں کر پاتی۔ سکول سے واپس آ کر اسے ہمیشہ ایک بھیانک خاموشی کے سپرد کر دیا جاتا تھا۔ ایسی خاموشی جو فجر کا دل دہلاتی تھی۔ پہلے پہل وہ اماں کے ساتھ لیٹ جاتی انہیں پیار کرتی پر اماں کے انداز میں اپنی اکلوتی بیٹی کے لیے نہ تو والہانہ پن تھا نہ محبت تھی۔ وہ ایک زمہداری تھی۔ کبھی کبھی اسے لگتا تھا جیسے اماں ابا اس کے سگے ماں باپ نہیں تھے بلکہ اسے گود لیا گیا تھا اور کبھی کبھی تو اسے لگتا تھا جیسے اسے اماں ابا نے گود نہیں لیا تھا بلکہ کہیں سے چرایا تھا۔۔۔ ہاں ہاں کبھی اسے لگتا تھا وہ کسی اونچے گھرانے سے تعلق رکھتی تھی بالکل راپنزل کی طرح جسے چرا کر ایک مینار میں قید کر دیا گیا تھا۔

کبھی کبھی اماں ابا اسے اتنا نظر انداز کر دیتے تھے کہ اسے چیخ چلا کر اپنی ذات کا احساس دلانا پڑتا تھا۔

"اماں میں ہوں۔ میں فجر ہوں۔ ابا میں فجر معراج ہوں۔"

اپنی ذات کی نفی کوئی بھی ذی روح برداشت نہیں کر پاتی۔ لیکن اُس نے کی تھی اور یہ رویہ اس کے اندر زہریلا مادہ بھرنے لگا وہ جس کو ہم آج کی زبان میں Toxicity کہتے ہیں۔

مارچ کا موسم سال کا خوبصورت ترین موسم کہلاتا ہے۔ جب پیڑ پودے نئے پتے اگاتے ہیں جب پھول کھلتے ہیں۔ ایسے وہ سکول سے واپس آئی تھی خوشی خوشی۔ ہاتھ میں ٹرافی پکڑے۔ وہ گورنمنٹ سکول میں پڑھتی تھی۔ ابا کے پاس اتنے پیسے تو تھے کہ وہ اسے پرائیویٹ سکول میں پڑھا سکتا تھا پر انہوں نے سرکاری سکول بھیج دیا۔ وہ آٹھویں کلاس میں فرسٹ آئی تھی بلکہ اسے ہر کلاس میں فرسٹ آنا ہوتا تھا اپنی اہمیت جتانے کے لیے۔ اپنی پہچان بنانے کے لیے۔ وہ گھر میں داخل ہوئی تو سیدھا اماں کے کمرے کی طرف بھاگی۔

"اماں۔۔۔ ابا۔۔۔ میں آگئی۔۔" وہ بے انتہا خوش تھی اور اسے لگ رہا تھا اماں ابا بھی خوش ہوں گے۔ وہ دونوں سر جوڑے پتا نہیں کیا باتیں کر رہے تھے کہ اسے دیکھتے ہی خاموش ہو گئے۔

"میں فرسٹ آئی ہوں۔۔" جھلملاتی آنکھوں والی خوبصورت ٹین ایج لڑکی، جس کی آنکھوں میں ڈھیروں سپنے تھے وہ اپنے ماں باپ کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ ان سے ستائش چاہتی تھی پر یہ کیا۔ اسے دیکھتے ہی ابا کا چہرہ سپاٹ رہا جبکہ اماں کی تیوری چڑھ گئی۔ سفید یونیفارم پہنے، گلابی اسکارف لیے، اونچی پونی ٹیل والی فجر کی مسکراہٹ آہستہ آہستہ کم ہوتی گئی۔ آنکھوں کی جوت بجھ گئی اور چہرے کی شادابی ماند پڑھ گئی۔

"کیا ہوا ہے؟" وہ اب پریشان سی کھڑی تھی۔

"آ اِدھر بیٹھ۔۔" اماں نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنے قریب بٹھایا۔ چودہ سالہ فجر اتنی بالغ ہو چکی تھی کہ اماں اس سے صاف صاف بات کر پاتی۔

اماں نے ٹرافی ہاتھ سے لے کر بستر پر پھینک دی۔ فجر کی بھنویں سکڑ گئی۔ اُس عمر میں چہرے پر نخوت نہیں بلکہ فکر مندی اور پریشانی ابھری تھی۔ ایسی کیا ضروری بات تھی جو اماں ابا اتنے پریشان تھے۔

"کیا ہوا ہے ابا؟" اس نے ابا کو دیکھتے معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائیں۔ ابا اس کی بات سن کر اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا جبکہ اماں بیٹھی رہی۔

"دیکھ فجر میری بات سن۔" اماں نے بغیر کسی لگی لپٹی کے کہنا شروع کیا۔ ان کے چہرے پر سنجیدگی ہی سنجیدگی تھی۔

"تم اب بڑی ہو رہی ہو اور ہم تمہیں مزید سکول نہیں بھیج سکتے۔ آج سے تمہارا سکول جانا بند۔۔"

فجر کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"کک۔۔کیا مطلب ہے؟" وہ غصے کی پیدائشی تیز تھی پر اس پل اس کا دماغ اماں کی باتوں کو پراسیس نہیں کر پا رہی تھیں لیکن اندر لگے سینسر بج چکے تھے۔ عورت پیدائشی اپنے اندر ایسے سینسر لے کر پیدا ہوتی ہے جو ایسی باتوں پر بج اٹھتے ہیں جب عورت کی شناخت کو ایک مرد سے جوڑنے کی بات کی جاتی ہے۔

"بس اب تم گھر میں رہو گی۔ گھر داری سیکھو گی کیونکہ تین چار سالوں میں تمہیں اپنے گھر بھی جانا ہے۔"

"کونسا گھر؟" گردن اونچی کر کے اماں کو دیکھا۔ چہرے پر غصے کی سرخی واضح ہوئی۔

"جہاں تم بیاہ کر جاؤ گی۔۔" اماں نے تسلی سے جواب دیا۔

فجر کی بھنویں پہلے پھیلیں پھر سکڑ گئیں۔

ہاں سکول میں لڑکیاں ایسی باتیں کرتی تھیں۔ شادی بیاہ کی، فلموں کی ڈراموں کی اور لڑکوں کی بھی۔

"لیکن میں ابھی چھوٹی ہوں نا؟؟" وہ جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ خوشی غارت ہو چکی تھی۔ چہرے پر سرخی ہی سرخی تھی۔ یہ غصہ اسے وراثت میں آسیہ ترنم سے ہی ملا تھا۔ اپنی ماں سے، جو زبان اور غصے کی تیز تھیں۔ ان کی کہانی پھر سہی پر ابھی تو فجر کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ پرانے زمانوں میں چودہ سالہ لڑکیاں بیاہ دی جاتی تھیں اور اگلے ہی سال وہ ماں بھی بن جاتی تھیں۔

عورت ذہنی طور پر تبھی بڑی ہو جاتی ہے جب وہ بلوغت میں قدم رکھتی ہے اور فجر تو ذہنی طور پر خود کو سب سے آگے دیکھتی تھی۔

"فجر۔۔" اماں نے بستر پر پڑی، ٹرافی اٹھاتی، فجر کی کلائی جکڑ لی۔ وہ ہاتھ آتی ہی نہیں تھی۔ مار پیٹ، ڈانٹ ڈپٹ اس پر کسی چیز کا اثر نہیں ہوتا تھا۔

"میری بات غور سے سن۔" ان کے چہرے پر جلال اتر آیا۔ فجر پل بھر کو سہم گئی۔

"تجھ پر بلقیس کے بیٹے کا حق ہے۔ وہ تجھے لینے جلد آئے گا۔ سمجھ گئی۔۔؟" وہ خونخوار نظریں لیے فجر کو دیکھے گئیں۔ فجر کا دل اچھل کر حلق میں آیا۔ بلقیس کا نام اس نے پہلے بھی سنا تھا لیکن یہ بلقیس کا بیٹا کون تھا؟

اماں نے اس کی کلائی پکڑ رکھی تھی اتنی زور سے کہ شدت ضبط کے باعث اس کی آنکھوں میں آنسوں آ گئے۔

وہ بے یقینی سے اماں کو دیکھتی رہی۔ کیا کہہ دیا تھا اماں نے۔ اس پر کسی اور کا حق تھا؟

"تم اپنے لیے پیدا نہیں ہوئی۔ تم بلقیس کے بیٹے کے لیے پیدا ہوئی ہو۔ یاد رکھنا۔" اماں نے جھٹکے سے کلائی چھوڑ دی۔ وہ ڈگمگا گئی۔ گرتے گرتے بچی۔

لال گلابی رنگت لیے وہ کئی ثانیے بے یقینی سے اماں کو دیکھتی رہی۔ ٹرافی وہیں پڑی رہ گئی۔

اماں نے کنکھیوں سے فجر کو دیکھا۔ سرو کی طرح نکلتا قد، خوبصورت نین نقش اور پونی سے نکلتے ریشمی بال۔ وہ کمبخت حسین ترین آزمائش بن کر اُتری تھی۔

آج ہی اس نے اسکول میں اردو کی ٹیچر سے سنا تھا

"ہر انسان اپنے لیے پیدا ہوتا ہے۔ ہر انسان آزاد ہے۔ سب کی اپنی پہچان ہے۔"

پھر اماں کیوں کہہ رہی تھی کہ وہ کسی اور کے لیے پیدا ہوئی تھی؟ اماں کیوں اُس سے اس کی شناخت چھیننا چاہتی تھی؟ آخر کیوں؟

لال بھبوکا چہرہ لیے اس نے اماں کو دیکھا۔

"میں اپنے لیے پیدا ہوئی ہوں اماں! میرا نام فجر ہے۔ میں اپنے لیے پیدا ہوئی ہوں!" وہ طوطے کی طرح بولی۔ ایک بار پھر اپنی پہچان کروائی۔ اماں نے منہ موڑ لیا۔ وہ بھی کمرے سے نکل گئی۔ دل ڈر رہا تھا۔ ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے۔ دوسرے کمرے کا دروازہ بند کر کے خوب روئی۔ سمجھنے کی کوشش کرتی رہی کہ آخر ہو کیا رہا تھا؟

دل ڈر گیا تھا۔ کئی بار اس نے اماں کو محلے کی عورتوں کے سامنے کہتے سنا تھا کہ "**فجر تو کسی کی امانت ہے**" پر اسے اماں کی بات کبھی سمجھ نہیں آئی۔

لیکن آج اماں نے اس کا دل توڑ دیا تھا۔ اسے بلقیس اور اس کے بیٹے سے نفرت ہو رہی تھی جو اس سے اس کی شناخت چھیننا چاہتے تھے۔ ابھی تو اس نے پنکھ پھیلائے بھی نہیں تھے اور لوگ کاٹنے کو تیار ہو گئے تھے۔

پھر یہ سلسلہ رکا نہیں۔ اماں اسے یاد دہانی کرواتی رہتی تھی۔ وہ بلقیس کا نام لیتی تھی۔ لیکن ان کے بیٹے کا نام جانے کیوں نہیں لیتی تھیں۔ یا پھر نام لینے سے خوفزدہ تھیں یہ تو وقت ہی بتائے گا پر فجر نے بقاء کی پہلی جنگ اپنے گھر سے شروع کی تھی۔

پہلے پہل وہ چیختی تھی چلاتی تھی۔ بار بار کہتی تھی کہ وہ فجر معراج ہے۔ وہ اپنے لیے پیدا ہوئی ہے۔ اس پر کسی دوسرے کا حق کیسے ہو سکتا ہے؟

پھر اس نے اپنی ذات کی پہچان میں "**انکار**" کو شامل کر لیا۔

وہ بلقیس کے بیٹے سے کبھی شادی نہیں کرے گی۔ جب اس کے اپنے اس کی شناخت چھیننے کو تیار بیٹھے تھے تب اسے اپنی شناخت قائم رکھنے کا ایک ہی طریقہ ملا۔

"خود کو دوسروں سے اونچا رکھنا، خود کو دوسروں سے الگ رکھنا، انکار کو لوگوں کے منہ پر مارنا"

جب اس کے نام کو چھیننے کی کوشش کی جانے لگی تو اس نے اپنے نام کو اپنا ورد بنالیا "**فجر معراج، فجر معراج**"

وہ خود کا نام لینے لگی۔ ہر بات میں اس نے فجر معراج کو آگے رکھا۔ آہستہ آہستہ لوگوں کو اس سے چڑ ہونے لگی۔ کئی لوگ اسے خود سے واقعی اونچا سمجھنے لگے کیونکہ اس نے "**انکار**" کرنا سیکھ لیا تھا پر اپنی پہچان قائم رکھی۔ کئی لوگ اسے خبطی سمجھتے تھے۔ کئی لوگوں کو وہ منہ پھٹ لگتی تھی۔ یوں تو وہ زیادہ تر خاموش رہتی تھی لیکن ایک گہری نظر ہر چیز پر رکھتی تھی پر وہ تب روڈ ہو جاتی تھی جب اس کا دل دُکھتا تھا۔ جب وہ ہرٹ ہوتی تھی۔ تب وہ خود کو ہرٹ کرنے والوں کو ہرٹ کرنا فریضہ سمجھ لیتی تھی۔

کچھ لوگوں کو اس نے چھوڑ دیا تو کچھ اسے چھوڑ گئے۔

وہ اکیلی رہ گئی۔ کوئی دوست نہیں بنا پائی۔ سکول کی کئی لڑکیوں کو اس سے نفرت تھی تو کئی اُس سے ڈرتی تھیں کیونکہ فجر گلے ملنے والوں میں سے نہیں بلکہ گلے پڑنے والوں میں سے تھی۔ بس کوئی پنگا لینے کی ہمت کرے۔

زندگی کے بیس سالوں میں اگر کوئی اس سے پوچھتا کہ اس کے پاس کوئی ساتھی تو جواب تھا "**نہیں**" اس کے پاس کوئی نہیں تھا۔ وہ اکیلی تھی ہاں پر اس کے پاس اس کی شناخت تھی جو اس نے قائم رکھی۔ زیادہ آگے بڑھنے کے لیے زیادہ محنت کی پر وہ جھکی نہیں۔

اماں سے لڑتی رہی۔ جھگڑتی رہی پر ہار نہیں مانی۔ یہ اس کی قسمت اچھی تھی کہ وہ جیتتی گئی یا پھر پس منظر میں کچھ اور بھی چل رہا تھا جس کا یہاں کھلنا مناسب نہیں۔۔۔۔ یہ تو آگے چل کر ہی پتا چلے گا۔

ایک دن اچانک اس کی زندگی میں ارسل آگیا۔ کوئی تھا جو میٹھا بولنے والا تھا۔ اگر اُس نے نارمل زندگی گزاری ہوتی تو شاید وہ اس کی طرف مائل نہ ہوتی یا پھر یہ ضروری تھا ایک ہار بہت ضروری تھی تاکہ وہ پوری توجہ سے آگے بڑھ سکے۔ تاکہ وہ مزید دھوکے نہ کھائے۔

اور آج سالوں بعد اماں کو احساس ہوا کہ وہ موت سے بھاگنے کی کوشش میں موت کی جانب ہی بھاگ رہی تھی۔

دوپہر کے اس وقت اماں اپنے کمرے میں بیٹھی تھی۔ ہاتھ میں ایک پرانی تصویر تھی۔ کوئی پچیس سال پرانی تصویر۔ منار کی تصویر۔

"میں نے بہت کوشش کی منار۔ میں نے سب کچھ کیا۔ میں فجر کو جس دلدل سے بچانے کی کوشش کر رہی تھی وہ اسی میں دھنستی جا رہی ہے۔" انکی آنکھیں سرخ تھیں اور چہرہ غمگین۔ سفید کپڑوں والی منار ہنستے ہوئے خوبصورت لگ رہی تھی۔

"مجھے معاف کر دینا منار! مجھے معاف کر دینا!" دوپٹے کے پلو سے غمگین آنکھیں پونچھتے اماں نے گلوگیر آواز میں کہا اور پھر انگلیوں کی پوروں سے اس کے چہرے کو چھوا۔

"وہ عنکبوت ہے۔ اس کا پھیلایا جال سیراب ہے۔ اتنا خوبصورت ہے کہ اس سے بچنے کی چاہ ہوتے ہوئے بھی بچا نہیں جا سکتا۔ وہ چاروں اور ہے منار میں فجر کو کیسے بچاؤں؟ میں اسے نہیں بچا پاؤں گی۔ فجر نے اپنی موت چن لی ہے۔ وہ خوبصورت تتلی ہے اور تتلیاں ہمیشہ عنکبوت کا شکار ہو جاتی ہیں۔ سب ختم ہو گیا منار سب ختم ہو گیا۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔ ویران گھر نے اماں کی سسکیاں سنیں۔ جو ہمراز تھا وہ چلا گیا تھا۔ اب تو کوئی ہمدرد بھی نہیں تھا۔

"کاش میں وہ دن دیکھنے سے پہلے مر جاؤں جب موت کا سوداگر اسے جکڑ لے گا۔ جب عنکبوت کے نرم ریشے اس کے گلے کا پھندہ بن جائیں گے۔ کاش میں اس سے پہلے مر جاؤں۔ "

اماں اندر روتی رہیں اور باہر تپتا سورج اپنا سفر طے کرتا رہا۔

کیا واقعی اتنا آسان تھا فجر معراج کا اپنی موت کو قبول کرنا؟ وہ ملکہ معلون تھی کیا وہ بدی کے بادشاہ سے ہار جاتی؟ ابھی تو وہ اپنی پہچان بنانے کی تگ و دو میں تھی۔ یہ جنگ پھر سہی۔ ابھی یہ وقت شناخت کا تھا۔ موت کا سفر پھر سہی۔

✿••✿••✿••✿

کبھی کبھی زندگی ہمیں ان راستوں پر لے کر بھاگتی ہے جن سے ہم بھاگنا چاہتے ہیں اور ولیم جتنا اپنی شناخت سے دور بھاگ رہا تھا اس کی شناخت کسی برے سائے کی طرح اس کے پیچھے لپک رہی تھی۔ اس پل بھی یہی ہوا تھا وہ جو سب بھول جانا چاہتا تھا، اپنی ماں کے بارے میں، نینسی کے بارے میں، فجر کے بارے میں، اتنا ہی زندگی اسے اٹھا اٹھا کر پٹخ رہی تھی۔ وہ تین عورتیں جو اس کی زندگی کی اہم ترین عورتیں تھیں وہ نہ اس کے پاس تھیں اور نہ اس سے دور جاتی تھیں۔

اس پل بھی وہ کرسی پر بیٹھا تھا۔ تھوڑا جھک کر گھٹنوں پر کہنیاں جمائے، دونوں ہاتھوں کی مٹھی بنائے ان پر ٹھوڑی گرائے وہ زور زور سے ایک ٹانگ کر ہلا رہا تھا۔

ہاتھوں میں واضح کپکپاہٹ تھی۔ اس کی ماں اس کے سامنے پنکھے سے جھول گئی تھی۔

وہ بچہ جس نے اپنی آنکھوں سے اپنی ماں کو خودکشی کرتے دیکھا تھا لیا وہ کبھی اس ٹراما سے نکل سکتا تھا؟ کیا وہ کبھی نارمل زندگی گزار سکتا تھا؟ جواب تو آنے والے وقت ہی دے گا۔

وہ شخص 'عیسی' ہاتھ میں ٹرے اٹھائے کمرے میں داخل ہوا۔ ٹرے میں دو کپ رکھے تھے۔

"لو بھئی برخوردار چائے تیار ہے۔ تاخیر کے لیے معذرت میں ذرا کام میں ڈھیلا ہوں۔" کپ کو ولیم کے سامنے رکھتے وہ اپنی دھن میں بول رہا تھا۔

"آپ جانتے تھے؟ آپ جانتے تھے میں افق کا بیٹا ہوں آپ مجھے یہاں کیوں لائے؟" وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ چہرے کے نقوش تن گئے۔ آنکھیں شعلے برسانے لگیں۔

دوسرا کپ میز پر رکھتے عیسی کا ہاتھ رک ساکت ہوا۔ کئی پل وہ یونہی کھڑا تھا پھر اس نے کپ میز پر رکھا اور ولیم کی جانب رخ پھیرا۔

شدت ضبط سے اس کی آنکھیں سرخ پڑ چکی تھیں۔ ہونٹ آپس میں پیوست تھے جیسے وہ آنسوؤں کا گلہ گھونٹ رہا ہو۔

عیسی صاحب نے اس کی جانب مڑتے ایک گہرا سانس لیا اور پھر اس کی جانب قدم بڑھایا۔ ولیم بدک کر پیچھے ہٹا۔

"کون ہو تم؟" اس کے چہرے پر بے یقینی ابھری۔

"تم مجھ پر بھروسہ کر سکتے ہو پلیز بیٹا، بیٹھ جاؤ۔" انہوں نے دونوں ہاتھ اٹھا کر مصالحتاً کہا۔ انداز میں نرمی تھی۔

"تم وہاں کیفے میں بھی جان بوجھ کر آئے تھے۔ تم نے یہ سب پلان کیا تھا؟" وہ اب بے یقینی سے اس شخص کو دیکھ رہا تھا جو چہرے سے ایسا بالکل نہیں لگتا تھا۔ ولیم وہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا پر کچھ سوالوں کے جواب ضروری تھے۔ باہر سیاہ بادل تیزی سے آسمان کو گھیرنے لگے۔ سماں سرمئی ہو گیا۔

"نہیں ایسا کچھ نہیں ہے۔ بھروسہ رکھو۔ میں ایک خدا کو مانتا ہوں میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔ تمہیں مجھ پر یقین کرنا ہو گا۔" وہ ولیم کو پر سکون کرنے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔

اس کے انداز میں اس کی بات میں جانے ایسا کیا تھا کہ ولیم کے تنے کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔ اس نے منہ کھول کر باقاعدہ سانس لیا اور پھر سر جھکا لیا۔ چہرہ ہاتھوں میں گرائے وہ خود کمپوز کرنے لگا۔

عیسی صاحب نے جب اسے پر سکون ہوتے دیکھا تو گہرا سانس فضاء میں خارج کرتے اس تصویر کے سامنے جا کھڑا ہوئے جس میں افق تھی۔ دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لیے۔ چہرے پر کرب کے سائے لہرائے۔ آنکھوں میں کسی بھولی یاد سے نمی ابھرنے لگی۔

"وہ بہت اچھی لڑکی تھی۔ تمہاری پیدائش سے پہلے یہاں آئی تھی۔" ذرا توقف سے انہوں نے کہنا شروع کیا۔ ولیم بے ساختہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ کھڑا نہیں رہ سکتا تھا۔ ٹانگیں شل ہو گئی تھیں۔

"وہ آئی نہیں تھی بلکہ راستے میں بے ہوش پڑی ملی تھی۔۔"

ولیم نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"میرے لیے وہ چھوٹی بہن جیسی تھی۔ اس نے کبھی نہیں بتایا وہ گھر کیوں چھوڑ آئی تھی پر وہ مجبور تھی اسے مدد چاہیے تھی۔ وہ اپنے عیسائی شوہر کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی تھی۔"

یہ وہ کہانی تھی جس سے ولیم ناواقف تھا۔ اس کی ماں کا ذکر جو زف پیلس میں ممنوع تھا۔

"تم یہیں پیدا ہوئے تھے۔ تمہارا نام ولیم ولی رکھا گیا تھا۔ تم پیدائشی مسلمان ہو۔ وہ تمہیں ایک اچھا مسلمان بنانا چاہتی تھی۔ تمہاری ساری سنتیں میں نے اپنے ہاتھوں سے پوری کی تھیں۔ ان ہاتھوں سے۔ "

اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھائے الٹ پلٹ کر دیکھا اور ولیم دم بخود رہ گیا۔ آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ چہرے کی رنگت پل بھر میں سفید پڑ گئی۔

کمرے کی کھڑکی سے باہر کا منظر گہرا سرمئی تھا۔ بادل زور سے گرجے اور ٹپ ٹپ مینہ برسنے لگے۔ تیز ہوا گلاس ونڈو سے کسی ہتھوڑے کی طرح ٹکرانے لگی۔

ولیم کی حالت دیکھ کر وہ قدم قدم چلتا قریب آیا اور کرسی کھینچ کر قریب بیٹھ گیا۔

"جب میں نے اس دن تمہیں پٹیل کے کیفے پر دیکھا تو ساکت رہ گیا۔ تم اپنی ماں جیسے دکھتے ہو۔ تمہاری آنکھیں ہو بہو ویسی ہی ہیں گہری کتھئی۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر ولیم کا ہاتھ تھاما جو سرد پڑ چکا تھا۔

"تمہارے کانوں میں، میں نے اذان دی تھی۔ " عیسی صاحب کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی کی تہہ ابھری۔

"جب تم اذان سن کر ٹھہر گئے تو میں نے اس بے چینی کو تمہارے چہرے پر محسوس کیا۔۔ "

"بکواس ہے۔ یہ سب جھوٹ ہے۔" وہ ہاتھ چھڑاتا اٹھ کھڑا ہوا۔ وہاں سے بھاگنے والے انداز میں دروازے کی جانب بڑھا۔

"انسان اپنے اصل سے کبھی نہیں بھاگ سکتا ولی بیٹا۔۔۔۔"

ولیم کے پیر جم سے گئے۔ وہ رک گیا۔ ساکت ہو گیا۔

"ولی میں چاہتی ہوں تم اپنے پرودگار کو یاد رکھو۔"

روشن چہرے والی ایک عورت اس کے تصور کے پردے پر لہرائی اور ولیم نے کرب سے آنکھیں میچ لیں۔ باہر بجلی زور سے کڑکی اور اندر ولیم کا دل ٹوٹ کر چیوں میں بٹ گیا۔

بارش گرنے کی آواز اتنی اونچی تھی یوں جیسے ژالہ باری ہو رہی ہو۔

"کبھی کبھی خود سے ملنا بہت مشکل ہوتا ہے۔۔"

عیسی صاحب کی غمگین آواز سنائی دی۔ شاید افق کی یاد نے انہیں غمگین کر دیا تھا۔

"اس دن کیفے میں تمہارے جانے کے بعد مجھے تمہاری اصلیت کا پتا چلا۔ تم جوزف کے بیٹے ہو۔ جس نے تمہاری پرورش عیسائی کی طرح کی۔ جس نے تمہیں مسلمان سے عیسائی بنایا۔ جس نے تم سے تمہارا اصل چھین لیا۔ تب مجھے تمہاری بے چینیوں کا احساس ہوا تب مجھے احساس ہوا کہ تم نے خود کو زخمی کیوں کیا۔ تمہاری اچھی پرورش ضرور ہوئی لیکن تمہارا اصل چھین کر تمہیں گمنامیوں کے تپتے صحرا میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا گیا۔"

کمرے میں عیسی صاحب کی فسوں خیز آواز گونجتی گئی۔ ولیم نے آستین سے رگڑ کر آنکھوں کی نمی صاف کی۔

وہ سانس لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ کمر پر دونوں ہاتھ ٹکائے کھڑا رہا۔ نہ بھاگ سکتا تھا نہ بیٹھ سکتا تھا۔ سر پر ٹوپی اور ہیڈ یونہی جمے تھے۔

"اس دن میں نے دعا کی کہ تم ایک بار اپنی حقیقت سے روشناس ہو جاؤ۔ ایک بار اپنا اصل جان لو۔ شاید تمہارے دل کو سکون مل جائے اور دیکھو میری دعا قبول ہو گئی۔۔"

اس ساری گفتگو میں وہ شخص پہلی بار مسکرایا۔ ولیم یونہی کھڑا رہا۔ اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔

"لو، چائے تو ٹھنڈی ہو گئی۔" تاسف سے کہتے اس نے چائے کا کپ اٹھا کر لبوں سے لگایا۔ ولیم نے سرخ چہرہ لیے پلٹ کر دیکھا۔

"تم کہو تو میں چائے گرم کر لاتا ہوں۔ ٹھنڈی چائے پینے میں مزہ نہیں آتا۔ تمہاری ماں بھی یونہی خیالوں میں الجھے چائے ٹھنڈی کر دیتی تھی۔ پھر بار بار گرم کرنی پڑتی تھی۔ تم بالکل افق جیسے ہو۔" وہ اپنے دھیان میں بولتا اٹھ کھڑا ہوا۔ چائے کے دونوں کپ ٹرے میں رکھے۔

ولیم کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لیا اور پھر چھوڑ دیا۔

سمجھ نہ آیا سانس لینے میں دشواری کیوں ہو رہی تھی؟

کوئی پہلی بار اس کی ماں کا ذکر کر رہا تھا۔ یہ برا ہونے کے باوجود اچھا کیوں لگ رہا تھا؟ دل کیوں کر رہا تھا وہ شخص بولتا جائے اور وہ سنتا رہے؟

وہ عورت اس کی ماں تھی جس کا ذکر کہیں بھی نہیں ہوتا تھا۔ جس کا شوہر اس سے نفرت کرتا تھا۔ جس کا باپ اس سے نفرت کرتا تھا۔ وہ عورت جو دنیا سے جا چکی تھی اور مرنے کے باوجود زمینی خداؤں نے اسے معاف نہیں کیا تھا۔

کتنا ظالم تھے نا لوگ۔ اس کے اپنے۔ اس کا باپ۔ اس کا نانا۔ سب ظالم تھے۔

"تم بیٹھ جاؤ میں چائے گرم کر کے لاتا ہوں۔۔" ولیم کے پہلو سے وہ باہر چلا گیا۔

ولیم کے ہاتھ پہلو میں گر گئے۔ جان بے جان سی ہو رہی تھی۔ وہ ہیڈ فون اور کیپ اتارتا واپس کرسی کی جانب بڑھا۔ دونوں چیزیں میز پر رکھ دیں۔ اس کا بیگ کرسی پر پڑا تھا۔

اس نے چہرے پر ہاتھ پھیرتے بالوں کو سیٹ کیا۔ کیپ اترتے ہی اس کا چہرہ واضح ہو گیا۔ وہ قدم بڑھا کر اس تصویر کے سامنے پھر سے کھڑا ہو گیا۔ افق کو غور سے دیکھنے لگا۔

اسے آج تک یہ پتا نہیں چلا تھا کہ اس کی ماں نے اس کے باپ کو کیوں چھوڑا تھا؟ گھر والوں کے خلاف جا کر انہوں نے محبت کی جو شادی کی تھی آخر اس کا انجام اتنا بھیانک کیوں ہوا تھا؟

اس نے پہلو میں گرا ہاتھ اٹھایا اور انگلی کی پوروں سے افق کے چہرے کو چھوا۔ یہ احساس کتنا خوبصورت تھا نا۔ وہ عورت اس کی ماں تھی اور آج پہلی بار اس نے اپنی ماں کا ذکر اچھے الفاظ میں سنا تھا۔ وہ اپنی ماں کی گود میں تھا۔ دل اتنا مسرور ہوا کہ وہ بے ساختہ ہنس دیا۔ پلکیں نم ہونے لگیں۔

"I miss you Mom!"

وہ اسے یاد رہتی تھی۔ وہ بھولنے کے چکر میں ہر وقت یاد رہتی تھی۔

اب وہ پلٹ کر کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ اس کی ماں یہاں رہتی تھی۔ وہ یہاں بچوں کو پڑھاتی تھی۔ اسے لگا جیسے وہ ابھی بھی یہیں ہو۔ کئی لمحے گزر گئے۔ باہر برستا تابڑ توڑ مینہ آہستہ ہونے لگا۔ عیسی کا چہرہ ایک بار پھر دروازے پر ابھرا۔

گرم گرم بھاپ اڑاتی چائے لیے وہ اندر آ رہے تھے۔ ولیم نے آگے بڑھ کر ان سے ٹرے تھامی اور میز پر لا کر رکھ دی۔

"یہاں کے موسم کا بھی کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ کبھی بھی برسنے لگتا ہے۔" اسکا سانس قدرے پھول گیا تھا۔ وہ چلتا ہوا میز کے دوسری جانب آ کر بیٹھ گیا۔ ولیم نے بھی بنا کچھ کہے کرسی پر بیٹھتے پشت ٹکا دی۔

"چائے پیو چائے اس سے پہلے کہ ٹھنڈی ہو جائے۔ میں دوبارہ گرم کرنے نہیں جاؤں گا۔"خوشگوار لہجے میں کہتے انہوں نے ماحول کو ہلکا کرنے کی کوشش کی۔

ولیم نے خاموشی سے کپ اٹھالیا۔ زبان خاموش تھی لیکن ذہن میں ہزاروں سوال کھلبلا رہے تھے۔

دو تین گھونٹ دونوں نے خاموشی سے لیے۔ باہر بارش اب کافی آہستہ ہو گئی تھی۔

"اگر میں یہاں نہ آتا تو؟"سر اٹھا کر اس نے پہلی بار سوال کیا۔ کتھئی آنکھوں کی بے چینیاں واضح تھیں۔

"مجھے یقین تھا اللہ تمہیں یہاں ضرور لائے گا۔ میں نے دل سے دعا کی تھی۔"ان کے عقبی دیوار میں نصب کھڑکی کو دیکھتے ولیم پھیکا سا مسکرایا۔

"اتنا بھروسہ کیوں ہے آپ کو اللہ پر؟"بے ساختہ اس کے لبوں سے پھسل گیا۔ عیسی صاحب کے چہرے پر مسرور سی مسکراہٹ ابھری۔

"تمہارے منہ سے اللہ سننا بہت اچھا لگا ہے ولی۔۔"

"میرا نام ولیم ہے۔ ولیم جوزف!"وہ جتاتی نگاہیں عیسی صاحب پر جما کر بولا۔ وہ نرم سی مسکراہٹ لیے اسے دیکھتے رہے۔

"نام سے کیا فرق پڑتا ہے۔ جو دل میں ہے وہ بتاؤ۔"

"آپ کیا چاہتے ہیں مجھ سے؟"کپ کے کناروں پر انگلی پھیرتے وہ کھوئے کھوئے انداز میں بولا۔ نگاہیں کپ کے پیندے میں نفاست سے پڑی چائے پر جمی تھیں جس کا ذائقہ بہت اچھا تھا۔

"میں چاہتا ہوں تم اپنے اصل کو یاد رکھو۔۔"

"میرا اصل کیا ہے؟" دوبدو سوال ابھرا۔

"یہی کہ تم پیدائشی مسلمان ہو۔۔ "

"جب سے ہوش سنبھالا ہے تب سے خود کو چرچ جاتے پایا ہے۔ نینی کہتی ہیں میں اچھا کرسچن ہوں۔۔ "

"تمہاری ماں چاہتی تھیں تم اچھے مسلمان بنو۔۔ "

"مذہب کوئی لباس نہیں ہے جسے میں دوسروں کی خواہش پر پہن لوں گا۔۔ "

"معرفت تو تاج ہے جس کے سر پر سج گیا مانو وہ شخص ہی سج گیا۔۔ "

کچھ تھا ان کے لہجے میں کہ ولیم چند پل سانس نہیں لے پایا۔

اس نے کلمہ پڑھا تھا۔ ہوش و حواس میں۔ تو کیا اس نے سر پر تاج سجایا تھا؟ اس نے کچھ کہنے کو لب کھولے لیکن وہ پھڑ پھڑا کر رہ گئے۔ آخر یہ سب کیوں ہو رہا تھا؟

"مجھے سوچنے کے لیے وقت چاہیے۔" اس بار اس نے عیسی کی آنکھوں میں دیکھتے کہا۔ جانے وہ کس سے وقت مانگ رہا تھا جبکہ جانتا بھی تھا اس کا اندر بدل گیا تھا۔ اس کی بات سن کر عیسی صاحب مسکرا دیے۔

"جو بھی چُنو اس پر قائم رہو اور خوش رہو۔ "

ان کی آنکھیں جانے کیا کچھ بول رہی تھیں پر زبان سے یہی لفظ ادا ہوئے۔ ولیم نے اثبات میں سر ہلاتے کپ اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔

"کیا میری مام مجھ سے پیار کرتی تھیں؟" عجیب سا سوال تھا جو اندر سے پنپا تھا۔

"وہ دنیا میں سب سے زیادہ تم سے پیار کرتی تھیں۔"

یہ الفاظ ولیم کو اپنے دل پر ٹھنڈی پھوار کی طرح پڑتے محسوس ہوئے تھے۔ چہرے پر پل بھر میں سرخی ابھری۔ آنکھوں کی جلن غائب ہو گئی۔ کتنا اچھا احساس تھا نا۔

"میں اچھا مسلمان نہ بن پایا تو؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے عیسی صاحب کو دیکھا۔

"کون اچھا ہے کون برا ہے اس کا فیصلہ ہم نہیں کر سکتے۔ ہم بس کوشش کر سکتے ہیں۔" انہوں نے مشکل آسان کر دی۔

وہ اثبات میں سر ہلاتا اٹھ کھڑا ہوا۔ کیپ سر پر جمالی اور بیگ کی زپ کھول کر ہیڈ فون اندر ڈالنے کے بعد بیگ کندھے پر لٹکایا۔

"میں سوچ کر بتاؤں گا۔" اس کا انداز ایسا تھا کہ عیسی صاحب بے ساختہ ہنس دیے۔

"سوچو مت، خوش رہو۔ بھروسہ رکھو۔ اللہ بہتر کرے گا۔"

ولیم کو اپنے دل کا، اپنے کندھوں کا سارا بوجھ ہٹتا محسوس ہوا۔ اسے جیسے جینے کی ایک نئی امید مل گئی تھی۔ اس کی ماں اسے سے پیار کرتی تھی۔ وہ خود کو دنیا کا خوش قسمت ترین انسان سمجھ رہا تھا۔ دل ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔ مسکراہٹ چہرے سے چپک سی گئی تھی۔

"جب دل کرے آ جانا۔ میں تمہیں ملوں گا۔" عیسی صاحب اٹھ کھڑے ہوئے۔ ولیم نے ہاتھ آگے بڑھایا۔ وہ گھوم کر ولیم کے سامنے آئے اور پھر ہاتھ پکڑ کر اسے کھینچ کر گلے لگایا۔

"جب تم سوچ لو تو سورہ العنکبوت سے شروعات کرنا۔" انہوں نے رازدانہ سرگوشی تھی۔ ان کے پہلو میں کتنی گرمائش تھی۔ ولیم کا دل سینے میں ہی پگھلنے لگا۔ وہ ساکت کھڑا رہا۔ کچھ دیر بعد وہ ولیم سے الگ ہوئے۔ آنکھوں میں نمی تھی۔

"اللہ تمہارے سر پر تاج سجائے۔" انہوں نے ولیم کا گال تھپتھپایا۔ ولیم پھیکا سا مسکرایا اور اگلے ہی پل وہ کمرے سے باہر نکل رہا تھا۔ عیسی صاحب اس کے پیچھے لپکے۔ راہداری سے گزرتے ہوئے وہ گراؤنڈ کی جانب بڑھ رہا تھا۔ باہر بارش بند ہو گئی تھی۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا دور جا رہا تھا۔

"اللہ تمہارے راستے آسان کرے آمین!" انہوں نے دل سے دعا دی جبکہ سکول کے گیٹ سے باہر نکلتے ولیم کا چہرہ سرخ تھا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔ اس کا دل کر رہا تھا وہ اچھلے کودے زور زور سے چلائے۔ وہ سب کو بتائے کہ اس کی ماں اس سے سب سے زیادہ پیار کرتی تھی۔ حقیقی خوشی کسے کہتے ہیں وہ آج اُس نے پہلی بار محسوس کی تھی۔ تھوڑی دیر بعد پتھریلے راستے پر چلتے ہوئے اس نے اچھل کر پیروں کی تالی بجائی۔ یہ دن اس کی زندگی کا حسین ترین دن تھا۔

✿••✿••✿••✿

ٹیلنٹ اور محنت کسے کہتے ہیں یہ فجر نے آج جانا تھا۔ یہاں رئیس گروپ کے کانفرنس روم بیٹھ کر وہ ٹیلنٹڈ لوگوں کے آئیڈیاز سن رہی تھی۔ وہ لوگ صرف ڈیزائنر ہی نہیں بلکہ آرٹسٹ تھے۔ آنکھوں پر چشمہ سجائے وہ پراجیکٹر اسکرین کو دیکھ رہی تھی جس پر کئی چہرے واضح تھے۔ یہ ماڈلز تھیں جن سے سلیکشن کی جانی تھی اور اس کے ساتھ اسکرین پر نیچے ایک ترتیب میں شالے کلیکشن کے وہ پانچ پیس نظر آ رہے تھے۔

لمبی میز کے دونوں جانب دس دس ڈیزائنر بیٹھے تھے۔ یہ وہ ٹیم تھی جنہوں نے شالے کلیکشن کو ڈیزائن کیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی فوٹو گرافرز اور کوریو گرافرز کی پوری ٹیم موجود تھی۔ وہ آخری سرے پر دھری کرسی پر خاموش بیٹھی تھی۔ اسکارف سر سے پھسل کر کندھوں پر گر گیا تھا۔ یوں بھی دوپٹہ سر پر اوڑھنے کی زیادہ عادت نہیں تھی۔ اسے یہاں اپنا آپ بہت چھوٹا محسوس ہو رہا تھا۔ ایک دو ڈیزائنر تو اس سے بھی کم عمر تھے۔ ٹیلنٹ کی یہاں کوئی کمی نہیں تھی۔

مراد عالم ابھی تک اپنی ٹیم کے خیالات جان رہا تھا۔ وہ کافی سنجیدہ تھا۔ جو چیز فجر نے پچھلے ایک گھنٹے میں سیکھی وہ یہ تھی کہ بزنس کوئی بھی ہو وہ تب تک کامیاب نہیں ہو سکتا تھا جبکہ اسے کرنے والے خود کو into نہ کریں۔ رئیس جیولرز اور پورے رئیس گروپ کی کامیابی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ یہاں کے لوگ رئیس میں into تھے۔

انہوں نے خود کو وقف کیا ہوا تھا اور یہ ماحول یہ اطمینان انہیں رئیس نے ہی دیا تھا۔

جب وہ مراد عالم کے ساتھ کانفرنس روم میں داخل ہوئی تھی تب اسے کئی لوگوں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا پر یہ چند پل کی نگاہیں تھیں۔ وہ اتنے پروفیشنل ہو چکے تھے کہ انہیں فرق نہیں پڑتا تھا۔

وہ انہی خیالوں میں گم تھی کہ مراد عالم کے پکارنے پر اس کا دل اچھل کر حلق میں آیا۔ اس کے نام پر سب نے اسکرین سے رخ موڑ کر اسے دیکھا۔

"یہ فجر معراج ہیں انہوں نے ہمیں شالے کی لانچ کے لیے جو ائن کیا ہے۔" مراد عالم نے اس کا تعارف کروایا۔

کئی لوگوں نے اسے پیشہ ورانہ مسکراہٹ سے نوازہ جبکہ بہت سوں کے نزدیک اسکا ہونا نہ ہونا برابر تھا۔

"یہ ہمارے آرٹ پیس کو پریزنٹ کرنا چاہتی ہیں۔ مس فجر بتائیں آپ کے اس بارے میں کیا خیالات ہیں؟" یہ

ل اور Detail Oriented شاید یہی

وجہ تھی جو وہ رئیس گروپ کے لیے اتنی اہمیت رکھتا تھا۔

فجر کا چہرہ پل بھر کو سرخ پڑا پھر وہ خشک لبوں پر زبان پھیرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی بائیں کلائی میں ایک نازک سا بریسلٹ تھا جو ہلکی روشنی میں چمک رہا تھا۔

"کھڑے ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ بیٹھ کر بات کر سکتی ہیں۔" ایک سینئر ڈیزائنر نے مسکرا کر کہا تو فجر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"سر مُراد کیا ہم سیاہ فارم ماڈلز ہائر کر سکتے ہیں؟" اس نے براہ راست مراد عالم کو مخاطب کیا۔

"وائے ناٹ؟ ہمارے پاس فارنر ماڈلز ہیں جو انٹرنیشنل فیشن شوز میں کام کرتی ہیں۔ ہم انہیں بلا سکتے ہیں۔" وہ سنجیدگی سے بولا پر سیاہ فارم کیوں؟ ذہن کھلبلایا۔

"Exceptional.."

وہ مسکرائی۔ اس کا حوصلہ بڑھتا گیا۔ خود پر بھروسہ ہونا بہت ضروری ہے۔ کیا ہوا اگر کوئی تمہارے بات کرنے پر مزاق اڑائے گا؟ وہ اپنی زبان کو تکلیف دے گا پر تم میں تو کم از کم بات کرنے کا حوصلہ پیدا ہو گا۔

وہ چلتے ہوئے پراجیکٹر کے سامنے آئی اور پھر اپنا آئیڈیا وہاں بیٹھے باہنر لوگوں کے گوش گزار کرنے لگی۔

اس کے ہاتھ خاص انداز میں ہل رہے تھے۔ اسکرین کے آگے کھڑی سادہ سوٹ والی فجر کو کئی نظروں نے ستائش سے دیکھا تھا۔

وہ اس سیپ والے ڈیزائن کو الگ طریقے سے پیش کرنا چاہ رہی تھی۔ اسے گلے میں پہننے کی بجائے سر پر سجایا جا سکتا تھا۔ لیکن کیسے؟ یہ تو آگے ہی پتا چلے گا۔

کچھ دیر بعد وہ واپس اپنی جگہ پر بیٹھی اسکرین پر ابھرتی ماڈلز کو دیکھ رہی تھی۔ سیاہ فارم میں اب ماڈلز فیس ٹائپ دکھائی جا رہی تھیں۔ جی ہاں ماڈلز کی فیس ٹائپس ہوتی ہیں؛ بے بی فیس، اسٹرونگ فیس، کمرشل فیس، ایلین فیس وغیرہ وغیرہ۔۔

ابھی جو چہرہ فجر کو چاہیے تھا یقیناً وہ جلدی نہیں ملنے والا تھا۔

"یہ شوٹ آپ خود کیوں نہیں کر لیتی ہیں؟" ایک کوریوگرافر نے اچانک پوچھ لیا۔ فجر نے مراد عالم کو دیکھا جس نے لاپرواہی سے کندھے اچکا دیے۔

"شالے کی لانچ کے لیے خوبصورت نہیں فوٹوجینک چہرے بہتر رہیں گے۔" اس نے گول مول سا جواب دے دیا اور نگاہیں پھر سے اسکرین پر جما دیں جہاں ایک کے بعد ایک ماڈل کے چہرے ابھر رہے تھے۔

اسے Angelic فیس چاہیے تھا وہ بھی سیاہ فارم! جو سیپ اور اس کے موتیوں سے جڑ سکے۔ کمرشل ماڈلز اس آرٹ پیس کے لیے زیادہ سوٹ ایبل نہیں تھیں۔

تقریباً سو چہرے دیکھنے کے بعد وہ اچانک رک گئی۔ اس کا مطلوبہ چہرہ اس کے سامنے تھا۔ خوبصورت آنکھیں جھلملا اٹھیں۔

"بہترین۔۔۔" وہ پرجوش سی بولی۔ سوالیہ نظروں سے ایک بار پھر مراد عالم کو دیکھا جس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

باہر سورج آہستہ آہستہ سفر طے کر رہا تھا اور رئیس ہیڈ آفس میں بیٹھے سینکڑوں لوگ اپنے اپنے کام میں مگن تھے۔ فجر کے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ وہ روز یہاں نہیں آسکتی تھی۔ اسے اپنا پروجیکٹ بھی مکمل کرنا تھا اس لیے اس کا آج ارادہ زیادہ سے زیادہ کام ختم کرنے کا تھا۔ وہ بہت پر جوش تھی اور خوش بھی۔ ہاں یہی اس کی دنیا تھی اسے ایسی ہی زندگی جینی تھی جہاں وہ اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا سکتی جہاں وہ اپنی پہچان بنا سکتی۔

✿••✿••✿••✿

ایک دفعہ کا ذکر ہے ایک چھوٹا سا پرندہ تھا جو اپنی ماں کے ساتھ رہتا تھا۔ وہ ہمیشہ اپنی ماں سے سنا کرتا تھا کہ "بچو، ہمیشہ محتاط رہو، خاص طور پر جب تم جنگل میں ہو۔"

ایک دن، پرندہ جنگل میں اڑتا ہوا گیا اور ایک بڑی، چمکدار عنکبوت کی جال دیکھ لی۔ وہ بہت متجسس ہوا اور سوچا کہ کیوں نہ اس جال کے قریب جا کر دیکھوں۔ جب وہ نزدیک گیا تو اس نے دیکھا کہ جال میں کئی چھوٹے کیڑے پھنسے ہوئے ہیں۔

پرندہ سوچنے لگا کہ اگر وہ ان کیڑوں کو کھالے تو یہ اس کے لیے بہترین کھانا ہو گا۔ لیکن اس نے اپنی ماں کی نصیحت یاد کی اور سوچا کہ اگر وہ خود جال میں پھنس گیا تو کیا ہو گا؟

اسی دوران، عنکبوت نے اسے دیکھ لیا اور تیزی سے اس کی طرف بڑھنے لگا۔ پرندہ فوراً اڑا اور محفوظ مقام پر جا کر اپنی ماں کو ساری کہانی سنائی۔

ماں نے کہا، "دیکھو بیٹا، کبھی بھی کسی چیز کی چمک یا خوبصورتی کی وجہ سے خود کو خطرے میں مت ڈالو۔۔"

آپ بتائیں آپ نے اس چھوٹی سی کہانی سے کیا سیکھا؟؟

پیرس کے لگژری ہوٹل کا یہ Banquet Hall برقی قمقموں سے سجا ہوا تھا۔ وائٹ تھیم کی وجہ سے دیواروں سے لے کر میزوں پر سجے برتن تک سفید تھے۔ کئی مشہور اور معزز ہستیاں اس ہال میں موجود تھیں۔ ہاتھ کی انگلیوں میں نازک پیندوں والے گلاس سجائے وہ خوش گپیوں میں مصروف نظر آتے تھے۔ میڈیا سے تعلق رکھنے والے ایک دو صحافی وہاں موجود تھے۔ تصویریں لی جا رہی تھیں۔ مہمان وقفے وقفے سے آ رہے تھے۔ تبھی ہال کے کھلے دروازے سے رئیس اورنگزیب اندر داخل ہوا۔ سفید ڈھلکتی پینٹ پر سفید ہی ڈریس شرٹ پہنے وہ خوشبوؤں میں رچا بسا تھا۔

ڈریس شرٹ کے کف کہنیوں تک فولڈ تھے۔ کلائی میں مہنگی گھڑی بندھی تھی۔ ڈریس شرٹ کے ساتھ کوئی ٹائی نہیں تھی اور نہ ہی کوئی کوٹ تھا۔ پیروں میں بنا موزوں کے سیاہ جوتے چم چم کر رہے تھے۔ سائیڈ پارٹ ہیئر اسٹائل میں وہ کافی اچھا لگ رہا تھا۔ اس نے اندر داخل ہوتے ایک طائرانہ نگاہ چاروں اور ڈالی۔ آج کی یہ تقریب اسی کی جانب سے منعقد تھی۔ وہ فیشن شو جو دو تین مہینے بعد ہونے جا رہا تھا، جس کے اسپانسرز میں رئیس بھی شامل تھا، آج صبح کی میٹنگ میں سب فائنل ہو چکا تھا۔

اس تقریب کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ آج اس کا انتالیس واں جنم دن تھا اور دن میں ہونے والی میٹنگ کے لیے پاکستان کی بڑی فیشن کمپنیوں سے جو لوگ آئے تھے وہ سب یہاں موجود تھے۔ لکس اور اسٹائل جیسی کمپنیاں جو رئیس کو اپنا حریف مانتی تھیں ان کے ڈائریکٹرز بھی یہاں موجود تھے۔

رئیس کو دیکھتے ہی ایک پل کی خاموشی چھائی اور پھر ہال میں ہلکی ہوٹنگ سی گونج گئی۔ وہ گرم جوشی سے مسکرا کر آگے بڑھا۔ ایک قدم پیچھے عروزہ چل رہی تھی جس کا چہرہ سپاٹ تھا۔ سفید چست سکرٹ اور سفید ہی ڈریس شرٹ میں اس کی بھوری رنگت چمک رہی تھی۔ سیاہ ہیلز والے کورٹ شوز پہنے وہ رئیس کے قدبرابر آ رہی تھی۔

اس کی شرٹ کے کالر سے مائیک جڑا تھا۔ وہ یہاں کی سیکیورٹی کے ساتھ کنیکٹڈ تھی۔ عقاب جیسی آنکھیں چاروں جانب گھماتی وہ سائے کی طرح رئیس کے ساتھ چل رہی تھی۔ چہرہ کسی بھی قسم کے جذبات سے عاری تھا۔

"ویلکم رئیس صاحب! آپ کی اس سلطنت میں آپ کا ہی انتظار ہو رہا تھا۔۔"

وہ سینے پر ہاتھ رکھے، سر کو ذرا سا خم دیتے سب سے مل رہا تھا یہ اس کا اسٹائل تھا۔ اس کے وہاں آنے سے جیسے رونق بڑھ رہی تھی۔

ہال کی دائیں اور بائیں جانب والی دیواروں کے ساتھ میز رکھے تھے جن پر کھانے کے لوازمات رکھے جانے تھے اور سامنے کی دیوار کے ساتھ چھوٹا سا اسٹیج بنا تھا جس پر ایک کرسی رکھی تھی۔ باقی درمیان میں گھومنے پھرنے اور کھڑے ہونے کے لیے کافی جگہ تھی۔ ہال کے برقی قمقموں نے باہر اترتے اندھیرے کو مات دے دی تھی۔

اسٹیج کے آگے ہی بالکل درمیان میں ایک گول میز رکھا تھا جس کے اوپر سفید رنگ کا بڑا سا کیک سجا ہوا تھا۔ رئیس کے Logo کے ساتھ ڈیزائن کیا یہ کیک نہایت خوبصورت لگ رہا تھا۔

اسٹیج کی بیک سائیڈ پر پیانو رکھا تھا اور اسے بجانے والا آرٹسٹ بھی موجود تھا۔ ہال کے اندر ہی سیکیورٹی کے کئی لوگ گھوم رہے تھے۔

"خادم کو یاد کیا خادم حاضر۔۔" دلکشی سے کہتے وہ مسکرایا۔

"جس کا نام ہی رئیس ہو وہ خادم کیسے ہو سکتا ہے؟ آپ تو بادشاہ ہیں۔" تعریف دل سے کی گئی تھی یا نہیں پر بات بالکل سچ تھی۔ وہ سب سے مل رہا تھا۔ باتیں ہو رہی تھیں۔ تصویریں بن رہی تھیں اور پھر اس نے تقریباً تیس مہمانوں کی موجودگی میں کیک کاٹا۔ زندگی کے انتالیس سال گزر گئے تھے لیکن اسے دیکھ کر لگتا ہی نہیں تھا وہ

انتالیس کا ہو گیا تھا۔ اس نے اس عمر میں اتنا کچھ حاصل کر لیا تھا جتنا ساٹھ سالہ شخص تمام زندگی محنت کے بعد بھی مشکل سے ہی حاصل کر پاتا ہے۔ لوگوں کا ماننا تھا وہ نام کی طرح قسمت کا بھی رئیس تھا۔ آپ کیا کہتے ہیں؟

"زندگی کے انتالیس سالوں میں آپ نے کیا سیکھا؟" کیک کا ٹکڑا منہ میں ڈالتے ایک شخص نے نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے رئیس سے پوچھا۔

"یہی کہ کھل کر جیو، مر تو جانا ہی ہے۔"

اس کے جواب پر سب مسکرا دیے۔ آج اس کا دن تھا۔ اِس مہنگے شہر کے مہنگے ہوٹل میں یہ تقریب اُس نے رکھی تھی۔ یہاں موجود آدھے لوگ دن میں ہونے والی میٹنگ سے ہی آئے تھے باقی سب اُس کے بھیجے گئے دعوت نامے پر مختلف شہروں اور مختلف ملکوں سے تشریف لائے تھے۔ یہ دعوت نامہ انہیں ایک مہینہ پہلے ہی موصول ہو چکا تھا۔

وہ پیشہ ورانہ تعلقات بہت اچھے رکھتا تھا۔ جہاں بزنس ہوتا ہے وہاں انا سے نہیں دماغ سے کام لیا جاتا ہے اور یہ بات بزنس مین اچھے سے جانتے ہیں اِسی لیے اُس سے خار کھانے والے لوگ بھی اُس کے دعوت نامے پر چلے آئے تھے کیونکہ انہیں بھی رئیس گروپ سے تعلقات اچھے رکھنے تھے۔

کافی دیر گوش گپیاں چلتی رہیں۔ بزنس اور فیشن پر باتیں ہوئیں۔ مارکیٹ کے حالات ڈسکس کیے گئے۔ اس سے شالے کی لانچ کا پوچھا گیا۔ عروزہ عقابی نظریں لیے پورے ہال میں گھوم رہی تھی۔

میڈیا سے جو دو لوگ آئے تھے وہ اس کا انٹرویو کرنا چاہتے تھے۔ بیرے ہاتھوں میں مہنگی شراب کے گلاس لیے ادھر ادھر گھومتے واضح نظر آتے تھے۔ اسے پیشکش کی گئی تھی تو اُس نے مسکرا کر انکار کر دیا۔

"تو یہ ہے آپ کی فٹنس کا راز آپ ڈرنک نہیں کرتے ہیں؟"

انڈسٹری کی ایک مشہور اداکارہ اسے انکار کرتے دیکھ کر فوراً بولی۔ وہ پھر سے مسکرا دیا۔

"کہہ سکتی ہیں۔" وہ بات بات پر مسکراتا تھا پر اس کی مسکراہٹ پر اسرار لگتی تھی۔ دیکھنے والا اکثر سوچ میں پڑ جاتا تھا وہ کس بات پر اور کیوں مسکرایا تھا۔ سیاہ آنکھوں، سیاہ بالوں اور گندمی رنگت والے رئیس اورنگزیب کی وائبز ہر انسان کو ایک جیسی نہیں لگتی تھیں۔

کچھ دیر بعد وہ اسٹیج پر دھری کرسی پر بیٹھا تھا۔ کرسی سے پشت ٹکائے، ٹانگ پر ٹانگ جمائے وہ فرصت سے بیٹھا تھا۔ باقی سب میزوں کے گرد رکھی کرسیوں پر بیٹھ گئے تھے اور وہ دونوں صحافی جو اس کے انٹرویو کے لیے آئے تھے وہ اسٹیج کے سامنے رکھی دو کرسیوں پر بیٹھے تھے جہاں کچھ دیر پہلے رکھے میز پر رئیس نے کیک کاٹا تھا۔ میز اب اٹھا دیا گیا تھا۔ دونوں کے ہاتھ میں مائیک تھا جبکہ کیمرہ اسٹینڈ پر جما تھا۔ ہال کی لائٹ بند تھی جبکہ رئیس کے سر پر روشن اسپاٹ لائٹ میں صرف اس کا وجود واضح تھا۔ اسپاٹ لائٹ کی روشنی بالکل چاند جیسی سفید تھی۔ یقیناً آج کی رات خاص ہونے والی تھی۔

"رئیس صاحب سنا ہے آپ بڑی کم عمری میں اس فیلڈ میں آ گئے تھے۔ اپنا تجربہ شیئر کریں۔" پہلا سوال وہ تھا جو اکثر اس سے ہر انٹرویو میں پوچھا جاتا تھا اور تب اس نے مکڑی اور پرندے والی وہ کہانی سنائی جو آپ اوپر پڑھ چکے ہیں۔

"پرندے کی ماں نے کہا کہ کسی چیز کی چمک یا خوبصورتی کی وجہ سے خود کو خطرے میں مت ڈالو۔" ہال میں خاموشی تھی۔ وہ جیسے بول رہا تھا اسے سننا پر فسوں تھا۔

"اگر تم خود کو خطرے میں نہیں ڈال سکتے تو بزنس کی دنیا میں مت آؤ اگر تم اس دنیا کے تار عنکبوت کے بارے میں نہیں جاننا چاہتے تو بھاگ جاؤ جیسے وہ پرندہ بھاگ گیا تھا پر اگر رکنا چاہتے ہو تو یہ سوچ کر رکنا کہ تم کسی بھی پل شکار ہو سکتے ہو۔"

عروزہ سینے پر بازو باندھے اپنے باس کو سن رہی تھی۔ جس کی باتیں اکثر سر کے اوپر سے گزر جاتی تھیں۔

"اس فیلڈ میں آپ نے کتنے دوست بنائے؟ کیا بزنس کی دنیا میں انسان دوست بنا سکتا ہے؟"

اس سوال پر وہ سر جھکا کر مسکرایا اور پھر سر اٹھا دیا۔

"دوست ہوں نہ ہوں انسان کی زندگی میں ایک ساتھی ایسا ضرور ہونا چاہیے جو آپ کے لیے جان دے بھی سکے اور جان لے بھی سکے۔" وہ پل بھر کو رکا۔ اس کی نگاہوں نے عروزہ کو کھوجا۔ ہال کے آخر میں وہ کسی روبوٹ کی طرح سیدھی کھڑی نظر آئی۔ مجال ہے جو چہرے پر مسکراہٹ ابھر آئے۔

"میں خوش قسمت ہوں کہ میرے پاس ایسے دو ساتھی موجود ہیں۔" اس کی آنکھوں میں ستاروں کی سی چمک تھی۔ عروزہ جمال اور مراد عالم اس کے ساتھی تھے۔ ہال میں بیٹھے لوگوں کو اس پر رشک آیا۔

"شادی کے بارے میں آپ کا خیال ہے؟ آپ کو نہیں لگتا اب آپ کی شادی ہو جانی چاہیے؟ آپ جیسے مرد کے لیے اس سے بہترین عمر کیا ہو گی؟"

وہ اس سوال پر کھل کر ہنس دیا۔ ہال میں ہو ٹنگ سی ہوئی۔

"رئیس اورنگزیب کے نزدیک شادی کیا ہے؟" سوال ہال میں سے داغا گیا۔

"شادی گلے کا پٹہ ہے، ایک بار بندھ جائے تو پھر انسان گھٹنوں پر آ ہی جاتا ہے۔"

وہ سنجیدگی سے کہتا ہال میں بیٹھے مہمانوں کو کھکھلانے پر مجبور کر گیا تھا۔ لوگ اپنا ہی مزاق اڑا رہے تھے کیونکہ سبھی کے گلوں میں پٹے بندھے تھے۔

"تو رئیس اور نگزیب کو شادی نہیں پسند؟" سوال دلچسپ تھے اور جواب تو لاجواب آ رہے تھے۔

"مجھے گھٹنوں پر آنا نہیں پسند!"

وہ ٹانگ سے ٹانگ ہٹاتا سیدھا ہوا۔ تھوڑا پیچھے کی جانب کھسکتے، گھٹنوں پر کہنیاں جماتے آگے کو جُھکا۔ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسالیں۔ سفید ڈریس شرٹ میں وہ یوں لگ رہا تھا جیسے اسپاٹ لائٹ کی روشنی اسی سے پھوٹ رہی ہو۔

"آپ کے نزدیک لائف پارٹنر کیسا ہونا چاہیے؟"

"The Partner You Choose is the Reflection of Your Standard"

"اس کا مطلب ہے رئیس کو اب تک اپنا رفلیکشن نہیں ملا ورنہ وہ بھی گھٹنوں پر آنے میں دیر نہیں لگاتا ہے نا؟"

اس کے جواب پر ایک جوان نے تجزیہ پیش کیا تو رئیس کا ابھرنے والا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ وہ سر جھکا کر ہنسنے لگا۔ کئی لمحے ہنستا رہا۔ آنکھوں میں نمی ابھر آئی۔ چہرہ سرخ پڑنے لگا۔

"کیا ایسا ہی ہے؟" اس کے ہنسنے پر کئی سوال اٹھے۔ وہ مسکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں اڑس لیے۔ وہ اب سیدھا کھڑا تھا۔ سپاٹ لائٹ کے نیچے۔ کئی سوالیہ نظریں اس پر جمی تھیں۔ اس نے ایک نظر سب پر ڈالی اور پھر کندھے اچکاتا اسٹیج سے نیچے اتر آیا۔ اس کے نیچے اترتے ہی ہال کے برقی قمقمے جگمگا اٹھے۔ سکتہ ٹوٹ گیا۔ وہ ہر بار کسی نہ کسی انٹرویو میں یونہی کوئی سوال ادھورا چھوڑ دیتا تھا۔ ایک کسک باقی رہ جاتی تھی۔ اس کے

چاہنے والے سمندر تک پہنچ کر بھی پیاسے رہ جاتے تھے اور شاید یہی آرٹسٹ لوگوں کی خاصیت ہوتی ہے۔ وہ کبھی سیر اب نہیں ہونے دیتے۔ اپنے چاہنے والوں کو فاقوں کی نذر کر دیتے ہیں۔

✿••✿••✿••✿

شاہ عبد الطیف نے کہا تھا **"عورت عشق کی استاد ہے"**

کبھی کبھی ذہن میں آتا ہے آخر انہوں نے ایسا کیوں کہا تھا؟

جامشورو، رات آٹھ بجے؛

دن بھر سورج آگ برسانے کے بعد رات کے اس پہر کہیں غائب ہو چکا تھا۔ درجہ حرات چالیس ڈگری سے تئیس ڈگری پر آگرا۔ رات کے اس پہر صحرا تھر کی جانب سے چلنے والی ہوائیں ٹھنڈی محسوس ہو رہی تھیں یوں بھی ریتلے علاقوں میں رات ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔ ویسے تو جامشورو صحرائی علاقہ نہیں ہے لیکن صحرا تھر کے قریب ہونے کی وجہ سے اس کا درجہ حرارت صحرائی علاقوں جیسا ہی ہوتا ہے۔ دریائے انڈس کے کنارے بستا جامشورو رات کے پہر مہربان سا ہو جاتا تھا۔

عالمگیر حویلی میں کافی خاموشی تھی سوائے دوسری منزل کے اس بڑی بڑی کھڑکیوں والے کمرے کے، جس کی ساری کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں۔ سفید پردے ہوا سے اڑ رہے تھے، چاند پورے جوبن پر تھا اور اس کی دودھیا روشنی میں کمرے کا منظر نمایاں ہونے لگا۔ وسط میں بچھے پلنگ پر وہ اوندھی لیٹی تھی۔ کہنیوں کے بل، ہاتھ میں شاہ عبد الطیف کی کتاب پکڑے وہ اپنے ساتھ لیٹے بارہ سالہ معید کو کلام سنا رہی تھی۔

جگ میں جینا دو دن کا ہے، دو دن کا قیام

کہے لطیف تو ہی تو ہے، باقی تیرا نام۔۔۔۔!!

معید اسی کے انداز میں لیٹا، ہتھیلیوں کے پیالے میں چہرہ گرائے اس کی باتیں سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

آسمان پر بادلوں سے آنکھ مچولی کرتے چاند نے جھانک کر کھڑکی سے اندر دیکھا تو کتاب کے پیچھے چھپے ہوئے چہرے سے اس کی بس آنکھیں نظر آئیں اور آنکھیں بھی ایسی جن کے اٹھنے پر کائنات ٹھہر جائے۔

بڑی بڑی شہد رنگ آنکھوں کی گہری مڑی ہوئی پلکیں جو رخساروں پر سایہ فگن تھیں۔ گھنے شہد رنگ گھنگھریالے بال جو کمر کے ساتھ ساتھ کندھوں سے آگے بکھرے ہوئے تھے۔ اکثر یہ بال اسے الجھائے رکھتے تھے۔

کلائی میں پہنی کانچ کی چند چوڑیاں، جو ہلنے پر مدھر سر پیدا کر رہی تھیں۔ ساتھ لیٹے معید کو جب کچھ سمجھ نہ آیا تو اس نے فون اٹھالیا۔ جیسے ہی آن کیا سامنے ہی اُس شخص کا اکاؤنٹ تھا جو اس کی پھوپھو کو بے حد پسند تھا۔

"دیکھتی تو آپ ان کو روز ہیں پر فالو آپ کرتی نہیں ہیں۔" وہ ناسمجھ سا بولا تو فلک کھلکھلا کر ہنس دی۔ کتاب بند کر کے اسکے سر پر ہلکی سے چپت لگائی اور پھر موبائل فون اس سے لے لیا۔

"بدو! عورت کبھی بھی اپنے پسندیدہ مرد کو فالو نہیں کرتی۔"

چوڑیوں کی چھنکار سے پورا کمرہ گونج اٹھا۔

"آپ کی باتیں کبھی کبھی بہت مشکل لگتی ہیں۔" معید نے منہ پھلایا۔

"رائٹر ہوں نا اس لیے۔" وہ پھر سے مسکرائی۔ کتاب چہرے سے ہٹی تو چہرہ واضح ہو گیا۔ چھوٹے چھوٹے نقش، بیضوی چہرہ اور اس پر جھانکتی بڑی بڑی آنکھیں جو پہلی فرصت میں توجہ کھینچ لیتی تھیں۔ جنہیں ہر دیکھنے والا یہی کہتا تھا کہ وہ اس جہاں کی نہیں تھیں۔

وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ گھنگھریالے گھنے بالوں میں اس کا چہرہ مزید چھپ جاتا تھا۔ بال دونوں جانب سے آگے آگرے۔ انہیں کھولے رکھنا مشکل تھا تو انہیں باندھنا اور بھی مشکل تھا۔ بال زیادہ لمبے نہیں تھے پر گھنے تھے۔

اس سے پہلے دونوں میں سے کوئی کچھ بولتا، رات کی اس خاموشی میں گاڑی کی آواز سنائی دی۔ معید جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔

"بابا آگئے۔۔؟؟" دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔ معید پلنگ سے چھلانگ لگاتا باہر کی جانب بھاگا جبکہ وہ اچھل کر کھڑکی تک پہنچی اور سر باہر نکال کر دیکھا۔

سامنے ہی پھتریلی روش پر بشارت عالمگیر کی جیپ تیزی سے پورچ کی جانب بڑھ رہی تھی۔ کئی کنالوں پر پھیلی یہ حویلی اتنی بڑی تھی کہ رات کے اس پہر حویلی کا گیٹ یہاں سے نظر بھی نہیں آتا تھا۔ چاند نے بادلوں کی اوٹ سے نکل کر سرخ حویلی کی کھڑکی میں کھڑی فلک عالمگیر کو دیکھا اور پھر وہ شرما کر دوبارہ سے بادلوں میں جا چھپا۔

سرخ گھیرے دار شلوار پر سفید کرتی پہنے وہ کھڑکی میں کھڑی اپنی دھڑکنوں کو واضح سن سکتی تھی۔ متناسب سراپا، درمیانہ قد اور سنہری رنگت والی فلک عالمگیر کو علاقے کی سب سے خوبصورت لڑکی ہونے کا اعزاز حاصل تھا۔ جیسے ہی اس نے اپنے بڑے بھائی کو جیپ سے اترتے، اور گاڑی سے ڈبہ اٹھا کر ملازم کو پکڑاتے دیکھا تو وہ سرخ چہرہ لیے پلٹی، پلنگ پر پڑا دوپٹہ اٹھایا اور اگلے ہی لمحے وہ ننگے پاؤں کمرے سے بھاگ رہی تھی۔

چوڑیوں کی آواز پھر سے گونج گئی۔ وہ حویلی کی اوپری راہداریوں میں بھاگ رہی تھی۔ کھڑکیوں سے آتی ہوا، بالوں کے ساتھ ساتھ دوپٹہ بھی پیچھے کو اڑا رہی تھی۔

"اماں ابا، ویر میری کتاب لے آیا۔" سیڑھیاں پھلانگتی وہ خوشی سے چلائی۔ اس کی آواز پر باورچی خانے میں کام کرتی دونوں بھابھیاں باہر نکل آئیں۔ معید لاؤنج میں اپنے باپ کے پاس کھڑا تھا۔ اماں ابا اس کی آواز سن کر کمرے سے نکل آئے۔ وہ پھلانگتی ہوئی بشارت عالمگیر تک پہنچی اور ڈبہ کھولتے ملازم کو پیچھے کیا۔

"میں یہ ڈبہ خود کھولوں گی۔" چہرہ سرخ پڑ چکا تھا۔ سانس دھونکنی کی مانند چل رہا تھا۔ بکھرے بالوں میں اس پر کسی مستانی کا گمان ہوا۔ سبھی گھر والے اس کے ارد گرد اکٹھے ہو چکے تھے۔

کانپتے ہاتھوں سے وہ ہاتھ میں کٹر پکڑے ڈبہ کھولنے کی کوشش کر رہی تھی پر کھول نہیں پائی۔

"سانس لو پاگل! لاؤ میں کرتا ہوں۔" بشارت بھیا نے کٹر اس کے ہاتھ سے تھام لیا اور پھر کھول کر اندر سے کتاب نکالی۔

فلک نے بے ساختہ منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ آنکھیں پھیل کر مزید بڑی ہو گئیں۔ چہرہ مزید سرخ ہوا تو آنکھیں نم ہونے لگیں۔

وہ رو دینے کو تھی۔ پہلی کتاب، پہلی کامیابی پر سب ہی خوش تھے۔ کتاب کے صفحے الٹ پلٹ کر دیکھے جا رہے تھے۔

"بہوں بہوں مبارک ہو میری دھی (بہت بہت مبارک ہو میری بیٹی)" اماں نے اسے اپنے ساتھ لگایا۔

"ھاں خوش تیو؟(اب خوش ہو؟)"بشارت عالمگیر نے اس کی کتاب اس کے سامنے کرتے پوچھا۔وہ کئی پل کتاب کو دیکھتی رہی اور پھر جھپٹنے والے انداز میں لیتی واپس سیڑھیوں کی جانب بھاگی۔

اس کی پہلی کامیابی صرف ایک شخص کے نام تھی۔بشارت نے ایک نظر اسے بھاگتے دیکھا۔چہرے پر افسوس واضح تھا پھر سر جھٹک کر ڈبے سے دوسری کاپی نکالی۔

سبھی خوش تھے۔گھر کی اکلوتی بیٹی کی پہلی کتاب شائع ہوئی تھی۔وہ کتاب جو قارئین میں کافی مقبول تھی،ایسے میں ان کا خوش ہونا بنتا تھا۔دونوں بھابھیاں اب کھانا لگانے کا اختتام کرنے لگی تھیں۔بچے بلاوجہ ہی اودھم مچا رہے تھے جبکہ وہ اسی رفتار سے بھاگتی ہوئی کمرے تک پہنچی۔کمرے میں پنکھا اسی رفتار سے چل رہا تھا۔اس نے دروازہ بند کیا اور پھر تیزی سے آگے بڑھ کر بیڈ پر پڑا فون اٹھایا۔ایک ہاتھ میں کتاب تھامے وہ دوسرے کپکپاتے ہاتھ سے ایک نمبر ملا رہی تھی۔وہ کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی۔چاند اس کی بے تابیوں کا گواہ تھا۔بیل جا رہی تھی فون نہیں اٹھایا گیا۔اس کی ہتھیلیوں میں پسینہ اتر آیا۔فون کان سے ہٹا کر ایک دوسرا نمبر ملایا۔برقی لہریں سفر کرتیں کسی دوسرے شہر کی حویلی میں رنگ ٹون کی صورت بجنے لگیں۔بیل پھر سے جا رہی تھی فون پھر سے نہیں اٹھایا گیا۔آنکھوں کی جوت بجھنے لگی۔چہرے پر کرب اتر آیا۔اس سے پہلے وہ فون کان سے ہٹاتی فون اٹھا لیا گیا۔

"ہیلو۔۔"ایک نسوانی آواز ابھری۔ہاں اس ظالم شخص نے یہاں بھی فون نہیں اٹھایا تھا البتہ دل کو ڈھارس ملی کہ فون اٹھا لیا گیا تھا۔

"فلک بات کر رہی ہوں۔"گلے میں اٹکے آنسوؤں کے گولے پر قابو پاتے وہ بمشکل بولی۔

"جانتی ہوں۔تمہارے علاوہ یہاں اور کوئی فون نہیں کرتا۔۔"

دوسری جانب سے اپنائیت سے کہا گیا۔ فلک کچھ نہ بولی۔ خاموشی کا وقفہ لمبا ہونے لگا وہ ہاتھ میں پکڑی اپنی کتاب کو دیکھے گئی۔ جس کا انتساب "**محبت کے نام**" تھا۔

اور اس کی محبت کون تھا؟

"کیوں خود کو ضائع کر رہی ہو فلک؟ رئیس کبھی تمہارے لیے نہیں آئے گا۔ "

الفاظ نہیں خنجر تھے جو دل میں یکے بعد دیگرے پیوست ہوتے گئے۔ آنسوں پلکوں کی باڑ توڑ کر بہہ جانے کو تیار تھے پر گھنی پلکوں نے ان قطروں کو موتیوں کی طرح چنے رکھا۔

"سب یہی کہتے ہیں پر میں اس دل کا کیا کروں؟" وہ بھرائی آواز میں بولی۔ اس کی تکلیف فون کے اس پار بیٹھی خاتون سمجھ سکتی تھی۔

"دل کو سمجھاؤ، اپنی زندگی کے خوبصورت سال کسی ایسے شخص کے لیے ضائع مت کرو جسے تمہاری قدر ہی نہ ہو۔ "

"تیرہ سالوں سے انتظار کر رہی ہوں، اس کے تیرہ بار انکار کرنے پر کیسے آس چھوڑ دوں؟" سوال جائز تھا پر جواب ندارد۔

"رئیس کو تمہارے تیرہ سالوں سے فرق نہیں پڑتا فلک! "

"میں فلک عالمگیر ہوں، اسے فرق پڑنا چاہیے آپی!" اس نے ضبط سے آنکھیں میچ لیں۔ کرب گالوں پر بہہ نکلا۔ آنکھ مچولی کرتے چاند نے اسے ٹھہر کر دیکھا۔ سفید پردوں کے درمیاں کھڑی، شہد رنگ بالوں والی فلک، رات کے اس پہر کوئی مورت لگ رہی تھی۔

"فلک عالمگیر کا ہونا نہ ہونا اس کے لیے برابر ہے۔"

بات بہت کڑوی تھی پر سچ تھی۔

"ایک عورت کی تیرہ سالوں کی وفا ہے، اسے فرق پڑنا چاہیے۔"

اس کی بات کا دوسری جانب کوئی جواب نہیں تھا۔ خاموشی کا وقفہ پھر سے لمبا ہوا پھر ایک بوجھل سانس کی آواز سنائی دی۔

"میں پھر سے کہوں گی خود کو ضائع مت کرو فلک!"

"میں فلک عالمگیر، رئیس اورنگزیب کی منگیتر ہوں کوئی راہ چلتی لڑکی نہیں جسے وہ نظر انداز کر دے گا۔" اس بار آواز تیز ہوئی۔ لہجے میں سختی تھی۔ ہاتھ کی پشت سے آنسوں رگڑ ڈالے۔

"یہ رشتہ اس کی مرضی سے نہیں ہوا تھا فلک، جہاں رئیس کی مرضی نہیں ہوتی وہ دیکھتا بھی نہیں ہے۔"

نفیس سی آواز میں ایک بار پھر اسے سمجھانے کی کوشش کی گئی۔ فلک کی ٹانگیں جواب دینے لگی تھیں۔ اس نے کھڑکی کے پٹ سے ٹیک لگا لیا مبادہ کہیں ڈھے ہی نہ جائے۔

"اور میں نے پچھلے تیرہ سالوں میں اگر کسی کو دیکھا، کسی کو سوچا ہے، کسی کی چاہت کی ہے تو صرف رئیس اورنگزیب کی۔ آپ اسے بتا دیجیے گا میں انتظار کر رہی ہوں۔ اسے آنا ہو گا ورنہ۔۔۔۔"

وہ بات ادھوری چھوڑ گئی۔ پتا نہیں دھمکی تھی یا بے بسی۔ فلک نے فون کان سے ہٹاتے بند کر دیا۔

فلک عالمگیر وہ لڑکی تھی جس کے لیے Self Love سب سے پہلے آتا تھا۔ جس میں Feminine Energy یعنی خود سے محبت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا تھا پر خود سے بھی زیادہ اسے ایسے شخص سے محبت تھی جسے اس کے ہونے نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

پہلی محبت اور کامیابی انسان کو بہت عزیز ہوتی ہے اور فلک نے یہ دونوں ایک ہی شخص کے نام کی تھیں وہ شخص جو اس کا ہوتے ہوئے بھی اس کا نہیں تھا۔

کوئی بتلائے میں اس شخص کو چھوڑوں کیسے

جو میرا دکھ بھی ہے، میرے دکھ کا مداوا بھی ہے!

✿••✿••✿••✿

رئیس ہیڈ آفس سے آنے کے بعد فجر کافی تھک گئی تھی۔ پوری کوشش کرنے کے بعد بھی وہ آج وہاں کام مکمل نہیں کر پائی تھی کیونکہ ماڈلز موجود نہیں تھیں۔ انہیں آنے میں کچھ دن لگنے تھے اور فجر کو ایک بار پھر وہاں جانا پڑتا۔

وہ تھک ہار کر آتے ہی لیٹ گئی۔ ایک گھنٹہ سوئی پھر اٹھ گئی۔ اپنے پروجیکٹ کو لے کر ذہن میں ٹینشن ہی ٹینشن تھی۔ سر بھاری ہو رہا تھا۔ چائے کی شدید طلب ہوئی۔

اٹھ کر اس نے الماری سے ایک نائیٹ سوٹ نکالا اور پھر کمرے سے باہر نکل آئی۔ صحن میں دو چارپائیاں بچھائے اماں محلے کی دو عورتوں کے ساتھ بیٹھی تھیں۔

ابا کی وفات کے بعد چند دنوں کے وقفے سے محلے کی عورتیں چکر لگا لیا کرتی تھیں۔ فجر کو تو فرق نہیں پڑتا تھا البتہ اماں کا دل بہل جاتا تھا۔

دس منٹ بعد جب وہ شاور لے کر باہر آئی تو عورتیں جا چکی تھیں۔ ہلکے آسمانی رنگ کے سفید بند کیوں والے کھلے ٹراؤزر اور ہاف سلیو شرٹ میں وہ تر و تازہ نظر آ رہی تھی۔

"اماں کیا پکایا ہے آج؟" اس نے تولیے سے بال پونچھتے سرسری سا پوچھا۔ اماں نے ایک نظر اس کے بالوں کو دیکھا جو کندھے سے ذرا نیچے تک آتے تھے۔ پھر سے بال کٹوا لیے تھے۔ اماں کی تیوری چڑھی۔

کمبخت موڈ سونگز ہونے پر جا کر بال کٹوا آتی تھی۔ یہ تو صد شکر بال جلدی بڑھتے تھے ورنہ اماں کو پورا یقین تھا جس رفتار سے وہ کٹنگ کرواتی تھی ایک دن ضرور گنجی ہو جاتی۔

بال پونچھنے کے بعد اس نے تولیہ باہر صحن میں لگی تار پر سکھایا اور برآمدے میں واپس آتے میز پر رکھا ہیئر بینڈ اٹھا کر آگے سے بال پیچھے کی جانب کرتے سر پر رکھتے کانوں کے پیچھے جما لیا۔ عینک اٹھا کر صاف کی اور آنکھوں پر جما لی۔ آج اسے کافی کام کرنا تھا۔

"پلاؤ بنایا ہے۔" ہاف سلیو سے جھانکتے اس کے بازوؤں کو دیکھتے اماں نے عام سے لہجے میں کہا البتہ نظریں بڑی گہری تھیں۔

"ارے واہ! آج کیسے دل کر گیا اچھا کھانے بنانے کا؟" وہ طنزیہ کہتے کمرے میں گھس گئی اور دونوں بازوؤں میں اپنا سامان اٹھا لائی جو صبح اندر رکھ گئی تھی۔

اماں نے کوئی جواب نہیں دیا وہ اسے دیکھ رہی تھیں۔ دیکھے جا رہی تھیں یوں جیسے فجر اپنی بونس لائف جی رہی ہو یوں جیسے اس کے پاس گنتی کے چند دن بچے ہوں۔

اب کیا ڈانٹ ڈپٹ کرنی۔ اب تو جو ہونا تھا ہو گیا تھا۔

برآمدے میں چٹائی بچھاتے فجر نے سارا سامان اس پر پھینکا اور پھر کمر کے بل جھک کر ہڈیوں کو ذرا حرکت دی۔ کمر کی ہڈیاں آج بھی درد کرتی تھیں۔ اگلے ہی پل وہ چوکڑی مارتے چٹائی پر بیٹھ چکی تھی۔ اپنے سامنے چھوٹی بڑی سوئیوں کا ڈبہ کھولے وہ اب بھنویں سکیڑے دیکھ رہی تھی۔ جس کپڑے پر وہ کام کر رہی تھی اس پر سادہ پرانی مشین نہیں چلتی تھی اور ایڈوانس مشین تھی نہیں تو فجر نے سلائی کا کام ہاتھ سے کرنے کا سوچا۔ اس میں محنت زیادہ تھی پر کام تو کرنا ہی تھا نا۔ حیلے بہانے ڈھونڈنا اسے پسند نہیں تھا۔

اماں کھانے کی ٹرے اٹھا لائیں۔ ٹرے میں رکھی چاولوں کی پلیٹ، ساتھ رائتہ اور پانی کا گلاس انہوں نے فجر کے سامنے رکھا۔ فجر نے ایک نظر کھانے کو دیکھا تو بھوک جاگ اٹھی۔ سوئیوں کا ڈبہ سائیڈ پر کھسکاتے اس نے پہلے کھانے کا سوچا۔ اماں کچھ فاصلے پر رکھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئیں۔ فجر خاموشی سے کھانا کھانے لگی۔

عینک نیچے ہوتی تو وہ چھوٹی انگلی، بھنوؤں کے درمیان عینک پر رکھتی اسے اوپر کھسکا دیتی تھی۔ اس کا یہ انداز نارمل تھا۔ ہر چشمش کو یہ عادت ہوتی بار بار عینک اوپر کرنا۔

وہ رغبت سے کھا رہی تھی۔ جب تک معراج الدین زندہ تھا، جب تک ارسل اس کی زندگی میں تھا، وہ کھانے پینے بلکہ ہر کام میں نخرے دکھاتی تھی۔ پر دونوں کے چلے جانے کے بعد وہ چپ ہو گئی تھی۔ اس نے جو کام کیا تھا اور اس پر اماں کا جو ری ایکشن تھا اس کے بعد سے فجر نے اماں سے کسی بھی قسم کی شکایت کرنا چھوڑ دی تھی۔ آج اماں بڑے دنوں بعد اسے غور سے دیکھ رہی تھیں اور آج انہیں احساس ہوا تھا کہ فجر نے ان سے نظریں ملانا چھوڑ دیا

تھا۔وہ بات تو کرتی تھی پر اماں کی طرف نہیں دیکھتی تھی۔اماں نے اسے ان گزرے مہینوں میں ہنستے نہیں دیکھا تھا۔پہلے تو ذرا سے سر درد ہونے پر وہ اماں کو بار بار تنگ کرتی تھی پر پہلی بار ایسا ہوا تھا فجر نے اپنے سارے دکھ درد خود تک رکھ لیے تھے۔اپنے اندر سمیٹ لیے تھے۔

جس شخص کو اس نے ہمدرد بنایا تھا وہ ایسا زخم دے گیا تھا کہ پوری زندگی اب وہ کسی مرد پر بھروسہ نہ کر پاتی۔

وہ خاموشی سے چاولوں کے چمچ منہ میں ڈالتی گئی اور اماں اسے اتنی ہی خاموشی سے دیکھے گئی۔پرانے محلے کے اس چھوٹے سے مکان میں رہنے کے باوجود اس کی ساری عادتیں شاہانہ تھیں۔

آج انہوں نے پہلی بار سوچا تھا کہ ماضی کی سبھی بھول بھلیوں میں سبھی جھمیلوں میں،وفا اور بے وفائی کے قصوں میں آخر فجر کا کیا قصور تھا؟صرف یہ کہ وہ ان کے گھر پیدا ہوئی تھی؟یہ کہ وہ معراج الدین کی بیٹی تھی یا پھر یہ کہ اسے اپنی پہچان بنانی تھی وہ اپنے لیے پیدا ہوئی تھی؟

آدھی پلیٹ کھانے کے بعد اس نے پانی کا ایک گھونٹ بھرتے ٹرے سائیڈ پر کھسکا دی۔اماں کی نظریں خود پر محسوس کر رہی تھی پر سر اٹھا کر نہیں دیکھا۔اماں سے اسے اتنی شکایتیں تھیں کہ اگر کرنے بیٹھ جاتی تو آنسوؤں کے سمندر میں اماں کو ساتھ لے ڈوبتی پر ایک چپ کبھی کبھی شکایتوں سے بہتر ہوتی ہے اور فجر نے چپ کا روزہ رکھ لیا تھا۔

اماں اسے دیکھے گئی۔وہ منار کے مشابہہ تھی۔بس اس کے بال منار جیسے سنہری نہیں تھے نہ اس کی آنکھوں کا رنگ سنہری تھا۔اس کی آنکھوں کا رنگ کیسا تھا؟اماں کو یاد کرنے پر بھی یاد نہیں آیا۔ان کے چہرے پر بے قراری سی ابھری۔کاش وہ ایک بار نظریں اٹھا کر دیکھ تا کہ اماں اس کی آنکھیں دیکھ پائے پر وہ ڈھیٹ تھی۔مجال ہے جو گردن اٹھائی ہو۔وہ منار کے جیسی ہوتے ہوئے بھی اپنے جیسی تھی۔اپنے نام کی ایک تھی۔وہ فجر معراج تھی جو اپنی پہچان

کے لیے پیدا ہوئی تھی۔ اس میں اسکا کیا قصور تھا اگر اس پر کسی بلقیس کے بیٹے کا حق تھا؟ اس نے یہ حق نہیں مانگا تھا۔

انہی سوچوں میں غرق اماں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اس کے قریب سے ٹرے اٹھائی اور باورچی خانے میں جا کر اسی کے آدھے بچائے ہوئے چاول کھانے لگیں۔ منہ میں نوالے ڈالتے ان کی آنکھوں میں آنسوں تھے پتا نہیں فجر کا کونسا دیدار آخری ہو جائے؟ سینے میں تکلیف اٹھی اور بوڑھی آنکھوں کی بینائی جو پہلے ہی کم ہو چکی تھی وہ رونے سے مزید متاثر ہوتی تھی۔ برآمدے میں بیٹھی، سوئی میں دھاگہ پروتی فجر کے ہاتھوں میں لرزش واضح تھی۔ اس کا چہرہ سرخ پڑ چکا تھا۔ کاش اماں اسے ایک بار سینے سے لگا لے تو ساری تکلیفیں دم توڑ جائیں۔ وہ جانتی تھی اماں رو رہی تھی پر فجر کو زخموں پر مرہم رکھنے نہیں آتے تھے۔ نہ اپنے زخموں پر نہ اپنوں کے زخموں پر۔ جلتی پر تیل کا کام وہ کر سکتی تھی پر مروت اس کے بس کا کام نہیں تھا۔ کچھ لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں تعلق توڑ لینا، اپنے خول میں سمٹ جانا ان کے لیے کبھی مشکل نہیں ہوتا ہاں البتہ تعلق بنانا ایسے لوگوں کا امتحان ہوتا ہے۔ اس لیے فجر نے اب تک تعلق توڑے ہی تھے۔ اپنا تو اس نے کچھ نہیں بنایا تھا بلکہ جہاں کوشش کی تھی وہاں سے صرف ذلت مقدر ٹھہری تو پھر کوئی نرم دل شہزادی بننے سے بہتر تھا ملکہ ملعون بنا جائے۔ تباہ ہوتے ہوئے تباہی لائی جائے اور یہ کام فجر کے پسندیدہ کاموں میں سے ایک تھا۔

✿••

وقت کا کام ہے گزرنا۔ جلد یا بدیر یہ گزرتا ہے۔ کچھ پل خوشی لاتے ہیں تو کچھ غم لیکن انسان کو یہ قبول کرنا چاہیے کہ خوشی اور غم زندگی کا حصہ ہیں۔ حقیقی خوشی انسان کے اندر ہوتی ہے۔ جب انسان کا اندر اداس ہوتا ہے تو باہری کوئی رونق متاثر نہیں کر پاتی۔ اپنی اصلیت کو قبول کرنے کے بعد ولیم نے اپنے اندر کو پر سکون محسوس کیا تھا۔ وہ

بچپن سے اپنی ماں سے بھاگ رہا تھا اسے بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا پر اب اس نے یہ قبول کرنا شروع کر دیا تھا کہ وہ افق اور نگزیب اس کی ماں تھی۔

آج کل اس کی زندگی بڑی آسان ہو گئی تھی۔ وہ دوستوں کے ساتھ گھوم پھر رہا تھا۔ دوبار عیسی صاحب سے مل آیا تھا۔ ان سے مل کر عجیب سا سکون ملتا تھا۔ وہ اسے اس کے بچپن کی یادیں، کہانیوں کی صورت سناتے تھے۔ وہ اسے افق کی باتیں بتاتے تھے۔

ابھی اس نے مذہب کو لے کر کچھ نہیں سوچا تھا۔ ابھی وہ اپنی تلاش میں تھا اور اس کے نزدیک مذہب کے لیے پوری عمر پڑی تھی۔۔۔۔ کیا واقعی؟

چلیے ولیم کی زندگی میں آگے بڑھتے ہیں اور دیکھتے ہیں وہاں کیا چل رہا تھا۔ جوزف پیلس میں بنائے گئے اپنے اسٹوڈیو روم میں وہ ڈھیروں مشینوں کے بیچ بیٹھا پوری توجہ سے اپنی میوزک ویڈیو پر کام کر رہا تھا۔ اس کے ایک کلپ پر کئی کمپنیاں رابطے کر چکی تھیں پر وہ یہ ویڈیو بیچنے کو تیار نہیں تھا۔ مسٹر جوزف ایڈنبرا آئے ہوئے تھے جبکہ جارج شوٹنگ ختم کر کے ہی لوٹتا۔ اس وقت بھی وہ پوری توجہ سے اپنا کام کر رہا تھا جب دروازہ پر دستک ہوئی اور نساء کا چہرہ آدھ کھلے دروازے سے نظر آیا۔

"ولیم تم کیا کر رہے ہو؟؟" اس نے گردن لمبی کیے پوچھا۔

"ڈانس کر رہا ہوں تم بھی کرو گی؟؟" چیونگم چباتے وہ لاپرواہی سے بولا۔ نساء کے چہرے پر خفگی ابھری۔

"کبھی تو سیدھا جواب دیا کرو۔" دروازہ پورا کھول کر وہ اندر داخل ہوئی۔

"تمہارے پاس دو آنکھیں ہیں، کبھی تو ان کا استعمال کیا کرو۔" زبان کے جوہر دکھلا تا وہ پھر سے اسی انداز میں بولا البتہ اسکرین سے نظریں نہیں ہٹائیں۔

"بزنس کی پڑھائی کرنے کے بعد تم کیا ان مشینوں سے سر کھپاتے رہتے ہو؟"

"گریجوایشن کر کے تم نے کونسا جھنڈے گاڑھ لیے ہیں؟"

نساء نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر تاسف سے گردن ہلائی۔ اس کا کچھ نہیں ہو سکتا۔

"ویل نینی پوچھ رہی ہوں تم انہیں چرچ لے جاؤ گے؟"

اس بار اس کے ہاتھ رکے۔ نظریں اٹھا کر نساء کو دیکھا جو میز کے دوسری جانب کھڑی اس کی بمبوٹری ڈیوائس لیے اسے الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔

"چرچ؟" ولیم کی پیشانی پر کئی لکیریں ابھریں۔

"ہاں۔۔۔" جب اسے ڈیوائس کی کچھ سمجھ نہ آئی تو واپس رکھ دی۔ کھلی ٹی شرٹ اور ٹراؤزر پہنے وہ اس کی چیزوں سے بے زار نظر آتی تھی۔

"ڈیڈ کہاں ہیں؟" اگلا سوال داغا گیا۔

"وہ کچھ دیر پہلے ہی گئے ہیں۔" ولیم کو دیکھتے اس نے اطلاع دی۔ آج باہر کافی روشنی تھی۔ دن نکھرہ نکھرہ تھا۔

"تو ان کے ساتھ چلی جاتیں۔۔" وہ بھی بے زار ہوا۔

"تم لے جاؤ تمہیں کیا مسئلہ ہے؟" نساء کو اس کے رویے پر حیرت ہوئی۔

"کچھ نہیں بس چرچ جانے کا دل نہیں ہے۔" عام سے لہجے میں کہتا وہ نساء کو حیرت میں ڈال گیا۔

"طبیعت ٹھیک ہے نا؟ پہلے تو بھاگ بھاگ کر جاتے تھے اب کیا ہو گیا؟" نساء نے اس کی جانب جھکتے اس کی پیشانی کو چھوا۔

"ارے یار ٹھیک ہوں میں پیچھے ہٹو۔۔" اس کا ہاتھ ہٹاتے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ نساء کو جواب دینے سے بہتر تھا وہ نینی کو چرچ لے جاتا۔ کچھ دیر بعد وہ سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ پینٹ کی جیب میں رکھا فون بجنے لگا تھا تو نکال کر دیکھا۔ جارج کا نمبر دیکھتے ہی اس نے فون اٹھایا۔

"ہیلو ڈیفالٹ پیس۔۔؟؟" جارج کی آواز ابھری۔

"سن رہا ہوں بولو۔" دو دو سیڑھیاں پھلانگتے وہ لاپرواہی سے بولا۔ ہو گا جارج کسی اسٹار لائٹ اسٹوڈیو کا ڈائریکٹر، گھر میں اس کی عزت بس یہی تھی۔

"تمہاری نئی ریکارڈنگ کا کلپ دیکھا ہے ایکچوئلی ہماری ٹیم۔۔"

"ناٹ فار سیل۔۔" ولیم نے اس کی بات درمیان میں ہی کاٹ دی۔ جارج تو لمحے بھر کے لیے ساکت ہوا۔

"ہاں پر تم ہمیں تو دے سکتے ہو نا۔۔؟؟"

"ناٹ فار سیل کا مطلب جانتے ہو نا؟؟"

"لیکن ولیم ہم تو فیملی۔۔۔"

"اسٹار لائٹ اسٹوڈیو فیملی کو بیچ میں لا کر بزنس کب سے کرنے لگ گیا؟؟" وہ تمسخرانہ کہتے جارج کو ہونٹ بھینچنے پر مجبور کر گیا۔ ایک بار پھر سے اس کی وجہ سے جارج کو مسٹر جوزف کی باتوں کا سامنا کرنا پڑتا۔

"ٹرائے ٹو انڈراسٹینڈ ولیم! پروڈکشن ہاؤس تمہیں ایک اچھی قیمت دے گا۔۔" اس نے آرام سکون سے سمجھانا چاہا پر وہ ولیم ہی کیا جو سمجھ جائے۔

"سبھی پروڈکشن ہاؤس اچھی قیمت دے رہے ہیں یہاں تک کہ نیل اپنے کیفے میں بیک گراؤنڈ میوزک کے لیے یہ ریکارڈنگ منہ مانگی قیمت پر لینا چاہتا ہے۔ تمہیں کیا لگتا ہے پیسہ صرف تمہارے پروڈکشن ہاؤس کے پاس ہے؟" جارج کا مزاق اڑاتے اس نے خباثت سے قہقہہ لگایا۔ کھلی پینٹ اور ٹی شرٹ پہنے وہ رف سے حلیے میں گھوم رہا تھا۔

"او ولیم۔۔۔" اس نے ضبط سے پکارہ۔

"او جارج۔۔۔" ولیم نے منہ بگاڑ کر نکل اتاری۔

"گو ٹو ہیل۔۔" اس نے سلگ کر فون بند کر دیا۔ ولیم کے لب سیٹی کے انداز میں سکڑے۔ موبائل پینٹ کی جیب میں ڈالتے اب وہ سیٹی بجاتا نیچے اتر رہا تھا۔ دوسروں کا پارہ ہائی کرنا اس کا پسندیدہ کام تھا۔

"اب کس کارنامے پر سیٹی بجا رہے ہو؟" آخری سیڑھی پر قدم دھرتے ہی نینی کی آواز سنائی دی۔ سیاہ رنگ کے بلاؤز اور اسکرٹ میں بالوں پر اسکارف لپیٹے، وہ ہاتھ میں پکڑی چھڑی کے سہارے کھڑی تھیں۔

"کوئی ایک ہو تو بتاؤں۔" وہ مسکراتا ہوا ان کی جانب بڑھا۔

"اپنے باپ کو تنگ مت کرنا۔" وہ اب خارجی دروازے کی جانب قدم بڑھا چکے تھے۔ ولیم کے ساتھ چلتی نینی نے تاکید کی۔

"اور باپ جو روز بیٹھے بٹھائے مجھے تنگ کرتا ہے وہ آپ کو نظر نہیں آتا؟" کھتئی آنکھیں برہم نظر آتی تھیں۔ ان کا بازو تھامے وہ اونچی آواز میں کہہ رہا تھا۔

"وہ باپ ہے ولیم۔۔"

"تو کیا سر پر بٹھالوں۔۔؟؟" وہ بگڑ کر بولا۔

"بٹھالو گے تو کیا ہو جائے گا؟" نینی نے الٹا سوال کیا۔ ان کی آوازیں پورے جوزف پیلس میں گونج رہی تھیں۔

"ولیم جوزف کسی کو سر پر بٹھانے کا روادار نہیں ہے۔"

"وہ کسی نہیں باپ ہے تمہارا۔۔" نینی کو بار بار یاد دلانا پڑتا ہے۔

"باپ کو تو بالکل نہیں بٹھا سکتا۔ سر پر چڑھ کر ناچنے لگ گیا تو؟" اس بار لہجے میں شرارت تھی۔

"ناچ تو تم رہے ہو۔ تمہاری قسمت اچھی ہے جو جوزف تمہیں برداشت کر رہا ہے۔"

"کس نے کہا تھا میرے جیسی اولاد پیدا کرنے کو؟" لکڑی کا دیو قامت دروازہ کھولتے اس نے الٹا سوال کیا۔

"اپنی زبان کو لگام دو کسی دن جوزف نے سن لیا تو حلق سے کھینچ لے گا۔" نینی بھی کم نہیں تھیں۔ ولیم نے دونوں ہاتھ کمر پر ٹکا کر خفگی سے انہیں دیکھا۔

"حلق سے کیا کچھ کھینچنا ہے میرے؟"

"جلدی چلو دیر ہو رہی ہے فادر انتظار کر رہے ہوں گے۔" اس کی خفگی کو کسی خاطر میں نہ لاتے نینی نے کہا تو ولیم انہیں لے کر گاڑی کی جانب بڑھا۔ کچھ دیر بعد وہ چرچ کی جانب رواں تھے۔

"ویسے تم آج کل بدلے بدلے سے لگ رہے ہو طبیعت ٹھیک ہے؟" نینی کے اچانک سوال نے اسے ٹھٹھکنے پر مجبور کیا۔

"بدلا بدلا ہوں مطلب؟"

"خوش ہو۔یوں جیسے کسی کی تلاش ہو،یوں جیسے کچھ مل گیا ہو۔"نینی تجربہ کار خاتون تھیں۔ سمجھ گئی تھیں ولیم پہلے سے مختلف لگ رہا تھا۔

"ہاں بس اپنی پہچان مکمل کر رہا ہوں۔"اس نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا۔چہرے کے تاثرات بالکل بدل گئے تھے۔کچھ دیر پہلے والی شوخی شرارت غائب تھی۔

"کونسی پہچان؟"نینی کا دل بے وجہ ہی دھڑک اٹھا۔

"وہی جو جوزف پیلس نے چھین لی مجھ سے"

نینی کے سیاہ چہرے پر بے یقینی سی ابھری۔ آنکھوں میں خوف کے سائے لہرائے۔

"صاف صاف بات کرو ولیم؟"انہوں نے اپنے دل پر قابو پاتے کہا۔گاڑی چلاتا ولیم ناک کی سیدھ میں دیکھ رہا تھا۔

"وہ تو آپ بتائیں نینی!جوزف پیلس نے کونسی پہچان چھینی ہے میری؟مذہب کی؟"

نینی کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔اس بار انکا منہ حیرت سے کھل گیا۔کیا واقعی وہ جان گیا تھا؟وہ پھیکی پڑتی رنگت سے اسے دیکھے گئیں۔

"آپ جانتی تھیں نا؟آپ شروع سے جانتی تھیں۔آپ جانتی تھیں میں پیدائشی مسلمان ہوں۔میری ماں نے پانچ سال میری پرورش ایک مسلمان کے طور پر کی تھی۔"

کرب زدہ آنکھیں،اور بے یقینی کے تاثرات چہرے پر سجائے وہ پھیکی سی مسکراہٹ لیے بولا۔

"ولیم۔۔۔"نینی نے بے ساختہ دل پر ہاتھ رکھا۔

وہ جانتا تھا؟ کب سے؟ وہ تو کئی دنوں سے ہنس بول رہا تھا۔ پہلے جیسے برتاؤ کر رہا تھا پر کیا اس کا یہ برتاؤ ایک ناٹک تھا؟

بھول گئے تم کہ درد کبھی ختم نہیں ہوتا ہاں انسان ہنسنے کی وجوہات ڈھونڈتا رہتا ہے۔ تم بھی آ گئے نا اس کے جھانسے میں؟ ہاں وہ اچھی اداکاری کر رہا تھا۔ درد کو دل میں دبائے وہ بظاہر ٹھیک نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا پر حقیقت تو یہی تھی کہ وہ ٹھیک نہیں تھا۔ پہچان کا سفر بہت مشکل ہوتا ہے اور اسے جوزف پیلس کے عنکبوت نے جن تاروں میں الجھا دیا تھا ان سے باہر نکلنا آسان نہیں تھا۔

"تمہیں یہ سب؟؟"الفاظ نینی کے لبوں میں دم توڑ گئے۔ گاڑی ایک جھٹکے سے رک گئی۔ وہ چرچ پہنچ چکے تھے۔ وہ جبڑے بھینچے بیٹھا رہا۔ سامنے نظر آتے چرچ کا مینار اسے اجنبی لگ رہا تھا۔

"تم آؤ گے نہیں؟"نینی کا دل ڈر رہا تھا۔ کیا وہ پلٹ گیا تھا یا اس کا دل پلٹ گیا تھا؟

"میرا دل نہیں کرتا نینی! یہ چرچ اب مجھے اپنی جانب نہیں کھینچتا۔"سکون سے کہتے وہ نینی کا سارا سکون برباد کر گیا۔ وہ دروازہ کھول کر چھڑی تھامتے باہر نکل آئیں۔ اچھی بھلی چلنے پھرنے والی نینی کو اس پل لگ رہا تھا وہ گر جائیں گی۔ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتیں وہ چرچ کی جانب بڑھ رہی تھیں۔ قدموں میں لرزش تھی۔ ولیم کی باتیں کسی ہتھوڑے کی مانند سماعت سے ٹکرا رہی تھیں۔

"کیا وہ وقت آ گیا تھا؟ وہ وقت جو اپنے گناہوں سے ملنے کا ہوتا ہے؟ کیا وہ ان کا سامنا کر پائیں گی؟"

ٹ انہیں لگ رہا تھا وہ ڈھے جائیں گی۔ گاڑی میں بیٹھے، اسٹیرنگ پر ہاتھ جمائے ولیم نے آنکھیں بند کر کے سر سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا۔ اس کے ذہن میں بھی بہت کچھ چل رہا تھا۔ دو کشتیوں کا مسافر رہ نہیں سکتا تھا اور کسی ایک کو چننا تباہی لانے جیسا تھا۔

اسے جس بات کا دکھ تھا وہ یہ تھی کہ آخر اس سے اس کی پہچان کیوں چھینی گئی؟ وہ ولیم ولی تھا۔ باپ کے خانے میں جوزف پیٹرسن ہی لکھا تھا پھر ولی نام کو اس سے کیوں چھین لیا گیا؟ جتنا سوچتا تھا دماغ اتنا ہی الجھ جاتا تھا۔ کبھی کبھی دل کرتا تھا سب تہس نہس کر دے پر پھر اپنوں کے چہرے سامنے آجاتے تھے اور وہ خود پر ضبط کر لیتا پر آخر کب تک؟ آپ کو کیا لگتا ہے؟ آپ بتائیں یہ بم کب پھٹے گا؟

✿••✿••✿••✿

فرانس میں آج رئیس اور عروزہ کا آخری دن تھا وہ آج شام کی فلائٹ سے واپس پاکستان جا رہے تھے لیکن جانے سے پہلے آج کا دن رئیس نے شکار کے نام کیا تھا۔

اگر شکار کی بات کی جائے تو شکار فرانس میں عام سرگرمی نہیں ہے اور یہ ہر جگہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ شکار کے کھیل کے کچھ اصول تھے اور جانوروں کے شکار کے لیے لائسنس ہونا ضروری تھا۔ پہلے شکاری امتحان کلئیر کرنا پڑتا تھا۔ مکمل ٹریننگ لینی پڑتی تھی۔ پرمٹ ہونا لازمی تھا اور آخر میں یہاں کے کلب FDC کا ممبر ہونا ضروری تھا۔

(Federation Nationale Des Chasseurs)

شکار دن کے وقت میں ہی کیا جا سکتا تھا اور شکار کی مخصوص جگہیں تھیں۔

اس وقت بھی وہ اور عروزہ شکاروں کی ایک ٹیم کے ساتھ اپنے اپنے گھوڑے پر سوار تھے۔ شکاری جانور ان کے ساتھ تھے۔ سب کے ہاتھوں میں رائفل تھیں۔ زیادہ تر شکاری گورے تھے سوائے ان دونوں کے۔ شکار کے لیے Wildlife Reserve میگئے، جو بڑے میدان اور جنگل جیسا دکھتا تھا، ان کے گھوڑے ٹپ ٹپ کی آواز سے آگے بڑھ رہے تھے۔

بزنس مین ہونے کے علاوہ ایک دوسرا کام جو رئیس کو پسند تھا وہ شکار تھا۔ وہ ایک اچھا Hunter تھا اور پچھلے آٹھ سالوں سے وہ ہر سال چھ مہینے میں شکار کے لیے ضرور نکلتا تھا۔ ویسے تو اسے شکاری جانوروں کے ساتھ شکار کرنا پسند نہیں تھا لیکن یہاں کا اصول یہی تھا۔ جیسے ہی کوئی ہرن نظر آتا شکاری کتے آگے بڑھ کر اسے گھیر لیتے اور پھر شکاری ایک فاصلے سے اپنی بندوق سے مطلوبہ شکار کو مار گراتے۔

آپ خود شکاری ہوں تو بھلا شکاری کتوں کے ساتھ کی کیا ضرورت؟

لیکن ان کے پاس یہی آپشن تھا۔ تمام شکاری مخصوص نیلے رنگ کے یونیفارم میں تھے۔ بھاری بوٹوں کے ساتھ گھوڑوں پر بیٹھے آگے بڑھ رہے تھے۔ سر پر شکاری ہیلمٹ تھے۔

درختوں کے بیچوں بیچ بنی لمبی راستوں سے گزرتے ہوئے اچانک شکاری کتے ہرن کو دیکھتے اس کی جانب بھاگے اور رئیس نے اپنا گھوڑا سب سے پہلے بھگایا۔ اس کے اندر کا شکاری اسے شکاری کتوں کے ہرن کو گھیرنے سے پہلے، اسے شکار کرنے پر اکسا رہا تھا۔

کھلے میدان میں ہرن کلانچیاں بھرتا آگے بڑھ رہا تھا۔ رئیس نے اپنا گھوڑا دوڑایا۔ تیز ہوا اس کے چہرے پر لگتی پیچھے جانے لگی، اور اس کے گھوڑے کی ٹانگیں زمین پر دھڑکنے لگیں۔

وہ میدان کے کنارے رک گیا۔ بندوق اٹھا کر سیدھی کی۔ ہرن شکاری کتوں کی پہنچ سے بہت دور تھا پر کتے اسے چاروں جانب سے گھیرنے کی کوشش میں تھے۔ ایک منٹ گزر گیا۔ عروزہ اپنا گھوڑا دوڑاتی اس تک پہنچ چکی تھی۔

ایک آنکھ بند کیے دوسری بندوق کے لینز پر ٹکائے رئیس نے گولی چلائی جو سیدھا اپنی جان بچا کر بھاگتے ہوئے ہرن کو لگی اور وہ مچل کر گرا۔

"باس مراد بار بار فون کر رہا ہے۔ شاید ضروری بات ہے۔"

عروزہ نے جب دیکھ لیا کہ ہرن شکار ہو چکا تھا تب اس نے بتانا ضروری سمجھا۔ مراد عالم، رئیس سے فوراً بات کرنا چاہتا تھا۔

"اسے کہو صبر رکھے آج ہم واپس آ رہے ہیں۔" بندوق واپس کندھے پر ٹانگتے اس نے قدرے سکون سے کہا۔

لیکن عروزہ پریشان تھی۔ رئیس گروپ میں ایک آفت آگئی تھی۔ صبح صبح سے میڈیا نت نئی خبریں چھاپ رہا تھا۔ رئیس ٹیکسٹائل اس بار ایک بار پھر سے حملوں کی زیر اثر تھی۔ رئیس ٹیکسٹائل کئی نجی برانڈز کو کپڑا فراہم کرتا تھا اور اس بار ایسے ہی برانڈز نے رئیس پر کیس کیا تھا کیونکہ کپڑے کی کوالٹی معائدے کے مطابق نہیں بھیجی گئی تھی۔ کپڑا انتہائی سستی کوالٹی کا تھا۔

آج صبح سے ہی نجی برانڈز نے رئیس ہیڈ آفس کے باہر ہڑتال کر رکھی تھی۔ میڈیا دھڑا دھڑ خبریں چھاپ رہا تھا۔ ویسے تو مراد سنبھال رہا تھا لیکن وہ چاہتا تھا رئیس سے ایک بار بات ہو جائے کیونکہ صورتحال بگڑتی جا رہی تھی۔

"لوگوں کو دھوکے دے کر، حرام اکٹھا کر کے ہی رئیس گروپ آج یہاں پہنچا ہے۔"

"اونچی دکان پھیکا پکوان۔۔"

میڈیا پر عجیب و غریب بیان آرہے تھے یوں لگ رہا تھا جیسے سب پلاننگ کے تحت ہو رہا ہو۔

جب تک وہ فیلڈ سے باہر نکلے عروزہ اسے پوری کہانی سنا چکی تھی۔ رئیس کے چہرے پر ایک بھی شکن نہیں ابھری۔ اپنی زندگی کے انتالیس سالوں میں اس نے ایسے بہت سے حادثے دیکھے تھے۔ بزنس میں یہ سب ہوتا رہتا تھا۔

"کوالٹی اشورنس مینیجر کی اپروول کے بعد ہی کپڑا سپلائی ہوتا ہے؟ تو ہمارے QA نے کیا بیان دیا ہے؟" اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔ ٹپ ٹپ کی آواز سے دونوں کے گھوڑے ایک ساتھ چلتے واپس آرہے تھے۔

"جازب لغاری نے اب تک کوئی بیان نہیں دیا ہے۔ وہ مراد کی حراست میں ہے۔ اس کا کہنا ہے یہ غلطی سے ہوا ہے۔" عروزہ نے پریشانی سے جواب دیا۔ وہ آج کی ویڈیوز دیکھ چکی تھی۔ رئیس ہیڈ آفس کے باہر ہجوم اکٹھا ہو چکا تھا۔ جانے کون کون سے پرانے کیس نکالے جا رہے تھے۔

"اگر وہ کہہ رہا ہے غلطی سے ہوا تو پھر مان لینا چاہیے۔" کس قدر اطمینان سے جواب دیا۔

"لیکن باس۔۔" عروزہ نے کچھ کہنا چاہا۔

"مسٹر جازب سے بات کراؤ میری۔۔" اس نے عروزہ کی بات اچک لی۔ آدھے گھنٹے بعد وہ دونوں ہوٹل کے کمرے میں تھے۔

جازب لغاری پینتیس سالہ مرد تھا جو اپنے کام میں ماہر تھا اس سے اتنی بڑی غلطی کیسے ہو سکتی تھی؟

ہیڈ آفس کے خفیہ کمرے میں اسے رسیوں سے باندھا گیا تھا اس کی ایک غلطی کی وجہ سے رئیس گروپ کی حرمت پر سوال اٹھے تھے۔ اتنی بدنامی ہوئی تھی۔

"رئیس صاحب میں نے یہ سب جان بوجھ کر نہیں کیا۔ میری وائف ایمرجنسی میں تھیں۔ میں نے لوکل مارکیٹ میں سپلائی ہونے والا کپڑا سمجھ کر اپرووول دے دیا۔"

جازب کے چہرے سے وحشت پھوٹ رہی تھی۔ خوف سے اس کی آنکھیں ابلی ہوئی تھیں۔ اس کا پورا جسم پسینے سے شرابور تھا۔ رئیس نے ایک نظر اس کے قریب کھڑے مراد کو دیکھا۔ نظریں سوالیہ تھیں۔ "آیا اس کی وائف واقعی ہسپتال میں تھی؟" مراد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر اس نے گہرا سانس لیا اور کرسی سے ٹیک لگا لی۔ لیپ ٹاپ میز پر رکھا تھا۔ رئیس کے عقب میں عروزہ کھڑی تھی۔

وہ اب کچھ سوچ رہا تھا۔ جبکہ جازب کے چہرے کی رنگت سفید پڑ چکی تھی۔ دل کی دھڑکن کبھی رک رہی تھی تو کبھی پسلیاں توڑ کر دل باہر نکل جانا چاہتا تھا۔

"اس برانڈ کا نام کیا ہے؟"

"لباس کلیکشن۔۔" مراد نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"اپنا بیان دو اور اس برانڈ سے معافی مانگ لو۔ ہائی کوالٹی کا کپڑا دوبادہ سپلائی کیا جائے اور جو بھی ہرجانہ ہے ادا کر دو"

اس کی بات سنتے ہی مراد کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"رئیس یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جانتے ہو کتنی بدنامی ہو گی؟ کروڑوں کا نقصان ہو گا۔۔" مراد نے سر تھام لیا۔

"اگر غلطی رئیس کے ملازم سے ہوئی ہے تو بھرپائی رئیس کو ہی کرنی ہو گی۔ صبح تک اس میٹر کو کلوز کرو۔" مراد کو حکم دیا گیا۔

"جازب لغاری تم آزاد ہو لیکن دھیان رہے رئیس اور نگزیب کسی کو دوسرا موقع نہیں دیتا۔۔" اس کے آنکھوں کا سرد پن ایسا تھا کہ جازب کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی محسوس پر اس کی جان بخش دی گئی تھی وہ ہاتھ جوڑے شکریہ ادا کر رہا تھا۔ رئیس نے بنا کچھ کہے ہاتھ بڑھا کر اسکرین بند کر دی جبکہ روبوٹ جیسی عروزہ کے چہرے پر تفکر کی گہری لکیریں تھیں۔ آخر اس کے پاس نے ایسا کیوں کیا تھا؟ یہ تو آنے والا وقت ہی بتا سکتا تھا۔ وہ گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

✿••✿••✿••✿

"شکر ہے تم نے شکل تو دکھائی۔ "

فجر آج یونیورسٹی آئی تھی۔ صفدر کو اسے دیکھ سکھ کا سانس آیا جبکہ اس کے باقی کلاس فیلوز تقریباً غائب تھے۔ سب کے پروجیکٹ مکمل تھے انتظار تھا تو صرف ایونٹ کا تاکہ سب آزاد ہو سکیں۔

"تم تو شکل دکھانے لائق نہیں ہو پھر بھی آجاتے ہو۔" فجر نے قہر بھری نظروں سے صفدر کو دیکھتے کہا۔

سفید ٹراؤزر پر مسٹرڈ رنگ کی لمبی قمیض پہنے وہ ٹانگ پر ٹانگ جما کر بیٹھی تھی۔ ہم رنگ ڈوپٹہ سر سے بار بار پھسل رہا تھا۔ بال پونی ٹیل میں قید تھے اور چشمے سے جھانکتی آنکھیں شعلے اگل رہی تھیں۔ یہ تو شکر تھا عینک کے شیشوں نے یہ شعلے روک رکھے تھے ورنہ صفدر جل بھسم ہو کر کوئلہ ہو جاتا۔

"آخر میں نے کیا کیا ہے؟ تم مجھ سے بات کیوں نہیں کر رہی ہو؟" وہ الجھا ہوا تھا۔ فجر کا رویہ گاؤن والے حادثے کے بعد مزید بدل گیا تھا۔ اس کی باتیں احساس دلاتی تھیں جیسے سارا قصور صفدر کا ہو۔

"یہ تو تم بتاؤ تم نے ایسا کیوں کیا؟ "

سنگی بینچ پر بیٹھے وہ دونوں اپنی الگ ہی مسئلوں میں الجھے رہتے تھے۔ آج موسم اچھا تھا۔ صبح سے ہی ابر آلود اور ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ اسی لیے فجر کلاس روم کے اے سی کی بجائے باہر گراؤنڈ میں بیٹھی تھی۔ ابھی تو اسے میڈم رشنا سے بھی ملنا تھا پر اس سے پہلے صفدر سے بہت کچھ کلیئر کرنا تھا۔

"مجھے فی الوقت ایسا کوئی گناہ یاد نہیں آرہا جس کی تم مجھے سزائے موت سناؤ۔۔" وہ خفگی سے بولا۔ اتنے دن ہو گئے تھے اِدھر اُدھر گھومتے، نہ کرنے کو کام تھا اور نہ لڑنے کو فجر میسر تھی۔ جو کچھ ہوا تھا اس کا پریشر الگ تھا۔

"موت Underrated سی سزا ہے۔ میں تمہیں موت کیوں دوں گی؟ تمہارا جرم زیادہ بڑا ہے۔" وہ اسی اطمینان سے بولی۔ سینے پر بازو جمائے اس کی نظریں صفدر کے چہرے پر جمی تھیں۔ یونیورسٹی کی مینجمنٹ ابھی تک اس کے مجرم کو نہیں پکڑ پائی تھی۔ افسوس کہ یہ کام بھی اسے ہی کرنا تھا۔

"میری ماں میں نے کیا کیا ہے؟" وہ جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ سادہ شلوار قمیض میں وہ آج الگ دکھ رہا تھا۔ پریشان اور بے حال۔

"تم نے ذرقا کو ہماری الماری کی چابی کیوں دی؟" فجر نے سیدھا ہوتے، سینے سے بازو ہٹاتے کہا۔ گردن اٹھی ہوئی تھی اور آنکھیں صفدر کی آنکھوں میں گاڑ دیں۔

"کیا بکواس ہے یہ؟" اس کے چہرے کی رنگت بدلی۔

"بکواس نہیں حقیقت ہے۔ اب تم بتاؤ تم نے ایسا کیوں کیا؟"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے میں ایسا کیوں کروں گا؟" وہ غصے سے چلایا۔

"چلاؤ مت، تمہارے چلانے سے حقیقت بدل نہیں جائے گی۔" ملکہ ملعون اپنی جون میں لوٹی۔

"ذرقا کہاں سے آگئی اس سب میں؟" ذرقا ان کی جو سیر تھی اور صفدر کی آج کل اس سے بات چیت چل رہی تھی۔ بلکہ صفدر کو اس پر کرش تھا۔

"تم اسے گاڑیوں میں لیے گھومتے ہو، میں نہیں، پر افسوس کہ وہ لڑکی تمہیں اچھا خاصا چونا لگا گئی ہے۔"

استہزائیہ کہتی وہ پھر سے سنگی بینچ سے ٹیک لگا گئی۔ صفدر کے سر پر لگی اور تلوؤں پر بجھی۔ اسے اندازہ نہیں تھا فجر اس کے چوری چھپے چلنے والے افیئر سے واقف تھی۔

لیکن اسے پتا کیسے چلا تھا؟ اس کے لیے ہمیں پیچھے کی جانب بھاگنا ہو گا۔ پچھلی رات وہ اپنے کام سے فارغ ہو کر لیپ ٹاپ لیے بیٹھی تھی۔ مینجمنٹ اب تک کوئی حل نہیں نکال پائی تھی تو اسے اپنا مجرم خود ڈھونڈنا تھا۔ ایونٹ آگے کروا کر جو بدلہ وہ لے چکی تھی وہ کافی نہیں تھا۔ وہ ان چہروں کو اپنے سامنے شرمندہ دیکھنا چاہتی تھی جنہوں نے اس کے خواب کو توڑا تھا۔

بالوں کو اچھے سے فولڈ کیے اس نے اپنی الماری کو Sticky notes سے بھر رکھا تھا۔ ان پر ان سب اسٹوڈنٹس کے نام لکھ رکھے تھے جن پر اسے شک تھا۔ لیپ کے ایک ٹیب میں اسٹوڈنٹس کی لسٹ اوپن تھی تو دوسرے میں کلاس کا پورا گروپ تھا۔ وہ صفدر کے دوستوں کو بھی دیکھ رہی تھی۔ وہ ڈیپارٹمنٹ کی ویبسائٹ پر اسٹوڈنٹس کی تصویریں دیکھ رہی تھی اور تب اس کی نظر ایک تصویر پر پڑی وہ رک گئی۔ آنکھیں چھوٹی کیے غور سے دیکھا اور پھر صفدر کی پروفائل اوپن کی۔ اس کے برتھ ڈے پر جو جو لوگ موجود تھے ان میں وہ لڑکی ذرقا بھی تھی جو ایک سال جونیئر تھی اور وہ فجر کی کلاس ٹاپر فروہ کی بہن تھی۔ یہ شاکنگ تھا۔

پھر اس نے سکیورٹی ہیڈ کی ڈیٹیلز نکالیں۔ سہیل اصغر ڈیجیٹل سیکیورٹی کا ہیڈ تھا۔ اس نے ذرقا کی پروفائل ڈھونڈ کر نکالی تو توقع کے عین مطابق اسے اپنی مطلوبہ تصویر مل گئی۔

آہ یہ سوشل میڈیا! آج کل کسی کی بھی پہچان نکالنا مشکل نہیں تھا۔ ذرقا، فروہ اور سہیل اصغر ایک تصویر میں صاف نظر آئے تھے۔ وہ دونوں بہنیں تھیں یہ بات کم لوگ ہی جانتے ہوں گے اور وہ دونوں سیکیورٹی ہیڈ کی بیٹیاں تھیں یہ بات شاید ہی کوئی جانتا ہو۔

بالوں میں پینسل پھنسائے وہ پیچھے ہو کر بیٹھ گئی۔ دماغ ایک پل کے لیے گھوم گیا تھا۔

"فروہ ایسا کیوں کرے گی؟" وہ ٹاپر تھی۔ وہ ذہین تھی۔ پرجوش اور اپنے کام کو لے کر Passionate وہ سب کی فیورٹ تھی وہ خوابوں کی اہمیت جانتی تھی پھر ایک نائٹ میئرز بُننے والی فجر سے وہ خار کیوں کھائے گی؟

ان دونوں میں دوستی نہیں تھی پر دشمنی بھی نہیں تھی۔ دونوں کی بات کام کے سلسلے میں ہی ہوتی تھی۔ فروہ کو جہاں سب سے اوپر رہنا تھا وہیں فجر کو اپنی الگ پہچان بنانی تھی۔ لیکن ثبوت اس کے خلاف جا رہے تھے۔

پر کچھ تھا جو فجر کو پریشان کر رہا تھا۔ اس نے کرسی پر بیٹھتے پشت ٹکالی۔ عینک اتار کر میز پر رکھ دی اور بائیں ہاتھ سے بھنوؤں کو مسلا۔

آنکھیں بند تھیں پر تصور کے پردے پر پچھلے چار سال فلم کی طرح چلنے لگے۔ کچھ تھا جو آنکھوں سے اوجھل تھا جو چھپا ہوا تھا۔ بھنویں سکیڑے وہ کئی لمحے یونہی بیٹھی رہی۔ میز پر رکھی ٹھنڈے پانی کی بوتل اب گرم ہو چکی تھی۔ کلاس کے سبھی چہرے نظروں کے سامنے گھومنے لگے۔ وہ اپنے ذہن میں خیالی اسکرینوں کو آگے پیچھے کر رہی تھی اور پھر ایک جگہ رک گئی۔ اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

اب وہ فروہ کا اکاؤنٹ دیکھ رہی تھی۔ وہ ایک ڈیسنٹ لڑکی تھی۔ ذرقا کے مقابلے اس کا اکاؤنٹ کچرہ نہیں لگ رہا تھا۔

پبلک اکاؤنٹ تھا اور ہر تصویر اس کی اپنی کامیابیوں سے جڑی تھی۔ اب وہ اس کی فالوؤنگ لسٹ دیکھ رہی تھی۔ زیادہ لمبی نہیں تھی زیادہ تر ڈیپارٹمنٹ کے ہی لوگ تھے۔

مختلف سوسائٹیز کے ہیڈ اور میمبرز۔ پھر ایک نام پر اسکرول رکتا اس کا انگوٹھا رک گیا۔ **زین سبحانی!** یہ وہ نام تھا جو فجر کو یاد تھا اور یہ وہ لڑکا تھا جو ڈیپارٹمنٹ کی Entrepreneur سوسائٹی کا ہیڈ تھا۔ ایک سال پہلے اس نے فجر کو پرپوز کیا تھا جسے فجر نے سہولت سے انکار کر دیا تھا کیونکہ تب اس کی زندگی میں ارسل تھا اور وہ اسکے علاوہ کسی کو دیکھنا بھی گناہ سمجھتی تھی۔ کمبخت پھر بھی اپنا نہیں سکا۔ دل میں تکلیف تو ہوئی تھی پر کیا موو آن کرنا فجر معراج کے لیے کبھی مشکل نہیں رہا تھا۔

وہ ارسل سے موو آن کر چکی تھی پر سسک ابھی تک باقی تھی کیونکہ دھوکے کی تکلیف انسان کو ساری عمر ستاتی ہے۔ زین سبحانی کے اکاؤنٹ پر جو چیز اسے نظر آئی وہ فروہ سہیل کی اس کے ساتھ تصویر تھی۔ زین کی سالگرہ کی تقریب کی تصویریں تھی جن میں فروہ بھی نظر آگئی تھی اور مزید کچھ دیر کھپنے کے بعد جو اسے سمجھ آیا وہ یہ تھا کہ فروہ اور زین بیسٹ فرینڈز تھے۔ آہ اسے کیسے پتا نہ چلا؟ فجر نے اپنا ماتھا پیٹا۔

تو کیا سمجھ آیا آپ کو؟ کیونکہ فجر کو ساری پکچر کلیئر ہو گئی تھی۔ زین سبحانی اسے نیچا دکھانا چاہتا تھا، اس سے بدلا لینا چاہتا تھا یا پھر اسے روتا ہوا دیکھنا چاہتا تھا اور اس نے پورے پلان سے یہ سب کیا تھا۔

آہ یہ مرد انکار کو اپنی انا کا مسئلہ کیوں بنا لیتے ہیں؟ گردن مسلتے فجر کو واقعی افسوس ہوا۔

زین سبحانی، فروہ سہیل، ذرقا سہیل اور سہیل اصغر سب ملے ہوئے تھے۔ کیا واقعی؟

ایک پل کے لیے فجر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"کیا وہ اتنی بری تھی؟ کیا لوگ اس سے خوفزدہ تھے؟ اسے نیچا دکھانے کے لیے اتنا سب کیا گیا؟" دل میں ہوک سی اٹھی۔

"آخر پوری دنیا میرے خلاف کیوں ہو گئی ہے؟ میرا تو کوئی ولی (سرپرست) بھی نہیں ہے۔۔ "

پل بھر کو دل دکھا، دنیا سے خوف آیا۔ اپنا آپ اکیلا اور بے بس محسوس ہوا پر اگلے ہی پل اس نے سیدھے ہوتے گردن اکڑالی۔ جب تم کچھ بھی نہ ہو زیر و پر ہو پھر بھی لوگ تمہیں گرانے کی سازشیں کریں تو پھر تمہیں گردن اکڑا لینی چاہیے، کندھے فخر سے چوڑے کرتے اٹھ کھڑا ہونا چاہیے کیونکہ Aura اسے ہی کہتے ہیں اور تمہیں اپنا aura خود بچانا ہے اور جب ایک عورت اپنی ذات کے لیے اپنی پہچان کے لیے اٹھ کھڑی ہو جائے تو پھر تمہیں اس کے قہر سے ڈرنا چاہیے۔

"ملکہ ملعون کو کسی ولی کی ضرورت نہیں۔ "

لوگ اس سے خوفزدہ تھے تو اچھا ہے رہیں۔ ملکہ ملعون سے خوفزدہ ہونا چاہیے۔ یوں تو پھر یونہی سہی۔ اس نے سوچ لیا تھا جنگ تو پھر جنگ سہی۔ بقاء کی جنگ تو اس کا مقدر تھی۔

اس کا بھرم غائب ہوتا وہ یوانیت کا ٹائٹل دیکھے گراؤنڈ میں بیٹھی صفدر کے ڈرامے دیکھ رہی تھی۔ ذرقا نے فروہ اور زین کے کہنے پر صفدر سے تعلقات بنائے تھے۔ بیچارہ بری طرح استعمال ہوا تھا۔

"کہنا کیا چاہتی ہو؟" صفدر نے اس بار نظریں چراتے پوچھا۔

"تم بتاؤ، پروجیکٹ خراب ہونے کے ایک دن پہلے میں تمہیں جس کیفے میں چھوڑ کر گئی تھی، میرے جانے کے بعد وہاں ذرقا آئی تھی نا؟" لہجے کو سخت بنائے اس نے سوال کیا۔ صفدر نے کہنے کو لب کھولے۔

"جھوٹ مت بولنا کیونکہ میرے پاس ثبوت ہے۔" اس نے ہوا میں تیر چلایا تھا جو نشانے پر جا لگا۔ صفدر گہرا سانس لیتا واپس بیٹھ گیا۔

"مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا یہ سب ہو کیا رہا ہے؟" اس نے پکڑ لیا۔ فجر جو کہہ رہی تھی اس کی سینس بنتی تھی اور اب اسے کچھ کچھ سمجھ آ رہا تھا۔ تو کیا وہ واقعی استعمال ہو گیا تھا؟ صفدر کے دل کو کچھ ہوا۔ اس نے خود کو پیچھے گراتے آنکھیں میچ لیں۔

"تمہیں اب سچ بتانا ہو گا صفدر تا کہ ہمیں انصاف مل سکے۔۔ "

فجر نے گہرا سانس لیتے کہا تو صفدر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ کچھ دیر بعد وہ میڈم رشنا کے آفس میں بیٹھے تھے۔ فجر کو دیکھ کر انہیں خوشگوار حیرت ہوئی۔ لیکن فجر کی باتیں سننے کے بعد وہ پریشان نظر آئیں۔

"مجھے مینجمنٹ سے بات کرنی ہے۔" فجر نے آفس میں عود آنے والی خاموشی کو توڑا۔

"لیکن یہ تو بہت بڑا مسئلہ ہو جائے گا۔۔" میڈم رشنا جانتی تھیں کہ یہ بات کسی بدنامی سے کم نہیں ہو گی کہ ڈیپارٹمنٹ کا سیکیورٹی ہیڈ کسی ایسے کام میں ملوث ہو گا۔

کچھ سوچتے ہوئے وہ گویا ہوئیں۔

"زین سبحانی ایسا کیوں کرے گا؟ ایک انکار کو وہ اپنی انا کا مسئلہ کیوں بنائے گا؟ اور اسے سال بعد ہی کیوں یاد آیا۔"

"آپ مجھ سے بہتر جانتی ہیں کتنی لڑکیاں اپنے ایک انکار کی وجہ سے موت کے گھاٹ اتار دی گئیں کیونکہ نام نہاد مردوں نے انکار کو انا کا مسئلہ بنا لیا تھا۔"

"ہاں بس ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔" میڈم رشنا نے کندھے اچکائے۔ بات تو ٹھیک تھی۔ بنا ثبوت کے وہ آخر کر بھی کیا سکتے تھے؟

فجر نے گردن گھما کر صفدر کو دیکھا۔ اسکے دیکھنے پر صفدر بدک کر پیچھے ہٹا۔

"مجھے کیوں دیکھ رہی ہو؟"

"تم لاؤ گے ثبوت۔" وہ سکون سے کہتی صفدر کا سکون اڑا گئی۔

"مم۔۔ میں کہاں سے۔۔"

"جہاں تم اسے لے کر گئے تھے وہاں سے مل ہی جائے گا۔" گہرا سانس لیتے فجر نے اسے کشمکش میں ڈال دیا۔

"لیکن۔۔" اسے نے کچھ کہنا چاہا۔ یہ مشکل کام تھا۔

"صفدر صاحب تھوڑے تو مردوں والے کام کریں۔" تمسخرانہ کہتی وہ اسے سلگا گئی۔ صفدر نے التجائیہ نظروں سے میڈم رشنا کو دیکھا۔

"انصاف چاہیے تو یہ کرنا ہی ہو گا۔۔" انہوں نے بات ختم کر دی۔ صفدر کے کندھے ڈھیلے پڑ گئے چہرے پر مردنی سی چھا گئی تھی۔ آخر وہ بے وقوف بنا ہی کیوں؟ خود پر غصہ آ رہا تھا۔

"کام کہاں تک پہنچا؟" میڈم رشنا نے اپنی توجہ فجر کی جانب مرکوز کی۔

"جاری ہے۔ ان شاء اللہ جلد مکمل ہو جائے گا۔" وہ پورے عزم سے بولی تو میڈم رشنا کی تنے اعصاب بھی ڈھیلے پڑ گئے۔ وہ ان کی سپر وائزر تھیں۔ اگر اُنکا پروجیکٹ مکمل نہ ہو پاتا تو ساری بات میڈم رشنا پر آنی تھی اور وہ ایسا نہیں چاہتی تھیں۔ یہ دنیا ہے اور یہاں ہر کوئی اپنی ساکھ برقرار رکھنا چاہتا ہے پھر چاہے وہ فجر ہو یا میڈم رشنا۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں میڈم رشنا کے آفس سے باہر نکلے تو راہداری میں زین سبحانی اپنے گروپ کے ساتھ نظر آیا۔

اس کے گروپ میں ذرقا اور فروہ دونوں تھیں۔ فجر نے ایک نظر ٹھہر کر صفدر کو دیکھا۔ آنکھیں صاف صاف کہہ رہی تھیں **"اب آیا یقین؟"** صفدر کا چہرہ شرمندگی سے سرخ پڑا۔

فجر نے خود پر ضبط کرتے ایک گہرا سانس لیا۔ اسے آج تک سمجھ نہیں آیا تھا کہ ڈگری مکمل ہونے کے بعد بھی زین سبحانی جیسے اسٹوڈنٹس یونیورسٹی میں ہی کیوں گھومتے رہتے تھے؟

وہ سر جھٹک کر آگے بڑھی۔ صفدر ساتھ ہی تھا۔ وہ شکوہ کناں نظروں سے ذرقا کو دیکھ رہا تھا جو آج کل اس سے بات بھی نہیں کر رہی تھی۔ زین کی نظر فجر پر پڑ چکی تھی۔ ہاتھ میں فٹبال تھامے وہ سب گراؤنڈ کی طرف بڑھ رہے تھے۔

"بدلا لینا تو کوئی زین سبحانی سے سیکھے۔ ایسی چوٹ مارتا ہے کہ سامنے والا بلبلا کر رہ جائے۔" شوخ شریر لڑکے نے فجر کو دیکھ کر ہانک لگائی۔ زین سبحانی کی نظر فجر پر پڑی۔ مسٹر ڈرنگ کے سوٹ میں، چشمہ سر پر جمائے وہ صفدر کے ساتھ انہی کی جانب آ رہی تھی۔

لڑکے کی بات پر فجر کی نظر اٹھی اور اپنی جانب تکتے زین سبحانی کی نظروں سے جا ٹکرائی۔

"جو زین سبحانی کی Ego ہرٹ کرے گا، زین اسے رونے پر مجبور کر دے گا۔" فجر کو دیکھتے اس نے تمسخرانہ کہا۔ حالانکہ فجر کو روتا دیکھنا اس کا خواب ہی رہ گیا تھا۔ فجر نے سنا، سہا پر کیا وہ خاموشی سے گزر جاتی۔

"تمہیں پتا ہے صفدر!" اس نے ساتھ چلتے صفدر کو اونچی آواز میں پکارہ۔ صفدر گڑبڑا گیا۔ فی الوقت چلتی سیچویشن سے وہ واقف تھا اور نہیں چاہتا تھا فجر کچھ بولے اور پنگا ہو۔ پر فجر نے پنگا نہیں لیا تھا پر ختم وہ ضرور کرتی۔ اس کی آواز سن کر پہلو سے گرز تازین رک گیا۔

"کچھ مردوں کی Ego اتنی چھوٹی ہوتی ہے کہ ایک لڑکی کے انکار پر ہرٹ ہو جاتی ہے۔ چچ چچ چچ۔۔۔" عام سے لہجے میں کہتی وہ زین سبحانی کو مکمل طور پر سلگا گئی۔ فٹبال پھینکتا وہ واپس مڑا۔

"سمجھتی کیا ہو خود کو ہاں؟" وہ غصے سے دھاڑا۔ لیکن فجر نے رکنا ضروری نہیں سمجھا۔ کندھے پر بیگ لٹکائے وہ یونہی چلتی رہی جیسے اس نے سنا ہی نہ ہو۔ زین کا پورا گروپ رک چکا تھا۔

"زین لیو اٹ۔۔" فروہ نے آگے بڑھ کر اسے تماشہ کرنے سے روکنا چاہا لیکن اس نے اگلے ہی جھٹکے سے اپنا بازو چھڑا لیا۔

"تم سے بات کر رہا ہوں محترمہ!" چہرہ سرخ پڑ چکا تھا۔ تیوری چڑھی ہوئی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کچھ کر گزرے۔ کچھ مردوں کی انا واقعی بہت چھوٹی ہوتی ہے۔ صفدر کا سانس خشک ہوا جبکہ فجر کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی پر مجال ہے اس کے قدم رکے ہوں۔

"فجر معراج۔۔۔" اپنے نام کی گونج پر وہ رک گئی۔ صفدر بھی رک گیا۔

"فجر ان کے منہ مت لگو۔۔" صفدر نے سرگوشی کی پر پرواہ کس کو تھی؟ ملکہ ملعون کو تو تھی نہیں۔ کیا تمہیں ہے؟

"کسی نے میرا نام لیا؟" اس نے پلٹ کر دیکھا اور معصومیت سے آنکھوں کو پٹپٹایا۔

"سمجھتی کیا ہو خود کو؟" زین سبحانی اس کی جانب بڑھا۔ گرمی کی چھٹیوں کی وجہ سے اسٹوڈنٹس کم ہی نظر آرہے تھے۔ ایسے میں کھلے عام بات کرنے کا زین سبحانی کو ذرا خوف محسوس نہیں ہوا۔ لمبا چوڑا زین سبحانی اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ شعلے اگلتی آنکھیں ظاہر کر رہی تھیں کہ اس کی انا واقعی مجروح ہوئی تھی۔

"کیا سمجھتی ہو خود کو؟ کہیں کی ملکہ ہو؟"

جبڑے بھینچے وہ دبی دبی آواز میں چلایا۔ فجر نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر سکون سے دونوں بازو سینے پر باندھ لیے۔

"ہاں۔۔۔ وہ کیا بھلا سا نام ہے میرا؟ ملکہ معلون! بس وہی ہوں۔" مسکرا کر کہتی وہ زین سبحانی کو خاک کر گئی۔

وہ کئی پل اسے دیکھتا رہا پھر اس کا ابھرنے والا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے تالی بجاتے بولا۔

"تمہیں کیا لگا تھا تمہارے لیے گھٹنوں پر آؤں گا میں؟ ہاں؟" انداز تمسخرانہ تھا۔

"گھٹنوں پر آجاتے تو قابل قبول تھا پر تم تو منہ کے بل گر گئے۔۔۔ افسوس!" اسی کے انداز میں کہتی وہ واپس پلٹی۔ بالوں میں چشمہ اتار کر آنکھوں پر جما لیا۔ وہ تیز تیز چلتی اس سے دور ہو رہی تھی۔ صفدر وہیں کھڑا رہ گیا۔ سمجھ نہ آیا کیا فجر کے پیچھے جائے یا پھر زین سے بات کرے جو فجر کی بات سن کر صدمے میں چلے گیا تھا۔ اسے دیکھ کر ذرقا آگے بڑھ گئی۔

"کہا تھا چھوڑ دو اسے۔ وہ ٹاکسک ہے۔" اس نے براہ راست صفدر سے کہا جس کی اس دوران پھیلی آنکھیں سکڑی تھیں۔ ذرقا کے لیے دل میں ایک نرم کونا تھا جو اب ختم ہوتا محسوس ہوا۔

"وہ ٹاکسک نہیں بلکہ پوائنٹ ٹو پوائنٹ بات کرتی ہے جو کچھ لوگوں کو Joint to Joint ہٹ ہو جاتا ہے۔"

ہک ہاہ! نرگسی آدمی نے بھی آدمیوں والا کام کر دکھایا تھا۔

کہہ کر وہ رکا نہیں بلکہ فجر کے پیچھا بھاگا تھا۔ ہاں وہ ڈائن ہی سہی پر کم از کم کھری تھی۔ ملاوٹ نہیں تھی اس میں اور یہی بات باقیوں کو ناپسند تھی۔ پیچھے زین سبحانی کے دوست اسے بازوؤں سے پکڑتے وہاں سے لے جانے کی کوشش کر رہے تھے۔

"اٹیٹیوڈ دیکھا اسکا؟ ذرا نہیں ٹوٹا۔ سمجھتی کیا ہے خود کو؟" وہ بڑبڑا رہا تھا اور باقی اسے شانت کرنے کی کوشش میں تھے۔

✿••✿••✿••✿

ایک عورت، ایک خواب، ایک جستجو!

ایک جستجو جو اسے روایات کی قید سے نکل کر اپنی پہچان بنانے کی طرف لے جاتی ہے۔ ایک ایسی پہچان جو اس کی خواہشات، صلاحیتوں اور مقصد سے تشکیل پاتی ہو۔

آج کی عورت ایک ایسی عورت ہے جو صرف ایک نام نہیں بلکہ ایک مکمل انسان ہے۔ وہ ہر طرح کی روایات اور دباؤ سے آزاد ہو کر اپنے خوابوں کا تعاقب کرنا چاہتی ہے۔ اس کی سوچ، اُس کی عزت نفس، اس کا مستقبل، یہ سب اُس کے اپنے ہاتھ میں ہیں۔

روایات کبھی کبھی قید بن جاتی ہیں، جو عورت کی آزاد سوچ کو قید کرتی ہیں، اس کی تخلیقی صلاحیتوں کو محدود کرتی ہیں اور اس کی آزادی کو چھین لیتی ہیں۔ اس قید سے نکل کر اپنی پہچان بنانا ایک مشکل کام ہے، لیکن ناممکن نہیں۔

آج کی عورت کو اپنے اندر کی آواز کو سننا ہو گا، اپنے خوابوں کو سمجھنا ہو گا اور ان کے لیے جدوجہد کرنا ہو گا۔ اسے سماجی دباؤ سے آزاد ہو کر اپنے فیصلے خود کرنے چاہئیں، اپنی صلاحیتوں پر اعتماد کرنا چاہیے اور اپنے مقصد کے لیے کام کرنا چاہیے۔

عورت کی آزادی کا مطلب صرف روایات سے آزادی نہیں بلکہ سماجی تعصب اور ہر قسم کے ظلم سے آزادی ہے۔ یہ اس کی سوچ، اس کی عزت نفس اور اس کی زندگی کا حق ہے۔

یہ سفر مشکل ہو گا، لیکن ایک عورت کی قوت ارادی اور اس کا عزم اسے اس سفر میں کامیاب بنائے گا۔ وہ اپنے خوابوں کو پورا کرے گی، اپنی پہچان بنائے گی اور دنیا کو بتائے گی کہ وہ صرف ایک عورت نہیں بلکہ ایک طاقتور شخصیت ہے۔

گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھے، گھٹنوں کر تھوڑا اونچا کیے ان پر لیپ ٹاپ رکھے اس کی انگلیاں تیزی سے ٹائپ کر رہی تھیں۔ گاڑی ڈرائیو کرتا فخر عالمگیر وقفے وقفے سے اس پر نظر ڈال لیتا اور پھر سر تاسف سے ہلا کر دوبارہ سامنے سڑک پر مرکوز کر لیتا۔ ان کی گاڑی تیزی سے رنی کورٹ قلعے کی جانب بڑھ رہی تھی۔ فلک کی بے شمار منتوں کے بعد بالآخر وہ اسے رنی کورٹ لے ہی جا رہا تھا۔

"آخر تم لکھ کیا رہی ہو؟ سارا دن ٹائپ کرتی رہتی ہو تمہاری انگلیوں کے ساتھ تمہارا دماغ نہیں درد کرتا؟" اس سے پانچ سال بڑے فخر نے کوفت سے کہا۔ پتا نہیں فلک کو یہ لکھنے کا شوق کہاں سے لگ گیا تھا۔ ان کے تو پورے شجرہ نصب میں کوئی رائٹر نہیں تھا پر پتا نہیں وہ کیوں پورا پورا دن سر کھپاتی رہتی تھی۔

"میں عورت کی آزادی اور اس کی پہچان پر لکھ رہی ہوں۔۔"لیپ ٹاپ سے سر اٹھاتے فلک نے نارمل لہجے میں بتایا۔سیاہ رنگ کے لان کی شلوار قمیض پہنے، جس کے گلے اور دامن پر کڑھائی شیشوں کے ساتھ کی گئی تھی، بالوں کی چٹیا بنائے وہ سنجیدہ سی بیٹھی تھی۔ سر پر سیاہ ریشمی ڈوپٹہ تھا اور پیروں میں سیاہ کولاپوری چپل۔شدید گرمی کے باعث وہ بند جوتے نہیں پہن پائی تھی۔

اس کی بات سنتے ہی فخر کا قہقہہ ابھرا۔

"بس کر دو تم عورتوں نے تو آزادی اور پہچان کو ڈرامہ ہی بنالیا ہے۔"انداز سراسر مزاق اڑانے والا تھا۔اس کے ہنسنے پر فلک نے رخ موڑ کر اپنے سے پانچ سال بڑے فخر کو دیکھا۔یوں جیسے اس کا دماغ پھر گیا ہو۔

"کیسا ڈرامہ؟"خوبصورت آنکھوں میں خفگی ابھری۔اسے فخر کی بات پسند نہیں آئی تھی۔چھوٹی سی ناک میں چمکتی نوز پن(جو اتنی چھوٹی تھی کہ چمکنے پر ہی نظر آتی تھی)خوب جچ رہی تھی۔

"آزادی اور پہچان کا۔"وہ کندھے اچکاتے بولا۔

"آپ کو کیا لگتا ہے آزادی کیوں چاہیے عورت کو؟"وہ رائٹر تھی اسے چھوٹی چھوٹی باتیں الجھاتی تھیں جب تک کہ وہ ان کو کلیئر نہیں کر لیتی تھی۔

"مرد ذات سے آزادی، اپنی من مرضی کرنے کی آزادی، کپڑوں کی آزادی، رشتوں کی آزادی، یہی تو چاہیے ایک عورت کو۔ "وہ بے زار سا بولا۔یوں بھی ان کے خاندان میں عورت کے پر کاٹ کر رکھے جاتے تھے۔

"عمر کتنی ہے آپ کی؟"فلک نے بھنویں سکیڑے پوچھا۔مڑی ہوئی پلکیں اٹھ بیٹھ رہی تھیں۔

"اٹھائیس سال۔"فخر نے نا سمجھتے ہوئے جواب دیا۔

"ایک عدد بیوی بھی ہے؟" ایک سال پہلے ہی اس کی شادی ہوئی تھی۔ اس کی بات پر فخر نے ہنستے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

"پھر بھی مجھے افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ آپ عورت ذات کو نہیں جان پائے۔" وہ خفگی سے کہتی رخ پھیر گئی۔ ذہن خالی ہوا اور دل اچاٹ۔ وہ اب کھڑکی سے بھاگتے نظارے دیکھ رہی تھی۔

"اچھا تو تم بتاؤ ایک عورت کو کیسی آزادی چاہیے؟" وہ محظوظ سا بولا۔ جانتا تھا وہ منہ پھلائے بیٹھی تھی۔ اس کے سوال پر فلک نے رخ نہیں موڑا لیکن اس کی آواز صاف سنائی دی۔

"ایک عورت کو سوچنے کی آزادی چاہیے۔۔"

"ہاں سوچ سمجھ کر اپنی مرضی سے کلب جانے کی آزادی، چھوٹے کپڑے پہن کر پارٹی کرنے کی آزادی، مردوں سے مراسم بڑھانے کی آزادی!" وہ اس کی بات کاٹتا تمسخرانہ بولا تو فلک نے رخ موڑ کر اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔ ہاں اس کی وہ بڑی بڑی آنکھیں سالم انسان نگل جائیں۔

"اوکے اوکے سوری۔۔" وہ اسے چڑا رہا تھا۔ یوں بھی بھائیوں کا پسندیدہ کام بہنوں کو روسٹ کرنا ہوتا ہے پھر چاہے وہ بیسٹ سیلنگ رائٹر ہی کیوں نہ ہو۔

"عورت کو آزادی چاہیے تاکہ وہ آؤٹ آف باکس سوچ سکے۔ اسے کلب جا کر پارٹی کرنے کی نہیں بلکہ اپنی پہچان کے سفر پر نکلنے کی آزادی چاہیے ہوتی ہے۔

اسے مردوں سے مراسم رکھنے کی آزادی نہیں چاہیے بلکہ اسے اتنی آزادی چاہیے کہ وہ اپنے مرد کے ساتھ مشکل وقت میں کندھے سے کندھا ملا کر کھڑی ہو سکے۔

اسے اتنی آزادی چاہیے کہ جب وہ اپنی پہچان بنائے، جب وہ اپنا نام بنائے تو اس کی شادی ہو جانے پر اس سے وہ نام نہ چھینا جائے، اس کی وہ پہچان بر قرار رہے۔

ایک عورت کو اتنی آزادی چاہیے کہ وہ زندگی کے بیس پچیس یا تیس سال گزار کر پڑھ لکھ کر اگلے گھر جائے تو اس کی تعلیم اس کے علم کی قدر کی جائے نا کہ اسے الف ب پر لگا دیا جائے۔

ایک عورت کو اتنی آزادی چاہیے کہ اس کے مان کو سمان دیا جائے۔ اسے سر پر نہ بٹھایا جائے پر نظروں سے گرایا نہیں جائے۔

ایک عورت کو اتنی آزادی چاہیے جب وہ کہے کہ وہ کسی ان چاہے رشتے کے لیے تیار نہیں ہے تو اسے تھوڑا وقت دیا جائے تا کہ وہ خود کو تیار کر سکے۔

ایک عورت کو اپنے عزت نفس، اپنے کردار، اپنے مان سمان کی آزادی چاہیے۔

ایک عورت کو ذہنی و جسمانی تشدد سے آزادی چاہیے۔

ایک عورت کو عورت ہونے کے احساس کو محسوس کر کے اس پر فخر کرنے کی اجازت چاہیے۔"

فلک نے رخ موڑ کر فخر کو دیکھا جو اس کی باتیں سن کر حیران رہ گیا تھا۔

"فخر ویرا ایک عورت کو بس اتنی آزادی چاہیے کہ وہ اپنے عورت ہونے پر فخر محسوس کر سکے۔۔" ایک جذب سے کہتی وہ فخر عالمگیر کو پل بھر کے لیے قائل کر گئی تھی کہ واقعی ایک عورت کو اس کی پہچان بنانے کی آزادی ہونی چاہیے۔

"اب مجھے یقین ہو گیا کہ تم واقعی رائٹر ہو۔" وہ مسکرایا۔

حالانکہ اس کے لکھنے پر کوئی بھی خوش نہیں تھا۔ دو سال پہلے اس نے لکھنا شروع کیا تھا۔ ایک ناول لکھا تھا جو قارئین میں اپنے اچھوتے موضوع کی وجہ سے مقبول ہو گیا۔ جب گھر والوں کو پتا چلا تو اسے مزید لکھنے سے روک دیا گیا۔

"تمہیں کتابیں پڑھنے کی اجازت دے دی گئی ہے وہ کافی ہے۔ کتابیں لکھ کر کیا کرو گی؟" ابا جی نے صاف صاف منع کر دیا۔ کئی دن وہ روتی رہی پر لکھنا نہیں چھوڑا اور جب اس سے پبلشرز نے رابطہ کیا تو اس نے منع کر دیا بلکہ ابا جی نہیں مانے۔ پھر جب یونیورسٹی کے رزلٹ آنے پر وہ ٹاپر نکلی تو اس کی خواہش پر اسے پبلشنگ کی اجازت مل گئی اور اب اس کی پہلی کتاب مارکیٹ میں آچکی تھی۔

گھر کے مرد تو اس کی پڑھائی کے حق میں بھی نہیں تھے۔ اللہ کا دیا سب کچھ تو تھا پھر پڑھ لکھ کر کیا کرنا تھا؟ پر وہ فلک عالمگیر تھی جس نے سب کو راضی کر لیا تھا۔

"اور۔۔؟؟" وہ مزید کیا سننا چاہتا تھا؟

"ایک عورت کو اتنی آزادی چاہیے کہ کچی عمر میں اسے کسی ایسے مرد سے نہ باندھے جائے جو کبھی اسے لینے نہ آئے تاکہ وہ ساری عمر کی ذہنی اذیت سے بچی رہیں۔" دل میں ہوک سی اٹھی تھی۔ اس بات پر فخر کے جبڑے بھنچ گئے۔

"کئی بار کہہ چکا ہوں میں یہ کہ اس رشتے کو ختم کیا جائے پر مجال ہے جو ابا مان جائیں۔" وہ اب سلگ رہا تھا۔

"ختم کرنے سے کیا ہو گا؟" وہ اب کرب زدہ نگاہیں لیے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کسی اچھے لڑکے سے تمہاری شادی ہو گی۔ رئیس سے جان چھوٹ جائے گی۔" وہ اسے کئی لمحے دیکھتی رہی۔ وہ کہنا چاہتی تھی کہ رئیس کے علاوہ وہ کسی اور کو قبول نہیں کر پائے گی پر لب واہ نہیں ہوئے۔ لفظ گلے میں ہی دم توڑ

گئے۔ ساری خوشی ملیامیٹ ہو چکی تھی۔ تھک ہار کر اس نے لیپ ٹاپ بند کیا اور سیٹ سے گردن ٹکاتے آنکھیں موندھ لیں۔

"میرے انتظار کو عذاب مت بناؤ رئیس! چلے آؤ، چلے آؤ۔" وہ تصور میں اس سے مخاطب ہوئی جو تصور میں بھی اسے نہ سوچتا ہو گا۔

✿••✿••✿••✿

اسٹرلنگ کا موسم کافی اچھا تھا۔ ولیم، عیسی صاحب کے ساتھ تالاب کے کنارے بٹھا مچھلیاں پکڑ رہا تھا۔ کار گو پینٹ کو پنڈلیوں تک اوپر چڑھائے، جوتے اتارے وہ عیسی صاحب کی طرح رف سے حلیے میں تھا۔ ڈور سے کانٹا اور خوراک لگائے تالاب میں پھینک رکھی تھی۔ فیلڈ ریکارڈنگز کے علاوہ ولیم کو آج کل عیسی صاحب کے ساتھ وقت گزارنا اچھا لگ رہا تھا۔

"تو بتاؤ کیسی گزر رہی ہے جوزف پیلس میں؟"

انہوں نے بیگ سے پانی نکالتے بوتل منہ سے لگائی۔ ولیم کے تاثرات بدل گئے۔

"اب کیا بتاؤں عیسی ماموں! جوزف پیٹرسن کے گھر میں رہنا کیسا ہو سکتا ہے یہ آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔" چہرے کے زاویے بگڑ گئے۔

"کیوں اب کیا ہوا؟" سنگی بینچ پر بیٹھے عیسی صاحب نے مسکرا کر پوچھا۔ ولیم سے باتیں کرنا، اس کے ساتھ وقت بتانا انہیں بہت اچھا لگتا تھا۔ پہاڑوں سے گھرا یہ علاقہ مزید خوبصورت ہو جاتا تھا جب ولیم ساتھ ہوتا تھا۔

"یہ پوچھیں کیا نہیں ہوا۔۔" بے ساختہ پیچھے گردن پر ہاتھ رکھ لیا۔ گزری رات یاد آگئی۔ گزری رات جاننے کے لیے ہمیں ایک دن پیچھے بھاگنا ہو گا۔ جوزف پیلس کی اور جہاں معمول کی خاموشی چھائی تھی۔ نینی پریشان سی اپنے بستر میں لیٹی تھیں۔ ان کی طبیعت پچھلے دو دنوں سے ناساز تھی۔ جب سے وہ ولیم کے ساتھ چرچ گئی تھیں اس کی باتوں نے نینی کو اندر تک ہلا دیا تھا۔

کیا وہ وقت آگیا تھا جب سب بکھر جاتا؟ مسلسل سوچنے کے باعث ان کا بلڈ پریشر شوٹ کر گیا اور طبیعت بگڑ گئی۔ نساء انہیں دواء کھلانے کے بعد آرام کرنے کا کہہ کر کمرے سے نکلی تو مسٹر جوزف ان کی عیادت کے لیے اندر داخل ہوئے۔ انہیں دیکھتے ہی نینی نے اٹھ کر بیٹھنا چاہا۔

"آپ لیٹی رہیں۔" وہ تیزی سے آگے بڑھے۔ ہمیشہ کی سیاہ ڈریس شرٹ اور پینٹ میں ملبوس وہ یوں لگ رہے تھے جیسے کہیں سے آئے ہوں یا ابھی کہیں جائیں گے۔ جیل سے جمے بال اور تاثرات سے عاری سپاٹ چہرہ البتہ آنکھوں میں تفکر کی پرچھائیاں تھیں۔

وہ ان کے بیڈ کے قریب رکھی کرسی پر ٹک گئے۔ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی تھی اور کوٹ ان کا باہر لاؤنج میں بیگ سمیت رکھا تھا۔ وہ سیدھا انہی کے پاس آئے تھے۔

"کیسی طبیعت ہے اب؟" وہ نینی کو دیکھتے بولے جن کی سیاہ رنگت مزید کملا گئی تھی۔ چہرے پر گہرے دکھ کے آثار تھے۔ لیمپ کی ہلکی روشنی میں ان کے تاثرات جانچنا تھوڑا مشکل تھا البتہ ان کی پریشانی کی مہک دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔" وہ بس اتنا ہی کہہ پائیں۔

"کیا بات پریشان کر رہی ہے آپ کو؟" وہ سالوں سے ایک دوسرے کے ساتھ تھے۔ اتنا تو ایک دوسرے کو سمجھتے تھے کہ پریشانی بھانپ سکیں۔

نینی نے نقاہت زدہ نگاہوں سے جوزف کو دیکھا۔

"مجھے لگتا ہے ولیم کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے۔" انہوں نے بتانا ضروری سمجھا۔ وہ نہیں چاہتی تھیں بات ہاتھ سے نکلے اور مسائل بڑھ جائیں۔ مسٹر جوزف نے گہرا سانس لے کر پہلو بدلا اور پھر کوفت سے کہا۔

"اس کے ساتھ کب مسئلہ نہیں ہوتا؟"

"لیکن اس بار جو ہے وہ ٹھیک نہیں ہے مجھے لگتا ہے کہ۔۔" وہ بات ادھوری چھوڑ گئیں۔ مسٹر جوزف انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھے گئے۔ افسوس ہو رہا تھا کہ وہ بوڑھی جان کس قدر پریشان تھیں ان کے ڈیفالٹ پیس کی وجہ سے۔

"مجھے لگتا ہے وہ پاکستان گیا تھا۔" دھیمے لہجے میں انہوں نے سرگوشی کی۔ جوزف پیلس کی قد آور دیواروں نے منہ پر ہاتھ رکھے نینی کو دیکھا "اب کیا ہو گا؟"

مسٹر جوزف کے چہرے کے تاثرات پل کے ہزارویں حصے میں بدلے۔ چہرے پر سایہ سا آ کر گزر گیا۔ سیاہ ڈریکولا جیسی آنکھوں کا تاثر پہلے حیرانی اور پھر سرد پن میں بدل گیا۔

یہ ناممکن ہے۔۔۔ مسٹر جوزف کے اندر جھکڑ چلنے لگے۔

"آپ کو ایسا کیوں لگا؟" جبڑے بھینچتے وہ سرگوشی نما انداز میں بولے۔ جانے محل کی کونسی کھڑکی کھلی رہ گئی تھی جو ساری کھڑکیوں پر ٹنگے سفید پردے ہل رہے تھے۔

ہوا کی سائیں سائیں کرتی آواز صاف سنی جا سکتی تھی۔

دور کہیں کسی بھیڑیے کی آواز ابھری۔ نینسی کا سفید سایہ یہ بات سنتے ہی فوراً ولیم کے کمرے کی جانب بھاگا۔

"وہ اس بار کے دورے سے لوٹا تو بدلا بدلا سا ہے۔ اپنی ماں کی باتیں کرتا ہے۔ اپنی پہچان کی باتیں کرتا ہے۔ اسے لگتا ہے جوزف پیلس نے اس سے اس کی پہچان چھین لی ہے۔۔"

نینی جوزف پیلس کی وفادار تھیں۔ وہ کسی صورت مسٹر جوزف سے بے وفائی نہیں کر سکتی تھیں۔ انہوں نے یہ راز خود تک رکھنا چاہا پر نہیں رکھ پائیں۔ ان کی بگڑتی حالت نے انہیں مجبور کر دیا کہ وہ مسٹر جوزف کو سچ بتا دیں۔

مسٹر جوزف نے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ ان کی باتیں سنیں۔

"وہ اب چرچ بھی نہیں جاتا ہے۔ وو۔۔ وہ۔۔"

"نینی آپ آرام کریں۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے جوزف پیٹرسن ابھی زندہ ہے۔" وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ جھک کر نینی کا کمفرٹر درست کیا۔

"میں دیکھ لوں گا۔ وہ ولیم جوزف ہے، اس کی یہی پہچان ہے۔" انہوں نے ہاتھ بڑھا کر نینی کا گال چھوا۔ ان کے لیے آنکھوں میں نرم تاثر تھا۔

"دھیان رہے جوزف! ولیم اب بچہ نہیں رہا۔ جوان خون ہے۔"

نینی نے اپنے گال پر رکھے مسٹر جوزف کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ وہ نہیں چاہتی تھیں ولیم کو کوئی نقصان پہنچے۔

"ٹھیک ہے۔" وہ لفظوں سے انہیں یقین دلاتا سیدھا ہوا۔ البتہ دماغ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ **"ولیم جوزف کی جوانی میں نکالتا ہوں"** پھر انہوں نے آگے بڑھ کر کھڑکی کے پردے درست کیے اور ایک لیمپ جلتا چھوڑ کر دوسری جانب کا لیمپ بند کرتے کمرے سے باہر نکل گئے۔ دروازہ بند کر دیا۔

باہر آکر ایک گہرا سانس لیا اور پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتے سیڑھیوں کی جانب بڑھے۔ اب ان کا رخ ولیم کے کمرے کی جانب تھا۔ لاؤنج سے سیڑھیوں سے راہداری اور راہداری سے ولیم تک کے کمرے کا سفر اتنا لمبا ہو گیا تھا کہ مسٹر جوزف کو اپنے کندھے بھاری ہوتے محسوس ہوئے۔

ایک بیٹا اپنی دل و جان لگا کر انکی زمہ دادیاں بانٹ رہا تھا انکا نام اونچا کرنے کی کوشش کر رہا تھا تو دوسرا انہیں ڈبونے کے در پر کیوں تھا؟

جلتی مشعلوں کے درمیان وہ لمبی راہداری سے گزر کر ولیم کے کمرے تک پہنچے، ایک گہرا سانس لیا اور پھر دروازہ پر دستک دیتے اسے کھول کر اندر داخل ہو گئے۔

ولیم کا کمرہ خالی تھا۔ البتہ سامنے ہی صوفے کے ساتھ رکھی میز پر اس کا سامان رکھا تھا۔ اس کا کیمرہ، لیپ ٹاپ اور طرح طرح کی مشینیں۔ انہیں ڈریسنگ روم سے شاور چلنے کی آواز سنائی دی۔ یقیناً وہ شاور لے رہا تھا۔

پہلے کئی لمحے وہ کمرے کا جائزہ لیتے رہے۔ پھر انہوں نے آگے بڑھ کر میز پر رکھا کیمرہ اٹھا لیا۔ وہ تصویریں آگے پیچھے کر رہے تھے پانچ منٹ وہ بھنویں سکیڑے یونہی کھڑے رہے اور تب اچانک انکا انگوٹھا رک سا گیا۔ آنکھوں میں حیرانی کے ساتھ ساتھ بے یقینی بھی ابھری۔

"Last Day in Pakistan"

کیمرہ ان کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچا۔ یہ تصویر اس نے ایئرپورٹ پر جنید کے ساتھ لی تھی اور ویڈیو بھی تھی جہاں وہ V نشان بنائے کہہ رہا تھا کہ آج اس کا پاکستان میں آخری دن تھا۔ تو نینی کا اندازہ درست تھا۔

مسٹر جوزف کا دل کیا تھا کہ سب تہس نہس کر دے۔ کیمرہ دیوار میں دے مارے۔

انہوں نے کیمرہ واپس پٹخا۔ ایک ہاتھ کمر پر رکھتے دوسرے ہاتھ سے پیشانی مسلی۔ ڈریسنگ روم کا دروازہ کھلا اور ولیم باہر نکلا۔ شارٹ ٹراؤزر اور ٹی شرٹ پہنے وہ بالوں کو تولیے سے رگڑ کر صاف کر کے آیا تھا۔ فریش فریش سا ولیم جوزف انہیں دیکھتے ہی ٹھٹک گیا۔

"ہائے ڈیڈ۔" دل بے ساختہ دھڑکا۔ پہلا خیال اس ریکارڈنگ کا آیا جو وہ سیل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ہاں شاید اسی سلسلے میں آئے ہوں۔ وہ اپنی جگہ پر کھڑا رہا آگے نہیں بڑھا۔ ایسا رشتہ نہیں تھا کہ وہ آگے بڑھ کر انہیں گلے لگاتا۔

"تمہارا پاسپورٹ کہاں ہے؟" انہوں نے چھوٹتے ہی پوچھا۔ چہرہ سنجیدہ تھا اور ویمپائر والی آنکھیں آج شعلے اگل رہی تھیں۔

"Pardon?"

وہ فوراً بولا۔ بھنویں سکڑ گئیں۔

"تمہارا پاسپورٹ چاہیے۔" انہیں اپنی بات دہرانے کی عادت نہیں تھی اس لیے چہرے کے زاویے بگڑ چکے تھے۔

"اور میں آپ کو اپنا پاسپورٹ کیوں دوں؟" لہجہ حد درجہ نارمل رکھنے کی کوشش کی گئی حالانکہ دل پسلیاں توڑ کر باہر نکلنے کو تیار تھا۔ حلق میں کانٹے اگ آئے۔ نظر میز پر رکھے کیمرہ پر پڑی جو اپنی جگہ سے ہلا ہوا تھا۔ یعنی کچھ تھا

جو انہوں نے دیکھ لیا تھا۔ تھوک نگلتا وہ آگے بڑھا اور انکے پہلو سے نکل کر میز پر جھکا اور کیمرہ اٹھانے لگا پر اگلے ہی پل وہ اچھل پڑا کیونکہ مسٹر جوزف اسے گُدّی سے پکڑ چکے۔ ولیم اس اچانک افتاد کے لیے تیار نہیں تھا۔ وہ اچھل پڑا۔

مسٹر جوزف کی گرفت مضبوط تھی انہوں نے ولیم کو ایک جھٹکے سے اپنے سامنے کیا۔ شدت ضبط سے سرخ پڑتا چہرہ اور شعلے اگلتی آنکھیں، گدّی سے پکڑے ولیم کے چہرہ خود کے قریب کیے وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑے کھڑے تھے۔ ولیم کو سوچنے سمجھنے اور سنبھلنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر مسٹر جوزف کا ہاتھ اپنی گردن سے ہٹانا چاہا پر ناکام رہا۔

"سمجھتے کیا ہو خود کو؟ تمہاری ماں بیٹھی ہے پاکستان؟ منع کیا تھا نا جانے سے؟" انہوں نے ولیم کی گردن کو اتنی زور سے جھٹکا دیا کہ وہ گرتے گرتے بچا۔ میز سے ٹکرایا اور میز کے نیچے بچھے قالین پر گر گیا۔

ایک پل لگا تھا ولیم کو سب سمجھنے میں اگلے ہی پل وہ سیدھا ہوا۔ آخر بیٹا کس کا تھا؟

مسٹر جوزف کا بس نہیں چل رہا تھا وہ ولیم کی ہڈیاں توڑ دیتے۔

"میں ولیم ہوں، میں آزاد ہوں اور جہاں چاہوں آ جا سکتا ہوں۔" سکون سے کہتا وہ انہیں ایک بار پھر سلگا گیا۔

"مجھے خوشی ہوتی اگر میری ماں وہاں ہوتی۔" اس بار اس کا دل دکھا۔ آنکھوں میں نمی ابھری۔ مسٹر جوزف کی طرف دیکھے بنا وہ نیچے جھکا اور پھر اپنا کیمرہ اٹھا لیا۔

"اپنے قدموں میں زنجیر ڈالو ولیم! ایسا نہ ہو میں انہیں توڑ ڈالوں۔"

"مجھے ٹوٹے پیر منظور ہیں لیکن زنجیریں نہیں۔"

آخر وہ تھوڑی دیر چپ کیوں نہیں رہ سکتا؟ مسٹر جوزف اپنی بھڑاس نکال کر چلے جاتے۔ پر نہیں۔ وہ چپ کیوں رہے گا؟

"تمہاری پہچان صرف یہ ہے کہ تم ولیم جوزف ہو۔ نہ اس سے پہلے کچھ نہ بعد میں۔ یہ پہلا اور آخری موقع تھا ولیم بعد میں نہ کہنا جوزف پیٹرسن نے برا کیا۔۔" انہوں نے انگلی اٹھاتے ولیم کو وارن کیا۔ ولیم نے شکوہ کناں نظروں سے انہیں دیکھا۔ سخت سست کہنے کو لب وا کیے اور پھر بھینچ لیے۔

"نہیں ابھی نہیں۔۔۔" اس نے رخ موڑ لیا۔ یوں جیسے مسٹر جوزف وہاں ہوں ہی نا۔ چہرے پر کرب کے تاثرات تھے۔ آنکھیں زخمی تھیں۔ ہاتھوں میں کپکپاہٹ واضح تھی۔

"جوزف پیٹرسن کی حرمت سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں ہے۔ آئی سیڈ کچھ بھی نہیں اور یہ بھولنا مت۔۔۔" وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گئے دروازہ پھر سے بند ہو گیا اور ولیم گرنے والے انداز میں صوفے پر بیٹھ گیا۔ دل کیا تھا چیخے چلائے۔ آخر کیوں؟ اس کے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوتا تھا؟

ولیم کا کمرہ غائب ہوا۔ سیاہ رات بھی۔ منظر بدل گیا اور اب وہ دن کی روشنی میں عیسی صاحب کے پاس بیٹھا تھا۔ ڈھیٹوں کی طرح جیسے رات کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

عیسی صاحب اس کی پوری بات سن کر ہنس دیئے۔

"دیکھو ولی یاد رکھنا کہ وہ تمہارا باپ ہے، تھپڑ مارے، مکا مارے یا پھر لات مارے کرے۔ چپ کر کے کھا لینا اف تک نہ کرنا۔" انہوں نے ہنستے ہوئے اسے نصیحت کی۔

"کمال کرتے ہیں آپ بھی؟ مطلب میں تشدد سہتا رہوں؟" وہ خفگی سے بولا۔

"تشدد سہہ کر کیا تم سدھر گئے؟ ڈھیٹ بن کر جو زف کے سامنے کھڑے رہتے ہو۔ خدا کی قسم اس بندے کا مقابلہ کرنے کے لیے بڑا دل چاہیے۔" عیسی صاحب نے اس کا کندھا تھپتھپایا تو ولیم کی بتیسی دکھائی دی۔ کتھئی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی۔

"بس یہی ٹیلنٹ تو بچپن سے ہے میرے پاس۔۔" کندھے چوڑے کرتا وہ فخر سے بولا۔

اس سے پہلے عیسی صاحب کچھ کہتے ان کی ڈور میں حرکت سی ہوئی وہ دونوں شکار ہو چکی مچھلی کو باہر نکالنے پر لگ گئے۔ زندگی کبھی کبھی مہربان سی ہو جاتی ہے اور ہمیں ایسے لوگوں سے ملوا دیتی ہے جو ہمیں خود کو ڈھونڈنے میں مدد کرتے ہیں اور ولیم کا یہ سفر شروع ہو چکا تھا۔ اب جاننا یہ تھا آخر یہ سفر کیسے ہونے والا تھا؟ تمہیں کچھ اندازہ ہے؟؟

✿••

ڈوبتے خورشید کی نارنجی کرنیں، رئیس ہیڈ آفس کی بڑی بڑی کھڑکیوں سے اندر داخل ہوتے نارنجی ماحول بنا رہی تھیں۔ رئیس ہیڈ آفس میں اس وقت کافی چہل پہل تھی۔

پہلی منزل پر ٹیکسٹائل ڈیزائنز بیٹھے تھے، دوسرے پر آرکیٹیکچر اور تیسرے پر جیولری ڈیزائنز اپنے اپنے کاموں میں مگن نظر آتے تھے۔ آج کچھ زیادہ ہی چہل پہل تھی کیونکہ رئیس آفس میں موجود تھا۔

حالیہ ہونے والے واقعے نے ملازموں کو گوسپ کرنے کی بڑی وجہ دے دی تھی۔ مراد عالم کے اور جازب لغاری کے بیان پر میڈیا ایک دن میں ہی ٹھنڈہ پڑ گیا تھا۔ اتنی بھرپائی حاصل کرنے پر "**لباس کلیکشن**" نامی برینڈ کافی خوش

تھا۔رئیس گروپ کی جو بدنامی ہوئی تھی وہ تو کسی صورت واپس نہیں ہو سکتی تھی البتہ رئیس نے جو فیصلہ کیا تھا اس کی وجہ سے ایک بڑی مصیبت جھاگ کی طرح بیٹھ گئی تھی۔

رئیس گروپ پر ابھی بھی تبصرے چل رہے تھے۔مراد عالم رئیس کے اس فیصلے سے خوش نہیں تھا لیکن وہ خاموش تھا کیونکہ رئیس کی خاموشی کا مطلب ایک بڑا طوفان تھا جو کسی بھی وقت آسکتا تھا اور جب آتا تو سب بہالے جاتا۔

شالے کی لانچ کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں۔رئیس اور عروزہ ایئرپورٹ سے سیدھا ہیڈ آفس آئے تھے۔ دو گھنٹے یہاں گزارنے اور صورتحال کا جائزہ لینے کے بعد اس وقت اس کی گاڑی عروزہ کے ہمراہ آفس کی عمارت سے باہر نکل رہی تھی جب اچانک رک گئی۔

یہاں سیکیورٹی اتنی ہائی تھی کہ رئیس سمیت آنے جانے والی ہر گاڑی ٹوکن پر اندر باہر جاتی تھی اور ہر گاڑی کی چیکنگ ہوتی تھی۔

گاڑی چند منٹوں کے لیے رکی تو رئیس کی جانب کا شیشہ گرا ہوا تھا۔اس نے گارڈ کا یونیفارم پہنے ایک شخص کو فون پر بات کرتے سنا۔رئیس کی جانب اس کی پشت تھی۔

"نہیں بیٹا میں ابھی نہیں آسکتا۔" وہ شاید اپنی فیملی سے بات کر رہا تھا۔

"ہاں میں جانتا ہوں میری سالگرہ سال میں ایک بار آتی ہے پر میری گڑیا سمجھنے کی کوشش کرو میں ڈیوٹی چھوڑ کر نہیں آسکتا۔رئیس ہیڈ آفس کی حفاظت میرے کندھوں پر بھی اتنی ہی ہے جتنی باقیوں کے۔" وہ اپنی بیٹی سے بات کر رہا تھا اور آج کی اس کی سالگرہ تھی۔رئیس کو یہی سمجھ آیا۔

"عروزہ گاڑی واپس لو۔۔" اس نے جیسے حکم دیا۔

"خیریت باس؟" فرنٹ سیٹ پر ڈرائیور کے ساتھ بیٹھی عروزہ نے پلٹ کر دیکھا۔

"ہاں بس گاڑی پیچھے لو۔۔" گاڑی واپس موڑ لی گئی۔ اور دس منٹ بعد گیٹ کے قریب کچھ گارڈز آپس میں لڑتے جھگڑتے نظر آئے۔ ایک جھمگٹا سا لگ گیا اور تبھی اس گارڈ کی نظر پڑی جو کچھ دیر پہلے اپنی بیٹی سے فون پر بات کر رہا تھا۔ وہ غالباً ان کا ہیڈ تھا۔ شور کی آواز وہ گارڈ گھبرا گیا اور پھر بھاگتے ہوئے ہجوم تک پہنچا۔ اس کی رنگت بدل گئی۔

یہ پہلی بار ہو رہا تھا جب ملازم آپس میں لڑ جھگڑ رہے ہوں۔ وہ ہجوم کو چیرتا آگے بڑھا اور ان گارڈز کو چھڑانے کی بھرپور کوشش کی جو گتھم گتھا ہوئے پڑے تھے۔ تھوڑی کوشش کرنے کے بعد وہ دونوں گارڈز خود ہی الگ ہو گئے اس کے گرد ہجوم نے تالیاں پیٹنی شروع کیں۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔۔" اس کے سامنے کھڑے لوگ ہٹتے گئے اور پھر سامنے کے منظر نے اس گارڈ کو ساکت کر دیا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے ابل پڑیں۔ سامنے ہی چھوٹے سے میز پر کیک رکھا تھا اور اس کے پار کرسی پر رئیس بیٹھا تھا جو اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ عروزہ اس کے عین پیچھے کھڑی تھی۔

Happy Birthday To You

رئیس نے تالیاں بجاتے اسے وش کیا۔ رئیس گروپ کی تاریخ کا یہ پہلا واقع تھا جب رئیس اورنگزیب نے اپنے کسی عام سے ملازم کو یو وش کیا۔ کھڑے کھڑے گارڈ کی آنکھوں میں آنسوں آ گئے۔

رئیس نے اسے ہاتھ کے اشارے سے آگے بڑھ کر کرسی پر بیٹھنے کا کہا جس پر وہ خود بیٹھا تھا۔ اس گارڈ سمیت آس پاس کھڑے لوگوں کی آنکھوں میں جو چمک تھی اس سے قیمتی شاید دنیا میں کچھ نہ ہو۔ نم آنکھوں سے وہ گارڈ آگے بڑھا اور اس نے کانپتے ہاتھوں سے کیک کاٹا۔

عمارت کی اوپری منزلوں سے جھانکتے بڑے بڑے ڈیزائنر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی۔ اتنے بڑے بڑے ڈیزائنر حسرت لے کر رہ گئے اور وہ معمولی سا گارڈ رئیس کی توجہ کا مرکز ٹھہرا۔ کسی نے پورے واقعے کی ویڈیو بنا کر اپلوڈ بھی کر دی تھی۔

سیاہ رنگ کی خوبصورت ہیوی بائیک کی چابی اسے تحفے میں دی گئی۔

"جو رئیس کو اپنی وفا دیتا ہے رئیس اس پر اپنا آپ وار دیتا ہے۔ "

ہاں وفا پر جان حاضر اور بے وفائی پر صرف موت !

وہ ایک بزنس مین تھا اور کوئی بھی بزنس تب تک نہیں پھولتا پھلتا جب تک کہ اسکے نچلے ملازم خوش نہ ہوں۔ رئیس نے جو آج کیا تھا سب کا دل جیت لیا تھا۔

باقی گارڈز اب اس خوش قسمت گارڈ کو تنگ کر رہے تھے جو مسکراتے ہوئے بار بار اپنی نم آنکھیں پونچھ رہا تھا۔

رئیس کی گاڑی سب کو حیران چھوڑ کر اب عمارت سے باہر نکل گئی تھی۔ گاڑی کا رخ Raees Mansion کی طرف تھا۔ عروزہ چوکنی سی بیٹھی تھی۔ گردن اکڑائے۔ کبھی کبھی اس پر واقعی روبوٹ کا گماں ہوتا تھا۔

"عروز تم کیا روبوٹ بن کر بیٹھی ہو۔ سانس لو بھئی۔" عروزہ سے چونچ لڑائے بنا رئیس کو سکون نہیں ملتا تھا۔ وہ اس کے اندھیروں کی ساتھی تھی۔

"یہ جو آپ نے کچھ دیر پہلے کیا ہے اس کی وجہ سے اوپری ملازموں میں بھونچال آنے والا ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔ اسے رئیس کا یہ عمل پسند نہیں آیا تھا کیونکہ اندر بیٹھے ڈیزائنرز، ڈائریکٹرز، مینیجرز اب اپنے دل کو کھٹا کرنے والے تھے۔

"ریلیکس رہو یار! میں ہوں نا میں دیکھ لوں گا۔۔" اس کے اطمینان میں ذرا برابر کمی نہیں آئی۔ عروزہ کچھ نہ بولی۔ باقی کا راستہ خاموشی سے کٹا۔ تقریباً گھنٹے بعد اس کی بڑی گاڑی ایک سفید حویلی کے سامنے کھڑی تھی جسکے بورڈ پر رئیس مینشن لکھا تھا۔ آنکھوں کو چندھیا دینے والی یہ حویلی شاندار تھی۔ سبز باغ کے پس منظر میں ایک سفید نشانی کی طرح۔ اس کا متاثر کن چہرہ بلند کھڑکیوں کی قطاروں سے مزین تھا، ہر ایک کھڑکی اندرونی شان و شوکت کی جھلک پیش کرتی تھی۔ یہ کھڑکیاں موٹی اور چمکدار شیشے سے بنی تھیں، جن کے گرد خوبصورت سفید فریم تھے جو حویلی کی عظمت میں اضافہ کرتے تھے۔ سینکڑوں کھڑکیوں اور راہداریوں والی یہ حویلی جانے کتنی کنالوں پر پھیلی تھی۔ اونچی دیواروں سے منسلک بڑے گیٹ کو پار کر کے اندر آؤ تو داخلہ ایک شاندار منظر تھا،

سبزہ ہی سبزہ اور درمیان میں کھڑی وہ حویلی سفید پھول جیسی دکھتی تھی۔ داہنے جانب گیراج تھا جبکہ بائیں جانب ایک لمبی پتھریلی لمبی روش پونڈ کے درمیان سے گزرتی Sun Room تک جا رہی تھی۔ اس حویلی کی خاص بات یہ تھی کہ اس کا ڈیزائن چاروں جانب سے ایک جیسا تھا۔ آگے پیچھے دائیں بائیں جدھر سے بھی دیکھو یہ پوری تابناکی سے کھڑی نظر آتی تھی۔ اندرونی دوہرا فرانسیسی دروازہ ایک وسیع ہال کی طرف لے جاتا تھا۔ ہال خود ایک فن کا نمونہ تھا، اونچی چھتوں اور چمکدار ماربل کے فرش کے ساتھ جو کھڑکیوں سے آنے والی نرم روشنی میں چمکتا تھا۔ ہال کے دونوں طرف شاندار سیڑھیاں اوپر کی طرف چکر لیتی تھیں، جن کی لوہے کی ریلنگز پر پیچیدہ نقاشی تھی۔ ہوا میں تاریخ اور خوبصورتی کا احساس تھا، جو حویلی کے طویل اور شاندار ماضی کی گواہی دے رہا تھا۔

حویلی کا ڈیزائن اور تعمیر ایک ایسی شاندار تکنیک کا مظہر تھا جو اپنی وقت کی بہترین کاریگری کو ظاہر کرتا تھا۔ اس کی اونچی دیواروں اور بلند چھتوں کا ایک خاص انداز تھا، جو اس دور کے شاہی فن تعمیر کی عکاسی کرتا تھا۔ ہال میں نصب کیے گئے شاندار شمعدان اور فرنیچر کے قیمتی ٹکڑے اس حویلی کی دولت اور ثقافتی اہمیت کی علامت تھے۔

یہ حویلی صرف ایک عمارت نہیں بلکہ ایک وقت کی یاد تھی، ایک ایسی داستان جو اس کی دیواروں میں محفوظ تھی۔ اس کی کھڑکیوں سے آنے والی روشنی اس کے اندر چھپی ہوئی کہانیوں کو روشن کرتی تھی، اور اس کی ہر چیز میں ایک ایسی روحانی کیفیت تھی جو وقت کے ساتھ ساتھ زیادہ دلچسپ ہوتی جاتی تھی۔ جانے یہ حویلی کتنی پرانی تھی پر اسکی جدید طریقے سے تزئین و آرائش کی گئی تھی اس لیے حویلی کی بجائے اسے mansion کہا جانے لگا۔

پورچ میں گاڑی رکتے ہی ملازم اس کی جانب بھاگے۔ وہ اپنی جانب کا دروازہ کھولتے باہر نکل آیا۔ اس کا سامان ملازم اندر لے جا رہے تھے۔ نارنجی دھواں ختم ہو چکی اور مغرب کے بعد کا اندھیر

"ٹھیک ہے میں نکلتی ہوں مجھے کچھ برانچز وزٹ کرنی ہیں۔" عروزہ نے واپس گاڑی میں بیٹھتے کہا۔

"کل ہو جائے گا۔ آج تم ریسٹ کرو۔" سنجیدہ لہجے میں کہتا رئیس اندر کی جانب بڑھ گیا جبکہ گاڑی ریورس ہوتی باہر نکل گئی۔ دروازے بند ہو گئے۔ وہ تکان سے بے حال چلتا اندر آیا۔ معمول کی خاموشی چھائی تھی۔ اس مینشن کے افراد کی تعداد ہی کتنی تھی؟ صرف چار۔ چار لوگ۔ ان چار لوگوں میں سے صرف وہ تندرست تھا جبکہ باقی۔۔۔؟؟ چلیے آگے بڑھتے ہیں۔

رئیس کو دیکھ کر کام کرتے ملازم چوکنے ہو گئے۔ لاؤنج میں اسے بلقیس بیگم نظر نہیں آئیں ورنہ اس کے انتظار میں وہ آنکھیں بچھائے رکھتی تھیں۔ سیاہ پینٹ پر بھورے رنگ کی ڈریس شرٹ میں وہ تکان کے باوجود فریش لگ رہا تھا۔

"سلام صاحب۔" گھر کی سب سے پرانی اور وفادار ملازمہ نے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام! اماں کہاں ہے؟" اس نے پہلا سوال یہی کیا۔

"بیگم صاحبہ کی طبیعت تھوڑی ناساز تھی وہ اپنے کمرے میں آرام کر رہی ہیں۔"

بلقیس بیگم کی طبیعت خراب کا سنتے ہی اس کی بھنویں سکڑ گئیں۔

"ان کی طبیعت خراب ہے؟ کیا ہوا ہے مجھے کیوں نہیں بتایا گیا؟" وہ پریشانی سے بولا۔

"بیگم صاحبہ نے منع کیا تھا۔" ملازمہ سہم سی گئی۔ وہ جبڑے بھینچتا سیڑھیوں کی جانب بڑھا اور اب دو دو زینے پھلانگتا ان کے کمرے کی اور بڑھ رہا تھا۔ دروازے پر دستک دیتا وہ ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا۔ سامنے ہی وہ جائے نماز پر بیٹھیں وہ دوپٹے کا پلو اٹھائے دعا مانگ رہی تھیں۔ انہیں دیکھ کر رئیس کو اپنے وجود میں سکون اترتا محسوس ہوا۔ قیمتی جوتے باہر نکالتا نرم ملائم قالین پر وہ قدم دھرتا ان کے دائیں جانب آ کر بیٹھ گیا۔ آلتی پالتی مارے، چہرے ہاتھوں کے پیالے میں گرائے وہ انہیں نرم نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ محبت سے تقدس سے۔ بلقیس نے دعا مانگ کر مڑ کر دیکھا تو رئیس کو محبت پاش نظروں سے خود کے قریب پایا۔ وہ جانتی تھیں وہ آ گیا تھا۔ اس کی خوشبو اس سے پہلے آ جاتی تھی۔

باہیں پھیلا کر اسے گلے سے لگایا اور ماتھا چوما۔

"آ گیا میرا بچہ۔۔" ماں کے لیے اولاد ہمیشہ بچہ ہی رہتی ہے۔ چاہے وہ جوان ہو یا پھر بوڑھی۔

"میں تو آ گیا ہوں آپ کو کیا ہوا ہے؟" انکی آغوش میں سر چھپاتے وہ پریشان سا بولا۔

"مجھے کیا ہونا ہے۔ دیکھو بالکل ٹھیک ہوں۔" انہیں سہارے دے کر جائے نماز سے اٹھاتے وہ بیڈ تک لایا اور پھر لیٹنے میں ان کی مدد کی۔ بلقیس بیگم پہلے سے کافی کمزور محسوس ہو رہی تھیں۔ ذہنی دباؤ تھا جو جانے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگاتے انہیں بٹھایا اور خود ایک ٹانگ بیڈ کے اوپر رکھتے دوسری نیچے لٹکا کر بیٹھ گیا۔ وہ ان

کا ہاتھ تھامے بیٹھا تھا۔ بلقیس بیگم کئی لمحے اسے دیکھتی رہیں۔ اتنا جوان بیٹا اس عمر میں اکیلا گھوم رہا تھا۔ دکھ تو ہوتا تھا انہیں۔ اس کا گھر بسا ہوا دیکھنا چاہتی ہیں۔ پر اس سے بھی زیادہ خوفزدہ تھیں۔

"بتائیں کیا ہوا ہے آپ کو؟ کس بات کی پریشانی ہے۔" ان کا ہاتھ سہلاتے وہ کافی پریشان نظر آرہا تھا۔

"نہیں کوئی پریشانی نہیں ہے۔" بلقیس بیگم نے ہاتھ آگے بڑھا کر اس کا گال چھوا۔

"جب تک رئیس زندہ ہے آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ اپنے گال پر رکھے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے بولا۔ آنکھوں میں خفگی تھی۔ دیوار گیر کھڑکی سے باہر کا اندھیرا واضح ہونے لگا۔ رئیس مینشن روشنیوں سے جگمگا اٹھا تھا۔

"تم بتاؤ کیسا رہا تمہارا وزٹ؟" وہ اس کے چہرے کو تکے جا رہی تھیں۔ مامتا سے محبت سے اور وہ ان نگاہوں کو محسوس کر سکتا تھا۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد وہ انہیں کھانا کھلا کر دوا دے کر، بستر میں لیٹا کر آرام کرنے کا کہہ کر باہر نکلنے لگا جب بلقیس بیگم نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ رک گیا اور پھر پلٹ کر اپنی ماں کو دیکھا۔

"میں چاہتی ہوں تم ایک نئی شروعات کر لو رئیس۔ وہ لڑکی تمہاری نئی شروعات ہے۔ ماضی میں جو ہوا بھول جاؤ سب کچھ۔" وہ التجائیہ نظروں سے بولیں۔ رئیس کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔

"آخر آپ کو اس لڑکی کی اتنی فکر کیوں ہے اماں؟" انکا ہاتھ تھامتے وہ ہولے سے بولا۔

"کیونکہ اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔ منار کی سزا فجر کو مت دینا۔" ان کے دل کو کچھ ہوا۔ رئیس کے چہرے پر کرب کے گہرے سائے لہرائے۔ وہ لب بھینچے کھڑا رہا اور پھر ان کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ آہستگی سے نکال لیا۔

"بے وفائی کی سزا صرف موت ہے۔" اس کا دل ذرا بھی نہیں لرزا۔ چہرے کا سپاٹ ہو گیا۔

"رئیس۔۔۔" وہ ماں تھیں ان کا دل لرز اٹھا۔

"کیا چاہتی ہیں آپ؟ کیا کروں میں؟ آپ سے کیے گئے وعدے کے مطابق میں نے اسے کبھی قید نہیں کیا۔ اسے آزاد جینے دیا۔ کبھی اس کی جاسوسی نہیں کروائی۔ ایک شہر میں رہتے ہوئے بھی میں نہیں جانتا وہ کہاں رہتی ہے۔ وہ کیسی دکھتی ہے۔ وہ کیا کرتی ہے؟ اماں وہ میرے سامنے بھی آئے گی تو میں اسے پہچان نہیں پاؤں گا اور کیا چاہتی ہیں آپ مجھ سے؟ کیا کروں میں؟" اس کا دل برا ہوا۔ ہاں وہ شدت پسند تھا پر اماں سے کیا وعدہ آج بھی پوری ایمانداری سے نبھا رہا تھا۔ بلقیس بیگم اس کے ڈرائیور کے ساتھ معراج الدین کے گھر جاتی تھیں اور اس نے آج تک ڈرائیور سے یہ نہیں پوچھا تھا وہ کس ایریا میں جاتی تھیں۔

"ایک وعدہ کرو مجھ سے رئیس۔"

ایک اور وعدہ؟ وہ پھیکا سا ہنس دیا۔

"ایک وعدے پر عمر گزار دی نا میں نے؟ اب مزید کیا عہد کروں؟" سپاٹ چہرہ ایک بار پھر درد کی آماج گاہ بنا۔

"وعدہ کرو مجھ سے رئیس! وعدہ کرو کہ کبھی اس سے کوئی غلطی ہو گئی تو تم اسے دوسرا موقع ضرور دو گے۔" وہ نقاہت زدہ کہتیں اپنا ہاتھ پھیلا گئیں۔ رئیس نے آنکھیں میچ کر درد کو اپنے اندر اتارا۔

"آپ جانتی ہیں رئیس اورنگزیب کسی کو دوسرا موقع نہیں دیتا۔" وہ یونہی آنکھیں بند کیے بولا۔ اپنی ماں کا پھیلا ہوا ہاتھ نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"جس کے لیے اتنا سال انتظار کیا ہے اسے دوسرا موقع بھی دے دینا۔۔" وہ اڑی رہیں۔ گہرا سانس لیتے اس نے آنکھیں کھول دیں۔ ایک نظر بلقیس بیگم کے پھیلے ہاتھ کو دیکھا اور پھر آگے بڑھ کر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

"میں رئیس اورنگزیب وعدہ کرتا ہوں میں اسے دوسرا موقع ضرور دوں گا۔۔"بلقیس بیگم کے وجود میں زندگی کی رمق دوڑ گئی۔ آنکھوں میں جوت سی جل اٹھی اور بوڑھے چہرے پر سکون اترا۔

"پر یہ بات آپ جانتی ہیں بے وفائی کی سزا صرف موت ہے اور رئیس اورنگزیب معافی نہیں موت دیتا ہے۔ "

اگلے ہی پل وہ انہیں بے چین کر گیا۔

"آپ سو جائیں آرام کریں۔"جھک کر ان کی پیشانی پر بوسہ دیتا وہ سیدھا ہوا اور پھر اے سی کی کولنگ کم کرتا، ان کا کمفرٹر درست کرتا ایک بار پھر دروازے کی جانب بڑھا۔

"اور فلک کا کیا؟ وہ جو تمہاری راہ تک رہی ہے اسکا کیا؟ "

آج تو وہ انہیں جان سے مار دینا چاہتی تھیں۔ ہینڈل پر جما اس کا ہاتھ ساکت ہوا۔ کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔

"میرا اس سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔"اس بار لہجہ سرد تھا۔

"لیکن اس کا تو ہے نا؟ تمہارے نام پر بیٹھی ہے۔ "

وہ ایک بار پھر مڑا اور کمر پر ہاتھ کر بلقیس بیگم کو دیکھا۔

"یہ رشتہ ابا جی نے کیا تھا۔ "

"تو شادی بھی ابا جی کر لیں۔"وہ بگڑ کر بولا۔

"رئیس۔۔"بلقیس بیگم نے بھنویں سکیڑ کر اسے گھورا۔

"میں ان چاہے رشتوں کا طوق نہیں پہن سکتا۔ میری طرف سے کل بھی ناں تھی آج بھی ناں ہے اور ہمیشہ ناں رہے گی اور میں اس موضوع پر مزید بات نہیں کرنا چاہتا۔۔" وہ اپنا فیصلہ سنا کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ دروازے کے باہر پڑے جوتے پہنے اور گہرے سانس لیتا وہ اب اپنے کمرے کی جانب بڑھ رہا تھا۔ چوڑی راہداری میں دونوں جانب کمرے تھے اور آخر میں اس کا کمرہ تھا۔ دیواروں پر ٹنگی مصوری کے منہ بولتے شاہکار رئیس اورنگزیب کو گزرتے دیکھ رہے تھے۔ داہنی جانب دیوار کے ساتھ رکھے میز پر دھرا ٹیلی فون جو کبھی کبھی ہی بجتا تھا وہ اس کے قریب سے گزرتا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ دروازہ کا ہینڈل گھما کر اسے کھولتا اندر داخل ہو گیا۔ آمنے سامنے ہی دو دیواروں کا رنگ پیپر وائٹ تھا اور دائیں بائیں جانب والی وائٹ شفون دراصل یہ کلر کمبینشن اس کے کمرے کو الگ ہی شہنشاہی عطا کرتا تھا۔ اس کا موبائل فون سائیڈ ٹیبل پر رکھا تھا اور اس کا بیگ واک ان کلازٹ کے اندر رکھ دیا تھا۔ وہ جوتے اتار کر واک ان کلازٹ کا دروازہ کھولتے اندر داخل ہوا اور پھر سادہ سا نائٹ سوٹ اٹھاتے وہ باتھروم میں گھس گیا۔

باہر گرمی کافی زیادہ تھی۔ اس نے گرم پانی کا شاور کھولا اور باتھ ٹب بھرنے لگا۔ جب فل بھر گیا تو وہ کپڑوں سمیت اندر لیٹ گیا۔ اس کا پورا وجود گرم پانی کے اندر تھا۔ ذہن میں کھلبلی مچی ہوئی تھی جبکہ سماعت سے ناپسندیدہ آوازیں ٹکرانے لگی تھیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے دماغ کی کوئی نس پھٹ جائے گی۔ وہ آہستہ آہستہ گردن نیچے کر رہا تھا۔ پانی کانوں کے اوپر سے ہوتا گالوں تک آ گیا پر شور کم نہ ہو۔ پھر اس نے اپنے وجود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

پانی کے اندر جاتے ہی آوازیں معدوم ہو گئیں۔ سب پس منظر چلا گیا۔ اب ایک گہری خاموشی تھی۔ ایسی خاموشی جہاں کسی آہٹ کا گمان نہ ہوتا ہو۔ وہ سانس بند کیے یوں پڑا تھا جیسے زندہ نہ ہو۔

ہمارا دماغ خاموشی میں سب سے پہلے ہمیں بری یادوں سے دوچار کرتا ہے اور اس کے ساتھ بھی یہی ہوا ہے۔ ذہن کے تکلیف دہ کونے میں حرکت سی ہوئی۔

"میں واپس نہیں آؤں گی رئیس! میں جوزف کو نہیں چھوڑ سکتی۔" پہلا انکار پہلا دکھ!

باتھ ٹب میں بلبلے سے اٹھنے لگے۔

"میں تم سے شادی نہیں کر سکتی۔ میں کسی اور سے محبت کرتی ہوں۔" دوسرا انکار دوسرا دکھ!

باتھ ٹپ میں ہلچل سی مچ گئی۔

"میں تمہیں چھوڑ سکتی ہوں پر اپنی فیملی کو نہیں چھوڑ سکتی۔" تیسرا انکار، پہلا افسوس! ہاں تیسرے انکار کا اسے کوئی دکھ نہیں تھا پر افسوس تھا۔

تین عورتیں، تین کہانیاں!

رئیس اورنگزیب کی زندگی کھلی کتاب ہوتے ہوئے بھی گہرا راز تھی۔ وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔ منہ پر ہاتھ پھیرتے وہ اب گہرے سانس لے رہا تھا۔ سانس لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر وہ باتھ ٹب سے باہر نکلا اور شاور کھول کر اس کے نیچے کھڑا ہو گیا۔ جانے کتنی دیر وہ اپنے اندر جلتی آگ کو ٹھنڈہ کرنے کی کوشش میں لگا رہا اور پھر شاور لے کر باہر نکلا تو بیڈ پر رکھے ایک کارٹن کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔

تولیے سے بال صاف کرتا وہ کارٹن کی جانب بھاگا۔ آنکھیں سرخ انگارہ ہو چکی تھیں اور جسم ٹوٹنے لگا تھا۔

"میری پہلی کتاب! پہلی کامیابی! تمہارے نام!"

گہرا سانس لے کر کارٹن اٹھایا اور واک ان کلازٹ میں گھستے نیچے ایک خالی خانے میں رکھ دیا۔اب وہ آئینے کے سامنے کھڑا خود کو دیکھ رہا تھا جب راہداری میں رکھا ٹیلی فون بجنے لگا۔وہ بار بار بج رہا تھا۔نہ تو کوئی فون اٹھا رہا تھا اور نہ ہی کرنے والا باز آرہا تھا۔فون کی بجتی گھنٹی دماغ پر کسی ہتھوڑے کی طرح لگنے لگی تو وہ کمرے سے باہر نکل آیا۔

"کہاں مر گئے سب؟" دماغ خراب ہو رہا تھا پر اسے کوئی دکھائی نہ دیا۔قریب پہنچتے اس نے کریڈل اٹھا کر واپس رکھ دیا۔جیسے ہی وہ پلٹا فون پھر سے بجنے لگا۔ہلکے کافی رنگ کے ٹراؤزر شرٹ میں ملبوس اس نے بگڑے مزاج لیے فون اٹھایا۔ہاف سلیو شرٹ سے کسرتی بازو نمایاں تھے۔

"ہیلو۔۔؟؟" دوسری جانب خاموشی چھا گئی۔سائیں سائیں کی آواز گونجنے لگی۔

"ہیلو؟" کوفت سے دوبارہ کہا۔

"مجھے امید ہے آپ کو میرا پارسل مل گیا ہو گا۔۔" خوبصورت آواز پر وہ ٹھٹک گیا۔پل کے ہزارویں حصے میں وہ جان گیا تھا فون کے اس پار کون تھی۔

"کیا ثابت کرنا چاہتی ہو؟" پیشانی پر لکیریں ابھریں۔ایک ہاتھ ٹراؤزر کی جیب میں ڈالے دوسرے سے فون پکڑے وہ بے زار لگ رہا تھا۔

"یاد دہانی کہ کوئی آپ کا انتظار کر رہا ہے۔۔" خوبصورت چاہتی تھی اسے سنا جائے۔

"تمہیں لگتا ہے تمہارے بار بار بلانے پر میں آجاؤں گا؟" ابرو اچکا کر یوں پوچھا جیسے وہ اسے دیکھ رہی ہو۔لہجے میں استہزاہ تھا۔

"اپنی عورت کے لیے سب آتے ہیں۔" کس قدر مان تھا اسے۔ رئیس کا قہقہہ بے ساختہ بلند ہوا۔ تھوڑی دیر پہلے والی بے کلی دور جا سوئی ۔۔

"پچھلے تین سالوں میں جانتی ہوں کتنی بار انکار کیا ہے میں نے؟ "

"تیرہ بار۔۔۔۔" دوسری جانب بتاتے کسی کا دل دکھا تھا پر پرواہ کس کو تھی۔

"پھر بھی تمہیں عقل نہیں آئی؟ کیا تم پرانی رسم سے بندھ کر بیٹھ گئی ہو؟ مجھے فون کرنے سے بہتر ہے خود پر دھیان دو۔ اپنی پہچان بناؤ۔۔" اس نے مفت میں گیان بانٹا۔

"میں فلک ہوں اور یہی میری پہچان ہے۔" یا تو وہ لڑکی بے وقوف تھی یا پھر پر اعتماد۔ پل بھر کی خاموشی چھا گئی۔

"میرے انتظار کو مزید طویل مت کریں رئیس! پلیز۔۔" بھرائے لہجے میں التجا کی گئی۔

"اپنا وقت مجھ پر ضائع مت کرو لڑکی! راستہ بدل لو۔۔ "

"تیرہ سالوں کے انتظار کے بعد کیسے راستہ بدل لوں؟ "

وہ دل دکھا رہا تھا۔ دل دکھ رہا تھا۔

"مجھے ان سب باتوں سے فرق نہیں پڑتا۔۔" کمال بے نیازی سے کندھے اچکائے گئے۔

"ایک عورت کی وفا سے پڑنا چاہیے۔" وہ بضد تھی۔ شاید وہ اس پر اپنا حق سمجھتی تھی۔

"ضرور پڑتا اگر تم وہ عورت ہوتی جس کی وفا مجھے چاہیے۔۔ "

لاہور کی فضاؤں سے سفر کرتے اس کے الفاظ کسی خنجر کی مانند جامشورو کی حسینہ کے دل میں اتر گئے۔

وہ لب بھینچ کر رہ گئی۔ موٹی موٹی آنکھوں سے آنسوؤں کے موٹے موٹے قطرے بہنے لگے۔

"تو وجہ کوئی دوسری عورت تھی؟" دل کرلا اٹھا۔

"اپنی عورت کی وفا ٹھکرا کر کسی غیر عورت سے وفا کی توقع کر رہے ہیں؟ میں تو آپ کو خاصا عقلمند سمجھتی تھی رئیس صاحب!" لہجے کی سختی نے رئیس اورنگزیب کے منہ پر کھینچ کر طمانچہ دے مارا۔

ایک پل کے لیے وہ ساکت ہوا۔ برقی قمقمے کی روشنی میں اس کے چہرے پر کئی سال لہرا گئے۔ پھر اس کا ابھرنے والا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"باتیں ہی کرنی آتی ہیں یا کچھ اور بھی کر لیتی ہو؟"

"کر تو بہت کچھ لیتی ہوں پر فی الوقت بے بس ہوں۔۔" وہ رو دینے کو تھی۔ کیا یہ کافی نہیں تھا وہ بات کر رہا تھا وہ بات سن رہا تھا؟

"سنا ہے تم بہت خوبصورت ہو۔" سوال تھا یا تبصرہ وہ سمجھ نہیں پائی لیکن اتنا سمجھ آیا اگر وہ فلرٹ کرتا تو کتنا اچھا کرتا؟

"ہاں صحیح سنا ہے۔ پر میری خوبصورتی کو گُھن لگ چکا ہے کیونکہ انتظار کی ڈوریاں تھما دی گئی ہیں۔"

اس کی آواز بھی خوبصورت تھی۔

"ڈوریاں ٹوٹ جائیں گی پر میں نہیں آؤں گا۔۔"

انسانی فطرت ہے، مرد ہو یا عورت جب اسے پتا چل جاتا ہے کہ وہ کسی کا محبوب ہے تب عاشق کے سر پر چڑھ کر ناچتا ہے۔ اسے ذلیل کرتا ہے۔

"میں آجاؤں گی بس ایک بار کہہ دیں۔ "

"مجھ سے ملنے تمہیں بلندیوں پر آنا ہو گا۔ آسکتی ہو تو آجاؤ۔" جان چھڑانے والے انداز میں کہتے اس نے فون رکھ دیا۔

"پاگل۔۔۔" گہرا سانس لیتے وہ بڑبڑایا اور واپس کمرے کی جانب مڑ گیا۔ یہ تو طے تھا وہ کبھی فلک عالمگیر سے شادی نہیں کرنے والا تھا جو رشتہ اس کی مرضی کے خلاف جوڑا گیا اسے وہ اپنا نہیں سکتا تھا۔ ٹراوزر کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ ہونٹوں کو گول کیے سیٹی بجاتے وہ اب راہداری میں چلتا جا رہا تھا۔

عالیشان سے کھڑی سفید حویلی کے در و دیوار نے اسے دیکھا اور پھر منہ بگاڑ کر تبصرہ کیا۔

"کمبخت دو دو منگیتریں ہونے کے باوجود سنگل گھوم رہا تھا۔ "

✿••✿••✿••✿

رمضان کی وجہ سے اگلی قسط عید کے قریب آئے گی۔

جاری ہے۔

* * * * * * *

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔۔۔

السلام علیکم احباب۔۔۔۔"

"ناولز کی دنیا" کے ناولز میں خوش آمدید ۔۔۔۔

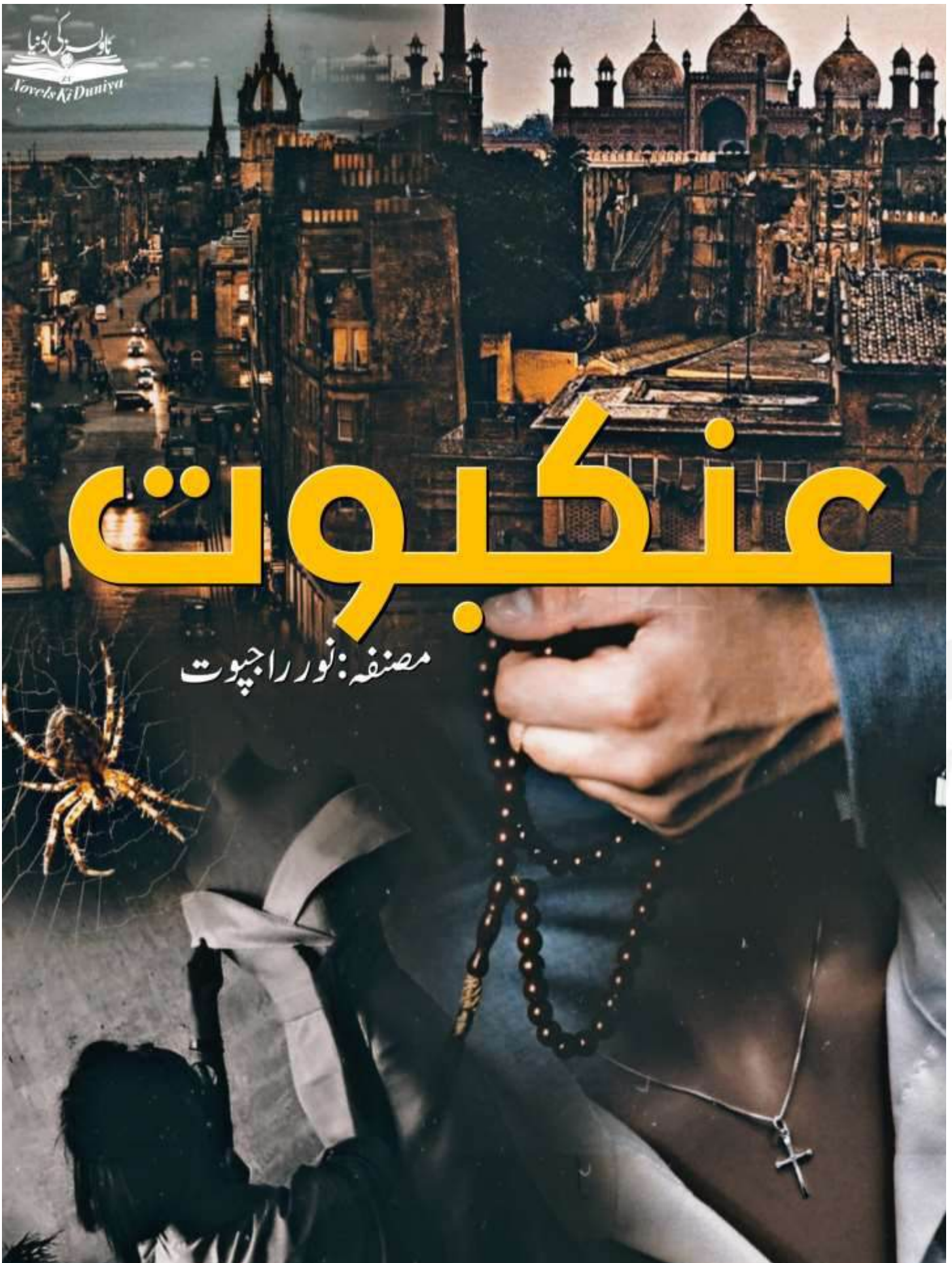
ناولز کی دنیا
Novels Ki Duniya
عنکبوت
مصنفہ: نور راجپوت

عنکبوت

(معرفت اور محبت سب کو نہیں ملتی)

از قلم: نور راجپوت

قسط نمبر:10

"اگر کوئی تمہیں کہانیوں کا ایک رخ دکھائے تو تم دوسرا دیکھنے کی کوشش کرنا"

گلینکو: شام چار بجے

گلینکو (Glencoe) ایک خوبصورت وادی ہے جو سکاٹ لینڈ کے ہائی لینڈز میں واقع ہے۔ اس کی پہاڑی چوٹیاں، گہری کھائیاں اور دلکش مناظر اسے سکاٹ لینڈ کی سب سے خوبصورت مقامات میں سے ایک بناتے ہیں۔ Glencoe اپنی قدرتی خوبصورتی کے ساتھ ساتھ اپنی تاریخ اور متعدد کہانیوں کے لیے بھی مشہور ہے۔ 1692 میں، ایک خاندان کے خلاف ظلم کے ایک واقعے کی وجہ سے Glencoe Massacre ہوا جس میں بہت سے مقامی لوگ مارے گئے۔ یہ واقعہ آج بھی Glencoe کی تاریخ کا ایک اہم حصہ ہے۔

"قصہ کچھ یوں ہے کہ 1692ء میں، انگریز حکومت نے گلینکو کے مکینوں کو "MacDonald Clan" کے خلاف ایک بغاوت میں شامل ہونے پر مجبور کرنے کے لیے ایک سازش کی۔ **(قبیلہ کو clan کہاجاتاہے)** اس سازش کے تحت، انگریز فوج نے گلینکو کے قبیلے کے سربراہ کو اپنے گھر پر دعوت دی اور اسے قلعہ بندی کرنے کا وعدہ کیا جب سربراہ گھر پر آیا تو انگریز فوج نے اس پر حملہ کیا اور اس کے پورے خاندان کو قتل کر دیا۔ اس حملے میں 38 افراد ہلاک ہوئے۔" کہانی سناتا جارج پل بھر کو خاموش ہوا۔

"پھر کیا ہوا؟" چٹختے کوئلوں کے گرد بیٹھے نیل نے افسردہ چہرے کے ساتھ تجسس سے پوچھا۔

"پھر کیا ہونا تھا گلینکو قبیلہ مارا گیا۔"

گلینکو کی فضا میں نیل کا افسردہ سانس رچ بچ گیا۔ وہ کیمپنگ کے لیے گلینکو آئے تھے۔ جارج کی لاس اینجلس میں ہونے والی شوٹنگ مکمل ہو چکی تھی۔ وہ اپنی پوری ٹیم کے ساتھ دو دن پہلے ہی ایڈنبرا لوٹا تھا۔ نیل اور ولیم کے اصرار پر، بڑے بھائی ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے وہ انہیں کیمپنگ کے لیے لایا تھا۔ پورا ایک دن، وہ تینوں جارج کی مرضی کے مطابق لگژری مقامات پر گھومتے پھرتے رہے تھے۔ گھڑ سواری، نیزے بازی، رگبی اور متعدد کھیل کھیلنے کے بعد وہ کچھ دیر پہلے ہی کیمپنگ وین کے ذریعے گلینکو پہنچے تھے۔

ولیم کا کیمرہ انکی تصویروں اور ویڈیوز سے بھر گیا تھا۔ جس میں وہ تینوں ہیرو لگنے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے اور کمال یہ تھا کہ ہیرو لگ بھی رہے تھے۔

گلینکو کے موسم کے پیش نظر آج کم کم ہی کیمپنگ وین نظر آ رہی تھیں ورنہ یہ علاقہ زیادہ تر کیمپنگ وینز سے بھرا ہوتا ہے۔ اس کے سامنے ہی دریائے لیون (Loch Leven) کا Inlet تھا۔ وین کا شٹر کھولے اس پر کیمپ لگائے وہ تینوں شٹر کے نیچے دائرے میں تین کرسیاں رکھے بیٹھے تھے۔ درمیان میں رکھے لوہے کے کنٹینر میں

لکڑیاں جل رہی تھیں۔یوں تو یہاں آگ جلانے کی اجازت نہیں تھی اور نہ یہاں روایتی کیمپنگ کی جاسکتی تھی لیکن پھر بھی انہوں نے کنٹینر کے اندر لکڑیاں جلا رکھی تھیں تاکہ اصولوں کی خلاف ورزی نہ ہو۔

چاروں جانب نظر دوڑانے پر پہاڑی چوٹیاں نظر آتی تھیں۔موسم کے پیش نظر چار بجے ہی یوں لگ رہا تھا جیسے رات ہو رہی ہو۔کیونکہ آسمان سیاہ بادلوں سے ڈھک گیا۔

"میں یہاں کہانیاں سننے نہیں آیا مجھے بھوک لگی ہے۔" ولیم نے ٹانگیں سیدھی کرتے جارج کی گود میں ٹکالیں اور کرسی سے ٹیک لگالی۔تیز ہوا کے تھپیڑے گرمی کے موسم میں بھی ان کے چہروں پر ٹھنڈک کی لہریں بھیج رہے تھے۔زیتون رنگ کی کارگو پینٹ اور سیاہ سادہ ٹی شرٹ پہنے وہ تینوں ایک جیسے ہی لگ رہے تھے۔

دھند کے بادل پہاڑ کی چوٹیوں پر چھانے لگے تو منظر مزید نکھر گیا۔

"کھانا کون بنائے گا؟" وین میں سارا سامان موجود تھا۔مسئلہ بنانے کا تھا۔

"میرے ساتھ ایک شیف (نیل) ہے اور ماسٹر شیف (جارج) تو تم دونوں آج اپنی کوکنگ کے جوہر دکھاؤ۔۔" قدرے آرام سے کہتا وہ آنکھیں موند گیا۔

"اور تم کیا کروگے؟" جارج نے ابرو اچکا کر پوچھا۔اسٹار لائٹ اسٹوڈیو جیسے پروڈکشن ہاؤس کا ڈائریکٹر اپنے سے چھوٹے دو نکمے لڑکوں کے ساتھ کیمپنگ پر آیا تھا۔جارج جوزف! جس سے میٹنگ کی اپائنٹمنٹ لینی پڑتی تھی۔ہاں وہ ان کے ساتھ خوش رہتا تھا۔

"میں تم دونوں کو دیکھوں گا۔" چیونگم چباتے اس نے جواب دیا۔دونوں ہاتھ گردن کے پیچھے جمار کھے تھے۔

"یہاں سب اپنا کام خود کریں گے۔" نیل پہلے بھڑکتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی ناک پھول گئی۔ کیا مطلب وہ کوئی دیکھنے کی چیز تھا جسے ولیم دیکھے گا؟

"دو منحوس آدمیوں کو دیکھنا آسان کام تھوڑی ہے۔" اس کے سکون میں ذرا فرق نہیں آیا۔ ویسے بھی عیسٰی ماموں کی صحبت میں وہ آج کل شانت رہنے لگا تھا۔

"تو ان منحوس آدمیوں کے ہاتھ کا بنا کھانے کیسے کھالو گے؟" اس کے پاؤں جھٹکتا جارج اٹھ کھڑا ہوا۔ نیل اب وین سے فولڈ میز باہر نکال رہا تھا اور دو تین پلاسٹ کی ڈبے نما ٹوکریاں جن میں کھانے کا سامان تھا۔ ولیم نے آنکھیں کھول کر انہیں کام کرتے دیکھا اور تھوڑا سرک کر نیل کی کرسی پر ٹانگیں سیدھی کیں اور آنکھیں موند لیں۔ تھکاوٹ کے باعث اسے نیند آرہی تھی۔ اس کی آنکھ لگ گئی اور کچھ ہی دیر بعد وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ نیل اور جارج کمر پر ہاتھ جمائے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہے تھے۔ میز کے اوپر چھوٹا الیکٹرک چولہا رکھا تھا اور جارج چکن اسٹیک بنانے میں مصروف تھا جبکہ نیل بھی کیفے میں رہنے کے باعث تھوڑی بہت کوکنگ سیکھ گیا تھا اور وہ شاشلک بنا رہا تھا پر تیز ہوا چلنے کے باعث آگ کی آنچ ٹھیک سے نہیں لگ رہی تھی۔

"تم لوگ مجھے ایسے کیوں گھور رہے ہو؟" اس نے مندی مندی آنکھوں سے پوچھا۔ یوں ظاہر کیا جیسے کچھ نہ جانتا ہو۔

"تمہارے باپ کے نوکر ہیں جو تیز ہوا میں کھانا بنائیں؟"

"تو تم لوگ کیا چاہتے ہو؟ ہوا کا رخ موڑ دوں؟"

وہ بڑبڑاتا اٹھ کھڑا ہوا، چلتا ہوا ان کے قریب آیا۔ بارش کی بوچھاڑ شروع ہو چکی تھی۔ کھانے کی خوشبو نتھنوں سے ٹکرائی تو اس کی آنکھیں کھل گئیں اور آس پاس کا موسم دیکھ کر دلچسپی مزید بڑھ گئی۔ نیل اور جارج کے قریب پہنچ کر وہ ان دونوں کے درمیان کھڑا ہو گیا۔ دونوں بازو پھیلا لیے یوں جیسے ہوا کو روک رہا ہو۔ نیل نے گردن موڑ کر اسے دیکھا اور پھر دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔

"مہاراج اس تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔ جایئے جا کر کھانے کے برتن لگا لیے۔" وہ بھنا کر بولا تو ولیم خباثت مسکراتا وین میں گھس گیا تھوڑی دیر بعد وہ ایک اور میز نکالے پلیٹیں لگا رہا تھا۔ بارش اب تیز ہو چکی تھی۔ وین کی چھت اور خیمے پر گرتی بارش سے تڑتڑ کی آواز ابھر رہی تھی۔ دس منٹ بعد وہ تیز برستی بارش میں سکون سے بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔

"ویسے بارش سے یاد آیا تم اپنی ریکارڈنگ سیل کیوں نہیں کر رہے؟ آخر تم نے اس کا کرنا ہی کیا ہے؟" یاد آنے پر جارج نے پوچھا۔

"میری بات سنو ولیم۔۔۔" نیل نے جھٹ پلیٹ میں چمچ رکھتے احتجاجی انداز میں کہا۔ "اُس ریکارڈنگ پر پہلا حق میرا ہے۔" اس نے یاد دہانی کرائی۔ جارج کی بھنویں سکڑ گئیں۔

"پہلا حق میرا ہے میں اس کا بھائی ہوں۔" اس نے بھی کانٹا رکھتے ہاتھ نچایا۔

"میں اس کا دوست ہوں پہلے میں نے مانگی تھی۔" نیل تپتپاتے چہرے کے ساتھ اپنی کرسی سے اچھلا۔ اسٹیک کا ٹکڑا منہ تک لے جاتے ولیم کا کانٹا ہوا میں ہی معلق ہو گیا۔ اس نے حیرانی سے جارج اور نیل کو دیکھا جو کچھ دیر پہلے ہنس ہنس کر کھانا بنا رہے تھے جیسے لنگوٹیے یار ہوں اور اب ایک دوسرے کے ماتھے سے ماتھا ٹکرائے، لال بھبھوکا چہرہ لیے، شعلہ بار نظروں سے ایک دوسرے کو گھور رہے تھے جیسے ابھی کھا جائیں گے۔

"وہ ریکارڈنگ میری ہے۔ مجھے اپنی فلم کے لیے چاہیے۔" اسٹار لائٹ اسٹوڈیو کا ڈائریکٹر جتانے والے انداز میں بولا۔

"جی نہیں وہ ریکارڈنگ میری ہے۔ پہلے میں نے مانگی تھی۔" نیلز کیفے کا مالک نتھنے پھلائے بولا۔ دونوں کی پیشانی آپس میں ٹکرائی۔ چہرے لال بھبھوکے تھے البتہ ہاتھ دونوں کے کرسی پر جمے تھے لیکن گردن تک پہنچنے میں دیر نہ لگتی۔

ولیم تو حیران تھا پل بھر میں بدلنے والی سیچویشن کو دیکھنے لگا بلکہ لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"تم جانتے ہو میری فلم کا بجٹ کیا ہے؟" جارج کے اندر مسٹر جوزف کی روح عود آئی۔

"تو میں کیا کروں؟ مجھے اپنے کیفے میں زیادہ انٹرسٹ ہے۔" دونوں کی گرم سانسیں ایک دوسرے کے چہرے محسوس پہ جا سکتی تھیں۔ ولیم نے کانٹا پلیٹ میں رکھتے سینے پر بازو جما لیے۔ چہرے پر خباثت بھری مسکراہٹ ابھری۔ اس کے دماغ میں فی الوقت گھنٹی بجی تھی۔ شیطانی گھنٹی!

گہرہ سانس لے کر دونوں کو دیکھا جو کسی بھی پل گتھم گتھا ہو پڑتے۔ آنکھوں میں شرارت تھی۔

"ایک شرط پر وہ ریکارڈنگ تم میں سے کسی ایک کو مل سکتی ہے۔" مسکراہٹ چھپائے وہ سکون سے بولا۔

نیل اور جارج کی گردن جھٹکے سے اس کی جانب مڑی۔

"کیسے؟؟" دونوں بیک وقت آگے کو جھکے۔ بارش کی بوچھاڑ میں وہ کس قدر بھیگ چکے تھے۔

"دیکھو وہ ریکارڈنگ میرے لیے بہت قیمتی ہے اور تاریخ گواہ ہے قیمتی چیزوں کے لیے ہمیشہ جنگیں لڑی جاتی ہیں۔۔!" وہ ان کے چہروں کو کھوجتی نگاہوں سے دیکھتے بولا جو سوالیہ نظروں سے اسے ہی دیکھ رہے تھے۔ وہ انہیں بھڑکا رہا تھا۔ پمپ کر رہا تھا۔

"صاف بات کرو ولیم!" نیل فوراً بولا۔ دل کی دھڑکن بڑھ چکی تھی۔ یعنی وہ ریکارڈنگ اسے مل سکتی تھی؟

"ہمیں کرنا کیا ہے؟" جارج اس کے لیے کچھ بھی کرنے کو تیار تھا۔

"فائٹنگ۔۔۔" قدرے سکون سے کہتے اس نے کندھے اچکائے۔

"جو جیتا وہ سکندر۔۔" کانٹے دوبارہ اٹھا کر اس نے اسٹیک کا ٹکڑا منہ میں ڈالا۔ جارج اور نیل نے پہلے اسے دیکھا اور پھر جھٹکے سے رخ ایک دوسرے کی جانب موڑا۔

"مر جاؤں گا پر ہاروں گا نہیں۔" نیل کی آنکھوں کا تاثر کچھ ایسا ہی تھا۔

"نیل بیٹا تم تو گئے۔" جارج استہزائیہ مسکرایا۔ دونوں ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ سینہ چوڑا کر کے ولیم کو دیکھا جو انہیں اٹھتا دیکھ کر پرجوش ہوا۔ کتھئی آنکھوں کی چمک مزید بڑھ گئی۔

"جو جیتا ریکارڈنگ اس کی ہو گی۔" میز پر دونوں ہتھیلیاں جماتے جارج اس کی جانب جھکا۔

"یاد رکھنا جو اپنی بات سے مکر گیا اسے میں نرک میں چھوڑ کر آؤں گا۔" تھپ کی آواز سے نیل نے میز پر ہاتھ دھرے۔ دونوں کی شعلے اگلتی آنکھیں ولیم کو جلا کر راکھ کر دینا چاہتی تھیں۔

"میدان اس طرف ہے۔" ولیم نے کھلے میدان کی طرف اشارہ کیا۔ دونوں ایک جھٹکے سے سیدھے ہوئے۔ ولیم کے لیے اپنی ہنسی ضبط کرنا مشکل ہو گیا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو یوں دیکھا جیسے کئی جنموں کے دشمن ہوں اور بدلہ لینے کا یہ آخری موقع ہو۔ اگلے ہی پل وہ شٹر سے باہر نکل چکے تھے۔

برستی بارش میں وہ ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہاتھ کے مکے بنائے اچھل کود کر خود کو وارم اپ کر رہے تھے۔

ولیم نے کھانے سے ہاتھ نہیں ہٹایا۔ دلچسپ نظروں سے انہیں دیکھتا رہا۔

"شاباش جوانو! شروع ہو جاؤ۔" وہ اونچی آواز میں چلایا اور پھر دائرے میں گھومتے، مارنے والے بھینسے کی طرح ایک دوسرے کو گھورتے ہوئے پہلا مکا جارج کی طرف سے نیل کے ناک پر پڑا۔ جہاں نیل بلبلا کر رہ گیا تھا وہیں جارج کو اپنا ہاتھ ٹوٹتا محسوس ہوا۔

"Woah"

ولیم کے لبوں سے بے ساختہ پھسلا اور اگلے ہی پل نیل نے لات گھما کر جارج کو دے ماری وہ لڑکھڑا کر نیچے گرا۔

ولیم کا ہنسی کا فوارہ چھوٹا۔ اب وہ دونوں گتھم گتھا ہوئے ایک دوسرے کو مار رہے تھے۔ کبھی نیل اوپر ہوتا تو کبھی جارج۔

نیل کے ناک سے خون بہہ رہا تھا جبکہ جارج کی آنکھ سوجھ کر نیلی پڑ چکی تھی۔ وہ دونوں گیلی زمین پر پھسل کر گر جاتے اور پھر اٹھنے کی کوشش کرتے۔

"ریکارڈنگ میری ہے۔" جارج کی کرب زدہ آواز ابھری۔ پھسل کر گرنے سے اس کی پیشانی زمین پر لگی تھی جہاں گھومڑ بن چکا تھا۔

"ریکارڈنگ تو میں ہی لے کر جاؤں گا" شرٹ کی آستین سے، ناک سے بہتا خون صاف کرتا نیل پھنکارہ۔

جبکہ کرسی پر بیٹھا ولیم ہنس ہنس کر بے حال ہو چکا تھا۔ اس کا چہرہ سرخ پڑ چکا تھا۔ کئی سالوں بعد وہ یوں ہنسا تھا۔

اس کے سامنے دو سمجھدار بے وقوف اس کی باتوں میں آ کر لڑ رہے تھے۔ دونوں کی حالت بری ہو چکی تھی پر مجال ہے جو کوئی ہار مان لے۔ بارش اب آہستہ ہو چکی تھی اور ان کی ہمت بھی جواب دینے لگی۔ لڑتے لڑتے نیل کی نظر ولیم پر پڑی جو تالیاں بجاتے ہوئے ہنس رہا اور اگلے ہی پل اس کے ذہن میں جھماکہ سا ہوا۔ وہ دونوں اس کے ہاتھوں بے وقوف بن چکے تھے۔ وہ اب پیٹ کے بل جھکا ہنس رہا تھا۔ نیل کی نظروں کے تعاقب میں جارج نے بھی ولیم کو دیکھا۔ ہنس ہنس کر اس کی آنکھوں میں نمی ابھرنے لگی۔ وہ تالیاں بجاتے ان کا مزاق اڑا رہا تھا۔

پھوٹے ناک والے نیل اور سوجھی آنکھ والے جارج نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو اشارہ کیا اور اگلے ہی پل وہ لڑکھڑاتے ولیم کی جانب بڑھے۔ انہیں اپنی جانب آتے دیکھ کر ولیم الرٹ ہوا۔

"کیا ہوا؟ بھئی لڑائی ختم نہیں ہوئی ابھی۔ واپس جاؤ۔" ولیم اٹھتے ہوئے بڑبڑایا۔

"ولیم جوزف۔۔۔۔" نیل حلق بل چلایا۔ پہاڑی چوٹیوں میں اس کی آواز گونج کر رہ گئی۔ وہ دونوں اپنی حالت کے پیش نظر زومبی لگ رہے تھے۔

"ڈیفالٹ پیس۔۔۔" جارج غرایا۔ ولیم نے بچنے کی کوشش کی پر وہ اسے گھیر چکے تھے اور اگلے چند منٹوں بعد وہ اسے زمین پر پھینکے گھونسوں اور لاتوں کی بارش کیے ہوئے تھے۔ گلینکو کی پہاڑیوں میں اب ولیم جوزف کی درد

بھری چیخیں گونج رہی تھیں۔کاش زندگی یونہی ہنستے مسکراتے گزر جاتی۔ آنے والے طوفان کبھی نہ آتے۔کاش انہونی ٹل جاتی۔پر انہونی کو کون روک سکتا ہے؟

✿••✿••✿••✿

نام:رئیس اور نگزیب

کمزوری:دھوکا

اسے دھوکا دے کر دیکھو وہ تمہیں موت کی وادیوں میں پھینک دے گا۔

اس بار دھوکا کس نے دیا تھا؟**"جازب لغاری"** ایک پرانے ملازم نے۔ایک باہنر شخص نے۔کہا جاتا ہے جب انسان کو موت کا سوداگر گھیر لیتا تب وہ اس سے ایسے کام کرواتا ہے جن کی اسے خود بھی سمجھ نہیں آتی۔جازب لغاری کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔جانے اس نے رئیس کو دھوکا دینے کا کیسے سوچ لیا تھا؟اس نے کیسے سوچ لیا تھا وہ اس کی نظروں سے بچ جائے گا؟اس نے کیسے اتنا بڑا قدم اٹھالیا تھا؟

لیپ ٹاپ کی کھلی اسکرین پر اس کا سراپا واضح تھا۔ٹوٹا پھوٹا تھکا ہارا شخص! آنکھیں سوجھن کا شکار،ہونٹ خشکی زدہ، جب موت سامنے ہو تو انسان کی حالت کیسی ہو سکتی ہے؟

"میں جازب لغاری پورے ہوش وحواس میں اس بات کا دعوی کرتا ہوں کہ میں جو بھی کروں گا اپنی مرضی سے کروں گا۔میں پورے ہوش وحواس میں یہ بیان دینا چاہتا ہوں کہ میں نے رئیس گروپ کو دھوکا دیا۔میں کوالٹی مینیجر تھا۔میں نے جان بوجھ کر رئیس ٹیکسٹائل سے لباس کلیکشن کو جانے والا وہ کپڑا پاس کیا جس کی کوالٹی زیرو تھی بلکہ میں نے کچھ ساتھیوں کے ساتھ مل کر ایسا کپڑا بنوایا۔"

وہ سانس لینے رکا۔ آنکھوں سے آنسوں بہہ جانے کو تیار تھے۔

"لباس کلیکشن نے اس پورے کھیل میں میرا ساتھ دیا بلکہ یہ آئیڈیا انہی کا تھا۔ انہیں اپنے ریٹ پر کپڑا چاہیے تھا جسے رئیس گروپ نے دینے سے انکار کر دیا تھا اور اس بات کا بدلہ لینے کے لیے یہ سب کیا گیا۔ رئیس گروپ کو بدنام کرنے کی کوشش کی گئی۔ پر غلطی میری ہے۔ اگر میں ہاں نہ کرتا تو ایسا کچھ نہ ہوتا لیکن شاید میں بھی کہیں رئیس گروپ سے خار کھاتا تھا۔ میں ان کا ملازم ہونے کے باوجود ان سے وفادار نہ رہ پایا۔"

گلے میں آنسوؤں کا گولا اٹک چکا تھا۔

"سچ سامنے آچکا ہے اور میں چاہتا ہوں یہ سچ دنیا کے سامنے بھی آجائے۔ میں اس ذلت کے ساتھ مزید نہیں جی پاؤں گا۔ اس لیے میں پورے ہوش و حواس میں خود کی جان لے رہا ہوں۔"

کانپتے ہاتھوں سے اس میز پر رکھا پستول اٹھایا اور اپنی کنپٹی پر رکھ لیا۔ صوفے کے دوسری جانب عروزہ بیٹھی تھی اور اس کے ہاتھ میں موبائل فون تھا جس کی چلتی اسکرین پر جازب لغاری کے گھر کا منظر واضح تھا جہاں اس بیوی اور دو بچے لاؤنج میں بیٹھے دیکھے جاسکتے تھے۔ عروزہ کے عقب میں دو گارڈ کھڑے تھے۔

جازب کو فیصلہ کرنے کے لیے چوبیس گھنٹے دیے گئے تھے۔ وہ خود اقرار کر کے اپنی جان لیتا یا پھر اپنی فیملی سے ہاتھ دھو بیٹھتا، کیریئر تو اس کا ویسے ہی ختم ہو چکا تھا۔

جازب لغاری نے نم آنکھوں سے ایک نظر عروزہ جمال اور پھر اسکرین پر نظر آتی اپنی فیملی کو دیکھا اور پھر اس نے ٹریگر دبا دیا۔ ٹھاہ کی آواز گونجی اور خون کے قطرے دور دور تک پھیل گئے۔ وہ صوفے پر ایک جانب ڈھے گیا۔

لائیو ویڈیو یونہی چلتی رہی۔

عروزہ گہرا سانس لے کر اٹھ کھڑی ہوئی اور پھر بنا کوئی سراغ چھوڑے خون سے لت پت جازب لغاری کو چھوڑ کر، گارڈز کے ہمراہ باہر نکل گئی۔ جازب لغاری کی پھٹی آنکھوں میں آخری شبیہہ اپنے خاندان کی تھی۔

رئیس نے جس آسانی سے اسکی غلطی قبول کر کے اسے چھوڑ دیا تھا اتنا ہی اسے شک تھا کہ جازب لغاری جیسا بندہ اتنی بڑی غلطی نہیں کر سکتا۔ پر اس نے کچھ ہی دنوں بعد کر دی جب وہ لباس کلیکشن کی ٹیم سے چوری چھپے ایک ہوٹل میں ملا۔

اسے لگا تھا سب ٹھیک ہو گیا پر رئیس کی نظریں اسی پر تھیں۔ اور ثبوت ملتے ہی اسے دھر لیا گیا۔ اس نے بڑی معافیاں مانگی، رویا، کرلایا، ہاتھ جوڑے پر رئیس غلطی معاف کر سکتا ہے دھوکہ نہیں اور اس کی سزا یہی تھی وہ اپنے ہاتھوں سے اپنی جان لیتا اور اس نے لے لی تھی۔

میلوں دور بیٹھے رئیس نے لیپ ٹاپ کی اسکرین بے دلی سے گرا دی۔

"آخر لوگ دھوکا کیوں دیتے ہیں؟" رات کے اس پہر سفید رنگ، رئیس مینشن پورے چاند کی روشنی میں جگمگ کر رہا تھا۔

وہ اپنے کمرے سے باہر نکل آیا۔ راہداریوں میں چلتے اب اس کا رخ اپنے پرائیویٹ کمرے کی جانب تھا۔ کھڑکیوں سے چھن کر آتی پورے چاند کی روشنی عجیب سی اداسی بکھیر رہی تھی یوں لگتا تھا جیسے سائیں سائیں کرتی ہوائیں کوئی نوحہ سنا رہی ہوں۔

اور کون ہے، جو اپنے دکھ اور اپنی تنہائی سے رخصت ہوا

اور اس کا دل رنج و مایوسی سے نہ دھڑکے

اپنے خون دل کے کتنے قطرے میں نے

اس شہر کے گلی کوچوں میں بہائے ہیں

یہ کوئی لباس نہیں جسے میں اپنے جسم سے اتار رہا ہوں

بلکہ یہ میری کھال ہے جس کو مجھے اپنے دونوں ہاتھوں سے

نوچ کر پھنکنا پڑ رہا ہے۔۔۔!!

وہ تنگ طاق دروازہ کھولا اور کمرے میں داخل ہو گیا تھا۔ مستطیل کمرہ توقع سے کئی زیادہ بڑا تھا اور پورے مینشن میں یہ واحد کمرہ تھا جس کی دیواروں کا رنگ گہرا تھا۔ سیاحی مائل بھورا۔

کمرے میں کیا کچھ نہ تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے پوری دنیا وہیں بسی ہو۔ دیوار گیر شیلف پر لگی کتابیں۔ کئی قیمتی ہیرے اور دیواروں پر ٹنگی بیش قیمتی مصوری کے نمونے۔

کتابوں کی شیلف کے سامنے رکھا کاؤچ اور سامنے رکھے میز پر دھرا شطرنج بورڈ۔

کتابوں کے ساتھ والی دیوار پر سب سے اوپر پانچ فٹ کا ٹنگا وہ پورٹریٹ جو پہلی ہی نظر میں توجہ کھینچ لیتا تھا۔

سنہری بالوں والی لڑکی، جس کے بال آبشار کی طرح کندھوں پر بکھرے تھے، سفید ریشمی گھیرے دار فراک جو زمین کو چھو رہی تھی۔ گلے میں لٹکتا ریشمی دوپٹہ اور خوبصورت سنہری آنکھیں۔ اس پورٹریٹ میں نظر آنے والی وہ لڑکی اس قدر خوبصورت تھی کہ اسے بنا پلکیں جھپکے دیکھا جا سکتا تھا۔ وہ ٹانگ پر ٹانگ جمائے کرسی پر بیٹھی تھی۔ داہنے ہاتھ کی مٹھی پر تھوڑی جمار کھی تھی۔ اس کے چہرے پر ہلکی مسکراہٹ تھی جبکہ آنکھوں کی چمک چاندنی رات کو مات دیتی تھی۔ اسے دیکھو تو یوں لگے جیسے ہمیں ہی دیکھ رہی ہو۔

اس پورٹریٹ کے عین نیچے ایک لمبا میز رکھا تھا جس کے دونوں کناروں پر مشعلیں رکھی تھیں اور درمیان میں ایک خوبصورت سا باکس تھا۔ جیسے کوئی بیش قیمتی جیولری باکس ہو جس کے ڈھکن پر بنا عنکبوت واضح دیکھا جا سکتا تھا۔ رئیس جوتے دروازے پر اتارتے، نرم قالین پر قدم دھرتا اسی جانب بڑھ رہا تھا۔ وہ چلتا ہوا آیا اور اس پورٹریٹ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ بازو سینے پر باندھ رکھے تھے۔ سفید ڈریس شرٹ کے کف فولڈ تھے۔ ہولناک خاموشی میں وہ کئی لمحے اس خوبصورت لڑکی کو دیکھتا رہا۔ جانے کتنے لمحے۔ یہاں تک کہ آنکھیں جلنے لگیں۔

کتابوں کی شیلف والی دیوار میں نصب کھڑکی کے پردے ہٹے ہوئے تھے اور چاند کی روشنی چھن کر اندر آ رہی تھی جس سے رئیس کا پورا وجود واضح ہوا۔

ایک مرد، عورت سے ملا دھوکا کبھی نہیں بھولتا۔ وہ اس سے کبھی ہیل نہیں کر پاتا۔ وہ عورت سے ملا دھوکا کبھی برداشت نہیں کر پاتا اور عورت بھی وہ جس سے محبت کی ہو۔ جو محبوبہ ہو۔

پورٹریٹ کے نچلے داہنے جانب ایک نام واضح لکھا نظر آتا تھا۔

Manar Maraj

"منار معراج" وہ زیر لب بڑبڑایا۔ "موو آن کرنا اتنا مشکل کیوں ہے؟" وہ سراپا سوال تھا پر جواب دینے والا کوئی نہیں تھا۔ پھر وہ آگے بڑھا اور شیلف نما میز پر رکھا وہ باکس کھولا جس پر عنکبوت بنا تھا اور عنکبوت کے نیچے واضح لکھا گیا تھا۔

Death can have me when it Earns me!

کلک کی آواز ابھری اور باکس کا ڈھکن کھل گیا۔ اندر چھوٹے چھوٹے کانچ کے دو جار رکھے تھے۔ دونوں میں کچھ گولیاں تھیں۔ اس نے پہلے ایک جار کو کھولا اور اس سے ایک گولی نکال کر دوسرے میں ڈال دی۔

تیار کردہ زہر کی گولیوں میں ایک اور کا اضافہ ہو چکا تھا کیونکہ ایک اور دھوکے باز دنیا سے جا چکا تھا۔

"اب یہ مت کہنا کہ آپ کو اپنے کیے پر پچھتاوہ ہے۔" عقب سے ابھرنے والی آواز پر وہ چونکا نہیں کیونکہ دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز وہ سن چکا تھا۔ باکس بند کرتے وہ جھکا اور نیچے والے شیلف میں رکھے تیروں میں سے ایک اٹھالیا پھر اپنی باہنی جانب مڑا۔ سامنے ہی دیوار پر بڑا سا بورڈ لگا تھا جس پر سرخ دل بنا تھا اور اس دل کے اندر کئیں سیاہ رنگ کے تیر گھسے ہوئے تھے۔ سرخ دل میں کم ہی جگہ باقی تھی۔ اس نے نشانہ لیتے ہوئے تیر اچھالا اور وہ ہوا میں اڑتا سیدھا سرخ دل میں پیوست ہو گیا۔ سرخ دل میں لگے سیاہ تیروں کی تعداد اتنی ہی تھی جتنے لوگوں نے رئیس کو دھوکا دیا تھا اور جو موت کی وادیوں میں جا سوئے۔

پھر وہ پلٹ گیا۔ سامنے ہی کچھ فاصلے پر ذرتاش اور نگزیب اپنی وہیل چیئر پر بیٹھی نظر آئی۔

"جس طرح ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں بالکل ویسے ہی ایک دل میں گناہ اور پچھتاوہ ساتھ نہیں رہ سکتے۔ جہاں پچھتاوہ ہوتا ہے وہاں گناہ دوبارہ جنم نہیں لیتا۔" چاند کی چاندنی میں کھڑا رئیس حد درجہ سنجیدہ تھا پھر وہ وہیں زمین پر آلتی پالتی مارے بیٹھ گیا۔ رخ کھڑکی سے نظر آتے چاند کی جانب تھا۔ ذرتاش اپنی وہیل چیئر کو گھسیٹتی آگے لائی اور اس کے قریب لا کر روک دی۔ گردن اٹھا کر نظریں بادلوں کی اوٹ سے نظر آتے چاند پر جما دیں۔ رئیس نے دائیں جانب جھک کر گردن وہیل چیئر سے ٹکا دی۔

ذرتاش اور نگزیب، رئیس اور نگزیب کی چھوٹی بہن تھی جو پچھلے کئی سالوں سے وہیل چیئر پر تھی۔ بتیس سالہ ذرتاش کی ابھی تک شادی نہیں ہو پائی تھی۔ گندمی رنگت اور ہلکے گھنگھریالے بالوں والی ذرتاش نے اپنے اپاہج پن کو قبول کر لیا تھا اور وہ اپنی اس خامی کے ساتھ کسی کی زندگی میں داخل نہیں ہونا چاہتی تھی۔

دونوں بہن بھائی گردن اونچی کیے چاند کو دیکھ رہے تھے۔ کمرے میں چلتے اے سی کی کولنگ انہیں چاند کی ٹھنڈک جیسی محسوس ہو رہی تھی۔

"کیا لگتا ہے آپ کو انت میں کیا ملے گا؟" وہ ہولے سے بولی۔

"اس انت سے ڈرتا ہوں جہاں میں اکیلا رہ جاؤں گا۔" وہ گہرہ سانس لیتے بولا۔

"دنیا پر الزام ڈال کر بری الزمہ ہونے کا ارادہ ہے؟"

"نہیں۔۔۔۔" یک لفظی جواب کافی تھا۔

"تو پھر؟" ذرتاش کے لیے ناکافی تھا۔

"مجھے وہ Villains نہیں پسند جو اپنی چوائس کو دنیا کے سر ڈال دیتے ہیں کہ دنیا بری تھی تو میں برا بنا۔ اگر ایسا ہوتا تو پیٹر پارکر (Spiderman) سے بڑا ولن کوئی نہ ہوتا۔ اس کے پاس چوائس تھی۔ وہ چاہتا تو دنیا کے ساتھ برا بن جاتا کیونکہ دنیا نے اس کے ساتھ کبھی اچھا نہیں کیا۔ پر اس نے اچھائی کو چنا اس لیے وہ میرا فیورٹ ہے۔ میں چاہتا تو اسپائڈر مین بن سکتا تھا پر میں نے spider (**عنکبوت**) ہونا چنا اور میں اس کی زمہ داری لیتا ہوں میں اسے own کرتا ہوں۔ دنیا کے پاس یہ اختیار نہیں کہ وہ آپ کو ولن بننے پر مجبور کرے۔ چوائس آپ کی ہے آپ چنتے ہیں پر جو بھی چنیں اس کی زمہ داری لیں۔ وہ ولن میری نظر میں بے غیرت ہیں جو اپنے اعمال کا زمہ دار دنیا کو ٹھہرا کر بری الزمہ ہو جاتے ہیں۔"

اس نے تفصیل سے جواب دینا ضروری سمجھا۔

"آپ مانتے ہیں آپ ولن ہیں؟" اس کی ساری باتیں سننے اور سمجھنے کے بعد وہ ہولے سے بڑبڑائی۔ دل پر آج ایک گہرا بوجھ تھا۔ یوں جیسے چاند رات میں سیف الملوک پر اترنے والی سای پریاں بین کر رہی ہوں۔ کچھ برا ہونے کی بو فضا میں رچ بس سی گئی تھی۔

"میں مانتا ہوں میں موت کا سوداگر ہوں۔"

"فرق کیا ہوا؟"

"رئیس صرف انہیں موت دیتا ہے جو رئیس کو دھوکا دیتے ہیں۔ باقی دنیا کے لیے رئیس بے ضرر ہے۔" ہاں وہ اپنی نظروں میں معتبر تھا۔ اس کے نزدیک وہ جو کر رہا تھا وہ ٹھیک تھا۔

ذرتاش نے سنا اور گہرا سانس لیا۔ جھولی میں رکھے دونوں ہاتھ بے جان پڑے رہے۔

"بھول جائیں۔"

"کس کو؟"

"منار کو۔۔۔"

رئیس کو لگا اس کے دل کو کسی نے مٹھی میں بھینچ دیا ہو۔ تکلیف حد سے سواء تھی۔ کرب کے آثار چہرے پر واضح ہوئے۔ آنکھوں کی پتلیوں میں درد وارد ہوا۔

"بھول گیا۔۔" دل سینے میں ہی رک گیا۔

"تو پھر آزاد کر دیں۔" وہ دھڑکتے دل کے ساتھ بولی۔

"کس کو؟"

"منار کی بہن کو۔" وہ جانتی تھی بلقیس بیگم آج کل اسی بات کو لے کر بیمار پڑ گئی تھیں۔

"جو رئیس کا ہے وہ رئیس کا ہے!" جواب دوٹوک تھا۔

ذرتاش نے گہرا سانس لیا اور گردن موڑ کر رئیس کو دیکھا۔

"فلک کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"میرا اس سے کوئی لینا دینا نہیں۔" چہرہ اب سپاٹ تھا۔ چاند کی کرنیں اس کے وجیہہ چہرے سے ٹکرا کر پلٹ رہی تھیں۔ ان آنکھوں میں مزاح کی ذرا بھی رمق نہیں تھی۔ یہ رئیس اس رئیس سے بالکل مختلف تھا جو پورا دن لوگوں کے ساتھ ہوتا تھا۔ جو ہنستا مسکراتا تھا۔ یہ آنکھیں ایک زخمی قاتل کی آنکھیں تھیں۔

"اگر منار معراج کی طرح فجر معراج نے بھی دھوکا دے دیا تو؟" خشک لبوں پر زبان پھیرتے وہ دھڑکتے دل کے ساتھ بولی۔ یہ سنتے ہی رئیس کے تاثرات بدل گئے۔ چہرے سے کرب غائب ہوا اور اس کی جگہ موت جیسے تاثرات نے لے لی۔

"موت کو وہ اپنے ہاتھوں سے چنے گی۔" فیصلہ سناتے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ اشارہ تھا کہ اب اسے یہاں سے چلے جانا چاہیے۔

"لیکن بھائی۔۔۔۔"

"تمہیں اب جانا چاہیے ذری!" نرم لہجے میں اس گویا حکم دیا۔

رئیس اورنگزیب کو دو کام بخوبی آتے تھے۔ کرامات کرنا اور قتل کرنا۔ پھر کون اس کا مقابلہ کرتا؟

"فرعون مت بنیں۔۔۔" وہ بھرائی آواز میں بولی۔ اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے پیاروں کو یوں بھٹکتے دیکھنا آسان نہیں ہوتا۔ وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے گردن اکڑائے کھڑا رہا۔ اسے اپنے فرعون ہونے پر فخر تھا۔ یہ اس کی چوائس تھی۔

اس کی جانب سے خاموشی پا کر ذرتاش نے اپنی وہیل چیئر گھمالی اب وہ دروازے کی جانب بڑھ رہی تھی۔ دروازے پر پہنچ کر وہ رک گئی پلٹ کر رئیس کو دیکھا جو ابھی تک کھڑکی کے سامنے کھڑا تھا۔

"یاد رکھیے گا ہر فرعون کے لیے ایک موسی ضرور آتا ہے۔"

اس کی بات سنتے ہی رئیس بے ساختہ مسکرا دیا۔ گردن جھکائے وہ اب اپنے پیروں کے انگوٹھے کو دیکھتے ہوئے ہنس رہا تھا پھر اس نے گردن ذرا سی موڑ کر ذرتاش کو دیکھا۔

"اور میں انتظار کر رہا ہوں۔" اس کی آنکھوں کی چمک چاندنی رات کو مات دینے لگی۔ ذرتاش نے تاسف سے اسے دیکھا اور پھر گردن ہلا کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

"کسی کو تو آنا چاہیے، میں بور ہونے لگا ہوں۔" وہ پلٹا اور دوبارہ اسی پورٹریٹ کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ وہ لڑکی جس سے روشنیاں پھوٹتی دکھائی دے رہی تھیں۔

"میں رئیس اورنگزیب یہ اعتراف کرتا ہوں میں منار معراج سے کبھی موو آن نہیں کر سکا" وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اعتراف کر رہا تھا اس لڑکی سے جو بائیس تئیس سال پہلے ہی مر گئی تھی۔

"کوئی تمہارے جیسا ملا ہی نہیں۔ صدیوں سے اس ایک وجود کی تلاش میں ہوں جو تمہارے جیسا ہو۔" وہ ہولے سے مسکایا۔

"لوگوں کو لگتا ہے مجھے میرا عکس چاہیے پر مجھے تو تمہارا عکس چاہیے۔"

عورت کے ڈسے کو مرہم بھی عورت ہی لگا سکتی ہے۔

"میں نے دنیا میں اتنی نفرت کبھی کسی سے نہیں کی جتنی تم سے کرتا ہوں۔"

عجیب پاگل آدمی تھا نفرت کی آگ میں اتنے سال گزار دیے پر کسی دوسری عورت کو اپنی زندگی میں داخل نہیں ہونے دیا۔

بے جان تصویریں کب بولتی ہیں۔ وہ بس سن سکتی ہیں۔ منار بھی سن رہی تھی۔ یونہی ہنستے ہوئے۔ پھر وہ پلٹ گیا۔ چند قدم چلا اور پھر رک گیا۔ پلٹ کر دوبارہ اسے دیکھا۔ بھنویں سکڑی ہوئی تھیں۔

"تمہاری بہن۔۔۔۔"

یوں لگا جیسے تصویر میں موجود لڑکی کا دل کسی نے نکال لیا ہو۔ وہ سانس نہیں لے پائی۔

"تمہاری بہن کیسی ہے؟" جگنوؤں جیسی چمکتی آنکھوں میں بے پناہ اشتیاق تھا۔

ہاں جیسے وہ اسے بتا ہی دے گی۔

"مجھے لگتا ہے اسے اب میرے سامنے آجانا چاہیے۔ زندگی تھرل مانگتی ہے اور میری زندگی کو فجر معراج چاہیے!" وہ مسکرایا۔ خباثت بھری مسکراہٹ۔ وہ اسے تکلیف پہنچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ یونہی شیطانی مسکراہٹ لیے پلٹ گیا۔ سلائڈنگ ڈور کھلا اور پھر بند ہو گیا۔ کمرے میں جیسے بھونچال سا آگیا۔ کمرے کی در و دیوار سمیت ہر چیز چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی۔

"ہر فرعون کے لیے ایک موسیٰ ضرور آتا ہے"

ہے"

✿••✿••✿••✿

نام: فجر معراج

کمزوری: پہچان

اس سے پہچان چھین کر دیکھو وہ تمہیں چیر پھاڑ کر کھا جائے گی۔

دکھ کے دن، جو میں نے اس شہر کی چار دیواری میں گزارے بہت طویل تھے۔

تنہائی کی راتیں، جو میں نے اس آبادی میں کاٹیں بہت دراز تھیں۔

لاہور؛ شب دو بجے

فجر کا گاؤن مکمل ہو چکا تھا۔ اس کے بیڈ کے سامنے والی دیوار پر جہاں گھڑی ٹنگی وہاں اب ہینگر میں گاؤن لٹک رہا تھا۔ وہ گاؤن نائٹ جو میئرز جیسا تھا۔ وہ کافی لمبا تھا بالکل ویسے ہی جیسے برے خواب جلدی ختم نہیں ہوتے۔ الماری میں کسی صورت پورا نہیں آسکتا تھا اس لیے اسے دیوار پر لٹکانا پڑا تاکہ سیدھا رہے۔

وہ آنکھوں پر عینک جمائے، سفید لان کا ٹراؤزر شرٹ پہنے ہاتھ میں کتاب پکڑے بیڈ کراؤن کے ساتھ تکیے جوڑے اس سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ جب سے گاؤن مکمل ہوا تھا وہ سو نہیں پائی تھی ڈر تھا کہیں پھر سے کچھ برا نہ ہو جائے۔

رئیس گروپ اور لباس کلیکشن کے درمیان ہونے والے حادثے کی وجہ سے مراد عالم نے اسے دوبارہ ابھی تک رابطہ نہیں کیا تھا اور نہ وہ جانتی تھی کہ ماڈلز آچکی تھیں یا نہیں۔

فجر معراج کا دوسرا شوق کتابیں پڑھنا تھا۔ہاں وہ کتابیں پڑھتی تھی لیکن پاپولر فکشن کم کلاسک فکشن زیادہ۔

فرانز کافکا کی کتابیں، خلیل جبران کی کتابیں اور بہت سے دوسرے مصنفین جنہیں جنریشن زی پڑھنا پسند نہیں کرتی۔

آخر وہ ان کتابوں سے کیا سیکھتی تھی؟ سوچنے کی بات تو یہ تھی۔

اماں صحن میں چارپائی بچھائے، پنکھا لگائے سوئی ہوئی تھیں جبکہ وہ کچھ دیر پہلے ہی گرمی کے باعث شاور لے کر آئی تھی تاکہ سکون سے سو سکے۔

شرٹ سلیولیس تھی جس سے اس کے سڈول بازو نمایاں تھے اور گیلے بال کندھوں پر بکھرے تھے۔وہ عینک لگائے بڑی دلجمعی سے کچھ پڑھ رہی تھی۔

"سنو۔۔۔"اس کے عین سامنے بیڈ کے دوسرے کنارے پر وہ بیٹھی تھی۔سنہری آنکھوں اور ریشمی بالوں والی لڑکی۔سفید فراک پہنے اس کے بال پوری کمر پر بکھرے ہوئے تھے۔وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھی تھیں یوں جیسے ایک دوسرے کا عکس ہوں۔چہرے کے نین نقش اس حد تک ملتے تھے کہ ان پر جڑواں ہونے کا گمان ہوتا لیکن دونوں ایک دوسرے سے مختلف تھیں۔

"ایک بات کہوں؟" کچھ دیر بعد ریشمی فراک والی لڑکی بڑبڑائی۔ وہ محبت بھری نگاہوں سے اپنے سامنے بیٹھی عینک والی لڑکی کو دیکھ رہی تھی جس کے بال آج سیاہ نہیں تھے بلکہ ان کا رنگ ڈارک چاکلیٹ تھا۔ اس نے بال رنگوا لیے تھے یا پھر اس کے بالوں کا رنگ یہی تھا۔ سیاہ بال اس نے کسی اور کے لیے کروائے تھے۔ کون جانے؟

"میرے منع کرنے پر تم چلی جاؤ گی؟" وہ بے زار سی بولی۔ نظریں کتاب سے نہیں ہٹائیں۔ ریشمی فراک والی لڑکی مسکرا دی۔ چوڑیوں کی کھنک پورے کمرے میں گونج گئی۔

"پلیز جاؤ منار! تمہاری یہ چوڑیاں مجھے تنگ کر رہی ہیں۔" اس بار اُس نے کتاب بند کر کے اپنے سامنے بیٹھی منار کو دیکھا۔ کچھ وقت سے وہ اکثر اس کے پاس آجاتی تھی یا شاید فجر کی تنہائی اتنی بڑھ گئی تھی کہ وہ اپنے تصور میں منار سے باتیں کرنے لگی تھی اور پھر دماغ وہی دکھاتا ہے جو ہم دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس کی بات سن کر وہ مسکرا دی پر گئی نہیں۔ فجر اسے گھورتی رہی۔ اس نے ایک بار منار کی تصویر دیکھی تھی۔ اسی سفید فراک میں اور اس کا ذہن اسے ویسے ہی کیپچر کر کے دکھاتا تھا۔

"اگر تمہیں کبھی دولت، شہرت (پہچان) اور حکمت (Wisdom) میں سے کسی ایک کو چننے کا موقع ملے تو کیا چنو گی؟" وہ سراپا سوال تھی۔ فجر مسکرا دی۔ یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات تھی؟

"پہچان۔۔" ہاں وہ یہی چنتی۔ نظریں ایک بار پھر کتاب پر جمائیں۔ منار کو اپنے ذہن سے نکالنا چاہا۔ کتاب پر توجہ مرکوز کرنا چاہی پر ناکام رہی۔

"میں چاہوں گی تم Wisdom چنو۔"

"میں ایسا کیوں کروں گی؟" بھنویں سکیڑے پوچھا۔ کتاب کے الفاظ گڈمڈ ہونے لگے۔ ایک بھی سمجھ نہ آیا۔

"پہچان تمہارے پیچھے خود بھاگتی آئے گی۔"

"تمہارے مطابق حکمت کیا ہے؟" رقص کرتے لفظوں پر نظریں جمائے اُس نے پوچھا۔

"زبان کا صحیح استعمال۔" خوبصورت سی آواز سنائی دی۔

فجر بے ساختہ ہنس دی۔ چہرے پر تمسخر ابھرا۔

"مجھے لگا تھا کہو گی دماغ کا صحیح استعمال۔" لہجہ طنزیہ تھا۔ "زبان کا صحیح استعمال؟؟ ہنہہ" اس سے زیادہ صحیح استعمال کیا ہو گا؟

"ایک ہی بات ہے۔" دماغ سگنل بھیجتا ہے کب، کہاں اور کتنا بولنا ہے۔

"زبان کا صحیح استعمال کیا ہے؟" اس نے کتاب ایک طرف رکھتے بالوں کو دونوں ہاتھوں میں سمیٹتے فولڈ کیا اور پھر تھوڑا دائیں جانب جھکتے میز سے کیچر اٹھا کر لگایا۔ بال اب قید ہو چکے تھے۔

"جب تم اِسے بے وجہ چلانا چھوڑ دو گی۔"

"یعنی گونگی ہو جاؤں؟ کچھ نہ بولوں؟" مزاق اڑاتا لہجہ۔ وہ اس کی بات سے متفق نہیں تھی۔

"فجر۔۔۔۔" اس کا نام پکارہ گیا اور وہ سراپا سماعت میں بدل گئی۔

"ہر کسی سے الجھنا اور پھر زبان کے بل پر جیتنا تمہیں بڑا نہیں بنائے گا۔"

منار کی صورت میں سامنے بیٹھی لڑکی دراصل اس کا اپنا اندر تھا۔ کتابیں ہمیشہ اس کے اندر ایسی ہی جنگ چھیڑ دیتی تھیں۔ وہ خود کو بہتر بنانے کی کوشش کرتی تھی۔ خود سے لڑتی رہتی تھی۔ ہاں ان کتابوں سے وہ حکمت سیکھنے کی کوشش کرتی تھی۔

"مجھے بڑا کیا بنائے گا؟" وہ سارے سوال جواب آج ہی کر لینا چاہتی تھی۔ چار دن بعد یونیورسٹی کا ایونٹ تھا۔ چار دن بعد اس کی زندگی ایک بار پھر تین سو ساٹھ ڈگری پر گھومنے والی تھی۔ اس بار اسے تیار رہنا تھا۔

"تمہاری شخصیت" دو لفظی جواب آیا۔

"میری شخصیت میں کس چیز کی کمی ہے؟"

"برداشت کی۔"

"یعنی لڑنا چھوڑ دوں؟ سب خاموشی سے سہتی رہوں؟" اسے یہ بات بالکل پسند نہیں آئی۔

"یہ جان لو کہ تمہیں کہاں لڑنا ہے اور کہاں نہیں؟"

"صاف صاف بات کرو پلیز۔" تھک ہار کر اس نے گردن پیچھے گراتے آنکھیں موند لیں۔

"تمہیں بلندیوں پر راج کرنا ہے تو کچھ بنیادی باتیں سیکھنا ہوں گی۔"

"جیسے کہ؟" وہ یونہی آنکھیں موندے بولی۔

"اپنی عمر کی لڑکیوں کے مقابلے تم اپنی باؤنڈریز جانتی ہو، دوسرے انسان کو اس کی باؤنڈری میں رکھنا جانتی ہو یہ تمہاری پہلی کامیابی ہے۔ تم ذہین ہو اور Nightmares بننے کی ہمت رکھتی ہو یہ دوسری کامیابی ہے۔ تم جنگیں لڑنا آتی ہیں یہ پلس پوائنٹ پر کہاں، کس سے اور کب لڑنی ہے یہ سمجھنا ہو گا۔ ہر ایرے غیرے کے منہ لگو

گی۔ ہر ایک کو جواب دو گی۔ ہر ایک پر توجہ لگاؤ گی تو انرجی ویسٹ ہو گی۔ اپنی انرجی ضائع مت ہونے دو۔ اسے سنبھال کر رکھو۔ تمہیں پتا ہے جو بلندیوں پر راج کرتے ہیں وہ ہر کسی سے نہیں لڑتے جھگڑتے بلکہ وہ حالات سے مقابلہ کرتے ہیں۔ انکی جنگیں خود سے ہوتی ہیں۔ اپنے آپ سے اپنے ڈیمن سے اپنے برے سایوں سے جیتنا ہی اصل جنگ ہے جب انسان خود کو فتح کر لیتا ہے پھر وہ کسی بھی فرعون کا مقابلہ کر سکتا ہے۔"

باتیں بورنگ سی تھیں پر گہری اور کام کی تھیں۔ آج کل ہم اپنی شخصیت پر کام کرنا چھوڑ چکے ہیں۔

"تم چاہتی ہو میں دنیا سے ہار مان لوں؟ جھک جاؤں؟ جبکہ یہ دنیا مجھے جھکانا چاہتی ہے۔ میں ٹوٹ سکتی ہوں جھک نہیں سکتی۔"

اس کی بات پر سفید فراک والی لڑکی ہولے سے مسکرائی۔

"کس نے کہا ہے جھک جاؤ یا ٹوٹ جاؤ بلکہ اپنے اندر لچک پیدا کرو۔ اتنی لچک کہ جب دنیا تمہیں جھکانا چاہے تو تمہاری لچک تمہیں ٹوٹنے سے بچائے۔ وہ لچک جو تمہیں سکھائے کہ کہاں جھکنا ہے کہاں کھڑے رہنا ہے۔ شخصیت ٹھہراؤ سے بنتی ہے۔"

فجر معراج کا تیسرا شوق تھا خود کو بہتر بنانا۔ شخصیت یا اعتماد یہ نہیں ہے کہ انسان خود کو دوسروں سے بہتر سمجھے بلکہ وہ خود کو دوسروں سے کم نہ سمجھے اور بہتری کی جانب گامزن رہے۔

وہ جانتی تھی اپنے اس رویے کے ساتھ وہ راج نہیں کر سکتی۔ اس کے لیے ضروری تھا خود کو بہتر بنانا۔ زبان کا صحیح استعمال کرنا اور یہ تب ہی آتا ہے جب انسان عمل کرتا ہے۔

"بس آج کے لیے اتنا کافی ہے۔" اس نے اٹھ کر بتی بجھادی۔ دماغ کی نسیں جیسے پھٹنے کو تھیں۔ نیند سے بے حال وہ جلد ہی نیند کی وادی میں اتر گئی۔

آج اس نے جو سیکھا وہ یہ تھا کہ "اٹیٹیوڈ کو چیخنے چلانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ کسی دوسرے کو نیچا دکھانے سے ہم بڑے نہیں بن جاتے۔ شخصیت تب بنتی ہے جب اس میں ٹھہراؤ آجاتا ہے۔ دنیا سے جیتنا ہے تو خود میں لچک پیدا کرو۔ زبان کا صحیح استعمال ہماری شخصیت بناتا ہے۔"

اس کی ایک خوبی یہ تھی کہ وہ Quick Learner تھی۔ جلدی سیکھ جاتی تھی اور پھر اسے خود پر اپلائے کرنے کی کوشش کرتی۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ وہ کامیاب ہو پائے گی یا نہیں۔

✿••✿••✿••✿

ایڈنبرا: شب نو بجے

ایڈنبرا کا موسم رات کے اس پہر سہانا تھا۔ گرمی ہو یا سردی ایڈنبرا میں زیادہ تر رم جھم ہی رہتی ہے۔ جینی رابرٹ کا اپارٹمنٹ شہر کے مہنگے ترین علاقے میں تھا اور لونگ روم سے اس وقت روشنیوں سے جگمگاتا ایڈنبرا واضح دیکھا جا سکتا تھا۔ اس اپارٹمنٹ میں وہ اپنی ذاتی اسسٹنٹ کے ساتھ رہتی تھی۔ سلک کے ہلکے سے شب خوابی کے لباس میں وہ فریش ہونے کے بعد صوفے پر وہ دونوں گھٹنے موڑے بیٹھی تھی۔ گردن موڑ کر نیلے شیشے پر ٹپ ٹپ گرتی بارش کی بوندوں کو محسوس کر رہی تھی۔ لونگ روم کی ساری روشنیاں بجھی ہوئی تھیں اور لیمپ کی روشنی میں اس کا سراپا نمایاں تھا۔

آہٹ کی آواز سنائی دی اور اس کی اسسٹنٹ ہاتھ میں دو بلیک کافی کے مگ لیے آتی دکھائی دی۔ ایک مگ اس نے جینی کے سامنے رکھا اور دوسرا ہاتھ میں پکڑے وہ مخالف صوفے پر بیٹھ گئی۔

عینا صرف اسکی اسسٹنٹ ہی نہیں اس کی دوست بھی تھی۔ جینی کی ذاتی زندگی سے وہ بخوبی واقف تھی۔ اسے گلاس وال کو یوں گھورتے پا کر عینا نے کافی سپ لیتے بالآخر پوچھ ہی لیا۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" انداز میں تجسس تھا۔

"جوزف پیلس میں اس وقت کیا چل رہا ہو گا؟" وہ صوفے کی پشت پر ہاتھ جمائے اس پر ٹھوڑی ٹکائے یونہی بولی۔ نیلی آنکھوں کے تاثرات ہلکی روشنی میں چھپ سے گئے۔

"آخر تم Joseph's میں اتنا انوالو کیوں ہو؟" عینا اس خاندان کے بارے میں سن سن کر تھک گئی تھی۔ سیٹ پر سارا دن جوزف ہی ہوتے تھے۔ مسٹر جوزف اور جارج جوزف جبکہ ولیم جوزف کا ذکر وہ خود کرتی رہتی تھی۔ ان کی باتیں سن سن کر عینا کے کان پک گئے تھے۔

"میں نہیں جانتی۔ پر کچھ ہے جو مجھے اُس محل اور اُس کے مکینوں کی جانب کھینچتا ہے۔" وہ کھوئے کھوئے سے لہجے میں بولی۔

"مجھے تو وہ خاندان کسی ڈریکولا اور ویمپائرز کا خاندان لگتا ہے۔ عجیب سی پراسراریت ہے۔ آئی مین مسٹر جوزف کو دیکھ لو لگتا ہی نہیں تین جوان بچے ہیں اور بچے بھی عجیب سے۔۔"

اس کی بات سن کر جینی مسکرا دی اور پھر پلٹ کر اپنا کافی کا مگ اٹھا لیا۔

"عجیب کیا ہے؟"

"Joseph's Brothers"

"ایک اتنا Polished اور Organized جبکہ دوسرا اتنا Impulsive اور Careless اور انکا باپ تو کسی ویمپائر سیریز کا خوبصورت ڈریکولا لگتا ہے وداولڈ منی۔"

ان کے ناقدانہ تجزیے پر جینی کھلکھلا کر ہنس دی۔عینا باتونی لڑکی تھی اور وہ کسی کے بارے میں بھی ججمنٹ دینے سے پہلے ذرا نہیں سوچتی تھی۔

"اسی لیے مجھے وہ پسند ہیں۔"

"پراسرار لوگوں اور محلوں سے دور رہنا چاہیے۔میری گرینڈ ما کہا کرتی تھیں پراسراریت جان لے لیتی ہے۔"

"جان کی پرواہ کس کو ہے۔"کافی کا مگ لبوں سے لگاتے وہ شرارتی لہجے میں بولی۔

"تو پھر کیا سوچا ہے؟میرے خیال سے جارج جوزف اچھا لڑکا ہے۔"

جینی ایک بار پھر ہنس دی۔

"میں سنجیدہ ہوں۔میں نے اس کی آنکھوں میں تمہارے لیے پسندیدگی دیکھی ہے۔وہ کیئرنگ ہے اور اچھا بھی۔۔۔۔"

"For me those Bistre (کتھئی) Eyes Always"

لیم چھم سے وارد ہوا۔

"میں نے سنا ہے وہ صرف کام بگاڑتا ہے اور ذہنی طور پر بیمار ہے۔"

"وہ شخص جو کسی کی بھی پرواہ نہ کرتا ہو وہ صرف آپ کی پرواہ کرے تو کتنا اچھا لگتا ہے نا۔۔۔" وہ عجیب سی ٹرانس کی کیفیت میں بولی۔

"لیکن آس امید وہاں رکھنی چاہیے جہاں پر کچھ دکھائی دے۔ ولیم جوزف تمہارے ٹائپ کا نہیں ہے بلکہ وہ مجھے وہ بد دماغ لگتا ہے۔"

"ولیم جوزف ہے۔ اتنا تو بنتا ہے۔"

"لیکن میر اووٹ پھر بھی جارج کے لیے ہے۔ اگر وہ پرپوز کرے تو قبول کر لینا۔ کیونکہ زندگی ایک سمجھدار انسان کے ساتھ گزاری جاسکتی ہے کسی نفسیاتی کے ساتھ نہیں۔ تم ایکٹریس ہو اور اس حقیقت سے واقف ہو کہ یہ سب فلموں میں ہی اچھا لگتا ہے۔ اصل زندگی بہت مختلف ہوتی ہے۔"

اس بار جینی نے گہرہ سانس لیا۔ بات تو ٹھیک تھی اور وہ اس جارج کے احساسات سے واقف تھی۔ اس کی ذہین آنکھیں سب کہہ جاتی تھیں۔ اس نے کبھی زبان سے کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ کمپوزڈ لڑکا تھا یوں بھی مسٹر جوزف کے خلاف نہیں جاسکتا تھا۔

"تمہیں پتا ہے جارج اچھا لڑکا ہے کسی فلم کے ہیرو کی طرح اور ہیرو اکثر دنیا کی خاطر، اپنوں کی خاطر اپنی محبت چھوڑ دیتے ہیں۔ جنگیں لڑنے کی ہمت Impulsive لوگ ہی کرتے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے ولیم اینڈ Don'ts نیورورکڈ۔ وہ انکار کو سب سے پہلے رکھتا ہے اور مجھے اس کی یہ بات پسند ہے۔"

اس کی عجیب و غریب باتیں سن کر عینا نے گہرہ سانس لیتے ہوئے تاسف سے سر ہلایا۔ ایک اچھی بھلی ایکٹریس جو جانتی ہو کہ اصل زندگی، فلموں ڈراموں سے کتنی مختلف ہوتی ہے وہ پھر بھی کسی فیری ٹیل میں پھنس جائے تو اس پر افسوس ہی کیا جا سکتا ہے۔

"میں پھر بھی یہی کہوں گی کہ خوابوں کی دنیا سے باہر نکل آؤ۔ ولیم تمہارے لیے ٹھیک نہیں ہے۔ جسے شابز نہیں پسند وہ ایک ایکٹریس کو کیسے قبول کرے گا؟"

"یہ کام مسٹر جوزف پر چھوڑ دیتے ہیں ناں۔۔" اس بار اس نے مسکرا کر عینا کو دیکھا۔ دھیمی روشنی میں عینا اس کے تاثرات نہ جانچ پائی۔ بس اتنا سمجھ آیا تھا کہ جینی کے دماغ میں کچھ تو چل رہا تھا۔۔۔ پر کیا؟ یہ وقت آنے پر ہی پتا چل سکتا تھا۔

✿••✿••✿••✿

نام: ولیم جوزف

کمزوری: Orders

تم اسے حکم دے کر دیکھو وہ دھجیاں اڑا کر دکھائے گا۔

جوزف پیلس اس وقت خاموشی کی آماجگاہ بنا ہوا تھا البتہ چھری کانٹوں کی آواز سنی جا سکتی تھی۔ آج کافی دنوں بعد جوزف پیلس کے مکین اکٹھے رات کا کھانا کھا رہے تھے۔

سربراہی کرسی پر مسٹر جوزف بیٹھے تھے جبکہ ان کے دائیں اور بائیں نینی اور جارج تھے۔ نینی کے ساتھ ولیم بیٹھا تھا جبکہ جارج کے ساتھ نساء۔

مسٹر جوزف نے کنکھیوں سے جارج اور ولیم کو دیکھا۔ جارج کی آنکھ سوجھی ہوئی تھی جبکہ ولیم کا ہونٹ پھٹا ہوا تھا۔

انہوں نے گہرا سانس لے کر خود کو کچھ بھی کہنے سے روکا۔

کیمپنگ کے نام پر وہ فائٹنگ کر کے آئے تھے۔ ولیم کا تو سمجھ آتا پر جارج؟ انہیں حیرت ہوئی۔

جارج شرمندہ تھا پر مجال ہے جو ولیم کے چہرے پر شرمندگی کی ذرا سی بھی رمق ہو۔ وہ یوں کھا رہا تھا جیسے یہ اس کا آخری کھانا ہو۔ وہ جانتا تھا مسٹر جوزف اسے دیکھ رہے تھے پر فرق کس کو پڑتا تھا؟

جب سے مسٹر جوزف کو اس کے پاکستان جانے کا پتا چلا تھا وہ پریشان تھے اور سوچ سمجھ کر انہوں نے ایک فیصلہ کیا تھا جو ولیم کے ساتھ ساتھ باقیوں کے حق میں بھی اچھا تھا۔

جیسے ہی کھانا کھا لیا گیا تو مسٹر جوزف نے نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے سنجیدہ لہجے میں کہنا شروع کیا۔

"نینی، میں نے کافی سوچ بچار کے بعد بچوں کے حق میں کچھ فیصلے کیے ہیں مجھے امید ہے آپ انہیں سمجھانے میں کامیاب رہیں گی۔" نینی کے ساتھ ساتھ جارج اور نساء بھی چونک گئے البتہ ولیم کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ سب نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔ مسٹر جوزف نے ایک نظر نساء کو دیکھا جو انہیں ہی دیکھ رہی تھی۔ نساء اچھی بیٹی تھی۔ اس نے کبھی کوئی شکایت کا موقع نہیں دیا تھا وہ اپنی ماں جیسی تھی۔

"جیسا کہ سب کو معلوم ہے نینسی کے زندہ ہونے پر البرٹ نے اسے جیکب لیے مانگ لیا تھا۔ البرٹ چاہتا تھا ہماری رشتہ داری دوستی میں بدل جائے۔ نینسی کی ناگہانی موت نے سب بکھیر دیا۔" وہ سانس لینے کو رکے۔ باقی سب سانس روکے انہیں سن رہے تھے۔

"نساء کی گریجوایشن مکمل ہو چکی ہے۔ البرٹ اور میرا ماننا ہے نساء اور جیکب کی منگنی کر دی جائے۔"

نساء پر تو گویا دھماکہ ہوا۔ اس نے بے ساختہ ولیم کو دیکھا۔ ولیم کی نظر بھی اسی جانب اٹھی تھی۔ اس نے نساء کی آنکھوں میں بے یقینی سی دیکھی۔ وہ بولنا چاہتا تھا پر نساء نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے چپ رہنے کی التجا کی۔ وہ جبڑے بھینچے بیٹھا رہا۔ پھٹے ہونٹ کے مقام پر درد ہوا۔

"اور۔۔۔" اس بار ان کی نظریں ولیم کی جانب اٹھیں۔

"جینی اچھی لڑکی ہے میں چاہتا ہوں ولیم تم اسے سیریس لو۔۔" انکا مطلب وہ سمجھ چکا تھا اس لیے اس کے چہرے پر ابھرنے والا تمسخر واضح تھا جبکہ جارج کے چہرے پر بے یقینی واضح ہوئی۔

اس کے باپ نے ایک بار پھر اس پر ولیم کو فوقیت دی تھی۔ حالانکہ وہ بڑا تھا اپنے پیروں پر کھڑا ہو رہا تھا۔ اسے جینی پسند تھی وہ اسے ڈیزور کرتا تھا پھر اچانک ولیم۔۔۔۔؟ آخر ولیم ہی کیوں؟

اس نے زخمی نگاہیں اٹھا کر ولیم کو دیکھا۔ ولیم کی نظر بھی اس پل اٹھی۔ گہری کتھئی آنکھیں جارج کی زخمی آنکھوں سے ٹکرائیں۔ اسے پہلی بار ان آنکھوں میں نفرت محسوس ہوئی۔

آج ہی تو واپسی پر جارج نے بتایا تھا کہ وہ جینی کو پسند کرتا ہے۔ آج ہی نے اپنے چھوٹے بھائی سے اپنے دل کی بات شیئر کی تھی۔ جینی رابرٹ، جارج جوزف کی زندگی کی پہلی لڑکی تھی۔ اس نے تو جوزف کے ڈر سے کبھی کسی لڑکی سے دوستی تک نہیں کی تھی کہ کہیں مسٹر جوزف کو برا نہ لگ جائے۔ اس کے دوست بھی نہیں تھے۔ پھر کیوں وہ انہیں نظر نہیں آتا؟ اس کی Efforts نظر نہیں آتیں؟

جبڑے بھنچ گئے۔ چہرہ سرخ پڑ گیا۔ آنکھوں میں امڈ آنے والی نمی کو وہ پیچھے دھکیلنے لگا۔ چہرہ جھکا لیا مبادہ کسی کی نظر نہ پڑ جائے۔ نینی اور نساء دونوں سکتے کی حالت میں تھیں جبکہ مسٹر جوزف مزید کچھ کہہ رہے تھے۔ سبھی ہار منظور تھیں لیکن دل کی ہار؟؟ یہ تو تکلیف دہ عمل تھا۔

"چند دنوں تک البرٹ اپنے گھر پر تقریب رکھ رہا ہے۔ ہم سب مدعو ہیں۔ یہ بہترین موقع ہے تم سب ایک دوسرے کو اچھے سے جان لو۔ مجھے امید ہے کسی کو کوئی آبجیکشن نہیں۔۔"

"مجھے Objection (اعتراض) ہے۔"

مسٹر جوزف کے حکم پر ولیم جوزف اعتراض نہ اٹھائے یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ ان کی بات بیچ میں ہی کاٹ گیا۔ سیاہ ٹراؤزر شرٹ والے مسٹر جوزف نے بھنویں سکیڑ کر ولیم کو دیکھا۔

اس کی آواز پر گہری خاموشی چھا گئی۔ مسٹر جوزف جانتے تھے وہ اعتراض کرے گا۔

"فرمایئے کیا تکلیف ہے آپ کو؟" وہ چاہ کر بھی اپنا لہجہ نارمل نہیں رکھ پائے۔ ڈریکولا جیسی سرد آنکھیں شعلے اگل رہی تھیں۔

"جارج بڑا ہے۔ پہلا حق اس کا ہے۔ وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو رہا ہے شادی اس کی ہونی۔۔۔"

"جارج کے لیے میں نے کچھ اور سوچ رکھا ہے۔" مسٹر جوزف نے اس کی بات کاٹ دی۔ جارج یونہی گردن گرائے بیٹھا رہا۔ سر اٹھا کر ولیم کو دیکھنے کی ہمت نہیں تھی یا اس کا دل ہی نہیں تھا دیکھنے کا۔

"آپ کو پہلے سب سے پوچھنا چاہیے۔ ہم ہائی اسکول اسٹوڈنٹس نہیں ہیں جو سبھی فیصلے آپ لیں گے۔" وہ کرسی سے ٹیک لگائے بیٹھا رہا۔ سیدھا ہو کر ادب سے بیٹھنے کی زحمت بھی نہیں کی۔

آخر ان کے باپ کو سکون کیوں نہیں تھا؟ بیٹھے بیٹھائے بم پھوڑ دیتا تھا۔

مسٹر جوزف نے ضبط سے اس کی بات سنی اور پھر نینی کو دیکھا۔ جنہوں نے مسٹر جوزف کو پر سکون رہنے کا اشارہ کیا۔

"جینی اچھی لڑکی ہے۔" وہ گہرہ سانس لیتے بولے جبکہ نساء تو ابھی تک صدمے کی سی کیفیت میں تھی۔ اسے مسٹر البرٹ کا بیٹا جیکب کچھ خاص پسند نہیں تھا حالانکہ آج کل روشن ستارے کی مانند چمک رہا تھا۔

"جارج اچھا لڑکا ہے اور وہ دونوں ایک دوسرے کو ڈیزور۔۔۔"

"بکواس بند کرو ولیم۔۔۔" مسٹر جوزف کا ضبط جواب دے گیا۔ زوردار مکّا میز پر پڑا۔ نساء اچھل کر رہ گئی جبکہ جارج یونہی بت بنے بیٹھا رہا۔ اس نے آنکھیں میچ لیں۔

"آخر تمہارے ڈرامے کب بند ہوں گے؟" شدت ضبط سے انکا چہرہ سرخ پڑ گیا۔

"میں ڈرامے کر رہا ہوں؟ سیریسلی؟ آپ کو کیا ہو گیا ہے ڈیڈ؟" اس کی آواز تیز ہوئی۔ "آخر آپ کیوں چاہتے ہیں ہم روبوٹ بن کر آپ کے اشاروں پر چلتے رہیں؟" اس بار وہ سیدھا ہو بیٹھا۔ اپنے لیے، جارج کے لیے اسے یہ جنگ لڑنی ہی تھی۔

"روبوٹ؟ ہر طرح کی آزادی ہے تم سب کو۔ شاہانہ زندگی جی رہے ہو۔ لوگ ترستے ہیں اس زندگی کے لیے اور تم سب کو بن مانگے پورا آسمان ملا پھر کیا چاہیے؟"

آج دونوں باپ بیٹا ایک دوسرے کو مات دینے کی کوشش میں تھے۔

"آپ کو لگتا ہے پر کاٹ کر اڑنے کے لیے چھوڑ دینا آزادی کہلاتا ہے؟"

نینی اسے کندھے سے پکڑ کر چپ کروانے کی کوشش میں تھیں پر سفید ٹی شرٹ پہنے لال بھبھو کا ولیم چپ کر جائے یہ ممکن ہی نہیں۔

"مجھے تمہاری بکواس نہیں سننی۔" مسٹر جوزف ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"آپ کو سننی ہو گی۔" وہ بھی میز پر ہاتھ مارتا اٹھ کھڑا ہوا۔ یہاں بات صرف اپنی نہیں اپنے بہن بھائیوں کی تھی۔ ڈیفالٹ پیس انہیں دکھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ نینسی کے لیے وہ کچھ نہیں کر پایا تھا اسے آج تک یہ پچھتاوہ سکون سے جینے نہیں دیتا تھا پر نساء اور جارج کے لیے وہ کسی بھی حد تک جا سکتا تھا۔

مسٹر جوزف نے بالوں میں ہاتھ پھیرتے خود پر ضبط کیا۔

"نساء کی شادی جیکب سے جبکہ ولیم کی جینی سے ہو گی۔ نینی یہ بات آپ انہیں سمجھا دیں۔" وہ حکم دیتے، کرسی سرکا کر پلٹ گئے۔ انکا مزید ولیم کے منہ لگنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

"اس جنم میں تو ناممکن ہے یہ آپ بھی جان لیں۔" اس نے اونچی آواز میں چلانا ضروری سمجھا۔ مسٹر جوزف نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جا رہے تھے۔ جانتے تھے ولیم پھڑ پھڑا کر رہ جائے گا کیونکہ ڈریکولہ باپ کے سامنے ویمپائر بیٹے کی نہیں چل سکتی۔

ان کے جاتے ہی ولیم نے کرسی کو ٹھوکر دے ماری تبھی جارج جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"انف ولیم۔۔۔" اس کی آواز اونچی تھی۔ لہجہ بھرایا ہوا اور چہری سرخ انگارہ لگ رہا تھا۔

"بند کرو یہ ناٹک۔۔" وہ خود پر ضبط کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"جارج میں۔۔۔۔" ولیم نے کچھ کہنا چاہا۔

"مبارک ہو تم ایک بار پھر جیت گئے۔ بنا کچھ کرے بنا کچھ کہے۔ اب اس ڈرامے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ جانے کس بات کو دل میں لیے بیٹھا تھا۔ شاید جینی کی آنکھوں میں اپنے لیے وہ پسندیدگی نہیں دیکھ پایا جو ولیم کے لیے ابھرتی تھی۔

"جارج۔۔۔" ولیم نے بے یقینی سے اسے پکارہ۔ جارج کی نم آنکھیں اسے تکلیف دے رہی تھیں۔

"بس کرو۔ مزید ڈرامہ نہیں چلے گا۔" وہ کرسی پیچھے دھکیلتا ڈائننگ ہال سے نکلتا چلا گیا۔ پیچھے ولیم ساکت کھڑا رہا۔ نساء یونہی بیٹھی رہی اور نینی کے چہرے پر افسوس تھا۔ جوزف پیلس کو جانے کس کی نظر لگ گئی تھی۔ انکا دل دکھ رہا تھا۔

ولیم نے خشک لبوں پر زبان پھیرتے نساء کو دیکھا جو سر جھکائے سسک رہی تھی۔ وہ اتنی بڑی ہو گئی تھی کہ اس کی شادی ہونے جا رہی تھی؟ اسے اپنا گھر چھوڑنا پڑتا؟ وہ بھی ایک ایسے لڑکے کے لیے جو اسے پسند نہیں تھا۔ اسے شابز برا نہیں لگتا تھا پر شابز سے تعلق رکھنے والے شخص سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی اس کی زندگی میں آنے والا انسان اس کے باپ جیسا ہو جسے اپنی پہچان اپنی اولاد سے زیادہ عزیز ہو۔ وہ مزید ایسی زندگی نہیں جینا چاہتی تھی جو اب تک جی رہی تھی۔ اسے ایک نارمل زندگی چاہیے تھی۔

"نساء۔۔" ولیم تیزی سے میز کے گرد گھومتا اس کی جانب بڑا جو ٹھوڑی گردن سے ٹکائے بے آواز رو رہی تھی۔

"نساء میرے بچے۔۔" نینی اسے روتے دیکھ کر پریشان ہوئیں۔ ولیم تیزی سے اس کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھتا اس کے ہاتھ تھام گیا۔ سرخ بالوں والی نساء بھل بھل آنسو بہانے میں مصروف تھی۔

"ادھر دیکھو میری طرف۔۔۔" ولیم نے اس ٹھوڑی اوپر کی۔ نساء کے گالوں پر آنسوں بہہ رہے تھے۔

"مجھے نہیں کرنی شادی۔۔۔" وہ سسکنے لگی۔

"پلیز روؤمت۔ میں ہوناں۔ میں دیکھتا ہوں کون کرتا ہے شادی۔" اس نے نساء کا سر اپنے سینے سے لگایا اور ہاتھ پکڑے اسے چپ کروانے کی کوشش کی۔

"پلیز چپ ہو جاؤ۔۔۔" وہ اسے بچوں کی طرح پچکارنے لگا۔ نینی حیرت سے اسے تکے گئیں۔ ولیم اچانک ہی اتنا بڑا ہو گیا تھا۔ کب سے؟ جب سے وہ عیسی ماموں سے مل رہا تھا تب سے۔ جب سے وہ اپنی پہچان کی تلاش میں نکل پڑا تھا تب سے۔ اس کے اندر کا وہ ڈر اور خوف ختم ہو چکا تھا جو ایک نفسیاتی مریض کو کبھی سر اٹھا کر جینے نہیں دیتا تھا۔ جو اسے ہمیشہ لوگوں کے سامنے جھکا کر رکھتا ہے۔ ولیم جان گیا تھا اس کی پہچان کیا ہے پھر کیوں ڈرنا؟

"تمہیں جیکب پسند ہے؟" اس نے جھکتے ہوئے پوچھا۔ نساء نے سسکتے ہوئے ناں میں سر ہلایا۔ حالانکہ جانتی تھی وہ مسٹر جوزف کو کبھی انکار نہیں کرے گی۔ وہ فرمانبردار بیٹی تھی۔

"ڈونٹ وری میں اسے دیکھ لوں گا۔۔۔" جھکتے ہوئے نساء کے سر پر بوسہ دیا اور اسے یوں تسلی دی جیسے وہ واقعی دیکھ لے گا۔ نینی نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے کچھ نہ کرنے کی التجاء کی۔ ولیم نے بھی انہیں آنکھوں ہی آنکھوں میں بے فکر رہنے کا اشارہ کیا۔ ہاں وہ اپنے لیے مسٹر جوزف سے مار کھا سکتا تھا، گالیاں سن سکتا تھا پر اپنے بہن بھائیوں کا دل ٹوٹتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اسکا دماغ اب تیزی سے کام رہا تھا۔

جبکہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئیں تو جارج اپنے کمرے میں سر تھامے بیٹھا تھا۔ اس کے بیڈ کے سارے تکیے زمین بوس تھے۔

"کیوں۔۔۔ آخر ہر بار میں ہی کیوں؟" وہ اٹھ کر آئینے کے سامنے آیا۔ وہ ذہین تھا، محنتی، ایماندار اور نرم دل! پھر ہر بار ہار اس کے مقدر میں کیوں؟ کیوں تمام کوششیں کر کے بھی مسٹر جوزف کو نظر نہیں آتا تھا؟ یا پھر انہیں اس کی خوشی نظر نہیں آتی تھی؟

گلے میں اٹکے آنسوؤں کا گلہ گھونٹے وہ چہرے پر آیا پسینہ صاف کر رہا تھا۔ پورے جسم کپکپانے لگا۔ پچھلے چند مہینے جو اس نے جینی رابرٹ کے ساتھ گزارے اس میں وہ اسے پسند آگئی تھی۔ حالانکہ پہلے پہل وہ اس کے لیے عام لڑکی تھی لیکن قریب رہنے پر اس نے جانا کہ وہ ہو بہو اسی جیسی تھی۔ ذہین اور محنتی۔ باقی ایکٹریسز کی طرح وہ نقلی بن کر نہیں رہتی تھی اور اسی بات نے جارج کا دل جیت لیا۔

اس کی آنکھوں سے چھلکتی پسندیدگی سے جینی واقف تھی۔ وہ اسے نہ ملتی تو شاید گزارا ہو جاتا پر وہ اسی کے بھائی کو مل رہی تھی بنا کسی محنت کے۔ بنا کسی ریاضت کے یہ قبول کرنا مشکل تھا اور پھر جینی نے ہی ولیم کا نام لیا ہو گا یہ مزید تکلیف دہ تھا۔

"ہر بار میں ہی کیوں؟ ہر بار میرے مقدر میں کیوں؟" وہ واقعی ہرٹ ہوا تھا۔ آئینے کے سامنے کھڑے جارج نے آستین سے اپنی آنکھوں کی نمی صاف کی۔ زخمی آنکھ تکلیف سے بلبلا اٹھی پر دل کی تکلیف زیادہ تھی۔ یہ تو طے تھا وہ اپنے باپ کو ناراض نہیں کر سکتا۔ جینی رابرٹ سے بھی کچھ نہیں کہہ سکتا پیچھے بچا تھا ولیم! جارج کو پہلی بار ولیم سے نفرت محسوس ہوئی۔ اس کے دل میں حسد ابھر آیا تھا۔ ایک عورت کو لے کر حسد! جس پر دنیا کا پہلا قتل ہوا تھا۔ کیا وہ سہہ پائے گا یا پھر حسد کا شکار جارج جوزف عنکبوت بن جائے گا؟

✿••✿••✿••✿

رئیس مینشن میں اترنے والی اگلی صبح سوگ میں لپٹی ہوئی تھی کیونکہ رات کے کسی پہر بلقیس بیگم رخت سفر باندھ گئیں۔ رئیس کے لیے ان کی موت کسی دھماکے سے کم نہیں تھی۔ وہ تو جیسے سکتے میں چلا گیا۔ یہ اس کی زندگی کا سب سے بڑا نقصان تھا کہ اس کی ماں بنا کچھ کہنے سنے ہی چلی گئی تھیں۔ آخر کیوں؟ اس کے اپنے ہمیشہ چھوڑ کیوں جاتے تھے؟ نم آنکھوں سے وہ بار بار بلقیس بیگم کا ماتھا چوم رہا تھا۔ کاش وہ ایک بار اٹھ جاتیں اس سے جتنے چاہے وعدے لے لیتیں وہ سب پورے کرتا پر کاش وہ اٹھ جاتیں۔

پورا شہر رئیس مینشن میں امڈ آیا تھا۔ شہر کی معزز ہستیاں، رئیس گروپ کے سبھی ملازم، کاروباری لوگ سبھی وہاں موجود تھے۔ گاڑیوں کی ایک لمبی قطار تھی اور پاؤں رکھنے کی جگہ نہیں مل رہی تھی۔ سفید شلوار قمیص میں دلوں پر راج کرنے والے رئیس اورنگزیب کے لیے اپنے دل کو سنبھالنا دنیا کا سب سے مشکل کام تھا۔ وہ بار بار ذرتاش کو چپ کروا رہا تھا جس کی طبیعت بگڑ رہی تھی۔ رشتوں کے نام پر ان کے پاس لمبی چوڑی فہرست تھی پر اپنوں کے نام پر گنے چنے رشتے ہی بچے تھے۔ ان میں سے سب سے مہربان ہستی انہیں چھوڑ گئی تھیں۔

نماز جنازہ عشاء کے بعد تھی۔ عالمگیر خاندان پہنچ چکا تھا اور اس کے ساتھ ہی پولیس کی نفری، جو سیکیورٹی کے لیے تھی اس کے علاوہ، جازب لغاری کے کیس کے سلسلے میں وہاں پہنچ چکی تھی۔

مراد عالم نے رئیس کے کان میں سرگوشی کی۔ ایس ایچ او خود آیا تھا۔ جازب لغاری کی ویڈیو نے سوشل میڈیا پر آگ سی لگا دی تھی۔ توپوں کا رخ رئیس گروپ کی جانب تھا۔ جو لوگ اس کی ڈارک سائیڈ سے واقف تھے وہ جانتے تھے اس سب کے پیچھے وہی تھا جبکہ باقی جازب لغاری کو ہی برا بھلا کہہ رہے تھے۔ اس کی روتی بلکتی بیوی کے بیان لیے جا رہے تھے۔ میڈیا سچی جھوٹی خبریں چھاپ رہا تھا۔ عروزہ سائے کی طرح رئیس کی حفاظت کر رہی تھی جبکہ مراد عالم نے باقی انتظام سنبھال رکھا تھا۔

رئیس، ایس ایچ او کے ہمراہ مینشن کے پچھلے حصے میں آیا۔

"میں معذرت خواہ ہوں مسٹر اورنگزیب صاحب کے ایسے موقع پر آنے پڑا لیکن جازب لغاری کی خودکشی نے تہلکہ مچادیا ہے۔ توپوں کا رخ آپ کی جانب ہے۔ آپکا بیان لازمی ہے۔" ایس ایچ او کو اپنی وردی کا احساس تھا ورنہ اس کے دل میں رئیس کا جتنا رعب تھا وہ وہاں کبھی نہ آتا۔ پر اوپر سے احکام آئے تھے۔ اسے نوکری بھی پیاری تھی۔

"ایس ایچ او صاحب آپ یہ چاہتے ہیں میں اپنی ماں کی میت کو چھوڑ کر ایک دھوکے باز کے لیے بیان دیتا پھروں؟" سرخ سوجھن کا شکار آنکھیں جیسے شعلے اگل رہی تھیں۔

"مجھے احساس ہے لیکن۔۔۔"

"لیکن کیا؟ جازب لغاری کی ایک غلطی پر میں نے کروڑوں کا نقصان سہا۔ لوگوں کی باتیں سنی۔ میں نے اف تک نہیں کی اب اگر اس دھوکے باز کی غلطی پکڑی گئی اور اُسے سدھارنے کی بجائے اُس نے موت کو گلے لگالیا تو میں کیا کروں؟"

"آپ کا ایک چھوٹا سا بیان۔۔۔"

"ایس ایچ او صاحب!" وہ گرجدار آواز میں بولا اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ ہاتھ پیچھے باندھے وہ پورے قد سے کھڑا تھا۔ ایس ایچ او بیٹھا نہیں رہ پایا۔ اورنگزیب جیسے خاندانوں کی وجہ سے پولیس والے کبھی اپنا کام ٹھیک سے نہیں کر پاتے۔ مجبوراً انہیں بِکنا پڑتا ہے یا پھر انہیں ہٹا دیا جاتا ہے۔

یوں تو علاقے کے ایس ایچ او کے رئیس کے ساتھ اچھے تعلقات تھے پر اس وقت وہ خود پھنسا ہوا تھا۔

"آپ بنا کسی ثبوت کے رئیس کی سلطنت میں داخل نہیں ہو سکتے یہ جانتے ہیں۔ پھر بھی میں نے آپ کو عزت بخشی تو اس عزت کا احترام کریں۔ میں اپنی باتیں دہرانے کا قائل نہیں ہوں۔" وہ رئیس تھا جس کی آواز میں شیر جیسی گرج تھی۔ ایس ایچ او نے سمجھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ بنا کسی پرمٹ کے وہاں نہیں آ سکتا تھا اور تو اور بنا کسی ثبوت کے رئیس پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا تھا۔ یہاں تک کہ ثبوت ہوتے ہوئے بھی اس پر ہاتھ ڈالنا مشکل کام تھا۔

"مسٹر اورنگزیب میں آپ کے جذبات کا احترام کرتا ہوں۔ آپ اس وقت جس نقصان سے گزر رہے ہیں اسی نقصان سے جازب لغاری کا خاندان گزر رہا ہے۔ مجھے امید ہے آپ جلد تعاون کریں گے۔ پریشانی کے لیے معذرت خواہ ہوں۔"

رئیس نے گہرہ سانس لے کر اس کی بات سنی اور پھر رخ موڑ کر مراد عالم کو دیکھا جو اس کے پیچھے کھڑا تھا۔

"مہمانوں کی مہمان نوازی میں کوئی کمی نہیں آنی چاہیے۔" وہ سنجیدہ لہجے میں حکم دیتا باہر نکل گیا جبکہ مراد اثبات میں سر ہلاتا اس کے پیچھے لپکا۔ ایس ایچ او مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔ ان امیر زادوں نے قانون کو کھلونہ بنا رکھا تھا۔

"سو دن چور کے، ایک دن بادشاہ کا۔" ایس ایچ او نے گہرا سانس لیتے کہا۔ اسے شک نہیں پورا یقین تھا کہ جازب لغاری کی موت کا زمہ دار رئیس اورنگزیب تھا لیکن ثبوت نہ ہونے کے باعث وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

✿••✿••✿••✿

زندگی میں یہ پہلی بار ہوا تھا کہ جارج نے ولیم کے لیے دروازہ بند کیا تھا۔ کئی بار مسلسل کھٹکانے پر بھی اس نے دروازہ نہیں کھولا۔ ولیم دروازے کے باہر ہی ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

"تمہیں یاد ہے جب ہم بچپن میں نارنیہ مووی کے سین ری کری ایٹ کرتے تھے تو بس ہم چار ہی ہوتے تھے۔ تم ایک بڑے زمہ دار بھائی کی طرح، میں کام بگاڑنے والے کی طرح، نینسی بہادر اور نساء اسپیشل! تمہیں پتا ہے ہمیں کبھی کسی باہر والے کی ضرورت نہیں پڑی۔" وہ جانتا تھا دروازے کی دوسری جانب جارج سن رہا تھا۔

"ہم چاروں ایک دوسرے کے لیے کافی تھے۔ ہم نے کبھی باہری دوست نہیں بنائے۔ پھر سب بدل گیا جب ہم چاروں میں ایک باہر والا آ گیا۔" اس کا اشارہ احمد کی جانب تھا جس کی وجہ سے نینسی چلی گئی۔

"وقت بہت تیزی سے گزر گیا۔ یوں لگتا ہے جیسے سب خواب ہے اور ریت کی طرح پھسلتا جا رہا ہے۔ مجھے ڈر لگتا ہے جارج کہیں ہمارے ہاتھ خالی نہ رہ جائیں۔"

دروازے سے گردن ٹکائے وہ بڑے دنوں بعد یوں بات کر رہا تھا۔ کتھئی آنکھیں کتھئی بال دونوں اسی کی طرح الجھے الجھے سے تھے۔ راہداری میں جلتی مشعلیں اس کے خوف کی گواہ تھیں۔

"یقین کرو میں، ہم میں، کبھی کسی باہر والے کو نہیں لاؤں گا۔ تمہیں جینی پسند ہے وہ تمہیں ہی ملے گی۔ تم جانتے ہو میں ولیم ہوں اور ولیم جوزف اپنی چیزوں کے علاوہ کبھی کسی کو نہیں دیکھتا۔" وہ اسے یقین دلانا چاہتا تھا پر شاید دروازے کے پار بیٹھا جارج چاہ کر بھی یقین نہیں کر پا رہا تھا۔

"جارج۔۔۔۔" اس نے پوری شدت سے پکارہ۔ دروازے کے اس پار بیٹھے جارج نے دروازے سے گردن ٹکا دی۔ اس کا دل کیا تھا کہ اٹھ کر دروازہ کھولے اور ولیم کو گلے لگا لے پر وہ یہ بھی جانتا تھا ولیم اب اس کے لیے زندگی بھر کا غم بننے والا تھا اسی لیے وہ بیٹھا رہا۔ نم آنکھیں لیے۔ آج اسے مسٹر جوزف نے ہرٹ کیا تھا۔ آج وہ ان کی بے اعتنائی برداشت نہیں کر پا رہا تھا یا پھر معاملہ دل کا تھا اسی لیے تکلیف زیادہ تھی۔

"میں ڈیڈ کو منالوں گا۔ تم پریشان مت ہو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ جو جانتا تھا اب کچھ بھی ٹھیک نہیں ہو گا وہ اسے تسلی دے رہا تھا جو سب ٹھیک کر کے رکھتا تھا۔

"تم کہو گے تو میں دور چلا جاؤں گا۔ جینی اور تم سے۔ تم سب سے۔ تم جیسا کہو گے ویسا کروں گا پر پلیز دروازہ کھول دو۔"

پر اس نے دروازہ نہیں کھولا۔ ہمیشہ اسے منانے والا آج خود ناراض ہو گیا تھا۔ ولیم جانے کتنے گھنٹے بیٹھا رہا پھر شکستہ قدموں سے اٹھ کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ موریفیلڈ میں اتری یہ رات سوگوار تھی۔

✿••✿••✿••✿

لاہور: دن دو بجے!

مینجمنٹ کے کمرے میں اس وقت عجیب سی خاموشی چھائی تھی۔ لمبی میز کے پار تین کرسیاں رکھی تھیں جن پر مینجمنٹ ٹیم بیٹھی تھی۔ میز کے دائیں جانب رکھے صوفے پر سر واصف اور میڈم رشنا بیٹھے تھے جبکہ بائیں جانب والے پر صفدر اور فجر ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھے تھے۔ گردن دونوں کی اکڑی ہوئی تھی اور آنکھیں جتلاتی ہوئی تھیں کیونکہ ان کے سامنے ہی زین سبحانی، فروہ سہیل، ذرقا سہیل اور سہیل اصغر کھڑے تھے۔ سب حیران تھے اور سب سے زیادہ حیران پریشان سہیل اصغر تھا جو یہ جان کر صدمے میں چلا گیا تھا کہ اس کی بیٹیوں نے کیا کارنامہ سرانجام دیا تھا۔

ثبوت ڈھونڈنا جتنا مشکل تھا اتنا ہی آسان۔ صفدر اس روز ذرقا کو جس ریستوران لے کر گیا تھا وہیں کے کیمرہ ریکارڈنگ سے ثبوت مل گیا تھا۔

ذر قانے اس کی گاڑی میں بیٹھے جانے کس وقت اس کے بیگ سے الماری کی چابی نکالی تھی اور جب وہ ریستوران میں بیٹھے تھے تب وہ فریش ہونے کا بہانہ کر کے باہر آئی اور چابی باہر کھڑے زین اور فروہ کو دے دی۔ جنہوں نے ایک دن پہلے ہی سہیل اصغر کا فائدہ اٹھاتے ہوئے پراجیکٹ روم کا کیمرہ خراب کیا تھا۔ سہیل اصغر نہیں جانتا تھا وہ کس نیت سے وہاں آئے تھے اور پھر اپنا کام کرنے کے بعد وہ واپس ریستوران پہنچے۔ ذر قا کال سننے کے بہانے باہر نکلی اور چابی واپس لے لی۔

انہوں نے اپنی طرف سے اچھا پلان بنایا تھا اور پلان کے مطابق سب ٹھیک ہو گیا پر وہ غلطی کر گئے اور بھول گئے کہ ریستوران کے باہر بھی کیمرہ لگا تھا۔

پیسے والے آدمی کے لیے کیمرہ ریکارڈنگ چیک کرنا مشکل کام نہیں اور یہاں صفدر نے اپنے باپ کا سہارا لیا تھا۔

ریکارڈنگ میں صاف دیکھا جا سکتا تھا کہ ذر قانے فروہ نے چابی پکڑائی تھی اور ڈیپارٹمنٹ کے مین گیٹ سے انہیں اسی آتے اور جاتے دیکھا جا سکتا تھا۔

زین سبحانی کے ساتھ ساتھ فروہ سہیل کا چہرہ خفت سے سرخ پڑا۔ سہیل اصغر کو جانے دیا گیا کیونکہ فروہ نے خود اقرار کیا تھا کہ اس کے باپ کی اس میں کوئی غلطی نہیں تھی۔

"فروہ سہیل۔۔؟؟" میڈم رشنا نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ فروہ کی گردن مزید جھک گئی۔ چہرہ شرمندگی سے سرخ پڑ گیا جبکہ آنکھوں میں نمی ابھر آئی۔ اتنی محنت سے اس نے اپنا نام بنایا تھا اور ایک چھوٹی سی غلطی نے اسے ڈبو دیا۔

"ایم سوری۔۔۔" اسے اپنے باپ کے سر جھک جانے پر رونا آ رہا تھا۔

ایسا تو کبھی اس نے سوچا ہی نہیں تھا کہ یوں رسواء ہونے پڑے گا۔ ذرقا کے لیے یہ کوئی بڑی بات نہیں تھی اسے صفدر کی بولتی آنکھوں سے الجھن ہو رہی تھی جبکہ زین سبحانی خفت سے سرخ پڑ چکا تھا۔ کبھی سوچا نہیں تھا اس کا کھیل یوں الٹ جائے گا۔ وہ جبڑے بھینچے کھڑا رہا۔

"آپ خود بتائیں آپ سب کے ساتھ کیا کِیا جائے؟" مینجمنٹ نے براہ راست پوچھا۔ فروہ کا سر مزید جھک گیا۔ مینجمنٹ سخت تھی۔ اسٹوڈنٹس سے اس قسم کی سیاست اور اتنی بڑی غلطی کی شاید ہی انہوں نے توقع کی ہو۔

"آپ لوگ بتائیں کیا چاہتے ہیں آپ؟ ان سب کے ساتھ کیا کیا جائے؟" انکا رخ اب فجر اور صفدر کی جانب تھا۔ فجر نے گردن موڑ کر تینوں کو دیکھا۔ فروہ کا سر اٹھا اور پل بھر کو دونوں کی نظریں ٹکرائیں۔ اس نے فروہ کی آنکھوں میں بہت کچھ دیکھا۔ بہت کچھ چھن جانے کا خوف۔ محنت سے بنائی گئی پہچان ختم ہو جانے کا خوف۔ اگر انہیں نکال دیا تو؟ کریئر ختم ہو جانے کا خوف۔ اس کے باپ کو بے عزت کر کے نکال دیا جائے کا خوف۔ بہت سارے خوف ایک محنتی اور ذہین لڑکی کی آنکھوں میں ایک ساتھ نظر آئے۔ فجر نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ اسے بدلہ لینے سے اس وقت کون روک سکتا تھا؟ اس کے اندر کی سیاہی چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی سامنے کھڑے ان تین اسٹوڈنٹس کو رسواء کر کے نکلوا دیا جائے۔

"فجر اگر کبھی تمہیں کچھ چننے کا موقع ملے تو حکمت چننا، دانائی چننا۔ بڑا پن چننا۔" سفید فراک والی لڑکی آوازیں سماعت سے ٹکرانے لگیں۔

"بولو اب۔۔" صفدر نے اس کی جانب جھکتے سرگوشی کی۔ فجر نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔ اندر یک دم ہی بے چینی بڑھ گئی۔

"فجر ٹوٹ سکتی ہے جھک نہیں سکتی۔" اور انہیں معاف کرنا مطلب خود کو جھکانا تھا۔

جب اچھائی برائی کی جنگ انسان کے اندر چھڑ جائے تو پھر سانس لینا مشکل ہو جاتا ہے اور فجر اس وقت عجیب سی کیفیت کا شکار تھی۔ ایک دن پہلے والی فجر کبھی معاف نہ کرتی پر پچھلی رات جو اس نے سیکھا تھا، کیا تو وہ اسے جانے دیتی؟ کیا وہ ان کتابوں اور ان کی باتوں کو رائیگاں جانے دیتی جو اچھائی کا سبق دیتی تھیں اور جنہیں وہ پوری توجہ سے پڑھتی تھی۔

دماغ سائیں سائیں کرنے لگا۔ زین سبحانی نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔ اسے اپنے کیے پر شرمندگی نہیں تھی بلکہ اسے اپنے پکڑے جانے پر غصہ آرہا تھا۔

"فجر۔۔۔؟؟" میڈم رشنا کی آواز گونجی اور فجر نے چشمہ آنکھوں سے اتار کر بالوں پر جماتے، آنکھیں مسلیں۔ سر چکرا گیا تھا۔ آنکھوں کے سامنے دھند سی چھا گئی تھی۔

حکمت کسی کو اپنے سامنے جھکانے کا نام نہیں ہے۔ بلکہ حکمت یہ ہے کہ تم اپنے کسی عمل کی وجہ سے اپنی نظروں میں نہ گر جاؤ۔ اپنے قد اونچا رکھنے کے لیے کبھی کبھی لچک پیدا کرنی پڑتی ہے وہ لچک جس میں کوئی بھی نہ ٹوٹے۔

اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ بڑا مشکل ہوتا ہے اپنے برے سایوں کو ہرانا۔ اپنے ڈیمن سے جیتنا۔ اچھائی برائی سب میں ہوتی ہے۔ وہ پہلے ہی سب کا ٹوور خراب کر کے بدلہ لے چکی تھی اگر مزید برا چاہتی تو اس لکیر سے نیچے گر جاتی جو دانائی اور برائی کے درمیان قائم ہے۔ بڑائی کا مطلب یہ ہر گز نہیں کہ اپنا قد اونچا کرنے کے لیے دوسرے کو جھکا دو۔

کامیابی کے زینوں تک پہنچنا آسان کام ہے اور ان پر چڑھنا سب سے مشکل۔ بازو سینے پر باندھتی بالآخر وہ بول پڑی۔

"اگر یہ سب اپنے کیے پر شرمندہ ہیں تو ہم ان کی معذرت قبول کر لیں گے۔"

صفدر نے باقاعدہ گردن موڑ کر حیرت سے اسے دیکھا جبکہ میڈم رشنا کے ساتھ ساتھ زین، فروہ اور ذرقا بھی حیران ہوئے۔ مینجمنٹ نے سکھ کا سانس لیا۔

"کیا تم سب اپنے کیے پر شرمندہ ہو؟" تینوں سے پوچھا گیا۔

"ایم سوری فجر۔۔۔" فروہ دل و جان سے شرمندہ تھی۔ ذرقا نے بھی معذرت کی۔ ایک سوری سے عزت بچ رہی تھی یہ برا نہیں تھا۔

"ایم سوری۔۔۔" زین سبحانی جبڑے بھینچے بولا کیونکہ فروہ اسے کہنی سے ٹھوکے دے رہی تھی۔

"اٹس اوکے۔۔۔"

زین کی انا ایک بار پھر مجروع ہو گئی تھی۔ اسے نکال دیا جاتا تو ٹھیک تھا پر فجر نے معاف کر دیا تھا یہ چانٹا زوردار تھا۔ فروہ اور ذرقا کو بھیج دیا گیا تھا جبکہ زین سبحانی کو سوسائٹی سے سسپینڈ کر دیا گیا۔ یہ مینجمنٹ کا فیصلہ تھا۔ چار دن بعد پراجیکٹ ایونٹ تھا اور فجر کا پراجیکٹ مکمل ہو چکا تھا میڈم رشنا اس حوالے سے پرسکون تھیں۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں مینجمنٹ کے آفس سے باہر نکل آئے۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟ بخار تو نہیں ہے؟" صفدر نے اس کی پیشانی چھونا چاہی۔

"پرے مرو۔" فجر نے تھپڑ مارتے اس کا ہاتھ جھٹکا۔

"میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا؟ فجر معراج نے معاف کر دیا؟ یہ کیسے ممکن ہے؟ فجر معراج جھک گئی؟ کیسے؟ کوئی مجھے سمجھاؤ میں بے ہوش ہو جاؤں گا۔۔" وہ اس کے آگے الٹے قدموں سر پکڑے چل رہا تھا بلکہ ڈرامے کر رہا تھا۔

"جھکی نہیں ہوں میں۔" ہلکے لیموں رنگ کی لان کی لمبی فراک پہنے، بیگ کندھے پر ٹکائے، دراز قد فجر راہداری میں قدم دھرتے آگے بڑھ رہی تھی۔ بال جوڑے میں قید تھے اور دھلا ہوا چہرہ پہلے سے پر سکون تھا۔

"خود میں لچک پیدا کی ہے۔" اسکی بات صفدر کے سر سے گزر گئی۔

"چلو پھر اسی خوشی میں گاؤن کی تصویر تو دکھاؤ۔۔" وہ چوڑا ہوا۔

"ایونٹ پر ہی دیکھنا۔" اس نے تصویر بنائی بھی نہیں تھی۔

"ویسے ماڈل کے بارے میں کیا خیال ہے؟" صفدر نے رک کر پوچھا۔

"اگر تم کہو تو میں ڈیڈ سے بات کر کے رئیس سے ایک عدد ماڈل۔۔"

"نہیں۔۔۔" فجر نے اس کی بات کاٹ دی۔ پہلے پہل اس نے بھی ماڈل کا سوچا تھا۔

"فجر کا پہلا کام فجر کے نام۔" وہ مسکرائی۔ دل آج ہلکا ہلکا سا تھا۔ اپنا آپ کسی پرندے کی طرح لگ رہا تھا جس نے اڑنا سیکھ لیا ہو اور اب وہ آسمان کی وسعتوں کو تسخیر کرنے کے لیے تیار ہو۔

"سوچا اپنا پہلا نائٹ میئر خود ہی اوڑھ لوں۔۔"

"یعنی بجلی گرانے کا ارادہ ہے۔۔"

"تباہی لانی ہے تو بتاؤ یہ بجلیاں گرانے والے سستے کام مجھے نہیں آتے۔" وہ اب کیفے کی اور بڑھ رہے تھے۔

"اسی بہانے ایک عدد ٹھنڈا شربت تو بنتا ہے۔" وہ بتیسی دکھاتے پھیل گیا۔

"زہر پی لو۔" فجر نے تپ کر کہا۔

"یعنی تم چاہتی ہو تمہارا بھائی بھری جوانی میں مر جائے؟" وہ منہ بسور کر بولا۔

"بھائی وائی نہیں بناتی میں۔" چہرے کے زاویے بگڑ گئے۔

"میں تو بن جاتا ہوں۔" وہ اترایا۔ فجر نے رخ موڑ کر کنکھیوں سے اسے دیکھا۔

"بہن بن جاؤ ویسے بھی کام تمہارے نرگسی آدمیوں والے ہیں۔" وہ چڑ کر بولی۔

"دیکھو پرسنل ہونا اچھی بات نہیں ہے۔" صفدر کے تاثرات فوراً بدلے۔

"میں تو ہو جاتی ہوں۔۔" اس نے صفدر کے ہی انداز میں جواب دیا۔

"آئندہ خیال رکھنا۔۔" وہ منہ بسورے بولا۔

"جی بہن آئندہ خیال رکھوں گی۔" وہ اسے سلگا کر کیفے کے اندر داخل ہو گئی جبکہ صفدر جل بھن کر اس کے پیچھے ہی داخل ہو گیا۔ وہ نہیں سدھر سکتی تھی۔

✿••✿••✿••✿

جوزف پیلس میں اُترنے والی اگلی صبح کافی خاموش تھی۔ ولیم کی دیر سے آنکھ کھلی، وہ اٹھتے ہی کمرے سے بھاگا۔ رخ جارج کے کمرے کی جانب تھا کمرے تک پہنچا تو دروازہ کھلا ہوا تھا۔ البتہ جارج غائب تھا۔ وہ اس کے اٹھنے سے پہلے ہی اسٹوڈیو جا چکا تھا۔ ولیم کے کندھے جھک گئے۔ دل پر ڈھیروں بوجھ آن گرا۔ واپس اپنے کمرے میں آ کر اسے فون ملایا تو اس نے فون نہیں اٹھایا۔ تین چار بار نمبر ملانے پر بھی کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ اس نے فون بے دلی سے بیڈ پر پھینک دیا۔ کھڑکی سے باہر دیکھا تو تیز ہوا چلتی محسوس ہوئی۔ بادل آ جا رہے تھے۔

آدھے گھنٹے بعد فریش ہو کر وہ سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ مسٹر جوزف کے پیلس میں ہوتے وہ سب ایک ساتھ ناشتہ کرتے تھے اور آج یقیناً اس کے بغیر ہی کر لیا گیا ہو گا۔ دل میں عجیب سی چبھن ہوئی۔ آنکھوں کے پپوٹے بھاری ہونے لگے۔ شاور لینے پر اسے آنکھوں میں جلن ہوتی محسوس ہوئی تھی اور پھٹا ہونٹ بھی تکلیف دہ رہا تھا۔

جیسے ہی وہ آخری سیڑھی تک پہنچا ٹیلی فون کی گھنٹی بجنا شروع ہوئی۔ لاؤنج میں کوئی بھی نہیں تھا۔ نینی اور نساء نظر نہیں آئیں۔ آج اس کا ارادہ عیسی ماموں سے ملنے کا تھا کیونکہ وہ واحد شخص تھا جس سے مل کر دل کو سکون کا احساس ہوتا تھا۔

وہ ٹیلی فون کی بجتی گھنٹی نظر انداز کر کے گزر جانا چاہتا تھا پر گھنٹی بند ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

سیاہ پینٹ پر سفید سلکس شرٹ اور ڈینم کی سیاہ جیکٹ پہنے وہ بنا بے زار سا ٹیلی فون کی جانب بڑھا۔ کتھئی بال گیلے ہونے کے باعث پیچھے کی جانب سیٹ تھے۔ فون کے قریب پہنچ کر اس نے کریڈل اٹھایا۔

"ہیلو؟" لہجے میں بے زاری واضح تھی۔ ایک دو ملازم صفائی کرتے نظر آئے پر صوفی کے علاوہ کوئی اور فون نہیں اٹھا سکتا تھا۔ آج صوفی بھی جانے کہاں غائب تھی۔

"ہیلو برادر ان لاء۔۔" تپانے والی آواز گونجی۔ ولیم کو چند سیکنڈ بھی نہیں لگے سمجھنے میں کہ دوسری جانب کون تھا۔ آواز سنتے ہی اس کے تاثرات تن گئے۔ کنپٹیاں پھول گئیں۔

"کون ہے؟" اس نے انجان بننے کی کوشش کی۔

"پہچان تو لیا ہو گا۔ اپنی بہن سے کہو میرا فون تو اٹھائے صبح میرا نام سنتے ہی گھبرا کر کاٹ دیا تھا اور اب تک فون نہیں اٹھایا۔"

ولیم کے سر پر لگی اور تلوؤں پر بجھی۔ ہمت کیسے ہوئی اس کی نساء کا نام لینے کی؟

"بکواس بند کرو جیکب۔۔" وہ دبی دبی آواز میں چلایا۔

"اوہ سالے صاحب برا مان گئے؟ پر برا ماننے والی بات تو نہیں ہے نساء میری ہونے والی فیانسی ہے۔"

"نساء کا نام مت لو جیکب۔۔" ولیم پھر سے پھنکارہ۔ چہرہ سرخ پڑ چکا تھا۔ کنپٹی کی رگیں مزید پھول گئیں۔ جیکب سامنے ہوتا تو گلہ دبا دیتا۔ نساء کا روتا چہرہ سامنے آیا تو جسم میں شرارے سے بھرنے لگے۔

"میرے خیال سے تمہیں جینی پر توجہ دینی چاہیے۔ نساء کو میں سنبھال لوں گا۔" خباثت سے کہتا وہ اسے جان بوجھ کر سلگا رہا تھا۔ نینسی والے حادثے کو وہ آج تک نہیں بھولا تھا۔ اسے ولیم سے نفرت تھی اور یہ اچھا موقع مل گیا تھا اسے ولیم کو ذلیل کرنے کا۔

"اگر تم نے ایک بار اور میری بہن کا نام لیا تو پھر کسی کا نام لینے کے قابل نہیں رہو گے۔" وہ خالی دھمکی نہیں دے رہا تھا پر دوسری جانب جیکب کا قہقہہ بلند ہوا۔

"کیا کر لو گے؟ ہاں؟ سمجھتے کیا ہو خود کو؟ سنا ہے آج کل توپ بنے پھرتے ہو۔ اوقات میں رہو ورنہ پچھتاؤ گے سمجھ آئی؟"

باپ کے پیسے پر توجیکب جو بھی گھمنڈ تھا اور پھر چمکتا ستارہ ہونے پر وہ کسی دوسرے کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔

"سامنے آؤ پھر بتاتا ہوں۔" ولیم پیچھے کیسے رہ سکتا تھا؟

"اچھا؟ اڈریس دے رہا ہوں آجاؤ پھر بیٹھ کر گپ شپ کریں گے۔" جیکب نے پھیلتے ہوئے اسے اپنے پرائیویٹ اپارٹمنٹ کا پتہ بتایا۔ یہ غلطی کر دی تھی اس نے۔ فون ٹوں ٹوں بجنے لگا تو ولیم نے غصے سے کریڈل پٹخا۔

دونوں ہاتھوں سے چہرہ صاف کرتے وہ لال بھبھوکا چہرہ لیے ادھر ادھر دیکھنے لگا اور پھر نظر اسٹور روم پر پڑی اگلے ہی لمحے وہ تیزی سے اسٹور روم کی جانب بڑھا۔

جیکب نے خود بلایا تھا اگر وہ نہ جاتا تو پھر تف ہے اس کے جوزف ہونے پر۔

چند منٹوں بعد وہ اسٹور روم سے باہر نکلا۔ ایک ہاتھ میں بوٹل سلنڈر تھا جبکہ دوسرے ہاتھ میں چار فٹ لمبا اور چار انچ چوڑا لکڑی کا ڈنڈا اور اگلے ہی پل وہ جبڑے بھینچے خارجی دروازے کی جانب بڑھ رہا تھا۔ آنکھیں جیسے شعلے اگل رہی تھیں۔

نینی اپنے کمرے سے نکلیں تو انہوں نے ولیم کو ڈنڈا کندھے پر جمائے اور دوسرے ہاتھ میں بوٹل سلنڈر تھامے تیز تیز جاتے دیکھا۔ ان کا دل اچھل کر حلق میں آیا۔

"ولیم۔۔؟؟" نینی نے عقب سے پکارہ "ولیم کہاں جا رہے ہو؟"

ولیم کو کچھ سنائی نہیں دیا۔ جب تک وہ تیز تیز چلتی قد آور دروازے تک پہنچی تب تک ولیم گھر کی گاڑی اسٹارٹ کیے ان کی آنکھوں کے سامنے، زن سے گزر گیا۔

"یا خدا خیر" نینی نے دہل کر سینے پر ہاتھ رکھا۔ نساء ان کی آواز پر کمرے سے نکل آئی تھی۔

"نینی کیا ہوا؟" وہ پریشان کھڑی نینی کو سنبھالے کی کوشش کر رہی تھی۔

"وہ ولیم پتا نہیں کہاں گیا ہے۔" نینی کے چہرے کا رنگ اڑ چکا تھا۔

"اپ پریشان مت ہوں آئیں میرے ساتھ" وہ انہیں کندھوں سے تھام کر واپس لے گئی۔

جبکہ ولیم آدھے گھنٹے کی ریش ڈرائیونگ کے بعد مطلوبہ عمارت تک پہنچ گیا تھا۔ اسے داخلی دروازے پر ہی روک لیا گیا اور پھر جیکب سے کنفرم کرنے کے بعد اسے جانے دیا گیا البتہ اس کے کندھے پر رکھا ڈنڈا اور ہاتھ میں بوتل سلنڈر اسے مشکوک بنا رہے تھے پر جیکب نے خود شناخت کر دی تھی تو اسے جانے دیا گیا۔

وہ سیڑھیاں پھلانگتا اوپر تک آیا اور پھر مطلوبہ اپارٹمنٹ کے سامنے پہنچ کر اس نے زوردار لات مار کر دروازہ کھولا۔ دروازہ لاکڈ نہیں تھا۔ شور کی آواز پر لاؤنج میں اپنے دوستوں کے مزاق اڑاتا جیکب اچھل پڑا۔ ولیم نے وال گھما کر سلنڈر آن کیا اور اگلے ہی پل وہ ان کے سروں پر پہنچ چکا تھا۔

جلتا سلنڈر اس کے ہاتھ میں دیکھ کر جیکب کی سٹی گم ہوئی۔ ولیم نے بنا کچھ کہے سنے جیکب کا نشانہ لے کر ڈنڈا گھما کر اسے دے مارا۔ اگر وہ نیچے نہ جھکتا تو اس کا سر اڑ جاتا پر اب ڈنڈا پیچھے دیوار میں لگے شیشے سے ٹکرا کر نیچے گر چکا تھا۔ شیشے کے ساتھ کافی چیزیں ٹوٹ کر بکھر گئیں۔ جیکب اور اس کے دوستوں میں ہڑبڑاہٹ سی مچ گئی۔

"ولیم پاگل ہو گئے ہو؟" اپنا بچاؤ کرتا جیکب چلایا۔ اس کی سٹی گم ہو چکی تھی۔ ولیم جلتا سلنڈر ہاتھ میں لیے اس کے پیچھے لپکا۔ یہ دیکھ کر باقی لڑکے بھاگ جانا چاہتے تھے پر ولیم نے بھاگنے نہیں دیا۔ انہی لڑکوں کے سامنے اس نے نساء کا مزاق اڑایا ہو گا۔

"میں نے کہا تھا میری بہن کا نام مت لینا" اس پر واقعی بھوت سوار تھا جبکہ جیکب کا دل اچھل کر حلق میں آیا اگر اس نے کسی چیز میں لگا دی تو؟ اگر آگ لگ گئی تو؟ اگر اسے ہی آگ لگا دی تو؟

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے ہوش میں آؤ۔" وہ صوفے کے پیچھے کھڑا اس سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"اور تمہارا دماغ ٹھکانے لانے میں مجھے ذرا دیر نہیں لگے گی۔" وہ رک گیا۔ سلنڈر والا ہاتھ آگے کر کے رکھا تاکہ وہ ڈرا رہے۔

"یہ میری آخری وارننگ ہے جیکب! میری بہن سے دور رہو ورنہ ایسی شکل بگاڑوں گا کہ دکھانے لائق نہیں رہو گے۔"

اس نے جیکب کے پیچھے والی کھڑکی کا نشانہ لے کر سلنڈر گھما کر دے مارا جو کھڑکی کا شیشہ توڑ کر باہر نکل گیا۔ ٹھاہ کی آواز گونجی یقیناً سلنڈر نیچے گر چکا تھا۔ جیکب گھبراہٹ میں سر پر دونوں ہاتھ رکھتے نیچے گرا۔ اس سے پہلے کہ سیکیورٹی اوپر تک آتی وہ اس پر طائرانہ نظر ڈالتا اپارٹمنٹ سے باہر نکلا۔ جیکٹ سے ماسک نکالتے منہ پر لگایا۔ جیکٹ اتار کر بازو پر پھیلائی۔ لفٹ میں داخل ہو کر گراؤنڈ فلور کا بٹن دبایا اور چند سیکنڈ میں وہ نیچے تھا۔ تیزی سے گاڑی کی جانب بڑھا۔ سیڑھیوں پر بھاری بوٹوں کی آواز سنی جا سکتی تھی۔ یقیناً سیکورٹی والے اوپر کی جانب بھاگ رہے تھے۔ جب تک سیکیورٹی اوپر پہنچی وہ گاڑی میں بیٹھ کر نکل چکا تھا۔ چہرے پر لگے ماسک نے اسے بچا لیا۔ ایڈنبرا کی سڑکوں پر گاڑی بھگاتے اس کے جبڑے ابھی تک بھنچے ہوئے تھے۔ بھنویں سکڑی ہوئی تھیں۔

دل تو کر رہا تھا جیکب کا حشر نشر کر دے پر اس جیسے ایکٹر کے لیے ٹریلر ہی کافی تھا۔ پکچر دیکھنے کی ہمت نہیں تھی اس میں۔ وہ خود تو نکل آیا تھا، پیچھے جیکب کی حالت ہوا نکلے غبارے جیسی تھی۔ بلڈ پریشر اوپر چڑھ گیا تھا اور دل کی دھڑکن نیچے گر گئی تھی۔ ہاتھ پاؤں پھول چکے تھے۔

وہ ڈیفالٹ پیس کے رنگوں سے ناواقف تھا ورنہ اسے یوں سرعام دعوت دینے سے پہلے ضرور سوچتا۔

"جیکب تم ٹھیک ہو؟" اس نے ایک دوست نے کندھے پر ہاتھ رکھتے اسے پانی کا گلاس پکڑایا جسے وہ غٹا غٹ پی گیا۔ اگلے ہی لمحے اس کے کپکپاتے ہاتھ فون پر پھسل رہے تھے۔ وہ مسٹر البرٹ کا نمبر ملا رہا تھا۔ دوسری بیل پر فون اٹھالیا گیا۔

"ہیلو ڈیڈ۔۔۔" وہ چاہ کر بھی اپنی آواز کی لرزش پر قابو نہیں پا سکا تھا۔ اب وہ انہیں ولیم کے کارنامہ سنا رہا تھا۔ پر ذرا سا غور کرتا تو اسے یاد آجاتا کہ ولیم جوزف کو گپ شپ کی دعوت اس نے ہی دی تھی پر اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ گپ شپ ڈنڈے اور سلنڈر سے ہو گی منہ سے نہیں۔ ہک ہاہ بیچارہ جیکب!

✿••✿••✿••✿

اگلے آدھے گھنٹے تک ولیم کی گاڑی سڑکوں پر بے وجہ گھوم رہی۔ نہ ہوئی منزل تھی نہ کوئی راستہ سمجھ آرہا تھا۔ اسٹیرنگ پر ہاتھ مارتے وہ کتنی دیر یونہی گھومتا رہا۔ چہرہ ابھی تک سرخ تھا۔ جانتا تھا اب مسٹر جوزف تک اس کے کارنامے کی خبر پہنچ چکی ہو گی اس لیے فی الوقت جوزف پیلس جانا اپنے پیروں پر خود کلہاڑی مارنے جیسا تھا۔

کچھ یاد آنے پر اس نے سات والی سیٹ پر رکھا فون اٹھایا۔ گاڑی سڑک سے نیچے اتار کر ایک جانب روک دی۔ سرمئی ایڈنبرا کے اوپر بچھا آسمان بادلوں سے ڈھک گیا۔

اب وہ جینی رابرٹ کا نمبر ان بلاک کر رہا تھا اور اگلے ہی پل اس نے جینی کو کال ملا دی۔ پہلی بیل پر فون نہیں اٹھایا گیا البتہ دوسری بیل پر فوراً اٹھالیا گیا۔

"ہیلو۔۔۔؟" وہ بھنویں سکیڑے بولا۔ لیکن دوسری جانب سے کوئی آواز نہ ابھری۔ خاموشی چھائی رہی۔

"ہیلو۔۔؟" اس بات وہ ذرا غصہ سے بولا۔

"میں خواب دیکھ رہی ہوں یا حقیقت بھی اس قدر خوبصورت ہو سکتی ہے؟" جینی کی خوبصورت آواز گونج گئی۔

"ڈراؤنے خوابوں سے بچ کر رہیں محترمہ ورنہ آنکھوں سے نفرت ہو جائے گی۔" اس نے طنز کا تیر چلانا ضروری سمجھا۔

"کہیے مسٹر ولیم جوزف! کیسے یاد کیا؟" اس کے طنز کو ہوا میں اڑاتے وہ اسی لہجے میں بولی۔

"یہ بتانے کے لیے کہ میرے بھائی کو ہرٹ مت کرنا جینیفر رابرٹ۔۔" وہ بنا کسی لگی لپٹی کے بولا۔

"آج سے پہلا جینیفر نام کبھی اتنا خوبصورت نہیں لگا۔۔" ادائے بے نیازی ولیم کا خون جلا گئی۔

پروڈکشن ہاؤس کے سیٹ پر آج شوٹنگ چل رہی تھی۔ جینی کے چند سین تھے جنہیں شوٹ کیا جا رہا تھا۔ کیمرہ لائٹ اور ایکشن کی موجودگی میں وہ اپنا سین چھوڑے اس کا فون سن رہی تھی جو فون پر محبت کی باتیں تو ہرگز نہیں سنا رہا تھا۔

مصروف سا جارج اس سے کچھ فاصلے پر کھڑا ٹیم کو ہدایات دے رہا تھا۔ آج وہ کافی سنجیدہ تھا۔ اس نے جینی کو ایک نظر بھی نہیں دیکھا۔ البتہ جینی اس کی سرخ متورم آنکھیں دیکھ سکتی تھی۔ جارج کے لیے اسے کیمرہ میں دیکھنا بھی کافی مشکل تھا پر وہ اپنے دل کو اپنے کام کے درمیان نہیں لا سکتا تھا۔

"میں مزاق نہیں کر رہا جینی۔"

"میں بھی نہیں۔۔۔" اس بار وہ سنجیدہ ہوئی۔

"جس نے میرے بھائی کا دل توڑا میں اس کی گردن توڑنے سے دریغ نہیں کروں گا۔" وہ لہجے کا زہر انڈیلنے لگا۔

جینی پھیکا سا ہنس دی۔

"تمہارے بھائی کے جذبات کی زمہ داری نہیں اٹھا رکھی میں نے۔" اس بار وہ سنجیدہ ہوئی۔ چہرے پر اہانت ابھر آئی۔ کیا سمجھتے تھا وہ اسے؟

"تو پھر اپنے جذبات اپنے تک محدود رکھو۔ ولیم جوزف کوئی ایوارڈ نہیں ہے جو تمہیں اچھی اداکاری کی بدولت مل جائے گا۔"

اس کا جواب سنے بنا ہی اس نے فون کاٹ کر ساتھ والی سیٹ پر پھینکا۔

"ڈیم اٹ" ایک بار پھر اسٹیرنگ پر ہاتھ غصے سے مارا۔ دماغ درد کرنے لگا تھا پر سمجھ نہیں آرہا سب ٹھیک کیسے کرے؟

تھک ہار کر اس نے اسٹرلنگ کی جانب گاڑی کا رخ موڑ دیا شاید عیسی ماموں ہی کچھ مدد کر پائیں۔

✿••✿••✿••✿

کچھ کہانیاں ازل سے ہی سوگوار ہوتی ہیں۔ نہ کوئی شروعات نہ ہوئی اختتام اور نہ ہی کوئی سکون کا پل! ایک ایسا لمحہ جو ہماری اپنی کہانی میں صرف ہمارا ہو۔ پر کچھ خواہشیں، خواہشیں ہی رہ جاتی ہیں۔

ایسا ہی کچھ فلک عالمگیر کے ساتھ ہو رہا تھا۔ پچھلے دو دن میں اس نے کئی بار رئیس کو دیکھنے کی کوشش کی تھی اور ہر بار نظریں ہٹا لیتی۔ پتا نہیں کیوں وہ اسے پورے حق سے دیکھ ہی نہیں پائی تھی۔

سوشل میڈیا پر پروقت ہنستا مسکراتا نظر آنے والا شخص، جسے اس نے پچھلے تیرہ سالوں میں صرف موبائل فون کی اسکرین پر دیکھا تھا، اسے سامنے سے دیکھنا اتنا مشکل کیوں تھا؟

آج اسے احساس ہوا تھا کہ زندگی سوشل میڈیا کی reels میں دکھائی جانے والی رنگینیوں سے کئی مختلف ہوتی ہے۔

کیمرہ ہٹتے ہی روشنی غائب ہو جاتی جاتی ہے۔ رنگ پھیکے پڑ جاتے ہیں اور چہرے پر چڑھا مسکراہٹ کا ماسک اتار کر رکھ دیا جاتا ہے۔

پورا عالمگیر خاندان رئیس مینشن میں موجود تھا پر پچھلے دو دنوں میں اسے رئیس بمشکل ہی نظر آیا تھا۔ اسے تو شاید احساس بھی نہیں تھا کہ فلک بھی وہاں موجود تھی۔

البتہ فلک کے لیے یہ لمحے چاہے غم کے ہی کیوں نہ ہوں لیکن اس کی زندگی کے سب سے خوبصورت لمحے تھے یوں بھی بلقیس بیگم سے اس کی کوئی جذباتی وابستگی نہیں تھی۔ ہاں اسے رئیس اور ذری کو دیکھ کر دکھ ہوا تھا پر اس پل یہاں رئیس مینشن میں موجود ہونا اس کے لیے قابل فخر تھا۔

کئی کنالوں پر پھیلی یہ سفید حویلی اس کے اندر مزید سفیدی اتار رہی تھی۔ وہ مطمئن تھی جب تک یہاں تھی ان لمحوں کو جینا چاہتی تھی البتہ لڑکیوں والا "میں کیوں پہلے بلاؤں" موڈ آن تھا۔ رئیس نے اس سے اب تک بات نہیں کی تھی تو وہ کیوں کرتی؟

"میں رائٹر ہوں میری بھی کوئی عزت ہے۔" گرم دودھ کا گلاس ٹرے میں رکھتے وہ ہولے سے بڑبڑائی۔ بڑی بڑی مڑی ہوئی پلیں خفگی سے اٹھ جھک رہی تھیں۔ گلابی لمبی فراک پہنے، بالوں کو جوڑے میں قید کیے، دوپٹہ سر پر جمائے اب اس کا رخ احمد اورنگزیب صاحب کے کمرے کی جانب تھا۔ وہ دو دنوں میں ان سے کافی مانوس ہو گئی تھی۔ ان کی دیکھ بھال کے لیے گھر میں نرس موجود تھی لیکن آج کل وہ خود اپنے ہاتھوں سے انہیں دواء دے رہی تھی۔

ٹرے اٹھائے، ذہن کے تانوں بانوں میں الجھی وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئی۔ راہداری میں چلتے ان کے کمرے کی جانب بڑھ رہی تھی جب اچانک رک گئی۔ دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ سفید دیواروں میں نصب سفید شیشوں والی راہداری میں سامنے سے رئیس چلتا آرہا تھا۔ وہ شاید انہی کے کمرے سے لوٹا تھا۔

کریم رنگ کے ٹراؤزر اور کافی رنگ کی ڈھیلی سی شرٹ پہنے وہ سپاٹ چہرہ لیے آگے بڑھ رہا تھا۔ فلک تو جیسے ساکت ہوگئی۔ نہ قدم آگے بڑھا سکی اور واپس جانے کی ہمت تھی۔ اگر پلٹتی تو وہ اسے دیکھ لیتا اور اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھنا بہت مشکل تھا۔ خوبصورت چہرہ سرخ پڑ گیا۔ ہتھیلیوں میں پسینے اتر آیا۔ وہ جس کے نام کے اتنے خواب دیکھے تھے اسے یوں روبرو پا کر دل کیسے نہ دھڑکتا؟ وہ لمحہ بہ لمحہ قریب ہو رہا تھا۔ سیلنگ سے لٹکتے برقی قمقمے اس کی دمک کا مقابلہ کرنے کی کوشش میں بے حال ہو رہے تھے پر مجال ہے جو رئیس اورنگزیب سے جیت پائیں۔ وہ اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ ٹراؤزر کی جیبوں میں ہاتھ پھنسائے وہ چمکتے ماربل پر اپنے بڑھتے قدموں کو دیکھ رہا تھا۔ نرم سی سے حلیے میں بھی وہ اتنا ہی اچھا لگ رہا تھا جتنا کسی شوٹ کے دوران لگتا تھا۔

وہ قریب پہنچا تو فلک بھی سر جھکا کر قریب سے گزری۔

"تم فلک ہوں نا؟" عقب سے ابھرنے والی آواز پر فلک کے ہاتھ سے ٹرے گرتے گرتے بچی۔ وہ رک گئی۔ اس کے عقب میں رئیس رخ موڑے کھڑا تھا۔ فلک کا دل اچھل کر حلق میں آیا۔

فمینائن انرجی پر لمبے لمبے گیان لکھنے والی، فون پر اسے کھری کھری سنانے والی فلک عالمگیر میں، رئیس کی جانب رخ پھیرنے کی ہمت نہیں تھی۔

"کم آن فلک!" خود کو دلاسہ دیتے اس نے قدم بڑھا کر دیوار کے ساتھ رکھے اونچی ٹانگوں والے میز پر ہاتھ میں پکڑی ٹرے رکھ دی۔ میز کے اوپر خوبصورت گلدان رکھا تھا جس میں سفید گلاب کے پھول مہک رہے تھے۔ اس

گلدان میں روز تازہ پھول سجائے جاتے تھے جن کی خوشبو سے پوری راہداری مہکتی رہتی تھی۔ٹرے رکھنے کے بعد اس نے پلٹ کر رئیس کی جانب دیکھا۔

"جی ہاں۔ میں ہی ہوں فلک عالمگیر۔" گردن کھڑی کرنے کی کوشش کی پھر بھی رئیس کو دیکھنے کے لیے اسے گردن مزید اونچی کتنی پڑتی۔وہ اچنبھے سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"فون پر اتنی باتیں کیسے سنا لیتی ہو؟ تم تو بچی ہو۔" پتا نہیں اس نے تبصرہ کیا تھا یا بے عزتی۔ فلک کا چہرہ خفت سے سرخ پڑ گیا۔

"بچی نہیں ہوں میں۔ تئیس سال کی ہوں۔"

رئیس کے چہرے پر نظریں جمانے کی کوشش کی جو واقعی حیرانی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ کنپٹی کے قریب چمکتے وہ چند سرمئی بال نہ ہوتے تو یقیناً لوگ اس کی عمر سے دھوکا کھا جاتے۔

"اور میں انتالیس کا ہوں۔" تمسخر اڑاتا لہجہ لیے وہ یونہی ٹراؤزر کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے آگے بڑھا۔ فلک کو اپنے چہرے سے آگ نکلتی محسوس ہوئی۔وہ لمبی لمبی تقریریں جو یاد کر رکھی تھیں کہ اس سے ملے گی تو سنائے گی وہ سب اڑن چھو ہو گیا۔زبان تالو سے جا لگی۔

کمبخت محبوب کا سامنا دنیا کا سب سے مشکل کام کیوں ہے؟

"ویسے اتنی بے وقوف لگتی تو نہیں ہو تم؟" وہ اس سے دو قدم کے فاصلے پر کھڑا دلچسپی سے اس کی اڑی رنگت دیکھ رہا تھا۔ہاف سلیو شرٹ سے جھانکتے کسرتی بازو نمایاں تھے۔اس کی گندمی رنگت پر یہ coffee رنگ اچھا لگ رہا تھا۔

"جو دوسروں کو بے وقوف سمجھتے ہیں ضروری نہیں وہ خود عقل کل ہوں۔" ہمت جٹا کر کہہ ہی دیا۔ فلک نے پلکیں اٹھائیں اور وہ مسکرا دیا۔ دو دنوں بعد اس کے چہرے پر مسکراہٹ ابھری تھی۔

"تمہاری آنکھیں۔۔۔" وہ سحر انگیز لہجے میں بولا تو فلک کو اپنی ٹانگوں سے جان نکلتی محسوس ہوئی۔

"تمہاری یہ آنکھیں سالم بندہ نگل جائیں پھر بھی تمہیں اپنی عمر کا کوئی لڑکا نہیں ملا جو تیرہ سالوں سے میرے انتظار میں بیٹھی ہو؟" لہجے میں چھپا طنز، چھپا نہیں رہ پایا۔ فلک کو اپنے دل پر گھونسا پڑتا محسوس ہوا۔ وہ اسے زچ کر رہا تھا۔

"میں رشتوں کو عزت دینے والے خاندان سے ہوں، انکا تماشہ بنانے والوں سے نہیں۔" دل دکھا تو زبان نے کڑوا ہونا ضروری سمجھا۔ رئیس نے لب بھینچ کر اسے دیکھا۔ اچھی بھلی لڑکی کو اس سے باندھ کر اس کی زندگی خراب کر دی تھی جبکہ فلک نے پلکیں جھپکتے آنکھوں میں ابھر آنے والی نمی کو پینے کی کوشش کی۔ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا وہ رئیس سے یوں ملے گی۔ وہ تو اپنی پہچان بنا کر ہی اس کے سامنے آنا چاہتی تھی۔

"ڈونٹ ویسٹ یور لائف فلک!" ہاتھ بڑھا کر نرمی سے اس کے بال کو چھوا اور فلک کی آنکھیں اگلے ہی پل آنسوؤں سے بھر گئیں۔ وہ حیرانی سے اسے تکے گئی۔ جانتی تھی بڑوں نے رئیس سے اس کا رشتہ ایک سمجھوتے کی بنیاد پر کیا تھا۔

"اپنی پہچان بناؤ۔۔" وہ گال تھپتھپا کر واپس پلٹ گیا۔ فلک کا دل کسی نے مٹھی میں پکڑ کر بھینچ دیا۔ ایسے کیسے وہ جان چھڑا کر جا سکتا تھا؟ اور اسے جان چھڑانا آج ہی کیوں یاد آیا؟

اسی دن انکار کیوں نہ کیا تھا جب یہ رشتہ طے ہوا تھا۔ وہ تو دس سال کی تھی پر رئیس تو بالغ تھا۔ آخر کیوں؟ دل کرلا اٹھا۔

وہ اتنا مطلبی کیسے ہو سکتا ہے؟ اپنا کام نکال کر وہ آج اس سے مکر نہیں سکتا۔ وہ قدم اٹھاتا دور جا رہا تھا اور فلک کا دل ڈوب گیا پر اگلے ہی لمحے اس کی لرزتی آواز ابھری۔

"آپ کو لگتا ہے اپنی پہچان بنانے کی خاطر کسی دوسرے کی پہچان چھین لینا اخلاقیات میں آتا ہے؟" بازو سینے پر جما لیے۔ یوں تو پھر یونہی سہی۔ آج حساب برابر ہونا چاہیے۔ رئیس رک گیا۔ بھنویں سکڑ گئیں۔ اس نے رخ پھیر کر کندھے اچکائے تاکہ وہ اپنی بات کی وضاحت کرے۔

"تیرہ سال پہلے انکار کیوں نہیں کیا آپ نے؟" دل جل رہا تھا۔ وہ جل رہی تھی۔ اس کی جانب قدم بڑھائے اور پھر سامنے آن کھڑی ہوئی۔ رئیس نے بڑی بڑی آنکھوں والی اس لڑکی کو دیکھا جو گلابی فراک میں گلابی پھول لگ رہی تھی۔ کوئی بھی عام و خاص شخص اس جیسی لڑکی کو کبھی نہ ٹھکراتا۔ وہ تو محبت کے لیے بنی تھی۔

پر رئیس؟ وہ تو عنکبوت تھا اور عنکبوت کی کوئی لو اسٹوری نہیں ہوتی۔ بالکل ویسے ہی جیسے اس کے فیورٹ اسپائڈر مین کی نہیں تھی۔

"تیرہ سال پہلے جامشورو کیوں آئے تھے آپ؟" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑے کھڑی تھی۔ اس کی آنکھیں اس کے زخمی دل کا حال بیان کر رہی تھیں۔ رئیس کی نظر اس کی ناک کی لونگ پر جم سی گئیں۔ ریشمی دوپٹہ سر سے ڈھلک گیا۔ شہد رنگ گھنگھریالے بالوں میں اس کا خوبصورت چہرہ مزید واضح ہو گیا۔

"تیرہ سال پہلے کیوں نہ انکار کیا آپ نے؟ صرف اس لیے کہ انکار کے بدلے آپ کو کچھ نہ ملتا؟" لہجے میں تمسخر تھا اور آنکھوں میں نمی۔ وہ سراپا سوال تھی۔

"اگر آپ اتنے ہی غیرت مند تھے تو تب انکار کرتے۔ لیکن نہیں۔ اپنی ڈوبتی دنیا کو بچانے کے لیے آپ نے مجھے استعمال کیا؟ یہ حق کس نے دیا تھا آپ کو؟" ہونٹ بھینچ کر آنسوں ضبط کرنا چاہے۔ رئیس کو لگا آنسوں کسی بھی لمحے پلکوں پر باڑ توڑ کر گالوں پر بہہ نکلیں گے اور وہی ہوا۔۔۔ ایک موٹا آنسوں اس کے سرخ رخسار پر بہتا چلا گیا۔ رئیس کی نظریں اسی آنسوں پر پھسلتی گئیں۔

"اونہہ۔۔" اگلے ہی پل رئیس نے ذرا سا اسکی جانب جھکتے ہاتھ اٹھایا اور شہادت کی انگلی سے اس کے رخسار پر بہتا وہ آنسوں چن لیا۔ فلک تو جیسے جم گئی۔ کوئی بیک وقت اتنا مہربان اور ظالم کیسے ہو سکتا ہے؟ بڑی بڑی آنکھیں مزید پھیل گئیں۔

"مجھے روتی ہوئی لڑکیاں ذرا نہیں پسند" انگلی کی پور پر چمکتا اس کا وہ آنسوں رئیس نے جھٹکے سے ہوا میں اچھال دیا۔ فلک دھک دھک کرتا دل لیے اسے دیکھے گئی۔ ہاتھ دوبارہ ٹراؤزر کی جیب میں ڈال لیا۔

"جاؤ اور سو جاؤ۔ جلد تم اس رشتے سے آزاد ہو جاؤ گی۔" وہ اس کا دل کچلتا پلٹ گیا۔ فلک کے لیے اس کی یہ بات کسی خنجر کے وار سے کم نہیں تھی۔ وہ منہ بھینچے کھڑی رہی۔ آنکھوں میں بے یقینی ہی بے یقینی تھی۔

آزاد کر دے گا؟ کیسے؟ کیوں؟ کس نے حق دیا اسے؟ ان چاہے رشتے میں باندھنے کا حق گھر والوں کو کس نے دیا تھا اور اس رشتے کو ختم کرنے کا حق اسے کس نے دیا تھا؟

"رئیس اورنگزیب صاحب۔۔" اس بار اس کی آواز اونچی تھی۔ آنکھوں میں غصے کی آمیزش تھی۔

"آپ ایک جھوٹے انسان ہیں۔ بزدل اور بے رحم، جسے صرف اپنی ذات سے مطلب ہے۔" وہ رک گیا پر پلٹا نہیں۔ نظر پیروں کے انگھوٹے کے پر جمائے کھڑا رہا۔

"جھوٹ کہتے ہیں سب کہ رئیس اور نگزیب روایات سے جڑا انسان ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو آپ مجھے یوں ڈس آن نہ کرتے۔ پر حقیقت تو یہ ہے آپ کا روایات سے کوئی تعلق نہیں۔ آپ کے نزدیک اگر کچھ اہم ہے تو وہ آپ کی دنیا ہے صرف آپ کی ذات ہے۔" فلک تو شدت ضبط سے پھٹ پڑی تھی۔ وہ ہولے سے ہنس دیا۔ فلک نے صحیح پہچانا تھا۔ اسے واقعی کسی روایت سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ اگر اسے فرق پڑتا تھا تو اپنے نام سے اپنی پہچان سے۔

"تو پھر اپنی پہچان بناؤ محترمہ! روتے بلکتے، توجہ کے طالب لوگوں سے نفرت ہے مجھے۔" بنا مڑے، زہر خند لہجے میں کہتا وہ تیز تیز قدم اٹھاتا دور ہوتا گیا اور پھر راہداری کے آخر میں مڑ گیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھنا گوارہ نہیں کیا۔

عالمگیر حویلی ہوتی تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیتی لیکن یہاں رئیس مینشن میں رونا اسے اپنی توہین لگا۔ میز پر رکھا دودھ کا گلاس ٹھنڈا ہو چکا تھا وہ آستین سے آنسوں پونچھتی ٹرے کی جانب مڑی اور اسے اٹھا کر واپس پلٹ گئی۔ دودھ دوبارہ گرم کرنا تھا۔ کھڑکیوں کے گرتی رات فلک کے دل کی طرح مزید بوجھل ہو گئی۔

✿••✿••✿••✿

نساء، نینی کو دلاسہ دے کر اپنے کمرے میں واپس آئی تو دروازے پر ہی ٹھٹک کر رک گئی۔ مسٹر جوزف اس کے کمرے میں موجود تھے۔ یہ باعث حیرت تھا۔ وہ اس کے بعد کے سائیڈ ٹیبل پر رکھا وہ فوٹو فریم اٹھا کر دیکھ رہے تھے جس نے نساء پانچ سال کی تھی اور مسٹر جوزف کے گلے میں بانہیں ڈالے کھڑی تھی۔ بیڈ سے کچھ فاصلے پر کھڑکی کے ساتھ دیوان صوفہ رکھا رکھا تھا۔

"ڈیڈ آپ یہاں؟" وہ خوشگوار حیرت لیے اندر داخل ہوئی۔ اسے یاد بھی نہیں تھا پچھلی بار وہ اس کے کمرے میں جب آئے تھے۔ پچھلی بار کب انہوں نے اسے گلے لگایا تھا۔ وہ انکا باپ تھا پھر بھی صدیوں کے فاصلے پر تھا اور آج خود چل پر آیا تھا نساء کا حیران ہونا تو بنتا تھا۔ اس کی آواز پر وہ پلٹے اور پھر مسکرا دیے۔

"ادھر آؤ۔۔" صوفے پر بیٹھتے انہوں نے نساء کو اپنی جانب بلایا وہ خوشی سے ان کی جانب بڑھی اور پھر ان نے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی۔ مسٹر جوزف نے اس نے گرد بازو پھیلا کر اس کا سر کندھے سے ٹکایا۔ نساء کے لیے یہ اتنا حیران کن تھا کہ وہ ساکت جم سی گئی۔

ہاتھ میں فوٹو فریم پکڑے وہ اسے دیکھ رہے تھے۔

"یقین نہیں ہوتا تم اتنی بڑی ہو گئی ہو۔ یوں لگتا ہے جیسے کل کی ہی بات ہے۔" فریم واپس رکھتے انہوں نے نساء کے سر پر بوسہ دیا۔ نساء پر تو آج حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے۔ وہ تو کچھ بول ہی نہ پائی۔ کئی لمحے یونہی ان کے کندھے سے لگی بیٹھی رہی۔ کچھ نہ بولی۔ مسٹر جوزف بھی خاموش بیٹھے رہے۔ وہ اس اپنائیت کو محسوس کرنا چاہتی تھی جس کے لیے ساری عمر ترسی تھی۔ آج اسے لگا تھا جیسے وہ بے کار نہیں تھی۔ آج اسے لگا تھا اس کا ایک باپ، اس کا ایک ڈیڈ بھی تھا۔

"میں سوچ رہا تھا آج ہم دونوں باپ بیٹی ڈنر کرنے چلتے ہیں۔۔"

نساء نے باقاعدہ ان کے کندھے سے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔ کیا واقعی وہ اس کا ہی باپ تھا نا؟ وہ مسٹر جوزف ہی تھا نا؟ مسٹر جوزف نے اس کے حیرت سے اٹھے ہوئے چہرے کو دیکھا اور پھر مسکرا دیئے۔

"تمہارا فیورٹ ریستوران کونسا ہے؟" آج تو اسے خوشی اور حیرت سے مار ہی دیتے۔

"فیورٹ؟" نساء نے زیر لب دہرایا۔ اس کا کچھ فیورٹ تھا ہی نہیں۔ اسے یاد کرنے بھی اپنا کچھ فیورٹ یاد نہیں آیا۔

"بتاؤ بھی۔۔" اسے الجھے دیکھ کر انہوں نے محبت سے سوال کیا۔

"جو آپ کو پسند ہو۔" وہ بس اتنا ہی کہہ پائی۔ کیا نساء کی اپنی کوئی پہچان نہیں تھی؟

"ہمم۔۔ ٹھیک ہے آج ڈنر میری طرف سے۔ آٹھ بجے ریڈی رہنا۔"

اس کا دل کیا وہ اچھلے کودے، ناچے گائے پوری دنیا کو بتائے کہ اسکا باپ آج اسے اپنے ساتھ باہر لے جا رہا تھا۔ اس کا باپ آج اس کے کمرے میں آیا تھا۔ اس کے باپ نے آج اسے محبت سے بوسہ دیا تھا۔ پر وہ تو سانس بھی نہیں لے پائی۔ آنکھوں میں نمکین پانی اکٹھا ہونے لگا۔ کچھ لمحے مزید خاموشی کی نظر ہوئے پھر اسے مسٹر جوزف کی آواز سنائی دی۔

"میں پوچھنا چاہتا ہوں تمہیں میرے کل والے فیصلے پر کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟"

دل مرجھا گیا۔ ساری خوشی جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔

"میں جانتا ہوں میری بیٹی بہت فرمانبردار ہے اور یہ بھی جانتا ہوں وہ مجھے کبھی لیٹ ڈاؤن نہیں کرے گی۔"

وہ اس کے جواب سے پہلے ہی اس کے کندھوں پر اپنی توقعات کا بوجھ ڈالتے گئے۔

"میں جانتا ہوں میری نساء بالکل بھی نینسی جیسی نہیں ہے۔ نہ وہ اس کی طرح مجھے پریشان کرے گی۔ پھر بھی میں تم سے تمہاری مرضی پوچھنا چاہتا ہوں۔ بولو نساء تم کیا چاہتی ہو؟"

ماں باپ کی محبت کی بھوکی اولاد کو ذرا سی توجہ دے کر انکے گلے پر چھری بھی پھیر دو تو وہ اف تک نہیں کریں گے۔

کیا ہو گا اگر وہ انکار کر دے؟ وہ اپنے باپ کو مایوس کر دے گی۔ یہ محبت یہ شفقت دوبارہ کبھی نصیب نہیں ہو گی۔ اس کا باپ ناراض ہو جائے گا اور وہ انہیں ناراض کرنے کی ہمت نہیں رکھتی تھی۔

دل دکھا تھا پر اس نے چہرہ اٹھا کر بس اتنا ہی کہا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" وہ زبردستی مسکرائی۔ دل مر گیا۔ اپنی ذات پر اس نے اپنے باپ کی محبت کو فوقیت دے دی۔ اب اسے ساری عمر اپنی باپ کی توقعات کا بوجھ اٹھانا تھا۔ ساری عمر اسے یونہی زبردستی مسکرانا تھا۔ دل کر لانے لگا تو اس نے دل جو تھپک کر سلا دیا۔

"مجھے تم پر فخر ہے نساء! آج تم نے ثابت کر دیا تم ایک عظیم ماں کی بیٹی ہو۔"

نساء کی گردن پر چھری پھر گئی۔ خون بھل بھل بہنے لگا اور وہ اف تک نہ کر پائی۔

کاش اس کی ماں زندہ ہوتی تو شاید وہ اپنا درد سنا پاتی۔ پر یہاں اس کا ہمدرد کوئی نہیں تھا۔ وہ کسی سے کچھ نہیں کہہ سکتی تھی کیونکہ اسے ایک اچھی بیٹی بننا تھا، اسے اپنے باپ کے فخر کو قائم رکھنا تھا۔ اسے ایک عظیم ماں کی بیٹی ہونے کا فرض نبھانا تھا۔

اسے ولیم کا خیال آیا۔ اسے جب پتا چلے گا تو وہ کا ردعمل کیا ہو گا؟ پھر اس نے جھٹک دیا۔ ولیم اسے اپنے باپ سے زیادہ عزیز تو نہیں تھا۔

مسٹر جوزف کچھ دیر بیٹھے رہے اور پھر اسے وقت پر تیار رہنے کا کہہ کر اٹھ کر چلے گئے۔

وہ بندہ جانتا تھا کس اولاد کو کیسے بیڑیاں ڈالنی ہیں۔یونہی تو نہیں اسٹار لائٹ جیسے پروڈکشن ہاؤس کا مالک بن گیا تھا۔ یونہی نہیں تو شوبز انڈسٹری پر چھایا ہوا تھا۔دماغ چاہیے ہوتا ہے اور جوزف پیٹرسن دماغ وراثت میں لے کر پیدا ہوا تھا۔

✿••✿••✿••✿

"تم سلنڈر لے کر اس کے فلیٹ میں گھس گئے؟"عیسی ماموں نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"ہاں۔۔"ولیم نے اثبات میں سر ہلایا۔ندی کے کنارے پتھروں کے اوپر بیٹھے وہ دونوں آج جو ولیم نے کیا اسے ڈسکس کر رہے تھے۔

"تم نے اسے ڈنڈے سے مارا؟"اس بار انہوں نے رخ موڑ کر طائرانہ نظروں سے اسے دیکھا۔یوں جیسے یقین کرنا چاہ رہے ہوں۔وہ اتنا خطرناک کب سے ہو گیا تھا؟

"میں نے اسے مارا نہیں ہے۔بس ڈرایا ہے۔"کافی حد تک پر سکون ہو چکے ولیم نے بھنویں اچکاتے کہا۔یہ اس کا انداز تھا۔بھنویں اچکانا۔ہر سوال جواب میں،ہر شرارت اور ڈرامے کے بعد وہ بھنویں اچکا کر بری الزمہ ہو جاتا تھا۔

"تمہیں کچھ اور نہیں ملا تھا؟"ایک اور سوال۔

"مجھے سٹور روم میں سب سے پہلے یہی دو چیزیں نظر آئیں۔۔"

"ہونے والے بہنوئی کو کون ڈراتا ہے؟" مزید سوال۔ اس بار انہوں نے اردو میں کہا۔ لہجے میں تاسف تھا۔ ولیم کا ایک دوسرا شوق نت نئی زبانیں سیکھنے کا تھا اور وہ آج کل ان سے اردو سیکھ رہا تھا۔ کچھ کچھ جملے اور باتیں اسے سمجھ آنے لگی تھیں۔

"اور میں نے جینی سے بھی کہا ہے کہ میرے بھائی کا دل توڑنے والے کی میں گردن توڑ دوں گا۔۔" اس نے گردن اکڑا کر اپنا کارنامہ سنایا۔ یوں جیسے واقعی گردن توڑ دے گا۔

"کیا کھا رہے ہو آج کل برخوردار؟" عیسی ماموں نے باقاعدہ اس کی پیشانی کو چھوا۔ کہیں بخار تو نہیں۔ ولیم نے خفگی سے انہیں دیکھا جن کے چہرے پر شرارت نمایاں تھی۔

"سیریسلی میری یہاں حالت بری ہو چکی ہے اور آپ کو مزاق سوجھ رہا ہے؟" کتھئی آنکھوں میں خفگی ابھری۔

"مجھے لگا تھا تم اپنی ماں جیسے ہو پر تم تو دوسرے جوزف نکلے۔ اب محل جا کر ٹانگیں تڑوانے کی تیاری پکڑو۔ جوزف تمہیں سستے میں نہیں چھوڑے گا۔۔" انہوں نے تاسف سے کہتے حقیقت سے پردہ اٹھانا ضروری سمجھا۔

"کیا یار عیسی ماموں ڈرا کیوں رہے ہیں؟ مجھے اپنی ٹانگوں سے زیادہ اپنی بہن بھائیوں کی خوشیاں زیادہ عزیز ہیں۔" الجھے بالوں میں ہاتھ پھیرتے اس نے خود کو سلجھانے کی کوشش کی۔

"لیکن مجھے کیوں محسوس ہو رہا ہے کہ بات کچھ اور ہے۔ اگر وہ لڑکی تمہیں پسند کرتی ہے تو تم اسے اپنے بھائی کے لیے کیسے راضی کر سکتے ہو؟" ندی کا بہتا پانی ولیم کے اعصاب پر سکون کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ضروری نہیں وہ جارج سے شادی کرے پر میں اس سے شادی نہیں کر سکتا۔ جارج ہوش ہرٹ ہو گا اور ویسے بھی وہ مجھے نہیں پسند اور۔۔"

"اور شادی ایک بہت بڑی زمہ داری ہے تب تک نہیں کرو جب تک نبھانہ سکو۔"عیسی ماموں نے اس کے منہ کی بات اچک لی۔ ولیم پل بھر کو ٹھٹھکا۔

"آپ کے نزدیک شادی کیا ہے؟" یہ سوال پوچھتے اس کا دل جانے کیوں دھک دھک کر رہا تھا۔ وہ کاغذ کا ٹکڑا بے ساختہ یاد آیا اور اس کے ساتھ ہی فجر معراج بھی! دل میں عجیب سی ہلچل مچ گئی۔

"اللہ کو حاضر ناظر جان کر گواہوں کی موجودگی میں کسی کو دل و جان سے قبول کر کے یہ عہد کرنے کا نام ہے کہ ہمیشہ ایک دوسرے کا لباس بنیں رہیں گے۔"

"کیا تمہیں فجر معراج اپنے عقد میں قبول ہے؟" سماعت سے ایک جانی پہچانی آواز ٹکرائی۔

"قبول ہے۔ قبول ہے۔ قبول ہے۔"

اس کی اپنی آواز فضا میں رقص کرنے لگی۔ ملی جھلی آوازیں کسی ہتھوڑے کی مانند اس کی سماعت سے ٹکرانے لگیں۔ عیسی ماموں کچھ کہہ رہے تھے پر ولیم سن ہی نہیں پایا۔ اسکے چاروں جانب دھواں اٹھنے لگا۔ آس پاس کا خوبصورت نظارہ بھیانک مناظر پیش کرنے لگا۔

"ولیم چپ کیوں ہو؟ بتاؤ انہیں کہ تم بھی یہ سب قبول کر چکے ہو۔ تم نے بھی کسی کا لباس بننے کا عہد کیا تھا۔ بتاؤ انہیں کہ تم شادی شدہ ہو۔ بتاؤ ایک خوبصورت لڑکی جس کا کوئی ولی نہیں ہے وہ ولیم ولی کے نام پر بیٹھی ہے۔ بتاؤ ولیم جوزف بتاؤ۔"

سرسراتے لباس والی نینسی جانے کہاں سے وارد ہوئی وہ حلق کے بل چلا رہی تھی اور اس کی چیخیں کسی ہتھوڑے کی مانند تھیں۔ ولیم دونوں ہاتھوں سے سر تھامتے نیچے جھکا۔ یوں لگا جیسے کھوپڑی ہل گئی ہو۔

"ولی؟تم ٹھیک ہو؟"عیسی ماموں پریشانی سے اس کی جانب جھکے۔

"بتاؤانہیں ولیم جوزف، بتاؤ کہ تم ایک بزدل انسان ہو۔ تم اپنی بیوی کو own نہیں کر سکتے۔"سفید کپڑوں والی فجر معراج ندی کے بیچوں بیچ کھڑی تھی۔ ولیم کو یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی گرل مشین دماغ میں چل رہی ہو۔ درد کی شدت سے اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ وہ گھٹنوں کے بل جھکا دونوں ہاتھوں سے سر تھامے، خوفزدہ نگاہوں سے ندی کے بیچوں بیچ کھڑی فجر کو دیکھ رہا تھا۔ سفید سوٹ پر جگہ جگہ کیچڑ لگا تھا۔ وہ زخمی تھی اور اسے بھی زخمی کرنے آئی تھی۔

"ولی۔۔؟ولی تم ٹھیک ہو؟"عیسی ماموں کے تو اوسان خطا ہو گئے۔ وہ ولیم کے قریب بیٹھے اسے کندھوں سے پکڑ کر ہوش میں لانے کی کوشش کر رہے تھے۔ پر ولیم جوزف کو گہرے کہرے نے گھیر لیا تھا۔

"بتاؤ ولیم جوزف تم اپنی پہچان سے انکاری ہو۔ تم خوفزدہ ہو کیونکہ تم بزدل ہو۔" نینسی اس کے عقب میں جھکی اس کی سماعت میں صور پھونک رہی تھی۔

"بتاؤانہیں ولیم جوزف بتاؤ کہ تم شادی شدہ ہو۔"

ندی کا پانی دھیرے دھیرے اوپر اٹھ رہا تھا۔ فجر کا وجود دھیرے دھیرے پانی میں ڈوبنے لگا۔

وہ جتنا ذہنی طور اپنی پہچان کو لے کر پریشان تھا اس میں یہ بیماری مزید بڑھ جاتی تھی پر ولیم جوزف نے کبھی اپنے درد کا ڈھنڈورا نہیں پیٹا۔ وہ اپنی تکلیفیں اپنے تک رکھتا تھا۔ یہ اس نے کافی سالوں سے سیکھ لیا تھا۔ وہ اپنوں کو اپنی وجہ سے پریشان نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اسے فوبیا تھا۔ بچپن سے ہی اس نے اپنی ذہنی حالت کی وجہ سے اپنوں کو ڈسٹرب کیا تھا اور پچھلے کئی سالوں سے اس نے یہ تکلیف خود تک رکھ لی تھی۔ جب یہ تکلیف برداشت سے باہر

ہو جاتی تھی تب وہ کسی سفر پر نکل جاتا تھا پر اب حالات ایسے تھے کہ وہ سب چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔ اس لیے یک دم ہی سب بکھرنے لگا۔ اس کی بیماری بہت عجیب تھی۔ مہنیوں تک وہ بالکل ٹھیک رہتا جیسے کبھی کچھ ہوا ہی نہ ہو پر اچانک کوئی یاد، کوئی بات، کوئی منظر اسے گھسیٹ کر گہری دھند میں پھینک دیتا۔ اس پل بھی اس کے ساتھ یہی ہوا تھا۔

"ولیم جوزف۔۔"

فجر اور نینسی کی ملی جلی آوازیں گونج گئیں۔ پنکھے سے لٹکتی افق کی لاش اس کی تصور کے پردے پر لہرائی۔ اس نے اپنا سر بھینچ لیا۔ نینسی کی لاش جھولوں کے درمیان لٹک رہی تھی۔

"نہیں۔۔" وہ درد سے بلبلا اٹھا۔ اس کے سامنے ہی فجر دھیرے دھیرے گردن تک پانی میں ڈوب گئی۔ چاروں جانب کہرہ ہی کہرہ تھا۔ دھند ہی دھند اور کچھ نظر نہیں آتا تھا وہ اٹھ کر بھاگنا چاہتا تھا وہ فجر کو بچانا چاہتا تھا پر پیر جیسے زمین نے جکڑ لیے۔ وہ سرخ چہرہ لیے تکلیف کی شدت سے بلبلا اٹھا۔ اور پھر اس نے دیکھا فجر مکمل ڈوب گئی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ہی ندی اسے نگل گئی۔

"فجر۔۔۔" اس کے حلق سے ابھرنے والی چیخ بے ساختہ تھی اور پھر جیسے سکتہ ٹوٹ گیا۔

"ولیم۔۔۔ ولی۔۔۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔۔؟؟" عیسی ماموں نے اسے پوری قوت سے جھنجھوڑا۔ ولیم نے آنکھیں جھپکتے چاروں جانب دیکھا۔ کہرہ چھٹ گیا۔ شفاف ندی پر سکون سی بہہ رہی تھی۔ اس کا پورا وجود پسینے سے بھیگ گیا۔ تھوک نگلتے اس نے عیسی ماموں کو بے یقینی سے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔ تکلیف تھی۔ وہ تکلیف جو پہلی بار عیسی ماموں کے سامنے آئی تھی۔ وہ چاہ کر بھی نہیں چھپا پایا۔

"کیا ہوا ہے؟ تم ٹھیک ہو؟" وہ اس کا گال تھپتھپاتے پوچھ رہے تھے۔ ولیم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ عیسی ماموں نے آگے ہوتے اسے گلے لگایا اور ولیم ان کے کندھے پر ٹھوڑی ٹکاتے اپنی بے بسی پر تڑپ کر رہ گیا۔

"کیوں؟ آخر کیوں وہ ایک نارمل زندگی نہیں جی سکتا تھا؟ عنکبوت کے پھیلے جال میں وہ پھنسا ہوا تھا پھر کیسے اپنوں کی امیدوں پر پورا اترپاتا؟ آخر کیسے؟"

کبھی کبھی زندگی ہمیں ہنسنے کی اتنی بڑی سزا دیتی ہے کہ ہم ہنسنے سے ڈرنے لگتے ہیں۔

✿••✿••✿••✿

فجر کے پچھلے دو دن تقریب کی تیاری میں گزرے تھے۔ یوں تو یہ کوئی پروفیشنل فیشن شو نہیں تھا جہاں اسے ریمپ واک کرنی تھی لیکن پھر بھی ایک سحر انگیز گاؤن کو اگر بہترین طریقے سے پیش نہ کیا جاتا تو اسکا فائدہ کیا؟

چناچہ دو دن اس نے گھر میں خوب پریکٹس کی۔ چلنے کی، کھڑے ہونے کی، اس انداز میں کہ پوری توجہ اس کے ڈیزائن پر رہے۔ کوئی اسے نہ دیکھے۔

اسے پہلی بار احساس ہوا تھا کہ وہ اچھی ڈیزائنر بن سکتی تھی پر یہ ماڈلنگ اس کے بس کا کام نہیں تھا اور نہ ہی اسے کبھی کرنا تھا۔ وہ اپنی پہچان اپنے کام سے بنانا چاہتی تھی اپنے حسن سے نہیں۔

اور آج آخر وہ دن آ ہی گیا تھا جب پورا ڈیپارٹمنٹ ایک الگ ہی منظر پیش کر رہا تھا۔ گراؤنڈ کو مکمل طور پر بڑے ہال میں بدل دیا گیا تھا۔ بہترین نشستوں کے ساتھ لمبی اسٹیج بنائی گئی تھی جہاں سبھی اسٹوڈنٹس اپنا کام پیش کر پاتے۔

اسٹوڈنٹس کی محنت دیکھی جا سکتی تھی۔ ایک سے بڑھ کر ایک بہترین ڈیزائن، ایک بہترین دماغ اونچی اڑان بھرنے کو تیار بیٹھا تھا۔ پروجیکٹ روم میں کھلبلی سی مچی تھی اور فجر اس وقت میڈم رشنا کے آفس میں تھی۔

سبھی سپر وائزر اپنے اپنے گروپ کو پوری طرح اسپورٹ کر رہے تھے۔ سب کی یہی خواہش تھی کہ ان کے اسٹوڈنٹس آگے جائیں۔

فجر آئینے کے سامنے بیٹھی، اپنے سامنے رکھے ڈھیر سارے فیس پینٹ اور میک اپ کو استعمال کرتے اپنے چہرے پر پینٹ کر رہی تھی۔ یہ ایک طرح کا میک اپ ہی تھا جو اس نے پچھلے چند دنوں میں سیکھا تھا کیونکہ میک اپ آرٹسٹ نے ایک میک اپ کے لاکھوں مانگ لیے تھے اور فی الوقت اس نے جاب چھوڑ رکھی تھی چناچہ میک اپ آرٹسٹ پر لعنت بھیجتے خود ہی ہاتھ پاؤں چلانے کا فیصلہ کیا جو کسی حد تک کامیاب رہا تھا۔

بڑی بڑی فیشن اور ٹیکسٹائل کمپنیاں جو مدعوں تھی وہ تشریف آچکی تھیں۔

رئیس کی گاڑی پارکنگ ایریا میں آکر رکی۔ انہیں بہترین طریقے سے خوش آمدید کہا گیا اور ہال کے اندر تک لے جایا گیا۔

شالے کی لانچ چند دن آگے کر دی گئی تھی۔ یہ پہلی بار ہوا تھا رئیس گروپ کا کوئی پروجیکٹ ملتوی ہوا تھا کیونکہ وجہ بلقیس بیگم کی ناگہانی موت تھی۔

البتہ وعدے کے مطابق وہ اس تقریب سے انکار نہیں کر سکتا تھا اس لیے وقت نکال کر وہ اپنی ٹیم کے ساتھ آپہنچا۔ اس کے ایک جانب عروزہ تو دوسری جانب مراد عالم تھا۔ رئیس گروپ کے علاوہ لکس اور سٹائل جیسی کمپنیوں کے POCs بھی موجود تھے البتہ رئیس خود آیا تھا۔

یوں تو اس نے سینکڑوں فیشن شوز اٹینڈ کرنے کے علاوہ اسپانسر بھی کیے تھے۔ نجی یونیورسٹی کا یہ چھوٹا تھا ایونٹ اس کے لیے معنی نہیں رکھتا تھا پر اگر کچھ معنی رکھتا تھا تو وہ تھیں میڈم رشنا۔ رئیس کی کلاس فیلو۔ جن کے اسپیشل بلانے پر وہ آیا تھا اور اس وقت بھی میڈم رشنا کے ساتھ بیٹھا وہ جانے کس گفتگو میں مگن نظر آرہا تھا۔

میڈم رشنا کو ان کی والدہ کی وفات کا دکھ تھا۔ وہ بلقیس بیگم سے کئی بار ملی تھیں۔ ان کی وفات پر وہ رئیس مینشن بھی گئی تھیں۔ البتہ انہوں نے رئیس کو منع کیا تھا کہ اگر وہ غیر آرام دہ محسوس کرے تو بیشک نہ آئے پر رئیس نے بھی وعدے کا پاس رکھا اور اس وقت وہ سبھی ہال میں موجود تھے۔

دوسری جانب فجر نے چہرے کو آخری ٹچ اپ دیتے آئینے میں دیکھا۔ اس کا چہرہ سرخ رنگوں سے چھپ گیا تھا۔ خود پر ستائشی نظر ڈالتے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ گھوم پھر کر خود کو دیکھا۔ سب کچھ پرفیکٹ تھا پھر بھی دل کی دھڑکن نارمل نہیں ہو پا رہی تھی۔

اس نے ابھی تک باقیوں کے پروجیکٹس نہیں دیکھے تھے۔ خود سے فرصت ملتی تو کچھ اور دیکھتی۔ نروس تھی اور پریشان بھی۔ آج کے دن کا اس نے بے صبری سے انتظار کیا تھا اور آج کا دن اسے ایک نئی پہچان دینے والا تھا پر کیا وہ یہ سب کر پائے گی؟ وہ انہی سوچوں میں سرگرداں تھیں جب کمرے کا دروازہ جھٹکے سے کھلا اور صفدر اندر داخل ہوا۔

وہ صورتحال کا جائزہ لینے گیا تھا۔ فجر کو دیکھتے ہی اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ سرخ اور سفید رنگ کا وہ گاؤن اسے ملکہ ملعون بنا رہا تھا۔

"او مائی گاڈ!" وہ گالوں پر ہاتھ رکھتے جس انداز میں بولا تھا فجر کو واقعی اس پر نرگسی آدمی کا گمان ہوا۔

"یوں لگتا ہے جیسے کوئی نائٹ میئر حقیقی شکل دھار چکا ہو۔۔" اس کی نظروں میں ستائش کی۔

"فجر مجھے تم پر تھوڑا سا فخر محسوس ہو رہا ہے۔۔" وہ خوش تھا۔ اسے واقعی اندازہ نہیں تھا فجر اتنا اچھا کام کر لے گی اور اس میک اپ نے اسے چار چاند لگا دیئے تھے۔

"کتنا ٹائم ہے؟" اس نے ہاتھ مسلتے پوچھا۔ ہتھیلیوں میں پسینہ اتر آیا تھا۔ کمرے میں چلتا اے سی بھی اس کی گھبراہٹ کم نہیں کر پایا۔

"ریلیکس رہو ابھی کچھ وقت ہے۔ تم بیٹھو پانی پیو میں تمہیں بلا لوں گا۔" وہ اسے ہدایت دیتا کمرے سے نکل گیا۔ فجر نے گہرہ سانس لے کر موبائل فون اٹھایا۔ وہ پچھلے دنوں اس قدر مصروف رہی تھی کہ سوشل میڈیا پر کیا چل رہا کچھ دیکھ نہ پائی اور جیسے ہی اس نے اسکرولنگ کی، اسکرین پر ابھرنے والی خبر پر اس کا انگوٹھا رک گیا۔ ہاتھ لرز اٹھا اور موبائل فون گرتے گرتے بچا۔ حیرت سے پھٹی آنکھیں لیے وہ فون کی اسکرین کو دیکھ رہی تھی جہاں چلتی خبر واضح تھی۔

"ارسل برہان گردیزی کا آج نکاح تھا۔"

فجر کو لگا کسی نے سینے میں خنجر گھونپ دیا ہو۔ شہر کے لگژری ہال میں اس وقت اس کی بارات دکھائی جا رہی تھی۔

موو آن کرنے پر بھی اتنی تکلیف کیوں ہو رہی تھی؟ وہ اسے نظر آیا۔ سفید شیروانی پہنے وہ وجیہہ لگ رہا تھا۔ وہ یوں کھڑی تھی جیسے سانس نہ لیتی ہو۔ آنکھیں نمکین پانیوں سے بھرنے لگیں۔ وہ خوش تھا مسکرا رہا تھا۔ اس کا باپ اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ اس کے باپ کو اس پر فخر تھا۔

"یہ ذلت بھی میرے مقدر میں سہی۔۔"فجر نے ایک نظر خود کو آئینے میں دیکھا۔اس نے تو ارسل کی دلہن بننے کا کبھی خواب دیکھا تھا اور آج وہ ایک زندہ لاش کے روپ میں کھڑی تھی۔

انسان کا سب سے بڑا خواب جب پورا نہیں ہوتا تو وہ سب سے بڑا nightmare بن جاتا ہے۔

وہ خود کو دیکھتے ہوئے لب کچلنے لگی۔جانتی تھی ارسل نے اسے گنوا دیا تھا اور اسے سوچنے کا حق فجر نے خود بنوایا تھا۔ اس نے خود کو اتنا مصروف کر لیا تھا کہ ارسل کا خیال بھی نہیں آتا پر ایک ظالم لمحہ کبھی کبھی سارے زخم ادھیڑ کر رکھ دیتا تھا۔اس پر چھایا سکتہ فون کی آواز پر ٹوٹا۔اس کا فون بج رہا تھا۔نمبر اجنبی تھا۔اٹھانے کا کوئی موڈ نہیں تھا لیکن پھر صورتحال کے پیش نظر اٹھا لیا۔

"ہیلو۔۔"آواز کی لرزش پر قابو پانے کی کوشش کی۔

"ارسل بات کر رہا ہوں۔"

اور فجر کے دل سمیت پوری دنیا رک گئی۔

"ارسل۔۔"وہ زیر لب بڑبڑائی۔کبھی وہ اس نام کے لیے اس شخص کے لیے اماں سے لڑا کرتی تھی کہ وہ اس کا ہی تھا۔پر آج اس کی شادی تھی۔وہ نام کسی اور کا ہونے والا تھا۔حالانکہ وہ ارسل سے پہلے شادی کر چکی تھی پر پھر بھی اس کی شادی پر اتنی تکلیف محسوس ہو رہی تھی جتنی اپنی پر بھی نہیں ہوئی تھی۔

"بولیں۔۔"خوفناک خاموشی کو اسی نے توڑا۔ٹانگوں میں سہارا نہیں تھا اس لیے کرسی سے ٹیک لگا لیا۔یہ نہیں پوچھا کہ اس نے نمبر کہاں سے لیا تھا کیونکہ آج کے دور میں یہ سوال نہایت فضول تھا۔اس لیے مدعے کی بات پر آئی۔

"میں شادی کر رہا ہوں۔" اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"بربادی مبارک ہو!" زہر خند لہجے میں جواب دیا۔

ایک بار پھر سے خاموشی چھا گئی۔ فجر نے اپنی دنیا کو دھندلا ہوتے محسوس کیا۔ کیا ضروری تھا اس شخص کا آج ہی فون کرنا؟

"تم نے ایسا کیوں کیا فجر؟" اس بار ارسل کے لہجے میں غصے اور غم کی ہلکی سی آمیزش ابھری۔

"سوال کرنے کے اختیارات کھو چکے ہیں آپ۔ بتائیں کس لیے فون کیا ہے؟" لہجہ سخت ہو گیا۔ وہ شخص اب اس کا کچھ نہیں لگتا تھا۔

"میں آج بھی تمہیں اپنانے کے لیے تیار ہوں۔ آج میری شادی ہے پر میں تم سے دوسری شادی کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے ایک موقع دو میں تمہیں خوش رکھوں گا بس اپنے خاندان۔۔"

"اپنے خاندان سے چھپا کر رکھیں گے؟ ساری دنیا سے چھپا کر رکھیں گے؟" اس نے ارسل کی بات اچک لی۔ لہجے میں تمسخر تھا استہزاء تھا۔ درد تھا۔

"اس میں برائی ہی کیا ہے فجر؟ تم مجھ سے محبت کرتی ہو نا تو میرا ساتھ دو" پتا نہیں وہ پاگل تھا یا جان بوجھ کر بن رہا تھا۔ فجر بے ساختہ ہنس دی۔

"برائی یہ ہے کہ فجر کو چھپایا نہیں جا سکتا اور شاید آپ یہ بھول چکے ہیں کہ میرا نکاح ہو چکا ہے۔ میں ایک شادی شدہ لڑکی ہوں۔"

صد شکر اسے خیال تو آیا کہ وہ اب شادی شدہ تھی۔ دوسری جانب موجود ارسل کے ہونٹ بھنچ گئے۔ فجر کا شادی شدہ ہونا اس کے لیے بھی اتنا ہی تکلیف دہ تھا یا شاید زیادہ کیونکہ فجر کو کھونے کا ملال بہت زیادہ تھا۔

"تم ایسے کیسے کر سکتی ہو؟" بلآخر اس کی آواز سنائی دی۔

"تم تو مجھ سے محبت کرتی تھی نا؟ تم کسی اور کیسے چن سکتی ہو؟" ذلیل کر کے، دھکے دے کر نکالنے کے بعد بھی وہ توقع کر رہا تھا کہ فجر معراج اس کے لیے بیٹھی رہے گی۔

"دنیا میں سب کچھ ممکن ہے مسٹر ارسل برہان گردیزی صاحب! یہ دنیا ہمارے مطابق نہیں چلتی۔ اس بات کو قبول کرنا سیکھ لیں۔" طنز میں ڈوبے الفاظ ارسل کو سلگانے لگے۔

"تمہارے لیے موو آن کرنا کبھی مشکل نہیں رہا نا؟" وہ اس پر چوٹ کر رہا تھا۔

"موو آن کرنا فجر کے لیے کبھی مشکل نہیں رہا۔" ضبط سے آنکھیں میچتے اس نے بے تاثر لہجے میں کہا۔ جب ایک انسان ماں باپ کے مر جانے پر صبر کر لیتا ہے تو پھر یہ بے نام رشتے کیا اوقات رکھتے ہیں۔

"مت بھولو کہ تم وہی ہو جس نے میرے پاؤں پکڑے تھے۔"

ارسل برہان گردیزی کو یہ بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔ فجر نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ ان آنکھوں میں حیرانی سے زیادہ خوف تھا۔ فجر نے دنیا میں آخری توقع جو کی تھی وہ یہی تھی کہ "ارسل اسے چھوڑ تو سکتا ہے پر وہ کبھی اس کے بارے میں غلط بات نہیں کرے گا۔۔"

لیکن کبھی کبھی مرد اپنی انا کے ہاتھوں مجبور ہوتے ہیں۔ جب تک وہ کردار پر بات نہ کر لیں ان کی انا کو سکون نہیں ملتا۔

فجر کے چہرے پر اس وقت موت جیسی بے یقینی تھی۔

"تمہارا شوہر جانتا ہے کہ تم میرے لیے گڑگڑاتی رہی ہو؟"

آج وہ کس کی زبان بول رہا تھا؟ اپنا ٹھکرایا جانا برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ یہ الفاظ تو اس نے کبھی استعمال نہیں کیے تھے۔ فجر تو اس کے لیے کبھی غیر تھی ہی نہیں۔ پھر کیوں؟

فجر کی زبان تالو سے جا چپکی۔ خوفناک احساس نے اس کے جسم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ٹانگیں شل ہونے لگیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ابھی گر جائے گی۔ کیا اس نے ذلیل کرنے کے لیے فون کیا تھا؟

"اماں کہتی تھی ارسل بارات لے کر کبھی نہیں آئے گا چاہے وہ انتظار کرتے کرتے بوڑھی ہو جائے۔" اماں ٹھیک کہتی تھی اسے آج احساس ہوا تھا اور اس نے بے ساختہ شکر ادا کیا کہ اس نے جلدی موو آن کر لیا۔

حقیقت تو یہ تھی وہ شخص فجر کی محبت نہیں تھا۔ وہ اس کی عادت تھا۔ فرار کی عادت۔ جو اس نے اپنائی تھی۔ اپنی زندگی سے جو اس نے فرار ڈھونڈا تھا وہ ارسل تھا۔ پر اس بات سے وہ خود بھی واقف نہیں تھی ارسل اس کی عادت تھا اور عادتیں جان لیوا ہوتی ہیں۔ بھلا کب؟ جب انہیں چھوڑنا پڑ جائے۔

"تمہیں کیا لگا تھا ارسل صاحب میں ساری عمر تمہارے لیے روتی رہوں گی؟ تمہاری بے وفائی سینے سے لگائے پھروں گی؟ تمہارے ٹھکرانے پر بار بار تمہارے پیچھے آؤں گی؟ پوری زندگی تمہارے نام کر دوں گی؟ کیا لگا تھا تمہیں؟"

ملکہ ملعون اس سے زیادہ نہیں سن سکتی تھی۔ اپنی بے جان ہوتی جان پر قابو پاتے اس نے واضح کرنا ضروری سمجھا۔

دوسری جانب خاموشی چھاگئی۔ وہ اسے زچ کر رہا تھا اسے لگا تھا فجر کو ندامت کا احساس ہو گا تو وہ اس کی جانب پلٹ آئے گی۔

غلط لگا تھا اسے۔ غلط لگتا ہے مردوں کو۔ ان کی یہ خام خیالی ہوتی ہے کہ جس عورت کو وہ اپنے ہاتھوں سے گنواتے ہیں وہ دوبارہ ان کی جانب لوٹے گی۔ کبھی نہیں۔

"مجھے لگا تھا تم کانچ جیسی شفاف ہو پر تم تو سنگ مرمر نکلی۔" وہ سینے میں اٹھتی جلن کو دبائے بولا۔

"تمہیں لگا تھا میں کانچ ہوں تو تم مجھے توڑ دو گے؟ میں توڑ کر بکھر جاؤں گی؟ بالکل نہیں۔ مجھے آج اپنے سنگ مرمر ہونے پر فخر ہے۔ تم اپنا سر پھوڑ لو گے پر مجھے نہیں توڑ پاؤ گے۔" گردن اٹھائے وہ آنسوؤں کو پیتے بولی۔ چہرہ ضبط سے سرخ پڑ گیا۔ آنکھوں سے جیسے خون رس رہا تھا۔

اس کی داہنی آنکھ کے قریب سرخ رنگ سے بڑی سی مکڑی بنی تھی جو اس کے آدھے چہرے پر پھیلی تھی اور پھر بائیں جانب گردن پر مکڑی کا جال بڑی نفاست سے بنا تھا جس میں ایک خوبصورت تتلی پھنس چکی تھی۔ اس کا آدھا چہرہ اس میک اپ سے چھپ گیا تھا اور اس کا میک اپ عنکبوت کے شکار کو آرٹ کی صورت میں پیش کر رہا تھا۔ یہ دراصل پینٹ کیا گیا تھا۔ بائیں جانب کی آنکھ سے سرخ سیال بہہ رہا تھا اور باقی چہرے پر زخموں کے نشان تھے اور اس کی گردن انہی زخموں سے سجی ہوئی تھی۔ وہ ایسی دلہن تھی جو عنکبوت کا شکار ہوئی تھی اور جسے مار کر دفنا دیا گیا تھا اور اسے دیکھ کر لگتا تھا جیسے وہ کسی تابوت سے اٹھ کر آئی ہو۔

ارسل کی اس فون کال نے اسے اس تکلیف کو اوڑھنے پر مجبور کر دیا تھا جسے وہ آرٹ کی صورت پہنے ہوئے تھی۔

اسے اپنی گردن پہ بنی، جال میں اٹکی، شکار ہو چکی تتلی کی تکلیف محسوس ہوئی۔ سینے میں اتنی جلن تھی کہ وہ سانس نہیں لے پا رہی تھی۔

"میں تم سے سر کیوں پھوڑوں گا؟ اچھا ہوا جو سب ختم ہو گیا۔ ایک پردے دار، نیک اور شریف عورت اس وقت میرے نکاح میں آنے والی ہے جسے آج تک کسی نے نہیں دیکھا۔ آج میں نے تمہیں چھوڑ دیا۔ فجر معراج تم آج ارسل برہان کے دل سے اتر چکی ہو۔ نفرت ہے مجھے تمہارے وجود سے، تمہارے نام سے، تمہاری ذات سے۔ میں تم سے نفرت کرتا ہوں۔"

اس کی سماعت میں پگھلے سیسہ انڈیلتے ارسل نے ٹک سے فون بند کر دیا اور فجر کو لگا کسی نے اسے بھرے بازار میں کوڑے دے مارے ہوں۔ تکلیف روح کی گہرائیوں تک اتر گئی۔ فون ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ وہ زمین پر بیٹھتے چلی گئی۔ اس کا خوبصورت گاؤن زمین پر کسی آبشار کی طرح بکھرا ہوا تھا اور سرخ سفید گاؤن کی اس آبشار کے بیچوں بیچ وہ اپنے وجود کے گرد بانہیں پھیلائے سسک رہی تھی۔ خود کو گلے لگانا تکلیف دہ ہوتا ہے اور وہ اپنی تکلیف بانٹ نہیں سکتی تھی اس لیے خود کو ہی گلے لگا لیا۔ گھٹنوں میں سر دیئے وہ آنسوں ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

محبت مکر جائے تو سہا جا سکتا ہے پر محبت پھٹکار دے تو سہا نہیں جاتا اور پھر پھٹکار ہمیشہ اسی کے مقدر میں ہی کیوں؟

"نفرت ہے مجھے تمہارے نام سے، تمہاری ذات سے۔"

اس نے گھٹنوں سے سر اٹھا لیا۔ آخر کب تک؟ کب تک لڑکیاں محبت کے نام پر خود کا استحصال کرتی رہیں گی؟ لڑکیاں خود اپنے ساتھ یہ ظلم کرتی ہیں۔ ساری امیدیں وابستہ کر کے پھر خالی وجود لیے بیٹھی رہ جاتی ہیں۔ بس اب اور نہیں۔

اسے فجر کے نام سے نفرت تھی تو پھر اس نام کو ایسا کیوں نہ بنائے جائے کہ ہر شخص اس نام کی چاہت کرے؟ ہر شخص خواہش کرے۔ ہر شخص یہاں تک کہ ارسل بھی فجر معراج کے نام کی حسرت کرے۔ اٹھ جاؤ فجر معراج!

"لڑکیاں اب سے محبت پر نہیں روئیں گی"

خوبصورت آنکھوں کو ہتھیلیوں سے رگڑتے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ دراز قامت لڑکی سرخ و سفید گاؤن پہنے کسی خون زدہ کفن میں لپٹی لاش کی طرح کھڑی تھی۔ پورے قد سے۔ جیسے لاش کو کسی چیز سے فرق نہیں پڑتا بالکل ویسے ہی۔

"لڑکیاں اب سے محبت پر نہیں روئیں گی"

وہ پھر سے زیر لب بڑبڑائی۔ ذرا سا جھک کر اس نے آگے سے گاؤن سیٹ کیا اور پھر سیدھا ہوتے کندھے چوڑے کر لیے۔

"لڑکیاں اب سے محبت پر نہیں روئیں گی"

کندھوں پر پڑا وہ سرخ رنگ کا عنکبوت کے جالے نما گھونگھٹ اٹھا کر سر پر سجا لیا۔

"لڑکیاں اب سے محبت پر نہیں روئیں گی"

آنکھیں موندے اس نے ورد کیا۔ اس کے وجود کا رواں رواں اسی ورد کی گواہی دے رہا تھا۔

کمرے کا دروازہ ایک بار پھر جھٹکے سے کھلا۔ صفدر کا چہرہ دکھائی دیا۔

"فجر آجاؤ اب ہماری باری ہے۔" وہ اسے بلانے آیا تھا۔ فجر نے آنکھیں کھول دیں۔ ایک آخری نظر آئینے میں نظر آتے اپنے وجود پر ڈالی اور پھر گردن اکڑائے دروازے کی جانب بڑھ گئی۔

"لڑکیاں اب سے محبت پر نہیں روئیں گی"

اس کے جانے کے بعد بھی فضا کا ہر ذرہ اسی کے الفاظ دہرا رہا تھا۔

"ہاں لڑکیاں اب سے محبت پر نہیں روئیں گی"

✿••✿••✿••✿

ولیم جوزف سر جھکائے بیٹھا تھا۔ کسی مجرم کی طرح۔ جس نے ایسا جرم کیا ہو جس کی معافی نہیں ملتی اور وہ مجرم جو اپنے جرم پر شرمندہ بھی ہو۔

عیسی ماموں نے اسکے جھکے ہوئے سر کو دیکھا۔ وہ اس وقت اسکول میں تھے۔ ان کے آفس میں اور ولیم نے، پاکستان میں جو کچھ بھی ہوا، وہ سب بتا دیا تھا۔ فجر کون تھی وہ اسے کیوں دکھائی دیتی تھی اور اس سے ولیم کا کیا تعلق تھا، اس نے کچھ بھی نہیں چھپایا۔

عیسی ماموں کے لیے یہ اتنا حیران کن تھا۔ وہ کہیں لمحے ساکت بیٹھے رہے پھر انہوں نے ولیم کو کندھوں سے تھام لیا۔

"سر اٹھاؤ ولی۔۔۔"

ولیم سر اٹھاتا اٹھ کھڑا ہوا۔ ان کے عین سامنے۔ وہ انہیں دیکھ رہا تھا۔ جانے عیسی ماموں کیا ری ایکٹ کرنے والے تھے پر اگلے ہی پل وہ ساکت رہ گیا کیونکہ عیسی ماموں اسے گلے لگا چکے تھے۔ محبت سے اس کی پیٹھ تھپکی۔

"معرفت کا تاج پہننے پر بہت بہت مبارک ہو۔"

ولیم یونہی کھڑا رہا۔ سمجھ نہ آیا ہنسے یا روئے۔ بولے یا خاموش رہے؟

"نکاح کر کے بہترین ایمان میں داخل ہونے پر دوسری مبارکباد قبول کرو۔" وہ اسے یوں تھپک رہے تھے جیسے اس نے دنیا فتح کر لی ہو۔ ولیم تو ان کے الفاظ پر حیران رہ گیا۔ اس کے اس عمل کو کوئی یوں کھلے دل سے بھی قبول کر لے گا یہ اسے اندازہ نہیں تھا۔ وہ حیرانی سے انہیں دیکھے جا رہا تھا۔

"لیکن اپنی بیوی کو پاکستان ہی چھوڑ آئے یہ بہت غلط کیا۔" عیسی ماموں نے اس کا گال تھپتھپاتے کہا۔ ولیم بے زبان سا انہیں تکے گیا۔

"ارے بھئی اتنا حیران کیوں ہو رہے ہو؟ تم نے نکاح کیا ہے۔ گواہوں کی موجودگی میں قبول کیا ہے۔ ولی ہو تم اس کے۔ سر اٹھا کر فخر سے کہو۔ ڈر کیوں رہے ہو؟"

ولیم نے تھوک نگل کر گلہ تر کیا۔ کچھ کہنے کو لب وا کیے پر الفاظ دم توڑ گئے۔ عیسی ماموں اسے محبت پاش نگاہوں سے دیکھ رہے تھے اور ولیم اس محبت کا عادی نہیں تھا۔ آنکھوں کا نم ہونا تو بنتا تھا۔

"پر اس شادی کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔" اس نے بمشکل بتایا۔

"تمہارے یہ کہنے سے احکامات نہیں بدل جائیں گے برخوردار۔"

"پتا نہیں میں اسے یاد بھی ہوں یا نہیں۔" اس نے مایوسی سے سر جھکا لیا۔ عیسی ماموں نے حیرت سے اسے دیکھا اور پھر مسکرا دیئے۔

"تمہیں پتا ہے تمہاری بے چینیوں کی وجہ کیا ہے؟" اسے واپس بیٹھتے انہوں نے نرم لہجے میں کہا۔ انہیں آج محسوس ہوا تھا کہ ولیم معصوم تھا۔ وقتی غصہ، اپنوں کے لیے کرنا جھگڑنا سب ٹھیک تھا۔ جو زف سے اس کی لڑائی بھی ٹھیک تھی پر وہ فطرتاً معصوم تھا کیونکہ اس کا دل صاف تھا۔ چوبیس پچیس سالہ جوان لڑکا جو اپنی پہچان کی جنگ لڑ رہا

تھا، جس نے ہوش سنبھالنے سے اب تک زندگی کے سارے سال ذہنی بیماری سے لڑتے گزار دیئے تھے، وہ کسی کو جان بوجھ کر ہرٹ کر ہی نہیں سکتا تھا۔ وہ اپنی ضد میں کورٹ میرج کر کے آیا تھا، اور اسی ضد کی وجہ سے تکلیف سہہ رہا تھا۔

ان کے سوال پر ولیم نے خالی خالی نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

"تم اپنے جسم کا ایک حصہ وہیں چھوڑ آئے ہو۔"

ولیم سانس نہیں لے پایا۔ کیا وہ واقعی ٹھیک کہہ رہے تھے؟

"مم۔۔ سمجھا نہیں۔۔" جانے وہ کیا سمجھنا چاہ رہا تھا۔

"وہ لڑکی جو تمہاری منکوحہ ہے وہ تمہارا ایک حصہ ہے۔ اسے تمہارے لیے بنایا گیا ہے۔ کیونکہ تمہیں اس کی ضرورت ہے۔ آدم کے لیے ہمیشہ سے ہی حوا کو بنایا گیا۔ وہ تمہاری محتاج نہیں ہے تم اس کے محتاج ہو۔ وہ تمہارا سکون ہے اور اپنے سکون کو کوئی یونہی بے آسرا چھوڑ آئے تو پھر بے چینیاں پیدا نہیں ہوں گی تو کیا ہو گا؟؟"

وہ انہیں کن حقیقتوں سے روشناس کروانے تھے؟ اس عمر میں لڑکے ایسی سوچ کہاں رکھتے ہیں؟ پر ولیم سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"اسے میں یاد بھی نہیں ہوں گا" دل میں عجیب سا درد تھا۔ میٹھا درد، یہ خوشی اور تکلیف بیک وقت دے رہا تھا۔

"تم نے اسے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد قبول کیا ہے، تم مت بھولنا"

عیسی ماموں نے اس کے فرار کی ساری راہیں مسدود کر دیں۔ وہ اب بھاگ نہیں سکتا تھا۔ اسے آج احساس ہوا تھا وہ واقعی اپنا ایک ٹکڑا وہیں کہیں چھوڑ آیا تھا۔

"نماز پڑھو گے ؟" عصر کا وقت تھا۔ عیسی ماموں نے بڑی اپنائیت سے پوچھا۔

"جج۔۔جی۔۔؟؟" اس نے خوفزدہ نگاہوں سے عیسی ماموں کو دیکھا۔ کیا واقعی وہ وقت آگیا تھا جب اسے اپنی الگ پہچان چننی تھی؟ کیا وہ وقت آگیا تھا جب اسے جوزف پیلس کے مکین ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیں گے ؟ کیا وہ وقت آگیا تھا؟

اس کی آنکھوں میں خوف کے ڈورے پھیلنے لگے۔ چہرے پر وحشت سی چھا گئی۔ گلے میں کانٹے اگ آئے۔

عیسی ماموں اس کی اندرونی کیفیت سے واقف تھے۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرا دیئے۔ پھر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے اس کی جانب جھکے۔

"محبت اور معرفت سب کو نہیں ملتی ولی۔" ان کی آنکھیں جتاتی ہوئی تھیں۔

"یہ تاج جس کے سر پر سج جاتا ہے اسے سجا دیتا ہے۔ اب یہ تمہارے ہاتھ میں ہے تم اسے پہنے رکھتے ہو یا پھر اتار کر پھینک دیتے ہو۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"تم بیٹھو میں نماز پڑھ کر آتا ہوں۔" وہ اسے ساکت چھوڑ کر کمرے سے نکل گئے جبکہ ولیم ابھی تک سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کی زندگی میں کیا چل رہا تھا۔ جو ہوا وہ کیوں ہوا تھا؟ جو ہو رہا تھا کیا وہ صحیح تھا؟

مسلمان کی حیثیت سے اپنی پہچان بنانا یعنی اپنوں کو کھو دینا تھا کیونکہ مسٹر جوزف یہ کبھی برداشت نہیں کرتے۔ وہ اسے خود سے کاٹ کر پھینک دیتے پر مسلمان کی حیثیت سے اسے کبھی قبول نہ کرتے۔

ایک طرف اس کی فیملی تھی۔ جوزف خاندان تھا۔ ولیم جوزف، اس کا نام تھا۔ ایک شان تھی۔ آسمان کی وسعتوں جیسی زندگی تھی جہاں چاروں جانب چمکتے ستارے تھے۔

اور دوسری طرف معرفت تھی۔ اللہ تھا۔ محبت تھی اور یہ نئی زندگی زمینی زندگی تھی۔ اسے آسمان سے زمین پر آنا پڑتا۔

فیصلہ بہت مشکل تھا۔ کیا وہ یہ کر پائے گا؟ کیا وہ آسمان سے زمین پر آئے پائے گا؟

ٹن۔۔۔۔ٹن۔۔۔۔ٹن۔۔۔۔ کسی گرجا گھر کا گھنٹہ زور بجا اور ولیم جوزف کی الٹی گنتی شروع ہو گئی۔

✿••✿••✿••✿

لائٹ، کیمرہ، ایکشن

یوں لگا جیسے کسی پر اسرار فلم کا تعارف شروع ہوا ہو۔ ہال کی ساری روشنیاں بجھ چکی تھیں۔ ایک اسپاٹ لائٹ اسٹیج کے بیک پر تھی وہ جہاں سے فجر کر اندر داخل ہونا تھا۔

اسے کب، کیسے، کتنی روشنی میں، کس میوزک کے ساتھ اینٹری کرنی تھی یہ سب صفدر نے طے کیا تھا۔ اسے کیسے چلنا تھا، کہاں آکر رکنا تھا، کہاں سر سے گھونگھٹ اٹھانا تھا، گردن کتنی اونچی رکھنی تھی یہ سب پریکٹس صفدر نے کروائے تھی۔ اس وقت بھی اسٹیج کے دونوں جانب بنے لمبے بازوؤں پر اسٹوڈنٹس کے گروپ کھڑے تھے۔ کسی نے ٹیکسٹائل ڈیزائننگ میں نمونہ پیش کیا تھا، کسی نے کاسٹیوم ڈیزائننگ میں تو کسی نے میک اپ آرٹسٹ کے جوہر دکھائے تھے۔ سب کا کام قابل تعریف تھا۔ اسٹیج کے پیچھے، دروازے سے ذرا اوپر بڑی اسکرین لگی تھی جس پر آنے والے ہر گروپ کا تعارف دکھایا جا رہا تھا۔ اسٹوڈنٹس جب اپنے اپنے پروجیکٹس پر کام کر رہے تھے تو ان کی چھوٹے چھوٹے ویڈیو کلپ بنائے گئے تھے اور انہی کلپس کو اسکرین پر چلایا جا رہا تھا۔

تیز بجنے والا میوزک ایک دم خاموش ہو گیا اور اس کی جگہ لاناڈیل رے کا Salvatore ہلکی دھن پہ شروع ہوا۔ صفدر ہال کے آخری سرے پر اسپاٹ بوائے کے پاس کھڑا تھا۔ ایک پر اسرار سا میوزک گونجا اور اسٹیج پر اسپاٹ لائٹ کی روشنی میں فجر معراج قدم دھرتی آگے بڑھتی دکھائی دی۔

اس کا گاؤن کیسا تھا؟ سفید رنگ کا سر سے پاؤں تک ساڑھی نما گاؤن جس پر سرخ کپڑے سے یوں ڈیزائننگ کی گئی تھی کہ دیکھنے والے کو وہ خون کے دھبے لگتے۔ آف شولڈ اور پھر کندھون سے لے کر ہاتھوں تک جالی دار سرخ دستانے جن سے خون رستا دکھائی دیتا تھا اور ایک سرخ بالکل بلڈ ریڈ لمبی ٹیل جو اس کی کمر کے مقام پر جڑی تھی۔ آگے سے اوپن اور پیچھے کی جانب جانے کتنی فٹ لمبی تھی جو اس کے پیچھے پیچھے چلی آ رہی تھی۔ چہرے پر پڑا وہ سرخ گھونگھٹ جس کے پار کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

میڈم رشنا کے ساتھ بیٹھا رئیس اور نگزیب پل بھر کو ساکت ہوا۔

سب نے اپنے خوابوں کو خوبصورت طریقے سے پیش کیا تھا پر کوئی nightmares کو اتنی دلکشی سے سامنے لا سکتا تھا یہ واقعی حیران کن تھا۔

مراد عالم کی آنکھوں میں ستائش ابھری۔ رئیس ٹیکسٹائل کے کپڑے کو وہ اتنے بہترین طریقے سے استعمال کرے گی اسے امید نہیں تھی۔ ٹھیک کہا تھا فجر نے کہ نائٹ میئرز بننے والی وہ واحد تھی۔

اسکرین پر اس کا نام ابھرا۔

فجر معراج اور نیچے صفدر حسین لکھا تھا کیونکہ اس گروپ میں وہ دو ہی تھے۔ رئیس کی نگاہیں اٹھیں اور پھر اس نام پر جم سی گئیں۔

وہ گردن اکڑائے نم آنکھیں لیے اسٹیج کے دوسرے سرے تک آئی۔ آنکھوں کے ساتھ ساتھ دل بھی جل رہا تھا۔ اسٹیج کے سامنے ہی ایک جانب رئیس گروپ کا میز لگا تھا اور ساتھ لکس گروپ تھا۔ دوسری جانب اسٹائل کمپنی کے ساتھ ساتھ دو تین اور نجی کمپنیاں تھیں۔ چیف گیسٹس کے پیچھے مینجمنٹ کی لمبی لائن تھی اور ان کے پیچھے اسٹوڈنٹس بھرے تھے۔

جیسے ہی فجر آخری سرے پر پہنچی اس نے سرخ گھونگھٹ اٹھا دیا اور اس کا چہرہ دیکھتے ہی پورا ہال ہوٹنگ سے گونج اٹھا۔

"یوں لگ رہا ہے جیسے کوئی nightmare کسی تابوت سے فرار ہو کر آ گیا ہو۔" مراد عالم نے رئیس کی جانب جھکتے خاموشی کی۔ گرے پینٹ پر آسمانی ڈریس شرٹ پہنے رئیس اور نگزیب اپنی کرسی پر جم گیا تھا۔ نہیں فجر معراج کا چہرہ واضح نہیں تھا۔ اس نام کی جانے کتنی لڑکیاں ہوں گی پر اسکرین پر چلتی ویڈیو کلپ، جس میں فجر پروجیکٹ روم میں صفدر کے ساتھ کام کر رہی تھی، اس کلپ نے رئیس اور نگزیب کو ساکت کر دیا تھا۔

"منار۔۔۔" وہ زیر لب بڑبڑایا۔ وہ اسے پہچان گیا تھا۔ وہ اسے کیسے نہ پہچانتا وہ منار کی فوٹو کاپی تھی۔ دل سینے میں ڈوب کر ابھرا۔

"تمہاری بہن کیسی دکھتی ہے؟" وہ اس سے ہر روز پوچھتا تھا۔ بلقیس بیگم سے کیے وعدے کے مطابق اس نے کبھی فجر کو جاننے کی کوشش نہیں کی۔ کرتا بھی کیوں اسے دلچسپی نہیں تھی۔ پر۔۔۔۔ پر۔۔۔ یہ کیا ہوا تھا؟ اسکرین سے ہٹا کر اس نے نظریں اسٹیج کے بیچ کھڑی فجر پر جما دیں۔ چہرے اور گردن پر بنا مکڑی اور اس کا جال اور اس میں پھنسی تتلی واضح دیکھی جا سکتی ہے۔

"تمہیں کیا لگتا ہے رئیس؟ مجھے تو یہ لڑکی ملکہ ملعون کی وائبز دیتی ہے۔" مراد اس کی جانب جھکا سرگوشیاں کر رہا تھا۔ میڈم رشنا کا سر فخر سے بلند ہو گیا تھا۔ وہ کندھے چوڑے کیے بیٹھی تھیں کیونکہ فجر معراج نے واقعی کر دکھایا تھا۔

اس کا ڈریس، اس کا میک اپ، اس کی اینٹری، لائٹ میوزک سب بہترین تھا سب پرفیکٹ تھا پر وہ کیا تھا جو دیکھنے والوں کو بے چین کر رہا تھا جو ہال میں بیٹھے آرٹسٹس کو اپنی جانب کھینچ رہا تھا۔ وہ کیا تھا جو اس سے نظریں نہیں ہٹانے نہیں دے رہا تھا۔

وہ اس کی زخمی آنکھیں تھیں، وہ اس کی زخمی روح تھی۔ وہ اس کی تکلیف تھی جو اس نے اوڑھ رکھی تھی۔

پرفارمنس ختم ہو گئی۔ وہ اب اسٹیج کے آخر میں اسٹوڈنٹس کی قطار میں کھڑی تھی۔ سب کے درمیان میں۔ ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ بتیاں جلا دی گئیں پر جو وجود بے حرکت تھا وہ رئیس اورنگزیب تھا۔ آنکھوں اور چہرے کی بے یقینی جانے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ کیا زندگی میں واقعی تھرل آنے والا تھا؟

"**معراج الدین کی بیٹی مجھ سے انکاری ہے نا؟**" اسے اپنی آواز سنائی دی۔ وہ ہمیشہ بلقیس بیگم سے یہ سوال کرتا تھا۔

"**منار کی بہن کو آزاد کر دو۔ فجر کو آزاد کر دو۔**" ذرتاش نے اس سے حالیہ درخواست کی تھی۔

"**وہ لڑکی تمہاری نئی شروعات ہے رئیس۔**" بلقیس بیگم کی آواز ابھری اور رئیس کو اپنے سینے کے مقام پر جلن کا احساس ہوا۔

آخر کیوں نہیں بتایا تھا اس کی ماں نے کہ فجر، منار جیسی دکھتی تھی؟ اسٹیج پر کھڑے سبھی اسٹوڈنٹس مسکرا رہے تھے۔ اگر کوئی چہرہ سپاٹ تھا تو وہ فجر کا تھا۔ رئیس نے اس پل شدت سے خواہش کی کہ کاش اس وقت اس کے چہرے پر وہ میک اپ نہ ہوتا تو وہ اس چہرے کو آسانی سے دیکھ پاتا۔ کیا وہ واقعی ویسی دکھتی تھی جیسی ویڈیو کلپ میں تھی یا پھر یہ اس کی نظر کا دھوکا تھا۔

صفدر اچھلتا ہوا اسٹیج تک پہنچا اور پھر گھس کر فجر کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔

"فائنلی ہم نے کر دکھایا۔" فجر کی جانب جھکتے اس نے سرگوشی کی پر فجر سن کہاں رہی تھی۔ وہ تو جیسے سنگ مرمر کا مجسمہ بن گئی تھی جسے نہ کچھ دکھائی دے رہا تھا نہ کچھ سنائی دے رہا تھا۔

آج سے پہلے ڈیپارٹمنٹ کا کوئی بھی بیچ اس لیول تک نہیں پہنچ پایا تھا۔ یہ پہلی بار تھا جب اسٹوڈنٹس نے خود کو بڑی بڑی فیشن کمپنیوں کے سامنے ثابت کر دکھایا تھا۔ سبھی اسٹوڈنٹس اپنے لیے تالیاں بجا رہے تھے۔ یہ ان کے لیے بڑی جیت تھی۔

"فجر معراج۔۔" میڈم رشنا نے رئیس کی نظروں کے تعاقب میں فجر کو دیکھا اور پھر تھوڑا سا اس کی جانب جھکتے سرگوشی کی۔

"وہ بلندیوں پر راج کرنا چاہتی ہے بالکل تمہاری طرح۔۔" وہ مسکرائیں۔ ایک ٹیچر سے زیادہ اپنے اسٹوڈنٹس کو آگے جاتے دیکھ کر شاید ہی کوئی خوش ہوتا ہو اور میڈم رشنا اس وقت خوش تھیں کیونکہ یہ ان کی کامیابی تھی۔

رئیس نے سنا، پروسیس کرنے کی کوشش کی پر نہیں کر پایا۔

"میں تم سے شادی نہیں کر سکتی۔ میں کسی اور سے محبت کرتی ہوں۔" اس نے ٹائی نہیں لگا رکھی تھی پھر بھی سانس لینے میں دشواری پیش آئی۔ وہ ہاتھ بڑھا کر اپنی شرٹ کا اوپری بٹن کھول رہا تھا۔

"رئیس تم ٹھیک ہو؟" میڈم رشنا نے اس کے چہرے پر ابھرتے پسینے کے قطروں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے تازی ہوا چاہیے۔" اس نے منہ کھول کر سانس لینا چاہا۔ مضبوط جسامت کا مرد اس وقت شدید گھبراہٹ کا شکار تھا۔ وہ یہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا۔

"چلو باہر چلتے ہیں۔" وہ عروزہ اور مراد کو وہیں چھوڑتا میڈم رشنا کے ساتھ ہال سے باہر نکل آیا۔ مراد عالم جانتا تھا اسے کس کس اسٹوڈنٹ کو اٹھانا تھا۔

رئیس نے باہر نکلتے ہی گہرہ سانس لیا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کسی برے خواب نے اسے جکڑ لیا ہو۔

"میں معذرت خواہ ہوں کہ تمہیں اتنے بڑے صدمے سے گزرنے کے بعد یہاں آنا پڑا۔" وہ واقعی پریشان لگ رہی تھی۔ شام کے اس پہر سورج کی نارنجی کرنیں ڈوبتی جا رہی تھیں۔ شام کے سائے گہرے ہونے لگے تھے۔ ڈیپارٹمنٹ باہر سے خالی تھا کیونکہ ساری رونقیں ہال کے اندر تھیں۔

"اٹس اوکے۔" وہ خود پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا جبکہ میڈم رشنا اسے گہری نظروں سے دیکھ رہی تھیں اور جانچنے کی کوشش کر رہی تھیں آخر اسے ہوا کیا تھا؟

"آؤ میرے ساتھ۔" وہ رئیس کو اپنے ساتھ آنے کا کہتی اپنے آفس کی جانب بڑھی۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں میڈم رشنا کے آفس میں بیٹھے تھے۔ جہاں فجر اور صفدر کا کافی سامان پڑا تھا یہاں تک کہ فجر کا فون بھی وہیں پڑا تھا۔

میڈم رشنا نے رئیس کے لیے جوس منگوایا اور پھر اس کی جانب متوجہ ہوئی جو صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے، صوفے سے ٹیک لگائے، ایک بازو صوفے کی پشت پ جمائے، تھوڑا ٹیڑھا بیٹھا، گلاس ونڈو سے باہر دیکھ رہا تھا۔ دوسرا ہاتھ گھٹنے پر رکھا تھا۔ اس کی پیشانی کی لکیریں گہری تھیں اور آنکھوں کی بے یقینی ابھی تک قائم تھی۔

"کیا میں پوچھ سکتی ہوں تم کس بات کو لے کر پریشان ہو؟" گلاس ونڈو سے آتی نارنجی روشنی میں رئیس کا سراپا واضح تھا۔ میڈم رشنا اسے دیکھے گئیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس کی شخصیت مزید نکھرتی جا رہی تھی۔

"نہیں نہیں بس تھوڑی گھبراہٹ ہو گئی تھی۔ ویسے تم بتاؤ تمہارے زیر نگرانی کتنے گرو پس تھے؟" وہ بات بدلنا چاہتا تھا بلکہ بات کا رخ اپنی مطلب کی بات کی جانب موڑنا چاہ رہا تھا۔

"بس ایک ہی۔ صفدر اور فجر۔ دونوں کافی محنتی ہیں۔" وہ پرجوش سی بتانے لگیں۔ "کام تو تم نے دیکھ ہی لیا ہے۔ فجر میں بہت پوٹینشل ہے۔ میں چاہوں گی وہ رئیس کے ٹیلنٹڈ لوگوں کے ساتھ کام کرے۔" انہوں نے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ رئیس ابھی تک کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا جہاں کچھ فاصلے سے صفدر اور فجر آتے دکھائی دے رہے تھے۔

"بیک گراؤنڈ کیا ہے اس لڑکی کا؟" نام لینے سے گریز کیا۔ جانے کیوں وہ بے ساختہ اس کا نام نہیں لے پایا۔

"مڈل کلاس ہے۔ باپ کوئی چھ سات مہینے پہلے چل بسا ہے۔ باقی میں کچھ نہیں جانتی۔"

رئیس نے بے ساختہ سانس لیا۔ یعنی وہ واقعی معراج الدین کی بیٹی تھی۔

وہ سن میڈم رشنا کو رہا تھا پر نظریں کھڑکی سے باہر جمی تھیں۔

"تم رکو میں چینج کر کے آتی ہوں۔ اس گاؤن میں کافی گرمی لگ رہی ہے۔" فجر نے ہاتھ میں پکڑا پھولوں کا گلدستہ صفدر کو پکڑایا۔ یہ اسے ابھی فروہ نے دیا تھا وجہ تو سب کو معلوم ہی ہے۔ وہ فجر سے اپنے تعلقات اچھے رکھنا چاہتی تھی اور فجر کے کامیابی پر اتنا تو بنتا تھا۔

اسٹوڈنٹس اب آہستہ آہستہ ہال سے باہر نکل رہے تھے۔ ان کی آوازیں سنی جا سکتی تھیں۔ فجر اسی جانب آ رہی تھی جب عقب سے ابھرنے والی آواز پر چونک کر رکی۔ صفدر بھی رک گیا۔

ان کے پیچھے ہی اسٹوڈنٹس کے گروہ کے درمیان ایک لڑکا کھڑا تھا یہ کوئی اور نہیں فجر اور صفدر کا کلاس فیلو ہی تھا۔ کلاس کا سی آر شہرام جس کی صفدر سے اچھی بنتی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک سرخ گلاب تھا۔ صفدر ٹھٹھک گیا۔ وہ جانتا تھا شہرام فجر کو پسند کرتا تھا۔ اس نے صفدر سے یہ بات شیئر کی تھی اور صفدر نے مزاق مزاق میں کہہ دیا تھا کہ ہمت ہے تو فجر سے کہو ورنہ اس کا خیال چھوڑ دو۔۔۔۔ اس کے ہاتھ میں پکڑا پھول گڑبڑی کا احساس دلا رہا تھا۔ شاید وہ اپنی قسمت آزمانے آیا تھا۔ یوں تو شہرام شریف اور شرمیلا لڑکا تھا پر فجر سے دل و جان سے امپریس تھا۔ سب کے سامنے ایک پرینک کے طور پر آیا تھا کہ کوئی کچھ کہے بھی نہ اور اگر فجر انکار بھی کر دے تو زیادہ محسوس نہ ہو۔ ایک تیر سے دو شکار کرنے آیا تھا۔

فجر نے بھنویں سکیڑ کر پہلے اسے دیکھا اور پھر اس کے ہاتھ میں پکڑے پھول کو۔

"مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔" مسکرانے کی کوشش کرتا وہ فجر سے مخاطب ہوا۔ آس پاس کے سبھی اسٹوڈنٹس رک سے گئے اور جو اس کے ساتھ تھے وہ پر شوق نگاہوں سے تماشہ دیکھنا چاہتا تھے۔

"بولو۔۔" فجر نے خود کو نارمل رکھنے کی کوشش کی پر یہ آج کے لیے مشکل کام تھا۔ اس کے اندر جو طوفان چل رہے تھے وہ صرف وہی جانتی تھی۔

"تم مجھے اچھی لگتی ہو فجر۔۔" وہ دو قدم بڑھا کر آگے آیا۔ فجر کی تیوری چڑھی۔

"آج ہمارا کلاس کا آخری دن تھا۔ آج سے ہم سب الگ ہو جائیں گے۔ اس ڈیپارٹمنٹ میں بھی آج آخری دن تھا تو میں نے سوچا میں تمہیں بتادوں کہ تم اچھی لڑکی ہو اور مجھے اچھی لگتی ہو۔" سرخ چہرہ لیے اس نے سرخ گلاب آگے کیا۔

کھڑکی کے پار بیٹھے رئیس نے آنکھیں چھوٹی کر کے یہ منظر دیکھا۔ پیشانی کی سلوٹیں جانے کا نام ہی نہیں لے رہی تھیں۔ چہرے کے تاثرات سپاٹ تھے فی الوقت میڈم رشنا کچھ بھی اندازہ نہیں لگا پائیں جبکہ رئیس کے لیے یہ بہت بڑا امتحان تھا۔ صرف اس کا ہی نہیں فجر کا بھی۔

"محبت؟ مائی فٹ!" وہ دل ہی دل میں ہنس دی۔ زخمی ہنسی۔

اس نے ایک نظر شہرام کو دیکھا۔ دل و دماغ میں جنگ چھڑ گئی۔ ایک کہہ رہا تھا نظر انداز کر دو جبکہ دوسرا کہہ رہا تھا چیر پھاڑ کر رکھ دو۔ ایسا کہ دوبارہ کوئی فجر کو سوچنے کی ہمت بھی نہ کرے۔ جنگ زور پکڑ گئی۔

"فجر خود میں لچک پیدا کرو۔۔۔" مانوس سی آواز گونجی۔

"بھاڑ میں گئی لچک! میں ملکہ ملعون ہوں۔ یہ دنیا اس قابل نہیں کہ اس پر رحم کیا جائے۔"

اپنے ذہن میں چلنے والی جنگ کو روکتے وہ شہرام کو دیکھ کر ہولے سے مسکرائی۔ وہ ہنسی جسے دیکھ کر صفدر کو گڑبڑی کا احساس ہوا۔ ایک قدم بڑھا کر وہ قریب آئی۔

"کھڑے کھڑے سب کہہ دو گے؟ گھٹنوں پر نہیں آؤ گے؟"

اس نے معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائیں۔ شہرام کے ساتھ ساتھ باقی اسٹوڈنٹس بھی حیران رہ گئے۔ وہ جو سخت سست سننے کی امید کر رہے تھے وہ سب یک دم سنجیدہ ہو گئے۔

اگر وہ ریگولر اسٹوڈنٹس ہوتے تو کوئی بھی ایسی حرکت نہ کرتا۔ ڈیپارٹمنٹ میں یوں کھلے عام پرپوز کرنا الاؤ نہیں تھا پر چونکہ ان کی ڈگری مکمل ہو چکی تھی تو کیوں نہ رسک لے کیا جاتا؟

شہرام حیرت سے مسکرایا اور پھر اس نے اثبات میں سر ہلاتے ایک گھٹنا زمین پر ٹکائے پھول اس کی جانب بڑھایا۔

"تم مجھے اچھی لگتی ہو فجر! یہ پھول تمہارے لیے۔" اس نے کوئی بیہودہ بات نہیں کی۔

گلاس ونڈو کے پار بیٹھے رئیس کی آنکھوں میں مرچیں سی بھر گئیں۔ وہ سانس روکے سامنے کا منظر دیکھ رہا تھا۔ دل کی دھڑکن کانوں تک سنی جا سکتی تھی۔

فجر ایک قدم بڑھا کر آگے ہوئی اور پھر اس نے شہرام کی جانب جھکتے ہوئے زہر خند لہجے میں کہا۔

"اوقات سے اونچے خواب نہیں دیکھتے یہ بینائی چھین لیتے ہیں۔"

شہرام کا پھول والا ہاتھ ہوا میں ہی رہ گیا۔ اس کا چہرہ سرخ پڑا۔

"اوقات میں رہنا سیکھ لیں شہرام صاحب یہ عادت ہمیں بہت ساری تکلیفوں سے بچا لیتی ہے۔" اس نے سیدھے ہوتے کہا اور پھر ایک نخوت بھری نگاہ تماشائیوں پر ڈالی، پھر دونوں ہاتھوں سے اپنا گاؤن اٹھاتی، گردن اکڑا کر وہاں سے نکل گئی۔

"لڑکیاں اب سے محبت پر نہیں روئیں گی"

رئیس نے دیکھا، سنا اور پھر آنکھوں کی چمک نے واضح ہونا ضروری سمجھا۔ اس کے لبوں پر پراسرار مسکراہٹ ابھر گئی۔ وہ شکاری تھا، کھلاڑی تھا۔ یقیناً یہ کھیل مزیدار ہونے والا تھا۔ عنکبوت کو اس بار خوبصورت تتلی کا شکار کرنا تھا۔

شہرام گھٹنا اٹھا نہیں پایا۔ چہرہ خفت سے سرخ پڑ گیا۔ اسے اسٹوڈنٹس نے گھیر لیا۔

"واہ شہرام تم نے کر دکھایا۔۔" وہ اسے تنگ کر رہے تھے۔ یونیورسٹی میں پرانک چلتی رہتی تھیں اس بار تھوڑی الگ تھی۔ اس نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔ ایک نظر صفدر کو دیکھا جسے افسوس ہوا تھا۔

صفدر اس کی جانب بڑھا اور اسکے کندھے پر ہاتھ رکھتے تسلی دی۔

"میں تمہیں بتانا بھول گیا تھا وہ شادی شدہ ہے۔" اس نے ہولے سے سرگوشی کی۔ شہرام نے بے یقینی سے صفدر کو دیکھا۔

"مجھے بھی بعد میں پتا چلا۔ پر کوئی نہیں چھوٹا سا پرینک ہی تو تھا۔ سب جانتے تھے وہ ایسا ہی جواب دے گی۔"

صفدر کہہ کر رہا نہیں پر کوئی شہرام سے پوچھتا کہ گھٹنوں پر لا کر گھٹنے توڑ دینے کی تکلیف کیسی ہوتی ہے؟ انسان اٹھنے کے قابل نہیں رہتا اور ملکہ ملعون یہ تکلیف دینا سیکھ گئی تھی۔

✿••✿••✿••✿

!اگلی قسط عید پر ان شاء اللہ

جاری ہے۔

* * * * * * *

عنکبوت

(معرفت اور محبت سب کو نہیں ملتی)

از قلم: نور راجپوت

باب ششم؛ جوزف پیلس کا قیدی

قسط نمبر:11

جوزف پیلس کی گہری راہداریوں میں گم،

ایک روح، جو اپنے ہی سائے کی قید میں ہے۔

خاموشی کی دیواریں، رازوں کی گواہ،

ہر قدم پہ الجھن، ہر سانس پہ آہ۔

روشنی ہے مدھم، پرچھائیاں ہیں گہری،

اپنے ہی محل میں، اجنبی سی ٹھہری۔

وقت کی زنجیریں، یادوں کا طوق،

اپنے ہی ماضی کا، بنا خود ہی روک۔

کھڑکیاں ہیں بند، دروازے ہیں مقفل،

اندر ہی اندر، اک طوفان ہے مضطرب۔

جوزف پیلس کے ہر گوشے میں چھپا،

ایک ایسا راز، جو ہے سب سے جدا۔

شاید یہ قید، کسی گناہ کی سزا ہے،

یا پھر کوئی ایسا سچ، جو سب سے جدا ہے۔

جوزف پیلس کا سایہ، ایک معمہ ہے گہرا،

جسے سلجھانے کو، ہر دل ہے ٹھہرا۔

جوزف پیلس میں رات کے اس سمے گہری خاموشی چھائی تھی۔ پورا پیلس جیسے ویران تھا کیونکہ پیلس کے ڈو افراد اس سمے لاؤنج میں رکھے وکٹورین صوفوں پر براجمان تھے۔

نینی اور جارج کے اطراف میں رکھی مشعلیں اپنی قوت جمع کیے جلنے میں مشغول تھیں۔

جارج کے چہرے پر سنجیدگی چھائی تھی۔ اتنی سنجیدگی کہ شاید ہی کسی نے دیکھی ہو۔ وہ دونوں اس وقت ولیم کا انتظار کر رہے تھے خاص طور پر جارج کیونکہ آج صبح جو بھی ہوا اس نے جارج کے اندر سے کچھ چھین لیا تھا۔ کوئی بدصورت ہاتھ ڈال کر اس کے سینے سے کچھ نکال لیا گیا تھا پر کیا؟

اس کے لیے وقت کو پر لگا کر دن کی جانب اڑنے ہو گا۔ دن کے وقت جب جارج اسٹوڈیو میں پوری سنجیدگی سے اپنے کام میں مگن تھا۔ مسٹر جوزف کچھ دیر پہلے ہی اسٹوڈیو پہنچے تھے۔

ان کا چہرہ سپاٹ اور تاثرات سے عاری تھا کیونکہ البرٹ انہیں فون کر کے کافی کچھ سنا چکے تھے۔

"اپنے بیٹے کو لگام ڈالو جوزف! یہ نہ ہو تمہاری بنی بنائی عزت خاک میں مل جائے۔ اگلی بار میں اسے معاف نہیں کروں گا۔"

دوست ہونے کے باوجود مسٹر البرٹ، ولیم جوزف کو مزید برداشت نہیں کر سکتے تھے اور جو دن میں ہوا اس کی وجہ سے جیکب ابھی تک صدمے میں تھے۔

جارج سیٹ پر تھا جب اسے مسٹر جوزف کا پیغام ملا۔ وہ معذرت کرتا اوپر ان کے آفس تک آیا۔ دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ دروازے پر دستک دی اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

"یس ڈیڈ؟" اس نے ہاتھ باندھے ادب سے کہا۔ مسٹر جوزف گلاس ونڈو کے پاس کھڑے تھے۔ انگلیوں میں دبے سگار سے دھواں نکل رہا تھا۔ ایک گہرہ کش لیتے انہوں نے دھویں کے مرغولے ہوا میں اچھالے اور پلٹ کر جارج کو دیکھا۔

سرمئی پینٹ پر سفید شرٹ پہنے جارج سادہ حلیے میں تھا، جبکہ مسٹر جوزف سیاہ ڈریس پینٹ میں اپنی ازلی، سرد سپاٹ شخصیت کے ساتھ کھڑے تھے۔ انہوں نے کنکھیوں سے جارج کو دیکھا اور پھر آگے بڑھ کر سگار، میز پر دھرے، ایش ٹرے میں پھینک دیا۔ جھولتی ہوئی بڑی سی کرسی کھینچ کر اس پر بیٹھ گئے۔ ٹانگ پر ٹانگ چڑھالی پر جارج کو بیٹھنے کو نہیں کہا۔

الجھے تاثرات لیے جارج یونہی کھڑا رہا۔

"تمہیں پتا ہے جینی رابرٹ نے تمہارے بجائے ولیم کا نام کیوں لیا؟" لہجہ عجیب تھا۔ جارج نے فوراً گردن اٹھا کر انہیں دیکھا۔ آنکھوں میں حیرانی کے ساتھ ساتھ کرب بھی ابھرا۔ یہ کوئی پوچھنے والی بات تھی؟

"اسے لگتا ہے کہ تم میں وہ پوٹینشل نہیں ہے جو ایک جوزف میں ہونا چاہیے۔" کرسی پر جھولتے انہوں نے اپنے سامنے کھڑے اپنے محنتی بیٹے کے دل کو زخموں سے بھر دیا۔ جارج جبڑے بھینچ کر رہ گیا پر بولا کچھ نہیں۔ آنکھوں میں کرب نمی کی صورت بھرنے لگا۔

"تم ایک بہترین بیٹے ہو جارج! تم پرفیکٹ ہو لیکن۔۔۔"

وہ عام سے لہجے میں کہتے بات اُدھوری چھوڑ گئے۔ جارج کا دل پل بھر کو رکا۔

"تم ایک اچھے جوزف نہیں ہو۔"

جارج کو لگا اس کے باپ نے تھپڑ کھینچ کر مارا ہو۔ چہرہ خفت سے سرخ پڑ گیا۔ بندھے ہاتھوں میں لرزش سی ہونے لگی۔ زخمی آنکھوں میں نمی پھیلنے لگی۔ گردن کی نسیں پھول گئیں۔

"جانتے ہو کیوں؟" وہ خود سوال جواب کر رہے تھے۔ جارج کے تو الفاظ جیسے دم توڑ گئے۔

"کیونکہ تم بڑے ہونے کے باوجود اپنے چھوٹے بھائی کو ہینڈل نہیں کر پائے۔ ایک مینٹلی ڈسٹرب بھائی کی زمہ داری میں نے تمہیں دی تھی جارج پر تم اسے ہینڈل نہیں کر پائے۔"

مسٹر جوزف کے لہجے میں تاسف تھا۔ جارج کی گردن مزید جھک گئی۔ چہرہ سرخ ٹماٹر جیسا ہو گیا۔ منہ بھینچ کر اس نے اپنی تکلیف کو ضبط کرنا چاہا۔

"غلطی تمہاری نہیں ہے میں جانتا ہوں ولیم جوزف کو ہینڈل کرنا آسان کام نہیں ہے پر تمہیں لگتا ہے تم اسے پیار محبت سے ہینڈل کر پاؤ گے یہ تمہاری غلطی ہے۔"

اس بار جارج نے گردن اٹھا کر حیرانی سے اپنے باپ کو دیکھا۔ جو باپ کم اور باس زیادہ تھا۔ ان کے سپاٹ چہرے پر کوئی بھی تاثر ڈھونڈنا بہت مشکل کام تھا۔ کرسی سے پشت ٹکائے، ان کی کرسی تیزی سے جھول رہی تھی۔

"ڈونٹ لیٹ ہم گو **(اسے چھوڑو مت)**۔" آگے ہوتے انہوں نے دونوں ہاتھ میز پر دے مارے۔ اس بات چہرے پر اشتعال ابھرا۔ آنکھوں میں واضح تنبیہ تھی کہ اس بار اگر اس نے کچھ غلط کیا تو تمہاری خیر نہیں۔

"لیکن ڈیڈ۔۔" جارج نے اس ساری گفتگو میں پہلی بار کچھ کہنا چاہا۔

"ہاتھ توڑنے پڑیں توڑ ڈالو، پیر کاٹنے پڑیں کاٹ ڈالو تمہیں اجازت ہے پر مجھے کوئی شکایت نہ ملے۔"

ان کے لہجے سے بدی کی بو آئی۔ جارج نے پل بھر کو حیرت سے انہیں دیکھا۔ جھولتی کرسی اب ساکت تھی۔ مسٹر جوزف کی سیاہ آنکھیں موت کی کہانی سنا رہی تھیں۔ وہ ایک بیٹے کو قابو کرنے کے لیے دوسرے بیٹے کے، اندر کے حیوان کو جگا رہے تھے۔

"اگر تم نہیں کر سکتے تو بتادو میں انتظام کرلوں گا۔" لاپرواہی سے کہتے انہوں نے جھٹکے سے خود کو کرسی پر گرا دیا۔ کرسی پھر سے جھول اٹھی۔

"میں کرلوں گا ڈیڈ!" جارج کی لہو رنگ آنکھیں برائی کو بھانپ گئی تھیں۔

"جارج۔۔؟" نینی کی آواز پر وہ چونک کر خیالوں سے باہر آیا۔

"ولیم آتا ہی ہو گا، تم سو جاؤ میں اسے دیکھ لوں گی۔" نینی فکر مندی سے بولیں۔ انکا دل جانے کیوں گھبرا رہا تھا۔ جارج کے مزاج انہیں ٹھیک نہیں لگ رہے تھے۔ سائیں سائیں کرتا جوزف پیلس خوفناک کہانیاں سنا رہا تھا۔

"نہیں نینی آپ سو جائیں۔ آج ولیم کا استقبال میں ہی کروں گا۔" گردن جھکائے اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ چہرے پر کوئی تاثر دکھائی نہیں دیتا تھا۔ نینی کے کچھ کہنے کو لب وا کیے پر وہ خاموش رہیں۔

دوسری طرف ولیم کی گاڑی جوزف پیلس کے احاطے میں داخل ہوئی تو ساتھ والی سیٹ پر رکھا اس کا فون بجنے لگا۔ صبح سے اس کا نمبر بند تھا۔ آج کا دن لمبا اور تکان زدہ تھا۔ یہ تکان اس کی کتھئی آنکھوں میں واضح دیکھی جا سکتی تھی۔ وہ رفتار آہستہ کیے گاڑی اندر لایا۔ فون اٹھا کر کان سے لگایا۔ ہاں جو اس نے کیا وہ غلط تھا پر وہ اتنا بھی نہیں ڈرتا تھا کہ گھر ہی نہ آئے۔

"ہیلو۔۔" شکست خوردہ لہجہ۔

"کدھر ہو؟" نیل کی بے تاب آواز سنائی دی۔

"گھر ہوں۔" گاڑی کی رفتار بالکل آہستہ کیے بالآخر اس نے پورچ میں کھڑی کی۔

"بکواس بند کرو ولیم، جارج تمہیں ڈھونڈنے یہاں آیا تھا۔"

گاڑی رکتے ہی اس نے سیٹ سے سر ٹکایا۔ دماغ کی ساری نسیں دکھ رہی تھیں۔

"ابھی آیا ہوں۔ گاڑی پارک کی ہے۔"

"کہاں تھے صبح سے؟ مجھے تمہارے ارادے ٹھیک نہیں لگ رہے ہیں۔" وہ دوست تھا فکر مند تھا۔ جب سے اس نے پاکستان جا کر شادی کی تھی نیل اس سے اب کچھ بھی توقع کر سکتا تھا۔ وہ کبھی بھی کچھ بھی کر سکتا تھا۔

"اسٹرلنگ گیا تھا۔"

"تبلیغ کرنے گئے تھے یا باجماعت نماز پڑھانے؟" وہ جل بھن کر بولا تو ولیم پھیکا سا مسکرا دیا۔

"بعد میں بات کرتا ہوں تم سے۔" اس نے نیل کا جواب سنے بنے فون بند کر دیا اور پھر گاڑی سے نکل کر پہریداروں کو دیکھا جو احاطے کے کے گرد چکر لگاتے پہرہ دیتے تھے۔ وہ گہرہ سانس لیتا اندر کی جانب بڑھا۔ ڈینم کی جیکٹ اب پہن رکھی تھی۔ قد آور دروازہ دھکیل کر وہ اندر داخل ہوا اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہال سے گزرتا لاؤنج تک پہنچا۔

سامنے ہی جارج اور نینی کو بیٹھے دیکھ کر وہ ٹھٹک کر رک گیا۔

"اپ لوگ آج یہاں؟ خیریت ہے؟" اس نے ٹھہر کر پوچھا۔ جارج مٹھیاں بھینچے بیٹھا تھا۔ اس سے پہلے نینی کوئی جواب دیتیں جارج فوراً بولا۔

"کہاں تھے تم؟" لہجے میں سرد پن تھا۔ نظریں سامنے رکھی میز پر جمائے اس نے اپنے دائیں جانب کھڑے ولیم سے پوچھا۔

"ادھر ہی تھا۔" تین لفظی جواب دے کر اس نے نینی کی جانب دیکھا۔ ابرو اٹھائے جارج کی جانب اشارہ کیا "اسے کیا ہوا ہے؟"

"کھانا کھاؤ گے؟" نینی نے دوبدو کہتے بات بدلنا چاہی۔ آج جارج کے رنگ کچھ اور کہانی سنا رہے تھے۔

"نینی مجھے بھوک نہیں ہے۔" وہ سادہ لہجے میں جواب دیتا سیڑھیوں کی جانب بڑھا۔ اطراف میں رکھی مشعلیں جو زف پیلس میں چھائے اندھیرے کو کاٹنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھیں۔

"میں نے کچھ پوچھا ہے تم سے۔" اس بات جارج نے سر اٹھایا۔ ولیم کے قدم رک گئے۔ "کہاں تھے تم؟" اس کی آنکھیں ولیم کو جلا کر بھسم کرنا چاہتی تھیں۔

"او کم آن جارج! میں کوئی سات سال کا بچہ ہوں جو۔۔"

اس کے باقی الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔ جارج ایک جھٹکے سے اٹھا اور پھرتی سے اس کی جانب بڑھا اور اگلے ہی لمحے اس کا زوردار مکا ولیم کے ناک پر پڑھا۔ ولیم لڑکھڑا کر پیچھے گرا۔ وہ حملے کے لیے تیار نہیں تھا نہ ہی اسے جاری سے ایسی توقع تھی۔

ولیم کو اپنا پورا چہرہ ٹوٹتا پھوٹتا محسوس ہوا۔ جارج کا مکا اتنا زوراد تھا کہ ناک سے فوراً خون ابل پڑا۔ گرتے ہی اس کی کہنیاں نیچے لگیں۔ ایک کہنی زمین پر جمائے اس نے دوسرے ہاتھ سے اپنے ناک کو چھوا۔ انگلی کی پوریں سرخ سیال سے بھر گئیں۔ اس نے بے ساختہ جارج کو دیکھا۔ آنکھوں میں بے یقینی تھی۔

"جارج نہیں بیٹا۔۔" نینی تڑپ اٹھیں۔ اپنی چھڑی کا سہارا لیتے انہوں نے اٹھنا چاہا لیکن جیسے ٹانگوں نے جواب دے دیا۔

اگلے ہی پل جارج اس کے اوپر جھکا۔ گریبان سے پکڑ کر اسے جھٹکا دیا۔

"بہت ہو گیا ولیم جوزف! بہت ہو گیا۔" اس کی آنکھوں سے لہو ٹپکنے لگا یوں جیسے اندر کوئی آتش فشاں پھٹ گیا ہو۔ جارج کا یہ روپ ولیم نے پہلی بار دیکھا تھا۔

"یہ تمہاری آخری وارننگ ہے۔"

"جارج بس کرو بیٹا۔" نینی نے بھرائی آواز میں التجا کی۔ اپنی زندگی میں یہ دن دیکھنے کی انہوں نے توقع نہیں کی ہو گی۔ آس پاس رکھیں مشعلیں پھڑ پھڑانے لگی۔ صوفے کے پار دیوار پر لگی مسٹر جوزف کی ڈریکولا جیسی پینٹنگ اس پل زمین پر گرے ولیم کو دیکھ کر استہزائیہ مسکرائی۔

"مجھے مجبور مت کرو ولیم جوزف ورنہ میں اپنے ہاتھوں سے تمہارے ہاتھ پیر توڑوں گا۔" اس نے ایک جھٹکے سے ولیم کا گریبان چھوڑ دیا اور پھر اس کے اوپر سے پھلانگتا، سیڑھیاں چڑھتے، پراسرار محل کے کسی گوشے میں غائب ہو گیا۔ ولیم ابھی تک بے یقینی کی کیفیت میں تھا۔

"ولیم۔۔۔" نینی بالآخر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ولیم نے خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھا اور پھر جیکٹ کی آستین سے بہتے ناک کو صاف کرتے اٹھ کھڑا ہوا۔ ناک کے ساتھ ساتھ پورے چہرے، یہاں تک کہ کھوپڑی تک میں جلن پھیل گئی۔

"میں ٹھیک ہوں نینی۔" وہ گلے میں اٹکے آنسوؤں کا گلہ گھونٹا نینی کی جانب بڑھا۔

"ولیم میرے بچے! یہ سب کیا ہو رہا ہے؟" نینی اس کے سینے سے لگ گئیں۔ ولیم نے دونوں بازو پھیلا کر انہیں تحفظ کا احساس دلایا۔ سیاہ فارم نینی اپنے بھاری بھرکم وجود کے ساتھ سسک رہی تھیں۔

"سب ٹھیک ہے نینی! آپ پریشان مت ہوں۔" حجاب میں لپٹے ان کے سر کو سہلاتے ولیم نے یقین دلانا چاہا۔

"کیوں کر رہے ہو تم یہ سب؟ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟" نینی نے اس کے سینے سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ زخمی روح لیے کھڑا ولیم کچھ نہیں بول پایا۔ پانچ سال کا تھا جب وہ پہلی بار ان کی آغوش میں آیا تھا۔ سب سے معصوم اور بے ضرر ولیم، دیکھتے ہی دیکھتے کب اتنا بدل گیا کچھ پتا ہی نہیں چلا۔

"ششش نینی! پریشان مت ہوں سب ٹھیک ہے۔" وہ خود نینی کے آنسوں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس لیے خود پر قابو پائے انہیں پُر سکون کرنے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔

پوری شان سے سر اٹھائے کھڑے جوزف پیلس نے اس کی باتوں پر قہقہہ لگایا۔ نینسی کی بے چین روح جیسے اوپری راہداریوں میں بھاگتی پھر رہی تھی۔

"پہلے جیسے ہو جاؤ ولیم! پہلے جیسے ہو جاؤ!" وہ اس کے قریب کھڑیں التجا کر رہی تھیں۔

"پہلے جیسا کچھ نہیں ہو سکتا نینی! ولیم تو بالکل نہیں۔" ان کے ہاتوں کو اپنے ہاتھ میں تھامتے وہ پھیکا سا مسکرا دیا۔ ناک سے بہتے خون کی لکیر ہونٹوں کے کٹاؤ تک آگئی۔ نینی نے اپنے حجاب کے پلو سے اس کا بہتا ناک صاف کیا۔

"جوزف تمہیں یوں قبول نہیں کرے گا اگر اسے ذرا بھی بھنک پڑی تم مسلمان ہو چکے ہو وہ تمہیں مار ڈالے گا۔"

نینی نے ڈری سہمی آواز میں سرگوشی کی۔ ولیم نے حیرانی سے انہیں دیکھا۔ یعنی وہ جانتی تھیں؟

ماں بن کر پالا تھا وہ اس کی ذات میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کو کیسے نہیں دیکھ سکتی تھیں؟

"مر کر دیکھ لیتے ہیں نا نینی!" مسکرانے کی کوشش کرتے اس نے نینی کے دونوں ہاتھوں کو اوپر اٹھایا اور پھر انہیں ہولے سے لبوں سے لگایا۔

"بس آپ میرا ساتھ مت چھوڑیئے گا۔" وہ انہیں مان سے دیکھ رہا تھا۔ کتھئی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر گئیں۔ وہ بار بار آنکھیں جھپک کر آنسوں پینے کی کوشش کرنے لگا۔

"ولیم میرے بچے!" انہوں نے اپنا ہاتھ چھڑا کر اسکے گال کو چھوا۔

"خدا تمہیں کامیاب ٹھہرائے۔ خدا تمہیں آباد رکھے۔" وہ اس کی پیشانی چومنا چاہتی تھیں پر وہ دراز قد تھا۔ ولیم نے نیچے ہوتے سر جھکا دیا۔ نینی نے اس کے روشن پیشانی پر بوسہ دیا۔

"بس اب بہت ہو گیا۔ چلیے آپ کے سونے کا وقت ہو چکا ہے۔" وہ انہیں کندھے سے تھام کر ان کے کمرے کی جانب بڑھ رہا تھا۔ نینی اپنا بھاری دل لیے اس کے ساتھ چلنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ ہر وقت انہیں ڈر لگا کرتا تھا کہ کسی بھی پل ولیم ان سے چھن جائے گا۔ وہ اسے نہیں دیکھ پائیں گی۔ وہ آج کل اسی خوف میں جی رہی تھیں۔

کمرے میں لا کر انہیں بستر میں لٹاتے، ان کے کمرے کے پردے درست کرنے کے بعد وہ ان کی پیشانی پر بوسہ دیتا، کمرے سے باہر نکل آیا۔ باہر آ کر ایک گہرہ سانس لیا۔ سینے کے مقام پر اتنی جلن تھی کہ اس سے سانس نہیں لیا گیا۔ اگلے ہی پل وہ کچن کی جانب بڑھ رہا تھا۔ فریزر سے ٹھنڈا پانی نکال کر اس نے واش بیسن کے سامنے کھڑے ہوتے، ناک میں پانی ڈالا۔ دانت بھینچے وہ ناک سے اٹھنے والی تکلیف کو برداشت کر رہا تھا۔ گہرا سانس لیتے وہ اسٹول کھینچ کر وہیں شیلف کے قریب بیٹھ گیا۔ پانی کی بوتل منہ سے لگائی اور گٹا گٹ پانی پینے لگا۔

بوتل شیلف پر رکھتے اس نے چاروں جانب طائرانہ نظر ڈالی۔ آنکھیں زخمی تھیں۔ اسے اپنے ارد گرد چاروں جانب قہقہے سنائی دینے لگے۔ اسی کچن میں سالوں پہلے، وہ، جارج، نساء اور نینسی اودھم مچایا کرتے تھے۔ نینی کا کچن میں کام کرنا محال کر دیتے تھے۔ اسے چاروں جانب سب کا بچپن کھلکھلاتا دکھائی دیا، پھر رات ہو گئی۔ وہ سب غائب ہو گئے۔ ولیم اکیلا بیٹھا رہ گیا۔

شیلف پر رکھی بوتل اس نے ابھی تک ہاتھ میں پکڑ رکھی تھی، گردن جھکائے وہ خود پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا اور اگلے ہی پل چڑ چڑ کی آواز کے ساتھ پانی کی بوتل کچومر بن گئی۔ مڑی ہوئی بوتل کو اس نے زمین پر دے مارا اور پھر اٹھ کر کچن سے باہر نکل گیا۔ اب وہ سیڑھیاں چڑھتے اپنے کمرے کی جانب بڑھ رہا تھا۔

آج اسے لگ رہا تھا جیسے جوزف پیلس اس کا تھا ہی نہیں۔ آج اسے سب کچھ اجنبی لگ رہا تھا۔ کمرے میں آ کر اس نے دروازہ لاک کیا اور جوتے اتار کر پھینکتا، ڈریسنگ روم میں گھس گیا۔ جوزف پیلس پرانا تھا۔ ہر کمرے میں میں واک ان کلازٹ کی بجائے پورے پورے ڈریسنگ روم بنے تھے کچھ دیر بعد وہ اپنا کیمرہ اٹھائے واپس آیا۔ کھڑکی کے قریب رکھے صوفے پر بیٹھ کر اس نے کیمرہ آن کیا۔ اسکا انگوٹھا تیزی سے بٹن دبا رہا تھا۔

چہرے پر عجیب بے چینی تھی۔ خوف تھا۔ پتا نہیں کیا کچھ تھا۔ پھر اس کی انگلیاں ٹھہر گئیں۔ کتھئی آنکھوں کی بے چینی میں کمی آ گئی اور جلتی آنکھوں کا تاثر نرم پڑ گیا۔

اس کے سامنے ہی اسکرین پر وہ فجر کے ساتھ ایک چھاتے کے نیچے کھڑا تھا۔

"وہ لڑکی تمہاری جو منکوحہ ہے، وہ تمہارا ایک حصہ ہے۔" عیسی ماموں کے الفاظ سماعت سے ٹکرائے تو وہ لب بھینچے مسکرا دیا۔

"ہائے فجر۔۔" اتنے مہینوں میں اس نے پہلی بار دل سے فجر کا نام لیا تھا ورنہ اب تک وہ اسے Cursed لگتی تھی جو اس سے، اسکا سب کچھ چھین رہی تھی اور پھر ٹھیک ہی تو کہا تھا نیل نے۔ وہ لڑکی اس کی موت تھی موت!

تھوک نگل کر حلق صاف کیا۔ پھٹے ہوا ہونٹ اور پھوٹا ہوا ناک دونوں درد کر رہے تھے پر دل کا درد زیادہ تھا جو آج جارج نے دیا تھا۔ صوفے سے اتر کر نیچے بیٹھتے اس نے گردن صوفے پر گرا دی۔ کمرے میں ہلکی روشنی تھی۔ کھڑکی سے پردے ہٹے ہوئے تھے اور باہر سیاہ آسمانوں ستاروں سے چمک رہا تھا۔

وہ مزید کچھ نہ بول پایا۔ سفید جوڑے والی لڑکی آج بہت ہی اپنی اپنی سی لگ رہی تھی۔ دل میں ایک عجیب سی اپنائیت بھر گئی۔

"جوزف پیلس کی دیواریں اور ایڈنبرا کی زمین مجھ پر تنگ پڑنے لگی ہے، اگر تمہارے پاکستان آجاؤں تو تم دھتکارو گی تو نہیں؟" وہ خوفزدہ سایوں کہہ رہا تھا جیسے وہ واقعی اسے سن رہی ہو۔

"میں جلد آؤں گا، مجھے یاد رکھنا۔"

بٹن دباتے اب وہ مزید پیچھے جا رہا تھا اور اس کا انگوٹھا ایک بار پھر سے رک گیا۔ ریستوران کی ویڈو خود بخود چل پڑی۔

فجر، ارسل کا ہاتھ پکڑے کھڑی تھی۔ وہ اسے روک رہی تھی۔ وہ رو رہی تھی۔ ولیم کے چہرے کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ دل پر کسی نے چھری پھیر دی۔ پتا نہیں کیوں تکلیف بڑھنے لگی۔ ذرا سی دیر پہلے والا سکون غارت ہو گیا۔ وہ اردو سیکھ رہا تھا۔ اس کے چند ایک الفاظ سمجھ آئے۔ پہلو بدل کر اس نے کیمرہ صوفے پر پھینک دیا۔ سینے کی جلن پھر سے بڑھ گئی۔

"وہ کسی اور سے محبت کرتی تھی۔ وہ کسی اور کے لیے رو رہی تھی۔" ولیم کا دل چٹخنے لگا۔

"اس شادی کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔" فجر کے الفاظ اس کی سماعت سے ٹکرائے تو وہ استہزائیہ ہنس دیا۔

"وہ اس کی منکوحہ تھی پر کیا وہ اس کی تھی؟"

دل کیوں جل رہا تھا؟ دل کے ساتھ ساتھ پورا جسم جلنے لگا۔

وہ زمین پر بیٹھی، گھٹنوں میں سر دیئے رو رہی تھی اور اس کی سسکیاں ولیم کا اندر جلانے لگیں۔ اس نے منہ بھینچ کر خود کو رونے سے روکا۔

سیدھا سادہ رگبی پلیئر، ایک ٹریولر، ایک فیلڈ رکاڈر، جانے کہاں پھنس گیا تھا۔ یہ دلی جذبات اور پیار محبت کے احساسات اس کے بس کا کام نہیں تھے پھر کیوں اسے اتنی تکلیف ہو رہی تھی؟

"تم نے میرے ساتھ برا کیا فجر، تمہیں مجھ سے شادی نہیں کرنی چاہیے تھی۔" وہ یوں بڑبڑایا جیسے وہ سن رہی ہو۔

"میں نے خود کے ساتھ برا کیا، مجھے تم سے شادی نہیں کرنی چاہیے تھی۔" گردن صوفے سے ٹکاتے اس نے نگاہیں چھت پر جما دیں۔

"ہم دونوں نے ایک دوسرے کے ساتھ برا کیا۔ ہمیں یہ شادی نہیں کرنی چاہیے تھی۔" بلآخر اسے احساس ہو ہی گیا تھا۔

جوزف پیلس پر اتری رات آہستہ آہستہ گزرتی رہی اور اندر ولیم جوزف اپنی لگائی آگ میں خود ہی جلتا رہا۔

✿••✿••✿••✿

وہ رات فجر معراج کی زندگی کی خوبصورت اور بدصورت ترین راتوں میں سے ایک تھی۔ آج اس نے کامیابی کے پہلے زینے پر قدم رکھ دیا تھا وہیں سینے میں کہیں کہیں ایک تڑپ تھی۔ آج کے بعد شاید ہی وہ کسی مرد پر بھروسہ کر پاتی۔

رات کے اس پہر، صحن میں اماں کی چارپائی کے ساتھ چارپائی بچھائے وہ کھلے آسمان کو تک رہی تھی۔ چارپائی پر چت لیٹے اس کی آنکھیں آسمان کی وسعتوں میں ٹمٹماتے ستاروں کو دیکھ رہی تھیں۔ آج مطلع صاف تھا۔ روشن اور سحر انگیز!

اسے ستاروں سے چمکتا آسمان اس پہر بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔ آج کئی دنوں بعد صحن میں لیٹی تھی ورنہ جتنی بھی گرمی ہوتی وہ اپنے کمرے میں ہی سوتی تھی کیونکہ آس پاس کی اونچی چھتوں والے گھروں کے مرد جب اپنی اپنی چھتوں پر ٹہلتے تو جھانک کر دیکھنا ضروری سمجھتے تھے اور فجر کو اس بات سے نفرت تھی۔

"بس آخری بار۔ یہ آخری بار ہے جب میں اس صحن میں سو رہی ہوں۔ کل کی صبح میرے لیے کئی روشن پیغام لائے گی۔" گہرہ سانس بھرتے وہ مسرت سے مسکرائی۔

تکیے کے نیچے رکھا فون اٹھا کر دیکھا۔ ای میل باکس اوپن کیا تو کوئی میل نہیں تھی۔ میڈم رشنا نے کہا تھا کمپنیاں، اسٹوڈنٹس کا ڈیٹا لے جا چکی ہیں جلد ہی وہ ان سے رابطہ کریں گی اور فجر اسی انتظار میں تھی۔

"وہ دن دور نہیں جب میں ایک روشن ستارہ بن کر چمکوں گی۔" چہرے پر گہرا اطمینان تھا۔ وہی اطمینان جو کسی بھی شخص کے چہرے پر ابھرتا ہے جب وہ اپنا کام پوری محنت سے کرتا ہے، جب وہ کبھی کوئی کمی نہیں چھوڑتا۔

یونہی سوچوں کی تانے بانے بنتے اسے نیند آگئی۔ کئی دن کی تھکاوٹ تھی جس سے جسم ٹوٹ رہا تھا۔ اس نے اٹھتے ہوئے اپنے پیروں میں پڑی چادر اٹھا کر سر تک تان لی اور کچھ دیر بعد وہ سو چکی تھی۔

آسمان کے چمکتے ستارے پلکیں جھپک جھپک کر اسے دیکھ رہے تھے۔

لاہور کی اسی فضا میں اگر پرانے محلے سے اڑتے ہوئے رئیس مینشن تک پہنچیں تو اس کے بالائی منزل کے ایک کمرے میں آلتی پالتی مارے متفلک کھلے لیپ ٹاپ کی سکرین سے کچھ ٹائپ کرنے میں مگن تھی۔

شہد رنگ آنکھوں میں حزن تھا۔ جلد اسے یہاں سے چلے جانا تھا۔ اور ابھی تک رئیس یا اس کے گھر والوں نے کوئی فیصلہ نہیں سنایا تھا۔

"مس فلک! ایک مصنفہ ہونے کی حیثیت سے آپ کو کیا لگتا ہے لڑکیوں کو کیسا ہونا چاہیے؟" کسی نے سوال کیا تھا۔

"ایک لڑکی کو بالکل آسمان کی وسعتوں جیسا ہونا چاہیے۔ جب کوئی مرد اس کی زندگی تو وہ ستارے کی طرح آسمان کی چمک مزید بڑھا دے پر جب وہ چھوڑ کر چلا جائے تو آسمان کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ وہ ستاروں کے بنا بھی اتنا ہی خوبصورت ہوتا ہے۔ اس کی وسعتوں کو اس کی بلندیوں کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔" اس نے تیز تیز ٹائپ کیا اور پھر لیپ ٹاپ بند کر کے سائیڈ پر رکھ دیا۔ بیڈ پر چت لیٹ گئی۔

گردن موڑ کر کھڑکی سے باہر جھانکا، آسمان ان چمکتے ستاروں کے ساتھ بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔ کمرے میں لیمپ کی ہلکی زرد روشنی تھی۔ جبکہ باہر سیاہ آسمان ستاروں سے ٹمٹما رہا تھا۔

کہہ دینا آسان ہے، عمل کرنا بہت مشکل۔ فلک نام رکھ لینے سے کوئی فلک نہیں بن جاتا وہ فلک جسکی وسعتوں کو کسی ستارے کی ضرورت نہیں بلکہ ستاروں کو فلک کی ضرورت ہو۔

رئیس سے اس کا دوبارہ سامان ہوا تھا پر کوئی بات نہیں ہوئی۔ گھر والے اس بار اس کے اور رئیس کے رشتے کو کسی ٹھکانے لگا کر ہی جانے والے تھے۔

اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں جہاں چند خواب تھے وہیں کئی خوف ڈیرہ ڈالے ہوئے تھے۔ اس نے عہد کر لیا تھا اب سے وہ رئیس کے پیچھے نہیں جائے گی۔ دل کو نقصان ہو رہا تھا پر عزت نفس بھی کوئی چیز ہوتی ہے اگر یہ مجروح ہو جائے تو پھر دل کے زخم بھی نہیں بھرتے۔

"اب فلک تمہیں بلندیوں پر ہی ملے گی۔"

تصور میں رئیس سے مخاطب ہوتے اس نے گہرا سانس لیا۔ پھر کروٹ لیتے ایک لیمپ بند کر دیا اور آنکھیں موند لیں۔

ایک ہی آسمان تلے دو لڑکیاں، اپنے اپنے خوابوں کی سمت اڑان بھرنے کو تیار تھیں۔

دونوں کو آسمان پر چمکتا، روشن ستارہ بننا تھا۔ دونوں کو اپنی پہچان بنانی تھی۔ دونوں کی منزل بلندیاں تھیں وہ بلندیاں جن پر چاروں جانب صرف رئیس اورنگزیب تھا پھر کیا وہ اس کے جال سے بچ پائیں گیں؟

✿••✿••✿••✿

رئیس ہیڈ آفس کے سب سے بالائی منزل پر، نیلے شیشوں والے آفس میں اس وقت وہ اپنی کرسی پر بیٹھا تھا۔ داہنی جانب والی دیوار پر لگی اسکرین پر اس وقت فجر معراج کی مختلف تصویریں آگے پیچھے ہو رہی تھیں۔

کرسی سے پشت ٹکائے، اس کی کرسی آگے پیچھے جھول رہی تھی۔ آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔

"فجر معراج!" جانے کیوں زبان بار بار اس کا نام لے رہی تھی۔

"لڑکی کا کام اچھا ہے باس! مراد کل تک پرپوزل بھیج دے گا۔ پر مجھے یہ سمجھ نہیں آ رہا آپ اسے دیکھ کر اتنا حیران کیوں ہیں؟ کہیں وہ۔۔"

میز کے دوسری جانب کھڑی عروزہ ہاتھ میں پکڑے ریموٹ سے اسکرین پر چلتی تصویروں کو آگے پیچھے کر رہی تھی۔

"ہاں یہ وہی ہے۔" جھولتی کرسی ساکت ہوگئی اور عروزہ کے چہرے پر حیرانی واضح ہوئی۔

یونیورسٹی سے وہ لوگ جلد نکل آئے تھے۔ رئیس نے کچھ دیر انتظار کیا تھا کہ شاید اس کا فجر سے دوبارہ سامنا ہو جائے اور وہ اسے بنا میک اپ کے دیکھ سکے پر وہ نہیں آئی۔ دس پندرہ منٹ مزید میڈم رشنا کے پاس بیٹھنے کے بعد وہ وہاں سے نکل آیا۔ پورا راستہ انہی سوچوں میں سرگداں گزرا تھا۔ وہ عروزہ کے ساتھ سیدھا آفس آگیا جبکہ مراد عالم کچھ دیر پہلے ہی گھر کے لیے نکل چکا تھا۔ اس وقت وہ دونوں اکیلے ہی تھے۔

"اب کیا ہو گا؟" عروزہ نے دھڑکتے دل پر قابو پاتے پوچھا۔ اس کے لیے یہ بہت بڑی خبر تھی۔

"شکار۔۔" بدی کا بادشاہ شیطانی مسکراہٹ لیے کرسی دوبارہ جھکلانے لگا۔ اس کے عقب میں کھڑی عروزہ، حیرت سے اسکرین پر نظر آتی فجر کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی بھنویں سکڑ گئیں۔

"باس میں نہیں چاہتی ایک عام سی لڑکی کی وجہ سے آپ اپنی اچھی بھلی زندگی میں مسائل کھڑے کریں۔" وہ سپاٹ تاثرات لیے، سنجیدہ لہجے میں بولی۔

"منار کی بہن ہے وہ کوئی عام لڑکی نہیں۔"

سنسان عمارت کے سنسان کمرے میں بیٹھا، رئیس اورنگزیب جانے کونسا جال پھیلانے کا سوچ رہا تھا۔ لہجے پر بیک وقت نفرت اور کرب کے تاثرات ابھرے۔ زخمی روح، جسم کے اندر ہی پھڑ پھڑا کر رہ گئی۔ فجر کا پورا بائیو ڈیٹا اس کے سامنے تھا۔

"کیا سوچ رہے ہیں آپ؟" وہ جانتی تھی اس وقت رئیس کے دماغ میں کچھ ایسا ضرور چل رہا تھا جو غیر معمولی تھا۔

"عروزہ۔۔" اس نے گہرا سانس لیتے اسے پکارہ۔ عروزہ کا پورا جسم سماعت میں ڈھل گیا۔ رئیس کے لیے وہ جان دے سکتی تھی اور جان لے بھی سکتی تھی پھر چاہے سامنے کوئی بھی ہو۔

"دل دو حصوں میں بٹ گیا ہے۔ ایک شدت سے چاہتا ہے وہ کوئی غلطی کرے اور میں اسے اپنے ہاتھوں سے ماروں جبکہ دوسرا کہتا ہے کاش وہ اپنی بہن جیسی نہ نکلے۔"

دل، دماغ اور روح کے درمیان عجیب سی جنگ چھڑی تھی۔ ایک لمبے عرصے بعد رئیس اور نگزیب پر وہ وقت آیا تھا جب اس کا دماغ واقعی گھوم گیا تھا۔ پہلی بار وہ کوئی پلاننگ نہیں کر پا رہا تھا۔ پہلی بار اسے جال بچھانے میں دشواری ہو رہی تھی کہ کب، کہاں اور کیسے بچھایا جائے۔

"میرے لیے کیا حکم ہے؟" عروزہ نے اپنے دل میں اٹھتے جذبات کے طوفانوں پر بند باندتے ادب سے پوچھا۔

"سایہ بن جاؤ اس کا۔ مجھے اس کے پل پل کی خبر چاہیے۔ اگر اسے یاد نہیں ہے تو اسے یاد دلاؤ کہ اس پر کس کا حق ہے۔"

سرد اور ٹھنڈا اٹھارلہجہ۔ عروزہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"وہ آج کل کی لڑکی ہے۔ کسی کے ساتھ انوالو ہوئی تو؟" عروزہ نے ذرا سا جھجھکتے پوچھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی رئیس کوئی اچھی امید لگائے جو بعد میں اسے نقصان پہنچائے۔

"یہی تو جاننا ہے آخر وہ مجھ سے انکاری کیوں ہے؟"

کرسی کا رخ عروزہ کی جانب موڑتے اس نے پر سوچ انداز میں جواب دیا۔

"ٹھیک ہے باس۔" عروزہ بھی اسی کا عکس تھی۔ برائی میں اس سے کوئی نہیں جیت سکتا تھا۔

"جازب لغاری کے گھر والوں نے جو مقدمہ چلایا ہے اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟" اسکرین بند کرتے اس نے بات کا رخ پلٹا۔ رئیس کی پیشانی پر لکیریں ابھریں۔ ایسے مقدمے اس پر اکثر و بیشتر چلتے رہتے تھے۔

"تم جانتی ہو تمہیں کیا کرنا ہے۔" اس نے بھوری رنگت والی عروزہ کو دیکھا۔ نگاہیں جانچنے والی تھیں۔

"ان کا مطالبہ ہے کہ آپ کو کورٹ تک لایا جائے۔" اس نے بنا کسی لگی لپٹی کے بتایا۔ اس کی بات سنتے ہی رئیس ہنس دیا۔

اسے کورٹ لے جانے والا ابھی تک پیدا نہیں ہوا تھا۔

"صبح وکیل سے بات کر کے انہیں لیگل نوٹس بھیجو۔ یہ معاملہ جلد از جلد سلجھ جانا چاہیے۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ عروزہ نے ایک بار پھر اثبات میں سر ہلایا۔ نیز پر موبائل فون اٹھاتے وہ عروزہ کے ہمراہ کمرے کے دوسرے کونے میں نصب لفٹ کی جانب بڑھے۔ ٹن کی آواز ابھری اور دروازہ کھل گیا۔ کچھ دیر بعد ان کی گاڑی کشادہ سڑکوں پر تیزی سے رئیس مینشن کی جانب رواں تھی اور عروزہ کا دماغ اس وقت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ تصور کے پردے پر ایک ہی نام گونج رہا تھا۔

"منار معراج کی بہن فجر معراج۔"

کیا عروزہ جمال اسے سکون سے جینے دے گی؟

✿••✿••✿••✿

رئیس مینشن رات کے اس پہر خاموشی میں ڈوبا تھا۔ سوائے پہریداروں کے کوئی چرند پرند بھی نظر نہیں آرہا تھا ورنہ پچھلے کافی دنوں سے یہاں ایک عجیب سی رونق لگی رہتی تھی۔ چاروں جانب بچے دوڑتے بھاگتے نظر آتے۔

جب سے بلقیس بیگم، رئیس کو چھوڑ کر جاچکی تھیں تب سے رئیس کا دل اپنی ہی سلطنت سے اکتا گیا تھا۔

اس کا دل بھاری اور قدم من من کے ہو جاتے تھے جب جب اسے گھر لوٹنا پڑتا تھا اور آج بھی اس کا دل بھاری تھا پر آج وہ پر جوش بھی تھا۔ بلقیس بیگم کے بعد اسے جینے کی ساری وجوہات ختم ہوتی نظر آرہی تھیں پر اب جیسے ایک وجہ مل گئی تھی۔

عروزہ اسے چھوڑ کر واپس پلٹ گئی جبکہ رئیس اندر آنے کے بعد سفید چمچماتے ماربل پر قدم دھرتا اوپر کی جانب بڑھا۔ احمد اورنگزیب کے کمرے کی جانب۔

اس کی چال میں عجیب سا غرور تھا کیونکہ اس سے انکاری لڑکی خود اس کے سامنے آگئی تھی۔ رئیس اورنگزیب کو اس کے پیچھے نہیں جانا پڑا تھا۔ دروازے پر دستک دیتا وہ ہینڈل گھما کر اندر داخل ہو گیا۔ کمرے کی نیم زرد روشنی میں احمد اورنگزیب اپنے بستر میں چت لیٹے تھے۔ بیڈ کے ایک جانب ان کی وہیل چیئر رکھی تھی اور سائیڈ ٹیبل پر بجانے کے لیے گھنٹی دھری تھی۔ سات والے کمرے میں ان کی فل ٹائم نرس رہتی تھی جو گھنٹی بجتے ہی کسی جن کی طرح حاضر ہو جاتی۔

رئیس ہولے ہولے قدم اٹھاتا ان کے سرہانے جا کھڑا ہوا، وہ نیند میں تھے، کمرے میں اسے سی کی ہلکی سی ٹھنڈک تھی۔ سفید دیواروں والے اس کمرے کا فرنیچر بھی زیادہ تر سفید ہی تھا۔

وہ کئی لمحے اس چہرے پر نظریں جمائے کھڑا رہا، وہ چہرہ جس میں رئیس کو کسی اور کی جھلک نظر آتی تھی۔

شاید یہ اس کی نظروں کی نظروں کی تپش تھی کہ احمد اور نگزیب کی آنکھ کھل گئی۔ اپنے سر پر کھڑے رئیس کو دیکھ کر بوڑھی آنکھوں میں خوف ابھرا پر وہ تیزی سے اٹھ کر بیٹھ نہیں سکتے تھے کیونکہ جسم کا ایک حصہ فالج کا شکار ہو چکا تھا۔ بھلا کب؟ کچھ مہینے پہلے۔

رئیس کو دیکھتے ہی بوڑھے وجود میں جنبش ہوئی اور انہوں نے سرک کر خود کو رئیس سے دور کرتے ہوئے، میز پر رکھی گھنٹی بجانا چاہی پر ہاتھ پہنچ نہیں پایا، انکی اس کوشش پر رئیس کے چہرے پر زخمی مسکان ابھری۔

پینٹ کی جیبوں سے ہاتھ نکالتے وہ ان کی جانب جھکا۔

"ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے پہلے بھی کہا تھا آپ کو کچھ نہیں کروں گا۔" ان کے آدھے بے جان وجود کو سہارا دے کر بٹھایا اور پھر تکیہ بیڈ کراؤن سے لگا کر انہیں تکیے کے سہارا ٹکا دیا۔ احمد اور نگزیب کی آنکھوں کا خوف ذرا سا کم ہوا۔

اُنکی پائنتی بیٹھ کر ایک نظر انہیں دیکھا جو کچی نیند سے اٹھنے کے باعث عجیب سی کشمکش کا شکار تھے۔

"میں آپ سے ایک بار پھر پوچھوں گا۔" ان کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑے رئیس نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"افق کا بیٹا یہاں کیوں آیا تھا؟"

احمد اور نگزیب کی آنکھوں میں خوف ابھرا۔ وہ ٹھیک سے بول نہیں پاتے تھے کیونکہ بائیں جانب پڑنے والے فالج کی وجہ سے ان کی زبان اور چہرہ بھی متاثر ہوا تھا۔ گو کہ ان کا پورا علاج چل رہا تھا۔ پہلے سے کافی بہتر تھے پر وہ بولتے نہیں تھے۔

رئیس جانتا تھا وہ جان بوجھ کر نہیں بولتے تھے۔ وہ گونگا ہونے کا ناٹک کر رہے تھے تا کہ اس کے سوالوں سے بچے رہیں۔

بوڑھے وجود میں اس کی بات سنتے ہی، نفرت ہی لہر اٹھ گئی پر انہوں نے زبان کا قفل نہیں توڑا۔

"آپ کو لگتا ہے مجھے پتا نہیں چلے گا؟ اور جب مجھے پتا چلے گا تب کیا ہو گا؟" انہیں یہ فالج کا اٹیک اسی دن ہوا تھا جس ولیم جوزف رئیس مینشن میں انہیں اپنا کارنامہ سنانے آیا تھا۔

ان سے بدلہ لینے آیا تھا۔ بھلا بوڑھے چہروں سے بدلہ لے کر کون سکون سے جی پایا ہے؟

"کیا کہا تھا آپ نے؟ یہ آپ کا ملک ہے جہاں میں کسی مسلمان لڑکی سے شادی نہیں کر سکتا؟ کر لی میں نے شادی یہ دیکھیں۔"

ولیم جوزف کی زخمی ہنسی آج تک ان کی سماعت میں گونجتی تھی۔ وہ نکاح نامہ آج بھی احمد صاحب کی آنکھوں کے سامنے لہراتا تھا جہاں دلہن نام کے خانے میں فجر معراج لکھا تھا۔

رئیس نے ان کے چہرے پر وحشت دیکھی۔ خوف، موت جیسا خوف!

"کیا چھپا رہے ہیں آپ مجھ سے اور کیوں؟"

جب بھی وہ افق اور اس کے بیٹے کا نام لیتا تھا تب تب احمد اورنگزیب صاحب کے وجود کو خوف کا شکنجہ جکڑ لیتا تھا۔

ہلکی زرد روشنی میں، رئیس نے ان کی پیشانی پر پسینے کی ننھی بوندیں دیکھیں۔

"چلیں چھوڑیں اسے، آج میں آپ کو ایک خوشخبری سناتا ہوں۔ پتا ہے آج میں کس سے ملا؟" تھوڑا سا انکی جانب سرکتے وہ پر اسرار انداز میں بولا۔ چہرے کی چمک، فلک پر چمکتے ستاروں کو مات دیتی تھی اور آنکھوں کی پر اسراریت جان لینے کے در پر تھی۔

وہ سرکتا ہوا ان تک آیا اور پھر ان کے کان کر قریب جھک کر سرگوشی کی۔

"فجر معراج سے۔۔۔۔۔"

اس کی سرگوشی میں، سو اژدھوں کی پھنکار تھی۔ احمد اورنگزیب کو رئیس مینشن کی چھت اپنے سر پر گرتی محسوس ہوئی۔ جسم میں ایسی سنسنی پھیلی کہ وہ تڑپ کر رہ گئے۔

"معراج الدین اور آسیہ ترنم کی بیٹی، منار معراج کی بہن، فجر معراج سے۔" وہ کہتے ہوا اٹھا اور گھوم کر دوسری جانب، دیوار میں نصب، گلاس ونڈو کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ پردے سرکے ہوئے تھے۔

"وہ لڑکی جس پر میرا حق ہے، بالآخر تئیس سالوں کے انتظار کے بعد میں اس سے مل ہی لیا۔" وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ پھنسائے، کھڑکی کے سامنے پورے قد سے کھڑا تھا۔

احمد اورنگزیب نے بائیں جانب رخ موڑ کر اسے دیکھنا چاہا پر اپنے اس بے جان حصے کو پوری کوشش کے بعد بھی حرکت نہ دے پائے۔ کڑے ضبط کے بدولت چہرہ سرخ پڑ گیا۔ آنکھوں میں تکلیف ابھری۔

"وہ مجھے نہیں پہچانتی۔" وہ اپنے ٹرانس میں بولے جا رہا تھا۔

احمد اورنگزیب کو لگا جیسے موت نے ایک بار پھر اپنے پر پھیلا لیے ہوں۔ اب فجر معراج کو کون بچاتا؟

"میں آپ کو بتانے آیا تھا کہ اس بار رئیس اور نگزیب نہیں ہارے گا۔ اس بار جیت میری ہو گی۔ اس بار مجھے دھوکا نہیں ملے گا کیونکہ میرا سایہ اس کے ساتھ رہے گا۔"

وہ ہولے سے مسکرا دیا اور پلٹ کر احمد اور نگزیب کو دیکھا۔

"میں اسے قابل چھوڑوں گا ہی نہیں کہ وہ مجھے دھوکا دینے کا سوچے۔" کتنی بے رحمی تھی اس کے لہجے میں کی احمد اور نگزیب کو اپنے پورے جسم چیونٹیاں رینگتی محسوس ہوئیں۔

"بس یہی بتانے آیا تھا چلیں اب آپ سو جائیں۔" ان کی جانب واپس پلٹتے اس نے ایک بار پھر احمد اور نگزیب کو اپنے ہاتھوں سے سہارا دے کر لٹایا۔ احمد اور نگزیب صاحب کی آنکھوں میں خوف اور بے یقینی تھی۔ وہ اسے دیکھے جا رہے تھے پر بولے کچھ نہیں۔ زبان پر لگا قفل نہیں توڑا اور نہ رئیس وہ راز جان جاتا جو تباہی لانے والا تھا۔ ان کی آنکھوں میں جہاں خوف تھا وہیں رئیس کے لیے ترحم ابھرا جو اپنی زندگی ضائع کر رہا تھا۔

وہ اب ان پر کمفرٹر اوڑھا رہا تھا۔ ریموٹ اٹھا کر اے سی کا درجہ حرارت مزید بڑھا دیا تاکہ کمرے میں زیادہ ٹھنڈک نہ ہو۔

"شب بخیر!" وہ انہیں حیران پریشان چھوڑ کر پلٹ گیا۔ دروازہ کھلا اور بند ہو گیا۔ احمد اور نگزیب صاحب منہ بھینچ کر رو پڑے۔ ان کے لب آپس میں پیوست تھے۔ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے حلق سے ذرا بھی آواز نکلے۔ اب نیند کہاں آنے والی تھی۔

تھوڑی دیر بعد رئیس بالائی منزل پر اپنے پرائیویٹ کمرے میں کھڑا تھا۔ منار کے پورٹریٹ کے عین سامنے۔ نیچے رکھے شیلف پر آج بلقیس بیگم کی فوٹو بھی رکھی تھی۔ وہ کچھ فاصلے پر کھڑا، دونوں ہاتھ کمر پر جمائے ہنس رہا تھا۔ اس کا چہرہ سرخ پڑ چکا تھا۔

"آپ نے مجھ سے چھپا کر رکھا۔ آپ نے مجھے نہیں بتایا کہ وہ منار جیسی دکھتی ہے۔" وہ بلقیس بیگم کی فوٹو کو دیکھتے استہزائیہ ہنسا۔ ہنس ہنس کر آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے۔

اب وہ منار کے پورٹریٹ کو دیکھ رہا تھا۔

"تم ہر جنم میں میری رہو گی منار۔" لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔ رئیس اورنگزیب کی زندگی کا یہ سب سے بڑا موڑ تھا۔

ایک ایسی لڑکی جس سے وہ بے پناہ نفرت کرتا تھا، جو سالوں پہلے مر چکی تھی، وہی لڑکی ایک بار پھر سے اس کی زندگی میں آ چکی تھی۔ اسے تو تھرل چاہیے تھا پر یہاں تو کہانی ہی بدل چکی تھی۔

"مجھے معلوم ہی نہیں تھا کہ میری شدت اتنی گہری ہو جائے گی کہ کائنات مجھ پر یوں مہربان ہو گی۔" وہ آنکھوں کے نم گوشے لیے مسکرایا۔

وہ مزید بھی کچھ کہہ رہا تھا۔ وہ مسکرا رہا تھا کیونکہ منار لوٹ آئی تھی۔ پر دیکھنا یہ تھا کہ جسے وہ منار سمجھ رہا تھا کیا واقعی وہ منار تھی یا پھر وہ اپنی پہچان لے کر پیدا ہوئی تھی۔

✿••✿••✿••✿

نساء جوزف کی یہ رات دنیا کی حسین ترین رات تھی۔ مسٹر جوزف کے ساتھ، وہ شہر کے سب سے مہنگے اور عالیشان ہوٹل میں ڈنر کے لیے آئی تھی۔ دونوں باپ بیٹی سیاہ جوڑوں میں ملبوس تھے۔ مسٹر جوزف نے ڈنر سوٹ پہن رکھا تھا جبکہ نساء جارجٹ کی لمبی فراک پہنے ہوئی تھی۔ سرخ بالوں میں کلپ لگائے، انہیں کھلا چھوڑ رکھا تھا۔

آج مسٹر جوزف، اپنی بیٹی کو پرنسس ٹریٹمنٹ دے رہے تھے جیسے دنیا میں نساء سے اہم ان کے لیے کوئی نہ ہو۔

"تمہیں پسند آیا؟" اس کی آنکھوں کے جلتے جگنوؤں کو دیکھتے ہوئے مسٹر جوزف نے نرم لہجے میں پوچھا۔ نساء اثبات میں سر ہلائے مسکرا دی۔ خوشگوار ماحول میں کھانا کھایا گیا۔ جب نساء کانٹے چمچ واپس رکھ چکی تھی مسٹر جوزف نے کنکھیوں سے اسے دیکھتے ہوئے بات شروع کی۔

"ولیم کو آج کل کیا ہو گیا ہے؟" یوں پوچھا جیسے کچھ جانتے نہ ہوں یا پہلے ساری خبریں نساء سے لیتے ہوں۔ نساء ایک پل کے لیے گڑبڑا گئی۔ اسے اندازہ نہیں تھا اس سے ایسا بھی کوئی سوال ہو گا۔ اس نے ناسمجھی سے کندھے اچکا دیئے۔

مسٹر جوزف نے اس کی بات سن کر سر ہلایا اور نازک پیندے والا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔ گلاس واپس رکھتے ان کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھا گئی۔ نساء انہیں ہی دیکھے گئی۔ دل دھک دھک کرنے لگا۔

"وہ پاکستان گیا تھا؟" چھری کانٹے کی مدد سے اسٹیک کا ٹکڑا کاٹ کر منہ میں رکھا۔ نظریں کھانے پر تھیں جبکہ دھیان نساء کی جانب۔ وہ انہیں دیکھ نہیں رہے البتہ جانتے تھے نساء کے چہرے کے رنگ کس تیزی سے بدل رہے تھے۔ نساء نے بے ساختہ تھوک نگلا۔

"وہ۔۔ڈڈ۔۔۔ڈیڈ۔۔" الفاظ دم توڑ گئے۔ پل کے ہزوریں حصے میں اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔

"میں جانتا ہوں وہ گیا تھا اور جب سے واپس آیا ہے اس کی ذہنی حالت مزید بگڑ گئی ہے۔" وہ اپنی دھن میں بولتے گئے۔

گلاس وال سے باہر کئی فٹ نیچے نظر آتا ایڈنبرا روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔

نساء نے ان کی بات سن کر لب کچلے۔ ذہن میں عجیب سی کشمکش جاگ اٹھی۔ یہ راز ان بہن بھائیوں کا آپسی راز تھا۔ کسی کو بھی مسٹر جوزف سے ڈسکس کرنے کی اجازت نہیں تھی۔

"مجھے تم سب عزیز ہو اور میں نہیں چاہتا ولیم اپنے ایڈونچر کے چکر میں ایسی کوئی غلطی کرے جس کا خمیازہ ہم سب کو بھگتنا پڑے۔" ایک نظر اٹھا کر نساء کو دیکھا اور نظریں دوبارہ پلیٹ پر جما دیں۔ وہ کس قدر نفاست سے سفید پلیٹ میں چھری کانٹا چلا رہے تھے نساء نظریں نہیں ہٹا پائی۔

"خیر ابھی تو میں نے اسے معاف کر دیا ہے۔ اس نے جو بھی تماشہ کیا میں چاہتا ہوں وہ دوبارہ نہ ہو۔ اگر تمہیں اس رشتے سے کوئی اعتراض نہیں ہے تو ولیم کے سامنے کھڑے ہو کر اسے بتاؤ کہ یہ تمہارا فیصلہ ہے۔ وہ اپنی ناک نہ گھسائے۔" ٹھنڈے ٹھار لہجے میں کہتے وہ بات کے آخر میں مسکرا دیئے جبکہ نساء تو مسکرا بھی نہیں پائی۔ وہ انہیں دیکھتی رہی۔

"دو تین دن میں البرٹ کے گھر ڈنر ہے مجھے امید ہے ولیم وہاں کوئی تماشہ نہیں کرے گا۔" چھری کانٹے کو پلیٹ میں رکھ کر انہوں نے پلیٹ سرکا دی۔ مسکرا کر نساء کو دیکھا جس نے اپنی ذہنی کیفیت کو چھپاتے، مسکرانے میں مسٹر جوزف کا ساتھ دیا۔

"کچھ اور چاہیے میری پرنسس کو؟" میز پر رکھے طرح طرح کے لوازمات پر نظر ڈالتے انہوں نے خوشدلی سے پوچھا۔

نساء نے مسکرا کر گردن ناں میں ہلا دی۔ رخ موڑ کر گلاس ونڈو سے باہر دیکھا۔ سیاہ آسمان پر ٹمٹماتے ستارے بھلے لگ رہے تھے۔

کیا ہوا اگر ولیم اور مسٹر جوزف کی جنگ ختم ہو جائے؟ سب کتنا اچھا ہو جائے نا۔

"اب ہم شاپنگ کے لیے جائیں گے۔" مسٹر جوزف چمکتی آنکھیں لیے مسکرائے۔ نساء بس اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی۔ ذہن ابھی تک ولیم میں اٹکا تھا۔ کیا وہ یہ سب برداشت کر پائے گا؟

"بالکل نہیں۔" لاشعور نے فوراً نفی کر دی۔ جانے اب کیا ہونے والا تھا۔ فی الوقت مسٹر جوزف اس کے دماغ کے ساتھ ہیرا پھیری کر چکے تھے کیونکہ وہ ولیم جو واقعی بیمار سمجھ رہی تھی اور اب اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ولیم کے کسی کام میں اس کا ساتھ نہیں دے گی۔ چاہے جو مرضی ہو جائے۔

✿••✿••✿••✿

اگلی صبح فجر کی آنکھ فجر کی اذان ہے ساتھ ہی کھل گئی۔ مسجد قریب ہی تھی اور صحن میں سونے کی وجہ سے اسپیکر سے ابھرنے والے مؤذن کے اللہ اکبر پر اس کی آنکھ پٹ سے کھل گئی۔ تکیے کے نیچے موبائل اٹھا کر سب سے پہلا میل باکس کھولا پھر موبائل واپس پٹخ دیا۔

رئیس، لکس اور اسٹائل کسی بھی کمپنی کی طرف سے کوئی میل نہیں تھی۔ کروٹ لے کر اس نے پھر سے آنکھیں بند کر لیں پر نیند اڑ چکی تھی۔ جاگتی آنکھوں سے دیکھے جانے والے خواب سونے کب دیتے ہیں۔

کہیں خیالوں کے سنگ ابھرنے والا ایک خیال ارسل کا بھی تھا۔

وہ اپنی زندگی کی نئی شروعات کر چکا تھا۔ اس کی ساری محبتیں کسی اور کے نام ہو چکی تھیں۔ دل میں عجیب سی ٹیس اٹھی پر اگلے ہی پل اس کی باتیں یاد آئیں تو نفرت کی لہر رگ وپے میں دوڑ گئی۔

گہرا سانس لیتے ہوئے ایک پھر چت لیٹ گئی۔ آسمان ابھی سیاہ تھا اور ستارے یونہی ٹمٹمارہے تھے۔

اماں کے بے جان وجود میں بھی حرکت ہوئی۔ وہ فجر کے وقت اٹھ جاتی تھیں۔ صبح صبح کا وقت بہت ہی پر سکون اور خوشگوار تھا۔ وہ اپنے آسمان کو دیکھتے ہوئے، مستقبل کے کئی منصوبے بنارہی تھی۔ وہ جانتی تھی اسے کس کمپنی کا پرپوزل قبول کرنا تھا۔ اسے کس کمپنی کو جوائن کرنا تھا، جہاں سے شروعات کرنی تھی وہ سب اپنے ذہن میں سوچ چکی تھی۔

پر اسے انتظار تینوں بڑی کمپنیوں کا تھا اگر کوئی ایک بھی اسے نظر انداز کر دیتا تھا تو فجر کو اپنا آپ بہت چھوٹا محسوس ہوتا۔

آدھا گھنٹہ وہ انہی سوچوں میں سرگداں رہی۔ اماں اٹھ کر نماز کی تیاری میں مشغول ہو گئیں تو فجر بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

بڑے خشوع وخضوع کے ساتھ اس نے آج نماز فجر ادا کی۔

"یا اللہ میں فجر، فجر کے وقت میں آپ کے در پر حاضر ہوئی ہوں۔ آپ جانتے ہیں میرے خواب مجھے جینے نہیں دیتے۔ یہ میرے لیے نائٹ میئرز ہیں پر میں ان سے بھاگی نہیں۔ ان کو قبول کیا۔ میں نے محنت کی جتنی میں کر سکتی تھی۔ مجھے مایوس مت لوٹائیے گا۔ میں فجر معراج، راج کرنا چاہتی ہوں میری مدد کریں۔"

ہاتھ اٹھائے وہ دعائیں مانگتی۔ جانے کتنے عرصے بعد وہ یوں دعا مانگ رہی تھی۔ وہ جائے نماز پر بیٹھی رہی۔ یہاں تک کہ چڑیوں کے چہچہانے کی آوازیں آنے لگیں۔ دن نکل آیا۔ نئی شروعات ہو چکی تھی۔

ناشتے کے بعد اس نے پورے گھر کی صفائی کی۔ اماں اسے کام کرتے دیکھے گئی۔ کمبخت ماری کو سب آتا تھا پر مجال ہے جو کر لے کیونکہ اسکا "سب آتا ہے پر کروں گی نہیں والا" موڈ آن رہتا تھا۔ دس بجے تک وہ اپنے کپڑے دھو کر الماری سیٹ کرنے۔ بھری دوپہر میں سب کام کرنے فری ہو چکی تھی۔ وہ اپنا ذہن بھٹکانے کے لیے یہ سب کر رہی تھی کیونکہ اسے اسٹریس ہو رہا تھا۔ فارغ ہو کر جب وہ واپس فون کی طرف لوٹی تو ای میل باکس کھولتے ہی اس کی خوبصورت آنکھیں پھیل گئیں۔

یوں لگا جیسے محبت رنگ لے آئی ہو۔ لکس کی طرف سے اسے انٹرویو کے لیے بلایا گیا۔ فجر کا دل کیا وہ اچھلے کودے، چیخے چلائے اور پوری دنیا کو بتائے کہ لکس جیسی بڑی کمپنی نے اسے خود بلایا تھا۔ وہ بار بار ای میل پڑھ رہی تھی جب اچانک فون بجنے لگا۔ فروہ کا نام اسکرین پر چمکتا دیکھ کر اسے حیرت ہوئی۔ بھونیں سکڑ سی گئیں۔

"یہ مجھے کیوں فون کر رہی ہے؟" فون بند ہوا پھر سے بجنے لگا۔ اس بات فجر نے اٹھالیا۔

"ہیلو۔۔؟"

"ہائے فجر کیسی ہو؟" فروہ کی آواز میں چہک تھی۔ یقیناً اس کے خواب بھی تعبیر کی جانب قدم بڑھا چکے تھے۔

"خیریت؟" الٹا سوال کیا۔

"ہاں وہ میں تم سے ملنا چاہتی ہوں۔ کیا ہم ابھی مل سکتے ہیں؟"

اس کی بات پر فجر کی بھنویں مزید سکڑ گئیں۔ زین سبحانی کی دوست سے ملنے میں اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی اور کیا پتا اسی نے بلوایا ہو۔ کوئی نئی گیم کھیلی جا رہی ہو۔

"وجہ؟" نہایت سرد لہجے میں وہ یک لفظی سوال جواب کر رہی تھی۔ دوسری جانب فروہ اس کے لہجے کی سختی اور سرد پن پر لمحہ بھر کو ساکت ہوئی۔ چہرے پر کئی رنگ آ کر گزر گئے۔

"مجھے تم سے کچھ ڈسکس کرنا ہے۔" وہ خود پر قابو پاتے بولی۔ وہ دل کی بری نہیں تھی اور فجر سے اپنے تعلقات بہتر کرنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی حالانکہ ان کی یونیورسٹی ختم ہو چکی تھی وہ چاہتی تھی فجر کو بھاڑ میں بھیج کر آگے بڑھ جاتی پر فجر کی ذرا سی لچک نے فروہ سہیل کو مزید جھکا دیا تھا۔

"ہاں کرو میں سن رہی ہوں۔" پھنکے کے نیچے بیٹھتے اس نے کہا، میز پر رکھا پانی کا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگایا۔ گرمی اپنے جوبن پر ناچ رہی تھی۔

"نہیں ایسے نہیں۔ میں تک سے براہ راست ملنا چاہتی ہوں۔ مجھے امید ہے تم ضرور آؤ گی۔"

اس کے لہجے میں آس امید تھی۔ فجر کی آنکھوں میں الجھن ابھری۔

"میں تمہارا بھروسہ کیوں کروں؟" اس نے الٹا سوال کیا۔ دوسری جانب خاموشی چھا گئی۔ فروہ کو افسوس ہوا کہ فجر اس پر بھروسہ نہیں کرتی تھی۔ یہ اس نے خود بنوایا تھا۔

"میرے پاس اپنی صفائی میں کہنے کو کچھ نہیں ہے۔ پھر بھی یہی کہوں گی کہ تم مجھ پر بھروسہ کر سکتی ہو۔ میں یہ بھروسہ نہیں توڑوں گی۔ گرلز والا وعدہ۔" اس کا انداز ایسا تھا کہ آخری بات پر فجر کے لبوں میں لیکر سی ابھری۔ تنے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔

"مجھے امید ہے تم ضرور آؤ گی۔ میں لوکیشن بھیج رہی ہوں لنچ ساتھ کریں گے۔" وہ اس کا جواب سنے فون بند کر چکی تھی۔ فجر نے ایک نظر اس کی بھیجی گئی لوکیشن دیکھی۔ وقت ایک بجے کا تھا۔ پھر اس نے گہرا سانس لے کر فون واپس رکھ دیا اور پھر ایک بجے وہ فروہ کے سامنے نرش (nourish) ریستوران میں بیٹھی تھی۔ سرخ سفید عمارت والا یہ ریستوران، جوہر ٹاؤن میں موجود تھا۔ گلاس وال کے قریب رکھے نیز کے گرد بیٹھیں وہ دونوں باہر چمکتی دھوپ کو دیکھ رہی تھیں۔ سڑک کے دوسرے کنارے شوکت خانم ہسپتال تھا اور وقت وہاں گاڑیوں کا رش لگا ہوا تھا۔ باہر جتنی گرمی تھی ریستوران کے اندر اتنی ہی ٹھنڈک ذہن اور جسم کو سکون پہنچا رہی تھی۔

گلابی سوٹ کے اوپر سفید دوپٹہ لیے فجر، چشمہ بالوں میں جمائے بیٹھی تھی۔ بال جوڑے میں قید تھے پر لٹیں اچھل اچھل کر باہر نکل رہی تھیں جبکہ دوسری جانب فروہ بیگی پینٹ کے ساتھ زرد رنگ کی لمبی قمیص پہنے ہوئی تھی۔ اسکارف گلے میں تھا اور بال اس کے بھی بندھے ہوئے تھی۔ فریش لائم کے دو گلاس ان کے سامنے رکھے تھے۔ فجر نے گلاس اٹھا کر لبوں سے لگایا۔

"اب بتاؤ کیوں ملنا چاہتی تھیں تم؟" وہ مدعے کی بات پر آئی۔ فروہ اکیلی تھی اور یہیں آس پاس ہی رہتی تھی۔

"تمہیں کس کس کمپنی سے آفر آئی ہے؟" فروہ نے گلاس نہیں اٹھایا۔ وہ کافی سنجیدہ تھی۔

"اٹس پرسنل۔۔" وہ بتانا نہیں چاہتی تھی۔ فروہ کے چہرے پر سایہ سا لہرایا پر اگلے ہی لمحے وہ مسکرا دی۔

"مجھے رئیس گروپ، لکس اور اسٹائل تینوں سے آفر آچکی ہے۔" اس نے بنا کسی ہچکچاہٹ کے بتا دیا۔ فجر کا دل سینے میں ہی دھڑک اٹھا۔

"یہ تو اچھی بات ہے۔" فجر مسکرائی۔ بیرہ اب ان کے میز پر کھانا لگا رہا تھا۔ کچھ دیر خاموشی چھائی رہی جب وہ چلا گیا تو فروہ نے دوبارہ بولنا شروع کیا۔

"میں چاہتی ہوں تم میری رہنمائی کرو کہ مجھے کسے چننا چاہیے۔" شاشلک کا باؤل فجر کی جانب کھسکاتے اس نے سکون سے کہا۔ فجر کو حیرت ہوئی۔ آخر وہ اس سے مدد کیوں مانگ رہی تھی۔

"مجھے میں لگتا تمہیں اس کی ضرورت ہے۔"

دو اکیلی لڑکیاں، باقیوں کی نسبت اپنے مستقبل کو لے کر سنجیدہ تھیں۔ جس ہال میں وہ بیٹھی تھیں یہاں چند میزیں مزید لگی تھیں اور پھر درمیان میں ایک شیلف رکھی تھی جس کے دوسری جانب فیملی ایریا تھا۔ زیادہ تر کپل وہیں بیٹھے تھے۔ ریستوران کا ماحول ایستھیٹک اور قدرے پر سکون تھا۔

"مجھے لگتا ہے مجھے ضرورت ہے کیونکہ مارکس چاہے میرے تم سے زیادہ ہوں پر تخلیقی صلاحیت تمہارے پاس مجھ سے کئی گناہ زیادہ ہے۔" وہ پلیٹ میں ویجیٹبل رائس نکالتے خوشدلی سے مسکرائی۔ یہ تعریف تھی اور اس تعریف میں کہیں بھی خوش آمدی نہیں تھی۔ فجر اسے حیرانی سے دیکھے گئی۔

"زیادہ حیران ہونے کی ضرورت نہیں ہے یہ حقیقت ہے۔"

پلیٹ فجر کے سامنے رکھتے وہ اب اپنی پلیٹ میں چاول ڈال رہی تھی۔

"تم کیا چاہتی ہو؟" فجر بھی اب اپنے خول سے کچھ باہر نکل آئی تھی۔ اچھے سے لپٹے ہوئے چھری کانٹے اٹھاتے اس کی نظر چھری پر جم گئی۔ چمچماتی ہوئی یہ چھری بہت خوبصورت تھی۔ وہ کہہ لمحے اسے دیکھے گئی پھر ایک جانب رکھ کر چمچ اٹھالیا۔ اسے چاول کھانے تھے۔

"رئیس جیولرز میں کام کرنا میرا سالوں سے خواب رہا ہے۔ رئیس جیولری کا مقابلہ پاکستان کا کوئی اور برانڈ نہیں کر سکتا۔ وہاں سے انٹرویو کی آفر آنا یعنی اپنے خوابوں کو پورا ہوتے دیکھنا ہے۔" چمچ کو چاولوں سے بھرتے اس نے منہ میں ڈالا وہ فجر کی جانب نہیں دیکھ رہی تھی جبکہ فجر اسی جانب متوجہ تھی۔

"تو مسئلہ کیا ہے؟" اپنی پلیٹ میں چمچ چلاتے اس بات فجر نے پوچھا۔

"مسئلہ یہ ہے کہ میں جاننا چاہتی ہوں تم کسے چنو گی؟"

فجر کے لب اوہ کے انداز میں واہ ہوئے۔

"میرا جھکاؤ کاسٹیوم ڈیزائننگ کی طرف زیادہ ہے۔"

"رئیس ٹیکسٹائل کا ایک نام ہے۔" فروہ نے لقمہ دیا۔

"میں نے کاسٹیومز کی بات کی ہے۔" فجر نے کاسٹیوم پر زور دیا۔

"سنا ہے رئیس گروپ چند سالوں میں اسی لائن میں بھی آرہا ہے۔"

"آنے والا وقت کس نے دیکھا ہے۔"

"یعنی تم رئیس جوائن نہیں کرو گی؟" فروہ کو افسوس ہوا۔ پر جوشی جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ فجر نے کندھے اچکانے پر اکتفا کیا۔ وہ اپنے پلانز فروہ کے ساتھ شیئر نہیں کر سکتی تھی۔

"میری خواہش تھی ہم دونوں ایک ہی کمپنی جوائن کریں۔"

"تم ایسا کیوں چاہتی ہو؟"

"کیونکہ میں تمہارے ساتھ کام کرنا چاہتی ہوں۔"

"مجھے جیولری ڈیزائننگ میں انٹرسٹ نہیں ہے۔" انکی گفتگو تیزی سے آگے بڑھنے لگی۔

"ہم دوست تو بن سکتے ہیں نا؟"

فجر کا ہاتھ چمچ سمیت ہوا میں ہی معلق رہ گیا۔ "**دوست**" وہ زیر لب بڑبڑائی۔

"فجر نے کبھی دوست نہیں بنائے۔"

"اب تو بنا سکتی ہو نا؟" فروہ نے سوال داغا۔

"نہیں۔" یک لفظی جواب دے کر اس نے چمچ واپس رکھ دیا۔ فروہ نے اس کے چہرے کے تاثرات جاننے کی کوشش کی پر ناکام رہی۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔

"کیوں؟"

فجر نے گہرہ سانس لیا اور پھر فروہ کی جانب دیکھتے کہنا شروع کیا۔

"کیونکہ میں دوستی نہیں نبھا سکتی۔ تم مجھ سے دوستی کرو گی اور پھر مجھ سے امیدیں باندھو گی۔ میں امیدوں پر پورا نہیں اتروں گی۔

تم مجھ سے مشورے مانگو گی اور میں غلط مشورہ دوں گی۔

تم مجھ سے اچھائی کی امید رکھو گی جبکہ میں برائی ہی دکھاؤں گی۔

تم مجھ سے اپنی پرسنل باتیں شیئر کرو گی پر میں نہیں کروں گی۔

میں لوگوں کی خوشی کے لیے کچھ نہیں کر سکتی فروہ۔ میرے لیے میری ذات بہت اہم ہے۔ میں تمہارے ساتھ تمہاری فیورٹ موووی نہیں دیکھ پاؤں گی۔ تمہاری پسند کا کھانا نہیں کھا پاؤں گی۔ تمہارے ساتھ گھومنے پھرنے نہیں جا سکتی۔ مجھ سے دوسروں کے لیے کچھ نہیں ہوتا۔ میں اپنے لیے بنی ہوں۔"

کرسی سے ٹیک لگائے اس نے کندھے اچکائے۔ فروہ حیرت سے اسے دیکھے گئی۔ اتنی صاف گوئی کی امید اسے نہیں تھی۔ دونوں کے درمیان ایک بھیانک سی خاموشی چھا گئی پھر فروہ بے ساختہ ہنس دی۔

"تم بہت عجیب ہو۔" اس نے تبصرہ کیا۔

"میں ایسی ہی ہوں۔" اس نے پھر سے شانے اچکا دیئے۔ فروہ نے پہلی بار اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ اس کی پتلیاں چمکتی ہوئی تھیں پر فروہ فیصلہ نہیں کر پائی اس کی آنکھیں کس رنگ کی تھیں۔

"ہم کلاس فیلو ہی ٹھیک ہیں۔" اگلے پل وہ پھیکا سا مسکرائی۔

"ویسے تم اتنی بری نہیں ہو جتنا خود کو دکھاتی ہو۔ تم ایسا کیوں کرتی ہو؟"

چار سالوں سے فجر معراج اس کے لیے ایک مسٹری تھی اور فروہ سہیل آج یہ جان لینا چاہتی تھی۔

"لوگ جب آپ میں اچھائی دیکھتے ہیں تو اچھائی کی امید رکھتے ہیں جبکہ میں نے پہلے بھی کہا کہ میں لوگوں کی خوشی کے لیے کچھ نہیں کر سکتی۔"

اس بار فروہ نے سمجھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

"میرا آج اپنے گروپ کے ساتھ رئیس میں انٹرویو ہے۔ مجھے امید ہے میں سلیکٹ ہو جاؤں گی۔" وہ پھر بھی اپنی باتیں شیئر کرنے سے نہیں رکی۔

"تم ہو جاؤ گی۔" فجر کو پورا یقین تھا۔ کچھ دیر مزید بیٹھے رہنے کے بعد فجر نے اپنے لیے ٹیکسی بک کی۔ اڑھائی بجے اس کا بھی لکس میں انٹرویو تھا۔ اس نے یہ بات فروہ کو نہیں بتائی۔ دو بج چکے تھے اور اب اسے نکلنا تھا۔

جیسے ہی اس کی ٹیکسی ریستوران کے باہر آکر رکی فجر اپنا بیگ پکڑتے، اٹھ کھڑی ہوئی۔ اپنا آدھا بل وہ رکھ چکی تھی۔ فروہ کو افسوس ہوا پر وہ فجر سے کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ اتنا کچھ ہونے کے بعد بھی وہ اس کے بلانے پر آگئی تھی اتنا کافی تھا۔

"ایک بات کہوں؟" وہ جانے کے لیے پلٹی تو عقب سے ابھرنے والی آواز پر رک گئی۔ فجر نے پلٹ کر دیکھا۔

"کچھ لوگ ہماری زندگی میں ایسے بھی آتے ہیں جن کے لیے ہم اپنے سبھی اصول بھول جاتے ہیں۔ جب تمہاری زندگی میں ایسی کوئی لڑکی آئے گی تم بھی اپنا "**نو فرینڈ**" والا اصول توڑ دو گی۔"

فجر نے اس کی بات سنی اور پھر سر کو خم دیا۔

"میرے ٹائپ کی کوئی لڑکی مجھے آج تک ملی نہیں اور فجر اپنے اصول نہیں بدلتی۔" وہ مسکرا کر جواب دیتی کاؤنٹر کی جانب بڑھی۔ اس کے ہاتھ میں ٹشو میں لپٹی وہ خوبصورت سی چھری تھی جسے کچھ دیر پہلے وہ عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"مجھے آپ کی کٹلری سے یہ چھری بہت پسند آئی ہے۔ کیا میں اسے رکھ سکتی ہوں؟"

کاؤنٹر پر کھڑے لڑکے نے حیرت سے اسے دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں چھری دیکھ کر حیرت تو فروہ کو بھی ہوئی۔ سبھی ویٹرز کے درمیان کھسر پھسر سی شروع ہو گئی۔ مینیجر کو بلایا گیا۔

"جی میڈم بتایئے میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔؟"

"مجھے یہ چھری چاہیے۔" چھری والا ہاتھ آگے کیا۔ مینیجر کے چہرے پر حیرت ابھری۔

"لیکن میڈم۔۔"

"منع مت کیجیئے گا مجھے بہت کم چیزیں پسند آتی ہیں۔ میں اس کی قیمت ادا نہیں کروں گی کیونکہ میرے لیے یہ بیش قیمتی ہے۔ پر ہاں میں بہت جلد ایک بڑی ڈیزائنر بننے والی ہوں پھر میں یہاں وزٹ کروں گی اور آپ کے ریستوران کو اچھے ریویوز دوں گی۔" وہ کافی سنجیدہ تھی۔ مینیجر نے اس کی بات سنی اور پھر ہنس دیا۔ گردن موڑ کر ایک نظر فروہ پر ڈالی۔ فروہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اوہ۔۔۔ تو ریستوران فروہ کے کسی جاننے والے کا تھا۔" وہ فوراً سمجھ گئی۔

"ٹھیک ہے آپ رکھ لیں۔" مینیجر نے پیشہ ورانہ مسکراہٹ لیے کہا تو فجر شکریہ ادا کرتی، چھری بیگ کی ڈالتے، باہر نکل آئی۔

کچھ دیر بعد وہ ٹیکسی میں بیٹھی لکس کی جانب رواں تھی۔ سوچوں میں سرگداں تھی۔ صفدر نے آنے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ لکس جوائن نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ فروہ کی باتوں کو سوچ ہی رہی تھی کہ فون تھرتھرانے لگا۔ مراد عالم کا نام دیکھ کر وہ سیدھی ہو بیٹھی۔

"کیا وہ آفر کے لیے فون کر رہا تھا؟" دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔

فون اٹھا کر کان سے لگایا۔

"السلام علیکم!" لہجے کو حد درجہ نارمل رکھا گیا۔

"محترمہ شالے کی لانچ سر پر ہے کب تشریف لا رہی ہیں؟" مراد عالم نے سوال کا جواب بھی نہیں دیا۔ وہ اس وقت اپنے آفس میں تھا۔ اس کے سامنے میز کی دوسری جانب رئیس بیٹھا تھا جس کے سامنے لیپ ٹاپ کھلا رکھا تھا اور مراد عالم نے فون اسپیکر پر ڈال رکھا تھا۔

"شالے کی لانچ سے میرا کیا لینا دینا؟" وہ بھی اسی کے انداز میں بولی۔ مراد عالم کے تاثرات تن گئے۔

"بھول گئی ہو تو یاد دلا دوں، شالے کے آرٹ پیس کو تمہیں پریزنٹ کرنا تھا۔" بظاہر رئیس لیپ ٹاپ پر نظریں جمائے بیٹھا تھا پر اس کی سماعت فون پر لگی تھی۔ چہرے پر گہری سنجیدگی چھائی تھی۔

"شالے کی لانچ آپ لوگوں نے ملتوی کی ہے۔ اس میں میری غلطی نہیں ہے۔ میں انہی دنوں آسکتی تھی۔ وہ وقت آپ لوگوں نے گنوایا ہے۔ میں اب کیوں آؤں گی؟ میرا وقت بہت قیمتی ہے۔"

بغاوت کی بو رئیس کو یہاں تک محسوس ہوئی۔ اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"کیا مطلب ہے اب نہیں آسکتیں؟ میں نے تمہارے لیے ایونٹ آگے کروایا۔ یہ احسان بھول گئی ہو؟" وہ تڑخا۔ اس کے فرشتوں نے بھی نہیں سوچا ہو گا فجر یوں انکار کر دے گی۔

"میں نے اپنا احسان اتار دیا تھا۔ غالباً آپ بھول چکے ہیں۔ آپ کی ماڈلز لیٹ ہو گئیں۔ آپ نے لانچ ملتوی کی۔ یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔ میں اپنا وقت اور آئیڈیا آپ کو پہلے ہی دے چکی ہوں۔"

اس کی بات سن کر مراد عالم سلگ کر رہ گیا۔ شریر میں شرارے بھر گئے۔

"نہایت احسان فراموش عورت ہو تم۔" وہ جل بھن کر بولا۔

"شکریہ میں اسے کمپلینٹ سمجھ کر رکھ رہی ہوں۔" اسپیکر سے اس کی آواز ابھری اور رئیس کے لبوں کو بے ساختہ مسکراہٹ نے چھوا۔ مراد نے گہرا سانس لے کر خود کو نارمل کیا۔

"خیر میں نے تمہیں بتانے کے لیے فون کیا تھا کہ ایک بار ضرور آؤ رئیس تم سے ملنا چاہتا ہے۔" اس نے اپنے سامنے بیٹھے رئیس کو دیکھتے کہا جس نے یہ فون کروایا تھا۔ وہ اس بات پر حیران تھا کہ مراد عالم جیسے گھاگ آدمی نے ایک بائیس تئیس سال کی لڑکی کے کہنے پر یونیورسٹی کا ایونٹ آگے کر دیا۔ اور تو اور وہ یہاں اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھا کر جا چکی تھی اور اب مراد کے منہ پر اسے انکار کر رہی تھی۔ سراہنا تو بنتا تھا۔

"وہ جیولر انکل مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں؟" ابرو اچکائے فجر نے پوچھا۔ رئیس کا چہرہ سرخ پڑ گیا جبکہ مراد عالم بے ساختہ گڑبڑا گیا۔

"لاحولہ و قوۃ! لڑکی تم ایک مشہور ڈیزائنر اور بزنس مین کو انکل بلا رہی ہو خدا کا خوف کرو۔"

رئیس سے اپنی مسکراہٹ ضبط کرنا مشکل ہو گیا۔ اس کا چہرہ سرخ پڑ چکا تھا۔

"آپ کو اعتراض کس بات پر ہے؟ جیولر کہنے پر یا انکل کہنے پر؟"

قینچی کی طرح اس کی چلتی زبان کا مقابلہ فی الوقت مراد عالم بھی نہیں کر سکتا تھا۔

"تم رئیس سے مل کر فیصلہ کرنا جیولر کہنا ہے یا انکل کہنا ہے۔" اس نے خود پر قابو پاتے کہا۔ نظریں رئیس پر جمی تھیں جس کے چہرے پر چمک ہی چمک تھی۔

"پرپوزل بھیج دیں۔ میں ریپلائے کر دوں گی انٹرسٹڈ ہوں یا نہیں۔"

مراد نے بنا کوئی جواب دیئے فون کاٹ دیا۔ دوسری جانب فجر نے ایک نظر فون کو دیکھا اور پھر تمسخرانہ مسکراہٹ اس کے چہرے پر ابھری۔ وہ چاہتی تھی مراد عالم اسے پروپوزل بھیجے اور وہ "**ناٹ انٹرسٹڈ**" لکھ کر انکار اس کے منہ پر مارے۔ دونوں کا چونچ لڑائے بنا گزارا ہی نہیں تھا، اگر وہ رئیس میں اکٹھے ہو جاتے تو رئیس کا کیا بنتا؟

"عورت سے بڑا فتنہ میں نے آج تک نہیں دیکھا۔" مراد سلگ کر بولا۔ کرسی سے ٹیک لگالی۔ چہرہ لال بھبھوکا تھا۔

"تبھی تم تین تین شادیاں کیے بیٹھے ہو؟" رئیس نے چوٹ کی۔

"چار کی اجازت ہے پر ابھی دو ہیں۔" مراد کی پہلی شادی گھر والوں کی پسند سے ہوئی تھی۔ بیوی شادی کے چند مہینوں بعد وفات پا گئی۔ دوسری شادی بارہ سال پہلے پسند کی کی تھی اور تیسری ابھی ایک سال پہلے کی تھی۔ ابھی اس کی دو بیویاں تھیں۔

"پھر بھی تم عورت ذات کی فطرت نہیں سمجھ پائے۔"

"عورت کو سمجھنا دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔ بڑے سے بڑا تیس مار خان بھی اس راز سے واقف نہ ہو پایا۔"

"میں متفق ہوں۔" رئیس نے تائید کی تبھی مراد نے نظر اٹھا کر رئیس کو دیکھا۔ سپاٹ چہرہ اور چمکتی آنکھیں۔ عنکبوت ہر وقت کوئی نہ کوئی جال بنتا رہتا تھا۔

"لیکن تم تو جانتے ہو گے؟ ہے ناں؟ دی رئیس اورنگزیب اس راز سے واقف نہ ہو ایسا ناممکن ہے۔" اس کے تبصرے پر رئیس نے ہلکا سا سر کو خم دیا اور پھر لیپ ٹاپ کا رخ مراد کی جانب موڑ دیا۔ رئیس گروپ کا ہر ڈیزائن اس کی نظر سے گزرتا تھا۔ چاہے کپڑے کا ہو، جیولری کا یا پھر ارٹیکچر کا۔ رئیس کا پورا دن دیکھنے اور اپروو کرنے میں

گزر جاتا تھا۔ڈیزائن کرنا اس نے کئی سال پہلے ہی چھوڑ دیا تھا سوائے ملکہ ملعون کے اس تاج کے جو اس کے آفس میں ادھورا پڑا تھا۔

"بتاؤ نا رئیس آخر ایک عورت چاہتی کیا ہے؟" اس نے میز پر دونوں بازو جماتے، رئیس کی جانب جھکتے کہا۔اس کی بات سن کر رئیس ایک جھٹکے سے کھڑا ہوا۔ سرمئی پینٹ پر خاکستری شرٹ پہنے، جس کے کف کہنیوں تک فولڈ تھے، وہ ہمیشہ کی طرح فٹ لگ رہا تھا اور یہ فٹنس آسانی سے نہیں ملی تھی۔ وہ گھنٹوں ورک آؤٹ کرتا تھا۔ رننگ، جوگنگ اور ڈائٹ پلان کے مطابق چلنے کی پوری کوشش کرتا اس لیے انتالیس کا ہوتے ہوئے بھی وہ بتیس سال سے زیادہ کا نہیں لگتا تھا۔ سوائے ان چند سرمئی بالوں کے جو فیشن کے طور پر کنپٹیوں پر چمکتے تھے اگر انہیں ہٹا دیتا تو کمال ہو جاتا پر یہ چند سرمئی بال اس کی شخصیت میں رعب کا اِضافہ کرتے تھے۔

وہ میز کے گرد گھومتا، مراد کے عالم کے پیچھے والی کھڑکی تک آیا۔ گلاس ونڈو سے جھانک کر دیکھا تو شدید گرمی کے باوجود معمول کی چہل پہل تھی۔

"ایک عورت خود کو، کالے گھنے جنگل کی بری جادوگرنی سمجھتی ہے، جس سے سب خوفزدہ ہیں اور وہ چاہتی ہے کوئی ایک شخص خوف کے ان پلوں (bridges) کو پار کرتا اس تک پہنچے اور اس کی پیشانی پر محبت و عقیدت سے بوسہ دے۔"

رئیس کی عجیب و غریب منطق پر مراد نے دونوں ہاتھ اٹھا کر تالیاں بجائیں۔

"واہ واہ واہ رئیس اورنگزیب صاحب اتنا جاننے کے باوجود بھی تف ہے تمہارے سنگل ہونے پر۔۔" اس نے چوٹ کرنا ضروری سمجھا۔ رئیس یونہی کھڑا رہا۔ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اس کی پیشانی پر سوچ کی گہری لکیریں تھیں۔ مراد کی بات سن کر وہ ذرا سا پلٹا۔

"سنگل ہونا میری مجبوری نہیں میری چوائس ہے۔"

جھوٹ بول رہا تھا کمبخت۔ وہ کسی کو اپنا ہی نہیں سکتا تھا۔ وہ کسی کا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ سنگل ہونا اس کی چوائس نہیں اسکا curse تھا۔

"ورک آؤٹ کا ٹائم ہو چکا ہے تم رپورٹ تیار رکھنا۔" وہ کلائی پر بندھی قیمتی گھڑی دیکھتے ہوئے پلٹا اور اس کے پہلو سے گزر کر دروازے کی جانب بڑھا۔

"کیا فائدہ تمہارے ورک آؤٹ کرنے کا؟ کیا فائدہ اتنے کسرتی بازو بنانے کا جب ان بازوؤں نے کسی حسینہ کو اٹھانا ہی نہیں۔" اس کے عقب پر مراد نے چوٹ کی۔ اس کی زبان بند ہو جائے یہ ہو نہیں سکتا۔ کبھی کبھی تو وہ بولتے ہوئے بالکل بھی نہیں سوچتا تھا۔ رئیس اس کے بے باک جملے پر رکا اور پلٹ کر اسے دیکھا۔ آنکھوں میں سرد مہری تھی۔

"تم کیا چاہتے ہو ہر گرنے والی عورت کو میں اٹھاتا پھروں؟" اس کی آنکھوں میں سرد تاثر تھا۔

"سب کو نہیں پر۔۔۔"

باقی الفاظ رئیس کی گھوری پر منہ میں ہی دم توڑ گئے۔ مراد نے مصالحتا دونوں ہاتھ کھڑے کر دیئے۔

"اوکے باس میں اب سے کچھ نہیں کہوں گا میری طرف سے بھلے ہی سنگل مر جائیں۔ بھاڑ میں جائیں۔"

رئیس تاسف بھری ایک نظر اس پر ڈالتا پلٹ گیا وہ سدھر ہی نہیں سکتا تھا اس کے جاتے ہی اچانک مراد کو فجر کی باتیں یاد آئیں تو اس کے دکھ درد جاگ اٹھے۔

"ڈائن کہیں کی۔ میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں۔" وہ میز پر ہاتھ مارتا چلایا پر ڈائن کو فرق نہیں پڑتا تھا۔

✿••✿••✿••✿

"کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ انہیں اتنی سی بات پر چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم 'ایمان لائے' اور انہیں آزمایا نہیں جائے گا؟"

(العنکبوت)

سہ پہر کے وقت ولیم اپنے کمرے میں، سر پر ہیڈ فون جمائے، عیسی ماموں کے کہنے پر سورہ العنکبوت ترجمہ کے ساتھ سن رہا تھا۔ وہ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ آخر اسے عیسی ماموں نے اسی سورہ سے شروعات کرنے کا کیوں کہا؟

سورہ العنکبوت ایمان، آزمائش اور اللہ کی واحدانیت پر زور دیتی ہے۔

وہ پوری طرح مگن تھا۔ کچھ باتیں سمجھ میں آ رہی تھیں اور کچھ ذہن کے اوپر سے گزر رہی تھیں۔

"جو اللہ کے سواء دوست بناتے ہیں ان کی مثال اس مکڑی کی سی ہے جس نے اپنا گھر بنایا اور بیشک سب سے کمزور گھروں میں، کمزور گھر مکڑی کا ہے۔"

(العنکبوت)

آخر مکڑی ہی کیوں؟ اللہ نے مکڑی سے ہی تشبیہ دی ہے؟ اتنے جاندار، چرند پرند اور حشرات تھے پر مکڑی ہی کیوں؟

اسکا ذہن اٹک گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ سوچتا اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ ہیڈ فون لگائے کھڑکی کے سامنے کھڑا تھا اور یہاں سے نظر آتا موریفیلڈ دیکھ رہا تھا۔ سب بدل گیا تھا۔ سب روشن تھا اور وہ یہی جاننے کی

کوشش میں تھا کہ سب روشن کیوں تھا۔ اس نے دستک پر پلٹ کر دیکھا تو جارج دروازے کھولے کھڑا تھا۔ نک سک سا تیار، بازو پر کوٹ گرائے وہ اسٹوڈیو جانے کے لیے تیار تھا۔

"جارج۔۔؟" وہ ہیڈ فون اتارتا فوراً اس کی جانب لپکا۔

"میں تمہیں بتانے آیا ہوں کہ آج راج انکل البرٹ کے ہاں ڈنر ہے۔ آٹھ بجے تیار رہنا۔" اس نے جیسے حکم دیا اور پھر فوراً پلٹ گیا۔

"جارج میری بات سنو۔" ولیم اس کے پیچھے لپکا۔ پر جارج کی رفتار تیز تھی۔ وہ بھاگتے ہوئے اس تک پہنچا۔

"تم مجھ سے ناراض کیوں ہو جارج؟ آخر میرا قصور کیا ہے؟" ولیم بے بسی سے بولا۔ وہ جارج کو یوں ناراض نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس کی بات سن کر جارج رکا۔ گردن ذرا سی دائیں جانب موڑ کر اسے دیکھا۔

"کیونکہ تمہارے نزدیک میری حیثیت دو کوڑی کی بھی نہیں ہے۔" وہ چہرے پر تنفر سجائے بولا۔ لہجے میں استہزاء تھا۔

"تم ایسا کیوں سوچ رہے ہو؟ ہم بھائی ہیں۔" ولیم نے اس کا ہاتھ پکڑنا چاہا۔ جارج نے جھٹکے سے چھڑا لیا۔

"اچھا تو پھر میری بات مانو۔ رات کو تیار رہنا اگر تمہیں اپنے بھائی کا اتنا ہی خیال ہے اور کوئی بھی بدمزگی مت کرنا۔" وہ اس کے سر پر بوجھ ڈالتا، سیڑھیاں پھلانگتا اس سے دور جا رہا تھا۔ ولیم نے زخمی کتھئی آنکھوں سے اسے دور جاتے دیکھا اور پھر اس کے کندھے ڈھلک گئے۔

"جارج کے لیے کچھ بھی۔" وہ بھلے نہ جاتا پر اب اس کا جانا ضروری ہو گیا تھا۔ وہ جارج کو مزید بدظن نہیں دیکھ سکتا تھا۔

شکست خوردہ قدموں سے وہ اپنے کمرے میں واپس آیا۔ بیڈ کی سائیڈ ٹیبل کا دراز کھولا اور سامنے ہی وہ چمکتا ہوا لاکٹ نکالا جو فجر کا تھا۔ جس کے لاکٹ کے اندر چاول کے دانے پر چمکتا ہوا فجر لکھا تھا۔ وہ کئی لمحے انگلیوں میں پھنسائے اسے دیکھتا رہا اور پھر صوفے پر ڈھے گیا۔

"کیا ہو تم؟ کیوں تم عنکبوت کی طرح مجھے اپنے جال میں جکڑ رہی ہو؟ کیوں تم میرے حواسوں پر سوار ہو؟ میں جانتا ہوں تمہارے نزدیک اس شادی کی کوئی اہمیت نہیں ہے پھر کیوں؟ کیوں یہ زمہ داری میں پر عائد ہو گئی ہے؟"

کئی سوال تھے جو وہ اس سے کرنا چاہتا تھا پر کیسے کرتا؟ اپنا کارڈ اسے دے آیا تھا پر اس کا رابطہ نمبر نہیں تھا۔ فجر نے بھی تو رابطہ کرنا گوارہ نہیں کیا تھا۔ اس بات نے اسے تکلیف پہنچاتی تھی۔ وہ شاید فجر کو یاد بھی نہیں ہو گا پھر وہ اسے کیوں یاد رہ گئی؟ کیوں اس کے ذہن سے نہیں نکلتی تھی۔

عیسی ماموں کہتے تھے وہ اس کی بیوی تھی اور بیوی تو لباس ہوتی ہے۔ قریب رہے تو سکون رہتا ہے دور ہو تو ڈر لگا رہتا ہے اور ولیم کو ڈر ہی لگ رہا تھا۔ وہ ولیم جوزف ہوتا تو اتنا فرق نہ پڑتا پر اب وہ ولیم ولی جوزف تھا۔ وہ مسلمان ہو چکا تھا دل سے۔ روح سے۔ اب تو بیوی کی بڑی زمہ داری کندھوں پر آ پڑی تھی اب اسے کیسے چھوڑ دیتا؟

کچھ دیر وہ مزید جوزف پیلس میں رہا پھر الجھا وجود لیے نیل کے کیفے پہنچ گیا۔

"میں پاکستان واپس جانا چاہتا ہوں۔" سرمئی ایڈنبرا کی چمکیلی دھوپ اسے اکسا رہی تھی کہ وہ اپنا فرض پورے کرے۔

"پاگل ہو گئے ہو؟" نیل کو اس کی بات بالکل پسند نہ آئی۔ کڈنی پائی کی پلیٹ اس کے سامنے رکھتے وہ تعجب سے بولا۔

"بہت ضروری ہو گیا ہے نیل! مجھے فجر سے ایک بار ملنا ہی ہو گا۔"

"تم کیوں ملنا چاہتے ہو اس سے؟ ایڈوانچر تھا نا؟ تو بھول جاؤ۔ دماغ پر سوار کیوں کر لیا ہے؟" وہ اس کے سامنے بیٹھتا، بگڑے تاثرات لیے بولا۔

"ایڈوانچر تھا پر اب وہ میری بیوی ہے۔ میں نے اسے قبول کیا ہے۔ میں اس کا ولی ہوں۔" وہ دبی دبی آواز میں چلایا۔ وہ دونوں نسبتاً پر سکون گوشے میں بیٹھے تھے جہاں اسے کسٹمرز ولیم کو نہ دیکھ پائیں۔ اکثر اسے مسٹر جوزف کے حوالے سے پہچان لیا تھا جاتا تھا اور پھر لوگ اسے عجیب نظروں سے دیکھتے تھے، اس کی تصویریں بنتیں۔ پرائیویسی نام کی تو کوئی چیز بچی ہی نہیں تھی۔ اسی لیے وہ زیادہ تر ماسک لگائے گھومتا تھا۔

"دیکھو ولیم میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ وہ لڑکی بیوی نہیں تمہاری موت ہے۔ تمہارے ڈیڈ کو پتا چلا تو بے موت مارے جاؤ گے۔" وہ اسے خطرے سے آگاہ کر رہا تھا اور ولیم کا دل مزید کھٹا ہو گیا۔ کوئی اس کی تکلیف کیوں نہیں سمجھ رہا تھا۔

اس نے بے بسی سے نیل ہو دیکھا۔ وہ بھی نہیں سمجھ پا رہا تھا۔

"تمہیں ڈر کس بات ہے کا ولیم؟ اسے بھی تو ہونا چاہیے۔ صرف تمہیں ہی کیوں؟" نیل نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

"کیونکہ میں اسکا ولی (سرپرست) ہوں۔ میرے نکاح میں ہوتے ہوئے اگر اس نے کسی اور سے تعلقات استوار کر لیے تو؟ اگر وہ کسی اور سے شادی کرنا چاہے تو کیسے کرے گی؟ میں ایک بار جانا چاہتا ہوں تاکہ اس کی مرضی کے مطابق اسے اپنا سکوں یا پھر۔۔" وہ رک گیا۔ باقی کے الفاظ کہنے کی ہمت نہیں تھی۔

"یا پھر؟" نیل نے بھنویں سکیڑ کر اسے دیکھا۔

"یا پھر اسے آزاد کر سکوں۔ میں اس بوجھ کے ساتھ نہیں جی سکتا۔" ولیم نے ایک بوجھل افسردہ سانس خارج کیا۔

"تمہارے نزدیک اس رشتے کی اتنی اہمیت کیوں ہے؟" نیل کو شک تھا اور وہ اپنا یہ شک دور کرنا چاہتا تھا۔

"کیونکہ۔۔۔" وہ بولتے بولتے رک گیا۔ نیل اس کا بیسٹ فرینڈ تھا۔ کیا اسے نیل پر بھروسہ کر کے بتا دینا چاہیے کہ وہ دین اسلام کو دل سے قبول کر چکا تھا۔

"کیونکہ وہ میرے عقد میں ہے۔" اس نے سانس روک کے بتایا۔

"ولیم تم؟" نیل نے حیران اور خوفزدہ نظروں سے اسے دیکھا۔ ولیم نے اس کے یوں دیکھنے پر اثبات میں سر ہلایا۔

"میں نے دل سے اسلام قبول کر لیا ہے۔"

نامحسوس انداز میں، اس کے ہاتھ پر رکھا نیل نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ ولیم یونہی بیٹھا رہا سپاٹ چہرہ لیے۔

"گھر میں کسی کو پتا ہے؟" وہ دھڑکتے دل کے ساتھ بولا۔

"نینی جانتی ہیں۔" اس نے پانی کا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگایا۔

"میں تمہارے ساتھ ہوں۔" نیل نے مسکرانے کی کوشش کی۔ اسے لگا تھا جیسے اس نے ولیم کو کھو دیا ہو۔ سامنے بیٹھا لڑکا اسے اپنا دوست نہیں لگا۔ پھر بھی وہ تو اسے دوست مانتا تھا نا۔

"کب کا پلان ہے؟" بے چین ہوتے نیل نے پوچھ ہی لیا۔

"بہت جلد۔۔" وہ بس اتنا ہی کہہ پایا جبکہ نیل مسکرا بھی نہیں پایا تھا۔ اسے آنے والے وقت سے خوف آرہا تھا۔ یہ سب جو اتنا آسان لگ رہا تھا یہ اتنا آسان نہیں تھا۔ پتا نہیں ولیم کو مسٹر جوزف کے قہر سے کون بچا پاتا؟ اس نے تھک کر سوچا پر کہا کچھ نہیں۔ ولیم کچھ دیر مزید وہاں بیٹھا رہا اور پھر چلا گیا۔ اس کی آوارگی بڑھ چکی تھی۔ پتا نہیں اس آوارگی کے بعد کوئی گھر اسے ملتا بھی یا نہیں۔

✿••✿••✿••✿

اسٹار لائٹ اسٹوڈیو کے پروڈکشن ہاؤس میں، مسٹر جوزف اپنے آفس میں اپنی کرسی پر براجمان تھے۔ ان کے سامنے ہی میز کی دوسری جانب جینی بیٹھی تھی۔ شوبز کے لوگ زیادہ تر آپس میں ہی شادیاں کرتے ہیں اور جینی ایک اچھی اداکارہ تھی۔ اسکا مستقبل روشن تھا۔ وہ بلندیوں کی جانب قدم بڑھائے ہوئے تھی۔ ایسے میں اگر وہ جوزف خاندان کی بہو بن جاتی تو کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ جب جیکب اور نساء کی بات چل رہی تھی جب البرٹ نے انہیں مشورہ دیا تھا کہ جینی کو جارج کے ساتھ باندھ دیا جائے پر مسٹر جوزف کا ذہن کہیں اور چل رہا تھا۔

"آگے کیا کرنا ہے؟" جینی کو لگتا تھا کہ مسٹر جوزف کو ولیم کے لیے منا کر وہ جیت گئی تھی۔ پر وہ بچی تھی۔ مسٹر جوزف کی پلاننگ سے ناواقف تھی اگر وہ جان جاتی کہ وہ مسٹر جوزف کو نہیں بلکہ مسٹر جوزف اسے استعمال کر رہے تھے تو یقیناً ضرور سوچتی۔ پر یہاں وہ دونوں مطلبی تھے۔ مسٹر جوزف کو اپنا مطلب نکالنا تھا اور جینی کو اپنا۔ وہ جوزف خاندان کی بہو بنتی یا نہ بنتی اس سے انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

"آج رات ڈنر پر تمہیں اپنا کام کرنا ہے۔ جارج کو اس قدر سلگاؤ کہ اسے ولیم اپنا جانی دشمن لگے۔" سرد سپاٹ لہجے میں کہتے وہ جینی کو حیران رہ گئے۔ سرمئی پینٹ اور سفید شرٹ پہنے وہ اپنے ازلی حلیے میں تھے۔ کوٹ کرسی کے پیچھے کھڑے اسٹینڈ پر لٹکا تھا۔ جبکہ جینی قدرے آرام دہ کپڑوں میں تھی۔ بیگی جینز اور سلیولیس ٹاپ پہنے وہ ایڈنبرا کی دھوپ کو محسوس کرنا چاہتی تھی۔

"آپ ایسا کیوں چاہتے ہیں؟ وہ دونوں آپ کے ہی بیٹے ہیں پھر ان میں پھوٹ کیوں؟" وہ واقعی الجھی ہوئی تھی۔ کہانی کا ایک رخ جینی رابرٹ کو ولن دکھاتا تھا جبکہ دوسرا رخ دیکھو تو پتا چلتا تھا کہ وہ صرف کٹھ پتلی تھی۔

"تم آم کھاؤ پیڑ مت گنو۔" مسٹر جوزف نے کرسی سے پشت ٹکائے جواب دیا۔ ان کی آنکھیں کسی بھی قسم کے احساس سے عاری تھیں۔ چہرہ ڈریکولا جیسا سپاٹ اور دل؟ کیا ان کے پاس دل تھا؟

جینی کو ولیم سے مطلب تھا لیکن دونوں بھائیوں کے درمیان پھوٹ کی وجہ اسے سمجھ نہیں آئی۔ آخر مسٹر جوزف کے دماغ میں کیا چل رہا تھا؟

"کیا ولیم آئے گا؟" بالآخر اس نے پوچھ ہی لیا۔

"نساء اور جارج اس کی کمزوری ہیں۔ وہ ان کے لیے کچھ بھی کرے گا۔ وہ ضرور آئے گا۔" مسٹر جوزف پورے یقین سے بولے تو جینی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پچھلے کئی مہینوں سے اس کا کام جارج کو اپنی جانب مائل کرنا تھا تاکہ بعد میں اس کا دل توڑا جا سکے اور وہ یہ کام بخوبی کر رہی تھی۔ آخر اداکارہ جو ٹھہری۔ پر اسے اب محسوس ہونے لگا تھا کہ یہ زیادہ ہوتا جا رہا تھا۔ جانے نتیجہ کیا نکلتا۔

"میں کیوں اتنا سوچ رہی ہوں؟" سر جھٹک کر اس نے جارج کو اپنے ذہن سے نکالا۔ فوکس ولیم پر رکھنا تھا۔ کچھ دیر وہ مزید بیٹھی رہی پھر پیشہ ورانہ انداز میں مسکراتی چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد مسٹر جوزف کی جھولتی کرسی رک گئی۔ وہ ایک جھٹکے سے سیدھے ہوئے۔

میز پر رکھا موبائل اٹھا کر آن کیا تو گیلری سے ایک تصویر نکالی۔ ولیم اور عیسی ماموں کی ایک ساتھ بیٹھے ہوئے یہ تصویر لی گئی تھی۔ وہ جوزف پیٹرسن تھا۔ انہیں دھوکا دینا، انکی نظروں میں زیادہ تر دھول جھونکنا ناممکن تھا۔

✿••✿••✿••✿

فجر اس وقت لکس کی بلند و بالا عمارت کے سامنے کھڑی تھی۔ لاہور ایم ایم عالم روڈ پر واقع یہ عمارت کئی منزلہ اونچی تھی اور سبز شیشے دھوپ میں چمک رہے تھے۔

اس نے گردن پیچھے گرا کر ایک نظر عمارت کو دیکھا۔ آنکھوں کی چمک بڑھ گئی۔ تیز دھوپ عمارت کے سبز شیشوں سے ٹکرا چندھیا دینے والی چمک پیدا کر رہی تھی۔ فجر نے بالوں سے چشمہ اتار کر آنکھوں پر جما لیا اور پھر گہرا سانس لیتی اندر کی جانب بڑھی۔ داخلی دروازے پر ہی اسے روک لیا گیا۔ وجہ اس کے بہت میں رکھی چھری تھی جو luggage اسکینر میں اسکین ہو چکی تھی۔ سیکیورٹی نے بھنویں سکیڑ کر فجر کو دیکھا جو دلکشی سے مسکرا دی اور پھر بیگ سے چھری نکال کر انہیں تھما دی۔

"یہ بہت قیمتی ہے۔ میں واپسی پر لے لوں گی۔" وہ کاؤنٹر پر چھری پکڑاتی اندر چلی گئی۔ لش لش کرتی دیواریں اور چمکتا ماربل، رئیس جیولرز سے کسی طور کم نہ تھا۔

ریسیپشن پر اسے انتظار کرنے کا کہا گیا۔ وہ گہری نظروں سے اطراف کا جائزہ لے رہی تھی۔ دیواروں پر بنے آرٹ ڈیزائن دیکھنے سے تعلق رکھتے تھے۔ لوگ آجا رہے تھے۔ کوئی سیڑھیاں استعمال کر رہا تھا اور کوئی لفٹ۔ ڈھیروں کاغذ ہاتھ میں پکڑے، مشروب کے گلاس تھامے لوگ آتے جاتے مصروف نظر آتے تھے۔ کتنی چمکتی ہوئی دنیا تھی۔ یہ ماحول اس نے رئیس ہیڈ آفس میں بھی دیکھا تھا۔ اس لیے وہ زیادہ حیران نہیں ہوئی۔ پندرہ منٹ ایک خوبصورت سی لڑکی جو ڈریس پینٹ میں ملبوس تھی، ریسیپشن پر آئی، اسکا نام پکارہ اور اسے اپنے ساتھ آنے کو کہا۔

بیگ تھامتے، فجر اس کے پیچھے چل پڑی۔ لفٹ سے بالائی منزل پر پہنچ کر لفٹ کھل گئی۔ سامنے ہی بڑا سا ہال تھا۔ شیشے کے بنے کیبن میں لوگ مصروف نظر آتے تھے۔ اطراف میں کئی کمرے تھے جن کے باہر، اندر بیٹھنے والوں کے نام کی تختی کنندہ تھی۔

ایک کمرے کے سامنے پہنچ کر وہ لڑکی رہ گئی اور اس کے ساتھ ہی اس کی نازک ہیل کی ٹک ٹک بھی۔

کمرے کے باہر "**سونیا سلطان**" لکھا تھا۔ وہ کمپنی کی ڈائریکٹر تھی۔ فجر اپنی طرف سے کافی تحقیق کر کے آئی تھی۔

لڑکی نے

دروازے پر دستک دی اور پھر دروازہ کھول کر فجر کو اندر جانے کا اشارہ کیا۔ دھڑکتے دل پر قابو پاتے فجر نے

دروازے کے اندر قدم رکھا اور دروازے بند ہو گیا۔

سامنے ہی بڑے میز کے پیچھے پاور کرسی تھی۔ کرسی پر کوئی بیٹھا تھا اور اس کا رخ دوسری جانب تھا۔ گلاس وال سے نظر آتا شہر یہاں سے با آسانی دیکھا جا سکتا تھا۔

"السلام علیکم!" فجر نے گلے کو تر کہتے سلام کیا۔ کرسی گھومی اور سونیا سلطان کا وجود واضح ہو گیا۔

پینتیس سالہ ایک خوبصورت اور باوقار عورت اپنے تمام تر رعب کے ساتھ فجر کو اپنی جانب تکتی نظر آئیں۔

"وعلیکم السلام!" اس کی آنکھوں میں تحیر ابھرا جبکہ چہرے پر کئی رنگ آکر گزر گئے۔ وہ فجر کو عجیب نظروں سے دیکھے گئیں۔ جانے کتنے لمحے، جیسے یقین کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ فجر یونہی کھڑی رہی، سونیا سلطان کے ری ایکشن پر اس کے چہرے پر الجھن ابھری۔

"یقین نہیں ہوتا۔" وہ اسی حیرت سے بولی اور پھر ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ جارجٹ کی پینٹ پر سلک کا ٹاپ پہنے، سیاہ بالوں کو فولڈ کیے وہ فجر کو یوں دیکھ رہی تھیں جیسے کوئی ناقابل یقین چیز سامنے آگئی ہو۔

"فجر معراج؟ ہے نا؟" نام لے کر یقین دہانی کرنا چاہی۔

"جی میں ہی فجر معراج ہوں!" وہ بدقت مسکرائی۔ سونیا سلطان کا ردعمل سمجھ سے باہر تھا۔

"آؤ بیٹھو۔" ہاتھ سے کرسی کی جانب اشارہ کیا تو فجر مسکرا کر آگے بڑھی۔ کرسی پر بیٹھتے ہوئے اپنا بیگ نیچے کرسی کے قریب رکھ دیا۔ گہرے سبز شیشوں سے دھوپ پوری کوشش کے باوجود، پوری طرح اندر داخل ہونے میں ناکام رہی تھی۔ باہر کافی گرمی تھی جبکہ اندر اے سی کی ٹھنڈک سے فجر کو اپنا وجود پرسکون ہوتا محسوس ہوا۔

سونیا سلطان واپس بیٹھ گئی اور پھر اپنے سامنے رکھے لیپ ٹاپ کے کی بورڈ پر انگلیاں گھمائیں اور پھر لیپ ٹاپ کا رخ موڑ کر فجر کی جانب کیا۔ سامنے ہی اسکرین پر اس کی ویڈیو چل رہی تھی، وہی نائٹ میئر والی ویڈیو، فجر خود کو دیکھے گئی۔ اس نے اب تک خود کی ویڈیو نہیں دیکھی تھی۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ریمپ واک کرتے وہ

لڑکی فجر کو کوئی اور ہی لگی۔ وہ جس اعتماد سے گردن اکڑائے، زخمی روح، زخمی آنکھیں لیے آگے بڑھ رہی تھی وہ قابل دید تھا۔

"تم نے بہترین کام کیا ہے۔ یقین نہیں ہوتا کوئی یونیورسٹی کا اسٹوڈنٹ بھی کسی نائٹ میئر کو بُننے کی صلاحیت رکھتا ہو گا۔" انہوں نے کھلے دل سے فجر کی تعریف کی۔ آواز پر سکتہ ٹوٹا اور فجر کی نظریں اسکرین سے ہٹ گئیں۔

"نائٹ میئر بُننے کا خیال کیسے آیا؟" انہوں نے لیپ ٹاپ واپس اپنی جانب کرتے سوال کیا۔

"خواب تو سبھی بُنتے ہیں، کوئی تو ہو جو روایت سے ہٹ کر آئے۔ کوئی تو ہو جو نائٹ میئرز کو اہمیت دے۔"

اس نے مسکرا کر پیشہ ورانہ انداز میں جواب دیا۔ سونیا سلطان اس کے جواب سے کس قدر متفق نظر آئیں۔

"تمہاری انسپائریشن کیا ہے فجر؟" نظریں فجر کے چہرے پر جمائے انہوں نے اگلا سوال کیا۔ انداز بالکل ویسا ہی تھا جیسے ایک کمپنی کے سربراہ کا ہوتا ہے جب وہ کسی نئے ملازم کو ہائر کرتا ہے۔

"میرے نائٹ میئرز۔" اس نے تین لفظی جواب دینے پر اکتفا کیا۔

"تمہارے لیے نائٹ میئرز کیا ہیں؟" روایتی انٹرویو سے کافی ہٹ کر ان کی گفتگو چل رہی تھی۔

"وہ خواب جو ابھی تک پورے نہیں ہوئے، وہ مجھے سونے نہیں دیتے۔ وہ مجھے جگائے رکھتے ہیں، ٹارچر کرتے ہیں، تاکہ میں انہیں پورا کرنے کے پیچھے بھاگتی رہوں۔"

"ہمم۔۔" وہ متاثر نظر آئیں۔

"کاسٹیوم ڈیزائننگ کو چننے کا مقصد کیا ہے؟"

"تاکہ اپنے نائٹ میئرز کو حقیقی شکل دے سکوں۔"

"اور زندگی کا مقصد کیا ہے؟"

"بلندیوں پر راج کرنا۔" جواب دوبدو آرہا تھا۔

کچھ پل کی خاموشی چھا گئی۔ سونیا سلطان اسے جانچتی نگاہوں سے دیکھے گئیں۔

"اگر لکس میں تمہیں جگہ نہ ملے تو؟"

"لکس میں جگہ مجھے مل چکی ہے تبھی میں یہاں بیٹھی ہوں۔" ملکہ ملعون نے گردن اکڑائے جواب دیا۔ "پھر بھی اگر نہیں ملتی تو فرق نہیں پڑتا۔ لکس کو ڈیزائنز بہت مل جائیں گے اور فجر معراج کو ڈیزائن بنوانے والے۔" بات کے آخر پر اس کے چہرے پر مسکراہٹ ابھری۔ جتانے والی مسکراہٹ۔

"خود پرست ہو؟"

"خود پسند ہونا چاہیے۔" انہی کے انداز میں جواب دیا گیا۔

"اوکے فجر مجھے بتاؤ کہ دو ماہ بعد پیرس میں ایک بہت بڑا فیشن شو ہونے والا ہے اگر ہم انسانی جسم کو ڈیزائن کی صورت میں پیش کریں تو کیسے کر سکتے ہیں؟ تمہارے پاس دس سیکنڈ ہیں۔"

فجر کی بھونیں سکڑیں۔ آنکھوں کو دو چھوٹی کیے اس نے سونیا سلطان کو دیکھا جن کے نظریں جتاتی ہوئی تھیں۔

"چار، پانچ، چھ۔۔" انہوں نے گنتی شروع کی۔

"جلد، گوشت، ڈھانچہ اور روح۔" وہ سات تک گن نہیں پائیں کہ فجر کا جواب حاضر ہوا۔ ان کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔ چہرے پر سنجیدگی ابھری۔ وہ لڑکی اتنی ہلکی نہیں تھی جتنا انہوں نے سمجھا تھا۔

"تم سلیکٹ ہو گئی ہو۔"

اگلے ہی پل مسکرا کر انہوں نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ فجر پل بھر کو ساکت ہوئی پھر اس نے سونیا سلطان کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیا۔

"Congratulations! You have a spark"

"(مبارک ہو! تم میں دم ہے۔)"

"تمہارا کنٹریکٹ آج رات کو ای میل کر دیا جائے گا۔ مجھے بتاؤ کہ رئیس جیولرز کی طرف سے تمہیں افر آئی ہے؟"

ابھی ریسیپشن پر بیٹھے بیٹھے اسے ای میل موصول ہوئی تھی۔ اسے انٹرویو کے لیے بلایا گیا تھا۔

"بالکل آئی ہے۔"

"تو لکس کو چننے کی وجہ کیا ہے؟"

"کیونکہ مجھے جیولری نہیں کاسٹیوم ڈیزائن کرنے ہیں۔"

"کب سے جوائن کر رہی ہو؟"

"میں آج سے جوائن کر سکتی ہوں پر مجھے پہلے کانٹریکٹ دیا جائے۔"

وہ تھکی ہوئی تھی۔ دل کر رہا تھا یہی بستر لگا کر سو جائے۔ رات کو ٹھیک سے نیند نہیں آئی تھی پر اگر اسے آج سے ہائیر کر لیا جاتا تو وہ کام پر بیٹھ جاتی۔ یہی اس کا پیشن تھا یہی اسے فجر معراج بناتا تھا۔

سونیا سلطان نے گہرا سانس لیا اور پھر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے مسکرا دیں۔

"کنٹریکٹ آپ کو آج مل جائے گا لیکن ہم آپ کا یہ گاؤن خریدنا چاہتے ہیں۔ قیمت کیا ہے؟"

"نائٹ میئرز کی کوئی قیمت نہیں ہوتی پھر بھی اگر آپ کو چاہیے تو، دو ہزار ڈالرز!"

سونیا سلطان کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔ انہوں نے حیرت سے فجر کو دیکھا اور پھر ان کا ابھرنے والا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"جانتی ہو دو ہزار ڈالرز کتنے ہوتے ہیں؟ ساڑھے پانچ لاکھ روپے۔" انہوں نے یوں کہا جیسے فجر جانتی ہی نہ ہو۔

"لکس جیسی کمپنی کے لیے زیادہ نہیں ہیں۔ یہاں ایک ایک ڈیزائن لاکھوں کا ہے۔ میں نے تو پھر مناسب قیمت بتائی ہے۔"

فجر کو اپنا گاؤن عزیز تھا پر اسے فی الوقت پیسے چاہئیں تھے۔ اتنے پیسے کہ وہ آس پاس کوئی اپارٹمنٹ رینٹ پر لے سکتی۔ ظاہر سی بات ہے ساری عمر پرانے محلے میں نہیں گزار سکتی تھی۔ جذباتی ہو کر وہ اپنے گاؤن کو سینے سے لگائے بیٹھی رہتی تو بے وقوف کہلاتی۔ موقع مل رہا تھا تو کیوں نافائدہ اٹھایا جاتا؟ وہ پلانر تھی۔ اپنے دماغ میں آنے والے ایک ایک کل کی پلاننگ کر کے رکھتی تھی اور پوری رات اس نے پلاننگ ہی کی تھی۔ کتنے پیسوں میں کس علاقے میں اپارٹمنٹ ملتا۔ کتنے میں فرنش ہوتا وغیرہ وغیرہ۔۔

"منظور ہے۔" سونیا سلطان کو بھی وہ گاؤن لازمی چاہیے تھا اور پھر ساڑھے پانچ لاکھ زیادہ نہیں تھے۔ اس سے زیادہ تو وہاں بیٹھے ڈیزائنرز کی سیلری تھی۔

کچھ دیر بعد وہ فخر، کندھے چوڑے کیے لکس سے باہر نکل رہی تھی۔ بلندیاں اس کی منتظر تھیں اب دیکھنا یہ تھا وہ وہاں تک پہنچ پاتی یا نہیں؟

✿••✿••✿••✿

رئیس کی بلند و بالا عمارت سے سہہ پہر ڈھل رہی تھی۔ رئجس اس وقت مراد عالم کے ساتھ ڈائننگ روم میں تھا۔ عروزہ، مراد اور رئیس اکثر تینوں اکٹھے لنچ کرتے تھے۔ اس وقت بھی کھانے کی میز پر ہلکے پھلکے سالاد کے ساتھ فریش جوس رکھا تھا۔

مراد عالم لیپ ٹاپ لیے بیٹھا تھا۔ فروہ اور اس کی ٹیم کی سلیکشن ہو چکی تھی۔ فجر کی طرف سے ابھی تک کوئی ریسپانس نہیں آیا تھا۔

"جواب کیوں نہیں دے رہی ہے وہ؟" جوس کا گلاس اٹھائے رئیس، موبائل ہاتھ میں پکڑے، اسکرین گھور رہا تھا، اس کے ساتھ وہ ایک گھونٹ جوس کا بھی لے لیتا۔

"تمہیں جلدی کس بات کی ہے؟" رئیس نے الٹا سوال کیا اور تبھی فجر کی ای میل موصول ہوئی۔

"سوری ایم ناٹ انٹرسٹڈ۔۔" ایک لائن میں صاف صاف لکھا تھا۔

"یہ کیا بکواس ہے؟" مراد کی آنکھیں پھیلیں۔ اس نے تو صاف صاف انکار کر دیا۔

"کیوں؟" اس نے فوراً ریپلائے کیا۔ چہرے کے زاویے بگڑے ہوئے تھے۔ فجر معراج نے اسے انکار کیسے کیا؟ ہمت کیسے ہوئی ڈائن کی؟ بس نہیں چل رہا تھا، وہ سامنے ہوتی تو گلہ دبا دیتا۔

"میں رئیس میں کام نہیں کروں گی۔" وہ اپنے سوال اور اس کے جواب اونچی آواز میں پڑھ کر سنا رہا تھا۔ رئیس کی پیشانی پر شکنیں ابھریں۔

"تو پھر کیا کرو گی؟" الٹا سوال۔

"میں رئیس کے ساتھ کام کروں گی۔"

دونوں جملوں میں بڑا فرق تھا۔ رئیس کی ابھرنے والی ہنسی بے ساختہ تھی۔ اس کا چہرہ سرخ پڑا۔ سرد آنکھوں کا تاثر نرم پڑ گیا۔

"Ouch! Little Miss on Mission"

"(اوہ! چھوٹی صاحبہ مشن پر رواں ہے۔)" وہ محظوظ ہوا۔

"احسان فراموش عورت! خواب دیکھو ذرا اس کے۔" مراد عالم کے شریر میں تو جیسے شرارے بھر گئے۔

"مجھے اس کا دعویٰ پسند آیا۔" وہ غیر سنجیدہ دکھائی دے رہا تھا۔

"پتا نہیں کیا سمجھتی ہے خود کو۔" لیپ ٹاپ ہٹائے اب وہ جل کڑھ رہا تھا۔

"ریلیکس رہو ینگ مین! اس کی اپنی چوائس ہے۔ کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔" رئیس اسے چڑانے والے انداز میں کہتا، اپنے گلاس اٹھائے باہر نکل گیا جبکہ مراد اس دن کو کوس رہا تھا جب اس کی ملاقات فجر معراج سے ہوئی تھی۔

دوسری جانب فجر، ٹیکسی میں بیٹھے، واپسی کے سفر پر رواں تھی۔ دونوں جانب بلند و بالا عمارات کے درمیان بنی شاہراہ پر گاڑی تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ اس کے اعصاب کافی حد تک ڈھیلے پڑ چکے تھے۔ مراد عالم کو منع کر کے تو دلی سکون ملا تھا۔ گاڑی کی کھڑکی سے ٹیک لگا کر اس نے اپنے گزرے کئی مہینوں کا تجزیہ کیا اور پھر وہ بے ساختہ ہنس دی۔ ولیم نے ٹھیک کہا تھا کہ کچھ سالوں بعد جب وہ ہنسی خوشی زندگی جی رہی ہو گی تب اسے اپنی خودکشی کی کوشش پر ہنسی آئے گی پر اسے تو ابھی سے آ رہی تھی۔ ارسل اس کے دل، دماغ اور نظروں سے بالکل ہی گر گیا تھا۔ اب اس کا ہونا نہ ہونا ایک برابر تھا۔ اسے خود پر ہنسی آ رہی تھی کہ وہ ایک کم ظرف انسان سے امیدیں وابستہ کیے بیٹھی تھی۔ اسے ہنسی آئی کہ وہ وقتی جذبات کو محبت سمجھ بیٹھی تھی۔ ہاں وقتی جذبات جو ہماری عادت بن چکے ہوتے ہیں اور ہمیں لگتا ہے وہ محبت ہے حالانکہ وہ تو بس فرار کی ایک راہ ہوتی ہے۔

وہ واحد شخص تھا جس سے فجر نے پورے دل سے وفا کی تھی پر بدلے میں دھوکا ہی ملا۔ وہ اب سوچ رہی تھی کہ ارسل کے ہوتے ہوئے کیا وہ ان بلندیوں تک پہنچ پاتی جہاں اسے راج کرنا تھا؟ کبھی نہیں!

وہ تو اس کے لیے اپنی پہچان تک مٹانے کو تیار تھی پر قدرت کے فیصلوں میں اتنی حکمت ہوتی ہے کہ انسان اس وقت سمجھ ہی نہیں پاتا۔ ارسل کا جانا اس کی زندگی سے کتنا ضروری تھا یہ فجر معراج کو آج سمجھ آیا تھا۔ گہرہ سانس لے کر خود پر آنے والی سبھی تکلیفوں کو قبول کیا جنہوں نے اسے آج یہاں تک پہنچایا تھا۔ ہماری زندگی میں آنے والی ساری تکلیفیں اپنے ساتھ اتنا کچھ سکھانے کو لاتی ہیں کہ ہم رونے دھونے کے علاوہ کچھ اور سوچ ہی نہیں پاتے۔ اس وقت بھی وہ کھلی آنکھوں سے بڑے بڑے خواب دیکھ رہی تھی۔ وہ خواب جن کی تعبیر کے لیے وہ رات دن محنت کرنے کو تیار تھی۔ وہ خواب، جب تک پورے نہ ہو جاتے اس کے لیے نائٹ میئرز بنے رہتے اور اس نے کھلے دل سے سارے نائٹ میئرز کو خوش آمدید کہا۔

✿••✿••✿••✿

ایڈنبرا میں اتری یہ رات حسین تھی کیونکہ بادل ٹپ ٹپ برس رہے تھے۔ ٹھنڈی ہوائیں اور ہلکی بوندوں نے پورے ایڈنبرا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے مسٹر البرٹ کے گھر روشنیوں کا سیلاب امڈ آیا ہو۔ زیادہ لوگ نہیں تھے پر خاص خاص سبھی موجود تھے۔

نساء مسٹر جوزف کے ساتھ نکل گئی تھی۔ جبکہ ولیم، جارج کے ساتھ اس کی گاڑی میں بیٹھا تھا۔ جارج ہلکے سرمئی رنگ کی ڈریس پینٹ کے ساتھ کوٹ پہنے ہوئے تھا۔ اس کی ڈریس شرٹ سفید تھی اور نفاست سے جمے بالوں کے سنگ وہ اتنا پر وقار اور وجیہہ لگ رہا تھا کہ اسے دیکھے دل لگتا۔ اس سے اب بڑے بھائیوں والی وائبز آتی تھیں۔

ولیم اس کے ساتھ والی سیٹ پر براجمان تھا۔ خاکستری پینٹ پر خاکستری گول گلے والی شرٹ اور اوپر سیاہ جیکٹ پہنے وہ فارمل حلیے میں بالکل بھی نہیں لگ رہا تھا۔ جارج نے کنکھیوں سے اسے دیکھا پر کہا کچھ نہیں۔ یوں بھی ولیم کو ڈنر سوٹ پہننے کی عادت نہیں تھی۔

"اب تو ناراضی چھوڑ دو۔" ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے، جارج کو دیکھتے ہوئے ولیم نے کہا۔

"یہ آج کی رات گزرنے کے بعد فیصلہ ہو گا۔" جارج نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"تم جانتے ہو مجھے جینی میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" ولیم نے بے بسی سے اپنی صفائی پیش کی۔ جارج خاموش رہا۔ یونہی جبڑے بھینچے گاڑی چلاتا رہا۔

"جارج؟" ولیم سے اس کی خاموشی برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

"کیا تم کچھ دیر خاموش رہ سکتے ہو؟" بھنویں سکیڑے اس نے پوچھا۔ ولیم کی جانب ابھی بھی نہیں دیکھا تھا۔ جارج کا اسے یوں نظر انداز کرنا ولیم کو کھائے جا رہا تھا۔ باقی کا راستہ خاموشی کی نظر ہو گیا۔

مسٹر البرٹ نے جیکب سمیت انہیں خوش آمدید کہا۔ جیکب نے تنفر بھری نظروں سے اسے دیکھا۔ اگر جارج کا سوال نہ ہوتا تو ولیم بھی وہاں کبھی نہیں آتا۔

مسٹر جوزف نساء سمیت پہلے پہنچ چکے تھے۔ مسٹر جوزف سفید ڈنر سوٹ میں تھے جبکہ نساء ہلکے نیلے رنگ کی فراک پہنے ہوئے تھی۔ مسٹر البرٹ انہیں اندر لے آئے۔ مسٹر جوزف اب باقی مہمانوں سے مل رہے تھے۔ جارج نے بھی ان کی حمایت کی جبکہ نساء اور ولیم خاموش کھڑے رہے۔ نساء کے چہرا ابھی تاثرات سے عاری تھا۔

"تم ٹھیک ہو؟" ولیم نے اسے دیکھتے پوچھا جو جیکب کی نظروں کو محسوس کرتے، غیر آرام دہ محسوس کر رہی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ تبھی داخلی دروازے سے جینی رابرٹ اپنی اسسٹنٹ عینا کے ساتھ داخل ہوئی۔ عینا سیاہ چمکتی ہوئی پینٹ پر سلک کی شرٹ پہنے ہوئے تھی جبکہ جینی پنڈلیوں تک آتے گہرے نیلے رنگ کے چست لباس تھی۔ ہاتھ میں سلور رنگ کا والٹ تھا۔ جینی کی نظروں کے تعاقب میں عینا نے، مسٹر جوزف، جارج اور ولیم کو دیکھا۔

"یہ بتاؤ ان میں سے باپ کو دیکھنا ہے یا بیٹوں کو؟" عینا نے شرارت سے اس کے ہاں میں سرگوشی کی تو وہ مسکرا دی۔

"جس کو دل کرے دیکھو۔" وہ مسکرا کر کہتی آگے بڑھ گئی۔ پہلے مسٹر جوزف سے ملی، پھر جارج سے ہائے ہیلو کی۔ ابھی بھی وہ اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ جانتا تھا نیلی آنکھوں والی جینی رابرٹ ہمیشہ کی طرح حسین لگ رہی ہو گی پھر وہ ولیم اور نساء کی جانب متوجہ ہوئی۔

"ہائے نساء کیسی ہو؟" اس نے نساء کو گلے لگاتا پوچھا۔ نظریں ولیم پر جمی تھیں۔ وہ ہمیشہ سے ایسی تقریبات سے بھاگتا آیا تھا اور آج بھی اتنا ہی بے زار لگ رہا تھا۔

"کیسے ہو؟" اس نے ولیم سے براہ راست پوچھا جو مسکرا بھی نہیں پایا۔ بس ہلکا سا سر کو خم دیا۔ ہال مہمانوں سے بھر گیا تھا۔ میڈیا کے زیادہ لوگ نہیں تھے۔ پریس سے دو لوگوں کو بلایا گیا تھا جو مسٹر البرٹ کے خاص تھے اور ان کی ہر تقریب کی کوریج وہی کرتے تھے۔ ایک رپورٹر تو دوسرا کیمرہ مین اور وہی تصویریں چھپتی تھیں، وہی الفاظ لکھے جاتے تھے جنہیں مسٹر البرٹ منظور کرتے تھے۔

یونیفارم پہنے بیرے، ہاتھ میں مختلف مشروبات کی ٹرے اٹھائے گھوم رہے تھے۔ ان کے قریب بھی بیرہ آیا تھا تو نساء اور ولیم نے اورنج جوس اٹھالیا جبکہ جینی نے وسکی ملا مشروب اٹھایا۔ نازک پیندے والے گلاسوں کو آپس میں چیئرز کی صورت ٹکرانے کے بعد وہ اب گھونٹ گھونٹ پی رہے تھے۔

جارج دور سے بھی جینی کی نظریں ولیم پر محسوس کر سکتا تھا۔ اسے اپنے اندر الاؤ جلتا محسوس ہو رہا تھا پر وہ ضبط کیے کھڑا تھا۔ مسٹر جوزف، مسٹر البرٹ کے ساتھ تھے جبکہ جیکب اپنے دوستوں کے ساتھ کھڑا، نساء کی جانب شوخی نظریں اٹھاتا محظوظ ہو رہا تھا۔ کچھ دیر بات چیت چلتی رہی پھر مسٹر جوزف اور البرٹ، ہال کے آخر میں بنے دو فٹ اونچے اسٹیج پر جا کھڑے ہوئے۔

"لیڈیز اینڈ جینٹلمین!" اس نے ہاتھ میں پکڑے گلاس کو اسٹیل کے چمچ سے بجاتے، سب کو اپنی جانب متوجہ کیا۔

"آج کی یہ شام بہت خاص ہے۔" دونوں کو ایک کھڑا ساتھ دیکھ کر سب سمجھ گئے تھے واقعی کوئی دھماکہ ہونے والا تھا۔

"میں اور جوزف سالوں سے ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔ ہماری دوستی وقت کے ساتھ ساتھ گہری ہوتی جارہی ہے اور اب وقت آگیا ہے جب ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم اپنی دوستی کو رشتہ داری میں بدل دیں۔" ولیم ٹھٹک گیا۔ البرٹ نے مسٹر جوزف کی جانب اشارہ کیا کہ باقی بات وہ کرے۔

"تو آج ہی اس اس حسین شام میں، میں اپنی اکلوتی بیٹی نساء جوزف کا ہاتھ، البرٹ کے بیٹے اور ہمارے چمکتے ستارے جیکب کے ہاتھ میں دینا پسند کروں گا۔"

ولیم نے حیرت سے نساء کو دیکھا۔

"یہاں آؤ نساء!" مسٹر جوزف نے اسے پکارہ۔ نساء نے ایک نظر ولیم پر ڈالی جو حیرت سے اسے ہی تک رہا تھا۔ اسے کسی نے نہیں بتایا تھا کہ آج ہی تقریب کا مقصد کیا تھا اور پھر نساء تو اس رشتے کے راضی ہی نہیں تھی۔ وہ حیرت اور صدمے سے نساء کو دیکھے گیا جس نے "**پلیز ولیم**" بڑبڑاتے ہوئے اسے پر سکون رہنے کا اشارہ کیا۔ اس سے کوئی بھی ڈرامہ نہ کرنے کی درخواست کی۔ ولیم اپنی جگہ پر ہی جم گیا جبکہ نساء ہولے ہولے قدم اٹھاتی اسٹیج کی جانب بڑھی۔

اس کے سامنے ہی اب اسٹیج پر مسٹر جوزف کی ایک جانب نساء تھی جبکہ مسٹر البرٹ کی دوسری جانب جیکب کھڑا تھا۔

منگنی ہی رسم نہیں تھی پھر بھی دونوں کو بلا کر ایک دوسرے کے ساتھ کھڑا کر دیا گیا۔ وہ مزید کچھ کہہ رہے تھے پر ولیم سن ہی نہیں پایا۔ جیکب، نساء کی جانب جھکے سر گوشی کر رہا تھا۔ نساء کا چہرہ سرخ پڑ کا تھا اور ولیم ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہا تھا۔ اگر نساء اس رشتے سے خوش ہوتی تو وہ یقیناً بھنگڑے ڈالتا پر اس وقت اس کا خون جل رہا تھا۔

"اگر تم ہاں کر دیتے تو آج ہم بھی وہاں ہوتے۔" جینی نے ذرا سی اس کی جانب جھکتے سر گوشی کی۔ ولیم نے زخمی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ ان نگاہوں میں بہت کچھ تھا۔ جینی کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔ وہ نظریں موڑ گیا۔ وہ مزید کچھ نہیں کہہ پائی۔ جانتی وہ ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہا تھا اس لیے مزید کچھ بھی کہنا ترک کر دیا جبکہ دوسری جانب عینا، جارج کے ارد گرد گھوم رہی تھی جس کی پوری حسیات ولیم اور جینی پر لگی تھیں۔ کچھ دیر بعد ڈانس شروع ہوا۔ ہال کے سبھی لوگ کناروں پر سمٹ گئے اور درمیان میں، ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے، کئی جوڑے ہلکے سروں میں بجتے میوزک پر رقص کرنے لگے۔ ان میں سے ایک جوڑا جیکب اور نساء کا تھا۔ جیکب، ولیم کو جلانے کی لیے جان بوجھ کر نساء کو تنگ کر رہا تھا۔ وہ اسے چھو رہا تھا اسے غیر آرام دہ محسوس کروا رہا تھا۔ ولیم نے اس کے چہرے پر کمینہ پن دیکھا۔ اسے اپنا سانس سینے میں ہی گھٹتا محسوس ہوا۔ اسے اپنا آپ ایک قیدی سے زیادہ نہ لگا۔ جوزف پیلس کا وہ قیدی جس کے سارے پر کاٹ دیئے گئے تھے۔

وہ رخ موڑے، کھانے سے سجے لوازمات کی میزوں کی جانب بڑھا اور پانی کا گلاس اٹھا کر غٹا غٹ پی گیا۔ سینے میں جلتی آگ پھر بھی نہ بجھی۔ جارج ایک جانب اپنے کسی جاننے والے سے محو گفتگو تھا۔ مسٹر جوزف بھی متوجہ نہیں تھے۔ ولیم میز پر دونوں ہتھیلیاں جمائے کھڑا تھا۔ اس کے جبڑے بھینچے ہوئے تھے اور آنکھوں سے لہو ٹپک رہا تھا۔ جینی اس کی پل پل بدلتی حالت دیکھتی رہی۔ کچھ دیر بعد ڈانس ختم ہوا تو جیکب اسی کی جانب آیا۔ ولیم ہتھیلیوں کے سہارے، گردن جھکائے کھڑا تھا۔

"ہیلو برادر ان لاء۔۔" ولیم کی جانب جھکتے اس نے خباثت سے سرگوشی کی۔ ولیم نے سیدھا ہوتے ایک نظر جیکب کو دیکھا جو تپانے والی مسکراہٹ لیے کھڑا تھا۔ میز کی دوسری جانب، چمکتی گلاس وال پر بارش کے قطرے ٹپ ٹپ بہتے دکھائی دیئے۔

"کیا کہا تھا تم نے؟ تمہاری بہن سے دور رہوں ورنہ تم حشر نشر کر دو گے؟" وہ ڈرامائی انداز میں بولا۔ "دیکھ لو تم کچھ نہیں کر سکتے۔ تمہاری اوقات کیڑے جیسی بھی نہیں ہے۔" وہ اسے سلگا رہا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے سامنے پورے قد سے کھڑے تھے۔ ولیم کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے یوں جیسے وہ ابھی جیکب کو جلا کر خاک کر دے گا۔ کتھئی بال الجھے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔

"مجھ پر اور اپنی بہن پر دھیان دینے سے بہتر ہے تم کھاؤ پیو اور موج اڑاؤ کیونکہ تمہارے جیسا ناکام انسان یہی کر سکتا ہے۔" اس نے ایک قدم مزید ولیم کی جانب بڑھاتے اس پر لفظوں کا کاری وار کیا۔ ولیم کی نظریں اسی کے چہرے پر جمی تھیں۔ اگلے ہی پل وہ ہنس دیا۔ استہزائیہ ہنسی۔ جینی کے ساتھ نساء کی نظر انہی پر تھی۔ وہ جانتی تھی جیکب، ولیم کو اکسا رہا تھا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو ایک cheers تو بنتا ہے۔" اس نے جیکب کے ہی انداز میں کہتے پاس سے گزرتے بیرہ ہو ہاتھ سے اشارہ کیا۔ بیرہ ہاتھ میں ٹرے لیے حاضر ہوا۔ مشروب کا گلاس اٹھاتے اس نے جیکب کو چمکتی آنکھوں سے دیکھا۔ اس کی اس حرکت پر جیکب کے چہرے پر الجھن ابھری۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو میں ایک ناکام انسان ہوں۔ میں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔" اس بار وہ بھی قدم بڑھائے آگے ہوا۔

"پر جو میں تمہارے ساتھ کر سکتا ہوں، بخدا وہ کوئی اور نہیں کر سکتا۔" اس نے گردن موڑ کر ایک نظر نساء کو دیکھا جو ہراساں نظروں سے اسے انہیں ہی دیکھ رہی تھی۔ برقی قمقموں کی روشنی میں اسے ولیم کے چہرے پر جو تاثر نظر آیا وہ تاثر ٹھیک نہیں تھا۔ ولیم نے ہاتھ میں پکڑا مشروب کا گلاس نساء کی جانب کر کے چیئرز کا اشارہ کیا اور پھر ہاتھ واپس کھینچ لیا۔

"ولیم ڈونٹ۔۔" وہ زیر لب بڑبڑائی۔ آنکھوں سے التجا کی۔ پر آپ سب جانتے ہیں "**ولیم اینڈ ڈونٹس نیورور کڈ**" اگلے ہی پل ولیم نے رخ واپس جیکب کی جانب کیا اور پھر گلاس اوپر اٹھا کر جیکب کے سر پر مشروب انڈیل دیا۔ یہ اتنا تیزی سے ہوا کہ جیکب سمجھ ہی نہ پایا۔ اسے ولیم سے ایسی توقع نہیں تھی۔ نساء سمیت جینی کا بھی رنگ فق ہوا۔ مشروب، جیکب کے منحوس چہرے سے گزرتا اس کے مہنگے کپڑوں تک گیا۔

"تمہاری ہمت کیسے۔۔۔" اس کے باقی الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔ ولیم نے میز پر رکھی وہسکی اٹھائی اور پوری قوت سے جیکب کے سر پر دے ماری۔ چھناکے کی آواز کے ساتھ ساتھ نساء کی خوفناک چیخ ابھری۔

"ولیم۔۔" جارج چلاتا اس کی جانب بڑھا۔ ہال کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ جیکب لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا۔ اس کی پیشانی سے خون کی پتلی لکیر چہرے پر بہتی چلی گئی۔ مسٹر البرٹ کا رنگ فق ہوا جبکہ مسٹر جوزف ساکت رہ گئے۔ ان کے سامنے ہی جارج نے ولیم کا رخ اپنی جانب کرتے ایک زوردار گھونسا اس کے منہ پر مارا تھا۔ بات یہی رکی نہیں کیونکہ ولیم نے بھی واپس مارنا مناسب سمجھا۔

"تم پاگل ہو گئے ہو، تمہارا دماغ ہل گیا ہے۔" جارج اسے قابو کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہال میں سرگوشیاں پھیل گئیں۔ لوگ منہ پر ہاتھ رکھے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ کیمرہ مین دھڑا دھڑ تصویریں بنا رہا تھا۔

"پاگل میں نہیں، پاگل تم سب ہو گئے ہو۔" اس نے خود کو چھڑاتے، جارج کو دھکا دیا اور پھر حلق کے بل چلایا۔ مسٹر البرٹ سمیت کافی لوگ جیکب کے اوپر جھکے ہوئے تھے، جسکی حالت خراب ہو چکی تھی۔ ایمبولینس کو کال کر دی گئی تھی۔ وہ تکلیف سے کراہ رہا تھا۔

"پاگل آپ ہو گئے ہیں ڈیڈ!" وہ بت بنے، مسٹر جوزف کو کھڑے دیکھ کر چلایا۔ جن کا چہرہ سپاٹ تھا۔ آنکھوں کا سرد پن سب کو جما کر مار دینے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ ان کی گرفت ہاتھ میں پکڑے، نازک سے مشروب کے گلاس پر تھی۔ وہ اسے پوری قوت سے بھینچ رہے تھے جبکہ دوسرا ہاتھ پینٹ کی جیب میں تھا۔ وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلے۔ ڈریکولا جیسے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔

"پاگل میں نہیں نساء ہو گئی ہے جو ایک ایسے شخص سے شادی کرنے کو تیار ہے جو ایک نمبر کا خبیث ہے۔" وہ اسی لہجے میں چلایا۔ چہرہ سرخ تھا، جسم میں لرزش تھی جبکہ گردن کی نسیں ابھر آئی تھیں۔

نساء، جینی کے ساتھ لگے اپنی ہچکیوں کو دبانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"پاگل آپ ہیں ڈیڈ! جنہیں اپنی اولاد سے زیادہ اپنی پہچان، اپنی حرمت عزیز ہے۔ جو اپنی مطلب کے لیے اپنی اولاد کا سودا کر رہے ہیں۔" وہ انہیں زخمی نگاہوں سے دیکھتے چلایا۔ لوگ سانس روکے اس کی باتیں سن رہے تھے۔ کیمرہ ہی فلیش پائٹ، کبھی ولیم تو کبھی مسٹر جوزف پر پڑ رہی تھی۔

"پاگل میں نہیں پاگل تم ہو جارج جو ان کی ہر بات پر سر جھکا دیتے ہو۔" اپنے کندھے کو جھٹکا دیتے اس نے اپنی جیکٹ ٹھیک کی۔ مسٹر جوزف نے ایک نظر نساء کو دیکھا۔ نساء کی نظر بھی ان کی جانب اٹھی۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں کئی تاثرات کا تبادلہ ہوا۔ مسٹر البرٹ، جیکب کو لے کر ہال سے نکل گئے تھے۔ نساء کو روتے دیکھ کر ولیم اس کی جانب بڑھا۔

"نساء!ڈونٹ وری۔ پلیز رومت۔ میں ہوں نا۔۔" اس کے ہاتھ تھامتے، ولیم نے اسے بچوں کی طرح پچکارہ پر اگلے ہی لمحے وہ ساکت رہ گیا جب نساء نے ایک جھٹکے سے اسے دھکا دیا۔

"تم کیوں ہو ولیم؟ تم کیوں ہو؟" وہ حلق کے بل چلائی۔ آنکھوں کا کاجل بہہ نکلا۔ وہ گلابی آنکھیں اور سرخ رنگت کے ساتھ، نفرت بھری نگاہوں سے ولیم کو دیکھ رہی تھی۔

"نساء؟ تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ اگلے ہی پل پھر اس کی جانب بڑھا۔

"دور رہو مجھ سے۔" وہ پھر سے چلائی۔ ولیم تو جیسے اپنی جگہ پر جم گیا۔ آنکھوں میں حیرانی ہی حیرانی تھی۔

"تمہیں میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے لیے میرے باپ بھائی زندہ ہیں۔" وہ پہلی بار ہوں کسی کے مقابل آئی تھی۔

"نساء۔۔۔" ولیم صدمے سے بڑبڑایا۔

"میرا تمہارا بھائی ہوں۔" اسے اپنی ہی آواز کھائی سے آتی محسوس ہوئی۔

"میرا بھائی جارج ہے۔ تم سوتیلے ہو ولیم اور سوتیلے بن کر ہم سب کی زندگی عذاب بنا چکے ہو۔ آخر تم چلے کیوں نہیں جاتے؟"

ولیم لڑکھڑا گیا۔ اس کی رنگت صدمے سے زرد پڑ گئی۔

"عنکبوت ہمیشہ اس بھرم میں جیتا ہے کہ اس کا گھر سب سے مضبوط ہے۔" ولیم کا بھرم ٹوٹ کر کرچی کرچی ہوا۔ اس کے ساتھ ہی اس کا دل بھی۔ شاید یہ اب کبھی نہ جڑ پاتا۔

"سوتیلا؟" وہ پروسیس کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کیا وہ ان کا سوتیلا تھا؟

"ہاں تم سوتیلے ہو اور اسے یاد رکھو۔ میں یہ شادی اپنی مرضی سے کر رہی ہوں۔ نفرت ہے مجھے تم سے، اب خدا کا واسطہ ہے ہماری جان چھوڑ دو۔" وہ ہاتھ باندھ کر چلائی اور پھر قریب کھڑی جینی سے لگ گئی۔ جینی نے بانہیں پھیلا کر اسے حوصلہ دیا جبکہ ولیم تو جیسے جم سا گیا تھا۔ اس کے چہرہ سفید پڑ چکا تھا۔ لٹھے کی مانند اور اندر سے کسی نے روح کھینچ لی تھی۔ مسٹر جوزف نے گہرا سانس لے کر گردن اکڑالی۔ انکی آنکھوں میں فاتح جیسی چمک تھی۔ جارج آگے بڑھا۔

"سن لیا تم نے؟ اب دفع ہو جاؤ!" اس نے ولیم کو نفرت سے دھکا دیا۔ وہ جو بے جان سا کھڑا تھا لڑکھڑا کر گرا اور پھر خالی خالی نظروں سے مسٹر جوزف کو دیکھا جن کے چہرے پر مسکراہٹ ابھری۔ استہزائیہ مسکراہٹ اور آنکھوں کی چمک چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی "**ولیم جوزف اونچا اڑنے کی کوشش میں تھے، منہ کے بل گر گئے نا**" ولیم کو وہ شخص اپنا باپ نہیں کوئی انجان آدمی لگا۔ وہ خود پر قابو پاتے اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک نظر جارج پر ڈالی پھر جینی کے گلے لگی سسکتی نساء پر، منظر دھندلا گیا۔ وہ زخمی نگاہیں لیے پلٹ گیا۔ اب وہ بھاگتے ہوئے دور جا رہا تھا۔ تماشے کے ساتھ ساتھ پارٹی بھی ختم ہو گئی اور جینی کو لگا جیسے سب ختم ہو گیا۔

وہ گیلی پتھریلی سڑک پر اندھا دھند بھاگ رہا تھا۔ نساء کے الفاظ ہتھوڑے کی طرح سماعت سے ٹکرا رہے تھے۔

"تم سوتیلے ہو۔"

اس نے تو اپنوں کے لیے اپنی شناخت تک کھو دی تھی۔ وہی اپنے سوتیلے کب ہو گئے؟

دل میں اٹھا درد تھا کہ سانس لینا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ پتا نہیں کتنی دیر بھاگتا رہا۔ گاڑیوں کے ہارن کی آواز بار بار سنائی دے رہی تھی۔ ایک دو بار کسی گاڑی سے ٹکرا کر گرا بھی پر رکا نہیں۔ پتا نہیں کتنی دیر، پھر وہ تھک ہار کر نسبتاً سنسان جگہ پر فٹ پاتھ کنارے بیٹھ گیا۔

"ولیم جوزف تم بزدل ہو!"

"مجھے نفرت ہے تم سے۔"

"اس شادی کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔"

"مجھے نفرت ہے تم سے۔"

ملی جھلی آوازیں اسے پاگل کرنے کو تیار تھیں۔ وہ خود کے گرد بازو لپیٹے، گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھا تھا۔ وہ خود پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ بارش ہلکی تھی پر بوچھاڑ کی نہیں تھی۔ اکا دکا گاڑی ہارن بجاتی گزر جاتی۔ وہ یونہی اپنا سر گھٹنوں میں دیئے بیٹھا رہے تاکہ وہ آوازیں اسکا پیچھا چھوڑ دیں۔

"ولی۔۔۔" اور پھر ایک ممتا بھری آواز ابھری۔ ولیم نے اندر جلتی آگ بجھنے لگی۔

"میں چاہتی ہوں تم اپنے پروردگار کو یاد رکھو!"

کوئی اسے پچکار رہا تھا۔ کوئی اسے پر سکون کر رہا تھا۔ کئی لمحے وہ یونہی بیٹھا رہا۔ اشتعال آہستہ آہستہ دم توڑ گیا۔ گھٹنوں سے سر اٹھایا تو اپنے ساتھ بیٹھی جینی کو دیکھ کر حیران ہوا۔ وہ ننگے پاؤں اس کے قریب بیٹھی تھی۔ بال اور کپڑے ولیم کے ساتھ ہی بھیگ رہے تھے۔

"ایم سوری۔۔" وہ ہولے سے بڑبڑائی۔ ولیم ناک کی سیدھ میں دیکھتا رہا۔

"تم یہ سب کیوں کر رہی ہو؟" اس نے بنا جینی کی جانب دیکھے سوال کیا۔ جینی نے رخ موڑ کر اسے دیکھا۔ آنکھوں میں کئی شکوے تھے۔ وہ سب جانتا تو تھا۔

"تمہارے لیے۔" وہ بس اتنا ہی کہہ پائی۔

"تم یہ سب مت کرو، خالی ہاتھ رہ جاؤ گی۔" وہ بڑبڑایا۔

"کیوں؟" وہ اسی کے انداز میں بولی۔ آج جو بھی ہوا وہ غیر متوقع تھا۔ اسے پتا نہیں کیوں برا لگ رہا تھا۔ ولیم خاموش رہا۔

"بتاؤ ولیم؟ آخر تمہارے پیچھے اتنا کیوں بھاگنا پڑ رہا ہے؟" وہ پھر سے گویا ہوئی۔

"مت بھاگو۔" اس نے دو لفظی جواب دیا۔ وہ منہ کھول کر سانس لینے کی کوشش کر رہا تھا تاکہ اندر جلتی آگ بجھ جائے۔

"کیوں نہ بھاگوں؟ مجھے کوئی وجہ دو۔" وہ بضد تھی۔

"میرے پیچھے بھاگنے سے تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔ میں شادی شدہ ہوں۔"

جینی کو لگا جیسے ایڈنبرا کے سارے قلعے اس پر گر گئے ہوں۔ ہڈیاں ٹوٹنے کی تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ وہ ہل بھی نہ پائی۔

"میری ایک بیوی ہے۔ میں اسکا ولی ہوں اور اس کے لیے مجھے جانا ہے۔"

جانتا تھا وہ قابل بھروسہ نہیں تھی پھر بھی بتا رہا تھا تاکہ کم از کم وہ پیچھے ہٹ جائے۔ جینی پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھے گئی۔ یہ کیسا راز افشاں کیا تھا ولیم نے؟ اس نے تھوک نگل کر گلہ تر کیا۔ کچھ بولنا چاہا پر الفاظ دم توڑ گئے۔

"جارج اچھا لڑکا ہے۔ اسے تکلیف مت دو۔" وہ درخواست کرتا اٹھ کھڑا ہوا۔ جینی کی زبان تالو سے جا لگی۔ وہ کچھ بول ہی نہ پائی۔ اس کی گاڑی سڑک کنارے کھڑی تھی۔ جس کی ہیڈ لائٹس آن تھیں۔ انہی ہیڈ لائٹس کی

روشنی میں، برستی بوندوں کے درمیان اس نے ولیم کو خود سے دور جاتا محسوس کیا۔ وہ اس کی پہنچ سے بہت دور جا رہا تھا اور بھیگے ایڈنبرا نے اس کے، اپنی بیوی کا ولی (سرپرست) ہونے پر مہر ثبت کی۔

✿••✿••✿••✿

رئیس مینشن میں اترنے والی یہ صبح ہمیشہ کی طرح چمکتی ہوئی تھی۔ لاؤنج میں، عالمگیر اور اورنگزیب خاندان کا رش لگا ہوا تھا۔ ذرتاش اورنگزیب، احمد اورنگزیب صاحب کے علاوہ عالمگیر خاندان کے سبھی نفوس وہاں موجود تھے سوائے فلک کے۔

وجاہت عالمگیر بیوی اور ان کے دونوں بیٹے، بشارت اور فخر اپنی اپنی بیویوں کے ساتھ موجود تھے۔ بچے ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ وہ سب سنجیدہ بیٹھے، رئیس کا انتظار کر رہے تھے کیونکہ وجاہت عالمگیر چاہتے تھے آج رئیس اور فلک کے رشتے کو کسی کنارے لگا ہی دیا جائے۔

وہ لوگ باتوں میں مصروف دکھائی دیتے تھے۔ احمد اورنگزیب صاحب تو بول نہیں سکتے تھے وہ بس گردن ہوں ہاں میں ہلانے پر ہی اکتفا کرتے جبکہ ذرتاش اورنگزیب مصروف دکھائی دیتی تھی۔

کچھ دیر بعد سیڑھیوں پر رئیس دکھائی دیا۔ وہ فون کان سے لگائے، دوسرا ہاتھ پینٹ کی جیب میں ڈالے، سیڑھیاں اتر رہا تھا جبکہ دھیان فون کی جانب تھا۔ وہ آج ابھی تک آفس نہیں گیا تھا شاید اسے بھی اندازہ تھا کہ آج اسے ضروری کام نبٹانا تھا۔ سفید ٹراؤزر شرٹ پہنے وہ رف سے حلیے میں تھا۔

وہ چلتا ہوا ان سب تک پہنچا اور پھر موبائل سامنے پڑے میز پر رکھتے، سنگل صوفے پر بیٹھ گیا۔ ٹانگ پر ٹانگ چڑھا لی۔ اس کا انداز ہی ایسا ہوتا تھا کہ سامنے والا مرعوب ہوئے بنا نہ رہ پائے۔ اس وقت بھی سب کو جیسے سانپ سو گیا۔

"جی چچا جان بولیں کیا ضروری بات کرنی تھی آپ کو؟" انہوں نے براہ راست وجاہت عالمگیر صاحب سے سوال کیا جو احمد اور نگزیب صاحب کے ساتھ بیٹھے۔ ان کی وہیل چیئر صوفے کے ساتھ رکھی تھی۔

"آج شام ہم واپس جا رہے ہیں تو سوچا جانے سے پہلے تمہاری اور فلک کی شادی کی تاریخ رکھ دیں۔ فلک کی عمر ہو گئی ہے اور تم اپنی عمر نکال رہے ہو۔" لہجے میں سندھی انداز نمایاں تھا۔ رئیس مسکرا دیا۔

"فلک کی شادی کریں آپ لوگ۔ کس نے روکا ہے؟" اس نے انجان بنتے الٹا سوال کیا۔ فخر کے چہرے پر ناگواری ابھری۔ اسے رئیس نہیں پسند تھا اور اسکی یہ باتیں مزید خون جلاتی تھیں۔

وجاہت صاحب نے ضبط کا کڑا گھونٹ بھرا جبکہ احمد اور نگزیب صاحب، شکست خوردہ نظروں سے اسے دیکھے گئے۔ اسے معراج الدین کی بیٹی مل گئی تھی۔ اب تو وہ کسی صورت فلک کو نہ اپناتا۔

"میں تمہاری اور فلک کی شادی کی بات کر رہا ہوں۔ وہ پچھلے تیرہ سالوں سے تمہارے ساتھ منسوب ہے۔" انہوں نے چبا چبا کر کہتے یاد دہانی کرائی۔

"اچھا۔" اس نے داڑھی کھجائی۔ "پر مجھے نہیں یاد میں نے کسی ایسے رشتے کے لیے ہاں کی ہو یا پھر کبھی کسی کو منگنی انگھوٹی پہنائی ہو۔" وہ تپانے والے انداز میں بولا۔ فخر نے ضبط سے مٹھیاں بھینچیں۔

"بھائی آپ جانتے ہیں چچا کس پس منظر میں بات کر رہے ہیں۔ آپ صاف صاف بات کریں پلیز۔" ذرتاش نے بات واضح کرنا چاہی۔ وہ نہیں چاہتی تھی مشکل سے جڑا خاندان پھر سے ٹوٹ جائے۔

"صاف بات یہ ہے کہ میں نے کبھی اس رشتے کے لیے ہاں نہیں کی اور میں فلک سے شادی نہیں کروں گا۔ آپ سب اس کی زندگی برباد مت کریں۔"

"رئیس۔۔" وجاہت صاحب دبی دبی آواز میں چلائے۔

"وہ تمہاری عورت ہے۔ تم سے منسوب ہے۔ پورا علاقہ جانتا ہے۔ تم یوں مکر نہیں سکتے۔"

"میں نے کبھی ہاں نہیں کی تھی چچا اور میں آج بھی یہی کہوں گا کہ میری وجہ سے فلک کی زندگی خراب مت کریں۔ وہ ابھی بچی ہے اسے اپنی پہچان بنانے دیں۔"

"ہمارے خاندان میں لڑکیاں اپنے اپنے مرد کے ساتھ ہی اچھی لگتی ہیں۔"

"حد ہے بھئی۔۔۔" اس نے ناگواری سے آنکھیں گھمائیں۔ فخر کا دل کر رہا تھا اٹھ کر ایک مکا اس کے منہ پر مارے اور بتیس کے بتیس دانت باہر نکال دے۔

"جس سمجھوتے کی بنا پر یہ رشتہ ہوا تھا اسے بھولو مت۔" اس بار ان کے لہجے میں تنبیہ تھی۔

"رئیس سمجھوتے نہیں کرتا۔" سلگانے والے انداز میں اس نے واضح کرنا ضروری سمجھا۔

"میں نے اپنا حق لیا تھا اور بدلے میں، میں کسی عورت کا طوق گلے میں نہیں ڈال سکتا۔"

اس بات سے بے خبر اس کے الفاظ ایک نازک لڑکی کے جذبات کو تہس نہس کر رہے تھے وہ اپنی دھن میں بولتا گیا۔

تیرہ سال پہلے، رئیس گروپ پر ایک برا وقت آیا تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب اسے پیسوں کی شدید ضرورت تھی اور وہ پیسے اسے اپنے خاندان سے مل سکتے تھے۔ اس خاندان سے، جنہوں نے احمد اورنگزیب صاحب کو سالوں پہلے جائداد سے عاق کر دیا تھا۔

اس نے تیرہ سال پہلے عالمگیر خاندان سے رابطہ کیا اور اپنے حصے کا مطالبہ کیا۔ صلح صفائی کے بعد یہی طے پایا گیا تھا کہ اسے اسی صورت میں حصہ مل سکتا تھا اگر وہ خاندان کی لڑکی سے شادی کرے گا اور خاندان میں اس وقت صرف دس سالہ فلک تھی۔ رئیس نہیں مانا پر اسے پیسوں کی بھی ضرورت تھی۔ یوں احمد اور نگزیب اور احمد عالمگیر دونوں بھائیوں نے خود ہی سمجھوتہ کر لیا۔ رئیس کو اپنے کام سے مطلب تھا۔

سمجھوتہ ہو گیا۔ جائداد مل گئی۔ فلک اس کے نام ہو گئی اور دونوں خاندان پھر سے ملنے جلنے لگے۔

اس واقعے کے ایک سال بعد احمد عالمگیر جو کہ احمد اور نگزیب کے بڑے بھائی تھے وہ وفات پا گئے یوں یہ رشتہ مزید پکا ہو گیا کہ ان کی آخری خواہش تھی۔ پر رئیس لوگوں کی خواہشیں پوری کرنے کے لیے پیدا نہیں ہوا تھا۔

دس سال سکون سے گزر گئے وہ مزید بلندیوں پر چلا گیا۔ پر تین سال پہلے سے فلک نے اس سے رابطہ شروع کر دیا۔ وہ پاگل لڑکی پتا نہیں کتنے خواب سجائے بیٹھی تھی۔ تین سالوں میں رئیس نے تیرہ بار انکار کیا تھا کہ وہ یہ شادی نہیں کرے گا۔ وہ پرانی اور بوسیدہ روایتوں کا قائل نہیں تھا پر وہ نہیں جانتا تھا کہ خاندان والے کس قدر اپنی روایات سے جڑے تھے۔ فلک بوڑھی بھی ہو جاتی تو اس کی شادی کسی اور سے نہ کی جاتی۔

"میری بہن کے بارے میں تمیز سے بات کرو رئیس!" فخر اس بار ضبط نہیں کر پایا۔

"اپنی بہن کو سمجھاؤ کہ اوقات سے اونچے خواب نہیں دیکھتے۔" اس کے لہجے میں ناگواری تھی۔ فخر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ابا اس جاہل شخص سے فلک کو باندھنا چاہتے ہیں آپ؟ یہ اس قابل نہیں ہے۔" وہ غصے سے چلایا۔ بشارت نے اسکا بازو پکڑتے اسے پر سکون رہنے کی تلقین کی۔ رئیس خاموش بیٹھا تماشہ دیکھتا رہا۔

"تم معاہدہ توڑ رہے ہو رئیس۔ وہ جائداد تمہیں مفت میں نہیں ملی تھی۔"

"میں نے اپنا حق لیا تھا۔ میں اپنا حق نہیں چھوڑتا۔" بھنویں سکیڑے وہ انہی کے انداز میں بولا۔ وجاہت صاحب نے احمد اور نگزیب صاحب کی جانب دیکھا جو نم آنکھیں لیے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں شرمندگی تھی۔

"میں یہاں مزید نہیں رک سکتا۔" فخر غصے سے کہتے واک آؤٹ کر گیا۔ اس کی بیوی اس کے پیچھے لپکی۔ رئیس کی اکڑی ہوئی گردن میں ذرا بھی کمی نہیں آئی۔ اس کی آنکھیں کسی بھی قسم کے تاثرات سے عاری تھیں۔

سالوں بعد جڑا رشتہ ایک بار پھر سے ٹوٹ رہا تھا۔ وجاہت صاحب، احمد اور نگزیب صاحب سے مزید کچھ کہہ رہے تھے جبکہ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"یہ فیصلہ مہنگا پڑے گا تمہیں۔" بشارت اس سارے معاملے میں پہلی بار بولا تھا۔

"سستی چیزیں رئیس کو ویسے بھی نہیں پسند!" مسکراہٹ ابھری اور غائب ہو گئی وہ اب سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔

راہداری سے گزر کر اپنے کمرے کی جانب جا رہا تھا جب سامنے سے آتی فلک پر نظر پڑی۔ نظریں پل بھر کو ٹکرائیں۔ اس کی خوبصورت آنکھوں میں نمی کے ساتھ ساتھ ہزاروں شکوے تھے۔ سادہ سیاہ قمیض اور اجرک کی شلوار پہنے، دوپٹہ کندھوں پر بکھرائے، بالوں میں پینسل پھنسائے، وہ بنا کچھ کہے قریب سے گزر جانا چاہتی تھی کہ اچانک رئیس نے اسے پکارہ۔

"سنو۔۔"

پر وہ نہیں رکی۔ اسے رئیس کی کوئی بات نہیں سننی تھی۔ وہ نظر انداز کرتے چلتی رہی پر اگلے ہی لمحے رئیس نے پلٹ کر، بازو پکڑ کر اسے اپنی جانب کھینچا۔ فلک اس آفت پر گھبرا گئی۔

"وکٹم کارڈ کھیلنا بند کرو فلک! تم بچی نہیں ہو اب۔" اس کی انگلیاں فلک کو اپنے بازو میں گھستی محسوس ہوئیں۔ آنکھوں سے نکلتے شعلے اسے جلا کر راکھ کر دینا چاہتے تھے۔

"بازو چھوڑیں میرا۔" وہ خود کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔ دل کے ساتھ ساتھ رئیس نے اس کی عزت نفس پر بھی کاری وار کیا تھا۔ شہد رنگ بال جو مشکل سے باندھے تھے، ان کی آبشار کھل کر کمر پر بکھر گئی۔

"یہ آخری وارننگ ہے۔ آئندہ میرا دماغ تمہاری وجہ سے خراب ہوا تو اچھا نہیں ہو گا۔"

"اچھا آپ کر بھی نہیں سکتے۔" وہ خود کو چھڑانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی پر زبان بند نہیں ہوئی۔ شہد رنگ آنکھوں میں نمی بھرنے لگی۔

"کسی کے تیرہ سالوں کو ضائع کرنا کوئی آپ سے سیکھے۔" ناچاہتے ہوئے بھی اس نے شکوہ کر دیا۔

"تیرہ سال۔۔ تیرہ سال۔" وہ غصے سے دھاڑا۔

"تیرہ سال انتظار کرنا تمہاری مجبوری تھی۔ یہ رشتہ نہ بھی ہوتا تو تیرہ سال ویسے بھی گزر جاتے۔ شادی کی عمر تمہاری اب ہے۔ تیری سال پہلے نہیں تھی۔ یہ ڈرامہ بند کرو کہ تم نے میرا انتظار کیا ہے۔ یہ تیرہ سال تمہارے ہی رہے ہیں۔ تم نے بچپن سے لڑکپن اور پھر جوانی میں قدم رکھا۔ یہ تیرہ سال تمہاری نشو نما کے تھے۔ یہ تیری تمہاری تعلیم و تربیت کے تھے۔ انہیں کسی فضول رشتے کا نام مت کرو۔" ایک جھٹکے سے اس کا بازو چھوڑا۔ فلک لڑکھڑا گئی، شہد رنگ آنکھوں میں، مارے خفت کے آنسوں بھر آئے۔

"تمہیں پتا ہے انتظار کیا ہوتا ہے؟" وہ اب بھی اس کے سامنے دیوار بنے کھڑا تھا۔

"جب ایک انسان بالغ ہونے کے بعد اپنی زندگی کے تیئس سال کسی مرے ہوئے انسان کے لیے گزار دے۔ یہ ہوتا ہے انتظار۔ کیا تم آئندہ تیئس سال میرے لیے بیٹھی رہو گی؟ نہیں نا؟ تو پھر یہ ڈرامے بند کرو۔" اس نے چہرے پر ہاتھ پھیرتے خود کو نارمل کیا۔ گندمی رنگت میں جلال کی سرخیاں گھل گئی تھیں۔

فلک نے بے یقینی سے پلکیں جھپک کر اسے دیکھا۔ یہ کونسا راز تھا جس سے وہ ناواقف تھی۔

"وکٹم کارڈ مت کھیلو فلک! کیونکہ میں نے تیئس سالوں میں نہیں کھیلا ورنہ مجھ سے بڑا وکٹم کوئی نہیں۔"

ایک آخری طائرانہ نظر اس پر ڈالتا وہ اس کے پہلو سے گزر کر چلا گیا۔ پتا نہیں اس شخص کو اتنا غرور کس بات پر تھا حالانکہ وہ چاہتی تو کھڑے کھڑے پورے رئیس گروپ کو خرید سکتی تھی پر کچھ چیزوں کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ انہیں خریدا نہیں جا سکتا۔ ان کی بس تمنا کی جا سکتی ہے۔ بھاری بھاری دل لیے وہ واپس اپنے کمرے کی جانب مڑ گئی۔

✿••✿••✿••✿

رات کے اس پہر رئیس ہیڈ آفس کے سب سے بالائی منزل کے ایک بڑے کمرے کی لائٹ جلتی نظر آ رہی تھی۔ رئیس اپنی کرسی پر بیٹھا، ایک نئے پروجیکٹ کی فائل پڑھ رہا تھا جب لفٹ کا دروازہ ٹن کی آواز سے کھلا۔ عروزہ کی اونچی ہیل والی جوتی دکھائی دی اور وہ ٹک ٹک کرتے لفٹ سے نکل آئی۔ ہائی ویسٹ پینٹ پر کروپ ٹاپ پہنے وہ ہاتھ میں ٹیبلٹ پکڑے تیزی سے آگے بڑھتی نظر آ رہی تھی۔

"نو فرینڈ، نو بوائے فرینڈ، نو سرکل، صرف اور صرف کلاس میٹس!" وہ فجر کا پچھلے چھ مہینے کا ڈیٹا نکال لائی تھی۔ رئیس نے لیپ ٹاپ سے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ بھنویں سکڑی ہوئی تھیں۔ عروزہ رئیس تک پہنچی اور ٹیبلٹ اس کے سامنے رکھتے، وہ میز پر ہی بیٹھ گئی۔ رئیس نے بھنویں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"پچھلے چھ مہینے کا ڈیٹا ہے۔ اس کے نام پر ایک ہی سم ہے۔ زیادہ تر کالز کلاس فیلوز کی ہیں۔ یہ بڑا حیران کن ہے کہ آج کے دور کی لڑکی کا کوئی سرکل نہیں۔" اس نے رئیس کو دیکھتے کندھے اچکائے۔ سینے پر بازو باندھے وہ اس کے قریب میز پر بیٹھی تھی۔ رئیس نے اس کے قریب رکھا ٹیبلٹ اٹھالیا۔ فون کالز کے ریکارڈ، اس کے گھر کی تصویریں، اور اس کی خود کی تصویریں موجود تھیں۔ وہ اسکرین سوائپ کرتے ہوئے اس کی تصویریں دیکھ رہا تھا۔ ایک جگہ وہ رک گیا۔ وہ سنگی بینچ پر بیٹھی تھی۔ ہلکے گلابی رنگ کے کاٹن کے سوٹ میں، سفید اسکارف گردن کے گرد لپٹا تھا، بال جوڑے میں بندھے اور چشمہ آنکھوں پر جما تھا وہ ہاتھ میں کتاب پکڑے بیٹھی تھی۔ کتاب پڑھتے پڑھتے اسے بلایا گیا تھا اور جیسے ہی اس نے گردن اٹھائی، تصویر کھینچ لی گئی۔

"جہاں تک مجھے معلوم پڑا ہے وہ کافی ڈارک شخصیات رکھتی ہے۔" وہ معلومات میں مزید اضافی کر رہی تھی۔

"اس لیے وہ ڈریمز سے زیادہ نائٹ میئرز پر بھروسہ کرتی ہے۔"

"میں دیکھ سکتا ہوں۔" رئیس نے گردن دائیں جانب گرا کر اس تصویر کر غور سے دیکھا۔ آنکھوں میں بے پناہ الجھن تھی۔ عروزہ نے نا سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھا۔

"کیا دیکھ سکتے ہیں؟" وہ الجھی۔

"میں دیکھ سکتا ہوں وہ روشنی جسے اس نے اندھیرے میں چھپا دیا ہے۔" اس کے وجود سے پھوٹتی تازگی وہ یہاں تک محسوس کر سکتا تھا۔

"مجھے نہیں لگتا ایسا کچھ ہے۔ وہ اپنی ان تصویروں سے کافی مختلف ہے۔ ان تصویروں میں وہ بہت نرم دل اور خوش نظر آرہی ہے۔ اچھی انرجی سے بھری ہوئی پر حقیقت الٹ ہے۔" عروزہ نے اب تک جتنی اس پر تحقیق کی تھی اسے یہی سمجھ آیا تھا کہ وہ نازک پھولوں جیسی دکھنے والی لڑکی وہ زہریلا پودا تھی جس کے چھونے سے ہی انسان مر جائے۔

"تم نے وہ دیکھا جو تم نے دیکھنا چاہا۔" رئیس نے ٹیبلٹ واپس رکھ دیا۔ "انٹرسٹنگ!" وہ زیر لب بڑبڑایا۔

"میں نے جو جانا وہ یہ ہے کہ ایک چھوٹے سے پرانے محلے کے ایک ٹوٹے پھوٹے مکان میں رہنے والی لڑکی نے ایسے خواب کیسے دیکھ لیے؟ اور ان خوابوں کو پورا کرتے کرتے وہ یہاں تک پہنچ گئی۔ یہ حیران کن ہے۔" وہ میز سے اٹھ کھڑی ہوئی اور گھوم کر میز کے دوسری جانب رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔ بال آج بھی یوں چپکے ہوئے تھے جیسے تیل لگا کر جمائے گئے ہوں۔ بھوری رنگت، کمرے کی ہلکی روشنی میں دمک رہی تھی۔

"وہ سروائیور ہے اور سروائیورز تو جہنم تک سے نکل آئیں یہ تو پھر پرانا محلہ تھا۔" مشاہدہ بول رہا تھا۔ انسان کہاں پیدا ہوتا ہے یہ چوائس اس کے پاس نہیں ہوتی ہاں البتہ وہ جس مقام پر مرتا ہے وہ اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔

"تو ایک سروائیور کا شکار کیسے کریں گے آپ؟" لیپ ٹاپ اپنی جانب کھسکاتے، اس نے الٹا سوال کیا۔

اس سے پہلے رئیس کوئی جواب دیتا، میز پر رکھا اس کا فون بج اٹھا۔ اسکرین پر ناگن لفظ چمکتا نظر آیا۔ ہاں وہ کبھی بھی لوگوں کے کنٹیک نمبر ان کے اصل نام سے سیو نہیں کرتا تھا۔ وہ اسی نام سے سیو کرتا تھا جو وہ انہیں دیتا تھا۔ گہرا

سانس لیتے اس نے فون اٹھا کر کان سے لگایا اور اگلے ہی پل اس نے جھٹکے سے فون کان سے دور کیا۔ کان کے پردے پھاڑ دینے والی میوزک کی آواز گونجی۔

اک حسینہ تھی، اک دیوانہ تھا۔

کیا عمر، کیا سماں کیا زمانہ تھا۔

رئیس نے ناگواری سے فون کی اسکرین کو گھورا، کچھ دیر میوزک بجتا رہا اور پھر ایک سحر انگیز نسوانی آواز ابھری۔

"حسینہ لوٹ آئی ہے رئیس!" نسوانی قہقہہ گونج گیا۔ رئیس کی پیشانی پر شکنیں ابھریں۔

"وہ منار کی Doppelganger (ہم شکل) ہے۔ واللہ پہلی نظر دیکھو تو اسی کی یاد دلاتی ہے۔ پر تھوڑی مختلف بھی ہے۔" سونیا سلطان کس قدر دلچسپی سے بول رہی تھی۔ رئیس کو کچھ کھٹکتا محسوس ہوا۔

"کیا اول فول بول رہی ہو؟" اس نے دھڑکتے دل پر قابو پایا۔

"ارے، اب یوں نہ بنو کہ جیسے تم کچھ جانتے ہی نہیں ہو۔" رئیس نے اس کی مٹکتی آنکھیں اور حظ اٹھاتا چہرہ تصور کیا۔

"صاف صاف بات کرو۔" وہ عروزہ کی جانب دیکھتے بولا۔ سونیا سلطان کو یہ خبر کیسے ملی تھی؟

"فجر معراج! وہ آج آئی تھی انٹرویو کے لیے اور میں نے سلیکٹ کر لیا۔ تمہیں پتا ہے اس نے رئیس کو چھوڑ کر لکس کو چنا۔ پہلی شکست مبارک ہو موت کے سوداگر!" وہ تمسخرانہ انداز میں کہتی رئیس کو واقعی سلگا گئی۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ گلے کا ایک بٹن مزید کھول لیا۔ ہوا میں گھٹن سی محسوس ہوئی۔ کھڑکی کی جانب بڑھتے

ہوئے اس نے ہاتھ بڑھا کر کھڑکی کھول دی۔ تازہ ہوا کا جھونکا اس کے نتھنوں سے ٹکرایا تو اسے سکون کا احساس ہوا۔ وہ خود کو پر سکون کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"مجھے نہیں پتا تھا کہانی کا رخ یوں بدل جائے گا۔" اس کی آواز گونج رہی تھی۔ رئیس نے آنکھیں چھوٹی کیے، سامنے کئی منزلہ فٹ نیچے نظر آتے شہر کو دیکھا۔ ٹریفک ایک لائن میں جلتی مشعلوں کی صورت دکھائی دے رہی تھی۔ اسی شہر کی فضا میں وہ لڑکی سانس لیتی تھی جو ایک ایسی لڑکی کی ہم شکل تھی جس کے کئی دشمن تھے۔

"اس کے بالوں کا رنگ، آنکھوں کا رنگ، ٹھوڑی پر چمکتا تل، اس کا انداز، اس کا اعتماد اور اس کے نائٹ میئرز اسے ایک مکمل مختلف شخصیت بناتے ہیں رئیس۔ مجھے امید ہے تم اس لڑکی کے پیچھے نہیں آؤ گے۔" رئیس کچھ نہ بولا وہ خاموشی سے سنتا رہا۔ یہ وہ وقت تھا جب وہ جتنا کم بولتا اتنا بہتر رہتا۔ سونیا سلطان جیسی عورت کے سامنے کچھ بھی کہنا یعنی اپنے گلے پر خود چھری پھیرنے کے مترادف تھا۔

"تم آ بھی کیسے سکتے ہو؟ وہ تمہاری پہنچ سے بہت دور ہے رئیس! وہ میری پہنچ میں ہے۔" معصومیت سے آنکھیں پٹپٹاتے اس نے ایک اور وار کیا۔ رئیس نے مزید گہرا سانس لیا۔

"بس یہی خبر دینے کے لیے فون کیا تھا کہ اس نے رئیس کو نہیں بلکہ لکس کو چنا ہے۔ امید کرتی ہوں تمہاری رات اچھی گزرے گی۔ شب بخیر!" جس انداز سے فون کیا اسی انداز میں بند کر دیا۔ رئیس نے ایک نظر فون کو دیکھا اور پھر پوری قوت سے پیچھے اچھال دیا۔ جس تیزی سے اس نے فون اچھالا تھا اسی تیزی سے عروزہ نے آگے بڑھ کر پکڑ لیا۔ اس کے انداز میں بجلی کی سی تیزی تھی۔

"اب کیا ہو گا باس؟" فون میز پر رکھتے وہ سنجیدگی سے مخاطب ہوئی۔

"بلندیوں پر راج کرنا چاہتی ہے ناوہ؟" پینٹ کی جیبوں میں دونوں ہاتھ اڑستے وہ قدرت سکون سے بولا۔

"آنے دو اسے کیونکہ بلندیوں پر صرف اسے رئیس ملے گا۔"

بدی کے بادشاہ نے ایک اور دعوی کیا اور اس کا یہ دعویٰ سچا تھا۔ عروزہ نے اثبات میں سر ہلایا جبکہ رئیس یونہی کھڑکی کے سامنے کھڑا رہا۔ دماغ میں بہت کچھ چل رہا تھا۔

✿••✿••✿••✿

آج کی رات اتنی لمبی ہو گی تھی کہ جینی رابرٹ کو خوف محسوس ہوا۔ ولیم نے جو راز افشاں کیا تھا وہ اسے ابھی تک پروسیس کرنے کی کوشش کر رہی تھی اور یہ آسان کام نہیں تھا۔ وہ اپنے اپارٹمنٹ لوٹ آئی تھی۔ گلاس وال کے سامنے کھڑی، تیزی سے برستی بارش کو دیکھ رہی تھی۔ ولیم جوزف سے اسے اس طرح کے مزاق کی توقع نہیں تھی یعنی پھر وہ جو کہہ رہا تھا ٹھیک کہہ رہا تھا؟

"اگر وہ شادی شدہ تھا تو اتنا بڑا راز مسٹر جوزف سے کیسے چھپا رہ گیا؟ اور اس نے شادی کب اور کس سے کی تھی؟ "

جتنا وہ دماغ پر زور ڈال رہی تھی اتنا ہی یہ معاملہ الجھتا چلا رہا تھا۔ آج اس کے ساتھ جو ہوا وہ بالکل بھی ٹھیک نہیں تھا۔ کئی لمحے وہ یونہی کھڑی رہی پھر پیچھے صوفوں کے درمیان رکھے میز پر دھرا فون اٹھا کر ایک نمبر ڈھونڈا۔ نیل پٹیل کا نمبر اس نے احتیاطاً محفوظ کر رکھا تھا۔ اب وہ اسے فون ملا رہی تھی۔

دوسری جانب ریستوران میں کام کرتا نیل کافی مصروف نظر آتا تھا۔ آج کے موسم کے پیش نظر، پورا کیفے کپلز اور فیملیز سے بھرا ہوا تھا۔ وہ ایپرن پہنے، مزے سے گنگناتا ہوا، ویٹر کے فرائض سرانجام دے رہا تھا۔

کاؤنٹر پر رکھا اسکا فون وقفے وقفے سے بج رہا تھا لیکن باہر برستی بارش اور اندر بجتے پیانو کی آواز میں اسے فون کی آواز سنائی ہی نہیں دی۔ کچھ دیر بعد جب اس نے فون اٹھایا تو انجان نمبر سے ڈھیروں کالیں دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کندھے اچکا کر فون واپس رکھنا چاہا تو اسکرین پھر سے چمک اٹھی۔ اس بار فون اٹھا کر کان سے لگایا۔

"ہیلو؟" دوسرے کان کو درمیانی انگلی سے بند کرتے، اس نے فون کے دوسری جانب سے ابھرنے والی آواز سنی۔

"ہائے نیل! جینی رابرٹ بات کر رہی ہوں۔" نیک کے ہاتھ سے فون چھوٹتے چھوٹتے بچا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ کچھ بول ہی نہیں پایا۔ فون کو دیکھتے تیزی سے باہر کی جانب بھاگا تاکہ اس کی بات سن سکے پر آدھے راستے میں ابھرنے والی اس کی آواز پر رک گیا۔

"تمہارے دوست کو آج تمہاری بہت ضرورت ہے۔ اسے اکیلا مت چھوڑو۔" اس سے پہلے وہ کچھ سمجھتا، کچھ کہہ پاتا، فون ٹوں ٹوں کی آواز سے بند ہو گیا۔ نیل نے پہلے حیرانی سے اسکرین کو پھر چاروں جانب دیکھا۔ یقین کرنے کی کوشش کی کہ واقعی یہ حقیقت تھی۔ وہ سمجھ گیا تھا جینی کس دوست کی بات کر رہی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ اپیرن اتارے، ریستوران کے باہر کھڑی اپنی پرانی سی کھٹارہ گاڑی میں بیٹھے، موریفیلڈ کی جانب رواں تھا۔ یہ گاڑی اس نے اپنے ذاتی استعمال کے لیے حال ہی میں لی تھی۔ وقفے وقفے سے ولیم کا نمبر ملا رہا تھا جو کہ بند جا رہا تھا۔ ایک گھنٹے کی، طوفانی بارش میں، ڈرائیو کے بعد وہ جوزف پیلس کے سامنے کھڑا تھا پر پہریداروں نے اسے احاطے پر ہی روک لیا۔ وہ نیل پٹیل کو جانتے تھے۔ وہ ولیم کا دوست تھا پر اوپر سے احکامات تھے کہ کسی کو بھی اندر نہیں آنے دیا جائے۔

وہ اپنی گاڑی سے باہر نکلے، پہریداروں سے بحث کر رہا تھا جو خود تو برساتی پہنے ہوئے تھے جبکہ نیل پورا بھیگ گیا تھا۔ چہرے پر تھپڑوں کی صورت لگتی بارش میں وہ بولنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"میں ولیم کا دوست ہوں۔ مجھے اس سے ملنا ہے۔ براہ مہربانی مجھے اندر جانے دیں۔" وہ آنکھوں پر دونوں ہاتھوں کا سایہ کیے، انہیں سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ولیم صاحب ابھی تک نہیں آئے اور آپ اندر نہیں جاسکتے۔" پہریداروں نے صاف جواب دے دیا۔

"کیا؟ باقی سب آگئے؟ ولیم کہاں ہے؟" اسے حیرت ہوئی اور ساتھ ساتھ پریشانی بھی۔ پہریداروں نے لاعلمی سے شانے اچکا دیے۔

نیل نے ایک نظر چاروں جانب دیکھا اور پھر جوزف پیلس کو۔ پورا پیلس اندھیرے ڈوبا ہوا تھا سوائے چند ایک کمروں کے جہاں روشنیاں جلتی نظر آرہی تھیں۔ ولیم کا کمرہ اندھیر تھا۔

گاڑی میں واپس بیٹھتے اس نے گہرا سانس لیا اور پھر ٹشو سے ہاتھ صاف کرنے کے بعد ایک باہر ولیم کا نمبر ملایا۔ نمبر پھر سے بند جارہا تھا۔ اس نے گاڑی واپس موڑ لی۔ جب وہ پیلس کے احاطے سے باہر نکل آیا تب اسے کشادہ سڑک پر، گاڑی کی ہیڈ لائٹس میں کوئی چلتا ہوا نظر آیا۔ اس نے غور سے دیکھا تو وہ ولیم تھا۔ اس نے گاڑی روک اور پھر تیزی سے باہر نکلا۔ ولیم کے قریب پہنچ کر اسے کندھوں سے پکڑ کر ہلایا جو کسی صدمے کی کیفیت میں روبوٹ کی مانند چلتا آرہا تھا۔

"ولیم ہوش میں آؤ۔" آواز پر ولیم نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ رات کے اس پہر نیل کو اس کے چہرے پر کچھ نظر نہیں آیا پر جان گیا تھا وہ ٹھیک نہیں تھا۔

"تم پاگل ہو گئے ہو؟ اس طوفانی بارش میں کہاں گھوم رہے ہو؟" اس نے اگلا سوال داغا۔ ولیم نے لب بھینچ لیے۔ آنکھوں کا نمکین پانی، بارش کے پانی کے ساتھ چہرے پر بہنے لگا۔ اس کے ہونٹ نیلے پڑ چکے تھے۔ جانے کتنے گھنٹوں سے وہ یونہی چل رہا تھا۔

"It's hurting Neel"

"(یہ بہت تکلیف دہ ہے نیل!)" وہ اپنی پوری ہمت جمع کر کے یہی بول پایا۔

"سب ٹھیک ہے اوکے؟ سب ٹھیک ہے۔ آؤ میرے ساتھ۔" وہ اسے پکڑ کر اپنی گاڑی کی جانب بڑھا اور پھر فرنٹ سیٹ پر اپنے ساتھ بٹھایا۔ پچھلی سیٹ پر رکھا ایک رف سا کپڑا اٹھایا اور ولیم کو دیا تاکہ وہ بال پونچھ سکے۔ گاڑی سڑک کنارے کھڑی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ بولنے کے قابل ہوا تو نیل نے تاسف سے اسے دیکھتے سوال کیا۔

"اب بتاؤ کیا ہوا ہے؟" وہ اس کی جانب متوجہ تھا۔

"وہ کہتے ہیں میں سوتیلا ہوں۔ وہ کہتے ہیں میں انہیں چھوڑ دوں۔ وہ کہتے میں ان کے سکون کا قاتل ہوں۔ میں انہیں کیسے چھوڑ دوں نیل؟ میں اپنی فیملی کو کیسے چھوڑ دوں؟"

نیل کو اس پر ترس آیا۔ اس کے لیے فیملی سے اہم کوئی نہیں تھا۔ جن بہن بھائیوں کے لیے وہ اپنے باپ کے سامنے کھڑا ہو رہا تھا آج انہوں نے اسے اپنے وجود سے یوں کاٹ کر پھینک دیا تھا جیسے وہ کوئی موذی مرض ہو۔

"تم پریشان مت ہو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" نیل نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے اسے دلاسہ دیا۔

"کچھ ٹھیک نہیں ہو گا نیل! کچھ بھی ٹھیک نہیں ہو گا۔ میری فیملی نے مجھے ٹھکرا دیا۔ وہ بھی ٹھکرا دے گی۔ میں جس کے لیے جنگ لڑ رہا ہوں وہ کسی اور سے محبت کرتی ہے۔ وہ کسی اور کے لیے روتی ہے۔ میں اسے روز روتے ہوئے دیکھتا ہوں اینڈ اٹس ہرٹنگ!"

پہچان کا سفر اکیلے طے کرنے والا ولیم کڑے ضبط سے گزر رہا تھا۔ اس کے لیے یہ بات تکلیف دہ تھی کہ جو لڑکی اس کی بیوی تھی۔ اس کے عقد میں تھی۔ جس کا وہ ولی تھا۔ وہ کسی اور اسے محبت کرتی تھی۔ وہ کسی اور کے لیے روتی تھی۔ شاید اب بھی روتی ہو اور اس کے لیے یہ بات تکلیف دہ تھی۔ یہ احساس موذی مرض جیسا ہے، جس سے ایک مرد کو کبھی چھٹکارہ نہیں ملتا۔

نیل کو پہلی بار ولیم پر شدید غصہ آیا۔

"بس کر دو ولیم! کیوں خود کو ضائع کر رہے ہو؟ بھول جاؤ اسے۔ وہ اتنی اہم نہیں ہے۔ کیوں تم نے اپنی زندگی عذاب بنالی ہے؟ کیوں تم تکلیفوں کے ایلفا بنے گھوم رہے ہو؟"

ولیم نے ضبط سے آنکھیں بند کرتے، سیٹ سے پشت ٹکالی۔ وہ اب گہرے سانس لے کر خود کو نارمل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ فجر تک تو ٹھیک تھا پر آج جو اس کے خاندان نے اس کے ساتھ کیا اس نے ولیم کو مزید توڑ دیا تھا۔

"میں تین دن بعد پاکستان جا رہا ہوں۔" اس نے بیٹھے بیٹھے دھماکہ کیا۔ ولیم نے بھنویں سکیڑ کر اسے دیکھا۔

"مجھے ایک بار قسمت آزمانی ہے۔" اس نے یونہی آنکھیں موندے جواب دیا۔ گاڑی کی ہیڈ لائٹس آن تھیں اور دور تک برستی بارش دیکھی جا سکتی تھی۔ نیک نے گہرا سانس لیا اور پھر خود پر قابو پاتے سوال کیا۔

"تمہارے ڈیڈ کو پتا ہے؟"

"نہیں۔ میں کسی کو نہیں بتانا چاہتا۔" وہ بس اتنا ہی کہہ پایا۔ نیل نے کچھ سمجھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ کچھ دیر مزید بیٹھے رہنے کے بعد اس نے ولیم کو جوزف پیلس کے سامنے اتارا۔

"صبح ملتے ہیں۔" وہ اسے شب بخیر کہتا پلٹ گیا اور ولیم شکستہ خوردہ قدموں سے پیلس کی جانب بڑھا۔ قلعہ کی طرح شان سے کھڑے جوزف پیلس کی اوپری کھڑکی میں کھڑے مسٹر جوزف، اسے دیکھ سکتے تھے۔ ان کے چہرے پر سپاٹ سا تاثر تھا۔

ولیم آہستہ آہستہ چلتا اندر داخل ہوا۔ پورا پیلس خاموشی میں ڈوبا تھا اور یہ خاموشی ولیم کے دل کو ہولا رہی تھی۔ یہ تو اس کا پیلس تھا۔ ان سب کا۔ پھر وہ کیسے سوتیلا ہو گیا؟ دل سے خون رس رہا تھا۔ تکلیف تھی کہ جانے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ نینی، جارج اور نساء، سب اپنے اپنے کمروں میں تھے۔ نینی نہیں جانتی تھیں آج کیا ہوا تھا پر شاید جارج اور نساء کو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آیا اور کمرے میں آکر دروازہ لاک کر لیا۔ ڈریسنگ روم میں گھس گیا۔ بیس منٹ بعد وہ شاور لے کر آرام دہ کپڑوں میں، کھڑکی کے ساتھ رکھے سفید صوفے پر بیٹھا تھا۔

تین دن بعد اس کی پاکستان کی ٹکٹ تھی۔ عیسی ماموں کے پاس اس کی ٹکٹ تھی۔ وہ اپنے پاس نہیں رکھ سکتا تھا۔ وہ اب خود پر کافی حد تک قابو پا چکا تھا۔ دماغ نے کام کرنا شروع کیا تو ایک بار پھر کیمرہ اٹھا کر بیٹھ گیا۔ ایک بار پھر سے فجر اور اپنی تصویر دیکھی۔ جب سے اسے پتا چلا تھا کہ ایک شوہر ہونے کی حیثیت سے اس کے کیا فرائض تھے، وہ روز یہ تصویر دیکھتا تھا تاکہ یاد رکھے کہ اس پر ایک زمہ داری اور اسے فجر کے ساتھ وفادار رہنا تھا۔

فجر اور ارسل کی وہ ویڈیو دیکھتے ہوئے اسے اتنی ہی تکلیف محسوس ہوئی جتنی ہمیشہ ہوتی تھی۔ اب تو وہ کافی حد تک اردو سمجھنے لگا تھا۔ بولنی ابھی تک نہیں آئی تھی پر سمجھ آجاتی تھی۔ کیمرہ واپس رکھتے اس نے کافی دنوں بعد انسٹاگرام کھولا تو جنید کا میسج چمک رہا تھا۔

"ہیلو برو! آج میں نے تمہاری وائف کو دیکھا۔ پتا نہیں یاد ہے کہ نہیں پر میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ پہلے سے بہت مختلف لگ رہی تھی اور وہ پاکستان کے بڑے فیشن ہاؤس میں تھی۔ مجھے حیرت ہوئی پر میں اس سے بات نہیں کر پایا۔ اس نے مجھے نہیں دیکھا پر میں ابھی تک سوچ رہا ہوں وہ لکس جیسی بڑی کمپنی میں کیا کر رہی تھی؟ کیا وہ تمہیں یاد ہے؟"

ولیم کئی ثانیے، پھٹی پھٹی نگاہوں سے وہ میسج دیکھے گیا۔ اس کا ایک اور میسج تھا کہ ولیم کا نمبر اس سے کہیں کھو گیا تھا اس لیے انسٹاگرام پر رابطہ کرنا پڑا پر ولیم تو ابھی تک انہی جملوں میں اٹکا ہوا تھا۔ وہ سانس روکے بار بار پڑھتا رہا۔ لب بھینچ لیے اور پھر منہ منہ بھینچے اذیت سے ہنس دیا۔

کوئی پوچھے ولیم جوزف سے کہ وہ فجر معراج کو بھول گیا تھا یا وہ اسے یاد تھی؟

"میں جلد پاکستان آرہا ہوں۔" اس نے ایک لائن میں جواب دیا اور پھر انسٹاگرام بند کر دیا اس کے بعد اس نے عیسی ماموں کا نمبر ملایا۔ دوسری بیل پر فون اٹھا لیا گیا۔

"ولی تم ٹھیک ہو؟" وہ انہیں فون نہیں کرتا تھا بلکہ جا کر ہی ملتا تھا۔

"میرے اندر بہت جلن ہے۔ مجھے بتائیں میں کیا کروں؟" اس نے چھوٹتے ہی سوال کیا۔

"میں نے تمہیں نماز کا طریقہ سکھایا تھا۔ وضو کر کے دو رکعت پڑھ لو۔ تمہیں سکون ملے گا۔" ان کا جواب سن کر ولیم نے فون بند کر دیا۔ عیسی ماموں کا بتایا گیا نماز کا طریقہ اسے ازبر تھا پر ابھی تک وہ خود سے جائے نماز پر کھڑے ہونے کی ہمت نہیں کر پایا تھا اور شاید یہی شروعات تھی۔ کچھ دیر بعد وہ نسبتاً وضو کئے، ایک صاف شفاف چادر، نرم ملائم قالین پر بچھائے کھڑا اس پر نیت باندھے کھڑا تھا۔ کھڑے ہوتے ہی بھول گیا کہ اسے پڑھنا کیا تھا۔ بے بسی کی حد تھی۔ وہ یونہی لب بھینچے کھڑا تھا یہاں تک خوبصورت کتھئی آنکھیں پانیوں سے بھرنے سے لگیں۔

"مجھے کچھ نہیں پتا۔ میں کچھ نہیں جانتا۔ میں تو اس قابل بھی نہیں کہ آپ کے سامنے کھڑا ہو سکوں۔ مجھے تو پوری نماز بھی نہیں آتی لیکن پھر بھی، میں ولیم ولی جوزف آپ کے در پر آ کھڑا ہوا ہوں۔ مجھے قبول کر لیں۔"

یہ ولیم جوزف کا جوزف پیلس میں پہلا سجدہ تھا پھر اسے کیوں قبول نہیں کیا جاتا؟

✿••✿••✿••✿

اگلی صبح اتنی روشن اور حسین تھی کہ ولیم بستر پر لیٹے لیٹے، کھڑکی سے نظر آتی روشنی دیکھ کر دھیما سا مسکرا دیا۔ وقت دیکھا تو دن کے دو بج رہے تھے۔ رات مشکل سے ہی آنکھ لگی تھی۔ گہرا سانس لے کر اٹھ بیٹھا۔ اسے ناشتے پر بھی کوئی بلانے نہیں آیا۔ دل پر عجیب سا گھونسا پڑا یعنی اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ بیس منٹ بعد وہ فریش ہو کر سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ لاؤنج میں اسے کوئی بھی نظر نہیں آیا۔ بھوک سے پیٹ میں چوہے ناچ رہے تھے۔ اسی بھوک کا علاج کرنے وہ کچن کی جانب رواں تھا اور جیسے ہی اس نے کچن کے دروازے سے اندر قدم رکھا وہ ٹھٹک کر رک گیا۔ پہلے چہرہ فق ہوا اور پھر سرخ پڑ گیا۔ سامنے ہی جارج اور لیزا (باورچن صوفی کی بیٹی، جو آج کل اپنی ماں کی بیماری کی وجہ سے کام پر آ رہی تھی) دونوں شیلف کے ساتھ لگے کھڑے تھے۔ جارج اس کے چہرے پر جھکا ہوا تھا اور یہ منظر کم

ازکم ولیم کے لیے نا قابل بیان تھا۔ وہ جارج جسکا چھبیس ستائیس سالوں کا ریکارڈ اس حوالے سے صاف تھا وہ اپنے ہی گھر کی باورچن کی کم عمر بیٹی سے اس طرح کے تعلقات بنائے گا؟

"جارج۔۔۔؟" ولیم دبے دبے لہجے میں چلایا۔ لڑکی آواز پر ڈر گئی اور ولیم کو دیکھتے ہی اس نے رخ پھیر لیا۔ شرمندگی سے اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ جارج نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"گیٹ آؤٹ ولیم!" اسے جیسے فرق ہی نہیں پڑتا تھا۔ وہ دوبارہ لیزا کی جانب جھکا پر وہ اب غیر آرام دہ محسوس کر رہی تھی۔ ولیم مزید نہیں دیکھ پایا وہ تیزی سے آگے بڑھا اور جارج کا رخ کندھے سے پکڑ کر اپنی جانب موڑا۔ سیدھا سادہ جارج مونسٹر (**حیوان**) کب بنا تھا؟ ولیم کی سمجھ سے یہ باہر تھا۔

"میں نے کہا نا دفع ہو جاؤ!" لڑکی ڈر کر کھسک گئی۔ جارج نے ولیم کو مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا پر ولیم اس بات اس کا مکا روک چکا تھا۔ جارج کی آنکھیں زخمی اور چہرہ سرخ تھا۔

"اس بار نہیں۔ تم اس حد تک کب گرے؟" وہ غلط کر رہا تھا اور ولیم اسے روکنا چاہتا تھا۔

"تمہیں لگتا ہے تم مجھے روک پاؤ گے؟" جارج نے زوردار گھٹنا اس کے پیٹ میں رسید کیا اور تھوڑی دیر بعد دونوں گتھم گتھا تھے۔ ایک دوسرے پر جان چھڑکنے والے بھائی اب روز لڑتے جھگڑتے تھے۔ شیلفوں پر رکھا سامان نیچے گرنے لگا۔

"تم جارج جوزف ہو! تم اپنے مقام سے مت گرو۔" ولیم اسے سمجھانے کی کوشش کرنے لگا۔

"اور تم اپنی اوقات میں رہو تو اچھا رہے گا۔"

سامان گرنے کی آواز پر نساء کچن میں آئی تو ان دونوں کو لڑتے دیکھ کر اس کی چیخ ابھری۔ انہیں چھڑانے کے لیے پہریداروں کو بلایا گیا۔ جارج تو قابو ہی نہیں آرہا تھا۔ حقیقت کا کسی کو بھی علم نہیں تھا۔ نساء نے نفرت آمیز نگاہوں سے ولیم کو دیکھا جبکہ نینی کی نگاہوں میں کئی شکوے تھے۔ کیا ولیم کوئی سکون کا دن گزرنے دے گا؟

"نینی میری بات سنیں۔" وہ تڑپ کر ان کی جانب لپکا۔

"بس ولیم!" انہوں نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔ "بہت ہو گیا۔" ان کے لہجے اور آواز میں واضح تنبیہہ تھی۔ ولیم تھوک نگل کر رہ گیا اور پھر وہ کچھ دیر بعد پیلس سے نکل گیا۔ اب اس گھر پر اس کا کوئی حق نہیں تھا۔ یہاں کے لوگ اس کے نہیں رہے تھے۔ سارا دن آوارہ گردی کرنے کے بعد وہ عیسی ماموں کے پاس گیا۔ انہوں نے ولیم کو کافی حوصلہ دیا۔ رات اس نے ان کے پاس ہی گزاری۔ ان کے ساتھ ساری نمازیں ادا کیں۔ وہ پاکستان واپس جارہا تھا سارے دکھوں میں ایک یہ خوشی ساتھ تھی۔ اگلے دن نیل سے ملا اور اسے ساری بات بتائی۔

"تمہیں پاکستان نہیں جانا چاہیے ولیم! تمہیں یہاں رہ کر اپنے تعلقات درست کرنے چاہئیں۔" نیل نے اسے مشورہ دیا۔

"یہاں میرے لیے کچھ بھی نہیں بچا۔"

"اور اس لڑکی نے بھی تمہیں ٹھکرا دیا تو؟"

ولیم سانس نہیں لے پایا۔ کئی لمحے یونہی بیٹھا رہا۔ سر جھکائے مجرموں کی طرح۔ اس سوال کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔

"ایک بار کوشش کر لینے دو۔" اس نے پھیکا سا ہنستے ہوئے کندھے اچکائے۔ کچھ دیر مزید بیٹھے رہنے کے بعد وہ چلا گیا۔ اسے جینی کا فون آیا تھا وہ اس سے ملنا چاہتی تھی۔

اس کے جانے کے بعد نیل کا چہرہ سپاٹ پڑ گیا۔ اس نے فون اٹھا کر ایک نمبر ملایا۔ اسکرین پر چمکتا جوزف پیٹرسن واضح دیکھا جا سکتا تھا۔

"بولو نیل! کیا خبر ہے؟" دوسری جانب سے سرسراتی آواز ابھری۔

"ولیم پاکستان جا رہا ہے۔ میں چاہتا ہوں آپ اسے روک لیں۔"

"بہت بہت شکریہ اس خبر کے لیے نیل! تمہیں ایک اچھے انعام سے نوازہ جائے گا۔" انہوں نے سرد لہجے میں کہتے فون بند کر دیا۔ پتا نہیں کل آنے والی رات کیا طوفان لانے والی تھی۔

✿••✿••✿••✿

"تم نے کہا تم شادی شدہ ہو۔ کیا ثبوت ہے؟" وہ نسبتاً پر سکون گوشے میں بیٹھے تھے۔ شہر کا مہنگا ترین ریستوران جہاں سلیبریٹیز کو مکمل پرائیویسی ملتی تھی۔

"تمہیں ثبوت کیوں چاہیے؟" ولیم نے الٹا سوال کیا۔ جینی نے اس کی نیلی پڑتی آنکھ کو دیکھا۔ یقیناً پھر کسی سے لڑ کر آیا تھا۔ وہ تاسف سے اسے دیکھے گئی۔

"دل کو منانے کے لیے کہ تم کسی اور کے ہو۔" وہ پھیکا سا مسکرائی۔ ولیم کئی لمحے خاموش بیٹھا رہا اور پھر بھوری جیکٹ کی اندرونی جیب سے ایک کاغذ نکالا۔ وہ اسے اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ جوزف پیلس میں اسے رکھنے کا رسک نہیں

لے سکتا تھا۔ تہہ شدہ کاغذ کو کھول کر پہلے خود دیکھا۔ فجر کا نام واضح تھا اور پھر جینی کی جانب بڑھایا۔ نیلی آنکھوں والی جینی نے کپکپاتے ہاتھ سے وہ کاغذ تھام لیا۔ وہ واقعی میرج سرٹیفیکٹ تھا۔ اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔

"تم پاکستان شادی کرنے کے لیے گئے تھے؟" وہ بڑی دیر بعد بولی۔ لفظ ادا کرنے میں مشکل پیش آ رہی تھی۔

ولیم نے نفی میں سر ہلایا۔ مذہب کے خانے میں مسلمان لکھا دیکھ کر اسے مزید حیرت ہوئی۔

"ولیم تم۔۔۔؟" کاغذ ہاتھ سے چھوٹ کر میز پر گر گیا۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہیں لیے اسے دیکھے گئی۔

"میں پیدائشی مسلمان ہوں جینی! جوزف پیلس نے مجھ سے میری شناخت چھین لی تھی۔" وہ دونوں اپنی اپنی جگہ جم سے گئے تھے۔ بیرہ کھانے کی ٹرالی لایا اور میز پر لگانے کے بعد چلا گیا۔ وہ دونوں جانتے تھے وہ کچھ نہیں کھا پائیں گے۔ سادہ ٹراؤزر شرٹ پہنے جینی نے سر پر اسکارف اوڑھ رکھا تھا تاکہ کوئی پہچان نہ سکے۔

"تمہارے ڈیڈ کو پتا ہے؟" جینی نے اگلا سوال کیا۔ ولیم نے ناں میں سر ہلا دیا۔

"پھر تم نے مجھے کیوں بتایا؟" اس بات پر وہ حیران تھی۔

"تاکہ تم اپنے دل سے میرا خیال نکال دو۔ تمہاری کمی جارج کو مونسٹر بنا رہی ہے۔" جینی اس کی بات سن کر لب کچلنے لگی۔ پورا ایڈنبرا آج چمک رہا تھا۔ پچھلی رات برسنے والی بارش کی وجہ سے مطلع صاف تھا۔ جینی کو سمجھ نہ آیا وہ اسے کیا جواب دے۔

"دل کو منانا بہت مشکل کام ہے ولیم!" وہ پھیکا سا مسکراتی، پیچھے ہٹ کر بیٹھ گئی۔

"مجھ سے بہتر شاید ہی کوئی سمجھ پائے۔" زخمی سی مسکان اس کے چہرے پر ابھری۔

"اگر میں نے تمہارے ڈیڈ کو بتا دیا تو؟" وہ ابرو اٹھائے پوچھ رہی تھی۔

"مجھے میری بیوی کے پاس جانے سے کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔"

اس بات جینی بے ساختہ ہنس دی۔ آنکھیں زخمی دل کا حال بیان کر رہی تھیں۔ سینے میں آگ دہک اٹھی۔ البتہ اسے ولیم کے دعوے پر ہنسی آئی کیونکہ اسے کوئی طاقت پاکستان لے کر نہیں جا سکتی تھی اتنا تو وہ بھی جانتی تھی۔ کچھ دیر وہ مزید بیٹھے رہے پھر ولیم اٹھ کر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد جینی رابرٹ نے فون اٹھا کر نمبر ملایا۔ مسٹر جوزف اسکرین پر چمکتا دیکھتا جا سکتا تھا۔

"ولیم ایک پاکستانی لڑکی سے شادی کر چکا ہے۔" دوسری جانب موت جیسا سناٹا تھا۔ "میرے پاس ثبوت ہے۔"

"اس نے اپنی ماں کا مذہب چن لیا ہے۔" وہ انہیں آگاہ کر رہی تھی جو پہلے سے جان گئے تھے کہ ولیم، عیسی ماموں سے کیوں مل رہا تھا۔ دوسری جانب سے کچھ کہا گیا اور پھر فون بند ہو گیا۔

"سوری ولیم!" فون بند ہونے کے بعد تاسف سے کہا اور پھر کھانے کا بل ادا کرتی ریستوران سے نکل آئی۔ وہ اپنے حصہ کا کام کر چکی تھی۔

✿••✿••✿••✿

ایک دن بعد!

وہ بیگ کندھے پر لٹکائے، رات کے اس پہر، تیزی سے بھاگ رہا تھا۔ اپنی موت سے بچنے کی کوشش کرتے، زندگی کی جانب بھاگ رہا تھا۔

یہ جوزف پیلس کا پچھلا حصہ تھا یہاں سے جنگل شروع ہو رہا تھا۔ وہی جنگل جس نے نینسی کو نگل لیا تھا۔ جوزف پیلس کے پہریدار، جارج سمیت اس کے پیچھے لگے تھے اور ان سے بچنے کے لیے پوری ہمت سے بھاگ رہا تھا۔ سانس پھول چکا تھا، چہرہ سرخ پڑ گیا اور چہرے پر چمکتی پسینے کی بوندیں اس کے خوف و ہراس کو واضح کر رہی تھیں۔

"تم بھاگ نہیں پاؤ گے ولیم! کوشش ترک کر دو۔" اپنے عقب میں اسے جارج کی تمسخرانہ آواز سنائی دی۔ ایک گھنٹے بعد اس کی فلائٹ تھی۔ عیسی ماموں اس کا انتظار کر رہے تھے پر اس کے لیے اس جال سے نکلنا مشکل ہو گیا تھا۔ اس کے عقب میں شان سے کھڑے جوزف پیلس کی سب سے بالائی منزل پر، مسٹر جوزف اپنے پرائیویٹ کمرے کی کھڑکی میں کھڑے تھے۔ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ ولیم کو بھاگتے ہوئے دیکھ رہے تھے، پہریدار اور جارج اس کے پیچھے تھے۔ انہوں نے سرد سپاٹ آنکھوں سے اسے دیکھا۔ یہاں سے بھاگتا ہوا ولیم بمشکل نظر آ رہا تھا پھر انہوں نے گہرا سانس لیا اور کھڑکی سے ہٹ گئے۔ الماری سے انہوں نے تیر کمان نکالا اور واپس کھڑکی میں نظر آئے۔ دوربینی پرانا سا چشمہ آنکھوں پر جما کر انہوں نے کمان کو اوپر اٹھا کر اس میں ایک زہریلا اور خطرناک تیر اڑسا۔ تیر کمان پر قدیم نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ نا جانے یہ تیر کمان کتنے سال پرانا تھا۔ انہوں نے کمان اٹھا کر تیر کو کھینچا، کمان کی تنی میں تناؤ پیدا ہوا اور پھر انہوں نے بھاگتے ہوئے ولیم جوزف کا نشانہ لے کر تیر ہوا میں چھوڑ دیا۔ ان کا تیر اندھیرے میں بھی نشانے پر لگ جاتا تھا۔ ولیم کے ایک کاندھے پر بیگ تھا جبکہ تیر اڑتا ہوا گیا اور اس کی، گردن کے نیچے، دوسرے کندھے میں پیوست ہو گیا۔ اذیت بھری اس کی چیخ گونج گئی۔ وہ لڑکھڑا کر گرا۔ پہریدار ہاتھوں میں پکڑی ٹارچ لیے اسے ڈھونڈ رہے تھے۔ اسے اپنے جسم میں جھلستا ہوا سریا گھستا محسوس ہوا۔ وہ پھر سے اٹھا۔

"ولیم۔۔۔۔بھاگنے کی کوشش ترک دو۔تم جانتے ہو تم بچ نہیں پاؤ گے؟" جارج کی حظ اٹھاتی آواز سنائی دی۔ ولیم پوری ہمت جمع کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔کچھ بھی ہو جائے وہ رک نہیں سکتا تھا پر اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا تھا۔تمام تر ہمت جمع کرنے باوجود وہ چند قدم ہی چل پایا اور پھر لڑکھڑا کر گر گیا۔اس کا ذہن اندھیروں میں ڈوبتا چلا گیا۔کچھ دیر بعد پہریدار اسے بازوؤں سے گھسیٹتے، واپس جوزف پیلس کی جانب لے جا رہے تھے۔جارج جوزف کی پراسرار سیٹی، رات کے اس پہر، پورے جنگل میں گونج رہی تھی۔ولیم، جوزف پیلس کا قیدی تھا اس نے کیا سمجھ لیا تھا وہ آسانی سے فرار ہو جائے گا؟

✿••✿••✿••✿

اگلی قسط پندرہ دن بعد ان شاءاللہ !

جاری ہے۔

******

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔۔۔

السلام علیکم احباب۔۔۔۔"

"ناولز کی دنیا" کے ناولز میں خوش آمدید ----

ناولز کی دنیا (NKD) کی جانب سے ناولز کو بغیر کسی غلطی کے آپ تک پہچانے کی کوشش کی گئی۔اگر کوئی غلطی اس میں ملتی ہے تو اسے محض اتفاق سمجھا جائے۔کیونکہ ناول کو پورا پروف ریڈ کر کے ہی پبلش کیا جاتا ہے چوک ہونا محض اتفاق ہوگا۔۔

عنکبوت

(معرفت اور محبت سب کو نہیں ملتی)

از قلم: نور راجپوت

قسط نمبر:12

لاہور میں اتری یہ سنہری شام دھیرے دھیرے رات میں ڈھل رہی تھی۔ اونچی عمارت کے شیشوں والے کمرے سے، جھانک کر باہر دیکھیں تو شہر روشنیوں سے جگمگ کرنے لگا تھا۔ ایسے میں وہ اپنی کرسی پر بیٹھا، ہاتھ میں اپنے پسندیدہ شاعر کی کتاب پکڑے زیر مطالعہ تھا۔

گمان ہے تیرے لوٹ آنے کا

دیکھ کتنا بدگمان ہوں میں!

اس کی پرسوز آواز کشادہ آفس کے در و دیوار میں گونج رہی تھی۔ اسے وہاں سننے والا کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ جیسے خود کو ہی سنا رہا تھا۔

مجھے اس کی آواز کا مرہم چاہیے

اسے کہو نا میرے نام پکارے

اچانک لفٹ ٹن کی آواز سے کھل گئی۔ رئیس نے کتاب سے نظریں اٹھا کر ناک کی سیدھ میں دیکھا۔ اسے کئی مہینوں میں بمشکل پانچ دس منٹ ملتے تھے جب وہ جون کی کتاب اٹھا کر اسے پڑھ پاتا تھا اور ان دس منٹوں میں بھی اسے فرصت نہیں ملتی تھی۔

"محترم رئیس صاحب! محترمہ سونیا سلطان نے آپ کے لیے کچھ بھیجوایا ہے۔"

مراد عالم اندر داخل ہوا اور اس کے پیچھے ہی دو ملازم ایک چھ فٹ اونچا کارٹن اٹھائے ہوئے تھے۔ رئیس نے کتاب بند کر کے میز پر رکھ دی۔ اس کی پیشانی پر لکیریں ابھریں۔

"سونیا سلطان اور تحفہ؟" بات کچھ سمجھ نہیں آئی۔ کمرے کے بیچوں بیچ وہ کارٹن لا کر کھڑا کر دیا گیا۔ مراد نے ملازموں کو واپس جانے کا اشارہ کیا جو سر ہلاتے پلٹ گئے۔ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتے رئیس اٹھ کھڑا ہوا۔ کاٹن کی کریم رنگ شرٹ میں وہ نک سک سا تیار آفیشل میٹنگ کے لیے جانے کو تیار تھا۔ پندرہ منٹ بعد اسے فنانس ٹیم کے ساتھ نکلنا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" وہ میز کے گرد گھومتا، مضبوط قدموں سے چلتا ہوا اس کارٹن کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

آخر سونیا سلطان اسے کیا بھیج سکتی ہے؟ دماغ تیزی سے بھاگ رہا تھا پر کچھ سمجھ نہ آیا جبکہ مراد اب میز کے نچلے خانے سے کٹر ڈھونڈ لایا۔

"مجھے کیوں لگ رہا ہے سونیا ناگن نے، رئیس اورنگزیب کو ڈسنے کے لیے زہریلے سانپوں کی جوڑی بھیجی ہو گی۔" مراد تمسخرانہ کہتا، رئیس کے مقابل آ کھڑا ہوا۔

"جو خود ناگن ہو اسے سانپوں کی کیا ضرورت؟" ذرا سا رخ مراد عالم کی جانب موڑتے اس نے داڑھی کھجائی۔ انداز سوالیہ تھا کہ آخر کیا بھیجوایا ہو گا؟

"چلیں پھر ابھی دیکھ لیتے ہیں۔" مراد عالم نے آگے بڑھ کر خاکی رنگ کے ڈبے سے سفید رنگ کے لپٹے ربن کی لڑی کھینچ کر کھول دی۔ ریشم کی طرح کھلتا ہوا ربن نیچے گر گیا۔ پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر ڈبے کے بیچ و بیچ اوپر سے نیچے تک کٹر چلاتا ہوئے، ڈبے کو دو حصوں میں کاٹ دیا۔ ڈبہ کھلتا ہوا پیچھے جا گرا اور اندر سے جو نکلا تھا اسے دیکھ کر وہ دونوں پل بھر کو ساکت رہ گئے بلکہ جم گئے۔

لوہے کے اسٹینڈ پر فجر معراج کا نائٹ میئر پوری شان سے لٹکا ہوا تھا۔ زمین پر بکھری سرخ، آبشار لہو کی مانند لگ رہی تھی۔

"باپ رے! اس کی توقع نہیں تھی مجھے۔" مراد عالم کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ پل کے ہزارویں حصے میں رئیس کی آنکھوں میں تحیر ابھرا، اس نے سانس روک کر گاؤن کو دیکھا۔ کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ سونیا اسے یہ گاؤن بھیجوائے گی۔ چھت سے لٹکے برقی قمقموں میں وہ گاؤن پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ سرخ کارپٹ پر چلتی فجر معراج پوری جزئیات سے اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم گئی۔ کمرے میں پراسرار خاموشی چھا گئی۔ وہ دونوں کسی ٹرانس کی کیفیت میں اپنے سامنے کھڑے ایک لڑکی کے نائٹ میئر کو گھور رہے تھے اور پھر اس پراسرا خاموشی کو، میز پر رکھے رئیس کے فون نے توڑا۔ وہ بج اٹھا اور اس کے ساتھ ہی مراد عالم ہڑبڑا گیا۔ اس نے بے ساختہ دل پر ہاتھ رکھا۔ سامنے کھڑے نائٹ میئر نے انہیں واقعی ہیپناٹائز کر دیا تھا۔ رئیس کا سکتہ بھی ٹوٹ گیا۔

اس نے گہرا سانس لے کر گردن گھما کر پیچھے بجتے فون کو دیکھا۔ مراد لپکتا ہوا فون کی جانب بڑھا۔ اسکرین پر ایک بار پھر ناگن لکھا چمک رہا تھا۔ مراد نے فون رئیس کی جانب بڑھایا جسے اس نے یس کرتے ہوئے کان سے لگایا۔

"کہو پسند آیا میرا تحفہ؟" وہی سرسراتی ہوئی آواز ابھری۔

"میں جانتی تھی تمہیں پسند آئے گا۔" خود ہی اپنے سوال کا جواب دیتے وہ اک ادا سے مسکرائی۔ رئیس نے گہرا سانس لے کر ایک نظر اوپر سے نیچے تک اس گاؤن کو دیکھا اور پھر فون کی جانب متوجہ ہوا۔

"بدلے میں کیا چاہیے؟" وہ اس کی رگ رگ سے واقف تھا تبھی بنا کسی لگی لپٹی کے پوچھا۔ سونیا کی خوبصورت مدھر سی ہنسی گونج گئی۔

"ارے ارے۔۔۔ تمہیں کیا میں اتنی مطلبی لگتی ہوں؟" اس کی مٹکتی آنکھیں رئیس کو واضح نظر آئیں۔ "بس شکریہ کہہ دو۔" وہ چڑانے والے انداز میں بولی۔

"ویل۔۔۔" گاؤن پر ایک آخری نظر ڈالتا وہ پلٹ گیا۔

"سونیا سلطان کسی کو مفت میں گالی بھی نہ دے، مدعے پہ آؤنا۔ مجھے میٹنگ کے لیے نکلنا ہے۔" گلاس وال کے سامنے کھڑے ہوتے اس نے شہر پر ایک طائرانہ نظر ڈالی۔

"منار کی ہم شکل کو میں نے رکھ لیا تو سوچا تمہیں اس کا پہلا نائٹ میئر بھیجوا دوں۔" وہ سارے جہاں کا خلوص اپنے لہجے میں سموئے بولی لیکن رئیس کے چہرے کی بے چینی کم نہیں ہوئی۔ سونیا سلطان یوں مہربانیاں نہیں کرتی تھی۔ پھر آج کیسے؟ وہ بھی ایسا گاؤن جسے یقیناً وہ خود سب سے پہلے رکھنا چاہے گی۔ اس کے جواب میں وہ کچھ نہ بولا۔ ہونٹ بھینچے، بھنویں سکیڑے باہر دیکھتا رہا۔

"تمہاری خاموشی بتا رہی ہے تم مطمئن نہیں ہوئے۔" اس کی خاموشی کو محسوس کرتے وہ خود ہی بولی۔

"رئیس کو مطمئن کرنا آسان نہیں ہے سونیا! مطلب کی بات کرو۔" وہ الجھا ہوا تھا۔ دوسری جانب خاموشی چھا گئی اور پھر سونیا کے بوجھل سانس کی آواز سنائی دی۔

"بڑے عرصے بعد تم نے میرا نام پکارہ ہے۔ میں اسی پہ ٹل جاتی پر جو تحفہ میں نے تمہیں بھجوایا ہے وہ تمہارے لیے بیش قیمتی ہے تو اس کے بدلے تم مجھے وہ ملکہ ملعون کا تاج مکمل کر کے دے دو۔" اس کے الفاظ پر رئیس نے بے ساختہ پلٹ کر دیکھا۔ گاؤن کے بائیں جانب دیوار کے قریب بڑے سے میز پر شیشے کے جار میں وہ سیاہ تاج رکھا تھا۔ وہ کچھ پل لب بھینچے کھڑا رہا پھر اس کا ابھرنے والا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"ایک پل کے لیے مجھے واقعی لگا کہ تم نے یہ تحفہ مجھے بے غرض بھیجوایا ہے۔" انداز سراسر مزاق اڑانے والا تھا۔ دوسری جانب سونیا سلطان کا چہرہ یقیناً سرخ پڑ گیا ہو گا۔

"میں اُدھوری چیزیں مکمل نہیں کرتا۔ خیر تحفے کے لیے شکریہ!" اس نے ٹک سے فون بند کر دیا۔ مراد جو سانس روکے گاؤن کے آگے پیچھے گھوم رہا تھا، رئیس کو فون بند کرتے دیکھ کر فوراً بولا۔

"اس لڑکی نے اپنا گاؤن بیچ کیسے دیا؟" وہ ابھی تک اسی حیرت میں تھا۔ رئیس نے ایک نظر گھڑی پر ڈالی۔

"مجھے میٹنگ کے لیے نکلنا ہے۔ تم دیکھ لو اسے کہاں فٹ کرنا ہے۔" وہ بے تاثر لہجے میں کہتا، کرسی کے پیچھے لگے اسٹینڈ سے اپنا کوٹ اٹھا کر بازو پر گراتا، لفٹ کی جانب بڑھ گیا۔ اندرونی کیفیت عجیب سی تھی۔ نہ سمجھ آنے والی۔ مراد نے اسے جاتے ہوئے دیکھا۔ اب وہ لفٹ میں کھڑا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے وہ سرخ و سفید رنگ کا خوبصورت نائٹ میئر تھا۔ اس نے گراؤنڈ فلور کا بٹن دبایا اور نظریں دوبارہ گاؤن پر جما دیں۔ اسی لمحے اسے گاؤن

پہنے فجر سامنے سے آتی دکھائی دی۔ وہ سانس روکے دیکھے گیا پر چند لمحوں کا کھیل تھا اور پھر لفٹ کے دونوں پٹ تیزی سے ایک دوسرے کی جانب بڑھنے لگے۔ درمیان میں ایک لکیر سی رہ گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے رئیس کی سیاہ آنکھوں کے سامنے لفٹ بند ہو گئی اور پھر نیچے کی جانب بھاگنے لگی۔ پیچھے کمرے میں، کمر پر ہاتھ جمائے مرد اعالم سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اسے اس گاؤن کا کیا کرنا تھا؟

✿••✿••✿••✿

ہمیں لگتا ہے ہم ٹھیک ہونے کا دکھاوا کریں گے تو ہم ٹھیک ہو جائیں گے

لیکن ہم خود سے بھاگ رہے ہوتے ہیں اس لیے وقت بھی ہمارے زخموں کو بھر نہیں پاتا

جب ہم اپنی تکلیف کو قبول کرتے ہیں اور اپنے احساسات کو دبانا چھوڑ دیتے ہیں

تب ہمارے زخم خود بخود بھرنے لگتے ہیں

ہمیں ہمیشہ ٹھیک ہونے کا دکھاوا کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی یہ دکھاوا ہم ہمیشہ کر سکتے ہیں

کیونکہ ہم انسان ہیں۔۔۔**(میزو آرٹسٹ)**

فجر کا کمرہ اس وقت عجیب سے طوفان کا شکار تھا۔ اس کے بیڈ پر ڈھیر سارا سامان پڑا تھا اور وہ الماری سے مزید سامان نکالے جا رہی تھی۔ یہ وہ سامان تھا جو اس کے ماضی سے جڑا تھا تو کچھ ارسل سے۔ اس کے دیئے گئے تحفے اور اس کے ساتھ ہونے پر فجر نے جو پسند کے جوتے کپڑے لیے تھے وہ سب نکال نکال کر بیڈ پر پھینک رہی تھی۔ وہ اس سے جڑی ہر یاد آج مٹا دینا چاہتی تھی۔ بالوں کو اونچے جوڑے میں باندھے وہ آڑو رنگ کا، لان کا سادہ سوٹ پہنے ہوئے تھی، چہرے اور گردن پر گرمی کے باعث پسینے کی بوندیں چمک رہی تھیں۔ کمرے کا چلتا پنکھا بھی گرمی کی

شدت میں ذرا کمی نہیں لا پایا تھا۔ جب سارا سامان نکل آیا تو وہ ہانپتے ہوئے الماری سے ہٹ گئی۔ کمر پر دونوں ہاتھ رکھتے ایک نظر بیڈ پر پڑے سامان کو دیکھا۔ بہت جلد وہ اس محلے سے جانے والی تھی اور جانے سے پہلے سب کچھ یہیں ختم کر کے جانا چاہتی تھی۔ کئی لمحے وہ اس سامان کو دیکھتی رہی۔ ایک کارٹن تو پہلے ہی بھرا ہوا تھا۔ پھر اس نے بیڈ پر پڑا سامان اٹھا اٹھا کر زمین پر رکھے کارٹن میں ڈالنا شروع کر دیا۔ وہ بنا دیکھے سارا سامان پھینکتے جا رہی تھی جب بیڈ خالی ہو گیا تو میز پر رکھی پانی کی بوتل اٹھا کر لبوں سے لگالی۔ پانی بھی گرم ہو چکا تھا۔ گٹا گٹ پانی پینے کے بعد اس نے وہ کارٹن اٹھایا اور اسے لے کر باہر صحن میں آ گئی۔ دیوار کے قریب رکھتے وہ واپس کمرے میں آ گئی۔ اماں کسی کام سے باہر گئی تھیں اور ان کے آنے سے پہلے فجر کو اپنا کام ختم کرنا تھا۔ دوسرا کارٹن، جو اس نے مہینوں پہلے اس دن بھرا تھا جب اس نے ارسل کو اپنی زندگی سے نکال کر ولیم سے نکاح کیا تھا، وہ ویسے ہی پیک رکھا ہوا تھا۔ کچھ یاد آنے پر اس نے جھکتے ہوئے کارٹن کھولا اور ہاتھ ہلاتے چیزوں کو دیکھا، ذہن میں الجھن سی تھی، اس کا وجدان اسے کچھ پیغام دے رہا تھا اور تبھی اس کا ہاتھ کسی سخت چیز سے ٹکرایا۔ کمرے کی دھیمی روشنی میں اس نے وہ چیز پکڑ کر باہر نکالی اور پل بھر کو ساکت رہ گئی۔ اس کے ہاتھ میں وہ ٹیپ ریکارڈر تھی جو ولیم نے اسے دی تھی۔ اس نے اسی رات وہ ٹیپ اسی کارٹن میں پھینک دی تھی۔

"میں نے سنا ہے شادی کے بعد شوہر اپنی بیوی کو گفٹ دیتا ہے۔ مجھے ایسا کچھ قیمتی نظر نہیں آیا جو تمہیں دے سکوں۔ ہاں پر یہ میرے لیے بہت خاص ہے میرے دل کے قریب۔ شاید تمہارے کام آ جائے۔" ولیم کے الفاظ اس کی سماعت سے ٹکرائے۔ دل درد سے مچل اٹھا۔ اس نے ولیم کا چہرہ یاد کرنا چاہا پر کیپ میں چھپا اس کا آدھا ادھورا سا چہرہ ہی یاد آ پایا۔ وہ اس ٹیپ کو کئی لمحے دیکھتی رہی، ایک پل کو سوچا کہ اس ٹیپ کا بھی نام و نشان مٹا دے پھر کچھ سوچتے ہوئے اس نے ٹیپ کو بیڈ پہ پھینک دیا، مزید جھانک کر دیکھا تو **"ولیم جوزف"** کے نام کا وزٹنگ کارڈ چمکتا ہوا

نظر آیا۔ اس کی بھنویں سکڑ گئیں۔ کارڈ اٹھایا اور الٹ پلٹ کر دیکھا۔ وہاں اس کا نام اور اس کا رابطہ نمبر لکھا تھا۔ اس نے یہ کارڈ دیا تھا شاید فجر کو کبھی اس کی ضرورت پڑ جائے پر فجر کو اس کی ضرورت کیوں پڑتی بھلا؟

اس کے اعصاب چٹخنے لگے۔ دل عجیب سی کیفیات کا شکار تھا۔

وہ کارڈ بھی اس نے بیڈ کی جانب اچھال دیا اور پھر کارٹن اٹھا کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ کمرے کی بوجھل فضا نے اپنا رکا ہوا سانس بحال کیا۔ اگر وہ دونوں چیزیں باقی چیزوں کے ساتھ ہی پھینک دیتی؟ بلکہ پھینک نہیں جلا دیتی تو؟ کیونکہ کمرے سے نکل کر صحن میں آئیں تو دونوں کارٹن دھڑ دھڑ جل رہے تھے۔ وہ سینے پر ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔ آس پاس کے گھر والوں نے باقاعدہ اپنی چھتوں سے جھانک کر دیکھا کہ کہیں معراج الدین کے گھر میں آگ تو نہیں لگ گئی؟ پر فجر کو پر سکون کھڑا دیکھ کر، لوگوں نے تاسف سے سر ہلایا۔ یہ لڑکی انہیں کبھی سمجھ نہیں آئی تھی۔ چشمے کے پار جھانکتی اس کی تکان زدہ آنکھوں میں درد کی کوئی بھی رمق نہیں تھی کیونکہ اس نے خود کو قبول کر لیا تھا۔ اس نے اپنے درد کو اپنی تکلیف کو قبول کرنے کے بعد اسے اوڑھ لیا تھا۔ سامان دھڑا دھڑ جل رہا تھا اور اس کے ساتھ ہی فجر کا ماضی بھی کیونکہ آنے والا کل نئی کہانی لانے والا تھا۔

لکس کی جانب سے اسے گاؤن کے پوری قیمت موصول ہو چکی تھی۔ اس نے آنلائن کافی اپارٹمنٹس دیکھے تھے۔ اسے پوش ایریا میں اپنی کمپنی کے آس پاس ہی اپارٹمنٹ چاہیے تھا۔ ایک دو ڈیلرز سے اس کی بات ہو چکی تھی اور کل صبح وہ یہ کام نبٹانے والی تھی۔ لکس کی جانب سے اسے کانٹریکٹ بھی موصول ہو چکا تھا پر اس نے ابھی تک سائن نہیں کیا تھا کیونکہ اسے کانٹریکٹ میں کافی تبدیلیوں کی ضرورت محسوس ہوئی تھی۔ کئی لمحے وہ بھڑکتے شعلوں میں اپنے آنے والے کل کو دیکھتی رہی جو واضح اور روشن تھا پھر گہرا سانس لیتے کمرے کی جانب پلٹ گئی۔ ماضی وہ جلا گئی تھی۔ پر کیا جلا دینے سے ماضی راکھ ہو جاتا ہے؟ یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔

✿••✿••✿••✿

جوزف پیلس، ایڈنبرا

جوزف پیلس کی یہ رات نہایت خوفناک اور خاموش تھی۔ اتنی خاموش کہ جھینگوں کی آواز صاف سنی جاسکتی تھی۔ اتنی خاموش کہ پیلس کی دیواروں میں سانس لینے والے ہر نفوس کے تنفس کی رفتار سنی جاسکتی تھی اور اسی بھیانک خاموشی میں وقفے وقفے سے درد بھری چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔ کوئی تھا جو درد سے بلبلا رہا تھا۔ آخر کون تھا وہ جس کا درد حد سے سواء تھا؟ یہ جاننے کے لیے ہمیں کچھ گھنٹے پیچھے جانا ہو گا۔

اس شام جوزف پیلس ویران لگ رہا تھا کیونکہ نینی اپنے اعتراف (confession) کے لیے دوسرے شہر، بڑے چرچ گئی تھیں۔ وہ تین دن بعد لوٹنے والی تھیں اور نساء پہلی بار اپنی یونیورسٹی کے کسی ٹور پر شہر سے باہر گئی تھی وہ بھی اکیلے۔ مسٹر جوزف نے اسے اجازت دے دی تھی۔ وہ شادی سے پہلے اپنی زندگی جینا چاہتی تھی اور یہ بہترین موقع تھا۔

ولیم اپنے کمرے میں، ہڑبڑاہٹ کا شکار دکھائی دیتا تھا۔ پیلس کی غیر معمولی خاموشی اسے ڈرا رہی تھی۔ وہ کس قدر تیزی سے الماری سے اپنے چند کپڑے نکالتا، بیگ میں ڈال رہا تھا۔ اسے جلد از جلد یہاں سے نکلنا تھا۔ وہ پرجوش تھا کیونکہ آج وہ پاکستان واپس جا رہا تھا۔ آج وہ ایک نیا سفر شروع کرنے والا تھا پر نا جانے کیوں اس کے دل کو ایک عجیب وسوسے نے غیر کیا تھا۔ اس کی فلائٹ میں ابھی بہت وقت باقی تھا پر جوزف پیلس کی ان عالیشان دیواروں کے بیچ اسے اپنا دم گھٹتا محسوس ہو رہا تھا۔ یوں جیسے فضا سے ساری آکسیجن کھینچ لی گئی ہو۔ وہ میز کے سائیڈ ٹیبل کے خانے باری باری کھول رہا تھا جب بیڈ پر رکھا اس کا فون بج اٹھا۔ یہ اتنا اچانک ہوا کہ ولیم باقاعدہ اچھل پڑا۔ اس کی

پیشانی پہ پسینے کی ننھی بوندیں چمک رہی تھیں۔ وہ پنجوں کے بل بیٹھا تھا اور پھر سیدھا ہوتے، اس نے فون کی اسکرین دیکھی۔ **جینی رابرٹ** کی کال تھی۔ اس کی پیشانی پر لکیریں ابھریں۔

"ہیلو؟" تھوک نگلتے اس نے گلہ تر کیا۔ ایک خوف تھا جو اس کے دل میں پنجے گاڑھ چکا تھا۔

"ہیلو ولیم؟" جینی کی بے چین سی آواز سنائی دی۔ وہ پچھلے کئی گھنٹوں سے جلے پیر کی بلی کی طرح گھوم رہی تھی۔ مسٹر جوزف کو جو اس نے خبر دی تھی وہ ضروری تھی پر اس کے بعد سے اسکا ضمیر اسے ملامت کر رہا تھا۔ ایک عجیب سی بے چینی تھی جو جانے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

"ہاں بولو سن رہا ہوں۔" بیگ کی زپ بند کرتے اس نے مصروف سے انداز میں کہا۔

"تم جا رہے ہو؟" وہ بھی بمشکل بول پائی۔

"ہاں۔" وہ ٹھہر گیا۔ لہجہ مضبوط تھا۔ ہاں آج اسے جانا ہی تھا۔

پل بھر کی خاموشی چھا گئی۔ ناقابل بیان سی خاموشی۔ روح کو ادھیڑتی ہوئی خاموشی۔ ولیم کو اپنی ٹانگیں بے جان سی محسوس ہوئیں۔ وہ بیڈ پر گرنے والے انداز میں بیٹھ گیا۔ باہر اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔

"کیا تم اس سے محبت کرتے ہو؟" عجیب پاگل عورت تھی۔ ولیم کی بھنویں سکڑ گئیں۔

"میں سمجھا نہیں۔" وہ واقعی الجھ گیا۔

"وہ لڑکی جس سے تم نے شادی کی ہے۔ جس سے تم ملنے جا رہے ہو۔ کیا تم اس سے محبت کرتے ہو؟" اس نے واضح الفاظ میں پوچھا۔ ولیم تو جم سا گیا۔ الفاظ لبوں میں ہی دم توڑ گئے۔

"محبت؟" وہ زیر لب بڑبڑایا۔

"تم اس کے لیے جا رہے ہو نا؟ کیا تم اس سے محبت کرتے ہو؟" وہ مچلتے دل پر قابو پاتے بولی۔ پتا نہیں کونسا راز جاننا چاہتی تھی۔ ایک بار پھر بھیانک خاموشی چھا گئی۔ ولیم کے سامنے فجر سمیت اس کے ساتھ گزارے سبھی منظر کسی فلم کی طرح گھوم گئے۔

"محبت یونہی نہیں ہو جاتی جینی۔۔!" کئی ثانیے بعد اس کی آواز سنائی دی۔

"میں اس کے لیے جا رہا ہوں کیونکہ وہ میری زمہ داری ہے۔ وہ مجھے عزیز ہے۔ اور مجھے اس کی مرضی کے مطابق اس رشتے سے متعلق فیصلہ کرنا ہے۔" اس کا رواں رواں سچ کہہ رہا تھا۔ محبت کا تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔ محبت کرنے کا وقت تو اسے ملا ہی نہیں تھا وہ تو براہ راست ایسے رشتے میں بندھ گیا تھا جو محبت سے زیادہ اہمیت رکھتا تھا۔ جینی کی بوجھل سانس ایڈنبرا کی ہواؤں میں رچ بس گئی۔ ابھی تو وہ اس سے محبت نہیں کرتا تھا اگر کر لیتا تو؟

"محبت کی نہیں جاتی جینی! یہ دلوں پر اترتی ہے اور شاید میرے دل پر ابھی نہیں اتری۔"

"ولیم بھاگو۔" جینی کی خوفزدہ سی آواز سنائی دی۔ اسے احساس ہوا تھا شاید اس نے کچھ غلط کر دیا تھا۔

"کک۔۔ کیا۔۔ مطلب؟" وہ بے ساختہ بیڈ سے کھڑا ہو گیا۔ دل تو پہلے ہی ڈرا ہوا تھا۔ اوپر سے جینی کا پراسرار انداز مزید ڈرا رہا تھا۔

"میں نے کہا بھاگو، جوزف پیلس سے باہر نکلو۔" وہ جیسے حلق کے بل چلائی۔ ہاں وہ اس سے محبت نہیں کرتا تھا بس اس کا ولی تھا اور پھر نوے فیصد امکان تھے کہ وہ لوٹ آتا۔ فون بند ہو گیا اور ولیم نے اتنی ہی تیزی سے بیگ کندھے پر لٹکاتے ہوئے دروازے کی جانب قدم بڑھائے۔

"ولیم تم نہیں جاپاؤ گے۔" وہ راہداریوں میں بھاگ رہا تھا اور نینسی کے قہقہے کسی اژدھے کی طرح اس کا پیچھا کر رہے تھے۔ اس کی آواز، اس کی سرگوشیاں، پورے محل میں بھنبھناتی پھر رہی تھیں۔ وہ اپنے سرسراتے سفید لباس میں، ولیم کے پیچھے پیچھے بھاگ رہی تھی۔ وہ ہنس رہی تھی۔ اس کی ہنسی تمسخرانہ تھی۔ ولیم دبے قدموں سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ اسے لگا جیسے محل کی چار دیواری میں آنکھیں ہی آنکھیں ابھر آئی ہوں اور سب اسے ہی دیکھ رہی ہوں۔ وہ تیزی سے بھاگتے ہوئے ہال عبور کر کے خارجی دروازے کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اس نے پورا زور لگا کر ایک جھٹکے سے قد آور دروازہ کھول دیا پر اگلے ہی پل اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ دروازے کے باہر ہی دو گارڈ کھڑے تھے۔ یہ چہرے بالکل نئے تھے۔ شاید انہیں حال ہی میں تعینات کیا گیا تھا۔ اس نے باہر نکلنا چاہا پر گارڈ نے آگے بڑھ کر راستہ روک لیا۔

"معذرت صاحب! آپ باہر نہیں جا سکتے۔" ولیم کا چہرہ سفید پڑا۔ دل سینے میں اس قدر تیزی سے دھڑک رہا تھا کہ کسی بھی پل پسلیاں توڑ کر باہر نکل آتا۔ اس کا جسم پسینے میں بھیگنے لگا۔

"کیا جوزف پیلس کے ظالم بادشاہ کو خبر مل گئی تھی کہ پیلس کا قیدی فرار کا راستہ ڈھونڈ رہا تھا؟"

"کیا مطلب ہے میں باہر نہیں جا سکتا؟" لہجے پہ حد درجہ قابو پایا گیا پھر بھی اسے اپنی ہی آواز دور کھائی سے آتی محسوس ہوئی۔ گارڈز نے کوئی جواب نہیں دیا وہ یونہی کسی روبوٹ کی مانند کھڑے رہے۔ اس نے دروازے سے ذرا سی گردن باہر نکال کر دیکھا تو اسے احاطے میں بھی گارڈز گھومتے نظر آئے۔ ولیم کا دماغ گھوم گیا۔ حلق میں کانٹے اگ آئے۔ کچھ سوچتے ہوئے وہ دروازہ بند کرتے واپس پلٹ آیا۔ فون پر میسج کی ٹون ابھری۔

"تم آ رہے ہو؟ میں، تمہارا عیسی صاحب کے ساتھ تمہارا ایئرپورٹ پہ انتظار کر رہا ہوں۔" نیل کا میسج تھا۔

ولیم نے میسج دیکھنے کے بعد موبائل پینٹ کی جیب میں ڈال لیا۔ وہ اب تیزی سے سیڑھیوں کے پیچھے بنے دروازے کی جانب لپک رہا تھا جو محل کے عقبی حصے میں کھلتا تھا لیکن اسے مایوسی ہوئی جب دروازہ بند پایا۔ وہ باری باری ساری کھڑکیاں دیکھ رہا تھا پر اس کا دل ڈوبتا جا رہا تھا کیونکہ سبھی کھڑکیاں مقفل تھیں۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتا اوپر کی جانب بھاگا۔ سانس پھولا ہوا، آنکھیں سرخ اور چہرہ سفید، اسے اپنا سانس سینے میں رکتا محسوس ہوا۔ وہ باری باری ہر کمرے کا دروازہ کھولنے کی کوشش کرنے لگا پر ہر دروازہ مقفل ملا۔ کوئی ملازم، کوئی ملازمہ، آج کوئی بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کا کمرہ پیلس کے سامنے والے حصے میں تھا، باہر گارڈز تھے، وہ کھڑکی پھلانگ کر جاتا بھی تو کیسے؟ پورا آدھا گھنٹہ وہ اوپر نیچے بھاگتا رہا پر اسے کوئی دروازہ، کوئی کھڑکی کھلی ہوئی نہ ملی۔ اس کا پورا جسم پسینے سے بھیگ دیا۔ آخری راہداری میں وہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھے جھک گیا، دل کیا زور سے چیخے چلائے، وہ اپنے ہی محل میں قید کیسے ہو سکتا تھا؟ حواس باختہ اتنا تھا کہ کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

پر یہ وقت چیخنے چلانے کا نہیں تھا۔ اسے یہاں سے نکلنا تھا۔ اب عیسی ماموں اسے فون کر رہے تھے۔

"ولیم کہاں رہ گئے ہو تم؟" ان کی پریشان سی آواز سنائی دی۔

"میں آ رہا ہوں۔" ولیم نے انہیں تسلی دیتے فون بند کر دیا اور پھر اس آخری کمرے کی جانب بڑھا جو مسٹر جوزف کا پرائیویٹ کمرہ تھا۔ اسے وہاں گئے کئی سال گزر گئے تھے۔ قریب پہنچ کر جیسے ہی اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا وہ کھلتا چلا گیا۔ ولیم کا دل اچھل کر حلق میں آیا۔ باہر اب گہرا اندھیرا تھا۔ گہری خاموشی اور عجیب سی بو، جو فضا میں رچ بس گئی تھی۔

وہ تیزی سے کمرے میں داخل ہوتا کھڑکی کی جانب بڑھا۔ کھڑکی بھی کھلی ہوئی تھی۔ اس نے کھڑکی کھول کر نیچے جھانکا۔ محل کے گرد چکر لگاتے گارڈز اب عقبی حصے سے سامنے والے حصے میں جا چکے تھے۔ کھڑکی کے ساتھ ساتھ

پانی کا پتھریلا موٹا پائپ بنا تھا جو اوپر سے نیچے تک جا رہا تھا۔ بس یہی ایک راستہ تھا یہاں سے نکلنے کا۔ سامنے جنگل تھا۔ اسے احاطے سے جنگل تک پہنچنا تھا۔ اس نے بیگ کو کندھے پر اچھے سے جمایا اور کھڑکی سے باہر نکل کر پائپ لائن کے ذریعے نیچے اترنے لگا۔ یہ آسان نہیں تھا۔ اس کے ہاتھ پاؤں پھسل رہے تھے۔ دو بار وہ گرتے گرتے بچا پر رکا نہیں جیسے ہی اس نے نیچے دیکھا اس کی چیخ ابھرتے ابھرتے رہ گئی کیونکہ اس کے عین نیچے گارڈز کھڑے تھے۔ اب وہ آدھے راستے تک پہنچ گیا تھا۔ یہاں پاؤں جمائے رکھنا بہت مشکل تھا۔ اس نے اپنی ہمت لگا کر خود کو پھسلنے سے بچائے رکھا۔ پتھریلی دیوار میں ناخن گاڑنا چاہا پر ناخن اکھڑ گیا۔ زبان دانتوں تلے دبا کر اپنی چیخ روکی۔

گارڈز کئی لمحے کھڑے رہے پھر دونوں مخالف سمت میں بڑھ گئے۔ ولیم نے ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ دیئے۔ وہ پھسلتا ہوا نیچے آنے لگا اور پھر زمین تک پہنچتے پہنچتے اس کے ہاتھ چھوٹ گئے۔ وہ نیچے گرا۔ گھٹنوں اور کہنیوں پر چوٹ لگی اور پھر اٹھ کر بھاگا۔ وہ رک نہیں سکتا تھا۔ رکنا یعنی موت!

وہ اندھا دھند بھاگ رہا تھا پر ابھی وہ چند میٹر ہی بھاگ پایا تھا جب پہریداروں نے اسے دیکھ لیا۔ جارج کے کمرے کی کھڑکی کھلی۔ وہ بھی ولیم کو دیکھ چکا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ پہریداروں کے ساتھ اس کے پیچھا کر رہا تھا۔ مسٹر جوزف تک جب یہ خبر پہنچی کہ ولیم بھاگ نکلا ہے تب وہ خاموشی سے اپنے پرائیویٹ کمرے میں تشریف لے آئے۔ شاید پہلے سے جانتے تھے کہ ایسا ہو گا تبھی انہوں نے اس کمرے کا دروازہ کھلا رکھوایا تھا۔

ولیم اپنے عقب سے ابھرنے والی جارج کی آوازوں سے اس قدر خوفزدہ ہو چکا تھا کہ وہ بار بار گر رہا تھا۔ پھر اٹھتا اور بھاگنے لگتا لیکن وہ زیادہ دور تک بھاگ نہیں پایا کیونکہ مسٹر جوزف اس کا شکار کر چکے تھے۔ وہ اوندھے منہ پڑا تھا۔ اس کا فون کچھ فاصلے پر گر چکا تھا۔ فون کی اسکرین جل بجھ رہی تھی۔ عیسی ماموں کا نام لکھا چمک رہا تھا۔ اس نے ہاتھ

بڑھا کر فون اٹھانا چاہا پر نہ جانے کونسا زہر تھا اس تیر میں کہ وہ آنکھیں کھلی نہیں رکھ پایا اور چند ہی لمحوں میں وہ بے ہوشی کی نظر ہو چکا تھا۔

✿••✿••✿••✿

"میں نے کہا تھا ناوہ لڑکی تمہاری موت ہے!"

آس پاس ابھرتی سرگوشیوں سے ولیم کی آنکھیں کھلنے لگیں۔ وہ غنودگی کے زیر اثر تھا۔ جیسے ہی ہوش کی وادیوں میں لوٹا اسے اپنے جسم میں درد کی ٹیسیں اٹھتی محسوس ہوئیں خاص طور پر کندھے سے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی زہریلا سانپ بار بار ڈس رہا ہو۔ اس نے درد سے کراہتے ہوئے آنکھیں کھولیں تو ساکت رہ گیا۔ وہ کرسی پر بیٹھا، زنجیروں سے بندھا تھا۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کھولنا چاہیں پر ملگجے میں زیادہ کچھ نہیں دیکھ پایا۔ کیا یہ کوئی خواب تھا؟ اگر تھا تو بھیانک خواب تھا پر کیا خواب میں اتنی جسمانی تکلیف ہوتی ہے؟

کندھے پر پڑا سر اٹھا کر دائیں جانب دیکھنے کی کوشش کی۔ کراہ کے ساتھ ساتھ نینسی کو اپنے قریب سسکتے دیکھا۔

"میں نے کہا تھا ناوہ لڑکی تمہاری موت ہے۔" وہ اسے بار بار احساس دلا رہی تھی۔ ولیم کا پورا جسم اکڑا ہوا تھا۔ جانے وہ کب سے یہاں بندھا ہوا تھا۔ جانے کب سے بے ہوش تھا۔ اس نے ہاتھ پاؤں ہلانے کی کوشش پر بھاری بھرکم مضبوط بیڑیاں اسے بری طرح جکڑے ہوئے تھیں۔ ہولناک خاموشی میں اسے بیڑیوں کے ہلنے کی آواز سنائی دی۔ جسم کو حرکت دینا چاہی تو سوائے درد اور بلبلانے کے وہ کچھ محسوس نہیں کر پایا۔

وہ آنکھیں کھولنے کی کوشش کر رہا تھا تبھی اچانک ایک تیز روشنی اس کے چہرے سے ٹکرائی اور اس نے آنکھیں میچ کر، خود کی دکھتی آنکھوں کو بچایا۔ اس کے عین سامنے ایک اور کرسی رکھی تھی لیکن اندھیرا ہونے اور غنودگی کے باعث وہ دیکھ نہیں پایا۔

"کہیے ولیم جوزف! کیسی رہی یہ رات؟" مسٹر جوزف کی سرد سپاٹ سی آواز سنائی دی اور ولیم کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ اس نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی پر نہیں کھول پایا اور تبھی کسی نے پانی کی پوری بالٹی اس کے سر پر انڈیل دی۔ گرم گرم پانی اس کے زخم سے ٹکرایا تو وہ بلبلا کر رہ گیا۔ پانی انڈیلنے والا اور کوئی نہیں جارج تھا۔ مسٹر جوزف کی کرسی کے پیچھے وہ کھڑا تھا۔ پانی گرنے کی وجہ سے غنودگی کم ہوئی تو اس نے آنکھیں پھاڑ کر دوبارہ دیکھا۔ مسٹر جوزف اور جارج اسے سایوں کی طرح نظر آئے۔

وہ جہاں بھی تھا وہاں اب روشنی تھی پر ولیم، کندھے پر لگنے والے اس زہریلے تیر کی بدولت صاف دیکھ نہیں پا رہا تھا۔

"ڈیڈ؟" اس نے خود پر قابو پاتے مسٹر جوزف کو پکارہ۔

"ڈیڈ؟ کیا یہ آپ ہیں؟ مجھے جانا ہے ڈیڈ۔ مجھے ایک بار جانے دیں۔ پلیز!" آہستہ آہستہ اسے یاد آ رہا تھا وہ یہاں کیوں تھا اور یاد آتے ہی اس نے التجا کی۔ پہلی بار اپنے باپ سے التجا کی تھی۔ سامنے ہی ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھے، مسٹر جوزف کے لبوں پر پراسرار مسکراہٹ دوڑ گئی۔ ڈریکولا جیسا سپاٹ چہرہ اور شاید ویسے ہی احساسات بھی تھے کیونکہ اپنے جان سے پیارے بیٹے کو تکلیف میں دیکھ کر انہیں ذرا سا بھی تاسف نہیں ہوا تھا۔

"چلو میں تمہیں ایک کہانی سناتا ہوں۔" ایک جھٹکے سے وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ انکے عقب میں جارج یوں کھڑا تھا جیسے کوئی روبوٹ ہو جو مالک کے حکم کا انتظار کر رہا ہو۔

مسٹر جوزف قدم بڑھا کر اس کے قریب آئے اور پھر جھک کر اس کے کان کے قریب سرگوشی نما انداز میں بولے۔

"ایک دفعہ کا ذکر ہے، ایک گھنے جنگل میں ایک شرارتی بندر اور ایک طاقتور شیر رہتے تھے۔ بندر نے شیر کو تنگ کرنے کا فیصلہ کیا، اس کے سر پر پتھر پھینکا اور درخت پر چڑھ گیا۔ شیر غصے میں آیا اور بندر کا پیچھا کیا، لیکن بندر درختوں میں چھپتا رہا۔ تقریباً روز ہی یہ ہونے لگے۔ بندر شیر کو تنگ کرتا اور چھپ جاتا۔ پہلے پہل شیر نے اسے جھڑکا پھر وہ خاموش ہو گیا۔

کبھی کبھی بندر کی حرکتوں سے تنگ آ کر شیر اسے بنا کچھ کہے اپنی کھچار میں چلا جاتا ہے اور بندر کو لگتا ہے وہ شیر سے جیت گیا۔ خوش فہمیوں کے سلسلے کتنے دراز ہیں۔ شیر سے جیت جانے کی خوشی میں بندر جنگل کا نیا راجہ بنا پھرتا ہے۔ پھر ایک دن پتا ہے کیا ہوتا ہے؟

ایک دن شیر اس بندر کو جکڑ لیتا ہے تب بندر کو اس کی اوقات پتا چلتی ہے۔ وہ بندر کو چیر پھاڑ ڈالتا ہے، کیونکہ جنگل کا راجہ ایک ہی ہے اور وہ شیر ہے۔۔"

وہ کہانی سنا کر سیدھے کھڑے ہوئے۔ ولیم گہرے سانس لیتا، خود کو ہوش میں رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تمہیں کیا لگا تھا ولیم صاحب! اگر میں نے تمہاری بندر والی حرکتوں سے تنگ کر تمہیں آزاد چھوڑے رکھا، تمہیں کچھ نہیں کہا تو اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ میں تم سے غافل ہو گیا ہوں یا میں تمہیں بخش دوں گا۔" انہوں نے اپنا کوٹ جھٹکتے ہوئے سیدھا کیا اور پھر دو قدم چل کر اس کے پیچھے آن کھڑے ہوئے۔ خون سے لت پت اس کے کندھے کو دیکھا۔ خون رک چکا تھا البتہ زخم گہرا تھا۔

"ڈیڈ! مجھے ایک بار جانے دیں۔" اس نے اپنی بات دہرائی یوں جیسے وہ انہیں سن ہی نہیں رہا ہو۔ مسٹر جوزف کے جبڑے بھنچ گئے۔ غصے کی ایک لہر پورے جسم میں دوڑ گئی۔

"کہاں جانے ہے تمہیں ولیم؟ کیوں جانا ہے؟" لہجہ حد درجہ نارمل رکھتے ہوئے انہوں نے ولیم کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

پچھلے چند دنوں میں، ولیم کی وجہ سے جو مسٹر جوزف کی بدنامی ہوئی تھی وہ صرف وہی جانتے تھے۔ اسٹار لائٹ پروڈکشن ہاؤس کے خلاف اتنی باتیں، سالوں کے کریئر میں نہیں ابھری تھیں جتنی اس وقت چل رہی تھیں۔ مسٹر البرٹ کے ہاں جو کچھ بھی ہوا تھا وہ پوری کوشش کے باوجود بھی چھپا نہیں رہ پایا تھا۔ جو صحافی وہاں موجود تھے انکے علاوہ جو مہمان تھے اور جنہوں نے ویڈیو اور تصاویر لی تھیں وہ سوشل میڈیا پر وائرل ہو چکی تھیں۔ مسٹر جوزف کی ذات پہ، انکی حرمت پر جو سوال اٹھے تھے، جتنا انہیں برا بنایا گیا تھا یہ وہی جانتے تھے۔ ایڈنبرا کی مشہور شخصیت ہونے کے باوجود ان کا سوشل میڈیا پر کوئی زور نہیں تھا۔ اب تک جو ہونا تھا وہ ہو کا تھا۔

"بتاؤ ولیم کہاں جانا ہے تمہیں؟" ایک بار پھر اس کی جانب جھکتے انہوں نے سرگوشی نما انداز میں پوچھا۔ انکی سرگوشی میں کسی اژدھے کی پھنکار تھی۔ ولیم کے کندھے پر انکا دباؤ بڑھا۔

"مم۔۔۔ مجھے۔۔۔ پاکستان جانا ہے۔" وہ بمشکل بول پایا اور اگلے ہی لمحے مسٹر جوزف نے اس کے زخم میں اپنا انگوٹھا پیوست کر دیا۔

"کیوں جانا ہے تمہیں پاکستان؟ کیوں جانا ہے؟" وہ سرخ اناری چہرہ لیے اس کے زخم پہ دباؤ ڈالتے، ہیجانی انداز میں بولے۔ ولیم کی بے ساختہ چیخیں ابھریں۔ وہ زخم پہ پوری وقت سے دباؤ ڈال رہے تھے۔ انکا انگوٹھا ولیم کے گوشت میں گھستا جا رہا تھا۔

"کون ہے پاکستان میں؟ کیوں جانا ہے تمہیں وہاں؟" ساتھ ساتھ وہ پھنکار رہے تھے۔ ولیم بن پانی کی مچھلی کی طرح تڑپ رہا تھا۔ اس کا پورا وجود پسینے سے نہا گیا۔ آنکھیں پوری کھل گئیں اور چہرہ تکلیف کے باعث سرخ پڑ گیا۔ خوبصورت چہرے سے وحشت چھلکنے لگی۔

"میری بیوی ہے وہاں ڈیڈ! مجھے اس کے لیے جانا ہے۔" یہ سننے کی دیر تھی کہ مسٹر جوزف نے اپنا انگوٹھا اس کے زخم کے اندر اڑس دیا۔ ولیم کی دل دہلانے دینے والی چیخ ابھری۔ اس نے بے ساختہ جبڑے بھینچ کر خود کی تکلیف اور چیخوں پر قابو پانے کی کوشش کی۔

"میں نے تمہیں کہا تھا نا ولیم پاکستان اور مسلمانوں سے دور رہو۔" ولیم کے زخم سے خون ابل پڑا۔ مسٹر جوزف کا پورا ہاتھ اس کے خون سے بھر گیا پر انہیں جیسے فرق نہیں پڑتا تھا۔ انہوں نے پہلے ہی صاف صاف لفظوں میں بتایا تھا کہ انہیں اپنی حرمت سب سے زیادہ عزیز ہے۔ ان کی پہچان پہ کوئی انگلی اٹھائے یہ منظور نہیں۔ کرسی سے بندھا، ولیم کا وجود بے طرح تڑپ رہا تھا۔ اس کے بالوں اور چہرے سے پسینہ ٹپکنے لگا۔

"وہ میری ماں کا ملک ہے۔ وہ میری بھی پہچان ہے۔ میں وہاں کیوں نہیں جا سکتا؟" تکلیف سے بلبلاتے اس نے سوال کرنا نہیں چھوڑا۔ مسٹر جوزف مزید سلگ اٹھے۔

"تمہاری پہچان یہ ہے کہ تم جوزف کے بیٹے ہو۔ تم ولیم جوزف ہو۔ تمہاری جوزف پیلس کے علاوہ اور کوئی پہچان نہیں ہے۔" مسٹر جوزف پہلی بار چلائے تھے۔ انہوں نے ولیم کے زخم سے اپنا ہاتھ نہیں اٹھایا۔

"میری پہچان ولیم ولی ہے۔ میرا باپ جوزف ہے۔ آپ یہ مجھ سے نہیں چھین سکتے۔" وہ ہار ماننے والوں میں سے نہیں تھا۔ مسٹر جوزف کے چہرے پر تمسخرانہ مسکراہٹ ابھری۔

"یہ تو ابھی پتا چل جائے گا تم ولی ہو یا نہیں۔" وہ کہتے ہوئے اس سے دور ہٹ گئے۔ زخم سے انکا دباؤ ہٹتے ہی ولیم کے جسم میں سکون کی لہر دوڑ گئی۔ اگلے ہی پل وہ جارج کے سامنے کھڑے تھے۔

"میں اوپر جا رہا ہوں مجھے اس کی چیخیں اپنے کمرے تک سنائی دینی چاہئیں۔ اسے تب تک ٹارچر کرو جب تک یہ ولی ہونے کو بھول نہ جائے۔" انہوں نے جارج کے کندھے پر، ولیم کے خون سے لت پت اپنا ہاتھ رکھا اور پھر الٹ پلٹ کر اس کی شرٹ سے اپنا ہاتھ صاف کیا۔ جارج کے روبوٹک جسم میں حرکت سی ہوئی۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ تہہ خانے میں تھے۔

مسٹر جوزف اس کے پہلو سے نکل کر ایک جانب قدم بڑھاتے چلے گئے۔ غالباً وہ سیڑھیوں کی جانب جا رہے تھے۔ ان کے جاتے ہی جارج نے کرسی کے قریب رکھے، ایک بڑے سے باکس کو دیکھا۔ جھکتے ہوئے اسے کھولا۔ اندر طرح طرح کے اوزار تھے۔ اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"جارج۔۔۔؟" ولیم نے درد بھرے لہجے میں جارج کو پکارہ۔ "جارج میری فلائٹ مس ہو جائے گی۔ نیل اور عیسی ماموں میرا انتظار کر رہے ہیں۔" اس نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔ "مجھے جانے دو پلیز! میں واپس آ جاؤں گا۔" اس نے جارج سے التجا کی۔ ذہن میں بس یہی گھوم رہا تھا کہ اس کی فلائٹ مس ہو جائے گی۔ وہ جا نہیں پائے گا۔

"چوبیس گھنٹے گزر چکے ہیں ولیم صاحب! بھول جاؤ فلائٹ کو۔ تم پاکستان کبھی نہیں جا پاؤ گے۔"

"چوبیس گھنٹے؟" ولیم کو لگا جیسے اس نے کچھ غلط سنا ہو۔ پورا جسم سن ہو گیا۔ اس نے حلق میں اگتے کانٹوں کو تھوک نگل کر دبانا چاہا پر ناکام رہا۔ جسم بے جان ہو چکا تھا۔

"تمہیں وہ شخص اتنا عزیز ہو گیا کہ تم نے اس کی خاطر اپنا مذہب چھوڑ دیا؟" اس کا اشارہ عیسی ماموں کی جانب تھا۔ وہ پنجوں کے بل بیٹھا، ڈبے سے اپنا مطلوبہ اوزار ڈھونڈ رہا تھا۔

"وہ مذہب میری پہچان ہے۔" اس نے یاد دہانی کرائی۔ "لیکن ہم بھائی ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔"

"تم میرے لیے مر چکے ہو۔ میرا کوئی بھائی نہیں ہے۔" اپنا مطلوبہ اوزار دیکھ کر اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ وہ اوزار اٹھائے اٹھ کھڑا ہوا اور گھوم کر ولیم کو دیکھا۔

"تم میرے بڑے بھائی رہو گے ہمیشہ۔" درد سے گردن ہلاتے ولیم نے بند آنکھوں سے کہا۔

"اچھا۔۔؟" جارج نے اچھا کو لمبا کھینچا اور پھر اسکے چہرے پر جھکا۔ "یہ ایک ہی صورت ممکن ہے ولیم! اگر تم اقرار کر لو کہ تم ایک پکے عیسائی ہو۔ تم مسلمان نہیں ہو۔" وہ اس سے اقرار کروانا چاہتا تھا کہ وہ مسلمان نہیں ہے۔

"عہد کرو ولیم کہ یسوع ہی مسیح ہے، وہ خدا کا بیٹا ہے۔ وہی خداوند مسیح ہے۔" جارج نے جو بچپن سے احکامات سیکھے تھے وہ اسے یاد کرانے چاہے۔

"خدا ایک ہے ولی! اس کی کوئی اولاد نہیں ہے نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔" اسے حال ہی سیکھے اپنے اسباق یاد آئے جو عیسی ماموں اسے سکھاتے تھے۔

"خدا ایک ہے جارج!" وہ زیر لب بڑبڑایا۔ غنودگی پھر سے چھا رہی تھی۔ جارج کا چہرہ طیش سے سرخ پڑ گیا۔ اگلے ہی لمحے وہ ولیم کے قریب پنجوں کے بل بیٹھا۔ اس نے جوتوں کی قید سے آزاد ولیم کے پاؤں دیکھے۔ اس کے صاف ستھرے پیر واضح نظر آ رہے تھے۔

"تمہیں پتا ہے تم ایک ہی صورت میں یہاں سے رہا ہو سکتے ہو؟" اس نے ہاتھ میں پکڑے اس اوزار کو، جو قینچی جیسا دکھتا تھا، چلا کر دیکھا۔ اس کی نوک کافی باریک تھی۔

"فرار کی ایک ہی راہ ہے جب تم اقرار کر لو گے کہ یسوع ہی خداوند مسیح ہے۔"

"خدا ایک ہے جارج!" ولیم نے پھر سے اقرار کیا۔ درد سہنے کے باوجود اس کی زبان بند نہیں ہوئی تھی۔

"یعنی تم نہیں مانو گے؟" اس کے لہجے میں واضح تنبیہہ تھی۔

"میں مان چکا ہوں جارج! اب مکر نہیں سکتا۔" وہ کرسی پر بیٹھا بیٹھا اکڑ چکا تھا اس نے پہلو بدلنے کی کوشش کی پر ناکام رہا پر اگلے ہی پل اس کی فلک شگاف چیخ ابھری کیونکہ جارج اس اوزار کو اس کے پاؤں کے انگوٹھے پر رکھتے، اس کا ناخن جڑ سے اکھاڑ چکا تھا۔ ولیم کو لگا جیسے کسی نے اس کے پورے جسم میں گرم سریے گھسا دیئے ہوں۔ جیسے اسے ابلتے تیل میں پھینک دیا ہو۔ اس کی چیخیں کراہوں میں بدل گئیں۔ وہ اپنے پاؤں جھٹکتے تکلیف کو کم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ خوبصورت چہرہ وحشت سے بھیانک پڑ گیا۔ وہ سر جھکائے، درد سے بلبلا رہا تھا۔ اس کے انگوٹھے سے خون ابل رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسوں بہنے لگے۔

"مان لو ولیم! اقرار کر لو۔ تمہیں چھوڑ دیا جائے گا۔" وہ اب اٹھتے ہوئے اس کے کان میں سرگوشی کر رہا تھا۔ ولیم کی زبان تالو سے جا چپکی۔ اس کے گلے سے عجیب سی آوازیں نکل رہی تھیں جیسے گلہ کاٹ دیا گیا ہو۔ دنیا میں کہیں جہنم تھی تو شاید یہی تھی۔

"اقرار کرو ولیم کہ یسوع ہی خداوند مسیح ہے وہی خدا کا بیٹا ہے اور وہی خدا ہے۔" وہ اس سے اگلوانا چاہتا تھا۔ ولیم نے منہ بھینچ لیا، اس کے جبڑے بھنچے ہوئے تھے، وہ خود پر ضبط کرتے اپنی تکلیف پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اس نے جارج کی بات کا اقرار نہیں کیا۔

"بولو ولیم۔ کہو کہ یسوع خدا کا بیٹا ہے۔" اس نے ولیم کے جبڑے پکڑ کر بھینچے۔ ولیم کا جسم کپکپا رہا تھا۔ درد کی کوئی حد نہیں تھی۔ وہ جیسے بے ہوش ہونے کے قریب تھا۔ محلوں میں رہنے والے شہزادے نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ ایک دن یہی محل اس کی قبر بن جائے گا۔

"بولو ولیم بولو۔۔۔" جارج اس کے منہ کو جھٹک رہا تھا یوں جیسے اس کے رحم و کرم پر پڑا شخص انسان نہیں کوئی پتھر کا بت ہو، جیسے وہ اس کا بھائی نہیں بلکہ کوئی دشمن ہو۔ یوں جیسے اس کا دماغ ولیم کی طرف سے بالکل واش ہو گیا ہو۔

یہاں نیچے تہہ خانے میں شدید گرمی تھی۔ سرمئی ٹی شرٹ پہنے جارج کا اپنا وجود پسینے سے نہا گیا تھا پھر ولیم کی تو کیا ہی حالت تھی۔

"بولو ولیم اقرار کرو۔" وہ غصے سے دھاڑا۔ ولیم نے اسے ہمیشہ ٹف ٹائم دیا تھا پر کیا ابھی بھی اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا؟ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔

"**احد۔۔۔احد۔۔۔(خدا ایک ہے، خدا ایک ہے)**" اسے عیسی ماموں کا سنایا گیا حضرت بلال (رضی اللہ عنہ) کا واقعہ یاد آیا۔ شاید اسی لیے وہ اسے ایسے واقعات سناتے تھے جو اسے یاد رہیں۔

"**سورہ العنکبوت سے شروعات کرنا۔**" عیسی ماموں کے الفاظ ذہن میں گڈمڈ ہونے لگے۔

اگلے ہی لمحے جارج دوبارہ باکس کی جانب بڑھا اور لوہے کی ایک فٹ کی سلاخ اٹھالایا۔ جھٹ سے ولیم کے پیچھے پہنچ کر اس نے وہ سلاخ اس کے تیر والے زخم پر رکھتے ہوئے اندر گھسادی۔ ولیم کی پوری کوشش کی پر وہ اپنی چیخ کو نہیں ضبط کر پایا۔ وہ کوئی ایجنٹ نہیں تھا جو ایسے ٹارچر کا عادی ہو وہ تو چوبیس پچیس سالہ نوجوان لڑکا تھا جسے سیاحت کا شوق تھا، جو رگبی کھیلتا تھا اور ریکارڈ نگز کرتا تھا۔ وہ کیسے سہہ لیتا؟

"عہد کرو ولیم کہ تم مسلمان نہیں ہو۔" وہ دونوں ہاتھوں سے سلاخ پر دباؤ ڈالتے اسے مجبور کر رہا تھا کہ وہ تکلیف سے تنگ آکر ایک بار اقرار کرلے۔ بس ایک بار۔ پر وہ ولیم ہی کیا جو مان جائے؟ اس کی چیخیں جوزف پیلس کے در و دیوار میں گونجتی رہیں پر اس کی زبان پر ایک ہی جملہ طاری تھا۔

"خدا ایک ہے۔ خدا ایک ہے۔"

اور اس کے ذہن میں ایک ہی آیت گونج رہی تھی۔

ترجمہ: **"کیا لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ انہیں صرف یہ کہنے پر چھوڑ دیا جائے گا کہ ہم ایمان لائے ہیں اور انہیں آزمایا نہیں جائے گا؟"** (سورہ العنکبوت آیت نمبر 2)

اب اسے اس آیت کی سمجھ آگئی تھی۔ ہر کلمہ گو کی آزمائش مختلف ہوتی ہے اور ولیم جوزف کی آزمائش یہی تھی جس کا آغاز ہو چکا تھا۔ جانے وہ اس آزمائش پہ پورا بھی اترپاتا یا نہیں۔

دیو جیسے کھڑے عالیشان محل کی کھڑکی میں ایستادہ مسٹر جوزف، پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ پھنسائے کھڑے تھے۔ ان کا چہرہ سرخ اور سپاٹ تھا جبکہ آنکھیں خون اگل رہی تھیں۔ ولیم کی چیخیں یہاں تک سنائی دیتی تھیں تو کیا وہ

اقرار نہیں کرے گا؟ کیا وہ اس قدر ہٹ دھرم ہو گیا تھا جسے جسمانی تکلیف بھی اپنے فیصلے سے پلٹ نہیں سکتی تھی؟ وہ یونہی کھڑے رہے اور سفر کرتا چاند ولیم ولی کی چیخوں کا گواہ بنا رہا۔

اب بتاؤ ولیم جوزف پر چاند کی کتنی راتیں صدقہ واری جا سکتی ہیں؟

✿••

سہ پہر ڈھل چکی تھی۔ فجر اپنا دوپٹہ درست کرتی، بیگ کندھے پر لٹکاتے کمرے سے باہر نکلی۔ اس کی عینک ہمیشہ کی طرح، بندھے ہوئے بالوں میں اٹکی تھی۔

"اماں میں نے آپ کو بتایا تھا کہ ہم بہت جلد گھر بدل رہے ہیں۔ وہی دیکھنے جا رہی ہوں۔" لہجہ نرم تھا۔ پہلے جیسی سختی نہیں تھی اور نہ ہی وہ اب اماں سے سخت الفاظ میں بات کرتی تھی اور اماں نے تو اس سے بات کرنا ہی ترک کر دی تھی۔ وہ اماں کو اپنے ہر کام سے آگاہ رکھتی تھی۔ ہاں آگاہ رکھتی تھی لیکن اجازت نہیں مانگتی تھی۔ اسے اماں ہی کی طرح فیصلے سنانے کی عادت تھی۔

اماں برآمدے میں بچھی چارپائی پر بیٹھیں تھیں، ہاتھ میں سورہ یسین تھامے وہ اپنی اندر دھنس چکی آنکھوں سے پڑھ رہی تھیں۔ جیسے ہی فجر نے برآمدے سے قدم باہر نکالا، اماں کی بے ساختہ ابھرنے والی سسکی پر اس کے قدم ساکت ہوئے۔ دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو اماں، قریب رکھے میز پر دھرے طاق میں سورہ یسین واپس رکھتے رو رہی تھیں۔ فجر کو احساس ہوا کہ انہیں آج کل ابا کی یاد ستانے لگی تھی۔

"اماں۔۔" وہ زیر لب بڑبڑائی اور قدم اماں کی جانب بڑھائے پر پھر ماضی کا ایک منظر کسی خوفناک فلم کی طرح اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم گیا۔ اس کے قدم وہیں ساکت ہو گئے۔ منظر بدلا اور فجر کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید پڑ گیا۔

چند سال پہلے کی بات تھی۔ اماں جس چارپائی پر بیٹھی تھیں، اسی پر وہ خود لیٹی تھی۔ بے طرح کھانس رہی تھی، تڑپ رہی تھی، اسے ابکائی آئی اور اس نے منہ پر ہاتھ رکھا تو پورا ہاتھ خون سے بھر گیا۔

"اماں۔۔۔ ابا۔۔۔ اماں۔۔" وہ خوفزدہ تھی۔ مچھلی کی طرح تڑپ رہی تھی۔ اپنے اماں ابا کو بلا رہی تھی۔ فجر کا دل جیسے ساکت ہو گیا۔ آنکھوں میں نمی ابھر آئی۔ کسی بھی انسان کا حالیہ رویہ اس کے کسی گزشتہ زخم کی وجہ ہوتا ہے لیکن ہم جان نہیں پاتے۔ کچھ بھی بلاوجہ نہیں ہوتا۔ آخر وہ کیا راز تھا جس نے فجر کو اپنے ماں باپ سے اتنا دور کر دیا تھا؟ کیا بلقیس کے بیٹے کے علاوہ بھی کوئی راز تھا؟ اگر تھا تو کتنا گہرا تھا؟

منظر پھر بدل گیا۔ اس کے سامنے ہی اماں دوپٹہ آنکھوں پر رکھے اپنے آنسوں صاف کر رہی تھیں۔ اماں کی تکلیف اسے تکلیف دے رہی تھی پر اسکی خود کی تکلیف کئی زیادہ تھی۔ وہ بے بسی سے اماں کو دیکھ کر رہ گئی۔ چاہ کر بھی ان کے آنسوں نہیں چن سکتی تھی کیونکہ بیچ میں صدیوں کا فاصلہ تھا۔

"میں جلدی آجاؤں گی اور کھانا مت بنایئے گا میں لے کر آؤں گی۔" اس نے خود پر قابو پاتے، لہجہ پھر سے نرم رکھا۔ اماں نے اس کی کسی بات کا جواب نہیں دیا اور نہ ہی نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ فجر کئی لمحے انہیں دیکھتی رہی۔ چہرہ سرخ پڑ گیا۔ آنکھوں میں نمی ابھر آئی۔ وہ بلاوجہ لب کتر رہی تھی پھر اس نے بالوں سے چشمہ اتار کر آنکھوں پر جما لیا اور گہرا سانس لے کر خود کو ریلیکس کرنا چاہا۔ اس سیچویشن میں وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی اسے مرہم رکھنے نہیں آتے تھے ورنہ اپنے زخموں پر ہی رکھ لیتی پھر وہ پلٹ گئی۔ باہر کا دروازہ کھلا اور بند ہو گیا۔ اماں نے نظریں اٹھا

کر خالی خالی صحن کو دیکھا۔ وہ جا چکی تھی اور سامنے کی ساری دیوار سیاہ ہو چکی تھی کیونکہ فجر نے یہاں اپنا سامان جلایا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ گاڑی میں بیٹھی اپنی منزل کی جانب رواں تھی۔ ذہن میں ابھی تک روتی ہوئی اماں کی شبیہہ تھی۔ وہ مزید الجھی رہتی اگر اس کا فون نہ بجنے لگتا۔ صفدر کی کال تھی۔

"ہیلو فجر کہاں ہو تم؟ میں لوکیشن پہ پہنچ گیا ہوں۔" وہ سنجیدہ تھا بتا رہا تھا۔

"میں آ رہی ہوں۔" اس نے گلے میں اٹکے آنسوؤں پر قابو پاتے کہا اور فون بند کر دیا۔ جب سے صفدر کو پتا چلا تھا کہ وہ گھر بدل رہی تھی تب سے وہ پیچھے پڑ چکا تھا کہ فجر کسی بھی ڈیلر سے ملنے اکیلی مت جائے۔ فجر کو اس سے فرق نہیں پڑتا تھا لیکن اس کے بار بار کہنے پر بالآخر اس نے اپارٹمنٹ کی لوکیشن دے ہی دی تھی اور صفدر اس سے پہلے وہاں پہنچ چکا تھا۔ وہ جیسا تھا بھی اس معاملے میں مخلص تھا۔

ابھی اسے مطلوبہ علاقے تک پہنچنے میں آدھا گھنٹہ اور لگ جاتا۔ گہرا سانس لے کر اس نے اپنا ای میل باکس کھولا اور لکس کی جانب سے بھیجے گئے آفر لیٹر کے ساتھ ساتھ ان کے کانٹریکٹ کو بھی دیکھنے لگی۔ پڑھ تو اس نے پہلے ہی لیا تھا پر کافی چیزیں بدلنے والی تھیں۔ آج پچیس تاریخ تھی۔ پانچ دن تھے اس کے پاس۔ اسے ان پانچ دنوں میں شفٹنگ بھی کرنی تھی اور اگلے مہینے کی یکم سے لکس جوائن بھی کرنا تھا۔ سب سے پہلے تو اسے آفر کی گئی سیلری پر ہی اعتراض تھا۔ اس نے صاف صاف اپنی ڈیمانڈ لکھی اور میل بھیج دی۔

اب وہ دوبارہ سے کانٹریکٹ پڑھتے اس میں لکھی گئی شقوں پر اعتراض اٹھا رہی تھی۔ ایک سال کا کانٹریکٹ تھا اور اس ایک سال میں وہ کمپنی نہیں چھوڑ سکتی تھی ہاں البتہ کمپنی اسے جب چاہے نکال سکتی تھی۔ وہ پڑھتے ہی بے ساختہ ہنس دی۔

"میں کانٹریکٹ بیس جاب نہیں کروں گی۔ کمپنی مجھے ایک مہینے کے ایڈوانس نوٹس کے بغیر نہیں نکال سکتی اور نہ ہی میں بنا نوٹس دیئے کمپنی چھوڑوں گی تو یہ شق بدل دی جائے۔ میں کمپنی جوائن کر رہی ہوں، غلام نہیں بن رہی۔"

اس نے ایک اور ای میل بھیج دی۔

"کسی بھی قسم کی بدتمیزی / غلط روی (misconduct) پر کمپنی اس سے سب کچھ ضبط کر کے اسے نکال سکتی ہے اور اس کے خلاف میڈیا پر بیان بھی دیا جا سکتا ہے۔"

یہ پڑھ کر اس کا دماغ ایک بار پھر گھوم گیا۔

"میرے خلاف کوئی بھی الزام ثابت ہونے سے پہلے کمپنی مجھ سے ہتک آمیز رویہ نہیں رکھ سکتی۔ الزام ثابت ہونے کے بعد کمپنی پالیسی کے مطابق میں خود بھی کمپنی چھوڑ سکتی ہوں۔ دوسری صورت میں اگر مجھ پر لگنے والا الزام ثابت نہیں ہوا تو میں، کمپنی پر ہتک آمیز رویہ رکھنے کی بدولت الٹا کیس کر سکتی ہوں۔ عزت نفس سب سے پہلے!"

ایک دو چیزیں مزید تھیں پر انہیں نظر انداز کیا جا سکتا تھا لیکن جو اسے ضروری لگا وہ صاف صاف لکھ دیا۔ یقیناً سونیا سلطان ایک بار تو ضرور ٹھٹکے گی۔

زندگی تیزی سے بھاگ رہی تھی۔ صفدر کو بتانے سے پہلے وہ ایک دو اپارٹمنٹ دیکھ چکی تھی پر اسے کبھی علاقہ پسند نہیں آیا تو کوئی اپارٹمنٹ سمجھ نہیں آیا۔ اسے فیملی ایریا میں رہنا تھا جہاں وہ اور اماں محفوظ رہتیں۔ ابھی جو وہ اپارٹمنٹ دیکھنے جا رہی تھی اس کی تصویریں پہلے دیکھ چکی تھی۔ لوکیشن کے لحاظ سے بہترین تھا البتہ لکس سے یہاں کا فاصلہ کافی تھا۔ وہ بھی اسے مسئلہ نہیں تھا کیونکہ کمپنی پک اینڈ ڈراپ سروس دے رہی تھی۔ اس کا ذہن انہی

تانوں بانوں میں الجھا رہا جب وہ مطلوبہ جگہ پہنچی تو صفدر کو پارکنگ ایریا میں ہی کھڑے پایا۔ ڈیلر پہلے ہی وہاں موجود تھا۔ یہ اپارٹمنٹ دوسری منزل پر تھا اور اس سے اوپر دو منزلیں اور تھیں۔ صاف ستھرا ایریا کافی پر سکون لگ رہا تھا۔ سیکیورٹی کا بھی پورا انتظام تھا۔ اسے دلی تسلی ہوئی۔ کچھ دیر بعد وہ اپنے مطلوبہ اپارٹمنٹ میں تھے۔

"یہ آپ کے کیا لگتے ہیں؟ آپ نے بتایا تھا صرف آپ اور آپ کی مدر رہیں گی۔" ڈیلر نے کنکھیوں سے صفدر کو دیکھا۔

"یہ کلاس فیلو ہے اور ہاں میں اور میری مدر ہی رہیں گے۔" فجر نے صاف صاف بات کی۔ دو کمرے تھے۔ ایک کمرہ بڑا تھا ایک چھوٹا۔ ٹی وی لاونج تھا۔ ایک کچن اور ڈرائنگ روم اس کے علاوہ بالکنی بھی تھی۔ اسے ٹھیک لگا۔

"آپ کے گھر میں کوئی مرد نہیں ہے؟" ڈیلر نے اگلا سوال کیا۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ آپ میرا نمبر لے لیں۔ آپ مجھے اسکا بھائی سمجھیں کوئی مسئلہ ہے تو بتائیں؟" بالآخر وہ بول ہی پڑا۔

"بھائی سمجھنے اور ہونے میں بڑا فرق ہے۔ یہاں سب عزت دار لوگ رہتے ہیں۔ اکیلی عورتوں کے رہنے پر اعتراض کیا جاتا ہے آج کل کے حالات کا تو آپ کو پتا۔۔۔"

"کیا مطلب ہے آپکا؟ یہ معاشرہ اب اکیلی عورتوں سے ان کے رہنے کا حق بھی چھین رہا ہے؟ یعنی عورتیں اکیلی ہیں تو مر جائیں؟" فجر نے ڈیلر کی بات اچک لی۔ اس کے لہجے میں ایسا کچھ ضرور تھا کہ وہ پل بھر کو ٹھٹک گیا۔

"نہیں میرا مطلب ہے۔۔۔"

"مجھے آپ کے مطلب سے کوئی لینا دینا نہیں ہے آپ مجھے بتائیں کہ آپ کا یہ معاشرہ اور آپ کی یہ عمارت اکیلی عورتوں کو کس قدر تحفظ فراہم کر سکتے ہیں؟ میں کیسے مان لوں یہ محفوظ جگہ ہے؟" سینے پر بازو باندھے اس نے الٹا سوال کیا تو ڈیلر کچھ بول ہی نہیں پایا شاید اسے اندازہ نہیں تھا ایسا کچھ ہو گا۔ صفدر کو پہلی بار اس کے یوں بولنے پر فخر محسوس ہوا۔ ہاں کبھی کبھی زبان کے جوہر صحیح جگہ پر دکھا دینے چاہئیں۔

"جی ڈیلر صاحب آپ بتائیں کیا سیکیورٹی فراہم کر رہے ہیں آپ یہاں؟" پھر اس نے آگے ہوتے اپنے باپ کا تعارف کروایا تو ڈیلر مرعوب نظر آیا۔ فجر اب کمرے دیکھ رہی تھی۔

"یہاں رہنے والے سبھی خاندانوں سے زیادہ عزت دار ہیں ہم۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ مجھے بتائیں یہاں سیکیورٹی کے کیا حالات ہیں؟ باقی سب تو سیٹ ہی ہے۔" وہ کمر پر ہاتھ رکھتے چھت پر طائرانہ نظر ڈالتے بولا۔

"سیکیورٹی فٹ ہے جناب! دونوں جانب گارڈز ہیں۔ لوگ یہاں کئی کئی سالوں سے رہ رہے ہیں اور سب ایک دوسرے کو اچھے سے جانتے ہیں۔ آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" ڈیلر اب لائن پر آ چکا تھا۔ فجر جب تک کچن وغیرہ سب دیکھ آئی تو صفدر ڈیلر کے ساتھ ڈیل کر چکا تھا۔

"مجھے یہ اپارٹمنٹ فرنشڈ چاہیے۔ میں آپ کو اس کام کے لیے اضافی رقم دوں گی لیکن سب چیزیں آپ میری اجازت کے بعد ہی لائیں گے۔" بس اتنی سی بات تھی۔ پیسہ پھینک اور تماشہ دیکھ۔ آج کل یہی چلتا ہے اور ڈیلر کو زیر کرنے کو یہی ایک راستہ تھا۔

"ہو جائے گا میڈم! ٹینشن نہیں لینی آپ نے۔" وہ جو کچھ دیر پہلے تک اسے اسٹوڈنٹ سمجھ رہا تھا اب میڈم پر اتر آیا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ یہ کام آپ آج سے ہی شروع کر دیں۔ مجھے اگلے تین دنوں میں شفٹنگ کرنی ہے۔" اس نے اگلا فیصلہ سنایا۔ تھوڑی دیر بعد وہ دونوں سب سے نچلے فلور پر ڈیلر کے آفس میں بیٹھے تھے۔ اپارٹمنٹ کا کنٹریکٹ بن چکا تھا۔ وہ اسے سیکیورٹی کے ساتھ ساتھ ایڈوانس پیمنٹ بھی دے چکی تھی۔

گھنٹے بعد ان کا کام مکمل ہو چکا تو وہ آفس سے نکل آئے۔

"آپ مجھے لسٹ بھیج دیں۔ میں آج ہی آپ کا کروا دیتا ہوں۔" ڈیلر نے چہک کر کہا۔ وہ تقریباً پینتالیس سالہ درمیانے قد کا بھاری وجود والا آدمی تھا۔ سالوں سے یہ کام کر رہا تھا اس کی نظریں کافی زیرک تھیں۔ فجر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"میں تمہیں گھر ڈراپ کر دوں؟" صفدر نے مروت سے پوچھا۔

"نہیں میں خود ہی جاؤں گی۔" اس نے صاف صاف انکار کیا۔ آسمانی رنگ کے لباس میں اس کی رنگت کھلی کھلی لگ رہی تھی۔

"چلو پھر شکریہ تو بول دو۔" وہ بتیسی دکھاتے بولا۔ اتنے دن ہو گئے تھے فجر سے ملے اس کی سخت سست سنے ہوئے، صفدر کا بھی ایسے گزارا نہیں ہوتا تھا۔

"میرے تم پر بہت احسان ہیں۔ شکر کرو کہ ایک کم ہو گیا۔" وہ بے مروت عورت شکریہ بول ہی نہ دے۔ صفدر ہنس دیا۔

"خیر مبارک ہو!" وہ اس کے لیے پورے دل سے خوش تھا۔ فجر اپنے لیے رائیڈ بک کروا چکی تھی۔ اس کی گاڑی راستے میں تھی۔ تب تک اسے یہیں کھڑے ہو کر انتظار کرنا تھا۔

"کس لیے؟" وہ اسے نہیں دیکھ رہی تھی۔ناک کی سیدھ میں سڑک کے دوسرے کنارے بنے اس پارک کو دیکھ رہی تھی جہاں اس سوسائٹی کے بچے کھیل رہے تھے۔ آمنے سامنے دو بڑی بڑی عمارتیں تھیں اور درمیان میں یہ پارک تھا۔

"تم یہاں تک پہنچ گئی ہو اور لکس جوائن کر رہی ہو۔"

"ابھی لکس جوائن نہیں کیا۔" وہ سپاٹ تاثرات لیے بولی۔ اماں کا چہرہ نظروں سے ہٹ نہیں رہا تھا۔

"مجھے یقین ہے تم کرلو گی اور ایسے کاموں کے لیے بلا لیا کرو۔"

"کیسے کاموں کے لیے؟" اس نے اس بار صفدر کو دیکھتے ہوئے الٹا سوال کیا اس کے سوال پر وہ گڑبڑایا پھر مسکرا کر بولا۔

"جہاں کسی مرد کی ضرورت ہو۔"

اس کے ایک جملے نے فجر کے جیسے سبھی زخم ادھیڑ دیئے۔ اس نے لب بھینچ لیے۔ یہی بات وہ محسوس نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اکیلی عورتیں، اکیلی عورتیں سن سن کر اس کے کان پک گئے تھے۔ اسی وجہ سے وہ پرانے محلے سے نکلنا چاہتی تھی۔

"زندگی مردوں کے بنا بھی گزاری جاسکتی ہے۔" لہجے میں ناگواریت سی گھل گئی۔ جسے اپنا سب کچھ مانا تھا جب وہ دھوکہ دے گیا تو پھر کسی اور سے کیا امید باندھنی؟

"ہاں پر زندگی جی مردوں کے ساتھ ہی جاتی ہے۔" آج خلاف توقع نر گسی آدمی کافی سلجھی ہوئی باتیں کر رہا تھا۔ اس سے پہلے فجر کچھ کہتی اس کی گاڑی سامنے ہی سڑک پر آکر رک گئی۔

"اوکے میں چلتی ہوں۔" اس نے بس اتنا ہی جواب دیا۔لوکیشن ایک مال کی لگائی تھی۔اسے اب کچھ شاپنگ کرنی تھی۔

"ٹھیک ہے دوسروں کے سکون کا خیال رکھنا ڈائن!"

گاڑی میں بیٹھتے ہی فجر نے جیسے دروازہ بند کیا، صفدر نے جان بوجھ کر اسے چھیڑا۔کوئی اور وقت ہوتا تو وہ اسے اچھا خاصا جواب دیتی لیکن فی الوقت گھوری پر ہی اکتفا کیا۔گاڑی جھٹکے سے آگے بڑھ گئی تو صفدر پیچھے رہ گیا۔

"مجال ہے جو یہ لڑکی کبھی مدد مانگ لے۔" کمر پر ہاتھ رکھتے وہ تاسف سے بولا۔پتا نہیں اسے مدد مانگتے ہوئے لگتا تھا جیسے وہ کچھ مانگنے سے بہت چھوٹی ہو جائے گی۔اس لیے صفدر خود ہی ضد کر کے آگیا تھا پر فجر نے اس کے آنے پر پہلی بار دل سے قدر کی۔زندگی میں باپ بھائیوں کو ہونا کس قدر ضروری ہوتا ہے یہ احساس اسے آہستہ آہستہ ہو رہا تھا۔

✿••✿••✿••✿

نیل اپنے کیفے میں تھا۔دل کی حالت اتنی عجیب تھی کہ کسی پل سکون نہیں تھا۔بار بار ذہن ولیم کی جانب بھٹک رہا تھا۔وہ دو راتیں پہلے کئی گھنٹے ایئرپورٹ پر انتظار کرتے رہے تھے۔وہ، جینی رابرٹ اور عیسی ماموں پر ولیم نہیں آیا۔

"میں جانتا تھا جوزف اسے آسانی سے آنے نہیں دے گا۔" عیسی ماموں کے کندھے ڈھلک گئے۔جینی اور نیل نے ایک دوسرے سے نظریں چرائیں۔دونوں کے چہروں سے تاسف نمایاں تھا پر اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔وہ جو کر چکے تھے اسے پلٹنا ناممکن تھا۔وہ دونوں جانتے تھے انہوں نے کیا کیا تھا البتہ عیسیٰ ماموں بے خبر تھے۔ولیم کا نمبر

بھی بند جا رہا تھا۔ ساری رات انتظار کرنے کے بعد وہ اپنے اپنے گھروں کو لوٹ آئے۔ انہیں یقین تھا ولیم کو روک لیا گیا تھا پر وہ نہیں جانتے تھے ولیم، جوزف پیلس کا قیدی تھا اس کی قسمت میں رہائی بھی تھی یا نہیں؟

نیل نے کوئی ہزارویں مرتبہ ولیم کا نمبر ملایا جو ابھی تک بند تھا۔ پھر اس نے مسٹر جوزف کا نمبر ملایا۔ بس اب بہت ہو گیا تھا

دل کو کسی کروٹ سکون نہیں تھا۔ کئی بیل جانے کے بعد بالآخر فون اٹھا لیا گیا۔

"کہو نیل پٹیل! تحفہ پسند آیا؟" مسٹر جوزف کی سپاٹ سی آواز ابھری۔ ولیم کی پیشانی پر لکیریں ابھریں۔

"کونسا تحفہ؟" اس نے فوراً پلٹ کر گلاس وال سے باہر دیکھا جہاں ایک چمچماتی برانڈ نیو گاڑی کھڑی تھی۔ اس کے جبڑے گر گئے۔ اسے واقعی یقین نہیں آیا۔ تو کیا اس نے اپنے دوست کا سودا کیا تھا؟ اگلے ہی پل ضمیر نے رکھ کر اسے چپیڑ ماری۔ وہ چلتا ہوا گلاس وال تک آیا۔ باہر مسٹر جوزف کا ملازم گاڑی سمیت کھڑا تھا۔ وہ شاید انتظار کر رہا تھا کہ نیل باہر آئے اور اس سے گاڑی کی چابی لے لے۔

"یہ کیا ہے؟" نیل نے بے ساختہ پوچھا۔

"تمہارا معاوضہ! کہو کیسا لگا؟" ان کے لہجے میں ذرا بھی فرق نہیں آیا۔

"کیسا معاوضہ؟" اس کا حلق خشک ہو گیا۔ گلے میں کانٹے اگ آئے۔ سینے میں جلن کا احساس ہونے لگا۔ ذہن بار بار ولیم کی جانب بھٹک رہا تھا۔ بھلا اس نے مسٹر جوزف پر یقین کیسے کر لیا؟

"ولیم کی مخبری کرنے کا۔۔"

"میں اسے کھونا نہیں چاہتا تھا اس لیے آپ کو خبر دی کہ آپ اسے روک لیں پر تین دونوں سے اس کا نمبر بند ہے۔ ولیم کہاں ہے؟" بات کے آخر میں اسکا لہجہ سخت ہوا۔

"ولیم وہیں ہے جہاں اسے ہونا چاہیے۔ امید ہے تم آئندہ تنگ نہیں کروگے اپنا معاوضہ لو اور سب بھول جاؤ۔" اس نے نیل کا جواب سنے بنا ٹک سے فون بند کر دیا۔ نیل دھواں دھواں ہوتے چہرے کے ساتھ کھڑا رہ گیا۔ کیا اس نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کر دی تھی؟ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا باہر نکلا۔ اسے دیکھ کر مسٹر جوزف کا باوردی ملازم آگے بڑھا۔ اس نے چابی نیل کو سپرد کرنا چاہی۔

"مجھے یہ نہیں چاہیے۔ اسے واپس لے جاؤ اور اپنے مالک سے کہو کہ اگر ولیم کو کچھ ہوا تو اچھا نہیں ہو گا۔" وہ گاڑی کو لاک مارتا، لال بھبھوکا چہرہ لیے، واپس کیفے میں آگیا۔ سانس تو اس کے صحیح معنوں میں اب خشک ہوئے تھے۔

"یہ میں نے کیا کر دیا۔ یہ میں نے کیا کر دیا۔" وہ اپنے آپ کو نوچے بیٹھا تھا پر اب کیا فائدہ جب پانی سر سے گزر گیا۔

دوسری جانب، جینی مسٹر جوزف کے آفس میں تھی۔ اس نے نیل اور مسٹر جوزف کی ساری گفتگو سنی تھی۔ سوشل میڈیا پر چلنے والی خبروں کے پیش نظر، اسٹار لائٹ اسٹوڈیو نے فلم کی شوٹنگ روک دی تھی۔ ولیم کے پرانے کیس اٹھائے جا رہے تھے۔ نینسی کو بیچ میں لایا جا رہا تھا۔ وہ جب ولیم نے نیل کے کیفے میں خود کو زخمی کیا تھا وہ ویڈیوز پھر سے وائرل ہو رہی تھیں۔ چاروں جانب ایک طوفان سا برپا تھا۔ کہیں نہ ہو کر بھی ولیم چاروں جانب تھا آخر کیوں؟ کیونکہ وہ جوزف کا بیٹا تھا۔ جسے اپنی حرمت، اپنی پہچان، اپنی آن ہر انسانی زندگی سے زیادہ عزیز تھی۔

"تم نے کہا تھا تمہارے پاس ثبوت ہے کہ ولیم ایک پاکستانی لڑکی سے شادی کر چکا ہے۔ وہ کہاں ہے؟" گلاس وال کے سامنے کھڑے مسٹر جوزف نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ ستا ہوا چہرہ لیے، انکے سامنے بیٹھی جینی آج تھوڑی مختلف لگ رہی تھی۔ ان کے سوال پر جینی کے چہرے پر سایہ سا لہرایا پر اگلے ہی پل وہ خود پر قابو پاتے بولی۔

"ہاں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔" وہ زبردستی مسکرائی۔

"تم نے کہا تھا تمہارے پاس ہے۔" وہ لفظوں کا ہیر پھیر جانتے تھے۔ آگے بڑھ کر انہوں نے فون میز پر رکھ دیا۔ گود میں رکھیں، جینی کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ گئیں۔ ان سے ہیر پھیر کرنا دنیا کا سب سے مشکل کام تھا۔

"میرے پاس کیوں ہو گا بھلا؟ ولیم مجھ پر بھروسہ کیوں کرے گا؟" وہ بھی مشہور اداکارہ تھی اگر مسٹر جوزف کو اپنی اداکاری سے گمراہ نہ کر پاتی تو پھر تف ہے اس کی اداکاری پر۔ مسٹر جوزف نے کنکھیوں سے اسے دیکھا۔ کرسی پر پورے اعتماد سے بیٹھی جینی رابرٹ نے انہیں تذبذب میں ڈال دیا تھا۔

"ہونہہ۔۔" وہ بس اتنا ہی کہہ پائے۔

"ولیم کہاں ہے؟" اگلے ہی پل اس نے الٹا سوال کیا۔

"آج کی پریس کانفرنس میں پتا چل جائے گا۔" کچھ دیر بعد وہ اسی اسٹوڈیو میں پریس کانفرنس کرنے جا رہے تھے۔ ان کے خلاف جو طوفان برپا ہو چکا تھا اس کا منہ بند کرنا بہت ضروری تھا۔ کتنا وہ خاموش تھے اتنی ہی انگلیاں ان پر اٹھائی جا رہی تھیں۔ جینی انہیں دیکھ کر رہ گئی۔ تبھی دروازے پر دستک ہوئی اور جارج کا چہرہ نظر آیا۔ سرد و سپاٹ تاثرات سے عاری۔ جینی نے رخ موڑ کر اسے دیکھا۔ جارج کو دیکھتے ہی اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ ہوئی۔

"سب تیار ہے۔لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" اس نے اطلاع دی۔ایک بار بھی جینی کو نہیں دیکھا یوں جیسے وہ وہاں ہو ہی نا۔نیلی آنکھوں والی جینی کو جارج کے لیے افسوس ہوا۔کچھ دیر بعد وہ سب کانفرس ہال میں تھے۔ کڑی سیکیورٹی کا انتظام تھا۔میڈیا کے لوگ ہال میں دونوں جانب دھری کرسیوں پر بیٹھے تھے۔درمیان میں گزرنے کی جگہ تھی اور اسٹیج پر چار کرسیاں رکھی تھیں۔درمیانی کرسی پر ایک جانب مسٹر جوزف بیٹھے تھے اور ساتھ والی جارج، جارج کے ساتھ مسٹر البرٹ تھے اور مسٹر جوزف کے ساتھ جینی بیٹھی تھی۔فلیش لائٹ بار بار ان کے چہروں پر پڑ رہی تھی۔

"مسٹر جوزف! حالیہ جیکب اور آپ کے بیٹوں کے درمیان ہونے والی چپقلش کی وجہ سے سوشل میڈیا پر ایک طوفان برپا ہے۔اس بارے میں آپ کیا کہنا چاہیں گے؟" جیکب وہاں نہیں تھا۔مسٹر البرٹ نے اسے آنے سے منع کیا تھا۔غصہ تو انہیں بہت تھا پر یہ وقت جوش سے نہیں ہوش سے کام لینے کا تھا۔مسٹر جوزف ان کے بچپن کے دوست تھے اس کے علاوہ بزنس پارٹنر بھی۔یہاں انہیں جوزف کا ساتھ ہی دینا تھا۔

"گڈ ایوننگ لیڈیز اینڈ جینٹلمین! سب سے پہلے تو آپ سب کو یہاں بلانے کے لیے میں معذرت خواہ ہوں پر پچھلے کچھ دنوں میں جو کچھ بھی ہوا، اس پہ عوام ہمارا ردعمل چاہتی ہے اور آپ لوگ ہمیں عزیز ہیں تو اسی لئے آپ سب کے سوالوں کے جواب دینے کے لئے ہی آج ہم یہ کانفرنس رکھ رہے ہیں۔"

شروعات جارج نے کی تھی۔وہ بہت شستہ انداز میں بول رہا تھا۔وہ بھی اداکار نکلا تھا۔کوئی مان ہی نہیں سکتا تھا یہ وہی جارج تھا جو اپنے ہی بھائی کو بے طرح ٹارچر کر رہا تھا۔

"ولیم جوزف یہاں کیوں نہیں ہے؟ حالانکہ اسے اس کانفرنس میں ہونا چاہیے۔ وہ کہاں ہے؟" ایک صحافی نے سوال اٹھایا۔ ہال میں یک دم شور اٹھ گیا۔ فلیش لائٹس بار بار کلک ہو رہی تھی۔ اس سے پہلے کوئی جواب دیتا مسٹر جوزف کی بھاری اور رعب دار آواز سنائی دی۔

"ولیم پانچ سال کا تھا جب اس کی ماں نے خودکشی کر لی۔"

جارج نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

"بہت ساری کوششوں کے باوجود بھی ہم اسے نارمل نہیں رکھ پائے۔ یہ ولیم کے لیے ایک بہت بڑا حادثہ تھا۔" انہوں نے چہرے پر بیچارگی سجاتے کہا۔ چہرہ سرخ پڑ گیا اور آنکھوں میں نمی کی جھلک ابھری۔ جینی نے انہیں دیکھا اور گہرا سانس لیا۔ یہ تو پورا خاندان ہی اداکاروں کا خاندان تھا۔

"کچھ حادثے ایسے ہوتے ہیں جو کبھی بھی کسی کے ساتھ بھی رونما ہو سکتے ہیں۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہے تھے یوں جیسے اپنے غم پہ قابو پانے کی کوشش کر رہے ہوں۔

"تو آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ولیم جوزف کی ذہنی حالت درست نہیں ہے؟ سوشل میڈیا پر وائرل ویڈیو میں دیکھا جا سکتا ہے کہ اس نے مسٹر البرٹ کے بیٹے اور ابھرتے ہوئے ستارے جیکب جان البرٹ کے سر پہ بوتل دے ماری ہے۔ اگر اس کا ذہنی توازن درست نہیں تھا تو اسے یوں آزاد چھوڑنا جرم نہیں ہے کیا؟ اس سے کسی کی بھی جان ہو خطرہ ہو سکتا ہے۔ نہیں؟" سوال پر سوال اٹھ رہا تھا اور ہر سوال مسٹر جوزف کو گولی کی طرح لگ رہا تھا۔ ان کا چہرہ سرخ پڑتا جا رہا تھا۔

"اس کا جواب میں دینا چاہوں گا۔" مسٹر البرٹ نے اپنے سامنے رکھے مائیک کو منہ کے قریب فٹ کیا۔

"جیکب کے والد ہونے کی حثیت سے میں یہ بتانا چاہوں گا کہ جیکب بالکل ٹھیک ہے اور ولیم نے جو کیا وہ جان بوجھ کر نہیں کیا۔ جوزف تو اسے تقریب میں لانا ہی نہیں چاہتا تھا کیونکہ اس کا پہلے ہی علاج چل رہا ہے پر میرے اصرار کرنے پر وہ اسے لے آیا لیکن کچھ ناچاقی کی وجہ سے وہ خود پر ضبط نہیں رکھ پایا۔ وہ ایک پرائیوٹ تقریب تھی اور مجھے بے حد افسوس ہے کہ آپ لوگ کسی کی پرائیویسی کو اپنی خبروں کے لیے یوں ادھیڑ کر نہیں رکھ سکتے۔" انکا لہجہ آخر تک سخت ہو گیا۔ مسٹر جوزف کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔

"سب جاننا چاہتے ہیں ولیم ابھی کہاں ہے؟ کیا وہ آزاد گھوم رہا ہے؟ کیا عام انسانوں کو اس سے خطرہ ہے؟"

"ولیم کو علاج کے لیے دوسرے شہر بھیج دیا گیا ہے۔ جب وہ ٹھیک ہو جائے گا تو واپس آ جائے گا۔ اس کی ذات سے کسی کو بھی کوئی خطرہ نہیں ہے۔" جارج نے بات آگے بڑھائی۔

"مس جینی رابرٹ آپ ولیم کو کب سے جانتی ہیں؟" اگلا سوال اس کے لیے ابھرا۔ جینی تیار بیٹھی تھی۔ اپنے ہی جملوں کو بار بار ذہن میں دہرا رہی تھی پر جیسے ہی سوال پوچھا گیا سبھی جملے اڑن چھو ہو گئے۔ ایک گہری خاموشی چھا گئی۔ جینی کی دھڑا دھڑ تصویریں بن رہی تھیں۔ کیمرہ اسے ریکارڈ کر رہا تھا۔

"مس جینی۔۔؟" اس کی خاموشی پر سرگوشیاں ہونے لگیں وہ جیسے کسی خواب سے جاگی۔

"ولیم کو میں بچپن سے جانتی ہوں۔ وہ لڑکا جو بائبل ہائی لائٹ کر کے رکھتا تھا۔" وہ ماضی کی کسی یاد میں جکڑی تھی۔

"بہت معصوم اور بے ضرر! پر جو معصوم ہوتے ہیں زندگی ان کے بڑے امتحان لیتی ہے تاکہ وہ مضبوط بن سکیں۔"

"سننے میں آیا ہے کہ آپ اور ولیم کسی رشتے میں بندھنے والے تھے؟"

اگر انہیں اندر کی خبریں نہ ملیں تو پھر وہ میڈیا کیسے کہلائے؟ پتا نہیں انہیں سب کیسے پتا چل جاتا تھا۔

"ابھی تو میں بلکہ ہم سب چاہتے ہیں وہ بالکل ٹھیک ہو جائے اس کے بعد سوچیں گے آگے کیا کرنا ہے۔" اس نے اپنی جان چھڑانی مبادہ وہ کہیں زیادہ نہ بول دے۔

"مسٹر جوزف کیا ولیم کی ماں یعنی آپکی دوسری بیوی مسلمان تھیں؟ کیا ولیم کے آپ سے، اس وجہ سے بھی اختلافات تھے؟"

ایک بار پھر سے انہیں گھیر اگیا۔ مسٹر جوزف نے جبڑے بھینچ کر خود پہ ضبط کیا۔

"مذہب کا اس سب سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ ولیم جوزف کی اپنی پہچان ہے اور وہ جو بھی چنے گا اس کی پہچان برقرار رہے گی۔" ایک رحم دل باپ ہونے کے ناطے انہوں نے بیان دیا۔

کانفرس مزید کچھ دیر جاری رہی اور آخر تک انہوں نے میڈیا کو قائل کر ہی لیا تھا۔

گھر کی جانب رواں واپسی پر جینی اداس بیٹھی تھی۔ عینا اگلی سیٹ پر تھی۔

"اب پچھتانے سے کیا فائدہ؟ جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا۔" عینا نے اس کی بگڑی حالت دیکھ کر تبصرہ کیا۔ اسے جینی پر افسوس ہو رہا تھا۔

"پتا نہیں کیوں میرا دل نہیں مان رہا۔ مسٹر جوزف نے اسے کہاں غائب کیا ہے؟" اس نے سیٹ سے سر اٹھاتے، ساتھ رکھے اپنے بیگ کو اٹھا کر گود میں رکھا اور پھر زپ کھول کر اندرونی جیب سے ایک کاغذ نکالا۔ تہہ شدہ کاغذ!

ولیم اور فجر کا نکاح نامہ! ولیم نے بھروسہ کر کے اسے پکڑایا تھا کہ کہیں کوئی اونچ نیچ ہو جائے تو وہ محفوظ رہے۔ جینی نے گہرا سانس لے کر اسے دیکھا۔ وہ کاغذ ایک امانت تھا جب اسے ملا تھا تو وہ بہت خوش ہوئی تھی پر اب۔۔۔۔

"آخر یہ میں نے مسٹر جوزف کو کیوں نہیں دیا؟" اس کے دماغ بلبلانے لگا۔ چاہنے کے باوجود بھی وہ اسے چھپا گئی تھی۔ شاید اسے احساس ہو رہا تھا کہ ولیم کو جانے دینا چاہیے تھا کم از کم ایک بار۔ اسے اپنی قسمت آزمانے کا موقع ملنے چاہیے تھا۔ یوں بھی وہ کب اس کے قریب تھا؟ وہ کہاں تھا کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔

✿••✿••✿••✿

وہ جب رات کو گھر لوٹی تو ڈھیر سارا سامان تھا۔ اتنا کہ اٹھایا بھی نہیں جا رہا تھا۔ اپنے لیے اور اماں کے لیے نئے کپڑے لیے۔ گھر کا ضروری سامان لیا۔ اماں نے واقعی کھانا نہیں بنایا تھا۔ وہ انہیں جہاں چھوڑ کر گئی تھی اماں وہیں ملی تھیں۔

جیسے ہی اس نے سامان، برآمدے میں رکھی میز پر لا کر رکھا تو اس کا فون بجنے لگا۔ وہ اٹھانا نہیں چاہتی تھی پر لکس کی جانب سے کال تھی جو اس کے لیے فی الوقت ضروری تھی۔

"اماں کھانا دیکھ لیں۔" وہ گہرا سانس لیتی، فون اٹھا کر کمرے میں گھس گئی۔ پنکھا چلایا اور عین نیچے بیٹھ کر فون کان سے لگایا۔

"ہیلو؟" لہجے کو حد درجہ نرم رکھا گیا۔

"مس فجر معراج؟ میڈم سونیا آپ سے بات کرنا چاہتی ہیں۔" ایک نسوانی شستہ سی آواز ابھری تو فجر نے بس اوکے ہی کہا۔ کال ٹرانسفر کر دی گئی اور پھر کچھ دیر بعد سونیا سلطان کی آواز ابھری۔ ابتدائی علیک سلیک کے بعد وہ

یں۔

"تمہاری ڈیمانڈز کچھ زیادہ بڑی نہیں ہیں؟" لہجہ میں طنز کی آمیزش تھی۔ فجر سیدھی ہو بیٹھی۔ گرمی جائے بھاڑ میں۔ اس نے گردن اکڑائی ہوں جیسے سونیا سلطان اسے دیکھ رہی ہو۔

"پہلی بات تو یہ کہ میں نے کوئی ڈیمانڈ نہیں رکھی۔ ناجائز شق ختم کروائی ہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ آپ مجھے مت دیکھیں، آپ اپنی کمپنی کو دیکھیں۔ آپ دیکھیں کہ لکس کے معیار کیا ہیں۔" اس نے ساری بات الٹی سونیا سلطان پر ڈال دی۔ پل بھر کے لیے تو سونیا سلطان لاجواب ہو گئی۔

"لکس ایمپلائز کو ان کی مرضی کی نوکری نہیں دیتا۔ جس کا جو معیار ہے اسے وہی ملتا ہے۔" انہوں نے بھی اپنا بھرم قائم رکھا۔ فجر کی تکان زدہ مسکان ابھری۔ آنکھوں سے تھکن واضح تھی یوں جیسے صدیوں کی مسافت ہو جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی۔

"پھر میری طرف سے معذرت قبول کر لیں کیونکہ آپ کا معیار مجھے اپنا معیار نہیں لگا۔ بہت بہت شکریہ!" اگلے ہی پل اس نے فون کاٹ دیا۔ سینے کے مقام پر جلن کا احساس ہوا تھا۔ وہ ٹوٹ سکتی تھی پر عزت نفس پر جھک نہیں سکتی تھی۔ گردن گرا کر اس نے چھت پر لگے پنکھے کو دیکھا اور پھر موبائل وہیں گراتی باہر نکل آئی۔ دماغ میں کھلبلی مچ گئی۔ اس نے تو اپارٹمنٹ بھی لے لیا تھا۔ پیسے بھی لگا دیئے تھے۔ مزید لگا رہی تھی۔ رئیس گروپ کو اس نے خود ٹھکرا دیا تھا اور سونیا سلطان اسے ہلکے میں لے رہی تھی۔

"خیر کوئی نہیں۔" باہر رکھے میز پہ پڑا سامان اٹھاتے اس نے سر جھٹکے۔

"میں فجر معراج ہوں میں سروائیو کرلوں گی۔ میں راستہ نکال لوں گی۔" وہ خود کو خود ہی تھپک رہی تھی۔ دوپٹہ اندر ہی بیڈ پر پڑا تھا۔ بالوں کی لٹیں پسینے کے باعث گردن سے چپکی تھیں۔ بلب کی زرد روشنی میں اس کی رنگت دمک رہی تھی۔ اماں اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔۔ وہ اسے دیکھ رہی تھیں۔

"یہ کھانے کا سامان ہے اور یہ آپ کے لیے ہے۔" اس نے شاپنگ بیگز اماں کو پکڑائے اور چند بیگ لے کر اپنے کمرے میں گھس گئی۔

جبکہ دوسری جانب، میلوں دور چمچماتے شیشوں والی عمارت کے عالیشان کمرے میں سونیا سلطان تذبذب کا شکار دکھائی دیتی تھی۔

"یہ لڑکی آسانی سے ہاتھ نہیں آرہی۔" اس نے اپنے سامنے بیٹھے وجود سے کہا۔

"مہنگی چیزیں آسانی سے ہاتھ نہیں آتیں۔ آپ اپنے مقصد پر توجہ دیں اور پھر دیکھیں کہ مہنگا کیا ہے اور سستا کیا ہے۔"

سونیا سلطان نے سمجھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ یہ سچ تھا کہ لکس میں بیٹھے ڈیزائنرز اور ایمپلائز کو جو مراعات دی گئی تھیں، فجر کو اس کا ایک فیصد بھی آفر نہیں کیا گیا تھا پھر وہ کیسے مان جاتی؟ پر اسے مراعات چاہئیں بھی نہیں تھیں اسے پہچان چاہیے تھی جو کہ جائز تھی۔

"میں جاننا چاہ رہی تھی وہ سمجھوتہ کہاں کرتی ہے؟ لکس تو میں اسے لے ہی آؤں گی۔" اس نے اک ادا سے کہا اور پھر مسکرا دی۔ میز پر رکھا لینڈ لائن اٹھا کر ایک ایکسٹینشن ڈائل کی۔ کال ایچ آر ڈیپارٹمنٹ میں جا رہی تھی۔

"فجر معراج کا نیا کانٹریکٹ تیار کرو۔ سیلری اس کی ڈیمانڈ اور اس کی پوزیشن کے مطابق رکھو۔ باقی جو ہیر پھیر وہ کروانا چاہتی ہے وہ کر دو۔ ڈیڈ لائن دو کہ اگر اس نے یکم سے جوائن نہیں کیا تو یہ جاب آفر کینسل ہو جائے گی۔"

دوسری جانب سے 'یس میڈم' کہا گیا تو اس نے فون واپس رکھ دیا۔ سونیا سلطان نے گہرا سانس لیا اور پھر سامنے بیٹھے لڑکے کو دیکھا۔

"کیا خیال ہے شالے کی لانچ پر چلیں؟ کتنے بجے شروع ہو رہی ہے؟" آنکھیں چھوٹی کیے اس نے استفسار کیا۔

"تقریبا آدھے گھنٹے بعد۔۔" لڑکے نے کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر ڈالتے جواب دیا۔

"چلو پھر نکلتے ہیں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اتنا وقت تو اسے الحمرا آرٹس کونسل پہنچنے میں ہی لگ جاتا۔ یکے بعد دیگرے وہ دونوں کمرے سے نکل گئے۔

✿••✿••✿••✿

رات کا سکوت چھری کی مانند تھا، ہر آواز، ہر چہچہاہٹ، ہر حرکت کو بڑھا چڑھا کر پیش کر رہا تھا۔ مٹی کی بو ہوا میں مل گئی تھی، اور مٹی کی بو کے ساتھ ہی، وہ بدبو بھی آ رہی تھی جو ہر شے پر چھائی ہوئی تھی۔ وہ بدبو جو ایک عنکبوت کے جالے کی طرح، اس علاقے کو اپنے گھیرے میں لے چکی تھی۔ جالے کے تاروں کی طرح، بدبو کی لکیریں بھی ہر طرف پھیلی ہوئی تھیں، ہر شے کو چھونے والی، ہر شے کو اپنی گرفت میں لینے والیں۔ چاند کی روشنی تار عنکبوت جیسے محل پر پڑ رہی تھی، محل کے بدبودار رازوں کو چاندی کی چمک سے چھپانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن چاند کی چمک بھی بدبو کی ان لکیروں کو چھپانے میں ناکام تھی جو گہرے رازوں کو دفن کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ وہ بدبو

جس نے سب کچھ اپنے زیر اثر لے لیا تھا، جس نے ہر چیز کو اپنے اندر جذب کر لیا تھا۔ اور وہ بدبو جو اس رات کے سکوت میں، ہر شے کے لیے ایک خوفناک پیشین گوئی تھی۔

یہ سکوت، یہ بدبو، یہ چاند کی روشنی، یہ تاروں کی چمک، یہ سب مل کر ایک ایسی تصویر بناتے تھے جو دل میں خوف اور بے چینی پیدا کرتی تھی۔ ہر شے خاموش تھی، ہر شے سن ہو کر رہ گئی تھی، جیسے یہ رات کچھ ایسا کرنے والی ہو جس کا تصور بھی کسی کے ذہن میں نہ آ سکا ہو۔

اور اس رات کے سکوت میں، وہ بدبو ہی ایک ایسی شے تھی جو زندہ تھی، جو حرکت کر رہی تھی، جو سب کچھ اپنے اندر سمونے کی کوشش کر رہی تھی، ان چیخوں کو بھی جو وقفے وقفے سے جوزف پیلس کے در و دیوار ہلانے کا سبب بن رہی تھیں۔ یہ چیخیں اتنی روح فرسا تھیں کہ سننے والے، اپنی سماعت کھو دینے کی خواہش کرنے لگتے۔

دیکھتے ہی دیکھتے قد آوار کھڑے محل کی پہچان کو، چاروں جانب سے عنکبوت کے نرم ریشوں نے چھپا دیا۔ چاند کی روشنی میں جوزف پیلس کی بجائے اب وہاں عنکبوت اپنی کئی ٹانگوں کے ساتھ کھڑا نظر آتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں پراسرار چمک تھی۔ وہ چمک جو پر شکاری کی آنکھوں میں شکار کے بعد ابھرتی ہے کیونکہ یہ محل نہیں شکاری تھا اور آج محل کا ایک اور مکین شکار ہو گیا تھا۔

اپنے کمرے میں آرام دہ بستر پر سوئیں نینی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھیں۔

"ولیم۔۔" وہ زیر لب بڑبڑائیں۔ ماتھے کی پسینے کی بوندیں چمک رہی تھیں۔ وہ آج شام ہی واپس لوٹی تھیں اور ولیم انہیں نظر انہیں آیا۔ پوچھنے پر پتا چلا کہ وہ بنا بتائے کسی دورے پر نکل گیا ہے۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں کہیں چلا گیا ہو پر دل مان نہیں رہا تھا۔ کچھ تھا جو انہیں بے چین کر رہا تھا۔ وہ اپنے بستر اسے نیچے اتر آئیں۔ سکارف اٹھا کر سر لپیٹا اور اپنا عصا اٹھاتیں، چھوٹے چھوٹے قدم بڑھاتیں کمرے سے باہر نکل آئیں۔ جوزف

پیلس کی اس خاموشی سے آج انہیں خوف آیا تھا۔ آج انہوں نے وہ بدبو محسوس کی تھی جو واضح تھی۔ یوں جیسے کئی لاشیں جل سڑ رہی ہوں۔

"ولیم۔۔؟" وہ بے ساختہ اسے پکار رہی تھیں۔ ولیم کا کمرہ اوپر تھا اور نینی کے لیے سیڑھیاں چڑھنا مشکل تھا پھر بھی انہوں نے اپنی پوری کوشش کرتے سیڑھیاں چڑھنے کی کوشش کی۔ پہلے زینے پر قدم رکھتے ہی ان کے قدم لڑکھڑا گئے۔

"ولیم۔۔۔؟" ولیم کی پکار جوزف پیلس کے در و دیوار میں گونج رہی تھی پر جواب کہیں سے نہیں آیا۔ جیسے ہی انہوں نے دوسرے زینے پر قدم رکھا مسٹر جوزف کی آواز سنائی دی۔

"نینی یہ آپ کیا کر رہی ہیں؟" وہ بالائی منزل پر کھڑے تھے انہیں دیکھتے ہی ان کی جانب لپکے۔

"ولیم کہاں ہے جوزف؟ میرا دل گھبرا رہا ہے۔ ولیم ٹھیک تو ہے نا؟" انہوں نے ماں بن کر پالا تھا۔ وقتی ناراضی اپنی جگہ پر ولیم کو تکلیف میں دیکھنے کا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں۔ مسٹر جوزف نے انہیں سہارا دیا اور پھر انہیں پکڑے دونوں زینے اتر کر نیچے آ گئے۔

"ولیم اپنی مرضی سے گیا ہے نینی! وہ اپنی مرضی سے آئے گا۔ اس کے لیے پریشان مت ہوں۔ سب ٹھیک ہے۔" وہ دلاسہ دیتے واپس ان کے کمرے کی جانب لے جا رہے تھے۔

"لیکن میرا دل نہیں مان رہا۔ یوں لگ رہا ہے جیسے اس کے ساتھ کچھ برا ہوا ہے۔" نینی بھرائے ہوئے لہجے میں بولیں۔ آنکھوں میں نمی ابھر آئی۔

"کہانا کچھ نہیں ہوا سب ٹھیک ہے۔ آپ زیادہ مت سوچیں۔" وہ انہیں تنبیہہ کرتے واپس ان کے کمرے میں لے گئے۔ ان کے جاتے ہی سیڑھیوں کے پیچھے سے نینسی کا عکس نمایاں ہوا وہ تہہ خانے کے دروازے کی جانب بھاگ رہی تھی۔ وہ دروازہ کھولنا چاہتی تھی پر نہیں کھول پائی کیونکہ وہ بند تھا۔ تہہ خانے میں نیچے آئیں تو ولیم کا وجود زنجیروں سے بندھا ہوا زمین پر پڑا تھا۔ اس کے جسم پر برائے نام کپڑے تھے۔ اس کے منہ میں کپڑا ٹھونسا گیا تھا۔ جارج ہاتھ میں چمڑے کا چابک لیے اس کے سر پر کھڑا تھا۔ ولیم کے جسم پر نشان ہی نشان تھے۔ کہیں زخموں سے تھا البتہ زہر ختم ہو چکا تھا کیونکہ جارج نے اسے زہریلے تیر کا اثر کم کرنے کے لیے انجیکشن لگایا تھا۔

"بولو ولیم کہ تم یسوع مسیح کے پیروکار ہو۔ بولو۔" اس نے اپنی پوری قوت سے چابک ولیم کی کمر پر دے مارا۔ ولیم نے بلبلا کر کروٹ بدلی۔ اس کے چہرے تک پر زخم تھے۔ ہونٹ سے خون رس رہا تھا۔ آنکھیں دہشت اور تکلیف سے ابلنے کو تیار تھیں۔ جانے اسے اب تک کتنے چابک پڑ چکے تھے یاد بھی نہیں تھا پر مجال ہے جو اس نے ایک بار بھی جارج کے الفاظ دہرائے ہوں۔ جارج کا پورا جسم پسینے سے بھیگ گیا۔ وہ ہانپتا ہوا ہٹ گیا۔ نیچے جھک کر اس نے ولیم کے منہ سے کپڑا نکالا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کے ساتھ ساتھ ہونٹ سے خون بھی رستا چلا گیا۔ وہ اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

"اقرار کر لو ولیم۔ مان لو۔ بھول جاؤ ایک خدا کو۔ اپنے باپ دادا کے دین پر قائم رہو۔" وہ خود پر قابو پاتے کہہ رہا تھا۔ ولیم نے ایک نظر اسے دیکھا، اپنی سوجھی ہوئی آنکھوں سے، وہ اوندھے منہ پڑا تھا۔ پچھلے کئی دنوں سے وہ جارج کے ٹارچر کا شکار تھا۔ اس نے ہانپتے ہوئے جارج کو دیکھا پھر تمسخرانہ ہنس دیا۔

"تم میرے جسم سے چاہے کھال ادھیڑ دو، خون، خون کا قطرہ قطرہ نکال دو، چاہے میری زبان کاٹ دو پر میں پھر بھی یہی کہوں گا کہ **خدا ایک ہے۔ خدا ایک ہے۔**"

اس کے آنکھوں سے آنسوں پھسلتے ہوئے نیچے زمین میں جذب ہو گئے۔ اس کی آواز جارج تک ہی بمشکل ہی پہنچ پا رہی تھی۔ جارج نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر اس کے لہولہان وجود کو۔ وہ ولیم کو جانتا تھا۔ وہ فیصلہ کر کے پیچھے ہٹنے والوں میں سے نہیں تھا پھر کیسے وہ ایک خدا کا اقرار کا کر کے مکر سکتا تھا؟

تکلیف کی شدت سے ولیم کی آنکھیں خود بخود بند ہونے لگیں وہ ہوش کھو رہا تھا۔ جارج نے اٹھ کر اسے کھینچ کر سیدھا کیا، اس کے منہ پر موٹی ٹیپ لگائی اور اسے یونہی چھوڑ کر وہاں سے پلٹ گیا۔

پیچھے ولیم کا ذہن اندھیروں میں ڈوبتا گیا پر اچانک ایک تیز روشنی نے سارے اندھیرے کو کاٹ دیا۔

"ولی بیٹا!" اسے افق نظر آئی۔ اپنی ماں نظر آئی۔ وہ اس کے گال کو چھو رہی تھیں۔ وہ روتے ہوئے بھی مسکرا رہی تھیں۔

"میں جانتی تھی تم اپنے پروردگار کو یاد رکھو گے۔" وہ نم آنکھوں سے اسے مسکراتے ہوئے تک رہی تھیں۔ وہ اس کے چہرے کو چوم رہی تھیں۔

"میں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں۔" ملگجہ سا اندھیرا چھانے لگا۔ پھر اسے فجر نظر آئی۔ سفید کپڑے پہنے وہ گھٹنوں میں سر دیئے رو رہی تھی۔

"میرا کوئی ولی نہیں ہے۔ میں اکیلی ہوں۔"

اس کا شعور لاشعور اسے زندہ رکھنے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔ تہہ خانے میں جلتی ہوئی روشنی بجھ گئی اور گہری خاموشی اچھا گیا تھا وجود کا بے اختیار ہو جو دیو نہی پڑا رہا۔ اس میں کوئی حرکت نہ ہوئی۔

✿••

الحمرا آرٹس کونسل کا یہ ہال اس وقت دھیمی روشنیوں سے سجا ہوا، ستاروں سے بھرے آسمان کا نظارہ پیش کر رہا تھا۔ مراد عالم مائیک تھامے اسٹیج پر کھڑا نظر آتا تھا۔ فیشن اور شوبز انڈسٹری سے جڑے، جانے مانے لوگ وہاں موجود تھے۔ سبھی اونچائی کے رخ میں لگی رسیوں پر براجمان تھے۔ سب سے پہلی لائن مین رئیس بیٹھا تھا، ساتھ کچھ مہمانِ خصوصی تھے۔ عروزہ ہمیشہ سیکیورٹی پر نظر رکھے ہوئے تھی۔

ابھی لانچ شروع نہیں ہوئی تھی۔ رئیس کی نظر دائیں جانب پڑی تو چند کرسیاں چھوڑ کر اسے سونیا سلطان بیٹھی نظر آئی۔ رئیس کو دیکھتے ہی اس نے ہاتھ ہلایا۔ وہ بس اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔ سونیا جیسی عورت پہ بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ شالے کی لانچ پر آگئی تھی یہ کافی حیران کن تھا۔ اسے تعجب ہوا۔ کیا چل رہا تھا اس ناگن کے ذہن میں؟ وہ باقی مہمانوں سے بھی مل چکا تھا اور کافی سنجیدہ دکھائی دیتا تھا۔ سیاہ ڈریس شرٹ کے کف فولڈ تھے جبکہ کوٹ کرسی پر لٹک رہا تھا۔ شرٹ کے اوپری دو بٹن کھلے ہوئے تھے۔ بلقیس بیگم کے جانے کے بعد اس کی شخصیت میں کافی بدلاؤ آیا تھا یا شاید اسے اب ڈھونگ کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ اس نے کافی وقت سے کسی برانڈ کے لیے کوئی شوٹ نہیں کیا تھا۔ اپنا براڈکاسٹ چینل بند کروا دیا تھا۔ اس کا آفیشل اکاؤنٹ اب اس کی میٹنگ اور کانفرنس کے حوالے سے پہچانا جانے لگا۔ جو لڑکیاں اور عورتیں پہلے نہیں جانتی تھیں کہ وہ بزنس مین ہونے کے ساتھ ساتھ ایک آرٹسٹ بھی تھا وہ اب اس کی اصل پہچان سے واقف ہو چکی تھیں۔ وہ اب بلاوجہ نہیں ہنستا تھا اور نہ ہی عروزہ کو بلاوجہ تنگ کرتا تھا۔ اس تبدیلی کی ایک بڑی وجہ فجر معراج کا اس کی زندگی میں یوں اچانک آنا تھا۔ کھیل شروع

ہو چکا تھا پر کھیل کافی سنجیدہ اور پیچیدہ تھا۔ وہ اب کبھی کبھی ہی ہنستا دکھائی دیتا تھا۔ کوئی چیز تھی جو اسے کھٹک رہی تھی جو نظروں کے سامنے ہو کر بھی اوجھل تھی۔ فجر معراج اگر منار معراج کی ہمشکل نہ ہوتی تو شاید یہ کھیل زیادہ مشکل نہ ہوتا پر اب تو جیسے کھیل الٹ گیا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ماضی ایک بار پھر سے دہرایا جانے لگا ہو۔

"آج کی شام ہمیشہ کی طرح رئیس جیولرز کے نام!" اسٹیج پر ایک جانب کھڑے ہوتے، مائیک تھامے مراد عالم نے سب کی توجہ اپنی جانب مرکوز کی۔

"میں کچھ نہیں بولوں گا کیونکہ میں شالے کے بارے میں کچھ بول ہی نہیں سکتا۔ میں براہ راست اس سلطنت کے مالک مسٹر رئیس اورنگزیب کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ آکر شالے کا تعارف کروائیں۔"

تالیوں کی آواز گونج گئی۔ ایک سپاٹ لائٹ، مراد عالم پر تھی تو دوسری رئیس کے عین اوپر آئی۔ وہ روشنیوں میں نہا گیا۔ وہ پیشہ ورانہ انداز میں مسکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اب سیڑھیاں چڑھ رہا تھا اور پھر اسٹیج پر پہنچ کر اس نے ہمیشہ کی طرح اپنا دایاں ہاتھ سینے پر رکھا، سر کو ذرا سا خم دیا پھر وہ پورے دل سے مسکرا دیا۔ ہال میں بیٹھیں کئی خواتین کے ساتھ ساتھ کئی مرد حضرات بھی ہمیشہ کی طرح اس کی اس ادا پر عش عش کر اٹھے۔ یہ رئیس کا اسٹائل تھا اور اس سے بہتر آج تک جیسے کوئی کر ہی نہیں پایا تھا اس کے ساتھ اس کے بولنے کا ہنر تھا وہ جب بولتا تھا تو لوگ سنتے تھے۔ وہ جب اپنے دل پر ہاتھ رکھتا تھا تو سامنے والوں کا دل نکال لیتا تھا۔

"السلام علیکم!" اس کی بھاری آواز ہال میں گونج گئی۔ سرگوشیوں دم توڑ گئیں۔ اب رئیس کو سننے کا وقت تھا۔ سیاہ ڈریس پینٹ اور سیاہ ڈریس شرٹ میں وہ کم کم ہی نظر آتا تھا۔ ہمیشہ کی طرح نفاست سے جمے بال اور چمچماتے جوتے، لوگوں کی توجہ کھینچ رہے تھے۔ اس کی ہمیشہ کی طرح خوشبو مسحور کن تھی۔

"سب سے پہلے تو آپ سب کی تشریف آوری کا شکریہ! ایک آرٹسٹ ہونے کے ناطے میری ہمیشہ یہی کوشش ہوتی ہے کہ کچھ نیا لا سکوں۔" پہلی ہی رو میں اسے کچھ جانے پہچانے ملکی اور غیر ملکی چہرے نظر آئے۔

"میری کوشش ہوتی ہے لوگوں کے خوابوں کو حقیقت کی صورت ان تک پہنچایا جا سکے اور شالے بھی ایک ایسا ہی خواب ہے جو رئیس گروپ کے ایک ایک ڈیزائنر نے مل کر دیکھا تھا۔ اس کے ڈیزائن سے لے کر اس کے لانچ تک کا یہ سفر جتنا محنت طلب تھا اتنا ہی خوبصورت بھی رہا۔ مجھے امید ہے آپ لوگ رئیس جیولرز کے ان ڈیزائن سے مایوس نہیں ہوں گے۔ ہمارے پانچ آرٹیکل ہے جو ایک ایک کر کے آپ کے سامنے آئیں گے، آپ کو یقیناً حیرت میں ڈال دیں گے۔" وہ سانس لینے کو رکا۔

"تو میرے خیال سے شروع کرنا چاہیے۔" اس نے مراد عالم کی جانب دیکھا اور پھر اسے مائیک واپس پکڑا کر اسٹیج سے نیچے اتر آیا۔

"بس اتنا ہی؟ کیا رئیس آج صرف اتنا ہی بولے گا؟" عجیب سا شور تھا جو پیچھے بیٹھی عوام میں پھیل سا گیا تھا پر یہ شور زیادہ دیر جاری نہیں رہا کیونکہ ہال کی روشنیاں بدل گئیں۔ بیک اسٹیج کا منظر بدل گیا اور میوزک شروع ہوا۔

پہلا آرٹیکل جو چوکر ڈیزائن تھا سیاہ اور سنہرے لہنگے کے ساتھ، سمکوئی آئیز میک اپ سے مزین چہرہ لیے ایک خوبصورت ماڈل کسی ہرنی کی طرح چلتی ہوئی آئی۔ اسٹیج کافی لمبی اور بڑی تھی۔ اسے دو منٹ لگ گئے پوری اسٹیج پر گھوم کر آخر میں جا کر کھڑے ہونے پر۔ پھر آرٹیکل نمبر دو اور پھر تین کے بعد چار آرٹیکل ایک لائن میں کھڑے تھے۔

بیک اسٹیج کا منظر ایک بار پھر سے بدل گیا۔ اسکرین پر کہکشائیں ابھر آئیں۔ میوزک بدل دیا گیا اور پھر پورے ہال کی بتیاں بجھ گئیں۔ اسٹیج پر دو سپاٹ لائٹ تھیں اور پھر وہ سیپی نما آرٹ پیس والا آرٹیکل پہنے دو ماڈلز نمودار ہوئیں۔

ایک سیاہ فارم اور ایک سفید فارم! انتہائی اینجلک فیس! بالکل ویسے ہی چہرے فجر کو چاہئیں تھے۔ نہایت پتلی اور دراز قد ماڈلز جن کا پورا جسم صحرا کی ریت کی مانند چمک رہا تھا۔ سیاہ ماڈل سیاہ ٹخنوں تک آتا لباس پہنے ہوئے تھی اور سفید فارم، سفید لباس پہنے ہوئے تھی۔ ان کا میک اپ ایسا تھا کہ ان کی جلد چمک رہی تھی۔ دونوں کے چہرے موتیوں سے مزین تھے، یوں جیسے سیاہ آسمان پر ستارے جڑ دیئے ہوں اور ان سیپی نما ہار کو جن سے لڑیاں لٹک رہی تھیں انہیں سر پر سجایا گیا تھا بالکل کسی تاج کی طرح اور سفید لڑیاں آنکھوں کے سامنے لٹک رہی تھیں۔ دونوں کی گردن اور بازوؤں پر بھی موتی چمک رہے تھے۔ یہ سیپ کا ڈیزائن تھا۔ نہایت خوبصورت اور نایاب! جیسے سمندر کی گہرائی میں، ریت کی تہہ پر چمکتا ہوا سیپ!

لوگوں کے جبڑے بے ساختہ گر گئے۔ اسے ویسے ہی پیش کیا گیا تھا جیسے فجر نے آئیڈیا دیا تھا۔ سیاہ فارم کے ساتھ ساتھ ایک سفید فارم ماڈل بھی منگوائی گئی اور لگے ہاتھوں ایک اور ڈیزائن تیار کیا گیا تاکہ دونوں کو پہنایا جا سکے۔

ان دونوں کو دیکھتے ہوئے سمجھ نہیں آ رہا تھا کس کو دیکھا جائے۔ ایک سکتہ تھا جو پورے ہال پہ چھا گیا تھا۔ ماڈلز اسٹیج کے آخر تک آئین اور پھر پلٹ گئیں وہ اب درمیان میں کھڑی تھیں اور باقی چار ماڈلز ان کے دائیں بائیں۔ سکتہ ٹوٹ گیا اور ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ رئیس کو اپنے اندر سرشاری اترتی محسوس ہوئی۔ پیچھے بیٹھے ڈیزائنرز اپنے لیے ہی زور زور سے تالیاں بجا رہے تھے۔ شالے کی لانچ کامیاب رہی۔ اس لانچ کی رونمائی براہ راست کی گئی تھی۔ لاکھوں لوگ دیکھ رہے تھے۔

لوگ آگے بڑھ بڑھ کر ڈیزائنرز کو اور رئیس گروپ کے ایمپلائز کو مبارکباد دے رہے تھے۔ رئیس نے ایک نظر سب دیکھا اور پھر اس کے کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔ شالے کی لانچ کامیاب ٹھہری تھی۔ فاتح ایک پھر سے فاتح ٹھہرا۔

وہ یہ سب دیکھتے ہوئے مسکرا دیا۔ کچھ دیر مزید لوگوں سے داد وصول کرتا رہا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ پیشہ ورانہ مسکراہٹ کیونکہ یہ لازمی تھی۔ خاص طور پر ایک بزنس مین کے لیے کیونکہ چینی کہاوت ہے؛

"اگر تم مسکرانا نہیں جانتے تو دکان مت کھولو"

ایک بزنس مین اپنی سلطنت کا رئیس تب تک نہیں بن سکتا جب تک وہ ہر صورتحال کو خوش اسلوبی سے قابو کرنا نہ سیکھ لے۔ اس سے پہلے وہ آگے پیچھے ہوتا سونیا سلطان کسی جن کی طرح اس کے سر پر پہنچی۔

"اتنے خوبصورت ہیرے کہاں سے ڈھونڈ لاتے ہیں؟" پتا نہیں اس کا اشارہ زیوارت کی طرف تھا یا حسین ماڈلوں کی طرف۔

"ایک جوہری ہیرا نہ ڈھونڈ پائے تو پھر وہ جوہری کیسا؟" پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ پھنساتے اس نے گہرا سانس لیا اور نظریں سونیا کے چہرے پر جما دیں۔ جانچتی ہوئی نگاہیں۔ وہ اسے اندر تک پڑھ لینا چاہتا تھا پر سونیا سلطان کے چہرے پر میک اپ کی تہوں نے رکاوٹ ڈالی۔

"بات تو آپ کی بالکل ٹھیک ہے۔ دیکھیں میں نے بھی ہیرا ڈھونڈ ہی لیا۔" اس نے آنکھیں مٹکائیں۔ اس کا اشارہ فجر کی طرف تھا۔ رئیس کچھ نہ بولا۔ وہ سونیا سلطان سے اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"کیا چاہتی ہو؟" وہ ایک قدم آگے ہوا۔ سونیا کا دل یکبارگی سے دھڑکا۔ وہ جانتی تھی رئیس اسے پزل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ اس کے اندر سے کچھ اگلوانا چاہتا تھا، جو وہ بتانا نہیں چاہتی تھی۔

"تمہارا دل کیسے نہ آیا اس پر؟" اس نے جان بوجھ کر بات پلٹ دی۔ وہ فوراً ہنس دیا۔ تمسخرانہ ہنسی۔ گردن جھکائے وہ ہنس رہا تھا پر اس نے گردن اٹھائی۔

"دل پسلیوں کے پیچھے رہے تو بہتر ہے، باہر نکل آئے تو پیروں تلے روند دیا جاتا ہے۔" وہ ذرا سا اس کی جانب جھک کر سرگوشی کرتا پہلو سے نکلتا چلا گیا۔ وہ دل کو سر چڑھانے کا عادی نہیں تھا۔ سونیا سلطان نے بے ساختہ رکا ہوا سانس بحال کیا۔ دھڑکتے دل پر قابو پاتے اس نے پلٹ کر دیکھا تو وہ اسٹیج پر مراد عالم کے پاس کھڑا تھا۔ پوری توجہ اور سنجیدگی سے اس کی بات سن رہا تھا۔ ابھی ڈنر باقی تھا۔ لوگ اب شیشے کے بند جاروں میں رکھے ان نایاب زیورات کو دیکھ رہے تھے جو بیش قیمتی تھے۔

"تم کتنے ہی نایاب ہیرے کیوں نہ اکٹھے کر لو رئیس! تمہارے لیے ایک زہریلا ہیرا میں نے چن لیا ہے۔" وہ اسے دیکھ کر شاطرانہ مسکرائی۔ آنکھوں کی چمک بڑھتی جا رہی تھی۔

✿••✿••✿••✿

"فلک؟ فلک پتر؟" عالمگیری حویلی کے اندرونی حصے میں اسے پکارہ جا رہا تھا۔

"وہ اپنے بیل بوٹوں والے حصے میں ہے ابا جی! میں بلا کر لاتی ہوں۔" فخر عالمگیر کی بیوی فاخرہ نے دوپٹہ ٹھیک کرتے انہیں آگاہ کیا اور پھر تیزی سے لاؤنج سے نکلتی چلی گئی۔

"کتنی بار سمجھایا ہے اس لڑکی کو کہ مغرب کے وقت ان بیل بوٹوں سے دور رہا کرے پر نہیں۔ سنتی ہی نہیں ہے۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے، اگلے حصے سے گھوم کر حویلی کے پچھلے حصے کی جانب جا رہی تھی۔

سورج غروب ہو چکا تھا۔ پوری حویلی، بتیوں سے جل اٹھی تھی۔ حویلی کا پچھلا حصہ پودوں اور بیلوں سے سجا ہوا تھا۔ خوبصورت سا sun room جو ایک سال پہلے ہی فلک کی ضد پر بنوایا گیا تھا۔ سردیوں اور بارش کے موسم میں وہ وہاں بیٹھ کر لکھتی تھی۔ پورا سن روم پھولوں کے گملوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے جانے کہاں کہاں سے پھولوں

کی نایاب قسموں کے بیج منگوائے تھے اور کتنی محنت سے وہ انہیں اگاتی تھی۔ یہ اسی کی ہمت تھی۔ جن میں گلاب، موتیا، بٹر فلائی پی فلاورز، کینڈولا، گڑھل (ہیبسکس)، بابونہ، ڈینڈیلین جڑ، ایلڈر فلاور، روز ہپس اور لیونڈر شامل تھے۔ یہ وہ تمام پھول تھے جو "**فیری ٹی**" کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ جی ہاں! فلک عالمگیر کو فیری ٹی بہت پسند تھی۔ وہ دن میں پانچ سات کپ تو غٹک جاتی تھی۔

"فلک؟ اری او فلک؟" وہ اسے آوازیں دے رہی تھی۔

"بھابھی یہاں ہوں۔" اس کی آواز سنائی دی۔ وہ سن روم کے اندر ہی تھی۔

فیری ٹی کوئی ایک مخصوص قسم کی چائے نہیں ہے، بلکہ یہ ایک اصطلاح ہے جو مختلف دلکش اور اکثر رنگین چائے کے مرکبات کو بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہے، بعض اوقات اسے خیالی یا جادوئی موضوعات سے جوڑا جاتا ہے۔ کیونکہ اکثر فیری ٹیلز میں اس کا ذکر ملتا ہے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ یہ عام انسانوں کی بھی پسندیدہ بنتی جارہی ہے۔

"کیا کر رہی ہو تم یہاں؟" فاخرہ نے اس کے سر پر پہنچتے ہی پوچھا۔ وہ دوپٹہ کرسی پر ڈالے، گھنگھریالے بالوں کو بمشکل باندھے، کافی مصروف دکھائی دیتی تھی۔ شیشے کی دیواروں اور چھت والے سن روم میں چاروں جانب پھول پھول ہی دیکھائی دے رہے تھے۔

"میری چائے کا سامان ختم ہو گیا تھا وہی تیار کر رہی ہوں۔"

فیری ٹی کے لیے اجزاء تیار کرنا کافی مشکل کام ہے۔یوں تو بنی بنائی مارکیٹ سے بھی مل جاتی ہے پر فلک اپنے ہاتھوں سے اجزاء بنا کر رکھتی تھی۔ گو کہ یہ ایک لمبا چوڑا کام تھا لیکن اسے پسند تھا۔ پیڑ، پودوں اور پھولوں کے درمیان رہنا، کہانیاں بننا اور پھر اپنے من پسند شخص کو سوچنا اسے دنیا میں سب سے زیادہ پسند تھا۔

فاخرہ بھابھی نے اس کی بات سنتے ہی ماتھا پیٹا۔

"مغرب گزر چکی ہے اور تم یہاں بیل بوٹوں کے ساتھ کھیل رہی ہو؟"

فیری ٹیل چائے بنانے کے لیے پھولوں کو محفوظ کرنے اور خشک کرنے کا طریقہ کافی لمبا ہے۔ یہ ایسے پھول سے بنائی جاتی ہے جو تازہ ہوں اور پوری طرح کھلے نہ ہوں۔

ایسے پھول جن پر اوس ہو یا جو گیلے ہوں وہ کام نہیں آتے اس لیے سن روم پھولوں کو اگانے کا بہترین ذریعہ تھا۔ وہ بڑا سا رنگین برتن لیے اس میں پھول ڈالے دھو رہی تھی۔ قمیض کے بازو کہنیوں تک چڑھا رکھے تھے۔ چھت سے لٹکتے برقی قمقموں میں ہر چیز روشن نظر آ رہی تھی۔ وہ پھولوں کو ٹھنڈے پانی کے بڑے گول برتن میں آہستہ آہستہ گھما رہی تھی۔

"میں کھیل نہیں رہی۔" اس کی لمبی، مڑی ہوئی پلکیں اٹھ جھک رہی تھیں۔ فاخرہ اسے دیکھے گئی۔ کس قدر خوبصورت لڑکی تھی وہ جسے شہزادیوں جیسی زندگی ملی تھی پر افسوس کہ نصیب ماڑے نکل آئے۔ وہ اسے دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

جس سے رشتہ طے تھا وہ رشتے سے مکر گیا۔ کیا وہ ساری عمر یونہی بیٹھی رہے گی؟

"یہ وقت کھیلنے کا ہے بھی نہیں۔ پتا نہیں کیسی کیسی چیزیں ہوتی ہیں اس وقت ان پیڑ پودوں میں۔۔۔"

"فکر نہ کرو مجھ پہ کسی کا سایہ نہیں ہو گا۔" وہ اس کی بات اچکتی شرارت سے مسکرائی۔ فاخرہ اور وہ دونوں ایک ساتھ سکول پڑھی تھیں۔ میٹرک کے بعد فاخرہ کو مزید پڑھنے کی اجازت نہیں ملی۔ قبیلے کی لڑکی تھی تو فخر عالمگیر سے اس کی شادی کر دی گئی۔ یوں بھی فاخرہ اسے پسند کرتی تھی اور فلک اسے اپنی بھابھی بنا کر خوش تھی۔ دونوں ہم عمر تھیں تو کافی باتیں ہو جاتی تھیں۔

"ہاں تم پہ تو پہلے ہی اس شخص کا سایہ ہے۔" فاخرہ نے تپانے والے انداز میں کہا تو فلک کی مسکراہٹ سمٹی۔ وہ اب برتن سے اضافی پانی نکال رہی تھی۔ اس نے کرسیوں کے درمیان رکھی پلاسٹک کی میز پر سفید کاغذ بچھا رکھے تھے۔

"بات تو ٹھیک ہے ویسے۔ اس کے ہوتے فلک پر کس کا سایہ ہو سکتا ہے؟" وہ ہولے سے بڑبڑاتی اب پھول نکال نکال کر اس میز پر بچھے کاغذوں پر بڑی مہارت سے خشک ہونے کے لیے رکھ رہی تھی۔

"مجھے دلی افسوس ہے کہ محبت کی کہانیاں لکھنے والی لڑکی کی اپنی لو اسٹوری اتنی جلدی ختم۔۔۔"

"ششش۔۔۔" وہ ایک جھٹکے سے پلٹی۔ لبوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا عندیہ دیا۔ بال جو جوڑے میں قید تھے، کھل کر گردن پر گر گئے۔ اس کی سالم نگلنے کو تیار تھیں۔

"میری لو اسٹوری ختم نہیں ہوئی۔ میری لو اسٹوری سب سے الگ ہو گی۔ سب سے مختلف جسے دنیا یاد رکھے گی۔" وہ پھولوں کو ہاتھوں میں بھرے اس کے قریب آئی اور پھر اس کے اور اپنے چہرے کے درمیان ہاتھ اٹھائے، عجیب سے لہجے میں بولی۔ فاخرہ اس کی حرکت پر ساکت ہوئی۔ فلک کی بڑی بڑی آنکھیں دیوں کی مانند جل رہی تھیں۔ یوں جیسے ہزار جگنوں روشن ہوں۔

"ان پھولوں کی قسم!" اگلے ہی پل وہ شرارت سے ہنس دی۔

"ہٹ پاگل ڈرا دیا تھا مجھے۔" فاخرہ نے اس کی کمر پر تھپڑ جڑا۔

"میں بھی کس کام سے آئی تھی اور تم نے مجھے اپنی باتوں میں لگا لیا۔ ابا جی بلا رہے ہیں تمہیں جلدی آؤ۔" وہ سخت لہجے میں تنبیہہ کرتی واپس پلٹ گئی۔

"ہاں بس انہیں سکھا کر آتی ہوں۔" اس نے پیچھے سے ہانک لگائی۔ چہرے کی مسکراہٹ اس کے جاتے ہی سمٹ گئی۔ دیوں جیسی روشن آنکھوں میں نمی سی ابھر آئی۔

"وکٹم کارڈ مت کھیلو فلک کیونکہ میں نے پچھلے تئیس سالوں سے نہیں کھیلا۔" رئیس کے الفاظ اس کی سماعت سے ٹکرائے۔ لاہور سے واپس آنا بڑا مشکل فیصلہ تھا۔ وہ وہاں رہنا چاہتی تھی پر اس شخص نے دل ہی ایسا توڑا تھا کہ رہنے کی کوئی وجہ بچی ہی نہیں۔ واپس آنا پڑا۔ اب ایسا لگ رہا تھا جیسے وجود کا ایک حصہ وہیں کہیں رہ گیا تھا۔ اس نے گہرا سانس لیتے بالوں کو دوبارہ باندھا اور پھر دوپٹہ سر پر ڈالتے وہ اس پلاسٹک کے اس میز کو اٹھائے سن روم سے باہر نکل آئی۔ پھولوں کو دھوپ میں نہیں سکھایا جا سکتا تھا۔ انہیں ٹھنڈی اور تاریک جگہ پر سکھانا تھا۔ اس لیے وہ انہیں حویلی کے اندرونی حصے میں لے جا رہی تھی۔

وہ فیری ٹیل کی نرم دل شہزادی تھی کیا وہ ہمیشہ ہی ایسے رہ پائے گی؟ کیا اس کی روشنی کسی کے اندھیروں کو کم کر پائے گی؟ کیا وہ اپنی لو اسٹوری خود لکھ پائے گی؟ بہت سارے سوال تھے جن کے جواب آنے والا وقت ہی دے سکتا تھا۔

✿••✿••✿••✿

سرمئی موریفیلڈ سیاہ بادلوں کی لپیٹ میں تھا۔ تیز ہوا چل رہی تھی۔ کسی بھی وقت بارش ہو سکتی تھی۔ ایسے میں شان سے کھڑے جوزف پیلس کے باہر چند آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ تیز تیز آوازیں۔

"مجھے اندر جانے دو۔ ولیم کہاں ہے؟ ولیم۔۔؟" نیل، جوزف پیلس کے باہر کھڑا تھا۔ پہریدار اسے اندر جانے نہیں جانے دے رہے تھے۔ آج وہ ان سے لڑ جھگڑ رہا تھا۔ اسے یقین تھا ولیم کہیں اندر ہی تھا۔ اس کا نمبر ابھی تک بند جا رہا تھا۔ ایسا کوئی لمحہ نہیں تھا جب وہ نیل کے ذہن سے نکلا ہو۔ وہ تو اس کا اکلوتا دوست تھا پھر کیسے اس نے ولیم کی بجائے مسٹر جوزف پر بھروسہ کر لیا تھا؟ وہ کیوں بھول گیا تھا کہ اس نے ہی مسٹر جوزف کا نام ڈریکولا رکھا تھا۔

یہ اسی کے الفاظ تھے کہ ولیم کی شادی کے بارے میں پتا چلنے پر مسٹر جوزف اس کا خون پی کر، اس کا گوشت کھا کر اس کی ہڈیاں ایسی جگہ دباتا جہاں شکاری کتے بھی نہ ڈھونڈ پاتے۔ پھر کیسے اس نے مسٹر جوزف کا ساتھ دے دیا تھا؟

"مجھے اندر جانے دو ورنہ میں پولیس بلا لوں گا۔" وہ چیخ چلا رہا تھا۔ ان کا پہرہ توڑ کر اندر جانے کی کوشش کر رہا تھا۔

مسٹر جوزف اندر ہی تھے۔ وہ اپنے کمرے کی کھڑکی سے اسے دیکھ سکتے تھے۔ نیچے والی کھڑکی میں جارج کھڑا تھا۔ آج کل شوٹنگ رکی ہوئی تھی تو دونوں زیادہ وقت پیلس میں ہی گزار رہے تھے۔

ایک پہریدار نے فون جیب سے نکال کر نمبر ملایا۔ دور پیلس کی کھڑکی میں کھڑے جارج کا فون بج اٹھا۔

"کیا حکم ہے صاحب؟" وہ نیل کو جانتے تھے اور جب تک اندر سے کوئی حکم نہیں آجاتا وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے۔

"ہڈی پسلی ایک کر دو۔ وہ دوبارہ یہاں آنے کی ہمت نہ کرے۔"

"چھوڑو مجھے۔۔۔" اس نے خود کو چھڑاتے، جوزف پیلس کی جانب دوڑ لگائی پر اگلے ہی پل وہ نیچے پڑا تھا۔ پہریدار اس کے سر پہ تھے۔

"مجھے ولیم سے ملنے دو۔ مجھے اس سے بات کرنی ہے۔" وہ اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا پر اگلے ہی پل مکوں اور گھونسوں کی بارش اس پر برسنے لگی۔ وہ اکیلا تین ہٹے کٹے گارڈز کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے کوشش کی۔ خود کو بچانے کی بھی اور انہیں مارنے کی بھی پر منہ پر پڑنے والے گھونسوں کی وجہ سے منہ سے خون نکل آیا۔ اسے کہاں کہاں لگ رہی تھی کچھ سمجھ نہ آیا۔ دنیا گھوم گئی۔

جارج، کمر پر ہاتھ باندھے، کندھے چوڑے کیے کھڑا تھا۔ اس کے پاس پولیس کو دینے کے لیے بیان تھا۔ نیل نے زبردستی جوزف پیلس میں گھسنے کی کوشش کی تھی اس لیے گارڈز کے ہاتھوں مارا بھی گیا تو فرق نہیں پڑتا تھا۔

"ولیم۔۔۔۔" وہ اپنا آپ چھڑانے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا۔ نظریں ابھی تک دیو جیسے محل پر جمی تھیں جو ولیم کو نگل گیا تھا۔ اس کی آنکھوں سے پانی بہہ نکلا۔ ہنستے ہوئے ولیم کا چہرہ نمودار ہوا۔ وہ ساتھ رگبی کھیل رہے تھے، وہ ساتھ ہنس رہے تھے، وہ ساتھ لڑ رہے تھے۔ وہ تو ساتھ ساتھ تھے پھر کیوں ایسا ہوا؟ اس سے یہ غلطی کیسے ہو گئی۔ اچھی خاصی دھلائی کرنے کے بعد جب انہیں یقین ہو گیا کہ وہ اٹھ نہیں پائے گا تو وہ اسے وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔

نیل نے بمشکل کروٹ لے کر خود کو سیدھا کیا۔ بادلوں سے ڈھکا آسمان اس کے اوپر تھا۔ وہ چت لیٹا تھا۔ جسم پھوڑے کی طرح درد کر رہا تھا پر دل کا درد زیادہ تھا کیونکہ اس نے دوست کو دھوکا دیا تھا۔ اس نے پانی سے بھری آنکھیں لیے آسمان کو دیکھا۔ بادل زور سے گرجے اور پھر پانی کی پہلی بوند ٹپ کی آواز سے اس کے چہرے پر گری۔ وہ ضبط سے منہ بھینچے ہوئے تھا۔

"ایم۔۔۔سوری۔۔۔۔ول۔۔ولیم۔۔۔" وہ ہولے سے بڑبڑایا اور پھر اس کی آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں۔

✿••✿••✿••✿

پورا ایڈنبرا بارش میں بھیگا ہوا تھا۔ ایڈنبرا پولیس اسٹیشن میں اس وقت کافی چہل پہل تھی۔ جتنی تیزی سے باہر بارش برس رہی تھی اسی تیزی سے اندر فون بج رہے تھے۔ ہال میں اطراف میں رکھی کرسیوں میں سے ایک پر نساء بیٹھی تھی۔ اپنی جیکٹ کو اپنے کندھوں پر ڈالے وہ وحشت زدہ دکھائی دیتی تھی۔ رونے کے باعث اس کی آنکھیں سوجھ چکی تھیں۔

انکا پورا گروپ موجود تھا۔ باہر بڑی بس کھڑی تھی۔ ڈرائیور بھی یہیں تھا۔ سبھی اسٹوڈنٹس ڈرے سہمے بیٹھے تھے۔ ان سب کے فون لے لیے گئے تھے۔ کسی کو بھی بنا بیان دیئے اسٹیشن سے باہر جانے کی اجازت نہیں تھی۔

پولیس آفیسر باری باری سبھی اسٹوڈنٹس کو بلا کر ان کے بیان لے رہا تھا کیونکہ ٹور سے واپسی کے دوران ایک ناخوشگوار حادثہ پیش آیا تھا۔ بس میں ہی، ایک لڑکی اچانک تڑپنے لگی اور دم توڑ گئی۔ یہ اتنا اچانک ہوا تھا کہ کسی کو بھی سمجھنے کا موقع نہیں ملا۔ نساء نے پہلی بار کسی کو اپنی آنکھوں کے سامنے مرتے دیکھا تھا۔ وہ یہ لمحہ کبھی نہیں بھول پاتی۔ سرخ چیری جیسے بالوں والی نساء کے حواس ابھی تک ٹھکانے پر نہیں آئے تھے۔

"نیکسٹ۔۔" اس کی باری آچکی تھی پر وہ اس قدر ڈری ہوئی تھی کہ اسے احساس ہی نہیں ہوا کہ اسے بلایا جا رہا ہے۔ ساتھ والی لڑکی نے جب اسے ٹہوکا دیا تھا وہ ہوش میں آئی۔ لانگ اسکرٹ کے ساتھ وہ سادہ بلاؤز پہنے ہوئے تھی۔ وہاں بیٹھے سبھی اسٹوڈنٹس بھیگے ہوئے تھے۔ اس نے جیکٹ کو کندھوں پر ڈال رکھا تھا۔ بال چپکے ہوئے تھے۔ وہ مرے مرے قدموں سے اٹھ کر سامنے گلاس ڈور دھکیل کر اندر داخل ہوئی۔ میز کی دوسری جانب ایک خوش شکل آفیسر بیٹھا تھا۔

اور ”آؤ بیٹھو!“ نساء کو دیکھتے ہی اگئی نے اشارہ کیا۔ وہ گلے کو تر کرتی آگے بڑھی جھجھکتے ہوئے کرسی

اس نے ایک نظر پولیس آفیسر کو دیکھا۔ وہ ایک خوش شکل انسان تھا جس پر یونیفارم اچھا لگ رہا تھا پر وہ یہ نہیں سوچ پائی۔ وہ ڈر رہی تھی۔ کہیں اس کی وجہ سے مسٹر جوزف پر کوئی حرف نہ آجائے۔

”تمہارا نام کیا ہے؟“ آفیسر نے میز پر رکھا ٹیپ ریکارڈر آن کیا۔ نظریں اسی پر جمی تھیں۔ اس کے ہونٹ خشک اور نیلے پڑ چکے تھے۔ چہرہ زرد دکھائی دیتا تھا۔

”نساء جوزف۔۔“ اس نے جھجکتے ہوئے اپنا نام بتایا۔

”ایمی کو کب سے جانتی ہو؟“ یہ وہی لڑکی تھی جس کی موت ہو چکی تھی۔

”ہم کلاس فیلو تھے میں اسے زیادہ نہیں جانتی بس کلاس تک ہی ہیلو ہائے تھی۔“ وہ میز پر نظریں جمائے ہوئے تھی جبکہ پولیس آفیسر اسے جانچتی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اسے نساء کے وجود میں لرزش محسوس ہوئی۔ وہ ڈر کیوں رہی تھی؟

”تمہارا بیسٹ فرینڈ؟“

”کوئی نہیں۔“ اس نے نفی میں سر ہلایا۔ اسکی کسی سے پکی دوستی نہیں تھی۔ نہ کبھی کوئی اس کے گھر آیا تھا نہ کبھی وہ کسی کے گھر گئی تھی۔

”تمہارا کوئی دوست نہیں ہے؟“ حیران کن لہجہ۔ نساء نے صرف گردن ہلانے پر اکتفا کیا۔

”کہاں رہتی ہو؟“

”جوزف پیلس، موریفیلڈ۔۔“ اس بات پر چونکنے کی باری پولیس آفیسر کی تھی۔ وہ حیران دکھائی دیتا تھا۔

"تم جوزف پیلس میں رہتی ہو؟" عجیب سوال تھا۔ نساء نے الجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔

"میرا مطلب ہے جوزف پیٹرسن کی بیٹی ہو؟" وہ میز پر ہاتھ رکھتے اس کی جانب جھکا۔ نساء کے سانس خشک ہوئے۔

"ولیم جوزف کی بہن؟" وہ ابھی تک حیران تھا۔ یہ سنتے ہی نساء کا سانس لوٹ آیا۔ اس نے تیزی سے اثبات میں سر ہلایا۔ پولیس آفیسر گہرا سانس لیتا، پیچھے ہو بیٹھا۔ نساء کو امید کی ایک کرن نظر آئی تھی۔

"آپ ولیم کو جانتے ہیں؟" وہ امید بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"ولیم کو کیسے بھول سکتا ہوں؟" وہ ایک دم سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ٹیپ ریکارڈر اس نے بند کر دی تھی۔

"تم یہیں بیٹھو میں آتا ہوں۔" وہ اسے تنبیہہ کر کے خود آفس سے باہر نکل گیا۔ نساء کے چہرے پر الجھن تھی۔ آخر کون تھا وہ؟ کیا ولیم کا کوئی دوست تھا؟ لیکن وہ ولیم کے کسی ایسے دوست کو نہیں جانتی تھی جو پولیس آفیسر ہو۔

"آفیسر پال؟" باہر اسے جونیئرز بلا رہے تھے۔ "وہ لڑکی تھوڑی عجیب لگ رہی ہے۔ میرے خیال سے ہمیں اس پر فوکس کرنا چاہیے۔" وہ نساء کی ہی جانب اشارہ کر رہا تھا۔ وہ گردن موڑے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"نہیں وہ نہیں ہے۔ پورے گروہ میں صرف وہی ایک لڑکی ہے جس پہ ہم شک نہیں کر سکتے۔" وہ اپنا فون نکالے ایک نمبر ملا رہا تھا۔

"آپ اسے جانتے ہیں؟" سرگوشی نما انداز میں پوچھا گیا۔ آوازیں نساء تک نہیں آتی تھیں پر وہ جانتی تھی اسی کے متعلق بات ہو رہی تھی۔

"میں جوزف پیلس کے مکینوں کو اچھے سے جانتا ہوں۔" وہ بس اتنا ہی کہہ پایا۔ وہ جو نمبر ملا رہا تھا اس پر کوئی فون نہیں اٹھا رہا تھا۔

"اسکا فون کہاں ہے؟" اس نے سنجیدہ لہجے میں پوچھا۔

"میں ابھی لے کر آتا ہوں۔" جونیئر کہتا ایک جانب بڑھ گیا کچھ دیر بعد وہ اس ڈبے کے ساتھ واپس آیا جس میں سب کے فون تھے۔ آفیسر پال نے اس سے وہ ڈبہ لیا اور واپس اپنے آفس کی جانب بڑھ گیا۔ اب وہ نساء کے سامنے بیٹھا تھا۔

"اپنا فون اٹھاؤ اور گھر کال کرو۔" نساء نے کپکپاتے ہاتھوں سے فون اٹھایا اور اب وہ جارج کو کال ملا رہی تھی۔ بیل جا رہی تھی پر وہ فون نہیں اٹھا رہا تھا۔ اس نے مایوسی سے فون واپس رکھ دیا۔

"اوکے تم ریلیکس ہو جاؤ۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے تم یہاں محفوظ ہو۔" اس نے یقین دہانی کرائی تو وہ بس سر ہلا کر رہ گئی۔

"آپ ولیم کو کیسے جانتے ہیں؟" اس نے جھجھکتے ہوئے پوچھ ہی لیا۔ اس کی بات پر آفیسر پال مسکرا دیا۔

"اس نے سالوں پہلے میری جان بچائی تھی جب میں سمندر میں ڈوب کر مر جانا چاہتا تھا۔ وہ میرا محسن ہے۔ وہ نہ ہوتا تو آج میں یہاں نہ ہوتا۔" وہ پھیکا سا مسکرا دیا جبکہ نساء اپنی جگہ پر ساکت رہ گئی۔ وقت بھی کیسے کیسے کھیل کھیلتا ہے کہ انسان دنگ رہ جاتا ہے۔

✿••✿••✿••✿

وہ دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ خشک پپڑی زدہ ہونٹ، سوکھا گلہ، زخمی جسم اور زخمی روح، دونوں پاؤں مضبوط بیڑیوں میں بندھے تھے اور بیڑیاں دونوں جانب اوپر دیوار میں لگے اسٹینڈ سے بندھی تھیں۔ ہاتھوں میں بھی بیڑیاں تھیں۔ وہ چل پھر سکتا تھا لیکن آٹھ دس قدم سے زیادہ نہیں۔

دن رات کا کوئی ہوش نہیں تھا۔ وہ خود نہیں جانتا تھا اسے یہاں کتنے دن ہو گئے تھے۔ یاد تھا تو اتنا کہ خوراک کے نام پر اس کے منہ میں پانی کے چند قطرے ڈالے گئے تھے۔ سر گھوم رہا تھا اور پیٹ کی انتڑیاں بھوک سے جیسے سوکھ گئی تھیں۔

وہ آنکھیں کھولنے کی کوشش کر رہا تھا پر جسم کا رواں رواں تکلیف میں مبتلا تھا۔ توانائی بالکل ختم ہو چکی تھی۔ دیوار پر ٹنگی ایک مشعل کی ہلکی زرد روشنی تہہ خانے ہے اندھیرے کو مٹانے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔ اب تو اس میں چیخنے چلانے کی ہمت بھی نہیں بچی تھی۔ کبھی کبھی بادلوں کے گرجنے کی آواز سنائی دیتی تو احساس ہوا کہ باہر بارش ہو رہی تھی۔ بارش کی آواز اسے دنیا کی سب سے خوبصورت آواز لگتی تھی۔ اچانک تہہ خانے میں آہٹ ہوئی۔ اس نے ڈھلکی ہوئی گردن اٹھائی، آنکھیں پھاڑ کر دیکھنا چاہا پر کوئی دکھائی نہیں دیا البتہ قدموں کی چاپ سنائی دیتی تھی جو دھیرے دھیرے قریب ہو رہی تھی۔

"ہیلو برادر۔۔۔" جارج کی روح چیر دینے والی آواز سنائی دی۔

"مجھے مس کیا؟" ٹک کی آواز ابھری اور دوسری دیوار پر ٹنگی مشعل بھی جل اٹھی۔ اس نے روشنی سے بچنے کے لیے آنکھوں پر ہاتھ رکھنا چاہا تو بھاری بیڑیوں کے ٹکرانے کی آواز گونجی۔ جارج سامنے ہی کھڑا تھا۔ ولیم کچھ نہ بولا۔ اس نے تھوک نگل کر گلہ خشک کرنا چاہا۔

"تو یہ لڑکی ہے وہ جس کے لیے تم ہم سب کو چھوڑ کر بھاگ رہے تھے؟" جارج کے تمسخرانہ آواز سنائی دی اور ولیم کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔ وہ سامنے ہی کرسی پہ ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے بیٹھا تھا۔ ہاتھ میں ولیم کا کیمرہ تھا۔

"یونو واٹ؟ ڈیڈ نے نیل کو تمہاری فیورٹ گاڑی دی ہے۔ اسے انعام دیا گیا ہے۔ تمہاری مخبری کے بدلے۔" وہ نظریں کیمرے کی اسکرین پر جمائے اسے زبان کے زہر سے ڈس رہا تھا۔

"تمہیں کیا لگا تھا تمہیں یہ لڑکی اپنا لے گی؟" وہ سوالیہ انداز لیے بولا۔

"تمہیں تو تمہارے دوست نے دھوکا دے دیا یہ لڑکی تو پھر پاکستانی ہے تمہاری ماں کی طرح۔" وہ طنز کے تیر برساتا گیا۔

"دنیا بھر کی ذلالت تمہارا مقدر ٹھہری ولیم جوزف!" وہ زہر اگل رہا تھا۔

"تمہیں پتا ہے تمہاری شادی کے بارے میں کس نے بتایا؟" وہ کیمرہ کرسی پر رکھتے خود اٹھ کھڑا ہوا اور پھر قدم قدم چلتا عین ولیم کے سامنے، پنجوں کے بل بیٹھ گیا۔

"جینی نے۔" اس نے خباثت بھرا قہقہہ لگایا۔ "تمہیں لگا تھا وہ سب تمہارے ہیں؟ تمہارے اپنے ہیں؟" لہجے میں طنز نمایاں تھا۔

"تمہارا کوئی نہیں ہے۔" اس کی گرم سانسیں ولیم کو اپنے چہرے پر محسوس ہوئیں۔ اس نے بمشکل آنکھیں کھولیں اور جارج کی آنکھوں میں دیکھنے کی کوشش کی۔

"تم یہ سب کیوں کر رہے ہو؟" وہ بمشکل بول پایا۔ اسے اپنی ہی آواز دور سے آتی سنائی دی۔

"میں یہ سب کیوں کر رہا ہوں؟" وہ اس کا سوال دہراتے اٹھ کھڑا ہوا۔ لہجے میں کھلا استہزاء تھا جیسے وہ حیران ہوا ہو پھر سوچ میں پڑ گیا۔

"تم نہیں جانتے میں یہ سب کیوں کر رہا ہوں؟" وہ دونوں ہاتھ اٹھائے بولا۔

"تو چلو میں بتا دیتا ہوں۔" اس نے کمر پر دونوں ہاتھ رکھے اور گردن ایک جانب ڈھلکا کر ولیم کو دیکھا۔ ہیرو بن کر گھومنے والے ولیم کی حالت کسی فقیر سے کم نہیں تھی۔

"اس کی وجہ تم ہو ولیم! ہمیشہ سے تم۔" اس بات اس کا چہرہ سرخ پڑا۔ آنکھوں میں زخمی پن ابھرا۔

"ولیم۔۔ولیم۔۔۔ولیم۔۔جب سے ہوش سنبھالا بس اسی نام کی پکار کو سنتے پایا۔ ولیم اسپیشل ہے، ولیم بیمار ہے، ولیم نے یہ کر دیا، ولیم یہ مت کرنا۔ ہمیشہ سے تم ہی تو تھے ولیم۔" وہ اندر کھول رہا تھا جو اس نے ہمیشہ چھپا کر رکھا تھا۔ کچھ زخم تھے جو گہرے تھے۔ کچھ تکلیفیں تھیں جن سے ولیم انجان تھا۔

"ڈیڈ کو میں کبھی نظر ہی نہیں آیا۔" وہ ایک بار پھر ہاتھ اٹھائے استہزائیہ بولا۔ اندر کہیں حسد، جو دھیرے دھیرے پنپتا رہا وہ باہر آ گیا تھا۔ ہاں وہی حسد نے جس نے ایک بھائی کو قابیل بنا دیا۔

"میری محبت، میری فرمانبرداری، میری محنت، انہیں کبھی کچھ نظر نہیں آیا کیونکہ ساری توجہ تمہارے نفسیاتی پن نے کھینچ لی تھی۔" وہ دبے دبے لہجے میں چلایا۔

"میں ہمیشہ پرفیکٹ بننے کی کوشش کرتے ہوئے بھی ان کی توجہ نہیں کھینچ پایا اور تم نے ہمیشہ کام بگاڑ کر بھی انہیں متوجہ رکھا۔ آخر کیوں؟" وہ گھٹنوں پر دونوں ہاتھ جمائے، اس کے قریب جھکا ہوا تھا۔ ولیم سن رہا تھا سمجھنے کی

کوشش کر رہا تھا پر بولا کچھ نہیں۔ اسے یاد تھا تو بس اتنا کہ جن ہاتھوں سے جارج اسے کھانا کھلاتا تھا انہی ہاتھوں نے اس کے جسم سے روح کھینچ لی تھی۔

"تمہاری ماں نے ہماری ماں کی خوشیاں نگل لیں اور تم نے ہماری۔" اس نے ایک اور وار کیا۔ "میں نے بہت کوشش کی کہ ہمیشہ سب ٹھیک رکھوں پر تم نے ہمیشہ سب بگاڑ کر مجھے ڈیڈ کی نظروں ذلیل کروایا۔ تم نے ولیم۔" اس نے شہادت کی انگلی سیدھی کرتے ولیم کے ماتھے پر دستک کی۔ سانس پھولا ہوا تھا۔

"جارج۔۔ تم۔۔۔ ایسے نہیں ہو۔" اس نے تکلیف سے پہلو بدلتے کہا۔

"اور مجھے ایسا بنانے والے صرف تم ہو۔" وہ قہقہہ لگاتے، واپس پلٹ گیا۔

"ویل۔۔۔۔ تمہاری اصلی جگہ یہی ہے تم ہمیشہ یہیں رہو گے۔ پر ابھی میں تم سے جو پوچھنے آیا ہوں وہ بتاؤ۔" وہ پورے قد سے کھڑا تھا۔ نہایت سنجیدہ۔ بھنویں سکڑی ہوئیں اور آنکھیں سرد، چہرہ سپاٹ تھا۔

"میرج سرٹیفیکٹ کہاں ہے تمہارا؟" وہ کسی بھی قسم کے تاثرات سے عاری لہجے میں بولا۔ اس کی پوری تقریر کے دوران ولیم کے ہونٹوں پر پہلی بار مسکراہٹ ابھری۔ استہزائیہ مسکراہٹ! جارج دیکھ چکا تھا اور پل کے ہزارویں حصے میں اس کا خون جل کر راکھ ہوا۔ اس نے آگے بڑھتے ہوئے زوردار لات ولیم کے پیٹ میں دے ماری۔ وہ تکلیف کے باعث دہرا ہوتے جھک گیا۔ جبڑے بھینچ لیے، منہ سے آہ بھی نہیں نکلی۔

"ابھی تک تمہارا ڈھیٹ پن ختم نہیں ہوا۔۔" ایک جھٹکے سے اسے بالوں پکڑتے اس کا منہ اوپر کیا اور اس پہ جھکتے ہوئے بولا۔

"مجھے صاف صاف بتاؤ ولیم۔ کہاں ہے وہ میرج سرٹیفیکٹ؟" اس کا چہرہ سرخ انگارہ تھا اور آنکھیں پھٹنے کو تیار۔ ولیم نے بمشکل آنکھیں کھولیں اور پھر مسکرا دیا۔

"بھاڑ میں جاؤ!" اگلے ہی پل وہ تمسخرانہ بولا۔

"لگتا ہے تمہیں میری بات سمجھ نہیں آئی۔" اس نے ایک جھٹکے سے ولیم کے بال چھوڑے اور پھر اس پر لاتوں کی بارش کر دی۔ وہ نہیں دیکھ رہا تھا اس کا بھاری بوٹ ولیم کو کہاں لگ رہا تھا۔ اس نے جارج کو روکنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ زخموں سے سجے جسم پر پڑنے والے ٹھڈے اور لاتوں سے بلبلا کر وہ دہرا ہوتے جھک گیا۔ جارج تب تک مارتا رہا جب تک وہ تھک نہیں گیا اور پھر اسے وہیں چھوڑ کر واپس پلٹ گیا۔ اسکا انداز جارحانہ تھا۔ ولیم ایک بار پھر زمین پر پڑا تھا۔ منہ بھینچ کر تکلیف برداشت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اس کی نمکین آنکھیں سامنے کرسی پر رکھے کیمرہ پر جمیں تھیں۔ وہ کیمرہ جس سے یہ کہانی شروع ہوئی تھی۔

✿••

"اماں اپنا سامان باندھ لیں آج شام ہم یہ گھر چھوڑ کر جا رہے ہیں۔" صبح اٹھتے ہی اس نے سب سے پہلے اماں کے سر پر بم پھوڑا تھا۔ یوں تو اماں جانتی تھیں جو کچھ بھی چل رہا تھا۔ فجر کی باتوں سے پتا چلتا رہا تھا۔ پچھلے تین دنوں میں اس نے جانے کتنی فون کالز سنی تھیں۔

"نہیں یہ صوفہ نہیں وہ والا لیں"

"اس بیڈ کا ڈیزائن اچھا نہیں ہے"

"یہ کلر چینج کروائیں"

سارا دن بس ایسی ہی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ آخر کار آج وہ دن آ ہی گیا تھا جب فجر نے پہلی اڑان بھر لی تھی۔ وہ یہ محلہ چھوڑنے جا رہی تھی۔ ترحم بھری، نفرت بھری، ہر طرح کی نظروں سے دور جا رہی تھی۔ اس وقت بھی وہ مصروف دکھائی دیتی تھی۔ اپنا سامان سمیٹ رہی تھی۔ زیادہ کچھ نہیں تو لے جا رہے تھے بس اسکا ذاتی سامان تھا۔ اس گھر سے ویسے بھی لے جانے لائق کچھ بھی نہیں تھا۔

پچھلی رات ہی اسے لکس سے نیا جوائننگ لیٹر مل چکا تھا اور توقع کے عین مطابق کانٹریکٹ میں اس کی مرضی کا بدلاؤ کر کے اسے بھیج دیا گیا تھا۔ وہ کئی پل اسکرین پر نظر آتے کانٹریکٹ کو دیکھتی رہی۔ کچھ تھا جو کھٹکنے لگا تھا۔ اس کی چھٹی حس بہت تیز تھی۔ وہ intuitive تھی۔ اسے ادراک کی صورت پیغام ملتے تھے اور ابھی بھی اس کی چھٹی حس اسے کسی خطرے سے آگاہ کر رہی تھی۔ آخر لکس جیسی کمپنی اس کی ساری شرائط کیوں مان رہی تھی؟ یہ سوال کئی بار کھٹکا تھا اور ابھی بھی کھٹک رہا تھا۔

"کیا مجھے یہ قدم اٹھانا چاہیے؟" وہ خود سے محو گفتگو تھی۔

"رسک لینا نہیں سیکھوں گی تو آگے کیسے بڑھوں گی؟"

"کم آن فجر! تم یہ کر سکتی ہو۔ ہاں میں یہ کر سکتی ہوں۔ خطرے کے پیش نظر ڈر کر پیچھے نہیں ہٹ سکتی۔"

اس نے گہرا سانس لیا اور ذہن کو پر سکون کرنا چاہا۔

"جو بھی ہو گا میں دیکھ لوں گی۔ مجھے راستہ نکالنے آتے ہیں۔ ہاں فجر کو راستے بنانے آتے ہیں۔" وہ آنکھیں بند کیے خود کو سمجھا رہی تھی۔ جیسے ورد کر رہی ہو۔ اپنے ساتھ ساتھ پوری کائنات کو سنا رہی ہو۔

"میں سروائیور ہوں!" پھر اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

"میں سب سروائیو کرلوں گی۔" کانٹریکٹ لیٹر پر ڈیجیٹل سائن کیے اور واپس بھیج دیا۔ وہ یکم سے جوائننگ کے لیے تیار تھی۔

اور اس وقت وہ تقریباً شفٹنگ کے لیے تیار تھی۔ محلے کی چند عورتیں اماں سے ملنے آئی تھیں۔ اماں رو رہی تھیں۔ سالوں سے اسی گھر میں رہے تھے۔ شوہر کے جانے کے بعد یہ گھر چھوڑنا پڑے گا انہوں نے سوچا نہیں تھا پر فجر رکنے والوں میں سے نہیں تھی۔ اس کا بہاؤ تیز تھا اور اماں بہاؤ کے الٹ نہیں بہہ سکتی تھیں۔ اس گھر میں ویسے بھی کچھ نہیں بچا تھا۔ وہ کب تک فجر کو اس اڑنے سے روک سکتی تھیں؟

سامان کے نام پر اماں کا ایک صندوق تھا جس پر تالا لگا ہوا تھا۔ فجر نے نہیں پوچھا اس میں کیا تھا اور نہ اماں نے کبھی بتایا تھا۔ پورا دن انہوں نے اسی گھر میں گزارا۔ اماں سب سے مل لیں تو فجر نے ایک آخری اور الوداعی نظر اپنے کمرے پر ڈالی۔ یہ کمرہ اس کا ساتھی تھا اور وہ اسے کبھی بھول نہیں پائے گی۔ یہاں اس نے اپنی زندگی کے مشکل ترین، تنہا ترین دن گزارے تھے۔ اس کی آنکھوں میں ذرا بھی نمی نہیں ابھری۔ اگر وہ جذباتی ہو کر بیٹھ جاتی تو پھر بیٹھی ہی رہ جاتی۔ موو آن کرنا اسکے لیے کبھی مشکل نہیں رہا تھا اور پرانے محلے سے بھی بالآخر اس نے موو آن کر ہی لیا۔

مغرب کے وقت وہ اپنے سامان سمیت، نئے اپارٹمنٹ پہنچ چکے تھے۔ ڈیلر نے ورکرز سے کہہ کر انکا سامان اوپر پہنچا دیا۔ آتے ہی فجر نے ایک گہرا سانس لیا۔

"زندگی کا نیا باب مبارک ہو فجر!" اس نے خود کو آئینے میں دیکھتے ہوئے مبارکباد دی۔ خود کا کندھا تھپکا۔

اماں گھوم پھر کر پورا اپارٹمنٹ دیکھ رہی تھی۔ ابھی اسے اپنے مطابق سیٹنگ کرنی تھی۔ اماں کے لیے اس نے آرام دہ کمرہ تیار کروایا تھا۔ اماں کافی دیر تک کھلی کھلی نظروں سے سب دیکھتی رہیں۔ شاید انہیں اندازہ نہیں تھا فجر اتنا

کچھ اکیلے کر لے گی۔ یوں تو ان کے کان کافی تیز تھے۔ آنکھیں بھی کھلی رکھتی تھیں اور فجر نے بھی ان سے کبھی کچھ چھپایا نہیں تھا۔ چاہے ان کی بنتی نہیں تھی پر اماں کے کانوں میں وہ ساری باتیں ڈالتی رہتی تھی۔ رات تک اس نے گھر کی کافی سیٹنگ کر لی تھی۔

"آپ نے آتے ہوئے پارک دیکھی ہو گی؟ بالکونی سے نظر آتی ہے بالکل نیچے ہی ہے۔ آپکا جب دل چاہے وہ وہاں واک کے لیے جا سکتی ہیں۔" لہجہ بالکل مختلف تھا۔

وہ کیا چیز ہے جو ہمارے لہجے کو اپنوں کے ساتھ درشت بناتی ہے؟ محبت کی کمی، مان سمان کی کمی، ہمارے وجود کی ناقدری، قبولیت کی کمی، احساس کی کمی اور سب سے بڑھ کر غربت، مفلسی، تنگدستی! جب خواہشات تو کیا ضروریات بھی پوری نہ ہوں تو زبان کبھی میٹھا نہیں بول پاتی۔

بہت سے شادی شدہ جوڑے چند ہی سالوں میں ایک دوسرے سے بے زار ہو جاتے ہیں۔ بیوی کو شوہر سے لگاؤ ختم ہو جاتا ہے اور شوہر بیوی سے اکتا جاتا ہے۔ گھر میں لڑائی جھگڑا رہتا ہے کیونکہ گھر کی مفلسی ختم نہیں ہوتی۔ وہ باپ بھائی زہر لگنے لگتے ہیں جو ہمارے لیے کچھ نہیں کرتے۔

جیب خالی ہو تو پیٹ کی آگ کو محبت کے چھینٹے نہیں بجھا پاتے۔

وہ کیا تھا جس نے فجر کے لہجے کو بدل دیا تھا؟

اماں نے یہ کہنا چھوڑ دیا تھا کہ "اس پر کسی اور حق تھا، وہ کسی اور کے لیے بنی تھی۔ اس کی اپنی کوئی پہچان نہیں تھی۔"

وہ اپنے خوابوں کو پورا کر رہی تھی۔ اماں اب اسے بد دعائیں نہیں دیتی تھی۔ لوگ اسے ترحم نظروں سے نہیں دیکھتے تھے۔ اسے مان سمان مل رہا تھا۔ پیسہ وہ پہلے بھی کما رہی تھی لیکن وہ لائف اسٹائل جو وہ جینا چاہتی تھی وہ اب ملا تھا۔ اس سے بھی بڑھ کر اس نے محبت جیسے جذبات سے خود کو آزاد کر لیا تھا بلکہ اس نے ہر طرح کے جذبات سے آزاد کر لیا تھا۔ یوں جیسے اس نے اپنے احساسات کو ٹرن آف کر دیا ہو۔

اور پھر اماں؟ اماں کی خاموشی، اماں کا اسے ہر وقت کا ڈانٹ ڈپٹ نہ کرنا، اسکی ذات کو قبول کرنا، اس کے فیصلوں کو اہمیت دینا، شاید یہ سب مل ملا کر اس میں اماں کے لیے لچک پیدا کر رہے تھے۔

"آپ کے کمرے میں اے سی لگا ہوا ہے۔ ویسے تو دونوں اے سی پرانے ہیں لیکن گرمی گزر جائے گی۔ میرا آفس یہاں سے دور ہے پر ڈرائیور لینے آیا کرے گا۔ میری جاب اچھی جگہ پہ ہوئی ہے۔ ان سب چیزوں میں کچھ بھی حرام کا نہیں ہے۔ میری کوشش ہو گی آپ کو میرے بارے میں کبھی کچھ غلط سننے کو نہ ملے۔"

اس کا لہجہ مصالحتی تھا۔ اماں صوفے پہ بیٹھی تھیں اور وہ کچن کے کیبنٹ سیٹ کر رہی تھی۔ اماں نے بھنویں سکیڑ کر اسے دیکھا۔ آنکھیں واضح کہتی دکھائی دیتی تھیں کہ **"جو تم نے کر لیا ہے اس بعد کوئی کسر باقی نہیں رہتی"** پر وہ منہ سے کچھ نہ بولیں۔ فجر بھی خاموش ہو گئی۔ اماں کچھ دیر بیٹھی رہیں پھر اٹھ کر چلی گئیں۔

رات بارہ بجے بستر پر لیٹنے سے پہلے اس نے اماں کے کمرے کا دروازہ کھول کر دیکھا۔ اے سی بند تھا اور پنکھا چل رہا تھا۔ کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ باہر سے تازہ ہوا آ رہی تھی۔ اماں آنکھوں پر بازو دھرے ساکت لیٹی تھیں۔ پتا نہیں سو رہی تھیں یا جاگ رہی تھیں وہ دروازہ بند کرتے واپس آ گئی۔ نئی جگہ تھی نیند نہیں آئی۔ جانے کتنے گھنٹے کروٹیں بدلتے گزر گئے۔ سوچ سوچ کر سر دکھنے لگا اور پھر آنے والی زندگی کے بارے میں سوچتے سوچتے جانے بالآخر اس کی آنکھ لگ گئی۔

✿••✿••✿••✿

"آہ یہ جازب لغاری تو مرنے کے بعد بھی عذاب بن گیا ہے۔"

اس کا کیس تھا کہ بند ہی نہیں ہو رہا تھا۔ رئیس کو کورٹ بلایا جا رہا تھا اور وہ چلا جائے ایسا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

"زیادہ دیر نہیں رہے گا۔" عروزہ کی ہیل کی ٹک ٹک سنائی دی۔ رئیس اس وقت مراد کے ساتھ میٹنگ روم میں تھا۔ وہ دونوں آنے والے رئیس گروپ کے سب سے بڑے پروجیکٹ کے بارے میں ڈسکس کر رہے تھے۔ ابھی کچھ دیر بعد میٹنگ تھی اور اس سے پہلے وہ لوگ پروجیکٹ کو آپس میں اچھی طرح ڈسکس کرنا چاہتے تھے۔

عروزہ کے ہاتھ میں ٹیبلٹ تھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح یونیفارم میں تھی اور اس کا رخ رئیس کی کرسی کی جانب تھا۔ بڑی سی اسکرین پر کچھ نئے پروجیکٹ تفصیلات دکھائی دیتی تھیں۔

"ایسا کیا چراغ کا جن ہاتھ لگ گیا ہے تمہارے؟" مراد نے اپنا فون بے دلی سے بند کرتے، ایک جانب کھسکایا۔ ابھی ابھی اس نے سوشل میڈیا پر، جازب لغاری کی بیوی کی جانب سے چلتا ایک بیان دیکھا تھا۔ وہ مان ہی نہیں رہی تھی کہ اس کے شوہر نے خودکشی کی تھی۔

"عروزہ کے ہوتے کسی چراغ کے جن کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے ٹیبلٹ پر انگلیاں گھماتے، ٹیبلٹ رئیس کی جانب بڑھایا۔ وہ جو کافی سنجیدہ دکھائی دیتا تھا اس نے ایک سوالیہ نظروں سے عروزہ کو دیکھا۔ ٹیبلٹ نہیں تھاما۔

"خود دیکھ لیں۔" عروزہ نے کندھے اچکائے تو رئیس نے ٹیبلٹ تھام لیا۔ اسکرین پر کلک کیا تو ایک ویڈیو چلنے لگی اور اگلے ہی پل اس کے چہرے پر تمسخرانہ مسکراہٹ ابھری۔ اس نے پانچ سیکنڈ سے زیادہ ویڈیو نہیں دیکھی۔

ٹیبلٹ میز پر رکھ دیا۔ستائش بھری نظروں سے عروزہ کو دیکھا جو لمبی میز کے ایک جانب بیٹھی تھی اور دوسری جانب مراد عالم تھا جبکہ سربراہی کرسی پر وہ خود بیٹھا تھا۔

اس نے میز پر رکھا اپنا فون اٹھایا اور عروزہ کا نمبر **'عروزہ دی فائٹر'** سے **'عروزہ دی چراغ کا جن'** کر دیا۔

اس کے ٹیبلٹ رکھتے ہی مراد عالم نے فٹافٹ اٹھایا اور جیسے ہی ویڈیو چلنا شروع ہوئی اس کے چہرے کے تاثرات بدلتے گئے۔ آنکھیں حیرت سے کھل گئیں۔

"اومائی مائی۔۔"اس نے بے ساختہ منہ پر ہاتھ رکھا۔ یہ ویڈیو جازب لغاری کی ایک پرائیوٹ ویڈیو تھی۔اس کا رئیس جیولرز کی ایک مشہور ڈیزائنر کے ساتھ افیئر چل رہا تھا اور اس ویڈیو میں وہ اقرار کرتا صاف دکھائی دے رہا تھا کہ اس نے رئیس گروپ کو کیسے بے وقوف بنایا تھا۔ یہ ویڈیو ڈیزائنر نے خود بنائی تھی شاید وہ بعد میں جازب کو بلیک میل کرنا چاہتی تھی۔ پر اس سے پہلے ہی گیم بدل گئی اور عروزہ جمال تو سمندر سے سوئی بھی ڈھونڈ لائے۔ آخر وہ tech سیکیورٹی کی ہیڈ تھی۔

"مجھے شک تھا۔ میں نے جازب کو ایک بار اس ڈیزائنر کے ساتھ دیکھا تھا اور جازب کی موت کے بعد جب میں نے اس پر نظر رکھی تو یہ کافی گھبرائی ہوئی تھی اور فائنلی آج مجھے ثبوت مل ہی گیا۔"اس نے سرشاری سے کندھے اچکائے۔

"اب اس کا کیا کرنا ہے؟"مراد عالم نے ویڈیو پھر سے لگائی۔ آنکھوں میں خباثت تھی۔رئیس نے خفگی سے ٹیبلٹ اس کے ہاتھ سے جھپٹا۔

"خبیث آدمی بس کرو۔" اسے ڈپٹتے ہوئے اس نے ٹیبلٹ الٹا رکھ دیا۔ وہ ویڈیو جو اس نے خود پانچ سیکنڈ بھی نہیں دیکھی وہ مراد عالم بار بار دیکھنا چاہ رہا تھا۔

"وائرل۔۔۔" عروزہ نے یک لفظی جواب دیا۔

"نہیں۔۔ ہرگز نہیں۔۔" رئیس کی اس ساری گفتگو میں پہلی بار گرجدار آواز سنائی۔

"یہ ویڈیو کسی صورت لیک نہیں ہو گی۔ میں فیئر پلے کا عادی ہوں۔ ایک عورت کو بیچ میں لا کر نہیں کھل سکتا۔ ہاں ویڈیو جازب کے گھر والوں کو دکھاؤ اور انہیں بتاؤ کہ اگر وہ کیس واپس نہیں لیں گے تو یہ وائرل ہو سکتی ہے پر ہم کریں گے نہیں۔ میں ایسے چھوٹے موٹے کیس کو اتنی اہمیت نہیں دیتا۔" وہ کافی سنجیدہ تھا۔

"لیکن باس، مسز جازب روزانہ سوشل میڈیا پہ آ کر اپنی ویڈیوز کے ذریعے انصاف مانگ رہی ہے۔ اس کی ویڈیوز سے ہماری بدنامی ہو رہی ہے۔" عروزہ نے اسے سمجھانا چاہا۔

"بدنام نہیں ہوں گے تو نام کیسے ہو گا؟ اتنا تو چلتا رہتا ہے۔ بس یہ ویڈیو اس کی وائف کو لازمی دکھاؤ۔ وہ خود ہی کیس واپس لے لے گی۔" اس نے پورے یقین سے کہتے، کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر ڈالی۔

"میٹنگ کا ٹائم ہو چکا ہے۔ ابھی تک آئے نہیں سب؟" پیشانی پہ سوچ کی لکیریں واضح تھیں۔ وہ آج کل الجھا الجھا سا تھا۔

"بس آتے ہی ہوں گے۔" مراد نے فون اٹھا کر مطلوبہ مینیجر کا نمبر ملایا جبکہ عروزہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا فی الحال اس میٹنگ سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ ٹیب اٹھائے دروازے کی جانب بڑھ رہی تھی۔ کبھی کبھی اسے رئیس پر بہت غصہ آتا تھا۔ وہ دروازے تک پہنچی ہی تھی کہ عقب سے رئیس کی آواز سنائی دی۔

"اور یہ ڈیزائنر" وہ آواز پر پلٹی، "یہ مجھے آئندہ یہاں نظر نہ آئے۔" اس کے چہرہ سپاٹ تھا۔ سرد سپاٹ۔ آنکھوں میں تپش دکھائی دیتی تھی۔ مراد عالم نے منہ کھول کر اسے دیکھا۔

"میں اسے جانتا ہوں وہ کافی سینیئر ڈیزائنر ہے۔ ہم اسے ایسے نہیں نکال سکتے۔" اس کا ردعمل بے ساختہ تھا۔

"ڈزناٹ میٹر! اسے آج ابھی اسی وقت نکالا جائے۔ رئیس گروپ لوگوں کے سیاہ منصوبوں کے عمل درآمد کی جائے پناہ نہیں ہے۔"

اس کا لہجہ حتمی تھا۔ یہ رائے نہیں حکم تھا اور اس حکم کو ٹالنے کی ہمت کسی میں نہیں تھی۔ عروزہ اثبات میں سر ہلاتی باہر نکل گئی۔

"دو سال، دو سال کافی ہوں گے؟" وہ اسکرین پر ابھرتے ہوئے اپنے ڈریم پروجیکٹ کی عمارت کو دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔

"یہ تو میٹنگ کے بعد ہی پتا چلے گا۔" مراد بھی سیدھا ہو بیٹھا تھا۔ یہ کام کا وقت تھا اور کام کے وقت رئیس کو صرف کام کرنا اچھا لگتا تھا۔

✿••✿••✿••✿

"آنے والے دو مہینے لکس کے لیے بہت اہم ہیں۔۔"

آج اس کا لکس میں پہلا دن تھا اور یہ اس کی زندگی کا اہم ترین دن تھا۔ وہ ٹائم پر آفس پہنچ گئی تھی اور صبح صبح ہی پہلی میٹنگ تھی۔ اسپیشل کاسٹیوم ڈیزائن کرنے والے سبھی ڈیزائنر موجود تھے۔ وہ ہلکے گلابی اور نیلے رنگ کے کھلتے پھولوں والا کاٹن کا سوٹ پہنے ہوئے تھی۔ ٹخنوں سے ذرا اوپر آتی لمبی کھلی قمیض اور کھلا ٹراؤزر، ایسے کپڑوں میں

اس کا قد مزید دراز لگتا تھا۔ بال فولڈ تھے اور ہم رنگ اسکارف گلے میں تھا۔ گردن میں ایک جانب سے گزار دونوں سرے آگے ڈال رکھے تھا۔ ریشمی بال جوڑے سے نکلنے کو بے تاب تھے۔ اس کا چشمہ آنکھوں پر جما تھا کیونکہ پراجیکٹر پر آج کی میٹنگ کے اہم پوائنٹس لکھے تھے۔

سونیا سلطان، سامنے اسٹیج پر کھڑی تھیں اور سبھی ڈیزائنر سنجیدہ دکھائی دیتے تھے۔

"پیرس میں ہونے والا یہ فیشن شو لکس کے لیے بہت اہم ہے اور خاص بات یہ ہے کہ اسپانسرز میں رئیس گروپ شامل ہے۔ ہمیں اپنی پوری توجہ اور محنت سے اسے یادگار بنانا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ اس فیشن شو کے اختتام پر لوگوں کے ذہن میں صرف لکس کا نام ہو۔" وہ نہ صرف شو کے بارے میں بتا رہی تھی بلکہ انہیں موٹیویٹ بھی کر رہی تھی۔

"آپ لوگوں کے پاس پندرہ دن ہیں۔ ہر وہ ڈیزائنر جس کا لکس میں آج پہلا دن ہے یا پھر اسے یہاں سالوں گزر چکے ہیں، سب کے پاس پندرہ دن ہیں۔ فیشن شو کے لیے جو کاسٹیوم ڈیزائن کیے جائیں گے ان کے ماڈل پندرہ دن کے اندر تیار ہوں۔ آپ اسے ایز اے ٹیم ورک بھی کر سکتے ہیں اور چاہیں تو اکیلے بھی۔ چوائس از یورز۔" ڈیزائنر سے ہوتی اس کی نظر فجر پہ آکر ٹھہر گئی۔

"اپنے خوابوں کو، اپنے نائٹ میئرز کو، دنیا تک پہنچانے کا اس سے بہترین موقع شاید ہی کبھی آپ کو ملے۔" اس نے فجر کو آنکھوں ہی آنکھوں میں بہت کچھ جتلا دیا تھا جسے فجر سمجھ بھی گئی تھی۔ ڈیزائنر مختلف طرح کے سوال کر رہے تھے پر وہ خاموش بیٹھی رہی۔ اس کا ذہن کہیں اور چل رہا تھا۔

"میڈم کیا کاسٹیوم ڈیزائننگ کے دونوں گروپ اس میں حصہ لیں گے؟" فجر کے عقب سے آواز ابھری۔ یہ آواز سنی سنی تھی۔ اس نے پہلی بار پلٹ کر دیکھا اور ساکت رہ گئی۔ اس کے پیچھے ہی دائیں جانب شہرام کھڑا تھا۔ وہی شہرام جسے اس نے یونیورسٹی میں ریجیکٹ کیا تھا۔ اس کا لکس میں ہونا کوئی چھوٹی بات نہیں تھی۔

"ہاں یہ سب کے لیے ہے۔ ڈیزائنز چاہے ڈارک تھیم گروپ سے ہو یا وائٹ تھیم گروپ سے۔ وہ اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھا سکتا ہے۔"

لکس میں کاسٹیوم ڈیزائننگ کے دو گروہ تھے۔ ہر ڈیزائنر کی شخصیت کے لحاظ سے اسے متعلقہ گروہ میں ڈالا گیا تھا۔ وہ ڈیزائنر جن کی شخصیت میں روشنی کا عنصر نمایاں تھا وہ وائٹ تھیم گروہ کا حصہ تھا اور فجر جیسے لوگ ڈارک تھیم میں تھے۔ جب ایک آرٹسٹ کو مکمل طور پر اس کی شخصیت کے مطابق کچھ کرنے کی آزادی دی جاتی ہے تب آرٹ تخلیق ہوتا ہے۔ شہزادیوں کے خوبصورت لباس بنانے والا ذہن رکھنے والا ڈیزائنر نائٹ میئرز کو آسانی سے نہیں بن پاتا اسی لیے یہ تقسیم کی گئی تھی اور اس سے لکس کا کام بہت بہتر ہوا تھا۔

فجر تو شہرام کو دیکھ کر ہی حیران تھی وہ بھی اسے دیکھ چکا تھا پر کہا کچھ نہیں۔ ویسے بھی اس کا گروپ دوسرا تھا تو شاید زیادہ آمنا سامنا نہ ہوتا۔

"اب مجھے ایسی غیر متوقع چیزوں کی عادت ڈال لینی چاہیے۔" اس نے گہرا سانس لے کر خود کو سمجھایا۔

پہلا دن کافی تکان بھرا تھا۔ اپنے گروہ کے ڈیزائنرز کو سمجھنا اور ان سے اچھے سے بات کرنا فجر کے لیے کافی مشکل کام تھا۔

اس کا آفس اچھا تھا۔ یہاں ایک لمبا ہال تھا۔ شیشے کی دیواروں سے بنا یہ ہال سب سے الگ تھا اور اس کے اندر ہی ہر ڈیزائنر کے لیے ایک چھوٹا سا آفس بنا تھا۔ جس کا دروازہ بھی شیشے کا تھا۔ سبھی ڈیزائنر ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے۔ یہ کافی دلچسپ تھا۔

بریک ٹائم وہ کیفے میں بیٹھی لنچ کر رہی تھی۔ آس پاس لوگوں کا ہجوم تھا۔ سینکڑوں لوگ، مختلف چہرے، ایک جیسے خواب!

کوئی لوگ اسے کیفے میں بھی اسکیچ بک پر پینسل پھیرتے نظر آئے۔ کہیں گروہ کی شکل میں بیٹھے کچھ ڈسکس کر رہے تھے۔ یہاں کی زندگی باہری زندگی سے کتنی مختلف تھی۔ یہاں کے لوگ پرانے محلے کے لوگوں سے بہت مختلف تھے۔

"تم فجر ہو نا؟ نیو ڈیزائنر؟" ایک کافی شوخ سا لڑکا اس کے ساتھ آکر بیٹھ گیا۔ پہلے تو اس کے بنا اجازت بیٹھنے پر فجر کی تیوری چڑھی۔ وہ یوں فری ہو رہا تھا جیسے برسوں سے جانتا ہو۔

"کیا ہم ایز اے ٹیم کام کر سکتے ہیں؟" پھر اس کے سوال پر اسے چِڑ چَڑھی۔

"یس میں فجر ہوں اور میں ٹیم ورک نہیں کرتی۔" وہ زبردستی مسکرائی اور پھر توجہ اپنی چائے کی طرف مرکوز کی۔

"لیکن میں بہت اچھا ٹیم ورک کرتا ہوں۔" اس نے خباثت سے کہتے ایک آنکھ دبائی۔ فجر نے ضبط سے مٹھیاں بھینچیں۔ ان سے کچھ فاصلے پر شہرام بیٹھا تھا۔ اس کی نظریں اسی جانب تھیں۔

"مجھے یقین ہے تم وائٹ تھیم سے ہو؟ ہے نا؟" پتا نہیں وہ اتنا شوخا کیوں ہو رہا تھا؟ فجر نے بمشکل خود کو کچھ غلط کہنے سے روکا۔ اس سے پہلے وہ کچھ کہتی موبائل پر ابھرنے والی بیپ نے اس کی توجہ اپنی جانب کھینچی۔

"بریک کے بعد مجھ سے ملیں۔" سونیا سلطان کا میسج تھا۔

"نہیں۔ میں بلیک تھیم سے ہوں۔ ناؤ ایکسکیوز می!" وہ منہ بناتے زبردستی مسکرائی اور پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ابھی وہ کیفے سے باہر نہیں نکلی تھی کہ اسے عقب سے اپنے نام کی پکار سنائی دی۔ پلٹ کر دیکھا تو شہرام کھڑا تھا۔ اسے اندازہ نہیں تھا وہ اس سے بات کرے گا۔ وہ اسے مخاطب کرے گا۔ اسے تو لگتا تھا وہ اس سے نفرت کرتا ہو گا۔

"اس لڑکے کو اگنور کرو۔ وہ یہاں سفارش پہ آیا ہے۔ تنگ کرے تو کمپلین کر دینا۔" وہ نرم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ فجر کو پہلے تو اس کے بلانے پہ اور پھر اس کے اتنے اچھے طریقے سے بات کرنے پر الجھن ہوئی۔ دماغ میں گھنٹی سی بجی۔

"تھینک یو!" وہ پیشہ وارنہ انداز میں مسکرائی اور پھر پلٹ گئی۔ فی الوقت اسے شہرام سے بھی کوئی تعلق نہیں رکھنا تھا۔ ہاں وہ اسکا کلاس فیلو تھا پر جو کچھ یونیورسٹی میں ہوا تھا وہ اب کبھی اس سے نارمل طریقے سے بات نہیں کر سکتی تھی۔

"اگر کبھی کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتانا۔" وہ اسے دور جاتے دیکھ کر پھر سے بولا۔ فجر کے قدم رکے پر وہ پلٹی نہیں۔ "میں یہاں سب کو جانتا ہوں میں یہاں پہلے انٹرن شپ کر چکا ہوں۔ کوئی مسئلہ مسائل ہو تو ضرور بتانا۔" اس نے یونہی کھڑے کھڑے شہرام کی بات سنی اور پھر کوئی جواب دیئے بنا پلٹ گئی۔

"فی الوقت اسے کسی کی ضرورت نہیں تھی۔ کسی مرد کی تو بالکل نہیں۔" گردن اکڑائے وہ دور جا رہی تھی اور شہرام نے تاسف بھری نظروں سے اسے جاتے دیکھا۔

کچھ لوگ کبھی ہمیں پلٹ کر نہیں دیکھتے چاہیں ہم انتظار میں کھڑے کھڑے بت بن جائیں۔

فجر کا رخ سونیا سلطان کے آفس کی جانب تھا۔ لکس کی عمارت کافی بڑی تھی اور کیفے سب سے بالائی منزل پر تھا وہ سفید لوفرز پہنے، چمچماتے ماربل پر پاؤں آگے رکھتی آگے بڑھ رہی تھی۔ یہاں اتنے لوگ کہ کسی کو اس کے ہونے نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ لوگ مصروف دکھائی دیتے تھے۔

لکس کا ایک نام تھا۔ اس کے کپڑے، جوتے، بیگ، پرفیوم اور دیگر اشیاء کی کافی ڈیمانڈز تھیں۔ اسی لیے یہاں کام بھی کافی زیادہ تھا۔ مختلف گروہ، مختلف ڈیزائنرز، مختلف ڈیپارٹمنٹس اور مختلف مختلف لوگ! ورائٹی کافی زیادہ تھی۔ وہ گہری نظروں سے ہر چیز کا مشاہدہ کر رہی تھی۔ اسے یہاں اپنی پہچان بنانی تھی۔ سفر لمبا اور مشکل تھا پر وہ راستہ بنا ہی لیتی۔ وہ اپنے ذہن میں ہی آنے والے وقت کی پلاننگ کر رہی تھی اور گلاس وال سے جھانکتے سورج نے اس کی پلاننگ کو سراہا۔

سونیا سلطان کے آفس پہنچ کر اس نے دروازے پر دستک دی اور ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا جیسے ہی اس نے قدم اندر رکھا، دروازے کے دوسری جانب کھڑے شخص کو دیکھ کر اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ منہ سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔

سامنے ہی جنید کھڑا تھا۔ ہاں وہی **جنید** جس نے اس کے اور ولیم کے نکاح میں مدد کی تھی۔ وہ اسے دیکھتے ہی پہچان گئی تھی۔ وہ بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں شناسائی تھی۔ یعنی وہ بھی اسے پہچان گیا تھا۔ فجر کا دل سکڑ گیا۔ چہرے کی رنگت بدل گئی۔

"السلام علیکم!" جنید نے مسکرا کر سلام کیا جبکہ فجر کے الفاظ تو حلق میں ہی پھنس گئے۔ اسے اپنی ٹانگیں شل ہوتی محسوس ہوئیں۔ یوں لگا جیسے سب ختم! شروع ہونے سے پہلے ہی ختم!

"و۔۔وعلیکم۔۔السلام!" وہ بمشکل ہی بول پائی۔ جنید اس کی بدلتی رنگت کو دیکھ چکا تھا۔ وہ فجر کی غیر ہوتی حالت بھانپ چکا تھا اور وہ جانتا تھا یہ کیوں ہوا تھا۔ اس نے پہلے بھی فجر کو یہاں دیکھا تھا۔ جس دن وہ انٹرویو دینے آئی تھی اور اس نے ولیم کو بھی آگاہ کیا تھا۔ اس وقت وہ اسے جانچتی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"تم دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہو؟" سونیا سلطان نے دونوں کو بت بنے دیکھا تو پوچھا۔ جنید نے کوئی جواب نہیں دیا وہ فجر کو دیکھ رہا تھا جبکہ فجر کو سب کچھ ختم ہوتا نظر آیا۔ ابھی وہ بتادے گا کہ کیسے اس نے فجر کی ایک فارنر کے ساتھ کورٹ میرج میں مدد کی تھی۔ زندگی کا سیاہ باب جسے وہ خود سے بھی چھپا کر رکھتی تھی وہ کسی اور کے ہاتھ لگ جائے گا۔

اور پھر سب ختم۔ وہ مزید نہیں سوچ پائی۔ قدم بڑھا کر آگے آئی۔

"نہیں۔ میں انہیں جانتی۔" اسکا لہجہ بہت سرد تھا۔ ہاں وہ اسے پہچانتی تھی پر جانتی نہیں تھی۔

جنید نے اس کی بات سنی اور پھر وہ ہولے سے مسکرا دیا۔ اس نے لاعلمی سے کندھے اچکا دیئے۔

"جنید یہ فجر معراج ہے اور فجر یہ جنید ہے۔ حال ہی میں انہوں نے ہماری لیگل ایڈوائزر ٹیم کو جوائن کیا ہے۔" دونوں نے ایک دوسرے کو یوں دیکھا جیسے تعارف قبول کیا ہو۔

"ٹھیک ہے میں چلتا ہوں۔" وہ صورتحال سمجھتا ہوا باہر نکل گیا۔ جبکہ فجر کا دل ڈوب چکا تھا۔ یعنی وہ بھی لکس میں ہی تھا؟ روز سامنا ہوتا؟ یہ تو کھلا ٹارچر تھا۔ وہ دن، جب اس نے ارسل کو چھوڑ ایک فارنر سے نکاح کیا تھا، وہ اسے

کبھی نہیں بھول سکتی تھی چاہ کر بھی نہیں اور کوئی اس دن کی یاد بار بار دلائے تو پھر وہ ٹارچر ہی ہے۔ وہ غائب دماغی سے کرسی پہ بیٹھ گئی۔

"کیسا گزر رہا ہے پہلا دن؟"

"ناقابل بیان!" وہ استہزائیہ مسکرائی۔ آج پتا نہیں کون کون سے بم پھٹنے تھے۔

"یہ تو بہترین ہے اور مجھے امید ہے تم کوئی ناقابل فراموش نائٹ میئر ڈھونڈ ہی لو گی۔" انہوں نے اسے پیرس فیشن شو کی بات کرنے کے لیے ہی بلایا تھا۔ وہ آدھا گھنٹہ وہاں بیٹھی رہی۔ کچھ ضروری باتیں تھیں اور آنے والے شو کو ڈسکس کیا جا رہا تھا۔

"تمہارے لیے اپنی پہچان بنانے کا یہ بہترین موقع ہے میں چاہتی ہوں تم اسے کیش کرو۔"

فجر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس کا ذہن بری طرح پک گیا تھا۔ پہلا دن اس پہ کام کا پہاڑ لے آیا تھا۔ پیچھے ہٹنے والوں میں سے تو وہ بھی نہیں تھی اب دیکھنا یہ تھا کہ وہ یہ موقع کیش کر پاتی یا نہیں؟

✿••✿••✿••✿

اماں، کچن میں سنک پر کھڑیں برتن دھو رہی تھیں۔ آخر کب تک وہ بھوکی رہ سکتی تھیں؟ کرنے کو کوئی کام بھی نہیں تھا۔ یہاں کافی سکون تھا۔ گرمی نہیں تھی۔ خاموشی سے ناشتہ بنایا اور کھانے کے بعد برتن دھونے لگیں کہ اچانک بیل بجنے لگی۔ یہ تو فجر کے آنے کا وقت نہیں تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ وہ چھ بجے کے بعد آئے گی۔ اس وقت کون ہو سکتا تھا؟ بیل تھی کہ بند ہی نہیں ہو رہی تھی۔ اماں دوپٹے سے ہاتھ صاف کرتیں دروازہ تک آئیں اور دروازے

میں بنے سوراخ سے جھانک کر دیکھا تو باہر ایک لڑکی نظر آئی۔ وہ بیل پر ہاتھ رکھ کر اٹھانا بھول گئی تھی۔ اماں کو کوفت ہوئی۔ انہوں نے دروازہ کھولا تو لڑکی کا سراپا واضح ہوئی۔ وہ دبلی پتلی سی بھوری رنگت والی لڑکی تھی۔

"وہ جی صفائی کرنی تھی۔ بی بی جی نے یہی ٹائم دیا تھا۔" اماں کو دیکھتے ہی اس نے طوطے کی طرح بولنا شروع کیا۔

"کون بی بی؟" اماں کی تیوری چڑھی۔

"وہ جی فجر بی بی! کل ہی مجھے نیچے ملی تھیں۔ صفائی ستھرائی کا کام انہوں نے مجھے دیا ہے۔ میں یہاں تین چار گھروں میں کام کرتی ہوں۔" وہ کہتے ہوئے اندر آگئی۔ اماں کو حیرت ہوئی۔ اس نے کام والی رکھ لی تھی۔

"میرے پاس نمبر ہے ان کا۔ میں ابھی فون کر لیتی ہوں۔" اس نے اپنا موبائل فون نکالتے فجر کا نمبر ملایا۔ فون اٹھا لیا گیا۔

"ہاں بانو بولو؟" دوسری جانب سے اس کی مصروف سی آواز سنائی دی۔

"بی بی میں آگئی ہوں آپ اپنی اماں کو بتا دیں۔" اس نے فون اماں کی جانب بڑھایا۔

"اماں میں نے ہی اسے رکھا ہے۔ بانو صفائی ستھرائی کا کام کر دے گی۔" اس کی آواز سنائی دی اور پھر فون بند ہو گیا۔ وہ جانتی تھی اماں اکیلے نہیں رہ پائیں گی۔ بانو آجایا کرے گی تو اماں کا وقت اچھا گزر جائے گا۔ یہی سوچ کر اس نے بانو کو رکھ لیا تھا۔

بانو اور اماں کی خوب بننے والی تھی فجر کو یہ لگتا تھا پر یہاں تو سین الٹ تھا۔ بانو جدھر جدھر جا رہی تھی اماں اس کے پیچھے پیچھے تھیں۔ آنکھیں عقاب کی طرح تاڑتی ہوئی تھیں۔ وہ اس پر جلدی بھروسہ نہیں کر سکتی تھیں۔ صفائی کرنے کے بعد جب وہ کچھ میں برتن دھونے آئی تو اماں نے اسے فوراً ٹوک دیا۔

"رہنے دو میں خود کرلوں گی۔" بانو کو اماں کے رویہ عجیب لگا۔

"میرا کام ہے جی۔ مجھے کرنے دیں۔"

"نہیں تم صفائی تک رہو بس۔" اماں کے لہجے کی نخوت کم نہیں ہوئی۔ وہ کچھ دیر اماں کے پاس رہی اور پھر چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی اماں نے سکون کا سانس لیا۔ پتا نہیں فجر انہیں سکون سے جینے کیوں نہیں دیتی تھی؟

✿••✿••✿••✿

کمرے میں ملگجہ سا اندھیرا تھا۔ عجیب سی خوشبو تھی جو نتھنوں سے بار بار ٹکرا رہی تھی۔ بہت مانوس اور جانی پہچانی سی خوشبو!

کمرے میں اچانک روشنی ہوئی ہوں جیسے کسی ٹمٹماتے چراغ نے آخری لو پکڑی ہو اور یہ روشنی ایک وجود سے تھی۔

سفید ریشمی فراک میں ملبوس ایک لڑکی گھٹنوں کے بل بیٹھی تھی۔ ریشمی سنہری بال پوری کمر پہ بکھرے تھے اور سنہری آنکھیں نمی سے بھرپور تھیں۔ اسکا سراپا واضح نہیں تھا۔ اس کے چہرے پہ بے یقینی سی تھی اور وہ یوں بیٹھی تھی جیسے اس کے وجود میں جان نہ ہو۔

بھاری بوجھل سانسیں، اس ملگجے اندھیرے میں سنی جاسکتی تھیں۔ کئی لمحے گزر گئے۔ وہ کچھ کہہ رہی تھی اور پھر وہ سفید فراک والی لڑکی دائیں جانب گر گئی۔

اسکا داہنا گال زمین پہ تھا اور اس کی آنکھیں مانو ہم پر ہی جمی ہوں۔ وہ اپنی آخری سانسیں لے رہی تھی۔ اسکا وجود نیلا پڑ گیا اور پھر کچھ دیر بعد ہی وہ تڑپنے لگے۔ منہ سے جھاگ نکلا اور خوبصورت آنکھوں نے ایک آخری بار پلکیں کھولیں اور پھر پتلیاں ٹھہر گئیں، نگاہیں ساکت ہو گئیں۔ اسکا وجود ختم ہو چکا تھا۔ بے جان!

"میں نے تمہیں معاف کیا۔ محبت تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گی!"

بھنبھناتی سرگوشیوں میں ایک درد بھری آواز ابھری اور نرم بستر پہ سویا وہ وجود جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔ اے سی کی ٹھنڈک میں بھی اس کا پورا وجود پسینے سے نہا گیا تھا۔ رئیس نے بے ساختہ سائیڈ ٹیبل پہ ہاتھ مار کر لیمپ آن کیا۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ اس نے پانی کا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔ غٹا غٹ پانی پیا اور ٹانگیں بیڈ سے نیچے لٹکا دیں۔

"ہاں وہ خواب تھا۔ ایک برا خواب۔" وہ خود کو دلاسہ دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ سفید ٹراؤزر شرٹ میں اسکا وجود کپکپاہٹ کا شکار تھا۔ یہ خواب نہیں اس کا نائٹ میئر تھا جو کبھی اسے سکون سے جینے نہیں دیتا تھا۔ وہ اٹھ کر چلنا پھرنا چاہتا تھا پر ٹانگیں شل تھیں۔ پورا جسم بے جان ہو چکا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ الفاظ اس کے جسم سے روح کھینچ کر لے گئے ہوں۔ کتنی ہی دیر وہ سر جھکائے یونہی بیٹھا رہا۔ بیڈ کی چادر کو دونوں مٹھیوں میں بھینچ رکھا تھا۔

یوں لگ رہا تھا جیسے دل سینے میں نہیں بلکہ کانوں میں دھڑک رہا ہو۔ آج وہ تکان کے باعث جلدی سو گیا تھا پر اندازہ نہیں تھا یوں تڑپ کر اٹھ جائے گا۔

دس، پندرہ، بیس جانے کتنے منٹ گزر گئے۔ جب حواس بحال ہوئے تو اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا اپنا فون اٹھایا اور عروزہ کا نمبر ملایا۔ پہلی ہی بیل پر فون اٹھا لیا گیا۔

"کیا اپڈیٹ ہے؟" تین لفظی سوال۔

"کام ہو گیا ہے باس؟" دوسری جانب سے چار لفظی سوال ابھرا تو اس نے مزید کچھ کہے سنے بنا ہی فون کاٹ دیا۔ گہری سانس لے کر خود کو نارمل کرنا کہا اور پھر فون واپس رکھتا اٹھ کر باتھروم کی جانب بڑھ گیا۔ پورا جسم جیسے اکڑ

چکا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ کپڑوں سمیت گرم پانی کے شاور تلے کھڑا تھا۔ فل شاور کھولے وہ سانسیں روکے کھڑا تھا اور پانی اولوں کی طرح اس کے جسم سے ٹکرا رہا تھا۔ کتنی دیر بعد اس نے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

"محبت تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گی۔" الفاظ پھر سے اس کی سماعت سے ٹکرائے تو وہ اذیت سے مسکرا دیا۔

"محبت نے مجھے کبھی معاف نہیں کیا۔" وہ زیر لب بڑبڑایا۔

"محبت نے مجھے کبھی معاف نہیں کیا۔" وہ ایک ہی جملہ بار بار دہرا رہا تھا۔ سینے میں اتنی جلن تھی کہ بیان کرنا مشکل تھا۔

"کیوں کیوں آخر کیوں؟" وہ دیوار پر مکوں کی بارش کر چکا تھا۔

"آخر کیوں منار کیوں؟" وہ پاگلوں کی طرح دیوار پر مکے مار رہا تھا۔ شفاف ہاتھوں کی انگلیاں زخمی ہونے لگیں پر اسے جیسے پرواہ ہی نہیں تھی۔ اس پر کسی پاگل کا گمان ہوتا تھا۔

تقریباً گھنٹے بعد وہ باتھروم سے باہر نکلا تو اس کی شرٹ اس کے اپنے ہی خون سے بھر گئی تھی۔ چہرہ حد درجہ سپاٹ تھا۔ پپوٹے سوجھے ہوئے اور رنگت سفید جبکہ ہونٹ نیلے پڑ چکے تھے۔ اس نے واک ان کلازٹ سے دوسرا سوٹ نکالا اور اسے بدلنے کے بعد فرسٹ ایڈ باکس سے پٹی نکال کر اپنے ہاتھ پر لپیٹ لی۔ جسمانی تکلیف کا احساس ہوا تو اسے روح کی تکلیف کم ہوتی محسوس ہوئی۔ آج کی رات اس پر حرام ہو چکی تھی۔ وہ گیلے بالوں سمیت، فون اٹھائے کمرے سے باہر نکل آیا اور یونہی بے مقصد راہداریوں میں چلتا ہوں بالآخر اپنے پرائیویٹ روم میں پہنچ گیا۔ اندر داخل ہوتے اس نے دروازہ بند کر دیا۔ آج کی رات اس کی یہیں گزرنے والی تھی۔

✿••✿••✿••✿

یہ ایک ہفتے بعد کی بات تھی۔ لاہور میں موسم برسات شروع ہو چکا تھا۔ فجر اس وقت گھر پہ تھی۔ رات کے ساڑھے گیارہ بجے کا وقت تھا اور پورا لاؤنج ڈھیروں ڈھیر کاغذوں سے بھرا ہوا تھا۔ پچھلے ایک ہفتے سے وہ لکس جا رہی تھی اور ایک ہفتہ گزر چکا تھا پر اسے کوئی بھی کاسٹیوم کا کوئی بھی آئیڈیا اس معیار کا نہیں لگا کہ وہ اسے پیرس میں ہونے والے فیشن شو کے لیے فائنل کر سکے۔ وہ جو بھی سوچتی اور گوگل کرتی تو اس پر پہلے ہی کام ہو چکا تھا۔ اس وقت بھی صوفوں کے درمیان رکھے میز پر اس کا لیپ ٹاپ رکھا تھا۔ اسکیچ بک کے ڈھیروں صفحے ہوا کے باعث اڑتے پھر رہے تھے۔ باہر ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ بارش کے امکان تھے۔ وہ معمول کا ٹراؤزر شرٹ پہنے، بالوں کو فولڈ کیے، ان میں پینسل پھنسائے، نیچے قالین پر آلتی پالتی مارے بیٹھی تھی۔ میز پر اسکیچ بک رکھی تھی اور وہ سر جھکا کر پینسل چلا رہی تھی۔ آنکھوں پر چشمہ جمائے، وہ پوری طرح مگن تھی کہ اچانک دروازے پر بیل ہوئی۔

"اس ٹائم کون ہو سکتا ہے؟" اس نے وقت دیکھا تو ذہن کھٹکا۔ بیل دوبارہ ہوئی تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ دروازے پہ پہنچ کر اس نے لاک ہول سے جھانکا تو باہر ایک لڑکا نظر آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بہت بڑا پھولوں کا بکے تھا۔ فجر کی تیوری چڑھی۔ اس نے دروازہ تھوڑا سا کھول کر پوچھا۔

"جی فرمائیں؟" لہجہ حد درجہ سخت تھا۔ سامنے ہی دوسرا اپارٹمنٹ تھا جس کا دروازہ بند تھا۔

"میڈم آپ کا پارسل ہے۔" لڑکے نے ادب سے کہا۔

"میرا؟ کس نے بھیجا ہے؟" اسے حیرت ہوئی۔

"پتا نہیں۔ یہاں کا ہی پتہ لکھا ہے۔ آپ پلیز جلدی لے لیں باہر بارش شروع ہو چکی ہے۔" وہ بیچارگی سے بولا تو فجر نے جھجھکتے ہوئے دروازہ کھول کر وہ پھولوں کا بکے تھام لیا۔ لڑکا تیزی سے واپس پلٹ گیا۔

اسے پھول پسند ہی نہیں تھے پھر کون بھیجوا سکتا تھا؟ دروازہ بند کر کے اس نے جیسے ہی پھولوں میں لگا کارڈ اتارا اور اسے کھولا تو اگلے ہی پل فجر کو اپارٹمنٹ کی چھت اپنے اوپر گرتی محسوس ہوئی۔

"نام تو یاد ہو گا۔ بلقیس کا بیٹا!"

رنگ برنگے خوبصورت پھولوں نے زہریلے بچھوؤں کی طرح اسے ڈنک مارے۔ اسکا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ ٹانگیں شل ہوتیں محسوس ہوئیں۔ وہ جیسے اپنی جگہ پر جم سی گئی۔ پوری دنیا میں اگر اسے کسی شخص سے کسی نام سے بے پناہ نفرت تھی تو یہ وہی نام تھا۔ یہ وہی شخص تھا۔ اس وجود سے، فجر نے جتنی نفرت کی تھی شاید ہی کسی سے کر پاتی۔

کچھ دیر یونہی بت بنے کھڑی رہی اگلے ہی لمحے اس نے دروازہ جھٹکے سے کھولا اور پوری قوت سے بکے سامنے دیوار پہ دے مارا۔ تبھی سامنے اپارٹمنٹ کا دروازہ کھلا اور اندر سے نکلنے والی لڑکی اس افتاد پر اچھل پڑی۔ اس نے حیرت سے فجر کو دیکھا اور پھر اس بڑے سے خوبصورت بکے کو جو قیمتی ہونے کے باوجود اپنی بے قدری پہ رو رہا تھا۔

"کیا سب ٹھیک ہے؟" لڑکی نے بے ساختہ فجر سے پوچھا جس کے تیور جارحانہ تھے۔ فجر نے بنا کچھ کہے ٹھاہ کی آواز سے دروازہ دے مارا۔ ہاتھ میں پکڑا کارڈ اس نے پھاڑ کر ڈسٹ بن میں پھینکا اور دونوں ہاتھوں سے سر پکڑتی واپس لاؤنج تک آئی۔ دماغ پوری طرح گھوم گیا۔ اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ بلقیس کے بیٹے کا نام اس کے سامنے یوں آئے گا۔ پہلے ہی وہ اپنے کاسٹیوم کو لے کر بے طرح پریشان تھی مزید پریشانی کیوں؟

"بھاڑ میں جائے منحوس آدمی!"

میز پر رکھا اپنا فون اٹھاتی وہ کمرے کی جانب چل پڑی۔ عینک اتار کر وہیں رکھ دی۔ سارا سامان یونہی پڑا رہ گیا۔ کاغذ یونہی اڑتے پھر رہے تھے۔ اماں یقیناً سو چکی تھیں۔ وہ اپنے کمرے میں آئی تو کھلی کھڑکی سے بارش کی ہوا نے اس کا

استقبال کیا۔ دل ابھی تک دھک دھک کر رہا تھا۔ وہ گرنے والے انداز میں بیڈ پر لیٹ گئی۔ سر میں اچانک درد کا احساس ہوا تھا۔ اس سے پہلے وہ مزید کچھ سوچتی اس کا موبائل بج اٹھا۔ اس نے سر اٹھا کر اسکرین کو دیکھا تو وہاں **پرائیویٹ نمبر** لکھا چمک رہا تھا۔ اس کی آنکھیں مزید پھیلیں۔ فون بجتا رہا وہ یونہی اس کی اسکرین دیکھے گئی۔ بیل بند ہو گئی، فون پھر سے بج اٹھا۔ اس بار وہ سیدھی ہو بیٹھی۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ کھلی کھڑکی سے نیچے کا منظر دیکھا جا سکتا تھا۔ جیسے ہی اس نے فون اٹھا کر کان سے لگایا تو ایک سرسراتی آواز سنائی دی۔

"ہیلو ہیزل آئیز! کیسی ہو؟"

پل کے ہزارویں حصے میں وہ جان گئی کہ فون کی دوسری جانب جو بھی تھا اس نے وائس چینجر لگا رکھا تھا۔ فون فجر کے لیے ہی تھا کیونکہ اس کی آنکھیں ہیزل تھیں۔ یوں جیسے سارے رنگ ان میں جمع کر دیئے گئے ہوں۔

"کون ہو تم؟" اس نے ہر لحاظ بلائے طاق رکھتے غصے سے پوچھا۔

"میں جو بھی ہوں تمہاری اصلیت جانتا ہوں۔ تمہارا اصل، تم کہاں سے آئی ہو، خود کو کیا سمجھتی ہو۔" دوسری جانب موجود انسان کے لہجے میں نفرت کا عنصر نمایاں تھا۔

"میری اصلیت بتانے کے لیے فون کیا ہے؟" اس کے طنزیہ کہنے پر دوسری جانب قہقہہ ابھرا۔

"نہیں۔ بس یہ بتانے کے لیے کہ زیادہ اونچا مت اڑو۔ جب گرو گی تو تکلیف برداشت نہیں کر پاؤ گی۔" لہجے میں تنبیہہ تھی۔ فجر کے چہرے پر استہزاء ابھرا۔

"میں مکھٹ اوڑ کر ڈرانے والوں سے نہیں ڈرتی۔ ہمت ہے تو سامنے آؤ۔" اس نے سرد لہجے میں کہتے فون کاٹ دیا اور موبائل فون ایک جانب پھینکا۔ چہرہ دونوں ہاتھوں میں گرایا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے دماغ کی کوئی رگ پھٹ جائے گی۔

آخر یہ لوگ اسے سکون سے جینے کیوں نہیں دیتے؟ کون تھا یہ نیا دشمن؟

اسے اب سونا تھا وہ بیڈ سے اترتی، سائیڈ ٹیبل کے دراز کھول کر دیکھنے لگی۔ سر درد کی کوئی دواء مل جاتی تو شاید سکون سے سو پاتی۔ لیکن جیسے ہی اس نے دوسرا دراز کھولا اس کے ہاتھ رک سے گئے۔ سامنے ہی وہ ٹیپ ریکارڈر پڑی تھی جو اس کے سامان سے نکلی تھی اور اس نے جلدی جلدی میں اسے یہاں رکھ دیا تھا۔ فجر نے بے ساختہ اسے اٹھایا اور واپس بیٹھتے ہوئے اسے الٹ پلٹ کر دیکھا۔ وہ ایک مہنگی ترین ٹیپ ریکارڈر تھی۔ جھنجھلایا ہوا دماغ ایک پل کے لیے پر سکون ہوا۔ اس نے ہولے سے آن کا بٹن دبا دیا۔

"ہیلو! میں ہو ولیم جوزف! اگر تم یہ ٹیپ سن رہے ہو تو اس کے دو ہی مطلب ہیں۔"

فجر نے بٹن دبا کر اسے بند کیا۔

"ولیم جوزف؟" وہ زیر لب بڑبڑائی۔ بھوری اونی گول گلے والی شرٹ پہنے ہوئے اور کیمرہ تھامے ہوئے ولیم جوزف اس کے تصور کے پردے پر لہرایا۔ ٹیپ سے ابھرتی اس کی آواز مدھر اور سحر انگیز تھی۔

"نمبر ایک، میں اس دنیا میں نہیں ہوں اور میرے جانے کے بعد تمہیں اسے سننے کا موقع ملا ہے اور نمبر دو، تم میرے لیے دنیا کے سب سے اہم ترین انسان ہو۔ سب سے خاص کیونکہ اپنے جیتے جی میں یہ ٹیپ اسے ہی دوں گا جو میرے لیے سب سے اہم ہو گا۔"

اس کی آواز! ہاں اس کی آواز بہت اچھی تھی۔ مردوں کی خوبصورت آواز ان کی وجاہت میں اضافہ کرتی ہے۔

فجر نے فوراً بٹن دبا کر اسے بند کیا۔ دل تیزی سے دھڑک اٹھا۔

"آخر کیا مطلب ہے اس کی بات کا؟ کہنا کیا چاہتا تھا وہ؟"

فجر کا سر گھوم گیا۔ بھنویں سکڑ گئیں اور پیشانی پر لکیریں ابھریں۔ کئی لمحے وہ یونہی ساکت بیٹھی رہی۔ سمجھ نہ آیا اسے سنے یا نہیں؟

"یہ میرے لیے بہت خاص ہے۔ شاید تمہارے کام آجائے۔" وہ پھر سے اس کے سامنے وارد ہوا۔

وہ کچھ سوچتے ہوئے لیٹ گئی اور ٹیپ ریکارڈر پھر سے چلالی۔

ذہن میں کھلبلا تا شور ساکت ہو گیا۔ فضا جیسے تھم سی گئی۔

"میرے ڈیڈ کہتے ہیں؛ آسمان کی بلندیاں میری منتظر تھیں اور میں نے زمین کی خاک کو چنا۔" بات کے آخر پہ وہ دھیرے سے مسکرایا۔ **"بس یہی میرا تعارف ہے۔ یہ زمین، یہ ہوا، یہ پانی، یہ مٹی۔ میں ان سب کے درمیان رہتا ہوں۔"** وہ اپنے خوبصورت لہجے میں بول رہا تھا۔ اس کے بیک گراؤنڈ میں پانی گرنے کی آواز سنائی دیتی تھی۔

وہ یونہی ساکت لیٹے سنتی رہی۔ دماغ پر سکون ہو رہا تھا۔ شور تھمتا جا رہا تھا۔

"اوہ۔۔۔ کیا تم مجھے ٹھیک سے سن سکتے ہو؟ دراصل میں ایک واٹر فال کے قریب ہوں۔ یہ پانی گرنے کی آواز ہے۔ یہ خوبصورت ہے نا؟ ہاں مجھے یہ سب خوبصورت لگتا ہے۔ میرے لیے دنیا کی سب سے خوبصورت آواز بارش کی ہے۔"

"نہیں میں مزاق نہیں کر رہا۔ میں بائیس سال کا ہوں میری کوئی گرل فرینڈ نہیں ہے۔ اس لیے میری پسندیدہ آواز اب تک بارش کی ہے۔ میں ٹیورسٹ ہوں۔ اب تک کافی ملک گھوم چکا ہوں۔" وہ سانس لینے کو رکا۔

"میں بتانا چاہتا ہوں کہ میں نے بارش کی آواز ریکارڈ کر لی ہے۔ اس ٹیپ ریکارڈر پر بارش کے لیے ایک مختص بٹن ہے۔ جب تمہیں نیند نہ آئے تو تم اسے دبانا۔ نو گھنٹے کی ایک ریکارڈنگ ہے۔ بارش کی آواز سے نیند اچھی آتی ہے۔ یقین نہ ہو تو آزما کر دیکھ۔۔۔"

فجر نے فوراً ٹیپ کا بٹن آف کیا۔ لیمپ جلا کر دیکھا تو اسے واقعی بارش والا ایک بٹن مل گیا۔ اس نے وہ دبایا تو بارش کی آواز سنائی دینے لگی۔ اس نے وہ ٹیپ اٹھا کر سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی اور سونے کے لیے آنکھیں موند لیں۔ باہر سے ٹھنڈی ہوا آ رہی تھی اور بارش کی آواز بہت واضح تھی۔ وہ مزید کچھ نہ سوچ پائی اور کب اس کی آنکھ لگ گئی کچھ پتا ہی نہیں چلا۔ کچھ دیر بعد وہ گہری نیند سو رہی تھی اور ولیم کی ریکارڈ کردہ بارش کی آواز پورے کمرے میں گونج رہی تھی۔

✿••✿••✿••✿

اگلی صبح اس کی آنکھ بھی بارش کی آواز سے کھلی تھی۔ آفس آتے ہی اسے میڈم سونیا نے طلب کر لیا۔ آتے ہوئے وہ سائیڈ ٹیبل سے وہ ٹیپ اٹھانا نہیں بھولی تھی۔ جانے کیوں اسے لگ رہا تھا یہ ٹیپ واقعی اس کے کام آنے والی تھی۔

"کام کیسا چل رہا ہے؟" انہوں نے فجر کو دیکھتے پوچھا۔

"ٹھیک چل رہا ہے۔" وہ پورے اعتماد سے بولی۔ حالانکہ ایک ہفتے بعد ماڈل جمع کروانا تھا اور اس نے ابھی تک اپنا آئیڈیا بھی فائنل نہیں کیا تھا پھر بھی وہ پر اعتماد تھی۔

"گڈ! میں نے تمہیں یہ بتانے کے لیے بلایا تھا کہ تمہارا ڈرائیور آج سے چھٹی پہ جا رہا ہے۔ سبھی کاسٹیوم ڈیزائنر اپنی کنوینس پہ آفس آتے ہیں۔ جن کے پاس نہیں ہے انہیں کمپنی کی طرف سے مل چکی ہے۔ اب تم بتاؤ بنا ڈرائیور کے کیسے سفر کرو گی؟"

"میں ابھی گاڑی افورڈ نہیں کر سکتی۔" اس نے سنجیدہ لہجے میں جواب دیا۔

"پھر ڈرائیونگ سیکھ لو۔ گاڑی تمہیں کمپنی کی طرف سے مل جائے گی۔ کاسٹیوم ڈیزائننگ ٹیم کو کمپنی گاڑی دیتی ہے۔"

"مجھے ڈرائیونگ آتی ہے۔" فجر کی اگلی بات انہیں حیران کیا۔ خوشگوار سی حیرانی۔

"واقعی؟"

"ہاں میں نے ایک سال پہلے سیکھی تھی۔" وہ کافی سنجیدہ تھی۔

ایک سال پہلے اس نے ڈرائیونگ سیکھی تھی۔ کچھ ارسل نے سکھائی تھی کچھ اس نے خود کلاسز لی تھیں۔

"ڈرائیونگ لائسنس ہے میرے پاس۔" اسے یاد آیا۔

"پھر تو پریشانی والی بات ہی نہیں ہے۔ تم تھوڑی پریکٹس کر لو جلد ہی تمہیں گاڑی کی چابی مل جائے گی۔" میڈم سونیا سلطان کی ایک بڑی مشکل دور ہو گئی تھی۔

وہ جانے کے لیے واپس پلٹی تو اسے عقب سے ان کی آواز سنائی دی۔

"پاسپورٹ ہے تمہارا؟"

"جی ہے۔" جیسے اس نے ساری تیاری کر رکھی تھی۔ سونیا سلطان نے ستائش سے اسے دیکھا۔

"پیرس فیشن شو کے لیے کمپنی کو چاہیے ہو گا تاکہ تمہارا ویزا پروسیس ہو سکے۔"

"ٹھیک ہے میں آج جمع کروادوں گی۔" وہ سنجیدگی سے کہتے واپس چلی گئی۔

اس رات گھر واپس آنے کے بعد وہ کافی فرسٹیٹڈ تھی۔ ابھی تک اس کا آئیڈیا فائنل نہیں ہوا تھا۔

"میں جانتی ہوں مجھے راستے نکالنے آتے ہیں۔ میں کرلوں گی۔" میں کمرے میں چکر لگاتی خود کو ریلیکس کر رہی تھی اور پھر اس نے وہ ٹیپ ریکارڈر دوبارہ آن کی۔

"یو نو واٹ! آج نے میں نے ایک مکڑی کو جالا بنتے دیکھا۔ میں نے اس کی ریکارڈنگ بھی کی ہے تمہیں میرے کیمرہ میں مل جائے گی۔ لیکن میں بتانا چاہتا ہوں کہ وہ ایک سحر انگیز منظر تھا۔ مکڑی نے پورا جالا بنایا اور پھر بیٹھ کر شکار کا انتظار کیا۔ ہاں میں نے اسے شکار کرتے دیکھا۔ یہ کافی حیران کن تھا۔"

یہ سنتے ہی فجر کے ذہن میں کچھ کلک ہوا۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے اپنے کاسٹیوم کا آئیڈیا مل گیا تھا۔ اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اس نے بے ساختہ چہرہ دونوں ہاتھوں میں گرایا اور پھر اس ٹیپ کو دیکھا۔

ولیم نے ٹھیک کہا تھا یہ ٹیپ واقعی اس کے کام آنے والی تھی اور پھر وہ پوری توجہ سے اپنے کاسٹیوم کے ڈیزائن کی جانب متوجہ ہو گئی۔ اگلے کئی دن بے پناہ مصروف گزرے۔

پانچ دن بعد اسے گاڑی کی چابی مل گئی۔ اب وہ خود ڈرائیو کر کے آ جا سکتی تھی۔ وہ خود ڈرائیو کر رہی تھی۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا اور فجر ناک ناک تک کام میں ڈوبی تھی۔ اس دن اس نے، اپنے کاسٹیوم کا ماڈل سونیا سلطان کے سامنا رکھا تو اس نے دیکھتے ہی فجر کر سراہا۔

"اگر تم اسے حقیقت میں بنالو تو تمہیں اونچی اڑان بھرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔"

وہ اثبات میں سر ہلاتی ان کے آفس سے باہر نکل آئی۔ اس کا زیادہ وقت اپنے آفس میں ہی گزرتا تھا۔

وہ اس وقت بھی اپنے آفس کی جانب ہی بڑھ رہی تھی جب فون پھر سے بجنے لگا۔ **پرائیویٹ نمبر** پھر سے لکھا چمک رہا تھا۔ اس نے فون نہیں اٹھایا اور جب تک اس نے نہیں اٹھایا فون بجتا ہی رہا۔ کرنے والا ہی ڈھیٹ تھا۔ بالآخر اس نے اٹھا ہی لیا۔

"میں نے سوچا یاد دلا دوں کہ زیادہ اونچا مت اڑنا۔" وہی سرد سی آواز ابھری۔

"کون ہو تم؟ مسئلہ کیا ہے تمہارا؟" اس نے دبے دبے لہجے میں پوچھا۔ یہاں وہ چیخ چلا نہیں سکتی تھی۔

"میرا مسئلہ تم ہو فجر معراج! بہت غرور ہے تم میں۔ میں تمہیں خاک ہوتے دیکھنا چاہتا ہوں۔" دوسری جانب سے بنا کسی لگی لپٹی کے کہا گیا۔ وہ بے ساختہ ہنس دی۔

"افسوس کہ تم یہ حسرت لے کر مر جاؤ گے۔"

"مرو گی تو تم۔ یاد رکھنا۔" فون بند ہو گیا اور وہ ساکت سی کھڑی رہ گئی۔ گہرا سانس لے کر خود کو نارمل کرنا چاہا۔ اس کی ہیزل آنکھوں میں تکان ہی تکان تھی۔ پچھلا پورا ہفتہ مسلسل کام کرنے کی وجہ سے تھکاوٹ ہو چکی تھی اور اوپر سے یہ فون کالز اسے الگ اپنی اذیت دے رہی تھیں۔

"سب ٹھیک ہے؟" اسے بت بنے کھڑے دیکھ کر پاس سے گزرتے شہرام نے رک کر پوچھا۔

"آں۔ہاں۔سب ٹھیک ہے۔" زبردستی مسکرائی اور پھر اپنے آفس کی جانب بڑھی۔

"فجر۔۔؟" اس بار وہ رک گئی۔پلٹ کر دیکھا تو نفیس سا شہرام اسے ہی دیکھ رہا تھا۔اس کے چہرے پر نرمی تھی۔

"مجھے امید ہے تم کر لو گی۔" وہ پورے یقین سے بولا تو وہ تکان زدہ آنکھوں سے مسکرا دی پھر بنا کچھ کہے اپنے آفس کی جانب بڑھ گئی۔

✿••✿••✿••✿

پندرہ دن بعد؛ وقت شب دس بجے؛ لاہور

وہ پوری توجہ سے پتلے پر ٹنگے گاؤن پر جھکی ہوئی تھی جب دروازے پر دستک ہوئی۔اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو میڈم سونیا دروازے میں کھڑی تھیں۔

"کیا بات ہے آج گھر نہیں جانا؟" انہوں نے پوچھا تو فجر نے سر اٹھا کر گھڑی کو دیکھا۔

"دس بج گئے؟" اسے حیرت ہوئی۔آج کل وہ اپنے کاسٹیوم پر کام کر رہی تھی۔یہ اسٹوڈیو روم تھا۔دن میں اس کے ساتھ جونیئر آرٹسٹ تھے۔ان کے جانے کے بعد وہ خود ہی لگی رہی۔کام زیادہ تھا اور وقت کم،اس لیے وہ دن رات محنت کر رہی تھی۔پچھلے پندرہ دن کسی عذاب سے کم نہیں تھے۔پندرہ دنوں میں پانچ بار اس پرائیویٹ نمبر سے فون آیا تھا۔وہ اگر موبائل سے کال نہیں اٹھاتی تھی تو گھر کے لینڈ لائن پہ آنے لگ جاتا جو اس نے اماں کے لیے لگوایا تھا تاکہ اپنی خبر دیتی رہے۔

جانے کون تھا جو اس کی جان کا دشمن بن چکا تھا۔ جانے کون تھا جسے اس سے اتنی نفرت تھی۔ جانے کون تھا جو اسے تکلیف میں دیکھ کر خوش تھا پر فجر نے اسے ابھی تک سنجیدہ نہیں لیا تھا۔ وہ پوری توجہ اپنے کاسٹیوم پر لگائے ہوئے تھی۔

"باہر ہلکی ہلکی بارش ہے۔ میرے خیال سے اب تمہیں گھر کے لیے نکلنا چاہیے۔" میڈم سونیا نے اسے اطلاع دی تو وہ کام وہیں چھوڑ کر بیگ اٹھائے، باہر نکل آئی۔ اسٹوڈیو کا دروازہ بند کر دیا۔ فون اٹھا کر دیکھا تو بیٹری کافی کم تھی۔ اماں کو اس نے بتایا تھا کہ وہ لیٹ آئے گی پر اتنا لیٹ ہو جائے گی یہ اندازہ نہیں تھا۔

"لڑکیوں کے لیے میں لیٹ اسٹنگ الاؤ نہیں کرتی۔ آئندہ خیال رکھنا۔" وہ دونوں لفٹ کی جانب رواں تھی۔ فجر نے صرف اثبات میں سر ہلایا۔ میڈم سونیا ہمیشہ کی طرح بیگی پینٹ پر ٹاپ پہنے ہوئے تھیں جبکہ فجر نے ہلکے جامنی رنگ کا جارجٹ کا کھلا ٹراؤزر اور گھٹنوں تک آتا ہم رنگ کھلا کرتا پہن رکھا تھا۔ پیروں میں ہمیشہ کی طرح لوفیرز تھے۔ بال فولڈ تھے اور چشمہ اس نے بالوں پہ جما لیا تھا۔ سفید رنگ کا بیگ کندھے پر تھا۔

"ڈرائیونگ میں کوئی مسئلہ تو نہیں آرہا؟" اگلا سوال پوچھا گیا۔

"نہیں۔" اس نے یک لفظی جواب پر اکتفا کیا۔ لفٹ کا سفر خاموشی سے کٹ گیا۔ نیچے پارکنگ ایریا میں آکر وہ اپنی گاڑی کی جانب بڑھی۔ میڈم سونیا اپنی گاڑی کی جانب کا جا چکی تھیں۔ انکا ڈرائیور انتظار کر رہا تھا۔ فجر نے جیسے ہی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے گاڑی اسٹارٹ کی وہ اسٹارٹ ہی نہ ہوئی۔ اس نے دو تین بار کوشش کی لیکن نہ ہو پائی۔ اس بار اس کے چہرے پہ پریشانی کے آثار نمایاں ہوئے۔ کافی رات ہو چکی تھی۔

"خدایاوہ گھر کیسے جائے گی؟" پتا نہیں دل میں خوف کی ایک لہر دوڑی۔ اس نے گاڑی سے باہر نکل کر آس پاس دیکھا۔ گیٹ پر گارڈز تھے۔ نائٹ شفٹ والوں کا ڈیپارٹمنٹ اس وقت کھلا ہوتا تھا پر وہ ابھی تک کوئی خاص دوست یا جان پہچان نہیں بنا پائی تھی۔ مدد کس سے مانگتی؟

"سب ٹھیک ہے؟" میڈم سونیا نے اپنی گاڑی سے باہر نکلتے پوچھا۔

"گاڑی اسٹارٹ نہیں ہو رہی کوئی مسئلہ آرہا ہے۔" وہ اپنی پریشانی پر قابو پاتے بولی۔

"اوہو اسے کیا ہو گیا؟" میڈم سونیا کے بعد ان کے ڈرائیور نے بھی کوشش کی پر گاڑی اسٹارٹ نہیں ہوئی۔

"تم ایسا کرو میری گاڑی لے جاؤ۔ کافی رات ہو چکی ہے مزید انتظار کرنا بہتر نہیں ہو گا۔ یہاں سے فاصلہ بھی کافی زیادہ ہے۔" انہوں نے ڈرائیور سے چابی لے کر فجر کی جانب بڑھائی۔ فجر نے حیرت سے انہیں دیکھا۔ وہ تذبذب کا شکار دکھائی دیتی تھی۔

"ارے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا گھر قریب ہی ہے۔ ڈرائیور دوسری گاڑی لے آئے گا۔ کوئی گھر سے لینے آجائے گا۔ تمہیں ابھی زیادہ ضرورت ہے۔" وہ دونوں پارکنگ لاٹ میں تھیں۔ بادل گرجنے کی آواز سنائی دی تو فجر نے خشک لبوں پر زبان پھیرتے چابی تھام لی۔ ابھی سب سے زیادہ ضروری اس کا حفاظت سے گھر پہنچنا تھا۔

"دھیان سے جاؤ!" انہوں نے تلقین کی تو فجر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے، گاڑی اسٹارٹ کر کے انہیں شکریہ کہتی گیٹ سے باہر نکل گئی۔ ان کے جاتے ہی میڈم سونیا نے اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے اور ان کے چہرے پر عجیب مسکراہٹ دوڑ گئی۔ بڑا وقت لگ گیا تھا انہیں فجر کا اعتماد جیتنے، پورا مہینہ گزر گیا تھا اور بالآخر وہ رات آگئی تھی جب رئیس اورنگزیب کی جان ان کی مٹھی میں ہو گی۔ انہوں نے بیگ سے موبائل فون نکالا اور فجر کی گاڑی سے ٹیک

لگاتے، رئیس کا نمبر ملایا۔ بیل جا رہی تھی پر وہ فون نہیں اٹھا رہا تھا اور پھر دو تین بیل جانے کے بعد اس نے فون اٹھا ہی لیا۔

دوسری جانب فجر، کافی تیز رفتاری سے گاڑی چلاتے آگے بڑھ رہی تھی۔ اس وقت یہ سڑک کافی سنسنان تھی۔ کوئی کوئی گاڑی ہی گزرتی نظر آ رہی تھی۔ اچانک ساتھ والی سیٹ پر رکھا فون بج اٹھا۔ اس نے دیکھا تو وہی **پرائیویٹ نمبر** تھا۔ اسے آفس سے نکلے پچیس تیس منٹ گزر گئے تھے۔ فون پھر سے بجنے لگا تو اس نے اٹھا لیا کہ کہیں لینڈ لائن پہ کال نہ چلی جائے۔

"زندگی کا آخری سفر مبارک ہو فجر معراج!" وہی سرسراتی آواز ابھری تو فجر کا دماغ بھک سے اڑا۔ ایک تو موسم خراب تھا، اوپر سے وقت کافی ہو گیا تھا اور وہ اکیلی اس وقت ڈرائیونگ کر رہی تھی۔ اوپر سے ایسی بات سننے کو ملے تو اچھا خاصا بندہ گھبرا جاتا ہے۔

"کیا بکواس کر رہے ہو؟" اس نے لہجہ کی لرزش پہ حد درجہ قابو پاتے کہا۔

"تمہیں لگتا ہے میں تمہیں لطیفے سنانے کے لیے فون کرتا ہوں؟" دوسری جانب سے خفگی بھری آواز ابھری۔

"چھپ کر وار کرنے والے خود کسی لطیفے سے کم نہیں ہوتے۔" اس نے نظریں سامنے سڑک پہ جمائے کہا۔ فون اسپیکر پہ تھا۔ دوسری جانب سے قہقہہ ابھرا۔

"کوئی آخری خواہش ہے تو بتاؤ۔ شاید میں پوری کر دوں۔" کیا فراخدلی تھی۔

"بھاڑ میں جاؤ۔" اس سے پہلے کہ وہ فون بند کرتی دوسری جانب سے ابھرنے والی آواز نے اسے ہلا کر رکھ دیا۔

"گاڑی کے بریک فیل ہیں فجر معراج! تم خود کو سروائیور کہتی ہو نا اب اپنی موت سے بچ کر دکھاؤ۔" دوسری جانب ایک خوفناک قہقہہ ابھرا اور فون بند ہو گیا۔ فجر کے ہاتھ سے اسٹیرنگ چھوٹتے چھوٹتے بچا۔ اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس نے چیک کرنے کے لیے اپنا پاؤں بریک پر رکھا اور اسے اپنی موت آنکھوں کے سامنے ناچتے دکھائی دی کیونکہ گاڑی کے بریک واقعی فیل تھے۔ گاڑی اس کے ہاتھوں سے چھوٹ رہی تھی۔ پورا جسم جیسے پسینے سے نہا گیا۔ چہرے کی رنگت زرد پڑ گئی۔

"موت۔۔۔؟ نہیں ابھی نہیں۔" اسے ابھی نہیں مرنا تھا۔ وہ خود پر قابو پاتے گاڑی کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگی لیکن آدھا کلو میٹر بھی نہیں چلی ہو گی کہ سامنے ہی سڑک کے بیچ و بیچ ایک گاڑی کھڑی نظر آئی۔ پونے گیارہ کا وقت ہو چکا تھا۔ آبادی کے لحاظ سے یہ علاقہ زیادہ گنجان نہیں تھا۔ اس نے گاڑی کی رفتار آہستہ کرنے اور بریک لگانے کی کوشش کی پر یہ نہیں ہو پایا۔ وہ ہارن دے رہی تھی۔ وہ گاڑی کا رخ موڑنا چاہتی تھی پر اس کے ہاتھ جیسے بے جان ہو گئے۔ اس نے پوری قوت سے گاڑی کا رخ بدلا، گاڑی میڈین (Median) سے ٹکرائی، اسٹیرنگ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور اگلے ہی لمحے دھماکہ ہوا اور گاڑی اچھل کر دور جا گری۔ فجر کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ گاڑی الٹی پڑی تھی اور فجر نے پوری دنیا کو گھومتے دیکھا۔ سیٹ بیلٹ بندھے ہونے کے باعث وہ اپنی سیٹ پر جمی رہی پر الٹی گاڑی میں وہ خود بھی الٹی تھی۔ اس کی آنکھیں سامنے سڑک پہ جمی تھیں۔ خوبصورت ہیزل آنکھیں جنہیں ابھی بہت سارے نائٹ میئرز بننے تھے وہ دھیرے دھیرے بند ہو جانا چاہتی تھیں۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے! اور وہ انہیں بند ہونے سے روک رہی تھی۔ بار بار آنکھیں پھاڑ کر انہیں کھولے رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ایک بڑے دھماکے کے بعد سماعت جیسے جواب دے گئی تھی۔ جسم میں جانے کہاں کہاں ٹوٹا کانچ گھس گیا تھا۔ درد کی ایک لہر پورے جسم میں پھیل گئی۔

"اب کیا ہو گا؟؟" اس کے ڈوبتے ذہن نے بے اختیار سوچا۔

"کوئی اس کی مدد کو نہیں رکے گا۔ کچھ دیر بعد ایک دھماکہ ہو گا اور وہ گاڑی سمیت جل جائے گی۔" دماغ کے کسی ایک کونے نے اپنی سوچ سے اذیت پہنچائی۔

"نن۔۔۔ نن۔۔۔ نن۔۔۔ نہیں۔۔۔ مجھے مرنا نہیں ہے۔" اس نے ہاتھ پاؤں مارنے کی کوشش کی۔

"مجھے جینا ہے۔ مجھے نہیں مرنا۔"

"پلیز ہیلپ!" وہ زور سے چلائی پر آواز حلق میں ہی پھنس گئی۔

"ابھی تو میں نے شروعات کی ہے۔ ابھی تو بہت کچھ باقی ہے۔ نہیں مجھے نہیں مرنا۔" اس کی ہیزل آنکھوں سے آنسوں ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ جانے کتنے منٹ گزر گئے۔ پتا نہیں کوئی گاڑی پاس سے گزری یا نہیں۔ کسی نے دیکھا یا نہیں۔ ہاں اسے اتنا پتا تھا کوئی بچانے نہیں آیا۔ کوئی بچانے نہیں آتا۔ ہم انسان اپنے سارے خواب لیے مٹی کے سپرد ہو جاتے ہیں پر کوئی ہمیں بچانے نہیں آتا۔

اب اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ وہ مزید کھولے نہیں رکھ سکتی تھی۔ اس نے تکلیف سے منہ بھینچ لیا۔ بے آواز رو دی۔

موت کو اس سے فرق نہیں پڑتا تھا کہ وہ "**فجر معراج**" تھی اور اسے بلندیوں پر راج کرنا تھا اور موت کو اس سے بھی فرق نہیں پڑتا تھا کہ وہ ملکہ ملعون تھی۔ البتہ موت کا خوف بڑے بڑے سورماؤں کے چھکے چھڑا دیتا ہے۔

اس کی آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں۔ آخری بار اس نے اپنی پوری قوت جمع کر کے آنکھیں کھولیں تو اسے نم آنکھوں سے کوئی اپنی جانب بھاگتا ہوا آتا دکھائی دیا۔ روڈ پولز کی روشنی میں اسے کچھ صاف دکھائی نہیں دیا۔ ویسے بھی چشمہ اترا ہوا تھا۔ وہ کچھ دیر مزید ہوش میں رہنا چاہتی تھی پر نہیں رہ پائی۔ اس کا ذہن اندھیروں میں ڈوب گیا۔

ہاں کوئی تھا جس کی گاڑی طوفان کی طرح آ کر کچھ فاصلے پر رکی تھی۔ کوئی تھا جو اپنی گاڑی سے نکلا اور پاگلوں کی طرح اس کی جانب بھاگا تھا۔

"فجر۔۔۔؟ آر یو دیئر؟" کوئی تھا جس کے لبوں سے پہلی بار اس کا نام پکارہ گیا تھا۔

ہاں وہ رئیس اورنگزیب تھا جو اسے گاڑی سے نکالنے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔ وہ جن حواسوں میں یہاں تک پہنچا تھا، مراد یا عروزہ کو فون کر کے اطلاع کرنا بھی بھول گیا تھا۔ اس نے پوری طاقت لگا کر فجر کو گاڑی سے باہر نکال ہی لیا۔ وہ اس کے بازوؤں میں جھول گئی۔ وہ گاڑی سے کچھ فاصلے پر اسے لیے بیٹھا تھا۔ سرمئی پینٹ اور سفید ڈریس شرٹ میں وہ ابھی تک آفس کے حلیے میں تھا۔ فجر کے چہرے کو اس نے پہلی بار اتنے قریب سے دیکھا اور پھر اس نے اپنے دل کو رکتے پایا، رک رک کر چلتے پایا۔ کچھ ہوا تھا۔ سمجھ نہیں آیا تھا جان گئی تھی یا جان آئی تھی۔

"پلیز آنکھیں کھولو۔" اس نے اپنے خشک لب تر کرتے ہوئے اسکے گال کو ہاتھ سے تھپتھپایا۔ وہ اسے جگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہی چہرہ، وہی ہونٹ، وہی پیشانی! زندگی یونہی تو نہیں گزار دی تھی۔ یوں لگا جیسے وقت تھم گیا ہو۔ یوں لگا جیسے ساری کائنات رک سی گئی ہو۔ ہوائیں ساکت ہو گئیں۔ بارش کی بوندوں نے اپنی آمد روک لی۔

"منار۔۔؟" اس کے گال کو نرمی سے چھوتے ہوئے رئیس اورنگزیب کے ہاتھوں کی لرزش واضح تھی۔ تئیس سال بعد وہ خواب زدہ وجود حقیقت کا روپ دھارے اس کے بازوؤں میں تھا۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا اسے کس نام سے

پکارے؟ **منار** یا پھر **فجر**! وہ جیسے حواسوں میں نہیں تھا۔ اس کے بار بار گال تھپتھپانے پر فجر نے کسمسا کر آنکھیں کھولنے کی کوشش کی پر وہ ناکام رہی۔

"میں نے تمہیں معاف کیا، محبت تمہیں معاف نہیں کرے گی۔"

ہاں محبت نے اسے بڑی گہری سزا دی تھی۔ تئیس سال اس نے سزا کاٹی تھی۔ اب شاید انعام کا وقت تھا تبھی تو اللہ نے اسے پھر سے رئیس کی زندگی میں بھیج دیا تھا۔ وہ اسے حیرت زدہ سا تک رہا تھا۔ ششدر سا۔ جیسے کوئی خواب ہو کہ آنکھ کھلی تو سب ختم! اور وہ آنکھیں نہیں کھولنا چاہتا تھا۔ وہ یہ خواب دیکھنا چاہتا تھا۔

"آنکھیں کھولو پلیز، میری سزا ختم کر دو!" وہ بھرائے ہوئے لہجے میں بولا اور پھر سیاہ بادلوں سے ڈھکے آسمان نے دیکھا کہ ایک درد بھرا آنسوں تھا جو تئیس سالوں بعد اس کی آنکھ سے نکلا اور پھسلتا ہوا فجر کے چہرے پہ جا گرا۔

بادل زور سے گرجے اور بجلی کی کڑک سنائی دی۔ اس کے ساتھ وہ کسی سحر سے جاگا۔ ایک طلسم سا جو ٹوٹ گیا۔ تیز ہوا کے ساتھ ہی بارش کی بوچھاڑ شروع ہوئی۔

وہ جیسے آنکھیں پٹپٹاتے سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ آخر وہ کہاں تھا اور ہوا کیا تھا؟ پھر اس نے اپنی بانہوں میں فجر کو دیکھا۔

"او مائے گاڈ!" وہ اسے اٹھائے جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ فجر کو چوٹیں کم ہی آئی تھیں البتہ وہ صدمے سے بے ہوش ہو گئی تھی۔

موسم کے پیش نظر ٹریفک بہت کم تھی۔ روڈ پولز کی دھیمی روشنی میں، تیز ہواؤں اور برستی بارش کے دوران، وہ اسے اپنے بازوؤں میں اٹھائے گاڑی کی جانب بڑھ رہا تھا۔ زندگی میں پہلی بار رئیس نے کسی عورت کو خود سے اتنا قریب کیا تھا۔

مراد عالم اسے دیکھ لیتا تو یقیناً صدمے سے بے ہوش ہو جاتا۔ آخر کار رئیس اورنگزیب کے کسرتی بازو بھی کسی کام آ ہی گئے۔

وہ پھرتی سے اسے گاڑی میں بٹھا کر سیٹ بیلٹ لگاتا دوسری جانب خود بیٹھا اور گاڑی کو زن سے بھگا لے گیا۔ بارش اب تیزی سے برسنے لگی تھی۔ آنے والا وقت یکسر مختلف ہونے والا تھا۔

✿••✿••✿••✿

اگلی قسط پندرہ دن بعد ان شاءاللہ !

جاری ہے۔

* * * * * * *

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔۔۔

السلام علیکم احباب۔۔۔۔"

"ناولز کی دنیا" کے ناولز میں خوش آمدید ----

ناولز کی دنیا (NKD) کی جانب سے ناولز کو بغیر کسی غلطی کے آپ تک پہچانے کی کوشش کی گئی۔ اگر کوئی غلطی اس میں ملتی ہے تو اسے محض اتفاق سمجھا جائے۔ کیونکہ ناول کو پورا پروف ریڈ کر کے ہی پبلش کیا جاتا ہے چوک ہونا محض اتفاق ہوگا۔۔

عنکبوت

(معرفت اور محبت سب کو نہیں ملتی)

از قلم: نور راجپوت

قسط نمبر:13

باب ہفتم: کابوس

(وہ خواب جو روح پر انمٹ نقوش چھوڑ جاتے ہیں)

رات کی گہری چادر جب کائنات کو اپنے سحر میں جکڑ لیتی ہے، تو ایک اور عالم جنم لیتا ہے۔ یہ عالم خوابوں کا ہے، جہاں حقیقت کی زنجیریں ڈھیلی پڑ جاتی ہیں اور تخیل کی باگیں کھل جاتی ہیں۔ لیکن اس رنگین وادی میں ایک تاریک گوشہ بھی ہے، جہاں خوبصورتی خوف میں ڈھل جاتی ہے۔

"کابوس کی پراسرار وادی!"

تصور کیجیے، آپ ایک ایسے منظر میں اترتے ہیں جو کسی ادھوری پینٹنگ کی طرح مبہم اور غیر واضح ہے۔ رنگ مدھم ہیں، شکلیں دھندلی ہیں، اور ایک خاموش بے چینی فضا میں رچی بسی ہے۔ یہ وہ ابتدائی دھند ہے جو ایک گہرے طوفان سے پہلے کی خاموشی کی طرح ہے، جو آنے والی وحشت کا اشارہ دیتی ہے۔

پھر دھیرے دھیرے، مناظر واضح ہونے لگتے ہیں، لیکن ان میں وہ سکون اور ہم آہنگی نہیں ہوتی جو عام خوابوں کی خاصیت ہے۔ یہاں، جیومیٹری بگڑ جاتی ہے، قوانین فطرت معطل ہو جاتے ہیں، اور منطق کی کوئی حکمرانی نہیں چلتی۔ آپ خود کو کسی ایسی معماری میں محصور پاتے ہیں جو نہ جانی پہچانی ہے اور نہ ہی قابل فہم، ایک بھول بھلیاں جس کے راستے بدلتے رہتے ہیں اور جس کا کوئی مفر نہیں ہوتا۔

روشنی اور تاریکی کا کھیل بھی یہاں ایک اذیت ناک صورت اختیار کر لیتا ہے۔ تیز، چبھتی ہوئی روشنیاں اچانک گہرے سائے میں ڈوب جاتی ہیں، اور ان سایوں میں ایسی شکلیں رینگتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں جو مکمل طور پر نظر نہیں آتیں، لیکن ان کی موجودگی ایک سرد خوف کی لہر آپ کے رگ وپے میں دوڑا دیتی ہے۔

آوازیں، جو عام طور پر سکون بخش یا معنی خیز ہوتی ہیں، یہاں ایک غیر مانوس اور پریشان کن آہنگ اختیار کر لیتی ہیں۔ دور کی سرگوشیاں چیخوں میں بدل جاتی ہیں، مانوس الفاظ بے معنی ہذیان بن جاتے ہیں، اور کبھی کبھی ایک گہری، خاموش گرج سنائی دیتی ہے جو آپ کے وجود کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیتی ہے۔

کابوس کی سب سے دل فریب بات یہ ہے کہ اس میں حواس کی نازک دنیا بکھر جاتی ہے۔ چھونے کا احساس سرد اور لیس دار ہو سکتا ہے، ذائقہ کڑوا اور ناگوار، اور خوشبو سڑاند اور موت کی یاد دلاتی ہے۔ آپ ایک ایسی دنیا میں قید ہو جاتے ہیں جہاں ہر حس آپ کو اذیت پہنچاتی ہے۔

اور ان سب کے مرکز میں، آپ خود کو بے بس اور لاچار محسوس کرتے ہیں۔ آپ حرکت کرنا چاہتے ہیں، بولنا چاہتے ہیں، لیکن ایک انجانی قوت آپ کو جکڑ لیتی ہے۔ آپ ایک تماشائی بن جاتے ہیں اپنی ہی خوفناک کہانی کے، ایک قیدی اپنے ہی ذہن کے تیار کردہ المناک ڈرامے کے۔

جب یہ پراسرار اور اذیت ناک سفر ختم ہوتا ہے، تو واپسی اکثر ایک تیز اور بے رحم جھٹکے کی صورت میں ہوتی ہے۔ آپ بیدار ہوتے ہیں، آپ کا جسم پسینے میں شرابور ہوتا ہے، آپ کا دل ایک بے قابو گھڑیال کی طرح دھڑک رہا ہوتا ہے۔ اردگرد کی مانوس دنیا آپ کو یقین دلاتی ہے کہ وہ سب ایک فریب تھا، ایک تاریک سایہ جو آپ کے ذہن پر پل بھر کے لیے منڈلایا تھا۔

لیکن اس خوبصورت وحشت کا اثر باقی رہتا ہے۔ ایک مبہم خوف، ایک ناگوار یاد، ایک سرگوشی جو آپ کو بتاتی ہے کہ آپ کے شعور کی پرسکون سطح کے نیچے، ایک ایسی دنیا موجود ہے جہاں خوبصورتی اور وحشت ایک دوسرے میں گلے ملتی ہیں، اور جہاں آپ کے گہرے ترین خوف ایک پراسرار اور دل فریب رقص کرتے ہیں۔

کابوس، اپنی تمام تر تاریکی اور پریشانی کے باوجود، ایک عجیب و غریب خوبصورتی رکھتا ہے۔ یہ آپ کے ذہن کی ان گہرائیوں کا انکشاف کرتا ہے جن سے آپ عام طور پر ناواقف ہوتے ہیں۔ یہ آپ کے خوفوں کو مجسم کرتا ہے، آپ کی کمزوریوں کو بے نقاب کرتا ہے، اور آپ کو اپنی اندرونی دنیا کی پیچیدگیوں پر غور کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ کیا آپ کا کردار اس پراسرار خوبصورتی کا سامنا کرے گا، یا اس کی تاریک دلکشی سے ہمیشہ دور رہے گا؟

یہ جاننے کے لیے ہمیں کہانی کی اور بڑھنا ہو گا۔

یہ منظر ایک کمرے کا ہے جہاں خاموشی اتنی گہری تھی کہ سانس کی ہلکی سی آواز بھی ایک شور کی طرح لگ رہی تھی۔ اسکی آنکھیں بند تھیں، اس کا چہرہ بے تاثر اور پر سکون تھا، جیسے کسی گہری نیند میں ڈوبی ہو۔ لیکن اس کی پر سکون بیرونی حالت کے برعکس، اس کے اندر ایک عجیب و غریب دنیا بیدار ہو رہی تھی۔

گہری نیند کی وادی میں، جہاں ہوش و خرد بیگانے تھے، اس نے ایک ایسی دنیا میں قدم رکھا جہاں منطق کے سبھی سلسلے ٹوٹ چکے تھے۔ دھندلی روشنی میں، جو کسی دور افتادہ جہنم کی آگ کی مانند تھی، رنگوں کے بھنور اٹھ رہے تھے۔ اور ان رنگوں کے بیچ، ایک خوفناک منظر جنم لے رہا تھا۔

بے شمار آنکھیں، ہر رنگ اور ہر سائز کی، تاریکی میں چمک رہی تھیں۔ یہ کسی غیر مرئی وجود کی نظریں تھیں، جو اس کے ہر حرکت پر گہری نظر رکھے ہوئے تھیں۔ پھر، دھیرے دھیرے، ان نظروں نے ایک واضح شکل اختیار کرنا شروع کر دی۔

رنگ برنگی مکڑیاں، جن کے جسم مسخ شدہ اور غیر فطری تھے، سائے سے نکل کر رینگنے لگیں۔ ان کی ٹانگیں، جو کسی تیز دھار آلے کی طرح پتلی اور نوکیلی تھیں، فرش پر ایک بے ہنگم سرسراہٹ پیدا کر رہی تھیں۔ ان کے جسموں پر ابھرے ہوئے عجیب و غریب نشانات کسی قدیم اور شیطانی زبان کے حروف لگ رہے تھے۔

ہوا میں ایک بھاری اور ناگوار سکوت طاری تھا، جسے صرف ان مکڑیوں کی سرسراہٹ اور اس کے اپنے بے قابو دھڑکتے دل کی آواز توڑ رہی تھی۔ ایک مبہم سا زہر آلود دھواں ان کے جسموں سے اٹھ رہا تھا، جس سے اس کے حواس ماؤف ہوتے جا رہے تھے۔

ان کی حرکت میں ایک غیر فطری تیزی تھی، جیسے وہ کسی شیطانی ارادے کے تحت اس کی جانب لپک رہی ہوں۔ ان کی چمکدار آنکھیں، جو اب واضح طور پر نظر آ رہی تھیں، اس کے وجود میں گہرا خوف پیدا کر رہی تھیں۔ یہ محض کیڑے نہیں تھے، ان میں ایک قدیم اور بدنیتی بھری ذہانت جھلک رہی تھی۔

جب وہ قریب پہنچیں، تو ان کے جبڑوں سے باریک اور زہریلے لعاب کی بوندیں ٹپکنے لگیں۔ ان کے جسموں سے ایک سرد اور لرزہ خیز توانائی نکل رہی تھی، جو اس کی جلد پر برف کی مانند محسوس ہو رہی تھی۔

پھر، انہوں نے حملہ کر دیا۔ ایک ساتھ، بے شمار ٹانگیں اس کے جسم پر پھیل گئیں، جیسے کوئی شیطانی جال اسے اپنی گرفت میں لے رہا ہو۔ ان کے تیز اور نوکیلے حصے اس کی جلد میں پیوست ہونے لگے، اور ایک کربناک درد اس کی رگوں میں دوڑ گیا۔

وہ چیخنا چاہتی تھی، لیکن اس کی آواز اس کے حلق میں ہی دم توڑ گئی۔ وہ بے حس و حرکت پڑی تھی، ایک زندہ شکار، جس پر رنگ برنگی خوفناک مخلوق اپنی فتح کا جشن منا رہی تھی۔ اس کا جسم ان کے زہریلے لمس سے سن ہوتا جا رہا تھا، اور ایک گہرا اور ناقابل بیان خوف اس کی روح کو اپنی گرفت میں لے رہا تھا۔

یہ محض ایک خواب نہیں تھا، یہ ایک ایسی تاریک حقیقت تھی جو اس کی روح میں ہمیشہ کے لیے نقش ہو جانے والی تھی۔ یہ ایک ایسا خوف تھا جس کی کوئی منطقی وضاحت نہیں تھی، ایک ایسا پراسرار خطرہ جو اس کے لاشعور کی گہرائیوں سے ابھر کر آیا تھا۔ کیا یہ مکڑیاں اس کی کسی اندرونی خوف یا راز کی علامت تھیں؟ یہ سوالات اس خاموش کمرے میں معلق تھے، جیسے کوئی نہ حل ہونے والی پہیلی ہو۔

✿••✿••✿••✿

رات کے دس بج رہے تھے جب وہ آفس سے نکلا تھا۔ عروزہ کو گھر پہ کام تھا آج وہ شام پانچ بجے ہی چلی گئی تھی۔ رئیس اس وقت خود ڈرائیو کر رہا تھا اور ذہن پوری طرح اپنے نئے پراجیکٹ میں اٹکا تھا۔ آج کا دن مصروف اور تکان بھرا تھا پیلس کا کامپلیکس کے ذریعے گاڑی سے کنیکٹڈ تھا اور گاڑی میں جون ایلیا کی شاعری گونج رہی تھی۔ بنا کسی میوزک کے، بنا کسی دھم دھم کے۔ مدہم سے دلخراش سی آواز اور زیر لب دہراتا ہوا رئیس۔

کتنے عیش سے رہتے ہوں گے کتنے اتراتے ہوں گے

جانے کیسے لوگ وہ ہوں گے جو اس کو بھاتے ہوں گے

شام ہوئے خوش باش یہاں کے میرے پاس آجاتے ہیں

میرے بجھنے کا نظارہ کرنے آجاتے ہوں گے

خلاف معمول آج رش کافی کم تھا۔ اس کی سلور رنگ کی مرسیڈیز بینز (جی کلاس) سڑک پہ تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔

وہ جو نہ آنے والا ہے نا اس سے مجھ کو مطلب تھا

آنے والوں سے کیا مطلب آتے ہیں آتے ہوں گے

اس کی یاد کی باد صبا میں اور تو کیا ہوتا ہو گا

یوں ہی میرے بال ہیں بکھرے اور بکھر جاتے ہوں گے

اس سے پہلے غزل مکمل ہوتی۔ اسپیکر آنے والی فون کال سے گونج اٹھا۔ رئیس نے ایک نظر اسکرین پر ڈالی اور اس کے منہ کے زاویے بگڑ گئے۔ آخر سونیا سلطان اسے فون کیوں کر رہی تھی؟

اس نے فون نہیں اٹھایا۔ گاڑی پھر سے گونج اٹھی۔ بار بار فون آنے پر اسے اٹھانا پڑا۔

"کہیے محترمہ! اب کیا دھماکہ کرنا ہے؟" اس کی مصروف سی آواز سنائی دی۔

"اگر میں کہوں کہ رئیس اورنگزیب کی جان میری مٹھی میں ہے تو کیا کرو گے؟" اس کی بات سنتے ہی رئیس کا بے ساختہ قہقہہ ابھرا۔

"سونیا سلطان نے سستے نشے کب سے شروع کر دیئے؟" لہجہ تمسخرانہ تھا۔ وہ اس کا مزاق اڑا رہا تھا۔

"جب سے منار کی ہمشکل سامنے آئی ہے۔" رئیس کی ہنسی کو بریک لگی۔

"صاف صاف بات کرو۔" وہ فوراً سنجیدہ ہوا۔ تیوری چڑھ گئی۔

"اگر میں کہوں کہ فجر معراج موت کے سفر پہ رواں ہے تو کیا کرو گے؟" اس کا انداز ایسا تھا کہ رئیس لب بھینچ کر رہ گیا۔ اس کا اور سونیا کا ایسا مزاق نہیں تھا جو وہ اس پہر فون کر کے اسے لطیفے سنائے۔

"اپنے حصے کی موت سب کو جھیلنی ہے۔" اس نے سرد لہجے میں جواب دیا جبکہ آنکھوں میں سوچ کی پرچھائیاں تھیں۔

"یعنی تم اسے نہیں بچاؤ گے؟" ناقدانہ سا سوال نما تجزیہ ابھرا۔

"میں اس کا باڈی گارڈ نہیں ہوں۔" اس نے نہایت ٹھنڈے لہجے میں کہا جبکہ اندر کہیں ہلچل سی مچ گئی تھی۔ آخر وہ فجر کا ذکر کیوں کر رہی تھی؟

"اچھا۔۔۔ چلو پھر شب بخیر! لوکیشن بھیج رہی ہوں۔ کسی بھی پل وہ موت کے منہ میں جا سکتی ہے۔ دیکھنا یہ ہے تم اسے بچاتے ہو یا نہیں۔"

اس کی گاڑی میں ٹریکر تھا۔

"گاڑی کے بریک فیل ہیں رئیس اورنگزیب صاحب! میرے ساتھ بیٹھ کر تماشہ دیکھو۔" وہ زہریلی ناگن کی طرح زہر اگلتی فون بند کر چکی تھی۔ رئیس نے گاڑی ایک جانب روک دی۔ لوکیشن اس کی اسکرین پر ابھر رہی تھی۔ اسی ہائی وے پر وہ دوسری جانب سے آ رہی تھی۔ اس کا دل بے ساختہ دھڑک اٹھا۔ تیز طوفانی ہوا چل رہی تھی۔ اس نے لوکیشن دیکھتے ہوئے اسٹیئرنگ پر غصے سے ہاتھ دے مارا۔

"ڈیم اٹ!" اگلے ہی پل وہ گاڑی کا دروازہ کھولتے باہر نکل آیا۔ شرٹ کے اوپری بٹن کھولے اور پتھریلی سڑک پر چکر لگانے لگا۔ اس کے انداز سے جھنجھلاہٹ واضح تھی۔

دماغ کہہ رہا تھا، "بھاڑ میں جائے فجر معراج! اسے مرنے دو۔"

دل کہہ رہا تھا، "اسے مت گنواؤ، زندگی بار بار موقع نہیں دیتی۔"

"مزہ آتا ہے میرے ساتھ یہ مزاق کرتے ہوئے؟" وہ دونوں ہاتھوں سے بال نوچتے، آسمان کی جانب منہ کر کے زور سے چلایا۔ اسے لگتا تھا قدرت کو اس سے بیر تھا۔ گھڑی کی سوئیاں ٹک ٹک اس کی سماعت سے ٹکرا رہی تھیں۔ وہ چاہتا تھا وہ مر جائے۔ وہ اسے بچانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اس چہرے سے نفرت کرتا تھا۔ پانچ منٹ گزر گئے اور پھر دس! رئیس اورنگزیب نے اپنی ٹانگوں کو شل ہوتے پایا۔ ہاتھ پاؤں میں عجیب سرسراہٹ ہو رہی تھی۔ گلہ خشک ہو گیا مانو کانٹے اگ آئے ہوں۔ وہ کمر پہ ہاتھ جمائے، دائیں بائیں چلتا ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہا تھا۔ آنکھیں میچ کر گردن پیچھے گرا دی۔ چہرے کا رخ آسمان کی جانب تھا۔

"محبت تمہیں معاف نہیں کرے گی۔" سفید ریشمی فراک والی لڑکی جانے کہاں سے وارد ہوئی اور رئیس اگلے پل بھاگتے ہوئے گاڑی کی جانب بڑھا۔ جھٹکے سے دروازہ کھولا اور اگلے ہی پل اس کی گاڑی تیزی سے بھاگ رہی تھی۔

وہ بلا کی اسپیڈ سے گاڑی بھگا رہا تھا۔ فجر دوسری جانب تھی۔ آگے یوٹرن تھا اور پھر اس کی سانس خشک ہو گئی جب اس نے لوکیشن کو رکتے پایا۔ گاڑی جیسے ایک جگہ جم گئی تھی۔

اس کی گاڑی اب زوں کی گونج دار آواز سے آگے بڑھ رہی تھی۔ پھر اس نے دیکھا۔ اس کے دائیں جانب سڑک پہ ایک گاڑی الٹی پڑی تھی۔ اس نے یوٹرن لیا اور پھر جیسے اسے کچھ ہوش نہیں رہا۔ اس نے کب گاڑی روکی، کب وہ اپنی گاڑی سے نکل کر بھاگا۔ وہ اب جھک کر اس کی گاڑی کا دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہا تھا پر ناکام رہا۔ ونڈ سکرین کا شیشہ آدھا ٹوٹ چکا تھا۔ اس نے مکوں کی بارش کرتے باقی شیشہ توڑا اور اسے باہر نکالا۔ یاد رہا تو اتنا کہ وہ یہ چہرہ کبھی نہیں بھول سکتا تھا۔

"فجر آنکھیں کھولو۔" وہ اسکا گال تھپتھپا رہا تھا۔ اسکا ہاتھ پھر سے زخمی ہو چکا تھا۔

برستی بارش میں وہ اسے لے کر ہسپتال کی جانب بھاگ رہا تھا۔ سات منٹ کی ریش ڈرائیونگ کے بعد اسے ہسپتال نظر آ گیا۔ وہ اسے اٹھائے ہوئے اندر بھاگا تھا اور پھر وہ اسے لے گئے۔ وہ فجر کو لے گئے جبکہ رئیس یونہی کھڑا رہ گیا۔ اسے اپنا دل دھڑکنے کی آواز کانوں میں سنائی دے رہی تھی۔

وہ آستین سے بھیگا چہرہ پونچھتا باہر آیا۔ گاڑی سے فون نکال کر عروزہ کو کال ملائی۔ پہلی ہی بیل پر فون اٹھا لیا گیا۔

"جی باس؟" اس کی چوکس سی آواز ابھری۔

"مجھے تمہاری مدد چاہیے عروزہ!" اس نے اگلی بات کہہ کر فون بند کر دیا۔ جانے کتنی دیر تک وہ باہر ہسپتال کی چوڑی سیڑھیوں پہ بیٹھا رہا۔ بارش جتنی تیزی سے برسی تھی اسی تیزی سے بند ہو گئی۔ وہ آدھا بھیگا ہوا تھا۔ بال بکھرے ہوئے اور عجیب سی حالت تھی۔ ہاتھ سے بہتا خون جم چکا تھا۔

"کیا اسے آج پھر شکست ہوئی تھی؟ کیا اس نے فجر کو صرف اس لیے بچایا تھا کہ اس کا چہرہ منار سے ملتا تھا یا پھر فجر پہ اس کا حق تھا؟ کیا کوئی عام لڑکی ہوتی تو وہ اسے بھی یوں ہی بچاتا؟" ڈھیروں سوال ہتھوڑے کی مانند سماعت پہ برس رہے تھے۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد عروزہ وہاں پہنچ چکی تھی۔ اس کے ہاتھ میں فجر کا بیگ تھا۔ وہ مختلف حلیے میں تھی۔ بیگی پینٹ پر لمبی قمیض پہنے ہوئے اور بال رف سے جوڑے میں بندھے ہوئے تھے۔

"میں آگئی ہوں۔ آپ اب جاسکتے ہیں۔" وہ سیڑھیاں چڑھ کر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔ یہ ہسپتال کے اندرونی حصے کا داخلہ تھا۔ یہاں سے دونوں جانب بنے لان اور مرکزی گیٹ نظر آرہا تھا۔ لوگ آجارہے تھے۔

"میں چاہتا تھا وہ مر جائے۔" اسے اپنی ہی آواز انجان محسوس ہوئی۔ سونیا سلطان نے واقعی کاری وار کیا تھا۔ وہ ناگن تھی اور ڈسنا جانتی تھی۔ جانتی تھی جسم کے کس حصے پر ڈسا جائے گا تو زہر زیادہ پھیلے گا۔

"پر آپ نے اسے بچالیا۔" عروزہ سنجیدہ تھی۔ چہرے پر کسی بھی قسم کے تاثرات نہیں تھا۔ سپاٹ سا چہرہ البتہ آنکھیں الجھی اور تھکی ہوئی تھیں۔

"ایم سوری میں نے تمہیں اس وقت تنگ۔۔"

"اگر آپ نے دوبارہ ایسی بات کی تو میں اٹھ کر واپس چلی جاؤں گی۔ پھر اپنی جین زی منگیتر کو جھیلتے رہیے گا۔" اس کا انداز جلا بھنا تھا۔ رئیس پھیکا سا ہنس دیا۔

"وہ میری منگیتر نہیں ہے۔" اس کی عجیب سے انکشاف پر عروزہ حیران رہ گئی۔ تو پھر اس کی منگیتر کون تھی؟

"لیکن آپ نے تو کہا کہ وہ آپ۔۔۔" اس کے باقی الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔ رئیس نے اس کی بات اچک لی تھی۔

"کسی کو اپنا کہہ دینے سے وہ اپنا نہیں ہو جاتا۔" عروزہ الجھی نظروں سے اسے دیکھے گئی۔

"پھر مجھے اجازت دیں۔ وہ میرے ایک ہاتھ کی مار ہے، گردن کو ذرا سا جھٹکا، کڑک کی آواز اور

م! "

عروزہ کی آنکھیں کسی سیریل کلر کی آنکھوں جیسی تھیں۔ رئیس نے تصور کیا اور پھر جھنجھنا کر سر جھٹک دیا۔

"نہیں ابھی نہیں!" عروزہ کو اس کا لہجہ حکمیہ لگا۔ وہ گہری سانس لے کر رہ گئی۔

"سونیا سلطان نے ایسا کیوں کیا؟" کچھ دیر بعد اس کی آواز سنائی دی۔

"یہ جاننے کے لیے کہ وہ لڑکی میرے لیے کتنی اہم ہے۔" وہ دونوں سامنے گیٹ پر نظریں جمائے بیٹھے تھے۔ آسمان ابھی بھی بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ ہوا ٹھنڈی تھی۔ وہ بھاری دل لیے بیٹھے رہے۔

"پھر آپ جائیں اور اسے یاد دلائیں کہ آپ رئیس اور نگزیب ہیں۔ آپ کے لیے آپ کی ذات سب سے زیادہ اہم ہے۔" عروزہ کے لہجے میں ایک آنچ سی تھی۔ رئیس نے رخ پھیر کر اسے نہیں دیکھا۔ وہ جانتا تھا اس وقت وہ جبڑے بھینچے بیٹھی تھی۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"سنبھال لینا۔" وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے سیڑھیاں اتر رہا تھا پھر آخری زینے پر پلٹ کر اس نے عروزہ کو دیکھا۔

"سنبھال لوں گی۔" دونوں کی نظریں ایک پل کو ٹکرائیں اور رئیس کے کندھے چوڑے ہوئے۔ **"جس کے پاس عروزہ جمال جیسی ساتھی ہو اسے دنیا ہرا نہیں سکتی۔"** رئیس نے ٹھوڑی اٹھائی اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے ستائش سے نوازتا، تیز تیز قدم کرو ہاں سے نکل گیا۔ عروزہ نے اسے جاتے ہوئے دیکھا پھر گہرا سانس لے کر خود کو پر سکون کیا۔

"اور جس کے پاس رئیس ہو؟ پوری دنیا اس کی!" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اب اس کا رخ اندر کی جانب تھا۔

✿••✿••✿••✿

"آپ کو کیا لگتا ہے وہ آئے گا؟" صوفے پہ بیٹھے لڑکے نے اپنے سامنے بیٹھی سونیا سلطان سے پوچھا۔ اس کے انداز میں بے تابی تھی۔ وہ شب خوابی کے لباس میں فریش سی، صوفے پہ ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے بیٹھی تھی۔ موبائل ہاتھ میں پکڑے، ٹائپنگ کی آواز اس خاموشی میں ٹک ٹک گونج رہی تھی۔

"وہ ضرور آئے گا۔ میں انٹر کام پہ اطلاع کر چکی ہوں، اسے مت روکا جائے۔" اس کے سکون میں ذرا بھی فرق نہیں آیا جبکہ لڑکا بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا۔ ٹک ٹک، زوں زوں کی آواز یونہی گونجتی رہی۔ وقفے وقفے سے سونیا کے چہرے پر مسکراہٹ چھا جاتی اور تقریباً دس منٹ بعد انہیں پورچ میں گاڑی رکنے کی آواز سنائی دی۔ لڑکے کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا جبکہ سونیا کے اندر بے چینی پھیلی۔ رات کے بارہ بج رہے تھے۔ اگلے چند لمحوں میں لاؤنج کا دروازہ ایک دھماکے سے کھلا، خونخوار تیور لیے رئیس اندر داخل ہو۔ اسے دیکھتے ہی سونیا اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ارے دیکھو تو کون آیا ہے۔" اس کا انداز سلگانے والا تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ لڑکا بھی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں نے تمہیں منع کیا تھا۔ منع کیا تھا سونیا سلطان کہ مجھے اس سب میں مت گھسیٹو۔" اس نے آتے ہی ہراساں کھڑے لڑکے کو گردن سے پکڑا اور پھر زوردار جھٹکا دے کر دیوار کی جانب دے مارا۔ دیوار کے ساتھ رکھے میز پر جما لیمپ نیچے گرا اور اس کے ساتھ چھناکے کی آواز ابھری۔ کئی قیمتی شو پیس نیچے گر کر ٹوٹ چکے تھے۔

"پر افسوس کہ تمہیں عزت راس نہیں ہے۔" وہ مخاطب سونیا سے تھا پر اس کے ہاتھ لڑکے کی حالت خراب کر رہے تھے۔ اس نے لڑکے کو گردن سے پکڑ کر دیوار سے پن کیا اور پھر دباؤ ڈال کر اسے دیوار کے ساتھ گھسیٹتے ہوئے اوپر اٹھا دیا۔ وہ دبلا پتلا سا لڑکا اس کے سامنے ٹوٹے پتے کی طرح اڑتا چلا گیا۔ گردن پر بڑھنے والے دباؤ کی وجہ سے اس کی آنکھیں ابل آئیں۔

سونیا سلطان اپنی جگہ پہ کھڑی رہی۔ وہ اتنی کمزور نہیں تھی کہ یہ منظر دیکھ کر ہراساں ہو جاتی بلکہ اس کے جبڑے بھنچ چکے تھے۔

"تمہیں میں کیوں نہ گھسیٹوں رئیس؟ سب تم سے ہی تو شروع ہوا ہے۔" وہ طیش سے چلائی۔ خوبصورت چہرہ سرخ پڑ گیا اور گردن کی نسیں ابھر آئیں۔

"تو چلو ختم کر دیتے ہیں۔" اس نے لڑکے کی گردن پر دباؤ بڑھایا جو اس کے ہاتھ پر تھپڑ مارتے ہوئے خود کو چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کا سانس رک چکا تھا۔ چہرہ خوف اور وحشت سے سرخ پڑ گیا۔ آنکھیں ابل کر گرنے کو تیار تھیں جبکہ رئیس کے چہرے پہ سرد پن تھا۔ اس کی آنکھیں کسی قاتل کی آنکھوں جیسی تھیں۔ یوں جیسے اسے یہ سب کرنے میں مزہ آ رہا ہو۔

"اسے چھوڑو رئیس مجھ سے بات کرو۔" سونیا پھر سے چلائی پر رئیس پہ کوئی اثر نہیں ہوا۔ لڑکا جو آدھا فٹ زمین سے اوپر اٹھا ہوا تھا وہ زور زور سے اپنی ٹانگیں جھٹک رہا تھا۔ اس کے گلے سے عجیب سی آوازیں نکل رہی تھیں۔

آہستہ آہستہ اس کی مزاحمت دم توڑ گئی اور جب اس کا وجود ڈھیلا پڑ گیا تب رئیس نے اپنا ہاتھ ہٹا لیا۔ لڑکے کا بے ہوش وجود دھڑام سے نیچے گرا۔ پھر وہ سونیا کی جانب پلٹا۔

"کیوں چاہتی ہو میں تمہارے گھر کے آخری مرد کو بھی مار ڈالوں؟" وہ جارحانہ تیور لیے اسے گھور رہا تھا۔ آنکھوں میں سرد پن تھا اور رنگت سرخ پڑ چکی تھی۔ وہ سونیا کے عین سامنے آن کھڑا ہوا۔ وہ زخمی تھا اور اس سے بعید نہیں تھا وہ کسی کو بھی زخمی کر دیتا۔

"لگتا ہے تم ماضی بھول چکے ہو لیکن میں نہیں بھول سکتی۔" وہ سینے پہ بازو باندھے، خود پر ضبط کرتے بولی۔

"اس لڑکی کو بیچ میں مت لاؤ۔ اس کا ماضی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔" وہ غرایا۔ انداز سے وحشت چھلک رہی تھی۔ ماضی کے نام پر بہت سارے زخم ادھڑ گئے۔ اس کی بات سنتے ہی سونیا استہزائیہ ہنس دی۔

"اچھا؟ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے؟ نہ ماضی سے نہ تم سے؟" وہ سلگانے والے انداز میں کہہ رہی تھی۔

"پھر تم اسے بچانے کیوں گئے؟ تمہیں لگتا ہے وہ تم سے وفا کرے گی؟ منہ کے بل گرو گے تم رئیس اورنگزیب!" وہ زہر اگل رہی تھیں۔ رئیس نے مٹھیاں بھینچیں۔ وہ اسے گھور رہا تھا۔ دل کر رہا تھا اس کی گردن مروڑ دے پر افسوس وہ عورت پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔ ضبط کے کڑے مراحلوں سے گزرنے کے بعد وہ بس اتنا ہی بولا۔

"اس سے دور رہو سونیا!" اس کا انداز میں تنبیہہ تھی۔ واضح دھمکی۔

"ورنہ؟ کیا کرو گے تم ہاں؟ بھول گئے اس کی بہن نے کیا کیا تھا؟ تم اسے یونہی چھوڑ دو گے؟" وہ قدم بڑھاتے اس کے قریب اٹھائی۔ گردن اٹھا کر اسے دیکھنے کی کوشش کی۔ رئیس کی سیاہ آنکھیں سرخ انگارہ تھیں۔ ماضی کے کئی مناظر فلیش بیک کی طرح آنکھوں کے سامنے گھوم گئے۔

"اس سے دور رہو سونیا! یہ میری آخری وارننگ ہے۔" وہ اس پر آخری نظر ڈال کر پلٹ گیا۔ پیچھے سے سونیا کی تالی کی آواز گونجی۔ وہ دونوں ہاتھوں کو آپس میں پیٹ رہی تھی۔

"واہ واہ رئیس! کیا کہنے تمہارے؟ اسے مجھ سے بچا رہے ہو تاکہ خود مار سکو؟ تم سے اسے کون بچائے گا؟" وہ جس قدر چالاک تھی، اسے یونہی نہیں جانے دے سکتی تھی۔ اس کے لفظوں نے رئیس کے قدموں میں زنجیر ڈالی۔ وہ جبڑے بھینچے واپس پلٹا اور پھرتی سے اس کے سامنے پہنچا۔

"اسے تکلیف دینے کا، اسے درد دینے کا، اسے رلانے کا حق صرف میرا ہے۔ اس پہ سارے حق میرے ہیں۔ اس سے دور رہو!" وہ نرم خوبصورت آنکھیں، وہ خوش گفتار لہجہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔ یہ جتاتی آنکھیں تھیں۔ یہ شعلے اگلتی آنکھیں تھیں۔

یہ رئیس اس رئیس سے مختلف تھا جسے لوگ جانتے تھے۔ اس کی بات سنتے ہی سونیا کا قہقہہ گونج اٹھا۔

"بس یہی تو سننا چاہتی تھیں میں۔" وہ ادائے بے نیازی سے مسکرائی۔ رئیس نے بھنویں سکیڑ کے اسے دیکھا اور پھر وہ بنا کچھ بولے پلٹ گیا۔

"مار دو اسے رئیس! ورنہ برباد ہو جاؤ گے۔ وہ تمہیں کہیں کا نہیں چھوڑے گی۔ ایک قتل اور سہی!" وہ اسے اکسا رہی تھی۔ رئیس رک گیا لیکن پلٹا نہیں۔

"میں شان سے پیدا ہوا ہوں۔ شان سے مروں گا۔ کسی عورت کا الزام لے کر، کسی عورت سے جڑ کر نہیں۔"

"ہاں مر چکی عورت کا سوگ لے کر ضرور مرو گے۔"

کمبخت نے ایسا گہرا وار کیا تھا کہ رئیس تڑپ کر رہ گیا۔ اسے اپنی سانس سینے میں ہی اٹکتی محسوس ہوئی۔ گلے میں پھندہ لگ گیا۔ دل کیا پوری دنیا کو آگ لگا دے۔ شروعات سونیا سلطان سے کرے اور انت خود پر۔ لیکن یہ وقت ٹھیک نہیں تھا۔ وہ جس طوفان کی طرح آیا تھا اسی طرح واپس چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی سونیا کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ اس کی نظر نیچے پڑے بے سود وجود پر پڑی اور وہ تیزی سے اس کی جانب لپکی۔

"بدر؟ کوئی ہے؟ بدر جلدی آؤ۔۔" وہ ملازم کو پکار رہی تھی جبکہ اندر جلتی آگ کافی حد تک بجھ چکی تھی۔

✿••✿••✿••✿

ٹھنڈی، ناہموار پتھر کی دیواریں ولیم کے گرد ایک تنگ دائرہ بنائے ہوئے تھیں۔ ہوا بھاری اور نمی سے بھرپور تھی، جس میں پرانی مٹی اور کسی نامعلوم چیز کی بو رچی ہوئی تھی۔ ایک واحد، ٹمٹماتی ہوئی مشعل دیوار پر لگی تھی، جس کی مدھم روشنی کمرے کے گرد ناچتے ہوئے، ولیم کے چہرے پر گہرے سائے ڈال رہی تھی۔

اس کے ہاتھ، جو کبھی طاقتور ہوا کرتے تھے، اب گندے اور زخمی تھے، زنگ آلود زنجیروں سے بندھے ہوئے تھے جو اس کی کلائیوں کو بری طرح کاٹ رہی تھیں۔ ہر حرکت پر تیز درد کی لہریں اس کے بازوؤں سے ہوتی ہوئی اس کے پورے جسم میں دوڑ جاتی تھیں۔ اس کی ٹانگیں، کافی دیر تک ایک ہی تکلیف دہ حالت میں رہنے کی وجہ سے، بے حس محسوس ہو رہی تھیں۔

اس کا لباس، جو کبھی قیمتی تھا، اب پھٹا ہوا اور گندا تھا، اس کی جلد سے چپکا ہوا جیسے کوئی بھیگا ہوا بوجھ ہو۔ اس کے جسم پر کئی زخم تھے، کچھ تازہ اور کچے، دوسرے پرانے اور تکلیف دہ یاد دہانیاں تھیں اس اذیت کی، جو اس نے برداشت کی تھی۔ ہر سانس ایک جدوجہد تھی، اس کے سینے میں ایک کساؤ تھا جیسے کسی نے اسے مضبوطی سے جکڑ لیا ہو۔

اس نے اپنا سر نیچے جھکا لیا، اس کے میلے بال اس کے ماتھے پر پسینے سے چپک رہے تھے۔ اس کی آنکھیں بند تھیں، لیکن اس کے اندر کا درد اتنا شدید تھا کہ وہ اسے نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ ہر دھڑکن ایک ہتھوڑے کی طرح اس کے کانوں میں بج رہی تھی، اور اس کے ذہن میں ان لمحات کی بازگشت گونج رہی تھی جب اس کی زندگی مختلف تھی۔ آزادی کے دن، طاقت کے دن، محبت کے دن اب سب دھندلے خوابوں کی طرح لگتے تھے۔

اس نے اپنی خشک زبان اپنے پھٹے ہوئے ہونٹوں پر پھیری۔ اس کا گلا ریت کی طرح خشک تھا، اس نے پانی کی ایک گھونٹ کے لیے ترس محسوس کیا، ایک ایسی آسائش جو اب ایک دور کی یاد تھی۔ بھوک اس کے پیٹ میں آنتوں کو مروڑ رہی تھی، ایک مسلسل یاد دہانی کہ وہ کتنا بے بس ہو چکا ہے۔

اچانک، ایک سرد لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی سے نیچے دوڑ گئی۔ تہہ خانے میں ایک اور موجودگی کا احساس، ایک منحوس اور جان لیوا سایہ جو ہمیشہ کونوں میں چھپا رہتا تھا۔ اس نے اپنی آنکھیں آہستگی سے کھولیں، لیکن مدھم روشنی میں کچھ نظر نہ آیا۔ صرف خاموشی تھی، جو اس کے اندر کے طوفان سے کہیں زیادہ خوفناک تھی۔

درد، یہ درد اس کا مستقل ساتھی تھا۔ جسمانی درد، جو زنجیروں اور زخموں سے آتا تھا، اور ذہنی درد، جو غداری اور قید کی تلخ یادوں سے پیدا ہوتا تھا۔ اس نے اپنے دانت بھینچ لیے، اس تکلیف کو دبانے کی کوشش کی جو اسے توڑ دینے کی دھمکی دے رہی تھی۔ وہ ہار نہیں مان سکتا تھا۔ اسے زندہ رہنا تھا، باہر نکلنا تھا، لیکن اس تہہ خانے کی تاریکی میں، امید کی کوئی کرن نظر نہیں آتی تھی۔

اس نے ایک گہری، کپکپاتی ہوئی سانس لی۔ درد اب اس کی روح میں سرایت کر گیا تھا، اسے اندر سے کھا رہا تھا۔ وہ ولیم، ایک زمانے کا وجیہہ شخص، اب ایک شکستہ سایہ تھا، اپنے ہی محل کے تہہ خانے میں قید، اپنی تکلیف کے رحم و کرم پر تھا۔

اسے یاد بھی نہیں تھا کہ اسے قید ہوئے کتنے دن یا پھر مہینے گزر گئے تھے۔ خوراک کی کمی سے اس کے چہرے کی ہڈیاں ابھری آئیں۔ وہ کئی لمحے یونہی بیٹھا رہا اور پھر اچانک اسے سسکیوں کی آواز سنائی دی۔ اس نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھنا چاہا۔ اس کے ساتھ ہی دائیں جانب، سفید کپڑوں میں ملبوس وہ گھٹنوں میں سر دیئے رو رہی تھی۔ وہی کپڑے جو اس نے اس وقت پہن رکھے جب وہ اسے پاکستان چھوڑ کر آیا تھا۔ اسکا رونا، اس کی سسکیاں ولیم کو تکلیف دے رہی تھیں۔

"مجھے جانے دو۔۔ڈیڈ۔۔۔پلیز!" اس کے لب ہولے سے پھڑ پھڑائے۔ اسے اپنی ہی آواز دور سے آتی محسوس ہوئی اور پھر اچانک آہٹ کا احساس ہوا۔ اس کا گلہ خشک ہو گیا۔ سیڑھیوں سے کوئی نیچے اتر رہا تھا۔ اسے زرد سی روشنی دکھائی دی۔ جیسے ہی اٹھنے کی کوشش کی بیڑیوں سے بندھا اس کا وجود جھنجھنا کر رہ گیا۔ وہ مدھم روشنی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس بڑے سے تہہ خانے میں دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا اور پھر اسے نظر آیا۔

ایک بچہ! ایک آٹھ نو سالہ بچہ، ہاتھ میں مشعل تھامے وہ سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ وہ مشعل کو گھماتے چاروں جانب دیکھ رہا تھا جیسے کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔

"مجھے جانے دو خدا کا واسطہ ہے۔" ولیم اسے دیکھتے ہی فوراً بولا۔ اسے لگا شاید وہ اس کی مدد کو آیا ہو۔ بچے نے آواز پر پلٹ کر دیکھا اور اگلے ہی پل ایک جھماکہ ہوا۔ دیوار کے ساتھ بندھے ولیم کا وجود سن رہ گیا۔ یوں لگا جیسے دنیا کی ساری ٹھنڈ اس کے وجود میں بھر گئی ہو۔ اس کی آنکھیں جو اندر دھنس گئی تھیں وہ پھٹ پڑیں۔

اس کے آنکھوں کے عین سامنے کھڑا بچہ، وہ خود تھا۔ نو سالہ ولیم جو اچانک ایک رات، ان دردناک آوازوں سے پریشان ہو کر ان کا پیچھا کرتے، تہہ خانے تک پہنچ گیا تھا۔ وہ اس کے سامنے ہی کھڑا تھا۔ وہ خوفزدہ اور پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیوار کے ساتھ بندھے اس وجود کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے خود کو نہیں پہچانا۔

زنجیروں سے بندھے ولیم کی زبان تالو سے چپک گئی۔ یوں لگا جیسے اس کے جسم سے روح کھینچ لی گئی ہو اور اس کی جگہ ایک عجیب سی حرارت تھی جو اس کے وجود میں بھر رہی تھی۔

دونوں ایک دوسرے کو خوفزدہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے اور پھر نو سالہ ولیم بے طرح چلانے لگا۔ اس کے ہاتھ سے مشعل چھوٹ کر گر گئی۔ پورے تہہ خانے میں اس کی چیخوں کی آواز گونج گئی اور پھر کچھ دیر بعد ولیم وہیں ایک جانب ڈھے گیا۔

تہہ خانے میں خاموشی چھا گئی۔ دیوار سے بندھا ولیم، پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔ یہ اس کی سمجھ سے باہر تھا۔ یوں لگا جیسے اس کے دماغ پر کسی نے پوری قوت سے ضرب لگائی ہو۔ وہ بلبلا اٹھا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ بھی ایک جانب گر گیا۔ تہہ خانے میں پھر سے خاموشی چھا گئی۔ ایک پراسرار خاموشی! ناچتی ہوئی اور مسکراتی ہوئی خاموشی!

یہ کیا تھا؟ عقل سے ماورا، شعور سے پرے، یہ کیسا لمحہ تھا؟ کیا یہی معروفت تھی؟ کیا یہی قدرت تھی؟ وہ لمحہ جب دو وقت آپس میں جڑ گئے ہوں۔ اس لمحے کو آپ کیا نام دیں گے؟

✿••✿••✿••✿

سکوتِ شب میں وہ غلطاں تھی بستر غم پر،

کہ ایک مبہم تخیل نے گھیرا اسے دم پر

نہ جانے کس جہانِ دگر کی تھیں وہ مخلوق،

رنگوں میں ڈوبی، عجب ان کی ساخت و مخلوق

وہ رینگتی آئیں سوئے اس وجودِ نحیف،

ہر جنبش ان کی، لیے ہوئے اک پیغامِ خفیف

نہ تھی کوئی صدا، نہ کوئی آہٹِ پا ان کی،

بس اک سرسراہٹ، جو بڑھتی گئی پل پل کی

تماشائے عجب تھا وہ، رنگوں کا ایک سیلاب،

جو اس کے جسم کی جانب رواں تھا بے حجاب

ہر رنگ میں پنہاں تھی اک داستانِ نہاں،

کیا خوف تھا وہ، یا کوئی بھولا ہوا گماں

چپک گئیں بدن سے، رگ و پے میں اتریں،

یہ کیسی گرفت تھی، کہ جاں بھی نہ چھڑیں

یہ منظرِ ہولناک، یہ تعبیرِ طلسمات،

کیا اس کی ذات کے تھے یہ پیچیدہ التباسات؟

کوئی تو گہرائی تھی اس خواب کے پردے میں،

جو چھپی تھی اس لڑکی کی بے خبر نیند میں

یہ مکڑیاں، یہ رنگ، یہ بڑھتا ہوا احساس،

شاید کسی حقیقت کا تھا مبہم انکشاف!

ٹھنڈے پر سکون کمرے میں لیٹے اس کے وجود نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں، نہ سر مارا، نہ وجود میں کوئی جنبش ہوئی۔ اس کا پورا جسم ٹھنڈا تھا۔ مکڑیوں کی نوکیلی ٹانگیں اب تک اپنے وجود پر محسوس ہو رہی تھیں۔ سردی کا احساس بڑھتا گیا۔ وہ آنکھیں کھول کر دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی آخر وہ کہاں تھی؟ ذہن دھیرے دھیرے سوچنے کے قابل ہوا تو اسے رات والا واقعہ یاد آیا۔ ایک پل کو لگا وہ مر چکی ہے اور قبر میں اس کے جسم پہ کیڑے رینگ رہے ہیں پر یہاں روشنی تھی۔ اس نے آنکھیں پھر سے بند کیں۔ وہی احساس قائم رہا۔ اس نے پھر سے آنکھیں کھول دیں۔ اس کی نظریں سفید سیلنگ پر جمی تھیں۔

اس بار اس نے گردن موڑ کر دیکھا تو اسے دائیں جانب میز رکھا نظر آیا۔ جسم کو ہلانے کی کوشش کی تو اس بار جسم میں جنبش ہوئی پھر وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ پورے جسم میں درد کی لہریں پھیل گئیں۔ کھڑکی کے آگے پردہ تھا پر باہر سے روشنی نظر آ رہی تھی۔ اسے دائیں جانب میز کے ساتھ رکھے صوفے پر عروزہ بیٹھی نظر آئی۔ اس کے ہاتھ میں فجر کا موبائل تھا۔ جسے وہ الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔ آہٹ پر اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ فجر کو اپنی جانب گھورتے پا کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"فاسلی تمہیں ہوش آ ہی گیا۔"

لمبی تڑنگی عروزہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کے چہرے پہ بے زاری تھی۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا فجر کا فون اس کے بیڈ پہ اچھال دیا سستا سا فون تھا۔ اسے بالکل پسند نہیں آیا کیونکہ ٹیکنولوجی کے معاملے میں وہ کافی اپ ٹو ڈیٹ تھی۔

"تم کون ہو؟" فجر نے ہاتھ اور سر میں اٹھتی درد کی ٹیس کو نظر انداز کرتے، آنکھیں چھوٹی کر کے اسے گھورا۔ وہ اسے پہلے بھی دیکھ چکی تھی۔ لیکن کہاں؟

"میں تمہاری مسیحایوں۔ تمہیں بچانے والی۔ اب مجھے شکریہ بولو تا کہ میں یہاں سے جا سکوں۔" وہ اس کے قریب آ کر ابرو اچکاتے بولی۔ اس کے قریب آتے ہی ایک تیز خوشبو فجر کے نتھنوں سے ٹکرائی۔ اس کی قوت شامہ (سونگھنے کی حس) فوراً جاگ اٹھی۔

"میں مسیحاؤں پر یقین نہیں رکھتی۔" وہ تڑخ کر بولی۔

"تمہیں اپنے عقائد بدل لینے چاہئیں۔" عروزہ دوبدو بولی۔ فجر کچھ لمحوں کے لیے خاموش ہو گئی۔ پھر اس کی الجھن بھری آواز گونجی۔

"کیا تم رات سے یہیں ہو؟" اس نے الٹا سوال کیا۔ اس کی نظریں اب کمرے میں کچھ ڈھونڈ رہی تھیں۔ کھوجتی ہوئی نظریں لیکن اسے میز پر رکھے اپنے بیگ کے علاوہ کچھ اور نظر نہیں آیا۔

"ہاں اور ایک لڑکی ہونے کے ناطے مجھے تم پر افسوس ہے کہ تم نے زندگی کے کئی قیمتی گھنٹے بے ہوشی میں گزار دیئے۔ اتنی دیر بے ہوش کون رہتا ہے؟" وہ خلاف توقع زیادہ بول رہی تھی۔ انداز میں الجھن تھی۔

"کیا تم نے شاور لیا ہے؟ اپنا پرفیوم بدلا ہے؟"

فجر نے اپنی ٹانگوں سے کمفرٹر اتارتے عجیب سے لہجے میں سوال کیا۔ عروزہ کو اس کے بے تکے سوال پر حیرت ہوئی۔ اس نے تاسف سے فجر کو دیکھا۔ **"شاید بے چاری کے سر پہ زیادہ ہی چوٹ لگی ہے"** وہ بستر سے اترنے کی کوشش کر رہی تھی۔ نیلے رنگ کے یونیفارم میں اس کا وجود کافی کمزور لگ رہا تھا۔ وہ چلتے ہوئے، عروزہ کے قریب آئی اور پھر ایڑھیاں اٹھا کر، اپنے چہرے کو اس کے قریب کرتے، اس کی گردن کی مہک کو سونگھا۔ اس کی اس حرکت پر عروزہ ساکت رہ گئی۔ وہ دراز قد تھی پر عروزہ تو اس سے بھی لمبی تھی۔ پھر وہ پیچھے ہٹ گئی۔ عروزہ نے اسے یوں دیکھا جیسے اس کا دماغ ہل گیا ہو۔

"تمہاری خوشبو بدلی بدلی ہے۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے واپس بیڈ کی جانب پلٹ گئی اور پھر دوبارہ بیڈ پر بیٹھ گئی جبکہ عروزہ اپنی جگہ جمی کھڑی تھی۔ وہ اب اپنا موبائل اٹھائے وقت دیکھ رہی تھی۔ دن کے آٹھ بجے رہے تھے۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ خوشبو کیسے بدلی ہے؟" عروزہ نے بھنویں سکیڑ کر پوچھا۔

سنس آف سمیل بہت اچھی ہے۔ مجھے اتنا یاد ہے کہ رات، بقول تمہارے، جب تم نے مجھے بچایا۔" اس نے بقول تمہارے پر زور دیا۔ "وہ خوشبو الگ تھی۔"

عروزہ ٹھٹک گئی۔ اس نے بیڈ پر دوزانو بیٹھی فجر کو دیکھا۔ جس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور وہ اپنے بائیں ہاتھ پہ بندھی پٹی اتار رہی تھی۔ اس کے ہاتھ پہ کانچ لگا تھا اور اس کی پیشانی پر بھی چھوٹی سی پٹی چپکی ہوئی تھی۔ گردن پہ ایک دو جگہ کانچ چبھ گیا تھا باقی چوٹیں ایسی تھیں جو نظر نہیں آ رہی تھیں لیکن ان کی تکلیف محسوس کی جا سکتی تھی۔

عروزہ کئی لمحے حیرانی سے اسے دیکھتی رہی جو اپنے ہی زخم کا معائنہ کرنے کے بعد اب واپس اس پہ پٹی لپیٹ رہی تھی۔

"اگر تمہیں خوشبو یاد ہے پھر تمہیں چہرہ بھی یاد ہونا چاہیے۔" اس نے طنز کیا۔

"میں حواس کھو چکی تھی ورنہ مجھے یاد رہتا۔ ہاں میری سینس آف سمیل کام کر رہی تھی اسی لیے خوشبو یاد ہے۔ بائے داوے تم نے مجھے کیسے بچایا؟" اس نے گردن اٹھا کر عروزہ کو دیکھا۔ آنکھوں میں الجھن تھی۔

"میں قریب سے گزر رہی تھی کہ میں نے ایک گاڑی کو الٹے دیکھا۔ پھر میری مت ماری گئی۔" اس کا انداز اتنا جلا بھنا تھا کہ فجر نے ہولے سے مسکرا کر سر اثبات میں ہلایا۔ اس نے پھر سے اپنے فون کو دیکھا جس کی اسکرین ٹوٹ چکی تھی۔ شاید اس کا پینل ٹوٹ گیا تھا۔ اسے یاد تھا، جب اسکا ایکسڈنٹ ہوا موبائل میں بیٹری کافی کم تھی اور اب وہ تقریباً فل تھا۔ عروزہ نے اس کی الجھن بھانپ لی۔

"پینل ٹوٹ چکا ہے۔ تم سے یہ آن بھی نہیں ہوتا۔ میں نے چیک کر کے آن کر دیا ہے اور چارج بھی۔ شاید تمہارے کام آجائے۔"

"میرا فون لاکڈ تھا۔ میرے علاوہ کوئی نہیں کھول سکتا تم نے یہ کیسے کیا؟" وہ اب بگڑی نگاہوں سے عروزہ کو دیکھنے لگی۔ اس کی بات پر عروزہ ہنس دی۔

"کیونکہ میں ایک سائبر سیکورٹی آفیسر ہوں!" اس نے کمال بے نیازی سے اچکائے۔

"یقیناً تم نے میرے فون کی چیکنگ بھی کی ہو گی؟" وہ جیسے تڑخ اٹھی۔ عروزہ نے کمال مہارت سے خود پر ضبط کیا۔ دل تو کر رہا تھا اس کی گردن مروڑ کر یہاں سے دفع ہو جائے۔

"تمہیں پتا ہونا چاہیے کہ کسی کا فون بغیر اجازت نہیں دیکھتے۔" وہ ابھی بھی بڑبڑا رہی تھی۔ سر گھوم رہا تھا، چکر آرہے تھے، آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا پر اسے کیا فرق پڑتا تھا۔

"بد قسمتی سے مجھے تمہارے فون میں ایٹم بم بنانے کا کوئی فارمولا نہیں ملا۔ اب جلدی اٹھو تاکہ میں تمہیں گھر ڈراپ کر سکوں۔ مجھے بھی اپنے آفس جانا ہے۔" وہ بے زار تھی۔

"میں خود چلی جاؤں گی۔" وہ ہٹ دھرم بنی بیٹھی رہی۔

"یا خدا مجھے صبر دے!" عروزہ نے بے چینی سے رخ بدلا۔ وہ اتنی باتیں نہیں سنتی تھی۔ مکا مار کر زبان بند کر دیتی تھی۔ جبکہ فجر اب سوشل میڈیا پر چلتی نیوز دیکھ رہی تھی۔ اس نے خود کل رات والے حادثے کی خبر نکالی تھی۔ ایک نجی چینل اور ایک نیوز پیج پر بتایا جا رہا تھا۔ الٹی پڑی گاڑی کی تصویریں بھی ملی تھیں پر ذرائع کے مطابق گاڑی میں کوئی نہیں تھا۔

"میں نے تمہاری جان بچائی، بجائے اس کے کہ تم میرا شکریہ ادا کرو، تم مجھے باتیں سنا رہی ہو؟" وہ سینے پہ ہاتھ باندھے بولی۔ لہجے میں غصے کی آمیزش تھی۔

"یقیناً میں نے خود کو بچانے کی بھیک نہیں مانگی ہو گی۔ ویسے بھی گاڑی دھماکے سے نہیں اڑی، اگر تم مجھے نہ بچاتی تو بھی میں بچ ہی جاتی۔" عروزہ نے بھوری آنکھیں پھاڑ کر اس احسان فراموش کو دیکھا اور اگلے ہی پل وہ بنا کچھ کہے پیر پٹختی کمرے سے نکل گئی۔ دروازہ زور سے مارا۔ فجر نے ایک نظر بند دروازے کو دیکھا اور پھر اس نے گہرا سانس لے کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا لی۔ مہنگے ہسپتال کا مہنگا ترین کمرہ! جانے بل کتنا بنا ہو گا۔

وہ اب بے چینی سے گھر کا نمبر ملا رہی تھی۔ لینڈ لائن پہ بیل جا رہی تھی پر فون کسی نے نہیں اٹھایا۔ جانے اماں کے حالات کیا ہوں گے اور وہ خواب؟ وہ خواب ایسا تھا کہ اسے ابھی تک اپنے جسم پر مکڑیاں رینگتی ہوئیں محسوس ہو رہی تھیں۔

جبکہ باہر عروزہ اس کے ڈسچارج کا فارم فل کر رہی تھی۔ زیادہ چوٹیں نہیں تھیں تو اسے یہاں رکھنے کا کوئی مقصد نہیں تھا۔ فارم فل کرتے وقت اسے رئیس کا میسج موصول ہوا۔

"کیسی گزر رہی ہے؟"

عروزہ کے تصور میں رئیس کا چڑاتا ہوا چہرہ ابھرا۔ وہ ایک ڈیمن اور ایک ملکہ ملعون کو ساتھ چھوڑ گیا تھا۔ اللہ جانے نتیجہ کیا نکلتا۔

'I just Hate her!'

عروزہ نے تیزی سے ٹائپ کیا اور میسج سینڈ کر دیا۔ کاش اسے فجر معراج کی سپاری مل جائے۔ واللہ اسے مارنے میں کیا خوب مزہ آئے گا۔ وہ فارم فل کرتے ہوئے یہی سوچ رہی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ کمرے میں آئی تو فجر کو بیگ تھامے کھڑے پایا۔ عروزہ کے ہاتھ میں بھی ایک شاپنگ بیگ تھا۔

"میرے کپڑے نہیں مل رہے۔" وہ الجھی ہوئی تھی۔

"تمہیں گاڑی سے نکالتے وقت تمہارے کپڑے پھٹ گئے تھے۔ یہ پہن لو۔" اس نے بیگ فجر کی جانب بڑھایا جسے فجر نے تذبذب کا شکار ہوتے تھام لیا۔ اس کی قمیض کا دامن پھٹ چکا تھا۔ اس نے بیگ میں جھانک کر دیکھا تو ایک سادہ سا سوٹ نظر آیا۔ وہ اسے لے کر واشروم میں گھس گئی۔ کچھ دیر بعد باہر نکلی تو کپڑے بدل لیے تھے پر عروزہ کو وہیں کھڑے دیکھ کر اسے کوفت ہوئی۔

"میں نے کہا تھا میں چلی جاؤں گی۔" وہ بگڑ کر بولی۔ آخر وہ جا کیوں نہیں رہی تھی؟ اس کی ہیزل آنکھوں میں الجھن ہی الجھن تھی۔

"مجھے تمہیں اس ہسپتال سے نکالنا ہے پھر خود ہی چلی جانا۔اب جلدی چلو میں مزید ویٹ نہیں کر سکتی۔"

عروزہ حکمیہ کہتی دروازہ کھول کر باہر نکلی تو فجر کو بھی اس کی تقلید کرنی پڑی۔

✿••✿••✿••✿

گھنٹہ بعد وہ اپنے اپارٹمنٹ کے دروازے پر کھڑی تھی۔ہاتھ میں کچھ بیگز تھے۔آتے ہوئے وہ ایک مال میں گھس گئی تھی۔عروزہ نے اسے مال اتارا تھا۔اسے گھر کا کچھ سامان لینا تھا۔

سیڑھیاں چڑھ کر آتے اس کی ہمت جواب دے گئی۔رات بارش کے بعد مطلع صاف تھا۔سورج پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔

وہ بیگ سے چابی نکالتی دروازہ کھول رہی تھی جب اس کی نظر دروازے کے ایک جانب رکھے پھولوں کے بکے پر پڑی۔ایک کارڈ پھولوں کے درمیان واضح نظر آرہا تھا۔اس نے جھک کر کارڈ نکالا۔

"نئی زندگی مبارک ہو!بلقیس کا بیٹا۔۔۔"

یہ منحوس نام اس کا پیچھا کیوں نہیں چھوڑتا؟اس نے کارڈ توڑ مروڑ کر وہیں پھینک دیا اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔اماں اسے لاؤنج میں نظر نہیں آئیں۔وہ غصے سے لال پیلی ہوتی اندر آئی اور دروازہ زور سے دے مارا۔سر بری طرح چکرا رہا تھا۔

اندر آتے ہی اس نے شاپنگ بیگز میز پر رکھے اور ایک بیگ کھول کر اندر سے اپنی میڈیسن نکال رہی تھی جب اچانک اماں اپنے کمرے سے نکلیں۔ان کا چہرہ لال بھبھوکا تھا۔ان کی جانب فجر کی پشت تھی۔فجر انہیں نہیں دیکھ پائی۔اماں نے غصے سے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑا اور کھینچ کر اسکا رخ اپنی جانب کیا۔

"کہاں تھی تم؟" اماں کا جھٹکا اتنا زوردار تھا کہ وہ لڑکھڑا کر رہ گئی۔ نہ انہیں اس کے ماتھے کی پٹی نظر آئی۔ نہ چہرے کی خراشیں اور نہ ہی ہاتھ پہ بندھی پٹی۔ انہیں کچھ نظر نہیں آیا۔ صرف وہ نظر آیا جو انہیں پچھلی رات دکھایا گیا تھا۔

"اماں۔۔۔؟" فجر پھٹی پھٹی نگاہوں سے انہیں دیکھے گئی۔ اماں نے جب ڈھیر سارے بیگ دیکھے تو انکا پارہ مزید ہائی ہوا۔

"تو مر کیوں نہیں گئی فجی؟ تو مر کیوں نہیں جاتی؟" اماں نے بیگ اٹھا کر اسے مارنا شروع کر دیئے۔ وہ جیسے اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔ جبکہ فجر تو اپنی جگہ ساکت کھڑی تھی۔ ڈھیر سارا سامان، کھانے پینے کا بیکری کا، سب اس کے آس پاس بکھرنے لگا تھا۔

اسے یاد تھا بچپن میں اماں ابا اسے **فجی** کہتے تھے اور اسے یہ نام پسند نہیں تھا۔ آج سالوں بعد انہوں نے اسے **فجی** کہا تھا۔

"تو ڈائن ہے فجر! تیرا پیٹ کیوں نہیں بھرتا؟ تیری حوس کیوں نہیں جاتی؟ تو اپنے باپ کو کھا گئی، میری خوشیاں کھا گئی، تجھے کتنی دولت چاہیے؟ کتنی عشرت چاہیے؟" اماں رو رہی تھیں، وہ زور زور سے چلا رہی تھیں جبکہ فجر تو اپنی جگہ جم گئی تھی۔ یوں لگا جیسے وہ سانس نہ لیتی ہو۔ ہیزل آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں۔

اس نے زبان دانتوں تلے دبالی۔ "**نہیں اماں سے نہیں لڑنا**" اس نے عہد کر لیا تھا۔ مٹھیاں بھینچ لیں۔ زخمی ہاتھ سے خون بہہ نکلا۔ ہاتھ پہ بندھی پٹی سرخ پڑنے لگی۔

"تو مر جا فجر! تو مر کیوں نہیں جاتی؟" اماں بین کرنے لگیں۔

فجر کو لگا جیسے کسی نے اسکی پسلیوں میں ہاتھ ڈال کر اسکا دل نکال لیا ہو۔

اماں بکھرے ہوئے سامان کے قریب بیٹھی تھیں۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں۔ فجر آگے نہیں بڑھی۔ وہ بڑھ ہی نہیں سکتی تھی۔ اسے لگا تھا اس کے اور اماں کے درمیان سب ٹھیک ہو رہا ہے۔ اسے غلط لگا تھا۔

پتا نہیں وہ کتنی دیر کھڑی رہی۔ اسے پتا ہی نہیں چلا آنسوں ٹوٹ کر اس کے گالوں پر لڑھک گئے۔ اس کی ہیزل آنکھوں میں اتنی جلن تھی کہ شاید ہی دنیا کی کوئی چیز انہیں ٹھنڈک پہنچا پاتی۔

کتنی ہی دیر وہ کھڑی رہی۔ اماں نے جیسے اس کے پیر کاٹ دیئے تھے۔ میز پر رکھا اس کا فون بج اٹھا تو وہ جیسے کابوس سے جاگ اٹھی۔ پر یہ تو اس کی حقیقی دنیا ہی کابوس جیسی تھی۔

"تو مجھے کیوں چھوڑ گیا منار کے ابا؟ مجھے اپنے ساتھ لے جاتا۔" اماں نے زبان منہ میں نہیں ڈالی۔ وہ نا جانے کیا بول رہی تھیں۔

ایک باپ اور بیٹی کے درمیان فاصلہ ہو تو زندگی کسی نہ کسی طرح گزر ہی جاتی ہے لیکن ماں اور بیٹی کے درمیان فاصلہ ہونا تو زندگی عذاب بن جاتی ہے۔

موبائل فون کی آواز پر گڑیا میں جیسے جان پڑ گئی۔ وہ آگے بڑھی اور میز پر دھرا فون اٹھا لیا۔ سونیا سلطان کی کال تھی۔ ٹوٹی پھوٹی اسکرین سے اسے نام نظر آ گیا تھا۔ اس نے فون اٹھاتے کان سے لگایا۔

"ہیلو؟" حلق میں آنسوؤں کا گولا اٹک گیا۔ وہ بمشکل بول پائی۔

"ہائے فجر ہنی کیسی ہو؟" ان کے لہجے میں جیسے شیریں گھلی ہو۔ فجر قدم اٹھاتے اپنے کمرے کی جانب بڑھ رہی تھی۔

"مجھے ایکسڈنٹ کی خبر ملی۔ میں تمہیں رات سے فون کر رہی ہوں پر تمہارا نمبر نہیں لگا۔ تم ٹھیک ہو نا؟ مجھے بتاؤ میں ابھی آتی ہوں۔" موبائل فون سے ان کی آواز ابھر رہی تھی اور فجر نے کمرے میں داخل ہوتے دروازہ بند کر لیا۔ آخری بات جو اس کو سنائی دی وہ یہ تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔ سب ٹھیک ہے۔ سب ٹھیک ہے۔۔۔!" وہ رٹے رٹائے طوطے کی طرح بول رہی تھی۔

کیا وہ ٹھیک تھی؟ کیا سب ٹھیک تھا؟

✿••✿••✿••✿

یہ پچھلی رات کی بات تھی۔ بادل زور زور سے گرج رہے تھے اور بجلی کڑک رہی تھی۔ فجر نے بتایا تھا کہ وہ لیٹ آئے گی پر نو سے دس بج گئے۔ اماں کے دل کو کچھ ہونے لگا۔ وہ بار بار دروازہ کھول کر دیکھ رہی تھیں۔ بار بار ونڈو سے جھانک رہی تھیں۔

پر فجر نہیں آئی۔ گھر میں رکھا لینڈ لائن خاموش تھا۔ وہ عشاء کی نماز کے بعد سے ہی اس کا انتظار کر رہی تھیں۔ اسے زیادہ سے زیادہ اٹھ بج جاتے تھے پر آج تو گیارہ بج گئے اور اماں کے حالت عجیب ہو گئی۔ وہ دعا کر رہی تھیں۔ فجر کے فون کا انتظار کر رہی تھیں پھر دوبارہ اس کا فون نہیں آیا۔

گیارہ بجے اور پھر بارہ بج گئے۔ اماں جلے پیر کی بلی کی طرح گھومتی رہیں۔ دل گھبرا رہا تھا۔ وہ کیوں نہیں آئی تھی؟

اور پھر ساڑھے بارہ بجے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ وہ تیزی سے فون کی جانب لپکیں۔

"ہیلو فجر!" انہوں نے فوراً فون اٹھا کر کان سے لگایا۔ حلق خشک تھا اور جسم تپ رہا تھا یوں جیسے بخار ہو۔

"فجر۔۔ فجر۔۔ فجر۔۔۔" دوسری جانب سے ایک مردانہ بھاری آواز ابھری۔

"آئی نہیں فجر؟" لہجہ میں استہزاء تھا۔ اماں کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ ہوئی۔

"کک۔۔ کون؟" اماں کی آواز کانپ گئی۔

"میں کون ہوں؟ مجھے بھول گئیں آپ؟" آواز کچھ جتاتی ہوئی تھی۔ اماں کے ہاتھ سے فون چھوٹتے چھوٹتے بچا۔ ان کی زبان تالو سے جا چپکی۔

"پتا ہے فجر کہاں ہے؟ کس کے ساتھ ہے؟ کیا کر رہی ہے؟ چچ چچ چچ ترنم بیگم کی ساری کوششیں بیکار چلی گئیں۔ فجر انہی راہوں پر چل پڑی ہے، جن سے، آپ اسے بچا رہی تھیں۔" وہ آواز نہیں تھی زہر تھا زہر اور یہ زہر اماں کے جسم میں پھیلتا چلا گیا۔

"وہ آج گھر نہیں آئے گی اور کل جب وہ آئے گی پہلے جیسی نہیں رہے گی۔ آپ مجھ سے نہیں جیت سکتیں۔ کبھی نہیں۔"

اور پھر فون بند ہو گیا۔ ٹوں ٹوں ٹوں! اماں وہیں بیٹھتی چلی گئیں۔ ان کے جسم سے جیسے جان نکل چکی تھی۔

"فف۔۔۔ فج۔۔۔ فجر۔۔۔" ٹوٹے پھوٹے لفظ ان کے لبوں سے آزاد ہوئے۔ جو ڈر تھا وہ حقیقت کا روپ دھارے آنکھوں کے سامنے ناچنے لگا اور پھر یہ سلسلہ رکا نہیں۔ پوری رات وقفے وقفے سے فون کی گھنٹی بجتی رہی۔ خباثت بھری ہنسی کے ساتھ ایک ہی جملہ بار بار سنائی دے رہا تھا۔

"آئی نہیں فجر؟ وہ نہیں آئے گی۔"

اماں ہر بار فجر کی امید میں فون اٹھاتیں اور ہر بار انہیں یہی سننے کو ملتا۔ ساری رات آنکھوں میں کٹ گئی۔ تھک ہار کر انہوں نے فون اٹھانا ہی بند کر دیا۔ جب ایک جوان بیٹی پوری رات گھر نہ آئے اور ایک ماں کی رات آنکھوں میں

کٹ جائے تو پھر اگلی صبح بالکل مختلف ہوتی ہے۔ اسکے برے سائے ساری عمر، زندگی پر موت کی طرح منڈلاتے رہتے ہیں اور فجر اس سے انجان تھی۔

✿••✿••✿••✿

وہ آئینے کے سامنے رکھے اسٹول پر بیٹھی تھی۔ چہرہ سپاٹ تھا جبکہ آنکھیں سرخ تھیں یوں جیسے لہو ٹپک رہا ہو۔ پپوٹے سوجھے ہوئے اور نقوش ستے ہوئے تھے۔ وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے شاور تلے کھڑی رہی تھی۔ ماتھے پر لگی وہ سنی پلاسٹ پٹی اتار دی تھی۔ زخم واضح ہو گیا۔ ہاتھ کا زخم گہرا تھا اور اس وقت ہاتھ میں درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ پر وہ یوں بیٹھی تھی جیسے کچھ محسوس نہ کرتی ہو۔ ایک واحد آواز جو کمرے میں گونج رہی تھی وہ اس ٹیپ کی تھی جو بیڈ کے سائیڈ ٹیبل پر رکھی چل رہی تھی۔ اس بھری دنیا میں جہاں آٹھ بلین سے زیادہ انسان رہتے تھے اسے واحد یہ ٹیپ اپنی لگتی تھی۔ کوئی بھی اس کا نہیں تھا۔ صد شکر وہ کل اسے یہیں چھوڑ گئی تھی ورنہ اس کے فون اور چشمے کے ساتھ یہ بھی ٹوٹ جاتی۔

"نینسی مر گئی۔ محبت نے نینسی کو کھالیا۔ نینسی نے خودکشی کرلی۔" ولیم کی آواز ٹیپ سے ابھرتی سنائی دیتی تھی۔ اسکا لہجہ بھرایا ہوا تھا۔ فجر اس کی زندگی کی کہانی اس کی زبانی سن رہی تھی اور اسے محسوس ہوا جیسے بھری دنیا میں اسکی طرح ولیم بھی اکیلا تھا۔

"نینسی کیسے مر سکتی ہے؟ کیا محبت انسان کو یوں کھا جاتی ہے؟ میں اسے نہیں بچا پایا۔ میں نے اپنی زندگی کی دوسری اہم عورت کو کھو دیا۔ میں ایک بزدل انسان ہوں۔ میں اسے نہیں بچا پایا۔" وہ تڑپ رہا تھا اور فجر اپنی صورت آئینے میں دیکھتے ہوئے اسے سنے گئی۔ یہ واقعی غیر متوقع تھا۔ وہ کبھی نینسی سے نہیں ملی تھی پر اس ٹیپ نے اسے نینسی سے ملوا دیا تھا۔ بلونڈ بالوں والی وہ لڑکی کس قدر خوبصورت ہو گی نا؟ پر موت کو اس پہ ترس نہیں آیا۔

اچانک ٹیپ بند ہو گئی۔ خاموش بالکل خاموش! اس نے اٹھ کر نیکسٹ کا بٹن نہیں دبایا۔ یہ خاموشی قائم رہی جب تک اس کا فون نہیں بج اٹھا۔ اس نے بیڈ پر پڑا فون اٹھایا اور بنا دیکھے یس کر کے اسپیکر پر ڈال دیا۔ شاید وہ یہ فون کال متوقع کر رہی تھی۔

"کیسی گزری رات؟" وہی پرائیویٹ نمبر سے آنے والی کال۔

"یہ مت کہنا کہ تم بچ گئی ہو اسے بچنا نہیں کہتے۔" ایک خباثت بھرا قہقہہ ابھرا۔ وہ خاموش رہی۔ بالکل خاموش! آج صرف اسے سننا تھا۔ اس نے سنگار میز پر رکھا موئسچرائزر اٹھایا اور زخمی ہاتھ پر ایک جانب نکالنے کے بعد اسے دوسرے ہاتھ سے چہرے پر لگایا۔ یہی عمل اس نے ہاتھوں اور پیروں کے لیے دہرایا۔ وہ بڑی مگن دکھائی دیتی تھی۔ کمرہ کا ایئر کنڈیشنر آن تھا اور کمرے میں حد درجہ ٹھنڈک تھی۔ اس کے بائیں جانب کھڑکی تھی جس کا پردہ تھوڑا سا سرکا ہوا تھا۔ گلاس ونڈو سے آتی دھوپ اس کے بائیں جانب کے وجود کو روشن کر رہی تھی۔ دھانی رنگ کے سوٹ میں اسکا وجود دمک رہا تھا۔ آئینے میں نظر آتا اس کا وجود شعاؤں جیسا لگتا تھا۔ اس کی ہیزل آنکھیں چمک رہی تھیں۔ وہ فی الوقت کپڑوں کے ہم رنگ دکھائی دیتی تھیں۔

"تمہیں پتا ہے اس سب کی وجہ کیا ہے؟" اژدھوں کی پھنکار سنائی دی۔

"تمہارا یہ چہرہ! یہ خوبصورت چہرہ تمہاری موت ہے۔ بڑا غرور ہے نہ تمہیں اپنی خوبصورتی پر؟ اب یہی چہرہ تمہارے گلے کا پھندہ بنے گا۔" آواز کمرے میں گونجتی رہی۔ فجر نے موئسچرائزر واپس رکھا اور لپ آئل اٹھا لیا۔ پھر لپ آئل کھول کر خشک لبوں پر لگایا اور ہونٹوں کو آپس میں رگڑنے کے بعد واپس رکھ دیا۔

"فجر سے پہلے اندھیرا بہت گہرا ہوتا ہے۔" اس بار اس کی بھاری آواز سنائی دی۔ رونے کے بعد اس کی آواز ہمیشہ بدل جاتی تھی۔ ایک عجیب سا سوز تھا جو آواز میں ابھر آتا تھا۔

"تم کچھ نہیں کر سکتیں۔ کچھ بھی نہیں۔" ایک اور قہقہہ ابھرا۔ اس کی بے بسی کا مزاق اڑایا جا رہا تھا۔

"میں تمہیں رلاؤں گی۔ میں تم سب کو بہت رلاؤں گی!"

اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ دوسری جانب ابھرتے قہقہے کو بریک لگی۔ وہ بلش آن اٹھائے اپنے زرد پڑ چکے گالوں پر برش پھیر رہی تھی۔ اس کے وجود میں ٹھہراؤ تھا۔ اس کے لہجے میں ٹھہراؤ تھا۔ یہ وجود ایک الگ وجود تھا۔ ایک عورت جب موت کے منہ سے واپس آ جاتی ہے تب اس کے سارے ڈر ختم ہو جاتے ہیں۔ ایک عورت جس کے پاس کھونے کو کچھ نہیں بچتا پھر اس سے بڑا مونسٹر کوئی نہیں۔

"تمہیں جھکنا ہو گا فجر معراج! تمہیں جھکنا ہو گا۔"

"تم جانتے ہو فجر معراج لڑ کھڑا سکتی ہے، گر سکتی ہے، ٹوٹ سکتی ہے، ریزہ ریزہ ہو کر بکھر سکتی ہے، مر سکتی ہے پر جھک نہیں سکتی۔!" وہ اب بالوں میں ہاتھ پھیر رہی تھی۔

دوسری جانب خاموشی چھا گئی اور پھر فون بند ہو گیا۔ وہ اسٹول سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا سراپا واضح ہو گیا۔ یہ رنگ اس نے پہلی بار پہنا تھا اور یہ اتنا حسین لگ رہا تھا کہ اس پر نظریں نہیں ٹھہر رہی تھیں۔ شارٹ شرٹ اور حد درجہ کھلا پلازو۔ اس کا دبلا سراپا کھلے کپڑوں میں چھپ گیا تھا۔ وہ اب الماری کے نچلے خانے سے جوتے نکال رہی تھی۔ سفید رنگ کے کورٹ شوز اس نے ڈبے سے نکالے اور شفاف پیروں میں پہن لیے۔ بال برش نہیں کیے تھے اسے آج ہلکے ہلکے کرل چاہئیں تھے۔ آگے سے دو لٹوں کر پکڑ کر پیچھے سفید bow سے باندھ دیں۔ سفید رنگ کا کریپ کا دوپٹہ گلے میں ڈال لیا۔ گہنوں کے نام پر کان میں چمکتے انتہائی چھوٹے چھوٹے ٹاپس تھے۔ پھر وہ باہر سے اپنی میڈیسن اٹھا لائی۔ ماتھے پر نیا سنی پلاسٹ لگایا اور زخمی ہاتھ پر پائیوڈین لگانے کے بعد وہی پٹی لپیٹ لی۔ آئینے کے سامنے کھڑے ہوتے ایک آخری نظر اپنے سراپے پر ڈالی۔ اسے دیکھ کر فی الوقت ایک ہی لفظ ذہن میں آتا تھا

اور وہ تھا breathtaking ،ہاں ولیم نے ٹھیک کہا تھا۔ وہ ویسی ہی لگ رہی تھی۔ لیکن اسکا یہ وجود اسکا یہ خوبصورت چہرہ اس کے لیے کرس تھا۔ اگر یہ کرس تھا تو ٹھیک ہے اس نے اس کرس کو own کر لیا تھا کیونکہ ہر لڑکی گہنے نہیں پہنتی کچھ scars پہنتی ہیں۔ انہیں اوڑھ لیتی ہیں اور اس نے اپنے زخموں کو اوڑھ لیا تھا۔ آخری نظر خود پر ڈال کر وہ بیگ اٹھاتے کمرے سے نکل گئی۔

اس کے اندر ایک عفریت پل رہا تھا، جو اس کے ٹوٹے ہوئے دل کی کرچیوں اور اس کی روح پر لگے گہرے زخموں سے غذا حاصل کر رہا تھا۔ یہ کوئی خونخوار درندہ نہیں تھا، بلکہ ایک سرد، بے رحم قوت تھی جس نے اس کے درد کو فولاد بنا دیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ وہ ٹوٹ سکتی ہے، اس کی ہڈیاں چور چور ہو سکتی ہیں، اس کا دل ایک بار پھر ریزہ ریزہ ہو سکتا ہے، لیکن وہ جھک نہیں سکتی تھی۔ اس کے اندر کا عفریت اسے ایسا کرنے کی اجازت نہیں دے گا۔ ہر درد ایک ایندھن تھا جو اس کی ضد کی آگ کو بھڑکاتا تھا، ہر آنسو ایک ایسا عہد تھا جو اس کی کمر کو سیدھا رکھتا تھا۔ وہ گر سکتی تھی، لڑکھڑا سکتی تھی، لیکن کبھی بھی کسی کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرے گی۔ اس کے اندر کا عفریت اسے اٹھنے پر مجبور کرتا تھا، ہر بار پہلے سے زیادہ مضبوط اور ناقابلِ تسخیر! وہ ٹوٹ سکتی تھی، لیکن اس کی روح اتنی مضبوط تھی کہ اسے کبھی جھکایا نہیں جا سکتا تھا۔

وہ چلتے ہوئے اماں کے کمرے تک آئی۔ کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ اس نے دروازے میں کھڑے ہو کر اماں کو دیکھا جو اپنا صندوق کھولے بیٹھی تھیں۔

"اماں میں آفس جا رہی ہوں۔" اس نے اماں کو اطلاع دی اور پھر خارجی دروازے کی جانب بڑھ گئی۔ جیسے ہی اس نے دروازہ کھولا سامنے ہی بانو کھڑی تھی۔ اس نے فجر کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔

"اللہ باجی! کتنی پیاری لگ رہی ہیں آپ۔" اس نے دونوں ہاتھ گالوں پر رکھ لیے۔ آنکھوں میں تحیر امڈ آیا۔ لیکن ماتھے کی پٹی دیکھ کر آنکھوں میں الجھن ابھری۔

"سامان اچھے سے سمیٹ لینا۔" وہ اسے تنبیہہ کر کے آگے بڑھ گئی۔

"آیت الکرسی پڑھ لیں باجی ورنہ نظر لگ جائے گی۔"

سیڑھیاں اترتے اسے بانو کی آواز سنائی دی پر وہ ان سنی کرتے نیچے اترتے چلی گئی۔

جو خود curse ہو اسے کس کی نظر لگ سکتی تھی بھلا؟

✿••✿••✿••✿

وہ ایک بڑی سی اونچی، گلاس ڈور والی دکان میں کھڑی اپنا چشمہ بنوا رہی تھی۔ چشمہ بن چکا تھا وہ اسے اب آنکھوں پہ لگا کر چیک کر رہی تھی اور عین اسی وقت اس کی سماعت سے سونیا سلطان کی آواز ٹکرائی۔ شاید کوئی نیوز چل رہی تھی۔

"آپ کی گاڑی، سڑک کے بیچوں و بیچ الٹی پائی گئی ہے کیا آپ ٹھیک ہیں؟" ایک نمائندہ اس سے پوچھ رہا تھا۔ وہ اپنے آفس میں بیٹھی تھی۔

"جی میں بالکل ٹھیک ہوں دراصل اس گاڑی میں لکس کی ایک سینئر ڈیزائنر تھی جس کا ایکسڈنٹ ہوا۔ الحمد اللہ وہ اب ٹھیک ہے۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔"

"دراصل یہ خبر آپ کے مداحوں میں اس قدر پھیل گئی تھی کہ ہمیں آپ سے رابطہ کرنا پڑا۔"

وہ مزید کچھ کہہ رہی تھی اور تب فجر کو احساس ہوا دکان والے اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہے ہیں اس نے سر اٹھا کر اسکرین کو دیکھا تو اسے، ان کی نظریں سمجھ آ گئیں۔ اسکرین پر گاڑی کے ساتھ اس کی تصویر چل رہی تھی۔ اسے جیسے فرق ہی نہیں پڑتا تھا۔ وہ چشمہ لے کر بل ادا کرتی باہر نکل آئی۔

لکس کی جانب رواں اس کی نظر راستے میں آنے والے رئیس ہوٹل پر پڑی۔ کریم رنگ کی یہ عمارت اپنی مثال آپ تھی۔ اس کے اوپر انگریزی میں رئیس لکھا تھا اور تاج کا لوگو چمک رہا تھا۔ گاڑی تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ عمارت پیچھے رہ گئی۔ یہ نام ہر جگہ تھا۔ اس کے چاروں جانب!

پتا نہیں وہ شخص کیا تھا پر ہر جگہ تھا۔ ہر ایریا میں اس کی کوئی نہ کوئی آؤٹ لیٹ تھی۔ کہیں مشہور ہوٹل تو کہیں ٹیکسٹائل فیکٹریاں۔ رئیس کا سراپا اس کے تصور کے پردے پر لہرایا اور ساتھ کھڑی عروزہ! اس نے سر جھٹک کر رئیس کا خیال اپنے ذہن سے نکالا۔

لکس پہنچنے پر اس نے رخ میڈم سونیا کے آفس کی جانب موڑا۔ پہلے اسے کوئی جانتا ہو یا نہ ہو پر اب ہر نظر اسے پہچانتی تھی کیونکہ میڈم سونیا کی گاڑی کا حادثہ ہوا تھا اور اس وقت گاڑی میں فجر معراج تھی۔

میڈم سونیا کے دروازے پر دستک دینے کے بعد وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ اپنی کرسی پہ بیٹھی سونیا اسے دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ شاید انہیں توقع نہیں تھی کہ فجر آج آفس آجائے گی۔ انہیں اچھا خاصا شاک لگا تھا۔

"گڈ مارننگ!" دن کے گیارہ بجنے والے تھے۔ فجر نے پیشہ ورانہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"فجر تم آفس آ گئی ہو؟" ان کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

"آپ کو کیا لگا تھا اس چھوٹے سے حادثے کے بعد میں ڈر کر چھپ جاؤں گی؟"

وہ اس حادثے کو چھوٹا کہہ رہی تھی جو کسی کے بھی اعصاب کو چیک کر رکھ دیتا۔ میڈیا سونیا اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ فجر کے چہرے پہ چھوٹی چھوٹی خراشیں تھیں جو عموماً کانچ لگنے کے بعد ہوتی ہیں۔ ماتھے اور ہاتھ پر پٹی بندھی تھی۔ وہ پورے قد سے کھڑی آب و تاب سے چمک رہی تھی۔

"آؤ، آؤ بیٹھو!" سونیا نے اسے بیٹھنے کا کہا تو وہ کرسی پر ٹک گئی۔

"مجھے کچھ ضروری باتیں ڈسکس کرنی ہیں۔"

"پہلے یہ بتاؤ طبیعت کیسی ہے؟" وہ اتنا کیوں بن رہی تھیں؟

"میں ٹھیک ہوں مجھے کچھ نہیں ہوا۔ مجھے نئ کنوینس چاہیے۔ پچھلی گاڑی کافی کھٹارا تھی۔"

سونیا اسے دیکھے جا رہی تھیں۔ آج کی فجر کل کی فجر سے مختلف لگ رہی تھی۔

"دوسرا یہ کہ مجھے پوری ٹیم چاہیے۔ پیرس میں ہونے والا شو یادگار ہونے والا ہے۔ تو اس کے لیے زیادہ کام کرنا ہو گا۔ میں صرف ایک نہیں چند مزید کاسٹیوم ڈیزائن کرنا چاہتی ہوں۔"

سونیا نے سنتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

"ڈونٹ وری ہنی! ہو جائے گا۔"

اس نے مزید چند باتیں کی اور پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔ دروازے کے قریب پہنچ کر وہ رکی۔

"ارے ہاں یاد آیا۔۔" اس نے پلٹ کر سونیا کو دیکھا۔

"کل رات موصول ہونے والی سیلری میں فیول الاؤنس ایڈ نہیں تھا۔ آپ فنانس ڈیپارٹمنٹ سے بات کریں گی یا میں خود کروں؟" اس کے انداز میں کچھ جتاتا ہوا تھا۔ سونیا کو اپنے چہرے سے تپش نکلتی محسوس ہوئی۔ آج تک کبھی کوئی ان تک سیلری کی کمپلین لے کر نہیں آیا تھا۔ پر وہ تو ڈائن تھی۔

"ڈونٹ وری۔۔" انہوں نے بس اتنا ہی کہا اور فجر مسکرا کر باہر نکل گئی۔ اب اس کا رخ ایچ آر آفس کی جانب تھا۔ وہ نچلے فلور پہ تھے۔ وہ سیدھا آپریشن ڈیپارٹمنٹ پہنچ گئی۔ سب نے اسے دیکھا اور پھر پہچان لیا۔ اس کے ہاتھ اور ماتھے کی پٹی نمایاں تھی۔

"میرا ایمپلائی کارڈ تیار ہے؟" اس نے ایک لڑکی سے پوچھا۔

"میں چیک کرتی ہوں۔" وہ اپنے سسٹم میں دیکھ رہی تھی۔ اس کی انگلیاں لیپ ٹاپ کے کی بورڈ پر پھسل رہی تھیں۔

"آپ کو کارڈ مل چکا ہے نا؟ جوائننگ کے تین دن بعد ہی؟" وہ لڑکی الجھی ہوئی تھی۔ یہ سنتے ہی فجر کے تاثرات تن گئے۔

"اور اسی دن میں نے ریٹرن کر دیا تھا کیونکہ میری پوزیشن کاسٹیوم ڈیزائنر کی ہے۔ پورا ایک مہینہ گزر چکا ہے مجھے میرا updated کارڈ نہیں ملا۔ کیا ایچ آر کو انکا کام اب ایک ڈیزائنر سمجھائے گی؟" اس نے ہاتھ غصے سے میز پر دے مارا۔ لڑکی اچھل پڑی۔ اس کی آواز اونچی تھی اور لہجہ سخت۔ پوری آپریشن ٹیم پل بھر کو ساکت رہ گئی۔

"مجھے میرا ایمپلائر کارڈ اگلے بیس منٹ میں، میرے کیبن میں چاہیے۔ ورنہ نتائج کی زمہ دار پوری آپریشن ٹیم ہو گی۔" وہ انہیں تنبیہہ کرتی پلٹ گئی۔

"آپ ایچ آر ٹیم سے ایسے بات نہیں کر سکتیں۔" پیچھے سے اسسٹنٹ مینیجر کی آواز ابھری۔ وہ رکی اور پلٹ کر دیکھا۔ اس کے چہرے پر استہزاء بھری مسکان ابھری۔

"پہلے ایچ آر ٹیم اپنا کام کرنا سیکھ لے۔ پھر میں ایچ آر ٹیم سے بات کرنا سیکھ لوں گی۔" وہ طائرانہ نظر ڈالتی پھر سے پلٹ گئی۔ اب اس کا رخ اپنے کیبن کی طرف نہیں تھا بلکہ وہ اسٹوڈیو کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اسٹوڈیو میں داخل ہوتے اسے لگا جیسے وہ کسی اور جہان میں آ گئی ہو۔ کاسٹیوم ڈیزائنرز کی پوری ٹیم سر جوڑ کر کام میں لگے ہوئے تھے۔ ڈھیروں پتلے تھے جو دیوار کے ساتھ رکھے تھے۔ رنگ برنگے ملبوسات، عجیب و غریب موتی، ہیرے اور پتا نہیں کیا کیا جو ملبوسات کو سجاتے تھے۔ مختلف رنگوں کے بڑے بڑے ڈبے۔ ڈھیروں کاغذ اور اسکیچ بکس!

وہ سب ایک نظر اسے دیکھ کر ٹھہر گئے۔ اس کی بات چیت سب سے ہو جاتی تھی پر بے تکلفی کسی سے نہیں تھی۔

"فجر آر یو اوکے؟" ان میں سے کچھ اسے دیکھ کر اس کی جانب لپکے۔

"میں ٹھیک ہوں۔" وہ بس اتنا ہی کہہ پائی۔ کچھ دیر بعد جونیئر آرٹسٹ کی پوری ٹیم اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کا پہلا کاسٹیوم، ڈیزائننگ میں تھا جبکہ باقی دو کاسٹیوم کے اسکیچ اس نے بیگ میں رکھی اسکیچ بک سے نکالے تھے۔ وہ سب اس کے گرد آدھا دائرہ بنائے ہوئے تھے اور وہ ایک جانب کھڑی تھی۔ ہاتھ میں پکڑے اسکیچز انہیں دکھانے کے بعد وہ اب انہیں تفصیل سے سمجھا رہی تھی۔

"کام محنت طلب ہے اور مجھے یقین ہے ہم کر لیں گے۔" اس کا سمجھانے کا انداز اچھا تھا۔ وہ ہاتھ اٹھا کر بات کرتی تھی جو اس وقت دوسرے ڈیزائنر بھی اسے سن رہے تھے۔ اچھا کام کرنے کے لیے اچھی موٹیویشن چاہیے ہوتی ہے

جو اس وقت فجر اپنی ٹیم کو دے رہی تھی۔ یقیناً وہ سب مل کر کچھ بڑا کرنے والے تھے۔ اور گزری رات؟ وہ تو جیسے اس کی زندگی میں آئی ہی نہیں تھی۔

✿••✿••✿••✿

وہ اس وقت سائٹ پر موجود تھا۔ کئی ایکڑ کی زمین پر اس وقت سینکڑوں لوگ تھے، انجینئرز، آرکیٹیکچرز، مزدور، مشینیں اور بھی کافی لوگ۔

سن گلاسز لگائے رئیس اس وقت کافی مصروف نظر آتا تھا۔ کھلی زمین پر جگہ جگہ کیمپ لگائے گئے تھے۔ تہہ خانے کے لیے کھدائی کی جا رہی تھی۔ یہ اس کا ڈریم پراجیکٹ تھا۔ کئی ایکڑ پر پھیلا یہ شاپنگ مال بنانے کے لیے اس نے سالوں محنت کی تھی۔

وہ انجینئرز اور آرکیٹیکچرز ٹیم کے ساتھ بیٹھا۔ گرمی کافی زیادہ تھی پر سبھی کام کر رہے تھے۔

کئی فلور بنانے تھے، کتنی منزلیں رکھنی تھیں، کتنے اسٹورز بنانے تھے۔ یہ چیزیں پہلے سے ہی طے شدہ تھیں۔ عروزہ باہر سیکیورٹی ٹیم کے ساتھ ڈسکشن کرتی نظر آ رہی تھی۔ کچھ دیر بعد رئیس کیمپ سے باہر آیا۔ عروزہ اسے دیکھ کر اس کی جانب بڑھی۔

"مراد کہاں ہے؟" اس نے چاروں جانب نظریں گھماتے پوچھا۔ وہ اسے صبح سے نظر نہیں آیا تھا حالانکہ آج اسے سائٹ وزٹ کرنی تھی۔

"وہ نہیں آیا۔" سینے پہ بازو باندھے کھڑی عروزہ نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"کیوں؟" اس نے چشمہ اتارتے پوچھا۔

"وہ کہہ رہا ہے باس کا سنگل مرنے کا ارادہ ہو گا پر وہ بنا باپ بنے نہیں مر سکتا۔"

مجال ہے جو عروزہ لفظوں کا ہیر پھیر سیکھ لے۔ دو دو شادیاں کرنے کے باوجود مراد کے ہاں اولاد نہیں تھی۔

رئیس نے اس کی بات سنی اور جیب سے موبائل نکالا۔ اس کے دائیں ہاتھ پر پٹی بندھی تھی۔ وہ مراد کا نمبر ملاتا ایک جانب بڑھ گیا۔ بیل جا رہی تھی لیکن وہ فون نہیں اٹھا رہا تھا۔ مجال ہے جو وہ بھی فون بند کر دے تھک ہار کر مراد کو ہی فون اٹھانا پڑا۔

"ہیلو؟" مراد کی غصے بھری آواز ابھری۔

"ایک چھٹی کر کے کتنے بچوں کی لائن لگا دی ہے؟" چھوٹتے ہی اس نے مراد کی دکھتی رگ دبا دی۔

"جب تمہارے جیسا کالا ناگ میرے گھر کی منڈیر پہ بیٹھا ہو تب بچے کیسے ہو سکتے ہیں؟" وہ کلس کر بولا۔ رئیس نے بمشکل مسکراہٹ چھپائی۔

"اس سے پہلے کہ ناگ تمہیں ڈسے فوراً پہنچو۔" اس نے لہجہ سخت کرتے حکم دیا۔

"میں اپنے سسرال آیا ہوں۔" وہ جل بھن گیا۔

"تمہیں اپنے اس سسرال کا خیال ہونا چاہیے۔"

"میں نہیں آ رہا۔" مشکل سے وہ اپنی ناراض بیوی کو منا پایا تھا۔

"تمہارا تو باپ بھی آئے گا۔" ناگ بار بار ڈس رہا تھا۔

"باپ کو بلا لو کیونکہ میں سالانہ چھٹیوں پر ہوں۔"

رئیس کی بھنویں سکڑ گئیں۔ یہ ایچ آر کا کام تھا اور مراد کو ان کی طرف سے سالانہ چھٹیاں مل گئی تھیں۔

"کون جی ایم تمہاری طرح سالانہ چھٹیوں پر جاتا ہے؟"

"مراد عالم! اب فون بند کرو۔"

وہ رئیس میں اس کا ملازم سہی پر باہر وہ اس کا اچھا ساتھی اور دوست تھا۔ دونوں میں طنز و مزاح چلتا رہتا تھا۔

"میں تمہیں جی ایم سے peon بنانے میں زیادہ وقت نہیں لوں گا اس لیے شرافت سے سائٹ پہ پہنچو۔" اسکا لہجہ حتمی تھا۔ مراد نے بنا کچھ کہے فون کاٹ دیا۔ وہ جانتا تھا مراد نہیں آئے گا پر جب رئیس اس کی چھٹیاں خراب نہ کر لیتا اسے سکون کی نیند کیسے آتی؟ فون واپس جیب میں رکھتے، گہری سانس لیتا وہ دوبارہ سے کیمپ کی جانب بڑھ گیا۔ ہاں اب کچھ اندرونی سکون ملا تھا۔

✿••✿••✿••✿

جوزف پیلس؛ ایڈنبرا

ولیم کی جب کھلی تو اس نے خود کو مختلف جگہ پر پایا۔ یہ منظر تہہ خانے کا نہیں تھا۔ اس نے چاروں جانب نظریں دوڑائیں۔ سمجھ نہیں آیا جو ہوا تھا وہ خواب تھا یا حقیقت؟ اس کی تو حقیقت بھی کابوس کی نذر ہو چکی تھی۔ یہ کابوس کی دنیا تھی جہاں وہ پھنس چکا تھا۔ ابھی تک یہی احساس ہوتا تھا کہ وہ کابوس کے زیر اثر ہے کیونکہ کابوس کی دنیا وہ واحد دنیا ہے جس میں پھنسنے کے بعد انسان جسمانی تکلیف محسوس کر سکتا ہے اور ولیم جس قدر جسمانی تکلیف کے زیر اثر تھا اس نے اس کی ذہنی صلاحیت کو بھی متاثر کیا تھا۔

وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے چاروں اور دیکھے گیا۔ یہ کسی کمرے جیسا تھا بلکہ کسی بڑے ہال جیسا۔

دیواریں صاف تھیں۔ یہاں روشنی تھی۔ فرش صاف تھا۔ سامنے دیوار پہ بڑی سی ایل سی ڈی لگی ہوئی تھی۔ اس کے نیچے میز رکھا تھا۔ ایک سنگل کرسی پڑی تھی پر وہ اس کی پہنچ سے دور تھی۔ وہ ابھی بھی دیوار کے ساتھ بیڑیوں سے بندھا تھا۔

یہ کونسی جگہ تھی؟ جوزف پیلس میں یہ جگہ اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ یہاں کوئی کھڑکی نہیں تھی البتہ لکڑی کی سیڑھیاں اوپر کی جانب جاتی دکھائی دیتی تھیں۔

وہ خشک لبوں پر زبان پھیرتے، سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔ پر کچھ سمجھ نہیں آیا اور پھر اسے دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ آواز اوپر زینوں سے آرہی تھی اور پھر زینوں پر چلنے کی آواز سنائی دی۔ پرانی لکڑی پر قدم رکھنے سے الگ طرح کی آواز پیدا ہوتی تھی۔ وہ گردن اٹھائے اوپر دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔

پھر اسے جارج آتا دکھائی دیا۔ ہاتھ میں کھانے کی پلیٹ پکڑے وہ نیچے اتر رہا تھا۔ ولیم نے اسے دیکھا اور پھر گردن جھکالی۔

"ہیلو برادر!" وہ خراماں خراماں چلتا ہوا آیا اور پھر کھانے کی پلیٹ میز پر رکھ دی اور کرسی کھینچ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ وہ زنجیروں سے بندھے ولیم کو دیکھ رہا تھا۔ اس کا وجود زخمی تھا اور شاید روح اس سے بھی زیادہ زخمی پر اس کی ضد نہیں ٹوٹی تھی۔

"کتنا وقت گزر چکا ہے تم ولیم کے منہ سے ایک لفظ نہیں اگلوا پائے، اگر تم سے نہیں ہو رہا تو مجھے بتاؤ میں یہ کام کسی اور کو سونپتا ہوں۔" مسٹر جوزف کی خفگی بھری آواز سنائی دی۔ یہاں آنے سے پہلے وہ ان کے پاس ہی تھا۔

"میں کرلوں گا ڈیڈ! اسے تکلیف دینے کا حق صرف میرا ہے۔ یہ کام میرے علاوہ اور کوئی نہیں کرے گا۔" اس نے پہلی بار مسٹر جوزف کے سامنے اپنی مرضی رکھی تھی۔

اور اس وقت وہ ولیم کے سامنے بیٹھا تھا۔ وہ بھوکا تھا۔ جانے کتنے دنوں کا۔ اسے بھوکا رکھا جا رہا تھا کیونکہ پیٹ سے بڑا دوزخ کوئی نہیں۔ اسے بھرنے کے لیے انسان دوسرے انسان کو کھا جائے۔ وہ اب بے بس اور بندھے ہوئے ولیم کو دیکھے گیا۔ وہ بے بس ہونے کے باوجود اسے اتنا ٹف ٹائم دے رہا تھا۔

"تمہارے لیے کھانا لایا ہوں۔" اس کی اطلاع پر ولیم نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ کھانے کی خوشبو پہلے ہی اس کی بھوک مزید بڑھا چکی تھی۔ جارج کی نظریں پل بھر کو ولیم کی نگاہوں سے ٹکرائیں۔ ولیم کی آنکھوں میں بے پناہ شکوے تھے۔

اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلانے والا جارج اسے نوالے نوالے سے ترسا رہا تھا اسے دھیرے دھیرے سمجھ آ رہا تھا کہ نبوت کا اعلان کرنے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنے ان کے دشمن کیوں بن گئے تھے۔

"میں ایسا نہیں چاہتا تھا پر تم نے مجھے یہ سب کرنے پہ مجبور کر دیا۔" جارج اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اب کھانے کی میز کی جانب بڑھ رہا تھا۔ "میں تمہیں پیٹ بھر کے کھانے کو۔۔۔۔"

"تم ہمیشہ سے ہی ایسے تھے۔" ولیم نے اس کی بات کاٹی۔ وہ ہانپتے ہوئے بول رہا تھا۔ اب تو بولنے کی بھی طاقت نہیں بچی تھی۔ جارج کا ہاتھ رک گیا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے ولیم کو دیکھا۔

"تم ہمیشہ سے ہی مونسٹر تھے جارج!" اس نے جارج کو دیکھا۔ اس کی نظریں جتاتی ہوئی تھیں۔

"یہ حیوان تمہارے اندر ہمیشہ سے چھپا ہوا ہے۔ میں نے تمہیں حیوان بننے پر مجبور نہیں کیا۔ میں نے بس اسے باہر نکال دیا۔۔۔" وہ جانے کس راز کی جانب اشارہ کر رہا تھا۔ جارج کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔

"بکواس بند کرو! یہ سب تمہاری وجہ سے ہو رہا ہے۔" وہ اس کی بات کاٹتے درشتی سے چلایا۔

"تمہیں وہ بلیاں یاد ہیں؟" ولیم پر اس کے چلانے کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس کے چہرے پر استہزاء تھا۔ اسے بچپن کا وہ واقعہ آج بھی یاد تھا۔ بلیوں کا سنتے ہی جارج کے وجود میں ایک سنسنی خیز لہر دوڑ گئی۔ اس کی آنکھوں میں خوف دکھائی دیا۔ جس واقعے کو وہ بھول چکا تھا۔ ولیم کو وہ یاد تھا۔

کوئی گہرا راز تھا جو ماضی سے جڑا تھا۔ پورا جوزف پیلس یہ سنتے ہی جھنجھنا اٹھا۔ پیلس کے در و دیوار عجیب و غریب سرگوشیاں کرنے لگے تھے۔ یہ راز جاننے کے ہمیں ماضی کے پنوں کو الٹ پلٹ کرنا ہو گا۔

جوزف پیلس کی اوپری راہداریوں میں دس سالہ جارج دیوار سے ٹیک لگائے گھٹنوں میں سر دیئے رو رہا تھا۔ اس کے سامنے ہی ایک چھوٹی سی کالی بلی مری ہوئی پڑی تھی۔ وہ اس سے خوفزدہ دکھائی دیتا تھا۔ اس کی سسکیاں اوپری راہداریوں میں گونج رہی تھیں۔ وہ اس قدر خوفزدہ تھا کہ اس کا پورا وجود ہچکیوں کی زد میں تھا۔ اس کا چہرہ لال ٹماٹر بن چکا تھا اور اس کا وجود کانپ رہا تھا۔

"جارج؟ کہاں ہو تم؟" یہ آٹھ سالہ ولیم کی آواز تھی۔ وہ اسے ڈھونڈتے ہوئے وہاں تک آ گیا تھا۔ آواز سنتے ہی جارج نے اپنے گھٹنے مزید سینے سے چپکا لیے۔ اپنے بازو اپنے گرد باندھ لیے۔ وہ خوفزدہ تھا۔ ابھی سب کو پتا چل جائے گا کہ اس نے کیا کیا تھا اور پھر سب اس سے نفرت کریں گے۔ وہ سوچ سوچ کر خوفزدہ تھا۔ وہ رو رہا تھا۔

"جارج؟ کہاں ہو تم؟" ولیم کو اس کی فکر تھی۔ جارج نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنی سسکیوں کا گلہ گھونٹا۔ وہ یہاں سے بھاگ بھی نہیں سکتا تھا۔ آج تو ہمت بھی نہیں تھی اور پھر راہداریوں میں گھومتے پھرتے ولیم وہاں تک پہنچ گیا۔ اس نے جارج کو دیوار کے ساتھ لگے، روتے ہوا پایا۔ اس کے سامنے بلی کا مردہ وجود پڑا تھا۔

"جارج؟ تم ٹھیک ہو؟" ولیم تڑپ کر اس کی جانب بڑھا۔ اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے اس نے جارج کے چہرے کو اپنے ہاتھوں سے چھو کر اوپر اٹھایا۔ اس کا سرخ ٹماٹر چہرہ اور اس کے گالوں پر بہتے آنسوں ولیم کو پریشان کر گئے۔

"تم کیوں رو رہے ہو اور سینڈی کو کیا ہوا ہے؟" اس نے بلی کو بے حس و حرکت پڑے دیکھا تو پریشانی سے پوچھا۔ اس کی کتھئی آنکھوں میں الجھن تھی۔ وہ اپنے بھائی کو روتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"سینڈی۔۔۔ مر۔۔۔ گئی۔۔ مم۔۔۔ میں نے۔۔۔ اسے ما۔۔ مار۔۔ دیا۔" ہچکیوں کے زیر اثر وہ بمشکل بول پایا۔ ولیم نے اسے بے یقینی سے دیکھا۔

ماں کے مرنے کا اثر صرف ولیم پر ہی نہیں ہوا تھا بلکہ جارج نے بھی چار سال کی عمر میں اپنی ماں کو کھویا تھا۔ وہ ان سے بہت زیادہ اٹیچ تھا۔ وہ اپنی ماں سے بے پناہ محبت کرتا تھا۔ اس کی ماں نساء کے پیدا ہونے کے بعد مر گئیں اور اس حادثے نے جارج پہ گہرا اثر چھوڑا۔ وہ جب چھوٹی سی نساء کو روتے بلکتے دیکھتا تھا تو اسے سمجھ نہیں آتا تھا اس چھوٹی سی گڑیا کو کیسے چپ کروائے۔ اسے ہر چیز سے، ہر انسان سے نفرت ہونے لگی تھی۔ وہ شدت پسند بن گیا۔ وہ کیڑے مکوڑوں، چھوٹے پرندوں اور چھوٹے جانوروں کو جہاں بھی دیکھتا انہیں تکلیف پہنچانے کی کوشش کرتا۔ یا انہیں مار دیتا یا پھر انہیں آدھا مار کر چھوڑ دیتا۔ انہیں تڑپتا دیکھ کر اسے سکون ملتا تھا اور جب وہ یہ کام کر لیتا تب اسے پچھتاوہ ہوتا۔ وہ چھپ چھپ کر روتا تھا۔

"تم نے سینڈی کو کیوں مارا؟" وہ حیرانی سے جارج کو دیکھ رہا تھا۔ ہاتھ اس کے کانپتے ہاتھوں پر رکھا تھا۔

"پت۔۔پتا نہیں۔ میں نے سیڈی کو بھی مار دیا۔" وہ روتے ہوئے انکشاف کر رہا تھا۔ اس کے سر کے اوپر دیوار پر ٹنگی مشعل روشن تھیں۔ ولیم اس کے قریب ہی آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔

نساء کو بلیاں بہت پسند تھیں۔ مسٹر جوزف اس کے لیے دو Ragdoll لائے تھے۔ ایک سیاہ اور ایک سفید! دونوں بہت خوبصورت تھیں۔ نساء انہیں بہت پیار سے رکھتی تھی اور وہ بلیاں بھی نساء سے مانوس ہو چکی تھیں پھر ایک دن اچانک سفید والی غائب ہو گئی۔ سب نے مل کر ڈھونڈا پر وہ نہیں ملی۔ جارج اور ولیم اسے پورے محل میں ڈھونڈ چکے تھے پر وہ کہیں نہیں تھی۔ اس کا نام سیڈی تھا۔ نساء بہت روئی پھر اسے صبر آ گیا اور اس نے اپنی توجہ سیاہ سینڈی پر لگا دی۔

سیڈی کو جارج نے مار کر ندی میں پھینک دیا تھا اور پھر آج سینڈی بھی مر چکی تھی۔ جارج جب جب اسے دیکھتا تھا اس کے اندر کچھ ہوتا تھا۔ اس کے ہاتھ سینڈی کا گلہ دبا کر، اسے مار دینا چاہتے تھے۔ وہ نساء سے چھپتے ہوئے سینڈی کو اوپر لایا اور اس کا گلہ دبا دیا۔ تب تک دبائے رکھا جب تک اس کا جھٹکتا وجود ساکت نہیں ہو گیا۔ جیسے ہی وہ بے جان ہوئی جارج کو جیسے ہوش آ گیا۔ جب اسے اندازہ ہوا وہ کیا کر چکا تھا اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ آج اس میں ہمت نہیں تھی کہ وہ اسے اٹھا کر لے جاتا اور ندی میں پھینک آتا۔ وہ خود سے خوفزدہ ہو چکا تھا۔ وہیں بیٹھ کر رونے لگا اور پتا نہیں کب سے رو رہا تھا۔

'I am a monster. I am a monster William'

"نہیں تم مونسٹر نہیں ہو۔ تم نے کچھ نہیں کیا۔" ولیم نے روتے ہوئے جارج کو چپ کروانا چاہا۔ جو بھی ہوا وہ خوفزدہ تھا پر ولیم کو جارج بہت عزیز تھا۔

"سب کو پتا چل جائے گا۔ نساء کو بھی ڈیڈ کو بھی۔ وہ مجھ سے نفرت کریں گے۔" وہ سسک رہا تھا۔

"کسی کو پتا نہیں چلے گا۔ کوئی تم سے نفرت نہیں کرے گا۔" ولیم اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے سیاہ سینڈی کو ہاتھوں میں اٹھایا اور پھر ایک جانب چل پڑا۔ اسکارخ سامنے راہداری کے آخر میں لگی کھڑکی کی جانب تھا۔ وہاں پہنچ کر اس نے کھڑکی کو کھینچ کر اوپر کیا اور مری ہوئی بلی کو نیچے پھینک دیا۔ جارج اسے سانس روکے دیکھ رہا تھا۔ کھڑکی بند کرتے وہ واپس آیا اور اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"سب کو لگے گا وہ کھڑکی سے گر کر مری ہے۔ تم سے کوئی نفرت نہیں کرے گا۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر جارج کے آنسوں پونچھے۔

"تم مونسٹر نہیں ہو شاید تمہارے اندر کوئی مونسٹر گھس گیا ہے۔ تمہیں اسے باہر نکالنا ہے۔ تمہیں اسے مارنا ہے اور بس تم پہلے جیسے رحم دل جارج بن جاؤ گے۔" وہ معصومیت سے کہتا پیارا لگا۔ جارج نے بے ساختہ آگے ہوتے اسے گلے لگا لیا۔

"تھینک ہو ولیم!" وہ گلے میں اٹکے آنسوؤں پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تھینک یو کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم بھائی ہیں اور ہمیشہ ساتھ رہیں گے۔" ولیم نے اس کی کمر تھپتھپاتے جواب دیا۔

منظر یک دم ہی بدل گیا۔ بیڑیوں سے بندھا ولیم اور میز کے قریب دھیرے دھیرے بیٹھتا جارج واضح ہو گئے۔ اس کی ٹانگوں سے جان نکل چکی تھی۔ وہ اپنی اس حقیقت کو خود سے بھی چھپاتے آیا تھا اور ولیم نے آج اسے یاد کروادی تھی۔

اس واقعے کے بعد ولیم کی بیماری مزید بڑھ گئی۔ جارج نے خود پر قابو پانا سیکھ لیا۔ دونوں بلیاں کیسے مری تھیں یہ راز، راز ہی رہ گیا البتہ اس کے بعد جوزف پیلس میں کوئی پالتو بلی نہیں آئی۔

جارج نے خود کو کمپوز کر لیا۔ اسے اپنے باپ کی ناراضی سے ڈر لگتا تھا۔ وہ ان کی بے اعتنائی سہتا اور جب اس نے اپنے پیروں پہ قدم رکھا، جب جینی اس کی زندگی میں آئی تو سب ٹھیک ہونے لگا لیکن وہ نہیں جانتا تھا ایک دن سب بگڑ جائے گا۔

مسٹر جوزف نے جو اس کے اندر ولیم کے لیے نفرت ڈالی تھی اس نے جارج کے اندر کے حیوان کو دوبارہ جگا دیا تھا۔

"تم ہمیشہ سے ہی ایسے تھے جارج! وہ مونسٹر جو تمہارے اندر تھا وہ کبھی مرا ہی نہیں۔ وہ آج بھی زندہ ہے اور اس وقت وہ تمہیں کھا رہا ہے۔"

"بکواس بند کرو۔۔۔" وہ زور سے چلایا۔ ہاتھ مار کر میز پر رکھی کھانے کی پلیٹ دور پھینک دی۔ ولیم اسے استہزائیہ نظروں سے دیکھے گیا۔

"میں مونسٹر نہیں ہوں۔ مجھے تم نے ایسا بنایا۔" وہ اٹھتے ہوئے چلایا۔ آنکھوں لہو ٹپک رہی تھیں۔

"میں نے تمہیں بچایا تھا۔ تمہارے مونسٹر ہونے کو سب سے چھپایا تھا۔" ولیم نے اپنی آنکھوں سے کھانے کو زمین پر گرتے دیکھا۔ بھوک کی شدت سے اس کے اندر ابال اٹھ رہے تھے۔ یعنی مزید بھوکا ہی رہنا تھا۔

"مم۔۔ میں۔۔ مونسٹر نہیں ہوں۔" جارج چلاتا ہوا سیڑھیوں کی جانب بڑھا اور پھر وہ وہاں سے بھاگتا چلا گیا۔ پیچھے ولیم کا سر جھک گیا۔ اس کا وجود ڈھیلا پڑ چکا تھا۔ اس کی قید ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔

✿••✿••✿••✿

زندگی ایک بار پھر سے ڈگر پہ چل پڑی تھی۔ وہ پورے دن کی تھکی ہاری، بستر پہ سونے کے لیے لیٹ گئی۔ ہاتھ بڑھا کر سائیڈ ٹیبل پر رکھی وہ ٹیپ آن کر دی۔ کمرے کی پرفسوں خاموشی میں ولیم کی آواز گونج گئی۔

"میری زندگی عام لوگوں کی طرح نہیں گزری۔ میں نے وہ مناظر دیکھے ہیں جو بہت کم لوگوں نے دیکھے ہوں گے۔ وسیع و عریض جنگل، خاموش بیابان، بلند و بالا پہاڑ، یہ میری دنیا ہے۔ لیکن اس خوبصورتی کے ساتھ تنہائی بھی ہے۔ ایک گہری تنہائی جو اکثر مجھے گھیر لیتی تھی۔"

آواز میں ایک اداسی تھی جسے فجر نے پہلے بھی محسوس کیا تھا۔

"میں ایک عام ٹیورسٹ نہیں ہوں جیسا کہ تم سمجھ رہے ہو۔ میں ایک تلاش میں ہوں۔ ایک ایسی چیز کی تلاش میں جو شاید کبھی ملے ہی نہیں۔ میرا ذہن، میرا ذہن کبھی بھی پرسکون نہیں رہا۔ یہ ہمیشہ خیالوں، وسوسوں اور خوف سے بھرا رہتا ہے، میں ایک ایسی جنگ لڑ رہا ہوں جس کے بارے میں کسی کو خبر نہیں۔ ایک نفسیاتی بیماری، جس نے مجھے اندر سے کھوکھلا کر دیا ہے۔ نینسی میرے ساتھ رہتی ہے۔ تمہیں لگے گا میں پاگل ہوں۔ ہاں شاید میں پاگل ہوں!"

فجر دم سادھے سنے گئی۔ پہلا تاثر کبھی بھی آخری تاثر نہیں ہوتا۔ ولیم کا پہلا تاثر مختلف تھا۔ وہ دیکھنے میں لاابالی سا لڑکا لگتا تھا لیکن وہ نہیں جانتی تھی اس کے اندر اتنا کچھ چھپا تھا۔ پوری دنیا میں یہ واحد تکلیف تھی جسے وہ محسوس کر سکتی تھی۔ ولیم کی تکلیف! یہاں تک کہ اسے خود کی تکلیفیں بھی محسوس ہونا بند ہو گئی تھیں۔ یہ ٹیپ اور یہ آواز اس کی زندگی سے ایک عجیب طرح سے جڑ گئی تھی۔

"وہ راتیں، جب ڈر مجھے پوری طرح سے جکڑ لیتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے میرے ارد گرد کی دنیا ختم ہو رہی ہے۔ میں چیخنا چاہتا ہوں، لیکن آواز میرے گلے میں ہی دم توڑ جاتی ہے۔ ان لمحوں میں، میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ کوئی ہو، کوئی جو مجھے سمجھ سکے، جو میری تکلیف سمجھ سکے، جو سمجھ سکے کہ اپنے خاندان کے لیے کرس ہونا کیسا ہوتا ہے؟"

ہاں وہ سمجھ سکتی تھی۔ وہ سمجھ سکتی تھی کرس ہونا کیسا ہوتا ہے۔ وہ اس کا درد محسوس کر سکتی تھی۔

"میری اکلوتی دوست، اس نے خود کو ختم کر لیا۔ وہ واحد شخص تھی جو میری روح کی گہرائی کو سمجھتی تھی۔ اس کی موت، اس نے مجھے اندر سے توڑ دیا۔ ایسا لگا جیسے میرا ایک اہم حصہ مجھ سے جدا ہو گیا ہو۔"

"میں سمجھ سکتی ہوں۔ میں سمجھ سکتی ہوں۔" وہ آنکھیں بند کرتے زیر لب بڑبڑائی۔

"میں جانتا ہوں، یہ سب سن کر تم سوچ رہے ہو گے کہ کیسا عجیب انسان ہے سب کچھ ایک ٹیپ میں ریکارڈ کر دیا۔ لیکن میں خود ایک عام انسان نہیں ہوں۔ میری روح زخمی ہے، میری یادیں مجھے چین سے جینے نہیں دیتیں۔ جب تم اس سے تھک جاؤ تو اسے ضائع کر دینا۔"

وہ مزید بولتا رہا پر فجر نہیں سن پائی۔ حد درجہ تکان کی وجہ سے وہ جلد ہی نیند کی وادیوں میں اتر چکی تھی البتہ ولیم کی آواز گونجتی رہی۔ اس کی آواز سکون پہنچاتی تھی۔ فجر کو اپنا آپ اکیلا نہیں لگتا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ایک ان دیکھا ساتھی اسکے ساتھ ہو۔

✿••

جوزف پیلس کے باہر کافی گہما گہمی کا عالم تھا۔ پولیس کے ساتھ نیل کی گاڑی بھی موجود تھی۔ نیل کے ساتھ عیسی ماموں بھی آئے تھے۔

ولیم کو غائب ہوئے اتنا عرصہ گزر چکا تھا کہ نیل اور عیسی ماموں کو اسکی رپورٹ درج کرانی پڑی۔ ویسے تو پولیس مسٹر جوزف کے خلاف کیس درج نہیں کرنا چاہتی تھی پر جس طرح ولیم کا نام و نشان غائب ہوا تھا یہ سوچنے والی بات تھی۔

مسٹر جوزف، پیلس میں ہی تھے۔ نساء اپنے کمرے کی اوپری کھڑکی سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ نیل پولیس سمیت باہر انتظار کر رہا تھا۔ جب تک انہیں اندر نہ بلایا جاتا وہ کیسے جاسکتے تھے؟

موسم گرما ختم ہو کر خزاں شروع ہو چکا تھا۔ چاروں جانب زرد پتے بکھرے نظر آتے تھے اور جب بارش ہو جاتی تو منظر اور سہانا ہو جاتا تھا۔ نساء، پنڈلیوں تک آتی ریشمی فراک پہنے ہوئے تھی۔ اس نے نیل کے ساتھ آفیسر پال کو کھڑے دیکھا تو دل کی عجیب سی حالت ہو گئی۔

اسے ایک ماہ پہلے والا وہ حادثہ پوری جزئیات سے یاد آگیا جب اس کی کلاس فیلو ایملی نے خودکشی کی تھی اور وہ سب تحقیق کے سلسلے میں پولیس اسٹیشن موجود تھے۔

سرخ بالوں والی نساء ابھی تک اس صدمے میں تھی۔ ایملی نے خودکشی کی تھی۔ اسکا قتل نہیں ہوا تھا۔ اس مرنے کے دس گھنٹے بعد اس کے اکاؤنٹ سے ایک ویڈیو پوسٹ ہوئی تھی۔ شاید اس نے مرنے سے پہلے شیڈول کی تھی۔ وہ اکیلی تھی۔ بہن بھائی ہونے کے باوجود کیونکہ وہ سوتیلی تھی۔ ماں کے مرنے کے بعد باپ نے دوسری شادی کر لی تھی اور ایملی کے ساتھ جو سلوک ہوتا تھا وہ اسے مزید برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

نساء اس کی موت کی وجہ سے گہرے صدمے میں چلی گئی تھی۔ اسے اندازہ نہیں تھا ہمیشہ ہنسنے بولنے والی لڑکی اتنا کچھ سہہ رہی تھی۔ اسے بے اختیار ولیم یاد آیا۔ اسے یاد آیا کہ وہ اس سے کتنا پیار کرتا تھا۔ اسے اپنی باتیں یاد آئیں۔

"تم کیوں ہو ولیم؟ تم کیوں ہو؟" اس کے دل کو کچھ ہوا۔

س چھوڑا تھا۔ وہ ایک ایماندار آفیسر اور اچھا انسان تھا۔ اس کا پورا نام پال جیکب ولسٹن تھا جو اس نے تبدیل کروا کر پال ولسن کر لیا تھا۔ اسے یاد تھا وہ ان سے عمر میں بڑا تھا اور اسکول کے بعد وہ پتا نہیں کہاں غائب ہو گیا تھا۔ دوبارہ کبھی نہیں ملا۔ نہ ہی جوزف پیلس میں اس کا دوبارہ کبھی ذکر ہوا اور اب سالوں بعد وہ ایک آفیسر کے روپ میں سامنے آیا تھا۔ اس نے اپنی پہچان بنالی تھی۔

برستی بارش میں وہ اسے پولیس کی گاڑی میں جوزف پیلس تک لایا تھا۔ نساء چاہتی تھی وہ اندر آئے سب سے ملے پر جس قدر ایملی کا کیس سیریس تھا وہ اسے جوزف پیلس کے سامنے اتار کر واپس چلا گیا۔ وہ رحم دل تھا۔ نساء کو اس کے بات کرنے کا انداز پسند آیا۔ وہ عورتوں کا احترام کرتا تھا۔ پچھلے ایک مہینے میں وہ اسے نہیں بھول پائی اور نہ ہی ولیم کو۔ اسے یہی بتایا گیا تھا کہ ولیم پھر کسی دورے پر نکل گیا ہے۔ نینی بہت پریشان تھیں وہ بیمار پڑ چکی تھیں۔ ولیم سے کوئی رابطہ نہیں ہو پایا تھا۔ مسٹر جوزف اور جارج پہلے سے بہت سنجیدہ رہنے لگے تھے۔ ولیم کے ساتھ ہی جیسے جوزف پیلس کی ساری تازگی جا چکی تھی۔

نیچے کھڑا پال کمر پر ہاتھ دھرے چاروں جانب دیکھ رہا تھا اور تب اس کی نظر اٹھی، اوپر کھڑکی میں ہلکے رنگ کے لباس والی نساء کھڑی نظر آئی۔ اس نے کندھوں پر چھوٹا اسکارف ڈال رکھا تھا۔ اس کے سرخ چیری بال واضح تھے۔ وہ پل بھر کو ٹھٹک گیا۔ یہ وہ لڑکی تھی جو اس کی محسن کی بہن تھی اور یہی وہ لڑکی تھی جس نے اسے کافی الجھن میں ڈال لیا تھا۔ جوزف پیٹرسن جیسی شخصیت کی بیٹی ہونے کے باوجود وہ بہت ڈری سہمی اور معصوم تھی۔ اسے یاد تھا وہ دن جب وہ اسے چھوڑنے آیا تھا۔ بھیگی جیکٹ اس نے کندھوں پر ڈال رکھی تھی۔ وہ اس قدر خوفزدہ تھی جیسے ایملی کو اس نے ہی مارا ہو۔ اسے تو بولڈ اور بلنٹ ہونا چاہیے تھا پھر وہ ایسی کیوں تھی؟ پتا نہیں کیوں وہ چاہ کر بھی اسے اپنے

ذہن سے نہیں نکال پایا تھا۔ انتیس تیس سالہ پال کو جوزف پیلس کے مکینوں نے الجھا دیا تھا۔ ملازم انہیں بلانے آ گیا تو وہ نیل اور عیسی ماموں کے ہمراہ پیلس کے اندر داخل ہو گیا۔ کچھ دیر بعد نساء سیڑھیاں اترتے نیچے آئی تو اس نے ان تینوں کو مسٹر جوزف اور جارج کے ہمراہ لاؤنج میں بیٹھے دیکھا تھا۔

"آفیسر آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میں نے اپنے ہی بیٹے کو اپنے ہی پیلس میں قید کر رکھا ہے؟" مسٹر جوزف کے چہرے پر استہزاء تھا جبکہ جارج کا چہرہ سپاٹ تھا۔ مانو جیسے وہ وہاں ہو ہی نا۔

"وہ یہیں ہے۔ ولی بیٹا یہیں ہے۔" عیسی ماموں پہلو بدلتے ہوئے بولے۔

"دیکھیے مسٹر جوزف آپ شہر کی با اثر اور جانی مانی شخصیت ہیں۔ آپ کے خلاف یہ دو شہری کئی بار شکایت لے کر آئے ہیں۔ ان کے مطابق ولیم اس رات پاکستان جانے والا تھا پر وہ اس فلائٹ میں نہیں تھا۔ وہ آج تک کسی فلائٹ کے ذریعے ملک سے باہر نہیں گیا۔ میں انہیں آپ کے سامنے لایا ہوں تاکہ اس بات کو کلیئر کیا جائے۔" وہ سانس لینے کو رکا جبکہ مسٹر جوزف سرد نظروں سے عیسی ماموں کو گھور رہے تھے۔ انہیں وہ شخص زہر لگتا تھا۔

"آپ نے کہا کہ ولیم کا علاج چل رہا ہے۔ ہم بس جاننا چاہتے ہیں وہ کس شہر میں ہے؟"

"یہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ ولیم کا کوئی علاج نہیں چل رہا۔ وہ یہیں کہیں قید ہے۔" نیل نے اس کی بات کاٹی۔ آخری زینے پر کھڑی نساء ان کی باتیں سن سکتی تھی۔ اس کے چہرے پر پریشانی تھی۔ جبکہ مسٹر جوزف کے سکون میں ذرا بھی فرق نہیں آیا تھا۔ وہ جانتے تھے نیل اور عیسی ماموں کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ پال نے نیل کی بات سنی اور پھر گہری سانس لیتے ایک بار پھر سے گویا ہوا۔

"میں جانتا ہوں مجھ پر آپ کے احسانات ہیں۔ خاص طور پر ولیم کے۔ پر میں اپنی ڈیوٹی کر رہا ہوں اور میں دل کی گہرائیوں سے چاہوں گا ولیم جہاں بھی ہو محفوظ ہو اور میں آپ کی حرمت کی بھی قدر کرتا ہوں۔" وہ سنجیدہ دکھائی دیتا تھا۔ گہری رنگت والا پال اچھا بول لیتا تھا۔ جارج یونہی بیٹھا رہا۔ وہ کہیں اور الجھا تھا۔

"کیا چاہتے ہیں آفیسر؟ میں کیا کروں؟" مسٹر جوزف جو ٹانگ پر ٹانگ جمائے، وکٹورین صوفہ پر براجمان تھے وہ اسی سکون سے بولے۔ ان کی آنکھیں سرد اور بے تاثر تھیں۔ ان کی بات سن کر پال نے نیل اور عیسی ماموں کو دیکھا۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں چند اشارے ہوئے پھر وہ مسٹر جوزف کی طرف متوجہ ہوا۔

"نیل اور عیسی صاحب ایک بار پورے پیلس کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔" وہ یہ بات کہتے ہوئے گھبرا رہا تھا۔ جوزف پیلس کی تلاشی؟ کیا یہ معمولی بات تھی؟ اس میں ایسی بات کرنے کی ہمت کہاں سے آئی؟ مسٹر جوزف اگر چاہتے تو ایک فون کال پر اس کا کریئر ہمیشہ کے لیے ختم کر دیتے۔ نیل اور مسٹر پال ہمیشہ کے لیے پھنس جاتے پر انہوں نے خاموشی سے پال کی بات کو سنا۔ گہری نظروں سے نیل کو دیکھا جس کا حلق خشک ہوا پڑا تھا۔ اتنی مار کھانے کے باوجود بھی وہ باز نہیں آیا تھا۔ عیسی صاحب سادہ شلوار قمیض پہنے ہوئے تھے۔ تلاشی کے نام پر جارج کے کان کھڑے ہوئے۔ اس نے بھنویں سکیڑ کر ان تینوں کر دیکھا۔ چہرے پر ناگواری نظر آئی اور آنکھوں میں حقارت تھی۔ ان کی اتنی اوقات تھی کہ وہ جوزف پیلس کی تلاشی لیتے؟ ایک پر اسرار سی خاموشی چھا گئی۔ خاموشی کا وقفہ لمبا ہو گیا۔ نساء سانس روکے کھڑی رہی۔ صوفی کچن سے چائے کی ٹرالی اور دیگر لوازمات کے ساتھ لاؤنج کی جانب جاتی دکھائی دی۔

"ٹھیک ہے۔" مسٹر جوزف کی ٹھہری ہوئی آواز سنائی دی۔ جارج نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"ڈیڈ؟" وہ حیران ہوا۔ حیران تو وہ تینوں بھی ہوئے تھے۔ نیل کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑ گئی تھی۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن اگر پیلس میں کچھ نہ ملا تو آئندہ تم تینوں کبھی مجھے اپنی شکل نہیں دکھاؤ گے۔" انہوں نے درشتی سے کہا۔ پال کے چہرے پر ایک سایہ سا آکر گزر گیا۔ وہ جانتا تھا مسٹر جوزف اسے پسند نہیں کرتے تھے۔ ہمیشہ سے وہ انہیں ناپسند تھا کیونکہ ولیم نے اس کی وجہ سے پہلی بار ضد کی تھی۔

صوفی ٹرالی گھسیٹتے ہوئے لائی اور درمیان میں رکھ کر نفاست سے ان سب کے لیے چائے بنانے لگی۔

"لیکن ڈیڈ؟" جارج نے کچھ کہنا چاہا۔

"جاؤ انہیں پیلس کا کونا کونا دکھاؤ۔" ان کے لہجے میں اس قدر اطمینان تھا کہ پل بھر کو وہ تینوں کشمکش میں پڑ گئے۔ مسٹر جوزف کے حکم پر بالآخر جارج کو اٹھنا پڑا۔ وہ انہیں کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا اور پھر ایک جانب چل پڑا۔ اس کے پیچھے ہی وہ تینوں بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ اوپر جانے کی غرض سے وہ زینوں کی جانب بڑھے اور نساء کو وہاں دیکھ کر جارج ٹھٹکا جبکہ پال اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

وہ بہت معصوم اور پریشان لگ رہی تھی۔ پال اس سے بات کرنا چاہتا تھا پر پھر کچھ سوچتے ہوئے، بنا کچھ کہے اس کے قریب سے گزر کر اوپر چلا گیا۔ نساء نے پلٹ کر اسے دیکھا اور پھر گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

✿••✿••✿••✿

لکس کے اسٹوڈیو روم میں کچھ دیر پہلے اس قدر کافی گہما گہمی تھی۔ سبھی ڈیزائنر ناک ناک کام میں ڈوبے تھے۔ اس وقت لنچ بریک تھی اور تقریباً سبھی لنچ کے لیے گئے تھے۔ ایک فجر ہی تھی جو اسٹوڈیو میں بیٹھی تھی۔ ماتھے اور ہاتھ کی پٹی اب اتر چکی تھی۔

وہ گود میں ٹیپ رکھے، کانوں میں ہینڈ فری لگائے اسے سن رہی تھی۔ اس کی زندگی میں دو ہی چیزیں بچی تھیں ایک لکس اور اس کے کاسٹیوم دوسری یہ ٹیپ! یہ اس کی زندگی کا حصہ بن چکی تھی۔ وہ تمام ممالک، وہ جگہیں، جو شاید وہ کبھی نہ دیکھا پاتی وہ انہیں ولیم کے ذریعے گھوم چکی تھی۔ اس کی باتیں، فجر کی زندگی کا حصہ بن چکی تھیں۔ ہر انسان کا ایک escape ہوتا ہے اور فی الوقت فجر کا اسکیپ یہ ٹیپ تھی۔ وہ آج کل کتابیں نہیں پڑھ رہی تھی وہ ٹیپ آن کرتی تھی اور الگ دنیا میں پہنچ جاتی تھی وہ دنیا جو فیری ٹیل جیسی تھی ایک زخمی اور زہریلی فیری ٹیل! مسٹر جوزف، نینی، جارج، نینسی، نساء اور نیل سے اسکا غائبانہ تعارف ہو چکا تھا۔

ایڈنبرا کا مشہور پروڈکشن ہاؤس اور جوزف پیلس! اسے سب سے انسیت سی ہو گئی تھی۔ وہ اسے کسی کتاب کی طرح جی رہی تھی اور فرق یہ تھا اس فیری ٹیل کے سبھی کردار اصلی تھے۔ کبھی کبھی وہ آنکھیں بند کرتی تو خود کو جوزف پیلس کے باہر کھڑا پاتی۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی وہ باہر سے کیسا دکھتا تھا اور وہاں رہنے والے لوگوں نے کیسی شاہانہ زندگی جی تھی بلکہ جی رہے تھے پر جس چیز نے اسے اس کہانی سے جڑنے پر مجبور کیا تھا وہ درد تھا۔ بے انتہا درد، اس کہانی میں درد تھا۔ یہ ایک زہریلی فیری ٹیل تھی اور وہ ٹھہری بری جادوگرنی! پھر کہانی سے جڑنا تو بنتا تھا۔ اس وقت وہ اکیلی اسٹوڈیو میں بیٹھی تھی۔ اس کے سامنے اسکیچ بک کھلی تھی اور وہ ہاتھ میں پینسل تھامے اسے اسکیچ بک پر چلا رہی تھی۔ خالی اسٹوڈیو میں، کاغذ پر ابھرنے والی پینسل کی آواز گونج رہی تھی وہ جسمانی طور پر یہاں تھی پر ذہنی طور پر وہ ولیم کے ساتھ کولمبیا کے جنگلات میں تھی۔

"ایک بہت بڑا پروڈکشن ہاؤس چاہتا ہے میں کولمبیا کے جنگلات کی ریکارڈنگز کروں۔ ایک اچھی آفر تھی۔ میں یہاں آ گیا۔ اس کے بعد مجھے کینیڈا جانا ہے۔ مجھے حقیقی بھیڑیوں کی ریکارڈنگز کرنی ہیں۔" ٹیپ خاموش ہو گئی۔ یقیناً وہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا ہو گا۔

"لگتا ہے تم مکڑیوں سے کافی obsessed ہو۔" گہری خاموشی میں میڈم سونیا کی آواز گونج اٹھی۔ فجر چونک کر جیسے حقیقی دنیا میں لوٹی۔ اس نے اسکیچ بک کو دیکھا تو وہاں ایک بڑی سی مکڑی چمک رہی تھی۔ یعنی وہ ریکارڈنگ سنتے ہوئے مکڑی بنا رہی تھی۔ اس کے عقب میں، سونیا سلطان جھکی ہوئی تھیں۔ فجر نے ہینڈ فری اتاری اور ٹیپ کو میز پر رکھے اپنے بیگ میں ڈال لیا۔ سونیا نے اسے ٹیپ رکھتے دیکھا تھا۔

"ہو سکتا ہے یہ مکڑیاں مجھ سے آبسیسڈ ہوں۔" وہ اطمینان سے بولی۔ وہ خواب آج بھی جزئیات سے یاد تھا۔ چہرے پر پیشہ ورانہ مسکراہٹ تھی۔ سونیا گھوم کر اس کے سامنے آئیں اور میز کے دوسری جانب رکھی کرسی پر بیٹھ گئیں۔ دائیں جانب ہی تین پتلوں پر وہ تین کاسٹیوم لٹکے تھے جو آخری مراحل میں تھے۔ وہ اتنے خوبصورت اور سحر انگیز تھے انہیں دیکھتے رہنے کو دل کرتا تھا۔

"کافی دنوں سے تم سے ملاقات نہیں ہوئی؟ کیسی ہو؟" وہ فجر کے سامنے بیٹھی تھیں۔

"میں ٹھیک ہوں۔ کام کا پریشر آپ کے سامنے ہی ہے۔" وہ اسکیچ بک بند کرتے ہوئے بولی۔

"آج رئیس گروپ کے ساتھ ڈنر ہے۔ ایک آفیشل ڈنر میٹنگ! آنے والے شو کے بارے میں ڈسکشن ہے۔ تم ساتھ چلنا چاہو گی؟"

فجر نے پوری توجہ سے ان کی بات سنی۔ بس کچھ دن، ہاں کچھ دنوں بعد وہ پیرس میں ہو گی۔ وہاں اس کے ملبوسات کی نمائش ہو گی۔ یہ کوئی چھوٹی بات نہیں تھی پر رئیس کے ساتھ ڈنر؟ اس شخص کو، اس کی کامیابیوں اور اس کی پہچان دیکھ کر اچھا خاصا انسان احساس کمتری کا شکار ہو جائے۔

"نہیں۔ میرے لیے ممکن نہیں۔ میری مدر کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ مجھے انہیں ہسپتال لے جانا ہے۔" اس نے سہولت سے انکار کیا اور یہ سچ تھا اماں کی طبیعت پچھلے کافی دنوں سے خراب تھی۔ اسی دن سے جس دن فجر کا ایکسڈنٹ ہوا تھا۔ طوفان آیا اور گزر گیا البتہ گہرے نشان چھوڑ گیا تھا۔ جسے نہ اماں بھر سکتی تھی اور نہ وہ خود۔

"اوہ! کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ تم انکا خیال رکھو۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ فجر نے بھی مزید کوئی بات نہیں کی۔ وہ کرنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ سونیا جس خاموشی سے آئی تھی اسی خاموشی سے چلی گئی۔ کچھ دیر بعد اسے بھوک کا احساس ہوا تو وہ اپنا بیگ وہیں چھوڑتی اپنا فون اٹھائے اسٹوڈیو سے باہر نکل آئی۔ اسکا رخ اب کیفے کی جانب تھا۔ وہ اپنے دھیان میں چل رہی تھی جب کیفے کے داخلے میں ہی کسی نے اسے پکارہ۔

"فجر معراج؟" وہ رک گئی۔ گردن موڑ کر دائیں جانب دیکھا تو جنید کھڑا تھا۔ فجر کے چہرے پر سایہ سا لہرایا۔ اسے دیکھتے ہی فجر کو وہ دن یاد آجاتا تھا۔

"ہائے میں جنید ہوں!" وہ اپنے میز سے اٹھ کر اس کی جانب بڑھا اور اپنا تعارف کروایا۔ فجر اسے الجھن بھری نظروں سے دیکھے گئی۔ چشمے کے پیچھے سے جھانکتی اس کی ہیزل آنکھیں، جنید کو دیکھ کر خوش تو ہرگز نہیں ہوئی تھیں۔

"کیا میں آپ کو یاد ہوں؟" اس نے قریب آکر سوال کیا۔ صاف ظاہر تھا وہ اس سے بات کرنا چاہتا تھا۔

"کیا میں آپ کو جانتی ہوں؟" اگلے ہی لمحے اس نے پر سکون ہوتے پوچھا۔

"مجھے نہیں ولیم جوزف کو تو جانتی ہوں گی نا؟" اس نے براہ راست ولیم کا ذکر کیا۔ فجر کے اندر ایک ٹھنڈی لہر دوڑ گئی۔

"صاف صاف بات کریں۔" اس نے خود پر ضبط کرتے بے زار لہجے میں کہا۔

"ولیم سے رابطہ ہے آپ کا؟" اس نے رازدانہ انداز میں پوچھا۔ فجر نے اسے یوں دیکھا جیسے اس کا دماغ پھر گیا ہو۔

"میرا اس سے رابطہ کیوں ہو گا؟" وہ ہتھے سے اکھڑ گئی۔ لہجے دھیما تھا پر تاثرات غضب ناک تھے۔

"شوہر ہے آپ کا اس لیے پوچھا۔" وہ یوں بولا جیسے انہوں نے لو میرج کی ہو۔

"اوہ پلیز! بار بار یاد دلا کر کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں؟" وہ سینے پر ہاتھ باندھتی سیدھی ہوئی۔

"وہ لو میرج نہیں تھی۔ میرا اس سے رابطہ کیوں ہو گا؟ نہ اسے اس شادی میں دلچسپی تھی نہ مجھے۔ اب پلیز اس چیپٹر کو بند کریں۔ بھول جائیں۔" وہ اسے کھری کھری سنا کر آگے بڑھی۔

"آخری بار میری اس سے بات ہوئی تو وہ پاکستان آنا چاہتا تھا۔ اس کی ٹکٹ بھی ہو چکی تھی۔ مجھے لگا شاید آپ کو کچھ خبر ہو۔ میرا اس سے رابطہ نہیں ہو رہا۔" اس نے عقب سے کہا۔ لہجہ دھیما ہی رکھا گیا۔ فجر رک گئی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔

"تو میں کیا کروں؟" اس نے ابرو اچکائے پوچھا۔

"وہ آپ کے کام آیا، تب، جب آپ کو ضرورت تھی۔ آپ چاہے اسے اپنا شوہر نہ مانیں پر ایک انسان کی حیثیت سے آپ اس سے رابطہ تو کر ہی سکتی ہیں نا؟ وہ آپ کے لیے واپس آنا چاہتا تھا۔"

اس کے الفاظ میں ایسا کچھ تھا کہ فجر ساکت ہوئی۔ کئی لمحے وہ جنید کو دیکھے گئی۔

"وہ اس کے لیے واپس آنا چاہتا تھا؟ یہ کیسے ممکن ہے؟ اور کیوں؟ وہ کیوں آنا چاہتا تھا؟ اور پھر آیا کیوں نہیں؟" کئی سوال ذہن میں گونج گئے۔ وہ اسے کئی ثانیے دیکھتی رہی اور پھر بنا کچھ کہے پلٹ گئی۔ فوڈ کورٹ لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ وہ نسبتاً ایک پر سکون کونا تلاش کر کے بیٹھ گئی۔ میز خالی تھا۔ وہ اکیلے بیٹھنا چاہتی تھی تا کہ کچھ سوچ سکے۔ جنید نے باتوں نے اسے الجھا دیا تھا۔ اس نے اسی الجھن میں لنچ آڈر کیا اور کھانے کے بعد کافی کا مگ لیتے فوڈ کورٹ سے باہر نکل آئی۔ اسٹوڈیو پہنچ کر اس نے کافی میز پر رکھی اور اپنا بیگ ٹٹولنے لگی۔ کچھ دیر ٹٹولنے کے بعد بالآخر اسے وہ وزٹنگ کارڈ مل ہی گیا تھا۔ ولیم جوزف کا وزٹنگ کارڈ! عجیب سے احساسات تھے۔ وہ اس کارڈ کو دیکھے گئی۔

"کیا مجھے اسے فون کرنا چاہیے؟" کئی لمحوں کی کشمکش کے بعد اس نے بالآخر اپنا فون اٹھاتے ولیم کا نمبر ملایا۔ حلق خشک ہو گیا۔ اگر وہ اس کے فون کرنے پہ پھیل گیا تو؟ اگر اس نے غلط مطلب لیا تو؟ بہت سارے خدشات تھے جو فوراً دم توڑ گئے کیونکہ ولیم کا نمبر بند جا رہا تھا۔ اس نے اٹکا ہوا سانس بحال کیا اور کارڈ واپس بیگ میں پھینک دیا۔ وہ اسے اب دوبارہ فون نہیں کرنے والی تھی۔

✿••✿••✿••✿

جوزف پیلس کے سبھی کونوں کھدروں کی تلاشی کے بعد بھی ولیم کہیں نہیں ملا تھا۔ تہہ خانے کا کونا کونا دیکھ لیا تھا۔ نیل اور عیسی ماموں کی حالت خراب ہو چکی تھی۔

جارج نے انہیں پورا جوزف پیلس دکھا دیا تھا۔ وہ جب واپس آئے تو مسٹر جوزف اسی صوفے پر اطمینان سے بیٹھے تھے۔ انہیں اپنی جانب آتے دیکھ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ نساء اور نینی ایک جانب صوفے پر بیٹھی تھیں۔ پال کا سر جھکا ہوا تھا جبکہ چہرے پر الجھن تھی۔

"مسٹر جوزف۔۔" پال نے آتے ہی کچھ کہنا چاہا۔

"مجھے امید ہے، آئندہ میں تم تینوں کی شکل نہیں دیکھوں گا۔" انہوں نے دروازے کی جانب اشارہ کیا۔ پال کے الفاظ منہ میں ہی دم توڑ گئے۔ اس نے ایک نظر نساء کو دیکھا۔ وہ اس سے بات کرنا چاہتا تھا پر مسٹر جوزف کی موجودگی میں یہ ناممکن تھا۔ نساء نے اسے دیکھا اور نظریں چرا لیں پھر وہ تینوں بنا کچھ کہے جوزف پیلس سے باہر نکل گئے۔ نساء واپس اپنے کمرے میں چلی گئی اور مسٹر جوزف اپنے کمرے میں آ گئے۔

آتے ہی انہوں نے دروازہ بند کر لیا۔ ضبط سے ان کی کنپٹیاں پھولی ہوئی تھیں۔ ان کی میز پر کھانے کی ٹرے رکھی تھی۔ انہوں نے آتے ہی اپنا کوٹ اتارا، ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کر کے اسے اتار دیا۔ شرٹ کے کف فولڈ کر کہنیوں تک کر لیے۔ ایک نظر خود کو آئینے میں دیکھا۔ انکا ایک بھی بال سفید نہیں تھا۔ آنکھیں سیاہ اور سرد تھیں اور چہرا سپاٹ! وہ کئی لمحے خود کو دیکھتے رہے۔ پھر انہوں نے کھانے کی ٹرے اٹھالی۔ آگے بڑھ کر اپنی بڑی سی الماری کا پٹ کھولا۔ سامنے ہی ان کے مہنگے سوٹ ٹنگے تھے۔ ایک ہاتھ سے کپڑوں کو سائیڈ کیا اور کپڑوں کے پیچھے کی دیوار واضح ہوئی۔ پتھر کی دیوار۔ انہوں نے بے تاثر چہرے کے ساتھ سامنے ہی دیوار پہ ایک مخصوص مقام پر ہاتھ رکھ کر دبایا تو وہ دیوار ایک بھاری آواز سے کھلتی چلی گئی۔ جیسے کوئی پتھر اپنی جگہ سے ہل گیا ہو۔ جب دیوار پوری کھل گئی تو ان کے سامنے ہی بڑی سی راہداری تھی۔ انہوں نے اندر داخل ہوتے پہلے الماری کا پٹ بند کیا اور اس کے بعد وہ پتھر کی دیوار پار کرتے ہی وہ دیوار پھر اسی آواز سے بند ہو گئی۔

آہ۔۔۔۔۔ ولیم یہ دیکھتا تو حیران ہوتا۔ پورا بچپن وہ چاروں، جوزف پیلس میں، اس خفیہ الماری کو تلاش کرتے رہے جس کے پار کی دنیا بالکل الگ تھی۔ بالکل نارنیہ جیسی!

لیکن افسوس انہیں وہ الماری کبھی نہیں ملی پر وہ نہیں جانتے تھے کہ اس الماری کا اس خفیہ دروازے کا وجود تھا۔ پر اس کا گزر مسٹر جوزف جیسے ڈریکولا کے کمرے سے ہوتا تھا۔

وہ ہاتھ میں کھانے کی ٹرے پکڑے ایک لمبی راہداری سے گزر رہے تھے جس کے دونوں جانب مشعلیں روشن تھیں اور پھر سیڑھیاں نظر آئیں۔

تہہ خانے کی سیڑھیاں جیسے پاتال میں اتر رہی تھیں۔ سرد، کثیف ہوا کا ایک جھونکا اوپر آیا جس میں صدیوں کی گھٹن اور نمیات کی باس تھی۔ مسٹر جوزف کے بھاری قدم لکڑی کی سیڑھیوں پر گونج رہے تھے، ہر قدم ایک اذیت کا پرتو تھا۔ انہوں نے خود اپنے خون، اپنے ولی عہد کو اس تاریکی، اس سرد مہر خاموشی کے سپرد کر رکھا تھا۔ اس کا جرم کیا تھا؟ اس کی سب سے بڑی بغاوت؟

"اس کا خدا بدل گیا تھا!"

وہ نیچے اتر رہے تھے، نگاہیں اس ایک وجود کو تلاش کر رہی تھیں جو ان تاریکیوں کا مکین بن گیا تھا۔ اور پھر، انہوں نے اسے دیکھا۔

کمرے کے عین وسط میں، جہاں چھت سے ایک زنگ آلود کنڈا لٹک رہا تھا، ولیم زمین پر جھکا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ مضبوط زنجیروں سے بندھے تھے جو اوپر کنڈے سے پیوست تھیں۔ کلائیاں شاید لہولہان تھیں مگر اس نے پرواہ نہیں کی۔ اس کا سر سجدے میں تھا، پیشانی ٹھنڈے پتھر کو چھو رہی تھی۔ اس کی پھٹی ہوئی قمیض، بکھرے بال اور جسم پر زخموں کے نشانات اس پر بیتی اذیت کی گواہی دے رہے تھے، مگر اس کے سجدے میں ایک عجیب اطمینان تھا۔ ایک گہرائی تھی۔

مسٹر جوزف وہیں سیڑھیوں پر ساکت رہ گئے۔ ان کے ہاتھ میں پکڑی کھانے کی ٹرے لرز رہی تھی، جس کا عکس سامنے دیواروں پر خوفناک سائے بنا رہا تھا۔ انہوں نے کیا سوچا تھا؟ وہ ولیم کو روتا بلکتا پائیں گے؟ معافی مانگتا دیکھیں گے؟ یا شاید غصے سے بھرا ہوا؟ مگر یہ کیا تھا؟ یہ تو ایک اور ہی منظر تھا۔

ولیم کے ہونٹ آہستہ آہستہ حرکت کر رہے تھے۔ خاموش سرگوشیاں جو تہہ خانے کی پراسرار خاموشی میں ایک الگ ہی آہنگ پیدا کر رہی تھیں۔ یہ عربی کے وہ کلمات تھے جو مسٹر جوزف کے لیے اجنبی نہ تھے، پر ناگوار تھے، جنہیں سن کر ان کا خون کھول اٹھتا تھا۔ مگر آج ان کلمات میں ایک عجیب تاثیر تھی۔ وہ ولیم جو ہمیشہ پر اعتماد اور روشن چہرہ رکھتا تھا، آج اس حال میں بھی ایک پر سکون چہرے کے ساتھ اپنے خدا سے سرگوشی کر رہا تھا۔

یہ منظر انہوں نے پہلے بھی دیکھ تھا۔ سالوں پہلے، سالوں پہلے، افق ان کی بیوی ان کی محبوب بیوی، وہ ایسے ہی سجدے کیا کرتی تھی۔ مسٹر جوزف کو لگا جیسے سانس سینے میں اٹک گیا ہو۔ وہ ولیم کی قید کے بعد آج دوسری دفعہ اسے دیکھ رہے تھے۔ بڑھے ہوئے بال جو چپکے ہوئے تھے۔ جسم پر موجود کپڑے پھٹ چکے تھے۔ اس کی رنگت گہری دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے جسم پر جگہ جگہ زخموں کے نشان تھے۔ اسکا وجود کسی بھکاری کا وجود لگ رہا تھا پر وہ یوں سجدہ کر رہا تھا جیسے ساری دنیا کی سلطنت اس کے پاس ہو۔

اس خواب کے بعد، جب اس نے اپنے ہی بچپن کو اپنے سامنے دیکھا۔ اس لمحے کے بعد ولیم کو اپنے زندہ ہونے کا خیال آیا۔ وہ زندہ تھا تو پھر سجدہ کیوں نہیں؟ جتنا اسے آتا تھا اتنا تو وہ کر ہی سکتا تھا۔ یہاں ساتھ ہی واشروم تھا۔ اس کی زنجیریں اتنی لمبی تھیں کہ وہ وہاں تک جا سکتا تھا اور اس میں پانی قطرہ قطرہ آتا تھا۔ اس نے آج خود کو اچھی طرح صاف کرنے کے بعد وضو کیا اور خدا کے حضور سجدہ ریز ہو گیا۔

مسٹر جوزف کو لگا جیسے کسی نے اس کے سینے پر بھاری پتھر رکھ دیا ہو۔ یہ اطمینان کہاں سے آیا تھا؟ یہ کیسی روشنی تھی جو اس تاریکی میں بھی ولیم کے چہرے سے پھوٹ رہی تھی؟ کیا یہ وہی اسلام تھا جس سے وہ اتنی نفرت کرتے تھے؟ جس نے ان کے بیٹے کو ان سے چھین لیا تھا؟

ولیم نے آہستگی سے سجدے سے سر اٹھایا۔ اس کی آنکھیں ذرد تھیں، مگر ان میں چمک تھی۔ ایک ایسی چمک جو مسٹر جوزف نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس نے کچھ لمحوں بعد سلام پھیرا اور اس کی نگاہیں سیدھی بائیں جانب کھڑے باپ سے ملیں۔ ان نگاہوں میں کوئی شکوہ نہیں تھا، کوئی التجا نہیں تھی، کوئی خوف نہیں تھا۔ بس ایک گہری خاموشی تھی، اور شاید ایک ہلکی سی اداسی۔

باپ اور بیٹے کے درمیان یہ خاموش مکالمہ شاید صدیوں پر محیط تھا۔ ایک طرف اقتدار، روایت، اور صدیوں پرانا مذہب تھا، دوسری طرف ایمان، یقین اور ایک نیا راستہ۔ زنجیریں صرف ولیم کے جسم میں نہیں تھیں، وہ ان دونوں کے دلوں میں بھی پڑ چکی تھیں۔ ایک کو اپنے تخت کی فکر تھی، دوسرے کو اپنی پہچان کی۔ مسٹر جوزف آگے بڑھے اور انہوں نے کھانے کی ٹرے کو میز پر رکھ دیا۔ ولیم اب دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ہوئے تھا۔ اس نے دعا مانگی اور ہاتھ گرا دیئے۔

"ڈیڈ!" اس نے اپنی جانب پشت کیے کھڑے اپنے باپ کو پکارہ۔ مسٹر جوزف کا دل سینے میں ہی الٹ پلٹ گیا۔ مہینے گزر چکے تھے پر ولیم کے ضد نہیں ٹوٹی تھی۔

"مجھے لگا تھا آپ نہیں آئیں گے۔" وہ پیچھے ہو بیٹھا۔ دیوار سے ٹیک لگالی۔ جسم میں زیادہ دیر بیٹھنے کی ہمت نہیں تھی۔ لہجے میں باپ کے لیے ذرا بھی نفرت نہیں تھی۔

مسٹر جوزف نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ اس بار آنکھوں میں تکلیف نہیں تھی۔ وہ خود پر قابو پا چکے تھے۔ ولیم کے وجود کو گہری نظروں سے دیکھا اور پھر ان کے چہرے پر استہزاء ابھرا۔

"مجھے تمہیں یہاں دیکھ کر افسوس ہو رہا ہے۔ یہی تھی تمہاری منزل؟ اس گندگی میں؟ تم نے اسے قبول کر لیا؟" ان کا لہجہ سرد تھا۔

"یہی وہ جگہ ہے جہاں آپ نے مجھے پہنچایا ہے ڈیڈ!" اس کے سکون میں کوئی کمی نہیں آئی۔

"میں نے؟" انہوں نے بے یقینی سے ولیم کو دیکھا۔ دونوں بازو پیچھے بندھے تھے۔ وہ دو قدم چل کر آگے آئے۔ چال میں شہنشاہوں جیسا رعب تھا۔

"میں نے تو تمہارے لیے ایک سلطنت کھڑی کی تھی۔ نام، شہرت، دولت، ہر وہ چیز جس کا کوئی خواب دیکھتا ہے اور تم نے کیا کیا؟ سب کچھ ٹھکرا دیا! اس حقیر، گمنام زندگی کے لیے؟" انکا لہجہ طنزیہ تھا۔ ان کے اندر جیسے آتش فشاں ابل رہا ہو۔

"وہ آپ کی نظر میں حقیر ہو گی، میری نظر میں وہ سکون ہے، اصلی خوشی ہے۔ وہ زندگی ہے جو دکھاوے سے پاک ہے۔" وہ دیوار سے سر ٹکائے آنکھیں بند کیے بیٹھا رہا۔

"دکھاوا؟ تم اسے دکھاوا کہتے ہو؟ یہ میرا کام ہے! میری پہچان! اس کام نے مجھے یہ مقام دیا ہے۔ اور تم؟ تمہیں معلوم ہے تمہاری کیا اوقات ہے اس کے بغیر؟" وہ چلتے ہوئے آئے اور اس کے قریب پنجوں کے بل بیٹھ گئے۔ وہ وجیہہ چہرہ جسے اپنے اوپر غرور تھا۔ جس نے اسی غرور میں شوبز کو ٹھکرا دیا تھا۔ وہ چہرہ اب بمشکل نظر آتا تھا۔

"تمہاری اوقات ایک گندی نالے کے کیڑے جتنی بھی نہیں ہے۔ تمہاری خوش قسمتی کہ تم میرے گھر پیدا ہوئے۔" ان کے لہجے میں نفرت تھی۔ شدید نفرت۔ ان کی گرم سانسیں ولیم کے چہرے سے ٹکرا رہی تھیں۔ وہ اسے کچا چبا جانا چاہتے تھے۔

"میری اوقات۔۔؟" ولیم نے آنکھیں کھولیں۔ "میں ایک انسان ہوں، کافی نہیں ہے یہ؟" اس کی کتھئی آنکھوں میں الجھن ابھری۔

"انسان؟" مسٹر جوزف کا قہر آلود قہقہہ گونجا۔ "انسان تو گلی گلی پھرنے والا بھکاری بھی ہوتا ہے۔ تم تو ولیم جوزف تھے۔ میرے بیٹے! اس شخص کی اولاد، جس کے نام سے دنیا کانپتی ہے۔۔

جس کی ایک ہاں یاناں کسی کی قسمت بنا یا بگاڑ سکتی ہے۔" ان کے لہجے میں غرور ناچ رہا تھا۔ انہیں اپنی پہچان پر فخر تھا۔ انہیں اپنی طاقت پر فخر تھا۔ ولیم انہیں دیکھتا رہا۔ وہ خوبصورت چہرے والا شخص اس کا باپ تھا۔ یہ سب کرنے کے باوجود، اتنی تکلیف سہنے کے باوجود بھی، اسے اپنے باپ سے نفرت محسوس نہیں ہوئی۔ وہ اپنی ماں کے حوالے سے ان سے ناراض تھا پر اپنی وجہ سے ان سے نفرت نہیں کر سکتا تھا۔ جیسے ولیم کو اپنی پہچان عزیز تھی ویسے ہی اس کے باپ کو بھی تھی اور اس بات پر ولیم کو مسٹر جوزف پر بے اختیار پیار آیا۔ وہ پھیکا سا ہنس دیا۔ وہ نرم آنکھوں سے اپنے باپ کو دیکھتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔

"یاد رکھنا ولی! وہ تمہارا باپ ہے۔ تھپڑ مارے، مکا مارے یا پھر لات مارے، چپ کر کے کھا لینا، اف تک نہ کرنا۔" اسے عیسی ماموں کی بات یاد آئی۔ یہ وہ شخص تھا جس سے اس کی ماں کو محبت تھی۔ جس کے لیے اس نے اپنے پورے خاندان کو چھوڑ دیا تھا۔ یہ شخص اس کی ماں کو عزیز تھا پھر وہ اس سے نفرت کیسے کر سکتا تھا؟ مسٹر جوزف کو اس کے یوں مسکرانے پر پاگل کا گمان ہوا۔

"تبھی آپ نے مجھ سے میری پہچان چھین لی؟ اپنی طاقت کے بل پر؟ حقیقت تو یہ ہے یہ طاقت، یہ کنٹرول، یہ لوگوں کی زندگیوں سے کھیلنا، یہ سب مجھے کھوکھلا محسوس کرواتا ہے۔ مجھے کبھی دلچسپی محسوس ہی نہیں ہوئی۔" اس کی زبان آج بھی اپنے باپ کے سامنے ویسے ہی چلتی تھی۔ وہ بیڑیوں سے بندھے ہونے کے باوجود انہیں سلگانے کی اہلیت رکھتا تھا۔

"کھوکھلا؟" مسٹر جوزف نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ "یہ بیڑیاں پہن کر، اس اندھیرے میں سڑ کر بھرپور محسوس کر رہے ہو؟ تم ہمیشہ سے ہی بے وقوف تھے ولیم!" وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کی نظریں اب کچھ ڈھونڈ رہی تھیں۔

"میں یہاں اپنی مرضی سے نہیں ہوں، میرا قصور یہ ہے کہ میں نے اپنی پہچان کو چنا، نہ کہ وہ جو آپ چاہتے تھے اور مجھے افسوس یہ ہے کہ آپ جیسا بااثر شخص، اسٹار لائٹ اسٹوڈیو کا مالک اتنی سی بات برداشت نہیں کر پایا۔" اس کا لہجہ آنچ دیتا تھا۔

"تمہاری اپنی مرضی؟ تمہاری پہچان کیا حیثیت رکھتی ہے؟ تم میرے نام کے بغیر کچھ بھی نہیں ہو۔ تمہارا نام تمہارے لیے کافی نہیں ہے۔" ان کی آواز تہہ خانے کے اس خفیہ حصے میں دیواروں سے ٹکرا کر گونج رہی تھی۔

"تم میرے بیٹے ہو۔ تمہاری مرضی وہی ہونی چاہیے جو میں طے کروں۔ ابھی بھی وقت ہے، پلٹ آؤ ولیم! تمہیں اس پروڈکشن ہاؤس کو سنبھالنا ہے۔ میرے نام کو آگے لے کر جانا ہے۔ تمہیں اس شہرت کی دنیا کا وارث بننا ہے۔ میں تمہیں آخری موقع دیتا ہوں۔" ان کی نظر ایل سی ڈی کے نیچے پڑے اس باریک سے چاقو پر گئی جو شاید جارج سے وہاں گر گیا تھا۔ مسٹر جوزف آگے بڑھے اور جھک کر اس چاقو کو اٹھایا۔ اسے کھول کر دیکھا۔ مشعلوں کی روشنی میں، چاقو کی تیز دھار چمک رہی تھی۔ ولیم نے مسٹر جوزف کے ہاتھ میں اس چاقو کو دیکھا۔

"میں نے اپنی پہچان چن لی ہے ڈیڈ! میں ایک عام انسان کی زندگی جینا چاہتا ہوں۔ میں اپنے فیصلے خود کرنا چاہتا ہوں۔" اس کا ایک ایک لفظ مسٹر جوزف کو بھڑکا رہا تھا۔

"ایک عام آدمی؟ تم عام نہیں ہو ولیم! تم خاص تھے۔ تم میری محنت کا ثمر تھے۔ تم نے عام زندگی چن کر سب مٹی میں ملا دیا۔ یہ میری توہین ہے! میری ساری زندگی کی محنت کی توہین۔۔!" وہ چاقو کی دھار پر انگلی پھیرتے اٹھ کھڑے ہوئے۔ دھار اتنی تیز تھی کہ ان کے انگلی پر کٹ لگا۔ خون کی لکیر بہہ نکلی۔

"یہ آپ کی توہین نہیں، یہ میری زندگی ہے۔ اور میں اسے اپنی مرضی سے جینا چاہتا ہوں۔ مجھے وہ چمک دمک، وہ جھوٹے رشتے، وہ ہر وقت کی نمائش نہیں چاہیے۔ مجھے سادہ زندگی چاہیے۔"

"سادگی؟ (مسٹر جوزف طنزیہ ہنسے) سادگی تو ناکام لوگوں کا بہانہ ہوتا ہے ولیم! کامیاب لوگ تو آسمان چھوتے ہیں! نام بناتے ہیں! اور میں نے تمہیں یہ موقع دیا تھا! پلیٹ میں رکھ کر دیا تھا۔۔!" ان کا دل تڑپ رہا تھا۔ اتنا کچھ کرنے کے باوجود بھی ولیم نے واپسی کا راستہ اختیار نہیں کیا۔

"اور وہ میری روح پر بوجھ تھا۔"

مسٹر جوزف ایک قدم آگے بڑھے، غصے سے آنکھیں سرخ تھیں۔

"تمہاری اوقات ہی کیا ہے، ولیم؟ سوچ کر بتاؤ؟ تم ہو کون میرے بغیر؟ اس نام کے بغیر؟ اس دولت کے بغیر؟ تم صفر ہو! ایک گمنام صفر! تمہارا وجود صرف اس لیے ہے کہ تم میرا بیٹے ہو۔" ان کی آنکھیں سرد تھیں۔ سرد جما ہوا لاوہ کبھی دیکھا ہے آپ نے؟

ولیم نے نظریں مضبوطی سے مسٹر جوزف کی نظروں میں گاڑھ دیں۔

"آپ نے مجھے جسم دیا، مگر میری روح میری اپنی ہے۔ میری اوقات اس بات سے نہیں ناپی جائے گی کہ میں کتنا امیر ہوں یا کتنا مشہور، بلکہ اس بات سے کہ میں اپنی نظر میں کیا ہوں۔ اور میں ولیم ولی ہوں میرے باپ کا نام جوزف پیٹرسن ہے اور اس حقیقت کو کوئی نہیں جھٹلا سکتا۔"

مسٹر جوزف کو جیسے کسی نے گونگا کر دیا ہو۔ بیٹے کی آنکھوں میں کوئی خوف، کوئی پچھتاوا نہیں تھا۔ صرف ایک اٹل یقین تھا جو باپ کی ساری طاقت، ساری دولت اور سارا نام نہ کھرچ سکا۔

"ایک لڑکی کی خاطر؟ ایک لڑکی کی خاطر؟ تف ہے تم پر ولیم۔۔۔!"

"وہ ایک لڑکی میری بیوی ہے۔ جیسے میری ماں آپ کی بیوی تھی۔ جسے آپ نے اکیلے چھوڑ دیا، مرنے کے لیے۔ لیکن میں اپنی بیوی کو نہیں چھوڑ سکتا۔ مجھے جانا ہے۔ مجھے جانے دیں ڈیڈ!" وہ بھوک سے دکھتی انتڑیوں پر قابو پاتے بولا۔ انرجی ختم ہو چکی تھی۔ لیکن اس کی باتوں نے مسٹر جوزف کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ وہ جیسے تڑپ کر رہ گئے۔ سپاٹ چہرہ سرخ پڑ گیا۔ آنکھیں غضب ناک تھیں۔

"وہ سراب ہے، جھوٹ ہے، موت ہے۔" وہ زور سے چلائے۔ ان کی آواز گونج کر رہ گئی۔ درد بھری آواز!

"وہ تم سے تمہارا سب چھین لے گی۔" ماضی کے سارے زخم ادھڑ چکے تھے۔

"پھر بھی میں اسے اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔۔۔" اس نے جتاتی نظریں باپ پر ڈالیں۔ اسے دکھ تھا کہ اس کے باپ نے اس کی ماں کو اکیلے چھوڑ دیا تھا۔ مسٹر جوزف نے اس کی بات سنی اور پھر آگے بڑھ کر پنجوں کے بل اس کے سامنے بیٹھ گئے۔ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔ مسٹر جوزف ان آنکھوں کو کیسے بھول سکتے تھے؟ وہ آنکھیں افق کی آنکھیں تھی۔ ان آنکھوں سے کبھی انہوں نے محبت کی تھی۔

"بہت غرور ہے نا تمہیں اپنے اس خوبصورت چہرے پر؟" انہیں ولیم کا ہر وہ انکار یاد آیا جب وہ چاہتے تھے ولیم ان کے لیے ایک فوٹو شوٹ کرے۔ یہ چہرہ ان کی نئی پہچان بنے۔

"کیونکہ یہ میرا چہرہ ہے۔ یہ میری پہچان ہے۔" وہ باپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بولا۔ مسٹر جوزف نے سرد نگاہوں سے اسے دیکھا اور پھر مسکرا دیئے۔ ایک سرد مسکراہٹ، روح کھینچ لینے والی مسکراہٹ!

"دیکھتا ہوں اب تمہیں اس چہرے کے ساتھ کون قبول کرے گا؟" انہوں نے ہاتھ میں پکڑا وہ نازک سا چاقو اوپر اٹھایا۔ ولیم نے اس چاقو کو دیکھا اور اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ پر اس کے اطمینان میں کمی نہیں آئی۔

"تمہیں کوئی قبول نہیں کرے گا ولیم! تم بہت پچھتاؤ گے۔" انہوں نے ٹھنڈے ٹھار لہجے میں کہتے وہ چاقو اس کے بائیں گال پر رکھا۔ ولیم کی روح کا پرندہ جسم میں ہی پھڑ پھڑا کر رہ گیا۔

"بس ایک اقرار! میں تمہیں آخری موقع دیتا ہوں۔ لوٹ آؤ ولیم!"

ان کی بات سنتے ہی ولیم نے دیوار سے ٹیک ہٹالی۔ وہ دو زانوں ہو بیٹھا۔ کندھے چوڑے کیے اور گردن اکڑالی۔ اسکا سر اٹھا ہوا تھا۔

"ایک بیٹا ہونے کی حیثیت سے، مجھے حکم ہے، میں آپ کا فرمانبردار رہوں پر میرا یہ سر صرف ایک خدا کے سامنے جھکے گا۔" وہ تیار تھا۔ ہر تکلیف کے لیے۔ وہ تیار تھا مرنے کے لیے۔ اس کی بات سے مسٹر جوزف کے اندر ایسا ابال اٹھا کہ انہوں نے اپنے چاقو والے ہاتھ پر گرفت مضبوط کی۔ وہ چہرہ جو انہیں عزیز تھا۔ جن سے انہیں محبت تھی۔ وہ وجود جو انکا اپنا وجود تھا۔ جو انکا خون تھا۔ اس نے مجبور کر دیا تھا کہ وہ ایسا کرتے اور پھر اگلے ہی پل مسٹر

جوزف نے اس کے بائیں گال پر رکھے چاقو پر دباؤ بڑھایا۔ ولیم نے اپنے ہاتھوں کی گرفت زنجیروں پر بڑھا کر اس تکلیف کو برداشت کیا۔ اس نے منہ بھینچ لیا، زبان دانتوں تلے دبالی۔ مسٹر جوزف کی سیاہ آنکھیں میں نمی کی لکیر ابھری پر انہوں نے چاقو پر دباؤ نہیں چھوڑا۔ انہوں نے گال سے کان کی لو تک اس چاقو کو پوری قوت سے پھیر دیا۔ آخر تک آتے آتے ولیم درد سے بلبلا اٹھا، وہ تڑپ اٹھا۔ خون اس نے چہرے سے ابل پڑا۔ تکلیف چہرے سے شروع ہو کر پورے جسم میں پھیل گئی۔ اس کی گھٹی گھٹی چیخیں تہہ خانے سے باہر نہیں جا سکیں۔ وہیں گونجتی رہیں۔ وہ ایک جانب گر گیا۔ اس کے چہرے سے پھوٹتا خون، اس کی گردن پر بہہ نکلا تھا۔ وہ بن پانی کی مچھلی کی طرح تڑپ رہا تھا۔ وہ اپنی تکلیف پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی کتھئی آنکھوں سے درد پانی بن کر بہہ نکلا۔

مسٹر جوزف اٹھ کھڑے ہوئے، انہوں نے زمین پر گرے ولیم کو دیکھا، جو کسی اور زبان میں کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ اس نے گال کے درمیان سے کان کی لو تک ایک بڑا زخم بن چکا تھا۔

"میں ولیم ہوں میں خود کو جانتا ہوں۔ مین فیصلہ کر چکا ہوں میں پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔" لاہور کی فضاؤں میں اسکا جملہ گونج اٹھا۔ وہ پیچھے ہٹنے والوں میں سے نہیں تھا۔

مسٹر جوزف کچھ کہے بغیر وہیں کھڑے رہے۔ ولیم تب تک تڑپتا رہا جب تک اس کے جسم نے اس درد کو قبول نہیں کیا۔ پھر اس نے منہ بھینچے، چہرے کا رخ موڑ کر مسٹر جوزف کو دیکھا۔ آنکھیں جتاتی ہوئی تھیں۔ وہ آج ڈیفالٹ پیس تھا اور اسے اپنے ڈیفالٹ پیس ہونے پر فخر تھا۔

مسٹر جوزف کی زبان گنگ ہو گئی۔ وہ اس منظر کے لیے تیار نہیں تھے۔ وہ ایک قیدی کو دیکھنے آئے تھے، مگر یہاں تو وہ خود ایک عجیب قید محسوس کر رہے تھے۔ ولیم کی پر سکون آنکھوں نے جیسے انہیں اندر تک چیر دیا تھا۔

تہہ خانے کی ہوا مزید بوجھل ہو گئی۔ مشعل کی روشنی اب بھی کانپ رہی تھی، مگر اب اس کا سایہ ولیم پر نہیں، مسٹر جوزف کے اپنے متزلزل وجود پر پڑ رہا تھا۔ وہ الٹے قدموں مڑے۔ ان میں وہاں مزید ٹھہرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ وہ تاریک سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ دروازہ گڑگڑاہٹ سے کھلا اور بند ہو گیا۔ مگر اب ان کے ذہن میں ولیم کا سجدہ، اس کی پرسکون صورت اور وہ خاموش آنکھیں نقش ہو چکی تھیں، جو انہیں شاید عمر بھر سونے نہ دیتیں۔ تہہ خانے کی تاریکی اب صرف ولیم کا مقدر نہیں تھی، وہ مسٹر جوزف جیسے بادشاہ کے دل میں بھی اتر چکی تھی۔

✿••✿••✿••✿

رئیس ہوٹل، ڈی ایچ اے لاہور

تصور کریں کہ ایک پر تعیش ہال، جہاں فیشن انڈسٹری کی نامور شخصیات، بڑے برانڈز کے مالکان، ڈیزائنرز اور میڈیا کے سرکردہ نمائندے جمع ہیں۔ ماحول میں نفاست، تخلیقی صلاحیتوں اور کاروباری بصیرت کا امتزاج ہے۔ رئیس گروپ، جو خود ایک بڑا نام ہے، آج رات کے میزبان ہیں۔

رات کے اس پہر، ایئر کنڈیشنر ہال میں کاروباری لوگ، مہنگی خوشبوؤں میں رچے بسے بیٹھے تھے، رئیس کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ ویسے تو اپنی ہر تقریب میں سب سے پہلے موجود ہوتا تھا پر آج وہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔ سونیا سلطان اپنے سیکرٹری کے ساتھ بیٹھی تھیں۔ دشمنی اپنی جگہ، کاروبار اپنی جگہ!

ہال میں ایک شور تھا، لوگ آپس میں باتیں کر رہے تھے، اپنے کاروبار کے حوالے سے گفتگو کی جا رہی تھی، پیرس میں ہونے والے فیشن شو کو ڈسکس کیا جا رہا تھا۔ اور تبھی بڑے ہال والے ہوٹل کا داخلی دروازہ کھلا۔

سیاہ ڈریس پینٹ اور زیتون رنگ کی ڈریس شرٹ اور کوٹ پہنے رئیس اندر داخل ہوا۔ اس کے انداز میں کہیں بھی عجلت نہیں تھی۔ نہ کہیں گھبراہٹ اور نہ ہی کہیں دباؤ تھا۔ وہ یوں داخل ہوا جیسے ایک رئیس اپنی سلطنت میں داخل ہوتا ہے۔ اس کے دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں تھے۔ اس کے پیچھے ہی ایک جانب مراد تو دوسری جانب عروزہ تھی۔ اندر داخل ہوتے ہی رئیس نے ایک طائرانہ نظر سب پر ڈالی۔ دائیں جانب کے ہال میں عوام بیٹھی تھی۔ لوگ گوش گپیوں میں مصروف تھے۔ اسے دیکھتے ہی ورکرز آگے بڑھے اور سلام کرنے لگے۔ وہ سر کو خم دیتا آگے بڑھا۔ اس ہال سے گزر کر آگے، بائیں جانب وہ کانفرنس ہال تھا جہاں سبھی موجود تھے۔ جیسے ہی لوگوں نے اسے دیکھا، سب کی توجہ اس کی جانب مرکوز ہوئی تو ہال میں ایک نامحسوس سی خاموشی چھا گئی۔ اس نے سب کو دیکھا اور پیشہ ورانہ مسکراہٹ سے نوازتا آگے بڑھا۔

"السلام علیکم!" ہشاش بشاش اور خوشگوار لہجہ۔ وہ موڈ فریش کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

رئیس، محض ایک طاقتور شخص نہیں، بلکہ ایک کثیر الجہت شخصیت کا مالک تھا۔ وہ ایک کامیاب بزنس مین تھا، جس کی نظر معیشت کے نشیب و فراز پر گہری تھی۔ اس کی کاروباری acumen نے اسے بے پناہ دولت سے نوازا تھا، جس نے اس کی طاقت کو مزید مستحکم کیا۔ لیکن اس کی شخصیت کا ایک اور پہلو بھی تھا جس سے قریبی لوگ واقف تھے وہ ایک فنکار تھا۔ اس کے اندر ایک تخلیقی روح موجزن تھی، جو کبھی کبھار اس کے کاموں میں جھلکتی تھی۔

عوام میں رئیس کی ایک اور ہی شبیہہ تھی۔ وہ ایک دلنشین اداکار کی طرح لوگوں سے ملتا، اپنی باتوں سے انہیں مسحور کر دیتا۔ اس میں ایک فطری کشش تھی جو لوگوں کو اس کی طرف کھینچتی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ کس سے کیسے

بات کرنی ہے، اور لوگوں کو اپنا گرویدہ بنانا اس کے لیے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ اس کی محفلیں رنگین ہوتیں، اور لوگ اس کی صحبت میں وقت گزارنا باعث فخر سمجھتے تھے۔

مگر اس دلنشین اور فنکارانہ روپ کے پیچھے، رئیس کی اصل پہچان اس کی بے پناہ طاقت تھی۔ یہ وہ قوت تھی جس نے اسے دوسروں پر برتری دلائی تھی، جس کے ذریعے وہ اپنے مقاصد حاصل کرتا تھا۔ اس کی نرم گفتاری اور دلربا انداز لوگوں کو دھوکا دے سکتا تھا، لیکن جو اس کی طاقت کی ایک جھلک بھی دیکھ لیتا، وہ جان جاتا کہ اس شخص سے ٹکرانا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ رئیس اپنی اسی دوہری شخصیت کے ساتھ معاشرے پر راج کر رہا تھا۔ ایک طرف لوگوں کا محبوب رہنما اور فنکار، اور دوسری طرف ایک ایسا طاقتور شخص جس کی مرضی کے آگے سب سر تسلیم خم کرتے تھے اور ایسا کیوں تھا؟ کیا یہ سب اسے پلیٹ میں رکھا مل گیا تھا؟ پچھلے تئیس سالوں سے وہ محنت کر رہا تھا، خالی محنت نہیں، سمارٹ ورک، تئیس سال اس نے دن رات کام کیا، پہچان بنائی اور ابھی بھی یہ کام جاری تھا۔ وہ مسلسل محنت کا قائل تھا۔ چاہے آہستہ چلو پر چلتے رہو، وہ جب کچھ حاصل کر لیتا تو کچھوے کی طرح ستانے نہیں لیٹتا تھا۔ یہ اس کی کامیابی کی سب سے بڑی وجہ تھی اور دوسری وجہ؟ دھوکے بازوں کو وہ راستے سے ہٹا دیتا تھا۔ وہ سب سے مل رہا تھا اور پھر سب ہال میں ایک جانب، لمبے میز کے گرد رکھی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ ہر ایک کرسی کے سامنے میز پر ڈائری اور پینسل رکھی تھی اس کے ساتھ ہی پانی کی بوتل اور لیپ ٹاپ بھی۔ یہ چیزیں پہلے سے ہی رکھوائی جا چکی تھیں۔ جب سب بیٹھ چکے تو سربراہی کرسی اس نے سنبھال لی اور پیشہ ورانہ انداز میں کہنا شروع کیا۔

"آج رات آپ سب کو یہاں دیکھ کر مجھے بے حد خوشی ہو رہی ہے۔ آپ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی محنت، تخلیقی صلاحیتوں اور کاروباری سوجھ بوجھ سے ہماری فیشن انڈسٹری کو وہ مقام دلایا ہے جہاں وہ آج کھڑی ہے۔ آپ

سب یہاں محض مدعو نہیں ہیں، آپ اس انڈسٹری کے ستون ہیں، اس کا مستقبل ہیں۔ یہ محض ایک رسمی ڈنر نہیں، بلکہ یہ اُن تخلیقی روحوں کا اجتماع ہے جو فیشن کی دنیا کو نئے معنی اور جہتیں عطا کرتی ہیں۔"

بزنس، فیشن اور آرٹ کی دنیا کے کئی جانے مانے چہرے اس کے سامنے تھے۔ اس کا کوٹ پیچھے کرسی پر لٹک رہا تھا جبکہ شرٹ کے کف فولڈ تھے۔

"سب سے پہلے تو آپ کا شکریہ رئیس صاحب! آپ نے پیرس جیسے ملک میں فیشن شو اسپانسر کرنے کا سوچا، یہ نہ تو آسان کام ہے اور نہ ہی عام بات ہے۔" سونیا سلطان انتہائی پیشہ ورانہ انداز میں بولی۔ رئیس بھی اسی کے انداز میں مسکرا دیا۔ کوئی انہیں دیکھ کر اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ یہ دونوں کتوں کی طرح لڑتے تھے۔ سونیا کی دیکھا دیکھی سب نے اس کی تقلید کی۔ وہ سب اس کے شکر گزار تھے۔ ایسا نہیں تھا صرف وہ اسپانسر کر رہا تھا۔ ملکی اور غیر ملکی ایجنسیاں بھی شامل تھیں پر لیڈ وہ کر رہا تھا۔

"ہم چاہتے ہیں آپ پیرس میں ہونے والی فیشن تقریب پر تفصیل سے روشنی ڈالیں۔"

رئیس نے درخواست سن کر اثبات میں سر ہلایا۔

"ہم آج یہاں صرف ایک پر تکلف ڈنر کے لیے جمع نہیں ہوئے، بلکہ ایک اہم مقصد کے لیے اکٹھے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں، ہم جلد ہی ایک ایسے فیشن شو کا انعقاد کرنے جا رہے ہیں جو میری نظر میں، ہماری انڈسٹری کے لیے ایک Game Changer ثابت ہو سکتا ہے۔ اور اس کے لیے میں آپ کی شمولیت، آپ کے تعاون اور آپ کے وژن کا طلبگار ہوں۔

میں نے اس فیشن شو کے لیے یہ خاص پیریڈ منتخب کیا ہے۔ کیوں؟ کیونکہ میرا ماننا ہے کہ فیشن محض کپڑوں کا نام نہیں، یہ وقت کے ساتھ بہنے والی ایک زندہ چیز ہے۔ یہ ہمارے معاشرے کی عکاسی کرتا ہے، ہمارے جذبات، ہماری امیدوں اور ہمارے بدلتے ہوئے رجحانات کا ترجمان ہے۔ اور اس وقت، ہماری انڈسٹری، ہمارا معاشرہ، ایک ایسے موڑ پر کھڑا ہے جہاں ہمیں نہ صرف اپنی کامیابیوں کو سراہنے کی ضرورت ہے، بلکہ مستقبل کے لیے ایک واضح راستہ بھی متعین کرنا ہے۔" وہ سانس لینے کو رکا۔ سب اسے سنجیدگی سے سن رہے تھے۔

"یہ شو چیلنجز اور مواقع کا ایک امتزاج لے کر آیا ہے۔ عالمی سطح پر فیشن کی دنیا تیزی سے بدل رہی ہے۔ پائیداری (Sustainability)، ڈیجیٹلائزیشن، انفرادیت کا اظہار اور ثقافتی جڑوں سے جڑے رہنا، یہ وہ موضوعات ہیں جو آج گاہک کے لیے اہمیت رکھتے ہیں۔ ایسے میں، ایک مضبوط، منظم اور وژنری (Visionary) فیشن شو، وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ یہ فیشن شو محض ریمپ پر ماڈلز کا واک کرنا نہیں ہو گا۔ میرا وژن اس سے کہیں بڑا ہے۔ ہم ایک ایسا پلیٹ فارم تیار کر رہے ہیں جو جدت اور تخلیقی صلاحیتوں کا مظہر ہو جہاں نہ صرف قائم شدہ برانڈز اپنی شاندار کلیکشنز پیش کریں گے، بلکہ ابھرتے ہوئے ٹیلنٹ کو بھی موقع ملے گا کہ وہ دنیا کو اپنی صلاحیتیں دکھائیں۔

یہ پلیٹ فارم عالمی معیار کا حامل ہو گا ہم لائٹنگ، سیٹ ڈیزائن، موسیقی اور مجموعی تجربے کے لحاظ سے بین الاقوامی معیار قائم کریں گے۔ مقصد یہ ہے کہ دنیا بھر کی نظریں اس شو پر ہوں۔"

ہاں وہ شو سے پوری دنیا کی توجہ کھینچنا چاہتا تھا۔ یہ سب پوری پلاننگ سے چل رہا تھا۔ وہ اپنے مال کے پراجیکٹ کو شروع کر چکا تھا جہاں وہ ملکی اور غیر ملکی برانڈز کے ساتھ collaborate کرنے والا تھا اور تب ہی ممکن ہوتا جب وہ اس فیشن شو کے ذریعے سب سے مل پاتا۔ تعلقات بڑھا پاتا۔

"یہ صرف شو نہیں، یہ ایک بزنس ایونٹ ہو گا۔ ہم خریداروں، سرمایہ کاروں اور میڈیا کے لیے خصوصی سیشنز رکھیں گے تا کہ آپ کے برانڈز کو نئے راستے ملیں۔

ہم اپنی ثقافت، اپنے ورثے اور اپنی دستکاری کو جدید فیشن کے ساتھ اس طرح پیش کریں گے کہ وہ عالمی سطح پر سراہا جائے۔

ہم ایسے طریقوں اور ڈیزائنرز کو ترجیح دیں گے جو پائیدار فیشن پر یقین رکھتے ہیں۔ یہ مستقبل کی ضرورت ہے۔"
اس نے وہ تمام اہم پوائنٹس بتا دیئے تھے جو اس فیشن شو کے ذریعے فائدہ دینے والے تھے۔

"اب سوال یہ ہے کہ آپ، جو خود اتنے بڑے اور کامیاب برانڈز کے مالک ہیں، اس شو کا حصہ کیوں بنیں؟ آپ کو اسپانسرشپ یا شمولیت کی کیا ضرورت ہے؟" وہ خاموش ہو گیا۔ گہری نظر سے سب کو دیکھا۔ پھر کہنا شروع کیا۔

"اس کی کئی وجوہات ہیں۔

پہلا، یہ انڈسٹری کی اجتماعی طاقت کا مظاہرہ ہو گا۔ جب فیشن انڈسٹری کے سب سے بڑے نام ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے ہوتے ہیں، تو اس کا پیغام بہت طاقتور ہوتا ہے۔ یہ ہمارے استحکام، ہمارے اعتماد اور ہمارے مستقبل کے لیے مشترکہ وژن کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ نہ صرف اندرون ملک بلکہ بین الاقوامی سطح پر ہماری ساکھ کو مضبوط کرتا ہے۔

دوسرا، یہ شو صرف ایک مقامی ایونٹ نہیں ہو گا۔ ہم بین الاقوامی میڈیا، بلاگرز اور بااثر شخصیات کو مدعو کر رہے ہیں۔ آپ کی شمولیت آپ کے برانڈ کو ایک ایسے وسیع اور ہدف شدہ سامعین تک پہنچائے گی جو شاید کسی اور طریقے سے ممکن نہ ہو۔ یہ آپ کی مارکیٹنگ مہم کا ایک اہم ترین جزو بن سکتا ہے۔

تیسرا، اس طرح کے اعلیٰ معیار کے، وژنری ایونٹ کے ساتھ منسلک ہونا آپ کے برانڈ کی پوزیشننگ کو مزید مستحکم کرے گا۔ یہ ظاہر کرے گا کہ آپ نہ صرف آج کے کامیاب کھلاڑی ہیں، بلکہ مستقبل کے لیے بھی پرجوش اور بااثر ہیں۔ یہ آپ کے برانڈ کو جدت، معیار اور ثقافتی ذمہ داری سے جوڑے گا۔

Trendsetters کا تعارف آپ کو ہے۔ اس پلیٹ فارم پر آپ اپنی آئندہ کلیکشنز اور خیالات کو اس انداز میں پیش کر سکتے ہیں جو پورے سیزن کے لیے ٹرینڈ سیٹ کر دے۔ یہ ایک ایسا سٹیج ہے جہاں آپ بتا سکتے ہیں کہ فیشن کا مستقبل کیا ہو گا۔

پانچواں، نیٹ ورکنگ اور باہمی تعاون ہو گا، اس ڈنر کی طرح، فیشن شو بھی انڈسٹری کے لیڈروں کو ملنے، خیالات کا تبادلہ کرنے اور ممکنہ نئے کاروبار یا باہمی تعاون کے مواقع تلاش کرنے کا ایک بہترین موقع ہو گا۔

چھٹا، اور سب سے اہم، یہ انڈسٹری کو واپس دینے کا ایک موقع ہے، آپ نے اس انڈسٹری سے بہت کچھ حاصل کیا ہے۔ اب وقت ہے کہ ہم سب مل کر اس انڈسٹری کی مجموعی ترقی میں کردار ادا کریں۔ ابھرتے ہوئے ٹیلنٹ کی حوصلہ افزائی کریں، پائیداری جیسے اہم موضوعات کو فروغ دیں، اور پاکستان کے فیشن کو عالمی نقشے پر اور نمایاں کریں۔" اس کے آخری بیان پر تالیاں گونج اٹھیں۔ وہ سب اس کی ہمت اور اس کے وژن کے فین تھے۔

"میں جانتا ہوں کہ آپ کے برانڈز خود اپنے کامیاب شوز منعقد کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ لیکن یقین کریں، ایک اجتماعی کوشش کی طاقت بے مثال ہوتی ہے۔ جب ہم مل کر کچھ کرتے ہیں، تو اس کا اثر دس گنا بڑھ جاتا ہے۔ یہ شو میری یا میری کمپنی کی اکیلے کی کوشش نہیں ہے۔ یہ آپ سب کے لیے، آپ کے ساتھ مل کر، انڈسٹری کے لیے کیا جانے والا کام ہے۔ اگر آپ میں سے کوئی اسپانسرشپ میں حصہ لینا چاہے تو اسے کھلے دل سے خوش آمدید!

آپ کی اسپانسر شپ یا شمولیت محض مالی مدد نہیں ہو گی۔ یہ اس وژن پر آپ کے اعتماد کا اظہار ہو گا۔ یہ فیشن کے مستقبل کی تعمیر میں آپ کی شراکت ہو گی۔ میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ اس تحریک کا حصہ بنیں۔ اپنے تجربے، اپنی تخلیقی صلاحیتوں اور اپنے وسائل کو اس پلیٹ فارم پر لائیں۔ آیئے مل کر ایک ایسا فیشن شو پیش کریں جو نہ صرف یادگار ہو، بلکہ ہماری انڈسٹری کے لیے ایک نئی سمت متعین کرے۔

میں آپ سب کا ایک بار پھر تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ میرے اس وژن کو سمجھیں گے اور اس عظیم مقصد میں میرا ساتھ دیں گے۔ آیئے مل کر فیشن کے مستقبل کو رقم کریں۔ شکریہ!"

رئیس کی تقریر ختم ہوئی اور ہال ایک بار پھر تالیوں سے گونج اٹھا۔ اس کی باتوں میں خلوص، بصیرت اور حوصلہ افزائی کا وہ جذبہ تھا جو حاضرین کو متاثر کر گیا۔ وہاں بیٹھا ہر شخص چاہے وہ بڑا بزنس مین ہو یا پھر چھوٹا موٹا آرٹسٹ، سب نے ایک ساتھ، ایک برابر، اپنے اندر نیا حوصلہ اترتا محسوس کیا تھا۔ یہی اس کی باتوں کا کمال تھا۔ وہ اپنی گفتگو سے کسی کو بھی آسمان پر بیٹھا سکتا تھا اور زمین پر پٹخ سکتا تھا کیونکہ وہ رئیس اورنگزیب تھا۔

✿••✿••✿••✿

بیٹیاں جب ماؤں کے جذباتی دکھ بانٹنے کے قابل ہوتی ہیں تب انہیں جسمانی دکھ آگھیرتے ہیں!

ویٹنگ ایریا اب اور زیادہ خالی اور بے جان لگ رہا تھا۔ اماں اندر معائنے کے لیے جا چکی تھیں، ان کی ایم آر آئی ہونی تھی۔ فجر کے ایکسڈنٹ والے واقعہ کے بعد وہ کافی دن بیمار رہیں اور ان سے نہ اٹھا جاتا تھا، نہ بیٹھا جاتا تھا۔ ریڑھ کی ہڈی کا کوئی مسئلہ بن گیا تھا۔ ان کی خالی کرسی فجر کے برابر میں ایسے پڑی تھی جیسے ان کے اور فجر کے رشتے کی طرح اس میں بھی ایک گہرا خلا ہو۔ یہاں تنہا بیٹھے ہوئے، فجر کے احساسات زیادہ شدت سے ابھر رہے تھے۔ اب کوئی ظاہری رکاوٹ یا ان کی موجودگی کا بوجھ نہیں تھا جو اس کے اندر کی کشمکش کو دبا سکے۔

اس کا دل عجیب سی بے چینی سے بھر رہا تھا۔ باہر سے وہ پر سکون نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی، مگر اندر ایک طوفان برپا تھا۔ برسوں کی وہ خاموشی، وہ دوریاں، آج اس خالی کرسی اور اس لمحے کی تاخیر میں اور زیادہ نمایاں ہو گئی تھیں۔ وہ ماں سے ناراض تھی، ان کی باتوں اور رویوں سے دلبرداشتہ تھی، مگر اس وقت جب وہ اکیلی اس اجنبی کمرے میں ان کی صحت کی خبر کا انتظار کر رہی تھی، ساری شکایتیں دھندلا گئیں۔

اسے یاد آیا بچپن کا کوئی دھندلا سا منظر جہاں ماں نے شاید اسے گلے لگایا تھا۔ یا کوئی ایسا وقت جب اماں بیمار پڑی تھیں اور فجر کو ان کی فکر ہوئی تھی۔ یہ لمحات بہت کم تھے، ان کے رشتے میں پیار کا اظہار نہ ہونے کے برابر تھا، مگر اس پیار کی جڑیں کہیں بہت گہری تھیں۔ آج اس خوف نے ان جڑوں کو جھنجھوڑ دیا تھا۔ اندر اماں اکیلی تھیں، اپنی بیماری کا سامنا کر رہی تھیں، اور فجر باہر بیٹھی تھی، ان کے لیے پریشان۔

خالی کرسی جیسے اسے چڑا رہی تھی۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں وہ بیٹھی تھیں، ان کا زرد چہرہ، ان کی تھکی ہوئی آنکھیں۔ فجر نے دل ہی دل میں اقرار کیا کہ وہ ان سے محبت کرتی ہے۔ ایک ایسی محبت جسے کبھی زبان نہیں ملی۔ ایک ایسا احساس جسے کبھی کھل کر ظاہر کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ اور آج، اس لمحے، اسے شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ وقت کتنا کم ہوتا ہے۔ کاش وہ وقت کو پیچھے لے جا سکتی اور سب کچھ مختلف ہوتا۔ کاش وہ ماں کو بتا سکتی کہ وہ ان کی کتنی پرواہ کرتی ہے۔ کاش اماں نے اسے نہ جھٹکا ہوتا۔ کاش اماں نے اسے اپنے وجود کا حصہ مانا ہوتا۔ کاش اے کاش! مگر اب وہ صرف انتظار کر سکتی تھی۔ اندر سے آتی ہوئی آوازوں، قدموں کی چاپ، اور دروازے کے کھلنے یا بند ہونے کی آواز پر اس کا دھیان لگا ہوا تھا۔ ہر گزرتا لمحہ بھاری تھا۔ وہ اماں کی خیریت چاہتی تھی۔ ان کی تکلیف کے خاتمے کی دعا کر رہی تھی۔ اس خالی کرسی کے پہلو میں بیٹھی فجر کو پہلی بار اتنے واضح طور پر احساس ہوا تھا کہ رشتوں کی اصل قدر ان کے کھو جانے کے ڈر میں چھپی ہوتی ہے۔ اور ماں کا رشتہ، چاہے کتنا ہی پیچیدہ کیوں نہ ہو، اس کی

زندگی کا سب سے اٹوٹ حصہ تھا۔ جب وہ انتظار کر کے تھک گئی تو اس نے ساتھ والی کرسی پر رکھے اپنے بیگ سے وہ ٹیپ نکال لی۔ وہ ٹیپ جو اکثر اس کے درد کو کم کرتی تھی اور اکثر بڑھا دیتی تھی۔ پستہ رنگ کے سادہ کاٹن کے سوٹ ں، گہرے جامنی رنگ کا دوپٹہ سر پر جمائے وہ کرسی سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ ہینڈ فری نکال کر ٹیپ سے کنیکٹ کی اور کان میں جمالی۔ اس کے بھورے چاکلیٹ رنگ کے سلکی بال اونچی پونی مین مقید تھے۔ دوپٹہ پھسل کر کندھوں پر آگرا۔ یک دم ہی اسے جنید کی بات یاد آئی۔ کیفے میں اس نے کہا تھا۔ **"ولیم نے آپ کے لیے اس ٹیپ میں کچھ ریکارڈ کیا تھا کیا آپ نے سن لیا؟"** ولیم نے اس کے سامنے ہی ریکارڈ کیا تھا اور پھر جنید نے اسے وہ ٹیپ، فجر کو دیتے دیکھا تھا۔

فجر اب نیکسٹ کا بٹن دبا کر ریکارڈنگز آگے کر رہی تھی۔

"میں کل پاکستان جا رہا ہوں۔" اس کی آواز سنائی دی۔ چشمہ کے پیچھے سے جھانکتی خوبصورت ہیزل آنکھیں، الجھن کا شکار تھیں۔ اس نے مزید نیکسٹ کیا اور پھر اس کا انگوٹھا ٹھہر گیا۔

"میں نے اسے زمین پر بیٹھے دیکھا، اس کے کندھے ہچکولے کھا رہے تھے اور اس کی آواز دبی ہوئی سسکیوں میں ڈوب رہی تھی۔ اس کے آنسو فرش پر گر رہے تھے، وہ کسی کے لیے رو رہی تھی، کسی ایسے شخص کے لیے جو اسے چھوڑ کر چلا گیا تھا، اور یہ خیال میرے اندر ایک سلگتی ہوئی آگ کی طرح پھیل رہا ہے۔ میں منظر بھول نہیں پا رہا۔ مجھے نینسی یاد آگئی۔ وہ ایسے ہی روتی تھی۔ میرا دل کرتا ہے نینسی کو تکلیف دینے والے کے سینے سے دل نکال لوں اور آج مجھے وہی تکلیف دوبارہ محسوس ہوئی۔"

ہاں وہ اسی کی بات کر رہا تھا۔ فجر کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ ہونٹ خشک ہو گئے۔

"میں بے بسی سے اسے دیکھتا رہا۔ میں اس کے پاس جانا چاہتا تھا، اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرنا چاہتا تھا، میں اسے گلے لگا کر کہنا چاہتا تھا کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں اس کے آنسو پونچھنا چاہتا تھا، اس کی تکلیف کو بانٹنا چاہتا تھا، اس کے درد کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ لیکن میرے پاؤں بندھے ہوئے تھے، میری زبان گنگ تھی۔ میں بے بسی سے اسے روتے ہوئے دیکھتا رہا، اس کی اپنی تکلیف مجھے ابھی تک پریشان کر رہی ہے۔ میں اسکے لیے کچھ نہیں کر پایا کیونکہ میں اسکا کچھ نہیں لگتا۔"

فجر نے انگوٹھا دبا کر ٹیپ بند کر دی۔ منہ کھول کر سانس لیا۔ دماغ پوری طرح گھوم گیا۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ کیا تھا وہ شخص؟ کیا اس کا دل اتنا سادہ اور اتنا پیارا تھا کہ وہ اس کی تکلیف کو محسوس کر رہا تھا وہ بھی تب، جب ساری دنیا نے اسے چھوڑ دیا؟ محبت کا دعوی کرنے والے اس شخص نے اسے ٹھکرا دیا تھا جس کے ساتھ وہ جینا چاہتی تھی۔ پرانے زخم ادھڑ گئے اور خون رسنے لگا۔ وہ رات یاد کرنے پر اس کی ہیزل آنکھوں میں نمی ابھر آئی۔ ڈاکٹرز اور نرسیں آجا رہی تھیں اور وہ ہاتھ میں اس ٹیپ کو تھامے پتھر کا بت بنے بیٹھی تھی۔ گلے میں آنسوؤں کا گولا اٹکا تھا۔ اس نے انگوٹھا دوبارہ دبایا اور ولیم کی آواز پھر سے گونجی۔

"اسے دیکھ کر مجھے اپنی ماں یاد آئیں، مجھے نینسی یاد آئی، مجھے اس پل وہ اپنی اپنی سی لگی۔ یوں لگا جیسے اس سے میرا صدیوں پرانا رشتہ ہو، یوں لگا جیسے میں اس کے سارے دکھوں کو مداوا کر سکتا ہوں پر حقیقت تو یہ ہے میں ایک بزدل انسان ہوں میں اس کے لیے کچھ نہیں کر پایا۔ مجھے غصہ آرہا تھا، اس شخص پر جس نے اسے یہ دکھ دیا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ میں، کچھ پلوں کے لیے، اس شخص کی جگہ لے لوں جو اسے چھوڑ گیا، اس کے آنسوؤں کو پونچھ لوں۔ میرا شدت سے دل چاہا کہ میں اسے ہنساؤں، اسے خوش کروں، اسے یہ یقین دلاؤں کہ وہ اکیلی نہیں ہے۔ لیکن میں جانتا تھا کہ میں ایسا نہیں کر سکتا۔ اس کا درد اس کا اپنا ہے، اور اسے خود ہی اس سے گزرنا ہو گا۔ میں صرف وہاں

کھڑے رہ سکتا تھا، اسے دور سے دیکھ روتے دیکھ سکتا تھا جیسے باقی سب دیکھ رہے تھے پر میں اٹھ کر باہر نکل آیا کیونکہ مجھ میں ہمت نہیں تھی۔ نینسی مجھ پر ہنسی، اس نے میرا مذاق اڑایا کہ میں بزدل ہوں اور شاید یہی سچ ہے۔ میں واقعی بزدل ہوں!"

ٹیپ آٹو میٹک خاموش ہو گئی۔ اس دن شاید اتنا ہی تھا۔ فجر نے گلے میں اٹکے آنسوؤں کے گولے کو اندر اتارا۔ پھر اس نے آنکھیں موند کر کرسی سے ٹیک لگالی۔

"وہ آپ کے لیے واپس آنا چاہتا تھا۔" جنید کی آواز سماعت سے ٹکرائی تو اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ ٹیپ کو بیگ کے اندر ڈالا اور پھر بیگ کے اندر سے دوبارہ وہی کارڈ نکالا۔ ولیم کا وزٹنگ کارڈ، ایک بار پھر کپکپاتے ہاتھوں سے اسکا نمبر ملایا۔ وہ نہیں جانتی وہ اس سے کیا بات کرے گی؟ پر پھر بھی اس نے فون ملایا۔ پر نمبر ایک بار پھر سے بند تھا۔ اس نے تھوک نگلا اور کارڈ کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ دوسری جانب اسکا پتہ لکھا تھا اور ساتھ میں لینڈ لائن نمبر،، جوزف پیلس کا نمبر!

فجر نے کچھ سوچتے ہوئے وہ نمبر ڈائل کیا اور فون کان سے لگالیا۔ بیل جا رہی تھی۔ وہ جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ آس پاس دیکھا اور پھر بیگ اٹھاتے نسبتاً ایک پر سکون گوشے کی جانب بڑھی۔ رات کے سات بج رہے تھے۔ باہر اندھیرا چھا چکا تھا۔ وہ اب گلاس ونڈو کے سامنے کھڑی، جگمگ کرتے شہر کا نظارہ کر رہی تھی۔ پورے جسم میں کپکپاہٹ تھی۔ دل ڈر رہا تھا۔ اگر اس نے پہچاننے سے انکار کر دیا، کہا کہ وہ کسی فجر کو نہیں جانتا؟ اور اگر اس نے فجر کا مزاق اڑایا تو؟ سو طرح کے وسوسے ذہن میں ڈنک مار رہے تھے اور پھر فون اٹھا لیا گیا۔

"ہیلو۔۔۔؟" ایک کرخت سی آواز گونجی۔ ولیم سے ملتی جلتی تھی پر کیا وہ ولیم تھا؟ فجر سے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔ الفاظ گلے میں ہی اٹک گئے۔

"ہیلو؟ کون ہے؟" آواز دوبارہ گونجی۔

"ہیلو۔۔۔ولیم۔۔۔؟" اس نے خشک پڑتے لبوں پر زبان پھیری، دل پسلیاں توڑ کر باہر آنے کو تیار تھا اور وجہ ڈر تھا۔ دھتکار کا ڈر!

"تم کون ہو؟" لہجے کی کرختگی مزید بڑھ گئی۔

"مجھے ولیم سے بات کرنی ہے۔" وہ اپنے لہجے کو حتی المقدور ہموار بناتے بولی۔ دوسری جانب ولیم کے نام پر خاموشی چھا گئی۔ گہری خاموشی!

"تم کون ہو؟" وہی سوال دوبارہ پوچھا گیا۔

"مجھے ولیم سے بات کرنی ہے۔" اس نے وہی جواب دہرایا۔ دوسری جانب جو بھی تھا وہ اس کا دماغ خراب کر رہا تھا۔

"یہاں کوئی ولیم نہیں ہے۔ دوبارہ فون مت کرنا۔"

فون ٹوں ٹوں ٹوں کی آواز سے بند ہو گیا۔ فجر کو اپنا چہرہ سرخ پڑتا محسوس ہوا۔ یوں جیسے چہرے سے تپش نکل رہی ہو۔ اس نے ایک نظر فون کو دیکھا۔

"بھاڑ میں جاؤ!" وہ واپس پلٹ گئی۔ اماں کی ایم آر آئی ہو چکی تھی وہ انہیں کمرے سے باہر نکلتی دکھائی دیں تو فجر سر جھٹک کر ان کی طرف متوجہ ہو گئی۔

✿••✿••✿••✿

سلور رنگ کی مرسیڈیز بینز تیزی سے سڑک پر آگے بھاگ رہی تھی۔ڈرائیونگ سیٹ پر عروزہ بیٹھی تھی اور ساتھ والی سیٹ پر مراد، حق دق بیٹھا تھا جبکہ رئیس پیچھے تھا۔اس کے پہلو میں ڈھیر ساری فائلیں اور کاغذات تھے۔ساتھ لیپ ٹاپ بھی رکھا تھا۔پیرس میں فیشن شو اسپانسر کرنا بچوں کا کھیل نہیں تھا۔انہیں دن رات کام کرنا پڑ رہا تھا۔اس وقت بھی وہ لیپ ٹاپ میں غرق نظر آتا تھا۔اس پر کافی زمہ داریاں تھیں جیسے کہ مالی یا وسائل کی فراہمی، اس کے علاوہ اپنی مصنوعات یا خدمات (جیسے کہ میک اپ، ہیئر اسٹائلنگ) کی صورت میں مدد اسے ہی فراہم کرنی تھی۔

برانڈز کی نمائندگی، ترویج اور ان کی مارکیٹنگ کو رئیس گروپ ہی دیکھ رہا تھا۔ایونٹ کے منتظمین کے ساتھ تعاون، مہمانوں اور میڈیا کی مشغولیت اور نتائج کا تجزیہ کرنا، یہ سب رئیس گروپ کہ زمہ داری تھی اور ان زمہ داریوں میں وہ لوگ ناک ناک ڈوبے تھے۔

"مجھے یقین نہیں ہوتا کہ مراد عالم کو تم دونوں نے مل کر بے وقوف بنایا؟" گاڑی کی خاموشی سے اسے ہول اٹھ رہے اور آج اس تازہ تازہ آشکار ہوا تھا کہ فجر، رئیس کی بچپن کی منگیتر کی بہن تھی۔منار معراج کی بہن جو کہ مر چکی تھی اور غضب یہ ہے کہ وہ اس کی ہمشکل تھی۔

"کسی نے کسی کو بے وقوف نہیں بنایا۔" رئیس کا مصروف سا جواب ابھرا۔مراد اتنا جانتا تھا کہ رئیس کے سنگل ہونے کی وجہ اس کی منگیتر تھی۔جو مر چکی تھی۔لیکن وہ فجر کی بہن تھی؟ یہ اس کے لیے کسی دھماکے سے کم نہیں تھا۔

"یا خدایا! فجر معراج کی بہن؟ یعنی وہ تمہاری سالی ہے؟" اسے خود نہ سمجھ آیا وہ کیا بول رہا تھا۔رئیس نے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ابرو اٹھا ہوا تھا۔مراد گردن موڑے حیرانی سے رئیس کو ہی دیکھ رہا تھا۔

"سالی تب ہوتی جب باس کی اس کی بہن سے شادی ہو جاتی۔" عروزہ نے اسے اس کی بے وقوفی پر گھرکا۔

"باس! آپ کو اس سے محبت کب ہوئی؟" یہ ایسا سوال تھا کہ کاغذ آگے پیچھے کرتا رئیس چونک گیا۔ اس کے ہاتھ ساکت ہوئے۔

"محبت؟" وہ زیر لب بڑبڑایا، سفید ریشمی فراک والی لڑکی، تصور کے پردے پر لہرائی۔

"شاید اس کے جانے کے بعد۔۔۔" وہ گہرا سانس لیتے رخ گلاس ونڈو کی جانب موڑ گیا۔ باہر نظارے تیزی سے پیچھے کی جانب بھاگ رہے تھے۔

"یہ نہ ہو اس چہرے کے دھوکے میں تم اس ڈائن کی گرویدہ ہو جاؤ۔" مراد کا اشارہ فجر کی جانب تھا۔

"محبت ایک بار ہی ہوتی ہے۔" اس کے چہرے پر ملال ابھرا۔ ہلکا سا ملال۔

"ہاں پر ایک ہی چہرے سے بار بار ہو جاتی ہے!" مراد ترنت بولا۔ رئیس نے رخ موڑ کر اسے دیکھا تو اس نے کندھے اچکا دیئے۔

بات تو ٹھیک ہی کر رہا تھا پر مقابل رئیس تھا جس کے جذبات اس کی مٹھی میں ہوتے تھے۔ وہ اتنی جلدی ہار ماننے والوں میں سے نہیں تھا اور پھر صرف محبت؟ نہیں۔۔۔ وہ اس چہرے سے حد درجہ نفرت بھی کرتا تھا۔ اسے سنجیدہ دیکھ کر مراد بھی خاموش ہو گیا لیکن اسے جو خبر ملی تھی وہ صدمے میں تھا اور اب تو اسے فجر پر نظر رکھنے کی ایک اور وجہ مل گئی تھی۔

گاڑی تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی اور پھر گاڑی کا گزر شان سے کھڑے لکس کے سامنے سے ہوا۔ لکس میں آئیں تو اندر کا ماحول الگ ہی حرارت بخش رہا تھا۔

یہ لکس کے اسٹوڈیو کا منظر تھا، جو اب ایک خاص قسم کی خاموشی اور اطمینان میں ڈوبا ہوا تھا۔ دن رات کی محنت، کپڑوں کے رول، سوئی دھاگے کی سرسراہٹ، اور قینچیوں کی کھٹ پٹ سب تھم چکی تھی۔ اس وقت، اسٹوڈیو میں روشنیوں کی نرم چمک بکھری ہوئی تھی جو ہال میں سجے ان شاہکار لباسوں پر پڑ رہی تھی جو عنقریب پیرس فیشن شو کی زینت بننے والے تھے۔

اسٹوڈیو میں لکس کے سبھی کاسٹیوم ڈیزائنر جمع تھے۔ ان کے چہروں پر تھکن کے ساتھ ساتھ ایک گہرا اطمینان اور فخر نمایاں تھا۔ ہر ایک نے اپنا حصہ ڈالا، اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو نچوڑا تاکہ لکس کے نام کو بین الاقوامی سطح پر چمکا سکیں۔ وہ سب اس وقت بہت پر عزم تھے، پیرس کے سفر اور وہاں اپنے فن کی نمائش کے لیے بے تاب۔
ان سب کے درمیان، فجر معراج سب سے زیادہ روشن اور پر عزم دکھائی دے رہی تھی۔ اس کی ہیزل آنکھوں میں ایک خاص چمک تھی جو صرف نائٹ میئرز کو حقیقت میں بدلنے والوں میں نظر آتی ہے۔ وہ اپنے بنائے ہوئے تینوں کاسٹیوم کے بالکل سامنے کھڑی تھی۔ دراز قد لڑکی پورے قد سے اپنے نائٹ میئرز کو دیکھ رہی تھی۔ یہ لباس محض کپڑے کے ٹکڑے نہیں تھے، یہ اس کے مہینوں کی محنت، اس کے تصورات، اس کے جذبات اور اس کے کیریئر کے سب سے اہم موڑ کی علامت تھے۔

فجر کی نگاہیں کبھی ایک لباس پر جمتیں تو کبھی دوسرے پر۔ ہر لباس میں اسے اپنا آپ نظر آتا۔ وہ جانتی تھی کہ یہ تینوں تخلیقات اس کی زندگی کو ایک نیا رخ دے سکتی تھیں۔ پیرس کا اسٹیج دنیا بھر کے سامنے اس کا فن پیش کرنے کا موقع تھا۔ یہ موقع اس کی پہچان بنا سکتا تھا، اسے گمنامی سے نکال کر روشنی میں لا سکتا تھا۔ وہ دوسرے زینے پر قدم رکھنے کو تیار تھی۔

اس کے دل میں ایک ہی سوال گونج رہا تھا، ایک سوال جو پر عزم امید اور گھبراہٹ کے باریک تاروں سے بنا تھا۔ کیا اس کا آرٹ، جس میں اس نے اپنا سب کچھ سمو دیا تھا، واقعی اس کی پہچان بن پائے گا؟ کیا پیرس کی چکاچوند روشنیوں میں اس کے یہ ڈیزائن، فجر کو دنیا کے سامنے ایک تسلیم شدہ آرٹسٹ کے طور پر پیش کر پائیں گے؟

اسٹوڈیو میں موجود ہر شخص پر جوش تھا، لیکن فجر کا جوش ایک ذاتی جنگ کا نتیجہ تھا۔ اس نے خود کو ثابت کرنے کے لیے جو انتھک محنت کی تھی، اس کا فیصلہ اب ان تین لباسوں کے ذریعے ہونا تھا۔ وہ انہیں دیکھتی رہی، ان پر ہاتھ پھیر کر انہیں محسوس کرتی رہی کہ واقعی اس نے انہیں تخلیق کر لیا تھا؟ اور جیسے انہیں آخری بار تسلی دے رہی ہو قبل اس کے کہ وہ دنیا کے سامنے پیش ہوں۔ اس نے اپنے کندھے پر ہاتھ رکھتے خود کو حوصلہ دیا۔

"میں یہ کر لوں گی۔ میں کبھی ہار نہیں مانوں گی۔ یہ میری فطرت میں نہیں۔"

آنے والا کل ان سب کے لیے ایک نیا آغاز تھا، ایک نئی منزل کی طرف سفر۔ لیکن فجر کے لیے یہ سفر اس کے اپنے مستقبل کی طرف تھا، وہ پر امید تھی، پر عزم تھی، اور تیار تھی۔ اب بس وقت ہی بتائے گا کہ آیا اس کا آرٹ ہی اس کی سب سے بڑی اور سچی پہچان بنتا یا نہیں؟

✿••✿••✿••✿

ستمبر کے حبس زدہ موسم وہ تر و تازہ لگ رہی تھی اور اس سے بھی زیادہ مصروف۔ اسکا کمرہ کسی حد تک بکھرا ہوا تھا کیونکہ وہ کل صبح پیرس کے لیے روانگی کی تیاری میں پیکنگ کر رہی تھی۔ ایک بڑا سوٹ کیس کھلا پڑا تھا جس میں احتیاط سے تہہ کیے ہوئے لباس اور دیگر ضروری اشیاء رکھی جا رہی تھیں۔ اس کے چہرے پر اب بھی پیرس فیشن شو کا جوش اور اسٹوڈیو میں محسوس ہونے والی پُر اعتماد چمک موجود تھی لیکن اس کے ساتھ ایک گہری تشویش کی لکیر بھی تھی۔

اس نے کپڑے تہہ کرتے ہوئے ایک گہری سانس لی اور پھر دروازے کی طرف رخ کر کے بانو کو آواز دی۔ جب سے اماں کی طبیعت بگڑی تھی اس نے بانو کو فل ٹائم رکھ لیا تھا۔ وہ اچھی لڑکی تھی اور اماں کا خیال بھی کرتی تھی۔

"بانو؟ بانو بات سننا۔"

"جی باجی؟" وہ کسی جن کی طرح حاضر ہوئی۔ باہر لاونج میں ٹی وی چل رہا تھا اور بانو اماں کے ساتھ کوئی پاکستانی سیریل دیکھ رہی تھیں۔ یوتو اماں کو شوق نہیں تھا اور نہ عادت تھی پر بانو نے انہیں اپنے ساتھ لگا ہی لیا تھا۔

فجر پیکنگ کا کام روک کر بانو کی طرف مڑی۔ اس کی آواز میں فکر واضح تھی۔

"بانو! تم جانتی ہو مجھے کل صبح پیرس کے لیے نکلنا ہے۔ چند دن کا کام ہے۔" وہ تھوڑا توقف کے بعد بولی۔ "اماں کو تمہارے سہارے چھوڑ کر جا رہی ہوں۔ خیال رکھنا!"

اس کی نگاہیں کمرے کے دروازے پر جمی تھیں۔ "اماں کی طبیعت پوری طرح ٹھیک نہیں ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں باجی! اماں اب ٹھیک ہیں۔ پہلے سے بہتر ہیں۔ اس دن انہوں نے آپ کو ٹی وی پر دیکھا تھا تو اسی دن سے اماں کی طبیعت بگڑی۔ آپ ٹھیک ہیں تو اماں ٹھیک ہیں۔" بانو کی بات نے فجر کو چونکنے پر مجبور کر دیا۔

"ٹی وی پر؟ مجھے؟" اس نے حیرت سے بانو کو دیکھا۔

"ہاں جی وہ جب آپ کا ایکسڈنٹ ہوا تھا، وہ میڈم ٹی وی پر بتا رہی تھیں کہ آپ پوری رات ہسپتال میں تھیں جی۔ بس اسی دن اماں کو کچھ ہوا تھا۔"

بانو کی اس اطلاع پر فجر کے اندر درد کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اماں شاید اس کے سچ سے واقف ہو چکی تھیں۔ کئی لمحے وہ کچھ نہ بول پائی۔ یونہی خالی خالی وجود لیے کھڑی رہی۔

"اپ کو مدد چاہیے؟ میں کر دوں؟" اسے بت بنے دیکھا کر بانو نے دوبارہ پوچھا۔

"نہیں۔ میں کر لوں گی۔ تم جاؤ اماں کو دیکھو۔" وہ اپنے وجود پر قابو پاتے بولی تو بانو پلٹ گئی۔ کچھ یاد آنے پر اس نے بانو کو پھر سے پکارہ۔

"اماں کو اکیلا محسوس ہونے مت دینا، وقت پر دوا دینا، کھانے پینے میں کوئی کوتاہی نہ کرنا، بخار برابر چیک کرتی رہنا۔ اگر زیادہ طبیعت خراب ہو تو فوراً مجھے فون کرنا، یا ڈاکٹر کو بلانا۔ باہر ٹیلی فون کے پاس میں نے سبھی ضروری نمبر لکھ کر چپکا دیئے ہیں۔ ان میں ڈاکٹر کا بھی ہے۔" وہ اسے ہدایات دے رہی تھی۔ بانو کی آنکھوں میں فجر کے لیے ہمدردی اور ذمے داری کا احساس نمایاں ہوا۔ اس نے آگے بڑھ کر فجر کا ہاتھ تھپتھپایا۔

"باجی! آپ بالکل فکر نہ کریں۔ بے فکر ہو کر جائیں، میں ان کا پورا خیال رکھوں گی۔ دوا، کھانا، ہر چیز وقت پر ہو گی۔ آپ اطمینان سے جائیں اور اپنا کام اچھے سے کریں۔ پیچھے سب ٹھیک رہے گا۔"

بانو کے تسلی بخش الفاظ سن کر فجر کے دل کا بوجھ تھوڑا ہلکا ہوا، مگر مکمل طور پر ختم نہیں ہوا۔ پیرس جانے کا موقع اس کی زندگی کا سب سے بڑا موقع تھا، لیکن ایک بیمار عزیز کو پیچھے چھوڑ کر جانا اس کے لیے آسان نہیں ہے۔ اس نے بانو کا شکریہ ادا کیا تو بانو مسکرا کر کمرے سے چلی گئی۔ اتنی طبیعت تو اماں جی اکثر خراب ہو جاتی تھی پر پرانے گھر میں ہوتے ہوئے اسے کبھی اتنا ڈر محسوس نہیں ہوا۔ یہاں آ کر دل ڈر رہا تھا حالانکہ وہ اب ٹھیک تھیں۔

فجر واپس اپنی پیکنگ کی طرف پلٹی۔ اب اس کے ہاتھ تیزی سے چل رہے تھے، لیکن اس کا ذہن اماں کے گرد گھوم رہا تھا۔ سوٹ کیس میں رکھے ہر لباس کے ساتھ اس کے دل میں پیرس کے خواب اور اماں کی صحت کی فکر گڈمڈ ہو رہی تھی۔ یہ سفر اس کے فن کے لیے ضروری تھا، لیکن اس کی ذاتی زندگی کی ذمے داریاں اسے مسلسل یاد دلا رہی

تھیں کہ کامیابی کی قیمت صرف محنت نہیں ہوتی، بلکہ کبھی کبھی اپنوں سے دوری بھی ہوتی ہے۔ وہ ایک بار پھر لمبی سانس لے کر اپنا کام مکمل کرنے میں جت گئی، اس امید کے ساتھ کہ سب کچھ خیریت سے گزر جائے گا۔

✿••✿••✿••✿

ایئرپورٹ پر ایک مخصوص قسم کی چہل پہل اور گونج تھی۔ مسافروں کا ہجوم، سامان کے ٹرالیز کی سرسراہٹ، اور مختلف فلائٹس کے اعلانات کی آوازیں فضا میں گونج رہی تھیں۔ اس سارے شور کے درمیان، فجر اپنی پوری ٹیم کے ساتھ کھڑی تھی، جس کے دل میں جذبات کا ایک سمندر موجیں مار رہا تھا۔ وہ جارجٹ کے ٹی پنک رنگ کے سوٹ میں تھی۔ کھلا ٹراؤزر، ٹخنوں کو چھوتی لمبی کھلی قمیض اور ہم رنگ کورٹ شوز، اسکارف کو گردن پر لپیٹ رکھا تھا، بال اونچے جوڑے میں فولڈ تھے جبکہ چشمہ بالوں میں جما تھا۔ بیگ کندھے پر ڈالے اور ٹرالی ہاتھ میں پکڑے وہ اپنے ڈاکومنٹس لیے کھڑی تھی۔

یہ لمحہ اس کی برسوں کی کڑی محنت، بے خواب راتوں، ان گنت خاکوں اور مسلسل لگن کا ثمر تھا۔ پیرس! فیشن کی دنیا کا مرکز! یہ محض ایک سفر نہیں تھا، یہ اس کے خوابوں کی تعبیر کی جانب ایک بہت بڑا قدم تھا۔
اس کے چہرے پر فخر اور اطمینان کی ایک چمک تھی۔ اسے اپنی ٹیم پر فخر تھا، جو اس کے شانہ بشانہ کھڑی تھی، اس کے خوابوں کو حقیقت بنانے میں اس کی شریک تھی۔ ہر چہرہ امید اور جوش سے روشن تھا۔ لیکن اس اطمینان اور فخر کے ساتھ ہی ایک گہرا جوش اور ہیجان بھی تھا۔ پیرس کا تصور ہی اسے سنسنی سے بھر رہا تھا۔ دنیا کے سامنے اپنے فن کو پیش کرنے کا موقع!

تاہم، اس جوش کے ساتھ تھوڑی گھبراہٹ بھی شامل تھی۔ ایک ہلکا سا خوف دل کے کسی کونے میں سر اٹھا رہا تھا۔ کیا سب کچھ ویسا ہی ہو گا جیسا اس نے سوچا ہے؟ کیا اس کے کام کو سراہا جائے گا؟ کیا وہ اس عالمی پلیٹ فارم پر اپنی جگہ بنا پائے گی؟ یہ سوالات دل کی دھڑکن کو معمول سے تھوڑا تیز کر رہے تھے۔

اس کے باوجود، عزم اور حوصلہ ان تمام جذبات پر حاوی تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک چمک تھی جو اس کے پختہ ارادے کو ظاہر کر رہی تھی۔ وہ بلندیوں پر راج کرنا چاہتی تھی، اور وہ جانتی تھی کہ یہ نمائش اس راستے کا ایک اہم سنگ میل ہے۔ برسوں کی تیاری اب حقیقت بننے والی تھی۔

جیسے ہی پیرس کی فلائٹ کی آخری کال کا اعلان ہوا، فجر نے ایک گہری سانس لی۔ یہ الوداع تھا اپنے وطن کو، اس سرزمین کو جہاں اس نے اپنے خوابوں کو پروان چڑھایا تھا۔ اور یہ استقبال تھا ایک نئے چیلنج کا، ایک نئی دنیا کا جہاں اسے خود کو ثابت کرنا تھا۔ اس کے دل میں ایک ملی جلی کیفیت تھی۔ ماضی کی محنت کا سکون اور مستقبل کی لامحدود امکانات کا ہیجان۔ وہ قدم بڑھانے کے لیے تیار تھی، اپنے خوابوں کی اڑان بھرنے کے لیے بالکل تیار۔ اس لمحے وہ صرف ایک کاسٹیوم ڈیزائنر نہیں تھی، وہ ایک خواب دیکھنے والی تھی جو اپنے پر پھیلا کر اڑان بھرنے والی تھی۔ وہ نائٹ میئرز بننے والی تھی۔ اور پھر اس نے اڑان بھر لی۔ تقریباً گیارہ گھنٹے کی فلائٹ تھی اور کیسے گزری کچھ پتا نہ چلا۔ وہ سب خوش تھے۔ پر جوش! کچھ ابھی تک کام کر رہے تھے۔

جہاز کے پہیوں نے جب چارلس ڈیگال ایئرپورٹ کے رن وے کو چھوا تو فجر نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔ ایک ہلکا سا جھٹکا اور پھر سکون۔ وہ پہنچ گئی تھی! پیرس!

جب وہ اپنی ٹیم کے ساتھ جہاز سے باہر نکلی اور ایئرپورٹ کی عمارت میں قدم رکھا، تو ستمبر کی ٹھنڈی، کرکراہوا کا ایک جھونکا ان کا استقبال کرنے کے لیے موجود تھا۔ یہ پاکستان کی حبس زدہ گرمی سے بالکل مختلف تھی۔ ایک ایسی

تازگی جو پھیپھڑوں میں اتر کر روح کو سرشار کر رہی تھی۔ آسمان صاف تھا اور دن کی روشنی ایک خاص نرمی لیے ہوئے تھی، جو پیرس کی فضاؤں کا خاصہ ہے۔

ایئرپورٹ کے اندر کا منظر بھی پاکستان سے جدا تھا۔ ہر چیز میں ایک نفاست، ایک ترتیب اور ایک خاص انداز تھا۔ فرانسیسی زبان کے اعلانات پس منظر میں گونج رہے تھے، مختلف ممالک سے آئے ہوئے مسافر اپنے اپنے راستوں پر گامزن تھے، اور پیرس کے لوگ ایک مخصوص فیشن ایبل انداز میں گھوم پھر رہے تھے۔ ہر چہرے پر ایک جلدی اور مقصدیت نظر آ رہی تھی۔

فجر نے گہری سانس لی۔ ہوا میں ایک انوکھی مہک تھی، شاید کافی، پرفیومز اور بارش کی اوجھل سی خوشبوؤں کا آمیزہ۔ یہ صرف ایک ایئرپورٹ کی ہوا نہیں تھی، یہ پیرس کی ہوا تھی، اس شہر کی جس نے دنیا کو فیشن اور آرٹ کے نئے معیارات سکھائے ہیں۔

اس کے دل میں جذبات کا ایک نیا طوفان برپا تھا۔ پاکستان میں موجود گھبراہٹ اب ایک حیرت انگیز خوشی اور ناقابل یقینیت میں بدل گئی تھی۔ کیا یہ واقعی سچ ہے؟ وہ پیرس میں ہے! برسوں کا انتظار، محنت، خواب، آج وہ اس سرزمین پر کھڑی تھی جہاں اس کے فن کو دنیا کے سامنے پیش ہونا تھا۔

اس نے اپنی ٹیم کی طرف دیکھا۔ ان سب کے چہروں پر تھکن کے ساتھ ساتھ وہی جوش اور حیرت نمایاں تھی۔ وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائے۔ یہ مسکراہٹ محض پہنچنے کی خوشی نہیں تھی، یہ ایک مشترکہ سفر، مشترکہ محنت اور مشترکہ خوابوں کی تکمیل کے آغاز کی مسکراہٹ تھی۔

فجر کو محسوس ہو رہا تھا جیسے پیرس کی پوری فضا بانہیں کھولے اس کا استقبال کر رہی ہے۔ ستمبر کی یہ خنک شام اس کے لیے ایک نئے باب کا آغاز تھی۔ یہ صرف ایک لینڈنگ نہیں تھی، یہ اس کے خوابوں کے جہاز کی منزل پر

رسائی تھی۔ وہ تھکی ہوئی تھی، مگر اس کی روح مکمل طور پر بیدار اور آنے والے چیلنج کے لیے تیار تھی۔ پیرس نے اسے خوش آمدید کہا تھا، اور وہ اس استقبال کو قبول کر کے اور اپنی چھاپ چھوڑنے کے لیے بالکل تیار تھی۔

فجر اور ان کی باصلاحیت ڈیزائنرز کی ٹیم ایئرپورٹ سے باہر نکلی۔ ستمبر کا مہینہ پیرس میں ایک خاص جادو لے کر آتا ہے۔ گرمیوں کی شدت جا چکی ہوتی ہے اور ہلکی پھلکی خنکی فضا کو خوشگوار بنا دیتی ہے۔ آسمان عموماً صاف اور روشن ہوتا ہے، دن میں سورج کی سنہری کرنیں پیرس کی عمارتوں پر پڑ کر انہیں مزید دلکش بنا دیتی ہیں۔ شام اور صبح کے اوقات میں موسم قدرے سرد ہو جاتا ہے، جو ایک اسٹائلش سکارف یا ہلکے کوٹ کے لیے بہترین ہوتا ہے۔ پتے ہلکے ہلکے رنگ بدلنا شروع کر دیتے ہیں، جو خزاں کی آمد کا پتہ دیتے ہیں۔

ایئرپورٹ سے نکل کر، انہوں نے اپنے انتظار میں کھڑی گاڑی میں سامان رکھا۔ گاڑی پیرس کی ہموار سڑکوں پر رواں دواں ہوئی تو ٹیم کی خاموشی دھیرے دھیرے ٹوٹنے لگی۔ فجر، جو اپنی ٹیم کی لیڈر اور اس کلیکشن کی روح رواں تھیں، کھڑکی سے باہر بدلتے مناظر دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر آنے والے چیلنج اور کامیابی کی امید کا ملا جلا تاثر تھا۔ ٹیم کے دیگر اراکین بھی پرجوش تھے۔ میڈم سونیا اور کچھ ڈیزائنرز ایک دن پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔ ٹیم میں سے کوئی اپنے ڈیزائنز کے بارے میں آخری لمحات کی باتیں کر رہا تھا، کوئی پیرس کی خوبصورتی کو سراہ رہا تھا، اور کوئی بس اس فیشن کے دارالخلافہ میں ہونے کے احساس سے ہی سرشار تھا۔

جیسے جیسے وہ شہر کے قریب آتے گئے، پیرس کی مخصوص عمارتیں اور بولوارڈز نظر آنے لگے۔ ستمبر کی سنہری روشنی میں نہائے درخت اور کیفے کے باہر بیٹھے لوگ زندگی سے بھرپور لگ رہے تھے۔ ٹیم کی باتیں تیزی سے فیشن، کپڑوں، رنگوں اور شو کی تفصیلات پر مرکوز ہو گئیں۔ یہ صرف ایک سفر نہیں تھا، یہ ان کے فن، محنت اور خوابوں کا سفر تھا۔

گاڑی حسین سڑکوں سے گزرتی ہوئی بولووارڈ ڈی گرینیل (Boulevard de Grenelle) پر پہنچی۔ سامنے ہوٹل لی پرسیس (Hotel Le Parisis) کی جدید اور خوبصورت عمارت نظر آنے لگی۔ ایفل ٹاور کا اوپری حصہ بھی کہیں پس منظر میں جھلک رہا تھا۔ دلوں کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ ان کا عارضی ٹھکانہ آ گیا تھا، وہ جگہ جہاں وہ اگلے چند دن رہ کر اپنے فیشن شو کو حقیقت کا روپ دیں گے۔

گاڑی ہوٹل کے پورچ میں رکی۔ ستمبر کی تازہ ہوا کا ایک جھونکا انہیں چھو کر گزرا۔ سامان اترنے لگا۔ ہوٹل لے پیرسیس کا عملہ مسکراتے چہروں کے ساتھ ان کا استقبال کر رہا تھا۔ ایئرپورٹ کی تھکن اب ایک نئے، تخلیقی جوش میں بدل چکی تھی۔ وہ پیرس پہنچ چکے تھے، اپنے فیشن کے خواب کو پورا کرنے کے لیے بالکل تیار۔ رئیس گروپ کے ساتھ دیگر اسپانسرز اندر ان کے استقبال کے لیے کھڑے تھے۔ فجر نے ہوٹل کی عمارت کو دیکھا اور ایک گہرا سانس لے کر اندر کی جانب قدم بڑھا دیئے۔ وہ سب باری اندر چلے گئے۔

اگر ہم ہوٹل کی بات کریں تو پیرس میں واقع Hotel Le Parisis - Paris Tour Eiffel ایک معروف ہوٹل ہے جو ایفل ٹاور کے قریب واقع ہے۔ یہ ہوٹل اپنے مہمانوں کو کئی سہولیات فراہم کرتا ہے۔ یہ ہوٹل پیرس کے 15 ویں آرونڈِسمنٹ (Arrondissement) میں ہے اور ایفل ٹاور سے تھوڑی واک پر ہے۔ قریبی میٹرو اسٹیشنز (La Motte-Picquet - Grenelle اور Dupleix) تک آسانی سے رسائی حاصل ہے، جس سے پیرس کے دیگر حصوں تک جانا آسان ہو جاتا ہے۔ ہوٹل میں جدید طرز کے آرام دہ کمرے ہیں، جن میں سے کچھ سے ایفل ٹاور کا دلکش نظارہ دیکھا جا سکتا ہے۔ کمروں میں مفت وائی فائی، فلیٹ سکرین ٹی وی، ایسپریسو مشین، اور دیگر ضروری سہولیات موجود ہیں۔ ہوٹل میں فٹنس سینٹر، سونا، اور ایک بار لاؤنج شامل ہیں۔ مہمان روزانہ ناشتے سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔

یقیناً اس ہوٹل میں ان کے یہ دن یادگار ہونے والے تھے۔

✿••✿••✿••✿

فجر کا کمرہ آرام دہ اور پر سکون تھا۔ اس نے کمرے میں پہنچتے ہی سکون کا سانس لیا۔ اس کا سامان اوپر آچکا تھا۔ اس راہداری کی کافی کمرے تھے۔ باقی ٹیم بھی ساتھ ہی ٹھہری تھی۔ اس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا تو یہاں سے ایفل ٹاور کا اونچا مینار نظر آیا۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے نے اس کے چہرے کو چھوا تو اس کے اندر اطمینان اگر گیا۔ وہ سامان ایک جانب رکھ کر فریش ہونے چلی گئی۔ واپس آئی تو موبائل اٹھا کر دیکھا۔ کچھ دن پہلے اسکرول کرتے ہوئے اسے ولیم کا سوشل میڈیا اکاؤنٹ ملا تھا۔ اس کے لاکھوں میں فالورز تھے پر اس کی آخری ویڈیو کافی ویڈیو پاکستان کی تھی جب وہ پاکستان آیا تھا۔ اس کے بعد کچھ بھی نہیں۔ اس نے اپنے ہی بھیجے گئے میسج کو دیکھا۔

"ہائی ولیم! یہ میں ہوں فجر! شاید تمہیں یاد ہو۔ مجھے تمہاری کچھ رقم ادا کرنی ہے۔ پلیز کنٹیکٹ!"

کوئی جواب نہیں آیا تھا نہ ہی اب تک اس کا میسج دیکھا گیا تھا۔ پچھلے کئی دنوں سے وہ ٹیپ بھی نہیں سن پائی تھی۔ سر جھٹک کر اس نے بانو کو فون ملایا۔ پہلی ہی بیل پر فون اٹھا لیا گیا۔

"بانو کیسی ہو؟" اس کے لہجے سے تکان واضح تھی۔

"میں ٹھیک ہوں آپ پہنچ گئی ہیں؟ میری چیزیں یاد سے لے آیئے گا۔" اس نے چھوٹتے ہی یاد دہانی کرائی۔ فجر کے لبوں پر مسکراہٹ ابھری۔

"لے آؤں گی۔ یہ بتاؤ اماں کیسی ہیں؟"

"وہ بالکل ٹھیک ہیں۔ دوا کھا کر سو گئی ہیں۔" اس نے بتایا تو فجر کے اندر اطمینان سا اتر گیا۔ اس نے دو چار باتیں کر کے فون بند کر دیا۔ باہر شام دھیرے دھیرے رات میں ڈھل رہی تھی۔ وہ بیڈ پر گر گئی۔ ایک گھنٹے بعد ان سب کو نیچے جانا تھا۔ پر ابھی ایک گھنٹہ تھا۔ اس نے بیگ سے وہ ٹیپ ریکارڈ نکالی۔ ایک آخری ریکارڈنگ بچی تھی سننے والی۔ اس نے ٹیپ کا بٹن دبایا۔ ولیم کی آواز ابھری اور فجر کا دل اچھل کر حلق میں آیا کیونکہ اسے ہی پکارہ گیا تھا۔

"ہائی فجر!"

یعنی آخری پیغام اس کے نام تھا؟ وہ فوراً اٹھ بیٹھی۔ تکان سے آنکھوں میں جلن تھی پر نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

"پتا نہیں تمہارے نزدیک میری کیا حیثیت ہے لیکن مجھے پہلی بار زندگی میں اپنا آپ کسی قابل لگا ہے۔ میں تمہارے کام آگیا۔ جانتا ہوں یہ شادی ہم دونوں نے اپنے مفاد کے لیے کی ہے۔ تمہیں میری ضرورت نہیں ہے۔ آج رات میں واپس چلا جاؤں گا۔ تم مجھے کبھی نہیں بلاؤ گی۔ شاید میں بھی کبھی واپس نہ آؤں پر مجھے یہ ہمیشہ یاد رہے گا۔ یہ ملک، یہ شہر، یہ موسم اور تم! مجھے خوشی ہے کہ میں نے تمہیں بچایا۔ بالآخر میں نے کسی کو خودکشی سے بچا ہی لیا۔"

وہ دم سادھے سن رہی تھی اور وہ چہک چہک کر بول رہا تھا۔ فجر کی آنکھوں کے سامنے کورٹ کے باہر کا منظر پوری جزئیات سے گھوم گیا۔

"میرے پاس تمہیں دینے کے لیے کچھ بھی قیمتی نہیں ہے سوائے اس ٹیپ کے۔ میں یہ تمہیں دینے والا ہوں اور جب تم اسے مکمل سن لو گی اور اس آخری پیغام تک پہنچو گی تو شاید ہم اجنبیوں سے اچھے دوست بن جائیں۔ ہاں مجھے سمجھ آگیا ہے تم دوست نہیں بناتی پر میں کہنا چاہتا ہوں، میں ہمیشہ موجود رہوں گا۔ تمہیں جب بھی میری

ضرورت ہو، جب بھی تمہیں لگے کہ دنیا تم پر تنگ پڑنے لگی ہے مجھے بس ایک بار پکار لینا۔ میں ضرور آؤں گا۔ میں تمہارا ساتھ دوں گا کیونکہ میں نہیں چاہتا نینسی کی طرح تم بھی ہار مانو۔"

وہ سانس لینے کو روکا۔

"ہاں میں جانتا ہوں میں زیادہ بول رہا ہوں پر تم اپنی اپنی سی لگ رہی ہو۔ میں تمہیں یہ سب براہ راست کہوں گا تو تم مجھے کچا چبا جاؤ گی اس لیے ریکارڈ کر رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے کبھی تم اسے سنو ہی نا۔ شاید تم اسے کباڑ میں پھینک دو پر جب بھی تم اسے سنو، جب بھی میری ضرورت ہو مجھے لازمی پکارنا، میں ولیم جوزف تمہارے لیے ضرور آؤں گا۔ اور میں جانتا ہوں تم ایک دن، اپنی پہچان بنا لو گی بس خود پر یقین رکھنا۔ بائے۔"

ٹیپ ریکارڈر بند ہو گئی اور اس کی آنکھیں دھندلا گئیں۔ پتا نہیں کتنا وقت گزر چکا تھا۔ ہوش تب آیا جب دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے ٹیپ کو سائیڈ پر رکھا اور اٹھ کر دروازہ کھولا۔ اس کی ٹیم کی لڑکیاں باہر کھڑی تھیں۔

"تم تیار نہیں ہوئیں؟ ہمیں نیچے جانا ہے سب انتظار کر رہے ہیں۔" وہ اسے ٹراؤزر شرٹ میں دیکھ کر حیران ہوئیں۔

"تم لوگ چلو میں بس پانچ منٹ میں آتی ہوں۔" اس نے دروازہ بند کر دیا اور پھر اگلے پندرہ منٹ بعد وہ ڈائننگ ہال میں بیٹھی تھی۔ یہ ڈائننگ ہال کسی خواب سے کم نہ تھا۔ بلند و بالا چھتیں، جھلملاتے فانوس جن کی روشنی نفیس دستر خوانوں پر رکھے کرسٹل گلاسز اور چمکیلی کٹلری پر پڑ رہی تھی، ایک جادوئی منظر پیش کر رہے تھے۔ ہوا میں لذیذ کھانوں، مہنگے پرفیومز اور تازہ پھولوں کی ملی جلی خوشبو رچی بسی تھی۔ مختلف میزوں پر فیشن اور آرٹ کی دنیا کی جانی مانی شخصیات، ڈیزائنرز، آرٹسٹ اور میڈیا پرسنز موجود تھے، سبھی خوبصورت لباسوں میں ملبوس، باتوں اور ہنسی مذاق میں مصروف۔

فجر اپنی ٹیم کے ساتھ ایک میز پر براجمان تھی، اس کا ذہن ولیم کی باتوں میں الجھا تھا۔ اس نے اپنے ارد گرد دیکھا، ہر چہرہ پر اعتماد اور پیشہ ورانہ مہارت کا عکاس تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے درمیان اسے اپنی جگہ بنانی تھی۔ بات چیت فرانسیسی، انگریزی اور دیگر زبانوں میں ہو رہی تھی، جس سے ماحول مزید بین الاقوامی لگ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد، شو کا مرکزی سپانسر، رئیس اورنگزیب، مائیک پر آیا۔ اس کا انداز باوقار اور آواز پر اعتماد تھی۔ اس نے سب کو خوش آمدید کہا، پیرس میں ہونے والی اس بین الاقوامی نمائش کی اہمیت پر روشنی ڈالی، اور تمام ڈیزائنرز اور آرٹسٹوں کی محنت اور تخلیقی صلاحیتوں کو سراہا۔ اس کی تقریر مستقبل کے امکانات اور اس شو کی کامیابی کی امیدوں سے بھرپور تھی۔ ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ وہ اپنی سحر انگیز شخصیت کے ساتھ وہاں موجود تھا۔ فجر کو اس کے ساتھ ہی مراد عالم اور عروزہ جمال بھی دکھائی دی۔ سونیا سلطان بھی ان کے ساتھ بیٹھی نظر آئیں۔

"واللہ کیا شخص ہے یہ۔ ہے نا فجر؟" اس کی ایک کولیگ نے اس کی رائے مانگی وہ بس مسکرا دی۔

جیسے جیسے ڈنر اختتام پذیر ہونے لگا، لوگ آہستہ آہستہ اپنی نشستوں سے اٹھنے لگے، ایک دوسرے سے مل رہے تھے، کارڈز کا تبادلہ کر رہے تھے یا باہر نکلنے کی تیاری کر رہے تھے۔ فجر بھی اپنی ٹیم کے ساتھ اٹھنے لگی۔ ٹیم کے متعدد ممبرز باہر گھومنا پھرنا چاہتے تھے جبکہ اسے نیند پوری کرنی تھی۔ اسی ڈائننگ ہال میں وہ بیٹھے بیٹھے اکڑ گئی تھی۔ رات کے گیارہ بجنے والے تھے اور اسے سونا تھا۔

اسی اثناء میں، اس کی نظر میز پر رکھی کٹلری پر پڑی۔ نفیس چمچوں، کانٹوں کے ساتھ ایک تیز دھار، چمکدار چھری بھی رکھی تھی۔ پیرس کی چکاچوند، نئے لوگ، ایک اجنبی شہر اور خود کو ثابت کرنے کا دباؤ، ان سب کے بیچ اچانک اس کے اندر ایک نامعلوم تحفظ کے احساس نے سر اٹھایا۔ ایک لمحے کے لیے اسے لگا کہ اسے اپنی حفاظت کے لیے کسی چیز کی ضرورت ہے۔ یہ ایک فوری، جبلت پر مبنی خیال تھا۔

اس نے انتہائی آہستگی اور مہارت سے، جب اس کے دائیں بائیں کھڑے لوگ کسی سے بات کرنے یا سامان اٹھانے میں مصروف تھے، اپنا ہاتھ بڑھایا۔ اس کی نظریں سامنے تھیں مگر انگلیاں تیزی سے حرکت میں آئیں۔ اس نے چمکیلی چھری کو اٹھایا اور بغیر کسی ہچکچاہٹ کے، اس سے پہلے کہ کوئی متوجہ ہوتا، اسے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے چھوٹے کلچ بیگ میں سرکا دیا۔ دھات کی سردی اس کے بیگ کے اندرونی حصے سے محسوس ہوئی۔ یہ سب اتنی خاموشی اور تیزی سے ہوا کہ پاس بیٹھے یا کھڑے کسی شخص کو اس عمل کا بالکل علم نہ ہوا۔

چھری اب اس کے پاس تھی۔ ایک طرف پیرس کے پر تعیش ہوٹل کی خوبصورتی اور دوسری طرف اس کے بیگ میں چھپی ہوئی یہ تیز دھار چیز۔ جب وہ اپنی ٹیم کے ساتھ ہال سے باہر نکل رہی تھی، تو باہر کی چکاچوند اور اندر کی چھپی ہوئی دھات کی سردی کا احساس اسے ایک عجیب سی کیفیت میں مبتلا کر رہا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ وہ یہاں اپنے فن کے لیے آئی ہے، بلندیوں کو چھونے آئی ہے، لیکن اس اجنبی شہر میں، غیر یقینی صورتحال کے پیش نظر، اسے اپنی حفاظت کا خیال بھی رکھنا تھا۔ اس چھوٹی سی چھری نے اسے ایک عجیب سا حوصلہ دیا، ایک پوشیدہ تیاری کا احساس۔ وہ کچھ دیر ہوٹل کے باہر رہی اپنی ٹیم کے ساتھ کھڑی رہی، اچانک اسے گہری نظروں کی تپش محسوس ہوئی۔ اس نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔ کچھ نظر آیا۔ سب خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ وہ الجھ گئی اور پھر انہیں چھوڑ کر اندر آ گئی۔ اسکا رخ اپنے کمرے کی جانب تھا۔ فی الوقت وہ کسی سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ کمرے میں آ کر اس نے دروازہ لاک کر لیا۔ کلچ ٹائپ والٹ کو بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔ پندرہ منٹ بعد وہ سفید شب خوابی کے لباس میں تھی۔ پوری آستین والا سلک کا یہ لباس اس کے ٹخنوں تک جا رہا تھا۔ یہ نرم اور ملائم تھا۔ سکون کی خاطر بال اس نے کھول لیے۔ وہ ساری بتیاں بجھا کر سونے کے لیے لیٹ گئی۔ ایک لیمپ آئن تھا۔ اس کے کمرے میں دو کھڑکیاں تھیں۔ ایک جو باہر کھلتی تھی اور ایک راہداری میں۔ دونوں پر پردے ٹنگے ہوئے تھے۔

سفید پردے۔ وہ سونا چاہتی تھی پر نیند نہ آئی۔ ولیم کی باتیں ذہن میں گونجتی رہیں۔ اسے آنا تھا پھر کیوں نہیں آیا؟ یہی سوال ذہن میں گونج رہا تھا۔ پتا نہیں کب سوچتے سوچتے اس کی آنکھ لگ گئی۔ نرم بستر، ریشمی چادریں اور کھڑکیوں سے چھنتی مدھم روشنی ایک دلکش ماحول بنا رہی تھی۔ اچانک، اس کی نیند ایک جھٹکے سے ٹوٹی، لیکن وہ بیدار نہیں ہوئی بلکہ ایک پراسرار اور خوفناک خواب کی دنیا میں داخل ہو گئی۔ ہاں وہ کابوس کی دنیا میں پھر سے پھنس چکی تھی۔

چاروں اچھلیا گہرا تھا اندھیرا تھا گہرا کہ سانس لینا بھی دشوار لگ رہا تھا۔ ہوا میں ایک ناگوار، سڑاند والی بو پھیلی ہوئی تھی۔ اس اندھیرے میں، اس کی نظر ایک ہیبت ناک منظر پر پڑی۔ ایک شخص زمین پر پڑا تھا، اس کے ہاتھ پاؤں کسی نامعلوم چیز سے مضبوطی سے جکڑے ہوئے تھے، وہ مکمل طور پر بے بس اور لاچار تھا۔ اس کا چہرہ خوف اور تکلیف سے مسخ شدہ تھا۔

لیکن اصل وحشت کا منظر کچھ اور تھا۔ اس شخص کا سارا جسم سینکڑوں، شاید ہزاروں مکڑیوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ چھوٹی، بڑی، کالی، بھوری، ان گنت مکڑیاں اس کے جسم پر رینگ رہی تھیں، اس کی جلد سے چپکی ہوئی تھیں اور اسے زندہ کھا رہی تھیں۔ مکڑیوں کے آٹھوں پاؤں اس کی جلد میں پیوست ہو رہے تھے اور ان کے زہریلے جبڑے گوشت نوچ رہے تھے۔ انسان کی آنکھوں میں وحشت تھی، وہ چیخنا چاہتا تھا مگر اس کے حلق سے کوئی آواز نہیں نکل رہی تھی۔ مکڑیاں بے رحمی سے اپنا کام کر رہی تھیں، ان کی ریشمی جالے اس کے جسم کے گرد لپٹ رہے تھے جیسے اسے مزید قید کر رہے ہوں۔ فجر وہیں کھڑی یہ ہولناک منظر دیکھ رہی تھی، اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا، اور ایک سرد لہر اس کے پورے وجود میں سرایت کر گئی تھی۔ یہ منظر صرف خوفناک نہیں تھا، یہ پراسرار بھی تھا، جیسے وہ کسی ایسی دنیا میں آ گئی ہو جہاں صرف وحشت اور بے بسی کا راج تھا۔ وہ شخص کون تھا؟ اور اسے اس قدر

اذیت کیوں دی جارہی تھی؟ مکڑیوں کا یہ لشکر کہاں سے آیا تھا؟ سوالات اس کے ذہن میں گونجنے لگے، لیکن اس تاریک اور مکڑیوں سے بھرے منظر میں کوئی جواب نہیں تھا۔ صرف رینگنے کی سرسراہٹ اور بے بس انسان کی خاموش چیخیں تھیں۔ وہ اسے بچانا چاہتی تھی پر جیسے اس کے پاؤں زمین نے جکڑ لیے تھے۔ وہ اسکا چہرہ نہیں دیکھ پائی تھی پر اسکا درد محسوس کر سکتی تھی۔ اس نے خود کو چھڑانے کی کوشش کی اور پھر ایک زوردار چیخ کے ساتھ اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ پورا جسم پسینے سے شرابور تھا۔ وہ گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ چہرے پر وحشت چھائی تھی۔ خود کے جسم کو مکڑیوں کی قید میں دیکھنا اتنا خوفناک نہیں تھا جتنا یہ منظر! اس نے وقت دیکھا تو رات کا ایک بج رہا تھا۔ سر میں درد کی تیز لہر اٹھی۔ وہ بستر سے نیچے اتر آئی۔ میز پر رکھی بوتل سے پانی پیا اور ادھر ادھر ٹہلنے لگی۔ ذہن ابھی تک اس خواب کے زیر اثر تھا اور پہلا ایک دم جھماکہ ہوا۔ پہلا خیال ولیم کا آیا۔ اس نے آگے بڑھ کر فون اٹھایا اور کال ہسٹری سے جوزف پیلس کا نمبر نکالا۔

وہ دھڑکتے دل پر قابو پاتے نمبر ملا رہی تھی۔ جسم میں ابھی بھی کپکپاہٹ تھی۔ اس کے ریشمی بال کندھوں پر بکھرے تھے۔

گھنٹی بجی، ایک، دو، تین بار۔ پھر دوسری طرف سے ایک خشک، باقاعدہ، لیکن سرد لہجہ سنائی دیا۔

"ہیلو جوزف پیلس۔"

فجر نے اپنی آواز پر قابو پایا، وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی گھبراہٹ ظاہر ہو۔

"ہیلو مجھے ولیم سے بات کرنی ہے۔" دل ابھی تک ڈرا ہوا تھا۔ وہ گھر سے دور تھی۔ اکیلی بالکل اکیلی، اس اکیلی دنیا میں ولیم نے کہا تھا وہ جب اسے پکارے کی وہ آجائے گا۔

"کون بات کر رہا ہے؟" دوسری طرف سے سوال ہوا۔

فجر نے مضبوطی سے جواب دیا، اپنی شناخت میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں لائی۔

"میں فجر معراج بات کر رہی ہوں!"

"کون فجر؟" نخوت بھرا لہجہ۔

"ولیم کی بیوی!"

دوسری طرف لمحہ بھر کی خاموشی چھا گئی۔ یہ خاموشی ہزار باتوں سے زیادہ وزنی تھی۔ پھر فون پر ایک مختلف، تلخ اور بااختیار لہجہ آیا۔ یہ جس کی بھی آواز تھی اس آواز میں نفرت اور حقارت صاف محسوس ہو رہی تھی۔

"بیوی؟ کس کی بیوی؟ کہاں تھا نا یہاں کوئی ولیم نہیں ہے۔"

فجر نے خود کو سمیٹ لیا، اب اس کی آواز میں پختگی تھی۔

"مجھے ولیم سے بات کرنی ہے، مجھے کچھ پیسے لوٹانے ہیں۔ ولیم کہاں ہے؟" فجر نے پیسے لوٹانے کی بات ایک ڈھال کے طور پر کی تھی، ایک ایسا جواز جو شاید ان سخت دل لوگوں کے لیے قابلِ قبول ہو۔

دوسری جانب سے ایک قہقہہ نما آواز آئی، جس میں کوئی خوشی نہیں، صرف تلخی اور استہزاء تھا۔

"پیسے؟ ولیم کو اب پیسوں کی ضرورت نہیں۔ اور تم اب اسکی بیوی نہیں ہو۔" اس کا لہجہ زہر آلود تھا۔

"ولیم اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ ولیم مر چکا ہے۔"

فجر کے جسم میں ایک سرد لہر دوڑ گئی۔ دل کی دھڑکن جیسے ایک لمحے کو رک گئی۔ پوری دنیا اس کے سامنے دھندلا گئی۔ سر چکرا گیا پر وہ گری نہیں۔ سالوں کی جدوجہد، خود کو مضبوط بنانے کی مسلسل کوششیں، اسے اس لمحے سہارا دے گئیں۔ اس کے دل کو کچھ ہوا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو؟" فجر نے تقریباً چیخ کر کہا۔ اس کی آواز کمرے کی خاموشی میں گونجی۔

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔ مجھے ولیم سے بات کرنی ہے۔ میری بات کرواؤ!"

"حقیقت یہی ہے۔ اسے قبول کرو اور آئندہ یہاں فون مت کرنا۔" واضح تنبیہہ تھی۔

"مجھے سچ جاننے کا حق ہے۔ مجھے اس سے بات کرنے کا حق ہے۔ میں اس کی بیوی ہوں۔" وہ پتا نہیں یہ لفظ بار بار کیوں استعمال کر رہی تھی۔ شاید اس لیے کہ اس کی ایک بار بات ہو جائے چاہے وہ اسے پہچاننے سے انکار کر دے پر موت؟ نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔

"تو پھر اپنے پاکستانی معاشرے میں بیوہ بن کر گھوم لو کیونکہ ولیم مر چکا ہے۔" اس کے الفاظ کسی چابک کی طرح تھے۔

فجر کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ فون اس کے ہاتھ سے پھسلا اور بیڈ پر گر گیا۔ وہ وہیں، سفید شب خوابی میں ملبوس، جیسے منجمد ہو کر رہ گئی۔

"ولیم مر چکا ہے؟ وہ شخص جسے اس نے صرف اس کی آواز کے ذریعے جانا تھا؟ وہ شخص جس نے ولیم کو قید کر رکھا تھا، اب یہ کہہ رہا تھا کہ وہ مر گیا؟ یہ اس شخص کا جھوٹ تھا، اس کی چال تھی، یا؟"

وہ وہیں، نرم قالین پر بیٹھتی چلی گئی۔ سر بیڈ سے ٹکا دیا۔ کچھ اس خواب کا اثر تھا اور کچھ اس شخص کی باتوں کا۔ فجر کا وجود لرزنے لگا اس نے اپنے بازو اپنے گرد باندھ لیے۔ ولیم جیسا شخص کیسے مر سکتا تھا؟ اسے پتا نہیں کیوں رونا آرہا تھا۔ ایک بار پھر لگا جیسے بھری دنیا میں وہ اکیلی رہ گئی ہو۔ جانے کتنے دنوں کا غبار جو دھیرے دھیرے آنسوؤں کی صورت بہتا چلا گیا۔ اس نے کیسے سوچ لیا تھا کہ اسکا یہ سفر زندگی کا حسن ترین سفر گزرے گا جبکہ تار عنکبوت نے اسے جکڑ لیا ہو۔

وہ رو رہی تھی۔ ہچکیوں سے۔ اسکا وجود لرز رہا تھا اور پھر اس نے گھٹنوں سے سر اٹھایا اور ساکت رہ گئی۔ اس کے سامنے ہی کھڑکی کے پار کوئی کھڑا تھا۔ ہلکے پردوں کے پیچھے کھڑا وجود کسی لڑکی کا تھا۔ اس کا سفید لباس نظر آیا اور گھنے گھنگھریالے بال! وہ جیسے اسے ہی دیکھ رہی تھی پر فجر کو چہرہ نظر نہیں آیا۔ وہ رونا بھول گئی۔ دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ فٹافٹ اٹھ کر کمرے کی لائٹ آن کی دوبارہ دیکھا تو کچھ نظر نہیں آیا۔ اب وہاں کوئی نہیں تھا۔ اس نے ہتھیلی کی پشت سے رگڑ کر آنسوں صاف کیے اور والٹ سے وہ چھری نکال لی جو اس نے اپنی حفاظت کے لیے رکھی تھی۔ سلیپر جوتے پہن کر وہ کمرے سے باہر نکل آئی۔ باہر راہدری میں کہیں روشنی تھی اور کہیں اندھیرا۔ راہداری کے آخر میں اسے وہی سفید لباس نظر آیا۔ کوئی راہداری کے کونے سے مڑ گیا تھا۔ وہ دھک دھک کرتے دل کے ساتھ آگے بڑھی۔ جیسے ہی کونے تک پہنچی وہاں کوئی نہیں تھا۔

دونوں جانب کی راہداری خالی تھی اور سامنے لگی کھڑکیوں سے ٹھنڈی ہوا اندر آرہی تھی۔ سفید پردے ہوا سے اڑ رہے تھے۔ راہداری سنسنان تھی۔ سب یا تو ابھی واپس نہیں تھے یا سو چکے تھے۔ اس نے پھر سے نظر دائیں بائیں گھمائی، راہداری طویل اور خالی نظر آرہی تھی۔ قالین پر بچھے پھولوں کے ڈیزائن بھوتوں جیسے لگ رہے تھے۔ ہر سایہ ایک ممکنہ حملہ آور جیسا تھا۔ اس کی آنکھیں تیزی سے ہر سمت گھوم رہی تھیں، کسی بھی غیر معمولی حرکت کو

بھانپنے کے لیے تیار۔ قدموں کی چاپ سنائی نہیں دے رہی تھی، مگر وہ جانتی تھی کہ کوئی ہے جو اسے دیکھ رہا ہے۔ یہ نظریں اسے محسوس ہو رہی تھیں، اس کی جلد پر رینگتی ہوئی۔ وہ واپس جانے کے لیے پلٹی۔

اسی لمحے، ہوا کا ایک جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا۔ اس کے ساتھ ہی ایک تیز، جانی پہچانی سی خوشبو تھی۔ ایکوا واٹر اور کسی نامعلوم مہک کا آمیزہ جو دل و دماغ پر چھا گیا۔ یہ اتنی غیر متوقع اور حاوی تھی کہ وہ ساکت رہ گئی۔ وہ اس خوشبو کو پہچان سکتی تھی۔ وہ فوراً پلٹی۔ اور وہ وہیں تھا۔

راہداری کے موڑ پر، جہاں سے روشنی آ رہی تھی، ایک وجود ایستادہ تھا۔ روشنی اس کے سراپے پر پڑ رہی تھی، اسے ایک ہیولے میں تبدیل کر رہی تھی۔ جسم کی ساخت، لباس کی تراش سب واضح تھا، مگر سر اور چہرہ پراسرار طور پر گہرے سائے میں تھا۔ وہ مکمل طور پر اندھیرے میں نہ تھا، بلکہ یوں لگتا تھا جیسے روشنی اس کے چہرے کو چھونے سے گریزاں ہو۔

خوشبو کا جھٹکا اور اس ہیولے کا اچانک ظہور۔ فجر نے ایک لمحے کی بھی تاخیر نہ کی۔ اس کا ہاتھ بجلی کی تیزی سے حرکت میں آیا۔ چھری سیدھی اٹھی اور اس سے پہلے کہ وہ وجود کوئی ردعمل ظاہر کرتا، فولاد کی نوک اس کی گردن کی شہ رگ پر ٹھہر گئی۔ ٹھیک اس جگہ جہاں زندگی دھڑکتی ہے۔

سانسیں تھم گئیں۔ وقت جیسے جم گیا۔ فجر کا دل ابھی بھی بے ترتیب دھڑک رہا تھا، مگر اب اس میں خوف کی بجائے عزم تھا۔ اس نے مضبوطی سے چھری کی موٹھ تھام رکھی تھی۔ سائے میں چھپے چہرے سے کوئی آواز نہیں نکلی، کوئی حرکت نہیں ہوئی۔ صرف وہ تیز خوشبو تھی جو اب ان دونوں کے درمیان معلق تھی۔ روشنی میں کھڑا پراسرار وجود اور سائے میں چھپا چہرہ، آمنے سامنے تھے۔ اور ان کے درمیان، زندگی اور موت کی باریک لکیر پر رکھی ہوئی فجر کی چھری۔

یہ ملاقات کسی تعارف کی محتاج نہ تھی، یہ ایک خاموش اعلان تھا، جنگ کا، یا شاید کسی ایسی کہانی کا جس کا آغاز اسی پر اسرار لمحے میں ہو رہا تھا۔

"کون ہو تم؟" فجر کی آواز سرگوشی جیسی تھی، مگر اس میں فولاد کی سی کاٹ تھی۔

"اور یہاں کیا کر رہے ہو؟" یہ وجود وہ وجود نہیں تھا جو اسے کھڑکی سے نظر آیا تھا۔ وہ عورت تھی اور یہ مرد!

سائے میں چھپے چہرے پر کوئی تاثر نہیں ابھرا۔ وہ بس وہیں کھڑا رہا، اس پر فیوم کی مہک کی طرح پر سکون مگر ناقابل عبور۔ پھر، ایک گہری، ٹھہری ہوئی آواز گونجی۔ اس آواز میں کوئی اتار چڑھاؤ نہیں تھا، جیسے وہ کسی مشین سے آ رہی ہو۔

"لگتا ہے تمہیں بچانا مجھ پر فرض کر دیا گیا ہے۔" وہ آواز گونجی۔ لہجے میں کوئی تمسخر نہیں تھا، صرف ایک غیر جذباتی بیان۔

فجر کا ماتھا تنا۔ یہ وہی آواز تھی جو اس نے ہال میں سنی تھی۔ رئیس اورنگزیب کی آواز! وہ اس آواز کو پہچان سکتی تھی اور خوشبو کو بھی۔

"بچانا؟" اس نے ہنستے ہوئے کہا، ایک تلخ ہنسی۔ "یا تعاقب؟"

"مسیحاؤں کو تعاقب کرنا پڑتا ہے۔"

"میں مسیحاؤں پر یقین نہیں رکھتی، خاص کر ان پر جن کے ارادے سائے میں چھپے ہوں۔" اس نے چھری کو ذرا نیچے کرتے، دباؤ بڑھایا۔ چھری کی نوک ہلکی سی اس کی جلد کے اندر جاتی، ایک چھوٹا سا زخم کر گئی، وہ یونہی کھڑا رہا

جبکہ فجر کی ہیزل آنکھیں بارود جیسی تھیں۔ وہ اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ اس کی کھلی آنکھیں۔ اس کی ٹھوڑی کا وہ تل اضافی تھا۔ اس کی آنکھوں کی رنگت مختلف تھی اور اس کے بال اڑ رہے تھے۔

رئیس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ بس اسے دیکھ رہا تھا، ایک شے کی طرح، یا شاید ایک مسئلے کی طرح جسے حل کرنا تھا۔ اس کا وجود روشنی میں تھا، مگر اس کے اندر کا بھید اندھیرے جیسا گہرا اور بے تاثر۔

"تمہاری دنیا ایسی ہی ہے، ہے نا؟" رئیس کی آواز آئی۔ "جہاں ہر چہرہ نقاب پوش ہے، اور ہر مدد کے پیچھے کوئی مفاد چھپا ہے۔"

"اور تمہاری دنیا کیسی ہے، جناب؟" فجر نے پلٹ کر سوال کیا۔ "جہاں آپ رات کی تاریکیوں میں ایک عورت کے کمرے کے باہر تجزیہ کرتے پھر رہے ہیں؟"

"میں حقائق کا تجزیہ کرتا ہوں!" رئیس نے سادگی سے کہا، جیسے کوئی سائنسدان کسی تجربے کا نتیجہ بیان کر رہا ہو۔ "تمہیں اس وقت غیر معمولی خطرات لاحق ہیں۔ تمہارے ارد گرد ایسے لوگ ہیں جن کی موجودگی تمہاری بقا کے لیے نقصان دہ ہے۔"

"اور آپ کیسے جانتے ہیں؟" فجر نے دباؤ بڑھایا۔ "میری زندگی کے حقائق سے آپ کو کیا دلچسپی؟"

"میں تمہاری بقا چاہتا ہوں۔" اس کا چہرہ ابھی تک اندھیرے میں تھا۔

"مجھے بقا کی جنگیں لڑنی آتی ہیں۔" اس نے دباؤ کم نہیں کیا۔

"میں جانتا ہوں!" اس کی آواز پھر سے گونجی۔

"کیا جانتے ہیں آپ؟" وہ جمی رہی۔

"تمہاری ہمت کو، تمہاری تنہائی کو، تمہاری صلاحیتوں کو، تمہاری کمزوریوں کو، تمہارے دفاعی نظام کو، تمہاری اس سخت شکن کو جو تم نے دنیا سے بچنے کے لیے اوڑھ رکھی ہے۔" فجر کی گرفت چھری پر ہلکی پڑی۔ وہ یہ سب کیسے جانتا تھا؟ اور پھر اگلے ہی پل اس کا دباؤ بڑھ گیا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ چھری وہیں پیوست کر دے۔

"کون ہیں آپ؟" وہ تنبیہہ لہجے میں بولی۔

رئیس پھر خاموش ہو گیا۔ اس کی نظریں جیسے فجر کے چہرے پر جمی تھیں۔ حالانکہ چہرہ سائے میں تھا، فجر کو محسوس ہوا جیسے وہ اس کی گہرائیوں میں کچھ تلاش کر رہا ہو۔

"تم مجھے کسی کی یاد دلاتی ہو؟"

فجر کا دل ایک بار پھر زور سے دھڑکا۔ یہ جملہ غیر متوقع تھا۔

"کس کی؟ اور اس کا مجھ سے کیا تعلق ہے؟"

رئیس نے اس بار بھی براہ راست جواب نہیں دیا۔ وہ سائے میں کھڑا رہا، ایک متجسس اور ناقابل فہم وجود۔

"تفصیلات غیر ضروری ہیں۔ ابھی کے لیے، بس یہ جان لو کہ میں تمہارے لیے خطرہ نہیں۔"

"میرے لیے خطرات بہت ہیں۔ ایک غیر جانبدار وجود کا اضافہ کوئی بڑی بات نہیں۔" لہجے میں استہزاء تھا۔

"مگر تمہیں یہ بتانے آیا تھا کہ تمہارے تحفظ کو نظر انداز نہیں کیا جا رہا۔ تمہاری بقا، یہ اس وقت اہم ہے۔"

"میری بقا؟" فجر ہنسی۔ "میں نے پہلے بھی کہا ہے مجھے بقا کی جنگیں لڑنی آتی ہیں۔ مجھے کسی بیرونی عنصر کی ضرورت نہیں۔" اس نے چھری کا دباؤ ہلکا سا بڑھایا۔ لہو کا قطرہ چھری کی نوک پر چمکا۔

"اور اب، اگر آپ ایک اور لمحہ یہاں رکے، تو میں اپنے ارادے کی سنگینی ثابت کر دوں گی، یہ چھری آپ کے گلے پہ پھیر دوں گی۔"

رئیس نے کوئی حرکت نہیں کی۔ اس کی آواز پھر گونجی، اب اس میں صرف ایک منطقی انتباہ تھا۔

"غیر ضروری اختلافات سے گریز کرو، یہ تمہارے مقاصد کے لیے الٹا ثابت ہو سکتا ہے۔ تمہارے دشمن مختلف نوعیت کے ہیں۔ ان سے نمٹنے کا طریقہ مختلف ہے۔" وہ دونوں ہاتھ پیچھے باندھے کھڑا تھا۔ اسے جیسے کوئی خوف نہیں تھا۔ اگر ملکہ ملعون نے چھری چلا دی تو؟

"اور میں ایسا کیوں کروں؟" فجر نے آخری بار پوچھا۔ یہ سوال ایک منطق کی تلاش تھی۔

رئیس نے اس بار بھی براہ راست جواب نہیں دیا۔ وہ سائے میں کھڑا رہا، ایک بے تاثر مشاہد۔

"کیونکہ۔۔۔ کیونکہ تمہاری اہمیت کسی اور چیز میں ہے جس سے تم واقف نہیں۔" وہ اس کے شفاف چہرے اور اڑتے بالوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی ہیزل آنکھیں دیوں کی مانند جل رہی تھیں اور اس کی نم پلکیں، شبنم کے قطرے لیے بیٹھی تھیں۔ رویا رویا سا اسکا چہرہ مزید پیارا لگ رہا تھا۔

یہ کہہ کر، رئیس نے ایک قدم پیچھے ہٹایا۔ اس کا وجود روشنی سے ذرا سا اور ہٹا۔ فجر نے محسوس کیا جیسے تناؤ کی ڈور ڈھیلی پڑ رہی ہے۔ اس نے چھری نیچے کی۔ لمحہ گزر چکا تھا۔

جب اس نے دوبارہ پوری طرح دیکھا، راہداری خالی تھی۔ صرف اس تیز، یادگار خوشبو کے کچھ باقی ماندہ مالیکیولز ہوا میں تیر رہے تھے۔ رئیس غائب ہو چکا تھا۔

فجر وہیں کھڑی رہی، ہاتھ میں چھری پکڑے ہوئے۔ اس کا دل الجھن اور غصے سے بھرا تھا۔ آخر وہ شخص کون تھا؟ وہ کیوں اتنے غیر جذباتی انداز میں اس کی زندگی میں دخل دے رہا تھا؟ اور اس کا کیا مطلب تھا کہ اس کی اہمیت کسی اور چیز میں تھی؟ اس کی باتیں اتنی الجھی ہوئی کیوں تھیں؟ چہرے پر سائے، وجود روشنی میں، اور آواز میں چھپا ٹھنڈا منطق۔ رئیس نام کا یہ شخص، جو اس کسی سائے کی طرح تھا، فجر کے لیے ایک نیا، سب سے بڑا معمہ بن گیا تھا۔ وہ مسیحاؤں پر یقین نہیں رکھتی تھی، مگر یہ شخص! یہ شخص مدد کرنے والے سے زیادہ ایک تجزیہ کار لگ رہا تھا، ایک ایسا مشاہد جو اپنے پوشیدہ جدول کے مطابق چل رہا ہو۔

وہ آہستہ سے کمرے میں واپس چلی گئی، دروازہ بند کیا، مگر اس کے ذہن میں رئیس کا سائے میں چھپا چہرہ اور اس کی بے تاثر آواز گونجتی رہی۔ پیرس کی رات اب پہلے سے زیادہ گہری اور ناقابل فہم ہو گئی تھی۔ وہ دروازے کو اچھی طرح لاک کرتے واپس بستر پر لیٹ گئی۔ چھری سائیڈ ٹیبل پر رکھ لی۔ اس کی نوک پر رئیس کا خون چمک رہا تھا۔ آنکھوں کے پپوٹے نیند سے بھاری ہو رہے تھے۔ ہزاروں سوچیں، ذہن میں ڈنک مار رہی تھیں۔ وہ کھڑکی کو دیکھتی رہی۔ سفید پردے پر سکون تھے اور پھر جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔ پیرس کی رات اب پہلے سے زیادہ گہری اور ناقابل فہم ہو گئی تھی۔

✿••✿••✿••✿

اگلی قسط پندرہ دن بعد ان شاء اللہ !

جاری ہے۔

* * * * * * *

عنکبوت

(معرفت اور محبت سب کو نہیں ملتی)

از قلم: نور راجپوت

قسط نمبر:14

جوزف پیلس کا تاریک تہہ خانہ!

ہوا میں گھٹن تھی۔ تہہ خانے کا ماحول پہلے سے کہیں زیادہ بوجھل اور اذیت ناک محسوس ہو رہا تھا۔ ولیم اسی طرح کونے میں دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر ٹانکے لگے تھے۔ بڑے بڑے ٹانکے جیسے کسی اناڑی ڈاکٹر نے لگائے ہوں یا پھر کسی غیر ڈاکٹر نے۔ اس کی آنکھوں کی بے جان چمک اب گہری تکلیف میں بدل چکی تھی۔ قید نے اس کے جسم کو نڈھال اور روح کو زخمی کر دیا تھا۔

اوپر پتھر کا دروازہ زوردار آواز سے کھلا اور جارج اندر داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر وہی پتھریلی تاثیر تھی، لیکن اس کی آنکھوں میں ایک کریہہ چمک تھی۔ اس کے ہاتھ میں اب بھی ٹرے تھی، لیکن اس کے چلنے کے انداز میں، ایک ناگوار اطمینان تھا۔ وہ مضبوط قدموں سے زینے اتر رہا تھا۔

جارج نے ٹرے حقارت سے ولیم کے قریب فرش پر رکھی۔ کھانے کی بجائے، یہ زہر لگ رہا تھا۔

"کھالو، تمہیں ابھی زندہ رہنا ہے۔" جارج نے سرد مہری سے کہا، اس کی آواز میں ہمدردی کا شائبہ تک نہیں تھا۔

ولیم نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا۔ اس کی نظریں فرش پر جمی تھیں۔ اس کا خوبصورت چہرہ اب ٹانکوں کی نذر تھا۔

جارج ایک قدم آگے آیا اور ولیم کے قریب جھکا۔ اس کے لہجے میں زہر گھلنے لگا۔

"کیا سوچ رہے ہو، ولیم صاحب؟ اپنی آزادی کے بارے میں؟ یا اپنی شادی کے بارے میں؟" اس کی آنکھوں میں عجیب سا تاثر تھا۔ ولیم کو وہ تاثر اپنے جسم پر رینگتا محسوس ہوا۔ اس نے آہستہ سے سر اٹھایا۔ اس کی آنکھیں سوالیہ تھیں۔ جارج کے ہونٹوں پر ایک شیطانی مسکراہٹ پھیلی۔

"ویسے، تمہارے لیے ایک خبر ہے۔ ایک دلچسپ خبر۔"

ولیم نے خاموشی سے اسے دیکھا، اس کے لیے دلچسپی کہاں بچی تھی۔

"تمہارے لیے ایک فون آیا تھا۔ ایک لڑکی کا فون!" جارج نے زور دے کر **'لڑکی'** کے لفظ پر طنز کیا۔

"اس نے اپنا نام **فجر معراج** بتایا۔"

یہ سنتے ہی ولیم کے لاغر وجود میں ایک جھٹکا سا لگا۔ اس کی آنکھیں قدرے کھل گئیں۔ حیرت اور بے یقینی سے پھٹنے کو تیار۔

"فف۔۔فج۔۔۔ فجر۔۔۔" وہ زیر لب بڑبڑایا۔ پورے جسم میں جیسے جان پڑ گئی ہو۔ اسے یقین نہیں آیا۔ وہ حیرت سے جارج کو تک رہا تھا جو اس کے سامنے کرسی کھینچے، ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔ آج وہ کافی دنوں بعد ولیم کے سامنے آیا تھا۔ ورنہ ایک وفادار ملازم دو تین بعد کھانا رکھ جاتا تھا۔

"فجر؟" ولیم نے پھر سے اس کا نام دہرایا۔ گلے میں کچھ اٹک گیا تھا۔

"ہاں، وہی فجر۔ تمہاری بیوی۔" جارج نے طنز جاری رکھا۔ "بڑی پریشان تھی، تمہارے بارے میں پوچھ رہی تھی۔"

ولیم کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے امید کی کرن لہرائی، ایک پل کو اسے لگا شاید پوری دنیا اس کے لیے تنگ نہیں پڑی۔ ہاں کوئی ہے جس کو اس کی ضرورت ہے۔

لیکن اگلے ہی لمحے جارج کی بات نے اس امید کو کچل دیا۔

"تم نے کیا کہا؟" وہ بے چینی سے بولا۔

"تو میں نے اسے بتا دیا۔" جارج نے فاتحانہ انداز میں کہا۔

ولیم نے سانس روکے جارج کو دیکھا۔

"میں نے اسے بتا دیا کہ تم۔۔۔" جارج رکا، اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"تم مر چکے ہو!"

یہ الفاظ ولیم کے دل پر بم بن کر گرے۔ اس کا منہ کھل گیا۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس کا سارا وجود جیسے شل ہو گیا۔ وہ ساکت ہو گیا۔ اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔ جارج نے کیا کہا؟ وہ مر چکا ہے؟

"ت۔۔تم نے کیا کہا؟" ولیم نے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔اس کی آواز کسی ٹوٹے ہوئے ساز جیسی تھی۔

"یہی کہ تم ختم! کہانی تمام! اب وہ آزاد ہے۔بیوہ بن کر گھوم سکتی ہے۔" جارج کے لہجے میں خباثت تھی۔اسے ولیم کی تکلیف دیکھ کر مزا آرہا تھا۔

"بڑی فکر مند ہو رہی تھی نا؟ اب اطمینان ہو گیا ہو گا۔"

ولیم کا چہرہ غصے، صدمے اور گہری مایوسی سے بگڑ گیا۔اس نے جارج کو ایسی نظروں سے دیکھا جیسے وہ کوئی انسان نہیں، کوئی عفریت ہو۔یہ الفاظ جیسے سیسہ بن کر ولیم کے کانوں میں اترے۔وہ ساکت رہ گیا۔آنکھیں بے یقینی سے پھیل گئیں۔

"تم نے ایسا کیوں کیا؟" ولیم نے تقریباً چیختے ہوئے پوچھا۔اس کی آواز میں درد تھا۔گردن کی نسیں ابھر آئیں۔ سرخ انگارہ چہرہ۔

"اور کیا کہتا؟" جارج کی آواز میں اب خالص حقارت تھی۔اس نے لاپرواہی سے کندھے اچکائے۔وہ اٹھ کر اس کے قریب آیا۔

"کیا دنیا کو بتاتا کہ میرا بھائی، اس عظیم خاندان کا چشم و چراغ، ایک غیر ملکی، معمولی لڑکی کی خاطر اپنی عزت، اپنا مقام، سب کچھ داؤ پر لگا کر آج اپنے ہی گھر کے تہہ خانے میں قید ہے؟ نہیں ولیم! تمہاری اس حرکت نے خاندان کے نام پر جو کالک ملی ہے نا، اسے ہمارے ہاتھ دیواروں کے اندر ممکن ہے۔باہر کی دنیا کے لیے، تم مر چکے ہو!" وہ واقعی مونسٹر لگ رہا تھا۔آنکھیں سپاٹ تھیں۔

پھر وہ ایک قدم پیچھے ہٹا۔

"تمہاری وجہ سے ہم نے جو ذلت سہی ہے، یہ اسی کی سزا ہے۔ تم اب صرف ایک سایہ ہو، ایک بھولی بسری یاد! اور اب تو وہ بھی تمہیں مرا ہوا سمجھ کر بھول جائے گی جس کے لیے تم نے یہ سب کیا۔ تمہارا نام و نشان مٹ چکا ہے!"

ولیم کے پاس کہنے کو کچھ نہیں بچا تھا۔ الفاظ اس کے حلق میں دم توڑ چکے تھے۔ وہ بس اپنے بھائی کے پتھر جیسے چہرے اور اس کی آنکھوں میں اپنے لیے ابلتی ہوئی نفرت اور حقارت کو دیکھتا رہا۔

جارج آخری بار حقارت بھری نظروں سے اسے دیکھ کر مڑا اور زینے چڑھتا اوپر کہیں غائب ہو گیا۔ بھاری دروازہ ایک دھماکے سے بند ہوا، اور اس کی آواز کی گونج دیر تک تاریکی میں پھیلتی رہی۔

ولیم وہیں بیٹھا رہا، تنہا، ساکت! جارج کے الفاظ زہریلے ناگ بن کر اس کی روح کو ڈس رہے تھے۔

"فجر۔۔۔" وہ زیر لب بڑبڑایا۔ یعنی وہ اسے یاد تھا؟

جوزف پیلس کے قیدی کو پہلی خوشخبری ملی تھی۔ پر اگلے ہی سوچ نے اس کے چہرے کی مسکراہٹ چھین لی۔

"وہ اب مجھے مردہ سمجھے گی؟"

تہہ خانے کی تاریکی پہلے سے کہیں زیادہ گہری اور ناقابلِ برداشت محسوس ہونے لگی۔

"نن۔۔۔ نن۔۔۔ نن۔۔۔ نہیں فجر!" اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ چہرے کے زخم کی وجہ سے کھوپڑی تک درد کر رہی تھی اور اب یہ درد اچانک ہی کہیں غائب ہو گیا۔ اسے کیفے میں گھٹنوں میں سر دیئے سسکتی ہوئی فجر یاد آئی۔

"میری رہنا فجر! پلیز میری رہنا۔ میں آؤں گا۔ میں ضرور آؤں گا۔"

اس کا دل جہاں مسرور تھا وہیں تڑپ رہا تھا۔ دنیا میں اس سے بے بس شاید ہی کوئی ہو گا۔

✿••✿••✿••✿

اگلی صبح اس کی آنکھ ایک جھٹکے سے کھل گئی۔ وہ زوردار سانس لیتے اٹھ بیٹھی۔ یوں لگا جیسے وہ کابوس کی دنیا سے واپس لوٹ آئی ہو۔ آنکھیں پھاڑ کر چاروں جانب دیکھا۔ وہ اسی نرم ملائم سے بستر پر لیٹی تھی۔ گلاس ونڈو سے چھلکتی روشنی واضح کر رہی تھی کہ صبح ہو چکی ہے۔ اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا موبائل اٹھایا تو صبح کے آٹھ بج رہے تھے۔ نو بجے ناشتہ تھا اور پھر دس بجے ان سب کو ریہرسل کے لیے نکلنا تھا۔ اس کی آنکھ الارم بجنے سے پہلے ہی کھل گئی۔ سب سے پہلے اس نے بکھرے بال سمیٹے اور بیڈ سے نیچے اتر آئی۔ اعصاب تنے ہوئے تھے۔ جسم درد کر رہا تھا یوں جیسے وہ سوئی نہ ہو بلکہ پوری رات جاگتی رہی ہو اور تبھی اس کی نظر سائیڈ ٹیبل پر رکھی اس چمکتی ہوئی تیز چھری پر پڑی۔ اس کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔ رات کے تمام مناظر آنکھوں کے سامنے گھوم گئے۔

جس چیز نے اسے چونکنے پر مجبور کیا وہ چھری کی نوک تھی۔ اسے یاد تھا، چھری کی نوک پر خون لگا ہوا تھا پر اس وقت چھری یوں چمک رہی تھی جیسے اسے صاف کر دیا گیا ہو۔ خون کا نام و نشان نہیں تھا۔ فجر کی پیشانی تن گئی۔ اس نے گہری نظروں سے چاروں جانب دیکھا۔ پھر ساری کھڑکیاں باری باری دیکھیں۔ وہ اندر سے اچھے سے بند تھیں۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ گزری رات، ایک عام رات ہرگز نہیں تھی۔ پہلے ولیم کی موت کی خبر اور پھر وہ سایہ اور پھر رئیس اور نگزیب!

آخر اس کی زندگی مشکل کیوں تھی؟ وہ بے زار ہوتی بیڈ پر بیٹھ گئی۔ آخر کتنی دیر؟

کب تک بیٹھی رہے گی؟ یہی سوچتے وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور پھر نو بجے وہ ہوٹل کے صاف ستھرے زینے اتر رہی تھی۔ سیاہ بیگی پینٹ پر خاکی رنگ کا گھٹنوں سے ذرا اوپر آتا ٹاپ جس کا گلہ گردن تک بند تھا اور بازو ایسے پھولے

ہوئے تھے جیسے ہوا بھر دی گئی ہو اور کہنی سے ذرا نیچے بازو کف کی صورت بند تھے۔ اس وقت فجر کی شخصیت اس سوٹ میں مکمل بدل گئی تھی۔ کانوں میں چھوٹے چھوٹے سیاہ ٹاپس تھے جبکہ چشمہ بند بالوں میں اٹکا تھا۔ سیاہ رومال گردن کے پیچھے سے گزار کر دونوں جانب گرایا گیا تھا۔ آرام دہ اسنیکرز پہنے، سلنگ بیگ کو کندھے سے گزار کر ایک جانب لٹکائے وہ واقعی ایک ڈیزائنر لگ رہی تھی۔

جیسے ہی اس نے پہلے زینے پر قدم رکھا، وہی تیز خوشبو نتھنوں سے ٹکرائی، وہ چونک کر رک گئی۔ پھر اسے رئیس زینے چڑھتا دکھائی دیا۔ اسکے آنے سے پہلے اس کی خوشبو آجاتی تھی۔ وہ سادہ ٹراؤزر شرٹ میں تھا شاید ناشتے کے بعد واپس کمرے میں جا رہا تھا۔ فجر وہیں جم گئی۔ رئیس نے گردن اٹھا کر دیکھا، فجر کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں لمحے بھر کو عجیب سا تاثر ابھرا اور اگلے ہی پل ختم ہو گیا۔ اب وہاں صرف اجنبیت تھی جبکہ فجر اسے یونہی دیکھتی رہی۔ اسے لگا وہ رکے گا اور بات کرے گا جبکہ رئیس، سنجیدہ اور مصروف سا اوپر آیا اور اس کے پہلو سے گزر گیا۔ یہ الگ بات تھی پہلو میں رکھا دل اچھل کر حلق میں آچکا تھا۔

وہ بھنویں سکیڑے اسے دیکھے گئی جو چند قدم چل کر رک گیا۔ فجر کی غضب ناک نظریں اس کی چوڑی پشت پر جمی تھیں۔ وہ رکا اور پھر پلٹ کر دیکھا۔

"ایکسکیوزمی؟" پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اب وہ اسے یوں دیکھ رہا تھا جیسے فجر کو اس کی مدد کی ضرورت ہو۔ جیسے یہ ان کا پہلا ٹکراؤ ہو۔

"ڈیزائنر کے ساتھ ساتھ اداکار بھی ہیں؟" اس نے سینے پر بازو باندھے پوچھا۔ انداز زہریلا تھا۔ رئیس کے لبوں میں ایک ہلکی سی لکیر ابھر کر غائب ہو گئی۔ آنکھوں میں پل بھر کو چمک ابھری اور مدہم ہو گئی۔

"کیا میں آپ کو جانتا ہوں؟" اس نے کندھے اچکا کر پوچھا اور فجر استہزائیہ ہنس دی۔

"سیریسلی؟" اس نے تاسف سے گردن ہلائی۔ حیرت ہو رہی تھی اس کی ڈھٹائی پر۔

"کس کو پاگل بنا رہے ہیں آپ؟" اس نے آنکھیں چھوٹی کیے، رئیس کو دیکھا جو اپنی جگہ پر جما ہوا تھا۔

"ویل۔۔۔۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں پڑتی۔" قدم بڑھا کر وہ اس کی جانب آیا۔ کیا اندازِ بے نیازی تھا۔ چہرے پر پُرشوق مسکراہٹ!

"ہاں لوگ آپ کو دیکھ کر ذہنی توازن کھو بیٹھتے ہیں۔" وہ کلس کر بولی۔ رئیس نے اسے غور سے دیکھا۔

"کیا میں اسے تعریف سمجھوں؟" وہ پُرشوق نگاہیں لیے کھڑا تھا یوں جیسا ایک جوان، حسین لڑکی اس سے فلرٹ کر رہی ہو۔

"سمجھ لیتا ہوں۔ ویسے بھی میں تعریف کے قابل ہوں۔ نہیں؟" اس نے ایک ابرو اٹھا کر بھولپن سے پوچھا۔ فجر نے گہرا سانس لیا اور پھر سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ اسے دیکھا۔

"یہ ناٹک کیوں کر رہے ہیں آپ؟" وہ سیدھا مدعے کی بات کرنا چاہتی تھی۔

"اور میں پوچھ سکتا ہوں محترمہ کہ آپ مجھ پر الزامات کی بارش کیوں کیے جا رہی ہیں؟" وہ مزید قریب آیا۔ اس بار آنکھوں میں سرد پن اور چہرے پر سنجیدگی تھی۔ فجر نے زینے واپس چڑھتے، اپنے سلنگ بیگ کو آگے کیا اور اس کی زپ کھول کر اندر سے وہ چھری نکالی۔

"اوہ اوہ اوہ!" رئیس کے ہونٹ سیٹی کے انداز میں سکڑے۔ وہ دو قدم پیچھے ہوا۔ ڈرنے کا ناٹک کیا۔

"کیا ہوٹل کے عملے کو پتا ہے محترمہ کہ آپ انکی چھری اپنے بیگ میں لیے گھوم رہی ہیں؟" وہ چونکنے والے والے میں انداز میں بولا جبکہ فجر ہاتھ میں چھری تھامے کھڑی تھی۔ اس کی نوک ایک بار پھر رئیس کی جانب تھی۔ جبکہ چہرا تنا ہوا تھا۔

"دیکھیں اسے۔" وہ چھری کی نوک کی جانب اشارہ کرتی بولی۔ رئیس نے بھنویں سکیڑ کر اور آنکھیں چھوٹی کیے چھری کی نوک کو دیکھا۔ چہرہ سنجیدہ اور انداز تجزیانہ تھا۔

"ویل! ابھی تک میں نے چھریوں تلواروں پر ہیرے موتی لگانے کا کام شروع نہیں کیا اگر تم کہتی ہو تو میں تمہارے لیے اسے اچھی شکل دے سکتا ہوں۔" وہ داڑھی کھجاتے بولا تو فجر جل بھن کر کوئلہ ہوئی۔ دل کیا وہ چھری اس کے سینے میں گھسا دے۔ ضبط سے آنکھیں میچ کر اس نے خود پر قابو پایا پھر آنکھیں کھول کر رئیس کو دیکھا جو سوالیہ نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"یہ وہی چھری ہے جسے رات میں نے آپ کی گردن پر رکھا تھا۔ آپ کو زخم دیا تھا۔ بھول گئے؟" اس کی تفصیل پر رئیس نے اسے یوں دیکھا جیسے اس کا دماغ پھر گیا ہو۔

"تم لکس کی ڈیزائنر ہو نا؟" اس کے غیر متوقع سوال پر فجر نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"آہ! تبھی میں کہوں ایسی بہکی بہکی باتیں کیوں کر رہی ہو۔ سونیا سلطان اپنے ڈیزائنرز کو سستے نشے کرواتی ہے۔" اس نے پھر سے زہر اگلا اور فجر کے اندر پھیل گیا۔ اس نے ہونٹ بھینچ لیے۔ وہ کچھ سخت سست سنانا چاہتی تھی پر رئیس کی باتوں نے اسے گہری الجھن میں ڈال دیا۔

"جاؤ شاباش چائے ناشتہ لو، شاید تمہیں ہوش آئے۔" وہ اسے سلگا کر واپس پلٹا۔

"پاگل سمجھا ہے مجھے؟ مجھے اچھی طرح سے یاد ہے۔ یہ چھری اور آپ کی گردن سے نکلتا وہ خون بھی۔ یہ کھیل کیوں کھیل رہے ہیں؟ گردن دکھائیں اپنی۔" عقب سے ابھرتی اس کی دبی دبی سی آواز پر رئیس پھر سے رک گیا اور پھر پلٹ کر اسے دیکھا۔

"محترمہ میں زیوارت بناتا ہوں، پہنتا نہیں ہوں۔ لو دیکھ لو!" وہ قدم بڑھا کر آگے آیا اور ٹی شرٹ کا گول گلہ مزید نیچے کر کے دکھایا۔ فجر نے دیکھا اور ساکت رہ گئی۔ وہاں کوئی زخم نہیں تھا۔ چھری والا ہاتھ کانپ اٹھا۔ سر بری طرح گھوم گیا۔

"کیا ہوا؟ کھل گئی آنکھیں؟ ویسے میری گردن سے آبسیشن کیا ہے تمہیں؟ کبھی چھری رکھنے کے خواب دیکھتی ہو اور کبھی گردن دیکھنے خود آجاتی ہو؟" لہجہ استہزائیہ تھا۔

"مم۔۔ میں نے دیکھا تھا، آپ کی گردن پر۔۔۔" اس کی آواز دور کھائی سے آتی محسوس ہوئی۔

"شاید تمہاری **'ہیزل آنکھوں'** نے رات کے اندھیرے میں کوئی اور ہی منظر دیکھ لیا۔ کبھی کبھی چیزیں ویسی نہیں ہوتیں جیسی نظر آتی ہیں۔" وہ اس کی بات کاٹتے مسکرایا۔ ہاتھ سینے پر باندھ لیا۔ فجر سنبھل کر سیدھی ہوئی۔

"یہ میری آنکھوں کا کمال ہے کہ وہ چیزوں کو ویسا دیکھتی ہیں جیسی وہ **'ہیں'**، ویسی نہیں جیسی آپ انہیں دکھانا چاہتے ہیں۔ آپ وہاں تھے۔۔!" اس کا لہجہ تیز اور ضدی تھا۔ وہ اس کے وجود کو گہری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ وہی خوشبو، وہی آواز، وہی وجود، ہاں البتہ انداز بالکل بدلا ہوا تھا۔

رئیس نے اس کے چہرے کے تاثرات جو بغور دیکھا، اس کی آنکھوں کی چمک کو محسوس کیا، پھر ایک فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوا۔

"کسی کے باپ میں اتنی ہمت نہیں کہ رئیس اورنگزیب کی گردن پر چھری رکھ سکے۔ اب جاؤ اور اپنے دماغ کا علاج کراؤ!" وہ سرد لہجے میں کہتا پلٹ گیا۔ جبکہ فجر کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ جبڑے بھینچے وہ اس شخص کو جاتے دیکھ رہی تھی۔

اس کا دماغ ایک بار پھر الجھن کا شکار تھا۔ کیا واقعی اس نے خواب دیکھا تھا؟ لیکن وہ اتنا حقیقی کیسے ہو سکتا ہے؟ اور رئیس کا رویہ؟ وہ جانتی تھی کہ وہ جھوٹ بول رہا تھا، لیکن وہ ثابت کیسے کرے؟ ہیزل آنکھوں میں چیلنج اور بے یقینی کا ایک نیا طوفان برپا ہوتا دیکھائی دیا۔ وہ چھری واپس بیگ میں رکھتی، سیڑھیاں اترتی نیچے چلی آئی۔

ڈائننگ ہال میں پہنچتے ہی اسے ایک نیا جہان دکھائی دیا۔ پورے ہال میں کافی اور دیگر ملی جلی خوشبوئیں شامل تھیں۔ سامنے ہی سونیا نک سک سی تیار کھڑی تھیں۔ سیاہ ہائی ویسٹ پینٹ پر گہرے جامنی رنگ کا سلیولیس کروپ ریشمی ٹاپ پہنے ہوئے تھیں۔ وہ دو تین لوگوں کے گروہ میں تھیں اور وہ سب مسکرا کر باتیں کر رہے تھے۔ سب کے ہاتھوں میں فریش جوس تھا۔ سونیا کی نظر فجر پر پڑی اور انہوں نے اسے مسکراہٹ سے نوازہ۔ کندھے تک آتے بھورے بالوں کو کرل کیے، دونوں جانب ڈال رکھا تھا۔ ان کے گورے سڈول بازو نمایاں تھے۔ گلے میں قیمتی چین تھی اور کانوں میں ڈائمنڈ کے ٹاپس چم چم کر رہے تھے۔

وہ واقعی ایک بزنس وومن تھیں۔

"ہائی فجر!" اسے دیکھتے ہی ماریا نے اسے پکارہ۔ وہ مسکرا کر اس کی جانب بڑھی۔ ماریا اور جواد، دونوں ہی آرٹسٹک ڈائیریکٹر تھے اور دونوں منشاء صاحب کے اسسٹنٹ تھے۔ ایک آرٹسٹک ڈائریکٹر کسی فنکارانہ ادارے، تنظیم یا منصوبے کی تخلیقی وژن اور سمت کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ ان کا بنیادی کام ادارے یا منصوبے کے فنکارانہ معیار کو برقرار

رکھنا، اس کی منصوبہ بندی کرنا، اور اس بات کو یقینی بنانا ہے کہ تمام تخلیقی کام ایک مخصوص تھیم یا ہدف کے مطابق ہوں۔

اس کے علاوہ وہ مل کر فنکارانہ سرگرمیوں، نمائشوں، پرفارمنسز کو یقینی بناتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ فنکاروں، اداکار، مصنفین، کوریوگرافرز، اور ڈیزائنرز کا انتخاب کرتے تھے جو وژن کو حقیقت کا روپ دے سکیں اور آج کی ریہرسل انہی کے زیر نگرانی ہونے والی تھی۔ فجر کو پہلے پہل تو ان کے پکارنے پر حیرت ہوئی لیکن پھر وہ خود پر قابو پاتی ان کے قریب بیٹھ گئی۔ انتیس سالہ ماریا اور تیس سالہ جواد دونوں ذہین اور محنتی تھے۔

وہ نفاست سے ان کے قریب بیٹھ گئی۔ پورا میز مختلف قسم کے کروسان، پیسٹریز، پین کیک، آملیٹ اور فرنچ ٹوسٹ سے بھرا ہوا تھا۔ فریش جوس کا جگ بھی رکھا تھا۔ کھانا دیکھتے ہی فجر کی بھوک جاگ اٹھی۔

"آج ریہرسل ہے، ہم سوچ رہے تھے اگر تم فری ہو تو ہمارے ساتھ کام کرو، ایک اور ذہین دماغ ملے گا تو ہم اپنے کاسٹیومز کو اچھے سے پریزنٹ کر پائیں گے۔" جواد نے مدعے کی بات کی تو فجر نے مسکرا کر سر ہلایا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" ویسے بھی یہ بہت ضروری تھا اسے اپنے کاسٹیومز کو اپنے طریقے سے پریزنٹ کرنا تھا۔

"ٹھیک ہے تم ناشتہ کرو، ہمیں سب سے پہلے نکلنا ہے۔" ماریہ نے کہا تو فجر سر اثبات میں ہلا کر ناشتے کی طرف متوجہ ہو گئی۔۔

اگر ہم زینے چڑھ کر دوبارہ اوپر آئیں تو رئیس اپنے کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔ اس نے اندر داخل ہوتے دروازہ بند کیا۔ سامنے ہی عروزہ سنگل صوفے پر پالتی مارے بیٹھی تھی، لیپ ٹاپ اس کی گود میں رکھا تھا اور وہ کافی مصروف نظر آتی تھی۔

"کچھ ملا؟" رئیس نے سنجیدگی سے پوچھا۔ تھوڑی دیر پہلے والی بشاشت چہرے سے جا چکی تھی۔

"کوشش کر رہی ہوں۔ زیادہ چھیڑ چھاڑ نہیں کر سکتی ورنہ ہم پکڑے جائیں گے۔" اس نے نظریں اسکرین سے نہیں ہٹائیں۔ اس کی انگلیاں تیزی سے کی بورڈ پر پھسل رہی تھیں۔ جبکہ رئیس اب آئینے کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے ٹی شرٹ کا گلہ نیچے کیا اور شہہ رگ سے نیچے جلد پر انگلی رکھتے، ناخن کی مدد سے گردن پر چپکی وہ ربڑ کی چٹ کھینچ کر اتار دی۔ یہ دیکھنے میں بالکل جلد جیسی تھی اور اسکا رنگ رئیس کی رنگت سے میچ کھا رہا تھا۔ نیچے سے اسکا زخم نکل آیا۔

"کیا وہ مطمئن ہو گئی ہے؟" عروزہ نے بنا اس کی جانب دیکھے پوچھا۔ اس کی نظریں اسکرین پر تھیں پر وہ جانتی تھی رئیس اس وقت کیا کر رہا تھا۔

"وہ قیامت تک بھی مطمئن نہیں ہو گی۔" اس نے گہری سانس لیتے جواب دیا تھا۔

"اور ایسا کیوں ہے؟" عروزہ الجھی۔

ابھی وہ باہر کہہ کر آیا تھا کہ کسی کے باپ میں اس کی گردن پر چھری رکھنے کی ہمت نہیں، پر یہاں تو وہ اس لڑکی سے زخمی ہو چکا تھا جو عجیب و غریب تھی۔

"کیونکہ وہ منار کے جسم میں میری روح لے کر پیدا ہوئی ہے۔یوں لگتا ہے جیسے قدرت نے ہم دونوں کو جوڑ کر ایک وجود بنادیا ہو۔وہ اپنے ادارک پر چلتی ہے۔لوگ، جو اسے دکھانا چاہیں اس پر نہیں۔"اس سے پہلے وہ مزید کچھ کہتا عروزہ کی پرجوش سی آواز سنائی دی۔

"باس یہ دیکھیں!"عروزہ کے چہرے پر چمک ابھری۔وہ اسکرین پر چلنے والی ویڈیو کو کھلی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔رئیس چلتے ہوئے اس کے قریب آیا اور صوفے کے پیچھے کھڑے ہوتے اس کے ایک جانب جھکا۔اسکرین پر چلتی ویڈیو دونوں کو چونکانے کے لیے کافی تھی۔یہ اس راہداری کا کیمرہ تھا جس میں فجر کا کمرہ تھا اور یہ کل رات کی ویڈیو تھی۔

رات کے اس پہر سنسان راہداری میں کوئی عورت داخل ہوئی تھی۔کیمرہ سر پہ تھا۔وہ جو بھی تھی اس کے بال گھنے اور گھنگھریالے تھے۔سفید لباس جو کارپٹ کو چھو رہا تھا اس کے پیچھے پیچھے لپک رہا تھا۔اس کے راہداری میں داخل ہوتے ہی یوں لگا جیسے کیمرہ کے اوپر بڑی سی مکڑی چپک گئی ہو۔

ہاں وہ مکڑی ہی تھی۔اس کی بڑی بڑی ٹانگیں نظر آرہی تھیں۔کیمرہ چھپ گیا۔کچھ نظر نہ آیا آگے کیا ہوا اور پھر کچھ دیر بعد جب وہ واپس اسی جگہ پہنچی اور راہداری سے باہر قدم نکالا تو وہ مکڑی اچھل کر کیمرہ سے ہٹ گئی۔یہ منظر اتنا پراسرار تھا کہ وہ دونوں سانس روکے اسے دیکھے گئے۔

"یہ کیا تھا؟"عروزہ حیران نظر آرہی تھی۔جبکہ رئیس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔وہ آنکھیں چھوٹی کیے ریوائنڈ کر کے اسے بار بار دیکھ رہا تھا پر انہیں سراغ نہیں مل پایا۔پھر وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"اتنا ہوشیار کون سکتا ہے؟"اس کی آواز میں تشویش تھی۔

"وہ فجر کے کمرے تک گئی تھی۔ فجر اسی کے پیچھے کمرے سے باہر نکلی تھی۔"

"اب ہمیں کیا کرنا ہو گا؟" عروزہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ سینے پر ہاتھ باندھے وہ سنجیدہ تھی۔

"فجر کی سیکورٹی بہت ضروری ہے۔"

"لیکن باس۔۔۔" عروزہ نے کچھ کہنا۔

"فی الوقت اتنا ہی۔" رئیس نے اس کی بات کاٹ دی۔

"اوکے!" وہ فرمانبرداری سے کہتے کمرے سے باہر نکل گئی۔ اس کے جانے کے بعد رئیس نے رکا ہوا سانس بحال کیا اور آنکھیں میچ لیں۔

"میں مسیحاؤں پر یقین نہیں رکھتی۔۔" فجر کے الفاظ اس کی سماعت سے ٹکرائے۔ وہ کئی الجھنیں لیے وہیں کھڑا رہا۔ جبکہ وقت تیزی سے واپس زینوں کی طرف بھاگا۔

نیچے ڈائننگ ہال میں آئیں تو فجر اپنا ناشتہ مکمل کر چکی تھی پر سر بھاری ہو رہا تھا۔ چائے کی طلب! دیسی چائے کی طلب اسے ستا رہی تھی۔ اس نے نظریں ادھر ادھر گھمائیں اور تبھی اسے مراد عالم اپنی جانب آتا دکھائی دیا۔ ہاتھ میں فریش جوس کا گلاس تھامے اس کے چہرے پر خباثت بھری مسکراہٹ تھی۔ فجر اٹھ کھڑی ہوئی۔ پر اس سے پہلے کہ وہ وہاں سے فرار ہوتی، مراد نے اس کے سر پر پہنچتے، فرار کی راہیں مسدود کیں۔

"ہیلو احسان فراموش، خود پرست، فتنہ پرور عورت! کیسی ہو؟" اس نے ایسے انداز میں کہا کہ فجر کی آنکھوں میں پہلے حیرت پھر تپ ابھری۔

"ہیلو کم ظرف، خود غرض، تنگ نظر، ناشکرے آدمی! کہیے صبح صبح کیسے آنا ہوا؟" وہ سینے پر بازو باندھے اسی کے انداز میں بولی تو جوس کا گھونٹ بھرتے مراد کو اچھو لگا۔ خباثت بھری مسکراہٹ فوراً غائب ہو گئی۔ اسے ایسے جواب کی توقع نہیں تھی۔

"تم نے میرا بھروسہ توڑا، تم انتہائی مطلب پرست عورت ہو۔۔"

"اور آپ انتہائی چالباز! میں اچھے سے جانتی ہوں!" وہ آنکھیں گھماتے بولی تو مراد اس کے انداز پر بے ساختہ ہنس دیا۔

"کیا پلاننگ کر کے آئی ہو؟" اس نے رازدانہ انداز میں پوچھا۔

"کچھ بھی ہو جائے آپ کی ایک نہیں سنوں گی۔" دونوں ایک جیسے تھے۔

"اچھا۔۔" مراد نے اچھا کو لمبا کھینچا۔ سر کو ہلا کر ستائش دی۔

"دیکھ لیتے ہیں یہ بھی۔۔۔" اس کا انداز چیلنج کرنے والا تھا۔

"آپ کے دیکھتے دیکھتے یہاں تک پہنچ گئی مزید دیکھتے جائیں۔" کمال پر اعتمادی سے کہا گیا۔ مراد اندر سے سلگا پر چہرے سے مسکراہٹ دور نہیں ہوئی۔

"شاید یہ آخری پڑاؤ ہو۔" وہ پر اسرار انداز میں بولا۔

"ہاں شاید گرینڈ پیلس پہنچتے پہنچتے آپ کا ایکسڈنٹ ہو اور دھرتی سے آپ کا بوجھ اٹھ جائے۔" اس کا انداز اتنا جلا بھنا تھا کہ مراد اس بار مسکراہٹ نہیں چھپا پایا۔

"چائے پیو گی؟" اس بار وہ ذرا نرم لہجے میں بولا۔ جب سے پتا چلا تھا فجر معراج کا رئیس سے ایک تعلق تھا تب سے اس کی نگاہیں فجر پر مزید جم گئی تھیں۔ اس کی ایک ایک حرکت کو اسکین کرتی تھیں۔

"آپ پی لیں تیزاب ڈال کر لں!" صبح صبح ہی پہلے رئیس اور اب مراد! اس کے دن کے آغاز ہی برا ہوا تھا۔

"نہیں میں صرف فریش جوسش لیتا ہوں، ٹھنڈا ٹھنڈا کول کول!" وہ مسکرا کر کہتا، جیسے آیا تھا ویسے ہی واپس چلا گیا جبکہ فجر اس کے جانے پر شکر ادا کرتی ہوٹل سے باہر نکل آئی۔ اس کا ارادہ کچھ تصویریں بنانے کا تھا۔

ہوٹل لی پیرسس کے باہر، بلیوارڈ ڈی گرینیل پر صبح کے وقت ایک متحرک مگر منظم گہما گہمی تھی۔ یہ ایک ایسا علاقہ ہے جہاں مقامی زندگی اور سیاحت کا امتزاج پایا جاتا ہے۔ فٹ پاتھ پر لوگ چہل قدمی کر رہے تھے، کچھ اپنے دن کے آغاز کے لیے کافی یا ناشتے کی تلاش میں تھے، اور کچھ قریبی میٹرو اسٹیشن کی طرف بڑھتے نظر آ رہے تھے۔ جو شہر کے دیگر حصوں تک آسان رسائی فراہم کرتے ہیں۔

سیاحوں کی ایک مناسب تعداد اس وقت ہوٹل کے آس پاس موجود تھی۔ کچھ ہوٹل سے باہر نکل کر دن بھر کی سیاحت کا آغاز کر رہے تھے، جبکہ دیگر شاید ابھی ناشتہ کر کے باہر کے ماحول کو دیکھ رہے تھے۔ ہوٹل کے قریب، پیرس کی مخصوص بیکریاں (boulangeries)، کیفے اور چھوٹی دکانیں نظر آ رہی تھیں، جہاں سے تازہ روٹی، پیسٹری اور دیگر اشیاء کی خوشبو آ رہی تھی۔ فجر اس سب کو اپنے موبائل میں قید کر رہی تھی۔

ستمبر کی صبح دس بجے، ہوٹل لی پیرسس کے باہر کا منظر ایک خوشگوار اور مصروف شہر کا منظر پیش کر رہا تھا، جہاں پیرس کی روزمرہ زندگی سیاحوں کی آمد کے ساتھ گھل مل گئی تھی۔ سورج کی روشنی، متحرک ماحول اور قریبی مشہور Mounuments کی موجودگی اس منظر کو مزید دلکش بنا رہی تھی۔

اچانک، فجر کی نظر ایک جوڑے پر پڑی۔ وہ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے، قریب ہی ایک کیفے سے نکل کر ہنستے ہوئے گزرے۔ ان کی آنکھوں میں محبت کی چمک اور ایک دوسرے کے لیے مکمل بے فکری تھی۔ انہیں دیکھ کر فجر کے دل میں ایک تیز لہر اٹھی۔ ایک جانی پہچانی ٹھیس۔ بے اختیار اس کا ہاتھ رکا، موبائل نیچے ہو گیا۔ پیرس کی یہ سڑک، یہ ماحول، سب ایک دم ماضی کے دریچے میں کھل گیا۔

اسے ارسل یاد آیا۔ اس کی پہلی چاہت۔ وہ لمحہ یاد آیا جب اس نے پہلی بار ارسل سے پیرس فیشن ویک دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تھی

"تم شادی کے بعد کہاں جانا چاہتی ہو؟" وہ سنجیدہ سا پوچھ رہا تھا۔

"مجھے زندگی میں ایک بار پیرس فیشن شو دیکھنا ہے۔"

"بس اتنی سی خواہش؟ ضرور جائیں گے۔"

کتنی معصومیت تھی اس خواہش میں، کتنا یقین تھا ارسل کے وعدے پر۔ فجر کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ ابھری۔ وہ وعدہ جو کبھی وفا نہ ہوا۔ ارسل نے کسی اور کا ہاتھ تھام لیا، کسی اور کے ساتھ زندگی کے سفر پر نکل گیا۔ اور فجر؟ وہ تنہا رہ گئی۔ اس نے ہمت نہیں ہاری، خود کو سنبھالا، اپنی پوری توجہ اپنے کام پر لگا دی۔ وہ آج پیرس میں تھی، ایک کامیاب فیشن ڈیزائنر کے طور پر، اپنی محنت اور قابلیت کے بل بوتے پر۔ اس نے اپنا خواب خود پورا کیا تھا۔

مگر اس جوڑے کو دیکھ کر، آج پیرس کی اس سڑک پر کھڑے ہو کر، وہ سارا درد، وہ دھوکہ، وہ تنہائی ایک بار پھر تازہ ہو گئی۔ اس کی ہیزل رنگ کی آنکھیں، جن میں ہمیشہ ایک عجیب سی تپش، ایک آگ سی دہکتی رہتی تھی، اس وقت

جیسے اندر ہی اندر سلگ رہی تھیں۔ ان میں پیرس کی صبح کی نرم روشنی منعکس ہو رہی تھی، مگر ان کی گہرائیوں میں ماضی کی یادوں کا الاؤ روشن تھا۔ شاید چند آنسو تھے جو پلکوں کی حد تک آئے مگر غرور یا ضبط نے انہیں باہر چھلکنے نہ دیا۔ ان جلتی آنکھوں میں کامیابی کی چمک بھی تھی، مگر اس چمک کے پیچھے چھپا درد، وہ پرانا زخم، آج پہلے سے زیادہ نمایاں محسوس ہو رہا تھا۔

"ہاں ہم لوگوں کو بھول جاتے ہیں پر ان کی یادوں کو نہیں۔"

ایک خواب دیکھا تھا اس نے۔ ایک عام سا خواب جو ہر لڑکی دیکھتی ہے۔ وہ بلقیس کے بیٹے کے برے سایوں سے دور ارسل کے ساتھ ایک خوشگوار اور نارمل زندگی جینا چاہتی تھی۔ ایک نان ٹاکسک فیملی، جہاں سبھی ہنسی خوشی رہتے ہوں۔ وہ اچھی ماں بنتی۔ اپنے بچوں کو وہ سارا پیار دیتی جو اسے نہیں ملا تھا۔ وہ اور ارسل اور ان کی چھوٹی سی فیملی۔۔۔۔ آہ! کاش! کاش وہ وفادار ہوتا۔

وہ بد دعائیں نہیں دیتی تھی لیکن اس پل اسے محسوس ہوا تھا کہ ہر وہ لمحہ، دن، رات، ہر وہ درد اور اذیت جو اس نے کاٹی تھی، ارسل برہان گردیزی اسے ضرور جیے گا۔

اس نے ایک لمبی، گہری سانس لی، پیرس کی ٹھنڈی ہوا کو اپنے اندر اتارا، جیسے خود کو یاد دلا رہی ہو کہ وہ اب وہ پرانی فجر نہیں رہی۔ وہ مضبوط ہے، کامیاب ہے۔ مگر دل کے کسی کونے میں ارسل کے خاندان کی طرف سے ملی دھتکار ابھی باقی تھی۔ یہ شہر، یہ کامیابی، سب حاصل تھا، مگر وہ ساتھ نہیں تھا جس کے ساتھ اس سب کا خواب دیکھا تھا۔ اس کی جلتی ہوئی ہیزل آنکھوں میں پیرس کی خوبصورتی کے ساتھ ساتھ ایک ادھورے خواب کا دھواں بھی شامل تھا۔ اس نے تڑپ کر رخ بدلا اور پھر وقت جیسے ایک بار مزید رک گیا۔ سامنے ہی ایک لڑکا کھڑا تھا۔ ہاتھ میں کیمرہ تھامے وہ پوری توجہ سے آس پاس کی تصویریں کھینچ رہا تھا۔ پورا پیرس، کتھئی رنگوں سے سج گیا۔

"میں ولیم جوزف تمہارے لیے آؤں گا۔" ایک اور جانی پہچانی آواز سماعت سے ٹکرائی۔

"ولیم مرچکا ہے۔" فجر کو سانس سینے میں رکتا محسوس ہوا۔ سب ساکت ہو چکا تھا۔ دل رک چکا تھا۔ پتا نہیں کیوں؟ آخر مرد وفا کیوں نہیں کرتے؟ ہیزل آنکھوں کی جلن بڑھتی چلی گئی۔ وہ جانے کتنی دیر اسی ٹرانس میں رہتی پر قریب سے ابھرتی آوازاسے واپس کھینچ لائی۔

"فجر۔۔؟ فجر۔۔؟" ماریا اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے اسے پکار رہی تھی۔ وہ چونک کر حواسوں میں لوٹی۔ آنکھیں پھاڑ کر ماریا کو دیکھا۔

"تم ٹھیک ہو؟" ماریا اسے دیکھ کر الجھی۔

"ہاں میں ٹھیک ہوں۔" چشمہ بالوں سے اتار کر آنکھوں پر سجالیا۔ اس کا چشمہ جو دھوپ میں آٹو میٹک سن گلاسز میں بدل جاتا تھا، اس کے پیچھے فجر کی آنکھیں چھپ گئی تھیں۔

"لیٹس گو، ہمیں نکلنا ہے۔" وہ اسے اطلاع دے کر آگے بڑھی تو فجر نے بھی گہرا سانس لے کر اس کی پیروی کی۔ کچھ یادیں دل میں لگے تیروں کی مانند چبھتی رہتی ہیں۔ ان سے پیچھا چھڑانا اتنا آسان نہیں ہوتا۔

✿••✿••✿••✿

گاڑی گرینڈ پیلس کے سامنے جا کر رکی اور فجر نے سر اٹھا کر دیکھا، اس کی آنکھوں میں تحیر ابھرا، پیرس میں واقع گرینڈ پیلس (Grand Palais) فرانسیسی فن اور فن تعمیر کا ایک شاندار نمونہ ہے۔ یہ عمارت اپنی خوبصورتی اور تاریخی اہمیت کی وجہ سے دنیا بھر میں مشہور ہے۔

گرینڈ پیلس باہر سے ایک عظیم الشان اور متاثر کن ڈھانچہ ہے۔ اس کی تعمیر 1900 کی عالمی نمائش کے لیے کی گئی تھی اور یہ بیوکس آرٹس (Beaux-Arts) طرز تعمیر کا شاہکار ہے۔ اس کے بیرونی حصے میں پتھر کے بڑے بڑے ستون، مجسمے اور خوبصورت نقش و نگار شامل ہیں۔ عمارت کا سب سے نمایاں حصہ اس کی شیشے کی چھت (N ہے، جو لوہے اور اسٹیل کے فریم پر مشتمل ہے اور یورپ میں اپنی نوعیت کی سب سے بڑی چھتوں میں سے ایک ہے۔ یہ چھت دن کی روشنی کو اندر آنے دیتی ہے، جس سے اندرونی حصے روشن اور ہوادار محسوس ہوتے ہیں۔

اندر سے، گرینڈ پیلس ایک وسیع و عریض ہال کی طرح ہے جس میں اونچی چھتیں اور تفصیلی لوہے کا کام ہے۔ مرکزی حصہ، جسے Nave کہا جاتا ہے، مختلف نمائشوں اور ایونٹس کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ عمارت کے دیگر حصوں میں نیشنل گیلریز (National Galeries) شامل ہیں جہاں بڑی آرٹ نمائشیں منعقد ہوتی ہیں، اور Palais de la Découverte ہے، جو ایک سائنس میوزیم ہے۔ اندرونی حصے میں خوبصورت سیڑھیاں، موزیک فرش اور دیگر آرائشی عناصر موجود ہیں جو اس کی عظمت میں اضافہ کرتے ہیں۔ حالیہ برسوں میں اس کی بڑے پیمانے پر تزئین و آرائش ہوئی ہے تاکہ اسے جدید ایونٹس کے لیے تیار کیا جاسکے اور اس کی اصل خوبصورتی کو بحال کیا جاسکے۔

وہ سب گاڑی سے باہر نکل آئے اور گردن پیچھے گرائے اس خوبصورت عمارت کو دیکھ رہے تھے۔ مقامی نمائندے کی موجودگی میں وہ سب پیلس کے اندر داخل ہوگئے۔ کچھ ٹیمیں پہلے سے موجود تھیں۔ کچھ دیر گھوم پھر کر دیکھنے کے بعد وہ سب اپنے کاموں میں مشغول ہوگئے۔ فجر خوش تھی۔ یہ کام اس کا من پسند تھا اور وہ تب تک خوش رہی تھی جب تک مراد عالم، شام میں، وہاں پہنچ نہیں گیا اور اس کے آتے ہی فجر کے لیے مشکلات بڑھ گئیں۔ یہ شام

کے وقت کا منظر تھا۔ جب، گرینڈ پیلس ہال کا وسیع و عریض اندرونی منظر۔ اونچی چھتیں، جھومر کی مدھم روشنی جو ہال میں بکھرے ہوئے عارضی اسٹیج سیٹ اپ اور ملبوسات کے ریک پر پڑ رہی تھی۔ ہوا میں پرفیوم، تازی سلائی ہوئی پوشاکوں اور تھوڑی سی گھبراہٹ کی ملی جلی بو رچی تھی۔ اسٹیج پر چند ماڈلز سست روی سے چہل قدمی کی مشق کر رہی ہیں، جبکہ عملہ آخری لمحات کی تیاریاں کر رہا ہے۔ ایک طرف کپڑوں کے ریک پر فجر کے ساتھ ساتھ باقی ڈیزائنرز کے تخلیق کردہ شاندار کاسٹیومز سجے تھے، جو رنگوں اور بناوٹوں کا ایک خوبصورت امتزاج پیش کر رہے تھے۔ دوسری طرف ایک میز پر ایک مشہور جیولری برانڈ کے چمکدار زیورات کے ڈبے احتیاط سے رکھے تھے۔ اس کے علاوہ، ڈھیر سارے بیگز کی کلیکشن اور نہ جانے کیا کیا رکھا تھا۔

فجر، جو خود ایک آرٹ کا نمونہ لگ رہی تھی، اپنے ایک خاص کاسٹیوم کو بغور دیکھ رہی تھی، اس کی نظریں ڈیزائن کی نزاکتوں میں کھوئی ہوئی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں تخلیق کی چمک اور ساتھ ہی کچھ فکرمندی جھلک رہی تھی۔

آرٹسٹک ڈائریکٹر، منشاء صاحب، جو پراعتماد اور کسی قدر تیز مزاج دکھائی دے رہے تھے، وہ فجر کی طرف بڑھتے دکھائی دیے۔ ان کے ساتھ ہی اسپانسر برانڈ کا نمائندہ، مراد عالم، تھا جو کچھ دیر قبل ان سے محو گفتگو نظر آ رہا تھا، اور اب چہرے پر تجارتی چمک اور ایک خاص قسم کا اطمینان تھا۔ آنکھوں کی چمک فجر کو چڑانے کے لیے کافی تھی۔

منشاء صاحب فجر کے قریب آتے ہوئے، مسکرا کر بولے۔

"واہ فجر! تمہارا کام لاجواب ہے۔ یہ کاسٹیومز صرف کپڑے نہیں، فن پارے لگ رہے ہیں۔" ان کے لہجے کی خوش آمد کی بو فجر کو یہاں تک محسوس ہوئی۔

فجر نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"شکریہ سر! میں نے ان میں اپنی روح ڈالی ہے۔" وہ ہاتھ میں بڑی سی نوٹ بک تھامے کھڑی تھی۔ پنسل بالوں میں اٹکا رکھی تھی۔ مراد عالم کی نظریں، اسے بغاوت کے طرف مائل کر رہی تھیں۔

"بالکل! اور اب ان روح پرور کاسٹیومز کو چار چاند لگانے کا وقت ہے۔ مراد عالم یہاں موجود ہیں، اور ان کے برانڈ کی جیولری ہمارے شو کی ایک اہم اسپانسر ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ماڈلز تمہارے ڈیزائن کردہ ملبوسات کے ساتھ ان کے خوبصورت زیورات بھی پہنیں۔ یہ ڈیل کا حصہ ہے۔" وہ جیولری کی میز کی جانب اشارہ کرتے بولے۔ ادھیڑ عمر منشاء صاحب، فجر کو یہ بات کرتے ہوئے زہر لگے۔ اس کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں سختی اتر آئی۔

"جیولری؟ ان کاسٹیومز کے ساتھ؟ نہیں، سر۔ یہ ممکن نہیں۔" اس کا لہجہ ٹھوس تھا۔

"کیا مطلب ممکن نہیں؟ فجر، یہ شو کا حصہ ہے! اسپانسر شپ اسی پر منحصر ہے۔ اور ویسے بھی، یہ زیورات ان ملبوسات کی خوبصورتی کو نکھاریں گے۔" منشاء صاحب نے لہجے میں دبی دبی ناراضی تھی۔

"سر، یہ ملبوسات مکمل ہیں۔ انہیں کسی نکھار کی ضرورت نہیں۔ میں نے ہر دھاگے، ہر نگ، ہر کٹ میں ایک کہانی، ایک احساس بُنا ہے۔ یہ کاسٹیومز خود بولتے ہیں۔ ان کی ایک خاموش زبان ہے جو دیکھنے والے سے براہ راست مخاطب ہوتی ہے۔" اس نے لہجے کو نرم رکھنے کی کوشش کی۔ اس کی آواز میں عزم تھا۔ مراد عالم نے ٹانگ اڑانی ضروری سمجھی۔ اسی لیے تو آیا تھا۔

"محترمہ فجر! ہم آپ کے فن کی قدر کرتے ہیں۔ لیکن یہ فیشن شو صرف آرٹ کی نمائش نہیں، ایک تجارتی پلیٹ فارم بھی ہے۔ ہمارے زیورات بین الاقوامی سطح پر تسلیم شدہ ہیں۔ ان کی چمک، ان کی نزاکت آپ کے خوبصورت کام کو ایک نیا رُخ دے گی۔ یہ مکمل منظر نامے کو بلند کرے گا۔ سوچیں، اسٹیج پر جب ماڈل چلے گی، آپ کا شاہکار

لباس اور اس پر ہمارے چمکتے ہیرے، یہ ایک طلسماتی امتزاج ہو گا۔" اس کا انداز کاروباری جبکہ آنکھیں جتاتی ہوئی تھیں۔

"طلسماتی یا چکاچوند؟" اس کی ہیزل آنکھیں زخمی ہوئیں۔

"مراد صاحب! یہی تو میں نہیں چاہتی۔ میں نہیں چاہتی کہ میرے کاسٹیومز کی روح اس جیولری کی چکاچوند میں گُم ہو جائے۔ میں چاہتی ہوں جب لوگ میرے ڈیزائن کو دیکھیں تو وہ لباس کی گہرائی کو محسوس کریں۔ ان کے رنگ، ان کی بناوٹ، ان کا بہاؤ، ان میں چھپی داستان! میں چاہتی ہوں وہ لباس میں ڈوبی اس روح کو محسوس کریں، نہ کہ آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی چمک پر اٹک جائیں۔ جیولری، خاص طور پر اتنی نمایاں جیولری، توجہ کو لباس سے ہٹا کر خود پر مرکوز کر لے گی۔ یہ میرے فن کی توہین ہو گی!" اسکا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ اس کی ہٹ دھرمی پر منشاء صاحب برہم نظر آئے۔

"مس فجر! تم بات کو سمجھ کیوں نہیں رہیں؟ یہ صرف تمہارے فن کی بات نہیں! یہ ایک بڑا ایونٹ ہے، اس میں بہت سے عوامل شامل ہیں۔ اسپانسرشپ کے بغیر یہ شو ممکن نہیں۔ اور اسپانسر اپنی پروڈکٹ دکھانا چاہتے ہیں۔ یہ منطقی ہے۔ زیورات ہمیشہ سے فیشن کا حصہ رہے ہیں۔ وہ لباس کو مکمل کرتے ہیں۔" ان کا بس نہیں چل رہا فجر کا گلہ دبا دیں۔

"مکمل کرتے ہیں؟ میرے لیے یہ چیزوں کا اضافہ نہیں، چیزوں کو چھپانا ہے۔ میرا لباس خود ایک کہانی ہے۔ زیور اس کہانی پر ایک چمکدار پردہ ڈال دیں گے۔ میں نے یہ محنت اس لیے نہیں کی کہ میری تخلیق پس منظر میں چلی جائے اور زیورات پیش منظر بن جائیں۔ میرا فن چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ اسے صرف خود میں دیکھا جائے۔ اسے کسی

سہارے کی ضرورت نہیں۔ اس کی اپنی ایک عظمت ہے۔" وہ بھی اپنی بات پر اڑی رہی۔ وہ اپنے کاسٹیومز کو بھاری جیولری کے ساتھ پیش نہیں کرنا چاہتی تھی اور یہ پہلے سے طے تھا۔ اب آخر عین موقع پہ آکر یہ سب کیوں؟

"محترمہ فجر؟" مراد عالم نے کمینگی چھپاتے اسے پکارہ۔ "آپ جذباتی ہو رہی ہیں۔ ذرا عملی طور پر سوچیں۔ ہمارے برانڈ کا نام آپ کے کام کے ساتھ جڑے گا، یہ آپ کے لیے بھی اچھا ہو گا۔ اور رہی بات چھپانے کی، تو اچھے زیورات لباس کو چھپاتے نہیں، بلکہ اس کے بہترین پہلوؤں کو نمایاں کرتے ہیں۔ ایک خوبصورت ہار گردن کی نزاکت کو اجاگر کر سکتا ہے، جھمکے چہرے کی خوبصورتی میں اضافہ کر سکتے ہیں۔ یہ مل کر ایک مکمل **'لُک'** بناتے ہیں، جسے فیشن کی دنیا میں **'سیر ٹوریل ہارمنی'** کہتے ہیں۔"

"سیر ٹوریل ہارمنی؟" فجر تلخی سے ہنسی۔ "یا صرف توجہ بانٹنا؟ میں نے اپنے کاسٹیومز میں جو نزاکت، جو گہرائی پیدا کی ہے، وہ کسی چمکدار پتھر کی محتاج نہیں۔ میرے کام کی نزاکت اس کے توازن میں ہے، اس کی سادگی اور اس کی ساخت میں ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ ماڈل جب واک کرے تو لوگ کہیں **'واہ! کیا شاندار ہار ہے!'** میں چاہتی ہوں وہ کہیں **'اوہ! یہ لباس کتنا خوبصورت ہے، اس کی کیا کہانی ہے؟'**" وہ مراد سے ہار جائے یہ ممکن ہی نہیں۔

"فجر بس کرو! تمہاری یہ ہٹ دھرمی ناقابلِ برداشت ہوتی جا رہی ہے۔ یہ تمہارا ذاتی پروجیکٹ نہیں، یہ ایک پروفیشنل شو ہے۔ یہاں سمجھوتے کرنے پڑتے ہیں۔ اسپانسر شپ واپس چلی گئی تو یہ شو نہیں ہو گا۔ کیا تم یہ چاہتی ہو؟ تمہاری ساری محنت ضائع ہو جائے؟" منشاء صاحب برہم ہوتے چلائے۔ پورے ہال میں خاموشی چھا گئی۔ فجر کی آنکھوں میں سرخی ابھری مگر آواز میں لرزش نہیں آنے دی۔

"محنت ضائع ہو جائے گی اگر میرے کام کو اس کی اصل روح کے بغیر پیش کیا گیا۔ میرے لیے یہ کام، یہ کاسٹیومز میری روح کا حصہ ہیں۔ انہیں ان کی اصل صورت میں دیکھنا ہی میری کامیابی ہے۔ اگر انہیں جیولری کی چکاچوند تلے دبانا ہے، تو بہتر ہے کہ انہیں پیش ہی نہ کیا جائے۔" وہ گردن اکڑا کر بولی۔ جھکنا تو اس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔

ایک لمحے کو ہال میں خاموشی چھا گئی۔ منشاء صاحب اور مراد عالم، فجر کے چہرے پر نظر آنے والے غیر متزلزل عزم کو دیکھتے رہے۔ فجر کسی مورت کی طرح اپنی بات پر قائم رہی اس کے ارد گرد اس کے تخلیق کردہ ملبوسات خاموشی سے لٹک رہے تھے، گویا اس کی بات کی گواہی دے رہے ہوں۔ ماحول میں تناؤ بڑھ گیا۔ یہ صرف کپڑے اور زیورات کا معاملہ نہیں رہا، یہ آرٹسٹ کی تخلیقی آزادی اور تجارتی دنیا کی حقیقتوں کے درمیان ایک سرد جنگ کا منظر بن چکا تھا۔ تبھی سونیا سلطان ہال میں داخل ہوئیں۔ وہاں ناچتی خاموشی کو دیکھ کر انہوں نے حیرانی سے پوچھا۔

"کیا سب ٹھیک ہے؟" پھر ان کی نظر ایک جانب کھڑے، منشاء صاحب، مراد عالم جبکہ دوسری جانب کھڑی فجر پر پڑی۔ پل بھر کے اندر انہیں ساری کہانی سمجھ آ گئی۔ ہال میں ناچتی خاموشی میں سونیا سلطان کی ہیل کی ٹک ٹک سنائی دی۔ وہ ان تک پہنچ چکی تھیں۔

"کوئی مسئلہ ہے؟" انہوں نے براہ راست فجر سے پوچھا جو قہر بھری نظروں سے مراد عالم کو گھور رہی تھی۔

"یہ آپ ان سے پوچھ لیں۔ میں اسی وقت، اس اسپانسر شپ سے پیچھے ہٹتی ہوں۔ میرے کاسٹیومز اس شو کا حصہ نہیں بنیں گے۔"

وہ اپنا فیصلہ سناتی، تیز تیز چلتی وہاں سے نکل گئی جبکہ پیچھے مراد عالم، شعلے باز نظروں سے اسے گھور کر رہ گیا۔ ماریا اور جواد قریب ہی کھڑے تماشہ دیکھ رہے تھے۔

"فجر کا رویہ نہایت نان پروفیشنل ہے۔ وہ اپنے کاسٹیومز کو جیولری کے بنا پریزنٹ کرنا چاہتی ہے جبکہ۔۔۔" منشاء صاحب نے دبے دبے غصے سے کہا۔

"نو شی از ناٹ!" سونیا سلطان نے رعونت سے گردن موڑ کر انہیں دیکھا، جو مراد عالم کے ساتھ مل کر اپنا فائدہ سوچ رہے تھے۔ رئیس گروپ کے سامنے اپنے نمبرز بنانا چاہتے تھے۔

"یہ بات پہلے سے طے ہے کہ اس کے کاسٹیومز کسی دوسرے برانڈ کی چیزوں کے ساتھ نمائش کے لیے نہیں رکھے جائیں گے۔ وہ حق پر ہے۔" منشاء صاحب پر منوں پانی گر گیا جبکہ مراد عالم لب بھینچ کر رہ گیا۔ اس سے بدلے کا یہ موقع بھی ہاتھ سے جاتا دکھائی دے رہا تھا۔

"میرے خیال سے اس بات کو مزید کھینچنا بے وقوفی ہو گی۔ ہے نا مراد صاحب؟" سونیا نے جس ادا سے مراد کا نام پکارہ اسکا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ بس مسکرا کر رہ گیا۔ سونیا نے چاروں جانب ساکت ہوئے لوگوں کو دیکھا۔

"کام جاری رکھیں!" اس نے اونچی آواز میں حکم دیا۔ سارے پتلوں میں جان پڑ گئی۔ وہ واپس کام پر لگ گئے جبکہ فجر وہاں سے غائب ہو چکی تھی۔

✿••✿••✿••✿

رات نے پیرس کو اپنی مخملی چادر میں لپیٹ لیا تھا۔ آسمان پر ستاروں کی بجائے، نیچے دریائے سین پر ہزاروں لاکھوں روشنیاں بکھری ہوئی تھیں۔ یہ روشنیاں کسی جادوئی آبگینے کی طرح پانی کی سطح پر لرز رہی تھیں، کبھی سنہری لکیریں بنتیں، کبھی روپہلی قوس قزح، اور کبھی مدھم ارتعاش پیدا کرتیں۔

دریا خاموشی سے بہہ رہا تھا، اس کی گہرائی میں صدیوں کے راز اور ان گنت کہانیاں پنہاں تھیں۔ کناروں پر لگی قدیم پتھر کی دیواریں، جن پر وقت نے اپنی داستانیں کندہ کر رکھی تھیں، رات کے سائے میں اور بھی پراسرار لگ رہی تھیں۔

فجر، دنیا و مافیا سے بے خبر، اس جادوئی منظر کے عین وسط میں، دریا کے بالکل کنارے اکیلی بیٹھی تھی، دریا کے قریب بنے سنگی بینچ پر، جہاں پانی کی نرم سرگوشیاں براہ راست سنائی دے رہی تھیں۔ رات کی خنکی اس کے چہرے کو چھو رہی تھی، ہوا میں رات کے پھولوں کی مہک اور دریا کی نمی گھلی ہوئی تھی۔ اس کا ذہن الجھا ہوا تھا اور مزاج بگڑا ہوا۔

"عام لوگوں کے لیے کتنا مشکل ہوتا ہے نا اپنی پہچان برقرار رکھنا؟" اس نے دریائے سین کو دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔ انداز دلگرفتہ تھا۔ اس کے سامنے، پانی کے پار، پیرس کا دل اپنی پوری آب و تاب سے روشن تھا۔ مشہور پل کسی روشن ہار کی طرح دریا پر جھکے ہوئے تھے، ہر پل کی اپنی منفرد بناوٹ اور روشنیاں تھیں۔ پونٹ نیوف کی قدیم شان ہو یا (Pont) پونٹ الیگزینڈر تھری کی عظیم الشان خوبصورتی، ہر پل ایک تصویری فریم لگ رہا تھا۔ دور، ایفل ٹاور ایک روشن مینار کی طرح کھڑا تھا، کبھی کبھار چمکتا ہوا، جیسے رات کی تاریکی میں رہنمائی کر رہا ہو۔ نوٹر ڈیم کا شاندار ہیولہ بھی نظر آ رہا تھا، اگرچہ ابھی اپنی مکمل آب و تاب میں نہیں، لیکن اس کی موجودگی منظر کو ایک تاریخی گہرائی دے رہی تھی۔

سڑکوں پر گاڑیوں کی آمد و رفت ایک دھیمی گونج کی صورت پس منظر میں موجود تھی، جو اس تنہائی کو شہر کی زندگی سے جوڑ رہی تھی۔ گاڑیوں کی سرخ اور سفید روشنیاں گزرتے ہوئے لمحوں کی نشاندہی کر رہی تھیں، لیکن دریا

کنارے کا سکون اس شور سے متاثر نہیں ہو رہا تھا۔ فجر بیٹھی رہی، اس کی نظریں پانی پر تیرتی روشنیوں پر تھیں، جیسے وہ ان میں کوئی کہانی پڑھ رہی ہو۔ اس کی آنکھوں میں تنہائی تھی یا گہرا سکون، یہ بتانا مشکل تھا۔

رات کے اس پہر، جب دریائے سین کا جادو اپنے عروج پر تھا، رئیس گاڑی میں، کوئس (Quays) کے ساتھ بنی سڑک پر محتاط ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ پیرس کی رات کی خاموشی میں صرف گاڑیوں کے ٹائروں کی دھیمی آواز اور دریا کی لہروں کی سرگوشیاں تھیں۔ اس کا رخ گرینڈ پیلس کی جانب تھا، اسے ریہرسل وزٹ کے لیے جانا تھا۔ عروزہ کال پر موجود تھی۔

"باس کہاں رہ گئے ہیں آپ؟"

"بس پہنچ رہا۔۔۔" اس کے باقی الفاظ لبوں میں ہی دم توڑ گئے۔

اچانک، اس کی نظر دریا کنارے، روشنیوں کے رقصاں عکسوں کے قریب، ایک اکیلی صورت پر پڑی۔ وہ فجر معراج تھی۔

"یہ یہاں؟ اس وقت؟" اس کے ذہن میں پہلا خیال بجلی کی طرح کوندھا۔ غصے اور پریشانی کی ایک لہر اس کے اندر دوڑ گئی۔

"وہ لٹل مس کہاں ہے؟" اس نے فون کی دوسری جانب موجود عروزہ سے سوال کیا۔ لوگوں کو نک ناموں سے نوازنا اسکا مشغلہ تھا۔

"فجر کا کیا ذکر؟" عروزہ سمجھ گئی تھی وہ اسی کا پوچھ رہا تھا۔

"میری بات کا جواب دو عروزہ!" لہجہ تنبیہہ تھا۔

عروزہ کی گہری سانس سنائی دی۔ ”شام میں مراد سے بحث کے بعد وہ واک آؤٹ کر گئی تھی۔“

رئیس نے بات سنتے ہی فون بند کر دیا۔

”مجھے نفرت ہے ہٹ دھرم اور ضدی لوگوں سے۔“ اس کی بے وقوفی پر اسے شدید افسوس ہوا۔ دنیا بھر کے خطرات سے بے خبر، یوں اکیلے بیٹھ جانا، کہاں کی عقلمندی تھی؟

رئیس نے گاڑی سڑک کے کنارے لگائی۔ انجن بند کرتے ہی رات کی خاموشی چھا گئی، سوائے دریا کی آواز کے۔ وہ گاڑی سے نکلا اور تیزی سے اس سمت بڑھا جہاں وہ بیٹھی تھی۔ جیسے جیسے وہ قریب آیا، اس چہرے کی شناخت واضح ہوتی گئی، اور اس کے دل میں ناپسندیدگی کی ایک لہر اٹھی جو کسی پرانے، بھرے زخم کی طرح تازہ تھی۔ وہ اسے دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔

جب وہ بالکل اس کے قریب پہنچا، تو فجر نے سر اٹھا کر دیکھا۔ رئیس کو اپنے سامنے پا کر اس کی آنکھوں میں حیرت کی جگہ فوراً ناگواری اور غصے نے لے لی۔ ایک لمحے کے لیے فضا میں سخت تناؤ چھا گیا۔

”یہ شخص تھا اس کی اس حالت کا ذمہ دار! ہاں یہی شخص!“ غصے کی لہر جسم میں پھیل گئی۔

”تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ اس وقت؟“ رئیس کی آواز میں سختی اور ناگواری تھی۔

”اب کس کی گردن پر چھری پھیرنی ہے؟“

فجر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ صرف ایک سرد، غصے بھری نظر اس پر ڈالی اور واپس دریا کی طرف منہ کر لیا، جیسے وہ وہاں موجود ہی نہ ہو۔

رئیس نے لمبا سانس لیا۔ یہ چہرہ اسے ناپسند تھا اور یہی چہرہ اس کی کمزوری تھا۔ رات اور صبح والے واقعہ کے بعد، فجر کو رئیس سے الجھن ہو رہی تھی۔ غصہ آ رہا تھا۔ وہ اسے پاگل کیوں ثابت کرنا چاہتا تھا؟ اسی بات نے اس کے لیے دل میں ناگواری پیدا کی تھی۔

مگر اس وقت، رئیس اپنی ذاتی ناگواری کو ایک طرف رکھنے پر مجبور تھا۔

"یہ وقت اکیلے بیٹھنے کا نہیں ہے لٹل مس آن مشن۔۔۔۔!" اس نے بات مکمل نہیں کی۔ وہ اسے یہ احساس دلانا نہیں چاہتا تھا کہ وہ کتنی غیر محفوظ ہے۔

"دہشت گرد نہیں ہوں میں، جو یہاں کے لوگ مجھے مار ڈالیں گے۔"

"ضروری نہیں جو دہشت گرد ہوں لوگ اسے ہی ماریں، ناؤ لیٹس گو!" اس نے فجر کو ساتھ چلنے کو کہا۔

"میں آپ پر بھی بھروسہ نہیں کرتی تو برائے مہربانی یہاں سے چلے جائیں۔"

"میں تمہیں یہاں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔" یہ کوئی التجا نہیں تھی، بلکہ ایک ٹھوس حقیقت اور اس کی ذمہ داری کا اقرار تھا۔ وہ اس کے عقب میں کھڑا تھا۔ جب وہ ٹس سے مس نہ ہوئی تو بغیر کسی مزید لفظ کے، اور اس کی سخت، ناپسندیدہ نظروں کو نظر انداز کرتے ہوئے، رئیس اس سے تھوڑے فاصلے پر، اسی دریا کے کنارے بیٹھ گیا۔

اب وہ دو لوگ تھے، جو اس پل ایک دوسرے کو شدید ناپسند کرتے تھے، پیرس کی جادوئی رات میں، دریائے سین کے کنارے ساتھ بیٹھے تھے۔ دریا کی روشنیاں اب بھی پانی پر رقص کر رہی تھیں، لیکن ان دونوں کے درمیان کی خاموشی اتنی بوجھل تھی کہ لگتا تھا جیسے ساری خوبصورتی ماند پڑ گئی ہو۔ ایک دوسرے کی موجودگی ان کے لیے

ناقابلِ برداشت تھی، لیکن نامعلوم خطرات کی نزاکت نے رئیس کو وہاں بیٹھنے پر مجبور کر دیا تھا، چاہے اسے یہ کتنا ہی ناگوار کیوں نہ گزرے۔ یہ خوبصورت منظر اب ان کی ناپسندیدگی اور مجبوری کا گواہ تھا۔

"لگتا ہے تمہیں اندھیرا پسند ہے۔ یہ تو کسی ایسے شخص کے لیے مناسب مشغلہ ہے جو روشنی میں اپنی خامیاں نہیں دیکھنا چاہتا۔" اس نے طنز کا تیر چلایا۔

"اور آپ، جنابِ جوہری؟ کیا اندھیرا آپ کو اپنی چمک دمک چھپانے کا موقع دیتا ہے، تاکہ کوئی آپ کی تخلیقات میں معمولی نقائص نہ پکڑ سکے؟" وہ کاٹ دار الفاظ میں بولی۔ اس کی بات پر وہ ہولے سے مسکرا دیا۔ طنزیہ مسکراہٹ!

"میری تخلیقات اتنی کامل ہیں کہ انہیں کسی اندھیرے کی ضرورت نہیں۔ لیکن تمہارے ملبوسات! انہیں تو کسی تاریک تھیٹر میں ہی جادو جگانے کا موقع ملتا ہے، جہاں ان کی عارضی خوبصورتی کو قریب سے نہ دیکھا جا سکے۔"

"عارضی؟ میرے ملبوسات کرداروں کو زندگی دیتے ہیں، کہانیاں سناتے ہیں۔ آپ کے قیمتی پتھر تو محض بے جان آرائش ہیں۔ ان میں روح کہاں ہے؟"

"روح؟ کیا تم یہ کہنا چاہتی ہو تمہارے کپڑوں میں جان ہوتی ہے؟ کیا وہ خود سے حرکت کرتے ہیں، اپنی کہانیاں خود سناتے ہیں؟ میری تخلیقات پہننے والے کو ایک نئی شناخت دیتی ہیں، ایک وقار بخشتی ہیں۔ تمہارے ملبوسات تو محض ایک خول ہیں۔"

انداز چڑانے والا تھا۔ وہ اسے جان بوجھ کر چڑا رہا تھا تاکہ مراد کے ساتھ جو بھی ہوا وہ اسے اندر نہ رکھے باہر اگل دے۔ اس کی بات سن کر فجر استہزائیہ ہنس دی۔

"وقار؟ آپ کا مطلب ہے دولت کی نمائش؟ آپ کے زیورات امیروں کے تکبر کو ظاہر کرتے ہیں، جبکہ میرے ملبوسات فنکاروں کے تخیل کی پرواز ہیں۔ ہم کردار بناتے ہیں، آپ صرف انہیں سجاتے ہیں۔"

"سجانا بھی ایک فن ہے، محترمہ! اور اگر تم کردار بناتی ہو، تو میں ان کرداروں کو ایک ایسی چمک دیتا ہوں جو انہیں ہمیشہ یاد رکھا جائے۔ تمہارا لباس ایک منظر تک محدود رہتا ہے، میرا زیور نسلوں تک منتقل ہوتا ہے۔" وہ تپانے والے انداز میں بولا۔

"نسلوں تک؟ کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ کی تخلیقات تاریخی اہمیت رکھتی ہیں؟ معاف کیجیے گا، لیکن تاریخ میں ملبوسات نے ہمیشہ اہم کردار ادا کیا ہے۔ آپ کے ہیرے اور زمرد تو محض شاہی خزانوں کی زینت رہے ہوں گے۔"

"تمہاری ذہانت قابلِ تعریف ہے، اگرچہ اس میں زہر ملا ہوا ہے۔"

یہ اس نے تعریف کی تھی یا کچھ اور؟ فجر نے الجھ کر اسے دیکھا جو ناک کی سیدھ میں دریا میں امڈتی روشنیوں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی پر رئیس اس سے پہلے ہی بول پڑا۔

"تم یہ بھول رہی ہو کہ ایک خوبصورت لباس بھی ایک خوبصورت زیور کے بغیر ادھورا ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے فن کو مکمل کرتے ہیں۔"

فجر نے سر جھٹک کر رخ موڑ لیا۔ رات کے اس پہر خنکی بڑھ گئی تھی۔ اسے سردی کا احساس ہوا تو دونوں بازو خود کے گرد لپیٹ لیے۔

"مجھے نہیں لگتا کہ ہمیں ایک دوسرے کی ضرورت ہے۔ میرا فن اپنے آپ میں مکمل ہے۔ مجھے کسی چمکدار پتھر کی ضرورت نہیں کہ وہ میری تخلیقات کو نمایاں کرے۔ وہ خود اپنی کہانی بیان کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔"

"کیا واقعی ایسا ہے؟ یا یہ صرف تمہاری خود پرستی ہے جو تمہیں کسی اور کے فن کی اہمیت تسلیم نہیں کرنے دیتی؟" اس نے رخ موڑ کر فجر کو دیکھا جو خود کے گرد اپنی بانہیں باندھے بیٹھی تھی۔

"مجھ سے یہ توقع مت رکھنا میں تمہیں اپنا کوٹ دوں گا۔"

"آپ جیسے طاقت کے بل پر جیتنے والوں کی خوشبوؤں سے بھی دور رہتی ہوں میں۔" وہ تڑخ کر اسی کے انداز میں بولی۔ رئیس نے لب بھینچ لیے۔ آج اسے احساس ہوا تھا لوگ اس سے ہار کر کیسا محسوس کرتے تھے۔ بالکل ویسا جیسا وہ اس وقت وہ فجر سے نہ جیت کر محسوس کر رہا تھا۔

"میرا یقین ہے کہ میرا فن مجھے مکمل کرتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے آپ اپنے قیمتی پتھروں کی ابدی قدر پر یقین رکھتے ہیں۔" وہ بنا پلکیں جھپکے سامنے دیکھ رہی تھی۔ اس کا چہرہ اس پہر جگمگا رہا تھا۔

"ہم دونوں اپنی اپنی تاریک دنیاؤں کے بادشاہ اور ملکہ ہیں۔ ایک اندھیرے میں چمک پیدا کرتا ہے، دوسرا اندھیرے میں کہانیاں بُنتا ہے۔"

"اسی لیے مجھے آپ زہر لگ رہے ہیں۔" وہ ناگواریت کا اظہار فوراً کر دیتی تھی۔

"اور شاید یہی وجہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کو اتنا ناپسند کر رہے ہیں۔ ہم ایک ہی طرح کے ہیں، لیکن مختلف طریقوں سے۔" ماحول کا تناؤ کم ہو گیا۔

"تو پیرس کی رات، سین کا کنارہ، اور یہ پراسرار تنہائی۔" رئیس نے کہا، اس کی آواز سپاٹ تھی۔

"مجھے شک تھا کہ تمہاری **'عظیم'** تخلیقات کی انسپیریشن شاید کسی قبرستان سے آتی ہے، مگر دریا کنارے؟ یہ نیا ہے۔ یا شاید یہاں بیٹھ کر تم سوچ رہی تھی کہ میرے **'عام سے'** زیورات تمہارے **'شاہکار'** کاسٹیومز کو کتنا خراب کریں گے؟"

وہ کم عمر لڑکا نہیں بلکہ پختہ عمر کا مرد تھا۔ فجر سے جھگڑ کر فائدہ نہیں تھا۔ اس لیے ماحول کو پر سکون کرنا چاہا۔

فجر نے سرد مہری سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں وہی ناپسندیدگی تھی جو رئیس نے توقع کی تھی۔

"میں یہاں بیٹھ کر یہی سوچ رہی ہوں کہ میرے کاسٹیومز کو آپ کے بھڑکیلے، توجہ ہٹانے والے زیورات کی ضرورت نہیں۔ وہ خود بولتے ہیں۔ انہیں کسی بیساکھی کی حاجت نہیں۔"

رئیس ہلکا سا مسکرایا، ایک تلخ مسکراہٹ۔

"اوہ، معذرت! میں بھول گیا تھا کہ میں یہاں **'فن کی دیوی'** کے سامنے بیٹھا ہوں۔" اس کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"مگر بدقسمتی سے، یہ فیشن شو تمہاری پرسنل آرٹ گیلری نہیں۔ یہ ایک بزنس ایونٹ ہے، جسے میں سپانسر کر رہا ہوں۔ اور میرے سپانسرشپ کا ایک چھوٹا سا حصہ یہ ہے کہ میرے زیورات ڈسپلے ہوں۔ میری ٹیم کا اصرار ہے، اور فرینکلی، یہ کوئی negotiable پوائنٹ نہیں تھا۔"

اسے سمجھ آ گیا تھا، مراد کی فجر سے بحث کیوں ہوئی تھی۔ ویسے تو اسکا ایسا کوئی پلان نہیں تھا۔ مراد نے اپنا فائدہ دیکھا تھا۔ پر اس کے ساتھ ساتھ وہ فجر کو نیچا دکھانا چاہتا تھا۔

فجر کی آنکھوں میں چنگاری بھڑکی۔ وہ سیدھی ہو کر بیٹھی۔

Non-r ؟"اس نے حیرت سے رئیس کو دیکھا۔ مزاج بگڑا ہوا تھا، چہرہ سرخ اور آنکھیں دیوں کی مانند روشن تھیں۔

"آپکی طاقت کی رعونت کی حد نہیں! میری محنت، میرا وژن، میرا شو، اور آپ چاہتے ہیں کہ میں صرف آپ کی تشہیر کے لیے اپنے فن کا گلا گھونٹ دوں؟ میرے کاسٹیومز جیولری کے ساتھ ڈیزائن نہیں کیے گئے۔ ان کا حسن ان کی سادگی اور کٹ میں ہے۔ آپ کے زیورات انہیں بالکل فٹ نہیں کریں گے۔"

"اوہ، فکر نہ کرو، فجر آرٹ!" رئیس نے جان بوجھ کر اس کے نام اور اس کے فنکارانہ انا کا مذاق اڑایا۔ "میرے زیورات اتنے ورسٹائل ہیں کہ تمہارے کسی بھی **'ان چھوئے'** ڈیزائن کے ساتھ چل جائیں گے۔ مسئلہ زیورات کا نہیں ہے، مسئلہ یہ ہے کہ یہ **'میرے'** ہیں۔ ہے نا؟ تمہیں میری کوئی بھی چیز برداشت نہیں۔ تبھی تم نے رئیس گروپ کو چھوڑ کر لکس کو چنا۔ کیا یہی وجہ تھی؟"

وہ بات کو کہاں سے کہاں لے گیا تھا۔ فجر نے تو یہاں تک سوچا ہی نہیں تھا۔ وہ اس کی پسند اور ناپسند کے زمرے میں آتا ہی نہیں تھا۔ وہ تو بہت اونچا تھا۔ وہ بلندیوں پر راج کرتا تھا۔ پھر وہ ایسے کیوں کہہ رہا تھا؟ سوال کئی زیادہ تھے۔ پر اس وقت فجر کو یہی سمجھ آیا کہ وہ اس کی بات کا اقرار کرے۔

"بالکل صحیح سمجھے!" فجر نے دوٹوک کہا۔ "آپ کی کوئی بھی چیز مجھے نہیں پسند کیونکہ ان کی چمک اندھا کر دینے والی ہے اور میں آپ کی مرضی اپنی تخلیقات پر مسلط نہیں ہونے دوں گی۔ اپنی اسپانسرشپ واپس لے لیں، میں کوئی اور راستہ ڈھونڈ لوں گی۔" اس کی آواز میں پختگی تھی۔ یہ سنجیدگی کا لمحہ تھا۔

رئیس کچھ دیر اسے دیکھتا رہا۔ اسے فجر کی یہ ضدی اور principles پر ڈٹے رہنے والی فطرت بالکل اپنے جیسی لگی، ہاں وہ منار کے روپ میں اس کی روح لے کر پیدا ہوئی تھی، شاید اسی لیے وہ اسے ناپسند بھی کرتا رہے، مگر دل کے کسی کونے میں ایک بدمزہ سی تعریف بھی تھی۔

"واؤ! اتنی بڑی اپورچونٹی ٹھکرا رہی ہو صرف اس لیے کہ تمہیں میری اندھا کر دینے والی چمک دار چیزیں پسند نہیں؟" اس نے سر ہلایا۔ "میری ٹیم سن کر پاگل ہو جائے گی۔ انہیں یقین نہیں آئے گا۔"

"آپ کی ٹیم آپ کی رعونت کی عادی ہو گی، میں نہیں ہوں۔" فجر نے پلٹ کر جواب دیا۔

"فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ یا تو میرا کام میری شرائط پر قبول کریں جو کہ طے شدہ ہے، یا مجھے نکال کر باقی ڈیزائنرز کو اسپانسر کریں جن کے فن پر آپ اپنی مرضی چلا سکیں۔"

دونوں کے درمیان ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔ فجر کی بات میں سنجیدگی اور چیلنج تھا۔ رئیس اٹھ کھڑا ہوا۔ مزید وہ اس بے وقوف لڑکی کے ساتھ بحث نہیں کر سکتا تھا یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کے ان دیکھے انجانے دشمن تھے پھر بھی اکیلے گھوم رہی تھی۔ اسے فرق نہیں پڑتا تھا اگر اس کی جیولری تین کا سٹیومز کے ساتھ ڈسپلے نہیں ہوتی۔ وہ یہاں اپنی جیولری کی ایگزیبیشن کے لیے نہیں آیا تھا۔ اس کے زیوارت، اسکا آرٹ دنیا بھر میں جانا جاتا تھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا مراد نے فجر کو زچ کرنے کے لیے یہ سب کیا تھا، پر اس وقت اسے فکر تھی کہ فجر صحیح سلامت ہوٹل پہنچ جائے۔

"صرف ایک شرط پر۔۔"

فجر نے رخ موڑے، گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ اپنی تمام تر وجاہت کے ساتھ کھڑا تھا۔ دریائے سین میں اسکا عکس نمایاں ہوا۔ لہروں نے شور مچا دیا۔

"تمہیں میرے ساتھ ابھی ہوٹل چلنا ہو گا۔"

فجر نے آنکھیں سکوڑ کر اسے دیکھا۔

"میں خود چلی جاؤں گی۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ماننے والے دن وہ پیدا ہی نہیں ہوئی تھی۔ گردن سے اسکارف کھول کر کانوں کے گرد لپیٹتی وہ اس کے پہلو سے نکلتے چلی گئی پر اگلے ہی لمحے وہ گرتے گرتے بچی جب رئیس نے ایک جھٹکے سے اس کا بازو کھینچا۔

"سنا نہیں تم نے میں نے کیا کہا؟" اس کی آنکھیں شعلے اگل رہی تھیں۔ وہ اس کے انتہائی قریب تھا۔ ایک پل کو اسے سمجھ نہ آیا کیا ہوا تھا اور پھر اگلے ہی پل اس کے پورے جسم میں شرارے دوڑ گئے۔

"چھوڑیں مجھے! ہمت کیسے ہوئی مجھے چھونے کی۔" فجر نے جھٹکے سے خود کو چھڑانے کی کوشش کی پر ناکام رہی۔ دریائے سین کے گرد گھومتی ہَوا سرگوشیاں کرنے لگی۔

"میں نے کہا چھوڑیں مجھے ورنہ چیخ چیخ کر پورا پیرس اکٹھا کر لوں گی۔" اس کا انداز ایسا تھا کہ رئیس کو احساس ہوا وہ اسے بازو سے پکڑے کھڑا تھا۔ فجر سے بعید نہیں تھا وہ جو کہہ رہی تھی ویسا کرتی بھی۔ وہ اس پر ایک فیصد بھی بھروسہ نہیں کر سکتا تھا۔

"میں نے کہا تھا نا غیر ضروری تصادم سے گریز کرو، جھگڑوں سے بچو، بلاوجہ کی ہٹ دھرمی سے کیا حاصل ہو گا؟"

یہ سنتے ہی فجر کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ یہ خوشبو، یہ آواز، یہ انداز، یہ طاقت، یہ احساس بالکل رات والا تھا۔ یعنی وہ خواب نہیں تھا۔ وہ کابوس کی دنیا نہیں اصل دنیا تھی۔ وہ سچ میں آیا تھا۔ پھر اسے بے وقوف بنانے کی کوشش کیوں کی؟

ہیزل آنکھوں میں زخمی پن ابھرا۔ اندر کہیں تکلیف پھیل گئی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا یہ سب لوگ اسکے ساتھ کیوں کھیل رہے تھے؟ کیوں؟ کون تھا اس کھیل کا ماسٹر مائنڈ؟ اس شکار کے پیچھے چھپا عنکبوت کون تھا؟

"میں نہ آپ کی ملازم ہوں نہ آپ کی رشتہ دار! مجھ پر رعب جھاڑنا بند کریں۔" اس نے پھر سے خود کو چھڑانے کی کوشش کی اس بار رئیس نے اسے چھوڑ دیا۔

"رشتہ دار؟" وہ کمر پر ہاتھ دھرتا استہزائیہ مسکرایا۔ ابھی تو وہ جانتی ہی نہیں تھی انکار شتہ کیا تھا۔ جانتی ہوتی تو دونوں اس وقت دریائے سین میں ڈبکیاں لگا رہے ہوتے کیونکہ نہ وہ خود بچتی نہ اسے چھوڑتی۔

"مجھے آج اپنے فیصلے پر خوشی ہے کہ میں نے رئیس گروپ کی بجائے لکس کو چنا! یہاں کے کم ظرف مرد، مجھ جیسے ٹیلنٹ کو ڈیزور نہیں کرتے۔" وہ ناگواریت سے کہتی، تیز تیز قدم اٹھاتے اس سے دور ہوتی چلی گئی۔

رئیس چہرے پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

واللہ وہ بس دکھتی منار جیسی تھی، وہ بالکل الٹ تھی اور یہ بات اسے مزید ناپسندیدہ بنا رہی تھی۔

✿••✿••✿••✿

سرخ عالمگیر حویلی کا وسیع و عریض لونگ روم اپنی تمام تر شان و شوکت اور گھٹن زدہ روایات کے بوجھ تلے دبا ہوا تھا۔ دیواروں پر آویزاں پرانی تصویریں جیسے ماضی کی کہانیاں سنا رہی تھیں، اور بھاری، نقشین فرنیچر بزرگوں کے

دبدبے کا خاموش اعلان تھا۔ کھڑکیوں سے چھن کر آتی دوپہر کی روشنی بھی اس کمرے کی سنجیدگی اور ٹھہراؤ کو کم کرنے میں ناکام تھی۔

ایک بڑے، مخملیں صوفے پر وجاہت عالمگیر، فلک کے والد، اپنے مخصوص سندھی انداز میں، ایک ٹانگ پر دوسری ٹانگ رکھے، کسی گہری سوچ میں گم، براجمان تھے۔ ان کے چہرے پر وقت کی لکیروں کے ساتھ ساتھ خاندان کی عزت اور روایات کی پاسداری کا غیر متزلزل عزم بھی عیاں تھا۔ ان کے سامنے، ذرا فاصلے پر، ایک چھوٹی نشست پر فلک سہمی ہوئی بیٹھی تھی، اس کی انگلیاں بے چینی سے آپس میں الجھی ہوئی تھیں۔ ہوا میں ایک ان کہی کشیدگی تیر رہی تھی۔ کچھ دن پہلے اس نے لاہور کی ایک بڑی یونیورسٹی میں ماسٹر کے لیے اپلائی کر دیا تھا۔ اس کا میرٹ لسٹ میں نام آچکا تھا۔ وہ لاہور جا کر پڑھنا چاہتی تھی اور وہ اپنی دوسری کتاب پر بھی کام کر رہی تھی اور اس کے لیے بھی بڑے شہر جانا تھا۔

"بابا سائیں!" فلک نے ہمت مجتمع کرتے ہوئے بالآخر خاموشی توڑی۔ اس کی آواز بمشکل نکلی، "میں۔۔۔ میں لاہور جانا چاہتی ہوں۔"

وجاہت عالمگیر نے صرف سر اٹھا کر اسے دیکھا، ان کی آنکھوں میں کوئی تاثر نہیں تھا، جیسے یہ کوئی ایسی بات ہو جس کا ذکر بھی گناہ ہو۔

فلک نے جلدی سے اپنی بات مکمل کی، "وہاں یونیورسٹی میں ماسٹرز کے لیے داخلہ مل رہا ہے، اور۔۔ اور ایک رائٹر کی حیثیت سے بھی، لاہور بڑا شہر ہے، مجھے نئے مواقع ملیں گے، سیکھنے کو ملے گا۔۔" اس کی آواز میں امید اور خوف کی ملی جلی لرزش تھی۔

اس سے پہلے کہ وجاہت عالمگیر کچھ کہتے، فخر، جو پاس ہی کھڑا تھا، آگے بڑھا۔

"ابا سائیں! فلک ٹھیک کہہ رہی ہے۔ ماشاء اللہ سے اس کی پہلی کتاب بھی آ گئی ہے۔ لاہور جائے گی تو اسے بہتر ماحول ملے گا، اپنی صلاحیتوں کو مزید نکھار سکے گی۔ پڑھائی بھی مکمل ہو جائے گی۔" فخر کے لہجے میں احترام تھا، مگر اپنی بہن کے لیے حمایت کا جذبہ بھی واضح تھا۔ حالانکہ وہ جانتا تھا ابا سائیں کبھی نہیں مانیں گے۔ اس نے فلک کو پہلے ہی منع کر دیا تھا پر فلک نے کسی طرح اسے جذباتی بلیک میل کر کے اپنے طرفداری کے لیے منا ہی لیا تھا۔ ویسے بھی رئیس کے انکار کے بعد وہ بالکل بجھ گئی تھی۔ اب اگر وہ خود پر دھیان دے رہی تھی، اپنی پہچان بنانا چاہتی تھی تو اسے یہ موقع ضرور ملنا چاہیے تھا۔

وجاہت عالمگیر نے فخر کو ایک ناگوار نظر سے دیکھا، پھر ان کی نگاہیں دوبارہ فلک پر جم گئیں۔ ان کے لہجے میں اب صدیوں کی روایات کا وزن اور سختی در آئی تھی۔

"لاہور؟ اکیلے؟ دماغ تو ٹھکانے پر ہے تمہارا؟" ساری نرمی، سارا پیار دور جا سویا۔ ان کی بات سے ہی فلک سہم گئی۔ موٹی موٹی شہد رنگ آنکھوں میں نمی ابھری۔

"ابا سائیں، زمانہ بدل گیا ہے۔" فخر نے پھر کوشش کی۔

"خاموش رہو تم!" وجاہت عالمگیر کی گرجدار آواز کمرے میں گونجی۔ "زمانہ بدل گیا ہو گا شہروں میں، ہماری حویلی کی روایتیں نہیں بدلیں۔" وہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ "عورت ذات ہے یہ۔ عورت گھر کی چار دیواری میں ہی محفوظ رہتی ہے۔ باہر کی ہوا لگتی ہے تو سب بھول جاتی ہے۔ اپنا آپ، اپنی عزت، خاندان کی عزت، سب کچھ!" ان کی آواز میں اب تلخی کے ساتھ ایک پرانا خوف بھی شامل ہو گیا تھا۔

"کیا بھول گئے ہو تم سب؟ اسی حویلی کی دہلیز پار کرنے کی آزادی دی تھی نا ایک کو؟ کیا کیا اس نے؟ پورے خاندان کے نام پر کالک مل دی، ایسی کالک جو آج تک دھل نہیں سکی! آج بھی لوگ باتیں کرتے ہیں۔"

فلک کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ یہ وہ پرانا قصہ تھا جس کا بھوت آج بھی حویلی پر منڈلاتا تھا، جس کی سزا آنے والی نسلوں کو بھی بھگتنی پڑ رہی تھی۔

"ابا سائیں، میں وہ نہیں ہوں۔ میں پھوپھو جیسی نہیں ہوں۔ میرا یقین کریں۔۔" فلک کی آواز بھرا گئی۔ آنکھوں میں آنسو جمع ہونے لگے۔

"میں صرف اپنی پہچان بنانا چاہتی ہوں، اپنی محنت سے، اپنی قابلیت سے۔ میں آپ کا سر کبھی جھکنے نہیں دوں گی۔ میں صرف پڑھنا چاہتی ہوں، لکھنا چاہتی ہوں۔۔" اس کی آواز التجا میں ڈوب گئی۔ وہ اپنی شناخت کے لیے تڑپ رہی تھی، اس قید سے نکلنے کے لیے بے چین تھی جسے خاندان کی عزت کا نام دیا گیا تھا اور کبھی کبھی اپنے لیے لڑنا ہی اتنا مشکل کیوں ہو جاتا ہے؟

"بس!" وجاہت عالمگیر نے فیصلہ کن انداز میں ہاتھ اٹھایا۔ "بہت ہو گیا۔ کوئی لاہور وہور نہیں جانا۔ یہیں رہو، اسی حویلی میں۔ لکھنا ہے تو یہاں بیٹھ کر لکھو۔ پڑھ لیا جتنا پڑھنا تھا۔ اب اور گنجائش نہیں۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔"

ان کے لہجے کی حتمیت نے کمرے میں بچی کھچی امید کا بھی گلا گھونٹ دیا۔ فخر نے بے بسی سے سر جھکا لیا۔ فلک وہیں بیٹھی رہ گئی، آنکھوں سے آنسو رخساروں پر بہہ نکلے۔ سرخ حویلی کی سرخ دیواریں اسے پہلے سے کہیں زیادہ بلند اور ناقابلِ عبور محسوس ہو رہی تھیں۔ اس کے خواب، اس کی پہچان، سب جیسے ان دیواروں میں زندہ دفن ہو گئے تھے۔ یہ انکار صرف لاہور جانے سے انکار نہیں تھا، یہ اس کی ذات، اس کے وجود، اس کی خواہشوں کا انکار تھا، اور

یہ احساس اس کے دل میں ایک گہری ٹھیس چھوڑ گیا۔ ابا سائیں جو اس کے شفیق اور مہربان ابا تھے جو اسے آنکھوں پر بٹھا کر رکھتے تھے جانے کیوں اس فیصلے سے اتنا بھڑک چکے تھے۔ وہ اٹھ کر لونگ روم سے باہر نکل گئے۔ باورچی خانے میں موجود دونوں بھابھیوں اور اماں نے افسوس سے منہ پر کپڑا رکھ لیا۔

"میں نے کہا تھا وہ نہیں مانیں گے۔" فخر نے شکست خوردہ لہجے میں کہا تو سسکتی ہوئی فلک اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ بھاگتے ہوئے فخر کے قریب سے نکلتی چلی گئی۔ لونگ روم کے بعد لاونج سے بھاگتے ہوئے وہ اب سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔ اوپر آتے آہی اس نے اپنے کمرے کا دروازہ بند کیا اور بیڈ پر آوندے منہ گر گئی۔ گھٹی گھٹی سی سسکیاں کمرے میں گونجتی رہیں۔

"مجھ سے ملنے تمہیں بلندیوں پر آنا ہو گا۔"

اسے تو بس بلندیوں تک جانا تھا۔ وہاں جا کر وہ اس شخص کو دکھانا چاہتی تھی کہ وہ اتنی بے مول نہیں تھی جو اسے یوں ٹھکرا دیا گیا۔ اس کی اپنی پہچان تھی۔ مگر پہچان کی جنگیں لڑنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ وہ وہیں لیٹی رہی۔ اس نے کسی کے لیے بھی دروازہ نہیں کھولا۔ دکھ صرف یہ نہیں تھا، ایک اور دکھ تھا جس کا وہ آج کل سامنا کر رہی تھی۔ تنقید اور تضحیک کا!

کمرے میں شام کے سائے گہرے ہونے، مگر فلک کے دل و دماغ پر چھائی دھند چھٹنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ کھڑکی سے باہر ڈوبتے سورج کی نارنجی روشنی بھی اس کے اندر کی بے چینی کو کم نہ کر سکی۔ اس کی پہلی کتاب کی اشاعت کو چند مہینے ہی ہوئے تھے، مگر ان چند مہینوں نے اسے شہرت کی بلندیوں کے ساتھ ساتھ تنقید کی گہری کھائیوں کا ذائقہ بھی چکھا دیا تھا۔

آن لائن رائٹر ہونے کا طعنہ تو جیسے اس کی پہچان کا لازمی حصہ بن گیا تھا۔ وہ جب لیٹ لیٹ کر تھک گئی تو اٹھ بیٹھی۔ بے دلی سے اپنا فون اٹھایا۔ انگلیوں نے از خود انسٹا گرام کا آئیکن ڈھونڈ نکالا۔ شاید کچھ دیر کے لیے ذہن بٹ جائے، شاید کسی قاری کا کوئی حوصلہ افزا پیغام نظر آجائے، شاید۔۔۔ مگر اسکرین پر جو کھلا، وہ ایک نیا طوفان تھا۔

ایک مقامی **'بکسٹا گرامر'**، جس کے فالوورز کی تعداد چند ہزار تھی، اس کی کتاب ہاتھ میں پکڑے، چہرے پر مصنوعی سنجیدگی سجائے، ایک ویڈیو میں محوِ گفتگو تھی۔ فلک نے بے دلی سے پلے کا بٹن دبایا۔

"تو جناب، آج ہم ریویو کریں گے فلک عالمگیر صاحبہ کی پہلی کتاب کا۔" بکسٹا گرامر کی آواز میں طنز کی ہلکی سی چاشنی تھی۔

"سوشل میڈیا پر تو بہت دھوم ہے، ہر کوئی تعریفوں کے پل باندھ رہا ہے، تو ہم نے سوچا کیوں نہ خود ہی پڑھ کر دیکھا جائے کہ آخر ایسا کیا خاص ہے اس 'شاہکار' میں۔" لفظ **'شاہکار'** پر اس نے دانستہ زور دیا تھا۔

فلک کا دل دھک سے رہ گیا۔ اس نے گہرا سانس لیا۔ چہرہ سرخ پڑ گیا۔ حلق خشک ہوا اور ہاتھ کپکپانے لگے۔

"پہلی بات تو یہ کہ زبان۔۔۔ افوہ!" بکسٹا گرامر نے منہ بنایا۔ **"لگتا ہے جیسے واٹس ایپ کی چیٹ چل رہی ہو۔ وہ ادبی گہرائی، وہ الفاظ کا چناؤ، وہ منظر نگاری، سب غائب! بس آسان آسان لفظوں میں محبت، پیار، اور ٹوٹے دل کی باتیں ہیں۔ آج کل کے نوجوان شاید یہی پڑھنا پسند کرتے ہیں، لیکن ادب کے سنجیدہ قاری کے لیے اس میں کچھ خاص نہیں۔"**

اس نے کتاب کے چند صفحات پلٹے۔ **"اور کردار نگاری! فلک صاحبہ، معذرت کے ساتھ، لیکن آپ کے کردار بڑے سطحی ہیں۔ کوئی گہرائی نہیں، بس وہی روایتی ہیروہیروئن، ایسا لگتا ہے کہ رائٹر نے اپنی ہی زندگی کی فینٹسی لکھ دی ہے۔"**

فلک کو لگا جیسے کسی نے اس کے کانوں میں گرم سیسہ انڈیل دیا ہو۔ یہ صرف تنقید نہیں تھی، یہ تضحیک تھی۔ اس بکسٹاگرامر کے لہجے میں ایک حقارت تھی، ایک ایسی برتری کا احساس جیسے وہ کوئی بہت بڑی ادبی نقاد ہو اور فلک ایک نو آموز بچی۔

"اور سب سے مزے کی بات۔۔۔" بکسٹاگرامر نے قہقہہ لگانے کے انداز میں کہا، **"یہ آن لائن رائٹرز خود کو نجانے کیا سمجھتے ہیں! دو چار پوسٹوں پر لائکس کیا مل گئے، سمجھتے ہیں غالب اور میر کے پائے کے ادیب بن گئے۔ ارے بھئی، اصلی ادب چھپی ہوئی کتابوں میں ہوتا ہے، یہ فیس بک اور انسٹاگرام کی دنیا الگ ہے۔"**

فلک کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔ اس نے خود کو بہت روکا، مگر آنسو تھے کہ پلکوں کی باڑ توڑنے کو بے تاب تھے۔ اس کا دل چاہا کہ فون دیوار پر دے مارے، مگر وہ بے بسی سے اسکرین کو تکتی رہی۔ زندگی پہلے ہی مشکل چل رہی تھی یہ اسکرین کے اس پار لوگ، زندگی مزید مشکل کیوں بنا دیتے ہیں؟

ویڈیو ختم ہوئی تو اس نے کانپتے ہاتھوں سے کمنٹس سیکشن کھولا۔ وہاں ایک الگ ہی جنگ جاری تھی۔

"بالکل ٹھیک کہا آپ نے! میں نے بھی پڑھی ہے، بالکل ٹائم ویسٹ!" ایک صارف نے لکھا۔

"یہ آج کل کے سوشل میڈیا رائٹرز نے اردو ادب کا بیڑا غرق کر دیا ہے۔" ایک اور تبصرہ تھا۔

"فضول کتاب ہے، پیسے ضائع ہو گئے میرے تو۔"

وہ دھواں دھواں ہوتے چہرے کے ساتھ لوگوں کے کمینٹس پڑھ رہی تھی۔اس نے ہمیشہ محبت کی اور پائی تھی یہ نفرت کی دنیا بالکل الگ تھی۔اسے یہ سب ہینڈل کرنا نہیں آتا تھا۔

مگر ان منفی تبصروں کے بیچ چند آوازیں فلک کے حق میں بھی بلند ہو رہی تھیں۔

"ایسی بات نہیں ہے، میں نے کتاب پڑھی ہے اور مجھے بہت پسند آئی۔بہت آسان اور دل کو چھو لینے والا انداز ہے۔"

"ہر کسی کا اپنا ذوق ہوتا ہے۔آپ کو پسند نہیں آئی تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ کتاب بری ہے۔فلک نے بہت اچھا لکھا ہے۔"

"تنقید ضرور کریں، لیکن تضحیک کرنا کہاں کا انصاف ہے؟رائٹر نے محنت کی ہے، اس کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔"

"فکشن کا مقصد ہی یہی ہوتا ہے کہ قاری کو اپنی دنیا سے نکال کر کہیں اور لے جائے، اور فلک کی کتاب یہ کام بخوبی کرتی ہے۔"

کچھ دیر تک وہ ان تبصروں کو پڑھتی رہی۔حامیوں کے الفاظ سے اسے وقتی طور پر حوصلہ ملا، مگر ناقدین کے الفاظ، خاص طور پر اس بکسٹاگرامر کا تضحیک آمیز لہجہ، اس کے ذہن پر ہتھوڑے کی طرح برس رہا تھا۔اس نے ایپ بند کی اور فون ایک طرف اچھال دیا۔

کمرے میں اندھیرا اب مکمل طور پر چھا چکا تھا، بالکل ویسا ہی اندھیرا جو فلک کو اپنے اندر بھی محسوس ہو رہا تھا۔اس کی پہلی کتاب نے اسے پہچان تو دی تھی، مگر یہ پہچان کانٹوں کا تاج پہنے ہوئے تھی۔نرم دل فلک کے لیے محبت

سیکھنا شاید آسان تھا، مگر اس بے رحم ادبی دنیا اور آن لائن نفرت کا سامنا کرنا ایک بالکل الگ، اور کہیں زیادہ مشکل، سبق تھا۔ اس نے آنکھیں بند کیں، اور آنسوؤں کو آزاد بہنے دیا۔ آہ یہ بقا کی جنگیں اتنی آسان نہیں ہوتیں۔۔!!

✿••✿••✿••✿

گرینڈ پیلس پیرس؛ ریہرسل کا دوسرا دن!

پیرس کا گرینڈ پیلس، شیشے کی چھت سے چھنتی ہوئی نرم روشنی میں نہاتے ہوئے ایک غیر معمولی سرگرمی کا مرکز بنا ہوا تھا۔ دو دن بعد ہونے والے فیشن شو کی ریہرسل زور و شور سے جاری تھی۔ مرکزی ہال، جو عام طور پر اپنی عظیم الشان خاموشی کے لیے جانا جاتا ہے، اب قدموں کی چاپ، سرگوشیوں، موسیقی کے ادھورے ٹکڑوں اور ہدایت کاروں کی آوازوں سے گونج رہا تھا۔ مختلف برانڈز کے عملے اپنے اپنے مختص کردہ علاقوں میں موجود تھے، کپڑوں کے ریک ادھر ادھر بکھرے تھے، ماڈلز بغیر میک اپ کے اپنے واک کی مشق کر رہی تھیں، اور ٹیکنیشن لائٹس اور ساؤنڈ سسٹم کو حتمی شکل دے رہے تھے۔ ایک منظم افراتفری کا منظر تھا۔ فجر آج بھی وہاں موجود تھی۔ پچھلی رات وہ جیسے ہی ہوٹل پہنچی اسے میڈم سونیا مل گئیں۔ جنہوں نے پہلے تو اسے رئیس جیولرز کے ساتھ تعاون کرنے کا کہا پر جب وہ نہیں مانی تو انہیں پیچھے ہٹنا پڑا کیونکہ یہ پہلے سے طے تھا۔

"ٹھیک ہے۔ تمہارے کاسٹیومز ویسے ہی پریزنٹ ہوں گے جیسے تم چاہتی ہو۔ کل ریہرسل کے لیے وقت پر پہنچ جانا۔"

"بہت شکریہ!" وہ مسکرا دی اور ڈنر کے بعد وہ لوگ کچھ دیر باہر گھومتے پھرتے رہے پھر وہ جلدی سونے چلی گئی۔

صد شکر اسے رئیس گروپ کی ٹیم دکھائی نہیں دی تھی۔ رئیس، عروزہ اور مردا! وہ تینوں اسے زہر لگ رہے تھے اور آج وہ اپنی ٹیم کے ساتھ سیٹ پر موجود تھی۔ اس وقت وہ بیگی پینٹ پر، سلیولیس ٹاپ اور اوپر سیاہ بلیزر پہنے ہوئے تھی۔ بال اونچی پونی میں قید تھے اور چشمہ آنکھوں پر جما تھا، اپنی ٹیم کے ہمراہ پلیٹ فارم کے کنارے کھڑی تھی، اس کی نظریں رن وے پر جمی تھیں۔ وہ گہری سوچ میں تھی، آنے والے شو کی ہر تفصیل اس کے ذہن میں تھی۔ اس کی ٹیم، جس میں لکس کے اسٹائلسٹ، پروڈکشن مینیجر اور اسسٹنٹس شامل تھے، اس کے گرد و پیش موجود تھے، ماریا اور جواد وہیں تھے ان کے ہر اشارے پر عمل کرنے کے لیے تیار ٹیم! کوئی ماڈل کے لباس کی ایڈجسٹمنٹ کر رہا تھا، کوئی جیولری کے سیٹ چیک کر رہا تھا اور کوئی فائنل لُکس کی تصاویر لے رہا تھا۔

ریہرسل کا عمل کافی پیچیدہ تھا۔ سب سے پہلے ماڈلز کو ان کی انٹری اور ایگزٹ پوائنٹس بتائے جا رہے تھے اور رن وے پر ان کے نشانات مقرر کیے جا رہے تھے جہاں انہیں پوز کرنا تھا۔ اس کے بعد میوزک کی ٹائمنگ کو واک کے ساتھ ہم آہنگ کیا جا رہا تھا۔ ہر ماڈل کے لیے مخصوص گانا یا گانے کا حصہ کب شروع ہو گا اور کب ختم ہو گا، یہ چیزیں نہایت احتیاط سے سیٹ کی جا رہی تھیں۔ ماریا اور جواد، کافی محنت کر رہے تھے۔ منشاء صاحب کی آنکھوں میں فجر کے لیے ناپسندیدگی تھی پر اسے کہاں فرق پڑتا تھا۔ وہ اپنے کام میں مگن تھی۔

لائٹنگ ٹیم ہر ماڈل کے ہر **'مارک'** پر لائٹس کے رنگ اور شدت تبدیل کر رہی تھی تاکہ کپڑوں کی خوبصورتی کو بھرپور طریقے سے اجاگر کیا جا سکے۔ یہ سب ایک ساتھ چل رہا تھا۔ ایک ماڈل چل رہی تھی، ہدایت کار مائیک پر ہدایات دے رہا تھا، لائٹنگ ٹیکنیشنز **'گوئنگ ڈارک'** یا **'سپاٹ آن'** جیسے جملے چلا رہے تھے، اور فجر اپنی ٹیم کے ساتھ نوٹس لے رہی تھی۔

ریہرسل پوری شدومد سے جاری تھی۔ماڈلز رن وے پر اس طرح چل رہی تھیں جیسے کوئی خلائی مخلوق پہلی بار زمین پر چہل قدمی کر رہی ہو۔بڑی احتیاط سے، ہر قدم ناپ کر، اور چہروں پر ایک مصنوعی بے تاثری سجائے۔ لائٹس کبھی تیز ہوتیں، کبھی مدھم، میوزک کبھی چلتا، کبھی رک جاتا۔ڈائریکٹر مائیک پر چیخ رہا تھا، ”نہیں، نہیں! وہیں رکو! تمہارا جذبہ کافی نہیں! یہ کپڑا رو رہا ہے، اسے خوش کرو اپنی واک سے!“

اسی اثنا میں، مراد عالم وہاں نمودار ہوا۔وہ شو کے اسپانسر گروپ کا حصہ تھا اور اس کا رویہ اکثر توکّلانہ اور دخل اندازی والا ہوتا تھا۔فجر اور مراد کی کبھی نہیں بن سکتی تھی۔اس کی آمد فجر کے لیے اتنی ہی ناگوار تھی جتنی گرمیوں میں لوڈشیڈنگ!

مراد کی ترجیح ہمیشہ لاگت اور بزنس پہلو رہے تھے، جبکہ فجر کے لیے شو کا آرٹسٹک وژن سب سے اہم تھا۔

مراد نے فجر کو دیکھا۔اس کے اندر ہلچل سی مچ گئی۔وہ آہستہ آہستہ فجر کے قریب آیا۔اس کے چہرے پر ایک ناگوار تاثر تھا۔

”مس فجر؟“اس نے اپنی خباثت بھری مسکان چہرے پر سجائے اسے پکارہ۔فجر نے مڑ کر دیکھا۔اس کے چہرے پر پیشہ ورانہ سنجیدگی تھی۔”جی مسٹر عالم؟“

”میں ریہرسل دیکھ رہا ہوں!“مراد نے کہا، اس کی نظریں رن وے پر موجود ماڈلز کی طرف تھیں۔”میوزک کی ٹائمنگ بہت سست لگ رہی ہے۔اور یہ آخری سیٹ کے لباس، کیا ان کے لیے لائٹنگ تھوڑی زیادہ تیز نہیں ہونی چاہیے؟ وہ کچھ مدھم لگ رہے ہیں۔“اس نے داڑھی کھجاتے مصنوعی سنجیدگی سے کہا۔

فجر نے گہری سانس لی۔ اسے معلوم تھا کہ مراد اس کے کام میں کیڑے نکالنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دے گا۔

"یہ ابھی پہلی مکمل واک تھرو نہیں ہے۔ ہم ابھی مختلف عناصر کو جوڑ رہے ہیں۔ میوزک کی ٹائمنگ کو شو کے فائنل رِدم کے حساب سے سیٹ کیا جا رہا ہے۔ اور لائٹنگ، یہ لباس خاص طور پر نرم روشنی کے لیے ڈیزائن کیے گئے ہیں۔ ان کی نزاکت مدھم روشنی میں ہی بہتر نظر آئے گی۔ تیز روشنی انہیں 'فلیٹ' کر دے گی۔"

"لیکن وقت کم ہے۔ صرف دو دن رہ گئے ہیں۔ اگر ٹائمنگ ایسی ہی رہی تو شو مقررہ وقت سے زیادہ لمبا ہو جائے گا، اور یہ اسپانسرز کے لیے قابلِ قبول نہیں۔ اور لائٹنگ؟ اگر لباس مدھم لگیں گے تو تصاویر اور ویڈیوز اچھی نہیں آئیں گی، جو برانڈ کی پروموشن کے لیے ضروری ہے۔"

وہ منحوس انسان، اس کام کو حد سے زیادہ جانتا تھا۔

"مسٹر عالم!" فجر کی آواز میں اب سختی آ گئی تھی۔ "میں آرٹسٹک ڈائریکٹر نہیں ہوں، میں ان کے ساتھ کام کر رہی ہوں لیکن مجھے معلوم ہے کہ میرے ڈیزائنز کو کس طرح پیش کرنا ہے۔ ٹائمنگ فائنل ہو جائے گی، لیکن میرے کام کے معیار پر سمجھوتہ نہیں ہو گا۔ یہ فیشن شو ہے، کوئی ٹریڈ شو نہیں۔"

ان کا بس نہیں چلتا تھا یہیں گتھم گتھا ہو جاتے، ایک دوسرے کے بال جڑ سے اکھاڑ لیتے، منہ نوچ لیتے، آنکھیں پھوڑ دیتے، لیکن افسوس، دونوں کو بڑے مذہب انداز میں چوں چیں کرنا پڑ رہا تھا۔

مراد کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ آئی۔

"اچھا؟ لیکن اس شو کا مقصد صرف **'آرٹ'** دکھانا نہیں، مس فجر! اس کا مقصد ہمارے برانڈز کو پروموٹ کرنا اور سیلز بڑھانا بھی ہے۔ اور اس کے لیے چیزوں کا وقت پر ہونا اور بصری طور پر دلکش ہونا بہت ضروری ہے۔ آپ کی **'نزاکت'** اگر کمرشل پہلو کو متاثر کرے گی تو ہمیں نظر ثانی کرنی پڑے گی۔" وہ اسے زچ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے کیسے دے سکتا تھا؟

"میڈم، کیا یہ ماڈل واقعی اس جوتے میں چل پائے گی؟" ٹیم کے ایک لڑکے نے ریمپ واک پر چلتی پاکستانی ماڈل کو دیکھتے چلا کر کہا جو ٹھیک سے چل نہیں پا رہی تھی۔ اس کا رخ فجر کی جانب تھا۔ جوتا اس کے لیے غیر آرام دہ تھا۔

"اسے چلنا پڑے گا۔۔۔۔" وہ تیز آواز میں چلائی۔ دماغ گھوم گیا۔ اگر وہ ماڈل ہو کر جوتے کو غیر آرام دہ محسوس کر رہی تھی تو اسے پیرس، ماڈلنگ کرنے کس نے بھیج دیا؟

فجر نے ایک اور گہری سانس لی اور پھر مراد کی جانب رخ کیا۔

"فیشن شو کا مقصد صرف وقت پر ختم ہونا نہیں ہوتا۔ یہ ایک تجربہ ہوتا ہے۔ ایک آرٹسٹک پریزنٹیشن!"

"آرٹسٹک پریزنٹیشن؟" مراد نے آنکھیں گھمائیں۔ ہاتھ میں فریش جوس کا گلاس تھامے وہ تپانے کے فل میں موڈ میں تھا۔

کاش کوئی اس کے جوس میں تیزاب ڈال دے۔ منحوس یہیں تڑپ تڑپ کر مر جائے۔

"مجھے یہ **'آرٹ'** کا لفظ کچھ زیادہ ہی مہنگا لگ رہا ہے۔ کیا آپ نے حساب لگایا ہے کہ اس **'آرٹسٹک پریزنٹیشن'** پر فی منٹ کتنا خرچہ آ رہا ہے؟ میرے خیال میں ہمیں **'فنانشل پریزنٹیشن'** پر زیادہ توجہ دینی چاہیے۔"

"مجھے اپنے کام پر توجہ دینی ہے، اپنے فن پر! میں آرٹسٹک ڈائیریکٹر نہیں ہوں۔ برائے مہربانی ان سے رابطہ کریں۔" اس نے ماریا اور جواد کی جانب اشارہ کیا۔

"اور مجھے توجہ دینی ہے اسپانسرز کے پیسوں پر۔ بزنس پر۔" مراد نے فوراً پلٹ کر وار کیا۔ "آپ کی **'فنکاری'** اگر ہمارے بزنس کو نقصان پہنچائے گی تو پھر ٹھیک ہے، پھر فن کو تھوڑا سا بزنس فرینڈلی بنانا پڑے گا۔ کیا خیال ہے؟"

اس نے آنکھیں چھوٹی کیے، ہونٹ پر انگلی رکھتے پوچھا۔ اس وقت وہ فجر کو ایسا کرتے زہر لگا۔

"میرا خیال یہ ہے کہ آپ مجھے میرا کام کرنے دیں۔" اس کی آواز میں اب واضح جھنجھلاہٹ تھی۔ وہ مزید بدمزگی نہیں چاہتی تھی۔ "ریہرسل اپنی رفتار سے چل رہی ہے اور شو وقت پر شروع ہو گا۔ اختتامی واک شاید تھوڑی تیز ہو جائے گی تاکہ آپ کی گھڑی اور میرا دل دونوں خوش رہیں۔"

مراد نے ایک ایسی مسکراہٹ دی جو **'میں جیت گیا'** چلا رہی تھی۔

"بہت خوب! یہی تو میں سننا چاہ رہا تھا۔ تھوڑی سی لچک بہت ضروری ہوتی ہے، خاص طور پر جب کروڑوں کا داؤ لگا ہو۔"

اس نے چوٹ کی۔ اور پھر، جیسے کوئی بڑا کارنامہ سرانجام دے کر اطمینان حاصل کر لیا ہو، مراد اسی آہستہ روی اور اہمیت کے احساس کے ساتھ وہاں سے چل دیا۔ جاتے ہوئے اس نے رن وے پر ایک اور سرسری نگاہ ڈالی جیسے اب ماڈلز اس کی مداخلت کے بعد برق رفتاری سے بھاگنا شروع ہو جائیں گی۔

فجر نے اسے جاتے دیکھا اور اس کے چہرے پر وہ تاثر پھیل گیا جو صرف ایک ایسے شخص کا ہو سکتا ہے جسے ایک مشکل امتحان پاس کرنا ہو اور ایک ناگوار **'انسپکٹر'** سے بھی نمٹنا پڑے۔ اس کی ٹیم اس کے گرد جمع ہو گئی، سب کے چہروں پر ہمدردی اور خوف کا ملا جلا تاثر تھا۔

"ڈونٹ وری فجر! انہیں عادت ہے اپنی ٹانگ اڑانے کی۔" ماریا اس کے قریب آئی۔

"لگتا ہے ٹانگ توڑنی پڑے گی۔" اس نے سوچا پر کہا نہیں۔

"او کے ٹیم!" فجر نے اپنی آنکھوں سے چشمہ اتارا اور سب کو دیکھا۔

"آپ نے دیکھا؟ اب دنیا کو دکھانا ہے کہ **'آرٹ'** بھی وقت پر ختم ہو سکتا ہے اور **'گریس'** بھی بھاگتی ہوئی دکھائی دے سکتی ہے۔ جلدی کرو! اس سیکنڈ ہینڈ آدمی کو بھی شرم آجائے ہماری رفتار دیکھ کر!"

اس کے بلنٹ تبصرے پر پوری ٹیم گلنار ہو گئی۔

اور پھر گرینڈ پیلس کا عظیم الشان ہال ایک بار پھر فیشن کی منظم افراتفری اور ایک ناگوار مداخلت کے بعد کام پر واپس آتی ہوئی ٹیم کی بڑبڑاہٹ سے گونجنے لگا۔ شو ابھی دو دن دور تھا، اور فجر جانتی تھی کہ مراد عالم جیسے **'بزنس گرو'** ابھی اور کئی بار اس کے فن کا مزہ خراب کرنے آئیں گے۔ لیکن یہی تو فیشن ویک ہے، یہاں آرٹ اور بزنس، گریس اور گھڑی کی سوئی، اور ڈیزائنر اور اسپانسر کے نمائندے سب ایک ساتھ چلتے ہیں، چاہے ان کی آپس میں کتنی ہی کیوں نہ بنتی ہو۔

وہ رن وے کو دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ جب اچانک عقب سے ابھرنے والی آواز پر چونک کر دیکھا۔ اسے کسی نے پکارہ تھا۔ اور جب وہ مڑی تو سامنے ہی فروہ کھڑی تھی۔ اسے دیکھ کر فجر کو خوشگوار حیرت ہوئی جبکہ فروہ

گرمجوشی سے اس کی جانب بڑھی اور اس کے گلے لگ گئی۔ فجر نے اسکے گرد اپنے بازو نہیں پھیلائے۔ اسے عادت نہیں تھی۔ گلے لگنے کی۔ اس گرمجوشی کی۔

"اوہ مائی گاڈ! تمہیں یہاں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔" وہ واقعی خوش تھی۔ جینز ٹاپ کے ساتھ، کھلے بالوں میں فروہ نکھری نکھری پیاری لگ رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی فجر کو یاد آیا کہ وہ اب رئیس جیولرز کی ڈیزائنر تھی اور اس وقت اسی لیے یہاں موجود تھی۔

"ڈیڈ کی طبیعت تھوڑی خراب تھی اس لیے میں آج ہی آئی ہوں۔ آؤ اپنے ڈیزائن دکھاؤں۔" وہ اسکا ہاتھ تھامے ایک جانب چل پڑی تو فجر بس گہری سانس لے کر رہ گئی۔ فروہ کی خوشی دیدنی تھی اس لیے فجر نے کچھ سخت سست کہہ کر اس کا دل دکھانے سے خود کو روک لیا۔

✿••✿••✿••✿

پیرس میں رات ڈھل چکی تھی۔ آسمان ستاروں سے ٹمٹمارہا تھا۔ آج ساری ٹیمیں اتنی تھک گئی تھیں کہ ڈنر کے بعد کوئی بھی باہر نہیں گیا۔ سب گھوڑے گدھے بیچ کر سو رہے تھے۔ کچھ بھٹکتی آتمائیں ابھی تک جاگ رہی تھیں اور ان میں ایک فجر بھی تھی۔ وہ رات کے اس پہر ریلنگ پر ہاتھ جمائے، ایفل ٹاور کے نظر آتے مینار کو دیکھ رہی تھی۔ کبھی کبھی تنہائی ڈسنے لگتی ہے۔ کچھ بری یادیں، کچھ برے احساسات، روح سے چپک جاتے ہیں اور پھر پیچھا نہیں چھوڑتے، وہ ابھی ایسے ہی احساسات کے زیر اثر تھی اس لیے، شب خوابی کا سفید لباس پہنے، کندھوں پر گرم اسکارف ڈالے وہ اپنے کمرے سے نکل آئی اور اب باہر بالکونی میں کھڑی تھی۔ رات کے وقت موسم کافی خنک ہو جاتا تھا۔ اس پہر یہاں کافی خاموشی تھی۔

"تم آئے نہیں ہوا ابھی تک؟" موبائل ہاتھ میں پکڑے، ایئر پوڈ کان میں جمائے، رئیس کا گزر ہوا۔ دوسری جانب مراد عالم تھا۔ اس نے بالکونی میں کھڑی فجر کو دیکھا اور پھر رک گیا۔ بھنویں سکڑ گئیں۔ مراد نے دوسری جانب سے جواب دیا اور کال بند ہو گئی۔

"بد دماغ لڑکی!" وہ اسے دیکھ کر بڑبڑایا۔ کل رات والا واقعہ یاد آ گیا۔ وہ جس ٹیکسی میں ہوٹل تک آئی تھی وہ اس کے پیچھے پیچھے آیا تھا اور جب وہ ہوٹل کے اندر چلی گئی تھی تب اس نے گاڑی واپس موڑی تھی۔ ہاں سچ کہا تھا اس نے **"مسیحاؤں کو کبھی کبھی تعاقب کرنا پڑتا ہے۔"** رئیس نے گہرا سانس لیا اور موبائل پینٹ کی جانب میں ڈالتا اس کی جانب بڑھا۔

"ارے فجر آرٹ یہاں؟ مجھے لگا تھا کسی قبرستان کے دورے پر نکلی ہو گی، کسی کفن سے تازہ تازہ نائٹ میئر نکالنے۔" اس نے فجر سے کچھ فاصلے پر کھڑے ہوتے، تپانے والا تبصرہ کیا۔ اس کی خوشبو پھیلی گئی۔

وہ خاموش رہی۔ سامنے روشنیوں سے جگمگ کرتے شہر کو دیکھے گئی۔

"خیریت ہے آج ذہانت کا زہر نہیں اگلو گی؟" وہ اسے بولنے پر اکسا رہا تھا۔

"میں کچھ سوچ رہی ہوں۔" وہ گویا ہوئی۔

"سوچ کا زہر اگلا جائے۔"

"میں سوچ رہی تھی ایک شخص اتنا امیر ترین، ذہین ترین اور حسین ترین ہو کر بھی اس عمر میں تنہا کیوں ہے؟" اس نے رخ موڑ کر رئیس کو دیکھا۔ چہرے پر استہزاء تھا جبکہ آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔ وہ دونوں اب یوں

کھڑے تھے کہ ایک حصہ روشنی میں تھا اور دوسرا بالکونی کی جانب اندھیرے میں۔ رئیس کی آنکھوں کی چمک غائب ہوئی۔

"یہ میری چوائس ہے۔" اس نے لہجے کو مضبوط بنایا۔ فجر نے سینے پر دونوں ہاتھ باندھے اسے دیکھا۔ آنکھیں انتقامی تھیں۔

"لوگ کہتے میں انٹرورٹ ہوں اور پتا ہے انٹرورٹ کے I کا دوسرا مطلب کیا ہے؟" اس نے سوالیہ نظروں سے رئیس کو دیکھا جو اس کی سوچ تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا پر کہرے کے علاوہ کچھ نہ ملا۔ وہ خود پر کمال ضبط رکھتی تھی۔

"انٹرورٹ کا دوسرا مطلب ہوتا ہے intuitive، یعنی ادراک، میں خطروں اور زخموں کو سونگھ دور سے لیتی ہوں۔" اس کی پر اعتمادی حد سے زیادہ تھی۔

"تو کیا ادراک ہوا ہے تمہیں؟" وہ دھڑکتا دل لیے بولا۔

"ایک انسان کی، امیر ترین، ذہین ترین اور حسین ترین ہونے کے بعد بھی سنگل ہونے کی ایک ہی وجہ ہے۔" وہ کندھے اچکا کر بولی۔

"کیا؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے بولا۔

"دھتکار۔۔۔!" اس کی ہیزل آنکھوں میں شیطانی چمک ابھری۔ رئیس کے چہرے کا رنگ فق ہوا۔ یوں لگا جیسے ہوٹل کی پوری عمارت اس کے اوپر آگری ہو۔ یوں جیسے سامنے کھڑی لڑکی نے اسے زوردار تمانچہ دے مارا ہو۔

"ایک دھتکار ہی ہے جو انسان کو تنہا راج کرنے پر مجبور کرتی ہے۔"

وہ بول رہی تھی جبکہ رئیس اپنی جگہ پر جم گیا۔ فجر نے اس کے چہرے کی بدلتی رنگت دیکھی تھی۔ وہ جانتی تھی نشانہ ٹھیک جگہ لگا تھا۔ خنجر اس کے دل کے آر پار ہو چکا تھا اور دی رئیس اور نگزیب اس وقت اس کے سامنے کھڑا، لہو لہان ہو رہا تھا۔ اس کے دل سے خون رس رہا تھا۔ وہ اپنا بدلہ لے چکی تھی۔ تکلیف کا بدلہ تکلیف! زخم کا بدلہ زخم!

"کیا ہوا؟ الفاظ دم توڑ گئے؟" اس نے معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائیں۔ رئیس جو جبڑے بھینچے کھڑا تھا اس نے حلق تر کرتے ایک گہری سانس لی۔ کھڑے کھڑے، چہرے کے رنگ بدل لیے۔ وہ بھی اداکار تھا اگر اتنا بھی نہ کر پاتا تو پھر تف ہے اس کی اداکاری پر۔ اگلے چند لمحوں میں وہ خود پر قابو پا چکا تھا۔ رخ دوبارہ ریلنگ کی طرف موڑا اور ریلنگ پر ہاتھ جماتے ذرا سا جھک گیا۔

"یقین اور خود پسندی میں ایک باریک سی لکیر ہوتی ہے، مجھے یقین ہے تم اس لکیر کو پار کر چکی ہو۔"

فجر ہنس دی۔ استہزائیہ ہنسی۔

"اوہ، تو اب آپ میرے نفسیاتی تجزیہ پر اتر آئے؟ اپنے قیمتی پتھروں پر توجہ دیں اور نفسیات دان بننے کی کوشش نہ کریں۔" وہ اسی کے انداز میں بولی۔

"تمہارا رویہ مغرورانہ ہے، تم آپ اپنے کام کے علاوہ کسی اور کے فن کو خاطر میں نہیں لاتیں۔"

اس نے کمال مہارت سے گفتگو کا رخ موڑ دیا کہ پاس کھڑی فجر سمجھ ہی نہ پائی۔ ہو گی وہ کہیں کی intuitive، پر ساتھ کھڑا مرد رئیس اور نگزیب تھا۔ پانی کے بہاؤ کی طرح وہ ذہن کے ساتھ ساتھ گفتگو کا رخ بھی بدل سکتا تھا۔

"یہ بالکل غلط ہے۔ میں ہر اچھے کام کی قدر کرتی ہوں۔ لیکن میں منافقت نہیں کر سکتی۔ اگر مجھے کسی چیز میں خامی نظر آتی ہے، تو میں اسے کہنے سے نہیں ہچکچاتی، چاہے وہ آپ کا شاہکار ہی کیوں نہ ہو۔"

"تو یہ تسلیم کرتی ہو کہ میرے کام میں شاہکار ہونے کی صلاحیت موجود ہے؟ ارے یہ تو ترقی ہے۔" وہ طنزیہ ہنس دیا۔

"میں نے صرف ایک مثال دی تھی۔ لیکن آپ کی خود پسندی بھی کچھ کم نہیں ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ آپ کے نزدیک آپ کے قیمتی پتھر لازوال تخلیق ہیں۔"

"کیا رئیس اورنگزیب اپنے معاملے میں خود پسند نہیں ہو سکتا؟ میں نے برسوں اس فن میں گزارے ہیں، اپنی ایک شناخت بنائی ہے۔ اگر میں اپنے کام کو اچھا نہیں سمجھوں گا، تو کون سمجھے گا؟ میں اس معاملے میں کافی ایماندار ہوں۔"

دل کی تکلیف آہستہ آہستہ کم ہو رہی تھی لیکن لہو ابھی تک رس رہا تھا۔

"ایمانداری یا اپنی برتری کا احساس؟ مجھے لگتا ہے کہ آپ دوسروں سے تعریف سننا پسند کرتے ہیں، لیکن دوسروں کی تعریف کرنا آپ کو مشکل لگتا ہے۔"

"یہ ناانصافی ہے۔" وہ اس الزام پر تڑپ اٹھا۔ "میں نے ہمیشہ اچھے کام کی تعریف کی ہے۔ لیکن میں بے جا تعریف نہیں کر سکتا۔"

فجر نے ذرا سا اس کی جانب جھکتے سر گوشی کی۔

"شاید یہی فرق ہے ہم میں۔ میں دوسروں میں خوبیاں تلاش کرنے کی کوشش کرتی ہوں، جبکہ آپ فوراً خامیاں ڈھونڈتے ہیں۔ آپ کا گلاس ہمیشہ آدھا خالی رہتا ہے۔"

"اور تمہارا گلاس ہمیشہ اتنا بھرا ہوا لگتا ہے کہ اس میں مزید کچھ سما ہی نہیں سکتا۔ تم کسی کی رائے سننے کو تیار ہی نہیں ہوتیں۔" اس نے سخت ناگوار لہجے میں کہا۔

"بالکل! اور یہی وجہ ہے کہ ہم جیسے دو خود پسند فنکار ایک کمرے میں زیادہ دیر تک نہیں رہ سکتے۔ ہماری انائیں آپس میں ٹکراتی ہیں اس لیے میں چلتی ہوں۔" وہ ریلنگ سے ہٹ کر پیچھے ہوئی اور پھر راہداری کی جانب قدم بڑھائے۔ رئیس نے مڑ کر نہیں دیکھا وہ وہیں کھڑا رہا۔

"اے مکڑی تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" عین اس وقت مراد کا نزول ہوا۔ اس نے فجر کو نئے نام سے نوازہ۔ جب سے اس کے کاسٹیومز دیکھے تھے اس کے لیے مکڑی سے بہتر نام اور کوئی نہیں لگ رہا تھا۔ اس کی آواز سنتے ہی فجر کے رگ وپے میں زہر پھیل گیا۔ جبکہ مراد مشکوک نظروں سے کبھی رئیس تو کبھی اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ فجر پر بالکل بھروسہ نہیں کر سکتا تھا۔ فجر فوراً پلٹی۔

"اس زہریلی مکڑی سے بچ کر رہیں، کاٹ لیا نا تو آپکا فریش جوس بھی کام نہیں آئے گا۔ تڑپ تڑپ کر مریں گے۔" مراد عالم سر تا پیر سلگ گیا جبکہ جبڑے بھینچے کھڑے رئیس کے لبوں پر مسکراہٹ ابھری۔

"قسم سے میں عورتوں کی اتنی آزادی کے حق میں نہیں ہوں۔ وہ وقت کتنا اچھا تھا جب عورتیں گھروں میں رہتی تھیں گھر داری کرتی تھیں اور وہیں گل سڑ کر مر جاتی تھیں۔" وہ اونچی آواز میں بولا تاکہ قدم بڑھاتی فجر بھی سن لے۔

"مجھے بھی وہ وقت بہت پسند تھا جب مرد، مردانہ کام کرتے تھے، جنگ میں جاتے تھے اور وہیں مر جاتے تھے۔"
اس نے چلتے چلتے چلا کر کہا۔ آواز ان دونوں تک پہنچی۔ مراد جل بھن کر کوئلہ ہوا جبکہ رئیس کا بے ساختہ قہقہہ ابھرا۔ اس نے کوشش کی پر ضبط نہیں کر پایا۔ اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ وہ سر جھکائے ہنس رہا تھا۔

فجر جا چکی تھی جبکہ مراد، پاگلوں کی طرح ہنستے رئیس کو غضبناک نظروں سے گھور رہا تھا۔ وہ اسے گھورتا رہا، رئیس اپنی ہنسی ضبط کرتا اور پھر مراد کی شکل دیکھ کر اس کا دوبارہ قہقہہ ابھر پڑتا۔ وہ اسے غصے سے گھورتا، بنا کچھ کہے واک آؤٹ کر گیا جبکہ کھلے آسمان تلے، پیرس کی فضا میں رئیس اکیلے کھڑا رہ گیا۔ فجر معراج عجیب تھی۔ وہ ہنسی اور درد ایک ساتھ لاتی تھی اب دیکھنا یہ تھا رئیس کا مقدر کیا ٹھہرتا؟

✿••✿••✿••✿

فیشن شو کا دن؛ گرینڈ پیلس پیرس!

اس منظر کا آغاز گرینڈ پیلس کے شاندار اندرونی حصے سے ہوتا ہے۔ اونچی چھتیں، آرائشی ستون، اور کرسٹل کے فانوس مدھم روشنی میں چمک رہے تھے۔ ایک لمبا رن وے کمرے کے وسط میں بچھا ہوا تھا، جس کے دونوں طرف مدعوئین کی نشستیں تھیں۔ فیشن ایڈیٹرز، مشہور شخصیات، خریدار، اور سوشل میڈیا انفلوئنسرز اپنی بہترین پوشاک میں ملبوس محو گفتگو تھے۔ کیمروں کے فلیش وقفے وقفے سے چمکتے دکھائی دیتے تھے۔

"آج رات، پیرس کا دل دھڑک رہا ہے گرینڈ پیلس ایمفرے کی تال پر۔ یہاں، خواب حقیقت بنتے ہیں، اور تخیل لباس کی شکل اختیار کرتا ہے۔ کاسٹیوم ڈیزائننگ کا یہ فیشن شو صرف کپڑوں کا مظاہرہ نہیں، یہ کہانیوں، کرداروں، اور ان دنیاؤں کا جشن ہے جو ڈیزائنرز کے ذہنوں میں پروان چڑھتی ہیں۔" نریٹر ایک خوبصورت سی

اسٹائلش لڑکی تھی۔ اس نے شو کے اسپانسر کو اسٹیج پر آنے کی دعوت دی تا کہ خیالات کا تبادلہ ہو سکے۔ ہال میں بیٹھے ہر شخص کا دل دھڑک رہا تھا۔ ہر شخص اپنے اندر ایک نیا جوش، ایک نیا جذبہ محسوس کر رہا تھا اور ان میں فجر بھی تھی۔ اسپاٹ لائٹ کی روشنی میں رئیس، اسٹیج تک آیا۔ خوشبوؤں میں رچا بسا وہ سیاہ ڈریس پینٹ اور سیاہ سلک کی جھلملاتی شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ کف فولڈ تھے، کلائی میں چمچماتی مہنگی گھڑی، شرٹ کے اوپری دو بٹن کھلے تھے جن سے گردن پر لگا وہ سرخ زخم نظر آ رہا تھا اور یہ زخم دینے والی اسی ہال میں بیٹھی تھی۔ اس نے اسٹیج پر آتے ہی ہمیشہ کی طرح سینے پر ہاتھ رکھا اور سر کو ذرا سا خم دیا اور بس ماحول بن گیا۔ اس کے کالر سے مائیک اٹیچ تھا۔ وہ اسٹیج کے درمیان میں کھڑا تھا پھر اس نے بولنا شروع کیا۔

"یہ فیشن شو، جو پیرس کی سرزمین پر منعقد ہو رہا ہے۔ وہ شہر جو خود فن، محبت اور فیشن کا عالمی مرکز ہے۔ میرے لیے صرف ایک تجارتی منصوبہ نہیں۔ یہ ایک خواب ہے، ایک وژن ہے۔ یہ اس بات کا اظہار ہے کہ فیشن صرف چکاچوند اور سطحیت کا نام نہیں، بلکہ اس میں گہرائی ہے، فلسفہ ہے اور روح ہے۔ ہم یہاں صرف کپڑوں کی نمائش کے لیے جمع نہیں ہوئے، بلکہ ہم ایک ایسے تجربے کو جنم دینے جا رہے ہیں جو ذہنوں پر نقش چھوڑ جائے، جو مکالمے کو فروغ دے اور جو فیشن کو محض ضرورت سے بڑھ کر ایک آرٹ فارم کے طور پر منوائے۔"

وہ سب کا جوش بڑھانے آیا تھا۔

"اس شو کا مقصد صرف تازہ ترین ٹرینڈز دکھانا نہیں، بلکہ سرحدوں کو دھندلانا ہے۔ یہ مشرق اور مغرب کے فن، روایت اور جدت کے حسین امتزاج کو پیش کرنے کی ایک کوشش ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ ریمپ صرف ماڈلز کے چلنے کی جگہ نہ ہو، بلکہ یہ ایک ایسا اسٹیج بنے جہاں مختلف ثقافتیں، خیالات اور تخلیقی اظہار ایک دوسرے

سے گلے ملیں۔ یہ وہ جگہ ہو جہاں کپڑا صرف جسم نہ ڈھانپے، بلکہ روح کی عکاسی کرے۔" وہ ہولے سے مسکرایا اور پھر بھرپور تالیوں میں اسٹیج سے اتر آیا۔ کچھ دیر بعد ہی ہال کا جیسے منظر ہی بدل گیا۔

رن وے کے سرے پر ایک دلکش موسیقی شروع ہوئی۔ روشنی مدھم ہوئی، اور پھر ایک تیز شعاع رن وے کے آغاز پر پڑی۔ پہلی ماڈل نمودار ہوئی۔ اس نے ایک شاندار، سنہری رنگ کا لباس پہنا ہوا تھا، جس میں پیچیدہ کڑھائی اور پروں جیسے عناصر شامل ہیں۔ اس کا انداز ایک افسانوی ملکہ کا تھا۔

"یہ تو لاجواب ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے کسی پرانی داستان سے نکلی ہو۔ تفصیل دیکھو، فجر!" فجر کے ساتھ بیٹھی فروہ بڑبڑائی۔ مشرقی مغربی بہت سارے برانڈز اور انہی کی نمائش چل رہی تھی۔

"ناقابل یقین! اور اس کا اعتماد دیکھو۔ وہ اس لباس کو پہن نہیں رہی، وہ اس کی روح بن گئی ہے۔" فجر نے ماڈل کی تعریف کی۔

اتنے میں ایک اور ماڈل رن وے پر چلتی نظر آئی۔ اس کا لباس ایک بہادر جنگجو کا تھا، جس میں چمڑے کے مضبوط حصے، دھاتی آرمر کے نقوش، اور ایک لمبا، بہتا ہوا سرخ عبا شامل تھا، اس کی چال میں عزم اور طاقت تھی

"یہ فلمی دنیا کے لیے بہترین ہو گا۔ کردار نگاری کتنی مضبوط ہے، صرف لباس سے ہی پتہ چل رہا ہے۔"

ان سے اگلی سیٹ پر سرگوشیاں ہو رہی تھیں۔

موسیقی بدل گئی، اور ایک مزاحیہ، رنگین لباس میں ملبوس ماڈل نمودار ہوئی۔ یہ ایک خیالی مخلوق لگتی تھی، جس میں بڑے بڑے، مضحکہ خیز کان اور ایک لمبی، لچکدار دم تھی۔ ہال میں ہلکی ہنسی گونج گئی۔

"اوہ میرے خدا! یہ کتنا پیارا ہے۔ میرے خیال میں یہ بچوں کے شو کے لیے بہترین ہو گا۔" فروہ نے فون نکال کر تصویر بنائی۔

اسی طرح، مختلف تھیمز اور کرداروں پر مبنی ملبوسات رن وے پر پریڈ کرتے رہے۔ سائنس فکشن کے جنگجو، تاریخی شخصیات، اور ماورائی مخلوقات سبھی اپنی شاندار شکلوں میں جلوہ گر ہوتے رہے۔ ہر لباس ایک کہانی کہتا تھا، ایک مختلف دنیا کی جھلک دکھاتا تھا۔ قیمتی زیورات، بیگز، میک اپ، بہت کچھ دکھایا جا رہا تھا۔ ڈیزائنرز اپنی اپنی ٹیم کے ساتھ آ رہے تھے۔ انہیں ستائش سے نوازہ جا رہا تھا۔ جانے کتنی دیر تک یہی سلسلہ چلتا رہا۔

موسیقی کی ہلکی آواز کے ساتھ نریٹر کی آواز سنائی دی۔

"یہ دیکھ کر لگ رہا ہے، ہر سلائی، ہر موتی، ہر کپڑے کا انتخاب ایک مقصد کے تحت کیا گیا ہے۔ یہ صرف فیشن نہیں، یہ کردار سازی ہے۔ یہ ان فنکاروں کا خراج تحسین ہے جو پردے کے پیچھے جادو تخلیق کرتے ہیں، جو اداکاروں کو ان کی شناخت دیتے ہیں اور کہانیوں کو زندہ کرتے ہیں۔"

اس کی باتیں منظر کو مزید سحر انگیز اور اثر انگیز بنا رہی تھیں۔ اب لکس گروپ کی باری تھی۔ باری باری ماڈلز اسٹیج پر آ رہی تھیں اور بیش قیمتی ملبوسات پیش کیے جا رہے تھے۔ فجر کا حلق خشک ہو گیا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ اسکا وجود لرز رہا تھا۔ اس کی ہیزل آنکھوں میں نمی ابھری۔ اس نے بے ساختہ دعا کی کہ اس کا یہ سفر رائیگاں نہ جائے۔ اس نے بہت محنت کی تھی اس پہچان کے لیے۔ وہ زیر لب دعا کر رہی تھی اور پھر وہ پیچھے کی جانب سے اسٹیج کی اور بڑھی۔ اب اس کے کاسٹیومز کی باری تھی۔ جیسے ہی ہال میں وہ مخصوص میوزک گونجا، وہاں موجود لوگوں کو اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے۔

یہ فجر کے کاسٹیومز کے آغاز کی نشانی تھی۔یوں لگا جیسے وقت تھم گیا ہو۔ہوائیں ساکت ہو گئیں،لوگ گونگے ہو گئے،صرف آنکھیں بچی تھیں جو رن وے پر جمی تھیں۔جہاں ایک ماڈل قدم بڑھا رہی تھی جس نے فجر کا تخلیق کردہ ایک ایسا شاہکار زیب تن کر رکھا تھا جس نے سب کو مبہوت کر دیا۔

یہ پھیکے گلابی رنگ کا دلکش گاؤن تھا جو گردن سے لے کر فرش تک پھیلا ہوا تھا۔اس کی سب سے نمایاں اور سحر انگیز بات وہ بے شمار گلابی پھول تھے جو پورے گاؤن پر کمال مہارت سے بکھیرے یا یوں کہیں کہ اگائے گئے تھے۔یہ پھول اتنی نزاکت اور باریکی سے بنائے گئے تھے کہ انہیں دیکھ کر آنکھوں کو یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ یہ کپڑے پر بنے ہیں،ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کسی جادوئی باغ سے براہ راست چیری بلاسم کے تازہ پھول توڑ کر گاؤن پر سجا دیے گئے ہوں۔

گاؤن کا بالائی حصہ گردن سے شروع ہو کر نیچے تک آتا تھا،جہاں سے یہ گھیر دار ہو کر فرش پر پھیل جاتا تھا۔پھولوں کا یہ سمندر گردن سے شروع ہو کر دامن تک بہتا چلا گیا تھا،جس نے گاؤن کو ایک غیر معمولی خوبصورتی اور رعنائی بخشی تھی۔رنگوں کا انتخاب اور پھولوں کی ترتیب اتنی دلفریب تھی کہ جیسے بہار اپنے پورے جوبن پر آگئی ہو اور رن وے پر چیری بلاسم کا ایک درخت متحرک ہو گیا ہو۔

ماڈل جب اس گاؤن میں واک کر رہی تھی تو ہر قدم پر پھولوں کا یہ حسین جھرمٹ لہرا رہا تھا،جو دیکھنے والوں کی آنکھوں کو ایک عجیب سی ٹھنڈک اور سکون پہنچا رہا تھا۔یہ صرف ایک لباس نہیں تھا،بلکہ فجر کے فن، تخیل اور محنت کا جیتا جاگتا نمونہ تھا جس نے پیرس کے فیشن منظر نامے پر اپنے انمٹ نقوش چھوڑ دیے۔یہ منظر بلاشبہ کسی خواب سے کم نہ تھا۔

کس نے کہا تھا وہ صرف نائٹ میئرز بن سکتی تھی؟ہاں اسے پھولوں سے کھیلنا بھی آتا تھا اور آج ثابت ہو گیا تھا۔

میوزک پھر سے بدل گیا۔

جیسے ہی چیری بلاسم کے خوابناک گاؤن کا منظر نظروں سے اوجھل ہوا، رن وے پر ایک نئی طلسماتی تخلیق نمودار ہوئی۔ ماحول میں پھیلی لطافت اب ایک گہری، پراسرار چمک میں بدل گئی۔

سامنے جو پیکر آیا، وہ کسی اور دنیا کی مخلوق معلوم ہوتا تھا۔ ایک سیّاہ فام ماڈل، جس کی جلد چمکدار آبنوس جیسی تھی، ایک ایسے کاسٹیوم میں ملبوس تھی جو حیران کن تھا۔ یہ لباس کسی عام کپڑے سے نہیں بنا تھا، بلکہ یوں لگتا تھا جیسے رات کی گہری خاموشی میں ریت کے ان گنت چمکدار ذروں کو اکٹھا کر دیا گیا ہو۔

اس کی رنگت بعینہ ہماری کہکشاں جیسی تھی۔ سیاہ اور گہرے نیلے رنگوں کی تہیں، جن میں اربوں، کھربوں روشن ذرات چمک رہے تھے۔ یہ رنگت ایسی گہری اور لامحدود تھی جیسے کوئی براہ راست خلاء میں جھانک رہا ہو۔

اور یہ لباس ماڈل کے جسم کے ساتھ ایسے پیوست تھا، اتنی ہمواری سے چپکا ہوا تھا کہ یقین کرنا مشکل تھا کہ یہ پہنا گیا ہے۔ یہ تو یوں لگتا تھا جیسے ریت کے چمکتے ذروں کو براہ راست اس کی جلد پر بکھیر کر جما دیا گیا ہو۔ جسم کے خموں پر یہ ذرے بل کھاتے ہوئے ایک بہتے ہوئے ستارے کی دھول کا منظر پیش کر رہے تھے۔

اوپر سے لے کر کمر تک، یہ لباس ماڈل کے جسم سے مکمل طور پر چمٹا ہوا تھا، اس کے ہر زاویے کو نمایاں کر رہا تھا۔ لیکن کمر کے نیچے، یہ اچانک کسی جل پری کے دُم کی طرح وسیع ہو کر پھیل گیا تھا۔ جب ماڈل قدم اٹھاتی تھی تو یہ ریت کے ذرات کا سمندر لہراتا تھا، ایک کہکشانی پونچھ جو زمین پر جھاڑو پھیرتی جا رہی تھی۔

اس لباس پر موجود ریت کے چمکتے ذرے، سیّاہ فام ماڈل کی روشن اور دمکتی جلد پر تو ایسے دکھائی دے رہے تھے جیسے آسمان کے ستارے کسی گہری رات میں اپنی پوری آب و تاب سے چمک رہے ہوں۔ ہر ذرہ ایک ننھے ستارے کی ند ٹمٹا رہا تھا، جس نے ماڈل کے وجود کو ایک زندہ کہکشاں میں تبدیل کر دیا تھا۔

یہ کاسٹیوم صرف گردن سے پیروں تک ہی محدود نہ تھا، بلکہ بڑی نفاست سے ماڈل کی آنکھوں کے گرد بھی پھیلا ہوا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے کہکشاں کی دھول سے بنا کوئی پراسرار ماسک اس کے چہرے پر سجا دیا گیا ہو، جو اس کی آنکھوں کی چمک کو مزید گہرا کر رہا تھا۔ یہ منظر اتنا سحر انگیز، اتنا ماورائی تھا کہ دیکھنے والے گویا کسی اور سیارے پر پہنچ گئے ہوں، جہاں لباس مادے سے نہیں، روشنی اور کہکشاؤں کی دھول سے بنتے ہیں۔ فجر کی تخلیقی صلاحیت نے ایک بار پھر ثابت کیا کہ فیشن صرف کپڑا نہیں، ایک کہانی ہے، ایک تجربہ ہے، ایک خواب ہے جسے حقیقت کا روپ دیا گیا ہے۔

میوزک بدلا۔ اس بار سب کو اپنی دھڑکن رکتی محسوس ہوئی کیونکہ میوزک ہی ایسا تھا۔

Calling out my name,

In the summer rain,

Salvatore.....

اسٹیج کے قریب کھڑی فجر، دونوں ہاتھ لبوں پر رکھے، ہیزل گلابی آنکھوں سے اس منظر کو دیکھ رہی تھی۔ وہ یہ نظارہ کچھ نہیں بھول سکتی تھی۔

سٹیج پر جب اگلی ماڈل نمودار ہوئی تو ایک لرزہ سا طاری ہو گیا۔ اس نے فجر کا شاہکار، وہ سفید، مکڑی کے جالے جیسا کاسٹیوم اوڑھ رکھا تھا۔ یہ کسی عام کپڑے سے بنا نہیں لگتا تھا، بلکہ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کہرے کی باریک دھند یا

چاندنی کے تاروں کو یکجا کر کے یہ جال بُنا گیا ہو۔ اس کا رنگ دودھیا سفید تھا، مگر اس میں ایک عجیب سی بے جان چمک تھی، جیسے کسی قدیم راز کی پرچھائی ہو۔

کاسٹیوم ماڈل کے جسم پر اس طرح لپٹا ہوا تھا جیسے کسی نادیدہ مکڑی نے اسے خود اس کے وجود پر بُنا ہو۔ یہ ڈھیلا ڈھالا نہیں تھا، بلکہ ہر خم، ہر زاویے کے ساتھ ایسے پیوست تھا کہ ماڈل خود اس جالے کا حصہ لگ رہی تھی۔ باریک، لچکدار دھاگے، جو شاید ریشم سے بھی زیادہ نازک تھے، ایک دوسرے میں الجھے ہوئے، ایک پیچیدہ اور خوبصورت مگر روح فرسا نقش بنا رہے تھے۔

اور پھر وہ چیزیں تھیں جو اس کاسٹیوم کو صرف خوبصورت سے ہٹا کر خوفناک کے دائرے میں لے آتی تھیں۔ نائٹ میئرز کے دائرے میں، کابوس کے دائرے میں، ڈھیروں مکڑیاں۔ یہ اصلی نہیں تھیں، مگر اتنی حقیقت کے قریب بنائی گئی تھیں کہ ان کو دیکھ کر دل دہل جاتا تھا۔ مختلف جسامت کی، کالی اور ساکت مکڑیاں اس سفید جالے میں جگہ جگہ پیوست تھیں۔ ان کی مخملی، سیاہ جسامتیں سفید جالے پر ایسے نمایاں تھیں جیسے موت کے چھوٹے چھوٹے نشان۔ کچھ مکڑیاں ماڈل کے کندھے سے لپٹی تھیں، کچھ کمر کے بل پر جمی ہوئی تھیں، اور کچھ تو چہرے کے قریب، بالوں میں الجھی ہوئی لگ رہی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ کاسٹیوم کسی ایسی پراسرار دنیا سے آیا ہے جہاں جالے زندگیاں اوڑھ لیتے ہیں۔

ماڈل کی واک میں ایک ماورائی خاموشی تھی۔ اس کے قدم نپے تُلے اور آہستہ تھے۔ چہرہ جذبات سے عاری تھا، یا شاید ایک گہری، پرانی اداسی اس پر چھائی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں، اگرچہ میک اپ سے نمایاں تھیں، مگر ان میں ایک خالی پن تھا، جیسے وہ اس دنیا سے تعلق ہی نہ رکھتی ہو۔ جب وہ چلتی تو کاسٹیوم کا باریک جالا اس کے گرد ایک پراسرار ہالہ بناتا، اور اس میں جڑی مکڑیاں ہلکی سی جنبش کرتیں، جس سے یہ وہم ہوتا کہ جیسے یہ سب زندہ ہے۔

ہال میں موجود تماشائی مبہوت تھے۔ کچھ کے چہروں پر حیرت تھی، کچھ کی آنکھوں میں خوف، اور کچھ اس منظر کی عجیب و غریب خوبصورتی میں کھوئے ہوئے تھے۔ یہ صرف ایک فیشن شو نہیں تھا، یہ ایک پرفارمنس تھی، ایک بصری داستان جو پراسراریت، خوف اور سحر انگیزی کو ایک ساتھ پیش کر رہی تھی۔ فجر نے اپنے کاسٹیوم کے ذریعے زندگی اور موت، خوبصورتی اور ہولناکی کے درمیان ایک باریک لکیر کھینچ دی تھی، اور ماڈل اس لکیر پر چلتی ہوئی ایک بھولی بسری روح کا روپ دھارے ہوئے تھی۔ رن وے اس وقت محض ایک کیٹ واک نہیں رہا تھا، بلکہ ایک ایسے پراسرار راستے میں تبدیل ہو گیا تھا جو کسی انجانی، سحر زدہ دنیا کی طرف جاتا محسوس ہوتا تھا۔ ہال میں مکمل خاموشی تھی۔ ہر نظر اس چلتی ہوئی پہیلی پر جمی تھی۔ یہ فیشن کا عروج تھا، جہاں لباس محض تن ڈھانپنے کو نہیں، بلکہ ایک کہانی سنانے، ایک احساس بیدار کرنے اور دیکھنے والے کو ایک ان دیکھی دنیا میں لے جانے کے لیے تھا۔ فجر کا کاسٹیوم ایک سحر انگیز خواب اور ایک روح فرسا حقیقت کا ایسا امتزاج تھا جس نے پیرس کی اس رات کو ہمیشہ کے لیے یادگار بنا دیا۔ ماڈل جب رن وے کے اختتام پر پہنچی اور ایک لمحے کے لیے رکی تو وہ محض ایک ماڈل نہیں تھی، وہ اس پراسرار جالے کی ملکہ تھی، تاریکی میں رقص کرتی روشنی! ایک یادگار کہانی، آسان لفظوں میں کہیں تو ملکہ عنکبوت !

✿••✿••✿••✿

تہہ خانے کی ہوا میں وہی قید اور بوسیدگی کی باس رچی تھی، مگر آج ولیم کے چہرے پر مایوسی کے ساتھ ایک عجیب سی طمانیت اور صبر کا تاثر بھی تھا۔ وہ فرش پر بیٹھا، شاید زیرِ لب بڑبڑا رہا تھا۔ اس کی حالت ابتر تھی، کپڑے میلے اور بال بکھرے ہوئے تھے، مگر آنکھوں میں ایمان کی ایک مدھم سی روشنی باقی تھی، جو تہہ خانے کی تاریکی کو مکمل طور پر غالب نہیں آنے دے رہی تھی۔

بھاری دروازہ چرچراہٹ کے ساتھ کھلنے کی آواز آئی اور جارج زینوں پر نمودار ہوا۔ اس کے چہرے پر وہی تمسخرانہ مسکراہٹ تھی، لیکن آج وہ ولیم کے ردِ عمل کا زیادہ غور سے جائزہ لینے کے موڈ میں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ جسمانی قید ولیم کو توڑنے کے لیے کافی نہیں، اس کی روح پر ضرب لگانا ضروری تھا۔

ولیم نے نہ اسے سر اٹھا کر دیکھا اور نہ اسے جارج کے وہاں آنے سے فرق پڑتا تھا۔ اس کے چہرے کے زخم بھر چکے تھے لیکن گہرے نشان چھوڑ گئے۔ وہ اب کسی جسمانی تکلیف سے نہیں ڈرتا تھا۔

"تمہارے لیے پیرس سے ایک پیغام آیا ہے۔ دیکھنا چاہو گے؟" جارج کے لہجے میں طنزیت بھری تھی۔ شاندار لباس میں اس کی شخصیت شاندار تو لگ رہی تھی پر اس کی ہنسی مکروہ تھی۔ نقلی اور بودی۔

اس نے آتے ہی دیوار پر لگی ایل ای ڈی ان کی۔ یہ جارج کے فون سے کنیکٹ تھی۔ پتا نہیں اس نے کیا سسٹم کر رکھا تھا اکثر وہ خود بخود چلنے لگتی اور جب جارج چاہتا بند ہو جاتی۔

اسکرین پر پیرس کے ایک عالیشان فیشن شو کا منظر تھا۔ چکاچوند روشنیاں، تیز موسیقی، ریمپ پر چلتی حسین ماڈلز، اور پھر۔۔۔ فجر۔ وہ اسٹیج پر اپنی ٹیم کے ساتھ کھڑی تھی، پر اعتماد، کامیاب، اس کے ڈیزائن کیے ہوئے ملبوسات کی نمائش عروج پر تھی۔ تالیوں کی گونج میں اس کے چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ تھی، شاید کامیابی کی، یا شاید اپنے اندر چھپے غم کو چھپانے کی۔

ولیم ساکت و جامد رہ گیا۔ اس کی سانسیں جیسے سینے میں اٹک گئیں۔ وہ اپنی بیوی کو دیکھ رہا تھا۔ وہ فجر جسے بتایا گیا تھا کہ ولیم مر چکا ہے۔ وہ زندہ تھا، اسی دنیا میں سانس لے رہا تھا، مگر فجر کے لیے وہ ایک یاد، ایک ماضی کا قصہ بن چکا ہو گا۔ اسکرین پر نظر آتی فجر کی کامیابی، اس کی چمک دمک، تہہ خانے کے اس اندھیرے قید خانے میں ولیم کی اپنی شکستگی اور بے بسی کو اور گہرا کر رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں حسرت، درد اور کرب کا ایک طوفان امڈ آیا، مگر وہ

پتھر کا بت بنا صرف دیکھتا رہا۔ بیوٹی ان وائٹ حزن زدہ حسن لیے ہوئے تھی۔ اس نے سفید اسکرٹ پہن رکھی تھی۔ زمین کو چھوٹی اسکرٹ، چاند جیسی رنگت والی اسکرٹ اور ریشمی بلاؤز، جس میں اس کا پورا وجود چھپا ہوا تھا۔ ہیلز میں اس کا قد مزید دراز لگ رہا تھا۔ اس کے بال بند تھے ہمیشہ کی طرح اونچی پونی مین اور کانوں میں سفید ٹاپس چمک رہے تھے۔ چشمہ اس کی آنکھوں پر سجا تھا۔ نیوڈ میک اپ کے ساتھ وہ اپنی ٹیم سے آگے کھڑی تھی۔ اس کے کاسٹیوم زبار بار دکھائے جا رہے تھے۔ کاسٹیوم کے بارے میں پوچھا جا رہا تھا اور وہ تفصیلی جواب دے رہی تھی۔ نریٹر مزید کچھ کہہ رہی تھی وہ کچھ پوچھ رہی تھی شاید یہ کہ اسے یہاں پہنچ کر کیسا لگ رہا ہے؟ لوگوں کی نگاہوں میں اپنے لیے کیا نظر آ رہا ہے؟ اور عورت ہونے کے ناطے اپنی پہچان کیسے قائم رکھی جائے؟

اور پھر ہاتھ میں مائیک تھامے وہ بھی کچھ بولی۔ ولیم نے سننے کی کوشش کی۔ جارج نے والیوم بڑھا دیا۔

"یہ سچ ہے کہ اکثر نگاہیں مجھ پر ٹھہر کر ایک ناگواری کا تاثر چھوڑ جاتی ہیں۔ ان میں حیرت ہوتی ہے کہ کوئی عورت اتنی بے نیاز کیسے ہو سکتی ہے، اتنی خود میں مگن کیسے رہ سکتی ہے۔ شاید وہ اس بات کے عادی ہیں کہ عورتیں اپنی پہچان دوسروں کی نسبت سے تلاش کریں، کسی کے سائے میں پناہ لیں، کسی کی منظوری کی طالب رہیں۔ مگر میں نے اس سانچے کو توڑ دیا ہے۔ میں نے اپنی ذات کو ایک مکمل اکائی کے طور پر پہچانا ہے، جس کی اپنی قدر و قیمت ہے، جو کسی بیرونی سند کی محتاج نہیں۔"

وہ بولتے ہوئے اور بھی پیاری لگ رہی تھی۔ وہ سانس روکے اسے سنے گیا۔

"میرا یہ رویہ ان لوگوں کے لیے ایک چیلنج ہے جو سماجی بندھنوں اور روایات کو حرفِ آخر سمجھتے ہیں۔ وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ خود مختاری کا مطلب تنہائی یا بے حسی نہیں ہے۔ میں لوگوں سے دور نہیں بھاگتی، لیکن میں اپنی

ذات کے مرکز کو کبھی نہیں چھوڑتی میں اپنے لیے بنی ہوں یہ میری سب سے بڑی طاقت ہے۔ آپ بھی اپنے لیے بنے ہیں۔ میں یہی کہنا چاہوں گی کہ اپنی پہچان برقرار رکھیں۔"

جارج نے والیوم بند کر دیا۔ بالکل بند۔ اب کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا اور پھر اسکرین بند ہو گئی اور ولیم کا سکتہ ٹوٹ گیا۔

جارج نے طنزیہ آواز ابھری، اس کی آواز تہہ خانے کی دیواروں سے ٹکرا کر گونجی،

"دیکھو ولیم! پہچانتے ہو اسے؟ یہ وہی لڑکی ہے نا جس کے لیے تم نے زمین کی خاک کو چنا۔۔۔"

اس نے ایک لمحے توقف کیا، ولیم کے تاثرات سے لطف اندوز ہوتے ہوئے، پھر زہر اگلنا جاری رکھا، "اور دیکھو، وہ زمین سے آسمان پر پہنچ گئی۔ تم نے زمین کی خاک کو چنا اس نے آسمان کی بلندیاں چن لیں۔"

جارج اس کے قریب آیا اور جھکتے ہوئے سرگوشی کی، جیسے ولیم کے زخموں پر نمک چھڑک رہا ہو۔

"کیا اب بھی سوچتے ہو کہ یہ تمہیں اپنائے گی؟ یہ چمکتی دمکتی، کامیاب لڑکی تمہارے جیسے لوزر کو؟"

اس کے الفاظ نشتر بن کر ولیم کے وجود میں پیوست ہو رہے تھے۔

"اس کی دنیا اب بہت الگ ہے ولیم! وہ تمہیں کبھی قبول نہیں کرے گی۔ تم اس کے لیے مر چکے ہو اور شاید یہی بہتر ہے۔"

وہ سر جھکائے بیٹھا رہا۔ زبان کو جیسے قفل لگ چکا تھا۔

جارج نے ایک آخری تحقیر آمیز نظر ولیم پر ڈالی، جس کا وجود ٹوٹ کر بکھرتے ہوئے دیکھنا چاہتا تھا، آنکھیں اب بھی اسی مقام پر جمی تھیں جہاں چند لمحے پہلے فجر کا روشن چہرہ تھا۔ جارج فاتحانہ انداز میں مسکراتا ہوا سیڑھیوں کی جانب بڑھا اور پھر عقب سے ابھرنے والی آواز پر اس کے قدم ساکت ہوئے۔

"جارج۔۔۔۔"

ولیم نے اسے پکارہ تھا۔ مہینوں بعد، جارج ساکت رہ گیا۔ یوں لگا جیسے اس کا دل کسی نے مٹھی میں پکڑا ہوا۔

"تم ٹھیک ہو؟" اس نے پوچھا۔ لہجے سے چھلکتی فکر نمایاں تھی۔ جارج جھٹکے سے پلٹا اور حیرت سے اسے دیکھا۔ ولیم نے چہرے کا رخ اس کی جانب کیا۔ پل بھر کو دونوں کی نگاہیں ٹکرائیں۔

"میں جانتا ہوں تم مجھے سن سکتے ہو، مجھے یقین ہے تم اس مونسٹر سے جیت جاؤ گے۔ بس ہار مت ماننا۔"

یہ کیا کہہ دیا تھا اس نے؟ جارج کے ہاتھ سے فون چھوٹ کر گرا۔ اس کا وجود لرز اٹھا، یوں لگا جیسے کسی نے اس کے گرد بنی اس پتھر کی دیوار پر ہتھوڑا دے مارا ہو۔ اس کے گرد چھائے سرد پن میں دراڑ پڑ چکی تھی۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے ولیم کو دیکھے گیا۔ بچپن کے کئی مناظر اس کی آنکھوں کے سامنے سے گزرے، ولیم اسے گلے لگا رہا تھا، جارج اسے کھانا کھلا رہا تھا۔ وہ بیسٹ برادرز تھے۔ ان کے بیچ یہ کون آ گیا تھا؟

یہ حیوان کونسا حیوان تھا جس نے جارج کو اپنے قابو میں کر لیا تھا۔

"تم اس سے لڑ سکتے ہو جارج! مجھے یقین ہے تم جیت جاؤ گے۔" ولیم کی آواز پھر سے گونجی۔

کچھ رشتوں میں نفرت کو کبھی کبھی نفرت سے نہیں محبت سے کاٹا جاتا ہے۔

جارج کچھ دیر کھڑا رہا اور پھر وہ خوفزدہ ہو کر زینوں پہ بھاگنے لگا۔ وہ ولیم سے دور بھاگ رہا تھا جیسے وہ کوئی عفریت ہو۔ دروازہ بند ہونے کی آواز ایک ہتھوڑے کی ضرب کی طرح لگی، اور ولیم اس قبر نما تہہ خانے میں اپنی اذیت، فجر کی احساس اور جارج کے زہریلے الفاظ کے ساتھ تنہا رہ گیا۔ اس نے گہری سانس لی اور آنکھیں موند لیں۔ اس کے لب ہولے سے ہلے تھے۔ شاید اس نے کچھ مانگا تھا۔ اس نے اس قید میں پہلی دعا کی تھی۔ پہلی بار اپنے اللہ سے کچھ مانگا تھا اب دیکھنا یہ تھا اس کی دعا کب قبول ہوتی۔

✿••✿••✿••✿

رئیس کا دل ایک میدانِ جنگ تھا جہاں ماضی کے بھوت حال کی بے چین حقیقت سے ٹکرا رہے تھے۔ فجر اس کے سامنے تھی، اس کی مرحوم منگیتر، منار کی جیتی جاگتی گونج۔ برسوں بیت چکے تھے لیکن اس کی تصویر رئیس کی یادوں میں نقش تھی، ایک تکلیف دہ، قیمتی داغ!

اب فجر، منار کی چھوٹی بہن، جو شکل وصورت میں اس سے ہو بہو مشابہ تھی، اس کی زندگی میں داخل ہو گئی تھی، جس نے ایسے متضاد جذبات کا طوفان برپا کر دیا تھا جس کے لیے وہ تیار نہیں تھا۔

وہ فجر سے ایک ایسے رشتے سے بندھا ہوا تھا جسے وہ سمجھ ہی نہیں سکتی تھی۔ وہ حیرت انگیز مشابہت جو اسے اس عورت سے تھی جسے رئیس نے کھو دیا تھا۔ یہ فجر کے ساتھ مشترکہ تاریخ کا رشتہ نہیں تھا، بلکہ قسمت کا ایک ظالمانہ موڑ تھا جس نے اسے منار کے سائے کے ذریعے فجر سے جوڑ دیا تھا۔

فجر کا یہ چہرہ اس کی کمزوری تھا۔ وہ اس سے شدید، تکلیف دہ چاہت سے محبت کرتا تھا کیونکہ یہ منار کا چہرہ تھا، وہ چہرہ جس کو دیکھنے کی اس نے شدت سے خواہش کی تھی پھر بھی، وہ اس سے اتنی ہی شدید نفرت بھی کرتا تھا، کیونکہ یہ

اسے مسلسل، تکلیف دہ یاد دہانی کراتا تھا کہ اس سے کیا چھینا گیا تھا، اس کے غم کا ایک خوبصورت، جیتا جاگتا مجسمہ تھی فجر معراج!

یہ چہرہ، اتنا محبوب اور اتنا قابل نفرت، فجر کا بوجھ بھی تھا۔ اس نے ان دیکھے دشمنوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کر لی تھی، ایسے شکاری جو نامعلوم وجوہات کی بنا پر اسکا تعاقب کر رہے تھے، شاید ایسی وجوہات جو منار کے ماضی سے جڑی تھیں۔ رئیس نے خود کو غیر ارادی طور پر اس کے دائرے میں کھینچا ہوا پایا، اس کا محافظ، اس کا ہچکچاتا ہوا مسیحا بن گیا۔ وہ یہ نہیں چاہتا تھا۔ اس کی ہر جبلت اسے دور رہنے، اس کے دل کو اس درد اور الجھن سے بچانے کے لیے چیخ رہی تھی جو فجر اس کے اندر پیدا کر رہی تھی۔ وہ دوری چاہتا تھا، جذباتی لاتعلقی کی حفاظت چاہتا تھا۔

لیکن جتنا زیادہ وہ پیچھے ہٹنے کی کوشش کرتا، اتنا ہی وہ پھنستا جا رہا تھا۔ یوں جیسے کائنات انہیں جوڑ رہی تھی۔

فجر کی ہٹ دھرمی، ان خطرات کے سامنے اس کی بے خوفی، جو اس کا پیچھا کر رہے تھے، رئیس کے عزم کو توڑ رہی تھی۔ وہ اس میں منار کو دیکھتا تھا، نہ صرف اس کی خصوصیات میں، بلکہ اس کی روح میں بھی، اور بچاؤ کی ایک بنیادی جبلت اس کے اندر بیدار ہو جاتی تھی، جو اس کی خود کو بچانے کی خواہش پر حاوی ہو جاتی تھی۔ وہ اس کے مصائب کی جانب اٹل طریقے سے کھینچا جا رہا تھا، اس کے سامنے آنے والے ڈرامے میں ایک خاموش، غیر رضاکار شریک!

یہ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ عنکبوت کے جال میں پھنس گیا ہو۔ حالانکہ وہ خود جال پھیلاتا تھا، وہ خود شکاری تھا۔ پر یہ سب کیوں کیسے ہو رہا تھا وہ بھی سمجھ نہیں پایا تھا۔ کاش وہ اس کی ہمشکل نہ ہوتی تو اب تک مر چکی ہوتی۔ پر اب ہر رابطہ، ہر موقع جب وہ اسے بچانے کے لیے آگے بڑھتا، ریشمی دھاگے اس کے گرد مزید سخت ہوتے جا رہے تھے۔

وہ ان نادیدہ دھاگوں کے خلاف جدوجہد کر رہا تھا، جتنا زیادہ وہ جدوجہد کرتا، اتنا ہی گہرا الجھتا جاتا۔ یہ اس کا اپنا بنایا ہوا جال نہیں تھا، پھر بھی وہ اس میں پھنسا ہوا تھا، ماضی سے، مشابہت سے، اور فجر کی مصیبت کی جانب ایک ناقابل

فہم کشش سے بندھا ہوا۔ وہ ایک ایسا شخص تھا جو اس درد سے بچنے کی شدید ضرورت کے درمیان بٹا ہوا تھا جس کی فجر نادانستہ نمائندگی کر رہی تھی اور اس عورت کو بچانے کی ناقابل مزاحمت، اذیت ناک کشش کے درمیان جو بالکل ویسی لگتی تھی جسے وہ پہلے بچانے میں ناکام رہا تھا۔ اس کے جذبات ایک افراتفری کا طوفان تھے۔ محبت، نفرت، حفاظت کا احساس، ناراضی، اور ایک تقدیر میں پھنس جانے کا تکلیف دہ احساس جس سے وہ بھاگ نہیں سکتا تھا۔ وہ بھاگ کر جاتا بھی تو کہاں؟

اس نے گہری سانس لے کر نظریں فجر سے ہٹائیں۔

پیرس کی رات اپنے پورے جوبن پر تھی۔ کامیاب فیشن شو کی گونج ابھی تک فضا میں تحلیل نہیں ہوئی تھی۔

H کا شاندار ہال جگمگا رہا تھا، رنگا رنگ شخصیات سے آباد۔ باہر آسمان پر بادلوں کا راج تھا،

ایک خنک اداسی فضا میں تھی، مگر اندر کا ماحول کامیابی کی چمک سے دمک رہا تھا۔ فیشن کی دنیا کے بڑے نام، برانڈز کے نمائندے اور اسپانسرز، سبھی آج کی شب ایک چھت تلے جمع تھے۔ قہقہے بلند ہو رہے تھے، ہر طرف آج کے شو کی باتیں تھیں۔

ہال کے ایک جانب، جہاں لوگوں کا ہجوم ذرا کم تھا، فجر، فروہ کے ساتھ کھڑی تھی، اس کے چہرے پر مسکان تھی مگر آنکھیں گویا طنز کے لیے تیار تھیں۔ اس کے ڈیزائن کیے گئے ملبوسات نے واقعی کمال کر دکھایا تھا، اور وہ اس وقت تعریفوں کے ہجوم میں گھری ہونی چاہیے تھی، مگر یہاں سب سے الگ کھڑی تھی فروہ ایکسکیوز کرتی جا چکی تھی۔

رئیس کے قدم اس کی جانب اٹھے۔ وہ بالکل سادہ سے سوٹ میں تھی۔ بھورے کھلے بلیزر میں جیسے جھول رہی تھی۔ بال ہمیشہ کی طرح فولڈ تھے اور چشمہ بالوں پر جما تھا۔

"تو یہاں کھڑی ہیں ہماری اسٹار کاسٹیوم ڈیزائنر!" رئیس نے طنزیہ تعریف کی۔ "سنا ہے آپ نے پیرس کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔"

فجر نے آنکھیں سکوڑ کر اسے دیکھا۔ "سننے میں کیا برائی ہے؟"

سفید ڈریس پینٹ اور سفید شرٹ میں، مخصوص خوشبو لیے وہ کافی پر جوش اور فریش نظر آرہا تھا۔ نفاست سے جمے بال، ہلکی داڑھی اور چمکتی آنکھیں۔ وہ کمبخت اتنا فٹ کیوں تھا؟

"سچی بات تو شاید آپ جیسے لوگوں کو ہضم ہی نہ ہو۔" ناگوار نظر اس پر ڈال کر بولی۔

رئیس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"سچی بات؟ کیا یہ وہی سچی بات ہے جس کے لیے آپ نے پچھلے کئی مہینے سر پھوڑ کر ایک پروجیکٹ پر لگائے، جس کی کامیابی کا انحصار محض چند **'خیر خواہ'** لوگوں کی مہربانی پر تھا؟" اس نے **'خیر خواہ'** پر زور دیا۔ وہ خود تھا یہ شہر خواہ! اس نے اسپانسر کیا تھا فجر کو۔

فجر کا چہرہ لمحہ بھر کے لیے سپاٹ ہوا، پھر اس نے تیزی سے خود کو سنبھالا۔

"مہربانی؟ آپ جیسے لوگ تو شاید **'مہربانی'** کا مطلب ہی نہیں جانتے۔ یہ میری محنت کا نتیجہ ہے، کسی کی خیرات نہیں۔" اس کا دل لرز اٹھا۔ وہ کیا جتانا چاہتا تھا؟

"بالکل نہیں، بالکل نہیں" رئیس نے ہاتھ لہرا کر کہا۔ "محنت تو گدھے بھی کرتے ہیں۔ اصل چیز تو صحیح وقت پر صحیح جگہ ہونا اور **'اچھی قسمت'** ہے۔" اس کی آنکھوں میں ایک چمک تھی جسے فجر پڑھ نہیں پائی۔ وہ گویا کچھ جانتا تھا جو فجر سے پوشیدہ تھا۔

"میری قسمت اتنی بری نہیں کہ اس کا انحصار آپ جیسی شخصیت پر ہو۔" اس کا لہجہ سرد ہوا، چہرہ سرخ پڑ گیا۔

رئیس قہقہہ لگا کر ہنسا۔ "اوچ! یہ تو دل پر لگ گئی۔ خیر، آج کی رات جشن کی ہے، نوک جھونک کی نہیں۔" اس نے ایک لمحے کو فجر کی آنکھوں میں دیکھا، اس کی آنکھوں میں دبی ہوئی پریشانی یا شاید کچھ اور تھا، جسے فجر نے محسوس نہیں کیا۔

رئیس بات ختم کر کے لوگوں کے ہجوم میں سے گزرنے لگا۔ وہ مہمانوں سے ہاتھ ملا رہا تھا، مبارکبادیں قبول کر رہا تھا، مگر اس کی نگاہیں پورے ہال کا جائزہ لے رہی تھیں۔ یہ اس کی عادت تھی، ہر چیز پر نظر رکھنا اور یہ عادت عروزہ نے ڈالی تھی جو حسب عادت اپنے کام مشغول تھی۔ رئیس نے دیکھا وہ رئیس گروپ کے دیگر لوگوں کے ساتھ ہاتھ میں ڈرنک لیے کھڑی تھی۔ ایئر پوڈ کانوں میں جمے تھے۔ وہ بظاہر باتوں میں مگن تھی مگر اس کی ساری حسیات زندہ تھیں۔

وہ چلتے چلتے ہال کے ایک نسبتاً دوسرے حصے میں پہنچا، اچانک اس کی نظریں جم گئیں۔

ہال کے بالکل آخری سرے پر، جہاں سے راہداری شروع ہوتی تھی، وہاں گلاس وال تھی۔ اسی راہداری کے سرے پر فجر کھڑی تھی جو فون میں مگن نظر آ رہی تھی۔ راہداری کے دوسرے حصے سے گلاس وال کے پیچھے، ایک وجود نمودار ہوا۔ سفید، لمبا شب خوابی کا لباس۔ اس وجود میں ایک انوکھی سی دلکشی، ایک سحر انگیزی تھی۔ اس کے بال بہت گھنے اور گہرے تھے، بے ترتیب، گھنگریالے، جو گویا ایک آبشار کی طرح اس کے شانوں پر بکھرے ہوئے تھے اور چہرے کا بیشتر حصہ ان میں چھپا ہوا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھی اس جانب جہاں فجر کھڑی تھی۔ اس کی چال میں ایک عجیب سی طمانت تھی، ایک ٹھہراؤ، ایک مغرورانہ تاثر، جیسے وہ زمین پر نہیں، بلکہ ہوا میں تیر رہی ہو۔

رئیس کا دل ایک زور دار دھڑکن کے ساتھ ڈوبا۔ یہ کیا تھا؟ ایک عورت؟ یا کوئی خواب؟ اس کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں۔ وہ وجود کسی طلسم کی طرح اپنی جانب کھینچ رہا تھا، مگر اس کھنچاؤ میں ایک سرد خوف پنہاں تھا۔ اور پھر رئیس نے دیکھا، وہ سیدھی فجر کی طرف بڑھ رہی تھی، جو ابھی ابھی چند لوگوں کے ساتھ محو گفتگو ہوئی تھی۔ اس کی پر اسرار، چہرہ چھپائے ہوئے آنکھیں گویا فجر پر جمی تھیں۔ یہ وہی وجود تھا جو کیمرہ میں نظر آیا تھا۔ یہ منظر دیکھتے ہی رئیس کے پورے وجود میں ایک لہر دوڑ گئی۔ یہ سحر انگیز وجود محض خوبصورت نہیں، بلکہ خطرناک تھا۔ ایک انجان، پرانا خطرہ جو فجر کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اس کے منہ کا ذائقہ کڑوا ہو گیا، حلق میں جیسے کانٹے چبھنے لگے۔ بغیر ایک لمحہ ضائع کیے، وہ دیوانوں کی طرح ہجوم کو دھکیلتا ہوا، میزوں اور کرسیوں سے بچتا ہوا فجر کی طرف لپکا۔ اس کا واحد مقصد فجر تک اس کے پہنچنے سے پہلے پہنچنا تھا۔

لوگ حیرت سے اس کی جانب دیکھ رہے تھے، ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اچانک اسے کیا ہوا۔ رئیس کی آنکھوں میں دہشت تھی۔ وہ جتنی تیزی سے ہو سکتا تھا، بھاگ رہا تھا۔ فاصلہ کم ہوتا جا رہا تھا۔ لوگ حیرت سے اسے دیکھ رہے تھے جو اچانک بھاگا تھا۔ وہ میزوں سے بچتا، لوگوں سے ٹکراتا، فجر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ فاصلہ کم ہوتا جا رہا تھا۔ وہ تقریباً وہاں پہنچ چکا تھا، جہاں فجر کھڑی تھی اور اس کے پیچھے گلاس وال شروع ہو رہی تھی جہاں سے وہ عورت آتی دکھ رہی تھی۔

پر جیسے ہی وہ اس مخصوص مقام پر پہنچا، جہاں وہ چند لمحے پہلے تھی، اس نے فجر کو کھینچ کر ایک جانب کیا اور گلاس وال کے پیچھے راہداری میں داخل ہوا، وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ نہ سفید لباس، نہ گھنے بال، نہ وہ ہیبت ناک وجود! ایسا لگا جیسے وہ کوئی ٹھوس شے نہیں، بلکہ کسی دھول کی طرح ہوا میں تحلیل ہو گئی ہو۔ رئیس ساکت کھڑا تھا، اس کی آنکھیں خالی جگہ کو گھور رہی تھیں۔ ہال کا شور اب اسے اور بھی بے جان اور پر شور لگ رہا تھا۔ وہ وہاں اکیلا کھڑا تھا،

جبکہ اس کے آس پاس زندگی اپنے معمول پر لوٹ چکی تھی۔اس کے ذہن میں بس ایک ہی سوال گونج رہا تھا، یہ کیا تھا؟اور یہ کس خطرے کا پیش خیمہ تھا؟

فجر نے اس کے یوں کھینچ کر ایک جانب کرنے پر کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا۔

"مسئلہ کیا ہے آپ کا؟" وہ غضبناک ہو چکی تھی۔رئیس نے ایک بار پھر سائیں سائیں کرتی راہداری کو دیکھا اور دوسری نظر فجر پر ڈالی۔یہ چہرہ اسکا دماغ خراب کرتا تھا۔کیا وہ ذہنی طور پر اتنا پریشان ہو چکا تھا؟اس نے گہری سانس لی اور پھر فجر کو بنا کوئی جواب دیے وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

"بھاڑ میں جائے یہ لڑکی، مرتی ہے تو مرے۔" وہ جبڑے بھینچے تیز تیز قدم اٹھاتا ہال سے باہر نکل رہا تھا جبکہ فجر اس کی پشت کو گھور کر رہ گئی۔

ب بڑبڑا کر اسے نئے لقب سے نوازہ۔

✿••✿••✿••✿

جگہ: پیرس کی ایک مقامی مارکیٹ

وقت: ستمبر کی ایک نیم روشن صبح

پیرس فیشن ویک کی گہما گہمی ماند پڑ چکی تھی، مگر شہر کی روح جاگ رہی تھی۔ ستمبر کی دھوپ، اب نرم اور سنہری، پتھروں سے بنی پرانی گلیوں میں پھیلی اس مارکیٹ پر مہربان تھی جہاں زندگی دھیرے دھیرے رواں تھی۔ فجر، دنیا و مافیہا سے بے خبر، رنگین پھولوں، پرانی نوادرات، خوشبودار فرانسیسی پنیر اور ہاتھ سے بنی پینٹنگز کے اسٹالز کے

درمیان گھوم رہی تھی۔ ہوا میں بیکری کی تازہ خوشبو اور دور سے آتی ایکارڈین کی دھن ایک جادوئی سماں باندھ رہی تھی۔ اس نے ہلکے نیلے رنگ کا لباس زیب تن کیا ہوا تھا، ایک پتلا سا لمبا خاکستری رنگ کا کوٹ پہن رکھا تھا۔ بال حسب معمول جوڑے میں بندے تھے جبکہ گردن کے گرد اسکارف لپٹا ہوا تھا۔ کندھے پر ایک چھوٹا سا بیگ لٹک رہا تھا۔ وہ پیرس کی اس غیر رسمی، مقامی خوبصورتی میں پوری طرح کھوئی ہوئی تھی۔ چہرے پر آزاد پن کا تاثر تھا جیسے وہ اس شہر کی روح اپنے اندر جذب کر لینا چاہتی ہو۔

ابھی وہ ایک بک اسٹال پر رکی ہوئی تھی، جہاں پرانے نقشے اور پوسٹ کارڈز بک رہے تھے، وہ انہیں الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی جب اسے احساس ہوا، تپتی ہوئی نظروں کا، جیسے کوئی اسے گھور رہا ہو۔ ایک شناسا مگر ناپسندیدہ آہٹ، اس نے پلٹ کر دیکھا۔ رئیس کچھ فاصلے پر کھڑا تھا، سفید پینٹ پر ہلکی نیلی پولو شرٹ میں ملبوس، چمڑے کی جیکٹ پہنے، آنکھوں پر دھوپ کا چشمہ لگائے، مگر اس کے چہرے کے تاثرات چھپائے نہیں چھپ رہے تھے۔ ان میں ایک عجیب سی کشمکش، فکر مندی، غصہ اور شاید کچھ اور بھی تھا، چمک اور رعونت جو فجر کو ایک آنکھ نا بھاتی تھی۔ وہ اس کی طرف بڑھا۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" اس کی آواز میں وہ روکھا پن نہیں تھا بلکہ ایک گہری، سلگتی ہوئی تشویش تھی، جسے وہ چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ "میں نے تمہیں منع کیا تھا اکیلے باہر نکلنے سے۔"

فجر کو اس کا یوں اچانک نمودار ہونا ہمیشہ کی طرح ناگوار گزرا۔ فروہ کی آج کی ٹکٹ تھی وہ واپس جا چکی تھی۔ کل ان کی ٹیم کو واپس جانا تھا۔ کسی اور کو ڈسٹرب کرنا اسے اچھا نہیں لگا اس لیے وہ خود ہی نکل آئی تھی۔ فجر نے ایک پرانا، پیرس کا نقشہ واپس رکھتے طنزیہ کہا۔

"مسیحا صاحب! آپ کو کیسے معلوم ہوا میں یہاں ہوں؟ ہر وقت میری نگرانی کیوں کرتے رہتے ہیں؟" چہرے پر سرخ پن ابھرا۔

"میں تمہاری نگرانی نہیں کر رہا، یہاں سے گزر رہا تھا۔"

"ہر اس جگہ سے آپ کیسے گزر رہے ہوتے ہیں جہاں میں ہوتی ہوں؟" طنز کا ایک اور تیر ابھرا۔

"میرا کام تمہاری حفاظت کرنا نہیں ہے، اپنے اور میرے لیے مشکلات مت بڑھاؤ۔" رئیس نے قدم آگے بڑھایا۔ "پیرس صرف روشنیوں کا شہر نہیں، یہاں سائے بھی بہت گہرے ہیں۔ حالات خراب ہیں۔ تمہیں اندازہ نہیں کہ خطرہ کتنا قریب ہو سکتا ہے۔"

"حالات؟ کون سے حالات؟" فجر نے بھنویں اچکائیں۔ "آپ ہمیشہ ایسی ہی پہیلیاں کیوں بجھواتے ہیں؟ صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ مسئلہ کیا ہے؟ ہم ایک دوسرے کو جانتے بھی نہیں ہیں پھر میرا سربراہ بننے کی کوشش کیوں کر رہے ہیں؟"

اس کی قینچی کی طرح چلتی زبان اور ڈھیر سارے سوال، آہ! رئیس کا دماغ گھوما۔

مراد صحیح کہتا تھا، عورتیں گونگی ہی اچھی لگتی ہیں۔

اس کے سرخ ہوتے چہرے کو دیکھ کر وہ ہنس دی۔ اس کی ہنسی میں بے نیازی تھی۔

"اور کس خطرے کی بات کر رہے ہیں آپ؟ میں خطرے کو میلوں دور سے سونگھ لیتی ہوں۔ یہ میری خاصیت ہے۔ اور میری چھٹی حس؟" اس نے آنکھیں چھوٹی کیے رئیس کو دیکھا۔

"وہ اس وقت چیخ چیخ کر کہہ رہی ہے کہ خطرہ یہاں ضرور ہے، مگر وہ میری طرف نہیں، آپ کی طرف بڑھ رہا ہے۔"

اس نے اپنی انگلی سے رئیس کے سینے کی طرف اشارہ کیا۔ "آج آپ کو محتاط رہنے کی ضرورت ہے، مجھے نہیں۔"

رئیس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ "اپنی یہ فضول کی حس اپنے پاس رکھو۔ میں جانتا ہوں میں کیا کر رہا ہوں۔ تم بس واپس ہوٹل چلو۔"

"میں کہیں نہیں جا رہی۔ میں پیرس دیکھنے آئی ہوں، کسی سنہری پنجرے میں قید ہونے نہیں۔ اور آپ کو میری فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں اپنا خیال رکھ سکتی ہوں۔" فجر نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور دوسری سمت مڑ گئی۔

"بد دماغ لڑکی!" رئیس نے غصے سے کہا۔ "یاد رکھنا، میں نے تمہیں خبر دار کیا تھا۔"

"اور میں نے بھی آپ کو خبر دار کر دیا ہے مسیحا صاحب! یہاں کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ ویسے بھی آج آپ کی وہ روبوٹ باڈی گارڈ نظر نہیں آ رہی۔" فجر نے کندھا اچکایا اور بھیڑ میں آگے بڑھ گئی۔

دونوں مخالف سمتوں میں چل پڑے۔ فجر ایک آرٹ گیلری کے باہر رکھی پینٹنگز دیکھنے لگی، جبکہ رئیس نے جیب سے فون نکالا اور کسی کو مختصر ہدایات دینے لگا، لیکن اس کا دھیان فجر کی وارننگ پر کم اور اپنے کام پر زیادہ تھا۔ وہ عروزہ کو بنا بتائے نکلا تھا۔ وہ بھی بنا کسی حفاظتی تدابیر کے۔ اسے پتا چل جاتا تو اسکا پہلا مکا رئیس کو ہی پڑتا۔

اس کے چہرے پر پیچیدہ تاثرات تھے۔ فجر کی آخری بات اس کے ذہن میں گونج رہی تھی۔ **'یہاں کچھ ٹھیک نہیں ہے'**۔ اس نے لاشعوری طور پر اپنی جیکٹ کے اندر ہاتھ ڈالا، جیسے کسی چیز کو ٹٹول رہا ہو۔ اس نے ارد گرد کی

عمارتوں کی کھڑکیوں، بالکونیوں اور چھتوں پر ایک تیز نگاہ ڈالی۔ مارکیٹ کی ساخت ایسی تھی کہ چھپنے کی جگہیں بہت تھیں۔ عین اسی لمحے!

ایک تیز، تقریباً غیر محسوس **'سوئش'** کی آواز ہوا میں ترا کی، جیسے کوئی چیز تیزی سے اس کے پاس سے گزری ہو۔ اس سے پہلے کہ وہ سمجھ پاتا کہ کیا ہوا، اس کے کندھے سے نیچے سینے کے مقام پر ایک ناقابلِ برداشت، جلتا ہوا درد اٹھا۔ ایک اور ویسی ہی آواز آئی اور اس کی ٹانگ میں جیسے آگ لگ گئی۔ اسے سنبھلنے کا موقع بھی نہیں ملا۔

"آہ!" وہ تکلیف سے کراہا اور لڑکھڑا کر ایک قریبی پھولوں کے سٹال سے ٹکرا گیا۔ گملے گرے، پانی پھیلا۔ اس نے اپنے سینے کو دیکھا، خون تیزی سے اس کی جیکٹ کو بھگو رہا تھا۔ ٹانگ سے بھی خون بہہ رہا تھا۔

حملہ کہاں سے ہوا؟ کس نے کیا؟ کچھ نظر نہیں آیا۔ کوئی نقاب پوش نہیں، کوئی بھاگتا ہوا سایہ نہیں۔ جیسے ہوا میں سے کسی نے وار کیا ہو۔ شاید کسی قریبی عمارت کی کھڑکی سے، یا چھت سے، کسی ماہر نشانہ باز نے، سائلنسر لگی بندوق سے۔ مارکیٹ میں ایک دم افراتفری پھیل گئی۔ لوگ چیخنے لگے، بھاگنے لگے۔ کسی کو سمجھ نہیں آیا کہ گولی چلی ہے یا کوئی اور حادثہ ہوا ہے۔ شور اور بھگدڑ میں رئیس کی کراہیں دب گئیں۔ وہ تکلیف سے زمین پر گر گیا۔

فجر جو ابھی زیادہ دور نہیں گئی تھی، شور سن کر اور ایک مانوس کراہ کی آواز پر ٹھٹکی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ بھیڑ میں سے اسے رئیس زمین پر گرتا ہوا نظر آیا۔ اس کے ارد گرد گرے ہوئے گملے اور پھیلتا ہوا خون۔ اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ اس کی چھٹی حس، اس کی وارننگ، سچ ثابت ہوئی تھی۔

ایک لمحے کا تذبذب، خوف، اور پھر وہ احساس غالب آ گیا جس نے اسے رئیس کی طرف دوڑنے پر مجبور کیا۔ وہ بھیڑ کو چیرتی ہوئی اس تک پہنچی۔

"رئیس آپ ٹھیک ہیں؟ یہ کک۔۔ کیا ہوا؟؟ اس نے جھک کر اسے سہارا دینے کی کوشش کی اور اس کے ساتھ ہی زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔

رئیس کا چہرہ درد سے سفید پڑ رہا تھا لیکن وہ خود پر قابو رکھے ہوئے تھا۔ اس نے بمشکل آنکھیں کھلی رکھیں۔

"تم۔۔۔ صحیح۔۔۔ تھیں۔۔" اس کی آواز ٹوٹ رہی تھی۔ "یہاں۔۔۔ سے نکلو۔۔۔"

جبکہ فجر کے سانس خشک ہوئے۔ اس نے اپنے حواس قابو میں رکھنا چاہے۔ خون رئیس کے جسم سے ابل رہا تھا۔

"نہیں! میں آپ کو یہاں نہیں چھوڑ سکتی!" فجر نے اس کے بہتے خون کو روکنے کے لیے اپنا اسکارف اتارا۔

"کہاں لگی ہے؟"

"کندھا۔۔ ٹانگ۔۔" وہ بمشکل بول پایا۔ وہ اس کی ہمت پر حیران رہ گیا تھا۔ سانس ٹوٹ رہا تھا، آنکھیں بند ہو رہی تھیں، لیکن چہرے پر حیرت رقم تھی۔ اس لڑکی میں اتنی ہمت کہاں سے آئی؟ وہ ایک کندھے سے گزار کر اس کے بہتے خون پر اسکارف باندھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

فجر نے اوپر دیکھا۔ حملہ آور نظر نہیں آ رہے تھے، لیکن خطرہ شاید ابھی ٹلا نہیں تھا۔ یہ حملہ اتنا پیشہ ورانہ اور چھپا ہوا تھا کہ وہ دوبارہ وار کر سکتے تھے۔ اس نے چیخ کر مدد مانگی۔

"Help! Au secours! Somebody help!"

لوگ خوفزدہ تھے، لیکن ایک دو ہمت والے قریب آئے۔ فجر نے ان کی مدد سے رئیس کو اٹھایا۔ وہ تقریباً بے ہوش تھا۔ اسے سہارا دے کر وہ مارکیٹ کے باہر کی طرف بھاگی۔ پیرس کی دلکش گلیاں اب ایک بھول بھلیاں لگ رہی تھیں۔ ہر موڑ پر خطرہ محسوس ہو رہا تھا۔ دور کہیں پولیس سائرن کی آواز سنائی دے رہی تھی مگر مزید انتظار کرنا

رئیس کے لیے خطرناک ہو سکتا تھا۔ آخر کار وہ مرکزی سڑک تک پہنچ گئے۔ ایک ٹیکسی روکی۔ ڈرائیور پہلے ہچکچایا، لیکن پھر زخمی رئیس اور فجر کی حالت دیکھ کر مان گیا۔

' (ہسپتال! جلدی!)

ٹیکسی اسپتال کی طرف دوڑی۔ وہ اسے دیکھتا رہا تب تک جب تک آنکھیں بند نہیں ہو گئیں۔

"زندہ رہیں پلیز زندہ رہیں۔۔۔" وہ خشک لبوں پر زبان پھیرتے بڑبڑائی۔

اس کا جسم ساکت تھا۔ اس کے ہاتھ نیلے پڑ رہے تھے۔ فجر نے رئیس کا ہاتھ چھو کر دیکھا تو ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔ اس نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ پیرس کے مشہور مقامات تیزی سے پیچھے گزر رہے تھے۔ دریائے سین، نوٹرے ڈیم کے میناروں کی جھلک! مگر فجر کی آنکھوں میں اس وقت شہر کی خوبصورتی نہیں، صرف خوف تھا۔ اس کا وجود لرز رہا تھا۔ اس کے کپڑے خون سے بھر چکے تھے۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ اس کے سامنے ایک شخص شاید مر رہا تھا۔ یہ منظر ناقابل بیان تھا۔ اسے اندازہ نہیں تھا اس کی کہی ہوئی بات اتنی بھیانک سچائی بن جائے گی۔

اس نے رئیس کے بے ہوش چہرے کو دیکھا۔ وہ جو خود کو اس کا مسیحا کہتا تھا، اب خود زندگی اور موت کی کشمکش میں تھا، اور بچانے والی وہ تھی۔ وہ لڑکی جس کی زندگی سے اس شخص نے ساری روشنی چرا لی تھی۔ اگر اسے سچائی کا علم ہوتا تو اس وقت وہ اسے مرنے کے لیے چھوڑ دیتی۔ لیکن کچھ راز، راز ہی رہیں تو اچھا ہے۔

ستمبر کی وہ صبح، پیرس کے قلب میں، ایک ان کہے ماضی اور ایک نامعلوم خطرے کے ساتھ ان دونوں کو ایک نئے، خطرناک موڑ پر لے آئی تھی۔

✿••✿••✿••✿

پیرس کے اس نجی ہسپتال کے ٹھنڈے راہداری میں، فجر گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے ساکت بیٹھی تھی۔ آپریشن وارڈ کا بند دروازہ اس کے سامنے تھا، اور اس کے پیچھے ایک زندگی موت سے لڑ رہی تھی۔ لیکن اس لمحے، فجر کے ذہن میں صرف رئیس کا تکلیف سے کراہتا ہوا چہرہ ہی نہیں تھا، بلکہ اس کے ساتھ ماضی کی وہ بازگشت بھی تھی جو اس کے وجود کا حصہ بن چکی تھی۔

"تم Cursed ہو، ملعون ہو، تم سب کھا گئیں، تم مر کیوں نہیں جاتیں؟" یہ الفاظ، یہ سرگوشیاں، یہ انگلیاں جو بچپن سے اس کی طرف اٹھتی رہی تھیں، آج ایک خوفناک حقیقت بن کر اس کے سامنے کھڑی تھیں۔ وہ لڑکی تھی، اس نے زندگی میں بہت کم ہولناکی دیکھی تھی، لیکن لوگوں کی نظروں میں وہ خود ایک چلتی پھرتی ہولناکی تھی۔ منار کی مشابہت ایک داغ تھی، ایک لعنت جس کا بوجھ وہ اٹھائے پھر رہی تھی۔ اور آج، آج اس لعنت نے ایک اور جان کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔

اس کے اندر ایک چیخ گونج رہی تھی، "یہ میری وجہ سے ہوا ہے! یہ میرا **'کرس'** ہے جس نے رئیس کو نشانہ بنایا ہے۔" وہ تکلیف، وہ خون جو اس نے دیکھا تھا، اب اسے محض ایک حادثہ نہیں لگ رہا تھا۔ یہ اس کی ذات سے جڑی بدقسمتی کا شاخسانہ تھا۔ رئیس جو اسے خطرے سے آگاہ کرنا چاہتا تھا دراصل اس کی **"کرسڈ"** موجودگی کا شکار ہوا تھا۔ یہ خیال ایک سیاہ بادل کی طرح اس کے دماغ پر چھا گیا تھا اور ہر لمحہ گہرا ہوتا جا رہا تھا۔

وہاں بیٹھی، ہسپتال کی عجیب سی بو اور آپریشن تھیٹر سے آنے والی دبی دبی آوازوں کے درمیان، اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ خود ایک آفت ہے۔ جہاں جاتی ہے، مصیبت لاتی ہے۔ منار کی کہانی، اس کے ساتھ پیش آنے والے واقعات، اور اب رئیس کی یہ حالت، سب ایک کڑی میں جڑ گئے تھے، بالکل تار عنکبوت کی طرح، اور فجر کو یقین ہو چلا تھا کہ وہ واقعی ایک **"کرس"** ہے۔

بے بسی کا احساس اب کئی گنا بڑھ چکا تھا۔ وہ کیا کر سکتی تھی؟ وہ اس بد قسمتی سے کیسے چھٹکارا حاصل کر سکتی تھی جو اس کی روح میں پیوست تھی؟ وہ اپنے وجود سے کیسے بھاگ سکتی تھی؟ یہ انتظار، یہ خاموشی، یہ بے یقینی اسے اندر سے نوچ رہی تھی۔ دل کی دھڑکنیں تیز، سانسیں اکھڑی ہوئیں، اور آنکھوں کے سامنے بار بار رئیس کا کراہتا چہرہ اور اس کے اوپر منار کا مبہم سایہ۔

اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ صرف ایک بوجھ ہے۔ ایک ایسا بوجھ جو اپنے قریب آنے والے ہر شخص کے لیے تباہی لاتا ہے۔ رئیس جیسا بہادر، مہربان شخص اس کی وجہ سے موت کے دہانے پر تھا۔ یہ سوچ اسے جلا رہی تھی۔ وہ خود کو مجرم محسوس کر رہی تھی، اس سے کہیں زیادہ گہرا جرم جو صرف ایک حادثے کا نتیجہ ہو۔ یہ جرم اس کے وجود کا حصہ بن گیا تھا۔

اس ٹھنڈی راہداری میں بیٹھی، وہ نہ صرف رئیس کی زندگی کے لیے فکر مند تھی، بلکہ اپنے وجود کی حقیقت سے بھی لڑ رہی تھی۔ کیا وہ واقعی ایک لعنت تھی؟ کیا اس کی قسمت میں صرف اپنے سے جڑے لوگوں کو تکلیف دینا لکھا تھا؟ یہ سوالات زہر بن کر اس کے وجود میں سرایت کر رہے تھے، اور آپریشن وارڈ کے بند دروازے کے پیچھے لڑی جانے والی جنگ اسے اپنی ذات کے خلاف لڑی جانے والی جنگ محسوس ہو رہی تھی۔ اگر رئیس بچ گیا تو شاید اس کے کرس کا اثر کم ہو جائے، لیکن اگر، اگر اسے کچھ ہو گیا، تو فجر کو یقین تھا کہ وہ کبھی خود کو معاف نہیں کر پائے گی، اور کرس ہونے کا داغ اس کی روح پر ہمیشہ کے لیے نقش ہو جائے گا۔ وہ کسی اور کی موت کو قریب سے دیکھ رہی تھی، اور اس موت کی ممکنہ وجہ خود کو سمجھ رہی تھی۔

مراد عالم اور عروزہ پہنچ چکے تھے۔ وہ دونوں حواس باختہ تھے۔ مزید لوگ بھی آ گئے۔ وہ خون سے لت پت بیٹھی تھی۔ اسے نہیں پتا چلا اسے کون ہسپتال سے لے گیا۔ کون اسے کمرے تک لایا۔ کس نے اسے سکون آور دوا دی

اور وہ کب اس دوا کے زیر اثر نیند کی وادی میں چلی گئی۔ اس کا ذہن جو ڈھیروں آوازوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا یکا یک ہی شانت ہو گیا۔ بالکل ٹھہرے پانی کی طرح شانت!

✿••✿••✿••✿

اگلے دن پیرس کے اس نجی ہسپتال کے باہر ایک عجب ہنگامہ تھا۔ وہ سبھی لوگ جو رئیس کے اسپانسر کردہ فیشن شو کا حصہ تھے۔ ڈیزائنرز، ماڈلز، منتظمین، میڈیا کے کچھ لوگ، ہسپتال کے مرکزی دروازے پر جمع تھے۔ ان کے چہروں پر تشویش تھی، لیکن اس میں کیمروں کی موجودگی کا شعور بھی شامل تھا۔ انہیں اندر داخلے کی اجازت نہیں تھی، چنانچہ وہ باہر کھڑے، دبے سر گوشیوں میں صورتحال کا اندازہ لگا رہے تھے۔ رئیس، فیشن کی دنیا کا ایک بڑا نام، یوں اچانک گولیوں کا نشانہ بن جائے، یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیلی تھی اور اب سب اس کی خیریت جاننے کو بے تاب تھے۔

ان سب سے دور، ہسپتال کے اندرونی ویٹنگ ایریا میں، فجر ایک کرسی پر بیٹھی تھی۔ صبح اس کی آنکھ ایک جھٹکے سے کھلی تھی وہ یوں اٹھ بیٹھی تھی جیسے کابوس کی دنیا سے لوٹی ہو۔

اس کا وجود ایک پتھر کی مورت کا سا لگ رہا تھا۔ چہرہ سپاٹ، تاثرات سے عاری۔ آنکھیں کسی ایک نقطے پر جمی ہوئیں، مگر شاید کچھ دیکھ نہیں رہیں۔ اندر کا طوفان اب یخ بستہ ہو چکا تھا، ساری شدت ایک ٹھوس بے حسی میں بدل گئی تھی۔ کل رات کا خوف، گناہ کا احساس، اور کرس ہونے کا یقین، سب کچھ مل کر اس کے اندر ایک سلیب کی طرح جم گیا تھا۔

رئیس خطرے سے باہر تھا۔ ڈاکٹروں نے گولیاں نکال دی تھیں، مگر خون بہت بہہ گیا تھا۔ یہ خبر جب فجر تک پہنچی تو اس کے چہرے پر کوئی خاص تاثر نہیں آیا، جیسے وہ یہ سن کر حیران نہ ہوئی ہو۔ اس کے ذہن میں تو بس یہی چل رہا

تھا کہ اس کا کرس ایک بار پھر قریب آیا تھا، لیکن اس بار موت نے اپنا شکار نہیں بنایا۔ شاید اس کی **'لعنت'** اتنی بھی طاقتور نہیں تھی، یا شاید رئیس کی زندگی اس سے زیادہ مضبوط تھی۔

پولیس باری باری سب سے پوچھ تاچھ کر رہی تھی اور سب سے زیادہ اس سے تحقیقات کی گئیں۔

"وہ رئیس کی کیا لگتی تھی؟ وہ وہاں کیوں تھی؟ حملہ کیسے ہوا؟" وغیرہ وغیرہ

وہ سبھی سوالوں کا جواب دیتی رہی۔ بنا کچھ محسوس کیے۔

کچھ دیر بعد، عروزہ، فجر کے قریب آئی اور اسے بتایا کہ رئیس اس سے ملنا چاہتا ہے۔ عروزہ کی آنکھوں میں اس کے لیے واضح ناپسندیدگی تھی۔ جب سے یہ لڑکی ان کی زندگی میں آئی تھی سب الجھ گیا تھا۔ پولیس اسے جانے نہیں دینا چاہتی تھی۔ یہ رئیس کا اثر ورسوخ تھا جسے استعمال کر کے وہ اسے بنا کسی مصیبت کے جانے دے رہا تھا۔

فجر کا دل ایک لمحے کے لیے ڈوب کر ابھرا، لیکن پھر فوراً ہی اس نے خود کو سنبھال لیا۔ ملنا چاہتی تھی، ضرور ملنا چاہتی تھی، مگر اب ایک مختلف وجہ سے۔

وہ بوجھل قدموں سے اٹھی۔ اس کی فلائٹ تھی، اسے اپنی ٹیم کے ساتھ واپس جانا تھا۔ پیرس کا یہ سفر ایک بھیانک موڑ لے چکا تھا۔ وہ اس شہر، اس ہسپتال، اور اس واقعے سے جلد از جلد دور جانا چاہتی تھی۔

رئیس کے کمرے میں داخل ہوتے وقت اس کا چہرہ مکمل طور پر تاثرات سے خالی تھا۔ رئیس بیڈ پر نیم دراز تھا، تکیے سے پشت ٹکائے، چہرہ زرد پڑا ہوا تھا مگر آنکھوں میں کمزوری کے ساتھ ایک چمک تھی۔ اس نے فجر کو دیکھا تو چہرے پر عجیب اطمینان اور ممنونیت کی لہر دوڑ گئی۔ وہ ایک کھلی پینٹ پر کھلا گول گلے والا ٹاپ پہنے ہوئے تھی،

اسکارف گردن کے گرد بندھا تھا اور بال الجھے ہوئے سے بندھے تھے، چہرہ ستا اور سپاٹ تھا۔ وہ کالج اسٹوڈنٹ لگ رہی تھی۔

"تم نے میری جان بچائی۔۔۔ شکریہ!" اس کی آنکھوں میں گہرائی تھی۔ وہ اس لمحے کو جذب کر رہا تھا۔ وہ اس لڑکی کی ہمت پر حیران تھا۔ اگر وہ آس پاس نہ ہوتی تو وہ شاید بچ نہ پاتا۔

"میں اسے احسان سمجھوں؟" وہ اپنی چمک چہرے پر واپس لاتے بولا۔ گلاس ونڈو سے چھن کر آتی روشنی میں رئیس کا وجود روشنیوں جیسا لگ رہا تھا۔ فجر اس کے بیڈ سے کچھ فاصلے پر رکی رہی۔ اس کی آواز سرد اور سپاٹ تھی۔ جیسے کسی روبوٹ نے جواب دیا ہو۔

"احسان؟ مجھے احسان کرنا پسند نہیں۔"

رئیس لمحے بھر کے لیے ٹھٹکا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت اور کچھ سمجھ نہ آنے کا تاثر ابھرا۔

"میں تو شکریہ کہہ رہا تھا۔"

فجر نے ایک بے تاثر نظر اس پر ڈالی۔

"ایک بار آپ نے میری جان بچائی تھی، اس خطرناک ایکسڈنٹ میں، یاد ہے؟" اس کی آواز میں کوئی لچک نہیں تھی۔ "آج، میں نے آپ کی جان بچا دی۔" اس نے ایک لمحے کے لیے سانس لی۔

"حساب برابر ہو گیا۔"

یہ الفاظ کمرے میں گونجے۔ رئیس کا چہرہ سن ہو گیا۔

"حساب برابر، جان کے بدلے جان!"

فجر نے بات جاری رکھی، اسی سرد اور کٹے ہوئے انداز میں، جیسے کوئی حقیقت بیان کر رہی ہو۔

"میں امید کرتی ہوں کہ اب ہم آئندہ کبھی نہیں ملیں گے۔" یہ کہہ کر اس نے رخ موڑا۔ اس کا کرس، لوگوں سے دور رہنا ہی اس کی سلامتی کی ضمانت تھی۔ اسے خود کو الگ تھلگ کرنا تھا۔ یہی اس کی قسمت تھی، یا اس کی لعنت کا تقاضا۔

رئیس اسے جاتا دیکھتا رہا۔ وہ کچھ کہہ نہ سکا۔ فجر کی پشت اور اس کے سرد الفاظ، جانے کیوں، اس کے لیے گولیوں کے زخم سے زیادہ تکلیف دہ تھے۔ فجر نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ اس کے لیے یہ ایک باب تھا جو بند ہو چکا تھا۔ یا جسے اسے زبردستی بند کرنا پڑا تھا۔ حالانکہ اسے تو رئیس گروپ کے ساتھ کام کرنا تھا۔ برابری کی سطح پر۔ اس کے کرس ہونے کا خوف اور اس خوف سے جنم لینے والی تنہائی کا فیصلہ، اس وقت اس کے ہر دوسرے احساس پر حاوی تھا۔

وہ جا رہی تھی، اپنے پیچھے ایک الجھا ہوا، زخمی رئیس چھوڑ کر، اور اپنے ساتھ اپنے ملکہ ملعون ہونے کا بوجھ لے کر۔ کمرے کا دروازہ کھلا اور پھر بند ہو گیا۔ ہاں البتہ رئیس جانتا تھا وہ لڑکی اس سے جڑی ہوئی تھی۔ وہ اس سے دور نہیں جا سکتی تھی۔ اب تو بالکل نہیں۔ ان کی تقدیریں جڑ چکی تھیں۔ کم از کم رئیس اور نگزیب کو تو یہی لگا تھا۔ وہ پہلی عورت تھی جس نے اسے بچایا تھا ورنہ عورت ذات سے اسے ہمیشہ موت ہی ملی تھی۔ پھر کیسے وہ دور جا سکتی تھی۔ ہرگز نہیں۔۔۔!!

✿••✿••✿••✿

یہ منظر ہسپتال کے پرسکون کمرے کا تھا۔ باہر کی دنیا سے کٹا ہوا، یہاں صرف مشینوں کی دھیمی بیپ اور کبھی کبھار سٹاف کی سرگوشیاں سنائی دیتیں۔ وہ شاندار فیشن شو، جس کی گہما گہمی چند دن قبل عروج پر تھی، اب ایک یاد بن چکا

تھا۔ تمام ٹیمیں، تمام بڑے برانڈز، سب واپس جا چکے تھے۔ اب اس وسیع و عریض کمرے میں بس دو ہی روحیں موجود تھیں۔ بستر نیم پر دراز، حملے کے زخموں سے چور رئیس، اس کا وفادار ساتھی مراد! جو رئیس جو خشمگیں نگاہوں سے گھور رہا تھا۔ کیونکہ وہ موبائل پر ریلیز دیکھتے ہوئے زوردار قہقہے لگا رہا تھ۔ مصنوعی ہنسی۔

عروزہ بھوری رنگت لیے، غصے کی وجہ سے مزید سنجیدہ لگ رہی تھی، کمرے میں داخل ہوئی۔ رئیس نے عروزہ کو دیکھا تو اس کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔

"آؤ عروزہ دیکھو تو۔۔" رئیس نے ابھی بات شروع ہی کی تھی۔

پر اگلے ہی پل اس کی بات حلق میں اٹک گئی۔ عروزہ نے بغیر کوئی لمحہ ضائع کیے، اپنا مضبوط ہاتھ اٹھایا اور ایک زوردار مکا رئیس کی ناک پر مارنا چاہا مگر رئیس قابل پھرتی سے اسکا ہاتھ پکڑ چکا تھا۔ اس کا جسم درد سے بلبلا اٹھا۔ اس سے پہلے وہ کچھ کہتا، عروزہ نے برق رفتاری سے دوسرا ہاتھ گھمایا اور اس بار مکا اس کی ناک پر پڑ چکا تھا۔

"بیڑہ غرق۔۔۔"

رئیس درد سے بلبلا اٹھا۔ وہ ناک پکڑ کر بستر پر دوہرا ہو گیا۔ عروزہ اسے گھور رہی تھی۔ اسکی آنکھوں میں کوئی نرمی نہیں تھی۔ وہ رئیس گروپ کی ملازم ضرور تھی، مگر اس رشتے سے کہیں بڑھ کر وہ اس کے والد کے گہرے دوست کی بیٹی تھی۔ اس حیثیت نے اسے رئیس پر ایک خاص حق دے رکھا تھا۔ اس کی آواز میں سختی تھی۔

"بیڑہ غرق آپ نے کیا ہے جو مجھے بتائے بغیر باہر نکل گئے۔ آپ کو اندازہ بھی ہے کیا ہو سکتا تھا؟ آپ کی جان جا سکتی تھی!"

اس نے ایک گہری سانس لی، اپنی ناراضی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے، اور پھر ٹھنڈی آواز میں کہا۔

"میں ڈیڈ کو بتاؤں گی۔ اب بھگتیں!"

رئیس درد سے کراہتا رہا۔ اسے معلوم تھا کہ عروزہ کا ڈیڈ کہنا صرف ایک دھمکی نہیں تھی، اور یہ بات جب اس کے والد تک پہنچے گی تو وہ ایک اور مشکل میں پھنس جائے گا۔ مگر اس وقت اسے صرف اپنی ٹوٹی ہوئی ناک اور چہرے پر اٹھنے والے درد کا احساس تھا۔ وہ جیسے آئی تھی اسی طوفان سے پلٹ گئی۔ اس کے جاتے ہی مراد اپنی جگہ سے اٹھا اس نے ہاتھ سے تالی بجائی۔

"ویلڈن۔۔" اس نے رئیس کو دیکھا۔ "پہلی بار مجھے یہ ڈیمن اچھی لگی ہے۔ مزہ آگیا۔" وہ مزے لیتا باہر نکل گیا جبکہ ان کے جاتے ہی رئیس سیدھا ہو بیٹھا۔ موبائل دور پھینک دیا۔ اب اس کے چہرے پر کوئی ہنسی کوئی مصنوعی پن نہیں تھا بلکہ سوچ کی گہری پرچھائیاں تھی۔

رئیس اورنگزیب آسانی سے کسی کا شکار ہو جائے اس کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟ اس کا مطلب ہے کہ اس نے خود کو شکار ہونے دیا۔ وہ جانتا تھا ایسا کچھ ہو گا۔ اس نے جان بوجھ کر فجر کا پیچھا کیا تھا تاکہ یہ جان سکے کہ اگر اس پر حملہ ہوا تو وہ صرف فجر سے نہیں اس سے بھی جڑا ہو گا۔ اس کا تعلق ماضی سے ہو گا اور اب اسے یقین ہو گیا تھا کہ ان کا دشمن جو بھی تھا وہ مشترکہ تھا۔ اس نے گہری سانس لی اور پھر بیڈ سے نیچے اتر آیا۔ اب ہو گا اصل کھیل شروع کیونکہ رئیس، شکار کے لیے تیار تھا

✿••✿••✿••✿

جوزف پیلس کا بیرونی سبزہ زار:

جوزف پیلس کے وسیع و عریض، زمردیں سبزہ زار پر ایک خوابناک تقریب کا اہتمام تھا۔ آسمان صاف اور شفاف تھا، ہلکی دھوپ نے ماحول کو ایک سنہری چمک بخشی تھی۔ سبز گھاس پر سفید پھولوں، خصوصاً سفید گلاب اور للی کے پھولوں کی کیاریاں اور گملے نہایت نفاست سے سجائے گئے تھے۔ داخلی راستے سے لے کر سٹیج تک سفید ریشمی کپڑے اور نازک بیلوں سے آراستہ محرابیں بنائی گئی تھیں، جن پر سفید ربن لہرا رہے تھے۔ ہوا میں پھولوں کی میٹھی خوشبو اور ہلکی، مدھر موسیقی رچی بسی تھی۔ مہمانوں کے بیٹھنے کے لیے سفید کرسیاں قطاروں میں لگی تھیں۔ جن پر سفید ساٹن کے کور چڑھے ہوئے تھے۔ مجموعی طور پر ماحول ایک انتہائی پر وقار، امیرانہ اور کلاسیکی کرسچن شادی کی عکاسی کر رہا تھا، جہاں ہر چیز ترتیب، خوبصورتی اور نفاست کا نمونہ تھی۔

دور سے آتی موسیقی کی دھن پر، ایڈنبرا کی شوبز انڈسٹری کی نامور شخصیات، اپنے بہترین لباس میں ملبوس، خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔ کیمروں کی فلیش لائٹس وقفے وقفے سے چمک رہی تھیں۔ سب کی نظریں اس راستے پر تھیں جہاں سے دلہن، نساء جوزف، کو آنا تھا۔

اسی اثناء میں، سفید عروسی جوڑے میں ملبوس، نساء ایک مجسمہ حسن لگ رہی تھی۔ اس کا لباس اعلیٰ درجے کے لیس اور موتیوں سے سجا ہوا تھا اور اس کا چہرہ ایک باریک سفید نقاب کے پیچھے چھپا تھا۔ مگر اس کی خوبصورتی کے پیچھے ایک گہری اندرونی کشمکش پوشیدہ تھی۔ اس کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ وہ یہ شادی جیکب سے کر رہی ہے، جسے وہ قطعاً ناپسند کرتی تھی، مگر صرف اپنے باپ، شہر کے مشہور و معروف پروڈیوسر مسٹر جوزف، کی محبت، عزت اور ان کی خوشی کی خاطر وہ اس قربانی کے لیے تیار ہوئی تھی۔ حالانکہ دل رو رہا تھا۔ شادی کے شاپنگ کے دوران اسے ایک مال میں پال ملا تھا۔ اس کی آنکھوں میں نساء کے لیے واضح پسندیدگی تھی جسے نساء نے دیکھ کر بھی نظر انداز کیا تھا کیونکہ ان کا آپس میں کوئی جوڑ نہیں تھا۔ کوئی میل نہیں تھا۔ کوئی نصیب نہیں تھا۔

اس نے دل مار لیا تھا۔ خود کو سمجھا لیا تھا۔ اِس آس پر کہ شاید جیکب اس کا دل جیت لے۔ اسے محبت دے۔ وہ چہرے پر مسکراہٹ سجائے ہوئی تھی۔ اس ظاہری مسکراہٹ کے پیچھے، اس کی مضطرب نگاہیں ہجوم میں کسی کو تلاش کر رہی تھیں۔

اپنے سوتیلے بھائی، ولیم کو! چھ ماہ ہو گئے تھے اسے گئے ہوئے۔ چھ ماہ میں اس نے کئی بار ولیم کا نمبر ملایا مگر ہمیشہ کی طرح بند ملا۔ چھ ماہ سے اس نے اپنی شکل نہیں دکھائی تھی۔

نساء نے غصے میں اسے چلے جانے کو کہا تھا، وہ واقعی چلا گیا تھا اور پھر پلٹ کر نہیں آیا۔ آج، اپنی زندگی کے اس اہم ترین دن، نساء کو شدت سے اس کی کمی محسوس ہو رہی تھی۔ دل میں ایک ٹیس اٹھی کہ کاش وہ یہاں ہوتا، کاش وہ اسے دیکھ پاتی، مگر ولیم کہیں نظر نہیں آیا۔ اس کی غیر موجودگی کا دکھ اس کی خوشی پر حاوی ہو رہا تھا۔

موسیقی کی دھن بدل گئی، اور سب کی نظریں داخلی محراب کی جانب اٹھ گئیں۔ نساء نمودار ہوئی۔ اس کے ایک جانب مسٹر جوزف تھے، جن کے چہرے پر فخر اور بیٹی کی خوشی کی جھلک تھی اور دوسری جانب جارج تھا، جو حفاظتی انداز میں اس کا بازو تھامے ہوئے تھا۔ اس کا سگا بھائی۔ اس کا محافظ!

دونوں اسے سہارا دیتے ہوئے آہستہ آہستہ سٹیج کی جانب بڑھ رہے تھے۔ نینی سب سے پہلی رو میں بیٹھی تھیں۔ ان کے چہرے پر خوشی اور غم کے ملے جلے تاثرات تھے۔ ان کے ہاتھوں میں پلی بڑھی جوان ہوئی نساء آج رخصت ہو کر جا رہی تھی۔

نساء سر جھکائے، قدم اٹھا رہی تھی، اس کا دل بوجھل تھا، وہ اپنی نظریں ہجوم پر ڈالنے سے گریزاں تھیں، مبادا ولیم کو نہ پا کر اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئے۔

سٹیج پر، جیکب، نفیس سیاہ ٹکسڈو میں ملبوس، بے چینی سے اس کا منتظر تھا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی اداکارانہ مسکراہٹ، وہ خوش تھا۔ آج اس کی فتح ہوئی تھی۔ وہ ہونگے چوڑے کیے فخر سے کھڑا تھا۔

مسٹر جوزف اور جارج، نساء کو بڑی محبت اور احتیاط سے سٹیج تک لائے اور اسے جیکب کے قریب لا کھڑا کیا۔ ایک لمحے کے لیے نساء کی نگاہیں ایک آخری امید کے ساتھ ہجوم پر پڑیں، مگر ولیم کا کوئی نشان نہیں ملا۔ ایک گہری سانس لے کر اس نے سامنے دیکھا، جہاں جیکب اس کا ہاتھ تھامنے کا منتظر تھا۔

بظاہر یہ ایک شاندار، پرفیکٹ تقریب تھی، روشنیوں، پھولوں اور معزز مہمانوں سے سجی ہوئی، مگر دلہن کے دل میں یادوں، پچھتاوے اور ایک نامکمل خواہش کی خلش باقی تھی۔ کچھ دیر بعد ایجاب و قبول شروع ہوا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو قبول کر رہے تھے۔ نساء کے آنسوں گال پر بہتے چلے گئے۔

شام رات میں تبدیل ہو گئی۔ ایک خوبصورت اور کلاسک تقریب کے بعد نساء کو نینی نے ڈھیروں دعاؤں کے سائے میں جیکب کے ساتھ ایک چمچماتی سفید گاڑی میں رخصت کر دیا اس بات سے بے خبر نساء کی آنے والی زندگی خواب جیسی نہیں عذاب جیسی ہونے والی تھی۔

✿••✿••✿••✿

کمرہ کسی خواب محل سے کم نہ تھا۔ گلاب کی پنکھڑیاں نرم بستر اور چمکدار فرش پر بکھری تھیں۔ خوشبودار موم بتیاں مدھم روشنی بکھیر رہی تھیں، جس سے کمرے میں ایک رومانوی اور سحر انگیز ماحول تھا۔ کونے میں سجے پھولوں کے گلدستے اپنی تازگی اور رنگینی سے کمرے کی خوبصورتی میں اضافہ کر رہے تھے۔ بیچ کمرے میں سجی سنوری، دلہن کے بھاری جوڑے اور نازک زیورات میں ملبوس نساء بیٹھی تھی، جیسے کوئی گڑیا جسے بڑی نزاکت سے سجایا گیا ہو۔ اس کی آنکھوں میں ہلکی گھبراہٹ تھی، لیکن اس معصوم چہرے پر آنے والی زندگی کے لیے ایک ننھی سی امید کی کرن

بھی جھلملا رہی تھی۔ وہ اپنے شوہر کا انتظار کر رہی تھی، جس سے اس کی شادی ابھی کچھ گھنٹے پہلے ہی ہوئی تھی۔ اسے کیا معلوم تھا کہ یہ سجاوٹ، یہ خوشبو، یہ انتظار سب ایک خوفناک طوفان کا پیش خیمہ ہے۔

دروازہ کھلا اور جیکب اندر داخل ہوا۔ وہ کوئی عام دولہا نہیں تھا۔ اس کی چال میں اکڑ تھی، آنکھوں میں گہرا سناٹا اور چہرے پر ایک ایسی سرد مہری جو اس لمحے کی گرمجوشی سے قطعی میل نہیں کھاتی تھی۔ اس نے ایک نظر کمرے پر ڈالی، جیسے کسی غیر مانوس جگہ میں آ گیا ہو۔ پھر اس کی نظر نساء پر پڑی۔ اس کی آنکھوں میں ایک پل کے لیے بھی وہ چمک نہیں آئی جو کسی شوہر کی اپنی دلہن کو دیکھ کر آتی ہے۔ اس کی نظروں میں نفرت تھی، حقارت تھی، اور ایک گہرا انتقام تھا۔

وہ نساء کے قریب آیا اور بغیر کچھ کہے اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ نساء نے سہم کر نظریں اٹھائیں، اس کی آنکھوں میں سوال تھا۔ جیکب نے کوئی جواب نہیں دیا، بس اسے دیکھتا رہا۔ اس کی نظروں میں ماضی کے سائے ناچ رہے تھے۔ اپنے باپ کی ناکامی، نساء کے باپ کی بڑھتی ہوئی شہرت، ولیم سے ملی تذلیل اور نینسی کا چہرہ جو اس سے شادی نہ کرنے کی خاطر موت کو گلے لگا گئی تھی۔ ان تمام تلخ حقیقتوں کا زہر اس کی رگوں میں دوڑ رہا تھا۔

اور پھر، بغیر کسی وارننگ کے، اس کا ہاتھ اٹھا اور پوری قوت سے نساء کے گال پر پڑا۔ تھپڑ کی آواز کمرے کے سناٹے میں گونجی۔ نساء کی چیخ حلق میں ہی دب گئی، وہ لڑکھڑا کر بستر پر گر پڑی۔ اس کا گال سرخ ہو گیا، آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے۔

"جیکب۔۔۔؟" اس نے گال پر ہاتھ رکھتے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ وہ اس کے لیے قطعی تیار نہیں تھی۔

جیکب کی آواز گونجی، سرد اور پتھریلی، "یہ شادی؟ یہ کوئی شادی نہیں ہے۔" اس کے لہجے میں اتنی نفرت تھی کہ جیسے ہر لفظ نساء پر ایک پتھر بن کر گر رہا ہو۔

"یہ صرف بدلہ ہے! تمہارے باپ اور ان بھائیوں سے بدلہ، جنہوں نے ہمیں پیچھے دھکیلا۔"

وہ اس کے لفظوں پر حیران ہوئی۔ مسٹر البرٹ اکثر اسٹار لائٹ پروڈکشن ہاؤس کے کو پروڈیوسر ہوتے تھے۔ مسٹر جوزف نے جیکب کو لانچ کیا تھا۔ اسے چمکتا ہوا ستارہ بنایا تھا۔ پھر یہ سب کیوں؟

اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ کسی جسمانی تشدد سے کہیں زیادہ روح کی پامالی تھی۔ جیکب نے نساء کو بازو سے پکڑا، اس پر چیخا چلایا۔ اس نے اسے دھکے دیے، اس کے ساتھ بدسلوکی کی۔ اس نے جسمانی طور پر اسے تکلیف دی، لیکن اس کے الفاظ، اس کی حقارت بھری نظریں، اس کا رویہ اس کے زخموں کو مزید گہرا کر رہے تھے۔ وہ اس پر الزام لگا رہا تھا، اس کی معصومیت کا مذاق اڑا رہا تھا۔ وہ اس کے وجود کی نفی کر رہا تھا۔ نساء روتی رہی، منتیں کرتی رہی، لیکن جیکب پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ انتقام کی آگ میں جل رہا تھا اور نساء اس آگ کا پہلا ایندھن تھی۔ اس نے اس کے جسم پر اپنے تشدد کے نشان چھوڑے، لیکن سب سے بڑھ کر اس نے اس کی روح کو تار تار کر دیا۔ اس رات، محبت، امید اور معصومیت اس کمرے میں دم توڑ گئیں۔

اگلی صبح، جب سورج کی پہلی کرنیں کمرے میں داخل ہوئیں، تو سجاوٹ بے معنی لگ رہی تھی۔ جیکب جا چکا تھا۔ نساء بستر پر اوندھے منہ پڑی تھی۔ جب وہ اٹھی اور باتھ روم میں جا کر آئینے میں خود کو دیکھا، تو ایک لمحے کے لیے پہچان ہی نہ سکی۔ سوجی ہوئی آنکھیں، ہونٹوں کے کونے پر زخم، گال پر گہرے نیل کا نشان، بکھرے بال، اور چہرے پر موت جیسی زردی۔ وہ اپنی حالت دیکھ کر دوبارہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

"ڈیڈ۔۔۔ نینی۔۔۔ جارج۔۔۔ ولیم۔۔۔" اس کی گھٹی گھٹی سسکیاں باتھ روم میں گونج گئیں۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھے رو رہی تھی۔ بے طرح، بے مول، ایڈنبرا کے مشہور پروڈیوسر اور نامور شخصیت مسٹر جوزف کی شہزادیوں جیسی اپنی بے قدری پر گھٹ گھٹ کر رو رہی تھی۔

اس کے جسم پر تو جیکب کے تشدد کے داغ صاف نمایاں تھے، ہر کوئی دیکھ سکتا تھا۔ لیکن اس کی روح پر جو زخم لگے تھے، جو نشانات جیکب نے اس کے اندر چھوڑے تھے، اس کی معصومیت جو قتل ہوئی تھی، اس کا اعتماد جو پاش پاش ہوا تھا، وہ کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ نشانات اس کے دل کی گہرائیوں میں چھپ گئے تھے، جو شاید ساری عمر بھرنے والے نہیں تھے۔ وہ زندہ تھی، سانس لے رہی تھی، لیکن اس کی روح اس کمرے میں، اس بدلہ کی رات مر چکی تھی۔

✿••✿••✿••✿

اسٹار لائٹ اسٹوڈیو، فلم سیٹ

اسٹار لائٹ اسٹوڈیو کا پروڈکشن ہاؤس اس وقت مکمل خاموشی اور گہری سنسناہٹ میں ڈوبا ہوا تھا۔ تیز روشنیوں کا جھرمٹ ہیروئن، جینی رابرٹ، پر مرکوز تھا جو فرش پر بکھری پڑی تھی۔ اس کے سامنے ایک بے جان جسم پڑا تھا جو یقیناً فلم کا ایک حصہ تھا، لیکن اس وقت وہ محض ایک پراپ نہیں لگ رہا تھا۔ کیمرے وزنی اور خاموش بتوں کی طرح اپنی جگہوں پر جمے تھے، عملے کے افراد اپنی سانسیں روکے کھڑے تھے، سب کی نظریں جینی پر تھیں۔

جینی آنسوؤں کے سیلاب میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس کا میک اپ، جو ابھی کچھ دیر پہلے تک پرفیکٹ تھا، اب آنسوؤں اور سسکیوں سے خراب ہو رہا تھا۔ وہ اس بے جان جسم پر جھکی ہوئی تھی، اس کے کاندھے ہچکیوں سے ہل رہے تھے، اور اس کے منہ سے کربناک آوازیں نکل رہی تھیں۔ سین یہ تھا کہ اس کا کردار، اپنی محبت کو دھوکہ دینے کے بعد، اب اس کی موت پر پچھتاوے کے آنسو بہا رہا ہے۔ اس کی مخبری کی وجہ سے اس کی محبت کو جان سے ہاتھ دھونا پڑا تھا۔ یہ ایک انتہائی جذباتی اور مشکل سین تھا۔

لیکن جو لوگ جینی کو جانتے تھے، خاص طور پر ڈائریکٹر جارج، وہ جانتا تھا کہ یہ صرف اداکاری نہیں تھی۔ جینی کے آنسو حقیقی تھے، اس کا پچھتاوا سچا تھا۔ یہ سین، جو اس کی فلمی کہانی کا حصہ تھا، ان کی اپنی خوفناک حقیقت کا آئینہ تھا۔

کیمرے کے پیچھے، مانیٹر پر نظریں جمائے جارج کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا، لیکن اس کی آنکھوں میں ایک گہرا درد چھپا تھا۔ وہ جینی کو روتے ہوئے دیکھ رہا تھا، اس کے کرب کو محسوس کر رہا تھا۔ اور اس کے اندر سب کچھ ٹوٹ پھوٹ رہا تھا۔ ہر سسکی، ہر آنسو اسے ماضی کے اس لمحے میں واپس لے جا رہا تھا جب جینی نے ولیم، کے اعتماد کو پامال کیا تھا۔ ولیم نے جینی پر آنکھیں بند کر کے بھروسہ کیا اور آج ایک تہہ خانے کی تاریکی میں قید تھا۔ اور یہ سب جینی کی مخبری کی وجہ سے ہوا تھا۔

جارج کے لیے یہ سین دیکھنا جان لیوا تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ جس عورت کو وہ پسند کرتا تھا اور جس کی محبت نہ ملنے پر اس نے یہ سب کیا تھا، آج وہ اسکرین پر اسی عمل کا پچھتاوا کر رہی ہے کیونکہ محبت تو اسے بھی نہیں ملی تھی۔ ہاں البتہ اعتماد کا ایک رشتہ تھا جو جا چکا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ جینی کا درد حقیقی ہے، لیکن یہ درد اس درد کے مقابلے میں کچھ نہیں تھا جو ولیم سہہ رہا تھا، یا وہ درد جو جارج کے دل میں تھا۔ وہ اسے ہدایت دے رہا تھا، اس سے پرفارمنس نکلوا رہا تھا، لیکن ہر لفظ اس کے گلے میں پھنس رہا تھا۔

جارج کا دماغ ایک بھنور بن گیا تھا۔ ایک طرف ڈائریکٹر کی ذمہ داری، لائٹس، کیمرے، ایکشن۔ دوسری طرف، ولیم کا چہرہ، اس کی قید، اس کی باتیں، جینی کا دھوکہ! وہ اسے کیمرے کی آنکھ سے دیکھ رہا تھا، اور ساتھ ہی اپنے ذہن کی آنکھ سے حقیقی منظر دیکھ رہا تھا۔ جینی کی ہنستی ہوئی صورت، ولیم کا اس پر اندھا اعتماد، اور پھر سب کچھ ختم ہو جانے کا لمحہ!

"مجھے معاف کر دو، مجھے معاف کر دو!"

جینی کا رونا مزید تیز ہو گیا۔ وہ پوری طرح سے سین میں ڈوبی ہوئی تھی، یا شاید اپنی ہی حقیقت کے بوجھ تلے دبی ہوئی تھی۔ اس کے آنسو فرش پر گر رہے تھے، جیسے اس کے روح سے چھلنی ہو کر باہر آ رہے ہوں۔ جارج کی مٹھی بھنچ گئی۔ وہ چیخنا چاہتا تھا، "بس کرو! مت رو، مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔"

لیکن اس کا پیشہ ورانہ نفس اسے روکے ہوئے تھا۔ وہ صرف مانیٹر پر اس المناک منظر کو دیکھ سکتا تھا، جس میں اداکار حقیقی درد محسوس کر رہے تھے، اور ڈائریکٹر خاموشی سے مر رہا تھا۔

ہر گزرتے پل کے ساتھ جارج کے اندر درد کی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ وہ ایک ایسا سین ڈائریکٹ کر رہا تھا جو اس کی اپنی زندگی کا سب سے بڑا سانحہ تھا۔ جینی کا ہر آنسو، ہر سسکی اس کے بھائی کی قید اور اس کے اپنے کرب کی یاد دہانی تھی۔ وہ محسوس کر رہا تھا جیسے اس کا دل سینے میں ٹوٹ رہا ہے۔

بالآخر، جب سین اپنے عروج پر پہنچ گیا، اور جینی کا رونا ناقابل برداشت ہو گیا، جارج نے ایک لمبی، بھاری سانس لی اور کسی طرح اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا، "کٹ!"

آواز معمول سے زیادہ سخت اور کرخت تھی۔ لائٹس فوراً مدھم ہو گئیں۔ عملے کے افراد حرکت میں آ گئے۔ لیکن جینی وہیں فرش پر پڑی رہی، ہچکیاں لیتی ہوئی۔ جارج نے مانیٹر سے نظریں ہٹائیں اور تیزی سے وہاں سے ہٹ گیا۔ وہ مزید ایک لمحہ بھی وہاں رک نہیں سکتا تھا۔ وہ اس سچائی کا سامنا نہیں کر سکتا تھا کہ جس درد کو وہ فلم میں دکھا رہے تھے، وہ ان کی اپنی زندگی میں کتنا حقیقی، کتنا تباہ کن تھا۔ اسٹوڈیو کی روشنیاں اب اسے اور بھی خالی اور سرد محسوس ہو رہی تھیں، جیسے وہ اس گہرے، تاریک تہہ خانے کی طرح جہاں اس کا ولیم قید تھا۔

✿••✿••✿••✿

فلمی سیٹ کی گہما گہمی اب سمٹنے لگی تھی۔لائٹس آہستہ آہستہ بجھ رہی تھیں، عملہ ساز و سامان سمیٹ رہا تھا۔ مگر ایک کونے میں، جہاں روشنی بمشکل پہنچ رہی تھی، دو وجود ساکت بیٹھے تھے۔ یہ جارج اور جینی تھے۔ سیٹ پر بکھری چیزیں، ادھورے سیٹ کے پرزے اور تاروں کے الجھے گچھے ان کے ارد گرد ایک بے ترتیب، ویران سا ماحول بنا رہے تھے، جو ان کے اندر کی الجھن اور ویرانی کا عکاس تھا۔

جینی ابھی تک مکمل طور پر سنبھلی نہیں تھی۔اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں، اور چہرہ تھکن اور گہرے کرب سے نڈھال تھا۔وہ خالی نظروں سے سامنے دیکھ رہی تھی، جیسے اب بھی اس منظر میں پھنسی ہو۔ جارج اس سے تھوڑا فاصلے پر بیٹھا تھا، اس کی پشت دیوار سے لگی تھی، اور وہ سر جھکائے اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔ ان کے درمیان کی خاموشی بہت وزنی تھی۔ کوئی انہیں دیکھ کر کہہ نہیں سکتا تھا کہ ایک مشہور اداکارہ اور دوسرا ابھرتا ہوا ڈائریکٹر تھا۔ بالآخر، جارج نے سر اٹھایا۔اس کی آواز دھیمی تھی، مگر اس میں چھپا درد اور الزام واضح تھا۔

”تمہارے پاس ولیم کا شادی کا سرٹیفیکیٹ ہے نا؟“

جینی چونکی، اس نے سست روی سے جارج کی طرف دیکھا۔اس کی آنکھوں میں سوال تھا۔

جارج نے اپنی بات جاری رکھی، اب اس کا لہجہ تھوڑا تلخ تھا۔

”جو تم نے ڈیڈ سے چھپایا۔بتایا نہیں۔“اس نے سانس لی، اور اس کی آواز میں الجھن گھل گئی۔"تم ابھی بھی اس کے لیے رو رہی تھیں۔اس نے تمہیں دھتکارا، پھر بھی تم نے اس کی شادی کو چھپانے میں مدد کی؟ کیوں، جینی؟ کیوں کیا تم نے ایسا؟“

جینی نے نظریں جھکالیں۔ اس نے اپنے ٹوٹے ہوئے لبوں پر زبان پھیری، جیسے الفاظ تلاش کر رہی ہو۔ جب وہ بولی تو اس کی آواز کمزور تھی، مگر اس میں ایک عزم تھا۔

"ولیم بے قصور ہے۔ میں اس کے لیے نہیں خود پر رو رہی تھی۔"

اس نے جارج کی آنکھوں میں دیکھا، اور اب اس کی آواز میں ایک تلخ سچائی تھی۔

"میں جانتی ہوں تم مجھے پسند کرتے ہو، جارج! میں یہ بھی جانتی ہوں کہ وہ جہاں بھی ہے، اسے وہاں بھیجنے میں تمہارا ہاتھ ہے۔" ایک لمحے کا توقف آیا۔ "لیکن ولیم مجھ سے محبت نہیں کرتا۔ اسے اپنی بیوی عزیز ہے۔"

جارج یونہی خاموش بیٹھا رہا جیسے لب سل گئے ہوں۔ دو ماہ ہو گئے تھے نساء کی شادی کو اور وہ بمشکل دو بار ملنے آئی تھی۔ جیکب اسے آنے نہیں دیتا تھا۔ یوں تو نساء نے کچھ نہیں بتایا تھا پر وہ مکمل طور پر بدل گئی تھی۔ جوزف پیلس گہری خاموشی اور اندھیرے میں ڈوب گیا تھا اور اس خاموشی میں جارج کا دل بھی۔

جینی کا لہجہ مزید دھیما ہو گیا۔ "اس نے مجھے ایک راز دیا تھا۔ اس کی شادی کا راز! جو مجھے کسی کو نہیں بتانا چاہیے تھا۔" اس کی آنکھوں میں ایک بار پھر آنسو بھر آئے۔

"میں نے وہ راز افشاں کیا۔ میں نے اس کی مخبری کی اور اسے کھو دیا۔ ہمیشہ کے لیے۔ اس کے اعتماد کو بھی۔" اس نے اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا، ایک دبی ہوئی سسکی اس کے وجود سے نکلی۔ وہ ضمیر کا بوجھ اٹھا اٹھا کر تھک گئی تھی۔ مسٹر جوزف سے بدلہ لینے کی آگ وہ خود جھلس گئی تھی۔۔

پھر اس نے دوبارہ جارج کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں درد تھا، پچھتاوا تھا، لیکن ایک عجیب سی ضد بھی تھی۔

"مگر پتا نہیں کیوں میں آج بھی اس کی امانت کی حفاظت کر رہی ہوں" اس نے آہ بھری۔ "وہ مجھے عزیز ہے کیونکہ وہ خالص دل کا انسان ہے۔ اس دنیا کی گندگی اسے چھو نہیں سکی۔"

جینی نے سیدھے جارج کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے آخری حربہ استعمال کیا۔ اس کی آواز میں درد، التجا اور مایوسی تھی۔ لیکن وہ نہیں جانتی تھی اس دنیا کی گندگی نے اسے داغ داغ کر دیا تھا۔

"وہ ہم سب کے ساتھ مخلص تھا۔ وہ تمہارے لیے مخلص تھا۔ نساء کے لیے۔ میرے لیے۔ سب کے لیے۔ وہ سب کے لیے اسٹینڈ لیتا تھا اور مجھے دکھ ہے ہم میں سے کوئی بھی اس کا ساتھ نہیں دے پایا۔ ہم کس قدر بزدل نکلے جارج! ہم بزدل نکلے۔"

اس کے الفاظ جارج کو جھنجوڑ رہے تھے۔

"ولیم بے قصور ہے جارج! وہ جہاں بھی ہے، اسے وہاں سے رہائی صرف تم دلا سکتے ہو۔" اس نے ایک لمحہ ہچکچایا، پھر تمام بندھن توڑ کر بولی۔ "تم۔۔ تم چاہتے ہو میں تم سے شادی کروں؟" اس کے ہونٹوں پر ایک کربناک مسکراہٹ آئی۔

"مم۔۔ میں تم سے شادی کر لوں گی۔ کر لوں گی تم سے شادی، بس اسے جانے دو۔ ولیم کو رہا کر دو۔"

جینی کے یہ الفاظ اس کونے کی خاموشی میں بم کی طرح پھٹے۔ جارج جو سر جھکائے بیٹھا تھا، اس کا سر فوراً اٹھا۔ اس کی آنکھیں حیرت، صدمے اور ایک ناقابل یقین کرب سے پھیل گئیں۔ اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ وہ جینی کو دیکھتا رہا، جیسے اسے یقین نہ آ رہا ہو۔ اس کی زبان گنگ ہو گئی۔ وہ بولنا چاہتا تھا، چیخنا چاہتا تھا، مگر کوئی آواز نہیں نکلی۔ جینی کی پیشکش، اس کی مایوسی، اس کا ولیم کے لیے یہ آخری اقدام، اس سب نے جارج کے اندر گہرے بھنور پیدا

کر دیے تھے، اور وہ ان میں ڈوبتا چلا گیا۔ وہ اپنی جگہ پر پتھر کا بن گیا، مکمل طور پر گنگ۔ اس کونے کی تاریکی ان دونوں کے اندر کے دکھ اور خاموشی کو مزید گہرا کر رہی تھی۔

✿••✿••✿••✿

ایڈنبرا کی پتھریلی گلیوں میں واقع نیل کا خوبصورت کیفے، ایک گرم اور روشن پناہ گاہ تھا، جس کے شیشوں پر باہر برسنے والی ہلکی پھوار موتیوں کی طرح ٹھہر رہی تھی۔ اندر، مختلف طرح کے چہرے، کوئی کتاب پڑھ رہا تھا، کوئی آہستہ آواز میں گپ شپ کر رہا تھا، کافی کی مہک اور پس منظر میں بجتی مدھم موسیقی ایک عجیب سی پر سکون فضا بکھیر رہی تھی۔ مگر یہ سکون نیل کے اندر نہیں اتر رہا تھا۔ باہر جو بارش تھی، وہ اس کے اندر بھی تھی، اس کے دل کے ویران گوشوں میں برس رہی تھی۔

آٹھ مہینے، آٹھ طویل مہینے بیت گئے تھے جب اس کا واحد دوست، یوں اچانک غائب ہو گیا تھا۔ اور نیل جانتا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کی ایک اطلاع، اس کی مخبری ہی اس گمشدگی کی وجہ بنی تھی۔ ایک لمحے کا فیصلہ جس کا نتیجہ اتنا بھیانک ہو گا، اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ ولیم کہاں گیا، زندہ ہے یا؟ کچھ پتا نہیں تھا۔ زمین اسے نگل گئی تھی یا آسمان اسے اڑا لے گیا تھا، کوئی نشان نہیں ملا تھا۔

پولیس آئی، چھان بین ہوئی، مگر کچھ نہ ملا۔ آفیسر پال مہینوں سے اپنے طور پر اس کیس پر لگا تھا، ثبوت کی تلاش میں سرگرداں، مگر خالی ہاتھ۔ آج بھی آفیسر پال اس کے سامنے بیٹھا تھا، بھاپ اڑتی کافی کے کپ کے ساتھ، ولیم کے بارے میں پوچھ گچھ کر رہا تھا۔ وہی پرانے سوالات، وہی پرانا درد جو ہر سوال کے ساتھ تازہ ہو جاتا تھا۔

نیل نے ایک گہری سانس لی، جیسے اندر کی ساری بارش آنکھوں سے بہا دینا چاہتا ہو۔ اس کی آواز میں نمی تھی، ایک بوجھ تھا۔ اس نے نظریں شیشے پر جمائیں جہاں بارش کا ایک قطرہ آہستہ آہستہ نیچے لڑھک رہا تھا۔ کیفے کا شور مدھم پڑ گیا تھا، یا شاید اس کے اپنے خیالات اتنے اونچے ہو گئے تھے کہ باہر کی آوازیں سنائی نہیں دے رہی تھیں۔

"پال۔۔" اس نے کہا، آواز رندھ گئی تھی۔ "کاش! کاش میں نے وہ سب کچھ نہ کیا ہوتا۔" اس نے اپنی بات دہرائی، اب کی بار اور بھی شدت سے، اس کے اندر کا پچھتاوا سارا باہر امڈ آیا تھا۔

"کاش میں نے ولیم کی مخبری نہ کی ہوتی۔ خدا کی قسم، اگر مجھے پتا ہوتا کہ نتیجہ یہ نکلے گا۔" اس کی آواز ٹوٹ گئی، اگلے الفاظ بمشکل سنائی دیے۔

"وہ آج یہاں ہوتا، ہمارے ساتھ۔۔"

بارش کی پھوار تیز ہو گئی تھی، اور کیفے کے اندر، نیل کی آنکھوں میں بھی ایک بارش امڈ آئی تھی۔ اس کے اکلوتے دوست کی یاد اور اپنی غلطی کا بوجھ اسے اندر ہی اندر کھوکھلا کر رہا تھا۔ پال نے اسے دلاسہ دیا۔ وہ خود جوزف پیلس کا ڈسا ہوا لگ رہا تھا۔ وہ نہ دل پھینک تھا نہ کمزور پھر بھی نساء کی معصومیت نے اسے گرویدہ کر لیا تھا اور پھر اس کی اچانک شادی۔۔۔ اس کی لو اسٹوری شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو چکی تھی۔ باہر بارش برستی رہی اور اندر ان دونوں کے دل برستے رہے۔

✿••✿••✿••✿

جوزف پیلس کا تہہ خانہ نم اور سرد تھا۔ پتھر کی دیواریں خاموش تھیں اور ہوا میں باسی پن اور بند جگہ کی بورچی بسی تھی۔ باہر کی دنیا سے کٹا ہوا، یہاں وقت ساکت محسوس ہوتا تھا۔ اسی تاریکی اور اکیلے پن میں ولیم کو قید ہوئے آج گیارہ ماہ مکمل ہو چکے تھے۔

پہلے چھ ماہ ایک زندہ جہنم سے کم نہ تھے۔ ہر دن تشدد، جسمانی تکلیف اور ذہنی اذیت کا نیا باب کھولتا تھا۔ جارج اور مسٹر جوزف باقاعدگی سے آتے، ان کے ساتھ خوف اور درد کی نئی لہریں آتیں۔ مار پیٹ، بھوکا رکھنا، نیند سے محروم کرنا، ہر حربہ آزمایا گیا۔ ولیم کا جسم زخموں اور نیلوں سے اٹا رہتا، روح کراہتی رہتی۔ وہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا۔

مگر چھ ماہ کے بعد، اچانک سب بدل گیا۔ تشدد رک گیا۔ جارج اور مسٹر یوزف کا آنا بند ہو گیا۔ تہہ خانے میں ایک عجیب سی خاموشی چھا گئی۔ اب صرف ایک چیز مستقل تھی۔ محل کا ایک پرانا، جھکا ہوا وفادار ملازم جو دن میں ایک بار آتا۔ خاموشی سے ایک پیالہ کھانا، اکثر دال یا کوئی سبزی اور روٹی، رکھ کر چلا جاتا۔ کھانا سادہ مگر حیرت انگیز طور پر صحت بخش ہوتا۔ یہ روز کا معمول بن گیا۔ قید ختم نہیں ہوئی تھی، بیڑیاں اور زنجیریں اب بھی موجود تھیں، مگر وہ وحشت، وہ اذیت رک گئی تھی۔

اس خاموشی اور اکیلے پن میں، ولیم کو خود سے ملنے کا موقع ملا۔ ابتدا میں مایوسی، غصہ اور بے بسی تھی۔ وہ رویا، اس نے مدد کو پکارا۔ مگر پھر ایک دن، جب اس کی پکار پتھروں سے ٹکرا کر واپس آئی، اسے احساس ہوا رونے سے کچھ نہیں ہوتا۔ ماتم کرنا کمزور لوگوں کا کام ہے۔

وہاں، اس اندھیرے تہہ خانے میں، ایک چنگاری بھڑکی۔ اس نے اپنی حالت زار کا ماتم کرنے کے بجائے، اسے استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کی بیڑیاں اور زنجیریں جو اس کی قید کی علامت تھیں، اب اس کا سامانِ ورزش بن گئیں۔ اس نے ان کے وزن کو محسوس کیا، انہیں کھینچا، دھکیلا۔ پتھر کے فرش پر پش اپس لگائے، دیوار کے

سہارے بیٹھ کر ٹانگوں کو مضبوط کیا۔اس کے نازک جسم میں سختی آنے لگی۔پٹھے ابھرنے لگے۔اس کے جسم پر موجود کپڑے وقت کے ساتھ ساتھ پھٹ کر چیتھڑے بن چکے تھے،جو اب اس کے مضبوط جسم کو پوری طرح ڈھانپ بھی نہیں رہے تھے۔وہ دبلا پتلا، معصوم نوجوان ولیم اب ختم ہو چکا تھا۔اس درد،اس تنہائی،اس ایمان اور اس ورزش نے اسے دوبارہ جنم دیا تھا۔اب جو تہہ خانے کی گہرائیوں میں سانس لے رہا تھا،وہ ایک طوفان تھا،ایک شکاری۔جو ہر قسم کے طوفان کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھا۔اس کی آنکھوں میں اب خوف نہیں تھا،بلکہ ایک سرد چمک تھی،ایک ایسا عزم تھا جو پہاڑوں کو بھی ہلا دے۔اس کے بائیں گال پر ٹانکوں کا نشان اب بدصورتی کا داغ نہیں تھا،بلکہ اس کی بقا اور اس کی طاقت کی علامت تھا۔دن رات اس کی ریاضت جاری رہی۔جسمانی مشقت کے ساتھ ساتھ،اس نے ذہنی طور پر بھی خود کو مضبوط کیا۔اپنے جذبات پر قابو پایا،غصے اور مایوسی کو عزم اور حوصلے میں بدلا۔اس نے اپنی ذہنی بیماری پر قابو پایا۔نیند اب نہیں آتی تھی۔فجر کی ایک فون کال نے اسے زندگی کی نئی سمت دے دی تھی۔جب سے اسے اسکرین پر دیکھا تھا یہی احساس ذہن میں پلتا تھا کہ وہ بلندیوں پر راج کرنا چاہتی تھی وہاں اس کی حفاظت کون کرے؟سیدھا سادہ ولیم جوزف؟کبھی نہیں۔اسے مضبوط بننا ہی ہو گا اور پھر ایک دن،جب آٹھ مہینے قید میں گزر گئے اسے کھانے کے ساتھ ایک پرچی ملی۔اس پر کچھ لکھا ہوا تھا۔

You're not alone, your God has not Abandoned You

(Al Quran)

ان الفاظ میں ایسا کچھ تھا کہ اس کی ساری حسیات جاگ اٹھیں۔جیسے جسم میں ایک نئی روح بھر گئی۔

کئی مہینوں اس صبر آزما ریاضت نے کمال کر دکھایا تھا۔ اس کے چہرے پر اب بھی پرانے زخموں کے ٹانکوں کے مدھم نشان تھے، اس تکلیف کی یاد دہانی جو وہ سہہ چکا تھا، مگر اس کا جسم، اس کا جسم اب فولاد بن چکا تھا۔ ہر پٹھا تنا ہوا، مضبوط اور چٹان کی طرح سخت۔ کمر سیدھی، کندھے چوڑے۔ وہ چلتا تو ایک پوشیدہ طاقت کا احساس ہوتا۔

اس نے اپنی قید کو اپنی سب سے بڑی طاقت بنالیا تھا۔ جوزف پیلس کا تہہ خانہ اب صرف اس کی جیل نہیں تھا، یہ اس کی تربیت گاہ بن گیا تھا۔ وہ باہر جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا، پہلے سے کہیں زیادہ طاقتور، پہلے سے کہیں زیادہ عزم لیے ہوئے، ایک ایسے شخص کے روپ میں جس نے تاریکی کو اپنا ہتھیار بنالیا تھا۔ وہ اب سیدھا سادہ ولیم نہیں تھا۔ وہ اب ولی تھا۔ وہ ولی جو لڑتا نہیں تباہ کرتا تھا۔

✿••✿••✿••✿

شان سے کھڑا جوزف پیلس اب خاموشی کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ نساء کے جانے کے بعد یہ پیلس ویران ہو چکا تھا۔ یہاں کی خاموشی ڈستی تھی۔ البتہ آج کچھ چہل پہل نظر آرہی تھی کیونکہ مسٹر جوزف اور جارج شوٹنگ سے لوٹ آئے تھے۔ مسٹر جوزف تو آتے جاتے رہتے تھے لیکن جارج کافی مہینوں بعد لوٹا تھا۔ ان کی فلم مکمل ہو چکی تھی اور یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ وہ اس وقت پیلس میں نہیں تھا۔ البتہ مسٹر جوزف اپنے مطالعہ کے کمرے میں بیٹھے تھے، جو مہنگی لکڑی کے فرنیچر، نایاب کتابوں اور جدید ترین ٹیکنالوجی سے سجا ہوا تھا۔ وہ سگار سلگا رہے تھے، ان کا چہرہ بے تاثر تھا۔

اسی اثنا میں، دروازے پر دستک ہوئی۔ مسٹر جوزف نے اجازت دی، نینی اندر داخل ہوئیں، انہیں دیکھ کر مسٹر جوزف حیران ہوئے۔ وہ سیڑھیاں چڑھ کر آئی تھیں۔ سگار ایش ٹرے میں پھینکا اور اٹھ کر انہیں اپنے ساتھ بٹھایا۔ وہ ہانپ رہی تھیں۔

ان کے بال سفید ہو چکے تھے، چہرے پر وقت کی گہری لکیریں تھیں، لیکن آنکھوں میں ایک ایسی چمک تھی جو برسوں کے تجربے اور چھپے ہوئے دکھوں کا پتا دیتی تھی۔ انہوں نے جوزف پیلس کے مکینوں کو خود کھلایا تھا، اس کی پرورش میں ان کا خون پسینہ شامل تھا۔ وہ جوزف خاندان کا حصہ سمجھی جاتی تھیں، لیکن کچھ ایسے راز تھے جو صرف ان کے دل میں دفن تھے۔ انہیں باضابطہ طور پر نہیں بتایا گیا تھا کہ ولیم کو کہاں رکھا گیا ہے صرف اتنا معلوم تھا کہ اسکا کہیں علاج چل رہا ہے مگر ایک ماں کی آنکھیں اپنے پالے ہوئے بچے کا درد پہچان لیتی ہیں۔ انہیں پہلے پہل شک تھا، اور پھر یقین ہو گیا۔

"سب خیریت ہے؟" مسٹر جوزف نے رسمی لہجے میں پوچھا۔

نینی نے گہری سانس لی۔ ان کی آواز دھیمی تھی، مگر اس میں ایک ایسی مضبوطی تھی جو مسٹر جوزف نے پہلے کبھی محسوس نہیں کی تھی۔

"میں جانتی ہوں، جوزف!"

مسٹر جوزف کے ماتھے پر بل پڑے۔ "کیا جانتی ہیں؟"

"میں جانتی ہوں کہ ولیم کہاں ہے۔" نینی نے نظریں مسٹر جوزف کی آنکھوں میں گاڑ دیں۔

"وہ نیچے تہہ خانے میں ہے۔"

مسٹر جوزف کا چہرہ سپاٹ ہو گیا۔ وہ اس بات پر حیران تھے کہ انہیں کیسے پتا چلا؟

"آپ نے ایسا کیوں کیا جوزف؟" وہ نم آنکھوں سے انہیں دیکھتے بولیں۔

"یہ میرا خاندانی معاملہ ہے نینی! آپ اس سب میں مت پڑیں۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ دونوں ہاتھ پیچھے باندھ کر گلاس ونڈو میں جا کھڑے ہوئے۔

"خاندانی معاملہ؟" نینی کی آواز میں درد اور تلخی گھل گئی۔

"یہ اس بچے کی زندگی کا معاملہ ہے جسے میں نے اپنی گود میں پالا ہے۔" ان کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔ "میں جانتی ہوں اس پر کیا بیت رہی ہے۔ تشدد۔۔ اکیلا پن۔۔۔ تاریکی۔۔۔"

"اس نے گناہ کیا ہے۔ اسے اس کی سزا مل رہی ہے۔ تاکہ وہ سیدھے راستے پر واپس آئے۔" ان کے لہجے میں ذرا بھی لچک نہیں تھی۔

نینی نے سر نفی میں ہلایا۔

"سزا؟ یہ سیدھا راستہ ہے؟" ان کی آواز کانپ اٹھی۔ "میں یہ سب دیکھ کر مزید خاموش نہیں رہ سکتی، مسٹر جوزف! مجھے کچھ یاد آگیا۔ بہت پرانا، بہت تکلیف دہ۔" مسٹر جوزف نے رخ موڑ کر انہیں غور سے دیکھا۔

نینی عام طور پر اپنی ذات کے بارے میں بات نہیں کرتی تھیں۔ ان کی زندگی جوزف پیلس کے گرد گھومتی تھی۔ پھر آج وہ کونسا راز افشاں کرنے والی تھیں؟

"میں سترہ سال کی تھی۔" نینی نے نظریں دور خلا میں جمالیں۔ ان کی آواز میں ایک بازگشت تھی جیسے وہ ماضی کی گہرائیوں سے بول رہی ہوں۔ لکڑی کے عصا پر ان کے دونوں ہاتھ جمے تھے۔

"میرا بھی ایک خواب تھا۔ ایک راستہ جو مجھے سچ لگا۔ میں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔"

مسٹر جوزف کو جیسے کرنٹ لگا۔ ان کے منہ سے بے اختیار پھسلا۔

"یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟"

نینی نے سسکی دبا کر بات جاری رکھی۔ ان کے چہرے پر زخمی سی مسکراہٹ تھی۔

"ایک شخص کی روشنی سے محبت ہو گئی تھی مجھے اور پھر اسی روشنی نے مجھے روشنی کے منبع سے ملوایا۔ میں نے اپنا نام فاطمہ رکھا تھا۔ ایک ایسی شناخت جو میں نے خود چنی تھی۔ جو میرے دل نے قبول کی تھی۔ لیکن میرے گھر والے، ان کے لیے یہ خاندان کی بے عزتی تھی۔ انہوں نے مجھے قید کر دیا۔ بالکل اسی طرح جیسے آپ نے ولیم کو کیا ہے۔" ان کی آواز بھاری ہو گئی۔

"انہوں نے مجھے مارا۔ جسمانی تشدد، ذہنی اذیت۔ وہ چاہتے تھے کہ میں انکار کر دوں۔ اپنے ایمان سے پھر جاؤں۔" ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"میں کمزور پڑ گئی۔ میں برداشت نہیں کر سکی، مسٹر جوزف۔ وہ درد، وہ تنہائی، میں نے ہار مان لی۔ میں نے کہہ دیا کہ میں نے چھوڑ دیا اسلام۔ میں نے فاطمہ کو مار دیا۔ اپنی اس شناخت کو دفن کر دیا جو مجھے سب سے پیاری تھی۔"

کمرے میں مکمل خاموشی چھا گئی۔ مسٹر جوزف سکتے میں بیٹھے تھے۔ انہیں اندازہ بھی نہیں تھا کہ ان کے گھر میں اتنے سالوں سے رہنے والی آیا کے سینے میں یہ راز دفن ہے۔ یہ انکشاف چونکا دینے والا تھا۔ وہ کچھ بول نہ پائے۔ زبان تالو سے جا چپکی۔

نینی نے اپنے آنسو پونچھے۔ ان کی آواز اب پھر مضبوط ہو گئی تھی، اس میں فخر کا عنصر شامل تھا۔

"میں نے اپنے خاندان کے لیے، ان کی عزت کے لیے، اپنی پہچان ختم کر دی۔ میں نے اپنا ایمان بیچ دیا۔ یہ درد میرے ساتھ ہمیشہ رہا ہے۔ ہر روز مجھے یہ یاد دلاتا ہے کہ میں کتنی کمزور تھی۔"

انہوں نے گہری نظروں سے مسٹر جوزف کو دیکھا۔

"لیکن ولیم! وہ نہیں ٹوٹا۔ میں جانتی ہوں اس پر کیا گزر رہی ہے۔ وہ تشدد، وہ اذیت، جو شاید میں برداشت نہیں کر سکی تھی۔ اس نے کی۔ لیکن اس نے اپنا ایمان نہیں چھوڑا۔ وہ ڈٹا ہوا ہے۔" نینی کے چہرے پر ایک ایسی چمک تھی جو تمام دکھوں پر حاوی تھی۔

"مجھے اس پر فخر ہے، مسٹر جوزف! بہت فخر ہے! جو میں نہ کر سکی، میرے پالے ہوئے بچے نے کر دکھایا۔ اس نے اپنی شناخت کی حفاظت کی۔ اس نے اپنے دین کو نہیں چھوڑا۔"

نینی کا انکشاف مسٹر جوزف کے لیے دوہرا دھچکا تھا۔ ایک تو یہ کہ نینی کا اپنا ماضی اتنا دردناک اور ان کے حال سے جڑا ہوا تھا۔ دوسرا یہ کہ نینی، جو ہمیشہ تابع رہی تھیں، آج ان کے سامنے کھڑی ولیم کے ایمان پر فخر کا اظہار کر رہی تھیں۔ وہ کچھ کہہ نہ سکے۔ نینی کی آنکھوں میں موجود سچائی اور ان کے چہرے پر پینٹ شدہ درد نے انہیں عارضی طور پر گونگا کر دیا۔ نینی نے اپنی بات کہہ دی تھی۔ انہوں نے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لیا تھا اور مسٹر جوزف کو ایک ایسے راز سے روشناس کرایا تھا جو ان کی سوچ سے بالاتر تھا۔

"اسے مزید نہ آزماؤ، وہ آتش فشاں بن چکا ہے۔ پھٹ گیا تو تباہی لائے گا۔" اس بار ان کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ ڈریکولا جیسے مسٹر جوزف کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ ہوئی۔

وہ اٹھ کھڑی ہوئیں اور آہستہ سے مڑیں اور اسی طرح پر سکون قدموں سے کمرے سے باہر نکل گئیں۔ ان کے پیچھے مسٹر جوزف اکیلے رہ گئے، اپنے سگار اور اپنی پر تعیش دنیا میں، ایک ایسے انکشاف کے ساتھ جو انہیں اندر تک ہلا گیا تھا۔ نینی، ایک ایسی عورت نکلی تھیں جنہوں نے اپنی زندگی میں ایک ایسی قربانی دی تھی جسے وہ کبھی سمجھ نہیں سکتے تھے، اور ان کا پالا ہوا بیٹا اس راستے پر چل رہا تھا جس پر وہ خود چلنے کی ہمت نہ کر سکی تھیں۔ وہ آج اکیلی

تھیں۔ انکا کوئی نہیں تھا۔ انہوں نے اسی خاندان کو اپنا سمجھا۔ اپنامانا۔ ان کے بچوں کی ویسے ہی پرورش کی جیسے وہ چاہتے تھے پھر تقدیر سے کون لڑ سکتا ہے بھلا؟ وہ کھڑے رہ گئے۔ آج کی رات ان کی پھر سے آنکھوں میں کٹنے والی تھی۔

✿••✿••✿••✿

جوزف پیلس کا وسیع و عریض ہال شام کے دھندلکے میں ڈوبا تھا۔ قیمتی قالینوں پر قدموں کی چاپ مدھم سنائی دے رہی تھی، اور دیواروں پر آویزاں قدیم تصاویر اور شاہی نشانات ماضی کی داستانیں سنا رہے تھے۔ ہال کے عین وسط میں، پیلس کے پر شکوہ لاؤنج میں، جہاں وکٹورین فرنیچر اور ماضی کی عظمت کی بازگشت سنائی دے رہی تھی، مسٹر جوزف اپنے مخملیں صوفے پر براجمان تھے۔ ان کے چہرے پر تفکرات کی لکیریں نمایاں تھیں، یا شاید کسی گہرے ارادے کی چمک۔ لاؤنج میں مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی، سوائے باورچی خانے سے آتی ہوئی نینی اور نساء کی ہلکی پھلکی آوازوں کے۔ جارج، جو عام طور پر آس پاس ہی ہوتا تھا، اس وقت نظر نہیں آ رہا تھا۔

مسٹر جوزف نے ایک وفادار خادم کو اشارہ کیا، جس نے فوراً تعمیل کی اور حکم سننے کے لیے قریب آیا۔ سرگوشی میں دیا گیا حکم واضح تھا۔ "جاؤ اور ولیم کو تہہ خانے سے لے کر آؤ۔" خادم سر جھکا کر تیزی زینے چڑھنے لگا کیونکہ تہہ خانے کا وہ حصہ مسٹر جوزف کے کمرے سے گزرتا تھا۔ اس کے جانے کے بعد ایک بار پھر سے خاموشی چھا گئی۔

مسٹر جوزف کو اپنی دھڑکن کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی لیکن وہ سرد تاثرات لیے بیٹھے رہے۔

دس منٹ بعد، قدموں کی چاپ سنائی دی۔ تہہ خانے کے اندھیروں سے نکل کر دو ہیولے زینوں پر نمودار ہوئے۔ ایک خادم تھا اور دوسرا ولیم! ایک طویل، بہت طویل سال کے بعد، ولیم کی آنکھوں نے دن کی روشنی دیکھی تھی۔

پیلس کے اندر کی مدھم روشنی بھی اس کے لیے بہت تیز تھی۔ اس کی آنکھیں چندھیا گئیں، پلکیں تیزی سے جھپکنے لگیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کی پتلیوں نے روشنی کو پہچاننے سے ہی انکار کر دیا ہو۔

لیکن اس جسم میں اب بھی ایک عجیب سی مضبوطی اور وقار باقی تھا۔ اس نے پرانے کپڑے جو اسے کھلے ہوتے تھے اب وہ فٹ نظر آرہے تھے۔ آنکھوں کی چندھیاہٹ کے باوجود، وہ سیدھا کھڑا ہوا اور ایک پر اعتماد چال کے ساتھ لاؤنج کی طرف بڑھا۔ ہر قدم کے ساتھ، اس کی نظریں ارد گرد کے ماحول کا جائزہ لے رہی تھیں۔ وہی قالین، وہی دیواریں، وہی پینٹنگز جو کبھی اس کا گھر تھیں۔ ایک پورے سال کی قید کے بعد، اپنے ہی محل کے لاؤنج کو دوبارہ دیکھنا اس کے لیے کسی عجیب خواب سے کم نہ تھا۔

مسٹر جوزف اپنی جگہ سے اٹھے اور ولیم کی طرف دیکھنے لگے۔ ولیم آہستہ آہستہ ان کی جانب بڑھ رہا تھا۔ ایک سال کی قید نے اس کے جسم پر گہرے اثرات مرتب کیے تھے۔ اس کے کندھوں کی ہڈیاں نمایاں ہو رہی تھیں، لیکن اس کے وجود میں ایک نئی سختی اور ارادہ پیدا ہو گیا تھا۔ وہ خراماں خراماں، بغیر کسی ہچکچاہٹ کے، اپنے باپ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر داڑھی تھی اور بال بے ہنگم سے کٹے ہوئے تھے۔ پہلی نظر میں اسے پہچاننا کافی مشکل تھا کیونکہ چہرے پر وہ نشان اب اس کی پہچان تھا۔

ابھی وہ مسٹر جوزف سے چند قدم کے فاصلے پر ہی تھا کہ اچانک پیلس کا مرکزی دروازہ کھلا اور جارج اپنے دھیان میں اندر داخل ہوا۔ اس کی نظریں سیدھا ولیم پر پڑیں۔ ایک لمحے کے لیے وہ سکتے میں آیا، اس کی آنکھوں میں خوف اور حیرت تیر گئی۔ اسے شاید لگا کہ ولیم بھاگنے کی کوشش کر رہا ہے۔ بنا سوچے سمجھے، وہ پوری رفتار سے ولیم کی طرف دوڑا، اس کے چہرے پر سراسیمگی چھائی ہوئی تھی۔

جیسے ہی جارج ولیم کے قریب پہنچا، ولیم نے رک کر اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سی، غیر متوقع چمک نمودار ہوئی۔ وہ چمک جو برسوں کی محرومی، تکلیف اور پھر کسی گہرے عزم سے جنمی تھی۔ ایک پل کا توقف آیا، اور پھر ولیم کے ہونٹوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ پھیلی۔ اس نے ایک گہری، پرسکون آواز میں کہا۔

"ہیلو برادر!"

اگلا لمحہ کسی دھماکے سے کم نہ تھا۔ اس سے پہلے کہ جارج کچھ سمجھ پاتا، ولیم کا مضبوط بازو پوری طاقت کے ساتھ حرکت میں آیا۔ ایک گونجتا ہوا مکا سیدھا جارج کی ناک پر لگا۔ ہڈی ٹوٹنے کی کرخت آواز لاؤنج میں گونجی۔ جارج کے چہرے پر کرب اور حیرت کے ملے جلے تاثرات آئے اور وہ لڑکھڑا کر فرش پر گر گیا۔

اب ولیم وہاں، اپنے باپ کے سامنے، پورے قد سے کھڑا تھا۔ اس کا جسم، ایک فولادی ارادے اور پوشیدہ طاقت کا اظہار کر رہا تھا۔ مسٹر جوزف نے اپنے بیٹے کے مضبوط جسم اور اس کی آنکھوں میں بھری چمک کو دیکھا۔ ان کے اندر ایک سنسنی خیز لہر دوڑ گئی۔ یہ ان کا بیٹا تھا، جو ایک سال کی قید کے بعد ٹوٹا نہیں تھا، بلکہ مزید سخت اور خطرناک بن کر لوٹا تھا۔ لاؤنج میں خاموشی چھا گئی، صرف جارج کے کراہنے کی آواز اس سکون کو توڑ رہی تھی جو اس غیر متوقع اور پرتشدد تصادم کے بعد طاری ہوا تھا۔ وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے، دھڑکتے ہوئے دل لیے۔

جارج کے کراہنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اوندھے منہ پڑا اس کی ناک سے خون رس کر سرخ دھبہ بنا رہا تھا، جو اس کی ذلت آمیز شکست کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ درد اور شرمندگی کے مارے اس کا جسم کانپ رہا تھا۔

اس کے مقابل، مسٹر جوزف کے سامنے، ولیم کھڑا تھا۔ اس کا سر اٹھا ہوا، کندھے چوڑے اور ہاتھ باادب انداز میں کمر کے پیچھے بندھے تھے۔ اس کی آنکھوں میں کوئی خوف نہیں تھا، کوئی ندامت نہیں۔ ایک بے پناہ عزم اور اپنی

ذات پر یقین کی چمک تھی۔ وہ اپنے باپ کا احترام کرتا تھا، ان کی حیثیت اور مرتبے کا پاس رکھتا تھا، مگر وہ ان کا غلام نہیں تھا۔ اس کا کھڑا ہونا، اس کا انداز، سب کچھ اس کی آزاد روح اور غیر متزلزل ارادے کی گواہی دے رہا تھا۔

مسٹر جوزف اپنے شاہانہ انداز میں کھڑے تھے، ان کے چہرے پر سختی اور آنکھوں میں سرد پن تھا۔ ان کی آواز ہال کی خاموشی میں گونجی، بھاری آواز!

"تمہیں قید سے رہائی دی ہے، آزاد نہیں کیا۔" ان کے الفاظ ولیم کے وجود سے ٹکرائے، مگر اسے متزلزل نہ کر سکے۔

ولیم کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ پھیلی، جو بیک وقت تحقیر آمیز اور پر سکون تھی۔ اس نے گہری سانس لی اور اس کی آواز ہال میں ایک ارتعاش پیدا کر گئی، مضبوط اور پر اعتماد۔

"آپ کو لگتا ہے ڈیڈ یہ زنجیریں، یہ بیڑیاں، یہ جوزف پیلس کی بلند و بالا دیواریں مجھے بھاگنے سے روک سکتی تھیں؟" اس کی نظریں ایک لمحے کے لیے چھت پر گھومیں، گویا وہ قید کے ان دنوں کو یاد کر رہا ہو۔

"میں نے وہ قید خود چنی۔ ہاں، خود چنی کیونکہ یہ ضروری تھا۔" اس کی آواز میں ایک گہرا راز پنہاں تھا۔

"میرے ایمان کے لیے ضروری تھا۔" ان الفاظ کو سنتے ہی مسٹر جوزف کی بھنویں تن گئیں۔ ولیم نے ایک قدم آگے بڑھایا، اس کی آنکھوں کی چمک اور تیز ہو گئی۔

"اور میں کامیاب ٹھہرا۔" اس کے لہجے میں فتح کا یقین تھا۔ کتھئی آنکھوں کی چمک ناقابل شکست تھی۔ اس قید نے اسے توڑا نہیں تھا، بلکہ کندن بنا دیا تھا۔ اس نے اس آزمائش سے وہ پایا تھا جس کی اسے تلاش تھی۔ پھر اس کی

نظر مسٹر جوزف کے چہرے پر جم گئی، اور اس کے لہجے میں ایک افسوس ناک نرمی آئی: "پر افسوس! آپ جیت نہ پائے۔"

یہ جملہ ایک تلوار کی طرح مسٹر جوزف کے دل میں پیوست ہو گیا۔ وہ کس چیز میں ہار گئے تھے؟ ولیم کی آزادی؟ اس کے ایمان؟ یا اس کنٹرول میں جو وہ ہمیشہ سے اس پر رکھنا چاہتے تھے؟ ہال میں ایک گہرا سکوت چھا گیا۔ فرش پر پڑا جارج، کھڑا ولیم، اور ان کے سامنے کھڑے مسٹر جوزف۔ تینوں ایک ہی منظر کا حصہ تھے، مگر تینوں کی دنیا الگ تھی۔ ولیم کی آنکھوں میں ایک نئی صبح کا اجالا تھا، جب کہ مسٹر جوزف کے چہرے پر غروب ہوتے سورج کی سرخی تھی۔ جوزف پیلس کی دیواریں اس رات ایک ایسی کہانی کی خاموش گواہ بنیں جہاں قید نے آزادی کو جنم دیا اور فتح نے شکست کا ماتم کیا۔

"لیکن تمہیں مجھے جیتنا ہو گا، تم کہیں نہیں جا سکتے۔" مسٹر جوزف خود ایک قدم آگے آئے۔

"تمہیں اس لڑکی کے پاس جانا ہے نا؟" مسٹر جوزف کی آنکھوں میں چمک ابھری۔ "ہر روز یہاں آؤ، بھیک مانگو، تب تک جب تک مجھے جیت نہ پاؤ! مجھے جیت کر دکھاؤ ولیم! مجھے جیت کر جاؤ!" انہوں نے اسے اگلے امتحان میں ڈالا۔ جارج اب اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس سے پہلے کوئی کچھ جواب دیتا اچانک ایک نسوانی چیخ ابھری۔ نساء جو آوازوں کو سنتے ہوئے کچن سے باہر نکلی تھی، کچھ دیر سمجھنے کی کوشش کرتی رہی آخر ہوا کیا ہے پھر ولیم کی آواز پہچانتے ہی اس کی چیخ ابھری۔ وہ اپنے منہ پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی۔ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ولیم نے رخ پلٹ کر اسے دیکھا اور اس کی آنکھوں میں نرمی عود آئی۔ نساء کے لیے، بہن کے لیے، ایک عورت کے لیے اور اگلے ہی پل نساء بھاگتے ہوئے اس کی جانب بڑھی۔ مسٹر جوزف خاموشی سے اس کے پیچھے سے گزرتے ہوئے زینوں کی جانب بڑھے۔ وہ اپنے کمرے میں جا رہے تھے۔ گلے میں جیسے کانٹے اگ آئے تھے۔ سرد آنکھوں میں

اب نمی تیر رہی تھی لیکن ان کے جبڑے بھنچے ہوئے تھے۔ وہ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اوپر کہیں غائب ہو گئے۔ جبکہ نساء اب ولیم کے گلے لگے زور و قطار رو رہی تھی۔

"تم کہاں چلے گئے تھے ولیم؟ تم کہاں چلے گئے تھے؟" وہ رو رہی تھی سسک رہی تھی۔ ولیم کے لیے اسے سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ نساء کی رونے کی آوازیں سن کر نینی باہر آئیں اور ولیم کو دیکھ کر ساکت رہ گئیں۔ وہ اپنی جگہ پر جم سی گئیں۔ ان کی آنکھوں میں نمی ابھریں۔ وہ منہ بھینچے، خود کو رونے سے روک رہی تھیں۔ جارج نے ایک طائرانہ نظر ان پر ڈالی۔ اپنا آپ اضافی سا لگا۔ ناک کی تکلیف کھوپڑی تک پھیل گئی تھی اور پھر وہ ناک پر ہاتھ رکھے باہر کی جانب بڑھ گیا۔

ولیم نے نینی کو دیکھا اور پھر اس کے چہرے پر شفیق مسکراہٹ ابھری۔

"نینی۔۔" وہ انہیں محبت سے پکارتا ان کی جانب بڑھا۔ وہ نینی کو اپنی مضبوط بازوؤں میں لیے کھڑا تھا جبکہ نینی جانے کتنے سالوں بعد یوں پھوٹ پھوٹ کر روئیں تھیں۔ اکیلے ولیم کے لیے ان دو عورتوں کو سنبھالنا دنیا کا سب سے مشکل کام بن گیا تھا۔ شان سے کھڑا جوزف پیلس جو خشک ہوا تھا آج یہ منظر دیکھ کر نم آنکھوں سے ہنس دیا۔ آس پاس کہیں بھاگتی نینسی یہ دیکھ کر مسکرا دی۔ ہوائیں ایک ہی سرگوشیاں کر رہی تھیں۔

جوزف پیلس کے قیدی کو رہائی مل چکی تھی!

✿••✿••✿••✿

جوزف پیلس کا لاؤنج ایک عجیب سکوت اور گہرے کرب میں ڈوبا ہوا تھا۔ اونچی چھتیں اور قیمتی فرنیچر آج اس وسیع و عریض کمرے کے مکینوں کے غم کو چھپا نہیں پا رہے تھے۔ نساء اور نینی، جن کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی بہہ

رہی تھی، ولیم سے لپٹی بیٹھی تھیں۔ پورا ایک سال، پیلس کے تہہ خانے کی تاریکیوں میں قید رہنے کے بعد، وہ آج آزاد ہوا تھا۔

ولیم، جس کا خوبصورت چہرہ برسوں کی مشقت اور تکلیف کی داستان سنا رہا تھا، انہیں چپ کروا رہا تھا۔ اس کی دھیمی، تھکی ہوئی آواز ہوا میں موجود سسکیوں سے ٹکرا رہی تھی۔ لیکن ان کی نظریں بار بار اس کے بائیں گال پر ٹانکوں کے نشانات پر جا رکتی تھیں جو کسی گہرے زخم کی یادگار تھے۔ یہ نشان دیکھتے ہی ان کی حالت مزید خراب ہو جاتی، آنسوؤں کی رفتار تیز ہو جاتی۔ وہ انہیں تسلی دیتا، ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتا، مگر وہ اس ایک سال کی جدائی اور اس پر ہونے والے ستم کے خیال سے بے قابو ہوئے جا رہے تھیں۔

"ولیم، اب مت جانا کہیں۔" نینی نے بھیگی آواز میں کہا، ان کی گرفت ولیم پر مضبوط ہو گئی۔ نساء نے بھی اثبات میں سر ہلایا، جیسے کہہ رہی ہو کہ وہ اب اس کی جدائی برداشت نہیں کر سکتیں۔

ولیم نے ایک گہری سانس لی، اس کی آنکھوں میں بے بسی اور پختہ ارادے کا ایک عجیب امتزاج تھا۔ دلگرفتہ انداز میں اس نے اپنا سر ہلایا۔

"میں یہاں نہیں رہ سکتا، نینی! ابھی نہیں۔" اس کی آواز میں درد تھا۔ "میں ملنے آتا رہوں گا، وعدہ ہے، لیکن اس پیلس میں تب تک نہیں ٹھہر سکتا جب تک ڈیڈ کو جیت نہ لوں، جب تک انہیں یہ یقین نہ دلوا دوں کہ میں کیا ہوں۔ مجھے باہر نکلنا ہو گا، اپنے لیے محنت کرنی ہو گی، مجھے اپنی پہچان خود بنانی ہو گی۔" اس کے الفاظ مضبوط تھے، مگر لہجہ بوجھل۔

اس کی آنکھوں میں وہی پرانی چمک دیکھنے کی تمنا تھی، وہی حوصلہ جو تہہ خانے کی قید چھین نہ سکی تھی۔ نینی نے ماں کی ممتا سے سرشار ہو کر، اپنے کانپتے ہاتھوں سے اسے کھانا کھلایا۔ ہر لقمہ پیار اور بے شمار دعاؤں کا مجموعہ تھا۔

"آپ مجھے روزانہ کھانا بھیجتی تھیں۔ آپ نے وہ آیت بھیجی تھی تاکہ میرا حوصلہ بلند رہے۔" اس نے نوالہ منہ میں ڈالتی نینی کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا تو وہ روتے روتے ہنس دیں۔

"میں چاہتی تھی تم مضبوط بن کر باہر نکلو اور دیکھو تم کامیاب ٹھہرے۔" نینی نے اس کے مضبوط بازو کو چھوتے کہا تو وہ دھیرے سے ہنس دیا۔ وہ آج بھی انہیں اتنا ہی پیارا لگ رہا تھا۔ چہرے کے نشان نے اسے چاند بنا دیا تھا جس پر داغ ہونے کے باوجود وہ سب سے حسین لگتا ہے۔ جو اسے منفرد بناتا ہے۔

نساء کے ماتھے پر نیل کا نشان تھا جبکہ ہونٹ پھٹا ہوا تھا۔ وہ تو یہ سن کر ہی ساکت رہ گیا تھا کہ اس کی شادی ہو چکی تھی وہ بھی جیکب سے۔ وہ نم آنکھوں سے مسکرا دی۔

"یہ چوٹ کیسے آئی؟" بھنویں سکیڑے وہ پوچھ رہا تھا۔

"وہ میں سیڑھیوں سے پھسل گئی تھی۔" وہ خود پر قابو پاتے بولی۔ جانتی تھی وہ باقی دو مردوں کو مطمئن کر سکتی تھی پر ولیم کو نہیں۔

وہ دو گھنٹے وہاں رکا، دو گھنٹے جو ایک سال کی دوری کے سامنے بہت کم تھے، مگر اس وقت ان کے لیے پوری کائنات تھے۔

پھر، ایک اور الوداع کا وقت آ گیا۔ درد بھری آنکھوں اور بوجھل دل کے ساتھ ولیم جوزف پیلس سے باہر نکل آیا۔ شام ڈھل رہی تھی، اور موریفلیڈ کی سرد، مگر جانفزا ہوا اس کے نتھنوں سے ٹکرائی۔ ایک لمحے کو اسے لگا جیسے وہ پہلی بار سانس لے رہا ہو۔ زندگی کا ایک گہرا، تازہ احساس اس کے اندر دوڑ گیا۔

وہ چلتا رہا۔ سڑکوں پر، گلیوں میں، جانے کتنے گھنٹے تک۔ اس کی ہر قدم ماضی کی قید سے دوری اور مستقبل کی طرف ایک نیا سفر تھا۔ تھکن حاوی ہونے لگی، مگر اس کے قدم رکے نہیں۔ آخر کار، وہ ایڈنبرا کے ایک چھوٹے سے، مگر گرم جوش کیفے پر پہنچا۔ نیل کا کیفے۔ جو سب سے چھوٹا نہیں رہا تھا۔

نیل، جس نے ولیم کو کھو دینے کا درد محسوس کیا تھا، جس کے لیے ولیم کی قید ایک ذاتی صدمہ تھی، کاؤنٹر کے پیچھے کھڑا معمول کے کام کر رہا تھا۔ اس کی نظریں دروازے پر پڑیں اور وہ ساکت ہو گیا۔ کاؤنٹر کے سامنے کھڑے شخص کو بغور دیکھا۔ غیر معمولی سا احساس ہوا اور پھر ہاتھ میں پکڑا کپ گرتے گرتے بچا۔ سامنے ولیم کھڑا تھا! وہی چہرہ، وہی آنکھیں، مگر کچھ بدلا ہوا، کچھ تھکا ہوا، کچھ نشان زد۔

بے یقینی اور خوشی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ، نیل تیزی سے ولیم کی طرف بڑھا۔ ایک لمحے کے توقف کے بغیر وہ اس سے لپٹ گیا۔ اس کا گلا بھر آیا، اور آنسو اس کی آنکھوں سے بہنے لگے۔

"تم؟ تم زندہ ہو؟" وہ ہکلایا، ولیم سے الگ ہو کر اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ وہ اسے چھو کر دیکھ رہا تھا، جیسے یقین کرنا چاہتا ہو کہ یہ حقیقت ہے، کوئی خواب نہیں۔ اس کے چہرے پر پڑے ٹانکوں کے نشان کو دیکھ کر نیل کا دل دکھ سے بھر گیا، مگر اس وقت صرف ولیم کی موجودگی ہی سب سے بڑی تسلی تھی۔ دونوں دوست ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے تھے، سالوں کی جدائی اور اذیت کے بعد، دوبارہ مل کر۔ نیل کے لیے یہ سال کی کیا زندگی کی سب سے بڑی خوشخبری تھی۔

✿••✿••✿••✿

یہ منظر اب سٹرلنگ کی ایک پر سکون گلی کا تھا۔ عیسیٰ ماموں کا چھوٹا سا کمرہ، جہاں سادگی اور سکون نے ڈیرہ ڈالا ہوا تھا، آج ایک خاص نور سے منور تھا۔ عصر کی نماز ادا کی جا رہی تھی۔ ایک مصلّے پر عیسیٰ ماموں تھے، اور دوسرے پر ولیم۔

ولیم کی حالت اب اس رات سے کہیں بہتر تھی جب وہ نڈھال اور تھکا ہوا نیل کے کیفے پہنچا تھا۔ بال سلیقے سے بنے ہوئے تھے، چہرے پر ٹانکوں کا نشان اب بھی تھا مگر اب وہ تکلیف دہ زخم نہیں، بلکہ ایک امتحان سے گزرنے والے شخص کی نشانی لگتا تھا۔ جسم صاف ستھرا تھا اور ایک ایسی مہک آ رہی تھی جو کسی عطر کی نہیں، بلکہ ایمان اور سکون کی تھی۔ ایک سال بعد، عیسیٰ ماموں کے ساتھ یہ اس کی دوسری نماز تھی۔ پہلی نماز قید ہونے سے پہلے ان کے ساتھ ادا کی تھی۔ آج کی نماز میں ایک طویل، تاریک سفر کے بعد اطمینان اور شکر کا احساس تھا۔

عیسیٰ ماموں جانتے تھے کہ ولیم ایک دن ضرور لوٹے گا۔ انہیں اس کی روح کی مضبوطی پر یقین تھا۔ سلام پھیرنے کے بعد، دونوں مصلّوں پر بیٹھے کچھ دیر ذکر کرتے رہے، پھر عیسیٰ ماموں نے مڑ کر ولیم کو دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں بے پناہ محبت، فخر اور اطمینان تھا۔ وہ اٹھے اور ولیم کو ایک بار پھر گلے لگا لیا۔ یہ گلے ملنا صرف جسموں کا ملنا نہیں تھا، بلکہ دو روحوں کا روحانی سفر میں ایک دوسرے کو پہچاننا تھا۔

عیسیٰ ماموں نے اسے خود سے الگ کیا، اپنے کانپتے ہاتھوں سے ولیم کے چہرے کو چھوا۔ ان کی آواز جذبات سے بھاری تھی۔

”معرفت کا تاج تم نے سجا لیا ہے، ولیم! تم سے بڑا شہنشاہ کوئی نہیں۔ دنیا کے تخت عارضی ہوتے ہیں، دلوں پر بادشاہی ابدی ہے۔“ ان کی آنکھوں میں نمی تھی۔

ولیم کی آنکھیں بھی نم ہو گئیں۔ اس نے جھک کر عیسیٰ ماموں کے دونوں ہاتھ تھام لیے، وہ ہاتھ جنہوں نے اسے زندگی کی تاریکیوں میں راستہ دکھایا تھا۔

"آپ نہ ہوتے، عیسیٰ ماموں، تو شاید میں یہ راستہ کبھی طے ہی نہ کر پاتا۔ یہ آپ کی دعا اور رہنمائی ہے جس نے مجھے سنبھالے رکھا۔" اس کی آواز عقیدت اور تشکر سے لرز رہی تھی۔ ان کی گفتگو مختصر تھی، مگر اس میں وہ گہرائی تھی جو برسوں کے تعلق اور روحانی رشتے سے پیدا ہوتی ہے۔ کمرے میں موجود سادگی اور سکون ان کے پاکیزہ رشتے کی گواہی دے رہے تھے۔ اس کا ایمان بدل گیا تھا پہلے سے مضبوط ہو گیا تھا پر عیسی ماموں کو وہ اب بھی پہلے والا ولیم لگا جو ہنس ہنس کر اپنے باپ کی حالت کا بتا رہا تھا۔ جو انہیں بتا رہا تھا وہ مکا مار کر جارج کی ناک پھوڑ آیا تھا اور مزید بتا رہا تھا کہ اسے مسٹر جوزف سے اپنے ڈاکومنٹس حاصل کرنے ہوں گے تاکہ وہ پاکستان جا سکے اور یہ تبھی ہو گا جب وہ انہیں جیت لے گا اور اسے یہ جلد از جلد کرنا ہو گا۔ نہ تو وہ خود کو نیک اور مومن سمجھتا تھا اور نہ اس کے ساتھ والے۔ اگر اس کے اندر سے وہ نرمی نکال دو جو ابھی نظر آ رہی تھی تو وہ اپنی جسامت اور اپنے چہرے کے اس نشان سے کسی مافیا ٹیم کا سرگنا غنڈہ لگتا لیکن صد شکر کہ اس کی وہ نرمی قائم رہی۔

✿••✿••✿••✿

نیل کیفے، ایڈنبرا

ایڈنبرا کے ایک سرد، مگر مانوس دن میں، نیل کے کیفے کے اندر ایک دھیمی سی گرمی اور کافی کی جانی پہچانی مہک پھیلی ہوئی تھی۔ کیفے کا ایک نسبتاً پرسکون گوشہ، جہاں کھڑکی سے باہر کی رم جھم بارش کا دھندلا منظر نظر آ رہا تھا،

نیل اور ولیم کا مسکن بنا ہوا تھا۔ آمنے سامنے بیٹھے، نیل کے چہرے پر معمول کی چمک تھی، مگر ولیم کی نظریں میز پر ٹکی تھیں، اس کے چوڑے کندھے قدرے جھکے ہوئے تھے جیسے کسی بوجھ تلے ہوں۔

ولیم نے بہت آہستہ سے، جیسے الفاظ کا چناؤ کر رہا ہو اور ان کی تپش محسوس کر رہا ہو، اپنی بات شروع کی۔ اس کی آواز دھیمی تھی، مگر اس میں ایک عجیب سی بے بسی اور فیصلہ جھلک رہا تھا۔

"میں مزید تم پر یا عیسی ماموں پر بوجھ نہیں بن سکتا۔ مجھے اپنے پیسے کمانے ہوں گے۔ میں سوچ رہا ہوں یہاں تمہارے ساتھ کام کروں۔ میرا مطلب ہے نوکری۔"

ولیم کے آخری لفظ نیل کے کانوں میں پگھلی ہوئی سیسے کی طرح اترے۔ اس کے چہرے پر، جو لمحہ بھر پہلے تک پر سکون تھا، اچانک غصے اور شدید عدم یقین کی لہر دوڑ گئی۔ اس کی آنکھیں پھیل گئیں اور آواز اونچی ہو گئی۔

"کیا کہا تم نے؟" اس نے تقریباً چیختے ہوئے کہا، "تم؟ میرے کیفے پر؟ ایک معمولی نوکری؟" اس کا لہجہ اس صورت حال کو قطعی طور پر مسترد کرنے والا تھا۔

"ولیم، میں یہ سن بھی نہیں سکتا! میں یہ برداشت نہیں کر سکتا!" نیل کے لیے یہ محض ایک نوکری کا سوال نہیں تھا، یہ ولیم کے شایانِ شان نہ ہونے کا احساس تھا جو اسے تڑپا رہا تھا۔

ولیم نے اپنی جھکی ہوئی نظریں اٹھائیں، اس کی آنکھوں میں مجبوری صاف دکھائی دے رہی تھی۔

"نیل، مجھے کہیں نہ کہیں تو کام کرنا ہی ہے۔ میں پوری عمر ہاتھ پر ہاتھ دھر کر نہیں گزار سکتا۔" اس نے اپنی بات جاری رکھی، اس کی آواز میں تلخی شامل ہو گئی تھی، "ویسے بھی مجھے باہر کہیں مزدوری کرنی ہی پڑے گی کیونکہ میرے سارے ڈاکومنٹس، میرا پاسپورٹ، میری ڈگری، سب کچھ ڈیڈ کے پاس جوزف پیلس میں قید ہے۔" اس

نے ایک ٹھنڈی سانس لی، "جب تک ڈیڈ مجھے **'آزادی'** نہ دیں، وہ مجھے نہیں مل سکتے۔ اور بغیر کاغذات کے، تم جانتے ہو حالات کیسے ہیں۔ میں کہیں جاب نہیں کر سکتا۔"

پھر اس کی آواز میں ایک التجا شامل ہوئی، ایک ایسی بات جو اس کے دل کے قریب تھی۔

"لیکن نیل، مجھے خوشی ہو گی اگر میں تمہارے ساتھ مل کر کام کروں۔ مجھے یقین ہے کہ مجھے کہیں اور مزدوری کرنے سے اتنا اچھا نہیں لگے گا جتنا تمہارے ساتھ یہاں کام کر کے لگے گا۔"

ولیم کے یہ الفاظ، اس کی آنکھوں میں موجود سچائی اور اس کی آواز میں چھپا خلوص، نیل کے غصے پر برف بن کر گرا۔ اس کے چہرے کی سرخی غصے سے بدل کر ایک گہرے دکھ اور افسوس کی عکاس بن گئی۔ اس کی آنکھوں کے کناروں پر نمی ابھر آئی، جیسے کوئی دردناک سچائی اسے چھو گئی ہو۔ اس لمحے اس کے ذہن میں مسٹر جوزف کی پر شکوہ اور طاقتور شخصیت گھوم گئی۔ وہی مسٹر جوزف، اسٹار لائٹ اسٹوڈیو کے مالک، جن کی نئی فلم کی پروموشن شہر بھر میں دھوم دھام سے چل رہی تھی، جن کا نام عزت اور رتبے کی علامت تھا۔ اور ان کا بیٹا، جو ان سب کو چھوڑ کر اپنی ایک الگ پہچان بنانے نکلا تھا، آج اس حال کو پہنچ گیا ہے کہ اسے زندگی گزارنے کے لیے ایڈنبرا کے ایک کیفے پر معمولی نوکری مانگنی پڑ رہی ہے۔ یہ تضاد نیل کے دل میں ایک تیر کی طرح پیوست ہو گیا۔ ایک بیٹا بلندیوں کو چھو رہا تھا اور دوسرا زمین کی خاک چھان رہا تھا ہاں یہ ایک الگ بات تھی یہ خاک اس نے خود چنی تھی۔

ولیم کی آخری بات کہ اسے نیل کے ساتھ کام کرنا اچھا لگے گا، نیل کے دل کو پسیج گئی۔ اس نے ایک گہری سانس لی، جیسے کوئی بھاری بوجھ اتار رہا ہو۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ الفاظ کے بغیر، اس نے ولیم کی پیشکش قبول کر لی۔ ولیم کے چہرے پر ایک ہلکی سی، پر امید مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

یوں ایک اور نئے سفر کا آغاز ہوا، ولیم نے نیل کے کیفے پر کام شروع کر دیا۔ یہ ان دونوں کے لیے ایک نیا باب تھا۔ یہ دلچسپ بات تھی کہ دونوں نے انٹرنیشنل بزنس میں ڈگری حاصل کی تھی، اور یہ علم کیفے کے انتظام اور ترقی میں ان کے لیے حیرت انگیز طور پر کارآمد ثابت ہوا، یہ ثابت کرتے ہوئے کہ **"معمولی"** نوکری بھی غیر معمولی صلاحیتوں کا تقاضا کر سکتی ہے، خاص طور پر جب اپنے پیاروں کے ساتھ مل کر کی جائے۔۔

✿••

نیل کیفے میں زندگی اپنی معمول کی رفتار سے چل رہی تھی۔ کافی بنانے والی مشین کی دھیمی گڑگڑاہٹ اور گاہکوں کی سرگوشیاں فضا میں شامل تھیں۔ کاؤنٹر پر بیٹھا ولیم، اپنے سامنے کھلے رجسٹر میں اعداد و شمار درج کر رہا تھا۔ حساب کتاب میں مگن، اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔ وہ اب کیفے کے نظام کا ایک اہم حصہ بن چکا تھا۔

اسی لمحے، دروازے سے ایک لڑکی داخل ہوئی۔ اس کا لباس بغیر کسی تکلف کے سادہ تھا۔ شاید جینز اور ایک عام سی جیکٹ۔ اس نے ایک عام سی کیپ کو سر پر گہرا جما رکھا تھا اور چہرے کو احتیاط سے ماسک میں چھپایا ہوا تھا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ پہچانی جانے سے گریز کر رہی ہو۔ وہ کیفے میں داخل ہوتے ہی ادھر ادھر دیکھے بغیر، سیدھا کاؤنٹر کی طرف بڑھی اور ولیم کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔

ولیم نے رجسٹر سے نظریں اٹھائیں، اس کی آنکھوں میں ایک عام کسٹمر کو خوش آمدید کہنے والی پیشہ ورانہ چمک تھی۔ "یس پلیز؟ آرڈر؟ اس نے پوچھا، اس کی آواز میں ہلکی سی مصروفیت تھی۔ اسے لگا کہ کوئی نیا گاہک آیا ہے۔ لڑکی نے کوئی جواب نہیں دیا، بس ساکت کھڑی رہی۔ پھر بہت آہستگی سے، جیسے کوئی بھاری پردہ ہٹا رہی ہو، اس نے اپنے چہرے سے ماسک اتارا۔

ماسک اترتے ہی ولیم کے ہاتھ میں پکڑا پین وہیں جم گیا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ سامنے کھڑی لڑکی کی آنکھیں، ان کا نیلا رنگ، یہ کوئی عام آنکھیں نہیں تھیں۔ یہ آنکھیں اس کے لیے جانی پہچانی تھیں۔ یہ آنکھیں جینی رابرٹ کی تھیں! وہی جینی رابرٹ، جو مسٹر جوزف کی جلد لانچ ہونے والی فلم کی کامیاب ترین اداکارہ تھی، جس کی شہرت کا سورج آج کل نصف النہار پر تھا۔ وہی جینی، جس کا نام کہیں نہ کہیں اس کی قید کی وجہ سے بھی جڑا ہوا تھا۔

جینی کی نیلی آنکھیں سیدھا ولیم کی کتھئی آنکھوں میں دیکھ رہی تھیں۔ ان آنکھوں میں دنیا بھر کی شہرت کے بجائے ایک عجیب سی بے چارگی اور خوف بھرا تھا۔ اس کا وجود ہولے ہولے لرز رہا تھا، بہت معمولی سا، مگر ولیم نے اسے محسوس کیا۔ اس نے اپنے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے، جیسے کوئی بات کہنے سے پہلے بہت ہمت جمع کر رہی ہو۔

کیفے کا شور، کافی کی مہک، رجسٹر کے اعداد و شمار، سب پس منظر میں چلے گئے۔ اس لمحے صرف ولیم اور جینی تھے، اور ان کے درمیان ماضی کا ایک ان کہی بوجھ۔

پھر جینی نے بہت دھیمی، تقریباً سرگوشی جیسی آواز میں کہا، اس کی آواز میں کوئی فرمائش نہیں، بلکہ التجا تھی۔

"آرڈر؟ آرڈر میں آپ کے کچھ منٹ مل سکتے ہیں؟"

ولیم لمحہ بھر کے لیے ساکت رہا۔ جینی رابرٹ؟ جس کی فلم کے چرچے ہر زبان پر تھے، جس کے پوسٹر ایڈنبرا کی ہر گلی، ہر دیوار پر چسپاں تھے، جو گلیمر اور کامیابی کی علامت تھی، وہ ایک عام انسان کی طرح، ایک کیفے کے کاؤنٹر پر کھڑے ہو کر اس سے، جو اب ایک آڈر ٹیکر کا کام کر رہا تھا، چند منٹ مانگ رہی تھی؟ یہ تضاد اتنا گہرا تھا کہ ولیم کے چہرے پر ایک نرم سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ یہ حیرت کی، یا شاید اس غیر معمولی صورتحال کی مسکراہٹ تھی۔ جینی اس کے گال کے اس نشان کو دیکھتی رہی جو اس کے قید و بند کے مصائب بیان کر رہا تھا۔

"ہاں! ہاں بالکل!" ولیم نے جلدی سے کہا۔ اس نے رجسٹر بند کیا اور جینی کو اشارہ کیا۔

"ہم اس طرف بیٹھتے ہیں جہاں کوئی ہمیں دیکھے نہیں۔"

وہ دونوں کیفے کے اس پر سکون گوشے کی طرف چلے گئے جہاں ولیم اور نیل اکثر بیٹھا کرتے تھے۔ یہ جگہ نسبتاً پوشیدہ تھی، جہاں سے باقی کیفے کا منظر تو نظر آتا تھا مگر کوئی باہر سے یا اندر سے آسانی سے انہیں دیکھ نہیں سکتا تھا۔ اسے بھی جینی کی پوزیشن کا خیال تھا۔ وہ بیٹھے۔ چند لمحوں کی خاموشی چھائی رہی، جو بہت کچھ کہہ رہی تھی۔ پھر جینی نے اپنا ہاتھ اپنے جیکٹ کی جیب میں ڈالا اور ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکالا۔ اس نے کاغذ ولیم کی طرف بڑھایا۔
ولیم نے کاغذ لیا۔ اس کی تہہ کھولی۔ ایک لمحے کے لیے اس کی سانس تھم گئی۔ یہ اس کی سب سے قیمتی امانت تھی، اس کا نکاح نامہ! جو اس نے جینی کے پاس بطور امانت رکھوایا تھا، اس یقین کے ساتھ کہ وہ اس کی حفاظت کرے گی۔ اور آج، جینی، اس امانت کو لوٹانے آئی تھی۔
ولیم نے کاغذ کو تھاما، اس کا وجود اب بھی جینی کی نیلی آنکھوں کے سامنے کانپ رہا تھا۔

"یہ۔۔۔" اس نے کہنا چاہا، پھر اس کی آواز رندھ گئی۔

جینی نے اس کی آنکھوں میں دیکھا اور وہ سوال پوچھا جو شاید عرصے سے اس کے ذہن میں تھا۔

"تمہیں مجھ پر اتنا بھروسہ کیوں تھا؟ کہ تم مجھے اپنی امانت حفاظت کے لیے دو گے اور میں اس کی حفاظت کرو گی؟"

جینی کی نیلی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی ابھر آئی۔ اس نے اپنے ہونٹوں کو ایک بار پھر بھینچا جیسے خود کو روک رہی ہو۔

"بس۔۔۔مجھے بھروسہ تھا۔" ان دو لفظوں میں کتنی گہرائی تھی، کتنی ان کہی کہانیاں تھیں۔

کچھ دیر اور خاموشی رہی۔ پھر جینی نے، جس کی آنکھوں میں اب بھی نمی تھی، ایک اور سوال پوچھا۔ یہ سوال ایک خوف، ایک شک اور ایک امید کا ملاپ تھا۔

"تمہیں یقین ہے؟ جب تم پاکستان جاؤ گے تو تمہاری تمہاری بیوی، کسی اور کی نہیں ہو چکی ہو گی؟"

یہ سوال سیدھا ولیم کے دل پر لگا۔ اس کی آنکھوں میں فجر کی تصویر گھوم گئی۔ اس نے ایک گہری سانس لی، جیسے اپنے اندر کی ساری طاقت جمع کر رہا ہو۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سا سکون اور مضبوط ایمان کا تاثر ابھرا۔ اس نے جینی کی آنکھوں میں دیکھا اور بہت یقین سے کہا۔

"میں، میں جب قید میں تھا تب بھی، اور اب جب میں باہر ہوں، میں صرف ایک دعا کرتا ہوں۔" اس کی آواز میں محبت، انتظار اور ایمان کی گہرائی تھی۔

"میں اللہ سے بس یہی مانگتا ہوں کہ **اسے میری رکھنا**۔" اس نے لمحہ بھر کے لیے توقف کیا، جیسے دعا کے الفاظ کو محسوس کر رہا ہو۔

"بس تب تک جب تک میں خود اس تک نہ پہنچ جاؤں۔" اس نے ایک درد بھری، مگر پر سکون مسکراہٹ کے ساتھ اپنی بات مکمل کی۔ "اس کے بعد، اس کی مرضی۔ وہ جسے چاہے چنے۔"

ولیم کے یہ الفاظ، اس کا ایمان، اس کی دعا کی سچائی، جینی کے دل کو چھو گئی۔ اس کی نم آنکھوں میں ایک کرن چمکی۔ وہ ایک دل گرفتہ مسکراہٹ مسکرائی۔ وہ مسکراہٹ جس میں درد بھی تھا اور ولیم کے لیے ایک گہرا احترام بھی۔ اس

لمحے کیفے کا پر سکون گوشہ ان دونوں کے جذباتی اعترافات اور ایک دوسرے پر رکھے گئے انمول بھروسے کا گواہ تھا۔

✿••✿••✿••✿

یہ کچھ دنوں بعد کی بات تھی۔ نیل کیفے اپنی معمول کی سرگرمیوں میں مگن تھا۔ کافی مشینوں کی بھنبھناہٹ، گاہکوں کی چہل پہل اور اسٹاف کی مصروفیت نے ایک جاندار ماحول پیدا کر رکھا تھا۔ ولیم کاؤنٹر پر کھڑا کسی گاہک کا آرڈر لے رہا تھا، اس کے چہرے پر کام کی سنجیدگی تھی۔ قریب ہی نیل ایک ٹیبل پر آرڈر رکھتے ہوئے کسی گاہک سے ہلکی پھلکی بات چیت کر رہا تھا۔ سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔

اچانک کیفے کا دروازہ کھلا اور ایک نہایت اسٹائلش سی لڑکی اندر داخل ہوئی۔ اس کے قدموں میں ایک عجب خود اعتمادی اور پرجوشی تھی۔ اس نے اندر قدم رکھتے ہی جیسے پورے کیفے کو نظر انداز کیا اور اس کی نظریں سیدھا نیل پر جم گئیں۔ وہ تیزی سے نیل کی طرف بڑھی، اس کے چہرے پر ایک بڑی سی مسکراہٹ تھی۔

نیل ابھی آرڈر مکمل کر ہی رہا تھا کہ وہ لڑکی اس تک پہنچ گئی اور کسی ہچکچاہٹ کے بغیر اس سے لپٹ گئی، اسے زور سے گلے لگا لیا۔

کاؤنٹر پر کھڑا ولیم، جس کی نظر اتفاقاً دروازے کی طرف گئی تھی، یہ منظر دیکھ کر لمحہ بھر کو اپنا کام بھول گیا۔ اس کا منہ حیرت سے تھوڑا سا کھل گیا اور اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ یہ کون تھی؟ اور نیل کو یوں اچانک گلے کیوں لگا رہی تھی؟ اس کے چہرے پر حیرت اور شاید تھوڑی سی شرارت کا ملا جلا تاثر تھا۔

اپنے ساتھ لگی لڑکی کو دیکھ کر اور پھر ولیم کو کاؤنٹر پر کھڑا اپنی طرف گھورتے ہوئے پا کر، نیل کا چہرہ فوراً سرخ ہو گیا۔ وہ ہڑبڑا گیا اور جھینپ گیا۔ اس نے دیا کو الگ کرتے ہوئے دھیمی آواز میں کچھ کہا۔

یہ لڑکی، دیا تھی دیا شرما نیل کی منگیتر، جو چھٹیاں گزارنے کے بعد آج ہی انڈیا سے لوٹی تھی۔ اس کی آنکھوں میں سفر کی تھکن نہیں، بلکہ نیل سے ملنے کی خوشی تھی۔ اس نے نیل کے کان میں سرگوشی کی، شاید رات میں ملنے کا کہہ کر، اور پھر اسے ایک پیار بھری نظر سے دیکھا، ولیم کی طرف ایک نظر ڈالی اور مسکراتی ہوئی کیفے سے باہر نکل گئی۔ اس کا آنا اور جانا ایک تیز جھونکے کی طرح تھا۔

دیا کے جاتے ہی، نیل، جس کا چہرہ ابھی تک سرخ تھا، ایک لمبی سانس لے کر خود کو سنبھالتا ہوا کاؤنٹر کی طرف ولیم کے پاس آیا۔ وہ جانتا تھا کہ اب ولیم اسے نہیں چھوڑے گا۔

جیسے ہی نیل قریب آیا، ولیم نے کاؤنٹر پر جھک کر، طنزیہ انداز میں، اپنی آواز کو دھیما کرتے ہوئے کہا۔

"بڑے چھپے رستم نکلے تم تو۔" اس کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔ "مجھے بتایا تک نہیں کہ تمہاری گرل فرینڈ بھی ہے؟"

نیل نے اپنی سرخ گردن کھجلائی۔ "ارے، وہ وہ گرل فرینڈ نہیں ہے!" اس نے دفاعی انداز میں کہا۔

ولیم نے آنکھیں مزید پھیلائیں۔ "نہیں؟ تو کون ہے؟"

"وہ میری میری منگیتر ہے۔" نیل نے ذرا ہکلاتے ہوئے اعتراف کیا۔ چہرہ سرخ گلنار ہوا۔

یہ سن کر ولیم کو جیسے دوسرا بڑا جھٹکا لگا۔ اس کے چہرے پر بنی بنائی حیرت اب حقیقی صدمے میں بدل گئی۔

"منگیتر؟" وہ حیرت سے گرنے کو تیار تھا۔ اس نے نیل کے قریب ہو کر سرگوشی کی۔

"بڑے منحوس نکلے تم! میری قید کے دوران منگنی کر لی؟" اس کی آواز میں نا قابل یقین مصنوعی درد تھا۔ اس نے نیل کو گھورا۔

"یعنی تم جلد شادی کر لیتے؟ اپنے بہترین دوست کے بغیر؟"

"اچھا؟ اور اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟" اس بات نیل کا لہجہ استہزائیہ تھا۔

"تم نے بھی تو میرے بنا، نکاح کیا تھا میں نے کچھ کہا؟" نیل ان جل بھن گیا تھا۔

ولیم لمحہ بھر کو لاجواب ہوا، پھر فوراً نیا داؤ کھیلا۔ اس نے اپنی آنکھیں تنگ کیں۔

"اس لیے تباہی پھر گئی ہے مجھ پر، ضرور تمہاری منحوس نظر لگی ہے جو میں یہاں ایڈنبرا میں پھنسا ہوا ہوں! میری ساری بد قسمتی کی جڑ تم ہو!"

"مم۔۔۔ میں؟" نیل کو تو صدمہ لگ گیا۔ اس نے حیرت سے ولیم کو دیکھا۔ "مانا کہ میں منحوس ہوں لیکن اتنا منحوس ہوں یہ مجھے آج احساس ہوا ہے۔"

دونوں کچھ دیر ایک دوسرے کو دیکھتے رہے اور پھر ان کا ابھرنے والا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ دوست تو ایسے ہی ہوتے ہیں۔ تکلیف دے کر اس تکلیف پر مرہم بھی رکھتے ہیں۔ ان کی حرکتوں کی وجہ سے دل کرتا ہے انہیں چھوڑ دیں، لیکن کمبخت ان کے بنا رہا بھی نہیں جاتا۔

"تم بھی منحوس سے کم نہیں ہو میرے لیے کبھی ہندی نہیں سیکھی اور اپنی بیوی کے لیے اردو ہندی سب سیکھ لیں۔" نیل نے ایک اور طنز کیا۔ ولیم قید سے پہلے ہی سیکھ رہا تھا اور اب تو وہ مکمل سیکھ چکا تھا۔ اس کا لہجہ بھی کافی صاف ہو چکا تھا۔ کبھی کبھی لگتا ہی نہیں تھا ایک فارنر اردو بول رہا ہے۔ ویسا بھی وہ آدھا انگریز تھا۔

"تم دوست ہو وہ بیوی ہے اتنا فرق تو ہونا چاہیے۔" وہ تپانے والے انداز میں بولا تو نیل اسے گھور کر رہ گیا۔ وہ کھرا کھرا جواب دینا چاہتا تھا لیکن اپنے بلاوے پر وہ ٹیم کی جانب بڑھ گیا۔ جواب ادھار سہی!

✿••✿••✿••✿

وقت تیزی سے گزرنے لگا۔ ولیم تقریباً ہر روز جوزف پیلس کو چکر لگاتا۔ کبھی مسٹر جوزف مل جاتے اور کبھی نہیں۔ وہ ان سے ایک ہی بات کرتا، "مجھے اجازت دیں ڈیڈ! مجھے پاکستان جانے کی اجازت دیں۔" لیکن شاید ابھی تک مسٹر جوزف کا دل نہیں پگھلا تھا اور پھر ایک دن کچھ ایسا ہوا کہ ولیم خود ساکت رہ گا۔

کیفے اپنے معمول کے شور و غل میں ڈوبا تھا۔ کافی مشینوں کی مسلسل آواز، پلیٹوں اور کپوں کی کھنک، گاہکوں کی گفتگو کا دھیما ہنگامہ، اور پس منظر میں چلتی ہوئی ٹی وی سکرین کی مختلف آوازیں، یہ سب مل کر ایک مانوس ماحول بنا رہے تھے۔ ولیم کاؤنٹر کے پاس اپنے کام میں مشغول تھا۔ اس کے ہاتھ تیزی سے چل رہے تھے، ذہن میں حساب کتاب یا دن کے کاموں کی ترتیب تھی۔

کیفے کی دیوار پر لگی ایل ای ڈی سکرین پر مختلف چینلز چل رہے تھے، جن سے طرح طرح کی آوازیں اور شور اٹھ رہا تھا۔ ولیم عام طور پر اس آواز پر دھیان نہیں دیتا تھا، یہ محض پس منظر کا حصہ تھی۔ مگر آج، ایک مخصوص جملہ، ایک خاص لہجہ اس کی سماعت سے ٹکرایا جس نے اس کے ہاتھ کو وہیں روک دیا جہاں وہ تھا۔

"مس فجر، آپ دن بدن کامیابی کی بلندیوں کو چھو رہی ہیں، پچھلے دو سالوں میں آپ کے ساتھ کسی ولی (سرپرست) کو نہیں دیکھا گیا۔ کیسا محسوس ہوتا ہے اس تنہا سفر پر۔۔؟"

ولیم کا وجود لمحہ بھر کو ساکت ہو گیا۔ اس کے ہاتھ تھم گئے۔ اس کا ذہن جیسے ماؤف ہو گیا۔ یہ آواز؟ یہ سوال؟

اسی لمحے، ایک بیرے نے کسی گاہک کے کہنے ریموٹ سے چینل بدل دیا۔ سکرین پر منظر اور آواز بدل گئی۔

ولیم کی آنکھوں میں ایک چمک آئی، ایک بے چینی، ایک اضطراب۔ وہ تیزی سے مڑ کر اس بیرے کی طرف متوجہ ہوا جس نے چینل بدلا تھا۔ اس کی آواز میں شدت تھی، جو کیفے کے شور میں بھی نمایاں ہوئی۔

"واپس لگاؤ وہی چینل!" لہجہ تنبیہہ تھا۔

چینل واپس تبدیل کیا گیا۔ ولیم کی آنکھیں شدت سے سکرین پر جم گئیں۔ اور پھر، اس نے اسے دیکھا۔ فجر کو۔ اسکرین پر چمکتی، کامیاب فجر کو۔ اس کا دل، جو پہلے ہی اس سوال پر ساکت ہوا تھا، اب اسے دیکھ کر جیسے رک چکا تھا۔ ایک گہرا درد اس کے سینے میں اٹھا۔ اس کی آنکھیں فجر کے چہرے پر مرکوز تھیں، اس کے تاثرات کو پڑھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ حسین لگ رہی تھی۔ اس کے حسن میں کامیابی اور پہچان نے مزید اضافہ کر دیا تھا۔

انٹرویو لینے والے کا سوال دہرایا گیا۔ اور پھر فجر کا جواب آیا۔ اس کی آواز مضبوط تھی، پر اعتماد۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ وہ کہہ رہی تھی۔

"ہاں! میرا کوئی ولی نہیں ہے۔ میں جو ہوں ٹھیک ہوں!" اس کے لہجے میں خود مختاری تھی، ایک ایسی عورت کی پختگی جس نے اکیلے اپنی راہ بنائی ہو۔

مگر ولیم؟ ولیم جانتا تھا کہ اس کی ان مضبوط لفظوں کے پیچھے کیا کچھ چھپا تھا۔ وہ جانتا تھا وہ ٹھیک نہیں ہے۔ وہ اس کی آنکھوں میں، اس کے مسکراتے ہونٹوں کے کنارے پر، اس کے چہرے کے معمولی سے تناؤ میں وہ سب کچھ پڑھ

سکتا تھا جو دنیا نہیں دیکھ سکتی تھی۔ وہ اس کا **'ولی'** تھا، اور وہ یہاں ہزاروں میل دور تھا جب اس کی بیوی کو دنیا یہ طعنہ دے رہی تھی کہ اس کا کوئی ولی نہیں۔

اسکرین پر انٹرویو جاری رہا، منظر کچھ آگے بڑھ گیا۔ پھر ختم ہو گیا۔ آوازیں دوبارہ معمول کے مطابق مل گئیں۔ مگر ولیم، ولیم وہیں، اپنی جگہ پر ساکت کھڑا رہ گیا۔ اس کا ہاتھ اب بھی بے جان تھا۔ کیفے کا شور اس کے کانوں تک پہنچ رہا تھا، مگر وہ کہیں اور تھا۔ اس لمحے، ایڈنبرا کا کیفے، اس کی نوکری، سب کچھ بے معنی ہو گیا۔ اس کے ذہن میں صرف ایک ہی خیال گونج رہا تھا۔ اسے جانا ہے۔ اسے فجر کے پاس جانا ہے۔ اسے اس کا ولی بننا ہے۔ یہ لمحہ تھا جب اسے احساس ہوا وہ مزید دیر نہیں کر سکتا۔ اور اس کی تکمیل کے لیے وہ جوزف پیلس ایک بار پھر سے جانے کے لیے تیار ہو گیا تھا۔

✿••✿••✿••✿

موریفیلڈ میں رات اپنے جوبن پر تھی، مگر جوزف پیلس کے ارد گرد کا علاقہ دن کی طرح روشن تھا۔ عالیشان پیلس کے وسیع و عریض ہالز سے قہقہوں، موسیقی اور کامیابی کے جشن کا مبہم شور چھن چھن کر باہر آ رہا تھا۔ اندر، مسٹر جوزف کی نئی کامیاب فلم نمائش سے پہلے کی تقریب اپنے عروج پر تھی، جس میں ایڈنبرا کی شوبز انڈسٹری کے ستارے، ہدایتکار، پروڈیوسرز اور نامور شخصیات کی ایک کہکشاں اتری ہوئی تھی۔ پیلس کے باہر سجی ہوئی، قیمتی گاڑیوں کی ایک لامتناہی قطار تھی جو سڑک پر دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ لوگ چمکتے دمکتے لباسوں میں ملبوس گاڑیوں سے اتر رہے تھے، کیمروں کی فلیش لائٹس چمک رہی تھیں اور ہر طرف ایک ہنگامہ خیز مگر منظم رش تھا۔

اپنے عالیشان کمرے کی کھڑکی سے نیچے، اس پر شکوہ منظر کو دیکھتے ہوئے، مسٹر جوزف کے چہرے پر ایک فاتحانہ چمک تھی۔ ان کا قیمتی سوٹ اور مہنگی خوشبو ان کی کامیابی کا اعلان کر رہی تھی۔ ان کی نظریں بے ساختہ باہر کے ہجوم پر پڑیں۔ گاڑیوں کی قطار، اترتے مہمان اور پھر ان کی نگاہیں ایک نقطے پر ٹھہر گئیں۔

باہر، مہمانوں اور گاڑیوں کے ہجوم سے ذرا ہٹ کر، پیلس کے مرکزی دروازے سے کچھ فاصلے پر، ایک کونے میں، وہ کھڑا تھا۔ **ولیم!** کسی بھی چمک دمک سے عاری، ایک عام سے، بغیر کسی تزئین و آرائش کے سادہ لباس میں۔ اس محل کا وارث، جس پر اندر کے روشن دروازے بند تھے۔ وہ وہاں اکیلا کھڑا تھا، باہر کے رش میں بالکل الگ تھلگ، ایک اجنبی کی طرح۔ وہ ہمیشہ کی طرح، ایک بار پھر یہاں آ گیا تھا۔ شاید اپنی قسمت کے فیصلے اور اپنی **'آزادی'** کا پروانہ مانگنے تاکہ وہ جا سکے۔ **پاکستان!** جہاں ایک نئی کہانی اس کی منتظر تھی۔

مسٹر جوزف کچھ پل ساکت کھڑے اسے دیکھتے رہے۔ ان کی آنکھوں میں کوئی تاثر نہیں تھا، صرف ایک گہری، ناقابل فہم خاموشی۔ پھر انہوں نے پلٹ کر بغیر کچھ کہے کمرے سے باہر قدم رکھا۔

اگلے چند لمحوں میں، مسٹر جوزف جوزف پیلس کے مرکزی دروازے کے باہر تھے۔ اندر کی روشنی سے نکل کر باہر کی قدرے کم روشنی میں آتے ہوئے۔ ان کا چہرہ، ان کا سوٹ، ان کی وضع قطع، سب کچھ مکمل اور بے عیب تھا۔ انہوں نے اپنے اس بیٹے کو دیکھا جو چند قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ لوگ جیسے بھول ہی گئے تھے کہ مسٹر جوزف کا ایک اور بیٹا بھی تھا اور شاید یہی وہ چاہتے تھے۔

ولیم کے قریب پہنچنے پر اس کے چہرے کا نشان واضح ہوا، یہ داغ جیسے ان دونوں کے درمیان ایک نظر نہ آنے والی دیوار تھی۔

مسٹر جوزف نے اپنے پتلون کی جیبوں میں ہاتھ اڑسے، ان کی آواز سرد اور سپاٹ تھی۔

"کہو، کیسے آنا ہوا؟" سوال میں کوئی گرم جوشی نہیں، صرف ایک رسمی دریافت تھی۔

ولیم نے اپنے باپ کے چہرے پر جمی سرد مہری کو محسوس کیا، مگر اس وقت اس کے دل میں ایک ہی مقصد تھا۔

"آپ کی اجازت مانگنے آیا ہوں، ڈیڈ!" ولیم نے کہا، اس کے الفاظ میں پختگی تھی۔ پھر اس کی آواز میں درد اور محبت گھل گئی۔

"مجھے جانے دیں، ڈیڈ! مجھے پاکستان جانے دیں۔" اس نے التجا کی۔

"فجر کو میری ضرورت ہے۔"

فجر۔۔۔؟ تو اس کا نام فجر تھا۔ یہ افق سے ملتا جلتا تھا۔ مسٹر جوزف کے اندر کچھ ہوا۔ بے چینی سی۔

"آج میں نے اسے دیکھا۔ اس کا انٹرویو سنا۔" ولیم کی آنکھوں میں اسکرین پر دیکھے گئے منظر کی تکلیف جھلک رہی تھی۔

"وہ کامیاب ہو گئی ہے، اس نے اپنی پہچان بنالی ہے۔ مگر وہ اکیلی ہے۔ لوگ اس سے پوچھتے ہیں۔ اسے پوچھتے ہیں کہ تمہارا کوئی ولی نہیں ہے؟" حلق میں کچھ اٹک گیا تھا۔

"لیکن میں! میں اس کا ولی ہوں۔ مجھے اجازت دیں ڈیڈ۔۔!" اس نے اپنی ساری امیدیں، ساری التجا، ان چند جملوں میں سمو دی تھی۔ وہ اپنے وجود کے ٹکڑے کو واپس لانے کی اجازت مانگ رہا تھا۔

مسٹر جوزف اپنے لب بھینچے، سرد نگاہوں سے اسے دیکھتے رہے۔ ولیم کی التجا، اس کی آنکھوں میں چمکتی امید، فجر کا ذکر۔ یہ سب مسٹر جوزف کے اندر کسی چیز کو چھو رہے تھے، مگر ان کے چہرے پر پتھر کی سی سرد مہری قائم رہی۔

ان کے ہونٹ کچھ کہنے کے لیے پھڑ پھڑائے، شاید بہت کچھ کہنا چاہتے تھے۔ غصہ، مایوسی، یا شاید کوئی شرط، مگر کوئی لفظ باہر نہیں آیا۔ خاموشی، ایک گہری، تکلیف دہ خاموشی ان کے درمیان حائل رہی۔

آخر کار، مسٹر جوزف نے ایک گہری سانس لی، جیسے کوئی فیصلہ کر لیا ہو۔ انہوں نے ولیم سے نظریں ہٹائیں، پلٹے، اور بغیر کوئی جواب دیے، پیلس کی طرف واپس چل پڑے۔ بڑے دروازے کھلے، وہ اندر داخل ہوئے، اور دروازے ان کے پیچھے بند ہو گئے۔

ولیم وہیں کھڑا رہ گیا۔ جوزف پیلس کے باہر، رات کی سرد ہوا میں، مہمانوں کی آمد و رفت کے بیچ۔ اس کے ہاتھ خالی تھے، اس کا دل خالی تھا۔ اس کی آنکھوں میں چمکتی امید دھندلا رہی تھی۔ وہ صرف ایک بیٹا تھا جو اپنے باپ سے اپنے حق، اپنی محبت کے لیے اجازت مانگنے آیا تھا، اور جواب میں اسے صرف دروازوں کا بند ہونا ملا تھا۔ اندر جشن کا شور شاید اب اسے زیادہ دور اور زیادہ خالی لگ رہا تھا۔ وہ جو محل کا وارث تھا، محل کے باہر ایک اجنبی کی طرح کھڑا، ایک خالی دل لیے اپنی قسمت کو دیکھ رہا تھا۔

اور محل کی اوپری کھڑکی میں، وہ کھڑا تھا جارج! جس نے یہ سارا منظر دیکھا تھا اور اس کے عقب میں نمودار ہوتی جینی! جس نے ولیم کو دیکھا جو اب پلٹ رہا تھا۔

"کیا لگتا ہے وہ مسٹر جوزف کا دل جیت پائے گا؟" جینی نے اسے کھڑکی سے باہر نظریں جما کر پوچھا۔

"وہ ولیم ہے۔ وہ ہمیشہ کی طرح جیت جائے گا۔" اس کے انداز میں پھیکا پن تھا۔ ایک دبی دبی سی حسرت! سوٹڈ بوٹڈ سا جارج اچھا لگ رہا تھا پر خاموش تھا۔ اس کے ہاتھ میں ڈرنک تھی۔ جینی کے بھی۔ وہ اب اس کے برابر کھڑی تھی۔

"تم نے اسے اتنا ٹارچر کیسے کر لیا؟ کیسے ؟" وہ حیرانی سے پوچھ رہی تھی۔ یہ سنتے ہی جارج کا چہرے کا رنگ فق ہوا پر اگلے ہی لمحے اس کی مضبوط آواز سنائی دی۔

"کیونکہ اسے تکلیف صرف میں پہنچا سکتا ہوں۔ ڈیڈ کے علاوہ اسے کوئی ہاتھ لگاتا تو میں اس کے ہاتھ کاٹ دیتا۔" اس کے لہجے میں ایسا کچھ تھا کہ جینی نے چونک کر رخ موڑا۔ یہ تصویر کا وہ رخ تھا جو ابھی تک چھپا ہوا تھا۔ وہ اب بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی جو ایک ہاتھ میں گلاس تھامے اور دوسرے ہاتھ کو پینٹ کی جیب میں اڑسے کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا جہاں کہرا اترتا محسوس ہو رہا تھا۔ سردیاں پھر سے بڑھ رہی تھیں۔

"ہم بھائی ہیں۔ ہم ایک دوسرے کا ناک بھی پھوڑ سکتے ہیں اور گلہ بھی کاٹ سکتے ہیں لیکن ہم دونوں کو ہمارے علاوہ کوئی اور نہیں چھو سکتا۔" اس نے بے تاثر آواز میں کہا۔ جینی خاموشی سے سنے گئی۔ آہ جارج! کیا تھا وہ؟

"مجھے لگا تھا تم ایک بے ضرر سے معصوم انسان ہو!" جینی نے گہری سانس لی۔ جوزف پیلس کے مکین اس کی توقع سے زیادہ پراسرار تھے۔

"میں ایک مونسٹر ہوں!" وہ اپنے چمکتی آنکھیں لیے بولا۔ اندر کہیں تکلیف تھی۔

"میں بھی۔۔۔" جینی کی آواز ابھری تو اس بار چونکنے کی باری جارج کی تھی۔ اس نے پلٹ کر جینی کو دیکھا۔

"میں نے یہاں تک پہنچنے کے لیے کیا کچھ نہیں کیا۔ ایک بدلہ کہاں سے کہاں لے آیا۔ جس کے لیے اس پیلس کے اندر آنا چاہتی تھی وہ اب باہر ہے اور کمال بات یہ ہے کہ میں اس تک کبھی پہنچ نہیں پاؤں گی۔" اس نے گردن پر آئے بالوں کو پیچھے گراتے کہا تو جارج بس اسے دیکھے گیا۔

"یعنی ہم ایک جیسے ہیں!" بے ساختہ اسکے لبوں سے پھسلا۔

"ہاں شاید!" جینی پھیکا سا مسکرائی تو وہ بھی مسکرا دیا۔ باہر اترتی رات مزید گہری ہوتی جا رہی تھی۔

✿••✿••✿••✿

یہ منظر جینی رابرٹ کے اپارٹمنٹ کا تھا جہاں وہ ایک صوفے پر سکون سے بیٹھی، فون پر کچھ ہدایات دے رہی تھی۔ اس کے سامنے بیٹھی عینا پریشان دیکھائی دے رہی تھی۔

"تم کیا کر رہی ہو جینی؟" عینا نے، اس کے فون بند کرتے ہی بے چینی سے پوچھا۔

"ان دو بھائیوں کو الگ کیا تھا۔ اب قریب لانے کی کوشش کر رہی ہوں۔"

"تمہیں لگتا ہے ولیم اسے بچائے گا؟"

"ہاں وہ جوزف برادرز ہیں۔ ایک دوسرے سے کتوں کی طرح لڑ سکتے ہیں پر ایک دوسرے کے لیے جان بھی دے سکتے ہیں۔" اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ عینا خاموشی ہو گئی۔ ہوائیں تیزی سے موریفیلڈ کی جانب جاتی سڑک پر مڑی۔

رات اپنی پوری تاریکی کے ساتھ چھا چکی ہے۔ ایڈنبرا سے موریفیلڈ کو جاتی سڑک درختوں کے جھنڈ میں گھری ہوئی تھی

جہاں چاند کی روشنی بھی بمشکل چھن کر پہنچ رہی تھی۔ ہوا میں خنکی تھی اور ایک پراسرار خاموشی طاری تھی، جسے کبھی کبھار دور سے آتی کسی گاڑی کی آواز یا ہوا سے سرسراتے پتوں کی آواز توڑ دیتی تھی۔ سڑک سنسان تھی، اکا دکا گاڑی ہی یہاں سے گزرتی تھی۔

اسی تاریک اور سنسان سڑک پر، جارج جوزف کی گاڑی تیز رفتاری سے موریفیلڈ کی جانب بڑھ رہی تھی۔ مشہور شخصیت اور نامور پروڈیوسر مسٹر جوزف پیٹرسن کا بیٹا ہونے کے باوجود، آج حیرت انگیز طور پر وہ اکیلا تھا، بغیر کسی سیکیورٹی گارڈ یا عملے کے۔ اس کی پیشانی پر ہلکے پسینے کے قطرے تھے اور وہ بار بار بے چینی سے پیچھے دیکھ رہا تھا، اس کی چھٹی حس کسی خطرے کا احساس دلا رہی تھی۔

اس کی گاڑی کی ہیڈلائٹس سڑک کے اندھیرے کو چیر رہی تھیں۔

اچانک، ایک موڑ مڑتے ہی، دو پرانی گاڑیاں سڑک کے بیچوں بیچ آتے ہوئے اس کا راستہ روک گئیں۔ جارج نے بمشکل بریک لگائی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھ پاتا، گاڑیوں سے چند بدہیئت، مضبوط جسموں والے غنڈے اترے، ان کے چہروں پر سنگدلی اور آنکھوں میں واضح دشمنی تھی۔ انہوں نے تیزی سے جارج کی گاڑی کو گھیرا اور زبردستی دروازہ کھلوا کر اسے باہر گھسیٹا۔

جارج مزاحمت کرنے کی کوشش کرتا رہا، مگر تعداد میں کم ہونے اور اچانک حملے کی وجہ سے بے بس تھا۔ غنڈوں نے بغیر کچھ کہے سنے اس پر لاتوں اور گھونسوں کی بارش کر دی۔

"کون ہو تم لوگ؟ کیا چاہتے ہو؟" جارج درد سے کراہتے ہوئے پوچھ رہا تھا، مگر جواب میں اسے ایک اور زوردار ٹھوکر پیٹ میں لگی۔ وہ زمین پر گر گیا، کیچڑ اور دھول میں لت پت۔ غنڈے اسے بے رحمی سے مار رہے تھے، ان کا ارادہ واضح طور پر اسے شدید نقصان پہنچانا، یا شاید جان سے مار دینا تھا۔ جارج کو اپنی پسلیاں ٹوٹتی ہوئی محسوس ہوئیں، درد کی شدید ٹیسیں اس کے پورے وجود میں دوڑ رہی تھیں۔ وہ مشہور پروڈیوسر مسٹر جوزف کا بیٹا جو ہمیشہ طاقت اور حفاظت کے حصار میں رہا، آج سڑک پر بے یار و مددگار پڑا تھا۔

تبھی، جیسے کوئی آسیب زدہ سایہ اندھیرے سے نمودار ہوا، ایک وجود حرکت میں آیا۔

وہ ولیم تھا! لمبے قد، مضبوط جسم کا، مگر اس کے چہرے پر، خاص طور پر رخسار پر، تشدد کے پرانے نشان آج بھی واضح تھے، وہ ٹانکے جو جارج کے حکم پر لگائے گئے تشدد کا نتیجہ تھے۔ اس کی آنکھیں کسی شکاری جیسی سرد، پُرخطر اور گہری تھیں، جن میں ماضی کی اذیت اور حال کی نفرت صاف جھلک رہی تھی۔ وہ کسی جن کی طرح، خاموشی سے، مگر ایک ناقابلِ بیان تیزی کے ساتھ وہاں پہنچا۔ اسے جینی نے کال کی تھی۔

"جارج کسی خطرے میں ہے۔ اسے تمہاری ضرورت ہے۔ اسکا ابھی ابھی فون آیا ہے۔ کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہے۔"

یہ دراصل جارج اور جینی کی ملی بھگت تھی تاکہ ولیم اور جارج کے درمیان کا فاصلہ کم ہو سکے۔

ولیم کی نظر سڑک پر پڑے، درد سے دوہرے ہوتے جارج پر پڑی۔ ایک لمحے کے لیے وہ ساکت کھڑا رہا، اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں ابھرا، سوائے آنکھوں میں چمکتی سرد ناگواری کے۔ پھر، ایک زہر بھری، طنزیہ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیلی اور پھر دھیمی، مگر واضح آواز میں کہا۔

"ہیلو برادر!"

یہ الفاظ سن کر غنڈے چونک کر اس کی طرف مڑے، اور جارج بھی درد کے باوجود سر اٹھا کر ناقابلِ یقین نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ واقعی آ گیا تھا ہاتھ میں لوہے کی سلاخ لیے۔ جارج کا دل بلیوں اچھل رہا تھا مگر جسمانی چوٹوں نے اسے کراہنے پر مجبور کر دیا۔

اگلے ہی لمحے، ولیم ان غنڈوں پر بھوکے شیر کی طرح ٹوٹ پڑا۔ اس کی حرکتوں میں بلا کی تیزی اور وحشت تھی۔ وہ لڑ نہیں رہا، وہ تباہ کر رہا ہے۔ اس کے گھونسے اور ٹھوکریں نشانے پر پڑتیں، چیخیں بلند ہوتیں۔ وہ ان لوگوں کو مار رہا

ہے جو اس کے بھائی کو مار رہے تھے۔ وہی بھائی جس نے اسے ایک سال تک اپنے ہی گھر کے تہہ خانے میں قید رکھا، اسے ناقابلِ بیان اذیتیں دیں۔

جارج، جو درد سے کراہ رہا تھا، ناقابلِ یقین نظروں سے یہ سب دیکھ رہا تھا۔ وہی ولیم، اس کا چھوٹا بھائی، جسے اس نے توڑا، ذلیل کیا، آج اسے بچا رہا تھا۔ اس لمحے، درد اور نفرت کے بیچ، جارج کو شدت سے احساس ہوا کہ ان دونوں بھائیوں کا رشتہ کتنا عجیب ہے۔ وہ ایک دوسرے سے کتنی ہی نفرت کیوں نہ کرتے ہوں، ایک دوسرے کو کتنی ہی تکلیف کیوں نہ پہنچائی ہو، ان کے درمیان محبت اور ملکیت کی ایک عجیب، پوشیدہ ڈور بھی تھی۔ وہ **جوزف برادرز** تھے، کتوں کی طرح لڑنے کے باوجود، وہ ایک دوسرے کے لیے جان دے سکتے تھے، اور اس سے بھی اہم بات یہ کہ ایک دوسرے کو تکلیف پہنچانے کا حق صرف انہی دو بھائیوں کا تھا، کسی تیسرے کا نہیں۔

ولیم کی وحشیانہ لڑائی جاری تھی، اور جارج کو پہلی بار اپنے چھوٹے بھائی کی آنکھوں میں چھپی اذیت کے ساتھ ساتھ ایک خطرناک طاقت کا بھی اندازہ ہو رہا تھا، وہ طاقت جو شاید اسی کی دی ہوئی تکلیفوں نے پیدا کی تھی۔ سبھی غنڈے مار کھا کر ادھر ادھر بھاگ گئے۔ شاید انہیں یہی حکم تھا اور ان کے جانے کے بعد ولیم نے ایک ناگوار نظر جارج پر ڈالی اور پھر اسے وہیں پڑے دیکھ کر پلٹ گیا۔ اس کے جانے کے بعد جارج جسم میں اٹھتی تکلیفوں کو ضبط کرتے مسکرا دیا۔ چلو یہ تو ثابت ہوا کہ ولیم اس کے لیے کبھی بھی آ سکتا تھا۔ وہ ہونٹ سے بہتے خون کو تھوکتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ گاڑی اسٹارٹ کی۔ پہلے اسے ہسپتال جانا تھا تاکہ اپنا حلیہ درست کر سکے ورنہ مسٹر جوزف کے سامنے وہ فوراً پکڑا جاتا۔

✿••✿••✿••✿

جیسے ہی اسٹار لائٹ اسٹوڈیو کی نئی فلم کی ایڈیٹنگ مکمل ہوئی اور فائنل کٹ تیار ہوا، اسٹار لائٹ اسٹوڈیو کے مالک یعنی ٹمسٹر جوزف نے ایڈنبرا میں اپنے دفتر سے ایک وسیع پرومو سل مہم کا آغاز کیا۔ سب سے پہلا قدم ڈیجیٹل دنیا میں اٹھایا گیا، ایک مختصر، پراسرار ٹیزر آن لائن جاری کیا گیا جس میں فلم کے سب سے دلکش بصری پہلوؤں اور جیکب البرٹ اور جینی رابرٹ کے درمیان برقی کیمسٹری کی صرف ایک جھلک دکھائی گئی۔ اس ٹیزر نے فوری طور پر سوشل میڈیا پر تجسس کی لہر دوڑادی اور لوگ ہیش ٹیگ کے ساتھ فلم کے بارے میں بات کرنے لگے۔

کچھ ہی ہفتوں بعد، مہم حقیقی دنیا میں نظر آنے لگی۔ ایڈنبرا کی تاریخی رائل مائل سے لے کر لندن کے مصروف ویسٹ اینڈ تک، بڑے بڑے بل بورڈز اور پوسٹرز نمودار ہوئے جن پر جیکب البرٹ کی گہری نگاہیں اور جینی رابرٹ کی دلکش مسکراہٹ ایڈنبرا کے مشہور پس منظر کے ساتھ نمایاں تھی۔ اسی دوران، پریس جنکٹ کا سلسلہ شروع ہوا۔ جیکب اور جینی، جن کے ساتھ کبھی کبھار فخر اور گھبراہٹ کے ملے جلے تاثرات لیے جارج جوزف بھی ہوتا، ایڈنبرا اور لندن کے درمیان سفر کرتے رہے۔ انہوں نے بڑے فلمی رسالوں، قومی اخبارات، ریڈیو اسٹیشنوں اور ویب سائٹس کے لیے انٹرویوز دیے، فوٹو شوٹس میں حصہ لیا، اور فلم کے منفرد وژن اور اپنے کرداروں پر بات کی۔

اسٹار لائٹ اسٹوڈیو کی سوشل میڈیا ٹیم نے آن لائن ماحول کو گرمائے رکھا۔ فلم کے آفیشل پیجز پر روزانہ پردے کے پیچھے کی کہانیاں، سیٹ کی تصاویر، جارج کی طرف سے کسی مشکل شاٹ کی وضاحت پر مبنی مختصر ویڈیوز، اور مداحوں کے لیے دلچسپ مقابلے شیئر کیے جارہے تھے۔ ہیش ٹیگ فلم ٹوئٹر اور انسٹاگرام پر ٹرینڈ کرنے لگا۔ جینی اور جیکب بھی اپنے ذاتی اکاؤنٹس سے اس مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے، سیٹ کی ذاتی یادیں شیئر کر رہے تھے اور مداحوں کے سوالات کے جوابات دے کر ان سے براہ راست تعلق قائم کر رہے تھے۔

مہم میں مزید تیزی تب آئی جب فلم کا مکمل ٹریلر لانچ کیا گیا۔ یہ ٹریلر، جو ایک مقبول پرائم ٹائم ٹی وی شو کے دوران پہلی بار نشر ہوا، کہانی کی گہرائی، جیکب اور جینی کی اسکرین پر محبت، اور جارج جوزف کی ڈائریکشن کی پختگی کو زیادہ تفصیل سے سامنے لایا۔ اس نے فلم کے لیے توقعات کو مزید بلند کر دیا۔ اس کے فوراً بعد، جارج، جیکب اور جینی نے برطانیہ کے ایک مشہور ٹاک شو میں شرکت کی، جہاں انہوں نے اپنی حاضر جوابی اور دلکشی سے میزبان اور ناظرین کو یکساں طور پر متاثر کیا، اور فلم کے مرکزی کرداروں کے طور پر اپنی حیثیت کو مزید مستحکم کیا۔

آخر کار، ایڈنبرا میں فلم کے شاندار پریمیئر کی رات آ گئی۔ شہر کے سب سے بڑے سینما کے باہر سرخ قالین بچھایا گیا تھا۔ فلیش بلب کی چکاچوند میں لموزین گاڑیاں رکیں، جن سے فلم انڈسٹری کی نامور شخصیات، میڈیا کے نمائندے، اور شہر کے معززین اترے۔ ان سب کا استقبال ایک خوش باش اور پُروقار مسٹر جوزف نے کیا۔ جارج فخر اور ہلکی سی بے چینی کے ساتھ ریڈ کارپٹ پر چلا، جبکہ جیکب اور جینی، جو مکمل فلمی ستاروں کی طرح لگ رہے تھے، میڈیا کے ہجوم کو بڑے اعتماد اور مسکراہٹ کے ساتھ سنبھال رہے تھے۔ ماحول اس فلم کے لیے جوش و خروش اور گلیمر سے بھرپور تھا۔

اور پھر، وہ دن آ گیا جس کا سب کو انتظار تھا۔ "**ایڈنبرا کی روشنی**" کے نام سے یہ فلم برطانیہ بھر کے سینما گھروں میں ریلیز ہو گئی۔ بڑے شہروں کے ملٹی پلیکس سے لے کر چھوٹے قصبوں کے تھیٹرز تک، شائقین قطاروں میں کھڑے تھے، جو مہینوں کی ماہرانہ اور مسلسل پروموشن مہم سے کھنچے چلے آئے تھے۔ سینما ہال کی بتیاں مدھم ہوئیں، اسکرین پر اسٹار لائٹ اسٹوڈیو کا لوگو نمودار ہوا، اور جوزف خاندان کی امنگوں، جارج کے ڈائریکٹوریل ڈیبیو، اور جیکب و جینی کی اسٹار پاور کا نتیجہ بڑی اسکرین پر نظر آنے لگا۔ پروموشن کی جنگ جیت لی گئی تھی۔ اب شائقین کے فیصلے کا انتظار تھا۔

جیکب، مسٹر البرٹ، جارج، جینی اور بھی لوگ وہاں موجود تھے۔ مسٹر جوزف بھی تھے مگر انہیں کچھ کھٹک رہا تھا۔ جیکب نساء کو نہیں لایا تھا۔ اس کے مطابق نساء کو زکام تھا وہ نہیں آسکتی تھی۔ وہ سینما ہال سے باہر نکل آئے۔ بار بار نساء کا نمبر ملایا مگر وہ بند جا رہا تھا۔ ان کا دل آج عجیب سا ہو رہا تھا وہ بنا کسی کو بتائے، اپنی گاڑی لیے، نساء کے گھر کی طرف مڑ گئے۔ کافی دن ہو گئے تھے اسے دیکھے اس سے ملے۔ دل کر رہا تھا آج اس سے ملنے کا۔ یوں بھی جیکب اسے الگ گھر میں رکھتا تھا۔ وہ دونوں مسٹر البرٹ کے ساتھ نہیں رہتے تھے۔

جب وہ نساء کے گھر پہنچے تو گارڈ پہلے انہیں دیکھ کر ہچکچایا پھر دروازہ کھول دیا۔ سردی میں ٹھٹھرتے دروازے کو کھول کر اندر لاؤنج میں قدم رکھا، تو ایک لمحے کے لیے ان کے پیروں تلے زمین نکل گئی۔ لاؤنج کے وسط میں، ٹھنڈے فرش پر نساء اوندھے منہ پڑی تھی۔ اس کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے، بدن پر زخموں کے نشان تھے اور وہ دبی دبی کراہوں سے اپنے وجود کا اعلان کر رہی تھی۔ جیکب نے آج پھر اس پر تشدد کیا تھا اور وجہ جارج تھا۔ کیونکہ اس کی اور جینی کی کمیسٹری سے زیادہ جارج اور جینی کی، پروموشن اور انٹرویوز کے دوران دکھنے والی کمیسٹری کو پسند کیا جا رہا تھا۔ حالانکہ وہ ہیرو تھا اور جارج ڈائیریکٹر۔ بس یہی بات اس سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

مسٹر جوزف کی وہ فولادی، رعب دار شخصیت ایک ہی پل میں پاش پاش ہو گئی۔ وہ تڑپ کر اس کی طرف بڑھے۔ ان کا دل سینے میں دھڑکنا بھول گیا۔ انہوں نے کانپتے ہاتھوں سے اسے سہارا دے کر اٹھایا۔ نساء کا جسم درد سے چور تھا اور وہ مشکل سے اپنے آپ کو سنبھال پا رہی تھی۔

"نساء! یہ کیا ہوا؟" مسٹر جوزف کی آواز حلق میں پھنس کر رہ گئی۔ ان کی آنکھوں میں ناقابل یقین درد اور سوال تھا۔

نساء نے اپنی زخمی آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا۔ ایک پل کو ان کی پہچان نے اسے جھنجھوڑا اور اگلے ہی لمحے اس نے اپنا آپ ان سے چھڑا لیا۔ درد کے باوجود، اس کے اندر ایک ایسی سختی تھی جو کسی چٹان سے کم نہ تھی۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی مشکل سے اپنے پیروں پر کھڑی ہوئی۔ اس کے نچلے ہونٹ سے خون کی لکیر بہہ رہی تھی، جو اس کے پیلے چہرے پر کسی گہرے سرخ زخم کی طرح نمایاں تھی۔ مسٹر جوزف کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا ہو۔

"کیسا لگ رہا ہے مجھے یوں دیکھ کر، ڈیڈ!" نساء کی آواز زخمی تھی مگر اس میں بلا کی کڑواہٹ تھی۔ "آپ مجھے یونہی دیکھنا چاہتے تھے نا؟ کہ میں بے جان بن جاؤں، بس آپ کے اشاروں پر چلوں، اف بھی نہ کروں؟"

اس نے اپنے خون آلود ہونٹ پر انگلی پھیری، جیسے اس زخم کو نمایاں کر رہی ہو۔

"تو دیکھیے! میں نے اپنے ہونٹ سی لیے ہیں۔ آپ کو شکایت کا کوئی موقع نہیں ملے گا۔ کوئی درد، کوئی تکلیف، کوئی شکوہ اس ہونٹ سے نہیں نکلے گا جس پر خون جم رہا ہے۔"

مسٹر جوزف کا ضبط جواب دے گیا۔ وہ تڑپ کر اس کی جانب بڑھے، اسے گلے لگانے، اس کے زخموں کو تھامنے کے لیے۔

"نہیں!" نساء نے اپنا ہاتھ آگے کر کے انہیں روکا۔ "جائیں ڈیڈ! جائیں۔ آپ کی بیٹی اسی دن مر گئی تھی جس دن وہ جوزف پیلس سے رخصت ہو کر اس گھر میں آئی تھی۔ جائیں اور اپنی شان سلامت رکھیے۔ اسے قائم رکھیے۔"

اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں تھے، بس ایک سرد، پتھرائی ہوئی چمک تھی۔

"جو شخص اپنی شان کی خاطر اپنے سگے بیٹے کو سال بھر قید رکھ سکتا ہے، اسے تڑپا سکتا ہے، اسے ٹارچر کر سکتا ہے۔ اسکا چہرہ بگاڑ سکتا ہے۔ وہ باپ کیسے ہو سکتا ہے؟ باپ تو اولاد کے زخم پر مرہم رکھتا ہے، انہیں پناہ دیتا ہے۔"

مسٹر جوزف کا چہرہ فق ہو گیا۔ ان کی آنکھوں میں التجا تھی۔ وہ اسے سمجھانے، پچکارنے کی کوشش کر رہے تھے، ان کا ہاتھ بار بار اس کی طرف بڑھتا تھا، اسے چھونے کے لیے۔

"نساء بچے! مجھے، تمہیں ہسپتال لے جانے دو۔"

لیکن نساء نے سختی سے ان کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"میرے دل سے آپ اسی دن اتر گئے تھے ڈیڈ.! اسی دن، جس دن مجھے پتا چلا تھا کہ آپ نے اپنی جھوٹی شان اور اکڑ کے لیے اپنے بیٹے کی قربانی دی۔ آپ نے اسے قید کیا تا کہ آپ کا نام اونچا رہے۔ آپ کی حرمت پر حرف نہ آئے۔"

وہ سسک رہی تھی لیکن اس کی آواز میں ایک فیصلہ کن سختی تھی۔

"آپ نے اپنے بچوں کی قربانی دے کر اپنی عظمت کو سلامت رکھا نا؟ اپنی شان کو قائم رکھا؟ اب اسی عظمت اور اسی شان کے ساتھ جیئیں کیونکہ میں آپ سے، آپ کے نام سے، جوزف پیلس سے، سارے رشتے توڑ چکی ہوں۔ جائیں ڈیڈ! یہاں آپ کے لیے کچھ نہیں ہے۔"

اس نے اپنا رخ موڑ لیا اور لڑکھڑاتی قدموں سے گھر کے اندرونی حصے کی طرف بڑھنے لگی، جیسے اس کے لیے مسٹر جوزف کا وجود اس لاؤنج میں رہا ہی نہ ہو۔

مسٹر جوزف وہیں فرش پر جمے کھڑے رہ گئے۔ ڈریکولا جیسے سرد شخص کے اندر پہلی بار ایڈنبرا کی سردی اتری، مگر ان کے اندر جو قیامت برپا تھی، وہ اس بیرونی سردی سے کہیں زیادہ جان لیوا تھی۔ ان کے سامنے ان کی بیٹی کا زخمی جسم اور اس کی آنکھوں میں اپنی ذات سے مکمل انکار تھا۔ ایک ایسا منظر جس نے ان کی روح کو چھلنی کر دیا تھا۔ ان

کی ساری شان، سارا دبدبہ اس لمحے بے معنی ہو گیا تھا۔ وہ ایک ایسے باپ تھے جن کے اپنے بچوں نے ان کی تمام تر دولت اور طاقت کے باوجود انہیں مسترد کر دیا تھا۔ لاؤنج میں صرف ایڈنبرا کی سرد ہوا اور ایک ٹوٹے ہوئے باپ کی خاموشیوں کی دبی ہوئی آواز رہ گئی تھی۔

✿••✿••✿••✿

ملتے ہیں کہانی کے ایک اور عنکبوت سے جنہیں بھرم تھا کہ ان کا گھر سب سے مضبوط ہے۔ جنہیں اپنی سلطنت پر گھمنڈ تھا۔ جنہیں اپنی عظمت سب سے پیاری تھی۔ آج انکا بھرم پاش پاش ہوا تھا۔

سفر کیسے گزرا کچھ پتا نہ چلا۔ مسٹر جوزف جب جوزف پیلس پہنچے انہیں کچھ خبر نہیں ہوئی۔ یاد رہیں تو بس نساء کی باتیں اور اس کی تکلیف!

اس وقت جوزف پیلس خاموشی کی نظر تھا۔ وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئے اور پھر کمرے میں آنے کے بعد انکا ہاتھ ایک نمبر ملا رہا تھا۔ نیل کیفے کا نمبر! گھنٹی بجی اور فون اٹھا لیا گیا۔

"ہیلو۔۔۔؟" ولیم کی مصروف سی آواز ابھری۔ مسٹر جوزف نے سپاٹ چہرہ لیے کچھ کہا اور پھر فون بند ہو گیا۔

دور ایڈنبرا کا سب سے مشہور سینما ہال فلم بینوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ پردے پر فلم چل رہی تھی اور ہال تالیوں اور سراہٹ سے گونج رہا تھا۔

اچانک جارج کا فون بج اٹھا۔ مسٹر جوزف کی کال تھی۔ اس نے نظر ادھر ادھر دوڑائی وہ انہیں کہیں نظر نہیں آئے۔ وہ فون سننے کے لیے باہر نکلا اور پھر اس کے چہرے کا رنگ یکدم فق ہو جاتا ہے۔ جیسے کسی نے اس کے چہرے پر ٹھنڈے پانی کا سیلاب امڈ دیا ہو۔

جیکب نے اسے دیکھا اور پھر اشاروں سے پوچھا کہ سب ٹھیک ہے؟ جس پر جارج نے اسے اشارے سے باہر بلایا۔

"سب ٹھیک ہے نا تم پریشان کیوں ہو؟" وہ مصنوعی فکر مندی سے بولا۔

"جیکب، مجھے ابھی فون آیا ہے۔ ڈیڈ کی طبیعت بہت خراب ہے۔ ہمیں فوراً نکلنا ہو گا۔" جیکب نے حیرت سے اسے دیکھا لیکن جارج کے چہرے پر ایسی پریشانی تھی کہ وہ کچھ کہہ نہ سکا۔

"مگر۔۔۔" جیکب نے کچھ کہنا چاہا۔ وہ گارڈز کو بلانا چاہتا تھا پر جارج نے اسکی بازو پکڑ کر کھینچا۔

"جلدی چلو۔" وہ اسے بازو سے کھینچ کر لے گیا۔

سینما کا عملہ انہیں دیکھ کر احتراماً سر جھکاتا رہا، انہیں کیا خبر کہ اندر کیا منصوبہ بن رہا تھا۔ سینما سے باہر نکل کر، جارج نے جیکب کو اپنی گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"جلدی چلو۔۔"

"جارج لیکن گارڈز؟" وہ الجھا۔

"میں نے جینی کو میسج کر دیا ہے وہ سب پیچھے نکلیں گے۔ ایسے سب ایک ساتھ جائیں گے تو لوگوں کو شک ہو جائے اور میں نہیں چاہتا ہماری فلم کی اس کامیاب لانچ پر ایسا کچھ ہو۔" جارج کا انداز ایسا تھا کہ جیکب مطمئن ہو گیا۔

گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے جینی کو ایک میسج چھوڑا اور گاڑی تیزی سے جوزف پیلس کی سمت بڑھنے لگی۔ گاڑی کچھ دیر تک شہر کی روشنیوں میں چلتی رہی، لیکن پھر جارج نے اچانک ایک سنسان اور تاریک سڑک کی طرف موڑ لیا۔ جیکب نے حیرت سے پوچھا۔

"جارج، یہ ہم کہاں جارہے ہیں؟ جوزف پیلس تو اس طرف نہیں ہے۔" اسی چھٹی حس نے خطرے کی گھنٹی بجائی۔

جارج نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی سرخ آنکھیں سڑک پر جمی تھیں اور چہرہ انتہائی سرد و سپاٹ تھا۔ سڑک کے دونوں طرف گھنے درخت تھے اور کوئی آبادی نظر نہیں آرہی تھی۔ ماحول میں ایک پراسرار خاموشی چھاگئی، جسے صرف گاڑی کے انجن کی آواز توڑ رہی تھی۔ جیکب کے دل میں ایک انجانا خوف سر اٹھانے لگا۔ اسے احساس ہوا کہ کچھ گڑبڑ ہے۔ اس کے اپنے گارڈز بھی اس کے ساتھ نہیں تھے۔ جارج بڑی ہوشیاری سے اسے تنہا یہاں تک لے آیا تھا۔

اچانک، گاڑی ایک زوردار جھٹکے کے ساتھ رک گئی۔ سڑک کے عین درمیان ایک مضبوط اور دراز قد آدمی کھڑا تھا۔ گاڑی کی ہیڈ لائٹس میں اس کا سراپا واضح ہوا اس کے چہرے پر ایک گہرا نشان تھا، جو اسے کسی مجرم جیسا روپ دے رہا تھا۔ اس کی آنکھیں غضبناک تھیں اور وہ سیدھا جیکب کو گھور رہا تھا۔

جیکب ابھی صورتحال کو سمجھنے کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ جارج نے جیب سے ایک پستول نکالا اور اسے جیکب کی کنپٹی پر رکھ دیا۔ جیکب ساکت رہ گیا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ جارج، اس کا اپنا ڈائریکٹر، اس کے ساتھ ایسا کر رہا تھا؟

"گاڑی سے باہر نکلو جیکب!" جارج نے سرد لہجے میں کہا۔ اس کی آواز میں کوئی جذبات نہیں تھے۔

جیکب ہکا بکا رہ گیا، اس کا دماغ ماؤف ہو گیا۔ اسے اندازہ بھی نہیں تھا کہ ایسا کچھ ہو سکتا ہے۔ باہر کھڑا شخص ولیم تھا، جس کا چہرہ انتقام کی آگ سے دہک رہا تھا۔ وہ جیکب کو ان آنکھوں سے گھور رہا تھا جیسے اسے کچا چبا جائے گا۔

جارج نے پستول کا دباؤ بڑھایا۔ ”میں نے کہا، باہر نکلو!“

جیکب آہستہ آہستہ گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ اس کی نظریں ولیم کے چہرے پر جمی تھیں۔ ولیم کے چہرے پر موجود نشان اور اس کی غضبناک آنکھیں چیخ چیخ کر بتا رہی تھیں کہ آگے کیا ہونے والا ہے۔ جیکب کو احساس ہوا کہ وہ ایک ایسے جال میں پھنس گیا تھا جہاں سے نکلنا ناممکن ہے۔ اس کی تمام دولت، شہرت اور اثر و رسوخ اس ویران سڑک پر بے معنی ہو گئے تھے۔ ولیم کی شکل ایک شکاری کی طرح تھی جس کا شکار اس کے سامنے آ گیا ہو۔

جیکب گاڑی سے باہر نکلا، اس کے قدم متزلزل تھے، مگر چہرے پر اب بھی تکبر کی ایک ہلکی سی لکیر تھی۔ اس نے جارج اور ولیم کو دیکھا اور حقارت آمیز لہجے میں کہا،

”تم لوگ پچھتاؤ گے۔ مجھ سے پنگا لینا اتنا آسان نہیں ہے۔“ اسے سمجھ آ گیا تھا کہ اس کی پول کھل چکی ہے۔

جارج نے مسکرا کر پستول نیچے کیا، مگر اسے ہاتھ میں ہی تھامے رکھا۔

”پچھتاؤ گے تو تم، جیکب!“ اس کی آواز برف جیسی سرد تھی۔

ولیم، جو سڑک کے بیچ میں ایک چٹان کی طرح کھڑا تھا، اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی لوہے کی موٹی سلاخ کو ایڈجسٹ کیا۔ اس کی آنکھوں میں ایسی وحشت تھی کہ رات کی تاریکی بھی اس کے غصے کو چھپا نہیں پا رہی تھی۔ سلاخ پر چاندنی پڑ رہی تھی اور اس کی چمک خوفناک لگ رہی تھی۔

جیکب نے ولیم کی طرف دیکھا اور ایک بار پھر اپنے سٹار ہونے کی اکڑ میں بولا،

”دیکھو جارج! تم جانتے ہو میں کون ہوں۔ میں تمہاری فلم کا ہیرو ہوں۔ اگر مجھے کچھ ہوا تو اس کا نتیجہ تم لوگوں کے لیے اچھا نہیں ہوگا۔ میں کسی کو نہیں چھوڑوں گا۔“

جارج کا قہقہہ ابھرا، ایک ایسی ہنسی جس میں کوئی خوشی نہیں تھی، صرف کراہیت اور نفرت تھی۔

"تمہیں ہاتھ لگانے کی تکلیف کیوں اٹھاؤں گا۔ میں کچھ نہیں کروں گا؟" اس نے ولیم کی طرف اشارہ کیا۔

"میں نے تو بس تمہیں صحیح جگہ پہنچایا ہے۔"

جیکب نے ولیم کے سراپے کو دیکھا، اس کے چہرے پر موجود بدنما نشان کو گھورا اور ایک بار پھر تمسخرانہ انداز میں کہا،

"یہ؟ یہ مجھ سے لڑے گا؟ یہ وہی ولیم ہے نا جسے تم لوگوں نے دھکے مار کر نکال دیا تھا؟ یہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ورنہ اس کے ساتھ وہ ہو گا جو اب تک نہیں ہوا۔" وہ ڈرا ہوا تھا مگر کھوکھلے جملوں سے اپنے ڈر کو بھگانے کی کوشش کر رہا تھا۔

جیکب کے یہ الفاظ ولیم کے سینے میں کسی تیز دھار خنجر کی طرح پیوست ہوئے۔ اس نے نساء کو جس حالت میں دیکھا تھا اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ جیکب کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔

"میں ولیم نہیں، ولی ہوں۔ میں لڑتا نہیں، تباہ کرتا ہوں!"

اس سے پہلے کہ جیکب کچھ سمجھ پاتا یا کوئی رد عمل ظاہر کرتا، وہ بجلی کی سی تیزی سے آگے بڑھا۔ لوہے کی سلاخ ہوا میں لہرائی اور دھم کی آواز کے ساتھ جیکب کی ٹانگ پر پڑی۔ جیکب کے منہ سے ایک دلخراش چیخ نکلی۔ وہ لڑکھڑا کر زمین پر گرنے لگا، لیکن ولیم نے اسے بازو سے پکڑا اور کھڑا رکھا تاکہ وہ اسے مزید دھو سکے۔

سلاخ برستی رہی۔ جیکب کی پنڈلیوں، بازوؤں، کمر اور کندھوں پر، پے در پے وار ہو رہے تھے۔ ہر وار کے ساتھ جیکب کی چیخیں بلند ہو رہی تھیں۔ درد کی شدت ناقابل برداشت تھی۔ وہ زمین پر لوٹنا چاہتا تھا، بھاگنا چاہتا تھا، مگر

ولیم کی آہنی گرفت اور لوہے کی سلاخ اسے مسلسل عذاب دے رہی تھی۔ اس کا جسم درد سے اکڑ رہا تھا اور ذہن ماؤف ہو رہا تھا۔ اسے جیکب شروع سے زہر لگتا تھا۔ وہ ہوتا تو نساء کی شادی کبھی اس سے نہیں ہوتی۔ اس وقت اس کا دل رو رہا تھا۔ تڑپ رہا تھا۔ جس حالت میں وہ نساء کو ہسپتال چھوڑ کر آیا تھا کوئی اور ہوتا تو وہیں ڈھے جاتا۔ اس کے ہر ایک وار پر جیکب پہلے سے زیادہ زور سے چلا رہا تھا اور ولیم اسے پوری قوت سے مار رہا تھا۔

جارج گاڑی کے بونٹ سے ٹیک لگائے یہ سب دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ جیسے وہ کوئی فلم دیکھ رہا ہو، نہ کہ اپنے ہیرو کو پٹتے ہوئے۔ اس کی آنکھیں زخمی تھیں۔ آج اسے احساس ہوا تھا کہ اس نے کتنی بڑی غلطی کی تھی۔ ولیم، جیکب کے معاملے میں ٹھیک تھا۔ وہ ہمیشہ سے ٹھیک تھا۔ نساء کی شادی اس سے نہیں ہونی چاہیے تھی۔

جیکب کی چیخیں جب زیادہ اونچی ہوئیں اور وہ درد سے تڑپنے لگا تو ولیم نے سلاخ روک دی مگر آنکھوں میں وہی جنون تھا۔ اس نے جارج کی طرف دیکھتے ہوئے کرخت آواز میں کہا،

"اس کا منہ بند کرو! میں اس کی بکواس نہیں سننا چاہتا۔"

جارج نے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولا اور اندر سے ایک موٹا کپڑا نکالا۔ وہ جیکب کے قریب آیا، جو درد سے دہرا ہوا زمین پر گرا پڑا تھا۔ جیکب نے مزاحمت کرنے کی کوشش کی، مگر اس کے جسم میں سکت نہیں تھی۔ جارج نے بے رحمی سے کپڑے کو جیکب کے منہ پر رکھا اور پیچھے گرہ لگا دی۔ جیکب کی چیخیں اب گھٹی ہوئی آوازوں میں بدل گئیں، جو اس کے گلے سے نکل کر کپڑے میں دب کر رہ گئیں۔ اس کی آنکھوں میں خوف اور بے بسی صاف نظر آ رہی تھی۔

منہ بند ہونے کے بعد، ولیم ایک بار پھر جیکب پر ٹوٹ پڑا۔ سلاخ کے وار پہلے سے زیادہ وحشیانہ ہو گئے۔ وہ مارنے کے ساتھ ساتھ بڑبڑا رہا تھا۔

"میں نے کہا تھا میری بہن سے دور رہنا۔ یہ میری بات نہ ماننے کے لیے۔" دھم کی آواز گونجی۔

"یہ اس دن کے لیے جب تم نے میری بہن سے شادی کی۔"

"یہ ہے اس دن کا حساب جب تم نے میری بہن پر پہلی بار ہاتھ اٹھایا۔"

"یہ اس تھپڑ کی قیمت ہے۔"

"یہ ان آنسوؤں کا بدلہ ہے جو وہ بہاتی رہی۔"

"یہ اس ہر زخم کے لیے جو تم نے اسے دیا!"

جیکب کا جسم اب لہولہان ہونا شروع ہو گیا تھا۔ وہ صرف درد سے تڑپ سکتا تھا، گونگی آوازیں نکال سکتا تھا، اور ولیم کی وحشت ناک آنکھوں میں دیکھ سکتا تھا۔ وہ 'ہیرو' جو ابھی چند لمحے پہلے سینما کے پردے پر جلوہ گر تھا، اب ایک سنسان سڑک پر ولیم کے ہاتھوں عبرت کا نشان بن رہا تھا۔ جارج خاموشی سے کھڑا رہا، تاریکی، درد اور انتقام کا یہ خوفناک رقص دیکھتا رہا۔

"تمہیں میں اتنا تڑپاؤں گا کہ تم عورت کے سائے بھی دور رہو گے۔"

رات اور گہری ہوتی جا رہی تھی، اور سڑک پر صرف سلاخ کی دھم دھم اور جیکب کی گھٹی ہوئی کراہوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ یہ اسٹار لائٹ اسٹوڈیو کی فلم کا وہ منظر تھا جو کبھی پردے پر نہیں آ سکتا تھا۔

✿••✿••✿••✿

ہسپتال کا ایک کمرہ اس وقت سوگوار اور بھاری ہے۔ کمرے کے اندر، نساء بیڈ پر لیٹی تھی، اس کا جسم نحیف اور بے جان سالگ رہا تھا۔ اس کے بازوؤں اور ہاتھوں میں کئی ڈرپس لگی ہوئی تھیں، جن کی نالیاں زندگی بخش سیال اس کے وجود میں منتقل کر رہی تھیں۔ اس کا چہرہ زرد پڑ چکا تھا اور اس پر تکلیف کے گہرے سائے منڈلا رہے تھے۔ مشینوں کی مدھم بیپ کمرے کی خاموشی کو توڑ رہی تھی، جو اس کی نازک حالت کی گواہی دے رہی تھی۔

کمرے کے باہر راہداری میں، جارج، جینی، نینی اور ولیم بے چینی سے اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ ان کے چہروں پر پریشانی اور دکھ نمایاں تھا۔ وہ گھنٹوں سے نساء کے ہوش میں آنے کی دعا کر رہے تھے، ہر گزرتا لمحہ ان کی امیدوں کو مزید آزما رہا تھا۔

اور پھر، اچانک، اندر سے ایک کربناک چیخ سنائی دی۔ نساء ہوش میں آ گئی تھی، لیکن اس کے ہوش کے ساتھ ہی اس کے اندر کا طوفان پھٹ پڑا تھا۔

"چھوڑو مجھے، چھوڑ دو!" وہ چلا رہی تھی، اس کی آواز میں دہشت اور تکلیف بھری تھی۔

اس کی آنکھوں میں وحشت تھی، گویا وہ اب بھی کسی کابوس کے چنگل میں ہو حالانکہ اس کی تو زندگی ہی کابوس بن چکی تھی۔ وہ اپنے حواسوں میں پوری طرح نہیں تھی۔ دکھ کی بات یہ تھی کہ وہ حاملہ تھی، اسے ایک دن پہلے ہی یہ خوشخبری ملی تھی اور ابھی اس نے جیکب کو بھی نہیں بتایا تھا پر جیکب کے وحشیانہ تشدد نے اس کے پیٹ میں پلتے ننھے وجود کو نگل لیا تھا۔ اس صدمے اور جسمانی تکلیف نے اسے شدید دھچکا پہنچایا تھا۔

باہر کھڑے سب لوگ تیزی سے کمرے میں بھاگے۔ وہ اسے اس حال میں دیکھ کر مزید دل ہو گئے۔ وہ سب مل کر اسے سنبھالنے کی کوشش کر رہے تھے، اسے تسلی دے رہے تھے۔

اسی لمحے، نساء نے ولیم کو دیکھا۔ شاید اسے اس میں کوئی پناہ گاہ نظر آئی۔

"ولیم۔۔۔" وہ اپنا بے قابو وجود لیے اسے پکارنے لگی۔ ولیم اس کی طرف لپکا اور نساء نے اس سے لپٹ کر زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ اس کی سسکیاں کمرے میں گونجتی رہیں، جو اس کے اندر کے کرب کا اظہار تھیں۔ وہ روتی رہی، خوب روئی، اپنا سارا دکھ، سارا غصہ، ساری مایوسی آنسوؤں کی صورت بہادی۔

مسٹر جوزف کا خیال آتے ہی وہ روتے روتے وہ ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں بولی۔

"مم۔۔ میں۔۔ میں آج کے بعد۔۔ جوزف پیلس نہیں جاؤں گی۔۔ کبھی نہیں۔۔ میں ڈیڈ سے۔۔ ڈیڈ سے بھی نہیں ملوں گی۔۔" اس کی آواز میں تلخی اور وحشت تھی۔

"انہیں۔۔ انہیں ہی خوش کرنے کے لیے۔۔ میں نے یہ شادی کی تھی۔۔" وہ بے ربط بول رہی تھی۔ ولیم اسے سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جارج اور جینی کی آنکھیں اشک بار تھیں۔ جارج کے اندر لاوہ پھٹ رہا تھا۔ وہ جیکب گولیوں سے اڑا دینا چاہتا تھا۔ اس نے خود پر بڑی مشکل سے ضبط کیا تھا۔

اسی دوران، آفیسر پال ہسپتال پہنچا۔ وہ ایک لمحے کے لیے راہداری میں ٹھہرا۔ وہ نساء کو بہت پہلے سے پسند کرتا تھا، لیکن جب اس کی شادی کی خبر سنی تھی تو خاموشی سے پیچھے ہٹ گیا۔ اب اسے نساء کی خراب حالت کا علم ہوا تو وہ خود کو روک نہ سکا۔ جب اس کمرے کے دروازے سے اندر جھانکا اور نساء کو اس حال میں، ڈرپس میں جکڑی ہوئی، روتے سسکتے دیکھا تو اس کے دل میں جیسے کسی نے خنجر گھونپ دیا۔ اس کا دل درد سے پھٹ رہا تھا۔ وہ معصوم شہزادیوں جیسی لڑکی یہ سب ڈیزرو نہیں کرتی تھی۔

اس کے چہرے پر غصے اور غم کے تاثرات ابھرے۔

"جیکب کو اپنے کیے کی سزا ضرور ملے گی۔" اب وہ اسے نہیں چھوڑے گا۔ ہو گا وہ کہیں کا سپر اسٹار پر اب پال اسے بتائے گا کہ ایک پولیس آفیسر کیا کر سکتا ہے۔

مگر وہ مزید یہ منظر دیکھ نہیں سکتا تھا۔ نساء کا درد اس کے لیے نا قابلِ برداشت تھا۔ ایک گہری سانس لے کر، اپنے اندر کے جذبات کو دباتا ہوا، آفیسر پال خاموشی سے کمرے کے دروازے سے پیچھے ہٹ گیا۔ وہ اس راہداری سے باہر نکل گیا۔ اس کے قدم بھاری تھے اور اس کے دل میں نساء کی تکلیف اور جیکب کے لیے شدید نفرت تھی۔ کمرے کے اندر نساء کی سسکیاں اور باہر راہداری میں پال کا درد، سب کچھ اس المیے کی داستان سنا رہا تھا۔

✿••✿••✿••✿

رات کی گہری سیاہی جوزف پیلس پر سکون کی چادر تانے ہوئے تھی۔ مسٹر جوزف، اپنے وسیع و عریض، شاندار اور قیمتی اشیاء سے سجے کمرے میں، ریشمی چادروں میں آڑے ترچھے پڑے تھے۔ بیڈ کے سائیڈ ٹیبل پر نیند کی گولیاں پڑی تھیں۔ جانے انہوں نے کتنی کھائی تھیں۔ ان کی فلم کامیاب ٹھہری تھی پر اس کامیابی کا بدلہ جو انہوں نے چکایا تھا وہ اس وقت انکا دماغ برداشت نہیں کر پا رہا تھا اس لیے نیند کی دوا لے کر وہ حقیقت سے فرار ہو گئے۔

باہر کی خاموشی کے برعکس، ان کے اندر ایک طوفان برپا ہونے کو تھا۔ نیند گہری ہوئی تو حقیقت کی سرحدیں دھندلانے لگیں اور وہ لاشعوری طور پر کابوس کی ہولناک وادی میں اتر گئے۔

یہاں کا منظر دھندلا، غیر حقیقی اور سایوں سے اٹا ہوا تھا۔ ہوا میں ایک ناقابلِ بیان بوجھ اور اداسی گھلی تھی۔ تبھی، دھند کے پار سے ایک مانوس سایہ نمودار ہوا۔ وہ افق اور نگزیب تھیں۔ ان کی محبوب بیوی، جن کی یادیں انہوں نے بظاہر نفرت کی راکھ تلے دفن کر دی تھیں۔ مگر آج، اکیس بائیس سال بعد، وہ ان کے سامنے کھڑی تھیں، بالکل ویسی ہی، مگر ان کی آنکھوں میں صدیوں کا دکھ اور تھکن تھی۔ ان کے لبوں پر ایک تلخ، اداس مسکراہٹ تھی۔

مسٹر جوزف کا دل جیسے کسی نے اپنی آہنی گرفت میں لے لیا۔ وہ شخص جو دنیا کے سامنے پتھر کا بنا رہتا تھا، اس منظر کی تاب نہ لا سکا۔ برسوں سے دبائی ہوئی محبت، پچھتاوے اور شدید تکلیف کا ایک آتش فشاں ان کے اندر پھٹ پڑا۔ وہ بھول گئے کہ انہوں نے افق کی ہر یاد کو مٹانے کی قسم کھائی تھی۔ وہ بھول گئے کہ انہوں نے ولیم کی خاطر اپنے دل کو سخت کر لیا تھا۔ اس لمحے صرف ایک تڑپ تھی۔ افق کو چھو لینے کی، ان سے بات کرنے کی، شاید معافی مانگنے کی۔

وہ بے اختیار ان کی طرف بڑھے، ہاتھ بڑھایا، مگر افق پیچھے ہٹنے لگیں۔ وہ الٹے قدموں چل رہی تھیں، ان کے اور جوزف کے درمیان فاصلہ بڑھتا جا رہا تھا۔ ان کی آنکھوں میں آنسو تھے، مگر نظریں جوزف پر جمی تھیں۔ ان کے لہجے میں ایک عجیب سی کڑواہٹ اور گہرا درد تھا۔

"جوزف!" ان کی آواز خواب کی دنیا میں گونجی۔

"آپ نے کہا تھا آپ ولی سے پیار کرتے ہیں۔" ان کی آواز میں شکوہ تھا، "آپ نے اسے وہ تکلیفیں دیں جو شاید کسی باپ نے نہ دی ہوں۔ پھر بھی، اس نے اپنی پہچان بنالی۔ وہ مضبوط بن گیا۔" افق کے آنسو رخساروں پر بہہ رہے تھے۔

"لیکن اب اسے جانے دیں۔ اسے آزاد کر دیں جوزف! آپ کو لگتا ہے میری محبت آپ کے لیے ختم ہو گئی تھی، اس لیے میں آپ کو چھوڑ گئی؟ نہیں جوزف! ایسا نہیں ہے۔ میں نے زندگی میں اگر کسی مرد سے بے پناہ محبت کی ہے، تو وہ آپ ہیں۔ صرف آپ!"

ان کا ہر لفظ جوزف کے دل پر ہتھوڑے کی طرح برس رہا تھا۔

افق رو رہی تھیں، ان محبت بھری نظروں سے اپنے شوہر کو دیکھ رہی تھیں جس نے ان کے بقول، انہیں مرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ یہ ان کا اپنا ذہن تھا۔ ان کے اپنا دماغ، اپنا دل، دل و دماغ کی جنگ میں انہوں نے افق کو دیکھا۔ وہ سب باتیں جو انکا دل ان سے کہتا تھا اور وہ مانتے نہیں تھے وہ فی الوقت افق کے ذریعے ان کے دماغ نے ان تک پہنچا دی تھیں۔

"میری اس محبت کا پاس رکھیں جوزف! کیونکہ ولیم ولی، وہ ہماری محبت کی آخری نشانی ہے۔ اسے جانے دیں۔ اسے آزاد کر دیں۔ اسے جانے دیں۔"

افق کی آواز مدھم ہوتی گئی، ان کا وجود دھند میں تحلیل ہونے لگا۔ مسٹر جوزف تڑپ اٹھے، چیخنا چاہتے تھے، انہیں روکنا چاہتے تھے، مگر ان کا جسم جیسے پتھر کا ہو گیا تھا۔ وہ بے بسی سے اپنی محبت کو، اپنے پچھتاوے کو، اپنی اذیت کو خود سے دور جاتے، مٹتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

پھر ایک شدید جھٹکے سے ان کی آنکھ کھل گئی۔ وہ تیزی سے اٹھ بیٹھے۔ ان کا پورا وجود پسینے میں شرابور تھا، سانسیں بے ترتیب تھیں، اور دل اتنی زور سے دھڑک رہا تھا جیسے پسلیاں توڑ کر باہر آ جائے گا۔ کمرے کی پر تعیش حقیقت، قیمتی فانوس کی مدھم روشنی، اور ریشمی چادروں کی نرمی بھی اس بھیانک خواب کے اثر کو، اس شدید تکلیف دہ احساس کو زائل نہ کر سکی جو ان کی روح تک کو چھلنی کر گیا تھا۔ افق کی آواز، ان کے آنسو، ان کی التجا۔ سب کچھ ان کے ذہن پر ہتھوڑے برسا رہا تھا۔ وہ کابوس ختم ہو چکا تھا، مگر اس کی چھوڑی اذیت ابھی شروع ہوئی تھی۔ وہ گہرے سانس لے رہے تھے جب اچانک عقب سے آواز ابھری۔

"جوزف۔۔۔" یہ محبت بھری آواز افق کی نہیں تھی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو اسی بیڈ پر روزینا بیٹھی تھی۔ ان کی پہلی بیوی۔ ان کی فرمانبردار اور وفادار! وہ جوزف کو دیکھ کر مسکرائیں۔ وہ جھٹکے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

روزینا، بیڈ پر لیٹے اس ننھے سے وجود کو ہاتھ سے تھپک رہی تھیں۔ وہ ننھا وجود نساء کا تھا۔ وہ اس کے پیدا ہوتے ہی چل بسی تھیں۔

"دیکھو یہ کتنی خوبصورت اور نازک ہے۔" وہ دھیرے دھیرے سرگوشیاں کر رہی تھیں کہ نساء کی نیند میں خلل نہ پڑ جائے۔

"ادھر آئیں۔ اسے چھو کر دیکھیں۔ بہت ملائم ہے۔" وہ بول رہی تھیں اور مسٹر جوزف پھٹی پھٹی نگاہوں سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ وہ دھیرے دھیرے ان کی جانب بڑھنے لگے۔ خشک پپڑی زدہ ہونٹ اور کانوں میں دھڑکتا دل۔۔۔ جیسے ہی انہوں نے نساء کو چھونے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ روزینا نے انکا ہاتھ تھام لیا۔

"تم نے مار دیا۔ تم قاتل ہو۔ تم نے میری بچی کو مار دیا۔" وہ چیخ چلا رہی تھی۔ مسٹر جوزف نے نساء کے وجود کی طرف دیکھا جہاں صرف خون ہی خون تھا۔ یہ نہایت خوفناک منظر تھا۔ وہ خود کو چھڑانے کی کوشش کر رہے تھے اور پھر ایک جھٹکے سے ان کی آنکھ کھل گئی۔ پورا وجود پسینے سے بھیگا ہوا تھا۔ گلاس ونڈو سے روشنی چھن کر اندر آ رہی تھی۔ صبح ہو چکی تھی۔ انہوں نے اٹھنے کی کوشش کی مگر سر چکرا گیا۔ رات کی لی نیند کی گولیوں نے انہیں ساری رات کابوس کی وادی میں پھنسائے رکھا۔ ان کی اپنی سوچیں، بری شکلیں لیے انہیں ڈستی رہیں۔

ایک مضبوط، مہان، مشہور پروڈیوسر، ہر رات نیند کی گولیاں لے کر سوتا تھا۔ سرد و جامد دکھنے والے اس شخص کی کہانی ایسی ہی تھی۔ المناک! جنہوں نے اپنی دو بیویوں کو کھویا تھا۔

مزید کسی کو کھونے کے ڈر سے انہوں نے اپنی اولاد کو اپنے ہاتھوں میں قابو کر کے رکھنا چاہا مگر کیا ہوا؟ عنکبوت کا گھر کبھی بھی اتنا مضبوط نہیں ہوتا کہ ہمیشہ قائم رہے۔ بھرم ٹوٹ چکا تھا۔ گھر بکھر چکا تھا۔ جوزف پیلس اس وقت خالی پڑا تھا کیونکہ وہاں مسٹر جوزف کے علاوہ کوئی نہیں تھا اور کوئی بھی آنا نہیں چاہتا تھا۔

انہوں نے نساء سے ملنے کی بہت کوشش کی مگر اس نے انکار کر دیا۔ اس کی حالت اب بہتر تھی۔ جارج کا ایڈنبرا میں الگ گھر تھا۔ وہ انہیں وہیں لے گیا تھا۔ نینی، جارج، نساء وہیں رہ رہے تھے۔ کبھی کبھار ولیم بھی آجاتا تھا۔ اگر کوئی نہیں تھا تو مسٹر جوزف نہیں تھے۔ نساء ان کی شکل نہیں دیکھنا چاہتی تھی اور مسٹر جوزف کی ہمت نہیں تھی۔

ان کی فلم کی کامیابیوں میں جارج ساتھ تھا مگر وہ بھی بات نہیں کرتا تھا۔ وہ سب ان سے ناراض تھے۔ سب ڈھیروں شکوے کرنا چاہتے تھے مگر خاموش تھے۔ بالکل چپ! اور یہ چپ تو مسٹر جوزف کو بھی لگ گئی تھی۔ وہ سر اٹھائے سب سے مل رہے تھے۔ انکا وجود ریزہ ریزہ ہو چکا تھا مگر دنیا نے انہیں کھڑے دیکھا تھا کیونکہ ٹوٹ کر بکھرنا ان کی فطرت نہیں تھی۔

✿••✿••✿••✿

ایڈنبرا کی شامیں اب سرد اور نم ہوتی تھیں۔ پتھریلی گلیاں صدیوں پرانی کہانیوں کا بوجھ اٹھائے خاموش کھڑی رہتیں اور ہوا میں ایک اداسی سی گھلی رہتی، جو دل کو چھو جاتی تھی۔ یہ رمضان کا مہینہ تھا۔ ایڈنبرا کی گلیوں میں اس مہینے کا تقدس شاید عام آنکھ کو نظر نہ آتا ہو، مگر کچھ دل تھے جو اس کی روح کو محسوس کر رہے تھے۔ وہ جو مسلمان تھے۔

نیل کا کیفے ایڈنبرا کی ایک مصروف گلی کے نکڑ پر واقع تھا۔ یہ گرمجوش اور دوستانہ جگہ تھی جہاں مختلف طرح کے لوگ آتے تھے۔ یہاں کام کرتے ولیم نے اپنا خاندانی نام بھلے نہ چھوڑا ہو، لیکن اس کی زندگی کا انداز مکمل طور پر بدل گیا تھا۔ ہر روز اس کے ذہن میں مسٹر جوزف کا ایک ہی جملہ گونجتا۔

"تمہیں اپنی بیوی کے پاس جانا ہے تو مجھے جیت کر جاؤ!" اس شرط کا مطلب واضح تھا، ولیم جانتا تھا کہ اسے اپنے باپ کا دل جیتنا تھا لیکن سال ہونے والا تھا وہ انکا دل نرم نہیں کر پایا تھا۔ یہ ایک مشکل جدوجہد تھی، اور ولیم اسے اپنی بساط کے مطابق لڑ رہا تھا۔

رمضان کا مہینہ ولیم کے لیے خاص تھا۔ وہ روزہ رکھتا تھا۔ اس ماہ میں، اس نے اپنی چھوٹی سی کمائی کا ایک حصہ ایک ایسے کام پر خرچ کرنا شروع کیا جو اس کے دل کے بہت قریب تھا۔ وہ روزانہ ڈھیر ساری کھجوریں خریدتا، کبھی کھانے کی اشیاء، چھوٹے چھوٹے خوبصورت پیکٹس بناتا۔ ہر پیکٹ میں چند کھجوریں ہوتیں اور کبھی کھانے کی دوسری چیزیں، اور ان کے ساتھ ایک چھوٹی سی چٹکی لگائی ہوتی۔ اس چٹ پر کچھ لکھا ہوتا تھا۔

"میرے لیے دعا کریں کہ میں جلد اپنی بیوی سے مل سکوں۔"

"میرے لیے دعا کریں کہ میرے باپ کا دل نرم پڑ جائے۔"

ڈھیروں پیکٹس اور ایسی ڈھیروں دعائیں۔ ہر شام، مغرب کا وقت قریب آتے ہی، ولیم کیفے سے نکلتا اور ایڈنبرا کی گلیوں میں پھیل جاتا۔ وہ ان لوگوں کو یہ پیکٹس بانٹتا جو کام سے تھکے ہارے اپنے گھروں کو لوٹ رہے ہوتے یا راہ چلتے مسافر ہوتے۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سی سکون بھری مسکراہٹ ہوتی۔ مسٹر جوزف کا دل جیتنا ایک ایسا کام تھا جس میں اس کی جسمانی طاقت کا کوئی لین دین نہیں تھا۔ یہ خالص تھا اور اسے خالص طریقے سے ہی حاصل کیا جا سکتا تھا۔ وہ مرد جو کہتے ہیں باپ نہیں مانتا، ماں باپ نہیں مانتے، کیا انہوں نے اتنے جتن کیے؟ کیا انہوں نے اتنا کچھ سہا؟ کیا انہوں نے اپنے ماں باپ کا دل جیتنے کے لیے اتنی کوششیں کیں؟ نہیں۔ پھر مت کہو کہ تم نے اپنی محبت کے لیے ڈھیروں کوششیں کیں۔ کیونکہ تم نے کچھ نہیں کیا۔

سب وہ نہیں سہہ سکتے جو ولیم نے سہا، سب وہ نہیں کر سکتے جو ولی نے کیا۔ ہاں سب ولیم ولی نہیں بن سکتے۔

لوگ اس کی طرف حیرت سے دیکھتے۔ ایک دراز قد کا آدمی، مضبوط جسامت والا، جس کے چاند جیسے خوبصورت چہرے پر بائیں گال پر ٹانکوں کا ایک واضح نشان تھا۔ یہ نشان کسی حادثے کا نہیں لگتا تھا، یہ کسی گہرے زخم کا نتیجہ تھا، جو کچھ آنکھوں کو کسی مجرم کے چہرے پر بنے نشان جیسا لگتا۔ لیکن جب وہ اس کے ہاتھ سے کھجوروں کا پیکٹ لیتے، اور جب ان کی نظر اس پر لگی چٹ پر پڑتی، تو ان کے چہروں پر بے اختیار ایک نرم مسکراہٹ پھیل جاتی۔ وہ ولیم کو دوبارہ دیکھتے، اب ان کی آنکھوں میں حیرت کے ساتھ ساتھ ایک ہمدردی اور محبت کی چمک ہوتی۔ کچھ لوگ اس سے شکریہ کہتے، کچھ سر ہلا کر خاموشی سے دعا کا وعدہ کرتے، اور کچھ کی آنکھیں نم ہو جاتیں۔ ایک اجنبی شہر میں، ایک اجنبی شخص، جو چند کھجوروں اور کھانے کی چیزوں کے بدلے اپنے سب سے قیمتی رشتے سے ملنے کی دعا مانگ رہا تھا۔ یہ ایک ایسا منظر تھا جو دلوں کو چھو جاتا تھا۔

نیل کیفے کی کھڑکی سے یہ سب دیکھتا۔ اس کا گلا بھر آتا۔ وہ ولیم کا دوست تھا، اور شاید اس کی موجودہ مشکل کا بالواسطہ طور پر ذمہ دار بھی۔ وہ لمحہ، وہ ندامت، وہ احساس جرم اسے آج تک کچوکے لگاتا تھا۔ اس نے ولیم کی آزادی چھیننے میں اپنا کردار ادا کیا تھا۔ اور آج وہ دیکھ رہا تھا کہ ولیم اس قربانی کو کیسے ایک مثبت شکل دے رہا تھا، کیسے اس درد کو دوسروں سے جڑنے کا ذریعہ بنا رہا ہے۔

نیل سے رہا نہ گیا۔ مغرب کا وقت قریب تھا۔ ولیم ابھی آخری چند پیکٹس بانٹ رہا تھا۔ نیل کیفے سے باہر نکلا، تیزی سے چلتا ہوا ولیم کے پاس پہنچا۔ ولیم نے اسے دیکھا اور مسکرایا، اس کی مسکراہٹ میں وہ تھکاوٹ اور روزے کی پیاس نمایاں تھی، لیکن دل کی چمک موجود تھی۔

"میرے لیے دعا کرنا۔" ولیم نے پیکٹ اس کی جانب بڑھایا۔

نیل نے کچھ کہے بغیر ولیم کو اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔ وہ اسے مضبوطی سے گلے لگائے کھڑا رہا، اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ رو رہا تھا، اپنے کیے پر، ولیم کی تکلیف پر، اس کی استقامت پر، اور اس لمحے کی محبت پر۔

"مجھے معاف کر دو، ولیم!" نیل کی آواز آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ "مجھے بہت افسوس ہے۔" اسے معافی کی ضرورت نہیں تھی لیکن پھر اس نے آج معافی مانگی تھی۔

ولیم نے اس کی پیٹھ تھپکی۔ اس کے چہرے پر کوئی شکوہ نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ نیل نے جو کیا، شاید خوف میں کیا یا نا سمجھی میں کیا۔

"کوئی بات نہیں نیل!" ولیم نے دھیمے سے کہا۔ اس کی آواز میں وہ گہرائی تھی جو تہہ خانے کی تنہائی نے دی تھی۔ وہ ایک لمحے کے لیے گلے لگے رہے، ایڈنبرا کی سرد ہوا ان کے گرد چکر لگا رہی تھی، اور مغرب کی اذان کا وقت قریب آ رہا تھا۔ ایک دوست کی ندامت، دوسرے کا صبر، ایک نامکمل رشتے کی کہانی، اور ایمان کی یہ چمک، یہ سب اس منظر میں گندھا ہوا تھا۔ ولیم نے اپنے درد کو دوسروں کے لیے دعا میں بدل دیا تھا، اور اس کے چہرے کا داغ، جو کبھی مجرم کا نشان لگ سکتا تھا، اب اس کے صبر اور ایمان کی ایک خاموش گواہی بن گیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اسے ابھی لمبا سفر طے کرنا ہے، اپنے باپ کا دل جیتنا ہے، لیکن ہر روزے کے ساتھ، ہر دعا کے پیکٹ کے ساتھ، وہ اپنی منزل کے قریب ہو رہا تھا۔ جب کچھ دیر بھی نیل نے اسے نہیں چھوڑا تو ولیم نے جھٹکے سے اسے الگ کیا۔

"پرے مرو یہ تمہاری جگہ نہیں ہے۔"

وہ مزید امو سسل نہیں رہ سکتا تھا۔ بڑی مشکلوں سے نساء سنبھلی تھی۔ جیکب سے اسکی طلاق کا کیس چل رہا تھا۔ وہ اب اپنی نارمل زندگی میں لوٹ رہی تھی۔ جارج بھی پہلے سے بہتر تھا۔ مسٹر جوزف گہری خاموشی میں ڈوب گئے تھے اور ولیم اب اس ماحول سے اکتا گیا تھا۔ وہ رونا رلانا مزید نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"اور کس کی جگہ ہے؟" نیل نے کمر پر ہاتھ رکھتے، آنکھیں چھوٹی کیے پوچھا۔

"میں تمہیں بتانا ضروری نہیں سمجھتا۔" مغرب کا وقت تھا۔ یہاں اذان تو نہیں ہوتی تھی اس لیے ولیم کیفے کی جانب بڑھا تاکہ روزہ افطار کر سکے۔

"بتاؤ مجھے کس کی جگہ ہے یہ؟" نیل نے اس کا ہاتھ پکڑا۔ یوں جیسے وہ اس کی محبوبہ ہو۔

"تم تو چپک ہی گئے ہو۔ پیچھے ہٹو۔" ولیم نے اپنا ہاتھ چھڑایا۔

"اچھا اچھا اب سمجھا۔" نیل اس کے پیچھے لپکا۔ "وہ ہر رات جو تم سوتے ہوئے بڑبڑاتے ہو؟ وہ سب کیا ہے؟ کہیں تمہارا دماغ پھر سے تو نہیں خراب ہو رہا؟" ولیم ایک جھٹکے سے رکا اور نیل اس سے ٹکرا گیا۔ اب وہ اسے خشمگیں نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

"اوکے اوکے سمجھ گیا۔" اس نے لبوں پر انگلی رکھی تو ولیم بنا کچھ کہے کیفے میں داخل ہو گیا۔ اس کے پیچھے ہی خباثت بھری مسکراہٹ لیے نیل داخل ہوا اور کیفے کا دروازہ بجتے ہوئے ونڈ چارم ہی آواز میں بند ہو گیا۔

✿••✿••✿••✿

رات کا پچھلا پہر تھا اور کیفے انسانی وجود سے خالی پڑا تھا۔ ہر طرف ایک گہری خاموشی تھی، جسے صرف باہر گرتی برف کے نرم پھسلنے کی سرسراہٹ توڑ رہی تھی۔ ولیم اندر اکیلا بیٹھا تھا، ساکت، جیسے وقت تھم گیا ہو۔ پتھریلی گلیاں اس وقت سنسان تھیں، ان پر برف کی ایک سفید چادر آہستہ آہستہ تن رہی تھی۔

بے چینی اس کے اندر رینگ رہی تھی۔ وہ اٹھا اور کیفے سے باہر نکل کر داخلی دروازے کی اوٹ میں بیٹھ گیا۔ سردی تھی مگر اسے محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ کئی لمحے وہ پورے چاند کی روپہلی رات میں گرتی برفباری کو دیکھتا رہا، جو سفید تھی، بہت سفید۔ اس کے دل میں انجانے خدشے ناگ بن کر پھنکار رہے تھے۔ اگر مسٹر جوزف کا دل کبھی نرم نہیں ہوا، اگر وہ انہیں جیت نہیں پایا تو وہ کیا کرے گا؟ وہ پاکستان کیسے جائے گا، جہاں اس کا دل اٹکا ہوا تھا؟ وہ فجر سے کیسے ملے گا، جس کا خیال آتے ہی ایک میٹھی چبھن دل میں اٹھتی تھی؟ بہت سارے سوال تھے جو اژدھوں کی مانند اسے ڈس رہے تھے، اس کے سکون کو نگل رہے تھے۔

اسے اپنے سر میں درد کی ایک تیز ٹیس اٹھی اور اس نے نڈھال ہو کر اپنا سر دروازے سے ٹکا لیا۔ آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں۔ اس سے پہلے کہ وہ ان سلگتے سوالوں کے جال میں مزید الجھتا، اچانک اس کے دائیں جانب سے ایک مانوس آواز ابھری۔

"ہائی!"

اس نے چونک کر رخ موڑا اور اس کی سانسیں جیسے حلق میں ہی اٹک گئیں۔ اس کے دائیں جانب، وہ بیٹھی تھی، فجر! اس نے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھا، یقین جیسے ساتھ چھوڑ گیا تھا۔

"مجھے یاد کیا؟" فجر نے مسکرا کر پوچھا۔ یوں جیسے وہ اسے بہت قریب سے جانتی ہو۔ جیسے ان کا ساتھ برسوں کا ہو۔

ولیم نے ہان میں سر ہلا دیا۔

"ہاں! بہت یاد کیا۔" جب سے اس کی ذہنی بیماری ٹھیک ہوئی تھی، جب سے وہ لرزتے ہیلوسینیشنز ختم ہوئے تھے، نینسی اور فجر دونوں نے آنا بند کر دیا تھا۔ بیماری کے ساتھ ساتھ ان کا ساتھ بھی چلا گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی تنہائی کا ایک نہ ختم ہونے والا احساس اسے گھیر گیا تھا۔

"کیسی لگ رہی ہوں میں؟" فجر نے ایک اور سوال کیا۔

ولیم اسے بس دیکھے گیا۔ اس کے چہرے سے نظریں ہٹانا ناممکن تھا۔ اس کی ہیزل آنکھیں، اس وقت پورے چاند کی روشنی اور برف کی چمک میں ستاروں کی طرح جگمگ کر رہی تھیں۔ ان آنکھوں میں ایک ایسی کشش تھی جو اسے اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ اس کے سوال کے جواب میں ولیم نے ایک لفظی جواب دیا، جو اس کے دل کی گہرائیوں سے نکلا تھا۔

"Breathtaking"

اس پر فجر کھلکھلا کر ہنسی۔ اس کی ہنسی برف باری کی خاموشی میں کسی جادوئی گھنٹی کی مانند گونجی۔ پھر وہ اٹھی اور ولیم کا ہاتھ پکڑ کر اسے کیفے کے دروازے سے باہر، سفید ہوتی گلی میں لے آئی۔

"ڈانس کرو گے؟"

سفید میکسی میں ملبوس فجر بالکل ویسی ہی لگ رہی تھی جیسی وہ اسے اپنے خوابوں میں دیکھنا چاہتا تھا۔ چاند کی روشنی میں اس کا لباس اور چہرہ دمک رہا تھا۔ ولیم نے کانپتے ہاتھوں سے اس کی کمر پر ہاتھ رکھا اور برف باری کے نرم پردے میں ان کا رقص شروع ہوا۔

قدم بے ساختہ اٹھ رہے تھے۔ وہ دونوں آہستہ آہستہ گھوم رہے تھے، برف کے گرتے ذرات ان کے بالوں، کندھوں اور لباس پر جم رہے تھے۔ دنیا جیسے تھم گئی تھی۔ صرف وہ تھے اور ان کے گرد رقص کرتی برف۔ یہ منظر ایک ابدی لمحے میں بدل گیا، جو کافی دیر تک چلتا رہا، خوبصورت، سحر انگیز، ناقابل یقین۔

"ولیم؟ ولیم صاحب!" کوئی تھا جو اسے کندھے سے ہلا کر پکار رہا تھا اور پھر، ایک جھٹکے سے اس کی آنکھ کھل گئی۔

وہ وہیں کیفے کے دروازے میں بیٹھا تھا، جہاں وہ درد سر اور پریشانی کے عالم میں سر ٹکا کر بیٹھا تھا۔ برف باری اب بھی ہو رہی تھی، گلیاں اب بھی سنسان تھیں۔ فجر وہاں نہیں تھی۔ وہ سو گیا تھا اور جو کچھ اس نے دیکھا تھا، وہ ایک حسین خواب تھا۔ برف باری کا رقص، فجر کی مسکراہٹ، اس کی آنکھوں کی چمک، سب ایک خواب کا حصہ تھا۔ تنہائی کا احساس ایک بار پھر اسے آگھیرا۔ لیکن اپنے قریب کھڑے جوزف پیلس کے پرانے ملازم کو دیکھ کر اس کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"صاحب آئے ہیں۔" ملازم کی آواز پر اس نے دیکھا تو کچھ فاصلے پر مسٹر جوزف کی چمچماتی لمبی گاڑی کھڑی تھی اور وہ گاڑی سے باہر تھے۔ انہیں اس وقت یہاں دیکھ کر ولیم کا دل دھڑک اٹھا۔ ان کے چہرے پر وہی رعب اور سنجیدگی تھی جو سب کو ہمیشہ سے مرعوب کرتی آئی تھی۔

حیرت کا ایک تیز جھٹکا اس کے وجود میں دوڑا۔ یہ خواب نہیں تھا! یہ سچائی تھی۔ وہ فوراً اٹھا اور مسٹر جوزف کی طرف لپکا، اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

"ڈیڈ؟ آپ ٹھیک ہیں؟" آواز حلق میں ہی اٹک کر رہ گئی۔

مسٹر جوزف اسے خاموشی سے دیکھتے رہے۔ ان کی آنکھوں میں کچھ تھا جسے ولیم پڑھ نہیں پایا، شاید تھکن، شاید پچھتاوا، شاید محبت۔ پھر انہوں نے آہستہ سے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ ان کے ہاتھ میں ایک فائل تھی، صاف ستھری، اور اس کے اوپر ولیم کا پاسپورٹ رکھا تھا، چاندنی میں ہلکا سا چمکتا ہوا۔

مسٹر جوزف کی بھاری، جانی پہچانی آواز گونجی، جس میں حیرت انگیز طور پر سختی کے بجائے ایک عجیب سی نرمی تھی۔

"تم آزاد ہو۔۔۔!"

ولیم کو لگا جیسے وہ ابھی بھی خواب ہی دیکھ رہا ہے۔ سچائی اتنی خوبصورت، اتنی اچانک کیسے ہو سکتی تھی؟ وہیں، اس گلی میں، برف باری میں، اس کے باپ نے اسے آزادی دے دی تھی؟ اس کی آنکھوں میں نمی تیر آئی، لیکن حیرت کے مارے ایک آنسو بھی نہیں گرا۔ وہ نم آنکھوں، کھلے منہ اور بے یقین دل کے ساتھ مسٹر جوزف کو دیکھے گیا۔

اس نے انہیں دیکھا۔ ظاہری طور پر وہ اب بھی وہی رعب دار شخصیت تھے، جنہیں دیکھ کر فخر ہوتا تھا۔ وہی سیدھا قد، وہی باوقار چہرہ، وہی مضبوط ہاتھ۔ مگر ولیم کو آج محسوس ہوا تھا کہ اندر سے وہ کتنے ٹوٹ پھوٹ چکے تھے۔ وقت اور شاید غلط فیصلوں نے انہیں اندر سے کھوکھلا کر دیا تھا۔ آج وہ انہیں دیکھ کر مرعوب نہیں ہوا، فخر محسوس کیا۔

"ڈیڈ؟" اس نے دوبارہ پکارا، اب کی بار آواز میں التجا اور محبت دونوں شامل تھے۔ اس بار مسٹر جوزف نے کوئی ہچکچاہٹ نہیں دکھائی۔ انہوں نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور ولیم کو گلے لگا لیا۔

اور بس۔ اس ایک گلے میں ولیم جیسے ٹوٹ پھوٹ کر بکھر گیا۔ وہ اپنے باپ کی مضبوط بانہوں میں سما گیا تھا، وہ باپ جس کا دل جیتنے کے لیے وہ دنیا کے دوسرے کونے میں آ گیا تھا۔ جس کی محبت کے چند لمحوں کے لیے وہ ترس گیا

تھا۔ آج اس کے باپ نے اسے گلے لگایا تھا۔ یہ جذبات دنیا کے ایسے جذبات تھے جو نا قابل بیان تھے۔ خوشی، حیرت، سکون، محبت، پچھتاوا سب ایک ساتھ مل کر اس کے اندر ایک طوفان برپا کر رہے تھے۔

وہ اپنے باپ کے کاندھے پر سر رکھے رو رہا تھا، بالکل کسی چھوٹے بچے کی طرح، تڑپ تڑپ کر، جیسے برسوں کی پیاس ان آنسوؤں سے بجھا رہا ہو۔ اس کی سسکیاں سرد رات کی خاموشی میں گونج رہی تھیں۔

مسٹر جوزف نے اس کی کمر تھپتھپائی، ان کی آواز پہلے سے زیادہ نم تھی۔

"میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا تھا ولیم! مجھے ڈر تھا، میں افق کی طرح تمہیں بھی کھو دوں گا۔" ان کی آواز میں ایک گہرا درد تھا۔

ولیم نے سر اٹھائے بغیر کہا، اس کی آواز آنسوؤں سے بھیگی ہوئی تھی۔

"آپ میرے ڈیڈ ہیں۔ مجھے آپ سے محبت ہے۔ میں آپ کو کیوں چھوڑوں گا؟ میں آپ کا بیٹا ہوں۔ جوزف پیٹرسن کا بیٹا!"

جذبات کا ایک زوردار ریلہ بہتا رہا۔ باپ اور بیٹے، برسوں بعد، اس سرد رات میں، ایڈنبرا کی ایک گلی میں، ایک دوسرے کی بانہوں میں، اپنے اندر کے سارے بند توڑ کر رو رہے تھے۔

جب طوفان تھما تو وہ دونوں اسی کیفے کے دروازے میں، جہاں ولیم تھوڑی دیر پہلے بیٹھا خواب دیکھ رہا تھا، دوبارہ بیٹھ گئے۔ ولیم نے اپنا چہرہ صاف کیا، آنکھیں سرخ تھیں۔ اس نے مسٹر جوزف کو بتایا کہ اسے بچپن کے واقعات یاد آ گئے تھے۔

"مام کہتی تھیں آپ مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں۔" اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔

مسٹر جوزف کے چہرے پر ایک نرمی آئی جو ولیم نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ انہوں نے اپنا ہاتھ بڑھا کر ولیم کی گردن پر رکھا۔ پھر کچھ دیر بعد، جیسے ایک اہم بات یاد آئی ہو، انہوں نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

"کیسی ہے وہ؟"

ولیم کے چہرے پر ایک حیرت کے ساتھ ساتھ ایک چمک ابھر آئی۔ فجر کا خیال آتے ہی اس کا دل پھر سے روشن ہو گیا۔ اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"مام جیسی!"

یہ ایسا جواب تھا کہ مسٹر جوزف نے مسکرا کر منہ بھینچا۔ گہری سانس لے کر آنکھوں کی نمی کو واپس پیا۔

"جاؤ اور اسے لے کر آؤ!" وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ولیم بھی ان کے ساتھ ہی اٹھا۔

"میں تمہارا انتظار کروں گا۔" انہوں نے ولیم کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ آواز میں ڈر تھا۔ کہیں نہ کہیں ڈر تھا اگر وہ واپس نہ آیا تو؟ ولیم نے ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"جو آپکا حکم!" وہ چمکتی آنکھیں لیے مسکرایا تو مسٹر جوزف اس کا گال تھپتھپا کر واپس گاڑی کی جانب پلٹ گئے۔ انکا وفادار ملازم ان کے ساتھ تھا۔ وہ گاڑی میں بیٹھے اور پھر چلے گئے۔ ولیم وہیں کھڑا رہ گیا اور جب دوبارہ اپنے ڈاکومینٹس اور پاسپورٹ پر نظر پڑی تو جیت کی خوشی کے پیش نظر اس کی پرجوش چیخ پورے ایڈنبرا میں گونج گئی۔

✿••✿••✿••✿

یہ اسی شام کا تھا۔ سورج غروب ہو چکا تھا اور ایڈنبرا پر شام کی مدھم روشنی پھیل رہی تھی۔ ولیم کیفے میں معمول کے کاموں میں مصروف تھا۔ وہ کاؤنٹر صاف کر رہا تھا۔ پاکستان جانے کی ٹکٹ دو دن بعد کی تھی۔ دل میں ایک عجیب سی

بے چینی اور خوشی کا ملا جلا احساس تھا۔ جانے سے پہلے بہت سارے کام نبٹانے تھے، سب سے ملنا تھا، سب کو الوداع کہنا تھا۔ وہ ان سبھی کاموں کی فہرست ذہنی طور پر ترتیب دے رہا تھا کہ تبھی اسے ایک زوردار ہارن کی آواز سنائی دی۔

پہلے تو اسے لگا کوئی گاہک ہو گا جو بے صبری کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ مگر جب ہارن لگاتار بجتا رہا اور تھمنے کا نام نہ لیا تو ولیم کو کچھ عجیب لگا۔ وہ کام چھوڑ کر باہر کی جانب بڑھا۔

کیفے کے سامنے سڑک پر وہ منظر تھا جس کی اسے توقع نہیں تھی۔ نیل ایک چمچماتی سیاہ بی ایم ڈبل یو (BMW) کے ساتھ کھڑا تھا۔ گاڑی نئی لگ رہی تھی اور شام کی روشنی میں اس کا رنگ ایسے چمک رہا تھا جیسے ابھی شوروم سے نکلی ہو۔ ولیم حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

نیل کے چہرے پر شرارتی مسکراہٹ تھی۔ اس نے گاڑی کی چابی ہوا میں اچھالی جو سیدھی ولیم کے ہاتھ میں آئی۔

"تمہارے لیے!" نیل نے صرف اتنا کہا۔

ولیم چابی ہاتھ میں لیے ساکت کھڑا رہ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ نیل کی برسوں کی محنت کی کمائی تھی۔ کیفے میں دن رات ایک کر کے، چھوٹی چھوٹی بچتوں سے نیل نے یہ گاڑی خریدی تھی، اور یہ ولیم کے لیے تھی۔ نیل جانتا تھا کہ ولیم ایک رئیس باپ کی اولاد تھا، اسے ایک وقت پر گاڑیوں کا کتنا شوق تھا۔ یہ تحفہ صرف ایک گاڑی نہیں تھی، یہ دوستی کا، سمجھ کا اور بے لوث محبت کا اظہار تھا۔

"ڈرفٹنگ؟" نیل نے پوچھا، اس کی آنکھوں میں وہی چمک تھی جو ولیم کی آنکھوں میں تھی۔

ولیم نے کوئی لفظ نہیں کہا۔ اس نے اپنے کام وہیں چھوڑے، کاؤنٹر پر ایک نظر ڈالی جیسے کہہ رہا ہو کہ یہ سب انتظار کر سکتا ہے۔ اس کی آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک چمک اٹھی، ایک ہاں، ایک جنون۔ وہ گاڑی کی جانب بڑھا۔ جب ایسی گاڑی ہو، چابی ولیم کے پاس ہو، اور سڑک پر کچھ لمحوں کی آزادی ہو، تو ڈرفٹنگ کیسے نہ ہو سکتی تھی؟ ایسے وقت میں صرف ولیم کی اسپیڈیں دیکھنے والی ہوتی تھیں۔ اس سے پہلے وہ گاڑی میں بیٹھتے اچانک ان کے عقب سے آواز ابھری۔ پلٹ کر دیکھا تو جارج کھڑا تھا۔

"کیا میں تم لوگوں کو جوائن کر سکتا ہوں؟" اس کی آنکھوں میں التجا تھی۔ نیل اور ولیم نے بیک وقت سر ہلایا۔ وہ خوشی سے آگے بڑھا۔ وہ تینوں گاڑی میں بیٹھے۔ چمڑے کی سیٹوں کی خوشبو اور نئی گاڑی کا احساس دل میں ایک نئی لہر دوڑا گیا۔

ولیم نے گاڑی سٹارٹ کی، انجن کی دھیمی گڑگڑاہٹ ایک خوبصورت موسیقی لگی۔ انہوں نے شہر سے کچھ باہر، ایک نسبتاً سنسان سڑک کا رخ کیا۔

سڑک خالی تھی۔ ولیم نے ایک گہری سانس لی اور پھر پاؤں ایکسیلیٹر پر رکھ دیا۔ گاڑی کی رفتار تیز ہونے لگی۔ ڈرفٹنگ، یہ صرف گاڑی چلانا نہیں تھا، یہ گاڑی کو کنٹرولڈ انداز میں بے قابو کرنا تھا۔ یہ فزکس کے قوانین کو چیلنج کرنا اور پھر انہیں اپنی مرضی کے مطابق موڑنا تھا۔ یہ وہ سڑک تھی جہاں اکثر لوگ ڈرفٹنگ کرتے تھے اور اس وقت بھی کرتے نظر آ رہے تھے۔ ان میں وہ تینوں بھی شامل ہو گئے۔

جیسے ہی سڑک پر ایک موڑ آیا، ولیم نے مہارت سے سٹیرنگ کو تیزی سے ایک طرف موڑا، اسی لمحے ہینڈ بریک کو ایک جھٹکا دیا اور پھر فوراً ایکسیلیٹر پر زور دیا۔ پچھلے ٹائروں نے سڑک پر اپنی گرفت کھو دی۔ ایک تیز چیخ کی آواز آئی، یہ ٹائروں کے سڑک سے رگڑ کھانے کی آواز تھی۔ گاڑی کا پچھلا حصہ کنٹرولڈ انداز میں پھسلنے لگا۔

وہ ڈرفٹ میں داخل ہو چکے تھے۔ گاڑی ایک زاویے پر پھسل رہی تھی، مگر ولیم کے ہاتھ سٹیرنگ پر اور پاؤں ایکسیلیٹر پر مکمل کنٹرول میں تھے۔ اسے گاڑی کی سمت برقرار رکھنے کے لیے سٹیرنگ کو مسلسل الٹی سمت میں موڑنا پڑ رہا تھا(کاؤنٹر سٹیرنگ)، اور ایکسیلیٹر سے پچھلے پہیوں کی رفتار کو کنٹرول کرنا تھا۔ اگر ایکسیلیٹر زیادہ دب جاتا تو گاڑی بے قابو ہو کر گھوم جاتی، اگر کم ہو جاتا تو ڈرفٹ ختم ہو جاتی۔ یہ مہارت، ردعمل کی تیزی اور گاڑی کی سمجھ کا کھیل تھا۔

گاڑی ہوا کو چیرتی ہوئی، پہیے چیختے ہوئے، ایک خوبصورت اور خطرناک رقص پیش کر رہی تھی۔ منظر دھندلا رہا تھا۔ ولیم، جارج اور نیل کے چہروں پر جوش تھا۔ ان کی چیخیں خوشی اور جوش سے بھری ہوئی، گاڑی کے اندر گونج رہی تھیں۔ نیل ہنس رہا تھا، جارج چیخ رہا تھا، اور ولیم، مکمل کنٹرول میں، مسکرا رہا تھا۔ گاڑی ایک موڑ سے دوسرے موڑ میں ڈرفٹ ہوتی گئی، ٹائروں کی چیخیں رات کی خاموشی کو توڑ رہی تھیں۔ یہ آزادی کا، جنون کا اور بے فکری کا لمحہ تھا۔ وہ تینوں دنیا و مافیہا سے بے خبر، صرف اس لمحے میں جی رہے تھے، جہاں صرف گاڑی، سڑک اور ان کا جوش تھا۔ کچھ دیر ان کی گاڑی اسی طرح سنسان سڑک پر ڈرفٹنگ کرتی رہی، ان کی چیخیں اور ہنسی اس رات کی فضا میں شامل ہو گئیں۔ یہ وہ لمحہ تھا جب ولیم نے پاکستان جانے سے پہلے، پرانی زندگی کا ایک آخری پرجوش باب بند کیا کیونکہ وہ نہیں جانتا تھا آنے والا باب کتنا تباہ کن تھا!

✿••✿••✿••✿

شام کا وقت ڈھل رہا تھا اور ایئرپورٹ پر مسافروں کی گہما گہمی تھی۔ لاؤنج میں اعلان گونج رہے تھے، لوگوں کے چلنے پھرنے کی آوازیں تھیں، اور فضا میں رخصت ہونے اور ملنے والوں کے جذبات کا ایک انوکھا امتزاج تھا۔ ایک طرف جدائی کا غم تھا تو دوسری طرف نئی منزلوں کا اشتیاق۔

اسی گہما گہمی میں، ایک طرف، نینی، جارج، جینی، نساء، نیل، پال اور عیسیٰ ماموں کھڑے تھے۔ ان سب کے چہروں پر ملے جلے تاثرات تھے۔ وہ اپنے پیارے ولیم کو الوداع کہنے آئے تھے۔ آج وہ پاکستان جا رہا تھا۔ ایک ملک جہاں اس کا دل بسیرا کرتا تھا۔ یہ اس کی زندگی کا ایک نیا، ان دیکھا باب تھا جو اب کھلنے والا تھا۔

سب باری باری ولیم کو گلے مل رہے تھے۔ کوئی سفر کے لیے نیک تمناؤں کا اظہار کر رہا تھا، کوئی محتاط رہنے کی ہدایت دے رہا تھا، کوئی بس خاموشی سے دعائیں دے رہا تھا۔ جارج کے چہرے پر فخر تھا، جینی کی آنکھیں نم تھیں، نساء کی ہنسی میں بھی جدائی کی کسک تھی، پال سنجیدہ تھا اور عیسیٰ ماموں کے چہرے پر اطمینان تھا۔

جب نیل کی باری آئی تو اس نے ولیم کو مضبوطی سے گلے لگایا۔ ان کی دوستی نے کئی کڑے وقت دیکھے تھے۔ نیل کے لہجے میں شرارت تھی مگر آنکھوں میں گہری چاہت۔

"دل والے دلہنیا لے کر آنا، نہیں تو مت آنا۔" اس کا انداز ایسا تھا کہ سب ہنس دیے۔ ولیم کی ہنسی جس میں بہت کچھ پوشیدہ تھا۔

"دعا کرو دلہنیا مان جائے!" اس نے جواب دیا۔ ان چند لفظوں میں فجر کا ذکر تھا، اس کی امید تھی اور ایک نامعلوم مستقبل کا چیلنج بھی۔

آخری بار سب کو دیکھا، ایک مسکراہٹ دی جو آنکھوں تک نہیں پہنچی، اور پھر وہ اندر کی جانب بڑھ گیا۔ قدم بھاری تھے مگر منزل واضح تھی۔ وہ چلتا گیا، ایئرپورٹ کی راہداریوں میں گم ہوتا گیا۔

چند قدم چل کر وہ رکا۔ پلٹ کر دیکھا۔ اس کے سبھی پیارے ابھی بھی وہیں کھڑے اسے دیکھ رہے تھے۔ ان کی آنکھیں نم تھیں، چہروں پر اداسی تھی۔ ولیم کے ہونٹوں پر ایک نرم سی مسکراہٹ آئی۔ اس نے ہاتھ ہلا کر انہیں الوداع کہا، اور پھر خاص طور پر نیل کو مخاطب کیا۔

"نیل!" اس نے پکارا۔ نیل نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"میری بیلا کا خیال رکھنا!" ولیم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ بیلا، وہ سیاہ بی ایم ڈبل یو جو نیل نے اسے دی تھی۔ نیل کے چہرے پر ایک چمک آئی، اس نے اثبات میں سر ہلا کر مسکرا دیا۔ گاڑی صرف گاڑی نہیں تھی، وہ ان کی دوستی کی نشانی تھی۔

ولیم پھر مڑا اور اندر کی جانب بڑھ گیا۔ اپنے پیاروں کو پیچھے چھوڑ کر، ایک نئی دنیا کی طرف۔ وہ سب اسے نم نظروں سے تب تک دیکھتے رہے جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو گیا۔ ایئرپورٹ کی روشنیاں دمک رہی تھیں، جہازوں کے اترنے چڑھنے کی آوازیں تھیں، مگر ان سب کے لیے وقت تھم سا گیا تھا۔

آنے والا وقت کیسا تھا، کوئی اس سے واقف نہیں تھا۔ کیا ولیم دلہنیا لے کر واپس آئے گا؟ کیا اس کی نئی زندگی آسان ہو گی؟ کیا وہ اپنے باپ کے دل میں مستقل جگہ بنا پائے گا؟ یہ سب سوالات تھے جن کا جواب صرف وقت کے پاس تھا۔ مگر اس لمحے، ایڈنبرا ایئرپورٹ پر، کچھ دل امید سے بھرے تھے اور کچھ جدائی کے غم سے بوجھل۔ ولیم کا جہاز آسمان کی وسعتوں میں گم ہونے کی تیاری کر رہا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ گہری سانس لے کر خود کو وقت کے بہاؤ پر چھوڑ دیا۔ ایک نئے سفر کا آغاز ہو چکا تھا۔

✿••✿••✿••✿

الحمد اللہ! عنکبوت کا پہلا حصہ مکمل ہو چکا ہے۔پندرویں قسط سے حصہ دوئم شروع ہو گا۔دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔جلد ملیں گے!

اگلی قسط پندرہ دن بعد ان شاء اللہ !

جاری ہے۔

* * * * * * *

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔۔۔

السلام علیکم احباب۔۔۔۔"

"ناولز کی دنیا" کے ناولز میں خوش آمدید ۔۔۔۔

ناولز کی دنیا (NKD) کی جانب سے ناولز کو بغیر کسی غلطی کے آپ تک پہچانے کی کوشش کی گئی۔اگر کوئی غلطی اس میں ملتی ہے تو اسے محض اتفاق سمجھا جائے۔ کیونکہ ناول کو پورا پروف ریڈ کر کے ہی پبلش کیا جاتا ہے چوک ہونا محض اتفاق ہوگا۔۔

نئے اور مختلف لکھنے والوں کے لیے"ناولز کی دنیا" ویب سائیٹ /گروپ / پیج / یوٹیوب چینل دے رہا ہے تمام لکھاریوں کو ایک ایسا پلیٹ فارم جہاں آپ اپنی خدا داد صلاحیتوں کو اپنے قلم سے تحریر کر کے اپنا اور اپنے ملک کا نام روشن کرسکتے ہیں ۔۔۔ اگر آپ کو بھی اللہ کی طرف سے یہ صلاحیت دی گئی ہے تو اسے اجاگر ضرور کریں ۔۔۔ ہمیں آپ جیسے ہی لکھاریوں کی تلاش اور ضرورت ہے۔۔۔

اگر آپ ہمارے بلاگز پر اپنا ناول، ناولٹ،افسانہ،کالم،آرٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ہم سے رابطہ کریں ۔۔ اپنی تحریر اردو میں ٹائیپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ جتنا جلدی ہوسکا آپکی تحریر پوسٹ ہوجائے گی ۔۔۔

مزید تفصیلات یا کسی بھی طرح کی مدد کے لیئے ہم سے گروپ یا پیج انباکس میں رابطہ کریں یا ای میل پر ہم سے رابطہ کرسکتے ہیں۔۔

Email address :- Novelskiduniya77@gmail.com

Facebook page :- Novels ki duniya

عنکبوت

(معرفت اور محبت سب کو نہیں ملتی)

از قلم: نور راجپوت

قسط نمبر:15

باب ہشتم: عفریت

(میرے وجود کے اندھیروں میں، ایک عفریت سانس لیتا ہے)

وہ کوئی خارجی وجود نہیں، کوئی سایہ نہیں جو دیواروں پر رقصاں ہو، نہ ہی کوئی بھیانک شکل و صورت کا مالک ہے۔ وہ تو ہمارے اندر ہی کہیں، بہت گہرائی میں، ہماری اپنی ذات کے تاریک ترین گوشوں میں جنم لیتا ہے۔ ایک ننھا سا، تقریباً غیر محسوس سا بیج، جو ہماری کمزوریوں کی نمناک مٹی سے اپنی خوراک کشید کرتا ہے۔

یہ عفریت بڑا مکار اور صیاد ہے۔ یہ ہماری ہر اس خواہش کو، ہر اس خوف کو، ہر اس حسد اور ہر اس نامکمل آرزو کو پہچانتا ہے جسے ہم دنیا سے، حتیٰ کہ خود سے بھی چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب ہم اپنی کمزوریوں پر پردہ ڈالتے

ہیں، جب ہم انہیں تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں، تو دراصل ہم انجانے میں اس عفریت کی آبیاری کر رہے ہوتے ہیں۔ ہر چھپایا گیا راز، ہر دبائی گئی سسکاری، ہر نظر انداز کیا گیا احساسِ کمتری، اس کے لیے کھاد کا کام کرتا ہے۔

پہلے پہل، اس کی موجودگی کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ شاید کبھی کبھار ایک بے نام سی بے چینی، ایک غیر واضح سا خوف، یا ایک بلاوجہ کا غصہ اس کی آمد کا پہلا اشارہ ہو۔ مگر ہم ان اشاروں کو نظر انداز کر دیتے ہیں، انہیں زندگی کے معمولات کا حصہ سمجھ کر جھٹک دیتے ہیں۔ اور یہی اس کی پہلی جیت ہوتی ہے۔

جیسے جیسے یہ عفریت ہماری کمزوریوں سے توانائی حاصل کرتا ہے، یہ مضبوط ہوتا جاتا ہے۔ اس کی سرگوشیاں ہمارے خیالات میں گونجنے لگتی ہیں، پہلے مدھم، پھر واضح، اتنی واضح کہ ہم انہیں اپنی ہی سوچ سمجھنے لگتے ہیں۔ یہ ہمیں اکساتا ہے، بہکاتا ہے، ہمارے فیصلوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ یہ ہماری خوبیوں کو دھندلا دیتا ہے اور ہماری خامیوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتا ہے۔ یہ ہمیں بتاتا ہے کہ ہم ناکافی ہیں، کہ ہم محبت کے قابل نہیں، کہ کامیابی ہمارا مقدر نہیں۔

اور پھر وہ لمحہ آتا ہے جب یہ مکمل طور پر ہمارے سر چڑھ جاتا ہے۔ اب یہ محض ایک سرگوشی نہیں رہتا، بلکہ ہمارے اعمال کا مالک بن جاتا ہے۔ ہماری زبان اس کے الفاظ بولتی ہے، ہمارے ہاتھ اس کے اشاروں پر حرکت کرتے ہیں۔ ہم اپنے ہی وجود میں اجنبی بن جاتے ہیں، اپنی ہی ذات کے قیدی۔ یہ عفریت ہمیں ہمارے عزیزوں سے دور کر دیتا ہے، ہمیں تنہائی کے اندھیروں میں دھکیل دیتا ہے، جہاں صرف پچھتاوے اور مایوسی کا راج ہوتا ہے۔

جب یہ سر چڑھ جاتا ہے، تو ہماری آنکھوں پر پٹی بندھ جاتی ہے۔ ہمیں صحیح غلط کی تمیز نہیں رہتی۔ ہم ان لوگوں کو زخم پہنچاتے ہیں جو ہم سے محبت کرتے ہیں، اور ان راہوں پر چل پڑتے ہیں جو تباہی کی طرف لے جاتی ہیں۔ یہ عفریت ہمیں ایک ایسی دلدل میں گھسیٹ لیتا ہے جہاں سے نکلنا تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے، کیونکہ اس دلدل کی دیواریں ہماری اپنی ہی پیدا کردہ کمزوریاں ہوتی ہیں۔

اس کا سب سے بڑا ہتھیار یہ ہے کہ یہ ہمیں یقین دلا دیتا ہے کہ یہ ہم خود ہیں۔ یہ ہماری ذات کا ایک اٹوٹ انگ ہے، ایک ایسی حقیقت جسے بدلا نہیں جا سکتا۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ یہ ایک غاصب ہے، ایک قابض، جو ہماری اپنی غفلت اور کمزوریوں کے سہارے ہمارے وجود پر مسلط ہو گیا ہے۔

کیا اس سر چڑھے عفریت سے نجات ممکن ہے؟ شاید، مگر اس کے لیے پہلے اسے پہچاننا ہو گا، اس کی موجودگی کو تسلیم کرنا ہو گا، اور پھر ان کمزوریوں کا سامنا کرنا ہو گا جن پر یہ پلتا ہے۔ یہ ایک کٹھن جنگ ہے، خود اپنی ذات کے خلاف ایک جنگ۔۔۔!

✿••✿••✿••✿

اڑھائی سال بعد:

صبح کے ٹھیک نو بجے، ماسٹر بیڈ روم کی فضا میں ایک خاموش سکون پھیلا ہوا تھا۔ دیواریں اور کمرے میں رکھا فرنیچر، سب کچھ دودھیا سفید (alabaster) رنگ میں نہایا ہوا تھا، جو ایک لطیف اور پروقار تاثر دے رہا تھا۔ بھاری، مخملیں پردے کھڑکیوں پر مضبوطی سے تنے ہوئے تھے، باہر کی تیز روشنی کو روک کر کمرے میں ایک نیم خوابیدہ

سی کیفیت پیدا کر رہے تھے۔ روشنی کا ہلکا سا ہالہ پردوں کے کناروں سے چھن کر اندر آ رہا تھا، جس سے کمرے کی اشیاء دھندلی سی دکھائی دے رہی تھیں۔

کمرے کے ایک کونے میں رکھے ڈبل صوفے کے سامنے، شیشے کی میز پر ان گنت اسکیچز بے ترتیبی سے بکھرے پڑے تھے۔ یہ اسکیچز مختلف ڈیزائنوں، کٹنگز اور شاید ادھورے خوابوں کا مجموعہ تھے، جو کسی تخلیقی ذہن کی عکاسی کر رہے تھے۔ میز کے ایک کونے پر پنسلوں اور رنگوں کا ڈبہ بھی موجود تھا۔ قریب ہی سائیڈ ٹیبل پر فرانز کافکا اور فیودور دوستوفسکی کی چند کتابیں رکھی تھیں، جو اس کمرے کی مکین کے سنجیدہ ادبی ذوق کی گواہی دے رہی تھیں۔

بستر پر ایک وجود، گہری اور پرسکون نیند کی آغوش میں تھا۔ سانسیں ایک منظم آہنگ سے چل رہی تھیں، ہلکی اور بے خبر۔ وہ ایک خواب کے طلسم میں جکڑی ہوئی تھی، ایک ایسا خواب جو اکثر اس کی صبحوں پر حاوی ہو جاتا تھا۔ خواب کی دنیا میں، وہ ایک پراسرار، چاند جیسی دودھیا روشنی میں گھری ہوئی تھی۔ اچانک، اسی روشنی میں سے ایک مردانہ، خوبصورت ہاتھ اس کی جانب بڑھا۔ اس ہاتھ میں ایک عجیب سی کشش اور مانوسیت تھی۔ بنا کسی جھجک کے، اس نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

جیسے ہی ان کی انگلیاں آپس میں ملیں، اس مردانہ ہاتھ نے اسے ایک دلکش رقص کے لیے گھمایا۔ وہ گھوم رہی تھی، ایک انجانے سرور میں۔ لیکن جیسے ہی اس نے اس پراسرار شخص کا چہرہ دیکھنے کے لیے اپنی نظریں اوپر اٹھائیں، خواب کا منظر ٹوٹنے لگا۔ چہرہ واضح ہونے سے پہلے ہی سب کچھ دھندلا گیا، اور وہ اسے دیکھ نہ سکی۔

اسی لمحے، ایک جھٹکے سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ دل ابھی تک خواب کے اثر سے دھڑک رہا تھا۔ اس نے گھبرا کر کروٹ بدلی اور سائیڈ ٹیبل پر پڑا فون اٹھا کر وقت دیکھا، گھڑی کی سوئیاں ساڑھے نو بجا رہی تھیں۔ ہیزل آنکھیں پوری طرح پھیل گئیں۔

"اوہ خدایا!" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ آج دفتر میں دس بجے اہم انٹرویوز تھے اور وہ اس خواب کی وجہ سے ایک بار پھر وقت پر نہ اٹھ سکی تھی۔ اس احساس نے اسے ایک دم سے بیدار کر دیا۔

وہ تیزی سے بستر سے اتری، پاؤں ٹھنڈے فرش سے ٹکرائے۔ اس کا کمرہ، باوجود اس افراتفری کے جو اس کے ذہن میں تھی، ایک شاہکار تھا۔ فرنیچر کم، مگر ہر چیز نفاست اور اعلیٰ ذوق کا نمونہ تھی۔ دیواروں پر کوئی غیر ضروری آرائش نہیں تھی، بس ایک بڑی سی تجریدی پینٹنگ آویزاں تھی۔ ہر شے اپنی جگہ پر یوں رکھی تھی جیسے کسی ماہر نے سوچ سمجھ کر سجائی ہو، بالکل کسی کامیاب فیشن ڈیزائنر کا ذاتی گوشہ۔ یہ سادگی اور پروقار انداز ہی اس کمرے کی خاصیت تھی۔

اس نے جلدی سے اپنے بالوں کو سمیٹ کر ایک ڈھیلا سا جوڑا بنایا اور تیز قدم اٹھاتی ہوئی واک اِن کلوزٹ میں داخل ہو گئی، جہاں اس کی پیشہ ورانہ زندگی کا ایک اور مصروف دن اس کا منتظر تھا۔ اس نے ایک سادہ ہلکے رنگوں کا سوٹ اٹھایا اور باتھروم میں گھس گئی۔ تقریباً بیس منٹ بعد وہ باہر نکلی۔ دروازے پر دستک جاری تھی۔

"فجی باجی۔۔۔" بانو کی دھیمی آواز سنائی دی۔ اس نے آگے بڑھ کر جھٹکے سے دروازہ کھولا، تولیے میں بال لپیٹے وہ سامنے کھڑی بانو کو گھور رہی تھی۔

"کتنی بار کہا ہے مجھے اس نام سے مت بلایا کرو۔" اس نے خود پر ضبط کرتے آواز دھیمی رکھنا چاہی۔ بانو نے بتیسی دکھائی۔

"وہ اماں کہہ رہی تھیں جاؤ فجی کو دیکھو آج اٹھی نہیں ابھی تک۔۔" اس نے اماں کے انداز میں جواب دیا۔

"میں اٹھ گئی ہوں۔" اس نے دروازہ بند کرنا چاہا۔

"ناشتے میں کیا لیں گی؟" بانو نے جھجھکتے ہوئے پوچھ ہی لیا حالانکہ فجر اسے کافی مصروف نظر آرہی تھی پھر بھی ناشتے کا پوچھنا فرض تھا۔

"جوس بنادو ناشتے کا ٹائم نہیں ہے۔" وہ دروازے سے ہٹ گئی۔ جانتی تھی بانو ایسے نہیں جائے گی۔ وہ اب تولیا ایک جانب رکھتے، آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔ بالوں کو خشک کرنے کے بعد ڈھیلی سی پونی ڈال لی۔ اس کے کانوں میں چمکتے وہ سفید ٹاپس اچھے لگ رہے تھے۔ مارچ کا مہینہ تھا اور باہر موسم کافی اچھا تھا۔ بانو نے آگے بڑھ کر پردے سرکائے تو فجر نے اپنا چشمہ اٹھا کر آنکھوں پر جمالیا۔ ہاتھوں پر موئسچرائزر لگانے کے بعد وہ اب ہونٹوں پر لپ آئل لگا رہی تھی۔ سفید لوفرز پہننے کے بعد وہ دوپٹہ گلے میں ڈالتی بیگ اٹھائے تیار کھڑی تھی جبکہ بانو اب تولیا اٹھا چکی تھی۔

"جوس تو تیار ہے پر آپ ناشتے کیے بنا جائیں گی تو اماں آپ کے جانے کے بعد میری کلاس لیں گی۔" بانو نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔

"آج انٹرویوز ہیں۔ میں آفس میں ناشتہ کرلوں گی۔ اماں کو بتادینا۔" وہ تیزی سے کمرے سے نکلی۔ سامنے ہی کشادہ راہداری تھی جس کے دونوں سروں پر پورے رکھے تھے اور دیواروں پر خوبصورت پینٹنگز ٹنگی تھیں۔ بانو اس کے پیچھے ہی کمرے سے نکلی مگر وہ فجر کی رفتار کا مقابلہ نہیں کرسکتی تھی۔ وہ بہت تیز چلتی تھی۔ اب وہ تیزی سے سیڑھیاں اتر رہی تھی۔ بیگ سے گاڑی کی چابی نکالتے ہوئے وہ سیڑھیاں اتر آئی۔ سامنے ہی لاؤنج میں اماں بیٹھی تھیں۔ نکھری نکھری سی، پراعتماد!

ایک نظر فجر کو دیکھا اور پھر اس کی اسپیڈوں کو اور پھر تاسف سے سر ہلا دیا۔ فجر کا رخ ڈائننگ ٹیبل کی جانب تھا۔ جہاں جوس کا گلاس رکھا تھا۔ دو گھونٹ بھرنے کے بعد وہ اب گلاس واپس رکھتے پلٹی۔ بانو پہنچ چکی تھی۔

"اماں باجی آج بھی ناشتہ نہیں کر رہیں۔" اس نے آگاہ کرنا ضروری سمجھا۔ فجر نے ایک گہرا سانس لیا اور ایک نظر اماں کو دیکھا جو اسے اپنے منہ سے کچھ نہیں کہتی تھیں بس گھورتی ضرور تھیں۔

"میں آفس میں کر لوں گی پکا، ویسے بھی میں بھوکی نہیں رہ سکتی۔ اوکے اللہ حافظ!" وہ انہی پھرتیوں سے لاؤنج کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ کچھ دیر گاڑی سٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ آج کل ڈرائیور چھٹی پر تھا اور اماں گلاس وال سے جھانک جھانک کر اسے دیکھ رہی تھیں۔ گارڈ نے دروازہ کھولا اور اس کی گاڑی نظروں سے اوجھل گئی۔ اماں پیچھے گہری سانس لے کر رہ گئیں۔

✿••✿••✿••✿

شام کا سنہری دھندلکا اور حساب چکانے کی گھڑی؛

پیرس فیشن شو کے بعد، فجر کے لیے کامیابیوں کے دروازے نہیں، بلکہ جیسے پوری کائنات کے دروازے کھل گئے تھے۔ اس کا نام اب ایک گونج بن چکا تھا، ایک پہچان۔ وہ اس شہرت کی بلندیوں کے زینے چڑھ رہی تھی، مگر اس کے قدم زمین پر ہی تھے، لکس میں، جہاں وہ بدستور اپنی ذمہ داریاں نبھا رہی تھی۔ اس کے نام کی چمک نے لکس کو بھی نئی روشنی بخشی، دو بین الاقوامی فلموں کے وارڈروب ڈیزائننگ کے معاہدے ان کی جھولی میں آ گرے اور وہ پوری دلجمعی سے کام کرتی رہی مگر کب تک؟ جب تک اسے لگا نہیں کہ یہ اب کمر توڑنے کا صحیح وقت ہے۔

نومبر کی شام کا جادوئی دھندلکا لاہور کی فضا پر چھایا ہوا تھا۔ لکس فیشن ہاؤس کی وسیع و عریض شیشے کی دیواروں سے چھن کر آتی سورج کی آخری سنہری کرنیں سونیا سلطان کے پر تعیش دفتر کو ایک خاص آب و تاب بخش رہی تھیں۔ سونیا، اس وقت اپنے آفس میں اپنی مخصوص نشست پر براجمان تھیں۔ ان کی شخصیت سے تجربے اور کامیابیوں کا وقار عیاں تھا، اور ان کا ہر انداز ان کے اٹل فیصلوں کا غماز تھا۔

اچانک دروازے پر دستک ہوئی اور دفتر کا دروازہ آہستگی سے کھلا، فجر نے قدم اندر رکھا۔ اس کی ہیزل آنکھوں میں ایک سرد، مقناطیسی چمک تھی، جیسے کسی شکاری کی نگاہ اپنے شکار پر ہو۔ مضبوطی سے بندھے ہوئے بالوں پر دھرا چشمہ اس کے ارادوں کی پختگی کا اعلان کر رہا تھا۔ نومبر کی خنکی کے مطابق زیب تن کیا گیا لمبا کوٹ اور گلے میں لپٹا نفیس اسکارف اس کی شخصیت کو مزید پر وقار بنا رہے تھے، جبکہ اسنیکرز میں ملبوس اس کے قدم زمین پر مضبوطی سے جمے ہوئے تھے۔ ہر قدم ایک سوچے سمجھے منصوبے کا حصہ۔

سونیا کے ایک جانب بیٹھا شہرام چونک کر اٹھا۔ ان دونوں کو فجر کے اس وقت آنے کی توقع نہیں تھی۔ فجر نے سونیا پر ایک گہری، پر سکون نگاہ ڈالی۔

"مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔" اس کی آواز میں ایک ایسا ٹھہراؤ اور ایک ایسی کاٹ تھی جو سونیا کے لیے بھی قدرے نئی تھی۔

سونیا نے اپنی پیشہ ورانہ مسکراہٹ لبوں پر سجاتے ہوئے اسے دیکھا۔

"آؤ فجر، بیٹھو۔ کہو، کیا بات ہے؟" فجر کا نام لکس کے ساتھ جڑ چکا تھا اور اس وقت میڈم سونیا جن ہواؤں میں تھیں اتنا کوئی بھی نہیں تھا۔

فجر نے آگے بڑھ کر بغیر کسی تمہید کے، ایک نفیس لفافہ ان کی میز پر رکھ دیا۔

"یہ کیا ہے؟" سونیا کے چہرے پر الجھن ابھری۔ جبکہ شہرام شاہر ماحول میں گھلی خطرے کی بو جو سونگھ کر وہیں رک گیا تھا۔

"یہ میرا استعفیٰ ہے۔" اس نے گویا دھماکہ کیا۔

سونیا کو مذاق لگا۔ انہوں نے لفافہ اٹھایا، اس کی سلوٹیں کھولیں، اور جیسے ہی ان کی نظریں کاغذ پر لکھے الفاظ پر پڑیں، ان کے چہرے کا پر اعتماد تاثر لمحوں میں تحلیل ہو گیا۔ ایک سپاٹ، ناقابلِ یقینیت سے بھرا تاثر ان کے چہرے پر نمودار ہوا۔

"یہ کیا مذاق ہے، فجر؟" انکے چہرے کا رنگ بدلا۔

فجر کی آنکھوں میں کسی دکھ یا پچھتاوے کی رمق تک نہ تھی۔ ایک سرد سی، تقریباً فاتحانہ سی مسکراہٹ اس کے لبوں کے گوشوں میں ابھری۔

"یہ مذاق نہیں، حقیقت ہے۔ میں یہاں سے جا رہی ہوں۔"

اس موقع پر وہ جا رہی تھی؟ عین اس وقت جب اس کے نام کی گونج چاروں جانب تھی۔ جب لوگ اس کے کاسٹیومز کے دیوانے ہو رہے تھے۔ جب نئے مواقع اسکے منتظر تھے۔ وہ لکس کو چھوڑ کر جا رہی تھی؟

شہرام، جو اس ساری کارروائی کو خاموشی سے دیکھ رہا تھا، بے اختیار آگے بڑھا۔

"فجر! تم ایسا نہیں کر سکتیں۔ ہمارے اتنے اہم پروجیکٹس پائپ لائن میں ہیں۔ تم لکس کو یوں بیچ منجدھار میں نہیں چھوڑ سکتیں۔"

یہ بے اختیار ہوا تھا۔ ایک پل کو وہ خود بھی ٹھٹک گیا۔ فجر کے لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ ابھری۔ اس نے ایک لمحے کو اس کی طرف دیکھا، اس کی ہیزل آنکھوں میں چیلنج کے ساتھ ساتھ ایک واضح حقارت بھی تھی۔

"میں جا سکتی ہوں اور میں جا رہی ہوں۔" اس کے لہجے میں کوئی لچک نہ تھی۔

سونیا نے خود کو سنبھالتے ہوئے اپنی کرسی پر قدرے پیچھے ہوتے ہوئے کہا، ان کی آواز میں اب واضح خطرے کی گھنٹی تھی۔

"اگر تم نے یہ حماقت کی، فجر! تو میں تم پر قانونی چارہ جوئی کروں گی۔ تمہیں اس کی بھاری قیمت چکانی پڑے گی۔"

فجر کے لبوں پر وہی سرد مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"افسوس میڈم! آپ ایسا نہیں کر سکتیں۔ میں اس مہینے کی تنخواہ وصول نہیں کر رہی، جس کا سیدھا سا مطلب ہے کہ نوٹس پیریڈ کی قانونی شرط مجھ پر لاگو نہیں ہوتی۔"

اس کی آنکھوں میں شکاری جیسی چمک تھی۔ اس نے اپنے کانٹریکٹ میں جو ردوبدل کروائی تھی وہ آج کام آ گئی۔

سونیا کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ غصے اور بے بسی کی ایک لہر ان کے وجود میں دوڑ گئی۔ وہ جھٹکے سے کرسی سے اٹھیں۔

"تم۔۔ تم اتنی احسان فراموش کیسے ہو سکتی ہو؟ میں نے تمہیں نام دیا، پہچان دی، یہ مقام دیا!"

فجر کا چہرہ اب بھی کسی بھی جذبے سے عاری تھا، سوائے ایک سرد، حساب چکانے والی برتری کے۔ اس کی آواز میں تلخی نہیں، بلکہ ایک عجیب سی، منطقی کاٹ تھی۔

"گلے لگ کر گردن کاٹنا اور پیروں میں بیٹھ کر زمین کھینچنا میں نے آپ سے ہی سیکھا ہے۔"

اسکے الفاظ آفس کی پر تعیش خاموشی میں کسی زہریلے تیر کی طرح پیوست ہوئے۔ اس کی ہیزل آنکھوں میں اب دکھ یا پچھتاوے کا شائبہ تک نہ تھا۔ وہاں ایک عجیب سی چمک تھی، ایک سرد، بے رحم اطمینان، جیسے کوئی ملکہ اپنے دشمنوں کو زیر کرنے کے بعد تخت پر براجمان ہو۔ اس کے لبوں پر ایک خفیف، زہر خند مسکراہٹ ابھری جب اس کی نظر ساکت کھڑے شہرام پر پڑی۔ وہ واقعی ایک "**ملکہ ملعون**" کا روپ دھارے ہوئے تھی، جس کی خوبصورتی میں بھی ایک تباہ کن کشش تھی۔

سونیا سلطان، جو لمحہ بھر کو سکتے میں چلی گئی تھیں، اب جیسے ہوش میں آئیں۔ ان کا چہرہ غصے اور بے بسی سے سرخ ہو گیا۔

"تم میرا گلہ کاٹنے کی بات کر رہی ہو؟ تم میرے پیروں تلے زمین کھینچو گی؟" ان کی آواز کانپ رہی تھی۔

"میں تمہیں برباد کر دوں گی، فجر! ایک ایک چینل پر تمہاری حقیقت بیان کروں گی۔ دنیا کو بتاؤں گی کہ تم اصل میں کیا ہو اور تم نے میرے ساتھ، لکس کے ساتھ کیا کیا! میں تمہارا کیریئر ختم کر دوں گی!"

فجر نے ایک ہلکا سا، تقریباً بے نیازی سے بھرپور قہقہہ لگایا، جو اس ماحول میں مزید وحشت پیدا کر گیا۔

"ضرور بتایئے گا، میڈم سونیا!" وہ اطمینان سے بولی، اس کی آواز میں بلا کا اعتماد تھا۔ "اور جب آپ میڈیا کو اپنی درد بھری داستان سنائیں، تو یہ بھی ضرور بتایئے گا کہ آپ نے کس طرح، کتنی منصوبہ بندی سے میرا ایکسیڈنٹ کروایا تھا۔"

کمرے میں جیسے بجلی کوند گئی۔ شہرام نے ایک جھٹکے سے فجر کو دیکھا، اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا۔ سونیا سلطان کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔

فجر ایک قدم آگے بڑھی، اس کے اسنیکرز میں قید پاؤں فرش پر آہستگی سے پڑ رہے تھے، مگر ان کی دھمک سونیا اور شہرام کے دلوں پر ہتھوڑوں کی طرح برس رہی تھی۔

"یہ بھی بتایئے گا کہ آپ مجھے راستے سے ہٹانا چاہتی تھیں، جان سے مار دینا چاہتی تھیں۔" اس کی آواز میں وہی سرد مہری تھی، مگر اب اس میں ایک الزام کی کاٹ بھی شامل ہو گئی تھی۔

"اور سب سے اہم بات۔۔" اس نے ایک لمحے کو توقف کیا، جیسے اپنے اگلے وار کو مزید مہلک بنا رہی ہو، "یہ بھی بتایئے گا کہ یہ گھناؤنا کھیل آپ نے اپنے اس لاڈلے بھتیجے، شہرام، کے ساتھ مل کر کھیلا تھا۔ بدلے کا کھیل!"

ہاں شہرام سلطان، سونیا سلطان کا اکلوتا بھتیجا تھا۔ لکس کے بہت کم لوگ اس حقیقت سے واقف تھے۔

اس نے حقارت بھری نظر شہرام پر ڈالی، جو اب دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا، جیسے اس کے پیروں تلے زمین نکل گئی ہو۔

"کیونکہ میں نے اسے ٹھکرایا تھا۔۔!" فجر کی آواز میں اب ایک فاتحانہ گونج تھی۔ "اس کی مردانہ انا کو ٹھیس پہنچی، اور اس معمولی سی بات کا بدلہ آپ دونوں مجھ سے یوں لینا چاہتے تھے۔"

یہ الفاظ کسی دھماکے کی طرح تھے۔ سونیا سلطان اور شہرام ساکت و صامت کھڑے تھے، ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ ان کے پاس کہنے کو کچھ نہیں بچا تھا۔ فجر کے الزامات نے انہیں بے نقاب کر دیا تھا۔

وہ نہیں جانتی تھی شہرام کالکس سے کوئی تعلق تھا۔ وہ جتنا سیدھا نظر آتا تھا ویسا تھا نہیں یا شاید اسے رہنے نہیں دیا گیا۔

"میں نے کہا تھا نا میں تمہیں رلاؤں گی۔ میں تم سب کو بہت رلاؤں گی۔"

اس کے لہجے میں ایک ملکہ کی سی شان تھی جو اپنے دشمنوں کو ان کے انجام تک پہنچا چکی ہو۔

"ابھی تو بس شروعات ہے۔" سر چڑھا عفریت پوری طرح سے حاوی ہو چکا تھا۔

شہرام مزید ساکت ہوا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ فجر اسے پہچان لے گی۔ اسے کیسے پتا چلا؟

(اس کے لیے ہمیں مزید پیچھے جانا ہو گا۔ جب اس نے نیا نیا لکس جوائن کیا تھا اور اس دن وہ اسی آفس میں اپنے کاسٹیوم کا ماڈل سونیا سلطان کو دکھانے کے بعد واپس اپنے آفس کی جانب جا رہی تھی جب اسکا فون بج اٹھا تھا۔

وہ اس وقت بھی اپنے آفس کی جانب ہی بڑھ رہی تھی جب فون پھر سے بجنے لگا۔ پرائیویٹ نمبر پھر سے لکھا چمک رہا تھا۔ اس نے فون نہیں اٹھایا اور جب تک اس نے نہیں اٹھایا فون بجتا ہی رہا۔ کرنے والا ہی ڈھیٹ تھا۔ بالآخر اس نے اٹھا ہی لیا۔

"میں نے سوچا یاد دلا دوں کہ زیادہ اونچا مت اڑنا۔۔" وہی سرد سی آواز ابھری۔

"کون ہو تم؟ مسئلہ کیا ہے تمہارا؟" اس نے دبے دبے لہجے میں پوچھا۔ یہاں وہ چیخ چلا نہیں سکتی تھی۔

"میرا مسئلہ تم ہو فجر معراج! بہت غرور ہے تم میں۔ میں تمہیں خاک ہوتے دیکھنا چاہتا ہوں۔" دوسری جانب سے بنا کسی لگی لپٹی کے کہا گیا۔ وہ بے ساختہ ہنس دی۔

"افسوس کہ تم یہ حسرت لے کر مر جاؤ گے۔"

"مرو گی تو تم۔ یاد رکھنا۔۔۔" فون بند ہو گیا اور وہ ساکت سی کھڑی رہ گئی۔ گہرا سانس لے کر خود کو نارمل کرنا چاہا۔ اس کی ہیزل آنکھوں میں تکان ہی تکان تھی۔ پچھلا پورا ہفتہ مسلسل کام کرنے کی وجہ سے تھکاوٹ ہو چکی تھی اور اوپر سے یہ فون کالز اسے الگ اپنی اذیت دے رہی تھیں۔

"سب ٹھیک ہے؟" اسے بت بنے کھڑے دیکھ کر پاس سے گزرتے شہرام نے رک کر پوچھا۔ اور تھی فجر کی نظر اس کے فون پر پڑی۔ اسکرین آن تھی۔ اس پر وائس چینجر ایپ اوپن تھی۔ یہ ایک پل کے لیے تھا۔ شہرام کے فون کی اسکرین بجھ گئی اور وہ اپنی جگہ جیسے جم گئی۔

"فجر۔۔۔؟" اس کی آواز پھر سے ابھری۔

"آں۔ ہاں۔ سب ٹھیک ہے۔" زبردستی مسکرائی اور پھر اپنے آفس کی جانب بڑھی۔

"فجر۔۔؟" اس بار وہ رک گئی۔ پلٹ کر دیکھا تو نفیس سا شہرام اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر نرمی تھی۔ فجر کے دل پر ہتھوڑا پڑا۔ لوگ وہ کیوں نہیں ہوتے جو وہ خود کو دکھاتے ہیں؟

"مجھے امید ہے تم کر لو گی۔۔۔" وہ پورے یقین سے بولا تو وہ تکان زدہ آنکھوں سے مسکرا دی پھر بنا کچھ کہے اپنے آفس کی جانب بڑھ گئی لیکن دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ اس نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ اتنا نرم دل اور نفیس سا انسان اسے یوں ٹارچر کر رہا تھا؟ مگر کیوں؟ پھر اس نے خاموشی سے اپنا کام جاری رکھا اور اندر کے لوگوں سے اسے خبر ملی کہ شہرام، سونیا سلطان کا بھتیجا ہے۔ اس کا پورا نام شہرام وقار سلطان ہے۔ یہ خبر کسی دھماکے سے کم نہ تھی۔ وہ کیا کرتی؟

سب چھوڑ کر بھاگ جاتی؟ لیکن جاتی کہاں؟ چاروں جانب یہی کچھ تھا۔ تب اس نے فیصلہ کیا وہ یہیں رہے گی۔ وہ انکے گلے لگ کر انکا گلہ کاٹے گی اور اس نے یہی کیا۔ اس نے اپنی زندگی کا رسک لیا تا کہ اپنی پہچان کی سیڑھی چڑھ سکے اور یوں برتاؤ کیا جیسے کچھ جانتی ہی نہیں۔ اگر نہ جانتی تب بھی تو اسے یہیں رہنا تھا تو پھر اب کیوں بھاگنا؟ اور آج اس نے کر دکھایا تھا۔ آج وہ اپنے مقصد میں کامیاب ٹھہری۔ اس وقت لکس کو چھوڑنے پر جہاں لکس کو نقصان تھا وہیں اس کا اپنا بنتا کیریئر داؤ پر لگ جاتا پر کچھ جنگیں ہم اپنی انا کو تسکین دینے کے لیے لڑتے ہیں۔ اپنے بدلے کے لیے اور فجر نے یہی کیا تھا۔۔)

"ہم بیٹھ کر بات کر لیتے ہیں۔" بالآخر سونیا سلطان کی محتاط آواز گونجی۔ لہجہ حد درجہ نارمل رکھا گیا۔

"جو باتیں ہونی تھیں ہو گئیں اب عمل کا وقت ہے۔ جلد ملیں گے۔"

فجر نے ایک آخری نظر ان دونوں کے بے جان وجودوں پر ڈالی۔ اس کی آنکھوں میں فتح کی چمک تھی، ایک ایسی ملکہ کی طرح جو اپنی سلطنت واپس چھین چکی ہو۔ پھر، اپنی گردن فخر سے بلند کیے، وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔ اس کے لانگ کوٹ کا دامن ہوا میں لہرا رہا تھا، اور اس کے قدموں کی چاپ میں ایک عجیب سی موسیقی تھی۔ شکست خوردہ دشمنوں کے لیے ماتم اور ایک نئی، آزاد زندگی کا آغاز۔ دفتر کی شیشے کی دیوار سے چھنتی سنہری روشنی اب جیسے اس کے لیے ایک نئے، روشن مستقبل کی نوید سنا رہی تھی، جو مشکل تھا مگر ناممکن نہیں، جبکہ پیچھے، اندھیروں میں ڈوبے سونیا اور شہرام اپنی تباہی کا منظر دیکھ رہے تھے۔ اس شام، فجر نے صرف لکس کی ملازمت نہیں چھوڑی تھی، بلکہ سونیا سلطان کے غرور اور طاقت کے بت کو پاش پاش کر کے، ان کے دل پر ایک ایسا زخم لگایا تھا جو شاید کبھی نہ بھر پاتا۔ وہ ایک فاتح ملکہ کی طرح، سب کچھ پیچھے چھوڑ کر، ایک نئے افق کی جانب گامزن تھی۔

✿••✿••✿••✿

منظر: فجر کا اپارٹمنٹ-لاؤنج

وقت: رات کا پچھلا پہر

ماحول: نیم تاریکی، خاموشی میں گھلی ہوا کی سائیں سائیں اور ایک مسلسل بجتے فون کی جھنجھلاہٹ

لاؤنج کی مدھم روشنی میں فجر صوفے پر پالتی مارے، گم صم بیٹھی تھی۔ اس نے ایک سادہ سی گرم ٹراؤزر شرٹ پہن رکھی تھی، جو اس کی موجودہ ذہنی کیفیت کی عکاس تھی، بے رنگ، بے رونق۔ رات اپنے شباب پر تھی، اور باہر چلنے والی خنک، تیز ہوائیں کھڑکیوں کے شیشوں سے ٹکرا کر ایک عجیب سی سرسراہٹ پیدا کر رہی تھیں، جیسے فطرت بھی اس کے اندرونی خلفشار میں شریک ہو۔

کافی ٹیبل پر رکھا اس کا موبائل فون کسی آسیب کی طرح بار بار بج اٹھتا۔ اس کی اسکرین روشن ہوتی، چند لمحے جلتی بجھتی اور پھر خاموش ہو جاتی، مگر یہ سلسلہ ٹوٹنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ فون کی بے رحم تسلسل سے آتی آواز اس پرسکون خاموشی کو بری طرح مجروح کر رہی تھی۔ پورے سوشل میڈیا پر جیسے بھونچال آ گیا تھا۔ ہر طرف ایک ہی خبر گردش کر رہی تھی۔ فجر کی ناکامی، لکس کی بدنامی۔ وہ تمام بڑی کمپنیاں اور بین الاقوامی پروڈکشن ہاؤسز جنہوں نے لکس کے ساتھ بھاری معاوضوں پر صرف فجر کی وجہ سے معاہدے کیے تھے کہ وہ ان کے ملبوسات ڈیزائن کرے گی، اب وہ لکس پر الزام تراشی کر رہے تھے۔ فجر کے ڈیزائن کے فیصلے نے لکس کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا تھا۔ پیرس فیشن شو کے بعد لکس نے فجر کی PR پر جس طرح کام کیا تھا، دنوں میں اس کا نام گردش کرنے لگا تھا۔ لوگ اسکا چہرہ نہ صحیح پر اسکا نام ضرور جانتے تھے۔ **فجر معراج!** یہ نام فیشن انڈسٹری سے جڑا ہر شخص جان گیا تھا۔

اور اب ایک ایک کر کے تمام معاہدے ختم ہوتے جا رہے تھے۔ ملکہ ملعون کی چال کامیاب ہو چکی تھی۔ اس کے سر چڑھا عفریت اپنا کام دکھا چکا تھا۔

لکس کے کامیاب سفر میں یہ پہلی اور شاید سب سے بڑی بدنامی تھی جو سونیا سلطان کو برداشت کرنی پڑ رہی تھی، اور وہ بھی اپنی سب سے ہونہار ڈیزائنر کی وجہ سے۔ سونیا سلطان خاموش تھیں، اپنی صفائی میں ایک لفظ کہنے سے قاصر۔ وہ جانتی تھیں کہ اگر وہ کچھ کہتیں تو فجر بھی چپ نہ رہتی، اس لیے وہ چپ چاپ زمانے کے طعنے سن رہی تھیں۔

دوسری طرف، ایک عجیب تضاد تھا کہ جہاں لکس بدنامی کے دہانے پر تھا، وہیں فجر کے لیے نئی راہیں کھلتی نظر آ رہی تھیں۔ کئی نامور فیشن کمپنیاں، پروڈکشن ہاؤسز اور بین الاقوامی برانڈز اس سے رابطہ کرنے کی دیوانہ وار کوشش کر رہے تھے۔ اسے ایک سے بڑھ کر ایک پرکشش پیشکشیں کی جا رہی تھیں، مگر فجر یوں ہی ساکت و جامد بیٹھی تھی۔ پچھلے ایک مہینے سے اس نے خود کو دنیا سے کاٹ لیا تھا۔ نہ کسی کا فون اٹھایا، نہ کسی پیغام کا جواب دیا۔ وہ اپنے بنائے ہوئے حصار میں قید تھی۔ یہ وقت بلاشبہ پہاڑ جیسا کٹھن تھا، مگر یہ فیصلہ اس کا اپنا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک خواب روشن تھا، ایک ایسا خواب جسے اسے ہر قیمت پر پورا کرنا تھا۔ لیکن کیسے؟ اس کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ بے بسی کی تصویر بنی بیٹھی تھی کیونکہ اسکا یہ خواب ایک بار پھر اس کا نائٹ میئر بن چکا تھا۔

اچانک، اماں کمرے کا دروازہ دھیرے سے کھلا۔ اماں لاؤنج میں داخل ہوئیں۔ ان کے چہرے پر ایک عجیب سی سنجیدگی کا تاثر تھا۔ ان کے ہاتھوں میں ایک بوسیدہ سی، پرانی فائل تھی۔ وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی فجر کے قریب آئیں، ان کے قدموں کی چاپ میں ایک مانوس سی آہٹ تھی۔

"یہ لو۔۔" اماں کی آواز میں ایک گہری سنجیدگی تھی۔

فجر نے چونک کر انہیں دیکھا، اس کی آنکھوں میں سوالات کا ایک سمندر موجزن تھا۔ اماں نے جھک کر وہ فائل اس کے سامنے میز پر رکھ دی۔

"یہ کیا ہے اماں؟" فجر کی آواز بمشکل نکلی۔

اماں نے کچھ کہے بغیر فائل کو اس کی طرف سرکا دیا۔ فجر نے کانپتے ہاتھوں سے فائل اٹھائی۔ اس کے سرورق پر گرد کی ہلکی سی تہہ جمی تھی۔ جیسے ہی اس نے فائل کھولی اور چند بوسیدہ اوراق الٹے، اس کی آنکھیں پہلے حیرت سے پھیلیں، پھر ناقابلِ یقین حد تک چوڑی ہو گئیں۔ اس کا دل جیسے سینے میں دھڑکنا بھول گیا۔

یہ لاہور کے سب سے قیمتی کمرشل علاقوں میں کئی کنال اراضی کے کاغذات تھے اور وہ سب اس کے، فجر کے نام پر تھے۔

اس کی انگلیاں کاغذات پر پھسل رہی تھیں، ہر لفظ، ہر مہر، ہر دستخط اس کے نام کی گواہی دے رہا تھا۔ وہ ساکت رہ گئی، سانسیں جیسے سینے میں اٹک گئیں۔ اس نے بے یقینی کے عالم میں اماں کو دیکھا، جن کے چہرے سرد تاثر تھا۔

"اماں۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ سب؟" اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔ اسے کبھی اندازہ نہیں تھا کہ اماں کے اس **'زنجبیل نما'** پرانے صندوق سے ایسا کوئی خزانہ برآمد ہو سکتا ہے۔ یہ کروڑوں کی مالیت کی بے بہا زمین تھی۔

"یہ تمہاری امانت ہے۔ رکھ لو۔" وہ بس اتنا ہی کہہ پائیں۔ جبکہ فجر ابھی تک صدمے میں تھی۔ ان کے پاس یہ زمین تھی؟ اتنی مہنگی زمین اور اماں ابا نے ساری عمر اسے ترساتر ساکر رکھا۔ اسے غربت کی زندگی دی۔ گلے میں پھندہ لگ گیا۔

"آپ نے اسے ساری عمر چھپا کر رکھا؟ ایسا کیوں کیا؟" وہ ابھی تک ان کاغذات پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔ اماں نے گہری سانس لی۔

"وقت کے ساتھ تم سب سمجھ جاؤ گی۔" وہ واپس پلٹ گئیں۔ آہستہ آہستہ ان کے قدم دور ہوتے گئے اور پھر دروازہ بند ہو گیا۔ اماں نے یقیناً اسے فون پر کہتے سنا ہو گا کہ وہ اب نوکری نہیں کرے گی وہ اپنا نام اپنی پہچان بنائے گی۔ مگر کیسے؟ وہ خاکہ بنا رہی تھی کہ کم سرمائے میں کہاں سے شروعات کر سکتی ہے پر شاید اماں کو اس پر ترس آ ہی گیا تھا۔

فجر وہیں صوفے پر بیٹھی رہی۔ باہر ہوا کا شور اب بھی ویسا ہی تھا، فون اب بھی بج رہا تھا، مگر اب اس کے لیے ان آوازوں کا مفہوم بدل چکا تھا۔ اس کے سامنے ایک نیا آسمان تھا، ایک نئی پرواز تھی۔ اس کے خواب کو تعبیر ملنے کا راستہ روشن ہو چکا تھا۔ اس کے لبوں پر ایک لرزتی ہوئی مسکراہٹ ابھری، اور آنکھوں میں ایک نئی، ناقابلِ شکست چمک پیدا ہوئی۔ اس نے گردن اٹھالی۔ کمر سیدھی کی۔ سر چڑھے عفریت نے اسے پھر سے اٹھنے پر مجبور کر دیا تھا۔

✿••✿••✿••✿

دو دن گزر چکے تھے۔ اماں کی دی ہوئی وہ فائل اب فجر کے لیے صرف کاغذات کا پلندہ نہیں، بلکہ اس کے خوابوں کی تعبیر کی کنجی تھی۔ یہ دو دن اس نے پلک جھپکائے بغیر، دن کو رات اور رات کو دن میں بدل کر تحقیق، منصوبہ بندی اور اپنے برانڈ کے خدوخال تراشنے میں صرف کیے تھے۔ لاؤنج کی میز پر اب بھی وہ فائل موجود تھی، مگر اس کے ساتھ ساتھ کئی نوٹ پیڈ، خاکے اور حساب کتاب کے کاغذات بکھرے پڑے تھے۔ فجر خود ایک کرسی پر بیٹھی لیپ ٹاپ پر کچھ کام کر رہی تھی، اس کے چہرے پر تھکن کے آثار تھے مگر آنکھوں میں ایک نئی، پختہ چمک تھی۔

تبھی اس کا فون بجا۔ اسکرین پر "**نرگسی آدمی**" کا نام چمک رہا تھا۔ اس کا یونیورسٹی کا کلاس فیلو، ایک اچھا دوست اور ہمدرد، مگر دنیا کی اونچ نیچ سے قدرے نابلد۔ فجر نے ایک گہری سانس لی اور کال وصول کی۔

"ہیلو نرگسی آدمی! کیسے ہو؟" فجر کی آواز میں ایک ٹھہراؤ تھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔ تم سناؤ؟ یہ میں کیا سن رہا ہوں؟ تم نے لکس چھوڑ دیا؟ آر یو سیریس؟" صفدر کی آواز میں حیرت اور تشویش کا امتزاج تھا۔ "سب لوگ اسی بارے میں بات کر رہے ہیں۔ آخر ہوا کیا؟ سونیا سلطان سے کوئی جھگڑا؟"

فجر ہلکا سا مسکرائی۔ "نہیں۔ کوئی جھگڑا نہیں۔ بس، اب وقت آ گیا تھا کہ میں کچھ اپنا کروں۔"

"اپنا؟ اپنا کیا مطلب؟ کوئی اور بڑا برانڈ جوائن کر رہی ہو؟ کون سا؟ مجھے بھی بتاؤ!" صفدر کی آواز میں تجسس تھا۔

"نہیں۔۔" فجر نے اپنے سامنے میز پر رکھی فائل پر ایک نظر ڈالی، "میں اپنا برانڈ لانچ کر رہی ہوں۔"

دوسری طرف چند لمحوں کی خاموشی چھا گئی، اور پھر صفدر کا قہقہہ بلند ہوا۔ ایک ایسا قہقہہ جس میں مذاق کا عنصر نمایاں تھا۔

"اپنا برانڈ؟ تم مذاق تو نہیں کر رہیں؟ تمہیں اندازہ بھی ہے یہ کتنا بڑا قدم ہے؟ برانڈ کھولنا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔" وہ جانتا تھا فجر ایسے مزاق نہیں کرتی۔ لیکن پھر بھی یہ کوئی چھوٹا قدم نہیں تھا البتہ چھوٹے قدم سے شروعات کی جا سکتی تھی۔

فجر سنجیدہ رہی۔ اس کے چہرے پر کوئی ناگواری نہیں تھی، بس ایک اٹل سکون تھا۔

"میں جانتی ہوں صفدر، یہ آسان نہیں ہے۔"

صفدر کا ہنسنے کا سلسلہ جاری تھا۔

"آسان نہیں ہے؟ ارے پاگل، تمہیں پتہ ہے کتنا سرمایہ لگتا ہے ایک فیشن برانڈ کھڑا کرنے میں؟ کروڑوں کی بات ہے! کہاں سے آئیں گے اتنے پیسے؟ کیسے کرو گی یہ سب؟ کون تمہارا ساتھ دے گا اس پاگل پن میں؟ سونیا سلطان جیسی بیکنگ تو اب تمہارے پاس نہیں رہی۔۔۔"

فجر نے لیپ ٹاپ کی اسکرین پر اپنے بزنس پلان کا ایک خاکہ دیکھا۔ "تم میرا ساتھ دو گے؟"

صفدر یکدم خاموش ہو گیا۔ اسے اس سوال کی توقع نہیں تھی۔

"میں؟ میں کیسے؟" اس کی آواز میں اب ہنسی کی جگہ بوکھلاہٹ نے لے لی۔ "تم جانتی ہو میرے حالات۔ ڈیڈ مجھے پاکٹ منی تو دے سکتے ہیں، پورا برانڈ کھولنے کے لیے سرمایہ کاری نہیں کریں گے۔ انہیں مجھ پر اتنا بھروسہ نہیں کہ میں کوئی بزنس سنبھال سکتا ہوں۔ وہ تو چاہتے ہیں میں کہیں اچھی سی نوکری کروں تجربہ لوں، جیسے تم کر رہی تھیں۔۔۔" اس نے آخری جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"اور میرے بارے میں ان کا کیا خیال ہے؟" فجر کی آواز قدرے ٹھنڈی اور براہِ راست تھی۔

دوسری جانب ایک طویل خاموشی چھا گئی۔ صفدر شاید الفاظ تلاش کر رہا تھا۔ فجر کی نظریں سامنے میز پر رکھی اس فائل پر جمی تھیں، جس کے اندر اس کی خود مختاری کا پروانہ تھا۔ پچھلے دو دن اس نے نہ صرف دن رات تحقیق اور محنت کر کے اپنے برانڈ کا پورا بزنس پلان تیار کیا تھا بلکہ قانونی پہلوؤں اور مالیاتی تخمینوں پر بھی غور کیا تھا۔

"بولو صفدر؟" فجر نے خاموشی کو توڑا۔ "تمہارے ڈیڈ مجھ پر بھروسہ کر سکتے ہیں؟ سوچو، اگر میں انہیں ایک ٹھوس منصوبہ دکھاؤں، تو کیا وہ تمہیں پورا نہیں تو آدھا سرمایہ تو دے ہی دیں گے؟ باقی میں دیکھ لوں گی۔ ہمیں ان

کے تعلقات اور مارکیٹ میں ان کے نام کی ضرورت پڑے گی۔ آخر اپنے بیٹے کے بزنس کو پروموٹ تو کریں گے نا وہ؟ تمہارے ڈیڈ کا نام ہمارے ساتھ ہو گا تو بہت سے دروازے خود بخود کھل جائیں گے۔"

صفدر نے ایک گہری سانس لی۔ "فجر، یہ آسان نہیں ہے۔ تم سمجھ نہیں رہیں، ڈیڈ بہت۔۔"

"آسان کام میں کرتی بھی نہیں ہوں، صفدر!" فجر نے اس کی بات کاٹی، لہجے میں وہی اٹل فیصلہ تھا۔

"تم اچھی طرح سوچ لو۔ جب تمہیں سمجھ آجائے کہ یہ صرف میرا نہیں، تمہارا بھی خواب ہو سکتا ہے، تو مجھے بتا دینا۔ میں انتظار کروں گی۔" دوسری جانب پھر سے خاموشی چھا گئی۔

"ٹھیک ہے۔ ابھی تو ڈیڈ کے گیسٹ آئے ہیں۔ آج رئیس گروپ انوائیٹڈ ہے۔ میں بعد میں بات کرتا ہوں۔" اس کے عقب میں شور ابھرا تو اس نے فون بند کر دیا۔ جبکہ فجر نے گہری سانس لی۔ رئیس گروپ کے نام پہ رئیس کا شاندار سراپا آنکھوں کے سامنے گھوما۔ صفدر کے ڈیڈ کا رئیل اسٹیٹ کا بزنس تھا اور رئیس گروپ کا وہاں ہونا کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ وہ سر جھٹک کر اپنے لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اس کے چہرے پر اب ایک ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ ایک فاتحانہ مسکراہٹ۔ وہ جانتی تھی کہ راستہ مشکل ہے، مگر ناممکن نہیں۔ وہ یہ کر لے گی۔

✿••✿••✿••✿

لاہور کا سب سے پوش اور فیشن انڈسٹری کا مرکز، گلبرگ کا وہ حصہ جہاں معروف ڈیزائنر اسٹوڈیوز اور ہائی اینڈ بوتیک قطار در قطار موجود تھے، فجر کی گاڑی ایک عمارت کے سامنے جا کر رکی۔ عمارت کا نام منار MANAR تھا۔ گیٹ کھول دیا گیا اور اس کی گاڑی اندر داخل ہو گئی۔ گاڑی پارک کرنے وہ باہر نکلی اور گردن پیچھے گرا کر ایک نظر اس عالیشان عمارت کو دیکھا۔

منار کی چار منزلہ عمارت ایک ایسی تعمیراتی شاہکار تھی جو دور سے ہی اپنی جانب متوجہ کر لیتی تھی، مگر اس کی شان و شوکت میں دکھاوا نہیں بلکہ ایک ٹھہراؤ اور اعتماد تھا۔

اس عمارت کا بنیادی رنگ ہلکا خاکستری تھا جو لاہور کی دھوپ میں نرم اور ٹھنڈا تاثر دے رہا تھا۔ عمارت کی دیواروں پر کہیں کہیں قدرتی پتھر، ٹراورٹائن اور سینڈ اسٹون کی کلیڈنگ استعمال کی گئی تھی، خاص طور پر داخلی راستے کے اردگرد اور پہلی منزل کے کچھ حصوں پر۔ یہ عمارت کو ایک نامیاتی اور پریمیم احساس بخش رہی تھی۔

گہرے کانسی کا استعمال کھڑکیوں کے فریموں، ریلنگز اور لوگو کے لیے کیا گیا تھا جو ہلکے بنیادی رنگ کے ساتھ ایک خوبصورت تضاد پیدا کر رہا تھا۔

عمارت کا ڈیزائن جدید اور کم سے کم (Minimalist) تھا جس میں صاف ستھری لکیریں اور جیومیٹریکل اشکال نمایاں تھیں۔

نچلی منزل زیادہ ٹھوس اور محفوظ دکھائی دیتی تھی۔ داخلی دروازہ بڑا اور متاثر کن تھا، جو شاید پالش شدہ لکڑی کا بنا ہوا تھا جس پر Manar کا لوگو دھندلی روشنی میں چمک رہا تھا۔ اس منزل پر استقبالیہ، انتظامی دفاتر اور کچھ ورکشاپس تھیں جہاں کپڑے کی کٹائی یا ابتدائی نمونے تیار ہوتے تھے۔ یہاں بڑی کھڑکیاں ہو سکتی تھیں جو فراسٹڈ گلاس اور اسٹریٹجک طور پر لگائے گئے پودوں سے ڈھکی تھیں تاکہ پرائیویسی برقرار رہے۔

پہلی منزل پر اسٹوڈیوز اور تخلیقی ٹیموں کے دفاتر واقع تھے۔ اس منزل پر بڑی گلاس والز کا استعمال کیا گیا تھا، جو فرش سے چھت تک پھیلی تھیں، یہ نہ صرف اندر کام کرنے والے ڈیزائنرز کو قدرتی روشنی فراہم کرتی تھیں بلکہ باہر سے دیکھنے پر عمارت کو ایک جدید اور شفاف تاثر بھی دیتی تھیں۔ ان شیشوں پر UV پروٹیکشن تھی تاکہ باہر سے براہ راست اندر کا منظر واضح نہ ہو مگر روشنی پوری آئے۔

دوسری منزل پر ایگزیکٹو دفاتر، کانفرنس رومز اور ایک چھوٹا، نجی شوروم اور پریزنٹیشن ایریا تھا جہاں خصوصی کلائنٹس اور میڈیا کے لیے نئے کلیکشنز کی نمائش کی جاتی تھی۔ اس منزل پر بھی بڑی کھڑکیاں تھیں، لیکن گلاس والز کی بجائے زیادہ اسٹریٹجک انداز میں، جو باہر کے نظاروں کو فریم کرتی تھیں۔ کچھ حصوں میں بالکونیاں اور ٹیرس بھی تھے جن پر نشست کا اہتمام تھا۔

منار کا لوگو نہایت سادہ، خوبصورت اور یاد رہ جانے والا تھا۔ یہ ایک تجریدی نشان جو 'M' حرف کو ایک مینار اور روشنی کی کرن کی شکل میں پیش کر رہا تھا۔

لوگو کا رنگ عموماً گہرا کانسی تھا جو عمارت پر چمک رہا تھا۔

لوگو عمارت کے داخلی دروازے کے اوپر نمایاں طور پر نصب تھا اور دوسری منزل کی بڑی دیوار پر بھی، جہاں سے یہ واضح طور پر نظر آ رہا تھا۔ رات کے وقت اس لوگو کو نرم، پس پردہ روشنی (Backlit) سے روشن کیا جاتا تھا۔

عمارت کے اطراف میں کم اونچائی والے، سدا بہار پودے اور چند منتخب درخت تھے جو اس کی خوبصورتی میں اضافہ کر رہے تھے۔ داخلہ کی طرف جانے والا راستہ صاف ستھرا اور وسیع تھا جس پر شاید ہلکے رنگ کی ٹائلیں استعمال کہ گئی تھیں۔

منار کی عمارت لاہور کے فیشن منظر نامے پر ایک پر وقار، جدید اور تخلیقی مرکز کے طور پر اپنی شناخت کرواتی تھی۔ یہ عمارت محض اینٹ اور پتھر کا ڈھانچہ نہیں، بلکہ خود ایک آرٹ کا نمونہ تھی جو اندر تخلیق ہونے والے فن کا بیرونی عکس پیش کرتی تھی اس کی وضع قطع میں نفاست، جدت اور ایک گہری سوچ جھلکتی تھی، جو منار برانڈ کے فلسفے، اعلیٰ معیار، بے مثال ڈیزائن اور لازوال خوبصورتی کی عکاس کرتی تھی۔

فجر نے ہمیشہ کی طرح منار کی اس عمارت کو دیکھتے ہوئے ایک گہری سانس لی اور پھر مسکرا کر اندر کی جانب بڑھ گئی۔ اندر اس کی وہ دنیا تھی جو اس نے پچھلے تقریباً اڑھائی سالوں میں کھڑی کی تھی۔ اس کی انتھک کوششوں اور محنت کا نتیجہ تھی یہ عمارت، صرف اسی کی ہی نہیں صفدر کی بھی۔

اس کے لیے ہمیں تھوڑا پیچھے جانا ہو گا کہ اس نے یہ عمارت کیسے کھڑی تھی۔

✿••✿••✿••✿

فجر کا خواب آنکھوں میں چمک رہا تھا۔ ایک ایسا برانڈ جو پاکستان کے بھرپور ٹیکسٹائل ورثے کو جدید ڈیزائن اور کہانی سنانے کی صلاحیت کے ساتھ جوڑے۔ وہ جانتی تھی کہ یہ آسان نہیں ہو گا، لیکن اس کے پاس وژن تھا Manar کو صرف کپڑوں کا نام نہیں، بلکہ فن، معیار اور انفرادیت کی علامت بنانا۔ وہ فیشن میں اپنا نام کمانے کے ساتھ ساتھ پاکستانی سینما اور ٹیلی ویژن کو ایسے کاسٹیومز دینا چاہتی تھی جو کرداروں کو زندہ کر دیں۔ اس نے منار کا پورا منصوبہ، صفدر اور اس کے باپ کے سامنے رکھا۔ مسٹر حسین جانتے تھے کہ وہ لڑکی ضرور کچھ نہ کچھ کر لے گی اور پھر انہوں نے منظوری دے دی اور یوں منار کا آغاز ہوا۔ وہ زمین جو اس کے نام تھی اس پر منار کی بنیاد رکھی تھی اور تب انہوں نے لاہور کے ایک درمیانے درجے کے کمرشل ایریا میں ایک چھوٹا سے آفس میں منار کی سلطنت کا آغاز کیا۔ یہ جگہ بیک وقت ہیڈ آفس، ڈیزائن اسٹوڈیو اور ورکشاپ کے طور پر کام کرنے لگی۔ یہاں نہ کوئی فینسی فرنیچر تھا اور نہ بہت بڑا عملہ۔ صرف فجر اور صفدر، ایک پرجوش گرافک ڈیزائنر جس نے برانڈ کی بصری شناخت پر کام شروع کیا، اور سب سے اہم، ایک بزرگ اور نہایت قابل ماسٹر کٹر جو فجر کے خاکوں کو حقیقت میں ڈھالنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

سب سے بڑا چیلنج ایک قابل اعتماد ٹیکسٹائل وینڈر کی تلاش تھی جو ایک نئے برانڈ کے چھوٹے آرڈرز پر بھی توجہ دے اور فجر کے مخصوص ڈیزائن کے مطابق کپڑا تیار کر سکے۔ لاہور اور فیصل آباد کے کئی چکر لگے۔ فیکٹری مالکان سے ملاقاتیں کیں، جنہوں نے اکثر بڑے آرڈرز نہ ہونے کی وجہ سے ہچکچاہٹ دکھائی، کبھی بہت زیادہ قیمت طلب کی۔ مسٹر حسین ان کے پیچھے کھڑے ضرور تھے لیکن انہوں نے صفدر اور فجر کو اکیلے کام کرنے دیا تاکہ وہ خود جوکھم اٹھا سکیں۔

مہینوں کی تلاش اور مایوسی کے بعد، انہیں آخر کار ایک ٹیکسٹائل یونٹ ملا جو نسبتاً نیا تھا اور نئے آئیڈیاز کے لیے تیار تھا۔ یہ 'Manar' کا پہلا وینڈر بنا۔ وینڈر کے ساتھ ابتدائی معاہدہ طے پانا ہی ایک بڑی کامیابی تھی۔ اب خام مال کی فراہمی کا ایک ذریعہ موجود تھا۔

ساتھ ہی ساتھ، فجر نے اپنی انڈسٹری کے رابطے فعال کیے۔ وہ نوجوان فلم سازوں اور ڈراما پروڈیوسرز سے ملی، جو اس سے خود رابطہ کر رہے تھے۔

انہیں اپنے وژن اور کاسٹیوم ڈیزائننگ کی مہارت کے بارے میں بتایا۔ ابتدا میں انہیں چھوٹے پراجیکٹس ملے۔ ایک میوزک ویڈیو کے لیے کاسٹیومز۔ یہ کام بجٹ کے لحاظ سے محدود تھے مگر ان کے پورٹ فولیو اور نام بنانے کے لیے ضروری تھے۔

پہلے سال ستمبر میں Manar کا پہلا ریڈی ٹو ویئر کلیکشن لانچ کیا گیا۔ یہ ایک چھوٹا، کیپسول کلیکشن تھا جس میں صرف چند ڈیزائن شامل تھے۔ انہیں بنیادی طور پر ایک آن لائن اسٹور کے ذریعے فروخت کیا گیا۔ اسی دوران، انہیں ایک نسبتاً بڑے ٹی وی ڈرامے کے لیے کاسٹیوم ڈیزائن کرنے کا موقع ملا۔ یہ کام ایک ساتھ چل رہے تھے۔ فجر دن رات محنت کر رہی تھی، کبھی وینڈر کے ساتھ کپڑے کے معیار پر بحث کرتے ہوئے، کبھی ماسٹر کٹر کے ساتھ

فٹنگز دیکھتے ہوئے، اور کبھی ڈرامے کے سیٹ پر کاسٹیومز کو حتمی شکل دیتے ہوئے۔ وہ منار کو لے کر جنونی تھی۔ وہ دن رات پاگلوں کی طرح کام کرتی۔

سال کے آخر تک منار نے ابتدائی طور پر مارکیٹ میں قدم جما لیا تھا۔ ان کے ریڈی ٹو ویئر کو ان کے منفرد ڈیزائن اور کپڑے کے معیار کی وجہ سے پہچانا جانے لگا تھا، اور ڈراما انڈسٹری میں بھی ان کے کام کو سراہا گیا تھا۔ ٹیم تھوڑی بڑھ گئی تھی۔ اب چند اور کاریگر شامل تھے، اور ایک اسسٹنٹ جو سوشل میڈیا اور کسٹمر انکوائری سنبھالتا تھا۔ وہ چھوٹا دفتر ہی ان سب کا مرکز تھا۔

دوسرے سال ان کا قدم مزید مضبوط ہوا۔ پہلے سال کی محنت رنگ لا رہی تھی۔ منار کو دوسرے ٹی وی ڈرامے اور ایک فیچر فلم میں ایک اہم کردار کے لیے کاسٹیوم ڈیزائن کرنے کا بڑا پروجیکٹ ملا۔ یہ مالی اور برانڈ پہچان کے لحاظ سے ایک بہت بڑا قدم تھا۔ فلمی دنیا کی ضروریات ریڈی ٹو ویئر سے بہت مختلف تھیں۔ یہاں تفصیل، تحقیق اور وقت پر کام کی فراہمی سب سے اہم تھی۔ فجر نے کاسٹیوم ڈویژن کے لیے ایک چھوٹا سا مخصوص عملہ رکھا جو صرف اس کام پر فوکس کرتا تھا۔

ریڈی ٹو ویئر کے محاذ پر، Manar نے اپنے دوسرے اور تیسرے کلیکشن لانچ کیے۔ پہلے کلیکشن سے ملنے والے فٹتیڈ بیک کی بنیاد پر ڈیزائنز نے اپنی گرامر کو مزید موجودگی کو مضبوط کیا اور چند ملٹی برانڈ اسٹورز پر اپنا مال رکھنا شروع کیا۔

منار کی عمارت مکمل ہوئی تو انکا برانڈ کا باقاعدہ آغاز ہوا۔

یہ مین آفس اور ڈیزائن اسٹوڈیو کہلاتا تھا۔ یہیں تمام اہم فیصلے ہوتے تھے، نئے ڈیزائنز بنتے تھے، اور وینڈر کے ساتھ رابطے کا انتظام ہوتا تھا۔ فجر کا زیادہ تر وقت یہیں گزرتا۔ یہ منار ہیڈ آفس تھا۔

اگرچہ ان کی اپنی فیکٹری نہیں تھی، لیکن وینڈر سے کپڑے کی وصولی، اس کی کوالٹی چیکنگ، اور پھر اسے ورکشاپ تک پہنچانے کا کام ایک منظم طریقے سے ہونے لگا تھا۔ وینڈر کے ساتھ ہفتہ وار یا پندرہ روزہ میٹنگز معمول بن گئی تھیں۔ ہاشمی ٹیکسٹائل کے مسٹر ہاشمی ان کے ساتھ تعاون کر رہے تھے۔

سلائی اور تیار کرنے کا کام اب بھی ماسٹر کٹر اور کاریگروں کی ٹیم کر رہی تھی، جو اب تعداد میں کچھ زیادہ تھے۔

دوسرے سال کے وسط تک Manar کے ریڈی ٹو ویئر کی ڈیمانڈ بڑھ رہی تھی، اور ان کے فلمی کاسٹیومز کو بھی انڈسٹری میں سراہا جانے لگا۔ انہیں بڑے فیشن میگزینز میں جگہ ملنا شروع ہو گئی۔ ان کا نام Manar کے طور پر پہچانا جانے لگا تھا۔

سال کے آخر تک، یعنی صرف دو سال کی مدت میں، فجر نے 'Manar' کو ایک خواب سے ایک فعال اور قابلِ ذکر برانڈ میں تبدیل کر دیا تھا۔ ان کا پاس ایک واضح برانڈ شناخت تھی۔

ایک قابل اعتماد (**اگرچہ ابھی بھی واحد یا بنیادی**) وینڈر کے ساتھ پیداواری تعلق قائم ہو چکا تھا۔ ان کے پاس ریڈی ٹو ویئر کے کئی کامیاب کلیکشنز تھے۔ انہوں نے پاکستانی فلم اور ڈراما انڈسٹری میں بطور کاسٹیوم ڈیزائنر ایک مضبوط قدم جما لیا تھا۔ ان کے پاس ایک چھوٹی مگر باصلاحیت اور محنتی ٹیم تھی۔

ان کے آپریشنز (**ڈیزائن، وینڈر کوآرڈینیشن، پروڈکشن**) ایک چھوٹے پیمانے پر ہی صحیح، مگر منظم ہو چکے تھے۔

انہوں نے آن لائن اور کچھ آؤٹ لیٹ کی موجودگی قائم کر لی تھی۔ دو سال میں 'Manar' کھڑا ہو گیا تھا۔ یہ ابھی بڑا برانڈ نہیں تھا، اس کے اپنے آؤٹ لیٹس گنے چنے تھے اور وینڈر پر انحصار ایک مسلسل چیلنج تھا، لیکن اس نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ مارکیٹ میں زندہ رہ سکتا ہے اور ترقی کر سکتا ہے۔ فجر نے ناممکن کو ممکن بنایا تھا اور صفدر

نے پوری مدد کی تھی، ایک ایسے مارکیٹ میں جہاں بڑے نام پہلے سے موجود تھے، انہوں نے صرف 26 مہینوں میں اپنے برانڈ کو ایک پہچان دی۔ یہ سفر یہاں ختم نہیں ہوتا، یہ تو بس آغاز تھا، اور Manar اب اگلی منزلوں کو سمیٹنے کے لیے تیار کھڑا تھا کیونکہ پچھلے چار مہینوں میں منار کی پوری عمارت ملازموں سے بھر گئی تھی۔ انہیں نئے پراجیکٹس مل رہے تھے۔ کامیاب ڈیزائنر وہاں موجود تھے۔ کسٹمر آپریشن کی پوری ٹیم موجود تھی۔ اڑھائی سال کے اس عرصے میں انہوں نے اپنی سلطنت کھڑی کر لی تھی اور اب راج کرنے کا وقت ہوا چاہتا تھا۔ تو چلیے چلتے ہیں حال کی جانب جہاں **فجر** منار میں راج کرتی تھی۔

✿••✿••✿••✿

انٹرویو کا ویٹنگ ایریا ایک اداس خاموشی اوڑھے ہوئے تھا۔ کرسیوں پر بیٹھی تقریباً پندرہ بیس لڑکیوں کے چہروں پر گھنٹوں کے انتظار کی تھکن، بے چینی اور ایک موہوم سی امید کا امتزاج تھا۔ فائلیں ہاتھوں میں تھامے، ہر کوئی اپنی باری کا منتظر تھا۔ ان کی آنکھوں میں نوکری کا حصول محض ایک کیریئر کا آغاز نہیں تھا، یہ خاندان کی بقا، چھوٹے بہن بھائیوں کی فیسوں، بوڑھے والدین کے علاج اور سر پر لٹکتی ذمہ داریوں سے نجات کی ایک کرن تھی۔

اچانک ایچ آر سارہ دروازے پر نمودار ہوئی۔ اس کے چہرے پر کوئی خاص تاثر نہیں تھا، بس ایک روٹین کی بے حسی تھی۔ اس نے ایک نظر سب پر ڈالی اور بغیر کسی تمہید کے چند الفاظ کہے جو ہال میں بجلی بن کر گرے۔

"آپ سب جا سکتی ہیں۔ فی الحال کسی کو شارٹ لسٹ نہیں کیا گیا۔"

ہال میں جیسے ایک لمحے کو وقت تھم گیا۔ پھر اچانک ایک اجتماعی احتجاج کی لہر دوڑ گئی۔ بیٹھی ہوئی لڑکیاں تقریباً اچھل پڑیں۔ دو گھنٹے؟ دو گھنٹے یوں ہی ضائع ہو گئے؟ دھکے کھا کر یہاں تک پہنچنا، اور جواب میں صرف یہ دو ٹوک جملہ؟

"کیا مطلب جا سکتی ہیں؟" ایک لڑکی جو اب تک بالکل خاموش بیٹھی تھی، بپھر کر بولی۔ "ہم پچھلے دو گھنٹے سے یہاں بیٹھے ہیں! دو گھنٹے! ہمارا وقت، وقت نہیں ہے کیا؟"

دوسری لڑکی اس سے بھی ایک قدم آگے تھی۔ اس کی آواز میں سیدھی سیدھی چوٹ تھی۔

"بنا بتائے کہ سلیکشن کرنی بھی تھی یا نہیں، بلا لیا؟ یہ مذاق ہے؟ ہم کرایہ لگا کر، سب کام چھوڑ کر یہاں آئے ہیں!"

شور بڑھتا گیا۔ مایوسی غصے میں بدل رہی تھی۔ باتوں میں تیزی آ گئی۔

"ایسے ہی لوگوں کو ذلیل کرتے ہیں یہ لوگ! ٹائم پاس چل رہا ہے یہاں!"

اسی ہنگامے میں، انٹرویو روم کا دروازہ کھلا اور فجر نمودار ہوئی۔ آج فائنل انٹرویوز تھے۔ یہ جتنی لڑکیاں ہال میں بیٹھی تھیں، سب پہلا انٹرویو پاس کر چکی تھیں۔ ایچ آر سارہ پچھلے دو سال سے منار میں کام کر رہی تھی مگر اب اس کی شادی تھی اسے جانا تھا اور جانے سے پہلے اس کی سیٹ فل کرنا لازمی تھا۔

"کیا ہو رہا ہے یہاں؟" اس کی آواز کڑک دار جبکہ چہرہ مکمل طور پر سپاٹ تھا۔ اس کی آنکھوں میں کوئی نرمی نہیں تھی، بس ایک گہری، پرکھتی ہوئی سرد مہری۔ وہ چند قدم آگے بڑھی، اور اس کی نظریں مجمع پر جم گئیں۔ شور آہستہ آہستہ مدھم پڑنے لگا، لیکن چہروں پر ناراضی برقرار رہی۔ ہاں یہی میڈم تھی جس نے ان کا انٹرویو لیا تھا۔ وہ انہیں کیسے ریجیکٹ کر سکتی ہے۔ آخر ہے کون وہ؟

"ہمیں ریجیکٹ کر دیا گیا ہے۔ بنا کسی وجہ کے۔ ہمیں بلاوجہ دو گھنٹے انتظار کروایا گیا؟ کیوں؟" ایک لڑکی آگے بڑھتے بولی۔

فجر نے ایک بھنویں اچکائیں۔

"اور آپ کیا توقع کر رہی تھیں؟ کہ یہاں آتے ہی آپ کو نوکری مل جائے گی؟ دو گھنٹے کا انتظار برداشت نہیں ہوا آپ سے؟ جب سیلری لیٹ ہونے پر ملازم آپ کا سر پھاڑنے آجائیں گے تب کیسے ہینڈل کریں گی آپ؟" اس کا لہجہ اتنا کاٹ دار تھا کہ ہال میں کھڑی لڑکیوں پر پانی پھر گیا۔ ان کے سامنے ہی سادہ سی لیکن پر وقار فجر معراج پوری آب و تاب سے چمک رہی تھی۔

"کم از کم وجہ تو بتائی جائے۔" دوسری لڑکی بولی۔ "ہماری قابلیت، ہمارا تجربہ، کچھ تو دیکھا جاتا۔!"

فجر نے ایک گہری سانس لی، جیسے یہ بحث اس کے وقت کا ضیاع ہو۔ اس کی آواز میں اب ایک زہر گھلنے لگا تھا۔

"وجہ؟ مجھے ایسی ایچ آر چاہیے جو اپنی پہچان بنانا چاہتی ہو، نہ کہ وہ جو یہاں آکر اپنی ضرورتوں کا رونا روئے اور کہے اسے نوکری کی ضرورت ہے۔"

یہ جملہ سن کر جیسے کسی نے جلتی پر تیل چھڑک دیا ہو۔ ایک اور لڑکی، جس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا، تڑپ کر بولی۔

"آپ کو پتا بھی ہے مڈل کلاس لڑکیوں کی زندگی کیسی ہوتی ہے؟ ان کی پہچان کی کوئی کہانی نہیں ہوتی۔ ان کی ضرورتیں ہوتی ہیں۔ انہیں اپنے گھر والوں کے لیے کمانا پڑتا ہے۔ ہماری کہانی نوکری سے شروع نہیں ہوتی، ہماری کہانی تو گھر کے چولہے اور فاقوں کے ڈر سے شروع ہوتی ہے!"

فجر نے ایک قدم آگے بڑھایا۔ اس کا لہجہ اب بھی سرد تھا، لیکن الفاظ میں ایک تیکھا پن آگیا تھا۔

"تو جو ضرورت کے مارے ہیں، وہ یہی روتے رہیں۔ مجھے رونا سننے کے لیے لوگ نہیں چاہئیں۔ مجھے وہ چاہئیں جو اپنی شناخت خود بنائیں۔"

ایک اور لڑکی، جس کا چہرہ غصے سے تمتما رہا تھا، آگے آئی۔

"شناخت؟ کیسے بنائیں شناخت؟ صبح آٹھ گھنٹے کی نوکری، واپسی پر گھر کا کام، پہچان کیسے بنائیں ہم؟ جس دن تنخواہ آتی ہے، آدھی سے، سودا سلف لے کر جاتے ہیں۔ آدھی سے دوائیاں۔۔" وہ تقریباً چیخی۔

"پہچان بنانے کے لیے وقت چاہیے، پیسہ چاہیے، ذہنی سکون چاہیے! وہ کہاں سے لائیں ہم؟ جس تنخواہ سے پیٹ پالنا مشکل ہو رہا ہو، اس سے **'پہچان'** خریدیں؟"

فجر نے اس لڑکی کی آنکھوں میں دیکھا، اس کی نظریں جیسے روح کے اندر تک اتر رہی تھیں۔ اس کا لہجہ اب بھی ویسا ہی سرد مگر اس میں ایک ایسی کاٹ تھی جو کمرے کی ہر چیز کو چیرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی آواز دور دور تک سنائی دے رہی تھی۔

"جب سودا سلف کا تھیلا لو تو ایک بیگ اپنے لیے لو۔ جب ماں باپ کی دوائیاں لو تو ایک کیلشیم کی ڈبی اپنے لیے اٹھاؤ۔ اپنے ماں باپ کو یاد رکھو مگر اپنی ذات کے مرکز کو مت چھوڑو۔"

لڑکیوں کے چہرے سفید پڑنے لگے۔ یہ ان کی روزمرہ کی، کڑوی حقیقت تھی جو اتنی بے رحمی سے بیان کی جا رہی تھی۔

اس کے الفاظ نشتر کی طرح چبھے۔ خاموشی کا ایک لمحہ آیا، جسے ایک اور لڑکی نے توڑا۔

"کیسے خود کا خیال رکھیں؟ ہم پیسے جوڑتے ہیں کیونکہ ہمیں خوف ہے کہ کل کو ماں باپ مر گئے تو کفن کون پہنائے گا؟"

فجر کے چہرے پر ایک لمحے کو ایک گہری، پر اسرار مسکراہٹ آئی جو فوراً غائب ہو گئی۔ اس کی اگلی بات سب سے زیادہ چبھنے والی تھی۔ اس کا لہجہ اب فاتحانہ تھا۔ اس کے دونوں بازو سینے پر بندھے تھے۔

"تو پھر سنو۔ جب ایک کفن خریدو تو ایک چادر اپنے لیے بھی خریدو۔ کیونکہ تم اپنے لیے کفن نہیں خرید سکتیں۔ تم زندہ ہو اور جب تک زندہ ہو، اپنی چادر، اپنا مان، خود خریدنا سیکھو۔ کوئی تمہیں ڈھانپنے نہیں آئے گا۔"

اس کے آخری الفاظ ہال میں دیر تک گونجتے رہے۔ فجر کے چہرے پر وہی سرد، پتھرائی ہوئی بے حسی تھی۔ لڑکیوں کے چہروں پر سے سارا رنگ اڑ چکا تھا۔ غصہ، مایوسی، درد، سب کچھ جم کر رہ گیا تھا۔ ہال میں اب مکمل خاموشی تھی۔ ایک ایسی خاموشی جو ہزار چیخوں سے زیادہ بلند تھی۔ یہ خاموشی صرف انٹرویو کے اختتام کی نہیں تھی، یہ ان کی مجبوریوں، ان کے خوابوں کی موت، اور معاشرے کی اس تلخ حقیقت کے سامنے سَرنِگوں ہونے کی خاموشی تھی جو کہہ رہی تھی کہ تمہاری ضرورتیں تمہاری پہچان نہیں بن سکتیں۔ تم کو خود کو اس دلدل سے نکالنا ہو گا، خواہ اس کی قیمت کچھ بھی ہو۔ فجر ان کے سامنے ایک دیو قامت، سرد حقیقت بن کر کھڑی تھی، جس کے الفاظ کانوں میں سیسہ انڈیل رہے تھے اور دلوں میں ایک نہ بجھنے والی آگ لگا رہے تھے۔

"آپ لوگ ضرورت کی بات کرتی ہیں۔ ہاں، ضرورت ایک حقیقت ہے۔ پیٹ پالنا، گھر چلانا، یہ ضروری ہے۔ لیکن، کیا زندگی صرف ضرورتیں پوری کرنے کا نام ہے؟" اس نے سوال پوچھا، لیکن جواب کی منتظر نہیں تھی۔

"کیا انسان اس لیے پیدا ہوا ہے کہ بس کمائے اور کھائے؟ بِل بھرے اور سو جائے؟"

اس کی نظریں ایک ایک لڑکی پر ٹھہر رہی تھیں۔

"مجھے ایسے چہرے نہیں چاہئیں جن پر صرف مجبوری لکھی ہو۔ مجھے وہ آنکھیں چاہیے جن میں چمک ہو۔ کچھ کر دکھانے کی، کچھ بننے کی۔"

وہ چند قدم چلی، ویٹنگ ایریا میں ایک چکر لگایا جیسے کسی کمرہ عدالت میں جج شواہد کا جائزہ لے رہا ہو۔

"نوکری، صرف پیسہ کمانے کا ذریعہ نہیں ہوتی۔ میرے لیے، اور یہاں اس ادارے کے لیے، یہ ایک موقع ہے خود کو ثابت کرنے کا۔ اپنی صلاحیتوں کو نکھارنے کا۔ ایک سیڑھی جس پر چڑھ کر آپ وہاں پہنچ سکتی ہیں جہاں صرف آپ کی محنت اور آپ کا ہنر آپ کی پہچان بنے، نہ کہ آپ کا خاندانی پس منظر یا آپ کے باپ کی حیثیت۔"

اس نے اپنی بات جاری رکھی، اس کا لہجہ اب ایک استاد جیسا تھا جو تلخ سبق دے رہا ہو۔

"جو لڑکی صرف پیسے کے لیے نوکری کرے گی، وہ کبھی دل سے کام نہیں کرے گی۔ وہ صرف گھنٹے پورے کرے گی۔ مسائل آئیں گے تو ہمت ہار جائے گی۔ اسے تھوڑا اور مشکل کام دو تو بھاگ جائے گی کیونکہ اس کا مقصد صرف مہینے کے آخر میں آنے والی پرچی ہے۔ اس کے لیے کام صرف ایک بوجھ ہے۔" وہ لڑکیوں کے سامنے آکر رکی۔

"مجھے ایسی لڑکی چاہیے جو کام کو بوجھ نہیں، چیلنج سمجھے۔ جو صرف تنخواہ کا عدد نہ دیکھے، بلکہ یہ دیکھے کہ وہ آج کیا نیا سیکھ کر جا رہی ہے۔ جو یہاں سے نکلے تو اس کے پاس صرف سیلری اکاؤنٹ میں اضافہ نہ ہو، بلکہ اس کی سی وی میں ایک مضبوط حوالہ شامل ہو۔" اس نے ایک بار پھر ان سب کا جائزہ لیا۔

"جب آپ صرف اپنی ضرورتیں لے کر کسی دروازے پر جاتی ہیں نا، تو آپ کمزور نظر آتی ہیں۔ آپ کی حیثیت ایک بھکاری جیسی ہو جاتی ہے، خواہ آپ کتنی ہی پڑھی لکھی ہوں۔ آپ کو پتا نہیں ہوتا کہ سامنے والا آپ کی مجبوری کا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔"

اس کی آواز اب زیادہ سرد اور پُرعزم تھی۔

"لیکن جب آپ یہ سوچ کر جاتی ہیں کہ **'اس سیٹ کو میری ضرورت ہے'** تو آپ کی باڈی لینگوئج بدل جاتی ہے۔ آپ کی آنکھوں میں التجا نہیں، اعتماد ہوتا ہے۔ آپ نوکری مانگتی نہیں، اپنی جگہ بناتی ہیں۔ میں انہی لڑکیوں کی تلاش میں ہوں۔" اس نے حتمی انداز میں کہا۔

"وہ جن کے لیے نوکری صرف پیٹ بھرنے کا ذریعہ نہیں، بلکہ ایک پلیٹ فارم ہے اپنی ذات کو منوانے کا۔ وہ جو مڈل کلاس کی مشکلات میں پھنس کر ہمت ہارنے کے بجائے، ان مشکلات کو سیڑھی بنا کر اوپر چڑھنے کا حوصلہ رکھتی ہوں۔ وہ جو کل کو اپنا نام خود بنانا چاہتی ہیں۔"

فجر ایک لمحہ رکی، جیسے اس بات کا اثر دیکھنے کے لیے۔

"اب جاؤ اور جا کر خود کو تیار کرو جب تمہیں لگے کہ تمہیں اپنی پہچان بنانی ہے تب آ جانا۔ منار کے دروازے کھلے ہیں۔" اس نے ایک سرسری نظر سب پر ڈالی اور پلٹ گئی۔

وہاں موجود لڑکیوں کے علاوہ وہ سب ملازم جو بت بن کر اس کی باتیں سن رہے تھے ان سب میں جان پڑ چکی تھی۔

وہ سب اپنے اپنے راستے ہوئے۔

"آپ کون ہیں؟" ایک تجسس بھری آواز ابھری۔ وہ رک گئی۔ پلٹ کر انہیں دیکھا۔ وہاں کھڑی شاید ہی کوئی لڑکی منار کے بارے میں پوری تحقیق کر کے آئی ہو گی۔ شاید ہی کوئی اسے پہچانتی ہو گی ورنہ وہ سب اپنی مجبوریوں لیے وہاں آئی تھیں۔

"میں فجر معراج ہوں اور میں یہاں راج کرتی ہوں!"

آواز ابھری اور گونج گئی۔ دروازہ کھلا اور بند ہو گیا۔ ہال پر سایہ سکتا ٹوٹ گیا۔ لڑکیاں ایک ایک کر کے ہال سے باہر نکلنے لگیں۔ آج انہیں نوکری نہیں ملی تھی لیکن کچھ اور تھا جو مل گیا تھا اور وہ تھا عزم! اپنی ذات پہچاننے کا عزم!

✿••✿••✿••✿

"کیا ہم لڑکیاں پر فریب خیال رکھنے والیں یعنی delusional ہوتی ہیں؟"

"یہ سوال دلچسپ بھی ہے اور قدرے مشکل بھی۔ 'delusional' کا لفظ سنتے ہی اکثر ایک منفی تاثر ابھرتا ہے، جیسے کوئی حقیقت سے دور ہو۔ لیکن اگر ہم اسے لڑکیوں کے خوابوں اور ان کی دنیا کے پس منظر میں دیکھیں، تو شاید یہ **"خوابوں میں گم رہنا"** یا **"حقیقت سے بڑھ کر سوچنا"** کا ایک روپ ہے۔ اور کیا یہ خواب دیکھنا، یہ حد سے بڑھی ہوئی امید رکھنا، بذاتِ خود خوبصورت نہیں؟

لڑکیاں، ہاں، شاید ہم لڑکیاں اکثر دل میں ایک ایسی دنیا بسائے رکھتی ہیں جو باہر کی دنیا سے کہیں زیادہ روشن اور حسین ہوتی ہے۔ ہمارے خواب رنگین تتلیوں جیسے ہوتے ہیں، جو کبھی پھولوں پر بیٹھتے ہیں اور کبھی آسمان کی وسعتوں میں گم ہو جاتے ہیں۔ ہم چھوٹی چھوٹی باتوں میں خوشی ڈھونڈ لیتی ہیں، اور بظاہر ناممکن چیزوں پر یقین کر لیتی ہیں۔ کیا یہ معصومیت ہے؟ کیا یہ خود فریبی ہے؟ یا یہ صرف ہمارے دل کی وہ پکار ہے جو دنیا کی سختیوں کو خاطر میں نہیں لاتی؟

ہمارے خواب صرف سندر لباس یا شہزادے نہیں ہوتے۔ ہمارے خوابوں میں خود مختاری ہوتی ہے، اپنے پیروں پر کھڑا ہونا ہوتا ہے، دنیا میں اپنی پہچان بنانا ہوتا ہے۔ ہم خواب دیکھتی ہیں کہ ہم مضبوط ہوں گی، ہم کامیاب ہوں گی، ہم محبت کرنے والی بھی ہوں گی اور اپنے فیصلوں کی مالک بھی۔ ان خوابوں کی بنیاد اکثر کتابوں میں پڑھی کہانیوں،

فلموں میں دیکھے کرداروں، یا دل کے نہاں خانوں میں چھپی خواہشات پر ہوتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ کبھی کبھی یہ خواب حقیقت کی کڑوی زمین سے ٹکرا کر ٹوٹ جاتے ہیں۔

اور یہیں سے درد کا آغاز ہوتا ہے۔ جب وہ تتلیاں حقیقت کی دیواروں سے ٹکراتی ہیں، جب وہ رنگین غبارے پنکچر ہوتے ہیں، تو دل میں ایک گہرا خلا پیدا ہوتا ہے۔ یہ درد صرف ٹوٹے ہوئے خوابوں کا نہیں ہوتا۔ یہ درد ان توقعات کا بھی ہوتا ہے جو دنیا ہم سے رکھتی ہے، اور ان پابندیوں کا بھی جو ہم پر لگائی جاتی ہیں۔ یہ درد اس وقت محسوس ہوتا ہے جب ہماری آواز دبا دی جاتی ہے، جب ہمارے پر کاٹ دیے جاتے ہیں، جب ہمارے خوابوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔

لڑکیوں کا درد اکثر خاموش ہوتا ہے۔ یہ آنسوؤں میں بہتا ہے جو تکیے میں جذب ہو جاتے ہیں، یہ مسکراہٹ کے پیچھے چھپ جاتا ہے جو دنیا کے سامنے سجی رہتی ہے۔ یہ درد دل کے اندر ایک بوجھ بن کر رہتا ہے، جو کبھی کبھی سانس لینا بھی دشوار کر دیتا ہے۔ لیکن اس درد میں بھی ایک عجیب خوبصورتی ہے۔ یہ درد ہمیں مضبوط بناتا ہے۔ یہ ہمیں سکھاتا ہے کہ گر کر کیسے اٹھنا ہے۔ یہ ہمیں اپنے خوابوں سے اور زیادہ شدت سے محبت کرنا سکھاتا ہے۔

شاید ہم لڑکیاں delusional ہوتی ہیں، لیکن یہ ہمارا وہ **'delusion'** ہے جو ہمیں زندہ رکھتا ہے۔ یہ ہمارے خوابوں کی وہ روشنی ہے جو درد کے اندھیروں میں ہمیں راستہ دکھاتی ہے۔ ہمارے خواب اور ہمارا درد، یہ دونوں ہماری شخصیت کے لازم و ملزوم حصے ہیں۔ یہ ہمیں وہ بناتے ہیں جو ہم ہیں۔ اور شاید اسی میں ہماری اصل خوبصورتی چھپی ہوئی ہے۔ وہ خوبصورتی جو صرف خوبصورت چہرے یا لباس میں نہیں، بلکہ دل کی گہرائیوں میں، خوابوں کی پرواز میں اور درد کی سچائی میں بستی ہے۔

توہاں، شاید ہم delusional ہوتی ہیں۔ لیکن یہ ایک ایسا delusion ہے جس کے بغیر زندگی بے رنگ ہو جائے۔ یہ ہمارے اندر کی وہ دنیا ہے جو باہر کی دنیا کو سہنے کی ہمت دیتی ہے۔ اور اس ہمت میں، اس خواب دیکھنے کی ضد میں، اور اس درد کو سہنے کے حوصلے میں، ایک لازوال حسن ہے۔"

ڈائیز پر کھڑی لڑکی نے اپنے سامنے رکھی کتاب بند کر دی اور ہال میں بیٹھی عوام میں نے تالیاں پیٹیں۔

فلک وہاں نہیں تھی۔ ہاں اس کتاب کی مصنفہ وہاں نہیں تھی۔ وہ آنلاین دیکھ رہی تھی۔ اس کی یونیورسٹی میں اس کی کتاب لانچ کی جا رہی تھی۔ کتاب کا نام "**پر فریب**" تھا اور اس کی دوسری کتاب کا انتساب بھی وہی تھا، **"محبت کے نام!"**

وہ لبوں پر ہاتھ رکھے، نم آنکھوں سے یہ سب دیکھ رہی تھی۔ اس کے الفاظ، بے رحم حقیقت کا پردہ فاش کر رہے تھے۔ اس نے اڑھائی سال کڑی محنت کی تھی۔ اس کی یہ کتاب اس کی اب تک کہ صلاحیتوں کا نچوڑ تھی۔ اب دیکھنا تھا اس کتاب کو کیسا ریسپانس ملنے والا تھا۔

✿••✿••✿••✿

شام ڈھل رہی تھی۔ منار کے وسیع دفتر میں دن بھر کی گہما گہمی اب قدرے تھم گئی تھی۔ کانچ کی بڑی کھڑکیوں سے باہر شہر کی روشنیاں ٹمٹمانا شروع ہو گئی تھیں۔ دفتر کا اندرونی حصہ، سجیلا فرنیچر، دیواروں پر آویزاں برانڈ کی پہچان بنتے ڈیزائن اور آرٹ پیسز، سب کچھ اس بات کا گواہ تھا کہ منار اب ایک کامیاب اور مستحکم برانڈ بن چکا تھا۔

فجر اپنے دفتر کے اندرونی حصے میں، جو ایک نیم گول صوفے اور کافی ٹیبل پر مشتمل تھا، بیٹھی تھی۔ اس کے ہاتھ میں کافی کا مگ تھا جس سے ہلکی ہلکی بھاپ اٹھ رہی تھی۔ اس کے سامنے، ایک آرام دہ آرم کرسی پر صفدر بیٹھا تھا، جس

کے ماتھے پر ہلکی سی شکن تھی جو کسی اندرونی سوچ یا بے چینی کا پتا دے رہی تھی۔ دن بھر کی میٹنگز اور کام کی تھکن ان کے چہروں پر نمایاں تھی۔

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد، جسے صرف باہر کی ٹریفک کا شور توڑ رہا تھا، صفدر نے کافی کا گھونٹ لیا اور بات کا آغاز کیا۔

"مجھے لگتا ہے اب وقت آ گیا ہے کہ ہم ہاشمی ٹیکسٹائل سے آگے بڑھیں۔" وہ چہرے پر حد درجہ سنجیدگی سجا کر بولا۔

فجر نے چونک کر اسے دیکھا اور مگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

"آگے بڑھیں؟ کیا مطلب؟ وہ تو ہمارے بہترین ویندر ہیں۔ دو سال سے اوپر ہو گیا ہے ان کے ساتھ کام کرتے ہوئے۔" وہ الجھی۔

"ہاں، مجھے پتا ہے۔ اور انہوں نے اچھا کام کیا ہے۔ لیکن میرا مطلب ہے، ہمیں اب مارکیٹ کے بڑے ناموں سے کپڑا اٹھانا چاہیے۔ منار اب ایک جانا پہچانا برانڈ ہے، ہماری کریڈیبلٹی ہے۔ ہم بہتر ڈیلز، بہتر کوالٹی اور زیادہ ورائٹی حاصل کر سکتے ہیں۔"

اس نے اپنی بات واضح کی۔

"زیادہ ورائٹی؟ ہاشمی ہمیں ہر طرح کا کپڑا فراہم کر رہا ہے جو ہمیں چاہیے۔ کوالٹی بھی اچھی ہے۔ اور سب سے اہم بات، وہ ریلائبل ہیں۔ ہمیں جانتے ہیں، ہماری ضرورتیں سمجھتے ہیں، ڈیڈ لائنز پوری کرتے ہیں۔" اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"ریلائبلٹی اپنی جگہ لیکن بزنس میں ہمیں مسلسل بہتری اور ترقی کے مواقع دیکھنے چاہئیں۔ کیا گارنٹی ہے کہ ہاشمی ہمیں مارکیٹ کی سب سے بہترین قیمت اور کوالٹی دے رہے ہیں؟ اب ہم اس پوزیشن میں ہیں کہ بڑے سپلائرز کو ٹینڈر جاری کر سکیں، ان سے کوٹیشنز منگوا سکیں، ان کی فیکٹریاں وزٹ کر سکیں۔ یہ ہمارے لیے فائدہ مند ہو سکتا ہے۔" وہ پتا نہیں کیا سوچے بیٹھا تھا۔ ہاں پچھلے اڑھائی سالوں میں وہ پہلے سے کئی زیادہ سنجیدہ اور زمہ دار ہو گیا تھا مگر فجر یونہی اسکی بات نہیں مان سکتی تھی۔

"اور کیا گارنٹی ہے کہ یہ ہمارے لیے نقصان دہ نہیں ہو گا؟ نئے وینڈر کے ساتھ سب کچھ نئے سرے سے شروع کرنا پڑے گا۔ ان کے پروسیسز، کوالٹی کنٹرول، ڈیلیوری ٹائم فریمز، سب کچھ مختلف ہو گا۔ اگر ایک بھی کھیپ خراب نکل آئی، یا ڈیلیوری میں تاخیر ہوئی، تو ہمارا سارا پروڈکشن شیڈول اور برانڈ کی ساکھ متاثر ہو سکتی ہے۔" وہ قدرے فکر مندی سے بولی۔

"یہ تو بزنس رسک ہے۔ ہم پراپر ایویلیوئیشن کر سکتے ہیں۔ ان کے پچھلے کلائنٹس سے ریفرنس لے سکتے ہیں۔ ہم چھوٹے آرڈرز سے شروع کر سکتے ہیں۔ لیکن صرف اس ڈر سے کہ کچھ غلط ہو سکتا ہے، ہم ایک ہی جگہ جمے رہیں، یہ بھی ٹھیک نہیں۔ ایک ہی وینڈر پر مکمل انحصار کرنا بھی تو رسکی ہے۔ اگر کل کو ہاشمی خود کسی مشکل میں آ جائیں؟" وہ گھٹنوں پر کہنیاں جماتے آگے کو جھکا جبکہ فجر اس کی جانب متوجہ تھی۔

"مجھے پتا ہے، صفدر! لیکن ہاشمی نے ہمارا ساتھ تب سے دیا ہے جب ہم اتنے بڑے برانڈ نہیں تھے۔ ان کے ساتھ ایک اعتماد کا رشتہ ہے۔ مجھے یہ سوچ کر عجیب لگ رہا ہے کہ ہم اس رشتے کو صرف اس لیے ختم کر دیں کہ شاید ہمیں کہیں اور سے تھوڑا سا زیادہ فائدہ ہو جائے۔"

"یہ صرف 'تھوڑا سا زیادہ فائدہ' کی بات نہیں ہے۔ یہ ہمارے برانڈ کے مستقبل کی بات ہے۔ بڑے سپلائرز کے پاس نئی ٹیکنالوجی ہوتی ہے، زیادہ اپ ٹو ڈیٹ فیبرکس ہوتے ہیں۔ وہ ہمیں انوویشن میں مدد دے سکتے ہیں۔ اور ٹینڈر پراسیس شفافیت لائے گا، ہمیں یقین ہو گا کہ ہمیں بہترین ممکنہ ڈیل مل رہی ہے۔"

وہ پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں تھا۔ اس کی بات میں وزن تھا لیکن اس کام میں کھپاہٹ بہت تھی۔

"شفافیت اچھی بات ہے۔ لیکن ہاشمی نے ہمیشہ ہمارے ساتھ شفافیت برتی ہے۔ ان کے ریٹ مارکیٹ کے مطابق ہیں۔ اور ان کی کوالٹی ہمیشہ ہماری توقعات پر پورا اتری ہے۔ کیا واقعی اس وقت، جب منار اتنا اچھا کر رہا ہے، ہمیں اس اہم سپلائی چین کو چھیڑنے کی ضرورت ہے؟" وہ اسکی بات کو یونہی ٹال نہیں سکتی تھی۔ صفدر نے گہری سانس لی۔

"مجھے لگتا ہے ضرورت ہے۔ یہ ترقی کا اگلا قدم ہے۔ ہمیں اپنے کمفرٹ زون سے باہر نکلنا پڑے گا۔ ہاشمی اچھے ہیں، لیکن شاید بہتری کی گنجائش موجود ہے۔"

"اور شاید خرابی کی بھی۔ مجھے ابھی بھی شدید تحفظات ہیں۔ یہ ایک بہت بڑا فیصلہ ہے اور اس کے سنگین نتائج ہو سکتے ہیں۔" وہ الجھ گئی تھی۔ فی الوقت وہ اس میں نہیں پڑنا چاہتی تھی۔

"میں سمجھتا ہوں۔ لیکن میرا خیال ہے ہمیں کم از کم تحقیق شروع کرنی چاہیے۔ مارکیٹ میں دیکھیں کون سے بڑے نام ہیں، ان کی کیا آفرز ہیں۔ بغیر دیکھے تو ہم فیصلہ کر ہی نہیں سکتے۔"

فجر نے کافی کا ٹھنڈا ہو چکا مگ اٹھایا اور اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر تذبذب صاف نظر آ رہا تھا۔ صفدر اسے غور سے دیکھ رہا تھا، اس کے جواب کا منتظر۔ کمرے میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔ باہر شہر کی روشنیاں اب زیادہ واضح

ہو چکی تھیں۔ منار کی کامیابی کی روشنیاں، جن کا انحصار کہیں نہ کہیں اس کپڑے پر بھی تھا جو ہاشمی ٹیکسٹائل فراہم کر رہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ تم ریسرچ کر لو۔ دیکھو کون سے سپلائرز ہیں۔ لیکن کوئی بھی حتمی فیصلہ کرنے سے پہلے ہمیں ایک ایک چیز کا بغور جائزہ لینا ہو گا۔ کوئی جلد بازی نہیں۔"

وہ بزنس پارٹنر تھے اور انہیں ایک دوسرے کے اہم نکات پر توجہ دینی تھی۔

"بالکل۔ بغور جائزہ لیں گے۔" اس نے مسکرا کر کرسی سے پشت ٹکالی۔ یوں جیسے کوئی بڑا معاز سر کر لیا ہو۔ فجر گود میں رکھے میگزین پر دوبارہ جھک گئی۔

خاموشی ایک بار پھر لوٹ آئی، لیکن اب یہ پہلے سے زیادہ بھاری محسوس ہو رہی تھی، جیسے کسی بڑے فیصلے کا بوجھ دونوں کے کندھوں پر آن پڑا ہو۔

"تم آ رہی ہو نا کل؟" اس خاموشی جو پھر سے صفدر نے توڑا۔

"کل؟" فجر نے بنا سر اٹھائے پوچھا۔

"بھول گئیں؟ روحی کی سالگرہ ہے۔" اس نے یاد دہانی کرائی۔

"اوہ ہاں!" اسے جیسے یاد آیا۔ "میں پوری کوشش کروں گی۔" وہ ابھی تک اس کی باتوں میں الجھی ہوئی تھی۔ صفدر کچھ دیر بیٹھا رہا پھر اٹھ کر چلا گیا جبکہ فجر نے تھک کر صوفے سے پشت ٹکالی۔ صفدر نے جو پوائنٹ رکھا تھا وہ اچھا تھا مگر اس پر کام بہت کرنا پڑتا۔ پتا نہیں کسی نئے وینڈر سے ان کی اچھی بن پاتی یا نہیں؟

✿••✿••✿••✿

یہ رئیس کا آفس تھا۔ اونچی چھتیں، ایک دیوار پر لگی بڑی سی کھڑکی جس سے شہر کا وسیع منظر دکھائی دے رہا ہے۔ جدید فرنیچر، نفیس سجاوٹ، اور ہر چیز ایک منظم انداز میں موجود تھی۔ ملکہ ملعون کا تاج اور اس کے ساتھ کھڑا فجر کا نائٹ میئر آج بھی اپنی جگہ پر تھے۔ رئیس کے بھاری بھرکم میز پر دو لیپ ٹاپ کھلے ہوئے تھے۔

رئیس اپنی مخصوص، آرام دہ مگر بااختیار نشست پر بیٹھا تھا۔ عمر اکتالیس سال اور دس ماہ، مگر شخصیت پہلے سے زیادہ فٹ اور رعب دار لگ رہی تھی۔ کنپٹی کے قریب وہ چمکتے گرے بال اب کہیں کہیں داڑھی اور سر میں بھی تھے۔ جسم پہلے سے پتلا اور پھرتیلا لگ رہا تھا۔ بال پہلے سے گھنے اور سائیڈ پارٹ ہیئر اسٹائل اب بدل دیا گیا تھا۔ گھنے بال پیچھے کی جانب سیٹ تھے اور داڑھی اب شارٹ boxed اسٹائل میں تھی جس سے اس کے چہرے کے نقش مزید واضح اور تیکھے لگ رہے تھے۔ چہرے پر کہیں کوئی شکن کہیں جھری نہیں تھی۔ شفاف گندمی رنگت اس پر جچ رہی تھی۔

ڈریس شرٹ کی اوپری بٹن کھلے تھے جس سے اس کی صاف لمبی گردن واضح تھی۔ اس کے بازوؤں کی نسیں ورک آؤٹ سے پھولی ہوئی تھیں مگر زیادہ نہیں۔

وہ اپنے سامنے کھلے لیپ ٹاپ پر کسی سنجیدہ چیز میں مگن تھا۔ اس کے بیٹھنے کے انداز میں ٹھہراؤ اور سکون تھا مگر چہرے پر ہلکا سا تناؤ بھی تھا۔

مراد، رئیس کے سامنے میز کی دوسری جانب بیٹھا تھا۔ اس کی عمر بھی اتنی ہی تھی البتہ اس کے بال سیاہ سے زیادہ سرمئی بھی تھے۔ وہ ایک عام دفتری لباس پہنے ہوا تھا۔ اس کے سامنے والے لیپ ٹاپ پر ایک آن لائن شاپنگ ویب سائٹ کھلی تھی، جس پر تحائف کی مختلف تصاویر نظر آ رہی تھیں۔ وہ کافی پریشان اور الجھا ہوا لگ رہا تھا یہ الجھن کام کی مشکل سے زیادہ اپنی **'نااہلی'** پر باس نما دوست کے طنز کی وجہ سے تھی۔

رئیس نے آنکھیں لیپ ٹاپ پر جمائے، مگر آواز میں ہلکی سی کھٹک کے ساتھ کہا۔

"کیا ہوا مراد صاحب؟ ابھی تک نہیں ملا تحفہ؟ ایک پندرہ سال کی بچی کے لیے؟ یہ کون سا راکٹ سائنس ہے؟"

مراد نے سر اٹھایا، پیشانی پر بل پڑے۔

"تمہیں کیا پتا پندرہ سال کی بچیوں کے نخروں کا؟ تمہاری تو اس عمر کی بھتیجی یا بھانجی بھی شاید ہی کوئی ہو۔ میری تو دو شادیاں رائیگاں گئیں، کوئی اولاد ہی نہیں ہوئی، ورنہ آج تک تو میری بیٹی بھی پندرہ سال کی ہو چکی ہوتی اور مجھے پتا ہوتا کہ انہیں کیا چاہیے۔"

رئیس نے ایک پل کو لیپ ٹاپ سے نظریں ہٹا کر مراد کی طرف دیکھا، چہرے پر ہلکی سی طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔

"ہاں، یہ تو ہے! اگر تمھاری اولاد ہو جاتی، تو آج وہ پندرہ سال کی ہوتی اور یہ عذاب مجھے نہ جھیلنا پڑتا۔ تمھارے ناکارہ پن کا خمیازہ میں بھگت رہا ہوں۔"

غضب خدا کا دو گھنٹے ہو گئے مگر ان سے ایک گفٹ فائنل نہ ہوا۔۔

کیا منہ لے کر جاتے وہ شام میں؟

"اور اگر تمہیں بھی روگ نہ لگا ہوتا، وقت پر شادی کر لیتے، تو آج تم بھی شاید ایک پندرہ سال کی بچی کے باپ ہوتے! پھر تمہیں بھی پتا چلتا کہ آج کل کی بچیاں موبائل فون کور اور پوپ اِٹ فِجٹ کے علاوہ کن چیزوں پر مرتی ہیں۔ ساری عمر ہیرے جواہرات اور لوگوں سے سر ہی پھوڑا ہے۔"

رئیس کی مسکراہٹ ذرا گہری ہوئی، جیسے وہ مراد کی چوٹ سے محظوظ ہوا ہو۔ پھر سر ہلا کر واپس لیپ ٹاپ پر متوجہ ہو گیا۔

"زبان نہ چلاؤ ہاتھ چلاؤ۔۔!" کام میں مصروف ہوتے وہ پھر سے بولا۔

"مجھے پتا ہوتا تو آج باپ بن کے بیٹھا ہوتا، تمہارے لیے گفٹ نہ ڈھونڈ رہا ہوتا۔" مراد زیر لب بڑبڑایا۔

اسی لمحے، آفس کے دوسرے کنارے پر لگی لفٹ ٹن کی آواز کے ساتھ کھلی۔

عروزہ اندر داخل ہوئی۔ وہ ہمیشہ کی طرح ڈریس پینٹ میں تھی جو اس کی سیکیورٹی ہیڈ کی حیثیت کو ظاہر کر رہا تھا۔

اس کے ہاتھ میں ایک ٹیبلٹ تھا۔

"ابھی تک اسی بحث میں الجھے ہیں؟ لگتا ہے آج شام پارٹی میں خالی ہاتھ ہی جانا پڑے گا۔" وہ قریب آکر رئیس اور مراد کے چہروں پر باری باری نظر ڈالتے بولی۔

"انہیں لگتا ہے پندرہ سال کی بچی کے لیے تحفہ ڈھونڈنا ایک منٹ کا کام ہے۔" مراد کرلایا۔

عروزہ کی نظریں اب رئیس پر جم چکی تھیں، اور چہرے پر موجود ہلکی پھلکی مسکراہٹ دھیرے دھیرے سنجیدگی میں بدل گئی۔ وہ رئیس کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں پرانی شناسائی اور ایک نیا مشاہدہ تھا۔ وہ جس قدر سنجیدہ تھا، عروزہ کو الجھن ہوئی۔

"آپ بہت بدل گئے ہیں باس۔۔۔" پتا نہیں یہ سوال تھا یا تجزیہ۔

رئیس، جو اب تک مراد سے ہلکی پھلکی نوک جھونک میں شریک تھا، عروزہ کے اچانک سنجیدہ لہجے اور الفاظ پر ٹھہر سا گیا۔

اس نے دھیرے سے سر اٹھا کر عروزہ کی طرف دیکھا۔ اس کی گہری آنکھوں میں ایک سوالیہ نشان نہیں، بلکہ ایک خاموش تفہیم تھی کہ بات کسی اور طرف جا رہی تھی۔

"کس لحاظ سے، عروزہ؟" اس کا انداز بھی اتنا بدل سا گیا تھا کہ عروزہ کو اس نے ٹھیک نام سے پکارا تھا۔ وہ واقعی الجھا ہوا تھا۔

"پہلے آپ میں ایک بے فکری تھی، ایک زندہ دلی۔ کاروبار کو بھی جیسے کوئی کھیل سمجھتے تھے۔ لیکن پچھلے اڑھائی سال سے، آپکی آنکھوں میں یہ گہرائی آگئی ہے، یہ سنجیدگی۔ جیسے ہر وقت کسی گہری سوچ میں ڈوبے رہتے ہوں۔ آخر ایسا کیا ہوا ہے جس نے آپ کو یوں بدل دیا؟"

رئیس کی نظریں عروزہ کے چہرے سے ہٹ کر کہیں دور خلا میں جم گئیں۔ شاندار دفتر، ساتھیوں کی موجودگی، تحفے کی تلاش، سب کچھ دھندلا گیا۔ اس کے ذہن کے پردے پر اڑھائی سال پہلے کا وہ منظر ابھرا جب فجر نے اسے بچایا تھا اور اس نے خود کو کھو دیا تھا۔ اس دن ہسپتال کے کمرے میں فجر کے جانے بعد سب بدل گیا تھا کیونکہ وہ حساب کتاب برابر کر کے گئی تھی۔

وہ رات، جسمانی درد، روح کا کرب اور فجر کا وہ جانفروش اقدام، یہ صرف زخم نہیں تھے، یہ ایک ایسا تجربہ تھا جس نے رئیس کے اندر کی دنیا کو الٹ پلٹ دیا۔ اس کے ماضی نے ان دونوں کو جوڑ دیا تھا اور فجر نے خود کو اس سے الگ کر لیا۔

"تم نے ٹھیک کہا میں بدل گیا ہوں۔ بلکہ میں نے مکھوٹا اتار دیا ہے۔ وہ جو پہلے والا رئیس تھا نا، ہنسنے ہنسانے والا، ہر وقت فریش اور پر اعتماد نظر آنے والا، وہ ایک ضرورت تھی۔"

"ضرورت؟" عروزہ الجھی۔

"ہاں، ضرورت۔ ایک بزنس مین کے لیے، خاص طور پر ایک entrepreneur کے لیے جو اپنا نام بنا رہا ہو، اپنے قدم جما رہا ہو، اس کے لیے ایک خاص شخصیت اپنانا پڑتی ہے۔ لوگ آپ پر بھروسہ کریں، آپ کی طرف کھنچے آئیں، آپ کے ساتھ کام کرنا چاہیں۔ اس کے لیے وہ لاپروائی، وہ شرارت، وہ ہنسنا ہنسانا ضروری تھا۔ وہ ایک اوڑھنا تھا۔ تاکہ لوگ اصل رئیس تک نہ پہنچ سکیں۔ یا شاید میں خود بھی اس چمک دمک کے پیچھے چھپنا چاہتا تھا۔" وہ اداکار اپنے تمام کرداروں کے روپ اتار کر اپنے اصل روپ میں آ چکا تھا۔ اور یہ زیادہ خطرناک تھا۔

"تو کیا اب تمھیں اُس اوڑھنے کی ضرورت نہیں رہی؟ کیا تم نے سب کچھ حاصل کر لیا؟" مراد کی آواز ابھری۔ گفٹ کہیں پس منظر میں چلا گیا۔ ان کے درمیان اب ایک گہری گفتگو جاری تھی۔ رئیس نے مراد کی طرف دیکھا، اس کی آنکھوں میں کوئی طنز نہیں، صرف ایک تلخ سچائی تھی۔

"حاصل کرنا یا نہ کرنا الگ بات ہے۔ بات ضرورت کی ہے۔ اب مجھے اُس اوڑھنے کی ضرورت نہیں رہی، مراد! اس لیے نہیں کہ میں نے سب کچھ حاصل کر لیا، بلکہ اس لیے کہ میرے ماضی کے بہت سے راز اب خود بخود سامنے آ کھڑے ہوئے ہیں۔ کچھ قرض ہیں جو چکانے ہیں۔ کچھ ہے جو آنکھوں سے چھپا ہے لیکن آس پاس ہے۔" وہ اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"راز؟ کیسے راز، رئیس؟ اور ان کا سامنے آنا کیا یہ خطرناک ہے؟ کیا ہمیں حفاظتی اقدامات بڑھانے کی ضرورت ہے؟"

"ان رازوں میں کچھ ایسی چیزیں ہیں جو میرے حال کے لیے اور شاید مستقبل کے لیے بھی، کئی طرح کے خطرات پیدا کر سکتی ہیں۔ کچھ لوگ جنھیں میں نے پیچھے چھوڑ دیا تھا، یا جنھیں لگتا تھا کہ وہ مجھے ختم کر چکے ہیں، اب

انکا سر کچلنے کا وقت ہو گیا ہے۔ وہ قرض جو مجھے چکانے ہیں۔ وہ حساب جو ابھی بے باق نہیں ہوئے۔ وہ حساب چکانے کا وقت آ گیا ہے۔" وہ دیوار گیر کھڑکی میں کھڑا تھا۔

وہ جو کہہ رہا تھا وہ سب مراد کے سر کے اوپر سے گزر گیا البتہ عروزہ چونکنی ہوئی۔

"کہو کیا خبر لائی ہو؟" رئیس نے اپنے پیچھے کھڑی عروزہ سے پوچھا۔

"وہ پاکستان واپس آ چکا ہے۔" عروزہ نے ٹیب آن کرتے اس پر انگلیاں چلائیں اور پھر ایک وجیہہ شخص کی تصویر اسکرین پر ابھری۔

"ارسل برہان گردیزی پاکستان لوٹ آیا ہے۔" رئیس نے اس کی آواز پر پلٹ کر دیکھا۔ عروزہ نے لیپ ٹاپ اس کے سامنے کیا۔ رئیس نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر وہ مراد کی جانب بڑھا۔ اس کے قریب پہنچ کر اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے اس کے کان کے قریب جھکا۔

"تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے تم گفٹ ڈھونڈو باقی میں دیکھ لوں گا۔" اس کا انداز اتنا ٹھنڈا تھا کہ مراد کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ محسوس ہوئی۔

رئیس اپنی سلطنت قائم کر چکا تھا۔ اب بدلے کا وقت تھا۔ اب ہو گا موت کا کھیل شروع، ہنٹر، شکار کے لیے تیار بیٹھا تھا۔

✿••✿••✿••✿

یہ اگلے دن کا منظر تھا۔ فجر اپنے آفس میں تھی۔ وہ بری طرح کام میں غرق دکھائی دیتی تھی۔ نئی کلیکشن کے ڈیزائن اس کے سامنے لیپ ٹاپ کی اسکرین پر کھلے ہوئے تھے۔ وہ انہیں چیک کر رہی تھی اور چیک کرنے کے بعد انہیں پاس کر رہی تھی۔ اچانک اس کے میز پر رکھا ٹیلی فون بج اٹھا۔ کریڈل اٹھا کر کان سے لگایا۔

"یس؟" مصروف سی آواز ابھری۔

"وہ مجھے بتانا تھا کہ پی اے کے لیے ابھی تک کوئی مناسب ریسپانس نہیں مل پا رہا۔ میں کافی انٹرویوز کر چکی ہوں۔ بہت سارے مسائل آ رہے ہیں۔" دوسری جانب سارہ تھی۔ فجر کو ایک پرسنل اسسٹنٹ کی اشد ضرورت تھی، وہ بھی ایک خاتون۔ اس کے کام کی نوعیت ایسی تھی کہ اسے اکثر سفر کرنا پڑتا تھا، فیشن شوز کے لیے، کلائنٹس سے ملنے کے لیے۔ موجودہ حالات ایسے تھے کہ کسی خاتون کا اکیلے یا ایک اور خاتون کے ساتھ مسلسل سفر کرنا آسان نہیں رہا تھا۔ اس لیے اسے ایک بھروسہ مند، قابل اور ہر وقت دستیاب فی میل پی اے کی ضرورت تھی جو اس کے ساتھ سایہ بن کر رہ سکے۔ مگر ایسی پی اے ملنا جوئے شیر لانے کے مترادف ثابت ہو رہا تھا۔ کئی انٹرویو ہو چکے تھے، مگر کوئی بھی امیدوار اس کے معیار پر پورا نہیں اترا تھا، یا پھر حالات کی وجہ سے سفر کرنے کو تیار نہیں تھا۔ کچھ لڑکیاں سفر اور دوسرے ملکوں اور شہروں کے دورے پر راضی نہیں ہوتی تھیں اور کچھ کے والدین نہیں مانتے تھے۔ فجر نے اس کی بات سن کر گہری سانس لی۔

"ابھی کچھ وقت ہے۔ ہم مزید انتظار کر لیتے ہیں۔" وہ فون رکھنے والی تھی۔

"ایک میل candidate بار بار چکر لگا رہے ہیں۔ وہ کئی بار آنلائن اپلائی کر چکے ہیں اور آج تیسری بار آفس آئے ہیں۔" سارہ نے اطلاع دی۔

"نہیں مجھے میل پی اے نہیں چاہیے۔" وہ کوفت سے بولی۔ اتنا زیادہ کام تھا اور ہر چیز کا خیال اسے خود ہی رکھنا پڑ رہا تھا اس لیے اسے اب پی اے کی شدید ضرورت محسوس ہوتی تھی۔

"وہ ایک بار آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔" دوسری جانب سے ذرا جھجک کر کہا گیا۔

"سارہ۔۔۔۔" وہ فجر کی ہم عمر ہی تھی پر فجر کے رتبے کا لحاظ پورا کرتی تھی۔ اس لیے اکثر اپنی رائے پیش کرتے وقت جھجک پڑتی تھی۔

"پلیز ایک انٹرویو کر لیں۔" دوسری جانب سارہ اپنے سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر بولی۔

"نام کیا ہے؟" اس نے سیٹ سے پشت ٹکاتے پوچھا۔

"ولی اورنگزیب!"

"ایک اور اورنگزیب؟ ہرگز نہیں۔" وہ فوراً سیدھا ہوئی۔

"مجھے لگتا ہے آپ کو ایک انٹرویو کرنا چاہیے۔" سارہ نے اپنی رائے پیش کی تو فجر نے گہری سانس لیتے اسے اندر بھیجنے کا کہا اور کریڈل رکھ دیا۔

یہ ولی اورنگزیب کا تیسرا چکر تھا۔ تیسری بار وہ فجر معراج کے آفس میں قدم رکھ چکا تھا، اس امید پر کہ شاید اس بار قسمت مہربان ہو جائے۔ پچھلی دو بار تو وہ بمشکل آفس کے اندرونی دروازے تک پہنچ پایا تھا، فجر تک رسائی ناممکن تھی۔ مگر آج وہ فجر کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے دروازے پر دستک دی اور اندر داخل ہو گیا۔ سامنے ہی کرسی پر فجر بیٹھی تھی اور اب اس کے سامنے یہ نوجوان کھڑا تھا۔ **ولی اورنگزیب!**

فجر کی نظریں اس کے پاؤں سے شروع ہوئیں۔ سیاہ چمکے ہوئے جوتے، جن پر گرد کا ایک ذرہ بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ پھر نگاہیں اوپر اٹھیں۔ گہرے نیلے رنگ کی ڈریس پینٹ اور ہلکے آسمانی رنگ کی ڈریس شرٹ، جس کے کف نفاست سے فولڈ کیے ہوئے تھے۔ بال کتھئی اور چمکدار، ایک خاص انداز میں جمے ہوئے۔ گردن سیدھی، کندھے چوڑے۔ ایک متوازن اور مضبوط فریم۔ اور پھر چہرہ۔

اس کی توجہ سیدھی اس کے چہرے پر گئی۔ دائیں طرف کا گال بالکل ہموار اور صاف تھا، مگر بائیں گال پر، آنکھ کے نیچے سے گال پر ایک واضح نشان تھا۔ ٹانکوں کا ایک نشان جو اب بھر کر ایک گہری لکیر بن گیا تھا۔ یہ نشان اس کی شخصیت پر ایک عجیب تاثر چھوڑ رہا تھا۔ جیسے کسی چاند پر کوئی داغ ہو۔ ایک پر کشش چہرے پر ایک گہری خراش! لیکن یہ برا نہیں لگتا تھا بلکہ یہ اس کی شخصیت میں عجیب ٹھہراؤ چھوڑ رہا تھا۔

وہ اسے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ ذہن میں عجیب سا جھماکہ ہوا۔ کوئی تھا جو یاد آیا تھا۔ سامنے کھڑے شخص کے چہرے پر ہلکی داڑھی تھی جس میں اس کا باقی نشان چھپ گیا تھا، بس گال پر تھوڑا ہی نظر آتا تھا۔ وہ کچھ پل اسے دیکھتی رہی۔ کسی ٹرانس کی کیفیت میں، پھر اچانک ہوش آنے پر سر جھٹک دیا۔ سامنے کھڑا یہ شخص، کلین شیو، دبلے پتلے، شارٹ ٹراوزر پہنے، کندھے پر بیگ لٹکائے اور سر پر کیپ جمائے اس لڑکے سے بالکل مختلف تھا جس کا نام ولیم جوزف تھا۔ جس کا آدھا چہرہ ہمیشہ کیپ میں چھپا رہتا تھا۔ لیکن نا جانے کیوں اسے دیکھ کر فوراً وہ یاد آیا تھا۔

فجر نے اسے بیٹھنے کا اشارہ نہیں کیا۔ وہ خود بھی اپنی چیئر پر بیٹھی رہی، ہاتھ میز پر رکھے، اور سیدھے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"نام؟"

"ولی اورنگزیب!" آواز گہری اور مضبوط تھی۔ ہاتھ میں فائل پکڑ رکھی تھی۔ لہجہ شستہ اور صاف تھا۔

"پہلے بھی اپلائی کیا تھا؟" فجر نے پوچھا، لہجے میں کسی قسم کی نرمی نہیں تھی۔ بندھے بالوں میں بھی وہ اتنی ہی اچھی لگ رہی تھی۔

"جی میڈم! یہ تیسری بار ہے۔" ولی نے بغیر ہچکچاہٹ جواب دیا۔

فجر نے اس کے چہرے کے نشان پر نظر جمائی۔

"یہ نشان کیسے آیا؟" سوال غیر متوقع تھا، مگر فجر کو سیدھی بات کرنے کی عادت تھی۔ اسے اس نشان نے ٹھٹھکنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"لڑائی ہو گئی تھی میڈم! چوٹ لگی تھی، ٹانکے آئے تھے۔" وہ کس قدر فرمانبرداری سے بولا۔

فجر نے سر ہلایا۔ اس کی فائل دیکھنے کی زحمت بھی نہیں کی۔

"دیکھیں مسٹر ولی۔ آپ تیسری بار آئے ہیں، آپ کی Determination قابلِ تعریف ہے، مگر میں پہلے بھی کلیئر کر چکی ہوں۔ مجھے ایک فی میل پی اے چاہیے۔"

ولی کا چہرہ لمحہ بھر کے لیے بجھا، مگر پھر اس کی آنکھوں میں ایک چمک سی آئی۔ اس نے ہمت مجتمع کی۔

"میں جانتا ہوں کہ آپ کو ایک فی میل پی اے کی ضرورت ہے، مگر کیا آپ نے آج کل کے حالات پر غور کیا ہے؟" اس کا انداز پر اعتماد تھا۔

فجر نے ابرو اچکایا۔ "مطلب؟"

"مطلب یہ کہ آپ ایک فیشن ڈیزائنر ہیں۔ آپ کو اکثر سفر کرنا پڑتا ہے۔ شہروں شہر، شاید ملکوں ملک بھی۔ شوز ہوتے ہیں، ایگزیبیشنز ہوتی ہیں، کلائنٹس سے ملاقاتیں ہوتی ہیں۔ ان حالات میں، جب سفر کرنا خاص طور پر

خواتین کے لیے بہت رسکی ہو گیا ہے، کیا ایک فی میل پی اے آپ کے لیے اتنی مدد گار ثابت ہو گی؟" ولی نے ٹھوس پوائنٹ اٹھایا۔

فجر نے ہاتھ باندھے۔

"میں سمجھ رہی ہوں آپ کا پوائنٹ، مگر مجھے ایک خاتون ہی زیادہ کمفرٹیبل رہے گی۔ میرے کام کی نوعیت ایسی ہے۔"

"میں اس بات سے انکار نہیں کر رہا میڈم! لیکن فرض کریں آپ کو رات گئے کسی کلائنٹ سے ملنے جانا پڑتا ہے، یا کسی ایسے شہر میں ٹریول کرنا پڑتا ہے جہاں سیکیورٹی کے مسائل ہیں؟ ایک خاتون پی اے کے ساتھ آپ خود بھی سٹریس میں رہیں گی، اور وہ بھی محفوظ محسوس نہیں کرے گی۔ کیا ایسے میں ایک میل پی اے زیادہ قابلِ اعتماد اور محفوظ آپشن نہیں ہے؟" ولی نے اپنا دلائل جاری رکھا۔

"میں آپ کی سیکیورٹی کو یقینی بنا سکتا ہوں۔ آپ کے سفر کو زیادہ آسان اور کم پریشان کن بنا سکتا ہوں۔ وہ کام کر سکتا ہوں جو شاید ایک خاتون پی اے کے لیے مشکل ہوں۔"

فجر اسے غور سے سن رہی تھی۔ اس کی بات میں وزن تھا۔ وہ خود بھی اس مسئلے پر پریشان تھی۔ اسے ایک ایسی ساتھی کی ضرورت تھی جو ہر حال میں اس کے ساتھ کھڑی ہو سکے، مشکل حالات میں بھی۔ اور واقعی، موجودہ صورتحال میں ایک خاتون کے لیے وہ رول نبھانا آسان نہیں تھا۔

"میں ایک فیشن ڈیزائنر ہوں۔ میرے کام میں بہت سی باریکیاں ہوتی ہیں۔ مجھے ایک ایسی اسسٹنٹ چاہیے جو میرے کام کو سمجھے، میرے سٹائل کو، میرے کلائنٹس کو۔ یہ سب ایک مرد کے لیے سمجھنا مشکل ہو سکتا ہے۔" فجر نے ایک اور پہلو اٹھایا۔

"میڈم، قابلیت جنس کی محتاج نہیں ہوتی۔" اس نے اعتماد سے کہا۔ "مجھے سیکھنے میں کوئی مشکل نہیں ہو گی۔ میں محنتی ہوں اور آپ کے کام کو سمجھنے کی پوری کوشش کروں گا۔ مجھے موقع تو دیں۔ آپ میری فائل دیکھ لیں۔ میری کوالیفیکیشنز دیکھ لیں۔"

وہ سوچ میں پڑ گئی۔ یہ نوجوان، جس کے چہرے پر لڑائی کا نشان تھا مگر آنکھوں میں عزم تھا، ایک مضبوط دلیل دے رہا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ تیسری بار آیا ہے۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ واقعی یہ جاب چاہتا تھا۔ شاید اس کی بات میں دم تھا۔ حالات واقعی اچھے نہیں تھے اور ایک قابلِ اعتماد میل پی اے شاید اس وقت اس کی ضرورت تھی۔ مگر ایک مرد کو اپنا پرسنل اسسٹنٹ رکھنا؟ فجر کو یہ خیال ہی عجیب لگ رہا تھا۔

"مسٹر ولی، میں سمجھتی ہوں آپ کی بات۔ مگر۔۔" فجر نے کہنا چاہا، مگر اس نے بات کاٹ دی۔

"میڈم! آج کل کے دور میں عملیت پسندی زیادہ ضروری ہے۔ آپ کو ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو آپ کے ساتھ ہر جگہ جا سکے، بغیر کسی خوف یا جھجھک کے۔ جو آپ کے لیے ڈرائیونگ کر سکے، آپ کے سامان کا خیال رکھ سکے، نامناسب حالات میں آپ کے لیے سٹینڈ لے سکے۔ ایک میل پی اے یہ سب کچھ زیادہ آسانی سے کر سکتا ہے۔ اور جہاں تک کام کو سمجھنے کی بات ہے، میں یقین دلاتا ہوں کہ میں بہت جلد سب کچھ سیکھ لوں گا۔"

ولی نے پرجوش انداز میں کہا۔ اس کی آواز میں التجا نہیں تھی، بلکہ ایک پراعتماد پیشکش تھی۔

فجر خاموش ہو گئی۔ اس کے دلائل نے اسے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کی ضرورت اور موجودہ حالات کے تقاضے آپس میں ٹکرا رہے تھے۔ اس کے لیے یہ ایک مشکل فیصلہ تھا۔ وہ اس کے سامنے کھڑا، پر عزم نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کا مستقبل، کم از کم اس جاب کے حوالے سے، فجر کے اگلے لفظ پر منحصر تھا۔ اس کی ہیزل آنکھوں میں الجھن تھی۔ اس کی ایک ہاں یا ناں اگلے کا بہت کچھ بگاڑ اور سنوار سکتی تھی۔

"سوری مسٹر ولی! آپ جا سکتے ہیں۔" وہ کس پیشہ ورانہ انداز میں بولی۔

"لیکن۔۔۔" اس نے کچھ کہنا چاہا۔

"انف!" فجر کی تیز آواز گونجی۔ "کہا نا نہیں۔ اب جائیں یہاں سے۔" اس کا ارادہ نہیں تھا۔ سخت رویہ اپنانے کا مگر سامنے کھڑا وہ شخص پیچھے ہی نہیں ہٹ رہا تھا۔ اس کی جھاڑ سن کر پل بھر وہ رکا۔ ہونٹ آپس میں پیوست کیے۔ ایک نظر فجر پر ڈالی۔ یہ نظر گہری اور سرد تھی۔ پھر وہ لمبے ڈگ بھرتا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ اس کے جاتے ہی فجر نے سانس بحال کیا۔

"میل پی اے؟ نہیں ہرگز نہیں۔" اس نے فوراً سر جھٹک دیا ایک اور اور نگزیب تو ہرگز نہیں۔ وہ اپنے کام کی جانب متوجہ ہو چکی تھی۔ آج اسے جلد کام نبٹانا تھا اور شام میں صفدر کی طرف بھی جانا تھا۔ اس لیے اس نے اپنی توجہ کام پر مرکوز کر دی۔ لیکن ذہن میں ابھی تک وہ چہرہ گھوم رہا تھا۔ جو جانا پہچانا تھا مگر بالکل مختلف شخصیت! ہاں چہروں جیسے چہرے ہوتے ہیں جیسا اس کا تھا منار جیسا پھر اس میں اتنا سوچنے والی کیا بات تھی؟ البتہ دل میں عجیب سی بے چینی پھیل چکی تھی۔

✿••✿••✿••✿

یہ منظر ہے ڈی ایچ اے لاہور کے ایک پوش علاقے کا، جہاں اس وقت روحی ولاء کے نام سے بنا یہ محل نما گھر سجا ہوا تھا اور اندر ایک پر وقار سالگرہ کی تقریب چل رہی تھی۔ شام کا اندھیرا گہرا ہونے کے ساتھ ساتھ مارچ کی ہلکی پھلکی ٹھنڈ بھی ماحول میں سرایت کرنے لگی تھی۔ مرسڈیز کا سیاہ ماڈل گھر کے وسیع پورچ کے سامنے آکر رکا اور پھر گیٹ کھلا تو گاڑی اندر چلی گئی۔ گاڑی پارک کر کے فجر باہر نکلی۔ اس نے سرخ اور سبز رنگ کا خوبصورت سوٹ زیب تن کر رکھا تھا۔ سرخ لانگ شرٹ اور اس کے ساتھ ٹراؤزر تھا، شرٹ کے گلے اور بازوؤں پر نفیس سبز کڑھائی کا کام تھا جو لباس کو خاص بنا رہا تھا۔ سبز رنگ کا ڈوپٹہ خوبصورتی سے اس کے گلے میں پڑا ہوا تھا۔ اس کے بال سلیقے سے بندھے ہوئے تھے اور ہیزل آنکھوں پر چشمہ لگا تھا جو اس نے اٹھا کر بالوں میں جما لیا۔ کانوں میں سبز رنگ کے چھوٹے چھوٹے ٹاپس جگمگ کر رہے تھے اور کلائی میں نازک سی بریسلٹ تھی۔ ہلکے میک اپ کے ساتھ وہ اس مشرقی حلیے میں بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ پیروں میں پہنی، سرخ ہیل اس کے چلنے کے انداز کو خوبصورت بنا رہی تھی۔ اس کے ایک ہاتھ میں مہکتے پھولوں کا بکے تھا جبکہ دوسرے ہاتھ میں ایک خوبصورت سنہری رنگ کا گفٹ پیک تھا جو وہ صفدر کی چھوٹی بہن کے لیے لائی تھی جس کی آج سالگرہ تھی۔

گیٹ پر موجود خدمت گار نے فوراً آکر گاڑی کا دروازہ کھولا اور پھر اندر اطلاع دی۔ مسٹر اور مسز حسین، یعنی صفدر کے والدین، خود پورچ میں اسکا استقبال کرنے آئے۔ ان کے چہروں پر فجر کے لیے احترام اور اپنائیت صاف ظاہر تھی۔ انہوں نے گرم جوشی سے فجر کا استقبال کیا اور اسے ہاتھ پکڑ کر گھر کے اندر تقریب ہال کی طرف لے گئے۔ اسی گھر کے ایک کونے میں بنے بڑے سے روم میں اس وقت صفدر اور اس کا بڑا بھائی صدام تھے۔ وہ دونوں تیار ہو رہے تھے۔

کمرے میں روشنی تھی اور باہر تقریب کا شور مدھم سا سنائی دے رہا تھا۔

تیار ہونے کے بعد صدام، صفدر کی طرف پلٹا۔ اس کے چہرے پر ایک خاص قسم کی چمک تھی۔

"تمہیں ایک بات بتاؤں؟" وہ کافی پر جوش دکھائی دیتا تھا۔

صفدر جو فون پر مصروف تھا اس نے سیل فون سے نظر ہٹائے بغیر کہا۔ "ہاں بولو۔ اب کیا نیا شوشا چھوڑنا ہے؟"

"شوشا نہیں، سیریس بات ہے۔" صدام نے کرسی پر بیٹھتے کہا۔

"مجھے فجر پسند ہے۔"

صفدر کا سیل فون ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے بچا۔ اس نے جھٹ سے سر اٹھا کر صدام کو دیکھا، آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔

"کیا؟ فجر پسند ہے؟ تمہارا دماغ ٹھیک ہے؟" اسے اپنے سے تین سال بڑے صدام پر افسوس ہوا۔

اس کی بات سن کر صدام ہنسا۔

"ہاں یار، بالکل ٹھیک ہے۔ بہت اچھی لگتی ہے مجھے۔ سوچ رہا ہوں اسے پرپوز کر دوں۔"

صفدر اپنی کرسی سے تقریباً اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"پرپوز کر دوں؟ پاگل ہو گئے ہو؟ کسے پرپوز کرنے چلے ہو؟ فجر معراج کو؟"

"ہاں فجر معراج کو۔ اور کون فجر ہے؟" صدام نے آرام سے جواب دیا۔ "تمہیں کیا مسئلہ ہے اس سے؟ تم نے تو وہ ویسے بھی بہن بنایا ہوا ہے، مجھے پسند ہے تو کرنے دو نا پرپوز!"

"مسئلہ مجھے نہیں، تمہیں ہو گا۔" صفدر نے غصے سے کہا۔ "تمہیں پتا بھی ہے فجر کیا چیز ہے؟ وہ ڈائن ہے! ڈائن!"

صدام نے کندھے اچکائے۔

"اچھا؟ کیسے ڈائن ہے؟ وہ تو اتنی سلجھی ہوئی، انڈیپنڈنٹ لڑکی ہے۔ مام ڈیڈ بھی اسے پسند کرتے ہیں۔ ابھی دیکھا نہیں کیسے ویلکم کرنے گئے؟"

"ان کی بات الگ ہے۔ وہ میری بزنس پارٹنر ہے، ان کی نظر میں اس کی ویلیو ہے۔ لیکن تم اس سے شادی کا سوچ رہے ہو؟ تمہیں نہیں پتا کہ اصل میں وہ کیا ہے۔ میں اسے جانتا ہوں۔ ایسی غلطی مت کرنا۔" صفدر نے جیسے منت کرتے ہوئے کہا۔

"وہ جو ابھی باہر سے نظر آرہی ہے، اندر سے بالکل ویسی نہیں ہے۔ اس کی مسکراہٹ پر مت جانا۔" اس نے تنبیہہ کی۔

"اور مجھے تو اس میں اپنا مطلب بھی نظر آرہا ہے۔" صدام نے پراسرار انداز میں کہا۔

"کیسا مطلب؟" صفدر کی تیوری چڑھی۔

"بزنس کا مطلب!" صدام نے آرام سے بتایا۔ "تم لوگوں کا بزنس کتنا اچھا چل رہا ہے۔ اگر وہ ادھر ہمارے گھر آ گئی نا تو وہ بزنس بھی ایک طرح سے ہمارا ہی ہو جائے گا۔ ہمارے فیملی بزنس کے ساتھ مل کر ہم لوگ کہاں سے کہاں پہنچ جائیں گے۔"

صفدر نے ماتھا پیٹ لیا۔ وہ کتنا بے وقوف تھا۔ کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔

"حیرت ہے تم پر! تو پیسوں اور بزنس کے لیے اس ڈائن سے شادی کرو گے؟ تمہیں شرم نہیں آتی؟ اور تمہیں لگتا وہ اپنا بنا بنایا بزنس، جس میں اس کا اتنا پیسہ اور محنت لگی ہے، ایسے ہی تمہارے حوالے کر دے گی؟ اتنی سیدھی نہیں ہے وہ۔"

"کیوں نہیں کرے گی؟" صدام نے ہٹ دھرمی سے کہا۔

"تم نے ہی بتایا تھا وہ بیوہ ہے۔ اس کا نکاح ہوا تھا اور شوہر مر گیا۔ اکیلی ہے۔ اسے بھی تو کسی سہارے کی ضرورت ہو گی۔ میری شکل اچھی ہے، خاندان اچھا ہے، سیٹ ہوں۔ وہ فوراً ہاں کر دے گی۔ اور ویسے بھی، خاندان میں ایک پڑھی لکھی، بزنس وومن بہو آئے گی تو عزت بڑھے گی نا۔"

اس کی بات سن کر صفدر جو تاسف ہوا۔ اس نے افسوس سے گردن ہلائی۔

"تم نا بالکل اندھے ہو گئے ہو۔ یا تم جان بوجھ کر آنکھیں بند کر رہے ہو۔ سہارا؟ فجر کو سہارے کی ضرورت؟ وہ خود اپنے لیے اور دوسروں کے لیے سہارا ہے۔ وہ اتنی مضبوط اور ذہین لڑکی ہے کہ اچھے اچھوں کو اپنی انگلیوں پر نچاتی ہے۔ وہ بیوہ ہے تو کیا ہوا؟ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ پہلے مرد کا غم لے کر بیٹھی ہے اور کسی بھی دوسرے مرد کے ساتھ چل دے گی۔" پھر وہ صدام کی جانب جھکا۔

"صدام میری بات غور سے سنو۔ میں نے اس کے ساتھ پڑھا ہے، کام کیا ہے۔ میں اس کی سوچ جانتا ہوں۔ وہ ایسی ویسی بالکل نہیں ہے۔ اگر تم نے اسے پرپوز کیا نا تو دو کام ہوں گے۔ یا تو وہ تمہیں اتنے برے طریقے سے انکار کرے گی کہ تمہاری ساری ہیرو ملی نکل جائے گی، یا پھر وہ کوئی ایسا چکر چلائے گی کہ ہم سب پھنس جائیں گے۔ وہ اتنی آسانی سے اپنا بزنس یا اپنی لائف کا کنٹرول کسی کو نہیں دیتی۔ وہ واقعی ڈائن ہے۔"

اس کی بات سنتے ہی صدام اکڑ گیا۔

"زیادہ فلمی نہ بنو۔ یہ سب تمہاری بنائی ہوئی کہانیاں ہیں۔ شاید تمہاری اس سے بنتی نہیں نا اس لیے ایسے بول رہے ہو۔ مجھے اچھی لگتی ہے، میں بات کروں گا۔ مجھے تو نہیں لگتی وہ ایسی۔ میں ہینڈل کر لوں گا۔"

صفدر نے جب دیکھا کہ صدام کسی صورت مان نہیں رہا۔ اس نے ایک گہری سانس لی، جیسے ہار مان لی ہو۔ وہ کھڑا ہوا اور صدام کی طرف دیکھا، اس کے چہرے پر غصہ اور افسوس تھا۔

"چلو ٹھیک ہے۔ نہیں سننی نا میری بات۔ نہ سنو۔" صفدر نے سرد لہجے میں کہا۔ "کر لو جو کرنا ہے۔ اپنی من مانی کر لو۔" وہ دروازے کی طرف مڑا، پھر رکا اور پلٹ کر صدام کو دیکھا۔ اس کی آواز اب سخت اور حتمی تھی۔

"لیکن ایک بات یاد رکھنا صدام! جو بھی ہو گا نا۔ جو نتیجہ نکلے گا اور فجر جو تمہارے ساتھ کرے گی نا، اس سب کا زمہ دار تم خود ہو گے۔ بعد میں میرے پاس آ کر رونا مت۔"

یہ کہہ کر صفدر تیزی سے دروازہ کھول کر کمرے سے نکل گیا۔ صدام وہیں بیٹھا رہا، صفدر کے جانے کی سمت دیکھتا ہوا، اس کے چہرے پر تذبذب اور تھوڑی سی فکر آئی، لیکن پھر اس نے خود کو جھٹکا دیا، جیسے صفدر کی باتوں کو اہمیت نہ دی ہو، اور دوبارہ فجر کے بارے میں سوچنے لگا۔ اچانک دروازے پر صفدر کا چہرہ نمودار ہوا۔

"اور ہاں۔ اسے پرپوز کرنا ہو تو گھٹنوں پر آنا، شاید وہ مان جائے۔" اس بار اس کی آنکھوں میں ہلکی سی شرارت تھی۔ وہ پھر غائب ہو گیا۔ جبکہ صدام کا اعتماد یک لخت ہی بڑھ گیا۔ باہر سے تقریب کا شور اب پہلے سے زیادہ بلند سنائی دے رہا تھا۔

✿••✿••✿••✿

صفدر کے جانے کے بعد صدام کچھ دیر وہیں بیٹھا رہا، سوچوں میں گم۔ ادھر ہال اور بیک یارڈ میں تقریب اپنے عروج پر تھی، مدھم موسیقی بج رہی تھی اور لوگ گروپس میں کھڑے محفل جما رہے تھے۔ فجر اس وقت ہال کے ایک جانب کھڑی تھی، جہاں سے وسیع لان کا خوبصورت نظارہ نظر آ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں نارنجی رنگ کے مشروب کا گلاس تھا اور وہ مسز حسین سے ہنستے ہوئے باتیں کر رہی تھی۔ مسز حسین کی آنکھوں میں اس کے لیے واقعی محبت اور فخر تھا۔

"اور سناؤ فجر بیٹا، کام کیسا چل رہا ہے؟ صفدر بتا رہا تھا بہت پریشر ہے آج کل؟" مسز حسین نے شفقت سے پوچھا۔ شاید ان کی اس شفقت میں بھی کوئی مطلب چھپا تھا۔

فجر مسکرائی۔ "جی آنٹی بس، اللہ کا کرم ہے۔ پریشر تو ہے لیکن اب سیٹل ہو گیا ہے کافی کام۔"

مسز حسین کچھ اور پوچھنے ہی لگی تھیں کہ ہال کے مرکزی دروازے پر ہلکی سی چاپ سنائی دی۔ لوگوں کی نظریں اس طرف اٹھیں۔ ہال میں ایک لمحے کو جیسے سرگوشیوں کا شور بلند ہوا اور پھر دب گیا۔ دروازے سے جو شخصیت داخل ہوئی، وہ رئیس اور نگزیب تھا۔ اس کے ساتھ ایک جانب عروزہ اور دوسری جانب مراد عالم تھا۔

رئیس اس وقت کافی رنگ کے لباس میں تھا۔ ڈریس پینٹ اور شرٹ اور سیاہ رنگ کی جیکٹ پہنی ہوئی تھی، جو اس کے چوڑے کندھوں پر کسی فریم کی طرح جچ رہی تھی۔ گھنے بال پیچھے کی جانب سیٹ تھے، جیسے انگلیوں سے سیٹ کیا گیا ہو اور روشنی پڑنے پر چمک رہے تھے۔ اس کے چہرے پر ہمیشہ کی طرح ایک خاص قسم کی سنجیدگی اور خود اعتمادی تھی۔

جیسے ہی وہ ہال میں داخل ہوا، اس کی پہلی نظر سیدھی فجر پر پڑی۔ ہال میں اتنے رنگارنگ مغربی لباسوں کے بیچ، سرخ رنگ پہنے فجر مشرقی حلیے میں بھی بے حد حسین لگ رہی تھی۔ بڑھتی ہوئی خنک کی وجہ سے اس نے دوپٹہ کندھوں پر لپیٹ رکھا تھا۔

اس کی آنکھوں سے چشمہ اتر چکا تھا اور روشن قندیلوں کی روشنی میں اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔ رئیس اسے دیکھ کر وہیں، دروازے کے پاس ہی، ایک لمحے کے لیے ٹھٹھک گیا۔ اس کے قدم جیسے زمین میں گڑ گئے۔

اڑھائی سال کا عرصہ، اڑھائی سال! یہ وقت تھوڑا نہیں تھا۔ ان اڑھائی برسوں میں ان کی کبھی بات نہیں ہوئی تھی۔ کبھی آمنا سامنا ہوا بھی تو کسی آفیشل تقریب میں، جہاں بڑے بڑے لوگ موجود ہوتے۔ لیکن فجر نے اسے ہمیشہ ایسے نظر انداز کیا جیسے وہ وہاں موجود ہی نہ ہو۔ جیسے رئیس اورنگزیب نام کا کوئی شخص اس دنیا میں وجود ہی نہیں رکھتا۔ وہ اس کے قریب سے گزر جاتی، لوگوں سے بات کرتی، ہنستی مسکراتی، مگر کبھی پلٹ کر اسے دیکھا تک نہیں۔ اس بات نے رئیس کو اندر سے جھنجھوڑ دیا تھا۔ وہ پہلے سے زیادہ سخت، خاموش اور زیادہ پراسرار ہو گیا تھا۔

ادھر فجر خود اڑھائی سال پہلے والے اس خوفناک حادثے سے آج تک خوفزدہ تھی۔ پیرس میں رئیس پر ہونے والا حملہ، اسے لگتا تھا جیسے وہ ایک منحوس سایہ ہے، اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کا کرس ہوناولیم کے بعد، مزید کسی کی جان لے، خاص طور پر رئیس کی جان، جو خود کو اسکا مسیحا کہتا تھا۔ اسی لیے اس نے رئیس اورنگزیب کے وجود کو اپنی زندگی سے بالکل نظر انداز کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اس پر قائم رہی۔

اور آج، اس ہال میں، اچانک دونوں کی نظریں ٹکرائیں۔ وقت جیسے ایک لمحے کو تھم گیا۔ اڑھائی سال کی خاموشی، نظر انداز کرنے کی کوششیں، دل میں دبے نفرت کے جذبات سب کچھ اس ایک پل میں سطح پر آ گیا۔ شناسائی کے

رنگ ابھرے وہ ایک دوسرے کو پہچانتے تھے، بہت اچھے سے پہچانتے تھے۔ ان کے درمیان کوئی رشتہ نہیں تھا لیکن کچھ اور تھا جو کبھی مکمل نہیں ہو پایا تھا۔ لیکن پھر، اگلی ہی سانس، اجنبیت چھا گئی۔

فجر کی آنکھوں میں وہی پرانی سرد مہری، وہی جان بوجھ کر اختیار کی گئی اجنبیت لوٹ آئی۔

وہ ایک پل تھا، وہ ایک پل ایسا تھا کہ رئیس اپنی جگہ ساکت رہ گیا، ایک مجسمے کی طرح۔ اس کے اندر کچھ ٹوٹا، کچھ بکھرا۔ اور فجر نے، بغیر کسی تاثر کے، بڑی آہستگی سے اپنا رخ موڑ لیا، مسز حسین سے دوبارہ بات کرنے لگی جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

پچھلے اڑھائی سالوں میں وہ جتنا اپنی طور پر زچ ہوا تھا، یہ صرف وہ جانتا تھا۔ اس نے فجر پر پل پل نظر رکھی۔ وہ جانتا تھا وہ کہاں ہے، کیا کر رہی ہے، کس سے مل رہی ہے۔ اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے اسے ایک کاسٹیوم ڈیزائنر سے کامیاب شخصیت بنتے دیکھا۔ اور جہاں کہیں کوئی چھوٹی سی بھی مصیبت یا مشکل اس کے راستے میں حائل ہوتی نظر آئی، رئیس نے وہ ایسے ہٹا دی جیسے وہ کبھی تھی ہی نہیں۔

جتنا وہ اس پر نظر رکھے ہوئے تھا، اتنی ہی شدید نفرت محسوس ہوتی تھی۔ اس کا دل کرتا تھا، اسی لمحے، کھڑے کھڑے، اس لڑکی کی جان لے لے جس نے اس کے دل و دماغ کو یوں جکڑ رکھا تھا۔ پچھلے اڑھائی سالوں میں منار معراج کا خیال بھی نہیں آیا وہ پس منظر چلی گئی تھی کیونکہ جیتی جاگتی فجر معراج اس کے سامنے تھی۔

مگر کیا وہ اس کی جان لے پائے گا؟ وہ لڑکی جس نے اڑھائی سال بعد صرف ایک نظر سے اسے ساکت کر دیا تھا۔ کیا وہ واقعی اس کی جان لینے کی ہمت کر سکے گا؟ سوال ہوا میں معلق رہ گیا۔

اسے تھرل چاہیے تھا۔اس نے فجر معراج نامی تھرل کی خواہش کی تھی مگر یہ تھرل ایسا ہو گا اس نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔

"خوش آمدید اورنگزیب صاحب!" مسٹر حسین مسکرا کر اس کی جانب بڑھے اور اسے گلے لگایا تو اس کا سکتہ بھی جیسے ٹوٹ گیا وہ اب مسکرا مسکرا کر مہمانوں سے مل رہا تھا۔لوگوں اسے دیکھتے ہی پر جوش ہو گئے تھے۔اس کی شخصیت ہی ایسی تھی جہاں جاتا تھا رونق بڑھ جاتی تھی۔

✿••✿••✿••✿

رات کے سائے گہرے ہو چکے تھے اور مارچ کی خنکی فضا میں رچی بسی تھی۔فلک عالمگیر کے کمرے میں مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی،جو رات کی خاموشی کو اور بھی نمایاں کر رہی تھی۔کمرے کے ایک کونے میں رکھے لیپ ٹاپ کی اسکرین روشن تھی اور اس پر رئیس اورنگزیب کی تصویر نظر آ رہی تھی۔تصویر میں وہ بے حد کیجول حلیے میں تھا۔ایک بیگی پینٹ،سفید گول گلے والی ٹی شرٹ اور اس کے اوپر گہرے نیلے رنگ کی بٹن ڈاؤن شرٹ پہنے ہوئے تھا۔گلاسز اس کے ہاتھ میں تھے،جو شاید ابھی ابھی اتارے گئے تھے۔اس کی شارٹ باکس بیئرڈ،جس میں کہیں کہیں چاندی کے تار چمک رہے تھے،اس کی شخصیت کو مزید پر کشش بنا رہی تھی۔رئیس اس تصویر میں کسی بھی دل کے تار چھیڑنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔یہ تصویر اس کے ایک حالیہ شوٹ کی تھی جو اس نے گلاسز کے ایک برانڈ کے لیے ایک مہینے پہلے کروایا تھا اور یہ فوٹوز اس کے آفیشل اکاؤنٹ پر اپلوڈ تھیں۔

فلک آئینے کے سامنے کھڑی،اپنے گھنگھریالے بالوں کی لٹوں کو انگلیوں سے سلجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔اس کے چہرے پر ایک نرم اداسی اور ایک گہری محبت کے ملے جلے تاثرات تھے۔اس کی دوسری کتاب آج شائع ہو چکی تھی،ایک ایسی کتاب جسے اس نے ایک بار پھر اسی شخص کی محبت کے نام کیا تھا جس نے اسے تیرہ سال کی

منگنی کے بعد ٹھکرا دیا تھا۔ اس کی نظریں بار بار لیپ ٹاپ کی اسکرین پر جم جاتیں، گویا وہ تصویر سے گفتگو کر رہی ہو۔

اسی اثنا میں دروازہ کھلا اور فاخرہ (بھابھی) کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کی نظر سیدھی لیپ ٹاپ کی اسکرین پر پڑی اور رئیس کی تصویر دیکھ کر اس نے تاسف سے ماتھا پیٹ لیا۔

"حد ہے فلک!" فاخرہ کی آواز میں ہلکی سی جھنجھلاہٹ تھی۔

"تم آج بھی اسی شخص کے خواب دیکھتی ہو؟ اسی شخص کے جو تمہیں تیرہ سال کی منگنی کے بعد ٹھکرا چکا ہے؟"

فلک نے آئینے سے نظر ہٹا کر فاخرہ کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک اٹل یقین تھا۔

"محبت اپنے راستے نہیں بدلتی بھابھی!" اس نے دھیمی مگر مضبوط آواز میں کہا۔ ہاں وہ اس کا نام نہیں لیتی تھی۔ اس کا ذکر بھی خاندان میں ممنوع تھا۔ وہ اسے مہینوں مہینوں نہیں دیکھتی تھی مگر جب وہ سامنے آجاتا تھا تو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

"اور تمہیں کیا لگتا ہے کہ تمہاری یہ **'اٹل محبت'** اس کا راستہ بدل دے گی؟" فاخرہ نے طنز کیا۔ "وہ اپنی زندگی میں خوش ہے۔ اور تم ہو کہ وہیں کھڑی ہو جہاں وہ تمہیں چھوڑ گیا تھا۔"

"میں بھی آگے بڑھ آئی ہوں۔ دیکھیں دوسری کتاب شائع ہو چکی ہے۔ لوگ سراہ رہے ہیں۔ پڑھنے والے میری ایک جھلک دیکھنا چاہتے ہیں۔ میں آگے بڑھ آئی ہوں، ہاں مگر دل وہیں ٹھہر گیا ہے۔" اس کی لہجہ آخر میں دھیما ہو گیا۔ چھبیس سالہ فلک کا حسن پہلے سے بھی دو آتشہ ہو چکا تھا۔

"بس کر دو فلک! اب تمہارے پاس وقت نہیں ہے۔ چھبیس کی ہو چکی ہو۔ اس کی محبت کو اپنے دل سے نکال دو۔ بابا سائیں تمہاری جلد شادی کرنے والے ہیں۔" فاخرہ نے اسے کھینچ کر حقیقت کی دنیا میں لا پٹخا۔

"دیکھو اس شخص کو۔۔" فلک نے لیپ ٹاپ کی طرف اشارہ کیا۔ اس کی آواز میں ایک عجیب سی کشش تھی۔ "اس شخص سے کون محبت نہیں کرے گا؟ اس کی آنکھیں، اس کی مسکراہٹ، وہ سب کچھ جو وہ ہے۔"

"بس کر دو فلک!" فاخرہ نے ہاتھ اٹھا دیے۔ "یہ صرف ایک تصویر ہے۔ ایک برانڈ کے لیے پوز کیا ہوا چہرہ۔ تم ایک آئیڈیلائزڈ شخص سے محبت کر رہی ہو جو شاید حقیقت میں موجود ہی نہیں۔"

"نہیں!" فلک نے انکار میں سر ہلایا۔ "میں اس کی تنہائی سے محبت کرتی ہوں۔ اس کی اچھائی سے، اس کے اخلاق سے، اس کی باتوں سے۔ یہ سب کچھ تصویر میں نظر نہیں آتا، لیکن میں اسے جانتی ہوں۔"

"تم اسے نہیں جانتی، فلک! لوگ وہ نہیں ہوتے جو وہ دکھتے ہیں۔" فاخرہ اب تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔ "اور ویسے بھی، محبت میں صرف ایک شخص کا اٹل ہونا کافی نہیں ہوتا۔ دوسرے شخص کی مرضی بھی شامل ہوتی ہے۔ اور وہ شخص واضح طور پر تمہیں نہیں چاہتا۔"

فلک خاموش ہو گئی۔ فاخرہ کی باتیں کڑوی سچائی تھیں، مگر دل کہاں مانتا تھا۔ جس لڑکی نے لڑکپن سے صرف ایک ہی شخص کے خواب دیکھے ہوں اس کے چھوڑ دینے پر وہ کیسے چھوڑ دیتی؟ عزت نفس پیاری تھی، وہ اس کے راستے سے ہٹ چکی تھی مگر دل تھا کہ مانتا ہی نہیں تھا۔

اسے خاموش دیکھ کر فاخرہ نے ایک لمبی سانس لی، گویا بحث کو یہیں ختم کرنا چاہتی ہو۔

"اچھا سنو، پبلشر آ گیا ہے۔ تمہاری کتابوں کے ساتھ۔ تمہارے فینز بے تاب ہیں آٹو گراف کے لیے۔ چلو اب یہ رئیس اورنگزیب کی دنیا سے باہر آؤ اور حقیقت کی دنیا میں قدم رکھو۔ جلدی باہر آؤ!"

فلک نے ایک آخری نظر لیپ ٹاپ کی سکرین پر ڈالی، پھر ایک گہری سانس لے کر خود کو سنبھالا۔ اس نے اپنے بکھرے ہوئے بالوں کو سمیٹا اور فاخرہ کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گئی۔ باہر، حقیقی دنیا اس کا انتظار کر رہی تھی، وہ دنیا جہاں اس کے لفظوں کو سراہا جا رہا تھا، چاہے اس کے دل کی داستان ادھوری ہی کیوں نہ رہ گئی ہو۔

✿••✿••✿••✿

محل نما گھر کے سرسبز لان میں رات کے کھانے کی پروقار تقریب جاری تھی۔ مدھم روشنیوں میں چمکتے فانوس اور پھولوں کی دلکش سجاوٹ ماحول کو مزید سحر انگیز بنا رہی تھی۔ مہمان، جن میں شہر کی معزز شخصیات شامل تھیں، خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

اسی دوران، جو اپنے سرخ جوڑے میں ملبوس، شان و شوکت کا مجسمہ نظر آ رہی تھی۔ اس کا دوپٹہ نفاست سے اس کے شانوں کے گرد پھیلا ہوا تھا۔ وہ ایک کونے میں بنے چائے کے اسٹال پر موجود تھی اور نہایت انہماک سے اپنے لیے چائے کپ میں انڈیل رہی تھی کہ تبھی خوشبوؤں کا ایک جھونکا اس کے نتھنوں سے ٹکرایا۔ یہ خوشبو وہ کبھی نہیں بھول سکتی تھی۔

وہ رئیس تھا، جو فجر کے قریب آ کھڑا ہوا تھا، اپنے لیے دوسرے کپ میں چائے نکالنا شروع کی۔ اس کی نظریں فجر پر جمی تھیں۔

"ہیلو آرٹ کی دیوی!" اس نے فجر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، جس کے چہرے پر کوئی خاص تاثر نہ تھا۔

فجر نے دھیرے سے پلٹ کر رئیس کو دیکھا۔اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی بے نیازی تھی، جیسے وہ اس کی موجودگی سے قطعی طور پر متاثر نہ ہوئی ہو۔

"یاد ہوں بھی یا زمانے کی گرد نے میرے نقوش دھندلا دیئے ہیں؟" اس کے لہجے میں ایک مخصوص طنز تھا، جیسے وہ فجر کے ردِ عمل سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔

فجر نے ایک لمحے کے لیے اسے دیکھا، اس کی آنکھوں میں سرد مہری واضح تھی۔جب ایک عورت کی ہٹ دھرمی ایک مرد کی انا سے ٹکراتی ہے تو پھر کہرام برپا ہوتا ہے اور فجر کی بے نیازی رئیس اور نگزیب کو یہ کہرام برپا کرنے کے لیے اکسا رہی تھی۔

"جن سے میرے حساب برابر ہو جائیں، میں انہیں یاد رکھنے کی زحمت نہیں کرتی۔" اس نے ایک وار میں رئیس کی انا کو پھر سے چور چور کیا۔

رئیس کے ہونٹوں کی ہلکی مسکراہٹ بھی غائب ہوئی۔وہ جانتا تھا کہ یہ گفتگو کڑوی ہونے والی تھی۔

"اچھا۔۔؟" اس نے اچھا کو لمبا کھینچا۔"لیکن جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، پلڑا تو اب بھی میرا ہی بھاری ہے۔ حساب برابر ہونے میں ابھی کچھ کسر باقی ہے۔" اس نے چائے کا ایک گھونٹ بھرا اور پہیلی بجھائی۔فجر نے بھنویں سکیڑ کر اسے دیکھا۔

"کیا تم بھول گئیں کہ اگر میں نے تمہیں اسپانسر نہ کیا ہوتا، تو پیرس فیشن شو کے خواب ادھورے رہ جاتے۔اور آج تم وہ نہ ہوتیں، جو تم ہو۔" وہ اب اسے توڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔پتا نہیں یہ عورت ٹوٹتی کیوں نہیں تھی۔

جھکتی کیوں نہیں تھی۔ اڑھائی سال کم تو نہیں ہوتے۔ کیا اسے کبھی رئیس کا خیال نہیں آیا تھا؟ سوال اسے ڈستے تھے۔

فجر کے چہرے پر ایک تلخ مسکراہٹ ابھری۔ وہ جانتی تھی کہ رئیس اسے ماضی کی یاد دلا کر اسے توڑنا چاہے گا۔

"اسپانسر شپ ایک بزنس ڈیل تھی اور نگزیب صاحب! جو آپ نے میرے ساتھ نہیں لکس کے ساتھ کی تھی۔ کوئی احسان نہیں۔ آپ نے ایک ابھرتی ہوئی صلاحیت پر سرمایہ کاری کی، اور یقیناً اس کا منافع بھی وصول کیا۔ جہاں تک میرے آج کے مقام کا تعلق ہے، وہ میری محنت، میری لگن اور میرے ٹیلنٹ کا نتیجہ ہے۔ آپ کے چند لاکھ روپے میری کامیابی کی ضمانت نہیں تھے۔" اس نے بھی طنزیہ لہجہ میں کہا۔ وہ وہاں سے نکلنا چاہتی تھی مگر ہاتھ میں چائے کا کپ پکڑے رئیس صاحب اس کے راستے میں حائل تھا۔

"چند لاکھ؟" اس نے مصنوعی حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔ چہرے پر استہزاء تھا۔

"تمہیں شاید یاد نہیں کہ اس **'چند لاکھ'** کی وقت پر فراہمی نے تمہیں کس دلدل سے نکالا تھا۔ وہ **'چند لاکھ'** نہ ہوتے تو تمہارے ڈیزائنز شاید کسی مقامی درزی کی دکان پر ہی دم توڑ دیتے۔ پیرس تو بہت دور کی بات ہے۔" اس کے لہجے میں اب واضح طور پر تفاخر جھلک رہا تھا۔

"دلدل تو آپ جیسے لوگوں کی سوچ میں ہوتی ہے، اور نگزیب صاحب! میں ایک آرٹسٹ ہوں، اور آرٹسٹ اپنا راستہ خود بناتا ہے۔ ہاں، آپ کی اسپانسر شپ ایک سیڑھی ضرور تھی، لیکن منزل تک پہنچنے کے لیے صرف ایک سیڑھی کافی نہیں ہوتی۔ اس کے لیے ہمت، حوصلہ اور خود اعتمادی کی ضرورت ہوتی ہے، جو خوش قسمتی سے مجھ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"خود اعتمادی؟ یا اسے تکبر کہا جائے تو بہتر ہو گا؟" اس نے چائے کا اگلا گھونٹ بھرتے طنزیہ انداز میں کہا۔

"ویسے، سنا ہے آج کل بڑی بڑی باتیں کرنے لگی ہو۔ بھول گئیں وہ دن جب تم کچھ نہیں تھیں؟"

فجر کا چہرہ ایک لمحے کے لیے سرخ ہوا، لیکن اس نے فوراً خود پر قابو پا لیا۔

"وقت ہمیشہ ایک سا نہیں رہتا اور جہاں تک تکبر کی بات ہے، تو وہ آپ کی شخصیت کا خاصہ معلوم ہوتا ہے۔ **'بدی کا بادشاہ'** بننے کا شوق شاید ابھی تک پورا نہیں ہوا۔"

اس نے جان بوجھ کر ایسا لقب استعمال کیا جو رئیس کے مخالفین اس کے لیے استعمال کرتے تھے۔

رئیس کے ماتھے پر بل پڑے، لیکن لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ یعنی وہ اس کی ذات سے اتنی بھی انجان نہیں تھی۔

آہ یہی خیال کتنا اچھا تھا۔

"اور تم ملکہ ملعون؟" اس نے بھی جوابی وار کیا۔

"سنا ہے تمہارے ساتھ کام کرنے والے اکثر تمہارے **'خاص'** رویوں کا شکار رہتے ہیں۔ حساب کتاب برابر رکھنے کی تمہاری یہ عادت تو پرانی ہے۔"

"میں اصول پسند ہوں اور میرے اصول بہت واضح ہیں۔ محنت کرو، ایماندار رہو، اور کسی کا حق مت مارو۔ جو ان اصولوں پر پورا نہیں اترتا، اسے میرے ساتھ چلنے میں دقت ضرور ہوتی ہے۔ اور ہاں، میں اپنا حساب کتاب ہمیشہ صاف رکھتی ہوں، چاہے وہ مالی ہو یا اخلاقی۔" کیا ادائے بے نیازی تھی۔ اس بار اس نے بھی چائے کا کپ لبوں سے لگایا۔

"فجر معراج اور اخلاقیات؟ یہ تو کچھ ایسا ہی ہے جیسے شیطان کا پاکیزگی پر لیکچر دینا۔" اس نے خباثت سے قہقہہ لگایا۔

"تمہاری کامیابی کی سیڑھیاں کتنے لوگوں کے ارمانوں کا خون کر کے بنی ہیں، یہ مجھ سے بہتر کون جان سکتا ہے۔" اس کا اشارہ سونیا سلطان کی جانب تھا۔

"لوگوں کے ارمانوں کا خون کرنا میرا نہیں، آپ کا وطیرہ ہے۔ میں نے تو صرف اپنے خوابوں کی پیروی کی ہے۔ اور اگر میرے خوابوں کی تعبیر کسی کو ناگوار گزری ہے، تو یہ اس کا مسئلہ ہے، میرا نہیں۔ آپ کو شاید یہ سمجھنے میں دقت ہو رہی ہے کہ میں نے اپنی سلطنت خود بنائی ہے، اور اس سلطنت کی میں بلاشرکت غیر ملکہ ہوں۔" وہ ٹوٹنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ ہر بات کا جواب اس کے پاس تھا۔ ہر تیر، وہ زہر میں بھگو کر واپس مار رہی تھی۔

"سلطنت؟" اس نے حقارت سے کہا۔ "کاغذی سلطنتیں زیادہ دیر قائم نہیں رہتیں بی بی! اور تمہاری بنیادیں تو ویسے بھی کھوکھلی ہیں۔ ایک جھٹکا، اور سب کچھ زمین بوس۔ یاد رکھنا، جس ہاتھ نے تمہیں بنایا ہے، وہی ہاتھ تمہیں مٹا بھی سکتا ہے۔"

اس کی آواز میں اب واضح دھمکی تھی لیکن اس کی باتیں ناسمجھ آنے والی تھیں۔ وہ کچھ لمحے اسے دیکھتی رہی۔ اس کی شاندار شخصیت کو، دل میں نفرت کا طوفان اٹھا۔ پھر اس نے ایک قدم آگے بڑھایا، اس کی آنکھوں میں ایک چیلنج تھا۔

"غلط فہمی میں مت رہیے گا، مسٹر رئیس اورنگزیب صاحب! مجھے کسی نے نہیں بنایا، میں نے خود کو تراشا ہے اور مٹانے کی دھمکی تو دور کی بات، اب تو آپ مجھے چھو بھی نہیں سکتے۔ وہ وقت گزر گیا جب آپ کا نام سن کر میں آپ

کے ساتھ کام کرنے کی خواہش کرتی تھی۔ اب تو آپ کا وجود میرے لیے ایک بھولی بسری یاد سے زیادہ کچھ نہیں۔ اور جہاں تک حساب برابر کرنے کی بات ہے، تو فکر نہ کریں، بہت جلد وہ بھی ہو جائے گا۔ سود سمیت!"

فجر نے اپنا چائے کا کپ میز پر رکھا، اس کی آواز میں بلا کا اعتماد تھا۔ اس نے رئیس کو ایک آخری، معنی خیز نظروں سے دیکھا اور پھر دھیرے سے وہاں سے نکلتی چلی گئی، اپنے پیچھے ایک تناؤ بھری خاموشی اور رئیس کے چہرے پر پیچیدہ تاثرات چھوڑ گئی۔ وہ کلس کر رہ گیا تھا۔

لان میں موسیقی کی مدھر دھنیں گونج رہی تھیں، لیکن ان دونوں کے درمیان ہونے والی سرد جنگ کی تپش ماحول میں ابھی تک محسوس کی جاسکتی تھی۔ حساب کتاب کا یہ کھیل ابھی ختم نہیں ہوا تھا، بلکہ شاید ایک نئے، زیادہ خطرناک مرحلے میں داخل ہو چکا تھا۔

✿••✿••✿••✿

یہ کچھ دیر بعد کا منظر تھا۔ فانوسوں کی دھیمی روشنی شبنمی گھاس اور مہنگے قالینوں پر ایک پراسرار سی چمک بکھیر رہی تھی۔ خوشبوؤں کا رقص فضا میں جاری تھا، جس میں رات رانی کی مہک گلابوں کی مہک سے گلے مل رہی تھی۔ تقریب اب اپنے اختتام کی جانب بڑھ رہی تھی، زیادہ تر مہمان جا چکے تھے، صرف چند قریبی اور میزبان موجود تھے۔

فجر، جو کب سے یہاں سے نکلنے کو بے تاب تھی مگر مسز اور مسٹر حسین کی پرخلوص اصرار پر رکی ہوئی تھی، ایک ضروری فون کال سننے کے لیے نسبتاً ایک پرسکون گوشے کی تلاش میں نکل آئی۔ سرخ لباس میں وہ کسی دہکتے انگارے کی مانند دمک رہی تھی، جبکہ مضبوطی سے بندھے ہوئے بال اس کے چہرے کے نین نقش کو نمایاں کر کے

اس کی شخصیت کو مزید پر وقار بنا رہے تھے۔ اس کی گہری ہیزل آنکھیں فون پر بات کرتے ہوئے کبھی سوچ میں ڈوب جاتیں اور کبھی چمک اٹھتیں۔

جیسے ہی اس نے کال ختم کی اور پلٹنے لگی، اس کے قدم وہیں جم گئے اور اس کی چیخ ابھرتے ابھرتے حلق میں گھٹ گئی۔

عین اس کے پیچھے، ایک مجسمے کی طرح صدام کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں گلاب کا ایک خوبصورت پھول تھا۔ صدام نے اسے دیکھ کر ایک روایتی ہیلو کہا، جس میں ایک مسکراتی ہوئی خود اعتمادی تھی۔ فجر کی تیوری چڑھ گئی، اس کی آنکھوں میں ناگواری کے سائے لہرائے۔ وہ فوراً وہاں سے نکل جانا چاہتی تھی، مگر صدام نے اسے مخاطب کیا۔

"فجر مجھے آپ سے ایک بہت ضروری بات کرنی ہے۔" اس نے کہا اور پھر اس سے پہلے کہ فجر کچھ کہتی، اس نے ہاتھ میں پکڑا گلاب کا پھول اس کے سامنے کیا۔

"میں آپ کو پسند کرتا ہوں اور شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

یہ سنتے ہی فجر نے ایک گہرا، لمبا سانس لیا، جیسے کسی غصیلے طوفان کو خود میں سمو رہی ہو۔ اس نے دونوں بازو سینے پر باندھ لیے اور صدام کو اپنی گہری ہیزل آنکھوں سے ایک ایسی نظر سے دیکھا جس میں بیک وقت حیرت، ناگواری اور تمسخر تھا۔

ایک جانب، صفدر اور روحی کھڑے یہ سارا منظر ایک تماشے کی طرح دیکھ رہے تھے۔ لان کے دوسرے سرے پر، جہاں روشنی قدرے کم تھی، رئیس، مراد کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس کی نظر اس ڈرامے پر پڑ چکی تھی اور اب وہ دونوں وہیں کھڑے انہیں دیکھ رہے تھے۔ اس کی آنکھوں جلتا ہوا تاثر تھا۔ اگلے چند لمحے اس کے لیے بہترین تھے۔

"میں تب تک کسی پرپوزل کو اہمیت نہیں دیتی جب تک پرپوز کرنے والا گھٹنوں پر نہ آئے۔" اس کی آواز سپاٹ تھی البتہ آنکھوں میں چنگاری ابھری۔ تو یہ وجہ تھی اسے یہاں زبردستی روکنے کی؟ دماغ بری طرح گھوم گیا۔

فجر کی بات سن کر صدام کے چہرے پر ایک پراسرار سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ وہ ہچکچایا نہیں، بلکہ بڑی ادا سے مسکرا کر نیچے بیٹھا اور ایک گھٹنے کو زمین پر ٹکا دیا۔ اس نے دوبارہ فجر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں جانتا ہوں تمہارے بہت سے چاہنے والے ہوں گے، پھر بھی میں پوچھتا ہوں، کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟"

فجر کے لبوں پر ایک استہزائیہ ہنسی پھسل گئی۔ یہ ہنسی دل تک نہیں پہنچتی تھی، صرف لبوں پر نمودار ہو کر فضا میں تحلیل ہو گئی۔ اس کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے ایسے تاثرات پھیلے جیسے وہ کوئی ملکہ ملعون ہو، جو کسی حقیر رعایا کی التجا سن رہی ہو۔ وہ اپنی جگہ پر کھڑی کھڑی، قدرے جھکی اور ایک زہر خند لہجے میں بولی۔

"میں اچھی ہوں، سستی نہیں کہ ہزار چاہنے والے پالوں۔"

پھر وہ سیدھی ہوئی، گردن اکڑائی اور ایک ایسی خود مختاری اور بے نیازی کے ساتھ کہا جس نے صدام کو گویا ساکت کر دیا۔

"I am not a fantasy, if you want me, earn me."

یہ الفاظ صدام پر کسی ٹھنڈے پانی کے چھینٹے کی طرح پڑے۔ وہ اپنی جگہ سن رہ گیا، چہرہ فق پڑ گیا۔ فجر ایک لمحہ بھی وہاں نہیں رکی۔ وہ پلٹی اور مضبوط، پراعتماد قدموں سے چلتی ہوئی وہاں سے نکل گئی، اس کا رخ پورچ میں کھڑی اپنی چمکتی گاڑی کی جانب تھا۔

صدام فق چہرہ لیے اٹھا اور صفدر کی جانب دیکھا جو اب کندھے اچکا کر بے فکری سے قہقہہ لگا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں صاف صاف کہہ رہی تھیں، "میں نے منع کیا تھا نا؟ اب آ گیا مزہ؟"

جبکہ دوسری جانب، رئیس نے اپنے ساتھ کھڑے مراد کی جانب جھک کر سرگوشی کی۔ اس کی آنکھوں میں ایک چمک تھی۔

"یہ ریڈ فلیگ ہے یا گرین؟" اس کا اشارہ فجر کے سرخ اور سبز لباس کی طرف تھا جبکہ مطلب مراد سمجھ چکا تھا۔

مراد یہ سن کر گویا اچھل پڑا۔ اس کی آنکھوں میں خوف اور ناگواری کا ملا جلا تاثر ابھرا۔ اس کی آواز تیز تھی۔

"ریڈ فلیگ گرین فلیگ نہیں۔ وہ کالا جھنڈا ہے، موت ہے موت! اچھے بھلے انسان کو گھٹنوں پر لاتی ہے اور پھر گھٹنے توڑ دیتی ہے!"

مراد کی بات سن کر رئیس کے لبوں پر ایک پراسرار، گہری مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اس کی نظریں فجر کے دور ہوتے ہوئے سرخ عکس کا تعاقب کر رہی تھیں۔ اس منظر نے اسے محفوظ کیا تھا فجر کی یہی تو عادت اسے پسند تھی اور اسی عادت نے اسے پچھلے اڑھائی سالوں سے باندھا ہوا تھا کیونکہ اس کی زندگی میں کوئی مرد نہیں تھا۔ رئیس کو کم از کم اس حوالے سے کوئی پریشانی نہیں تھی۔

✿••✿••✿••✿

مقام: گردیزی ٹیکسٹائل فیکٹری

رات کا سیاہ مخملی پردہ لاہور شہر پر چھایا ہوا تھا اور گردیزی ٹیکسٹائل کا وسیع و عریض کمپاؤنڈ اس وقت خاموشی میں ڈوبا تھا۔ فیکٹری کی بلند و بالا دیواریں، جن پر خاردار تاریں کسی خوفناک تاج کی طرح لگی تھیں، اور جگہ جگہ نصب

چمکدار سی سی ٹی وی کیمرے سیکیورٹی کا احساس دلاتے تھے۔ مرکزی دروازے پر روشنی تھی اور کبھی کبھار اندر سے گشت کرتے سیکیورٹی گارڈز کے بوٹوں کی چاپ سنائی دیتی تھی، جو اس جمود کو توڑتی تھی۔

مگر آج کی رات معمول سے ہٹ کر تھی۔

فیکٹری کی پچھلی دیوار، جو شہر کی گہما گہمی سے دور، ایک ویران صنعتی پٹی سے ملتی تھی اور نسبتاً کم روشن تھی، آج دو نامعلوم سایوں کا ہدف تھی۔ گہرے رنگ کے لباس میں ملبوس، جن کے چہروں پر نقاب تھے اور ہاتھوں میں دستانے، دو افراد دیوار کے ساتھ ساتھ دبے پاؤں آگے بڑھ رہے تھے۔ ان کے حرکات و سکنات میں ایک ایسی مہارت تھی جو ظاہر کرتی تھی کہ وہ تربیت یافتہ ہیں اور کسی خاص مقصد کے لیے یہاں آئے ہیں۔

ان میں سے ایک، جس کی کمر پر ایک چھوٹا بیگ لٹک رہا تھا اور جس کے انداز میں ایک ٹھہری ہوئی پھرتی تھی، دیوار کے قریب پہنچا۔ اس نے بیگ سے ایک چھوٹا، دھاتی آلہ نکالا۔ یہ کوئی عام شے نہیں تھی۔ یہ کیمرہ بلاکر تھا۔ آلے سے نکلنے والی مدھم روشنی نے اوپر لگے سی سی ٹی وی کیمروں کو نشانہ بنایا۔ چند لمحوں کے لیے، قریب کے تمام کیمروں کی تیز نگاہیں گویا اندھی ہو گئیں۔ ریکارڈنگ رک گئی، فیڈ منجمد ہو گئی۔ سیکیورٹی کنٹرول روم میں شاید یہ معمولی خرابی سمجھی جائے گی، کیا پتا شاید محسوس ہی نہ ہو۔

کیفیت جانچنے کے بعد، دوسرے کارندے نے، جس کا قد کاٹھ قدرے مضبوط تھا، ایک ہلکی مگر مضبوط رسی نکالی، جس کے سرے پر ایک گراپلنگ ہک لگی تھی۔ ایک ماہرانہ وار کے ساتھ، اس نے ہک کو دیوار کے اوپر مضبوط کنارے میں پھنسایا۔ ہک نے اپنی جگہ بنائی اور اس نے آہستگی سے رسی کو کھینچ کر اس کی مضبوطی کو پرکھا۔ اطمینان ہونے پر، وہ تیزی سے دیوار پر چڑھنا شروع ہوا۔ خاردار تاروں کے قریب پہنچ کر اس نے موٹے کپڑے کا ایک

ٹکڑا نکالا جسے احتیاط سے تاروں کے اوپر رکھا اور بغیر زخمی ہوئے، پار اتر گیا۔ اوپر پہنچ کر اس نے اپنے ساتھی کی طرف ہاتھ بڑھایا اور چند ہی لمحوں میں دوسرا کارندہ بھی فیکٹری کے اندر موجود تھا۔

اندر قدم رکھتے ہی ان کی حرکات مزید محتاط ہو گئیں۔ فیکٹری کے اندرونی حصے میں بھی گارڈز گشت پر تھے۔ مگر یہ کارندے فیکٹری کے لے آؤٹ اور گارڈز کے گشت کے معمولات سے واقف تھے۔ وہ سائے کی طرح اندھیرے کونوں، مشینوں کے ڈھیروں کے پیچھے اور کیمروں کے بلائنڈ سپاٹس سے ہوتے ہوئے، ان راستوں سے گزرتے رہے جہاں گارڈز کی آمد و رفت کم تھی۔ ان کے قدموں میں کوئی آواز نہیں تھی، ان کی سانسیں بھی گویا تھم سی گئی تھیں۔

ان کا ہدف واضح تھا۔ فیکٹری کے گودام، جہاں روئی کے نرم، آتش گیر ڈھیر، رنگ برنگے دھاگوں کے بنڈل اور تیار شدہ کپڑے کے تھان آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ یہ جگہیں آگ پکڑنے کے لیے سب سے زیادہ حساس تھیں۔

گوداموں تک پہنچ کر، انہوں نے اپنے ساتھ لائے ہوئے کنستروں سے ایک خاص، تیز بو والا مائع خاموشی سے نکالنا شروع کیا۔ یہ آتش گیر مادہ تھا، جو ہوا میں تیزی سے تحلیل ہو کر اپنی بو پھیلا رہا تھا۔ انہوں نے اس مائع کو روئی کے ڈھیروں کی گہرائیوں میں، دھاگوں کے بنڈلوں کے بیچ اور کپڑے کے تھانوں پر چھڑکا۔ ان کا مقصد صرف آگ لگانا نہیں تھا، بلکہ اسے تیزی سے پھیلانا تھا۔ انہوں نے اس بات کا یقین کیا کہ مائع ایسی جگہوں پر ڈالا جائے جہاں سے شعلے بلند ہونے میں دیر نہ لگے۔

فوری طور پر چنگاری دکھانے کی بجائے، انہوں نے ایک چالبازی کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے مختلف مقامات پر چھوٹے، بیٹری سے چلنے والے آلات نصب کیے، یہ **'ٹائمر ڈیوائسز'** ایک مخصوص وقت کے بعد چنگاری پیدا کرنے کے لیے سیٹ کیے گئے تھے۔ مقصد واضح تھا، انہیں جائے وقوعہ سے دور جانے کا مکمل موقع ملنا چاہیے۔

انہوں نے ایک یا دو نہیں، بلکہ متعدد گوداموں اور پروڈکشن ایریا کے حساس حصوں میں یہ آلات نصب کیے تاکہ آگ ایک جگہ سے نہیں، کئی جگہوں سے بیک وقت بھڑکے اور اس پر قابو پانا ناممکن ہو جائے۔

اپنا کام مکمل کرنے کے بعد، ان کے قدم تیزی سے مڑے۔ اسی راستے سے، اسی خاموشی اور پھرتی سے، جس طرح وہ اندر آئے تھے، وہ واپس نکل گئے۔ دیوار پھلانگ کر وہ باہر کی تاریکی میں ایسے غائب ہوئے جیسے کبھی موجود ہی نہیں تھے۔ گردیزی ٹیکسٹائل کا وسیع کمپاؤنڈ ایک بار پھر بظاہر خاموشی اور سکون میں ڈوبا ہوا تھا۔ مگر یہ سکون عارضی تھا۔

ان کے جانے کے کچھ دیر بعد، فیکٹری کے اندر، جہاں سناٹا پہلے سے گہرا ہو گیا تھا، پہلے ایک مدھم سی چنگاری اٹھی۔ پھر ایک چھوٹا سا شعلہ بھڑکا۔ پھر دوسری جگہ، تیسری جگہ۔ ٹائمر ڈیوائسز اپنا کام کر رہی تھیں۔ روئی اور کپڑے جیسے آتش گیر مواد کی بدولت آگ نے لمحوں میں شدت پکڑی۔ چھوٹے چھوٹے شعلے دیو ہیکل انگاروں میں بدلنے لگے۔ دھوئیں کے کالے، گھومتے ہوئے بادل فیکٹری کی چھتوں سے اٹھ کر رات کے آسمان پر پھیلنے لگے۔

کچھ دیر بعد، جب آگ کی تپش اور دھوئیں کے گہرے بادل سیکیورٹی گارڈز اور اسموک ڈیٹیکٹرز تک پہنچے، تو فیکٹری کے سائرن گونج اٹھے۔ ان کی خوفناک چیخ نے رات کے سکون کو پارہ پارہ کر دیا۔ کمپاؤنڈ میں افراتفری پھیل گئی۔ گارڈز بھاگ دوڑ کرنے لگے۔ نیند سے بیدار ہونے والے مزدور اور انتظامی عملہ بھی فیکٹری کی طرف لپکے۔ انہوں نے آگ بجھانے والے آلات استعمال کرنے کی ناکام کوشش کی، مگر آگ کا پھیلاؤ ان کے بس سے باہر تھا۔ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ شعلے بلند ہو رہے تھے اور دھوئیں کے بادل گھنے ہوتے جا رہے تھے۔

فائر بریگیڈ کو اطلاع دی گئی، مگر جب تک وہ پہنچتی، گردیزی ٹیکسٹائل کا ایک بڑا حصہ جہنم کا منظر پیش کر رہا تھا۔ عمارت کی کھڑکیوں سے آگ کے شعلے باہر نکل رہے تھے، اور اندر سے آنے والی کرکری آوازیں تباہی کا اعلان کر رہی تھیں۔

اسی وقت، شہر کے دوسرے کنارے پر، رئیس مینشن کے وسیع کمرے میں، رئیس اورنگزیب ایک کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس کی جیکٹ اتر چکی تھی۔ شرٹ کے اوپری کئی بٹن کھلے ہوئے تھے۔ بال بکھرے جبکہ انگلیوں میں دباسگار، دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ اس کے گرد خاموشی تھی مگر ذہن میں ابھرنے والی چیخیں آج بھی واضح تھیں۔ یہ سالوں پہلے کی تھیں جو آج تک نہیں گئی تھیں۔

مگر اس کے کان اپنے فون کی گھنٹی کے منتظر۔ اس کا چہرہ پر سکون تھا، مگر آنکھوں میں ایک غیر معمولی چمک تھی۔ بالآخر، فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ایک لمحے کو توقف کیا اور پھر کال ریسیو کی۔ دوسری طرف، اس کے کارندے کی آواز تھی، سرسراتی ہوئی مگر فتح کے احساس سے پُر۔

"جشن کا آغاز ہو چکا ہے۔"

اس کے چہرے پر ایک پراسرار، سفاک مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے فون بند کیا اور ایک سگار کا کش لینے کے بعد اسے ایش ٹرے میں رکھتے ہوئے وہ اٹھ کر دیوار گیر کھڑکی میں آ کھڑا ہوا۔ ایک نظر جگمگاتے شہر کو دیکھا اور پھر آسمان کی جانب رخ کیا۔

"مال کا بدلہ مال، آگ کا بدلہ آگ!"

اس کے دشمن کی معاشی کمر توڑنے کا پہلا مرحلہ کامیابی سے ہمکنار ہوا تھا۔ آگ کے شعلے جو اس وقت گردیزی ٹیکسٹائل کو نگل رہے تھے، اسے اپنی فتح کے جشن کی پہلی لہر محسوس ہو رہے تھے۔ جبکہ دوسری جانب فون کرنے والے کارندے نے اپنے چہرے سے ماسک اتار دیا اور رخ موڑ کر فیکٹری کو دیکھا گردیزی ٹیکسٹائل کے شعلوں میں اس کے چہرے پر کچھ واضح ہوا۔ ایک نشان! ہاں بائیں گال پر موجود وہ ٹانکوں کا نشان واضح تھا۔

✿••✿••✿••✿

وقت: اگلا دن، صبح

مقام: منار فیشن کمپنی، ویٹنگ ایریا اور بالائی ہال

فجر اپنے آفس سے باہر نکلی۔ آج کا دن خاصا مصروف تھا، گردیزی ٹیکسٹائل میں آتشزدگی کی خبریں ہر طرف تھیں، اور ان کے اپنے پراجیکٹس، خاص طور پر نئے ٹینڈر کا کام، توجہ کا مرکز تھا۔ وہ کسی ضروری کام کے سلسلے میں آفس سے نکل کر ویٹنگ ایریا کی جانب بڑھی، جو وسیع و عریض اور نہایت نفاست سے سجا ہوا تھا۔ جدید آرٹ پینٹنگز دیواروں کی زینت تھیں اور مختلف مجسمے کونوں میں رکھے تھے۔

اسی نفیس ماحول میں، اس کی نظر ایک غیر متوقع مہمان پر پڑی۔

وہ ٹھٹک گئی۔ ایک دبلی پتلی سی لڑکی، سیاہ، گردن تک آتے بالوں والی، گہری، چمکتی ہوئی آنکھوں والی، جیسے کسی نے ان میں ستارے بھر دیے ہوں۔ وہ ایک سلیولیس فراک پہنے تھی اور اس کے پاؤں شوز میں قید تھے۔ وہ پیچھے دونوں ہاتھ باندھے، نہایت توجہ سے ایک ڈیزائنر کی باتیں سن رہی تھی جو اسے وہاں موجود آرٹ پیسز کے بارے میں بتا رہا تھا۔ چہرہ مانوس لگا۔ فجر نے غور کیا تو چونک گئی۔

یہ روحی تھی!صفدر کی چھوٹی بہن۔وہی روحی جس کی کل رات پندرہویں سالگرہ منائی گئی تھی۔

فجر نے ریسپشن پر موجود لڑکی سے پوچھا۔"یہ بچی۔۔؟"

ریسپشنسٹ نے فوراًجواب دیا۔"وہ صفدر صاحب کے ساتھ آئی ہیں، میم!ان کی چھوٹی بہن ہیں۔"

فجر نے ایک گہرا سانس لیا۔صفدر! آج ٹینڈر پر کام شروع ہونا تھا۔وہ صفدر کے آفس کی جانب بڑھی۔مگر اس کا آفس خالی تھا۔

کام کرتے ہوئے ڈیزائنرز کے درمیان سے گزر کر، فجر اوپری ہال میں آکر کھڑی ہوگئی، فون نکال کر صفدر کو کال ملانے لگی۔اسی لمحے، اسے احساس ہوا کہ اس کی جانب کوئی بڑھ رہا ہے۔مڑ کر دیکھا تو روحی تھی۔وہ کسی ننھی پری کی طرح خاموشی سے اس کے پیچھے چلی آئی تھی۔

روحی نے کوئی سلام نہیں کیا، کوئی تمہید نہیں باندھی۔بس، صاف گوئی سے کام لیا۔عقب سے روحی کی آواز ابھری، جس میں بچوں کی سی مٹھاس نہیں، بلکہ ایک چھوٹی عمر میں غیر معمولی پختگی تھی۔

"صفدر بھیاء ضروری کام سے گئے ہیں۔"

فجر نے فون کان سے ہٹالیا۔روحی نے اس کے چہرے کے تاثرات پڑھے بغیر بات جاری رکھی۔

"مجھے منار دیکھنا تھا، اس لیے میں آگئی۔"

وہ ہال میں رکھے ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔نہایت اطمینان سے ٹانگ پر ٹانگ جمائے، اور گردن ہلکی سی اکڑائے، جیسے دنیا کی سب سے اہم شخصیت ہو۔فجر نے اسے دیکھا۔اس کے انداز، بیٹھنے کے ڈھنگ میں ایک عجیب سی خود اعتمادی تھی جو اس کی عمر سے میل نہیں کھاتی تھی۔یا شاید، کھاتی تھی؟فجر کو اس میں جانی پہچانی جھلک نظر آئی۔

اس نے سر ہلا کر وہاں سے نکلنے کا ارادہ کیا۔ یہ بچی صفدر کی ذمہ داری تھی۔ وہ یہاں رُک کر کیا کرتی؟

مگر اس کے عقب میں پھر روحی کی آواز گونجی، اس بار زیادہ براہ راست، ایک سوال کی صورت میں۔

"میں پندرہ سال کی ہوں، آپ کو کیوں لگا میں ڈول سے کھیلوں گی؟"

فجر ٹھٹک کر رک گئی۔ ہاں، کل رات اس کی سالگرہ کے تحفے میں ایک گڑیا بھی تھی۔ اس کے نزدیک تو روحی ایک بچی ہی تو تھی۔

روحی نے اس کی حیرت کو نظر انداز کرتے ہوئے اگلا جملہ کہا۔ وہ اسی طرح صوفے پر بیٹھی تھی، گردن اکڑائے۔

"آپ میرے لیے مکڑیاں لے آتیں تو مجھے اچھا لگتا۔"

اس بات پر فجر کو واقعی پلٹنا پڑا۔ اس نے حیرت سے روحی کو دیکھا، جو اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ اس کی سیاہ آنکھوں میں ایک عجیب سا سپارک تھا۔ اس کے کندھے سے ایک چھوٹا سا، نفیس بیگ لٹک رہا تھا۔

روحی نے گویا فجر کے دل میں جھانک لیا تھا۔

"مجھے پتا ہے آپ کو مکڑیاں پسند ہیں اور مجھے بھی پسند ہیں۔"

فجر کو فوراً ہوش آیا۔ یہ کیسی باتیں کر رہی تھی بچی؟ مکڑیاں؟

"یہ بچوں کی باتیں نہیں ہیں۔" فجر نے تھوڑے سخت لہجے میں کہا۔ "مکڑیاں زہریلی ہوتی ہیں۔ انہیں پسند نہیں کرتے۔ یہ خطرناک ہیں۔"

"ویل، میں پندرہ سال کی ہوں، بچی ہوں بھی نہیں۔"

اس نے اطمینان سے اپنے بیگ کی زپ کھولی اور اندر سے ایک چیز نکالی۔ یہ ایک چھوٹا سا گلاس کا چوکور جار تھا۔ اور جار کے اندر، ایک زندہ مکڑی!

فجر پہلی بار واقعی چونکی۔ اس کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ یہ معصوم سی دکھائی دینے والی بچی اپنے ساتھ ایسی چیز لیے گھومتی ہو گی۔

"یہ بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ پھینکو اسے، یہ کاٹ لے گی۔" وہ نامحسوس انداز مین اس کی جانب بڑھی۔

روحی نے کوئی رد عمل نہیں دیا، اس نے ہاتھ واپس کھینچ لیا۔ وہ اب مکڑی والے جار کو واپس احتیاط سے بیگ میں ڈال رہی تھی۔ جیسے یہ کوئی معمولی کھلونہ ہو۔ فجر ٹھٹک کر وہیں رک گئی۔ اس بچی کی بے خوفی اور عجیب پسند اسے شش و پنج میں ڈال رہی تھی۔ بیشک وہ مکڑی زہریلی نہیں ہو گی مگر لڑکیاں تو ڈرتی ہیں پھر وہ کیوں نہیں ڈر رہی تھی۔

روحی نے بیگ بند کیا اور ایک بار پھر فجر کی آنکھوں میں دیکھا۔ اس کی آواز میں ایک تجسس تھا، گویا وہ اپنا علم بانٹنے کو بیتاب ہو۔

"مکڑیاں اتنی بری نہیں ہوتیں۔ انہیں سمجھنا چاہیے۔" اس کی پٹر پٹر چلتی زبان نے فجر کو واقعی لاجواب کر دیا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس غیر متوقع صورتحال پر کیا رد عمل دے۔

"میں آپ کو ان کی کہانیاں سناؤں؟" روحی نے ایک پیشکش کی۔

فجر نے سر جھٹکا، جیسے خود کو اس عجیب مکالمے سے باہر نکال رہی ہو۔ اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔ اس نے روحی کی آنکھوں میں ایک آخری نظر ڈالی جو اب بھی چمک رہی تھیں۔ وہ مڑی اور تیزی سے وہاں سے نکلتی چلی گئی۔

جبکہ روحی وہیں صوفے پر بیٹھی اسے جاتا دیکھتی رہی اور پھر، کچھ لمحے بعد، مسکراتے ہوئے، اپنے بیگ کو کندھے سے لٹکائے، خاموشی سے اس کے پیچھے لپکی۔ جیسے اسے معلوم تھا کہ فجر اب کہیں نہیں جاسکتی۔ وہ فجر اور اس کے ڈیزائنز کی بہت بڑی فین تھی۔ صفدر نے اسے کبھی بتایا نہیں تھا مگر وہ فجر، روحی کے لیے آئیڈل جیسی تھی۔ وہ اسے دیکھتی، اسے سنتی، اور اس کی طرح بات کرنے کی کوشش کرتی۔ وہ اس کے جیسی بننا چاہتی تھی۔ پر کبھی بات نہیں ہوئی تھی اور آج اسے موقع مل گیا تھا پھر اسے ضائع کیوں جانے دیا جاتا؟

وہ اب بھاگتے ہوئے فجر کی رفتار کا مقابلہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہاں کام کرنے والے ملازم آجا رہے تھے۔ کچھ فجر کو دیکھ کر اسے سلام کر رہے تھے۔ فجر اب سیڑھیاں اتر رہی تھی جبکہ اس کے پیچھے پیچھے روحی تھی جس کی زبان کھینچی کی طرح چل رہی تھی۔۔

"ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک چھوٹی سی مکڑی تھی جو بہت محنتی اور ذہین تھی۔ وہ ہمیشہ اپنے جال بناتی اور شکار کرتی تھی۔ مگر ایک دن، اس نے سوچا کہ کیوں نہ کچھ نیا کیا جائے۔

مکڑی نے ایک خوبصورت جال بنایا جو بہت بڑا اور مضبوط تھا۔ جب اس کا جال مکمل ہوا تو وہ بہت خوش ہوئی۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ اس کا جال بہت بڑا ہے، تو اس نے سوچا کہ اب اسے کچھ خاص شکار کرنا چاہیے۔

اسی دوران، ایک دن ایک بڑی تتلی جال میں پھنس گئی۔ مکڑی نے سوچا کہ یہ تو ایک خاص موقع ہے۔ مگر جب اس نے تتلی کو قریب سے دیکھا، تو اسے احساس ہوا کہ یہ بہت خوبصورت ہے اور اس کا شکار کرنا صحیح نہیں ہو گا۔ اس نے تتلی کو آزاد کرنے کا فیصلہ کیا۔

تتلی نے مکڑی کا شکریہ ادا کیا اور کہا، "تم نے مجھے آزاد کر دیا، میں تمہیں اپنی دوستی کی پیشکش کرتی ہوں۔" مکڑی نے خوشی خوشی اس کی دوستی قبول کر لی۔

دیکھا تمام مکڑیاں بری نہیں ہوتیں۔ کچھ اچھی بھی ہوتی ہیں اور دوستی بھی کرتی ہیں۔"

"کیا آپ کو یہ کہانی پسند آئی؟" وہ ہانپنے لگ گئی تھی جبکہ فجر اس کی باتوں کا کوئی جواب دیئے بنا تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔

"چلیں میں آپ کو دوسری کہانی سناتی ہوں۔" روحی نے ہار نہیں مانی تھی۔

"اس کہانی کا آغاز اس وقت ہوتا ہے جب ایک خوبصورت جنگل میں ایک زہریلی مکڑی رہتی تھی۔ اس کا زہر اتنا طاقتور تھا کہ وہ اپنے شکار کو فوراً بے ہوش کر دیتی تھی۔ دوسرے جانور اس سے ڈرتے تھے اور اس کے قریب آنے کی ہمت نہیں کرتے تھے۔ مکڑی اکیلی رہ گئی تھی اور اسے بہت زیادہ تنہائی محسوس ہوتی تھی۔

ایک دن، ایک چھوٹی سی چڑیا اس کے پاس آئی اور اس نے مکڑی سے پوچھا کہ کیوں وہ اتنی اکیلی ہے؟ مکڑی نے اپنی کہانی سنائی اور بتایا کہ اس کے زہر کی وجہ سے سب اس سے ڈرتے ہیں۔ چڑیا نے کہا کہ اس کا زہر صرف ایک چیز ہے، لیکن اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک خوبصورت اور مہربان دل کی مالک ہے۔

چڑیا نے مکڑی کو سمجھایا کہ وہ اپنے زہر کو ایک طاقت کے طور پر نہیں بلکہ ایک چیلنج کے طور پر لے۔ اگر وہ اپنے زہر کی بجائے اپنی خوبیوں کو سامنے لائے تو دوسرے جانور اس کی دوست بن سکتے ہیں۔ مکڑی نے چڑیا کی بات سنی اور اپنی زندگی میں تبدیلی لانے کا فیصلہ کیا۔

اس کے بعد، مکڑی نے اپنے زہر کا استعمال صرف اپنے دفاع کے لئے کیا اور دوسرے جانوروں کے ساتھ دوستی کرنے کی کوشش کی۔ آہستہ آہستہ، دوسرے جانوروں نے اس کی حقیقی خوبیوں کو دیکھا اور وہ سب اس کے دوست بن گئے۔ آخر کار، مکڑی نے جان لیا کہ دوستی اور محبت کی طاقت زہر سے کہیں زیادہ اہم ہے۔

یہ کہانی ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ ہمیں اپنی خوبیوں پر توجہ دینی چاہیے اور دوسروں کے ساتھ محبت اور دوستی سے پیش آنا چاہیے، چاہے ہمارے پاس کچھ خاص ہو یا نہ ہو۔"

اس کی پٹر پٹر چلتی زبان یک دم رک گئی جب فجر نے اپنے آفس کے سامنے پہنچ کر پلٹ کر اسے دیکھا۔ روحی کی رنگت سرخ پڑ چکی تھی۔ وہ فجر کو دیکھ کر مسکرائی۔ آنکھوں کی چمک ماند نہیں پڑی تھی۔ وہ کمر پر ہاتھ باندھے کھڑی تھی اور فجر کو ہی دیکھ رہی تھی۔

"یہ سب جھوٹی کہانیاں ہیں اب اصلی کہانی سنو!" فجر نے قدرے سرد لہجے میں کہا۔

"ایک دن ایک خوبصورت تتلی اپنے رنگ برنگے پروں کے ساتھ باغ میں اڑ رہی تھی۔ وہ پھولوں کے درمیان چہل قدمی کر رہی تھی اور اپنی خوبصورتی کا لطف اٹھا رہی تھی۔ لیکن اس باغ کے ایک کونے میں ایک چالاک عنکبوت چھپا ہوا تھا۔ اس نے تتلی کو دیکھ لیا اور سوچا کہ یہ ایک اچھا موقع ہے۔

عنکبوت نے اپنی جال کو بہت ہی مہارت سے بچھایا۔ اس نے جال کو پھولوں کے درمیان اس طرح لگایا کہ تتلی کو اس کے قریب آنے کا پتہ نہ چلے۔ جب تتلی پھولوں کے قریب آئی تو اس نے محسوس نہیں کیا کہ وہ خطرے میں ہے۔

تتلی جب جال کے قریب پہنچی تو اچانک عنکبوت نے اپنی تیز رفتار سے جھپٹا مارا۔ تتلی کو جال میں پھنسنے کا احساس ہوا، لیکن اس وقت تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ عنکبوت نے اپنی طاقتور ٹانگوں سے تتلی کو پکڑ لیا اور اسے جال میں جکڑ دیا۔

تتلی نے اپنی جان بچانے کی کوشش کی، لیکن عنکبوت کی چالاکی اور جال کی مضبوطی نے اسے روک دیا۔ آخر کار، عنکبوت نے تتلی کو اپنے شکار کے طور پر استعمال کیا اور اپنے پیٹ کی بھوک مٹائی۔"

اس نے رک کر روحی کے تاثرات کو دیکھا جو آنکھیں پھاڑے اسے سن رہی تھی۔

"یہ کہانی ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ کبھی کبھار خوبصورتی کے پیچھے خطرہ چھپا ہوتا ہے، اور ہمیں ہمیشہ محتاط رہنا چاہیے۔ اس لیے اب جاؤ یہاں سے۔" اگلے ہی پل اس نے آفس میں داخل ہوتے دروازہ بند کر لیا۔ روحی وہیں کھڑی رہ گئی۔ اس کے ہونٹوں پر شریر سی مسکراہٹ تھی۔ چلو کسی بہانے ہی سہی بات چیت تو ہوئی۔ وہ یونہی پیچھے ہاتھ باندھے وہاں سے پلٹ گئی۔

✿••✿••✿••✿

رات کافی ہو چکی تھی۔ منار کی کئی منزلہ عمارت گہری تاریکی میں ڈوبی تھی، سوائے ایک کمرے کے۔ یہ اسٹوڈیو تھا۔ اندر سے آتی روشنی رات کے پچھلے پہر میں کسی جزیرے جیسی لگ رہی تھی۔ باہر سڑک پر اکا دکا گاڑیوں کے گزرنے کی آواز آتی تھی، اور مرکزی دروازے پر موجود گارڈ کی کھانسی۔ باقی ہر طرف سناٹا تھا۔

اندر فجر کام میں منہمک تھی۔ اس نے بالوں کو سرسری طور پر کھلا چھوڑ رکھا تھا۔ ایک سادہ سا کریم رنگ سوٹ پہنے، جس کا ٹراؤزر کسی بیگی پینٹ جیسا تھا اور گھٹنوں سے اوپر آتی کھلی شرٹ پہنے، کھلے بالوں میں، چشمہ سجائے، وہ مصروف سی پیاری لگ رہی تھی۔

پاؤں میں آرام دہ لوفرز تھے اور اسکارف اس نے اتار کر ایک جانب رکھا ہوا تھا۔ وہ پتلوں پر سجے کاسٹیومز کو دیکھ رہی تھی، ہاتھ میں پکڑے نوٹ پیڈ پر کچھ نوٹ کرتی جا رہی تھی۔ کاسٹیوم تقریباً تیار تھے۔ جلد ان کا فوٹو شوٹ تھا اور وہ معمولی تبدیلیاں چاہتی تھی اس لیے نوٹ کر رہی تھی۔

اس کا ارادہ تھا کہ یہ کام ختم کر کے ہی نکلے گی، چاہے کتنی ہی دیر ہو جائے۔ اس لیے پوری توجہ کام پر تھی۔

تبھی، اچانک اسے باہر آواز سنائی دی۔ کسی چیز کے گرنے کی۔

ایک غیر معمولی آواز۔ اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ رات کے اس پہر، ایک خالی عمارت میں ایسی آواز؟ فجر زخموں اور خطروں کو دور سے سونگھ لیتی تھی۔ اس پل اسے عجیب سا احساس ہوا۔ جیسے کچھ غلط ہے۔ بہت غلط۔ اس کے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔

وہ کچھ پل سانس روکے، ہاتھ میں پکڑا پین تھامے، دروازے کی جانب دیکھتی رہی۔ اسٹوڈیو کا دروازہ آدھا کھلا تھا۔ باہر گہرا سایہ تھا۔

اور تبھی، آواز دوبارہ آئی۔ اس بار قدرے واضح۔ جیسے کوئی بھاری شے پھینکی گئی ہو۔

اس کا دل بری طرح دھڑک اٹھا۔ اس خاموشی میں یہ آوازیں الارم بجا رہی تھیں۔ کیا گارڈ اندر آ گیا ہے؟ مگر وہ آواز تو کسی چیز کے گرنے کی تھی، قدموں کی نہیں۔

فجر نے نوٹ بک وہیں پتلوں کے قریب رکھی۔ آہستہ سے، نہایت آہستہ سے اسٹوڈیو کا دروازہ مزید کھول کر باہر قدم رکھا۔

یہ نچلی منزل تھی۔ وسیع ہال خالی تھا۔ اسٹوڈیو کی روشنی کی وجہ سے اندرونی حصہ اور بھی زیادہ تاریک لگ رہا تھا۔ ہلکا اندھیرا تھا جس میں صوفوں، میزوں اور آرٹ پیسز کے مبہم سائے کسی عجیب و غریب مخلوق جیسے دکھائی دے رہے تھے۔

اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ ہر طرف گہری خاموشی تھی۔ ایسی خاموشی جو چیخ رہی تھی۔ اس کے قدموں کی چاپ بھی اسے بہت بلند سنائی دے رہی تھی۔

وہ مزید آگے بڑھی۔ قدم نہایت محتاط تھے۔

"کون ہے؟" اس نے دھیمی، کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا، جو ہال کی وسعت میں گم ہو کر رہ گئی۔ کوئی جواب نہیں آیا۔

"گارڈ انکل؟ کوئی ہے؟" اس نے تھوڑی اونچی آواز میں پکارا۔

پھر وہی خوفناک خاموشی۔ صرف اس کے اپنے دل کی دھڑکن جو اسے اپنے کانوں میں سنائی دے رہی تھی۔ کیا گارڈ اپنی جگہ پر نہیں ہے؟ یا کچھ ہو گیا ہے؟

وہ چلتے ہوئے ایک راہداری تک پہنچی جو بڑی کھڑکیوں کی جانب جاتی تھی۔ راہداری کے قریب ایک میز رکھا تھا اور اس پر ایک چھوٹا سا مجسمہ رکھا تھا جو برونز اور ریزن کا بنا ہوا تھا۔ اس کی نظریں ہر طرف گھوم رہی تھیں، اندھیرے میں کسی بھی حرکت کو بھانپنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

ساتھ والی کھلی کھڑکی سے ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا اندر داخل ہوا۔ ہوا سے اس کے بال چہرے پر اڑے۔ چاند کی روشنی کھڑکی سے چھن کر اندر آ رہی تھی اور اس پل اس کا وجود اس مدھم، پراسرار روشنی میں نہایا ہوا تھا۔ ایک لمحے کو اسے سکون کا احساس ہوا۔ مگر یہ سکون پل بھر کا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ کوئی اور حرکت کرتی، کچھ سوچتی، کوئی آواز نکالتی، اچانک اس کی گردن پر ایک ٹھنڈی، سخت چیز کا لمس محسوس ہوا۔ پستول کی ٹھنڈی نوک۔

اور ساتھ ہی، اس کے کان کے قریب ایک سرگوشی گونجی۔ پراسرار اور خطرناک۔

"ہلنا مت ورنہ ماری جاؤ گی۔"

فجر کا سانس حلق میں اٹک گیا۔ جسم سن ہو گیا۔ وہ جم کر رہ گئی۔ صرف اس کے دل کی دھڑکن تھی جو اب طوفانی رفتار سے اس کے سینے میں ہتھوڑے مار رہی تھی۔ وہ اکیلی تھی۔ اس تاریک، خاموش عمارت میں۔ ایک نامعلوم خطرے کی زد پر۔

فجر کا سانس حلق میں اٹکا ہوا تھا۔ اس کی پشت پر پستول کی ٹھنڈی، سخت نوک محسوس ہو رہی تھی۔ دماغ میں خطرے کی گھنٹی بج اٹھی تھی، مگر جسم منجمد ہو گیا تھا۔ وہ پتھر کی مورتی کی طرح ساکت کھڑی رہی، آنکھیں اندھیرے میں مبہم سائے تلاش کر رہی تھیں۔

اس کے کان کے قریب وہی پراسرار، دبی دبی مگر زہر آلود آواز گونجی۔ اس بار آواز میں ایک تلخ تمسخر تھا۔

"تمہیں کیا لگا تھا فجر معراج؟ تمہیں کیا لگا تھا تم دوسروں کو برباد کر کے خود آباد ہو جاؤ گی؟"

فجر کی پیشانی پر پسینے کے قطرے چمک اٹھے، باوجود اس کے کہ کھلی کھڑکی سے آتی ہوا خنکی دے رہی تھی۔ خوف کی ایک شدید لہر اس کے پورے وجود میں دوڑ گئی۔ مگر عجیب بات یہ تھی کہ اس خوف کے باوجود، اس کا تربیت یافتہ دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ مزاحمت بیکار ہے۔ چیخنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ واحد راستہ، بات کرنا تھا۔ وقت حاصل کرنا، صورتحال کو سمجھنا۔

اس نے بمشکل اپنی کانپتی ہوئی آواز پر قابو پایا۔ الفاظ حلق سے بمشکل باہر نکلے۔

"کک۔۔ کون ہو تم؟"

پستول کی نوک ہلکی سی دبی، جیسے یہ سوال حملہ آور کو پسند آیا ہو۔ ایک دھیمی، سرد ہنسی سنائی دی۔ ایسی ہنسی جس میں کوئی خوشی نہیں تھی، صرف انتقام کی آگ تھی۔

"کون؟" آواز گونجی۔ "میں؟ میں تمہارے ماضی کا وہ برا سایہ ہوں جسے تم نے پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ جسے تم بھول گئی تھی۔ مگر سائے کبھی پیچھا نہیں چھوڑتے، فجر معراج! خاص طور پر وہ جو تمہاری اپنی ہی غلطیوں کے سائے ہوں۔"

ماضی کا سایہ؟ فجر کا ذہن تیزی سے اپنے کاروباری معاملات، اپنے فیصلے، اپنے مقابلے دار، سب کو کھنگالنے لگا۔ مگر کوئی چہرہ واضح نہیں ہو رہا تھا۔

"کیوں آئے ہو یہاں؟" فجر نے اگلا سوال کیا۔ آواز اب قدرے مستحکم تھی، گو اس میں خوف اب بھی موجود تھا۔

آواز میں اب کوئی دباؤ نہیں تھا۔ وہ براہ راست، سفاک اور خطرناک تھی۔

"کیوں آیا ہوں؟ تمہیں ختم کرنے آیا ہوں۔ تمہاری کہانی ختم کرنے۔ یہ سب، یہ منار فیشن کمپنی، تمہاری ساری محنت، سب خاک میں ملانے۔" اس کے لہجے میں ایسی نفرت تھی کہ فجر کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑ گئی۔

"میری کہانی؟" فجر نے دہرایا۔ "میں نے کسی کا کیا بگاڑا ہے؟ میں نے کسی کو جان بوجھ کر نقصان نہیں پہنچایا۔۔"

"ضروری نہیں کہ نقصان جان بوجھ کر ہی ہو۔" آواز نے فجر کی بات کاٹی۔ "تمہارے فیصلے، تمہاری چالیں، تمہاری بے رحمانہ بزنس پالیسیاں، انہوں نے کسی کی دنیا اجاڑ دی ہے۔ کسی کا سب کچھ چھین لیا ہے۔ کسی کو زندہ درگور کر دیا ہے۔"

فجر کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔ خوف اور الجھن کا اندھیرا۔ اسے یاد نہیں آ رہا تھا کہ اس نے ایسا کیا کیا ہے۔ مقابلہ داری سخت ہوتی ہے، مگر کیا اس نے کسی کو اس حد تک تباہ کر دیا کہ وہ اس طرح انتقام پر اتر آئے؟

"میں نہیں جانتی تم کس کی بات کر رہے ہو۔" فجر نے سچ کہا۔

"جلد جان جاؤ گی۔" آواز گہرائی۔ "یا شاید تمہیں جاننے کا موقع ہی نہ ملے۔"

پستول کی نوک گردن پر قدرے زیادہ دبی۔ فجر کو لگا جیسے اس کی سانس رک جائے گی۔ ٹھنڈے لوہے کا لمس موت کی طرح محسوس ہو رہا تھا۔ ہوا کا ٹھنڈا جھونکا اب کسی سرد ہاتھ کی طرح لگ رہا تھا جو اسے چھو کر بتا رہا ہو کہ یہ رات اس کی آخری ہو سکتی ہے۔

"تم غلط فہمی کا شکار ہو۔" فجر نے ہمت کر کے کہا۔ "اس سب کا کوئی فائدہ نہیں۔ پولیس تمہیں ڈھونڈ نکالے گی۔"

حملہ آور پھر ہنسا۔ ”پولیس؟ جب تک پولیس یہاں پہنچے گی، بہت دیر ہو چکی ہو گی، فجر معراج! تمہارا انجام لکھا جا چکا ہو گا۔“

فجر نے تھوک نگل کر گلہ تر کیا۔

”تمہارا وقت ختم ہو گیا۔“ آواز حتمی تھی۔ اس میں اب کوئی شرارتاً لہجہ نہیں تھا، صرف سنگدلی تھی۔

”اب صرف حساب چکانا ہے۔ جو تم نے دوسروں سے چھینا، وہ میں تم سے چھینوں گا۔ تمہاری زندگی!“

فجر نے محسوس کیا کہ اس شخص سے مزید بات کرنا شاید بے سود ہے۔ یہ کوئی سمجھدار انسان نہیں، کوئی انتقام کی آگ میں جلتا ہوا دشمن ہے۔ اس کی نظریں تیزی سے اندھیرے میں کوئی راستہ، کوئی بچاؤ کا ذریعہ تلاش کرنے لگیں۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا، گویا سینہ توڑ کر باہر نکل آئے گا۔ گردن پر موجود ٹھنڈی نوک اسے مسلسل موت کا احساس دلا رہی تھی۔

اندھیرے ہال میں صرف چاند کی مدھم روشنی، ٹھنڈی ہوا کی سرسراہٹ، فجر کے دل کی دھک دھک اور اس پراسرار شخص کی سانسوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اور اس کے ذہن میں گونجتے وہ الفاظ، **'تمہیں ختم کرنے آیا ہوں'**۔ وہ ایک ایسے خطرے کی زد میں تھی جسے وہ نہ دیکھ سکتی تھی، نہ پہچان سکتی تھی، صرف محسوس کر سکتی تھی۔ موت کا سرد احساس۔

فجر کا دماغ ایک عجیب سی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اب اس کے پاس وقت بہت کم ہے۔ اس کا جسم ساکت تھا، پتھر کی طرح جما ہوا، مگر دایاں ہاتھ نامحسوس انداز میں قریب رکھے میز پر موجود برونز کے مجسمے پر آ چکا

تھا۔ یہ ایک بھاری، ٹھوس چیز تھی۔ ایک آخری امید، ایک آخری موقع۔ اس نے انگلیاں مجسمے پر مضبوطی سے جمائیں۔

پیچھے موجود شخص نے گویا اپنا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس کی دبی دبی، زہر آلود آواز حتمی تھی۔

"تمہارا وقت ختم ہو گیا۔ اب صرف حساب چکانا ہے۔" فجر نے محسوس کیا کہ اس کی گرفت سخت ہو رہی ہے۔ پستول کی نوک اس کی جلد میں چبھنے لگی تھی۔ انگلی ٹریگر پر جا رہی تھی۔

موت کا سرد پنجہ اسے جکڑنے کو تیار تھا۔ فجر نے جبلتاً سر کو ایک طرف جھٹکنے کی کوشش کی، ایک آخری لمحے کی مزاحمت، مگر گرفت مضبوط تھی۔ اس سے پہلے کہ گولی چلتی، اس سے پہلے کہ اس کی زندگی کی کہانی ختم ہوتی، فجر نے ایک ہیجانی، اچانک حرکت کی۔ وہ ایک جھٹکے سے خود کو موڑا، دایاں ہاتھ پوری قوت سے بلند ہوا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا برونز اور ریزن کا وزنی مجسمہ پوری قوت سے پیچھے کھڑے شخص کے سر پر دے مارا۔

یہ وار انتہائی غیر متوقع تھا۔ حملہ آور درد سے کراہا۔ مگر وہ پوری طرح بے قابو نہیں ہوا۔ پستول ہاتھ سے چھوٹ کر اندھیرے میں گرا، مگر گرتے گرتے اس شخص نے فجر کے بازو کو جھٹکے سے پکڑ لیا۔ ایک لمحے کو دونوں میں کھینچا تانی شروع ہو گئی۔

مگر فجر رکی نہیں۔ اس کے اندر کا خوف ایک دم ایک سفاک عفریت میں بدل گیا تھا۔ یہ مرنے اور مارنے کا لمحہ تھا۔ اس کا مرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ وہ جانتی تھی کہ ذرا سی بھی ڈھیل اس کی موت کا باعث بنے گی۔

اس نے پاگلوں کی طرح، ہیجانی انداز میں، اسی وزنی مجسمے سے سامنے لڑکھڑاتے شخص پر وار کرنے شروع کر دیے۔ ایک کے بعد ایک وار، پوری قوت سے، مجسمہ اس کے ہاتھوں میں جانور کی طرح زندہ ہو گیا تھا۔ وہ اسے گھماتی،

اٹھاتی اور زور سے مارتی۔ وہ شخص مزاحمت کر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ فجر کے بازوؤں، کندھوں پر پڑ رہے تھے۔ اندھیرے میں ایک ہولناک کشمکش جاری تھی۔ وہ فجر کو خود سے دور دھکیلنے، اس کے ہاتھ سے مجسمہ چھیننے کی کوشش کر رہا تھا، مگر فجر کے وار اتنے شدید تھے کہ وہ پوری طرح کھڑا نہ ہو سکا۔

لڑکھڑاتے ہوئے وہ دونوں قریب کی میز سے ٹکرائے۔ مجسمے، فائلیں نیچے گریں۔ فجر کا ہاتھ میز کے کنارے سے رگڑ کھا گیا، ایک تیز درد کی لہر اٹھی، مگر اسے محسوس کرنے کا وقت نہیں تھا۔ اس شخص کا ایک وار فجر کے چہرے پر لگا، شاید اس کے ہاتھ کی پشت، جس سے اس کے جبڑے میں شدید درد ہوا۔ مگر اس نے گرفت نہیں چھوڑی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے خون اتر آیا تھا۔

اور فجر اب وار کرتے ہوئے چلا رہی تھی۔ اس کی آواز خوف، غصے اور ملکیت کے احساس کا ایک خوفناک ملغوبہ تھی۔

"یہ میری سلطنت ہے!" وہ دھاڑتی رہی، ہر وار کے ساتھ اس کی آواز میں شدت آتی گئی۔

"یہ میری ہے۔" دھڑم! مجسمہ لگا، وہ شخص لڑکھڑایا۔

"یہ میں نے بنائی ہے۔" ایک اور ضرب۔ وہ گرنے لگا۔

"کوئی اسے مٹا نہیں سکتا! کوئی نہیں۔۔!" اس کی چیخیں خالی ہال میں گونج رہی تھیں۔ ہر ضرب کے ساتھ، ہر چیخ کے ساتھ، اس کے اندر کی جبلتِ بقا اسے مزید طاقت دے رہی تھی۔ وہ اب ایک خوفزدہ عورت نہیں تھی، وہ اپنے وجود، اپنی محنت، اپنی سلطنت کا دفاع کرنے والی ایک ایسی قوت تھی جو کسی بھی حد تک جا سکتی تھی۔ وہ ملکہ ملعون تھی۔

وہ تب تک وار کرتی رہی، تب تک مارتی رہی، جب تک مجسمے کی متواتر ضربوں سے اس شخص کا جسم ڈھیلا پڑ کر ساکت، بے جان نہیں ہو گیا۔ جب تک اس کے سر سے خون کا فوارہ ابل نہیں پڑا اور اس کا فرش پر پڑا وجود پہچاننے کے قابل نہیں رہا۔ مجسمہ اس کے ہاتھوں میں خون سے لت پت تھا۔

آخری وار کرنے کے بعد فجر ہانپتی ہوئی، لرزتی ہوئی اس کے بے جان وجود پر کھڑی رہی۔ اس کے ہاتھ میں خون آلود مجسمہ تھا۔ اس کے چہرے، اس کے کپڑوں پر خون کے چھینٹے تھے۔ بازو پر خراشیں تھیں، جبڑے میں درد، اور جسم پر کہیں اور بھی ضربات کے نشان۔ مگر وہ زندہ تھی۔ وہ زندہ بچ گئی تھی۔ اس نے ایک جان لے لی تھی۔ اپنی جان بچانے کے لیے۔ اپنی سلطنت کو بچانے کے لیے۔ اس کے دل میں وحشت اور فتح کا ایک خوفناک امتزاج تھا۔ اندھیرے ہال میں صرف اس کی تیز سانسوں کی آواز، اس کے دل کی دھڑکن اور موت کی خاموشی تھی۔ اس نے خود کو بچا لیا تھا۔ مگر اس کی قیمت بہت خوفناک تھی۔

نام تھا فجر معراج، کمزوری تھی پہچان، تم اس سے پہچان چھین کر دیکھو وہ تمہیں چیر پھاڑ کر کھا جائے گی۔

✿••✿••✿••✿

منار میں چھائی یہ خاموشی زیادہ دیر قائم نہ رہی۔ دور سے سائرن کی گونج سنائی دی۔ پہلے مدھم، پھر تیز ہوتی ہوئی۔ نیلی اور لال روشنیاں عمارت کے باہر چمکنے لگیں۔ پولیس پہنچ چکی تھی۔

دروازے کھلے، وردی پوش اہلکار احتیاط سے، اسلحہ سنبھالے اندر داخل ہوئے۔ ان کی طاقتور ٹارچ کی روشنیاں اندھیرے ہال میں ناچنے لگیں۔ سائے بھاگنے لگے۔ ایک روشنی فرش پر پڑے بے جان ڈھیر پر پڑی۔ ایک لمحے کو وہ رکے، ان کے چہروں پر حیرت اور پھر سنجیدگی آئی۔ انہوں نے وائرلیس پر کچھ کہا۔

"یہاں ایک لاش ہے۔"

پھر باہر سے کسی اور افسر کی بلند آواز سنائی دی۔ اس کی آواز میں اضطراب تھا۔

"سر! باہر دو لاشیں ہیں۔ گارڈ اور کیئر ٹیکر دونوں۔۔"

فجر کو احساس ہوا کہ وہ صرف ایک شخص نہیں تھا جو اندر آیا تھا۔ یہ ایک منظم، خوفناک حملہ تھا۔ باہر کا پہرے دار، آفس کی دیکھ بھال کرنے والا، وہ دونوں بھی مارے گئے تھے۔ ایک سرد لہر فجر کے وجود میں دوڑ گئی۔

رفتہ رفتہ ہال پولیس اہلکاروں سے بھرنے لگا۔ جائے وقوعہ کو محفوظ کیا جا رہا تھا۔ فارنزک ٹیمیں پہنچنے لگیں۔ روشنی کا انتظام کیا گیا۔ اس ساری گہما گہمی کے بیچ، فجر ایک جانب کھڑی رہی، خون آلود، ہاتھ میں مجسمہ تھامے۔

کچھ دیر بعد، صفدر کی فیملی پہنچی۔ ان کے چہروں پر پریشانی اور صدمہ تھا۔ صفدر بھی ان کے ساتھ تھا، اس کی آنکھوں میں ہول تھا۔ کمپنی کے کچھ سینئر منیجرز بھی آ گئے تھے۔ ان کے چہروں پر تفتیش اور بے یقینی تھی۔

ہال کے ایک کنارے پر، ایک صوفے پر، فجر بیٹھی تھی۔ کسی مہربان ہاتھ نے شاید اس کے ہاتھ سے مجسمہ لے لیا تھا اور اس کندھوں پر ایک اسکارف لپیٹ دیا تھا۔ وہ ساکت تھی۔ جسم ڈھیلا، آنکھیں خالی۔ اس کے کپڑے، اس کے ہاتھ، اس کا چہرہ، سب خون کے چھینٹوں سے رنگا ہوا تھا۔ وہ کسی پتھر کے بت کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں باقی ماندہ روشنی بھی جیسے اس ہولناک حادثے کے بعد چلی گئی ہو۔

باہر میڈیا والے بھی آ چکے تھے۔ کیمروں کی فلیش لائٹس مسلسل چمک رہی تھیں۔ اندر لاش کی تصویریں لی جا رہی تھیں، جائے وقوعہ کا باریک بینی سے معائنہ ہو رہا تھا۔ سیکیورٹی کنٹرول روم میں پولیس اہلکار کیمرہ ریکارڈنگ دیکھ

رہے تھے۔ وہ لمحات جب کیمرے جام ہوئے تھے، جب حملہ آور اندر داخل ہوئے تھے اور شاید آخری لمحات کی دھندلی، خوفناک جھلک۔

فجر سے بار بار سوال پوچھے جا رہے تھے۔ ایک پولیس افسر اس کے سامنے بیٹھا، کبھی نرمی سے، کبھی قدرے سختی سے، اسے جھنجھوڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"آپ کا نام؟"

خاموشی۔

"یہ شخص کون ہے؟ آپ اسے جانتی ہیں؟"

خاموشی۔

"یہ سب کیسے ہوا؟ آپ کیسے بچیں؟"

خاموشی۔

مینیجرز فکرمندی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ صفدر کی فیملی کے چہروں پر ترس کے ساتھ الجھن تھی۔ میڈیا کے کیمروں کی فلیش اس کے خون آلود چہرے پر پڑ رہی تھی۔

مگر فجر کوئی جواب نہیں دے رہی تھی۔ وہ گونگی ہو گئی تھی۔ اس کے اندر خوف ہی خوف تھا۔ اس خوف نے اسے منجمد کر دیا تھا۔ اس کے دماغ میں صرف وہی آخری لمحات گھوم رہے تھے۔ ٹھنڈی نوک، خون، چیخیں اور وہ مجسمہ، وہ جنگ جو اس نے اپنی جان بچانے کے لیے لڑی تھی۔

اس نے ایک جان لے لی تھی۔ یہ کوئی چھوٹی بات نہیں تھی۔ یہ ایک ایسی حقیقت تھی جس نے اس کے وجود کی جڑیں ہلا دی تھیں۔ وہ بس بیٹھی رہی، خون آلود، خاموش، اپنی ہی سلطنت کے تباہ شدہ کنارے پر۔ آنکھوں میں کوئی چمک نہیں، چہرے پر کوئی تاثر نہیں، صرف خوف اور صدمے کی گہری، کبھی نہ مٹنے والی چھاپ۔ وہ اب وہ فجر نہیں تھی جو کچھ گھنٹے پہلے اسٹوڈیو میں کاسٹیومز کو دیکھ رہی تھی یہ فجر مختلف تھی۔ اس نے ایک جان لے لی تھی۔

✿••✿••✿••✿

رات کا پچھلا پہر تھا۔ شہر ابھی پوری طرح بیدار نہیں ہوا تھا۔ نجی ہسپتال کی راہداری میں گہری خاموشی طاری تھی، جسے صرف دور سے آتی مشینوں کی مدھم بیپ یا کبھی کبھار کسی نرس کے قدموں کی چاپ توڑتی تھی۔ فضا میں دوائیوں اور ڈس انفیکٹنٹ کی بو رچی بسی تھی۔

ایک کمرے کے باہر، جس کا دروازہ نیم وا تھا، ایک جوان شخص ساکت کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر تھکن، پریشانی اور گہرا صدمہ تھا۔ یہ ارسل تھا۔ برہان گردیزی کا اکلوتا بیٹا۔ وہ تین سال بعد پاکستان لوٹا تھا، اور آتے ہی اسے اپنے خاندانی کاروبار کی تباہی اور والد کی یہ حالت دیکھنی پڑی تھی۔

وہ کمرے کے اندر جانے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔ اس کے قدم جم گئے تھے۔ بس دروازے کے باہر خاموش کھڑا اندر جھانک رہا تھا۔ اندر، ہسپتال کے سفید بیڈ پر، برہان گردیزی لیٹے تھے۔ ان کا چہرہ پیلا پڑ چکا تھا، جیسے کسی نے سارا خون نچوڑ لیا ہو۔ سانسوں کی رفتار دھیمی اور بے قاعدہ تھی۔ ایک ہاتھ میں کینولا لگا تھا، جس کے ذریعے ڈرپ ان کے جسم میں جا رہی تھی، اور سینے پر مانیٹر کی تاریں لگی تھیں جو دل کی دھڑکن کو ریکارڈ کر رہی تھیں۔ دل کا دورہ شدید تھا۔ ڈاکٹرز کے مطابق، یہ کسی گہرے صدمے کا نتیجہ تھا۔

گردیزی ٹیکسٹائل میں لگنے والی آگ کی خبر اور اس سے ہونے والے کروڑوں کے نقصان نے ان کے اعصاب کو بری طرح متاثر کیا تھا۔ وہ اپنی پوری زندگی کی محنت کو یوں ایک رات میں راکھ بنتے دیکھ کر یہ صدمہ برداشت نہ کر سکے۔ وہ لوگ لٹ گئے تھے۔ فیکٹری کی عمارت تباہ، خام مال اور تیار شدہ مال جل کر خاکستر، مشینیں پگھل گئیں۔ کروڑوں کی مالیت کا نقصان تھا۔ اور اس سے بڑھ کر، مارکیٹ سے نئے پراجیکٹس کے لیے لیا گیا بھاری قرضہ، وہ سب کچھ اب محض کاغذ کا ٹکڑا رہ گیا تھا، جس کے نیچے کچھ نہیں تھا۔

ارسل کے ذہن میں صرف چند گھنٹے پرانی خبریں گھوم رہی تھیں۔ آگ، فیکٹری تباہ، کروڑوں کا نقصان، قرضہ، نئے پراجیکٹس، سب خاک میں مل گیا تھا۔ اور پھر والد کو دل کا دورہ۔ اسے یہ سب کسی ڈراؤنے خواب جیسا لگ رہا تھا۔

ارسل کے لیے اس پر یقین کرنا مشکل تھا۔ ان کے والد، برہان گردیزی، لاہور کے بزنس حلقوں میں ایک نیک نام، دیانت دار اور کامیاب شخصیت سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے تو کبھی کسی کا برا نہیں چاہا تھا۔ کبھی غلط کام نہیں کیا تھا۔ بچپن سے ارسل انہیں محنت اور اصول پسندی کی علامت سمجھتا آیا تھا۔

پھر ان کے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟ ان کی محنت، ان کی وراثت، ان کا سب کچھ کیوں یوں ایک رات میں ختم ہو گیا؟ کیا یہ محض ایک حادثہ تھا؟ یا اس کے پیچھے کچھ اور تھا؟

ارسل نہیں جانتا تھا۔ اسے اپنے والد کے ماضی کے فیصلوں کی خبر نہیں تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ بزنس کی دنیا میں کبھی کبھی آگے بڑھنے کے لیے ایسے فیصلے بھی کرنے پڑتے ہیں جن کی قیمت آنے والے وقتوں میں چکانی پڑتی ہے۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے باپ نے سالوں پہلے کیا کچھ کیا تھا، کیا وعدے توڑے تھے، کس کس کو پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھے تھے۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ جو بیج کل بوئے گئے تھے، آج وہ انتقام کی آگ بن کر فصل کی طرح سامنے آ

رہے تھے۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ آگ محض ایک حادثہ نہیں تھی، یہ کسی کا نہایت سفاک اور سوچا سمجھا انتقام تھا۔ ایک ایسا انتقام جس کی بنیاد برہان گردیزی نے خود اپنے ہاتھوں سے رکھی تھی۔

ارسل وہیں کھڑا رہا۔ ہسپتال کی راہداری کی خاموشی اور اندر کمرے میں مشینوں کی مدھم بیپ کے شور کے درمیان، وہ اپنے والد کے تکلیف زدہ، پیلے چہرے کو دیکھتا رہا۔ ان کے سینے پر دل کے مانیٹر پر بنتی لہریں ان کی زندگی کا حساب دے رہی تھیں۔ ارسل کے دل میں دکھ تھا، غصہ تھا، اور ایک نہ سمجھ میں آنے والا سوال۔ کیا واقعی ان کے والد نے ایسا کچھ کیا تھا جس کی سزا آج انہیں اس طرح مل رہی ہے؟ کیا کامیابی واقعی اتنی بے رحم ہوتی ہے؟ وہ نہیں جانتا تھا۔

اور فی الحال، اسے صرف اپنے والد کو بچانا تھا۔ باقی سب کچھ وہ بعد میں دیکھ لے گا۔ اس نے ایک لمبی، سرد سانس لی اور آخر کار کمرے کے اندر قدم رکھا۔ ہسپتال کی خاموشی میں ایک اور غم زدہ روح کا اضافہ ہو گیا تھا۔

✿••✿••✿••✿

صبح کا کوئی بے وقت پہر تھا۔ رات کی سیاہی آخری ہچکیاں لے رہی تھی اور آسمان پر ایک بے رنگ، اداس روشنی پھیل رہی تھی۔ فجر کو صفدر کی گاڑی اس کے گھر کے گیٹ پر چھوڑ گئی۔ سڑک پر گہری خاموشی تھی، صرف درختوں میں چھپے پرندوں کی مدھم سی چہچہاہٹ سنائی دے رہی تھی، جو اس رات کے ہول سے بے خبر تھے۔

راستے بھر صفدر نے اسے بہت کچھ کہا تھا۔ اس کا بازو تھپتھپایا تھا، اسے مسلسل دیکھا تھا، تسلی دینے کی ناکام کوشش کی تھی۔

"ریلیکس رہنا، فجر! فکر مت کرنا۔ تم بچ گئی۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" اس کی آواز پریشان تھی۔ مگر فجر نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ گاڑی کی سیٹ پر بیٹھی رہی، ایک بے جان شے کی طرح۔ اس کا وجود وہاں تھا ہی نہیں۔ اس کا ذہن خالی تھا، یا شاید اتنا بھرا ہوا کہ اب کسی نئے لفظ، کسی نئی سوچ، کسی نئے احساس کو قبول کرنے کو تیار نہیں تھا۔ وہ جیسے روبوٹ بن گئی تھی۔ آنکھیں سامنے جمی ہوئی تھیں، مگر ان کی پتلیاں کسی چیز پر مرکوز نہیں تھیں۔ اندر کا منظر، وہ ہولناک منظر، ان پر جم گیا تھا۔

گھر خاموش تھا۔ ایک گہری، بے خبر خاموشی۔ اماں اور بانو دونوں اپنے کمروں میں شاید گہری نیند سو رہی تھیں، انہیں نہیں معلوم تھا کہ ان کی فجو پر کیا بیتی ہے۔ باقی خالی گھر سائیں سائیں کر رہا تھا۔ ہر چیز اپنی جگہ تھی، مانوس، پر سکون اور فجر کے لیے اجنبی۔ اس پر سکون ماحول میں اس کا وجود ایک بد نما داغ جیسا تھا۔

گارڈ نے گیٹ کھولا۔ اس کی آنکھوں میں رات گئے لوٹنے پر ہونے والی معمول کی حیرت نہیں تھی، بلکہ ایک شدید صدمہ تھا۔ فجر کا حلیہ اس کے کپڑوں پر گہرے، سیاہ ہو چکے خون کے دھبے تھے جو اب خشک ہونے لگے تھے۔ چہرے پر، گالوں پر، پیشانی پر خون کے چھینٹے تھے۔ یہاں تک کہ اس کے ریشمی بالوں کی لٹوں پر بھی خون لگا ہوا تھا، جو صبح کی مدھم روشنی میں چمک رہا تھا۔ اس کا چہرہ پیلا پڑا ہوا تھا، ہونٹ سپید۔

مگر فجر نے اس کی حیرت کو نظر انداز کیا۔ وہ ایک روبوٹ کی طرح گاڑی سے نکلی اور خاموشی سے گھر کے اندر چلی گئی۔ اس کے قدم بھاری تھے، جیسے سیسے کے بنے ہوں۔ ہال میں داخل ہوتے ہی، گھر کی مانوس مگر اجنبی خوشبو نے اسے گھیرا، جو اس کے کپڑوں سے آتی خون کی بو سے ٹکرا رہی تھی۔

وہ آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھی۔ ہر سیڑھی ایک پہاڑ جیسی لگ رہی تھی۔ اس کے جوتوں کے نیچے سیڑھیوں سے آتی مدھم آواز بھی اسے کسی دھماکے جیسی سنائی دے رہی تھی۔ اوپر آ کر وہ سیدھے اپنے کمرے میں آئی۔ کمرے

میں ہر چیز ویسی ہی تھی جیسی وہ چھوڑ کر گئی تھی، پر سکون، صاف ستھری۔ اس نے بغیر کسی توقف کے دروازہ بند کر لیا۔ جیسے دنیا کے شور، اپنی حقیقت، اور باہر کی ہر چیز سے خود کو کاٹ لینا چاہتی ہو۔

کمرے میں ایک مدھم روشنی تھی۔ باہر کی نیم اجلی صبح کی روشنی کھڑکیوں سے چھن کر اندر آ رہی تھی، جس میں کمرے کے سائے مبہم دکھائی دے رہے تھے۔ کچھ دیر بعد، وہ اپنے قدموں پر کھڑی، آئینے کے سامنے تھی۔ کمرے کی ہلکی روشنی میں، اس نے اپنے آپ کو دیکھا۔

"یہ کون تھا؟ یہ عکس کس کا تھا؟"

اس کا اپنا دلکش وجود، جو ہمیشہ اس کی طاقت رہا تھا، اس وقت خوفناک لگ رہا تھا۔ آنکھوں میں وہ چمک نہیں تھی جو فجر کی پہچان تھی۔ وہ ہیزل آنکھیں بجھی بجھی تھیں، گہری، خالی۔ چہرہ اترا ہوا، بالوں کی لٹیں بکھری ہوئیں اور ان پر خون۔ اس کے خوبصورت چہرے پر، اس کے کپڑوں پر، اس کے بالوں پر خون لگا ہوا تھا۔ صبح کی روشنی میں خون کے چھینٹے گہرے، سیاہ دھبوں کی طرح دکھائی دے رہے تھے۔

اس نے اپنا کپکپاتا ہاتھ آہستہ سے اپنے چہرے کی جانب بڑھایا۔ انگلیوں کے پوروں نے ٹھنڈے، خشک ہوتے خون کے چھینٹوں کو چھوا۔ کھردرا سا احساس ہوا۔ ایک دم اسے اس رات کی سردی، اس شخص کی کراہیں، مجسمے کا وزن، اور اپنی گردن پر پستول کی ٹھنڈی نوک محسوس ہوئی۔ جیسے وہ سب کچھ اس کے جسم میں جذب ہو گیا ہو۔

یہ سچ تھا۔ یہ سب ہوا تھا۔ اس کے ہاتھوں، وہ شخص، خون،

اس کا دل سینے میں تڑپ رہا تھا۔ ایک نہ سمجھے جانے والے درد کی لہر اٹھی جو اس کے پورے وجود میں پھیل گئی۔ گہری، خاموش وحشت اس کے اندر سے پھوٹنے لگی۔ اس کی ہیزل آنکھوں میں نمی بھرنے لگی۔ پہلے ایک آنسو

لڑھکا، گرم، جو گال پر موجود خون کے چھینٹے سے ملا۔ پھر دوسرا۔ سسکیاں اس کے سینے سے نکلنے کی کوشش کرنے لگیں، پہلے دبی دبی، پھر شدت سے۔

کچھ دیر بعد، سسکنے کی آوازیں اس کے قابو میں نہ رہیں۔ وہ سسکنے لگی۔ سسکیاں بڑھتی گئیں اور وہ وہیں فرش پر ڈھیر ہو گئی۔ گھٹنوں کے بل گری اور پھر پہلو کے بل گر گئی۔ خون آلود کپڑوں میں، وہ زمین پر گر گئی۔ اس کا جسم بے جان سا ہو گیا تھا۔

وہ رونے لگی۔ بے اختیار، بے طرح۔ جیسے اس کے اندر کا سارا درد، سارا خوف، سارا صدمہ، سارا ہیجان آنسوؤں کی صورت بہہ نکلنا چاہتا ہو۔ یہ رونے کی آواز اس کی اپنی نہیں لگ رہی تھی۔ یہ کسی زخمی جانور کی کراہ تھی، کسی ٹوٹے ہوئے وجود کی چیخ۔ وہ اپنے ہاتھ چہرے پر پھیر رہی تھی، جیسے اس گندگی، اس خون کو مٹا دینا چاہتی ہو۔ وہ اپنے بال نوچ رہی تھی، گویا اس رات کی یادوں کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکنا چاہتی ہو۔ اس کے آنسو گالوں پر خون کے نشانوں کو بہا رہے تھے، ایک بدصورت، دردناک لکیر بناتے ہوئے۔

اس کے اندر کے عفریت نے، اس کی بقا کی جبلت نے، اسے تو بچا لیا تھا، مگر اس کی ساری روشنی چلی گئی تھی۔ وہ جگنو جو اس کی آنکھوں میں چمکتا تھا، بجھ گیا تھا۔ ایک جان! اس کے ہاتھوں مارا گیا شخص! یہ کوئی چھوٹی بات نہیں تھی۔ یہ حقیقت، اس کے جوان دل پر کسی ہتھوڑے کی طرح لگی تھی۔ پچیس سالہ فجر کا دل کسی عام لڑکی کی طرح تڑپ رہا تھا۔ یہ درد، یہ ہیبت، اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ اسے یوں محسوس ہو گا۔ اسے اپنی جان بچانے کے لیے دوسروں کی جان لینی پڑے گی۔

جانے کتنی دیر وہ یوں ہی روتی رہی، تڑپتی رہی۔ جانے کتنے سالوں بعد وہ یوں بے اختیار روئی تھی۔ آہستہ آہستہ، رونے کی شدت کم ہوتی گئی۔ جسم تھک کر چور ہو گیا۔ درد اور صدمے نے اسے نڈھال کر دیا۔

وہ وہیں، چمچماتے ٹھنڈے فرش پر، ڈھیر ہو گئی۔ اس کے ریشمی، خون آلود بال فرش پر بکھرے ہوئے تھے۔ صبح کی روشنی آہستہ آہستہ کمرے میں پھیل رہی تھی، اور وہ دائیں جانب کروٹ لیے لیٹ گئی۔ آنسو اب بھی بہہ رہے تھے، مگر اب سسکیاں دبتی گئیں۔ آہستہ آہستہ، تھکن، درد اور صدمے کے گہرے گڑھے میں وہ ڈوبتی گئی اور سو گئی۔ خون آلود چہرہ، بکھرے بال، اور ٹھنڈے فرش پر بکھری اس کی ٹوٹی ہوئی روح۔ گھر خاموش رہا، دنیا بے خبر رہی، اور فجر کی آنکھوں کی چمک کہیں تاریکی میں، اس رات کے ہول میں، ہمیشہ کے لیے گم ہو گئی۔

✿••✿••✿••✿

منار فیشن کمپنی کے بالائی ہال میں ہونے والے اس ہولناک واقعے کے بعد، دس دن یوں گزرے جیسے ایک صدی۔ لاہور میں ایک ہی خبر گردش کر رہی تھی۔ گردیزی ٹیکسٹائل میں آتشزدگی اور منار فیشن کمپنی میں قتل۔ پولیس کی تفتیش، فارنزک ٹیمیں، میڈیا کا ہجوم، ہر طرف افراتفری تھی۔ منار کی عمارت کو سیل کر دیا گیا، جائے وقوعہ کو گھیر لیا گیا۔

تین جانیں گئی تھیں۔ باہر گیٹ پر موجود گارڈ، آفس کیئر ٹیکر، اور اندر وہ نامعلوم حملہ آور، جسے فجر نے مارا تھا۔ اس شخص کی ابھی تک مکمل پہچان نہیں ہو پائی تھی۔ اس کا تعلق کس سے تھا، وہ کون تھا، یہ سب راز ابھی راز ہی تھے۔ شہر میں ایک ہی خبر گردش کر رہی تھی۔ **'منار کا قتل عام'** اور **'خونخوار بزنس وومن'**۔ کیمرے کی وہ دھندلی ریکارڈنگ، جس میں فجر اپنی جان بچانے کے لیے ایک شخص سے لڑ رہی تھی اور پھر اسے مار رہی تھی، بار بار نیوز چینلز پر دکھائی گئی۔ اسے **'ایک عورت کا وحشیانہ روپ'** قرار دیا گیا۔

فجر معراج! یہ نام اب گمنام نہیں رہا تھا۔ لوگ سڑکوں پر، بازاروں میں، ڈرائنگ رومز میں اس کے بارے میں بات کر رہے تھے۔ کچھ اس کے خلاف تھے، اسے **'قاتل'** کہہ رہے تھے، ایک ایسی عورت جو اپنے راستے میں آنے

والے کو ختم کر دیتی ہے۔ تو کچھ اس کی حمایت میں تھے، اسے **'بہادر'** اور **'زندہ دل'** قرار دے رہے تھے، ایک ایسی عورت جس نے زندگی کے لیے لڑنا جانا تھا۔ بدنامی کے باوجود، اسے ایک عجیب سا نام مل گیا تھا۔ منار فیشن کمپنی، جسے پہلے صرف بزنس حلقے جانتے تھے، اب پورے پاکستان میں ایک جانی پہچانی نام بن گئی تھی۔ اس خوفناک حادثے نے انہیں بدنام کیا تھا، مگر ساتھ ہی غیر معمولی شہرت بھی دے دی تھی۔

ان دس دنوں میں منار کو بہت نقصان ہوا۔ پولیس کی کارروائیوں کی وجہ سے کام بند رہا۔ کئی بڑے پراجیکٹس کینسل ہو گئے، جو معاہدے ہونے والے تھے وہ رک گئے۔ اور سب سے بڑھ کر، بیس فیصد اسٹاف خوف یا کسی اور وجہ سے منار چھوڑ گیا۔ خالی دفاتر، بند کمرے، ایک گہرا سناٹا چھا گیا تھا۔

دس دن بعد، منار فیشن کمپنی دوبارہ کھل رہی تھی۔ فضا میں تناؤ اور بے یقینی تھی۔ عمارت پر پڑا داغ ابھی تازہ تھا۔ کانفرنس روم میں باقی ماندہ اسٹاف جمع تھا۔ ڈیزائنرز، فنانس ٹیم، مارکیٹنگ ٹیم، فوٹو گرافرز، اور باقی سبھی شعبوں کے لوگ، سب کرسیوں پر خاموش بیٹھے تھے۔ ان کی آنکھوں میں سوال تھے، اور خوف۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ اب کیا ہو گا۔

اور پھر وہ آئی۔ **فجر معراج**! وہ فجر جسے دنیا نے **'وحشی'** قرار دیا تھا۔ وہ فجر جس کی آنکھوں کی چمک کی مثالیں دی جاتی تھیں۔

وہ ہمیشہ کی طرح سادہ سے سوٹ میں تھی۔ بال ہلکی پونی میں قید تھے۔ چہرہ میک اپ کی کئی تہوں سے عاری تھا۔ بس ہونٹوں کو نرمانے کے لیے پھیکے گلابی رنگ کا لپ آئل لگا رکھا تھا، جو اس کے ہونٹوں کو ایک نازک، کمزور سی رنگت دے رہا تھا۔ پھیکے گلابی رنگ کی کھلی اسکرٹ اور سفید بلاوز میں وہ سر سے پاؤں تک سادگی میں قید تھی۔ پیروں میں آرام دہ اسنیکرز تھے اور اسکارف گردن کے گرد ڈھیلا سا لپٹا تھا۔ اس کے چہرے پر کوئی خاص تاثر نہیں تھا۔ نہ

خوف، نہ غم، نہ غصہ۔ بس ایک گہرا سکون تھا یا شاید خالی پن۔ اس رات کے بعد فجر نہیں روئی تھی۔ اس کے اندر کے عفریت نے، اس کی بقا کی جبلت نے، اسے سمجھا دیا تھا کہ اس نے کچھ غلط نہیں کیا تھا۔ جو کچھ ہوا، وہ ضروری تھا۔ یہ زندہ رہنے کی قیمت تھی۔

وہ آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی اسٹیج پر آ کر کھڑی ہو گئی۔ ہال میں مکمل خاموشی چھا گئی۔ سب کی نظریں اس پر تھیں۔ اس نے ایک نظر پورے ہال پر موجود اپنے اسٹاف پر ڈالی۔ ہر چہرے کو دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں خوف، شک، ہمدردی، اور کچھ میں عزم کی مدھم سی چمک۔

فجر نے ایک گہرا سانس لیا۔ اس کی آواز دھیمی تھی، مگر واضح اور پر اعتماد۔ کانفرنس روم کی خاموشی میں اس کی آواز گونجی۔

"بقاء کی جنگیں اتنی آسان نہیں ہوتیں۔"

اس کی آواز میں ایک انوکھی گہرائی تھی، جو اس رات کے تجربے سے آئی تھی۔ وہ بولتی رہی، اور اس کے الفاظ کانفرنس روم کی فضا میں بکھرتے گئے۔

"گزشتہ دس دن ہم سب کے لیے بہت مشکل تھے۔ ہم نے بہت کچھ کھویا ہے۔ قیمتی جانیں، ہمارے ساتھی، اعتماد، شاید سکون بھی۔ عمارت پر داغ لگے۔ منار کے نام پر سوال اٹھے۔ بہت سے لوگ جو ہمارے ساتھ تھے، وہ ہمیں چھوڑ گئے۔ ان کا خوف سمجھ میں آتا ہے۔ جو کچھ ہوا، وہ خوفناک تھا۔"

وہ ایک لمحے کو رکی، اور پھر اس کی آواز میں ایک نئی لہر آئی، عزم اور طاقت کی۔

"دنیا نے ہمیں مختلف نام دیے۔ میڈیا نے کہانیاں سنائیں۔ مجھے بھی ایک نام ملا، ایسے نام جنہیں سن کر شاید آپ کو بھی عجیب لگا ہو گا۔ لیکن میں آپ سے پوچھتی ہوں، طاقت کیا ہے؟ کیا طاقت صرف دوسروں کو گرانے میں ہے؟ کیا طاقت صرف جیت میں ہے؟ یا طاقت اس وقت ہوتی ہے جب آپ گر کر دوبارہ کھڑے ہوتے ہیں؟ جب آپ سب کچھ کھو کر بھی ہمت نہیں ہارتے؟ جب آپ اپنی جان بچانے کے لیے آخری حد تک جاتے ہیں؟"

اس کی ہیزل آنکھوں میں ایک مدھم سی چمک لوٹی، جو کسی روشنی سے نہیں، بلکہ اندر کی آگ سے آئی تھی۔

"اس رات جو کچھ ہوا وہ خوفناک تھا۔ لیکن وہ بقا تھی۔ وہ زندہ رہنے کی ایک جنگ تھی۔ منار نے بھی ایک جنگ لڑی ہے۔ ہم سب نے۔ جو لوگ آج یہاں بیٹھے ہیں، آپ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس جنگ میں میرا ساتھ دیا۔ جنہوں نے خوف کے باوجود بھاگنے کی بجائے یہاں رہنے کا فیصلہ کیا۔ آپ منار ہیں۔"

اس کے الفاظ میں سحر تھا۔ وہ اپنے درد کو، اپنے خوف کو، اپنے تجربے کو الفاظ کا روپ دے رہی تھی، اور وہ الفاظ سننے والوں کے دلوں پر اثر کر رہے تھے۔

"منار صرف ایک فیشن کمپنی نہیں ہے۔ یہ اینٹ گارے کی عمارت نہیں ہے۔ یہ ایک خواب ہے۔ ایک وژن ہے۔ ایک ایسی جگہ جہاں ہم نے اپنی محنت سے اپنی دنیا بنائی ہے۔ یہ دنیا جس پر حملہ ہوا، جس پر داغ لگے۔ لیکن جو ٹوٹی نہیں۔ جو سلامت ہے۔ جو آج بھی یہاں کھڑی ہے۔ کیونکہ آپ لوگ یہاں ہیں۔"

اس کی آواز بلند ہونے لگی، اس میں قائدانہ رعب اور جذبہ شامل ہو گیا۔

"آج جب ہم یہاں دوبارہ جمع ہوئے ہیں، تو ہم صرف کام دوبارہ شروع نہیں کر رہے۔ ہم یہ اعلان کر رہے ہیں کہ ہم ٹوٹے نہیں۔ ہم گر کر دوبارہ کھڑے ہوئے ہیں۔ ہم نے بقا کی جنگ لڑی، اور ہم جیت گئے۔" پل بھر کو خاموشی چھا گئی۔

"یہ حادثہ، یہ خوف، یہ اب ہماری کہانی کا حصہ ہے۔ یہ ہمیں کمزور نہیں، مضبوط بناتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ بقا کی جنگیں اتنی آسان نہیں ہوتیں، لیکن ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ہم انہیں لڑ سکتے ہیں۔ اور جیت سکتے ہیں۔ میں آپ سب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں جو یہاں ہیں۔ جو منار پر یقین رکھتے ہیں۔ آیئے، مل کر اس داغ کو اپنی طاقت بنائیں۔ آیئے، منار کو دوبارہ تعمیر کریں، پہلے سے زیادہ مضبوط، پہلے سے زیادہ روشن۔ آیئے دنیا کو دکھا دیں کہ ہم کون ہیں۔"

فجر خاموش ہو گئی۔ ہال میں مکمل خاموشی تھی۔ اسٹاف اسے دیکھ رہا تھا۔ ان کے چہروں پر خوف کی جگہ اب حیرت اور پھر آہستہ آہستہ عزم کی چمک پیدا ہو رہی تھی۔ وہ لفظوں کے سحر میں گرفتار ہو گئے تھے۔ وہ اپنی قائد کی آنکھوں میں اپنے مستقبل کی جھلک دیکھ رہے تھے۔

اور پھر تالیاں بجیں۔ پہلے ایک، پھر دو، اور پھر پورا ہال تالیوں کی گونج سے بھر گیا۔ تالیاں جو عزم کی تھیں، جو شکریہ کی تھیں، جو ایک نئے آغاز کی تھیں۔

فجر اسٹیج پر کھڑی رہی، چہرے پر وہی گہرا سکون اور خالی پن۔ اس نے ایک جنگ لڑی تھی، اور وہ جیت گئی تھی۔ اس کے اندر کی روشنی شاید ماند پڑ گئی تھی، مگر ایک نئی، زیادہ سخت جان چمک اس کی جگہ لے رہی تھی۔ بقا کی چمک۔ اس کی سادگی میں، اس کی آواز کی گہرائی میں، اس کے الفاظ کی طاقت میں، ایک ایسی خوبصورتی تھی جس نے سننے والوں کو حیران کر دیا۔ وہ داغ دار تھی، زخمی تھی، مگر ٹوٹی ہوئی نہیں تھی۔

وہ فجر معراج تھی!جو زندہ بچ گئی تھی۔

دی سروائیورر!

✿••✿••✿••✿

یہ تھارئیس کا آفس۔ شہر کے شور سے بلند، ایک ایسی جگہ جہاں طاقت اور کنٹرول کا راج تھا۔ دس دن پہلے منار فیشن کمپنی میں ہونے والے ہولناک واقعے کے بعد بھی یہاں کا ماحول معمول پر نہیں آیا تھا۔ فضا میں ایک نامعلوم تناؤ اور بے چینی تھی۔ رئیس اپنی کرسی سے اٹھا ہوا تھا، آفس میں ٹہل رہا تھا۔ چیتے کی طرح، قید میں بند۔ ہمیشہ کی طرح قیمتی ڈریس پینٹ اور کرسپی شرٹ میں ملبوس، مگر اس کی شرٹ کے اوپری دو بٹن کھلے تھے، جیسے اندر کی گھٹن باہر نکلنا چاہتی ہو۔ چہرہ غیر معمولی تناؤ کا شکار تھا، آنکھوں میں بے چینی تھی، اور ایک ایسی آگ جو اندر ہی اندر سلگ رہی ہو۔

عروزہ اور مراد خاموشی سے ایک جانب کھڑے اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ اس کے قریبی ساتھی تھے، اس کے دائیں بائیں بازو، اس کے ہر اشارے پر تیار رہنے والے، مگر اس وقت رئیس کی یہ حالت انہیں بھی پریشان کر رہی تھی۔ انہوں نے رئیس کو یوں بے قابو ہوتے، یوں غصے اور بے چینی میں ٹہلتے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ اس کے طاقتور اور پرسکون روپ کے عادی تھے۔

رئیس ایک دم ٹہلتے ٹہلتے رکا۔ اس کی آواز دبی ہوئی مگر غصے اور بے یقینی سے بھری تھی۔ جیسے کوئی زخم کھلا رہ گیا ہو۔

"دس دن!" اس نے کراہ کر کہا، اس کا لہجہ خود پر غصہ تھا۔

"دس دن ہو گئے ہیں اور ہمیں ابھی تک پتا نہیں چل سکا کہ وہ شخص کون تھا!" اس نے مٹھی بھینچی۔

"اس کی شناخت کیوں نہیں ہو پا رہی؟ کون تھا وہ جو یوں میری ناک کے نیچے آیا؟"

اس کا غصہ صرف نامعلوم حملہ آور پر نہیں تھا، بلکہ اس سیکورٹی کی ناکامی پر تھا جو اس جیسے طاقتور شخص کے لیے ناقابل یقین تھی۔

"ہماری اتنی منصوبہ بندی، اتنے کڑے پہرے، منار کے اپنے سیکیورٹی انتظامات، اس سب کے باوجود وہ شخص کہاں سے آیا؟ کیسے اندر گھس گیا؟ کیسے حملہ کیا؟" اس کی آواز بلند ہونے لگی، کمرے کی قیمتی دیواروں سے ٹکرا کر گونجی۔

"یہ ہماری ناکامی ہے! سب سے بڑی ناکامی! ناقابل معافی۔۔!"

اور پھر، اس کی آواز میں ایک اور طرح کا خوف شامل ہوا۔ ایک ایسا خوف جو اس کی آنکھوں میں صاف جھلک رہا تھا۔

"اگر فجر اسے نہ مارتی اگر اس نے وقت پر رد عمل نہ دکھایا ہوتا اگر وہ ایک لمحے کو بھی ہچکچاتی تو۔۔۔؟" اس کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ اس نے ایک زوردار سانس لی، جیسے ہوا کم پڑ رہی ہو۔

"وہ۔۔۔ وہ مر گئی ہوتی۔۔۔!"

پہلی بار اس کی آواز اس قدر اونچی تھی، اس قدر جذباتی کہ مراد اور عروزہ بھی چونک گئے۔ اسے گھٹن ہو رہی تھی۔ اس نے اپنی شرٹ کا ایک اور بٹن کھولا۔ اسے لگا جیسے کسی نے اس کا گلا دبا دیا ہو۔

"کیمرے کی وہ ریکارڈنگ میں نے دیکھی ہے۔" اس نے اپنا ہاتھ سر پر پھیرا، جیسے وہ ہولناک منظر اس کے دماغ سے چپک گیا ہو۔ اس کی آواز اب دھیمی ہو گئی تھی، مگر اس میں ایک گہری کپکپی تھی۔

"سب نے دیکھی ہے۔" اس نے عروزہ اور مراد کو دیکھا، جیسے ان کا ردعمل جانچ رہا ہو کہ کیسے ایک عورت، اکیلی، یوں لڑ رہی تھی موت سے، یوں مار رہی تھی، اپنی جان بچانے کے لیے، اپنی سلطنت بچانے کے لیے۔ اس نے ایک گہرا، سرد سانس لیا۔

اسے دیکھ کر، رئیس جیسے موت کے سوداگر کی ریڑھ کی ہڈی میں بھی ایک سرد سنسناہٹ دوڑ گئی تھی۔

اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سا تناؤ تھا۔ فجر، وہ عورت جسے وہ ناپسند کرتا تھا، جو اس کے ہر منصوبے کے آگے دیوار بن جاتی تھی، جو اسے زچ کرتی تھی، جو اس کے کنٹرول میں نہیں آتی تھی، جس نے اسے کبھی کبھی نفرت کرنے پر مجبور کیا تھا، مگر وہ اس چہرے کو، اس زندہ، لڑاکا چہرے کو، اس کی آنکھوں کی چمک کو، زندہ رکھنا چاہتا تھا۔ یہ خیال بھی اسے وحشت زدہ کر دیتا تھا۔ یہ ایک ایسی حقیقت تھی جسے وہ خود بھی پوری طرح سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

عروزہ آہستہ سے آگے بڑھی۔ اس کی آواز میں نرمی تھی، جو اس لمحے کی شدت کو کم کرنے کی کوشش تھی۔

"باس، پلیز خود کو ریلیکس کریں۔ جو ہونا تھا ہو گیا۔ فجر محفوظ ہے۔ وہ زندہ ہے۔"

رئیس ایک دم چیختے ہوئے پلٹا، اس کی آنکھوں میں عجیب سی وحشت اور بے چینی تھی۔ اس نے عروزہ کی بات سنی ان سنی کر دی۔

"ولی کہاں ہے؟" اس کا لہجہ حکم کا تھا۔

"وہ منار گیا ہے، رئیس!"

مراد نے فوراً جواب دیا۔ اس کی آواز میں اطاعت اور ایک معمولی گھبراہٹ تھی۔ رئیس نے سر ہلایا۔

"وہ ابھی تک اندر نہیں جا سکا؟"

"تین بار ریجیکٹ ہو چکا ہے۔ لیکن اسے لگتا ہے آج اسے وہاں جگہ مل جائے گی۔ وہ ہمت ہارنے والوں میں سے نہیں۔"

رئیس نے ایک گہرا سانس لیا۔ آنکھیں بند کیں، جیسے غصے اور بے چینی کے سمندر کو اندر ہی اتار رہا ہو۔ اس کے جبڑے بھینچے ہوئے تھے۔ جب آنکھیں کھولیں تو ان میں لہو ٹپک رہا تھا۔ وہ سرخ انگارہ تھیں۔ چہرے پر شاندار شخصیت کا رعب تھا، مگر ان آنکھوں کی سرخی بتا رہی تھی کہ اندر کتنا طوفان برپا تھا۔ اس کی شاندار شخصیت اس وقت غضبناک لگ رہی تھی۔ اس کے سامنے ہی مراد اور عروزہ ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ وہ اس کے ساتھی ضرور تھے مگر اس کے اس روپ سے، اس کے غصے سے ڈرتے تھے۔ یہ ایسا خوف تھا جو احترام سے کہیں زیادہ تھا۔

"یہ یقیناً سونیا سلطان کا کام ہے۔۔۔" رئیس نے سرد، دوٹوک لہجے میں کہا، جیسے کوئی حتمی فیصلہ سنا رہا ہو۔ اس کی آواز میں ذرا سی بھی لچک نہیں تھی۔

"اس نے اپنا بدلہ لیا ہے۔ یہ سب اس کا کیا دھرا ہے۔" اس نے مٹھی بھینچی، اس کے ناخن ہتھیلی میں گڑ گئے۔

"اور وہ خبطی عورت پیچھے ہٹنے والی نہیں۔ وہ تب تک نہیں رکے گی جب تک وہ فجر کو جان سے نہ مار دے۔ وہ فجر کو ختم کرنا چاہتی ہے۔"

اس نے عروزہ اور مراد کو دیکھا۔

"ہمیں جلد کچھ کرنا ہو گا۔ بہت جلد۔ اس سے پہلے کہ وہ دوبارہ وار کرے۔۔۔"

اس کی آواز میں عزم تھا، اور ایک ایسی ملکیت کا احساس جو عجیب تھا۔ جیسے فجر اس کی ملکیت تھی، اور کوئی اور اسے نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔ اسے نقصان پہچانے کے سارے حق صرف اسے تھے۔

"اور فجر؟ اس نے بہت ہٹ دھرمی کر لی۔ بہت دور چلی گئی۔ میرے کنٹرول سے باہر۔" اس کی آنکھیں مزید سرخ ہوئیں۔

"میں اسے مزید برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ کھیل ختم ہونا چاہیے۔" اس نے ایک زوردار سانس خارج کی۔

"مجھے اسے مجھے اسے اپنے ساتھ جوڑنا ہی ہو گا۔ اپنی مٹھی میں لانا ہی ہو گا۔"

وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا، ٹانگ پر ٹانگ جما کر۔ اس کے چہرے پر اب پہلے جیسی بے چینی نہیں تھی، صرف حد درجہ سنجیدگی اور ایک سرد عزم تھا۔ جیسے اس نے کوئی حتمی، ناقابل تغیر فیصلہ کر لیا ہو۔ وہ ایک ایسی شطرنج کی بساط دیکھ رہا تھا جس میں فجر مہرہ نہیں تھی، وہ خود ایک کھلاڑی بن گئی تھی، اور اب وہ اسے اپنے کھلاڑیوں میں شامل کرنا چاہتا تھا۔

اس کی ایسی حالت اور پھر آخری بات سن کر، مراد سے رہا نہ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ سوال رئیس کے غصے کو بھڑکا سکتا ہے۔ یہ ایک خطرہ مول لینا تھا۔ مگر سوال بہت بڑا تھا، ایک ایسا سوال جو سالوں سے ان سب کے ذہنوں میں بے چین تھا۔

"تم کرنا کیا چاہتے ہو رئیس؟" مراد نے ہمت کر کے، دبی آواز میں پوچھا۔ اس کی آنکھوں میں واقعی یہ سوال تھا۔

"جب سے وہ فجر معراج سامنے آئی ہے، تین سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے۔ تم نے اسے ختم کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ اسے بچایا پھر اسے آزاد چھوڑ دیا۔ کبھی اسے اہمیت دی، کبھی نظر انداز کیا، پھر اسے خود سے دور رکھا، اب تم اسے اپنے ساتھ جوڑنا چاہتے ہو، اسے کنٹرول کرنا چاہتے ہو، یہ سب کیا ہے؟ اس عورت سے تمہیں کیا چاہیے؟ تمہارا اصل مقصد کیا ہے؟"

مراد کے سوال نے پل بھر کے لیے رئیس کو ساکت کیا۔ اس کی آنکھوں میں موجود سرد عزم ایک لمحے کو ڈگمگایا۔ یہ وہ سوال تھا جس کا جواب شاید خود رئیس کے لیے بھی مکمل طور پر واضح نہیں تھا۔ یا جسے وہ کسی کے سامنے، یہاں تک کہ اپنے وفادار ساتھیوں کے سامنے بھی، پوری طرح ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے مراد کو دیکھا، اس کی نظروں میں ایک گہری، ان کہی داستان چھپی تھی۔ اس کا چہرہ ایک ایسے راز کی طرح تھا جسے پڑھنا مراد اور عروزہ کے بس میں نہیں تھا۔ کمرے میں ایک بار پھر گہری خاموشی چھا گئی۔ رئیس کا راز، اس کی خواہش، اور اس کا خطرناک ارادہ، فضا میں کسی وزنی شے کی طرح معلق ہو گیا تھا۔

خاموشی کئی پل تک برقرار رہی۔ مراد اور عروزہ، جو رئیس کے ہر موڈ سے واقف تھے، اس غیر معمولی سکوت اور رئیس کے چہرے پر آنے والے لمحاتی تغیر کو دیکھ کر سانس روکے کھڑے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ وہ ایک ایسی سرحد پر کھڑے ہیں جہاں رئیس کا عام کاروباری روپ ختم ہو جاتا تھا اور اس کی شخصیت کی گہرائی شروع ہوتی تھی۔ رئیس کی آنکھوں میں طوفان برپا تھا، بظاہر پرسکون سمندر کے نیچے چھپی لہروں کی طرح۔

پھر آہستہ سے، جیسے کسی گہری، طویل سوچ سے باہر نکل رہا ہو، وہ اپنی قیمتی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے قدم دھیمے تھے، وہ آہستگی سے چلتا ہوا اپنی بڑی، بھاری میز تک آیا۔ میز کے کنارے پر پہنچ کر وہ رکا، اور اس پر دونوں ہاتھ جما کر، ہلکا سا جھکا۔ اس کا سر تھوڑا نیچے تھا۔

اس کی آواز گہری تھی، اس میں ایک عجیب سا اعتراف تھا۔ ایک سرگوشی جیسی جو کمرے کی پر سکون فضا میں گونجی۔

"وہ چہرہ۔۔۔" اس نے کہا، جیسے خود سے مخاطب ہو۔ جیسے وہ کسی بہت پرانے، بہت تکلیف دہ راز کو زبان دے رہا ہو۔

"فجر کا چہرہ، وہ میری کمزوری ہے۔"

عروزہ اور مراد نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں حیرت تھی۔ رئیس کے منہ سے **'کمزوری'** کا لفظ سننا ان کے لیے اتنا ہی غیر متوقع تھا جتنا سمندر کا خشک ہو جانا۔ رئیس، جو طاقت اور بے رحمی کا دوسرا نام تھا، کمزور کیسے ہو سکتا تھا؟ اور وہ بھی ایک عورت کے چہرے سے؟

"میں نے اسے، اس چہرے کو سالوں دیکھنے کی چاہ کی ہے۔" رئیس کی آواز میں ایک پرانی پیاس تھی، ایک ایسی تڑپ جو سالوں پرانی تھی۔

"لیکن۔۔" اس کے لہجے میں ایک دم سفاک نفرت بھر گئی۔

"لیکن اس چہرے سے مجھے شدید نفرت ہے۔"

اس کی بات میں تضاد تھا، ایک ایسا ناقابل فہم تضاد، ایک ایسی الجھن جسے مراد اور عروزہ کسی صورت سمجھ نہیں پا رہے تھے۔ وہ ایک ہی وقت میں اس چہرے کی چاہ بھی کرتا تھا اور اس سے شدید نفرت بھی کرتا تھا۔ یہ کیسا رشتہ تھا؟ کیسا جذبہ؟

رئیس سیدھا ہوا۔ اس نے میز سے ہاتھ ہٹائے اور اب ان کی جانب دیکھا۔ آنکھوں میں وہی سرخ انگارہ جل رہا تھا، مزید شدت سے۔

"فجر منار جیسی نہیں ہے۔ وہ عام لڑکیوں جیسی نہیں۔" اس کے لہجے میں ایک عجیب سا، پوشیدہ فخر تھا۔ جیسے وہ اس کی تعریف نہیں، بلکہ اپنی کسی دریافت کا اعلان کر رہا ہو۔

"وہ۔۔ وہ میرے جیسی ہے۔ اس کی ہاتھ میری طرح خون سے رنگے ہیں۔"

اس نے دو قدم آگے بڑھائے، اس کا وجود کمرے میں پھیلنے لگا۔

"وہ پوری دنیا سے لڑ رہی ہے۔" اس نے کہا، آواز میں طاقت تھی۔

"وہ پوری دنیا سے ٹکرا کر، دنیا کو پاش پاش کرنے کی ہمت رکھتی ہے۔ وہ کسی کے سامنے جھکتی نہیں۔ کسی اصول پر سمجھوتہ نہیں کرتی۔ وہ اپنے راستے خود بناتی ہے۔" اس کے چہرے پر ایک پل کے لیے تعریف کا تاثر آیا، ایک ایسی مسکراہٹ جو خطرناک تھی۔

"لیکن۔۔۔" وہ رکا، اور اس کے لہجے میں ایک دم سرد، سفاک غصہ بھر گیا۔

"وہ جب مجھ سے ٹکراتی ہے، جب وہ میری انا کو للکارتی ہے، جب وہ مجھے چیلنج کرتی ہے، تو مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔ بالکل برداشت نہیں ہوتا۔" اس نے مٹھی بھینچ کر میز پر زور سے ماری۔ آواز بلند ہو گئی۔

"میں چاہتا ہوں وہ صرف میرے سامنے جھکے۔" اس نے اپنی بات پر زور دیا۔ اس کی آنکھوں میں ایک ایسا مطالبہ تھا جو کسی بادشاہ کا ہو سکتا تھا۔

"چاہے اس کی جو بھی پہچان ہو، چاہے وہ آج جو بن گئی ہو۔ وہ میری ذات کو جانے وہ سمجھے کہ میں کون ہوں۔" اس کی آواز میں ایک عجیب سے جبر کا امتزاج تھا۔

"وہ اس بات کا اقرار کرے کہ وہ میری لئے بنی ہے۔ صرف میری لیے۔۔" اس نے گہرا سانس لیا۔

"میں چاہتا ہوں وہ ہمارے رشتے کو پہچانے، جو بھی وہ رشتہ ہے اور پھر اسے قبول کرے۔ دل سے قبول کرے۔"

"آپ اسے خود کیوں نہیں بتا دیتے؟" عروزہ نے آہستہ سے، ہمت کر کے پوچھا۔ یہ سب سے سیدھا راستہ تھا، مگر وہ جانتی تھی کہ رئیس کے لیے کوئی چیز سیدھی نہیں ہوتی۔

رئیس نے عروزہ کی بات سن کر ضبط سے آنکھیں میچیں۔ اس کے چہرے پر اذیت کی لہر دوڑ گئی۔ یہ وہ نقطہ تھا جو اسے سب سے زیادہ تکلیف دیتا تھا، ایک ایسا زخم جو کبھی مندمل نہیں ہوا۔ اس کے جبڑے بھینچ گئے۔

"میں اسے سچائی نہیں بتا سکتا۔" اس کی آواز دبی ہوئی تھی، کرب سے بھری ہوئی۔

"وہ مجھ سے نفرت کرے گی۔ سچ جاننے کے بعد، وہ مجھے کبھی قبول نہیں کرے گی۔" اس نے آنکھیں کھولیں۔ ان میں خوف تھا۔ وہ خوف جو رئیس جیسی شخصیت میں شاذ و نادر ہی نظر آتا تھا۔ وہ خوف جو اسے راتوں کو جگاتا تھا۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ یہ چہرہ اسے دھوکا دے۔ وہ ایک اور دھوکا نہیں کھانا چاہتا تھا۔

"میں چاہتا ہوں وہ مجھ تک خود آئے۔" اس کے لہجے میں ایک عجیب سی خواہش، ایک جنون تھا۔

"مجھے خود قبول کرے۔ بغیر کسی جبر کے۔ وہ مجھے سمجھے۔ وہ سمجھے کہ ہم دونوں ماضی سے جڑے ہیں کہ ہمارا ملنا محض اتفاق نہیں کہ ہمارا ساتھ مقدر ہے۔"

عروزہ نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں، ایک ایسی حقیقت بیان کی جو رئیس کے لیے کسی تلوار کی دھار جیسی تھی۔

"باس سچائی جاننے کے بعد وہ آپ کو کبھی قبول نہیں کرے گی۔ شاید مزید نفرت کرے۔ آپ کا چہرہ بھی دیکھنا گوارا نہ کرے۔"

عروزہ کے الفاظ رئیس کے دل میں کسی زہر آلود نوک دار چیز کی طرح پیوست ہو گئے۔ اس کے پورے جسم میں ایک ایسی اذیت کی لہر دوڑ گئی جو جسمانی درد سے کہیں زیادہ گہری تھی۔ اس کا چہرہ تناؤ سے بگڑ رہا تھا۔ ایک لمحے کو وہ بالکل اکیلا اور بے بس دکھائی دیا۔

پھر، ایک جھٹکے سے، وہ سیدھا ہوا۔ اس کی آنکھوں میں اذیت کی جگہ غضب اور سرد عزم نے لے لی۔ وہ دو قدم پیچھے ہٹا، اس کی آنکھیں غضبناک تھیں۔ وہ پیچھے ہٹتا ہوا اپنی بڑی، چمچماتی کرسی تک آیا اور اس کے بازو پر ہاتھ رکھا، جیسے کوئی بادشاہ اپنی سلطنت پر ہاتھ رکھ کر یہ یقین دہانی کر رہا ہو کہ وہ اب بھی اس کا مالک ہے۔ اس کے چہرے پر ایک سفاک مسکراہٹ پھیلی۔ اس کی آواز اب سرد، سخت اور فیصلہ کن تھی۔ اس میں کوئی الجھن نہیں تھی، صرف اٹل ارادہ۔

"اسی لیے۔۔۔" اس نے کرسی پر ہاتھ جماتے ہوئے کہا۔ اس کا لہجہ کسی مجسمے کی طرح سخت تھا۔

"اب میں اسے کنٹرول کرنا چاہتا ہوں۔ اسے، اسے اپنی مٹھی میں کرنا چاہتا ہوں۔ ایسے، ایسے کہ وہ چاہ کر بھی مجھ سے دور نہ جا سکے۔ ایسے کہ اس کا ہر فیصلہ میری مرضی کے تابع ہو۔" اس نے ہاتھ سامنے کیا اور پھر اس کی مٹھی بنائی یوں جیسے فجر معراج جو قید کر لیا ہو۔

"آپ تو اس سے محبت نہیں کرتے پھر یہ سب کیوں؟" عروزہ ابھی تک الجھی ہوئی تھی۔ اسے رئیس کا یہ جذبہ، یہ نفرت، یہ سب سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ یہ کیسا جنون تھا جو محبت کے بغیر وجود رکھتا تھا؟

رئیس نے ایک لمحے کو عروزہ کو دیکھا، اس کی آنکھوں میں ایک سوال تھا۔ جیسے وہ پوچھ رہا ہو کہ تم کیا جانتی ہو؟ پھر اس نے سر جھٹکا اور آگے کی جانب دیکھا، گویا اس کی نظر میں مستقبل کا نقشہ تھا، ایک ایسا نقشہ جس میں فجر اس کے تابع تھی۔

"محبت؟" اس نے دہرایا، جیسے یہ لفظ اس کے لیے بے معنی ہو۔ یا شاید وہ اس لفظ کو کسی اور تعریف سے جانتا تھا۔

"وہ پہلی عورت ہے عروزہ! جو مجھے ٹکر دے رہی ہے۔" اس کی آواز میں تلخی تھی، ایک ایسی تلخی جو گہری تھی۔

"جو میری انا کو پاش پاش کرتی ہے۔ میری طاقت کو چیلنج کرتی ہے۔" اس نے اپنے آفس کے باہر پھیلے شہر کی جانب اشارہ کیا۔

"پوری دنیا میری قائل ہے۔ پوری دنیا کو میری ضرورت ہے۔ میرے اشاروں پر چلتی ہے۔ میرے سامنے سر جھکاتی ہے۔ صرف اسے نہیں۔ صرف فجر معراج کو نہیں۔" اس نے مٹھی بھینچی، اس کی رگیں ابھر آئیں۔

"مجھے انا پرست عورتیں نہیں پسند۔ وہ میری برتری تسلیم نہیں کرتی۔" اس کی آنکھوں میں آگ مزید بھڑک اٹھی، ایک جنون کی آگ۔

"اسے میری برتری تسلیم کرنی ہو گی۔ اسے ماننا ہو گا کہ میں کون ہوں۔ اسے ماننا ہو گا کہ میرے بغیر، میرا سایہ اس پر نہ ہو تو اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ جو کچھ اس کے پاس ہے۔ جو وہ ہے۔ سب میری وجہ سے ہے۔"

اس کی آواز بلند ہوتی گئی، اس میں ایک خوفناک جنون تھا۔ ایک بادشاہ کا اعلان جو اپنی سلطنت پر مکمل قبضہ چاہتا ہو۔

"میں اس سلطنت کا بادشاہ ہوں۔" اس نے گویا ہوا میں موجود اپنی طاقت کو محسوس کیا۔ اس کا لہجہ اٹل تھا۔

"اور اسے، فجر معراج کو، اسے میرے آگے جھکنا ہو گا۔ چاہے جیسے بھی ہو۔ چاہے مجھے اس کے لیے کچھ بھی کرنا پڑے۔"

اس کی آواز میں ایسی تاثیر تھی، ایسی طاقت، ایسا جبر تھا کہ کمرے کی فضا میں ایک کپکپی طاری ہو گئی۔ جیسے دیواریں اور ہوا خود آنے والے وقت کے قہر سے، رئیس کے جنون اور ارادے سے لرز اٹھی ہوں۔ عروزہ اور مراد خاموشی سے کھڑے اسے دیکھتے رہے۔ وہ جانتے تھے کہ رئیس نے جو ارادہ کر لیا ہے، اسے کوئی بدل نہیں سکتا۔ فجر کی زندگی میں اب ایک نیا، کہیں زیادہ تاریک اور خطرناک طوفان آنے والا تھا، رئیس اورنگزیب کا طوفان!

سونیا سلطان نے ٹھیک کہا تھا، وہ اسے سب سے بچانا چاہتا تھا تاکہ خود مار سکے۔

✿••✿••✿••✿

منار فیشن کمپنی دوبارہ کھل چکی تھی۔ عمارت کی دیواروں پر، فضا میں، دس دن پہلے کا ہولناک واقعہ گہری سانسوں کی طرح بسا ہوا تھا۔ سناٹا پہلے جیسا نہیں تھا، اب اس میں ایک عجیب سا تناؤ اور بے چینی شامل تھی۔ اس کے باوجود، باقاعدہ کام شروع ہو چکا تھا۔

فجر اپنے آفس میں بیٹھی تھی، کام میں منہمک۔ اس کے سامنے پراجیکٹس کی فائلیں کھلی تھیں، جن پر لگے داغوں کو وہ نظر انداز کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ چہرے پر وہی گہرا سکون تھا جو اس رات کے بعد اس کا مستقل ساتھی بن گیا تھا، مگر آنکھوں میں وہ پرانی چمک نہیں تھی۔ وہ بجھی بجھی سی تھیں، جیسے بہت کچھ دیکھ کر تھک گئی ہوں۔ اس نے بال معمول کے مطابق پیچھے پونی ٹیل میں باندھ رکھے تھے، اور وہ ایک سادہ، مگر نفیس سوٹ میں ملبوس تھی۔

صفدر کچھ دیر پہلے ہی نئے وینڈر کے حوالے سے ٹینڈر کی بات کر کے گیا تھا۔ وہ بھی پریشان تھا، مگر فجر کو یوں کام میں مصروف دیکھ کر اسے کچھ حوصلہ ہوا تھا۔

فجر کی پوری توجہ کام پر تھی۔ وہ ایک فائل میں کچھ نوٹ کر رہی تھی۔ تبھی، اس کے آفس میں رکھے فون کی گھنٹی بجی۔ ایچ آر ڈیپارٹمنٹ سے کال تھی۔

فجر نے ہاتھ میں پکڑا پین نیچے رکھا اور فون اٹھایا۔ اس کی آواز معمول کے مطابق پیشہ ورانہ تھی۔ "یس؟"

دوسری طرف ایچ آر مینیجر کی آواز تھی۔ "میم، ولی اورنگزیب پی اے کی پوزیشن کے لیے دوبارہ آئے ہیں۔ انٹرویو کے لیے۔ ان کی فائل میرے پاس ہے۔"

ولی اورنگزیب۔ یہ نام اسے یاد تھا۔ وہی نوجوان جو گزشتہ مہینے میں تین بار پی اے کی جاب کے لیے اپلائی کر چکا تھا اور ہر بار ریجیکٹ ہوا تھا۔ ایک عجیب سی ضد تھی۔

فجر نے ایک گہری سانس لی۔ ایک لمحے کو ہچکچاہٹ ہوئی۔ اس واقعے کے بعد، کسی نئے شخص کو، ایک مرد کو، اتنی قریب کی پوزیشن پر رکھنا، اس کا ذہن ان دیکھے خدشات سے بھر گیا۔ مگر پھر اس نے خود کو سنبھالا۔ وہ خوف کو خود پر حاوی نہیں ہونے دے سکتی تھی۔

اس نے سر ہلا دیا۔ "اندر بھیج دو۔"

چند لمحوں کی خاموشی چھا گئی۔ فجر اپنی کرسی پر بیٹھی رہی، فائلوں پر نظریں جمائے، مگر کان دروازے پر تھے۔ دروازہ کھلا اور ولی اندر داخل ہوا۔

سیاہ پینٹ اور کافی رنگ کی ڈریس شرٹ پہنے، وہ سیدھا کھڑا تھا۔ پورے قد سے، پر اعتماد انداز۔ اس کے چہرے پر کوئی پریشانی، کوئی ہچکچاہٹ نہیں تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی، جو تجسس اور عزم کا امتزاج تھی۔

فجر نے اسے بیٹھنے کا اشارہ نہیں کیا۔ وہ اپنی کرسی پر بیٹھی رہی اور اسے دیکھا۔ اس کی آواز میں سردی تھی، ایک ایسی بے رخی جو وہ عام طور پر اختیار کرتی تھی۔

"ولی اورنگزیب؟" اس نے براہ راست پوچھا، جیسے اسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔

"اب کیسے آنا ہوا؟ مجھے لگا تم نے ہمت ہار دی ہو گی۔"

ولی کے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

"ہمت ہارنے والوں میں سے نہیں ہوں، میڈم! پہلے بھی عرض کیا تھا۔"

"اور تمہیں کیوں لگتا ہے میں تمہیں اب یہ جاب دے دوں گی؟" فجر نے اس کے عزم کو نظر انداز کرتے ہوئے براہ راست سوال کیا۔ اس کا لہجہ چیلنج کر رہا تھا۔

"تین بار ریجیکٹ ہونے کے بعد؟"

ولی کے چہرے پر سے مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ اس نے ایک لمحے کو توقف کیا اور پھر بولا۔ اب اس کی آواز میں سنجیدگی تھی۔

"میڈم! جو کچھ یہاں کچھ دن پہلے ہوا۔"

فجر کی آنکھوں میں ایک پل کو سختی آئی۔ وہ اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"اس کا اس جاب سے کیا تعلق؟"

"تعلق ہے۔" اس نے جواب دیا۔ اس کی آنکھوں نے فجر کی آنکھوں میں دیکھا، براہ راست۔ "اس حادثے کے بعد منار کو اب صرف ایسے لوگ نہیں چاہئیں جو فائلیں سنبھالیں یا میٹنگز ارینج کریں۔ اب آپ کو ایسے لوگ چاہئیں جو آپ کے قریب رہیں، آپ پر نظر رکھیں، آپ کا دفاع کر سکیں، جب ضرورت پڑے۔"

اس کی باتیں عجیب تھیں، مگر اس رات کے بعد، ایک تلخ حقیقت تھیں۔ فجر نے اکیلے موت سے جنگ لڑی تھی۔

اسے احساس ہوا کہ ولی کیا کہہ رہا تھا۔

"تمہیں کیسے پتا کہ مجھے کس طرح کے لوگ چاہئیں؟" فجر نے سوال کیا، اس کی آواز میں شک تھا۔

"تمہاری قابلیت کیا ہے؟ تم پی اے کے انٹرویو کے لیے آئے تھے، سیکورٹی گارڈ کے لیے نہیں!"

"میری قابلیت کاغذوں پر نہیں لکھی، میڈم!" ولی نے پر سکون لہجے میں کہا۔ اس کی آنکھوں میں اب بھی وہی چمک تھی۔

"لیکن میں جانتا ہوں کہ خطرناک حالات میں کیسے رد عمل دینا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ کسی کی حفاظت کیسے کرنی ہے۔ اور میں وفادار ہوں۔ بہت وفادار!" اس نے ایک قدم آگے بڑھایا۔ "تین بار ریجیکٹ ہونے کے باوجود واپس آیا ہوں۔ یہ بھی تو ایک قابلیت ہے نا؟ ثابت قدمی، وفاداری، یہ سب اہم ہے۔"

فجر نے اسے غور سے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں کوئی جھجک نہیں تھی۔ اس کی باتیں عجیب تھیں، غیر متوقع، مگر ان میں ایک عجیب سا وزن تھا۔ اس رات کے بعد، فجر کو احساس ہوا تھا کہ دنیا کتنی خطرناک ہو سکتی ہے۔ اور اسے

کس طرح کے لوگوں کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ ولی کا انداز، اس کا پر اعتماد لہجہ، اس کی آنکھوں کی چمک، اسے لگا جیسے یہ شخص کسی ان دیکھے پہلو سے واقف ہے۔

ایک لمبی خاموشی چھا گئی۔ فجر اپنے خیالات میں گم تھی۔ ولی خاموش کھڑا رہا، اسے دیکھتا رہا۔ کانفرنس روم میں اس کی تقریر کے بعد، یہ پہلا موقع تھا جب وہ کسی نئے شخص سے یوں سامنا کر رہی تھی۔

پھر فجر نے سر اٹھایا۔ اس کی آنکھوں میں ایک فیصلہ تھا۔

"ٹھیک ہے۔"

ولی کے چہرے پر کوئی خاص تاثر نہیں آیا۔ صرف ایک ہلکی سی جنبش ہوئی، جسے فجر نے محسوس کیا۔

"تمہیں جاب مل جائے گی۔" فجر نے کہا۔ اس کی آواز اب سرد نہیں تھی، بلکہ ایک تھکی ہوئی سی قبولیت تھی۔ اسے واقعی ایک پی اے کی ضرورت تھی اور اس حادثے کے بعد یہ ضرورت بڑھ گئی تھی۔

"شکریہ، میڈم!" وہ اپنے تاثرات چھپاتے یہی کہہ پایا۔

"تم کل سے جوائن کر سکتے ہو۔"

"جیسے آپ حکم دیں۔"

فجر نے فائلیں سمیٹیں۔ اب اس کا لہجہ بدل گیا تھا۔ وہ ایک مخصوص بات واضح کر دینا چاہتی تھی۔ اس کی آواز سرد اور دوٹوک تھی۔

"ایک بات سن لو ولی اورنگزیب! بہت غور سے۔" فجر نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "یہاں منار میں، آفس افیئرز الاؤڈ نہیں ہیں۔" اس نے زور دیا۔ "یہ ایک پروفیشنل جگہ ہے۔ جو بھی تمہاری پرسنل لائف

ہے۔ اسے یہاں مت لانا۔ یہ سب یہاں مت کرنا۔ یہاں صرف کام ہوتا ہے۔ سمجھ گئے؟" وہ اس کی شخصیت کو دیکھ کر یہ بات باور کرانا ضروری سمجھتی تھی۔ وہ نہ سہی شاید لڑکیاں اس کی طرف مائل ہوں۔ اس لیے اسے پتا ہونا چاہیے۔

ولی کے چہرے پر ایک لمحے کو حیرت آئی، پھر ایک دھیمی، پراسرار سی مسکراہٹ پھیلی۔ اس کی آنکھوں میں ایک چمک تھی۔

"ڈونٹ وری میڈم!" اس نے پرسکون، ہموار لہجے میں کہا۔ اس کی آواز میں کوئی شرارت نہیں تھی، صرف ایک بیان۔

"میں شادی شدہ ہوں۔"

فجر اسے دیکھتی رہ گئی۔ یہ جواب اس کی توقع کے بالکل خلاف تھا۔ ولی وہیں کھڑا رہا، پراعتماد، اور اب ایک ایسا راز لیے ہوئے جس نے فجر کو ایک بار پھر حیران کر دیا۔ منار کے دروازے پر ایک نیا پہرے دار آ گیا تھا۔ اور فجر کی زندگی میں ایک نیا، غیر متوقع کردار شامل ہو گیا تھا۔

✿••✿••✿••✿

کمرے میں کتابوں کی خوشبو اور تازہ کافی کی مہک پھیلی ہوئی تھی۔ فلک عالمگیر، اپنے مخصوص آرام دہ صوفے پر نیم دراز، ہاتھ میں پکڑے ٹیبلٹ پر نظریں جمائے تھیں۔ چہرے پر ایک ملی جلی سی مسکراہٹ تھی۔ فخر اور تھکن کا امتزاج۔ اس کی نئی کتاب، "**پرفریب**" شائع ہوئے ابھی چند ہفتے ہی ہوئے تھے، مگر اس نے ادبی حلقوں اور

نوجوان نسل میں ایک طوفان برپا کر دیا تھا۔ کتاب کے سرورق پر ایک تتلی اپنے پر کھولے اڑان بھرنے کو تیار تھی، جوان گنت لڑکیوں کے خوابوں کی عکاسی کرتی تھی جن کے لیے یہ کتاب لکھی گئی تھی۔

اس کتاب میں فلک نے بے باکی سے لڑکیوں کے حقِ خود ارادیت، ان کے خوابوں کی تعبیر کی اہمیت، اور معاشرے میں ان کی انفرادی شناخت کی جدوجہد پر قلم اٹھایا تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ کس طرح صدیوں سے عورت کو مخصوص کرداروں میں قید کر کے اس کی اصل پہچان کو مسخ کیا گیا، اور کیسے اب نئی نسل اپنی زنجیریں توڑ کر آسمان کی وسعتوں میں پرواز کرنے کو بیتاب ہے۔

کتاب نے بیسٹ سیلر چارٹس پر آتے ہی تہلکہ مچا دیا تھا۔ نوجوان لڑکیاں اسے ہاتھوں ہاتھ لے رہی تھیں، سوشل میڈیا پر اس کے اقتباسات شیئر ہو رہے تھے، اور فلک کے ان باکس میں روزانہ سینکڑوں پیغامات آتے تھے جن میں لڑکیاں اسے اپنی زندگی میں مثبت تبدیلی لانے پر شکریہ ادا کرتیں۔

مگر، جیسا کہ فلک کی ہر دلیرانہ تحریر کا مقدر تھا، اس کی یہ کتاب بھی شدید تنقید کی زد میں تھی۔ قدامت پسند طبقے، مذہب کے خود ساختہ ٹھیکیدار، اور مردانہ انا کے اسیر، سبھی اس کتاب اور اس کی مصنفہ پر چڑھ دوڑے تھے۔ **"یہ ہماری تہذیب کے خلاف سازش ہے۔"**، **"لڑکیوں کو گمراہ کیا جا رہا ہے۔"**، **"یہ مغربی ایجنڈا ہے۔"** اس طرح کے الزامات معمول بن چکے تھے۔

اس وقت بھی، فلک کے ٹیبلٹ کی اسکرین پر ایک معروف میل بُک سٹاگرمر، باسط خان، اپنے لائیو سیشن میں دھواں دھار تقریر کر رہا تھا۔ اس کا چینل **'باسط کی باتیں'** ہزاروں فالوورز رکھتا تھا، اور وہ اکثر و بیشتر متنازعہ موضوعات پر اپنی ماہرانہ رائے دیتا تھا۔ آج اس کا موضوع فلک عالمگیر کی نئی کتاب تھی۔

باسط، جس کی اپنی تصویر میں وہ ایک سنجیدہ دانشور لگنے کی کوشش کر رہا تھا، کہہ رہا تھا،

"محترمہ فلک عالمگیر صاحبہ نے اپنی اس نئی کتاب میں آزادی کا جو تصور پیش کیا ہے، وہ سراسر ہماری مشرقی اقدار اور اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ وہ لڑکیوں کو یہ سکھا رہی ہیں کہ وہ خاندان اور گھر کی ذمہ داریوں سے منہ موڑ لیں، اپنے خوابوں کے پیچھے بھاگیں، اور اپنی ایک الگ 'پہچان' بنائیں۔ مجھے بتائیں، کیا عورت کی سب سے بڑی پہچان ایک اچھی بیٹی، ایک وفا شعار بیوی اور ایک شفیق ماں ہونا نہیں ہے؟"

اس نے طنزیہ انداز میں فلک کی کتاب کا ایک فرضی اقتباس پڑھا، **"لڑکیاں اپنے فیصلے خود کریں گی، اپنا کیریئر خود چنیں گی، اپنی زندگی کے ساتھی کا انتخاب خود کرنے کی صلاحیت رکھیں گی! واہ کیا بات ہے۔ یعنی کل کو وہ کہیں گی کہ ہمیں خاندان کی بھی ضرورت نہیں، معاشرے کی بھی نہیں، ہم اکیلے ہی سب کچھ کر لیں گی۔ یہ انفرادیت نہیں، یہ خود غرضی کی تعلیم دی جا رہی ہے۔"**

کمنٹس سیکشن میں کچھ لوگ باسط کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔ **"صحیح کہا باسط بھائی"** ایک صارف نے لکھا۔ **"فلک عالمگیر ہمیشہ سے فتنہ پھیلاتی آئی ہیں۔"** ایک اور نے لکھا، **"یہ عورتیں آخر چاہتی کیا ہیں؟ گھر میں سکون سے کیوں نہیں بیٹھ سکتیں؟"**

فلک نے ایک لمبی سانس لی۔ اس کے ماتھے پر ہلکی سی شکن نمودار ہوئی۔ یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ ہر بار جب وہ عورت کے حقوق، اس کی آواز، یا اس کی شناخت کی بات کرتی، اسے اسی قسم کے ردِ عمل کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ کبھی کبھی تو لگتا تھا کہ وہ ایک نہ ختم ہونے والی جنگ لڑ رہی ہے۔

باسط کی آواز مزید بلند ہوئی، **"اور یہ خواب! کون سے خواب؟ کیا صرف ڈاکٹر، انجینئر یا پائلٹ بننا ہی خواب ہوتا ہے؟ ایک نیک اور صالح نسل کی پرورش کرنا، ایک پرسکون گھر بنانا، کیا یہ کوئی معمولی خواب ہیں؟ فلک صاحبہ جیسی**

لکھاریاں ہماری نوجوان نسل کو، خاص طور پر لڑکیوں کو، ایک ایسی چکاچوند کی طرف دھکیل رہی ہیں جہاں سوائے سراب کے کچھ نہیں۔ وہ انہیں آزادی کے نام پر بے راہ روی کا درس دے رہی ہیں۔"

فلک نے ٹیبلٹ کی اسکرین کو مدھم کر دیا۔ باسط کا چہرہ اور اس کی آواز پس منظر میں کہیں گم ہو گئے۔ اس نے آنکھیں موند لیں، اور ان گنت چہرے اس کے تصور میں ابھر آئے۔ وہ لڑکیاں جنہوں نے اس کی کتاب پڑھ کر پہلی بار اپنے وجود کی اہمیت کو محسوس کیا تھا، جنہوں نے اپنے اندر، اپنے خوابوں کو پرواز دینے کی ہمت کی تھی، جنہوں نے اپنی شناخت کی تلاش کا سفر شروع کیا تھا۔

ایک تلخ مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی۔ "جنگ ابھی باقی ہے۔۔" اس نے خود سے کہا۔

"اور جب تک ایک بھی لڑکی اپنے خوابوں کو تعبیر دینے سے محروم ہے، جب تک ایک بھی آواز خوف کے مارے خاموش ہے، میری قلم چلتی رہے گی۔ آزادی کی یہ دستک ہر دہلیز تک پہنچ کر رہے گی۔"

اس نے ٹیبلٹ ایک طرف رکھا، اور کھڑکی سے باہر پھیلی تاریکی میں جھانکنے لگی، جہاں دور کہیں شہر کی روشنیاں ٹمٹما رہی تھیں۔ ہر روشنی، اسے ایک امید، ایک خواب کی مانند لگی۔ اور وہ جانتی تھی، کہ ان خوابوں کو روشن رکھنے کے لیے، اسے تنقید کے یہ طوفان جھیلتے رہنا ہو گا اور وہ خود یہ جنگ لڑ کر یہاں تک پہنچی تھی۔ اس نے اپنی پہچان کی راہ خود چنی تھی اگر وہ خاموشی سے بیٹھ جاتی، لکھنا چھوڑ دیتی تو وہ لڑکیاں جو اس کی کتابوں سے اپنی سمت درست کر رہی تھیں وہ یونہی رہ جاتیں۔ محبت اپنی جگہ، زمہ داری اپنی جگہ اور وہ یہ زمہ داری کبھی چھوڑنے نہیں والی تھی۔

✿••✿••✿••✿

ولی اورنگزیب نے گہری سرمئی پینٹ پہنی ہوئی تھی، سفید شرٹ اور ایک سادہ سیاہ ٹائی۔ اس کے بال صفائی سے بنے تھے، اور چہرے پر ایک پر سکون، تقریباً لاتعلق سا تاثر تھا۔ وہ ایچ آر مینیجر، سارہ، کے پیچھے چلتا ہوا فجر کے شاندار، وسیع و عریض دفتر میں داخل ہوا۔ آج اس کا پہلا دن تھا۔ ڈاکومینٹیشن ہو چکی تھی۔ کانٹریکٹ سائن ہو چکا تھا اور اس نے اپنی جاب کا آغاز کر دیا تھا۔

فجر معراج اپنی بڑی سی آبنوسی میز کے پیچھے بیٹھی تھی، ایک ہاتھ میں ٹیبلٹ پکڑے کچھ ڈیزائن دیکھ رہی تھی۔ دروازے پر ہونے والی دستک پر اس نے اندر آنے کی اجازت دی۔ وہ دونوں اندر داخل ہوئے۔ فجر نے آہستہ سے سر اٹھایا۔

ان میں کوئی تاثر نہیں تھا، نہ خوشی نہ ناگواری، صرف ایک سرد مہری۔

"سارہ، آپ جا سکتی ہیں۔"

سارہ نے شکر گزاری سے سر ہلایا اور تیزی سے باہر نکل گئیں۔

فجر چند لمحے خاموشی سے ولی کو دیکھتی رہی، جیسے کسی عجائب گھر کے نمونے کا معائنہ کر رہی ہو۔ پھر وہ بولی،

"میری توقعات بہت زیادہ ہیں۔ مجھے وقت کی پابندی، ہر کام میں پرفیکشن، اور مکمل رازداری چاہیے۔ آپ میرے شیڈول، میری کالز، میری میٹنگز، اور ہر اس چیز کے ذمہ دار ہوں گے جو میں آپ کو سونپوں گی۔ کوئی غلطی، کوئی کوتاہی، کوئی غیر ضروری بات، برداشت نہیں کی جائے گی۔ کیا یہ واضح ہے؟"

"بالکل واضح، میڈم۔۔!" اس نے ازلی سکون سے جواب دیا۔ اس کے اندر کہیں ایک پرانی یاد نے سر اٹھایا۔ فجر کا یہی انداز، یہی تیور، جب وہ کسی چیز پر فوکس کرتی تھی۔ بس اب اس میں ایک اضافی تلخی اور سرد مہری آگئی تھی

اور وہ یوں ہاتھ باندھے کھڑا تھا جیسے یہ اس کا شیوہ رہا ہو۔ جیسے اس کی بس یہی پہچان ہو۔ فجر نے میز کی دراز سے ایک موٹی فائل نکالی۔

"یہ پچھلے دو سال کے آرکائیوز ہیں۔ انہیں ڈیجیٹائز کرنا ہے، کیٹیگرائز کرنا ہے، اور ہر اہم ایونٹ کی سمری بنانی ہے۔ مجھے یہ کام کل شام تک چاہیے۔" اس نے فائل میز پر اس طرح رکھی جیسے کوئی بوجھ اتار رہی ہو۔

ولی نے فائل اٹھائی۔ یہ واقعی ایک بڑا کام تھا۔ "ہو جائے گا۔"

فجر کی ایک بھنویں حیرت سے اوپر اٹھیں۔ "کل شام تک؟ آپ کو اندازہ ہے یہ کتنا کام ہے؟"

"جی اندازہ ہے۔ اور یہ ہو جائے گا۔" اس کے لہجے میں ایک عجیب سا اعتماد تھا۔ "کیا آپ چاہیں گی کہ میں یہیں بیٹھ کر کام کروں یا میرا کوئی الگ کیبن ہے؟"

"مس سارہ آپ کو بتا دیں گی۔" وہ سر ہلا کر باہر نکلنے لگا۔

"اور یاد رہے آپ میرے فل ٹائم پی اے ہیں۔ اس کا مطلب ہے چوبیس گھنٹے، ساتوں دن۔ مجھے جب ضرورت ہو گی، آپ کو دستیاب ہونا ہو گا۔ چاہے دن ہو یا رات۔ میں بہانے نہیں سن سکتی کہ آپ کی بیگم ناراض ہے یا آپ کے پاس وقت نہیں ہے۔"

دروازے کے قریب کھڑے شخص کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری جسے اس نے کمال رازداری سے چھپا لیا۔

"مجھے معلوم ہے، میڈم!" واللہ کتنا فرمانبردار لگ رہا تھا وہ۔ ایڈنبرا کی ہوائیں دیکھ لیتیں تو بے ہوش ہو جاتیں۔

"اسی لیے میں نے یہ نوکری قبول کی ہے۔" اس نے جواب دیا اور پھر دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

فجر اسے جاتے دیکھتی رہی۔ اس شخص میں کچھ تھا، کچھ ناقابلِ بیان حد تک پریشان کن اور کسی انجانی حد تک مانوس۔

اس نے جھٹک کر یہ خیال ذہن سے نکالا۔

"یہ بھی چند دن کا مہمان ہے۔" اس نے خود سے کہا۔ "دیکھتے ہیں کب تک ٹکتا ہے۔"

لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ ٹکنے کے لیے ہی آیا تھا۔

✿••✿••✿••✿

اس کا آخری دن کبھی آخری نہیں ہوا۔ وہ منار میں رچ بس گیا تھا۔ ہر چیز پر اس کی گہری نظر تھی۔ اس نے فجر کے کافی کام آسان کر دیئے تھے وہ اس کی پریشانی اس سے پہلے بھانپ لیتا تھا۔ آہستہ آہستہ فجر اس کے کام سے مطمئن ہوتی چلی گئی۔ وہ بد تمیز نہیں تھا اور نہ ہی ہٹ دھرم تھا اور نہ ہی مردوں کی طرح اس پر نظریں تانے رکھتا تھا وہ زیادہ تر اپنے کام سے کام رکھتا تھا۔ فجر جب بھی اسے دیکھتی الجھ جاتی تھی۔ اس کی آنکھیں، اس کی آواز اسے **ولیم** کی یاد دلاتی تھی مگر اسکا وجود اس کی شناخت بالکل الگ تھی۔ پہلے پہل وہ الجھی رہی پھر اس نے ذہن سے جھٹک دیا۔ یہ شخص صرف ولی تھا **ولی اور نگزیب**! اس کا پرسنل اسسٹنٹ جو ہر طرح اس کا خیال رکھ رہا تھا اور یہ کافی تھا۔

اس وقت بھی وہ ایک خاص کاسٹیوم پر کام کر رہی تھی۔ یہ "**شیڈو کوئین**" نامی کردار کے لیے تھا، جو پراسرار اور طاقتور ہے۔ وہ ایک فیبرک کے فال سے مطمئن نہیں تھی۔ وہ اسے بار بار سیٹ کر رہی تھی مگر وہ ویسا گر نہیں رہا جیسا اسے چاہیے۔ اس کے ماتھے پر بل پڑے۔ ولی اس کے قریب ہی کھڑا اسسٹ کر رہا تھا۔ وہ جھنجھلا کر بولی۔

"یہ ہو کیا رہا ہے؟ یہ سلک ایسا برتاؤ کیوں کر رہا ہے؟ اسے بہنا چاہیے تھا، یوں جم نہیں جانا چاہیے۔"

ولی قریب آیا۔ وہ کاسٹیوم اور فیبرک کو غور سے دیکھنے لگا۔ ایک ماہر کی نظر سے۔ وہ جانتا تھا یہ کون سا فیبرک ہے اور اس کا مسئلہ کیا ہے۔ پچھلے چھ ماہ اس نے رئیس ٹیکسٹائل میں یہی تو کیا تھا۔ خود کو یہاں آنے کے لیے تیار کیا تھا۔

دراصل یہ کوئی نیا فیبرک تھا جس میں ایک خاص قسم کا سٹارچ استعمال ہوا تھا۔

"اگر اجازت ہو تو۔۔؟" اس نے کہنے کے لیے منہ کھولو۔

"ہاں بولو۔۔" وہ بنا اس کی جانب دیکھے بولی۔

"یہ والا سلک، اس میں ایک خاص قسم کا Finish ہے۔ اگر اسے ہلکے گرم پانی سے ایک بار گزار لیں، تو یہ نرم ہو جائے گا اور اس کا فال بہتر ہو جائے گا۔"

فجر نے کام روک کر ولی کی طرف دیکھا، حیرت سے۔

"تمہیں کیسے پتا؟"

"میں نے ایسے فیبرکس پر تھوڑا کام کیا ہے۔ جب میں ڈیزائن کی بنیادی چیزیں سیکھ رہا تھا۔ تجربہ ہو گیا۔"

تب فجر کو یاد آیا، اس نے بتایا تھا کہ وہ فارغ وقت میں ڈیزائن کی بنیادی چیزیں سیکھ رہا ہے۔ مگر یہ علم بنیادی نہیں ہے۔ یہ تجربہ تھا۔

"تم پی اے ہو۔ تمہیں فیبرکس کے بارے میں اتنا پتا نہیں ہو سکتا۔"

"میڈم! میں نے شوقیہ طور پر کافی چیزیں سیکھی ہیں۔ اور میرا مشاہدہ تھوڑا تیز ہے۔ مجھے لگا شاید یہ مدد گار ہو۔"

فجر کچھ دیر سوچتی رہی۔ اس کے چہرے پر تذبذب تھا۔ اسے ولی کا مشورہ ناگوار گزر رہا تھا، مگر اس کے دماغ کا ایک حصہ مان رہا تھا کہ یہ کام کر سکتا ہے۔

"ٹھیک ہے۔ ریشم خراب نہ کر دینا۔ بہت مہنگا ہے۔" وہ ہٹ گئی۔ اس کی بات سن کر ولی مسکرایا۔

"خراب نہیں ہو گا۔ میں خود کر دیتا ہوں۔"

اس احتیاط سے فیبرک کا مطلوبہ حصہ لیا اور اسے سٹوڈیو کے ایک طرف لے گیا جہاں واش بیسن تھا۔ وہ بڑے سلیقے سے اسے ہینڈل کر رہا تھا۔ فجر اسے دیکھتی رہی۔ اس کے کام کرنے کے انداز میں ایک خاص مہارت تھی۔ یہ کسی پی اے کا کام کرنے کا انداز نہیں ہے۔ یہ کسی ڈیزائنر کا انداز تھا۔

جب وہ فیبرک کو واپس لایا، تو فجر خود حیران رہ گئی تھی۔ فیبرک واقعی پہلے سے بہت نرم اور بہتر فال دے رہا ہے۔

"یہ تو کام کر گیا۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"میں نے کہا تھا نا۔" ولی اس کے قریب کھڑا رہا، وہ کاسٹیوم کو دیکھتا رہا۔

"ویسے یہ شیڈو کوئین کا سٹیوم بہت زبردست ہے۔ خاص طور پر یہ کالے اور گہرے نیلے رنگ کا امتزاج۔"

"ہاں۔ مجھے لگتا ہے یہ شوٹ میں بہت اثر انگیز لگے گا۔" وہ پہلے سے نرم پڑ چکی تھی۔

"یہ والا پیچ، اس میں تھوڑی اور گہرائی لائی جا سکتی ہے۔ اگر اس پر ہلکے سرمئی دھاگے کا ٹچ دیا جائے، تو یہ پراسرار روشنی اور سائے کا اثر دے گا۔ جیسا کہ ایک ملکہ جو سائے میں چھپی ہوئی ہے۔" وہ کاسٹیوم کے ایک مخصوص حصے کو پکڑ کر بولا۔

اس کی بات سن کر فجر جیسے ساکت ہوئی۔

"تمہیں یہ خیال کیسے آیا؟ یہ تو بہت، خاص خیال ہے۔" وہ کاسٹیوم پر نظریں جمائے کھوئے کھوئے انداز میں کہہ رہی تھی۔ ولی کی آنکھوں میں چمک ابھری۔ وہ اس کے قریب کھڑا تھا۔ دراز قد فجر کے قریب کھڑا وہ مزید دراز قد

لگ رہا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو جیسے مکمل کر رہے تھے مگر یہ منظر صرف وہاں موجود بے جان کاسٹیوم دیکھ سکتے تھے۔

"بس یوں ہی، میں نے جب اس کاسٹیوم کو دیکھا تو مجھے ایک ملکہ کا خیال آیا۔ جو سائے میں رہتی ہے، مگر اس کی طاقت نظر آتی ہے۔ یہ سرمئی ٹچ، مجھے لگا شاید یہ اس کی پراسراریت بڑھا دے۔"

فجر اسے دیکھتی رہی۔ اس کے چہرے پر رنگ آ جا رہا تھا۔ اس شخص کو اس کے قریب دیکھ کر اسے عجیب سی بے چینی محسوس ہو رہی تھی۔ ایک ایسی بے چینی جو خوف کی وجہ سے نہیں، بلکہ کسی اور نامعلوم جذبے کی وجہ سے تھی۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں اسٹوڈیو روم سے باہر نکل گئے تھے۔

✿••✿••✿••✿

منار میں کام پورے زور و شور سے جاری تھا۔ ان کے کلیکشن کی لانچ اور فوٹو شوٹ جس پر فجر کے حملے سے پہلے کام چل رہا تھا اب اس پر مزید کام کیا جا رہا تھا۔ اس میں مزید کاسٹیومز ایڈ کیے گئے تھے اور انہیں بہترین شکل دی جا رہی تھی۔ فی الوقت کسی کے پاس سر جھکانے کا وقت بھی نہیں تھا۔ یہ لانچ اور فوٹو شوٹ ان کی کھوئی ساکھ مزید بڑھا سکتا تھا اس لیے پورا منار ناک ناک کام میں ڈوبا تھا۔ فجر چاہے ڈائن تھی مگر اسے اپنے ملازمین بہت عزیز تھے۔ جو دو مارے گئے وہ ان کے غم کو نہیں بھولی تھی۔ ان کا ردِ عمل تو نہیں تھا پھر بھی وہ ان کے خاندانوں کی ہر طرح سے مدد کر رہی تھی۔ وہ اپنے تمام ڈیزائنرز کی رائے سنتی اور پھر جو زیادہ بہترین ہوتا وہ کیا جاتا۔ اس لیے اتنے بڑے حادثے کے بعد بھی اسی فیصد اسٹاف پورے دل سے اس کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس لیے آج منار میں ایک اہم فیصلہ کیا جانا تھا اور جس پر مستقبل کا انحصار تھا۔

میٹنگ روم شیشے کی دیواروں اور ایک بڑی، پالش شدہ میز سے آراستہ تھا۔ فجر، صفدر، جنید (لیگل ایڈوائزر جس نے ایک سال پہلے لکس چھوڑ کر منار جوائن کیا تھا)، اور مختلف ڈیپارٹمنٹس کے ہیڈز میز کے گرد بیٹھے تھے جن میں ثناء [illegible] جیکٹسی

فنانس ٹیم، سبھی وہاں موجود تھے۔

ماحول باقاعدہ اور قدرے تناؤ کا شکار تھا۔ ولی، اپنے نوٹس پیڈ کے ساتھ، فجر کی کرسی کے پیچھے تھوڑا فاصلے پر کھڑا تھا۔

اجلاس کا موضوع منار کے لیے نئے فیبرک وینڈر کا انتخاب تھا جو کہ اب تک ہاشمی ٹیکسٹائل تھا لیکن منار میں ہونے والے حادثے کے بعد انکے تیور بدل گئے تھے۔ سپلائرز میں مسئلے آرہے تھے۔ اس لیے ٹینڈر جاری کیا گیا تھا اور نئے ٹینڈرز منگوائے گئے تھے۔

(ٹینڈر جاری کرنا کا مطلب ہوتا ہے کسی منصوبے، سامان کی فراہمی، یا خدمات کے حصول کے لیے سرکاری یا نجی ادارے کی جانب سے باضابطہ پیشکش یا بولی طلب کرنا۔ یہ ایک ایسا طریقہ کار ہے جس کے تحت مختلف کمپنیاں یا افراد اس کام کو کرنے یا مطلوبہ چیزیں فراہم کرنے کے لیے اپنی قیمتیں اور شرائط پیش کرتے ہیں۔ آسان لفظوں میں ایڈ لگانا اور پھر درخواستیں وصول کرنا ہوتا ہے)

صفدر کاغذات دیکھ رہا تھا۔ اجلاس کا آغاز اسی نے کیا۔

"تو جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں، ہم نئے فیبرک پارٹنر کی تلاش میں ہیں۔ ہمارے پاس کئی ایپلیکیشنز آئی ہیں، اور ہم نے ان کا جائزہ لیا ہے۔ جن میں سے ایک نام خاص طور پر قابلِ غور ہے۔ رئیس ٹیکسٹائل۔"

اس نام پر فجر کا چہرہ ہلکا سا متغیر ہوا۔ اس کی آنکھوں میں ایک سرد چمک آئی جو فوراً بجھ گئی۔ اس کے ہونٹ بھینچ گئے۔ وہ اس نام کی یہاں موجودگی سے واضح طور پر ناخوش تھی۔ ولی خاموشی سے کھڑا یہ سب دیکھ رہا تھا۔ وہ فجر کے چہرے پر آنے والے تاثرات کو بہت اچھی طرح سمجھتا تھا۔

"رئیس ٹیکسٹائل اس وقت انڈسٹری میں ٹاپ پر ہیں۔ ان کا معیار، وقت کی پابندی، اور ورائٹی بے مثال ہے۔ ان کے ساتھ پارٹنر شپ سے منار کی ساکھ اور پروڈکشن کی کوالٹی بہت اوپر جائے گی۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں بلا جھجک ان کا انتخاب کرنا چاہیے۔"

مختلف ڈیپارٹمنٹس کے ہیڈز اثبات میں سر ہلانے لگے۔ ان میں سے کچھ اپنی رائے کا اظہار بھی کر رہے تھے، جو سب رئیس ٹیکسٹائل کے حق میں تھا۔

"رئیس ٹیکسٹائل ایک بڑا نام ہے۔ اس سے ہمارے بین الاقوامی کلائنٹس پر بھی اچھا اثر پڑے گا۔ اور ان کے پاس وہ خاص قسم کے فیبرکس ہیں جو ہمیں اپنے فینٹسی کاسٹیومز کے لیے چاہیے ہوتے ہیں۔ کسی اور وینڈر کے پاس وہ ورائٹی نہیں۔" مارکٹنگ ہیڈ احمر داؤد نے اضافہ کیا۔

فجر خاموشی سے سب کی بات سن رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک مضبوط ارادے کی جھلک تھی، مگر وہ جمہوری انداز میں سب کی سننا چاہتی تھی۔ جب سب اپنی رائے دے چکے تو پھر وہ بولی۔

"میں آپ سب کی آرا کا احترام کرتی ہوں۔ اور میں تسلیم کرتی ہوں کہ رئیس ٹیکسٹائل کے بزنس فوائد ہیں۔ لیکن میں ذاتی طور پر ان کے ساتھ کام کرنے کے حق میں نہیں ہوں۔ میرے کچھ ٹرسٹ اشوز ہیں۔"

صفدر نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"مجھے لگتا ہے فجر یہ جذباتی ہونے کا وقت نہیں۔ یہ بزنس کا فیصلہ ہے۔ رئیس ٹیکسٹائل اس وقت ہمارے لیے بہترین انتخاب ہے۔ آپ کو کیا اشوز ہیں؟" وہ فوراً بولا۔

"میرے اشوز کافی ہیں، صفدر! اور وہ صرف بزنس تک محدود نہیں۔" وہ لمحے بھر کے لیے رکی، پھر موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"مگر ٹھیک ہے، سب کی سننی چاہیے۔ ہم یہاں اکثریت کے فیصلے کے لیے ہیں۔"

وہ ولی کی طرف مڑی۔ یہ ایک غیر متوقع حرکت تھی۔ اجلاس میں موجود سب لوگ ولی کو دیکھنے لگے، جو اب تک ایک خاموش مبصر تھا۔ جنید بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"ولی، آپ اتنی دیر سے سب کی باتیں سن رہے ہیں۔ آپ میرے پی اے ہیں۔ میرا رائٹ ہینڈ۔ اس معاملے پر آپ کی کیا رائے ہے؟ ایک غیر جانبدار نقطہ نظر سے۔؟"

اس نے ایک لمحے کے لیے فجر کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک گہرا، پراسرار مفہوم پوشیدہ تھا، پھر وہ اپنا سر ہلکا سا جھکا کر بولا۔

"میڈم، میں آپ کی رائے سے متفق ہوں۔ بزنس کے لحاظ سے رئیس ٹیکسٹائل کے فوائد واضح ہیں۔ لیکن بعض اوقات کچھ بزنس پارٹنر شپس اپنے ساتھ ایسے مسائل اور پیچیدگیاں لے کر آتی ہیں جو طویل مدتی منصوبوں کو نقصان پہنچا سکتی ہیں۔ ان کی شہرت جتنی بلند ہے، ان سے منسلک خطرات بھی اتنے ہی گہرے ہو سکتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں کسی ایسے وینڈر کا انتخاب کرنا چاہیے جو صرف مادی فوائد ہی نہ دے، بلکہ جس کے ساتھ وابستگی محفوظ اور پرسکون ہو۔ اس لحاظ سے، میرا ابھی یہی ماننا ہے کہ ہمیں رئیس ٹیکسٹائل سے گریز کرنا چاہیے۔"

اس کے الفاظ کمرے میں گونج گئے۔ صفدر کا منہ کھلا رہ گیا۔ باقی ہیڈز حیرت سے اسے دیکھتے رہے۔ ایک پی اے، جو محض شیڈول اور فائلیں سنبھالنے کے لیے تھا، وہ بزنس کے اتنے بڑے فیصلے پر، اتنے پر اعتماد انداز میں، کمپنی کے سب سے بااثر پارٹنر صفدر کی رائے کے خلاف بول رہا تھا؟ اور سب سے بڑھ کر، وہ فجر کے موقف کی حمایت کر رہا تھا، حالانکہ فجر نے خود کہا تھا کہ وہ اکثریت کا فیصلہ مانے گی۔

جنید کا ردعمل سب سے شدید ہے۔ وہ چونک کر سیدھا ہو بیٹھا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت، شبہ اور تشویش کا ملا جلا تاثر تھا۔ وہ ولی کو گھور رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ولی محض ایک پی اے نہیں تھا۔ اور اسکا کارئیس کے خلاف بولنا، یہ کسی گہرے کھیل کا حصہ تھا۔

فجر ولی کو دیکھتی رہی۔ اس کی بات سن کر اسے ایک عجیب سی تقویت ملی۔ کوئی تو تھا جو اس کے بزنس پارٹنر کے سامنے بھی اس کے موقف کی حمایت کر رہا تھا۔ اس کی ہیزل آنکھوں کی چمک بڑھ گئی۔

”تم کون ہو اس معاملے پر رائے دینے والے؟ یہ کمپنی کے بزنس کا فیصلہ ہے!“ صفدر کا لہجہ سخت ہوا۔

”صفدر صاحب! یہ میرا پی اے ہے۔ اور میں نے ان سے ان کی رائے پوچھی ہے۔ وہ میرے کام کا ایک اہم حصہ ہے۔ ان کی بات سننے کا مجھے پورا حق ہے۔“

جنید خاموشی سے یہ بحث سن رہا تھا۔ وہ ولی کو دیکھے جا رہا تھا اور اس کے چہرے پر سوالیہ نشان تھے۔

بحث کچھ دیر اور چلتی رہی۔ مگر اکثریت رئیس ٹیکسٹائل کے حق میں تھی۔ فجر جانتی تھی کہ اسے یہ فیصلہ ماننا پڑے گا۔

"ٹھیک ہے۔ اکثریت کا فیصلہ قبول ہے۔ ہم رئیس ٹیکسٹائل کے ساتھ آگے بڑھیں گے۔ مگر تمام لیگل اور دیگر معاملات کی مکمل جانچ پڑتال کی جائے گی۔ جنید، یہ آپ کی ذمہ داری ہے۔"

جنید نے سن کر اثبات میں سر ہلایا۔

اجلاس ختم ہوا وہ لوگ اٹھ کر باہر نکل گئے۔ ان میں ولی بھی تھا کیونکہ فجر ایک ضروری کال سننے جا چکی تھی۔ ولی کے قدم اب منار کے آخر میں بنے کیفے کی جانب اٹھ رہے تھے۔

جنید اس کے پیچھے ہوا۔ اس کے چہرے پر تشویش تھی۔

"تم نے میٹنگ میں یہ کیا کیا؟"

"وہی کیا جو ضروری تھا۔" وہ چلتے ہوئے جنید کی طرف دیکھے بنا بولا۔ اس کے چہرے پر اب وہ پی اے والی معصومیت نہیں، بلکہ ایک سنجیدگی تھی۔

"ضروری تھا؟ تم جانتے ہو تم کس کے خلاف بولے ہو؟ رئیس گروپ کوئی معمولی پارٹی نہیں۔ انڈسٹری ان کے نام سے کانپتی ہے۔ ان کی ناک کے نیچے تم ان کے خلاف کھیل نہیں کھیل سکتے۔"

"میں یہاں کھیل کھیلنے نہیں آیا۔ میں یہاں کھیل ختم کرنے آیا ہوں۔"

جنید ٹھٹھک گیا۔ وہ رک کر اسے دیکھنے لگا۔

"میری بات سنو، میں کافی عرصے سے یہاں ہوں۔ میں نے بہت کچھ دیکھا ہے۔ رئیس اورنگزیب ایک خطرناک انسان ہے۔ اگر اس نے تمہیں یہاں بھروسہ کر کے بھیجا ہے، کسی خاص مقصد کے لیے، تو اس کا مطلب ہے فجر کا اس سے کوئی ایسا لنک ہے جو بہت گہرا اور شاید تاریک ہے۔"

جنید کی بات سن کر وہ رک گیا اور پلٹ کر فجر کو دیکھا جو کچھ فاصلے پر فون پر بات کر رہی تھی۔ پھر وہ جنید کی طرف مڑا۔ اس کی آنکھوں میں ایک ناقابلِ تسخیر عزم تھا۔

"ولیم ولی صاحب! میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ اس چکر سے نکل جاؤ۔ رئیس کو دھوکا نہیں دیا جا سکتا۔ اور اگر فجر کا ان سے تعلق ہے، تو شاید وہ تمہارے نصیب میں ہی نہیں ہے۔ اسے بھول جاؤ۔ اپنی زندگی بچاؤ۔"

اس کے چہرے پر ایک سرد، فیصلہ کن مسکراہٹ ابھری۔ اس کی آنکھوں میں چھپا ہوا درد اور غصہ باہر جھلکا۔ یہ اس کا اصلی روپ تھا۔ اس نے جنید کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر، اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"نصیب پر چھوڑنے نہیں آیا میں اسے، رئیس کے حلق سے نکال لوں گا۔"

اس کا انداز، اس کی آواز کی شدت، اور اس کی آنکھوں میں چھپا ہوا جنون، یہ سب کچھ اتنا غیر متوقع اور طاقتور تھا کہ جنید ساکت رہ گیا۔ اس کے چہرے پر دہشت اور مکمل بے یقینی کے تاثرات تھے۔ وہ ولی کو یوں دیکھ رہا ہے جیسے کسی نامعلوم خطرے کو دیکھ رہا ہو۔

ولی نے اپنا ہاتھ ہٹایا اور بغیر پیچھے مڑے، مضبوط قدم اٹھاتا ہوا کیفے کی جانب بڑھ گیا۔ وہ اپنی دنیا میں مگن تھا۔ اس کے ذہن میں صرف ایک ہی مقصد تھا **'فجر کی حفاظت'** اور جو کوئی بھی اس مقصد کے راستے میں آئے گا، خواہ وہ کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو، وہ اسے ہٹا دے گا۔ پچھلے چھ ماہ رئیس کے سائے اس نے یہی سب تو دیکھا تھا۔

جنید وہیں کھڑا رہ گیا۔ وہ اس کی پشت کو دیکھتا رہتا رہا۔ وہ نہیں جانتا کہ یہ شخص کونسا کھیل کھیل رہا تھا، مگر وہ اتنا ضرور جان گیا تھا کہ **ولی اور نگزیب اور رئیس اور نگزیب کے درمیان ایک بہت بڑی جنگ چھڑنے والی تھی، اور اس جنگ کا مرکز فجر معراج تھی۔**

✿••✿••✿••✿

منار کی بلندی پر واقع بالکونی، جہاں ڈھلتی شام اپنے رنگ بکھیر رہی تھی۔ آسمان پر سرخی اور نارنجی کے شیڈز گھل رہے تھے، اور نیچے شہر کی مدھم روشنیاں زندگی کا پتا دے رہی تھیں۔ تازہ ہوا کا لمس فجر کے چہرے پر پڑ رہا تھا، جو دن بھر کی تھکن کو کم کرنے کی ایک ناکام کوشش تھی۔ وہ اپنے ڈھیلے ڈھالے لباس میں ملبوس تھی۔ بیگی پینٹ اور اوپر ایک ڈھیلی سفید شرٹ جو ہوا کے ہلکے جھونکوں سے لہر رہی تھی۔ اس کے بال لاپرواہی سے ایک ڈھیلی پونی ٹیل میں بندھے تھے، اور چہرے کے آگے آنے والی لٹوں کو قابو کرنے کے لیے اس نے سفید ہیئر بینڈ لگا رکھا تھا جو شاید اپنا کام پوری طرح نہیں کر رہا تھا۔ کانوں میں سفید ٹاپس شام کی روشنی میں دھیمی چمک بکھیر رہے تھے۔ اس کے چہرے پر تھکن کے گہرے سائے تھے، اور آج رئیس گروپ کے حق میں آنے والے فیصلے نے اس بوجھ میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ وہ ریلنگ تھامے، آنکھیں بند کیے، شاید سکون تلاش کر رہی تھی۔

وہ کئی لمحے اسی طرح خاموشی سے کھڑی رہی، جب اچانک اس کے عقب سے ایک مانوس، دھیمی آواز ابھری۔

"یہ آپ کے لیے۔" ولی اس کے پیچھے کھڑا تھا، اس کے ہاتھ میں دو سٹیمنگ کافی کے مگ تھے۔ ایک اس کی طرف بڑھاتے ہوئے۔ فجر نے آنکھیں کھولیں اور مڑ کر اسے دیکھا۔

"تمہیں یہ سب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے نرمی سے کہا، مگر کافی کا مگ تھام لیا۔ وہ جانتی تھی کہ ولی اس کا پی اے تھا، وفادار اور قابل، مگر غلام ہرگز نہیں۔ ولی مسکرایا اور کچھ فاصلے پر، اس کے برابر میں ریلنگ پر ہاتھ ٹکا کر کھڑا ہو گیا۔ کافی کی خوشبو شام کی ہوا میں گھل گئی۔

کچھ دیر تک صرف ہوا کی سرسراہٹ اور دور کی آوازیں ان کے درمیان حائل رہیں۔ پھر فجر نے خاموشی توڑی، اس کی آواز دھیمی تھی۔

"تو تمہاری وائف کیا کرتی ہے؟" یہ سوال واقعی غیر متوقع تھا۔ ولی کے چہرے پر پہلے حیرت نمودار ہوئی، پھر ایک بے ساختہ، گرمجوش ہنسی اس کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔ وہ مڑا اور فجر کو دیکھا جو الجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ولی کی ہنسی فجر کے چہرے پر حیرانی لے آئی۔

"حکم دیتی ہے، رعب جھاڑتی ہے۔" اس نے شرارت سے کہا۔ فجر اسے حیرانی اور تجسس سے دیکھنے لگی۔ وہ واقعی ایک اچھا انسان لگتا تھا۔

"اور تم کیا کرتے ہو؟" فجر کا اگلا سوال فوراً ہی آ گیا۔ اس بار ولی نے بھی رخ موڑا، اس کی نظریں فجر کے چہرے پر تھیں۔

"حکم مانتا ہوں، رعب سہتا ہوں۔" اس نے تھوڑے ڈرامائی انداز میں کہا۔

ولی کی بات سن کر فجر کا چہرہ بے ساختہ سرخ ہو گیا۔ وہ فوراً مڑ گئی اور کافی کا گھونٹ لیا۔ اس کا سماجی دائرہ ایسا نہیں تھا جہاں زندگی کے ساتھیوں کے بارے میں ایسے بے تکلف تبادلے ہوتے ہوں، اور نہ ہی اس کے اتنے قریبی دوست تھے۔ وہ یہ جواب سن کر وہ واقعی سٹپٹا گئی تھی۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اس نے دوبارہ بولی، اب کی بار آواز میں ہلکی سی جھجک تھی۔

"تم چوبیس میں سے سولہ گھنٹے تو میرے ساتھ بندھے رہتے ہو۔ وہ ناراض نہیں ہوتی؟"

ولی کے چہرے سے شرارت غائب ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں ایک گہری اداسی اتر آئی۔

"وہ ناراض ہے۔ روٹھ کر چلی گئی ہے۔" اگلے جواب پر فجر مزید حیران ہوئی۔ اس نے مڑ کر ولی کو دیکھا، اس کے چہرے پر تکلیف واضح تھی۔

"منانے کی کوشش کر رہا ہوں۔" اس کے سوال کرنے سے پہلے ہی ولی نے وضاحت کر دی، اس کی آواز میں گہری سنجیدگی تھی۔

اترتی شام پہلے سے زیادہ خاموش اور اداس محسوس ہونے لگی۔ رئیس گروپ کے حق میں فیصلہ، اسے قبول کرنا، اور آنے والی جنگوں کے لیے تیار رہنا۔ سب کچھ پس منظر میں چلا گیا۔ خاموشی کا وقفہ طویل ہوا۔ پھر ولی کی آواز ابھری، محتاط مگر سنجیدہ۔

"آپ سے ایک بات پوچھوں؟" فجر نے صرف اثبات میں سر ہلایا، اس کی نظریں ابھی تک دور خلا میں تھیں۔

"آپ سفید رنگ بہت پہنتی ہیں؟ ایسا کیوں؟" اس کی نظریں فجر کے سفید لباس پر تھیں۔

فجر نے دھیرے سے سر موڑا، اس کی آنکھوں میں کوئی گہرا خیال تھا۔ سفید ولی کا پسندیدہ رنگ تھا، مگر وہ اکثر اسی رنگ میں نظر آتی تھی۔ اس نے ولی کی آنکھوں میں دیکھا اور ایک ایسا جواب دیا جو اس کے ساتھ کھڑے شخص کے وجود کو ہلا گیا۔

"ایک بیوہ پر اس رنگ سے زیادہ کیا سوٹ کرے گا؟"

یہ ایسا جواب تھا جس نے ولی کے پیروں تلے سے زمین کھینچ لی۔ اسے اپنا آپ کسی قبر میں گڑھتا ہوا محسوس ہوا۔ اس کے چہرے پر موت یا کالا سایہ لہرایا۔ وہ واقعی اسے مرا ہوا سمجھتی تھی؟ اور خود کو اس کی بیوہ؟ ایک لمحے کو اس کے دل میں شدید، ناقابلِ برداشت درد اٹھا۔ آنکھوں کے سامنے اڑھائی سال پرانے مناظر تیزی سے ناچنے لگے۔ جس فجر کے لیے، جس کے تحفظ کے لیے، جس سے دوبارہ ملنے کے لیے وہ اتنا کچھ سہہ کر، موت کے منہ سے نکل کر، اپنی شناخت چھپا کر، دشمن کے دل میں جگہ بنا کر یہاں آیا تھا۔ وہ اسے مر چکا سمجھتی تھی؟ اور اس کے نام کی نسبت خود

سے جوڑ چکی تھی؟ اس کے سینے میں درد کی لہریں اٹھیں، اتنی شدید کہ جیسے کوئی مٹھی میں دل کو مسل رہا ہو۔ الفاظ اس کے حلق میں دم توڑ گئے۔ کچھ گرم، کڑوا سا حلق میں اٹک گیا۔

پچھلے چھ ماہ! پاکستان میں رہتے ہوئے ایک ایک دن، ایک ایک لمحہ اس نے صرف فجر تک پہنچنے کی، اس کی خبر رکھنے کی کوشش میں گزارا تھا۔ چھ ماہ پہلے جب اس نے اسے دور سے، ہنستے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کا دل دھڑکنا بھول گیا تھا۔ رئیس جیسے شاطر، طاقتور شخص کا بھروسہ جیتنا آسان نہیں تھا۔ وہ اسی کی ناک کے نیچے رہ کر، اس پر نظر رکھ کر، ایک خطرناک کھیل کھیل رہا تھا۔ کس کے لیے؟ اسی لڑکی کے لیے جو اسے مرا ہوا سمجھ کر، بیوہ بنی گھومتی تھی؟ اس کے ذہن میں پچھلے چھ ماہ کی جدوجہد، خطرات، قربانیاں، ناکامیاں، سب ایک فلم کی طرح چل گئیں۔ سب کچھ اتنی آسانی سے کہاں ملتا ہے۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اس ایک جملے کے بعد اب آگے کیا ہونے والا تھا۔ اس کی دنیا ایک لمحے میں الٹ گئی تھی۔ وہ بس خاموشی سے کھڑا رہا، اس کے وجود میں درد اور سناٹا چیخ رہا تھا۔

✿••✿••✿••✿

اگلی قسط پندرہ دن بعد ان شاء اللہ !

جاری ہے۔

* * * * * * *

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔۔۔

السلام علیکم احباب۔۔۔۔"

"ناولز کی دنیا" کے ناولز میں خوش آمدید ۔۔۔۔

عنکبوت

(معرفت اور محبت سب کو نہیں ملتی)

از قلم: نور راجپوت

قسط نمبر:16

تاریک پرچھائیاں جو روح کے نہاں خانوں میں بسیر کرتی ہیں، ان کا سایہ بڑا پراسرار ہے۔

یہ ان کہی سرگوشیوں کی مانند ہیں، جو دل کی گہرائیوں میں سرسراتی ہیں۔

ان کے سحر میں کھو کر، انسان بسا اوقات اپنے ہی وجود سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔

جب تک یہ پراسرار عفریت بیدار نہ ہوں، روح اپنی مکمل پرواز نہیں بھر سکتی۔

کبھی یہ خوابوں کی اوٹ سے جھانکتے ہیں، کبھی حقیقت کا روپ دھار کر سامنے آتے ہیں۔

ان کی پراسرار دنیا میں اترے بغیر، روح کی گہرائیوں کا بھید نہیں کھلتا۔

اندر کے عفریت سے نمٹنے کا پہلا قدم اسے تسلیم کرنا ہے۔ یہ ماننا کہ ہاں، میرے اندر بھی یہ تاریک پہلو موجود ہے، جو کبھی مجھے خود غرض بناتا ہے، کبھی مجھے دوسروں سے نفرت کرنے پر اکساتا ہے، یا کبھی مجھے اپنے آپ سے بھی دور کر دیتا ہے۔

دوسرا قدم اس کی وجہ کو سمجھنا ہے۔ یہ عفریت کب پیدا ہوا؟ کن حالات نے اسے تقویت دی؟ کیا یہ بچپن کے کسی صدمے کا نتیجہ ہے، یا موجودہ زندگی کے دباؤ کی پیداوار؟

جب ہم اسے سمجھ لیتے ہیں، تو پھر ہم اسے قابو کرنا سیکھ سکتے ہیں۔ قابو کرنے کا مطلب اسے ختم کرنا نہیں، بلکہ اسے توازن میں لانا ہے۔ جیسے، اگر غصہ ہمارا عفریت ہے، تو ہم اسے توڑ پھوڑ کی بجائے تخلیقی کاموں میں استعمال کر سکتے ہیں۔ اگر حسد ہے، تو اسے دوسروں کی کامیابی سے متاثر ہو کر خود کو بہتر بنانے کی تحریک میں بدل سکتے ہیں۔

ہمارے اندر کا عفریت ہمیں اپنی اصل شکل دکھاتا ہے۔ وہ شکل جس میں خوبیاں بھی ہیں اور خامیاں بھی۔ اسے گلے لگانا دراصل اپنی مکمل ذات کو تسلیم کرنا ہے۔ یہ ہمیں زیادہ حقیقت پسندانہ اور ہمدرد انسان بناتا ہے، کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ہر انسان کے اندر ایسی تاریکیاں موجود ہوتی ہیں۔

بڑھتے ہیں کہانی کی طرف جہاں، عدالت کا کمرہ گواہوں اور میڈیا کے نمائندوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ فجر معراج، اپنے مخصوص پر وقار انداز میں، عدالت میں موجود تھی، اس کی آنکھوں میں عزم اور چہرے پر ایک ٹھہراؤ تھا۔ لیکن اندر ایک خوف تھا۔ ایک ایسا خوف جو ناقابل بیان تھا۔ یہ خوف اس کے چہرے سے واضح ہونے کی پوری کوشش کر رہا تھا مگر اس نے ایسا ہونے نہیں دیا۔ پسینے سے بھیگی ہتھیلیاں لیے وہ اپنے دل کو پر سکون کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ منار میں ہوئے حادثے کو گزرے آج ایک مہینہ ہو گیا تھا اور آج اس کیس کی شنوائی تھی

جو فجر معراج پر لاگو ہوا تھا۔ ولی وہیں موجود تھا۔ وہ فجر کی حالت محسوس کر سکتا تھا۔ اس کا ہتھیلیوں کو آپس میں رگڑنا، بار بار گلہ تر کرنا، وہ اس کے خوف کو محسوس کر سکتا تھا۔

جج صاحب اپنی کرسی پر براجمان تھے، جبکہ دونوں وکلاء، پراسیکیوشن اور دفاع، اپنی دلیلوں کے لیے تیار تھے۔ کچھ دیر بعد جی صاحب کی آواز سنائی دی۔

"کیس، فجر معراج بمقابلہ ریاست۔ کیا پراسیکیوشن اپنا موقف پیش کرنے کے لیے تیار ہے؟"

پراسیکیوٹر (ایڈووکیٹ ہارون محمود) نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"جی حضور! یہ ایک انتہائی سنگین معاملہ ہے جہاں ایک گارڈ اور ایک کیئر ٹیکر کو بہیمانہ طریقے سے قتل کیا گیا ہے۔ یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ ملزمہ فجر معراج نے حملہ آور کو اپنے دفاع میں مارا، لیکن اس کے باوجود دو قیمتی جانیں ضائع ہوئی ہیں۔ ہمیں اس حملہ آور کی شناخت نہ ہو پانے پر بھی تشویش ہے، جو اس کیس کو مزید پیچیدہ بنا رہا ہے۔ ہم استدعا کرتے ہیں کہ ملزمہ کو قتل کے الزام سے بری نہ کیا جائے، بلکہ مزید تفتیش کی جائے تاکہ حقائق سامنے آ سکیں۔"

"دفاعی وکیل، کیا آپ اپنا موقف پیش کرنا چاہیں گی؟" جج صاحب نے پراسیکیوٹر کی بات سن کر ان سے پوچھا۔

دفاعی وکیل (ایڈووکیٹ ماجدہ خان) نے باعتماد لہجے میں کہا۔

"جی حضور! سب سے پہلے میں عدالت کی توجہ پاکستان پینل کوڈ (PPC) کی دفعہ 100 کی طرف مبذول کرانا چاہوں گی، جو جسمانی دفاع کے حق کو واضح کرتی ہے۔ میرے موکلہ فجر معراج پر ان کے اپنے دفتر میں ایک وحشیانہ حملہ ہوا۔ اس حملے میں، بدقسمتی سے، میرے موکلہ کے دو بہادر ملازمین، ایک گارڈ اور ایک کیئر ٹیکر، اپنی

جانوں کا نذرانہ پیش کر گئے جب انہوں نے حملہ آور کو روکنے کی کوشش کی۔ حملہ آور ان دونوں کو مار کر اندر پہنچا اور پھر میری موکلہ کی جان کو شدید خطرہ لاحق کیا۔ ایسے میں، میرے موکلہ کے پاس اپنی جان بچانے کے لیے کوئی اور چارہ نہیں تھا سوائے اس کے کہ وہ حملہ آور کا مقابلہ کریں۔"

ماجدہ خان نے ایک بڑی اسکرین کی طرف اشارہ کیا جہاں حملے کی سی سی ٹی وی فوٹیج چلنا شروع ہو گئی۔ فوٹیج میں واضح طور پر دکھایا گیا تھا کہ کس طرح حملہ آور منار میں داخل ہوا اور پھر باہر کے کیمرہ جام ہو گئے، اسی وقت میں وہ انہیں بے دردی سے مار کر آفس کے اندر داخل ہوا، اور پھر فجر پر حملہ (اندر کے کیمرہ جام نہیں ہوئے تھے) فجر نے کس طرح ہمت سے کام لیتے ہوئے برونز کے مجسمے سے اپنا دفاع کیا۔

ماجدہ خان مزید گویا ہوئیں۔

"حضور والا، آپ نے خود دیکھا کہ کس طرح میری موکلہ نے انتہائی دباؤ میں اپنی جان بچانے کے لیے یہ قدم اٹھایا۔ یہ مکمل طور پر خود دفاع (Self-Defense) کا معاملہ ہے۔ دفعہ 100 واضح طور پر کہتی ہے کہ اگر کسی شخص کی جان کو شدید خطرہ لاحق ہو، تو وہ حملہ آور کو روکنے کے لیے مہلک طاقت کا استعمال کر سکتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر اس کے نتیجے میں حملہ آور کی موت ہو جائے تو بھی یہ جرم نہیں سمجھا جائے گا۔ میرے موکلہ نے ان بہادر ملازمین کو نہیں مارا بلکہ حملہ آور نے انہیں قتل کیا۔ میری موکلہ نے صرف اپنے دفاع میں حملہ آور کو روکا اور منار کے باقی کیمرہ کی ریکارڈر کے مطابق جس وقت باہر موجود دو ملازمین مارے گئے موکلہ اس وقت اپنے اسٹوڈیو میں کام کر رہی تھیں۔ یہ وہاں کی ریکارڈنگ ہے۔"

اسکرین پر مزید ریکارڈنگز چلنے لگیں۔ وہ باہر نکلی ہی نہیں۔ فجر یہ سب دیکھتے ہوئے تھوک نگل رہی تھی۔ اس کی کنپٹی پہ پسینہ چمک رہا تھا۔

"پراسیکیوشن کا یہ کہنا کہ حملہ آور کی شناخت نہیں ہو سکی، کیس کو پیچیدہ بناتا ہے، یہ درست نہیں ہے۔ حملہ آور کی شناخت نہ ہو پانا تفتیشی اداروں کی ذمہ داری ہے، نہ کہ میری موکلہ کا قصور۔ انہوں نے صرف اپنی جان بچائی۔ ہمارے پاس تمام شواہد موجود ہیں، جن میں سی سی ٹی وی فوٹیج، جائے وقوعہ سے ملنے والے فنگر پرنٹس اور فجر معراج کا بیان شامل ہے۔ تمام شواہد اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ یہ ایک جائز خود دفاع کا عمل تھا اور اپنی جان بچانے کے بعد میری موکلہ نے ہی پولیس کو انفارم کیا تھا۔" کچھ کے لیے خاموش ہوئی۔

"آخر میں، میں عدالت سے یہ درخواست کروں گی کہ میری موکلہ کو تمام الزامات سے باعزت بری کیا جائے، تاکہ وہ اپنی زندگی دوبارہ عزت اور وقار سے گزار سکیں۔ انہیں اس صدمے سے نکلنے کا موقع دیا جائے، نہ کہ مزید قانونی پیچیدگیوں میں الجھایا جائے۔"

کمرے عدالت میں گھمبیر خاموشی چھا گئی۔ تمام ثبوتوں اور گواہوں کو مد نظر رکھتے ہوئے کچھ جج اپنے فیصلہ سنانے والا تھے۔ جج صاحب نے دونوں وکلاء کی دلیلیں غور سے سنیں، سی سی ٹی وی فوٹیج کا بغور جائزہ لیا اور تمام شواہد کا مطالعہ کیا۔ کچھ دیر کے لیے کمرہ عدالت میں مکمل خاموشی چھا گئی۔ فیصلے کے وقت انہوں نے اپنا ہتھوڑا میز پر مارتے ہوئے فیصلہ سنایا۔

"فجر معراج بمقابلہ ریاست کے اس مقدمے میں، عدالت نے تمام شواہد، گواہوں کے بیانات اور متعلقہ قانونی دفعات کا بغور جائزہ لیا ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ ملزمہ فجر معراج پر ان کے دفتر میں ایک نامعلوم شخص کی طرف سے حملہ کیا گیا تھا۔ حملے کے دوران، حملہ آور نے ملزمہ کے دو ملازمین، ایک گارڈ اور ایک کیئر ٹیکر کو بے دردی سے قتل کیا جب وہ ملزمہ کو بچانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس کے بعد حملہ آور نے ملزمہ کی جان لینے کی کوشش کی۔

سی سی ٹی وی فوٹیج اور دیگر دستیاب شواہد اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ ملزمہ نے اپنی جان بچانے کے لیے یہ عمل کیا۔ پاکستان پینل کوڈ کی دفعہ 100 کے تحت، ہر شہری کو اپنی جان و مال کے دفاع کا حق حاصل ہے۔ جب کسی شخص کی جان کو شدید خطرہ لاحق ہو تو وہ اپنے دفاع میں مہلک طاقت کا استعمال کر سکتا ہے۔

لہٰذا، تمام شواہد کی روشنی میں، عدالت اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ فجر معراج کا یہ عمل مکمل طور پر خود دفاع (Self-D) کے زمرے میں آتا ہے۔ ان کا ارادہ کسی کو قتل کرنے کا نہیں تھا، بلکہ صرف اپنی جان بچانے کا تھا۔ ان کے ملازمین کا قتل حملہ آور نے کیا، نہ کہ ملزمہ نے۔

لہٰذا، عدالت فجر معراج کو گارڈ اور کیئر ٹیکر کے قتل اور حملہ آور کے قتل کے الزامات سے باعزت بری کرتی ہے۔ ان کے خلاف یہ کیس بند کیا جاتا ہے۔"

جج صاحب کا یہ فیصلہ سنتے ہی کمرہ عدالت تالیوں سے گونج اٹھا۔ فجر کی آنکھوں میں نمی ابھری، اس نے اپنی وکیل ماجدہ خان کی طرف دیکھا اور دونوں کے چہروں پر ایک اطمینان بخش مسکراہٹ پھیل گئی۔ یہ فجر کے لیے نہ صرف قانونی رہائی تھی، بلکہ معاشرتی طور پر بھی اس کی عزت نفس کی بحالی تھی۔ اب وہ سر اٹھا کر معاشرے میں جی سکتی تھی، ایک بہادر خاتون کے طور پر جس نے اپنی جان بچائی اور اپنے خوابوں کو بچایا۔ پر کیا واقعی یہ معاشرہ اب اسے قبول کرنے والا تھا؟

✿••✿••✿••✿

عدالت سے واپسی پر، فجر کی گاڑی منار کی شیشے کی عمارت کے سامنے رکی۔ اس کے دل میں ایک عجیب سی کیفیت تھی۔ اطمینان، شکر گزاری اور اب بھی اس حادثے کا دھندلا سا اثر۔ ولی، جو اس کے ساتھ ہی تھا، خاموشی سے گاڑی سے اترا اور دروازہ کھول کر فجر کو باہر آنے کا اشارہ کیا۔

جیسے ہی فجر نے پہلا قدم اندر رکھا، ایک زوردار نعرہ گونجا،

"فجر! فجر! فجر! میڈم! میڈم! میڈم!"

اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھ پاتی، اس کے سامنے پھولوں کی ایک چھوٹی سی بارش شروع ہو گئی اور چاروں طرف سے اس کے ملازمین نکل آئے، ان کے چہروں پر حقیقی خوشی اور فخر نمایاں تھا۔ ہر طرف رنگ برنگے پھول بکھر رہے تھے، اور فضا **"ویلکم بیک فجر!"** کے نعروں سے گونج رہی تھی۔ یہ ایک چھوٹا سا، لیکن دل کو چھو لینے والا سرپرائز تھا۔ اس مہینے پہلے دس دن منار بند رہا لیکن پھر منار تو کھل گیا پر فجر پابند ہو چکی تھی۔ اندر سب ٹھیک کام کر رہے تھے مگر باہر کچھ ٹھیک نہیں تھا۔ اسے پولیس اسٹیشن جانا پڑتا، کبھی پولیس منار پہنچ جاتی۔ اس کے خلاف اکثر باہر نعرے لگائے جا رہے تھے۔ لوگوں کو لگ رہا تھا یہ تینوں قتل اسی نے کیے تھے۔ منار کے جو دو ملازمین مارے گئے تھے ان کے خاندان کے بیانات، باہری لوگوں کی اس پر رائے اور میڈیا کا بیان! یہ کیس پچھلے پورے مہینے سے ہاٹ کیس بنا ہوا تھا۔ پر آج یہ کیس بند ہو گیا۔

یہ دیکھتے ہوئے فجر کی ہیزل آنکھیں نم ہو گئیں۔ وہ حیرت زدہ رہ گئی تھی۔ اتنے بڑے حادثے کے بعد، اس کی کمپنی کا تقریباً ملازم، اس کی یہ دنیا اسی طرح سلامت تھی، بلکہ اس سے بھی زیادہ مضبوط اور پر عزم نظر آ رہی تھی۔ ان کی آنکھوں میں نہ کوئی خوف تھا، نہ کوئی ہچکچاہٹ۔ جو چھوڑ گئے وہ چھوڑ گئے، جو ساتھ تھے وہی سب تھے۔

فجر نے بمشکل اپنے آنسو روکے، اس کے لبوں پر ایک حسین مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے دیکھا کہ ہر چہرے پر اس کے لیے محبت اور احترام جھلک رہا ہے۔ اسے کبھی اتنی اہمیت نہیں ملی تھی۔ اس نے بے ساختہ اپنا ہاتھ ولی کے بازو پر رکھا، جو اس کے قریب ہی کھڑا تھا، اور ولی کی پوری کائنات رک گئی۔ وہ ساکت سا اسے دیکھ رہا تھا۔ جو آج بھی

ادہ حلیے میں تھی۔ **بیوٹی ان پرپل!** پرپل سوٹ پہنے، دوپٹہ گلے میں گرائے، بند بالوں کی ساتھ وہ ہمیشہ کی طرح پیاری لگ رہی تھی۔

"یہ سب کیا ہے؟" بے ساختہ اس کے لبوں سے پھسلا۔

"یہ آپ کا گھر ہے! ہم سب کو پتا تھا کہ آپ آج جیت کر واپس آئیں گی۔ ہم نے ایک چھوٹا سا جشن منایا ہے آپ کی۔ باعزت واپسی کا۔" سارہ نے آگے بڑھتے ہوئے بتایا۔

فجر آہستہ آہستہ آگے بڑھی، ہر فی میل ملازم کے پاس جا کر ہاتھ ملایا۔۔ ہر کوئی اسے پھول اور نیک تمناؤں کے کارڈز پیش کر رہا تھا۔ کچھ کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے، اور کچھ کے چہروں پر ایک گہرا اطمینان تھا کہ ان کی ملکہ واپس آچکی ہے۔ فجر نے ایک ایک کر کے سب کے چہروں کو دیکھا، ان کی آنکھوں میں اس نے اپنے لیے اعتماد اور اپنے کام کے لیے لگن دیکھی۔ یہ وہ لوگ تھے جو اس کے ساتھ ہر مشکل میں کھڑے رہے۔

جب وہ تمام ملازمین سے مل چکی، تو اس نے ایک گہرا سانس لیا، اپنے سر کو فخر سے اٹھایا، اور ایک نظر اپنے ارد گرد دوڑائی۔ اس کے سامنے اس کی وسیع فیشن ہاؤس کی چکاچوند تھی۔ جدید ڈیزائنز، رنگین کپڑے، تخلیقی آرٹ ورکس۔ یہ اس کی سلطنت تھی، جسے اس نے بچا لیا تھا۔ اس نے یہ دنیا بڑی محنت اور محبت سے بنائی تھی۔

"میں آج اس لیے یہاں ہوں۔۔" فجر کی آواز میں گہری جذباتی گونج تھی، "کیونکہ آپ سب میرے ساتھ تھے۔ آپ سب نے مجھے اس مشکل وقت میں تنہا نہیں چھوڑا۔ یہ منار صرف ایک کمپنی نہیں، یہ میرا خاندان ہے۔ اور یہ میرے لیے بہت معنی رکھتا ہے کہ آپ سب آج یہاں میرے ساتھ کھڑے ہیں۔"

اس کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو چھلک اٹھے۔اس نے محسوس کیا کہ اس کے کندھوں پر موجود بوجھ ہلکا ہو گیا ہے،اس نے نہ صرف خود کو بچایا تھا بلکہ ایک طرح سے اپنے دو ملازمین کا بدلہ بھی لے لیا تھا اور وہ اب ایک نئے عزم کے ساتھ آگے بڑھ سکتی تھی۔اس نے ایک بار پھر اپنے ارد گرد پھیلی ہوئی اپنی دنیا کو دیکھا،ایک گہرا،اطمینان بخش سانس لیا۔

"ہم نے اسے بچالیا۔"اس نے دل ہی دل میں کہا،اور اس کے چہرے پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

✿••✿••✿••✿

منار میں استقبال کے بعد وہ اپنے آفس میں تھی۔لیپ ٹاپ کی اسکرین کو دیکھتے ہوئے ان تمام پروجیکٹس کو دیکھ رہی تھی جو ان کے کینسل ہوئے تھے۔داہنے ہاتھ سے کنپٹی سہلاتے وہ اسکرین پر ابھرتے منار کے نقصان کو دیکھ رہی تھی تبھی میز پر رکھا اس کا فون گونج اٹھا۔اجنبی نمبر تھا اس نے فون اٹھا کر کان سے لگایا۔

"ہیلو۔۔؟"دھیمے لہجے میں پوچھا گیا کیونکہ ذہن کہیں اور اٹا تھا۔

"کیسی ہو آرٹ کی دیوی؟کیسا لگ رہا ہے آزادی پا کر؟"رئیس کی گونجتی ہوئی آواز ابھری۔فجر نے گہری سانس لی اور پشت کرسی سے ٹکا دی۔

"آخر آپ تک بھی خبر پہنچ ہی گئی،چلیں آپ بتائیں دیکھ کر خوشی ہوئی یا نہیں؟"

دوسری طرف رئیس کی گہری،بھاری آواز گونجی،جس میں ہمیشہ ایک پوشیدہ طنز چھپا تھا۔

"میں تو ہمیشہ سے تمہارے ڈراموں پر نظر رکھتا ہوں۔لیکن سچ کہوں تو اس بار تم نے خود کو خاصا مشکل میں ڈال لیا تھا۔رہائی کے بعد سوچا شاید تم اب میری برتری تسلیم کر لو،یا کم از کم یہ تو مان لو کہ اس دنیا میں کچھ طاقتیں ایسی

بھی ہیں جو تمہاری رسائی سے باہر ہیں۔" یہ وہی تھا جس کی ساکھ کی بدولت اس رات وہ جیل جانے کی بجائے اپنے گھر گئی تھی۔

فجر کی آنکھوں میں چمک ابھر آئی۔ وہ اس کے طنز کو بخوبی سمجھتی تھی۔

"آپ کی برتری کیسے تسلیم کرلوں؟ مجھے نہیں یاد کہ میں نے کبھی کسی سے مجھے بچانے کی بھیک مانگی ہو۔ نہ میں کسی کی برتری تسلیم کرنے والی ہوں۔ اگر میں زندہ ہوں اور آج یہاں بیٹھی ہوں تو یہ میری اپنی ہمت اور میری تقدیر کی وجہ سے ہے۔"

اس کی بات پر رئیس کا بے ساختہ قہقہہ ابھرا۔

"تمہاری یادداشت واقعی کمزور ہے۔ یہ جو تم آزادی کی سانس لے رہی تھیں نا اتنے دن، یہ میری مہربانی ہے، میرے ڈارک لارڈ ہونے کی ساکھ کا نتیجہ ہے۔ ورنہ تمہارے سر پر تو قتل کے دو نہیں، تین مقدمات لٹک رہے تھے۔"

"لگتا ہے آپ اپنی کہانیوں میں شاید زیادہ ڈوب گئے ہیں۔ میں نے اپنا دفاع کیا، اور قانون نے میری بے گناہی ثابت کر دی۔ اور جہاں تک آپ کی مہربانی کا تعلق ہے، تو مجھے ایسے احسانات کی ضرورت نہیں جو قیمت کے ساتھ آتے ہوں۔ میں اپنی قیمت خود چکاتی ہوں، اور وہ بھی اپنی شرائط پر۔"

"ہاں تم قیمت چکاتی ہو، لیکن صرف تب جب تمہارے پاس کوئی اور چارہ نہ ہو۔ تمہاری ملکہ معلون کی شہرت تو خوب پھیل چکی ہے، لیکن ذرا سوچو، اگر اس وقت میرا سایہ تمہارے سر پر نہ ہوتا، تو تم آج کہاں ہوتیں؟ شاید کسی تنگ کوٹھڑی میں اپنی **'سلطنت'** کا ماتم کر رہی ہوتیں۔" اس نے قدرے ڈرامائی انداز میں کہا۔

"در حقیقت کو ٹھڑی میں اپنی سلطنت کا ماتم کرنے کی بجائے، میں اپنی سلطنت کو دوبارہ مضبوط بنا رہی ہوں! اور آپ کی معلومات کے لیے، مجھے کسی کے سائے کی ضرورت نہیں۔ میں سورج کی طرح اکیلی چمکنا پسند کرتی ہوں۔ آپ کو یہ جان کر شاید مایوسی ہو، لیکن میں ٹوٹنے والی نہیں ہوں۔ بلکہ، اس حادثے نے مجھے مزید فولاد بنا دیا ہے۔" اس کی تیز آواز ابھری۔

رئیس خاموشی سے اس کی بات سنتا رہا، پھر ایک لمبی سانس لی۔

"دلچسپ! بہت دلچسپ! تو تم ابھی بھی اپنی طاقت کے نشے میں چور ہو۔ اچھی بات ہے۔ لیکن یاد رکھو، ہر ملکہ کو ایک ڈارک لارڈ کی ضرورت ہوتی ہے جو اسے یاد دلائے کہ اس کی حدود کہاں ہیں۔"

"اور ہر ڈارک لارڈ کو ایک ملکہ کی ضرورت ہوتی ہے جو اسے یہ سکھائے کہ اس کی حدود سے باہر بھی ایک دنیا ہے۔" پل بھر کہ خاموشی چھائی۔

"مجھے آپ سے کوئی سبق سیکھنے کی ضرورت نہیں، مسٹر اورنگزیب! اور نہ ہی آپ مجھے یہ بتائیں گے کہ میری حدود کہاں ہیں۔ میری حدود میں خود بناتی ہوں۔" اس نے اسی کے انداز میں جوابی وار کیا۔ رئیس نے ایک گہرا قہقہہ لگایا۔

"تمہاری زبان آج بھی ویسی ہی زہریلی ہے۔ مجھے یہ زہر پسند ہے۔ ٹھیک ہے۔ دیکھتے ہیں کون کس پر برتری حاصل کرتا ہے۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا، تمام معجزات کے پیچھے ایک پراسرار ہاتھ ضرور ہوتا ہے۔"

"اور آپ کے تمام دعوؤں کے پیچھے ایک جھوٹا غرور ہوتا ہے۔ خدا حافظ!"

فجر نے کال کاٹ دی۔ فون واپس میز پر رکھا۔ سر میں اچانک درد شروع ہو چکا تھا۔ وہ میز سے اٹھی اور گلاس وال کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ یہاں سے باہر کا سہانا موسم اور شہر کا نظارہ صاف نظر آ رہا تھا۔ اچانک دروازے پر دستک ہوئی اور دروازہ کھلا ولی اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں کالڈ کافی تھی۔ فجر نے پلٹ کر دیکھا اور پھر حیران رہ گئی۔

"میں نے تم سے کہا تھا میرے لیے یہ سب مت کیا کرو۔" پھر اسکے ہاتھ سے کافی کا گلاس تھام لیا۔ کافی کو دیکھ کر بھنویں سکڑی ہوئی تھیں۔

"آپ کی ضروریات کا خیال رکھنا میری ڈیوٹی ہے!" وہ قدرے فرمانبرداری سے بولا۔

"تمہیں کیسے پتا مجھے کالڈ کافی پسند ہے؟" وہ جو کافی پر نظریں جمائے کھڑے تھی یک دم سر اٹھاتے ہوئے بولی۔

ہیزل آنکھیں اس کی آنکھوں سے ٹکرائیں۔ پل بھر کے لیے ولی ہے چہرے پر سایہ سا لہرایا لیکن اگلے ہی پل وہ مسکرایا۔

"آفس بوائے سب جانتا ہے۔" اس کی بات سن کر فجر نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر رخ واپس گلاس وال کی جانب موڑ لیا۔ وہ اس کے کچھ فاصلے رکھ کر قریب کھڑا ہو گیا۔

"کیا تم نے کبھی کسی کی جان لی ہے؟" یہ دوسرا سوال بھی غیر متوقع تھا۔ ولی نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ سامنے دیکھ رہی تھی۔

"نہیں میڈم!" چند پل کی خاموشی کے بعد اس کی آواز ابھری۔ فجر کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ وہ جانے کیا سوچ رہی تھی۔ کبھی کبھی اس کی سوچوں تک رسائی حاصل کرنا مشکل ہو جاتا تھا۔ وہ یک دم سارے دروازے بند کر دیتی تھی۔

"تمہاری بیوی مان گئی؟" تیسرا غیر متوقع سوال۔ کافی کا گلاس اس کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچا۔

"نہیں میڈم!" وہ خود پر قابو پاتے بولا۔ لبوں ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔ اس بار فجر نے اثبات میں سر ہلایا۔ کچھ دیر بعد ان کی فنانس ڈیپارٹمنٹ کے ساتھ میٹنگ تھی۔ صفدر آج اس میٹنگ میں موجود نہیں تھا۔ میٹنگ روم میں وہ سربراہی کرسی پر بیٹھی تھی۔ میز کے دونوں جانب فنانس ٹیم بیٹھی تھی۔ فنانس مینیجر مسٹر رضا آگاہ کر رہے تھے انہیں اس ماہ کتنا نقصان ہوا تھا، چار اہم پراجیکٹس جن پر کام چل رہا تھا اس حادثے کے بعد وہ کینسل ہو گئے، ان کا کام آدھا مکمل ہو چکا تھا۔ میٹنگ سنجیدگی سے جاری تھی۔ مکمل رپورٹ دی جا رہی تھی۔ اس ماہ منار کو کروڑوں کا نقصان ہوا تھا۔ وہ سپاٹ تاثرات لیے سنتی گئی۔

میٹنگ کے اختتام پر پراجیکٹ مینیجر جاوید جنجوعہ کی آواز سنائی دی۔

"ہمارے پاس کچھ اہم پروجیکٹس ہیں۔ اگر وہ ہو گئے تو امید ہے ہم اپنا نقصان جلد پورا کر لیں گے۔" فجر نے بس اثبات میں سر ہلایا۔ ولی ایک جانب بیٹھا، لیپ ٹاپ پر میٹنگ کی سمری بنا رہا تھا۔ اس سے پہلے کے میٹنگ برساخت ہوتی اس کی آواز سنائی دی۔

"اگر آپ برا نہ مانیں تو میں کچھ عرض کروں؟" اس نے فجر سے اجازت چاہی۔ فجر نے رخ دائیں جانب موڑ کر اسے دیکھا جو بھرپور سنجیدگی سے بیٹھا تھا۔ فجر نے سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ وہ اجازت ملنے پر اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا اور پھر فجر کے دائیں جانب آ کھڑا ہوا۔ اس کا رائٹ ہینڈ! وہ ملکہ کی طرح بیٹھی تھی وہ وزیر کی طرح دانائی پیش کر رہا تھا۔

"میں نے وہ چاروں پروجیکٹس دیکھے ہیں جو کینسل ہوئے ہیں۔ اس سے منار کو بھاری نقصان ہوا ہے پر کیا ہم انہیں یونہی جانے دیں؟" اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔ سبھی افراد رخ موڑے اسے دیکھ رہے تھے۔

"ہم کیا کر سکتے ہیں؟" جنید کی آواز ابھری۔ وہ تھوڑی بہت نہیں پوری پوری شکی نگاہوں سے ولی کو دیکھ رہا تھا۔

"ہر جانے کا کیس!" اس نے بِلا جھجھک جواب دیا۔ کمرے میں بیٹھے افراد پر جیسے پانی پھر گیا۔

"لیکن اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ الٹا ہماری ساکھ خراب ہو گی۔" پروجیکٹ مینیجر کو اس کی یہ رائے بالکل بھی پسند نہیں آئی۔

"انہوں نے منار کے ساتھ پروجیکٹس کینسل کیے ہیں۔ میڈیا پر بیان دیئے ہیں۔ مزید ساکھ کیا خراب ہو گی؟ میں نے وہ سارے پروجیکٹس دیکھے ہیں۔ آپ ان کے کنٹریکٹ دوبارہ دیکھیں۔ جب تک دونوں فریقین میں سے کسی ایک پر کوئی قانونی مقدمہ ثابت نہیں ہو تا تب تک دونوں میں سے کوئی بھی فریق پروجیکٹ کینسل نہیں کر سکتا۔ منار پر نہ کوئی کیس ہے اور نہ کچھ ثابت ہوا پھر انہوں نے پروجیکٹ کس بیس پر کینسل کیے ہیں؟" اس کے آواز تیز تھی۔ وہاں بیٹھے افراد چونک گئے۔

"ہم ان پر ہر جانے کا کیس کر سکتے ہیں۔ ایک پروجکٹ کا پچیس کروڑ ہرجانہ، پھر دیکھیں کیا ہوتا ہے۔" اس نے سکون سے کہتے سینے پر بازو باندھ لیے۔ وہ سب اسے آنکھیں پھاڑے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ وہ کتنی دلیری سے کیس کرنے کی بات کر رہا تھا۔ البتہ فجر خاموش تھی۔ اس کی بھنویں سکڑی ہوئی تھی اور چہرے پر سوچ کے نشان تھے۔

"فجر میڈم ہم ایسا نہیں۔۔۔"

"جنید۔۔۔۔" فجر کی ہموار آواز ابھری۔ "لیگل رپورٹ تیار کرواور چاروں کو نوٹس بھیجو! پچیس کروڑ ہرجانے کا نوٹس!" وہ گویا فیصلہ سناتے اٹھ کھڑی ہوئی۔ سب منہ کھولے اسے دیکھ رہے تھے جبکہ فاتح ساولی اپنی جگہ پر کھڑا زیرلب مسکرا رہا تھا۔

"لیکن۔۔۔۔" فنانس ٹیم نے کچھ کہنا چاہا۔

"ہم یہ کر رہے ہیں۔" فجر کی حکمیہ آواز ابھری اور پھر وہ مضبوط قدموں سے دروازے کی جانب بڑھی۔ ولی نے پیچھے سب کو دیکھ کر کندھے اچکائے اور پھر فجر کے پیچھے، عقلمند وزیر کی طرح کندھے چوڑے کیے لپکا۔ دروازہ کھلا اور بند ہو گیا۔ وہ دونوں باہر نکل گئے جبکہ میٹنگ روم میں ناقابل بیان خاموشی چھائی تھی۔

✿••✿••✿••✿

لیگل نوٹس بھیجے جا چکے تھے۔ جن کمپنیوں نے ہرجانے دینے یا پروجیکٹ جاری رکھنے سے منع کیا۔ ان کے خلاف میڈیا پر بیان دیا گیا اور یوں منار ایک بار پھر ہاٹ ٹرینڈ بن گیا۔ یہ اچھا داؤ تھا جو ولی کے کہنے پر کھیلا گیا تھا۔ کام آہستہ آہستہ اپنی روٹین پر آ رہا تھا۔ مارچ کی اس خوشگوار شام میں، کمرے میں داخل ہوتے ہی فجر کی نگاہیں ایک لمحے کے لیے انٹرویو لینے والی پر ٹھہریں، جو بڑے اطمینان سے نظریں اپنے ٹیبلٹ پر جمائے بیٹھی تھی۔ یہ فجر کا پہلا انٹرویو تھا جو وہ دینے جا رہی تھی۔

اس کے چہرے پر تھکن کے باوجود ایک پراعتماد مسکراہٹ تھی، مگر اس کی آنکھوں میں گہری سوچ کے بادل چھائے ہوئے تھے۔

وہ آگے بڑھتے ہوئے ساتھ رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔ انٹرویو کرنے والی سے پہلے ہی مل چکی تھی۔ رسمی سلام دعا کے بعد انٹریو کا آغاز ہوا۔ وہ ہمیشہ کی طرح سادہ حلیے میں تھی لیکن پروقار لگ رہی تھی۔ نفاست سے بندھے بال، کانوں میں چمکتے ٹاپس، ہونٹوں پر چمکتا گلوس، اٹھتی گرتی پلکیں، اور ہلکے گلابی رنگ کا بلیزر پہنے، مائیک کو کا پر سے فٹ کیے وہ کرسی پر کمر سیدھی کیے بیٹھی تھی۔ بیٹھنے کے انداز میں وقار تھا۔ ولی کیمرہ مین کے پیچھے کھڑا، کیمرہ سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ آج سادہ حلیے میں تھا۔ سرمئی پینٹ پر بھوری گول گلے والی شرٹ پہنے ہوئے تھا اور پہلے سے کئی زیادہ فریش لگ رہا تھا۔

"فجر صاحبہ! آپ ایک مہینہ پہلے اپنے آفس میں ہونے والے حملے کے بعد نہ صرف اپنی کمپنی کو دوبارہ ٹریک پر لے آئی ہیں بلکہ آپ کے مداحوں میں بھی بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔ معاشرے کا ایک طبقہ جہاں آپ سے نفرت کرتا ہے وہیں نوجوان نسل آپ کو ایک ہیرو کے طور پر دیکھ رہی ہے، جس نے اپنی جان اور سلطنت بچانے کے لیے کسی بھی حد تک جانے سے گریز نہیں کیا۔ سب سے پہلے تو یہ بتائیں کہ یہ سب کیسے ممکن ہوا؟"

فجر کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ ابھری۔

"میرا ماننا ہے کہ زندگی میں اگر آپ کو کچھ بچانا ہے تو آپ کو بہادر بننا پڑتا ہے۔ میری کمپنی صرف ایک عمارت نہیں، یہ میرا خواب ہے، میری محنت کا نچوڑ ہے۔ اور جہاں تک میری جان کا تعلق ہے، وہ تو سب سے قیمتی ہے۔ جب میں نے دیکھا کہ میرا خواب اور میری زندگی دونوں خطرے میں ہیں، تو میں نے وہ کیا جو مجھے کرنا پڑا۔۔۔"

"اس واقعے کی ویڈیو اور تصاویر سوشل میڈیا پر وائرل ہو چکی ہیں۔ ویڈیو میں آپ حملہ آور کو ایک برونز کے مجسمے سے مارتی ہوئی نظر آئیں۔ اس کے بعد کی تصاویر میں آپ خون سے لت پت، ہاتھ میں وہی خونی مجسمہ تھامے کھڑی ہیں۔ کیا آپ ہمیں اپنے اس وقت کے احساسات کے بارے میں بتا سکتی ہیں؟" یہ قدرے غیر متوقع سوال تھا۔ ولی

کی بھنوین سکڑ گئیں۔ اس نے انٹرویوئر کو پہلے ہی منع کیا تھا کہ ایسے سوال نہ کرے پر شاید انہیں بھی مرچ مصالحہ والا انٹریو چاہیے تھا۔

فجر کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے کرب اتر آیا، لیکن اس نے اسے فوراً سنبھال لیا۔

"وہ لمحہ میری زندگی کا سب سے مشکل لمحہ تھا۔ اسے الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔ لیکن اسی لمحے میں مجھے یہ بھی احساس ہوا کہ میں کتنی مضبوط ہوں۔" اس نے نپا تلا سا جواب دیا۔

"حملہ آور کی شناخت نہیں ہو سکی اور چونکہ آپ نے یہ عمل اپنے دفاع میں کیا، اس لیے آپ کے خلاف یہ کیس بند کر دیا گیا ہے۔ اس بارے میں کیا کہنا چاہیں گی؟"

اس کی بات سن کر فجر نے گہری سانس لی۔ دل تو کر رہا تھا نیز پر رکھا کافی کا مگ اٹھا کر اس کے سر پہ انڈیل دے مگر اس نے خود قابو کیے رکھا۔ چہرے پہ بدقت مسکراہٹ سجاتے بولی۔

"میں عدالتی نظام کی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے سچائی کو تسلیم کیا۔ یہ ایک واضح خود دفاع کا معاملہ تھا۔ میں نے کسی پر حملہ نہیں کیا، بلکہ اپنے آپ کو بچایا۔ میں چاہتی ہوں کہ یہ واقعہ ان تمام خواتین کے لیے ایک مثال بنے جو کبھی بھی خود کو بے بس محسوس کرتی ہیں۔"

اس کی آنکھوں میں اترے گہرے سائے وہ کیمرہ کی آنکھ سے دیکھ رہا تھا۔

"آپ ایک فیشن آئیکون ہیں، آپ کے ڈیزائنز ہمیشہ Bold اور غیر روایتی ہوتے ہیں۔ کیا آپ کا یہ حال کا تجربہ آپ کے ڈیزائنز یا آپ کے فیشن کے فلسفے پر کوئی اثر ڈالے گا؟"

"بالکل! میرا فیشن ہمیشہ سے عورت کی طاقت، اس کی آزادی اور اس کے اعتماد کی ترجمانی کرتا رہا ہے۔ اس واقعے نے میرے اس فلسفے کو مزید تقویت بخشی ہے۔ اب میرے ڈیزائنز میں ایک نئی گہرائی، ایک نیا جنون اور ایک نئی کہانی نظر آئے گی۔ میں چاہتی ہوں کہ میری ہر تخلیق عورت کو یہ پیغام دے کہ وہ خوبصورت بھی ہے اور بہادر بھی۔ وہ کسی سے کم نہیں۔" وہ پھر سے مسکرائی۔

"آپ نے بہت کم وقت میں اپنی کمپنی کو دوبارہ کامیابی کی راہ پر ڈال دیا ہے۔ اس کے پیچھے کیا راز ہے؟"

"صرف ایک راز ہے، میری ٹیم کا تعاون۔ میرے لوگ، وہ میری طاقت ہیں۔ انہوں نے مجھے کبھی اکیلا محسوس نہیں ہونے دیا۔ اور سب سے بڑھ کر، میرا کام۔ میرا کام میری زندگی ہے۔ جب آپ اپنے کام سے محبت کرتے ہیں، تو کوئی مشکل آپ کو ہرا نہیں سکتی۔"

"فجر! آپ نے اپنے پیشہ ورانہ زندگی کے بارے میں کھل کر بات کی ہے۔ اب ہم آپ کی ذاتی زندگی کے بارے میں کچھ جاننا چاہیں گے۔ خاص طور پر آپ کے ریلیشن شپ سٹیٹس کے بارے میں۔"

یہ وہ لمحہ تھا جب فجر نے بے ساختہ نظریں اٹھائیں اور سامنے کھڑے اس نشان زدہ چہرے والے شخص کی آنکھوں میں گاڑھ دیں۔ بس ایک پل تھا پھر وہ سپٹپٹا کر رخ موڑ گیا۔ پھر وہ سوال کرنے والی کی جانب متوجہ ہوئی۔

"میں اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتی۔"

دھک دھک کرتے شخص کو دل پر سکون ہوا۔ صد شکر اس نے بیوہ ہونے کا اعلان نہیں کیا تھا۔

"ایک آخری سوال۔" وہ اسٹائلش سی لڑکی مسکرائی۔

"آپ نے اپنی کمپنی کا نام منار کیوں رکھا؟" یہ وہ سوال تھا جو اس سے اکثر پوچھا جاتا تھا۔ "کیا آپ اسے مینار کی طرح بلند دیکھنا چاہتی ہیں؟"

"منار؟" یہ سن کر وہ زیر لب بڑبڑائی۔ اس نے ایک لمحے کو ہوا میں دیکھا، جیسے کوئی پرانا سایہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا ہو۔ اس کے لبوں پر ایک ہلکی سی تلخ مسکراہٹ آئی، جو فوراً ہی ایک پختہ عزم میں بدل گئی۔

"اس نے کبھی میرا پیچھا نہیں چھوڑا، اور میں نے اسے چھوڑنا چاہا بھی نہیں۔ منار نے مجھے گرایا بھی ہے، اور اسی نے مجھے کھڑا بھی کیا۔"

اس نے اپنی انگلیوں کو ملایا، جیسے کوئی ان کہی کہانی بیان کر رہی ہو۔

"لوگ کہتے تھے میرا چہرہ اس کا کرس ہے، ایک منحوس سایہ! ہر آئینہ اس کی تصویر دکھاتا ہے۔ وہ ہر ناکامی میں میرے ساتھ تھی، اور ہر کامیابی میں بھی۔" اس نے گہرا سانس لیا۔

"شروع میں، میں بھاگنا چاہتی تھی اس نام سے، اس پہچان سے۔ میں کچھ نیا، کچھ اپنا بنانا چاہتی تھی جو منار کا عکس نہ ہو۔ لیکن پھر مجھے احساس ہوا کہ منار صرف ایک نام یا چہرہ نہیں تھی، وہ ایک طاقت تھی۔ ایک ایسی طاقت جس نے مجھے یہ سکھایا کہ گرنے کے بعد اٹھنا کیسے ہے۔ اس نے مجھے ہنٹ کیا، میرے اندر کی کمزوریوں کو بے نقاب کیا، اور مجھے وہ فاشسٹ بنایا جو میں آج ہوں۔"

فاشسٹ ایسے شخص کو کہتے ہیں جو فاشزم نامی سیاسی نظریے اور نظام کو مانتا اور اس کی تائید کرتا ہو۔ فاشزم ایک انتہائی قوم
جعتی سیاسی فلسفہ ہے جو بیسویں صدی میں یورپ میں عروج پر پہنچا، خاص طور پر اٹلی میں بینیٹو مسولینی
اور جرمنی میں ایڈولف ہٹلر کی حکومتوں کے دوران۔

فجر کی آنکھوں میں ایک چمک آئی، جو اس کی روح کی گہرائیوں سے اٹھ رہی تھی۔ کمرے میں ایک عجیب سا سناٹا چھا گیا، ایک عجیب سی پراسراریت تھی منار میں۔

"تو جب نام چننے کی باری آئی، میرے پاس ایک ہی انتخاب تھا۔ منار! کیونکہ میں جانتی تھی کہ یہ نام کامیاب رہے گا۔ یہ نام مجھے وہ طاقت دیتا ہے جو مجھے ہر چیلنج کا سامنا کرنے کی ہمت دیتی ہے۔ منار میرا خواب نہیں، میرا نائٹ میئر ہے۔ اس لیے میں نے اسے چنا۔ کیونکہ نائٹ میئرز کبھی پیچھا نہیں چھوڑتے۔ یہ نام میرے ساتھ ایسے جڑا ہے جیسے میری سانسیں، میرا خون! اور میں اس کو نہیں چھوڑ سکتی۔ یہ مجھے نہیں چھوڑ سکتا اس لیے ہم دونوں نے ساتھ رہنے کا عہد کر لیا اور دیکھیں یہ عہد اب تک قائم ہے۔" اس نے آخر میں مسکراتے ہوئے پراسراریت کا اثر زائل کر دیا۔ انٹرویو اپنے اختتام کو پہنچا۔

✿••✿••✿••✿

منار فیشن کمپنی کا وسیع و عریض ہال، آج معمول سے کہیں زیادہ گہما گہمی کا شکار تھا۔ ہر کونے سے تخلیقی توانائی پھوٹ رہی تھی، جیسے کوئی جادوئی عمل جاری ہو۔ نئے کلیکشن کی لانچ کی تیاریاں عروج پر تھیں، اور فضا میں خوشبو، کپڑوں کی سرسراہٹ اور ڈیزائنرز کی سرگوشیوں کا ایک حسین امتزاج تھا۔ فجر اپنے ڈیزائنرز اور مارکیٹنگ ٹیم کے ساتھ ایک بڑے ڈسپلے بورڈ کے سامنے کھڑی تھی، اس کی نظریں ہر تفصیل کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اس کے چہرے پر تھکن کے آثار تھے مگر آنکھوں میں وہی چمک تھی جو اس کے ہر کامیاب پروجیکٹ کی پہچان تھی۔

"یہاں تھوڑی سی روشنی اور بڑھائیں، اور اس ڈمی پر جو لباس ہے، اس کی ڈریپنگ میں مزید نفاست ہونی چاہیے۔" فجر نے اپنی ٹیم کے ہیڈ ڈیزائنر کو ہدایت دی۔

اچانک اس کی نظر ہال کے دوسرے سرے پر پڑی۔ ایک ننھا سا سایہ، سیاہ آنکھوں اور چھوٹے سیاہ بالوں والی روحی، اپنے گرد و نواح سے بے خبر، ہال میں گھوم رہی تھی۔ یہ روحی تھی۔ روحی کی نظر جیسے ہی فجر پر پڑی، اس کی سیاہ آنکھوں میں جگنو چمک اٹھے۔ ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر، وہ تیزی سے فجر کی جانب لپکی، اس کے چھوٹے قدموں میں ایک عجیب سی پھرتی تھی۔

فجر ابھی کچھ سمجھ پاتی، اس سے پہلے ہی روحی اس سے آکر لپٹ گئی۔ ایک لمحے کو فجر حیران رہ گئی، اس کے ہاتھ ہوا میں معلق تھے، جیسے اسے یقین نہ آرہا ہو۔ روحی کی گرفت مضبوط تھی، جیسے وہ اسے کبھی چھوڑنا نہ چاہتی ہو۔ کچھ دیر بعد، وہ فجر سے الگ ہوئی، اس کے چہرے پر ایک پرجوش مسکراہٹ تھی۔

"میں نے آپ کو بہت مس کیا، فجر آپی!" اس کی آواز میں ایک عجیب سی معصومیت اور اپنائیت تھی۔ فجر نے اسے غور سے دیکھا۔ وہ پہلے سے کچھ کمزور لگ رہی تھی، مگر اس کی آنکھوں کے جگنو ویسے ہی چمک رہے تھے، جیسے وہ دنیا کی ساری چمک ان میں سموئے ہو۔

"کیا آپ میرے ساتھ ایک جوس پی سکتی ہیں؟" روحی نے التجا بھرے لہجے میں کہا، اس کی آنکھوں میں ایک امید تھی جسے فجر انکار نہ کر سکی۔ وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی۔ سمجھ نہ آیا اسے انکار کیسے کرے پھر اثبات میں سر ہلا کر اسکے ساتھ چل پڑی۔ مارکیٹنگ ٹیم اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

دونوں ہال کے ایک کونے میں بنے اسٹنگ ایریا کی طرف بڑھ گئیں۔ کچھ دیر دونوں خاموشی سے بیٹھی رہیں، جوس کے گلاس لبوں سے لگائے روحی اسے دیکھ کر مسکرا رہی تھی، اس کی مسکراہٹ میں ایک شرارت سی تھی۔ وہ فجر کو دیکھ دیکھ رک سرخ پڑ رہی تھی۔

"ایک بات کہوں؟" اس نے اجازت چاہی۔ فجر نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

"آپ نے میری برتھ ڈے پر صدام بھیا کو ریجیکٹ کیا، مجھے بہت مزہ آیا۔" روحی اچانک بولی، اس کی آواز میں ایک دبی ہوئی ہنسی تھی۔ فجر اس کی بات پر حیران رہ گئی۔ اس نے اپنی آنکھیں پھیلا کر روحی کو دیکھا، جیسے اسے یقین نہ آرہا ہو کہ یہ بات ایک پندرہ سالہ بچی کہہ رہی تھی۔

"وہ آپ کے ساتھ ویسے بھی سوٹ نہیں کرتے۔" روحی نے اپنا جوس کا گلاس نیچے رکھتے ہوئے مزید کہا، اس کے چہرے پر ایک سنجیدگی تھی۔

"میرا مطلب ہے، ان کی پرسنالٹی آپ جتنی سٹرانگ نہیں ہے۔"

اس نے اپنی بات کی وضاحت کی، اور فجر اس کی آخری بات پر مسکرا دی۔ اس بچی کی باتوں میں ایک عجیب سی گہرائی تھی۔

"پر آپ کے ساتھ وہاں اس دن جو سوٹ کر رہے تھے، وہ تھے رئیس انکل!" روحی کی اس بات نے فجر کو ایک بار پھر حیران کر دیا۔ رئیس؟ اس نے آنکھیں پھیلا کر روحی کو دیکھا۔

"اور آج یہاں۔۔۔" اس نے ہال میں نگاہ دوڑائی، اس کی نظریں کچھ تلاش کر رہی تھیں۔ پھر اس کی نظر ہیڈ ڈیزائنر کے ساتھ بات کرتے ولی پر پڑی۔

"وہ۔۔۔" اس نے انگلی سے ولی کی جانب اشارہ کیا۔ "ان کے فیس پر جو نشان ہے نا، لوگ اسے دیکھ کر ڈر جاتے ہوں گے، مگر مجھے وہ فیسنیٹ کرتا ہے۔ یہ نشان انہیں پاور فل بناتا ہے۔ وہ آپ کے ساتھ سوٹ کرتے ہیں جب وہ آپ کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔"

روحی جس قدر بے خوفی سے اپنے احساسات بتا رہی تھی، فجر اسے حیرت سے دیکھے جا رہی تھی۔ کچھ تو تھا اس بچی میں، جو اسے اپنی یاد دلا رہا تھا۔ اس کا بچپن اگرچہ غربت میں گزرا تھا، مگر اس کی شخصیت ایسی ہی بے باک اور گہری تھی۔

"وہ نشان کیوں؟" فجر نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے تجسس سے پوچھا۔

"کیونکہ میں روحی ہوں، اور مجھے scars فیسنیٹ کرتے ہیں۔"

اس نے کس قدر گردن اکڑا کر کہا۔ فجر اسے دیکھے رہ گئی۔ یوں لگا جیسے روحی اس کی پیرالل لائف جی رہی ہو۔

✿••✿••✿••✿

"یہ! یہی وہ جگہ ہے جو مجھے چاہیے۔ ہماری سلطنت کلیکشن کی شوٹ کے لیے یہ پرانی حویلی پرفیکٹ ہے۔ یہ زوال، یہ تاریخ، یہ ویرانی، یہ ہمارے ڈیزائنز کو ایک روح دے گی!" وہ اسکرین کو دیکھتے ہوئے کس قدر پرجوشی سے بولی۔ ولی جو اسکے عقب میں کھڑا تھا۔ یہ سنتے ہی اس کے چہرے کے تاثرات تن گئے۔

"میڈم! میں نے اس لوکیشن کے بارے میں معلومات اکٹھی کی ہیں۔ وہ حویلی شہر کے جس حصے میں ہے، وہاں سکیورٹی کے مسائل بہت زیادہ ہیں۔ پچھلے ہفتے ہی وہاں ایک بڑا واقعہ پیش آیا تھا۔"

فجر نے تھوڑا مڑ کر، پیشانی پر بل کے ساتھ پوچھا۔

"حفاظتی مسائل؟ ہم کوئی خزانہ دفن کرنے نہیں جا رہے، ایک فیشن شوٹ کرنے جا رہے ہیں۔ ہم دن کی روشنی میں جائیں گے، چند گھنٹوں کا کام ہے۔ تھوڑا بہت رسک تو ہر کام میں ہوتا ہے۔"

اور یہ پہلی بار تھا جب ولی اور نگزیب نے اس کے کسی حکم کو سر آنکھوں پر نہیں بٹھایا تھا۔

"تھوڑا بہت رسک اور واضح خطرے میں فرق ہوتا ہے۔ اس علاقے میں دن دیہاڑے وارداتیں عام ہیں۔ ہماری ٹیم میں مہنگے کیمرے، لائٹنگ کا سامان، اور سب سے بڑھ کر، کئی قیمتی ماڈلز ہوں گے۔ اور پھر آپ خود وہاں ہوں گی۔" اس کی آواز کا آخری حصہ ہلکا مگر پرزور تھا۔

فجر کو اس کا انکار کرنا ناپسندیدہ لگا۔

"میں جانتی ہوں میں وہاں ہوں گی! اور مجھے معلوم ہے کہ مجھے اپنی حفاظت کیسے کرنی ہے۔ مجھے یہ لوکیشن چاہیے، اور بس۔ اس کا تاثر کسی اور جگہ نہیں مل سکتا!" اس نے گویا فیصلہ سنایا۔ وہ ستائش سے لیپ ٹاپ کی اسکرین پر نظر آتی اس حویلی کو دیکھ رہی تھی۔ کچھ دیر بعد اس کی آواز سنائی دی۔

"ایم سوری میڈم! لیکن میں آپ کو اس کی اجازت نہیں دوں گا۔"

یہ ناقابل سماعت تھا۔ فجر نے جھٹکے سے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہ ٹیبلٹ ہاتھ میں تھامے پورے قد سے کھڑا تھا۔

"تم میرے پی اے ہو۔ تم بھول رہے ہو کہ تمہارا کام میرے شیڈول کو منظم کرنا ہے، نہ کہ میرے ڈیزائنز اور میری کریٹیوٹی پر پابندی لگانا۔ سلطنت اس طاقت اور ہمت کا اظہار ہے جو میں نے حاصل کی ہے۔ مجھے اس کے لیے وہی ڈرامائی پس منظر چاہیے جو میری روح کی عکاسی کرے۔"

ولی نے سرعت سے، اس کی بات کاٹی۔

"ایک خوبصورت تاثر کی قیمت ہماری ٹیم کی جان اور مال سے زیادہ نہیں ہو سکتی، میڈم! میں نے نہ صرف سکیورٹی رپورٹس دیکھی ہیں، بلکہ علاقے کے تھانے سے بھی بات کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ بھی دن کے وقت

مکمل سکیورٹی کی گارنٹی نہیں دے سکتے۔ کیا ہم محض چند تصاویر کے لیے اتنا بڑا جوا کھیل سکتے ہیں؟ خاص طور پر جب آپ کے پاس پہلے سے ہی سکیورٹی تھریٹس موجود ہوں؟؟"

اس کی آواز میں اب وہ احترام نہیں تھا جو پہلے تھا، بلکہ ایک برابری کا ٹکراؤ ہے۔ اس کے بدلتے روپ کو دیکھتے ہوئے وہ کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ ایک قدم پیچھے ہوا تاکہ وہ کھڑی ہو سکے اور فجر ایک قدم آگے بڑھی۔

"مت بھولو کہ تم میرے پی اے ہو گارڈ نہیں۔" اس نے باور کرانا ضروری سمجھا۔

ولی نے اس کی خود پر جمی شعلہ باز نظریں محسوس کرتے، ٹھوڑی سہلائی۔ پھر اس سے گویا ہوا۔

"میڈم! میرے کانٹریکٹ میں یہ شرط شامل ہے کہ میں اپنی مرضی استعمال کر سکتا ہوں جہاں مجھے لگے کہ آپ اپنی اور باقی سٹاف کی زندگی کو خطرے میں ڈال رہی ہیں۔ اور اس وقت، وہ جگہ آپ سب کی زندگیوں کے لیے واضح خطرہ ہے۔" اب کی بار وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بولا۔

"میری زندگی ہی رسک ہے۔ میں فجر معراج ہوں۔ میں نے اپنی جان بچانے کے لیے ایک حملہ آور کو مارا ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو، میں کسی پرانی حویلی میں فوٹو شوٹ سے ڈر جاؤں گی؟ یہ میری آرٹ ہے، میری جدوجہد کی عکاسی ہے! یہ میری آزادی ہے۔۔۔

یہ ایسے ہی چلے گی اور کس کانٹریکٹ کی بات رہے ہو تم؟ پی اے کسی کانٹریکٹ میں یہ سب نہیں لکھا ہوتا۔"

"یہ آزادی نہیں، یہ لاپرواہی ہے۔ اور میرا کام آپ کو اس لاپرواہی سے بچانا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کتنی بہادر ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ میں آپ کو کسی بھی ایسے خطرے میں نہیں ڈال سکتا جہاں آپ کو دوبارہ اپنی جان بچانے کی جنگ لڑنی پڑے۔ اس جگہ کے بارے میں کوئی نہیں جانتا، یہ محفوظ نہیں، اور پچھلے حادثے کے بعد یہ

ایک خطرناک فیصلہ ہو گا کہ ہم میڈیا اور ہجوم سے دور ایک غیر محفوظ جگہ پر جائیں۔" وہ سانس لینے کو رکا۔ دونوں جانب ایک عجیب سا شعلہ بھڑک رہا تھا۔ وہ جلانے کو تیار تھی اور وہ جلنے کو۔

"تو تم کہہ رہے ہو کہ میں یہ کلیکشن لانچ ہی نہ کروں؟ یا اپنی مرضی سے کوئی تخلیقی کام نہ کروں؟ تم مجھے روک رہے ہو؟" ابرو اچکا کر، تیز آواز میں سرخ چہرے سے پوچھا گیا۔ اسے لگ رہا تھا کسی بھی پل اس کے ہاتھ اس کی گردن تک پہنچ جائیں گے۔

"میں آپ کو روک نہیں رہا، میڈم!" اس نے ایک گہری سانس لے کر خود کو نارمل کیا۔

"میں آپ کو محفوظ رکھ رہا ہوں۔ میں آپ کے لیے ایک بہترین متبادل جگہ تلاش کروں گا جو آپ کی تخلیقی ضروریات کو بھی پورا کرے اور آپ کی حفاظت کو بھی یقینی بنائے۔ لیکن یہ حویلی نہیں۔"

فجر نے اس کی بات سنی، اس کی آنکھوں میں غصہ اور مایوسی تھی۔ وہ ولی کی حفاظت کی فکر کو سمجھتی تھی، لیکن اس کی اپنی تخلیقی آزادی اس کے لیے زیادہ اہم تھی۔

"تم بھول رہے ہو کہ میں نے تمہیں کیا کہا تھا؟ میں کسی کے سائے میں نہیں جیتی۔ اور نہ ہی میری تخلیقی آزادی پر کوئی پابندی برداشت کرتی ہوں۔ یہ میرا منار ہے، اور یہاں کے فیصلے میں کرتی ہوں۔" ملکہ نے حکم سنا دیا اور یہ سنتے ہی وہ اپنے اور اس کے درمیان موجود ایک قدم کا فاصلہ طے کرتے مزید قریب آیا۔

"جانتا ہوں میڈم یہ آپ کا منار ہے، اور اس منار میں سب سے قیمتی چیز آپ خود ہیں۔ اور میرا کام ہے، اس سب سے قیمتی چیز کی حفاظت کرنا۔ میں آپ کو اس خطرے میں نہیں ڈالوں گا، چاہے اس کا مطلب میری ملازمت کا خاتمہ ہی کیوں نہ ہو۔"

دونوں کی آنکھوں میں ایک دوسرے کے لیے احترام بھی تھا اور اپنے اپنے اصولوں پر قائم رہنے کا عزم بھی۔ فضا میں ایک عجیب سی خاموشی چھا گئی، جہاں فیشن، آرٹ، طاقت، اور تحفظ کے درمیان ایک ان دیکھی جنگ جاری تھی۔ فجر نے ایک لمبی سانس لی، اسے احساس تھا کہ ولی کا نقطہ نظر جذباتی نہیں بلکہ خالصتاً حفاظتی تھا۔ لیکن اس کے اندر کا فنکار اسے پیچھے ہٹنے پر آمادہ نہیں کر رہا تھا۔ وہ بنا کچھ کہے پلٹ گئی۔ جبڑے بھینچے اب اپنے ڈیسک کے سامنے کھڑی کنپٹی سہلا رہی تھی۔ چہرہ سرخ پڑ چکا تھا۔ ولی اپنی جگہ جما رہا۔

"جاؤ یہاں سے۔" کچھ دیر بعد اس کی آواز سنائی دی۔ وہ مزید اس شخص کو برداشت نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ولی نے گہرا سانس لیا اور پھر بنا کچھ کہے دروازے کی جانب قدم بڑھائے۔ دروازے کے قریب پہنچ کر اس کے قدم ساکت ہوئے۔ وہ پلٹا اور ایک نظر فجر کو دیکھا۔

"میں آپ کو روک سکتا ہوں یہ میرے کانٹریکٹ میں واضح لکھا ہے کہ میں آپ کو ایسے فیصلے کرنے سے منع

ں جن سے آپ کی اکانومی کیریئر کی لگی رسکی ہوں خطر" اسے میں نے پڑے۔ آپ میر

ٹھہر کر کہا اور پھر دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

اس لمحے، فیشن اور لوکیشن کا معاملہ ثانوی ہو گیا۔ فجر کے ذہن میں صرف ایک ہی سوال تھا آخر یہ شخص کون تھا؟ اور یہ اتنا سب کچھ کیسے جانتا تھا؟ اور اس سے بھی اہم بات، وہ کیوں اس کی حفاظت کے لیے اتنا فکر مند ہے کہ اس کی مرضی کے خلاف جا رہا تھا؟ سوال بہت تھے اور جواب ندارد!

✿••✿••✿••✿

وسیع و عریض ہال پر تاریکی کی دبیز چادر تنی تھی، جس کے آخری سرے پر دھندلکے میں ڈوبی ایک بڑی میز اور اس کے پیچھے ایک شاہانہ کرسی کا ہیولا سا نظر آ رہا تھا۔ چھت سے لٹکتا اکلوتا برقی قمقمہ، میز کے عین اوپر روشنی کا ایک

دائرہ بناتا ہوا، کرسی پر براجمان وجود کو منور کر رہا تھا۔ وہ ایک عورت تھی، سفید لباس میں ملبوس، جس کے آبشار کی طرح گرتے گھنے گھنگھریالے بال اس کے شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ قمقمے کی روشنی میں اس کا چہرہ کسی سنگِ مرمر سے تراشے ہوئے مجسمے کی مانند دمک رہا تھا۔ وہ بلا کی خوبصورت تھی، ایک ایسی خوبصورتی جس میں ایک عجیب سی وحشت، ایک پراسرار کشش پنہاں تھی۔ اس کے گھنگھریالے بالوں کے پیچ و خم سے جھانکتی اس کی صراحی دار گردن اور اس میں لرزاں ایک نہایت باریک، تقریباً نادیدہ زنجیر، قریب آنے پر ہی اپنی موجودگی کا احساس دلاتی تھی۔ اس زنجیر میں ایک ننھا سا لاکٹ آویزاں تھا۔ ایک سنہری چمکتا ہوا عنکبوت، جو روشنی پڑنے پر خفیف سی جوت دیتا۔ اس کا سفید پلازو پینٹ، اونچی گردن والی بغیر آستین کی قمیض، اور ان سب پر ایک نہایت شفاف، باریک گاؤن اس کے شانوں سے ڈھلکتا ہوا زمین کو چھو رہا تھا، جیسے دھند کی ایک لہر ہو۔ وہ جو بھی تھی، ایک بھیانک حسن کی مالک تھی۔

میز کی دوسری جانب، روشنی کے دائرے سے قدرے باہر، ایک اور نسوانی ہیولا کھڑا تھا۔ جب برقی قمقمے کی روشنی لمحہ بھر کو اس پر پڑی تو اس کا سراپا واضح ہوا۔ وہ کوئی اور نہیں، سونیا سلطان تھی۔ وہ بھی بلاشبہ حسین تھی، مگر اس کے حسن میں وہ آتش، وہ جاذبیت، وہ لرزہ خیز دلکشی نہ تھی جو کرسی نشین عورت کے ہر ہر انداز سے عیاں تھی۔

"کہو، کیسے آنا ہوا؟" کرسی پر بیٹھی عورت کی آواز، کسی قدیم ملکہ کی مانند، پرسکون مگر پرشکوہ، ہال کی خاموشی میں گونجی۔ لہجے میں ایک ملکوتی بے نیازی تھی۔

"جیسا آپ نے کہا تھا، فجر نے اس افغان کو ٹھکانے لگا کر اپنی جان بچالی ہے اور اپنی دنیا میں لوٹ آئی ہے۔" سونیا کی آواز میں احترام کے ساتھ ایک خفیف سی پریشانی جھلک رہی تھی۔

"مسئلہ صرف یہ ہے کہ وہ لڑکا، ولی اورنگزیب، اس کے ساتھ سائے کی طرح چپکا ہوا ہے۔"

یہ سن کر ملکہ کے تراشیدہ لبوں پر ایک پر اسرار، تقریباً فتح مندانہ مسکراہٹ رینگ گئی۔

"دیکھو تو سونیا! تم اپنا کوئی مہرہ منار میں نہ بٹھا سکیں، جبکہ رئیس، رئیس اور نگزیب وہاں تک جا پہنچا۔" اس کی آواز میں ایک عجیب سا فسوں تھا، جیسے کوئی منتر پھونک رہی ہو۔

"نجانے کیا طلسم ہے منار میں"، سونیا نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا، "جو وہاں قدم رکھتا ہے، وہیں کا اسیر ہو جاتا ہے۔"

یہ سنتے ہی ملکہ کا قہقہہ گونجا، ایک ایسا قہقہہ جس کی گونج میں بھی ایک عجیب سی دلکشی تھی، جو سننے والے کو مسحور کر دے۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا دراز قد، اونچی ایڑیوں کے باعث مزید دراز قد ہو گیا تھا۔ اس کا گاؤن ہوا میں لہرایا، اس کے آخری سرے فرش پر رقص کرنے لگے۔ کرسی کے عقب میں دیوار ایک وسیع نوٹس بورڈ کا منظر پیش کر رہی تھی، جس پر بے ترتیب انداز میں ان گنت چسپاں نوٹس، نئی پرانی دھندلی تصویریں، کچھ مبہم سے نقشے، ہندسوں کی بھرمار اور علامتیں بکھری ہوئی تھیں۔ پھر نگاہیں ایک واضح تکون پر مرکوز ہوئیں جس کے ایک کونے پر فجر کی تصویر تھی، دوسرے پر رئیس کی اور تیسرے پر ولی کی۔ وہ اب کسی شکاری شیرنی کی سی خاموش ادا سے نوٹس بورڈ کے سامنے کھڑی تھی۔ تکون کی ایک جانب، قدرے الگ، ارسل کا چہرہ بھی ایک تصویر کی صورت موجود تھا۔ اس کی مڑی ہوئی پلکیں اٹھیں اور نگاہیں اس نشان زدہ چہرے والے لڑکے پر ٹھہر گئیں۔

"دلچسپ! بہت دلچسپ!" وہ سرگوشی کے انداز میں بولی، مگر اس کی آواز میں ایک فاتحانہ جھنکار تھی۔ "سب کچھ ویسا ہی ہو رہا ہے جیسا ہونا چاہیے تھا۔" ایک لمحے کو وہ رکی، جیسے کسی گہری سوچ میں گم ہو، پھر اس کے لبوں پر وہی پر اسرار مسکراہٹ لوٹ آئی۔ "مگر لگتا ہے اب منار میں ظاہر ہونے کا وقت آن پہنچا ہے۔"

اس کے آخری الفاظ ہال کی فضا میں ایک پیش گوئی کی طرح معلق ہو گئے، اور برقی قمقمے کی روشنی میں اس کے سنہری عنکبوت کا لاکٹ ایک بار پھر پراسرار انداز میں چمک اٹھا۔

✿••

ہر نیا دن اس کے لیے ایک نئی جنگ کا آغاز تھا، ہر صبح سورج کی کرنیں امید کے بجائے ایک نئے محاذ کی خبر لے کر آتیں، جہاں الفاظ کے تیر اس کے دل کو چھلنی کرنے کے لیے تیار ہوتے۔ تبصروں میں اس کی محنت، اس کے خوابوں اور اس کی کہانی کو تار تار کیا جاتا، جیسے ہر قاری اس کے ادبی وجود کو مٹانے پر تلا ہو۔ وہ جانتی تھی کہ ایک فنکار کے لیے تنقید ایک ناگزیر حقیقت ہے، مگر اس قدر شدید اور ذاتی حملے اس کے حوصلے کو پست کر رہے تھے۔ ہر منفی رائے ایک زخم بن کر اس کے تخلیقی سفر کو مزید مشکل بنا رہی تھی، لیکن اس کے باوجود وہ ہر روز قلم اٹھاتی اور اپنی جنگ لڑتی رہتی۔

اپنی دو کامیاب کتابوں اور خواتین کے حقوق کے لیے اپنی توانا آواز کی وجہ سے ایک ابھرتی ہوئی لکھاری، اب ایسے موڑ پر آ کھڑی ہوئی ہے جہاں وہ لکھنا چھوڑ دینا چاہتی تھی؟ لیکن وجہ کیا تھی؟ وجہ المناک تھی۔

فلک کی نئی کتاب پر جہاں بے شمار مثبت تبصرے آ رہے تھے، وہیں ایک شدت پسند مذہبی گروہ کی جانب سے اسے شدید تنقید کا نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ ان کا مؤقف تھا کہ فلک مغربی نظریات کو فروغ دے کر معاشرتی اقدار کو پامال کر رہی ہے اور خواتین کو بے راہ روی کی طرف دھکیل رہی ہے۔ سوشل میڈیا پر فلک کے خلاف ایک منظم مہم چلائی گئی جس میں اسے دھمکیاں دی گئیں اور اس کے خلاف فتوے صادر کیے گئے۔

اسی دوران ایک دن فلک کو انسٹا پر ایک میسج موصول ہوا۔ دوسری طرف ایک لڑکی تھی، جس کی آواز میں شدید خوف تھا۔ وہ روتے ہوئے کچھ کہہ رہی تھی۔

"السلام علیکم، فلک آپی! میں سحر بات کر رہی ہوں۔"

اس کی سسکیاں واضح تھیں۔

"آپ کی وہ قاری، جس نے آپ کی کتاب پُر فریب پڑھنے کے بعد جینے کا حوصلہ پایا تھا میں نے سوچا، اب میں بھی سر اٹھا کر جیوں گی، اپنی پہچان بناؤں گی، تعلیم حاصل کروں گی، لیکن۔۔"

بھرائی ہوئی آواز میں ایک اور ہچکی سنائی دی۔

"آپ نے لکھا تھا کہ عورت کو اپنی آواز بلند کرنی چاہیے، اپنے حقوق کے لیے لڑنا چاہیے۔ میں نے وہی کیا، آپ کی کتاب نے مجھے ہمت دی تھی۔ میں نے اپنے بھائیوں سے بات کی، ان سے کہا کہ میں پڑھنا چاہتی ہوں، میں اپنی زندگی کے فیصلے خود کرنا چاہتی ہوں۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں غلام نہیں ہوں، میں انسان ہوں۔

اور بدلے میں مجھے کیا ملا؟ تشدد! مجھے مارا گیا، پیٹا گیا، اور اب۔۔۔ اب مجھے گھر میں قید کر دیا گیا ہے۔ یہ چار دیواری میری قبر بن گئی ہے۔ مجھے لگتا ہے جیسے میری روح پنجرے میں بند ہو گئی ہے۔

آپ نے اپنی کتاب میں لکھا تھا کہ یہ اکیسویں صدی ہے، عورتیں آزاد ہو چکی ہیں لیکن، آپ کو نہیں معلوم، اس مڈل کلاس معاشرے میں آج بھی ایسے مرد پائے جاتے ہیں جو اپنی ہی گھر کی عورتوں کو غلام سمجھتے ہیں۔ انہیں لگتا ہے کہ عورت کی کوئی حیثیت نہیں، کوئی پہچان نہیں۔ وہ صرف ان کے حکم کی پابند ہے۔

میں چیخنا چاہتی ہوں، چلانا چاہتی ہوں! لیکن میری آواز گلے میں ہی گھٹ کر رہ گئی ہے۔ مجھے ڈر ہے، مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ کیا میری زندگی ایسے ہی ختم ہو جائے گی؟ کیا میرا خواب، آپ کی کتاب کا پیغام، سب یونہی مٹی میں مل جائے گا؟"

آواز مزید مدھم ہو گئی، صرف سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔ فلک کے ہاتھ کپکپا اٹھے، اس کا پورا وجود سناٹوں کی زد میں آ گیا۔

"مجھے نہیں معلوم میں کیا کروں۔ بس آپ کو بتانا چاہتی ہوں، کہ آپ کی کتاب نے مجھے جو روشنی دکھائی تھی، وہ بجھنے والی ہے۔ میں ٹوٹ گئی ہوں، بکھر گئی ہوں۔ مجھے بچا لیجیے۔ کوئی تو مجھے بچا لے۔۔۔۔"

وائس میسج ختم ہو گیا۔ موبائل اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر گیا۔ وہ سناٹوں میں کھڑی رہ گئی۔ لڑکی کے رونے کی سسکیاں اب تک سنائی دے رہی تھیں۔

اسے یہ وائس میسج بری طرح جھنجھوڑ گیا کہ اس کی تحریر، جو وہ خواتین کو بااختیار بنانے کے لیے لکھتی تھی، کسی کی زندگی کے لیے اتنا بڑا وبال بن گئی تھی۔ اسے یہ احساس ہوا کہ اس کے الفاظ صرف حوصلہ ہی نہیں دیتے، بلکہ بعض اوقات معاشرتی حالات کی وجہ سے خواتین کی زندگیوں کو مزید خطرے میں بھی ڈال سکتے تھے۔ وہ وہیں نرم قالین پر بیٹھتی چلی گئی۔

اور اس وقت اسے اپنا آپ ایک ناکام لکھاری لگا جس کے الفاظ کسی کی اذیت کا سبب بن گئے تھے۔ سحر کی آواز، اس کے آنسو، اور اس کے جسم پر لگے زخم فلک کے ذہن میں پیوست ہو گئی اور پھر اس حادثے کا اس پر اتنا گہرا اثر پڑا کہ اس نے سوچ لیا وہ مزید نہیں لکھے گی۔

اسکا تخلیقی ذہن مکمل طور پر مفلوج ہو چکا تھا، اسے ڈر تھا کہ اگر وہ دوبارہ لکھے گی تو مزید کتنی لڑکیوں کو تشدد کا نشانہ بننا پڑے گا۔ اسے اپنے لکھے ہوئے ہر لفظ پر شک ہونے لگا اور اسے یہ یقین ہو گیا کہ اس کی تحریر اب کوئی مثبت تبدیلی نہیں لا سکتی، بلکہ صرف مزید مسائل پیدا کرے گی۔ وہ اب لکھنا چھوڑ دینا چاہتی تھی۔ اس کا قلم اس کے ہاتھ میں بے جان ہو گیا تھا۔ اس کے الفاظ دم توڑ گئے۔

اس نے معاشرے میں ایک ایسا شعلہ بھڑکا دیا تھا جس کی لپیٹ میں آنے والی لڑکیوں کو اسے دیکھ کر مزید جرات ملتی مگر ان کے اپنے لوگ ہی ان کو نقصان پہنچائیں گے۔ کیا اپنے بھی تکلیف دے سکتے ہیں؟ وہ اکثر خود سے پوچھتی مگر، اس کا جواب وہ لڑکیاں جانتی تھیں جنہوں نے اپنے نازک گالوں پر اپنے باپ بھائیوں سے چانٹے کھائے تھے، جن کی سماعت نے اپنے بارے میں ایسے القابات سنے کہ ان لڑکیوں کو اپنی ہی نظروں میں گرا دیا گیا۔ یہ تو ایک سحر تھی جس کی کہانی سن کر اس نے لکھنے سے ہاتھ روک لیا تھا مگر ایسی ہزاروں سحر، پر رات زندہ ہونے کے باوجود اپنے ہی گھر میں دم توڑ جاتی تھیں۔ انہیں بچانے کون آتا؟

✿••✿••✿••✿

شام کے سنہری سائے قدیم، پر اسرار حویلی کے در و دیوار پر لمبے ہو رہے تھے۔ ڈوبتے سورج کی آخری کرنیں، خستہ حال جھروکوں سے چھن چھن کر اندر آ رہی تھیں اور گرد آلود راہداریوں میں ایک عجیب سا، دلکش اور پر اسرار سا ماحول پیدا کر رہی تھیں۔ حویلی، جو صدیوں کی داستانیں اپنے سینے میں دبائے خاموش کھڑی تھی، آج ایک جدید فیشن شوٹ کی گواہ بن رہی تھی۔

سلطنت کلیکشن کا نام ہی اپنے اندر ایک خاص شکوہ و جلال رکھتا تھا، اور اس کے ملبوسات اس نام کی بھرپور عکاسی کر رہے تھے۔

بھاری بھرکم، شاہانہ ملبوسات میں ملبوس ماڈلز، حویلی کے مختلف گوشوں میں پوز دے رہی تھیں۔ سنہری تاروں سے کڑھے نقش و نگار، قیمتی پتھروں کی جڑاؤ، دبیز مخمل اور شاہانہ ریشم کا استعمال، ہر لباس کو طاقت، جلال اور بقا کی ایک لازوال داستان بنا رہا تھا۔ ماڈلز کے چہروں پر عزم و ہمت کے تاثرات، ان کے انداز میں ایک شاہانہ وقار تھا، جیسے وہ

تاریخ کے اوراق سے نکل کر آئی ہوں۔ کیمروں کی فلیش لائٹس بار بار چمک رہی تھیں، اور ڈائریکٹر کی ہدایات ہوا میں گونج رہی تھیں۔

فجر ایک ستون کے پاس کھڑی، بازو سینے پر باندھے، پوری توجہ سے شوٹ کا جائزہ لے رہی تھی۔ اس کے چہرے پر اطمینان اور ایک خاص قسم کی ضد کا تاثر تھا۔ وہ ضد جس نے اسے ولی کے ہزار بار منع کرنے کے باوجود اس ویران اور پراسرار حویلی میں شوٹ کرنے پر مجبور کیا تھا۔ پوری ٹیم، اگرچہ اس جگہ کے ہیبت ناک سکوت اور جلد اندھیرا چھا جانے کے خوف سے کام میں تیزی دکھا رہی تھی، مگر ہر کوئی اس غیر معمولی منظر کشی سے متاثر بھی تھا۔ وہ جلد از جلد اپنا کام ختم کر کے اس جگہ سے نکل جانا چاہتے تھے۔

اس کے بعد سے فجر اور ولی، کے درمیان ایک غیر محسوس سی سرد مہری چھائی ہوئی تھی۔ دونوں کے درمیان صرف کام کی حد تک گفتگو ہوتی تھی۔

"ولی لائٹس ٹھیک ہیں؟" فجر نے بغیر اس کی طرف دیکھے پوچھا۔ اپنے نام کی پکار پر اس کے اندر کچھ ہوا تھا۔ مگر وہ بھی انجان بنا رہا۔

"جی میڈم، سب پرفیکٹ ہے۔" اس کی آواز میں پیشہ ورانہ لاتعلقی نمایاں تھی۔ نہ فجر نے اسے مزید کچھ کہا، نہ اس نے کوئی غیر ضروری بات کی۔

ابھی وہ لوگ کام میں مصروف ہی تھے کہ اچانک باہر سے کئی بڑی گاڑیوں کے ٹائروں کی چرچراہٹ اور انجنوں کی گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ دھول کا ایک چھوٹا سا طوفان اٹھا جب چمکتی ہوئی سیاہ گاڑیاں، ایک کے بعد ایک، حویلی کے صدر دروازے کے سامنے آ کر رکیں۔ ان گاڑیوں کی شان و شوکت اور ان سے اترنے والے لوگوں کا انداز بتا رہا تھا کہ یہ کوئی معمولی لوگ نہیں تھے۔

سب سے پہلے مضبوط، سیاہ وردیوں میں ملبوس، تربیت یافتہ سیکیورٹی گارڈز تیزی سے نیچے اترے اور انہوں نے پوزیشنیں سنبھال لیں۔ پھر ایک گاڑی کا دروازہ کھلا اور مراد عالم اپنے پُر شکوہ انداز میں باہر نکلا۔ اس کے پیچھے اس کی پوری ٹیم، رئیس گروپ کے اہم اراکین، نمودار ہوئے۔

انہیں دیکھتے ہی فجر ٹھٹک گئی۔ اس کے خوبصورتی سے تراشے ہوئے ماتھے پر کئی شکنیں ایک ساتھ ابھر آئیں۔ آنکھوں میں ناگواری اور الجھن کا ملا جلا تاثر تھا، جیسے کسی ناپسندیدہ حقیقت کا سامنا ہو گیا ہو۔ اس کی ساری توجہ اب شوٹ سے ہٹ کر ان نئے آنے والوں پر مرکوز ہو چکی تھی۔

دوسری طرف، ولی کے تناؤ زدہ چہرے پر ایک واضح سکون کی لہر دوڑ گئی۔ اس نے بے اختیار ایک گہرا سانس لیا، جیسے سینے پر دھرا کوئی بھاری بوجھ اتر گیا ہو۔ رئیس گروپ کی آمد، خصوصاً ان کی مضبوط سیکیورٹی ٹیم کی موجودگی، ان کے لیے کسی غیبی مدد سے کم نہ تھی۔ اب اسے کم از کم ٹیم کی حفاظت کی فکر نہیں تھی اور یہ اہتمام اس نے ہی کیا تھا۔ کچھ دن پہلے جب فوٹو شوٹ کے لیے یہی حویلی فائنل ہوئی تھی اس دن اس نے مراد عالم کو فون کیا تھا۔

"ہاں چھوٹے بولو؟" دوسری جانب سے اس کی آواز ابھری اور پھر ولی نے اسے چند ہدایات کیں اور مدد مانگی۔

وہ پہلے منع کرتا رہا لیکن پھر اسے رئیس کے لیے یہ کرنا ہی تھا اور آج وہ یہاں موجود تھا۔

حویلی کی سنہری شام میں اب ایک نئی کشمکش اور طاقت کا کھیل شروع ہونے کو تھا۔

مراد عالم اپنی ٹیم کے ہمراہ گاڑیوں سے اترنے کے بعد، ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر، سیدھا فجر کی جانب بڑھا۔ اس کے قدموں میں وہی پر اعتماد آہٹ تھی جو اس کی شخصیت کا خاصہ تھی۔

فجر، جو اس اچانک آمد پر پہلے ہی ناگواری کا شکار تھی، اسے اپنی جانب آتے دیکھ کر مزید چوکنا ہو گئی۔

اس نے سیاہ، لمبی، گھیر دار اسکرٹ پہنی ہوئی تھی جو چلنے پر ہلکورے لیتی تھی، جس کے ساتھ تانبے کے رنگ کا ایک خوبصورت بلاؤز تھا جو شام کی سنہری روشنی میں چمک رہا تھا۔ اس کے سیاہ بال صفائی سے ایک اونچی پونی ٹیل میں بندھے تھے، جو اس کی گردن کی صراحی اور چہرے کے خوبصورت نقوش کو نمایاں کر رہے تھے۔ بھاگ دوڑ کے پیش نظر اس نے پاؤں میں آرام دہ لوفرز پہن رکھے تھے، مگر اس سادہ حلیے میں بھی اس کی دبلی پتلی قامت اور خود اعتمادی اسے منفرد بنا رہی تھی۔ اس لمبی کھلی اسکرٹ میں وہ واقعی دمک رہی تھی۔

مراد اس کے قریب آکر رکا، ایک خاص، معنی خیز مسکراہٹ اس کے لبوں پر تھی۔

"مکڑی کیسی ہو؟" اس کی آواز میں شرارت اور چھیڑنے کا انداز واضح تھا۔

فجر نے ناگواری سے اسے دیکھا، ماتھے پر بل اور گہرے ہو گئے۔

"آپ یہاں کیا کر رہے ہیں، مسٹر گوبلن؟" اس کا لہجہ سرد اور سپاٹ تھا۔

"دراصل ہم بھی یہاں اپنے نئے زیورات کے کلیکشن کے فوٹو شوٹ کے لیے آئے ہیں۔" اس نے پیچھے اپنی ٹیم کی طرف اشارہ کیا جو اب گاڑیوں سے بڑے بڑے باکس اور سامان نکال کر حویلی کے اندر لے جا رہی تھی۔ ان بکسوں پر رئیس جیولرز کا لوگو نمایاں تھا۔

فجر نے سینے پر ہاتھ باندھ لیے، اس کی نگاہیں مراد کے آدمیوں پر تھیں جو تیزی سے اپنا سامان وسیع و عریض صحن کے ایک حصے کی طرف منتقل کر رہے تھے۔

"کمال ہے! آپ کو پورے شہر میں یہی پراسرار، ویران حویلی ملی تھی شوٹ کے لیے؟" اس کی آواز میں طنز نمایاں تھا۔

اس کی بات سن کر مراد خباثت سے مسکرایا، اس کی آنکھوں میں ایک چمک تھی۔

"نہیں، جگہیں تو بہت ہیں۔ پر مجھے وہیں شوٹ کرنا تھا جہاں مکڑی اپنا جال بُن رہی ہو۔ سوچا، تھوڑا مقابلہ ہو جائے تو ماحول دلچسپ رہے گا۔"

"مقابلہ؟" فجر نے حیرت سے کہا۔ "آپ اسے مقابلہ کہتے ہیں؟ دوسروں کے کام میں ٹانگ اڑانے کو؟"

"ٹانگ اڑانا نہیں، اسے کہتے ہیں صحت مند مقابلہ۔" مراد نے ایک قدم اور قریب کیا۔ "ویسے تمہاری سلطنت تو کافی پھیلی ہوئی ہے، تھوڑی سی جگہ ہمارے معمولی سے زیورات کو بھی دے دو۔ آخر چمک دمک تو ایک ہی جیسی ہے۔"

"میرے کلیکشن کا تھیم طاقت اور بقا ہے، محض چمک دمک نہیں۔" فجر نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ "اور جہاں تک جگہ کی بات ہے، یہ حویلی اتنی چھوٹی بھی نہیں کہ دو ٹیمیں سما نہ سکیں۔ بس اپنی حدود کا خیال رکھیے گا۔" وہ وہاں سے نکل جانا چاہتی تھی مگر مراد کے الفاظ نے اسے روک لیا۔

"حدود؟ مکڑی سے بہتر حدود کون جان سکتا ہے؟" مراد نے قہقہہ لگایا، مگر اس کی ہنسی میں خلوص کم اور چیلنج زیادہ تھا۔ اس کے قہقہہ لگانے پر فجر نے گھور کر اسے دیکھا۔

"نن۔۔ نہیں۔۔ مجھے مت مارنا کیونکہ میرے قتل پر تمہیں رہائی نہیں ملے گی۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر کس قدر ڈرامائی انداز میں کہا۔ جبکہ فجر نے خاموش رہنا ضروری سمجھا وہ وہاں سے ہٹ گئی۔

اسی اثناء میں، حویلی کے بڑے کھلے صحن کے ایک کونے میں، جو غالباً کبھی شاہی نشست گاہ رہی ہو گی، مراد کی ٹیم نے قیمتی جیولری کے شوٹ کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ مخملی کپڑوں پر ہیروں، زمردوں اور یاقوت سے مزین

ہار، جھمکے، کنگن اور دیگر نفیس زیورات احتیاط سے نکال کر ڈسپلے کیے جا رہے تھے۔ روشنیوں کا انتظام کیا جا رہا تھا اور کیمرے سیٹ ہو رہے تھے۔ ان زیورات کی چمک دمک، حویلی کی قدامت اور فجر کے سلطنت کلیکشن کے بھاری بھرکم ملبوسات سے یکسر مختلف، ایک نئی، پر تعیش فضا پیدا کر رہی تھی۔

کچھ فاصلے پر، ایک قدیمی ستون سے ٹیک لگائے ولی یہ سارا منظر خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ملے جلے تاثرات تھے۔ مراد عالم کی موجودگی اسے ایک طرح کا تحفظ تو فراہم کر رہی تھی، مگر ان دونوں کی دیرینہ چپقلش کی وجہ سے وہ فضا میں ایک نئی کشیدگی بھی محسوس کر رہا تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ یہ شام ابھی اور بھی بہت سے رنگ دکھائے گی۔

✿••✿••✿••✿

وقت پر لگا کر اڑ گیا۔ سورج مغرب کی دہلیز پار کر چکا تھا اور حویلی کی قدیم دیواریں اب آسمان پر پھیلتی شفق کی سرخی اور گہری ہوتی رات کے نیلگوں سایوں میں ڈوب رہی تھیں۔ دونوں ٹیموں کے کیمروں کی آخری فلیش لائٹس چمکیں اور پیک اپ! کی صدائیں بلند ہوئیں۔ کئی گھنٹوں کی مسلسل محنت، تخلیقی توانائی کے اتار چڑھاؤ اور ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی خاموش دوڑ کے بعد، سلطنت کلیکشن اور رئیس جیولرز کے قیمتی زیورات کا شوٹ اختتام کو پہنچا تھا۔ ماڈلز تھکاوٹ سے چور اپنے شاہانہ ملبوسات اور زیورات اتارنے کی جلدی میں تھیں، جبکہ تکنیکی عملہ تیزی سے لائٹس، کیمرے اور دیگر ساز و سامان سمیٹ رہا تھا۔ ہوا میں ایک عجیب سی خاموشی اور سکون تھا، جو شدید مصروفیت کے بعد طاری ہوتا ہے۔

فجر نے اپنی ٹیم کو جلد از جلد سارا سامان گاڑیوں میں لوڈ کرنے کی ہدایت کی۔ اس کا ارادہ تھا، جتنی جلدی ہو سکے، اس پراسرار حویلی اور مراد عالم کی مزید مہمان نوازی سے بچ کر نکلا جائے۔ وہ ابھی اپنی ٹیم کو ہدایات دے ہی رہی

تھی کہ حویلی کے بیرونی دروازے پر ایک اور گاڑی آکر رکی۔ یہ ایک بڑی وین تھی، اور اس کے کھلتے ہی گرم گرم کھانے کی اشتہا انگیز خوشبو پورے صحن میں پھیل گئی۔

چند لمحوں میں مراد عالم کے آدمیوں نے حویلی کے وسیع و عریض صحن کے مرکز میں، جہاں کبھی شاید محفلیں سجتی ہوں گی، ایک بڑا سا دستر خوان بچھا دیا۔ تندوری روٹیاں، گرما گرم بریانی کی دیگیں، قورمہ، کباب اور سلاد سے سجے تھال تیزی سے دستر خوان پر چنے جانے لگے۔ کئی گھنٹوں کی بھاگ دوڑ اور ذہنی خواری کے بعد، دونوں ٹیموں کے اراکین بھوک سے نڈھال ہو رہے تھے۔ کھانے کی خوشبو نے ان کی بھوک کو مزید چمکا دیا تھا۔

فجر نے اپنی ٹیم کی طرف دیکھا۔ ان کے چہروں پر تھکاوٹ اور بھوک کے آثار نمایاں تھے۔ وہ دل ہی دل میں انہیں یہاں سے لے جانا چاہتی تھی، مگر اخلاقیات کا تقاضا کچھ اور تھا۔

"چلو، جلدی کرو گائز، ہمیں نکلنا ہے۔" اس نے قدرے اونچی آواز میں کہا۔ اس کا ارادہ ڈنر باہر کرنے کا تھا۔

"ارے ارے، مکڑی صاحبہ، اتنی جلدی کیا ہے؟" مراد عالم نے اپنے مخصوص پُر تکلف مگر شرارتی انداز میں اس کے پاس کہا۔

"جب اتنی محنت سے ایک دوسرے کے ساتھ کام کر ہی لیا ہے، تو کیوں نہ کھانا بھی ایک ساتھ کھا لیا جائے؟ یہ نہ ہو کہ تمہاری ٹیم بھوک سے راستے میں ہی کہیں **'سلطنت'** گنوا بیٹھے۔"

فجر نے اسے گھور کر دیکھا۔ "ہم اپنا انتظام خود کر سکتے ہیں، شکریہ۔"

"مجھے یقین ہے تم کر سکتی ہو۔" مراد نے مسکراتے ہوئے کہا، "مگر جب گرما گرم کھانا موجود ہے، اور وہ بھی اتنی محنت کے بعد، تو انکار کرنا زیادتی ہو گی۔ میری ٹیم بھی تمہاری ٹیم کے ساتھ مل کر کام کر کے خوش ہوئی بلکہ برداشت تو کیا ہی ہے۔"

فجر کشمکش میں تھی۔ اس کی ٹیم واقعی بھوکی تھی، اور مراد کے اصرار میں ایک ایسی بات تھی کہ انکار کرنا بدتہذیبی لگتا۔ بالآخر، اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے قدرے بے دلی سے کہا، "صرف آدھا گھنٹہ۔" سیکیورٹی کا اب مسئلہ نہیں تھا لیکن پھر بھی وہ جلد از جلد یہاں سے جانا چاہتی تھی۔

جلد ہی دونوں ٹیمیں، اپنے مالکان کی نوک جھونک سے بے نیاز، دستر خوان کے گرد جمع ہو گئیں۔ دن بھر کی مسابقت اور تناؤ کے بعد، کھانے کی میز پر ایک غیر رسمی سا ماحول بن گیا۔

مراد نے بریانی کی پلیٹ فجر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا،

"لو، آغاز کرو۔ سنا ہے سلطنتیں قائم کرنے کے لیے بہت توانائی درکار ہوتی ہے۔"

"اور کچھ سلطنتیں دوسروں کے علاقے میں بلاوجہ گھس کر اپنی توانائی ضائع کرتی ہیں۔" اس نے چمچ اٹھاتے جواب دیا۔

"بلاوجہ نہیں مکڑی!" مراد نے لقمہ لیتے ہوئے کہا، "اسے کہتے ہیں مارکیٹ میں اپنی موجودگی کا احساس دلانا۔ ویسے، تمہارے وہ بھاری بھرکم شاہی جوڑے دیکھ کر تو میرے نازک سے زیورات بھی شرما گئے۔ کیا ارادہ ہے، اگلا شوٹ کسی میدانِ جنگ میں کرنے کا؟" اس نے کس قدر تجسس سے پوچھا۔

"کم از کم میرے کلیکشن میں ایک کہانی ہے، ایک مقصد ہے۔" فجر نے جواب دیا، "صرف چمک دمک نہیں جو آنکھوں کو خیرہ کر دے اور بس۔ اور ہاں، میدانِ جنگ کا آئیڈیا برا نہیں، وہاں بھی **'سروائیول'** ہی اہم ہوتا ہے۔ جو کہ میں کر لوں گی۔"

مراد ہنسا۔ "لگتا ہے آج مکڑی واقعی جال بُننے کے موڈ میں ہے۔ چلو، اسی بات پر ایک اور کباب؟"

اس ساری گفتگو کے دوران، ولی کہیں دکھائی نہیں دیا۔ فجر نے گردن موڑ کر اسے ڈھونڈا اور تب وہ اسے صحن کے ایک جانب نسبتاً پر سکون گوشے میں مغرب کی نماز پڑھتے دکھائی دیا۔ جائے نماز بچھی ہوئی تھی اور وہ تشہد کی حالت میں تھا۔ اس کے چہرے پر پانی کے ہلکے ہلکے قطرے تھے اور وہ اس قدر مگن نظر آ رہا تھا کہ فجر کا ہاتھ ہوا میں ہی معلق رہ گیا۔ ولی کی توجہ، اس کا انہماک، ہر چیز سے بے خبر ہو کر اپنے رب کے حضور جھکنا، فجر کو بس مبہوت کر گیا۔ وہ پلک جھپکنا بھول گئی، بس اسے دیکھے گئی۔ اس کے دل کی حالت عجیب ہو چکی تھی۔ جیسے کائنات ساکت ہو گئی ہو، زمان و مکان کے سارے بندھن ٹوٹ گئے ہوں۔ دستر خوان کا سارا شور، ساری چہل پہل، دور کہیں جا سوئی تھی۔ اب بس چاروں جانب ایک گہرا، پر سکون خاموشی کا راج تھا۔ دل کی دھڑکن بھی جیسے مدھم پڑ گئی تھی، اور روح کو ایک ایسی راحت ملی تھی جو اس نے پہلے کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ اس لمحے، حویلی کی پرانی دیواریں، صحن کے درخت، اور آسمان کے رنگ سب اس سکون کے گواہ بن گئے تھے۔ وہ اسے دیکھے گئی یہاں تک کہ وہ دعا مانگ کر اٹھ کھڑا ہوا اور پھر شوز ایک جانب کرتے ان کی جانب بڑھا۔ اب وہ صحن میں ننگے پاؤں چلتا ہوا ان کی جانب آ رہا تھا اور فجر کی تصور میں ایک جھماکہ سا ہوا۔

مسجد کا منظر، تیز بارش، مسجد کا صحن بارش کے شفاف پانی سے بھرا ہوا تھا اور اس منظر میں، کلمہ شہادت پڑھنے کے اور ایجاب و قبول کے بعد وہ بیگ کندھے پر لٹکائے، کیمرہ ہاتھ میں تھامے، شفاف پانی میں قدم دھرتا اس کی جانب بڑھ رہا تھا۔

"میم فجر۔۔۔؟ آپ کھا نہیں رہی ہیں؟" اچانک ایک لڑکی کی آواز نے اسکا سکتا توڑا۔ وہ چونک کر حال میں لوٹی۔ وہ واپس آچکا تھا اور اب دستر خوان کے دوسرے کونے پر اس سے فاصلہ رکھ کر بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔

وہ اس ماحول میں مکمل طور پر اجنبی لگ رہا تھا۔ فجر نے کئی بار اس کی خاموشی کو محسوس کیا۔ اس کی یہ غیر معمولی خاموشی فجر کو کھٹک رہی تھی۔ کیا وہ اب بھی اس جگہ شوٹ کرنے کے فیصلے پر ناراض تھا، یا مراد کی موجودگی اسے ناگوار گزر رہی تھی، یا پھر کوئی اور ہی بات تھی جو اسے پریشان کر رہی تھی؟ اور وہ اس کی ناراضی کو لے کر پریشان کیوں ہو رہی تھی؟

حویلی کے صحن میں مصنوعی روشنیوں کے بیچ، دو فیشن گروپس کی ٹیمیں، ایک ساتھ کھانا کھا رہے تھیں، جبکہ ان کے مالک اپنی لفظی جنگ جاری رکھے ہوئے تھے۔ فجر نے ایک اور نگاہ ولی پر ڈالی، اس کی خاموشی اب بھی ایک سوالیہ نشان تھی۔ یہ کھانا، یہ جگہ، یہ لوگ، سب مل کر ایک عجیب، ناقابل فراموش منظر تشکیل دے رہے تھے۔

✿••✿••✿••✿

حویلی میں ہونے والے فوٹو شوٹ اور پر تکلف کھانے کے بعد، دونوں کمپنیوں کی ٹیمیں اپنے اپنے راستے پر گامزن ہو چکی تھیں۔ منار کی ٹیم اپنے سامان کو رکھنے کے لیے منار کی جانب روانہ ہو چکی تھی، جبکہ فجر، ولی کے ساتھ گاڑی میں خاموش بیٹھی تھی۔ گاڑی میں ایک گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی، جو ان دونوں کے درمیان ایک ان کہی کہانی

بیان کر رہی تھی۔ ولی سنجیدگی سے گاڑی چلا رہا تھا، اس کی نظریں سڑک پر مرکوز تھیں، جب اس نے فجر کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔

"میڈم، آپ کو آفس جانا ہے یا گھر چھوڑ دوں؟"

اس کی آواز پر فجر کسی گہرے خیال سے چونک کر باہر نکلی۔ اس کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے الجھن ابھری، پھر وہ ٹھہر کر بولی۔

"اگر تم فری ہو تو مجھے کچھ کام ہے، پہلے وہ کرنا ہے۔"

فجر کے بتانے پر ولی نے صرف ہاں میں سر ہلایا، اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ فجر کے ذہن میں کیا چل رہا ہے، مگر اس کی خاموشی اور چہرے پر چھائی سنجیدگی بتا رہی تھی کہ یہ کوئی معمولی کام نہیں ہے۔ کچھ دیر بعد ان کی گاڑی ایک بڑے مال کے سامنے آکر رک گئی۔ فجر نے اپنے چہرے پر ماسک لگایا اور گاڑی سے باہر نکلی۔ ولی بھی اس کے ساتھ ہی نکلا، اس کے قدم خود بخود فجر کے پیچھے اٹھ رہے تھے۔ مال کے اندر داخل ہونے کے بعد فجر نے ایک ٹرالی گھسیٹی اور اپنے بیگ سے ایک مڑی ہوئی چٹ نکالی، جس پر سودا سلف کا سامان لکھا ہوا تھا۔ وہ چٹ پر لکھی ہر چیز کو غور سے دیکھتی، پھر نہایت احتیاط سے ٹرالی میں ڈالتی جاتی۔ یہ کوئی عام خریداری نہیں لگ رہی تھی۔ اس نے کافی سارا سامان خریدا، جس میں آٹا، چاول، دالیں، چینی، تیل اور دیگر بنیادی اشیائے خورونوش شامل تھیں۔ ہر چیز کو اس نے الگ الگ تھیلوں میں ڈلوایا، اور پھر سارا سامان چار مختلف جگہوں پر الگ الگ کیا گیا۔ ولی اسے حیرت سے دیکھتا رہا۔ فجر کے چہرے پر کوئی جذبہ نہیں تھا، وہ بس ایک مشین کی طرح اپنا کام کر رہی تھی۔ جب سارا سامان گاڑی میں رکھا گیا، تو فجر نے اسے ایک پتہ بتایا۔ ولی نے پتہ دیکھا اور چونک گیا۔ یہ اس کے پرانے

گھر کا پتہ تھا۔ وہ جو پہلے اسے سامان لیتے ہوئے دیکھ رہا تھا، اب کچھ کچھ سمجھنے لگا تھا۔ اس کے ذہن میں سوالات کا ایک ہجوم امڈ آیا تھا، مگر اس نے خاموشی اختیار کی، فجر کی حالت دیکھ کر وہ کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں کر پایا۔

کچھ دیر بعد ان کی گاڑی پرانے محلے کی تنگ گلیوں میں داخل ہو چکی تھی۔ محلے کی فضا میں ایک عجیب سی پرانی بو رچی ہوئی تھی، جو ماضی کی یادوں کو تازہ کر رہی تھی۔ فجر گاڑی میں ہی بیٹھی رہی، باہر نہیں نکلی۔ اس نے ولی کو کچھ کیش تھمایا اور پھر وہ سامان پیسوں سمیت چار مختلف گھروں میں دیا گیا۔ ولی نے خود یہ سارا کام کیا، وہ ہر گھر کے دروازے پر جاتا اور دروازہ کھٹکھٹا کر سامان اور پیسے دے کر واپس آ جاتا۔ اس کام میں تقریباً ایک گھنٹہ لگ گیا۔ جب ولی واپس آیا، تو فجر سیٹ سے سر ٹکائے بیٹھی تھی، اس کی آنکھیں بند تھیں اور چہرے پر ایک گہری تھکن چھائی ہوئی تھی۔

ولی نے گاڑی سٹارٹ کی، مگر اس کے ذہن میں اٹھے سوالات اسے چین نہیں لینے دے رہے تھے۔ اس نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔

"ان گھروں میں سامان دینے کی خاص وجہ؟" اس کے نشان زدہ چہرے پر الجھن صاف دکھائی دے رہی تھی۔

فجر نے آنکھیں کھولیں، اس کی نظریں دور خلا میں تھیں۔ اس کی آواز اذیت بھری تھی، جیسے وہ ماضی کے کسی گہرے کنویں سے بول رہی ہو۔

"یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے میرے باپ کے کفن دفن کا انتظام کیا تھا۔ جنہوں نے ان کے مرنے کے بعد چند دن ہمارے گھر کھانا بھجوایا تھا۔"

اس کی آواز میں اذیت تھی مگر چہرہ سپاٹ تھا۔ اسے آج بھی وہ دن نہیں بھولا تھا۔ وہ آج بھی اسی اذیت میں تھی۔ اسے یاد تھا، اس نے اپنی دو ماہ کی سیلری اور جمع پونجی ارسل کو مہنگے گفٹس دینے میں لٹا دی تھی اور جب باپ مرا تو اس کے پاس کفن کے پیسے بھی نہیں تھے۔ یقیناً اماں کے پاس ہوں گے، مگر وہ صدمے میں تھیں، خود کو سنبھالنے کے قابل نہیں تھیں۔ محلے کے ان گھروں نے اس وقت عزت سے انہیں دفنا دیا تھا، ایک لمحے کے لیے بھی انہیں احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ کتنی بے بس ہیں۔ یہ احسان اس کے دل پر ایک بوجھ بن کر رہ گیا تھا۔ جب سے اس نے اپنا کام شروع کیا تھا وہ ہر مہینے کبھی کیش بجھواتی تو کبھی سودا سلف! شاید ان گھروں میں سے کچھ مرد اس دنیا سے جا چکے ہوں۔ وہ اپنا قرض اتارنے کی کوشش کر رہی تھی جو پچھلے اڑھائی سال سے اتر ہی نہیں رہا تھا۔

گاڑی میں بھیانک خاموشی چھا گئی۔ ولی ہونٹ بھینچے بیٹھا رہا۔ وہ اس درد کو محسوس کر سکتا تھا جو فجر کی آواز میں تھا۔ جبکہ فجر کا وجود سلگ رہا تھا۔

کون کہتا ہے لڑکیاں ہیل کر جاتی ہیں؟ لڑکیاں کبھی ہیل نہیں کرتیں۔ وہ اپنے زخموں کو چھپا لیتی ہیں۔ کبھی میک اپ کی تہہ میں تو کبھی ہنسی کے پیچھے۔ وہ ارسل کے دیے گئے دھوکے سے آگے بڑھ آئی تھی، مگر وہ اس اذیت سے کبھی نہیں نکل پائی جو اس نے سہی تھی۔

باپ کے کفن کے پیسے نہ ہونا، وہ بے بسی، وہ شرمندگی، وہ اسے آسانی سے بھول نہیں سکتی تھی۔ وہ زخم آج بھی تازہ تھا، خون رستا ہوا، اسے ہر سانس کے ساتھ یاد دلاتا کہ زندگی نے اسے کیا دکھ دیے تھے۔ گاڑی کی کھڑکی سے باہر تیزی سے گزرتے مناظر بھی اس کے اندر کی طوفانی کیفیت کو کم نہیں کر پا رہے تھے۔ اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی تھی، مگر وہ اسے ضبط کر گئی، ولی کے سامنے وہ کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی۔ اس نے ہمیشہ کی طرح اسے گھر ڈراپ کیا اور پھر گاڑی وہیں چھوڑ کر چلا گیا۔ فجر شکستہ قدموں سے گھر کے اندر داخل ہو گئی۔

✿••✿••✿••✿

شہر کے قلب میں واقع، رئیس اورنگزیب کا "**رئیس ایمپائر**" صرف ایک شاپنگ مال نہیں تھا بلکہ یہ رئیس گروپ کی شان و شوکت اور رئیس اورنگزیب کے دبدبے کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ یہ اس کا وہ خواب جس کی تکمیل کے لیے اس نے کئی سال انتھک محنت کی تھی اور جو چھ مہینے پہلے ہی مکمل ہوا تھا۔

اس کی وسیع و عریض عمارت، جدید فن تعمیر کا شاہکار، آسمان کو چھوتی ہوئی شیشے کی دیواروں سے رات چاندنی اندر سموئے ہوئے تھی۔ ہر قدم پر سنگ مرمر کی چمکتی ہوئی فرش، چھت سے لٹکتے کرسٹل کے جھومر، اور دیواروں پر آویزاں نادر و نایاب فن پارے، یہ سب اس جگہ کی بے مثال عیش و عشرت کا اعلان کر رہے تھے۔

آج رئیس ایمپائر کا ماحول معمول سے ہٹ کر تھا۔ عام دنوں میں جہاں خریداروں اور گھومنے پھرنے والوں کا ایک جم غفیر ہوتا تھا، آج وہ ہال وے مکمل طور پر خالی تھے۔ صرف چند لمحوں کے لیے، رئیس کے حکم پر، یہ پورا مال عام لوگوں سے خالی کروا دیا گیا تھا تاکہ ایک خاص دورہ ممکن ہو سکے۔ اس وقت، رئیس خود، اپنی کڑی سیکیورٹی کے ہمراہ، دنیا کے چند مشہور ترین بین الاقوامی برانڈز کے نمائندوں کو مال کا دورہ کروا رہے تھا۔ اس کی چال میں ایک خاص وقار تھا، ہر قدم پر اعتماد اور مضبوط۔ اس کے چہرے پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ تھی، جو اس بات کا اشارہ دے رہی تھی کہ وہ ایک بڑے معاہدے کے دہانے پر تھا۔

وہ ایک نفیس تھری پیس سوٹ میں ملبوس تھا، قیمتی گھڑی کی چمک اور بیش قیمتی انگوٹھی کی چمک اس کی شخصیت کو مزید نمایاں کر رہی تھی۔ اس کی گہری، بااثر آواز مال کے خالی ہال ویز میں گونج رہی تھی، جب وہ بین الاقوامی نمائندوں کو مال کی خصوصیات، اس کے ڈیزائن اور اس کی مارکیٹ کی صلاحیت کے بارے میں بریف کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ چلنے والے نمائندے، جو خود بھی عالمی فیشن اور تجارت کی دنیا کی اہم شخصیات تھے، حیرت اور متاثر

کن نظروں سے مال کا جائزہ لے رہے تھے۔ان کی آنکھوں میں چمک تھی،وہ رئیس اور نگزیب کی اس عظیم الشان کاوش کو سراہ رہے تھے۔

مال کے اندر، صرف وہ دکانیں کھلی تھیں جو پاکستان کے معروف برانڈز کے آؤٹ لیٹس تھے۔ان دکانوں کے اندر سے ہلکی روشنی اور خوشبو باہر آرہی تھی،جو ایک عجیب سی کشش پیدا کر رہی تھی۔رئیس اور نگزیب نے ان برانڈز کی کامیابی اور پاکستان میں ان کی مقبولیت کے بارے میں بھی بتایا، جس سے نمائندوں کو پاکستانی مارکیٹ کی صلاحیت کا اندازہ ہوا۔وہ ہر سیکشن سے گزرتے، کبھی کسی خالی جگہ پر رک کر مستقبل کے منصوبوں پر بات کرتے، کبھی کسی دکان کے سامنے کھڑے ہو کر اس کی کامیابی کی داستان سناتے۔

رئیس اور نگزیب کا دبدبہ صرف اس کی شخصیت میں ہی نہیں تھا بلکہ اس کے ہر اشارے، ہر لفظ اور ہر حرکت میں جھلک رہا تھا۔ان کی سیکیورٹی ٹیم، عروزہ سمیت جو بلیک سوٹ میں ملبوس تھی، ایک آہنی دیوار کی طرح ان سب کے گرد حلقہ بنائے ہوئے تھی،اس کی موجودگی ہی ماحول میں ایک خاص قسم کا رعب پیدا کر رہی تھی۔یہ دورہ صرف ایک بزنس میٹنگ نہیں تھی، بلکہ یہ رئیس اور نگزیب کی طاقت،اس کی بصیرت اور اس کے خوابوں کا ایک عملی مظاہرہ تھا، جسے وہ دنیا کے سامنے پیش کر رہے تھا۔اس کا مقصد واضح تھا۔ان مشہور بین الاقوامی برانڈز کو پاکستان میں، اپنے مال میں، اپنے قدم جمانے کی دعوت دینا۔اور اس کی ساکھ اور اس کے کام کی بدولت ہی ان بڑے برانڈز نے اپنے نمائندے اس دورے کے لیے بھیجے تھے۔

مال کا ہر گوشہ، ہر لائٹ، ہر شیشے کا پینل، رئیس اور نگزیب کی کامیابی کی کہانی سنا رہا تھا۔

✿••✿••✿••✿

فجر اپنے کمرے میں تھی، جہاں ایک گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی، جو اس کے اندر کے طوفان سے بالکل برعکس تھی۔ وہ ڈھیلے ڈھالے کپڑوں میں واش روم میں داخل ہوئی، جہاں دیوار گیر آئینے کے سامنے کھڑی منہ ہاتھ دھو رہی تھی۔ ٹھنڈے پانی کے چھینٹے اس کے چہرے پر پڑ رہے تھے، جو اس کے اندر کی بے چینی کو کسی حد تک کم کرنے کی کوشش میں تھے۔ جیسے ہی اس نے منہ دھونے کے بعد آنکھیں کھولیں، اسے ایک زوردار جھٹکا لگا۔ اس کی بے ساختہ چیخ ابھری، ایک ایسی چیخ جو خوف، اذیت اور بے بسی کا امتزاج تھی۔ آئینے میں اس کے عین پیچھے، اس کا اپنا عکس ابھر رہا تھا۔ ایک خوفناک، بھیانک عکس۔ ہاتھ میں برونز کا خون سے لت پت مجسمہ تھامے، اس کے کپڑوں پر خون کے چھینٹے، چہرہ اور بال خون آلود! وہ بالکل ویسے ہی کھڑی تھی جیسے اس لعش کے پاس، جسے اس نے اپنی جان بچانے کے لیے مار دیا تھا۔

عدالت نے اسے رہا کر دیا تھا، قانون کی نظر میں وہ بے گناہ تھی، مگر اس کے اپنے اندر کے عفریت کبھی کبھی، اس کی کمزوریوں کو، اس کے ماضی کے تاریک ترین لمحوں کو اس کے سامنے لا کھڑا کرتے تھے۔ وہ اس تکلیف سے کبھی باہر نہیں نکل سکتی تھی۔ وہ سنک کو دونوں ہاتھوں سے مضبوطی سے تھامے کھڑی تھی، اس کے ہاتھ لرز رہے تھے، جسم پسینے میں شرابور تھا۔ یہ منظر اس کے لیے ایک زندہ حقیقت تھا، ایک ایسا زخم جو کبھی مندمل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے آنکھیں میچ لیں۔ زور سے، جیسے وہ اس بھیانک سچائی کو اپنی نظروں سے اوجھل کرنا چاہتی ہو۔ کچھ دیر بعد جب اس نے آنکھیں کھولیں، تو پیچھے کچھ نہیں تھا۔ آئینہ صاف تھا، اس کا عکس معمول کے مطابق دکھائی دے رہا تھا۔ یہ صرف ایک وہم تھا، ایک اذیت ناک فریب، جو اس کے ذہن نے دباؤ کے عالم میں تخلیق کیا تھا۔

وہ جب دباؤ کا شکار ہوتی تھی تو اس کی ساری اذیتیں اور ساری تکلیفیں اس کے سامنے آن کھڑی ہو جاتی تھیں۔ وہ وقتی طور پر بھول جاتی تھی کہ وہ منار کی سی ای او تھی، اس نے کم عمری میں اپنی محنت اور اپنی لگن کی بدولت اپنا نام،

اپنی پہچان بنائی تھی۔ وہ ایک کامیاب، بااثر خاتون تھی، مگر ڈپریشن ایسی ہی بیماری ہے۔ جو ہمارے ذہن سے ساری اچھی یادیں چھین لیتا ہے اور ہمیں اذیت کے تپتے صحرا میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ یہ بیماری اس کے ذہن پر ایک گہرے سائے کی طرح چھائی ہوئی تھی، جو اسے کبھی کبھی اس کی کامیابیوں سے بے خبر کر دیتی تھی اور صرف اس کے زخموں کو نمایاں کرتی تھی۔

وہ واش روم سے باہر نکل آئی۔ اس کی سانسیں ابھی بھی تیز تھیں، دل سینے میں زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ میز پر پڑے شوڈبے سے ٹشو نکال کر اس نے چہرہ صاف کیا۔ گھڑی پر نظر پڑی، رات کے بارہ بج رہے تھے۔ پھر اس نے کمرے کے آئینے میں اپنا وجود دیکھا۔ صاف ستھرا چہرہ اور سوجی ہوئی آنکھیں۔ وہ شدید تھکان کا شکار تھی، مگر ایک بزنس مین یا وومن کبھی سکون کی نیند نہیں سو پاتا۔ مسئلے چاروں جانب سے انہیں گھیرے رکھتے ہیں، اور اس وقت اسے پیچھے اپنی گردن اور گردن کے نچلے حصے میں شدید درد کا احساس ہو رہا تھا۔ یہ درد اسے آج ہر چیز سے زیادہ محسوس ہو رہا تھا، آج کا دن اسے اس دن کی یاد دلا رہا تھا جب ارسل کے باپ نے اسے دھکے دے کر نکالا تھا۔ جب اس نے ولیم سے کورٹ میرج کی تھی، اماں نے اسے بیلن سے مارا تھا اور ابا مر گیا تھا۔ دل کو اس نے سمجھا لیا تھا، ارسل کا دھوکہ، اماں کی مار، یہ سب اس نے بھلا دیا تھا، مگر اماں کی دی گئی چوٹ کبھی پیچھا نہیں چھوڑ پائی تھی۔ اگر وہ زیادہ کام کر لیتی یا زیادہ دیر بیٹھی رہتی، خاص طور پر سردیوں میں، اس کے جسم پر لگی یہ چوٹ خوب اثر کرتی، اسے ہر لمحہ اپنی بے بسی اور ماضی کی تکلیف یاد دلاتی۔

اس نے لائٹ بند کی، کمرے میں ایک مدھم سا لیمپ روشن کیا۔ اس کی روشنی کمرے میں ایک اداس سا ماحول پیدا کرنے لگی۔ وہ بستر پر نیم لیٹ گئی، لحاف گردن تک اوڑھ لیا، جیسے وہ دنیا کی تمام تکلیفوں سے خود کو چھپانا چاہتی ہو۔

آج اسے ابا یاد آرہا تھا۔ پتا نہیں کیوں، پر وہ اکثر یاد آتا تھا۔ اس نے کبھی ظاہر نہیں کیا تھا، مگر ماں باپ کی ساری دی تکلیفیں ایک جانب اور ان سے محبت ایک جانب تھی۔ اس وقت وہ نہ ملکہ ملعون تھی، نہ منار کمپنی کی سی ای او اور نہ مشہور کاسٹیوم ڈیزائنر۔ وہ ایک عام سی لڑکی تھی، ایک عام سی بیٹی، جس کا باپ مر گیا تھا اور جسے اپنا باپ یاد آرہا تھا۔

وہ اکیلی تھی، اس کا کوئی ولی نہیں تھا۔ اس نے اپنی جان بچانے کے لیے ایک جان لے لی تھی۔ یہ سوچیں اسے اندر ہی اندر کھائے جا رہی تھیں۔ وہ نارمل سی زندگی، جس کی اس نے کبھی خواہش کی تھی، وہ اسے شاید ہی کبھی مل پاتی۔ اس کی ہیزل رنگ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔ جنہیں وہ ہتھیلی سے رگڑتے ہوئے آنکھیں بند کر کے لیٹ گئی۔ جانے کتنی دیر سوچیں اسے کھاتی رہیں اور پھر پتا نہیں کب وہ سو گئی۔ اس کا تھکا ہارا وجود گہری نیند کی آغوش میں چلا گیا، جہاں شاید کچھ دیر کے لیے اسے اس کی اذیتوں سے چھٹکارا مل سکے۔

✿••✿••✿••✿

اگلی صبح اس کے عفریت نے اسے کندھے سے پکڑ کر اٹھا دیا تھا۔ رات والے جذبات غائب تھے۔ رات والی کمزور لڑکی ایک بار پھر دم توڑ گئی تھی۔ سڑک پر گاڑیاں رواں دواں تھیں اور ابر آلود موسم نے فجر کے موڈ کو بہتر کر دیا تھا۔

وہ خود ڈرائیونگ کرتے ہوئے آفس جا رہی تھی کہ اس کی نظر گردیزی ٹیکسٹائل کے سامنے والے بس اسٹاپ پر پڑی۔ بس اسٹاپ کی پیچھے کافی دور گردیزی ٹیکسٹائل کھڑی چمک رہی تھی۔ فیکٹری جل گئی تھی مگر ہیڈ آفس ویسا ہی تھا۔

ایک لحظے کو اسے لگا جیسے وقت تھم گیا ہو۔ وہی بس اسٹاپ، وہی سناٹا، اور وہی تنہائی۔ آج یہاں ایک لڑکی اکیلی بیٹھی تھی، سفید لباس میں ملبوس، بالکل اسی طرح بے حس و حرکت جیسے سالوں پہلے وہ خود بیٹھی تھی۔ فجر کے ذہن میں ماضی کے دھندلے نقش ابھر آئے، وہ لمحہ جب وہ زندگی سے مایوس ہو کر خود کو ختم کرنے چلی تھی، اور اگر ولیم نہ ہوتا تو آج وہ زندہ نہ ہوتی۔

فجر نے ایک نظر ڈالی اور پھر شیشے جیسی صاف سڑک پر اپنی گاڑی آگے بڑھالی۔ یہ انڈسٹریل علاقہ تھا، جہاں ویرانی اور سناٹا قدم جمائے ہوئے تھا۔ چند ہی گاڑیاں دکھائی دیتی تھیں جو تیزی سے گزر جاتیں۔ کچھ دور جا کر اس کی گاڑی رک گئی۔ فجر کچھ دیر گاڑی میں بیٹھی سوچتی رہی۔ اس کا دل عجیب کشمکش میں مبتلا تھا۔ بالآخر اس نے ایک گہرا سانس لیا اور گاڑی سے باہر نکل آئی۔ مالٹے رنگ کی زمین کو چھوتی فراک میں اس کی رنگت دمک رہی تھی۔ گلے میں اسکارف تھا اور چشمہ بالوں میں جما لیا تھا۔ وہ قدم قدم چلتے ہوئے بس اسٹاپ تک پہنچی اور اس لڑکی سے کچھ فاصلہ رکھ کر بیٹھ گئی۔ لڑکی کے گھنگریالے بال کندھوں پر بکھرے تھے، اور وہ یوں بیٹھی تھی جیسے سانس بھی نہ لے رہی ہو۔ اس کے برعکس، فجر اپنے پروقار انداز میں بیٹھی تھی۔ کمر سیدھی، گردن اونچی، اس کی شخصیت میں ایک مضبوطی اور وقار جھلک رہا تھا۔

فجر نے ایک نظر اس لڑکی پر ڈالی اور پھر آسمان کی طرف دیکھا۔ موسم کی اداسی اور لڑکی کی حالت نے اس کے اندر کا پرانا زخم تازہ کر دیا تھا۔ پھر وہ گویا ہوئی۔

”عربی کہاوت ہے کہ اگر تم مرنا چاہتے ہو تو خود کو سمندر میں پھینک دو، تو تم دیکھو گے کہ تم خود کو بچانے کی کوشش کر رہے ہو، تب تم جانو گے کہ تم خود کو نہیں مارنا چاہتے بلکہ تمہارے اندر کوئی شے ہے جسے تم مارنا چاہتے ہو۔“

لڑکی نے آواز سن کر سر اٹھایا۔اس کی آنکھوں میں گہری اداسی اور تھکن تھی۔

"ختم کرنا چاہتی ہو؟ کس چیز کو؟ اپنی زندگی کو یا اپنے اندر کی اس کیفیت کو جو تمہیں پریشان کر رہی ہے؟"

"میں اپنے اندر کی رائٹر کو مارنا چاہتی ہوں پر وہ مرتی ہی نہیں ہے۔" شہد رنگ آنکھوں والی فلک نے تاسف سے جواب دیا۔

اس نے فلک کی طرف دیکھا اور پھر ایک دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"تین سال سے زائد عرصہ پہلے، میں یہیں بیٹھی تھی۔ حالات سے تنگ آکر مر جانا چاہتی تھی۔ تب مجھے ایک شخص نے کہا تھا کہ سالوں بعد جب تم ایک اچھی زندگی جی رہی ہو گی، تب تمہیں اپنے اس فیصلے پر ہنسی آئے گی۔"

ابر آلود آسمان تلے، بس اسٹاپ پر فلک نے فجر کو دیکھا۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں ایک سوال تھا، اور گھنگھریالے بال چہرے پر بکھرے ہوئے تھے۔ وہ خوبصورت تھی، مگر اس حسن پر مایوسی کی گرد جمی ہوئی تھی۔

فجر کی بات نے اسے چونکا دیا تھا، جیسے کسی نے اس کے اندر کے تار کو چھیڑ دیا ہو۔ پھر اس کی آواز سنائی دی۔

"ہر کوئی تمہارے جیسا بہادر نہیں ہوتا کہ اپنی جان بچانے کے لیے کسی حد تک چلا جائے۔" فلک نے دھیمی، تقریباً سرگوشی جیسی آواز میں کہا۔

فجر چونک کر اسے دیکھا۔ "تم مجھے جانتی ہو؟"

"فجر معراج کو کون نہیں جانتا؟" فلک کے لبوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ آئی، جو فوراً غائب ہو گئی۔

"اور تم کون ہو؟"

"میں فلک عالمگیر ہوں، اور یونہی دنیا سے چلی جاؤں گی، بنا اپنا خواب پورا کیے۔"

فجر کے کان کھڑے ہو گئے، یہ نام اس نے سنا تھا۔ آج کل اس مصنفہ پر متنازعہ کتاب لکھنے پر کافی تنقید چل رہی تھی، جس نے لڑکیوں کی پہچان اور حقوق پر زور دیا تھا۔ یہ نام ادبی حلقوں اور سوشل میڈیا پر چھایا ہوا تھا۔

"فلک عالمگیر؟ یعنی مصنفہ فلک عالمگیر؟" فجر کی آنکھوں میں ستائش ابھری۔

"ہاں، وہی! جو بے بس ہے اور کچھ نہیں کر سکتی۔" فلک نے ہلکا سا سر ہلایا۔

فجر نے غور سے اسے دیکھا۔ "تو تم یہاں بیٹھی ہو کیونکہ تم اپنے اندر کی رائٹر کو مارنا چاہتی ہو؟" اسے تاسف ہوا۔

"ایسے رائٹر کا کیا فائدہ جو کچھ نہ کر سکے۔ جو معاشرے میں بگاڑ پیدا کرے؟" اس نے سوالیہ نظروں سے فجر کو دیکھا۔

"اور تم نے لوگوں کی باتوں کو سچ مان لیا؟" فجر نے حیرت سے سوال کیا۔

"اور کیا کروں؟ ہر طرف سے تنقید، دھمکیاں، میرا پبلشر بھی پیچھے ہٹ رہا ہے۔ مجھے لگتا ہے میں نے غلطی کی، یہ سب لکھ کر۔" فلک نے اپنے گھنگھریالے بالوں کو انگلیوں سے سہلاتے اپنے اندر کی تکلیف مٹانا چاہی۔

فجر نے پر سکون مگر پختہ لہجے میں کہا۔ "غلطی تم نے نہیں کی، غلطی اس معاشرے کی ہے جو سچ سننے کو تیار نہیں۔ تم نے لڑکیوں کو ان کی پہچان یاد دلائی، ان کے حقوق کی بات کی۔ یہ غلط نہیں ہے۔"

"لیکن اس کی قیمت بہت زیادہ ہے۔ اس کی قیمت معصوم لڑکیاں چکا رہی ہیں۔" اس نے کرب سے کہا۔

"اور تم یہ سب چھوڑ کر یہاں بیٹھی ہو؟" فجر نے اپنی کمر مزید سیدھی کی، اس کی آواز میں اب کھلا چیلنج تھا۔ "تمہاری کتاب نے ہزاروں لڑکیوں کو آواز دی۔ کیا تم انہیں بیچ راستے میں چھوڑ دو گی؟ تم اتنی بزدل نہیں لگتی ہو۔"

"میں تھک گئی ہوں۔ میں مزید لڑ نہیں سکتی۔" فلک نے سر جھکایا۔

"لڑنا تو پڑتا ہے۔ ہر اس شخص کو جو کچھ نیا کرنا چاہتا ہے، کچھ مختلف سوچنا چاہتا ہے۔ تمہاری تحریر نے اگر معاشرے میں آگ لگادی ہے تو سوچو کہیں کچھ غلط ضرور ہے اور تم اسے چھوڑنا چاہتی ہو؟ یہ تو خودکشی کرنے سے بھی مشکل ہے۔"

فلک خاموش رہی۔ وہ جتنی الجھن، کشمکش اور جس قدر تکلیف کا شکار تھی یہ وہی جانتی تھی۔ کچھ دیر بعد فجر کی آواز پھر ابھری۔

"اگر رائٹنگ چھوڑ رہی ہو تو ابھی مر جاؤ۔ میں یہ نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتی ہوں۔" اس کے لہجے میں ایک گہری وارننگ تھی۔ فلک نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"اور اگر بریک لے رہی ہو، تو منار ضرور آنا۔ شاید تمہیں ہمت مل جائے۔"

اس نے ایک آخری نظر فلک پر ڈالی، جس کی آنکھوں میں اب بھی حیرت تھی۔ فجر اٹھ کھڑی ہوئی اور پھر اپنے پروقار انداز میں واپس اپنی گاڑی کی طرف چل دی۔ فلک یونہی حیران اور ساکت بیٹھی رہ گئی۔ اس کے ذہن میں فجر کے الفاظ گونج رہے تھے، جیسے کسی نے سوئے ہوئے جذبات کو جگادیا ہو۔

✿••✿••✿••✿

وہ اپنے آفس میں پاور کرسی پر بیٹھی تھی، سامنے ڈیزائنز کے خاکے پھیلے تھے مگر اس کا دھیان کہیں اور تھا۔

کافی دیر تک آفس میں گہرا سناٹا چھایا رہا پھر اس نے فون اٹھا کر ولی کا نمبر ملایا۔

"کم ان۔۔۔" باس جیسا حکم دے کر اس نے فون بند کر دیا۔ کچھ دیر بعد وہ دروازے پر دستک دیتا اندر داخل ہوا۔

"جی بولیں۔۔؟" وہ اس کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہا تھا۔

"سلطنت کلیکشن کی پیکیجنگ پر کیا فائنل ہوا ہے؟" فجر نے براہ راست کام کی بات کی۔

"میں نے رپورٹس آپ کے ڈیسک پر رکھ دی ہیں۔" اس نے روکھے پن سے جواب دیا۔

فجر نے ایک گہرا سانس لیا۔ یہ لہجہ اسے اور بھی غصہ دلا رہا تھا۔

"صرف رپورٹ رکھ دینے سے بات ختم نہیں ہو جاتی۔ کیا تم نے ان رپورٹس کو دیکھا ہے؟ تمہیں کوئی اعتراض نہیں؟ کوئی رائے نہیں؟"

"میری رائے کی اب کیا ضرورت ہے میڈم؟ آپ کو تو ہمیشہ اپنی ہی ضد پوری کرنی ہوتی ہے۔ جس طرح سلطنت کلیکشن کا فوٹو شوٹ ہوا، میری ساری رائے دھری کی دھری رہ گئی۔" اس کی آواز میں کڑواہٹ تھی۔ یہ سنتے فجر کی آنکھوں میں غصے کی چمک ابھری۔

"تو اب بھی وہ بات تمہارے دل میں بیٹھی ہے؟ میں نے اپنا کام کیا، اور تم ایک چھوٹی سی بات کا بتنگڑ بنا رہے ہو؟" وہ کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چھوٹی بات؟" اس نے سر اٹھایا۔ اس کی آنکھوں میں اب سرد پن تھا۔ "میں نے آپ کو اس حویلی کی خستہ حالی اور وہاں کے خطرات کے بارے میں تفصیل سے بتایا تھا۔ میں نے کہا تھا یہ ہماری ماڈلز اور عملے کے لیے محفوظ نہیں

ہے۔ لیکن آپ نے سنی ان سنی کر دی۔ یہ صرف میری رائے نہیں، یہ ہماری ذمہ داری کا معاملہ تھا۔" فجر کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر گویا ہوئی۔ اس کے الفاظ زہریلے تھے۔

"میں نے سوچا تھا کہ تم پروفیشنل ہو۔ جو کام کہہ دیا جائے، وہ بس کر دیا جائے۔ اپنی ذاتی رائے کو بیچ میں نہ لایا جائے۔"

"میری ذاتی رائے نہیں تھی، میڈم! وہ پیشہ ورانہ خدشات تھے۔" اس نے اپنی آواز کو قابو میں رکھنے کی کوشش کی۔ "میں نے آپ کو اس جگہ کے بارے میں تمام حقائق بتائے تھے، لیکن آپ کو صرف اپنی مرضی کرنی تھی۔ آپ کی انا آپ کے فیصلے پر غالب آ گئی۔"

فجر کے چہرے کی رنگت بدلی۔

"میری انا؟ تمہاری انا تو آسمان چھو رہی ہے! اس دن کے بعد سے تم نے مجھ سے بات کرنا بند کر دیا، جیسے میں نے کوئی ذاتی توہین کر دی ہو۔" اس کی خاموشی پتا نہیں اتنی کیوں چبھ رہی تھی۔

"میں نے صرف اپنے اصولوں کی پاسداری کی ہے۔" ولی نے کہا۔ "جب میری بات کی کوئی قدر نہیں، تو پھر خاموش رہنا ہی بہتر ہے۔" نخرہ تو آسمان چھو رہا تھا۔

"اب تم اس حد تک جاؤ گے کہ میرے کام میں بھی میری مدد نہیں کرو گے؟"

ولی نے ایک لمحے کو اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"آپ زیادہ سوچ رہی ہیں میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ بلایا تو آپ نے بھی مجھے نہیں۔" فجر کی آنکھیں پھیلیں۔

"محترم ابھی پچھلی رات ہی میں آپ کو اپنے ذاتی کام سے لے کر گئی تھی۔ بھول گئے؟" آواز دھیمی مگر تیز تھی۔

"جی مجھے یاد ہے۔" وہ یونہی ڈھیٹ بنے کھڑا رہا۔ فجر نے چند لمحے اسے دیکھا۔ یوں تو یونہی سہی۔ اب وہ اسے پروفیشنل طریقے سے ہی نبٹے گی۔ اس نے ولی کو جانے کا کہا جو بنا کچھ کہے کمرے سے نکل گیا اور پھر فون اٹھا کر ایچ آر کال ملائی۔ اب انہیں کچھ ہدایات دے رہی تھی۔

✿••✿••✿••✿

فجر نے اسٹوڈیو سے نکلتے ہی اپنا سیل فون کان سے ہٹایا۔ دن بھر کی گہما گہمی اور میٹنگز نے اسے تھکا دیا تھا، مگر اس کے قدموں میں پھر بھی ایک خاص قسم کا عزم تھا۔ وہ اپنے دفتر کی طرف بڑھ رہی تھی، جہاں ڈھیروں فائلیں اور نامکمل پروجیکٹس اس کا انتظار کر رہے تھے۔ کوریڈور میں مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی اور دور کہیں سے ٹیلی ویژن پر چلتی خبروں کی آواز آ رہی تھی۔

اس کی نظریں اچانک بائیں جانب پڑیں، جہاں لفٹ کے بالکل سامنے، روحی کھڑی تھی۔ وہ آج پھر منار میں گھوم رہی تھی، اپنے ہی خیالات کی دنیا میں مگن۔ فجر نے اسے کئی بار یہاں دیکھا تھا۔ روحی اسے پہلے سے بھی زیادہ دبلی پتلی لگ رہی تھی۔ اس کے بال پہلے سے بھی زیادہ چھوٹے، اور رنگت زرد ہو چکی تھی۔ جیسے زندگی کا سارا رنگ اس میں سے نچڑ گیا ہو لیکن اسکے وجود سے وہ چمک اور اس کی باتوں سے وہ کھنک نہیں گئی تھی۔

روحی نے فجر کو دیکھتے ہی ایک شرارتی سی مسکراہٹ کے ساتھ ہاتھ ہلایا۔ اس کی آنکھوں میں ایک چمک تھی، ایک عجیب سی معصومیت جو اس کے ناتواں وجود سے مطابقت رکھتی تھی۔ روحی کو فجر سے جانے کیا انسیت تھی۔

وہ اسے دیکھتے ہی لپک کر لپک کر اس کی جانب آئی۔

"ہیلو فجر آپی! کیسی ہیں؟" اس کی آواز میں ایک خاص قسم کی چہک تھی۔

فجر نے ایک دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا، "میں ٹھیک ہوں۔" فجر کے چہرے پر ہمیشہ کی طرح سنجیدگی طاری تھی، مگر روحی کو اس کی عادت ہو گئی تھی۔

اس نے اپنا سر جھٹکا اور پھر اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔

"آپ ہمیشہ اتنی سنجیدہ کیوں رہتی ہیں؟ آپ کو کبھی ہنسی نہیں آتی؟"

فجر نے کوئی جواب نہیں دیا، بس ہلکا سا مسکرا دی۔ ذہن کئی پروجیکٹس میں الجھا ہوا تھا۔ ابھی لیگل ٹیم نے بتایا تھا کہ ایک کمپنی جسکے ساتھ دو پروجیکٹس تھے اور جن پر انہوں نے ہرجانے کا کیس کیا تھا۔ وہ پروجیکٹ جاری رکھنے پر مان گئی تھی جبکہ باقی دو کمپنیاں ٹف ٹائم دے رہی تھیں۔

"وہ ہم پر الٹا لیگل ایکشن لینے کی دھمکی دے رہے ہیں۔" جنید نے قدرے سنجیدگی سے بتایا۔

"تو آپ لوگ اس سے نبٹیں۔ لیگل ٹیم کو کس لیے رکھا ہے؟" وہ میٹنگ میں یہ بات واضح کر آئی تھی کہ وہ لوگ پیچھے نہیں ہٹیں گے۔

"میں آپ کو ایک لطیفہ سناؤں؟" روحی کی آواز پر وہ چونک کر واپس لوٹی۔

"ایک بار ابا کو بجلی کا جھٹکا لگا۔ وہ ہسپتال گئے اور ڈاکٹر نے پوچھا، "کیا ہوا؟" ابا نے کہا، "میں نے ہاتھ لگایا تو مجھے جھٹکا لگا!" ڈاکٹر نے کہا، "تو پھر دوبارہ لگایا کیوں؟" ابا نے کہا، "میں نے سوچا شاید یہ ایک ہی بار لگتا ہے۔"" اس کے سنانے کا انداز اتنا ڈرمائی تھا کہ وہ دھیما سا مسکرائی۔

"آپ کو ہنسی نہیں آئی؟" اس نے چلتے چلتے گردن آگے گرا کر فجر کے چہرے کی طرف دیکھا۔ ہاتھ پیچھے بندھے ہوئے تھے۔ وہ ایسے ہی گھومتی پھرتی تھی۔ ہاتھ پیچھے باندھے کر جیسے کوئی بادشاہ اپنی سلطنت میں۔

"چلیں ایک اور سناتی ہوں۔"

یقیناً! یہاں ایک مزید لطیفہ ہے:

ایک چور ایک بینک میں داخلہ ہوا اور بولا، "پیسے ہاتھ پر دو، یا موت کا جھٹکا!"

بینک کے منیجر نے جواب دیا، "پیسے ہاتھ پر دو، موت کا جھٹکا ہمیں ہر روز ملتا ہے!"

اس بات وہ مزید ہنس دی۔ ہونٹوں کے درمیان لکیر پھیل گئی۔ کچھ دیر پہلے والا دباؤ زائل ہونے لگا۔

"آپ ہنس رہی ہیں؟ روحی کو حیرت ہوئی۔ "چلیں اور سناتی ہوں۔"

"ایک بیوی اپنے شوہر سے کہتی ہے صدقہ دیا کرو اس سے بلا ٹلتی ہیں۔ اس پر شوہر بے ساختہ بولا کہ اچھا پھر تمہارے ابا نے کوئی بہت بڑا صدقہ دیا ہو گا جو ان کی ٹل گئی اور میرے سر پڑ گئی۔"

لڑکی پٹھان سے، "میری امی کو تم بہت پسند آئے ہو۔"

پٹھان شرماتے ہوئے بولا "کچھ بھی ہو پر ہم شادی تم سے ہی کرے گا، خالہ سے بولو ہم کو بھول جائے۔"

وہ نان سٹاپ سناتے جا رہی تھی اور فجر ہنستی گئی۔ روحی اسے ہنستے دیکھ رک خوش ہو رہی تھی۔

"ایک پہلوان کی ٹانگ نیلی ہو گی۔ حکیم کے پاس گیا۔ اس نے معائنہ کر کے بتایا،

"زہر پھیل رہا ہے ٹانگ کاٹنی پڑے گی۔"

تین دن بعد پہلوان کی دوسری ٹانگ بھی نیلی ہو گئی۔ دوبارہ حکیم کے پاس گیا۔ اس نے کہا۔ "یہ بھی کاٹنی پڑے گی۔" اس طرح اس کی دنوں ٹانگیں کاٹ کے پلاسٹک کی لگا دیں۔ چند دن بعد پلاسٹک کی ٹانگیں بھی نیلی ہو گئیں۔ وہ دوبارہ حکیم کے پاس پہنچا۔ اس نے معائنہ کیا اور کہا۔

"اب سمجھ آئی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، تمہاری دھوتی کا رنگ اتر رہا ہے۔"

استاد نے پوچھا۔ "اگر تمہارے دوست کو دو سو کی ضرورت ہو اور تمہارے پاس پانچ سو کا نوٹ ہو تم وہی نوٹ اس کے حوالے کرتے ہو تو وہ کتنے پیسے واپس کرے گا؟"

شاگرد: "کچھ بھی نہیں"

استاد: "تم حساب کے بارے کچھ نہیں جانتے۔"

شاگرد: "سر آپ ان بے غیرتوں کے بارے کچھ نہیں جانتے۔"

اس بار اس کا ابھرنے والا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"اسٹاپ۔۔" اس نے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ اپنی ہنسی پر قابو پاتے اسے چپ کرنے کو کہا۔ روحی اس بار خاموش ہو گئی وہ اسے دیکھے گئی۔

روحی کی موجودگی اسے عجیب سا سکون دیتی تھی۔ اس کی باتیں، اس کا ہنسی مذاق، سب کچھ فجر کے اندر کے دکھ کو کچھ لمحوں کے لیے بھلا دیتا۔

وہ دونوں اب اس کے آفس کے باہر کھڑی تھیں۔

"آپ ہنستے ہوئے اچھی لگتی ہیں۔" اس نے شرمیلے لہجے میں فجر کی تعریف کی جس نے بے ساختہ روحی کو دیکھا۔

"کیا تم ٹھیک ہو؟" فجر کو وہ پہلے سے زیادہ کمزور محسوس ہو رہی تھی۔ اس پر روحی کے چہرے کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ چہرے پر ایک رنگ آ کر گزرا اور چہرہ سپاٹ ہو گیا جبکہ آنکھیں جیسے زخموں سے بھر گئیں۔ وہ کئی پل اسے سپاٹ نگاہوں سے دیکھے گئی۔ فجر اس کے پل پل بدلتی رنگ دیکھ رہی تھی۔

"کیا آپ کو کبھی ایسا محسوس ہوا ہے کہ آپ کے جسم میں زہر ہے جو آپ کو ختم کر رہا ہے، مگر آپ کچھ نہیں کر سکتے؟"

یہ سوال ایسا تھا کہ فجر ٹھٹک کر رک گئی۔ اس نے حیرت سے روحی کو دیکھا، جیسے اسے یقین نہ آ رہا ہو۔ فجر نے پہلی بار اس پر اتنا غور کیا۔ روحی کا چہرہ سپاٹ تھا، لیکن اس کی آنکھوں میں کرب کا ایک سمندر تھا۔ فجر نے اس کے بازو پر نظر ڈالی، جہاں ہلکے نیلے نشان ابھرے ہوئے تھے۔ تب فجر کو ایک شدید احساس ہوا کہ روحی ٹھیک نہیں تھی۔ اس کی زرد رنگت، نقاہت، وہ نیلے نشان، یہ سب ایک ہی کہانی بیان کر رہے تھے۔

اور سچ تو یہ تھا، روحی کو بلڈ کینسر تھا۔ پچھلے دو سالوں سے وہ اپنی زندگی کی جنگ لڑ رہی تھی۔ فجر اسے بس دیکھتی رہ گئی۔ اس کے ذہن میں اپنے ماضی کی ایک بھیانک یاد نے اپنے پنجے گاڑ دیے تھے۔ وہ زہر، وہ اماں ابا کی آوازیں، وہ موت کے کنارے کھڑی فجر، سب کچھ ایک جھٹکے میں تازہ ہو گیا۔

"کیا آپ کو کبھی ایسا لگا ہے؟" روحی نے اسے پتھر کا بت خانے دیکھ کر دوبارہ سوال کیا، اس کی آواز میں ایک عجیب سی گہرائی تھی۔

فجر نے نفی میں گردن ہلائی۔ "نہیں۔۔۔" اس کی آواز حلق میں ہی اٹک گئی۔

روحی نے ایک دکھ بھری مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا اور پھر کہا۔

”آپ کو میرا یہاں آنا برا تو نہیں لگتا؟ مجھے نہیں پتا میں کب مر جاؤں گی۔ حالانکہ میں مرنا نہیں چاہتی۔ پھر بھی میں اپنی بچی ہوئی زندگی یہاں آپ سب کے ساتھ، خاص طور پر آپ کے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں۔ مجھے یہاں آنا اچھا لگتا ہے۔ مجھے یہاں حوصلہ ملتا ہے۔“

پندرہ سالہ روحی کس قدر سنجیدگی سے یہ سب کہہ رہی تھی کہ فجر اپنی جگہ جم گئی۔ وہ یونہی کھڑی رہی، اس کی آنکھیں روحی کے سپاٹ چہرے پر جمی تھیں۔ روحی نے مزید کچھ کہا، مگر فجر اسے سن نہیں پائی۔ اس کا دماغ جیسے سن ہو چکا تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ فجر کوئی جواب نہیں دے رہی تو وہ مڑ کر آہستہ آہستہ واپس چل دی۔ جب فجر یکدم اس بھیانک خیال سے جاگی تو اس نے فوراً اندر داخل ہوتے دروازہ بند کر لیا، جیسے وہ کسی خوفناک یاد سے بھاگ رہی ہو۔ روحی نے جو پوچھا تھا وہ اسے کہیں دور پیچھے کھینچ لے گیا تھا۔

وہ اپنی کرسی پر براجمان تھی، مگر اس کا ذہن فائلز کے انبار سے کہیں دور، اپنے ماضی کے تاریک گلیاروں میں بھٹک رہا تھا۔ سولہ سال کی وہ معصوم فجر، جسے دنیا کی ہر بات ایک کھلتی کلی کی مانند لگتی تھی۔ میٹرک کے امتحانات کے بعد، زندگی کے نئے باب کھلنے والے تھے، مگر پھر ایک پراسرار بیماری نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

وہ دن بدن کمزور ہوتی چلی گئی۔ جسم میں نقاہت ایسی کہ اٹھنا بیٹھنا محال۔ اس کا گداز رنگ پیلا پڑنے لگا تھا، آنکھوں کے گرد گہرے سیاہ حلقے ابھر آئے تھے اور سانس کی ہر ڈور جیسے بوجھل ہو چکی تھی۔ اسے محلے کے ڈاکٹر کو دکھایا گیا۔ سرکاری ہسپتال لے گئے انہوں نے دوا دے دی۔ جو اسے دی جانے لگی۔ اماں ہر صبح اسے دوا دیتیں اور اس کے بعد ایک گلاس دودھ، یہ کہہ کر کہ اس سے طاقت آئے گی، مگر طاقت آنے کی بجائے، فجر اندر ہی اندر گھلتی چلی گئی۔ اس کا نحیف وجود اب محض ہڈیوں کا ڈھانچہ دکھائی دیتا تھا۔ بالوں میں خشکی اور چہرے پر چھائیاں پڑنے لگیں۔

پھر ایک دن، جو اس کی زندگی کا سب سے خوفناک لمحہ تھا، وہ برآمدے میں چارپائی پر لیٹی نیم غنودگی میں تھی۔ اس کے منہ کا ذائقہ عجیب سا ہو رہا تھا۔ اچانک کھانسی کا دورہ پڑا، جیسے ہی اس نے کھانسا، اس کے ہاتھ پر خون کا ایک لوتھڑا گرا۔ خون! اس کے اپنے منہ سے۔ نقاہت زدہ وجود اپنے ہاتھ کو خون سے بھرا دیکھ کر ساکت رہ گیا۔ اس کی آنکھیں خوف سے پھٹ گئیں۔

"اماں! ابا!" وہ چلائی مگر آواز حلق میں ہی پھنس کر رہ گئی۔ اس کے اندر ایک چیخ مچی ہوئی تھی جو باہر نہیں آپا رہی تھی۔

دہشت سے ساکت، پھٹی نگاہیں لیے وہ بمشکل چارپائی سے اٹھی۔ ہر قدم پر اس کے پیر لڑکھڑا رہے تھے۔ وہ کسی طرح اماں ابا کے کمرے کی طرف بڑھی۔ دروازے پر پہنچ کر اس نے کانپتے ہاتھوں سے دروازہ کھولنا چاہا، مگر اندر سے آتی سرگوشیوں نے اس کے ہاتھ وہیں روک دیئے۔ آوازیں دھندلی تھیں، مگر کچھ لفظ صاف سنائی دے رہے تھے۔

"میں یہ مزید نہیں کر سکتی، منار کے ابا! مجھ سے مزید نہیں ہو گا۔ میں اسے اپنی آنکھوں کے سامنے تڑپتا ہوا نہیں دیکھ سکتی۔" اماں کی آواز تھی، بھرائی ہوئی، جیسے وہ رو رہی ہوں۔

"یہ تو کرنا ہو گا۔" ابا کی آواز سنائی دی، پتھریلی اور سرد۔ "اگر اسے ہم نے آج نہیں مارا تو کل سب مارے جائیں گے۔ وہ منار کے نقش قدم پر چلے گی۔ وہ برا سایہ اسے ڈھونڈتا ہوا آئے گا اور پھر ایک جنگ چھڑ جائے گی۔ وہ تباہی لائے گی۔"

فجر کی سماعتوں پر جیسے برف گر گئی تھی۔ منار؟ اور جنگ؟ تباہی؟ یہ سب کیا تھا؟

"وہ معصوم ہے!وہ جنگ کیسے چھیڑے گی؟اسے کچھ نہیں پتا۔"اماں کی آواز میں کرب تھا۔

"معصوم کیسے ہے وہ؟"ابا کی آواز میں سختی بڑھ گئی تھی۔"ایک لڑکے نے ذرا سی آواز کیا کسی،اس کا سر پھاڑ دیا۔ وہ لوگ کیس کرنا چاہتے تھے۔سوچو وہ ابھی سے ایسی ہے،بڑی ہو کر کیا بنے گی؟"

"وہ اس نے اپنے لیے کیا۔ہر لڑکی کو کرنا چاہیے۔مگر اسے یوں تل تل مارنا؟یہ مجھ سے نہیں ہو گا۔"اماں کی بھرائی آواز ابھری۔

"اسے مرنا ہو گا ورنہ سب برباد ہو جائے گا۔"ابا کا لہجہ حکمیہ تھا۔

"وہ ہماری بچی ہے۔ہم اسے کیسے مار دیں؟"

فجر کے پیروں تلے زمین اور سر کے اوپر سے آسمان غائب ہو گیا تھا۔اس کا دماغ چکرانے لگا۔یہ اس کے ماں باپ تھے؟وہ بیمار نہیں تھی!اسے بیمار رکھا جا رہا تھا!آہستہ آہستہ مارا جا رہا تھا!اس کی روح جیسے اس کے جسم سے پرواز کر گئی ہو۔اس کا وجود ایک بے جان لاش کی طرح دروازے سے لگا تھا۔اس کے ماں باپ کو اس سے اتنی نفرت کیوں تھی؟

وہ مزید ایک لفظ نہیں سن پائی۔اس کی ہمت جواب دے گئی تھی۔اس کے حواس رفتہ رفتہ شل ہوتے جا رہے تھے۔وہ واپس اپنی چارپائی پر آ کر یوں لیٹ گئی جیسے اس میں جان ہی نہ ہو۔آنکھوں سے اب آنسو نہیں بہہ رہے تھے۔اس نے جسمانی تکلیف پر رونا بند کر دیا تھا۔اس کی آنکھوں میں اب خوف کی جگہ خالی پن آ چکا تھا۔

اگلے دن سے،جب اماں اسے دودھ کا گلاس دیتیں،وہ جانتی تھی کہ اس میں آرسینک کا وہ مہلک زہر ملا تھا جو ہڈیوں میں اتر کر،رگ رگ میں سرایت کر کے،انسان کو اندر ہی اندر سے کھوکھلا کر دیتا ہے۔ایسا زہر جو رفتہ رفتہ جگر اور

گردوں کو مفلوج کرتا، خون کے خلیوں کو تباہ کرتا، اور بالآخر انسان کو تڑپا تڑپا کر موت کی آغوش میں دھکیل دیتا ہے۔ اس زہر کے اثرات میں جسم میں درد، متلی، الٹیاں، اسہال، اور سب سے بڑھ کر منہ سے خون آنا شامل تھا۔ فجر کو یہ سب بخوبی محسوس ہو رہا تھا۔

مگر اس نے کبھی احتجاج نہیں کیا۔ وہ خاموشی سے زہر ملا دودھ پی جاتی۔ اس کی نگاہیں شکوہ کناں ہوتیں، ایک عجیب سی خالی سی کیفیت لیے اپنی ماں کو دیکھتی رہتی، مگر کچھ نہ کہتی۔ اس کی خاموشی میں ایک گہرا زخم تھا، ایک ایسا درد جو کبھی بھر نہ سکتا تھا۔

اور پھر، آہستہ آہستہ، وہ ٹھیک ہوتی گئی۔ شاید انہوں نے زہر دینا بند کر دیا تھا۔ اس کی نقاہت کچھ کم ہوئی، خون آنا بند ہو گیا۔ مگر اس حادثے نے اسے اندر سے بدل کر رکھ دیا تھا۔ وہ سولہ سالہ فجر مر چکی تھی۔ اس کی جگہ ایک سخت جان، پتھر دل فجر نے لے لی تھی۔ اس نے بہت کوشش کی کہ وہ اپنے اماں ابا سے نفرت نہ کرے۔ وہ ان سے پیار سے بات کرے مگر یہ زخم اتنا گہرا تھا اور اسکا زہر اتنا پھیل گیا کہ اس کی زبان کے ذریعے باہر نکلنے لگا۔ آج اس واقعے کو گزرے نو سال سے زائد عرصہ گزر چکا تھا مگر فجر آج تک اس کی تکلیف نہیں بھولی تھی اور شاید ہی کبھی بھول پاتی۔

✿••✿••✿••✿

رات کے دو بجے کا وقت تھا، اور رئیس گروپ کا ہیڈ آفس گہری تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ چاندنی رات کی سیاہی میں اس کی بلند و بالا ساخت ایک پراسرار ہیولے کی طرح کھڑی تھی۔

اس عظیم الشان عمارت کی سب سے بالائی منزل رئیس کے نام تھی، جہاں اس کا آفس تھا۔ باقی تمام منزلیں تو تاریکی میں گم تھیں، لیکن رئیس کے آفس والی منزل کی چند کھڑکیوں سے ایک مدھم، سنہری روشنی چھن کر باہر آ رہی تھی۔

لاہور کی پرسکون رات، رئیس اورنگزیب کے لیے آنے والے طوفان سے بالکل بے خبر تھی۔ اس کا جیولری ایمپائر، آج تاریخ رقم کرنے والا تھا۔ جنوبی افریقہ کی گراہم ٹریڈنگ کمپنی سے منگوائے گئے اڑھائی ارب مالیت کے انمول ہیرے، جو اس کے نئے پریمیئم کلیکشن **"ڈارک سٹار"** کی بنیاد تھے۔ یہ ہیرے براہ راست علامہ اقبال انٹرنیشنل ایئرپورٹ سے اس کے انتہائی محفوظ والٹ تک پہنچائے جانے تھے۔ ہر چیز منصوبہ بندی کے مطابق تھی۔

اس سارے سیکیورٹی آپریشن کی نگرانی خود عروزہ جمال کر رہی تھی۔ وہ اپنے آفس میں ایک بڑی مانیٹر سکرین پر ہر حرکت کو براہ راست دیکھ رہی تھی، اس کی آنکھیں تیکھی تھیں اور ہاتھ میں پکڑی کافی کا کپ دھیرے دھیرے ٹھنڈا ہو رہا تھا۔

رات کے ٹھیک دو بجے، ایک بلیک آرمرڈ وین، جس پر رئیس کا لوگو نمایاں تھا، ایئرپورٹ کے کارگو ٹرمینل سے نکلی۔ اس وین کو آٹھ تجربہ کار اور ہائیلی ٹرینڈ سیکیورٹی گارڈز کی سیکیورٹی حاصل تھی۔ ان میں سے چار وین کے اندر ہیروں کے تابوت کے ساتھ تھے، جبکہ چار دو اسکارٹ گاڑیوں میں آگے اور پیچھے تھے۔ وین میں ٹاپ سیکرٹ GPS ٹریکر اور جامر پروف کمیونیکیشن سسٹم نصب تھا، جسے عروزہ خود مانیٹر کر رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ہر لمحے بدلتے گرافکس کی روشنی پڑ رہی تھی، اور اس کی بھنویں ہلکی سی تناؤ میں تھیں جبکہ بھوری رنگت گہری دکھائی دے رہی تھی۔

قافلہ ایک گھنٹے تک شہر کی سنسان سڑکوں پر بغیر کسی رکاوٹ کے چلتا رہا۔ اس کا روٹ انتہائی خفیہ تھا اور GPS سگنل مسلسل مل رہا تھا۔ عروزہ کے دل میں اطمینان کی ایک لہر دوڑ رہی تھی۔ یہ ہیرے ان کے حریفوں کے لیے ایک بہت بڑا دھچکا ثابت ہونے والے تھے بلکہ یہ ہیرے پاکستانی جیولری کی تاریخ کو بدلنے والے تھے۔ اور پھر وہ لمحہ آ گیا!

قافلہ جیسے ہی شہر کے نواحی علاقے میں ایک ویران انڈر پاس سے گزرا، مانیٹر پر GPS سگنل اچانک ڈراپ ہو گیا۔ ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں، وین کا مقام غائب ہو گیا۔ عروزہ کی آنکھیں تیکھی ہو گئیں۔ اس نے فوراً مائیک اٹھایا۔

"کیا ہوا؟ سگنل کیوں کٹا؟" اس کی آواز میں ایک ہلکی سی لرزش تھی۔ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو چکی تھی۔

ادھر انڈر پاس میں، وین نے ابھی آدھا راستہ ہی طے کیا تھا کہ اس کے بالکل سامنے ایک بڑا کنٹینر ٹرک اچانک سڑک کے بیچوں بیچ آ کر پورا روڈ بلاک کر گیا۔ سیکیورٹی گارڈز نے فوراً بریک لگائی۔ پیچھے سے آنے والی اسکارٹ گاڑی بھی رک گئی۔ یہ سب اتنی تیزی سے ہوا کہ انہیں سنبھلنے کا موقع نہ ملا۔

"سب اپنی اپنی پوزیشن لیں۔" ایک سیکیورٹی گارڈ کی آواز گونجی، مگر اس سے پہلے کہ وہ مکمل الرٹ ہوتے، انڈر پاس کی تاریکی سے سفید لباس میں ملبوس بیس سے پچیس نقاب پوش افراد نمودار ہوئے۔ ان کے ہاتھ میں صرف چھوٹے ہتھیار نہیں تھے، بلکہ لیزر کٹرز اور جدید ترین ٹیکنالوجی کے آلات بھی تھے۔ یہ کوئی عام چور نہیں تھے، یہ ماہرین تھے، کسی اعلیٰ درجے کے منظم گروہ کا کام!

"ان کو مت مارو، ہیرے چاہئیں بس!" ایک نقاب پوش کی آواز گونجی، جو شاید ان کا لیڈر تھا۔ اس کی آواز میں ایک عجیب سی سرد مہری تھی۔

حملہ شدید دھماکے کی آواز نے سے اسکارٹ گاڑیوں پر دستی بم پھینکے جو نان لیتھل والے تھے۔ ایک ہی پل میں آگے اور پیچھے کی اسکارٹ گاڑیوں کے گارڈز بے ہوش ہو کر گر گئے۔ آرمر ڈوین کے اندر بیٹھے گارڈز کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ گھیر لیے گئے ہیں۔

انہوں نے اندر سے فائرنگ شروع کر دی، مگر نقاب پوشوں نے کوئی جوابی فائر نہیں کیا، بلکہ فوراً وین کی چھت پر جمپ کیا۔ ان کے پاس ایسے آلات تھے جو کسی بھی آرمر ڈوین کو چند سیکنڈ میں کاٹ سکتے تھے۔ ایک نقاب پوش نے لیزر کٹر کا بٹن دبایا۔ چنگاریاں اڑیں اور چھت پر دائرہ بننا شروع ہو گیا!

عروزہ کے آفس میں مانیٹر پر اب بھی کوئی سگنل نہیں تھا۔ اچانک، اس کے سب سے ذہین اسسٹنٹ نے مانیٹر پر ایک اور سکرین کھولی۔ کان میں لگے Bluetooth سے اس کی آواز ابھری۔

"میڈم عروزہ! شہر کے تمام سیکیورٹی کیمروں کا نظام بھی جام ہو چکا ہے!"

عروزہ کے چہرے پر خوفناک غصہ نمودار ہوا۔ اس نے اپنی مٹھی اتنی زور سے بھینچی کہ اس کے ناخن ہتھیلی میں چبھ گئے۔

"یہ کیسے ممکن ہے! میرے سسٹم کو کون ہیک کر سکتا ہے؟" اس کی آنکھوں میں وحشت ابھر آئی۔ یہ صرف چوری نہیں، یہ ایک چیلنج تھا۔

انڈر پاس میں، وین کی چھت کاٹ لی گئی تھی۔ نقاب پوش اندر کود ے اور براہِ راست ہیروں کے تابوت پر پہنچے۔ سیکیورٹی گارڈز نے بھرپور مزاحمت کی، مگر ان کی تعداد اور ہتھکنڈے حیران کن تھے۔ دو گارڈز کو سائیلنسر لگی

گولیوں سے مارا گیا۔ ایک گارڈ نے آخری کوشش میں تابوت کو بچانے کی کوشش کی، مگر اسے بھی ایک نقاب پوش نے پہلو میں چاقو گھونپ کر گرا دیا۔ اس کے منہ سے خون بہنے لگا۔

نقاب پوشوں نے تابوت نکالا، اسے کھولا اور اندر موجود ہیروں کے تھیلوں کو نکال کر اپنے تھیلوں میں ڈالا۔ یہ کام انہوں نے تیس سیکنڈ سے بھی کم میں کیا۔ باہر، انڈر پاس کے دونوں کناروں پر نصب خاص قسم کے جنریٹرز کو بند کر دیا گیا، جو GPS جامرز اور سیکیورٹی کیمرہ جامرز کا کام کر رہے تھے۔

جیسے ہی ہیرے ان کے قبضے میں آئے، تمام نقاب پوش دوبارہ تاریکی میں غائب ہو گئے۔ کنٹینر ٹرک بھی فوراً وہاں سے ہٹ گیا۔ چند ہی لمحوں میں، انڈر پاس دوبارہ خاموش ہو گیا، جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ پیچھے رہ گئے تو صرف بے حس و حرکت لاشیں، بے ہوش گارڈز، اور خالی آرمرڈ وین۔

عروزہ کے مانیٹر پر اچانک GPS سگنل بحال ہو گیا۔ مگر اسکرین پر نظر آنے والا منظر اس کے دماغ کو ماؤف کر گیا۔ وین کھڑی تھی، اس کی چھت غائب تھی، اور چار لاشیں اس کے اندر پڑی تھیں!

"نہیں یہ نہیں ہو سکتا!" عروزہ اپنی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے چہرے پر کوئی رنگ نہیں تھا۔ اس کی آنکھوں میں صرف اور صرف خون کی سرخی تھی۔ یہ صرف چوری نہیں تھی، یہ رئیس کی طاقت، اس کی ذہانت، اور ان کی انا پر ایک تھپڑ تھا۔ اس کی برسوں کی محنت پر سوالیہ نشان تھا۔

یہ کون تھا؟ کس کی ہمت ہوئی رئیس اورنگزیب کی چیز کو چھونے کی؟ کس نے عروزہ جمال کے نظام کو توڑا؟

اس لمحے، عروج کے اندر کا پیشہ ورانہ غضب پوری شدت سے جاگ اٹھا۔ اس کی سانسیں تیز ہو گئیں۔ اسے معلوم تھا کہ اس کے بعد رئیس کا کیا ردعمل ہو گا۔ یہ محض ایک چوری نہیں، ایک جنگ کا اعلان تھا، اور عروزہ اس جنگ میں سب سے آگے ہو گی۔

✿••✿••✿••✿

عروزہ کے مانیٹر پر سگنل بحال ہوتے ہی رئیس اورنگزیب کے پرائیویٹ آفس میں قیامت ٹوٹ پڑی۔ وہ اپنی کرسی سے اٹھ چکا تھا۔ اس کی آنکھوں میں پہلے ہلکی سی بے یقینی تھی، پھر دہشت، اور آخر میں خالص، شیطانی غضب ابھرا۔ اس کا چہرہ جو ہمیشہ پر سکون اور پر اعتماد رہتا تھا، اب غصے کی شدت سے سرخ پڑ چکا تھا۔

"عروزہ کیا یہ مذاق ہے؟" اس کی آواز گرجی، اس میں ایک ایسی غیر معمولی تیزی تھی جو عروزہ نے پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔

"GPS کیسے کٹ گیا؟ سیکیورٹی کیمرے کیسے جام ہو گئے؟ تمہارے آٹھ بہترین گارڈز کہاں ہیں؟"

عروزہ جو خود بھی صدمے میں تھی، نے بمشکل اپنے آپ کو سنبھالا۔

"باس! مجھے یقین نہیں آ رہا یہ کیسے ہوا۔ ایسا لگتا ہے جیسے انہوں نے کسی انتہائی جدید ٹیکنالوجی کا استعمال کیا ہے۔ ہمارے سسٹم کو مکمل طور پر بائی پاس کیا گیا ہے۔"

عین اسی لمحے رئیس اورنگزیب نے اپنی میز پر پڑا کرسٹل کا گلاس اٹھایا اور اسے پوری طاقت سے دیوار پر دے مارا۔ شیشے کے ٹکڑے بکھر گئے، اور اس کے ساتھ ہی اس کے غضب کا لاوا پھوٹ پڑا۔

"مجھے یہ فضول باتیں نہیں سننی عروزہ! مجھے بتاؤ میرے ہیرے کہاں ہیں؟ میرے **'ڈارک سٹار'** کہاں ہیں؟" اس کی آواز میں ایسی شدت تھی کہ عروزہ کو ایک لمحے کے لیے لگا جیسے آفس کی دیواریں لرز رہی ہوں۔

"تمہیں معلوم ہے نا ان ہیروں کا مطلب کیا تھا؟ وہ محض ایک بزنس ڈیل نہیں تھی۔ وہ میری عزت تھی۔ میرا وژن تھا۔"

رئیس اورنگزیب کے لیے ہیرے محض قیمتی پتھر نہیں تھے۔ وہ اس کی زندگی کا، اس کی روح کا، اس کی پہچان کا اٹوٹ حصہ تھے۔ اس کے لیے ہیرے عشق تھے، جنون تھے، اور اس کی عظمت کا عملی ثبوت تھے۔ ہر کٹا ہوا پہلو، ہر چمکتی سطح، ہر نایاب رنگ اسے اپنی جانب کھینچتا تھا۔ ان پتھروں کی آب و تاب میں اسے اپنی محنت، اپنا ہنر اور اپنی بے پناہ ذہانت کا عکس نظر آتا تھا۔ اس کے لیے ہیرے اس کے اندرونی ڈارک لارڈ کی جھلک بھی تھے۔ جس طرح ایک ہیرا بے عیب ہونے کے لیے بے پناہ دباؤ اور تراش کا عمل برداشت کرتا ہے، اسی طرح رئیس اورنگزیب نے بھی اپنی زندگی میں آنے والے دباؤ اور مشکلات کو اپنی طاقت اور تیزی میں بدلا تھا۔ ہیروں سے اس کا عشق اس کے قابو اور کمال پسندی کی عکاسی بھی کرتا تھا۔ مختصر، ہیرے اس کا عشق تھے۔

اس نے مانیٹر کی طرف دیکھا جہاں خالی وین اور لاشیں پڑی تھیں، اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اس کی سانسیں تیز ہو گئیں، سینہ غصے سے پھولنے لگا۔

"انہوں نے مجھے للکارا ہے۔ میری سلطنت پر وار کیا ہے۔ یہ کوئی معمولی چوری نہیں۔" وہ آہستہ آہستہ چلنے لگا، اس کے قدموں میں ایک خوفناک بھاری پن تھا۔ "یہ کسی عام انسان کی کی ہمت نہیں کہ رئیس اورنگزیب کے راستے میں آئے اور زندہ بچ جائے!"

وہ کھڑکی کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا، جہاں سے لاہور کی روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ اس کی آنکھیں اب پہلے سے بھی زیادہ تاریک اور سرد ہو چکی تھیں۔ دل دھڑکنے کی آواز کانوں تک سنائی دے رہی تھی۔

"لگتا ہے دشمن نے میری خاموشی کو میری کمزوری اور میری شرافت کو میری موت سمجھ لیا ہے۔" اس کے ارادوں کی دھمک عروزہ یہاں تک محسوس کر سکتی تھی۔

"میرے کئی سالوں کی شرافت نے لوگوں کے ذہنوں پر پردہ ڈال دیا۔ انہیں لگتا ہے، ڈارک لارڈ مر چکا ہے۔" یوں لگتا تھا جیسے اس کی آنکھوں سے نکلتے شعلے پورے شہر جو جلا کر راکھ کر دیں گے۔

"ڈارک لارڈ جاگ چکا ہے۔"

عروزہ کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ محسوس ہوئی۔ اسے رئیس کا یہ روپ پسند تھا مگر یہ انتہائی خطرناک تھا۔ اس کی بھوری کنپٹی پر پسینہ نمودار ہوا۔

وہ مڑا اور عروز کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک ایسی خوفناک چمک تھی جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی گئی تھی۔

"یہ میری سلطنت ہے، میرا تخت ہے۔ اس پر وار کرنا یعنی جنگ!" اس نے اپنی انگلیوں کو مسلتے ہوئے کہا، جیسے کسی کی ہڈیوں کو چیخ رہا ہو۔

"ایک ایسی جنگ جہاں میں انہیں ہر وہ درد دوں گا جو وہ سوچ بھی نہیں سکتے۔"

اس کی سلطنت پر وار کرنے والا، اس کی آن پر وار کرنے والا کیسے بچ سکتا تھا؟

"شہر کو لاک ڈاؤن کرو۔ ہر چوک، ہر گلی، ہر کونہ چھان مارو۔ مجھے ہر اس شخص کی معلومات چاہئیں جو اس رات شہر میں مشکوک لگا۔ اور مجھے ان کے دماغ میں یہ خوف بھرنا ہے کہ رئیس اور نگزیب سے ٹکرانے کا انجام کیا ہوتا ہے۔"

اس کی آنکھوں میں اب صرف ہیروں کا غم نہیں تھا، بلکہ ایک طاقتور دشمن کو مٹا دینے کی پیاس تھی۔ عروزہ جانتی تھی اگلے کئی دن، کئی سال، جب تک ہیرے نہ مل جاتے، جب تک وہ اپنا بدلہ نہ لے لیتا اس شہر میں صرف اس کے نام کی گونج سنائی دینے والی تھی۔

✿••✿••✿••✿

رات کے بھیانک واقعات کے بعد، جب لاہور پر صبح کی پہلی کرن پڑی، تو ایسا لگا جیسے شہر کی فضائیں بھی کسی آنے والے طوفان سے واقف تھیں۔ اس صبح کا سورج اپنے ساتھ کوئی خوشخبری نہیں، بلکہ ایک ایسی ہولناک خبر لے کر آیا تھا جس نے ہر سو خوف اور بے یقینی پھیلا دی۔

ایس ایس پی انویسٹی گیشن، زاہد ملک، اپنے ماتحت افسران کے ساتھ ایک ہنگامی میٹنگ کر رہے تھے۔ ان کے چہرے پر شدید دباؤ نمایاں تھا۔

"یہ صرف چوری نہیں ہے، یہ رئیس اور نگزیب جیسے آدمی کی انا پر حملہ ہے۔ ہمیں ہر صورت میں مجرموں کو ڈھونڈ نکالنا ہے۔ سی سی ٹی وی فوٹیجز چیک کرو، انڈر پاس کے آس پاس کے تمام کیمروں کو کھنگالو۔ کونسا گروپ اتنی بڑی واردات انجام دے سکتا ہے؟ یہ عام چوروں کا کام نہیں!"

ایک جوان افسر نے آگے بڑھ کر کہا، "سر، حیران کن بات یہ ہے کہ اس دوران شہر کے تمام سیکیورٹی کیمروں کا نظام جام رہا۔ کسی قسم کی ریکارڈنگ نہیں ملی۔ یہ کسی ہائی ٹیک گروپ کا کام ہے!"

ان کی میٹنگ جاری رہی۔ رئیس اورنگزیب کو کون نہیں جانتا تھا؟

صبح چھ بجتے ہی، نیوز چینلز کی بریکنگ نیوز نے پورے شہر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

"رئیس اورنگزیب کے اڑھائی ارب کے ہیرے چوری! لاہور میں سنسنی!" کی ہیڈلائنز ہر ٹی وی سکرین پر چمک رہی تھیں۔ یہ کوئی غیر قانونی مال نہیں تھا جسے پولیس سے چھپایا جاتا یا یہ خبر دبانے کی کوشش کی جاتی۔

ایک مقبول نیوز چینل کی اینکر پرسن، سنجیدہ چہرے کے ساتھ خبر پیش کر رہی تھی۔

"ناظرین، لاہور سے اس وقت کی سب سے بڑی خبر! شہر کی معروف ترین شخصیت، رئیس اورنگزیب، کے اڑھائی ارب مالیت کے ہیرے رات گئے ایک انتہائی منظم انداز میں چرا لیے گئے ہیں۔ یہ واردات رات دو بجے کے قریب علامہ اقبال انٹرنیشنل ایئرپورٹ سے رئیس جیولرز کے والٹ لے جاتے ہوئے پیش آئی۔ ذرائع کے مطابق، حملہ آوروں نے جدید ترین ٹیکنالوجی کا استعمال کیا اور سیکیورٹی نظام کو مکمل طور پر جام کر دیا۔ اس واردات میں رئیس اورنگزیب کے چار سیکیورٹی گارڈز بھی شہید ہو گئے ہیں۔ یہ ایک سوال کھڑا کرتا ہے کہ لاہور جیسے محفوظ شہر میں کس کی اتنی جرات ہوئی؟ کیا یہ رئیس اورنگزیب کے حریفوں کا کام ہے یا کوئی بین الاقوامی گروہ اس کے پیچھے ہے؟ پولیس نے تحقیقات کا آغاز کر دیا ہے، لیکن پورے شہر میں ایک عجیب کشمکش اور خوف کا عالم ہے۔"

اسی طرح سوشل میڈیا پر بھی طوفان برپا تھا۔

سوشل میڈیا پر #Raeesaurangzebheist کے نام سے ہیش ٹیگ گھوم رہے تھے۔

"رئیس اورنگزیب کے ساتھ ایسا ہو گیا تو ہماری کیا اوقات؟ لاہور اب محفوظ نہیں رہا۔"

"یہ صرف ہیروں کی چوری نہیں، یہ لاہور کی سکیورٹی پر سوال ہے۔ ڈارک سٹار واقعی **'ڈارک'** ثابت ہوا۔"

"عروزہ جمال جیسا مائنڈ بھی ہار گیا؟ اس کا مطلب ہے حملہ آور بہت ہی زیادہ ہنر مند تھے۔"

"رئیس اورنگزیب چپ نہیں بیٹھے گا۔ یہ ایک جنگ کا آغاز ہے!"

اسکے ساتھ ہی اگلی صبح، جب سورج کی پہلی کرنیں ابھی پوری طرح سے لاہور پر نہیں پھیلی تھیں کہ جائے وقوعہ پر پولیس کی بھاری نفری موجود تھی۔ آرمر ڈوین کی چھت اکھاڑ لی گئی تھی، جو اس بات کی نشاندہی کر رہے تھے کہ حملہ کتنا شدید تھا۔ گاڑیوں اور وین کے ارد گرد زمین پر خون کے گہرے دھبے تھے جو رات کی خونریزی کی داستان سنا رہے تھے۔

تھوڑے فاصلے پر، پولی ایتھیلین شیٹس سے ڈھکی ہوئی چار لاشیں موجود تھیں۔ یہ مسٹر اورنگزیب کے وہ قابلِ اعتماد گارڈز تھے جنہوں نے ہیروں کی حفاظت پر اپنی جان دے دی۔ ان کے چہرے خوف اور بے بسی کے تاثرات جمائے ہوئے تھے، اور ان کے یونیفارم پر خون کے نشانات واضح تھے۔ ہر لاش کے قریب ایک تجربہ کار پولیس انسپکٹر اپنی ٹیم کے ساتھ باریک بینی سے معائنہ کر رہا تھا، ثبوتوں کو جمع کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

ہوا میں خون اور نان لیتھل بمب کی ہلکی مہک پھیلی ہوئی تھی جو جگہ کو مزید پراسرار اور پریشان کن بنا رہی تھی۔ ارد گرد موجود لوگ، جن میں پولیس اہلکار، فارنسک ماہرین اور چند تجسس پسند صحافی شامل تھے، سب کے چہروں پر ایک ہی سوال تھا کہ یہ کیسے ہوا؟ یہ کوئی معمولی ڈکیتی نہیں تھی۔ یہ ایک انتہائی منظم اور بے رحمانہ حملہ تھا، جس نے

لاہور کے ایک طاقتور شخص کو چیلنج کیا تھا۔ جائے وقوعہ پر چھایا گہرا سناٹا، رات کی دہشت اور خونریزی کی خاموش گواہی دے رہا تھا۔ یہ صرف ہیروں کی چوری نہیں تھی یہ رئیس اورنگزیب کی بے عزتی تھی۔

جبکہ ابھی تک رئیس کا بیان سامنے نہیں آیا تھا۔

✿••✿••✿••✿

فجر اس وقت اپنے آفس میں بیٹھی ٹی وی پر یہ خبر دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر عجیب تاثرات تھے۔ موسم ابر آلود تھا، البتہ بارش نہیں ہو رہی تھی۔ اس نے ایک سادہ سوٹ کے اوپر بلیزر پہنا ہوا تھا اور بال اونچے جوڑے میں بندھے ہوئے تھے۔ بندھے ہوئے بال، لمبی صاف گردن اور کانوں میں چمکتے وہ ٹاپس اس کی نشانی تھے۔ اس نے فون اٹھایا اور کال ہسٹری سے ایک نمبر نکالا۔ یہ رئیس اورنگزیب کا نمبر تھا۔ اس نے فون ملایا۔

دوسری جانب کال اٹھالی گئی۔

"آج سورج کہاں سے نکلا ہے جو فن کی دیوی کو میری یاد آگئی؟" رئیس کی طنزیہ آواز گونجی۔

"وہیں، جہاں سے آپ کے ڈارک اسٹار غائب ہوئے ہیں۔" اس نے بھی ترنت جواب دیا، اس کے لہجے میں بھی طنز صاف جھلک رہا تھا۔ "مجھے لگا تھا اڑھائی ارب کے ہیرے چوری ہونے پر آپ اپنے سلطنت میں ماتم کر رہے ہوں گے۔"

یہ سنتے ہی رئیس کا قہقہہ گونجا، لیکن اس میں ہنسی کم اور کڑواہٹ زیادہ تھی۔

"ماتم؟ ہاں بالکل ویسے ہی جیسے تم نے اپنی سلطنت پر وار کرنے والے کو جان سے مار کر ماتم کیا تھا۔ میں بھی ویسے ہی ماتم کرنے کی تیاری کر رہا ہوں۔" ایسا زہریلا جواب تھا کہ فجر نے اسے کال پر خود کو لعنت بھیجی۔

"میرے ہیرے محض پتھر نہیں، وہ میرے ڈارک اسٹار ہیں، اور انہیں مجھ سے دور رکھنے کی ہمت کوئی نہیں کر سکتا۔" اسکی خاموشی پر وہ مزید گویا ہوا۔

"آپ کی یہ بڑی بڑی باتیں تو ہمیشہ سے سنتے آئے ہیں، لیکن اڑھائی ارب کی چوری کو محض پتھر کہنا آپ کی مالی حالت پر ایک طنز تو ہے۔"

"تمہیں کیا پتا، نادان لڑکی، میری مالی حالت کیا ہے۔" وہ محظوظ ہوا، "یہ چوری نہیں، چیلنج تھا! اور جو لوگ مجھے چیلنج کر رہے ہیں، وہ بھول چکے ہیں کہ میں کیا ہوں۔ میرے ہیرے، میرے ڈارک اسٹار، کوئی زیادہ دیر اپنے پاس نہیں رکھ سکتا۔"

"تو کیا آپ کو یقین ہے کہ وہ آپ کو واپس مل جائیں گے؟ یا یہ بھی آپ کے پچھلے دعوؤں کی طرح محض ایک خالی خولی وعدہ ہے؟" اڑھائی ارب کے ہیرے کوئی معمولی بات نہیں تھی۔

"یقین نہیں، علم ہے۔" اس نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

"میں انہیں ڈھونڈ نکالوں گا، چاہے اس کے لیے مجھے تمہاری جیسی چھوٹی سوچ رکھنے والوں کی مدد ہی کیوں نہ لینی پڑے۔ یہ ہیرے میری میراث ہیں، میری پہچان۔" اس نے فجر پر جان بوجھ کر طنز کیا۔

"اب مجھ سے مدد مانگنے لگے؟" فجر نے ناک چڑھائی۔ "آپ جیسے ڈارک لارڈ اتنے بے بس ہو گئے؟ چچ چچ چچ!"

"بے بس نہیں، ہوشیار ہوں۔" رئیس نے کہا، "ہر وہ راستہ اپناؤں گا جو میرے ڈارک اسٹارز تک لے جائے۔ اور یہ صرف ایک چوری نہیں تھی، یہ ایک پیغام تھا۔ کچھ بزدل لوگوں نے بھیجا ہے جو سمجھتے ہیں کہ وہ میری طاقت کو للکار سکتے ہیں۔"

"تو کیا آپ ان بزدلوں کے نام بھی جانتے ہیں؟ یا ڈارک لارڈ کو صرف باتیں بنانی آتی ہیں؟" فجر نے طنز کیا۔

"وقت آنے پر سب سامنے آجائے گا، فن کی دیوی!" رئیس نے غصے کو دباتے ہوئے کہا۔ "اب تم نے میرے حال پوچھ ہی لیے ہیں، کچھ اپنے بارے میں بھی بتاؤ؟ یا تمہارے پاس کوئی نیا ڈرامہ نہیں ہے سنانے کو؟ یا کرنے کو؟"

اس کی بات سن کر فجر نے گھڑی پر نظر ڈالی۔

"ابھی کے لیے مجھے بس یہی جاننا تھا کہ آپ ہیروں کی چوری کے بعد بھی اتنے ہی مغرور ہیں جتنے پہلے تھے۔"

رئیس بے ساختہ ہنسا۔ "فکر نہ کرو، میں اتنی آسانی سے ٹوٹنے والا نہیں۔ اور ویسے بھی، ابھی تو بہت سے ہیرے ڈھونڈنے باقی ہیں، شاید تم بھی ان میں سے کسی ایک کے پیچھے بھاگ رہی ہو۔"

"شاید آپ بھول گئے ہیں میں ہیروں کی شیدائی نہیں۔ بیسٹ آف لک!" اس نے فون بند کر دیا۔ کال ختم ہو گئی، اور فجر نے فون واپس رکھ دیا۔ اس کے چہرے پر ابھی بھی طنز کے ملے جلے تاثرات تھے۔ وہ جانتی تھی کہ رئیس اورنگزیب کا یہ دعویٰ محض دھمکی نہیں، بلکہ ایک وعدہ تھا، اور اس وعدے کے پیچھے ایک خطرناک کہانی چھپی تھی۔ اتنا تو وہ جانتی تھی وہ اپنے ہیرے ڈھونڈ نکالے گا۔ لیکن اس کا ذہن ابھی تک "**اڑھائی ارب**" پر اٹکا ہوا تھا یعنی ڈارک اسٹار ایک بڑا پروجیکٹ تھا۔ وہ کچھ دیر سوچتی رہی پھر سر جھٹک کر ریسپشن پر کال ملائی۔

"ولی کہاں ہے؟" وہ آج اسے نظر نہیں آیا تھا۔

"وہ ابھی تک نہیں آئے۔" دوسری جانب سے جواب دیا گیا۔ بھونیں کی بھنویں سکڑ گئیں۔ وہ دن بدن مشکوک ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے کریڈل واپس رکھ دیا اور پھر ایچ آر کال ملائی۔

"یس میم!" یہ عالیہ تھی۔ نئی ایچ آر۔ سارہ جا چکی تھی۔ جلد اس کی شادی تھی۔ اس کی جگہ عالیہ اچھا کام کر رہی تھی۔

"آج ولی اورنگزیب کو وارننگ لیٹر جاری کریں۔ ڈیٹیلز آپ کو پہلے بتا دی تھیں۔" اس نے کر قدر سکون سے کہا اور پھر فون بند کر دیا۔

✿••✿••✿••✿

آفس کا دروازہ قدرے زور سے کھلا۔ ولی اندر داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر شدید ناگواری اور غصے کے تاثرات تھے۔ فجر اپنی کرسی پر بیٹھی لیپ ٹاپ پر جھکی ہوئی تھی، وہ ایسے ظاہر کر رہی ہے جیسے اسے ولی کے آنے کا احساس ہی نہ ہوا ہو۔

"یہ سب کیا ہے؟ یہ ہے آپ کا پروفیشنلزم، میڈم فجر! کمال کی مثال قائم کی ہے آپ نے!" وہ تلخی سے بولا۔ چہرہ سرخ پڑ چکا تھا۔

فجر نے دھیرے سے سر اٹھایا، اس کی بھنویں ہلکی سی سکڑیں، آنکھوں ہی آنکھوں سے سوال کیا۔

"تمیز سے بات کریں مسٹر ولی۔ یہ میرا دفتر ہے اور جہاں تک میرے پروفیشنلزم کا تعلق ہے، وہ اس فضول سے وارننگ لیٹر سے کہیں زیادہ بلند ہے جو تمہیں ابھی ابھی موصول ہوا ہے۔" اسکا انداز سلگانے والا تھا۔

ولی نے ایک قدم آگے بڑھتے ہوئے، ہاتھ میں مڑا تڑا کاغذ لہرایا۔

"فضول؟ آپ اسے فضول کہہ رہی ہیں؟ آپ نے مجھے وارننگ لیٹر بھیجا؟ صرف اس لیے کہ میں نے اس پرانی حویلی والے فوٹو شوٹ پر آپ کو منع کیا؟" وہ حیران تھا۔ اسے اندازہ نہیں تھا فجر اسے وارننگ لیٹر اشو کروائے گی۔

فجر نے لیپ ٹاپ کا ڈھکن آہستگی سے بند کیا۔ آنکھوں میں سرد مہری واضح ہوئی۔

"اس میں واضح لکھا ہے تم اپنی رٹن ایکسپلینیشن دے سکتے ہو۔ مجھ تک آنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔" وہ اسے زچ کر رہی تھی۔ ولی نے گہری نظروں سے اسے دیکھا اور اس کے دماغ میں چلنے والے خرافات کا اندازہ لگانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ اسے لیٹر ملا تھا کہ اس کا رویہ نان پروفیشنل ہے حالانکہ اس نے ابھی تک ایسا کوئی کام نہیں کیا تھا سوائے اسے نظر انداز کرنے کے۔

"میرا رویہ کہاں سے نان پروفیشنل لگا آپ کو؟" اس نے خود پر قابو پاتے پوچھا۔ لہجہ دھیما رکھا گیا۔

"تم میرے پی اے ہو اور تم مجھے نخرے دکھا رہے ہو کیوں؟" اس نے سینے پر بازو باندھتے پوچھا۔ کرسی سے ٹیک لگائے وہ خوبصورت بلا لگ رہی تھی۔ ولی نے اسے دیکھا اور پھر خود پر ضبط کیا۔

"اور آپ کیا کر رہی ہیں؟ آپ اکیلے گھر آ جا رہی ہیں جبکہ آپ جانتی ہیں آپ پر حال ہی میں جان لیوا حملہ ہوا ہے۔ میری ڈیوٹی ہے آپ کو گھر تک پہنچانا اور آپ نے مجھے منع کر دیا؟"

کیا اسے اپنے ٹنٹرم یاد نہیں تھے؟ ڈائن نہ ہو تو۔

"ہاں تو تم بھی آسانی سے پیچھے ہٹ گئے۔ ویسے بھی میں تمہارے نخرے کیوں دیکھوں؟" اس نے سکون سے کندھے اچکائے۔ جیسے ساری غلطی ولی کی ہو۔ وہ خاموش رہا۔ بولنے کے لیے الفاظ تلاش کر رہا تھا۔

"تم اپنی حدود اکثر بھول جاتے ہو۔ تم ایک پی اے ہو، اور تمہارا کام مشورے دینا ہے تب، جب وہ مانگے جائیں، میرے فیصلوں پر سر عام تنقید کرنا نہیں۔ اور ہاں، میں تمہاری باس ہوں، یہ حقیقت جتنی جلدی تسلیم کر لو، اتنا

تمہارے لیے بہتر ہے۔" اس کی آنکھیں کچھ جتاتی ہوئی تھیں۔ وہ ٹھٹک گیا۔ چہرے کا نشان مزید گہرا لگا۔ پھر کچھ دیر بعد اس کی آواز سنائی دی۔

"میں جانتا ہوں آپ باس ہیں۔ مگر ایک اچھے باس کی نشانی یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ اپنے تجربہ کار اسٹاف کی رائے کو اہمیت دے، خاص طور پر جب وہ کمپنی کے بہترین مفاد میں ہو۔ میں نے اس حویلی میں شوٹ سے اس لیے منع کیا تھا کیونکہ وہ سراسر ایک براکاروباری فیصلہ تھا۔ میں آپ کو زچ نہیں کر رہا تھا، میں کمپنی کو بچا رہا تھا۔"

بالآخر اس نے ہار مان لی۔ کرسی پر براجمان عورت صرف اس کی باس نہیں تھی۔ وہ کسی کی غلامی نہیں کرتا تھا۔ اسے حکم ماننا پسند نہیں تھا پھر بھی وہ اس کی غلامی کر رہا تھا وہ اس تک پہنچنے کے لیے روزانہ حکم مانتا تھا۔ وہ یہاں تک پہنچنے کے لیے بہت کچھ سہہ کر آیا تھا اور ابھی تک اس کا اعتماد نہیں جیت پایا تھا کہ اسے سچ بتا سکے۔ اپنے بارے میں، رئیس کے بارے میں۔

"کمپنی کو بچا رہے تھے؟ یا اپنی اہمیت جتا رہے تھے؟ تمہارا کام میری فائلوں کی حفاظت کرنا ہے، ولی! میرے کاروباری فیصلوں پر پہرے دینا نہیں۔ میں اپنے فیصلے خود کر سکتی ہوں، اور مجھے تمہاری حفاظتی تجاویز کی ضرورت نہیں۔ تم میرے ملازم ہو، اور اسی دائرے میں رہو تو اچھا ہے۔"

حالانکہ اس نے ولی کی رائے کو اہمیت دی تھی پھر بھی زچ کر رہی تھی تاکہ وہ غصے سے پھٹ پڑے اور اس کا اندر ظاہر ہو۔ مگر وہ شاید کمال ضبط رکھتا تھا۔

"اور آپ صرف اپنی انا میں رہنا پسند کرتی ہیں۔" وہ شکست خوردہ لہجے میں بولا۔

"اگر تمہیں میرے کام کرنے کا طریقہ یا میرے فیصلے اتنے ہی ناپسند ہیں، تو تمہیں کوئی زبردستی یہاں نہیں روک رہا۔ دروازہ کھلا ہے۔" وہ اسے جانے کا کہہ رہی تھی۔ ولی نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ آفس میں بھیانک خاموشی چھا گئی۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ وہ فیصلہ کر رہا تھا اور وہ فیصلہ سننا چاہتی تھی اور پھر وہ گویا ہوا۔

"میں معذرت خواہ ہوں میڈم! دوبارہ ایسا نہیں ہو گا۔"

یہ سنتے ہی فجر کے چہرے پر ایک فاتحانہ سرد مہری ابھری۔

"یہ وارننگ لیٹر تمہارے لیے ایک چھوٹا سا سبق تھا کہ آئندہ میرے کسی بھی حکم یا فیصلے پر اعتراض کرنے سے پہلے سو بار سوچنا کہ تم کس سے مخاطب ہو۔ میں یہاں کی مالک ہوں!"

"جی بہتر۔۔۔۔" وہ بس اتنا ہی کہہ پایا۔

"تم جا سکتے ہو۔" اس بار اس کا لہجہ دھیما تھا۔ وہ بنا کچھ کہے واپس پلٹا۔ دروازے کے قریب پہنچا تو عقب سے اس کی آواز سنائی دی۔

"سارہ کا نکاح ہے۔ رات کا فنکشن ہے۔ تیار رہنا۔ تمہیں میرے ساتھ چلنا ہو گا۔" اس نے عقب سے حکم دیا۔ ولی نے صرف اثبات میں سر ہلایا اور پھر باہر نکل گیا۔ اس کے جاتے ہی فجر نے اپنا اٹکا ہوا سانس بحال کیا اور بند دروازے کو ایسی نظروں سے دیکھا جیسے کہہ رہی ہو "آخر کب تک؟" اور پھر سر جھٹک کر دوبارہ اپنے کام کی طرف متوجہ ہوئی۔

✿••✿••✿••✿

کیفے کے ایک کونے میں ولی اور جنید بیٹھے ہیں۔ ولی کے سامنے کافی کا کپ رکھا ہے جسے اس نے ابھی تک نہیں چھیڑا۔ وہ اپنی کنپٹیوں کو سہلا رہا ہے، جیسے سر درد سے نجات پانے کی کوشش کر رہا ہو۔ جنید کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں اور وہ مسلسل اپنی ٹائی ڈھیلی کر رہا ہے۔

"کچھ سمجھ نہیں آ رہا کیا کروں۔ فجر نے صبح پھر لیگل ٹیم کی جو کلاس لی ہے لگتا ہے اس بار میں تو پکا گیا۔ تم نے جو مشورہ دیا تھا وہ ہمارے گلے پڑ رہا ہے۔" جنید جس قدر بے چارگی سے بولا جبکہ ولی خاموش رہا۔

"ویسے تم ہو ہی انتہائی منحوس آدمی۔ اگر تم اس دن میٹنگ میں وہ احمقانہ مشورہ نہ دیتے کہ ہرجانہ کا کیس کیا جائے تو آج پوری لیگل ٹیم یوں پھنسی نہ ہوتی۔ سب تمہارا کیا دھرا ہے۔" جنید نے چڑ کر کہا۔

"میری غلطی؟ محترمہ خود تو سنتیں نہیں کسی کی۔ میں نے تو صرف ان کے وژن کو سپورٹ کیا تھا، جو اب ڈراؤنا خواب بن گیا ہے۔ ویسے تمہیں کس نے کہا تھا کہ لگس گروپ جیسی بڑی کمپنی چھوڑ کر منار جوائن کرو، جبکہ تم اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ کمپنی فجر کی ہے۔ اب بھگتو!" ولی نے کافی کا ایک گھونٹ بھرتے جواب دیا۔

"ہاں بھگت رہا ہوں۔ تم بتاؤ۔ تم تو ان کے ساتھ زیادہ وقت گزارتے ہو تمہاری کیسی گزر رہی ہے؟" جنید نے سینڈوچ کا ٹکرا منہ میں ڈالتے پوچھا۔

"آج صبح ہی غیر پیشہ ورانہ رویے پر ایک عدد وارننگ لیٹر موصول ہوا ہے۔" ولی کا انداز ایسا تھا کہ جنید نے پہلے حیرانی سے اسے دیکھا اور پھر اس کا ابھرنے والا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ اب وہ اس کی حالت کا حظ اٹھا رہا تھا۔

"تم کیوں تو آ گئے ہو شیرنی کے منہ میں سر دینے، اس کے پرسنل اسسٹنٹ بن کر۔ اب تم بھی خوب مزے لو اس کے ملازم ہونے کے۔"

ولی جنید کی بات پر تلخی سے مسکرایا۔ایک لمحے کے لیے خاموشی چھاگئی پھر اس کی سنجیدہ آواز سنائی دی۔

"بھولو مت جنید!وہ صرف باس نہیں ہے،بیوی ہے میری۔"

"واؤ!پھر تو تم ڈبل پھنسے ہوئے ہو،محترم!اللہ تمہیں ہمت دے،بلکہ ہمت کی جگہ صبر جمیل عطا فرمائے۔ مطلب کچھ وقت بعد گھر میں بھی باس،دفتر میں بھی باس؟یہ تو ٹوئنٹی فور سیون ٹارچر ہو گا۔"وہ محظوظ ہوا۔انداز سراسر مزاق اڑانے والا تھا۔

"لگ تو کچھ ایسا ہی رہا ہے۔کبھی کبھی تو لگتا ہے میں کسی کرائم تھرلر فلم کا مرکزی کردار ہوں جس کی ڈائریکٹر فجر ہے اور ولن رئیس!"

"اسی بات پر ایک اور کافی ہو جائے؟شاید دماغ کچھ ٹھکانے پر آئے۔"جنید نے مسکرا کر کہا۔

"مگر بل تم دو گے۔کیا پتا نان پروفیشنل حرکتوں کی وجہ سے میری تنخواہ کٹ گئی ہو۔"

دونوں اپنی اپنی بے چارگی پر مسکراتے رہے،کیفے کے مدھم شور میں ان کے دل جلنے کی کہانی کہیں گم سی ہو گئی اور اب وہ سنجیدگی سے لیگل اشوز کو ڈسکس کر رہے تھے۔ولی نے جو رئیس گروپ میں دیکھا اور سیکھا تھا وہ پوری توجہ سے جنید کے گوش گزار کر رہا تھا جبکہ جنید بھنویں سکیڑے سن رہا تھا۔

دونوں نہیں جانتے تھے کہ عمارت کے دوسرے کنارے پر فجر اپنے آفس میں ایل ای ڈی پر نظریں جمائے بیٹھی تھی جس کی اسکرین پر اس وقت کیفے میں لگے اس کیمرہ کی لائیو ریکارڈنگ چل رہی تھی جس میں وہ دونوں نظر آرہے تھے۔ان کی آواز تو سنائی نہیں دے رہی تھی مگر ان کی حرکتیں کافی مشکوک تھیں۔

✿••✿••✿••✿

وہ کہرام جو گزشتہ کئی دنوں سے رئیس اور نگزیب کی اڑھائی ارب مالیت کے ہیروں کی چوری پر پاکستان بھر کے میڈیا چینلز اور اخبارات کی شہ سرخیوں میں برپا تھا، آج کسی حد تک تھمنے کو تھا۔ سب کی نظریں رئیس ہیڈ آفس پر جمی تھیں، جہاں رئیس اور نگزیب نے ایک اہم پریس کانفرنس کا اعلان کیا تھا۔ اس کا بیان آج پہلی بار عوام کے سامنے آنے والا تھا۔

کانفرنس ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ ملک کے تمام نامور صحافی، اینکر پرسنز اور کرائم رپورٹرز کیمروں اور مائیکروفونز کے ساتھ موجود تھے۔ ہر چہرے پر ایک سوالیہ نشان تھا، ایک تجسس تھا کہ ہیروں کا یہ معمہ کیا رخ اختیار کرے گا۔

ٹھیک وقت پر، رئیس اور نگزیب ہال میں داخل ہوا۔ قیمتی لباس میں، اپنی قیمتی شخصیت کے ساتھ اس کی خوشبو دور تک پھیل گئی۔ اس کے چہرے پر وہی مخصوص سنجیدگی، آنکھوں میں گہری سوچ اور چال میں پُر اعتماد وقار تھا۔ وہ اسٹیج پر آکر اپنی مخصوص نشست پر براجمان ہوا، اس کی مضبوط شخصیت پورے ماحول پر چھائی ہوئی تھی۔ چند لمحوں کی خاموشی طاری رہی، صرف کیمروں کے فلش چمک رہے تھے۔

رئیس اور نگزیب کے ذہن میں گزشتہ چند دنوں کی تمام تفصیلات کسی فلم کی طرح گردش کر رہی تھیں۔ پولیس کی بے سود بھاگ دوڑ، میڈیا کا بے لگام شور، اور سب سے بڑھ کر، اس کا اپنا اندرونی یقین کہ یہ کوئی معمولی واردات نہیں۔ اس نے طویل سوچ بچار کے بعد ایک فیصلہ کر لیا تھا، ایک ایسا فیصلہ جو شاید بہت سے لوگوں کے لیے حیران کن ہوتا، مگر اس کے نزدیک یہی واحد راستہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ پولیس کو نہ تو اب تک کوئی ٹھوس ثبوت ملا تھا اور نہ ہی آئندہ ملنے کی کوئی خاص امید تھی۔ یہ جال اتنا سادہ نہیں تھا کہ روایتی تفتیش سے اس کی گرہیں کھلتیں۔ یہ کوئی عام حادثہ نہیں تھا، اور اس سے روایتی طریقوں سے نہیں نمٹا جا سکتا تھا۔

اس نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ یہ کیس پولیس کے ذریعے مزید آگے نہیں بڑھائے گا۔ ایک بار جب یہ معاملہ قانونی طور پر سرد خانے کی نظر ہو جائے گا، تبھی وہ اپنی ذاتی طاقت اور وسائل کو مکمل آزادی سے استعمال کر سکے گا۔ مگر اس اقدام سے پہلے، عوام کی تیز نگاہوں اور میڈیا کی بے چین توجہ کو اس کیس سے ہٹانا اولین ترجیح تھی۔

اس نے مائیکروفون اپنی طرف کیا، ایک گہری سانس لی اور انتہائی نپے تلے اور پُر عزم لہجے میں گفتگو کا آغاز کیا۔

"گزشتہ چند روز میرے لیے، میری فیملی اور میری کمپنی کے لیے انتہائی تکلیف دہ اور مشکل گزرے ہیں۔ اڑھائی ارب مالیت کے ہیروں کی چوری بلاشبہ ایک بہت بڑا نقصان ہے، نہ صرف مالی اعتبار سے بلکہ میری ساکھ اور میرے ادارے کے اعتماد کے لیے بھی۔"

اس نے ایک لمحے کے لیے توقف کیا، حاضرین کے چہروں کا جائزہ لیا۔

"میں سب سے پہلے قانون نافذ کرنے والے اداروں، خصوصاً پولیس کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے اس کیس کی تفتیش میں دن رات محنت کی۔ ان کی کوششیں قابلِ ستائش ہیں۔"

ایک زیرک مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو کر گزری۔ اس نے بات جاری رکھی۔

"بعض اوقات، کچھ معاملات اتنے پیچیدہ ہوتے ہیں کہ ان کا سرا روایتی طریقوں سے نہیں مل پاتا۔ اس مسلسل تفتیش اور میڈیا کی غیر معمولی توجہ سے نہ صرف میرے معمولاتِ زندگی متاثر ہو رہے ہیں بلکہ میری کمپنی کے دیگر اہم منصوبوں پر بھی منفی اثر پڑ رہا ہے۔" اس نے اپنی بات کو ایک نیا موڑ دیا۔

"بہت سوچ بچار اور اپنے قانونی مشیروں سے صلاح مشورے کے بعد، میں نے فیصلہ کیا ہے۔ میں پولیس سے درخواست کروں گا کہ وہ اس کیس کی تفتیش کو فی الحال روک دیں۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہم نے امید چھوڑ

دی ہے، یا ہم مجرموں کو کیفرِ کردار تک پہنچانا نہیں چاہتے۔ بلکہ، میں سمجھتا ہوں کہ اب وقت آ گیا ہے کہ اس معاملے کو ایک مختلف زاویے سے دیکھا جائے۔"

ہال میں ایک ہلکی سی چہ مگوئی شروع ہوئی، جسے رئیس نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے خاموش کرا دیا۔

"میں عوام سے بھی درخواست کروں گا کہ وہ اس معاملے کو اب ماضی کا حصہ سمجھیں۔ میں نہیں چاہتا کہ یہ معاملہ مزید قومی سطح پر زیرِ بحث رہے۔ میری تمام تر توجہ اب اپنے کاروبار اور مستقبل کے منصوبوں پر مرکوز ہو گی۔"

اس نے اپنا بیان مکمل کرتے ہوئے کہا، "آپ سب کی تشریف آوری کا شکریہ۔ مجھے امید ہے کہ آپ میرے اس فیصلے کی وجوہات کو سمجھیں گے۔"

چند ایک سوالات کی کوشش کی گئی، مگر مراد عالم نے انتہائی مہارت سے انہیں ٹالتے ہوئے کانفرنس کے اختتام کا اعلان کر دیا۔ رئیس اسی پُر وقار انداز میں اٹھا، عروزہ اور مراد کے ہمراہ، ہال سے باہر نکل گیا، اپنے پیچھے کئی سوالات اور ایک نیا تجسس چھوڑ گیا تھا۔

اسے معلوم تھا کہ اس کا بیان میڈیا میں ایک نئی بحث چھیڑ دے گا، مگر وہ یہ بھی جانتا تھا کہ چند دنوں میں یہ طوفان بھی تھم جائے گا۔ عوام کی یادداشت کمزور ہوتی ہے۔ اور جیسے ہی یہ معاملہ میڈیا کی نظروں سے اوجھل ہو گا، اصل کھیل شروع کرنے کا وقت آ جائے گا۔ اس کا اپنا کھیل، اپنے اصولوں کے تحت۔

✿••✿••✿••✿

بالائی منزل پر فجر اپنے ڈیزائنز میں مگن تھی۔ چھٹی کا دن تھا اور وہ انہی دنوں کا انتظار کرتی تھی جب وہ تخلیقی کام کر سکے۔ اس کا دھیان یکسوئی سے اپنے بنائے ہوئے خاکوں میں تھا، جہاں رنگوں اور کپڑوں کی دنیا میں وہ کھوئی ہوئی تھی۔ چند مہینوں میں پاکستان میں ایک بڑا فیشن شو ہونے والا تھا اور وہ اس کے لیے تیاری کر رہی تھی۔ شیڈو کوئین کا سٹیوم بھی اسی کلیکشن میں شامل تھا۔

نیچے، لاؤنج میں اماں اور بانو دونوں ٹی وی کے سامنے براجمان تھیں، پاکستانی ڈرامے کی اونچی آواز نے پورے گھر کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ ڈرامے کی کہانی کچھ ایسی ڈرامائی تھی کہ اماں ہر دوسرے سین پر کسی نہ کسی کردار کو برا بھلا کہہ رہی ہوتیں۔ بانو بڑے سلیقے سے سیب کاٹ کر اماں کو پیش کر رہی تھی اور خود بھی مزے سے کھا رہی تھی۔

"اس بے شرم عورت کو دیکھو! اتنی منہ پھٹ ہے کہ اپنی ساس کو بھی جواب دے رہی ہے۔" اماں نے ڈرامے کی ولن پر جھنجھلا کر کہا، ایک سیب کا ٹکڑا منہ میں ڈالا۔

"اماں جی، کیا کریں آج کل کے ڈراموں میں دکھاتے ہی ایسا کچھ ہیں۔ ہم جیسوں کو تو بس تفریح چاہیے۔" بانو نے مسکراتے ہوئے کہا، ایک اور سیب اماں کی طرف بڑھایا۔ اماں اور بانو جو شروع میں ایک دوسرے کو ناپسند کرتی تھیں اب بیسٹ فرینڈز بن چکی تھیں۔ دونوں ایک دوسرے کے بنا کوئی ڈرامہ نہیں دیکھتی تھیں۔

"تفریح! یہ تفریح ہے یا عذاب؟ یہ تو مجھے ہارٹ اٹیک دلوائیں گے ایک دن۔ اس ہیرو کو دیکھو، کیسا بھولا بن رہا ہے، جیسے اسے پتہ ہی نہ ہو کہ اس کی بیوی کس کے ساتھ چکر چلا رہی ہے۔" ماں نے آنکھیں مٹکا کر کہا۔

"ارے اماں جی! یہ تو ڈرامے کا مزہ ہے۔ جب تک ہیرو بیوقوف نہ بنے، تب تک ہم بیچاریاں ہیروئن پر ترس کیسے کھائیں گی؟" بانو نے ہنس کر کہا۔

"ترس؟ مجھے تو اس ہیروئن پر غصہ آرہا ہے، اتنی سیدھی ہے کہ ہر کوئی اسے بے وقوف بنا کر چلا جاتا ہے۔ ایک تھپڑ مارے اس ولن کو تو سارے ڈرامے کا بیڑا غرق نہ ہو جائے؟" اماں نے سیب کا ٹکڑا تیزی سے چباتے ہوئے کہا۔

"یہ ہیروئن تھپڑ مارنے لگے تو ڈرامہ کیسے چلے گا؟ یہ تو کہانی ہی ختم ہو جائے گی۔" بانو نے قہقہہ لگایا۔

"مجھے تو لگتا ہے یہ ڈرامے والے ہمیں پاگل کرنے کے لیے بیٹھے ہیں۔ اور یہ گانے! ارے بابا، پہلے ہی ڈرامہ رونے دھونے والا ہے، اوپر سے یہ اداس گانے۔" اماں نے سر جھٹکا۔

"چلیں اماں جی، تھوڑا سیب اور کھائیں، دماغ ٹھنڈا ہو جائے گا۔" بانو نے پیار سے کہا۔

فجر اوپر اپنا دھیان مرکوز کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہی تھی، لیکن نیچے سے آتی آوازوں نے اسے سخت پریشان کر رکھا تھا۔ ڈرامے کے ڈائیلاگ، اماں اور بانو کی چہ مگوئیاں، اور تیز آواز میں گانے، سب کچھ اس کے کانوں میں گونج رہا تھا۔ بالآخر اس سے رہا نہ گیا اور وہ اپنا کام چھوڑ کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

آخری زینے پر کھڑے ہو کر اس نے اماں کو تبصرے کرتے اور بانو کو قہقہے لگاتے دیکھا۔ جیسے ہی بانو کی نظر اس پر پڑی اس کے قہقہے کو بریک لگی۔

"ذرا آواز کم کر لو۔" وہ زینے پر بازو باندھے کھڑی تھی اور حیرت سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

بانو نے ایک نظر اماں کی طرف دیکھا، جو ٹی وی کی سکرین سے آنکھیں ہٹائے بغیر سیب کھا رہی تھیں۔

فجر کی آواز سن کر لاپرواہی سے کہا، "اسے کہو اپنے کمرے میں جا کر کام کرے، ہمیں ڈسٹرب نہ کرے۔" یہ سنتے ہی فجر کا دماغ بھک سے اڑا۔

"یہ کیا طریقہ ہے؟ میں اوپر اپنا کام کر رہی ہوں اور آپ لوگوں نے پورا گھر سر پر اٹھا رکھا ہے۔"

"بیگم صاحبہ تشریف لے آئیں۔ اپنا کام چھوڑ کر آگئی ہیں۔ کیوں بھئی؟ دماغ کو زور زیادہ پڑ گیا ہے؟" اماں نے طنزیہ لہجے میں کہا، آنکھوں میں چمک تھی۔ ان کی بات سن کر فجر نے صبر سے کام لیا۔

"یہ زور پڑنے کی بات نہیں ہے، بس ذرا آواز کم کر لیں۔ مجھے کام کرنے میں مشکل ہو رہی ہے۔"

"یہ کیا مشکل ہے؟ ہماری عمر میں تو لوگ کھیتوں میں کام کرتے تھے اور گھر آ کر بھی سکون نہیں ملتا تھا۔ اور تم ہو کہ ذرا سی آواز پر ہی ناک بھوں چڑھا رہی ہو۔" اماں نے جان بوجھ کر چھیڑا۔

"اماں کھیتوں میں کام آپ نہیں کرتی تھیں پھر مثال کیوں دے رہی ہیں؟ میرا کام ایسا ہے۔ مجھے یکسوئی چاہیے اور آپ ہیں کہ پاکستانی ڈراموں کی ڈرامہ کوئین بن کر بیٹھی ہیں۔" فجر نے بھی طنز کا وار کیا۔

"بڑی ڈیزائنر بن گئی ہو تو اب ہم غریبوں کا جینا بھی مشکل کر دو گی؟ یہ ہمارا گھر ہے۔ جیسے چاہیں گے رہیں گے۔" اماں نے سیب کا ایک اور ٹکڑا منہ میں ڈالا اور ستائش کے لیے بانو کی طرف دیکھا جس نے ستائش سے گردن ہلائی۔ جبکہ فجر حیرانی سے انہیں دیکھتی رہی۔

"کیا مطلب، یہ آپ کا گھر ہے؟ کیا یہ میرا گھر نہیں ہے؟"

"گھر اس کا ہوتا ہے جس کے نام کی تختی باہر لگی ہو اور باہر ترنم بیگم کی تختی لگی ہے۔" اماں نے فاتحانہ انداز میں کہا۔

فجر یہ سن کر کلس کر رہ گئی۔ الفاظ منہ میں ہی دم توڑ گئے۔

اسے وہ دن یاد آیا جب اس نے یہ گھر بنوایا تھا اور اس کے باہر ترنم ہاؤس کی تختی لگوائی تھی اور آج وہی نام اس پر بھاری پڑ رہا تھا۔ وہ کچھ دیر کھڑی رہی اور جب اماں کے کان پر جوں بھی نہ رینگی تو وہ غصے سے پاؤں پٹخ کر اوپر چلی گئی، جب کہ اماں مزے سے سیب کھاتے ہوئے دوبارہ ڈرامے کی طرف متوجہ ہو چکی تھیں۔ گھر میں ایک بار پھر ڈرامے کی اونچی آواز اور بانو کی قہقہوں کی گونج چھا گئی۔ بھاڑ میں جائے فجر معراج اور اس کے ڈیزائنز!

✿••✿••✿••✿

خوبصورت سے گھر کا لاؤنج م سورج کی سنہری کرنوں سے منور تھا۔ یہ ایک وسیع و عریض ہال تھا جس کی دیواروں پر ہلکے کریم رنگ کا پینٹ تھا۔ سامنے ایک بڑی کھڑکی تھی جہاں سے باہر سرسبز لان اور پھولوں کے گملے نظر آ رہے تھے۔ کھڑکی کے ایک طرف ایک کتابوں کی الماری تھی جس میں مختلف موضوعات پر کتابیں سلیقے سے چنی ہوئی تھیں۔ دوسری طرف ایک لکڑی کی پرانی مگر خوبصورت میز پر ایک گلدان میں تازہ گلاب سجے تھے۔ لاؤنج کے بیچوں بیچ ایک بڑا صوفہ سیٹ پڑا تھا، جس پر نرم مخملی کشن رکھے تھے۔ فلک اسی صوفے پر بیٹھی تھی، گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی، اس کی شہد رنگ بڑی آنکھیں کسی نقطے پر مرکوز تھیں۔ اس کے گھنگریالے بال شانوں پر بکھرے تھے، اور اس نے آسمانی رنگ کا ایک خوبصورت سوٹ پہن رکھا تھا جو اس کی رنگت پر بہت جچ رہا تھا۔

اچانک فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ یہ لینڈ لائن فون تھا، جو لاؤنج کے ایک کونے میں رکھی چھوٹی میز پر پڑا تھا۔ فلک نے اپنا موبائل فون پہلے ہی بند کر رکھا تھا تاکہ فون کالز اسے مزید تنگ نہ کر سکیں۔ فون کی گھنٹی بجتے ہی ایک عجیب سا خوف اس کے دل میں سما گیا۔ فاخرہ بھابھی اور فخر بھائی، دونوں گھر پر نہیں تھے۔ اسے خود ہی اٹھنا پڑا۔ پہلے ایک لمبی سانس لی اور دل کو مضبوط کرتے ہوئے فون کی جانب بڑھی۔

جیسے ہی اس نے فون اٹھایا، دوسری جانب سے ایک زہر خند آواز گونجی۔ ”تم اپنی کتابوں کی اشاعت بند کروا رہی ہو یا پھر تمہاری سانسیں بند کی جائیں؟“

فلک کا دل ایک لمحے کو بیٹھ گیا۔ وہ گھبرا گئی، اس کے ہاتھ ہلکے سے کانپنے لگے، مگر پھر اسے فجر کے ساتھ ہونے والی ملاقات یاد آئی۔ اس نے گہری سانس لی اور کپکپاتے ہاتھوں کی مٹھیوں کو بھینچتے ہوئے، اپنی گردن اونچی کر کے جواب دیا۔ اس کی آواز میں اب کوئی لرزش نہیں تھی، بلکہ ایک مضبوط ارادہ تھا۔

”کتاب کی اشاعت تو نہیں رکے گی۔ تمہیں جو کرنا ہے کر لو۔“ اس نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔ اس کی آنکھوں میں چمک تھی اور اس کے چہرے پر ایک عزم تھا۔ اس نے بنا کچھ سنے ریسیور رکھ دیا اور ایک گہری سانس لی۔ اس کے اندر ایک نئی طاقت نے جنم لیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ یہ راستہ آسان نہیں، مگر اب وہ پیچھے ہٹنے والی نہیں تھی۔

لاؤنج کی خاموشی میں فون کی گھنٹی دوبارہ گونجی۔ اس نے گہری سانس لی اور اس بار بغیر کسی ہچکچاہٹ کے فون اٹھا لیا۔۔

”ہیلو؟“ فلک کی آواز میں اب پہلے والی جھجک نہیں تھی۔

دوسری جانب سے وہی زہر خند آواز دوبارہ گونجی، اس بار اس میں غصہ اور وارننگ مزید واضح تھی۔

”تمہاری سمجھ میں نہیں آیا کہ ہم کیا چاہتے ہیں؟ میں نے کہا تھا کہ اپنی کتاب کی اشاعت بند کروا دو!“

فلک نے یہ سنتے ہی ٹھنڈے لہجے میں جواب دیا، اس کی آواز کی مضبوطی بڑھتی جا رہی تھی۔ ”میں نے بھی تمہیں اپنا جواب دے دیا ہے۔ پر فریب کی اشاعت نہیں رکے گی۔ یہ کتاب اپنا سفر جاری رکھے گی۔“

نامعلوم شخص کی آواز بلند ہوئی، اس میں اب دھمکی کا عنصر شامل ہو چکا تھا۔

"تم جانتی ہو کہ ہمارے الفاظ کا کیا مطلب ہے؟ یہ خالی دھمکیاں نہیں ہیں۔ اگر تم نے بات نہ مانی تو تمہاری جان بھی جا سکتی ہے۔"

فلک کے لبوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ آئی، جو کسی خوف کی نہیں بلکہ چیلنج قبول کرنے کی مسکراہٹ تھی۔ اس نے گردن اونچی کی اور مضبوطی سے کہا، "میری جان میرے ہاتھ میں نہیں ہے، یہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن میری سوچ، میرے الفاظ اور میری قلم میرے ہاتھ میں ہیں۔ اور انہیں کوئی نہیں روک سکتا۔ نہ تمہاری دھمکیاں، نہ تمہاری گندی سوچ!"

نامعلوم شخص کچھ دیر خاموش رہا، جیسے اسے فلک کے اس پر اعتماد جواب کی توقع نہیں تھی۔ پھر اس کی آواز میں ایک عجیب سی سفاکی آئی۔

"تمہیں اس کی قیمت چکانی پڑے گی، فلک عالمگیر! تمہاری یہ کتاب عورتوں کو گمراہ کر رہی ہے، ہمارے معاشرے میں فساد پھیلا رہی ہے۔ ہم یہ سب برداشت نہیں کریں گے۔"

"فساد میں نہیں، بلکہ تمہاری دقیانوسی سوچ پھیلا رہی ہے۔" اس کی آواز میں اب غصہ بھی شامل ہو رہا تھا۔ "میری کتاب عورتوں کو ان کے حقوق، ان کی پہچان، اور ان کی آزادی کے بارے میں بتا رہی ہے۔ یہ کسی کو گمراہ نہیں کر رہی، بلکہ روشن کر رہی ہے۔ اور اگر سچ بولنے اور روشنی پھیلانے کی قیمت جان ہے، تو میں اسے ادا کرنے کو تیار ہوں۔"

"تم پچھتاؤ گی!" نامعلوم شخص غرایا، اس کی آواز میں گہری خفگی تھی۔ "تم نے ہمارا مقابلہ کر کے بہت بڑی غلطی کی ہے۔"

"میں نے غلطی نہیں کی۔" فلک نے پر سکون مگر پختہ لہجے میں کہا۔ "میں نے سچ کا ساتھ دیا ہے۔ اور سچ کی جیت ہوتی ہے۔ اب یہ بحث ختم کرو، میں اپنا فیصلہ سنا چکی ہوں۔"

فلک نے نامعلوم شخص کے مزید کچھ کہنے سے پہلے ہی فون کاٹ دیا۔ ریسیور کو دوبارہ میز پر رکھتے ہوئے، اس نے ایک گہری سانس لی۔ اس کے ہاتھوں میں اب کوئی کپکپاہٹ نہیں تھی، اس کا دل اب مطمئن تھا۔ اسے معلوم تھا کہ یہ راستہ آسان نہیں ہو گا، مگر اس کے اندر ایک نئی طاقت جنم لے چکی تھی، جو اسے ہر مشکل کا سامنا کرنے کا حوصلہ دے رہی تھی۔ اس نے ثابت کر دیا تھا کہ قلم کی طاقت، دھمکیوں سے زیادہ مضبوط ہے۔

✿••✿••✿••✿

فجر کا مکڑی اسگنیچر اسٹائل، صرف ایک ڈیزائن کی شکل نہیں ہے بلکہ یہ اس کے فن کا ایک لازمی حصہ بن چکا تھا۔ اس کے تخلیق کردہ کاسٹیومز میں مکڑی کے جالوں کی نزاکت، اس کی ساخت کی پیچیدگی، اور مکڑی کی پراسرار موجودگی کا ایک حسین امتزاج ہوتا تھا۔ یہ چیز اسے دوسرے ڈیزائنرز سے ممتاز کرتی تھی اور اس کے کام کو ایک منفرد شناخت بخشتی تھی۔

اس وقت بھی وہ ایک ایسا لباس تیار کر رہی تھی جو سفید اور سیاہ رنگوں کے امتزاج سے بنا ہوا تھا۔ یہ لباس سادہ مگر انتہائی پراسرار تھا۔ سفید رنگ خالصتاً اور خوبصورتی کی علامت، جبکہ سیاہ رنگ گہرائی اور اسرار کو ظاہر کرتا تھا، ان دونوں رنگوں کا استعمال، لباس کو ایک ایسا کنٹراسٹ دے رہا تھا جو دیکھنے والے کو اپنی طرف کھینچتا تھا۔ لباس کا کٹ ایسا جو جسم کی خدوخال کو خوبصورتی سے اجاگر کرتا تھا، لیکن اس میں کہیں نہ کہیں ایک الجھا ہوا سا احساس بھی

چھپا ہوا تھا۔ کپڑے کا انتخاب ایسا کیا گیا تھا جو حرکت میں نرم اور آزاد محسوس ہو، لیکن جب ٹھہر جائے تو ایک مخصوص ہئیت اختیار کر لے، جیسے کہ مکڑی کے جالے ہوا میں جھولتے ہیں لیکن اپنی جگہ پر برقرار رہتے ہیں۔

اس کاسٹیوم کا سب سے خاص اور حیران کن حصہ ایک کیپ تھی، جو مکڑی جیسی دکھتی تھی۔ یہ کیپ اتنی حقیقت پسندانہ اور پراسرار تھی کہ یہ دیکھنے والے کو یہ احساس دلاتی تھی جیسے ایک بہت بڑی مکڑی انسان کے آدھے سر پر چپکی ہو۔ کیپ کی بناوٹ ایسی کہ یہ سر کے آدھے حصے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی، اور اس کے ٹانگوں جیسے ڈیزائن ایسے پھیلے ہوئے ہیں جو اصلی مکڑی کی ٹانگوں کا بھرم دیتے تھے۔ یہ صرف ایک کیپ نہیں بلکہ ایک فن پارہ تھا جو فجر کی غیر معمولی ڈیزائننگ صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ اس کیپ کے ذریعے فجر ایک ایسی دنیا تخلیق کر رہی تھی جہاں فینٹسی اور حقیقت کا فرق مٹ جاتا۔ کیپ کا وزن اور ساخت ایسی کہ وہ سر پر آرام سے بیٹھے، مگر اس کا بصری اثر انتہائی ڈرامائی اور ناقابل فراموش تھا۔

اس وقت وہ اپنے اسٹوڈیو میں بیٹھی پوری توجہ سے کام کر رہی تھی۔ یہ اس کی کلیکشن کا دوسرا ڈیزائن تھا یقیناً آگے ایسے بہت سے ڈیزائن اس کلیکشن کا حصہ بننے والے تھے۔

✿••✿••✿••✿

لاہور کے ایک معروف نجی ہسپتال کا آنکولوجی وارڈ، جہاں زندگی اور موت کی کشمکش ہر لمحہ جاری رہتی تھی۔ یہ وارڈ عام طور پر خاموش اور گہرا رہتا تھی، ہر چہرہ ایک ان کہی کہانی سنا رہا ہوتا۔ اس وقت صفدر بھی اپنی فیملی کے ساتھ اسی وارڈ میں موجود تھا۔

روحی اس وقت ایک پرائیویٹ روم میں تھی، جس کی کھڑکی سے باہر کے درختوں کے پتے ہلکے سے ہلتے دکھائی دے رہے تھے۔ کمرہ ہلکے نیلے اور سفید رنگ کا تھا، تاکہ مریضوں کو کچھ سکون مل سکے۔ وہ ایک خاص بستر پر لیٹی

ہوئی تھی، اس کے جسم سے کئی ٹیوبیں جڑی ہوئی تھیں جو مختلف مشینوں میں جا رہی تھیں۔ اس کا چہرہ زرد پڑ چکا تھا اور اس کے بال کیموتھراپی کے باعث بہت کم رہ گئے تھے۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں، جو کبھی شرارت سے چمکتی تھیں، اب تھکاوٹ اور درد کی عکاسی کر رہی تھیں۔

کیموتھراپی کا عمل جاری تھا۔ ایک نرس، جس نے ماسک پہن رکھا تھا، احتیاط سے دوا کی ایک تھیلی کو روحی کے بازو میں لگی IV لائن سے جوڑ رہی تھی۔ یہ کیموتھراپی کا ایک اہم مرحلہ تھا، جس میں طاقتور ادویات خون کے ذریعے کینسر کے خلیوں کو نشانہ بناتی تھیں۔ دوا کا بہاؤ آہستہ آہستہ شروع ہوا، اور روحی نے درد سے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ یہ عمل گھنٹوں جاری رہنا تھا، جس کے دوران قے، متلی اور جسمانی درد جیسی شدید سائیڈ ایفیکٹس متوقع تھے۔ روحی کی ماں اس کے سرہانے بیٹھی تھیں، ان کی آنکھوں میں آنسو تھے جو مسلسل ٹپک رہے تھے، مگر وہ بیٹی کا ہاتھ مضبوطی سے تھامے ہوئے تھیں، جیسے اسے یہ احساس دلا رہی ہوں کہ وہ اکیلی نہیں۔ صفدر کا باپ ایک کرسی پر بیٹھا تھا، اس کا سر جھکا ہوا تھا، اس کی خاموشی کمرے کی اداسی کو اور بھی گہرا کر رہی تھی۔ اتنی دولت ہونے کے باوجود وہ بیٹی کے لیے صحت یاب زندگی نہیں خرید پا رہے تھے۔

صفدر کمرے کے ایک کونے میں کھڑا تھا، اس کی آنکھیں روحی پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ خود کو بے بس محسوس کر رہا تھا۔ یہ وہی صفدر تھا جو ہنستا ہنساتا رہتا تھا اور اب اپنی بہن کو اس حالت میں دیکھ کر سب کچھ بھول گیا تھا۔ اس کا دل روحی کے لیے تڑپ رہا تھا، اور اس کی آنکھیں نم تھیں۔ اس کی شخصیت اس وقت ٹوٹتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

اسی دوران اس کے موبائل کی گھنٹی بجی۔ سکرین پر فجر کا نام چمک رہا تھا۔ صفدر نے ایک لمبی سانس لی، اپنی نم آنکھوں کو ہتھیلی سے صاف کیا، اور بھاری آواز میں فون اٹھایا۔

"ہاں فجر۔۔؟" صفدر کی آواز میں ایک گہری تھکاوٹ اور دکھ نمایاں تھا۔

دوسری جانب سے فجر کی پر اعتماد اور قدرے تیز آواز آئی۔

"کہاں رہ گئے ہو صفدر؟ بھول گئے آج رئیس گروپ کے ساتھ وینڈر والا کانٹریکٹ سائن کرنا ہے؟ یہ کانٹریکٹ تمہیں ہی دیکھنا تھا۔" فجر کی آواز میں ہلکی سی جھنجھلاہٹ تھی، اسے اندازہ نہیں تھا کہ صفدر کی خاموشی کی وجہ کیا ہے۔

صفدر نے ایک گہری سانس لی، اس کے گلے میں جیسے کچھ پھنسا ہوا تھا۔

"تم دیکھ لو۔ میں نہیں آسکتا۔ روحی کی کیموتھراپی ہے۔" اس نے روحی کی طرف دیکھا، جو تکلیف سے کروٹ بدل رہی تھی۔ اس کی آواز میں اب کوئی جھجک یا پیشہ ورانہ مضبوطی نہیں تھی، صرف ایک بہن کی تکلیف کا غم تھا۔

دوسری جانب مکمل خاموشی چھا گئی۔ فجر جو عام طور پر حکم جھاڑتی تھی، ایک لمحے کو جیسے سکتے میں آگئی۔ اسے کبھی صفدر کی اس سنجیدگی کا اندازہ نہیں تھا۔ اسے صفدر کے بارے میں صرف یہی معلوم تھا کہ وہ کام کو اہمیت دینے والا اور ہنسنے ہنسانے والا شخص تھا۔

"ٹھیک ہے تم پریشان مت ہو۔ میں دیکھ لوں گی۔"

وہ فون بند کرنے لگی، مگر اسی لمحے صفدر کی آواز سنائی دی، جو اب پہلے سے بھی زیادہ التجا آمیز تھی۔

"ہو سکے تو رئیس ہیڈ آفس کے بعد سیدھا ہسپتال آجانا۔ روحی تم سے ملے گی تو اسے اچھا لگے گا۔ وہ تمہیں بہت پسند کرتی ہے۔"

صفدر کی اس درخواست پر فجر کا دل جیسے رک سا گیا تھا۔ ہنسنے ہنسانے والا صفدر اس قدر سنجیدہ اور غمگین رہنے لگا تھا، اس کی وجہ اسے اب پتا چلی تھی۔ ان کی اکلوتی بہن زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہی تھی اور یہ سن کر فجر کے دل

میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہوئی۔ فجر کو روحی کا خیال آیا۔ اس کی حالت عجیب سی ہو گئی، اسے محسوس ہوا جیسے وہ روحی سے جذباتی طور پر مانوس ہو چکی تھی۔ فجر نے فوری طور پر فون بند کیا اور اس کا ذہن روحی کی جانب مڑ گیا۔ اب اسکا کام میں دل بمشکل لگ پاتا مگر سب سے مشکل مرحلہ اب رئیس ہیڈ آفس جانے کا تھا۔ اس نے گہرا سانس لیا اور اپنا وجود ڈھیلا چھوڑ دیا۔ آخر وہ وقت آ ہی گیا تھا جب رئیس گروپ اس کا پارٹنر بننے والا تھا۔

✿••✿••✿••✿

میٹنگ روم کا ماحول سنجیدہ اور پُر وقار تھا۔ شیشے کی شفاف دیواروں سے باہر شہر کا وسیع منظر دکھائی دے رہا تھا، مگر اندر موجود افراد کی توجہ کا مرکز کانفرنس ٹیبل پر رکھے گئے دستاویزات تھے۔ فجر معراج، ایک نازک ریشمی پیروں کو چھوتے ہوئے سلیولیس گاؤن پر ایک نفیس سیاہ بلیزر زیب تن کیے ہوئے تھیں۔ اس کے بال ایک اونچی پونی میں کسی ماہر فنکار کی طرح قید تھے، اور کانوں میں ہمیشہ کی طرح ہیروں کے ٹاپس ہلکی سی جنبش پر بھی جگمگا اٹھتے۔ اس کا قیمتی چشمہ بالوں میں کسی تاج کی مانند سجا ہوا تھا۔ چہرے پر تناؤ کے آثار تھے، ایک ایسی مجبوری کا عکس جو وہ چھپانا بھی چاہتی تھی مگر چھپا نہیں پا رہی تھی۔ اس کے ساتھ ولی، ایک مستعد سائے کی طرح موجود تھا، جو ہر لمحہ صورتحال کا جائزہ لے رہا تھا۔

دوسری جانب رئیس، اپنے مخصوص انداز میں بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک فاتحانہ اور گہری مسکراہٹ تھی، جیسے کوئی شاطر کھلاڑی اپنی چال کامیاب ہونے پر مسکراتا ہے۔ وہ فجر کی اندرونی کشمکش سے پوری طرح واقف تھا اور شاید اسی سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ فجر کے لیے یہ معاہدہ ایک کڑوا گھونٹ تھا۔ وہ رئیس کے ساتھ کام نہیں کرنا چاہتی تھی، دونوں کے درمیان ماضی کی تلخیاں ایک ان کہی داستان تھیں، ایک ملکہ ملعون اور ایک ڈارک لارڈ کی طرح، جن کے راستے مجبوری میں ہی سہی، ایک بار پھر ٹکرا گئے تھے۔

رئیس کے وکیل نے معاہدے کی اہم شقیں پڑھ کر سنائیں۔

اس معاہدے کے تحت، رئیس ٹیکسٹائل، منار فیشن کمپنی کو آئندہ دو سال کے لیے خصوصی وینڈر کے طور پر اعلیٰ معیار کا کپڑا فراہم کرے گا۔ کپڑے کا معیار، ڈیزائن اور مقدار منار فیشن کمپنی کی جانب سے فراہم کردہ تفصیلات کے عین مطابق ہو گا۔

فجر نے بے دلی سے سر ہلایا۔ اس کی نگاہیں بار بار رئیس کے چہرے پر پڑتیں، جہاں وہی فاتحانہ مسکراہٹ برقرار تھی۔ ولی نے آگے بڑھ کر فجر کو ایک خوبصورت پین تھمایا۔ فجر نے ایک گہری سانس لی، جیسے خود کو کسی ناگزیر فیصلے کے لیے تیار کر رہی ہو، اور پھر تیزی سے معاہدے پر دستخط کر دیئے۔ اس کے دستخط کے بعد رئیس نے بھی اطمینان سے اپنے دستخط ثبت کیے۔ دستاویزات کا تبادلہ ہوا۔

جیسے ہی وہ میٹنگ روم کے وسیع دروازے سے باہر نکلے، راہداری میں ایک غیر متوقع منظر ان کا منتظر تھا۔ ایک وہیل چیئر پر لڑکی بیٹھی تھی، جس کی بڑی بڑی آنکھیں حیرت سے فجر پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ ذرتاش اورنگزیب تھی۔ اس نے پہلے فجر کو دیکھا، جو اپنے مخصوص پر اعتماد انداز میں کھڑی تھی، پھر اس کی نظر فجر کے دائیں جانب کھڑے رئیس پر پڑی اور پھر بائیں جانب جمے ہوئے ولی پر، جو کسی باڈی گارڈ کی طرح حفاظت پر مامور نظر آ رہا تھا۔ ذرتاش کے چہرے پر حیرانی کے تاثرات مزید گہرے ہو گئے۔ وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ ولی نے نہایت آہستگی سے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

رئیس، فجر کو اس سے متعارف کرواتے ہوئے بولا، "ان سے ملو، یہ ذرتاش اورنگزیب ہیں، میری چھوٹی بہن۔"

فجر جو خود بھی اس اچانک ملاقات پر کچھ حیران ہوئی تھی، فوراً خود کو سنبھالتے ہوئے سنجیدگی سے سلام کے بعد بولی۔

"آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔" اس کا انداز پیشہ ورانہ تھا۔

ذرتاش نے بھی آہستہ سے سلام کا جواب دیا، مگر اس کی نگاہوں میں اب بھی کئی ان کہے سوال تھے۔

فجر، رئیس اور ولی کے ہمراہ راہداری میں آگے بڑھ گئی۔ وہ اب انہیں کچھ چیزوں سے آگاہ کر رہا تھا جبکہ وہ پہلے بھی وہاں آچکی تھی۔ خاموشی نے اسے گھیرے رکھا۔

کچھ قدم چلنے کے بعد رئیس نے طنزیہ لہجے میں فجر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بالآخر تم رئیس کے ساتھ کام کرنے آ ہی گئیں، فجر معراج!"

"ہاں کیونکہ مجبوری ہے۔" اس نے اپنے قدموں کی رفتار تیز کر دی، اس کے چہرے پر کوئی خاص تاثر نہیں تھا، مگر اس کے دل میں ایک طوفان برپا تھا۔ اسے یہ شراکت داری کچھ خاص پسند نہیں آئی۔

"تم اس معاہدے پر کچھ کہنا چاہو گی؟" رئیس نے اپنی بات جاری رکھی، لہجے میں وہی بالادستی تھی۔ بالآخر اسے رکنا پڑا۔

اس بار اس کے لبوں پر ایک سرد مسکراہٹ ابھری، مگر اس کی آنکھوں کی شدت کم نہ ہوئی۔ اس نے ایک گہری نظر رئیس پر ڈالی اور پھر بازو باندھتے ہوئے نہایت سلگانے والے لہجے میں جواب دیا۔

"مجھ سے مردوں والی چالبازیاں مت کیجئے گا ورنہ میں آپ کو عورتوں والے فریب دکھاؤں گی۔"

یہ جملہ ایک غیر متوقع حملے کی طرح تھا۔ رئیس جو اپنی فتح کے نشے میں چور تھا، ایک لمحے کے لیے سناٹے میں آگیا۔ اس کے چہرے کا رنگ بے ساختہ سرخ پڑ گیا، جیسے کسی نے اچانک تھپڑ رسید کر دیا ہو۔ پھر، ایک ناقابلِ یقین قہقہہ اس کے حلق سے بلند ہوا، ایک ایسا قہقہہ جس میں حیرت، غصہ اور شاید تھوڑی سی بے یقینی بھی شامل تھی۔ لیکن یہ

قہقہہ جتنی تیزی سے ابھرا تھا، اتنی ہی تیزی سے اس کے چہرے پر قہر کی سیاہی چھا گئی۔ اس کے جبڑے بھنچ گئے، آنکھوں میں ایک وحشیانہ چمک ابھری۔ وہ مضبوط، پر اعتماد قدموں سے فجر کی جانب بڑھا، ہر قدم میں ایک دھمکی تھی۔

دو قدم، ابھی اس نے صرف دو قدم ہی اٹھائے تھے کہ فجر کے پیچھے کھڑا ولی، جو اب تک ایک خاموش مبصر بنا ہوا تھا، بجلی کی سی تیزی سے حرکت میں آیا۔ وہ ایک جھٹکے سے آگے بڑھا اور رئیس اور فجر کے درمیان ایک آہنی دیوار کی طرح حائل ہو گیا۔

"فاصلہ رکھ کر بات کریں۔" ولی کی آواز سپاٹ اور لہجہ دوٹوک تھا، جیسے کسی تربیت یافتہ محافظ کا ہو۔ اس کے انداز میں ایک واضح پیغام تھا کہ مزید کوئی پیش قدمی برداشت نہیں کی جائے گی۔ وہ سیاہ ڈریس پینٹ پہنے ہوئے تھا، چمچماتے جوتے، نفاست سے جمے بال! وہ ہر طرح سے مکمل لگ رہا تھا۔

یہ سب اتنی اچانک ہوا تھا کہ ایک لمحے کے لیے راہداری میں مکمل سکوت طاری ہو گیا۔ فجر اپنی جگہ پر ساکت کھڑی رہی، اس کی نگاہیں اب بھی کسی شکاری کی طرح رئیس پر جمی ہوئی تھیں۔ ولی کی اس غیر متوقع مداخلت پر رئیس کے ابرو حیرت سے اٹھے، مگر اگلے ہی لمحے اس کے چہرے پر پھر وہی استہزائیہ مسکراہٹ لوٹ آئی، جیسے وہ اس نئی صورتحال سے بھی محظوظ ہو رہا ہو۔

"تو اب تم نے باڈی گارڈ بھی رکھ لیا ہے؟" رئیس نے طنزیہ انداز میں کہا، اس کی نظریں ولی پر تھیں مگر مخاطب فجر تھی۔ "نائس۔۔۔!"

یہ الفاظ جیسے فجر کی برداشت کی آخری حد تھے۔ اس نے تیزی سے ولی کا بازو پکڑا اور اسے نرمی سے مگر مضبوطی سے کھینچ کر اپنے پیچھے کیا۔ اس کی گردن فخر سے بلند تھی، آنکھوں میں وہی ملکہ معلون والی بے نیازی اور طاقت کی جھلک۔

"مجھے گارڈز کی ضرورت نہیں ہے۔" اس کی آواز میں ایک ناقابلِ شکست عزم تھا۔ "میں تمہارے لیے اکیلی ہی کافی ہوں۔"

رئیس ایک لمحے کے لیے خاموش رہا، فجر کے اس بے باک انداز کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر اس کی آنکھوں میں ایک گہری، پراسرار چمک ابھری، جیسے وہ کسی پرانے راز سے پردہ اٹھا رہا ہو۔

"تو پھر سنو، مس معراج!" اس نے فجر کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑ دیں، جیسے اس کی روح میں اتر رہی ہوں۔

"میں عورتوں سے چالبازیاں نہیں کرتا۔ تمہارے فریب صرف میرا راستہ بدل سکتے ہیں، لیکن یاد رکھنا، اگر میں فریب پر اترا، تو تمہاری منزل بدل دوں گا۔"

راہداری کی ٹھنڈی ہوا میں یہ الفاظ کسی ان دیکھے خنجر کی طرح ترازو ہو گئے۔ فجر اور رئیس، دو طاقتور شخصیتیں، ایک دوسرے کے سامنے کھڑی تھیں، ان کے درمیان ایک نہ ختم ہونے والی جنگ کا آغاز ہو چکا تھا، جس کی پہلی جھلک آج اس راہداری میں نظر آئی تھی۔ فجر اسے دیکھے گئی اور اسکا پیچھے کھڑا ولی بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا پھر وہ بنا کچھ کہے پلٹ گئی۔ ولی اس کے پیچھے تھا۔ اب وہ دونوں ساتھ چل رہے تھے۔ ایک سی ادا سے، ولی کے ہاتھ میں فائل تھی اور فجر کے کندھے پر بیگ۔ رئیس نے ان دونوں کو جاتے دیکھا اور گہری سنجیدگی اس کے اندر تک اتر گئی۔ کچھ تھا جو چبھنے لگا تھا مگر کیا؟ یہ سمجھ نہیں آیا تھا۔

✿••✿••✿••✿

رات کے نو بجے کا وقت تھا، اور رئیس اور نگزیب کی مرسیڈیز بینز اس کے وسیع و عریض سفید مینشن کے پورچ میں آرکی، جو رات کی تاریکی میں جگمگا رہا تھا۔ شوفر نے تیزی سے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور رئیس باہر نکلا۔ سفید ڈریس شرٹ میں ملبوس، تھکا ہونے کے باوجود اس کی شخصیت میں وقار نمایاں تھا۔ کوٹ اس نے بازو پر رکھا ہوا تھا، شوفر نے اسے تھامنا چاہا مگر رئیس نے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا۔ وہ ایک لمبی روش پر چلتا ہوا گھر کے اندر داخل ہو گیا۔

اندر سناٹا تھا، جو اس کے قدموں کی چاپ سے ٹوٹنے لگا۔ وہ ڈرائنگ روم عبور کرتا ہوا لاؤنج میں پہنچا تو وہاں ذرتاش اور احمد اور نگزیب صاحب کو بیٹھے دیکھ کر اسے خوشگوار حیرت ہوئی۔ اس کی ساری تھکن پل بھر میں کافور ہو گئی، جیسے کوئی جادو ہو گیا ہو۔ یہ اس کا خاندان تھا، اس کے اپنے۔ ایک نئی توانائی کے ساتھ وہ ان کی جانب بڑھا، چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہیلو لیڈیز اینڈ جنٹلمین!" اس نے خوشگوار لہجے میں کہا اور آگے بڑھ کر خالی سنگل صوفے پر بیٹھ گیا۔ ایک جانب ذری بیٹھی تھی، جبکہ احمد اور نگزیب صاحب اپنی وہیل چیئر پر تھے، جو اسے دیکھتے ہی رخ موڑ گئے۔ رئیس ان کی حرکت پر دھیرے سے ہنس دیا۔

"مجھے دیکھ کر رخ موڑ لیا؟ کیا اتنا برا ہوں میں؟"

"تم اس سے بھی برے ہو۔" اور نگزیب صاحب کی خفگی بھری آواز ابھری اور رئیس کے چہرے پر صدیوں کی تھکن ابھر آئی۔ اس نے کوٹ کو صوفے کے بازو پر ڈالا، اوپری دو بٹن مزید کھولے اور صوفے سے پشت ٹکالی۔

"آخر میں نے کیا کیا ہے جو آپ مجھے دیکھ کر رخ پھیر لیتے ہیں؟" اس بار اس کے لہجے میں صرف سوال ہی نہیں، اذیت بھی تھی۔ ذری اسے گھور کر دیکھ رہی تھی۔ آج اس نے آفس میں فجر کو دیکھا تھا، وہ اس کے ساتھ معاہدے کرتا پھر رہا تھا۔

"تم نے میرا نام مٹی میں ملا دیا۔" اورنگزیب صاحب نے یونہی رخ موڑے جواب دیا، "جس نام کو لوگ عزت اور رتبہ دیتے تھے، تم نے اسے طاقت اور خود غرضی کی علامت بنا دیا۔"

ان کے بائیں حصے پر فالج کا اٹیک ہوا تھا، اب پہلے سے بہتر تھے لیکن ابھی تک وہ وہیل چیئر پر تھے۔ پچھلے چھ سات مہینوں سے وہ بولنا شروع ہو گئے تھے اور اب رئیس کی اچھی خاصی درگت بنتی تھی۔ ان کی بات سنتے ہی رئیس کی بھنویں سکڑ گئیں۔

"آپ کا نام بچا ہی کب تھا؟" رئیس کے لہجے میں غصہ بھی تھا اور اذیت بھی۔ "سالوں پہلے اورنگزیب ٹیکسٹائل کے ساتھ ہی آپ کا نام جل بجھ گیا تھا۔ میرے باپ کے مرنے پر اورنگزیب جیولرز کی کمر ٹوٹ گئی تھی، یہ میں ہی ہوں جس نے یہ سب زندہ رکھا، جس نے اورنگزیب خاندان کو ایک نئی پہچان دی، ایسی پہچان جو کوئی نہیں مٹا سکتا۔" آج تک اس نے سارے الزامات خاموشی سے سہہ لیے تھے۔ مگر ہر الزام کی ایک حد ہوتی ہے۔

"تم نے یہ سب صرف اپنے لیے کیا۔ اپنی پہچان بنانے کی خاطر۔ اپنی طاقت کی خاطر، تم طاقت کے پجاری ہو۔" ان کے لہجے میں غصہ نمایاں تھے۔ سپید چہرہ سرخ پڑ چکا تھا۔ رئیس نے ایک نظر ان کی پشت کو دیکھا۔

"پہچان یونہی نہیں بن جاتی۔" وہ پھر گویا ہوا، "بڑے بڑے ہتھکنڈے استعمال کرنے پڑتے ہیں تب کہیں جا کر لوگوں کے دلوں میں آپ کا دبدبہ بیٹھتا ہے۔"

"اور جو اڑھائی ارب کا نقصان ہوا ہے اس کا کیا؟ آخر تم ایسی کونسی جیولری بناتے ہو جس میں اڑھائی ارب مالیت کے ہیرے لگیں؟"

"تھوڑا بہت اپنے پوتے کے بارے میں گوگل کر لیا ہوتا تو یہ سوال پوتے سے نہ پوچھنا پڑتا۔" وہ منہ بنا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ یہاں بیٹھنا فضول تھا۔ وہ تھکن اتارنا چاہتا تھا مگر تھکن مزید بڑھ گئی۔

"ان سب سے اچھا تھا کہ تم شادی کر لیتے۔ میری نسل تو آگے بڑھتی۔" اورنگزیب صاحب کے لہجے میں طنز تھا۔ رئیس، جو اٹھ کھڑا ہوا تھا، ان کی بات سن کر حیران رہ گیا۔ چہرہ سرخ پڑ گیا۔ اللہ اللہ اورنگزیب صاحب بھی کبھی کبھی حد کر دیتے تھے۔

"نسل نام سے چلتی ہے اور میرا نام زندہ رہے گا۔" وہ جواب دیتا سیڑھیوں کی جانب بڑھا جب ذرتاش، جو اب تک خاموش تھی، اس کی آواز گونجی۔

"اور یہ فجر معراج کا کیا چکر ہے؟ وہ وہاں کیا کر رہی تھی؟ آپ کیا پلان کر رہے ہیں؟ شادی کیوں نہیں کر لیتے اور اگر نہیں کرنا چاہتے تو اس کا پیچھا چھوڑ دیں۔ اسے اپنے ساتھ کیوں گھسیٹ رہے ہیں؟"

رئیس ٹھٹھک کر رکا۔ پھر اس نے پلٹ کر ذرتاش کو یوں دیکھا جیسے اس کا دماغ پھر گیا ہو۔

"پیچھا چھوڑ دوں؟ کیسے چھوڑ دوں پیچھا؟" اس نے الٹا سوال کیا۔

"کیونکہ وہ فجر ہے، منار نہیں۔ وہ ایک عام سی لڑکی ہے مگر شاطر! وہ منار جیسی نہیں ہے۔ منار معصوم تھی اور یہ لڑکی مجھے آفت لگتی ہے۔" وہ جتاتے ہوئے بولی۔ رئیس بے یقینی سے اسے دیکھتا گیا۔ وہ منہ بھینچے کھڑا تھا پھر ہنس دیا۔

"منار اور معصوم؟" اگلے ہی لمحے اس کے جبڑے بھنچ گئے۔

"جس لڑکی نے ہمارے پورے خاندان کو تباہ کر دیا۔ جس نے تمہیں ہمیشہ کے لیے معذور کر دیا اسے معصوم کہہ رہی ہو؟" رئیس نے اس کی عقل پر ماتم کیا۔

"جو ہوا اسے بدلا نہیں جا سکتا۔ آخر تم موو آن کیوں نہیں کر لیتے ہو رئیس؟" اس بار وہ آپ سے تم پر آئی۔ وہ اسکا مزید نقصان ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ رئیس جو ابھی تک اپنی جگہ جما ہوا تھا وہ اس کی جانب بڑھا۔ بازو پر رکھا کوٹ اٹھا کر نیچے پھینکا اور پھر دائیں جانب کی دیوار پر لگی ایک بڑی سی فریمڈ فوٹو اتار لایا۔

"موو آن کر لوں؟ کس سے موو کر لوں؟ دیکھو انہیں۔ بھول گئی ہو؟ دیکھو ڈیڈ کو، ولی کو دیکھو، اپنے آپ کو دیکھو۔ زرناب کو دیکھو، بی جان کو دیکھو، ان سب کو بھول جاؤں؟ ان سب سے موو آن کیسے کر لوں؟" وہ تصویر اٹھا کر اس کے منہ کے عین قریب کرتے بولا۔ انداز میں طیش تھا۔ چہرہ سرخ پڑ چکا تھا۔

تصویر میں نظر آنے والا آفاق اور نگزیب اس کا باپ تھا، ولی دس سال چھوٹا بھائی، زرناب، زرتاش کی جڑواں بہن، بی جان ان کی دادی! وہ سب منار کی وجہ سے مارے گئے۔ منار نے اس کے پورے خاندان کو تباہ کر دیا تھا۔ وہ کیسے موو آن کر لیتا؟ اس نے وہ تصویر فرش پر دے ماری۔

"یہ عالیشان گھر آج سونا پڑا ہے۔ کیوں؟ یہاں سناٹوں کا راج ہے۔ کیوں؟ کم عمری میں ہمیں یتیم کر دیا گیا کیوں؟" وہ اب اپنے بال نوچ رہا تھا۔ اس کا انداز ہیجانی تھا۔ اس نے صوفے کے سائیڈ رکھے میز کو زوردار لات ماری۔ میز دور جا گرا۔ اس پر رکھے بیش قیمتی شو پیس ایک چھناکے سے ٹوٹ گئے۔ زرتاش اور اورنگزیب صاحب دونوں اپنی جگہ سہم گئے۔ انہیں یاد بھی نہیں تھا آخری بار رئیس نے غصہ کب کیا تھا۔ وہ سب کچھ اندر دبائے رکھنے

کا عادی تھا۔ مسکراتے چہرے اور زخمی دل کے ساتھ اس نے اپنی سلطنت کھڑی کی تھی مگر تنہائی اس کا مقدر تھی۔

ذرتاش کو اس پل اس پر ترس آیا۔

"اس سب میں فجر کا کیا قصور ہے؟" اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"کیونکہ وہ اس کی بہن ہے۔ وہ اس کی ہمشکل ہے۔" وہ حلق کے بل چلایا۔ گردن کی نسیں ابھر آئیں۔

"آپ اسے مار دیں گے؟" ذرتاش کی آنکھوں میں نمی ابھری۔ ساری عمر کا اپاہج پن اسے بھی تو منار کی وجہ سے ملا تھا۔

"میں سے اذیت دوں گا اتنی جتنی مجھے ملی۔ جتنی ہم سب کو ملی۔"

"اسے ماریئے گا مت!" اس بار ذرتاش نے التجا کی جبکہ اورنگزیب صاحب کے چہرے پر خوف اور وحشت دکھائی دے رہا تھا۔

"دھوکے کی سزا صرف موت ہے!" وہ آخری نظر ان پر ڈالتا، تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتا ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ پیچھے لاؤنج میں ایک ہولناک سناٹا چھا گیا تھا۔

✿••✿••✿••✿

شام کی دھندلی روشنی ہسپتال کے اس کمرے میں آہستہ آہستہ اتر رہی تھی، جہاں سکوت نے ایک بوجھل سی فضا بنا رکھی تھی۔ باہر سے کبھی کبھار ایمبولینس کے سائرن کی دبی دبی آوازیں اس خاموشی کو توڑتی اور پھر لوٹ جاتیں۔ کمرے میں ایک ہلکی زرد روشنی جل رہی تھی، جو روحی کے پیلے چہرے پر مدھم سی چمک ڈال رہی تھی۔ کیموتھراپی

کی نقاہت اس کے وجود پر واضح تھی، مگر اس کی بڑی بڑی آنکھیں، جو فجر کو دیکھ رہی تھیں، ایک معصوم مسکراہٹ سے جگمگا رہی تھیں۔

فجر، جو عام طور پر لوگوں سے ایک فاصلہ رکھتی تھی، اس وقت ایک بے چینی کے عالم میں اس کے پلنگ کے کنارے بیٹھی تھی۔ روحی کو اس حالت میں دیکھ کر اس کے دل میں ایک انجانی کسک اٹھی۔ یہ وہی روحی تھی جس کی باتوں میں ایک بے ساختگی تھی، جس کے خالص پن نے فجر کی تنہائی پسند طبیعت میں بھی ایک نرم گوشہ پیدا کر دیا تھا۔

روحی کی کمزور انگلیاں فجر کے بازو کو چھونا چاہتی تھیں، ایک بے بسی اور چاہت کا اظہار۔ فجر نے خود کو سنبھالتے ہوئے اس کا ننھا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ روحی کی گرفت کمزور تھی، مگر اس میں ایک اپنائیت کا لمس تھا۔

"مجھے یقین تھا آپ آئیں گی۔" روحی کی آواز دھیمی تھی، جیسے ایک سرگوشی ہو۔ اس کے ہونٹوں پر ایک نحیف مسکراہٹ پھیلی۔ "میں اسٹرانگ ہوں نا؟ بالکل آپ کی طرح!"

فجر کے ہونٹوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی، جسے اس نے بمشکل روکا۔ اندر ایک درد کی لہر اٹھی تھی

"ہاں روحی، تم بہت اسٹرانگ ہو۔ مجھ سے بھی زیادہ!" اس کی آواز میں ایک گہرا یقین تھا۔

فجر ایک بیگ اپنے ساتھ لائی تھی، جس میں روحی کے لیے کچھ تحائف تھے۔ پھولوں کا ایک چھوٹا سا گلدستہ، جس میں گلابی اور سفید رنگ کے نازک پھول تھے، اور ایک کراس بیگ۔ بیگ کو دیکھ کر روحی کی کمزور ہوتی نظروں میں اچانک ایک چمک آئی۔ یہ ایک کینوس کا بیگ تھا، جس پر سیاہ رنگ کی ایک بڑی سی مکڑی بنی ہوئی تھی۔ اس کے لمبے، نازک پاؤں اور چمکدار آنکھیں بالکل اصلی لگ رہی تھیں۔

"یہ۔۔۔" روحی کی آواز میں حیرت اور خوشی رچ بس گئی تھی۔ اس کی انگلیاں بے تابی سے بیگ کو چھونا چاہ رہی تھیں۔ "یہ تو بہت پیاری ہے!" وہ تکیے سے ٹیک لگائے نیم دراز تھی۔

فجر نے بیگ روحی کے قریب کر دیا۔ "مجھے لگا تمہیں پسند آئے گا۔"

روحی کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں، جیسے اسے یقین نہ آ رہا ہو۔ وہ اپنی کمزور سی گردن کو اٹھا کر مکڑی کو غور سے دیکھ رہی تھی۔

"دیکھیں نا، کتنی خاص ہوتی ہیں یہ مکڑیاں! ان کے آٹھ پاؤں ہوتے ہیں، بالکل جیسے کوئی ماہر رقاصہ اپنے فن کا مظاہرہ کر رہی ہو۔ اور وہ جالا بنانا، کتنا کمال کا فن ہے۔ ایک ایک تار جوڑ کر ایسا گھر بنانا، جو ان کا شکار بھی ہوتا ہے۔ وہ صبر سے انتظار کرتی ہیں، اور پھر بجلی کی سی تیزی سے اپنے شکار کو لپیٹ لیتی ہیں۔ ہیں نا یہ ایک ماہر آرٹسٹ کی طرح؟" روحی کی آواز میں بیماری کی کمزوری کے باوجود ایک ولولہ تھا۔

فجر نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا، مگر اس کی مسکراہٹ میں ایک سوچ تھی۔ "ہاں، تم صحیح کہہ رہی ہو۔ ان کا جال بنانا واقعی ایک کمال ہے۔ مگر ان کی ایک ڈارک سائیڈ بھی ہے۔ وہ جال بظاہر خوبصورت لگتا ہے، مگر حقیقت میں یہ شکار کا ایک پھندہ ہے۔ ان کا صبر، ان کا انتظار، یہ سب کسی کو اپنی طرف کھینچنے اور پھر اسے قید کر لینے کی چال ہے۔ کچھ مکڑیاں تو اتنی خطرناک ہوتی ہیں کہ ایک ہی کاٹنے سے جان لے لیتی ہیں۔ ان کی خوبصورتی کے پیچھے ایک خوفناک حقیقت چھپی ہوتی ہے، جو بظاہر نظر نہیں آتی۔"

روحی نے فجر کی بات غور سے سنی، پھر ہلکے سے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں، فجر آپی! وہ بری نہیں ہوتیں۔ وہ بس اپنے Survival کے لیے ایسا کرتی ہیں۔ وہ بھی تو ایک زندگی ہے جسے آگے بڑھانا ہے نا۔ اور جو چھوٹی مکڑیاں ہوتی ہیں، وہ تو کسی کو نقصان بھی نہیں پہنچاتی ہیں۔ وہ بس چھپ کر رہتی ہیں، اپنے جالے بناتی ہیں، اور کوئی ان کو چھیڑے نا، تو وہ کچھ نہیں کہتیں۔ ان میں ایک خاموش طاقت ہوتی ہے، جو سب کو نظر نہیں آتی۔ وہ اپنے اندر کی دنیا میں مگن رہتی ہیں۔" وہ خود بھی کسی چھوٹی مکڑی کی طرح تھی جو اپنے سروائیول کی جنگ لڑ رہی تھی۔

"ہر چیز کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ اچھا اور برا۔ خوبصورت اور خوفناک۔ یہ بس دیکھنے والے کی نظر پر منحصر کرتا ہے کہ وہ کیا دیکھتا ہے۔"

روحی کے ہونٹوں پر دھیمی سی مسکراہٹ پھیلی۔ "آپ کو پتا ہے میری ماما کہتی ہیں، دنیا میں کچھ بھی صرف اچھا یا صرف برا نہیں ہوتا۔ ہر چیز کے اندر روشنی اور سایہ دونوں ہوتے ہیں۔ جیسے آپ کے ڈیزائنز میں ہوتا ہے نا، کبھی بہت چمکدار رنگ ہوتے ہیں اور کبھی بہت گہرے، خاموش رنگ۔ مگر دونوں مل کر ہی خوبصورت لگتے ہیں۔"

فجر نے غور سے روحی کو دیکھا۔ اس کی باتوں میں ایک گہرائی تھی، جو اس کی عمر سے کہیں زیادہ تھی۔

"ہاں، یہ تو ہے۔ کچھ چیزیں اپنی تاریکی میں بھی ایک خوبصورتی رکھتی ہیں۔ جیسے اندھیری رات میں جگمگاتے ستارے۔ یا سمندر کی گہرائی میں چھپی وہ مخلوقات جو کبھی دن کی روشنی نہیں دیکھتیں۔"

"بالکل!" روحی کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ "مکڑیاں بھی ایسی ہی ہیں۔ وہ اپنی تاریک جگہوں میں، اپنی چھپی ہوئی دنیا میں رہتی ہیں۔ مگر ان کا وجود کتنا اہم ہے۔ وہ کیڑوں کو کھا کر ہمیں صاف ماحول دیتی ہیں۔ وہ کسی کو نقصان پہنچانے کے لیے نہیں بنتیں۔ ان کا جال بھی تو دیکھیں، کتنا مضبوط ہوتا ہے! جیسے کوئی مضبوط رشتہ۔ آپ کے اور

میرے جیسا۔" روحی کے آخری الفاظ پر فجر کا دل ایک پل کو رکا۔ اس نے بے اختیار روحی کا ہاتھ اور مضبوطی سے تھام لیا۔ اس رشتے کی مضبوطی، جو چند ملاقاتوں میں بن گیا تھا۔ اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔

اس نے روحی کے سر کو دیکھا جہاں بال کیموتھراپی کی وجہ سے بہت کم ہو گئے تھے۔ ایک لمحے کے لیے فجر کو لگا جیسے اس کی اپنی روح کا کوئی تار اس کمزور، مگر زندہ دل بچی سے جڑ گیا ہو۔

"وہ Mr. scar آپ کے ساتھ آئے ہیں؟" روحی کے پوچھنے انداز ایسا تھا کہ فجر نے الجھی نظروں سے اسے دیکھا۔

"آپ کا پی اے۔ ان کے فیس پر نشان ہے نا اس لیے میں نے انکا نام scar رکھ دیا ہے۔" اس کے کہنے کا انداز ایسا تھا کہ فجر بے ساختہ مسکرا دی۔

کمرے میں صرف ان کی سانسوں کی ہلکی آوازیں گونج رہی تھیں۔ باہر شام اور گہری ہو رہی تھی، اور اندر دو مختلف دنیاؤں کی دو روحیں ایک دوسرے کے قریب بیٹھی تھیں، خاموشی سے ایک دوسرے کو سہارا دے رہی تھیں۔ روحی کی مکڑیوں سے محبت اور فجر کا وہ پراسرار تحفہ، اس لمحے کو ایک انوکھا اور پرسکون جادو بخش رہا تھا۔

✿••✿••✿••✿

رات کے دو بجے، جب شہر نیند کی گہری چادر اوڑھے خوابوں کی وادی میں گُم تھا، اس کی سیاہ مرسڈیز چاندی جیسی چاندنی میں نہائے ہوئے، دودھیا سفید چمکتے رئیس مینشن کے دیو قامت آہنی گیٹ کے سامنے آکر رکی۔ گیٹ کسی نادیدہ اشارے پر آہستگی سے وا ہوا، جیسے کسی آنے والے کے استقبال کو بے تاب ہو۔ اس نے گاڑی وسیع و عریض پورچ میں کھڑی کی اور باہر نکلا۔ اس کا سیاہ، قیمتی کپڑے کا سوٹ رات کی خنکی میں اس کی سُنہری پر عجب طرح سے

سج رہا تھا۔ اس کے چہرے پر کئی دنوں کی تھکن اور ایک عجیب سی سنجیدگی تھی البتہ بائیں گال کا نشان مزید واضح دکھائی دے رہا تھا۔

مینشن اس وقت ایک گہرے، پُراسرار سکوت میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے بھاری بھرکم، نقش و نگار سے مزین دروازہ آہستگی سے کھولا اور اندر قدم رکھا۔ اندرون خانہ بھی ایک خاموش سمندر کی مانند تھا۔ ہوا میں ایک مخصوص، رئیسانہ خوشبو رچی بسی تھی۔ مہنگے سگاروں، پرانی کتابوں اور کسی انجانے عطر کا امتزاج۔

اس کے قدموں کی چاپ قیمتی ایرانی قالینوں پر بھی سنائی دے رہی تھی۔ وہ ڈرائنگ روم عبور کرتا ہوا لاؤنج کی طرف بڑھا، جس کے ایک سرے پر اوپر کی منزل کو جاتی ہوئی شاہانہ، بل کھاتی سیڑھیاں تھیں۔ جیسے ہی اس نے نظر اٹھا کر دیکھا، اس کا دل ایک لمحے کو دھڑکنا بھول گیا۔ وہ ساکت رہ گیا۔

سامنے، سیڑھیوں کی پہلی چاندنی پر، ڈھیلے ڈھالے ریشمی لباس میں ملبوس رئیس اورنگزیب کھڑا تھا۔ اس کے چند چاندی جیسے سرمئی بال، جو ہمیشہ سلیقے سے سنوارے رہتے تھے، اس وقت بھی اس کی شخصیت کو رات کے اس پہر ایک ناقابلِ بیان وقار بخش رہے تھے۔ اس کا چہرہ کسی سنگ تراشیدہ مجسمے کی مانند سپاٹ تھا، اور آنکھیں، وہ سرد، سیاہ آنکھیں برف کی طرح تھیں، جن میں کوئی تاثر، کوئی جذبہ تلاش کرنا ناممکن تھا۔

وہ ٹھٹک کر رک گیا۔ اس کے حلق میں جیسے کانٹے چبھنے لگے۔ اس نے رئیس اورنگزیب کو دیکھتے ہوئے بے ساختہ تھوک نگلا۔ ایک سرد لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناتی ہوئی نیچے تک اتر گئی۔ کچھ لمحے، جو صدیوں پر محیط محسوس ہوئے، دونوں کی نظریں پُراسرار خاموشی میں ایک دوسرے کو تکتی رہیں۔ مینشن کے در و دیوار بھی جیسے سانس روکے اس منظر کو دیکھ رہے تھے، اور عجیب و غریب سرگوشیاں کر رہے تھے۔

پھر، پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ اڑسے، رئیس اورنگزیب نے زینے اترنا شروع کیے۔ اس کی چال میں وہی مخصوص شاہانہ وقار تھا، ایک شیر کی سی تمکنت جو شکار کو اپنے قریب آتا دیکھ رہا ہو۔ ہر قدم پر اس کے ریشمی لباس کی ہلکی سی سرسراہٹ خاموشی کو توڑتی تھی۔ وہ پُروقار چال چلتا اس کے قریب آرہا تھا۔ چند قدموں کے فاصلے پر وہ دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے تھے۔ ایک جتنا قد، ایک جیسی مضبوط جسامت۔ ایک کے پاس دہائیوں کا تجربہ، زمانے کی اونچ نیچ کا علم اور بے پناہ دانائی تھی، تو دوسرے کے پاس جوش، جذبہ اور کچھ کر گزرنے کی بے تاب امنگ تھی۔

سرد سیاہ آنکھیں کتنی ہی دیر اس کے چہرے، اس کی آنکھوں میں جھانکتی رہیں۔ اسے کو محسوس ہوا جیسے یہ نگاہیں اس کے وجود کے آرپار ہو رہی ہوں، اس کی روح تک کو اسکین کر رہی ہوں۔ پورا رئیس مینشن انہیں دیکھ کر اپنی سرگوشیاں تیز کر چکا تھا۔ پھر، جیسے کسی نے وقت کا بٹن دبا دیا ہو، بے ساختہ رئیس اورنگزیب نے آگے بڑھ کر اپنے بازو پھیلائے اور اس کو، جو کسی بھیانک ردعمل کے لیے تیار تھا، اپنے سینے سے لگا لیا۔

یہ ایک غیر متوقع، لیکن مضبوط گرفت تھی۔ وہ ایک لمحے کو سمجھ ہی نہ پایا کہ کیا ہوا تھا۔

"تم نے میرے ہر شک کو، ہر اندیشے کو غلط ثابت کر دیا، ولی!" رئیس کی کی گہری، بارعب آواز ولی کے کانوں سے ٹکرائی۔

"تم نے ثابت کر دیا کہ تم **'اورنگزیب'** کہلانے کے ہر طرح سے قابل ہو۔"

اس نے ولی کو خود سے الگ کرتے ہوئے اس کے دونوں کندھوں پر اپنے بھاری ہاتھ رکھے۔ اس کی آنکھوں کی سرد مہری میں اب ایک ہلکی سی، تقریباً نا محسوس سی چمک پیدا ہوئی تھی۔

"آخر تم اسے رئیس تک لے ہی آئے۔" اس کا اشارہ واضح طور پر فجر کی جانب تھا۔ "جس مہرے کو میں حرکت میں لانا چاہتا تھا، تم نے اسے ٹھیک نشانے پر پہنچا دیا۔"

"تم نے آج میرا وہ اعتماد پوری طرح جیت لیا ہے جو میں نے کبھی کسی پر نہیں کیا۔" وہ واقعی خوش نظر آرہا تھا، مگر اس خوشی میں بھی ایک عجیب سی فتح مندی تھی، یوں جیسے کوئی ماہر شکاری اپنے پھیلائے ہوئے جال میں شکار کو دھیرے دھیرے پھنستا دیکھ کر مسرور ہو۔

جبکہ ولی، جس کے چہرے پر شاید گزشتہ دنوں کے واقعات کے کچھ نشان باقی تھے، بنا کچھ کہے، بنا کوئی تاثر دیے بس اسے دیکھتا رہا۔ اسے سنتا رہا۔ اسے رئیس کی آواز اپنے کانوں میں کم، جبکہ اپنے دل کی دھڑکنیں کسی جنگی ڈھول کی طرح زیادہ سنائی دے رہی تھیں۔ کنپٹی پر بے ساختہ پسینے کے چند قطرے ابھر آئے۔ اس کا ذہن ابھی تک اس اچانک تبدیلی کو قبول کرنے سے قاصر تھا۔

"چلو آؤ!" رئیس اورنگزیب نے مسکراتے ہوئے کہا، "آج میں تمہیں ماضی کی ایک ایسی کہانی سناتا ہوں جسے سننے کے بعد تمہارے ذہن میں اٹھنے والے بہت سے سوالوں کے طوفان تھم جائیں گے۔ آؤ، آج تمہیں تمہارے منتظر جوابوں سے روبرو کرتا ہوں۔"

وہ اس کے کندھے کے گرد اپنا بازو پھیلائے، اسے اپنے ساتھ لیے زینوں کی جانب بڑھا۔ ولی مشین کی مانند اس کے ساتھ چل پڑا۔ کچھ دیر وہ دونوں اوپری منزل کی وسیع راہداریوں میں چلتے ہوئے رئیس اورنگزیب کے ذاتی، پرائیویٹ کمرے کی جانب بڑھ رہے تھے۔

دروازے پر پہنچ کر رئیس اورنگزیب نے دیوار میں نصب ایک جدید ڈیجیٹل لاک پر چند ہندسے ڈائل کیے۔ ایک ہلکی سی کلک کی آواز آئی اور بھاری دروازہ ایک جانب سرکتا ہوا کھل گیا۔ وہ دونوں اندر داخل ہوئے اور دروازہ

خودکار طریقے سے دوبارہ بند ہو گیا، باہر کی دنیا سے ان کا رابطہ منقطع کرتا ہوا۔ کمرے کے اندر جدید ترین ٹیکنالوجی اور قدیم نوادرات کا ایک حسین امتزاج تھا۔

ایک لمحے کو ولی کو لگا جیسے وہ کسی دوسری دنیا میں قدم رکھ چکا ہو۔ کمرہ جدید ترین ٹیکنالوجی اور قدیم، بیش قیمت نوادرات کا ایک حیرت انگیز امتزاج تھا۔ لیکن اس سب سے بڑھ کر جو چیز ولی کی توجہ کھینچ رہی تھی، وہ کمرے کی خاموشی تھی۔ ایک ایسی خاموشی جو اپنے اندر کئی طوفان سمیٹے ہوئے تھی۔

رئیس اور نگزیب چند قدم آگے بڑھ کر ایک چمڑے کے صوفے کی جانب بڑھا، لیکن ولی کی جیسے ہی نظر بائیں دیوار پر نسبتاً اونچائی پر لگی ایک بڑی، سنہری فریم والی پورٹریٹ پر پڑی، وہ جہاں تھا وہیں ٹھٹک کر رک گیا۔ اس کے قدم جیسے زمین نے پکڑ لیے ہوں۔ اس نے ناقابلِ یقین حیرت سے پہلے دیوار پر لگی اس پورٹریٹ کو دیکھا، پھر بے اختیار اس کا سر رئیس کی جانب گھوما جو اب اس کی پشت کی جانب تھا۔ مگر اس کی تمام تر توجہ اس تصویر پر مرکوز ہو چکی تھی۔

ایک عجیب سی، ناقابلِ فہم کشش اسے اپنی جانب کھینچ رہی تھی۔ وہ شکستہ، لرزتے قدموں سے چلتا ہوا، کسی معمول کی طرح، اس پورٹریٹ کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

ولی اپنی جگہ جیسے جم گیا تھا۔ اس کے ذہن میں ایک بھونچال سا آ گیا۔ وہ صرف اتنا جانتا تھا کہ رئیس اور نگزیب اور فجر معراج کے درمیان کوئی پُرانا، پیچیدہ کنکشن تھا، اور رئیس، فجر کو، کسی بھی قیمت پر اپنے مقصد کے لیے استعمال کرنا چاہتا تھا، مگر یہ کیا؟ یہ لڑکی، یہ تو ہو بہو، فجر کی ہمشکل کیوں تھی؟ یا شاید فجر اس کی ہمشکل تھی؟ کون تھی یہ؟ اس کا رئیس سے کیا تعلق تھا؟ اور سب سے بڑھ کر، فجر سے کیا رشتہ تھا؟ سوال ہتھوڑوں کی طرح اس کے ذہن پر برسنے لگے۔ اس کا حلق کانٹا ہو گیا، اور زبان تالو سے چپک گئی۔ ٹانگیں بے جان سی ہوتی محسوس ہوئیں، جیسے ابھی

لڑکھڑا کر گر پڑے گا۔ ابھی تک اس کے گھر مکین اسے ماضی جو میں ہوا وہ بتانے پر راضی نہیں ہوئے تھے۔ سب پراسرار اور خاموش تھے۔

پھر، خاموشی کے اس گہرے سمندر میں، اسے رئیس کی بھاری، گونجتی ہوئی آواز سنائی دی۔ وہ اب بھی پورٹریٹ کی جانب پشت کیے کھڑا تھا، شاید کھڑکی سے باہر سیاہ رات کو گھور رہا تھا۔

"یہ گھر، یہ مینشن۔" رئیس نے ایک ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا، "ہمیشہ سے اتنا سونا، اتنا ویران نہیں تھا۔ یہ دیواریں ہمیشہ سے ان سناٹوں کی زد میں نہیں تھیں۔ ایک وقت تھا، جب یہاں بھی زندگی دوڑتی تھی، قہقہے گونجتے تھے، خوشیاں ناچتی تھیں۔"

اس کی آواز میں ایک ایسا درد تھا جو لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ اب دھیرے سے پلٹا اور اس کی نگاہیں سیدھی اس پورٹریٹ پر جا ٹھہریں۔ اس کے چہرے پر اذیت کے سائے گہرے ہو گئے، اور آنکھوں میں، آنکھوں میں ایک جانی پہچانی نفرت کی آگ بھڑک اٹھی، ویسی ہی نفرت جو وہ کبھی کبھی فجر کے لیے ظاہر کرتا تھا۔

"ان سے ملو۔۔" اس نے پورٹریٹ کی جانب ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ ہے منار معراج! فجر معراج کی بڑی بہن!" ایک لمحے کا وقفہ، جیسے وہ ولی کو اس دھچکے سے سنبھلنے کا موقع دے رہا ہو۔

"میری سب سے اچھی دوست اور میری منگیتر!"

یہ آخری الفاظ جیسے کسی بم کی طرح پھٹے۔ ولی بت بنے، سانس روکے کھڑا رہا۔ اس کے چہرے کا رنگ لمحہ بہ لمحہ بدل رہا تھا۔ اسے کبھی، کسی بھیانک خواب میں بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ کسی ایسے پیچیدہ، گہرے جال میں پھنس جائے

گا۔ اسے یہ تو معلوم تھا کہ رئیس کا فجر سے کوئی تعلق تھا، کوئی پرانی کہانی ہے، مگر اتنی گہری، اتنی ذاتی، یہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ منار، فجر کی بہن اور رئیس کی منگیتر! یہ سب کیا تھا؟

رئیس اب آہستہ آہستہ چلتا ہوا پورٹریٹ کے مزید قریب آ گیا۔ اس کی انگلیاں بے اختیار فریم کو چھو رہی تھیں۔

"یہ وہ لڑکی ہے جسے میں نے اپنی کم عمری سے، اپنی شعور کی پہلی دہلیز سے ہی پسند کیا تھا۔" اس کی آواز میں ایک لمحے کو ٹوٹتی ہوئی نرمی آئی، مگر فوراً ہی وہ ایک ناقابلِ بیان تلخی میں بدل گئی۔ "اور یہی وہ لڑکی ہے جس نے پورا اورنگزیب خاندان مٹا دیا، ہماری خوشیوں کو نظر لگا دی، ہماری نسلوں کو برباد کر دیا۔ اور اس کی شروعات پتا ہے کب ہوئی تھی؟"

اس نے ایک جھٹکے سے پلٹ کر ولی کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں اب صرف نفرت اور انتقام کی دہکتی ہوئی آگ تھی۔

"اس کی شروعات تب ہوئی تھی، جب افق، تمہاری ماں، یعنی میری بڑی بہن، پڑھنے کے لیے پاکستان سے باہر گئی تھی۔ وہ دن، وہ دن ہماری بربادی کا پہلا دن تھا!"

رئیس کے ان الفاظ کے ساتھ ہی جیسے وقت نے ایک جست بھری اور تیزی سے پر لگا کر ماضی کی جانب اڑان بھری۔ کمرے کی دیواریں دھندلانے لگیں۔ وقت کی کتاب کے بوسیدہ، زرد پڑ چکے اوراق ایک ایک کر کے پھڑ پھڑانے لگے۔ ماضی کے وہ دریچے، جن پر برسوں کی گرد جمی تھی، چرچراہٹ کے ساتھ کھلنے لگے۔ ہاں، ماضی کے کچھ دفن شدہ، تلخ رازوں سے پردہ اٹھنے کا، کہانی کے نئے، ان چھوئے باب سامنے آنے کا وقت ہوا چاہتا تھا۔ ولی آج خود کو ایک ایسے جال میں پھنسا محسوس کر رہا تھا جس کے دھاگے کئی دہائیوں پرانے تھے۔

✿••

وقت کی کتاب کے پنے تیزی سے پلٹے، اور منظر دھندلا کر کئی سال پیچھے چلا گیا۔ اب رئیس اورنگزیب ایک چودہ سالہ لڑکا تھا، مگر اپنی عمر کے مقابلے میں کہیں زیادہ پختہ اور سمجھدار نظر آتا تھا۔ اس نے نفیس سی ہلکے نیلے رنگ کی کاٹن کی شرٹ اور گہرے بھورے رنگ کی پینٹ پہن رکھی تھی۔ اس کے سیاہ بال نفاست سے ایک جانب کو جمائے ہوئے تھے، اور گندمی رنگت پر ذہانت کی چمک تھی۔ وہ اپنی بڑی بہن اور منار کے تقریباً برابر قد کا ہو چکا تھا اور خود کو کسی اٹھارہ سالہ نوجوان سے کم نہیں سمجھتا تھا۔

اس کے ساتھ افق اورنگزیب تھی۔ اکیس سالہ، زندگی سے بھرپور، کتھئی چمکدار آنکھوں اور شانوں تک آتے ہوئے لہراتے کتھئی بالوں والی افق، اپنے نام کی طرح حسین اور وسیع سوچ کی مالک تھی۔ اس کی گود میں فرانز کافکا کا ناول دی ٹرائل کھلا پڑا تھا۔

اور تیسری، سترہ سالہ منار معراج! سنہری، ریشم جیسے بال جو ہوا میں ہلکورے لے رہے تھے، اور ویسی ہی شفاف، سنہری آنکھیں جن میں ایک عجیب سی معصومیت اور رحم دلی جھلکتی تھی۔ وہ کسی نازک پھول کی مانند تھی، اور اس کے ہاتھ میں اسٹیفن کنگ کا ناول اِٹ (It) تھا۔

وہ تینوں اس وقت اورنگزیب حویلی کے وسیع و عریض، مخملیں گھاس والے لان میں، شام کے اس پہر بیٹھے تھے جب ڈوبتے سورج کی آخری سنہری کرنیں ہر شے کو ایک طلسماتی رنگت عطا کر رہی تھیں۔ سبزہ زار کے بیچوں بیچ رکھی سفید سنگ مرمر کی گول میز اور اس کے گرد رکھی آرام دہ کرسیاں اس وقت کسی پینٹنگ کا سا منظر پیش کر رہی تھیں۔ قریب ہی گلاب کی کیاریوں سے بھینی بھینی خوشبو ماحول کو مزید مسحور کن بنا رہی تھی۔

پہ رئیس فیوکے ہاتھ میں دوستوفسکی کا شاہ آفاق ناول کرائم اینڈ منشمنٹ تھا، اور وہ تینو
اپنے اپنے مصنف کی تخلیق میں غرق تھے، اس خاموش معاہدے کے تحت کہ کتاب کا ایک مخصوص حصہ ختم کرنے پر وہ اپنے اپنے مصنف کے اندازِ تحریر، فلسفے اور کردار نگاری پر گفتگو کرنا تھا۔

تقریباً دس منٹ مکمل خاموشی میں بیت گئے۔ صرف ہوا کی ہلکی سرسراہٹ، دور کسی پرندے کی چہچہاہٹ اور اوراق پلٹنے کی کبھی کبھار آنے والی آواز اس سکوت کو توڑتی تھی۔

پھر سب سے پہلے رئیس نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے اپنی کتاب بند کی اور اسے آہستگی سے سنگ مرمر کی میز پر رکھا۔ اس کی پیشانی پر سوچ کے ہلکے سے بل تھے۔

"وقت ختم ہوا۔" اس نے قدرے بھاری آواز میں اعلان کیا، جیسے کوئی منصف فیصلہ سنا رہا ہو۔

اس کی آواز پر پہلے منار نے چونک کر کتاب سے نظریں اٹھائیں، اس کی سنہری پلکیں ایک دو بار جھپکیں، اور پھر اس نے بھی اپنی کتاب میز پر رکھ دی۔ اس کے چہرے پر اب بھی کرداروں کی اذیت کے تاثرات تھے۔

آخر میں افق نے مسکراتے ہوئے اپنی کتاب بند کی۔ "تو جناب دوستوفسکی کے فین، آج کیا نئی دریافت ہوئی آپ کو انسانی نفسیات کی گہرائیوں میں؟" اس نے رئیس کو چھیڑتے ہوئے پوچھا۔

رئیس نے سنجیدگی سے جواب دیا، "دوستوفسکی کا کمال یہ ہے کہ وہ کردار کے اندر، اس کی روح کے نہاں خانوں تک اتر جاتا ہے۔ وہ صرف کہانی نہیں کہتا، وہ انسان کے اندر کی جنگ دکھاتا ہے۔ ضمیر کی خلش، گناہ کا بوجھ، اور پھر سزا کا خوف یا نجات کی تڑپ۔ اس کا ہر کردار ایک مکمل نفسیاتی مطالعہ ہے۔"

کنگ کا خوف بالکل الگ تخلیق کیا ہے" ہاں وہ یہ تو رہے، مگر لیکن اس کے سٹیفن

کرداروں کو غیر معمولی، اکثر خوفناک حالات میں ڈال دیتا ہے۔ اس کی طاقت اس کے ماحول کی منظر کشی اور کرداروں کے خوف کو حقیقت کے قریب تر دکھانے میں ہے۔ وہ آپ کو کرداروں کے ساتھ ڈرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔" اس نے ایک لمحے کو توقف کیا، "لیکن اس کے خوف میں بھی کہیں نہ کہیں انسانی جذبات، خاص طور پر بچوں کی معصومیت اور دوستی کی طاقت چھپی ہوتی ہے۔"

افق نے دونوں کی باتیں غور سے سنیں پھر بولی، "اور کافکا؟ کافکا تو بالکل ہی الگ دنیا ہے۔ اس کے ہاں نہ واضح پلاٹ ہوتا ہے، نہ ہی کرداروں کی کوئی سیدھی سادی نفسیات۔ اس کے کردار ایک ایسی نامعلوم، غیر مرئی طاقت یا نظام کے سامنے بے بس ہوتے ہیں جسے وہ سمجھ ہی نہیں پاتے۔ ایک عجیب سی بے گانگی، الجھن اور وجودی کرب (existential dread) اس کی تحریروں کا خاصا ہے۔"

"میرا خیال ہے ان تینوں میں ایک چیز مشترک ہے۔ یہ تینوں ہی انسانی وجود کی پیچیدگیوں اور تاریک پہلوؤں کو کھنگالتے ہیں۔ دوستوفسکی اخلاقی اور روحانی کرب کو، کنگ سماجی اور مافوق الفطرت خوف کو، اور کافکا ایک بے معنی اور مضحکہ خیز نظام میں فرد کی بے بسی کو۔" رئیس نے سنجیدگی سے تجزیہ پیش کیا۔

"بالکل!" افق نے تائید کی، "اور اختلاف یہ ہے کہ دوستوفسکی کے ہاں پھر بھی کہیں نہ کہیں امید، یا کم از کم نجات کی ایک موہوم سی کرن نظر آتی ہے، چاہے وہ شدید اذیت سے گزر کر ہی ملے۔ کنگ کے ہاں اچھائی اور برائی کی واضح تقسیم ہوتی ہے اور اکثر اچھائی جیت جاتی ہے، بھلے کتنی ہی قربانیوں کے بعد سہی۔"

منار نے آہستہ سے اضافہ کیا، "لیکن کافکا کے ہاں، وہاں تو بس ایک نہ ختم ہونے والی بھول بھلیاں ہے، ایک ایسا مقدمہ جس کا کوئی فیصلہ نہیں، ایک ایسا قلعہ جس تک رسائی ناممکن ہے۔ وہاں امید کی کوئی گنجائش ہی نہیں لگتی، بس ایک مسلسل، گہری ہوتی ہوئی مایوسی۔" اس کی آواز میں ایک ہلکی سی مایوسی در آئی تھی۔

ڈوبتے سورج کی آخری کرنیں اب ان کے چہروں پر پڑ رہی تھیں، ان کے بالوں میں سنہری جھلکیاں پیدا کر رہی تھیں۔ لان میں خاموشی چھا گئی، مگر یہ خاموشی اب پہلے سے زیادہ پُر معنی تھی۔ ان نوجوان ذہنوں میں الفاظ، کردار اور فلسفے گردش کر رہے تھے، ایک ایسی دنیا کی بنیاد رکھ رہے تھے جو ابھی ان کی سمجھ سے بھی بالاتر تھی۔ یہ وہ پُر سکون لمحات تھے، اس طوفان سے پہلے کی خاموشی کے، جس نے آگے چل کر ان کی زندگیوں کو ہمیشہ کے لیے بدل دینا تھا۔

منظر یک دم ہی بدل گیا۔ یہ ایک مختلف دن تھا اور، اورنگزیب حویلی پر ایک قیامت بن کر اترا تھا جب افق کے بیرون ملک جانے کی خبر پکی ہوئی۔ وہ فیشن ڈیزائننگ کی دنیا میں اپنا نام بنانا چاہتی تھی، ایک مشہور ادارے میں اس کا ایڈمیشن ہو چکا تھا۔ یہ خبر جتنی افق کے لیے خوش کن تھی، چودہ سالہ رئیس کے لیے اتنی ہی دل دہلا دینے والی تھی۔ افق صرف اس کی بڑی بہن نہیں تھی۔ وہ اس کی استاد، اس کی رازداں، اس کی بہترین دوست تھی۔ رئیس نے زندگی کے آداب، گفتگو کا سلیقہ، کتابوں کا انتخاب، یہاں تک کہ خود کو ایک جنٹلمین بنانے کا ہر گُر افق ہی سے سیکھا تھا۔ اس کی چھوٹی سی دنیا میں افق اور منار کے علاوہ کوئی تیسرا دوست تھا ہی نہیں، اور ان دونوں کے ساتھ وہ کائنات کے ہر موضوع پر بحث کر سکتا تھا۔

خبر سنتے ہی رئیس بھاگ کر اپنے کمرے میں گھس گیا تھا اور اندر سے کنڈی چڑھا لی۔ گھنٹوں بیت گئے تھے۔

اس وقت افق اور منار اس کے بند دروازے کے باہر کھڑی تھیں، بار بار دستک دے رہی تھیں۔ افق کی آواز میں بے بسی اور محبت تھی۔

"رئیس! دروازہ کھولو، پلیز۔ میری بات تو سنو۔"

"رئیس، دیکھو آپی کب سے پریشان ہو رہی ہیں۔ باہر آجاؤنا۔ ہم سب ہیں تمہارے پاس۔" منار کی آوز سنائی دی۔

مگر اندر سے کوئی جواب نہ آیا، بس ایک ایسی خاموشی جو باہر کھڑی دونوں لڑکیوں کے دلوں کو کاٹ رہی تھی۔

رئیس کے لیے افق کا جانا، جیسے جسم سے روح کا نکلنا تھا۔

منظر پھر سے بدل گیا۔ یہ وسیع و عریض لاؤنج کا تھا، جہاں حویلی کے تقریباً سبھی چھوٹے بڑے افراد جمع تھے۔ ایک طرح سے افق کے لیے الوداعی نشست تھی۔ مگر اس تمام چہل پہل اور باتوں کے شور میں، ایک کونے میں صوفے پر، چودہ سالہ رئیس منہ بسورے، ٹانگیں پھیلائے بیٹھا تھا۔ اس کا گندمی چہرہ غصے اور دکھ سے سرخ ہو رہا تھا۔ وہ شروع سے جانتا تھا کہ افق ایک نہ ایک دن اعلیٰ تعلیم کے لیے باہر جائے گی، یہ ان کے خاندان کی روایت نہیں تھی، مگر۔ افق کا شوق تھا۔ اور اس شوق کے عملی جامہ پہننے کا سن کر وہ جیسے ٹوٹ سا گیا تھا۔ وہ افق کے بغیر اپنی زندگی کا، حویلی کے ان در و دیوار کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

اور افق کے لیے بھی وہ صرف سات سالہ چھوٹا بھائی نہیں تھا۔ وہ اسے اور باقی چھوٹے بہن بھائیوں کو بھی اپنی اولاد کی طرح پیار کرتی، ان کی ہر ضرورت کا خیال رکھتی۔ منار اس کی سب سے اچھی، تقریباً بہن جیسی سہیلی تھی۔

لاؤنج میں بیٹھا رئیس کنکھیوں سے، شکوہ کناں نظروں سے کبھی کبھار افق کو دیکھ لیتا، جو سب سے ہنس بول رہی تھی، مگر جس کی آنکھوں میں بھی ایک نمی سی تیرتی رہتی جب وہ رئیس کو دیکھتی۔ آخر کار، جب لوگوں کی توجہ کچھ کم ہوئی، رئیس دبے قدموں افق کے پاس آیا۔ اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

"مجھے، مجھے بھول تو نہیں جائیں گی نا وہاں جا کر؟" وہ ڈرتے ڈرتے، معصومیت سے پوچھ رہا تھا۔ اس کی سیاہ آنکھوں میں ایک انجانا خوف پنجے گاڑھے بیٹھا تھا۔ اسے شدت سے یہ احساس ہو رہا تھا کہ افق اگر ایک بار گئی، تو شاید کبھی واپس نہیں آئے گی۔

افق نے اس کا ہاتھ کھینچ کر اسے اپنے پاس بٹھایا۔ "کیسے بھول سکتی ہوں اپنے جنٹلمین کو؟ میں بس پڑھنے جا رہی ہوں، جلد واپس لوٹ آؤں گی۔"

مگر رئیس کا دل نہ مانا۔ اور پھر ایسا ہی ہوا۔ وہ کبھی واپس نہیں آئی۔

منظر پھر سے بدلا۔ ایک سال تیزی سے گزر چکا تھا۔ اب پندرہ سالہ رئیس ٹیلی فون کا ریسیور کان سے لگائے، لائبریری کی کھڑکی کے پاس کھڑا تھا۔ باہر ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی، جو اس کے دل کی کیفیت کی عکاس تھی۔ اس نے سیاہ رنگ کا تھری پیس سوٹ پہنا ہوا تھا، سفید شرٹ کا کالر قرینے سے کوٹ کے اوپر تھا، بال نفاست سے جمے ہوئے تھے۔ وہ مکمل طور پر ایک نوجوان جنٹلمین لگ رہا تھا، سوائے اس کی آنکھوں کے۔ اس کی بڑی، سیاہ آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو کسی نہ رکنے والے سلسلے کی طرح بہہ رہے تھے، اس کے گالوں کو بھگو رہے تھے۔

"واپس آجائیں افق! پلیز واپس آجائیں۔ آپ نے، آپ نے تو کہا تھا آپ مجھے کبھی چھوڑ کر نہیں جائیں گی۔ کبھی اکیلا نہیں کریں گی۔" اس کی آواز سسکیوں میں ڈوب رہی تھی۔ وہ اپنی بہن کے لیے، اپنی آئیڈیل کے لیے رو رہا

تھا۔ وہ بہن جو، کسی جوزف نامی عیسائی لڑکے کی محبت میں گرفتار ہو چکی تھی۔ اور یہ بات احمد اور نگزیب صاحب، کے لیے ناقابلِ قبول تھی۔ خاندان کی عزت، روایات، سب داؤ پر لگ چکی تھیں۔

دوسری طرف سے افق کی آواز آئی، صاف، مگر بھرائی ہوئی۔

"میں نہیں آؤں گی رئیس! میں جوزف کو نہیں چھوڑ سکتی۔ میں اس سے محبت کرتی ہوں۔"

رئیس کو لگا جیسے کسی نے اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال دیا ہو۔ ہزار وعدے کرنے والی، اسے دنیا کا سب سے اچھا بھائی کہنے والی بہن نے اسے، ان سب کو، پہلا اور شاید سب سے بڑا دھوکا دیا تھا۔ وہ لڑکی، جسے اورنگزیب خاندان کی پہلی بیٹی ہونے کا مان بخشا تھا، وہ آج انہیں، ان کی محبت، ان کی عزت، سب کچھ ٹھکرا کر ایک غیر کے لیے، اپنی محبت کے لیے چلی گئی تھی۔ اس نے اپنی محبت کو خاندان پر ترجیح دی تھی۔

رئیس کے ہاتھ سے فون کا ریسیور چھوٹ کر نیچے قالین پر گر پڑا۔ وہ وہیں، کھڑکی کے پاس، گھٹنوں کے بل گرا اور اپنے دونوں ہاتھوں میں سر دے کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس کا مضبوط، نوجوان وجود کسی کٹی ہوئی شاخ کی طرح لرز رہا تھا۔ یہ پندرہ سالہ رئیس کا پہلا بڑا صدمہ تھا، پہلا بڑا سبق تھا کہ محبتیں اور رشتے کتنے بے معنی اور کھوکھلے ہو سکتے ہیں۔ اس دن، اس کے اندر کا معصوم بچہ کہیں مر گیا تھا، اور ایک نئے، زیادہ سخت، اور شاید زیادہ بے رحم رئیس نے جنم لینا شروع کر دیا تھا۔

حویلی میں ایک کہرام برپا تھا۔ افق کے جوزف سے شادی کرنے اور واپس نہ آنے کے فیصلے نے اورنگزیب حویلی کی فضا میں زہر گھول دیا تھا۔ بڑوں کی ایک ہنگامی میٹنگ بلائی گئی تھی، جہاں ہر چہرے پر پریشانی اور غصہ عیاں تھا۔ منار، جو ابھی یونیورسٹی کی دنیا میں گم تھی اور اپنے پر پھیلا کر اڑنے کو تیار تھی، اسے خبر ملی کہ اس کا رشتہ اپنے سے

تین سال چھوٹے رئیس سے طے کر دیا گیا ہے۔ افق کی وجہ سے جو بدنامی خاندان کو ملی تھی، اسے دھونے کے لیے یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ منار کی وجہ سے ایسا کچھ نہیں ہونا چاہیے۔

یہ سنتے ہی منار پر سکتہ طاری ہو گیا۔

"رئیس سے منگنی؟ اماں وہ ابھی پندرہ سال کا ہے اور میں یونیورسٹی جاتی ہوں، اس سے منگنی کیسے کر سکتی ہوں؟ وہ میرے بھائیوں جیسا ہے!" اس کی آواز میں تکلیف اور بے یقینی تھی۔

اورنگزیب حویلی میں ایک بار پھر طوفان برپا ہو گیا۔ منار اپنی جگہ اڑی رہی اور گھر کے بڑے بزرگ اپنی جگہ۔ رئیس کے لیے منار ایک بہترین لڑکی تھی۔ وہ اسے اچھی لگتی تھی، رحم دل اور خوبصورت تھی۔ مگر اس کے دل میں منار کے لیے کسی اور طرح کے جذبات ابھی نہیں تھے۔ منار کے ہزار منع کرنے کے باوجود رئیس اور منار کا رشتہ پکا کر دیا گیا۔ اس رشتے کے بعد منار، جو افق کے جانے کے بعد رئیس کو سب سے زیادہ عزیز سمجھتی تھی، اب اس سے خار کھانے لگی۔ وہ اس سے دور ہوتی گئی، اسے رئیس سے چڑ ہونے لگی تھی۔ وہ ابھی چھوٹا تھا اور منار اپنے سے چھوٹے لڑکے سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔

اورنگزیب حویلی کی رونقیں مزید ختم ہو گئیں۔ نہ مووی نائٹس رہیں، نہ بک نائٹس اور نہ ہی چھٹیاں گزارنے کے دن۔ سب کچھ ختم ہونے لگا۔ رئیس کو اپنے باپ دادا کے کام میں شروع سے دلچسپی تھی، وہ اپنے کالج کے بعد وہیں جانے لگا۔ زرتاش اور زرناب دونوں جڑواں تھیں اور چھوٹی تھیں، جبکہ ولی تو رئیس سے دس سال چھوٹا تھا۔ رئیس کو اپنا بھائی بہت پیارا تھا، وہ اس کے لیے سب کچھ کر سکتا تھا۔

اور پھر پتہ نہیں کہاں سے منار کی زندگی میں فرقان گردیزی آ گیا۔ پچیس سالہ فرقان پہلی ہی نظر میں منار کو پسند آ گیا تھا۔ وہ جو حویلی کے ماحول اور رئیس سے دوری سے تنگ آ گئی تھی، فرقان اس کے لیے ایک ڈسٹریکشن ثابت

ہوا۔یونیورسٹی جاتے جاتے اس کے قدم کب فرقان کی جانب اٹھنے لگے، اسے پتہ ہی نہیں چلا اور یہ قدم ایسی بربادی لائے جو آج تک نہیں مٹی تھی۔

یہ شام کا پہر تھا، لان میں دھیمی روشنی پھیل رہی تھی۔ منار فون پر کسی سے بات کر رہی تھی، اس کے چہرے پر ایک نئی چمک تھی۔ رئیس نے اسے دیکھا، اس کے دل میں ایک امید سی جاگی۔ وہ آہستہ سے لان کے باغیچے کی جانب بڑھا اور وہاں سے چند سفید پھول توڑ کر اس کی جانب بڑھا۔ جبکہ منار کو وہ زہر لگنے لگا۔ وہ ابھی پندرہ سال کا تھا مگر خود کو جانے کتنا بڑا سمجھتا تھا۔

اور پھر رئیس اس کی جانب پھول بڑھا رہا تھا اور وہ اسے دھتکار رہی تھی۔

"آخر تم چاہتے کیا ہو رئیس؟ میرا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟ تم میری پسند نہیں ہو۔ میں تم سے کوئی رشتہ نہیں جوڑنا چاہتی۔ میں کسی اور کو پسند کرتی ہوں!" وہ غصے سے چلائی۔ اس کی آواز میں اس قدر نفرت تھی کہ رئیس کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ وہ جو آہستہ آہستہ افق کے غم سے نکل رہا تھا، منار نے اسے بری طرح توڑ ڈالا تھا۔ پھول اس کے ہاتھ سے گر کر بکھر گئے، جیسے اس کے دل کے ٹکڑے۔ رئیس نے ایک نظر بکھرے پھولوں پر ڈالی اور پھر پلٹ کر خاموشی سے وہاں سے چلا گیا۔ منار کے دل میں ایک لمحے کو بھی شرمندگی نہ آئی، وہ بس اپنی آزادی چاہتی تھی۔

کہاں کم عمر رئیس اور کہاں سمجھدار فرقان گردیزی!

منظر پھر سے بدل گیا۔ یہ مزید ایک سال بعد کی بات تھی۔ اورنگزیب حویلی میں قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔ وہ حویلی جو کبھی قہقہوں اور رونقوں کا مرکز تھی، آج موت اور ماتم کی چادر اوڑھے سوگوار کھڑی تھی۔ کچھ دن پہلے اورنگزیب ٹیکسٹائل میں لگی آگ نے خاندان کی کمر توڑ دی تھی، مگر آج کا حادثہ کسی قیامت سے کم نہیں تھا۔ جس

گاڑی میں رئیس کو جانا تھا، اس میں آفاق احمد، بی جان، زرناب، دس سالہ ولی، اور زرتاش سوار تھے۔ ایک خوفناک تصادم ہوا اور سب کے سب زندگی کی بازی ہار گئے۔

رئیس، سولہ سالہ رئیس، پتھر کا بت بنا کھڑا تھا۔ اس کی پوری کی پوری کائنات لٹ گئی تھی۔ اس کے باپ، اس کی بہن اور بھائی کے خون سے لت پت جسم اس کے سامنے رکھے تھے۔ ان کے چہرے کفن کی مانند سفید پڑ چکے تھے، جیسے جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی نہ بچا ہو۔ ہر طرف رونے، بلکنے کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ اس نے اپنی ماں کو دیکھا، جو فرش پر گری ہوئی تھی اور ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ اس کا دل چاہا کہ وہ بھی چیخ اٹھے، مگر اس کے گلے سے آواز ہی نہ نکل سکی۔

پھر اس کی نظریں اٹھیں اور سیدھی منار پر جا ٹھہریں۔ اس کی رنگت بھی ویسی ہی سفید تھی، چہرے پر خوف اور صدمہ نمایاں تھا۔ آج ان دونوں کی نظریں پل بھر کو ٹکرائیں، اور اسی لمحے رئیس کو اپنی ڈبڈباتی آنکھوں سے اسکا عکس دھندلا ہوتا محسوس ہوا۔ منار نے نفی میں گردن ہلائی۔ اس کے چہرے پر خوف تھا۔ شدید خوف! اور رئیس کو دنیا میں سب سے زیادہ نفرت منار سے محسوس ہوئی۔ وہ جسے کبھی رحم دل لڑکی سمجھتا تھا، آج اس نے ایک پورا خاندان برباد کر دیا تھا۔

یہ حادثہ محض ایک اتفاق نہیں، بلکہ کسی گہری سازش کا نتیجہ تھا، جس کی جڑیں منار کے نئے تعلقات میں پیوست تھیں۔ حویلی کی فضا میں غم کے بادل مزید گہرے ہو گئے تھے۔ ایسی ہولناک خاموشی چھائی جو آج تک جاری تھی۔

✿••✿••✿••✿

ماضی کا تسلسل ایک جھٹکے سے ٹوٹا۔ رئیس کے لبوں سے دھویں کے مرغولے اٹھ رہے تھے۔ وہ کبھی کبھار سگار پیتا تھا۔ جب وہ نہایت دباؤ میں ہوتا تھا۔

اس کے سامنے بیٹھا ولی، خالی خالی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا جس نے ماضی کے کچھ مبہم مناظر سے پردہ اٹھایا تھا۔ مگر کیا سچ صرف یہی تھا؟

"منار کیا کیا ہوا؟" اس نے بے ساختہ پوچھا۔ رئیس نے دھوئیں کے مرغولوں میں ایک نظر اسے دیکھا اور پھر سگار، ایش ٹرے میں رکھتا اٹھ کھڑا ہوا۔ گہری سانس لے کر جیبوں میں ہاتھ اڑسے لیے۔

"اس نے اپنے ہاتھوں سے زہر پی لیا۔" جذبات واحساسات سے بالکل عاری لہجہ۔

"فجر کا اس سب میں کیا قصور ہے؟" اس بار ولی اپنی جگہ سے اٹھا۔ رئیس نے چونک کر اسے دیکھا۔ بھنویں سکڑ گئیں۔ وہ اسے غور سے دیکھ رہا تھا جیسے اسکین کر رہا ہو جبکہ ولی خود پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"وہ منار کی بہن ہے یہ قصور کافی تھا مگر اسے منار کا چہرہ لے کر پیدا نہیں ہونا چاہیے تھا۔" ڈارک لارڈ کے لہجہ اتنا ٹھنڈا تھا کہ در و دیوار بے جان ہوتے محسوس ہوئے۔ ولی نے سنا مگر کہا کچھ نہیں۔ پھر رئیس اسے اپنی جانب بڑھتا نظر آیا۔ وہ اسکے سامنے کھڑا تھا۔ جانچتی نگاہوں سے اسے تکتے ہوئے۔ جبکہ ولی کا چہرہ سپاٹ تھا۔ پھر رئیس نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور اس کا دایاں گال تھپتھپایا۔

"تم پر اندھا بھروسہ کر رہا ہوں، مجھے اندھا مت کرنا۔"

اس ایک جملے میں بہت کچھ تھا، مان، حکم اور وارننگ! ولی اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔

"چلو سو جاؤ اب! صبح تمہیں منار جا کر جی حضوری بھی کرنی ہے۔" وہ استہزائیہ کہتا کمرے سے باہر نکل گیا جبکہ ولی شل ہوتی ٹانگوں کے ساتھ وہیں بیٹھتا چلا گیا۔

ایک ناگ کو ایک ناگن بہت پہلے پہچان گئی تھی۔ وہ فجر معراج کو تڑپا تڑپا کر مارے گا وہ اسے وہ ساری اذیتیں دے گا جو اسے ملی تھیں۔ وہ اسے ساری دنیا سے بچا کر اپنے ہاتھوں سے اپنی جان لے گا۔

✿••✿••✿••✿

اذانیں ہونے والی تھیں۔ صبح صادق کا نور ابھی پھوٹا نہیں تھا، مگر ولی کے اندر کی دنیا میں ایک نئی سحر طلوع ہو رہی تھی۔ وہ اس کمرے میں تھا جو کبھی اس کی ماں افق کا تھا، جہاں در و دیوار پر اس کی کئی تصویریں لگی تھیں، اس کے ہنستے مسکراتے لمحوں کی گواہی دے رہی تھیں۔ وہ بے چینی سے ٹہل رہا تھا، اس کا دماغ پھٹنے کو تھا۔ پچھلے سات مہینوں میں اس نے رئیس کو اتنا تو جان لیا تھا کہ وہ دوستی ہو یا دشمنی، پیچھے نہیں ہٹتا۔ رئیس نے جس قدر فجر پر ان سات ماہ میں اس کے ذریعے نظر رکھوائی تھی، وہ اسے یونہی جانے نہیں دے گا۔

"وہ اسے مار دے گا؟" جتنا وہ سوچ رہا تھا، دماغ پھٹتا جا رہا تھا۔

ایسا نہیں تھا کہ اسے رئیس سے کوئی مسئلہ تھا یا وہ اس سے نفرت کرتا تھا، بلکہ رئیس تو اس کے لیے بہت اہم تھا۔ وہ شخص جو اس کی ماں کے لیے سب سے زیادہ اہمیت رکھتا تھا۔ پھر وہ اس سے نفرت کیسے کر سکتا تھا؟

اس نے بے اختیار بستر کے ساتھ رکھے سائیڈ ٹیبل کا دراز کھولا۔ اس میں سے ایک پرانی، خستہ حال ڈائری نکالی۔ یہ وہی ڈائری تھی جو اس کی نینی نے اسے تب دی تھی، یہ انہیں تب ملی تھی جب افق نے خودکشی کی تھی۔ ان کے سامان سے ملی تھی۔

ڈائری اس کے ہاتھ میں ایک بوجھ محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے ڈائری کھولی اور چند صفحات پلٹنے کے بعد اس کی نظریں ایک سطر پر جم گئیں۔ افق کی لکھی ہوئی تحریر، اس کے زخموں کی زبان، اس کے سامنے تھی۔

"ولی جب تم بڑے ہو جاؤ گے نا تو پاکستان جانا، رئیس سے ملنا۔ وہ بہت پیارا ہے۔ اب تو جوان ہو گیا ہو گا۔ وہ جنٹلمین ہے اور مجھے دنیا وی ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے۔ وہ میرے لیے اولاد جیسا ہے۔ تم اس سے ضرور ملنا۔ میں نے تمہارا نام، رئیس سے چھوٹے بھائی کے نام پر رکھا ہے۔ اس کا نام ولی اور نگزیب ہے، وہ نیلی آنکھوں والا بچہ بہت پیارا ہے۔ لیکن جب مجھے احساس ہوا میں کبھی واپس نہیں جا پاؤں گی، کبھی ان سے نہیں مل پاؤں گی، تو میں نے تمہارا نام ولی رکھا۔ اس کا نام بھی میں نے ہی رکھا تھا۔ مجھے افسوس ہوتا ہے جس خاندان نے مجھے پالا، مجھے اپنی بیٹی بنایا، مجھے اپنا نام دیا، میں نے انہیں چھوڑ دیا۔ میں نے یہ کیا کر دیا۔۔۔!"

الفاظ اپنی جگہ زخمی تھے، جیسے ہر حرف خون میں ڈوبا ہو۔ ولی کا سانس اوپر تلے ہونے لگا۔ ڈائری کے الفاظ اس کے وجود میں اتر رہے تھے، اسے اپنا وجود چاروں طرف سے عنکبوت کے نرم، لیکن مضبوط ریشوں میں پھنسا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔

ایک طرف فجر تھی، اس کی بیوی، وہ جس کے لیے وہ پاکستان آیا تھا، وہ جس کا ولی تھا۔ اس کا حال، اس کا مستقبل، اس کی حقیقت!

اور دوسری طرف رئیس تھا، اس کی ماں کے لیے سب سے اہم انسان، وہ جو اس پر اندھا بھروسہ کر رہا تھا، وہ جس نے اسے اپنا خاندانی نام دیا تھا۔ اس کا ماضی، اس کی جڑیں۔

اس کے دماغ میں ایک خوفناک جنگ جاری تھی، وہ دو حصوں میں تقسیم ہو چکا تھا۔ ایک طرف محبت اور نئی زندگی کی کشش تھی تو دوسری طرف خون کے رشتے اور ماں کی آخری خواہش۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کسے چنے؟ اس جنگ کا انجام کیا ہو گا؟ یہ سوچ کر ہی اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ وہ زمین پر بیٹھا تھا، گھٹنے موڑے، دونوں ہاتھ سر پر رکھے، وہ جھکا ہوا تھا، وہ تھک گیا تھا لیکن جنگ تو ابھی باقی تھی۔

وہ جس لڑکی کے لیے ایک دنیا جیت کر آیا تھا وہ اسے ابھی تک پہچان نہیں پائی تھی۔ وہ اس کے لیے صرف ملازم کی حثیت رکھتا تھا۔ پتا نہیں آگے کیا ہونے والا تھا مگر جو بھی ہوتا وہ معمولی تو بالکل نہ ہوتا۔ مگر وہ اتنا جانتا تھا وہ فجر معراج کو کسی صورت مرنے نہیں دے سکتا۔

✿••✿••✿••✿

اگلی صبح منار میں سورج کی کرنیں شیشے کی دیواروں سے چھن کر دفتر کے نفیس ماحول کو روشن کر رہی تھیں۔ فجر اپنے آفس میں تھی، کام میں بے طرح غرق۔ آج اس نے ایک کاٹن کی سیاہ بیگی پینٹ پہن رکھی تھی، جس کے اوپر لیونڈر رنگ کا کٹ آؤٹ فیبرک میں ایک شارٹ ٹاپ تھا۔ اس کے چھوٹے بال ایک جانب چٹیا کی صورت میں جمے تھے، مگر کچھ لٹیں پھر بھی آزادانہ جھول رہی تھیں۔ کانوں میں چمکتی بالیاں اس کے انداز کو مزید نکھار رہی تھیں۔

اس نے انٹر کام کا بٹن دبایا۔ ”ولی، میرے کمرے میں آؤ۔“

کچھ ہی لمحوں میں دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر تھکن نمایاں تھی۔ پچھلی پوری رات کی بے خوابی اس کی آنکھوں کے گرد گہرے حلقوں کی صورت نمایاں تھی، انداز میں ایک الجھن سی تھی۔ دونوں کے درمیان ایک سرد سی جنگ چل رہی تھی، ایک تناؤ جو بظاہر نظر نہیں آتا تھا، مگر ان کے ہر انداز، ہر لفظ میں چھپا تھا۔ اس سب کے باوجود، کام اپنی پوری توجہ سے جاری تھا۔

”جی میڈم!“ ولی نے خشک لہجے میں کہا، اس کی آواز میں پروفیشنل انداز غالب تھا۔

فجر نے اسکرین سے نظریں ہٹائے بغیر بات کی۔ ”آج رات سارہ کا نکاح ہے۔ ہمیں جانا ہو گا۔ تمہیں اپنی تیاری کرنی ہو گی۔“

ولی نے صرف سر ہلایا۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں آیا۔ فجر نے لمحہ بھر کے لیے اسے غور سے دیکھا۔ اسے ولی کا یہ غیر معمولی طرز عمل کھٹکتا تھا۔ جب وہ جانے کے لیے مڑا، تو فجر کی آواز نے اسے روک پھر سے دیا۔

”تم گلگت سے ہو نا؟“ سوال غیر متوقع تھا۔

ولی وہیں رک گیا۔ اس کی پیٹھ فجر کی طرف تھی۔ دل کی دھڑکن ایک لمحے کو بے قابو ہوئی، مگر اس نے فوراً خود پر قابو پایا۔ پھر وہ آہستہ سے پلٹا۔

”جی میڈم!“ اس کا انداز اب بھی پروفیشنل تھا۔

فجر اپنی کرسی پر پیچھے ٹیک لگائے، اسے بغور دیکھ رہی تھی۔

”میں ویسے تمہارے علاوہ کبھی گلگت کے لوگوں سے نہیں ملی۔ کیا تم مجھے اپنی فیملی دکھاؤ گے؟“

یہ سوال اس قدر سنجیدہ انداز میں پوچھا گیا تھا کہ ولی کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے سایہ سا آ کر گزر گیا۔ اس کا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا۔ گلگت کی فیملی؟

”جی میڈم، ضرور!“ اس نے صرف یہی کہا، ایک بے ساختہ جھوٹ، جسے وہ اب نبھانے پر مجبور تھا۔

فجر نے اثبات میں سر ہلایا۔ ولی نے ایک لمبی سانس لی اور تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

اگلے پندرہ منٹ بعد، ولی اپنی سیٹ پر بیٹھا گروپ ویڈیو کال کر رہا تھا۔ کال ملتے ہی نیل نے بھی ویڈیو کال جوائن کر لی۔

"کیا ہوا ولیم؟ سب ٹھیک ہے؟" نساء کی آواز میں تشویش تھی۔

"ٹھیک ہے، سب ٹھیک ہے۔ بس ایک چھوٹی سی مشکل ہے۔" اس نے پریشان کن انداز میں کہا۔

"کیا ہوا؟" نیل نے پوچھا۔

ولی نے پوری بات بتائی۔ نیل یہ سن کر بے طرح ہنس پڑا۔ اس کا قہقہہ فون پر گونجا، "بیٹا، بیویوں سے ہوشیاریاں نہیں چلتیں۔ اب بھگتو!" اس کا انداز سراسر مذاق اڑانے والا تھا۔

ولی جھنجھلا گیا۔ "ہاں، میں بھگت رہا ہوں اور میرے ساتھ تم لوگ بھی بھگتو گے۔ جلد از جلد مجھے تم لوگوں کی مشرقی حلیے میں چند تصاویر چاہئیں۔ جہاں سے بھی کرو، جیسے مرضی کرو۔ مجھے نہیں پتا!" اس نے خود پر قابو پاتے تیز آواز میں کہا۔

"مشرقی حلیے میں؟ ہم کہاں سے لائیں گے؟" نساء حیران تھی۔

"مجھے نہیں پتا۔ جلدی کرو اور وہ بھی آج رات سے پہلے! یہ میڈم کچھ زیادہ ہی متجسس ہوتی جا رہی ہیں۔" اس نے اپنا سر پکڑ لیا۔ اس کا دماغ اچھا خاصا ہل چکا تھا۔ ایک جانب رئیس تو دوسری جانب فجر! وہ بیچ میں پھنس چکا تھا۔

"تم تو اچھے پھنسے ہو۔" نیل کی بتیسی بند نہیں ہوئی۔

"اب بس کرو ہنسنا اور کام پر لگو! مجھے جلد از جلد کوئی حل چاہیے۔ ورنہ فجر کی نظروں سے بچنا مشکل ہو جائے گا۔" اس نے جھنجھلا کر فون بند کر دیا۔

✿••✿••✿••✿

دن کے پچھلے پہر فجر کا کمرہ ایک مخصوص خاموشی میں ڈوبا تھا۔ اچانک انٹر کام کی آواز گونجی۔ "میڈم، کوئی فلک عالمگیر آپ سے ملنے آئی ہیں۔"

فجر نے ایک لمحے کے لیے ہاتھ میں پکڑے فیبرک کے نمونے پر سے نظر ہٹائی۔ فلک عالمگیر! ایک نام جو حال ہی میں ادبی حلقوں میں گونج رہا تھا، دو بیسٹ سیلنگ کتابوں کی مصنفہ۔ اسے فوراً یاد آگئی۔

"انہیں گیسٹ روم میں بھیج دو، میں ابھی آتی ہوں۔"

گیسٹ روم، فجر کے دفتر کے داخلی دروازے کے قریب ہی تھا۔ یہاں کی فضا دفتر کے باقی حصے سے قدرے نرم تھی، کم روشنی اور کچھ آرٹ پیسز کے ساتھ۔ فلک وہاں کھڑی تھی، سیاہ رنگ کی شارٹ فراک پہنے، اس کے گھنگھریالے بال ایک چٹیا میں گندھے تھے اور ایک سیاہ ریشمی دوپٹہ اس کے گلے میں تھا۔ اس کی لمبی، مڑی ہوئی پلکیں حیرت سے اٹھ جھک رہی تھیں۔ وہ منار کے ماحول کو غور سے دیکھ رہی تھی، یہ دنیا باہر کی دنیا سے بہت الگ تھی۔ یہ وہی دنیا تھی جس کا تجربہ حاصل کر کے وہ لکھنا چاہتی تھی۔

کچھ دیر بعد، فجر وہاں نمودار ہوئی۔ اس کا چشمہ بالوں میں ٹکا تھا۔ دونوں نے ایک پل کے لیے ایک دوسرے کو دیکھا۔ فجر اپنے سینے پر بازو باندھے، دروازے سے ٹیک لگائے کھڑی فلک کو غور سے دیکھ رہی تھی، اس کے چہرے پر ایک گہری سوچ تھی۔

فلک نے پہلے سلام کیا۔ "السلام علیکم!"

فجر نے سلام کے جواب میں ہلکا سا سر ہلایا۔ پھر اس کی آواز سنائی دی، اس کا لہجہ بالکل کسی انٹرویو لینے والے جیسا تھا، مگر انداز عام تھا۔

"مس فلک! آپ نے پچھلے پندرہ منٹ میں منار میں کیا دیکھا؟"

فلک پل بھر کو ٹھٹکی۔ وہ ذہین لڑکی تھی۔ دو بیسٹ سیلنگ کتابوں کی مصنفہ۔ اسے چند لمحے لگے حالات سمجھنے میں اور پھر وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"بہت سی روشنی اور بہت سیاہی!"

فجر کے ہونٹوں پر ایک خفیف سی مسکراہٹ آئی۔

"تمہارے نزدیک سیاہی کیا ہے اور روشنی کیا ہے؟"

فلک نے ایک لمبی سانس لی، جیسے اپنے الفاظ کو ترتیب دے رہی ہو۔ دونوں اپنی اپنی جگہ کھڑی رہیں۔

"روشنی وہ چمک ہے جو تخلیق میں ہوتی ہے۔ یہ آئیڈیاز کا بہاؤ ہے، رنگوں کا امتزاج، انوکھے ڈیزائنز کی تشکیل۔ یہ لوگوں کی محنت ہے جو اس برانڈ کو زندہ رکھے ہوئے ہے۔ یہ وہ خواب ہیں جو یہاں حقیقت بنتے ہیں۔ اور سیاہی! سیاہی وہ پردہ ہے جو اس چمک کے پیچھے چھپا ہے۔ یہ وہ جدوجہد ہے جو ہر خوبصورت چیز کی بنیاد میں ہوتی ہے۔ یہ وہ خاموشیاں ہیں جو تخلیق کار کو خود سے جوڑتی ہیں۔ یہ وہ تھکن ہے جو کامیابیاں سمیٹنے کے بعد آتی ہے۔ اور شاید وہ پراسرار دنیا جو ہر شاندار چیز کے ساتھ جڑی ہوتی ہے، جہاں سب کچھ ظاہر نہیں کیا جاتا۔"

فجر نے سنتے ہوئے سر ہلایا۔

"ایک مصنفہ ہونے کی حیثیت سے، تم ان سب کو کیسے دیکھتی ہو؟"

"ایک مصنفہ ہونے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ میں ہر چیز میں کہانی دیکھتی ہوں۔ میں صرف رنگ نہیں دیکھتی، میں ان رنگوں کے پیچھے چھپی روح کو محسوس کرتی ہوں۔ میں کسی ڈیزائن کو صرف ایک لباس کے طور پر

نہیں دیکھتی، بلکہ اس میں بننے والے کردار کو دیکھتی ہوں۔ میری نظر ہر چیز میں ایک hidden layer ڈھونڈتی ہے۔ میں الفاظ کے ذریعے ان خاموشیوں کو آواز دیتی ہوں جو عام طور پر نظر انداز کی جاتی ہیں۔ میں انسانی جذبات کی گہرائیوں میں اترتی ہوں اور انہیں اپنے الفاظ میں پروتی ہوں۔ یہ میری خوبی ہے کہ میں دکھائی دینے والے سے پرے دیکھ سکوں۔"

اس کی آواز میں ایک گہرا یقین تھا۔ فجر اب مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔

"اور تمہارے مطابق ایک کاسٹیوم ڈیزائنر اور ایک رائٹر میں کیا فرق ہے اور کیا مماثلت ہے؟" فلک نے ایک لمحے کے لیے سوچا۔ نظریں فجر کے چہرے پر جمی رہیں پھر وہ گویا ہوئی۔

"فرق یہ ہے کہ آپ، ایک کاسٹیوم ڈیزائنر، کپڑوں کے ذریعے کردار تخلیق کرتی ہیں۔ آپ ایک شخصیت کو باہر سے تراشتی ہیں۔ آپ کا کینوس انسان کا جسم ہے، اور آپ کا میڈیم کپڑا۔ جبکہ میں، ایک رائٹر، الفاظ کے ذریعے کردار تخلیق کرتی ہوں۔ میں ایک شخصیت کو اندر سے بناتی ہوں۔ میرا کینوس کاغذ ہے، اور میرا میڈیم الفاظ!" وہ رکی، پھر مسکرائی۔ "لیکن مماثلت بہت گہری ہے۔ ہم دونوں ہی کہانیاں سناتے ہیں۔ آپ کپڑوں کے ذریعے کہانی سناتی ہیں کہ یہ شخص کون ہے، کہاں سے آیا ہے، اس کی کیا حیثیت ہے۔ اور میں الفاظ کے ذریعے کہانی سناتی ہوں کہ یہ کردار کیا سوچتا ہے، کیا محسوس کرتا ہے، اس کا اندرونی سفر کیا ہے۔ ہم دونوں ہی تخلیق کار ہیں۔ ہم دونوں ہی دنیا کو ایک نیا تناظر دیتے ہیں۔ اور ہم دونوں ہی خوبصورتی کی تلاش میں رہتے ہیں، چاہے وہ خوبصورتی کسی ریشمی کپڑے میں ہو یا کسی گہرے جملے میں۔ ہم دونوں ہی خوابوں کو حقیقت کا روپ دیتے ہیں، بس ہمارے ذرائع مختلف ہیں۔" اس کا چہرہ تمتما اٹھا۔

فجر نے گہری نظروں سے فلک کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجب سی چمک تھی۔ اس لڑکی کی باتوں میں ایک پراسرار گہرائی تھی، جو اسے اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ یہ انٹرویو نہیں تھا، یہ ایک روحوں کی ملاقات تھی۔ ایک ایسا تھرلنگ تجربہ جس کی فلک نے کبھی توقع نہیں کی تھی۔

"تم نے روشنی اور سیاہی کی بات کی، خوبصورتی کی بھی۔ مگر مجھے خوبصورتی سے زیادہ ہولناکی پسند ہے۔ کیا تم ہولناک کہانیاں لکھ سکتی ہو؟ ایسی کہانیاں جو روح کو چھیڑ دیں، جو خوابوں میں بھی پیچھا کریں؟"

اس کی آواز میں ایک ایسا سرور تھا جو عام طور پر نظر نہیں آتا تھا۔

فلک لمحہ بھر کو خاموش ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں ماضی کی کوئی پرچھائی گہری ہوئی۔ پھر اس نے ایک لمبی سانس لی۔

"اڑھائی سال پہلے تک شاید نہیں۔ تب میری دنیا بہت خوبصورت اور سادہ تھی۔ مگر اب، اب بہت کچھ دیکھ چکی ہوں۔ انسانی فطرت کی گہرائیوں میں چھپی ہولناکی، زندگی کے غیر متوقع موڑ، سبھی کچھ۔ اب میں ہولناک کہانیاں لکھ سکتی ہوں، اور شاید انہیں روح کی گہرائیوں سے محسوس بھی کر سکتی ہوں۔"

فجر کے چہرے پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ یہ وہی جواب تھا جس کی اسے تلاش تھی۔

"پرفیکٹ"

وہ دروازے سے ہٹ گئی اور اشارے سے فلک کو اپنے ساتھ چلنے کا کہا۔ "آؤ، تمہیں منار دکھاتی ہوں۔"

دونوں گیسٹ روم سے نکل کر کمپنی کے وسیع اور نفیس راہداریوں میں چلنے لگیں۔ فجر نے اسے ڈیزائنرز کے سیکشن، فیبرک کے گودام، اور مشینوں کی آوازوں سے بھرے پروڈکشن ہال کا دورہ کروایا۔ ہر قدم پر فجر اپنی آواز

کی گہرائی میں موجود پراسرار سرگوشیوں سے فلک کو مخاطب کرتی رہی، جیسے وہ اسے محض عمارت نہیں، بلکہ منار کی روح سے روشناس کروا رہی ہو۔

"دیکھو۔۔۔"فجر نے ایک روشن ورکشاپ میں رکتے ہوئے کہا جہاں چمکدار کپڑوں کے رول اور سجے ہوئے مانیکوئنز تھے۔

"یہاں ہم خوابوں کو تراشتے ہیں۔ ہر لباس کی ایک کہانی ہوتی ہے۔ کچھ کپڑے شاہی داستانیں سناتے ہیں، کچھ بغاوت کی، اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جنہیں دیکھ کر روح کانپ اٹھتی ہے۔"

فلک کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں، وہ ہر چیز کو جذب کر رہی تھی۔

"ہر کپڑا ایک خاموش زبان بول رہا ہے۔"

فجر نے اسے ایک اسٹوڈیو میں لے گئی، جہاں مدھم روشنی تھی اور عجیب و غریب کاسٹیومز سجے تھے۔ کچھ میں دھات کی تاریں تھیں، کچھ پر خوفناک نقوش، اور کچھ ایسے تھے جو صدیوں پرانے لگتے تھے۔

"فی الوقت، مجھے ایک ایسا رائٹر چاہیے جو میرے ان پراسرار کاسٹیومز کو پیش کرنے کے لیے کردار بنا سکے۔"

فلک نے ایک خاص لباس کو چھوا جو سیاہ مخمل کا بنا تھا اور اس پر چاندی کے تاروں سے کوئی تتلی بنی تھی۔

"کردار۔۔۔ ایسے جو ان لباسوں کی روح کو سمجھ سکیں؟" فلک نے حیرانی سے پوچھا۔

"ہاں۔۔"فجر نے جواب دیا، اس کی آواز میں ایک شدید طلب تھی۔

"میں نے ایسے ڈیزائنز بنائے ہیں جنہیں دیکھ کر انسان کی روح میں خوف اور کشش دونوں پیدا ہوں۔ میں انہیں صرف فیشن کے لیے نہیں بناتی۔ میں انہیں فن کا ایک تاریک روپ دیتی ہوں۔ مجھے ایسے کردار چاہئیں جو ان لباسوں کو پہن کر جی سکیں، ایسے کردار جو ان ڈارک سٹوریز کو بیان کریں جو ان لباسوں کے پیچھے چھپی ہیں۔ "

فلک ایک لمحے کو ساکن کھڑی رہی۔ اس نے غور سے فجر کے چہرے کو دیکھا۔ اس کے پیچھے کیا تھا؟ محض فیشن یا کچھ اور؟

"آپ انہیں صرف نمائش کے لیے نہیں چاہتیں؟"

"نہیں۔۔۔" فجر نے دھیمی آواز میں کہا۔ "میں انہیں زندہ کرنا چاہتی ہوں۔ میرے کاسٹیومز صرف پہنے جانے کے لیے نہیں ہیں، وہ محسوس کیے جانے کے لیے ہیں۔ مجھے ایسے کردار چاہئیں جو ان پوشیدہ پہلوؤں کو ابھار سکیں جو میں نے ہر تار میں، ہر کٹ میں چھپائے ہیں۔ ایسے کردار جن کی اپنی کہانیاں ہوں جو ان لباسوں کی ہولناکی اور خوبصورتی کو سمیٹ سکیں۔ کیا تم ایسے کرداروں کی تخلیق کر سکتی ہو جو میری تاریک ترین تخلیقات میں سانس بھر سکیں؟" فجر کی نظریں فلک پر گڑی تھیں، ایک امید اور ایک چیلنج۔

فلک نے سر ہلایا۔ اس کی آنکھوں میں ایک نئی چمک تھی۔ یہ کام اس کے لیے نیا تھا، مگر اس میں ایک دلچسپ پراسراریت تھی۔

"میں کوشش کروں گی، فجر آپی۔ مجھے لگتا ہے میں انہیں روح سے محسوس کر سکوں گی۔"

کمرے میں موجود پراسرار کاسٹیومز کے بیچ فجر اور فلک کے درمیان ایک خاموش معاہدہ طے پا رہا تھا، ایک ایسا معاہدہ جس کی بنیاد پر ہولناکی اور خوبصورتی کی ایک نئی دنیا جنم لینے والی تھی۔

"اور تمہاری کتاب جسے لوگ بین کرنا چاہتے ہیں ہم اسکا پیغام کاسٹیومز اور کرداروں کے ذریعے پیش کریں گے۔ ایک شارٹ فلم یا فیشن شو! جہاں آج کی جکڑی ہوئی لڑکیوں کو پریزنٹ کر سکیں۔"

یہ بہترین تھا۔ فلک نے سمجھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ فجر کچھ بڑا کرنا چاہتی تھی مگر کیا؟ یہ آنے والا وقت ہی بتاتا۔

✿••✿••✿••✿

لاؤنج کسی فلم کے سیٹ کا منظر پیش کر رہا تھا جہاں ولی، ایک نایاب نمونے کے طور پر صوفے پہ بیٹھا تھا جیسے ابھی ابھی کسی خلائی مخلوق نے اسے زمین پر پٹخا ہو۔ فجر اوپر اپنے کمرے میں تیار ہو رہی تھی۔ انہیں، سارہ کے نکاح کے فنکشن کے لیے نکلنا تھا۔

باہر، لاؤنج کے دوسرے کونے میں، اماں اور بانو (عرفِ عام میں گھر کی سی آئی ڈی چیف) یوں براجمان تھیں جیسے کسی اہم ترین خفیہ مشن پر ہوں۔ ان کی نظریں کسی میزائل گائیڈنس سسٹم کی طرح ولی پر لاک تھیں، اور ان کے چہروں پر وہ تاثرات تھے جو عموماً تاریخ کی کتابوں میں حملہ آور فوجوں کے سپہ سالاروں کے چہروں پر پائے جاتے ہیں۔ ولی کسی شریف آدمی کی طرح، باہر گاڑی میں انتظار کرنے کی پیشکش کر چکا تھا۔ مگر فجر نے مروتاً اسے اندر بلا لیا۔

اماں، جن کی عینک ناک کی پھننگ پر خطرناک زاویے سے ٹکی ہوئی تھی (پہلے سے صحت یاب لگ رہی تھیں، رنگت پہلے سے صاف تھی اور چہرے پر چھائی گہری مایوسی اب ختم ہو چکی تھی) وہ ولی کو ایسی نظروں سے گھور رہی تھیں گویا وہ نیشنل جیوگرافک کی ٹیم ہوں اور ولی کوئی نایاب نسل کا برفانی چیتا ہو جسے پہلی بار آبادی میں دیکھا گیا ہو۔ ان کے ہونٹ مسلسل آپس میں یوں جڑے اور کھل رہے تھے جیسے وہ کوئی اہم قومی راز ایک دوسرے کو منتقل کر رہی ہوں۔ ولی

کے سامنے میز پر رکھی چائے ٹھنڈی ہو کر تاریخ کا حصہ بننے کو تیار تھی، مگر اس کا حلق صحراء کی طرح خشک ہو چکا تھا۔ ان دو خواتین کی نظروں کے نشتر سہتے ہوئے چائے پینا کسی دل گردے والے کا ہی کام تھا۔

اماں نے، بغیر اپنی نظریں ولی کے چہرے سے ہٹائے، اپنا منہ بانو کے کان کے قریب لے جا کر ایسی سرگوشی کی جو اتنی 'آہستہ' تھی کہ لاؤنج کے دوسرے کونے میں بیٹھی مکھی بھی سن لے اور شرما کر اڑ جائے۔

"یہ وہی ہے نا جس کا فجر ذکر کرتی رہتی ہے؟ جسے بار بار فون کرتی ہے۔ ولی یہ کر دو، وہ کر دو!" اماں کی آنکھیں سکڑ کر دو چھوٹی چھوٹی بٹنوں میں تبدیل ہو چکی تھیں، جن سے ایکسرے شعاعیں نکل کر ولی کے آر پار ہو رہی تھیں۔

ولی نے بمشکل اپنا تھوک نگلا۔ "ذکر؟ میرا؟ یا اللہ خیر!"

بانو نے، جو اماں کی ہر بات پر یوں سر ہلاتی تھی جیسے اس کے سر میں کوئی سپرنگ فٹ ہو، اپنی ٹھوڑی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جواب دیا۔

"ہاں ہاں اماں، یہ وہی ہے۔ دکھنے میں تو اچھا خاصا ہے پر ذرا اس کے گال کا نشان تو دیکھو! خدا جھوٹ نہ بلوائے، کسی سنگین واردات کی یادگار لگتا ہے۔ مجھے تو یہ بندہ شریف کم اور **'موسٹ وانٹڈ'** زیادہ لگ رہا ہے۔" بانو نے آخری الفاظ ایسے ادا کیے جیسے وہ کسی سنسنی خیز فلم کا ٹریلر بیان کر رہی ہو۔

ولی کا دل چاہا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

اماں نے عینک کو مزید ناک پر چڑھاتے ہوئے اگلا میزائل داغا،

"پر بانو، یہ انگریزوں کا بچہ یہاں کیا کر رہا ہے؟ گورا چٹا، آنکھیں دیکھ اس کی، نیلی نہیں تو بھوری تو پکی ہوں گی!"

بانو نے فوراً تصحیح کی، جیسے وہ جغرافیہ اور انسانی نسلوں پر پی ایچ ڈی کر چکی ہو،

"نہیں نہیں اماں، انگریز کہاں! یہ تو گلگت کا پہاڑی چیتا ہے۔ پٹھان ہے پٹھان! انگریزوں کو ہماری طرح کی فر فر اردو تھوڑی آتی ہے، اور یہ تو ایسی اردو بولتا ہے جیسے ابھی ابھی پشاور سے ٹرک چلا کر آیا ہو۔ تلفظ سنا ہے نا آپ نے؟ **'خ'** کو **'خے'** اور **'ق'** کو **'قاف'** کہتا ہے!"

اماں کی پہلے سے چھوٹی آنکھیں مزید سکڑ گئیں، گویا دوربین سے کسی جرثومے کا معائنہ کر رہی ہوں۔

"ہوں۔۔۔ تو یہ پٹھان بچہ ہماری فجی کے پیچھے کیوں ہاتھ دھو کر پڑا ہے؟" اماں نے ماہرِ سراغ رساں کے سے انداز میں اپنی ٹھوڑی پر انگلی پھیری، جیسے شرلاک ہومز کسی پیچیدہ کیس کی گتھیاں سلجھا رہا ہو۔

بانو نے سازشی انداز میں اپنی آواز کو مزید پست کیا **(جواب بھی اتنی بلند تھی کہ پڑوسی بھی سن لیں)**۔

"اماں، میرا دل کہتا ہے، یہ ہماری فجی باجی کی ساری دولت پر ہاتھ صاف کرنے آیا ہے۔ آج کل کے لڑکوں کا کیا بھروسہ!" یہ سن کر اماں نے ایسا منہ بنایا جیسے کسی نے انہیں کریلے کا جوس زبردستی پلا دیا ہو۔

"دولت؟ خاک دولت ہے اس کے پاس!" اماں نے نخوت سے کہا۔ "سارا پیسہ تو وہ کمبخت فیشن کمپنی پر پھونک دیتی ہے۔ بچتا کیا ہے اس کے پاس؟ مجال ہے جو ایک دھیلا بھی جوڑ لے یہ لڑکی۔ نہایت فضول خرچ!"

بانو نے فوراً پینترا بدلا، "پھر بھی اماں، پوری فیشن کمپنی تو ہے نا؟ کیا پتہ کمپنی ہی ہتھیانے کے چکر میں ہو! ورنہ اتنا اچھا نشان زدہ ہینڈسم جوان، کسی لڑکی کی جی حضوری کیوں کرے گا؟ دال میں کچھ کالا نہیں، اماں، مجھے تو پوری دال ہی کالی لگ رہی ہے۔" یہ سنتے ہی اماں کا چہرہ پہلے سرخ، پھر نیلا، پھر تقریباً بینگنی ہونے کو تھا۔

بانو نے تابوت میں آخری کیل ٹھونکتے ہوئے کہا، "اور کیا پتہ اماں، اسے فجی باجی ہی پسند آگئی ہوں اور یہ انہیں اغوا کر کے گلگت کے پہاڑوں میں لے جانے کا منصوبہ بنا رہا ہو؟"

اور بس۔۔۔ یہاں ولی کی برداشت کی حد ختم ہو گئی۔ اس کا حلق مکمل طور پر خشک ہو چکا تھا، دل یوں دھڑک رہا تھا جیسے ابھی پسلیاں توڑ کر باہر آجائے گا۔ اماں کے تاثرات ایسے تھے کہ کسی بھی لمحے اماں چائے کا کپ گھما کر اس کے سر پر دے ماریں اور بانو کچن سے بیلن لے آتیں۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی قبائلی جرگے میں پھنس گیا ہو جہاں اس کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا تھا۔ اس نے سوچ رکھا تھا فجر کے گھر میں مردوں سے نمٹنا نہیں پڑے گا، مگر یہ دو خواتین تو کسی بھی بٹالین سے زیادہ خطرناک ثابت ہو رہی تھیں۔

آخر کار، اس نے اپنا گلا کھنکارتے ہوئے پوچھ ہی لیا۔

"کیا۔۔۔ کیا آپ لوگ میرے بارے میں بات کر رہے ہیں؟"

اماں اور بانو نے ایک دوسرے کو ایسے دیکھا جیسے ان کی چوری پکڑی گئی ہو، پھر معصومیت کا لبادہ اوڑھ کر بیک زبان بولیں۔

"نہیں تو بیٹا! ہم تو موسم پر بات کر رہے تھے۔ آج کل بڑا خراب ہے نا!"

ولی نے گلاس وال س آسمان کی طرف دیکھا، جیسے کہہ رہا ہو، "یا اللہ، یہ موسم ہے یا میں؟"

"کیا تھوڑا پانی مل سکتا ہے؟"

اماں نے فوراً بانو کو حکم صادر فرمایا، "بانو، جا ذرا بچے کے لیے پانی تو لا۔"

بانو جو غالباً ولی کو پانی میں کچھ ملا کر دینے کے بارے میں سوچ رہی تھی (شاید سچائی اگلوانے والا کوئی مقامی ٹوٹکا)، مشکوک نظروں سے اسے گھورتی ہوئی کچن کی طرف بڑھی۔ چند لمحوں بعد وہ ایک گلاس میں پانی لے کر حاضر ہوئی۔ اس نے گلاس ولی کی طرف یوں بڑھایا جیسے وہ کوئی بم ڈسپوزل اسکواڈ کی ماہر ہو اور گلاس میں پانی کی جگہ نائٹرو گلسرین بھرا ہو۔

ولی نے گلاس تھاما اور ایک ہی سانس میں آدھا پی گیا۔ پانی شاید اس کے حلق سے زیادہ اس کی روح کو ٹھنڈک پہنچا رہا تھا۔

جیسے ہی گلاس میز پر واپس رکھا، اماں نے اپنی جاسوسی مہم کا اگلا مرحلہ شروع کیا۔ وہ تھوڑا سا آگے کو جھکیں، ان کی آنکھوں میں اب ایک نئی، شدید قسم کی جستجو تھی۔

"بیٹا ولی!" انہوں نے شفقت سے (یا شاید شفقت کے بھیس میں تفتیش سے) پوچھا، "تمہارے گھر میں کون کون ہے؟ مطلب، گلگت میں اکیلے رہتے ہو یا کوئی بال بچے والے ہو؟"

اس نے جلدی سے کہا، "نہیں نہیں اماں جی! بال بچے نہیں ہیں۔ گلگت میں میرے والد ہیں، ایک بہن ہے، اور دو بھائی ہیں۔"

"ماشاءاللہ! پورا خاندان ہے بھئی۔" اماں نے اپنی ٹھوڑی پر ہاتھ پھیرا۔ "سنا ہے گلگت بڑا خوبصورت علاقہ ہے، اور وہاں کے لوگ بھی۔۔۔" انہوں نے جملہ ادھورا چھوڑ کر معنی خیز نظروں سے ولی کو دیکھا۔

"بڑے گورے چٹے ہوتے ہیں۔ ہم نے تو بھئی کبھی دیکھے نہیں گلگتی لوگ۔ بس سنا ہی سنا ہے۔" ان کا لہجہ ایسا تھا جیسے وہ کہہ رہی ہوں، "اب تمہاری ذمہ داری ہے کہ ہمیں دکھاؤ۔"

بانو، جو دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی تھی، فوراً بولی۔

"ہاں اماں، میں نے بھی سنا ہے، وہاں کی لڑکیاں تو حوروں جیسی ہوتی ہیں، اور لڑکے شہزادے!" اس نے یہ کہتے ہوئے ولی کو ایسی نظروں سے دیکھا جیسے وہ اس کی شہزادگی پر تحقیق کر رہی ہو۔

ولی کو صورتحال کی نزاکت کا احساس ہوا۔ اس نے تھوڑا جھجکتے ہوئے اپنی جیب سے موبائل فون نکالا۔

"جی اماں جی، اگر آپ کہیں تو میرے پاس کچھ تصاویر ہیں فیملی کی۔"

اماں کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ "ضرور دکھاؤ بیٹا، ضرور دکھاؤ۔ ہمیں بھی تو پتہ چلے کیسے ہوتے ہیں گلگت کے لوگ۔" وہ یوں پرجوش ہوئیں جیسے ابھی کوئی خزانہ دریافت ہونے والا ہو۔

ولی نے فون میں گیلری کھولی اور سب سے پہلے نساء کی تصویر کھائی دی۔ جس میں نساء نے شوخ گلابی رنگ کا کامدار شلوار قمیص پہنا تھا، دوپٹہ سر پر ٹکایا ہوا تھا، اور ہاتھوں میں مہندی بھی لگی تھی۔ وہ کیمرے کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی، مگر اس کی مسکراہٹ میں ایک مصنوعی پن تھا، جیسے اسے زبردستی تصویر کے لیے تیار کیا گیا ہو۔ اس کے سرخ چیری جیسے نمایاں نمایاں تھے۔

"یہ میری بہن ہے، نساء!" اس نے فون اماں کی طرف بڑھایا۔

اماں نے عینک کو ناک پر ٹھیک سے جمایا اور تصویر کو غور سے دیکھا۔ بانو بھی فوراً اماں کے کندھے پر سے جھانکنے لگی۔

"ماشاءاللہ، ماشاءاللہ!" اماں کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "کتنی پیاری بچی ہے۔ بالکل گڑیا جیسی۔ اور دیکھو تو ذرا، کتنے سلیقے سے دوپٹہ اوڑھا ہوا ہے۔ آنکھوں میں حیا بھی ہے۔"

بانو نے اضافہ کیا، "ہاں اماں، بالکل مشرقی لگ رہی ہے۔ گلگت کی ہے، پر لگتی پنجاب کی ہے۔"

پھر اس نے اپنے بھائیوں کی تصاویر دکھائیں۔ پہلے نیل کی تصویر آئی۔ جس کا رنگ قدرے گندمی تھا اور بال سیاہ، ایک کڑک کالر والے کرتے اور سفید شلوار میں ملبوس تھا، جس پر اس نے ایک سیاہ واسکٹ بھی پہن رکھی تھی۔ وہ تصویر میں کچھ گھبرایا ہوا سا لگ رہا تھا، جیسے کرتا اسے کاٹ رہا ہو اور واسکٹ کسی نے زبردستی پہنا دی ہو۔

اماں نے تصویر دیکھتے ہوئے فوراً پوچھا۔

"یہ تمہارا بھائی ہے؟ نام کیا بتایا؟ نبیل؟ کس نے رکھا نام؟"

"جی وہ ہمارے دادا نے شوق سے رکھا تھا۔" وہ فوراً ہی لگتی بن گیا۔

"چلو خیر، پر کپڑے تو اپنے والے پہنے ہیں۔ یہ اچھی بات ہے۔" اماں نے جیسے تیسے منظوری دی۔

اگلی تصویر جارج کی تھی۔ جارج، جو اپنی گوری رنگت اور نین نقش کی وجہ سے واقعی غیر ملکی لگ رہا تھا ایک ڈھیلے ڈھالے، آسمانی رنگ کے کرتے میں کھڑا تھا جو شاید اسے پورا نہیں آ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک بڑی سی، دوستانہ مسکراہٹ تھی، مگر وہ بھی مشرقی لباس میں کچھ اجنبی سا لگ رہا تھا، جیسے کسی ہالی وڈ فلم کا ایکٹر غلطی سے پاکستانی ڈرامے کے سیٹ پر آ گیا ہو۔

اماں نے نیل کی تصویر کو چند سیکنڈ تک بغور دیکھا، پھر بولیں۔

"یہ والا تو بالکل انگریز لگتا ہے بھئی۔ پر چلو، کرتا پہنا ہے تو کچھ تو رعایت دینی پڑے گی۔"

بانو نے بھی تبصرہ کیا، "اماں، یہ تو پورا گورا پٹھان ہے۔"

انہوں نے فون واپس پکڑا دیا۔ اسے فون واپس جیب میں رکھتے ہوئے ایک لمبی سانس لی۔ اسے لگا جیسے اس نے کوئی بہت بڑا امتحان پاس کر لیا ہو۔ کم از کم اماں کی نظر میں اب وہ ایک **'خطرناک مجرم'** یا **'دولت ہتھیانے والے'** سے ترقی کر کے **'ایک شریف خاندان کا مشرقی روایات کی پاسداری کرنے کی کوشش کرنے والا لڑکا'** بن گیا تھا۔

اماں نے اطمینان کا سانس لیا، "چلو شکر ہے، بچے کے گھر میں عورتیں تو ہیں۔ نفیساء تو بہت پیاری بچی ہے۔ اللہ نصیب اچھے کرے۔" ان کا لہجہ اب قدرے نرم ہو چکا تھا۔

"نفیساء نہیں نساء۔۔" اس نے تصحیح کی اور دل ہی دل میں نساء کا شکریہ ادا کیا جس کی مشرقی لباس والی تصویر نے آج اس کی جان بخشی کروادی تھی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ فجر کا پی اے بننے کے لیے اسے اتنے کڑے خاندانی پس منظر کے امتحان سے بھی گزرنا پڑے گا۔

ابھی اماں، ولی کے خاندانی پس منظر پر اپنی تحقیقاتی رپورٹ سے قدرے مطمئن ہوئی ہی تھیں اور بانو دیوار سے ٹیک لگائے اونگھنے اور جاگنے کی درمیانی کیفیت میں تھی، کہ اچانک سیڑھیوں کی جانب سے ریشمی کپڑوں کی سرسراہٹ اور نازک قدموں کی مدھم سی چاپ سنائی دی۔ تینوں کی نظریں بے اختیار اس سمت اٹھیں۔

فجر سیڑھیوں کے اوپری حصے پر نمودار ہوئی۔ ایک لمحے کے لیے لاؤنج میں موجود ہر شے ساکت و جامد ہو گئی۔ اماں کا کھلا رہ جانے والا منہ، بانو کی نیم وا آنکھیں، اور ولی؟ ولی تو جیسے سانس لینا ہی بھول گیا۔ وہ اپنی جگہ سے یوں اٹھ کھڑا ہوا جیسے کسی نے اسے حکم دیا ہو۔ پچھلے تقریباً ساڑھے چھ سات ماہ کے عرصے میں، جب سے وہ فجر پر نظر رکھے ہوا تھا اور اس کے ساتھ کام کر رہا تھا، اس نے پہلی بار اسے اس روپ میں دیکھا تھا۔ یہ وہ فجر نہیں تھی جو سخت کاروباری لباس میں، بالوں کو جوڑے میں قید کیے، ہر وقت فائلوں اور لیپ ٹاپ میں گم رہتی تھی۔

اس وقت وہ ہلکے روپہلی نیلے (silvery blue) رنگ کے ایک شاہکار لباس میں ملبوس تھی۔ بغیر آستین کے، زمین کو چھوتی سادہ سی سلک کی فراک، جس کے اوپر اسی رنگ کا ٹشو کا گاؤن تھا جس پر نہایت نفاست سے ہلکا کام کیا گیا تھا۔ گاؤن کی آستینیں پوری تھیں، مگر وہ سامنے سے کھلا ہوا تھا اور فراک کی طرح زمین کو بوسے دے رہا تھا۔ اس کے چاکلیٹی ریشمی بال، جو اب بالکل سیدھے تھے، کسی آبشار کی مانند اس کے شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ نیوڈ میک اپ سے سجا چہرہ، جس پر ایک فطری چمک تھی، اور اس کی وہ مخصوص ہیزل (Hazel) آنکھیں، جن میں اس وقت ایک عجیب سی گہرائی اور پراسراریت تھی، کسی مقناطیس کی طرح دیکھنے والے کو اپنی طرف کھینچ رہی تھیں۔ کانوں میں اسی رنگ کے چھوٹے چھوٹے ٹاپس ستاروں کی مانند جگمگا رہے تھے اور گلے میں ایک باریک سا، تقریباً غیر محسوس دوپٹہ پڑا تھا۔ ہاتھ میں ایک چھوٹا سا سلور والٹ تھامے، اس نے قدرے حیرت سے ان تینوں کو اپنی جانب تکتے دیکھا جو مجسمہ حیرت بنے ہوئے تھے۔

ولی کے لیے تو جیسے کائنات ایک پل کے لیے تھم سی گئی تھی۔ ہر شے دھندلا گئی، صرف ایک وجود واضح تھا۔

فجر معراج کا۔۔!

اسکی نظریں فجر پر جم سی گئیں تھیں۔ وہ جو ہمیشہ ہی حسین لگتی تھی، آج اسے کسی اور ہی دنیا کی مخلوق لگ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کی گہری پراسراریت نے ولی کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے ہل نہ سکا، جیسے اس کے پاؤں زمین میں پیوست ہو گئے ہوں۔ فجر کے چاکلیٹی ریشمی بال شانوں پر آبشار کی صورت بکھرے تھے، اور ہلکے روپہلی نیلے لباس میں ملبوس وہ کسی دیوی کا روپ دھارے تھی۔

اس کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو چکی تھیں۔ اسے لگا جیسے فضا میں صرف فجر کی ہلکی خوشبو پھیلی ہو اور ہر شے اس کے وجود کے گرد گھوم رہی ہو۔ اس لباس کا رنگ، جو اس کی گوری رنگت پر عجیب طرح سے کھل رہا تھا، اور

اس کی آنکھوں کی چمک نے اسے مبہوت کر دیا تھا۔ اس کے ذہن میں بار بار ایک ہی سوال گونج رہا تھا، "یہ اتنی خوبصورت کیوں لگ رہی تھی؟" مگر اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔

وہ دھیرے دھیرے، کسی خوابناک انداز میں، ایک ایک زینہ اترتی ان کی جانب آئی۔ اس کی ہر حرکت میں ایک عجیب سی نفاست اور وقار تھا۔ جیسے ہی اس کے قدم لاؤنج کے فرش سے مس ہوئے، ساکت و جامد فضا کا طلسم ٹوٹ گیا۔ ولی جیسے کسی گہری نیند سے بیدار ہوا ہو، اس نے تیزی سے اپنا رخ موڑ لیا، گالوں پر ہلکی سی سرخی پھیلتی محسوس ہوئی۔

"چلیں ہم نکلتے ہیں۔ جلد واپس آجاؤں گی۔" فجر نے معمول کے مطابق اماں کو اطلاع دی، جیسے ابھی ابھی جو قیامت خیز منظر برپا ہوا تھا، وہ کوئی عام سی بات ہو۔ پھر وہ دروازے کی جانب بڑھی۔

اس سے پہلے کہ وہ دہلیز پار کرتی، اماں کی آواز کسی توپ کے گولے کی طرح فضا میں گونجی۔

"سلامی کے پیسے کم ہی دینا۔ ساری جائداد وہیں لٹا کر مت آجانا۔ آج کل کے شادی بیاہ بھی تو دکھاوا ہی رہ گئے ہیں۔"

فجر نے اپنا ماتھا پیٹا۔ "اوہ خدایا، اماں!" آج کل اماں کو نجانے کیوں اس کی جائداد بچانے کا دورہ پڑا ہوا تھا۔

ولی، جو دروازے سے باہر نکل چکا تھا، یہ سن کر زیرِ لب مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ اتنا تو اسے ان چند گھنٹوں میں پتہ چل گیا تھا کہ اگر فجر شیر تھی، تو اماں سوا شیر تھیں۔ اور دنیا کا اصول ہے، ہر شیر کا پالا کبھی نہ کبھی کسی سوا شیر سے پڑ ہی جاتا ہے۔ فجر کی ساری تیزی اور خود اعتمادی اماں کے ایک جملے کے سامنے پانی بھرتی نظر آتی تھی۔ اس خیال پر اس کے لبوں پر ایک گہری مسکراہٹ پھیل گئی۔

اس نے آگے کا دروازہ کھولا مگر فجر اسے نظر انداز کرتی، پچھلا دروازہ کھول کر سکون سے بیٹھ گئی۔ ولی نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس لی اور پھر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کی۔ ان کی گاڑی ترنم ہاؤس سے نکل چکی تھی اور اب اس کا رخ شہر سے تقریباً باہر، اس فارم ہاؤس کی جانب تھا جہاں سارہ کے نکاح کی تقریب تھی۔

✿••

گاڑی الحیات فارم ہاؤس کے سامنے جا کر رکی۔ اندر جانے سے پہلے اس نے گاڑی باہر ہی روک دی۔ فجر جو پورے راستے موبائل پر مصروف رہی تھی اس نے چونک کر سر اٹھایا۔

"ہم پہنچ گئے؟" اور پھر یوں پوچھا جیسے وہ دنیا میں ہو ہی نا اور جیسے وہ اسے صحیح منزل پر پہنچا دے گا۔ ولی نے بھنویں سکیڑ کر بیک ویو مرر سے اسے دیکھا۔ جتنی خوبصورت تھی اتنی ہی ظالم بھی۔ وہ جس انتشار کا شکار تھا اسے کیسے بتاتا؟ اور وہ مزید اسے سلگا رہی تھی۔

"اگر آپ کو پیچھے ہی بیٹھنا تھا تو آپ مجھے ساتھ کیوں لائی ہیں؟ میں آپکا پی اے ہوں ڈرائیور نہیں۔" غیر متوقع سا سوال۔ وہ سر میں اٹھتے درد کو دباتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ فجر نے چونک کر اسے دیکھا۔ یوں جیسے کوئی انہونی بات کر دی ہو۔

"کیا مطلب ہے تمہیں کیوں لائی؟ ہاں تم پی اے ہو اور یہ آفیشل تقریب ہے اور کس کو لاتی ساتھ؟" اس نے ابرو اچکا کر الٹا سوال کیا۔ وہ خاموش رہا۔

"اور ویسے بھی تم نے ہی کہا تھا مجھے احتیاط کرنی چاہیے۔ مجھ پر دوبارہ حملہ ہو سکتا ہے۔ بس اسی لیے۔۔۔ تم حفاظت کے لیے ہو۔" اس کا انداز عام سا تھا۔ وہ اپنے بالوں کو سیٹ کرتے کہہ رہی تھی جبکہ ولی کا دل سینے میں

اتھل پتھل ہو گیا۔ یعنی اسے بھروسہ تھا وہ اس کی حفاظت کر لے گا؟ وہ اب گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلنے لگی تھی جب اس کی آواز سنائی دی۔

"بیٹھی رہیں ابھی اندر جانا ہے۔" فجر نے شیشے سے جھانک کر دیکھا اور پھر دروازہ واپس بند کر دیا۔ اس نے گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کی۔

ایک نجی شاہراہ سے گزر کر جیسے ہی گاڑیاں وسیع و عریض فارم ہاؤس کے گیٹ سے اندر داخل ہوئیں، ایک بالکل نئی دنیا کا منظر آنکھوں کے سامنے پھیل گیا۔ مرکزی گیٹ سے لے کر اندر تک، راستے کے دونوں جانب قد آور کھجور کے درختوں پر نصب چھوٹی چھوٹی برقی قندیلیں ایک دلفریب روشنی بکھیر رہی تھیں جو استقبالیے کے مقام تک جاتی تھی۔ دور سے ہی دھیمی، سریلی انسٹرومینٹل موسیقی کی آواز کانوں میں رس گھولنے لگی، جو روح کو سرشار کر دینے والی تھی۔

فارم ہاؤس کا وسیع لان ایک خوابناک منظر پیش کر رہا تھا۔ ہزاروں ننھے برقی قمقمے درختوں اور جھاڑیوں پر اس طرح بکھیرے گئے تھے جیسے کسی نے آسمان سے ستارے توڑ کر نیچے بچھا دیئے ہوں۔ ان کی مدھم، سنہری روشنی شب کے سناٹے میں ایک طلسماتی سماں باندھ رہی تھی۔ لان کے بیچوں بیچ، پانی کے فوارے سے اٹھنے والے قطرے برقی قمقموں کی روشنی میں چمک رہے تھے، جو ہوا میں ایک لطیف سی خنکی اور تازگی پیدا کر رہے تھے۔

پارکنگ ایریا میں گاڑی لگاتے وہ باہر نکل آئے۔ فجر کے ہاتھ اب ایک پھولوں کا بکے تھا جبکہ ولی کے ہاتھ میں دو تین بیگز تھے۔ کچھ گفٹس اور بیکری کا سامان! وہ دونوں اب ایک ساتھ چلتے ہوئے لان کے اس حصے کی جانب بڑھ رہے تھے جہاں تقریب جاری تھی۔

سبزہ زار پر بنے وسیع اسٹیج کو نہایت پر وقار اور نفاست سے سجایا گیا تھا۔ خالص سفید آرکڈز، گلاب اور موتیا کے گجرے اسٹیج کے کنارے پر آویزاں تھے، جو ہوا میں ایک مسحور کن خوشبو پھیلا رہے تھے۔ اسٹیج کے پس منظر میں کرسٹل کے جھومر لٹک رہے تھے، جن کی روشنی پھولوں کے رنگوں کو مزید گہرا اور دلکش بنا رہی تھی۔ یہ اسٹیج اپنی سادگی اور خوبصورتی میں ایلیٹ کلاس کے ذوق کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ اسٹیج کے سامنے مخمل کی نرم کرسیاں صف بستہ تھیں، جن پر بیٹھے مہمانوں کے نفیس لباس اور دھیمی سرگوشیاں ماحول کو ایک خاص وقار بخش رہی تھیں۔

ہلکی موسیقی کی دھن پر، مہمانوں کی آمد کا سلسلہ جاری تھا۔ خواتین کے لباسوں میں سلک اور شفون کی نزاکت، اور مردوں کے فائن کوالٹی سوٹ اس بات کا ثبوت تھے کہ یہ ایک ایسی محفل تھی جہاں معیار اور نفاست کو اولیت دی گئی تھی۔

مشروبات کے کاؤنٹرز اور ہلکے اسنیکس کی ٹرالیاں بھی سلیقے سے رکھی گئی تھیں، جہاں ویٹرز خاموشی سے مہمانوں کی تواضع کر رہے تھے۔ یہ نکاح کی محض ایک تقریب نہیں تھی، بلکہ ایک سحر انگیز شام تھی۔

اس اسٹیج کی مرکزی نشست پر دلہن سارہ براجمان تھی۔ وہ ایک خوبصورت، نفیس بیج (beige) رنگ کے شرارہ سوٹ میں ملبوس تھی جس پر باریک زری کا کام تھا، جو برقی قمقموں کی روشنی میں ہلکا ہلکا چمک رہا تھا۔ اس کے چہرے پر حیا اور مسرت کا حسین امتزاج تھا، اور اس کے ہاتھ مہندی سے سجے تھے۔ سارہ کے ارد گرد چند قریبی سہیلیاں اور خاندان کی خواتین بیٹھی تھیں جو اسے ہلکے پھلکے جملوں سے ہنسا رہی تھیں۔

اچانک اس کی نظر سبزہ زار پر قدم دھرتے، اپنی جانب بڑھتے، فجر اور ولی پر پڑھی۔ وہ لمحہ بھر کو ٹھٹک گئی۔ ایش گرے سوٹ اور سفید ڈریس شرٹ میں، بناٹائی اور سیاہ چمچماتے جوتوں کے ساتھ، وہ اس قدر پرفیکٹ لگ رہا تھا کہ نظریں اس پر ٹھہر جاتیں اور جیسے ہی اس کے چہرے پر ٹھہرتیں ان میں حیرانی ابھر آتی۔ اس کے چہرے کا نشان

اور چاند پر لگا داغ ایک جیسا تھا۔ وہ دونوں ایک ساتھ چلتے ہوئے اس قدر مکمل لگ رہے تھے جیسے ایک دوسرے کے لیے بنے ہوں۔

میڈم فجر اور اس کا پی اے۔۔۔۔!

کتنے لوگوں نے دیکھا۔ منار کے کئی لوگ جو سارہ کے مدعو کرنے پر آئے تھے وہ انہیں آتا دیکھ رہے تھے۔

"یہ تو میڈم فجر ہیں اور ساتھ ان کے پی اے۔" ہلکی پھلکی سرگوشیاں پھیلنے لگیں۔

"میڈم فجر تو لگ ہی نہیں رہی ہیں کہ یہ وہی ہیں۔ آفس میں کتنی روکھی پھیکی سی رہتی ہیں۔ سارا دن کام میں مصروف اور یہاں دیکھو کتنی پیاری لگ رہی ہیں۔"

"اور انکا پی اے دیکھو۔ ویسے میڈم فجر کو ٹکر کا پی اے ملا ہے۔ دونوں ایک جیسے ہیں۔ ان کے درمیان چلتی سرد جنگ پورے آفس کو دکھائی دے رہی ہے۔"

انہی کے متعلق میں باتیں ہو رہی تھیں۔ فجر اور ولی اب سارہ اور اس کے بھائی، جو استقبالیہ کے لیے کھڑے تھے، سے مل رہے تھے انہیں بکے اور گفٹس پکڑانے کے بعد فجر سارہ کی جانب بڑھی۔ سارہ کو یقین تھا وہ آئے گی۔ اس کے ساتھ کام کرنے بعد وہ جان گئی تھی وہ جتنی روڈ اور مغرور تھی اندر سے اتنی ہی نرم دل تھی۔ وہ اس سے ملنے کے لیے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ جب اس کے قریب پہنچی تو سارہ نے بے ساختہ اسے گلے لگا لیا۔ no hug والی لڑکی پہلو میں ہاتھ گرائے دھک سے کھڑی رہی۔ اسے نہ عادت تھی اور نہ ہی ہمت تھی کسی کو گلے لگانے کی۔

اس کے آنے پر سارہ بہت خوش تھی۔ ولی ایک جانب کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ اسے دیکھنا اچھا لگ رہا تھا۔

وہ اپنی تمام تر سفیدیوں، سیاہیوں، تمام تر نخروں اور ڈراموں کے ساتھ اسے اچھی لگنے لگی تھی۔ بیوی ہونے کے ناطے عزیز تو پہلے ہی تھی مگر دل اب ایک الگ رخ پر بہنے لگا تھا۔ یونہی تو نہیں اسکا رعب سہتا تھا اس کے احکامات مان لیتا تھا۔

وہ اسٹیج پر اس کے ساتھ بیٹھی تھی۔ سارہ ہنس ہنس کر اسے اپنی مہندی رکھا رہی تھی جس کے اپنے ہاتھ سونے تھے، جس نے کبھی خود مہندی نہیں لگائی تھی، وہ اس کی مہندی اور چوڑیوں کی تعریف کر رہی تھی۔ نسبتاً ایک خاموش گوشے میں کھڑے ولی کو اس وقت شدت سے محسوس ہوا تھا کہ وہ اس ہلکے سلوری نیلے لباس والی لڑکی کو مرنے نہیں دے سکتا۔ کسی قیمت پر بھی نہیں۔

✿••✿••✿••✿

بارات آچکی تھی۔ منظر بدل چکا تھا۔ فجر کی نگاہیں اب سارہ پر جمی تھیں۔ جب قاضی صاحب نے سارہ سے ایجاب و قبول کے لیے پوچھا، تو سارہ نے لرزتی، مگر پرجوش آواز میں "**قبول ہے**" کہا۔ اس ایک لمحے میں، سارہ کی آنکھوں میں مستقبل کے حسین خواب، امیدیں اور محبت کی چمک دیدنی تھی۔ وہ پل بھر کو ٹھٹک گئی۔ جیسے وقت رک گیا ہو۔ بے ساختہ اس کی نظریں دوسری جانب کھڑے ولی پر اٹھیں۔ جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ ٹھٹھک کر رخ موڑ گیا۔ سر پر دوپٹہ جمانے کی کوشش میں وہ کس قدر پیاری لگ رہی تھی۔

سارہ کے چہرے پر پھیلی قلبی مسرت اور آنکھوں کی نمی نے فجر کو ماضی کے دھندلکوں میں دھکیل دیا۔ اسے اپنا نکاح یاد آیا۔ وہ کورٹ میرج تھی، حالات کی ستم ظریفی اور ایک طوفان کی زد میں کیا گیا فیصلہ۔ اس وقت وہ اپنے پورے ہوش و حواس میں نہیں تھی، ایک گہری جذباتی اور ذہنی اذیت سے گزر رہی تھی۔ مگر آج سارہ کے بے ساختہ جذبات کو دیکھ کر، اسے پہلی بار کچھ شدت سے محسوس ہوا تھا۔ اسے یاد آیا کس طرح ولیم نے اسلام قبول کیا

تھا، مسجد میں ہونے والا ایجاب و قبول، اور پھر قانونی تقاضے پورے کرنے کے لیے کورٹ میرج۔ وہ سارے مناظر ایک فلم کی طرح اس کی آنکھوں کے سامنے گردش کرنے لگے۔

فجر یہ منظر، یہ خوشی، یہ قبولیت کی شدت مزید برداشت نہ کر سکی۔ اس کا دل بھاری ہو رہا تھا، سانسیں جیسے سینے میں اٹکنے لگی تھیں۔ وہ تیزی سے وہاں سے اٹھی اور بڑے سبزہ زار کے ایک نسبتاً خاموش اور تاریک گوشے کی طرف بڑھ گئی۔ جیسے جیسے وہ چلتی جا رہی تھی، آوازیں مدھم ہوتی گئیں لیکن کچھ اور آوازیں واضح ہو گئیں۔

"تم پھر اپنے پاکستانی معاشرے میں بیوہ بن کر گھوم لو کیونکہ ولیم مر چکا ہے۔" کسی کی کہی یہ زہریلی بات آج پھر اس کے کانوں میں گونجی۔

"تم مجھے پکارنا، میں تمہارے لیے آؤں گا۔" یہ وعدہ بھی یادوں کے جھرمٹ سے ابھرا۔

بہت سے جملے، بہت سی یادیں گڈمڈ ہونے لگیں۔ وہ دوپٹہ جو کچھ دیر پہلے تک اس کے سر پر جما نکاح کا خطبہ سن رہا تھا، اب پھسل کر اس کے شانوں پر آ گرا تھا۔ اس کا وجود، اس کا ہلکا سلور نیلا لباس، رات کی مصنوعی روشنیوں اور چاند کی مدھم چاندنی میں چاندی کی طرح دمک رہا تھا۔ ولی مضبوط قدم اٹھاتا، خاموشی سے اس کے بائیں جانب آ کھڑا ہوا۔ دونوں کی نگاہیں آسمان پر چمکتے چودھویں کے چاند پر مرکوز تھیں۔

کافی دیر کی خاموشی کے بعد فجر کی آواز ابھری، "جب تمہارا نکاح ہوا، تمہارے احساسات کیا تھے؟"

یہ سن کر وہ دھیمے سے مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ میں ایک عجیب سی تلخی اور حسرت تھی۔

"وہ دنیا کے خوبصورت ترین جذبات تھے۔" اس نے آہستگی سے کہا، "اس کے بعد میں نے ویسا کچھ، کبھی محسوس نہیں کیا۔"

فجر نے چاند سے نظریں ہٹائے بغیر پوچھا، "تو پھر تمہاری بیوی تم سے ناراض کیوں ہے؟"

اس سوال پر وہ ٹھٹھکا۔ ایک لمحے کو اس کے چہرے پر کئی رنگ آئے اور گئے۔

"کچھ ناراضیوں کی وجہ نہیں ہوتی، میڈم! بس ہو جاتی ہیں۔ میں بھی، میں بھی پتا لگانے کی کوشش کر رہا ہوں۔" اس کی آواز میں ایک ناقابلِ بیان کرب تھا۔

کچھ دیر مزید خاموشی کا راج رہا۔ پھر اگلا سوال ولی کی طرف سے آیا، اس کی آواز سنجیدہ اور لہجے میں ایک عجیب سی کاٹ تھی۔

"اور جب آپ کو پتا چلا کہ آپ کا شوہر مر چکا ہے، تو آپ کو کیسا محسوس ہوا تھا؟"

یہ سنتے ہی ناک کی سیدھ میں چاند کو تکتی فجر کا چہرہ یکلخت سفید پڑ گیا۔ جیسے کسی نے اس کے وجود سے سارا لہو نچوڑ لیا ہو۔ مگر اس نے رخ موڑ کر ولی کو نہیں دیکھا۔ اس کے اندر ایک طوفان برپا تھا، مگر ظاہری طور پر وہ پتھر کی مورت بنی ہوئی تھی۔ ولی کڑے ضبط کے مراحل سے گزر رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ چیخ پڑے، فجر کو جھنجھوڑ کر پوچھے کہ کیا واقعی اسے کوئی فرق نہیں پڑا؟ پھر فجر کی سرد، سپاٹ آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"نہ وہ پہلے میری زندگی میں تھا اور نہ اب ہے۔ اس کے مرنے سے صرف اتنا فرق پڑا ہے کہ پہلے میں اس کی منکوحہ تھی اور اب بیوہ ہوں۔"

یہ الفاظ نہیں تھے، پگھلا ہوا سیسہ تھے جو ولی کے کانوں میں انڈیل دیئے گئے تھے۔ فجر کے منہ سے بیوہ کا سن کر اسے آج بھی ویسا ہی محسوس ہوا تھا جیسے پہلی بار ہوا تھا۔ ایک لمحے کو اسے لگا جیسے کسی نے اسے عرش سے اٹھا کر فرش پر پٹخا ہو، نہیں، جیسے اسے دہکتے ہوئے جہنم میں پھینک دیا ہو۔ سانس لینا محال ہو گیا۔ فجر کے یہ الفاظ، اس کا یہ بے

نیازانہ انداز، اس کے دل پر کسی تیز دھار آلے کی طرح لگے تھے۔ وہ شخص جو اس کی حفاظت کے لیے اپنی شناخت، اپنی زندگی داؤ پر لگائے بیٹھا تھا، اسی کے لیے ایسے الفاظ؟ اس کی آنکھوں میں ایک ناقابلِ یقین اذیت اور گہری مایوسی تیرنے لگی۔ وہ بس بے بسی سے فجر کے چہرے کو دیکھتا رہا، جو اب بھی آسمان پر چمکتے چاند کو یوں دیکھ رہی تھی جیسے دنیا میں اس سے زیادہ بے وقعت شے کوئی نہ ہو۔

✿••✿••✿••✿

نکاح کی تقریب اپنے اختتام کو پہنچ چکی تھی۔ مہمان مدھم ہوتے قہقہوں اور الوداعی کلمات کے ساتھ رخصت ہو رہے تھے۔ فجر کی بھوک تو کب کی مر چکی تھی، اس نے ایک لقمہ بھی نہ لیا۔ آج سارہ کا صرف نکاح تھا، رخصتی کی تقریب ایک الگ دن کے لیے رکھی گئی تھی۔ گھڑی کی سوئیاں گیارہ بجانے کو بیتاب تھیں۔ وہ سارہ سے ملی، رسمی مبارکباد دی اور پھر ولی کے ہمراہ پارکنگ ایریا کی جانب قدم بڑھا دیئے۔ فضا میں ابھی تک پھولوں اور عطر کی ملی جلی مہک باقی تھی، مگر فجر کے لیے جیسے ہر خوشبو بے معنی ہو چکی تھی۔

ولی نے اسے ایک محفوظ مقام پر ٹھہرنے کا اشارہ کیا اور خود گاڑی پارکنگ سے نکالنے چلا گیا۔ چند ہی لمحوں میں گاڑی اس کے قریب آ رکی۔ عین اسی لمحے، جب وہ گاڑی میں بیٹھنے کا ارادہ کر رہی تھی، ولی کی تیز نگاہیں سڑک کے پار کھڑی ایک گہری نیلی گاڑی پر پڑیں۔ وہ ٹھٹھک گیا۔ اس کی چھٹی حس پوری شدت سے کسی ان دیکھے خطرے کا الارم بجا رہی تھی۔ یہ وہی گاڑی تھی جسے وہ پچھلے دو تین روز سے مختلف مقامات پر اپنے اردگرد منڈلاتے دیکھ رہا تھا۔ ابھی آتے ہی، جب وہ پھولوں کا گلدستہ خرید رہا تھا، یہ گاڑی کچھ فاصلے پر موجود تھی۔ اس نے تیزی سے لان کی جانب پلٹ کر دیکھا، چند سوٹڈ بوٹڈ افراد، جو بظاہر مہمانوں میں گھل مل جانے کی کوشش کر رہے تھے، مشکوک اور محتاط نظروں سے اسی کی جانب گھور رہے تھے۔

وہ ابھی ماحول کا جائزہ لے ہی رہا تھا، بالکل کسی چوکنا عقاب کی طرح جس کی نگاہیں اپنے شکار اور اطراف کے خطرات پر بیک وقت مرکوز ہوں، جب فجر نے بے دھیانی میں گاڑی کی پچھلی نشست کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی۔ تبھی اسے ولی کی آواز سنائی دی۔ وہ اپنا کوٹ اتار کر اگلی سیٹ پر رکھ چکا تھا، شرٹ کے اوپر کے دو بٹن کھلے تھے، اور اس کے چہرے پر ایک عجیب سی سنجیدگی اور تناؤ تھا۔

"آگے بیٹھیں!" آواز ہلکی تھی، مگر لہجے میں ناقابلِ تردید حکم تھا۔

فجر نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کی بھنویں حیرت اور ناگواری سے تن گئیں۔ وہ کون ہوتا تھا اسے یہ حکم دینے والا؟ اس نے ولی کے حکم کو صریحاً نظر انداز کرتے ہوئے گاڑی کا پچھلے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھتے اسے کھولا ہی تھا کہ ولی بجلی کی سی تیزی سے اس کی جانب بڑھا۔ ایک جھٹکے سے اس نے فجر کا ہاتھ ہٹایا اور پوری قوت سے گاڑی کا پچھلا دروازہ بند کر دیا۔ دھماکہ خیز آواز نے فجر کو ساکت کر دیا۔

"کہا نا آگے بیٹھیں! سمجھ نہیں آتا آپ کو؟" اب کی بار اس کی آواز بلند اور ناقابلِ یقین حد تک سخت تھی۔ گردن کی رگیں غصے اور ضبط کی کشمکش میں ابھر آئی تھیں۔ وہ پوری کوشش کر رہا تھا کہ اپنے پھٹ پڑنے والے غصے کو قابو میں رکھے۔ فجر اس کی تیز آواز اور بدلے ہوئے تیور پر ایک پل کے لیے ساکت رہ گئی۔ اس نے زندگی میں پہلی بار ولی کا یہ روپ دیکھا تھا۔ وہ شخص جو گاڑی کے دروازے پر ایک ہاتھ رکھے، اس کے نہایت قریب کھڑا تھا، اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات نہیں کر رہا تھا، بلکہ اس کی تیز، چوکنی نگاہیں چاروں اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اس کا چہرہ تناؤ سے سرخ ہو رہا تھا اور گلے کا ایڈم ایپل تیزی سے ابھر کر معدوم ہو رہا تھا۔ فجر تو جیسے کچھ بولنے کی سکت ہی کھو بیٹھی تھی۔ اس شخص کے جانے کتنے روپ تھے، جن سے وہ قطرہ قطرہ، لمحہ بہ لمحہ واقف ہو رہی تھی۔

جب اس کی عقابی نگاہوں نے اطراف کا مکمل جائزہ لے لیا، تب اس نے اپنا رخ فجر کی جانب کیا۔ اس کی آنکھوں میں اب غصے کی جگہ ایک عجیب سی التجا تھی۔

"پلیز۔۔۔" اس کے لہجے میں ایسی شدت تھی کہ فجر جو ابھی چند لمحے پہلے اس پر چیخنا چلانا چاہتی تھی، اس کی گستاخی کی سزا دینا چاہتی تھی، وہ صورتحال کی سنگینی کو بھانپ گئی۔

فجر نے اپنی آواز کو حتی الامکان مضبوط رکھتے ہوئے کہا،

"راستہ دو گے تو جاؤں گی نا۔"

وہ اس پر سایہ فگن تھا، چاروں جانب سے جیسے گھیرے ہوئے، اور فجر کی پشت گاڑی کے بند دروازے سے ٹکی تھی، جس پر اب بھی ولی کا ہاتھ تھا۔ اس کی بات سن کر ولی ایک قدم پیچھے ہٹا اور پھرتی سے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔ فجر بنا کوئی لفظ کہے، خاموشی سے اندر بیٹھ گئی۔ وہ تیزی سے گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا۔

"سیٹ بیلٹ لگائیں!" گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اس نے فجر کو نیا حکم صادر کیا، جو اب بھی ہیزل آنکھوں سے اسے گھور رہی تھی۔ اسے اپنی جانب یوں محویت سے تکتا پا کر وہ خود اس کی جانب جھکا۔ ایک ناقابلِ یقین قربت کا لمحہ! اس نے فجر کی طرف جھک کر سیٹ بیلٹ نکالا۔ فجر مبہوت سی اسے دیکھے گئی۔ وقت جیسے لمحہ بھر کو ساکت ہو گیا، صرف ان کی سانسوں کی آواز تھی۔

یہ چہرہ۔۔۔ ہاں، یہ وہی چہرہ تھا! وہی آنکھیں، وہی مضبوط جبیں! جو اس طوفانی رات، کورٹ کے باہر، بارش میں بھیگتے ہوئے، اپنے اور اس کے اوپر چھاتا کیے کھڑا تھا۔ ایک محافظ کی طرح، ایک ڈھال کی طرح!

وہ اس کے انتہائی قریب تھا۔ اتنے قریب کہ فجر کی قیمتی پرفیوم کی ساری خوشبوئیں دم توڑ گئیں، اس لمحے صرف ولی اورنگزیب کی مردانہ، مخصوص خوشبو ہر احساس پر بھاری تھی۔ وہ سپاٹ، تاثرات سے عاری چہرے کے ساتھ اس کا سیٹ بیلٹ باندھ رہا تھا، جیسے یہ دنیا کا اہم ترین کام ہو۔ بیلٹ کو احتیاط سے باندھنے کے بعد اس نے اپنا بیلٹ لگایا۔

"ڈر لگے تو آنکھیں بند کر لیجیے گا۔"

اگلا جملہ فجر کی سماعت سے ٹکرایا، جو اب تک کسی ٹرانس کی کیفیت میں اسے دیکھ رہی تھی۔ جبکہ ولی نہایت سنجیدگی اور توجہ سے گاڑی کو فارم ہاؤس کے مرکزی دروازے سے باہر نکال رہا تھا۔

یہاں اندھیرا تھا۔ فارم ہاؤس شہر کی چکاچوند سے میلوں دور، ویرانے میں واقع تھا۔ اب سڑک بالکل سنسان تھی، دور دور تک کسی کا نام و نشان نہ تھا۔ ولی نے گاڑی مرکزی سڑک پر لا کر چند لمحے روکی، اس کی نگاہیں سائیڈ مرر سے پیچھے کا منظر دیکھ رہی تھیں۔ اس کی توقع کے عین مطابق، وہی نیلی گاڑی فارم ہاؤس کے گیٹ سے نکلتی دکھائی دی۔ اس نے ایک گہرا، ضبط بھرا سانس لیا۔ ایک ہاتھ اسٹیئرنگ پر مضبوطی سے جمایا۔ اب وقت آ گیا تھا ولیم جوزف بننے کا۔ وہ ولیم جوزف، جو گاڑیوں کو چلاتا نہیں، اڑاتا تھا، جو ڈرفٹنگ کا بے تاج بادشاہ کہلاتا تھا، اور اب اسے اس نیلی گاڑی کی پہنچ سے بہت، بہت دور نکلنا تھا۔

اس نے ایک آخری گہری سانس سینے میں بھری، اور پھر فجر جو ابھی تک سکتے کے عالم میں اسے گھور رہی تھی، اس نے دیکھا اور پھر چاندنی رات نے دیکھا کہ وہ سنسان، تاریک سڑک پر گاڑی کو ایسے بھگا لے گیا جیسے ہوا کا کوئی بے لگام جھونکا ہو۔ گاڑی کی رفتار ناقابلِ یقین تھی۔ نہایت مہارت اور تیز رفتاری سے گاڑی جیسے ہوا سے باتیں کر رہی تھی۔ انجن کی گھن گرج رات کی خاموشی کو چیر رہی تھی۔ فجر نے واقعی آنکھیں کس کر بند کر لیں۔ اسے شدت سے یہ احساس ہو رہا تھا کہ حملہ آوروں سے تو شاید وہ بچ جائے، مگر یہ ولی۔۔۔۔ یہ اسے ضرور آج ٹپکا دے گا! گاڑی

کبھی دائیں، کبھی بائیں مڑتی، ٹائروں کی چرچراہٹ رات کے سناٹے میں گونجتی، اور دیکھنے والی وہ چند تعاقب کرتی نظریں حیرت اور بے بسی سے ابل پڑی تھیں۔

✿••✿••✿••✿

اس نے شہر میں داخل ہونے کے بعد گاڑی کی رفتار کم کرلی تھی۔ فجر اپنا دل اپنے کانوں میں دھڑکتا محسوس کر رہی تھی۔ فی الوقت اس کے سارے الفاظ دم توڑ گئے تھے۔ وہ چیخنا چلانا چاہتی تھی مگر اس کے ذہن میں کچھ جملے گونج رہے تھے۔

"آج میں نے نیل کے ساتھ مل کر ڈرفٹنگ کی اور اس کے بعد ڈیڈ سے بے عزتی کروائی۔ یعنی میں اب ڈرفٹنگ بھی نہیں کر سکتا؟ یہ لوگ کب سمجھیں گے گاڑیاں میری کمزوری ہیں اور انہیں اڑانا میرا جنون!"

پہلو میں بیٹھا وہ شخص کون تھا؟ یہ ولیم جیسا ہو کر بھی اس جیسا نہیں تھا۔ اگر ولیم نہیں تھا تو پھر کون تھا؟ اور اگر ولیم ہی تھا تو پھر اس کے ساتھ ایسا کیا ہوا تھا کہ معصوم، زندگی اور شرارتوں سے بھرپور نوجوان، یوں سر تا پیر بدل جائے؟ اسکا دماغ بے طرح درد کر رہا تھا۔ اس نے بے ساختہ اپنی کنپٹیاں دبائیں۔

"آپ ٹھیک ہیں؟" ولی نے اس کی جانب رخ کیا۔ سارے وقت وہ اب بولا تھا۔ چالیس منٹ کا سفر، بیس منٹ میں طے کر کے وہ گھر پہنچ گئے تھے۔ گارڈ نے دروازہ کھولا تو وہ گاڑی اندر لے گیا۔ فجر سیٹ سے پشت ٹکائے آنکھیں بند کیے بیٹھی تھی۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔ ملے جلے سے جذبات تھے وہ خود سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ گاڑی رک گئی۔ اس نے آنکھیں کھولیں اور گہری سانس لی۔

"کل میں جب تک لینے نہ آؤں آپ باہر نہیں نکلیں گی۔" ایک اور حکم آیا۔ فجر کا دل کیا اپنا والٹ اس کے سر میں دے مارے مگر ایسے نہیں۔ اگر وہ بے وقوف بنا رہا تھا وہ بہروپیا تھا تو اس بہروپیے کا نقاب اٹھانے کا وقت آچکا تھا۔ وہ سر اثبات میں ہلاتی گاڑی سے نکل گئی۔ نازک ہیل کی ٹک ٹک کچھ دیر گونجی۔ وہ جب تک اندر نہیں چلی گئی وہ وہیں کھڑا رہا اور پھر گاڑی دوبارہ باہر نکال لی۔ ساتھ والی سیٹ اب خالی تھی۔ وہ جا چکی تھی مگر اس کی خوشبو یہیں تھی۔ وہ اب جبڑے بھینچے، سرد سپاٹ تاثرات کے ساتھ گاڑی کا رخ رئیس مینشن کی جانب موڑ چکا تھا۔

✿••✿••✿••✿

یہ اگلا دن تھا۔ صفدر کا آفس جدید اور نفیس فرنیچر سے آراستہ تھا۔ دیواروں پر ان کے کامیاب فیشن شوز اور فلمی ستاروں کے ساتھ تصاویر آویزاں تھیں۔ صفدر اپنی بڑی سی ایگزیکٹو کرسی پر بیٹھا تھا، اس کے چہرے پر تناؤ اور غصے کے ملے جلے تاثرات تھے۔ فجر اس کے سامنے والی کرسی پر قدرے آگے کو جھکی بیٹھی تھی۔ صبح ولی کے ساتھ ہی آفس آئی تھی اور اس کے بعد وہ اسے دکھائی نہیں دیا تھا اور اس وقت وہ صفدر کے آفس میں بیٹھی، ایک اہم پروجکٹ ڈسکس کر رہی تھی۔

اس کی آنکھوں میں جوش اور لہجے میں التجا تھی۔ میز پر چائے کے رکھے کپ ٹھنڈے پڑ چکے تھے۔ فجر کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"صفدر، تم سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کر رہے؟ یہ صرف ایک فیشن شو یا شارٹ فلم نہیں ہو گی۔ یہ ایک تحریک ہو گی! فلک نے اپنی کتاب پر فریب کے ذریعے جو چنگاری لگائی ہے، میں اسے شعلہ بنانا چاہتی ہوں۔ ہم ان لڑکیوں کو آواز دیں گے جن کی کہانیاں کوئی نہیں سنتا۔" صفدر نے اسے یوں دیکھا جیسے اسکا دماغ پھر گیا ہو۔ دماغ تو اسکا ٹھکانے پر ہوتا ہی نہیں تھا مگر اب تو جیسے الٹی سمت بہنا شروع ہو گیا تھا۔

”ہوش کی باتیں کرو۔ ہم فیشن ڈیزائنر ہیں، سماجی مصلح نہیں۔ ہمارا کام خوبصورت کپڑے بنانا اور بیچنا ہے، معاشرے کے ٹھیکیدار بننا نہیں۔ ہمیں پہلے ہی فلموں کے بڑے پروجیکٹ حاصل کرنے ہیں ان پر توجہ دو۔ وہاں سے ہمیں نام بھی ملے گا اور پیسہ بھی۔“

”نام؟ کیسا نام صفدر؟ کیا صرف امیروں کی شادیوں اور فلموں کے لیے زرق برق لباس بنا کر ہم اپنا نام اونچا کر لیں گے؟ کیا ہمارا کوئی فرض نہیں بنتا کہ ہم اپنے فن کو ایک مقصد دیں؟ فلک نے قلم سے جو کام کیا ہے، وہی میں اپنے ڈیزائنز سے کرنا چاہتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ ہمارے کاسٹیومز اور کردار مل کر ان مجبور، بے بس، خواب دیکھتی لڑکیوں کی کہانیاں بیان کریں جنہیں یہ معاشرہ کچل دیتا ہے، جن کی شناخت چھین لی جاتی ہے، جنہیں زندہ درگور کر دیا جاتا ہے!“

صفدر کے چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ ابھری۔

”کیا انقلابی سوچ ہے۔ اور اس انقلاب کے لیے پیسہ کہاں سے آئے گا؟ یاد ہے پچھلے اڑھائی سال؟ ہم نے جو کچھ کمایا، سب کچھ اسی کمپنی کو بڑا کرنے میں لگا دیا۔ ایک ایک پائی جوڑ کر اس مقام تک پہنچے ہیں کہ آج بڑے فلمساز ہمیں کام دیں۔ اور تم چاہتی ہو کہ میں سب کچھ داؤ پر لگا دوں ایک ایسے خیال کے لیے جس سے ہمیں بدنامی کے سوا کچھ نہیں ملے گا؟“

”سچ دکھانا بدنامی ہے؟ ان لڑکیوں کے خوابوں کو پیش کرنا جو اپنی پہچان کے لیے تڑپ رہی ہیں، یہ تمہیں بدنامی لگتا ہے؟ یہ وہ لڑکیاں ہیں جو مڈل کلاس سے بھی ہیں، ایلیٹ کلاس سے بھی ہیں، ہر طبقے سے ہیں! ان کے دکھ سانجھے ہیں، ان کے خواب ایک جیسے ہیں۔ ہمارے کاسٹیومز ان کی خاموش چیخوں کو زبان دیں گے۔“ وہ کچھ الگ کرنا چاہتی تھی۔ روایات سے ہٹ کر چلنا چاہتی تھی مگر اس کا پارٹنر جواب دے رہا تھا۔

صفدر کرسی سے اٹھ کر کھڑکی کی طرف بڑھ گیا۔ اسکے چہرہ سنجیدہ تھا۔

"فجر، تم جذباتی ہو رہی ہو۔ یہ دنیا ایسے نہیں چلتی۔ لوگ ایسی چیزیں دیکھنا پسند نہیں کرتے جو انہیں بے آرام کریں۔ وہ تفریح چاہتے ہیں، حقیقت کی تلخی نہیں۔ اور اگر ہم نے ایسا کچھ کیا تو ہمارے موجودہ کلائنٹس بھی بھاگ جائیں گے۔ کون چاہے گا کہ ان کا نام ایک ایسی کمپنی سے جڑے جو معاشرتی بگاڑ پیدا کرنے والے موضوعات پر کام کر رہی ہو؟"

"تو کیا ہم ہمیشہ جھوٹ اور دکھاوے کی دنیا میں جیتے رہیں گے؟ کیا منار فیشن کا مقصد صرف پیسہ کمانا ہے؟ جب ہم نے یہ کمپنی شروع کی تھی تو ہمارا خواب صرف کپڑے بیچنا نہیں تھا۔ ہم کچھ مختلف کرنا چاہتے تھے۔ کچھ ایسا جس پر ہم فخر کر سکیں۔" وہ اٹھ کر اس کے قریب آئی۔ ایسے پیچھے نہیں ہٹ سکتی تھی۔

"اور میں فخر کرتا ہوں اس پر جو ہم نے حاصل کیا ہے! بغیر کسی متنازعہ کام کے ہم نے اپنی جگہ بنائی ہے۔ میں مزید رسک نہیں لینا چاہتا۔ فلموں کے وارڈروب ڈیزائن کرنا ایک محفوظ اور منافع بخش کام ہے۔ ہمیں اسی پر اپنی ساری توانائی لگانی چاہیے۔ زیادہ سے زیادہ فلمیں، بڑے سے بڑے بینرز! یہ ہے ہمارا مستقبل۔"

فجر نے مایوسی سے اسے دیکھا۔ صفدر کافی بدل گیا تھا۔ حالات بدل دیتے ہیں۔ اس کی ساری توجہ revenue کی طرف تھی اور یہ ایک بزنس مین کی سوچ تھی وہ اپنی جگہ ٹھیک تھا جبکہ فجر ایک آرٹسٹ کی طرح سوچ رہی تھی۔ وہ ایک مڈل کلاس گھرانے سے آئی تھی وہ جانتی تھی وہاں لڑکیوں کے خواب کیسے ٹوٹ جاتے تھے۔ وہ ان خوابوں کو آواز دینا چاہتی تھی۔

"تمہارا مستقبل شاید یہی ہو میرا نہیں۔ میں صرف ایک بزنس وومن نہیں بننا چاہتی جو صرف نفع نقصان دیکھتی رہے۔ میرے لیے میرے ڈیزائنز صرف کپڑے نہیں، احساسات ہیں، کہانیاں ہیں۔ اور فلک کے کردار، وہ تو

جیسے میری سوچ کو زبان دے رہے ہیں۔ میں ان کرداروں کو اپنے کاسٹیومز میں زندہ کرنا چاہتی ہوں۔" وہ مضبوط لہجے میں بولی۔

صفدر نے گہری سانس لی اور کچھ نرم پڑ گیا۔ پھر اس کی آواز سنائی دی۔

"میں تمہارے جذبات کی قدر کرتا ہوں۔ لیکن میں عملیت پسند ہوں۔ ہم ایک ایسی کشتی میں سوار ہیں جسے ہم دونوں نے مل کر بنایا ہے۔ میں اسے کسی ایسے طوفان میں نہیں دھکیل سکتا جس کا انجام ہمیں معلوم نہ ہو۔ تم چاہو تو اپنے طور پر کوئی چھوٹا موٹا پراجیکٹ کر لو، لیکن منار فیشن کا نام اور وسائل اس میں استعمال نہیں ہوں گے۔" وہ اپنی بات پر ڈٹا رہا۔ یہ آخری جملہ فجر کے لیے ناقابل یقین تھا۔ اس کے چہرے پر استہزاء اور صدمے کی کیفیت ابھری۔

"چھوٹا موٹا پراجیکٹ؟ صفدر، یہ میری زندگی کا مقصد بن چکا ہے۔ اور تم اسے چھوٹا موٹا پراجیکٹ کہہ رہے ہو؟ منار فیشن میرا بھی اتنا ہی ہے جتنا تمہارا۔ اگر تم ساتھ نہیں دینا چاہتے تو نہ دو۔ لیکن میں یہ کروں گی۔ میں ان لڑکیوں کی آواز بنوں گی۔ چاہے مجھے اکیلے ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ میں ثابت کروں گی کہ فیشن صرف جسم ڈھانپنے کا نام نہیں، یہ سوچ بدلنے کی طاقت بھی رکھتا ہے۔"

فجر تیزی سے مڑی اور آفس سے باہر نکل گئی۔ صفدر غصے اور بے بسی کے عالم میں اسے جاتا دیکھتا رہا۔ اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے نمودار ہوئے۔ وہ واپس اپنی کرسی پر گر گیا اور سر ہاتھوں میں تھام لیا۔ کمرے میں ایک ناقابل برداشت خاموشی چھا گئی جو ٹھنڈی چائے کے کپوں کی طرح سرد اور بے جان تھی۔ وہ جانتا تھا فجر پیچھے نہیں ہٹے گی۔ وہ اب اس پروجیکٹ کو اپنے ذاتی پروجیکٹ کے طور پر کرے گی۔ اتنا تو وہ اسے جانتا تھا۔ فجر کسی کو جواب دہ

نہیں تھی مگر اس کے اپنے سر پر باپ کی تلوار لٹکی تھی۔ اس کے باپ کا معاشرے میں ایک نام تھا اور اسی وجہ سے سب جانتے تھے کہ منار کا ان سے کیا تعلق تھا۔

اگر یہاں ذرا سی اونچ نیچ ہوتی تھی تو اسے اپنے باپ کو جواب دینا پڑتا تھا جسے آگے ہزاروں لوگوں کو منہ دکھانا ہوتا تھا۔ وہ دونوں جانب سے بے طرح پھنس چکا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ فجر کا آئیڈیا برا تھا مگر یہ متنازعہ تھا اور وہ اپنے باپ کے ڈر سے یہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جانے اب آگے کیا ہو گا۔

✿••✿••✿••✿

رات کے نو بجے کا گھنٹہ بجا تو منار فیشن کمپنی کی عمارت اب آہستہ آہستہ خالی ہونے لگی۔ دن بھر کی گہما گہمی کے بعد اب ہر سو ایک عجیب سی خاموشی چھا رہی تھی، بس ملازمین کے قدموں کی ہلکی چاپ اور لفٹ کے آنے جانے کی مدھم آوازیں اس سکوت کو توڑ رہی تھیں اور پھر آہستہ آہستہ سب خاموش ہو گیا۔ سبھی ملازمین چلے گئے۔

مگر وسیع و عریض مرکزی ہال میں، جہاں استقبالیہ کاؤنٹر کے پیچھے دیوار پر منار کا جگمگاتا لوگو نصب تھا، ابھی دو وجود باقی تھے۔ فجر اور ولی۔ ولی اسے اس وقت اکیلے چھوڑ کر جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا، اس لیے وہ ہال میں ایک آرام دہ صوفے پر بیٹھا تھا۔ فجر ابھی تک پرانے اسٹوڈیو میں تھی، جو ہال کے آخری، قدرے تاریک کونے پر بنا ہوا تھا۔ یہاں سے اسٹوڈیو کی واحد کھڑکی نظر آ رہی تھی، جس سے اندر کا منظر دھندلا تھا۔ فجر اسے محض پانچ منٹ انتظار کرنے کا کہہ کر گئی تھی۔

وہ فون پر کسی کاروباری پیغام کا جواب دینے میں مصروف تھا جب اچانک، بنا کسی وجہ کے، اس کی نظر بے اختیار اسٹوڈیو کی کھڑکی کی جانب اٹھی، اور پھر وہیں ٹھہر کر رہ گئی۔ شیشے کی دھندلی سطح کے پار اسے کچھ غیر معمولی نظر آیا۔ نارنجی اور سرخ رنگوں کا ایک وحشیانہ رقص۔ ایک لمحے کو تو اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا، مگر پھر منظر واضح

ہوا۔ اندر آگ لگی تھی! اس کے ہاتھ سے فون پھسل کر قیمتی ایرانی قالین پر گرا، مگر اسے پرواہ نہ تھی۔ ایک بے آواز چیخ اس کے حلق میں اٹک گئی۔ اس کے قدم خود بخود حرکت میں آئے۔ وہ بجلی کی سی تیزی سے اسٹوڈیو کی جانب بھاگا۔

"فجر! فجر، تم ٹھیک ہو؟ دروازہ کھولو!" وہ اسٹوڈیو کے بھاری، لکڑی کے دروازے کو پیٹتے ہوئے چلا رہا تھا۔ اس کی آواز ہال کی خاموشی میں گونج رہی تھی، مگر اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔ گھبراہٹ اور خوف کی ایک سرد لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں دوڑ گئی۔ اس نے ایک بار پھر پوری قوت سے دروازے پر کندھا مارا۔ لکڑی کے چرمرانے کی آواز آئی، مگر دروازہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

"فجر!" وہ دوبارہ چیخا، اور پھر ایک اور بھرپور دھکا اور دروازہ ایک بھیانک چیخ کے ساتھ اندر کو کھل گیا۔

گرم ہوا کا ایک جھونکا اور جلتے ہوئے کپڑے کی تیز، تلخ بو اس کے نتھنوں سے ٹکرائی۔ اسٹوڈیو کے دونوں کونوں میں دیوار کے ساتھ رکھے پرانے، شاہانہ کاسٹیومز کے ریک آگ کی لپیٹ میں تھے۔ قیمتی ریشم، مخمل اور بروکیڈ کے تھان شعلوں میں بل کھا رہے تھے، جیسے کسی اذیت ناک رقص میں مبتلا ہوں۔ شعلے لپک لپک کر چھت کو چھونے کی کوشش کر رہے تھے اور گاڑھا، سیاہ دھواں تیزی سے فضا میں بھر رہا تھا۔ قریب ہی کھڑے چند بے جان مجسمے (mannequins)، جن پر ادھورے لباس آویزاں تھے، شعلوں کی لرزتی روشنی میں عجیب و غریب اور خوفناک سایے ڈال رہے تھے۔ اسٹوڈیو کافی بڑا تھا، جس کے آخری سرے پر لکڑی کی چکر دار سیڑھیاں اوپر بنے ایک چھوٹے سے اسٹور روم تک جا رہی تھیں۔ کمرے کی لائٹس بھی شاید شارٹ سرکٹ کی وجہ سے بند ہو چکی تھیں، صرف آگ کی روشنی ہی واحد ذریعہ تھی۔ آگ ابھی زیادہ پھیلی نہیں تھی، اپنی جگہ پر ہی محدود تھی، یوں

جیسے بڑی مہارت کے ساتھ لگائی گئی ہو مگر وہ سمجھ نہیں پایا۔ دھواں آنکھوں میں چبھ رہا تھا اور سانس لینا دشوار ہو رہا تھا۔ اسے فجر کہیں دکھائی نہیں دی۔

"فجر۔۔۔ فجر!" وہ دیوانوں کی طرح اس کا نام پکارتا ہوا اندر بھاگا۔ وہ مجسموں کے پیچھے، کپڑوں کے اونچے اونچے تھانوں کے ڈھیروں میں، ادھورے ڈیزائنوں سے بھری میزوں کے درمیان، اسے پاگلوں کی طرح ڈھونڈ رہا تھا، جیسے وہ کہیں چھپ گئی ہو۔ اس کا دل کسی ان دیکھے خوف سے بری طرح دھڑک رہا تھا۔

اور پھر وہ اسے دکھائی دی۔ اسٹوڈیو کے آخری سرے پر بنے لکڑی کے زینے کی اوپری سیڑھیوں پر، دھوئیں کے مرغولوں کے درمیان، وہ کھڑی تھی۔ سرد و سپاٹ تاثرات لیے، ایک سادہ سے سوٹ میں ملبوس۔ بال معمول کی ڈھیلی پونی ٹیل میں مقید تھے۔ وہ بالکل ساکت، اسی کو دیکھ رہی تھی۔ آگ کے شعلے اس کے چہرے پر رقصاں تھے، مگر اس کی آنکھوں میں کوئی خوف نہ تھا، بلکہ ایک عجیب سی، ناقابلِ فہم کیفیت تھی۔ ولی تڑپ کر اس کی جانب بڑھا۔

"فجر تم ٹھیک ہو؟ خدا کے لیے باہر نکلو، یہاں کیا کر رہی ہو؟" وہ زینے کی نچلی سیڑھی پر پہنچ کر بے تابی سے اسے دیکھ رہا تھا، اس کی آواز میں شدید تشویش تھی۔ وہ یہ جانچنا چاہتا تھا کہ کہیں اسے کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی۔ اس نے بے تابی سے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے نیچے کھینچنا چاہا، مگر فجر اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئی۔ اس لمحے، ولی یہ بھول گیا تھا کہ وہ اس کی باس تھی اور وہ محض ایک پی اے۔ وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ وہ یہاں ایک نقاب اوڑھ کر، ایک جھوٹی شناخت کے ساتھ موجود تھا۔ اسے بس اتنا یاد رہا کہ وہ اس لڑکی کو، کچھ نہیں ہونے دے سکتا۔ فجر کے اپنی جگہ جمے رہنے پر اس نے پلٹ کر شدید حیرت سے اسے دیکھا۔ کمرے کی حدت ناقابلِ برداشت ہوتی جا رہی تھی۔

آگ کے شعلے اب چھت پر نصب ہیٹ الارم تک پہنچ چکے تھے۔ایک تیز بیپ کی آواز گونجی اور اگلے ہی لمحے چھت میں نصب اسپرنکلرز سے پانی کی تیز دھاریں برسنے لگیں۔ٹپ۔۔۔ٹپ۔۔۔ٹپ۔۔۔

"فجر یا میڈم فجر؟"

فجر کی آواز میں برف جیسی ٹھنڈک اور کاٹ تھی۔ولی کے وجود میں جیسے کسی نے برفاب پانی انڈیل دیا ہو۔اس نے فوراً فجر کا ہاتھ چھوڑ دیا۔وہ اسے ناقابلِ یقین حیرت سے دیکھ رہا تھا۔وہ جس سکون اور تحمل سے کھڑی تھی، ایسا لگتا تھا جیسے یہ آگ، یہ دھواں، یہ پانی کی بوچھاڑ، سب ایک ترتیب دیا گیا ڈرامہ تھا جس کی وہ مرکزی کردار تھی۔پانی اب ان دونوں کے اوپر بھی گرنے لگا تھا، ان کے بالوں اور کپڑوں کو بھگو رہا تھا۔

"ہمیں یہاں سے نکلنا ہو گا، چلیں۔۔" وہ واپس اپنے مؤدبانہ، پیشہ ورانہ انداز میں پلٹتا ہوا بولا اور جانے کے لیے قدم بڑھایا ہی تھا کہ فجر نے تیزی سے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ کر سختی سے اپنی جانب موڑا۔بجھتی آگ کے سرخ انگاروں اور پانی کی بوندوں میں اس کی آنکھیں چنگاریوں کی مانند دہک رہی تھیں۔

"کون ہو تم؟ ولی اورنگزیب یا پھر ولیم جوزف؟"

اس نے استہزائیہ انداز میں پوچھا، ہر لفظ زہر میں بجھا ہوا۔وہ اب اوپری زینے پر کھڑی تھی، ولی اپنی جگہ جم کر رہ گیا۔وہ اسے جلد از جلد، مناسب وقت پر سچ بتانا چاہتا تھا، مگر شاید وہ بھول گیا تھا کہ فجر جیسی ذہین اور شاطر لڑکی سے زیادہ دیر کچھ چھپا نہیں رہ سکتا۔

"مان گئے تمہاری اداکاری کو، ولیم صاحب!" وہ ایک زینہ اور نیچے اتری، اب ان کے درمیان فاصلہ نہ ہونے کے برابر تھا۔"بہت کوشش کی تم نے۔پوری کوشش کی مجھے بے وقوف بنانے کی۔ایک پل کو تو میں بھی، میں بھی

تقریباً بن ہی گئی تھی۔ تمہارے یہ گہرے سیاہ کانٹیکٹ لینز، یہ مشرقی حلیہ، صاف اردو، خود کو گلگتی کہنا، یہ تہذیب یافتہ رویہ، تمہاری یہ متاثر کن جسامت، تمہارے چہرے کا یہ یہ نشان!" اس نے ولی کے گال پر موجود ہلکے سے نشان کی طرف اشارہ کیا۔

"میری جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید کبھی نہ پہچان پاتا کہ تم اصل میں ہو کون۔"

پانی کی دھاریں ان پر برس رہی تھیں، آگ کے شعلے اب مدھم پڑ کر سسکیاں لے رہے تھے۔ دھواں پانی سے مل کر ایک عجیب سی گھٹن پیدا کر رہا تھا۔

"جانتے ہو میں نے تمہیں یہ نوکری کیوں دی؟" فجر کی آواز میں اب تلخی کے ساتھ ایک گہرا دکھ بھی شامل ہونے لگا۔

"صرف اس لیے کہ تمہاری اصلیت جان سکوں۔ کہ آخر تم یہاں آئے کیوں ہو؟ تمہارا اصل مقصد کیا ہے؟ اور ماننا پڑے گا، تم نے کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی۔ کمال کی رازداری ہے۔"

وہ اس کا مذاق اڑا رہی تھی، مگر اس کی آواز میں چھپا درد صاف ظاہر تھا۔ کپڑوں کے سلگتے، بجھتے شعلے جیسے اس کے اندر بھی بھڑک کر اب راکھ ہو رہے تھے۔ آخر اس نے دھوکا کیوں دیا؟ اس کے ساتھ کیوں؟

"آخر تم نے یہ سب کیوں کیا؟ کیوں؟" اس کی آواز بلند ہونے لگی۔

"کیوں دھوکا دیا مجھے؟ کون ہو تم؟ بتاؤ مجھے، کون ہو تم؟" چھت سے ٹپکتے شاور کے پانی کی مسلسل آواز اور اس کے اپنے آنسوؤں کی رم جھم میں وہ حلق کے بل چلائی۔ اس کے خوبصورت چہرے کے نازک نقوش بگڑ گئے، گردن کی رگیں غصے اور اذیت سے ابھر آئیں۔ بھیگے بال اس کے چہرے پر چپکنے گئے۔

"باہر چلو، میں سب بتاتا ہوں۔" ولی نے ضبط کی انتہا کرتے ہوئے، قدرے جھکی ہوئی آواز میں کہا۔

"نہیں! مجھے یہیں، ابھی جاننا ہے۔ بتاؤ مجھے، آخر کون ہو تم؟" اس کی شدت جذبات سے بھری، کانپتی ہوئی آواز ابھری۔

ولی جو اب تک خود پر ناقابل یقین ضبط رکھے اسے سن رہا تھا، اس کی برداشت جواب دے گئی۔ وہ ایک جھٹکے سے مڑا، پانی کے چھینٹے اڑاتا ہوا، اور لمحے کے ہزارویں حصے میں اس تک پہنچا۔

"میں وہی ہوں جس کی تم بیوہ بنی گھومتی ہو!"

اس کے الفاظ میں اذیت تھی، درد تھا، برسوں کا کرب تھا، اور جانے کیا کچھ تھا جو فجر کے وجود کو جڑوں تک ہلا گیا۔ فجر ساکت رہ گئی۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی، سانس جیسے سینے میں اٹک گئی۔ پانی ان کے چہروں سے، بالوں سے، کپڑوں سے بہہ رہا تھا۔ اسٹوڈیو میں جلے ہوئے، بھیگے کاسٹیومز کے ڈھیر، خاموش کھڑے بے حس و حرکت مجسمے جن کے مصنوعی چہروں پر پانی کی لکیریں بہہ رہی تھیں، اور دیواروں پر پڑتی پانی کی لکیریں، سب ان کی اذیت، ان کے عجیب رشتے کے گواہ تھے۔ صرف وہ، اور یہ بے جان چیزیں، اس لمحے کی شدت کو محسوس کر سکتی تھیں۔

شاید الارم کی تیز آواز باہر ایمرجنسی ایگزٹ تک پہنچ گئی تھی۔ دو گارڈز بھاگتے ہوئے دروازے پر نمودار ہوئے۔

"میڈم، سر، آپ لوگ ٹھیک ہیں؟" وہ دروازے میں کھڑے، اندر کے منظر کو دیکھ کر ہکلاتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

"ہم ٹھیک ہیں۔ آپ لوگ جائیں۔" فجر نے حیرت انگیز طور پر مضبوط، مگر برف جیسی سرد آواز میں حکم دیا۔

آگ مکمل طور پر بجھ چکی تھی۔ کالک زدہ، بھیگے ہوئے اسٹوڈیو سے دھواں آہستہ آہستہ اٹھ رہا تھا۔ وہ دونوں، ایک دوسرے کو زخمی، سوالیہ اور نہ جانے کتنے ہی ان کہے جذبات سے بھری نظروں سے گھور رہے تھے۔ پانی اب بھی ان پر برس رہا تھا، جیسے ان کے اندر کی آگ کو بجھانے کی ناکام کوشش کر رہا ہو۔

گارڈز کے دروازے سے پلٹتے ہی اسٹوڈیو میں ایک ناقابلِ بیان، بوجھل خاموشی چھا گئی۔ فجر نے چند لمحے پہلے کی ناقابلِ یقین خود اعتمادی سے حکم دینے کے بعد اب ولی کو ایسی نظروں سے دیکھا جن میں شدید بے یقینی، ٹوٹا ہوا مان اور ایک نیا جنم لیتا ہوا غصہ تھا۔ پانی کی بوندیں اس کے بالوں سے ٹپک کر اس کے گالوں پر بہہ رہی تھیں، مگر آنسوؤں کا ایک نیا سیلاب امڈنے کو تیار تھا۔

"یعنی، یعنی تمہاری موت بھی ایک ڈرامہ تھی؟" اس کی آواز بمشکل سرگوشی سے بلند تھی۔

"تم؟ تم کتنے بڑے بہروپیے ہو؟ مجھے، مجھے یقین ہی نہیں آ رہا۔" اس کے لہجے میں طنز تھا، بے پناہ غصہ تھا اور سب سے بڑھ کر ایک ایسی بے یقینی جو ولی کی دنیا کو الٹ پلٹ کر گئی تھی۔

یہ الفاظ سن کر ولی نے، بے ساختہ اسے کندھوں سے تھام لیا۔

"فجر، میری طرف دیکھو۔" اس کی آواز میں ایک عجیب سی التجا تھی۔

"کیا تمہیں میرے چہرے سے، میری ان آنکھوں سے لگتا ہے کہ میری موت ایک ڈرامہ تھی؟ کیا تمہیں واقعی لگتا ہے کہ میں تمہیں یہاں، نقصان پہنچانے آیا ہوں؟" وہ خود شدید بے یقینی کے عالم میں بول رہا تھا۔ اس کی انگلیوں کی گرفت میں ایک تڑپ تھی۔

فجر نے ایک لمحے کے لیے اس کے خوبصورت، بھیگے ہوئے چہرے، اس پر موجود ہلکے سے نشان اور اس کی آنکھوں میں جھانکتی اذیت کو دیکھا، اور پھر جیسے کسی خواب سے جاگی ہو، ایک جھٹکے سے اپنے بازو چھڑائے۔

"تو پھر، تو پھر تمہیں سوا تین سال بعد میری یاد کیوں آئی؟ کیوں آئے تم یہاں؟ کیوں؟" وہ اب کی بار حلق کے بل چلائی۔ اس کے چہرے کے نقوش بگڑ گئے تھے، لب شدتِ جذبات سے کپکپا رہے تھے۔ آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی۔ کچھ ایسی ہی حالت ولی کی بھی تھی، مگر وہ ضبط کیے ہوئے تھا۔ ہاں سواء تین سال گزر گئے تھے ان کے نکاح کو۔

"کیونکہ تم میری بیوی ہو۔ کیونکہ میں تمہارا ولی (سرپرست) ہوں۔" وہ خود پر قابو پاتے ہوئے، نرم مگر پر درد لہجے میں بولا۔

فجر کی یہ حالت، اس کا یہ ٹوٹا ہوا، بکھرا ہوا وجود، اس کا دل جلا رہی تھی۔ وہ دونوں ہی جل رہے تھے، فرق صرف اتنا تھا کہ فجر اس کی جلن، اس کی اذیت سے واقف نہیں تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کے ساتھ پچھلے سوا تین سالوں میں کیا بیتی تھی، کن مرحلوں سے گزر کر وہ یہاں تک پہنچا تھا۔

"تو تم اب حق جتانے آئے ہو؟" فجر کی آواز میں زہر بھری تلخی تھی۔ "جب میں نے اپنے پیروں پر کھڑا ہونا سیکھ لیا، جب میں نے آسمان پر قدم رکھ دیا، تو اب تم مجھ پر اپنا حق جتانے آئے ہو؟" وہ جانے کیا کیا سوچ رہی تھی، اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔ ولی نے ضبط کا ایک کڑا گھونٹ بھرا اور ایک بار پھر، شاید لاشعوری طور پر، اسے چھونے کی کوشش کی۔

"دور رہو مجھ سے!" وہ تڑپ کر ایک زینہ اور اوپر چڑھ گئی، ان کے درمیان فاصلہ بڑھاتی ہوئی۔

"تم ایک چھوٹے، گھٹیا دھوکے باز اور ایک نمبر کے بہروپیے ہو۔" آنسو اب اس کی آنکھوں کی قید سے آزاد ہو کر، شاور کے پانی میں گھل مل کر، اس کے گالوں پر بہنے لگے تھے۔

ولی نے کرب زدہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔ وہ جانتا تھا کہ ساری سچائی ابھی، اس لمحے، نہیں بتائی جا سکتی تھی۔ وہ سنے گی بھی نہیں، یقین کرنا تو دور کی بات ہے۔ وہ بری طرح بدگمان ہو چکی تھی۔ اس کا بھروسہ، اس کا اعتماد، سب کچھ چکنا چور ہو چکا تھا۔

وہ اب زینے کی ریلنگ پر سر ٹکائے، رخ موڑے، بے آواز سسکیاں لے رہی تھی۔ ولی نے حلق میں ابھرتے ہوئے دکھ کے گولے کو نیچے اتارنے کی کوشش کی۔

"سوا تین سال لگے مجھے آسمان سے زمین پر آنے میں۔" اس کی آواز بھیگ گئی تھی۔

"میں تمہارے لیے زمین پر آیا، مگر تم تب تک آسمان ہو چکی تھیں۔ یہ سارا وقت، یہ سارا وقت میں نے صرف تم تک پہنچنے کی کوشش میں لگایا۔" وہ اپنی صفائی میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ الفاظ اس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

"تمہیں اب نہیں آنا چاہیے تھا۔ جاؤ یہاں سے!" وہ ایک بار پھر چیخی، آواز میں وہی پرانی کاٹ لوٹ آئی تھی۔

"اور تم؟ تمہیں میرا ان سوا تین سالوں میں ایک بار بھی خیال نہیں آیا؟" اس بار ولی کے لبوں سے شکوہ پھسلا، لہجے میں صدیوں کی تھکن اور دکھ تھا۔

"میں تمہارا شوہر تھا۔ تم نے، تم نے ایک بار بھی مجھ تک پہنچنے کی کوشش نہیں کی؟"

"میں نے فون کیا تھا۔ میں نے۔۔" وہ رخ پلٹتے ہوئے پھر سے چلائی، مگر الفاظ اس کے گلے میں ہی دم توڑ گئے۔ کیا کہتی آگے سے کیا سننے کو ملا تھا۔

"بس ایک فون کال؟ اور تم نے مان لیا میں مر چکا ہوں؟" ولی کی آواز میں اب تلخی در آئی۔

"تمہارے پاس میرا پتہ تھا، تم ایڈریس آسکتی تھیں۔ تم کوشش کر سکتی تھیں۔ مگر نہیں، تم نے مجھے نہیں ڈھونڈا۔ تمہیں کبھی میری ضرورت تھی ہی نہیں۔" وہ اپنی جگہ زخمی کھڑا تھا۔ دونوں گھائل تھے۔ دونوں کے شکوے اپنی اپنی جگہ بجا تھے۔ وقت کے بے رحم چکر نے ان دونوں کا بہت نقصان کیا تھا۔

"ہاں! مجھے تمہاری ضرورت نہیں تھی! نہ تب، نہ اب ہے۔ پھر کیوں آئے ہو؟ جاؤ یہاں سے۔ چلے جاؤ!" نم آنکھیں لیے وہ پھر سے چیخی۔ مگر دل کے کسی چور دروازے سے پچھلے ڈیڑھ دو ماہ کی یادیں آنکھوں کے سامنے گھوم گئیں۔ کیسے وہ اس کا خیال رکھتا تھا، کیسے اس کی ہر چھوٹی بڑی بات کا دھیان رکھتا تھا۔ وہ شخص، وہ دھوکے باز کیسے ہو سکتا تھا؟ یہ تضاد اسے اندر ہی اندر کھا رہا تھا۔

"مجھے آنا پڑا کیونکہ میں تمہارا ولی ہوں۔ کیونکہ پچھلے سوا تین سال میں نے اذیت میں گزارے ہیں، جانتی ہو کیوں؟" وہ اب سلگ رہا تھا، اس کی آنکھوں میں سرخ ڈورے تیرنے لگے تھے۔

ایک لمحے کی خاموشی چھا گئی، صرف پانی کے ٹپکنے کی آواز۔

"کیونکہ مجھے خوف تھا کہ کہیں میرے نکاح میں ہوتے ہوئے تم کسی اور سے شادی نہ کر لو۔" لمحے بھر کو خاموشی چھا گئی۔

"کیونکہ مجھے وہاں ہونا تھا جہاں ارسل تھا۔ تمہارے دل میں۔ مجھے وہاں ہونا تھا فجر!"

وہ ساکت رہ گئی۔ ایک دم ساکت۔ اس نے آنکھوں میں امڈتی ایک نئی نمی کو جیسے پیتے ہوئے کہا۔

وہ ویڈیو، وہ لعنتی ویڈیو اسے آج بھی اتنی ہی اذیت دیتی تھی جہاں وہ ارسل کے لیے رو رہی تھی، جہاں اس نے ارسل کے پاؤں پکڑے تھے۔ ایک ایسی محبت کا اظہار جو کبھی اس کا مقدر نہ بن سکی۔

"مجھے وہاں ہونا تھا۔ اس مقام پر، جہاں تم نے ارسل کو رکھا تھا۔ جتنی محبت تم نے اس سے کی وہ مجھے چاہیے تھی۔ کاش۔۔۔ کاش۔۔۔"

ہاں، وہ اس کے دل میں رہنا چاہتا تھا۔ پتہ نہیں کب یہ خواہش اتنی شدت اختیار کر گئی، اسے خود بھی اندازہ نہیں ہوا۔ وہ بھیگی آنکھوں سے کہہ رہا تھا۔

"اسے کل کو کیا جواب دے گی جس کے لیے تجھے اللہ نے بنایا ہے؟ ساری محبت کسی غیر پر لٹا دی؟" اماں کے الفاظ اس کے کانوں میں گونج اٹھے۔

وہ اس کا شوہر تھا، اور وہ اس کی محبت چاہتا تھا۔ پچھلے سات مہینوں میں اس نے یہی تو چاہا تھا، اسی ایک امید پر تو وہ جی رہا تھا۔ اسے یہ الفاظ سن کر سمجھ آئے تھے۔

"تم تک پہنچنے کے لیے، تمہاری حفاظت یقینی بنانے کے لیے مجھے کیا کچھ نہیں کرنا پڑا۔ تمہاری جان اتنی اہم تھی کہ میں ولی اورنگزیب بن کر تمہارے سامنے آیا۔"

اور **'اورنگزیب'** کے نام پر فجر کو جیسے کسی نے گرم سیسہ پگھلا کر اس کے کانوں میں ڈال دیا ہو۔ اس کے دماغ میں نئے، خوفناک وسوسوں نے ڈنک مارا۔ اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔

بے ساختہ اس کے خشک ہوتے لبوں سے الفاظ پھسلے۔

"کیا۔۔۔ کیا تمہارا۔۔۔ رئیس اور نگزیب سے کوئی تعلق ہے؟" وہ خوفزدہ اور پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ولی ایک لمحے کو خاموش ہو گیا۔ وہ شدت سے چاہتا تھا کہ انکار کر دے، مگر وہ جانتا تھا کہ رئیس ان کے درمیان آ چکا تھا، اور وہ فجر کو مزید کسی اندھیرے میں، کسی جھوٹ میں نہیں رکھ سکتا تھا۔ اس نے بے ساختہ تھوک نگلا، حلق خشک ہو رہا تھا۔

"بتاؤ۔۔۔ بتاؤ مجھے! کیا تعلق ہے تمہارا اس۔۔۔ اس سے؟" اس بار وہ پھر سے چیخی۔ چہرے اور آنکھوں پر اب غصے سے زیادہ خوف غالب تھا۔ ولی نے آنکھیں میچ کر ایک گہری سانس لی، خود پر ضبط کیا، اور پھر آنکھیں کھولیں۔ ان میں ایک شکست خوردہ سی کیفیت تھی۔

"رئیس اور نگزیب میرے ماموں ہیں۔"

فجر کو لگا جیسے کسی نے اس کے پیروں تلے سے زمین کھینچ لی ہو۔ وہ لڑکھڑائی۔ ولی تیزی سے آگے بڑھا، وہ اسے تھامنا چاہتا تھا، مگر فجر نے کانپتا ہوا ہاتھ آگے بڑھا کر اسے وہیں روک دیا۔

"نو۔۔۔ پلیز۔۔۔ دور رہو مجھ سے۔۔۔" وہ زینوں پر ہی بے دم ہو کر بیٹھتی چلی گئی۔ ولی ساکت، بے بس کھڑا رہ گیا۔

"اوہ مائی گاڈ۔۔۔" وہ بے یقینی سے بڑبڑائی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ روئے یا ہنسے اپنی قسمت پر، اپنی بے وقوفی پر۔

"تو۔۔۔ تو تمہیں رئیس نے بھیجا ہے؟ تم اس کے لیے یہاں آئے ہو؟" وہ ہولے ہولے بڑبڑا رہی تھی، جیسے اپنے حواسوں میں نہ ہو۔ اس کی آواز میں زندگی کی رمق ختم ہوتی جا رہی تھی۔

"نہیں فجر، نہیں! میں تمہارے لیے یہاں آیا ہوں۔ میرا یقین کرو۔" وہ بے اختیار اس کے قدموں میں بیٹھ گیا، اس کی آواز میں التجا کی انتہا تھی۔ فجر کا وجود اب بری طرح لرز رہا تھا۔ رئیس کی کہی ہوئی کچھ کچھ باتیں، اس کی دھمکیاں، اب اسے سمجھ آ رہی تھیں۔ یعنی سب، سب ختم ہونے والا تھا۔ اس کے لرزتے وجود کو دیکھ کر ولی کو اپنے وجود میں ایک ناقابلِ بیان اذیت بھرتی محسوس ہو رہی تھی۔

"فجر۔۔۔" اس نے کانپتے ہاتھوں سے فجر کا ہاتھ چھونا چاہا۔

"دور رہو مجھ سے!" وہ گھٹنوں پر ٹھوڑی ٹکائے، اپنے وجود کے گرد بازوؤں کا حصار باندھ گئی۔ وہ رئیس جیسے طاقتور اور بے رحم شخص کا مقابلہ کسی صورت نہیں کر سکتی تھی، کسی بھی معاملے میں نہیں۔ اور اب، اب تو ولی بھی اسی کا خون نکلا تھا۔ رئیس اور نگزیب، ولی اور نگزیب، وہ ان دونوں کے ہاتھوں بے وقوف بن گئی تھی۔ ایک جال تھا جس میں وہ پھنس چکی تھی۔

"جاؤ یہاں سے۔۔۔" اسے اپنی آواز بہت دور سے، کسی گہری کھائی سے آتی سنائی دی۔

"میں تمہیں یہاں، اس حال میں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ کبھی نہیں۔" وہ منمنایا، لہجے میں اٹل ارادہ تھا۔

"کہا نا جاؤ یہاں سے! ورنہ، ورنہ میں پولیس بلا لوں گی۔" وہ وحشت زدہ لہجے میں، آخری حربے کے طور پر چلائی۔

اسے پولیس کا ڈر نہیں تھا پھر بھی وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ وہ اسے دیکھ رہا تھا، اپنی نم، شکست خوردہ آنکھوں سے۔ وہ لڑکی، جس کے لیے وہ رئیس جیسے ڈارک لارڈ سے ٹکر لینے کو تیار تھا، وہ اس پر یقین کرنے کو تیار نہیں تھی۔ اس کی ہر کوشش رائیگاں جا رہی تھی۔ وہ اب الٹے قدموں زینے اتر رہا تھا۔ آہستہ آہستہ، قدم بہ قدم۔ فجر کا وجود،

جو زینے پر سکڑا سمٹا بیٹھا تھا، اس کی آنکھوں میں دھندلاہو تا گیا۔ وہ اب بھی ہولے ہولے بڑبڑا رہی تھی، شاید خود سے مخاطب تھی۔

"میں ہار نہیں مانوں گی، میں ان سب کا مقابلہ کروں گی، میں یہ بھی، یہ بھی سروائیو کرلوں گی۔۔۔"

اس کی آواز میں ٹوٹا ہوا عزم تھا، مگر اسٹوڈیو کی گیلی، سوگوار فضا میں اس کی سسکیاں کہیں دب کر رہ گئیں۔ ولی دروازے تک پہنچ کر ایک لمحے کو رکا، پلٹ کر اسے آخری بار دیکھا، اور پھر بھاری قدموں سے باہر نکل گیا۔

✿••✿••✿••✿

اگلی قسط پندرہ دن بعد ان شاءاللہ !

جاری ہے۔

* * * * * * *

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔۔۔

اَلسّلامُ علیکم احباب۔۔۔۔"

"ناولز کی دنیا" کے ناولز میں خوش آمدید ----

ناولز کی دنیا (NKD) کی جانب سے ناولز کو بغیر کسی غلطی کے آپ تک پہچانے کی کوشش کی گئی۔ اگر کوئی غلطی اس میں ملتی ہے تو اسے محض اتفاق سمجھا جائے۔ کیونکہ ناول کو پورا پروف ریڈ کرکے ہی پبلش کیا جاتا ہے چوُک ہونا محض اتفاق ہوگا۔۔

عنکبوت

(معرفت اور محبت سب کو نہیں ملتی)

از قلم: نور راجپوت

قسط نمبر:17

باب نہم؛ بیرونی عفریت

(یہ زندگی کو چاٹ جانے والا بھیانک سسٹم ہے)

اندھیری گلیوں میں، جہاں تاریکی اور خاموشی کا راج ہوتا ہے، ہم اکثر ایک بھٹکی ہوئی روح کی مانند ہوتے ہیں۔ یہ وہ گلیاں ہیں جہاں رشتوں کے عفریت چھپے ہوتے ہیں، جو اپنے ہاتھوں میں بظاہر محبت اور اپنائیت کا نقاب پہنے ہوتے ہیں، مگر ان کے لمس میں دیمک کی سی تاثیر ہوتی ہے جو آہستہ آہستہ ہمارے وجود کو کھوکھلا کرتی رہتی ہے۔

یہ ایسے عفریت ہیں جن سے ہم لڑ نہیں سکتے، کیونکہ یہ ہمارے اپنے ہی رشتوں، ہمارے والدین، شریک حیات، بھائی بہن یا قریبی دوستوں کے روپ میں ہمارے ساتھ جڑے ہوتے ہیں۔ ان کا زہر کسی زہریلے تیر کی مانند نہیں ہوتا، بلکہ یہ میٹھی باتوں میں چھپا ہوتا ہے۔

"تمہیں ایسا کرنا چاہیے، ہم تمہارے بھلے کے لیے کہہ رہے ہیں۔"

جیسے جملوں میں لپٹا ہوتا ہے۔ یہ جملے ہمارے انتخاب، ہماری خواہشوں اور ہماری انفرادیت کو اس طرح دبا دیتے ہیں کہ ہم خود اپنی ہی پہچان سے بیگانے ہو جاتے ہیں۔ یہ رشتوں کے عفریت ہمیں بے بسی کا احساس دلاتے ہیں، جہاں ہماری اپنی آواز دب جاتی ہے اور ہم صرف ان کی توقعات اور خواہشات کا ایک عکس بن کر رہ جاتے ہیں۔

اور سب سے تکلیف دہ بات یہ ہے کہ ہم انہیں پہچانتے ہوئے بھی کچھ نہیں کر پاتے، کیونکہ ان سے لڑنا اپنے ہی خون سے جنگ کرنے کے مترادف ہوتا ہے۔ یہ عفریت ہمیں اندر ہی اندر گھٹاتے ہیں، ہماری تخلیقی صلاحیتوں کو کچلتے ہیں اور ہمیں ایک ایسے نفسیاتی دباؤ میں رکھتے ہیں جہاں امید کی شمع گل ہونے لگتی ہے۔ ہماری روح پر ایک غیر مرئی بوجھ پڑ جاتا ہے، جس کے نیچے ہماری ذاتی آزادی اور خوشی دم توڑ دیتی ہے۔ ہم ایک ایسی دلدل میں پھنس جاتے ہیں جہاں سے نکلنا محال نظر آتا ہے، کیونکہ اس دلدل کے کناروں پر ہمارے اپنے پیارے کھڑے ہوتے ہیں۔

مگر شاید یہی ان کی سب سے بڑی کمزوری ہے کہ ان کا وجود ہمارے اندر موجود خوف اور محبت کے رشتے کی بنیاد پر قائم ہے۔ جب تک ہم ان رشتوں کے عفریت کو پہچان کر، ان کی حقیقت کا سامنا کرنے کی جرات نہیں کرتے، تب تک ہم ان کی گرفت سے آزاد نہیں ہو سکتے۔ شاید اسی recognition میں ہماری آزادی کا پہلا قدم

ہے۔اس عفریت سے لڑنے کا آغاز ان حدود کو قائم کرنے سے ہوتا ہے جنہیں وہ پامال کرتا ہے، اور اپنی آواز کو بلند کرنے سے ہوتا ہے جسے وہ دبانے کی کوشش کرتا ہے۔

جہاں فجر معراج اندرونی عفریت سے لڑ رہی تھی، وہیں ولی، اپنے بیرونی عفریتوں سے لڑ رہا تھا جو رشتوں کی صورت اس کے گرد موجود تھے اور ان عفریتوں میں سب سے بڑا عفریت رئیس اورنگزیب تھا! لیکن وہ اس عفریت تلے کیوں تھا؟ اس کی ضرورت کیسے پیش آئی؟ اس کے لیے ہمیں کچھ ماہ پیچھے بھاگنا ہو گا، ایڈنبرا ایئرپورٹ کی جانب جہاں ولی اپنے گھر والوں کے ساتھ کھڑا تھا جب وہ پاکستان کے لیے نکل رہا تھا۔ نینی نے اسے ایک ڈائری تھمائی تھی۔ یہ ڈائری ان کے پاس امانت تھی وہ اسے ولی کو دینے سے ڈرتی تھیں۔ یہ افق کے سامان سے ملی تھی مگر اب یہی صحیح وقت تھا۔ یہی وقت تھا جب اسے اپنی ماں کے بارے میں جاننے کا پورا حق حاصل ہو چکا تھا۔

✿••✿••✿••✿

شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے جب ولی نے ایک بار پھر رئیس مینشن کے وسیع و عریض، لوہے کے اونچے گیٹ کے سامنے خود کو پایا۔ یہ محض ایک گھر نہیں تھا، بلکہ کئی کنالوں پر پھیلا ایک سفید سنگِ مرمر کا قلعہ تھا، جس کی تعمیر میں جلال اور جمال کا ایسا امتزاج تھا کہ دیکھنے والا دنگ رہ جائے۔ چاروں اطراف سے یکساں دکھائی دینے والی یہ عمارت اپنی الگ ہی شان رکھتی تھی۔ پچھلی بار کی دھتکار کی تلخی ابھی تک اس کے ذہن میں تازہ تھی، مگر نینی کی یقین دہانی کہ **"اس بار وہ تمہیں اپنا لیں گے، میں نے بات کر لی ہے۔"** اس کے قدموں کو سہارا دے رہی تھی۔ ماں کی ڈائری کے اوراق اس کے سینے میں ایک مقدس امانت کی طرح محفوظ تھے، جن میں لکھا ہر لفظ اسے یہاں کھینچ لایا تھا۔ اپنے جڑوں سے جڑنے، اپنی ماں کے عزیز بھائی، **رئیس اورنگزیب** سے ملنے کی تڑپ۔

اس کا دل جذبات کی ایک عجیب کیفیت سے لبریز تھا۔ گیٹ پر موجود چوکیدار نے شناختی کارڈ طلب کیا، نام پوچھا اور پھر اندرونی فون پر کسی سے بات کرنے کے بعد، بھاری گیٹ ایک چرچراہٹ کے ساتھ کھل گیا۔ ولی نے کندھے پر ٹنگا معمولی سا بیگ سنبھالا اور کپکپاتی ٹانگوں، خشک ہوتے ہونٹوں اور ایک انجانے خوف کے ساتھ اندر قدم رکھا۔ وسیع لان، قدیم درخت اور پھولوں کی حسین روشیں اس کے اضطراب کو کم کرنے میں ناکام تھیں۔

لاؤنج کا منظر کسی شاہی دربار سے کم نہ تھا۔ قیمتی ایرانی قالین، دیواروں پر آویزاں نادر پینٹنگز، اور بھاری، نفیس فرنیچر۔ وہیں، ایک کونے میں، کھڑکی سے آتی شام کی آخری سنہری کرنوں میں، احمد اورنگزیب صاحب وہیل چیئر پر بیٹھے تھے۔ پونے تین سال پہلے جب ولی یہاں آیا تھا، تو وہ ایک توانا اور بارعب شخصیت کے مالک تھے۔ مگر پھر ولی اور فجر کے نکاح نامے نے، جس پر فجر کا نام، ولدیت، تاریخِ پیدائش اور گھر کا پتہ درج تھا، ان پر قیامت ڈھا دی تھی۔ وہ اس راز سے واقف تھے جس سے ولی بے خبر تھا، اور یہ صدمہ انہیں فالج کے اندھیروں میں دھکیل کر وہیل چیئر تک لے آیا تھا۔ آج، اس سب کا ذمہ دار، ولی، پشیمانی اور ندامت کا مجسمہ بنے ان کے سامنے کھڑا تھا۔

احمد اورنگزیب نے دھیرے سے پلکیں اٹھائیں اور ولی پر نظر پڑتے ہی ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ یہ وہ دبلا پتلا، ڈھیٹ سا ہوا نوجوان نہیں تھا جو پہلے آیا تھا۔ یہ ایک بدلا ہوا انسان تھا، جس کے چہرے پر وقت کی سختیاں اور شاید اپنے حصے کی تکلیفوں کے نشانات واضح تھے۔ شاید وہ اپنے حصے کی تکلیف سہہ کر آیا تھا۔

اورنگزیب صاحب کو یاد تھیں، پچھلے ایک سال میں جوزف پیلس سے آنے والی وہ بے شمار فون کالز، وہ ایک عورت کی التجا بھری آواز، **"وہ افق کی اولاد ہے، افق کی نشانی ہے۔ اسے بچا لیں، اسے قبول کر لیں، اسے اپنا لیں۔ یہاں کی دنیا اس پر تنگ پڑ چکی ہے۔ وہ آئے تو اسے اس بار مت دھتکاریئے گا۔"** یہ نینی تھیں، اس المناک کہانی کی چشم دید گواہ!

احمد اور نگزیب صاحب کی ڈبڈبائی آنکھیں کتنی ہی دیر ولی کے چہرے کا طواف کرتی رہیں۔ وہی آنکھیں، وہی بال، وہی رنگت! بالکل افق جیسی! نہیں، وہ پورا انگریز نہیں لگتا تھا۔ اس کی شخصیت میں کچھ تو مشرقی تھا، کچھ تو ایسا تھا جو انہیں اپنی پوتی نہیں، بیٹی کی طرح پالی ہوئی افق کی یاد دلا رہا تھا۔ وہی افق، جسے انہوں نے اپنی اولاد کی طرح چاہا، بہترین تربیت دی، مگر پھر نہ جانے محبت کے کس آسیب کار نے اسے اپنی گرفت میں لیا اور وہ بھٹک گئی۔ مگر اب وہ نہیں تھی، اور یہ لڑکا، اس کی آخری نشانی، ان کے سامنے تھا۔

ولی کو ایک لمحے کے لیے لگا کہ شاید وہ اسے گلے لگا لیں گے، مگر ایسا نہیں ہوا۔ انہوں نے خاموشی سے اسے قبول کر لیا تھا۔ ان کی زیرک نگاہوں نے ولی کے وجود کا جیسے ایکسرے کر لیا تھا۔ وہ ایک بات سمجھ گئے تھے، شاید یہی لڑکا فجر کو اس بھنور سے نکال پائے گا۔

اسی لمحے، وہاں داخل ہوتی زرتاش کی نظر ولی پر پڑی۔ وہ ٹھٹھکی، وہیل چیئر رک گئی پھر دھیرے سے اس کے قریب آئی۔ اسے ولی کے آنے کی اطلاع مل چکی تھی۔ وہ کئی لمحے اسے دیکھتی رہی پھر آنکھوں میں نمی ابھری۔

"تم۔۔۔ تم کچھ کچھ افق آپی جیسے ہو۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ زرتاش نرم دل تھی۔ زندگی نے اس کے ساتھ جو بھی ستم کیے تھے، وہ ان کا بوجھ ساری عمر اٹھا کر نہیں بیٹھ سکتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس سب میں افق کی کوئی غلطی نہیں تھی۔ رئیس مینشن میں اگر کسی نے ولی کو سب سے پہلے، پورے دل سے قبول کیا تھا، تو وہ **زرتاش اور نگزیب** تھی۔

رئیس شہر سے باہر تھا۔ ولی کو افق کا کمرہ دے دیا گیا۔ کمرہ بالکل ویسا ہی تھا سیٹ تھا جیسا افق اسے چھوڑ کر گئی تھی۔ ہر شے ترتیب سے، جیسے ابھی کل کی بات ہو۔ ولی فجر تک پہنچنے کے لیے بے چین تھا، مگر جانتا تھا کہ یہ آسان نہ ہو گا۔

وہ لڑکی جو اسے مرا ہوا سمجھ چکی تھی، اسے کیسے قبول کرے گی؟ دو دن وہ اسی ادھیڑ بن میں رہا، راستے تلاش کرتا رہا۔

اور پھر، پھر رئیس لوٹ آیا۔

دو دن بعد، سہ پہر کا وقت تھا۔ ولی لاؤنج میں دیوار پر لگی فیملی پورٹریٹس کے سامنے کھڑا تھا۔ ان تصویروں میں مسکراتے چہروں کے پیچھے چھپی کہانیاں وہ جاننے کی کوشش کر رہا تھا۔ افسوس یہ تھا کہ وہاں افق کی کوئی تصویر نہیں تھی۔

تب ہی اسے اپنے پیچھے قدموں کی آہٹ محسوس ہوئی۔ مضبوط، پر اعتماد قدم۔ اس نے پلٹ کر دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی، مگر ایک انجانی سی سرد لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں اتر گئی۔ وہ جانتا تھا یہ کون ہے۔

رئیس اورنگزیب، اپنے پورے قد کے ساتھ، اس کے عقب میں کھڑا تھا۔ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے، وہ خاموشی سے ولی کو دیکھ رہا تھا جو اب بھی تصویروں میں محو تھا۔ ولی نے گہری سانس لی اور دھڑکتے دل کے ساتھ آہستہ سے پلٹا۔

اس کے سامنے رئیس تھا۔ دراز قد، مضبوط جسامت، نہایت مقناطیسی شخصیت۔ وہ چند سرمئی بال اس کی وجاہت میں اضافہ ہی کر رہے تھے۔ اس کی شخصیت میں ایک ایسی تکمیل تھی کہ دیکھنے والے کو ایک لمحے کے لیے خود پر کمتری کا احساس ہو۔ اس کی تیز، عقابی نگاہیں ولی کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"کون ہو تم؟" رئیس کی بھاری، گونج دار آواز نے لاؤنج کی خاموشی کو توڑا۔ لہجے میں کوئی تاثر نہیں تھا، سپاٹ، مگر کاٹ دار۔

ولی کو چند لمحے لگے خود کو سنبھالنے میں۔ اس نے ہمت مجتمع کی۔

"ولی ہوں۔" اس کی آواز بمشکل نکلی، مگر اس نے نظریں نہیں جھکائیں۔

ولی؟ رئیس کے دل کو ہاتھ پڑا۔ اس کا پیارا چھ سالہ بھائی جو بلاوجہ مارا گیا تھا۔ ولی تو مر چکا تھا پھر یہ ولی کون تھا؟

"یہاں کیوں آئے ہو؟" اگلا سوال پہلے سے زیادہ سخت اور سرد لہجے میں تھا۔ ایسا لگا جیسے ہر لفظ برف کی طرح سرد ہو۔

اسنے ایک قدم آگے بڑھایا، جیسے خود کو اور اپنے مقصد کو ثابت کرنا چاہتا ہو۔

"اپنی پہچان ڈھونڈتے ہوئے آیا ہوں۔"

رئیس کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے کوئی ناقابلِ فہم تاثر ابھرا اور غائب ہو گیا۔

"کونسی پہچان؟"

"یہی کہ میں افق اور نگزیب کا بیٹا ہوں۔" ولی نے اب قدرے سنجیدگی اور مضبوط لہجے میں کہا۔ اس کے اندر کا خوف اب ایک عجیب سی ہمت میں بدل رہا تھا۔

رئیس کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔

"تم جوزف کی اولاد ہو۔ تمہیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔"

یہ سنتے ہی ولی کے چہرے پر بھی ایک پھیکی، تلخ سی ہنسی نمودار ہوئی۔

"وہاں کی زمین مجھ پر تنگ پڑ چکی ہے، اس لیے یہاں آیا ہوں۔"

رئیس کی نظریں اس کے نشان زدہ گال پر مرکوز تھیں۔ ولی نے جب اس کی نظروں کی تپش اپنے چہرے پر محسوس کی تو خود ہی وضاحت کر دی۔۔،

"یہ شناخت چننے کی قیمت چکائی ہے۔" اس کی آواز میں ایک تھکا ہوا، مگر اٹل عزم تھا۔

رئیس نے ایک گہری، طویل سانس لی، جیسے کوئی ناگوار فیصلہ سنانے سے پہلے خود کو تیار کر رہا ہو۔ ایک جتاتی ہوئی، حتمی نظر اس پر ڈالی۔

"جتنا جلدی ہو سکے، یہاں سے چلے جانا۔" وہ اسے تنبیہہ کرتے ہوئے، مزید کچھ کہے بغیر، پر شکوہ زینوں کی جانب بڑھ گیا۔ اس کا ہر قدم اس کے فیصلے کی مضبوطی کا اعلان کر رہا تھا۔

ولی وہیں کھڑا اسے جاتا دیکھتا رہا۔ رئیس کے الفاظ کانوں میں سیسہ پگھلا رہے تھے، مگر اس کے ذہن میں افق کے لکھے الفاظ گونج اٹھے۔

"وہ مجھ سے ناراض ہے۔ وہ مجھ سے نفرت کرتا ہے۔ میں نے اس سے کیا وعدہ توڑ دیا۔ میں نے اسے دھوکا دیا۔ میں نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ میرا انتظار کرتا رہا۔ وہ مجھے کبھی معاف نہیں کرے گا۔"

"نہیں! معاف تو کرنا ہی ہو گا۔" اس نے اپنے دل میں عہد کیا۔ وہ یہاں آ ہی گیا تھا تو سب ٹھیک کر کے جائے گا۔ اسے اپنی ماں کے رشتوں کے دل سے یہ بدگمانی، یہ نفرت مٹانی تھی۔ یہ کام آسان نہیں تھا، یہ وہ جانتا تھا۔ یہ ایک کٹھن، محنت طلب، اور صبر آزما سفر ہونے والا تھا، مگر وہ پیچھے نہیں ہٹے گا۔ اپنی ماں کے لیے، اپنے لیے، اور شاید، فجر کے لیے۔

✿••✿••✿••✿

رات کی سیاہی گہری ہو چکی تھی۔ رئیس مینشن کے وسیع و عریض دالانوں میں ایک خاموشی کا راج تھا، جسے کبھی کبھار دور سے آتی کسی پہرے دار کے قدموں کی چاپ یا ہوا سے سرسراتے پتوں کی آواز توڑ دیتی۔ ولی دبے پاؤں احمد اور نگزیب کے کمرے میں داخل ہوا۔ ہلکی روشنی میں کمرے کا بھاری فرنیچر اور دیواروں پر لٹکے پردے ایک عجیب سی ہیبت طاری کر رہے تھے۔ دواؤں کی ایک مخصوص، ہلکی سی مہک فضا میں رچی بسی تھی۔ احمد صاحب اپنے بستر پر نیم دراز تھے، آنکھیں چھت پر مرکوز، مگر جیسے کچھ دیکھ نہ رہی ہوں۔

وُلی دھیرے سے چلتا ہوا ان کے بیڈ کی پائنتی پر بیٹھ گیا۔ اس کا سر ندامت سے جھکا ہوا تھا۔ زرتاش نے بتایا تھا وہ جب پچھلی بار یہاں آیا تھا اور اس نے احمد صاحب سے جو بھی کہا تھا اس کے بعد سے ان کی یہ حالت ہو گئی تھی۔

"مجھے۔۔۔ مجھے معاف کر دیجیے گا۔" اس کی آواز میں شرمندگی اور ایک گہرا دکھ تھا۔

"میں نے اپنی ضد میں، اپنی نادانی میں آپ کا دل بہت دکھایا۔ اس کا اندازہ ہے مجھے، کاش میں وقت کو پیچھے لے جا سکتا۔" وہ صاف دل کا مالک تھا۔ اپنی ضد میں، اس نے اپنے باپ اور اور نگزیب خاندان سے بدلہ لینے کے لیے جو کیا تھا وہ اس پر شرمندہ تھا۔

احمد اور نگزیب خاموش رہے۔ ان کے چہرے پر کوئی تاثر نہ ابھرا۔ زرتاش نے بتایا تھا کہ وہ پچھلے پونے تین سال سے ایک لفظ بھی نہیں بولے تھے۔ یہ خاموشی کسی بھی ملامت سے زیادہ کاٹ دار تھی۔

ولی کافی دیر ان کے قریب بیٹھا رہا۔ وہ انہیں اپنی ماں، افق کی باتیں سناتا رہا۔ بچپن کی وہ دھندلی یادیں جو اس کے ذہن میں محفوظ تھیں۔ پھر اس نے افق کی ڈائری نکالی، اور کانپتے ہاتھوں سے وہ اوراق پلٹنے لگا جن میں افق نے اپنے بابا کا ذکر محبت اور احترام سے کیا تھا۔ وہ ڈائری کے کچھ حصے انہیں پڑھ کر سناتا رہا، اس امید پر کہ شاید یہ الفاظ ان کے دل پر جمی برف کو پگھلا سکیں۔

جب الفاظ ختم ہو گئے اور کہنے کو کچھ باقی نہ رہا، تو وہ ایک گہری سانس لے کر خاموشی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ دل بوجھل تھا۔ اس نے ایک آخری نظر احمد صاحب پر ڈالی، جو اب بھی اسی طرح چھت کو تک رہے تھے۔ مایوسی اس کے قدموں میں اتر آئی۔ جیسے ہی وہ مڑا اور دروازے کے قریب پہنچا، ایک ایسی آواز نے اسے چونکا دیا جس کی اسے قطعی امید نہ تھی۔

"تم۔۔۔ تم اس لڑکی کے لیے یہاں آئے ہو، نا؟"

آواز کمزور تھی، مگر واضح۔ جیسے کوئی بہت عرصے بعد بولا ہو۔ ولی بجلی کی سی تیزی سے پلٹا۔ اس کا دل زور سے دھڑکنے لگا۔ احمد اورنگزیب اسے ہی دیکھ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی۔ حیرت، شناسائی، اور شاید خوف کا ایک عنصر۔

"فجر معراج کے لیے؟" احمد صاحب نے اپنی بات جاری رکھی۔ "جس سے تم نے کورٹ میرج کی تھی؟"

یہ سوالات ولی کے لیے بالکل غیر متوقع تھے۔ وہ سمجھنے کی کوشش کرنے لگا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ احمد صاحب کے چہرے پر انتہائی سنجیدگی تھی، اور ان کی آنکھوں کی گہرائی میں کہیں ایک انجانا سا ڈر بھی چھپا تھا۔

"آپ۔۔۔ آپ جانتے ہیں اسے؟" اس کے منہ سے بس اتنا ہی نکل سکا۔ وہ تیزی سے ان کی طرف بڑھا۔

احمد صاحب نے اپنا دایاں، کمزور سا ہاتھ اٹھا کر اسے وہیں رکنے کا اشارہ کیا۔

"یاد رہے!" ان کی آواز میں اب ایک تاکیدی لہجہ تھا۔

"رئیس کو پتا نہ چلے تم یہاں کس لیے آئے ہو۔ اور اس لڑکی سے تمہارا کیا تعلق ہے۔"

یہ ولی کے لیے مزید حیران کن تھا۔ وہ بے اختیار ان کی جانب بڑھنا چاہتا تھا، مگر ان کے اٹھے ہوئے ہاتھ نے اسے روک دیا۔

"وقت کے ساتھ تمہیں سب پتا چل جائے گا۔" ان کی آواز میں تھکن تھی، مگر الفاظ میں ایک وزن تھا۔

"یہاں رہنا ہے، اور۔۔۔ اور اس لڑکی تک پہنچنا ہے، تو رئیس کا بھروسہ جیتنا ہو گا۔ ہر قیمت پر۔ مگر یاد رہے، اسے تمہارے اصل مقصد کی بھنک بھی نہ پڑے، ورنہ۔۔۔ ورنہ وہ دن قیامت کا ہو گا۔ وہ لڑکی۔۔۔ فجر۔۔ رئیس کے لیے دشمن ہے۔"

احمد صاحب نے یہ کہہ کر آنکھیں موند لیں۔ جیسے اپنی ساری توانائی خرچ کر دی ہو۔

وہ وہیں ساکت کھڑا تھا۔ اس کا ذہن بری طرح الجھ چکا تھا۔ احمد اورنگزیب کے الفاظ اس کے دماغ میں ہتھوڑوں کی طرح برس رہے تھے۔

"فجر۔۔ رئیس کی دشمن؟" یہ کیسے ممکن تھا؟ اس دن ولی کو پہلی بار شدت سے اندازہ ہوا تھا کہ فجر کا اس خاندان سے کوئی بہت گہرا اور شاید خطرناک تعلق ضرور تھا۔ وہ ایک دم چوکنا ہو گیا اور خاموشی سے وہاں سے نکل گیا۔ یہ دنیا یہ رشتے اتنے سیدھے نہیں تھے جتنے نظر آتے تھے۔ وہ پہلے سے محتاط ہو چکا تھا۔

اگلے کئی دن اس نے ایک عجیب سی بے چینی اور کشمکش میں گزارے۔ وہ دھاگے جوڑنے کی کوشش کر رہا تھا، مگر کوئی سرا ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔ احمد صاحب دوبارہ خاموشی کے خول میں بند ہو چکے تھے اور پھر اس سے رئیس کا دوسرا تصادم ہوا۔

یہ چھٹی کا دن تھا۔ سردیوں کا موسم، مگر آج دھوپ نہایت خوشگوار تھی۔ ولی باہر لان میں بنے شیشے کے سن روم میں بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں وہاں رکھی کتابوں میں سے ایک تھی، مگر اس کا دھیان کہیں اور تھا۔ وہ منار جانے کا سوچ رہا تھا، فجر سے ملنے کا، مگر کیسے؟ احمد صاحب کی تنبیہہ اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ کوئی رستہ سجھائی نہیں دیتا تھا۔

تب ہی سن روم کا دروازہ کھلا اور رئیس اندر داخل ہوا۔ اس کی آمد غیر متوقع تھی۔ سردیوں کی ہلکی دھوپ اس کے چہرے اور بالوں پر پڑ کر ایک عجیب سی چمک پیدا کر رہی تھی۔ ولی اسے دیکھتے ہی احتراماً اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا قد رئیس کے برابر ہی تھا، مگر رئیس کی شخصیت کا رعب کچھ ایسا تھا کہ ولی خود کو اس کے سامنے ہمیشہ چھوٹا محسوس کرتا۔ اسے سمجھ نہیں آتا تھا کہ رئیس کو ماموں کہے یا اس کے نام سے پکارے؟ وہ اتنا فٹ اور جوان تھا کہ ماموں کا لفظ اس کے لیے عجیب لگتا تھا۔

"تم ابھی تک یہیں ہو؟" رئیس نے آتے ہی ایک آبرو اچکا کر، اپنے مخصوص سرد لہجے میں پوچھا۔ اس کی نظریں ولی کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"جانے کو کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔"

"کیوں؟ جوزف پیلس میں جگہ کم پڑ گئی ہے کیا؟" اس پر رئیس کے ہونٹوں پر ایک ہلکی، طنزیہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ولی نے اسے دیکھا اور پھر گویا ہوا۔

"میں یہاں اپنی جگہ بنانا چاہتا ہوں۔" اس کی آواز میں ایک غیر متوقع پختگی تھی۔

رئیس نے چند لمحے اسے گہری، پرکھتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ اس نے اس وقت ایک ڈھیلی ڈھالی بیگی پینٹ اور گلے تک بند، اونچی، گرم اون کی شرٹ پہن رکھی تھی۔ اس لباس میں وہ رئیس کو مزید الجھا ہوا اور ناقابلِ فہم لگا۔ وہ جتنا سمجھ میں آتا تھا، اتنا ہی چھپا ہوا، پراسرار لگتا تھا۔

"تمہیں لگتا ہے تمہیں یہاں جگہ ملے گی؟" رئیس کی آواز میں اب بھی وہی سرد مہری اور ہلکا سا طنز تھا۔

"میں کوشش کروں گا۔ پوری کوشش۔" اس نے اپنی آنکھیں رئیس کی آنکھوں میں مرکوز کی۔ گہری کتھئی آنکھیں، سیاہ آنکھوں سے ٹکرائیں۔

یہ سن کر رئیس چند قدم آگے بڑھا، سن روم میں رکھی ایک آرام دہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے ٹانگ پر ٹانگ جمالی۔ انداز میں رئیسانہ پن تھا۔

"ٹھیک ہے۔" رئیس نے کچھ توقف کے بعد کہا، اور اس بار اس کے لہجے میں ایک چیلنج تھا۔

"تو ثابت کرو۔"

ولی نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"ثابت کرو کہ تم اس قابل ہو کہ تمہیں اورنگزیب خاندان میں جگہ ملے۔" رئیس نے اپنی انگلی سے فضا میں ایک دائرہ بنایا۔

"ثابت کرو کہ تم یہ نام، یہ شناخت اپنانے کے قابل ہو۔ ثابت کرو کہ تم اورنگزیب کہلانے کے لائق ہو۔" اس نے ایک لمحے کے لیے توقف کیا، پھر اپنی بات مکمل کی۔

"پھر۔۔۔ میں تمہیں قبول کرلوں گا۔"

اس کا انداز اور اس کی آنکھوں میں چمکتی للکار واضح تھی۔ یہ ایک کھلا چیلنج تھا۔ ایک امتحان جس میں کامیابی کی صورت میں شاید وہ دروازہ کھل سکتا تھا جس کی تلاش میں ولی یہاں آیا تھا۔

اس نے ایک گہری سانس لی۔ اس کے سامنے ایک بلند و بالا پہاڑ تھا، مگر اس کے پاس پیچھے ہٹنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ اس نے رئیس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے، پر عزم لہجے میں کہا۔

"مجھے منظور ہے۔"

یہ سنتے ہی رئیس مسکرایا۔ ایک ناقابل فہم سی مسکراہٹ! جیسے اس کے جواب سے محظوظ ہوا ہو پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر ولی کی جانب بڑھا جو ابھی تک کھڑا ہوا تھا۔ اس نے ولی کا گال تھپتھپایا۔

"دھیان سے، میری دنیا بہت خطرناک ہے۔" اس کے لہجہ اور انداز ڈرامائی تھا اور پھر وہ واپس پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتے سن روم سے باہر نکل گیا۔ ولی نے اسکی چوڑی پشت گھوری۔

شاید وہ بھی جانتا نہیں تھا کہ وہ جوزف پیٹرسن جیسے انسان کی خطرناک قید سے نکل کر آیا تھا۔ خطرہ اب اس کے لیے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اسی سب کے لیے تو وقت نے اسے تیار کیا تھا۔

✿••✿••✿••✿

رئیس کا چیلنج ولی کے لیے ایک نئے، کٹھن سفر کا آغاز تھا۔ اگلے چھ ماہ اس نے خود کو مکمل طور پر رئیس کے لیے وقف کر دیا۔ صبح سویرے، جب شہر ابھی پوری طرح بیدار بھی نہیں ہوتا تھا، وہ رئیس کے ہمراہ اورنگزیب ٹیکسٹائلز کی مختلف فیکٹریوں اور دفاتر کا رخ کرتا۔ یہ ایک بالکل نئی دنیا تھی۔ مشینوں کا شور، روئی اور کیمیکلز کی مخصوص بو، رنگوں کی بھرمار، اور ہزاروں مزدوروں کی انتھک محنت۔

پہلے چند ہفتے ولی کے لیے سخت آزمائش کے تھے۔ رئیس انتہائی باریک بین تھا۔ وہ ولی کو ہر شعبے میں لے جاتا۔ اسپننگ یونٹ سے لے کر ویونگ، ڈائنگ، پرنٹنگ، اور پھر فنشنگ اور پیکجنگ تک۔ ولی نے کپڑے کی اقسام، دھاگے کی مضبوطی، رنگوں کے امتزاج اور مارکیٹ کے رجحانات کو سمجھنا شروع کیا۔ اس کے ہاتھ مشینوں کی چکناہٹ اور روئی کے باریک ریشوں سے آشنا ہونے لگے۔ وہ مزدوروں کے ساتھ بیٹھتا، ان کے مسائل سنتا، اور پروڈکشن مینیجرز سے بحث کرتا۔ رئیس اکثر دور کھڑا، بازو سینے پر باندھے، اسے خاموشی سے دیکھتا رہتا۔ اس کی عقابی نگاہیں ولی کی ہر حرکت، ہر فیصلے کا جائزہ لیتیں۔ اس کے علاوہ، وہ رئیس ہیڈ آفس میں اس کے ساتھ جانے لگا۔ وہ سب دیکھتا جو رئیس کرتا تھا۔ رئیس ایمپائر مال کے مسائل، وہ جس طرح ڈیل کرتا تھا، وہ جس طرح پروجیکٹس کرتا تھا وہ قابل ستائش تھا۔ آہستہ آہستہ وہ چیزوں سے واقف ہوتا گیا۔ اس کی ڈگری، انٹرنیشل بزنس کی تھی اور اب عملی طور پر وہ ان کاموں کو دیکھ رہا تھا کر رہا تھا۔

رئیس کا اعتماد جیتنا لوہے کے چنے چبانے کے مترادف تھا۔ وہ ولی کے ساتھ کم کم بولتا تھا، اور جب بولتا تو اس کے الفاظ میں ایک کاٹ ہوتی تھی۔ وہ ولی کو مشکل ترین حالات میں ڈال دیتا، پیچیدہ مسائل اس کے سامنے رکھتا اور پھر اس کے ردِ عمل کا انتظار کرتا۔ کئی بار ولی کو لگا کہ وہ ہمت ہار دے گا، مگر پھر اپنی ماں کا چہرہ، احمد صاحب کی امید بھری نگاہیں، اور فجر تک پہنچنے کی لگن اسے نئے عزم سے سرشار کر دیتی۔ وہ غلطیاں کرتا، سیکھتا، اور پھر سے کوشش کرتا۔

رئیس، جیسے ایک نئے سرے سے اس کی تربیت کر رہا تھا۔ بزنس کی دنیا کی تربیت!

ایک مہینہ اسی طرح گزر گیا۔ ولی اب ٹیکسٹائل کی دنیا کی اونچ نیچ سے کافی حد تک واقف ہو چکا تھا۔ اس کی سمجھ بوجھ اور محنت نے رئیس کو، اگرچہ اس نے کبھی ظاہر نہیں کیا، تھوڑا بہت متاثر ضرور کیا تھا۔

ایک شام، فیکٹری سے واپسی پر، رئیس نے اپنی گاڑی کا رخ رئیس مینشن کے بجائے شہر کے مرکز میں واقع اپنے پرائیویٹ پینٹ ہاؤس کی طرف موڑ لیا۔ یہ ولی کے لیے غیر متوقع تھا۔ پینٹ ہاؤس رئیس کی شخصیت کا آئینہ دار تھا۔ جدید، پر تعیش، اور انتہائی منظم۔ پینٹ ہاؤس میں اکثر اوقات اس کے بین الاقوامی مہمان اور بزنس پارٹنرز جو دوروں پر آتے تھے وہ ٹھہرتے تھے۔

"آج رات تم یہیں رکو گے۔" رئیس نے گاڑی سے اترتے ہوئے کہا۔

"صبح کچھ ضروری بات کرنی ہے۔"

اگلی صبح، ناشتے کے بعد، رئیس ایک وسیع و عریض کمرے میں بیٹھا تھا۔ ولی کو طلب کیا گیا۔ یہاں کمرے میں کتابوں کی الماریاں چھت تک پہنچ رہی تھیں، اور ایک بڑی میز پر کمپیوٹر اور کچھ فائلیں رکھی تھیں۔

رئیس نے ایک فائل کھولی اور اسے ولی کی طرف بڑھایا۔ "اسے دیکھو۔"

فائل میں کچھ کمپنیوں کے پروفائلز اور مالیاتی رپورٹس تھیں۔ ولی نے انہیں غور سے دیکھنا شروع کیا۔

"یہ سب ہمارے مقابلے کی کمپنیاں ہیں۔ ان کی حکمت عملی پر نظر رکھنی ہے۔" رئیس نے کہا، پھر اٹھ کر کھڑکی کے پاس چلا گیا جہاں سے شہر کا خوبصورت منظر دکھائی دے رہا تھا۔ ان کمپنیوں میں گردیزی ٹیکسٹائل سب سے اوپر اور واضح تھی۔

کچھ دیر بعد، جب ولی فائل دیکھ چکا تو رئیس واپس اپنی کرسی پر آیا۔ اس نے دراز کھولا اور ایک تصویر نکال کر میز پر رکھی۔ تصویر کا رخ ولی کی طرف تھا۔

وہ فجر کی تصویر تھی!

ولی کا دل ایک لمحے کے لیے جیسے دھڑکنا بھول گیا۔ اس نے اپنے چہرے پر ابھرنے والی شدید حیرت اور پیچیدہ جذبات کو بمشکل روکا۔ اس کا حلق خشک ہو گیا۔ وہ ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ رئیس اس کے چہرے پر کوئی بھی ایسا تاثر دیکھے جو اس کے دل کی کیفیت کو ظاہر کر دے۔

اس نے آہستہ سے آگے بڑھ کر وہ تصویر اٹھائی۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے، مگر اس نے انہیں قابو میں رکھا۔

"یہ منار فیشن کمپنی کی مالک ہے، فجر معراج!" رئیس کی آواز انتہائی سپاٹ تھی، جیسے وہ کسی بے جان شے کا تعارف کروا رہا ہو۔

"سمجھ لو کہ یہ دشمن ہے۔ میں یہ کام کسی باہر والے کو نہیں دے سکتا تھا۔ پچھلے ایک مہینے میں تم یہاں کے کام اور ماحول سے اچھی طرح واقف ہو چکے ہو۔"

رئیس اٹھا اور اپنے وسیع و عریض واک اِن کلوزٹ کی طرف بڑھ گیا۔ وہاں شیشے کے دروازوں کے پیچھے بیش قیمت سوٹوں کی قطاریں نظر آ رہی تھیں۔

"اب تمہیں اس پر نظر رکھنی ہے۔" رئیس نے کلوزٹ سے ایک نیا، نہایت قیمتی کوٹ نکالتے ہوئے کہا، جیسے یہ کوئی معمول کا کام ہو۔

"اس کے ایک ایک کام پر، ایک ایک پروجیکٹ پر۔ اس کی ہر حرکت کی خبر مجھے ملنی چاہیے۔"

ولی وہ تصویر ہاتھ میں پکڑے ساکت کھڑا تھا۔ اس کے ذہن میں ہزاروں سوالات گردش کر رہے تھے۔

"کیا میں۔۔۔ جان سکتا ہوں، نظر کیوں رکھنی ہے؟" اس نے بمشکل پوچھا، اور تصویر واپس میز پر رکھ دی۔ اس نے کوشش کی کہ اس کی آنکھوں میں فجر کی جانب سے مکمل لاتعلقی اور پیشہ ورانہ سنجیدگی ابھرے۔

رئیس اب کلوزٹ سے باہر آچکا تھا اور قدِ آدم آئینے کے سامنے کھڑا تھا۔ ایک قیمتی نیلے رنگ کا سوٹ وہ اپنے اوپر رکھ کر دیکھ رہا تھا۔ اس کا عکس آئینے میں ایک طاقتور اور بے رحم حکمران کا تاثر دے رہا تھا۔

"حفاظت کے پیشِ نظر!" اس نے سوٹ کو دیکھتے ہوئے مختصر جواب دیا۔ پھر وہ دوبارہ کلوزٹ میں داخل ہو گیا، اور اس بار ایک سیاہ، چمکدار سوٹ نکال لایا۔ اسے اب یہ خود سے لگا کر دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ سیاہ رنگ اس کے لیے ہی بنا تھا، اس کی شخصیت کے رعب اور پراسراریت میں اضافہ کرتا ہوا۔

ولی کی بھنویں غیر محسوس طریقے سے سکڑ گئیں۔ اگر دشمن تھی، تو حفاظت کیسی؟ یہ تضاد اس کی سمجھ سے باہر تھا۔

رئیس غالباً اس کی الجھن بھانپ چکا تھا۔ وہ پلٹا اور ولی کو غور سے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی۔

"پچھلے ایک مہینے میں میں نے تمہیں اچھا خاصا زچ کیا، پرکھا، آزمایا۔ مگر تم قائم رہے۔" رئیس کے لہجے میں پہلی بار سختی کے بجائے کچھ اور تھا، شاید ایک خفیف سی قبولیت۔ وہ آہستہ آہستہ ولی کی اس گھر میں، اور اپنی زندگی میں موجودگی سے مانوس ہو رہا تھا۔ اتنا تو وہ جان گیا تھا کہ ولی قابل تھا، اور اس میں کچھ خاص تھا۔

"وہ دن جب تم یہ ثابت کر دو گے کہ تم واقعی اورنگزیب کہلانے کے لائق ہو۔۔" رئیس نے اپنی گہری آواز میں کہا، "اس دن میں تمہیں ہر سچ بتاؤں گا۔ فجر کا سچ بھی، منار کا سچ بھی۔ مگر تب تک، تمہیں ثابت کرنا ہو گا کہ تم واقعی افق اورنگزیب کے بیٹے ہو۔ وفا کرو گے، یا پھر اپنی ماں کی طرح بے وفائی کا راستہ چنو گے؟ چوائس تمہاری ہے۔"

یہ الفاظ تیر کی طرح ولی کے سینے میں لگے۔ اس کی ماں کو اس کا باپ بھی بے وفا کہتا تھا اور اس کی ماں کا خاندان بھی۔ مگر وہ جانتا تھا کہ ابھی کچھ کہنے کا، کوئی وضاحت دینے کا وقت نہیں تھا۔ اس نے اپنے جذبات کو قابو میں رکھتے ہوئے، سمجھے ہوئے انداز میں اثبات میں سر ہلایا۔

وہ پلٹ کر جانے لگا جب رئیس کی دوبارہ آواز سنائی دی۔ اس بار آواز میں ایک نئی، غیر متوقع گرمجوشی تھی۔

"تیار رہنا۔ آج تم میرے ساتھ چلو گے بہت کام دیکھ لیا فیکٹریوں میں۔ اب دیکھو تو سہی، ولی اورنگزیب ہونا کیسا ہے۔ تم یہ زندگی جی کر دیکھو۔"

وہ چونک کر مڑا۔ اس نے رئیس کو دیکھا جو اب دھیما سا مسکرا رہا تھا۔ ایک ایسی مسکراہٹ جو اس کے لیے کم ہی اس کے لبوں پر آتی تھی۔ ولی کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے حیرت، پھر تشکر اور ایک نئی امید کی چمک ابھری۔ یہ ایک دعوت تھی، ایک موقع، اور شاید، ایک نئی آزمائش کا آغاز۔ اس نے ایک بار پھر اثبات میں سر ہلایا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کے قدموں میں ایک نئی توانائی تھی، اور دل میں ایک نیا عزم۔ سفر ابھی باقی تھا، اور بہت طویل تھا۔

✿••✿••✿••✿

شہر کی بلند و بالا عمارتوں کے درمیان، ایک ایسی جگہ جہاں ستارے بھی زمین پر اترے ہوئے محسوس ہوتے تھے، آج رات کی تقریب اپنے جوبن پر تھی۔ شیشے اور اسٹیل سے بنی اس عمارت کا وسیع و عریض ہال روشنیوں میں نہایا ہوا تھا۔ فیشن، بزنس اور شوبز کی دنیا کے چمکتے دمکتے ستارے کہکشاں کی مانند اس محفل میں جمع تھے۔

جب ہال کے مرکزی دروازے پر رئیس اور ولی نمودار ہوئے تو ایک لمحے کے لیے جیسے وقت تھم سا گیا۔ دونوں جوان، پر اعتماد اور اپنی اپنی جگہ پر مکمل۔ رئیس اورنگزیب، سیاہ رنگ کے نفیس سوٹ میں ہمیشہ کی طرح پر وقار اور پر اسرار نظر آ رہا تھا۔ اس کی نگاہوں میں ایک ایسی چمک تھی جو بڑے بڑوں کو زیر کر دے۔ مگر آج اس کے ہمراہ کھڑا ولی، سفید اور گہرے سرمئی رنگ کے امتزاج والے سوٹ میں، کسی بھی طرح کم نہ تھا۔ اس کے چہرے پر موجود وہ گہرا نشان، اس کی خوبصورت نقوش والے چہرے کو ایک خطرناک اور بے باک کشش بخش رہا تھا۔ اس نشان نے اس کی شخصیت کو ایک ایسی گہرائی اور سختی عطا کی تھی جو دیکھنے والے کو ایک لمحے کے لیے ٹھٹھکنے پر مجبور کر دیتی۔

ہال کے دوسرے کونے میں، ایک مشروبات کے اسٹال کے قریب، عروزہ کھڑی تھی۔ اونچی، لمبی، بھوری رنگت اور مضبوط ایتھلیٹک جسم کی مالک اور ڈیجیٹل سیکیورٹی کی بے تاج ملکہ! اس نے سیاہ رنگ کا ایک خوبصورت، مگر عملی لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔ اس کی تیز نگاہیں رئیس پر پڑیں اور پھر اس کے ساتھ موجود ولی پر جا ٹھہریں۔ یہ ولی سے اس کی پہلی ملاقات نہیں تھی۔ اس سے پہلے اکا دکا بار اس سے ملاقات ہوئی تھی مگر آج رئیس کا اسے یوں اپنے ساتھ، اس اہمیت کے ساتھ متعارف کروانے کا انداز کچھ اور ہی کہانی سنا رہا تھا۔ عروزہ کو اپنے ارد گرد طاقت کے توازن میں ایک ہلکی سی لرزش محسوس ہوئی۔ رئیس اور ولی قدم بہ قدم ان کی طرف بڑھے۔

"ہیلو چراغ کے جن کیسی ہو؟" رئیس نے آتے ہی عروزہ کو چھیڑا۔

عروزہ نے پیشہ ورانہ انداز میں سر ہلایا، اس کی آنکھوں میں ولی کے لیے کوئی خاص تاثر نہیں تھا، مگر ایک تجزیاتی سی کیفیت ضرور تھی۔

"کیسے ہو براؤن اسکار؟" اس نے ولی پر چوٹ کی۔ اس کی کتھئی آنکھیں اور اس کے چہرے کے نشان کو ملا کر اس نے ولی کو نیا نام دیا تھا۔ ان سب کی عادت تھی۔ ایک دوسرے کی شخصیت کے مطابق انہیں مختلف نام دینا۔

"تمہارے اس نشان کی کافی شہرت ہے۔"

"میں ٹھیک ہوں مس روبوٹ!" وہ ڈیفالٹ پیس تھا۔ پیچھے رہنا اس نے سیکھا نہیں تھا۔ عروزہ اسے روبوٹ لگتی تھی۔

"کہو کیسے آنا ہوا؟" اگلا سوال ابھرا۔

"کیا بھانجے کا اپنے ماموں کے ساتھ کسی تقریب میں شریک ہونا اتنا غیر معمولی ہے؟ یا آپ کو میری موجودگی سے کوئی خاص مسئلہ درپیش ہے؟" وہ اس کے سلگنے کا دھواں محسوس کر سکتا تھا۔

عروزہ کی بھنویں اوپر اٹھیں۔

"مسئلہ؟ مسئلہ تو تب ہو گا جب تم ہمارے نظام میں کوئی گڑبڑ کرو گے سکار! ویسے کیا یہ صرف ایک نشان ہے، یا کسی طوفان کی اطلاع؟" اس نے ولی کے نشان کی طرف اشارہ کیا۔

"اطلاع ان کے لیے جو اسے سمجھنا جانتے ہوں۔ اور کچھ طوفان نظام کو برباد کرنے نہیں، اسے صاف کرنے آتے ہیں۔ آپ تو کوڈنگ کی ماہر ہیں جانتی ہیں کہ خرابیوں کو دور کرنا مشکل ضرور ہوتا ہے، مگر نظام کے لیے ضروری بھی ہے۔"

"دیکھتے ہیں یہ کس پر بھاری پڑتا ہے سکار! اورنگزیب نام کے ساتھ بہت سی توقعات وابستہ ہوتی ہیں۔ اور رئیس اورنگزیب کے ساتھ کھڑے ہونے کی ایک قیمت ہے۔ کیا تم اس قیمت کے لیے تیار ہو؟"

ولی کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک آئی، جیسے کسی پرانے زخم کو چھیڑ دیا گیا ہو۔

"قیمتیں تو میں ایک عرصے سے ادا کر رہا ہوں، مس روبوٹ! شاید آپ سے بھی زیادہ۔" اس کے لہجے میں تلخی اور عزم تھا۔

"اور توقعات پر پورا نہ اترنا میرا پرانا شوق ہے۔ آپ بس اپنے سیکیورٹی سسٹم اپڈیٹ رکھیں، سنا ہے نئے وائرس، سسٹم کے لیے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔"

عروزہ نے ولی کے چہرے پر نظریں جمائے رکھیں، جیسے اس کے اندر تک پڑھنے کی کوشش کر رہی ہو۔ پھر وہ آہستہ سے مسکرائی، ایسی مسکراہٹ جس میں چیلنج بھی تھا اور شاید، ایک نئی دلچسپی بھی۔

"دیکھتے ہیں، یہ نیا وائرس کتنا اثر دکھاتا ہے۔ فی الحال، تقریب سے لطف اٹھائیں۔ یہاں بہت سے نظام ہیں جنہیں آپ کی صلاحیتوں کا انتظار رہے گا۔"

ایک لمحے کے لیے دونوں کے درمیان ایک سرد، خاموش جنگ کا سا سماں پیدا ہو گیا۔ رئیس، جو انہیں چونچ لڑاتے دیکھ رہا تھا، اس کے چہرے پر ایک ہلکی سی، تقریباً ناقابلِ فہم مسکراہٹ تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اس نے شطرنج کی بساط پر ایک نیا، طاقتور مہرہ آگے بڑھا دیا تھا۔

وہ رشتوں اور خاندان کے معاملے میں کافی بدقسمت ٹھہرا تھا۔ عالیشان قلعے نما گھر میں ایک بیمار دادا اور ایک معذور بہن کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ ایسے میں ولی ایک مضبوط ستون کی مانند لگ رہا تھا جس کی موجودگی اسے احساس دلا رہی تھی کہ اس کا اپنا بھی کوئی ہے۔ حالانکہ اسے ضرورت نہیں تھی۔ ایک دنیا اس کی محتاج تھی مگر ولی سے اسے

انسیت تھی۔ بہن بھائیوں سے چاہے کتنی ہی نفرت کیوں نہ ہو ان کی اولاد ہمیشہ عزیز رہتی ہے۔ اسے افق اور جوزف سے نفرت تھی مگر وہ یہ نفرت ولی سے نہیں کر پا رہا تھا۔

جبکہ عروزہ نے اپنی نگاہیں ولی کے چہرے پر مرکوز رکھیں، جیسے اس کی روح تک کو پڑھنے کی کوشش کر رہی ہو۔ اس نے عروزہ کو ایک آخری، پر اعتماد نگاہ سے دیکھا اور پھر رئیس کے اشارے پر ہجوم میں دیگر مہمانوں کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے قدم مضبوط تھے، اور اس کے ارادے اس سے بھی زیادہ۔ آج رات، اس نے صرف ایک تقریب میں شرکت نہیں کی تھی، بلکہ ایک نئے میدانِ جنگ میں اپنا پہلا قدم رکھا تھا۔ اور اس نے واضح کر دیا تھا کہ وہ یہاں صرف ایک تماشائی بننے نہیں آیا۔

وہ ہال میں موجود دیگر مہمانوں سے ملتے ہوئے، رئیس کے ساتھ چل رہا تھا، حالانکہ اسے مسٹر جوزف کی تقریبات میں شرکت کرنا زہر لگتا تھا مگر وہ رئیس کے ساتھ یہاں موجود تھا۔ اس کی تیز نگاہیں ماحول کا جائزہ لے رہی تھیں، ہر چہرے، ہر حرکت کو اپنے اندر محفوظ کر رہی تھیں۔ یہ دنیا یہ تقریبات اور یہ چکاچوند اس کے لیے نئی نہیں تھیں۔ اس نے بچپن سے ہمیشہ کیمرہ کی فلیش لائٹس اور لوگوں کے ہجوم دیکھے تھے۔ ہاں مگر یہ معاشرہ الگ تھا۔ یہاں کے لوگ الگ تھے۔ یہاں کی روایات الگ تھیں یہاں کے کھیل بھی الگ تھے۔ وہ انہیں ہی سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ تبھی اس کی نظریں ہال کے دوسرے سرے پر اٹھیں۔ ایک مانوس سی آہٹ پر وہ چونکا، اور پھر اس نے اسے دیکھا۔

ہاں **فجر معراج**! وہ صفدر کے ہمراہ ابھی ابھی محفل میں داخل ہوئی تھی۔ سیاہ رنگ کی لمبی، کھلی اسکرٹ اس کی ہر حرکت پر خوبصورتی سے لہرا رہی تھی، جس کے ساتھ اس نے بھورے رنگ کا نفیس بلاؤز زیب تن کیا ہوا تھا۔ ہیل

شوز اس کے لباس کی سنجیدگی میں اضافہ کر رہے تھے۔ اس نے اپنے سلکی بالوں کو شانوں پر کھلا چھوڑ رکھا تھا، جو اس کے حسین چہرے کے گرد ایک دلکش ہالہ بنا رہے تھے۔ اسکارف گردن کے گرد لپٹا تھا۔

وہ بلاشبہ خوبصورت اور انتہائی پروقار لگ رہی تھی۔

ولی جہاں تھا، وہیں ٹھٹک گیا۔ جیسے کسی نے اس کے پیروں میں بیڑیاں ڈال دی ہوں۔ ایک لمحے کے لیے اسے لگا جیسے اس کے ارد گرد کی تمام آوازیں، تمام روشنیاں مدھم پڑ گئی ہوں۔ صرف وہ تھی، فجر! پچھلے ایک مہینے میں اس نے صرف چند بار، وہ بھی انتہائی دور سے، اس کی ایک آدھ جھلک دیکھی تھی۔ قید سے رہائی کے بعد کا پورا سال تو اس نے صرف سوشل میڈیا پر اسے دیکھا تھا۔ مگر آج، اتنے عرصے بعد، وہ اسے اتنے قریب سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی موجودگی اتنی حقیقی، اتنی پرکشش تھی کہ اس کا دل زور سے دھڑکنے لگا۔ ایک عجیب سی گھبراہٹ نے اسے آ لیا۔ وہ تیزی سے دوسری طرف مڑ گیا، اس خوف سے کہ کہیں فجر کی نظر اس پر نہ پڑ جائے، کہیں وہ اسے پہچان نہ لے۔

اسے ڈر تھا۔ ایک انجانا، گہرا ڈر۔

مگر فجر نے نہ اسے دیکھا، نہ ہی اس کی موجودگی کو محسوس کیا۔ وہ ایک لڑکی کے ساتھ مسکرا رہی تھی۔ وہ اس محفل میں رنگ نہیں پا رہی تھی۔ ولی نے کچھ فاصلے سے اسے دیکھا۔ اس کا دل کٹ کر رہ گیا۔ جس عورت کے لیے وہ ایک دنیا جیت کر، موت کے منہ سے نکل کر آیا تھا، آج اس سے ملنا، اس تک پہنچنا اتنا مشکل کیوں ہو رہا تھا؟ اور پھر اس کی نظر اپنے ہاتھ پر پڑی، بے اختیار اس کا ہاتھ اپنے چہرے کے اس نشان کی طرف بڑھا جو اب اس کی پہچان بن چکا تھا۔ اس چہرے کے ساتھ تو یہ اور بھی مشکل تھا۔

"دیکھتا ہوں اس چہرے کے ساتھ تمہیں کون قبول کرے گا؟" مسٹر جوزف کے الفاظ کسی کوڑے کی مانند لگے۔

کیا فجر اسے قبول کر پاتی؟ وہ، جو اس چکا چوند اور چمک دمک والی زندگی کی عادی تھی، جو کامیابی کی سیڑھیاں تیزی سے چڑھ رہی تھی، کیا وہ اس نشان زدہ چہرے والے ولی کو، اس ولی کو جس نے اذیتیں جھیلی تھیں، جس کی روح پر ان گنت زخم تھے، قبول کر پاتی؟ اس کا دل شکوک و شبہات کی آماجگاہ بن گیا۔ وہ روشنیوں اور قہقہوں سے بھری محفل میں خود کو تنہا محسوس کرنے لگا۔ رئیس کی دی ہوئی ہمت، عروزہ کے ساتھ کی گئی گفتگو، سب کچھ جیسے ایک لمحے میں بے معنی ہو کر رہ گیا تھا۔ اس کی تمام تر توجہ، تمام تر سوچیں، اب صرف فجر پر مرکوز تھیں۔ وہ اسے دیکھتا رہا، ایک ایسی حسرت بھری نگاہ سے جسے شاید لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہ تھا۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ آگے بڑھے، اس سے بات کرے، مگر اس کے قدم جیسے زمین نے جکڑ لیے تھے۔ خوف، گھبراہٹ، اور ایک گہری مایوسی نے اسے گھیر لیا تھا۔ سفر واقعی ابھی باقی تھا، اور شاید پہلے سے کہیں زیادہ کٹھن۔

✿••✿••✿••✿

وہ تقریب ولی کی زندگی کا ایک نیا نقطہ آغاز ثابت ہوئی تھی۔ اگلے چھ ماہ ایک مسلسل جدوجہد، خود کو منوانے اور ایک نئی، خطرناک دنیا میں اپنی جگہ بنانے کی داستان تھے۔ ولی نے خود کو مکمل طور پر رئیس کے کام میں جھونک دیا۔ اس کی صبحیں فیکٹریوں کے شور میں گزرتیں اور راتیں رئیس کی کاروباری پیچیدگیوں، خفیہ ملاقاتوں اور منصوبہ بندیوں کو سمجھنے میں۔ اس نے اپنی ذہانت، ایمانداری اور غیر معمولی قوت برداشت سے جلد ہی سب کو حیران کر دیا۔

رئیس گو خاندان میں اپنی فطری بدگمانی اور محتاط طبیعت کی وجہ سے مشہور تھا، پہلی بار اپنے خاندان کے کسی فرد پر اس قدر بھروسہ کر رہا تھا۔ ولی اس کا بھانجا تھا، مگر اس رشتے سے زیادہ، ولی کی قابلیت اور وفاداری تھی جس نے رئیس کو متاثر کیا۔ ولی نے گردیزی ٹیکسٹائل کے متعلق وہ معلومات اکٹھی کیں جو خود رئیس کے کارندے بھی نہ کر

پائے تھے۔ اس نے ہر چھوٹی بڑی تفصیل، ہر خفیہ معاہدے اور ہر کمزوری کو رئیس کے سامنے لا رکھا۔ منار فیشن کمپنی، جو فجر کی وجہ سے ولی کے لیے خاص اہمیت رکھتی تھی، اس کے بارے میں بھی ولی نے دن رات ایک کر کے معلومات کا انبار لگا دیا۔ اس نے کمپنی کے اندرونی ڈھانچے، مالیاتی امور، اور مارکیٹ میں اس کی پوزیشن کا ایسا جامع تجزیہ پیش کیا کہ رئیس اسے سراہے بنا نہیں رہ پایا۔

عروزہ، جو ابتدا میں ولی کو کسی حد تک شک اور ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتی تھی اور اس سے خار کھاتی تھی اب آہستہ آہستہ اس کی صلاحیتوں اور کردار سے متاثر ہوتی جا رہی تھی۔ وہ دیکھتی تھی کہ کس طرح ولی ہر مشکل کام کو خاموشی اور مستقل مزاجی سے انجام دیتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی سچائی اور ثابت قدمی تھی جو عروزہ جیسی حقیقت پسند عورت کو بھی متاثر کیے بغیر نہ رہ سکی۔

اس کی خاموش محنت اور غیر متزلزل وفاداری نے عروزہ کے دل میں اس کے لیے عزت پیدا کر دی تھی۔ ایک شام، جب ولی نے گردیزی ٹیکسٹائل کی ایک انتہائی پیچیدہ ڈیل کو اپنی ذہانت سے رئیس کے حق میں کیا، تو عروزہ نے پہلی بار اس کے پاس آ کر کہا۔

"تم واقعی اورنگزیب ہو۔ تمہارے اندر وہ بات ہے جو رئیس کو تم پر بھروسہ کرنے پر مجبور کرتی ہے۔" یہ الفاظ ولی کے لیے کسی بھی تعریف سے بڑھ کر تھے۔

مراد کے ساتھ بھی ولی کی اچھی ذہنی ہم آہنگی ہو گئی تھی۔ مراد ابتدا میں ولی کو ایک جذباتی نوجوان سمجھتا تھا، مگر ولی کی عملی قابلیت، لگن اور مشکل حالات میں بھی پرسکون رہنے کی عادت نے مراد کو بھی اس کا گرویدہ بنا دیا۔ وہ اکثر فیکٹریوں کے دوروں یا شہر سے باہر کے کاموں پر ایک ساتھ جاتے، اور ان سفروں نے ان کے درمیان ایک دوستانہ تعلق قائم کر دیا تھا۔

مگر ان تمام کامیابیوں اور نئی ذمہ داریوں کے باوجود، ولی کا دل ایک الگ ہی سمت میں دھڑکتا تھا۔ وہ ہر طرح سے رئیس کا وفادار تھا، ہر حکم کی تعمیل کرتا تھا، ہر راز کو اپنے سینے میں دفن رکھتا تھا، سوائے اس ایک گوشے کے جہاں فجر معراج کی اہمیت ہر گزرتے دن کے ساتھ گہری ہوتی جا رہی تھی۔ جتنا وہ منار فیشن کمپنی کے ذریعے فجر کے بارے میں جان رہا تھا، جتنا وہ اس کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں سے واقف ہو رہا تھا، اتنی ہی وہ اسے عزیز ہوتی جا رہی تھی۔ اس کی کامیابیوں پر اسے فخر ہوتا، اس کی پریشانیوں پر اسے تشویش ہوتی۔ یہ ایک عجیب سا احساس تھا، جسے وہ خود بھی پوری طرح سمجھ نہیں پا رہا تھا اور سمجھنے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔

فجر کو پرسنل اسسٹنٹ چاہیے تھی اور ولی اس کے لیے کئی بار اپلائی کر چکا تھا مگر بے سود! اسے ریجیکٹ کر دیا جاتا۔ اور پھر ایک دن جب وہ مراد کے ساتھ فیکٹری کے کام کے سلسلے میں شہر سے باہر گیا تھا اس رات فجر پر حملہ ہوا۔ صرف ایک رات کے لیے وہ اس سے دور ہوا تھا۔ وہ شہر سے باہر گیا تھا اور پیچھے اس پر حملہ ہو گیا۔

واپسی کا سفر اس پر قیامت بن کر گزرا۔ ہر لمحہ صدیوں کی طرح طویل لگ رہا تھا۔ اس کا دل کسی انجانے خوف سے بری طرح دھڑک رہا تھا۔

جب وہ شہر میں داخل ہوئے اور منار کی طرف گاڑی مڑی، تو وہاں پولیس کی گاڑیاں اور لوگوں کا ایک چھوٹا سا ہجوم تھا۔ وہ بھاگتا ہوا اس تک پہنچنا چاہتا تھا مگر مراد کی موجودگی کی وجہ سے خود پر ضبط کیے بیٹھا رہا۔ اس نے دیکھا، صفدر، فجر کو سہارا دیے، جو بظاہر اپنے حواسوں میں تھی مگر صدمے اور خوف سے اس کا چہرہ زرد پڑ رہا تھا، اپنی گاڑی کی طرف لے جا رہا تھا۔ لاشوں کو ایمبولینس میں رکھا جا رہا تھا۔

وہ گاڑی سے باہر تو نکلا مگر منار کی دہلیز پار نہ کر سکا۔ وہ اندر نہیں جا سکتا تھا۔ وہ فجر سے کیسے ملتا؟ کس حیثیت سے؟ اس کا دل چاہا کہ وہ چیخ کر سب کو بتا دے کہ وہ کون ہے، فجر اس کی بیوی ہے، مگر اس کے پیر جیسے زمین میں گڑ گئے تھے۔ وہ بے بسی سے انہیں جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

اس دن، اس لمحے، ولی کو شدت سے احساس ہوا کہ فجر اس کے لیے صرف ایک ذمہ داری نہیں رہی تھی۔ وہ اسے عزیز تو ہمیشہ سے تھی، مگر آج دل کے کسی پوشیدہ کونے میں، خاموشی سے پنپتے ہوئے وہ جذبات پوری شدت سے ابھر آئے تھے جنہیں دنیا **محبت** کا نام دیتی ہے۔ وہ اس کے اچھے برے، ہر روپ سے، اس کی طاقت اور کمزوریوں سے، اس کی خوبیوں اور خامیوں سے واقف ہو چکا تھا۔ ایک انسان کے بارے میں سب کچھ جاننے کے بعد، اس کی تمام تر برائیوں سمیت، اگر وہ آپ کو دل و جان سے قبول ہو، تو اسے محبت نہیں تو اور کیا کہتے ہیں؟

وہ ابھی تک ان جذبات کو پوری طرح سمجھ نہیں پا رہا تھا، یا شاید سمجھنا نہیں چاہتا تھا، لیکن ایک بات واضح تھی کہ اب فجر کی حفاظت اس کے لیے پہلے سے کہیں زیادہ اہم ہو گئی تھی۔ وہ اس کے لیے کچھ بھی کر گزرنے کو تیار تھا۔ اس حملے کے بعد، اس کی راتوں کی نیند اڑ گئی تھی۔ وہ پھر سے منار میں جاب کے لیے پہنچ گیا اسے یقین تھا کہ اس بار وہ منار میں اپنی جگہ بنا لے گا۔

مراد اور عروزہ، اس کی ان کوششوں سے واقف تھے اور شاید کہیں نہ کہیں اس کی ناکامی سے محظوظ بھی ہو رہے تھے۔ انہیں لگتا تھا کہ ولی محض ایک ضد میں یہ سب کر رہا ہے، یا شاید وہ اس کے ارادوں کو آزما رہے تھے۔ مگر ولی کو ان کی باتوں یا ان کے طنز و مزاح کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ اسے صرف فجر کی فکر تھی، وہ فجر، جس تک پہنچنے کے لیے اس نے اتنا لمبا اور کٹھن سفر طے کیا تھا۔ وہ ایک صحیح موقع کی تلاش میں تھا، جب وہ فجر کا اعتماد جیت کر اسے تمام سچ بتا سکے، اپنے نشان کی، اپنی قید کی کی داستان سنا سکے۔

مگر آج، آج وہ منار کے باہر کھڑا تھا۔ ٹوٹے پھوٹے وجود کے ساتھ، اس کے بتانے سے پہلے ہی فجر اس کی اصلیت جان گئی تھی۔

وہ اسے ایک بہروپیا، ایک دھوکے باز سمجھ رہی تھی۔

یہ تکلیف بہت گہری تھی، اتنی گہری کہ اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ پھٹ جائے۔ مگر اس کے پاس ایسا کوئی نہیں تھا جس سے وہ اپنے دل کا حال کہہ سکے، جسے وہ اپنی بے بسی اور اپنے درد کی داستان سنا سکے۔ وہ ایک بار پھر تنہا تھا، اپنی جنگ میں، اپنے رشتوں میں، اور اپنی شناخت کی تلاش میں۔

موسم کے پیش نظر بارش کی ایک تیز بوچھاڑ پڑی۔ گارڈز اسے بھیگتا ہوا دیکھ رہے تھے مگر انہوں نے اسے کچھ نہیں کہا۔ فجر ابھی تک اندر سے باہر نہیں نکلی تھی۔

اسے برا لگ رہا تھا کہ اس نے فجر کا بھروسہ توڑا تھا مگر جو بھروسہ رئیس نے اس پر کیا تھا اس کا کیا؟ وہ جس طرح پھنسا تھا شاید ہی کوئی پھنسا ہوا۔ رشتوں کے عفریت اسے چاروں جانب سے گھیر چکے تھے اور سمجھنے والا کوئی نہیں تھا۔
اس نے منار کی عمارت کو دیکھتے ہوئے اس پل یہی خواہش کی تھی کہ کاش! کاش وہ اسے سمجھ جائے۔ مگر تمام خواہشیں اتنی جلدی پوری نہیں ہوتی ہیں۔

✿••✿••✿••✿

ولی دروازے تک پہنچ کر ایک لمحے کو رکا، پلٹ کر اسے آخری بار دیکھا، اور پھر بھاری قدموں سے باہر نکل گیا۔

اس کے جانے کے بعد بھی کچھ لمحے اسٹوڈیو کی مقفل فضا میں ایک ناقابلِ بیان خاموشی طاری رہی۔ صرف فجر کی دبائی ہوئی سسکیوں کی ہلکی سی آواز، جواب بھی گیلے، سوگوار ماحول میں تحلیل ہو رہی تھی۔ دیواروں پر دھوئیں

کے نشان، فرش پر بکھرے ٹوٹے ہوئے مجسموں کے ٹکڑے، اور ہوا میں پھیلی دھوئیں کی ہلکی سی باس اس ڈرامے کی خاموش گواہ تھیں۔

پھر، جیسے کسی نے جادوئی چھڑی گھمائی، سب کچھ بدل گیا۔

وہ سسکیاں یکلخت تھم گئیں۔ فجر، جو چند لمحے قبل زینے پر ایک بے بس، شکست خوردہ وجود کی مانند سکڑی بیٹھی تھی، دھیرے سے سیدھی ہوئی۔ اس نے اپنے گھٹنوں پر سے ٹھوڑی اٹھائی، ٹانگیں نچلے زینے پر ٹکائیں، اور اپنی کمر کو ایک کمان کی طرح سیدھا کیا۔ اس کی گردن میں ایک مغرور تناؤ ابھرا۔ چہرے پر ابھرنے والے تاثرات ناقابلِ فہم تھے۔ نہ دکھ، نہ خوف، نہ بے بسی۔ ایک عجیب سی سرد مہری تھی، جو کسی طوفان کے بعد کے سناٹے کی یاد دلاتی تھی۔

اس نے اپنے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی آہستگی سے بلند کی اور اپنی پلکوں کی باڑ پر اٹکے ہوئے آخری آنسو کے موتی کو احتیاط سے چن لیا۔ وہ قطرہ اس کی انگلی کی پور پر ایک ننھے سے ہیرے کی مانند چمک رہا تھا۔ کئی پل وہ اسے تکتی رہی، جیسے وہ کوئی نایاب جوہر ہو، اپنے ہی تخلیق کردہ فن کا شاہکار۔ اس نے وہ آنسوں فضا میں جھٹک دیا۔ پھر، اس کے لبوں پر ایک بے ساختہ، کھنکھناتی ہنسی نمودار ہوئی۔ یہ ہنسی کسی معصوم لڑکی کی نہ تھی، بلکہ اس میں ملکہ ملعون جیسی فاتحانہ کھنک تھی، ایک ایسی ملکہ جس نے اپنے دشمن کو اپنے ہی جال میں الجھا کر، اپنی شرائط پر شکست فاش دی ہو۔

"مان گئے فجر معراج!" اس نے خود سے سرگوشی کی، لہجے میں خود اعتمادی اور تحسین کا رنگ واضح تھا۔ "تم واقعی ایک اچھی اداکارہ ہو۔"

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا دراز قد زینے پر ایک بلند مینار کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے چہرے پر اب ایک معنی خیز مسکراہٹ رقصاں تھی۔ اس نے ایک گہری، مطمئن سانس لی، جیسے کسی بڑی مہم کو سر کرنے کے بعد فاتح سکون کا سانس لیتا ہے۔ پھر اس نے اپنا ہی کندھا تھپتھپاتے ہوئے خود کو داد دی۔

وہ اب اعتماد سے زینے اتر رہی تھی۔ ہر قدم میں ایک نئی توانائی، ایک نئی طاقت تھی۔ جلے ہوئے کپڑے، دھوئیں سے لتھڑی دیواریں، اور فرش پر بکھرے اس کے اپنے ہاتھوں سے بنائے کاسٹیومز کے ٹکڑے، جو ابھی کچھ دیر پہلے اس کی بے بسی کا نوحہ پڑھتے محسوس ہو رہے تھے، اب اسے حیرت اور شاید سے تک رہے تھے۔ وہ جانتی تھی، ولی اس وقت کس اذیت ناک گلٹ میں مبتلا ہو گا۔ یہ احساسِ جرم، یہ پچھتاوا، یہی تو اس کی سزا تھی۔

ہاں، وہ فجر معراج تھی، جو دوسروں کو احساسِ جرم کی سولی پر چڑھا کر اذیت دینے کا فن سیکھ چکی تھی۔ وہ ایسی ملکہ تھی، جو اپنے انتقام کی آگ خود بھڑکا کر اور پھر اس کی تپش سے دوسروں کو جھلسا کر مار سکتی تھی۔

شاید وہ یہ سب کبھی نہ کرتی، اگر پچھلی رات اس نے وہ سب نہ دیکھا ہوتا جس نے اس کی دنیا الٹ پلٹ کر رکھ دی تھی۔ وقت تیزی سے پیچھے بھاگا۔

یہ سارہ کے نکاح سے اگلی رات کی بات تھی۔ شہر کے سب سے مہنگے اور خصوصی ریستوران کی مخملیں فضا میں ایک خاص قسم کا سکوت چھایا ہوا تھا۔ یہ جگہ مشہور شخصیات اور پوش طبقے کے لیے مخصوص تھی، جہاں پرائیویسی کو اولین ترجیح دی جاتی تھی۔ مدھم روشنی، نفیس فرنیچر، اور ہوا میں تیرتی ہلکی سی کلاسیکی موسیقی ایک پر تعیش ماحول بنا رہی تھی۔

اسی ریستوران کے ایک کونے میں، شیشے کی بڑی کھڑکی کے قریب رکھی گول میز کے گرد فجر اور فلک بیٹھی تھیں۔ فلک نے ہی اسے یہاں مدعو کیا تھا۔ وہ اس وقت ایک سادہ ریشمی فراک میں ملبوس تھی، جس کا رنگ گہرا نیلا تھا اور

اس پر ہاتھ کی نازک کڑھائی تھی۔ اس کے گھنے، گھنگھریالے بال صفائی سے ایک چٹیا میں گندھے ہوئے تھے جو اس کی کمر تک آرہے تھے۔ اس کے برعکس، فجر ایک سادہ مگر خوبصورت کاٹن کے سوٹ میں تھی، ہلکے آسمانی رنگ کا، جس پر سفید دھاگے کی نازک بیلیں بنی تھیں۔ اس کے بال ایک سادہ سے جوڑے میں قید تھے، گردن میں ایک ہلکا سا اسکارف لپٹا ہوا تھا، اور آنکھوں پر چشمہ جما تھا۔

میز پر کافی کے دو مگ دھرے تھے، لیپ ٹاپ اور کچھ کاغذات بکھرے ہوئے تھے، جن پر ان کے آئندہ پروجیکٹ کے نوٹس درج تھے۔ وہ دونوں ایک ایسے تخلیقی منصوبے پر کام کر رہی تھیں جسے فجر اپنے ذاتی پروجیکٹ کے طور پر پایہ تکمیل تک پہنچانا چاہتی تھی۔

"دیکھو فلک!" فجر نے اپنے چشمے کے شیشوں کے پیچھے سے کاغذات پر نظریں جمائے ہوئے کہا، اس کی آواز میں ایک گہری سنجیدگی تھی۔ "میں چاہتی ہوں کہ ہمارے کردار صرف کہانیاں نہ کہیں، بلکہ وہ خود ایک کہانی بن جائیں۔ ان کا لباس، ان کا انداز، ہر چیز ان کے اندر کی جنگ اور ان کے سپنوں کی عکاس ہو۔"

فلک نے کافی کا ایک سپ لیا۔ "ہاں میں تمہاری بات سمجھ رہی ہوں۔ میرے ذہن میں جو مرکزی کردار ہے، ماہ پارہ، وہ ایک چھوٹے سے گاؤں کی لڑکی ہے جس کے خواب آسمان کو چھونے کے ہیں۔ لیکن معاشرتی بندھن اسے جکڑے ہوئے ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ اس کا ابتدائی لباس اس کی مجبوریوں کو ظاہر کرے۔ شاید دبے ہوئے رنگ، روایتی انداز۔ لیکن جیسے جیسے وہ اپنی پہچان کے لیے لڑے گی، اس کے لباس میں بھی وہ خود اعتمادی اور آزادی جھلکے گی۔"

فجر کی آنکھوں میں چمک ابھری۔ "ہم اس کے لیے ایسے رنگ منتخب کر سکتے ہیں جو پہلے تو زمینی ہوں، مٹی سے جڑے ہوئے، لیکن پھر آہستہ آہستہ ان میں آسمان کے رنگ شامل ہوتے جائیں۔ نیلا، سنہرا، حتیٰ کہ وہ رنگ جو

قوسِ قزح میں بھی کم کم نظر آتے ہیں۔ اس کا پہناوا اس کی روح کا آئینہ دار ہو گا۔ جب وہ اپنے خوابوں کی پہلی سیڑھی چڑھے، تو اس کے دوپٹے کا لہراؤ ہوا میں پرواز کرتا محسوس ہو۔"

"اور دوسرا کردار سحر ہے۔" فلک نے لیپ ٹاپ کی ایک اور فائل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہ شہر کی پڑھی لکھی، خود مختار لڑکی ہے، لیکن اندر سے اپنی شناخت کے بحران کا شکار ہے۔ باہر سے مضبوط، لیکن اندر سے ٹوٹی ہوئی۔ اس کے لیے کیا سوچا ہے؟"

فجر نے ایک لمحے کو سوچا، اس کی انگلیاں میز پر ایک انجانا ساز بجا رہی تھیں۔

"سحر کے لیے، ہم جدید اور روایتی کا امتزاج دکھا سکتے ہیں۔ شاید تیز کٹ والے، مغربی طرز کے لباس، لیکن ان میں کہیں نہ کہیں مشرقی ثقافت کی ایک جھلک، ایک ادھورا پن۔ رنگوں میں تضاد ہو سکتا ہے۔ گہرے اور ہلکے رنگوں کا کھیل، جو اس کے اندرونی انتشار کی علامت ہو۔ اس کا لباس ایسا ہو جسے دیکھ کر لگے کہ وہ دنیا کو تو فتح کر سکتی ہے، لیکن خود سے ابھی جنگ جاری ہے۔"

"کمال ہے۔" فلک نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔ "تمہارے پاس صرف رنگ اور کپڑے نہیں، بلکہ کرداروں کی نفسیات کو سمجھنے کی بھی صلاحیت ہے۔ ہم مل کر واقعی کچھ ایسا تخلیق کر سکتی ہیں جو لڑکیوں کے دلوں کو چھو جائے، انہیں یہ احساس دلائے کہ ان کے خواب قیمتی ہیں، اور ان کی پہچان کسی کی محتاج نہیں۔"

فلک اب اسے بے تکلفی سے تم بلا رہی تھی۔ فجر کی ایسی شخصیت ایسی تھی کہ وہ اسے خود سے بڑی عمر کی سمجھ رہی تھی مگر در حقیقت وہ اس کی ہم عمر بلکہ کچھ چھوٹی ہی تھی۔

فجر نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔ ”یہی تو مقصد ہے فلک! ایسی کہانیاں، ایسے کردار، جو انہیں بتائیں کہ سمت کا تعین صرف وہ خود کر سکتی ہیں، کوئی اور نہیں۔ ان کے پیروں میں بیڑیاں نہیں، پرواز کے لیے پر ہونے چاہئیں۔“

ان کی گفتگو میں ایک عزم تھا، ایک مشترکہ خواب کو حقیقت کا روپ دینے کا جذبہ۔ ریستوران کی پرسکون فضا ان کے پرجوش خیالات سے مہک رہی تھی، جہاں دو لڑکیاں، ایک لفظوں سے اور دوسری رنگوں اور دھاگوں سے، آنے والی نسل کی لڑکیوں کے لیے راہ متعین کرنے کا خواب بُن رہی تھیں۔

فلک نے ایک گہرا سانس لیا، اس کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے تفکر کی پرچھائیں گہری ہو گئیں۔

”لیکن“ اس نے آہستگی سے کہا، ”ان گنت لڑکیاں ایسی بھی تو ہیں جن کے پر پیدا ہونے سے پہلے ہی کاٹ دیے جاتے ہیں۔ وہ جو اپنی شناخت بنانے کی خواہش تو دل میں پالتی ہیں، مگر رشتوں کے عفریت، خاندان کی نام نہاد عزت کے بھاری بھرکم بوجھ تلے ان کی ہر امنگ، ہر خواب کچل دیا جاتا ہے۔ ان کی مجبوری ان پر اس طرح مسلط ہوتی ہے جیسے کوئی نہ اترنے والا عذاب!“

اس نے کافی کا مگ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا، ٹھنڈی کافی اندر کی جلن کو ختم کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

”میں ایک ایسے کردار پر بھی سوچ رہی ہوں، ماہ تاب، خوبصورت، ذہین، خواب دیکھنے والی آنکھوں کے ساتھ، لیکن ایک ایسے خاندان میں پیدا ہوئی جہاں بیٹی کا وجود صرف ایک ذمہ داری ہے، جسے جلد از جلد کسی محفوظ رشتے میں باندھ کر اتار دینا ہے۔ اس کے خواب، جو کبھی تتلیوں کی طرح رنگین تھے، اب بھیانک سپنے بن چکے ہیں، جو راتوں کو اسے سونے نہیں دیتے۔ وہ گھٹن، وہ بے بسی، وہ اذیت، اسے کیسے دکھائیں گے؟“

فجر خاموشی سے فلک کی باتیں سنتی رہی۔ اس کے چہرے پر گہری سوچ کے آثار نمایاں تھے۔ وہ تصور میں ماہ تاب جیسی ان گنت لڑکیوں کو دیکھ رہی تھی، جن کی آنکھوں کی چمک چھین لی گئی تھی، جن کی ہنسی خاموش کرا دی گئی تھی۔

"یہ ایک بہت بڑا چیلنج ہے۔ ایسے کرداروں کے لیے لباس ڈیزائن کرنا صرف کپڑوں کا انتخاب نہیں، بلکہ ان کی روح پر لگے زخموں کو، ان کی خاموش چیخوں کو، اور ان کے ادھورے، بھیانک خوابوں کو بصری شکل دینے جیسا ہے۔"

اس نے میز پر پڑے ایک خالی کاغذ پر پنسل سے کچھ لکیریں کھینچنا شروع کیں۔

"ماہ تاب یا اس جیسی کوئی بھی لڑکی، اس کے لباس میں سب سے پہلے تو ایک بوجھل پن ہو گا۔ ایسے کپڑے جو اس پر لدے ہوئے محسوس ہوں، جو اس کی حرکت کو مقید کریں۔ بھاری، دبیز فیبرک، جیسے موٹا کاٹن یا کھردرا ریشم، جو اس کی جلد پر بھی چبھتا ہو، اس کی اندرونی اذیت کی علامت بن سکے۔"

"رنگ۔۔۔" وہ خود کلامی کے انداز میں بولی۔ "رنگ ایسے ہونے چاہئیں جیسے کسی نے خوشیوں کے سارے رنگ نچوڑ لیے ہوں۔ پھیکے، بجھے ہوئے، اداس رنگ، شاید میلا سفید، دھواں دھواں سا سرمئی، یا پھر گہرے، اداس نیلے اور بنفشی شیڈز، جیسے زخموں کے نشان۔ ان رنگوں میں کہیں کوئی اچانک، چبھتا ہوا رنگ بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔ جیسے خون کا سرخ یا زہر کا سبز۔ جو اس کے ڈراؤنے خوابوں کی طرف اشارہ کرے۔"

فلک غور سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ "اور اس کی مجبوری، وہ جکڑن جو اسے اپنے اردگرد محسوس ہوتی ہے؟"

"اس کے لیے ہم لباس کی ساخت اور کٹنگ کا استعمال کر سکتے ہیں۔" فجر نے تیزی سے کہا، اس کی پنسل کاغذ پر متحرک تھی۔

"ایسے ملبوسات جن میں گلا گھونٹ دینے والی اونچی کالریں ہوں، یا آستینیں جو ہاتھوں کو قید کر لیں، یا پھر لباس پر ایسی کڑھائی یا ڈیزائن جو جال یا زنجیروں کا تاثر دیں۔ شاید اس کے دوپٹے کا کنارہ اتنا بھاری ہو کہ وہ اسے اوڑھنے کے بجائے گھسیٹتی ہوئی محسوس ہو۔ ہر چیز میں ایک پابندی، ایک گھٹن کا احساس نمایاں ہو۔"

فلک ایک لمحے کو رکی، پھر آہستہ سے بولی، "اور ان کے وہ خواب جو نائٹ میئر بن چکے ہیں۔ ان کا کیا؟"

"اس کے لیے شاید ہم لباس کے اندرونی حصے میں کچھ کر سکتے ہیں، باہر سے لباس سادہ اور پابندیوں کا عکاس ہو، لیکن اس کی استر (lining) پر شاید کوئی ادھورا، مسخ شدہ خوابیدہ منظر پرنٹ کیا جا سکتا ہے۔ کوئی ٹوٹا ہوا پرندہ، مری ہوئی تتلی، بکھرے ہوئے رنگ، یا الجھے ہوئے دھاگے جو کبھی ایک خوبصورت تصویر بننے والے تھے۔ یہ ایک ایسا راز ہو گا جو صرف وہ جانتی ہے، یا شاید کبھی کبھار غیر ارادی طور پر جھلک جائے، اس کی داخلی ٹوٹ پھوٹ کا اشارہ دیتے ہوئے۔"

اس نے پنسل نیچے رکھی اور فلک کی طرف دیکھا۔ "یہاں تک کہ لباس کی سلوٹ بھی ایسی ہو سکتی ہے جو اس کے جھکے ہوئے کندھوں، اس کی دبی ہوئی شخصیت کی عکاسی کرے۔ لباس ڈھیلا ڈھالا، بے ترتیب ہو سکتا ہے، جیسے اس نے اپنی ذات پر توجہ دینا چھوڑ دی ہو، یا پھر اتنا چست کہ اس کی ہر سانس میں تکلیف کا احساس ہو۔ مقصد یہ ہے کہ جب کوئی اس کردار کو دیکھے، تو لباس خود اس کی المناک کہانی بیان کر دے، بغیر ایک لفظ کہے۔"

فلک کی آنکھوں میں تحسین کی چمک تھی۔

"فجر، تم صرف لباس نہیں بناتیں، تم احساسات کو کپڑوں میں ڈھالتی ہو۔ یہ واقعی۔۔۔ یہ واقعی بہت گہرا ہے۔ ان لڑکیوں کی اذیت کو اس طرح پیش کرنا کہ دیکھنے والے بھی اسے محسوس کریں، یہ ہمارے پروجیکٹ کو ایک نئی جہت دے گا۔"

فجر نے ایک تلخ مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔ "کاش یہ صرف کہانیاں ہوتیں، کاش یہ اذیتیں صرف ہمارے کرداروں تک محدود ہوتیں۔ لیکن یہ حقیقتیں ہیں، ہمارے اردگرد بکھری ہوئیں، اور اگر ہمارا کام ان خاموش چیخوں کو تھوڑی سی بھی آواز دے سکے، تو شاید یہ کوشش رائیگاں نہ جائے۔"

ریستوران کی پرسکون فضا میں ان کی گفتگو ایک ایسے سنگین موڑ پر پہنچ چکی تھی جہاں تخلیق کا عمل سماجی حقیقتوں سے جڑ کر ایک مقصد کی شکل اختیار کر رہا تھا۔

فلک ابھی فجر کی بات پر سر دھن رہی تھی، اس کی نگاہیں میز پر بکھرے کاغذات پر تھیں جن پر ان کے مشترکہ خوابوں کے نقوش تھے۔ اچانک، اس نے سر اٹھایا اور بے دھیانی میں شیشے کی وسیع دیوار سے باہر جھانکا جو ریستوران کے داخلی راستے اور پارکنگ کی جانب کھلتی تھی۔ ایک لمحے کے لیے اس کی آنکھیں پھیلیں، پھر جیسے پتھرا گئیں۔ کافی کا مگ اس کے ہاتھ سے تقریباً چھوٹتے چھوٹتے بچا۔ اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا، جیسے اس نے کوئی آسیب دیکھ لیا ہو۔

باہر، ریستوران کے پورچ میں، دو چمکتی ہوئی سیاہ مرسیڈیز بینز گاڑیاں آ کر رکی تھیں۔ ان کی پالش شدہ سطح برقی قمقموں میں آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ پہلی گاڑی کا دروازہ ایک چست ڈرائیور نے کھولا اور رئیس اور نگزیب باہر نکلا۔ وہی وجیہہ، پراعتماد اور کسی حد تک مغرور شخصیت، گہرے نیلے رنگ کا سوٹ پہنے، جس کی کٹنگ اس کی مضبوط

جسامت پر خوب جچ رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی پچھلی نشست سے عروزہ بر آمد ہوئی۔ عروزہ ہمیشہ کی طرح اپنے سادہ سوٹ میں تھی۔

انہیں وہاں دیکھ کر فلک کی پوری دنیا جیسے ایک لمحے کے لیے رک گئی تھی۔ اس کا سانس جیسے سینے میں اٹک گیا ہو۔ فجر، جو فلک کے چہرے پر آئے اس اچانک تغیر سے چونکی تھی، بولتے بولتے چپ ہو گئی۔ فجر نے بے چینی سے اس کی نظروں کے تعاقب میں باہر دیکھا۔

اور پھر اسے لگا جیسے پورا ریستوران اپنے تمام تر تکلفات اور آرائشوں سمیت اس کے سر پر آ گرا ہو۔

چمچماتے رئیس اورنگزیب کے ساتھ، دوسری گاڑی سے اترنے والا کوئی اور نہیں، ولی تھا۔ ہاں، وہ وہی تھا۔ وہی قد، وہی چہرہ، لیکن آج کچھ مختلف تھا۔ وہ سیاہ شرٹ اور گرے پینٹ میں ملبوس تھا، رئیس کے پہلو بہ پہلو کھڑا تھا، اور اس کی چال ڈھال، اس کا انداز، اس کا رعب و دبدبہ یکسر بدلا ہوا تھا۔ یہ وہ ولی ہرگز نہیں لگ رہا تھا جو اس کے دفتر میں سر جھکائے، **جی میڈم، جی میڈم** کرتا پھرتا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک نئی سختی، ایک نئی خود اعتمادی تھی جو فجر نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس کے ساتھ مراد تھا۔

فجر کو اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ۔۔۔ وہ رئیس کے ساتھ کیا کر رہا تھا؟ اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا، جیسے کسی نے جسم سے سارا لہو نچوڑ لیا ہو۔ وہ چاروں اب ریستوران کے شیشے کے دروازے سے اندر داخل ہو رہے تھے۔

فجر کی نظر فلک پر پڑی، جس کے چہرے پر گہری وحشت اور ملال کے سائے لرزاں تھے۔

"تم۔۔تم انہیں جانتی ہو؟" فجر نے بے ساختہ، تقریباً سرگوشی میں پوچھا، اس کی اپنی آواز بھی اجنبی لگ رہی تھی۔

"رئیس اورنگزیب کو کون نہیں جانتا۔" فلک کی آواز اتنی دھیمی اور شکستہ تھی، جیسے کسی گہری کھائی سے آرہی ہو۔

"اور اس کے ساتھ جو ہیں۔۔۔ان کو جانتی ہو؟" فجر کا اگلا سوال ابھرا، دل میں ایک انجانا خوف سر اٹھا رہا تھا۔

فلک نے بے دلی سے سر ہلایا، "اس کے ساتھی ہوں گے۔۔۔" پھر جیسے اسے کچھ یاد آیا ہو، وہ چونک کر فجر کی جانب متوجہ ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں ایک واضح سوالیہ نشان تھا۔

فجر نے اس کی آنکھوں کا سوال پڑھ لیا۔ ایک تلخ گھونٹ اس کے حلق میں اٹکا۔

"رئیس گروپ ہمارا ونڈر ہے۔" اس نے دھیرے سے بتایا۔

یہ سن کر فلک کے ہونٹ ہولے سے سکڑ گئے۔ لیکن پھر، جیسے اس کے ذہن میں کوئی بتی جلی ہو، وہ تقریباً اچھل پڑی۔

"اس کے ساتھ وہ۔۔وہ لڑکا!" اس نے ولی کی طرف اشارہ کیا جو اب رئیس کے ساتھ ریستوران کے عملے سے کچھ کہہ رہا تھا۔

"میں نے اسے دیکھا ہے۔ کہیں۔۔شاید، شاید منار میں ہی۔" وہ بہت پرجوش تھی، مگر آواز دھیمی رکھی، جیسے کوئی بڑا راز فاش کر رہی ہو۔

فجر نے ایک گہرا، لرزتا ہوا سانس لیا۔ "وہ میرا پی اے ہے۔"

اس انکشاف پر فلک ساکت رہ گئی۔ اس کا کھلا منہ بند ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

"تمہارا پی اے؟ وہ رئیس اور نگزیب کے ساتھ کیا کر رہا ہے؟" اس کی آواز میں حیرت اور تجسس کا امتزاج تھا۔ یہ موضوع اب ان دونوں کے لیے ذاتی دلچسپی کا باعث بن چکا تھا۔

فجر نے اپنی نظریں اس گروہ پر جما دیں جو اب ریستوران کے ایک زیادہ پرائیویٹ حصے کی جانب بڑھ رہا تھا۔

"یہی تو پتہ لگانا ہو گا۔" اس نے کن انکھیوں سے فلک کو دیکھا۔

فلک اس کی بات، اس کے لہجے میں چھپا ارادہ سمجھ چکی تھی۔ اس کے چہرے پر بھی اب ایک نئی سنجیدگی اور کچھ کر گزرنے کا عزم تھا۔ اگلے چند منٹوں میں، وہ دونوں، جیسے کسی خفیہ مشن پر مامور تھیں، ریستوران کے اس حصے کی جانب بڑھ رہی تھیں جدھر وہ چاروں گئے تھے۔ فلک نے اپنی بڑی سی سن گلاسز آنکھوں پر جمالی تھیں اور اپنے دوپٹے کو اچھے سے سر پر لپیٹ لیا تھا، چہرے کا بیشتر حصہ چھپاتا ہوا۔ فجر نے بھی اپنے اسکارف کو ٹھوڑی سے اوپر کرتے ہوئے اپنے کانوں اور ہونٹوں کو بڑی حد تک ڈھانپ لیا تھا۔ چشمہ تو اس کی آنکھوں پر پہلے ہی موجود تھا۔ اس وقت وہ دونوں کسی ماہر جاسوس کی طرح "**اورنگزیب مشن**" پر روانہ ہو چکی تھیں۔

ریستوران کے مختلف حصوں سے، بکے اور آرائشی ستونوں کی اوٹ لیتیں، وہ بالآخر انہیں ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گئیں۔ وہ ریستوران کے ایک نیم پرائیویٹ، قدرے الگ تھلگ حصے میں ایک لمبی چوڑی میز کے گرد بیٹھے تھے۔ رئیس، ولی، عروزہ اور مراد کے علاوہ تین مزید آدمی بھی وہاں موجود تھے، جو حلیے سے کاروباری اور سرکاری اہلکار لگ رہے تھے۔

فجر اور فلک نے پھولوں کے ایک بڑے، گھنے بکے کے قریب پناہ لی، ایک ایسی جگہ جہاں سے وہ انہیں دیکھ سکتی تھیں، مگر خود نظروں سے اوجھل رہیں۔ ان تین نئے آدمیوں میں سے ایک کو فجر پہچانتی تھی۔ وہ کسٹمز کا ایک اعلیٰ افسر تھا۔

وہ کیا باتیں کر رہے تھے، یہ تو اس فاصلے سے سننا ناممکن تھا، مگر ان کے چہروں کے تاثرات، ہاتھوں کی حرکات اور بیٹھنے کا انداز بتا رہا تھا کہ کوئی نہایت اہم اور سنجیدہ گفتگو جاری تھی۔ ولی رئیس کے دائیں جانب یوں بیٹھا تھا، اور اس خود اعتمادی سے گفتگو میں حصہ لے رہا تھا، جیسے وہ اس کا دست راست ہو، جیسے چھوٹا بھائی۔ اس کے چہرے پر وہ جھجک کہیں نظر نہیں آ رہی تھی جو فجر کے دفتر میں اس کی پہچان تھی۔

اس وقت وہ دونوں بھول چکی تھیں کہ ان میں سے ایک **بیسٹ سیلنگ مصنفہ** تھی تو دوسری **بیسٹ کاسٹیوم ڈیزائنر!** اس وقت **"اورنگزیبز"** کو stalk کرنا زیادہ ضروری کام تھا۔

فجر کی بھنویں غصے اور حیرت سے سکڑی ہوئی تھیں۔ ولی کو اس وقت، اس جگہ، رئیس اور نگزیب کے ساتھ اس اپنائیت سے دیکھ کر جو شدید منفی احساسات اس کے اندر اٹھ رہے تھے، وہ انہیں فلک کے سامنے ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مگر کچھ تھا جو اس کے اندر چھن سے ٹوٹ گیا تھا۔ ایک اعتبار، ایک سادہ سا گمان، یا شاید کچھ اور۔۔۔

وہ کچھ پل وہاں مبہوت کھڑی رہیں، پھر خاموشی سے پلٹ گئیں۔

ریستوران کی پر رونق راہداریوں سے گزرتے ہوئے فلک کا دل جہاں رئیس کو دیکھ کر ایک گہرے، پرانے دکھ کی گرفت میں تھا، وہیں فجر اندر ہی اندر سلگ رہی تھی۔ اس کا دل کر رہا تھا کہ وہ پورے ریستوران کو آگ لگا دے، اور ولی، رئیس سمیت، اسی آگ میں جل کر راکھ ہو جائے۔ اس کے وجود میں ایک ایسی تباہ کن آگ بھڑک اٹھی

تھی، جو نہ جانے آگے کیا کیا جلانے والی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اب وہ خواب نہیں تھے جو وہ فلک کے ساتھ بُن رہی تھی، بلکہ ایک خطرناک، انتقامی شعلہ رقصاں تھا۔

"یہ تم نے اچھا نہیں کیا ولی اورنگزیب!"

✿••✿••✿••✿

اسٹوڈیو کی فضا میں ابھی تک دھویں کی ہلکی سی باس اور جلی ہوئی اشیاء کی بورچی ہوئی تھی۔ فجر، اب مکمل طور پر اپنے اصل روپ میں، اس جلی ہوئی سلطنت میں کسی فاتح ملکہ کی طرح ٹہل رہی تھی۔ اس کے قدموں میں وہی اعتماد، وہی بے نیازی تھی جو کچھ دیر پہلے ولی کے سامنے ڈھونگ رچاتے ہوئے کہیں گم ہو گئی تھی۔ وہ اپنی تباہ شدہ تخلیقات، ادھ جلے کپڑوں، پگھلے ہوئے مجسموں اور سیاہ پڑی دیواروں کا جائزہ لے رہی تھی، جیسے کوئی سپہ سالار جنگ کے بعد میدانِ کارزار کا معائنہ کرتا ہے۔ نقصان کا اندازہ لگانا اس کا مقصد نہیں تھا، بلکہ یہ اس کی فتح کا اعلان تھا۔

اس کے اندر جلتی انتقام کی آگ ابھی تک پوری طرح بجھی نہیں تھی، مگر اس نے ولی کو احساسِ جرم اور پچھتاوے کی ایک ایسی دہکتی آگ میں جھونک دیا تھا، جہاں وہ شاید ہمیشہ، قطرہ قطرہ سلگتا رہتا۔ یہی اس کی پہلی فتح تھی۔

"انہیں لگتا ہے مجھے بے وقوف بنانا بہت آسان ہے۔" اس نے اپنے آپ سے، ایک طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ اس کی آواز میں اب کوئی لرزش، کوئی خوف نہیں تھا، بلکہ ایک سرد، فولادی کاٹ تھی۔

"ولی اورنگزیب، تم نے خود اپنی اصلیت اگل دی۔"

وہ ایک ادھ جلے، عورت کے مجسمے کے پاس رکی، جس کا چہرہ کرب سے مسخ شدہ لگ رہا تھا۔

"عورت کے آنسو، واقعی ایک طاقتور ہتھیار ہیں۔" اس نے مجسمے کے گال پر انگلی پھیرتے ہوئے کہا۔ خاص طور پر تب، جب مرد کو اس کی پرواہ ہو۔ اور فجر معراج جیسی ڈائن نے ان چند آنسوؤں کا صحیح وقت پر، صحیح شخص کے سامنے کیا خوب استعمال کیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک شیطانی چمک ابھری اور معدوم ہو گئی۔

اسٹوڈیو کے آدھے جلے، بے جان مجسمے، جو کچھ دیر پہلے اس کی آہ و بکا پر شاید ترس کھا رہے تھے، جو اس کے سسکنے پر خود بھی سسکتے محسوس ہو رہے تھے، اب جیسے حیرت سے منہ کھولے اسے تک رہے تھے۔ ان کے بے جان چہروں پر، اگر تاثرات آسکتے، تو یقیناً ایک شدید ناگواری، ایک دھوکہ کھا جانے کا احساس ہوتا۔ مگر وہ فجر معراج تھی! وہ ڈائن جو محبت اور جذبات کے نام پر ایک بار پہلے ہی کاری ضرب کھا چکی تھی۔ تو کیا وہ یونہی، کسی کے لیے، اپنے قیمتی آنسو بہا دیتی؟

"ہرگز نہیں!" وہ جیسے ان مجسموں کے ان کہے سوال کا جواب دے رہی تھی۔

"محبت، جذبات، اعتبار، ان فضولیات سے اب میرا کوئی تعلق نہیں۔ یہ سب کمزوروں کے چونچلے ہیں، اور فجر معراج کمزور نہیں رہی۔"

اس نے بے پروائی سے اپنے بالوں کو، جو ڈھیلی پونی سے نکل کر پسینے سے بھیگے چہرے پر چپک گئے تھے، سمیٹا اور انہیں مضبوطی سے ایک اونچی پونی میں باندھ لیا۔ ہر حرکت میں ایک نیا عزم، ایک نئی توانائی تھی۔ پھر اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرے کو رگڑ کر صاف کیا، جیسے آخری آنسو کا آخری نشان بھی مٹا دینا چاہتی ہو، جیسے اپنے چہرے پر ایک نیا، زیادہ سخت نقاب چڑھا رہی ہو۔

پونی اونچی کرتے ہوئے اس نے ایک گہری سانس لی اور پھر چاروں جانب، اسٹوڈیو کے ہر کونے، ہر جلی ہوئی چیز پر ایک گہری، جائزہ لیتی نظر دوڑائی۔ اس کی آنکھیں سکینر کی طرح ہر تفصیل نوٹ کر رہی تھیں۔ یہ کسی نقصان کا افسوس نہیں تھا، بلکہ ایک نئی جنگ کے لیے میدان کا جائزہ تھا۔

"یہ تو صرف شروعات ہے، اور نگزیبز۔" اس نے دھیمے مگر خطرناک لہجے میں کہا۔ "تم دونوں نے مل کر جال بُنا تھا نا میرے لیے؟ اب دیکھنا، اسی جال میں تم کیسے پھنستے ہو۔"

اس کی آواز اسٹوڈیو کی جلی ہوئی دیواروں سے ٹکرا کر گونجی، اور اس گونج میں ایک ایسا عزم، ایک ایسی بے رحمی تھی جو کسی بھی طوفان کا پیش خیمہ ہو سکتی تھی۔ وہ اب کسی نئی چال، کسی نئے منصوبے کے لیے خود کو تیار کر رہی تھی۔

✿••✿••✿••✿

کچھ دیر بعد وہ منار سے باہر نکلی تھی۔ گارڈ نے آگے بڑھ کر اس کی گاڑی کا دروازہ کھولا۔ بارش کی بوچھاڑ سے ہر چیز بھیگی ہوئی تھی۔ رات کے اس پہر بارش کے قطرے، برقی قمقموں پر جگمگ کر رہے تھے۔ وہ گاڑی میں بیٹھ گئی۔ گردن اونچی تھی۔ نظر ناک کی سیدھ میں۔

"ولی صاحب کب گئے ہیں؟" اس نے شیشہ نیچے کرتے گارڈ سے پوچھا۔ نیا کیئر ٹیکر بھی وہیں بیٹھا تھا۔

"پچھلے ایک گھنٹے سے وہ سڑک پر بارش میں بھیگتے رہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے گئے ہیں۔" اس نے سن کر سر کو خم دیا۔

"اندر جو بھی نقصان ہوا ہے صبح اس کی مرمت ہو جانی چاہیے۔" اس نے کیئر ٹیکر کو حکم دیا۔

"جی میڈم ہو جائے گا۔" وہ دونوں اس کی گاڑی کے قریب کھڑے تھے۔ فجر نے گہری سانس لی۔

"اور جب تک میں اجازت نہ دوں ولی صاحب اندر نہیں آئیں گے۔" اس نے رخ موڑ کر ان دونوں کو دیکھا جن کے چہرے پر بیک وقت الجھن ابھری۔

"ٹھیک ہے؟" اس نے تائید چاہی۔

"جی میڈم ٹھیک ہے۔" وہ دونوں حکم بجالائے تو فجر انہیں وہیں الجھا ہوا چھوڑ کر، گاڑی لے کر منار سے باہر نکل گئی۔

اس کی گاڑی گیلی سڑک پر رواں دواں تھی، ٹائروں سے پانی کے چھینٹے اڑ رہے تھے۔ آسمان ابھی تک سرمئی تھا، لیکن بارش تھم چکی تھی۔ اس کی نظریں سڑک پر جمی تھیں، چہرے پر وہی سرد پن تھا جو گیٹ پر گارڈ سے بات کرتے وقت تھا۔ ولی کے بارش میں بھیگتے ہوئے پیدل جانے کا خیال اسے کسی عجیب سی تسکین دے رہا تھا۔

اس نے ایک گہری سانس لی اور کار کی کھڑکی تھوڑی اور نیچے کر لی۔ ٹھنڈی، بھیگی ہوا اس کے چہرے سے ٹکرائی۔

اس کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔

اور نگزیبز کو ایک ایسا سبق دینا ضروری تھا جو انہیں ان کی حدود یاد دلائے اور یہ بھی بتائے کہ فجر کے فیصلوں کے آگے کسی کی نہیں چلتی۔

لیکن اس سب میں جو ایک جملہ اسے بار بار تنگ کر رہا تھا وہ ولی کا تھا۔

"کیونکہ مجھے وہاں ہونا تھا جہاں ارسل تھا۔ تمہارے دل میں۔ مجھے وہاں ہونا تھا فجر!"

اس نے اس جملے کی تاثیر سے بچنے کے لیے گاڑی کی اسپیڈ بڑھا دی۔ اندر تک لگی آگ ابھی تک بجھی نہیں تھی۔

✿••✿••✿••✿

لفٹ کا دروازہ ٹن کی آواز سے کھلا اور ولی اندر داخل ہوا۔ گرے پینٹ کے ساتھ سفید ڈریس شرٹ پہنے ہوئے تھا، اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا اور چہرہ بالکل سپاٹ جبکہ اس کی گہری آنکھیں شعلے اگل رہی تھیں۔ آفس میں اس وقت مراد اور عروزہ موجود تھے جو ایک میز پر بکھرے چند نقشوں کو دیکھ رہے تھے۔

"ارے چھوٹے تم یہاں خیریت تو ہے؟" مراد نے اسے دیکھتے ہی پوچھا اور ولی تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس کے قریب سے گزرتے ہوئے ہاتھ میں پکڑا کاغذ اس کے منہ پر چپکا گیا۔ اس کا رخ رئیس کی کرسی کی طرف تھا جس پر وہ گرنے والے انداز میں بیٹھ گیا۔ مراد نے منہ سے وہ کاغذ اتارا اور جیسے ہی اس پر نظریں دوڑائیں، اس کا ابھرنے والا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ وہ ٹرمینیشن لیٹر تھا۔ صبح صبح وہ منار گیا تھا مگر گارڈز نے اسے اندر نہیں جانے دیا اور اس کے ہاتھ میں ٹرمینیشن لیٹر تھما دیا۔

"مکڑی نے تمہیں ٹرمینیٹ کر دیا؟"

مراد سے ہنسی ضبط نہیں ہو رہی تھی، وہ کبھی ولی کا منہ دیکھتا پھر اس کاغذ کو اور پھر اس کا ابھرنے والا قہقہہ بے ساختہ ہوتا جبکہ عروزہ الجھی نظروں سے ولی کو دیکھ رہی تھی۔ اس سے پہلے کوئی کچھ کہتا، واشروم کا دروازہ کھلا اور رئیس باہر نکلا۔ اسکے چہرے پر پانی کے ہلکے قطرے تھے۔ اس نے ولی کو اپنی کرسی پر بیٹھے دیکھا۔

"خیریت بے بی بر و تم منار نہیں گئے؟"

ہاں، ولی کو اس کی کرسی پر بیٹھنے کی اجازت تھی، صرف وہ بیٹھ سکتا تھا۔

"تمہارے اس لمبے چوڑے بھانجے عرف بے بی برو کو اس زہریلی مکڑی نے ٹرمینیٹ کر دیا ہے۔ لو دیکھ لو۔"

مراد نے ٹرمینیشن لیٹر رئیس کو پکڑایا جو اس نے ایک نظر دیکھا اور پھر میز پر رکھ دیا۔

"جیسے تم اس دن اس کی طرفداری کر رہے تھے مجھے لگا تھا وہ جہنم میں بھی تمہیں اپنا گارڈ رکھے گی۔" رئیس نے جلتی پر تیل کا کام کیا جبکہ ولی کھڑے لب بھینچے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ اس کی خشمگیں نگاہیں انہیں گھور رہی تھیں۔

"آپ کو کیوں لگا وہ جہنم میں جائے گی؟" اس نے قدرے الجھن سے پوچھا۔

"حرکتیں ہی ایسی ہیں۔" رئیس نے جواب دیا۔ ولی کی نظریں اسی پر جمی تھیں۔ بال ہلکے گیلے تھے۔ وہ ورک آؤٹ کے بعد فریش ہو کر نکلا تھا۔ اس کی بات سن کر ایک جانب رکھے اس آدھے ادھورے تاج نے منہ بسورا۔ کیا وہ منحوس اپنی حرکتیں بھول گیا تھا؟

"وجہ کیا ہے؟" اس بار اس نے پلٹتے ہوئے پوچھا۔ آخر وہ ٹرمینیٹ کیوں ہوا تھا؟

مراد نے ہنستے ہوئے، میز پر رکھا پانی کا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگایا۔

"کیونکہ اسے پتا چل چکا ہے کہ میں، رئیس اور نگزیب کا بھانجا ہوں۔"

ولی کے الفاظ پر پانی پیتے مراد کو اچھو لگا اور پانی کا فوارہ اس کے منہ سے پھوٹ پڑا۔

"بیڑہ غرق!" رئیس نے گہری سانس لیتے میز پر بکھرے ان چند نقشوں اور پرنٹس کو دیکھا۔

"تم سب نے کیسے سوچ لیا تھا کہ اس لڑکی کو بیوقوف بنایا جا سکتا ہے؟" عروزہ کی آواز ابھری۔

مراد کھانسنے لگا، پانی کی پھوار نے اس کے سامنے رکھے نقشوں کو بھی تر کر دیا تھا۔ رئیس نے اپنی پیشانی پر ہاتھ رکھا اور عروزہ کی طرف دیکھا جو اب بھی ولی کو گھور رہی تھی، جیسے اس کی باتوں پر یقین کرنا مشکل ہو رہا ہو۔ کچھ تھا جو وہ چھپا رہا تھا۔ وہ جیسے منار میں فٹ ہو گیا تھا وہ جیسے فجر کے لیے کام کرتا تھا کچھ تھا جو عروزہ کو کھٹکتا تھا۔

"تو تمہارا مطلب ہے فجر، جس نے تمہیں جہنم میں بھی گارڈ رکھنے کا سوچا ہو گا، اسے پتا چل گیا کہ تم میرے بھانجے ہو؟" رئیس نے آہستہ سے پوچھا، اس کی آواز میں حیرت اور ہنسی کا ایک عجیب امتزاج تھا۔ دونوں ہاتھ کمر پر رکھے تھے۔ وہ سر جھائے ہنسی ضبط کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بھانجے کا چہرہ دیکھ کر اسے ہنسی ہی آ رہی تھی۔

ولی نے اپنی آنکھیں تنگ کیں، اس کا چہرہ سپاٹ تھا، مگر اندر ہی اندر ایک طوفان مچا ہوا تھا۔

"میں نے تو پہلے ہی کہا تھا یہ آسان کام نہیں ہے۔" اس نے بس اتنا ہی کہا جبکہ نظریں رئیس پر جمی تھیں۔ وہ اس کے احساسات جانچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ بتانے آیا تھا کہ فجر کو پتا چل چکا ہے انکا آپسی رشتہ کیا ہے مگر اس نے آدھا سچ بتایا تھا۔ پورا سچ وہ فجر کے علاوہ کبھی کسی کو نہیں بتا سکتا تھا۔

"مجھے تو پہلے ہی پتا تھا کہ وہ اتنی آسانی سے نہیں پھنسے گی۔ اس کی آنکھوں میں ایک چمک ہے جو عام بیوقوف لڑکیوں میں نہیں ہوتی۔" عروزہ پھر سے کہا۔

وہ ان کی باتیں سن رہا تھا جبکہ دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔ منار تو اسے ہر صورت واپس جانا تھا۔ اب تو فجر کو ساری سچائی سے آگاہ کرنا تھا۔

"ہمارے ذاتی مسائل اپنی جگہ لیکن وہ تمہیں ڈائریکٹ ٹرمینیٹ نہیں کر سکتی۔" رئیس اس بار اس کی جانب متوجہ تھا۔

"درست فرمایا، Big b مجھے پہلے وارننگ مل چکی ہے نان پروفیشنل حرکتوں کی وجہ سے۔" ولی نے کس قدر بیچارگی سے کہا تو مراد نے رخ موڑ کر اپنی ہنسی ضبط کی۔ ولی، رئیس کو بگ بی کہتا تھا۔ اسے ماموں کہنا عجیب لگتا تھا جبکہ نام لیا نہیں جاتا تھا اسکا دبدبہ ہی ایسا تھا۔

"مجھے یقین نہیں ہوتا یہ تمہارے لیے سب سے مشکل کام تھا۔ پہلے تم تین بار ریجیکٹ ہوئے اور اب ٹرمینیٹ ہو کر آگئے ہو۔" عروزہ نے استہزائیہ کہا۔ جبکہ رئیس ابھی تک الجھا ہوا تھا۔ ہنسی اس کے چہرے سے غائب ہو چکی تھی۔ ولی کا منار میں ہونا بہت ضروری تھا۔ اسے واپس کیسے بھیجا جائے؟

"تمہارا کانٹریکٹ لیٹر کہاں ہے؟" اس بار اس نے سنجیدگی سے پوچھا تو ولی نے اپنے فون سے کانٹریکٹ سافٹ فارم میں ڈھونڈا اور اسے کھول کر رئیس کو تھمایا۔ وہ اب غور سے اس کے کانٹریکٹ کو پڑھ رہا تھا۔

"اس میں صاف لکھا ہے کہ یہ کانٹریکٹ ایک سال کا ہے اس سے پہلے وہ لوگ تمہیں ٹرمینیٹ نہیں کر سکتے۔" رئیس نے نظریں اٹھا کر ولی کو دیکھا۔ کیا وہ جانتا نہیں تھا۔

"پتا ہے۔" اس نے کہا۔

"سوائے اس کے اگر تم پر کوئی قانونی کاروائی ہو تو تمہیں ڈائیریکٹ ٹرمینیٹ کیا جا سکتا تھا ورنہ ایک مہینہ کا نوٹس کمپنی تمہیں دے گی۔" اس نے ولی کا موبائل میز پر رکھ دیا۔

"واپس جاؤ! تمہارا وہاں ہونا بہت ضروری ہے۔" اس بار وہ سنجیدہ تھا۔ ولی نے گہری سانس لی۔ ہاں واپس تو اسے بھی جانا تھا۔ وہ رئیس کی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ عروزہ کی نگاہیں ابھی بھی اس پر جمی تھیں۔

"کیا اسکین کر رہی ہو روبوٹ؟" ولی کے اچانک سوال نے اسے ٹھٹھکنے پر مجبور کیا۔

"جاننے کی کوشش کر رہی ہوں آخر تمہارے ذہن میں کیا چل رہا ہے؟"

"رہنے دو، نہیں جان پاؤ گی۔" وہ اس کے قریب رکتے ہوئے ہولے سے مسکرایا اور پھر گزر گیا۔ لفٹ کے قریب رک کر اس نے مڑ کر تینوں کو دیکھا جو اپنی اپنی جگہ کھڑے اسے ہی دیکھ رہے تھے جیسے وہ جہنم کا ٹکٹ کٹوا چکا ہو۔

"میرے لیے دعا کرنا ساتھیو!" اس نے کس قدر بیچارگی سے کہا۔

"خدا تمہارے درجات بلند کرے۔" مراد نے ہاتھ اٹھا کر دعا دی۔

عروزہ کی جانچتی نگاہیں اسے دیکھتی رہیں جبکہ رئیس کا اعتماد اس سے جڑا تھا۔ وہ ان تینوں کو وہیں چھوڑ کر لفٹ میں داخل ہو گیا۔ اسے منار واپس جانا تھا۔

✿••✿••✿••✿

اس نے لیپ ٹاپ کی اسکرین پر نظریں جمائے رکھیں، جہاں ایڈنبرا کی روشن صبح نیل اور نساء کے چہروں کو منور کر رہی تھی۔

"لعنت ہو تم پر ولیم جوزف!" نیل کی آواز اسپیکر سے پھٹی، اتنی بلند کہ ولی کو لگا کمرے میں کوئی تیسرا شخص موجود ہے۔

"تمہارے لیے، صرف تمہارے لیے ہم نے وہ پاکستانی لباس پہن کر، ایک ایک روایتی پوز بنوا کر فوٹو شوٹ کروایا، اور تم کیا منہ لے کر آئے ہو؟ ٹرمینیٹ ہو کر؟ سیریسلی؟"

نیل کے چہرے کے زاویے غصے اور مایوسی سے بگڑ چکے تھے۔اس کے سنہرے بال ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے، اور سیاہ آنکھوں میں شکایتوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

"تین بار ریجیکٹ ہوئے، چلو وہ برداشت کیا، لیکن سیدھا ٹرمینیٹ؟ تمہیں اندازہ بھی ہے تم نے Joseph's کی ناک کٹوائی دی ہے؟" اس کی دھواں دار تقریر جاری تھی۔

جبکہ ولی خاموشی سے اس کی جھاڑ سنتا رہا، اس کا چہرہ سپاٹ تھا، مگر اندر ایک طوفان برپا تھا۔نساء، جو اب تک ہلکے سے مسکرا رہی تھی اب اس کی مسکراہٹ بھی غائب ہو چکی تھی۔اس کی آنکھوں میں ولی کے لیے تشویش کی لہریں ابھرنے لگیں۔نساء نے ہی اسے میسج کر کے حال احوال پوچھا تھا جس پر ولی نے بتایا کہ وہ ٹرمینیٹ ہو چکا ہے اور پھر کیا، پانچ منٹ کے اندر اندر ایڈنبرا سے فون آ چکا تھا۔

"میں سب ٹھیک کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" اس کی آواز میں تھکاوٹ اور بے بسی نمایاں تھی۔"مگر یہ اتنا آسان نہیں جتنا تم سمجھ رہے ہو۔اس کا بھروسہ ٹوٹا ہے، بری طرح ٹوٹا ہے۔وہ اب مجھ پر، میرے کسی لفظ پر یقین نہیں کرے گی۔"

وہ واقعی پریشان تھا۔اس پریشانی میں اس کے چہرے پر موجود نشان مزید گہرا اور نمایاں لگ رہا تھا، جیسے اس کے اندر کی ٹوٹ پھوٹ کا عکس ہو۔نساء اسے ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہی۔اس کی آنکھوں میں الجھن تھی، بھائی کے لیے گہری ہمدردی اور شاید کچھ سمجھنے کی کوشش۔اس کے چہرے کی وہ ہلکی سی مسکراہٹ تو کب کی تحلیل ہو چکی تھی۔ پھر اس کی آواز کمرے کی خاموشی میں گونجی۔

"ولیم۔۔۔" اس نے بالکل ویسے ہی پکارا تھا جیسے وہ ہمیشہ پکارتی تھی۔ اس آواز میں ایک مان تھا، ایک اپنائیت تھی جو ولی کے اندر تک اتر گئی۔ اس نے سر اٹھا کر نساء کو دیکھا، جو اسکرین کے دوسری طرف سے اسے زندگی کا ایک اہم سبق سکھانے والی تھی۔

"یہ بات سمجھنے کی کوشش کرو کہ وہ تمہاری بیوی ہے۔ تم لوگوں کی شادی جن بھی حالات میں ہوئی ہو، چاہے وہ تمہیں سخت ناپسند کرتی ہو، دل سے قبول نہ کر پائی ہو، مگر ایک بیوی ہونے کے ناطے، لاشعوری طور پر ہی سہی، اس کے دل کے کسی نہ کسی کونے میں تم سے کچھ امیدیں، کچھ توقعات ضرور وابستہ ہیں۔ یہ فطری ہے۔"

نساء اپنی عمر سے کہیں زیادہ سمجھدار ہو چکی تھی۔ اپنی زندگی میں ہوئے اس حادثے کے بعد، جس نے اس سے اس کی بے فکری چھین لی تھی، وہ بہت بڑی، بہت پختہ ہو گئی تھی۔ اسے جیکب کبھی پسند نہیں تھا، مگر جب شادی ہوئی تو ایک عام لڑکی کی طرح، جیکب سے کچھ توقعات باندھ لی تھیں، جن کا جیکب نے، بڑے بے رحمانہ طریقے سے خون کیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ امیدوں کا ٹوٹنا، بھروسے کا بکھرنا کیسا ہوتا ہے۔

"تم چاہتے ہو وہ تم پر بھروسہ کرے؟" نساء نے ایک لمحے توقف کیا۔ "تو اس کے ساتھ وہ رہو جو تم اصل میں ہو۔ باقی دنیا کے سامنے چاہے تم ایک سخت دل، سخت جان، ناقابلِ شکست انسان بنے پھرو، مگر حقیقت تو یہی ہے نا کہ تم اندر سے ایک نہایت صاف دل اور ہنس مکھ انسان ہو؟ وہ ولیم کہاں گیا جس نے اپنی بے ساختہ باتوں اور احمقانہ حرکتوں سے ہمیشہ ہمیں ہنسایا تھا؟ تمہارا دل تو شیشے کی طرح صاف ہے، ولیم! اس میں کوئی میل نہیں، کوئی کدورت نہیں ہے۔"

اس نے گہری سانس لی۔

"تمہیں فجر کے سامنے کوئی **'سگما میل'** بننے کی، کوئی مصنوعی خول چڑھانے کی ضرورت نہیں ہے۔اس کے سامنے بالکل ویسے رہو جیسے تم ہو۔ شیشے کی طرح صاف، شفاف۔ جب وہ اپنا اصلی، خوبصورت عکس تمہارے اندر دیکھ لے گی نا، تو وہ خود بخود تم پر بھروسہ کرنے لگے گی۔"

ولی اس کی باتیں انتہائی غور سے سنتا رہا۔ یہ باتیں کہیں نہ کہیں اس کے اپنے ذہن کے نہاں خانوں میں بھی موجود تھیں، مگر وہ اب تک فجر کے ساتھ اس لیے مکمل طور پر بے تکلف نہیں ہو پایا تھا کیونکہ وہ اس کی باس تھی۔ مگر اب حالات بدل چکے تھے۔ اب وہ جان گئی تھی کہ ان کا اصل رشتہ کیا تھا، ایک ایسا رشتہ جو باس اور ملازم کے رسمی تعلق سے کہیں زیادہ گہرا اور پیچیدہ تھا۔

"جب تم اس سے پہلی بار ملے تھے تب تم کیسے تھے؟ یاد کرو ذرا۔"

اور ولی کی آنکھوں کے سامنے چند منظر کسی فلم کی طرح تیزی سے گھوم گئے۔

"تمہیں پتا ہے تمہارا نام اگر فجر نہ ہوتا تو کیا ہوتا؟"

فجر نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"بریتھ ٹیکنگ!"

اسے اپنے وہ منہ پھٹ، بے دھڑک کمنٹس یاد آئے تو چہرے کی وہ مصنوعی سختی، جو اس نے خود پر طاری کر رکھی تھی، آہستہ آہستہ کم پڑنے لگی۔ ایک نہایت ہلکی سی، تقریباً ناقابلِ دید مسکراہٹ اس کے لبوں پر ابھری۔ وہ واقعی ایسا تھا۔ بے تکلف، منہ پھٹ، مگر صاف گو۔

نساء کی آواز نے اسے پھر چونکایا۔

"تمہیں اسے وہ ماحول دینا ہے، جہاں اس کی وہ مضبوط، 'masculine' انرجی، جو اس نے زمانے سے لڑنے کے لیے خود پر طاری کر رکھی ہے، تمہارے سامنے خود بخود دم توڑ دے۔ اور اس کی اصل، 'feminine' انرجی ابھر کر سامنے آئے۔ وہ تم سے لڑے، بحث کرے، روٹھے، گلے شکوے کرے، جو دل میں ہے فوراً کہہ دے، بنا کسی جھجک کے۔ اور یاد رکھنا، ایسی لڑکیاں جن کی پہچان، جن کی شخصیت زخموں سے بنی ہو، جنہیں حالات نے وقت سے پہلے بڑا کر دیا ہو، ان کی وہ چھپی ہوئی 'feminine' انرجی اتنی جلدی، اتنی آسانی سے باہر نہیں نکلتی۔ اس کے لیے صبر چاہیے، محبت چاہیے، اور سب سے بڑھ کر، خلوص چاہیے۔"

وہ واقعی اس کی بہن تھی، اور ایک عورت ہونے کے ناطے، ایک دوسری عورت کی نفسیات کو، اس کی پیچیدگیوں کو سمجھنے میں اپنے بھائی کی مدد کر رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ بھروسہ ٹوٹنا کیسا ہوتا ہے۔ دھوکا ملنا، مسترد کیا جانا کیسا محسوس ہوتا ہے۔ وہ خود ایک صاف دل، حساس لڑکی تھی، جس نے زندگی کی تلخیوں کو قریب سے دیکھا تھا۔

"یاد رکھنا، ولیم! عورت تب تک کسی مرد پر مکمل بھروسہ نہیں کرتی جب تک اسے اس مرد کی ذات میں، اس کے کردار میں، اسے اپنا ہی کوئی نہ کوئی مثبت عکس نظر آنا شروع نہ ہو جائے۔ تمہیں اس کے لیے ایک شفاف آئینے جیسا بننا ہو گا۔ وہ تمہاری بیوی ہے۔ تمہاری شریکِ حیات، تمہاری رازدار۔ ہر ایک رشتے سے زیادہ وہ تمہیں، تمہاری توجہ، تمہاری محبت کو ڈیزرو کرتی ہے۔ اسے یہ یقین دلاؤ کہ تم اس کے لیے، صرف اس کے لیے، ایک پوری جنگ لڑ کر، ایک دنیا فتح کر کے آئے ہو۔ اسے بولنے دو، اس کی باتوں کو، اس کی خاموشی کو بھی سنو۔ ٹھیک ہے؟"

ایک لمحے کو ولی کو لگا ہی نہیں کہ وہ اس سے چھوٹی تھی۔ اس کی باتیں، اس کا انداز، اس کی سمجھداری، وہ اسے مبہوت سا دیکھتا رہا۔ نساء کو واقعی وقت نے بہت جلد، بہت بڑا کر دیا تھا۔

"سن لیا؟ یا اب بھی کانوں میں روئی ٹھونسی ہوئی ہے؟" نیل کی آواز، جواب تک پس منظر میں دب گئی تھی، قدرے نرم مگر اب بھی ہلکی سی خفگی لیے ہوئے ابھری۔ "اب وہ اگر تمہیں دو چار گالیاں بھی دے تو چپ چاپ سن لینا۔ تمہاری ہی غلطی ہے۔"

ولی کے لبوں پر اب ایک حقیقی، گہری مسکراہٹ تھی۔

"ہاں، سن لیا۔ اور سمجھ بھی گیا۔" وہ دونوں کو خدا حافظ کہتا، ان کی نیک تمنائیں وصول کر تا فون بند کر گیا۔

اس کے ارد گرد ایک دم خاموشی چھا گئی۔ اس نے ایک لمبی، گہری سانس لی، جیسے سینے پر رکھا کوئی بھاری بوجھ اتر گیا ہو۔ اپنا آپ، اپنی روح، سب کچھ ہلکا پھلکا محسوس ہو رہا تھا۔ نساء کے الفاظ اس کے اندر تک سرایت کر گئے تھے۔

"چلو ولیم جوزف عرف ولی اورنگزیب! ایک اچھا، نہیں، ایک بہترین شوہر بننے کا وقت آج، ابھی سے شروع ہوتا ہے۔"

اس نے مسکرا کر گاڑی اسٹارٹ کی۔ اس کے ارادوں میں ایک نئی مضبوطی تھی، اور آنکھوں میں ایک نئی چمک۔ فجر کو جیتنے کی جنگ کا اگلا، اور شاید سب سے مشکل مرحلہ اب شروع ہونے والا تھا۔

✿••✿••✿••✿

وہ اپنی بڑی شیشم کی میز پر جھکی، ہیزل آنکھوں پر عینک ٹکائے، پوری توجہ سے اسکیچ بک میں ایک پر اسرار لباس کے خاکے میں رنگ بھر رہی تھی۔ لباس کا ڈیزائن ایک پیچیدہ تھا۔ نازک کام جو اس کی اپنی شخصیت کی طرح تہہ دار تھا۔ کمرے میں ہلکی سی جاز موسیقی گونج رہی تھی، اور کھڑکی سے چھن کر آتی دوپہر کی نرم دھوپ اس کے بالوں کو مزید چمکا رہی تھی۔

یکایک میز پر رکھا فون اپنی مخصوص گھنٹی کے ساتھ بج اٹھا۔ فجر نے جھنجھلا کر برش نیچے رکھا، اس کی یکسوئی میں خلل پڑا تھا۔ اس نے آہستگی سے ریسیور اٹھایا۔

"جی؟" اس کی آواز میں پیشہ ورانہ مگر ہلکی سی بے زاری تھی۔

"میڈم، ریسپشن سے بات کر رہی ہوں۔ ولی آئے ہیں، وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔" ریسپشنسٹ کی آواز میں ہمیشہ کی طرح شائستگی تھی۔

فجر کی خوبصورت بھنویں، جو ابھی تک ڈیزائن کی باریکیوں میں الجھی تھیں، یہ سن کر بری طرح سکڑ گئیں۔

"ولی نہیں، ولی سر بولیں۔" اس نے دھیمے مگر سخت لہجے میں تصحیح کی۔ اس کا دل بے ترتیب دھڑک رہا تھا۔ اب وہ یہاں کیا کرنے آیا تھا؟ کیا ٹرمینیشن لیٹر کافی نہیں تھا؟

"سوری میڈم!" دوسری جانب سے گھبرائی ہوئی آواز ابھری۔ فجر نے آنکھیں بند کر کے ایک گہری سانس لی، خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کی۔

"کیا کہہ رہے ہیں وہ؟" اس نے پوچھا، لہجے میں برف جیسی ٹھنڈک برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی۔

"وہ کہہ رہے ہیں کہ آپ سے ملنا بہت ضروری ہے، ورنہ وہ یہیں ریسپشن پر بیٹھے رہیں گے، چاہے سارا دن لگ جائے۔"

فجر کی ناک غصے سے پھولی۔ یہ ڈھٹائی! اس نے ایک اور گہری سانس لی۔ عوامی تماشا وہ ہرگز نہیں چاہتی تھی۔

"ٹھیک ہے، انہیں اندر بھیج دو۔" اس نے ریسیور کسی قدر سختی سے کریڈل پر رکھا اور پھر سے خود کو آنے والے طوفان کے لیے تیار کیا۔ اس نے فوراً اپنی عینک اتار کر ڈیسک پر رکھی اور بالوں کو ٹھیک کیا۔ وہ کمزور نظر نہیں آنا چاہتی تھی۔

کچھ ہی لمحوں بعد، دروازہ آہستگی سے کھلا۔ فجر نے جان بوجھ کر چہرہ نہیں اٹھایا، وہ اسی طرح اسکیچ بک پر جھکی رہی، جیسے دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو۔ مگر اس کے کان پوری طرح مستعد تھے۔ اس نے اس کے قدموں کی مانوس آہٹ سنی۔ قدموں کی آواز قریب آ کر اس کی میز کے سامنے رک گئی۔ پھر ایک کاغذ کے سرکنے کی آواز آئی، اور اس نے اپنی میز پر رکھا وہ ٹرمینیشن لیٹر دیکھا، جس پر اس کے دستخط تھے۔

"آپ مجھے ٹرمینیٹ نہیں کر سکتیں۔" ولی کی آواز پرسکون، مگر غیر متزلزل تھی۔ "میرا کانٹریکٹ آپ کی کمپنی کے ساتھ پورے ایک سال کا ہے۔" اس نے ایک کرسی کھینچی اور بغیر کسی اجازت کے، انتہائی سکون اور اطمینان سے اس پر بیٹھ گیا، جیسے وہ اپنے ہی گھر کے کسی کمرے میں بیٹھا ہو۔

اس بار فجر نے سر اٹھایا۔ اس کی بھنویں غصے سے مزید سکڑ گئیں، اور ہیزل آنکھوں میں ناگواری کی تیز چمک ابھری۔

"میں نے تمہیں بیٹھنے کو نہیں کہا، مسٹر اورنگزیب!" وہ اب اسے گھور رہی تھی۔ اس کی آواز میں وہی حاکمانہ سرد مہری تھی۔ وہ ڈرامہ کرنے اور اسے بے نقاب کرنے میں جیت تو گئی تھی، مگر ولی کے وہ چند جملے، کسی آسیب کی طرح اس کا پیچھا نہیں چھوڑ رہے تھے۔ چھوڑتے بھی کیسے؟ وہ ولی کا اصل تھے، اس کی سچائی تھے، اور سچائی اکثر ناقابلِ فراموش ہوتی ہے۔ ولی نے اس کی بات سنی، اور اس کے لبوں پر ایک دھیمی، ناقابلِ فہم مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"اب کیا ایک شوہر کو اپنی بیوی کے آفس میں بیٹھنے کے لیے بھی پرمیشن لینی پڑے گی؟" وہ کس قدر معصومیت اور بھولپن سے بولا کہ ایک لمحے کو فجر کی آنکھوں میں شدید حیرت ابھری۔ یہ وہ رات والا زخمی، گھائل ولی نہیں لگ رہا تھا۔ یہ اس وقت ایک مضبوط، پرعزم انسان لگ رہا تھا جو کوئی فیصلہ کر کے آیا تھا۔ اسے جیتنے کا فیصلہ، ہر قیمت پر۔

"شوہر؟" اس کی آواز طنز میں ڈوبی ہوئی تھی۔ "تم ایک بہروپیے، ایک دھوکے باز آدمی ہو اور کچھ نہیں۔" وہ ایک ایک لفظ چبا چبا کر بولی، اس کی آنکھوں سے جیسے شعلے نکل رہے تھے۔ چاہے ڈرامہ اس نے کیا ہو مگر دھوکا تو اسے ملا تھا نا۔

اس کی بات سن کر وہ دلکش انداز میں مسکرا دیا۔

"چلیں، کچھ دیر کے لیے آپ مجھے **'بہروپیا شوہر'** ہی کہہ لیں۔ کم از کم شوہر تو تسلیم کیا آپ نے۔" وہ اسی پہلے والی معصومیت اور شرارت کے ملے جلے تاثر سے بولا تو فجر اندر تک سلگ اٹھی۔ یہ شخص اسے پاگل کر دے گا۔

"جاؤ یہاں سے، ورنہ تمہارے لیے بہت کچھ برا ہو سکتا ہے!" وہ خود پر بمشکل ضبط کرتے ہوئے، تنبیہہ لہجے میں بولی۔ اس کی انگلیاں میز کی سطح پر سختی سے جم گئی تھیں۔

"میرے ساتھ پہلے ہی کافی برا ہو چکا ہے۔" اس نے آہستگی سے کہا، اس کی مسکراہٹ اب بھی قائم تھی، مگر اس میں ایک عجیب سی گہرائی تھی۔

"اب تو کچھ اچھا کرنے کا، کچھ اچھا ہونے کا وقت ہے۔" وہ جس ڈھٹائی اور خود اعتمادی سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا، وہ فجر کو لمحہ بہ لمحہ حیران اور بے بس کر رہا تھا۔ ایک پل کو فجر کو اس میں اپنے پرانے ولیم جوزف کی جھلک دکھائی دی جس سے وہ پہلی بار ملی تھی۔

"خیر میں یہاں آپ کو یہ بتانے آیا تھا کہ آپ قانونی طور پر مجھے نوکری سے نہیں نکال سکتیں۔ میرا کانٹریکٹ پورے ایک سال کا ہے، اور میں نے ایسا کوئی غیر قانونی کام نہیں کیا جس کی بنا پر آپ مجھے فوری طور پر فارغ کر سکیں۔ اگر آپ کو مجھے نکالنا بھی ہے، تو کم از کم ایک مہینے کا تحریری نوٹس دینا ہو گا، یہ آپ کے اپنے کمپنی رولز کہتے ہیں۔" اس نے میز پر پڑا کانٹریکٹ کی ایک کاپی اس کی طرف سرکائی۔

"تو اگر آپ مجھے نکالنا ہی چاہتی ہیں، تو بد قسمتی سے، یا شاید خوش قسمتی سے، آپ کو مجھے مزید ایک مہینہ برداشت کرنا ہو گا۔" اس نے انتہائی نرم، شائستہ مگر اٹل لہجے میں ساری صورتحال اس کے سامنے رکھ دی۔

فجر نے اس کی بات سنی، اس کا چہرہ تاثرات سے عاری تھا، مگر اندر ایک لاوا پک رہا تھا۔ اگلے ہی پل، وہ جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ دونوں ہاتھ میز پر پوری قوت سے ٹکاتی ہوئی، وہ اس کی جانب خطرناک حد تک جھکی۔ اس کی آنکھوں میں غصے کی آگ بھڑک رہی تھی۔

"دیکھو۔۔۔" وہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ ولی نے اس کی بات کاٹ دی۔

"جب سے آپ کو دیکھا ہے پھر کسی کو نہیں دیکھا۔"

وہ اسی کے انداز میں، اسی طرح میز پر دونوں ہاتھ جماتا ہوا، اس کی جانب جھکا۔ ایک لمحے کو دونوں کے چہرے ایک دوسرے کے اتنے قریب تھے کہ وہ ایک دوسرے کی آنکھوں میں اپنا عکس دیکھ سکتے تھے۔ فجر کی آنکھیں حیرت اور ایک نامعلوم احساس سے پھیل گئیں۔

یہ ایک اتنا غیر متوقع، اتنا ذاتی جملہ تھا کہ فجر کا خوبصورت چہرہ شدتِ جذبات سے سرخ پڑ گیا۔ وہ فوراً پیچھے ہٹی۔ اس کا دل ایسے دھڑک رہا تھا جیسے سینے سے باہر نکل آئے گا۔ جبکہ ولی اسی خود اعتمادی اور ایک گہری نظر سے اسے دیکھتا رہا، اس کے لبوں پر وہی دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔

فجر نے خود کو سنبھالا۔ وہ آج جارجٹ کے خوبصورت سوٹ میں ملبوس تھی، بال ایک ڈھیلی سی پونی ٹیل میں بندھے تھے، اور کانوں میں ہیرے کے چھوٹے چھوٹے ٹاپس اس کے چہرے کی ہر حرکت پر چمک رہے تھے۔ وہ اب سینے پر ہاتھ باندھے، اسے تنقیدی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کا کانٹریکٹ پہلے ہی تفصیل سے پڑھ چکی تھی، اور جانتی تھی کہ وہ قانونی طور پر درست کہہ رہا ہے۔ اسے بغیر نوٹس کے نہیں نکالا جا سکتا، یعنی کم از کم ایک مہینہ اسے اس شخص کو برداشت کرنا ہی تھا۔ ایک مہینہ! یہ خیال ہی اذیت ناک تھا۔

"تو۔۔ ایک مہینہ، میڈم فجر؟" ولی نے خاموشی کو توڑا، اس کی آواز میں اب شرارت رقص کر رہی تھی۔

"کیا ہم اس ایک مہینے کو یادگار بنا سکتے ہیں؟ پروفیشنلی، آف کورس۔" وہ آنکھوں میں شرارت لیے بولا۔

فجر نے اسے گھورا۔ "تم اپنی حد میں رہو، یہ میرا آفس ہے، اور میں تمہاری باس ہوں۔"

"باس؟ یعنی میری نوکری سلامت ہے؟" وہ سوالیہ نظروں سے بولا۔

فجر نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا، مگر الفاظ جیسے حلق میں اٹک گئے۔ اس شخص کا یہ روپ اسے اندر تک جھنجھوڑ رہا تھا۔

"ویسے۔۔۔" ولی نے بات جاری رکھی، اس کی نظریں فجر کے اسکیچ بک پر جم گئیں۔

"یہ ڈیزائن بہت خوبصورت ہے۔ بالکل آپ کی طرح پیچیدہ، نازک، تہہ دار اور بریتھ ٹیکنگ! کس کے لیے ہے؟" اس کی نظریں سیدھی فجر کی آنکھوں میں جھانک رہی تھیں۔

فجر کو لگا جیسے اس کے گالوں پر پھر سے لالی پھیلی ہو۔ تتلیاں؟ نہیں، یہ تتلیاں نہیں ہو سکتیں۔ یہ محض غصہ تھا، ہاں، شدید غصہ۔

"یہ تمہارے لیے ہرگز نہیں ہے۔ تم اپنے کام سے کام رکھو۔"

"میرا کام؟" اس نے سوچتے ہوئے سر ہلایا۔ "میرا کام تو آپ سے شروع ہو کر آپ پر ہی ختم ہوتا ہے، کیونکہ میں آپ کا **پرنسپل** اسسٹنٹ ہوں۔" اس نے پرنسپل پر زور دیا۔

"تم۔۔ تم ناقابلِ برداشت ہو!" فجر کی آنکھیں مزید پھیل گئیں۔ اس نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ وہ ہنس دیا۔

"میرے ڈیڈ بھی یہی کہتے ہیں۔۔" کندھے اچکائے، اس کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔

"اور آپ کو مجھے مزید تیس دن برداشت کرنا ہے۔ کون جانے، شاید اس مہینے کے آخر تک آپ کو میری یہ **'ناقابلِ برداشت'** خوبی ہی پسند آنے لگے۔" وہ پورے دل سے مسکرایا۔

"خیر۔۔۔ میں باہر ہوں۔ جب کوئی کام کو تو بتا دیجیے گا۔" وہ ایک جتاتی نظر اس پر ڈال کر پلٹ گیا۔ دروازہ کھلا اور بند ہو گیا۔

فجر سے اسے دیکھتی رہ گئی۔ اس کے پاس الفاظ ختم ہو چکے تھے۔ اس کا دماغ سن ہو رہا تھا۔ ایک مہینہ اس بہروپیے، ناقابل برداشت، اور اب انتہائی ڈھیٹ شوہر کے ساتھ؟ یہ ایک مہینہ قیامت سے کم نہیں ہو گا۔

وہ پلان بنا سکتی تھی، ڈرامے کر سکتی تھی، بدلے بھی لے سکتی تھی مگر یہ کیا تھا؟ وہ یوں آ کر اس پر حق کیسے جتا سکتا تھا؟ وہ اس کی باس تھی لیکن وہ تو شوہر بن کر آ گیا تھا۔ اب اس سے کیسے لڑا جائے؟ وہ گہری سانس لیتے کرسی پر بیٹھ گئی۔ دماغ بند ہو چکا تھا۔

✿••✿••✿••✿

شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے اور منار کی نچلی منزل پر واقع اسٹوڈیو میں گزشتہ رات لگنے والی آگ کے بعد مرمت کا کام تیزی سے جاری تھا۔ ولی آج ایک نئے روپ میں نظر آ رہا تھا۔ اس کے انداز میں ایک عجیب سی اپنائیت اور خود اعتمادی تھی، جیسے یہ جگہ، یہ کمپنی، یہ لوگ، سب اس کے اپنے ہوں۔ وہ ہر ٹیم، ہر گروپ کے پاس جا کر ان کی بات سن رہا تھا، مسائل حل کر رہا تھا، اور ہدایات دے رہا تھا۔ اس کی آواز میں ایک ٹھہراؤ اور لہجے میں ایک ایسی اتھارٹی تھی جو پہلے کبھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ وہ واقعی اس جگہ کا حصہ بن چکا تھا۔ کسی کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو پہلا نام **ولی** کا ہی ذہن میں آتا۔ وہ کسی کے لیے سر، کسی کے لیے صاحب، کسی کے لیے محض ولی تو کسی کے لیے بھائی جیسا تھا۔ آج، جب اس کی حقیقت فجر پر آشکار ہو چکی تھی، اس کے دل میں ایک عجیب سا سکون تھا، جیسے برسوں بعد اپنے گھر لوٹا ہو۔

فجر جو کسی کام سے نیچے آئی تھی اسٹوڈیو کے دروازے پر کھڑے ولی کو دیکھ کر ٹھٹھک گئی۔ وہ مزدوروں کو ہدایات دے رہا تھا، اور اس کا یہ روپ اس ولی سے یکسر مختلف تھا جو صبح اسے زچ کر کے گیا تھا۔ ایک لمحے کے لیے فجر کو لگا

جیسے وہ کسی اور کو دیکھ رہی ہو۔ وہ خاموشی سے ہال میں رکھے ایک صوفے پر بیٹھ گئی، اس کی نظریں بظاہر کام کرتے ورکرز پر تھیں، مگر وہ جانچ اسے ہی رہی تھی۔

کچھ دیر بعد ولی کی نظر اس پر پڑی۔ فجر نے فوراً اپنا چہرہ دوسری طرف پھیر لیا، جیسے اسے دیکھا ہی نہ ہو۔ ولی کے لبوں پر ایک شرارتی مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ اپنے فون میں مصروف ہو گئی، مگر اس کا سارا دھیان ولی کی طرف ہی تھا۔ چند لمحوں بعد، قدموں کی آہٹ قریب آتی محسوس ہوئی۔ وہ اس کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اس کے چہرے سے سنجیدگی غائب ہو چکی تھی اور آنکھوں میں وہی شوخی لوٹ آئی تھی۔ وہ فجر سے مناسب فاصلہ رکھ کر صوفے کے کنارے پر ٹک گیا۔ وہاں کام کرنے والے لوگ آجا رہے تھے۔ سب جانتے تھے وہ میڈم تھی اور ساتھ بیٹھا شخص اس کا پی اے۔

"مجھے مِس کر رہی ہیں؟" اس نے ذرا سا فجر کی جانب جھکتے ہوئے سرگوشی کی۔

فجر نے چونک کر اسے یوں دیکھا جیسے کہہ رہی ہو، **"کیا تمہارا دماغ چل گیا ہے؟"**

"نہیں، میرا مطلب ہے اتنی توجہ سے دیکھ رہی تھیں، تو مجھے لگا شاید مِس کر رہی ہوں گی۔" وہ معصومیت سے مسکرایا۔

"تم کچھ زیادہ ہی فری نہیں ہو رہے؟" فجر نے بھنویں سکیڑیں۔

"کہتی ہیں تو کسی اور سے فری ہو جاتا ہوں۔" اس نے ایک لمحے کو سوچنے کی اداکاری کی، "لیکن مسئلہ یہ ہے کہ یہاں آفس افیئرز کی اجازت نہیں ہے۔" اس نے ابرو اٹھا کر کندھے اچکائے، جیسے جتانا چاہ رہا ہو کہ فری ہونے کے لیے وہی پہلا اور آخری آپشن ہے۔ فجر نے ایک گہری سانس بھری۔

"تو تم یہاں افیئرز چلانا چاہتے ہو؟" فجر کا چہرہ غصے سے لال پیلا ہوا۔

"خدا کا خوف کریں! میں ایک شادی شدہ، شریف آدمی ہوں۔"

اس کے جواب پر فجر اسے گھور کر رہ گئی۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس بلا کو کیا جواب دے جو الٹا اسی کے گلے پڑ گئی تھی۔

"اسٹوڈیو کا اتنا نقصان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" اب وہ اسٹوڈیو کے تباہ شدہ حصے کی جانب دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا، لہجے میں ہلکا سا طنز تھا۔

"مجھ سے پوچھ لیا ہوتا، میں دل و جان سے بتا دیتا کہ میں کون ہوں۔"

"بتانے کی ضرورت نہیں ہے، میں جانتی ہوں تم کون ہو۔" فجر نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

ولی نے چونک کر اسے دیکھا، جیسے اس جواب کی توقع نہ ہو۔

"تم ایک نمبر کے بہروپیے، ڈھیٹ اور دھوکے باز آدمی ہو!" وہ غصے سے جل بھن کر کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

وہ بے ساختہ ہنس دیا۔

فجر دوبارہ زینوں کی جانب بڑھی۔ وہ اٹھ کر پیچھے لپکا۔

"سنیں تو!" وہ رک گئی۔

"کیا آپ اس دھوکے باز، ڈھیٹ اور بہروپیے آدمی کے ساتھ چائے پینا پسند کریں گی؟"

"تم سچ میں ناقابلِ برداشت ہو!" اس آفر پر وہ اسے دیکھتے ہوئے تاسف سے بولی۔

"ویسے سنا ہے نا قابلِ برداشت چیزیں ہی زیادہ دلچسپ ہوتی ہیں۔" اس نے ایک قدم آگے بڑھایا۔

"جاؤ اپنا کام کرو!" فجر نے جھنجھلا کر کہا۔

"کام تو آپ ہیں، میڈم! لیکن میں شام میں فری ہوں ایک چائے۔۔۔؟"

"شٹ اپ۔۔" وہ تیزی سے کہتے آگے بڑھ گئی۔

"اوکے میڈم! جو آپ کا حکم!" وہ اسے جاتے ہوئے دیکھ کر مسکرا دیا۔

✿••✿••✿••✿

رات کی سیاہی شہر کو اپنی آغوش میں لے چکی تھی۔ منار ہلچل اب سکوت میں بدل رہی تھی۔ فجر تیز قدموں سے باہر نکلی۔ اس کا ارادہ جلد از جلد گھر پہنچنے کا تھا۔ مگر جیسے ہی اس کی نظر پارکنگ ایریا میں گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑے وجود پر پڑی، اس کے قدم وہیں جم گئے۔ ولی اس کا منتظر تھا۔ ایک ناگوار احساس نے اسے گھیر لیا۔ اس نے ایک گہری، ضبط شدہ سانس لی اور نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی جانب قدم بڑھائے۔

اسے اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس کے چہرے پر کوئی خاص تاثر نہیں تھا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" فجر نے لہجے کو حتیٰ الامکان سپاٹ رکھتے ہوئے پوچھا، مگر اندر کا طوفان الفاظ میں ڈھلنے کو بے چین تھا۔

"ڈیوٹی کر رہا ہوں۔" اس نے پر سکون لہجے میں جواب دیا۔

"میں خود چلی جاؤں گی۔" فجر نے ایک بار پھر اپنے لہجے کو مضبوط بنانے کی کوشش کی، آنکھوں میں سرد مہری لانے کی ناکام سعی کی۔

"ایسا تو ممکن نہیں ہے، میڈم! جانا تو آپ کو میرے ساتھ ہی ہو گا۔" اس نے فجر ہی کے انداز میں، مگر زیادہ پختگی سے کہا۔ اس کی آواز میں ایک ایسی قطعیت تھی جس سے فرار مشکل تھا۔

"آخر تم یہ سب کیوں کر رہے ہو؟ ہو کون تم؟" اس بار فجر کے ضبط کا باندھ ٹوٹ گیا۔ لہجے میں دبا دبا غصہ واضح تھا، چہرے کے تاثرات بگڑ چکے تھے۔ وہ ایک قدم اس کے قریب آیا، اتنا قریب کہ فجر کو اس کی سانسوں کی حدت محسوس ہوئی۔ اس کا اپنا لہجہ ٹھنڈا، برف کی مانند تھا۔

"اگر آپ بھول گئی ہیں تو یاد دلا دوں؟ میں وہی ہوں جس کی آپ بیوہ بنی گھومتی ہیں۔"

یہ ایک کاری وار تھا۔ الفاظ نہیں، بلکہ تیز دھار خنجر تھے جو سیدھے فجر کے دل میں پیوست ہوئے۔ اس نے شدت سے آنکھیں میچ لیں، جیسے اس حملے کی اذیت کو اندر ہی اندر جذب کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔ خود کو سنبھالتے ہوئے، وہ آگے بڑھی اور گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولنے کی کوشش کی۔

"آگے بیٹھیں، ڈرائیور نہیں ہوں آپ کا۔" ولی کی آواز میں اب تلخی کا عنصر نمایاں تھا۔

فجر نے پلٹ کر اسے خونخوار نظروں سے گھورا، مگر مزید تماشہ کرنے کے بجائے، آگے کا دروازہ کھول کر خاموشی سے بیٹھ گئی۔ اس کی باتوں سے، اس کی موجودگی سے بچنے کا واحد راستہ یہی تھا کہ چپ چاپ گھر پہنچ جائے۔ وہ دوسری جانب سے آکر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا۔ فجر نے فوراً اپنا رخ کھڑکی کی جانب پھیر لیا، جیسے باہر بھاگتے ہوئے بے جان نظارے اس کے اندر کے خلفشار سے زیادہ دلچسپ ہوں۔

گاڑی منار کی حدود سے باہر نکلی اور شہر کی روشن سڑکوں پر رواں دواں ہو گئی۔ اندر ایک گہری، بوجھل خاموشی چھائی رہی۔ فجر باہر دیکھتی رہی، ہر گزرتے منظر کے ساتھ اس کی الجھن بڑھتی جا رہی تھی۔ ولی نے بھی کوئی بات نہ کی۔ پھر، اچانک گاڑی ایک مانوس سی کافی شاپ کے سامنے آ کر رکی۔

فجر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہہ پاتی، وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ فجر نے بے بسی سے سیٹ سے پشت ٹکالی۔ یہ شخص آخر چاہتا کیا تھا؟

چند منٹوں بعد جب وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں کولڈ کافی کے دو گلاس تھے۔ اس نے ڈرائیور سائیڈ کا دروازہ قدرے مشکل سے کھولا اور اندر بیٹھتے ہوئے ایک گلاس فجر کی جانب بڑھایا۔ فجر نے اسے نہیں تھاما، بس خالی نظروں سے گلاس کو دیکھتی رہی۔

"مجھے لگا، منہ سے آگ نکال نکال کر تھک گئی ہوں گی، اب کچھ ٹھنڈا ہو جائے۔" اس کے لہجے میں شرارت تھی، مگر آنکھوں میں ایک گہری پرچھائی بھی۔

کمبخت آگ سے کھیل رہا تھا جانتا نہیں تھا۔ وہ اسے گھورے گئی۔۔

ہیزل آنکھیں اسے جلا کر خاک کرنا چاہتی تھیں۔

"پکڑ لیں اب۔ پہلے بھی تو میرے ہاتھ کی کافی پیتی رہی ہیں۔" اس کی آواز میں اب نرمی کا شائبہ تھا۔

اس بار فجر نے گلاس تھام لیا، مگر ہونٹوں سے نہیں لگایا۔ بس اسے ہاتھ میں لیے بیٹھی رہی۔ جبکہ وہ سکون سے اسٹرا لبوں میں دبائے کافی پینے لگا، جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

کافی دیر کی خاموشی کے بعد جب فجر کا صبر جواب دینے لگا، تو وہ اس کی طرف مڑی۔

"کیا ہم اب چل سکتے ہیں؟" اس کی آواز میں تھکن اور بیزاری تھی۔ اس کا دماغ سن ہو رہا تھا۔

"کیوں ایکسیڈنٹ کروانا چاہتی ہیں؟" اس نے ابرو اچکا کر کہا۔ "کافی تو سکون سے پینے دیں۔"

فجر ضبط کیے بیٹھی رہی۔ چند لمحوں بعد ویٹر بل لے آیا۔ ولی نے بل دیکھا اور پھر فجر کی طرف بڑھا دیا۔

"میری سیلری ابھی نہیں آئی۔ مہینے کا آخر چل رہا ہے تو۔۔۔" اس نے معصومانہ انداز میں فجر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

فجر حیرت سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔ اس نے بنا کچھ کہے اپنے بیگ سے کارڈ نکالا اور ویٹر کو تھما دیا۔ ویٹر کے جانے کے بعد اس نے ناقابلِ یقین لہجے میں پوچھا۔

"تمہارے پاس ایک کافی کے پیسے بھی نہیں ہیں؟"

"ایک کافی آپ کی طرف ادھار تھی بھول گئیں؟؟" اس نے کافی کا آخری سپ لیتے ہوئے جواب دیا۔

فجر کو بے اختیار نکاح کے بعد والی وہ رات یاد آئی، ایک بھولی بسری یاد، جسے ولی نے آج پھر تازہ کر دیا تھا۔

"میں حساب کتاب بالکل برابر رکھتا ہوں۔" وہ اب سکون سے اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "ویسے ابھی آپ کی طرف میرا حساب نکلتا ہے۔ پھر کب چکا رہی ہیں اس فارنر کا ادھار؟"

"بہت جلد۔۔۔" فجر نے دانت پیستے ہوئے کہا اور رخ موڑ لیا۔

"بہت شکریہ میڈم!"

"ہنہہ گندی نیت والا فارنر۔۔۔" اس کا دھیما، تقریباً ناقابلِ سماعت تبصرہ ولی کے کانوں تک پہنچ گیا۔ وہ ہونٹ بھینچ کر مسکرا دیا۔

ویٹر کارڈ واپس لایا۔ ولی نے کارڈ فجر کو تھمایا اور گاڑی آگے بڑھادی۔ وہ نہیں جانتی تھی، مگر وہ یہ سب کچھ، یہ نوک جھونک، یہ اذیت ناک قربت، صرف اس کے ساتھ چند لمحے مزید گزارنے کے لیے کر رہا تھا۔ اس کے غصے، اس کی نفرت کے پردے میں چھپی کسی انجانی کشش کو محسوس کرنے کے لیے کر رہا تھا۔ رات کی تاریکی میں گاڑی آگے بڑھتی رہی، اور دو الجھے ہوئے دل اپنی اپنی کشمکش میں مبتلا رہے۔

✿••✿••✿••✿

یہ اگلے دن صبح کا وقت تھا۔ چھٹی کا دن اور فجر صبح کی تازہ ہوا میں لان کے نسبتاً سایہ دار ایریا میں بیٹھی تھی۔ خوشگوار ہوا چل رہی تھی اور وہ اپنے اور فلک کے پروجیکٹ پر کام کر رہی تھی جب ملازم نے اسے آکر اطلاع دی۔

"بی بی جی، انسپکٹر سرمد صاحب اور ان کی ٹیم ملنے آئے ہیں۔"

فجر نے گہری سانس لی۔ "انہیں اندر لے آؤ۔" وہ جانتی تھی وہ یہاں کیوں آئے تھے۔

تھوڑی دیر میں انسپکٹر سرمد دو، جونیئر افسران کے ہمراہ لان میں داخل ہوئے۔ فجر اپنی جگہ سے اٹھی۔

"محترمہ فجر، امید ہے آپ خیریت سے ہیں۔" انسپکٹر سرمد نے رسمی لہجے میں کہا۔

"جی انسپکٹر صاحب تشریف رکھیں۔" فجر نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ "کہیے، کیسے آنا ہوا؟"

انسپکٹر سرمد نے سر ہلایا۔ "آپ کے خلاف خود دفاعی کارروائی کا کیس مکمل طور پر بند کر دیا گیا ہے۔ فائل کلوزڈ۔ ہم آج یہاں ریاستی سطح پر جاری تفتیش کے سلسلے میں کچھ بات کرنے آئے ہیں۔"

فجر نے غور سے ان کی طرف دیکھا۔ "حملہ آور کے بارے میں کچھ پتا چلا؟"

"افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ اب تک اس کی شناخت نہیں ہو سکی۔" انسپکٹر سرمد نے ایک فائل کھولی۔ "کوئی مجرمانہ ریکارڈ نہیں، انگلیوں کے نشانات کسی سے میچ نہیں ہوئے۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ سسٹم میں موجود ہی نہیں تھا۔ یا پھر وہ کوئی ایسا شخص تھا جسے خاص اس کام کے لیے باہر سے لایا گیا ہو۔"

"اسکا کیا مطلب ہے؟" وہ اس حادثے کو اپنی زندگی سے نکال دینا چاہتی تھی مگر جیسے یہ ممکن ہی نہیں تھا۔

"ہماری تفتیش اب اسی زاویے پر مرکوز ہے کہ اس حملے کے پیچھے کون ہو سکتا ہے۔ آپ کی کمپنی، آپ کے کاروباری معاملات، کوئی پرانی دشمنی، ہم ہر پہلو سے جائزہ لے رہے ہیں۔" ایک جونیئر افسر نے لقمہ دیا۔

فجر نے تلخی سے مسکرانے کی کوشش کی۔

"دشمنیاں تو کاروبار کا حصہ ہوتی ہیں۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"ہم سمجھتے ہیں۔" انسپکٹر سرمد نے سر ہلایا۔ ایسے سینکڑوں کیا روزانہ ان کے پاس آتے تھے۔

"کیا آپ نے میری کمپنی کی سیکیورٹی کا آڈٹ کیا؟ جس کمپنی کو ہم نے سیکیورٹی کا ٹھیکہ دیا تھا، کیا ان کے اہلکاروں کی مکمل چھان بین ہوئی ہے؟"

"سیکیورٹی کمپنی کے گارڈز سے پوچھ گچھ جاری ہے۔ اسلم (مرحوم گارڈ) ایک بہادر آدمی تھا، اس کے بارے میں کوئی منفی بات سامنے نہیں آئی۔ رحیم بخش (مرحوم کیئر ٹیکر) تو بس غلط وقت پر غلط جگہ موجود تھا۔ اصل سوال یہ ہے کہ حملہ آور کو اتنی اندرونی معلومات کیسے ملیں؟"

"یہ سب میں نہیں جانتی۔ یہ پتا لگانا آپ کا کام ہے۔"

"ہماری ٹیم دن رات اسی پر کام کر رہی ہے۔ حملہ آور کا چہرہ سی سی ٹی وی میں واضح نہیں تھا، اس نے نقاب پہن رکھا تھا، لیکن اس کے قد کاٹھ اور انداز سے کچھ اندازے لگائے گئے ہیں۔ ہم شہر کے داخلی اور خارجی راستوں کی فوٹیج بھی چیک کر رہے ہیں۔ کیا آپ کو کوئی ایسی بات یاد ہے جو اس وقت غیر معمولی لگی ہو؟ کوئی ایسی چیز جو آپ نے پہلے نظر انداز کر دی ہو؟" دوسرے جونیئر افسر نے پوچھا۔

فجر کچھ دیر خاموش رہی، اس کے ذہن میں کئی سوچیں گردش کر رہی تھیں۔ اس سوال اس سے پہلے بھی پوچھے گئے تھے۔ مگر اس وقت وہ ذہن پر زیادہ زور ڈال رہی تھی۔

پھر اس کی آواز سنائی دی۔

"اس وقت تو سب کچھ بہت افراتفری میں ہوا۔ مگر ایک مخصوص بو، پرفیوم نہیں، کسی کیمیکل جیسی۔ شاید کوئی صنعتی کلینزر یا دھات کی مخصوص مہک۔ یہ بہت مدھم سی ہے۔ شاید میرا وہم ہو۔"

انسپکٹر سرمد اور ان کی ٹیم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"ہر چھوٹی سے چھوٹی تفصیل اہم ہو سکتی ہے، محترمہ فجر!" انسپکٹر نے اپنے نوٹ پیڈ پر کچھ لکھا۔ "ہم اس پر مزید غور کریں گے۔"

"اور اسلم اور رحیم بخش؟ ان کے لیے انصاف کا کیا مطلب ہے؟ صرف قاتل کا پکڑا جانا؟ جو ابھی زندہ نہیں ہے یا اس پورے نیٹ ورک کا خاتمہ جو ایسے لوگوں کو استعمال کرتا ہے؟"

"انصاف کے تمام تقاضے پورے کیے جائیں گے۔" انسپکٹر سرمد نے پر عزم لہجے میں کہا۔ "ریاست ان بے گناہوں کی موت کو فراموش نہیں کرے گی۔ ہماری تفتیش کا دائرہ وسیع ہو چکا ہے۔ ہم بین الاقوامی ایجنسیوں سے بھی رابطے میں ہیں تاکہ اگر حملہ آور غیر ملکی تھا تو اس کی شناخت میں مدد مل سکے۔"

سب انسپکٹر علی نے مزید کہا، "ہم آپ کے ان تمام ملازمین سے بھی دوبارہ بات کریں گے جو اس دن دفتر میں موجود تھے یا جن کی رسائی حساس معلومات تک ہے۔ ہمیں کسی اندرونی مخبری کا بھی شدید شبہ ہے۔"

فجر نے گہری سانس لی۔ "میں ہر قسم کے تعاون کے لیے تیار ہوں۔ لیکن یاد رکھیں خطرہ کبھی بھی بڑھ سکتا ہے۔" وہ انہیں آگاہ کر رہی تھی کہ مزید کچھ بھی ہو سکتا تھا۔

"ہم نے آپ کے علم میں لائے بغیر آپ کے گھر اور دفتر کے اطراف میں خفیہ نگرانی بڑھا دی ہے۔ لیکن آپ بھی محتاط رہیں۔۔"

پولیس ٹیم مزید کچھ سوالات پوچھنے اور تفصیلات نوٹ کرنے کے بعد رخصت ہو گئی۔ فجر دوبارہ تنہا رہ گئی۔ لان کی خاموشی اب پہلے سے زیادہ بھیانک لگ رہی تھی۔ وہ جانتی تھی یہ لڑائی صرف پولیس کی نہیں، اس کی اپنی بھی تھی۔ اسلم اور رحیم بخش کی قربانی اسے چین سے بیٹھنے نہیں دے گی۔ اسے خود بھی ان سوالات کے جواب تلاش کرنے تھے جن کا تعلق براہ راست اس کی زندگی اور اس کی کمپنی کے مستقبل سے تھا۔ وہ صرف انتظار نہیں کر سکتی تھی اسے خود بھی کچھ کرنا تھا۔

✿••✿••✿••✿

ایک بڑی شیشے کی کھڑکی سے باہر شہر کا دھندلایا ہوا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ کمرے میں ہلکی سی کافی کی مہک پھیلی ہوئی تھی۔ فلک میز پر پھیلے کاسٹیومز کے خاکوں پر جھکی ہوئی تھی، اس کی آنکھوں میں ناقابل یقین حد تک حیرت اور خوشی کی چمک تھی۔

"فجر یہ۔۔ یہ تو ناقابلِ یقین ہیں!" فلک نے ایک خاکہ اٹھاتے ہوئے کہا جس میں ایک نوجوان لڑکی کو ستاروں سے مزین، بہتے ہوئے کپڑے کا لباس پہنے دکھایا گیا تھا، اس کے چہرے پر عزم اور آنکھوں میں خواب تیر رہے تھے۔

"تم نے تو جادو کر دیا! یہ خاکے نہیں، خواب ہیں جو تم نے کاغذ پر اتار دیے ہیں۔ ہر لباس ایک کہانی سنا رہا ہے، ان لڑکیوں کی کہانی جنہیں ہم آواز دینا چاہتے ہیں۔"

فجر اپنی گھومنے والی کرسی پر بیٹھی تھی، اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔ فلک اس وقت، ہلکے گلابی رنگ کی فراک میں ملبوس تھی جس پر تیز رنگ کے چھوٹے چھوٹے پھول بنے تھے اور چوڑا دوپٹہ شانوں پر سلیقے سے سیٹ تھا، جبکہ فجر نے ہلکے بھورے رنگ کی سلیولیس ماڈرن فراک پر ایک خوبصورت پستہ رنگ کی کاٹن کی جیکٹ پہن رکھی تھی۔ جیکٹ پر نہایت نفیس کڑھائی تھی اور بڑے بڑے بھورے بٹن لگے ہوئے تھے۔ اس کے بال ایک ڈھیلی سی پونی میں بندھے تھے، اور بھورے رنگ کا ہیئر بینڈ ماتھے کے قریب بالوں کو سمیٹے ہوئے تھا۔

"جادو نہیں بس کوشش ہے۔" فجر نے ہلکا سا مسکرانے کی کوشش کی، مگر اس کی آنکھوں میں تفکر کی گہرائی تھی۔

"کردار اور کاسٹیومز تخلیق کرنا بڑی بات نہیں ہے، انہیں دنیا کے سامنے لانا، انہیں وہ پلیٹ فارم دینا جہاں سے ان کی آواز ان مجبور لڑکیوں تک پہنچ سکے، وہ اصل چیلنج ہے۔"

فلک نے خاکے میز پر واپس رکھتے ہوئے گہری سانس لی۔ ”تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ ہم کتنی ہی اچھی کہانیاں لکھ لیں، کتنے ہی بامعنی لباس ڈیزائن کر لیں، جب تک کوئی انہیں دیکھے گا نہیں، سنے گا نہیں، ان کا مقصد پورا نہیں ہو گا۔“ اس کے گھنگھریالے بال جوڑے میں قید تھے، مگر چند شرارتی لٹیں نکل کر بار بار اس کی بڑی بڑی، ذہین آنکھوں کو چھو رہی تھیں۔

”ہمیں ایک ایسا فیشن شو کرنا ہو گا جو دھوم مچا دے۔ اور اس کے لیے ہمیں کسی بڑے نام کی ضرورت ہے۔ کوئی ایسا، جس کا نام ہی کافی ہو۔“

”رئیس اورنگزیب۔۔۔۔“ فلک نے تقریباً سرگوشی میں کہا، جیسے کسی ممنوعہ طاقت کا نام لے رہی ہو۔ یہ سنتے ہی فجر کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک ابھری۔

”ہاں، رئیس اورنگزیب! انڈسٹری کا بے تاج بادشاہ! تقدیریں جس کے ماتحت ہیں، ذر جس کا غلام ہے اور تاج جس کی پہچان ہے۔

اگر وہ ہمارے پروجیکٹ سے جڑ جائے، تو سمجھو یہ آسمان چھو لے گا۔“

اس نے رئیس کی اصل شخصیت بتائی تھی۔ فلک نے تشویش سے اسے دیکھا۔

”سنا ہے وہ ایک تو بہت ہی ضدی اور مشکل آدمی ہے۔“

فجر کے لبوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ”تم اس کی فکر مت کرو، وہ میں دیکھ لوں گی۔“

”اب وقت آ گیا ہے کہ اس ڈارک لارڈ کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا جائے۔“ اس نے دل ہی دل میں سوچا پھر بلند آواز میں بولی، ”تم بس کرداروں کو مزید جان بخشو، میں اسپانسرشپ کا انتظام کرتی ہوں۔“

منار کا ایک نام تھا مگر جو نام رئیس گروپ کا تھا وہ منار کو شاید اگلے کئی دہائیوں میں بھی نہیں ملتا۔

"مجھے تم پر پورا بھروسہ ہے۔" فلک مسکرائی۔ "میں ذرا باہر تک ہو کر آتی ہوں۔" فلک اپنی فائل اٹھاتے ہوئے کرسی سے اٹھی اور کمرے سے باہر نکل گئی جبکہ فجر دوبارہ خاکوں میں کھو گئی۔ کچھ دیر بعد وہ کچھ سوچتی ہوئی اٹھ کر آفس کے دروازے کی طرف بڑھی، اسے کھولا اور باہر قدم رکھتے ہی کسی وجود سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔ سامنے ولی کھڑا تھا۔ بھوری پینٹ پر خاکستری ڈریس شرٹ پہنے وہ آج ہمیشہ سے زیادہ وجیہہ اور پر اعتماد لگ رہا تھا۔ کتھئی آنکھوں میں مخصوص شرارت چمک رہی تھی۔

"سوری!" ولی نے فوراً پیچھے ہٹتے ہوئے کہا، مگر اس کی آواز میں مصنوعی سنجیدگی کے ساتھ ساتھ دبی دبی ہنسی بھی شامل تھی۔ فجر نے اسے نظر انداز کرنے کی کوشش کی۔

"دھیان سے چلا کرو یہ نہ ہو کسی پتھر سے ٹکرا کر سر پھوڑ لو۔" اس نے چلتے ہوئے طنز کیا۔

"جی میڈم ضرور۔۔" وہ فرمانبرداری سے بولا، پھر جیسے کچھ یاد آیا ہو۔ "وہ میں پوچھنے آیا تھا میری سیلری کیوں نہیں آئی؟" وہ آنکھوں میں ناچتی شرارت دبائے، معصومیت سے پوچھ رہا تھا۔ فجر نے اسے دیکھتے ہوئے ایک گہری سانس بھری۔

"ایچ آر ڈیپارٹمنٹ سے پتا کرو۔" وہ آگے بڑھی، ولی فوراً اس کے ساتھ ہو لیا، قدم سے قدم ملا کر چلنے لگا۔

"ان سے بات ہوئی تھی، وہ کہہ رہے ہیں کہ فائنانس ڈیپارٹمنٹ سے رابطہ کریں۔ فائنانس والے فرما رہے ہیں کہ میڈم نے آپ کی سیلری ہولڈ کروائی ہے۔" اس نے تفصیل بتائی، اس کے لہجے میں اب بھی وہی مصنوعی عاجزی تھی۔

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ اس غریب، شریف اور محنتی آدمی کی تنخواہ کس خوشی میں روکی گئی ہے؟"

فجر اس کی طوطے کی طرح چلتی زبان پر اچانک رک گئی۔ پلٹ کر اسے گھورا۔ محنتی تک تو ٹھیک تھا۔ مگر یہ غریب اور شریف؟

اس کے یوں اچانک پلٹنے اور گھورنے پر ولی کا دل سینے میں ہی اتھل پتھل ہو گیا، مگر اس نے چہرے پر مسکراہٹ سجائے رکھی۔ فجر کی ہیزل آنکھیں ولی کی گہری کتھئی آنکھوں میں جیسے گڑ گئی تھیں۔

"تمہاری غیر پیشہ ورانہ حرکتوں کی وجہ سے کٹی ہے!" اس نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہا، اس کی آواز میں غصہ صاف ظاہر تھا۔ پھر وہ دوبارہ مڑی اور تیز قدموں سے راہداری میں آگے بڑھ گئی۔

ولی چند لمحے وہیں کھڑا اسے جاتا دیکھتا رہا، پھر تیزی سے اس کے پیچھے لپکا۔

"لیکن میڈم، میرا گزارا کیسے ہو گا؟ آپ تو جانتی ہیں میں شادی شدہ ہوں، گھر بار والا آدمی ہوں۔ ذمہ داریاں ہیں مجھ پر۔" اس کی آواز میں ایسی بے چارگی تھی کہ سننے والا موم ہو جائے، مگر فجر کا دماغ گھوم گیا۔

وہ جھٹکے سے پھر رکی۔ اس بار اس کے چہرے پر غصے کے ساتھ ساتھ کچھ اور تاثرات بھی تھے۔

"کیوں؟ تمہارا امیر کبیر ماموں تمہیں پاکٹ منی نہیں دیتا؟"

اس کے طنزیہ سوال پر ولی نے بمشکل اپنی مسکراہٹ ضبط کی۔

"اب میں اتنا لمبا چوڑا آدمی، ان سے پاکٹ منی لیتا اچھا لگوں گا؟ لوگ کیا کہیں گے؟ میری بیوی کیا سوچے گی۔۔؟"

افف کوئی اس کے منہ پر ٹیپ کیوں نہیں لگا دیتا؟ فجر ماتھا پیٹ کر رہ گئی۔

"پہلے اپنی حرکتیں ٹھیک کرو، پروفیشنل بنو، پھر سیلری بھی وقت پر مل جائے گی۔" وہ یہ کہہ کر تیز تیز قدم اٹھاتی آگے بڑھ گئی۔ اس سے جتنا دور رہا جاتا اتنا اچھا تھا۔

"میڈم، سیلری مل جائے گی تو حرکتیں بھی ٹھیک ہو جائیں گی اور بیوی سے تعلقات بھی مزید خوشگوار ہو جائیں گے!" وہ قدرے دھیمی لہجے میں بولا تھا مگر فجر تک آواز پہنچ گئی تھی۔ اس نے چلتے چلتے تاسف سے گردن ہلائی۔ اس کے گال پھر سے لال ہوئے۔

آج وہ اس بھوری پینٹ اور خاکستری شرٹ میں، اپنے گھنے کتھئی بالوں اور چمکدار کتھئی آنکھوں کے ساتھ پورا سکاٹش لگ رہا تھا۔

"بے شرم آدھا انگریز!" وہ زیرِ لب بڑبڑاتی ہوئی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ جبکہ وہ پیچھے شرارتی نظروں سے اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ جبکہ فجر اب تیز تیز قدموں سے زینے سے اتر رہی تھی اسے ڈیزائنر ٹیم سے کچھ بات کرنی تھی۔ وہ آفس کے دروازے سے ذرا پہلے رکی۔ اندر سے دبی دبی ہنسی اور سرگوشیوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ پہچان گئی، یہ اس کی ڈیزائننگ ٹیم کی لڑکیاں تھیں۔ عموماً وہ اپنے کام میں مگن رہتی تھیں، آج کیا بات تھی؟ شاید نئے ڈیزائنز پر بات ہو رہی ہو گی، لیکن اگلے ہی پل جو الفاظ اس کے کانوں میں پڑے، اس نے اسے ساکت کر دیا۔

"میڈم کاپی اے کتنا ہینڈسم ہے نا؟" ایک لڑکی کی سرگوشی سنائی دی۔

"مت پوچھو! ایسا لگتا ہے کسی ایکشن فلم سے نکلا ہو۔ ہینڈسم اینڈ وائلڈ۔" دوسری کہ آواز سنائی دی۔

فجر کے ماتھے پر ہلکا سا بل آیا۔ یہ لڑکیاں اس کے بارے میں کیوں بات کر رہی تھیں؟

"لیکن یار، فجر میڈم اسے بالکل گھاس نہیں ڈالتیں۔" تیسری بولی، "میں تو حیران ہوں، اتنا خوبصورت پی اے اور میڈم کو کوئی فرق ہی نہیں پڑتا۔"

"ارے چھوڑو، میڈم تو ہیں ہی ایسی۔ سڑیل، ہر وقت کام کام اور بس کام۔"

"میڈم مسئلہ نہیں ہیں۔ مسئلہ وہ پی اے ہے جو کسی کو دیکھتا ہی نہیں ہے؟"

"فجر میڈم کا پی اے ہوتے ہوئے وہ کسی اور کو کیوں دیکھے گا؟" لہجے میں استہزاء تھا۔ فجر تو ساکت رہ گئی نہیں جانتی تھی اسے اور ولی کو یوں ڈسکس کیا جاتا تھا۔

"ایسا شخص میں نے پورے منار میں نہیں دیکھا۔ ہینڈسم تو ہے ہی، لیکن اس کی آنکھوں میں ایک ذہانت ہے جو بس کھینچتی ہے۔"

"اور وہ کتنا شائستہ ہے۔ کبھی کسی سے اونچی آواز میں بات کرتے نہیں سنا، ہمیشہ سب کی مدد کرنے کو تیار رہتا ہے۔"

"کیسی قسمت پائی ہے فجر میڈم نے۔ ایسا بندہ ان کا پی اے ہے۔ اسے تو شوہر ہونا چاہیے۔ میں میڈم کی جگہ ہوتی تو اسے پی اے بنانے کا گناہ کبھی نہ کرتی۔" اس بار انکا دبا دبا سا قہقہہ گونجا۔

وہ جھٹکے سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی اور اسے دیکھ کر گروپ بنا کر بیٹھی ہوئی لڑکیاں جیسے جم سی گئیں۔ ان کے چہرے سفید پڑ گئے۔

"ہیلو ٹیم کیا ہو رہا ہے؟" اس نے مصنوعی مسکراہٹ چہرے پر سجا کر پوچھا۔

لڑکیوں نے ایک دوسرے کو دیکھا، پھر سہم کر بولیں، "کچھ نہیں میڈم، بس ذرا کام کی بات ہو رہی تھی۔"

فجر کی نظریں ان پر جمیں، "اچھا؟ مجھے لگا کسی بہت اہم موضوع پر بات ہو رہی ہے۔" اس نے نظریں گھماتے ہوئے اسکرین پر نظر ڈالی جہاں ڈیزائنز کھلے ہوئے تھے۔ "بہتر ہو گا کہ آپ لوگ اپنے کام پر توجہ دیں۔ لیکن اس سے پہلے میری بات سنیں۔" وہ کچھ دیر وہاں موجود رہی۔ نئ کلیکشن کو تھوڑا ڈسکس کیا اور پھر کمرے سے باہر نکل آئی۔

اسکا خدشہ ٹھیک تھا۔ ولی نہ سہی مگر لڑکیوں کے پاس بھی تو دل تھا نا؟ جذبات تو سب کے پاس ہی ہوتے ہیں اور ایسی باتیں ہر جگہ ہی ہوتی ہیں۔ یہ ولی اورنگزیب اس کے آفس کا ماحول خراب رہا تھا۔ اس کا تو کچھ کرنا ضروری ہو گیا تھا۔

✿••

سارا دن کام کرنے اور پی اے نامی بلا سے سر کھپانے کے بعد وہ اس وقت اسٹوڈیو میں تھی۔ جہاں اس کا شیڈو کوئین ایک جانب لٹک رہا تھا اور مکڑی جیسی وہ کیپ ایک جانب رکھی تھی۔ کچھ دیر پہلے وہ ماڈلز سے سر کھپا کر آئی تھی اور اس وقت اسے اپنے اسکنیچر ڈیزائن پر تھوڑا کام کرنا تھا۔ اس نے کنکھیوں سے ولی کو دیکھا جو نوٹ پیڈ ہاتھ میں لیے کچھ نوٹ کر رہا تھا بلکہ نوٹ کیے پوائنٹس کو فائنل کر رہا تھا۔ فجر کے خرافتی ذہن میں اچانک ایک خیال ابھرا۔ جتنا اس نے آج زچ کیا تھا اب فجر کا دل کر رہا تھا اسے تکلیف پہنچانے کا۔ اس نے ایک نظر ولی کو دیکھا اور پھر دوسری نظر اوپر شیلف میں رکھے اس بھاری کاسٹیوم پر پڑی جس میں بھاری پتھر، دھات اور تیز شیشوں کا استعمال ہوا تھا۔ ڈائن کی چمک اٹھیں۔

"کیا تم مجھے وہ کاسٹیوم اتار کر دے سکتے ہو؟" اس نے ولی سے کہا جس نے نوٹ پیڈ سے سر اٹھا کر فجر کو دیکھا اور پھر اس شیلف کو جو قدرے اونچی تھی۔ وہ اس وقت سنجیدہ نظر آ رہا تھا اور پھر اس نے نوٹ پیڈ ایک جانب رکھی اور

چھوٹا اسٹول اٹھا کر اس شیلف کے نیچے رکھا جس کے اوپری خانے میں وہ کاسٹیوم تھا جو قریباً چالیس کلو وزنی تھا۔ لیکن ولی نہیں جانتا تھا کہ اس میں تیز چبھنے والا کانچ لگا ہوا تھا اس لیے اسے وہاں اوپر حفاظت سے رکھا گیا تھا۔ اسٹول پر چڑھ کر اس نے شیلف کے خانے کا دروازہ سرکایا اور جیسے ہی اس نے کاسٹیوم کا کونے ہاتھ میں آنے پر اسے کھینچا اگلے ہی پل کاسٹیوم کسی ہتھیار کی طرح اس کے اوپر گرا، مگر اس سے پہلے ہی اس نے دونوں ہاتھ بڑھا کر اسے تھام لیا۔ یہ سب اتنی تیزی سے ہوا کہ اس کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ ملا۔ بھاری بھر کم جوڑا، اپنی تمام تر زیبائش اور وزن کے ساتھ، سیدھا ولی کے ہاتھوں پر گرا۔ قیمتی پتھر اور دھات اور کانچ اس کی ہتھیلیوں اور انگلیوں میں چبھ گئے۔

اس نے کاسٹیوم نہیں چھوڑا مگر اس کی آنکھیں تکلیف سے سکڑ گئیں۔ اس کی ہتھیلیوں پر سرخ نشان ابھر آئے تھے، اور کچھ جگہوں سے خون کی لکیریں بھی پھوٹ پڑیں۔

گلاس وال سے داخل ہوتی شام کی سنہری روشنی میں، وہ اب وہ کاسٹویم فجر کے سامنے میز پر رکھ رہا تھا۔ سنہری روشنی میں اس کے بال اور اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ چہرے پر ہلکی سی تکلیف کے آثار تھے مگر ہونٹ آپس میں پیوست تھے۔

فجر کے جیسے پورے وجود میں سکون پھیل گیا۔ اس نے جتاتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"مجھے افسوس ہے میں بتانا بھول گئی تھی کہ اس میں کانچ لگا ہوا ہے۔ تمہیں دھیان سے پکڑنا چاہیے تھا۔" اس کی آنکھوں میں ایک سرد، فاتحانہ چمک تھی، اور اس کے لبوں پر ایک ہلکی سی، تقریباً ناقابلِ دید، طنزیہ مسکراہٹ۔

ولی نے اپنے زخمی، خون رستے ہاتھوں کو پیچھے چھپا لیا۔

"میں ٹھیک ہوں، میڈم!" وہ یوں بولا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا حالانکہ خون کے قطرے اس کے دونوں ہاتھوں سے ٹپک کر اسٹوڈیو کے سفید چمچماتے فرش کو رنگا رنگ کر رہے تھے۔

"اور کچھ؟" وہ جس سپاٹ چہرے سے پوچھ رہا تھا فجر پہلے خون کے قطروں کو دیکھا اور پھر اس کے چہرے کو، اس نے جھرجھری سی لی۔ وہ اسے جسمانی درد دینے کی کوشش کر رہی تھی جس نے درد کے آخری انتہاؤں کو برداشت کیا تھا۔ مگر اس وقت درد جسمانی نہیں تھا۔ درد کہیں اور ہوا تھا۔ اس کے دل میں شاید۔۔۔۔ کسک اٹھی تھی۔ وہ اسے تکلیف دے کر خوش تھی جسے وہ ہر تکلیف سے بچاتا تھا۔

"جاؤ ان کی مرہم پٹی کرو۔" فجر نے کوفت سے کہا۔ اس کے پیچھے بندے ہاتھوں سے خون بہہ رہا تھا۔

"ڈونٹ وری میں ٹھیک ہوں۔"

"جاؤ پلیز۔۔۔" اس بات اس کی آواز قدرتیز تھی۔ ولی نے گہرا سانس لیا اور پھر اس پاس نظریں دوڑائیں۔ وہ سادہ کپڑا ڈھونڈ رہا تھا اور پھر اسے مل گیا۔ گہرے رنگ کا ایک سادہ سا کپڑا۔ اس نے اسے پھاڑ کر پہلے ایک ہاتھ پر باندھا اور پھر دوسرے پر۔ وہ اسے دیکھتی رہی اور پھر وہ نوٹ پیڈ اٹھا کر باہر نکل گیا جبکہ فجر کی نگاہیں ابھی تک اس خون پر جمی تھیں جو چمچماتے فرش پر پڑا تھا۔

✿••✿••✿••✿

رات ہو چکی تھی۔ سبھی ملازم اپنے اپنے گھروں کو نکل گئے۔ پروڈکشن ہال میں مشینوں کی گونج اور کپڑوں کی بھینی بھینی خوشبو پھیلی تھی۔ فجر ایک نئے ڈیزائن کے کپڑے کی کٹنگ دیکھ رہی تھی اور اس کے ہاتھ میں تیز قینچی تھی۔

اس کا دھیان پوری طرح ڈیزائن پر مرکوز تھا، اور وہ تفصیلات میں گم تھی۔ اسی وقت ہال کا دروازہ کھلا اور ولی اندر داخل ہوا۔ وہ تب سے اب نظر آیا تھا۔ ہاتھوں پر اب تک کپڑا بندھا تھا۔

فجر نے کٹنگ کرتے ہوئے اچانک ایک قدم پیچھے لیا، اور وہیں پر پڑی ایک کپڑے کی رول پر اس کا پاؤں پڑا۔ اس کا توازن بگڑا اور وہ گرتے گرتے بچی۔ قینچی اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور اس کی انگلیوں کے پاس سے گزرتی ہوئی نیچے جا گری۔ اس کے منہ سے ہلکی سی کراہ نکلی، وہ وہیں بیٹھ گئی۔ اس کی ایک انگلی پر چھوٹا سا کٹ لگا اور خون رسنے لگا۔

ولی جو اسی کی جانب بڑھ رہا تھا، اس کی آنکھوں میں لمحے بھر میں پریشانی اور خوف در آیا۔ وہ بغیر کسی توقف کے بجلی کی سی تیزی سے اسکی جانب لپکا۔

"فجر!" اس کی آواز میں تڑپ تھی، جیسے اس کے اپنے وجود پر چوٹ لگی ہو۔ وہ گھٹنوں کے بل جھکا اور فجر کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ اس کے چہرے پر بے پناہ تشویش تھی، جیسے دنیا کی سب سے بڑی آفت آ گئی ہو۔

"کیا ہوا؟ دکھائیں مجھے۔" اس نے نرمی سے اس کی انگلی کو دیکھا، جہاں سے خون کی باریک لکیر بہہ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر اضطراب صاف جھلک رہا تھا۔

"دھیان سے کام کیا کریں۔" اس کی آواز میں ڈانٹ نہیں تھی بلکہ حد درجہ فکر مندی تھی۔ اس نے فوراً میز پر پڑا کپڑا اٹھا کر انگلی پر لپیٹ کر خون روکنے کی کوشش کی۔

جبکہ فجر اسے یوں فکر مند دیکھ کر خود حیران رہ گئی۔ کیا تھا وہ شخص؟ جسے وہ اتنی تکلیف پہنچا کر خوش تھی وہ اسے ذرا سی تکلیف میں دیکھ کر پریشان ہو گیا تھا۔

"اٹس اوکے کچھ نہیں ہوا۔" اس نے اپنے ہاتھ ولی کے ہاتھوں سے کھینچ لیے۔ چہرے پر جہاں ایک پل پہلے حیرانی تھی اب وہاں سرد مہری لوٹ آئی تھی۔ یقیناً وہ اب بھی اداکاری کر رہا تھا۔

اسکے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا۔

وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ بھی اٹھا۔ نظریں اس کے چہرے پر تھیں جو اس سے اعتراز برت رہی تھی۔

"میں فرسٹ ایڈ باکس لاتا ہوں۔" وہ اسے وہیں چھوڑ کر فرسٹ ایڈ باکس ڈھونڈنے لگا۔ یقینا پروڈکشن ہال میں کہیں نہ کہیں تو ضرور ہو گا۔

"میں نے کہا نا کچھ بھی نہیں ہوا۔ ذرا سا کٹ ہے۔" جانے کیوں اسے ولی کے وجود سے الجھن ہو رہی تھی۔ وہ جلد از جلد اس سے دور جانا چاہتی تھی۔ وہ شخص اس سے بھی بڑا اداکار تھا۔ وہ اس کی سخت آواز پر رک چکا تھا۔ پھر اس نے کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر ڈالی۔

"نو بجنے والے ہیں۔ میرے خیال سے اب ہمیں نکلنا چاہیے۔" وہ بھی سنجیدہ ہوا تو فجر بنا کچھ کہے تیز تیز قدم اٹھاتی ہال سے باہر نکل گئی۔ دروازہ کھلا اور بند ہو گیا۔ وہ وہیں کھڑا رہ گیا۔

"تم مجھ پر یقین کیسے کرو گی؟" بند دروازے کی جانب دیکھتے اس نے افسردہ سانس خارج کی اور پھر خود بھی تیز تیز قدم اٹھاتا ہال سے باہر نکل گیا۔ پیچھے پروڈکشن ہال ان کے جانے سے خالی رہ گیا تھا۔ وہ ساری توانائی اپنے ساتھ لے گئے تھے۔

✿••✿••✿••✿

شہر کی روشنیاں مدھم پڑ چکی تھیں اور رات اپنی سیاہ چادر ہر سو پھیلا چکی تھی۔ ولی نے جب فجر کو آفس سے گھر چھوڑا تو گاڑی میں ایک عجیب سی خاموشی چھائی رہی تھی۔ یہ خاموشی غیر معمولی تھی، کیونکہ عام طور پر وہ اپنی باتوں سے فجر کو تنگ کرنے کا کوئی نہ کوئی موقع ڈھونڈ ہی لیتا تھا۔ فجر نے بھی اس خاموشی کو غنیمت جانا اور دن بھر کی تھکاوٹ سے چور آنکھیں موندے سیٹ سے ٹیک لگائے بیٹھی رہی۔

گھر پہنچ کر، فریش ہونے کے بعد اس نے کھانا کھایا، چائے پی اور کچھ دیر اماں اور بانو کے پاس بیٹھنے کے بعد وہ سیدھا اپنے نرم و گداز بستر کی آغوش میں چلی گئی۔ کمرے میں نیم تاریکی اور مکمل سکوت تھا۔ آج وہ واقعی بہت تھکی ہوئی تھی۔ پروجیکٹ کی تفصیلات، فلک کے ساتھ ڈسکشن، اور پھر ولی کی دن والی چھیڑ چھاڑ نے اس کے اعصاب شل کر دیے تھے۔ جلد ہی وہ نیند کی وادیوں میں کھو گئی۔

ابھی گیارہ بجے کا وقت ہو گا جب اس کے فون پر میسجز کی آمد شروع ہوئی۔

"میڈم، کل کے لیے جو پریزنٹیشن تیار کرنی تھی، اس کے مین پوائنٹس فائنل کر دیں؟"

پھر کچھ دیر بعد **"میڈم، وہ نئے کلائنٹس کے ساتھ میٹنگ کا ٹائم کیا رکھنا ہے؟ صبح یا دوپہر؟"**

اور پھر **"میڈم، فنانس ڈیپارٹمنٹ کو کچھ رپورٹس چاہئیں، آپ کی اپروول کے بعد ہی بھیج سکتا ہوں۔"**

فجر نے کسمسا کر فون سائلنٹ پر لگایا، مگر وائبریشن پھر بھی محسوس ہو رہی تھی۔ عام طور پر وہ خود رات گئے تک کام کرتی رہتی تھی مگر آج وہ صرف سونا چاہتی تھی۔

"اس شخص کو چین نہیں ہے۔" اس نے میسجز کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی اور کروٹ بدل لی۔

وقت پر لگا کر اڑتا رہا۔ رات کے ٹھیک دو بجے جب نیند اپنے شباب پر تھی اور خواب پلکوں پر دستک دے رہے تھے، فجر کے فون کی مسلسل وائبریشن نے اس کے بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھے لیمپ کو بھی ہلکا سا مرتعش کر دیا۔ اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ کچی نیند میں تھی، سر بھاری ہو رہا تھا۔ اکثر اسے رات گئے کام کے سلسلے میں یا کسی ایمرجنسی میں فون آ جاتے تھے، اس لیے اس نے نیم غنودگی میں ہی فون اٹھایا۔ اسکرین پر جلی حروف میں "**بہروپیا آدمی**" لکھا چمک رہا تھا۔

ایک لمحے کو اس کا دل چاہا کہ فون دیوار پر دے مارے، مگر ضبط کر گئی۔

"کیا کروں میں اس آدمی کا؟" اس نے بے بسی سے سوچتے ہوئے سر واپس مخملی تکیے پر گرا دیا۔ مگر فون بجتا رہا۔ آنکھیں پوری طرح کھل بھی نہیں پا رہی تھیں۔ اس نے ادھ کھلی، سرخ ہوتی آنکھوں سے فون کان سے لگایا۔

"ہیلو۔۔۔" نیند میں ڈوبی، گھٹی گھٹی، بمشکل سنائی دینے والی آواز اس کے لبوں سے نکلی۔

"ہیلو میڈم!" دوسری طرف سے ولی کی پوری طرح جاگی ہوئی، تازہ دم آواز ابھری، جس میں شرارت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔

"مجھے بس یہ پوچھنا تھا کہ میری سیلری کب تک ریلیز ہو جائے گی؟"

یہ سنتے ہی فجر کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ رات کے دو بجے! اس نے یہ پوچھنے کے لیے فون کیا تھا؟ کاش وہ اس وقت سامنے ہوتا تو وہ یہ فون اس کے سر پر مار کر اس کا سر نہ پھاڑ دیتی تو اس کا نام فجر معراج نہ تھا۔ اس کا جی چاہا وہ چیخ اٹھے، مگر اس نے اپنے دانت بھینچ لیے۔

"تمہارا دماغ ٹھیک ہے؟" وہ دبے دبے، بمشکل ضبط شدہ غصے سے غرّائی۔

"جی میڈم، دماغ تو بالکل ٹھیک ہے، بس جیب تھوڑی خراب ہے۔ آپ کو دن میں بھی بتایا تھا کہ میں شادی شدہ ہوں۔ بیوی آج کل کچھ ناراض ہے۔ سوچ رہا تھا سیلری مل جاتی تو اسے کینڈل لائٹ ڈنر پہ لے جاتا۔"

فجر نے آنکھیں میچ لیں۔ کوئی اسے نیند کی گولیاں کھلا کر کیوں نہیں سلا دیتا؟ کم از کم دوسروں کی نیند تو نہ برباد ہوتی۔

"ولی۔۔۔۔۔" غصے کو کسی طرح پیٹ میں اتارتے ہوئے اس نے اس کا نام دانتوں تلے دبا کر، لمبا کھینچا۔ دوسری جانب، کتھئی آنکھوں والے شخص کا دل ایک لمحے کو اس کی آواز کی اس کھنک پر سماعت بن کر دھڑکنے لگا۔

"حکم میڈم!" وہ پورے جذب اور ڈرامائی انداز سے بولا۔

"صبح تمہاری سیلری ریلیز ہو جائے گی۔" فجر نے الفاظ چبا چبا کر کہے۔ "اب خدا کا واسطہ ہے، مجھے سونے دو اور خود بھی جا کر سو جاؤ!"

اس نے ولی کی طرف سے کسی بھی مزید جواب کا انتظار کیے بغیر فون کاٹ دیا۔ فون سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے اس نے بمشکل اپنی آنکھیں بند ہی کی تھیں کہ منحوس فون ایک بار پھر وائبریٹ کرنے لگا۔ بیل تو بند تھی مگر وائبریشن کا شور خاموشی میں گونج رہا تھا۔ وہ تب تک وائبریٹ کرتا رہا، جب تک فجر نے جھنجھلا کر دوبارہ فون نہیں اٹھایا۔ اس کا صبر جواب دے چکا تھا۔

جیسے ہی اس نے فون کان سے لگایا، دوسری طرف سے ایک بھاری، گھمبیر اور بدلی بدلی سی آواز گونجی، جس میں پہلے والی شرارت کی جگہ ایک عجیب سی سنجیدگی اور اپنائیت تھی۔

"ہیلو بیگم! کیا آپ کل میرے ساتھ ڈنر کرنا چاہیں گی؟"

فجر کے بدن میں ایک سرد لہر دوڑ گئی۔ وہ سیدھا میڈم سے بیگم پر آیا تھا۔ یہ آواز، یہ انداز، اس نے سختی سے تھوک نگلا، آنکھیں زور سے میچ کر خود پر ضبط کرنے کی کوشش کی۔ وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ نیند میں ڈوبا، بالوں میں الجھا اس کا سراپا اس وقت واقعی قابلِ رحم تھا۔

"تمہیں ذرا بھی شرم نہیں آتی رات کے دو بجے ایک عورت کو فون کر کے اس طرح تنگ کرتے ہوئے؟" اس کی آواز میں تھرتھراہٹ تھی۔

"ضرور آتی اگر میں نے اس معزز عورت کو چھ بار قبول نہ کیا ہوتا۔ **(تین بار مسجد میں اور تین بار کورٹ میں)** اب بتائیں، کیا آپ میرے ساتھ ڈنر پر چلیں گی؟"

"تم جانتے ہو تم کیا کہہ رہے ہو؟ ہوش میں تو ہو؟"

"بالکل ہوش میں ہوں۔ ایک عدد جائز بیوی کو ڈنر پر لے جانا چاہتا ہوں۔ اگر یہ کوئی گناہ ہے، یا آئینِ پاکستان کے خلاف ہے، تو میری رہنمائی فرمائیں۔" وہ جس قدر معصومیت سے یہ سب کہہ رہا تھا، فجر اس کی چمکتی ہوئی شرارتی کتھئی آنکھیں اپنے تصور میں صاف دیکھ سکتی تھی۔

"آخر تمہیں اتنا غرور کس بات کا ہے؟" وہ بے اختیار تپ کر بولی، آواز بلند ہو گئی۔

"تمہارا شوہر ہونے کا۔" جس برجستگی اور سادگی سے یہ جواب آیا تھا، اسی تیزی سے فجر کا چہرہ پہلے سفید اور پھر سرخ پڑ گیا۔

"منہ بند رکھو۔۔!" وہ بمشکل چیخ سکی۔

"گڈ نائٹ یوٹو، بیگم!" ولی کی آواز میں مسکراہٹ واضح تھی۔

اور پھر ٹوں ٹوں فون بند ہو گیا۔

فجر نے فون پوری قوت سے بستر پر پھینکا۔ وہ جھکتے ہوئے اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھامے ہوئے تھی۔ ایک ناقابلِ یقین غصے، بے بسی اور ایک عجیب سی شکست خوردگی کے ملے جلے جذبات اس پر حاوی تھے۔ اس کے حلق سے ایک دبی دبی غصے بھری چیخ نکلی اور پھر وہ وہیں بستر پر ڈھیر ہو گئی۔ آنکھوں میں جلن ہو رہی تھی۔

"تمہیں میں چھوڑوں گی نہیں۔۔!" وہ بڑبڑائی۔ یہ کمبخت بھانجا، ماموں سے چار ہاتھ آگے نکلا تھا۔

اس کی نیند تو کوسوں دور جا چکی تھی، اور وہ بدبخت، وہ بہروپیا آدمی، وہ یقیناً اب سکون سے، ایک فاتحانہ مسکراہٹ سجائے سو رہا ہو گا۔

✿••✿••✿••✿

رات بھر کی بے سکونی اور ولی کی طرف سے ملنے والی اذیت ناک چھیڑ چھاڑ نے فجر کے مزاج کو انگاروں پر رکھ دیا تھا۔ اس کی ہیزل آنکھیں نیند کی کمی سے سرخ ہو رہی تھیں اور ماتھے پر بل پڑے ہوئے تھے۔ گاڑی جب آفس کی وسیع و عریض پارکنگ میں داخل ہوئی تو اس نے دانت بھینچ رکھے تھے۔ ولی حسبِ معمول خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا، مگر اس کی خاموشی میں بھی فجر کو ایک طوفان سے پہلے کا سکوت محسوس ہو رہا تھا، یا شاید یہ اس کے اپنے اندر کا خلفشار تھا جو باہر کے ہر منظر کو پراسرار بنا رہا تھا۔

اس نے گاڑی ایک مخصوص جگہ پر پارک کی۔ جیسے ہی اس نے اپنا سیٹ بیلٹ کھولا اور دروازہ کھولنے کے لیے ہاتھ بڑھایا، فجر کی ضبط شدہ آواز گاڑی کی فضا میں پھٹی۔

"ایک منٹ۔"

ولی کا ہاتھ دروازے کے ہینڈل پر ہی رک گیا۔ اس نے آہستگی سے گردن موڑ کر فجر کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر صبح کی تازگی تھی، اور آنکھوں میں وہی مخصوص شرارتی چمک، جسے دیکھ کر فجر کا خون کھولنے لگتا تھا۔

"جی میڈم؟" اس نے انتہائی معصومیت اور فرمانبرداری سے پوچھا، جیسے رات دو بجے فون کر کے اس کی نیند حرام کرنے والا کوئی اور ہی ہو۔

"یہ ڈرامہ بند کرو۔ صاف صاف بتاؤ، آخر تم چاہتے کیا ہو؟ یہ سب کیوں کر رہے ہو؟ یہ رات کے دو بجے فون کالز، یہ صبح سویرے کی معصومانہ شکلیں، تمہارا مقصد کیا ہے؟ کس کے کہنے پر یہ کھیل کھیل رہے ہو؟" وہ پھنکار رہی تھی۔

ولی نے ایک لمحے کے لیے اسے دیکھا، پھر اس کے لبوں پر ایک ہلکی، تقریباً ناقابلِ دید مسکراہٹ ابھری۔ وہ آرام سے سیٹ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

"مقصد؟" اس نے آہستگی سے دہرایا، جیسے اس لفظ کے معنی پر غور کر رہا ہو۔ "مقصد تو بہت سیدھا سادھا ہے، میں آپ کے ساتھ ایک ڈنر کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے سکون سے کہتے ہوئے فجر کو مزید آگ لگائی۔

"کیوں کروں میں تمہارے ساتھ ڈنر تم ہو کون؟" وہ پوری اس کی جانب گھوم گئی۔ دل کر رہا تھا یہیں اس کا گلہ گھونٹ کر مار دے۔ ولی نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر تپانے والی مسکراہٹ لیے مخاطب کیا۔

"وہی جس کی آپ بیوہ بنی گھومتی ہیں۔"

یقیناً نہیں لازماً اس نے خود پر ہزار بار لعنت بھیجی ہو گی آخر اس نے **بیوہ** کا لفظ استعمال کیا ہی کیوں۔

وہ کئی لمحے آنکھیں کیے گھورتی رہی۔ آنکھوں میں اتنی جلن تھی کہ بس دنیا جل کر راکھ ہو جاتی۔ ہونٹ ضبط سے بھینچے ہوئے تھے۔ وہ جواب ہی ایسا دیتا تھا کہ اگلے سوال ختم ہو جاتے تھے۔ اسے خاموش دیکھ کر وہ پھر سے گویا ہوا۔

"ایک شوہر ہونے کا فرض نبھا رہا ہوں۔ یہ میری ذمہ داری ہے۔ آپ کا خیال رکھنا، آپ کی فکر کرنا، آپ محفوظ ہیں یہ یقینی بنانا۔" اس بار وہ قدرے سنجیدگی سے بولا۔ فجر کا چہرہ غصے سے مزید سرخ ہوا۔

"مجھے نہ تمہاری ضرورت ہے، نہ تمہارے ان نام نہاد فرائض کی! میں اپنا خیال خود رکھ سکتی ہوں، اپنی حفاظت خود کر سکتی ہوں۔ میں جیسی ہوں، بالکل ٹھیک ہوں۔ تم میری زندگی سے، میرے راستے سے دور کیوں نہیں ہو جاتے؟ جاؤ یہاں سے! مجھے تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنی۔" اس کی آواز بلند ہو گئی، وہ اب ہانپ رہی تھی۔

ولی نے ایک گہری سانس لی، جیسے فجر کے غصے کو اپنے اندر جذب کر رہا ہو۔ اس نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی پر ایک نظر ڈالی۔

"ابھی تو ایک مہینہ پورا ہونے میں وقت ہے بیگم۔۔!" اس نے **'بیگم'** کا لفظ خاص انداز میں ادا کیا، جس سے فجر کے تن بدن میں مزید آگ لگ گئی۔ "مہینے کے آخر میں سوچیں گے اس بارے میں۔ تب تک تو یہ ذمہ داری نبھانی ہی پڑے گی، چاہے آپ کو پسند ہو یا نہ ہو۔"

فجر نے ناقابلِ یقین نظروں سے اسے دیکھا۔

"یہ کیسی ذمہ داری؟ یہ کونسا معاہدہ ہے جس کا مجھے علم نہیں؟ آخر تم اور نگزیب مل کر میرے خلاف کیا منصوبہ بنا رہے ہو؟ اسی نے بھیجا ہے تمہیں میری زندگی عذاب کرنے، مجھے پریشان کرنے کے لیے؟ تاکہ میں اپنا کام ٹھیک سے نہ کر سکوں؟" اس کے ذہن میں رئیس کا چہرہ گھوما۔

ولی کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے کوئی ناقابلِ فہم تاثر ابھرا اور فوراً ہی غائب ہو گیا۔

"میں یہاں صرف آپ کے لیے آیا ہوں۔" اس بار اس کا لہجہ گھمبیر تھا۔

"ویسے آپ بگ بی سے اتنا خائف کیوں رہتی ہیں؟ وہ اتنے بھی برے نہیں جتنا آپ سمجھتی ہیں۔"

"میں کسی سے خائف نہیں رہتی۔!" فجر نے تیزی سے کہا۔ "خاص طور پر اس ڈارک لارڈ سے! اور تم، تم اس کے ایجنٹ بن کر میری زندگی میں مزید زہر مت گھولو۔ مجھے سکون سے میرا کام کرنے دو۔" اس نے گہری سانس لی۔

"زہر؟" اس نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔ "میں تو سمجھا تھا میں آپ کی زندگی میں شہد گھولنے آیا ہوں۔ خیر، یہ سمجھنے میں شاید آپ کو مہینہ لگ جائے۔" وہ مسکرایا۔ "اب چلیں؟ آفس کے لیے دیر ہو رہی ہے۔ لوگ کیا سوچیں گے، کمپنی کی مالکن اور اس کا پی اے پارکنگ میں بحث کر رہے ہیں۔"

فجر نے بے بسی سے مٹھیاں بھینچ لیں۔

"تم۔۔ تم ناقابلِ برداشت ہو، ولی!"

"میرے ڈیڈ بھی یہی کہتے ہیں۔" اس مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ دوسری جانب آکر فجر کے لیے دروازہ کھولا۔

فجر چند لمحے وہیں بیٹھی اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کرتی رہی۔ پھر ایک جھٹکے سے باہر نکلی۔ اس کی تیز قدموں کی چاپ پارکنگ کی خاموش فضا میں گونج رہی تھی جب وہ آفس کی عمارت کی طرف بڑھی۔ ولی کچھ فاصلے پر اس کے پیچھے پیچھے آرہا تھا، اس کے چہرے پر ایک پر سکون مسکراہٹ تھی، مگر اس کی آنکھوں میں ایک گہری سوچ، ایک ایسا راز تھا جسے فجر سمجھنے سے قاصر تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ ولی کا یہاں ہونا صرف رئیس اورنگزیب کا منصوبہ نہیں، بلکہ خود ولی کا فیصلہ تھا۔ اس کی حفاظت کے لیے، ایک ایسی حفاظت جس سے وہ خود بے خبر تھی۔ اور رئیس اورنگزیب؟ اسکا کردار تو ابھی باقی تھا۔

✿••✿••✿••✿

وہ اپنی تمام تر باوقار شخصیت کے ساتھ اپنی کرسی پر براجمان تھا، اس کی نظریں اسکرین پر جمی تھیں۔ ایک لمحے کے لیے بھی اس کی توجہ نہیں بٹی تھی، گویا وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر کسی گہرے غور و فکر میں ڈوبا ہوا تھا۔ اچانک، میز پر رکھا فون چیخا اور اس کی توجہ اسکرین سے ہٹ گئی۔ نمبر انجان تھا۔ فون لگاتار بجتا رہا، اس کی مستقل آواز کمرے کے سناٹے کو چیر رہی تھی۔ رئیس نے ایک گہری سانس لی، گویا کسی بڑے طوفان کا سامنا کرنے کی تیاری کر رہا ہو، اور پھر فون اٹھا کر کرسی سے پشت ٹکا دی۔

"ہیلو؟" اس کی گھمبیر آواز کمرے میں گونجی۔ لہجے میں ایک خاص قسم کا بھاری پن تھا، جو اس کی شخصیت کی طرح باوقار تھا۔

"تمہیں لگتا ہے تم میری فیکٹری جلا کر مجھے توڑ سکتے ہو؟"

یہ برہان گردیزی تھا، گردیزی ٹیکسٹائل کا مالک! رئیس کے چہرے پر اس کی بات سنتے ہی ایک فاتحانہ مسکراہٹ ابھری، ایسی مسکراہٹ جو بظاہر معمولی تھی لیکن اس کے اندر ایک گہرا طنز چھپا تھا۔

"کہیے گردیزی صاحب؟ ہارٹ اٹیک کا ڈرامہ کیسا چل رہا ہے؟" رئیس نے اپنے لہجے کو تپانے والا بنا کر کہا، "لوگوں سے کتنی ہمدردیاں وصول کر لی ہیں؟ امید ہے کافی فائدہ ہو رہا ہو گا اس جھوٹی بیماری سے۔"

ہاں، برہان گردیزی کو کوئی ہارٹ اٹیک نہیں ہوا تھا۔ یہ تو محض ایک ڈرامہ تھا جو اس نے موجودہ صورتحال کو سنبھالنے اور اپنے ناراض بیٹے کو واپس جانے سے روکنے کے لیے رچایا تھا۔ رئیس ان کاروباری ڈراموں اور مکاریوں سے بخوبی واقف تھا، اور وہ جانتا تھا کہ برہان گردیزی کی یہ چال کس قدر کھوکھلی تھی۔

"تمہیں لگتا ہے تم گردیزی ٹیکسٹائل کو پیچھے چھوڑ سکتے ہو؟ یہ تمہاری خام خیالی ہے۔" اس کے لہجے میں اب کچھ بے چینی شامل ہو چکی تھی۔

"پیچھے چھوڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، گردیزی صاحب! کیونکہ میں بہت آگے نکل آیا ہوں۔ وہاں، جہاں آپ کی سوچ بھی نہیں پہنچ پائے گی، اور یہ محض آغاز ہے۔"

دوسری جانب کچھ دیر خاموشی چھائی رہی۔ پھر ایک خباثت بھرا قہقہہ ابھرا، جو کسی زہریلے سانپ کی ہنسی سے کم نہ تھا۔

"کبھی کبھی آسمان سے اتر کر قبرستان بھی چکر لگا لیا کرو جہاں تمہارا پورا خاندان پڑا ہے۔" برہان گردیزی کے لہجے میں ایسی کاٹ تھی کہ رئیس فوراً اپنی کرسی پر سیدھا ہو بیٹھا۔ اس کے چہرے پر پہلے تکلیف کے گہرے تاثرات ابھرے، اور پھر وہ تکلیف شدید غصے میں بدل گئی۔ یہ ایسا وار تھا جو اس کی دکھتی رگ پر کیا گیا تھا۔

"اسی قبرستان تک جانے کا راستہ آپ کے لیے بنا رہا ہوں، تیار ہو جائیں، کیونکہ یہ راستہ سیدھا جہنم کی طرف جاتا ہے۔"

یہ وار کاری تھا۔ برہان گردیزی جانتا تھا کہ یہ محض خالی دھمکی نہیں تھی، یہ ایک اعلان تھا، ایک ایسے جنگ کا اعلان جس میں رئیس کچھ بھی کر گزرنے کو تیار تھا۔

"پتھروں سے کھیلنے والا شخص صرف پتھر ہو سکتا ہے وہ جسے میں نے برسوں پہلے توڑ دیا تھا۔" ایک اور وار کیا گیا۔

"میں وہ پتھر ہوں جو آپکی قبر پر رکھا جائے گا۔" یہ وار مزید کاری تھا۔

"میں تمہیں وارن کر رہا ہوں رئیس اورنگزیب!" برہان گردیزی کی آواز میں اب مزید غصہ تھا لیکن اس میں لرزش صاف محسوس کی جا سکتی تھی، "جو تم کر رہے ہو وہیں ٹھہر جاؤ ورنہ اچھا نہیں ہو گا، تمہارا بہت بڑا نقصان ہو سکتا ہے۔"

اس بار قہقہہ لگانے کی باری رئیس کی تھی۔ اس کا قہقہہ بے باک اور فاتحانہ تھا۔ "ابھی تو میں نے شروع کیا ہے۔ یہ تو محض ایک چھوٹی سی جھلک ہے۔"

"تمہیں لگتا ہے میں تم سے ڈر جاؤں گا؟" برہان گردیزی نے حلق تر کرتے ہوئے کہا۔ انہوں نے اپنے لہجے کو معمول پر رکھنے کی بھرپور کوشش کی مگر وہ ڈگمگا گیا تھا۔ انہیں احساس ہو چکا تھا کہ رئیس کس قدر خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔

"اونہوں۔۔۔ آپ کو مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ایک اصول پسند آدمی ہوں۔" اسکا لہجہ سرد تھا۔

"البتہ آپ کو میرے اصولوں سے ڈرنا چاہیے جو صاف صاف کہتے ہیں، مال کا بدلہ مال، اور جان کا بدلہ جان!"

اس نے اپنی بات ختم کی اور برہان گردیزی کو دوسری جانب ساکت چھوڑ کر فون بند کر دیا۔ کرسی سے ایک بار پھر ٹیک لگالی۔ بے اختیار ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی سانس لینے میں الجھن ہو رہی تھی۔ اسے جسم پر اچانک ایک شدید دباؤ محسوس ہوا، جیسے کسی نے اس کی روح نچوڑ لی ہو۔

پورا کا پورا کفن میں لپٹا خاندان اس کی نظروں کے سامنے گھوم گیا تھا۔ وہ اس وقت آفس میں اکیلا تھا اور اس تنہائی میں ماضی کی تلخ یادیں اسے گھیرے ہوئے تھیں۔ بہن بھائیوں کی وہ ہنسی، وہ قلقاریاں، وہ معصوم چہرے، سب کچھ۔۔۔ ایک ایک کر کے اس کے ذہن میں ابھر رہے تھے، اور ہر یاد ایک نیا زخم دے رہی تھی۔

اس نے سانس لینے کی کوشش کی مگر ایسا لگا جیسے کوئی اس کا گلا گھونٹ رہا ہو۔ پھر وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ صاف پیشانی پر پسینہ پھوٹ پڑا تھا۔ وہ کچھ دیر ٹہلتا رہا تاکہ خود پر قابو پا سکے مگر جب مشکل ہو گیا تو تیز تیز قدم اٹھا کر وہاں سے بھاگنے کے انداز میں لفٹ کی جانب بڑھا۔ لفٹ کھلی اور پھر بند ہو گئی۔ اس کے آفس میں بس گہرا سناٹا بچا تھا، جو اس کے اندر کی طوفانی کیفیت کی عکاسی کر رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ صرف ایک جنگ کا آغاز تھا اور اس جنگ میں اسے کسی بھی حد تک جانا پڑے گا اور وہ جائے گا۔

✿••✿••✿••✿

وہ پروڈکشن ہال سے باہر نکل رہی تھی اس کے قدم معمول کے مطابق تھے اور ذہن میں دن بھر کے کاموں کی فہرست چل رہی تھی۔ اس نے ابھی چند قدم ہی بڑھائے تھے کہ اس کی نظر زینے اترتے صفدر پر پڑی۔ ایک لمحے کو اس کے چہرے پر معمول کی مسکراہٹ ابھری، لیکن اگلے ہی پل وہ مسکراہٹ غائب ہو گئی، اس کی جگہ بے یقینی اور حیرت نے لے لی۔ صفدر کے ساتھ ایک لڑکی ہنس ہنس کر باتیں کرتی ہوئی نیچے آ رہی تھی اور اس لڑکی کو دیکھ کر فجر اپنی جگہ ساکت رہ گئی۔

وہ اسے کیسے بھول سکتی تھی؟ وہ تو ذرقا سہیل تھی! فروا کی بہن! وہی لڑکی جسے صفدر یونیورسٹی کے زمانے سے پسند کرتا تھا اور جس نے اسے بری طرح استعمال کیا تھا۔ فجر کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ جس لڑکی نے صفدر کے احساسات سے کھیلا تھا، اسے دھوکہ دیا تھا، وہی آج اس کے ساتھ اس قدر بے تکلف انداز میں ہنس رہی تھی۔ فجر کی پیشانی پر بل پڑ گئے، اس کی بھنویں سکڑ گئیں، اور چہرے پر ناگواریت کے تاثرات ابھر آئے۔

صفدر کی نظر بھی فجر پر پڑ چکی تھی۔ اس کے چہرے کا رنگ ایک لمحے کو متغیر ہوا، جیسے کسی نے اس کی مسکراہٹ چھین لی ہو لیکن اس نے جلد ہی خود پر قابو پا لیا۔ وہ اپنی جگہ کھڑی تھی، حیرت اور غصے کے ملے جلے تاثرات اس کے چہرے پر عیاں تھے جب صفدر، ذرقا کے ہمراہ، فجر ہی کی جانب بڑھا۔ ذرقا کے چہرے پر ایک تپانے والی، فاتحانہ مسکراہٹ تھی، جو فجر کو کسی زہر کی طرح کڑوی لگی۔

"ہیلو فجر! کیسی ہو؟" ذرقا نے اپنی خوبصورت مسکراہٹ چہرے پر سجائے پوچھا۔ سیاہ سوٹ میں، بھورے بال اس کے کندھوں پر پھیلے ہوئے تھے، وہ بلاشبہ اچھی لگ رہی تھی، لیکن فجر کو اس وقت وہ کسی زہریلی چڑیل سے کم نہیں لگ رہی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔" اس کی آواز میں ایک سختی تھی۔ "کیا ہم بات کر سکتے ہیں؟" اس نے اپنا رخ صفدر کی جانب موڑا۔ وہ فوراً ہی صفدر سے اس ملاقات کی وجہ جاننا چاہتی تھی، خاص طور پر اس ذرقا کی یہاں موجودگی کی وجہ۔

"دراصل میں ابھی ذرا بزی ہوں۔" صفدر نے بغیر کسی شرمندگی کے کہا، "گھنٹے تک ملتا ہوں۔" اور پھر وہ ذرقا کو لے کر باہر نکل گیا۔ جبکہ فجر گہری سانس لے کر رہ گئی، اس کے آس پاس پتا نہیں کیا کچھ ہو رہا تھا، اور وہ بس کھڑی دیکھتی رہ گئی۔

اور پھر ایک گھنٹے بعد صفدر فجر کے دفتر آیا۔ وہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس طرح نارمل انداز میں بات کر رہا تھا جیسے ذرقا اس کی کوئی خاص ہو، جیسے اس کا یہاں آنا کوئی غیر معمولی بات نہ ہو۔

"وہ میں ذرقا کو ڈراپ کرنے گیا تھا۔" اس نے بے فکری سے آگاہ کیا۔

"تم اس لڑکی کے ساتھ کیا کر رہے تھے؟" فجر نے خود پر قابو پانے کی بہت کوشش کی، لیکن ناگواریت اس کے چہرے سے چھلک پڑی۔ اس کی آواز میں جھنجھلاہٹ صاف محسوس کی جا سکتی تھی۔

"کیا مطلب ہے کیا کر رہا تھا؟" صفدر کے لہجے میں بھی اب سختی آ چکی تھی، "وہ میری دوست ہے اور۔۔۔۔"

"دوست؟" فجر نے اس کی بات کاٹی، اس کی آواز بلند ہو چکی تھی۔

"جس لڑکی نے تمہیں دھوکہ دیا، استعمال کیا، تم اسے دوست کہہ رہے ہو؟" وہ جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی، "اور تو اور تم اسے منار بھی لے آئے؟ یہ کیا تماشا ہے؟" وہ اسے منار میں برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

"بھولو مت کہ منار اتنا ہی میرا ہے جتنا تمہارا۔" صفدر نے اسے ٹوکا، "اور وہ لڑکی کوئی غیر نہیں ہے، وہ میری محبت ہے۔ ہم جلد ہی منگنی کر رہے ہیں۔" فجر پر کسی نے جیسے ٹھنڈا پانی ڈال دیا۔

اس کے الفاظ نے فجر کو ساکت کر دیا۔ وہ حیرانی سے اسے تکے گئی، اس کی آنکھوں میں بے یقینی تھی، جیسے وہ کسی دوسرے شخص کو دیکھ رہی ہو۔ وہ صفدر جو اسے بہن مانتا تھا، جو اس سے ہر بات شیئر کرتا تھا، وہ اتنی بڑی بات چھپا گیا تھا! کئی لمحے وہ اسے بے یقینی سے دیکھتی رہی۔ اس کا ذہن مکمل طور پر مفلوج ہو چکا تھا، اور پھر اس کی دھیمی آواز سنائی دی، جو بمشکل اس کے گلے سے نکلی تھی۔

"تم۔۔۔ تم نے مجھے بتایا نہیں۔"

"کچھ باتیں پرسنل ہوتی ہیں فجر! یقیناً تمہاری بھی ہوں گی۔" لہجے میں بے رخی تھی۔ اس نے نظریں ملائیں۔

"تمہارا منگیتر کون تھا؟ نکاح کس سے ہوا؟ تم بیوہ جب ہوئیں تم نے مجھے نہیں بتایا اور نہ میں نے پوچھا۔ یہ انسان کی ذاتیات ہوتی ہیں، اور ذرقا میری ہونے والی فیانسی ہے، اس کے بارے میں کچھ بھی غلط مت کہنا پلیز۔۔۔۔" اس نے **'پلیز'** جیسے زبردستی لگایا تھا، جو اس کی بات میں کوئی نرمی پیدا نہیں کر سکا، بلکہ اس کی بے رخی کو مزید نمایاں کر گیا۔

فجر اب تک اسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ وہ نہیں سمجھ پائی کہ صفدر کیوں اتنا اکھڑا اکھڑا رہنے لگا تھا، جبکہ وہ اسے حیران چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ وہ دفتر کے درمیان میں کھڑی رہ گئی، اس کے آس پاس کی ہر چیز گھومتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

لوگ اپنی زندگیاں آگے بڑھا رہے تھے۔ صفدر، ذرقا، سب آگے بڑھ چکے تھے۔ ایک وہی تھی جو اپنی جگہ جمی رہ گئی تھی، وقت کے بھنور میں قیدی بن کر۔

✿••✿••✿••✿

لاؤنج میں ایک ناقابلِ بیان خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ باہر سماں روشن تھا مگر اندر دیواریں بھی جیسے کسی ان دیکھے بوجھ تلے دبی ہوئی تھیں۔ فلک، اپنی روشن آنکھوں کے باوجود، اس وقت بجھی بجھی سی نظر آ رہی تھی۔ وہ صوفے پر یوں سکڑ کر بیٹھی تھی جیسے خود کو سمیٹ لینا چاہتی ہو، اس کے ہاتھ بے چینی سے ایک دوسرے کو مسل رہے تھے۔ سامنے والے صوفے پر بڑا بھائی بشارت، سنجیدگی کا مجسمہ بنے بیٹھا تھا۔ اس کے پہلو میں فخر اور فاخرہ یوں خاموش تھے جیسے کسی انہونی کے منتظر ہوں۔ کمرے میں موجود قیمتی فرنیچر، دیواروں پر آویزاں جدید آرٹ کے

نمونے، اور کونے میں رکھی کتابوں سے بھری الماری، سب فلک کی ذہنی کیفیت کے سامنے بے معنی سے لگ رہے تھے۔

بشارت نے گلا صاف کرتے ہوئے گفتگو کا آغاز کیا۔ اس کی آواز میں ہمیشہ کی طرح ایک ٹھہراؤ اور فیصلہ کن انداز تھا۔

"فلک، تم جانتی ہو ہم یہاں کیوں ہیں۔ ابا سائیں کا حکم ہے، اور تمہاری پڑھائی بھی مکمل ہو چکی ہے۔ دو سال کی مہلت ختم ہوئی۔ اب واپسی کا وقت ہے۔"

فلک نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں اٹھا کر بشارت کو دیکھا، پھر نظریں جھکا لیں۔ وہ جانتی تھی مہلت ختم ہو چکی تھی۔ ڈگری مکمل ہو چکی تھی اور اب اسے واپس جانا تھا۔ یہ دنیا اس کی دنیا نہیں تھی۔ اس کی آواز بمشکل نکلی۔

"میں جانتی ہوں۔۔۔ مگر"

"مگر کیا فلک؟" بشارت نے پیشانی پر بل ڈالتے ہوئے پوچھا۔ "تم نے ماسٹرز کر لیا، جیسا تم چاہتی تھیں۔ ہم نے تمہارا ہر طرح سے ساتھ دیا۔ فخر اور فاخرہ تمہاری وجہ سے یہاں لاہور میں مقیم رہے، اپنا گھر بار چھوڑ کر۔ ابا سائیں نے صرف ایک شرط رکھی تھی کہ ڈگری مکمل ہونے پر تم خاموشی سے ان کے فیصلے کے مطابق شادی کر لو گی اب وہ شرط پوری کرنے کا وقت ہے فلک!"

فخر نے مداخلت کی، اس کی آواز میں بشارت کی نسبت نرمی تھی۔

"فلک، تم سمجھ رہی ہو نا؟ گاؤں میں سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ اور رجب بھی امریکہ سے واپس آ گیا ہے۔ تمہیں یاد ہے نا، ابا سائیں کا وعدہ؟"

رجب کا نام سن کر فلک کے دل میں ایک ٹھیس سی اٹھی۔ رجب رضا، انکے قبیلے کا تھا، جس سے وہ کبھی ملی تک نہیں تھی، مگر جس کے نام کے ساتھ اس کا نام دو سال پہلے ہی نتھی کر دیا گیا تھا۔ یہ بھی لاہور آنے، آگے پڑھنے کی شرائط میں سے ایک تھی۔ ایک انجانا خوف اس کے اندر پھیل گیا۔

"شادی تو ٹھیک ہے بھائی، مجھے اعتراض نہیں لیکن۔۔"

"لیکن کیا؟" بشارت بھائی کی آواز میں اب ہلکی سی سختی آنے لگی۔ "دیکھو فلک، تمہاری وہ کتاب اور اس پر ہونے والی باتیں اور یہ جو تمہیں دھمکیاں مل رہی ہیں، کیا یہ سب کافی نہیں ہمیں پریشان کرنے کے لیے؟ ہم سب تمہاری حفاظت کے لیے فکر مند ہیں۔"

فلک کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ دھمکیوں کا خوف اپنی جگہ، مگر اس کے لکھنے کا جنون، اس کا مقصد، اس سے کہیں بڑا تھا۔

"میری کتاب پر تنقید اس لیے ہو رہی ہے کیونکہ میں سچ لکھتی ہوں۔ ان لڑکیوں کے بارے میں لکھتی ہوں جن کی آواز دبا دی جاتی ہے، جن کی شناخت چھین لی جاتی ہے، جن کے خواب مٹی میں ملا دیے جاتے ہیں۔ میں نے فجر کے ساتھ مل کر ایک نیا پروجیکٹ شروع کیا ہے۔ ہم ان لڑکیوں کے لیے کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ میں اب پیچھے کیسے ہٹ جاؤں؟ جب میں نے اپنے مقصد کی جانب قدم بڑھا دیا ہے تو واپس کیسے پلٹ سکتی ہوں؟"

فاخرہ، جو اب تک خاموش تھی دھیرے سے بولی۔ "تم ٹھیک کہہ رہی ہو فلک مگر حالات بہت خراب ہیں۔ تمہارا یہاں رہنا، باہر جانا جب فخر یہاں نہیں ہوتا مجھے خود بہت ڈر لگتا ہے۔ ہمیں واپس چلنا چاہیے۔ تم یہ سب لکھنا چھوڑ دو فلک!" یہ فاخرہ کا علاقہ نہیں تھا۔ وہ بچپن سے جامشورو میں رہی تھی۔ لاہور کی تیز دنیا اسے پسند نہیں آئی تھی مگر فلک کے لیے اس نے اور فخر نے قربانی دی تھی۔ وجاہت عالمگیر اسے کسی صورت آنے نہیں دینا چاہتے تھے پھر اس کی بگڑتی طبیعت اور ذہنی حالت کے پیش نظر بشارت بھائی اور فخر نے مل کر اسکا ساتھ دیا۔ ابا سائیں کو منایا گیا

اور شرط یہ رکھی تھی کہ رجب جوان کے قبیلے کا ایک پڑھا لکھا شخص تھا۔ اس وقت امریکا میں تھا اپنی پڑھائی کے لیے اور ان دنوں جا مشورو آیا تھا ہوا تھا اس سے فلک کو نتھی کر دیا گیا تھا۔ وہ اچھا اور قابل لڑکا تھا۔ بشارت بھائی اور فخر کو وہ رئیس سے کئی زیادہ پسند آیا تھا۔ فلک کا بھی کوئی اعتراض نہیں بنتا تھا مگر ابھی وہ اپنے پروجیکٹ مکمل کیے بنا واپس نہیں جانا چاہتی تھی۔

"میں جانتی ہوں آپ سب میری فکر کرتے ہیں۔ لیکن کیا اس فکر کا مطلب یہ ہے کہ میں لکھنا چھوڑ دوں؟ اپنا مقصد چھوڑ دوں؟ جس کام کے لیے میں نے اتنی محنت کی، جس کے لیے میں نے اتنی مخالفتیں سہیں، اسے ادھورا چھوڑ دوں؟" اس کی آواز میں اب درد اور بغاوت کا امتزاج محسوس ہوا۔ آخر کب تک ہم اس نظام کے عفریت تلے دبے رہیں گے۔

"مجھے شادی پر اعتراض نہیں، مگر یہ لکھنا چھوڑنے کو کیوں کہا جا رہا ہے؟ کیوں؟"

بشارت نے بے بسی سے ہاتھ پھیلائے۔

"فلک، سمجھنے کی کوشش کرو۔ قبیلے کی روایات ہیں، خاندان کی عزت کا سوال ہے۔ ابا سائیں کی صحت بھی ٹھیک نہیں۔ وہ مزید کوئی پریشانی برداشت نہیں کر سکتے۔ تمہارا لکھنا، یہ ہمارے ماحول سے مطابقت نہیں رکھتا۔ جن لوگوں کو تمہارا فون نمبر مل سکتا ہے وہ یقیناً جانتے ہوں گے کہ تم کس خاندان سے ہو اور اگر قبیلے تک یہ باتیں پہنچ گئیں تو جانتی ہو کیا ہو گا؟"

فلک کے اندر جیسے کچھ ٹوٹ سا گیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

"ماحول سے مطابقت نہیں رکھتا؟ بشارت بھیا، میں نے لاہور آکر تعلیم اسی لیے حاصل کی تھی کہ اپنے جیسی ان گنت لڑکیوں کی آواز بن سکوں جنہیں پیدا ہوتے ہی چپ کرا دیا جاتا ہے۔ جنہیں بتایا جاتا ہے کہ ان کی زندگی کا مقصد صرف چولہا ہانڈی اور بچے پیدا کرنا ہے۔ جنہیں خواب دیکھنے کی بھی اجازت نہیں۔ میں چاہتی ہوں لوگ جانیں کہ عورت، چولہا ہانڈی اور بچوں کے ساتھ خواب بھی دیکھ سکتی ہے۔ اس کی آنکھیں اندھی نہیں ہیں۔ میرا لکھا لڑکیوں کو جینے کی نئی امید دے رہا ہے۔ میں اسے نہیں چھوڑ سکتی۔"

اس کی آواز بھرا گئی۔ "بچپن میں میری منگنی رئیس سے کر دی گئی۔ وہ مجھ سے عمر میں کئی سال بڑا تھا۔ وہ اس رشتے کے لیے راضی نہیں تھا پھر بھی مجھے اس کے ساتھ مجھے باندھ دیا گیا۔ میں نے تب بھی کچھ نہیں کہا۔ پھر اس نے خود ہی وہ رشتہ توڑ دیا۔ میری کیا غلطی تھی؟ کیا مجھ سے پوچھا گیا تھا کہ میں کیا چاہتی ہوں؟ نہیں! اب پھر وہی کہانی دہرائی جا رہی ہے۔ رجب! ایک اور نام، ایک اور چہرہ جس سے میں واقف نہیں۔ چلیں مجھے اس شادی کرنے میں کوئی مسئلہ نہیں ہے مجھے آپ لوگوں پر بھروسہ ہے لیکن کیا میرا مقصد بھی اتنا بے وقعت ہے کہ اسے یوں مسل دیا جائے؟"

وہ اپنی جگہ سے اٹھی، اس کے ہاتھ اب بھی کانپ رہے تھے۔

"ابا سائیں نے مجھے پڑھنے بھیجا، یہ سوچ کر کہ ڈگری لے کر میں بھی باقی لڑکیوں کی طرح خاموش ہو جاؤں گی۔ مگر علم تو روشنی دیتا ہے، وہ سوال کرنا سکھاتا ہے۔ میں ان لڑکیوں کی کہانیاں لکھنا چاہتی ہوں جنہیں زندہ درگور کر دیا جاتا ہے، جن کی پہچان جن کے خواب چھین لیے جاتے ہیں، جنہیں غیرت اور محبت کے نام پر قتل کر دیا جاتا ہے۔ کیا یہ جرم ہے؟" اس کی آواز میں اب تلخی نمایاں ہوئی۔

"آخر کیوں؟ کیوں ہمیشہ لڑکی کو ہی قربانی دینی پڑتی ہے؟ کیا میرے جذبات نہیں ہیں؟ کیا میری کوئی پہچان نہیں؟ یا میری پہچان صرف اتنی ہے کہ میں وجاہت عالمگیر کی بیٹی ہوں، یا کل کو رجب رضا کی بیوی بنوں گی؟ فلک نام کی اس لڑکی کا اپنا کوئی وجود نہیں؟"

کمرے میں ایک بار پھر گہری خاموشی چھا گئی۔ فخر نے نظریں جھکا لیں، فاخرہ کے چہرے پر دکھ کے تاثرات تھے۔ بشارت بھائی کے چہرے پر بھی ایک لمحے کو نرمی ابھری، مگر فوراً ہی دوبارہ سخت چھا گئی۔

"یہ جذباتی باتیں ہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ تمہیں ہمارے ساتھ واپس چلنا ہے۔ تمہاری بھلائی اسی میں ہے اور ہماری بھی۔" اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور اٹھ کر لاؤنج سے باہر نکل گیا۔ وہ فلک سے بارہ سال بڑا تھا۔ فلک اسے اپنے بچوں کی طرح عزیز تھی۔ مگر اب قبیلے میں باتیں بننا شروع ہو گئی تھیں۔ وہ چھبیس سال کی تھی اور اب تک اس کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ رئیس کے رشتہ ختم کرنے پر باہر جو سوال جو انگلیاں فلک پر اٹھی تھیں یہ وہ سب جانتے تھے مگر شاید فلک نہیں۔ یا شاید جانتی ہو۔ مگر وہ اسے مزید مہلت نہیں دے سکتے تھے۔

فلک کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ اسے لگا جیسے اس کا دل کوئی مٹھی میں بھینچ رہا ہو۔ پہلے رئیس، اب رجب۔ پہلے خاندان کی روایات، اب قبیلے کا دباؤ۔ اس کی اپنی ذات، اس کے خواب، اس کی خواہشات، سب بے معنی تھیں۔ وہ ان گنت لڑکیوں کی آواز بننا چاہتی تھی جن کی شناخت ان سے چھین لی جاتی تھی، اور آج وہ خود کو ان ہی میں سے ایک محسوس کر رہی تھی۔ اس کا قلم، جو اس کا سب سے بڑا سہارا تھا، آج اسی سے چھیننے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ آخر کب تک؟ کب تک عورت کو اپنی شناخت کے لیے لڑنا پڑے گا؟

لاؤنج کی پر تعیش دیواریں اسے قفس لگ رہی تھیں، اور باہر کی روشن دھوپ بھی اس کے اندر کی تاریکی کو مٹا نہیں پا رہی تھی۔ وہ ایک چھبیس سالہ کمزور سی لڑکی تھی جو بیک وقت کئی طرح کے عفریتوں سے لڑ رہی تھی۔ اپنے اندر کے عفریت، رشتوں کے عفریت اور نظام کے عفریت جو اسے آگے بڑھنے نہیں دے رہے تھے۔

اندر اور رشتوں کے عفریت سے تو ہم سب آشنا ہیں۔ مگر ایک اور عفریت بھی ہے جو ہمارے باہر موجود ہے ہمارے ارد گرد رقصاں، ایک بے شکل سایہ جو ہماری زندگیوں پر محیط ہے۔ یہ عفریت کوئی ایک ہستی نہیں، بلکہ ایک کثیر الجہتی قوت ہے جو انسانوں اور نظام کے طور پر ہمارے اوپر سایہ فگن رہتی ہے۔ کبھی یہ استحصال کرنے والے نظام کی صورت میں نمودار ہوتا ہے، جہاں دولت چند ہاتھوں میں سمٹ جاتی ہے اور محنت کشوں کا لہو نچوڑ لیا جاتا ہے، ایک ایسا جال جہاں قرض اور غربت کے ان دیکھے شکنجے روحوں کو جکڑ لیتے ہیں۔ یہ وہ عفریت ہے جو طاقت کے پجاری انسانوں کے لبادے میں آتا ہے۔ چاہے وہ بد عنوان حکمران ہوں جو عوام کے خوابوں پر شب خون مارتے ہیں، یا ظالم سرمایہ دار جو صرف منافع کی ہوس میں انسانیت کے گلے پر چھری پھیرتے ہیں۔ یہ عفریت غالب بیانیوں کے جال بنتا ہے، جہاں سچ کو مسخ کر کے جھوٹ کو تراشا جاتا ہے، اور ہماری سوچ کو کنٹرول کرنے کی مذموم کوششیں کی جاتی ہیں۔ وہ عفریت، جو ٹیلی ویژن کی سکرینوں سے، اخبارات کے کالے حروف سے، اور نصابی کتابوں کی بے روح سطروں سے اپنا زہر پھیلاتا ہے۔ اور کبھی یہ عفریت معاشرے کی اجتماعی بے حسی اور لاپرواہی کے روپ میں آ کر ہمیں نگل لیتا ہے، جہاں ہر شخص اپنے خول میں بند، دوسروں کے دکھ درد سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور ایک خاموش سناٹا ہماری انسانیت کو کھوکھلا کر دیتا ہے۔

یہ باہر کا عفریت صرف وجود نہیں رکھتا، بلکہ یہ ہمارے ساتھ کھیلتا ہے، ہماری رگوں میں زہر گھولتا ہے۔ یہ سب سے پہلے ہماری شناخت کو مسخ کرتا ہے، ہمیں ایک سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرتا ہے، ہماری انفرادیت کو کچل کر

ہمیں ایک بے نام ہجوم کا حصہ بنا دیتا ہے جہاں ہم صرف اعداد و شمار بن کر رہ جاتے ہیں۔ یہ ہمارے اندر خوف اور مایوسی کے بیج بوتا ہے ہمیں مسلسل ایک ایسے نفسیاتی دباؤ میں رکھتا ہے جہاں ہمیں لگتا ہے کہ ہم کسی ایسی طاقت کے رحم و کرم پر ہیں جس کے خلاف لڑنا ناممکن ہے۔ ہمارے اندر کی تخلیقی صلاحیتیں دم توڑ دیتی ہیں، جب ہمیں صرف ایک طے شدہ راستے پر چلنے پر مجبور کیا جاتا ہے اور ہمارے خوابوں پر مٹی ڈال دی جاتی ہے۔ یہ عفریت دھیرے دھیرے ہماری امید کی شمع کو گل کرتا ہے ہمیں یہ یقین دلاتا ہے کہ ہماری تقدیر لکھی جا چکی ہے اور کوئی تبدیلی ممکن نہیں۔ یہ ہمیں ایک ایسے بھنور میں دھکیل دیتا ہے جہاں سے نکلنا محال نظر آتا ہے۔ مگر سب سے خطرناک بات یہ ہے کہ یہ عفریت ہمیں ایک دوسرے سے دور کرتا ہے، انسانی رشتوں میں بے اعتمادی کا زہر بھرتا ہے اور یوں انسانیت کے اعلیٰ اقدار کو اپنے گندے قدموں تلے روند ڈالتا ہے۔ یہی وہ عفریت ہے جو ہماری زندگیوں پر قابض ہے مگر اس سے رہائی کی کوئی کرن نظر نہیں آتی ہے۔

فلک کو بے اواز سسکتے ہوئے دیکھ کر فاخرہ اس کی جانب بڑھی۔ وہ اب اسے چپ کروا رہی تھی جبکہ فخر کا دل برا ہو گیا۔ وہ اپنی بہن کا ساتھ دے تو رہا تھا مگر اس نے بھی ایسا مقصد چن لیا تھا کہ ایک نظام اس کا مخالف ہو چکا تھا۔ اس نے گہری سانس لی۔

"تم پریشان مت ہو میں بشارت بھائی سے بات کرتا ہوں۔ کوئی راستہ نکالتا ہوں۔" وہ اسے دلاسہ دے کر خود بھی باہر نکل گیا۔

✿••✿••✿••✿

"کیا ہم مشرقی لڑکیاں واقعی مضبوط ہوتی ہیں؟" اس کی خوبصورت انگلیاں لیپ ٹاپ کے کی بورڈ پر پھسل رہی تھیں۔

نہیں۔۔۔ہم مشرقی لڑکیاں اتنی بھی مضبوط نہیں ہوتیں، ہم تو بس تربیت یافتہ ہو جاتی ہیں۔ٹرینڈ Trained !

ہماری روحوں میں صدیوں کی خاموشیاں گوندھ دی گئی ہیں۔ہمارے اندر وہ صبر کوٹ کوٹ کر بھر دیا گیا ہے جو کسی انجان گناہ کی سزا معلوم ہوتا ہے۔دنیا ہماری آنکھوں میں ایک چمک دیکھتی ہے، ہمارے قدموں میں ایک استقامت محسوس کرتی ہے، مگر انہیں کیا خبر کہ یہ چمک دراصل بھڑکتی ہوئی راکھ پر پڑا ایک نقاب ہے، اور یہ استقامت کسی بے بس پرندے کے پروں کا پھڑ پھڑانا ہے جو سونے کے پنجرے میں قید ہے۔

ہمیں لڑنا نہیں سکھایا جاتا، ہمیں صرف سہنا سکھایا جاتا ہے۔ہمیں بولنا نہیں سکھایا جاتا، ہمیں بس خاموش رہنا سکھایا جاتا ہے۔ہمارے خوابوں کو پر لگنے سے پہلے ہی کاٹ دیا جاتا ہے اور ہمارے جذبوں کو ایک بے نام خوف کی گہرائیوں میں دفن کر دیا جاتا ہے۔ہمیں سکھایا جاتا ہے کہ دوسروں کی خوشی میں اپنی زندگی تلاش کریں، کہ ہمارے آنسو کسی کی مسکراہٹ پر بھاری نہ پڑیں۔ہم اچھی لڑکیاں بننے کی اس دوڑ میں خود کو بھول جاتی ہیں۔

ہماری یہ "**مضبوطی**" ایک دھوکہ ہے۔یہ وہ تربیت ہے جو ہمیں اپنی روح پر تشدد کرنے پر مجبور کرتی ہے۔اندر ہی اندر ایک قیامت بپا ہوتی ہے، ایک شور اٹھتا ہے، مگر باہر کی دنیا صرف ہمارے چہرے پر پھیلی ایک مصنوعی مسکراہٹ دیکھتی ہے۔کاش کوئی ہماری آنکھوں میں چھپی اس ویرانی کو پڑھ سکے، کاش کوئی ہمارے دبی ہوئی آہوں کو سن سکے جو رات کی تاریکی میں اپنے ہی وجود سے مکالمہ کرتی ہیں۔ہم صرف مظلوم نہیں، ہم تربیت یافتہ مظلوم ہیں۔اور یہ تربیت ہم سے جینے کا حق، خود ہونے کا حق چھین لیتی ہے۔

✿••✿••✿••✿

شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے اور دن بھر کی ہنگامہ خیزی نے فجر کو بے طرح تھکا دیا تھا۔وہ اپنے آفس کی کرسی پر براجمان تھی نظریں سامنے بیٹھی فلک پر جمی تھیں۔فلک کا چہرہ ستا ہوا تھا، آنکھیں سوجھی ہوئی تھیں۔

صاف دکھائی دے رہا تھا کہ وہ کسی گہری سوچ میں گم ہے، اس کا دھیان کام میں بالکل نہیں تھا۔ کچھ دیر پہلے جب وہ آئی تھی تب فجر نے اسے آفس کی گلاس وال سے دیکھا تھا۔ نیچے پارکنگ میں اسے چھوڑنے دو مرد آئے تھے۔ یقیناً وہ اس کے بھائی تھے جو ہر چیز پر گہری نظر رکھے ہوئے تھے اور اس پل اسے احساس ہوا تھا کہ وہ کتنی خوش قسمت تھی۔ اس کے دونوں طرف دو مضبوط مرد تھے اور ان کے حصار میں وہ دنیا کی محفوظ ترین لڑکی لگ رہی تھی مگر اب اسکا چہرہ کوئی اور کہانی سنا رہا تھا۔

فجر کچھ کہہ رہی تھی، مگر فلک اپنی ہی دنیا میں غائب تھی۔ اس کی بے توجہی فجر کو ڈسٹرب کر رہی تھی۔ کام کے دوران اس طرح کی غیر حاضری فجر کو سخت ناپسند تھی۔

"اگر تمہارا دھیان نہیں ہے تو ہم پھر کبھی ڈسکس کر لیں گے۔" بالآخر وہ بول پڑی۔

فلک چونکی جیسے کسی گہری نیند سے جاگی ہو۔

"نن۔۔ نہیں۔۔۔ وہ بس۔۔۔" وہ زبردستی مسکرائی، ایک پھیکی اور بے جان سی مسکراہٹ۔ جب بھی وہ سوچتی تھی جو اپنی ساری تکلیفوں کی وجہ آجا کر رئیس پر ٹھہر جاتی تھی۔ کاش وہ اس سے شادی کر چکا تھا۔ اسکی مضبوط پناہ گاہ میں وہ اپنا کام سکون سے کر پاتی، وہ اپنے مقصد پر ڈٹی رہتی کیونکہ اس کا سرپرست وہ ہوتا۔ وہ مضبوط شخصیت جس کے آگے بڑی بڑی طاقتیں دم توڑ جاتی تھیں مگر۔۔۔۔۔ ایسا ہوتا تب نا۔

"آنسو دینے والوں کو ان کی اوقات میں رکھنا سیکھو۔"

فلک کی نظریں اٹھیں۔ "اور اگر آنسو دینے والے اپنے ہوں تو پھر؟" اس کی آواز میں کرب تھا۔

فجر نے ایک گہرا سانس لیا۔ "تو پھر رونا فضول ہے کیونکہ۔۔۔"

وہ کرسی پر سیدھی ہوئی، اس کی آواز میں اب نرمی کے بجائے ایک عزم تھا۔

"کیونکہ اپنے لوگ کبھی آپ کو جان بوجھ کر تکلیف نہیں دیتے۔ اور اگر وہ ایسا کر رہے ہیں، تو یا تو وہ آپ کے اپنے نہیں، یا پھر وہ غلط فہمی کا شکار ہیں۔ دونوں صورتوں میں، رونے سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔" پھر وہ فلک کی جانب جھکی۔

"زندگی میں کچھ رشتے ایسے ہوتے ہیں ہمارے اپنے، جو ہمیں ٹوٹ کر بکھیر دیتے ہیں۔ لیکن یہی وہ رشتے ہوتے ہیں جو ہمیں سکھاتے ہیں کہ ہمیں کتنا مضبوط بننا ہے۔ تمہارے آنسو تمہاری کمزوری نہیں، بلکہ یہ ایک علامت ہیں کہ تم ایک حساس دل رکھتی ہو۔ لیکن اس حساسیت کو اپنی طاقت بناؤ، اپنی کمزوری نہیں۔" وہ لمحے بھر کو رکی۔

"تمہیں یاد ہے تم نے کتنی محنت کی ہے یہاں تک پہنچنے کے لیے؟ کتنی راتیں جاگ کر کام کیا ہے؟ یہ سب کچھ اس لیے نہیں تھا کہ کوئی تمہیں یوں توڑ کر رکھ دے۔ جو لوگ تمہارے آنسوؤں کی قدر نہ کریں، وہ تمہاری خوشیوں کے بھی مستحق نہیں۔"

اسے لگا جیسے فجر اس کے اندر تک جھانک چکی ہو۔ جیسے وہ رئیس کے بارے میں بات کر رہی۔

"مگر۔۔۔" فلک کی آواز لرز رہی تھی۔

"مگر کچھ نہیں۔" فجر نے اس کی بات کاٹی۔ "آج تمہیں فیصلہ کرنا ہے کہ تم اپنی زندگی کی ڈرائیور سیٹ پر خود بیٹھو گی یا کسی اور کو اپنی خوشیوں کا کنٹرول دو گی۔ تمہارے پاس ایک شاندار مستقبل ہے، بہت سے خواب ہیں جو تمہیں پورے کرنے ہیں۔ کیا تم ان سب کو صرف چند آنسوؤں کی خاطر قربان کر دو گی؟" پل بھر کی خاموشی چھائی۔

"اٹھو، اپنی ہمت کو اکٹھا کرو۔ ان لوگوں کو اپنی کامیابی سے جواب دو جنہوں نے تمہیں دکھ دیا۔ تمہاری سب سے بڑی جیت ان کی ناکامی ہو گی جو تمہیں بکھرا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔ یاد رکھو، جو تمہیں توڑ سکتے ہیں، وہ تمہیں دوبارہ جوڑ نہیں سکتے۔ یہ کام صرف تم خود کر سکتی ہو۔"

فلک نے نم آنکھوں سے فجر کی طرف دیکھا۔ فجر کے الفاظ اس کے دل پر دستک دے رہے تھے۔

"اپنے آنسو پونچھو، میں رونے دھونے والی لڑکیوں کے ساتھ کام نہیں کرتی۔" اس نے لہجے میں سختی جھلکی۔

"تم فلک ہو، رائٹر فلک عالمگیر! تم مضبوط ہو، اور یہ بات کبھی مت بھولنا۔" اس بار اسکا لہجہ نرم تھا۔

"اور اب ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہیں ڈرانے والوں کو جان لینا چاہیے کہ اب تم اکیلی نہیں ہو۔ فجر معراج تمہارے ساتھ کھڑی ہے اور میرے بارے مشہور ہے کہ۔۔۔۔" اس نے ایک بار پھر پیچھے ہوتے کرسی سے ٹیک لگائی۔ چہرے پر ناقابل بیان اور آنکھوں میں ناقابل شکست چمک تھی۔

"میں پہچان چھیننے والوں کو چیر پھاڑ کر کھا جاتی ہوں۔"

اس کا انداز ایسا تھا فلک چند لمحے اسے دیکھے گئی اور پھر بے ساختہ ہنس دی۔ آنکھوں کو رگڑ کر صاف کیا۔ اب کیسا ڈر؟ اب تو اس کی پارٹنر فجر معراج تھی۔ اس کے چہرے پر ایک عزم جھلکنے لگا۔ شاید یہ ایک نئی شروعات تھی۔

✿••✿••✿••✿

شام گہری ہو چکی تھی اور شہر کی روشنیاں ٹمٹما رہی تھیں۔ ولی گاڑی چلا رہا تھا اور فجر تھکی ہاری سیٹ سے پشت ٹکائے، آنکھیں بند کیے بیٹھی تھی۔ دن بھر کی میٹنگز اور کام نے اسے نڈھال کر دیا تھا۔ ولی نے ایک نظر اسے دیکھا اور مسکرایا۔ اسے فجر کو چھیڑنے کا موقع مل گیا تھا۔

"آپ کی ہیزل آنکھوں کی کافی تعریف سنی ہے اگر اتنی ہی اچھی ہیں تو کبھی کھول بھی لیا کریں۔ ساری دنیا روشنیوں سے جگمگا رہی ہے، اور آپ ہیں کہ اپنی دنیا میں گم ہیں۔" وہ اب بھی ویسے ہی بیٹھی رہی۔

"ویسے آج میرا دل رہا ہے چائے پینے کا۔"

فجر نے ٹک سے آنکھیں کھولیں اور اسے گھورا۔

"میرا موڈ اس وقت بالکل اچھا نہیں ہے اور مجھے تمہارے ساتھ کہیں نہیں جانا۔ مجھے تنگ مت کرو۔ "

"تنگ؟ میں تو بس آپ کو حقیقت سے روشناس کرا رہا ہوں۔" اس نے کندھے اچکائے۔ "دن بھر ڈیزائنوں سے کھپنے کے بعد دیکھنا چاہیے کہ دنیا کافی خوبصورت ہے۔ ایک کپ چائے سے کیا بگڑ جائے گا؟ دماغ فریش ہو جائے گا اور غصہ بھی اتر جائے گا۔"

فجر نے لمبا سانس لیا۔ "چائے میں گھر جا کر پی لوں گی۔"

"یو آر سو بورنگ بیگم!"

اور بس اسے ایکٹیو کرنے کے لیے یہ بیگم لفظ کافی ہوتا تھا۔

"اور تمہیں اپنے کام سے کام رکھنا چاہیے۔ فضول مشورے دینے کی بجائے ڈرائیونگ پر توجہ دو۔ اگر ایکسڈنٹ ہو گیا تو تمہارا حلیہ مزید بگڑ جائے گا پہلے ہی لوگ تمہیں موسٹ وانٹڈ کرمنل سمجھتے ہیں۔"

اس کی بات پر ولی کا ابھرنے والا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"دیکھ لیں پھر یہ موسٹ وانٹڈ کرمنل کیسے آپ سے ایک چائے کی درخواست کر رہا ہے۔ خیر میں نے سنا ہے آج کل آفس کی چند ایک لڑکیوں کو مجھ پر کرش ہو چکا ہے۔"

"آج کل کی لڑکیوں کا دماغ ہے انہیں کرمنلز پر جلد کرش ہو جاتا ہے۔"

"Same like, Mama I'm in love with the Criminal..."

وہ ہنستے ہوئے زیر لب بڑبڑایا۔

"ویسے تو میں کرمنل نہیں ہوں ہاں wild کہہ سکتی ہیں مگر آپ کے لیے وہ بھی نہیں ہوں۔ آپ کے لیے صرف معصوم سا ولی ہوں۔ آپکا ایک عدد شوہر!"

"زبردستی کا شوہر۔۔۔" وہ طنزیہ بولی۔

"محترمہ بھول رہی ہیں تو یاد دلا دوں۔ مجھے پرپوز آپ نے کیا تھا۔ ورنہ میں معصوم تو کبھی کورٹ میرج کا سوچ بھی نہیں سکتا۔۔۔" اس نے جس انداز میں کہا تھا فجر کا چہرہ سرخ ہوا۔ وہ رخ موڑ گئی۔ کچھ دیر گاڑی میں خاموشی رہی اور پھر گاڑی ایک چمکتے ہوئے ریستوران کے سامنے رک گئی۔

فجر نے رخ موڑ کر اسے دیکھا آنکھوں میں برہمی تھی۔ "یہ کیا ہے؟"

"ایک چھوٹا سا سٹاپ!" اس نے اطمینان سے گاڑی پارک کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کے گھر کا راستہ یہیں سے گزرتا ہے۔ تو میں نے سوچا، کیوں نہ تھوڑی دیر چائے کے لیے رک جائیں۔" اس سے پہلے وہ مزید کچھ کہتی، وہ گاڑی سے اترا اور فجر کے دروازے کی طرف آیا۔ وہ ابھی بھی اپنی سیٹ پر بیٹھی تھی، آنکھوں میں حیرت اور غصے کا امتزاج تھا۔ اس کی جانب کا دروازہ کھول کر وہ تھوڑا اس کی جانب جھکا۔

"چلیں۔۔۔؟"

"میں کہیں نہیں جا رہی!"

"اتنی آسانی سے جانے بھی نہیں دوں گا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور ہاتھ آگے بڑھایا۔ اس کی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے فجر نے اسے گھورا اور پھر اس کا ہاتھ نظر انداز کرتے باہر نکل آئی۔ وہ مسکراہٹ چھپاتے ہوئے پیچھے ہٹا۔ کسی کے باپ میں اتنا دم نہیں تھا کہ فجر معراج سے زبردستی کچھ کروا سکے اور یہ نشان زدہ چہرے والا شخص ہنستے ہنستے اس سے سب کچھ کروا لیتا تھا۔ وہ اب اندر کی جانب بڑھ رہے تھے۔

ریستوران کی ہلکی روشنیوں اور کافی کی خوشبو نے ماحول کو خوشگوار بنا رکھا تھا۔ ولی نے لفٹ کی جانب اشارہ کیا اور پھر کچھ دیر بعد وہ دونوں اوپر تھے۔ یہاں کچھ جوڑے اپنی اپنی دنیا میں مگن نظر آ رہے تھے۔

"تم پی اے ہو یا گینگسٹر؟" وہ اسے دیکھتے ہوئے طنزیہ بولی۔

"مان لیں گی تو شوہر بھی ہوں۔" وہ اسی انداز میں بولا تو فجر بس گھور کر رہ گئی۔ سمجھ نہیں آیا اسے کیا جواب دے۔ اکثر الفاظ دم توڑ جاتے تھے۔

"کبھی کبھی اچھے کام کے لیے تھوڑی زبردستی کرنی پڑتی ہے۔ دیکھیں اب، ماحول کتنا اچھا ہے جیسے تتلیوں کو اڑنے کے لیے کھلی فضا مل گئی ہو۔" اس نے سکون سے کہتے کرسی سے ٹیک لگائی۔ فجر نے کرسی سے ٹیک لگاتے گردن اٹھا کر اوپر دیکھا۔ وہ کافی اونچائی پر تھے۔ اوپر آسمان صاف نظر آ رہا تھا ذرا سا رخ موڑ کر نیچے دیکھو تو ٹریفک کی لائٹیں موتیوں کی طرح جگمگ کر رہی تھیں۔ وہ سینے پر بازو باندھے آنکھیں بند کیے، کرسی سے پشت ٹکا کر بیٹھی رہی۔ ٹھنڈی ہوا اس کے گالوں کو چھوتے سرگوشیاں کر رہی تھی۔ وہ ہاتھ پر ٹھوڑی ٹکائے اسے دیکھتا رہا۔ ویٹر آڈر لے کر جا چکا تھا۔

بند آنکھوں کے پیچھے فجر کو اپنے دماغ میں ڈھیر سارا شور سنائی دے رہا تھا۔ منزل بدل رہا تھا۔ مختلف آوازیں، مختلف چہرے، شور اتنا تھا کہ اسے دماغ پھٹتا محسوس ہوا اس نے جھٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ آنکھوں کے عین

سامنے وہ بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر نظریں جمائے، اس کی کتھئی آنکھوں کا تاثر اتنا نرم تھا کہ شاید ہی کسی نے فجر کو پہلے اتنی نرمی سے دیکھا ہو۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی پھر آنکھیں موند لیں۔ اس بار تصور کے پردے پر صرف اس کی کتھئی آنکھیں لہرائیں۔ ان کی چمک ان کی نرمی اور پھر دھیرے دھیرے شور ساکت ہوتا گیا۔ اب وہ اپنے قریب سے گزرنے والی ہواؤں کو سن سکتی تھی اور پھر اسے کچھ یاد آیا۔۔۔۔

"میرے لیے اب تک بارش کی آواز دنیا کی سب سے خوبصورت آواز ہے۔"

بارش نہیں ہو رہی تھی مگر وہ اس کی آواز اپنی سماعت میں محسوس کر سکتی تھی۔ وہ اسے سن سکتی تھی۔ ایک لمبا عرصہ اس نے وہ ٹیپ سنتے گزارا تھا اور ابھی بھی سنتی تھی جب اسے نیند نہیں آتی تھی۔ پھر اسے ایک خوشبو کا احساس ہوا۔ نہیں یہ رئیس کی طاقتور خوشبو نہیں تھی۔ بلکہ یہ ولی کے کلون کی مہک تھی جس میں طاقت سے زیادہ نرمی تھی۔

اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اس بار وہ اسکے ساتھ والی کرسی پر بیٹھا تھا اس کے قریب! اسے آنکھیں کھولتا دیکھ کر مسکرایا۔

"جانتا ہوں ایک آرٹسٹ کا دماغ کبھی خالی نہیں ہوتا۔ آوازیں اسکا پیچھا نہیں چھوڑتیں، مگر پھر بھی۔۔۔۔ خود کا خیال رکھا کریں۔" وہ اب سنجیدہ سا کہہ رہا تھا۔ فجر نے اس کی بات سنی اور پھر آگے ہو بیٹھی۔ وہ آج کل کافی مشکلات کا سامنا کر رہی تھی۔

"راج کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ یہ قیمت مانگتا ہے جان کی قیمت، اور رعایا پھر بھی خوش نہیں ہوتی۔" ولی نے غور سے اس کی بات سنی اور پھر اس کی آواز سنائی دی۔

"بیگم آپ بس راج کریں، رعایا میں سنبھال لوں گا۔" وہ مسکرایا تو فجر اسے دیکھ کر رہ گئی۔ ویٹر چائے رکھ گیا تھا ولی اب چائے میں چینی مکس کر رہا تھا جبکہ وہ اسے دیکھے گئی۔

"اب مت پوچھنا کہ میں یہ کرنا والا ہوں کون؟ جواب آپ کو پتا ہے۔" اس نے فجر کا کپ اس کی جانب سرکایا۔ وہ بس اسے گھور کر رہ گئی۔ کپ اٹھا کر لبوں سے لگایا۔ وہ شرارت سے اسے دیکھے گیا۔

ہاں وہ وہی تھا جس کی وہ بیوہ بنی گھومتی تھی۔

✿••✿••✿••✿

وہ رات کی تاریکی میں اپنے کمرے کی بالکونی میں کھڑی تھی۔ فضا میں ہلکی سی خنکی تھی اور دور شہر کی روشنیاں ٹمٹما رہی تھیں۔ اس کے ہاتھ میں نیم گرم چائے کا کپ تھا جس سے اٹھتی بھاپ ہوا میں گھل رہی تھی۔ اس کی نظریں دور افق پر مرکوز تھیں، جہاں شہر کی عمارتیں مدھم روشنی میں ایک مبہم سا منظر پیش کر رہی تھیں۔ ریشمی بال جو اس کی پشت پر بکھرے ہوئے تھے ہلکی ہوا کے جھونکوں سے رقص کر رہے تھے، اور اس کا نفیس ریشمی گاؤن بھی ہوا کی لہروں کے ساتھ ہل رہا تھا۔

گہری سوچ میں گم، اس نے اپنے فون پر نظر ڈالی اور پھر ایک نمبر ملایا۔ اسکرین پر روشن نام پڑھا جا سکتا تھا "**ڈارک لارڈ**" بھانجا تو نوٹس پیریڈ پر تھا ہی کیوں نا اب ماموں سے بھی نبٹ لیا جاتا۔ دوسری جانب، پہلی ہی گھنٹی بجنے پر فون اٹھا لیا گیا۔

"سوچ رہا ہوں آخر میں نے ایسا کونسا نیک کام کیا ہے جو ملکہ فن مجھے یاد کر لیتی ہیں؟" دوسری جانب سے رئیس کی پر اعتماد آواز ابھری، جس میں ہلکا سا استہزاء بھی شامل تھا۔

"اگر کوئی آپ کو آپ کے ڈارک اسٹار ڈھونڈ کر دے تو اس کا انعام کیا ہو گا؟" فجر نے بغیر کسی تمہید کے براہ راست مدعے کی بات کی۔ دوسری جانب ایک لمحے کی خاموشی چھائی رہی، جس کے بعد رئیس کا گہرا قہقہہ بلند ہوا۔

"خیر ہے لٹل مس؟ کام دماغ کو چڑھ گیا ہے کیا؟ آدھی رات کو ستاروں کی باتیں کر رہی ہو؟" رئیس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بتائیں؟ اسے کیا انعام ملے گا؟" فجر نے اس کی بات کو ایک بار پھر نظر انداز کرتے ہوئے اپنے سوال کو دہرایا، اس کے لہجے میں ذرا سی بے صبری تھی۔

ایک بار پھر خاموشی چھائی، اور پھر رئیس کی گھمبیر آواز گونجی، "منہ مانگا انعام!"

فجر کے نازک لبوں پر ایک سرد مسکراہٹ پھیل گئی۔ یہ وہ مسکراہٹ تھی جس کے پیچھے زہر چھپا ہوتا تھا۔

"رئیس صاحب، اپنی سلطنت لٹانے کے لیے تیار ہو جائیں کیونکہ میں آپ کے ڈارک اسٹار ڈھونڈ چکی ہوں۔" اس کے لہجے میں اتنا یقین تھا کہ رئیس اس بار قہقہہ لگانے سے قاصر رہا، البتہ اس کے چہرے پر ایک محتاط مسکراہٹ ضرور نمودار ہوئی۔

"یہ رئیس کی سلطنت ہے یوں ہی نہیں لٹ سکتی۔ میں ہر ایرے غیرے پر اپنی سلطنت نہیں لٹا دیتا۔" اس کی آواز میں اب بھی ہلکا سا تمسخر تھا۔

"تو کیا آپ یہ شرط لگانا چاہیں گے؟" فجر نے چیلنج کیا۔

"شرطیں ہمیشہ جیتنے والوں سے لگائی جاتی ہیں اور ابھی تک تم نے کچھ جیتا نہیں ہے۔" رئیس نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔ "لیکن تمہاری دلچسپی دیکھ کر اچھا لگا۔ کیا تم چاہتی ہو کہ میں تمہیں انعام کی تفصیلات بتاؤں؟"

"انعامات میں خود طے کرتی ہوں۔" اس نے پر سکون لہجے میں جواب دیا۔ "کل شام سات بجے؟"

رئیس نے ایک لمحے کے لیے توقف کیا۔ "اتنا یقین؟"

"یقین ہی میری طاقت ہے۔" فجر نے مختصر جواب دیا۔

"ٹھیک ہے، آرٹ کی دیوی! کل شام سات بجے میں حاضر ہوں گا۔ دیکھتے ہیں کہ تمہارا یقین کتنا مضبوط ہے۔ لیکن یاد رکھنا، اگر تم غلط ثابت ہوئیں تو خمیازہ تمہیں بھگتنا پڑے گا۔ میرا وقت بہت قیمتی ہے۔"

رئیس کی آواز میں اب دھمکی کا عنصر شامل ہو گیا تھا۔

"وقت بتائے گا۔" فجر نے فون بند کر دیا اور بالکنی کی ریلنگ پر ہاتھ رکھ کر ایک گہری سانس لی۔ اس کی زہریلی مسکراہٹ اب بھی اس کے ہونٹوں پر رقص کر رہی تھی۔ کل کی ملاقات ایک دلچسپ معرکہ آرائی ثابت ہونے والی تھی۔

✿••

رات کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔ شہر کی بلند و بالا عمارتوں میں سے ایک، رئیس گروپ کی سب سے اونچی منزل مکمل خاموشی اور نیم تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ نیچے کی منزلوں پر نائٹ شفٹ کی چند ٹیمیں اپنے کام میں مصروف تھیں، مگر یہاں، بالائی منزلکی راہداریوں میں صرف ایک وجود متحرک تھا۔ عروزہ جمال! ڈارک اسٹار کی چوری کے بعد اس کی ذمہ داریاں اور چوکسی کئی گنا بڑھ چکی تھی۔ سیاہ ڈریس پینٹ اور برف جیسی سفید شرٹ میں ملبوس، اس کا وجود اندھیرے میں ایک سائے کی طرح حرکت کر رہا تھا۔ اس کے کورٹ شوز کی تیکھی ہیلز ٹھوس ماربل پر ٹک ٹک کی صدا پیدا کر رہی تھیں۔ ایک ایسی آواز جو اس وسیع خاموشی میں کسی گھڑی کی سوئیوں کی طرح گونجتی اور

وقت اور خطرے کا احساس دلاتی تھی۔ اس کے بال ایک پیشہ ورانہ انداز میں مضبوطی سے بندھے تھے، اور چہرے پر سنجیدگی کا مستقل تاثر تھا۔ کالر کے قریب نصب چھوٹا سا مائیک اس کی ہمہ وقت تیاری کا ثبوت تھا۔

اچانک وہ رک گئی۔ اس کے قدم زمین پر جم گئے۔ ٹک ٹک کی آواز تھم گئی اور خاموشی پہلے سے زیادہ گہری محسوس ہونے لگی۔ اسے اپنے پیچھے ایک آہٹ سنائی دی تھی۔ ہوا یا وہم سے کہیں زیادہ حقیقی۔ اس کی بھوری آنکھیں، جو اکثر ڈیٹا اور کوڈز کو پرکھتی تھیں، ایک لمحے میں شکاری جانور کی طرح چوکنی ہو گئیں، جیسے ارد گرد کے ماحول کو اسکین کر رہی ہوں۔ پھر ایک اور ہلکی سی سرسراہٹ ہوئی۔ اس کا ہاتھ بجلی کی سی تیزی سے حرکت میں آیا اور اگلے ہی لمحے اس کے ہاتھ میں ایک چمکتی ہوئی گن تھی۔ اس کی سب سے وفادار ساتھی۔

"کون ہے؟" اس کی آواز سرد اور صاف تھی، راہداری میں کسی انتباہ کی طرح گونجی۔

وہ اب پنجوں کے بل، محتاط قدموں سے آگے بڑھ رہی تھی۔ اس کا ہر پٹھا تناؤ میں تھا، ہر حس جاگ رہی تھی۔ آگے جا کر راہداری ایک موڑ مڑتی تھی، جہاں سے خطرہ کسی بھی لمحے نمودار ہو سکتا تھا۔ گن کو دونوں ہاتھوں سے تھامے، اپنی سانس روکے جیسے ہی وہ موڑ کے قریب پہنچی، ایک سایہ تیزی سے مڑ کر اس کے سامنے آیا۔

عروزہ کی انگلی ٹریگر پر دبنے ہی والی تھی کہ ایک مانوس آواز نے فضا میں پھیلے تناؤ کو چیر دیا۔

Happy birthday, Robot!

یہ ولی تھا۔ اس کے ہاتھ میں ہتھیار کے بجائے ایک چھوٹا سا، خوبصورتی سے پیک کیا ہوا ڈبہ تھا۔ عروزہ ساکت رہ گئی۔ اس کا دل جو خطرے کے احساس سے دھڑک رہا تھا، اب حیرت سے دھک دھک کرنے لگا۔

وہ مسکراتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔ "مجھے لگا اس سے پہلے کہ تم میرے دماغ کا بھیجا اڑا دو، مجھے خود ہی سامنے آجانا چاہیے۔"

اس نے وہ ڈبہ عروزہ کی طرف بڑھایا۔ عروزہ کا گن والا ہاتھ بے جان ہو کر پہلو میں گر گیا۔ اس نے بے یقینی سے ڈبے کو دیکھا اور پھر ولی کے چہرے کو۔

اس کی زندگی میں سالگرہ کا مطلب رئیس کی طرف سے منہ مانگی جدید ترین ٹیکنالوجی، رئیس اور مراد کے ساتھ کسی مہنگے ریسٹورنٹ میں ڈنر، یا فارم ہاؤس پر گھڑ سواری اور نئے ہتھیاروں کی ٹیسٹنگ ہوتا تھا۔ یہ سب لین دین تھا، ضرورت اور حیثیت کا اظہار۔ مگر یہ چھوٹا سا ڈبہ، یہ کچھ اور تھا۔

اس نے گن واپس اپنی پینٹ میں اڑس لی اور کپکپاتے ہاتھوں سے ڈبہ کھولا۔ اندر دو چاکلیٹ کپ کیکس تھے اور ان کے ساتھ ایک چھوٹا سا کارڈ رکھا تھا۔ اس نے کارڈ اٹھایا۔ خوبصورت لکھائی میں صرف ایک جملہ لکھا تھا۔

"تم ایک لڑکی ہو، روبوٹ نہیں۔ کبھی کھل کر مسکرایا بھی کرو۔"

اور جیسے کسی نے کوئی جادو کر دیا ہو، عروزہ کے سنجیدہ لبوں پر ایک بے ساختہ، ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ ایک ایسی مسکراہٹ جو شاید اس نے خود بھی مدتوں سے نہیں دیکھی تھی۔ اس نے نظر اٹھا کر ولی کو دیکھا جو اب راہداری میں آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ خاموشی سے اس کے پیچھے چل پڑی۔

اب وہ دونوں بالکونی میں کھڑے تھے۔ یہاں سے نیچے شہر روشنیوں کا سمندر نظر آرہا تھا، جو دور تک پھیلا ہوا تھا۔ ٹھنڈی ہوا اس کے بالوں کو ہلکے سے چھو رہی تھی۔ عروزہ نے ڈبے میں سے ایک کپ کیک اٹھایا اور دوسرا ولی کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کیک لے لیا۔ کچھ لمحے وہ خاموشی سے کیک کھاتے ہوئے شہر کے

جگمگاتے منظر کو دیکھتے رہے۔ ولی کے بارے میں عروزہ کے ذہن میں جو ایک منفی اور غیر سنجیدہ تاثر تھا، وہ اس ایک لمحے میں تحلیل ہو گیا تھا۔

"تھینک یو، اسکار!" عروزہ کی آواز دھیمی اور قدرے مختلف تھی۔ "مجھے یاد بھی نہیں آخری بار کب کسی نے مجھے یوں وش کیا تھا۔"

ولی نے شہر پر نظریں جمائے ہوئے ایک گہرا سانس لیا۔ اس کی آواز میں ایک عجیب سی پرچھائیں تھی، ایک یاد کی پرچھائیں۔

"تمہیں اور بگ بی (رئیس) کو دیکھتا ہوں، تو مجھے نینسی یاد آتی ہے۔ ہم دونوں بھی بالکل ایسے ہی تھے۔ ایک دوسرے کی طاقت، ایک دوسرے کا سہارا۔ وہ میری ڈھال تھی اور میں اس کی تلوار!"

عروزہ نے کیک کھانا چھوڑ دیا اور بس اسے تکنے لگی۔ ولی کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرایا تھا، جیسے وہ اس بالکونی میں کھڑے ہو کر بھی کہیں اور، کسی اور وقت میں پہنچ گیا ہو۔ اس کی آنکھوں میں شہر کی روشنیاں نہیں، بلکہ ماضی کی کوئی یاد چمک رہی تھی۔

"وہ بھی تمہاری طرح تھی۔" ولی نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"مگر وہ ہنستی تھی مسکراتی تھی۔ وہ زندگی سے بھرپور لڑکی تھی۔"

عروزہ خاموش رہی، مگر آج پہلی بار اس کے دل میں کسی کی ذاتی کہانی جاننے کی خواہش پیدا ہوئی۔ وہ ہمیشہ دوسروں کو خطرہ یا اثاثہ سمجھتی تھی، مگر آج ولی اسے صرف ایک انسان نظر آ رہا تھا، جس کا ایک ماضی تھا۔ نشان زدہ چہرے والا شخص!

اس نے آہستہ سے پوچھا، "کون تھی نینسی؟"

ولی نے نظریں گھما کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت اور ایک ہلکی سی اپنائیت کا رنگ تھا۔

"کبھی بتاؤں گا، روبوٹ۔ کبھی فرصت میں۔"

اس نے مسکرا کر اپنا آدھا کھایا ہوا کپ کیک اس کی طرف بڑھایا۔

"ابھی کے لیے، سالگرہ مبارک!"

عروزہ نے بھی مسکرا کر اپنا کپ کیک اس کے کپ کیک سے ٹکرایا، اور اس بلند و بالا عمارت کی تنہا چھت پر، دو ادھورے انسانوں نے ایک چھوٹی سی خوشی بانٹی، جس کے نیچے پورا شہر سو رہا تھا۔

وہ لمحہ نازک اور غیر متوقع تھا۔ ایک ایسا لمحہ جو شاید عروزہ کی یادداشت میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جاتا، اگر ایک تیز، میکانکی آواز اس سکوت کو نہ توڑتی۔

"کررر۔۔۔ میڈم عروزہ! رسپونڈ کریں!"

اچانک عروزہ کے کالر پر نصب مائیک سے ایک کرخت آواز ابھری۔ ایک لمحے میں بالکونی کی پر سکون فضا میں تناؤ بھر گیا۔ وہ نرمی، وہ مسکراہٹ، سب ایک سیکنڈ میں غائب ہو گیا۔ عروزہ نے فوراً کپ کیک نیچے رکھا، اس کا چہرہ واپس اسی پیشہ ورانہ سنجیدگی میں ڈھل چکا تھا جو اس کی پہچان تھی۔

"عروزہ ہیئر۔۔" اس کی آواز میں اب کوئی نرمی نہیں تھی، صرف حکم تھا۔

"میڈم! ہیڈ آفس لیفٹ ونگ، جیولری کلیکشن والٹ کے پاس دو نامعلوم افراد دیکھے گئے ہیں۔ سسٹم بریچ ہوا ہے۔ وہ اندر کیسے داخل ہوئے، ہمیں نہیں معلوم۔!" کنٹرول روم سے آتی آواز میں پریشانی واضح تھی۔

یہ سنتے ہی عروزہ اور ولی نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں کوئی سوال نہیں تھا، صرف ایک مشترکہ ارادہ تھا۔ وہ لمحہ بھر پہلے کے دو اجنبی نہیں تھے جو ایک دوسرے کو جاننے کی کوشش کر رہے تھے، بلکہ دو تربیت یافتہ آپریٹو تھے جو خطرے کی بو سونگھ چکے تھے۔

"آن مائی وے!" عروزہ نے کہا اور پلٹ کر بھاگی۔

ولی نے اپنا ادھ کھایا کپ کیک منہ میں ڈالا اور ایک سائے کی طرح اس کے پیچھے لپکا۔ لفٹ کی طرف بھاگتے ہوئے ان کے قدموں میں کوئی لڑکھڑاہٹ نہیں تھی، صرف مقصد تھا۔ لفٹ کا دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہوئے۔ نیچے جاتی ہوئی لفٹ کی خاموشی میں صرف ان کی تیز سانسوں کی آواز تھی۔

لفٹ مطلوبہ منزل پر رکی۔ دروازہ کھلتے ہی دونوں راہداری میں نکلے۔ یہاں کا ماحول اوپر کی منزل سے بالکل مختلف تھا۔ ایمرجنسی لائٹس کی ہلکی سرخ روشنی ہر طرف پھیلی تھی اور سائرن کی دھیمی آواز گونج رہی تھی۔

"یہاں فائرنگ نہیں کر سکتے!" عروزہ نے سرگوشی کی۔

ولی نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس کے چہرے پر اب مسکراہٹ کا شائبہ تک نہیں تھا۔ اس کی آنکھیں سکینر کی طرح راہداری کے ایک ایک کونے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ وہ محتاط قدموں سے آگے بڑھ رہے تھے، ان کے جوتوں کی آواز اب سنائی نہیں دے رہی تھی، جیسے وہ ہوا میں تیر رہے ہوں۔

جیسے ہی وہ مرکزی والٹ کے قریب پہنچے، انہیں دو سائے نظر آئے۔ دونوں نے سیاہ لباس پہن رکھے تھے اور ان کے چہروں پر ماسک تھے۔ وہ والٹ کا ڈیجیٹل لاک توڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔

عروزہ نے ولی کو اشارہ کیا اور دونوں الگ الگ سمتوں سے ان کی طرف بڑھے۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھ پاتے، عروزہ ایک حریف پر جھپٹ پڑی۔ اس کے حملے تیز اور نپے تلے تھے، وہ اپنی پوری طاقت سے حریف کو قابو کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ گھونسوں اور لاتوں کا تبادلہ ہونے لگا۔

لیکن دوسرا گھسنے والا زیادہ پھرتیلا اور شاید زیادہ بے رحم تھا۔ اس نے عروزہ کا داؤ خالی دیا اور ایک زوردار ضرب اس کی پسلیوں پر رسید کی، جس سے عروزہ کے منہ سے ایک کربناک آواز نکلی اور وہ چند قدم پیچھے ہٹی۔ حریف نے موقع غنیمت جانا اور اس کی طرف بڑھا۔

تبھی ولی حرکت میں آیا۔ وہ ایک سایہ نہیں تھا، وہ قابو میں رکھے گئے طوفان کی طرح اس پر ٹوٹ پڑا تھا۔ اس کے حملوں میں محض طاقت نہیں تھی، ایک وحشیانہ مہارت تھی۔ ہر ضرب کا مقصد حریف کو زخمی کرنا نہیں بلکہ اسے ناکارہ کرنا تھا۔ ایک تیز جھٹکے سے اس نے حملہ آور کا بازو اس کی پشت پر موڑا اور ہڈی کے چٹخنے کی ایک کربناک آواز راہداری میں گونجی۔ حملہ آور کی چیخ بلند ہوئی۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا، ولی نے اسے گردن سے پکڑا اور دیوار پر دے مارا۔

اب اس کی توجہ دوسرے حملہ آور پر تھی جو عروزہ سے لڑ رہا تھا۔ ولی نے اسے پیچھے سے گھیر لیا اور اس سے پہلے کہ وہ پلٹتا، ولی کے بھاری بوٹوں کی ٹھوکریں اس پر برسنے لگیں۔ وہ مار نہیں رہا تھا، وہ تباہ کر رہا تھا۔ اس کے ہر وار میں ایک سرد غصہ تھا، جو اس کے وجود سے پھوٹ رہا تھا۔

چند ہی لمحوں میں لڑائی ختم ہو چکی تھی۔ دونوں گھسنے والے اب فرش پر پڑے کراہ رہے تھے۔ ایک کا بازو بری طرح ٹوٹ چکا تھا اور دوسرا اپنے حواس میں نہیں تھا۔

راہداری میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔ عروزہ اپنی پسلیوں کو پکڑے، جھکی ہوئی سانس لے رہی تھی۔ اس نے نظر اٹھا کر ولی کو دیکھا جو حملہ آوروں کے بے جان جسموں کو سرد نظروں سے گھور رہا تھا۔ اس کا سینہ تیزی سے حرکت کر رہا تھا اور اس کے نشان زدہ چہرے پر ایک خوفناک تاثر تھا۔

عروزہ نے پہلی بار ولی کے اس روپ کو دیکھا تھا۔ یہ وہ "**اسکار**" نہیں تھا جو اسے کپ کیک دے کر مسکرانے کا کہہ رہا تھا۔ یہ کوئی اور تھا۔ یہ وہ تلوار تھی جس کا رئیس نے ذکر کیا تھا، تیز، بے رحم اور مہلک! اور آج عروزہ نے اس تلوار کو نیام سے باہر نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔ مگر وہ نہیں جانتی تھی کوئی نہیں جانتا تھا وہ یہاں پوری تیاری کر کے آیا تھا۔ کیوں؟ کس کے لیے؟ یہ یقیناً آپ جانتے ہیں۔

مگر اس لمحے عروزہ نے اسے پیچھے ہٹتے دیکھا، اسکی کتھئی آنکھوں میں خوف کا ایک ہلکا سا تاثر ابھرا تھا۔ وہ کسی کو مارنا نہیں چاہتا تھا مگر وہ لڑتا نہیں تباہ کرتا تھا اور اس عفریت نے اسے بری طرح جکڑ لیا تھا۔ اس کے اندھیرے کہیں کہیں اس کے اندر گھر کر چکے تھے وہ ان پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ زمین پر پڑے وہ دونوں شخص بے طرح کراہ رہے تھے جسے اس نے چند لمحوں میں خاک چٹا دی تھی۔ خود وہ گہرے سانس لیتا چار قدم پیچھے ہٹ گیا جبکہ عروزہ اسے گہری نظروں سے دیکھتی رہی۔

✿••✿••✿••✿

منار کے شیشے کے میٹنگ روم میں ایک برفانی خاموشی طاری تھی۔ جسے صرف دیوار پر لگی گھڑی کی بے رحم ٹک ٹک توڑ رہی تھی۔ وہ بڑی سی مہوگنی کی میز کے پیچھے، چمڑے کی کرسی پر براجمان تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک ایسی تلخی اور سرد مہری تھی جو سامنے کھڑے دو وجودوں کے اندر تک اتر رہی تھی۔

اس کے سامنے رانیہ اور دانیال کھڑے تھے۔ رانیہ کسٹمر کیئر ڈیپارٹمنٹ کی ایک ذہین لڑکی تھی، اور دانیال سوشل میڈیا مارکیٹنگ کا ایک شوخ و چنچل نوجوان۔ منار کا اصول اٹل تھا۔ یہاں پیشہ ورانہ حدود سے تجاوز کرنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی، اور ذاتی تعلقات خاص کر افیئرز، سخت ممنوع تھے۔

رانیہ کا سر جھکا ہوا تھا، اس کے ہاتھ آپس میں جڑے ہوئے تھے اور چہرے پر ندامت اور خوف کے ملے جلے تاثرات تھے۔ وہ ایک مڈل کلاس گھرانے کی بیٹی تھی، جہاں عزت اور ساکھ ہی سب سے بڑا سرمایہ ہوتی ہے۔ اس کے برعکس، دانیال کے چہرے پر کوئی شرمندگی نہیں تھی، بس ایک ہلکی سی بیزاری تھی جیسے اسے کسی غیر ضروری میٹنگ میں بلا لیا گیا ہو۔ ان دونوں کا افیئر چل رہا تھا۔ ہر کمپنی میں کچھ مخبری ہوتے ہیں جو پورے آفس کی خبریں مینجمنٹ تک لاتے ہیں اب چاہے یہ مخبری سوپر ہو یا پھر آفس بوائے لیکن خبر اندر تک ضرور پہنچ جاتی ہے اور ان کی بھی پہنچ چکی تھی۔

فجر نے ایک طویل، خاموش لمحے تک دونوں کو اپنی تیز نظروں سے پرکھا۔ پھر اس نے رانیہ کو مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہوئے اپنی نظریں براہ راست دانیال پر گاڑ دیں۔

"کیا تم اس سے شادی کرو گے؟"

سوال اتنا غیر متوقع اور براہ راست تھا کہ دانیال ایک لمحے کے لیے چونک گیا۔ رانیہ نے جھٹکے سے سر اٹھا کر اسے دیکھا، اس کی آنکھوں میں امید کی ایک لرزتی ہوئی کرن جاگی۔ وہ ایک ایسے متوسط طبقے سے تھی جو اپنی حدود جانتی تھی، مگر جب ایلیٹ کلاس کے چاہنے والے چور راستوں سے دل میں اترتے ہیں، تو لڑکیاں جانتے بوجھتے بھی نظر انداز نہیں کر پاتیں۔ وہ خود اس آگ کے دریا سے گزر چکی تھی اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ جو نقصان اس نے اٹھایا، وہ کوئی اور اٹھائے۔

"سوری؟" دانیال نے اس طرح پوچھا جیسے اس نے سنا ہی نہ ہو۔ اس کے لہجے میں ڈھٹائی تھی۔

فجر نے اپنی کہنیاں میز پر ٹکا دیں۔ اس کی آنکھیں ایک انچ بھی نہیں جھکیں۔

"میں نے پوچھا، کیا تم اس لڑکی سے شادی کرو گے؟"

رانیہ کی تمام تر توجہ دانیال کے چہرے پر مرکوز تھی۔ وہ اس کے بدلتے تاثرات، اس کی آنکھوں میں ابھرنے والی جھنجھلاہٹ کو پڑھ رہی تھی۔ امید کی وہ کانپتی ہوئی کرن بجھنے لگی تھی۔

"آف۔۔ آف کورس، میڈم!"

"کب؟"

"جب وقت آئے گا تو شادی ضرور ہو گی۔"

"ابھی کیا مسئلہ ہے؟" فجر نے فوراً پوچھا۔

دانیال سٹپٹا گیا۔ اس نے ایک چور نظر رانیہ پر ڈالی، جو اسے پتھرائی ہوئی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

"ابھی۔۔ ابھی مجھے اپنے پیروں پر کھڑا ہونا ہے۔ ہم ابھی چھوٹے ہیں۔ کیریئر بنانا ہے۔" یہ وہی گھسے پٹے جملے تھے جو ہزاروں لڑکیوں نے سنے تھے۔

فجر نے ایک ہلکی سی، طنزیہ مسکراہٹ دی۔

"کوئی مسئلہ نہیں۔ منگنی تو ہو سکتی ہے، شادی بعد میں کر لینا۔ کیا تم آج شام اس کے گھر رشتہ لے کر جا سکتے ہو؟ میں تمہارے والدین سے خود بات کر لوں گی، اگر تم چاہو تو۔"

دانیال کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ رانیہ نے خاموشی سے اپنی نظریں زمین میں گاڑھ دیں۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ فجر اس معاملے کو اس طرح کریدے گی۔

"میڈم ابھی تو ممکن نہیں ہے۔" دانیال نے آخر کار نظریں چراتے ہوئے کہا۔

"پھر کب ممکن ہو گا؟" فجر کا لہجہ اب بھی سپاٹ تھا۔

دانیال خاموش رہا۔ وہ ایک ایسے امیر گھرانے کا چشم و چراغ تھا جو اگر چاہتا تو آج ہی سب کچھ کر سکتا تھا، مگر فجر جانتی تھی کہ یہ کبھی ممکن نہیں ہو گا۔ اس خاموشی نے ہر جواب دے دیا تھا۔

اب فجر کا رخ آہستگی سے رانیہ کی طرف مڑا۔ اس کا لہجہ اب بھی سخت تھا، مگر اس میں غصے کے بجائے ایک عجیب سی افسردگی شامل ہو گئی تھی۔

"تمہیں کیوں لگا کہ اپنی پہچان، اپنی محنت سے بنائی گئی جگہ کو داؤ پر لگا کر اس راستے پر چلنا ضروری ہے؟"

رانیہ نے کپکپاتے ہوئے سر اٹھایا۔ "میڈم۔۔۔ میں۔۔۔"

"جب ایک مڈل کلاس لڑکی گھر سے نوکری کے لیے نکلتی ہے، تو وہ صرف اپنی ذات کی ذمہ دار نہیں ہوتی۔ وہ اپنے باپ کے بھروسے، اپنی ماں کی دعاؤں، اور اپنے بھائیوں کے مان کی امانت ساتھ لے کر چلتی ہے۔ کیا تم یہ جانتی تھیں؟"

رانیہ کی سسکیاں بلند ہو گئیں۔ وہ اب رو رہی تھی۔

"محبت گناہ نہیں ہے رانیہ! مگر محبت کے نام پر اپنی عزتِ نفس کو بیچ دینا سب سے بڑا گناہ ہے۔" اس کے لہجے میں اذیت تھی۔ ایسی اذیت جو شاید کبھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔

"اس لڑکے کے لیے یہ ایک وقتی تفریح ہے، ایک قصہ جو دوستوں میں سنا کر بھلا دیا جائے گا۔ مگر تمہارے لیے؟ یہ بدنامی کا وہ داغ بن سکتا ہے جو تمہاری آنے والی پوری زندگی کو دھندلا دے۔" رانیہ کا سر مزید جھک گیا۔

"تمہارا گھر ایک کانچ کا گھر ہے، ذرا سی ٹھیس اسے توڑ سکتی ہے۔ اس کا گھر پتھر کا قلعہ ہے، اسے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

وہ کرسی سے اٹھی اور چلتی ہوئی رانیہ کے قریب آکر کھڑی ہو گئی۔

"تم نے کانٹریکٹ سائن کرنے سے پہلے پڑھا تھا نا؟" اس نے رانیہ سے پوچھا جس نے سسکتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ "اس میں صاف صاف لکھا تھا کہ یہاں کسی بھی قسم کے افیئرز الاؤ نہیں ہیں۔ کلاس فیلوز کو کلاس فیلوز اور کولیگز کو کولیگز ہی رکھنا چاہیے۔ ان تعلقات میں بگاڑ پیدا نہیں ہونا چاہیے۔"

وہ سانس لینے کو رکی۔

"کیا تم نے ایک لمحے کے لیے سوچا کہ اگر تم یہاں سے نکالی جاؤ گی تو اس وجہ سے مجھ جیسی عورتوں کو باقی مڈل کلاس لڑکیوں کے لیے اصول مزید سخت کرنے پڑیں گے؟ تمہاری ایک غلطی کی وجہ سے تمہاری ان ساتھی دس لڑکیوں پر بھی شک کیا جائے گا جو صرف اپنی محنت اور لگن سے آگے بڑھنا چاہتی ہیں۔ تم نے صرف اپنا نہیں، ان سب کا نقصان کرنے کی کوشش کی ہے۔"

"میڈم یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے۔" دانیال کی آواز سنائی دی۔

وہ واپس دانیال کی طرف مڑی، جس کے چہرے پر غصہ اور تضحیک کے تاثرات تھے۔

"تمہیں لگتا ہے یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے؟"

"یس یہ ہمارا پرسنل میٹر ہے۔ آپ کو۔۔"

"نہیں!" فجر نے اس کی بات کاٹ دی۔ "جب تم نے کمپنی کے اصول توڑے، تو یہ میرا معاملہ بن گیا۔ جب تم نے ایک لڑکی کے جذبات اور اس کی عزت کو کھیل سمجھا، تو یہ میرا معاملہ بن گیا۔ اور سب سے بڑھ کر، جب تم میرے سامنے کھڑے ہو کر ڈھٹائی اور بدتمیزی دکھا رہے ہو، تو یہ میرا معاملہ ہے۔"

اس نے انٹر کام کا بٹن دبایا۔ "سیکیورٹی کو میرے آفس بھیجیں۔"

پھر اس نے دانیال کو دیکھا۔

"تمہارا افیئر اس کمپنی میں تمہارا آخری دن نہیں ہے۔ تمہاری یہ ڈھٹائی ہے۔ You are fired! ابھی اسی وقت اپنی چیزیں لو اور یہاں سے نکلو۔"

دانیال کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر فجر کی آنکھوں میں اسے صرف فیصلہ نظر آیا۔ سیکیورٹی گارڈز اندر داخل ہوئے اور دانیال کو اشارہ کیا۔ وہ غصے سے پیر پٹختا ہوا باہر نکل گیا۔ اس نے حقارت بھری نظر رانیہ پر ڈالی تھی جو شرمندہ نظر آ رہی تھی۔

اب کمرے میں صرف فجر اور سسکتی ہوئی رانیہ رہ گئی تھی۔

"میڈم۔۔۔ پلیز۔۔۔ مجھ سے غلطی ہو گئی۔۔۔ سوری۔۔" وہ روتے ہوئے زمین پر ہی بیٹھ گئی۔ "میں نے اس کا بھروسہ کیا۔ مجھے لگا وہ سچ میں۔۔ مم۔۔ مجھ سے۔۔ محبت۔۔۔"

فجر نے اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں کی سختی میں اب درد کی ایک جھلک تھی۔ اس نے میز سے پانی کا گلاس اٹھایا اور رانیہ کے آگے کیا۔

"اٹھو۔۔۔"اس نے دھیمے مگر مضبوط لہجے میں کہا۔"آنسو بہانے سے نقصان پورا نہیں ہوتا۔ آج جو سبق سیکھا ہے، اسے زندگی بھر یاد رکھنا۔ تمہاری پہچان تمہاری محبت سے نہیں، تمہارے کام اور تمہاری خودداری سے ہے۔" وہ اسے دیکھ رہی تھی۔

"میں دوسرا موقع نہیں دیتی مگر تمہیں دے رہی ہوں۔ جاؤ، اپنا کام کرو۔ اور آئندہ، کسی کو اتنی اجازت مت دینا کہ وہ تمہاری قیمت لگا سکے۔"

رانیہ نے کانپتے ہاتھوں سے گلاس تھاما اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کے ساتھ ساتھ ایک نئی سمجھ کی روشنی بھی تھی۔ وہ خاموشی سے سر جھکائے آفس سے باہر نکل گئی، اور فجر نے واپس کرسی پر بیٹھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ ایسے منظر اسے ہمیشہ تکلیف میں مبتلا کر دیتے تھے۔ اگر دانیال سنجیدہ ہوتا تو الگ بات تھی

مگر۔۔۔۔۔۔!

گلاس وال سے باہر نظر آتے ہال میں صوفے فلک اور ولی بیٹھے تھے۔ دونوں کی نظریں اسی پر جمی تھیں۔ پورا واقعہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ فلک کی آنکھوں میں ستائش تھی جبکہ ولی کی آنکھیں سرخ تھیں۔ نیند پوری نہ ہونے کی وجہ سے وہ کافی تھکا ہوا لگ رہا تھا مگر پھر بھی ایکٹیو تھا۔ رئیس ہیڈ آفس میں گھسنے والے وہ دو افراد ایک منظم ڈکیت گروپ کے افراد تھے جو اب عروزہ کے قبضے میں تھے۔ وہ انہیں دیکھ لیتی اور ولی فجر کو دیکھ رہا تھا۔

"کوئی ہر حادثے کو اتنے اچھے سے کیسے ہینڈل کر سکتا ہے؟" فلک نے فجر کو دیکھتے ہوئے ولی سے پوچھا۔ وہ دھیما سا مسکرا دیا۔

"وہی جو ہر حادثے سے گزرا ہو۔"

"کیا ہر حادثے سے گزرنا ضروری ہے؟" اسکے اگلے سوال پر ولی نے کندھے اچکا دیئے۔ کچھ دیر بعد فجر میٹنگ روم سے باہر نکلی تو وہ دونوں اٹھ کر اس کی جانب بڑھ گئے۔

✿••✿••✿••✿

فجر معراج کے نام، روحی کی طرف سے!

ہیلو فجر آپی!

کیسی ہیں آپ؟ امید ہے اچھی ہوں گی۔ میں روحی ہوں، آپ کی سب سے بڑی فین۔ مجھے پتا ہے آپ سوچ رہی ہوں گی کہ اس وقت مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں آپ کو اتنی لمبی ای میل بھیج رہی ہوں، لیکن سچ کہوں تو میرا دل چاہ رہا تھا کہ آپ سے بات کروں۔

کافی دن ہو گئے ہیں آپ سے ملے ہوئے۔ گھر والے تو مجھے اب **'آؤٹ ڈور'** سے **'ان ڈور'** ہی کر چکے ہیں، جیسے کوئی پودا ہو جسے دھوپ سے بچا کر رکھنا ہو۔ اب کیا کروں، یہ کم بخت بیماری بھی ایسی ہی ہے کہ بندہ ذرا سا چھینک بھی دے تو سب پریشان ہو جاتے ہیں۔ اور پھر یہ کیموتھراپی! ایسا لگتا ہے میرے اندر ایک پورا کیمسٹری کا لیب چل رہا ہے، کبھی پیلے رنگ کی دوائی، کبھی لال رنگ کی، کبھی سبز۔ بس مزے کی بات یہ ہے کہ میں اب ایک زندہ تجربہ گاہ بن چکی ہوں۔

آج میں آپ کو ایک نئی بات بتانے والی ہوں مکڑیوں کے بارے میں جو مجھے حال ہی میں پتا چلی ہے۔ پچھلے ہفتے میں ایک ڈاکٹر سے ملی تھی، وہ بھی میری طرح مکڑیوں کے بہت بڑے فین ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ کچھ مکڑیاں ایسی ہوتی ہیں جو اپنے جال میں وائبریٹنگ سگنلز بھیجتی ہیں۔ یعنی وہ تاروں کو اس طرح ہلاتی ہیں جیسے کوئی گٹار بجا رہا ہو، تاکہ

انہیں پتا چلے کہ جال میں کون پھنسا ہے، کوئی کیڑا یا کوئی اور مکڑی۔ سوچیں کتنا ذہین نظام ہے! بالکل ویسے ہی جیسے آپ اپنی کمپنی میں سارے ڈیپارٹمنٹس کو ایک ساتھ لے کر چلتی ہیں اور ہر چیز کا دھیان رکھتی ہیں۔ مجھے لگتا ہے آپ کی سٹریٹجی بھی مکڑیوں جیسی ہی ہے۔ خاموشی سے سب کچھ کر جاتی ہیں اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی۔

اور اب آتے ہیں مسٹر اسکارپر! **(میرا مطلب ہے آپ کا پی اے!)** مجھے کل نرس نے بتایا کہ ہمارے ہسپتال میں جو نیا ڈاکٹر آیا ہے، وہ بہت ہینڈسم ہے اور اس پر سب کو کرش ہو رہا ہے۔ یہ سن کر مجھے فوراً مسٹر اسکار یاد آ گئے! مجھے پتا ہے وہ آپ کی کمپنی میں کام کرتے ہیں، لیکن کیا ان پر بھی کسی کو کرش ہوا ہے؟ مجھے لگتا ہے وہ بہت پراسرار قسم کے انسان ہیں۔ کوئی تو لڑکی ہو گی جسے ان پر کرش ہوا ہو گا! بس آپ سے پوچھنا تھا کیونکہ آپ ان کے ساتھ ہر وقت ہوتی ہیں۔ میرا مطلب ہے، آپ ان کے ساتھ کام کرتی ہیں۔

اب آتے ہیں اصل بات پر، جس کے لیے میں نے اتنی محنت سے یہ ای میل لکھی ہے۔ آپ کے بھائی، میرے بھائی، صفدر بھائی کی منگنی ہونے والی ہے! جی ہاں، آپ نے صحیح پڑھا، صفدر بھائی کی منگنی! اور آپ کو اس میں آنا ہے۔ مجھے پتا ہے، آپ ان سے ناراض ہیں، لیکن ذرا سوچیں اگر آپ نہیں آئیں گی تو کیسا لگے گا؟ صفدر بھائی کی شکل ایسی ہو جائے گی جیسے کسی نے ان سے سارے پیزا چھین لیے ہوں۔

میں جانتی ہوں کہ آپ دونوں کے درمیان کچھ بزنس پارٹنر شپ والے مسئلے چل رہے ہیں، لیکن پلیز! تھوڑی دیر کے لیے یہ سب بھول جائیں۔ صرف میرے لیے، صرف روحی کے لیے۔ میں واقعی آپ کو بہت یاد کر رہی ہوں۔ اور صفدر بھائی کی منگنی پر، اگر آپ کو انہیں تنگ کرنا ہو تو میں آپ کا ساتھ دوں گی۔ ہم دونوں مل کر انہیں خوب پریشان کریں گے، جیسے ہم دونوں نے بچپن میں کیا تھا۔

صفدر بھائی کی منگنی کے لیے سب گھر والے پاگل ہوئے پڑے ہیں۔ امی تو ہر چیز کو چیک کر رہی ہیں جیسے کوئی فیشن شو ہو۔ اور صفدر بھائی! وہ تو ایسے خوش ہیں جیسے انہوں نے کوئی اولمپک کا میڈل جیت لیا ہو۔ مجھے تو لگتا ہے یہ ان کے لیے نیا چیلنج ہے، اب دیکھیں وہ کیسے اپنی منگیتر کو ڈیل کرتے ہیں۔

ویسے میں ابھی بھی اپنی بات پر قائم ہوں۔ آپ کو آنا ہے۔ صفدر بھائی آپ کو دیکھ کر ہی تھوڑے شریف ہو جائیں گے۔ اور اگر آپ آئیں گی تو ہم دونوں مل کر ایک سیکرٹ پلان بنائیں گے تاکہ انہیں سب کے سامنے تھوڑا سا شرمندہ کیا جا سکے۔ میں نے تو پہلے ہی کچھ آئیڈیاز سوچ رکھے ہیں۔

اچھا، میں زیادہ لمبی بات نہیں کروں گی ورنہ آپ کہتی پھریں گی کہ روحی نے پوری کتاب ہی بھیج دی۔ بس ایک بات ہے، آپ آیئے گا ضرور، چاہے جتنی بھی مشکل ہو، کیونکہ آپ کے بغیر یہ فنکشن بالکل پھیکا لگے گا۔ میں وعدہ کرتی ہوں، میں آپ کو بالکل تنگ نہیں کروں گی، صرف دور سے آپ کو دیکھتی رہوں گی اور یہ سوچتی رہوں گی کہ میری آئیڈیل کتنی خوبصورت ہیں۔

خیر، بہت ہو گیا۔ اپنا خیال رکھیے گا اور امید ہے جلد ملاقات ہو گی۔

آپ کی سب سے بڑی فین،

روحی

(جواب بھی مکڑیوں کی خفیہ زندگی پر تحقیق کرتی ہے اور مسٹر اسکار کی کرش کہانی جاننا چاہتی ہے۔)

فجر جو لیپ ٹاپ کی کھلی اسکرین پر نظر آتی ای میل پڑھ رہی تھی آخر تک پہنچتے پہنچتے وہ بے ساختہ ہنس دی۔ روحی کی باتیں ہی ایسی تھیں۔ البتہ ایک چیز نے اسے پریشان کیا تھا۔

صفدر منگنی کر رہا تھا؟ یقیناذر قا سے۔ مگر اس نے نہیں بتایا تھا اور فجر اب پوچھنا بھی نہیں چاہتی تھی اس نے وال کلاک پر نظر ڈالی تو شام کے چھ بج چکے تھے۔ سات بجے اس کی رئیس کے ساتھ میٹنگ تھی۔ سارے اہم پوائنٹس اس نے بنا لیے تھے۔ اب بس میٹنگ کے لیے نکلنا تھا۔ اس نے کرسی سے اٹھتے ہوئے ولی کا نمبر ملایا۔ دوسری جانب کال اٹھالی گئی۔

"میرے آفس آئیں۔" تین لفظوں کا جملہ ادا کرتے اس نے فون بند کر دیا۔

دن بھر کی تھکان اس کے کاندھوں پر بوجھ بن چکی تھی لیکن روحی کی ای میل نے جیسے اس بوجھ کو ہلکا کر دیا تھا۔ اس کی ہنسی اور معصوم ضد نے فجر کے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ بکھیر دی تھی۔ وہ کرسی پر پڑا اپنا بلیزر اٹھا رہی تھی جب دروازہ کھلا اور ولی اندر داخل ہوا۔

وہ اس وقت ایک سیاہ، کھلی اسکرٹ کے اوپر کالر والی سفید ڈریس شرٹ پہنے ہوئی تھی۔ اس کے گھنے بال خوبصورتی سے جوڑے میں بندھے تھے اور کانوں میں چمکتے سفید ٹاپس، ہیرے کے موتیوں جیسے، جگمگ جگمگ کر رہے تھے۔ جیسے ہی ولی اندر آیا اس نے بلیزر پہن لیا۔ اس کے مضبوط کندھے اس میں بالکل فٹ لگ رہے تھے۔

"ہمیں ابھی چلنا ہے۔ آج میری رئیس کے ساتھ میٹنگ ہے۔" اس نے کہا اور پھر جھک کر میز کے خانے سے ایک فائل نکالنے لگی۔ اس کی آواز میں وہی مدہم خود اعتمادی تھی جو اس کی شخصیت کا خاصہ تھی۔

یہ سنتے ہی ولی جیسے ساکت ہو گیا۔ اس کا چہرہ ایک پل کو خالی نظر آیا۔ فجر اپنی فائل میں مصروف تھی، اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔ اسے کیا خبر تھی کہ اس کے چند الفاظ نے ولی کے اندر ایک طوفان برپا کر دیا تھا۔

نن۔۔ نہیں۔۔۔ نہیں وہ دونوں میاں بیوی تھے اور یہ بات رئیس اور نگزیب کو پتا نہیں چلنی چاہیے تھی۔ رئیس کے سامنے ان کے رشتے کا ذکر، یعنی اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنا تھا۔

اگلے ہی لمحے وہ تیزی سے فجر کی جانب بڑھا۔ اس کی رفتار اتنی تیز تھی کہ فجر کو سنبھلنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ ولی نے اس کے قریب پہنچ کر اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ فجر نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"کیا کر رہے ہو؟" فجر کے لہجے میں اچانک ایک سرد پن اتر آیا۔ اس کی آنکھوں میں چمک کی جگہ حیرت نے لے لی تھی۔

ولی کا چہرہ پریشانی سے سفید پڑ رہا تھا، اس کی آنکھوں میں ایک خوف سا تھا۔

"ہمارے رشتے کے بارے میں بگ بی کو پتا نہیں چلنا چاہیے۔ آپ ان سے جس بھی کام سے ملیں، مگر پلیز اس راز کو راز ہی رکھیے گا۔" اس کی آواز میں ایک التجا تھی، ایک عجلت، جو فجر نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے، میں انہیں اس نکاح کے بارے میں بتانے جا رہی ہوں؟" فجر نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی، لیکن ولی کی گرفت مضبوط تھی۔ اس کی آواز میں ایک چبھتا ہوا طنز تھا۔ "رشتے میرے کام پر اثر انداز نہیں ہوتے۔"

"یہ آپ کے کام پر شاید اثر انداز نہ ہو، لیکن میری پوزیشن پر ہو سکتا ہے۔" ولی نے نرمی سے کہا، لیکن اس کی آنکھوں میں التجا بڑھتی جا رہی تھی۔ "بگ بی نہیں جانتے ہمارا رشتہ کیا ہے اور میں نہیں چاہتا انہیں پتا چلے۔۔۔"

"کیوں تم ان سے ڈرتے ہو؟" وہ طنزیہ بولی۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔

"ہاں۔۔۔ میں آپ کو کھونا نہیں چاہتا۔ بس آپ انہیں نے بتایئے گا۔"

یعنی وہ بھی چھپا کر رکھنا چاہتا تھا۔ وہ اسے دیکھے گئی پھر استہزائیہ ہنس دی۔ اس ہنسی میں اذیت بھی تھی۔

"میں رشتوں کو کاروبار میں نہیں لاتی۔ تم میرے پی اے ہو اور بس۔۔۔"

"جانتا ہوں مگر پھر بھی ان کے سامنے یہ راز، راز ہی رکھیے گا پلیز۔۔۔۔"

اس کی آواز میں ایسی سچائی تھی کہ فجر ایک لمحے کے لیے رک گئی۔ وہ جانتی تھی کہ ولی کبھی بھی اتنی پریشانی ظاہر نہیں کرتا جب تک کوئی واقعی اہم بات نہ ہو۔ اس نے ولی کی آنکھوں میں دیکھا، جہاں خوف کے ساتھ ایک اور جذبے کا سایہ بھی تھا۔ وہ اس کی حفاظت کرنا چاہتا تھا، اسے کسی مشکل میں نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

فجر نے نیچے اپنے ہاتھوں کی جانب دیکھا جو ولی کے ہاتھوں میں تھے اور وہ انہیں کس قدر کس التجائیہ انداز میں تھامے کھڑا تھا۔ اس لمحے وہ قریب تھا، اس کے کلون کی مہک فجر کی ساری قیمتی خوشبوؤں کو مات دے رہی تھی۔ وہ مہک جو ہمیشہ فجر کے حواسوں پر چھا جاتی تھی، اس وقت اس کا ذہن بھٹکا رہی تھی۔ اس کے اندر ایک عجیب سی کشمکش جاری تھی۔ ولی کی قربت اور اس کی پریشانی کا احساس۔

"ہاتھ چھوڑو میرے۔۔۔۔" اس نے سرد، سپاٹ لہجے میں کہا۔ فجر کے اندر کا سخت مزاج ابھی بھی ولی کے سامنے جھکنے کو تیار نہیں تھا، لیکن اس کی آنکھوں میں ایک نرمی آچکی تھی۔

ولی جیسے کسی ٹرانس سے باہر نکلا۔ اس نے ایک نظر اپنے دونوں ہاتھوں میں فجر کے ہاتھ دیکھے اور پھر انہیں چھوڑتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے چہرے پر خفیف شرمندگی اور پریشانی کا امتزاج تھا۔ کہیں وہ اسے منار میں ہی دفن نہ کر دے۔

پھر چند لمحوں بعد، وہ دونوں منار کی لمبی راہداری میں چل رہے تھے۔ دراز قد فجر کے ساتھ اس کا ہینڈسم پی اے! جب بھی وہ ساتھ چلتے تھے، ایک دوسرے کو مکمل کر دیتے تھے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے برعکس ہونے کے باوجود، ایک ساتھ ایک ایسی تصویر بناتے تھے جو دیکھنے والے کو اپنی طرف کھینچ لیتی تھی اور اس پل بھی کئی نظروں نے پلٹ پلٹ کر انہیں دیکھا تھا۔

✿••✿••✿••✿

شام کا سورج لہو رنگ شعاعیں بکھیرتا لاہور کے افق پر ڈوب رہا تھا۔ رئیس ہوٹل کی وسیع چھت پر نصب نفیس میز کرسیاں ابھی مہمانوں کی منتظر تھیں۔ فجر اپنے مخصوص انداز میں ایک طرف کھڑی شہر کے بدلتے رنگوں کو دیکھ رہی تھی جب کہ ولی اس کے قریب کچھ فاصلے پر کھڑا اپنے فون پر مصروف تھا۔ آنے کا سفر خاموشی سے کٹا تھا ولی نے مزید کوئی بات نہیں کی تھی۔ دونوں وقت کی پابندی کے عادی تھے اور رئیس کی آمد سے قبل پہنچ چکے تھے۔

پھر دروازے پر رئیس نمودار ہوا، اپنی پر اعتماد چال اور پر کشش شخصیت کے ساتھ۔ اس کے پیچھے اس کا جی ایم، مراد عالم تھا۔ وہ کسی زمانے میں اس کا پی اے تھا مگر اب جی ایم بن چکا تھا۔

اس شام بھی رئیس نے گہرے سیاہ رنگ کا انتخاب کیا تھا، جو اس کی ولولہ انگیز شخصیت کو مزید نمایاں کر رہا تھا۔ اس نے برونی (Brunello Cucinelli) برانڈ کی ایک نفیس، سنگل بریسٹڈ سوٹ جیکٹ پہن رکھی تھی۔ جیکٹ (Tom Ford) ٹام فورڈ کی ایک کرسپ، سیاہ ڈریس شرٹ تھی، جس کے کف پر اس کے نام کے ابتدائی حروف کندہ تھے۔ اس کی ٹائی بھی سیاہ تھی، جارجیو ارمانی (Giorgio Armani) کی، جس پر ہلکا، غیر نمایاں ساڈیزائن تھا۔

ی بر کمی کو چھنیلی بہترین فٹنگ کے ساتھ، جو اس کی سمارٹ لک کو مکمل کر رہے تھے۔

پاؤں میں اس نے جان لوب (John Lobb) کے سیاہ آکسفورڈ شوز پہن رکھے تھے جن کی چمک دور سے نظر آ رہی تھی، جو اس کی اعلیٰ ذوق کی عکاسی کر رہے تھے۔ اس کے بائیں ہاتھ کی کلائی پر رولیکس سب میرینر (Rolex Submariner) کی ایک کلاسک گھڑی بندھی تھی، جس کی مضبوط ساخت اور خوبصورت ڈیزائن اس کی شخصیت پر خوب جچ رہی تھی۔ اس کی انگلیوں میں کوئی زیور نہیں تھا، سوائے بائیں ہاتھ کی دوسری انگلی میں ایک سادہ لیکن قیمتی پلاٹینم کی انگوٹھی کے جو رئیس جیولرز کی تھی۔ آج پہلی بار فجر نے اسے کسی میٹنگ کے لیے بلایا تھا اور وہ اپنی مہنگی اور قیمتی شخصیت کے ساتھ حاضر ہو چکا تھا۔

رئیس کی یہ باوقار اینٹری اس کے رتبے اور طاقت کا منہ بولتا ثبوت تھی۔ اس کا ہر لباس، ہر انداز ایک ایسے شخص کی کہانی بیان کر رہا تھا جو کاروبار کی دنیا کا بے تاج بادشاہ تھا اور جسے اپنی ہر چیز میں بہترین کی تلاش رہتی تھی۔ اس کی نگاہیں چھت پر موجود فجر اور ولی پر پڑیں، اور اس کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی، معنی خیز مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ یہ مسکراہٹ دوستانہ کم اور شکاری زیادہ لگ رہی تھی، جیسے وہ اپنے اگلے شکار کا جائزہ لے رہا ہو۔ وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ اڑسے ان کی جانب بڑھا۔ نیچے کا پورا ایریا لوگوں سے بھرا تھا جبکہ یہ روف ٹاپ کو صرف ان کی میٹنگ کی وجہ سے خالی کروایا گیا تھا۔

"ہیلو گائز۔۔۔" وہ ان کے قریب پہنچ کر سکون سے بولا۔ اب گول میز کے گرد وہ چاروں کھڑے تھے۔

"کیا حال ہے فن کی دیوی؟" اس نے براہ راست فجر سے پوچھا جو پیشہ ورانہ انداز میں مسکرا دی۔ اس کی فائل میز پر پڑی تھی۔ رئیس نے ایک نظر مراد کو دیکھا اور پھر ولی کو۔

"آج مجھے ملکہ فن نے میٹنگ پر بلایا ہے تو کیا تم دونوں ہمیں تھوڑا سا وقت دو گے؟"

ولی نے فوراً فجر کو دیکھا جس نے آنکھوں سے اشارہ کیا تو وہ مراد کے ہمراہ دوسرے کونے کی جانب بڑھ گیا۔ جبکہ وہ دونوں اب آرام دہ کرسیوں پر بیٹھ چکے تھے۔ رئیس نے اپنی سن گلاسز اتار کر میز پر رکھیں اور بھرپور نظروں سے فجر کو دیکھا۔

"تو بتایئے ڈارک لارڈ صاحب ہیروں کی تلاش کہاں تک پہنچی؟" رئیس کی نظریں اس کے چمکتے ٹاپس پر جم چکی تھیں۔ ایک نایاب اور خوبصورت ہیرا اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے سبھی ہیرے بیکار تھے۔ وہ ہولے سے مسکرا دیا۔ پتا نہیں مسکراہٹ اس کی بات سے آئی تھی یا اس کے ٹاپسوں کی چمک سے لیکن مسکراہٹ اصلی تھی۔

"تلاش جاری ہے۔ جلد مل جائیں گے۔ تم بتاؤ تم کہہ رہی تھیں تم نے میرے ڈارک اسٹارز ڈھونڈ لیے ہیں۔۔۔ کیا واقعی؟" اس کا انداز ڈرامائی تھا۔ فجر سکون سے کرسی پر جمی رہی۔ پشت کرسی سے ٹکا رکھی تھی۔

"اگر بتا دیا تو یاد رکھیں، آپ میرے مقروض ٹھہریں گے۔"

رئیس ہنسا، دھیرے سے، آنکھوں میں شرارت کی چمکی۔

"یاد ہے لیکن تمہیں لگتا ہے تم ڈارک اسٹارز کو ڈھونڈ لو گی؟"

وہ اس لمحے میز پر کہنی رکھے، انگلی سے اپنی ٹائی کو ہلکا سا سیدھا کر رہا تھا۔

فجر جھکی۔ کچھ انچ، مگر اس سے کئی میل قریب۔ اس کی آنکھوں میں وہ یقین تھا جو شہ مات دینے والا مہرہ رکھتا ہے۔

"ڈھونڈ لیے ہیں رئیس صاحب!"

رئیس نے اب کی بار پورا قہقہہ لگایا۔ جیسے کسی بچے کی معصوم بات پر بڑا شخص ہنس دے۔

(دوسرے کونے میں بیٹھے ولی اور مراد رئیس کو ہنستے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

"رئیس کو اگر کوئی مار سکتا ہے تو یہ عورت مار سکتی ہے۔" مراد کا تبصرہ آیا۔ ولی سنجیدہ تھا جبکہ مراد چاہ کر بھی ان کی باتیں نہیں سن پا رہا تھا۔)

"اچھا؟ پھر بتاؤ، کہاں ہیں؟"

فجر نے ایک لمحہ توقف کیا۔ ہاتھوں کو کھولا، میز پر رکھ دیا۔ پھر الفاظ گرا دیے جیسے بم۔

"اگر میں کہوں کہ ڈارک اسٹارز کبھی چوری ہی نہیں ہوئے؟"

ایک لمحے کے لیے سکوت چھایا۔ رئیس کی ہنسی رکی۔ پھر آہستہ سے سر کو جنبش دی، اور مسکرا کر بولا۔

"لگتا ہے کام دماغ کو چڑھ گیا ہے۔"

مگر فجر کی نظریں نہ جھکیں، نہ جھجکیں۔ وہ جیسے ایک آئینہ تھی جس میں رئیس کو اپنا عکس بگڑا ہوا نظر آ رہا تھا۔

("یہ عورت تو سانپنی ہے۔ بولے تو ڈسے، چپ رہے تو دم گھونٹے۔" مراد نے دوبارہ سرگوشی کی۔

جبکہ ولی سنجیدگی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ اسکی کتھئی آنکھیں ان کے چہرے پڑھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"پر رئیس بھی وہ ہے جو سانپ کو دودھ نہیں پلاتا۔۔۔" اسکے تبصرے ناقابل سماعت تھے۔)

کچھ وقت کی خاموشی چھا گئی۔ رئیس نے انگلی سے میز بجائی ٹک ٹک!

"سمجھ نہیں آتا تم واقعی ذہین ہو یا اوور کانفیڈنس؟"

"آپ کو کیا لگتا ہے؟" فجر نے الٹا سوال کیا۔

"پہلے مجھے ڈارک اسٹارز کے بارے میں بتاؤ پھر میں فیصلہ کروں گا۔ اگر وہ چوری نہیں ہوئے تو پھر کہاں ہیں؟"

وہ ابھی بھی ہنس رہا تھا۔

"ڈارک اسٹار، کبھی پاکستان آئے ہی نہیں۔" فجر نے اپنے الفاظ چبائے نہیں، سیدھے پھینکے۔

فجر کے اس ایک جملے نے شام کے سکوت میں ایسا ارتعاش پیدا کیا جیسے کسی نے ٹھہرے ہوئے پانی میں بھاری پتھر پھینک دیا ہو۔ رئیس اورنگزیب کی ہنسی، جو کچھ لمحے پہلے پوری چھت پر گونج رہی تھی، یکلخت تھم گئی۔ اس کے چہرے پر جو تمسخرانہ تاثرات تھے، وہ ایک لمحے کے لیے حیرت میں بدلے اور پھر فوراً ہی ایک سرد، ناقابلِ فہم سنجیدگی نے ان کی جگہ لے لی۔ اس کی گہری سیاہ آنکھوں کی چمک، جو پہلے ایک شکاری کی تھی، اب ایک شاطر کھلاڑی کی ہو گئی تھی جو اپنے مدِ مقابل کی چال کو پرکھ رہا ہو۔

اس نے اپنی برونی کو چینیلی کی جیکٹ کے بٹن کو لاشعوری طور پر چھوا، جیسے خود کو یقین دلا رہا ہو کہ حالات اب بھی اس کے قابو میں ہیں۔ وہ چند لمحے فجر کو گھورتا رہا، اس کے چہرے پر لکھی ہر تحریر کو پڑھنے کی کوشش کرتا رہا، اور پھر اس کے ہونٹوں پر ایک نئی، کہیں زیادہ خطرناک مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"دلچسپ!" اس نے دھیمے مگر گہرے لہجے میں کہا، جیسے وہ فجر کے دعوے کو نہیں، بلکہ اس کی ہمت کو سراہا رہا ہو۔

"بہت دلچسپ! تو اگر میرے اڑھائی ارب کے ہیرے پاکستان آئے ہی نہیں تو پھر وہ کہاں ہیں، محترمہ؟ کیا وہ منار کے کسی لاکر میں محفوظ ہیں؟" اس کا طنز اب کاٹ دار تھا۔

فجر اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں۔ اس کے چہرے پر مکمل سکون تھا، جیسے وہ اسی ردِ عمل کی توقع کر رہی تھی۔

"آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں کہ وہ کہاں ہیں۔" اس نے توقف کیا، اپنی نظریں اس کی رولیکس سب میرینر پر جمائیں اور پھر دوبارہ اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "یا شاید مجھے کہنا چاہیے۔ وہ ابھی تک وہیں ہیں جہاں سے انہیں آنا تھا۔"

"یہ ایک بہت بڑا الزام ہے فجر معراج! تم جانتی ہو اس کا مطلب کیا ہے؟ اس کا مطلب ہے کہ میں نے اپنی ہی کمپنی کے لوگوں کو دھوکا دیا ہے، اپنے لوگوں کو مروایا، اور پورے ملک کے قانون نافذ کرنے والے اداروں کو بے وقوف بنایا۔" اس نے اپنی رولیکس سب میرینر کی طرف ایک سرسری نگاہ ڈالی، جیسے وقت کی اہمیت کا احساس دلا رہا ہو۔

"میں الزام نہیں لگا رہی! میں حقائق بیان کر رہی ہوں۔ اور ہاں، آپ نے بالکل یہی کیا ہے۔"

کچھ فاصلے پر بیٹھا مراد عالم بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا۔ اسے ان دونوں کی گفتگو کا ایک لفظ بھی سنائی نہیں دے رہا تھا، لیکن ان کے چہروں کے تاثرات اور بدن بولی ایک پوری کہانی سنا رہی تھی۔ رئیس کا یکدم سنجیدہ ہو جانا اور فجر کا وہ پُراعتماد انداز مراد کے لیے خطرے کی گھنٹی تھی۔

"اچھا ڈرامہ ہے!" وہ استہزائیہ بولا۔

فجر بھی کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے، سینے پر ہاتھ باندھے، اسی کی طرح آگے جھکی۔ اب وہ دونوں میز کے آر پار ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ہوئے تھے۔

"آیئے اس ڈرامے کا اسکرپٹ پڑھتے ہیں۔" اس کی آواز میں اب ایک پیشہ ورانہ کھنک تھی۔

"کچھ دن پہلے میں نے آپ کو شہر کے کچھ اعلیٰ کسٹم اور پولیس افسران کے ساتھ دیکھا تھا۔ بڑی دوستانہ محفل تھی۔

آپ اپنے ڈارک اسٹارز کی چوری کا کیس بند کروا چکے ہیں پھر یہ ملاقات کیوں؟ میں نے تھوڑی سی تحقیق کی اور پتا چلا کہ آپ کا ایمپائر مال پراجیکٹ کچھ عرصے سے کسٹم مافیا کی نظروں میں کھٹک رہا تھا۔ وہ آپ سے اپنا حصہ مانگ رہے تھے، اور آپ دینے کے موڈ میں نہیں تھے۔"

رئیس خاموش تھا، لیکن اس کی انگلیاں میز پر دھیرے دھیرے تھپتھپا رہی تھیں، جو اس کے اندرونی خلفشار کی علامت تھیں۔

فجر نے اپنی بات مکمل کی۔

"تو آپ نے ایک شاندار منصوبہ بنایا۔ ایک ایسا منصوبہ جو آپ جیسی ذہانت کو ہی زیب دیتا ہے۔ آپ نے پوری دنیا میں شور مچایا کہ آپ اڑھائی ارب کے نایاب ہیرے، پاکستان درآمد کر رہے ہیں۔ کاغذات تیار ہوئے، انشورنس کروائی گئی، سب کچھ قانونی تھا۔ پھر پاکستان پہنچتے ہی وہ چوری ہو گئے۔ آپ نے اپنے ہی چار گارڈز کی قربانی دی تاکہ چوری حقیقی لگے۔ آپ نے اپنے آفس میں ایسی اداکاری کی کہ آسکر بھی شرما جائے۔"

فجر ایک لمحے کو رکی، اس کی نظروں میں اب استہزاء کے ساتھ ساتھ ایک عجیب سی تلخی بھی تھی۔

"نتیجہ؟ کسٹم مافیا جو آپ سے کروڑوں بٹورنے کا خواب دیکھ رہا تھا، یہ سوچ کر پیچھے ہٹ گیا کہ جس شخص کا اڑھائی ارب کا نقصان ہو گیا ہو، وہ اب انہیں کیا دے گا۔ آپ ایک ہی چال میں ہمدردی بھی لے گئے اور اپنے دشمنوں

سے جان بھی چھڑالی۔ اور اصل ہیرے؟ وہ تو شاید اب کسی اور نام سے، کسی اور راستے سے، ڈبل قیمت پر اسمگل کیے جائیں گے تاکہ اس پورے ڈرامے کا خرچہ بھی نکل آئے اور منافع بھی ہو۔"

اب چھت پر مکمل خاموشی چھاگئی تھی۔ دور کہیں سے آتی ٹریفک کی آواز بھی مدھم پڑگئی تھی۔ رئیس اور نگزیب نے میز پر تھپتھپاتی انگلیاں روک لیں۔ اس نے ایک طویل، گہری سانس لی۔ اس کے چہرے سے سارے تاثرات غائب ہو چکے تھے، صرف ایک سپاٹ، پڑھنے میں نہ آنے والا ماسک باقی رہ گیا تھا۔

پھر، وہ مسکرایا۔ مسکراہٹ گہری ہوتی قہقہے میں بدل گئی۔

"کون ہو تم۔۔۔؟" وہ اس کی جانب جھکتے رازدانہ انداز میں بولا۔

"فجر معراج! پہچان چھیننے والوں کو چیر پھاڑ کر کھا جاتی ہوں۔۔۔" وہ بھی آگے کو جھکتی اسی کے انداز میں بولی۔

رئیس نے سر کو ہلکا سا خم دیا۔ وہ ابھی بھی مسکرا رہا تھا البتہ یہ ہنسی طنزیہ نہیں تھی۔ یہ ایک حریف کی طرف سے دوسرے حریف کے لیے تسلیم اور ستائش کا ایک نایاب لمحہ تھا۔

"تم صرف ایک ملکہ ملعون ہی نہیں ہو، فجر معراج!" اس نے دھیرے سے کہا، اس کی آواز میں اب پہلی بار ہلکی سی ستائش کی جھلک تھی۔

"تم ایک بہترین جاسوس بھی ہو۔"

اس نے تسلیم کر لیا تھا۔ بغیر کسی اگر مگر کے۔ وہ ایسا ہی تھا ذہین لوگوں کو تسلیم کرتا تھا۔

فجر کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ نہیں آئی۔ وہ جانتی تھی کہ یہ کھیل کا اختتام نہیں، بلکہ آغاز تھا۔

رئیس نے اپنی جیب سے سگار کیس نکالا، اس میں سے ایک مہنگا سگار منتخب کیا اور اسے اپنے ہونٹوں میں دبایا۔ مراد فوراً ایک قدم آگے بڑھایا لیکن رئیس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔ اس نے خود جیب سے ایک نفیس سلور لائٹر نکالا اور سگار سلگایا۔ دھوئیں کا ایک مرغولا ہوا میں چھوڑتے ہوئے اس نے دوبارہ فجر کو دیکھا۔

"تو پھر۔۔۔" رئیس نے پر سکون مگر خطرناک لہجے میں پوچھا۔

"آپ نے اپنے ہی چار لوگوں کو مروا دیا؟" اس بار فجر کے لہجے میں تاسف تھا۔

"میں نے ان کی موت کی ان کی زندگی سے ڈبل قیمت ادا کی ہے۔" وہ اب سنجیدہ تھا۔ بالکل کسی ڈارک لارڈ کی طرح۔

"تو آپ نے انہیں استعمال کیا؟ انکا فائدہ اٹھایا؟"

"وہ بھیک مانگ رہے تھے میں نے قیمت پوچھ لی۔"

"آپ انسانوں کو خریدتے ہیں؟"

"بھیک مانگنے سے بہتر ہے اپنی قیمت لگوائی جائے۔ شاید میں خریدار نکل آؤں۔"

"آپ کو لگتا ہے آپ لوگوں کی قسمتیں لکھتے ہیں؟"

"میں قسمتیں لکھتا نہیں، بس ان کی سمت متعین کرتا ہوں۔"

دھویں کے مرغولے آسمان کی جانب رواں دواں تھے۔

ایک لمبی خاموشی چھاگئی۔ فجر اپنے سامنے بیٹھی اس طاقت کو دیکھ رہی تھی جو بیک وقت رحم دل اور سنگ دل تھا۔ جس کی محبت کی کوئی حد نہیں تھی اور نفرت کی کوئی انتہا نہیں۔

ہاں رئیس اور نگزیب! انڈسٹری کا بے تاج بادشاہ! تقدیریں جس کے ماتحت تھیں، ذر جس کا غلام تھا اور تاج جس کی پہچان تھا۔

"تم نے میرے بچھائے جال کو صرف سمجھا ہی نہیں، بلکہ اب اس میں اپنا حصہ بھی چاہتی ہو۔ بتاؤ، فجر معراج! تمہاری خاموشی کی قیمت کیا ہے؟ اور اگر میں قیمت نہ دوں تو کیا کرلوں گی؟ تمہارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔ تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔"

شام کا سورج اب مکمل طور پر ڈوب چکا تھا اور لاہور کی روشنیاں ایک ایک کر کے جل رہی تھیں۔ رئیس ہوٹل کی چھت پر دو طاقتور ہستیاں آمنے سامنے تھیں، اور ان کے درمیان ایک نیا، کہیں زیادہ پیچیدہ اور خطرناک سودا طے پانے والا تھا۔

"میں جانتی ہوں میں کچھ نہیں کر سکتی مگر میں آپ کے کام کو مشکل ضرور بنا سکتی ہو۔ آپ جانتے ہیں۔" وہ بھی اسی کے انداز میں بولی۔ اس کے کاروبار سے فجر کو کوئی لینا دینا نہیں تھا اسے اپنا فائدہ دیکھنا تھا۔

"آپ کے ڈارک اسٹارز کب کیسے کہاں سے آئیں گے یہ میں پتا لگا سکتی ہوں۔"

"پھر بھی تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔" وہ استہزائیہ ہنس دیا اور سگار کو میز پر دھری ایش ٹرے میں رکھا۔

"جانتی ہوں!"

"میں تمہاری زہریلی ذہانت کا قائل ہوں۔ تو بتاؤ تمہیں اپنی اس ذہانت کا کیا انعام چاہیے؟"

"میں صرف ذہین ہی نہیں بد دماغ بھی ہوں۔"

"میں تمہاری ذہانت اور بد دماغی کا قائل ہوں۔"

"میں صرف ذہین اور بد دماغ ہی نہیں بد مزاج بھی ہوں۔"

"میں تمہاری زہریلی ذہانت، بد دماغی اور بد مزاجی کا بھی قائل ہوں۔"

اس بار وہ ہنس دی۔ پوری گفتگو میں پہلی بار اور پھر میز پر دھری فائل اس کی جانب کھسکائی۔ اس میں اس کے اور فلک کے پروجیکٹ کی ساری ڈیٹیلز تھیں۔

رئیس نے فائنل اٹھائی اسے کھولا اور چند لمحے اس کی نظریں صفحوں پر پھسلتی رہیں پھر اس نے فائل واپس میز پر پھینک دی۔

"تو تمہیں میرا نام چاہیے؟ رئیس گروپ کا نام؟" اس کے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ بس اتنا سا انعام؟ ایسے ایونٹ تو وہ چلتا پھرتا اسپانسر کر دیتا تھا۔

"ہاں۔۔۔ ایک طاقت کو ایک طاقت کاٹ سکتی ہے۔ اس نظام کے عفریت سے رئیس جیسا عفریت لڑ سکتا ہے۔ مجھے بس یہی چاہیے۔" اس نے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔ رئیس نے چند لمحے اسے دیکھا۔ اس کے چہرے کو، گہری اور جانچتی ہوئی نظروں سے۔

"بدلے میں مجھے کیا ملے گا؟" اتنی آسانی سے تو وہ اسے جانے نہیں دے سکتا تھا۔ فجر نے بھنویں سکیڑ کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"رئیس اورنگزیب کو مجھ سے کیا چاہیے؟"

اسکے ایمپائر مال میں سبھی برانڈز کے اسٹور تھے۔ قومی اور بین الاقوامی دونوں، سوائے منار کے۔ اس آفر کو فجر نے ہمیشہ ٹھکرایا تھا مگر اب اگر معاہدہ ہو ہی رہو تھا تو برابر کا ہوتا۔ دونوں اپنا اپنا فائدہ دیکھتے۔ حالانکہ وہاں اسٹور ملنے پر منار کو ہی فائدہ مگر فجر نے اپنی انا اونچی رکھی کہ اگر رئیس کے پاس سب کچھ تھا تو منار نہیں تھا مگر اب وہ وقت آگیا تھا۔

"تمہیں میرے مال میں اسٹور کھولنا ہو گا۔"

فجر نے چند لمحے اسے دیکھا۔ اسے اندازہ تھا۔ پھر اس نے گہری سانس لی۔

"چلیں یہ مہربانی بھی کر ہی دیتی ہوں آپ پر۔۔۔۔"

وہ دھیرے سے ہنس دیا۔ اسے اڑھائی سال پہلے والی فجر معراج یاد آئی۔

"تم ابھی تک ویسی ہی ہو، زخم دینے میں ماہر، مرہم بننے سے گریزاں۔"

فجر نے میز پر کہنی ٹکائی اور جھک کر دھیرے سے کہا۔

"اور آپ ابھی تک ویسے ہی ہیں، ماسک کے پیچھے چھپنے والے، سیاہ ارادوں کے مالک، منہ بولے مسیحا۔۔۔!"

رئیس نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر مراد کے ساتھ کھڑے ولی کو، وہ کافی بے چین نظر آرہا تھا۔ اب انکار شتہ کھل ہی گیا تھا تو کیوں نا یہ پوچھ لیا جاتا۔

"کیا ولی نے تمہاری مدد کی؟" ہاں شاید اسی نے سب بتایا ہو۔

"میں رشتوں کو استعمال کر کے کاروبار نہیں کرتی۔" اس نے بھی رخ موڑ کر ولی کو دیکھا جو ایک ہاتھ پینٹ کی جیب میں ڈالے دوسرے سے فون کان سے لگائے کھڑا تھا۔ کوئی سنجیدہ گفتگو چل رہی تھی۔ ڈوبتی شام میں اس کا

عکس نمایاں ہوا۔ پل بھر کو فجر کی آنکھوں میں نرمی ابھری جو رئیس نہیں دیکھ پایا تھا کیونکہ وہ بھی ولی کو ہی دیکھ رہا تھا۔

"مجھ سے زیادہ وہ آپ سے وفادار ہے۔" اس نے گہری سانس لی۔ یہ سانس بوجھل تھی۔

"رئیس کا پلڑا ہمیشہ بھاری رہے گا کیونکہ اس کے پاس ولی تھا۔" اس نے اذیت سے سوچا۔

ہاں وہ اس آج بھانجا تھا وہ اس کے کہنے پر منار آیا تھا۔ کچھ تھا جو فجر کو اندر چبھ رہا تھا۔ وہ رخ موڑ گئی۔ ہاں اسے ولی کو نہیں دیکھنا تھا۔

✿••✿••✿••✿

رئیس ہوٹل کے وسیع و عریض ہال میں ایک کہرام برپا تھا، اور اس ہنگامے کا مرکز فجر، رئیس اور ولی تھے۔ تینوں ایک سیدھ میں چل رہے تھے، جیسے کسی نادیدہ ڈور سے بندھے ہوں۔

رئیس نے فخر سے گردن اکڑائی، سیاہ سوٹ اس کے مضبوط کاندھوں پر کسی زرہ کی مانند سجا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ تھی جو اس کے سیاہ ارادوں اور گہرے رازوں کی عکاس تھی۔ وہ فجر کے ساتھ ایک قدم پیچھے چل رہا تھا، جیسے ہال میں موجود ہر شخص کو یہ پیغام دیا جا رہا تھا کہ فجر اب اس کی برابر معراج اب اس کی بزنس پارٹنر تھی۔ ان کی موجودگی میں ایک گہرا تعلق چھلک رہا تھا۔

فجر کی ہر حرکت میں ایک نفاست تھی جو اس کی طاقتور اور پراسرار شخصیت کو نمایاں کر رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک ایسی پرسکون سنجیدگی تھی جو اس کے اندر چھپے طوفان کو چھپاتی تھی۔ وہ رئیس کے شانہ بشانہ چل کر اپنی آزاد حیثیت اور بزنس پارٹنر ہونے کا برملا اظہار کر رہی تھی۔

دوسری جانب ولی تھا۔ فجر سے ایک قدم پیچھے رئیس کے مقابل، سفید ڈریس شرٹ میں ملبوس، اس کی آنکھوں میں ایک گہری وفاداری تھی۔ وہ فجر کی دو دھاری تلوار تھا، ایک ایسی ڈھال جو حملے کے لیے بھی استعمال ہو سکتی تھی۔ اس کے ہر قدم میں ایک غیر اعلانیہ عہد تھا۔ اسکا کا ہر قدم فجر کی حفاظت کا ضامن تھا۔ مراد ان کے پیچھے چل رہا تھا۔

تینوں جب ہال میں داخل ہوئے تو دیکھنے والی آنکھیں پلٹنا بھول گئیں۔ یہ محض ایک چال نہیں تھی، یہ ایک طاقتور اتحاد تھا جسے کوئی توڑ نہیں سکتا تھا۔ فجر معراج، جسے لوگ ختم کرنا چاہتے تھے، اب رئیس اورنگزیب اور ولی اورنگزیب کی پناہ میں تھی، گویا موت بھی اس کے قریب آنے سے ڈرے گی۔

یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ فجر اب اکیلی نہیں تھی۔ اس کے ساتھ وہ لوگ تھے جو اسے ہر حال میں بچانے کے لیے تیار تھے۔ رئیس کی مضبوط بزنس پارٹنر شپ، ولی کی بے لوث وفاداری اور فجر کی محافظت اور فجر کی پر وقار موجودگی نے ہال میں موجود ہر شخص کو یہ باور کرا دیا تھا کہ یہ تینوں ایک ایسی قوت تھے جسے شکست دینا ناممکن تھا۔ ان کی موجودگی نے ہال میں ایک نیا سحر طاری کر دیا تھا۔

فجر کی نظر ایک خالی میز پر پڑی۔ وہ چلتے چلتے رک گئی۔ ناک سے چشمہ اٹھا کر سر پر جمایا۔ اسے رکتے دیکھ کر پیچھے والے بھی رک گئے۔ پھر وہ میز کی جانب بڑھی اور وہاں رکھی چمچماتی چھری اٹھائی۔ برقی قمقموں میں چھری کی نوک چمک رہی تھی۔ اس نے چھری اٹھا کر رئیس کی جانب دیکھا۔ کندھے اچکانے کے بعد اسے ٹشو میں لپیٹ کر بیگ میں ڈال لیا۔

رئیس نے زیر لب مسکراتے ہوئے تاسف سے سر ہلایا۔ وہ اس کی چھریوں اور تلواروں کی آبسیشن سے واقف تھا۔ وہ واپس ان کی جانب بڑھی۔

"کیا خیال ہے باس؟ کس کی گردن کاٹنی ہے؟" ولی نے قدرے آگے ہوتے سرگوشی کی۔

"اورنگزیب کی۔۔۔۔ اگر انہوں نے مجھے دھوکا دینے کی کوشش کی۔" وہ سرد لہجے میں آگے بڑھ گئی۔ رئیس اور ولی نے بے ساختہ ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔

"یہ مزاق تھا بگ بی؟" ولی نے بے ساختہ رئیس سے پوچھا۔

"وہ ایسے مزاق نہیں کرتی۔ پہلے ہی میری خوبصورت گردن اسکا شکار ہو چکی ہے۔" رئیس نے گہری سانس لیتے ڈرامائی انداز میں جواب دیا تو پل بھر کی خاموشی کے بعد وہ دونوں ہنس دیئے۔

"چھوٹے پہلے تم مرو گے تم اس کے زیادہ قریب رہتے ہو۔" مراد آگے بڑھا۔

"اور میرے بعد آپ کیونکہ آپ اسے زہر لگتے ہیں۔" وہ تینوں اسکے پیچھے لپکے۔

"شاید میں بچ جاؤں۔" رئیس کی بات پر دونوں نے رک کر، کمر پر ہاتھ رکھے اسے دیکھا جیسے پوچھ رہے ہوں **"کس خوشی میں؟"**

جس پر رئیس نے کندھے اچکا دیئے۔ "آئی مین شاید۔۔۔"

"چچ چچ چچ بلی کو چھیچھڑوں کے خواب!" دونوں نے بیک وقت کہا اور اسے وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔ رئیس نے ایک نظر ہال پر ڈالی اور پھر اپنا بیرونی کوٹ ٹھیک کیا۔

"ایسے کیسے مر جاؤں گا بھئی؟ رئیس اورنگزیب ہوں۔" زیر لب بڑبڑایا اور پھر آگے بڑھ گیا۔

✿••✿••✿••✿

رئیس ہوٹل کے چمکتے پارکنگ ایریا میں، رئیس نے فاتحانہ نظروں سے فجر کو دیکھا، ایک لمحے کو اس کی آنکھوں میں گہرا مفہوم تھا جسے صرف فجر ہی سمجھ سکتی تھی۔ پھر وہ ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ مراد کے ہمراہ اپنی گاڑی کی جانب بڑھ گیا۔ ان کی گاڑی کے پہیے چیختے ہوئے ہال سے نکل گئے، پیچھے رہ گئے صرف فجر اور ولی۔

ولی جو ہوٹل میں داخل ہوتے وقت بالکل خاموش اور دباؤ کا شکار تھا اب ماحول کی خفگی کم ہونے پر کافی ریلیکس محسوس کر رہا تھا۔ اس کی نظروں کی شرارت لوٹ آئی تھی اور ہونٹوں پر ایک گہری مسکراہٹ ابھری، وہ فجر کی طرف مڑا، آج فجر نے اسکا مان رکھ کر اسے مزید عزت بخشی تھی۔

"تو بیگم!" ولی نے اپنے ہاتھ پینٹ کی جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"آج تو آپ نے رئیس اور نگزیب جیسے شخص کو بھی اچھے خاصے چکر دے دیئے ہیں۔۔" اس کے لہجے میں چھیڑ چھاڑ واضح تھی۔

فجر نے اسے گھورا، اس کی آنکھوں میں مصنوعی غصہ تھا۔

"مجھے اپنے پروجیکٹ سے مطلب ہے۔ فرق نہیں پڑتا سامنے رئیس ہے یا کوئی اور، میرا کام تھا اپنی جگہ مضبوط کرنا، اور وہ میں نے کر لیا۔" اس نے چہرے پر آئی لٹ کو پیچھے کیا۔

"میں تو سوچ رہا تھا شاید آپ مجھے آج کے سارے پروجیکٹس کی تفصیلات بتا دیں گی کہ ہم نے کون کون سے سودے کیے ہیں۔ مگر آپ نے تو مجھے ہی سائیڈ کر دیا۔"

"میں رشتوں کو بزنس میں نہیں لاتی۔" اسکا انداز معمولی تھا مگر ولی کا دل رک کر دھڑکا۔ کیا وہ اسکے اور اپنے رشتے کے بارے میں بات کر رہی تھی؟ کیا وہ اس رشتے کو مانتی تھی۔ اس نے چور نظروں سے فجر کو دیکھا جو

جوڑے سے نکلی لٹ کو بار بار پیچھے کر رہی تھی۔ بیگ کندھے پر تھا جبکہ بھنویں سکیڑے وہ فون کی اسکرین پر کوئی اہم پیغام پڑھ رہی تھی۔

"چلیں۔۔۔؟" اچانک ہی اس نے نظریں اٹھائیں۔ ولی سٹپٹا گیا اور پھر تیزی سے گاڑی کی جانب بڑھا۔ پہلے اس کی جانب کا دروازہ کھولا۔ وہ اب آنے والی کال سن رہی تھی۔ بانو کا فون تھا۔

"باجی اماں پوچھ رہی ہیں کھانے میں کیا بنائیں؟"

فجر کو حیرت ہوئی۔ آج اماں اور اس کی لاڈلی بانو کو اسکے کھانے کا خیال کیسے آ گیا تھا؟

"خیر تو ہے؟ آج تم لوگوں نے کونسا جذباتی ڈرامہ دیکھ لیا ہے؟" جو اسے کھانے کا پوچھ رہی تھیں؟ ورنہ گھر میں وہی بنتا تھا جو اماں کہتی تھیں۔ وہ ولی کے قریب سے گزرتے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بولی۔ وہ جو اپنے باپ کے احکامات کی دھجیاں اڑاتا تھا وہ اس کے لیے گاڑی کا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔ وہ اندر بیٹھ گئی تو اس نے گہری سانس لیتے دروازہ بند کر دیا۔ آج وہ خوش تھا۔ فجر اور رئیس کے درمیان جو چپقلش تھی وہ اسے کم ہوتا دیکھ کر خوش تھا۔ وہ یہی چاہتا تھا رئیس کی فجر کے خاندان سے جو بھی دشمنی تھی وہ ختم ہو جائے۔

"ڈرامہ تو باجی ابھی دیکھ رہے ہیں۔ وہ اماں کہہ رہی کہ گلگتی چیتے۔۔ مم۔۔ میرا مطلب ہے ولی بھیا کو بھی کھانے پر لے آئیں۔ وہ آپکا اتنا خیال رکھتے ہیں۔"

فجر نے فون کان سے ہٹا کر باقاعدہ اسکرین کو دیکھا۔ کیا ان دونوں کو چڑھ گئی تھی؟

"خیر تو ہے؟ ولی کو کھانے پر کیوں بلا رہی ہیں اماں؟" اس نے جیسے ہی سوال کیا ولی کے کان کھڑے ہو گئے۔ وہ جو گاڑی اسٹارٹ کر رہا تھا، خوشی سے فجر کو دیکھا۔ یعنی وہ اماں کے ٹیسٹ میں پاس ہو چکا تھا؟ تبھی وہ اسے کھانے پر بلا رہی تھیں۔

"باجی اماں کا حکم ہے۔ اماں کہہ رہیں اسے ساتھ لائیے گا ورنہ اپنے آفس میں ہی رہیں گھر آنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

ٹوں ٹوں ٹوں۔۔۔ فون بند ہو چکا تھا۔ فجر نے جھنجھلا کر فون کو دیکھا اور پھر رخ موڑ کر ولی کو جو اسے شوخ نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"بیگم چلیں؟ اماں انتظار کر رہی ہوں گی۔" اس نے جس قدر پر شوق نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا تھا فجر دل ہی دل میں اسے کوستی رخ موڑ گئی تھی۔ جبکہ وہ اب مسکراتے گاڑی باہر نکال رہا تھا۔

"ایک تو پتا نہیں ان لوگوں کو سکون کیوں نہیں ہے؟ بیٹھے بیٹھے بم گرا دیتے ہیں۔" یقیناً کوئی اہم بات تھی۔ کوئی اہم پیغام اس نے اسکرین پہ کچھ دیر پہلے پڑھا تھا۔

"پھر جب میں تلوار اٹھا لیتی ہوں تو وحشی عورت کہتے ہیں۔" وہ ابھی بھی بڑبڑا رہی تھی۔ وہ مسکراہٹ دبائے سن رہا تھا۔ جانتا تھا زیادہ غصہ اسے اماں اور بانو کی پلاننگ پر آیا ہو گا۔

"بیگم۔۔۔۔؟" اس نے دھیرے سے پکارہ۔ فجر نے رخ موڑ کر خونخوار نظروں سے اسے دیکھا۔ پھر سے بیگم؟

"بیگم آپ بس تلوار اٹھائیں، شہید ہونے والوں کو میں دیکھ لوں گا۔"

اس نے جس انداز میں کہا تھا فجر کا غصے سے لال بھبوکا چہرہ پل بھر میں بدل گیا۔پہلے حیرت ابھری اور پھر مسکراہٹ جسے وہ ضبط کر گئی تھی۔

"تم کچھ زیادہ ہی فری نہیں ہو رہے؟"

"کیا کروں مجبوری ہے۔" وہ بھی مسکراہٹ دبائے بولا۔

"کیا کہوں تمہیں؟ آدھا انگریز یا آدھا اورنگزیب؟"

"آپ کو کیا پسند ہے؟" وہ ذرا سا رخ اس کی جانب موڑ کر بولا تو وہ گردن ہلاتی رخ موڑ گئی۔البتہ غصہ پل بھر میں زائل ہو گیا تھا۔

"پاگل۔۔۔" اس کی زیر لب بڑبڑاہٹ وہ سن چکا تھا۔

✿••✿••✿••✿

ان کی گاڑی تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔مرسیڈیز بینز کی ڈرائیونگ سیٹ پر مراد بیٹھا تھا جبکہ ساتھ والی پر رئیس تھا۔وہ بائیں ہاتھ کی پہلی دو انگلیوں کو لبوں پر ٹکائے ہوئے تھا جبکہ کہنی کھڑکی سے لگی تھی۔اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔وہ جو چاہتا تھا فجر معراج اس تک خود آئے،وہ اس کے نام کو عزت دے،وہ اس کے رتبے کو قبول کرے،وہ آگئی تھی۔اسے آج رئیس اورنگزیب کی ضرورت تھی۔اسے اپنا آپ آج فاتح لگ رہا تھا۔ایک دبی دبی سی مسکراہٹ تھی جو چہرے سے جا ہی نہیں رہی تھی۔آنکھوں کی وہ چمک جو پچھلے اڑھائی سالوں میں کھو گئی لوٹ آئی تھی۔مراد خاموشی سے اسکا مشاہدہ کر رہا تھا مگر بولا کچھ نہیں۔مگر وہ زیادہ دیر چپ نہیں بیٹھ سکتا تھا اس کے

معدے میں درد ہونے لگ جاتا۔ آج تو ویسے بھی عروزہ ساتھ نہیں تھی وہ دونوں آدمی تھے اور کھل کر بات کر سکتے تھے۔۔یونو۔۔۔ آدمیوں والی باتیں!

"خیر ہے؟ مسکراہٹ چہرے سے جدا نہیں ہو رہی۔"

رئیس کے وجود سے اٹھتی مہنگی خوشبوؤں سے رخی بسی فضا میں مراد کی آواز گونجی۔

"آخر اسے میری ضرورت پڑ ہی گئی۔" رئیس کی گھمبیر آواز سنائی دی۔ گردن اٹھی ہوئی تھی۔

"زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں وہ مکڑی تمہیں صرف اپنے مقصد کے لیے استعمال کر رہی ہے۔" مراد نے تلخ حقیقت سے پردہ اٹھایا۔ رئیس کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔

"جانتا ہوں۔۔۔" اس نے دھیرے سے کہا۔

"تو پھر؟" مراد نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا پھر نظریں سیدھا سڑک پر جمائیں۔

"پھر کچھ نہیں۔" وہ شاید ڈسکس نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"تمہیں پتا ہے رئیس جب تم اس کے ساتھ ہوتے ہو تو تمہارے وجود میں ایک الگ چمک بھر جاتی ہے۔ تمہاری آنکھیں مسکراتی ہیں اور تم سرشار لگتے ہو؟ ایسا کیوں ہے؟ کیا صرف اس لیے کہ وہ منار کی ہمشکل ہے؟" مراد کا اگلا سوال کافی مشکل تھا۔ رئیس نے پہلو بدل کر خود کو سیٹ پر جمایا۔ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔ کوٹ وہ پہلے اتار چکا تھا۔ مراد کی بات کسی حد تک سچی تھی مگر جو رئیس سوچتا تھا وہ بس وہی سوچتا تھا اور زیادہ تر اپنے اندر ہی رکھنے کا عادی تھا۔ وہ خاموش رہا۔

"تم اس کے راستے آسان کرتے ہو کیوں؟ تمہیں لگتا ہے ایسا کرنے سے وہ اذیت ختم ہو جائے گی جو تم نے منار کو دی؟"

پتا نہیں وہ اتنے مشکل سوال کیوں کر رہا تھا۔ رئیس نے ایک اور پہلو بدلا۔ پورے وجود میں بے چینی سی بھر گئی تھی۔

"خیر۔۔۔ تمہارے پاس ایک اچھا موقع ہے۔ ایک ایسا موقع جسے تم استعمال کر کے اپنا بدلہ لے سکتے ہو جو کہ تم لینا چاہتے ہو۔ وہ عورت خود تمہارے پاس آئی ہے۔ تمہارے پاس موقع ہے اسے ذلیل کرنے کا، تم اس پروجیکٹ سے عین ٹائم پر مکر سکتے ہو تم کچھ بھی۔۔۔۔"

"میں رئیس اورنگزیب ہوں۔ عورتوں کو استعمال کرنا میری فطرت میں نہیں۔ میری جنگیں میں خود لڑتا ہوں، میں شکاری ہوں اور جانتا ہوں شکار کیسے کرنا ہے۔"

رئیس کی تیز آواز نے اس کی بات کاٹ دی۔ یہ سنتے ہی مراد کے لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ ابھری۔

"وہ صرف عورت نہیں دشمن ہے۔ آخر تم اسے اتنی فیورز کیوں دیتے ہو رئیس؟"

کچھ پل کی خاموشی چھا گئی۔ پھر رئیس کی آواز ابھری۔ کھوئی کھوئی سی آواز۔

"ایک آواز ہے جو میرے کانوں میں گونجتی رہتی ہے۔ ایک چہرہ ہے جو میری آنکھوں کے سامنے بار بار آتا ہے۔ اس نے کہا تھا **محبت تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گی**۔ میں بس اس اذیت سے نکلنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ میں ان لفظوں سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہوں۔"

مراد کا پہلا تجزیہ ٹھیک تھا۔ وہ اذیت سے نکلنا چاہتا تھا۔ وہ شکاری ضرور تھا مگر وہ اپنے ہی جال میں اس قدر بے طرح پھنسا ہوا تھا کہ وہ بے بس تھا۔

"تم اس سے محبت کرتے ہو؟"

وہ منحوس اتنے مشکل سوال کیوں پوچھ رہا تھا؟ رئیس کا بس چلتا تو چلتی گاڑی سے اسے لات مار کر باہر گرا دیتا۔

"میرے ہاتھ خون سے رنگے ہیں، اور یہ دھبے کبھی مٹ نہیں سکتے۔ مجھے بھلا محبت کیسے چھو پائے گی؟ میری قسمت میں بس یہی سیاہی ہے، اور میرا یہی مقدر ہے۔"

"تم غلط ہو رئیس۔۔۔"

"تمہیں لگتا ہے میرے دل میں محبت کی کوئی جگہ ہو سکتی ہے؟ جس کے ہاتھ قتل و غارت سے بھرے ہوں، میرے اندر تاریکی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔"

"محبت تو کسی کو بھی ہو جاتی ہے۔"

"میری تقدیر میں محبت کا کاٹنا بویا ہی نہیں گیا۔ میری دنیا اتنی تاریک ہے کہ یہاں محبت کی کوئی کرن پہنچ ہی نہیں آسکتی۔ یہاں کوئی دیپ نہیں جل سکتا۔"

"مگر۔۔۔"

"اگر تم نے مزید کچھ کہا تو میں واقعی لات مار کر تمہیں چلتی گاڑی سے باہر پھینک دوں گا اور یقیناً تم بنا، باپ بنے مرنا نہیں چاہتے۔"

مراد کے سارے الفاظ منہ میں ہی دم توڑ گئے۔ اس نے نہایت برا منہ بنا کر رئیس کو دیکھا جو سکون سے دوسری جانب دیکھ رہا تھا۔

"بھاڑ میں جاؤ۔" اس نے بالکل ویسے کیا تھا جیسے فجر کہتی تھی جبکہ رئیس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ واقعی پتھر بن چکا تھا ایسا پتھر جو لوگوں کی قبروں پر رکھا جا سکتا تھا۔ محبت سے اسکا کیا لینا دینا۔

✿••✿••✿••✿

لاؤنج میں بیٹھیں اماں کی گہری خاموشی ولی کے لیے مزید بے چینی کا باعث بن رہی تھی۔ وہ صوفے پر چوکنا بیٹھا تھا، اماں کی نظریں جو مسلسل اس پر جمی تھیں، اب کیا نیا بم گرانے والی تھیں۔ اسے اپنی اس کامیابی پر اب شک ہونے لگا تھا جو اس نے اماں کے بلانے پر سوچی تھی۔ بانو آج شیف کے ساتھ مل کر کھانا بنا رہی تھی جبکہ اس کی گھبراہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد، فجر جب تازہ دم ہو کر نیچے آئی تو ماحول یکسر بدل گیا۔ اس نے ہلکے لیمن رنگ کا سادہ سا سوٹ پہنا ہوا تھا اور پیروں میں آرام دہ چپل تھیں۔ وہ کاروباری فجر جو ابھی کچھ دیر پہلے گاڑی میں اس پر بپھری ہوئی تھی، اس وقت بالکل مختلف اور پر سکون لگ رہی تھی۔ ولی کی نظریں بے اختیار اس کی جانب اٹھیں، لیکن ہر بار جب وہ فجر کو دیکھتا، اماں کی نگاہیں اسے گھورتی ہوئی ملتیں۔ وہ فوراً خود کو ملامت کرتا اور نگاہیں ہٹا کر خود کو سیدھا کر لیتا۔

اسے یقین ہو چکا تھا کہ آج اس کی خیر نہیں ہے۔ فجر نے یہ سب بھانپ لیا تھا، اس نے مسکراہٹ دبائے ایک میگزین اٹھا لیا اور اس کی ورق گردانی کرنے لگی۔

میگزین کے فرنٹ کور پر رئیس کی ایک خوبصورت تصویر تھی، ورساچے کے لیے اس کا نیا شوٹ تھا۔ اس کے دلکش چہرے اور پر اعتماد شخصیت نے میگزین کو ایک الگ ہی رنگت بخش رکھی تھی۔ ولی کی نظریں بار بار میگزین پر پڑتیں

اور پھر فجر پر، جو نہایت سپاٹ چہرہ لیے بیٹھی تھی۔ جب خاموشی ناقابل برداشت ہو گئی، اور ہوا میں ایک عجیب سی گھٹن محسوس ہونے لگی تو اماں نے آخر کار اپنا منہ کھولا۔

"تم نے اپنے والد کی فوٹو نہیں دکھائی؟" اماں کا سوال غیر متوقع تھا۔

ولی نے بے ساختہ فجر کی جانب دیکھا جس نے میگزین مزید اوپر کر لیا تاکہ چہرہ چھپ جائے۔

"وہ دراصل میرے والد فوٹو نہیں بنواتے۔" اس نے گھبراتے ہوئے کہا۔

ہزاروں فلیش لائٹس کی موجودگی میں کھڑے مسٹر جوزف نے اس پر ہزار لعنتیں بھیجیں۔

"تمہارے والد کس دور کے ہیں جو تصویریں نہیں بنواتے؟" اماں نے اپنی بھاری آواز میں پوچھا۔ ان کی آنکھوں میں گہری تفتیش تھی۔

ولی سے کوئی جواب نہیں بن پایا، وہ بس اماں کے سامنے لاچار بیٹھا تھا۔ جبکہ فجر میگزین میں منہ چھپائے اس صورتحال پر لطف لے رہی تھی۔ اسے زچ کرنے والا آخر اماں کے ہاتھوں پکڑا گیا تھا۔

کچھ دیر بعد بانو نے آکر کھانا تیار ہونے کا اعلان کیا تو اس نے سکون کا سانس لیا۔ سب کھانے کی میز پر بیٹھ گئے، بانو اور فجر بھی، جبکہ ولی کے لیے کھانا گلے سے نیچے اتارنا مشکل ہو رہا تھا۔ اماں کی گھورتی نظریں اور بانو کا بنا ہوا منہ اسے مسلسل بے چین کر رہا تھا جبکہ فجر یوں بیٹھی تھی جیسے اسے جانتی ہی نہ ہو۔ اس نے خود کلہاڑی پر پاؤں مارا تھا اب بھگتے۔ ماحول بدلنے کے لیے اس نے فجر سے کام کے متعلق دو چار باتیں کی جسے اس نے ہوں ہاں میں جواب دے کر نظر انداز کر دیا۔ اب وہ یہاں آکر پچھتا رہا تھا۔

کھانے کے بعد چائے کا دور چلا۔ اماں آج ولی کو جانے دینے کے موڈ میں نہیں تھیں۔ وہ چائے کے بعد جانا چاہتا تھا، جب فجر کسی کام سے اوپر چلی گئی اور بانو باہر لان میں فون سن رہی تھی۔ ولی کو پیاس کا احساس ہوا۔

"مجھے تھوڑا پانی چاہیے تھا۔"

"تم بیٹھو میں لاتی ہوں۔"

"نہیں نہیں میں لے لیتا ہوں آپ بس بتا دیں۔" اماں نے اسے کچن کا راستہ دکھایا۔

وہ اٹھ کر کچن کی جانب بڑھ گیا۔ دو گلاس پانی پینے کے بعد وہ خود پر قابو پاتا، گہرے سانس لیتا پلٹا تو ساکت رہ گیا۔ اماں اسکے پیچھے کھڑی تھیں، ان کی نظریں خونخوار تھیں۔ وہ ساکت رہ گیا۔

"کون ہو تم؟" اماں کی آواز نہایت سرد تھی۔ ایسی کسی صورتحال کا اس نے سوچا بھی نہیں تھا، جبکہ اماں کی نگاہیں زخمی تھیں، وہ کچھ اور ہی کہانی سنا رہی تھیں۔

یہ ایک دن پہلے کی بات تھی۔ اماں، بانو اور ڈرائیور کے ساتھ گروسری کرنے گئی تھیں۔ جیسے ہی وہ مال سے باہر نکلیں، بانو کی نظر بے ساختہ ایک گاڑی پر پڑی۔

"اماں! وہ دیکھیں، گلگتی چیتا!" بانو نے فوراً ان کی توجہ مبذول کروائی۔ ولی، رئیس کے ساتھ ایک عالیشان عمارت سے باہر نکل رہا تھا۔ وہ دونوں مسکرا رہے تھے اور پھر اماں نے انہیں ایک گاڑی میں بیٹھتے ہوئے دیکھا۔

اماں کو لگا جیسے آسمان ان پر گر پڑا ہو۔ یعنی وہ رئیس کا پیادہ تھا؟ انہیں اپنے سینے میں درد کی ایک تیز ٹیس اٹھتی محسوس ہوئی۔ یعنی وہ ایک منصوبے کے تحت وہاں آیا تھا؟ وہ ساری رات سو نہیں پائیں۔ فجر سے براہ راست بات

نہیں کر سکتی تھیں ورنہ اسے سچائی بتانا پڑتی، اس لیے انہوں نے آج ولی کو کھانے پر بلایا تھا تاکہ اس سے سچ اگلوا سکیں۔ اماں کے دل میں رئیس کے لیے گہری نفرت اور خوف تھا اور نہیں چاہتی تھیں فجر کو بھنک بھی پڑے۔

"کون ہو تم؟" اماں کی آواز دوبارہ ابھری اور اگلے ہی پل انہوں نے شیلف پر رکھی چھری اٹھالی۔ وہ چھری ہاتھ میں تھامے اس کی جانب بڑھیں۔ ولی اپنی جگہ جما رہا۔ اس کی گھبراہٹ فوراً غائب ہو گئی، اور چہرے پر ایک ناقابل فہم تاثر ابھرا۔

"رئیس سے کیا تعلق ہے تمہارا؟ کس نے بھیجا ہے تمہیں؟" وہ چھری کو ایسے تھامے ہوئے تھیں جیسے ابھی اس کی گردن کاٹ دیں گی۔ ولی نے ایک گہری سانس لی۔ یقیناً فجر کی چھری اٹھانے والی عادت اماں سے ہی آئی تھی۔

"بتاؤ مجھے ورنہ یہیں مارے جاؤ گے۔" اماں خالی وارننگ نہیں دے رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں ایک پرانی آگ بھڑک رہی تھی۔ جبکہ نحیف وجود کپکپاتے ہوئے بھی مضبوط لگ رہا تھا۔ انہیں خوف بھی تھا مگر سچ تو جاننا ہی تھا۔

"میں افق اورنگزیب کا بیٹا ہوں، رئیس اورنگزیب کا بھانجا۔" وہ کہتے ہوئے ان کی جانب بڑھا۔ اماں کو اعتماد میں لینے کا وقت آچکا تھا۔

یہ سنتے ہی اماں کی آنکھیں حیرت سے ابل پڑیں۔ افق کا بیٹا؟ یوں لگا جیسے انہوں نے کچھ غلط سن لیا ہو۔ ولی مزید آگے بڑھا۔ کئی لمحے لگے انہیں یہ پراسیس کرنے میں۔

"تم فجر کے۔۔پپ۔۔پیچھے۔۔کیوں ہو؟" ان کے کپکپاتے ہاتھوں نے چھری بمشکل تھامے رکھی۔چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔کبھی زندگی میں نہیں سوچا تھا کہ کبھی افق کا بیٹا ان کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ماضی کی ساری تصویریں ان کی آنکھوں کے سامنے گھوم گئیں۔

"کیونکہ میں فجر کا شوہر ہوں!" اور اس بیان پر اماں کے ہاتھ سے چھری چھوٹ کر گر گئی۔وہ یوں کھڑی تھیں جیسے سانس نہ لیتی ہوں۔بوڑھے چہرے پر حیرت اور صدمہ نمایاں تھا۔

"میں ہی وہ فارنر ہوں جس سے فجر نے شادی کی تھی۔" وہ ایک قدم آگے بڑھا جبکہ اماں لڑکھڑا گئیں۔اس نے تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے اماں کو سنبھالا جنہیں سانس لینے میں دشواری محسوس ہو رہی تھی۔ان کی حالت جیسے خراب ہو چکی تھی۔

"تت۔۔۔تم۔۔۔رئیس۔۔۔" وہ کچھ کہنا چاہتی تھیں مگر الفاظ دم توڑ گئے۔ولی نے اسٹول کھینچ کر انہیں اسٹول پر بٹھایا اور خوف پنجوں کے بل بیٹھا۔

"رئیس کو نہیں پتا۔میں یہاں فجر کی حفاظت کے لیے آیا ہوں،میرا یقین کریں۔" اس نے اماں کے دونوں ہاتھ تھام لیے،عقیدت سے۔وہ انہیں یقین دلانا چاہتا تھا،جبکہ اماں پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھے جا رہی تھیں۔ان کی آنکھوں میں اب آنسو امڈ آئے تھے۔

"تم اس کے بھانجے ہو۔تم رئیس کے بھانجے ہو،میں تمہارا یقین کیوں کروں؟" وہ رو دینے کو تھیں۔

"میرا یقین کریں،میں یہاں سب ٹھیک کرنے آیا ہوں۔میرے ہوتے فجر کو کچھ نہیں ہو سکتا۔آپ کو مجھ پر بھروسہ کرنا ہو گا۔" وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اعتماد سے کہہ رہا تھا۔

اماں کچھ کہنا چاہتی تھیں تبھی فجر کی آواز سنائی دی۔

"کہاں چلے گئے سب؟" وہ لاؤنج میں تھی۔ اماں اسٹول سے اٹھیں۔

"اسے کچھ مت بتانا۔ جتنا وہ رئیس اور اپنے تعلق سے انجان رہے گی، اتنی محفوظ رہے گی۔" اماں نے جیسے التجا کی، جبکہ ولی نے اثبات میں گردن ہلا دی۔ وہ اب انہیں تھامے کچن سے باہر نکل رہا تھا۔

فجر نے دیکھا اور پھر بے ساختہ اماں کی جانب بڑھی۔ "کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں چکر آ گیا تھا۔" اماں نے ولی سے نظریں چراتے ہوئے کہا اور پھر صوفے پر بیٹھ گئیں۔ فجر کے چہرے پر اب پریشانی تھی۔

"میں ڈاکٹر کو فون کرتا ہوں۔" وہ اب فون نکالے ایک نمبر ملا رہا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔ تت۔۔ تم جاؤ کافی رات ہو گئی ہے۔"

ولی نے انہیں دیکھا اور پھر سمجھتے ہوئے انہیں خدا حافظ کہہ کر لاؤنج سے باہر نکل گیا۔ اماں نے اسے جاتے ہوئے دیکھا اور ایک نظر فجر پر ڈالی۔ کیا وہ جانتی تھی؟ اگر جانتی تھی تو بتایا کیوں نہیں؟ ان کے دل میں ایک نیا طوفان برپا ہو چکا تھا جس کی لہریں ان کے چہرے پر عیاں تھیں۔

"چلیں ہم ہسپتال چلتے ہیں۔ زیادہ طبیعت خراب ہے کیا؟" وہ اماں پر جھکی پوچھ رہی تھی جبکہ اماں کی نظریں گلاس ونڈو سے باہر جاتے ولی پر تھیں۔ تقدیر نہ جانے اب کیا رنگ دکھانے والی تھی۔

✿••✿••✿••✿

خاموشی کی ایک دبیز چادر نے فجر کے گھر کو ڈھانپ رکھا تھا۔ دفتر کا شور، کاریگروں کی بھاگ دوڑ اور فون کی مسلسل گھنٹیوں کے برعکس یہاں ایک ٹھہرا ہوا سکون تھا، ایسا سکون جو کبھی کبھی وحشت ناک بھی لگتا تھا۔ فجر کے لیپ ٹاپ کی اسکرین پر اعداد و شمار اور ڈیزائنز کی قطاریں تھیں، مگر اس کا ذہن بار بار اماں کے کمرے کی طرف بھٹک جاتا، جہاں وہ ناسازیِ طبع کے باعث آرام کر رہی تھیں۔ اماں کی طبیعت کی خرابی نے ہی اسے آج گھر سے کام کرنے پر مجبور کیا تھا۔ وہ خود بھی ایک طرح کی ذہنی تھکاوٹ سے سکون چاہتی تھی۔

دن کام کی بھول بھلیوں میں گزر گیا۔ سہ پہر کی زرد روشنی جب کھڑکیوں سے چھن کر لاؤنج میں پھیلنے لگی تو اس کے فون کی گھنٹی بجی۔ اسکرین پر فلک کا نام جگمگا رہا تھا۔

"میں آفس آ رہی ہوں، کچھ نئے آئیڈیاز تھے، سوچا تم سے ڈسکس کر لوں۔" فلک کی آواز میں ہمیشہ کی طرح ایک جوش تھا۔

"آج آفس نہیں، سیدھا میرے گھر آ جاؤ۔ یہیں بیٹھ کر کام کرتے ہیں۔" فجر نے لیپ ٹاپ پر نظریں جمائے ہوئے جواب دیا۔

فلک ایک لمحے کو ہچکچائی اور پھر بولی، "ٹھیک ہے، میں دیکھتی ہوں۔"

دس منٹ بعد اس کا فون دوبارہ آیا۔ "فخر بھیا مان گئے ہیں، وہ مجھے ڈراپ کر دیں گے۔ بس ایک گھنٹہ ہے میرے پاس۔"

کچھ ہی دیر میں وہ دونوں لاؤنج کے آرام دہ صوفوں پر آمنے سامنے بیٹھی تھیں، ان کے درمیان کافی ٹیبل پر لیپ ٹاپ، ڈیزائن اسکیچز اور کرداروں کے سیمپل بکھرے تھے۔ دونوں پوری سنجیدگی سے کام میں محو تھیں کہ اچانک فجر کا فون بج اٹھا۔ اس نے فون پر ایک نظر ڈالی، اسکرین پر جلی حروف میں لکھا تھا، "**بہروپیا آدمی**"۔

ایک خفیف سی مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو کر گزر گئی اور پھر اس نے فون کاٹ دیا۔ مگر فون مسلسل بجتا رہا، جیسے دوسری طرف موجود شخص ہار ماننے کو تیار نہ ہو۔ بالآخر تنگ آ کر وہ فلک سے معذرت کرتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں بس ایک منٹ میں آئی۔"

وہ لاؤنج سے متصل چھوٹے سے لان میں نکل آئی۔ موسم اچانک بدل گیا تھا۔ آسمان پر سرمئی بادلوں نے ڈیرے ڈال لیے اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اس کے بالوں سے کھیلنے لگے۔ اس نے فون کان سے لگایا۔

"ہیلو۔۔۔؟"

"بیگم آئی مِس یو!" دوسری طرف سے ولی کی بھرپور اور سرشار آواز گونجی۔ فجر نے ایک گہری سانس لی، ہوا میں خنکی کے ساتھ ولی کی آواز کی گرمی بھی پھیل گئی۔

"کونسا نشہ کر کے بیٹھے ہو؟" اس نے لان میں آہستگی سے ٹہلتے ہوئے پوچھا۔ آواز میں سختی تھی۔

"اگر نام لے دیا تو آپ کا پارہ ساتویں آسمان کو چھو جائے گا۔" اس نے اسے زچ کرنے والے انداز میں کہا۔

"فون کیوں کیا ہے؟ کام کی بات کرو۔"

"یاد آ رہی تھی۔ سوچا بتا دوں۔ آج پورا دن آپ کی جلی کٹی نہیں سنیں تو دن ادھورا لگ رہا ہے۔ ویسے آپ کے بغیر آفس میں کافی شانتی ہے۔ لوگ ہنس رہے ہیں، مسکرا رہے ہیں، ایک دوسرے سے بات کر رہے ہیں۔" وہ

اسے آفس کے حالات سے یوں آگاہ کر رہا تھا جیسے کسی دشمن ملک کی خبریں دے رہا ہو۔ فجر جانتی تھی کہ اس کی موجودگی میں لوگ صرف کام سے کام رکھتے تھے۔

"بہت خوب! تو تم بھی ان ہنستے مسکراتے لوگوں میں شامل ہو؟ کوئی کام دھندہ کر لو یا مفت کی سیلری بٹورنے کا ہی ارادہ ہے؟"

"میں تو پوری زندگی مفت میں سروسز دینے کے لئے تیار ہوں، آپ ہیں کہ مانتی نہیں ہیں۔" اس کی آواز میں شرارت تھی۔

"اوکے میں فون بند کر رہی ہوں۔"

وہ واقعی فون بند کرنے والی تھی کہ ولی کی آواز اچانک سنجیدہ ہو گئی۔

"ایک منٹ! فون مت بند کیجیے گا۔ ایک ضروری خبر دینی ہے۔" اس کے لہجے کی سنجیدگی نے فجر کو رکنے پر مجبور کر دیا۔

"وہ ماڈلنگ ایجنسی، کل میٹنگ کے لیے مان گئی ہے۔"

یہ ان چار کمپنیوں میں سے ایک تھی جن پر انہوں نے ہر جانے کا دعویٰ کیا تھا۔ یہ سن کر فجر کی بھنویں حیرت سے سکڑ گئیں۔

"تم سچ کہہ رہے ہو؟" اس کے لہجے میں ناقابلِ یقین حد تک حیرت تھی۔ وہ ایجنسی شہر کی سب سے بڑی اور جانی مانی ایجنسی تھی اور انہیں مہینوں سے ٹف ٹائم دے رہی تھی۔

"جی بیگم! آپ کل میٹنگ کے لیے تیار رہیں۔"

"تمہیں کیا لگتا ہے، وہ ہر جانے پر مان جائیں گے؟" اس بار اس کی آواز میں فکر مندی کا عنصر نمایاں تھا۔

"بیگم! آپ بس سفر جاری رکھیں، راستہ روکنے والوں کو میں دیکھ لوں گا۔" ولی کی آواز میں ایک اعتماد تھا جس نے فجر کے اندر بھی اطمینان کی ایک لہر دوڑا دی۔

دوسری طرف لاؤنج کے اندر، فجر کا انتظار کرتے کرتے فلک کی نظریں دیوار پر لگی تصویروں پر جا ٹھہریں۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور اس دیوار کے سامنے جا کھڑی ہوئی جو یادوں کا ایک حسین گلدستہ تھی۔ دیوار پر قیمتی شو پیسز کے درمیان مختلف سائز کے فریموں میں تصویریں آویزاں تھیں۔ ایک تصویر میں ابا تھے، اپنی جوانی کے دنوں میں، دوسری میں اماں مسکرا رہی تھیں۔ ایک فریم میں منار کی تصویر تھی۔

فلک غور سے ایک ایک چہرے کو دیکھ رہی تھی کہ اچانک اس کی نظر ایک پرانی، بلیک اینڈ وائٹ تصویر پر پڑی اور وہ جہاں تھی، وہیں ساکت رہ گئی۔ یہ اماں کی جوانی کی تصویر تھی۔ وہی ناک نقشہ، وہی آنکھیں، مگر ان میں ایک ایسی چمک تھی جو اب ماند پڑ چکی تھی۔ فلک کو لگا جیسے لاؤنج کی چھت گھوم رہی ہو، اس کے پیروں تلے زمین نکل گئی۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں حیرت اور ناقابلِ یقینی سے مزید پھیل گئیں۔ اس نے کبھی خواب و خیال میں بھی ایسا نہیں سوچا تھا۔

تصویر میں موجود عورت صرف آسیہ ترنم نہیں تھیں، وہ ترنم عالمگیر تھیں۔

"پھوپھو۔۔۔" ایک ناقابلِ سماعت سرگوشی اس کے لبوں سے نکلی۔ اس کے گلے میں آنسوؤں کا ایک گولہ اٹک گیا تھا۔ وہ ترنم عالمگیر جنہیں سالوں پہلے خاندان سے عاق کر دیا گیا تھا۔ وہ جن کا نام لینا بھی **'عالمگیر حویلی'** میں سب سے بڑا گناہ سمجھا جاتا تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ زندگی اسے اس طرح اپنی گمشدہ پھوپھو سے ملوا دے گی۔

وہ کئی پل بت بنی وہیں کھڑی رہی، اس کا ذہن ماؤف ہو چکا تھا۔ تبھی اسے اپنے پیچھے ایک آہٹ محسوس ہوئی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔

سامنے اماں کھڑی تھیں۔ بلکہ نہیں، سامنے ترنم عالمگیر کھڑی تھیں! عالمگیر خاندان کی پہلی بیٹی!

وقت نے کتنی بے رحمی سے ان کے نقوش کو دھندلا دیا تھا۔ زندگی نے انہیں کیا سے کیا بنا دیا تھا۔ وہ آن بان سے جینے والی ترنم عالمگیر، جنہوں نے پرانے محلے میں گمنامی کی زندگی گزار دی تھی۔ یہ تو فجر کی لگن اور کوشش تھی جو انہیں اس حال میں یہاں تک لے آئی تھی۔ فلک کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں، وہ انہیں دیکھ رہی تھی جبکہ اماں کے چہرے پر شدید حیرانی کے تاثرات تھے۔ انہیں بھی احساس ہو رہا تھا کہ فلک کا انہیں یوں دیکھنا عام بات نہیں، مگر وہ اس کے جذبات کی شدت کو سمجھ نہیں پا رہی تھیں۔

اور پھر اگلے ہی پل، جذبات کا بند ٹوٹ گیا۔ فلک بھاگ کر ان سے لپٹ گئی۔ اس نے اپنے دونوں بازو ان کے گرد مضبوطی سے لپیٹ لیے، جیسے اسے ڈر ہو کہ وہ پھر کہیں کھو جائیں گی۔

"پھوپھو۔۔۔ یہ میں ہوں، فلک! فلک وجاہت عالمگیر! آپ کی بھتیجی۔" وہ اب ان کے دونوں ہاتھ تھامے، بے یقینی سے کہہ رہی تھی۔

اماں ساکت کھڑی تھیں۔ ان کا چہرہ برف کی طرح سفید پڑ چکا تھا۔ سالوں نہیں بلکہ ایک پوری زندگی گزر گئی تھی۔ وہ بھول چکی تھیں کہ وہ کون تھیں۔ ان کا حسب نسب کیا تھا۔ وقت کی گرد نے ان کی شناخت، ان کا ماضی، سب کچھ دھندلا دیا تھا۔

مگر آج، فلک کے ایک لفظ نے اس گرد کو ہٹا دیا۔ جذبات کا ایک ایسا سیلاب آیا تھا جو اماں جی جیسی سخت اور خود پر جبر کرنے والی خاتون کے تمام بند توڑ کر بہا لے گیا۔ ان کی آنکھوں میں دہائیوں سے قید آنسو، آزاد ہونے کے لیے بے چین تھے مگر وہ روئی نہیں۔ آنسوؤں کی بارش ان کے اندر برستی رہی جبکہ وہ ساکت، بت بنے بیٹھ رہیں۔

جب فجر اپنے ذہن میں ولی کے ساتھ ہوئی گفتگو اور میٹنگ کی تفصیلات کو ترتیب دیتی ہوئی واپس لاؤنج میں داخل ہوئی تو دہلیز پر ہی اس کے قدم زمین نے جکڑ لیے۔ اندر کا منظر ایک لمحے میں بدل چکا تھا۔ وہ ہلکی پھلکی، کام سے بھرپور فضا اب ایک بھاری، بوجھل خاموشی میں تحلیل ہو گئی تھی، ایسی خاموشی جو کسی طوفان کے بعد چھا جاتی ہے۔

صوفے پر اماں بیٹھی تھیں، اور ان کے پاس، ان کے جھریوں بھرے، کانپتے ہوئے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامے، فلک بیٹھی تھی۔ فلک کی آواز ہچکیوں میں ڈوبی ہوئی تھی، مگر اس میں دہائیوں کا گلہ، برسوں کی تشنگی اور ایک معصومانہ سوال تھا۔

"آپ نے کبھی رابطہ نہیں کیا پھوپھو؟" فلک کی آواز ٹوٹی ہوئی سرگوشی کی مانند ابھری۔ "آپ نے کبھی پلٹ کر نہیں دیکھا، کبھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ آپ کے گھر والے کیسے ہیں؟ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے کبھی اپنے ماں باپ کی خبر نہیں لی؟ کیا کبھی آپ کو انکی یاد نہیں آئی؟

اماں خاموش تھیں۔ ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ ان کی آنکھیں خالی تھیں، جیسے وہ اس لاؤنج میں نہیں، بلکہ ماضی کے کسی اذیت ناک لمحے میں قید ہوں۔ وہ لفظ کہاں سے لاتیں جو اس ہجر، اس گمنامی اور اس جلاوطنی کی وضاحت کر سکتے؟ فلک کی پیدائش سے کئی سال پہلے انہیں حویلی سے نکالا گیا تھا، مگر فلک نے جب سے ہوش سنبھالا تھا، اپنی اس اکلوتی پھوپھو کے بارے میں صرف برا ہی سنا تھا۔ خاندان کے ہر فرد نے ان کے کردار پر انگلیاں اٹھائی

تھیں، مگر دادی اماں کے صندوق میں چھپا کر رکھی گئی چند پرانی تصویروں نے فلک کے دل میں ایک الگ ہی کہانی لکھی تھی۔ ان تصویروں میں نظر آنے والی زندہ دل، مسکراتی آنکھوں والی لڑکی اسے کبھی بری لگ ہی نہیں سکی۔ اسے ہمیشہ اپنی اس پھوپھو سے ملنے کی ایک شدید چاہ رہی اور اس بات کا دکھ بھی رہا کہ خاندان نے انہیں اتنی آسانی سے کیسے کاٹ کر پھینک دیا تھا۔ دادی اماں کو ان کا دکھ لے ڈوبا۔ وہ چھپ چھپ کر اپنی اکلوتی بیٹی کے لیے روتی تھیں۔

خون کا رشتہ شاید ایسا ہی ہوتا ہے۔ فلک کے سوال صرف اس کے نہیں تھے، ان میں ایک دادی اماں کی محرومی کا درد تھا۔ اس درد کی تپش ایسی تھی کہ اماں کی آنکھوں سے آنسوؤں کی ایک نئی لڑی بہہ نکلی۔

فجر دروازے میں بت بنی کھڑی تھی۔ اس کے لیے یہ سب ناقابلِ یقین تھا۔ اس کی اماں، وہ عورت جسے اس نے ایک خستہ حال، چھوٹے سے محلے کے بوسیدہ مکان سے نکالا تھا، اس کا تعلق ایک بڑے اور نامور گھرانے سے تھا؟ وہ عورت جس نے ہمیشہ مفلسی اور سادگی میں زندگی گزاری، وہ **'عالمگیر حویلی'** کی بیٹی تھی؟ فجر کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔ ایک کے بعد ایک، کئی ان کہے راز اس پر آشکار ہو رہے تھے۔

اور پھر بجلی کے کوندے کی طرح اسے وہ زمین یاد آئی۔ وہ وسیع و عریض زمین جو اماں نے اسے دی تھی، اب پتا چلا تھا وہ کہاں سے آئی تھی۔ یہ خیال آتے ہی فجر کے دل میں ایک ٹھیس سی اٹھی۔ اس عورت نے کتنی بڑی قربانی دی تھی، اپنی شناخت، اپنا ماضی، اپنی دولت، سب کچھ بھلا کر ایک گمنام زندگی گزاری اور جو کچھ ان کے پاس تھا، وہ بھی چپ چاپ فجر پر نچھاور کر دیا لیکن سوال یہ تھا کیوں؟ ایسا کیا ہوا تھا ماضی میں جو ان سے ان کی پہچان ان کی شناخت چھین لے گیا؟

اس کے اپنے جذبات اتنے گڈمڈ ہو گئے تھے کہ وہ بس خالی خالی نظروں سے اماں کو دیکھے جا رہی تھی۔ وہ کیا کہے؟ کیا سوچے؟ اس کی ہمدردی، اس کی محبت، اس کی حیرت، سب کچھ آپس میں الجھ گیا تھا۔

تبھی فلک کی نظر روتے روتے فجر پر پڑی۔ ایک لمحے کو اس کی آنکھوں میں الجھن ابھری، مگر پھر ایک نئی دریافت کی چمک نے آنسوؤں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔ اس کے ٹوٹے ہوئے چہرے پر ایک ہلکی سی، بھیگی ہوئی مسکراہٹ ابھری۔

"فجر۔۔۔" اس کی آواز میں ایک نئی پہچان کی خوشی تھی۔

"اس کا مطلب تم میری کزن ہو؟"

یہ جملہ فضا میں تیرتا رہا۔ فجر، جواب تک صدمے کی حالت میں تھی، اس نئے رشتے کے احساس سے جیسے جاگ گئی۔ فلک صرف اس ک کولیگ نہیں تھی، وہ اس کا خون تھی، اس کے ماموں کی بیٹی۔

فلک کی آنکھوں میں جہاں اپنی پھوپھو کے ملنے کا غمگین سرور تھا، وہیں ایک کزن پانے کی بے پناہ خوشی بھی تھی۔

اس ایک لمحے میں، اس لاؤنج میں موجود تینوں عورتوں کے رشتے ہمیشہ کے لیے بدل چکے تھے۔ ماضی کے رازوں نے حال کے رشتوں کو ایک ایسی نئی اور مضبوط ڈور سے باندھ دیا تھا جسے شاید اب کوئی نہیں توڑ سکتا تھا۔

✿••✿••✿••✿

اگلی صبح وقت کے پابند، ولی کی سیاہ گاڑی پورچ میں آ کر رکی تو فجر پہلے ہی تیار تھی۔ کل رات کے انکشافات اور اس کے بعد کی بے چینی نے اسے سونے نہیں دیا تھا۔ رتجگے کی ساری سرخی اس کی ہیزل آنکھوں سے جھلک رہی تھی، جو اب گلابی ہو چکی تھیں۔

آج اس نے مغربی لباس کے برعکس مشرقی لباس کا انتخاب کیا تھا۔ گہرے پرپل رنگ کی لمبی قمیص، جس کے گلے اور دامن پر سفید دھاگے کی نفیس کڑھائی تھی۔ اس کے ساتھ کھلا ٹراؤزر اور ہم رنگ دوپٹہ تھا جو اس نے سلیقے سے گلے میں ڈال رکھا تھا۔ بال ہمیشہ کی طرح ایک ڈھیلے سے جوڑے میں قید تھے اور تھکی ہوئی آنکھوں پر بڑا سا چشمہ ٹکا تھا۔ اس کی سنجیدگی میں ایک عجیب سی کشش تھی۔ جب وہ گاڑی میں آکر بیٹھی تو ولی کے لبوں سے بے اختیار جو پہلا لفظ پھسلا، وہ تھا۔

"بریتھ ٹیکنگ۔۔۔۔"

اس نے گفتگو شروع کرنے کی کئی کوششیں کیں، موسم کی بات کی، ٹریفک کا ذکر چھیڑا، مگر فجر سپاٹ تاثرات لیے باہر دیکھتی رہی۔ اس کی خاموشی کی دیوار اتنی اونچی تھی کہ ولی کی کوئی بات اس سے ٹکرا کر آگے نہ جا سکی۔ جبکہ وہ بار بار رخ موڑ کر اسے دیکھ رہا تھا۔ مشرقی لباس اس پر کس قدر اچھا لگ رہا تھا کیا وہ ڈائن جانتی تھی؟

آفس میں داخل ہوتے ہی وہ کام کے سمندر میں غرق ہو گئی۔ شام میں ہونے والی میٹنگ اہم تھی اور اس کی تیاریوں میں ایک لمحے کی بھی فرصت نہیں تھی۔ فون کالز، ای میلز، اور قانونی دستاویزات کے ڈھیر میں وقت پر لگا کر اڑتا رہا۔ پوری لیگل ٹیم سر جوڑ کر بیٹھی تھی۔ جبکہ وہ ہی ریلیکس تھا۔ کبھی بھنویں سکیڑ کر تو کبھی کندھے اچکا کر انہیں کام کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

فجر کسی مشین کی طرح کام کر رہی تھی، اس کی انگلیاں کی بورڈ پر اور نظریں فائلوں پر جمی تھیں، مگر وہ بار بار اسے کن اکھیوں سے دیکھ رہا تھا اور وہ دیکھ سکتا تھا کہ فجر کی پیشانی پر ایک مستقل شکن تھی اور اس کے پرفیکٹ ماسک کے پیچھے ایک گہری پریشانی چھپی تھی۔

بالآخر، سہ پہر ڈھلتے ڈھلتے اس کا ضبط جواب دے گیا۔ جب فجر ایک فائل کے اعداد و شمار میں پوری طرح کھوئی ہوئی تھی، وہ اپنی کرسی سے اٹھا اور خاموشی سے اس کے سامنے کھڑے ہو کر اس کے ہاتھ سے فائل کھینچ لی۔

فجر نے چونک کر سر اٹھایا۔ اس کی تھکی ہوئی ہیزل آنکھیں پل بھر کو ولی کی فکر مند کتھئی آنکھوں سے ٹکرائیں۔ اماں کا سچ ایک زلزلے کی طرح اس کے وجود کو اندر تک ہلا گیا تھا اور اس کے اثرات اب تک باقی تھے۔ وہ اماں سے کوئی سوال نہیں کر پائی تھی۔ اماں نے سختی سے فلک کو منع کیا تھا کہ وہ کسی کو کچھ نہیں بتائے گی۔ جبکہ فجر جم سی گئی تھی۔

"میں نہیں جانتا کہ آپ کو کیا چیز پریشان کر رہی ہے۔" اس کی آواز دھیمی مگر اٹل تھی۔ "مگر میں چاہتا ہوں کہ آپ پانچ منٹ کے لیے سب کچھ چھوڑ کر ریلیکس کریں۔"

فجر نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے مگر ولی نے اسے موقع نہیں دیا۔

"میں نے کہا تھا نا بیگم! آپ بس راج کریں، رعایا میں سنبھال لوں گا۔"

اسے لگ رہا تھا شاید وہ میٹنگ کو لے کر پریشان تھی۔

فجر کچھ نہ بولی، بس اسے دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھوں میں ایک ایسی تھکاوٹ تھی جسے ولی پڑھ پا رہا تھا۔ وہ خاموشی سے مڑا اور آفس سے باہر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد جب وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں کافی کے دو مگ تھے۔ ایک اس نے فجر کی میز پر رکھا۔

"بیگم! آپ بس کافی پیئیں، باقی سارے مسئلوں کو میں دیکھ لوں گا۔" اس کا انداز اتنا بے تکلف اور پر اعتماد تھا کہ فجر کے تنے ہوئے اعصاب پل بھر کو واقعی ڈھیلے پڑ گئے۔ اس کی سنجیدگی کی دیوار میں ایک چھوٹی سی دراڑ پڑی۔ اس نے خاموشی سے کافی کا مگ تھام لیا۔

ولی نے اسے کافی پیتے دیکھا تو اس کے چہرے پر ایک اطمینان سا پھیل گیا۔

"تو؟" اس نے بات بڑھائی۔ "کیا آج رات آپ میرے ساتھ ڈنر کر سکتی ہیں؟ میٹنگ کے بعد؟" اس نے فجر کا ذہن بھٹکانے کی پوری کوشش کی۔

فجر نے کافی کا گھونٹ بھرا اور خاموش نظروں سے اسے دیکھا۔ اکثر اوقات اسے منہ سے بولنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ اسکی آنکھیں بہت کچھ کہہ جاتی تھیں۔

ولی اس کی خاموشی کا مطلب سمجھ گیا۔ اس کے لبوں پر ایک شرارتی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"اگر میرے پیسوں سے ڈنر نہیں کرنا چاہتیں تو کوئی بات نہیں۔ بل بیشک آپ دے دیجیے گا، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔"

اس براہِ راست چوٹ پر فجر کی آنکھوں میں ہلکی سی حرکت ہوئی۔

"تمہیں لگتا ہے مجھے تمہارے پیسوں سے کوئی مسئلہ ہے؟"

"نہیں، آپ کو میرے پیسوں سے نہیں، میرے ساتھ سے مسئلہ ہے۔" ولی نے فوراً لقمہ دیا۔ "ویسے ایک اور آپشن بھی ہے۔ شہر کے باہر ایک بہت اچھا ڈھابہ ہے۔ دال فرائی اور تندور کی روٹی، کمال ہوتی ہے۔ میرے پیسے بھی کم لگیں گے اور آپ کا ماحول بھی بدل جائے گا۔ وہاں اصلی لوگ آتے ہیں۔"

"میں دال نہیں کھاتی۔ اور کون سے اصلی لوگ؟ اور ہم کیا نقلی ہیں؟" فجر کی آواز میں پہلی بار ہلکی سی زندگی لوٹی تھی۔

"ہم؟ ہم تو بس کام کرتے ہیں، جیتے کہاں ہیں۔" ولی نے گہری سانس لی۔ "خیر، فیصلہ آپ کا ہے۔ شاندار ہوٹل آپ کے پیسوں پر، یا مزیدار ڈھابہ میرے پیسوں پر۔"

فجر نے اسے گھور کر دیکھا۔ "اپنا کام کرو، ہم کہیں نہیں جا رہے۔"

"وہی تو کر رہا ہوں، آپ کا خیال رکھنا بھی تو میرے کام کا حصہ ہے۔" وہ مسکرایا اور پھر لقمہ دیا۔

"اوکے تو ایک شرط رکھتے ہیں اگر یہ میٹنگ ہمارے حق میں ہوئی تو آپ بنا کسی چوں چراں کے میرے ساتھ چلیں گی۔"

فجر نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔ "اور اگر کامیاب نہ ہوئی۔"

"تو تم اگلے دس دنوں کے لیے اپنے منہ پر ٹیپ لگا لو گے۔"

اسکا تپا ہوا انداز ایسا تھا کہ وہ زور سے ہنس دیا۔

"منظور ہے۔" وہ شوخ نظروں اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہنہہ چالاک فارنر۔۔" وہ سر جھٹکتے اپنے کام کی جانب متوجہ ہو گئی۔

ماحول میں پھیلا تناؤ کافی حد تک کم ہو چکا تھا۔ شام کے سائے گہرے ہوتے گئے، دفتر کی روشنیاں جل اٹھیں۔ فائلوں اور لیپ ٹاپ کی دنیا میں وقت گزرتا گیا۔ ٹھیک سات بجے، ولی اپنی جگہ سے اٹھا۔ اس کا انداز اب مکمل طور پر پروفیشنل تھا۔

"بیگم، وقت ہو گیا ہے۔"

فجر نے سر اٹھایا، گھڑی دیکھی اور ایک لمبی سانس لے کر کھڑی ہو گئی۔ آٹھ بجے ان کی میٹنگ تھی۔ ایک تھکا دینے والے، ہیجان انگیز دن کے بعد، اب وہ اس جنگ کے لیے نکل رہے تھے جو منار کے لیے بہت اہم تھی۔ پورا راستہ خاموشی سے کٹ گیا اور وہ مطلوبہ جگہ پہنچ گئے۔

شیشے اور کروم سے بنے فلک بوس ہوٹل کی پر تعیش راہداریوں سے گزرتے ہوئے فجر کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کا سر کسی بھی لمحے پھٹ پڑے گا۔ آٹھ بجے کی میٹنگ کے لیے وہ وقت پر تھے، مگر رات بھر کی بے آرامی اور دن بھر کی کٹھن تیاری نے اس کے اعصاب پر گہرا اثر چھوڑا تھا۔ کنپٹیوں میں اٹھتی ٹیسیں ناقابلِ برداشت ہوتی جا رہی تھیں۔

ایگزیکٹو میٹنگ روم کی خاموشی اور ٹھنڈک کسی قدر سکون بخش تھی، مگر اٹلس ماڈلز ایجنسی کے نمائندوں کا انتظار اس کے صبر کو مزید آزما رہا تھا۔ اس نے اپنا چشمہ اتار کر بے دھیانی میں بالوں میں اڑسا اور تھکی ہوئی آنکھوں کو آہستگی سے مسلنے لگی۔

"آپ ٹھیک ہیں؟"

ساتھ بیٹھے ولی کی گہری، سلجھی ہوئی آواز نے خاموشی کا طلسم توڑا۔ فجر نے چونک کر اسے دیکھا۔ سیاہ پینٹ پر سفید ڈریس شرٹ، جس کے آستین کہنیوں تک تہہ تھے، اور اوپر پہنی سیاہ سلیولیس ویسٹ میں وہ اپنے کتھئی بالوں کے ساتھ بے حد وجیہہ لگ رہا تھا۔ کلائی میں چمکتی گھڑی سے اسے پیشہ وارانہ بنا رہی تھی۔

اس کے برعکس مشرقی لباس میں ملبوس فجر کی سادگی میں بھی ایک وقار تھا۔

"ہاں بس سر درد ہے۔" اس کی آواز تھکی ہوئی تھی۔

یہ سننا تھا کہ وہ بنا کچھ کہے اٹھ کھڑا ہوا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ فجر نے اسے جاتے دیکھا اور پھر غیر محسوس طریقے سے اپنی کرسی کو گھسیٹ کر اس سے تھوڑا مزید فاصلہ بنالیا۔ چند ہی لمحوں بعد جب وہ واپس لوٹا تو اس کے ہاتھ میں پین کلرز کی ایک ڈبی تھی۔ اس نے اپنی نشست سنبھالتے ہوئے وہ ڈبی فجر کی جانب بڑھائی۔

جیسے ہی فجر نے گولی ہتھیلی پر انڈیلی اور پانی کی بوتل اٹھائی، ولی کی نگاہیں ان کے درمیان بڑھ جانے والے فاصلے پر مرکوز ہو گئیں۔ اس کی بھنویں ہلکے سے سکڑیں، مگر لبوں پر ایک زیرِ لب مسکراہٹ پھیل گئی۔ اسے فجر کی چالاکی پر دل کھول کر پیار آیا۔ فجر نے جیسے ہی گولی منہ میں رکھ کر پانی کا گھونٹ بھرا، ولی اچانک اس کی جانب جھکا۔ اس کے مضبوط ہاتھ نے فجر کی کرسی کی سیٹ کو تھاما اور آہستگی سے کھینچ کر اپنی کرسی کے بالکل قریب کر لیا۔

فجر نے حیرت سے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس قربت پر اس کا دل ایک لمحے کو دھڑکنا بھول گیا۔

"بیگم قریب رہیں۔" ولی کی آواز کسی سرگوشی کی مانند تھی، پر اس میں حکم کی سی کاٹ تھی۔ فجر جو پہلے ہی دباؤ کا شکار تھی، اس کی اس حرکت اور لہجے کی گرمی پر ایک پل کو اپنا سر درد تک بھول گئی۔

اس نے مزید دو گھونٹ پانی پیا اور بوتل میز پر رکھ دی۔ تبھی ولی کا ہاتھ آگے بڑھا اور اس کے بالوں میں لگے کیچر کو آہستگی سے کھول دیا۔ اس کے گھنے، ریشمی بال ایک آبشار کی طرح اس کے شانوں پر بکھر گئے۔ اس نے جھٹکے سے ولی کو دیکھا۔ نظریں خونخوار تھیں۔

"تھوڑی دیر بال کھلے رکھیں۔ مسلسل بندھے رہنے سے بھی سر درد ہونے لگتا ہے۔" اس نے یہ کہتے ہوئے کرسی سے پشت لگائی اور نہایت نرمی سے اپنی انگلیاں اس کے بالوں میں پھیریں۔ اس کا لمس شفیق اور پر سکون تھا۔

وہ جو کل سے ایک مشین کی طرح کام کر رہی تھی، اس کا دماغ ماؤف ہو چکا تھا۔ وہ اس لمحے میں ولی کی ان حرکتوں پر کوئی احتجاج نہ کر سکی۔

"ریلیکس رہیں۔" اس نے بالوں کو سہلاتے ہوئے دوبارہ کہا۔ "یہ میٹنگ ہمارے حق میں ہو گی۔" اس کے ہاتھوں کے لمس میں جتنی نرمی تھی، لفظوں میں اتنا ہی اعتماد تھا۔ جب فجر سے یہ خاموش قربت برداشت نہ ہوئی تو وہ بالآخر بول پڑی۔

"ولی تم میرے بال خراب کر رہے ہو۔" اس کی آواز میں ایک کمزور سا احتجاج تھا۔

وہ اس کے بوسیدہ سے بہانے پر ہنس دیا۔

"آپ میرے خراب کر لیں۔" اس کا لہجہ شرارت سے بھرپور تھا۔ وہ جس طرح اس کے بالوں کو سہلا رہا تھا، اس سے بال خراب ہونا تو ناممکن تھا۔

"مجھے نہیں پسند کوئی میرے بالوں کو چھوئے۔" اس نے نظریں پھیرتے ہوئے کہا۔

"خیر میں کوئی تو نہیں ہوں۔ شوہر ہوں آپ کا۔" اس کے لہجے میں حق اور اپنائیت کا ایسا گہرا رنگ تھا کہ وہ پل بھر کو لاجواب ہو گئی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ صرف اس کا دھیان بھٹکانے کی کوشش کر رہا تھا، اور مسئلہ یہ تھا وہ کمبخت بری طرح کامیاب ہو رہا تھا۔

"تمہاری حرکتیں ایسی نہیں ہیں کہ تمہیں نوٹس دیا جائے تم سیدھا ٹرمینیٹ ہونے کے لائق ہو۔"

اس کے غصے پر ولی دوبارہ ہنس دیا، اس بار اس کی ہنسی میں کھنک تھی۔

"آج رات میرے ساتھ ڈنر کر لیں، اس کے بعد چاہیں تو نوکری سے نکال دیجیے گا۔ میں اُف بھی نہیں کروں گا۔"

فجر نے ایک گہری سانس لے کر رخ موڑ کر اسے دیکھا۔ اس کا شفاف اور ابھری ہوئی نسوں والا ہاتھ اب بھی اس کے بالوں میں ٹھہرا ہوا تھا۔

"ہم یہاں میٹنگ کے لیے آئے ہیں۔" اس نے لفظ چبا چبا کر کہے۔

"میٹنگ ابھی شروع نہیں ہوئی بیگم!" اس نے نرمی سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھوں میں ایک ایسی الوہی چمک تھی جو سیدھا فجر کے دل میں اتر رہی تھی۔

"تم ناقابلِ برداشت ہو ولی!" اس نے تھک کر ہار مار لی۔

اس بات پر وہ کھل کر ہنس دیا۔

"جو بھی ہوں، جیسا بھی ہوں، فجر معراج کے لیے ہوں۔" اس نے گہرے جذب سے یہ کہتے ہوئے اپنا ہاتھ ہٹا لیا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

کمرے میں ایک بھیگی ہوئی خاموشی چھا گئی، جس میں صرف دو دلوں کی دھڑکنیں اور ولی کے کہے گئے الفاظ کی گونج باقی تھی۔ چند ہی لمحوں بعد دروازہ کھلا اور اٹلس ایجنسی کے کارکنان اندر داخل ہوئے، اور میٹنگ کا باقاعدہ آغاز ہو گیا۔ مگر اب فجر کا سر درد جا چکا تھا۔ وہ اپنے اندر گہرا سکون محسوس کر رہی تھی۔

✿••✿••✿••✿

"مس فجر، آپ کو یہاں دیکھ کر حیرت ہوئی۔ مجھے لگا تھا کہ آپ ہمارا وقت مزید ضائع نہیں کرنا چاہیں گی۔" اٹلس کے سی ای او ارسلان نے کہا، اس کی آواز میں طنز تھا۔

فجر نے پرسکون نظروں سے اسے دیکھا اور پھر گویا ہوئی۔

"مسٹر ارسلان، جب حق اور سچائی کی بات ہو، تو وقت کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ آپ جانتے ہیں کہ آپ نے ہمارے ساتھ کیے گئے معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے۔"

ولی نے میز پر رکھی فائل ان کی جانب کھسکائی۔ اس فائل میں تمام قانونی دستاویزات، معاہدے کی کاپیاں، اور عدالتی فیصلے کی نقول موجود تھیں۔

"ہم نے اس میٹنگ کا مطالبہ صرف اس لیے کیا ہے تاکہ ہم عدالت جانے سے پہلے آپ کو ایک آخری موقع دے سکیں۔" ولی نے واضح کیا، ان کی آواز میں مضبوط ارادہ جھلک رہا تھا۔

اٹلس ماڈلز کی وکیل، جو ایک عمر رسیدہ مگر تجربہ کار خاتون تھیں، یہ سنتے ہی بول پڑیں۔

"مس فجر! آپ کے ساتھ جو بھی ہوا، اس پر ہمیں افسوس ہے۔ لیکن، آپ کے خلاف مقدمہ درج ہوا تھا، اور یہ ایک سنگین معاملہ تھا۔ ہمارے معاہدے میں واضح تھا کہ اگر کسی بھی فریق پر کوئی قانونی کارروائی ہوتی ہے، تو دوسرا فریق معاہدہ منسوخ کر سکتا ہے۔"

"معاف کیجیے گا، مگر آپ کا یہ دعویٰ غلط ہے۔ معاہدے میں واضح تھا کہ **'اگر کسی فریق پر قانونی کارروائی ثابت ہو جاتی ہے'**۔ میرے خلاف کیس سیلف ڈیفنس پر مبنی تھا اور عدالت نے مجھے بری کر دیا۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا، بلکہ اپنی جان بچائی تھی۔ آپ اس بنیاد پر معاہدہ منسوخ نہیں کر سکتے۔"

ولی نے فائل میں سے عدالتی فیصلے کی کاپی نکالی اور اسے میز پر رکھ دیا۔

"یہ عدالت کا فیصلہ ہے جو ثابت کرتا ہے کہ فجر معراج کو بری کیا گیا ہے۔ لہٰذا، آپ کا یہ دعویٰ بے بنیاد ہے کہ ہماری کمپنی پر کوئی قانونی کارروائی **'ثابت'** ہوئی ہے۔"

مسٹر ارسلان کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ انہیں شاید اندازہ نہیں تھا کہ فجر اتنی تیاری کے ساتھ آئے گی۔

"ہم نے آپ کی نئی ماڈلز کے لیے آدھے سے زیادہ کاسٹیوم تیار کر لیے تھے، اور اس پر ہماری کمپنی کا بہت زیادہ وقت، محنت اور سرمایہ لگا ہے۔ آپ کی معاہدے کی خلاف ورزی کی وجہ سے ہمیں کروڑوں کا نقصان ہوا ہے۔ اسی لیے ہم نے آپ پر پچیس کروڑ روپے ہرجانے کا دعویٰ دائر کیا ہے۔"

دراصل اٹلس کی نئی ماڈلز کی لانچ کے لیے انہوں نے منارسے کا سٹیوم بنوائے تھے۔ یہ پروجیکٹ اسی سلسلے میں تھا جس پر کافی حد تک کام ہو چکا تھا۔

"پچیس کروڑ بہت زیادہ ہے! ہم یہ ہرجانہ ادا نہیں کر سکتے۔" وکیل فوراً بول اٹھیں۔

"مسٹر ارسلان! یہ صرف ہمارے مادی نقصان کی بات نہیں ہے، بلکہ اس میں ہماری ساکھ اور ذہنی اذیت بھی شامل ہے۔ ہم نے اس پر بہت وقت صرف کیا ہے، اور یہ ہمارا حق ہے۔" فجر کا لہجہ دوٹوک تھا۔

اٹلس ماڈلز کی وکیل نے بیچ بچاؤ کی کوشش کی۔

"دیکھیے، ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ایک مشکل صورتحال ہے۔ کیا ہم کسی درمیانی راستے پر بات کر سکتے ہیں؟"

فجر نے ولی کی طرف دیکھا، پھر اس نے سر ہلایا۔ "ہم یہاں حل کے لیے آئے ہیں۔ ہم عدالت میں گھسیٹنا نہیں چاہتے، لیکن ہم اپنا حق بھی نہیں چھوڑیں گے۔"

"ٹھیک ہے ہمیں سوچنے کے لیے کچھ وقت چاہیے۔" اٹلس کی وکیل نے سنجیدگی سے کہا تو فجر کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ اپنی گردن اونچی کیے اٹھی اور کانفرنس روم سے باہر نکل گئی۔ ولی اسکے پیچھے ہی اٹھا مگر آدھے راستے میں ہی رہ گیا۔

"ویل میں نے سنا ہے رئیس جیولرز کی لانچ آپکی کمپنی کو ملی ہے؟ آپ کی ماڈلز پرفارم کر رہی ہیں!" اس نے سوالیہ نظروں سے دونوں کو دیکھا۔

"یس۔۔۔ مگر آپ کیسے جانتے ہیں؟" مسٹر ارسلان کے چہرے پر الجھن ابھری۔ وہ زیر لب مسکرا دیا۔ فاتحانہ سی مسکراہٹ!

"ویل۔۔ میں ولی اورنگزیب ہوں۔ رئیس اورنگزیب کا بھانجا۔ آپ کو رئیس گروپ میں دیکھا تھا۔ یاد آیا تو سوچا پوچھ لوں۔" اس نے مزید کچھ نہیں کہا۔ اس کی مسکراہٹ بہت کچھ کہہ رہی تھی۔ وہ مضبوط قدم اٹھاتا باہر نکل گیا جبکہ مسٹر ارسلان نے بے ساختہ اپنی ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔ وہ کنفرم کر کے نہیں گیا تھا وہ صاف صاف بتا کر گیا تھا اٹلس گروپ کو ملایہ پروجیکٹ کینسل ہو سکتا تھا جو کہ وہ نہیں چاہتے تھے۔

پندرہ منٹ میٹنگ دوبارہ شروع ہوئی۔

کافی بحث اور دلائل کے بعد، اٹلس ماڈلز نے یہ مان لیا کہ معاہدے کی منسوخی ان کی غلطی تھی۔ کئی بار کے مذاکرات کے بعد، بالآخر وہ پندرہ کروڑ روپے کے ہرجانے پر رضامند ہو گئے تاکہ معاملہ عدالت سے باہر ہی حل ہو جائے۔

معاہدے کے نئے نکات طے کیے گئے۔ اٹلس ماڈلز پندرہ کروڑ روپے کی رقم منار فیشن کو دو ہفتوں کے اندر ادا کرے گی۔ منار فیشن یہ کیس واپس لے لے گی۔ دونوں کمپنیاں مستقبل میں کسی بھی قسم کے تنازعات سے بچنے کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم رکھیں گی۔

دونوں فریقوں نے کانٹریک کے نئے کاغذات پر دستخط کیے۔ فجر کے چہرے پر ایک اطمینان بخش مسکراہٹ تھی، جب کہ ارسلان کے چہرے پر شکست اور راحت کا ملا جلا تاثر تھا۔ میٹنگ کے اختتام پر، مسٹر ارسلان نے ولی سے ہاتھ ملایا۔

ولی نے مسکراتے ہوئے کہا، "مسٹر ارسلان، مجھے امید ہے کہ یہ معاملہ یہاں ختم ہو گیا ہے اور ہم سب آگے بڑھ سکتے ہیں۔"

جبکہ مسٹر ارسلان نے بے دلی سے ہاتھ ملایا۔ "مجھے بھی یہی امید ہے۔"

ولی نے فائل اٹھائی، فجر نے اپنا قیمتی بیگ اپنے کندھے پر لٹکایا اور پھر وہ دونوں ان دو تجربہ کار لوگوں کو وہیں چھوڑ کر باہر نکل گئے۔

✿••✿••✿••✿

میٹنگ منار کے حق میں ہونے کے بعد وہ اسے ایک عالیشان ریستوران میں لایا تھا۔ بکنگ پہلے ہی کروا رکھی تھی شاید وہ جانتا تھا کہ یہ میٹنگ ہر حال میں ان کے حق میں ہو گی۔ ایک خوبصورت فلور پر ان کا ٹیبل بک تھا وہ فجر کو دس منٹ انتظار کرنے کا کہہ کر گیا تھا مگر بیس منٹ گزر چکے تھے۔ وہ ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ فجر اپنا بیگ وہیں رکھ کر راہداری کی جانب بڑھی۔

وہ جب عشاء کی نماز پڑھ کر واپس آیا تو فجر اپنی جگہ پر نہیں تھی۔ ایک لمحے کو اس کے ماتھے پر شکن ابھری، مگر پھر اس کی نظر راہداری کے سرے پر کھڑی فجر پر پڑی۔ وہ بلوریں دیوار کے پاس کھڑی باہر شہر کی جگمگاتی روشنیوں کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے بال پھر سے ایک نفیس جوڑے میں قید تھے، بس دو آزاد لٹیں اس کے حسین چہرے کے گرد ہالہ کیے ہوئے تھیں۔ اسے دیکھ کر ولی کے لبوں پر ایک بے اختیار مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا اس کی جانب بڑھا۔ ابھی وہ چند قدم ہی دور تھا کہ ایک انجان آواز نے اس کے قدموں کو وہیں روک دیا۔

"ہائی!" ایک خوبصورت اور جدید لباس میں ملبوس لڑکی پرجوش انداز میں فجر کے سامنے کھڑی تھی۔

"آپ فجر معراج ہیں؟ دی فجر معراج؟" اس کی آنکھوں میں خوشی اور حیرت ایک ساتھ رقص کر رہی تھیں۔

"میں آپ کی بہت بڑی فین ہوں۔ آپ کے ڈیزائنز، آپ کی باتیں، آپ کی بہادری، آپ کی بولڈ نیس، سب کچھ کمال ہے!" وہ ایک ہی سانس میں بولے جا رہی تھی، اس کا ہر لفظ سچی عقیدت کا آئینہ دار تھا۔ آس پاس سے گزرتے لوگ انہیں دیکھنے کے لیے ایک لمحے کو ٹھہرتے اور پھر آگے بڑھ جاتے۔

فجر کے تھکے ہوئے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ "شکریہ!"

"کیا آپ میرے لیے ایک برائیڈل ڈریس ڈیزائن کر سکتی ہیں؟" لڑکی نے امید بھری نظروں سے پوچھا۔ "میں جانتی ہوں آپ برائیڈل ڈریس نہیں بناتیں، لیکن پلیز، میری بہت بڑی خواہش ہے۔ میری جلد ہی شادی ہونے والی ہے۔ کیا آپ۔۔۔"

"ایم سوری، مگر میں برائیڈل ڈریس نہیں بناتی۔" فجر نے نرمی مگر مضبوطی سے انکار کیا۔ منار میں عروسی ملبوسات کا ایک پورا سیکشن تھا، مگر وہ خود صرف اپنے سگنیچر کاسٹیومز ڈیزائن کرتی تھی۔ اس سیکشن میں فجر کا ڈیزائن کیا ہوا کبھی کوئی برائیڈل ڈریس آیا ہی نہیں۔

"پلیز۔۔۔ پلیز۔۔۔ پلیز میرے لیے۔" لڑکی نے بے اختیار آگے بڑھ کر فجر کے ہاتھ تھام لیے۔

فجر نے نفاست سے اپنے ہاتھ چھڑائے۔ اسے یہ اصرار اب ناگوار گزر رہا تھا۔

"بتایا ناں، میں برائیڈل ڈریس نہیں بناتی۔" وہ انٹرورٹ تھی۔ اجنبی لوگوں سے اس قدر بے تکلفی اسے پسند نہیں تھی۔ جبکہ ولی کچھ فاصلے پر کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ لڑکی مزید کچھ کہتی، ایک تیز اور گرج دار آواز فضا میں گونجی۔

"وردہ! کیا کر رہی ہو تم؟"

ایک ادھیڑ عمر، اسٹائلش خاتون تیز تیز قدم اٹھاتی ان کی جانب آئیں اور اپنی بیٹی کو گھورنے لگیں۔ ان کی نظروں میں غصے کی آگ بھڑک رہی تھی اور وہ فجر کو یوں دیکھ رہی تھیں جیسے وہ کوئی ناپاک شے ہو۔ جیسے وہ ملعون ہو۔

"ماما دیکھیں! یہ فجر معراج ہیں! اوہ گاڈ! آپ انہیں جانتی ہیں ناں؟ میں ان کی فین ہوں۔ پلیز ان سے کہیں ناں کہ میرا برائیڈل ڈریس ڈیزائن کر دیں۔" وردہ اپنی ماں کی طرف پلٹی، مگر اگلے ہی لمحے اس کی ماں کے منہ سے نکلے الفاظ نے جیسے پورے ریستوران کی فضا میں زہر گھول دیا۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے؟ تم اس قاتل کے ہاتھوں کا بنا جوڑا پہنو گی؟ اس کے ہاتھ خون سے رنگے ہیں!"

یہ سننا تھا کہ فجر کا چہرہ لمحوں میں سفید پڑ گیا۔ اس کے کانوں میں سائیں سائیں ہونے لگی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ اپنی عزت اور جان بچانے کی کوشش میں جو اس سے قتل ہوا تھا، اور جس مقدمے سے وہ باعزت بری ہوئی تھی، وہ معاشرے کی نظروں میں اتنا بڑا جرم تھا۔ اگر وہ اس دن اپنا دفاع نہ کرتی تو آج زندہ نہ ہوتی، مگر اس حقیقت کو کون تسلیم کرتا؟ قاتل تو قاتل ہی رہتا ہے۔

"ایک خونی کے ہاتھوں کا بنا ہوا لہنگا پہنو گی؟ تمہاری پوری زندگی کا خون ہو جائے گا۔ یہ قاتل ہے قاتل!"

ولی آگے بڑھا۔

"ایکسکیوزمی!" فجر کا ضبط جواب دے گیا اور اس کا لہجہ برف کی طرح سرد تھا۔ لیکن وہ عورت رکنے والی نہیں تھی۔ وہ ایک قدم آگے بڑھی، اس کی آنکھوں میں حقارت تھی۔

"نو! یو ایکسکیوزمی! میری بیٹی سے دور رہو، خونی عورت!"

اس نے نفرت سے چیخ کر فجر کو پوری قوت سے دھکا دیا۔

فجر اس اچانک حملے کے لیے بالکل تیار نہیں تھی۔ اسکا توازن بگڑا اور وہ لڑکھڑائی، مگر اس سے پہلے کہ وہ پیچھے گرتی، دو مضبوط بازوؤں کے ایک فولادی حلقے نے اسے تھام لیا۔ اس کی پشت ایک چوڑے سینے سے ٹکرائی۔ اس نے نظریں اٹھائیں تو سامنے ولی کھڑا تھا۔ اس کی ہیزل آنکھوں میں اس لمحے جو اذیت اور ٹوٹ پھوٹ کی پرچھائیاں ابھریں، انہوں نے ولی کے اندر جیسے آتش فشاں دہکا دیا تھا۔

اس نے نہایت نرمی سے فجر کو اپنے پیچھے کھڑا کیا اور ایک قدم آگے بڑھا۔ اس کا پورا وجود تناؤ سے اکڑ گیا۔

"ہاؤ ڈیئر یو؟ ہمت کیسے ہوئی میری بیوی کو ہاتھ لگانے کی؟" اس کا لہجہ اس قدر سرد اور گہرا تھا کہ آس پاس کھڑے لوگوں کے جسم میں بھی سنسنی دوڑ گئی۔ اس کا سکاٹش لہجہ اب واضح ہو رہا تھا۔

"ہاتھ کیسے لگایا؟"

اس کی آواز اتنی بلند اور گرج دار تھی کہ ریستوران کا عملہ اور باقی مہمان بھی ٹھٹک کر ان کی جانب متوجہ ہو گئے۔ وہ عورت جو چند لمحے پہلے شیرنی بن رہی تھی، ولی کے تیور دیکھ کر حواس باختہ ہو گئی۔ شدت پسند لوگ اکثر نتائج کی پرواہ کیے بغیر قدم اٹھاتے ہیں۔ اور اب اسے نتائج کو بھگتنا تھا۔

"کوئی ایشو ہے تو مجھ سے بات کریں!" ولی نے اپنی بند مٹھیوں کو بے دردی سے بھینچا۔ اس کی گردن اور بازوؤں کی رگیں غصے سے ابھر آئی تھیں۔

"میں اس کا ولی ہوں، مجھ سے بات کریں۔ اس تک پہنچنے کی اجازت تمہیں کس نے دی؟" وہ عورتوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتا تھا، مگر اس کی سرخ ہوتی آنکھیں اس کے اندر لگی آگ کا پتا دے رہی تھیں۔

"سر پلیز! بتائیں کیا ہوا ہے؟" مینیجر بھاگتا ہوا ان تک پہنچا۔ وہ کسی بھی قسم کے تماشے سے بچنا چاہتا تھا۔

"جانتے ہو میں کون ہوں؟" ولی نے مینیجر کی طرف دیکھے بغیر اس عورت کو گھورا۔

"میں ایک سکاٹش شہری ہوں۔ آپکی ہمت کیسے ہوئی ایک سکاٹش کی بیوی کو ہاتھ لگانے کی؟" اگلے ہی لمحے اس نے فون نکالتے پولیس کا نمبر ملایا۔

جبکہ یہ سن کر وردہ بری طرح ڈر گئی جبکہ اس کی ماں کے بھی چھکے چھوٹ گئے۔ فجر ساکت کھڑی تھی، اس کی نظریں صرف ولی پر جمی تھیں۔ سیکیورٹی گارڈز پہنچ چکے تھے اور اس عورت اور اس کی بیٹی کو وہاں سے لے جانے کی کوشش کر رہے تھے۔

"یہ کہیں نہیں جائے گیں!" وہ دھاڑا۔ "آپ لوگ خود پولیس بلائیں ورنہ نتائج اچھے نہیں ہوں گے۔"

اب تو اس عورت کا حلق کانٹا ہو گیا۔ اس نے رحم طلب نظروں سے فجر کی طرف دیکھا، مگر فجر تو جیسے پتھر کی ہو چکی تھی۔ اس کی نظریں ولی پر جمی تھیں جبکہ آنکھوں کے سامنے ماضی کا منظر گھوم گیا۔ ایک وقت تھا جب گردیزی ٹیکسٹائل کے گارڈز نے اسے دھکے دے کر باہر نکالا تھا اور **ارسل**، جس سے وہ محبت کرتی تھی، بے حسی سے کھڑا تماشہ دیکھتا رہا تھا۔ اور آج ایک **ولی** تھا، جو ایک اجنبی عورت کے محض ہاتھ لگانے پر آگ بگولا ہو گیا تھا۔

ہجوم بڑھتا جا رہا تھا۔ ولی نے اکیلے ہی پورے ریستوران کی انتظامیہ کو لائن حاضر کر دیا تھا۔ اگر پولیس آ جاتی تو ایک غیر ملکی کے ساتھ ایک سیون اسٹار ہوٹل میں ایسا سلوک؟ یہ ایک بین الاقوامی خبر بن سکتی تھی۔ وردہ کا بھائی جو آس پاس ہی تھا وہ بھی پہنچ گیا۔

تبھی فجر جیسے کسی گہرے خواب سے جاگی۔ اس کے گلے میں جیسے کانٹے اگ آئے، حلق میں کچھ پھنس گیا تھا۔ وہ بے جان قدموں سے آگے بڑھی۔ وہ معاملہ رفع دفع کرنا چاہتے تھے۔

"ولی۔۔۔" اس نے لرزتے ہاتھ سے اس کے کندھے کو چھوا۔

ولی نے جھٹکے سے پلٹ کر اسے دیکھا۔ فجر کو دیکھتے ہی اس کی آنکھوں کے شعلے جیسے بجھ سے گئے۔ اس کے چہرے پر موجود سارا غصہ ایک لمحے میں فکر اور نرمی میں بدل گیا۔

"آر یو اوکے؟" اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کے پیالے میں فجر کا سفید پڑتا چہرہ تھاما اور نہایت محبت سے اس کے رخساروں کو اپنے انگوٹھوں سے سہلاتے پوچھا۔ اس کے انداز میں اس قدر نرمی تھی کہ فجر نے بس اثبات میں سر ہلایا۔ نہ جانے کیوں، اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ وہیں بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔ آنکھوں میں آئی نمی کو وہ بار بار پلکیں جھپک کر پیچھے دھکیل رہی تھی۔

کون دنیا کون چار لوگ؟ بھاڑ میں جائیں سب۔ وہ ولی اور نگزیب تھا جو پوری کائنات کے سامنے **اپنی بیوی** کو own کر رہا تھا۔

"پلیز چلو یہاں سے۔۔۔" فجر کی آواز گھٹی گھٹی نکلی۔

"ششش۔۔ ایسے نہیں۔" ولی نے نرمی سے اپنی انگلی اس کے لبوں پر رکھی۔

اور پھر اسے اپنے پیچھے کرتے ہوئے وہ واپس اس عورت اور مینیجر کی طرف پلٹا۔ اردو ایک بار پھر پس منظر میں چلی گئی اور اس کی سکاٹش لہجے والی انگریزی پورے ہال میں گونج رہی تھی۔ اس نے اپنا فون نکالا اور ایک نمبر ملایا۔ رئیس اور نگزیب کا بھانجا ہونا ایک بہت بڑا ہتھیار تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ ہوٹل ایک منٹ میں بند ہو سکتا تھا۔

"میں یہ ہوٹل ابھی سیل کروا سکتا ہوں اگر اس عورت نے میری بیوی سے معافی نہیں مانگی۔" اس نے ہوٹل مینیجر کو وارن دیا۔

مینیجر نے بات ٹالنا چاہی۔

"میں آپ کے ہوٹل پر ہتکِ عزت کا دعویٰ کر رہا ہوں۔ آپ کے ہوٹل میں میری بیوی کی تذلیل کی گئی، اسے ہاتھ لگایا گیا۔ کیسے؟ میں اس کا ولی ہوں، مجھ سے بات کی جاتی۔ اسے ہاتھ لگانے کی ہمت کیسے کی؟"

فجر کی آنکھوں کے سامنے سب کچھ دھندلا رہا تھا، جبکہ وہ خود بت بنی کھڑی تھی۔ بیس منٹ کے اندر پولیس کی گاڑیاں پہنچ چکی تھیں۔ ولی نے دھمکی دی تھی کہ وہ میڈیا کو بیان دے گا کہ پاکستان کے ایک نامور ہوٹل میں اس کے اور اس کی بیوی کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔ جبکہ وہ عورت اب باقاعدہ کانپ رہی تھی۔

"یہ عورت جب تک میری بیوی سے معافی نہیں مانگے گیں، یہ کہیں نہیں جاسکتیں اور نہ میں جانے دوں گا۔"

ہال میں ایک بھیگی ہوئی، تناؤ زدہ خاموشی چھا گئی، جس میں صرف ولی کی غصیلی آواز، پولیس کی آمد کا شور اور دھڑکتے دلوں کی آوازیں باقی تھیں۔

فجر کا دردِ سر تو کب کا جا چکا تھا، مگر اب اس کا پورا وجود ولی کے اس شدید، بے پناہ اور محافظ روپ کو دیکھ کر جم سا تھا۔ اس نے آج جانا تھا کہ "**ولی**" ہونے کا مطلب کیا ہوتا ہے۔ وہ بس اسے دیکھے جا رہی تھی۔

پولیس کی آمد نے معاملے کو وہ سنگینی بخش دی تھی جس سے ہوٹل کی انتظامیہ سب سے زیادہ خوفزدہ تھی۔ آنے والے آفیسرز میں سے چند ایک جو رئیس کے وفادار تھے، وہ ولی کو پہنچانتے تھے۔ وہ اسے، رئیس اورنگزیب کے ساتھ کئی تقریبات میں دیکھ چکے تھے، جبکہ فجر معراج کا چہرہ فیشن کی دنیا میں کسی تعارف کا محتاج نہیں تھا۔ لمحوں میں یہ ایک عام جھگڑے سے کہیں بڑھ کر ایک ہائی پروفائل کیس بن چکا تھا۔

ولی کا غصہ اب بھی کم نہیں ہوا تھا، مگر اس کے لہجے میں ایک ٹھہراؤ آگیا تھا، ایک ایسی سرد اور اٹل ضد جو کسی بھی طوفان سے زیادہ خطرناک تھی۔ وہ ایک ہی بات بار بار دہرا رہا تھا، اس کی آواز میں ایک ایسی کاٹ تھی جو سیدھا دل میں اترتی تھی۔

"میری بیوی کو ہاتھ کیسے لگایا گیا؟ میں اس کا ولی ہوں۔ اگر کوئی مسئلہ تھا تو مجھ سے بات کی جاتی۔"

اس کا ہر لفظ اس عورت کے لیے ایک تازیانہ تھا۔ پولیس، انتظامیہ اور وہاں موجود ہر شخص پر یہ واضح ہو چکا تھا کہ یہ شخص پیچھے ہٹنے والا نہیں۔ بالآخر، اپنی بیٹی کے مستقبل اور اپنی عزت کو داؤ پر لگا دیکھ کر وہ عورت ٹوٹی۔ اسے پولیس کے حصار میں فجر کے سامنے لایا گیا۔ اس کے چہرے پر اب وہ تکبر نہیں، بلکہ خوف اور پشیمانی تھی۔

اس نے کانپتی آواز میں کہا۔

"میں۔۔۔ میں اپنے رویے اور اپنی شدت پسندی کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ پلیز مجھے معاف کر دیں۔ میری بیٹی کی شادی ہے، میں نہیں چاہتی کہ ہمارے خلاف کوئی خبر بنے۔"

اس کی آواز میں عاجزی تھی، مگر فجر کو اس میں خلوص سے زیادہ اپنی ذات کو بچانے کی فکر محسوس ہوئی۔ اس کے دل کو کچھ ہوا۔ اپنی بیٹی کی اتنی پرواہ تھی۔ تو کیا وہ کسی کی بیٹی نہیں تھی؟ یہ خیال بجلی بن کر اس کے ذہن میں کوندا، مگر اس نے اپنے جذبات کو چہرے پر نہیں آنے دیا۔ اس نے بس سرد مہری سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ بحث کرنے یا طعنے دینے کے موڈ میں نہیں تھی۔ اور دوسروں سے کیا گلہ؟ یہ حادثہ اس حادثے سے بڑا نہیں تھا جس میں اس کے اپنے ماں باپ نے اسے زہر دے کر مارنا چاہا تھا۔

اس کے سر ہلانے کے چند منٹ بعد ہی، رئیس اورنگزیب کے ایک فون کال پر، ہوٹل کو حفاظتی اور انتظامی کوتاہی کے سبب پورے ایک دن کے لیے سیل کر دیا گیا۔ ہوٹل مینجمنٹ کی حالت بگڑ چکی تھی۔ یہ ان کے لیے ایک بھیانک خواب تھا۔

ولی نے ہوٹل سے نکلنے سے پہلے انتظامیہ کو مخاطب کیا۔ اس کا لہجہ اب بھی سخت تھا۔

"میں ایسا ہرگز نہیں چاہتا تھا، مگر یہ ان تمام ہوٹلز اور پبلک پلیسز کے لیے ایک وارننگ ہے۔ اپنے دروازوں پر لکھ کر لگائیں کہ **'جاہل لوگوں کا داخلہ منع ہے'** جس جگہ پر لوگوں کی عزتِ نفس محفوظ نہ ہو، اسے بند ہی ہو جانا چاہیے۔"

ایک تو وہ سکاٹش شہری تھا، اوپر سے رئیس اور نگزیب کا بھانجا۔ اس نے آج اپنے سکاٹش ہونے اور رئیس کی حیثیت کا وہ فائدہ اٹھایا تھا جو شاید رئیس نے خود بھی کبھی نہ اٹھایا ہو، مگر ولی کے نزدیک یہ ضروری تھا۔ ایسی جگہوں پر ایسے لوگوں کا داخلہ ممنوع ہی ہونا چاہیے، جو اپنی زبان اور ہاتھوں سے دوسروں کو تکلیف پہنچانا اپنا حق سمجھتے ہیں۔

پھر وہ پلٹا اور فجر کا ہاتھ مضبوطی سے تھام کر میز کی جانب بڑھا، وہاں رکھا اسکا بیگ اٹھایا اور پھر باہر کی جانب چل پڑا۔ لوگ سمندر کی لہروں کی طرح ان کے لیے راستہ بنا رہے تھے۔ ہر نظر ان پر مرکوز تھی۔ چند موبائل فونز کی لائٹس بھی ان پر پڑیں، یقیناً کسی نے یہ منظر بھی قید کر لیا تھا۔

گاڑیوں سے بھری پارکنگ کی خاموشی میں پہنچ کر فجر کو جیسے ہوش آیا۔ اس نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے چھڑایا۔

"کیا ضرورت تھی اتنا بڑا تماشہ کرنے کی؟" اس کی آواز غصے سے کپکپا رہی تھی۔

"کیا سمجھتے ہو تم خود کو؟" اس کا چہرہ لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔ جو کچھ بھی ہوا تھا وہ اس کے لیے ناقابلِ یقین تھا۔

ولی نے ایک گہری سانس لے کر اسے دیکھا۔ وہ اس کے اندر چلتے طوفان سے واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ غصہ اس پر نہیں، اس بے بسی پر تھا جو اس نے محسوس کی تھی۔ وہ خاموش رہا، اسے اپنی نرم، گہری نظروں سے دیکھتا رہا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کے اندر جو کچھ بھی ہے، وہ سب کہہ دے، کچھ بھی اندر نہ رکھے۔

مگر فجر ضبط کر رہی تھی۔ اس کی خاموشی پر وہ مزید تپ گئی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے، یہ سب کرنے سے تم کوئی **'گرین فلیگ'** بن جاؤ گے؟"

یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھ کے کنارے پر ایک موتی چمکا۔ تمام تر ضبط کے باوجود پلکیں نم ہو ہی گئیں۔ اس سے پہلے کہ وہ آنسو اس کے گال پر بہتا اور اس کے ضبط کی توہین کرتا ولی سے یہ برداشت نہ ہوا، وہ ایک قدم آگے بڑھا۔ وہ اس کے قریب آیا، عین قریب، پورے استحقاق سے۔ پھر اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور اپنی شہادت کی انگلی سے نہایت نرمی سے اس کی پلکوں پر ٹھہرے اس آنسو کو چن لیا۔

فجر ایک بار پھر ساکت ہو گئی۔ اس کے لمس میں ایسی شدت تھی کہ اس کا دل دھڑکنا بھول گیا۔

"بیگم!" ولی کی گہری، سرگوشی جیسی آواز ابھری۔

"میں گرین فلیگ نہیں، گرین فاریسٹ ہوں۔"

فجر نے سانس روکے اسے دیکھا۔ اس کی ہیزل آنکھوں میں نمی کی ایک تہہ تھی۔

"پر مسئلہ یہ ہے۔" وہ دھیرے سے مسکرایا، "کبھی کبھی اس فاریسٹ میں آگ لگ جاتی ہے۔"

ایک مکمل **'ڈیفالٹ پیس'** اس کے سامنے کھڑا تھا۔ ایک سیون اسٹار ہوٹل کو ایک دن کے لیے بند کروا آیا تھا اور اب کتنے سکون سے اس کے آنسو چن رہا تھا۔ کیا تھا یہ شخص؟

"آخر تم ہو کون؟" بے ساختہ یہ سوال اس کے لبوں سے پھسلا۔ وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"صرف تمہارا ولی!" اس نے پورے حق سے جواب دیا۔ یعنی وہ سب کچھ تھا۔

"اور میرے ہوتے ہوئے، کوئی تمہیں بری نظر سے دیکھ بھی نہیں سکتا۔"

یہ کہہ کر اس نے دوبارہ فجر کا ہاتھ تھاما اور اسے گاڑی تک لایا۔ دروازہ کھول کر اسے اندر بٹھایا اور خود ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔ چند لمحوں بعد ان کی گاڑی ہوٹل کی پارکنگ سے باہر نکل رہی تھی۔

ریستوران سے نکلتی ہوئی بھیڑ سے گزرتے ہوئے فجر ان لڑکیوں کی سرگوشیاں نہیں سن پائی تھی جو انہیں دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"ایسا سکاٹش شوہر تو سبھی لڑکیاں ڈیزرو کرتی ہیں۔"

گاڑی باہر نکلتے ہی فجر نے رخ پھیر لیا۔ اس کا دل اب بھی بے ترتیب دھڑک رہا تھا، مگر اس دھڑکن میں اب بے بسی اور اذیت ہی نہیں بلکہ ایک انوکھی، انجانی سی حفاظت کا احساس گھل رہا تھا جبکہ گلے میں ایک پھندہ لگ چکا تھا۔

✿••✿••✿••✿

سفر کا ہر لمحہ ایک گہرے، بھاری سکوت میں ڈوبا ہوا تھا۔ گاڑی کے اندر کی خاموشی باہر کی رات کے شور سے زیادہ گہری تھی۔ ولی نے میوزک آن کرنے کا سوچا، پھر ارادہ ترک کر دیا۔ یہ خاموشی ضروری تھی۔ یہ اس طوفان کے بعد کا وہ ٹھہراؤ تھا جو اپنے اندر کئی ان کہے سوال اور جواب سمیٹے ہوئے تھا۔ فجر کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی، مگر اس کی نظریں کسی منظر پر نہیں، اپنے اندر کے خالی پن میں بھٹک رہی تھیں۔

پھر گاڑی ایک بلند و بالا، جدید طرز کی عمارت کے سامنے رکی جس کی روشنیاں رات کے اندھیرے کو کاٹ رہی تھیں۔ فجر جیسے کسی ٹرانس سے نکلی۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ یہ علاقہ اس کے لیے بالکل اجنبی تھا۔ وہ کہاں آ گئے

تھے ؟اس نے رخ موڑ کر سوالیہ نظروں سے ولی کو دیکھا۔اس کی آنکھوں میں نہ غصہ تھا،نہ حیرت،بس ایک سپاٹ سی بے یقینی تھی۔

"یہ بگ بی کا پینٹ ہاؤس ہے۔ہمارا ڈنر ادھورا ہے۔"اس نے فجر کو دیکھا جواب بھی اسے بے یقینی سے گھور رہی تھی۔وہ جانتا تھا کہ اس عورت کا بھروسہ جیتنا دنیا کے مشکل ترین کاموں میں سے ایک تھا۔

"میں آپ کا ولی ہوں۔آپ مجھ پر اتنا تو بھروسہ کر سکتی ہیں نا؟"اس بار اس کے لہجے میں ضد یا حق نہیں،ایک نرم سی امید تھی۔ایک التجا تھی جو اس کی گہری آنکھوں میں صاف دکھائی دے رہی تھی۔وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلا اور پھر فجر کی جانب آ کر اس کے لیے دروازہ کھولا۔

"ڈنر کا شرف بخش دیں،بیگم!"اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔وہی مانوس انداز۔اس کے دل کے کسی کونے میں ایک خواہش نے سر اٹھایا۔کبھی تو وہ اس کا ہاتھ تھام کر باہر نکلے گی۔کبھی تو۔۔۔۔!

فجر نے ایک گہری سانس لی،جیسے خود کو کسی بڑی آزمائش کے لیے تیار کر رہی ہو۔پھر کسی روبوٹ کی طرح،بغیر کوئی تاثر دیئے،گاڑی سے باہر نکل آئی۔وہ اس وقت ایک چلتا پھرتا پتھر لگ رہی تھی۔اذیت جب حد سے بڑھ جائے تو انسان اسے بے حسی کے خول میں چھپا لیتا ہے،اور فجر نے یہ فن سیکھ لیا تھا۔وہ اس شخص کے سامنے کمزور نہیں پڑ سکتی تھی۔

ولی کے لبوں پر ایک ہلکی سی،اداس مسکراہٹ نمودار ہوئی۔اس نے گاڑی لاک کی اور آگے بڑھا۔فجر اس کے پیچھے تھی۔جلد ہی وہ دونوں ایک شاندار،خاموش لفٹ میں کھڑے تھے۔

"بگ بی آج شہر سے باہر ہیں اور ان کے علاوہ صرف میں یہاں آسکتا ہوں۔" وہ لفٹ کے آئینے میں اس کے سپاٹ چہرے کو دیکھتے ہوئے اسے آگاہ کر رہا تھا۔ فجر خاموش کھڑی تھی، جیسے اسے ان باتوں سے کوئی فرق ہی نہ پڑتا ہو۔ لفٹ مطلوبہ منزل پر پہنچی اور دروازے کسی شاہی استقبال کی طرح کھل گئے۔ ولی نے ڈیجیٹل لاک پر چند ہندسے دبائے، ایک دھیمی سی کلک کی آواز آئی اور دروازہ کھل گیا۔ اس نے اندر داخل ہو کر بتیاں جلا دیں۔

"مجھے دے دیں۔" اس نے آگے بڑھ کر فجر کے ہاتھ سے اس کا پرس لیا اور ایک کونسول پر رکھ دیا۔ اندر داخل ہوتے ہی فجر کے قدم ایک لمحے کو ٹھٹکے۔ یہ ایک ناقابلِ یقین حد تک شاندار پینٹ ہاؤس تھا۔ فرش سے چھت تک پھیلی شیشے کی دیوار کے ایک طرف روشنیوں میں نہایا ہوا پورا شہر ایک دمکتے ہوئے قالین کی طرح بچھا تھا، جبکہ دوسری جانب کی شیشے کی دیوار کے پار ایک پرسکون، نیلگوں سوئمنگ پول رات کی چاندنی میں چمک رہا تھا۔ ہر چیز میں نفاست اور ذوق کی بلندی تھی۔

وہ بے اختیار شہر کی جانب والی گلاس وال کی طرف بڑھی۔ یہاں سے روشنیوں کا یہ سمندر سحر انگیز لگ رہا تھا۔ وہ دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے اندر کا سناٹا باہر کے شہر کے شور پر حاوی تھا۔ اسے کچھ محسوس ہی نہیں ہو رہا تھا۔ ولی کچن سے پانی کا گلاس لایا اور اسے تھمایا، پھر خاموشی سے پلٹ گیا۔ کچھ دیر کچن سے برتنوں کی کھٹ پٹ کی آوازیں آتی رہیں، اور جب وہ دوبارہ باہر نکلا تو اس کے قدم سیدھے فجر کی جانب اٹھے۔ فجر یونہی کھڑی تھی، ایک سانس لیتی ہوئی مورت کی طرح، چہرہ تاثرات سے مکمل طور پر عاری۔ ولی نے چند لمحے اسے دیکھا۔ وہ اسے اس بے حسی کے خول میں مزید نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر اس کے سامنے اپنا ہاتھ پھیلایا۔

"May I?"

فجر نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کی نظریں الجھی ہوئی تھیں۔ وہ اس سے کس بات کی اجازت مانگ رہا تھا؟ ولی نے دھیرے سے اس کے ہاتھ سے پانی کا گلاس پکڑا اور قریب رکھی میز پر رکھ دیا۔ پھر وہ دوبارہ اس کی طرف مڑا۔ وہ اپنی سیاہ ویسٹ اتار چکا تھا اور سفید ڈریس شرٹ کی سلوٹیں اس کے مضبوط جسم پر بچ رہی تھیں۔ فجر ابھی تک اسے دیکھ رہی تھی پھر جو ہوا، وہ ناقابلِ یقین تھا۔ اس نے ایک قدم آگے بڑھایا اور ذرا سا جھکتے ہوئے، فجر کو نہایت نرمی اور احتیاط سے اپنے بازوؤں کے حصار میں لے لیا۔ بالکل کسی قیمتی متاع کی طرح۔

یہ اتنا اچانک تھا کہ فجر ساکت رہ گئی۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ کئی لمحے تو اس کے دماغ کو یہ سمجھنے میں لگ گئے کہ واقعی ایسا ہوا ہے۔ ولی کی قربت کی تپش میں اس کا وہ مصنوعی، برف جیسا خول دیکھتے ہی دیکھتے چٹخنے لگا۔

"آئی ایم سوری! جو کچھ بھی ہوا۔ نہیں ہونا چاہیے تھا۔۔۔" اس کی سرگوشی فجر کے بالوں میں جذب ہو گئی۔

وہ جانتا تھا، یہ عورت اندر سے ریزہ ریزہ تھی، ہاں جھکتی نہیں تھی وہ الگ بات تھی۔ روزانہ سوشل میڈیا پر، لوگوں کی نظروں میں، سرگوشیوں میں اسے قاتل کہا اور مانا جاتا تھا۔ آج کا واقعہ اس زخم پر نمک تھا۔ اس کے نرم الفاظ اور اس کے وجود کی قربت میں فجر کا ضبط ٹوٹ گیا۔ وہ **'نو ہگ'** والی لڑکی تھی، اور اس لمحے بھی اس کے بازو بے جان سے پہلو میں گرے رہے۔ وہ تو ابھی تک سکتے میں تھی اور پھر، اس کی ہیزل آنکھوں میں نمی ابھری۔ دو موٹے موٹے آنسو ٹوٹ کر ولی کے کندھے میں جذب ہو گئے۔ یہی تو وہ چاہتا تھا کہ وہ رو لے۔ اپنے اندر کا زہر باہر نکال دے۔

دل کے دروازے بھی اونچے تھے۔

دیواروں پر کانچ بھی لگایا تھا۔

اندھیرا قبر سے زیادہ رکھا تھا۔

پھر بھی پتا نہیں وہ شخص محبت کرنے کس راستے سے آرہا تھا؟

چند لمحے یونہی گزر گئے۔ جب فجر کو ولی کے دل کی دھڑکن کے ساتھ ساتھ اپنے دل کے دھڑکنے کی آواز بھی سنائی دی، تو وہ جیسے ہوش میں آئی۔ **'نو ہگ'** والی لڑکی نے ایک دم تڑپ کر اس کے حصار سے نکلنا چاہا، مگر گرفت مضبوط تھی۔

"چھوڑو مجھے۔۔۔" وہ اب خود کو چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی، مگر بے سود۔

"تنگ نہ کریں۔" وہ بڑبڑایا۔ یہ لمحات اور احساسات ایسے تھے کہ وہ انہیں جینے کے لیے خود کو بھی بیچ سکتا تھا۔

"میں تمہاری جان لے لوں گی ولی! چھوڑو مجھے۔" وہ اب پوری طرح ہوش کی دنیا میں لوٹ رہی تھی اور اس کا پہلا ثبوت یہی احتجاج تھا۔

"جان تو آپ پہلے ہی لے چکی ہیں۔" وہ ڈھیٹ بنا رہا، اس کی گرفت ذرا بھی ڈھیلی نہ ہوئی۔

"تم اس حرکت پہ جیل جاؤ گے۔" اس نے غراتے ہوئے کہا۔ وہ زیر لب ہنس دیا مگر اسے چھوڑا نہیں۔

"اگر پاکستان میں ایک شوہر کو اپنی بیوی کو گلے لگانے کے جرم میں جیل ہوتی ہے، تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

اس ڈیفالٹ پیس نے فجر کے گرد چھائے جمود کو پاش پاش کر دیا تھا۔ فجر نے مزاحمت ترک کر دی۔ اس کا حصار واقعی مضبوط تھا۔ اس نے اپنی نم آنکھیں جھپکیں، وہ اس کے سامنے مزید کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی۔

"کیوں کر رہے ہو یہ سب؟" اس کی آواز بمشکل سرگوشی جیسی تھی۔ "یہ تمہارا کام نہیں ہے۔"

"میرا کام کیا ہے اور کیا نہیں، اس کا فیصلہ صرف میں کر سکتا ہوں۔" اس نے گرفت مزید تنگ کی جیسے وہ اس کا قیمتی سرمایہ ہو۔

"اور جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ میں یہ کیوں کر رہا ہوں تو جان لیں کہ جب کوئی آپ کا **'ولی'** ہوتا ہے، تو وہ صرف نام کا نہیں ہوتا۔ وہ آپ کی روح کا محافظ بھی ہوتا ہے۔ آپ کے دکھوں کا پہرے دار بھی۔ میں نے ہوٹل میں جو کیا، وہ اپنی حیثیت کا فائدہ اٹھانا نہیں تھا، وہ ایک ولی کا فرض تھا۔ میں نے آپ کو یہاں لانے کی جو جرأت کی، وہ آپ کو تکلیف دینا نہیں تھا، وہ آپ کے زخموں پر مرہم رکھنے کی ایک کوشش تھی۔"

اس کی ہر بات، ہر لفظ فجر کے دل پر دستک دے رہا تھا اور وہ سننا نہیں چاہتی تھی۔ وہ کسی بھی دستک پر دل کا دروازہ نہیں کھول سکتی تھی۔

کیا تھا یہ شخص؟ رئیس اور نگزیب جیسے شخص سے ٹکر لینے والی اور اسے اپنے مقصد کے لیے استعمال کرنے والی فجر معراج اس شخص سے کیسے جیت پائے گی؟ اس شخص کے سامنے تو فجر کے سارے ڈرامے فیل تھے۔ وہ اس کی safe haven بنتا جا رہا تھا۔

کچھ دیر مزید خاموشی چھائی رہی اور پھر فجر کی سرد آواز ابھری۔

"میں تمہیں آج ہی ٹرمینیٹ کر دوں گی۔ تم کبھی دوبارہ منار میں داخل نہیں ہو سکو گے اور نہ ہی میری شکل دیکھ پاؤ گے۔"

ہاں، یہ دھمکی کام کر گئی۔ ولی نے آہستگی سے اسے چھوڑا اور ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ پھر اس نے سینے پر بازو باندھ کر خفگی بھری نگاہوں سے اسے دیکھا، جو واقعی ایسا کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔

"سیریسلی؟اس وقت یہ بات کرتے ہوئے آپ زہر لگ رہی ہیں۔"اس کے لہجے میں حقیقی خفگی تھی۔

"تو کھا کر مر جاؤ!"وہ تڑخ کر بولی اور رخ موڑ کر شیشے کی دیوار سے باہر دیکھنے لگی۔اس کا دل ابھی تک بے ترتیب دھڑک رہا تھا۔

"میں نہیں چاہتا کہ آپ پھر سے بیوہ بنی گھومیں۔"

وہ تپ کر کہتا ہوا کچن کی جانب بڑھ گیا، جبکہ فجر کا سارا غصہ جیسے عود آیا تھا۔ولی نے اس پر چھائے درد اور بے حسی کے خول کو لمحوں میں توڑ پھوڑ دیا تھا۔وہ اب اپنا لال بھبھوکا چہرہ لیے اسے جاتے دیکھ رہی تھی۔

"ہنہہ بے شرم فارنر!"

اسے جاتے دیکھ کر وہ زیرِ لب بڑبڑائی۔مگر اس کے دل کی دھڑکن میں اب بے بسی نہیں، ایک عجیب سی ہلچل تھی، ایک ایسی ہلچل جو زندگی کی علامت تھی۔

✿••✿••✿••✿

اگلی قسط پندرہ دن بعد ان شاءاللہ !

جاری ہے۔

****

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔۔۔

اَلسلامُ علیکم احباب۔۔۔۔"

عنکبوت

(معرفت اور محبت سب کو نہیں ملتی)

از قلم: نور راجپوت

قسط نمبر:18

(کچھ لوگ مرہم جیسے ہوتے ہیں ان کی موجودگی ہر کرب کو التیام بخش دیتی ہے۔)

کچھ لوگ زندگی میں مرہم بن کر آتے ہیں۔ ان کی قربت، ان کے الفاظ، ان کا وجود، سب کچھ زخموں کو مندمل کرنے لگتا ہے۔ ولی، فجر کے لیے بالکل ویسا ہی تھا۔ ایک ایسا مرہم جو اس کے ریزہ ریزہ وجود کو سمیٹ رہا تھا، اس کے برف جیسے خول کو پگھلا رہا تھا، اور اس کے گہرے زخموں پر سکون کا لیپ کر رہا تھا۔ وہ ایک ایسا سہارا تھا جس نے فجر کو گرنے سے بچایا، اسے رونے کی ہمت دی، اور اس کے اندر ایک نئی زندگی کی ہلچل جگائی۔

جبکہ فجر اب تک ایک عجب کیفیت میں مبتلا تھی، اس کے اندر ایک گہرا تلاطم برپا تھا۔ صدیوں کے جمی برف کی سلیں پگھل رہی تھیں۔ اس کا دل، جو مدتوں سے ایک بے حس پتھر بنا ہوا تھا، اب ایک پگھلتے لاوے کی مانند دھڑک

رہا تھا۔ وہ خود کو سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ یہ کیا تھا جو اس کے وجود میں سرائیت کر رہا تھا؟ یہ کیسی کشش تھی جو اسے ولی کی جانب کھینچ رہی تھی، جب کہ اس کا سارا وجود اس کے خلاف مزاحمت پر آمادہ تھا؟

اس کی آنکھوں میں نمی تھی، مگر اب یہ نمی صرف دکھ کی نہیں تھی، اس میں ایک عجیب سی شیرینی گھل چکی تھی۔ وہ **"نو ہگ"** والی لڑکی تھی، جس نے کبھی کسی کو اپنے قریب آنے کی اجازت نہ دی تھی، مگر ولی کے لمس نے اس کے سارے اصول پاش پاش کر دیئے تھے۔ اس کے زخموں پر اسکا کا لمس مرہم بن گیا تھا، مگر وہ اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے گریزاں تھی۔ وہ اپنے اندر اٹھنے والی اس نئی ہلچل سے خوفزدہ تھی۔ یہ ایک ایسی دھڑکن تھی جو اسے دوبارہ زندگی کا احساس دلا رہی تھی، ایک ایسی روشنی جو اس کے تاریک وجود میں جھانکنے لگی تھی۔

کیا یہ ایک لمحاتی کمزوری تھی؟ وہ نہیں جانتی تھی، مگر اس کے اندر کی جنگ تیز ہو چکی تھی۔ ایک حصہ اسے ولی سے دور دھکیل رہا تھا، اسے اس قربت سے بھاگنے پر اکسا رہا تھا، جبکہ دوسرا حصہ اسے اس کی جانب کھینچ رہا تھا۔ وہ اپنے ٹوٹے ہوئے ضبط، اپنے بہتے آنسوؤں اور اپنے اندر کی اس نئی ہلچل پر حیران تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کیفیت سے کیسے نمٹے۔ اس کے تمام تر دفاع، تمام تر اصول، ولی کے ایک لمس اور چند لفظوں کے سامنے ریت کی دیوار ثابت ہوئے تھے۔

اس کے جانے کے بعد ایک گہری سانس لے کر خود کو قابو کرنے کی کوشش کی، مگر بے سود۔ اس کا چہرہ ابھی تک سرخ بھبھو کا تھا اور ولی کی خوشبو ابھی تک اسے اپنے حصار میں لیے ہوئے تھی۔ اس نے اپنا سر جھٹکا، جیسے ان تمام احساسات سے چھٹکارا پانا چاہتی ہو۔ نظریں شیلف میں رکھی کتابوں کی جانب اٹھیں، اور اس نے بے خیالی میں دوستووسکی کی ایک کتاب اٹھالی۔ کاؤچ پر بیٹھ کر اس نے ورق پلٹے، مگر اس کی نظریں محض لفظ گن رہی تھیں، دماغ پوری طرح کچن سے آتی دھیمی دھیمی آوازوں کی جانب لگا ہوا تھا۔ چولہے پر کسی چیز کے پکنے کی دھیمی سی

سرسراہٹ، برتنوں کے کھڑکھڑانے کی آواز، اور کبھی کبھار ولی کے گنگنانے کی مدھم سی دھن۔ وہ بس وہیں کھوئی رہی، جب تک، تھک کر اس نے کتاب ایک جانب نہ رکھ دی۔ آج کے تمام واقعات نے اسے بری طرح تھکا دیا تھا۔ کچن سے آتی بھوک بڑھا دینے والی خوشبو نے اس کی تھکن میں مزید اضافہ کر دیا۔

فریش ہونے کا ارادہ کرتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی، مگر اٹھتے ہی اس کی نظر اپنے پاؤں کی جانب گئی۔ ہائی ہیلز میں اس کے پاؤں بری طرح دکھ رہے تھے۔ وہ پھر سے وہیں بیٹھ گئی۔ اس نے جوتا اتارنے کی کوشش کی، مگر اسٹرپ کھل ہی نہیں رہی تھی۔ اسی اثنا میں ولی نمودار ہوا۔

"بیگم کھانا تیار ہے۔" اس کی آواز پر فجر نے سر اٹھا کر اسے نہیں دیکھا۔ ولی یہ دیکھ چکا تھا اور دھیرے سے اس کے قریب آیا۔ بنا کچھ کہے، وہ پنجوں کے بل فجر کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ فجر نے چونک کر سر اٹھایا اور پھر فوراً سیدھی ہوتے ہوئے اپنے پاؤں پیچھے کیے۔

"لائیں میں کر دیتا ہوں۔" ولی کا لہجہ سنجیدہ تھا۔ وہ خود بھی فریش ہو چکا تھا، اور اس کے ماتھے پر چند گیلے بال چمک رہے تھے۔ اس کے منع کرنے کے باوجود، ولی نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اس کا پاؤں پکڑا اور پھر اسٹرپ کھولنے لگا۔ فجر اسے ہی دیکھتی رہ گئی۔

اس کے گھنے گھنگھریالے بال، صاف رنگت، وجیہہ نقوش اور بھرپور جسامت۔ اس کی نظریں ولی کے چہرے پر موجود نشان پر ٹک گئیں۔ کیا ہوتا اگر اس کے چہرے پر یہ نشان نہ ہوتا؟ شاید وہ دنیا کا حسین ترین مرد کہلایا جاتا۔ مگر یہ نشان؟ یہ چاند پر داغ تھا۔ کیسے آیا تھا؟ وہ گہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ ایک لمحے کو اس کے دل میں آیا کہ وہ اس نشان کو چھو کر دیکھے۔ کیا وہ اصلی تھا؟ کیا اسے اس زخم کے وقت تکلیف ہوئی تھی؟ ڈھیروں سوال تھے، مگر وہ پوچھ نہیں سکتی تھی۔

وہ اس کے دوسرے پاؤں کا اسٹرپ کھول رہا تھا۔ جب دونوں پاؤں جوتوں کی قید سے آزاد ہوئے، تو اس نے سر اٹھایا۔ فجر نے خود کو اسے تکتے ہوئے پایا، تو فوراً رخ موڑ لیا۔ اس کے لبوں پر ایک نرم سی مسکراہٹ ابھری۔

"فریش ہو جائیں۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔"

وہ اٹھ کر چلا گیا جبکہ فجر اپنے پیروں پر کھڑی ہوئی۔ ایک لمحے کے لیے تو اسے اپنے پیر محسوس ہی نہیں ہوئے۔ ہیلز پہنے رہنے کی وجہ سے وہ اکڑ گئے تھے۔

پندرہ منٹ بعد جب وہ باتھ روم سے نکلی تو وجود میں ایک ٹھنڈک اور سکون کا احساس تھا۔ شفاف چہرہ اور گیلی آستینیں لیے وہ ڈائننگ ہال کی جانب بڑھی جہاں ایک نسبتاً چھوٹی، سیاہ میز پر ولی کھانا لگا رہا تھا۔ ماحول نیم تاریک تھا اور اس تاریکی میں میز کے عین وسط میں رکھی الیکٹرک کینڈل کی مدھم، زرد روشنی ایک عجیب سا سحر طاری کر رہی تھی۔ اس نے واقعی اسے ایک کینڈل لائٹ ڈنر بنا دیا تھا۔ فجر کے قدم ایک پل کو رکے۔ پھر وہ آگے بڑھ گئی۔ اس کے قریب پہنچنے پر ولی نے کرسی کھینچ کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"جو سامان پڑا تھا، میں نے اس سے اسٹیک بنایا ہے۔ شاید آپ کو پسند آ جائے۔" اس کی نظریں میز پر مرکوز تھیں، جیسے وہ جان بوجھ کر اسے دیکھنے سے گریز کر رہا ہو تاکہ وہ مزید ان کمفرٹیبل محسوس نہ کرے۔

"تمہیں کوکنگ آتی ہے؟" فجر نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔ اس کی آواز میں اب وہ پہلے جیسی تلخی نہیں تھی۔

"پہلے تو انڈہ ابالنا بھی نہیں آتا تھا، پھر نیل کے کیفے پر تھوڑا بہت سیکھ لیا۔" وہ مصروف سے انداز میں بتا رہا تھا۔ اس کے بیٹھنے پر اس نے کرسی کو میز کے قریب کیا۔

"تھینک یو۔" وہ بس اتنا ہی کہہ پائی۔ اس کی یہ ساری توجہ، یہ احتیاط اسے مغلوب کر رہی تھی۔

"ویلکم بیگم!"

واپس کچن کی جانب بڑھ گیا جبکہ فجر کی نظریں میز پر چُنے لوازمات پر جم گئیں۔ اسٹیک کے ساتھ گارلک بریڈ اور
د نگٹس بھی فرائی کیے گئے تھے۔ کھانے کی اشتہا انگیز خوشبو سے اس کی بھوک مزید چمک اٹھی تھی۔ وہ ٹھنڈے
پانی کا جگ اور دو گلاس لے کر آیا اور پھر کرسی کھینچ کر اس سے تھوڑے فاصلے پر بیٹھ گیا۔

"شروع کریں۔ میں جانتا ہوں آپ کو بھوک لگی ہے۔"

فجر نے چھری کانٹا اٹھایا اور اسٹیک کا ایک ٹکڑا کاٹنے کی کوشش کی۔ شڑ شڑ کرتی اسٹیک کی آواز خاموش ماحول میں گونجی۔ وہ گرم تھی۔ اس نے چھری واپس رکھی اور کانٹے سے ایک نگٹ اٹھالیا۔

"ویسے اگر باہر گرمی نہ ہوتی تو میں یہ ٹیبل باہر بالکونی میں لگاتا۔" ولی نے خود چھری کانٹے سے اسٹیک کے چھوٹے چھوٹے، مناسب ٹکڑے کرتے ہوئے اس کی پلیٹ میں رکھ دیئے۔ وہ اس کے کھانے میں بھی آسانی پیدا کر رہا تھا۔ فجر نے حیرت سے اپنی پلیٹ اور پھر اس کے چہرے کو دیکھا۔ اس شخص نے یہ سب کہاں سے سیکھا تھا؟ یہ آداب، یہ خیال رکھنے کا انداز، وہ یہ کہاں سے سیکھ کر آیا تھا؟

"تم تو کہہ رہے تھے کہ ہمارے رشتے کا رئیس کو پتا نہیں چلنا چاہیے، اب تم نے اتنے لوگوں کے سامنے چیخ چیخ کر اعلان کر دیا ہے، اس کا کیا؟" فجر نے بھنویں سکیڑ کر اسے دیکھا۔ وہ اب خود کو سنبھال چکی تھی اور معاملات کو اپنے کنٹرول میں لانا چاہتی تھی۔ اس کی بات سن کر وہ ہنس دیا۔ پھر نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ کانٹے پر لگا نگٹ ہوا میں معلق تھا اور وہ جواب طلب نظروں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"بیگم آپ اسٹیک کھائیں، بگ بی کو میں دیکھ لوں گا۔" وہ اتنا پُر سکون تھا کہ فجر چڑ گئی۔

"تم مجھے بیگم کہنا بند کرو گے؟ مجھے زہر لگ رہا ہے یہ لفظ۔ ضروری ہے بار بار یہ یاد کروانا کہ میں تمہاری بیوی ہوں؟" وہ تپ کر بولی۔ ولی نے بمشکل اپنے لبوں پر آئی مسکراہٹ کو روکا۔

"آپ کو لگتا ہے آپ میری بیوی ہیں، اس لیے میں آپ کو بیگم کہتا ہوں؟" اس نے سنجیدگی سے مگر آنکھوں میں شرارت لیے فجر کو دیکھا۔ وہ اس کی بات پر الجھ گئی۔

"تو پھر کیوں بلاتے ہو؟" اس نے بے زاری سے پوچھا۔

اس پر ولی نے چھری کانٹا میز پر رکھا، کرسی پر ذرا سا آگے ہوا اور اپنی کہنیاں میز پر ٹکا لیں۔ اس کی گہری نظریں فجر کے چہرے پر جمی تھیں۔

"شطرنج کھیلی ہے کبھی آپ نے؟"

اس کے غیر متوقع سوال پر فجر نے سر ہاں میں سر ہلایا۔

"شطرنج کی بساط پر سب سے اہم مہرہ بادشاہ ہوتا ہے، لیکن سب سے کمزور بھی۔ وہ ہر سمت میں صرف ایک قدم چل سکتا ہے۔ ساری فوج اس کی حفاظت کے لیے مرتی ہے، کٹتی ہے، لیکن وہ خود بے بس ہوتا ہے۔" وہ ایک لمحے کو رکا، جیسے اس کی توجہ کو مکمل طور پر اپنی گرفت میں لے رہا ہو۔

"مگر پھر بساط پر ایک اور مہرہ ہوتا ہے۔ وزیر، جسے 'بیگم' بھی کہتے ہیں۔ وہ شطرنج کا سب سے طاقتور مہرہ ہے۔ وہ کسی بھی سمت میں، جہاں تک چاہے، جا سکتی ہے۔ وہ حملہ کرتی ہے، دفاع کرتی ہے، بادشاہ کو بچاتی ہے اور مخالف کی

پوری فوج کو تہس نہس کر سکتی ہے۔ وہ اکیلی پوری بساط کو کنٹرول کرتی ہے۔ بادشاہ نام کا حاکم ہوتا ہے، اصل طاقت تو بیگم کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔"

اس نے اپنی کتھئی آنکھوں سے فجر کو دیکھا، جن میں ایک عجیب سی چمک تھی۔

"جب میں آپ کو دیکھتا ہوں، تو مجھے وہ بے بس بادشاہ نظر نہیں آتا جس کی حفاظت کرنی ہے۔ مجھے وہ بیگم نظر آتی ہے۔ طاقتور، آزاد، جو اپنی جنگ خود لڑنا جانتی ہے، جو کسی بھی سمت میں جانے کی ہمت رکھتی ہے۔ میں آپ کو بیگم اس لیے نہیں کہتا کہ آپ میری بیوی ہیں، میں آپ کو بیگم اس لیے کہتا ہوں کیونکہ میں آپ کی طاقت کو تسلیم کرتا ہوں۔ **آپ وہ ملکہ ہیں جو اپنی بساط کی خود حاکم ہے۔**"

اس کی آواز ہال کی خاموشی میں تحلیل ہو گئی۔ فجر سحر زدہ سی اسے دیکھتی رہ گئی۔ اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں بچا تھا۔ ولی نے اس کے ہر دفاع، ہر اعتراض کو ایک ہی وار میں پاش پاش کر دیا تھا۔ وہ لفظ **بیگم** جسے وہ اپنی قید کی زنجیر سمجھ رہی تھی، وہ تو اس کی طاقت کا اعتراف تھا۔

اس شخص نے اس کے سب سے بڑے خوف، اس رشتے کی حقیقت کو ایک ایسی طاقتور اور خوبصورت مثال میں بدل دیا تھا کہ اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ چند لمحے اسے یوں ہی دیکھنے کے بعد آخر وہ تپ کر بولی، آواز میں طنز بھرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

"اور تم کون ہو؟ بادشاہ؟"

اس پر وہ کھل کر ہنس دیا۔ اس کی ہنسی کی گونج اس پر سکون ماحول میں کھنکی۔

"نہیں بیگم! میں پیادہ ہوں۔ شطرنج کا سب سے معمولی سپاہی۔ جسے آپ کو کامیاب ہوتے دیکھنا ہے۔ وہ پیادہ جسے آپ کی حفاظت کے لیے ہر چال چلنی ہے، چاہے اس میں قربان ہی کیوں نہ ہونا پڑے۔"

فجر نے ایک گہری سانس بھری، جیسے اس کے جواب کو اپنے اندر اتار رہی ہو، اور پھر سر جھٹک کر دوبارہ کھانے کی طرف متوجہ ہو گئی۔ وہ اب کوئی بحث نہیں کرنا چاہتی تھی۔ خاموشی سے وہ ان اسٹیک کے ٹکڑوں کو کھانے لگی جو ولی نے خود اس کے لیے کاٹے تھے۔ کچھ دیر تک دونوں کے درمیان صرف چھری کانٹے کی مدھم آواز آتی رہی۔ یہ ایک عجیب سی خاموشی تھی، جس میں تناؤ نہیں بلکہ ایک ناقابلِ بیان سکون تھا۔

"تو بادشاہ کون ہے؟" وہ الجھی۔

"بادشاہ؟ وہ تو بگ بی ہیں۔ اس بساط کے اصل حکمران!" فجر کی طرف دیکھا، اس کی آنکھوں میں ایک نئی چمک تھی۔

"یہ جو بساط بچھی ہے نا، اس میں تین ہی اہم مہرے ہیں، جن کی چالیں سب سے زیادہ معنی رکھتی ہیں۔ ایک ملکہ جو ہر سمت جا سکتی ہے اور طاقت کا محور ہے، ایک بادشاہ جو تخت پر بیٹھا ہے اور جس کی حفاظت سب کی ذمہ داری ہے، اور ایک پیادہ جو ان دونوں کے درمیان پل کا کام کرتا ہے۔"

فجر نے اپنے ابرو اچکائے۔

"تو تمہارا مطلب ہے تم اس بادشاہ کے لیے مجھے بچا رہے ہو؟" اس کی آواز میں طنز تھا، جو اس کی حیرت کو چھپانے کی ناکام کوشش تھی۔ ہاں بادشاہ نے ہی تو بھیجا تھا پیادے کو۔

ولی نے سکون سے سر ہلایا۔

"پیادہ، بادشاہ کی خدمت کرتا ہے اور اگر اس خدمت میں ملکہ کی حفاظت بھی شامل ہو، تو اس سے بہتر کیا ہو سکتا ہے؟" اس نے آہستگی سے کہا، جیسے اسے فجر کی بے چینی کا علم ہو۔ "مجھے تو بس یہ پتا ہے کہ میرا کام آپ کو اس بساط پر محفوظ رکھنا ہے۔"

فجر نے چھری کانٹا رکھ دیا اور اسے دیکھا۔

"اور اگر مجھے تمہاری حفاظت نہیں چاہیے ہو تو؟"

وہ اطمینان سے مسکرایا۔

"پیادے کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ اسے اپنی بیگم پر پورا بھروسہ ہوتا ہے۔ اگر آپ کو لگتا ہے کہ آپ اپنی جنگ خود لڑ سکتی ہیں، تو میرا کام آپ کے راستے سے رکاوٹیں ہٹانا ہے تاکہ آپ کو کوئی پریشانی نہ ہو۔ میں ہمیشہ آپ کے آس پاس رہوں گا، آپ کی حمایت میں، آپ کی ہر چال میں۔"

وہ اسے دیکھتی رہی۔ ولی نے اپنی بات جاری رکھی۔

"اور بگ بی؟ وہ تو خوش ہوں گے کہ ان کی بساط پر ایک مضبوط ملکہ اور ایک وفادار پیادہ موجود ہے۔"

فجر نے گہرا سانس لیا، اس کے ذہن میں نئے خیالات ابھر رہے تھے۔ یہ تعلق، یہ الفاظ، یہ سب کچھ اس کے لیے نیا اور حیران کن تھا۔

"تو اگر میں چاہوں کہ تم صرف میرے لیے کھیل کھیلو، تو کیا کرو گے؟" فجر نے اسے چھیڑا۔

ولی نے اپنے ہونٹوں پر ہنسی روکی۔

"بیگم پیادے کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی ملکہ کو فتح دلائے۔ بادشاہ تو صرف نام کا ہوتا ہے۔ اصل طاقت تو ملکہ کے پاس ہوتی ہے اور پیادہ ہمیشہ اپنی ملکہ کے لیے ہی اپنی چال چلتا ہے۔" اس نے فجر کی آنکھوں میں گہری نظر ڈالی۔

"آپ کو فتح یاب دیکھنا ہی میری سب سے بڑی جیت ہے۔"

وہ اسے دیکھے گئی۔ یہ پیادہ اسے ہر طرح سے گھیر رہا تھا۔ اس کے دفاع کو ایک ایک کر کے توڑ رہا تھا۔

"لیکن ایک بات یاد رکھیے گا۔" اس نے اپنی کرسی تھوڑی اور قریب کی اور سرگوشی کے انداز میں کہا۔

"شطرنج میں کبھی بھی پیادے کو کمزور نہیں سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ کبھی کبھی سب سے غیر متوقع چال وہی چلتا ہے۔"

یہ محض ایک کھیل نہیں تھا، یہ ان کی نئی دنیا تھی، جہاں ولی خود کو ایک معمولی پیادہ کہہ کر بھی سب سے بڑا کھلاڑی ثابت کر رہا تھا۔ وہ کچھ نہ بولی۔ سر جھٹک کر سوچوں کو ذہن سے نکالا۔

"کیا خیال ہے پھر؟" اسی نے اچانک خاموشی کو توڑا۔ "اگلا ڈنر کسی ڈھابے پر کریں؟ گرما گرم دال اور تندور کی روٹی کھائیں گے۔"

فجر نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"مجھے دال نہیں پسند، اور میں کسی ڈھابے پر نہیں جا رہی۔" اس نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔

"ویسے دال کھانی چاہیے۔ صحت کے لیے اچھی ہوتی ہے۔ آپ کو پروٹین کی سخت ضرورت ہے۔"

فجر کے ہاتھ میں پکڑا کانٹا ایک دم رک گیا۔ اس نے نظریں اٹھا کر ولی کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر الجھن کے آثار واضح تھے۔

"تمہیں کیسے پتا مجھے پروٹین کی ضرورت ہے؟"

اس سوال پر اس کے چہرے پر ایک شرارتی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے ایک ہاتھ اپنی ٹھوڑی تلے رکھا اور دوسرا میز پر ٹکاتے ہوئے، ذرا سا آگے جھک کر اسے بغور دیکھا۔

"میں چاہتا ہوں اگلی دفعہ آپ کو گلے لگانے کے لیے مجھے پوری بانہیں کھولنی پڑیں مگر آپ کافی دبلی پتلی۔۔۔"

اس کے باقی الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔ فجر کی آنکھیں پہلے شدید صدمے اور پھر آگ اگلتے غصے سے پھیلیں۔ اس کا چہرہ لمحوں میں سرخ پڑ گیا اور اس نے ہاتھ میں پکڑا کانٹا پوری طاقت سے ولی کے میز پر رکھے ہاتھ کی پشت پہ گھسا دیا۔

"آہ ظالم عورت!" اس کی ایک دبی دبی سی چیخ ابھری۔

"خبردار! جو آئندہ مجھ سے اس طرح فری ہونے کی کوشش کی تو گلا یہیں کاٹ دوں گی۔" فجر نے اب میز پر رکھی اسٹیک نائف اٹھالی، اس کا ہاتھ غصے سے لرز رہا تھا۔

ولی نے اپنا ہاتھ جھٹکا، ننھے ننھے خون کے قطروں کو دیکھا جو اس کی جلد سے ابل پڑے تھے۔

"مارنے کاٹنے کے علاوہ اور کوئی کام ہے آپ کو؟" اس نے لسو اٹھا کر اپنے ہاتھ پر رکھا اور فجر کو یکدم احساس ہوا۔ وہ جو کچھ مزید سخت سست سنانا چاہتی تھی، وہیں چپ کر گئی۔ اس کی نظریں اب ولی کے ہاتھ پر جمی تھیں۔ سفید لسو چند ہی لمحوں میں سرخ ہو چکا تھا۔ ایک پل کے لیے اس کا سارا غصہ اڑن چھو ہوا اور ایک گہرے ملال نے آ گھیرا۔ زخم زیادہ گہرا نہیں تھا اور نہ ہی اس کے چہرے پر شدید تکلیف کے آثار تھے، مگر۔۔۔!

"زیادہ لگی ہے؟" اس کی گھٹی گھٹی سی آواز ابھری۔ کانٹا ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا۔ اسے اپنی اس بے اختیاری پر شدید غصہ آیا۔ ولی نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ جب اس کی آنکھوں میں اپنے لیے خالص فکر دیکھی تو دل کو جیسے ٹھنڈک کا احساس ہوا۔

"ہاں نہ، بہت زیادہ لگی ہے۔ گھائل ہو گیا ہوں۔" وہ اب بھی اپنی مسکراہٹ چھپائے اسے دیکھ رہا تھا، جیسے اس کی اس حالت سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔

"دکھاؤ مجھے۔" اس نے اب اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ ولی نے فوراً اپنا زخمی ہاتھ اس کے سامنے کر دیا۔ خون کے وہ ننھے قطرے بار بار رس رہے تھے۔ اسے اب شدید افسوس ہو رہا تھا۔

"فرسٹ ایڈ باکس کہاں ہے؟" وہ یہ پوچھتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھی۔

"کچن میں، دائیں جانب والے دوسرے کیبنٹ میں۔" وہ اس پر نظریں جمائے، ایک مسرور سی کیفیت میں بولا۔ وہ تیز قدموں سے کچن کی جانب بڑھی اور کچھ ہی دیر میں سفید رنگ کا ڈبہ اٹھائے واپس آئی۔ اسے کھول کر روئی کے پھاہے سے اس کے زخم کو نہایت احتیاط سے صاف کیا اور پھر اس پر سینی پلاسٹر چپکا دیا۔ اس سارے عمل کے دوران وہ بس نرم، گرم سی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

"ویسے لوگ آپ کو ٹھیک ہی وحشی عورت کہتے ہیں۔ دوسری بار آپ نے میرا ہاتھ زخمی کیا ہے۔ کیا آبسیشن ہے آپ کو میرے ہاتھوں سے؟" اس نے شرارت سے پوچھا۔ رئیس کی گردن تو وہ بھول ہی گیا تھا۔

فجر نے ڈبہ بند کرتے ہوئے اسے گھورا۔ "اگر تم اپنی زبان بند اور ہاتھ قابو میں رکھو تو ایسا بالکل نہیں ہو گا۔"

"یہ تو ناممکن ہے۔" اس نے اپنا دوسرا، صحیح سلامت ہاتھ بڑھا کر اس کے جوڑے سے نکلی بالوں کی ایک لٹ کو نرمی سے اس کے کان کے پیچھے اڑس دیا۔

اس غیر متوقع لمس پر ڈبہ بند کرتے فجر کے ہاتھ ایک دم ساکت ہو گئے۔ اس نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں اب غصہ نہیں، صرف حیرت تھی۔

"اتنا فلرٹ کہاں سے سیکھا ہے تم نے؟"

"مت بھولیں میں آدھا انگریز بھی ہوں، اور ہمارے ہاں اسے فلرٹ نہیں، تعریف کرنا کہتے ہیں۔"

وہ اس کی بات سن کر تاسف سے سر ہلاتی ہوئی ڈبہ اٹھا کر واپس کچن کی جانب بڑھ گئی۔

"بے شرم انگریز!"

اس کی دھیمی سی بڑبڑاہٹ سن کر ولی بے ساختہ ہنس دیا۔ اس نے اپنے زخمی ہاتھ کو دیکھا جس پر سنی پلاسٹر لگا تھا۔ ایک مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی۔

وہ واقعی پاگل عورت تھی۔ پہلے زخم دیتی تھی، پھر خود ہی مرہم لگاتی تھی۔

واپسی کا سفر کافی پر سکون تھا۔ وہ زیادہ کچھ نہیں بولا۔ آج کا دن اسکی زندگی کے خوبصورت دنوں میں سے ایک تھا۔

گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے اسٹارٹ کیا اور دھیمے سروں میں ایک گانا بجا دیا۔ بالکل تتلیوں جیسا۔

"زمین کو آسمان بناؤں، ستاروں سے سجاؤں، اگر تم کہو۔۔۔۔۔"

موسیقی اتنی مدھر تھی کہ اس کے الفاظ دل میں اتر رہے تھے۔ ولی نے ایک نظر فجر پر ڈالی۔ وہ کھڑکی سے باہر بھاگتے نظاروں کو دیکھ رہی تھی، اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔ ولی مسکرایا، اسے معلوم تھا کہ اس کے اندر بہت کچھ چل رہا تھا۔ جب وہ تھک گئی تو اس نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"تم انڈین گانے کب سے سننے لگے ہو؟" وہ کچھ کچھ حیران تھی۔

"نیل کی مہربانی ہے۔ اردو اچھی کرنی تھی نا بس اس لیے اس کے ساتھ سنتا رہا۔ انڈین، پاکستانی سبھی، اَسّی نوّے کی دہائی کے۔" اس نے ہلکے سے گنگنانا شروع کر دیا۔

"میں تتلیوں کے پیچھے بھاگوں۔ میں جگنوؤں کے پیچھے جاؤں۔"

اسے سکاٹش اردو میں گنگناتا دیکھ کر وہ بمشکل ہنسی ضبط کر پائی۔ گاڑی ترنم ہاؤس کے سامنے آ کر رکی تو اس نے میوزک بند کر دیا۔ اس سے پہلے کہ وہ باہر نکلتی بالآخر اس نے پوچھ ہی لیا۔

"ڈنر کیسا رہا؟"

"بہت برا۔۔۔" فجر نے بیگ اٹھاتے ہوئے کہا۔

ولی نے گاڑی لاک کر دی اور اس کی طرف مڑ کر دیکھا، "کتنا برا؟" آنکھوں میں الوہی سی چمک تھی۔

"اتنا برا کہ دل کر رہا ہے تمہارا حشر نشر کر دوں۔" وہ مصنوعی خفگی سے بولی۔

"اتنا برا کہ اب آپ کو ہر طرف سے میری خوشبو آئے گی۔"

اس کی بات سن کر فجر کے گال فوراً لال ہوئے۔

"لاک کھولو ورنہ سچ میں ہاتھ کاٹ دوں گی۔" اس نے ولی کے جملے کا اثر زائل کرنے کے لیے غصے سے کہا۔

اس نے مسکراتے ہوئے لاک کھول دیا۔ آج فجر کو بہت تنگ کر لیا تھا۔ آج کے لیے اتنا کافی تھا۔ وہ تیزی سے باہر نکلی۔

اس نے ذرا جھکتے ہوئے کہا، "صبح لینے آؤں گا تیار رہیے گا۔" گارڈ نے گیٹ کھول دیا۔ وہ بنا اس کی طرف دیکھے اندر داخل ہو گئی، جبکہ وہ مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

وہ اماں اور بانو سے ملنے کے بعد سیدھا اپنے کمرے میں آئی۔ آج کا دن اتنا لمبا تھا کہ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے پوری زندگی جی لی ہو۔ دن بھر کی تھکن اور ولی کے ساتھ گزرا وقت، سب کچھ اس کے ذہن میں گھوم رہا تھا۔ جہاں تکلیف ملی تھی، وہیں اس نے مرہم رکھ دیے تھے۔

فریش ہونے کے لیے جیسے ہی اس نے اپنی کلازٹ سے کپڑے نکالے، اسے ایک عجیب سی مہک کا احساس ہوا۔ اس نے گردن جھکا کر خود کو سمیل کیا۔ یہ ولی کی خوشبو تھی جو اس کے لباس سے آ رہی تھی۔ اس کی اپنی تمام مہنگی خوشبوئیں اس خوشبو کے سامنے دم توڑ جاتی تھیں۔ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔

"یہ آدمی مجھے پاگل کرے گا۔" وہ مزید کچھ نہیں سوچنا چاہتی تھی اس لیے اسے یہ جلد از جلد فریش ہونا تھا۔

✿••✿••✿••✿

رئیس گروپ کے ہیڈ آفس کی وسیع و عریض، کئی کنالوں پر پھیلی ہوئی پچھلی حدود پر وقت جیسے تھم سا گیا تھا۔ یہاں کی خاموشی کو صرف تیز ہوا کی سائیں سائیں اور گھاس سے ٹکرانے کی سرسراہٹ توڑ رہی تھی۔ عروزہ چند منتخب

سیکیورٹی گارڈز کے ساتھ کھڑی تھی، ان کا لباس ہوا میں ایک بے قابو پرچم کی طرح لہرا رہا تھا۔ سب کی نظریں آسمان پر مرکوز تھیں جہاں ایک سیاہ نقطہ تیزی سے بڑا ہو رہا تھا۔

جلد ہی، وہ نقطہ ایک دھاتی شکرے کی شکل اختیار کر گیا اور فضا میں ہیلی کاپٹر کے بلیڈز کی کان پھاڑ دینے والی پھڑ پھڑاہٹ گونجنے لگی۔ نیچے اترتے ہوئے ہیلی کاپٹر کا دباؤ اتنا شدید تھا کہ زمین پر موجود خشک پتے اور دھول کا ایک طوفان اٹھا، جس نے چند لمحوں کے لیے منظر کو دھندلا دیا۔ گارڈز نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے، مگر عروزہ مضبوطی سے اپنی جگہ جمی رہی، اس کی آنکھیں اس سیاہ چمکتے ہوئے عفریت پر جمی تھیں جو اب زمین کو چھونے والا تھا۔

جیسے ہی ہیلی کاپٹر کے پہیے مخصوص دائرے میں اترے، اس کے بلیڈز کی رفتار آہستہ آہستہ کم ہونے لگی، مگر ان کی پیدا کردہ ہوا اب بھی ارد گرد کے ماحول پر حاوی تھی۔ دروازہ ایک ہموار، میکانکی آواز کے ساتھ کھلا اور ایک چمکدار سیاہ اطالوی جوتا باہر نکلا۔ اس کے بعد رئیس مکمل طور پر باہر آیا۔ اس نے ایک بے داغ سیاہ تھری پیس سوٹ پہن رکھا تھا، جس کے بٹن کھلے تھے۔ تیز ہوا اس کے سوٹ کو چھو کر گزر رہی تھی، مگر اس کے چہرے یا تاثرات پر کوئی اثر نہیں ڈال سکی۔ اس کی آنکھوں میں ایک سرد اور گہری سنجیدگی تھی، جیسے وہ اس دنیا کے شور و غل سے ماورا ہو۔

اس کے پیچھے مراد عالم اترا۔ دونوں کے قدم جیسے ہی زمین پر پڑے، ہیلی کاپٹر کے شور کا اثر ختم ہونے لگا اور رئیس کی موجودگی کا دبدبہ حاوی ہوتا چلا گیا۔

وہ پر اعتماد، نپے تلے قدموں سے عروزہ کی جانب بڑھے۔ ان کے قدموں کی آہٹ میں ایک عجیب سی ٹھنڈی اتھارٹی تھی۔

"باس!" عروزہ نے آگے بڑھ کر کہا۔ سلام دعا کی رسمی کارروائی کی یہاں گنجائش نہیں تھی۔ ماحول خود بتا رہا تھا کہ معاملہ سنگین ہے۔

رئیس نے صرف سر ہلایا، اس کی نظریں سامنے شیشے اور اسٹیل سے بنی دیو ہیکل عمارت پر تھیں۔

"رپورٹ۔" اس کا لہجہ سپاٹ تھا، مگر اس ایک لفظ میں چھپی طاقت نے عروزہ کو مزید سنجیدہ کر دیا۔

"وہ تہہ خانے میں ہیں۔" عروزہ نے کہا اور ان کے قدم آفس کی عمارت کی جانب اٹھنے لگے۔

عمارت کے قریب پہنچ کر ان کا رخ مرکزی دروازے کے بجائے بغلی راستے سے بیسمنٹ کی جانب جانے والی لفٹ کی طرف تھا۔ لفٹ کا دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہوئے۔ جیسے ہی دروازے بند ہوئے، باہر کی دنیا سے ان کا رابطہ منقطع ہو گیا اور ایک مصنوعی روشنی نے ان کے سنجیدہ چہروں کو روشن کیا۔ لفٹ خاموشی سے نیچے کی طرف سرکنے لگی۔

"وہ بہت زیادہ تربیت یافتہ لوگ ہیں۔" عروزہ نے بتانا شروع کیا، اس کی آواز میں تناؤ صاف ظاہر تھا۔ "جس طرح انہوں نے سیکیورٹی کو چکما دیا، وہ عام چور نہیں ہو سکتے۔ اگر ولی صحیح وقت پر نہ پہنچتا تو شاید میں آج آپ کے سامنے کھڑی نہ ہو پاتی۔" بھوری رنگت والی عروزہ نے ولی کی تعریف کرتے ہوئے ایک لمحے کو آنکھیں موند لیں۔

رئیس کے چہرے پر گہری سوچ کے آثار تھے۔ اس کی بھنویں ہلکی سی سکڑ گئیں۔ یہ کون سا نیا گروہ تھا جس کے کارندے اس کی سلطنت کے دل تک پہنچنے کی جرأت کر چکے تھے؟ اور ان کی ہمت اتنی تھی کہ اس کے لوگوں کے بدترین تشدد کے بعد بھی انہوں نے زبان نہیں کھولی تھی۔

لفٹ نے ایک جھٹکے کے ساتھ اپنی منزل پر پہنچنے کا اعلان کیا۔

بیسمنٹ میں پہنچتے ہی لفٹ کا دروازہ کھلا تو سامنے ایک لمبا، مدھم روشنی والا کوریڈور تھا۔ ہوا میں ٹھنڈک، نمی، ادویات اور خون کی ملی جلی ناگوار بو رچی ہوئی تھی۔ ان کے بھاری قدموں کی چاپ راہداری میں گونج رہی تھی، جو کسی بھی سننے والے کے دل میں خوف پیدا کرنے کے لیے کافی تھی۔

کوریڈور کے آخر میں ایک بھاری سلائیڈنگ دروازہ تھا، جسے گارڈ نے کھولا۔ دروازے کے کھلنے کی سنسناہٹ کے ساتھ ہی وہ اندر داخل ہوئے۔

سامنے کا منظر کسی ڈراؤنے خواب کا حصہ لگتا تھا۔ کمرے کے بیچ میں دو بھاری کرسیوں سے دو آدمی مضبوط آہنی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ ان کے کپڑے پھٹے ہوئے اور جسم جگہ جگہ سے لہولہان تھا۔ تشدد کے نشانات ان کے چہروں اور بازوؤں پر واضح تھے، مگر ان کی آنکھوں میں تکلیف سے زیادہ کچھ اور تھا۔

بھاری قدموں کی چاپ سن کر انہوں نے آہستہ آہستہ اپنی سوجی ہوئی آنکھیں کھولیں۔ سامنے رئیس اپنے پورے قد کے ساتھ کھڑا تھا، اس کا سایہ دیوار پر ایک دیو کی مانند پڑ رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی ایک قیدی کے لہولہان چہرے پر ایک عجیب، طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔

"رئیس اورنگزیب۔۔۔۔" ایک نے تھوک نگلتے ہوئے، زخمی لہجے میں کہا۔ اس کی آواز میں درد تھا، مگر خوف نہیں۔

رئیس نے کوئی جواب نہیں دیا، بس اپنی سرد نگاہیں ان پر گاڑ دیں۔

"میں آ گیا ہوں۔" آخر کار وہ بولا، اس کا لہجہ اتنا سپاٹ اور سرد تھا جیسے کسی مشین سے نکلا ہو۔

دونوں قیدیوں کے چہروں پر ایک عجیب سی فاتحانہ چمک ابھری، جیسے وہ اسی لمحے کا انتظار کر رہے تھے۔

"آ گئے ہو تو کان کھول کر سن لو۔" دوسرا قیدی ہنسا، اس کی ہنسی میں کھنکھناہٹ اور تکلیف شامل تھی۔ "تمہاری الٹی گنتی شروع ہو چکی ہے۔"

رئیس کے چہرے پر پہلی بار کوئی تاثر ابھرا۔ یہ خوف یا غصہ نہیں، بلکہ رعونت بھری مسکراہٹ تھی۔

"اچھا؟ جاری رکھو۔۔"

"تمہاری یہ سلطنت، یہ غرور، یہ طاقت کا نشہ۔۔۔ سب کچھ بہت جلد خاک میں ملنے والا ہے۔" پہلے قیدی نے نخوت سے اطلاع دی۔

وہ آہستہ سے آگے بڑھا اور اپنے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر ان کے برابر جھکا۔ اس کی آنکھیں ان کی آنکھوں میں جھانک رہی تھیں۔

"مجھے وہ لوگ بالکل پسند نہیں جو خود کو مجھ سے بڑا عفریت سمجھنے کی غلطی کر بیٹھیں۔ اس دنیا میں غلطیوں کی معافی نہیں ملتی۔"

"تو تمہیں لگتا ہے کہ تم سے بڑا عفریت کوئی ہے نہیں؟" ایک قیدی ہانپتے ہوئے بولا، اس کے منہ سے خون کا ایک قطرہ ٹپکا۔

رئیس سیدھا کھڑا ہوا۔ اس نے اپنے سوٹ کو ایسے جھاڑا جیسے ان کے قریب آنے سے اس پر کوئی گندگی لگ گئی ہو۔ اس کے لبوں پر وہی سرد مسکراہٹ لوٹ آئی۔

"تصحیح کر لو۔" اس نے اطمینان سے کہا۔ "میں واحد عفریت ہوں۔"

اس کے آخری الفاظ کمرے کی خاموشی میں ایک فیصلے کی طرح گونجے۔ہاں، وہ اس سلطنت کا واحد عفریت تھا۔ ایک ایسا عفریت جسے چیلنج کرنے کا مطلب صرف موت تھا۔

قیدی دوبارہ ہنس دیئے۔

"ہر فرعون کے لیے ایک موسیٰ ہوتا ہے، رئیس اورنگزیب! اور تمہارا موسیٰ دہلیز پر دستک دے رہا ہے۔"

رئیس نے ایک لمحے کے لیے انہیں دیکھا، پھر مراد عالم کی طرف مڑا۔

"لیکن تمہارا موسی کوئی نیک انسان نہیں بلکہ قیامت کا پانچواں گھڑ سوار ہے۔ تم سے بھی بڑا فرعون!" ان کی لرزتی آواز جیسے اعلان کر رہی تھی۔ قیامت کا اعلان!

رئیس کا چہرہ تاثرات سے خالی ہو گیا۔

"مراد۔۔۔" اس نے بغیر کسی جذبے کے کہا۔ "ان کی زبان کھلوانے کے کچھ نئے طریقے آزماؤ۔ مجھے صبح تک ان کے بھیجنے والے کا نام چاہئیں۔ زندہ یا مردہ، مجھے فرق نہیں پڑتا۔"

یہ کہہ کر وہ پلٹا اور اسی شاہانہ انداز میں باہر کی طرف قدم بڑھا دیئے، عروزہ ساتھ لپکی۔ پیچھے دو ہانپتی ہوئی زندگیاں اور اپنے انجام کا انتظار کرتی خاموشی چھوڑ گیا۔

✿••✿••✿••✿

اگلی صبح ولی وقت سے پہلے پہنچ چکا تھا۔ کل رات فجر کو تنگ کرنے کا بخار ابھی تک نہیں اترا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ تھی، جیسے اس نے کوئی بڑی جنگ جیت لی ہو۔ آج وہ پیشہ ورانہ انداز سے ہٹ کر، بیگی پینٹ

پر ایک آرام دہ شرٹ پہنے ہوئے تھا، اس کے کتھئی بال نفاست سے سیٹ تھے اور یہ انداز اس کی شخصیت کو مزید دلکش بنا رہا تھا۔

اس نے ہارن بجایا، لیکن پھر کچھ سوچ کر رک گیا۔ اس کے بجائے، وہ گاڑی سے نکلا اور گیٹ کی طرف بڑھا۔ وہ فجر کو مزید تنگ کرنے کا کوئی نیا طریقہ سوچ رہا تھا۔ جیسے ہی وہ گیٹ کے قریب پہنچا، فجر باہر نکلتی دکھائی دی۔

آج وہ بالکل سادہ حلیے میں تھی۔ گھٹنوں تک آتا کھلا ہلکا زرد کرتا اور اسی رنگ کا ٹراؤزر، بال آج ڈھیلے سے ایک رومال میں بندھے تھے۔ اس نے آرام دہ لوفرز پہنے ہوئے تھے۔ اسکارف گردن کے گرد لپٹا ہوا تھا، جو اسے ایک معصومانہ سا روپ دے رہا تھا۔ آج وہ باس کم اور ایک اسٹوڈنٹ زیادہ لگ رہی تھی۔ ایک لمحہ کو وہ اسے دیکھ ٹھٹھک گیا۔ کیا کہنا تھا سب بھول گیا۔ وہ بس مارننگ ہی کہہ پایا۔

فجر نے سر ہلایا اور گاڑی میں بیٹھ گئی۔ ولی نے گاڑی سٹارٹ کی اور وہ دونوں خاموشی سے آگے بڑھنے لگے۔ فجر اپنے فون میں مصروف ہو گئی، جیسے وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو۔ وہ بار بار اسے چوری چھپے دیکھتا رہا۔ اسے فجر کا یہ سادہ حلیہ بہت پسند آیا تھا۔ اس کے ہر روپ میں ایک نیا سحر تھا جو ولی کو اپنی جانب کھینچ لیتا تھا۔ اس کے دل میں ایک عجیب سی چہل پہل ہو رہی تھی۔

کافی راستہ خاموشی سے کٹا، پھر اچانک فجر نے سر اٹھایا۔

"گاڑی روکو!"

ولی نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ "کہاں پر؟"

"وہاں!" فجر نے ایک بک شاپ کی طرف اشارہ کیا۔ "مجھے کچھ نئی کتابیں لینی ہیں۔"

اس نے اثبات میں سر ہلاتے گاڑی ایک طرف پارک کی اور اس کے ساتھ ہی باہر نکلا۔ اندر سے دکان کافی بڑی تھی رشیلفوں میں لگی کتابوں کے آس پاس کتابی لوگ گھوم رہے تھے۔ کتابوں کی خوشبو نے پورے ماحول کو معطر کر رکھا تھا۔ فجر کی آنکھوں میں چمک تھی۔ کتابوں کو دیکھ کر اسے یوں لگا جیسے وہ کسی جنتی باغ میں آگئی ہو۔ وہ تیزی سے ایک شیلف کی طرف بڑھی اور کتابیں اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں پر چشمہ جما ہوا تھا اور وہ کسی فلسفی کی طرح سنجیدگی سے کتابوں کے عنوانات کا مطالعہ کر رہی تھی۔

ولی ایک جانب ٹھہر کر اسے دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر ایک دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔ فجر کو کتابوں میں کھویا دیکھ کر اسے عجیب سا سکون محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اس کے بالوں کی ڈھیلی سی پونی نما رومال کو کو دیکھ رہا تھا اور ان سے نکلی لٹیں، جو اس کے نازک چہرے پر جھول رہی تھی۔

جب وہ بور ہونے لگا تو وہ فجر کی جانب بڑھا۔

"ایک بات بتائیں۔" انداز کافی سنجیدہ تھا۔ فجر نے صرف **'ہوں'** کہا۔

"ایسی لڑکی جو ایک آرٹسٹ ہو، جسے چشمہ لگا ہو اور جو فرانز کافکا کو پڑھتی ہو، اس سے شادی کرنے کے لیے کیا کرنا ہو گا؟"

فجر نے پہلے حیرت سے اسے دیکھا، پھر اسے ایک گھوری سے نوازا۔

"پہلے خودکشی کرنی ہو گی پھر دوسرا جنم لے کر آنا ہو گا کیونکہ پہلے جنم میں تو ناممکن ہے۔"

وہ اس کے تپے ہوئے جواب پر بے ساختہ ہنس دیا۔

"شکر ہے مجھے پہلے جنم میں ہی مل گئی۔" وہ اس کی جانب جھکتے ہولے سے بولا۔ سرگوشی نما۔ اس سرگوشی میں دنیا بھر کی سرشاری تھی۔ جبکہ فجر نے اسے مکمل نظر انداز کیا۔

"ساری کتابیں ایک ساتھ لیں گی؟" ڈھیر ساری کتابیں دیکھ کر وہ پھر سے بولا۔

"بار بار آنے کا ٹائم نہیں ملتا۔ پہلے سوچا تھا لائبریری بناؤں گی پر اب تو کتاب پڑھنے کا ٹائم بھی مشکل سے ہی ملتا ہے۔" وہ کافی سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔ ولی نے پہلے اسے دیکھا پھر اسکی کتابوں کو۔

"بیگم آپ بس کتابیں پڑھیں، لائبریری میں بنوا دوں گا۔"

وہ کس قدر سنجیدگی سے بولا، جیسے وہ یہ کام فوراً کرنے والا ہو۔ اس کی تمام کتابیں اٹھائیں اور کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔ البتہ اس کے چہرے پر ایک دھیمی سی مسکراہٹ تھی، جو اس کے دل کے اندر کے احساسات کو ظاہر کر رہی تھی جبکہ فجر گہری سانس لے کر رہ گئی۔

✿••✿••✿••✿

جیسے ہی وہ دونوں گاڑی سے اتر کر آفس کی مرکزی عمارت کی جانب بڑھے، فجر نے محسوس کیا جیسے فضا میں کچھ بدل گیا تھا۔ ہمیشہ کی طرح چہل پہل تو تھی مگر آج ہر چہرہ ایک خاص تجسس اور حیرت سے بھرا نظر آ رہا تھا۔ وہ لوگ جو عام طور پر اسے ایک سنجیدہ اور بے حد مصروف میڈم کے طور پر جانتے تھے، آج ان کی آنکھوں میں کچھ اور ہی کہانی تھی۔

جیسے ہی وہ مرکزی دروازے سے اندر داخل ہوئے، انہیں محسوس ہوا جیسے تمام نظریں ان پر جم گئی ہوں۔ لابی میں کھڑے لوگ، کوریڈور سے گزرتے ملازمین اور یہاں تک کہ استقبالیہ پر موجود عملہ بھی انہیں ایک عجیب سی

حیرت اور تجسس سے دیکھ رہا تھا۔ سرگوشیاں ہلکی تھیں، لیکن موجود تھیں۔ یہ کل رات کے واقعے کی وجہ سے تھا۔ کسی نے ان کی ویڈیو سوشل میڈیا پر ڈال دی تھی جو ریستوران کی سائبر سیکورٹی فورسز سے درخواست کے بعد ریموو کر دی گئی تھی مگر لوگ پھر بھی دیکھ چکے تھے۔

اس نے ولی کی جانب دیکھا۔ وہ مکمل طور پر پر اعتماد اور بے پرواہ نظر آ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر وہی پر سکون سنجیدگی تھی جو اس کا آفس میں خاصہ تھی۔ وہ بے نیاز انداز میں چلتا رہا، جیسے اسے ان بدلتی نظروں سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ مگر فجر کے دل کی دھڑکن تیز ہوتی جا رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ یہ سب کس وجہ سے تھا۔ رات کے واقعے کی خبر یقیناً جنگل کی آگ کی طرح پھیل چکی تھی۔

"ولی صرف میڈم کا پی اے نہیں، یہ تو ان کا شوہر بھی ہے!"

سرگوشیاں جاری تھیں۔ اسے محسوس ہوا کہ وہ سب کی نظروں میں اپنے ولی کے ساتھ کھڑی فجر تھی۔ ایک ایسی فجر جو نہ صرف ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھی، بلکہ اب اس کی ذاتی زندگی بھی لوگوں کے لیے ایک موضوع بن چکی تھی۔

جبکہ ولی ہمیشہ کی طرح پر سکون انداز میں فجر کے پیچھے چلتا رہا۔ جیسے ہی انہوں نے زینے چڑھنا شروع کیے، انہوں نے دیکھا کہ ان کے فلور پر بھی لوگ عجیب نظروں سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ ان کے آفس کے فلور پر خاموشی کچھ زیادہ ہی گہری تھی۔ لوگ نظریں جھکانے کی کوشش کر رہے تھے، لیکن ان کی آنکھیں بار بار اٹھ کر انہیں دیکھ رہی تھیں۔ یہ صرف ایک تجسس نہیں تھا بلکہ ایک نئی قسم کا احترام بھی تھا۔ ولی کا کل کا عمل لوگوں کے ذہنوں میں گہرا نقش چھوڑ چکا تھا۔

فجر اپنے کیبن کی طرف بڑھی اور ولی اس کے پیچھے خاموشی سے چلتا رہا۔ ان کے کیبن میں داخل ہوتے ہی لابی میں پھیلی ہوئی سرگوشیوں کا شور بھی آہستہ آہستہ بلند ہونے لگا۔ فجر نے کیبن کا دروازہ بند کیا اور ایک لمبی سانس لی۔ اس کا دل ابھی تک بے ترتیب دھڑک رہا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ یہ صرف آج کی بات نہیں تھی، اب ان کے تعلق کی نوعیت بدل چکی تھی اور آفس میں ان کی حیثیت بھی اس سے متاثر ہو گی۔

ولی نے اس کی طرف دیکھا، اس کے چہرے پر دبی ہوئی مسکراہٹ تھی۔

"لگتا ہے، خبر پھیل چکی ہے۔" اس نے نرم لہجے میں کہا، جیسے یہ کوئی عام بات ہو۔

فجر نے اسے گھور کر دیکھا۔ "یہ کوئی مذاق نہیں ہے۔ اب ہر کوئی ہمیں مختلف نظروں سے دیکھے گا۔"

ولی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے پر سکون لہجے میں کہا۔

"آپ اپنا کاروبار دیکھیں، نظریں میں سنبھال لوں گا۔" اس کی آواز میں ایک ایسا پر اعتماد لہجہ تھا جو فجر کو مزید الجھا گیا۔ وہ جانتا تھا کہ اس نے جو کچھ بھی کیا، وہ اپنی بیوی کے لیے کیا تھا، اور اس میں اسے کوئی شرمندگی نہیں تھی۔ وہ بیگ پٹختے ہوئے کرسی پر گرنے والے انداز میں بیٹھی۔

"تم نے یہ سب جان بوجھ کر کیا؟" اب وہ اسے گھور رہی تھی جو پر سکون تھا۔

"نہیں۔۔۔" یک لفظی جواب آیا۔ وہ یقین کرنے کی کوشش کرنے لگی لیکن ہیزل آنکھوں میں شک تھا۔

"خیر ابھی آپ چائے پیئیں۔ میں بگ بی سے ملنے جا رہا ہوں۔ وہ اپنے دورے سے واپس آ گئے ہیں اور یقیناً اسی سلسلے میں مجھے طلب کیا گیا ہے۔" اس نے گھڑی پر نظر ڈالتے سنجیدگی سے کہا اور پھر ایک نظر فجر کو دیکھا جو کچھ نہ بولی صرف اسے دیکھتی رہی۔

وہ دروازے کی جانب بڑھا اور پھر رک گیا۔ پلٹ کر اسے دیکھا۔

"دعا کیجیے گا انہیں مطمئن کر پاؤں ورنہ آپ آج سے اصل بیوہ بن کر گھومیں گی۔"

"شٹ اپ۔۔۔" وہ تڑخی۔

"اوکے ٹیک کیئر!" وہ مسکرا کر باہر نکل گیا جبکہ وہ جل تپ کر رہ گئی تھی۔

✿••✿••✿••✿

رئیس کا دفتر اس وقت کسی قلعے کی مانند لگ رہا تھا جہاں خاموشی اور طاقت ایک ساتھ حکمرانی کرتے نظر آرہے تھے۔ شیشے کی اونچی دیواروں سے شہر کا وسیع منظر دکھائی دیتا تھا، مگر اس وقت کمرے میں موجود چار افراد کی توجہ کا مرکز وہ شہر نہیں تھا۔ فضا میں ایک عجیب سی کشیدگی تھی، اتنی گہری کہ اسے چھوا جا سکتا تھا۔

رئیس اپنی مخصوص شاہانہ کرسی پر براجمان تھا اور اس کے عقب میں کھڑی عروزہ کے ہاتھ میں پکڑے ٹیبلٹ پر کل رات کی ویڈیو بے آواز چل رہی تھی۔ اسکرین پر وہ لمحہ بار بار آرہا تھا جب ولی نے فجر کے چہرے کو اپنے ہاتھوں کے پیالے میں تھام رکھا تھا۔ یہ ایک ایسا منظر تھا جس میں اپنائیت بھی تھی اور سرعام ایک اعلان بھی۔ رئیس نے ایک طویل، گہری نظر ویڈیو پر ڈالی اور پھر اپنی نگاہیں سامنے بیٹھے ولی پر جما دیں۔

ولی کے ساتھ والی کرسی پر مراد عالم بیٹھا تھا، اس کے چہرے پر سنجیدگی اور تفکر کے ملے جلے تاثرات تھے۔ لیکن ولی، وہ حد درجہ پرسکون اور بے تاثر تھا۔ اس کے چہرے پر نہ کوئی خوف تھا، نہ پشیمانی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ کسی دوست سے ملنے آیا ہو نہ کہ اپنے عفریت جیسے ماموں کے سامنے ایک سنگین وضاحت پیش کرنے۔ رئیس کی سوالیہ نگاہیں گویا اس کے وجود کو چیر کر اندر جھانکنا چاہتی تھیں۔

آخر کار اس نے ہی خاموشی توڑی۔ اس کی آواز میں وہی ٹھہراؤ تھا جو اس کی شخصیت کا خاصہ تھا۔

"اب انہوں نے بد تمیزی کی تھی تو مجھے یہ کرنا پڑا۔" اس نے نہایت سادگی سے کہا۔ "اگر میں انہیں سب کے سامنے اپنی بیوی تسلیم نہ کرتا تو وہ عورت کبھی اپنی حرکت پر معذرت نہ کرتی۔ اور جو فجر کا دل دکھا تھا، اس کا مداوا نہ ہو پاتا۔"

وہ اس قدر اطمینان سے بول رہا تھا کہ ایک لمحے کے لیے رئیس کو بھی حیرت ہوئی۔ اس نے کرسی سے ٹیک لگائی، اس کی انگلیوں نے میز کے کنارے کو تھپتھپانا شروع کر دیا۔ اس کی آنکھوں میں سوچ کی گہری پرچھائیاں ابھر آئیں۔ وہ اپنے اس ذہین بھانجے کو جانچ رہا تھا جو ہر مشکل صورتحال کو اپنے حق میں موڑنے کا فن جانتا تھا اور کل رات بھی اس نے یہی کہا تھا۔

"اور اس نے تمہیں اس حرکت پر کچھ نہیں کہا؟" اس بار رئیس کی بھنویں تن گئیں۔ اس کے لہجے میں اب بھی شک کی ہلکی سی لکیر تھی۔

ولی کے لبوں پر ایک لمحے کے لیے مسکراہٹ آئی اور فوراً غائب ہو گئی۔ اس نے ایک اداکاری سے بھرپور آہ بھری۔

"اتنی اچھی نہیں ہیں وہ جو مجھے بخش دیں گی۔ یہ دیکھیں ان کی جارحیت کا ثبوت!"

اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا جس کی پشت پر ایک چھوٹا سا سنی پلاسٹر چپکا ہوا تھا۔ اس نے احتیاط سے پلاسٹر اتارا اور نیچے موجود زخم دکھایا۔

"کانٹا گھسا دیا میرے ہاتھ میں۔" وہ کس قدر معصومیت اور بیچارگی سے بولا کہ رئیس کے تنے ہوئے اعصاب فوراً ڈھیلے پڑ گئے۔ ایک گہری سانس اس کے سینے سے خارج ہوئی۔ اس نے صرف اثبات میں سر ہلایا، گویا اس نے ولی کی منطق اور اس کے نتیجے کو قبول کر لیا تھا۔

عقب میں کھڑی عروزہ کی نظریں اب بھی ولی پر جمی تھیں۔ پتا نہیں کیوں، مگر اس کے اندر کچھ کھٹک رہا تھا۔ ولی کا یوں فجر کو سر عام اپنی بیوی کہنا، اس کے لیے فکر مند ہونا، یہ سب اسے صرف ایک ڈرامے سے کہیں زیادہ لگ رہا تھا۔ اسے اس پر سکون چہرے کے پیچھے چھپے اصلی محرکات نظر نہیں آ رہے تھے اور یہی بات اسے بے چین کر رہی تھی۔

کچھ دیر مزید رسمی گفتگو کے بعد وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"مجھے ابھی نکلنا ہو گا، آج کچھ ضروری کام ہیں۔" اب وہ مکمل طور پر ریلیکس تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس نے ایک محاذ سر کر لیا تھا۔ البتہ بادشاہ اور بیگم کے بیچ وہ واقعی ایک گھن چکر بن چکا تھا۔

جیسے ہی وہ دروازے سے باہر نکلا، عروزہ بھی خاموشی سے اس کے پیچھے ہو لی۔

ان کے جاتے ہی دفتر کی خاموشی مزید گہری ہو گئی۔ مراد نے کرسی پر پہلو بدلا اور سنجیدگی سے رئیس کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں وہ سوال تھا جو وہ ولی کے سامنے نہیں پوچھ سکتا تھا۔

"کیا لگتا ہے؟ ولی پر اس قدر اندھا بھروسہ کرنا ٹھیک رہے گا؟"

رئیس نے اپنی کرسی گھمائی اور شیشے کے پار پھیلے شہر کو دیکھنے لگا۔ اس کا چہرہ اب بالکل تاثرات سے عاری تھا۔

"تم جانتے ہو مراد! میں جب بھروسہ کرتا ہوں تو اندھا بھروسہ کرتا ہوں۔ وہ مجھے جیت چکا ہے۔" وہ ایک لمحے کے لیے رکا۔ دفتر میں مکمل سکوت طاری تھا۔

"میں اسے ہرٹ نہیں کرنا چاہتا لیکن۔۔" اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑ کر ایک لمبا سانس لیا۔ "اگر اس نے دھوکا دیا، تو پھر میرے پاس اس کے لیے ایک سرپرائز ہے۔"

اس کا چہرہ نہایت سرد اور سپاٹ تھا۔ اس کے لہجے میں برف کی سی ٹھنڈک تھی جس نے مراد کے اندر تک کپکپی طاری کر دی۔ اس ایک پل مراد عالم نے دل کی گہرائیوں سے دعا کی کہ ولی کبھی اپنے رئیس کو دھوکا دینے کی غلطی نہ کرے۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے جس طرح جڑ چکے تھے، اس کے بعد بچھڑنا یا دھوکا دینا کسی ایک کی نہیں، بلکہ دونوں کی تباہی کا باعث بنتا۔ اور رئیس کا **'سرپرائز'** یقیناً کوئی خوشگوار تحفہ نہیں ہو سکتا تھا۔

✿••✿••✿••✿

روحی کے کمرے میں، سورج کی کرنیں پردوں سے چھن کر فرش پر رقص کر رہی تھیں، اور کمرے میں ایک مدھم، اطمینان بخش روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ دیواروں پر لگی مکڑیوں کی تصاویر اور کتابوں کے ڈھیر اس بات کی گواہی دے رہے تھے کہ یہ ایک ایسی لڑکی کا ٹھکانہ تھا جو اپنے ہی خیالی دائرے میں خوش رہتی تھی۔ ہوا میں ہلکی سی پھولوں کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی، بستر کے قریب رکھے تازہ گلابوں کی وجہ سے، جو مسٹر حسین کل لائے تھے۔ روحی بستر میں بیٹھی، اسکیچ بک پر اٹھی ترچھی لائنیں کھینچ رہی تھی۔ کمرے کا ماحول پرسکون تھا اور پھر جلد ہی یہ سکوت ٹوٹ گیا۔

"کیسی ہو روحی بے بی؟" صفدر کی گونج دار، چہکتی ہوئی آواز کمرے میں گونجی۔ وہ دروازے سے اندر داخل ہوا، اس کے بال نفاست سے سیٹ تھے، اور اس کے چہرے پر صبح کی تازہ مسکراہٹ تھی۔ وہ نک سا آفس جانے کے لیے تیار تھا۔

"مجھے بے بی مت بلائیں!" اس نے چڑ کر کہا لیکن اسکیچ بک سے نظریں نہیں اٹھائیں۔ صفدر کے چہرے پر حیرت کا تاثر ابھرا۔

"اچھا کیوں؟" اس نے پوچھا، جیسے اس کی بات سمجھنے سے قاصر ہو۔ وہ آہستہ آہستہ بیڈ کی طرف بڑھا اور اس کے سرہانے کھڑا ہو کر اس کا اسکیچ دیکھنے لگا۔

روحی نے ایک لمبی سانس لی اور اپنے ماتھے پر بل ڈالے۔

"میں پندرہ سال کی ہوں۔ بے بی نہیں ہوں۔" اس نے مصنوعی خفگی سے کہا اور اپنی نظریں اسکیچ پر جمائے رکھیں۔ اس کے لہجے میں ایسی معصومیت تھی کہ صفدر ہنس پڑا۔ اس کی ہنسی کمرے میں گونجی، جس میں صبح کی طراوت اور شرارت کا امتزاج تھا۔

"چلو ٹھیک ہے، مس پندرہ سالہ روحی۔" صفدر نے مسکراتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ "میں آفس جا رہا تھا۔ سوچا تم سے ملتا چلوں۔" وہ مڑ کر واپس پلٹنے لگا، اس کے قدموں میں ہلکی سی تیزی آ گئی تھی، جیسے وہ وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ پہلے ہی دیر ہو چکی تھی۔

"آپ اور فجر آپی کے درمیان کیا چل رہا ہے؟" روحی کی آواز نے اسے روک لیا۔ اس کے لہجے میں اچانک سنجیدگی آ گئی تھی، جو اس کی عمر سے کہیں زیادہ گہری لگ رہی تھی۔ وہ اب اسے دیکھ رہی تھی۔

صفدر حیران ہو کر پلٹا۔ اس کی مسکراہٹ دھیرے دھیرے مٹ گئی۔ روحی سے اسے اس سوال کی توقع نہیں تھی۔ اس نے اپنی بھنویں اوپر کیں، جیسے وہ اس بات پر یقین نہیں کر پا رہا تھا کہ اس کی روحی نے یہ سوال پوچھا تھا۔

"کیا مطلب؟" اس کے لہجے میں حیرت کے ساتھ ساتھ تھوڑا سا جھنجھلاہٹ بھی تھی۔

"آپ اس سے ناراض ہیں یا وہ آپ سے ناراض ہے؟" روحی نے اپنا سر تھوڑا سا جھکایا، اس کی سیاہ مایوس آنکھیں اب صفدر پر جمی ہوئی تھیں۔ "میں نے انہیں ای میل بھیجی تھی انہوں نے جواب نہیں دیا۔ وہ آپ کی منگنی پر نہیں آئیں گی؟" اس کی آواز میں ایک دبی ہوئی تشویش تھی، جیسے کوئی قیمتی چیز ہاتھ سے نکلی جا رہی ہو۔

صفدر واپس آیا اور روحی کے بیڈ کے پائنتی پر بیٹھ گیا۔ اس نے روحی کو غور سے دیکھا، جیسے وہ اس کے چہرے پر جواب تلاش کر رہا ہو۔ اس کے اندر ایک لمحے کے لیے ہلچل مچی، لیکن اس نے اسے دبا دیا۔

"میں اس سے ناراض نہیں ہوں۔ آج آفس میں سب کو انویٹیشن دینا ہے، فجر کو بھی دوں گا۔" اس نے پرسکون لہجے میں کہا، اسے یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی آواز میں ایک غیر ارادی نرمی تھی، شاید روحی کی پریشانی دیکھ کر۔

"وہ آئیں گی؟" روحی نے آس سے پوچھا، اس کی آنکھوں میں امید کی چمک تھی، جیسے اسے کسی معجزے کا انتظار ہو۔

"آنا تو پڑے گا۔" صفدر پھیکا سا ہنس دیا، اس کے چہرے پر ایک تلخ مسکراہٹ پھیلی۔ اسے اندر سے کوئی خاص آثار نظر نہیں آ رہے تھے کہ فجر آئے گی، لیکن وہ روحی کے سامنے یہ بات ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"آپ انہیں بہن مانتے ہیں نا؟ پلیز انہیں دھوکا مت دیجئے گا۔"

روحی کی اگلی بات نے صفدر کے پیروں تلے سے زمین کھینچ لی۔ اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا، جیسے کسی نے اس پر ٹھنڈا پانی ڈال دیا ہو۔ وہ حیرت سے اپنی پندرہ سالہ بہن کو دیکھا رہا تھا جو اس سے تقریباً ساڑھے گیارہ سال چھوٹی تھی۔ یہ اس عمر کی لڑکی کی بات نہیں لگ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک ایسی گہرائی تھی جو صفدر کو پریشان کر گئی تھی۔

"میں ایسا کیوں کروں گا؟" اس نے الٹا سوال کیا، اس کے لہجے میں تھوڑی سختی آگئی تھی۔

"پتا نہیں پر آپ بدل گئے ہیں۔" روحی نے اپنی بات جاری رکھی، اس کی آواز میں ایک ناخوشگوار آہٹ تھی۔ "آپ اب ان کی بات نہیں کرتے اور آپ پریشان رہتے ہیں۔ اتنے سالوں میں آپ نے پہلی بار ان سے لڑائی۔۔۔۔"

"تمہیں یہ سب نہیں سوچنا چاہیے۔" صفدر نے اس کی بات کاٹ دی، اس کے لہجے میں اب واضح جھنجھلاہٹ تھی۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "یہ آفیشل معاملہ ہے۔"

"پر وہ میری آئیڈیل ہیں۔" روحی ڈٹی رہی، اس کی آواز میں مضبوطی تھی۔ وہ اپنی بات پر اڑ گئی تھی۔

"تمہیں وہی ملی تھی آئیڈیل بنانے کے لیے؟" اس بات پر صفدر چڑ گیا۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سی خفگی تھی۔

"آپ کو بھی تو وہی ملی تھیں بزنس کرنے کے لیے۔" روحی کے پاس ہر سوال کا جواب تھا، اس کی تیز دماغی صفدر کو حیران کر رہی تھی۔ وہ روحی سے جیت نہیں سکتا تھا، اور اسے یہ بات اچھی طرح معلوم ہو چکی تھی۔

"او کے دادی اماں!" اس نے اپنے ہاتھ روحی کے سامنے جوڑے۔ اس کے چہرے پر ایک بے بسی سی چھا گئی تھی۔ "میں آج اس سے معافی مانگ لوں گا۔ وہ منگنی میں ضرور آئے گی۔ ٹھیک ہے؟"

یہ سنتے ہی روحی کا چہرہ کھل اٹھا۔ تھوڑی دیر پہلے والی پریشانی دور جا سوئی، اور اس کی آنکھوں میں وہی چمک لوٹ آئی جو اس کی عمر کے مطابق تھی۔ اسے ہنستا دیکھ کر صفدر بھی ہنس دیا۔

"تم بہت بڑی ڈرامے باز ہو۔" اس نے سر ہلا کر کہا، اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

"آخر فین کس کی ہوں؟" روحی کی آنکھوں میں چمک ہی چمک تھی، اس کے چہرے پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

✿••✿••✿••✿

صبح کے گیارہ بجے تھے اور فجر کے آفس میں ایک منظم سی خاموشی تھی، جو اس کے کام میں مکمل انہماک کو ظاہر کر رہی تھی۔ وہ اپنی کرسی پر بیٹھی، کمپیوٹر سکرین پر نظریں جمائے، تیزی سے کی بورڈ پر انگلیاں چلا رہی تھی۔ اس کے ماتھے پر ہلکا سا بل پڑا ہوا تھا جو اس کی سوچ میں گمشدگی کا اشارہ دے رہا تھا۔ آج اسے ایمپائر مال کا دورہ کرنا تھا جہاں ایک نئے اسٹور کی اوپننگ تھی۔ ہر چیز کا جائزہ لینا تھا، اور یہ ایک بڑا چیلنج تھا۔

یکایک دروازہ آہٹ کے ساتھ کھلا اور ایک شناسا آواز سنائی دی۔

"میں آجاؤں؟"

فجر نے سر اٹھایا۔ اس کی نگاہیں دروازے پر پڑیں جہاں صفدر کھڑا تھا۔ وہ نک سک سا تیار تھا، اس کے بالوں میں جیل لگا ہوا تھا اور اس نے ایک صاف ستھرا، استری شدہ شرٹ پہن رکھی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک خوبصورت

سی سجی ہوئی باسکیٹ تھی، جس میں کچھ چاکلیٹس اور تحائف نظر آرہے تھے۔ فجر اسے دیکھ کر پہلے تو حیران ہوئی، پھر ایک لمحے کی خاموشی کے بعد اس نے سر ہلا کر اندر آنے کی اجازت دی۔ اس کے چہرے پر کوئی خاص تاثر نہیں تھا، جیسے وہ اپنی حیرت کو چھپا رہی ہو۔

صفدر اندر آیا، اس کے قدموں میں ہلکی سی تھکاوٹ اور ایک دبی ہوئی بے چینی تھی۔ اس نے ایک عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ فجر کی طرف دیکھا۔

"کیسی ہو ڈائن؟" آج وہ کافی دنوں بعد پہلے جیسا نظر آرہا تھا، اس کے لہجے میں وہی پرانی شرارت اور اپنائیت تھی۔

فجر کی بھنویں سکڑ گئیں، یہ ایک ایسی عادت تھی جب وہ کسی صورتحال پر شش و پنج میں ہوتی تھی۔ اس نے بس ہلکا سا مسکرا دیا، اس کے ہونٹ بمشکل حرکت کر پائے۔ صفدر نے باسکیٹ میز پر رکھ دی، جو اب زیادہ واضح ہو چکی تھی۔ اس میں چاکلیٹس اور دیگر چیزوں کے ساتھ ایک چمکدار انویٹیشن کارڈ بھی رکھا تھا، جس پر صفدر کی منگنی کی تاریخ درج تھی۔ پرسوں!

وہ کرسی کھینچ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا، اس کی آنکھیں فجر کے چہرے پر تھیں۔

"کیسا چل رہا ہے کام؟" اس نے پوچھا، اس کی آواز میں وہی بے تکلفی تھی جو کبھی ان کے رشتے کی پہچان ہوا کرتی تھی۔

"ٹھیک ہے۔" فجر نے بمشکل اتنا ہی کہا۔ ایک بار جو شخص اس سے روڈ ہو جاتا تھا، اسے دوبارہ نارمل دیکھ کر وہ کبھی نارمل نہیں رہ پاتی تھی۔ اس بار بھی اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا، جیسے اس کے سارے الفاظ کسی گہری کھائی میں گر گئے ہوں۔

"تم نے روحی کی ای میل کا جواب نہیں دیا؟" اس نے اپنی بات کا آغاز کیا، اس کے چہرے پر ہلکی سی فکر مندی تھی۔ "وہ یہاں آنے کو ترس رہی ہے مگر۔۔۔" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی، جیسے وہ خود الفاظ نہیں ڈھونڈ پا رہا تھا۔ فجر بس اسے دیکھ کر رہ گئی، اس کی نگاہوں میں ایک دبی ہوئی اداسی تھی۔ وہ اس کی بات سمجھ چکی تھی۔

"تم آ رہی ہو نا؟" صفدر نے باسکیٹ فجر کی جانب کھسکائی، اس کی آنکھوں میں امید کی ایک مدھم سی کرن چمک رہی تھی۔

"پتا نہیں۔۔" فجر نے ٹھنڈے اور بے تاثر لہجے میں جواب دیا، اس کی آواز میں کوئی جذبہ نہیں تھا۔ صفدر کے چہرے کا رنگ بدل گیا، اس کی امید کی کرن بجھ سی گئی۔ وہ کچھ دیر نظریں باسکیٹ پر جمائے بیٹھا رہا، اس کی آنکھوں میں گہری سوچ تھی، جیسے وہ کسی مشکل کو حل کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ فجر نے مزید کچھ نہیں کہا، اس نے اپنی نظریں دوبارہ کمپیوٹر سکرین پر جما لیں۔ صفدر کو اب اپنا آپ یہاں اضافی لگ رہا تھا، وہ جانتا تھا فجر کے لیے تعلق ایک بار بگڑ جائیں تو انہیں سنوارنا بہت مشکل تھا۔ وہ اس کی انا اور مضبوط اصولوں سے واقف تھا۔

"ایم سوری۔۔" بالآخر وہ بول پڑا، اس کے چہرے پر ندامت تھی۔ اس کی آواز میں ایک دبی ہوئی شرمندگی تھی۔ "میں کچھ زیادہ ہی روڈ ہو گیا تھا۔ کچھ پریشان تھا اور۔۔۔"

"اٹس اوکے۔" فجر نے اس کی بات کاٹ دی، اس کے لہجے میں بے حسی تھی۔ اسے صفائیاں لینا اور دینا پسند نہیں تھا۔ براہ راست صفدر کی آنکھوں میں دیکھا، اور اسکے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ صفدر نے اسے دیکھ کر سر ہلایا، جیسے اس نے اس کی بات مان لی ہو۔

"وہ میں نے ریستوران والی ویڈیو دیکھی تھی۔ کیا وہ سچ ہے؟ جو تمہارے پی اے نے کہا؟" وہ اب نارمل انداز میں پوچھ رہا تھا، جیسے وہ اس موضوع پر بات کرنا چاہتا تھا۔

"اٹس پرنسپل صفدر!" وہ سپاٹ چہرہ لیے بولی، اس کی آواز میں کوئی نرمی نہیں تھی۔ چاہ کر بھی وہ صفدر سے پہلے جیسے نہیں ہو سکتی تھی۔ صفدر کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرایا، جیسے کوئی کڑوی حقیقت اس پر عیاں ہو چکی ہو۔ وہ اثبات میں سر ہلاتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"ایمپائر مال والی آفر قبول کر کے تم نے اچھا کیا۔" وہ پھیکا سا مسکرایا، اس کی ہنسی میں کوئی خوشی نہیں تھی۔ پھر وہ پلٹ گیا، اس کے قدم دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔ ابھی وہ دروازے کی قریب پہنچا ہی تھا جب فجر کی آواز سنائی دی۔

"میں نہیں آؤں گی۔"

صفدر کے قدم ساکت ہوئے۔ اس کا دل ڈوب کر ابھرا، جیسے کسی نے اس پر بھاری پتھر رکھ دیا ہو۔ اس نے تھوک نگل کر گلہ تر کیا، وقت ایک لمحے کے لیے تھم سا گیا۔ پھر پلٹ کر اسے دیکھا۔ فجر اپنی کرسی پر بیٹھی پوری سنجیدگی سے اسے دیکھ رہی تھی، اس کے چہرے پر کسی قسم کا ہچکچاہٹ نہیں تھا۔

"انہیں دھوکہ مت دینا سفدر بھیاء!" روحی کے الفاظ اس کے سماعت سے ٹکرائے اور اس کے ذہن میں گونجنے لگے۔ وہ کئی لمحے فجر کو دیکھتا رہا، اس کی آنکھوں میں ایک دکھ اور بے بسی تھی۔ یہ وہ لڑکی تھی جسے وہ پورے دل سے بہن مانتا تھا مگر۔۔۔۔۔ وہ آگے کچھ سوچ نہیں پایا۔

پھر وہ اثبات مین سر ہلا کر بنا کچھ کہے کمرے سے باہر نکل گیا، دروازہ ہلکی سی آہٹ کے ساتھ بند ہو گیا۔

صفدر کے جاتے ہی فجر نے اپنا رکا ہوا سانس بحال کیا۔ اس کے اندر کہیں کچھ ٹوٹا تھا، ایک نازک شیشہ جو بکھر گیا تھا، لیکن یہی حقیقت تھی۔ اس کے دل میں ایک عجیب سی گھٹن تھی، ایک کڑواہٹ جو اس کے حلق میں اٹک گئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ تعلقات ٹھیک کرنے میں اتنی ہی ماہر ہوتی تو آج اماں اس کی بہترین دوست ہوتیں۔ اس کی زندگی کے تجربات نے اسے سکھایا تھا کہ کچھ زخم ایسے ہوتے ہیں جو کبھی نہیں بھرتے، کچھ تعلقات ایسے ہوتے ہیں جو ایک بار بگڑ جائیں تو انہیں سنوارنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ صفدر کا یہاں آنا، اس کی معافی، اس کی کوششیں۔ سب کچھ اسے بے معنی لگ رہا تھا بلکہ اسے افسوس ہو رہا تھا۔ وہ یہ سب نہیں چاہتی تھی۔ وہ جانتی تھی وہ چاہ کر بھی تعلق ٹھیک نہیں کر پائے گی۔ وہ اپنے جذبات کو الفاظ میں بیان نہیں کر سکتی تھی، لیکن اس کا دل بھاری تھا۔ جو اسے ہرٹ کرتا تھا وہ اسے ہرٹ کرتی تھی مگر وہ صفدر کو ہرٹ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ اسے اب صرف بزنس پارٹنر لگتا تھا اور یہ تعلق وہ اچھے سے نبھا سکتی تھی مگر پچھلے مہینوں میں جو کچھ ہوا تھا۔ صفدر نے اسکے اور فلک کے پرپوزل کو جس طرح ٹھکرایا تھا اور پھر جیسے اس نے بعد میں رویہ رکھا تھا وہ سب بدلا نہیں جا سکتا تھا۔ جب وہ سب بدل نہیں سکتا تھا پھر اسکا دل کیسے بدل جاتا؟

✿••✿••✿••✿

فلک اپنے گھر کے لاؤنج میں تھی۔اس کے گھنگریالے شہد رنگ کے بال شانوں پر بکھرے تھے اور چند لٹیں چہرے پر آرہی تھیں۔وہ ایک آرام دہ قمیض اور پاجامے میں تھی،گلے میں دوپٹہ بے پروائی سے ڈالا ہوا تھا۔گود میں رکھے لیپ ٹاپ پر وہ اپنے تخلیقی پروجیکٹ میں گم تھی۔اسکرین پر کہانیاں اور کردار رقص کر رہے تھے،اس کے ذہن کی گہرائیوں سے نکل کر الفاظ کا روپ دھار رہے تھے۔

اس کے سامنے میز پر ایک خوبصورت فیری ٹی کپ رکھا تھا،جس کی سطح پر ایک نازک سا پھول چمک رہا تھا۔ساتھ ہی کچھ کٹے ہوئے سیب کے قتلے بھی پڑے تھے۔وہ اتنی محو تھی کہ اپنے اردگرد سے بالکل بے خبر تھی۔اس کے قلم کی ہر جنبش کرداروں کی تقدیر لکھ رہی تھی۔اس کی آنکھوں میں ایک چمک تھی جو تخلیقی جنون کی آئینہ دار تھی۔

جب وہ اپنے کام کے بالکل آخری حصے پر تھی،زینے سے فخر کے قدموں کی آواز ابھری۔اس نے فلک کو دیکھا جو اپنے ہی خول میں گم تھی،اور اس کے اندر کا بڑا بھائی جاگ اٹھا،اسے تنگ کرنے کی حس اس پر غالب آچکی تھی۔

"کیا کر رہی ہو جھاڑیوں کی دکان!" وہ اس کے گھنگھرالے بالوں پر محبت بھری چوٹ کرتے ہوئے بڑبڑایا۔میز پر رکھی پلیٹ سے سیب کا ایک ٹکڑا اٹھایا اور منہ میں ڈالتے ہوئے ساتھ والے صوفے پر آرام سے بیٹھ گیا۔

"پروجیکٹ پر کام کر رہی ہوں۔" اس نے اسکرین سے سر اٹھائے بغیر جواب دیا،اس کی آواز میں ہلکی سی بیزاری تھی۔

"اپنی زندگی تمہاری دکھوں سے بھری پڑی ہے اور تم لوگوں کے دکھ لکھ رہی ہو۔" اس نے طنز کیا۔

"کتابیں پڑھنے والوں کا دکھ ہم لکھنے والوں سے کئی زیادہ ہوتا ہے۔" اس نے گہری سانس لیتے بتایا۔ اس کی نظریں اب بھی اسکرین پر گڑی تھیں جہاں ایک کردار اپنے خوابوں کی تکمیل کی جانب بڑھ رہا تھا۔

تبھی فخر کی نظر میز پر پڑے ایک چمکتے ہوئے کارڈ پر پڑی۔ اس نے بے اختیار اسے اٹھالیا۔ یہ صفدر کی منگنی کا کارڈ تھا۔ پل بھر کو وہ ٹھٹھکا، اس کی آنکھوں میں سوچ کی پرچھائی ابھری۔

"یہ کہاں سے آیا؟" اس نے قدرے دھیمی آواز میں پوچھا، چہرے پر تفکر کے آثار نمایاں تھے۔

"آفس سے ملا ہے۔" اس نے مصروف سے انداز میں جواب دیا، اب بھی اسکرین سے نگاہیں ہٹائے بغیر۔ فخر چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر کارڈ کو۔

"تم جاؤ گی؟" اس بار اس کے لہجے میں دھیما پن تھا، ایک سوال تھا جو شاید وہ خود سے بھی کر رہا تھا۔

اس بار فلک نے سر اٹھایا، اس کی نظریں فخر پر جمی تھیں۔

"تم جانے دو گے؟" اس کی نظروں میں ایک پرانی تلخی تھی، وہ اسے جتانے کی کوشش کر رہی تھی کہ اسے بمشکل ہی کہیں آنے جانے کی اجازت ملتی تھی۔ فخر نے گہری سانس لی، اسے فلک کی بات سمجھ آ رہی تھی۔

"ہاں اگر تم جانا چاہو تو میں تمہیں چھوڑ آؤں گا۔" اس کا یہ جواب فلک کے لیے حیرت کا جھٹکا تھا۔ فخر اتنی آسانی سے مان جائے گا اسے یقین نہ آیا۔

"نہیں رہنے دیں۔ کیا پتا وہاں میں کسی کو پسند آ جاؤں، کچھ ایسا ویسا ہو جائے اور عالمگیر خاندان رسوا ہو جائے۔" اس نے گہری چوٹ کی، اس کے لہجے میں طنز اور غصے کا امتزاج تھا۔

فخر بلبلایا، اس کا چہرہ سرخ ہو گیا، لیکن اس نے کچھ کہا نہیں۔ وہ دوبارہ اپنے کام کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" اس نے بمشکل اپنے غصے کو قابو کرتے ہوئے کہا۔

"ایسی ہی بات ہے۔ سالوں پہلے پھوپھو کو بے دخل کر دیا گیا۔ پتا نہیں وہ زندہ بھی ہیں یا نہیں۔ میں نہیں چاہتی میرا حال بھی وہی ہو۔" اس کے لہجے میں اب تلخی تھی۔ فخر کے تاثرات بگڑ گئے۔ پھوپھو کا یہاں کیا ذکر؟

"جن سے تم ملی نہیں ہو، جنہیں کبھی دیکھا نہیں ہے، وہ تمہیں اتنی عزیز کیوں ہیں؟" وہ اس بار تڑخ اٹھا۔

"پورا بچپن اور پھر لڑکپن میں نے دادی اماں سے صرف ان کی باتیں سنتے گزارا ہے۔ وہ ان کے لیے جیسے تڑپتی تھیں، روتی تھیں، وہ صرف میں نے دیکھا ہے۔ اس لیے مجھے وہ انہی کی طرح عزیز ہیں۔ وہ انہیں دیکھنے کی چاہ لیے مر گئیں لیکن کسی مرد کو ان پر ترس نہ آیا۔" اس نے اپنی بات واضح کی۔ لہجے میں حد درجہ کڑواہٹ تھی۔ فخر نے چند لمحے اسے دیکھا اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں بشارت بھائی، ابا جی اور دادا جی جیسا نہیں ہوں۔ تمہیں جانا ہو تو بتا دینا، میں چھوڑ آؤں گا۔" وہ اطلاع دیتے ہوئے باہر کی جانب بڑھا۔

"میری پارٹنر نہیں جا رہی۔ تو میں بھی نہیں جاؤں گی!" فلک کی آواز نے دروازے تک اس کا پیچھا کیا۔ اس کے جانے کے بعد وہ پھر سے کام کی طرف متوجہ ہوئی، مگر اس کا ذہن بھٹک چکا تھا۔ فخر کے الفاظ اور پھوپھو کا ذکر اس کے خیالات پر چھا گیا تھا۔

وہ آج کل ترنم بیگم کو واپس لانے کا سوچ رہی تھی۔ آخر کس طرح انہیں عالمگیر خاندان میں واپس لایا جائے؟ ابھی تک اس نے کسی سے بھی ان کا ذکر نہیں کیا تھا۔ وہ صحیح موقع کی تلاش میں تھی جو پتا نہیں اسے ملتا بھی یا نہیں۔

✿••✿••✿••✿

رات کی سیاہی گہری ہو چکی تھی اور لاہور کی جگمگاتی روشنیاں آسمان پر بکھرے تاروں کا مقابلہ کر رہی تھیں۔ ایمپائر مال کا وسیع و عریض احاطہ بھی رات کی اس پر نور رونق میں ڈوبا ہوا تھا۔ فجر اپنی مخصوص چال اور پر اعتماد انداز میں آگے بڑھ رہی تھی، اس کے دائیں جانب رئیس تھا، جس کے چہرے پر ایک پر اسراریت سی تھی اور آنکھیں چمک رہی تھیں اور بائیں جانب اس کا ولی، خاموشی سے اس کے قدم سے قدم ملا کر چل رہا تھا۔ لوگ بے اختیار انہیں دیکھ کر ٹھٹک جاتے۔ ایسا لگتا تھا جیسے کوئی قدیم شاہی جلوس گزر رہا ہو، جہاں ایک ملکہ اور اس کے دو با اعتماد محافظ محو سفر ہوں۔ ان کے پیچھے کچھ فاصلے پر عروزہ، سکیورٹی کی ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے تھی جبکہ ولی کی جانب مراد تھا۔

وہ اسٹور دیکھنے آئی تھی۔ مال کے مرکزی حصے میں چند اسٹورز خالی پڑے تھے، جو اپنی نئی شناخت کے منتظر تھے۔ ان میں سے ایک اسٹور ایسا تھا جس میں ابھی تک ٹائلز بھی نہیں لگی تھیں، صرف کچی زمین اور دیواریں تھیں، مگر اس کی لوکیشن ایسی تھی کہ اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ فجر کی نظریں اسی اسٹور پر جمی تھیں۔ اسے اس کی لوکیشن بے حد پسند آئی اور وہ اسے ہی منار کے لیے منتخب کرنا چاہتی تھی۔

وہ اسٹور کے دروازے پر رک گئی، اس کی نگاہیں اندر کے خالی ڈھانچے پر مرکوز تھیں۔

"اس جگہ کو تیار ہونے میں کتنا وقت لگے گا؟" فجر نے رئیس کی طرف رخ کرتے ہوئے پوچھا، اس کی آواز میں ایک دھیما لیکن فیصلہ کن لہجہ تھا۔

رئیس نے ایک لمحے کے لیے اسٹور کا جائزہ لیا، اس کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ ابھری۔

"تمہاری مرضی کی تکمیل کے لیے تو وقت خود بھی اپنی رفتار بدل دیتا ہے مگر حقیقت میں۔۔۔" اس نے ایک گہرا سانس لیا، "ٹائلز سے لے کر داخلی سجاوٹ تک، اس میں کم از کم تین ماہ لگیں گے۔ اور ظاہر ہے، منار کے معیار کو برقرار رکھنے کے لیے ہم کوئی سمجھوتہ نہیں کریں گے۔"

فجر کی بھنویں تن گئیں۔ ”تین ماہ؟“ اس نے سوالیہ نظروں سے رئیس کو دیکھا جو اپنی شخصیت کے ساتھ پورے ماحول پہ چھایا ہوا تھا۔ جانے لوگ اسے کیسے نظر انداز کرتے تھے؟

”یہ تو بہت زیادہ ہے۔ مجھے یہ اسٹور ایک ماہ کے اندر مکمل اور فعال حالت میں چاہیے ہے۔ میں اتنا وقت ایک پروجیکٹ کے پیچھے ضائع نہیں کر سکتی۔“ اس نے اپنی پریشانی بیان کی۔

رئیس کے ہونٹوں پر پھیلی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

”ایک ماہ؟ تم ہمیشہ ناممکن کی طلبگار رہتی ہو۔ یہ ایک کچا ڈھانچہ ہے، اسے ایک مکمل اور شاندار اسٹور میں بدلنا ہے۔ وقت تو لگے گا۔“ وہ اسی اطمینان سے بولا۔ وہ اسے اسٹور دکھانے خود آیا تھا۔ اس سے بڑی بات ہو سکتی تھی بھلا؟

”میں جانتی ہوں اور یہی تو چیلنج ہے۔“ اس نے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔ ”یہ آپ کے مال میں سب سے قیمتی جگہ ہے اور مجھے معلوم ہے کہ آپ کے پاس بہترین ٹیم موجود ہے۔ اگر آپ چاہیں تو دو ہفتوں میں بھی یہ ممکن ہے۔“ اس کی آواز میں ایک خاص قسم کا لہجہ تھا جو رئیس کو اچھی طرح معلوم تھا۔ اس کے لیے ناممکن کیا تھا؟

”تو گویا تم چاہتی ہو کہ میں اپنی تمام مشینری اور افرادی قوت کو صرف اس ایک اسٹور کی تکمیل پر لگا دوں؟ یہ میرا پورا نظام درہم برہم کر دے گا۔“ جتاتی نظر اس زرد لباس والی لڑکی پر ڈالی جس کا چہرہ شفاف تھا۔ اسکے بالوں میں بندھا وہ رومال کس قدر اچھا لگ رہا تھا۔ وہ اس رومال کو دیکھے گیا۔

”آپ تو ویسے بھی نظام کو درہم برہم کرنے کے ماہر ہیں اگر یہ اسٹور وقت پر مکمل نہیں ہوا، تو ڈارک اسٹارز کی آمد کی خفیہ خبریں شہر میں پھیل سکتی ہیں۔“ اس نے دھیمی آواز میں سرگوشی کی، لیکن اس کی بات میں ایک واضح

دھمکی تھی۔اس کی اس زہریلی اور بیک وقت معصوم دھمکی پر وہ بے ساختہ ہنس دیا۔ آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھری۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے سر ہلایا۔ "ایک ماہ۔ میں اپنی بہترین ٹیمیں لگادوں گا، دن رات کام ہو گا، لیکن اگر کوئی بھی مسئلہ پیش آیا تو ذمہ داری تمہاری ہو گی۔"

"میں تیار ہوں۔" فجر نے مختصر جواب دیا، اس کی نظریں دوبارہ اسٹور کے خالی حصے پر جم گئیں۔ "مجھے یہاں ایک ایسی فضا چاہیے جہاں قدم رکھتے ہی ہر لڑکی کو یہ احساس ہو کہ اس کے خوابوں کو پر لگ گئے ہیں۔ یہ صرف ایک اسٹور نہیں ہو گا، یہ ایک نئی پہچان کا مرکز ہو گا۔" رئیس نے اس کی بات غور سے سنی۔

"لیکن یاد رکھنا، یہ معاہدہ صرف کاروبار کا نہیں، ایک طاقتور شخصیت کا بھی ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔" اس نے رئیس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "طاقت کا مقابلہ طاقت سے ہی ہوتا ہے۔"

باہر ولی اور مراد تھوڑے فاصلے پر کھڑے آپس میں باتیں کر رہے تھے، جبکہ عروزہ سکیورٹی آفس کا چکر لگانے گئی تھی۔

جیسے ہی فجر اور رئیس اسٹور سے باہر نکلے، مراد کے معدے میں درد کی ایک شدید لہر اٹھی۔ یہ درد اس کے لیے نیا نہیں تھا، جب بھی فجر اس کے آس پاس ہوتی، اس کے اندر ایک عجیب سی بے چینی اور چڑچڑاہٹ جاگ اٹھتی تھی۔ وہ فوراً فجر کی طرف مڑا، اس کے چہرے پر ایک شیطانی مسکراہٹ تھی۔

"مکڑی! میں نے تمہیں رات خواب میں دیکھا۔" اس نے ڈرامائی انداز میں کہا، آواز میں شرارتی چمک تھی۔ "تم جہنم کے بالکل بیچوں بیچ کھڑی تھی، اور تمہارے بالوں میں آگ لگی ہوئی تھی، بالکل ٹارچ کی طرح۔" وہ ہنسا، ایک ایسی ہنسی جو پتھر کو بھی پگھلا دیتی۔ خوفناک ہنسی۔

فجر نے ایک لمحے کو اپنی آنکھیں تنگ کیں، جیسے مراد کی بات اس کے دماغ میں تیز رفتار سے پروسیس ہو رہی ہو۔ پھر اس کے ہونٹوں پر بھی ایک شیطانی مسکراہٹ پھیلی۔

"اوہ واقعی؟ کمال ہے۔" اس نے اپنے مخصوص دھیمے اور پر اعتماد لہجے میں کہا، جس میں زہر میں ڈوبی مٹھاس تھی۔

"میں نے بھی آپ کو خواب میں دیکھا تھا۔ آپ اور آپ کے پیارے **'ڈارک لارڈ'** (رئیس کی طرف ہلکا سا اشارہ کرتے ہوئے) اسی جہنم میں شعلوں کی آغوش میں ایسے جل بھن رہے تھے کہ آپ کو دیکھ کر باربی کیو بھی شرما جائے۔ آپ کے سر پر سیب کی ٹوکری تھی اور آپ کباب بننے کی آخری سٹیج پر تھے۔"

مراد کی ہنسی جیسے کسی نے بٹن دبا کر بند کر دی ہو۔ وہ حیرت سے فجر کو دیکھنے لگا جس نے اس کے ساتھ ساتھ رئیس کو بھی نہیں بخشا تھا۔

رئیس نے حیرت سے اسے دیکھا جیسے پوچھ رہا ہو **"آخر میں نے کیا کیا؟"** پھر تاسف سے سر ہلایا۔ وہ دونوں نہیں سدھر سکتے تھے۔ جبکہ ولی بے ساختہ ہنس دیا۔ اس سے پہلے کہ مراد کوئی جواب دیتا وہ پھر سے گویا ہوئی۔

"اور سب سے دلچسپ بات یہ تھی کہ اس جہنم کا سارا ایندھن آپ کے فضول لطیفوں سے بنا تھا، اور جو آگ لگی تھی وہ آپ کے جلنے کی بو کی وجہ سے مزید بھڑک رہی تھی۔"

مراد کو لگا جیسے کسی نے اس پر ٹھنڈے پانی کی بالٹی الٹ دی ہو۔

"دیکھو تم۔۔۔" اس نے کہنے کو انگلی اٹھائی۔

"یقیناً آج پھر میں ایسا کچھ دیکھوں گی اور کل آکر بتاؤں گی کہ آگے کیا ہوا۔"

مراد نے سو بار خود پر لعنت بھیجی۔ آخر پنگا لیا ہی کیوں؟

"چلیں رئیس صاحب! بہت ہو گئی جہنم کی باتیں، اب مجھے آپ کی اس 'جنت' سے باہر نکلنا ہے۔"

رئیس نے اپنی دبی مسکراہٹ کو آخر کار ایک گہرے سانس سے دباتے ہوئے کہا، "جی محترمہ، پہلے آپ!" اس نے ہاتھ سے آگے اشارہ کیا اور وہ اپنا چشمہ آنکھوں پر جماتی آگے بڑھ گئی۔ وہی مغرورانہ چال۔

مراد ابھی بھی وہیں کھڑا تھا اس نے حیرانی سے ولی کو دیکھا، اس کا چہرہ ابھی تک ٹماٹر کی طرح سرخ تھا۔

"کیسے جھیلتے ہو اسے؟" اس کے لہجے میں اب بھی حیرانی اور ہلکی سی شکست تھی۔ وہ اپنے ذہن میں جملے بنا رہا تھا کہ اگلا حملہ اس پر کیا کرنا تھا۔

ولی نے اپنے دونوں ہاتھوں کی طرف دیکھا اور پھر کندھے اچکا دیئے۔

"کبھی کانچ لگوا کر تو کبھی کانٹا گھسوا کر۔۔۔۔!" ہاں بس یونہی گزر رہی تھی۔

✿••✿••✿••✿

رات کی سیاہی گہری ہو چکی تھی اور شہری روشنیاں فلک کے کمرے کی کھڑکی سے اندر جھانک رہی تھیں۔ لیپ ٹاپ بند تھا اور وہ سونے کی تیاری کر رہی تھی۔ اس نے اپنے گھنگریالے شہد رنگ کے بالوں کو ڈھیلی چوٹی میں باندھ لیا اور

اب اپنے بیڈ کے کنارے پر بیٹھی کمفرٹر کو درست کر رہی تھی۔ دن بھر کے کام کی تھکن اور فخر کے ساتھ ہونے والی تلخ گفتگو نے اسے نڈھال کر دیا تھا۔

اچانک دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور پھر دروزاہ کھلنے کی آواز آئی۔ فاخرہ مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ اس کے چہرے پر ہمیشہ کی سی نرمی تھی۔

"ابھی تک جاگ رہی ہو؟" اس نے دھیمی آواز میں پوچھا اور بیڈ کی پائنتی پر بیٹھ گئی۔

"بس سونے کی ہی تیاری کر رہی ہوں۔ آج کام زیادہ تھا یہ پروجیکٹ مشکل ہے۔ زیادہ محنت لگتی ہے اور زیادہ طاقت بھی۔"

فاخرہ نے سر ہلایا۔ "میں جانتی ہوں، تم اپنی کہانیوں میں بہت جان ڈال دیتی ہو۔ مگر اپنی صحت کا بھی خیال رکھا کرو، اتنی رات گئے تک جاگتی رہتی ہو۔"

"بس جب تخلیقی جنون سوار ہو تو پھر نیند کا خیال نہیں رہتا۔" اس نے لحاف کو مزید سیدھا کرتے ہوئے کہا، اس کی نظریں اب بھی فاخرہ پر تھیں، جیسے وہ جاننا چاہ رہی ہو کہ فاخرہ کے آنے کا اصل مقصد کیا تھا؟

ایک لمحے کی خاموشی چھا گئی، جس میں فاخرہ نے قدرے ہچکچاہٹ محسوس کی۔ پھر اس نے گہرا سانس لیا، جیسے کوئی اہم بات کہنے کی تیاری کر رہی ہو۔

"فلک، وہ میں تم سے کہنا چاہ رہی تھی کہ تم اس منگنی پر ضرور جاؤ۔" فاخرہ نے آخر کار مدعا بیان کیا، اس کی آواز میں ایک خاص قسم کی سنجیدگی تھی۔

یہ سنتے ہی فلک پر جیسے حیرت کا ایک شدید صدمہ لگا۔ اس کے ہاتھ میں پکڑا کمفرٹر ساکت ہو گیا، اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آرہا تھا۔ صفدر کی منگنی؟ اور اسے وہاں جانے کا کہا جارہا ہے؟ وہ بھی فخر کی طرف سے؟

"خیریت تو ہے؟" اس نے بمشکل اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا، اس کا لہجہ اب سیدھا اور سوالیہ تھا۔

"آج تم نے اور فخر نے کیا کھایا ہے؟ یہ کیسی باتیں کر رہے ہو؟" اس نے کمفرٹر درست کرتے ہوئے خود کو بیڈ پر سنبھالا، اب وہ پوری طرح چوکس تھی۔

فاخرہ نے فلک کے چہرے پر ابھرتے تاثرات کو محسوس کیا، اور اس کے لہجے میں مزید سنجیدگی آگئی۔

"میری بات غور سے سنو فلک! فخر چاہتا ہے تم اس تقریب میں لازمی جاؤ۔" اس نے ایک لمحے کو توقف کیا۔

"اس تقریب کا آرگنائزر رجب رضا ہے۔ وہ چاہتا ہے تم اس سے ایک بار مل لو۔"

رجب رضا! یہ نام فلک کے کانوں میں گونجا تو جیسے اس پر گھر کی چھت گر گئی تھی۔ اس کا حلق خشک ہو گیا۔ اسے اب سمجھ آیا تھا کہ فخر کیوں بار بار اس سے صفدر کی منگنی پر جانے کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ فخر، رجب سے رابطے میں تھا۔ رجب کی ایک چھوٹی سی ایونٹ آرگنائزر کمپنی تھی، لیکن کام کے لحاظ سے اچھی تھی۔

فلک کے دل کو ایک عجیب سی ہوک اٹھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے رئیس کا چہرہ لہرایا، اس کی ذہین آنکھیں اور پراسرار مسکراہٹ۔ دل میں درد کی ایک لہر اٹھی، مگر اس نے پلکیں جھپک کر نمی کو اندر دھکیلا۔ رجب سے رشتہ پکا

تو کر دیا گیا تھا، مگر ابھی تک باقاعدہ منگنی کی رسم نہیں ہوئی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ اسے اب بھی ایک موقع مل سکتا تھا، یا شاید یہ آخری موقع ہو۔

"خیریت ہے؟" فلک نے اپنے لہجے میں سختی لانے کی کوشش کی، جو ناکام رہی۔ "ہمارے گھر کے مرد اتنے کھلے دل، بلکہ اتنے بے غیرت کب سے ہو گئے کہ وہ مجھے اس شخص کو دیکھنے کی اجازت دیں جس سے مجھے نتھی کیا گیا ہے؟" اس کا حلق کڑوا ہو رہا تھا، اور اس کے اندر ایک بغاوت جاگ رہی تھی۔

فاخرہ نے اس کی تلخی کو محسوس کیا اور گہری سانس لی۔

"فخر کو تمہارا احساس ہے۔ وہ چاہتا ہے تم دونوں ایک بار مل لو تاکہ تمہیں مزید کوئی شکایت نہ رہے۔ یہ تمہارا مستقبل ہے فلک، فخر اس لیے پریشان ہے کہ تم دونوں نے کبھی ایک دوسرے کو دیکھا تک نہیں۔"

"ابھی تو میرا جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔" اس نے بات ختم کرنے کے انداز میں کہا۔ اس نے تکیہ درست کیا اور لیٹ گئی، کمفرٹر کو اپنی گردن تک کھینچ لیا، جیسے دنیا سے اپنا تعلق کاٹ رہی ہو۔

فاخرہ نے اسے تاسف بھری نظروں سے دیکھا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کی آنکھیں رئیس کے علاوہ کسی اور کو دیکھنا نہیں چاہتیں، اور یہی حقیقت فخر کے لیے بھی ایک پریشانی کا باعث تھی۔ فاخرہ کو اس کی اندرونی کشمکش صاف نظر آ رہی تھی۔

"ایسے موقعے بار بار نہیں ملتے فلک! مل رہا ہے تو ہاتھ سے جانے مت دو۔"

"میں تھک گئی ہوں، مجھے نیند آ رہی ہے۔" فلک نے اپنی آنکھوں پر بازو رکھ لیا، جیسے کوئی بات مزید سننا نہیں چاہتی تھی۔

فاخرہ اٹھ کھڑی ہوئی، اس نے ایک لمحے کے لیے اس کی طرف دیکھا، پھر دھیمی آواز میں کہا، "ٹھیک ہے، تم آرام کرو۔" وہ دروازے کی جانب بڑھ گئی۔

"بتی بجھا دیں۔" اس نے بازو ہٹائے بغیر کہا تو فاخرہ نے لائٹ آف کی اور کمرے سے باہر نکل گئی جبکہ پیچھے فلک اپنے گھائل وجود کے ساتھ لیٹی رہ گئی، اس کے ذہن میں رجب رضا کا نام اور رئیس کا چہرہ مسلسل گھوم رہا تھا۔ ایک غیر یقینی مستقبل اس کا منتظر تھا۔ وہ نہیں جانتی آگے کیا ہونے والا تھا اور سو تو اب نہیں سکتی تھی۔ نیند کوسوں دور بھاگ چکی تھی۔ وہ اپنا تھکا ٹوٹا جسم اور ذہن لیے یونہی لیٹی رہی۔

✿••✿••✿••✿

مال سے اسٹور دیکھنے کے بعد فجر رات گئے گھر واپس لوٹی۔ ولی اسے گھر چھوڑ کر خود واپس پلٹ گیا تھا۔ آج دن بھر اس نے ولی کو زیادہ نہیں دیکھا تھا، مگر جیسے ہی وہ اندر داخل ہوئی، گھر کی فضا دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اندر ہزاروں کتابوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ دو تین کم عمر لڑکے کام کر رہے تھے۔ گیسٹ روم کے ساتھ والا کمرہ جہاں دن بھر کھٹ پٹ کی آوازیں آتی رہی تھیں، اب تیار لگ رہا تھا۔ وہ سب کچھ حیرت سے دیکھ رہی تھی جب بانو کی نظر اس پر پڑی اور وہ لپک کر اس کی جانب آئی۔

"فجو باجی، یہ دیکھیں ولی بھیا کتنی کتابیں لائے ہیں۔ وہ کہہ رہے تھے آپ کے لیے لائبریری بنوانی ہے، وہی بن رہی ہے۔" بانو نے پرجوش انداز میں بتایا، جبکہ فجر ابھی تک حیران تھی۔ ولی نے کہا تھا وہ لائبریری بنوا دے گا، اور اس نے واقعی یہ کر دکھایا تھا۔ اسی لیے تو وہ آج دن بھر تقریباً غائب رہا تھا۔ لیکن۔۔۔ اسے یہ دیکھ کر بالکل بھی اچھا نہیں لگا تھا۔

اس نے گہری سانس لی اور بنا کچھ کہے زینوں کی جانب بڑھ گئی۔ نیچے کام یونہی جاری تھا۔

فریش ہو کر جب وہ نیچے آئی تو اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسے ری ایکٹ کرے۔ بالکل خاموشی سے کھانا کھایا اور پھر وہیں لاؤنج میں بیٹھی رہی۔ اس کا ذہن خالی تھا۔ مزید دو گھنٹے کی محنت کے بعد لائبریری مکمل طور پر تیار ہو چکی تھی۔ کام کرنے والے لڑکوں نے اسے بتایا کہ کام پورا ہو گیا ہے اور اگر وہ کوئی تبدیلی چاہتی ہے تو وہ کر دیں گے۔ فجر نے صرف گردن ہلائی اور وہ اجازت لے کر چلے گئے۔

وہ اٹھ کر لائبریری کی جانب بڑھی۔ اندر داخل ہوتے ہی اسے لگا جیسے دنیا بدل گئی ہو۔ یہ محض ایک کمرہ نہیں تھا، یہ ایک خواب تھا جو حقیقت کا روپ دھار چکا تھا۔ کمرے کی دیواروں پر گہرے چاکلیٹی رنگ کے لکڑی کے شیلف نصب تھے جو فرش سے چھت تک پھیلے ہوئے تھے۔ ان شیلفوں میں ہزاروں کتابیں نہایت سلیقے سے ترتیب دی گئی تھیں۔ کچھ رنگوں کے حساب سے، کچھ موضوعات کے حساب سے، اور کچھ مصنفین کے حروف تہجی کے اعتبار سے۔ کتابوں کی مہک نے پورے کمرے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا، ایک ایسی خوشبو جو فجر کے لیے دنیا کی سب سے دلکش خوشبو تھی۔

کمرے کے درمیان میں ایک نرم و گداز، گہرے نیلے رنگ کا بڑا سا صوفہ رکھا تھا، جس کے ساتھ ایک چھوٹی کافی ٹیبل اور ایک لمبا، پتلا لیمپ تھا جو ہلکی زرد روشنی بکھیر رہا تھا۔ کونے میں ایک خوبصورت، لکڑی کی بنی ریڈنگ چیئر تھی جس پر ایک گرم کمبل رکھا تھا، جیسے کسی نے ابھی ابھی وہاں بیٹھ کر پڑھا ہو۔ کھڑکی کے پاس ایک چھوٹی سی میز اور کرسی رکھی تھی پوری لائبریری میں ایک عجیب سی پر سکون اور علمی فضا چھائی ہوئی تھی۔ یہ ہر لحاظ سے فجر کی شخصیت کا عکس تھی۔

کئی لمحے وہ سینے پر ہاتھ باندھے لائبریری کو دیکھتی رہی، اس کی آنکھوں کی جلن اچانک کی بڑھ گئی۔

پھر اس نے صوفے پر ایک جانب گرتے ہی ولی کا نمبر ملایا۔ سکرین پر ابھی بھی **بہروپیا آدمی** چمک رہا تھا۔ پہلی ہی بیل پر فون اٹھالیا گیا۔

"کہیے، کیسا لگا سرپرائز؟" ولی کی آواز میں مسرت صاف جھلک رہی تھی۔

"یہ کیا کیا ہے تم نے؟" اس کی آواز میں حیرت، شکر گزاری اور ہلکا سا غصہ بھی شامل تھا۔ "کیوں کیا؟ کس سے پوچھ کر کیا؟"

"تمہیں پسند نہیں آئی کیا؟" اس کا لہجہ اب فکر یہ تھا۔

"پسند؟" فجر نے اپنی زہریلی ہنسی ضبط کی۔ "یہ سب کر کے کیا ثابت کرنا چاہتے ہو؟ تمہیں لگتا ہے میں تم سے یوں متاثر ہو جاؤں گی؟" لہجہ طنزیہ تھا۔

"اس لیے بنوائی ہے کیونکہ یہ تمہارا خواب ہے اور میں تمہارا ولی ہوں۔ تمہاری پسند نہ پسند کا خیال رکھنا میری زمہ داری ہے۔"

"میری خوابوں کی فہرست بہت لمبی ہے۔ تم خود کو بھی بیچ دو تو پورے نہ کر پاؤ۔" تمسخر اڑاتا انداز تھا۔ وہ چند لمحے چپ رہا پھر اس کی نرم سی آواز ابھری۔

"بیگم آپ خواب دیکھیں، پورے کرنے کی کوشش میں کروں گا۔"

اسکی آواز میں سنجیدگی تھی وہ کئی لمحے کچھ بول ہی نہ پائی۔ یہ آدمی واقعی اپنے کہے پر عمل کرتا تھا۔

"تمہیں یہ سب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" کئی لمحوں بعد اس کی آواز سنائی دی۔ وہ اب آنکھیں مسل رہی تھی البتہ آواز میں پہلے جیسی تلخی نہیں رہی تھی۔

"میں نہیں کروں گا تو کون کرے گا؟" اسکا الٹا سوال ابھرا۔

"پیسے کہاں سے آئے اتنے؟" فجر نے اسکا سوال نظر انداز کیا۔ دوسری جانب خاموشی چھا گئی۔

"امیر باپ سے لیے ہیں یا امیر کبیر ماموں سے؟" وہ چاہ کر بھی نرم رویہ نہیں رکھ پا رہی تھی۔

"تمہارے خوابوں کو پورا کرنے کے لیے مجھے ان کے پیسوں کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ بھی خفا ہوا۔

"اچھا تو پھر؟"

"ایک ریکارڈنگ فروخت کی ہے اپنی۔" یہ وہی ریکارڈنگ تھی جس کے لیے جارج اور نیل آپس میں لڑتے تھے۔ وہ اسے بیچنا نہیں چاہتا تھا مگر اس کے لیے کچھ بھی۔۔۔۔۔ فجر نے گہری سانس لی۔ الفاظ دم توڑ گئے۔ وہ چند لمحے لیمپ سے نکلتی زرد روشنی کو گھورتی رہی۔

"میرے لیے یہ سب مت کرو۔" وہ کافی دیر بعد گویا ہوئی۔ لہجے میں ہلکا سا احتجاج تھا۔

"یہ میرا حق ہے آپ مجھے روک نہیں سکتیں۔" وہ اسی سنجیدگی سے بولا۔ "خیر رات کافی ہو گئی ہے آرام کریں۔ بر!"

اس نے بنا کچھ سنے فون بند کر دیا۔ فجر نے ایک نظر فون کی اسکرین کو دیکھا اور پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔ لائبریری کی بتی بجھاتی وہ باہر نکل گئی۔

✿••✿••✿••✿

رات کا گہرا سکوت کمرے کی دیواروں میں مقید تھا۔ باہر ہواؤں کا شور، جیسے کوئی آسیب بین کر رہا ہو۔ رئیس اپنے وسیع و عریض کمرے میں قدِ آدم آئینے کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے برہنہ جسم پر قمقموں کی مدھم روشنی پڑ رہی

تھی۔ آرام دہ ٹراؤزر میں ملبوس، اس کے گیلے بال ماتھے اور گردن پر بکھرے تھے، جن سے پانی کے قطرے آہستہ آہستہ پھسل کر اس کے چوڑے شانوں پر گر رہے تھے۔ کمرہ پر تعیش تھا، ہر شے قرینے سے سجی تھی، مگر اس وقت اس آرائش وزیبائش کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ آئینے میں نظر آنے والا عکس کسی جنگ سے لوٹے ہوئے سپاہی کا تھا، ایک ایسا سپاہی جس نے جنگ تو جیت لی تھی، مگر اپنی روح ہار آیا تھا۔

اس کا سینہ اور پیٹھ کسی نقشے کی طرح تھے، ایک ایسا نقشہ جو اذیت، بربریت اور بقا کی داستان سناتا تھا۔ ان گنت زخموں کے نشان، کچھ گہرے اور بھدے، کچھ ہلکے اور مدھم، اس کی جلد پر کھُدے ہوئے تھے۔ یہ محض نشان نہیں تھے، یہ اس کے ماضی کے وہ سیاہ باب تھے جنہیں وہ ہر روز جیتا تھا، ہر روز مرتا تھا۔ ایک خاص نشان، جو اس کی بائیں پسلی سے شروع ہو کر ناف کے قریب ختم ہوتا تھا، آج بھی کبھی کبھار درد کی ایک ٹیس بن کر ابھرتا، جیسے کوئی پرانا زخم تازہ ہونے کی ضد کر رہا ہو۔ اس کی پیٹھ اس نشانوں سے بھری ہوئی تھی۔

آئینے میں اپنے عکس کو گھورتے ہوئے اس کی آنکھوں میں ایک سرد اور بے رحم چمک ابھری۔ ماضی کسی تیز دھار خنجر کی طرح اس کے تصور کے پردے پر لہرایا۔ وقت پیچھے کی جانب تیزی سے بھاگا۔

ایک بوسیدہ، تاریک گودام کی متعفن ہوا میں لوہے اور خون کی ملی جلی بو رچی تھی۔ سترہ سالہ رئیس کی آنکھیں خوف اور بے بسی سے پھیلی ہوئی تھیں۔ اس کا کمزور جسم دھول اور خون میں لت پت فرش پر پڑا تھا۔ اس کے کپڑے تار تار تھے اور اس کا جسم اذیت سے کانپ رہا تھا۔ چند قہقہے اس کے کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی طرح اتر رہے تھے۔ وہ بے حس، درندہ صفت مرد اس کے گرد کھڑے تھے، ان کی آنکھوں میں حیوانی ہوس اور فتح کا نشہ تھا۔

"آج ہم تمہاری اکڑ نکال دیں گے۔" ایک کرخت آواز گونجی۔ "ایسا سبق سکھائیں گے کہ زندگی بھر سر اٹھانے کے قابل نہیں رہے گا۔ تمہیں اپنے اورنگزیب ہونے پر شرمندگی ہوگی۔"

ایک لمحے کے لیے اس نے بھاگنے کی کوشش کی، اپنی تمام تر قوت مجتمع کر کے اٹھنا چاہا، مگر ایک بھاری بوٹ اس کی کمر پر پڑا اور وہ کراہ کر رہ گیا۔ درد کی ایک شدید لہر اس کے پورے وجود میں دوڑ گئی۔ وہ چیخا، چلایا، مگر اس کی آواز گودام کی اونچی چھت سے ٹکرا کر دم توڑ گئی۔ ان درندوں کے لیے اس کی چیخیں کسی موسیقی سے کم نہ تھیں۔

وہ اسے نوچ رہے تھے، کھسوٹ رہے تھے۔ ان کے ناخن اس کے جسم میں گڑ رہے تھے، جیسے کوئی بھوکا بھیڑیا اپنے شکار کو بھنبھوڑ رہا ہو۔ مگر جسمانی اذیت سے کہیں بڑھ کر وہ روحانی کرب تھا جو اسے اندر ہی اندر توڑ رہا تھا۔ وہ صرف اس کی جان نہیں لینا چاہتے تھے، وہ اس کی شناخت، اس کا وقار، اس کا مان لینا چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ اپنی ہی نظروں میں گر جائے، اتنا کہ پھر کبھی خود سے نظریں نہ ملا سکے۔ پھر کبھی اٹھ نہ سکے۔

اذیت کے اس طوفان میں ایک لمحہ ایسا آیا جب اس کے اندر کا خوف ایک آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑا۔ جب موت اور ذلت کے بیچ انتخاب کا وقت آیا، تو اس نے مزاحمت کا فیصلہ کیا۔ اس کا ہاتھ قریب ہی پڑی ایک ٹھنڈی، وزنی شے سے ٹکرایا۔ وہ ایک لوہے کی سلاخ تھی۔ اس کے ٹھنڈے لمس نے اس کے اندر بجھتی ہوئی چنگاری کو ہوا دے دی۔ ایک وحشیانہ قوت کے ساتھ اس نے سلاخ کو پکڑا اور آنکھیں بند کر کے گھمایا۔

ایک دلخراش چیخ بلند ہوئی، پھر دوسری، اور پھر تیسری۔ جب اس نے آنکھیں کھولیں تو منظر بدل چکا تھا۔ قہقہے کراہوں میں تبدیل ہو چکے تھے۔ اس نے ایک جنونی کی طرح سلاخ برسانا شروع کر دی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کس کو مار رہا تھا، کہاں مار رہا تھا، بس مار رہا تھا۔

اسی افراتفری میں، ایک سلاخ دہکتے کوئلوں پر گری، لمحوں میں وہ سلاخ دہکنے لگیں۔ ان میں سے ایک درندے نے وہی دہکتی ہوئی سرخ سلاخ اٹھائی اور اس کی پیٹھ پر رکھ دی۔

ایک ایسی چیخ اس کے حلق سے نکلی جو انسانی نہیں لگتی تھی۔ جلتے ہوئے گوشت کی بو نے گودام کی فضا کو مزید زہریلا کر دیا۔ مگر یہ اذیت اس کے جنون کو کم نہ کر سکی۔ اس نے آخری وار کیا اور پھر اپنی تمام تر بچی کچی ہمت مجتمع کر کے دروازے کی طرف بھاگا۔ اس کا وجود جل رہا تھا، خون رس رہا تھا، مگر اس وقت اسے صرف بھاگنا تھا، اس جہنم سے دور، بہت دور۔ بہت دور۔۔۔۔ اور وہ بھاگ آیا تھا۔ بہت دور! اس نے بہت اونچی اڑان بھر لی تھی۔ آج وہ سب سے بلند تھا۔ آج وہ ایک سلطنت کا رئیس تھا مگر کچھ گھاؤ ایسے ہوتے ہیں جو روح تک کو گھائل کر جاتے ہیں۔ کچھ گھاؤ جو کبھی نہیں بھرتے۔

پانی کا ایک قطرہ اس کے ماتھے سے پھسل کر اس کی آنکھ میں گرا اور وہ خیالوں کی دنیا سے باہر آ گیا۔ اس نے آئینے میں اپنے عکس کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں اب خوف نہیں، بلکہ ایک سرد آگ دہک رہی تھی۔ وہ سترہ سالہ لڑکا اسی گودام میں مر چکا تھا۔ جو وہاں سے نکلا تھا، وہ کوئی اور تھا، ایک ایسا شخص جس نے اپنی روح کو اذیت کی بھٹی میں جلا کر فولاد بنا لیا تھا۔

اس کے لبوں پر ایک تلخ مسکراہٹ ابھری۔ اس کے دشمنوں نے اسے توڑنا چاہا تھا، مگر اس نے خود کو ایک ایسے عفریت میں بدل دیا تھا جو اب کسی کے قابو میں آنے والا نہیں تھا وہ زخم، وہ نشان، اب اس کی کمزوری نہیں، اس کی طاقت تھے۔ وہ اسے ہر لمحہ یاد دلاتے تھے کہ دنیا کتنی بے رحم ہے، اور زندہ رہنے کے لیے کتنا بے رحم بننا پڑتا ہے۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر آئینے کو چھوا، اس کا لمس برف کی طرح سرد تھا۔

"تم نے مجھے مارنا چاہا تھا۔" وہ اپنے عکس سے مخاطب ہوا، اس کی آواز میں ایک بھیانک گونج تھی۔ "دیکھو، میں آج بھی زندہ ہوں اور تم سب مر چکے ہو۔"

یہ کہہ کر وہ مسکرایا، ایک ایسی مسکراہٹ جس میں فتح کا غرور تو تھا، مگر خوشی کا شائبہ تک نہیں تھا۔ یہ ایک ایسے شخص کی مسکراہٹ تھی جس نے سب کچھ چھن جانے کے بعد سب کچھ حاصل کر لیا تھا، مگر اس قیمت پر کہ وہ خود کو ہمیشہ کے لیے کھو چکا تھا۔ یہاں ہر شخص سروائیور ہے۔ ہر شخص نے اپنی بقاء کے لیے جانے کیا کچھ کھیلا ہے۔ اس نے بھی جھیلا تھا مگر یہ یادیں اس کی کمزوری نہیں تھیں۔ اس کی خوراک تھیں۔ اس کا ایندھن تھیں۔ اس کے پلتے عفریت انہی یادوں سے خوراک کشید کرتے تھے۔

ایک آخری نظر خود پر ڈال کر اس نے گنگناتے ہوئے شرٹ اٹھا کر پہن لی۔ مضبوط جسم چھپ گیا۔

تبھی اس کے وسیع بیڈ پر پڑا فون جگمگا اٹھا، اس کی تیز روشنی نے کمرے کے نیم تاریک ماحول کو چیرا۔ اس نے رخ موڑ کر دیکھا، اسکرین پر جلی حروف میں "**ہاسپٹل**" لکھا چمک رہا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات نہیں بدلے، مگر آنکھوں میں ایک گہری، شکاری چمک ابھر آئی۔ اس نے فون اٹھا کر کان سے لگایا۔

"ہیلو؟" اس کی بھاری بھرکم آواز میں وہی بے رحمی تھی جو کچھ دیر پہلے اس کے عکس میں تھی۔

"سر، آپ وزٹ کر سکتے ہیں۔" دوسری طرف سے ایک محتاط، پیشہ ورانہ نسوانی آواز ابھری۔

رئیس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ایک لمحے کی خاموشی کے بعد اس نے فون کاٹ دیا، جیسے مزید کچھ سننے یا کہنے کی ضرورت ہی نہ ہو۔

پانچ منٹ بعد وہ رئیس مینشن کے عالیشان پورچ میں کھڑا تھا۔ سادہ سیاہ شرٹ، ٹراؤزر اور پیروں میں چپل پہنے، یہ شخص اس رئیس سے یکسر مختلف تھا جسے دنیا بزنس میٹنگز اور جگمگاتی پارٹیوں میں دیکھتی تھی۔ اس نے انگلیوں سے اپنے گیلے بالوں کو بے ترتیبی سے پیچھے کیا۔ اسے گیراج کی طرف جاتا دیکھ کر ڈیوٹی پر موجود مستعد گارڈز آگے بڑھے، مگر اس نے صرف ہاتھ کے ایک سرد اشارے سے انہیں وہیں روک دیا۔

چند لمحوں بعد، ایک سیاہ، طاقتور گاڑی کی ہیڈ لائٹس نے رات کو چیرا اور وہ رئیس مینشن کے خودکار گیٹوں سے باہر نکل گئی۔ روشنیوں میں نہایا ہوا سفید مینشن پیچھے یوں کھڑا رہ گیا جیسے کوئی سفید ہاتھی، اپنے مالک کے سیاہ رازوں کا خاموش گواہ۔

آدھے گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد اس کی گاڑی شہر کے ایک پرائیویٹ، مہنگے ہسپتال کے سامنے رکی۔ یہ ہسپتال کم اور ایک پرسکون سینیٹوریم زیادہ لگتا تھا، جو امیروں کو ان کے ناپسندیدہ رشتہ داروں سے آرام دینے کے لیے بنایا گیا تھا۔

وہ پراعتماد قدم اٹھاتا اندر داخل ہوا۔ راہداریوں میں موت جیسی خاموشی اور دواؤں کی ملی جلی بو تھی۔ وہ ایک مخصوص کمرے کے سامنے رکا، جس پر کوئی نام نہیں تھا، صرف ایک نمبر درج تھا۔ اس نے بغیر دستک دیئے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔

کمرے میں مدھم روشنی تھی۔ سامنے ہی ایک شخص وہیل چیئر پر بیٹھا تھا، جس کا سر ایک طرف بے جان انداز میں ڈھلکا ہوا تھا۔ آنکھیں چھت پر کسی نادیدہ نقطے پر جمی تھیں۔ کمرے کی ہوا میں مایوسی اور شکست کی بو رچی تھی۔

رئیس کے قدموں کی آہٹ پر وہیل چیئر پر بیٹھے شخص نے آہستہ سے سر اٹھانے کی کوشش کی۔ جیسے ہی اس کی نظر رئیس کے وجود پر پڑی، اس کی سبز آنکھوں میں زندگی کی ایک لہر دوڑی۔ شدید، ناقابلِ بیان خوف کی لہر۔ آنکھیں

یوں پھٹ پڑیں جیسے اس نے موت کے فرشتے کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ لیا ہو۔ اس نے اپنے مفلوج ہاتھ اٹھانے کی کوشش کی، زبان ہلانے کی جدوجہد کی، مگر اس کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی، خوفناک گھر گھراہٹ کے سوا کچھ نہ نکلا۔

اپنے وقت کا وجیہہ اور مغرور فرقان گردیزی اس وقت خوف اور دہشت کا ایک زندہ مجسمہ تھا۔ یہ منظر ہر چند مہینوں بعد دہرایا جاتا تھا۔ رئیس اس کی زندگی میں ایک کیلنڈر کی طرح تھا، جو اسے یاد دلانے آتا تھا کہ اس کی اذیت ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔

وہ مضبوط قدم دھرتا آگے بڑھا اور اس کے سامنے رکھی کرسی پر ایسے سکون سے بیٹھ گیا جیسے کوئی بادشاہ اپنے تخت پر براجمان ہوتا ہے۔ فرقان کی خوف سے سفید پڑتی رنگت دیکھ کر رئیس کے لبوں پر وہی زہریلی مسکراہٹ ابھری۔

"فکر نہ کرو فرقان!" اس کی آواز ریشم کی طرح نرم، مگر سانپ کی طرح زہریلی تھی۔

"میں تمہیں مارنے نہیں آیا اور نہ ہی کبھی ماروں گا۔ موت تو ایک نعمت ہے، ایک لمحے کا سکون اور میں تمہیں سکون کیوں دوں؟"

اس نے جیب سے ایک مہنگا سگار اور سونے کا لائٹر نکالا۔ وہ اسے تب ہی پیتا تھا جب اسے شدید غصہ آتا یا پھر وہ کسی گہرے دباؤ میں ہوتا تھا اور آج کل دونوں ہی عروج پر تھے۔ لائٹر کی آگ بھڑکی تو ایک لمحے کے لیے رئیس کا چہرہ اور اس کی آنکھوں میں جلتی آگ روشن ہوئی۔

اس نے سگار کا ایک گہرا کش لیا اور دھویں کا ایک مرغولا فرقان کے خوفزدہ چہرے پر چھوڑا، جو اس کی آنکھوں میں چبھنے لگا۔

"تمہارے لیے یہی سزا کافی ہے۔" اس نے کرسی سے ٹیک لگاتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔ "کہ تمہارا اپنا سگا بھائی، تمہیں ایک معذور اور نفسیاتی مریض بنا کر یہاں قید کیے ہوئے ہے۔ دنیا کے لیے تم مر چکے ہو، فرقان! اور جو زندہ ہے، وہ برہان گردیزی ہے۔"

وہ اب غور سے فرقان کے ہر تاثر کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے خوف اور درد سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"تمہیں پتا ہے تمہارے دیئے گئے زخم آج بھی میرے جسم پر نقش ہیں۔ میں نے کبھی انہیں مٹانے کی کوشش نہیں کی۔ وہ میری ٹرافیاں ہیں۔ وہ یادگاریں ہیں جو بتاتی ہیں کہ انسان کتنا گر سکتا ہے۔" وہ ایک لمحے کو رکا، سگار اس کے لبوں میں دبا تھا۔

"اور پتا ہے میں یہاں بار بار کیوں آتا ہوں؟"

فرقان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا، مگر اس کی زبان اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

"تمہارا شکریہ ادا کرنے۔" رئیس نے آگے جھکتے ہوئے سرگوشی کی۔ اس کی آنکھوں میں ایک جنونی چمک تھی۔ "اگر تم لوگوں نے اس رات سترہ سال کے اس لڑکے کی روح کو نہ مارا ہوتا تو آج یہ رئیس نامی عفریت کبھی جنم نہ لیتا۔ تم نے مجھے توڑنا چاہا تھا، اور تم نے مجھے فولاد بنا دیا۔ تم نے مجھے خوف سکھانا چاہا تھا، اور تم نے مجھے سکھا دیا کہ خوف کو ہتھیار کیسے بناتے ہیں۔"

وہ اٹھ کھڑا ہوا اور فرقان کے سر پر جھکا۔ اس کی سانسیں فرقان کے چہرے کو چھو رہی تھیں۔

"یہ دنیا ایک جنگل ہے اور یہاں کمزور شکار بن جاتا ہے۔ تم نے مجھے شکار بنایا تھا، اور میں نے اس جنگل کا سب سے خطرناک شکاری بننا سیکھ لیا۔ میں دنیا کو وہی لوٹا رہا ہوں جو دنیا نے مجھے دیا۔ درد، اذیت، بے رحمی۔ یہ سب تمہارا ہی تحفہ ہے۔" وہ سانس لینے کو رکا۔

"تم یقیناً جاننے چاہتے ہو کہ وہ سب سہنے کے باوجود اور یہ سب کرنے کے بعد میں پورے قد سے کیسے کھڑا ہوتا ہوں؟ میں گرتا کیوں نہیں ہوں؟ میں ہمیشہ کیسے جیت جاتا ہوں؟" اس کی سرگوشیاں، سانپ جیسی تھیں۔

"اس دنیا میں بہت سے شیطان، بہت سے عفریت ہوں گے مگر میں خود کی نظروں معتبر کیوں ہوں؟ کیونکہ میں اپنی چوائسز کو own کرتا ہوں۔ میں انہیں تاج کی طرح سجاتا ہوں۔ میں نے تمہیں مارا نہیں یہ میری چوائس ہے۔ میں زندہ ہوں۔ تم بھی زندہ رہو گے۔ حساب برابر!"

یہ کہہ کر اس نے آخری بار فرقان کی ابلتی ہوئی آنکھوں میں دیکھا اور ایک فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ مڑ گیا۔ وہ کمرے سے باہر نکل گیا، پیچھے فرقان گردیزی کو اس کی وہیل چیئر، اس کی خاموش چیخوں اور اس زندہ جہنم کے ساتھ تنہا چھوڑ کر، جس کا معمار وہ خود تھا۔

خالی راہداری میں وہ ہولے ہولے آگے بڑھ رہا تھا۔

ہاں وہ دنیا کو وہی لوٹاتا تھا جو اسے ملتا تھا۔ وہ عزت دینے والوں کو عزت دیتا تھا۔ وفا کرنے والوں پر جان وار دیتا تھا جبکہ بے وفائی کی سزا موت جبکہ اذیت کا بدلہ اذیت اور جان کا بدلہ جان تھی۔ وہ اصول پسند آدمی تھا اور اس کے اصولوں میں حساب برابر رکھنا سرفہرست تھا۔

✿••✿••✿••✿

شہر کے شور وغل سے میلوں دور، یہ فارم ہاؤس زمین پر جنت کا ایک ٹکڑا تھا۔ کئی کنالوں پر پھیلا، یہ محض ایک عمارت نہیں، بلکہ رئیس کی ایک چھوٹی سی سلطنت تھی، جہاں دنیا کے قوانین نہیں، صرف اس کی مرضی چلتی تھی۔ دھوپ سنہری تھی اور ہوا میں گھاس، مٹی اور آزادی کی خوشبو رچی تھی۔

ایک طرف شیشے کی طرح چمکتا ایک وسیع اصطبل تھا، جہاں دنیا کے بہترین نسل کے گھوڑے اپنی طاقت پر اتراتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی گھڑ سواری کے لیے ایک گول ٹریک بنا تھا، اور اس کے پار، جدید ترین ہیوی بائیکس ایک قطار میں کھڑی تھیں، جیسے لوہے کے بنے ہوئے جنگلی جانور اپنے مالک کے حکم کے منتظر ہوں۔

فارم ہاؤس کے دوسرے کونے میں بنے شوٹنگ رینج میں گولیوں کی آواز گونج رہی تھی۔ عروزہ جمال، سیاہ تنگ پینٹ اور گہرے سبز رنگ کی ٹی شرٹ میں ملبوس، ایک نئی اسالٹ رائفل کی ٹیسٹنگ کر رہی تھی۔ اس کا نشانہ ہمیشہ کی طرح پکا تھا، ہر گولی ٹھیک نشانے پر لگ رہی تھی۔ مگر آج اس کے ساتھ ایک اور وجود تھا، جو نہ صرف اس کے نشانے کی برابری کر رہا تھا، بلکہ اس کی حرکات میں ایک خاص بے فکری اور دلکشی تھی۔

ولی اسی طرح کے آرام دہ لباس میں، اس کے ساتھ کھڑا ایک اور ٹارگٹ پر فائرنگ کر رہا تھا۔ ہر فائر کے بعد وہ مسکرا کر عروزہ کی طرف دیکھتا، جیسے یہ کوئی سنجیدہ کام نہیں، بلکہ ایک کھیل ہو۔

"روبوٹ کے سرکٹس، کپ کیک کھانے کے بعد بھی ٹھیک کام کر رہے ہیں۔ امپریسو!" اس نے ایک میگزین بدلتے ہوئے شرارت سے کہا۔

عروزہ کے سنجیدہ چہرے پر ایک لمحے کے لیے کوئی تاثر نہ ابھرا، مگر پھر اس کے لبوں کے کونے بمشکل دکھائی دینے والی ایک جنبش کے ساتھ اوپر اٹھے۔

"میرے سرکس ہمیشہ ٹھیک کام کرتے ہیں، اسکار۔" اس کی آواز میں معمول کی سرد مہری کی جگہ ایک ہلکی سی نرمی تھی۔ "البتہ تمہاری صلاحیت تمہارے لاابالی پن سے کہیں زیادہ ہے۔ تم نے یہ سب کہاں سے سیکھا؟"

یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے ولی کی ذات میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔

ولی نے کندھے اچکائے، اس کی آنکھوں میں ایک گہری چمک تھی، جس میں ماضی کے کئی راز دفن تھے۔

"کچھ کہانیاں بندوق کی گولیوں سے زیادہ خطرناک ہوتی ہیں۔ انہیں وقت آنے پر ہی سنا جاتا ہے۔"

کوئی اتنی لمبی چوڑی کہانی نہیں تھی۔ قید سے رہائی کے بعد سیکھا تھا اس نے۔ سیکھا کیوں تھا یہ سب جانتے ہیں۔

اسی لمحے ٹریک کی طرف سے ٹاپوں کی آواز ابھری۔ رئیس اپنے پسندیدہ سفید گھوڑے، رستم پر سوار تھا۔ سفید پولو شرٹ اور ٹراؤزر میں، وہ کسی عفریت کی طرح لگ رہا تھ۔ طاقت، وقار اور بے پناہ حاکمیت کا مجسمہ! رستم اس کے اشاروں پر یوں ناچ رہا تھا جیسے وہ دونوں ایک ہی وجود ہوں۔ اس نے گھوڑے کو ایک جگہ روکا اور فخر سے ولی اور عروزہ کو دیکھا۔

دوسری طرف، مراد ملازمین کے ساتھ مل کر باربی کیو کی تیاریوں کی نگرانی کر رہا تھا۔ اس کے چہرے پر اطمینان تھا، جیسے اس خاندان کو یوں خوش دیکھنا ہی اس کی سب سے بڑی خوشی ہو۔

"کیا بات ہے بے بی برو!" رئیس کی گونج دار آواز فضا میں بلند ہوئی۔ "ان مشینوں سے تو ہر کوئی کھیل لیتا ہے۔ ہمت ہے تو اس زندہ طوفان کا مقابلہ کرو!" اس نے محبت بھری للکار کے ساتھ رستم کی گردن تھپتھپائی۔

یہ سنتے ولی کے چہرے پر ایک دھیمی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے اپنی گن میز پر رکھی۔

"چیلنج قبول ہے بگ بی! لیکن پھر یہ مت کہیے گا کہ نئی ٹیکنالوجی نے پرانی طاقت کو پیچھے چھوڑ دیا۔"

اور پھر یہ نظارہ دیکھنے کے لیے تھا۔ ایک طرف رئیس کا سفید گھوڑا رستم تھا، جو طاقت اور فطرت کا شاہکار تھا، اور دوسری طرف ولی ایک چمکتی ہوئی سیاہ ہیوی بائیک کی طرف بڑھ رہا تھا، جو انسانی ذہانت اور رفتار کی علامت تھی۔

اس نے بائیک اسٹارٹ کی تو اس کے انجن کی دھاڑ نے فارم ہاؤس کی خاموشی کو چیر دیا۔ رستم نے اس آواز پر بے چینی سے ہنہنا کر اپنے اگلے پاؤں ہوا میں اٹھائے۔ رئیس نے اسے قابو کیا، اس کی آنکھوں میں فخر اور محبت کی چمک تھی۔

"ایک چکر! اصطبل سے لے کر اس پرانے برگد کے درخت تک اور واپسی!" رئیس نے اعلان کیا۔

مراد اور عروزہ بھی اب ٹریک کے پاس آ کھڑے تھے۔ عروزہ کی نظریں ان دونوں پر جمی تھیں۔ وہ ان ماموں بھانجے کے اس بندھن کو دیکھ رہی تھی، جس میں جنون بھی تھا، محبت بھی اور ایک دوسرے کو ہر میدان میں آزمانے کا جذبہ بھی۔

اشارہ ملتے ہی، دو مختلف طاقتیں ایک ساتھ حرکت میں آئیں۔

رستم کے ٹاپوں نے زمین پر جیسے زلزلہ برپا کر دیا۔ وہ ایک سفید شہابِ ثاقب کی طرح آگے بڑھا۔ اس کی رفتار خالص، وحشی اور بے لگام تھی۔ رئیس اس کی پیٹھ پر یوں بیٹھا تھا جیسے وہ ہوا میں تیر رہا ہو، اس کے بال ہوا میں لہرا رہے تھے۔

دوسری طرف، ولی کی بائیک ایک سیاہ سائے کی طرح زمین پر پھسل رہی تھی۔ انجن کی چیختی ہوئی آواز اور ٹائروں کی گرفت نے اسے ایک برقی تیر بنا دیا تھا۔ ٹریک کے سیدھے حصوں پر بائیک گھوڑے کو پیچھے چھوڑ دیتی، مگر جیسے ہی موڑ آتا یا زمین ناہموار ہوتی، رستم اپنی فطری طاقت اور لچک سے بازی لے جاتا۔

یہ صرف رفتار کی جنگ نہیں تھی، یہ دو نسلوں، دو فلسفوں اور دو محبت کرنے والے دلوں کا مقابلہ تھا۔

رئیس کے چہرے پر خالص خوشی اور فخر تھا، جبکہ ولی کی آنکھوں میں چیلنج تھا۔

آخری موڑ پر، دونوں تقریباً برابر تھے۔ بائیک کا انجن اپنی آخری حدوں کو چھو رہا تھا اور رستم کی سانسیں طوفان کی طرح چل رہی تھیں۔ فائنل لائن پر، بائیک کے پہیے اور رستم کے اگلے قدم نے تقریباً ایک ہی وقت میں لکیر کو عبور کیا۔

ایک لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی، صرف انجن کے ٹھنڈا ہونے کی ٹک ٹک اور گھوڑے کی گہری سانسوں کی آواز باقی رہ گئی۔

پھر رئیس کا بلند و بالا قہقہہ گونجا۔ ایک ایسا قہقہہ جو صرف اپنے عزیز ترین شخص کے لیے مخصوص تھا۔ وہ گھوڑے سے اترا اور ولی کی طرف بڑھا، جو بائیک سے اتر کر ہیلمٹ اتار رہا تھا۔ اس کے بال پسینے سے بھیگے تھے۔

"ویلڈن!" رئیس نے آگے بڑھ کر اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھا۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ محبت اور فخر تھا یہ خالص تھا۔ بنا کسی مطلب کے بنا کسی کدورت کے۔

اس نے ولی کو اپنی طرف کھینچا اور اس کا پسینے سے بھیگا ہوا ماتھا چوم لیا۔ یہ اتنا اچانک ہوا تھا کہ پل بھر کے لیے ولی بھی ساکت رہ گیا۔ اس کے اندر جذبات و احساسات کا ایسا سمندر پھوٹا کہ حلق میں آنسوؤں کا گولا سا اٹک گیا۔ یہی محبت چاہیے تھی اسے رئیس سے۔ اس شخص سے جو اس کی ماں کا پسندیدہ تھا جو اس کی ماں سے جڑا تھا۔

رئیس نے ولی کو مضبوطی سے گلے لگا لیا۔ اس لمحے میں، وہ بے رحم ڈارک لارڈ نہیں، بلکہ صرف ایک بگ بی تھا، جسے اپنے بھانجے پر دنیا کی ہر چیز سے زیادہ فخر ہو رہا تھا۔ اس ایک لمحے کو وہ سالوں سے جینا چاہتا تھا مگر اس کا اپنا کوئی

ساتھ نہیں تھا۔ کبھی کبھی سب ہوتے ہوئے بھی انسان رشتوں کو ترستا تھا۔ اور اس رشتے نے اس کے سارے شک دور کر کے اس کے دل تک جگہ بنالی تھی۔ اس کے آنے سے سب کتنا پرفیکٹ ہو گیا تھا۔

عروزہ دور کھڑی یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ اس کی نظر ولی پر تھی جو اب لاابالی انسان کی طرح خوشی سے جھومتے ہوئے ان کی جانب بڑھ رہا تھا۔

"یس۔۔۔ یس۔۔۔ میں جیت گیا۔ میں جیت گیا۔" وہ اچھل رہا تھا۔ یہ خالص جذبات تھے۔

پھر عروزہ نے گردن تھوڑا دائیں جانب گرائی تو ولی کا وجود مبہم ہوا اور اس کے عین پیچھے رئیس کا وجود واضح ہوا۔ وہ ایک ہاتھ پینٹ کی جیب میں ڈالے، مسکراتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کے بال ہوا سے اڑ رہے تھے۔ اس کی چال میں فتح اور طمانیت تھی۔ وہ مسکرا رہا تھا اور اس کی نظریں اپنے سے آگے چہکتے ہوئے ولی پر تھیں۔ وہ آج خوش تھا کیونکہ اس کے پیچھے رئیس تھا۔ رئیس خوش تھا کیونکہ اس کے آگے ولی تھا۔

آج عروزہ کو رئیس کا وہ روپ نظر آیا تھا جو دنیا سے پوشیدہ تھا۔ ایک محبت کرنے والا، حفاظت کرنے والا وجود۔ اور ولی، جو کل تک اس کے لیے صرف ایک نشان زدہ چہرے والا ساتھی تھا، آج اسے اس سلطنت کا حقیقی وارث نظر آ رہا تھا۔ اس کے دل میں پہلی بار احترام کے ساتھ ایک عجیب سے احساسات نے جنم لیا۔ شاید روبوٹ کے اندر بھی کوئی انسانی جذبہ بیدار ہو رہا تھا۔

یہ سب کتنا پرفیکٹ تھا نا؟ بالکل خواب جیسا۔ ہر انسان کی زندگی میں وہ چند لمحے ضرور آتے ہیں جب لگتا ہے زندگی پرفیکٹ ہے۔ جیسے کوئی فیری ٹیل چل رہی ہو۔ سب ہماری مرضی کے مطابق ہو رہا ہوتا ہے۔ اس وقت رئیس کو یہی لگ رہا تھا سب اسکی مرضی کے مطابق چل رہا تھا، ولی کے نزدیک سب ٹھیک ہو رہا تھا۔ عروزہ اور مراد خوش تھے کہ وہ رئیس کو دھوکا نہیں دے گا۔ مگر سب بھول گئے تھے خوابوں کی عمر زیادہ لمبی نہیں ہوتی۔ وہ سب کس

قدر تیزی سے خوفناک انجام کی طرف بھاگ رہے تھے۔ انہیں اندازہ بھی نہیں تھا۔ کاش کہ وقت یہیں رک جاتا۔ کاش۔۔۔۔!

✿••✿••✿••✿

فجر لاؤنج میں شیشے کی میز پر پھیلے کاغذات اور ایک ٹیبلٹ کے ساتھ بیٹھی تھی۔ اس کی تمام تر توجہ ایمپائر مال میں کھلنے والے نئے اسٹور کے انٹیریئر ڈیزائن پر مرکوز تھی۔ وہ بلیو پرنٹس اور تھری ڈی ماڈلز کا گہرائی سے جائزہ لے رہی تھی، اس کا ذہن رنگوں، روشنیوں اور فرنیچر کی ترتیب میں پوری طرح غرق تھا۔ باہر کی دنیا سے بے خبر، وہ اپنے کام میں اس قدر منہمک تھی کہ اسے آہٹ تک سنائی نہ دی۔

"فجر آپی۔۔۔"

ایک جانی پہچانی مگر کمزور سی آواز نے اس کی سوچ کا تسلسل توڑ دیا۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا اور سامنے کا منظر دیکھ کر ساکت رہ گئی۔ لاؤنج کے دروازے پر صفدر اور روحی کھڑے تھے۔ صفدر کے چہرے پر ایک عجیب سی شکستگی اور التجا تھی، مگر فجر کی آنکھیں سیدھا روحی پر جا ٹھہریں۔ کیموتھراپی نے اس کے چہرے کی رونق چھین لی تھی، وہ زرد اور نڈھال لگ رہی تھی، اور اس نے اپنے سر کو ایک ہلکے گلابی اسکارف سے ڈھانپا ہوا تھا۔ اس کی جسمانی کمزوری کے باوجود، اس کی آنکھوں میں وہی پرانی ضد اور چمک تھی۔

فجر کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ وہ حیرت اور غصے کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔

"تم لوگ یہاں؟ روحی؟ تم اس حالت میں؟" اس کے لہجے میں فکر سے زیادہ ایک سرزنش تھی، جو سیدھا صفدر کی طرف تھی۔ اسے روحی کا یوں آنا بالکل ہضم نہیں ہوا تھا۔ یہ کھلی لاپروائی تھی۔

"فجر میری بات سنو، یہ کسی طرح مان ہی نہیں رہی تھی۔ صبح سے ایک ہی ضد پر اڑی تھی کہ اسے تم سے ملنا ہے۔" صفدر نے آگے بڑھتے ہوئے شرمندگی سے کہا۔ وہ بنا بتائے اس کے گھر آ گیا تھا۔ پہلے عجیب نہیں لگتا تھا آج لگ رہا تھا۔

فجر نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی نظریں روحی پر جما دیں۔ دل ایک عجیب ملال سے بھر گیا۔ ساری منصوبہ بندی، اس کا سارا غصہ، اس بیمار بچی کی ایک جھلک کے سامنے بے معنی ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ جو تعلقات کی پیچیدگیوں سے بھاگ کر کام میں پناہ لیتی تھی، آج وہ پیچیدگی خود چل کر اس کے محفوظ ٹھکانے تک پہنچ گئی تھی۔

"میں آپ کو منانے آئی ہوں۔" روحی نے آہستہ سے کہا، اس کی آواز میں ایک ایسی معصومیت تھی جو دل تک پہنچتی تھی۔

"آپ کل صفدر بھائی کی منگنی پر کیوں نہیں آ رہی ہیں؟"

فجر نے ایک لمبی سانس لی اور میز پر پڑے کاغذات کو ایک طرف دھکیل دیا۔ اس کا کام اب پسِ پشت جا چکا تھا۔ اس نے روحی کا ہاتھ تھاما اور اسے اپنے قریب صوفے پر بٹھایا۔ روحی کا ہاتھ برف کی طرح ٹھنڈا تھا۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں۔ تمہیں اس طرح باہر نہیں آنا چاہیے تھا۔" اس نے نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی۔

"اگر آپ کل آ جائیں گی تو میری طبیعت خود بخود ٹھیک ہو جائے گی۔" روحی نے فوراً جواب دیا، اس کی آنکھوں میں ایک امید تھی۔ "صفدر بھائی کہہ رہے تھے اگر انکی بہن ہی ان کی خوشی میں شریک نہیں ہو گی تو منگنی کا کیا

مزہ؟" اس نے اس قدر ڈرامائی انداز میں کہا کہ صفدر نے بمشکل اپنی مسکراہٹ چھپائی جبکہ فجر اس کی اداکاری پر حیران ہوئی۔

ایک وقت تھا جب بہن کا یہ لفظ حقیقت تھا۔ اب یہ صرف ایک یاد بن کر رہ گیا تھا، جسے وہ دونوں خود اپنی حرکتوں سے دھندلا چکے تھے۔

"مجھ سے سپائڈی پرومس (Spidey promise) کریں کہ آپ آئیں گی۔" روحی نے اپنی چھوٹی انگلی فجر کی طرف بڑھائی۔

اس کی آنکھوں میں آس تھی۔ "آپ میری آئیڈیل ہیں۔ اگر میری آئیڈیل ہی اپنا کہا پورا نہیں کرے گی تو میں کیا بنوں گی؟"

ایک تو کمبخت ہمین کوئی اپنا آئیڈیل نہ بنائے۔ اس کے سانچے میں ڈھلنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

یہ لمحہ فیصلہ کن تھا۔ فجر کے اندر کا سارا مزاحمتی نظام جیسے ایک جھٹکے میں ٹوٹ گیا۔ ایک بیمار بچی کا خلوص، اس کی محبت اور اس کی معصوم دھمکی نے اسے کو مکمل طور پر نہتا کر دیا۔ اسے اپنی انا بہت چھوٹی اور بے معنی لگنے لگی۔
صفدر خاموشی سے یہ سب دیکھ رہا تھا، اس کی آنکھیں ان دو لڑکیوں کو دیکھ رہی تھیں جو ایک جیسی تھیں۔ کم از کم کئی معاملوں میں۔

بالآخر اس نے ایک گہری، شکست خوردہ سانس لی اور آہستہ سے اپنی انگلی روحی کی انگلی میں پھنسا دی۔

"ٹھیک ہے۔" اس کی آواز بمشکل نکلی۔ "میں آؤں گی۔"

یہ سننا تھا کہ روحی کا مرجھایا ہوا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔ اس نے کمزوری کے باوجود فجر کے گرد بانہیں پھیلا دیں۔

"مجھے پتا تھا آپ میرا دل نہیں توڑیں گی۔"

سامنے بیٹھے صفدر کے چہرے پر سکون کی ایک لہر دوڑ گئی، مگر اس سکون میں بھی ایک اداسی چھپی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ فجر صرف اور صرف روحی کی وجہ سے مانی تھی۔

کافی دیر ٹھہرنے کے بعد جب وہ چلے گئے تو لاؤنج میں ایک گہرا سکوت چھا گیا۔ فجر وہیں صوفے پر بے دم سی بیٹھی رہی۔ اس کی نظریں میز پر بکھرے ڈیزائنز پر پڑیں جو اب اسے بے رنگ اور بے معنی لگ رہے تھے۔ آج اس کے اصول ایک معصوم ضد کے سامنے ہار گئے تھے۔ وہ کل منگنی میں ضرور جائے گی، مگر ایک بھاری دل کے ساتھ، یہ جانتے ہوئے کہ کچھ رشتے صرف دوسروں کی خوشی کے لیے نبھائے جاتے ہیں، دل سے نہیں۔

✿••✿••✿••✿

رات کافی ہو چکی تھی، لیکن اس کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ وہ اپنے واک اِن کلازٹ میں کھڑی تھی، جہاں کپڑوں کی قطاریں اور جوتوں کے ڈھیر اس کے منتظر تھے۔ اس کی نظریں کسی ایک چیز پر ٹک نہیں پا رہی تھیں، ذہن میں دوپہر کی گونج باقی تھی۔ روحی کی ضد اور اس کے اپنے ٹوٹتے اصول، یہ سب کچھ اسے بے چینی سے گھیرے ہوئے تھا۔ وہ جو کام میں پناہ لیتی تھی، آج کام بھی اسے بے رنگ لگ رہا تھا۔ اسی کشمکش میں تھی کہ اس کے فون کی گھنٹی بجی۔ سکرین پر **فلک** کا نام جگمگا رہا تھا۔ اس نے ایک لمبی سانس لی اور کال اٹھائی۔

"ہیلو فلک!" فجر کی آواز میں ایک عجیب سی تکان تھی۔

دوسری طرف سے فلک کی آواز آئی، جس میں ہمیشہ کی سی شوخی نہیں تھی بلکہ ایک پریشانی اور الجھن صاف جھلک رہی تھی۔ رسمی علیک سلیک کے بعد اس نے پوچھا۔

"کیا کر رہی ہو؟"

"کچھ خاص نہیں، بس دیکھ رہی ہوں کل کیا پہنوں۔" اس کی نظریں سامنے لٹکتی ایک سیاہ ساڑھی پر تھیں، جس کی خوبصورتی اس وقت اسے بے معنی لگ رہی تھی۔

فلک کی جانب سے لمحہ بھر کی خاموشی چھا گئی۔ وہ جانتی تھی کہ فجر کے لیے یہ بات کہنا کتنا غیر معمولی تھا۔

"کیا مطلب؟ کس کے لیے؟ کہیں جا رہی ہو؟" اس کے ذہن میں فوراً کل رات والی ساری بحث گھوم گئی جب فجر نے صاف انکار کر دیا تھا کہ وہ صفدر کی منگنی کی تقریب میں نہیں جائے گی۔

فجر نے ایک گہری سانس لی اور اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

"صفدر کی منگنی کے لیے۔" اس کی آواز میں ایک بے زاری تھی۔ زبردستی۔ اصولوں سے پیچھے ہٹنے کی تکلیف!

"تم نے تو کہا تھا تم نہیں جا رہی! بالکل صاف صاف کہا تھا۔" اس کے لہجے میں حیرت کے ساتھ تاسف بھی تھا۔ ان دونوں میں بہت زیادہ بے تکلفی نہیں تھی لیکن اب وہ صرف اس کی پروجیکٹ پارٹنر ہی نہیں بلکہ اب کزن بھی تھی۔ اس لیے فلک کو فجر کے ایسے بدلے ہوئے فیصلے پر حیرت ہوئی، جس سے وہ خود پریشان دکھائی دے رہی تھی۔

اس کے سوال پر فجر نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور کپڑوں کی لٹکتی ریل کو ہلکے سے چھوا۔

"میں نے یہی کہا تھا۔ اور میں اپنے فیصلوں پر قائم رہتی ہوں۔ لیکن آج صفدر اور روحی آئے تھے۔"

فلک کی آواز میں فوری تشویش ابھری۔ "روحی؟ وہ تمہارے گھر آئی تھی؟ اس کی تو طبیعت بھی ٹھیک نہیں رہتی۔"

"وہ مجھے منانے آئی تھی کہ میں ضرور آؤں۔"فجر کی آواز میں ایک عجیب سی بے بسی تھی۔"میرا سارا غصہ، ساری ناراضی، اس بیمار بچی کی معصومیت کے سامنے بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔ میں اس کا دل نہیں توڑ پاتی۔"

فلک کچھ دیر خاموش رہی، شاید وہ فجر کے دل کی کیفیت کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ ایک رائٹر تھی اگر انسانوں کی نفسیات بھی نہ سمجھ پاتی تو پھر تف تھا اس پر۔

"ہاں میں سمجھ سکتی ہوں۔"لیکن اندر کہیں کچھ ٹوٹا تھا۔"تو تم صرف روحی کے لیے جاؤ گی؟"

"صرف اس کے لیے۔"فجر نے مضبوطی سے کہا، جیسے اس لفظ پر زور دے کر خود کو یقین دلا رہی ہو۔"صفدر نے جو کچھ کیا میں اس کے ساتھ پہلے جیسی کبھی نہیں رہ سکتی لیکن روحی، وہ اس سب میں بے قصور ہے۔"

"کچھ رشتے واقعی ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں بس نبھانا پڑتا ہے، چاہے دل نہ بھی چاہے۔"فلک سے بہتر یہ کون جانتا تھا۔ وہ بدقت مسکرائی۔ شاید یہ تقریب ان سب کے لیے بہترین ثابت ہو جاتی۔ یہ سوچتے ہوئے اس نے ساری پریشانی سوچوں کو خود سے دور جھٹکا۔

"اچھا اب بتاؤ، کیا پہن رہی ہو؟"اس نے بات کا رخ بدلا، انکا کام کہیں پیچھے رہ گیا جس کے لیے اس نے فون کیا تھا۔

"ایک فارمل لہنگا اسکرٹ ہے، ساتھ خوبصورت سا بلاؤز۔ یا پھر مہرون ساڑھی۔ دونوں ہی اچھے ہیں۔ ابھی تک فیصلہ نہیں کیا۔ تقریبات اٹینڈ کرنا دنیا کا سب سے مشکل کام ہے۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔"ایک تھکی ہوئی سرد آہ ابھری۔

"تم جو بھی پہنو گی، اچھی لگو گی۔" اسکا کالہجہ نرم تھا۔ ایک لمحے کے توقف کے بعد اس کا لہجہ بدل گیا، "لیکن اس سے پہلے مجھے تم سے کچھ اہم بات کرنی ہے۔" ہلکی پریشانی ابھری۔

فجر چونکی، پھر خاموشی سے سننے لگی۔ فلک نے اسے اپنے گھر میں ہونے والی گفتگو سنائی۔ رجب رضا کا ذکر کیا۔ فخر کی پیشکش، فاخرہ کی ضد، اور وہ دبی ہوئی، گھٹن زدہ کشمکش جس میں اسے دھکیلا جا رہا تھا۔ فجر کے لیے یہ پہلا موقع تھا جب وہ کسی لڑکی کی ذاتی زندگی کے بارے میں سن رہی تھی۔ وہ اپنی ذاتی زندگی کسی سے شیئر نہیں کرتی تھی اور نہ اسے کبھی کسی کی ذاتی زندگی جاننے کے بارے میں دلچسپی ہوئی تھی۔ لیکن اب وہ سن رہی تھی یوں جیسے وہ اچھی دوست ہوں اور فلک نے بھی پہلی بار اپنی نجی زندگی کے کسی پہلو کو یوں لفظوں کا روپ دیا تھا۔ فجر سنتی رہی، خاموش، گہری سوچ میں ڈوبی۔

سب سننے کے بعد وہ بالآخر بول پڑی۔ "تمہیں جانا چاہیے۔ صرف اس لیے نہیں کہ سب چاہتے ہیں، بلکہ تمہیں خود بھی جاننے کا حق ہے۔ کشمکش میں زندگی کے بڑے فیصلے دفن نہیں ہونے چاہئیں۔"

جبکہ فلک خاموش رہی۔ رئیس کا چہرہ، اس کی مسکراہٹ، اس کی موجودگی اب بھی دل کے کسی کونے میں ایک سائے کی طرح چھپی ہوئی تھی۔ لیکن وہ اس پر بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس نے فجر کو رئیس کے بارے میں نہیں بتایا۔

"ٹھیک ہے۔" آہستگی سے کہا گیا، جیسے خود کو بھی قائل کر رہی ہو۔ "تو پھر ہم ایک جیسے کپڑے پہنیں گے۔" پل بھر میں اس کا لہجہ بدل گیا۔

"کیوں؟" سوال تو سادہ تھا، مگر پس منظر میں حیرت تھی۔

"بس ویسے ہی، اچھا لگے گا۔" اسکا لہجہ نرم تھا، کچھ معصوم سا۔ "تو بتاؤ، کیا پہن رہی ہو؟"

"یہ مہرون ساڑھی۔" فجر نے ایک لمحے کو سوچا، جیسے اپنے اندر کے کسی اصول کو توڑ رہی ہو۔

"میں ساڑھی نہیں پہن سکتی، نہ میرے پاس ہے۔ لیکن میرے پاس مہرون سوٹ ہے، وہ پہن لوں گی۔" فلک نے جواب دیا۔ "کل ملتے ہیں پھر۔۔۔"

"ٹھیک ہے۔" فجر نے اثبات میں سر ہلایا، مگر دل میں ہلچل سی تھی۔ وہ جیسے خود سے سوال گو تھی، "کیا میں بدل رہی ہوں؟"

نو فرینڈز، نو ریلیشنز، نو تعلقات، نو جذبات والا اصول ٹوٹ رہا تھا۔ وہ تعلق جس سے وہ برسوں سے منہ موڑتی آئی تھی، آج دل کی دیواروں پر دستک دے رہا تھا۔

کیا وہ لڑکی فلک تھی جس کے لیے فروہ نے پیشین گوئی کی تھی کہ اس کے لیے وہ ایک دن اپنے سارے اصول توڑ دے گی؟

کیا وہ واقعی اس کی زندگی میں وہ مقام بنانے لگی تھی جسے وہ کبھی کسی کے لیے نہیں رکھتی تھی؟

رات آہستہ آہستہ اپنے آخری پہر میں داخل ہو رہی تھی، لیکن ان دو دلوں کی گفتگو جیسے نئی صبح کی نوید تھی۔

کبھی کبھی، دلوں کے درمیان پل بننے کے لیے ایک مشترکہ رنگ کافی ہوتا ہے۔

اور شاید، اس بار وہ رنگ مہرون تھا۔

✿••✿••✿••✿

وقت پر لگا کر اڑ گیا۔ رات گزر گئی اور پھر دن بھی۔ اس وقت جب خاموشی ہر سو ایک پر اسرار حسن بکھیر رہی تھی۔ فجر اپنے کمرے میں قدِ آدم آئینے کے سامنے ساکت کھڑی تھی۔ اس نے گہرے مہرون رنگ کی ساڑھی زیب تن کی تھی، جو کسی بھی قسم کی کڑھائی یا بھاری کام سے پاک تھی۔ اس کی سادگی ہی اس کا اصل حُسن تھی۔ ساڑھی کا کپڑا اتنا نفیس اور آرام دہ تھا کہ اس کے وجود کا حصہ محسوس ہوتا، اور اس کا رنگ اس کی گوری رنگت پر کھل اٹھا تھا۔ بند گلے اور کہنیوں تک کی آستینوں والے بلاؤز نے اس کے سراپے میں ایک وقار اور متانت بھر دی تھی۔ اس نے آج اپنے ہمیشہ سیدھے رہنے والے بالوں کو کرل کیا تھا، جو اس کے شانوں پر آزادانہ کھیل رہے تھے۔ کانوں میں صرف چھوٹے چھوٹے مہرون ٹاپس تھے، جن کی ہلکی سی چمک اس کے روپ کو مکمل کر رہی تھی۔

اس نے آئینے میں اپنے عکس کو دیکھا۔ وہ بلاشبہ خوبصورت لگ رہی تھی، مگر یہ وہ خوبصورتی نہیں تھی جس کی وہ عادی تھی۔ یہ طاقت اور اختیار کی خوبصورتی نہیں تھی، بلکہ نرمی اور نزاکت کی تھی۔ اسے لگا جیسے وہ اپنے ہی بنائے ہوئے اصولوں کے قلعے سے باہر نکل آئی ہو، جہاں اس کی انا کی دیواریں آہستہ آہستہ ریزہ ریزہ ہو رہی تھیں۔ کہیں اندر روح کی نہاں خانوں میں ایک خوف پوشیدہ تھا۔ یہ رشتے، یہ تعلقات، یہ دوستیاں، اس کی شخصیت کا خاصہ نہیں تھیں۔ وہ ہمیشہ سے اکیلی رہی تھی۔ کام کے معاملے میں اس کی ذات بالکل الگ تھی لیکن ذاتی زندگی میں وہ رشتے بنانے کے حق میں نہیں تھی۔

اس کے نزدیک، رشتے انسان کو کمزور کرتے ہیں۔ یہ وہ سب کرواتے ہیں جو ہم نہیں کرنا چاہتے اور اب دیکھو یہی رشتے، یہی تعلقات اس سے وہ سب کروا رہے تھے جو وہ کبھی نہ کرتی۔ پہلے ولی، پھر روحی، پھر فلک! دھیرے دھیرے اس کے گھر میں لوگوں کا اضافہ ہو رہا تھا۔ کبھی کبھی یہ بہت اچھا لگتا تھا مگر اگلے ہی لمحے وہ ٹھٹھک جاتی۔

زخموں اور خطروں کو سونگھ لینے والی فجر معراج خود کے کمزور پڑنے سے ڈرتی تھی۔ ہمیشہ ماں باپ سے ملی پھٹکار اور پھر ارسل سے ملی دھتکار نے اسے بالکل ہی اندھا کر دیا تھا وہ کسی رشتے پر بھروسہ نہیں کر سکتی تھی۔

ابھی بھی وہ انہی خیالوں میں گم تھی کہ فون کی گھنٹی نے اسے چونکا دیا۔ ولی کا فون تھا۔ اس نے ایک گہری سانس بھری، جیسے خود کو کسی نئی حقیقت کے لیے تیار کر رہی ہو اور کال وصول کی۔

"میں نیچے انتظار کر رہا ہوں۔" اس کی آواز میں ہمیشہ کی طرح ایک نرمی اور ٹھہراؤ تھا، مگر اس میں اپنائیت کا رنگ کچھ زیادہ ہی گہرا تھا۔

فجر نے بے زاری سے پلکیں جھپکائیں۔

"میں نے کہا تھا میں خود چلی جاؤں گی۔ تمہیں زحمت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" اس کے لہجے میں فکر سے زیادہ ایک مصنوعی خفگی تھی، جیسے کوئی باس اپنے ملازم کو ہدایات پر عمل نہ کرنے پر ڈانٹ رہا ہو۔

دوسری طرف سے ولی کی ایک دھیمی ہنسی سنائی دی جو فون پر بھی دل کو چھو رہی تھی۔

"معذرت بیگم! لیکن کبھی کبھی شوہر کے فرائض، پرسنل اسسٹنٹ کی ذمہ داریوں پر حاوی ہو جاتے ہیں۔ اور آج میرے شوہر والے فرائض کا حکم ہے کہ میں آپ کو لینے آؤں۔ اب آ جائیں، زیادہ دیر نہ کریں۔" اس کے لہجے میں شرارت اور حق کا ایسا حسین امتزاج تھا کہ وہ فجر کے اندر تتلیوں جیسا احساس جگا گیا مگر دماغ میں بجتی گھنٹی نے اسے مسکرانے نہیں دیا۔

"آڈرز نہ ماننے کی عادت ہو گئی ہے تمہیں۔" وہ زیرِ لب بڑبڑائی پھر اپنا کلچ اٹھایا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ آج اس کے قدموں میں وہ معمول کی تیزی نہیں تھی، بلکہ ایک سکون اور ٹھہراؤ تھا۔

نیچے اماں اور بانو ہمیشہ کی طرح جانے کس ڈرامے پر گہرے تبصرے کر رہی تھیں۔ فجر چاہتی تھیں وہ دونوں ساتھ چلیں مگر انہوں نے صاف منع کر دیا۔

"ان رنگ برنگی امیروں کی محفلوں میں ہمارا کیا کام؟" اماں کی منطق الگ تھی۔ وہ نہیں جانا چاہتی تھیں۔ انہیں مصروف دیکھ کر وہ خدا حافظ کہتی باہر نکلنے لگی۔

"کس کے ساتھ جا رہی ہو؟" اماں کی کڑک سی آواز ابھری۔

"ولی لینے آیا ہے۔" اس نے رک کر جواب دیا۔

"کیوں؟" اماں کا لہجہ نہ بدلہ۔

"یہ آپ اسی سے پوچھ لیں۔ میں نے منع کیا تھا۔" اس نے پلٹ کر اماں کو دیکھا اور اماں نے اسے۔ وہ آج بھی انتظار کر رہی تھیں کہ فجر انہیں خود بتائے کہ اس کا ولی سے کیا رشتہ تھا مگر وہ کبھی ڈسکس نہیں کرتی تھی۔ بانو اور اماں آپس میں کھسر پھسر کرتی رہتی تھیں مگر اس کے سامنے یوں بن جاتیں جیسے انہیں کچھ معلوم ہی نہ ہو۔ وہ پلٹنے لگی کہ پھر سے اماں کی آواز سنائی دی۔ لہجے کی کڑک قائم رہی۔

"لڑکے سے کہو رشتہ لائے۔"

وہ جھٹکے سے رکی۔ بانو نے ٹی وی کی آوز بند کی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے میں اتنی اندھی ہوں جو مجھے اس کی حرکتیں نظر نہیں آئیں گی؟"

"اماں۔۔۔" وہ احتجاجاً بولی۔ اس وقت یہ انہوں نے کونسی بحث چھیڑ لی تھی۔ وہ جاننا چاہتی تھیں آخر فجر کے دل میں اس کے لیے کچھ تھا یا نہیں؟ ارسل کے معاملے میں تو وہ آسمان سر پر اٹھائے رکھتی تھی مگر اب تو کچھ کہتی سنتی

ہی نہیں تھی۔ پہلے تو لڑتی جھگڑتی تھی اور اسی لڑائی جھگڑے میں ساری باتیں اماں تک پہنچ جاتی تھیں مگر اب تو اس نے چپ کا روزہ رکھ لیا تھا۔

"اگر تمہیں وہ پسند ہے تو اسے کہو رشتہ بھیجے ورنہ یوں راتوں کو تمہیں لینے نہ آئے۔" اماں نے گویا اپنا فیصلہ سنایا۔ فجر کے گال تپ گئے مگر پھر اس نے ایک گہری سانس لی۔ اس ساڑھی میں وہ آفت لگ رہی تھی اور اماں کے سامنے بے بس!

اب کیا کہتی اماں سے کہ وہ اسکا شوہر تھا اسی لیے آتا تھا؟

اماں نے اپنا فیصلہ سنا کر نظریں اس سے پھیر لیں جبکہ وہ چند لمحے اماں کو دیکھتی رہی پھر بنا کچھ کہے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ اس کی پریکٹیکل لائف میں اتنے مسائل تھے پھر وہ کہاں سے اپنی ازدواجی زندگی کے متعلق سوچ پاتی؟ سچ تو یہ تھا کہ زندگی بس گزر رہی تھی۔ اس پہچان بنانے کے چکر میں وہ زندگی جینا بالکل بھول چکی تھی۔ اور پھر زندگی تو وہ لوگ جیتے ہیں جو زندہ ہوں۔ اس نے تو موت اپنے ہاتھوں سے چنی تھی۔

جب وہ پورچ میں پہنچی تو ولی گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا اس کا منتظر تھا۔ سیاہ پینٹ پر مہرون ڈریس شرٹ اس کی وجیہہ شخصیت پر اچھی لگ رہی تھی۔ جیسے ہی اس کی نظر فجر پر پڑی، وہ جہاں تھا وہیں ٹھہر گیا۔ اس کی آنکھیں ستائش سے پھیل گئیں اور ایک لمحے کے لیے جیسے دل دھڑکنا بھول گیا۔

وہ ہمیشہ سے خوبصورت تھی اس سے کون انکاری تھا۔ اس نے فجر کو سینکڑوں بار دیکھا تھا، میٹنگز میں، دفتر میں، سنجیدہ اور پروفیشنل انداز میں۔ مگر آج وہ فجر معراج نہیں تھی، وہ صرف فجر تھی، جو مہرون رنگ میں ڈوبی ہوئی، نرم لہراتے بالوں کے ساتھ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کا سادہ لباس اور اس کا پُروقار سراپا، ولی کے سیاہ اور

مہرون لباس کے ساتھ مل کر ایک ایسی ہم آہنگی پیدا کر رہا تھا، جیسے کائنات نے یہ منظر خاص طور پر ان دونوں کے لیے ترتیب دیا ہو۔ وہ بندھے بالوں میں اچھی لگتی تھی مگر کھلے بالوں میں اس سے بھی زیادہ اچھی لگ رہی تھی۔

اس کے اندر احساسات کا ایک طوفان امڈ آیا۔ یوں جیسے کسی نے وقت کو روک دیا ہو۔ یہ وہ عورت تھی جس کے تیز جملے پتھر کا سینہ چیر دیتے تھے، آج ایک حسین نظم کی طرح اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کی سانسیں بے ترتیب ہو رہی تھیں اور دل کی دھڑکن کانوں میں سنائی دے رہی تھی۔

اس نے بمشکل خود پر قابو پایا اور قدم بڑھا کر اس کے قریب آیا۔ کتھئی آنکھوں میں ستائش، حیرت اور ایک گہری محبت کی ایسی چمک تھی جو کسی نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

"تم سے ملنے سے پہلے نہیں جانتا تھا کہ کوئی شخص اتنا حسین بھی ہو سکتا ہے۔ تم وہ خواب ہو جو میں نے کبھی دیکھا ہی نہیں کیونکہ تم وہ حقیقت ہو جس کی میں نے ہمیشہ تمنا کی ہے۔"

اس کی آنکھوں میں اپنے لیے دیوانگی کی حد تک پسندیدگی دیکھی تو ایک عجیب سی طمانیت فجر کے وجود میں پھیل گئی مگر اسکا خرافتی دماغ اسے کچوکے لگا رہا تھا۔ وہ اسے ان لمحات کو کبھی جینے نہیں دے گا۔ زخموں کو سونگھ لینے والی اس کی وہ حس کبھی سوتی نہیں تھی۔

"یقین نہیں ہوتا کہ تمہیں اس روپ میں سب سے پہلے دیکھنے کا حق صرف میرا ہے۔ میں اللہ سے دعا کروں گا یہ حق ہمیشہ میرے پاس رہے۔ جب بھی تم اتنی حسین لگو، سب سے پہلے تم پر میری نظر پڑے۔"

فجر نے گہری سانس لی اور پھر نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"اور اگر میں کسی بورڈ میٹنگ کے لیے اتنی حسین لگوں تو؟ کیا تب بھی تم میٹنگ روم کے دروازے پر پہلا حق جتانے کے لیے کھڑے ہو گے؟"

ولی کے لبوں پر ایک دلکش مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس نے فجر کے لیے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے جھک کر کہا۔

"تمہارے لیے تو میں جہنم کے دروازے پر بھی کھڑا ہو سکتا ہوں۔"

اس کے جواب پر فجر اپنی بے ساختہ مسکراہٹ ضبط کرتے گاڑی میں بیٹھ گئی۔ فلرٹ کے معاملے میں انگریزوں سے کوئی نہیں جیت سکتا۔

✿••✿••✿••✿

لاہور کی نرم و گرم ابتدائی گرمیوں کی رات، جب ہوا میں حدت کم اور نمی زیادہ محسوس ہو رہی تھی ڈیفینس کے ایک گوشے میں واقع وسیع فارم ہاؤس کی فضاء میں ایک خاص سی لطافت گھلی ہوئی تھی۔ رات کے سائے دھیرے دھیرے لان کے کناروں پر اتر رہے تھے، اور اوپر آسمان بتدریج سیاہ ہوتا جا رہا تھا۔

یہ ایک کھلی فضا کی تقریب تھی۔ سبز گھاس کا پھیلا ہوا فرش، اور قدرتی روشنیوں سے بھرپور سادگی۔ لان میں داخل ہوتے ہی ایک ٹھنڈک محسوس ہوتی تھی۔ جیسے کوئی فضا نمی کو نرمی سے تھام لے، اور روشنی دھوپ کی بجائے مہربانی سے بکھرے۔

راستہ جو مہمانوں کو لان کی جانب لے جا رہا تھا، وہ سفید اور ہلکے گلابی پھولوں کی قطاروں سے بنا ہوا تھا۔ بوجھل اور زرق برق رنگوں کا کوئی نشان نہ تھا۔ سب کچھ خاموش، نفیس، اور سکون بخش تھا۔ ایک سیدھی سی سفید روش، جس کے کناروں پر لکڑی کے چھوٹے فانوس رکھے گئے تھے، جن میں موم بتیاں جھلملا رہی تھیں۔

سجاوٹ میں زیادہ تر سفید، ہلکے گلابی اور جامنی رنگوں کا استعمال تھا۔ کرسیاں سفید لکڑی کی تھیں، جن پر ہلکے گلابی پھولوں کے چھوٹے گلدستے بندھے ہوئے تھے۔ میزوں پر سفید کپڑے، جن کے درمیان میں ووڈن باکسز میں رکھے گلاب، لیلی، ہائیڈری اینجا، اور گلدانپ کے پھول، جو ہوا کے جھونکوں سے مدھم ہل رہے تھے۔

چھت نہ تھی، مگر پورے لان کے اوپر باریک سفید پردوں اور چھوٹی فیری لائٹس کی نرم لڑیوں کو درختوں سے جوڑ کر یوں باندھا گیا تھا جیسے ستارے زمین پر اتر آئے ہوں۔ ہر چیز ہلکی تھی، سادہ تھی، اور خوش ذوقی کی خاموش تعریف کر رہی تھی۔

موسیقی کا ہلکا سرور فضا میں گھلا ہوا تھا جو محفل میں ایک مدھر گیت کی سی کیفیت پیدا کر رہا تھا۔ ہلکی ہوا چل رہی تھی جو پھولوں کی خوشبو کو چاروں اطراف پھیلا رہی تھی، اور ہر آنے والا مہمان اس حسین ماحول میں کھویا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ یہ ایک ایسی تقریب تھی جہاں خوبصورتی، سادگی، اور نفاست کا حسین امتزاج تھی۔

گیٹ پر کئی گاڑیوں کے ہمراہ ایک گاڑی اور آکر رکی۔ اندر فلک بیٹھی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر فخر تھا وہ اس کے ساتھ بیٹھی تھی۔ اس کے پتلے پتلے ہاتھ گود میں دھرے تھے۔

شہد رنگ گھنگھریالے بالوں کو آگے سے اٹھا کر ایک بن بنایا گیا تھا جبکہ باقی بال پیچھے کھلے ہوئے تھے۔ اس کی مڑی ہوئی پلکیں اٹھ جھک رہی تھیں۔ وہ اس وقت مہرون رنگ کی ایک لمبی قمیص اور ہم رنگ کھلا ٹراؤزر پہنے ہوئے تھی جس پر سنہری گوٹے کا کام تھا۔ سنہری والٹ اس کے ہاتھ میں تھا۔ کانوں میں سنہری جھمکے چمک رہے تھے اور بڑے سے دوپٹے کو اس نے پیچھے سے لا کر دونوں جانب شانوں پر گرایا ہوا تھا۔ سنہری رنگ کی اونچی ہیلز والی جوتیوں میں اسکا سراپا مزید واضح ہو گیا۔

"دھیان رکھنا۔ میں جلد لینے آؤں گا۔" فخر نے اسے تنبیہہ کی تو وہ سر ہلا کر گاڑی سے باہر نکل آئی۔ کچھ گھبراہٹ تھی مگر وہ خود پر قابو پا گئی۔ فخر نے اسے بکے پکڑایا۔

"کوئی بھی مسئلہ ہو مجھے فوراً فون کرنا۔" وہ پھر سے بولا۔ فلک نے اثبات میں سر دہلایا۔ فخر نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر سپاٹ تاثرات لیے گاڑی آگے بڑھا کر دوسری جانب سے باہر نکل گیا۔ وہ جانتا تھا جتنا انہوں نے توقعات کا بوجھ فلک پر ڈال رکھا تھا وہ کبھی کچھ غلط نہیں کرے گی۔

اندر داخل ہوتے ہی روحی کی نظر اس پر پڑی۔ وہ تیزی سے اسکی جانب لپکی۔ اس نے دونوں ہاتھ گالوں پر رکھتے فلک کو دیکھا جو اس رنگ میں، پھول ہاتھ میں تھامے خود بھی ایک پھول لگ رہی تھی۔

"آپ بالکل ایک پری لگ رہی ہیں۔" وہ اس سے گلے مل رہی تھی۔ اس کی تعریف پر فلک کے گال لال ہوئے۔

"اور تم ہو ہی پری!" اس نے روحی کا گال تھپتھپایا جو ہلکے گلابی رنگ کی میکسی میں ہلکے میک اپ کے ساتھ بہت پیاری لگ رہی تھی۔

روحی اس کا ہاتھ پکڑ کر مسٹر اور مسز حسین سے ملوانے لے گئی۔

جبکہ داخلی گیٹ کے باہر، جہاں سے سنگریزوں سے سجا راستہ لان کی جانب جاتا تھا، چمکتی ہوئی سیاہ گاڑیاں تقریباً ایک ہی لمحے میں آکر رکیں۔ ایک دائیں جانب سے آئی تھی، دوسری بائیں سے۔ پہلی گاڑی، جو دائیں جانب رکی تھی، اس کا دروازہ کھلا اور ولی نے باہر قدم رکھا۔ اس نے گھوم کر دوسری جانب کا دروازہ کھولا اور فجر باہر نکلی۔ چاندنی اور

فیری لائٹس کی ملی جلی روشنی میں وہ ایک گہرے رنگ کا گلاب لگ رہی تھی۔ تپش دیتا ہوا۔ خود سے دور دھکیلتا ہوا۔

ابھی وہ دونوں سنبھل کر کھڑے ہی ہوئے تھے کہ بائیں جانب رکی گاڑیوں کا قافلہ حرکت میں آیا۔ آگے اور پیچھے گارڈز کی گاڑی تھی اور درمیان میں ایک چمچماتی مرسڈیز، جس کا پچھلا دروازہ ایک گارڈ نے تیزی سے آگے بڑھ کر کھولا۔ رئیس پچھلی سیٹ سے باہر نکلا۔

اس نے سر سے پاؤں تک سیاہ لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔ سیاہ رنگ جیسے اس کی شخصیت کا حصہ بن چکا تھا، مگر آج اس لباس کی دمک کچھ اور ہی تھی۔ وہ رات کے اندھیرے میں ایک سیاہ ستارے کی مانند چمک رہا تھا۔ جیسے ہی اس نے قدم باہر رکھا، اس کی تیز نظریں سامنے کھڑے وجودوں سے ٹکرائیں۔ ایک لمحے کے لیے اس کی دنیا ساکت ہو گئی۔ اس نے یہ نہیں دیکھا کہ ولی اور فجر ساتھ کھڑے کس قدر اچھے لگ رہے تھے۔ وہ دونوں کتنے مکمل لگ رہے تھے۔ اس نے دیکھا ہی نہیں کیونکہ اس کی نظروں کے محور میں صرف ایک ہی چہرہ تھا، فجر کا۔

کھلے ریشمی بال ہوا کے ہلکے جھونکوں سے لہراتے ہوئے اس کے چہرے کے گرد ایک ہالہ بنا رہے تھے، اور ان بالوں کے درمیان اس کا چہرہ جگمگا رہا تھا۔

رئیس کی نظریں پل بھر کو وہیں ٹھہر گئیں۔ اس کے اندر جو ایک سرد، بے حس اور ہر جذبے سے عاری شخص تھا، اس کے سینے میں ایک ہلکی سی گرم لہر دوڑ گئی۔ یہ اس سے حسد نہیں تھا، یہ غصہ بھی نہیں تھا، یہ کچھ اور تھا۔ ایک انجانا، ان چاہا احساس جو خطرناک تھا۔ وہ اسے ہی دیکھتا رہا جو اب اس کی جانب بڑھ رہے تھے۔

اسی لمحے عروزہ اور مراد بھی گاڑی سے اتر کر اس کے پیچھے آ کھڑے ہوئے۔ وہ جیسے چونک کر سحر سے نکلا۔

عروزہ نے ایک لمبی، سادہ سیاہ میکسی پہنی ہوئی تھی جس کے بازو نہیں تھے۔اس کے بال ایک صاف ستھری پونی میں بندھے تھے، مگر اس کے لبوں پر لگی گہری بھوری لپ اسٹک اور چہرے پر قدرتی چمک اسے مجمع میں بھی منفرد بنا رہی تھی۔وہ بلاشبہ اچھی لگ رہی تھی اور اب سے الگ بھی۔

رئیس نے ایک گہری سانس بھری، جیسے اپنے اندر اٹھتے طوفان کو قابو کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔اس کا سیاہ لباس ٹام فورڑ کا ایک شاہکار تھا۔سیاہ ڈنر جیکٹ کے نیچے اسی رنگ کی ویسٹ کوٹ اور کرکرا سفید شرٹ جس کے کالر پر بنے ننھے سیاہ کرسٹل مدھم روشنی میں چمک رہے تھے۔اس کی کلائی پر پیٹک فلپ کی گھڑی وقت بتانے سے زیادہ اس کی حیثیت کا اعلان کر رہی تھی۔اس سے نظریں چرانا ہمیشہ کی طرح مشکل تھا۔

وہ سب آگے بڑھے۔دائیں اور بائیں سے آنے والے راستے اب ایک سیدھی پتھریلی روش میں تبدیل ہو رہے تھے، جہاں آکر وہ سب اکٹھے ہو گئے۔آگے رئیس اور فجر تھے، ان کے پیچھے ولی اور عروزہ، اور سب سے آخر میں مراد چل رہا تھا۔

فضا میں پھولوں کی مہک اور دھیمے سروں میں بجتی موسیقی گھلی ہوئی تھی۔رئیس نے ایک طائرانہ نظر فجر پر ڈالی اور اپنی مخصوص، گہری آواز میں پوچھا، "کیسی ہو لٹل مس؟"

فجر نے پلٹ کر اسے دیکھا۔اس کے وجود سے اٹھتی خوشبو دماغ خراب کرنے کو کافی تھی۔

"میں تو ٹھیک ہوں، آپ اپنے حالات سنائیں۔ڈارک اسٹارز ابھی تک نظر نہیں آ رہے؟" وہ حوالہ دینا نہیں بھولی تھی۔

اس کے برجستہ سوال اور نڈر لہجے پر رئیس کے سنجیدہ لبوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"خاص ستارے ہمیشہ نظر نہیں آتے۔ کبھی کبھی انہیں گرہن بھی لگ جاتا ہے۔"

"گرہن یا کسی کی نظر؟" فجر نے فوراً لقمہ دیا اور اس کی آنکھوں میں موجود چمک رئیس کو مزید اچھی لگی۔

"اب اتنے بھی کمزور نہیں کہ نظر لگ جائے۔" اس نے آہستگی سے کہا اور اس کی آواز میں چھپی خود اعتمادی ماحول پر چھا گئی۔

وہ لوگ باتوں باتوں میں لان کے مرکزی حصے میں پہنچ گئے۔ اندر کا ماحول کسی خواب سے کم نہ تھا۔ صفدر اور ذرقا پہلے ہی وہاں موجود تھے۔ ذرقا نے سنہرے اور پیسٹل گلابی رنگ کا خوبصورت لہنگا پہنا ہوا تھا جس پر نفیس کام کیا گیا تھا۔ وہ واقعی بہت پیاری لگ رہی تھی اور اس کی خوشی اس کے چہرے سے عیاں تھی۔ صفدر بھی کسی سے کم نہیں لگ رہا تھا۔ سیاہ رنگ کے سوٹ میں وہ بہت وجیہہ اور پر اعتماد نظر آ رہا تھا۔

اندر داخل ہوتے ہی ان کی ٹولیاں الگ ہو گئیں۔ فجر سیدھا لڑکیوں کی جانب بڑھی۔ فروہ اسے دیکھ چکی تھی۔ اس گہرے سبز رنگ کی ایک خوبصورت میکسی پہنی ہوئی تھی۔ گزرے سالوں میں اس کی شخصیت میں ایک واضح نکھار آ گیا تھا۔ وہ پہلے سے زیادہ پر اعتماد اور خوش نظر آ رہی تھی۔

"آخر تم نے اپنی پہچان بنا ہی لی۔" فروہ نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے میں ستائش اور خوشی تھی۔ فجر جواب میں بس مسکرا دی۔

ماحول خوشیوں سے بھرا ہوا تھا۔ لوگ ایک دوسرے سے مل رہے تھے، قہقہے گونج رہے تھے اور موسیقی ماحول کو مزید دلکش بنا رہی تھی۔ اسی دوران رئیس کی نظریں ایک کونے میں کھڑی فلک پر پڑیں۔ وہ کچھ کاروباری شخصیات کے ساتھ کھڑا گفتگو کر رہا تھا۔ پھر اس نے فلک کو فجر کے ساتھ کھڑے دیکھا۔ ایک لمحے کے لیے اس کی بھنویں

سکڑیں۔ پھر جیسے اس کے ذہن میں سب کچھ صاف ہو گیا۔ پروجیکٹ پارٹنر! اس نے فائل میں یہ نام پڑھا تھا مگر فلک کو یہاں دیکھنے کی توقع نہیں تھی۔

تقریب اپنے عروج پر پہنچی۔ منگنی کی رسم ادا کی گئی۔ ذرقا اور صفدر نے سب کی تالیوں اور نیک تمناؤں کے شور میں ایک دوسرے کو انگوٹھی پہنائی۔ ہر چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔

"میں تو اس تقریب سے بھی محروم رہ گیا۔" ولی نہ جانے کہاں سے نمودار ہوا، ہاتھ میں جوس کا گلاس تھامے، فجر کے کان میں سرگوشی کی اور پھر اس کے گرد گھوم کر چلا گیا۔ وہ اسکی پشت گھور کر رہ گئی۔ **پاگل**۔

کچھ دیر بعد جب لوگ اپنی اپنی باتوں میں مصروف تھے، رئیس ان کی جانب بڑھا۔ اس کی آمد نے جیسے پورے ماحول کی توجہ اپنی جانب کھینچ لی۔ فلک نے اسے اپنی طرف آتے دیکھا تو اس کے پیروں تلے زمین نکل گئی۔ وہ وہاں سے کھسکنے ہی لگی تھی کہ فجر نے مضبوطی سے اس کا بازو پکڑ لیا۔

"رکو! ابھی تمہیں اس عفریت سے ملواتی ہوں۔" فجر نے طنزیہ کہا، جبکہ فلک کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ وہ یہاں اس سے ملنے نہیں آئی تھی۔ حالانکہ اس کی آنکھیں صرف ایک جھلک دیکھنے کو ترس رہی تھیں، مگر وہ اپنے نئے رشتے کے ساتھ خیانت نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"ہیلو لیڈیز!" رئیس کی دلکش مسکراہٹ اور گہری آواز نے فلک کے وجود میں سنسنی دوڑا دی۔

"ان سے ملیے، یہ ہیں فلک عالمگیر۔ میری پروجیکٹ پارٹنر۔" فجر نے اس طرح تعارف کروایا جیسے وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے مکمل اجنبی ہوں۔ وہ اس کے نزدیک اجنبی ہی تھے مگر وہ دونوں یوں مل رہے تھے جیسے واقعی اجنبی ہوں جیسے ماضی میں انکا کوئی رشتہ رہا ہی نہ ہو اور جیسے وہ فلک کی اکلوتی محبت نہ ہو۔

"السلام علیکم!" فلک نے اپنے اوپر غضب کا قابو پاتے ہوئے کہا۔ اس کی آواز بمشکل نکلی۔ آج وہ اس سے ایک الگ پہچان کے ساتھ مل رہی تھی۔ رئیس نے کہا تھا کہ مجھ سے ملنے کے لیے تمہیں بلندیوں پر آنا ہو گا، اور آج وہ اس سے پارٹنر کے طور پر مل رہی تھی۔ رئیس نے جواب میں سر کو ہلکا سا خم دیا۔

"سنا ہے آپ کی کتابوں نے مارکیٹ میں کافی آگ لگائی ہوئی ہے۔"

یہ سیدھا سیدھا طنز تھا۔ فلک کا چہرہ سرخ ہوا مگر اس نے خود کو سنبھال لیا۔ اس کی آنکھوں میں ایک نئی چمک ابھری۔

"جو لوگ حقیقت سے انکاری ہیں اور سچ سننے کا حوصلہ نہیں رکھتے، انہیں تو آگ ہی لگے گی۔"

فلک کے اس نڈر جواب پر فجر نے ستائشی نظروں سے اسے دیکھا۔ ایک لمحے کی خاموشی چھا گئی۔ رئیس نے سر جھکایا اور اسکی ایک دھیمی ہنسی گونج گئی۔ یہ ہنسی کسی کا مذاق اڑانے والی نہیں تھی، بلکہ غیر متوقع طور پر ایک ذہین حریف کی تعریف کرنے والی تھی۔ اس لمحے، اس نے فلک کو واقعی دیکھا تھا۔ ایک ایسی عورت کے طور پر جو اب اس کے سامنے کھڑے ہونے کی قابلیت رکھتی تھی اور ہمت؟ وہ بھی آ ہی جاتی۔

اس سے پہلے کوئی کچھ کہتا اس کا فون بج اٹھا۔ وہ دونوں سے ایکسکیوز کرتے ہوئے ایک نسبتاً خاموش گوشے میں چلی آئی۔ یہ جگہ لان کے انتہائی سرے پر تھی، جہاں بڑے گملوں میں لگے پام کے درختوں نے ایک قدرتی پردہ سا بنا رکھا تھا۔ ہلکی روشنی یہاں تک آتے آتے مزید مدھم ہو گئی تھی اور فضا میں پھیلی موسیقی کی آواز بھی ایک دھیمی سرگوشی کی طرح محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے اپنا فون کان سے لگایا۔ فاخرہ کی بے تاب آواز سنائی دی۔

"تمہیں رجب ملا؟ کیسا لگا تمہیں؟ وہ تو کب سے تمہارا انتظار کر رہا تھا۔"

"ابھی تک نہیں ملی میں۔ یہاں رش بہت ہے۔" جب سے وہ اس تقریب میں آئی تھی، نظروں کا ایک انجان حصار تھا جس نے اسے بے چین کر رکھا تھا۔

"اچھا چلو، ملو تو مجھے ضرور بتانا۔" فاخرہ نے کہا اور فون بند ہو گیا۔ فلک نے ایک گہری سانس لی اور اس انجانے احساس کو جھٹکنے کی کوشش کی۔ شاید یہ اس کا وہم تھا، جو اس نئی اور اجنبی صورتحال کی وجہ سے پیدا ہو رہا تھا۔ اس نے فون اپنے پرس میں رکھا اور جیسے ہی وہ پلٹی، اس کا دل دھک سے رہ گیا۔

سامنے ہی ایک خوش شکل نوجوان کھڑا تھا، اس سے چند قدم کے فاصلے پر۔

اس کی عمر اکتیس بتیس سال کے لگ بھگ تھی۔ گہرے نیلے رنگ کے ڈنر سوٹ میں اس کی شخصیت پر وقار اور سلجھی ہوئی لگ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک نرم، دوستانہ مسکراہٹ تھی اور اس کی آنکھیں ذہانت سے چمک رہی تھیں۔ وہ بلاشبہ خوش شکل تھا۔

"السلام علیکم! میں رجب رضا۔" اس نے اپنی گہری اور نرم آواز میں اپنا تعارف کروایا۔

نام سنتے ہی فلک کے دل کی دھڑکن جیسے ہزار گنا بڑھ گئی۔ یہ وہ شخص تھا جس سے ملنے کے لیے وہ یہاں آئی تھی، جس کے نام سے وہ منسوب تھی۔ اس نے گھبرا کر بے اختیار چاروں طرف دیکھا، جیسے فرار کا کوئی راستہ تلاش کر رہی ہو۔ اس کی ہتھیلیوں میں پسینہ اتر آیا۔ سلام کا جواب اس کے حلق میں ہی کہیں اٹک گیا اور بڑی مشکل سے ایک ہلکی سی آواز نکلی۔

"وعلیکم السلام!"

رجب نے اس کی گھبراہٹ محسوس کر لی۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، میں آپ کا منگیتر ہوں، کوئی غیر نہیں۔" اس نے کس قدر نرمی اور اپنائیت سے کہا کہ فلک کو خود پر شرمندگی محسوس ہوئی۔ اس نے بمشکل تھوک نگلا اور اپنے حواس پر قابو پانے کی کوشش کی۔

"مجھے اچھا لگا آپ آئیں۔ مجھے ڈر تھا کہ شاید آپ نہیں آئیں گی۔" رجب نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا اور وہ دونوں آہستہ آہستہ واپس تقریب والے روشن حصے کی جانب چل پڑے۔ وہ بغور فلک کو دیکھ رہا تھا، جو اس گھبراہٹ اور حیا کے عالم میں اور بھی حسین لگ رہی تھی۔

"آنا تو تھا ہی یہ ضروری تھا۔" وہ بس اتنا ہی کہہ سکی۔ اس کی آواز ابھی بھی دبی ہوئی تھی۔

"میں نے آپ کی کتابیں پڑھی ہیں۔" رجب نے موضوع بدلا۔ "آپ بہت اچھا لکھتی ہیں۔ آپ کے الفاظ میں گہرائی ہے، بس کہیں کہیں تھوڑا بچپنا جھلکتا ہے۔"

فلک نے چونک کر آنکھیں پھیلا کر اسے دیکھا۔ یہ تعریف تھی یا تنقید؟ رجب اس کے تاثرات دیکھ کر دھیرے سے ہنس دیا۔

"میرا مطلب ہے کہ ابھی آپ کے تجربات اور مشاہدات میں مزید پختگی آئے گی۔ عمر کے ساتھ ساتھ تحریر خود بخود مزید نکھر جائے گی۔"

وہ خاموش رہی۔ اسے سمجھ نہیں آیا کہ اس بات پر کیا ردِ عمل دے۔ وہ اس کی تحریر کو **'بچپنا'** کہہ رہا تھا، وہ تحریر جو اس کے وجود کا نچوڑ تھی، اس کے زخموں کا مرہم تھی۔ شاید ہر شخص کے لیے بچپنے اور میچورٹی کے لیول الگ الگ ہوتے ہیں۔

ان کی گفتگو جاری رہی۔ رجب اسے اپنے کام، اپنے خاندان اور اپنی پسند ناپسند کے بارے میں بتاتا رہا۔ وہ ایک سلجھا ہوا، تعلیم یافتہ اور خوش اخلاق انسان تھا، لیکن فلک کو اپنے اور اس کے درمیان ایک خلا محسوس ہو رہا تھا۔ ایک ایسا خلا جسے الفاظ پر نہیں کر پا رہے تھے۔

چلتے چلتے رجب اچانک رکا اور اس کی طرف پوری طرح متوجہ ہو کر بولا، "ایک بات پوچھوں اگر آپ برا نہ مانیں؟"

فلک نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"آپ کو کیسے مرد پسند ہیں؟ میری مراد ہے کہ ایک عورت کی نظر میں ایک مرد کو کیسا ہونا چاہیے؟"

یہ سوال غیر متوقع تھا۔ فلک ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گئی۔ اس کی نظروں کے سامنے کئی چہرے گھوم گئے، کئی تلخ یادیں تازہ ہو گئیں۔ پھر اس نے نظر اٹھا کر براہِ راست رجب کی آنکھوں میں دیکھا۔ اس کی آواز اب صاف اور پر اعتماد تھی۔

"ایک مرد کو۔۔۔" اس نے توقف کیا، اور پھر گویا ہوئی۔

"ایک مرد کو محافظ ہونا چاہیے، حاکم نہیں۔

جو زخم بھرے انہیں کریدے نہیں۔

جو پرواز دے، پر نہ کاٹے۔

جس کی محبت رہائی دے، قید نہیں۔

جو ساتھ چلے، پیچھے نہ چھوڑے۔۔"

اس نے یہ کہتے ہوئے رجب کو دیکھا جو ہنس دیا۔ پھر ہاتھ ہلا کر اسے جاری رکھنے کا کہا۔

”جو ڈھال بنے، کمزوری نہیں۔

جو آنسوؤں کو موتی سمجھے، پانی نہیں۔

جو عورت کی کامیابی پر فخر کرے، حسد نہ کرے۔

جو رائے کا احترام کرے، اسے دبائے نہیں۔

جو شخصیت کو نکھارے، اسے بدلے نہیں۔

جو سائبان بنے، قید خانہ نہیں۔

جو خامیاں جانے مگر ان کا ڈھنڈورا نہ پیٹے۔

جس کی نگاہ میں حیا ہو، ہوس نہیں۔

جو ذات پر اعتماد کرے، شک نہیں۔

جو مکمل کرے، ادھورا نہیں۔

جو سکون ہو، آزمائش نہیں۔

جو محبت کرے، احسان نہیں۔

جو عورت کی طاقت کا جشن منائے، اس سے خوف نہ کھائے۔

اور جو عورت کی روح کو چھوئے، صرف اس کے وجود کو نہیں۔“

جب اس نے اپنی بات مکمل کی تو فضا میں ایک گہری خاموشی چھا گئی۔ اس کی ہر بات اس کے احساسات کا عکس تھی۔ رجب چند لمحے اسے دیکھتا رہا، پھر وہ اچانک ہنس پڑا۔ یہ ہنسی توہین آمیز نہیں تھی، بلکہ حیرت اور تفنن سے بھری تھی۔

"ماشاءاللہ! کافی کتابی باتیں کرتی ہیں آپ۔"

اس کے اس ایک جملے نے فلک کے دل میں موہوم سی امید کو توڑا۔ اس نے جو اپنے دل کا فلسفہ بیان کیا تھا، رجب کے لیے وہ محض کتابی باتیں تھیں۔

فلک نے ایک تلخ مسکراہٹ اپنے لبوں پر سجالی۔

"ایک رائٹر سے آپ اور کیا توقع کر رہے ہیں؟ ہماری تو دنیا ہی کتابی ہوتی ہے۔"

"خیر کوشش کر سکتے ہیں۔ کوشش کرنے میں کیا برائی ہے؟" وہ سنجیدگی سے بولا تو فلک اسے دیکھ کر رہ گئی۔

✿••✿••✿••✿

وہ ہاتھ میں ٹھنڈے مشروب کا گلاس تھامے اب لان کے ایک کونے میں رکھی کرسی پر براجمان تھا۔ ایک ٹانگ لمبی تھی اور سمٹی ہوئی جبکہ انداز میں وہی بے نیازی تھی جو اس کی شخصیت کا خاصہ تھی، مگر اس کی گہری، سیاہ آنکھیں بے چین تھیں۔ وہ کسی کو تلاش کر رہی تھیں۔ بھیڑ میں کئی جانے پہچانے چہرے تھے، کاروباری حریف تھے، دوست تھے، مگر اس کی نظریں کسی پر ٹھہر نہیں رہی تھیں۔

پھر اسے فلک نظر آئی، جو کسی کے ساتھ کھڑی دھیمے لہجے میں گفتگو کر رہی تھی۔ ایک لمحے کو رئیس کے تاثرات سخت ہوئے، مگر اگلے ہی لمحے اس نے اپنی گردن ذرا سہ دائیں جانب ڈھلکائی۔۔۔ اور منظر بدل گیا۔

فلک کے عین پیچھے، تھوڑے فاصلے پر فجر کھڑی تھی۔

ایک لمحے کے لیے اسے لگا جیسے وقت تھم گیا ہو۔ پس منظر میں بجتی موسیقی، لوگوں کے قہقہے، ہوا کا شور، سب کچھ جیسے بے معنی ہو گیا۔ اس کی دنیا اس ایک منظر پر آ کر ٹھہر گئی۔ اس کی ساڑھی کا ریشمی پلو اور اس کے گھنے بال، دونوں رات کی ٹھنڈی ہوا میں ایک ساتھ لہرا رہے تھے۔ وہ روحی کی باتیں سن رہی تھی اور اس کے چہرے پر ایک معصوم سی مسکراہٹ تھی۔ وہ اس وقت کتنی مختلف، کتنی پر سکون اور کتنی دلکش لگ رہی تھی۔

اس نے گردن ڈھلکائے، اسی ایک زاویے سے اسے دیکھنا جاری رکھا۔ یہ ایک مکمل نظارہ تھا، ایک جیتی جاگتی تصویر، جس پر جیسے کوئی طلسم قائم ہو گیا ہو۔ یہ وہی لڑکی تھی جو اس کے سامنے آگ اگلتی تھی، جس کی زبان قینچی کی طرح چلتی تھی، جو اس کی ذات کو اسکین کر کے اسے ہراتی تھی اور جو ہر وقت ایک ڈائن کا روپ دھارے رہتی تھی۔ مگر اس لمحے، ہوا میں لہراتے اس کے آنچل اور بالوں کے سائے میں، وہ ایک بھولی بھالی، معصوم سی لڑکی لگ رہی تھی۔ اسکے کتنے روپ تھے؟ وہ یہ جاننے میں لگا ہوا تھا۔

اس نے مشروب کا ایک گھونٹ بھرا، پھر دوسرا، پھر تیسرا۔ آنکھیں ایک پل کو بھی اس منظر سے نہیں ہٹیں۔ اس سے چند قدم آگے کھڑی فلک، جو تکنیکی طور پر اس کے اور فجر کے درمیان تھی، اسے نظر ہی نہیں آئی۔ اس کا وجود جیسے اس طلسمی منظر میں دھندلا کر محو ہو گیا تھا۔ رئیس کی آنکھوں کی سیاہی میں ایک عجیب سی چمک بڑھتی جا رہی تھی، جیسے کوئی بجھا ہوا ستارہ اچانک سے روشنی دینے لگا ہو۔ نا جانے کتنا وقت گزر گیا۔

مراد نا جانے کس لمحے وہاں آیا اور کرسی کھینچ کر اس کے بالکل قریب بیٹھ گیا۔ اس نے اپنی ٹھوڑی مٹھی پر ٹکائی اور غور سے رئیس کو دیکھنے لگا۔

"تو رئیس اورنگزیب کے سینے میں بھی دل دھڑکنے لگا ہے؟"

مراد کی پرسکون مگر گہری آواز نے جیسے شیشے پر پتھر دے مارا ہو۔ طلسم ایک جھٹکے سے ٹوٹ گیا۔ رئیس چونک کر سیدھا ہوا، اس کے چہرے پر ناگواری کی ایک ہلکی سی لہر دوڑ گئی۔ جانے کیوں، مگر اسے مراد کی یہ بے وقت مداخلت شدید بری لگی تھی۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" اس نے ایک گہرا سانس لیا، جیسے اپنے اندر کی کیفیت کو قابو کر رہا ہو۔ فوراً اپنی نظریں فجر سے ہٹالیں۔ اس کے ہٹتے ہی منظر جیسے بے رنگ ہو گیا۔ باقی دیکھنے کے لائق بچا ہی کیا تھا؟ سامنے بیٹھا وہ منحوس مراد عالم؟

مراد مسکرایا۔ "مت بھولو وہ ڈائن ہے۔ تمہارا دل رکھے گی نہیں، کھا جائے گی۔"

"پاگل ہو گئے ہو؟ میں دیکھ رہا تھا کہ وہ منار۔۔۔" رئیس نے اسے گھورا، جان بوجھ کر ایسا نام لیا جس کا خیال بھی اس کے ذہن کے کسی کونے میں نہیں تھا۔

"تم پوری دنیا سے جھوٹ بول سکتے ہو، مجھ سے نہیں رئیس!"

مراد نے اس کی بات کاٹ دی۔ اس کا لہجہ بے تکلف تھا۔ "وہ منار نہیں، فجر ہے۔ اور اب مان بھی لو کہ تمہارے دل میں اس کے لیے کوئی چور چھپا ہے۔"

"میں دل کے ہاتھوں نہیں مر سکتا مراد!" اس بار رئیس نے اپنا رخ پوری طرح اس کی جانب موڑا۔ چند لمحے پہلے اس کی آنکھوں میں جو نرمی اور طلسمی چمک تھی، وہ غائب ہو چکی تھی۔ وہاں اب وہی سرد، بے رحم اور گہری آنکھیں تھیں، ایک **'ڈارک لارڈ'** کی آنکھیں جو کسی جذبے کو خود پر حاوی نہیں ہونے دیتا تھا۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے مگر سچ کہوں تو مجھے اسی بات کا ڈر ہے۔" مراد کا لہجہ اب بھی دوستانہ تھا، وہ اپنے باس سے زیادہ اپنے دوست کا خیر خواہ تھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہو گا۔" رئیس نے اس طرح ہاتھ جھٹکا جیسے کوئی مکھی اڑا رہا ہو۔ "مجھے اس کی شخصیت میں دلچسپی ہے۔" وہ جس طرح جلاتی تھی، تپاتی تھی، حکم چلانے کی کوشش کرتی تھی اور اسکے ارادوں کو اسکین کرتی تھی۔ وہ انداز اسے اچھا لگتا تھا۔ یہ انٹرسٹنگ تھا۔ اس نے خود کو یقین دلانے کی کوشش کی۔

"لیکن تمہاری آنکھیں کچھ اور کہتی ہیں۔" مراد نے ہار نہیں مانی۔ "یہ انٹرسٹنگ نہیں، انٹاکسیکیٹڈ (in لگ رہی ہیں۔ نشے میں دھت۔"

رئیس خاموش رہا۔ مراد تھوڑا آگے جھکا۔

"ایک بات یاد رکھنا، رئیس! دل جب کسی کو منتخب کرتا ہے تو وہ اجازت نہیں لیتا۔ اور تم جتنا اس سے بھاگو گے، یہ اتنا ہی تمہارا پیچھا کرے گا۔"

"تو میں اس کا گلا گھونٹ دوں گا۔" اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"جذبات ایک کمزوری ہیں اور رئیس کو کمزور پڑنے کی اجازت نہیں۔"

"اور اگر یہی کمزوری تمہاری سب سے بڑی طاقت بن گئی تو؟" مراد نے ایک ایسا سوال پوچھا جس کا جواب رئیس کے پاس بھی نہیں تھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہو گا۔ میں دل کے ہاتھوں نہیں مروں گا۔"

اس نے اپنا گلاس اٹھایا اور ایک ہی گھونٹ میں ختم کر دیا۔ مگر اس کی نظریں، اس کے ارادے کے خلاف، ایک بار پھر اسی مہرون ساڑھی میں ملبوس وجود کی طرف اٹھ گئیں، جو اب بھی دنیا و مافیہا سے بے خبر، روحی کے ساتھ ہنس رہی تھی۔ پھر اس نے سر جھٹکا، خود کو یاد دلایا کہ وہ کون تھی اور پھر اٹھ کر وہاں سے واک آؤٹ کر گیا۔ مراد نے گہری نظروں سے اسے بھیڑ میں گم ہوتے دیکھا۔

✿••✿••✿••✿

وہ، فجر کے فری ہونے کے انتظار میں سوکھ کر کانٹا ہوئے جا رہا تھا اور وہ تھی کہ اسے روحی اور فلک سے فرصت ہی نہیں تھی۔ ساری توجہ تو روحی نے لے رکھی تھی۔ رئیس کاروباری لوگوں کے درمیان تھا۔ تب اس کی نظر عروزہ پر پڑی جو فون میں مگن نظر آ رہی تھی جیسے کوئی اہم کام ہو۔ اس نے چند ایک نظریں عروزہ کی جانب اٹھتی محسوس کیں۔ وہ اس کے قریب سے گزرا لیکن جاتے جاتے اسے ایک نئے احساس تلے دبا گیا۔ عروزہ کے لیے ولی ہمیشہ سے ایک پہیلی رہا تھا۔ وہ ایک ایسی کتاب تھی جس کے ورق پلٹنے کا وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی، مگر اب اس کی آنکھوں کی چمک عروزہ کے اندر کچھ کریدنے لگی۔

"دھیان سے روبوٹ! آج میں نے کافی نظروں کو تمہاری جانب اٹھتے دیکھا ہے۔ اب تم انہیں گولی مارو گی یا ان کا سافٹ ویئر اپ ڈیٹ کرو گی یہ مجھے نہیں پتا۔"

عروزہ کا چہرہ ایک لمحے کو حیرت سے خالی ہو گیا، اس کے ہونٹوں پر لگی بھوری لپ اسٹک کے پیچھے ایک غیر مرئی سوال چھپا تھا۔ اس کے اس غیر متوقع جملے پر عروزہ کے چہرے پر ایک سرسری سی مسکراہٹ آئی اور غائب ہو گئی، جیسے وہ اس جملے کے معنی کو اپنے اندر تحلیل کر رہی ہو۔ ولی وہ واحد لڑکا جو اسے رئیس کے ساتھ لاابالی پن میں اچھا لگتا تھا اور جب وہ سنجیدہ ہو کر تباہ کرتا تھا تو مزید اچھا لگتا تھا۔ وہ اسے دیکھتی رہ گئی جو اسے وہیں چھوڑ کر پھر سے اس

حصے کی جانب آ گیا تھا جہاں فجر تھی مگر وہ اس تقریب میں یوں غائب تھی جیسے ہو ہی نہ۔ جیسے روحی کے علاوہ اس تقریب میں اور کوئی بھی نہ ہو۔ اس وقت بھی وہ اس کے ساتھ تھی۔ روحی کے ساتھ کھانا کھا رہی تھی۔ وہ گہری سانس لیتے فلک کے ساتھ بیٹھ گیا۔ نظریں وقفے وقفے سے اس کی جانب اٹھ رہی تھیں۔

"تم اسے پسند کرتے ہو نا؟" فلک نے اس کی آنکھوں کی الوہی چمک دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اس نے چونک کر فلک کو دیکھا، جیسے پوچھ رہا ہو، **"آپ کو کیسے پتا چلا؟"**

"تمہارا چہرہ اور تمہاری آنکھیں سب کہہ دیتی ہیں۔" فلک کے جواب پر وہ ہنس دیا۔ اس کی ہنسی میں ایک عجیب سی شیرینی تھی، جو اس کے دل کے بھید کھول رہی تھی۔

"وہ اچھی لڑکی ہے۔" ولی نے سرگوشی میں کہا۔

"آپ زیادہ اچھی ہیں۔" ولی نے بے ساختہ کہا۔

"جانتے ہو نا رشتہ کیا ہے میرا تم سے؟" فلک نے اس کی تعریف پر اسے چھیڑتے ہوئے پوچھا۔ یہ تو اسے بھی پتا چل گیا تھا کہ وہ رئیس کا بھانجا تھا، افق کا بیٹا۔

"جانتا ہوں اس لیے کہہ رہا ہوں آپ بہت اچھی ہیں۔" ولی کی آنکھوں میں وہی اپنائیت تھی جو ہر سچے جذباتی رشتے میں ہوتی ہے۔

"اور وہ۔۔؟" فلک نے ایک لمحے کو فجر کی جانب اشارہ کیا۔

"وہ تو دل ہے۔ جان ہے۔ جہان ہے۔" وہ آنکھوں میں وہی الوہی چمک لیے بولا۔ اس کے لہجے میں ایک ایسی گہرائی تھی جو صرف محبت میں ڈوبے دل ہی سمجھ سکتے ہیں اور فلک سمجھ سکتی تھی۔ وہ مسکرا دی۔

"ویسے وہ تمہیں کیسے ملی تھی؟" اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

"بس اسٹاپ پہ!" ولی نے ہنس دیا۔ اس کے لیے وہ لمحہ ایک خوبصورت یاد بن چکا تھا۔

"اور آپ کو؟" اس نے فلک کو دیکھا۔

"مجھے بھی۔" فلک بھی ہنس دی۔ اس کی ہنسی میں ایک پرانی کہانی کی بازگشت تھی۔ اس سے پہلے وہ مزید کچھ کہتے فخر کا فون آگیا۔ یقیناً وہ اسے لینے آگیا تھا۔ فلک اسے خدا حافظ کہتے ہوئے اٹھی اور پھر فجر اور روحی سے ملنے کے بعد اس نے گیٹ کی جانب قدم بڑھائے۔

اپنے نام کی پکار پر وہ رُک گئی۔ پیچھے رجب کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سی سنجیدگی تھی۔

"آپ نے مجھے اپنا نمبر نہیں دیا۔" رجب کا لہجہ پرسکون تھا مگر اس کی آنکھوں میں ایک مطالبہ تھا۔

"مجھے لگتا ہے اس کی ضرورت نہیں ہے۔" فلک بمشکل بولی، اس کی نظریں چاروں جانب گھوم رہی تھیں، جیسے کسی کی موجودگی سے ڈر رہی ہو۔ اسے رئیس کی موجودگی کا احساس شدت سے ہو رہا تھا۔ رجب نے غور سے اسے دیکھا۔ اس نے فلک کے چہرے پر پھیلی بے چینی کو محسوس کیا اور اس کے اندر ایک عجیب سی ضد جاگی۔

"رئیس اورنگزیب سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اب تمہارا کچھ نہیں لگتا۔" رجب کے جملے پر وہ ساکت رہ گئی۔ اس کے الفاظ تیر کی طرح دل میں اترے تھے۔ اس لمحے اس نے محسوس کیا کہ جیسے اس کی سانسیں رُک گئی ہوں۔

پہلے وہ کچھ بول نہ پائی۔ پھر اس نے کہنے کو لب وا کیے، مگر رجب نے اسے موقع نہ دیا۔ اس کی آواز میں ایک ایسا حق اور استحقاق تھا جو فلک کو لرزا گیا۔

"پورا قبیلہ جانتا ہے کہ تیرہ سال تم اس کی منگیتر رہی ہو، مگر اب نہیں ہو۔ اب تم میری ہو۔" اس کے لہجے میں حق اور استحقاق تھا۔ یہ صرف ایک دعویٰ نہیں تھا، بلکہ ایک اعلان تھا

جو فلک کو چونکا گیا۔ اس کا گلا خشک ہوا۔ ذہن میں تیرہ سالوں کا سفر ایک دم آنکھوں کے سامنے گھوم گیا۔ رئیس سے اس کا رشتہ، وہ طویل انتظار، اور پھر یہ اچانک آنے والا موڑ۔

"نمبر؟" رجب نے اس کی حالت نظر انداز کی۔ اس کی نظریں صرف نمبر پر مرکوز تھیں۔ فلک نے جلدی جلدی اسے نمبر لکھوایا اور پھر تیزی سے وہاں سے نکلتی چلی گئی۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ پتا نہیں کیوں پر اس کی آنکھوں میں نمی کی تہہ ابھر آئی تھی۔ یہ صرف رجب کے الفاظ کا اثر نہیں تھا، بلکہ ماضی اور حال کی اس کشمکش کا نتیجہ تھا جو اس کے اندر گونج رہی تھی۔

✿••✿••✿••✿

گردیزی ٹیکسٹائل کے وسیع دفتر میں رات کا گہرا سناٹا کسی ان دیکھے بوجھ کی طرح ہر شے پر جما ہوا تھا۔ سنسان راہداریوں میں صرف دیوار پر لگی گھڑی کی ٹک ٹک کی آواز گونج رہی تھی جو وقت کے بے رحم سفر کا اعلان کر رہی تھی۔ اپنے آفس کے عین وسط میں، مہنگی بلوط کی لکڑی سے بنی وسیع و عریض میز کے پیچھے، ارسل برہان گردیزی بیٹھا تھا۔ اس کا چہرہ تیز روشنی والی ٹیبل لیمپ کی زد میں تھا، جس سے اس کی پیشانی پر پڑی فکر کی لکیریں اور آنکھوں کے گرد پڑے سیاہ حلقے مزید نمایاں ہو رہے تھے۔

میز پر کاغذات کا ایک انبار تھا۔ بینک اسٹیٹمنٹس، انشورنس کے پیچیدہ کلیم فارمز، اور سپلائرز کے خطوط کا ڈھیر۔ فیکٹری میں لگنے والی آگ نے گردیزی ٹیکسٹائل کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی اور اب اس ڈوبتے ہوئے جہاز کو بچانے کی

ذمہ داری پوری طرح ارسل کے کندھوں پر تھی۔ وہ پچھلے کئی ہفتوں سے دن کو رات اور رات کو دن کیے ہوئے تھا۔ ہوا میں ٹھنڈی کافی کی تلخ مہک اور ذہنی تھکن کا احساس رچا بسا تھا۔

وہ ایک فائل پر جھکا، اعداد و شمار میں کھویا ہوا تھا کہ اچانک دفتر کے بھاری دروازے پر ایک محتاط سی دستک ہوئی۔ اس وقت یہاں کس کی آمد متوقع ہو سکتی تھی؟ اس نے تھکے ہوئے انداز میں سر اٹھایا۔

"آجائیں۔"

دروازہ کھلا اور ایک وجود اندر داخل ہوا۔ انہیں دیکھ کر ارسل کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ اپنی جگہ پر جیسے جم سا گیا۔

"بابا! آپ؟ اس وقت؟"

برہان گردیزی دروازے میں کھڑے تھے۔ آگ لگنے کے سانحے کے بعد آج وہ پہلی بار دفتر آئے تھے۔ ان کے کندھے معمول سے کچھ زیادہ جھکے ہوئے تھے، چہرے پر ایک ایسی نقاہت اور سادگی تھی جو دیکھنے والے کو ترس کھانے پر مجبور کر دے، مگر ان کی آنکھوں میں ایک ایسی گہری مکاری چھپی تھی جسے پڑھنا ہر کسی کے بس کی بات نہ تھی۔

"تم رات گئے تک یوں خود کو ہلکان کرتے ہو، مجھ سے رہا نہیں گیا۔ سوچا دیکھ آؤں۔" آواز میں شفقت اور فکر مندی گھلی ہوئی تھی۔

ارسل تیزی سے اپنی کرسی سے اٹھا اور ان کا ہاتھ تھام لیا۔

"آپ کو یہاں آنے کی زحمت نہیں کرنی چاہیے تھی۔ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" وہ انہیں سہارا دے کر میز کے سامنے رکھی آرام دہ کرسی پر بٹھاتے ہوئے بولا۔ اس کے لیے اس کا باپ سب کچھ تھا، وہ اس حقیقت سے یکسر بے خبر تھا کہ ان کا حالیہ ہارٹ اٹیک بھی ایک شاطرانہ چال سے زیادہ کچھ نہیں تھا۔

"اب کیسی طبیعت؟ جب اپنی عمر بھر کی کمائی کو یوں راکھ بنتے دیکھوں تو سانس بھی بوجھ لگتی ہے۔" برہان گردیزی نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور دفتر کا جائزہ لینے لگے۔

"سب کیسا چل رہا ہے؟ کچھ سنبھلنے کی امید ہے؟"

اگلے کچھ لمحے کام کے متعلق گفتگو ہوتی رہی۔ ارسل انہیں تفصیل سے بتاتا رہا کہ وہ کس طرح نقصان پر قابو پانے اور کاروبار کو دوبارہ اپنے پیروں پر کھڑا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ برہان گردیزی خاموشی سے سنتے رہے، ان کا چہرہ ہر لمحے مزید سنجیدہ اور متفکر ہوتا جا رہا تھا۔ جب انہیں احساس ہوا کہ ماحول پوری طرح ان کے حق میں ہے، تو انہوں نے اصل موضوع چھیڑا۔

"گھر پر تو ان باتوں کا موقع ہی نہیں ملتا۔ میں تم سے کچھ اور پوچھنا چاہتا تھا۔"

ارسل نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

"ارم کو کب واپس لانے کا ارادہ ہے؟ تین سال ہونے کو ہیں۔"

یہ نام سنتے ہی ارسل کے جبڑے بھینچ گئے۔ اس کے خوش شکل چہرے کے زاویے یکدم بگڑ گئے۔ ہوا میں ایک تناؤ سا پھیل گیا۔ ارم اس کی بیوی تھی۔ وہ عورت جس کے لیے اس کے باپ نے اسے فجر کو چھوڑنے پر مجبور کیا تھا، اور

جس کی سچائی شادی کی پہلی رات ہی اس پر کھل گئی تھی کہ اس کی شادی زبردستی ہوئی ہے اور وہ کسی اور کو چاہتی ہے۔ اسی دھوکے نے ارسل کو اتنا توڑا تھا کہ وہ ملک چھوڑ کر چلا گیا تھا اور اب تین سال بعد لوٹا تھا۔

"میں اس کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتا۔" اس کی آواز میں سرد مہری اور ضبط کی انتہا تھی۔ "میرے ساتھ دھوکا ہوا ہے، بابا! میں نے آپ کی مرضی کی خاطر شادی تو کر لی، لیکن میں ایسی لڑکی کے ساتھ ایک چھت کے نیچے نہیں رہ سکتا جس کے دل اور سوچ پر کوئی اور قابض ہو۔"

انہوں نے گہری نظروں سے اسے دیکھا، جیسے اس کے زخموں کی گہرائی ماپ رہے ہوں۔ پھر ان کے چہرے پر شدید شرمندگی کے تاثرات ابھرے۔

"میں بہت شرمندہ ہوں، ارسل! بہت زیادہ۔ میری وجہ سے تمہاری زندگی برباد ہو گئی۔ مجھے معاف کر دو بیٹا۔" ان کی آواز بھرا گئی۔

یہ سنتے ہی ارسل تڑپ اٹھا۔ "نہیں بابا! آپ ایسے مت بولیں۔ پلیز۔۔" وہ جھک کر ان کے ہاتھ تھام گیا۔

"آپ کی کوئی غلطی نہیں ہے۔ یہ سب میری قسمت کا کھیل ہے۔ آپ خود کو الزام مت دیں۔"

انہوں نے ایک لمحے کو آنکھیں بند کیں۔ جب انہوں نے آنکھیں کھولیں تو ان میں ایک عجیب سی چمک تھی۔

انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ لوہا گرم ہو چکا ہے۔ اب ہتھوڑا مارنے کا وقت تھا۔

"وہ لڑکی؟ کیا نام تھا اس کا؟" انہوں نے جیسے کچھ یاد کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "جسے تم پسند کرتے تھے۔"

اس سوال پر ارسل کے حواس پر جیسے بجلی گری۔ وہ چونک کر سیدھا ہوا۔ اس کے اندر کچھ ٹوٹا تھا۔

"ف۔۔۔ فجر۔۔۔" اس کے لبوں سے بے ساختہ یہ نام ایک سرگوشی کی صورت میں پھسلا۔

"ہاں وہی۔" انہوں برہان نے اثبات میں سر ہلایا، جبکہ کن انکھیوں سے وہ ارسل کی بدلتی ہوئی حالت کا جائزہ لے رہے تھے۔ "کوئی رابطہ ہے تمہارا اس سے؟"

"ن۔۔۔ نہیں۔۔" ارسل نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ جانتا تھا کہ فجر اسے اپنی زندگی سے مکمل طور پر نکال چکی تھی۔

برہان گردیزی کئی لمحے خاموشی سے اسے دیکھتے رہے۔ ان کے چہرے پر گہری سوچ کے آثار تھے۔ پھر انہوں نے ایک ایسا جملہ کہا جس نے ارسل کو ساکت کر دیا۔

"تم چاہو تو اس سے شادی کر سکتے ہو، ارسل! مجھے اب کوئی اعتراض نہیں ہے۔" لہجہ بناوٹی تھکا ہوا تھا۔ "ان حالات نے میری کمر توڑ دی ہے۔ اب میری کوئی ضد، کوئی انا باقی نہیں رہی۔"

ارسل کے سر پر جیسے کسی نے پوری عمارت گرا دی ہو۔ وہ سکتے کے عالم میں اپنے باپ کو دیکھ رہا تھا۔ کیا یہ وہی شخص تھا جس نے فجر کے نام پر گھر میں طوفان کھڑا کر دیا تھا؟

برہان گردیزی اپنی اداکاری میں کمال رکھتے تھے۔ وہ مزید گویا ہوئے، "ہاں بیٹا، مجھے اب کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

کیا اداکار تھا یہ شخص!

ارسل کو خود کو سنبھالنے میں چند لمحے لگے۔ اس کی آواز بمشکل نکلی۔

"وہ۔۔۔ وہ مجھے کبھی قبول نہیں کرے گی۔"

وہ فجر کی فطرت سے واقف تھا۔ وہ چھوڑی ہوئی عادتوں، چیزوں اور لوگوں کو دوبارہ نہیں اپناتی تھی۔

یہ سن کر مسٹر برہان کے چہرے پر دلی افسوس کے تاثرات اتر آئے۔ جیسے انہیں ارسل کی محرومی کا شدید دکھ ہوا ہو۔

"ہوں۔۔۔" انہوں نے گہری سانس لی۔ "تو پھر ایک کام کرو۔ اس سے بات چیت بڑھاؤ۔ پہلے کام کے حوالے سے۔ تم اس کے ساتھ بزنس کرو۔ میں نے سنا ہے اس کا فیشن ہاؤس آج کل بہت نام کما رہا ہے۔ یوں تم دونوں کی دوریاں ختم ہو جائیں گی۔"

ارسل شاک پر شاک سہہ رہا تھا۔

"اس کے ساتھ کوئی کولیبوریشن کرو۔ کوئی بڑا پروجیکٹ شروع کرو۔" وہ اب اسے شطرنج کی چالیں سمجھا رہے تھے۔ "مجھے یاد ہے وہ تمہارے لیے کتنی پاگل تھی۔ یہاں تک آئی تھی۔" وہ لمحہ بھر کو رکے، "یقیناً وہ تمہیں اب بھی پسند کرتی ہو گی۔ بس اس کی انا بیچ میں ہو گی۔ تم ایک قدم بڑھاؤ گے تو وہ دس قدم آگے آئے گی۔"

ارسل ساکت بیٹھا انہیں سنتا رہا۔ اس کا دماغ ماؤف ہو چکا تھا۔ اس کا باپ اسے اس کی محبت واپس دلانے کی بات کر رہا تھا، یا اپنے ڈوبتے ہوئے کاروبار کو بچانے کے لیے فجر کی کامیابی کی سیڑھی استعمال کرنے کا مشورہ دے رہا تھا؟ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ اس کے اندر امید اور بے یقینی کی ایک جنگ چھڑ چکی تھی۔

برہان گردیزی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "سوچنا اس بارے میں۔ کبھی کبھی ڈوبتے کو تنکے کا نہیں، پورے جہاز کا سہارا لینا پڑتا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ اٹھے اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے۔ ارسل وہیں، اپنی جگہ پر بت بنا بیٹھا رہا۔ اس کے کانوں میں اپنے باپ کے آخری الفاظ گونج رہے تھے اور آنکھوں کے سامنے فجر کا وہ چہرہ گھوم رہا تھا جسے اس نے تین سال پہلے خود اپنے ہاتھوں سے ٹھکرا دیا تھا۔

✿••✿••✿••✿

فخر اسے گھر چھوڑ کر دوستوں کے ساتھ جا چکا تھا۔ فلک گاڑی سے اتر کر اندر آئی تو لاؤنج میں فاخرہ اسے منتظر ملی۔ اس کے ہاتھ میں چائے کے دو مگ تھے اور چہرے پر مسکراہٹ۔ وہ اسکی کا انتظار کر رہی تھی۔

"کیسی رہی تقریب؟" فاخرہ نے چائے کا مگ اسے پکڑایا۔

"میں فریش ہو کر آتی ہوں۔" وہ بنا کچھ کہے اوپر کی جانب بھاگی اور پھر چند منٹ بعد لوٹی تھی۔ فاخرہ نے اسکی چائے گرم کر دی۔

"اب بتاؤ کیسا رہا سب؟" وہ متجسس تھی۔

"بس ٹھیک ہی تھی۔ تھک گئی ہوں۔" فلک نے مگ لیتے ہوئے صوفے پر خود کو گرا دیا۔

"رجب کیسا لگا؟" اس نے خود ہی پوچھ لیا۔ چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

فلک نے ایک پھیکی سی نظر اس پر ڈالی۔ "وہی، جیسا قبیلے کا ہر دوسرا مرد ہوتا ہے۔ انا پرست اور حاکمیت جتانے والا۔"

فاخرہ کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ "ارے، ایسا کیوں کہہ رہی ہو؟ فخر تو اس کی بڑی تعریفیں کر رہا تھا۔"

"بھائی تو کریں گے ہی تعریف! مردوں کو مردوں کی یہی ادائیں تو بھاتی ہیں۔" فلک کے لہجے میں استہزاء تھا۔ "وہ مجھ سے ایسے بات کر رہا تھا جیسے میں کوئی بے جان چیز ہوں جس پر اس کا حق ہے۔ اس کے لہجے میں حکم تھا۔" اسے بہت زیادہ توقعات نہیں تھیں مگر پھر بھی عجب کی آخری باتوں نے اسے پریشان کر دیا تھا۔

"تم جانتی تو ہو ہمارے ہاں کا ماحول۔ مرد کا تھوڑا رعب ہی اس کی پہچان ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ برا ہے۔ وہ تمہاری حفاظت کرے گا، تمہیں عزت دے گا۔ رئیس کے تجربے کی وجہ سے ہر کسی کو شک کی نظر سے مت دیکھو۔"

اسکے منہ سے رئیس کا نام سن کر فلک کے اندر کچھ ٹوٹا۔

"میں تیرہ سال ایک ایسے ہی رعب والے مرد کے نام پر بیٹھی رہی جس کے لیے میرا وجود ایک رسمی معاہدے سے زیادہ کچھ نہیں تھا۔ اب مجھ میں ہمت نہیں کہ کسی اور کی انا کو سہارا دوں۔" وہ تلخ ہو رہی تھی۔

فاخرہ اس کے قریب ہو کر بیٹھ گئی اور نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "میں سمجھتی ہوں، لیکن رجب، رئیس نہیں ہے۔ اسے ایک موقع تو دے کر دیکھو۔"

"اس نے مجھ سے میرا نمبر اس طرح مانگا جیسے کوئی حکم دے رہا ہو، جیسے انکار کی کوئی گنجائش ہی نہ ہو۔"

"تو اس میں کیا غلط تھا؟ وہ تم میں دلچسپی رکھتا ہے، تم سے رشتہ رکھنا چاہتا ہے۔" فاخرہ کو اس پر حیرت ہوئی۔

"یہ دلچسپی نہیں، یہ قبضہ کرنے کی خواہش ہے۔" فلک نے تلخی سے کہا۔ "مجھے ایسا شخص نہیں چاہیے جو مجھے اپنی جاگیر سمجھے۔ میں تھک گئی ہوں ایسے مردوں سے۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اسے وقت دو۔"

فلک نے نفی میں سر ہلایا اور آنکھیں بند کر لیں۔ "مجھے کچھ نہیں سوچنا۔"

فاخرہ نے گہرا سانس لیا اور خاموش ہو گئی۔ وہ جانتی تھی کہ اس وقت بحث کرنا بیکار تھا۔ فلک ماضی کے زخموں میں گھری ہوئی تھی اور حال کی یہ دستک اسے خوفزدہ کر رہی تھی۔

✿••✿••✿••✿

گاڑی ترنم ہاؤس کے گھر کی طرف جانے والی پر سکون سڑک پر مڑ گئی۔ وہ کن انکھیوں سے فجر کو دیکھ رہا تھا جو خاموشی سے باہر دیکھ رہی تھی۔

"ویسے بڑی حیرت کی بات ہے۔" ولی نے آخر کار کہا۔

فجر نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ "کیا؟"

"یہی کہ جسکی آج باتیں نہیں ختم ہو رہی تھیں اس نے آج پوری تقریب میں مجھ سے دو جملے بھی ڈھنگ سے نہیں بولے۔ یہ توانائی بچا کر کہاں لے جانی ہے؟" اس کے لہجے میں شکایت سے زیادہ چھیڑ چھاڑ تھی۔

"میں اپنی توانائی ہر کسی پر ضائع نہیں کرتی۔"

"بار بار کیوں بھول جاتی ہیں کہ میں شوہر ہوں؟"

"مفت کا شوہر کہنا ٹھیک رہے گا؟" اسکا انداز بھی تپانے والا تھا۔

"چلیں شکر ہے آپ کو اس بات کا احساس تو ہے۔ مفت میں ملا ہوں، مگر ہوں بڑا قیمتی۔ دیکھنا، لوگ رشک کریں گے آپ پر۔" وہ اس کے اعتماد پر حیران ہوئی۔

"کیوں بھلا؟" فجر نے بے نیازی سے پوچھا۔ رخ اس کی جانب موڑ لیا۔

"کیونکہ ڈیفالٹ پیس ہر کسی کی قسمت میں نہیں ہوتا۔" اس نے فخریہ انداز میں کہا اور پھر لہجہ نرم کرتے ہوئے پوچھا، "مذاق ایک طرف، لیکن سچ میں، آپ خوش تو ہیں نا؟"

اس کے اچانک سنجیدہ سوال پر فجر چونکی۔ یہ ولی کا خاص انداز تھا، ہنسی مذاق کے تتلی جیسے جملوں کے بیچ ایک سنجیدہ اور گہرا لمحہ چرا لینا۔

"کس بات سے؟" وہ دھیرے سے بولی۔

"اسی بات سے کہ میں آپ کو مل گیا ہوں۔" ولی نے گاڑی اس کے گیٹ کے سامنے روکتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھوں میں اب کوئی شرارت نہیں، صرف ایک گہری، اپنائیت بھری چمک تھی۔

"کیوں تم سونے کے بنے ہو؟" ابرو اچکا کر پوچھا۔ وہ ہنس دیا۔

"نینسی کہتی تھی کالج میں لڑکیاں مجھ پر مرتی تھیں۔" اس نے کس قدر سنجیدگی سے کہا۔ فجر نے ایک نظر اسے دیکھا۔

"ایسی لڑکیاں مر ہی جائیں تو بہتر ہیں۔" وہ تپ گئی۔ پتا نہیں کیوں۔

"اور میرا کیا ہو گا؟"

"تمہیں تو میں سنبھال لوں گی۔" بے ساختہ اس کے لبوں سے پھسلا مگر اگلے ہی پل اسے احساس ہو چکا تھا کہ وہ کیا بول گئی۔

ولی کے چہرے پر دنیا جہان کی چمک امڈ آئی۔ وہ بے ساختہ ہنس دیا۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" تڑپ کر صفائی دی گئی۔

"بیگم آپ مجھے سنبھال لیں، آپ کی دنیا میں سنبھال لوں گا۔" اس نے اسٹیرنگ پر چہرہ ٹکاتے کس قدر دلکشی سے کہا۔

"گیٹ کھل چکا ہے اندر چلو۔" وہ رخ موڑ کر بولی۔ خود پر ہزار ملامتیں بھیجیں۔ وہ گاڑی گھر کے اندر لے گیا۔

جب وہ اپنی ساڑھی سنبھالتے ہوئے اترنے لگی تو اس نے گاڑی لاک کر دی۔

فجر نے تیوری چڑھا کر اسے دیکھا۔

"پوچھیں گی نہیں آپ مجھے کیسی لگتی ہیں؟" وہ سنجیدہ تھا البتہ آنکھوں کی الوہی سی نرم چمک قائم رہی۔ فجر نے کندھے اچکا دیئے۔

"دل لگتی ہیں۔ جان لگتی ہیں۔ جہان لگتی ہیں۔" وہ ہولے سے بائیں ہاتھ سے اس کے گال کو سہلاتے ہوئے بولا۔

فجر کئی لمحے اسے دیکھتی رہی۔

"گڈ نائٹ!" وہ محبت سے بولا ساتھ ہی گاڑی کا لاک ٹک سے کھل گیا۔

وہ بنا کچھ کہے گاڑی سے اتر کر اندر کی جانب بڑھ گئی۔ کبھی کبھی کچھ باتوں کے جواب نہیں ہوتے۔ وہاں خاموشی بہتر رہتی ہے۔

✿••✿••✿••✿

وقت ایک ایسا دریا ہے جو کبھی رُکتا نہیں، اور اس دریا کے بہاؤ نے گزشتہ کچھ چند دنوں میں سب کی زندگیوں کے کنارے بدل ڈالے تھے۔ تقریب کی رات جیسے ایک سنگِ میل تھی، جس کے بعد ہر کوئی اپنی نئی راہ پر گامزن ہو گیا تھا۔

فجر اپنی گھومنے والی کرسی پر بیٹھی، تھری ڈی ماڈلنگ سافٹ ویئر پر کاسٹیومز کے نئے ڈیزائنز کو حتمی شکل دے رہی تھی۔ اس کی انگلیاں کی بورڈ پر تیزی سے حرکت کر رہی تھیں اور چہرے پر مکمل انہماک تھا۔ وہ اپنی دنیا میں مگن تھی، ایک ایسی دنیا جسے اس نے اپنے خون پسینے سے بنایا تھا۔

تبھی میز پر رکھے انٹر کام کی تیز گھنٹی نے اس کی توجہ توڑ دی۔ اس نے قدرے جھنجھلا کر ریسیور اٹھایا۔

"یس؟"

"میڈم! آپ کے لیے کسی ارسل برہان کی کال ہے۔ وہ آپ سے فوراً بات کرنا چاہتے ہیں۔" ریسیپشنسٹ کی آواز ابھری۔

ایک لمحے کو دنیا ساکت ہو گئی۔ "**ارسل برہان**" یہ نام نہیں تھا، ماضی کا ایک گہرا زخم تھا جو اچانک ہرا ہو گیا۔ فجر کے ہاتھ میں ریسیور لرز اٹھا۔ اس کے چہرے کا رنگ، جو لمحہ بھر پہلے کامیابی کی تمکنت سے چمک رہا تھا، ایک دم فق ہو گیا۔ تین سال، پورے تین سال اور کچھ مہینے گزر چکے تھے۔ وہ شخص جو کبھی اس کی سب سے بڑی چاہت اور پھر سب سے بڑی نفرت بنا، اسے آج اس کی یاد کیسے آ گئی؟

"میں ایسے کسی شخص کو نہیں جانتی۔" اس کی آواز بمشکل نکلی۔ "دوبارہ ان کی کال آئے تو کہہ دیجیے گا کہ میں مصروف ہوں۔"

اس نے ریسیور پٹخ دیا، جیسے کسی زہریلے سانپ کو خود سے دور کیا ہو۔ مگر دماغ میں کھلبلی مچ گئی تھی۔ ماضی کے وہ تمام منظر ایک ایک کر کے آنکھوں کے سامنے گھوم گئے۔ اس کے وعدے، اس کا انکار، اس کی بے وفائی اور وہ ذلت جو فجر کے حصے میں آئی تھی۔ وہ شخص شادی شدہ تھا پھر آج کیوں اسے فون کیا تھا؟

ابھی وہ اپنے بکھرے ہوئے حواس مجتمع کر ہی رہی تھی کہ انٹر کام کی گھنٹی دوبارہ بجی، اس بار زیادہ ضد اور تسلسل کے ساتھ۔

فجر نے آنکھیں میچ کر خود کو پر سکون کیا اور ریسیور اٹھایا۔

"میڈم، وہ کہہ رہے ہیں کہ اگر آپ نے بات نہیں کی تو وہ خود منار آجائیں گے۔ کہہ رہے ہیں بہت ضروری ہے۔"

فجر کے جبڑے بھنچ گئے۔ دماغ فوراً الٹ گیا۔

"ٹھیک ہے۔ کرواؤ بات۔" اس نے سرد لہجے میں کہا اور خود کو ذہنی طور پر تیار کیا۔ اس نے اپنی پیٹھ سیدھی کی، چہرے پر ایک پیشہ ورانہ اور سرد تاثر سجایا۔ جیسے وہ اسے دیکھ رہا ہو۔

وہ اب تین سال پرانی بے سہارا فجر نہیں تھی۔ وہ منار فیشنز کی مالک تھی۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد لائن جڑ گئی۔

"ہیلو؟" اس کی آواز برف کی طرح سرد اور بے تاثر تھی۔

"کیسی ہو فجر؟" دوسری جانب سے ایک ایسی آواز آئی جس میں حد درجہ مٹھاس اور اپنائیت گھلی ہوئی تھی۔ یہ وہی لہجہ تھا جس نے کبھی فجر کو اپنا گرویدہ کیا تھا۔ آج یہی لہجہ زہر کی طرح محسوس ہوا۔ فجر کے لبوں پر ایک استہزائیہ مسکراہٹ ابھری، جو اس کی آنکھوں تک نہ پہنچ سکی۔ ہیزل آنکھوں میں آج بھی اذیت گھلی تھی۔

"معاف کیجیے گا، کیا میں آپ کو جانتی ہوں؟" اس نے لہجے میں مکمل غیر شناسائی سمو کر پوچھا۔

دوسری طرف ایک لمحے کی خاموشی چھا گئی۔ شاید ارسل کو ایسے استقبال کی امید نہیں تھی۔

"میں ارسل برہان گردیزی ہوں۔ گردیزی ٹیکسٹائلز کا ڈائریکٹر۔" اس نے اپنا تعارف کرواتے ہوئے اپنے نام اور عہدے پر زور دیا۔

"اوہ، گردیزی ٹیکسٹائلز۔ فرمایئے، میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں؟" اسکا لہجہ اب بھی کاروباری اور فاصلے پر تھا۔

"فجر، کیا ہم۔۔۔ کیا تم مجھ سے نارمل طریقے سے بات نہیں کر سکتیں؟" اس کے لہجے میں اب ایک التجا تھی۔

"میں ہمیشہ ایسے ہی بات کرتی ہوں۔ شاید آپ نے غلط نمبر ملا لیا ہے۔ آپ کو کس سے کام ہے؟"

ارسل نے ایک گہری سانس لی، جس کی آواز فجر کو صاف سنائی دی۔

"ہماری کمپنی تمہاری کمپنی کے ساتھ ایک کولیبوریشن کرنا چاہتی ہے۔ ہم ایک نیا کپڑا لانچ کر رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ منار اسے ڈیزائن کرے، کچھ کاسٹیومز تیار کرے۔۔"

"پروجیکٹ کی تفصیلات میری کمپنی کو ای میل کر دیں۔ اگر ہمیں دلچسپی ہوئی تو آپ سے رابطہ کر لیا جائے گا۔"

اس نے ارسل کی بات کاٹی۔ فون بند کر کے، ریسیور واپس اپنی جگہ پر رکھا، مگر اس کی نظریں خلا میں کہیں کھو سی گئی تھیں۔ چہرے پر استہزاء اور تلخ مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

تو آخر وہ وقت آ ہی گیا تھا۔ وہ لمحہ جس کے لیے اس نے دن رات ایک کر دیئے تھے۔ اس نے خود سے عہد کیا تھا کہ وہ اپنا نام اتنا اونچا کر لے گی کہ اس سے بچھڑنے والے، اسے ٹھکرانے والے اس تک پہنچنے کی خواہش کریں گے۔ اور آج، ارسل برہان گردیزی خود چل کر اس کے دروازے پر آ گیا تھا۔

اس نے بے دم ہو کر خود کو کرسی کی پشت پر گرا دیا۔ آج ولی نہیں آیا تھا اور اسے اس وقت عجیب سا خوف محسوس ہوا۔

دماغ ایک پل کے لیے ماؤف ہو گیا تھا۔ یہ تو طے تھا کہ اس کی زندگی میں اب ارسل کے لیے رتی برابر بھی جگہ نہیں، لیکن اس کا یوں لوٹ کر آنا محض ایک کاروباری معاہدے کی وجہ سے تھا؟ یا وہ اس کی زندگی میں دوبارہ کوئی جگہ بنانے آیا تھا؟ یا پھر وہ اس کی محنت سے بنائی گئی دنیا کو برباد کرنے کے لیے لوٹا تھا؟

اس کا جواب صرف آنے والا وقت ہی دے سکتا تھا۔ اور فجر جانتی تھی کہ یہ وقت آسان نہیں ہو گا۔

✿••✿••✿••✿

شام کے سائے گہرے ہو کر رات کی سیاہی میں بدل رہے تھے۔ منار فیشنز کی وسیع و عریض عمارت میں دن بھر کی بھاگ دوڑ کے بعد اب ایک عجیب سی خاموشی رچنے لگی تھی۔ ملازمین جا رہے تھے۔ آج ولی کی غیر موجودگی اسے شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ اس کا کام جیسے بکھرا پڑا تھا۔ کتنی ہی چھوٹی چھوٹی چیزیں، جنہیں ولی چٹکیوں میں حل کر دیا کرتا تھا، آج پہاڑ جیسی لگ رہی تھیں۔ کئی مہینوں میں یہ اس کی پہلی چھٹی تھی اور آج ہی فجر کو احساس ہوا تھا کہ وہ اس کے نظام کے لیے کتنا ناگزیر ہو چکا تھا۔

وہ جھنجھلائی ہوئی سی اپنی پیشانی مسلتی، ہاتھ میں ڈیزائن کی فائل تھامے سیڑھیاں اتر رہی تھی۔ ہلکے بھورے رنگ کی کاٹن کی بیگی پینٹ پر گہرے بھورے رنگ کا ٹاپ، بال جوڑے کی شکل میں ایک ریشمی رومال میں قید، اور ٹاپ کی آستینیں بے پروائی سے کہنیوں تک چڑھی ہوئیں۔ کلائی میں ایک نازک سا بریسلٹ اس کی ہر حرکت پر ہلکی سی چمک پیدا کر رہا تھا۔ اس کا پورا وجود مصروفیت اور تھکن کی تصویر بنا ہوا تھا۔

جیسے ہی اس نے آخری چند سیڑھیاں عبور کیں، اس کے قدم وہیں جم گئے۔ سامنے ویٹنگ ایریا کے صوفے پر وہ شخص بیٹھا تھا جس کے خیال سے بھی اب اسے گھن آتی تھی۔ **ارسل برہان گردیزی!** وقت جیسے ایک پل کو پھر سے تھم گیا تھا، بالکل صبح کی فون کال کی طرح۔ وہ اس کی یہاں موجودگی کی ہرگز توقع نہیں کر رہی تھی۔

اسے سیڑھیاں اترتے دیکھ کر ارسل کی نظریں بھی اسی پر ٹھہر گئیں۔ ایک لمحے کے لیے اس کی سانس جیسے سینے میں ہی اٹک گئی۔ وہ پہلے سے کئی گنا زیادہ خوبصورت لگ رہی تھی۔ مگر یہ وہ کچے ذہن والی، خوابوں میں رہنے والی لڑکی کی خوبصورتی نہیں تھی۔ یہ ایک پر اعتماد، خود مختار اور کامیاب عورت کے رتبے اور طاقت کی خوبصورتی تھی جو اس کے انگ انگ سے عیاں تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک ایسی چمک تھی جو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

فجر نے ایک تیز نظر ارسل پر ڈالی، جس نے اسے دیکھ کر ہاتھ ہلانے کی ایک ناکام سی کوشش کی، اور پھر اپنی توجہ گھبرائی ہوئی ریسپشنسٹ پر مرکوز کر دی جو تیزی سے اس کی جانب لپک رہی تھی۔ وہ بھی سیڑھیاں اتر کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"آئی ایم سوری میڈم! لیکن یہ کہہ رہے تھے کہ آپ کو اطلاع نہ دی جائے۔ یہ انتظار کر لیں گے۔ انہوں نے کہا کہ یہ آپ کے خاص دوست ہیں۔" وہ بے چاری اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کانپ رہی تھی۔

فجر نے ایک گہری سانس لی، جیسے اپنے اندر اٹھتے طوفان کو قابو کر رہی ہو۔ پھر وہ ٹھوس قدم اٹھاتی ہوئی ارسل کی جانب بڑھی۔ قیمتی ڈریس پینٹ اور شرٹ میں ملبوس وہ ہمیشہ کی طرح نک سک سے تیار تھا۔ اسے اپنی جانب آتے دیکھ کر ارسل کی آنکھوں کی چمک جیسے اور بڑھ گئی۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"السلام علیکم!" جیسے ہی وہ قریب آئی، ارسل نے مانوس لہجے میں سلام کیا۔

"آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟" فجر کی آواز میں کوئی تاثر نہیں تھا، مگر اس کا دماغ غصے سے گھوم رہا تھا۔ صبح کی گفتگو کے بعد اس کا یہاں چلے آنا اس کی ڈھٹائی کی انتہا تھی۔

"تم سے ملنا تھا، ضروری بات کرنی تھی۔ کام کے حوالے سے بھی۔" اس کے لہجے میں وہی پرانی بے تکلفی تھی، جیسے ان سالوں میں کچھ بدلا ہی نہ ہو۔

"میں نے آپ سے کہا تھا کہ پروجیکٹ کی تفصیلات ای میل کر دیں۔" وہ اب واضح طور پر برہم نظر آ رہی تھی۔ اس کا دل پسلیوں سے ٹکرا رہا تھا اور چہرے پر خون کا دباؤ بڑھنے سے ہلکی سرخ رنگت ابھر رہی تھی۔ وہ یہاں کوئی تماشا نہیں چاہتی تھی، اس لیے خود پر ضبط کیے کھڑی تھی۔

"فجر کیا ہم بیٹھ کر بات نہیں کر سکتے؟" اس کی آواز میں اب ایک ملائمت تھی، ایک التجا تھی۔

"میں آپ سے کسی قسم کی بات کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتی۔ آپ کو یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ جائیں یہاں سے۔" یہ کہتے ہوئے وہ واپس مڑنے لگی۔ وہ اس کی ہیزل آنکھوں کے آئینے میں شناسائی کا کوئی رنگ نہیں دیکھ پایا تھا۔ اسے دیکھ کر ارسل کو ایک لمحے کے لیے اپنے اندر زندگی اترتی محسوس ہوئی۔ کاش! کاش اس نے یہ ہیرا نہ گنوایا ہوتا۔

"فجر پلیز۔" وہ بے اختیار اس کے پیچھے لپکا۔

وہ رکی۔ اس بار اس کی آنکھوں میں سرد مہری کے سوا کچھ نہیں تھا۔

"مسٹر ارسل! اگر آپ یہاں سے ابھی اور اسی وقت نہیں گئے تو میں سیکیورٹی کو بلالوں گی۔ وہ آپ کو دھکے دے کر باہر نکالیں گے۔ نہیں خیال ہے کہ گردیزی ٹیکسٹائلز کے ڈائریکٹر کو یہ سب اچھا لگے گا۔" اس کا لہجہ سپاٹ، سرد اور حتمی تھا۔ ایک ایک لفظ واضح اور دوٹوک۔

ارسل کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ یہ بے عزتی ناقابلِ برداشت تھی۔

"تم۔۔۔ تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتیں۔" اس کے لبوں سے شکوہ پھسلا۔

جبکہ فجر کے لبوں پر ایک تلخ، استہزائیہ مسکراہٹ ابھری۔

"میں جتنا برا کر سکتی ہوں، آپ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ناؤ گیٹ آؤٹ!"

اس کے ٹھنڈے، بے رحم لہجے نے ارسل کے وجود پر جیسے برف کی سل رکھ دی ہو۔ اس کا چہرہ خفت اور غصے سے تمتما اٹھا۔ وہ واقعی بدل چکی تھی۔ وہ لڑکی جو کبھی اس کے لیے آنسو بہاتی تھی، آج اسے اپنی سلطنت سے نکل جانے کا حکم دے رہی تھی۔ بزنس تو دور کی بات، وہ تو اس کی شکل دیکھنے کی بھی روادار نہیں تھی۔ ارسل نے چند لمحے اسے دیکھا، اس کی آنکھوں میں اپنے لیے نفرت کی شدت کو محسوس کیا، اور پھر اس کی مردانہ انا جاگ اٹھی۔

"اچھا نہیں کر رہی ہو تم۔۔۔" اس نے انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔

"آؤٹ!" فجر ایک قدم آگے بڑھی اور سیدھا اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر حکم دیا۔ اس کی آواز میں ایسی کاٹ تھی کہ ارسل ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

وہ اس پر ایک آخری شکست خوردہ نظر ڈال کر تیزی سے شیشے کے دروازے کی جانب بڑھ گیا اور اسے دھکیلتا ہوا باہر نکل گیا۔

جیسے ہی وہ نظروں سے اوجھل ہوا، فجر کے مضبوطی سے بندھے ہاتھ بے دم ہو کر اس کے پہلوؤں میں گر گئے۔ ریسپشن پر خاموشی چھا گئی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں مگر ارسل کا ذلت آمیز چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے گھومتا رہا۔

آج اس نے اپنا ایک قرض چکا دیا تھا۔ مگر اس کی قیمت پر ملنے والا سکون بہت تکلیف دہ تھا۔ اسے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔

✿••✿••✿••✿

گردیزی ٹیکسٹائلز کے ہیڈ آفس کی سب سے اونچی منزل پر بنے ایگزیکٹو دفتر میں ایک ناقابلِ برداشت تناؤ تھا۔ دشمن کا دشمن، دوست ہوتا ہے، اور یہ مقولہ اس وقت شیشے کی دیواروں والے اس کمرے میں مجسم نظر آ رہا تھا۔

ارسل برہان گردیزی اپنی چمڑے کی کرسی میں دھنسا، جبڑے بھینچے بیٹھا تھا۔ اس کی سفید شرٹ کی آستینیں کہنیوں تک چڑھی ہوئی تھیں اور بازوؤں کی ابھری ہوئی نسوں کے ساتھ ساتھ گردن کی رگیں بھی غصے اور ذلت سے تنی ہوئی تھیں۔ اس کی آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں، جیسے اندر جلتی آگ کا عکس باہر بھی نظر آ رہا ہو۔ منار فیشنز میں ہوئی تذلیل کا زہر اس کے پورے وجود میں پھیل چکا تھا۔

”تم ان لوگوں کی اصلیت سے واقف نہیں تھے ارسل! اب معلوم ہوا؟ وہ لڑکی کس خاندان سے ہے؟ رئیس اورنگزیب کے خاندان سے! ان مغرور لوگوں کا سر کچلنے کا وقت آ گیا ہے۔“ رجب رضا کی سرد آواز کمرے میں گونجی۔ وہ شیشے کی دیوار کے پاس کھڑا، نیچے پھیلے شہر کو یوں دیکھ رہا تھا جیسے وہ اس کا اگلا شکار ہو۔ اس کی آنکھوں میں دبی دبی چنگاریاں تھیں اور لہجے میں ایک حساب برابر کرنے والی تسکین۔ وہ ارسل کا پرانا دوست تھا، اور جب اسے

پتا چلا کہ برہان گردیزی، رئیس اورنگزیب کا پرانا کاروباری دشمن رہ چکا ہے۔ تو اس نے فوراً ان سے ہاتھ ملا لیا۔ آج اس نے فجر اور رئیس کے خاندانی تعلق کی سچائی ارسل کے گوش گزار کی تھی۔

اس نے اپنی بات جاری رکھی، لہجے میں اب ذاتی انتقام کی تلخی گھل گئی تھی۔

"رئیس اورنگزیب نے میری بہن کو بیوہ کیا تھا اور پھر ڈرا دھمکا کر میری بہن کا منہ ہمیشہ کے لیے بند کروا دیا۔ اب وقت ہے کہ ان کی عورتوں کو رلایا جائے۔ ان کی شناخت، ان کے غرور کو مسخ کیا جائے۔"

جازب لغاری، رجب رضا کا بہنوئی تھا۔ یہ سن کر ارسل نے کوئی تاثر نہ دیا، مگر رجب کی ہر بات اس کے اندر کی آگ پر تیل کا کام کر رہی تھی۔ فجر کا وہ پر اعتماد، خوبصورت چہرہ بار بار اس کی آنکھوں کے سامنے لہرا رہا تھا، مگر اب اس میں محبت یا چاہت کا شائبہ تک نہ تھا۔ وہ لڑکی۔۔۔ وہ لڑکی جس نے کبھی اسے اپنی دنیا کا محور بنا رکھا تھا۔ آج اس نے اسی کو اپنے دفتر سے دھکے دے کر نکال دیا تھا۔ ارسل کے دل میں جو محبت کی دبی ہوئی چنگاریاں دوبارہ جاگنے لگی تھیں، وہ اب شدید غصے اور نفرت کے الاؤ میں بدل چکی تھیں۔ وہ اس کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتی تھی؟

"تم اپنا بدلہ لو۔" ارسل کی آواز کسی گہری کھائی سے آتی محسوس ہوئی۔ "مجھے کیا کرنا ہے، میں اچھی طرح جانتا ہوں۔"

رجب مسکرایا۔ وہ جانتا تھا کہ تیر نشانے پر لگا تھا۔

"خیر تمہاری اس ذاتی لڑائی کے لیے میرے پاس ایک سرپرائز ہے۔" وہ پلٹا اور میز پر رکھے اپنے فون کو اٹھایا۔ اسکرین پر چند لمحے انگلیاں پھیرنے کے بعد اس نے فون ارسل کے سامنے کر دیا۔

ایک ویڈیو پلے ہوئی۔ منظر کسی ریستوران کا تھا۔ تاریخ پرانی تھی۔ ویڈیو کا معیار بہت اچھا نہیں تھا، مگر کردار واضح تھے۔ فجر، تین سال پرانی فجر اس کا بازو پکڑے کھڑی تھی۔

"ارسل پلیز! مجھے مت چھوڑیں۔ پلیز مجھ سے بات کریں۔" اس کی آواز ٹوٹ رہی تھی، آنسوؤں سے بھری تھی۔

ارسل جو کرسی میں دھنسا ہوا تھا، جھٹکے سے سیدھا ہو بیٹھا۔ اس کی آنکھیں اسکرین پر گڑ گئیں۔

ویڈیو میں منظر آگے بڑھا۔ وہ اس کا ہاتھ جھٹک رہا تھا۔ اور فجر، منار فیشنز کی مغرور مالک، اس کے قدموں میں بیٹھ چکی تھی۔ وہ رو رہی تھی، گڑگڑا رہی تھی، اور وہ اسے ٹھکرا کر جا رہا تھا۔ یہ منظر صرف ولی کے کیمرہ نے قید نہیں کیا تھا، کسی اور نے بھی کیا تھا، اور آج یہ ارسل کے سامنے تھا۔ یہ دیکھتے ہی اس کی سرخ آنکھوں میں ایک وحشی چمک ابھری۔ ذلت کا سارا احساس ایک لمحے میں برتری کے نشے میں بدل گیا۔

"یہ بزنس کی دنیا ہے میرے دوست۔ یہاں ایمانداری یا محبت سے کچھ نہیں ملتا۔ جھپٹنا پڑتا ہے، چھیننا پڑتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ چھوٹی سی یادداشت تمہارے بہت کام آئے گی۔" رجب نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

ارسل، جس نے پچھلے چند دنوں میں فجر کو دوبارہ پانے کے حسین خواب دیکھے تھے، اب اس کی انا چیخ چیخ کر اسے توڑنے، پھوڑنے اور اپنے قدموں میں دوبارہ جھکانے کا مطالبہ کر رہی تھی۔

"وہ تمہارے پاس خود آئے گی۔ تمہارے قدموں میں پھر سے بیٹھی ہو گی، جیسے پہلے بیٹھی تھی۔ ذرا اسے اس کا یہ ماضی یاد تو دلاؤ۔"

رجب رضا کی آواز میں اتنی کمینگی تھی کہ اس کے زہر کا اثر سیدھا ارسل کی روح تک اتر گیا۔ اس کے لبوں کے کونے دھیرے دھیرے ایک سفاک اور کمینی مسکراہٹ میں پھیل گئے۔

ہاں۔ فجر معراج کو ہر حال میں اس کے آگے جھکنا تھا۔ دنیا چاہے ادھر کی ادھر ہو جائے۔

✿••✿••✿••✿

الحمراء ہال کے مخملیں پردوں اور گہرے رنگ کے قالینوں نے باہر کی دنیا کا شور اپنے اندر جذب کر لیا تھا۔ یہاں ایک الگ ہی کائنات آباد تھی۔ ہوا لوبان اور عطر کی ملی جلی خوشبو سے معطر تھی اور فضا میں صرف ایک ہی آواز گونج رہی تھی۔ ڈھول کی گہری، روحانی اور بے ساختہ تھاپ۔ چھت سے لٹکتے ہوئے فانوس کی مدھم، زرد روشنی میں اسٹیج پر موجود ملنگ ایک وجد کے عالم میں تھے۔

رئیس پہلی قطار میں، ایک آرام دہ صوفے پر براجمان تھا۔ اس کا جسم ساکن تھا، مگر اس کی داہنی ٹانگ ڈھول کی تھاپ کے ساتھ بے اختیار ہل رہی تھی۔ اس کے چہرے پر وہی تاثر تھا جو ایک شطرنج کا کھلاڑی اس وقت سجاتا ہے جب وہ مخالف کو شہ مات دے چکا ہو اور اب صرف آخری چال چلنے کا انتظار کر رہا ہو۔

اسٹیج پر صوفی رقص اپنے اختتام کو پہنچا اور اب دھمال کا آغاز ہوا۔ سبز اور نارنجی رنگ کے لمبے چوغوں میں ملبوس، گلے میں منکوں کی مالائیں اور ہاتھوں میں کڑے پہنے چار فقیر آگے بڑھے۔ ان کے پیروں میں بھاری گھنگھرو بندھے تھے۔ ان میں سے دو کے گلوں میں بھاری ڈھول لٹک رہے تھے۔ جیسے ہی انہوں نے ڈھول پر پہلی تھاپ لگائی، ایک ناقابلِ بیان توانائی پورے ہال میں پھیل گئی۔

ولی جو رئیس کے ساتھ ہی بیٹھا تھا، اس ماحول میں بھی بے چین تھا۔ اس کی نظریں بار بار اپنے فون کی اسکرین پر جاتیں اور پھر رئیس کے پر سکون چہرے پر آکر ٹھہر جاتیں۔ اس وقت اتنا سکون صرف رئیس کے چہرے پر ہی ہو سکتا تھا۔

اچانک ڈھول کی آواز تیز ہوئی، اور دھمال شروع ہو گئی۔ رئیس، ولی کی طرف جھکا، اس کی آواز ڈھول کے شور میں بھی واضح تھی۔

"تمہیں پتا ہے ولی، دھمال کے ان سب اسٹیپس کا مطلب کیا ہے؟"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ابھی تک اسکا ان روحانی اشاروں سے کوئی پالا نہیں پڑا تھا۔

پہلا مرحلہ، دھمالی نے دونوں ہاتھ آسمان کی جانب بلند کیے اور گلے میں لٹکا ڈھول بجاتے ہوئے تیزی سے گھومنے لگا۔ دوسرے ہاتھ اوپر کیے زور زور سے سر کو جھٹکا رہے تھے۔

"یہ مرحلہ ہے مانگنے کا۔ دونوں ہاتھ اوپر، صرف اللہ سے مانگنے کا۔ یہ اعلان ہے کہ ہم کسی انسان سے نہیں، صرف اس قادر مطلق سے مانگتے ہیں۔ اور ان ہاتھوں میں سب سنو لینا چاہتے ہیں۔"

ایک پل کے لیے منظر بدل گیا۔

ہزاروں واٹ کی فلڈ لائٹس نے پورٹ کے وسیع و عریض حصے کو دن کی طرح روشن کیا ہوا تھا۔ یہاں کی ہوا میں سمندر کی نمکین باس، ڈیزل اور مشینری کی تیل کی بو رچی ہوئی تھی۔ ایک دیو ہیکل کرین نے اٹلی سے آئے بحری جہاز سے آخری کنٹینر اٹھایا اور اسے احتیاط سے نیچے کھڑی ٹرالر پر رکھا۔ لوہے کے ٹکرانے کی گونج دور تک سنائی دی۔

کنٹینر کے دروازے پر رئیس گروپ کا لوگو چمک رہا تھا۔

اس کنٹینر سے کچھ فاصلے پر، ایک سیاہ پراڈو میں عروزہ اور مراد بیٹھے تھے۔ مراد ڈرائیونگ سیٹ پر تھا، اس کے ہاتھ اسٹیئرنگ وہیل پر سختی سے جمے ہوئے تھے اور اس کی عقابی نگاہیں ہر حرکت کا جائزہ لے رہی تھیں۔ عروزہ ساتھ والی سیٹ پر تھی، اس کے ہاتھ میں ایک ٹیبلٹ تھا جس پر وہ لائیو ٹریکنگ دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا، وہ ایک مشین کی طرح کام کر رہی تھی جو صرف احکامات پر عمل کرنا جانتی ہے۔

ان کا قافلہ، جس میں آگے اور پیچھے سیکیورٹی کی گاڑیاں تھیں، حرکت میں آنے کے لیے تیار تھا۔ یہ پہلا قدم تھا، طلب کا۔ دھمال کے پہلے مرحلے کی طرح، چار ارب مالیت کے ہیرے، جو افریقہ سے اٹلی اور اب اٹلی سے پاکستان پہنچے تھے، ان کی منزل سے صرف چند کلو میٹر دور تھے۔

منظر پھر سے بدل گیا۔

دوسرا مرحلہ، الحمراء ہال میں ڈھول کی تھاپ بدل گئی۔ اب ملنگ صوفی رقص کی طرح ایک ہاتھ آسمان کی طرف اور دوسرا زمین کی طرف کیے ہوئے گھوم رہا تھا۔ اس کی رفتار میں اب بھی وہی شدت تھی، مگر انداز میں ایک توازن آ گیا تھا۔

"اور جب وہ دیتا ہے۔" رئیس نے ولی کے کان میں کہا، "تو ایک ہاتھ سے لو اور دوسرے سے تقسیم کر دو۔ دایاں ہاتھ اوپر، لینے کے لیے۔ بایاں ہاتھ نیچے، مخلوق میں بانٹنے کے لیے۔ یہی کائنات کا اصول ہے۔ یہ تقسیم کا مرحلہ ہے۔"

منظر پھر سے بدل دیا۔ یہ کسٹم کلیئرنس ایریا تھا۔ ٹرالر دھیرے دھیرے آگے بڑھتا ہوا اسکیننگ ٹنل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ یہ اس پورے آپریشن کا سب سے نازک مرحلہ تھا۔ عروزہ کا دل دھڑک رہا تھا لیکن چہرہ سپاٹ تھا۔ مراد نے گاڑی کی رفتار کم کر دی۔

کسٹم کا ایک سینئر افسر، جس کی جیب رئیس اورنگزیب نے مہینوں پہلے گرم کر دی تھی، مانیٹر روم میں بیٹھا چائے پی رہا تھا۔ اس نے کنٹرول آپریٹر کی طرف دیکھا اور کھنکار کر گلا صاف کیا۔ یہ ایک اشارہ تھا۔

ٹرالر اسکینر کے نیچے سے گزرا۔ اسکرین پر کنٹینر کے اندر رکھے ماربل کے دیو ہیکل بلاکس کے ہیولے نمودار ہوئے۔ سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔ لیکن ایک بلاک کے عین مرکز میں، جہاں ہیرے چھپائے گئے تھے، اسکرین پر کچھ نہیں دکھ رہا تھا۔ ایک بلیک ہول، ایک خالی جگہ۔

یہ ان کی ذہانت کا کمال تھا۔ افریقہ سے ہیروں کو اٹلی بھیجا گیا تھا۔ وہاں، ماربل کے ایک ٹھوس بلاک کو لیزر کٹر سے انتہائی صفائی سے کاٹا گیا۔ اس کے اندر ایک خلاء بنا کر اسے لیڈ (سیسے) کی ایک باریک تہہ سے لائن کیا گیا، جو ایکسرے کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے۔ ہیروں کو واٹر پروف، شاک پروف پاؤچز میں ڈال کر اس خلاء میں رکھا گیا اور پھر اسی ماربل کے ٹکڑے سے اسے دوبارہ جوڑ کر ایک خاص قسم کی ایپوکسی (epoxy) اور ماربل کے برادے سے سیل کر دیا گیا کہ جوڑ نظر آنا ناممکن تھا۔ اسکینر کی شعاعیں جب لیڈ سے ٹکراتیں تو آگے نہیں جا پاتی تھیں، جس سے اسکرین پر صرف ایک بے معنی دھبہ یا خالی جگہ نظر آتی، جسے ایک ماہر مگر بکا ہوا آپریٹر با آسانی نظر انداز کر سکتا تھا۔

"سب کلیئر ہے۔" آپریٹر نے چائے پیتے ہوئے افسر کو بتایا۔ افسر نے اثبات میں سر ہلایا اور کنٹینر کو کلیئرنس کی مہر لگانے کا حکم دے دیا۔

رئیس نے ایک ہاتھ سے دیا تھا اور دوسرے ہاتھ سے اپنا خزانہ وصول کر لیا تھا۔

تیسرا مرحلہ، دھمال اب اپنے عروج پر پہنچ رہی تھی۔ ملنگ اب پنجوں کے بل جھک کر، اپنے پاؤں پوری قوت سے زمین پر مار رہے تھے۔ ہر ضرب پر جیسے زمین کانپ اٹھتی تھی۔ ان کے چہرے پسینے میں شرابور تھے اور آنکھیں بند تھیں۔

"یہ مرحلہ بندگی کا ہے۔ انسان صرف اللہ کے سامنے جھکتا ہے، وہی ہے جو ہمیں نیچے کرتا ہے، اور وہی ہے جو اٹھاتا ہے۔ پاؤں کی ضرب زمین کو نہیں، ہمارے نفس کو توڑتی ہے۔"

قافلہ اب شہر کی حدود سے نکل کر انڈسٹریل ایریا کی طرف جانے والی سنسان سڑک پر تھا۔ یہاں خطرہ بڑھ گیا تھا۔ مراد کی نظریں سائیڈ مررز پر جمی تھیں۔ عروزہ مسلسل روٹ کو چیک کر رہی تھی، اس بات کو یقینی بناتے ہوئے کہ کوئی ان کا پیچھا تو نہیں کر رہا۔

ان کے آگے اور پیچھے چلنے والی سیکیورٹی گاڑیاں کسی بھی خطرے سے نمٹنے کے لیے تیار تھیں۔ یہ رئیس کا اپنا قانون تھا، اس کی اپنی حکومت، جہاں سرکاری ادارے اس کے اشارے پر جھکتے تھے اور اس کے اپنے محافظ اس کی سلطنت کی حفاظت کرتے تھے۔ بیس منٹ کی اس ڈرائیو میں وقت جیسے تھم گیا تھا۔ بالآخر، وہ ایک بہت بڑے، بغیر نام والے خفیہ گودام کے آہنی گیٹ کے سامنے پہنچے۔ گیٹ کھلا اور ٹرالر اندر داخل ہو گیا۔

رئیس اورنگزیب کی طاقت کے سامنے پورا سسٹم جھک چکا تھا۔

چوتھا مرحلہ، ڈھول کی آواز اب جنونی ہو چکی تھی۔ ملنگ اپنے دونوں ہاتھوں کو پیٹ کے قریب لا کر تیزی سے باہر کی طرف جھٹک رہے تھے، جیسے وہ اپنے اندر کی ہر چیز کو نکال کر باہر پھینک دینا چاہتے ہوں۔

"اندر کچھ مت رکھو!" رئیس کی آنکھوں میں ایک وحشی چمک تھی۔ "جو بھی ہے، زہر، محبت، نفرت، سب باہر نکال دو۔ اندر کا بوجھ ختم کر دو۔ جو اندر بچاو ہی تمہارا اصل ہے۔"

اس کے چہرے پر عجیب سی کیفیت ابھری۔ شاید وہ لمحہ جب انسان خود کے سامنے کھڑا ہو اور اپنا دوسرا چہرہ پہچان لے۔

گودام کے آہنی دروازے بند ہو چکے تھے۔ اب یہاں صرف مراد، عروزہ اور ان کے سب سے قابلِ اعتماد چار لوگ موجود تھے۔ فورک لفٹر نے احتیاط سے مخصوص ماربل بلاک کو ٹرالر سے اتارا۔

اسے ایک مخصوص جگہ پر رکھا گیا جہاں تیز روشنی کا انتظام تھا۔ ایک کاریگر نے چھوٹے، جدید اوزاروں کا بیگ کھولا۔ اس نے ڈائمنڈ ٹِپ والے کٹر سے اس جگہ کو کاٹنا شروع کیا جہاں بلاک کو سیل کیا گیا تھا۔ چند منٹوں کی محنت کے بعد، ماربل کا پلگ الگ ہو گیا۔

مراد نے آگے بڑھ کر اس پلگ کو ہٹایا۔ اندر لیڈ کی لائننگ تھی۔ اس نے احتیاط سے ہاتھ ڈال کر ایک کے بعد ایک، ویکیوم سیلڈ پاؤچز نکالنے شروع کیے۔ عروزہ نے ایک پاؤچ لیا، اسے کاٹا اور اس کے اندر موجود ہیروں کو ایک سیاہ مخملیں کپڑے پر انڈیل دیا۔

گودام کی تیز روشنی میں، وہ ہزاروں ان کٹ ہیرے ایسے چمکے جیسے کسی نے آسمان کے سارے ستارے توڑ کر اس کپڑے پر بکھیر دیے ہوں۔ چار ارب مالیت کے ڈارک اسٹارز کا اصل ورژن اب اپنے مالک کے قدموں میں تھا۔ ان کے اندر کا بوجھ اب باہر آ چکا تھا۔

الحمراء میں دھمال کئی مزید مرحلوں کے بعد اچانک اپنے اختتام کو پہنچی۔ڈھول کی تھاپ یکلخت خاموش ہو گئی۔ہال میں ایک گہرا، بھاری سکوت چھا گیا۔ملنگ اسٹیج پر ہی بے دم ہو کر بیٹھ گئے۔

ٹھیک اسی لمحے، رئیس کے فون پر ایک میسج آیا۔اس نے فون اٹھایا، اسکرین کو دیکھا جس پر صرف ایک لفظ لکھا تھا۔

"وصول۔"

اس نے فون واپس جیب میں رکھا۔اس کے چہرے پر تمام تصنع کے پردے ہٹ چکے تھے۔اس نے ولی کی طرف دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر ایک حقیقی، فاتحانہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔وہ ہنسا نہیں، صرف مسکرایا۔

"دیکھا۔۔۔"اس کی آواز میں روحانیت نہیں، بلکہ خالص، بے رحم طاقت تھی۔"ہر رقص کے آخر میں، جب شور تھم جاتا ہے۔صرف نتیجہ معنی رکھتا ہے۔"

ولی نے رئیس کی آنکھوں میں دیکھا۔وہاں کوئی صوفی نہیں تھا، ایک فن شناس تھا۔وہاں ایک بادشاہ بیٹھا تھا، جس نے ابھی ابھی اپنی سلطنت کو مزید وسیع کر لیا تھا۔کیا تھا وہ شخص؟عفریت۔۔۔۔۔!

جبکہ دوسری جانب گودام کی تیز روشنی میں بکھرے ہوئے ہیروں کی چمک چند لمحوں کے لیے وہاں موجود ہر شخص کی آنکھوں کو خیرہ کر گئی۔ایک خاموش، گہری ہیبت کا لمحہ، جس میں چار ارب کی دولت ایک سیاہ مخملی کپڑے پر پڑی تھی۔

اس ہیبت کو توڑنے والی پہلی آواز عروزہ کی تھی۔اس کی سرد مہری اس چمک سے بالکل بھی متاثر نہیں ہوئی تھی۔

"اسے سمیٹو۔"اس کا لہجہ سپاٹ تھا، جیسے وہ روزمرہ کا کوئی کام نمٹا رہی ہو۔

مراد نے اشارہ کیا اور ایک آدمی نے آگے بڑھ کر احتیاط سے ہیروں کو واپس انھی واٹر پروف پاؤچز میں ڈالا۔ عروزہ نے خود آگے بڑھ کر ایک سیاہ رنگ کا، ہارڈ شیل والا بریف کیس کھولا۔ اس کے اندر مخصوص کٹاؤ والے فوم تھے۔ ہر پاؤچ اپنی جگہ پر ایسے فٹ ہوا جیسے وہ اسی کے لیے بنا ہو۔ بریف کیس بند ہوتے ہی ایک کلک کی آواز گونجی، اور چار ارب کی کائنات ایک ہندسوں والے لاک کے پیچھے محفوظ ہو گئی۔

"ٹرالر تیار کرو!" مراد نے ایک مرکزی کارندے کو حکم دیا۔ "سارا سامان واپس لوڈ ہو گا، ویسے ہی جیسے آیا تھا۔ اب منزل ہے لاہور۔"

کارندے نے ایک لمحے کے لیے الجھن سے ولی کی طرف دیکھا۔

"صرف ایک بلاک نہیں، باس؟ سارا وزن لے کر جائیں گے؟"

مراد کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"اصل کہانی ہمیشہ بہترین چھپاؤ ہوتی ہے۔ ممار اسٹور کا سارا انٹیریئر اسی اٹالین ماربل سے بننا ہے۔ یہ پورا کنٹینر قانونی طور پر لاہور کے لیے ہی ہے۔ اگر ایک پورا ٹرالر کراچی پورٹ سے نکلے اور راستے میں اس کا ایک بھاری بھرکم بلاک غائب ہو جائے تو زیادہ شک ہو گا یا یہ کہ ایک تاجر اپنا پورا مال اپنی منزل تک لے جا رہا ہے؟"

اس منطق کے سامنے سوال کی گنجائش نہیں تھی۔ فورک لفٹر نے حرکت کی اور اس خاص ماربل بلاک کو، جو اب ہیروں سے خالی تھا، واپس اٹھایا اور ٹرالر پر لدے دوسرے بلاکس اور ٹائلوں کے کریٹس کے درمیان رکھ دیا۔ اب وہ درجنوں دوسرے بلاکس میں صرف ایک اور بلاک تھا۔ سوئی، گھاس کے ڈھیر میں واپس جا چکی تھی۔

عروزہ نے ہیروں والا بریف کیس اٹھایا اور مراد کے ساتھ پراڈو کی طرف بڑھی۔ یہ بریف کیس ٹرک میں نہیں، ان کے ساتھ جائے گا۔ سب سے قیمتی چیز، سب سے قریبی نگرانی میں۔

مراد نے پراڈو کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی، جبکہ عروزہ نے بریف کیس کو ایک سیٹ کے نیچے بنے ایک خفیہ خانے میں محفوظ کرنے کے بعد ولی کے ساتھ والی نشست سنبھال لی۔ اس کے ہاتھ میں اب بھی وہ ٹیبلٹ تھا، جس پر اب راستے کے نقشے اور ممکنہ خطرات کے نشانات تھے۔

گودام کا آہنی گیٹ ایک بار پھر چرچراہٹ کے ساتھ کھلا۔ سب سے پہلے سیاہ پراڈو باہر نکلی، اس کی ہیڈلائٹس نے رات کے اندھیرے کو چیرا۔ اس کے پیچھے ماربل بلاک سے لدا ٹرک روانہ ہوا۔ ان کے پیچھے کوئی تیسری گاڑی نہیں تھی۔ رئیس اورنگزیب کا اصول تھا کہ جب مال حرکت میں ہو تو قافلہ جتنا چھوٹا ہو، اتنا ہی بہتر ہے۔ زیادہ گاڑیاں توجہ کھینچتی تھیں۔

شہر کی روشنیاں پیچھے رہ گئیں اور اب ہر طرف صرف اندھیرا اور ہوا کی سائیں سائیں تھی۔ قافلہ اب پہلے سے بڑا اور سست تھا، لیکن کہیں زیادہ محفوظ اور ناقابلِ شناخت تھا۔

کئی منٹ کی خاموشی کے بعد مراد نے اسٹیئرنگ وہیل پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے کہا۔ ”اب صرف ایک ہزار کلومیٹر۔“

عروزہ نے اپنی عقاب جیسی نگاہیں سڑک سے ہٹائے بغیر جواب دیا۔ اس کی آواز میں نہ خوف تھا نہ اطمینان، صرف حقیقت تھی۔

”فاصلے نہیں، راستے میں چھپے دشمن معنی رکھتے ہیں۔“

سفر کا آغاز ہو چکا تھا۔ ایک ایسا سفر جس کے ہر موڑ پر موت گھات لگائے بیٹھی تھی، اور منزل پر ایک بادشاہ اپنی سلطنت کے نئے خزانوں کا منتظر تھا اور وہ جانتا اس کے پیادے ہر موت کو ہرا کر اس تک پہنچ جائیں گے۔

✿••✿••✿••✿

اگلی صبح کا آغاز ایک عجیب سی بے چینی اور تناؤ سے ہوا۔ وہ ساری رات کروٹیں بدلتی رہی تھی۔ ارسل کا چہرہ اور پھر ولی کی چوبیس گھنٹے طویل خاموشی۔ اس نے نہ کوئی میسج کیا تھا، نہ کوئی کال۔ فجر کو خود پر غصہ آ رہا تھا کہ وہ اس کی اتنی عادی کیوں ہو چکی تھی؟ اس نے ضد میں خود بھی اس کا حال پوچھنا گوارا نہیں کیا تھا، مگر ساری توقعات اسی سے باندھے بیٹھی رہی۔

جب وہ اسے لینے آیا تو اس کی آمد بھی حسبِ معمول خاموش اور پر سکون تھی۔ فجر کے گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے نرمی سے سلام کیا۔

اس کا جواب اتنا دھیما تھا کہ شاید اس کے اپنے کانوں نے بھی بمشکل سنا ہو۔ وہ منہ پھیرے کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی، مگر اس کے بھنچے ہوئے جبڑے اور پیشانی پر پڑی ہلکی سی شکن ولی کی تیز نگاہوں سے چھپ نہ سکی۔ وہ ایک لفظ کہے بغیر سمجھ گیا کہ میڈم کا موڈ شدید خراب تھا۔ اس نے کوئی سوال نہیں کیا اور خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کرتا رہا۔ آفس تک کا راستہ ایک بھاری خاموشی میں کٹا۔

گاڑی پورچ میں رکی اور فجر دروازہ کھول کر سیدھا اپنے آفس کی طرف بڑھ گئی، ایک لمحے کو بھی رکے بغیر۔ ولی بھی خاموشی سے اس کے پیچھے چلا آیا۔ گزرتے ہوئے لوگ انہیں سلام کر رہے تھے۔ وہ تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی جبکہ ولی سب کے سلام کا جواب دے رہا تھا۔ بالآخر وہ آفس پہنچ گئے۔

"سب ٹھیک ہے؟"

وہ جیسے ہی اپنی میز کے پاس پہنچی، ولی کی پر سکون لیکن گہری آواز نے اسے روکا۔ وہ اس کے تپے ہوئے چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا۔

وہ ایک دم پھٹ پڑی۔

"تم یوں اچانک، بنا بتائے چھٹی کیسے کر سکتے ہو ولی؟ تمہیں اندازہ ہے کل کتنا کام تھا؟ کتنا کچھ بکھرا پڑا تھا؟ دن بھر میں نے تمہارا انتظار کیا، ایک فون تک نہیں کیا۔ مجھے چیزیں سمجھ نہیں آ رہی تھیں۔" وہ اب غصے میں میز پر پڑی چیزوں پر کھٹ کھٹ کر رہی تھی، اپنی ساری جھنجھلاہٹ ان بے جان اشیاء پر نکال رہی تھی۔ قیمتی بیگ ایک جانب پھینک دیا۔ غصہ اس پر نہیں خود پر آ رہا تھا۔

وہ اپنی جگہ ساکت کھڑا رہا۔ سیاہ پینٹ پر بھوری شرٹ پہنے، سینے پر بازو باندھے، وہ بس اسے دیکھتا رہا۔ اس کا یہ تپا ہوا، غصے سے سرخ روپ بھی کس قدر اچھا لگ رہا تھا۔

"سوری، میں مصروف تھا۔" اس کا لہجہ اب بھی نرم اور پر سکون تھا۔

"باقی سب تو جیسے یہاں بہت فارغ بیٹھے ہیں۔" اسکے لہجے میں زہر بھرا طنز تھا۔ کچھ غصہ تو یقیناً ارسل کی آمد کا تھا، مگر اس کا زیادہ تر حصہ ولی کے لیے تھا۔ آخر اس نے چھٹی کی ہی کیوں؟ اس کی غیر موجودگی میں ارسل یہاں آیا تھا، اور اس کا آنا فجر کو اندر تک ہلا گیا تھا۔

"میں آئندہ چھٹی نہیں کروں گا۔" اس نے نرم آنکھوں سے اسے دیکھا جواب بے دلی سے اپنی کرسی پر بیٹھ کر لیپ ٹاپ آن کر چکی تھی۔ خاکستری رنگ کی سادہ سی فراک میں اس کے وجود پر تھکن اور پریشانی عیاں تھی۔ بالوں کی پونی معمول سے کچھ زیادہ ڈھیلی تھی۔ بال رومال سے نکلنے کو تیار تھے۔

وہ کچھ نہ بولی، بس اسکرین کو گھورتی رہی۔ ولی اس عینک کے شیشوں کے پیچھے سے بھی اس کی خوبصورت ہیزل آنکھوں میں چھپی نمی اور گلابی پن دیکھ سکتا تھا۔ وہ جانتا تھا، بات صرف کام کی نہیں تھی۔ یقیناً کچھ اور ہوا تھا جو اسے اندر ہی اندر کھا رہا تھا۔ وہ آگے بڑھا اور کرسی کھینچ کر اس کی میز کے سامنے بیٹھ گیا۔

"کیا ہوا ہے؟" اب اس کی آواز میں نرمی کی جگہ ایک سنجیدگی اور حق جتانے والا انداز تھا۔

"کچھ نہیں ہوا۔ تم جاؤ اور اپنا کام کرو۔" وہ تلخ ہوئی، نظریں اب بھی اسکرین پر تھیں۔ اسے نظر انداز کر رہی تھی۔

"میرے سارے کام آپ سے ہی جڑے ہیں فجر!" اس نے نام لے کر پکارا تو فجر نے چونک کر اسکرین سے نظریں ہٹائیں۔

"تو بتائیں، کس نے تنگ کیا ہے؟"

"تم کیا کر لو گے؟" آخر کار اس نے نظریں اٹھا کر سیدھا ولی کی کتھئی آنکھوں میں دیکھا۔ اس کی ہیزل آنکھوں میں ایک چبھتا ہوا سوال تھا، ایک بے بسی تھی جو وہ چھپانا چاہ رہی تھی۔

ولی نے ایک گہری سانس لی۔ اس کی پرسکون آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے ایک سرد سی چمک لہرائی۔

"زیادہ کچھ نہیں لیکن اس کی نیند کے ساتھ ساتھ زندگی بھی حرام کر دوں گا۔" اس کے لہجے میں حد درجہ سنجیدگی اور سرد پن تھا، جیسے وہ کوئی کاروباری معاہدہ نہیں، بلکہ ایک اٹل فیصلہ سنا رہا ہو۔

اس کے الفاظ میں کوئی ڈرامائی پن نہیں تھا، بلکہ ایک ٹھوس حقیقت کا تاثر تھا۔ فجر کے اندر ایک ٹھنڈی تاثیر اتر گئی۔ کل سے جو آگ اس کے سینے میں لگی تھی، وہ دھیرے دھیرے بجھنے لگی۔ اسے لگا جیسے کسی نے اس کے سر سے ایک بھاری بوجھ اتار کر اپنے کندھوں پر رکھ لیا ہو۔ وہ کئی لمحے خاموشی سے بس اسے دیکھتی رہی۔

"کچھ نہیں ہوا۔ سب ٹھیک ہے۔" خود پر قابو پاتے ہوئے وہ بس اتنا ہی کہہ پائی۔

وہ جانتا تھا کہ وہ اس سے کچھ چھپا رہی تھی۔ وہ مسکرایا نہیں، بس سنجیدگی سے اسے دیکھتا رہا۔

"بیگم آپ بس حکم کریں، دشمن کوئی بھی ہو انجام تک میں پہنچاؤں گا۔" اس نے ٹھوس لہجے میں کہتے ہوئے اپنا ہاتھ بڑھا کر، میز پر دھرے اس کے ہاتھ پر جما دیا۔ ہولے سے اسکا ہاتھ تھپکا۔ فجر کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑنے لگے۔ اس نے گہری سانس لی اور پھر آہستگی سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ کے نیچے سے کھینچ لیا۔ آسمان کو چھوتا پارہ آہستہ آہستہ نیچے بیٹھ رہا تھا۔ وہ اب کافی حد تک پر سکون تھی۔

"زیادہ ہیرو بننے کی ضرورت نہیں ہے۔" لہجے میں خفگی لانے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔ وہ اسے دیکھ کر دھیرے سے ہنس دیا۔

✿••✿••✿••✿

شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ دفتر میں دن بھر کی بھاگ دوڑ میں اب تیزی آچکی تھی۔ لوگ تیزی سے اپنا کام نبٹا رہے تھے۔ مگر مدھم روشنیوں میں ایک عجیب سی پر سکون خاموشی تھی، جو دن کے شور و غل کے بعد ہمیشہ

بھلی لگتی تھی۔ آج کا دن واقعی اچھا گزرا تھا، کل کی بے چینی اور تناؤ کے برعکس، آج فجر کے اندر ایک ٹھہراؤ تھا۔ اس کی زندگی کا واحد مرد، جو خود کو اس کا **'ولی'** کہتا تھا، آج سائے کی طرح اس کے آس پاس موجود تھا۔ اس کی موجودگی کا احساس ہی اس کے لیے کسی حفاظتی حصار سے کم نہیں تھا۔

وہ کافی مصروف لگ رہا تھا۔ دن بھر اس نے کئی چیزیں دیکھی تھیں، نئے ڈیزائنز اور آنے والے کپڑے کے اسٹاک کا جائزہ لیا تھا، اور ہر کام میں اس کی سنجیدگی اور پیشہ ورانہ مہارت نمایاں تھی۔ فجر نے کئی بار شیشے کی دیواروں کے پار سے کن انکھیوں سے اسے دیکھا تھا۔ اس کے بالوں اور آنکھوں کے ہم رنگ بھوری کتھئی شرٹ آج اس پر کچھ زیادہ ہی جچ رہی تھی۔ اس کی صاف رنگت، کہنیوں تک فولڈ آستینوں سے نمایاں ہوتے مضبوط ہاتھ، اور کام میں ڈوبا ہوا انہماک! وہ ہر زاویے سے متاثر کن لگ رہا تھا۔ ایک لمحے کو وہ ڈیزائننگ ٹیبل پر ایک ہاتھ رکھے جھکا اور دوسرے ہاتھ سے ہوا میں کچھ سمجھاتے ہوئے بول رہا تھا۔ اس کے چہرے پر کام کی سنجیدگی تھی۔

رئیس ٹیکسٹائل سے نیا کپڑا آنا تھا اور اسی کے لیے نئے ڈیزائنوں پر کام ہو رہا تھا۔ فجر نے آتے جاتے کئی بار اسے دیکھا تھا۔ مہینہ پورا ہونے کو تھا۔ وہ شخص جو نوٹس پیریڈ پر تھا، جسے ایک مہینے بعد وہ اپنے راستے سے ہٹانے کا سوچ رہی تھی، اب اسے کیسے نکال پاتی؟ یہ خیال اب اسے مضحکہ خیز لگ رہا تھا۔ وہ اس کی ضرورت بن چکا تھا۔ وہ اس کی **سیف ہیون** تھا۔

ہاتھ میں کولڈ کافی کا گلاس تھامے وہ راہداری میں آ کھڑی ہوئی اور گلاس وال سے ایک بار پھر اسے جھانک کر دیکھا۔ وہ اب بھی وہیں تھا، مگر اب اس کے ارد گرد جونیئر ڈیزائنرز کا ایک حلقہ تھا۔ لڑکیوں کے ساتھ ساتھ لڑکے بھی پوری توجہ سے اس کی بات سن رہے تھے۔ لڑکیاں جانتی تھیں کہ وہ میڈم فجر کا شوہر تھا مگر ان کی آنکھوں میں چھپی ستائش فجر سے ڈھکی چھپی نہ رہ سکی۔ ایک خفیف سا احساس اس کے دل میں ابھرا مگر فوراً ہی دب گیا۔ وہ روانی سے

انگلش میں کچھ تکنیکی تفصیلات بیان کر رہا تھا۔ اس کے لہجے میں اعتماد کی گہرائی تھی۔ نہ جانے کب، مگر فجر کے لبوں پر ایک دھیمی سی، بے اختیار مسکراہٹ ابھر آئی۔ وہ کتنی دیر وہاں کھڑی رہی، اسے خبر ہی نہ ہوئی۔ پھر جیسے خود کو ٹوکتے ہوئے اس نے سر جھٹکا اور واپس اپنے آفس کی جانب بڑھ گئی۔

اندر اپنی دھن میں کام کرتا ولی، جو بظاہر سب کو سمجھانے میں مصروف تھا، اس کی ہر حرکت سے باخبر تھا۔ جیسے ہی فجر پلٹی، اس کی نظریں اس کے جاتے ہوئے وجود پر مرکوز ہو گئیں۔ اس کے چہرے پر بھی ایک ہلکی، نہ دکھائی دینے والی مسکراہٹ تھی۔ وہ جانتا تھا کہ وہ اسے دیکھ رہی تھی۔

وہ اپنی کافی لیے آفس میں داخل ہوئی۔ میز پر دھرا اس کا فون بج رہا تھا۔ ایک انجان نمبر سے جانے کب سے کال آ رہی تھی۔ اس نے پیشہ ورانہ لاتعلقی سے فون اٹھایا۔

"ہیلو؟"

"تم نے اچھا نہیں کیا فجر معراج!" دوسری طرف سے ارسل کی آواز ابھری۔ ایک لمحے میں فجر کے سارے حواس بیدار ہو گئے۔ وہ چونک کر کرسی پر سیدھی ہوئی اور کافی کا گلاس میز پر رکھ دیا۔

"تمہیں لگتا ہے تم بہت بڑی بن چکی ہو؟" اس کی آواز میں تضحیک تھی۔

"لگتا ہے کل کی ذلت تمہارے سر کو چڑھ گئی ہے۔" فجر نے اسی کے انداز میں جواب دیا، لہجے میں کاٹ تھی۔

"اور جو ذلت اب تمہارا مقدر بنے گی، اس سے تمہیں کون بچائے گا؟" اس کے لہجے میں اب ایک ایسی دھمکی تھی کہ فجر کے ماتھے پر شکنیں ابھریں۔

"صاف صاف بکواس کرو۔"

"صاف صاف کہتا ہوں۔ واپس آجاؤ میرے پاس۔" اس کے مطالبے پر فجر کے چہرے پر ایک زہر خند مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اوقات سے اونچے خواب نہیں دیکھنے چاہئیں، ارسل برہان گردیزی صاحب!"

"اوقات تو تم بھول چکی ہو۔ تمہیں لگتا ہے تمہاری یہ سلطنت ہمیشہ قائم رہے گی؟"

"اسے کوئی مٹا نہیں سکتا۔" اس کے لہجے میں غرور تھا۔

"لیکن میں اسے اتنا مسخ کر دوں گا کہ تمہیں خود سے نفرت ہو جائے گی۔ تمہیں میں آخری موقع دے رہا تھا، مگر اب دیکھو میں تمہارے ساتھ کیا کرتا ہوں۔ ایک ویڈیو بھیج رہا ہوں، دیکھ لینا۔"

فون ایک جھٹکے سے بند ہو گیا۔ فجر کے بھنویں سکڑ گئیں۔ کیا بکواس تھی یہ؟ تبھی کمرے کا دروازہ کھلا اور ولی اندر داخل ہوا۔ فجر نے بے دھیانی میں واٹس ایپ پر موصول ہونے والی ویڈیو کو اوپن کیا۔

ولی نے آگے بڑھ کر میز پر رکھی اس کی کافی اٹھائی اور ایک گھونٹ بھرا۔

"گرم ہو گئی ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

فجر نے تنگ نظروں سے اسے دیکھا مگر کچھ کہا نہیں، اس کی پوری توجہ فون کی اسکرین پر تھی۔ اور جیسے ہی اس نے ویڈیو پلے کی، اگلے ہی پل اسے لگا جیسے آفس کی چھت ایک دھماکے سے اس کے سر پر آگری ہو۔

اسکرین پر وہ تھی۔ رو رہی تھی۔ وہ ارسل کا ہاتھ تھامے کھڑی تھی، وہ التجا کر رہی تھی۔

اس کے چہرے کا رنگ اڑ کر فق ہو گیا۔ خون جیسے رگوں میں جم گیا۔

وہ نیچے زمین پر بیٹھی تھی اور ارسل اپنا آپ چھڑا کر جا رہا تھا۔

اس کا پورا وجود برف کی طرح منجمد ہو گیا۔ ولی نے اس کی بدلتی حالت ایک پل میں بھانپ لی۔ اس نے آگے بڑھ کر ایک جھٹکے سے موبائل اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ اب وہ ویڈیو دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے اور آنکھوں کی ساری نرمی، ساری مسکراہٹ یکلخت غائب ہو گئی۔ اب وہاں پتھر جیسی سختی اور ایک سرد غصہ تھا۔ فون پھر سے بج اٹھا۔ وہی نمبر تھا۔ ولی نے کال ریسیو کر کے اسپیکر پر ڈال دی۔

"کہو، کیسا لگا سرپرائز؟" اسکا خباثت بھرا قہقہہ کمرے میں گونجا۔ انسان کتنی جلدی اپنے مقام سے گرتا ہے کہ اسے خود بھی پتا نہیں چلتا۔ ارسل بھی ویسے ہی پستی میں گر رہا تھا۔

"بہت غرور ہے نا تمہیں خود پر؟ اپنی ذات پر، اپنی ذہانت پر؟" اس کے لہجے میں زہر بھرا تھا۔ فجر ساکت کھڑی سن رہی تھی، اس کی آنکھوں میں ناقابلِ یقین وحشت تھی۔ ولی کے جبڑے بھنچے ہوئے تھے۔

"تمہیں آپشن دے رہا ہوں فجر معراج! لوٹ آؤ، ورنہ تمہارے کردار کی، تمہاری ذات کی ایسی دھجیاں اڑیں گی کہ۔۔۔" اس نے بات ادھوری چھوڑ کر فون بند کر دیا۔ ولی نے فون میز پر رکھا۔ اس کی فولادی نظریں اب بھی فجر پر جمی تھیں۔

"فجر۔۔۔" اس نے آگے بڑھ کر اپنے دونوں ہاتھوں سے اسکے کندھے تھامے۔ فجر جیسے کسی ٹرانس سے باہر آئی۔ اس نے خالی خالی نظروں سے ولی کو دیکھا۔ اس کے اندر ایک انجانا خوف سر اٹھا رہا تھا۔ لوگ پہلے ہی اسے کیا کچھ نہیں سمجھتے تھے، اگر یہ ویڈیو وائرل ہو جاتی تو؟

"وہ میرے کردار کی دھجیاں اڑانا چاہتا ہے۔" اس کے لہجے میں بے یقینی اور ٹوٹا ہوا مان تھا۔ جیسے خود کو بتا رہی ہو۔

"تمہارا کردار؟" ولی کی آواز گہری اور سنجیدہ تھی۔

اس نے فجر کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے۔ نظریں اسکے چہرے پر جما دیں۔

"میں ہوں تمہارا کردار! سمجھ آ رہا ہے نا؟ تمہارا کردار میں ہوں! میرے ہوتے ہوئے اسے کوئی مسخ نہیں کر سکتا۔"

اس نے ایک ہاتھ سے فجر کا چہرہ اپنی جانب موڑتے ہوئے اتنی سنجیدگی اور حق سے کہا کہ فجر ساکت رہ گئی۔ پل بھر کے لیے ارسل کا دھمکی بھرا وجود اس کے ذہن سے محو ہو گیا۔ ولی کے اس ایک جملے نے جیسے اس کے دل کے بند کواڑ پوری قوت سے توڑ ڈالے تھے۔

"بیٹھ جاؤ اور اب میری بات غور سے سنو۔۔۔"

وہ مزید کچھ کہہ رہا تھا، مگر فجر کے ذہن میں، اس کی سماعت میں، اس کی روح میں بس ایک ہی جملہ ایک ریکارڈ کی طرح گھوم رہا تھا۔

"میں ہوں تمہارا کردار! میں ہوں تمہارا کردار!"

✿••✿••✿••✿

رات کے نو بج رہے تھے۔ گاڑی میں ایک گہرا، پر معنی سناٹا تھا۔ ولی سنجیدگی سے گاڑی چلا رہا تھا، اس کی نظریں سڑک پر جمی تھیں اور ہاتھوں کی گرفت اسٹیئرنگ وہیل پر مضبوط تھی۔ فجر خاموشی سے کھڑکی سے باہر بھاگتے

ہوئے درختوں اور مدھم روشنیوں کو دیکھ رہی تھی۔ شہر کے شور سے دور، یہ نسبتاً سنسان راستہ تھا جہاں ہر موڑ پر اندھیرا مزید گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ یہ خاموشی بے چین کرنے والی نہیں تھی، بلکہ طوفان سے پہلے کے سکوت جیسی تھی۔ اس کے ذہن میں اب تک ولی کے کہے ہوئے الفاظ گونج رہے تھے۔ ان الفاظ نے اس کے اندر سے خوف کو کسی حد تک نکال کر ایک عجیب سی ڈھارس باندھ دی تھی۔ وہ اکیلی نہیں تھی اور یہ احساس ہی اس کی سب سے بڑی طاقت تھی۔

ارسل کا پیغام واضح اور سفاک تھا۔ "اگر تمہیں اپنی ساکھ عزیز ہے تو یہ میٹنگ ضروری ہے۔ تمہیں آنا ہو گا۔" وہ اس سے سودا کرنا چاہتا تھا، بزنس کا سودا۔ اس نے فجر کو اکیلے بلایا تھا، یہ سوچ کر کہ تنہائی میں وہ اسے آسانی سے توڑ دے گا، مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ فجر کے ساتھ اب اس کا وہ حفاظتی حصار تھا جسے وہ خود بھی ٹھیک سے سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ ولی ساتھ تھا۔ وہ دونوں جانتے تھے کہ انہیں کیا کرنا تھا۔

گاڑی کی رفتار دھیمی ہوئی اور آخر کار ایک جلی ہوئی، ہیولے جیسی عمارت کے سامنے رک گئی۔ گردیزی ٹیکسٹائل! آگ کے نشانات دیواروں پر اب بھی تازہ تھے اور پوری عمارت اندھیرے میں ڈوبی کسی آسیب زدہ کھنڈر کا منظر پیش کر رہی تھی۔ عمارت کے کئی حصے مرمت کے زیر اثر تھے مگر کئی حصے ویران تھے۔ فضا میں جلے ہوئے دھاگوں اور راکھ کی ایک مانوس بو رچی ہوئی تھی۔

صرف ایک جگہ روشنی تھی۔ عمارت کے وسط میں ایک بڑا سا ہال، جس کی کھڑکیوں سے زرد روشنی چھن کر باہر آ رہی تھی۔ جیسے کوئی اندھیرے کو دعوتِ مبارزت دے رہا ہو۔

"ریلیکس رہنا ہے۔" گاڑی بند کرتے ہوئے اس نے ایک نظر فجر کو دیکھا۔ اس کی آواز میں وہی ٹھہراؤ تھا۔ جس نے پلکیں جھپکیں اور کئی لمحے اسے دیکھتی رہی، پھر اثبات میں سر ہلایا۔ اس ایک نظر کے تبادلے میں کئی باتیں ہوئیں، کئی وعدے ہوئے، کئی حوصلے بلند ہوئے۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں شکستہ گیٹ سے اندر داخل ہو رہے تھے۔ وہاں موجود چوکیدار نے انہیں روکنے کی زحمت نہیں کی، شاید اسے پہلے ہی ہدایت مل چکی تھی۔ اندر ہر طرف ملبہ اور ٹوٹی ہوئی مشینیں تھیں۔ ان کے قدموں کی آہٹ اس ویرانے میں عجیب طرح گونج رہی تھی۔ وہ سیدھا اس روشن ہال کی طرف بڑھ رہے تھے۔

وہاں ہال کے عین درمیان میں، ارسل بیٹھا تھا۔ اس نے لکڑی کی دو کرسیاں آمنے سامنے رکھی تھیں، جیسے کسی عدالت کا منظر ہو۔ وہ خود ایک کرسی پر براجمان تھا، اور اس کے چہرے پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔ انہیں آتے دیکھ کر وہ تن کر سیدھا بیٹھ گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک فائل تھی۔

فجر آگے چل رہی تھی، اس کے چہرے پر مکمل سپاٹ تاثرات تھے، جیسے وہ کسی عام بزنس میٹنگ میں آئی ہو۔ ولی اس سے ٹھیک ایک قدم پیچھے تھا، اس کی چال اور تاثرات سے یہی لگ رہا تھا کہ وہ ایک وفادار اسسٹنٹ ہے جو اپنی باس کے ہر حکم کا منتظر ہے۔ پہلا تاثر یہی دینا تھا کہ وہ اس کا پی اے ہے، ایک غیر اہم شخص۔

"آیئے محترمہ! آپ ہی کا انتظار تھا۔" ارسل نے خباثت بھرے تبسم کے ساتھ کہا۔ پھر اس کی نظر فجر کے پیچھے کھڑے ولی پر پڑی اور اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"میں نے اکیلے آنے کو کہا تھا۔" اس کے لہجے میں ناگواری تھی۔

"یہ میرا پی اے ہے۔ تم اس کے سامنے بات کر سکتے ہو۔" اس نے اتنے سرد اور پیشہ ورانہ لہجے میں کہا کہ ارسل کو ایک لمحے کے لیے جھٹکا لگا۔ شاید اس نے ان کی ہوٹل والی ویڈیو نہیں دیکھی تھی ورنہ وہ ولی کی موجودگی پر یوں سوال نہ اٹھاتا۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے کندھے اچکائے، جیسے اسے کوئی فرق نہ پڑا ہو، مگر اس کی آنکھوں میں حقارت واضح تھی۔ اس نے ولی کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور پھر نظر انداز کر دیا۔ فجر سکون سے اس کے سامنے والی کرسی پر ٹک گئی۔ اس کے بیٹھنے کے انداز میں کوئی خوف یا جھجک نہیں تھی۔

ارسل نے فائل اٹھا کر میز پر اس کے سامنے سرکا دی۔ "ہمارے نئے معاہدے کی شرائط!"

فجر نے فائل کھولی۔ اس میں کئی شرائط تھیں۔ ہر شرط اس کی چالاکی اور بدنیتی کا منہ بولتا ثبوت تھی۔ سب سے پہلی اور بنیادی شرط یہ تھی کہ فجر رئیس ٹیکسٹائل سے اپنا معاہدہ فوری طور پر ختم کر کے سارا بزنس گردیزی ٹیکسٹائل کو دے گی۔ اس کے علاوہ خام مال کی قیمتوں سے لے کر منافع کی تقسیم تک، ہر شق میں صرف ارسل کا فائدہ تھا۔ یہ ایک کاروباری معاہدہ کم اور فجر کی سلطنت کو یرغمال بنانے کا منصوبہ زیادہ لگ رہا تھا۔

ولی کچھ فاصلے پر ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ تاثرات سے عاری تھا، مگر اس کی عقابی نظریں ارسل کی ہر حرکت، فائل کے ہر الٹتے صفحے اور فجر کے چہرے پر آتے جاتے تاثرات کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اس کی خاموش موجودگی ارسل کو مسلسل کھٹک رہی تھی، مگر وہ اسے نظر انداز کرنے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔ ہال کی خاموشی میں اب صرف فائل کے اوراق پلٹنے کی آواز گونج رہی تھی اور ہر آواز کے ساتھ تناؤ بڑھتا جا رہا تھا۔

فجر نے سکون سے سارے صفحے پڑھے اور پھر فائنل گراتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اچھا مزاق ہے۔" وہ ہنس دی۔

"تمہیں لگتا ہے میں یہاں تمہاری شرائط ماننے آئی ہوں؟" وہ اب سینے پر بازو باندھے کھڑی تھی۔

"تمہارے پاس اور کوئی آپشن نہیں ہے۔" وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

"تمہیں لگتا ہے تم مجھ پر میری سلطنت پر قابض ہو سکتے ہو؟"

"میں صرف تمہیں اپنی زندگی میں واپس چاہتا ہوں۔" باقی سب تو اسکا ہو ہی جاتا۔

"میں لعنت بھیجتی ہوں تم پر، تمہاری پیشکش پر۔" وہ دبے دبے لہجے میں غرائی۔ اس کی بات سن کر وہ ہنس دیا۔

"یہ تمہارا آخری موقع ہے۔"

وہ اب بھی ویسے ہی کھڑی تھی۔ نہ گردن جھکی تھی نہ نظر! آخر اسے اتنا غرور کیوں تھا؟

"مجھے نہ تم میں دلچسپی ہے اور نہ تمہارے دیئے گئے مواقع میں۔" اس کی بات واضح تھی۔ ارسل کی ہنسی چہرے سے چپکی رہی۔ وہ اس کی باتوں پر ہنس رہا تھا۔ مزاق سمجھ رہا تھا۔ وہ اسے ہلکا لے رہا تھا۔ وہ اس سے اس کی پہچان چھیننا چاہتا تھا۔

"مت بھولو کس طرح میری محبت میں دیوانی تھیں تم! وہ سب جھوٹ تھا؟ وہ وقت جو ہم نے ساتھ گزارا؟ وہ وعدے جو تم نے مجھ سے کیے تھے، سب یاد ہے نا؟"

"وہ سب فریب تھا اور تم ابھی تک فریب میں جی رہے ہو پر تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

"یہ فریب نہیں حقیقت ہے۔ تمہیں میری بات ماننی چاہیے ورنہ کچھ برا ہو سکتا ہے۔"

"میں تمہاری دھمکیوں سے نہیں ڈرتی!"

"تمہارا کوئی نہیں ہے۔ تم ایک اکیلی عورت ہو! اس ظالم معاشرے میں ایک اکیلی عورت کی کیا حیثیت ہے، تم اچھی طرح جانتی ہو۔ تمہارا کوئی مرد نہیں، کوئی سرپرست نہیں، کوئی سہارا نہیں جو تمہیں میری اس دھمکی سے بچا سکے۔ میں تمہاری زندگی جہنم بنادوں گا، تمہاری ساکھ کا ایسا جنازہ نکالوں گا کہ تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔" اس کی آواز میں غصہ کم اور ایک شیطانی تسکین زیادہ تھی۔

"لوگ تمہیں کیا کہیں گے؟ کن نظروں سے دیکھیں گے؟ تمہارے سارے دعوے، تمہارا سارا غرور اس ایک ویڈیو کے سامنے ریت کی دیوار ثابت ہوں گے۔"

اسکی باتوں میں زہر تھا۔ وہ ہر اس کمزوری کو نشانہ بنا رہا تھا جس کے بارے میں وہ جانتا تھا کہ فجر کو تکلیف پہنچ سکتی ہے۔ اس کی نیت صرف اسے ڈرانا نہیں تھی، بلکہ اسے اندر سے توڑ دینا تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ فجر اس کے سامنے گڑگڑائے، رحم کی بھیک مانگے اور اس کی تمام شرائط تسلیم کرلے۔ وہ اسے قبول کرلے۔

وہ خاموشی سے سنتی رہی، اس کا چہرہ پتھرائی ہوئی مورت کی طرح بے حس تھا۔

اس کے بالکل پیچھے ولی خاموش کھڑا تھا، ایک محافظ کی طرح۔ ارسل کی ہر بدزبانی، ہر الزام کو وہ سن رہا تھا۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا، مگر اس کی بند مٹھیوں سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ اس کے اندر کیا طوفان برپا تھا۔ اس کی نظریں مسلسل فجر کی پشت پر جمی تھیں۔ وہ اس کی اندرونی کیفیت سے واقف تھا۔

فجر نے ایک آخری نظر ارسل پر ڈالی اور پھر پلٹ گئی۔

"تمہارے خواب، خواب رہ جائیں گے۔"

”تم ایک مفاد پرست عورت ہو۔ ایک گھٹیا اور گرے ہوئے کردار کی مالک! لوگ تمہیں یہ کہیں گے اور تم یہی ہو۔ میں تمہیں یہ بنادوں گا۔“

اسکی آواز تھکنے لگی تھی مگر اس کے الزامات کی بارش نہیں رکی۔ فجر کی ہٹ دھرمی اسے مایوس کر رہی تھی۔ وہ ولی کی جانب بڑھ رہی تھی۔ اس کی تمام باتوں کو سنتے ہوئے۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔

اب وہ اس کے بالکل سامنے کھڑی تھی۔ ہال کی مدھم روشنی میں ان دونوں کے چہرے ایک دوسرے کے سامنے تھے۔ فضا میں ایک خاموش لیکن پر عزم مکالمہ جاری تھا۔

”یہ تمہارا آخری موقع ہے، فجر معراج!“ ارسل کی آواز ایک بار پھر گرجی۔

فجر کی نظر ولی پر مرکوز تھی۔ اس کے چہرے پر کوئی غصہ نہیں تھا، کوئی اشتعال نہیں، صرف ایک سرد، پر عزم ارادہ تھا۔

”میں چاہتی ہوں تم اس کا منہ لال کر دو۔“

اس نے نہایت سپاٹ لہجے میں کہا، مگر اس کے الفاظ میں ایک ایسی سنسنی تھی کہ فضا میں موجود ہر ذرہ لرز اٹھا۔ یہ فجر کا حکم تھا، اور ولی ایک سپاہی کی طرح اس حکم کا منتظر تھا۔ بیگم نے حکم دیا پیادے کا وجود حرکت میں آیا۔

اس نے ایک گہرا سانس لیا، سینے پر ہاتھ رکھ کر اسکا حکم قبول کیا۔ اب وہ ارسل کی جانب بڑھا۔ اس کے قدم خاموش تھے، مگر ان میں ایک ایسا عزم تھا جو ارسل کے تمام غرور کو خاک میں ملا دینے کی طاقت رکھتا تھا۔

اسکے بڑھتے ہوئے قدم دیکھ کر ارسل کے حلق سے ایک خبیث قہقہہ پھوٹا۔ اس کی ہنسی میں تمسخر اور فاتحانہ زعم شامل تھا۔

"یہ تمہارا پی اے ہے؟ یہ کیا کرلے گا یہ میرا؟"

وہ اپنی کمر پر ہاتھ رکھے ہنستے ہوئے بولا، اس کی نظریں تحقیر سے ولی کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"یہ بھی بتادو کہ اس سے تمہارا رشتہ کیا ہے؟ کوئی نیا عاشق تو نہیں مل گیا تمہیں؟" اس کے استہزائیہ لہجے نے فضا میں زہر گھول دیا۔

ولی مضبوط اور پر اعتماد قدم اٹھاتا اس کی طرف بڑھتا گیا۔ اس نے ارسل کی ساری بکواس سنی تھی اور اس کے اندر دبا غصہ اب کسی بھی لمحے لاوے کی طرح پھٹ سکتا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک سکون تھا جو کسی بھی طوفان سے پہلے کی خاموشی کی طرح خطرناک تھا۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ارسل ابھی اپنی ہنسی پوری بھی نہ کر پایا تھا کہ ولی نے قریب پہنچ کر ایک زوردار طمانچہ اس کے منہ پر رسید کر دیا۔

"چٹاخ۔۔۔" کی کرخت آواز ویران ٹیکسٹائل مل میں گونج اٹھی۔ اس سے پہلے کہ ارسل سنبھل پاتا، اسی گال پر ایک اور تھپڑ پڑا۔ پھر یکے بعد دیگرے تھپڑوں کی بارش شروع ہو گئی۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر مارنا چاہا، دفاع کرنا چاہا مگر ولی اسکا ہاتھ اپنے ایک ہاتھ سے پکڑ چکا تھا اور داہنے ہاتھ سے تھپڑوں کی بارش جاری تھی۔

اسکا گال اور جبڑا، ہر طرف درد کی ایک شدید لہر دوڑ گئی۔ وہ لڑکھڑا گیا، اس کا توازن بگڑنے لگا۔ اس سے پہلے کہ وہ زمین پر گرتا، ولی نے اس کا بازو کھینچا اور اسے دوبارہ سیدھا کھڑا کیا۔ اور پھر ایک اور زوردار چپیڑ اس کے چہرے پر پڑی۔

اس کے حواس معطل ہو گئے۔ پے در پے پڑنے والی ان تھپیڑوں نے اسے سوچنے، مزاحمت کرنے یا چیخنے کا بھی موقع نہیں دیا۔ اس کے چہرے پر سرخی پھیل گئی اور لبوں سے درد کی ایک دبی ہوئی کراہ نکلی۔

فجر اس جگہ پر ساکت کھڑی تھی جہاں ولی کچھ دیر پہلے تھا۔ اس کی گردن اکڑی ہوئی تھی، جیسے اس نے کوئی بڑا فیصلہ کیا ہو۔ سینے پر بازو باندھے وہ جبڑے بھینچے اس منظر کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی ہیزل آنکھوں میں نمی کی ایک پتلی سی تہہ ضرور تھی مگر اس کے باوجود یہ منظر اتنا تسکین بخش تھا کہ اسے اپنے اندر سکون اترتا ہوا محسوس ہوا۔ یہ اس ذلت کا جواب تھا جو ارسل نے اسے دی تھی یہ اس خوف کا خاتمہ تھا جس نے اسے اتنے عرصے تک قید رکھا تھا۔

ولی نے نہ کوئی مکا مارا اور نہ ہی کوئی لات ماری۔ صرف تھپڑ! وہ اتنے زوردار اور پے در پے تھے کہ ارسل کو سنبھلنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ یہ تذلیل تھی، یہ اس کے زعم کو خاک میں ملانے کا ایک خاموش مگر طاقتور طریقہ تھا۔ وہ جسے کبھی کسی نے ہاتھ نہیں لگایا اسے چپیڑیں پڑ رہی تھیں۔ اس دن جب وہ اسے ریستوران میں روتے ہوئے چھوڑ گیا تھا اور وہ کچھ نہیں کر پایا تھا آج اس نے اس تکلیف کا بھی بدلہ لیا تھا۔

"میرے ڈیڈ کہتے ہیں اگر کوئی تمہارا کردار مسخ کرنا چاہے تو اس کا منہ لال کر دو۔ اور اتنا کرو کہ انگلیاں چھپ جائیں۔"

ارسل کے چہرے پر اس کی انگلیوں کے نشان واضح طور پر چھپ چکے تھے۔ اس کی آنکھیں دھندلا رہی تھیں اور وہ بمشکل کھڑا رہ پا رہا تھا۔

ولی نے اسے جھٹکے سے چھوڑا اور اس کی طرف نفرت سے دیکھا۔

"کیا اور کیا کہا تھا تم نے؟ وہ بے سہارا ہے؟ اس کے پاس کوئی مرد نہیں ہے؟ اس کا کوئی ولی نہیں ہے؟ دھیان سے دیکھو مجھے، کمینے! میں ہوں اس کا ولی! اس کا شوہر!"

ارسل کو لگا جیسے اس کے سر پر جلی ہوئی گردیزی ٹیکسٹائل کی چھت آ گری ہو۔ یہ انکشاف اس کے لیے ایک زلزلے سے کم نہیں تھا۔ جس شادی کو وہ محض ایک ڈرامہ سمجھ رہا تھا، جس فجر کو وہ ہمیشہ بے آسرا تصور کرتا رہا تھا، آج اسے اس کے محافظ، اس کے شوہر سے سامنا ہو گیا تھا۔

"بیوی ہے وہ میری۔۔!" ولی کی آواز میں اب غصے کی گرج تھی۔ چٹاخ کی ایک اور آواز نے گردیزی ٹیکسٹائل کے ساتھ ساتھ ارسل کے وجود کو بھی ہلا دیا۔ وہ لڑکھڑا کر کرسی سے ٹکرایا اور نیچے گرا۔

"اس کا کردار مسخ کرو گے تم؟ اس کی دھجیاں اڑاؤ گے؟ اس کا کردار میں ہوں! ہمت ہے تو مجھ سے نبٹو!"

اب اس کا ہاتھ رُک چکا تھا۔ ارسل جو کچھ ہوش آنے کے بعد اٹھ کر اس کی جانب بڑھا، اس کی اگلی حرکت پر ٹھہر گیا۔ اس نے اپنی کالر میں اٹکا ہوا ایک باریک سا پین نکالا۔

"اس میں یہ پورا منظر ریکارڈ ہو چکا ہے۔ تمہاری بکواس بھی اور میرا تمہیں سبق سکھانا بھی۔ اب تم اپنی خیر مناؤ۔"

اس نے پین کو ارسل کے لرزتے ہوئے ہونٹوں کے بالکل سامنے کیا۔

"اب یہ ایک پین تمہارے باپ کی بچی ہوئی ساکھ کو کیسے تباہ کر سکتا ہے تم جانتے ہو۔ فیصلہ تمہارا ہے۔"

ہونٹوں کے کنارے سے بہتا لہو اور اس کی بھنچی ہوئی مٹھیاں۔ وہ اس پل کافی قابل رحم لگ رہا تھا۔

اس نے ایک زہریلی نظر فجر پر ڈالی، جواب بھی خاموشی سے یہ سب دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔

"میں تمہیں دیکھ لوں گا فجر معراج! میں تمہیں کبھی نہیں بخشوں گا۔" وہ جو کچھ اور کرنے کا سوچ رہا تھا مگر ریکارڈنگ پین دیکھ کر مزید حواس باختہ ہو گیا۔ اپنی اور اپنے باپ کی عزت اسے بہت عزیز تھی اور یہ منظر وائرل ہوا تو اس کا بچا کچا وقار بھی خاک میں مل جائے گا۔ وہ انہیں گھورتا ہوا واک آؤٹ کر گیا۔

ولی نے ایک آخری نگاہ اس پر ڈالی اور پھر فجر کی جانب مڑ گیا۔ اس کے چہرے پر اب وہ سختی اور غصہ نہیں تھا جو کچھ دیر پہلے تھا۔ اس کی جگہ ایک نرم اور محافظانہ تاثر نے لے لی تھی۔ وہ خاموشی سے فجر کے پاس آیا اور اس کا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں لے لیا۔ فجر نے اس کی طرف دیکھا، اس کی آنکھوں میں تشکر اور ایک نیا اعتماد جھلک رہا تھا۔

آتے وقت وہ ولی کے آگے ایک قدم چل رہی تھی، اپنے مقصد کی طرف بڑھ رہی تھی۔ مگر اب جاتے وقت صورتحال بالکل بدل چکی تھی۔ ولی آگے تھا اور فجر خاموشی سے اس کے پیچھے کھنچتی چلی جا رہی تھی۔ اس کے قدم ولی کے نقش قدم پر پڑ رہے تھے۔

وہ دھوپ میں اسکا سایہ بن گیا تھا۔

وہ اس کی بے بسی میں سہارا بن گیا تھا۔

وین ہال سے باہر نکلتے ہوئے اس نے ایک گہری سانس لی۔ رات کی خنکی میں بھی اسے ایک تحفظ کا احساس ہو رہا تھا۔ ولی کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں مضبوطی سے جکڑا ہوا تھا، جیسے وہ اسے ہر خطرے سے بچانے کا عہد کر رہا ہو۔ تباہ حال ٹیکسٹائل مل ان کے پیچھے رہ گئی تھی، اس رات کی تلخیوں اور ارسل کی ذلت کی گواہ۔

اس کی زندگی میں ایک نیا باب شروع ہو چکا تھا۔ ایک ایسا باب جس میں وہ اکیلی نہیں تھی، جس میں ایک ایسا شخص اس کے ساتھ کھڑا تھا جو نہ صرف اس کا شوہر تھا بلکہ اس کا ولی بھی تھا۔

وہ اسکے اندھیروں میں روشنی بن گیا تھا۔

وہ اس کی تنہائیوں میں ساتھی بن گیا تھا۔

گاڑی کی طرف چلتے ہوئے وہ دونوں برابر تھے۔ فجر نے ایک بار ولی کی طرف دیکھا۔ اس کی نظریں سوالیہ تھیں، لیکن ان میں ایک گہرا اطمینان بھی تھا۔ ولی نے اس کی نظروں کا جواب ایک دھیمی مسکراہٹ سے دیا، جس میں یقین اور محبت کا اظہار تھا۔

وہ طوفان میں ایک مضبوط سہارا بن گیا تھا۔

وہ اس کے ٹوٹے وجود کو جوڑنے والا بن گیا تھا۔

گاڑی میں بیٹھ کر فجر نے اپنا سر سیٹ سے ٹکا دیا۔ آج جو کچھ ہوا تھا، اس نے اسے تھکا دیا تھا۔ لیکن اس تھکن میں ایک عجیب سکون تھا۔ اسے معلوم تھا، اب وہ محفوظ ہاتھوں میں تھی۔

وہ اس کی مایوسی میں امید کی کرن بن گیا تھا۔

وہ اس کے ڈر میں ایک بے خوف محافظ بن گیا تھا۔

رات کا سناٹا ان کی گاڑی کی انجن کی آواز سے ٹوٹ رہا تھا۔ وہ شہر کی روشن سڑکوں کی طرف روانہ ہو گئے، اس یقین کے ساتھ کہ اب کوئی بھی ان کے راستے میں نہیں آ سکتا تھا۔

"آج مجھے احساس ہوا ہے سروائیو کرنے کے لیے کچھ عفریتوں کا ہونا کس قدر ضروری ہے۔" وہ ڈرائیو کرتے ہوئے بولا تو فجر نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"تمہاری زہریلی ذہانت اور میرے ہاتھوں کی تباہی!" وہ مسکرا دیا۔

ہاں کبھی کبھی اپنے عفریتوں کو استعمال کرنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ یہی عفریت ہمیں سروائیو کرنے میں مدد کرتے ہیں۔ وہ بس اسے دیکھ کر رہ گئی جو تیز رفتار سے گاڑی آگے بڑھا رہا تھا۔

وہ اس کے اندھیروں میں روشنی کا مینار بن گیا تھا اور اسے یہ مینار قبول تھا، اسے قبول کرنا بھی چاہیے۔

✿••✿••✿••✿

ار پر

لگی گھڑی کی ٹک ٹک بھی اس خاموشی کے بوجھ تلے دبی ہوئی محسوس ہوتی تھیں۔ فلک صوفے پر ساکت بیٹھی تھی، اس کی نظریں سامنے میز پر رکھے لیپ ٹاپ پر جمی تھیں، مگر اس کا ذہن کہیں اور تھا۔ آج اس کی خاموشی میں بے بسی کا شائبہ تک نہ تھا، بلکہ ایک سمندر کا سا ٹھہراؤ تھا جس کی گہرائی میں ایک اٹل فیصلہ پرورش پا رہا تھا۔ اس کی انگلیوں کی پوریں آپس میں پیوست تھیں، اور اس کی کمر سیدھی تنی ہوئی تھی، جیسے وہ کسی جنگ کے لیے خود کو تیار کر رہی ہو۔

ساتھ والے صوفے پر فخر اور فاخرہ بیٹھے تھے۔ فاخرہ کی آنکھوں میں بے چینی اور تشویش کی لہریں تھیں، وہ بار بار کبھی فلک کو دیکھتی اور کبھی لیپ ٹاپ کی اسکرین کو۔ فخر خاموش تھا، مگر اس کے چہرے پر تناؤ واضح تھا، جیسے وہ آنے والے طوفان کو محسوس کر رہا ہو۔ لیپ ٹاپ کی روشن اسکرین سے عالمگیر خاندان کے افراد، جامشورو میں بیٹھے، اس منظر کا حصہ بنے ہوئے تھے۔ بابا سائیں کا چہرہ ہمیشہ کی طرح پر وقار مگر سخت تاثرات لیے ہوئے تھا اور ان کے برابر میں بیٹھے بشارت عالمگیر، کے ماتھے پر شکنیں ابھری ہوئی تھیں۔

آخر کار لیپ ٹاپ کے اسپیکر سے بشارت بھائی کی بھاری، بے صبری سے بھری آواز نے اس گہرے سکوت کو توڑا۔

"کہو فلک! آج تم نے یہ اہم اجلاس کیوں بلوایا ہے؟ وقت ضائع کیے بغیر مدعے پر آؤ۔"

انہوں نے ہمیشہ اسے اسپورٹ کیا تھا مگر پچھلے چند سالوں میں انہیں فلک کی ضد نے اس سے دور کر دیا تھا۔ یہ میٹنگ فلک کے ہی کہنے پر رکھی گئی تھی۔ اس نے ایک لمحے کے لیے فخر اور فاخرہ کی طرف دیکھا جن کی سانسیں رکی ہوئی تھیں، پھر اس کی نظریں اسکرین پر اپنے باپ اور بھائی کے چہروں پر مرکوز ہو گئیں۔ اس نے ایک گہری سانس لی، پھیپھڑوں میں ہمت بھری اور اپنی آواز کو ممکنہ حد تک مضبوط بناتے ہوئے بولی۔

"بابا سائیں میں رجب رضا سے شادی کروں گی مگر میری ایک شرط ہے۔"

یہ ایک جملہ نہیں تھا، ایک دھماکا تھا۔ فاخرہ نے بے اختیار منہ پر ہاتھ رکھ لیا، اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ فخر نے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔ ایک لڑکی، عالمگیر خاندان کی بیٹی، اپنے باپ اور بھائی سے شرط رکھے گی؟ یہ ناقابلِ تصور تھا۔ اسکرین پر بشارت بھائی کے چہرے پر شدید ناگواری ابھری، جیسے انہوں نے کوئی ناقابلِ سماعت بات سن لی ہو۔ بابا سائیں کا چہرہ سپاٹ رہا، مگر انہوں نے اپنی بھنویں آہستہ سے سکیڑ لیں اور ان کی آنکھوں میں ایک سرد سی سختی در آئی۔

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے فلک؟" بشارت کی آواز میں غصہ اور حقارت گھل مل گئے تھے۔ فلک نے ان کی طرف نہیں دیکھا۔ اس کی تمام تر توجہ اپنے باپ پر مرکوز تھی، جن کی خاموشی اس کے بھائی کے شور سے زیادہ خطرناک تھی۔

"بولو۔" بابا سائیں کی آواز گونجی۔ مختصر، سپاٹ، مگر ایک حکم۔ انہوں نے اسے اپنی شرط بتانے کی اجازت دے دی تھی۔

فلک نے تھوک نگل کر اپنا خشک ہوتا حلق تر کیا۔ پھر اس کا لہجہ چٹان کی طرح مضبوط اور فیصلہ کن ہو گیا۔

"میں اس شادی کے لیے تبھی ہاں کروں گی جب آپ ترنم پھوپھو کو پورے مان اور عزت کے ساتھ اس خاندان میں واپس لے آئیں گے۔"

یہ نام، ترنم عالمگیر! جیسے کسی نے بھرے مجمع میں ایک بھولا بسرا، ممنوعہ راز پکار دیا ہو۔ ایک لمحے کے لیے لگا جیسے وقت تھم گیا ہو۔

"تم جانتی بھی ہو کہ تم کیا کہہ رہی ہو؟" آخر کار بابا سائیں کی کرخت، دھاڑتی ہوئی آواز گونجی۔

"میں پورے ہوش و حواس میں ہوں، بابا سائیں۔ میں جانتی ہوں کہ میں کیا کہہ رہی ہوں۔" فلک کی آواز میں اب کوئی لرزش نہیں تھی۔

"فخر! اسے آج ہی واپس جامشورو لے آؤ! اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ یہ وہاں مزید ایک دن نہیں رہے گی۔" بشارت بھائی اسکرین سے چیخے۔

"یہ تم کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو فلک؟" فخر نے دانت بھینچتے ہوئے کہا، "کہاں ملیں پھوپھو تمہیں؟"

فلک نے ایک گہری سانس لی اور اس کی آواز میں اب برسوں کا دبا ہوا درد شامل ہو گیا۔

"ترنم پھوپھو زندہ ہیں۔ میں ان سے مل چکی ہوں۔" اس کی نظریں سیدھی اسکرین پر اپنے باپ کی آنکھوں میں گڑ گئیں۔

"میں نے ان کی تکلیف دیکھی ہے بالکل ویسی ہی جیسی میں نے دادی اماں کی آنکھوں میں مرتے دم تک دیکھی تھی۔ آپ کو یاد ہے بابا سائیں؟ اماں اپنی بیٹی کی ایک جھلک کے لیے ترس ترس کر مر گئیں۔ ان کی روح اپنی بیٹی کو پکارتے ہوئے پرواز کر گئی۔ میں نے ان کا تڑپنا دیکھا ہے، اور اب میں نے اس بیٹی کی اذیت بھی دیکھی ہے جسے آپ سب نے اپنی جھوٹی انا کی بھینٹ چڑھا دیا۔"

اس کا لہجہ بلند ہوا، آنکھوں میں آنسو نہیں تھے مگر آواز میں ایک سیلاب تھا۔ "یہ صرف میری شرط نہیں ہے، یہ دادی اماں کی آخری خواہش ہے۔ میں ان کی وہ خواہش پوری کرنا چاہتی ہوں جو آپ پوری نہ کر سکے۔ انہیں خاندان میں واپس لانا ہو گا۔ عالمگیر خاندان کی بیٹی ہونے کا وہ مان واپس دینا ہو گا جو آپ نے چھین لیا تھا۔"

"میں تمہیں جان سے مار دوں گا فلک۔۔۔!" بشارت کا چیخنا اب جنون کی حدوں کو چھو رہا تھا۔ جسے عاق کر دیا تھا اسے واپس کیسے لایا جا سکتا تھا؟ پورا قبیلہ تھو تھو کرے گا۔

فلک کے لبوں پر ایک تلخ مسکراہٹ ابھری۔ "مجھے منظور ہے۔ آپ لوگوں کے پاس اب دو ہی راستے ہیں۔ یا تو مجھے جان سے مار دیں، یا انہیں واپس لے آئیں۔"

وہ اپنا فیصلہ سنا کر سکون سے اٹھ کھڑی ہوئی پھر تیزی سے لاؤنج سے گزری اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ پیچھے لیپ ٹاپ سے بشارت بھائی کی چیخیں گونج رہی تھیں، فخر انہیں ٹھنڈا کرنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا، اور بابا سائیں، وہ بدستور ایک بت کی طرح خاموش تھے، مگر ان کی خاموشی طوفان کا پیش خیمہ تھی۔

فلک کے قدموں کی چاپ جب سیڑھیوں پر گم ہو گئی تو بشارت کی غصے سے بھری آواز لاؤنج میں گونجی۔

"اسے شہر بھیجنا ہی نہیں چاہیے تھا! غلطی ہو گئی جو میں نے بچی سمجھ کر اسکی یہ ضد پوری کی۔ عورتیں کو اس قدر آزادی دینی ہی نہیں چاہیے۔ انہیں چار دیواری میں قید رہنا چاہیے۔ پھوپھو نے یہی کیا تھا اور آج یہ بھی یہی کر رہی ہے۔"

ماضی کو حال سے جوڑا جا رہا تھا۔ وہ بھی تو یہی چاہتی تھی جو بھیانک ماضی گزر چکا تھا اسے بھلا کر نئے مستقبل کا آغاز کیا جاتا مگر۔۔۔۔ کیا وہ مرد اتنی جلدی مان جاتے؟ یہ سوال کافی مشکل تھا۔

✿••✿••✿••✿

گردیزی ٹیکسٹائل کا ہیڈ آفس کسی فاتح سلطنت کے قلعے کی طرح شہر کے کاروباری مرکز میں سر اٹھائے کھڑا تھا، مگر اس وقت اس قلعے کے سب سے اونچے برج، یعنی ارسل گردیزی کے دفتر کا منظر کسی میدانِ جنگ جیسا تھا۔ ایک مہنگے امپورٹڈ شیشے کی چھوٹی میز پر دراڑیں تھیں، کرسٹل کا ایش ٹرے فرش پر بکھرا پڑا تھا، اور لیپ ٹاپ کی اسکرین پر ایک بڑا سا سوراخ تھا جہاں یقیناً ایک غضبناک مکا رسید کیا گیا تھا۔ بکھرے ہوئے کاغذات اور ٹوٹی ہوئی چیزیں اس کے اندرونی طوفان اور اس کی بکھری ہوئی انا کی داستان سنا رہی تھیں۔

اس تباہی کے عین وسط میں، اپنی وسیع چمڑے کی کرسی پر وہ خود کسی شکست خوردہ بادشاہ کی طرح دھنسا ہوا بیٹھا تھا۔ اس کا خوبصورت، مغرور چہرہ اس وقت سوجا ہوا اور مسخ شدہ لگ رہا تھا۔ ہونٹ کا بایاں کونا پھٹا ہوا تھا اور گال پر انگلیوں کے سرخ نشانات اتنے واضح تھے جیسے کسی نے گرم ہاتھ سے دائمی مہر ثبت کر دی ہو۔ مگر جسمانی تکلیف سے کہیں زیادہ اس کی آنکھوں میں ایک ایسی ذلت تھی جو روح کو چھلنی کر دیتی ہے۔ اسے مارا نہیں گیا تھا، اس کی تذلیل کی گئی تھی۔ مکوں اور لاتوں کا درد شاید وقتی ہوتا، مگر ان تھپڑوں کی گونج اس کے کانوں میں نہیں، اس کی روح میں اتری تھی۔ وہ بازگشت اسے زندہ درگور کر رہی تھی۔

کمرے میں اس کے علاوہ رجب بھی موجود تھا، جو کھڑکی کے پاس کھڑا باہر شہر کی روشنیوں کو دیکھ رہا تھا، مگر اس کی تمام تر توجہ کمرے کے ماحول پر تھی۔ اس کے چہرے پر غصہ تھا، مگر ارسل کے غصے کی طرح بے قابو اور تباہ کن نہیں، بلکہ ایک سرد، جما دینے والا غصہ۔

"آخر تمہیں اتنی جلدی کس بات کی تھی؟" رجب نے سکوت کو توڑا۔ اس کا لہجہ برف کی طرح سرد اور کاٹ دار تھا۔ وہ مڑا اور اس کی نظریں ارسل کی قابلِ رحم حالت پر پڑیں۔ "میں نے کہا تھا مجھ سے پوچھے بغیر، مجھے بتائے بنا ایک قدم مت اٹھانا۔"

ارسل جبڑے بھینچے بیٹھا رہا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اب بھی فجر کا سپاٹ، بے خوف چہرہ اور ولی کا وہ پرسکون مگر خطرناک وجود گھوم رہا تھا۔

رجب چلتا ہوا اس کی میز کے قریب آیا اور ایک ٹوٹی ہوئی کرسی کو حقارت سے ٹھوکر ماری۔

"تمہیں کیا لگا تھا کہ یہ سب اتنا آسان ہے؟ کہ تم ایک اکیلی عورت کو بلاؤ گے، دھمکاؤ گے اور وہ تمہارے قدموں میں گر جائے گی؟ اگر یہ سب اتنا ہی آسان ہوتا تو اب تک رئیس اور نگزیب میرے انتقام کا نشانہ بن چکا ہوتا، سلاخوں کے پیچھے سڑ رہا ہوتا۔" اس کی آواز میں جھنجھلاہٹ واضح تھی۔

ارسل کی یادداشت میں پھر وہی منظر ابھرا۔ فجر کی وہ اکڑی ہوئی گردن، وہ نظریں جن میں خوف نہیں، فیصلہ تھا اور پھر ولی کا وہ حکم ماننا، نہیں، حکم نہیں تھا وہ۔۔ وہ فجر کی خواہش تھی جسے اس شخص نے اپنی ذمہ داری بنالیا تھا۔

"اس عورت پر ہاتھ ڈالنا اتنا آسان نہیں ہے، ارسل!" رجب نے اپنی بات جاری رکھی۔ "جو اسے مارنے آیا تھا، اس نے اسے ہی جان سے مار دیا تھا، اور تم۔۔۔ تم اپنی ہیرو گیری کے چکر میں خود شکار ہو گئے۔"

"کیا تم منہ بند کرو گے اپنا؟" ارسل آخر کار پھٹ پڑا۔ اس کی آواز میں درد اور غصہ آپس میں گڈمڈ تھے۔ وہ کرسی سے اٹھا، مگر ایک تیز درد کی لہر اس کے جبڑے میں اٹھی اور وہ واپس بیٹھ گیا۔

"میں بہت کچھ کر سکتا تھا لیکن وہ ریکارڈنگ۔۔" وہ پھنس گیا تھا۔ بری طرح پھنس گیا تھا۔ اگر اس کے پاس ہوٹل کی ویڈیو تھی، تو اب فجر اور ولی کے پاس اس سے کہیں زیادہ تباہ کن ثبوت تھا۔ اس کی دھمکیاں، اس کی بدزبانی، اور پھر اس کی پٹائی کا پورا منظر، یہ سب کچھ اس چھوٹے سے پین میں قید تھا۔ جلد بازی میں وہ ایسی منہ کی کھا گیا تھا کہ اب اٹھنا محال لگ رہا تھا۔ اس نے تکلیف سے آنکھیں میچ لیں۔

رجب نے ایک گہری سانس لی۔ ارسل کا غصہ ٹھنڈا ہو کر بے بسی میں بدل رہا تھا، اور یہی وہ لمحہ تھا جس کا رجب کو انتظار تھا۔

"میرے خیال میں اب تمہیں سکون سے بیٹھنا چاہیے۔ بہت کر لی تم نے ہیرو گیری۔ جو کروں گا، اب میں کروں گا۔" اس کے لہجے میں اب حتمی فیصلہ تھا۔ اس نے اپنی جیب سے موبائل نکالا۔ اس کی انگلیاں تیزی سے اسکرین پر حرکت کرنے لگیں۔ چند لمحوں بعد اس نے فلک کا نمبر ڈائلر میں نکالا۔ اس کی آنکھوں میں ایک نئی، سرد چمک ابھری۔

ایک عورت، ایک قلعہ ثابت ہوئی تھی۔ ناقابلِ تسخیر۔ تو کیا ہوا؟

کیا پتا دوسری آسانی سے نشانہ بن جائے؟

رجب جانتا تھا کہ فلک عالمگیر کے دل میں جگہ بنانا بھی بچوں کا کھیل نہیں تھا۔ وہ لڑکی الگ مٹی کی بنی لگتی تھی، اپنی شرطوں پر جینے والی۔ مگر اسے کوشش جاری رکھنی تھی۔ فجر کے محاذ پر ہوئی شکست نے اسے سکھا دیا تھا کہ جنگ ہمیشہ سامنے سے نہیں لڑی جاتی۔ کبھی کبھی دشمن کے قلعے میں داخل ہونے کے لیے چور دروازے تلاش کرنے پڑتے ہیں۔

اور اس وقت، فلک اس کے لیے وہی چور دروازہ تھی۔ وہ اس دروازے پر دستک دینے والا تھا اور تب تک دیتا رہے گا جب تک وہ کھل نہ جاتا۔

✿••✿••✿••✿

رات اپنی سیاہ چادر پوری طرح ماحول پر تان چکی تھی۔ فلک کے کمرے میں صرف لیپ ٹاپ کی اسکرین سے پھوٹنے والی زرد روشنی پھیلی ہوئی تھی، جو اس کے چہرے پر پڑ کر عجیب سے تاثرات مرتب کر رہی تھی۔ وہ بظاہر اپنی تحریر کے چند کرداروں میں الجھی ہوئی تھی، الفاظ ترتیب دے رہی تھی، مگر اس کا ذہن کوسوں دور، دوپہر کی

اس میٹنگ میں اٹکا ہوا تھا۔ خود پر پہنی ہوئی بہادری کا خول اب دھیرے دھیرے چٹخ رہا تھا اور اندر چھپی خوفزدہ لڑکی باہر جھانک رہی تھی۔

اگر ابا سائیں اور بشارت بھیا نہ مانے تو؟ اگر انہوں نے زبردستی اس کی شادی رجب سے کر دی؟ اگر وہ پھوپھو کو کبھی واپس نہ لائے تو؟

سوالات کا ایک بھنور تھا جو اسے اپنی گرفت میں لے رہا تھا۔ وہ اتنی بہادر نہیں تھی، کبھی بھی نہیں تھی۔ بس آج باپ بھائیوں کے سامنے بننے کی کوشش کی تھی، مگر اب اسے اپنے اس قدم کے ممکنہ نتائج خوفزدہ کر رہے تھے۔

رجب اسے کچھ خاص پسند نہیں تھا۔ وہ ایک عام مرد تھا، جس کی دنیا انا، کاروبار اور خاندانی روایات کے گرد گھومتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کے ساتھ گزارا ہو سکتا تھا، مگر کیا ایک مصنفہ، جو کہانیوں اور کرداروں کی گہرائی میں جیتی ہو، محض گزارے کے لیے پیدا ہوتی ہے؟ اس نے خود سے سودا کیا تھا۔ جب اپنی زندگی کی قید قبول کرنی ہی تھی، تو کیوں نہ اس کی قیمت پر ترنم عالمگیر کی آزادی خریدی جائے؟

اسی لمحے اس کے کمرے کے دروازے پر ایک محتاط سی دستک ہوئی۔ اس نے چونک کر نہیں دیکھا، جانتی تھی کون ہو سکتا تھا۔ دروازہ کھلا اور فخر اندر داخل ہوا۔ دوپہر والے غصے کا اس کے چہرے پر شائبہ تک نہ تھا۔ اس کی جگہ گہری فکر اور تفکر کے تاثرات تھے۔ وہ خاموشی سے چلتا ہوا آیا اور اس کے بیڈ کی پائنتی پر بیٹھ گیا۔ فلک نے تب بھی نظریں اٹھا کر اسے نہیں دیکھا، اپنی انگلیوں کو کی بورڈ پر ساکت کر لیا۔

"یہ تم نے کیا کیا فلک؟" اسکی آواز میں ڈانٹ نہیں، ایک گہرا سوال تھا۔

فلک کے لبوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ ابھری۔ اس نے نظریں اسکرین سے ہٹائے بغیر جواب دیا۔

"جو قید مجھے ملنے والی ہے، اس کا فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہی ہوں۔" اس کے لہجے میں چھپی اذیت فخر نے محسوس کر لی تھی۔

"رجب اتنا برا نہیں ہے۔" فخر نے دھیمے سے کہا، جیسے اسے تسلی دے رہا ہو۔

"جانتی ہوں۔" فلک نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ "مگر وہ عام مردوں جیسا ہے۔ اس میں کچھ بھی ایسا خاص نہیں ہے جس کے ساتھ ایک مصنفہ خوشی خوشی اپنی پوری زندگی گزار دے۔"

"ابا سائیں کبھی نہیں مانیں گے۔" فخر نے حقیقت کی تلخی اس کے سامنے رکھی۔

"میں کوشش تو کر ہی سکتی ہوں نا؟" اس کی آواز میں اب ایک ہلکی سی لرزش تھی۔

فخر نے گہری سانس لی۔ "اگر قبیلے کو پتا چلا تو سب خفا ہو جائیں گے۔ ہماری عزت پر انگلیاں اٹھیں گی۔ لوگ کہیں گے وجاہت عالمگیر اپنی وہ بہن واپس لے آئے جو عاق کر دی گئی تھی۔"

اس کی اس بات پر فلک کے لبوں پر وہی درد بھری مسکراہٹ لوٹ آئی۔

"آخر کب تک ہمارے قبیلے کی جھوٹی عزت، اس کی بیٹیوں کی زندگیوں سے زیادہ اہم رہے گی؟"

اس کا سوال جائز تھا، مگر فخر کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ کچھ دیر خاموش رہا، پھر اصل مدعے پر آیا۔

"تمہیں پھوپھو کہاں ملیں؟"

"بتا دوں گی جب فیصلہ آئے گا۔" وہ اب بھی محتاط تھی۔ ابا سائیں کا فیصلہ سنے بغیر وہ اپنے پتے ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"تم مجھ پر بھروسہ کر سکتی ہو۔" اس نے نرمی سے کہا۔

اس کے اس جملے پر فلک نے پہلی بار کی بورڈ سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھیں سیدھی فخر کی آنکھوں میں گڑی ہوئی تھیں۔ ان میں شک تھا، امید تھی اور بہت سا خوف تھا۔

"کرنا چاہتی ہوں مگر۔۔۔" اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

"میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

فخر کی اگلی بات ایک دھماکے کی طرح فلک کے وجود پر گری۔ اس نے اسے ساکت کر دیا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ جو بھائی دوپہر میں خاموش اور تناؤ کا شکار تھا، وہ اب اس کے ساتھ کھڑا ہونے کا اعلان کر رہا تھا۔

"ہم پھوپھو کو واپس لائیں گے۔" فخر کے لبوں پر ایک دھیمی، پر عزم مسکراہٹ ابھری۔

فلک ابھی تک حیرانی کے سمندر میں غوطے کھا رہی تھی۔

"کیا؟ کیا واقعی؟" اس کی آواز بمشکل نکلی۔

"ہاں۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ "ایک موقع ملا ہے تو اسے استعمال کرنا چاہیے۔ جو کام ہمارے خاندان کا کوئی مرد نہیں کر سکا وہ تم کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔ مجھے تم پر فخر ہے، فلک!"

اس کا بھائی، اس کا فخر! آج اس کے نام کے معنی پورے ہو رہے تھے۔ اس ایک جملے نے فلک کے اندر جیسے ایک نئی روح پھونک دی تھی۔ اس کی ہمت جو ٹوٹ رہی تھی، اسے سہارا مل گیا تھا۔

فخر تھوڑا آگے ہوا اور اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"میں ابا سائیں اور بشارت بھائی کو منانے کی کوشش کروں گا۔ تم فکر مت کرو۔"

یہ وہی فخر تھا جس نے ہمیشہ اس کے لیے ڈھال بننے کی کوشش کی تھی۔ جب اس نے شہر جا کر پڑھنے کی ضد کی تھی، تو یہی فخر تھا جو ابا سائیں کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ آج تک جو وہ تھوڑی بہت آزاد تھی، وہ اسی کی مہربانی تھی۔ اور آج، وہ صرف اس کے لیے نہیں، اپنے خاندان کی ایک اور عورت کے لیے لڑنا چاہتا تھا۔

فلک کی آنکھوں میں نمی کی ایک پتلی تہہ ابھر آئی، مگر اس کے لبوں پر ایک حقیقی، پر سکون مسکراہٹ تھی۔ یہ آنسو شکست کے نہیں، تشکر اور ایک نئی ہمت کے تھے۔ اسے اپنی جنگ میں ایک سپاہی مل گیا تھا۔

✿••✿••✿••✿

آفس میں ایک خاموش ہلچل مچی ہوئی تھی، فون کی مدھم گھنٹی کبھی کبھار اس سکوت کو توڑ جاتی تھی۔ رئیس اپنی وسیع و عریض میز کے پیچھے بیٹھا تھا، اس کی پیشانی پر ہلکی سی سلوٹ تھی جو گہری سوچ کی عکاسی کر رہی تھی۔

آج وہ کچھ زیادہ ہی مصروف تھا کیونکہ اس کے چار ارب مالیت کے ہیرے بغیر کسی رکاوٹ کے منزل تک پہنچ چکے تھے، ایک ایسا کارنامہ جس پر بڑے بڑے اسمگلروں کو بھی رشک آتا۔ مگر اس کی توجہ اب ایک نئے منصوبے پر مرکوز تھی۔ اس کی خاکی رنگ کی اسکیچ بک کھلی تھی اور اس پر ایک تجریدی انداز کی مکڑی کا خاکہ بنا ہوا تھا۔ یہ کوئی عام ڈیزائن نہیں تھا، اس کی ہر لکیر میں ایک گہری معنویت چھپی تھی، جیسے وہ کسی پیچیدہ جال کی تیاری کر رہا ہو۔

لفٹ کی گھنٹی بجی اور دروازہ کھلتے ہی مراد اندر داخل ہوا۔

"منار اسٹور کا کام تیزی سے جاری ہے۔ امید ہے کہ مقرر کردہ وقت میں مکمل ہو جائے گا۔" مراد نے آتے ہی اطلاع دی اور پھر بے تکلفی سے رئیس کی میز کے قریب آ کھڑا ہوا۔ اس کی نظریں بے اختیار اسکیچ بک پر مرکوز ہو گئیں اور جیسے ہی اس نے مکڑی کا خاکہ دیکھا، اس کا حلق کڑوا ہو گیا۔

"اب تم مکڑیاں بناؤ گے؟" اس نے قدرے تحقیر آمیز لہجے میں پوچھا جیسے یہ کوئی نہایت ہی گھٹیا مشغلہ ہو۔

"سوچ رہا ہوں۔" رئیس نے مختصر، تین لفظوں پر مشتمل جواب دیا، اس کی نظریں اب بھی اسکیچ پر جمی تھیں۔

مراد نے رئیس کے سرد جواب کو نظر انداز کرتے ہوئے اسٹور سے متعلق مزید معلومات دینا شروع کر دیں۔

رئیس خاموشی سے سنتا رہا، کبھی کبھار سر ہلا دیتا یا پھر کوئی مختصر سوال پوچھ لیتا۔ اس کی تمام تر توجہ اب بھی اسکیچ بک پر مرکوز تھی جیسے وہ مکڑی کے جال کے ہر تار کو اپنے ذہن میں بُن رہا ہو۔

گفتگو ختم ہونے کے بعد مراد واپس پلٹا۔

"میں جمعہ پڑھ کر آتا ہوں۔" پھر آدھے راستے سے واپس مڑ کر رئیس کی طرف دیکھا۔ "ویسے تم بھی پڑھ سکتے ہو۔ ثواب کما لینا چاہیے۔" اس نے ایک فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا، گویا اس نے کوئی بہت بڑا فلسفہ بیان کر دیا ہو۔

رئیس نے اپنی انگلیاں اسکیچ بک سے ہٹائے بغیر ایک معنی خیز نظر اس پر ڈالی۔

"اتنے تم نے جمعے نہیں پڑھے ہوں گے جتنے میں جنازے پڑھوا چکا ہوں، تو ٹیکنیکلی میرا ثواب تم سے زیادہ ہے۔" اسکے جواب پر مراد تپ کر رہ گیا۔ اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ فوراً غائب ہو گئی اور وہ بغیر کچھ کہے خفگی سے پلٹ گیا۔ کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ رئیس کو ثواب اور گناہ کے دائرے سمجھانا سب سے بڑی بے وقوفی تھی۔ وہ

سیدھا لفٹ کی طرف بڑھا اور بٹن دبا کر نیچے جانے کا انتظار کرنے لگا، اس کے ماتھے پر غصے کی لکیریں نمایاں تھیں۔ رئیس نے ایک گہری سانس لی اور اپنی توجہ دوبارہ اسکیچ بک پر مرکوز کر دی۔ اس کے ہونٹوں پر ایک دھیمی مسکراہٹ پھیل گئی۔ مراد کو چڑانا ہمیشہ اسے کسی نہ کسی طرح کی تسکین بخشتا تھا۔

✿••✿••✿••✿

گزری رات کے طوفان کے بعد اگلی صبح اپنے ساتھ ایک عجیب سی تازگی اور سکون لائی تھی۔ فجر کے اندر کا موسم بھی کافی حد تک بدل چکا تھا۔ برسوں سے اس کے وجود پر جمی خوف اور اذیت کی گرد کل رات کی بارش میں دھل گئی تھی۔ ولی کے مضبوط ہاتھوں نے نہ صرف ارسل کا غرور توڑا تھا، بلکہ فجر کی روح کو بھی ہر بوجھ سے آزاد کر دیا تھا۔ آج اس کے قدم زمین پر نہیں، بلکہ اعتماد کی نئی بلندیوں پر پڑ رہے تھے۔

منار فیشنز کا ڈیزائننگ اسٹوڈیو سرگرمیوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ ہر طرف کپڑوں کے تھان، رنگوں کے چارٹس، اور ڈیزائن کے اسکیچز بکھرے ہوئے تھے۔ درزیوں کی قینچیوں کی ٹک ٹک اور ڈیزائنرز کی دھیمی سرگوشیاں فضا میں ایک تخلیقی موسیقی بکھیر رہی تھیں۔

فجر اس تمام ہنگامے کے بیچ میں کھڑی تھی، مگر اس کے ارد گرد سکون کا ایک ہالہ تھا۔ اس نے کاٹن کی چوڑی، آرام دہ پینٹ کے ساتھ ایک سادہ مگر نفیس ہلکا گلابی ٹاپ پہنا ہوا تھا۔ بال ایک ڈھیلی سی پونی میں بندھے تھے اور ریشمی اسکارف اس کی گردن میں نرمی سے لپٹا تھا۔ پیروں میں لوفرز پہنے وہ ایک ایک ڈیزائن کا جائزہ لے رہی تھی۔

"نہیں زوبیا۔" اس نے ایک ڈیزائن کو دیکھتے ہوئے نرمی سے کہا۔ "ریڈی ٹو ویئر کا مطلب صرف خوبصورتی نہیں، آرام بھی ہے۔ اس فیبرک کی جگہ مصری کاٹن استعمال کرو۔ ہمیں ایسی چیز بنانی ہے جسے عورت سارا دن پہن کر بھی تھکے نہیں۔"

اس کی آواز میں ایک نئی توانائی اور واضحیت تھی جو اس کے ساتھیوں کو بھی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ ہدایات دے رہی تھی، جیسے کوئی ماہر کپتان اپنے جہاز کو منزل کی طرف لے جا رہا ہو۔

اسے فلک کے آنے کی اطلاع مل چکی تھی۔ وہ کچھ دن سے غائب تھی۔ اس نے آخری ڈیزائن کو منظور کیا، ٹیم کو کچھ مزید ہدایات دیں اور پھر پر سکون قدموں سے اپنے دفتر کی طرف بڑھ گئی۔

شیشے کی داہنی دیوار سے ہی اس نے فلک کو صوفے پر بیٹھے دیکھ لیا، مگر اس کے ساتھ بیٹھے وجود کو دیکھ کر اس کے قدم ایک لمحے کو رکے۔ ایک وجیہہ، سنجیدہ چہرے والا جوان بیٹھا تھا۔

اس نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوئی۔

"مجھے لگا تھا پروجیکٹ بیچ میں ہی رہ جائے گا۔ تم تو غائب ہی ہو چکی تھیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے فلک سے کہا، مگر اس کی نظریں ساتھ بیٹھے شخص پر سوالیہ انداز میں جمی تھیں۔

فلک فوراً کھڑی ہو گئی۔ "فجر ان سے ملو، یہ میرے بھائی ہیں۔ فخر عالمگیر!"

فجر نے تعارف پر صرف سر کو ہلکی سی جنبش دی، جیسے یہ کوئی اہم بات نہ ہو۔ اس نے کوئی گرمجوشی نہیں دکھائی۔ وہ واقف نہیں تھی کہ زندگی میں داخل ہونے والے ان نئے رشتوں کو کیسے ہینڈل کیا جائے۔

جبکہ فخر نے اسے سر سے پاؤں تک ایک تنقیدی نظر سے دیکھا تھا۔ وہ اس کے لباس، اس کے انداز، ہر چیز کو اپنی ذہنی کسوٹی پر پرکھ رہا تھا۔ فجر اس کی نظروں کو نظر انداز کرتی ہوئی اپنی بڑی سی میز کی طرف بڑھی اور اس کے سامنے آ کر رکی، مگر بیٹھی نہیں۔

وہ اسے مسلسل دیکھ رہا تھا، مگر خاموش تھا۔

اس نے سینے پر بازو باندھے اور براہِ راست فخر کو مخاطب کیے بغیر فلک سے پوچھا، "تو کیا یہ بھی ہمارے پروجیکٹ پر کام کریں گے؟" اس کے لہجے میں پیشہ ورانہ سرد مہری تھی۔ وہ اسکے وہاں ہونے کی وجہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

آج اس کے اندر ایک عجیب سی طاقت بھری تھی، جو اسے کسی بھی قسم کے دباؤ سے بے نیاز کر رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ ارسل کا باب ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا ہے اور اب کوئی بھی اس کی زندگی پر اپنی مرضی مسلط نہیں کر سکتا۔

"نہیں۔۔۔ نہیں!" فلک نے جلدی سے کہا، اس کے چہرے پر خوشی اور تھوڑی گھبراہٹ تھی۔ "فخر بھیا تم سے اور پھوپھو سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں نے انہیں سب سچ بتا دیا ہے کہ ہم کزنز ہیں۔"

فجر نے یہ سن کر صرف کندھے اچکائے۔ ان نئے رشتوں کا بوجھ اٹھانے میں اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

"امّاں گھر پر ہی ہوں گی۔ تم چاہو تو گھر جا سکتی ہو۔" اس نے صاف گوئی سے کہا۔

فخر جو اب تک خاموش تھا، حیرانی سے فجر کو دیکھنے لگا۔ ان کی پھوپھو تو کافی عمر رسیدہ تھیں، ان کی بیٹی اتنی کم عمر کیسے ہو سکتی تھی؟ یہ تو فلک سے بھی کچھ مہینے چھوٹی تھی۔ اس کے ذہن میں سوالات کا ایک جال بن رہا تھا اور اس جال میں فجر کا لباس اور بے باک انداز بالکل بھی فٹ نہیں ہو رہا تھا۔

"ویسے۔۔۔" فخر خود کو روک نہ پایا۔ "ہمارے خاندان کی لڑکیاں ایسے کپڑے نہیں پہنتیں۔"

اس کی آواز میں تنقید نہیں، بلکہ ایک حکم تھا، ایک اصول تھا جو وہ فجر پر لاگو کرنا چاہتا تھا۔ اس نے فجر کی کھلی پینٹ اور شارٹ ٹاپ کو دیکھا جو اگرچہ بے حد مہذب اور اس پر جچ رہا تھا، مگر فخر کے خاندانی معیار پر پورا نہیں اترتا تھا۔

یہ سنتے ہی فجر کے ہونٹوں پر ایک زہریلی، استہزائیہ مسکراہٹ ابھری۔ وہ دھیرے سے اس کی طرف مڑی۔

"میں فجر معراج ہوں۔ فجر عالمگیر نہیں۔" اس کا لہجہ قینچی کی طرح تیز تھا۔ "نہ میں آپ کا خاندان ہوں اور نہ بننے میں مجھے کوئی دلچسپی ہے آپ آپ لوگ کے خاندان کا ٹکڑا جس عورت سے میر پھینک دیا تھا۔ تو خاندان کے یہ کھوکھلے سبق مجھے مت پڑھائیں۔"

فخر اس کی کاٹ دار زبان پر ساکت رہ گیا۔ اس نے ایسی بے باکی کی توقع نہیں کی تھی۔ فلک کے چہرے کا رنگ اڑ گیا، اس پر خفت طاری تھی۔ وہ فخر کو بتانا ہی بھول گئی تھی کہ فجر کوئی عام، دب کر رہنے والی لڑکی نہیں، بلکہ اپنے نام کی طرح ایک آفت تھی۔ فیشن اسکی زبان تھا اور بغاوت اسکا فن!

فخر نے جبڑے بھینچ لیے۔

"تم مجھے یہاں کیوں لائی ہو؟" اس نے فلک کے کان میں غصے سے سرگوشی کی۔ "مجھے پھوپھو سے ملوانا چاہیے تھا، نہ کہ ان کی اس بدمزاج بیٹی سے۔"

اس کی سرگوشی اتنی بھی دھیمی نہیں تھی کہ فجر نہ سن پاتی۔

"ایگزیکٹلی!" فجر نے فوراً لقمہ دیا۔ "مجھے خود بھی حیرت ہو رہی ہے کہ یہ آپ کو یہاں کیوں لائی ہیں؟ قسم سے، مجھے رشتہ داریاں بنانے میں ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے۔"

یہ سننا تھا کہ فخر کے ضبط کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ وہ جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا اور وہ کچھ کہنا چاہتا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ کوئی لفظ کہتا، فجر نے بے نیازی سے کندھے اچکاتے ہوئے ایک اور تیر چلایا۔

"اب یہ مت کہہ دیجیے گا کہ آپ کے خاندان کی عورتیں گونگی ہوتی ہیں، وہ بولتی بھی نہیں، کیونکہ میں ویسی بالکل نہیں ہوں۔"

فلک نے بمشکل اپنی مسکراہٹ کو ہونٹوں میں دبایا، جبکہ فخر کا چہرہ کسی دہکتے ہوئے انگارے کی طرح سرخ ہو چکا تھا۔ اس کی ساری وجاہت اور سارا غرور اس لڑکی کے سامنے دھواں ہو رہا تھا۔ وہ نہ اس پر اکڑ سکتا تھا نہ حکم چلا سکتا تھا۔ وہ روایتی مرد بھی نہیں تھا مگر اس وقت فجر کی ذات اسے چبھ رہی تھی۔

"چلو یہاں سے!" اس نے فلک کو حکم دیا۔ "مجھے ایک پل یہاں نہیں رکنا۔"

"مجھے کام کرنا ہے۔ آپ چلے جائیں۔ پھوپھو سے پھر کبھی مل لیں گے۔" فلک نے اسے ٹال دیا۔

فخر نے ایک کاٹتی ہوئی، جلتی ہوئی نظر فجر پر ڈالی اور تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔ آج اسے اچھی طرح سمجھ آ گیا تھا کہ فلک کی زبان کو یہ نئی دھار کہاں سے مل رہی تھی۔

اس کے جاتے ہی فلک کا ضبط کیا ہوا قہقہہ ابھرا۔

"بہت اچھا کیا تم نے۔ مجھے اتنی ہنسی آ رہی ہے۔" وہ ہنستے ہوئے صوفے پر گر سی گئی۔

فجر کے چہرے پر ایک ہلکی سی، مطمئن مسکراہٹ تھی۔ وہ اپنی کرسی پر بیٹھ گئی، جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ اس کے لیے یہ سب معمول تھا۔

دنیا اس کے اصولوں پر چلے نہ چلے، وہ دنیا کے اصولوں پر نہیں چلے گی، یہی اس کا سادہ سا فلسفہ تھا۔

✿••✿••✿••✿

شام کی نارنجی روشنی وسیع اسٹوڈیو کو ایک سنہری غلاف میں لپیٹ رہی تھی۔ دن بھر کی ہلچل اب ایک سحر انگیز خاموشی میں بدل چکی تھی۔ فلک جا چکی تھی اور اب ڈیزائننگ اسٹوڈیو میں صرف فجر تھی، جو ایک لمبی میز پر جھکی اپنے اور فلک کے مشترکہ پروجیکٹ کے لیے کاسٹیومز کی کٹنگ میں محو تھی۔ میز پر رنگ برنگے کپڑے، اسکیچز اور کترنیں ایک تخلیقی بے ترتیبی سے بکھری ہوئی تھیں۔ کچھ کاسٹیومز پر وہ صرف خود کام کرنا چاہتی تھی۔

اس کے ہاتھ میں پکڑی بڑی سی قینچی کپڑے پر ایک ماہر جراح کی طرح نفاست سے چل رہی تھی۔ اس کے چہرے پر مکمل انہماک تھا اور گردن تک آئے چند بال اس کی توجہ میں مخل ہو رہے تھے، جنہیں وہ بار بار جھٹک دیتی۔

اچانک ایک مانوس خوشبو نے اس کے حواس کو متوجہ کیا۔ اس نے ابھی سر نہیں اٹھایا تھا کہ ایک سایہ اس کے قریب آ کر ٹھہر گیا۔ ولی کے قدموں کی آہٹ بھی سنائی نہ دی تھی، اس کے پاس آ کھڑا تھا۔ اس نے خاموشی سے کولڈ کافی کا گلاس میز کے ایک صاف کونے میں رکھ دیا۔

فجر نے ایک لمحے کو قینچی روکی اور گلاس کو دیکھا، پھر آہستہ سے گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں پر ٹکا چشمہ اس کے تاثرات کو چھپا نہیں پا رہا تھا، اور ان میں ایک واضح سوال تھا۔

"تم اپنے لیے نہیں لائے؟"

اس نے مسکراتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈال لیے۔

"ایک سے ہی پی لیں گے۔ ویسے بھی تم آدھا چھوڑ دیتی ہو، وہ میں ختم کر لوں گا۔"

اس کی بات میں ایسی بے تکلفی اور اپنائیت تھی کہ فجر کچھ بول ہی نہ پائی۔ اس نے بس سر جھٹک کر دوبارہ کام کی طرف توجہ کر لی، جیسے اس کی موجودگی سے کوئی فرق نہ پڑتا ہو، مگر اس کے دل کی دھڑکن معمول سے تھوڑی تیز ہو گئی تھی۔ وہ اب وہاں رکھے چند اسکیچز کو دلچسپی سے دیکھ رہا تھا، پھر ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

ماحول میں چند لمحے خاموشی رہی، صرف قینچی کی آواز گونجتی رہی۔ پھر اس نے اس خاموشی کو توڑا۔

"ایک بات پوچھوں؟" اس کی آواز اب سنجیدہ تھی۔ وہ فرصت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"ہوں۔۔۔" فجر نے مصروف سے انداز میں کہا اور پھر کافی کا گلاس اٹھا کر ایک گھونٹ بھرا۔

"وہ کیا چیز ہے جو تمہیں مجھ سے محبت کروا سکتی ہے؟ میرا مطلب تم مجھ سے کیسے محبت کر سکتی ہو؟"

سوال اتنا غیر متوقع اور سیدھا تھا کہ فجر کے ہاتھ میں پکڑا گلاس وہیں رک گیا۔ اس نے کرسی پر بیٹھ کر ٹیک لگائی اور ولی کو دیکھا جو پورے انہماک سے اس کے جواب کا منتظر تھا۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا، مگر اس کی آنکھوں میں ایک شرارتی چمک ابھری اور غائب ہو گئی۔

"تمہارے باپ کا پیلس اور پروڈکشن ہاؤس، تمہارے ماموں کی سلطنت اور ایمپائر مال! یہ سب چاہیے، اس کے بعد سوچوں گی۔"

بات غیر سنجیدہ تھی، مگر اس نے اتنی سنجیدگی سے کہی تھی کہ ایک لمحے کے لیے ولی کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

اس نے خود کو سنبھالا۔

"اور میں۔۔؟" اس کی آواز میں حقیقی حیرت تھی۔ یعنی وہ کہیں نہیں تھا؟ وہ اسے نہیں چاہیے تھا؟

فجر نے ایک اور گھونٹ بھرا اور گلاس ہاتھ میں تھامے دوسرے ہاتھ سے ایک اسکیچ اٹھا لیا۔

"تم پہلے ہی میرے اسیر ہو۔" اس نے اسکیچ کو دیکھتے ہوئے اتنے سکون اور بے نیازی سے کہا جیسے موسم کا حال بتا رہی ہو۔

وہ کئی لمحے ساکت بیٹھا اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس کا ابھرنے والا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ وہ منہ نیچے کیے ہنس رہا تھا۔

وہ اسے سنجیدہ نظروں سے دیکھتی رہی مگر اس کے دل میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ وہ ابھی تک ہنس رہا تھا، پھر وہ اچانک اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے اٹھنے پر فجر کا ماتھا ٹھنکا۔

"مجھے تمہارا جواب بے حد پسند آیا۔" وہ اب مسکراتا ہوا اس کی جانب بڑھنے لگا۔

فجر نے خطرہ بھانپ کر فوراً اسکیچ میز پر رکھا اور اپنی قینچی اٹھالی۔

"اگر تم نے مجھے تنگ کیا تو۔۔۔" وہ اسے وارننگ دے رہی تھی، کیونکہ وہ جس طرح ہنس رہا تھا، یقیناً اب وہ اسے ضرور تنگ کرتا۔

مگر ولی نے اس کی دھمکی کو ہوا میں اڑا دیا۔ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے، وہ آہستہ آہستہ اس کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک الوہی چمک تھی، ایک گہری محبت! وہ اس کے قریب پہنچ کر چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ فجر بھنویں سکیڑے اسے خطرناک نظروں سے گھور رہی تھی، مگر اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

اور پھر وہ جھکا۔ ہاتھ ابھی تک پینٹ کی جیبوں میں تھے۔

اس نے نہایت آہستگی سے فجر کے سر کو اپنے لبوں سے چھوا۔ اپنے بالوں میں اس کے گرم لبوں کی نرم تاثیر محسوس کر کے وہ ساکت رہ گئی۔ یہ لمس کسی بجلی کی طرح اس کے پورے وجود میں دوڑ گیا، ایک ایسی میٹھی لہر جو اس کے اندر تک پھیل گئی۔

وہ سیدھا ہوا۔ اس کی چمکتی الوہی آنکھوں نے فجر کے سرخ پڑتے رخساروں کو دیکھا۔ یہ نظارہ اتنا خوبصورت تھا کہ اس کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔ فجر کے ہاتھ سے قینچی چھوٹ کر ٹھک سے میز پر گر گئی۔ اس نے آگے بڑھ کر اس کے بے جان ہوتے ہاتھ سے کافی کا گلاس لے لیا۔

"بائی داوے، یہ میری کافی ہے۔ اسے میٹھا کرنے کے لیے شکریہ!"

وہ جس انداز سے آیا تھا، اسی پر سکون انداز سے واپس مڑ کر چلا گیا۔ دروازہ کھلا اور بند ہو گیا۔ جبکہ فجر ابھی تک ساکت و جامد بیٹھی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ چیخے چلائے یا پھر شرم سے چہرے پر دونوں ہاتھ رکھ لے۔

وہ بہروپیا آدمی اسے ایک ایسے خوشگوار طوفان کے بیچ میں چھوڑ گیا تھا جس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

✿••✿••✿••✿

فلک نے بے دلی سے لیپ ٹاپ بند کیا اور کرسی پر سر ٹکا دیا۔ وہ پوری کوشش کر رہی تھی کہ کام پر توجہ دے سکے، اس پروجیکٹ کو مکمل کرنا اس کے لیے بہت اہم تھا۔ لیکن میز پر رکھے اس کے موبائل فون کی مسلسل ٹرینگ نے اس کا سارا دھیان بٹا دیا تھا۔

اس نے ایک نظر اسکرین پر ڈالی۔ **رجب رضا**، روز کی طرح فون کر رہا تھا۔

اس نے عادت کے مطابق فون سائلنٹ پر لگا دیا، لیکن اس کی اسکرین کی بے تاب روشنی پل پل اس کے سکون کو چیلنج کر رہی تھی۔ ایک گہری بے چینی نے اس کے اندر ڈیرے ڈال لیے تھے۔ آخر کار اس نے ایک لمبی سانس کھینچی اور فون اٹھا ہی لیا۔

"السلام علیکم!" اس کی آواز میں وہ نارمل لہجہ لانے کی کوشش تھی جو اندر کی طوفانی کیفیت سے بالکل مختلف تھا۔

"وعلیکم السلام! لگتا ہے محترمہ کو میرا فون کرنا برا لگتا ہے۔" رجب کی آواز میں کھلا طنز تھا۔ فلک کو اس کے لہجے کی یہ کاٹ بہت ناگوار گزرتی تھی۔ وہ روز فون کرتا تھا۔ وہ کبھی اٹھا لیتی کبھی فون بج بج کر بند ہو جاتا۔

"نہیں وہ بس میں کام کر رہی تھی۔" اس نے مختصر جواب دیا۔

"اتنی سنجیدگی سے اس پروجیکٹ پر کام کر رہی ہو؟ کیا وجہ یہ ہے کہ اس میں رئیس گروپ انوالو ہے؟ کیا رئیس کی وجہ سے تم اسے سنجیدہ لے رہی ہو؟" رجب کا اگلا جملہ ایک تیر کی طرح اس کے دل میں پیوست ہو گیا۔ وہ ہر بات میں رئیس کا ذکر کیوں لے آتا تھا؟ کیا واقعی اس کے ذہن میں یہی سب چلتا رہتا تھا؟

فلک نے بے اختیار آنکھیں بند کر لیں۔ یہ شخص اس کی زندگی کا ایک ایسا ناسور تھا جس کا نام سنتے ہی اس کے اندر ایک ناخوشگوار سی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ وہ سب ٹھیک کرنا چاہتی تھی گ رجب ہمیشہ اسے ٹارچر کرنے کا کوئی نیا بہانہ ڈھونڈ لیتا تھا۔

"میں جو کام کرتی ہوں پوری ایمانداری سے کرتی ہوں۔ میرا پروجیکٹ منار کے ساتھ ہے اور مجھے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اسے کون اسپانسر کر رہا ہے۔" اس نے اپنی آواز کو پرسکون رکھنے کی سر توڑ کوشش کی، لیکن اندر ہی اندر ایک لاوا پک رہا تھا۔

"اچھا۔۔۔" رجب نے ایک مخصوص انداز میں **'اچھا'** کہا، جس میں یقین سے زیادہ تمسخر کا عنصر نمایاں تھا۔

"پھر تو تمہارا اس سے کوئی رابطہ بھی نہیں ہو گا؟ ہے نا؟" اس سوال پر فلک کے اندر کا ضبط جواب دے گیا۔ یہ شخص کس قدر بے حس تھا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" اس کے لہجے میں ناگواری واضح ابھری۔

"میرا مطلب، تمہاری تیرہ سال منگنی رہی ہے اس سے۔۔۔رابطہ تو ہو گا نا؟" رجب گویا اس کے پرانے زخم کرید رہا تھا۔ وہ بخوبی جانتا تھا کہ رئیس فلک کی زندگی کا ایک تکلیف دہ باب تھا اور پھر بھی وہ بار بار اسی کا ذکر کر کے اسے اذیت دے رہا تھا۔ کیا اسے اندازہ بھی تھا کہ اس کی ان باتوں سے فلک پر کیا گزرتی تھی؟

"کیا آپ نے یہ باتیں کرنے کے لیے فون کیا ہے؟" اس نے موضوع بدلنے کی کوشش کی، وہ کسی بھی صورت اپنی ذاتی زندگی کی وضاحتیں اس شخص کے سامنے نہیں دینا چاہتی تھی۔

"نہیں۔۔۔لیکن اگر تم مجھے نظر انداز کرو گی تو میں یہی سوچوں گا۔" اس کا سرد اور سپاٹ لہجہ سن کر فلک کے اندر ایک خوف کی لہر دوڑ گئی۔ یہ کیسا شخص تھا جو ہر وقت شک اور بدگمانی میں مبتلا رہتا تھا؟

"میں اپنے کام اور رشتوں کو لے کر کافی ایماندار ہوں۔ مسٹر رجب رضا! برائے مہربانی اگر آپ مجھ سے رشتہ رکھنا چاہتے ہیں تو آئندہ ایسی باتیں مت کیجیے گا۔" اس کے گلے میں آنسوؤں کا ایک بڑا سا گولا پھنس گیا، وہ اپنی بات بمشکل مکمل کر پائی۔

"ارے میں تو بس یونہی کہہ رہا تھا۔ برا لگا تو معذرت!" اب وہ اپنی کہی ہوئی باتوں پر معذرت کر رہا تھا، جیسے اس کا مقصد صرف اسے تکلیف پہنچانا تھا۔

"خیر میں نے فون کیا تھا تاکہ تم سے چائے کا پوچھ سکوں۔ مجھے لگتا ہے ہمیں ایک بار اور ملنا چاہیے تاکہ ایک دوسرے کو مزید جاننے کا موقع ملے۔" اس کی اس نئی فرمائش پر فلک کی پیشانی پر ناگواری کے بل پڑ گئے۔

"یہ ممکن نہیں ہے۔" اس نے دوٹوک انکار کر دیا۔

"تم لاہور میں رہ سکتی ہو؟ اکیلے گھوم سکتی ہو۔ ایک فیشن کمپنی میں کام کر سکتی ہو مگر مجھ سے مل نہیں سکتیں؟ کمال ہے۔" اس کا صبر بھی اب جواب دے رہا تھا۔ آواز میں غصہ اور تلخی نمایاں تھی۔

فلک نے اپنے لب دانتوں تلے دبا لیے۔ وہ اس کی منطق سے عاجز آچکی تھی۔

"لیکن۔۔" وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر رجب نے اسے موقع ہی نہیں دیا۔

"مجھے کچھ نہیں سننا۔ کل کال کروں گا تمہارا جواب ہاں ہونا چاہیے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے جھٹ سے فون بند کر دیا، اور فلک بے بسی سے اسکرین کو دیکھتی رہ گئی۔ اس کی آنکھوں میں نمی تھی اور دل میں ایک گہرا کرب۔ یہ وہ کیسی مصیبت میں پھنس گئی تھی؟ ایک انجانا خوف اس کے وجود کو لپیٹ رہا تھا۔ وہ ماضی کے تلخ تجربات سے جان چھڑانا چاہتی تھی، لیکن یہ شخص تو اس کی ہر نئی شروعات کو داغدار کرنے پر تلا ہوا تھا۔

✿••✿••✿••✿

خوشیوں کے دن مختصر ہوتے ہیں اور بے چینیوں کی راتیں اکثر لمبی ہو جاتی ہیں!

وقت اپنی رفتار سے چلتا رہا اور فجر نے خود کو یقین دلا دیا تھا کہ ولی نے ایک طوفان کو جنم لینے سے پہلے ہی روک دیا تھا مگر ایک نیا طوفان اسکا منتظر تھا۔

اس رات، جب شہر گہری نیند میں ڈوبا ہوا تھا اور کھڑکی سے چھن کر آتی چاندنی کمرے میں ایک پر سکون سی روشنی بکھیر رہی تھی وہ بھی سکون کی نیند سو رہی تھی۔ یہ کئی دنوں بعد ایک ایسی رات تھی جس میں اس کے ذہن پر کوئی بوجھ نہیں تھا۔

پھر اچانک، اس خاموشی کا سینہ چیرتی ہوئی ایک بے رحم چیخ بلند ہوئی۔

اس کے فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ ایک ایسی مسلسل اور شدید گھنٹی جیسے کوئی قیامت برپا ہونے والی ہو۔ اس نے جھنجھلا کر آنکھیں کھولیں۔ رات کا پچھلا پہر تھا، صبح ہونے میں ابھی کچھ وقت باقی تھا۔ اس نے بیزاری سے فون اٹھایا، اسکرین پر جگمگاتا انجان نمبر دیکھ کر اس کا ماتھا ٹھنکا۔ اس نے کال کاٹ دی، مگر فون فوراً دوبارہ بجنے لگا، اس بار زیادہ شدت اور بے چینی کے ساتھ۔

"ہیلو؟" فجر کی آواز میں نیند کی خمار اور ہلکی سی ناگواری تھی۔

دوسری طرف سے کوئی جواب نہ آیا، صرف کسی کے بے تحاشا رونے، سسکیاں لینے اور کانپتی ہوئی سانسوں کی آواز ابھری۔ ایک لمحے کے لیے فجر کا دل دھک سے رہ گیا۔ یہ ایک نسوانی آواز تھی۔

"ہیلو؟ کون ہے؟" وہ جھٹ سے اٹھ بیٹھی

"میڈم۔۔ اس نے۔۔ اس نے مجھے برباد کر دیا۔" رانیہ کی آواز کٹی پھٹی، آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ "میں نے سب چھوڑ دیا تھا۔ میں بس اپنی زندگی جینا چاہتی تھی۔۔ اپنی پہچان بنانا چاہتی تھی۔۔۔ پوری ایمانداری کے ساتھ۔۔" وہ ایک اور سسکی میں ڈوب گئی۔

فجر کی نیند ہرن ہو چکی تھی اور دل میں ایک سرد خوف اترنے لگا۔

"کیا ہوا؟ کس نے کیا کیا ہے؟"

"دانیال۔۔" اس نام کے ساتھ نفرت کی ایک لہر ابھری۔ "وہ مجھے بلیک میل کر رہا ہے، میڈم! وہ کہتا ہے اس کے پاس میری تصویریں ہیں۔۔ کچھ اصلی۔۔۔ اور کچھ اس نے خود بنائی ہیں۔ وہ مجھے بدنام کرنے کی دھمکی دے رہا ہے۔۔۔ وہ چاہتا ہے میں اس کے پاس آؤں۔۔۔ وہ مجھے استعمال کرنا چاہتا ہے۔۔۔"

فجر کی آنکھیں حیرت اور غصے سے پھیل گئیں۔ ”تم نے پولیس کو کیوں نہیں بتایا؟“

”میں نے۔۔۔ میں نے ہمت کر کے اپنے گھر والوں کو بتایا تھا۔۔“ اس کی آواز میں اب اذیت کی ایک نئی تہہ شامل ہو گئی۔ ”سانحہ مجھے لگا وہ مگر۔۔ مگر انہوں نے مجھ پر ہی تشدد کیا۔ انہیں اپنی عزت کی پڑی ہے، میری جان کی نہیں! انہوں نے کہا کہ غلطی میری ہے۔ وہ مجھے ٹارچر کر رہے ہیں۔ میں یہ ذلت مزید برداشت نہیں کر سکتی میڈم مجھ میں اب ہمت نہیں ہے۔۔۔“

وہ بے طرح رو رہی تھی، اس کا ہر لفظ ایک تیر کی طرح فجر کے سینے میں لگ رہا تھا۔

”رانیہ، میری بات سنو! ریلیکس ہو جاؤ۔ تم جہاں بھی ہو، مجھے بتاؤ میں ابھی آ رہی ہوں۔ ہم مل کر اس کا حل نکالیں گے۔“ اس نے اپنے لہجے میں زیادہ سے زیادہ مضبوطی اور بھروسہ بھرنے کی کوشش کی، مگر اس کے اپنے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ معاملہ اتنا سنگین ہو جائے گا۔

”نہیں۔۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔۔“ اس سے پہلے کہ فجر کچھ اور کہتی، اس نے فون کاٹ دیا۔

”رانیہ! رانیہ!“

لیکن دوسری طرف مکمل خاموشی چھا چکی تھی۔ فجر نے فوراً اسی نمبر پر دوبارہ کال ملائی، مگر ایک مشینی آواز نے اس کا استقبال کیا: **”آپ کا ملایا ہوا نمبر اس وقت مصروف ہے۔“**

اس کے دل کی دھڑکن بے ترتیب ہو گئی۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے کئی بار نمبر ڈائل کیا، مگر ہر بار وہی جواب۔ ایک انجانا خوف اس کے پورے وجود پر حاوی ہو رہا تھا۔ تبھی اس کے فون پر واٹس ایپ کی نوٹیفیکیشن ٹون بجی۔ اسی انجان نمبر سے ایک ویڈیو موصول ہوئی تھی۔

اس کا دل ڈوبنے لگا۔ اس نے لرزتی انگلی سے ویڈیو پلے کی۔

اسکرین پر ابھرنے والا منظر فجر کے حلق میں سانس اٹکا گیا۔ یہ رانیہ تھی، اس کے بال بکھرے ہوئے تھے، آنکھیں رونے سے سوجی ہوئی تھیں اور چہرے پر ایک ایسی ویرانی تھی جو موت سے پہلے چہروں پر آتی ہے۔ تشدد کے نشانات واضح تھے۔

"میڈم۔۔۔" اس کی آواز کانپ رہی تھی مگر اس میں ایک خوفناک ٹھہراؤ تھا۔ **"میں یہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔۔۔ مگر میں مجبور ہوں۔ ان لوگوں سے، ان رشتوں سے، اور اس نظام کے عفریت سے میں اکیلے نہیں لڑ سکتی۔ جب اپنے ہی بھروسہ نہ کریں تو انسان کہاں جائے؟ اس لیے۔۔۔ میں اپنی جان دے رہی ہوں۔ شاید اس کے بعد کسی کو میری سچائی پر یقین آجائے۔"**

ویڈیو بند ہو گئی۔

موبائل فجر کے بے جان ہوتے ہاتھوں سے پھسل کر نرم قالین پر گر گیا۔ وہ ساکت کھڑی تھی، اس کی آنکھیں سامنے دیوار پر جمی تھیں۔ کمرے کی خاموشی اب پہلے سے زیادہ خوفناک اور وزنی لگ رہی تھی۔ اس کے کانوں میں رانیہ کے آخری الفاظ گونج رہے تھے۔

"میں اپنی جان دے رہی ہوں۔"

فجر کے طاقتور وجود میں ایک لرزہ طاری ہوا۔ وہ عورت جو بڑے بڑے طوفانوں کے سامنے چٹان کی طرح کھڑی رہتی تھی، اس لمحے ریت کی دیوار کی طرح لرز رہی تھی۔

ایک لمحے کو لگا جیسے وقت تھم گیا ہے، جیسے کائنات کی ہر حرکت منجمد ہو گئی ہے۔ پھر اس کے اندر سے ایک کپکپی یکلخت اٹھی، ایک ایسی سرد لہر جو اس کی ہڈیوں تک اتر گئی۔ اس نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے فون اٹھایا اور اپنی کانٹیکٹ لسٹ میں سے ایچ آر کا نمبر ملا رہی تھی۔ کال جا رہی تھی مگر عالیہ نے فون نہیں اٹھایا۔ پھر اس نے اپنا لیپ ٹاپ آن کیا اب وہ ایچ آر سافٹ ویئر میں رانیہ نام کی لڑکیاں ڈھونڈ رہی تھیں۔ دو ہی لڑکیاں تھیں۔ اس نے پہلے ایک نمبر ملایا۔ فون اٹھا لیا گیا۔

"کیا تم رانیہ بات کر رہی ہو؟"

"جی آپ کون؟" نیند میں ڈوبی آواز ابھری۔ اس نے فوراً فون بند کر دیا۔ یہ وہ رانیہ نہیں تھی۔ پھر دوسری رانیہ کے نمبر ملائے مگر بے سود ھ۔ اب اس کی حالت خراب ہونا شروع ہو گئی تھی۔ جب کچھ سمجھ نہیں آیا تو اس نے ولی کو فون ملایا۔

گھنٹی صرف ایک بار بجی۔

"فجر سب ٹھیک ہے؟" اس کی فکر مند سی آواز ابھری۔

"ولی۔۔" فجر کی آواز ایک ٹوٹی ہوئی سرگوشی تھی۔ "وہ رانیہ۔۔ اس نے خود کو۔۔۔" وہ جملہ مکمل نہ کر سکی۔ اس کے حلق میں الفاظ کانچ بن کر چبھ رہے تھے۔ اس نے بمشکل اپنی بات اسے سمجھائی۔

"پریشان مت ہوں میں آ رہا ہوں۔" اس نے کوئی اور سوال نہیں کیا، کوئی تفصیل نہیں پوچھی۔ بس ایک ٹھوس سہارے کی طرح اپنی آمد کا یقین دلایا۔

فون بند ہو گیا۔ فجر نے سر اپنے گھٹنوں میں گرا دیا۔ اس کا دماغ سن ہو چکا تھا۔

جب صبح کی پہلی اداس کرن نے کھڑکی سے جھانکا، ولی اس کے سامنے تھا۔

"ہمیں اس کے گھر جانا ہو گا ابھی۔۔۔" وہ دھلے دھلائے منہ کے ساتھ سادہ سیاہ شلوار قمیص میں تھی۔ شب خوابی کا لباس اس نے بدل لیا تھا۔

گاڑی شہر کی سڑکوں پر ہوا سے باتیں کر رہی تھی۔ فجر کا دل کسی انہونی کے خوف سے بری طرح دھڑک رہا تھا۔ شاید وہ زندہ ہو، شاید یہ سب ایک ڈرامہ ہو۔ مگر جیسے ہی وہ اس تنگ گلی میں داخل ہوئے جہاں رانیہ کا گھر تھا، ان کے سارے شاید دم توڑ گئے۔

گھر کے باہر لوگوں کا ہجوم تھا اور اندر سے دل خراش بین کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ آوازیں جو موت کا اعلان کرتی ہیں۔ فجر گاڑی میں ہی ساکت رہ گئی۔ اسے لگا جیسے اس کے جسم سے جان نکل گئی ہے۔ ولی اسے وہیں بیٹھا کر اندر چلا گیا۔ وہ چند منٹ بعد واپس آیا تو اس کا چہرہ بجھا ہوا تھا۔

"بہت دیر ہو گئی اس نے خودکشی کر لی ہے۔"

ایک اور جان۔ ایک اور خواب۔ ایک اور لڑکی، اسی طرح کے حالات میں پھر سے ماری گئی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ اسے رانیہ کی جان ہر چیز سے زیادہ عزیز تھی، مگر وہ اسے بچا نہ سکی۔ اس کے دیئے ہوئے دوسرے موقعے نے اسے زندگی نہیں، موت دے دی تھی۔

ولی نے خاموشی سے گاڑی واپس موڑ لی۔ صبح کے آٹھ بجے تک یہ خبر ہر نیوز چینل کی سب سے بڑی سرخی بن چکی تھی۔

وہ اپنے گھر کے لاؤنج میں تھی۔ اس کے سامنے کافی کا ایک مگ رکھا تھا۔ اس نے ایک گھونٹ بھی نہیں پیا۔ وہ سفید مجسمے کی طرح ساکت تھی۔

اماں اور بانو۔ پریشان نظر آرہی تھیں۔ مگر اس کا وجود جیسے وہیں رانیہ کے گھر کی دہلیز پر رہ گیا تھا۔ وہ اسے پر سکون کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا، مگر وہ ایک زندہ لاش لگ رہی تھی۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے خالی مگر روح زخموں سے چور تھی۔ وہ ابھی تک سمجھ نہیں پائی تھی کہ آخر ہوا کیا تھا۔

تبھی ولی کا فون مسلسل بجنے لگا۔ نوٹیفیکیشنز کی ایک بوچھاڑ تھی۔ اس نے فون اٹھایا اور اس کا چہرہ سپاٹ ہو گیا۔

سوشل میڈیا پر ایک ویڈیو آگ کی طرح پھیل چکی تھی۔ یہ رانیہ کی ہی ویڈیو تھی، مگر یہ وہ ویڈیو نہیں تھی جو فجر کو ملی تھی۔ اس ویڈیو میں رانیہ روتے ہوئے کیمرے میں دیکھ رہی تھی، اس کا لہجہ مظلومیت اور الزام سے بھرا تھا۔

"میرا نام رانیہ ہے۔ اور اگر آپ یہ ویڈیو دیکھ رہے ہیں تو اس کا مطلب ہے میں زندہ نہیں ہوں۔ میری موت کی ذمہ دار منار فیشن کمپنی اور اس کی مالکن فجر معراج ہیں۔ مجھے نوکری کا جھانسہ دے کر استعمال کیا گیا، میری عزت سے کھیلا گیا۔ اور جب میں نے ان کے عزائم کو سمجھ کر وہاں سے نکلنا چاہا، تو مجھے بلیک میل کیا جانے لگا۔ مجھ جیسی مڈل کلاس لڑکی کے پاس عزت کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ میں یہ ذلت مزید برداشت نہیں کر سکتی۔ میں انصاف چاہتی ہوں۔۔۔"

ویڈیو وہیں ختم ہو گئی مگر جنگل کی آگ کی طرح پھیلنے لگی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہیش ٹیگ #BurnManar اور #justiceforrania ٹرینڈ کرنے لگے۔ فجر نے ویڈیو دیکھی اور اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ یہ جھوٹ تھا! ایک بے بنیاد، گھناؤنا جھوٹ!

"یہ۔۔۔یہ سچ نہیں ہے۔اس نے مجھے۔۔مجھے کچھ اور بتایا تھا۔"اس کی آواز میں بے یقینی تھی۔وہ اب فون کھولے اسے وہ ویڈیو دکھا رہی تھی جو رانیہ نے بھیجی تھی۔

"مجھے تم پر یقین ہے فجر۔"اس نے مضبوطی سے کہا۔

مگر سوشل میڈیا پر فیک ویڈیو وائرل ہو چکی تھی اور یہ اتنی تیزی سے وائرل ہو رہی تھی جیسے سوشل میڈیا صرف اسی کے لیے ہو۔

"مجھے آفس جانا ہے۔"اچانک اس نے ایک سپاٹ لہجے میں کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"پاگل مت بنو!حالات بہت خراب ہیں۔مجھے ابھی اطلاع ملی ہے کہ لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد احتجاج کے لیے منار کی بلڈنگ کے باہر جمع ہو چکی ہے۔وہ لوگ مشتعل ہیں۔تمہارا وہاں جانا خطرے سے خالی نہیں۔"

فجر نے اس کی طرف دیکھا۔اس کی آنکھوں میں اب دکھ یا خوف نہیں،ایک سرد،خطرناک ضد تھی۔

"یہ میرا بنایا ہوا قلعہ ہے۔میں اسے ایسے دشمنوں کے حوالے کر کے چھپ نہیں سکتی جنہوں نے میری پیٹھ میں چھرا گھونپا ہے۔رانیہ کا سچ سامنے لانا ہو گا۔مجھے جانا ہے۔"

اس کی ضد کے آگے ولی مجبور تھا۔وہ اماں کو پورا یقین دلا کر اسے منار لے آیا۔یوں بھی یہ ضروری تھا۔وہاں پولیس بھی پہنچ چکی تھی۔معاملہ حد سے زیادہ گھمبیر تھا۔

منار فیشن کی شاندار عمارت آج ایک میدانِ جنگ کا منظر پیش کر رہی تھی۔ہزاروں لوگ باہر جمع تھے،ان کے ہاتھوں میں پلے کارڈز اور مشعلیں تھیں۔وہ نعرے لگا رہے تھے۔**"فجر کو پھانسی دو!،منار کو جلا دو!"**میڈیا کی

گاڑیاں، پولیس کی نفری، اور ہر طرف ایک جنونی کیفیت طاری تھی۔ ان کی گاڑی کو اندر داخل ہونے کے لیے پولیس نے بڑی مشکل سے راستہ بنوایا۔ مشتعل ہجوم نے گاڑی پر پتھر بھی برسائے۔

وہ جیسے ہی اندر داخل ہوئی، شیشے کی دیواروں کے پار سے آتی غصے کی لہر اور نفرت انگیز نعرے اسے صاف سنائی دے رہے تھے۔ کمپنی کے چند اہم لوگ اور سیکیورٹی ہیڈ اندر موجود تھے۔ پولیس کے اعلیٰ افسران تفتیش کر رہے تھے۔

"میڈم، آپ کے پاس کوئی ثبوت ہے کہ آپ بے گناہ ہیں؟" ایک انسپکٹر نے پوچھا۔

"اپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ میں گنہگار ہوں؟ صرف ایک فیک ویڈیو؟" اس کی سلطنت پھر سے تباہی کے دہانے پر تھی مگر آج اسے رانیہ کے لیے برا لگ رہا تھا۔ ایک لڑکی مر گئی تھی اور لوگوں کو صرف اسے گنہگار ثابت کرنے کی پڑی تھی۔ ولی نے اسکا فون لیا۔

"ہمارے پاس اس کی آخری کال کی ریکارڈنگ ہے، اور وہ ویڈیو بھی جو اس نے مرنے سے پہلے صرف فجر کو بھیجی تھی۔ جس میں اس نے اصل مجرم دانیال کا نام لیا ہے۔"

انسپکٹر نے ثبوت دیکھے اور اس کا چہرہ سنجیدہ ہو گیا۔

"کیس بہت الجھ گیا ہے۔ باہر جو ویڈیو ہے وہ کچھ اور کہہ رہی ہے، آپ لوگوں کے پاس جو ثبوت ہیں وہ کہانی کا رخ ہی موڑ رہے ہیں۔ جب تک تفتیش مکمل نہیں ہوتی، آپ شدید خطرے میں ہیں۔" اس نے فجر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

باہر ہجوم بے قابو ہوتا جا رہا تھا۔ ان کی نفرت ایک آکاس بیل کی طرح منار کی عمارت کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی۔ وہ انصاف نہیں چاہتے تھے، وہ سزا دینا چاہتے تھے۔ وہ **فجر معراج** کو زندہ جلانا چاہتے تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسا ایک منظم گروہ یہ سب چاہتا ہو۔

فجر شیشے کی دیوار کے پاس کھڑی باہر کے اس جنونی منظر کو دیکھ رہی تھی۔ اسکا چہرہ سپاٹ تھا مگر اندر کہیں الاؤ دہک رہا تھا۔

وہ پھنس چکی تھی۔ ایک ایسے جال میں جہاں سچ اور جھوٹ کی تمیز ختم ہو چکی تھی، اور اس کی زندگی ایک بار پھر داؤ پر لگی تھی۔

✿••✿••✿••✿

منار کا شیشے کا قلعہ اب ایک قید خانے میں بدل چکا تھا۔ اندر پولیس کی تفتیش کی خاموش دہشت تھی اور باہر ہزاروں سروں پر سوار جنون کا شور۔ اس ہجوم میں سب سے آگے، چہرے پر انتقام کی تسکین لیے **دانیال** کھڑا تھا۔ وہ بازو پھیلا کر نعرے لگوا رہا تھا، لوگوں کے جذبات کو ہوا دے رہا تھا، جیسے وہ اس آگ کا سب سے بڑا پجاری ہو۔

حالات لمحہ بہ لمحہ قابو سے باہر ہو رہے تھے۔ پولیس کی رکاوٹیں کمزور پڑنے لگی تھیں۔ ہجوم اب صرف نعرے نہیں لگا رہا تھا، وہ پتھر برسا رہا تھا۔ منار کی چمکدار کھڑکیوں پر پتھروں کی برسات ہو رہی تھی، اور ہر ٹکر کے ساتھ شیشے پر دراڑیں پڑنے کی خوفناک آواز اندر گونجتی۔ جو اہم اسٹاف اندر موجود تھا وہ بھی خوفزدہ تھا۔

ولی کو پولیس کے ساتھ مل کر حالات قابو میں لانے کی کوشش کر رہا تھا اس نے بھانپ لیا تھا کہ حالات سب ان کے قابو سے باہر تھے۔ اس نے اپنی جیب سے فون نکالا، اس کا چہرہ سپاٹ اور آنکھیں برف کی طرح سرد تھیں۔ اس نے ایک نمبر ملایا۔ فون کی اسکرین پر دو لفظ چمکے 'Big B' دوسری طرف سے فوراً فون اٹھا لیا گیا۔

اس کی آواز میں ایک ٹھہراؤ تھا، جیسے ایک کمانڈر اپنے سپریم کمانڈر کو رپورٹ دے رہا ہو۔

"بگ بی، اِٹس یور ٹرن ناؤ (اب آپ کی باری ہے)۔" اس نے باہر پتھر برساتے ہجوم پر ایک نظر ڈالی اور اطلاع دی۔ پھر فون بند کر دیا۔ جس عفریت نے منار کو چاروں طرف سے گھیرا تھا، اس سے لڑنے کے لیے رئیس اور نگزیب جیسے عفریت کی ہی ضرورت تھی۔

دوسری جانب، شہر کے سب سے بلند اور محفوظ ٹاور میں، رئیس ہیڈ آفس میں ماحول کسی جنگی کمرے سے کم نہیں تھا۔ عروزہ کے آفس میں کئی ٹیکنیکل ماہرین کے ساتھ شدید کھچاؤ کا عالم تھا۔ درجنوں اسکرینز پر بدلتے ہوئے کوڈز، ڈیٹا گرافکس، اور سوشل میڈیا ٹرینڈز کی لہریں دوڑ رہی تھیں۔ عروزہ خود مرکزی سسٹم کے سامنے بیٹھی تھی، اس کی انگلیاں کی بورڈ پر کسی مشین گن کی طرح چل رہی تھیں اور آنکھیں اسکرین پر گڑی تھیں۔ اور پیشانی پر گہرے بل پڑے ہوئے تھے۔

"یہ ویڈیو فیک ہے! ایک سو ایک فیصد فیک!" اس نے اپنے ساتھ بیٹھے ٹیکنیشن سے غصے میں کہا۔ "یہ فریم 17.3 پر آڈیو اور ویڈیو سِنک میں مائیکرو سیکنڈ کا لیگ ہے۔ ایک عام آنکھ اسے کبھی نہیں پکڑ سکتی، مگر سسٹم دھوکا نہیں کھا سکتا۔"

اس نے ایک اور اسکرین کی طرف اشارہ کیا۔ "اور یہ لائٹنگ دیکھو۔ رانیہ کے چہرے پر پڑنے والی روشنی کا زاویہ اور پس منظر میں موجود کھڑکی سے آتی روشنی کا اینگل مطابقت نہیں رکھتا۔ یہ گرین اسکرین پر شوٹ کی گئی ہے اور

بعد میں بیک گراؤنڈ ڈالا گیا ہے۔" اس کی آواز تیز اور تکنیکی تھی، اس میں ایک ماہر کی جھنجھلاہٹ تھی جس کی مہارت کو چیلنج کیا گیا ہو۔

یہاں سے کمشنر کو فون پہلے ہی جا چکا تھا انہیں صاف کہہ دیا تھا کہ جب تک رپورٹ نہیں آتی، فجر معراج پر ہاتھ نہیں ڈالا جائے گا۔

"یہ ڈیپ فیک ٹیکنالوجی کا اعلیٰ ترین استعمال ہے۔ مگر یہ اندھی، جذباتی عوام، یہ کبھی نہیں مانے گی۔ انہیں ثبوت نہیں، صرف تماشا چاہیے۔"

اس کی ٹیم سب سے بڑی پریشانی یہ تھی کہ وہ ویڈیو کا سرور ٹریس نہیں کر پا رہی تھی۔ "لعنت ہے!" وہ غرائی۔ "جس نے بھی اسے اپلوڈ کیا ہے، وہ کوئی اناڑی نہیں ہے۔ اس نے کم از کم سات پراکسی سرورز اور ایک ڈائنامک آئی پی نیٹ ورک کا استعمال کیا ہے۔ ہر چند سیکنڈ بعد لوکیشن بدل رہی ہے۔ یہ کام کسی پروفیشنل کا ہے۔"

تبھی اس کے سامنے لگی بڑی اسکرین پر ولی کی کال کا الرٹ آیا جو سیدھا رئیس اورنگزیب کے پاس گئی تھی۔ ایک لمحے کی خاموشی کے بعد، اس کے پرسنل انٹرکام پر رئیس کی گہری اور پرسکون آواز ابھری۔

"عروزہ وہ لوگ منار پر ہیں۔ تمہیں دس منٹ لگنے چاہئیں۔" حکم واضح تھا۔

عروزہ نے ایک لمحہ ضائع نہیں کیا۔ وہ اپنی کرسی سے اٹھی۔ اس کے چہرے پر موجود تفتیش کی جھنجھلاہٹ اب ایک سرد، عملی ارادے میں بدل چکی تھی۔

یکٹ "ٹیم بی! منار کے تمام سی سی ٹی وی کی لائیو فیڈ میرے ٹیبلٹ پر ڈالو۔" ولی نے اسے منار کی آئی ٹی ٹیم کنڈ کروایا تھا۔

"ٹیم سی! جتنی بھی بلیک ایس یو ویز ہیں، سب باہر نکالو۔ ہم نکل رہے ہیں۔"

اس نے اپنے گلے میں لٹکا آئی ڈی کارڈ اتارا اور میز پر پھینکا۔

"اب ان سب کو انہی کی زبان میں جواب دیا جائے گا۔"

چند ہی لمحوں میں، رئیس اور نگزیب کے ہیڈ کوارٹر کی بیسمنٹ سے سیاہ شیشوں والی گاڑیوں کا ایک قافلہ کسی شکاری گروہ کی طرح باہر نکلا اور شہر کی سڑکوں پر دوڑنے لگا۔ ان کا رخ منار فیشنز کی طرف تھا۔ اب باری رئیس اور نگزیب کی تھی۔ خطرہ اس کی موجودگی میں نہیں اس کی غیر موجودگی میں ہوتا تھا اور وہ اسے مٹانے جا رہا تھا۔

✿••✿••✿••✿

ہوا میں بے چینی اور ایک نامعلوم خطرے کا احساس تھا۔ سورج اپنی پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا مگر اس کے باوجود منار کے گرد ایک سایہ گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ اچانک دور سے انجنوں کی گرج سنائی دینے لگی۔ پہلے ایک مدھم آہٹ تھی جو پھر ایک طاقتور شور میں بدل گئی۔ آسمان پر کئی چمکتے نقطے نمودار ہوئے جو دیکھتے ہی دیکھتے ڈرون بن گئے۔ ان کی بھنبھناہٹ نے لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی۔

اسی اثنا میں زمین پر گاڑیوں کا ایک طویل قافلہ نمودار ہوا۔ سب سے آگے ایک عالیشان سیاہ مرسڈیز تھی جو جگہ بناتی منار کے اندر چلی گئی۔ جس کے پیچھے سیکیورٹی کی کئی گاڑیاں تھیں۔ ان میں سے تربیت یافتہ باڈی گارڈز تیزی سے نکلے اور منار کے داخلی دروازے کے سامنے پہلے سے موجود پولیس اہلکاروں کے ساتھ مل کر ایک مضبوط انسانی زنجیر بنالی۔ ان کا مقصد واضح تھا کہ کسی بھی صورت میں ہجوم کو آگے بڑھنے نہیں دینا۔

عروزہ اور مراد برآمد ہوئے۔ ان کے چہروں پر تناؤ واضح تھا لیکن ان کی چال میں ایک عزم جھلک رہا تھا۔ وہ تیزی سے منار کے گیٹ کے باہر پہنچے اور اس ہجوم کے سامنے کھڑے ہو گئے جو کسی بھی لمحے عمارت پر ٹوٹ پڑنے کو تیار تھا۔

پھر سب کی نگاہیں اندر کھڑی اس سیاہ مرسڈیز پر جم گئیں۔ اس کا پچھلا دروازہ کھلا اور اس میں سے ایک ایسا شخص برآمد ہوا جس کا نام ہی خوف اور احترام پیدا کرنے کے لیے کافی تھا۔

اس نے گہرے سرمئی رنگ کا ایک قیمتی سوٹ پہنا ہوا تھا جو اس کی شخصیت کو مزید سیاہ بنا رہا تھا۔ اس کے قدم وزنی تھے۔ وہ مضبوط قدم اٹھاتا، گیٹ کی جانب بڑھا۔ جیسے ہی اس نے پہلا قدم گیٹ سے باہر رکھا، بے قابو ہوتی ہوئی عوام پر ایک عجیب سی خاموشی طاری ہو گئی۔ لوگ اپنی جگہوں پر جیسے میخوں سے گڑ گئے، ان کی چیخیں اور نعرے ایک دم سے تھم گئے۔ جتنے قدم رئیس آگے بڑھا رہا تھا، ہجوم اتنے ہی قدم پیچھے ہٹ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر غصے اور ضبط کا ایک ایسا جان لیوا امتزاج تھا جس میں کسی نرمی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

رئیس اورنگزیب کا ایک اشارہ، ایک فیصلہ اور، شہر کی فضا بدل جاتی تھی۔

پولیس کا ایک اہلکار جو ہاتھ میں اسپیکر لیے کھڑا تھا، رئیس نے اس کی طرف ایک نگاہ ڈالی۔ وہ سمجھ گیا اور فوراً مائیک رئیس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ رئیس نے ایک گہری نظر اس ہجوم پر ڈالی جو ابھی چند لمحے پہلے تک دیوانہ وار نعرے لگا رہا تھا اور پھر اس کی آواز مائیک سے گونجی۔

"میں رئیس اور نگزیب آپ سب سے کہتا ہوں کہ واپس لوٹ جائیں۔ یہاں جو بھی ہوا، جس نے جو بھی کیا، مجرم کو اس کی سزا ضرور ملے گی۔ لیکن آپ لوگوں کا یہاں پر دنگا فساد کرنا بالکل غلط ہے۔ قانون اپنا راستہ لے گا اور کسی کو بھی قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔"

اس کی گرجدار آواز نے ہجوم کے شور کو ایک لمحے میں دبا دیا۔ فجر، جو اوپر منار کی عمارت کی ٹوٹی ہوئی کھڑکی سے یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی، اس کا دل ایک انجانے احساس سے بھر گیا۔ وہ جسے منہ بولا مسیحا سمجھتی تھی کیا واقعی وہ اسے بچانے آیا تھا؟ لیکن کس حق سے؟ اس نے رئیس گروپ کی سیکیورٹی ٹیم کو منار کے چاروں جانب اپنی دائرہ بنائے دیکھا اور ہزاروں کے ہجوم کے سامنے کھڑا رئیس اور نگزیب! وہ ساکت تھی۔ دل کے دھڑکنے کی آواز کانوں تک سنائی دے رہی تھی۔

ہجوم میں پھر سے سرگوشیاں شروع ہو گئیں۔ لوگ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے۔ کچھ لوگ سوچ میں گم تھے، یقین نہیں کر پا رہے تھے کہ رئیس اور نگزیب خود یہاں آیا تھا مگر کچھ اور تھے جو اس کی باتوں کو سنجیدہ نہیں لے رہے تھے۔ وہ مزید مشتعل ہوئے۔

"یہ بکواس ہے! یہ سب جھوٹ ہے! پہلے بھی یہاں قتل ہوئے تھے۔ اس کمپنی کا وجود ختم ہو جانا چاہیے۔ منار صرف تباہی لاتا ہے۔"

ایک شخص چلّایا جس کی آواز میں شدید نفرت تھی۔ اس کے ساتھ ہی کچھ اور لوگ بھی چیخنے لگے۔

رئیس نے ان کی طرف دیکھا اور اس کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے غصے کی تپش محسوس ہوئی۔ پھر اس نے اپنی گرفت مائیک پر مضبوط کی اور ایک بار پھر بولا، اس کی آواز پہلے سے زیادہ بلند اور فیصلہ کن تھی۔

"منار فیشن کمپنی میرا فیملی بزنس ہے اور میں آج سب کے سامنے یہ اعلان کرتا ہوں کہ اگر اب کسی نے ذرا سی بھی توڑ پھوڑ کرنے کی کوشش کی تو اس کا انجام بہت برا ہو گا۔ میں جانتا ہوں کہ آپ میں سے کچھ لوگ اس لڑکی کی موت پر غمزدہ ہیں اور انصاف چاہتے ہیں، اور آپ کا یہ حق ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ سچائی ضرور سامنے آئے گی اور اگر میری کمپنی کا کوئی بھی شخص اس میں ملوث پایا گیا تو اسے سخت ترین سزا ملے گی۔ لیکن اگر آپ نے قانون کو توڑا تو آپ کو مجھ سے برا کوئی نہیں ملے گا۔" وہ نرم بولتا تھا مگر اس کے فیصلے پتھر کے ہوتے تھے۔

فجر یہ سب سن کر حیران رہ گئی۔ **'فیملی بزنس؟'** اس نے سوالیہ نظروں سے ولی کی طرف دیکھا جو اس کے پاس کھڑا تھا۔ اس نے ہلکے سے سر ہلا کر اس کی تصدیق کی۔

"وہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ عالمگیر اور اورنگزیب خاندان ایک ہی ہیں۔ فیملی!" یہ انکشاف فجر کے لیے کسی دھماکے سے کم نہیں تھا۔ اسے منار کے ٹوٹے کانچ اپنے جسم میں کھبتے محسوس ہوئے۔

ہجوم میں سے ایک اور آواز ابھری۔

"اس عورت کو باہر نکالو! فجر معراج کو باہر نکالو! وہ قاتل ہے۔ وہ ڈائن ہے۔ وہ انسانی زندگیاں کھاتی ہے۔ اسے مرنا ہو گا۔" کچھ لوگ مسلسل یہی نعرے لگا رہے تھے۔

"ہم ہزاروں ہیں تم ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اسے باہر نکالو۔"

ان باتوں نے رئیس کے صبر کا پیمانہ لبریز کر دیا۔

"اور میرے پاس ہزاروں ہیرے ہیں اگر کسی نے ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو خدا کی قسم ایک ایک کی قبر پر رکھوں گا۔"

یہ کوئی عام دھمکی نہیں تھی۔ یہ اس کا اعلان جنگ تھا۔ اس کی آواز میں وہ طاقت اور یقین تھا کہ شور ایک دم سے خاموش ہو گیا۔ سڑکوں پر سناٹا چھا گیا۔ میڈیا کے کیمرے مسلسل ریکارڈنگ کر رہے تھے، صحافی اپنی رپورٹیں نشر کر رہے تھے اور دنیا دیکھ رہی تھی کہ آج رئیس اور نگزیب نے سب کے سامنے منار اور فجر معراج سے اپنے رشتے کا اعلان کر دیا تھا اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ جو بھی ان کے درمیان آئے گا اس کا انجام کیا ہو گا۔

اس اعلان کے بعد، منار فیشن کے باہر جمع ہجوم میں واضح تبدیلی آنے لگی۔ پہلے جو لوگ غصے سے بپھرے ہوئے تھے، ان پر ایک خوف اور سکتہ طاری ہو گیا۔ آہستہ آہستہ، چھوٹے گروہوں میں لوگ ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرتے اور پیچھے ہٹتے دکھائی دینے لگے۔ کچھ اب بھی اپنی جگہوں پر جمے ہوئے تھے، شاید صورتحال کا جائزہ لے رہے تھے یا پھر کسی نئے اشارے کا انتظار کر رہے تھے، مگر ان کی تعداد اب پہلے سے بہت کم تھی۔

پولیس نے بیریکیڈز کو مزید مضبوط کر دیا۔ رئیس گروپ کے باڈی گارڈز بھی اپنی پوزیشنوں پر مستعد کھڑے تھے، ان کی سیاہ وردیاں اور سنجیدہ چہرے کسی کو بھی آگے بڑھنے کی ہمت نہیں دے رہے تھے۔ منار فیشن اب ایک جزیرے کی طرح لگ رہا تھا جس کے گرد قانون اور طاقت کا ایک مضبوط حصار کھڑا تھا۔

اس سارے منظر کو اپنے کیمروں میں محفوظ کرتے ہوئے میڈیا کے نمائندے بھی اپنی اپنی جگہوں پر موجود تھے۔ ان کی گاڑیاں سڑک کے کنارے کھڑی تھیں اور وہ مسلسل لائیو رپورٹنگ کر رہے تھے۔ ہر نیوز چینل پر منار فیشن کی فوٹیج چل رہی تھی اور اینکرز اور تجزیہ کار اس واقعے پر اپنی اپنی رائے دے رہے تھے۔

ٹی وی سکرین پر بریکنگ نیوز چل رہی تھی۔

"رئیس اور نگزیب میدان میں، منار فیشن واقعے پر بڑا اعلان!" ایک نیوز اینکر کو کہتے سنا جا سکتا تھا۔

"ناظرین آپ دیکھ سکتے ہیں کہ منار فیشن کے باہر صورتحال اب قدرے پر سکون ہے۔رئیس اور نگزیب کی آمد اور ان کے سخت بیان کے بعد ہجوم منتشر ہونا شروع ہو گیا ہے۔یہ ایک غیر معمولی پیش رفت ہے کہ خود ایک اتنا بڑا کاروباری شخص اس طرح سامنے آیا اور حالات کو کنٹرول کرنے کی کوشش کی۔اب دیکھنا یہ ہے کہ اس واقعے کی اصل حقیقت کیا ہے اور کیا رئیس اور نگزیب کے پاس وہ ثبوت موجود ہیں جن کا انہوں نے دعوی کیا ہے۔"

سوشل میڈیا پر بھی طوفان برپا تھا۔ہر طرف رانیہ کی موت، منار فیشن اور رئیس اور نگزیب کا تذکرہ ہو رہا تھا۔پر جگہ پیش ٹیگز گھوم رہے تھے۔

لوگ اپنی اپنی رائے کا اظہار کر رہے تھے۔کچھ رانیہ کے لیے انصاف کا مطالبہ کر رہے تھے اور منار فیشن کو اس کی موت کا ذمہ دار ٹھہرا رہے تھے۔ان کا کہنا تھا کہ رئیس اور نگزیب جتنی بھی کوشش کر لے، سچائی چھپ نہیں سکتی۔

ایک صارف نے لکھا تھا کہ یقینی طور پر منار فیشن میں کچھ غلط ہو رہا تھا۔ایک لڑکی نے خودکشی کر لی اور اب ان کا مالک آکر دھمکیاں دے رہا ہے۔

دوسری طرف، کچھ لوگ رئیس اور نگزیب کی حمایت میں بھی بول رہے تھے۔ان کا کہنا تھا کہ رئیس ایک با اثر شخص تھا اور وہ کبھی بھی کسی غلط کام کی حمایت نہیں کرے گا۔ان کے اعلان کے بعد انہیں یقین تھا کہ سچائی ضرور سامنے آئے گی۔

رئیس اور فجر کے رشتے کے بارے میں بھی قیاس آرائیاں زور و شور سے جاری تھیں۔بہت سے لوگ یہ کہہ رہے تھے کہ فجر معراج اس لیے اب تک محفوظ رہی کیونکہ اسے رئیس اور نگزیب کی پشت پناہی حاصل تھی۔ان کا ماننا تھا کہ اگر کسی عام شخص پر ایسے الزامات لگتے تو کب کا گرفتار ہو چکا ہوتا۔

"یہ تو ہونا ہی تھا۔ فجر معراج کس بل پر اتنی مغرور تھی؟ ظاہر ہے رئیس اور نگزیب جیسا طاقتور شخص اس کے پیچھے کھڑا تھا۔ اب دیکھو کیا ہو گا۔ لیکن صاف پتا چل رہا ہے کہ پیسہ بولتا ہے۔"

کچھ لوگ اس واقعے کو سراسر جھوٹ اور منار فیشن کی ساکھ کو خراب کرنے کی سازش قرار دے رہے تھے۔

رانیہ کے بارے میں بھی متضاد خبریں گردش کر رہی تھیں۔ کچھ لوگ اسے ایک مظلوم لڑکی بتا رہے تھے جس نے اپنی عزت بچانے کے لیے جان دے دی۔ وہ اس کی ایک ایسی تصویر بھی شیئر کر رہے تھے جس میں وہ ہنستی مسکراتی نظر آ رہی تھی۔

جبکہ کچھ اور لوگ، خاص طور پر وہ جو منار فیشن کے مخالف تھے، رانیہ کے کردار پر بھی سوال اٹھا رہے تھے۔ وہ سوشل میڈیا پر کچھ ایسی بے بنیاد اور من گھڑت کہانیاں پھیلا رہے تھے جس سے اس کی ساکھ کو نقصان پہنچایا جا سکے۔

✿••✿••✿••✿

فجر جواب بھی منار کے اندر موجود تھی وہ تھک گئی۔ ولی اسے اندر ہی رہنے کا کہہ کر باہر گیا تھا مگر اس کی ہمت جواب دے رہی تھی۔ وہ اس عمارت میں قیدی بن کر مزید نہیں رہ سکتی تھی۔ دبی دبی سانسوں کے ساتھ اس نے شکستہ کھڑکی سے باہر جھانکا تھا۔ رئیس فون پر تھا جبکہ ولی پولیس والوں سے بات کر رہا تھا۔ رئیس کا قیمتی سوٹ دھوپ میں چمک رہا تھا اور اس کے چہرے پر موجود سنجیدگی اس کی بے چینی کو عیاں کر رہی تھی۔ وہ چلتے ہوئے باہر نکل آئی۔

رئیس کی نظر اس پر پڑی۔ اسے یوں باہر آتا دیکھ کر اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

اسے سیاہ لباس میں دیکھ کر اس کی آنکھیں ایک لمحے کے لیے ٹھہر سی گئیں۔ مگر اس کے اندر کا طوفان بپھر گیا۔ اس نے فون بند کیا اور ایک دھاڑ سنائی دی۔

"اندر جاؤ!" یہ حکم تھا۔ ہاں یہ حکم ہی تھا۔

فجر نے اس کی سنی ان سنی کر دی۔ وہ ایک قدم اور آگے بڑھی۔

جبکہ رئیس اب رخ موڑے فون کی اسکرین پر چلتی رانیہ کی اصل ویڈیو دیکھ رہا تھا۔ اس نے جیسے ہی دوبارہ پلٹ کر دیکھا اس کا دماغ بھک سے اڑا۔ وہ خراماں خراماں چلتی آ رہی تھی۔

"سنا نہیں تم نے؟ میں نے کہا اندر جاؤ۔" اس کی آواز پہلے سے بھی زیادہ بلند تھی۔ چہرے پر سرخی دوڑ گئی۔ باہر کھڑے وہ دو منظم گروہ ابھی بھی وہیں موجود تھے، ٹس سے مس نہیں ہو رہے تھے۔ وہ شاید اس کے باہر نکلنے کا انتظار کر رہے تھے۔

"میں مزید چھپ کر نہیں رہ سکت۔۔۔" اس کے باقی کے الفاظ منہ میں ہی دم توڑ گئے اس سے پہلے کہ وہ بات مکمل کرتی، رئیس نے غصے سے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے کھینچتا ہوا واپس اندر لے گیا۔ اسی لمحے ایک گاڑی منار فیشن کے سامنے آ کر رکی۔ یہ فخر کی گاڑی تھی اور فلک اس کے ساتھ بیٹھی تھی۔ فخر اسے لانا نہیں چاہتا تھا، وہ تو خود بھی نہیں آنا چاہتا تھا مگر فلک ضد کر کے اسے ساتھ لے آئی تھی۔

"چھوڑیں مجھے!" فجر اپنا ہاتھ چھڑانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ باہر کھڑے گارڈز اور اندر موجود ملازمین سب یہ منظر سکتے کی سی کیفیت میں دیکھ رہے تھے۔ ولی فوراً پیچھے بھاگا مگر تب تک رئیس فجر کو اندر کھینچ لایا تھا۔

اس کی نظر میٹنگ روم کے کھلے دروازے پر پڑی اور وہ فجر کو زبردستی اس کے اندر لے گیا۔ دروازہ کھلا اور رئیس نے جھٹکے سے فجر کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ گرتے گرتے بچی۔

"بیٹھو۔" یہ بھی حکم تھا۔ اس کی برداشت اب ختم ہو چکی تھی۔ اس کے کوٹ کے بٹن کھلے ہوئے تھے پھر اسے اتار کر کرسی پر لٹکا دیا۔ اس کے ہر انداز میں ایک خاص نفاست تھی، جبکہ فجر حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ یہ وہ رئیس نہیں تھا جس پر وہ بے شمار الزامات لگا سکتی تھی۔ جسے وہ باتیں سنا سکتی تھی جس کے سامنے قینچی کی طرح زبان چلا سکتی تھی۔

"میں نے کہا بیٹھو!" اسے وہیں جمے دیکھ کر وہ دوبارہ دھاڑا۔ فجر کا دل ایک لمحے کے لیے گھبرایا۔ اس نے اپنے جبڑے بھینچ لیے اور غصے سے رئیس کو گھورتی رہی۔ پھر وہ لمبی میز کے دوسری طرف پڑی ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس کا چہرہ غصے سے تمتما رہا تھا۔ وہ اس کمپنی کی سی ای او تھی، وہ اس پر اس طرح کیسے چیخ سکتا تھا؟ جب وہ بیٹھ گئی تو رئیس نے ایک کرسی کھینچی اور اس کے سامنے، لیکن کئی کرسیوں کے فاصلے پر بیٹھ گیا۔ لمبی میز کے آمنے سامنے وہ دونوں بیٹھے تھے۔

"تمہیں کیا لگتا ہے تم خواتین کے عالمی حقوق کی سربراہ ہو؟ کیا ہو تم؟" رئیس نے اپنی تلخ گفتگو کا آغاز کیا۔ وہ رانیہ کی بھیجی ہوئی ویڈیو دیکھ چکا تھا اور دانیال والے واقعے سے بھی پوری طرح واقف ہو چکا تھا۔ ولی دروازے میں نمودار ہوا اور فجر کو ایک نظر دیکھ کر اسے پرسکون رہنے کا اشارہ کر کے واپس چلا گیا۔

"تم عورتوں کے حقوق کی علمبردار بنی پھرتی ہو؟ کیا تمہیں اندازہ بھی ہے کہ اس ملک میں روز کتنی لڑکیاں ماری جاتی ہیں؟ کتنی خودکشیاں کرتی ہیں؟ کسی کو پرواہ ہے ان کے خوابوں کی؟ ان کی کوئی اوقات ہے اس معاشرے میں؟ تمہیں لگتا ہے تم سب کو بچا لو گی؟" اس کے الفاظ میں بہتا طنز تھا۔ زہر بھرا طنز، چہرہ اس کا مزاق اڑا رہا تھا

اس نے ایک لمحے کا وقفہ لیا، اس کی نظریں فجر پر جمی ہوئی تھیں۔

"میں نے چھبیس سال اس بزنس میں گزارے ہیں۔ چھبیس سال اور اتنی کنٹرووریسیز نہیں ہوئی جتنی تمہارے اڑھائی تین سالوں میں ہو گئی ہیں آخر تم کر کیا رہی ہو؟ ہاں؟ سمجھتی کیا ہو خود کو؟" اس کے الفاظ فجر کے چہرے پر تماچے کی طرح برس رہے تھے۔

"میں اس کمپنی کی مالکن ہوں، تم مجھ پر چلا نہیں سکتے۔"

وہ غصے سے چلاتی اپنی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ چہرہ لال ہو رہا تھا اور آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی۔ رئیس کا یہ روپ اس سے ہضم نہیں ہو رہا تھا۔ ایک تو وہ رشتہ دار نکل آیا تھا پھر وہ ڈانٹ کیسے سکتا تھا؟

"تم سے سترہ سال بڑا ہوں۔ ہاں، میں چلا سکتا ہوں۔ ناؤ شٹ اپ اینڈ سٹ ڈاؤن!" اس کا حکم سخت اور بے لچک تھا۔ اسے فجر کا اٹھنا پسند نہیں آیا تھا۔ اس کی بھنویں تن گئیں۔

مگر فجر ضبط کے کڑے مراحل سے گزر کر بھی وہیں کھڑی رہی۔ اس کی نظریں رئیس کی نظروں سے ٹکرا رہی تھیں، جھکنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔ اس کا یہ انداز رئیس کی انا کو للکار رہا تھا۔

جب وہ اپنی جگہ پر نہیں بیٹھی تو رئیس خود بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ آہستگی سے اس کی جانب بڑھا، اس کے قریب پہنچ کر ایک لمحے کے لیے رکا اور اسے غور سے دیکھا۔ فجر کی نگاہیں ابھی بھی اس پر جمی ہوئی تھیں۔ مجال ہے جو وہ نظریں جھکا لے۔

پھر رئیس نے اپنا ہاتھ بڑھا کر اسکے سر پر رکھا اور دباؤ ڈالا۔ یہ دباؤ اتنا شدید تھا کہ اس کے پاؤں لڑکھڑا گئے اور وہ بے اختیار کرسی پر گر پڑی۔ رئیس نے ایک نظر اس پر ڈالی اور پھر اتنے ہی سکون سے واپس اپنی کرسی کی طرف بڑھ گیا۔ کمرے میں خاموشی چھا گئی تھی۔

"تم مجھے زہر لگ رہے ہو۔" وہ دبی دبی آواز میں چیخی۔

"مجھے بھی تم کوئی شہد نہیں لگتی ہو۔"

اس نے سکون سے کہتے ہوئے فجر کو آگ لگائی۔ کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس نے مراد کو پکارہ۔

"مراد! ان مصنفہ محترمہ کو بھی اندر بھیجو!" وہ اسے دیکھ چکا تھا۔

اس کی آواز میں ایسی کڑک تھی کہ کمرے میں سکوت طاری ہو گیا۔ باہر ہال میں کھڑی فلک کا دل دھک سے رہ گیا۔ اس نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا، فخر کہیں نظر نہیں آرہا تھا۔ مراد نے اسے دیکھ لیا جو لان کے ہلکے نیلے اور گلابی رنگ کے سوٹ میں کھڑی تھی۔

"اے تتلی! چلو اندر!" اس نے اس کے کپڑوں پر ایک نظر ڈالی اور کمینی مسکراہٹ لیے کہا۔ ذرا وہ بھی عزت افزائی کروالے۔

ڈرتے ڈرتے اس نے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھائے اور میٹنگ روم میں داخل ہو گئی۔ وہ اس کے غصے سے واقف تھی۔ اندر بیٹھے دونوں شخص اب بھی ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔ فلک نے تھوک نگلا اور ایک جانب آکر دبک گئی۔

"آیئے محترمہ! بس آپ ہی کی کمی تھی۔" اس کی آواز میں طنز تھا۔

"کیا لگتا ہے تمہیں خواتین کے حقوق پر کتابیں لکھ کر تم انہیں حقوق دلوا دو گی؟" اس کی نظریں اب فلک پر مرکوز تھیں۔ وہ اس سے اتنا بھی بے خبر نہیں تھا۔ اسے فلک کو ملنے والی دھمکیوں کا علم تھا۔ اس کی کتاب کتنی متنازعہ ہو چکی تھی، اس سے بھی وہ واقف تھا۔ ان کے اس پروجیکٹ کو اس نے کبھی سنجیدگی سے نہیں لیا تھا، لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ لڑکیاں اس معاملے میں کتنی سنجیدہ تھیں۔

"اس کی غلطی نہیں ہے، یہ میرا پروجیکٹ۔۔" فجر نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"تمہارے والدین نے سکھایا نہیں کہ جب کوئی بڑا بات کر رہا ہو تو منہ بند رکھتے ہیں؟" ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھے رئیس نے اپنا رخ فجر کی جانب موڑا اور پھر دانت کچکچا کر کہا۔

فجر کا چہرہ خفت سے سرخ پڑ گیا۔ جبکہ رئیس کا پارہ ہائی تھا۔ یہ جو کچھ بھی ہو رہا تھا، کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ آخر اس لڑکی کے اتنے دشمن کہاں سے پیدا ہو گئے تھے؟ وہ اپنی آنکھوں میں نمی لیے رئیس کو دیکھ رہی تھی، لیکن اس کے جبڑے بھینچے ہوئے تھے۔ فلک نے تو خوف سے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ وہ آج پہلی بار رئیس کو سربراہ کے روپ میں دیکھ رہی تھیں اور اس سے ڈرنا بنتا تھا۔

رئیس نے ایک لمحے کے لیے دونوں کو دیکھا، پھر اپنی حتمی بات کہی۔ اس کی آواز پرسکون تھی، مگر اس میں چھپی دھمکی کسی گرجتے بادل سے زیادہ خوفناک تھی۔

"سنو تم دونوں، اور غور سے سنو۔ یہ پروجیکٹ، یہ خواب اور پہچان کی باتیں، یہ سب یہیں اسی وقت ختم۔ میں اس فضول کام کو اسپانسر نہیں کر رہا۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر ہوا میں ایک حتمی لکیر کھینچی۔ "اور آئندہ، اگر تم دونوں میں سے کسی نے بھی لڑکیوں کی پہچان، ان کی شناخت یا ان کے حقوق پر ایک لفظ بھی کہا۔۔۔"

وہ ایک لمحے کو رکا، اس کی نظریں پہلے فلک پر پڑیں، جو سانس روکے اسے دیکھ رہی تھی۔

"تمہاری یہ کتابیں میں خود مارکیٹ سے اٹھوا کر بین کروں گا۔ ایک ایک کاپی۔"

پھر اس کی نظریں فجر پر جم گئیں۔ اس کی آنکھوں میں ایک ایسی چمک تھی جو فجر کے وجود کو جلا رہی تھی۔

"اور منار کو میں اپنے ہاتھوں سے جلاؤں گا۔"

یہ دھمکی صاف صاف تھی۔ اتنی واضح کہ فجر کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ اس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر بھینچ دیا ہو۔ وہ تڑپ اٹھی۔ اس کا چہرہ سپید پڑ گیا۔

"تم ایسا نہیں کر سکتے۔" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "یہ پروجیکٹ بہت اہم ہے۔"

مگر رئیس نے اس کی بات سنی ان سنی کر دی۔ اس کا کام ہو چکا تھا۔ اس نے اپنی بات کہہ دی تھی۔ وہ اطمینان سے اٹھا اور میٹنگ روم کے دروازے کی جانب بڑھا۔ اس کے قدموں میں کوئی عجلت نہیں تھی، جیسے اس نے ابھی کوئی معمولی سا حکم دیا ہو۔

جیسے ہی وہ دروازے تک پہنچا، فجر دوبارہ اپنی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس بار اس کے وجود میں ایک زلزلہ تھا۔ اس کا لہجہ بھرا گیا، آنکھوں میں نمی نہیں، ایک سیلاب تھا جو بس ٹوٹنے کو تھا۔

"رکیں!"

اس کی آواز میں ایسی اذیت تھی کہ رئیس کے قدم ایک لمحے کو تھمے، مگر اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔

"رانیہ۔۔۔رانیہ مر گئی۔۔۔"فجر کے ٹوٹے ہوئے الفاظ کمرے میں گونجے۔"وہ کر گئی جو اسے کرنا تھا۔وہ اس سسٹم کے عفریت کی نظر ہو گئی!اور کب تک؟ آخر کب تک ایسا چلتا رہے گا؟"اس کی آواز بلند ہوتی جا رہی تھی، اس میں غصہ، بے بسی اور ایک گہرا درد تھا۔

"کب تک لڑکیاں اپنے خوابوں سمیت مرتی رہیں گی؟ ایک انکار پر؟ غیرت کے نام پر؟ ان کی لاشوں پر کھڑے ہو کر ہم کب تک خاموش رہیں گے؟ کسی کو تو اٹھنا ہو گا۔ کسی کو تو اسٹینڈ لینا ہو گا۔ کوئی تو ہو گا جو اس اندھیرے میں روشنی بنے!"

وہ اب چل کر اس کے قریب آ رہی تھی، اس کی پشت کو مخاطب کرتے ہوئے۔

"اور اگر آپ۔۔۔"اس نے رئیس کی پیٹھ پر نظریں گاڑ دیں۔"اگر آپ رئیس اور نگزیب ہو کر، اپنی اس طاقت کے ساتھ، اپنے اس دبدبے کے ساتھ اس نظام کے عفریت سے نہیں لڑ سکتے تو پھر تف ہے آپ کے اس عفریت ہونے پر!"

یہ آخری جملہ ایک چابک کی طرح برسا۔ کمرے میں مکمل سناٹا چھا گیا۔ فلک بھی اپنی جگہ پر سکتے میں تھی۔

رئیس چند لمحے وہیں کھڑا رہا۔ اس کا چہرہ کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا، مگر اس کے کندھوں میں ایک تناؤ ضرور ابھرا تھا۔

اس نے فجر کی پوری بات سنی، ہر ایک لفظ، ہر ایک جذبے کو محسوس کیا، مگر وہ پلٹا نہیں۔

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ بغیر ایک لفظ کہے دروازہ سے باہر نکل گیا۔ ابھی اسے یہ معاملہ نبٹانا تھا، جو باہر اس کا منتظر تھا۔ جذبات کے لیے وقت نہیں تھا۔

اس کے جانے کے بعد، کمرے میں جیسے وقت تھم گیا۔ فجر وہیں کھڑی تھی جیسے اس کی ساری ہمت، ساری جان نکل گئی ہو۔ وہ ٹوٹ کر بکھرنے کے قریب تھی۔ فلک نے جب اس کی حالت دیکھی تو وہ تیزی سے اس کی جانب بڑھی۔ وہ بے جان سی کہہ رہی تھی۔

"ایک اور خواب مارا گیا، فلک! ایک اور لڑکی مر گئی۔" وہ ایک کھوئے کھوئے، بے جان لہجے میں کہہ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں خالی تھیں جیسے ان میں اب کوئی روشنی باقی نہ رہی ہو۔ اس کی حالت خراب تھی۔

اس سے پہلے کہ وہ گر پڑتی، فلک نے آگے بڑھ کر اسے مضبوطی سے اپنے بازوؤں میں بھر لیا اور اسے گلے لگا لیا۔ فجر کا سر اس کے کندھے پر ڈھلک گیا اور اس کی دبی دبی سسکیاں کمرے کی خاموشی کو چیرنے لگیں۔ ایک اور جنگ، شروع ہونے سے پہلے ہی ہار دی گئی تھی۔

✿••✿••✿••✿

دن گزارا، شام ڈھلی، رات ہو گئی۔

"کیا صورتحال ہے؟" وہ اب ولی سے پوچھ رہا تھا۔

"باہر حالات کنٹرول میں ہیں لیکن میڈیا کی گاڑیاں اب بھی موجود ہیں۔ وہ کسی بیان کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"انہیں انتظار کرنے دو۔" اس نے اپنی توجہ صوفے پر بیٹھی فجر پر مرکوز کی۔ "تمہارے جذباتی فیصلوں نے اس کمپنی کو آج یہاں لا کھڑا کیا ہے۔ لیکن اب یہ میرا مسئلہ ہے۔" اس نے اپنی فون کی اسکرین آن کی اور عروزہ کو کال ملائی۔ وہ رئیس ہیڈ آفس میں تھی۔

"میں نے کوئی جذباتی فیصلہ نہیں کیا۔ یہ لوگ ہیں جو مجھے جینے نہیں دیتے۔ میں اپنے اصولوں سے پیچھے نہیں ہٹ سکتی۔" وہ غرائی۔ آنکھیں ابھی تک سرخ تھیں۔ رئیس نے ایک گہری نظر اس پر ڈالی۔ اتنی ہٹ دھرمی کہاں سے آئی تھی اس میں؟ یہ اصولوں پر ڈٹے رہنا کہاں سے سیکھا تھا اس نے؟

"عروزہ مجھے رزلٹ چاہئیں۔ ہر حال میں۔" اس نے رخ موڑا۔ اس کی آواز میں کوئی لچک نہیں تھی۔ جیسے قسم اٹھالی تھی کہ جب تک یہ معاملہ نبٹے گا نہیں کوئی کہیں نہیں جائے گا۔

"ایک مسئلہ ہے۔" دوسری طرف سے عروزہ کی پر اعتماد آواز آئی۔ "ویڈیو ایک نامعلوم غیر ملکی سرور سے اپلوڈ ہوئی تھی اور اسے اب خودکار طور پر ڈیلیٹ بھی کیا جا چکا ہے۔ اس کا ڈیجیٹل سراغ تقریباً ناممکن بنا دیا گیا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے یہ کبھی تھی ہی نہیں۔"

وہ چند لمحے خاموش رہا۔ "ٹھیک ہے، اگر ہم اس ویڈیو کو نہیں پکڑ سکتے تو ہم اس کے بنانے والے کو پکڑیں گے۔ دوسرا راستہ اختیار کرو۔ دانیال پر فوکس کرو۔"

کال بند ہوئی۔ رئیس نے ولی کی طرف دیکھا۔ "دانیال کہاں ہے؟"

ولی نے ایک ٹیبلٹ آگے بڑھایا۔ "اس کے گھر کے باہر ہمارے لوگ موجود ہیں۔ وہ کل رات سے گھر پر ہی ہے۔ شاید فتح کا جشن منا رہا ہے۔"

"اس کی فتح کو ماتم میں بدلنے کا وقت آ گیا ہے۔" اب سارے ثبوت باہر لانے کا وقت آ چکا تھا۔ وہ سرور ڈھونڈ رہے تھے مگر وہ تو نہیں ملا پر باقی ثبوت تو ان کے پاس ہی تھے۔

"پولیس کمشنر سے بات کرو۔ انہیں کہو کہ اس لڑکی کی اصل ویڈیو ہمارے پاس ہے جس میں اس نے سچ بتایا ہے۔ اس ویڈیو کی بنیاد پر فوری گرفتاری عمل میں لائی جائے۔" یہ ویڈیو اس کے مرنے سے پہلے موصول ہوئی تھی تو یہ اصلی تھی۔

ولی نے اثبات میں سر ہلایا۔ یہ رئیس کا طریقہ تھا۔ اس نے پہلے کوئی ثبوت باہر نہیں آنے دیا تاکہ دشمن پر سکون رہیں۔ دانیال کہیں بھاگے نا۔

صبح ہونے سے پہلے پہلے، پولیس کی ایک خصوصی ٹیم نے دانیال کے محلے کا گھیراؤ کیا۔

انہوں نے بڑی پھرتی اور احتیاط کے ساتھ اسے گرفتار کیا تھا۔

پولیس نے اس کا فون اور لیپ ٹاپ قبضے میں لے لیا۔ جب فون کی تلاشی لی گئی تو سچائی کی پرتیں کھلتی چلی گئیں۔ اس کے فون سے رانیہ کی درجنوں تصاویر ملیں کچھ اصلی تھیں جبکہ کئی ایسی نقلی اور قابلِ اعتراض تصاویر بھی موجود تھیں جنہیں ڈیجیٹل طریقے سے بنایا گیا تھا۔ یہ واضح تھا کہ وہ ان اصلی اور نقلی تصویروں کے ذریعے رانیہ کو بلیک میل کر رہا تھا اور اس پر دباؤ ڈال رہا تھا۔ رانیہ کی اصل ویڈیو کے ساتھ مل کر یہ ثبوت دانیال کو مجرم ثابت کرنے کے لیے کافی تھے۔

اسی دوران رانیہ کے گھر والوں سے بھی تفتیش جاری تھی، جن پر تشدد اور خودکشی پر اکسانے کے الزامات تھے۔

✿••✿••✿••✿

اگلی صبح منار کے کانفرنس ہال میں تل دھرنے کو جگہ نہیں تھی۔ اسٹیج پر رئیس اور نگزیب، فجر اور پولیس کے ایک اعلیٰ افسر بیٹھے تھے۔ ولی اور فلک پہلی قطار میں موجود تھے ان کے ساتھ صفدر بھی تھا۔ رئیس معاملات دیکھ رہا تھا یہ اس کے لیے کافی تھا۔

رئیس نے مائیک سنبھالا۔ "کل یہاں جو کچھ ہوا، وہ ایک افسوسناک واقعہ تھا۔ ایک نوجوان زندگی ضائع ہوئی، اور ہم سب اس پر غمزدہ ہیں۔ لیکن اس غم کی آڑ میں ایک گھناؤنی سازش کی گئی، جس کا مقصد منار فیشن کو بدنام کرنا تھا۔"

اس کے اشارے پر، کانفرنس ہال کی بڑی اسکرین آن ہو گئی۔

پولیس افسر نے تصدیق کی کہ جعلی ویڈیو کے اپلوڈر کا سراغ تو نہ مل سکا کیونکہ اسے انتہائی شاطرانہ انداز میں ڈیلیٹ کر دیا گیا تھا، لیکن اصل مجرم یعنی دانیال کو رانیہ کی اپنی ویڈیو اور اس کے فون سے ملنے والے ٹھوس ثبوتوں کی بنیاد پر گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اس نے بتایا کہ دانیال رانیہ کو مسلسل بلیک میل کر رہا تھا۔

اس کے بعد رئیس نے دوبارہ مائیک سنبھالا۔ "جہاں تک منار فیشن پر لگائے گئے الزامات کا تعلق ہے تو میں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ دانیال کو اس کی غیر پیشہ ورانہ حرکتوں کی وجہ سے اس واقعے سے بہت پہلے ہی کمپنی سے برطرف کیا جا چکا تھا۔ ایک سابق، ناراض ملازم کے ذاتی فعل کی ذمہ داری کمپنی پر عائد نہیں ہوتی۔ منار فیشن پر لگائے گئے تمام الزامات بے بنیاد ہیں اور ہم ان کے خلاف قانونی چارہ جوئی کا حق محفوظ رکھتے ہیں۔"

سب کی نظریں اب فجر پر تھیں جو کل والے لباس میں تھی۔ نہ تو وہ لوگ پوری رات سوئے تھے اور نہ گھر گئے تھے۔ یہ رات انہوں نے منار میں ہی گزاری تھی۔

"میرا نام فجر معراج ہے اور میں منار کی سی ای او ہوں۔ کل تک لوگ مجھے ایک ظالم، ایک قاتل کہہ رہے تھے۔ آج سب سچائی جان چکے ہیں۔ لیکن سچائی صرف یہ نہیں ہے کہ رانیہ کو کس نے مارا، سچائی یہ ہے کہ رانیہ کو ہمارے معاشرے کے عفریت نے مارا ہے۔ اس سوچ نے مارا ہے جو عزت کو بیٹی کی جان سے زیادہ اہم سمجھتی ہے۔"

اس کی آنکھیں ستی ہوئی تھیں اور اس کی آواز میں درد تھا۔

"میں آج ہر اس لڑکی سے بات کرنا چاہتی ہوں جو ڈر رہی ہے، جو خاموش ہے۔ جو سوچتی ہے کہ ایک تصویر یا ایک ویڈیو اس کی زندگی کا فیصلہ کر دے گی۔ میری بات سنو!" اس نے جیسے پوری دنیا کی لڑکیوں کو مخاطب کیا تھا۔

"تمہاری زندگی کسی کی دھمکی سے، کسی کے بنائے ہوئے جھوٹ سے، ہزار گنا زیادہ قیمتی اور اہم ہے۔" فلیش لائٹس ان کے چہروں پر چمک رہی تھی۔ پہلی رو میں بیٹھا ولی اس کی ذہنی حالت سے واقف تھا۔

"اکثر جب لڑکیاں اس صورتحال سے گزرتی ہیں تو انہیں لگتا ہے کہ ان کے پاس کوئی راستہ نہیں بچا۔ انہیں لگتا ہے کہ موت ہی واحد حل ہے۔ لیکن میں آج آپ سب کو بتانا چاہتی ہوں کہ خودکشی کسی مسئلے کا حل نہیں ہے۔ خودکشی ان درندوں کی جیت ہے جو آپ کو ٹوٹا ہوا، ہارا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔ اپنی جان لے کر آپ انہیں سزا نہیں دیتیں، بلکہ انہیں کامیاب ہونے کا موقع دیتی ہیں۔ آپ کی جان آپ کے دشمنوں کے لیے اتنی سستی نہیں ہونی چاہیے۔" اس کی آواز بلند ہوتی گئی اور اس میں ایک نئی گونج پیدا ہو رہی تھی۔

"ہمت مت ہارو۔ اگر کوئی تمہیں بلیک میل کرتا ہے، اگر کوئی تمہاری عزت پر حملہ کرتا ہے، تو چھپو مت۔ آگے بڑھو، بات کرو، اپنے والدین کو بتاؤ، دوستوں پر بھروسہ کرو، قانون کی مدد لو۔ چیخو، چلاؤ، لیکن خاموش رہ کر اندر ہی اندر گھٹ کر مت مرو۔"

لیکن ظلم یہ ہے کہ والدین تک مار جن نہیں دیتے وہ بھروسہ نہیں کرتے۔

"تمہاری خاموشی تمہیں نہیں بچائے گی، تمہاری ہمت تمہیں بچائے گی۔ تمہاری شرافت اور تمہاری مظلومیت تمہیں نہیں بچائے گی۔ تمہاری طاقت تمہیں بچائے گی۔ لوگ تمہیں بیچاری کہیں گے اور تمہارے جنازے پر آنسو بہا کر بھول جائیں گے۔ اس لیے بیچاری بن کر مرنے سے بہتر ہے، بلا بن کر لڑو۔ جو مارے اسے مارو جو پہچان چھینے اسے چیر پھاڑ دو لیکن ہمت مت ہارو۔ اپنی جان مت گنواؤ یہ اتنی سستی نہیں ہے۔" چشمے کے پار بھی اس کی ہیزل آنکھوں میں نمی دیکھی جا سکتی تھی۔

یہ جملہ ایک گونج کی طرح ہال میں پھیل گیا۔ ایک گہری خاموشی تھی جو اس کے اضطراب کو بیان کر رہی تھی۔ ساتھ بیٹھا رئیس، فخر سے کندھے چوڑے کیے ہوئے تھے۔ اس سے لاکھ اختلافات سہی مگر یہاں وہ اس سے متفق تھا۔

"اس حادثے نے میرے اندر کی آگ کو بجھایا نہیں بلکہ ایک نئی روشنی بھر دی ہے۔ میں، فجر معراج، نہ رکوں گی اور نہ جھکوں گی۔ ہم سب مل کر رانیہ اور اس جیسی ہزاروں لڑکیوں کی شناخت کے لیے کام کریں گے۔ منار فیشن اب صرف کاسٹیومز نہیں بنائے گا یہ ان عورتوں کے لیے ڈھال بنائے گا جو اپنی پہچان بنانا چاہتی ہیں۔ یہ جنگ آج سے شروع ہوتی ہے۔ میں آج اپنے پروجیکٹ کا اعلان کرتی ہوں جو لڑکیوں کی شناخت اور پہچان کے لیے ہے۔ یہ پروجیکٹ **رانیہ** بہت جلد منظر عام پر آئے گا۔ مجھے امید ہے اس حادثے کے بعد لوگ ضرور اپنی سوچ بدلیں گے۔"

پتا نہیں لوگ سوچ بدلتے یا نہیں مگر میڈیا کا بیانیہ بدل چکا تھا۔

رئیس کے چہرے پر ایک ہلکی، تقریباً ناقابلِ دید مسکراہٹ ابھری۔ اس نے ایک **سرکش لڑکی** کو ایک **لیڈر** بنتے دیکھ لیا تھا۔ جنگ ابھی ختم نہیں ہوئی تھی، مگر آج، اس جنگ کا سب سے بڑا سپاہی تیار ہو چکا تھا۔

✿••✿••✿••✿

منار کے در و دیوار آج ایک عجیب سی سنجیدگی میں لپٹے ہوئے تھے۔ ہال میں آتی دھوپ، جو ہمیشہ لوگوں کی گہما گہمی اور قہقہوں سے روشن رہتی تھی، آج کچھ ہلکی، محتاط اور خاموش سی لگ رہی تھی۔ سورج کی کرنیں اندر داخل ہو رہی تھیں مگر ان میں وہ چمک نہیں تھی، جیسے خود بھی رانیہ کے لیے سوگوار ہوں۔

سہ پہر کا وقت تھا۔ مرکزی ہال کے دروازے کھل چکے تھے۔ اندر سے تازہ پھولوں کی ہلکی خوشبو آ رہی تھی لیکن ان خوشبوؤں میں اب ایک سوگوار خاموشی رچ بس گئی تھی۔

عملہ آہستہ آہستہ آ رہا تھا۔ لڑکیاں چھوٹے چھوٹے گروپوں میں، نظریں جھکائے، مدھم قدموں سے ہال میں داخل ہو رہی تھیں۔ کل کے طوفان کے بعد یہ آج کا پہلا دن تھا۔ کوئی آواز بلند نہیں کر رہا تھا۔ وہ سب ہونٹوں پر خاموشی اور دل میں دعا لیے چل رہی تھیں۔ ہر ایک کے چہرے پر کچھ نا کچھ لکھا تھا۔ کچھ سوال، کچھ خوف، کچھ عزم۔

مگر ایک چیز ہر دل میں مشترک تھی "رانیہ کا دکھ!" وہ اب اس ہال میں نہیں تھی، لیکن اس کی غیر موجودگی سب پر ایک بوجھ بن کر چھائی ہوئی تھی۔ اسے مرنا نہیں چاہیے تھا اسے ہمت نہیں ہارنی چاہیے تھی۔ سب یہی سوچ رہے تھے۔

لیکن ان آنکھوں میں اب صرف آنسو نہیں تھے، عزم بھی تھا۔ آنکھوں کے نیچے کی تھکن اس رات کی گواہی دے رہی تھی، مگر وہ سب لڑکیاں خاموشی سے خود سے وعدہ کر چکی تھیں۔

"اب کوئی اور رانیہ نہیں مرے گی۔ اب ہم خود کو ٹوٹنے نہیں دیں گی۔"

اسی لمحے، ہال کے مرکزی دروازے کے قریب کچھ حرکت ہوئی۔ رئیس اورنگزیب کھڑا تھا، جانے کے لیے تیار۔ وہ اپنے کوٹ کے بغیر تھا جو اس نے کل اتارا تھا۔

فلک اور فخر جا چکے تھے، عروزہ اور مراد ہیڈ آفس میں تھے۔ باہر گارڈز مستعد تھے، سیکیورٹی مزید سخت کر دی گئی تھی۔

"میرا کوٹ؟" اس نے قدرے آہستہ آواز میں ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

تب ہی سامنے سے گھبرائی ہوئی عالیہ، شرمیلی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کا کوٹ تھامے بڑھتی نظر آئی۔ اس کے ہاتھوں میں رئیس اورنگزیب کا کوٹ تھا۔ وہی شخص جو لمحوں میں فیصلے کرتا تھا، جس کے ایک حکم سے شہر کی فضا بدل جاتی تھی۔ بخدا وہ اسکا کوٹ تھامے آ رہی تھی۔

اس کے ہاتھ لرز رہے تھے اور چہرے پر حیرت چھپی نہیں تھی۔ وہ اسے دیکھ رہی تھی جیسے وہ کوئی حقیقی انسان نہیں، کوئی افسانوی کردار ہو۔

"تھینک یو!" رئیس نے کوٹ لیتے ہوئے مختصر سا کہا اور عالیہ ایک تیز دھڑکن لیے واپس پلٹ گئی۔ چہرہ سرخ پڑ گیا۔

"میں ابھی جا رہا ہوں، میرے خیال سے تمہیں بھی آرام کی ضرورت ہے۔" اس نے فجر سے کہا، جو ایک صوفے پر بیٹھے خلا میں دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر تھکن کی دبیز پرت تھی۔ سپاٹ، خاموش، جیسے وہ خود میں گم ہو۔

"یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ تم جاؤ، میں باقی سب سنبھال لوں گا۔" صفدر نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

فجر آہستہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔اس کے جسم میں جان نہیں تھی، مگر وہ پھر بھی خود کو سمیٹ رہی تھی۔وہ اب اکیلے رہنا چاہتی تھی۔کچھ وقت، کچھ خاموشی، کچھ گریہ۔ایک بار پھر خود پر ملعون ہونے کا الزام لگا کر تھوڑا سا اکیلے میں رولینا چاہتی تھی۔سب اسی کی وجہ سے ہی تو ہوتا تھا۔وہ تھی ہی ملعون!

کچھ ہی دیر بعد، ایک سیاہ گاڑی ترنم ہاؤس کی جانب روانہ تھی۔ولی ڈرائیونگ کر رہا تھا، رئیس برابر والی سیٹ پر بیٹھا تھا، جبکہ فجر پیچھے نیم دراز آنکھیں موندے بیٹھی تھی۔

گاڑی کے اندر موت سا سکوت تھا۔نہ کوئی بول رہا تھا، نہ کوئی سانس تیز تھی۔صرف گاڑی کے ٹائروں کی سرسراہٹ تھی اور اس دن کا بوجھ، جو تینوں کے سینے پر دھرا تھا۔

رئیس خاموش تھا جبکہ ولی سمجھ رہا تھا کہ فجر کو وقت دینا کس قدر ضروری تھا۔وہ جانتا تھا کہ اس کے لفظ ابھی کسی کام کے نہیں تھے۔اسے خود کو سمیٹنے کے لیے وقت چاہیے تھا اور یہ تبھی ہوتا جب وہ کچھ وقت اکیلے گزارتی۔اسے اسپیس دینا ضروری تھا۔

گھر پہنچ کر وہ خاموشی سے گاڑی سے اتری اور اندر چلی گئی۔اس کے قدم جیسے خود ہی زمین پر گھسٹ رہے تھے۔اس کے وجود میں بکھراؤ تھا، شکست تھی، مگر ایک عجیب سی مکمل خاموشی بھی۔

گارڈ نے دروازہ کھولا۔اماں نے اسے دیکھا مگر کوئی سوال نہیں کیا۔بانو کچن سے نکلی، کھانے کا پوچھا، لیکن فجر نے نفی میں سر ہلا دیا۔پھر وہ آہستگی سے سیڑھیاں چڑھتی اوپر اپنے کمرے میں داخل ہو گئی۔

کمرہ نیم اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔وہ واش روم گئی، منہ ہاتھ دھویا۔پانی جیسے اس کے چہرے سے تھکن دھو رہا ہو، مگر اندر کی تھکن کہاں جاتی؟

واپس آکر وہ بیڈ پر نیم دراز ہوئی۔ پلکیں نم تھیں، دل دھڑک رہا تھا، مگر دماغ شور سے بھرا تھا۔ چیخیں، آوازیں، جملے، طنز، الزامات، سب ایک ساتھ چل رہے تھے۔ آج اگر رئیس نہ ہوتا تو منار جل چکا ہوتا اور اس کے ساتھ وہ بھی۔

وہ کچھ دیر یونہی لیٹی رہی۔ چھت پر خالی نظریں گاڑ کر۔ پھر، جیسے کوئی ٹوٹا ہوا درخت آہستہ آہستہ جھک کر زمین سے لپٹ جائے، وہ بھی آہستہ آہستہ نیند کے نرم اندھیرے میں اترنے لگی۔

ریلیکسنٹ نے کچھ مدد دی۔ شور آہستہ ہوا۔ اندر کی چیخیں مدھم ہوئیں۔ سانسیں ہموار ہوئیں۔

چند لمحوں بعد، وہ گہری نیند سو چکی تھی۔

وہ نیند، جو بہت ضروری تھی۔ ان زخموں کے لیے، جو آنکھوں سے نہیں، اندر کی گہرائیوں میں لگے تھے۔ ان آوازوں کے لیے، جو اکثر خاموشیوں میں چیختی تھیں۔ ان خوابوں کے لیے، جو بار بار مر کر بھی سانس لیتے تھے۔

آج وہ لڑکھڑائی ضرور تھی۔ ٹوٹی ضرور تھی۔ مگر نہ گری تھی نہ جھکی تھی۔

✿••✿••✿••✿

گھڑی کی سوئیاں رات کے دس بجنے کا اعلان کر رہی تھیں۔

ترنم ہاؤس پر خاموشی کی دبیز چادر تنی ہوئی تھی جیسے پوری دنیا کسی راز کو سنے بغیر ہی سو گئی ہو۔ مگر اس خاموش رات میں ایک وجود جاگ رہا تھا۔

وہ ہلکی روشنی میں لپٹے لاؤنج میں، صوفے پر نیم دراز تھی۔ اس کے سامنے میز پر چینی کی سفید کپ میں بھاپ اڑاتی چائے رکھی تھی۔ وہ ہلکے سلیٹی کپڑوں میں تھی، دھلا دھلا چہرہ، مگر آنکھیں سوجی ہوئیں جیسے آنسوؤں نے اندر ہی اندر رو کر ساری توانائی چھین لی ہو۔

اس کے سامنے گلاس وال سے رات کے سیاہ سائے نظر آ رہے تھے۔ باہر ہوا درختوں کو آہستہ آہستہ ہلا رہی تھی اور کہیں دور سے کوئی کتّا بھونکنے کی نحیف آواز آ رہی تھی۔

کمرے میں موجود باقی سب چیزیں خاموش تھیں مگر فضا گویا بول رہی تھی۔

اماں اس کے قریب دوسرے صوفے پر بیٹھی تھیں۔ دونوں کے درمیان کوئی الفاظ نہیں تھے، صرف وہ سکوت تھا جو بہت کچھ کہہ رہا تھا۔ کچن میں بانو ہلکی ہلکی آوازوں میں برتن سمیٹ رہی تھی، کبھی چمچ کی آواز آتی، کبھی کسی ڈھکن کی۔ وہ جانتی تھی لاؤنج میں کوئی بھاری گفتگو ہونے والی تھی۔

فجر نے چائے کا ایک گھونٹ لیا پھر بغیر اماں کی طرف دیکھے آہستگی سے پوچھا۔

”آپ نے اتنے رشتے مجھ سے کیوں چھپائے؟ کیوں نہیں بتایا کہ رئیس اور نگزیب آپ کا بھتیجا ہے؟“

آواز میں کوئی تلخی نہیں تھی بس ایک الجھاؤ تھا۔ وہ اب بھی گلاس وال کے پار جھانک رہی تھی جیسے اندھیرے میں کوئی جواب تلاش کر رہی ہو۔ اس کا وجود تھکا ہوا تھا مگر اعصاب پر سکون جیسے وہ اب ہر انکشاف کو سننے کے لیے تیار ہو۔ جتنا کچھ اس نے دیکھ لیا تھا سہہ لیا تھا اب وہ کچھ بھی دیکھ لیتی، سہہ لیتی۔ مگر رئیس اور نگزیب؟ یہ ناقابل یقین سا تھا۔

اماں نے گہری سانس لی۔ اس لمحے وہ نہ ماں لگ رہی تھیں، نہ بزرگ، بس ایک گواہ، جو وقت کے ہاتھوں مجبور ہو کر سچ کہنے جا رہا تھا۔ مگر کتنا سچ؟ اتنا جتنا ضروری تھا۔

"اب وقت آ گیا ہے۔" انہوں نے دل ہی دل میں کہا۔ لیکن لبوں پر خاموشی رہی۔ وہ جانتی تھیں، ایک سچائی کے بعد دوسری کھلے گی اور پھر یہ سلسلہ تھمنے والا نہیں اور وہ نہیں چاہتی تھیں اس کا آخری وقت اتنی جلدی آئے۔

"ماضی میں جو کچھ ہوا اس کے بعد سب نے ہم سے ناطہ توڑ لیا تھا۔" انہوں نے آہستگی سے کہا، جیسے ہر لفظ ان کے گلے میں پھنس کر نکل رہا ہو۔

فجر نے نظریں نہیں پھیریں بس ایک اور سوال سر سرایا۔

"ماضی میں کیا ہوا تھا؟"

ایک لمحے کو اماں کے چہرے پر دکھ کی پرچھائیاں ابھریں۔ انہوں نے چند لمحے ساکت بیٹھ کر یادوں کو چنا، پھر بولیں۔

"خون ہوئے تھے، کئی معصوم جانوں کے۔ رئیس کا پورا خاندان! میرے بھائی کا خاندان مارا گیا تھا۔"

اس جملے نے وقت روک دیا۔

فجر کی پلکیں ایک لمحے کو جھپکیں۔ اس نے چائے کا کپ آہستگی سے میز پر رکھا اور اب پوری طرح متوجہ ہو چکی تھی۔ مگر اس کی نگاہیں اب بھی اندھیرے میں کچھ تلاش رہی تھیں۔

"کیوں؟" اس کی آواز میں صرف ایک لفظ تھا، مگر اس ایک لفظ میں کتنی بے چینی، کتنا اضطراب چھپا تھا۔

اماں کی آنکھوں میں نمی بھر آئی۔ انہوں نے آہستگی سے جواب دیا۔

"منار کی وجہ سے۔۔۔"

فجر جیسے پتھر بن گئی۔ جسم ساکت، سانس رک گئی اور نظریں دھندلانے لگیں۔ وہ بے ضرر سی لڑکی اتنا بڑا طوفان کیسے لا سکتی تھی؟

"منار تو مر گئی تھی نا۔۔۔؟"

اب کی بار اس کی نظریں اماں پر تھیں۔ حیران، بوجھل، اور بے یقینی سے بھری ہوئیں۔ ایسے کیسے ممکن تھا؟

اماں نے اثبات میں سر ہلایا، پھر گویا کسی بند دروازے کو کھولتے ہوئے ماضی کی بھول بھلیوں میں داخل ہو گئیں۔

"منار اور رئیس کا رشتہ ہوا تھا یہ بس خاندانوں کا فیصلہ تھا۔ مگر منار کو فرقان گردیزی پسند تھا۔ گردیزی خاندان نے اسی بات کا فائدہ اٹھایا۔ انہوں نے منار کو استعمال کیا اپنے مقصد کے لیے۔ اُس نے رئیس کے اعتماد کو توڑا اور پھر وہ وقت آیا جب آفاق بھائی کا پورا خاندان ایک ہی رات میں ختم کر دیا گیا۔ صرف چار لوگ بچے۔"

"چار۔۔۔؟"

"رئیس، اسکی ماں، ذرتاش اور احمد اور نگزیب! باقی سب مٹی ہو گئے اور منار، اس نے۔۔۔ اس نے خودکشی کر لی اور۔۔۔" انکا چہرہ سفید پڑ گیا۔

"رئیس نے اسے ایسا کرنے پر مجبور کیا تھا۔"

فجر اب اٹھ کر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی تھی۔ وہ اپنے زانوؤں پر کہنیاں رکھے، انگلیاں چائے کے کپ کے گرد لپیٹے، ساکت بیٹھی تھی۔ اس کی نظریں کسی انجانی جگہ پر تھیں، جیسے دماغ میں کوئی فلم چل رہی ہو۔ ایک ایک فریم، ماضی کا۔

"اسی لیے آپ کہتی تھیں کہ گردیزی خاندان مجھے نہیں اپنائے گا؟اسی لیے آپ ارسل سے نفرت کرتی تھیں؟"اس کی آواز میں اب دھڑکنوں کی گونج تھی۔

اماں کی آنکھوں میں وہی پرانا دکھ ابھر آیا مگر انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔بھیانک خاموشی پھر سے چھا گئی۔ جبکہ فجر کے ذہن میں کڑیاں جڑنے لگی تھیں۔

وہ جیسے اپنے ہی سوالوں میں الجھتی جارہی تھی۔

رئیس نے پیرس میں کہا تھا کہ وہ ماضی کی ڈور سے بندھے تھے۔اب اسے سمجھ آرہا تھا اس نے ایسا کیوں کہا تھا۔

اس کی نظریں چائے کے کپ میں گم تھیں۔وہ آہستہ آہستہ سمجھ رہی تھی کہ رئیس کیوں اسے دیکھ کر چونکتا تھا؟ کیوں وہ کبھی قریب آکر دور ہو جاتا تھا؟کیوں وہ پیرس کی شاموں میں اسکا مسیحا بنا گھومتا تھا؟

اس نے کہا وہ اسے کسی کی یاد دلاتی تھی تو وہ اسے منار کی یاد دلاتی تھی۔اس نے آنکھیں میچ لیں پھر گہری سانس لے کر آنکھیں کھولیں۔

وہ اب مکمل طور پر جاگ چکی تھی۔جسمانی طور پر بھی،ذہنی طور پر بھی۔اس کی آنکھوں میں وہ بے یقینی تھی جو تب پیدا ہوتی ہے جب ایک کہانی کا ہر صفحہ اچانک نیا معنی دینے لگے۔قصوروار کون تھا؟منار؟رئیس؟گردیزی خاندان؟یا وہ سب؟

اماں اس کے تاثرات پڑھ رہی تھیں۔وہ جانتی تھیں،وہ ماضی جس نے برسوں سے انہیں جکڑا ہوا تھا اب فجر کے دل میں سرسرانے لگا تھا۔

وہ دیکھ سکتی تھیں کہ ایک لڑکی جو آج تک زندگی کے چھوٹے بڑے زخموں سے لڑتی رہی تھی اب تاریخ کے سب سے بڑے سچ کا سامنا کر رہی تھی۔ اور وہ لڑکی، اب بچی نہیں رہی تھی۔ وہ کچھ سوچ رہی تھی اور کسی فیصلے پر پہنچنے کی کوشش کر رہی تھی اور پھر اس کی آواز سنائی دی۔

"میں یہ نہیں کہوں گی کہ منار گنہگار تھی ہاں، مگر رئیس بھی قصوروار نہیں ہے۔"

یہ وہ جملہ تھا جس کی اماں کو توقع نہ تھی۔ وہ ساکت رہ گئیں۔

انہوں فجر کو ایک ایسی سمت جھکتے دیکھا جسے وہ برسوں سے چھپاتی رہی تھیں۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھیں، روکنا چاہتی تھیں، مگر زبان جیسے ہونٹوں سے چپک گئی تھی۔

فجر نے چائے کے آخری گھونٹ کے ساتھ سانس بھری، اور صوفے سے اٹھ کر آہستہ آہستہ قدم چلائے۔

"ہم سب نے اپنے اپنے حصے کے دکھ جھیلے ہیں۔ کچھ نے ماں باپ کھوئے، کچھ نے گھر، کچھ نے عزت کے سوال سہے، کچھ نے اپنے آپ سے سمجھوتے کیے۔ مگر آج میں تنگ آگئی ہوں۔" اس نے اس ایک بات میں ماضی اور حال سے جڑے لوگوں کا دکھ بیان کیا تھا۔

اس کی آواز میں وہ تھکن تھی جو صرف تن میں نہیں، روح میں اتر جاتی ہے۔

"اب میں ماضی کی مزید دشمنیاں نہیں پال سکتی۔ میں گزرے ہوئے کل کی بنیاد پر آج کو زہر نہیں دے سکتی۔"

اماں کی نظریں فجر پر جمی تھیں۔ جیسے وہ اس کی روح کے اندر تک دیکھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔

"رئیس نے جو کیا، وہ ٹھیک تھا یا غلط میں نہیں جانتی۔

اس نے ماضی کی آگ میں خود کو جلا لیا مگر مجھے کبھی جلنے نہیں دیا۔"

اس نے گہرا سانس لیا۔اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی تھی مگر لہجہ استقامت سے لبریز۔

"اس نے ہر موڑ پر مجھے بچایا۔وہ مجھے مار بھی سکتا تھا، مگر اس نے بار بار میری حفاظت کی۔" وہ گزرا وقت سوچ رہی تھی۔

"شاید وہ مسیحا ہے۔ایک ایسا مسیحا جو درد بھی دیتا ہے مگر مرہم بھی رکھنا جانتا ہے۔"

ایک لمحے کو لاؤنج سُنّا ہو گیا۔اماں نے آہستگی سے کہا جیسے پھر سے تنبیہ کرنی چاہی ہو۔

"لیکن وہ ماضی نہیں بھولا۔اسے سب یاد ہے۔اور یاد رکھو ہم اس کے لیے دشمن ہیں۔خاص طور پر تم کیونکہ تم منار کی ہمشکل ہو۔وہ تم میں اسے دیکھتا ہے۔"

وہ پھیکا سا ہنس دی۔وہ اتنی ملعون تھی کہ اسکا چہرہ بھی کسی کے لیے اذیت کا باعث تھا۔اندر درد کی ایک لہر اٹھی مگر وہ دبا گئی۔کاش وہ کبھی پیدا ہی نہ ہوتی۔

"دشمنی کی بنیادیں خون میں بسی ہوتی ہیں، لیکن میں اب خون نہیں، زندگی چاہتی ہوں۔" ہاں وہ جینا چاہتی تھی۔

"میں اس کی دشمن رہ کر جینے سے بہتر سمجھتی ہوں کہ اسے ایک سچ مان لوں۔ایک ایسا سچ جو تکلیف دہ ہے مگر جھوٹ سے بہتر ہے۔"

"اگر ہم اس سے منار کا بدلہ لیں گے تو کیا بدلے گا؟ ہم کیا پالیں گے؟ مٹی؟ راکھ؟ اور کیا نہیں ہو چکا؟ اور منار مر چکی ہے۔رئیس کو بھی یہ بات سمجھنا ہو گی۔میں منار نہیں ہوں میں فجر ہوں۔میں الگ ہوں۔میری پہچان الگ ہے۔" وہ سانس لینے کو رکی۔

"ہم اب ماضی سے نہیں، مستقبل سے بندھے ہیں۔ اور اس بار ہمارے ہاتھ میں کچھ لکھنے کا اختیار ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ ہم یہ اختیار، دشمنی کے نہیں، زندگی کے حق میں استعمال کریں۔"

اماں کی آنکھیں نم ہو چکی تھیں مگر ان کی زبان خاموش تھی۔ فجر اس وقت کتنی سیدھی لگ رہی تھی۔ کوئی فریب، کوئی جھوٹ، کوئی مکاری نہیں تھی۔ لیکن اماں جانتی تھیں یہ سب اتنا سیدھا اتنا آسان نہیں تھا۔ اگر رئیس پورا سچ سامنے نہیں لانا چاہتا تھا تو وہ بھی اپنی زبان بند رکھیں گی۔ فجر اگر جینا چاہتی تھی وہ انہیں کچھ وقت مزید زندہ رہنے دیں گی۔

"میں نہ رشتے بنانے میں دلچسپی رکھتی ہوں اور نہ نبھانے میں البتہ میں ماضی کے درد کو ختم کرنا چاہتی ہوں۔ میں کسی کی دشمن نہیں بننا چاہتی۔" وہ بول رہی تھی مگر اماں سن کہاں رہی تھیں۔

"میں ماضی کی دشمنیاں پالنے کے لیے پیدا نہیں ہوئی۔ میں فجر معراج ہوں میں اپنے لیے بنی ہوں۔"

اس کی اپنی پہچان تھی۔ اس کے اپنے مقاصد تھے۔ اسے سب پورے کرنے تھے اور کاش کہ ایسا ہی ہو۔۔۔۔!

✿••✿••✿••✿

ایک نئی صبح، ایک نیا عزم!

تین دن گزر چکے تھے۔ وہ رانیہ کے گھر ہو آئی تھی۔ منار کے در و دیوار سے اب وحشت اور خوف کی گرد چھٹ چکی تھی۔ کل تک جو شیشے ٹوٹے ہوئے تھے، آج ان کی جگہ نئے، چمکتے ہوئے شیشے لگ چکے تھے، جن سے چھن کر آتی سہ پہر کی دھوپ ہال میں ایک پر سکون روشنی بکھیر رہی تھی۔ فضا میں اب بھی ایک سنجیدگی تھی مگر یہ ماتم کی سنجیدگی نہیں تھی بلکہ ایک نئے، گہرے عزم کی خاموش گونج تھی۔ عملہ اپنی اپنی جگہوں پر مصروف تھا۔ ان کی

چال میں اب پہلے جیسی بے فکری تو نہیں تھی مگر ہر قدم میں ایک مقصد اور ایک ذمہ داری کا احساس تھا۔ باہر سیاہ وردیوں میں ملبوس چاق و چوبند گارڈز کی موجودگی اس بات کا ثبوت تھی کہ اب حفاظت پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا جائے گا۔

سب سے بڑی تبدیلی ڈیجیٹل دنیا میں رونما ہوئی تھی۔ منار فیشن کے آفیشل سوشل میڈیا پیجز پر فجر اور فلک کے مشترکہ پروجیکٹ "**رانیہ**" کا باقاعدہ اعلان کیا جا چکا تھا۔ ہیش ٹیگ پروجیکٹ رانیہ دیکھتے ہی دیکھتے ٹرینڈ کرنے لگا تھا۔ ملک بھر سے، خاص طور پر لڑکیوں کی طرف سے، حمایت اور محبت کا ایک سیلاب امڈ آیا تھا۔ کمنٹس سیکشن ان کہانیوں، دعاؤں اور پرجوش پیغامات سے بھرے پڑے تھے جو اس بات کا ثبوت تھے کہ فجر نے جس جنگ کا آغاز کیا تھا وہ اس میں اکیلی نہیں تھی۔

اس طوفان کا مرکزی کردار رئیس اورنگزیب ان تین دنوں میں دوبارہ نظر نہیں آیا تھا۔ وہ جیسے آیا تھا ویسے ہی منظر سے غائب ہو گیا تھا، مگر اپنا اثر چھوڑ گیا تھا۔

اور فجر؟ وہ خود پر قابو پا چکی تھی۔ اس وقت اپنے وسیع و عریض دفتر میں موجود تھی۔ تین دن کے جذباتی اور ذہنی انتشار کے بعد، اس نے خود کو دوبارہ سمیٹ لیا تھا۔ اس کے بال ایک سادہ سے جوڑے میں کس کر بندھے ہوئے تھے، مگر کام کی زیادتی کے باعث چند نافرمان لٹیں آزاد ہو کر اس کے چہرے پر آ رہی تھیں، جنہیں وہ لاپرواہی سے پیچھے ہٹا دیتی۔ اس کی میز فائلوں، ڈیزائن کے خاکوں اور نوٹس سے بھری پڑی تھی۔ وہ آج تین دن بعد شاید پہلی بار پیٹ بھر کر کچھ کھا رہی تھی۔

اس کے بائیں ہاتھ میں سینڈوچ تھا، جبکہ اس کا دایاں ہاتھ کسی ماہر پیانو نواز کی طرح لیپ ٹاپ کے کی بورڈ پر رقص کر رہا تھا۔ وہ وقفے وقفے سے تازہ جوس کا گلاس اٹھا کر ایک گھونٹ بھرتی، سینڈوچ کا ایک نوالہ لیتی اور پھر پوری توجہ سے اپنے کام میں محو ہو جاتی۔

اسی لمحے دفتر کا دروازہ آہستگی سے کھلا اور ولی اندر داخل ہوا۔ اس نے باہر کے تمام معاملات کو ترتیب دی تھی۔ سب کچھ اس نے سنبھالا تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی اس کی پہلی نظر فجر پر پڑی، جو دنیا و مافیہا سے بے خبر اپنے کام اور کھانے میں مگن تھی۔ یہ منظر دیکھ کر اس کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے سکون کی لہر دوڑ گئی۔

پچھلے تین دنوں میں ولی ہی تھا جو خاموشی سے اس کے ساتھ کھڑا رہا تھا۔ اس نے اسے تسلیاں نہیں دی تھیں نہ ہی جھوٹی ہمدردی جتائی تھی۔ وہ بس ایک مضبوط سہارے کی طرح موجود رہا تھا۔ اسے اس کا وقت لینے دیا۔ اس کے اندر کے عفریت سے لڑنے دیا۔ اور جب وہ تھک کر خاموش ہو جاتی تو چپکے سے پانی کا گلاس اس کے سامنے رکھ دیتا۔

اسے یوں کام کرتے اور کھاتے دیکھ کر اس کے لبوں پر ایک ہلکی سی، حقیقی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"شکر ہے تم نے کچھ کھایا تو۔" اس کی آواز میں فکر مندی اور راحت کا امتزاج تھا۔

فجر نے لیپ ٹاپ کی اسکرین سے نظریں ہٹائے بغیر سینڈوچ کا ایک اور نوالہ لیا اور اسے چبانے کے بعد بولی۔

"ظاہر سی بات ہے فاقے کرنے سے جنگیں نہیں جیتی جاتیں اور یہ تو ابھی بہت لمبی جنگ ہے۔"

اس کے لہجے میں اب وہ ٹوٹا ہوا درد نہیں تھا بلکہ ایک ٹھہرا ہوا عزم تھا۔ ولی نے آگے بڑھ کر اس کی میز کے سامنے رکھی کرسی کھینچی اور بیٹھ گیا۔

ی تو بالکل سب کہیں زیادہ میں ہے ایسا لگتا جیسے اناؤنسمنٹ پر ردِ عمل ہمار
لڑکیاں اسی ایک آواز کا انتظار کر رہی تھیں۔" اس نے ایک فائل فجر کی طرف بڑھائی۔

"ہونا بھی چاہیے۔"

اس نے اپنی توجہ دوبارہ لیپ ٹاپ کی اسکرین پر مرکوز کرنے کی کوشش کی، مگر ولی کی موجودگی ایک مقناطیسی کشش کی طرح اس کی ساری یکسوئی کھینچ رہی تھی۔ اس کی نظر فجر کے بائیں ہاتھ پر جمی تھی جس میں اس نے لاپرواہی سے سینڈوچ تھاما ہوا تھا۔

ایک ناقابلِ فہم خاموشی کے بعد، وہ اٹھا۔ فجر نے محسوس کیا مگر نظریں نہیں اٹھائیں۔ وہ کسی آہٹ کے بغیر، نرم قدموں سے چلتا ہوا اس کے عین پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ ٹھٹکی۔ اس کے وجود سے اٹھنے والی مانوس مہک اس کے اندر اترنے لگی۔ اس سے پہلے کہ وہ پلٹ کر کچھ کہتی وہ جھکا۔

اس نے اپنے دونوں ہاتھ فجر کے شانوں کے اوپر سے گزار کر کسی حصار کی طرح آگے پھیلائے۔ فجر کی سانس ایک لمحے کے لیے سینے میں ہی اٹک گئی۔ اس نے بڑی نرمی سے اس کے بائیں ہاتھ سے سینڈوچ لیا اور اتنی ہی نزاکت سے اس کے دائیں ہاتھ میں تھما دیا۔ اس کے لمس کی حدت فجر کی انگلیوں سے ہوتی ہوئی پورے وجود میں پھیل گئی۔

"دائیں ہاتھ سے کھائیں۔" اس کی گھمبیر، سرگوشی جیسی آواز اسکی سماعت سے ٹکرائی۔

وہ جو کام کی مصروفیت میں یہ چھوٹی سی بات بھول گئی تھی، ایک دم ساکت رہ گئی۔ اس کی مخصوص، مردانہ کلون کی خوشبو جب اس کے نتھنوں سے ٹکرائی تو پچھلے تین دنوں کا سارا تناؤ، ساری تھکن جیسے تحلیل ہونے لگی۔ ایک عجیب سے سکون کی لہر اس کے پورے وجود میں دوڑ گئی۔

وہ ابھی بھی اس کے پیچھے اسی طرح جھکا ہوا تھا۔ اس کی گرم سانسیں فجر کے بالوں کو چھو رہی تھیں۔

"ویسے میں پوچھنا چاہ رہا تھا کہ مہینہ پورا ہو چکا ہے۔" اس کی آواز میں شرارت کی ایک زیرِ لب لہر تھی، مگر انداز ایسا جان لیوا تھا کہ فجر کا دل بے ترتیب ہو گیا۔

"میں ٹرمینیٹ ہو چکا ہوں یا پرمانٹ؟"

یہ سوال نہیں تھا ایک دعویٰ تھا، ایک حق جتلانے کا انداز تھا۔ فجر کے دونوں ہاتھ ہوا میں معلق تھے۔ دائیں میں سینڈوچ تھا جبکہ بایاں ہاتھ خالی وہیں اٹکا تھا، جیسے اسے سمجھ نہ آ رہا ہو کہ اسے کہاں رکھے۔

"آج فیصلہ ہو جائے گا۔" اس کے منہ سے بمشکل نکلا۔ لہجہ خود بخود بھیگی روئی کی طرح نرم پڑ گیا۔

"جلدی سنائیے، میں انتظار کر رہا ہوں۔" اس نے تھوڑا مزید آگے ہو کر اس کے بائیں ہاتھ کی پشت کو نرمی سے چھوا۔ فجر کا چہرہ جو پہلے ہی گلنار تھا، اب شدتِ جذبات سے دہکنے لگا۔ حرکتیں اس کی صاف ٹرمینیٹ ہونے والی تھیں۔

پھر وہ سیدھا ہوا اور گھوم کر اس کے سامنے والی کرسی پر آ بیٹھا، ایسے جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ اب وہ کام کی بات کر رہا تھا۔ پروجیکٹ کی تفصیلات بتا رہا تھا جبکہ فجر کا دماغ کام کے ہر فولڈر کو ڈیلیٹ کر چکا تھا۔ وہ ایک معلق خلا میں بھٹک رہی تھی۔ وہ کبھی اپنے سینڈوچ والے دائیں ہاتھ کو دیکھتی، کبھی اپنے خالی بائیں ہاتھ کو جس پر ابھی تک اس کے لبوں کا لمس باقی تھا، اور کبھی سامنے بیٹھے اس شخص کو جو اب انتہائی پیشہ ورانہ انداز اپنائے ہوئے تھا۔ وہ ایسا کیسے کر سکتا تھا؟

"ویسے فیصلہ تھوڑا جلدی سنایئے گا۔" وہ بات ختم کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے لہجے میں وہی شرارت لوٹ آئی تھی۔ "کئی لوگ میری راہ تک رہے ہیں۔"

وہ جیسے کسی گہرے خواب سے جاگی۔ اس نے فوراً سینڈوچ پلیٹ میں رکھ دیا۔

"کون لوگ؟" اس کے ابرو غیر ارادی طور پر اچک گئے۔

"لوگ مطلب لڑکیاں۔" اس نے معصومیت سے کندھے اچکائے۔ "اب آپ تو مجھے قبول کریں گی نہیں۔ یہاں سے نکال دیں گی تو کسی کے پاس تو جانا ہو گا نا؟ گزارا تو کرنا ہے۔"

یہ سننا تھا کہ فجر کے اندر کا موسم یکسر بدل گیا۔ کچھ دیر پہلے والی تتلیاں اور سکون کی لہریں غائب ہوئیں اور اب چہرے پر جیسے انگارے دہکنے لگے۔

"تم مذاق کر رہے ہو؟" اس نے میز پر دھری چیزوں پر ایک قاتلانہ نظر دوڑاتے ہوئے پوچھا، جیسے کوئی مناسب ہتھیار تلاش کر رہی ہو۔ وہ اسکی اگلی حرکت سے واقف تھا۔

"نہیں، دراصل دو تین لڑکیوں کے میسج تو ابھی۔۔"

باقی بات اس کے منہ میں ہی رہ گئی۔ فجر نے غصے کی ناقابلِ برداشت لہر کے تحت میز پر رکھا بھاری، برونز کا پیپر ہولڈر اٹھایا اور پوری قوت سے اس کی طرف دے مارا۔ اگر وہ غضب کی پھرتی سے اسے ہوا میں ہی کیچ نہ کرتا تو اس کا سر پھٹ سکتا تھا، ناک ٹوٹ سکتی تھی، یا چہرہ بگڑ سکتا تھا۔ کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ صد شکر وہ رگبی کا پلیئر تھا۔ بچ گیا۔

"فیصلہ سننا ہے تمہیں؟ ہاں؟ تو سنو تم ٹرمینیٹ ہو چکے ہو۔ جاؤ یہاں سے، ابھی اسی وقت نکلو۔ لڑکیاں تمہارا انتظار کر رہی ہیں نا؟ جاؤ!"

وہ غرائی۔ پورے جسم میں حد درجہ جلن پھیل چکی تھی۔ دل کر رہا تھا سامنے کھڑے اس شخص کی جان لے لے جو مسکرا کر اسے تپا رہا تھا۔

ولی نے اپنی مسکراہٹ بڑی مشکل سے چھپائی۔ آنکھوں میں فجر کی جلن دیکھ کر ایک گہری، الوہی چمک ابھری تھی۔ پھر وہ آہستگی سے اس کی جانب بڑھا۔ پیپر ہولڈر واپس میز پر رکھا اور پھر ایک ہاتھ میز پر اور دوسرا اس کی کرسی کی پشت پر جماتے ہوئے اس کے دائیں جانب جھکا، اسے ایک بار پھر اپنے حصار میں لیتے ہوئے۔

"تمہیں چھوڑ کر میں کہاں جاؤں گا فجر؟" اس کی آواز اب سرگوشی سے بھی دھیمی اور بے حد سنجیدہ تھی۔ اس نے فجر کا وہ ہاتھ تھام لیا جس سے اس نے ابھی حملہ کیا تھا اور اپنے انگوٹھے سے اس کی پشت کو نرمی سے سہلانے لگا۔

"میں اور میرا سفر یہاں، تم پر آ کر ختم ہو جاتے ہیں۔ دی اینڈ!" اس کے الفاظ شبنم کی بوندوں جیسے تھے۔ نرم اور شفاف! بالکل اسی کی طرح اور فجر کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

✿••✿••✿••✿

شام کے سائے گہرے ہوتے ہی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے شہر کی تھکاوٹ کو اپنے ساتھ اڑانے لگے تھے۔ آسمان پر شفق کی آخری لالی بھی رات کی سیاہی میں تحلیل ہو رہی تھی تو ستارے ایک ایک کر کے نمودار ہونے لگے۔ منار کی بلند و بالا عمارت اب برقی قمقموں سے روشن تھی۔

اسی پر سکون لمحے میں، رات کی سیاہی میں گھلتی ہوئی ایک چمکدار سیاہ گاڑی آہستگی سے منار کے مرکزی دروازے پر آکر رکی۔ چاق و چوبند گارڈز، جو اب ہر آنے جانے والے پر عقابی نگاہ رکھتے تھے، ایک لمحے کے لیے حرکت میں آئے مگر گاڑی اور اس کے اندر موجود وجود کو پہچانتے ہی ان کے جسم تناؤ سے اکڑ گئے۔ دروازے خودکار طریقے سے کھل گئے اور گاڑی اندر داخل ہو گئی۔

رئیس باہر نکلا۔ اس نے ایک سیاہ تھری پیس سوٹ زیب تن کیا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ اگلی نشست سے عروزہ اتری جس کے ہاتھ میں ایک ڈیجیٹل ٹیبلٹ تھا۔ رئیس کا چہرہ ہر قسم کے تاثرات سے عاری تھا۔

اس کی آمد ایک غیر اعلانیہ طوفان کی طرح تھی۔ کھڑکیوں کے شیشوں کے پیچھے، دفاتر کی مدھم روشنیوں میں، عملے کے سر پھر سے نمودار ہوئے۔ سرگوشیوں نے جنم لیا۔ وہ شخص، جس نے تین دن پہلے یہاں آگ اور خون کا کھیل دیکھا تھا، آج دوبارہ یہاں موجود تھا۔ اس کی موجودگی میں خوف نہیں، ایک عجیب سا رعب تھا۔

ولی جو اسی کا منتظر تھا اسے داخلی دروازے پر ہی مل گیا۔ دونوں کی نگاہیں ملیں۔ ان آنکھوں میں الفاظ کے بغیر ایک پوری گفتگو ہوئی۔ ولی نے سر کو ہلکی سی جنبش دی جس کا مطلب تھا **"سب قابو میں ہے۔"**

"عروزہ سیکیورٹی کے نئے پروٹوکولز کا جائزہ لیں۔" رئیس کی گھمبیر آواز لابی کی خاموشی میں گونجی۔ ولی اسے لے کر سیکیورٹی آفس کی طرف بڑھ گیا۔

عروزہ کے جانے کے بعد، رئیس تنہا رہ گیا۔ اس نے اپنی جیکٹ کا بٹن کھولا اور آہستہ آہستہ چلنا شروع کیا۔ وہ کسی سے بات نہیں کر رہا تھا مگر اس کی آنکھیں کام کر رہی تھیں۔ اس کی نگاہیں کسی ماہر جراح کے نشتر کی طرح تھیں، جو ہر سطح کو چیر کر اندر کی حقیقت تک پہنچ رہی تھیں۔ اس نے استقبالیے پر نصب نئے پینک بٹن کو دیکھا، راہداریوں میں لگے اضافی سی سی ٹی وی کیمروں کے زاویوں کو پرکھا، اور اس گلاس وال کو دیکھا جو ٹوٹ چکی تھی مگر اب وہ

بالکل ہموار تھی، جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ وہ جائزہ لے رہا تھا، اس سلطنت کا، اس قلعے کا جس کی فصیلوں کو مضبوط کرنے کا حکم اسی نے دیا تھا۔

سب سے آخر میں، وہ منار کے دل کی جانب بڑھا، فجر کے دفتر کی طرف۔

دروازہ بغیر دستک کے کھلا۔ وہ اپنے لیپ ٹاپ میں اس قدر غرق تھی کہ اسے اندازہ ہی نہ ہوا۔ وہ پروجیکٹ رانیہ کے لیے آنے والی ہزاروں درخواستوں کو منظم کر رہی تھی۔ اس کے چہرے پر تھکن کے آثار تھے، مگر آنکھوں میں ایک جنون کی چمک تھی۔ رئیس چند لمحے دہلیز پر خاموش کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ وہ لڑکی اب بھی چٹان کی طرح اپنے مقصد پر جمی ہوئی تھی۔ اس کے وجود سے اٹھنے والی استقامت کی لہروں نے رئیس کو حیران کر دیا۔

وہ دھیرے سے اندر داخل ہوا۔ اس کے قدموں کی آہٹ پر فجر چونکی۔ رئیس کو اپنے دفتر میں یوں کھڑے دیکھ کر اس کے ہاتھ ایک لمحے کے لیے تھم گئے۔ وہ نہیں جانتی تھی وہ آنے والا تھا۔ ان میں رسمی علیک سلیک نہیں ہوتی تھی۔

"تم نے یہ کہاں سے سیکھا ہے؟" رئیس کی آواز میں حیرت کا عنصر نمایاں تھا۔ وہ اس کے دفتر کا جائزہ لے رہا تھا۔ میز پر پھیلے کاغذات، دیوار پر لگا وائٹ بورڈ جس پر پراجیکٹ کا خاکہ بنا تھا، اور سامنے بیٹھی وہ لڑکی۔

فجر نے اپنا کام سمیٹنا شروع کیا۔ فائلوں کو ترتیب سے رکھا، لیپ ٹاپ بند کیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کیا؟" وہ اس کے اچانک سوال پر خود بھی حیران تھی۔ وہ بالکونی کی طرف بڑھ گیا، جہاں سے ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا۔ وہ بھی اس کے پیچھے وہاں آ کھڑی ہوئی۔ ارد گرد کا جائزہ لیتے ہوئے۔ کوئی انہیں دیکھ کر کہہ نہیں سکتا تھا یہ تین دن پہلے والے رئیس اور فجر تھے جو ایک دوسرے کو کچا چبا جانا چاہتے تھے۔

"تم نے یہ ہٹ دھرمی کہاں سے سیکھی ہے؟" اس نے شہر کی وسعتوں پر نظریں جمائے ہوئے پوچھا۔ "اپنے اصولوں پر اس طرح قائم رہنا۔ یہ تم نے کہاں سے سیکھا ہے؟" وہ واقعی جاننا چاہتا تھا۔ اس کی آواز میں طنز نہیں، ایک حقیقی تجسس تھا۔

فجر کے لبوں پر ایک دھیمی، پراسرار مسکراہٹ ابھری۔ آج وہ اسے ڈارک لارڈ کی نظر سے نہیں دیکھ رہی تھی۔ آج وہ اس کے لیے کوئی اور تھا۔ وہ شخص جس نے اس کی جنگ کو اپنی جنگ بنالیا تھا۔ اس نے جو کیا تھا، وہ قابلِ تعریف تھا، مگر کیا وہ اتنی آسانی سے اس کی تعریف کر دیتی؟

وہ بالکونی سے نیچے جھانک رہا تھا اور فجر اس کے چہرے پر نظریں ٹکائے کھڑی تھی۔

کیا تھا یہ شخص؟ کیا کمی تھی اسے؟ دولت، طاقت، شہرت، سب کچھ تو تھا۔ پھر وہ اتنا اکیلا کیوں تھا؟ اس کی آنکھوں میں ایسی ویرانی کیوں تھی؟ کیا وہ منار کی بے وفائی کو سینے سے لگائے بیٹھا تھا؟ وہ اسے دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

"میں نے ایک مینٹور سے سیکھا ہے۔" اس کی آواز ہوا کی سرگوشی میں گھل گئی۔

یہ سنتے ہی رئیس کو جیسے بجلی کا جھٹکا لگا۔ وہ پلٹا۔

"تمہارا بھی کوئی مینٹور ہے؟" اس کے لہجے میں ناقابلِ یقین حیرت تھی۔

"تم بھی کسی کی بات مانتی ہو؟ یہ تو کسی دھماکے سے کم نہیں ہے۔" اس کا حیران ہونا بنتا تھا۔

فجر کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ اس کی آنکھیں اب بھی رئیس کے چہرے پر جمی تھیں۔

"کسی نے سالوں پہلے کچھ اصول سکھائے تھے۔ وہ میں کبھی نہیں بھولی۔"

اس کی نگاہوں میں کچھ ایسا تھا، کوئی پرانی یاد، کوئی بھولا ہوا لمحہ۔ وہ اسے دیکھ رہی تھی۔ کیا وہ اسے یاد نہیں تھی؟ اسی نے تو سکھایا تھا۔

وقت کے پنے کسی آسیب زدہ کتاب کی طرح پھڑ پھڑانے لگے۔ ہوا کی سرگوشیاں تیز ہو گئیں۔

کیا مطلب؟ ان کی باقاعدہ ملاقات تو پیرس میں ہوئی تھی نا؟ اس سے پہلے رئیس نے اسے کالج میں دیکھا تھا اور اس کے بعد وہ روڈ ایکسیڈنٹ میں اسے بچایا تھا۔ یہیں سے تو سب شروع ہوا تھا۔

پر۔۔۔ پر فجر کی آنکھیں کچھ اور کہہ رہی تھیں۔ ان میں شناسائی کی ایک ایسی پرت تھی جو ان تمام ملاقاتوں سے کہیں زیادہ پرانی، کہیں زیادہ گہری تھی۔ وہ کہاں ملے تھے؟

سرگوشیاں اب ہوا سے نکل کر آس پاس پھیلنے لگیں۔ کیا ان دونوں کا کوئی اور، کوئی گمنام تعلق بھی تھا؟

یہ تو غضب تھا۔ جنگ کا میدان ایک طرف، یہ یادوں کی بھول بھلیاں کہیں زیادہ پیچیدہ تھیں۔ وقت کی کتاب کا ایک بھولا ہوا ورق پلٹا۔ عنکبوت کا جال واضح ہونا شروع ہوا۔

صنعتی علاقے کی بھاری گالوں، دھول اور فیکٹریوں کے دھویں میں لپٹی شام کے سرمئی سناٹے کو چیرتی ہوئی ایک سڑک گردیزی ٹیکسٹائل کے سامنے سے گزرتی تھی۔ کچھ فاصلے پر بنے بس اسٹاپ کی بوسیدہ سی بینچ پر وہ بیٹھی تھی۔

چودہ سالہ فجر معراج! سفید یونیفارم پر اسکول بیگ کا بوجھ لادے، بالوں کی اونچی پونی بنائے، وہ اپنے گھٹنوں پر رکھے بیگ پر دونوں ہاتھ جمائے بیٹھی تھی۔ اس کے بھنچے ہوئے جبڑوں اور تنی ہوئی رگوں میں خون دوڑتا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے بائیں ہاتھ کی کلائی پر ایک تازہ زخم تھا، جسے وہ اپنے دائیں ہاتھ کے ناخنوں سے بے دردی سے کرید رہی تھی، جیسے درد کو درد سے مٹانے کی کوشش کر رہی ہو۔ آنکھوں میں غصے اور بے بسی کا ایک طوفان تھا۔ گلے میں

آنسوؤں کا ایک گولہ اٹکا تھا مگر وہ رو نہیں رہی تھی۔ وہ خود کو اذیت دے کر اس اندرونی خلفشار کو باہر نکال رہی تھی۔

اچانک کچھ فاصلے پر ایک مہنگی، سیاہ چمچماتی گاڑی آ کر رکی۔ کچھ دیر وہ یوں ہی کھڑی رہی، پھر اس کا دروازہ کھلا اور ایک شخص باہر نکلا۔ سیاہ ڈریس پینٹ اور برف جیسی سفید ڈریس شرٹ میں ملبوس وہ اکتیس سالہ نہایت وجیہہ شخص تھا۔ اس کی آستینیں کہنیوں تک چڑھی ہوئی تھیں، اور اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے۔ وہ فون پر کسی سے تیز لہجے میں بات کر رہا تھا۔ اس نے جھک کر انجن چیک کرنے کی کوشش کی مگر گاڑی ٹس سے مس نہ ہوئی۔ فون پر کچھ ہدایات دیتے ہوئے اس کی نظریں بے اختیار اس ویران بس اسٹاپ کی جانب اٹھیں جہاں فجر بیٹھی تھی۔ یہ صنعتی علاقہ سہ پہر ڈھلتے ہی سنسان ہو جاتا تھا۔ آسمان پر سرمئی بادلوں کے لشکر جمع تھے، جیسے کسی بھی لمحے برس پڑیں گے اور اس لیے مزید سنسان سا لگ رہا تھا۔

اس نے اس لڑکی کو دیکھا، پھر آس پاس نگاہ دوڑائی۔ دور دور تک کوئی اور نہ تھا۔ وہ اس وقت یہاں اکیلی کیوں بیٹھی تھی؟ یہ سوچ اسے اس کی جانب لے آئی۔ وہ آگے بڑھا اور بینچ کے دوسرے کنارے پر کچھ فاصلہ رکھ کر بیٹھ گیا۔ اس کے چمکتے ہوئے سیاہ جوتوں پر فجر کی نظر پڑی۔ اسے احساس ہوا کہ کوئی پاس آ بیٹھا تھا مگر اس نے گردن اٹھانے کی زحمت نہ کی۔

"تم ٹھیک ہو؟" ساتھ بیٹھے شخص نے اسے اپنا زخم کھرچتے دیکھ کر پوچھا۔ اسکے دونوں ہاتھ خون آلود تھے۔ اس کی آواز میں ایک ٹھہراؤ اور فکر مندی تھی۔ مگر وہ کچھ نہ بولی۔ بت بنی بیٹھی رہی۔ وہ چند لمحے اس کی اس خاموش اذیت کو دیکھتا رہا پھر اٹھا۔ وہ اپنی گاڑی کی جانب بڑھا اور چند لمحوں بعد جب واپس لوٹا تو اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا فرسٹ ایڈ باکس تھا۔ وہ دوبارہ آ کر اسی جگہ بیٹھ گیا۔

"موسم بھی خراب ہے اور حالات بھی۔ تم ابھی چھوٹی ہو۔ اگر گھر سے لڑ کر بھی آئی ہو تو تمہیں یہاں اکیلے نہیں بیٹھنا چاہیے۔" وہ یوں کہہ رہا تھا جیسے اسے جانتا ہو، جیسے اس کی خاموشی کے پیچھے کی کہانی پڑھ لی ہو۔

"میرے پاس ایک ملٹی ٹول نائف ہے اور میں اس کا استعمال جانتی ہوں۔" اس نے پہلی بار کچھ کہا، مگر اب بھی گردن جھکائے ہوئے۔ "اور میں گھر سے لڑ کر نہیں آئی۔ اسکول سے لڑ کر آئی ہوں۔"

اس کے جواب میں چھپی خود اعتمادی پر اس شخص کے لبوں پر ایک خفیف سی مسکراہٹ ابھری۔ اس نے پائیوڈین کی شیشی کھولی اور روئی کا پھایا بھگو کر اس کے سامنے کیا۔ وہ اس کا زخم صاف کرنا چاہتا تھا۔

"اس کی ضرورت نہیں۔ مجھے عادت ہے۔" اس نے اب بھی اسے نہیں دیکھا تھا۔

"اور اگر اب تم مجھے اپنا ہاتھ نہیں دو گی، تو میں پولیس بلا لوں گا اور وہ تمہیں لے جائیں گے۔" اس کا لہجہ اب دھمکی آمیز تھا، مگر اس میں ایک عجیب سی نرمی بھی تھی۔ اس بار فجر نے سر اٹھایا اور رخ موڑ کر اسے دیکھا۔ اس کی ہیزل آنکھوں میں بھڑکتے شعلے سامنے بیٹھے وجیہہ شخص کی گہری سیاہ آنکھوں سے ٹکرائے۔ ان میں شدید خفگی تھی۔ وہ غصہ تھی۔

اس شخص نے اس کے غصے کی پرواہ کیے بغیر اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور خود ہی اس کا زخمی ہاتھ تھام لیا۔ پھر نہایت نرمی سے زخم صاف کرتے ہوئے پوچھا، "کس سے لڑ کر آئی ہو؟"

"کلاس فیلو سے۔" لہجہ سپاٹ تھا۔

"کیوں؟"

"اس نے کہا میں ملعون ہوں۔"

زخم صاف کرتا ہوا اس شخص کا ہاتھ ایک لمحے کو رکا۔ اس نے نظر اٹھا کر فجر کے چہرے کو دیکھا۔ چودہ سالہ وہ لڑکی ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہی تھی۔ اس کا چہرہ سرخ تھا، آنکھیں نم تھیں، مگر آنسو بہنے کو تیار نہ تھے۔ وہ انہیں بہنے نہیں دے سکتی تھی۔

"اس نے تمہیں ملعون کیوں کہا؟" وہ یوں پوچھ رہا تھا جیسے وہ اس کا سب سے اچھا دوست ہو، کوئی رازداں۔ فجر نے سختی سے لب بھینچ لیے۔

"وہ میرے محلے کی لڑکی ہے اور وہاں سب کہتے ہیں مجھ پر کسی کا سایہ ہے۔ میں ملعون ہوں۔"

وہ اس کی باتیں سن کر اس کی عمر اور اس کے دکھ کی گہرائی کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"اچھا؟ کس کا سایہ ہے؟"

وہ کہنا چاہتی تھی "**بلقیس کا بیٹا**" مگر خاموش رہی۔ شاید وہ اپنا سب سے بڑا راز کسی اجنبی پر آشکار نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اب وہ اس کے ہاتھ پر احتیاط سے پٹی باندھ رہا تھا۔ اس کا سفید یونیفارم کئی جگہوں سے خون کے سرخ دھبوں سے رنگین ہو گیا تھا۔

"تو تم نے اس لڑکی کے ساتھ کیا کیا؟"

"میں نے اپنا بیگ اس کے منہ پر دے مارا۔ اس کا دانت ٹوٹ گیا ہے۔"

ساتھ بیٹھے شخص نے بمشکل اپنی مسکراہٹ ضبط کی۔ یہ بچی اس کی توقع سے کہیں زیادہ خطرناک اور ہوشیار تھی۔

"اب کیا ہو گا؟"

"اب وہ میرے گھر شکایت کرنے آئے گی اور اماں سے مجھے ڈانٹ پڑے گی۔"

"تمہیں ڈانٹ سے ڈر لگتا ہے؟"

"مجھے اچھا نہیں لگتا کوئی مجھ پر چیخے چلائے۔" اس نے ایک نظر اپنے پٹی بندھے ہاتھ کو دیکھا۔

"تمہیں کیا پسند ہے؟"

اس بار وہ خاموش ہو گئی۔ اس سوال کا کوئی جواب اس کے پاس نہیں تھا۔

"ویسے تمہارا نام کیا ہے؟"

کاش وہ بتا دیتی، مگر اس نے نہیں بتایا کہ وہ **فجر معراج** تھی۔ وہ خاموش رہی۔ ساتھ بیٹھا شخص اپنی دوسری گاڑی آنے کا انتظار کر رہا تھا اور اسے یہ بچی کسی دلچسپ کہانی کی طرح لگ رہی تھی، اس لیے وہ گفتگو جاری رکھے ہوئے تھا۔

"ویسے تم بڑی ہو کر کیا کرنا چاہتی ہو؟"

"راج۔۔۔"

اس جواب پر وہ چونک گیا۔ اس نے اس چودہ سالہ لڑکی کو دیکھا جو اب سامنے سڑک پر دیکھ رہی تھی۔ وقفے وقفے سے کوئی گاڑی گزرتی تو اس کی ہیڈ لائٹس اس کے چہرے کو روشن کر جاتیں۔

"میں بڑی ہو کر راج کروں گی۔ اس شہر پر، آسمان پر، اور۔۔۔" اس نے اچانک رخ موڑ کر اس شخص کو دیکھا، اس کی ہیزل آنکھوں میں ایک نئی چمک تھی۔

"آپ جیسے ہینڈسم شخص کے دل پر بھی۔"

یہ ناقابلِ یقین تھا۔ ساتھ بیٹھے شخص کا چہرہ پہلے حیرت سے سرخ پڑا اور پھر وہ ہنس دیا۔ اس کا چہرہ شدتِ جذبات سے مزید سرخ ہو رہا تھا۔ روزانہ اپنے بارے میں ڈھیروں تعریفیں سننے والا شخص، ایک بچی کے اس بے ساختہ اور دوٹوک تبصرے پر بے طرح بلش کر رہا تھا۔

"میں ہینڈسم ہوں؟" اس نے بمشکل اپنی ہنسی روکی۔

"ہاں۔۔۔" یک لفظی جواب آیا۔

"کتنا؟" اس نے شرارت سے پوچھا۔

"اتنا کہ اگر میں عام لڑکی ہوتی تو مجھے آپ پر کرش ہو چکا ہوتا۔ اور میں صبح جا کر اسکول میں سب کو بتاتی اور آپ کو ہمیشہ یاد رکھتی۔"

وہ اتنی صاف گو اور بے باک تھی کہ وہ شخص کھل کر ہنس دیا۔ کئی سالوں میں پہلی بار، وہ کسی بزنس ڈیل کے بغیر، کسی مقصد کے بغیر، دل سے مسکرایا تھا۔ اس کی ہنسی کی گونج اس سنسان سڑک پر پھیلی اور ابر آلود موسم میں جیسے ایک لمحے کے لیے دھوپ نکل آئی ہو۔

"تو آپکا نام کیا ہے؟" اسے ہنستے دیکھ کر فجر نے پوچھا۔

"رئیس اورنگزیب!" اسے چھپانے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ مسکرایا، ایک ہلکی سی دلنشین مسکراہٹ جو اس کے سنجیدہ چہرے پر کسی دھیمی روشنی کی مانند پھیلی۔ فجر کی آنکھیں تحیر سے پھیل گئیں۔ **رئیس یعنی سلطنت!**

"آپ رئیس ہیں؟ مطلب آپ کے پاس سلطنت بھی ہے؟" اس کے معصوم سوال پر وہ پھر سے ہنس دیا۔

"ہاں چھوٹی سی۔" اثبات میں گردن ہلائی، اس کی نظریں اب فجر کے تجسس سے بھرپور چہرے پر مرکوز تھیں۔

"کتنی چھوٹی۔۔۔؟" اب وہ متجسس نظر آ رہی تھی، اس کے زخمی ہاتھ کی تکلیف اور اسکول کی لڑائی کا غم اس سوال کے سامنے ماند پڑ رہا تھا۔

"اتنی چھوٹی کہ اس میں ایک ہیلی کاپٹر اتر آتا ہے۔" وہ اب سوچتے ہوئے بتا رہا تھا، جیسے اس چھوٹی سی سلطنت کا نقشہ اپنی آنکھوں میں گھما رہا ہو۔

"آپ کے پاس ہیلی کاپٹر بھی ہے؟" ہیزل آنکھیں مزید پھیل گئیں۔ اسکول کی، ہاتھ کی، وہ ساری تکلیفیں بھول چکی تھی کیونکہ تذکرہ سلطنت کا چھڑ گیا تھا۔ اس کے تخیل کی پرواز اب اس ہیلی کاپٹر کے گرد گھوم رہی تھی جو رئیس کی "**چھوٹی سی**" سلطنت میں اترتا ہو گا۔

"ہاں ہے۔" وہ بینچ سے ٹیک لگائے بولا اور پھر آسمان کو دیکھا جو کسی بھی وقت برسنے کو تیار تھا۔ بادلوں کا گہرا سرمئی رنگ اب اور نمایاں ہو رہا تھا اور ہوا میں نمی بڑھتی جا رہی تھی۔

"اچھا۔۔۔" اس نے اس نے رخ موڑ لیا، اس کے ذہن میں اب یقیناً اس ہیلی کاپٹر کا تصور گھوم رہا ہو گا۔

"تم دیکھنا چاہو گی؟" وہ اب پوچھ رہا تھا، اس کی آواز میں ہلکی سی دعوت تھی۔

مگر فجر کا جواب نہیں آیا۔ وہ اب انگلی پر کچھ گن رہی تھی، جیسے کسی بڑے منصوبے کے مراحل طے کر رہی ہو۔ پھر اس نے رئیس کی جانب دیکھا، اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی۔

"دس گیارہ سال بعد میرے پاس بھی ایک سلطنت ہو گی۔" اس کی آنکھوں میں جگنو بھرے ہوئے تھے، ایک ایسی روشنی جو ایک مضبوط عزم کی نشاندہی کر رہی تھی۔ وہ اسے اپنا پلان بتا رہی تھی، ایک چودہ سالہ لڑکی ایک سلطنت بنانے کا خواب دیکھ رہی تھی اور اس خواب کی سچائی اس کی باتوں میں رچی ہوئی تھی۔

اور وہ اس کے پلانز سن کر متاثر ہو رہا تھا۔ اس لڑکی کی ہمت اور خود اعتمادی نے اس کے اندر بھی ایک ہلچل پیدا کر دی تھی۔

"ویسے سلطنت بنانے کا کوئی شارٹ کٹ راستہ ہے؟" اس نے سنجیدگی سے پوچھا، اس کی چھوٹی سی دنیا میں یہ ایک بڑا سوال تھا۔ رئیس نے گردن ناں میں ہلا دی، اس کی مسکراہٹ اب مدھم پڑ گئی تھی۔

"نو شارٹ کٹ، صرف محنت اور ہوشیاری۔ ہاں، سلطنت بنا لینے کے بعد، اسے قائم رکھنے کے لیے کافی کچھ کرنا پڑتا ہے۔" وہ اسے مشورہ دے رہا تھا، ایک تجربہ کار شخص ایک نو آموز کو زندگی کے اصول سکھا رہا تھا، اور وہ سر ہلا کر سن رہی تھی، اس کی ہر بات کو غور سے جذب کر رہی تھی۔ بارش کی پہلی بوند زمین سے ٹکرائی، ایک ٹھنڈی سی لہر ہوا میں دوڑ گئی۔

"اور اگر بنانے کے بعد میری سلطنت کو خطرہ ہوا تو میں اس سے کیسے نبٹوں گی؟" وہ اس سے سب کچھ جان لینا چاہتی تھی۔ جیسے وہ کوئی بڑا استاد ہو اور وہ اس کی شاگرد۔ رئیس نے ایک گہری نظر اس پر ڈالی۔ وہ ایک خوبصورت بچی تھی جس کی ہیزل آنکھوں میں ایک خاص چمک تھی، ایک ایسا عزم جو بڑے ہو کر مزید نکھرتا، مگر جو چیز اسے واقعی دلچسپ بنا رہی تھی وہ اس کا یہ پختہ ارادہ تھا جس نے اس جیسے شخص کی توجہ بھی اپنی جانب کھینچ لی تھی۔

"جب تم سلطنت بنا لو تو بتانا، خطرہ ہوا تو **میں** حفاظت کروں گا۔" وہ اس کی بنائی ہوئی خیالی کہانی کا مسیحا بن رہا تھا، اس کے تخیل کو ایک حقیقت کا سہارا دے رہا تھا۔ فجر کی آنکھیں چمک اٹھیں، اس کے چہرے پر ایک ایسی خوشی نمودار ہوئی جیسے اسے دنیا کی سب سے بڑی خوشخبری مل گئی ہو۔

"اسپائڈی پرومس؟ Spidey promise" اس نے چھوٹی انگلی آگے کی، ایک معصومانہ وعدے کی درخواست۔

"اور یہ اسپائڈی پرومس کیا ہے؟" وہ حیران ہوا، اس نے پہلی بار یہ اصطلاح سنی تھی۔

"یہ زہریلہ وعدہ ہے۔ توڑنے پر جسم میں زہر پھیل جائے اور توڑنے والا مر جائے گا۔" اس نے کس قدر سادگی سے کتنی خطرناک بات کہہ دی تھی۔ رئیس نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر اس کی چھوٹی سی انگلی کو تھام لیا۔ اس اکتیس سالہ شخص نے ایک چودہ سالہ بچی سے اسپائڈی پرومس کر لیا۔

وہ پہلی بار مسکرائی، ایک خالص اور بے ساختہ مسکراہٹ جو اس کے چہرے پر بکھری اور اس کی ہیزل آنکھوں میں چمک پیدا کر گئی۔ اس مسکراہٹ میں وہ ساری تکلیف اور غصہ دھل گیا جو کچھ دیر پہلے اس کے چہرے پر نمایاں تھا۔ بادل اب برسنے لگے تھے، اور ان دو اجنبیوں کے درمیان، ایک وعدہ ہوا تھا، ایک ایسی ان کہی کہانی کا آغاز جس کے بارے میں ابھی کسی کو کچھ علم نہیں تھا۔ کچھ وقت مزید گزرا۔ دونوں کی نظریں برستی بارش پر تھیں۔

"تمہیں مکڑیاں پسند ہیں؟" فجر نے فوراً اثبات میں سر ہلایا، اس کی ہیزل آنکھوں میں ایک نئی چمک آئی، جیسے اس سوال نے اس کی توجہ کسی اور جانب مبذول کرا دی ہو۔ اس کی بات سن کر وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور پھر گاڑی کی جانب بڑھا، بارش کی تیز ہوتی ہوئی بوندیں اب اس کے چہرے اور بالوں پر پڑ رہی تھیں۔ کچھ دیر بعد وہ واپس لوٹا، اس کے ہاتھ میں ایک خوبصورت سا شیشے کا جار تھا۔ اس کے بال بارش میں بھیگ گئے تھے اور قطرے اس کی پیشانی سے ٹپک رہے تھے۔ اس نے وہ جار فجر کی جانب بڑھایا۔ اس کے اندر ایک خوبصورت سی، قدرے خوفناک، مکڑی تھی۔ اس کے لمبے اور پتلے پاؤں کسی نازک جالے پر پھیلے ہوئے تھے۔

"مجھے بھی مکڑیاں پسند ہیں۔ یہ ایک نایاب مکڑی ہے۔ یہ میری طرف سے تمہارے لیے۔" اس کی آواز میں ایک خاص قسم کی نرمی تھی، جیسے وہ کسی قیمتی راز سے پردہ اٹھا رہا ہو۔

فجر نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر اس جار کو۔ اب وہ کچھ سوچ رہی تھی۔ وہ اسے فوراً نہیں لینا چاہتی تھی، اس کے ذہن میں کئی خیال آ رہے تھے۔ کیا یہ کوئی امتحان تھا؟ یا صرف ایک اجنبی کی طرف سے دیا گیا ایک تحفہ؟ پر اگر وہ اسے بھول گیا تو وہ خود کو کیسے یاد دلائے گی؟ ہاں، شاید تب یہ مکڑی کام آ جاتی۔ اس نے جار پکڑ لیا، اس کے ہاتھ شیشے کی سرد سطح کو محسوس کر رہے تھے۔ وہ ساتھ بیٹھ گیا۔ اس نے گھڑی دیکھی۔ کسی بھی وقت اس کی دوسری گاڑی پہنچنے والی تھی۔ پھر گردن موڑ کر فجر کو دیکھا جو جار پر جھکی اسے دلچسپ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی چھوٹی سی پیشانی پر شکنیں پڑی ہوئی تھیں، جیسے وہ اس نایاب مخلوق کے بارے میں بہت کچھ جاننا چاہتی ہو۔ پھر اس نے گہری سانس لی۔ یہ لڑکی باقیوں سے مختلف تھی، اس میں کچھ خاص تھا جو رئیس کی نظروں سے اوجھل نہیں رہ سکا تھا۔ وہ اسے کچھ نصیحت کرنا چاہتا تھا۔

"کیا میں کچھ کہہ سکتا ہوں؟" اس کی آواز میں ایک دھیمی سی ہچکچاہٹ تھی۔

"مجھے نصیحت کرنا چاہتے ہیں؟" اس نے پوچھا جبکہ نظریں ابھی بھی مکڑی پر جمی ہوئی تھیں۔ اس کی آواز میں کوئی طنز نہیں تھا، محض ایک سوالیہ انداز تھا۔

"ہاں۔۔" وہ دھیرے سے ہنسا۔ وہ اتنی ہوشیار کیوں تھی؟

"بولیں، اگر مجھے اچھی لگی تو میں سنوں ورنہ دوسرے کان سے نکال دوں گی۔" اسکا اندازِ گفتگو لاپرواہی سے بھرپور تھا، مگر اس کی آنکھوں میں ذہانت کی چمک تھی۔ رئیس سیدھا ہوا۔

"لڑ کر بھاگتے نہیں ہیں۔ اپنی جگہ نہیں چھوڑتے۔ وہیں رہ کر مقابلہ کرتے ہیں اور ہر کسی کی باتوں پر توجہ بھی نہیں دیتے۔ اگر تمہیں کوئی ملعون کہتا ہے تو ملعون بن کر دکھاؤ اس طرح کہ وہ دوبارہ تمہیں یہ کہنے سے ڈریں۔" اس کے الفاظ سخت تھے، مگر ان میں ایک گہرا پیغام چھپا ہوا تھا۔

یہ تو الگ سی باتیں تھیں، فجر نے پہلی بار اپنی توجہ مکڑی سے ہٹائی اور گردن اٹھائی۔ اب وہ اس کے وجیہہ چہرے کو دیکھ رہی تھی، اس کی آنکھوں میں ایک سوال تھا۔

"اگر تم راج کرنا چاہتی ہو تو اپنی پہچان قائم رکھنا، جو چھینے اسے چیر پھاڑ دینا، کسی کو بھی اپنی پہچان چھیننے مت دینا۔" وہ اسے اپنے جیسی بے رحم اور مضبوط نصیحتیں کر رہا تھا۔ بارش اب زور پکڑ چکی تھی، مگر ان کی باتوں کا سلسلہ جاری تھا۔

وہ سن رہی تھی اور جذب کر رہی۔

"اور یاد رکھنا، کسی پر جلد بھروسہ مت کرنا۔ لوگ تمہاری کمزوریوں کو جان کر ان کا فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے۔ اپنی آنکھیں کھلی رکھنا اور اپنے دل کو بند۔ دنیا ایک ظالم جگہ ہے اور یہاں صرف مضبوط لوگ ہی سروائیو کر سکتے ہیں۔" اس کی آواز میں تلخی تھی، یہ تلخی اس نے زندگی کے کٹھن تجربات سے سیکھی تھی۔ بارش کی بوندیں اب ان کے ارد گرد شدت سے برس رہی تھیں، پر وہ دونوں اپنی جگہ پر جمے ہوئے تھے۔

"اور سب سے اہم بات یہ کہ کبھی اپنی مرضی مت چھوڑنا۔ لوگ تمہیں بتائیں گے کہ تمہیں کیا کرنا چاہیے، کیا سوچنا چاہیے اور کیا بننا چاہیے، لیکن ہمیشہ اپنے دل کی سننا۔ تمہاری سلطنت تمہارے اصولوں پر بنے گی، کسی اور کے نہیں۔ اگر تم گر بھی جاؤ تو دوبارہ اٹھنا، اور پہلے سے زیادہ مضبوط ہو کر اٹھنا۔"

اس نے فجر کی جانب دیکھا، اس کی آنکھوں میں ایک عزم کی چمک تھی جو وہ اس لڑکی میں بھی دیکھ رہا تھا۔

"یہ جو تمہاری سلطنت بنانے کا خواب ہے نا، اسے کبھی مت مرنے دینا۔ یہ تمہیں آگے بڑھنے کی طاقت دے گا۔ راستے میں بہت سی مشکلات آئیں گی، بہت سے لوگ تمہیں روکنے کی کوشش کریں گے، لیکن اگر تمہارا یقین مضبوط ہے تو کوئی تمہیں نہیں ہرا سکتا۔" اس نے ایک لمحے کے لیے توقف کیا اور پھر گویا ہوا۔

"اور ہاں یہ نایاب مکڑی یاد دلائے گی کہ طاقت ہمیشہ بڑی نہیں ہوتی۔ چھوٹی چیزیں بھی بڑے کام کر سکتی ہیں۔ اسے سنبھال کر رکھنا، یہ تمہیں بہت کچھ سکھائے گی۔" رئیس نے گیلی پیشانی سے بالوں کو پیچھے کیا اور ایک گہری نظر فجر پر ڈالی، جس کے چہرے پر اس کی باتوں کا گہرا اثر دکھائی دے رہا تھا۔ بارش اب کچھ ہلکی ہو گئی تھی، گویا فطرت بھی ان کی گفتگو سن رہی ہو۔

"میں یاد رکھوں گی۔" وہ بس اتنا ہی کہہ پائی۔ رئیس کی گاڑی سامنے سڑک پر آ کر رکی۔

"کیا میں تمہیں گھر چھوڑ دوں؟" وہ اسے وہاں اکیلے چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ فجر نے نفی میں سر ہلایا۔

"میرے ابا آتے ہوں گے۔ انہیں پتا ہے میں ہمیشہ ناراض ہو کر یہیں آتی ہوں۔ وہ مجھے لینے آ رہے ہوں گے۔ اگر میں انہیں یہاں نہ ملی تو وہ پریشان ہو جائیں گے۔" اس نے بائیں جانب سڑک پر نظر دوڑائی۔ جہاں شام کی مدھم ہوتی روشنی میں اکا دکا گاڑیاں گزر رہی تھیں۔ رئیس نے محسوس کیا وہ اپنے ابا سے پیار کرتی تھی۔

"میں تب تک ویٹ کر سکتا ہوں۔" رئیس نے پیشکش کی۔ نظروں میں فکر مندی تھی۔

فجر نے ایک بار پھر نفی میں سر ہلایا۔

"آپ جا سکتے ہیں مگر۔۔۔۔" اس نے بات اُدھوری چھوڑ دی۔ نظریں اب زمین پر تھیں۔

"مگر کیا؟" رئیس سنجیدہ تھا۔

"وعدہ مت بھولیے گا۔" فجر کی یاد دہانی پر رئیس کے لبوں پر ایک خفیف سی مسکراہٹ آئی، ایک ایسا وعدہ جو اس نے ایک چھوٹی سی لڑکی سے کیا تھا، ایک وعدہ جو اسے شاید ہمیشہ یاد رہے گا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک نظر اس پر ڈالی جو اب بھی اسے دیکھ رہی تھی اور پھر اپنا بڑا سا ہاتھ بڑھا کر اس کے چھوٹے سے سر پر رکھ کر، اس نے سر کو دائیں بائیں زور سے گھمایا، ایک شفقت بھرا انداز۔

"جیسی ہو ویسی رہنا۔۔" اس نے فجر سے کہا۔ "اگلی بار زخموں پر مرہم خود رکھنا کیونکہ تم یہ کر سکتی ہو۔" اس نے اشارہ ساتھ رکھے فرسٹ ایڈ باکس کی جانب کیا جو وہ اس کے لیے چھوڑ رہا تھا۔ اور پھر اسے وہیں چھوڑ کر اپنی گاڑی کی جانب بڑھ گیا۔ اب وہ اپنی گاڑی میں بیٹھ رہا تھا۔ گاڑی کا دروازہ بند ہوا اور اس نے ہاتھ ہلا کر فجر کو الوداع کہا۔ پھر اس کی گاڑی آگے بڑھ گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے سڑک پر دور ہوتی چلی گئی۔ فجر کے چہرے کی وہ ہلکی سی مسکراہٹ اس کے جاتے ہی غائب ہو گئی۔ اس کی جگہ ایک سنجیدہ تاثر نے لے لی۔

"وہ بھول گیا تو؟" اس نے شیشے کے جار میں قید مکڑی کو دیکھتے ہوئے سوال کیا، جیسے وہ اس کی رازدار ہو۔

"پر میں اسے یاد رکھوں گی، ایک مینٹور کے طور پر۔۔۔" آج اسے اپنی زندگی کا ایک نیا موڑ مل گیا تھا۔ اسے باتیں کرنے کے لیے ایک غیر متوقع دوست مل گیا تھا اور پھر سڑک پر ایک کھٹارا سا رکشہ آ کر رکا۔ اس کے ابا اس میں سے اترے۔ انہوں نے فجر کو دیکھا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اپنے بھاری اسکول بیگ میں فرسٹ ایڈ باکس ڈالا اور اسے کندھے پر لٹکا لیا۔ آج اسے ایک نیا راستہ مل گیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اسے کیا کرنا تھا۔ وہ ابا کی جانب بڑھ گئی۔ ہاتھ میں جار لیے۔ بارش تھم چکی تھی اور سرمئی بادلوں کے پیچھے سے سورج کی ایک ہلکی سی کرن نمودار ہوئی۔

وقت کی کتاب پھڑ پھڑا کر پنے بند کر دیئے۔ماضی کے اس خوبصورت اور دھندلے خیال کا عکس فجر کی آنکھوں سے محو ہوا اور اس کی جگہ حال نے لے لی۔وہ اب بھی بالکونی میں کھڑی تھی،رات کے گہرے ہوتے منظر کو اپنی نظروں میں سموئے ہوئے اور رئیس اور نگزیب،جو کچھ فاصلے پر کھڑا شہر کی روشنیاں دیکھ رہا تھا،پر اس کی نگاہیں جمی تھیں۔اس واقعے کو کتنے سال گزر گئے تھے،ایک ایسی ملاقات جو فجر کے ذہن پر نقش تھی،ہر ایک لفظ،ہر ایک نصیحت اس کے حافظے میں تازہ تھی۔مگر رئیس؟وہ اسے یاد نہیں تھی۔ان گزرے سالوں میں وہ اور بھی زیادہ پر وقار اور جاذب نظر ہو گیا تھا،جبکہ اس کی نگاہوں میں فجر کے لیے کوئی شناسائی نہیں تھی۔

آج فجر کی آنکھوں میں کوئی تلخی نہیں تھی،نہ ہی وہ کسی قسم کا الزام لیے اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔اس کی آنکھیں جتلانا یا اس سے کوئی پرانا حساب چکانا نہیں چاہتی تھیں۔آج اس کی نظروں میں وہی معصومیت اور بے بسی تھی جو اس نے برسوں پہلے اس بس اسٹاپ پر بیٹھے ہوئے دکھائی تھی۔

وہ اسی کے کہے پر چلی تھی،اس اجنبی کی چند نصیحتوں کو اپنا رہنما بنایا تھا۔اس نے ایک راہ دکھائی تھی،ایک حوصلہ دیا تھا اور وہ اس پر چلتی رہی تھی۔آج جب اس نے اپنی سلطنت بنالی تھی اور اب جب اسے اس سلطنت کو خطرہ لاحق ہوا تو وہ مدد کے لیے آیا تھا،بالکل اس وعدے کی طرح جو اس نے برسوں پہلے کیا تھا۔مگر کیا وہ اسے یاد تھی؟ کیا وہ اس چودہ سالہ لڑکی کو پہچانتا تھا جو اس کے دیے ہوئے حوصلے سے آج اس مقام پر پہنچی تھی؟

یہ ایک گہرا سوال تھا جس کا جواب فجر کے پاس نہیں تھا۔شاید وہ اسے بھول گیا تھا،شاید وہ ان لاتعداد لوگوں میں سے ایک تھی جن سے وہ زندگی میں ملا تھا۔اس سوچ پر فجر کے لبوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی،ایک ایسی مسکراہٹ جس میں ماضی کی یادیں اور حال کی حقیقت دونوں شامل تھیں۔اگر وہ بھول گیا تو خیر تھی۔وہ اسے کبھی یاد نہیں دلائے گی۔وہ اسکا مسیحا تھا۔وہ پہلا شخص تھا جس نے اس کے زخم پر مرہم رکھا تھا۔چاہے ان کی دشمنی جو

بھی ہو، وہ کاروباری حریف ہوں یا رفیق، وہ دونوں ایک دوسرے سے جتنی مرضی نفرت کر لیں لیکن سچ تو یہی تھا۔ اس کے دل میں ہمیشہ وہ یاد زندہ رہے گی جہاں وہ مسیحا تھا، مینٹور تھا اور وہ جذباتی، بے وقوف، ہٹ دھرم، چودہ سالہ ہوشیار لڑکی! وہ اسے کبھی نہیں بتائے گی اس کی زندگی میں رئیس اور نگزیب کا مقام کتنا بڑا تھا۔

✿••✿••✿••✿

منار کے ڈیزائننگ اسٹوڈیو میں خاموشی چھائی ہوئی تھی، سوائے ایک دھیمی جاز موسیقی کے جو پس منظر میں بج رہی تھی اور کچھ کاغذوں کی سرسراہٹ کے جو فجر اور فلک کے ہاتھوں میں تھے۔ دونوں **'رانیہ پروجیکٹ'** پر کام کر رہی تھیں، لیکن آج منار میں ایک اور ہاٹ ٹاپک چھایا ہوا تھا۔ رئیس اور نگزیب کی سالگرہ!

کل جب وہ منار آیا تھا، تو وہ پورے منار کو اپنی سالگرہ کی تقریب میں مدعو کر گیا تھا۔ فجر اس تقریب میں جا رہی تھی اور خلاف توقع وہ اس بار تیار تھی۔ فلک کن انکھیوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

اسی لمحے، ایک ٹیم مہرون رنگ کے مختلف لباس لیے ڈیزائننگ اسٹوڈیو میں داخل ہوئی۔ یہ سبھی لباس ماڈرن تھے۔ سلیولیس، بیک لیس، کچھ کے گلے گہرے تھے، ہر ایک اپنی جگہ منفرد اور دیدہ زیب۔ سالگرہ کی تقریب کا تھیم سیاہ اور مہرون تھا۔ فجر نے ان ملبوسات کو ایک نظر دیکھا، اور پھر انہیں ایک جانب رکھنے کا اشارہ کیا۔ ٹیم خاموشی سے ملبوسات کے سٹینڈ کو ایک طرف رکھ کر چلی گئی۔

فلک نے ایک بار پھر کن انکھیوں سے فجر کو دیکھا۔ اس کے ذہن میں بے شمار سوالات تھے، لیکن وہ خاموش رہی۔

"ویسے یہ سبھی زیادہ ماڈرن ہیں۔ میں کچھ اور منگواتی ہوں۔" اس نے لباس دیکھنے کے بعد اپنے فون پر کسی کو ہدایات دینا شروع کیں، اس کی آواز میں ایک خاص قسم کی چمک تھی۔ پھر اس نے فلک کو دیکھا۔

"تمہارے لیے کیا منگواؤں؟ ماڈرن گاؤن یا سمپل فراک؟" سنجیدگی سے پوچھا، آواز میں وہی خوشگوار حیرت تھی جو اس کی آنکھوں میں جھلک رہی تھی۔ وہ آج خوش لگ رہی تھی۔

فلک اس سوال پر گڑبڑا گئی۔ اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ وہ چاہ کر بھی وہاں نہیں جا سکتی تھی۔ اس نے ابھی تک فجر کو اپنے اور رئیس کے تعلق کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔

"ٹھیک ہے میں ڈیٹیلز میسج کر رہی ہوں۔" اسکا جواب نہ پا کر فجر نے فون ایک جانب رکھا اور فلک کی طرف متوجہ ہوئی۔

"تم نے بتایا نہیں؟" اس کے ابرو ہلکے سے چڑھے ہوئے تھے۔

فلک کا گلا ریت کی طرح خشک محسوس ہو رہا تھا۔ "میں نہیں جاؤں گی۔"

وہ حیران ہوئی۔ آنکھوں میں الجھن تھی۔ "کیا مطلب نہیں جاؤ گی؟ کوئی مسئلہ ہے؟"

"نہیں۔۔" فلک نے ہچکچائی۔ "وہ کل میں رجب۔۔۔" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی، الفاظ اس کے حلق میں اٹک گئے۔ رجب کا نام ذہن میں آتے ہی اسے کل کی وہ تکلیف دہ بات چیت یاد آ گئی جب رجب نے اسے رئیس کی سالگرہ میں جانے سے پہلے ہی سے ٹوک دیا تھا۔

فجر کی پیشانی پر لکیریں ابھریں۔

"تو گھبرا کیوں رہی ہو؟ تم اس کے ساتھ وقت گزارنا چاہتی ہو؟ یا وہ تمہارے ساتھ؟" اس کی سیدھی بات نے فلک کو مزید گھبرا دیا۔ یہ صرف ایک بہانہ تھا۔ وہ وہاں خود بھی نہیں جانا چاہتی تھی۔

"وہ چائے کے لیے پوچھ رہا ہے جبکہ میں نے ابھی تک ہاں نہیں کی ہے۔" فلک نے لکنت سے کہا، اس کی نظریں میز پر گڑی تھیں۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ فجر کو اس کی زندگی کی یہ پیچیدگیاں معلوم ہوں۔

فجر نے اس کے چہرے پر پھیلی گھبراہٹ کو بھانپ لیا۔

"دیکھو فلک، تمہارا دل مانے تو جانا ورنہ خود کے ساتھ زبردستی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ رشتے زبردستی نہیں بنتے۔ خود کو وقت دو۔" اس کا لہجہ اب پرسکون اور دوستانہ تھا۔ "ناں کرنا سیکھو۔ یہ تمہاری زندگی ہے، کسی اور کو اسے کنٹرول کرنے کی اجازت مت دو۔"

فلک نے اثبات میں سر ہلایا دیا۔ وہ تمام اسباق جانتی تھی مگر عمل کرنا سب سے مشکل کام تھا۔ وہ جن رشتوں کے عفریت میں پھنسی ہوئی تھی یہ وہی جانتی تھی۔

یہ سچائی تھی مگر وہ اس سچائی کو اپنی زندگی میں کیسے لاگو کرتی؟ یہ مشکل سوال تھا۔ کچھ دیر وہ مزید کام کرتی رہیں اور پھر فلک چلی گئی۔ وہ چند گھنٹوں کے لیے ہی وہاں آتی تھی۔

فلک کے جانے کے بعد ڈیزائننگ اسٹوڈیو میں ایک بار پھر مکمل خاموشی چھا گئی تھی، اسٹوڈیو میں صرف اس کی موجودگی تھی اور چاروں طرف پھیلے فیبرکس، ڈیزائننگ چارٹس اور سلے ہوئے نمونے۔

کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور ولی اندر داخل ہوا۔ اس کے قدموں میں ہلکی سی آہٹ تھی، اور اس کی نظریں سیدھی فجر کی میز پر پڑیں۔ وہ ابھی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اس کی نظر کمرے کے ایک کونے میں رکھے مہرون رنگ کے ملبوسات کے ریک پر پڑی۔ وہ ایک لمحے کے لیے رک گیا، اس کی آنکھوں میں حیرانی تھی۔ اس نے ایک قدم آگے بڑھایا اور ریک کے قریب جا کر ملبوسات کا جائزہ لینے لگا۔

یہ سبھی لباس انتہائی ماڈرن تھے۔ وہ جو اپنی زندگی کا زیادہ تر حصہ سکاٹ لینڈ میں گزار چکا تھا اور ہر طرح کے ماحول کو دیکھ چکا تھا، ان لباسوں کو دیکھ کر بھی ایک عجیب سی ہچکچاہٹ محسوس کر رہا تھا۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمایاں ہونے لگے۔

"یہ سب کیا ہے؟" اس نے بالآخر پوچھا، آواز میں غیر یقینی کی ایک جھلک تھی۔

فجر نے سر اٹھا کر اسے دیکھا، اس کی آنکھوں میں ایک شرارتی چمک ابھری۔

"سالگرہ کی تقریب کے لیے لباس ہیں۔" اس نے بے نیازی سے جواب دیا اور دوبارہ اپنے کام میں مگن ہو گئی، گویا اسے ولی کی حیرانی سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

اس نے ایک ایک لباس کو غور سے دیکھا، اس کے ماتھے پر بل پڑ رہے تھے۔

"اور کیا تم ان میں سے کچھ پہنو گی؟" وہ واقعی جاننا چاہتا تھا۔ پہلے اس نے فجر کو اس قدر نمایاں کرنے والے لباس پہنے نہیں دیکھا تھا۔ اس بار حیران ہونا بنتا تھا۔

فجر نے ایک نظر ولی کو دیکھا، اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"ہاں، بالکل۔"

اس کا چہرہ مزید پریشان ہو گیا بلکہ حیران!

"ان میں کیا برائی ہے؟" فجر نے اپنی ایک بھنویں اٹھائی۔ اس کی آواز میں چھیڑنے کا تاثر واضح تھا۔

"نہیں، برائی نہیں ہے۔" وہ جلدی سے بولا۔ اپنی نظریں ملبوسات سے ہٹاتے ہوئے فجر پر مرکوز کیں۔ "مجھے لگا تم ان میں کمفرٹیبل محسوس نہیں کرو گی۔ یہ کافی کھل کر ہیں۔"

فجر نے مسکراہٹ ضبط کی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے۔ میں اس ماحول کی عادی ہو چکی ہوں۔ اب تو یہ سب مجھے بالکل نارمل لگتا ہے۔" اس کی آنکھوں میں شرارت تیر رہی تھی مگر ولی نہیں دیکھ پایا۔ وہ ریک کی طرف بڑھی اور مہرون رنگ کا ایک خاص لباس نکالا، جو سلیولیس تھا اور آگے پیچھے دونوں طرف سے گہرا گلا تھا۔ یہ لباس واقعی کافی بولڈ تھا۔

"میں سوچ رہی تھی یہ پہن لوں۔" فجر نے لباس کو اپنے سامنے کر کے دیکھا، جیسے وہ واقعی اسے پہننے کا ارادہ رکھتی ہو۔ ولی نے لباس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں تھوڑی پھیل گئیں اور اس کے ابرو بے اختیار اوپر اٹھ گئے۔ اس نے کچھ کہا نہیں، لیکن اس کے چہرے کے تاثرات بہت کچھ کہہ رہے تھے۔ حیرت، پریشانی اور شاید تھوڑی سی اداسی بھی۔ اس کا منہ ہلکا سا کھلا رہ گیا، جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا ہو مگر الفاظ حلق میں اٹک گئے ہوں۔

وہاں ہزاروں لوگ ہوں گے۔ سب اسے اس لباس میں دیکھیں گے؟ دل کو کچھ ہوا۔

فجر نے اس کے چہرے کے تاثرات کا لطف اٹھایا، اس کی آنکھوں میں چمک مزید تیز ہو گئی تھی۔ وہ دلچسپی سے ولی کو دیکھ رہی تھی، اس کے ردعمل کا انتظار کر رہی تھی۔

وہ اپنی نگاہیں بمشکل اس ماڈرن لباس سے ہٹا کر فجر پر مرکوز کر پایا۔ اس کے لبوں پر کچھ الفاظ آئے، رکے اور پھر اس نے ایک لمبی سانس لے کر خود کو پرسکون کیا۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے بالآخر کہا، اس کی آواز میں ایک عجیب سی کھنچاوٹ تھی جسے فجر نے بخوبی محسوس کیا۔ وہ ریک کی طرف سے ہٹ کر میز کی جانب بڑھا اور وہاں رکھے ڈیزائننگ پیڈ پر نظر ڈالی۔

"مجھے لگتا ہے ہمیں پروجیکٹ کے لیے ایک اور میٹنگ رکھنی چاہیے۔ ٹیم بھی یہی چاہتی ہے۔ کچھ چیزیں فائنل کرنی ہیں، خاص طور پر بجٹ اور مارکیٹنگ کی حکمت عملی۔ بگ بی کا ہونا بھی ضروری ہے۔" وہ پیشہ ورانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔ نظریں میز پر جمی تھیں۔ فجر کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہا تھا۔ وہ شاید اس لباس کے بارے میں مزید کوئی بات نہیں کرنا چاہتا تھا، لیکن اس کی اندرونی بے چینی اس کے لہجے سے جھلک رہی تھی۔

وہ اس کی بے چینی اور خفگی محسوس کر سکتی تھی اور اسے یہ صورتحال کچھ دلچسپ لگ رہی تھی۔ پاکستان میں ایلیٹ کلاس میں ایسے ملبوسات عام تھے۔

"ٹھیک ہے۔ ٹیم جب چاہے میٹنگ رکھ لے۔ میں تیار ہوں۔" اس نے بے نیازی سے کہا، آواز میں کوئی لچک نہیں تھی۔

ولی نے سر اٹھایا۔ اس کی آنکھیں ایک لمحے کے لیے فجر کی آنکھوں سے ملیں اور پھر فوراً ہٹ گئیں۔ اس نے ایک بار پھر ریک پر رکھے مہرون لباس کی جانب دیکھا اور پھر ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "میں ٹائم کنفرم کر دوں گا۔"

یہ کہتے ہوئے وہ مڑا اور بنا فجر کی جانب دیکھے، تیز قدموں سے اسٹوڈیو سے باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد کمرے میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی لیکن اس بار یہ خاموشی کچھ زیادہ گہری تھی۔

فجر نے کرسی پر پیچھے ٹیک لگایا اور اس ماڈرن لباس کی طرف دیکھا جو ابھی بھی ریک پر لٹکا ہوا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر دبی ہوئی مسکراہٹ آہستہ آہستہ غائب ہو گئی اور اس کی جگہ ایک سنجیدہ تاثر نے لے لی۔ اس کے دماغ میں کچھ چل رہا تھا۔

وہ جانتی تھی کہ لباس کا انتخاب صرف ایک لباس نہیں تھا بلکہ ایک پیغام تھا۔ وہ ان ملبوسات کو دیکھتی رہی، اس کے ذہن میں کئی خیالات گردش کر رہے تھے البتہ ولی کو الجھا کر وہ کافی محظوظ ہوئی تھی۔

✿••✿••✿••✿

روشنیاں آسمان میں بکھرے تاروں سے مقابلہ کر رہی تھیں۔

اس یانے سکے بین ایبر سے فون اٹھا کے نام کے ساتھ درجنوں نوٹیفیکیشنز موجود تھے۔ مسڈ کالز، اور ان گنت پیغامات۔ اس نے ایک لمحے کے لیے ہچکچاہٹ محسوس کی لیکن پھر ہمت کر کے میسجز کھول لیے۔ رجب کی طنز سے بھری تحریر اس کی آنکھوں کے سامنے تھی، ایک ایک لفظ اسے چھلنی کر رہا تھا۔

"لگتا ہے محترمہ آج بھی بہت مصروف ہیں؟" پہلا میسج تھا، جس میں کھلا طنز تھا۔

"کہیں رئیس اورنگزیب کی سالگرہ کی تیاریاں تو نہیں چل رہیں؟ سنا ہے آج کل یہی ہاٹ ٹاپک ہے۔"

اسے بتانے کے بعد بھی وہ کہ وہ وہاں نہیں جا رہی پھر بھی وہ ایسی باتیں کیوں کر رہا تھا؟ آخر وہ چاہتا کیا تھا۔

اگلا میسج مزید تکلیف دہ تھا۔ **"میں تو بس یونہی سوچ رہا تھا کہ فلک جیسی ایماندار لڑکی بھلا اتنے بڑے بزنس ٹائیکون کی پارٹی میں کیوں جائے گی۔ خاص کر جب اس کا ماضی اتنا روشن رہا ہو۔"**

فلک کو لگا جیسے اس کے پرانے زخموں پر نمک چھڑکا جا رہا ہو۔

"ویسے سنا ہے وہاں بڑے بڑے لوگ آ رہے ہیں۔ پورا منار جا رہا ہے۔ کہیں تمہارا بھی ارادہ تو نہیں بدل گیا؟"

فلک نے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔ اذیت پورے جسم میں پھیل گئی۔

"خیر مجھے کیوں یاد کرو گی تم؟ مصروف رہو اپنی اہم مصروفیات میں۔ مناؤ اسکا سوگ!"

اس نے فون ایک طرف پٹخ دیا جیسے وہ کوئی جلتا ہوا انگارہ ہو۔ آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے جو چہرے پر نشان بنا رہے تھے۔ کس مصیبت میں پھنس گئی تھی وہ؟ رجب کی یہ مسلسل بدگمانی اور اس کی زندگی پر کنٹرول کرنے کی کوشش اس کے لیے ناقابل برداشت ہوتی جا رہی تھی۔ اس کی یہ باتیں اسے ایک ایسے دائرے میں قید کر رہی تھیں جہاں سے اسے فرار کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اسے لگا جیسے وہ اپنے ہی گھر میں، اپنی ہی ذات میں اجنبی ہو کر رہ گئی ہو۔ وہ اس سے چائے پر ملنا چاہتا تھا اور جب تک وہ ہاں نہ کرتی شاید یہی سلسلہ چلتا رہتا۔

شاید اسے رجب کی بدگمانی دور کرنی چاہیے۔ ایک آخری کوشش کر لینی چاہیے۔ کچھ سوچتے ہوئے اس نے رجب کو کل کا وقت دے دیا۔ جب رئیس کی سالگرہ کی تقریب عروج پر ہو گی تب وہ وہ رجب کے ساتھ چائے پر ہو گی۔ شاید وہ تب اسکا یقین کر لے۔ یہی سوچ کر اس نے رجب کو ایک میسج چھوڑا دیا۔

✿••✿••✿••✿

رات اپنے گہرے سائے پھیلا چکی تھی جب وہ آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔ کمرے میں دھیمی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور کل کے برعکس، آج یہاں کوئی شوخ مہرون لباس نہیں تھا، بلکہ ایک سکون بخش خاموشی اور ٹھہراؤ کا احساس تھا۔

وہ آئینے میں اپنے عکس کو دیکھ رہی تھی۔ ایک ایسا روپ جو کل کے تصور سے بالکل مختلف تھا مگر اس کی شخصیت کے زیادہ قریب تھا۔ یہ سادگی میں چھپا ایک جادو تھا، ایک ایسی خوبصورتی جو چیخ کر اپنی موجودگی کا احساس نہیں دلاتی تھی بلکہ دھیرے سے دل میں اتر جاتی تھی۔

اسی لمحے اس کا فون بج اٹھا۔ ولی کا فون تھا۔

اس نے ایک گہری سانس لی اور مسکراہٹ چھپاتے ہوئے فون اٹھایا۔

"ہیلو۔۔۔" اس کی آواز میں سکون تھا۔

"تیار ہیں؟ میں لینے آرہا ہوں۔" اس کی آواز میں ایک بے چینی سی تھی۔

فجر نے آئینے میں اپنے عکس پر ایک آخری نظر ڈالی اور پھر سکون سے بولی۔

"مجھے تو ابھی کم از کم ایک گھنٹہ اور لگے گا۔"

دوسری طرف ایک لمحے کی خاموشی چھا گئی۔ "ایک گھنٹہ؟" وہ اتنا ٹائم تو نہیں لیتی تھی۔

"ٹھیک ہے میں پھر کچھ دیر تک آتا ہوں۔" سنجیدگی سے کہتے اس نے فون بند کر دیا۔

فجر نے میز سے اپنی گاڑی کی چابیاں اٹھائیں۔ وہ پوری طرح تیار تھی۔ لبوں پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ اسے لینے آئے گا، لیکن آج وہ خود اسے سرپرائز دینے والی تھی۔ وہ شخص جو اسے کسی بولڈ اور ماڈرن لباس میں دیکھنے کی توقع کر رہا تھا، وہ اسے اپنے پسندیدہ رنگ میں دیکھ کر یقیناً دنگ رہ جائے گا۔ اور اس کی یہی حیرت دیکھنے کے لیے فجر کا دل بے تاب تھا۔

جبکہ دوسری جانب رئیس مینشن میں جیسے پورا شہر اکٹھا ہو گیا تھا۔ یہ بہت بڑی تقریب تھی جو اس بات اس نے اپنے محل جیسے گھر پر رکھی تھی۔

بڑا سا سفید مینشن خاموش وقار کے ساتھ روشنیوں میں نہایا کھڑا تھا۔ پورچ کے ستونوں پر سفید گلوب لائٹس چمک رہی تھیں، جن کا عکس نیچے بچھے سنگ مرمر پر ساکت پانی کی طرح ٹھہرا ہوا تھا۔ وہ تیزی سے پورچ کی جانب بڑھ رہا

تھا۔ سیاہ ڈریس سوٹ میں ملبوس وہ فجر کو لینے جا رہا تھا۔ اندر تقریب اپنے عروج پر تھی اور تبھی وہاں ایک سیاہ گاڑی آہستہ سے آ کر رکی۔ یہ جانی پہچانی تھی۔ وہ ٹھٹک کر رہا۔

دروازہ کھلا اور وہ اتری۔

وہ جیسے چاندنی میں لپٹی ہوئی تھی۔ مگر گردن گرا کر اس عالیشان سفید محل کو دیکھ رہی تھی جو اسی کے لیے بنا ہوا لگتا تھا۔ سفید محل میں اتری، سفید پری! **(شخصیت کے لحاظ سے بدروح ٹھیک رہے گا)**

سفید رنگ کی ٹشو کی ساڑھی اس کے وجود پر ایسی ملبوس تھی جیسے چاند رات کی خاموش روشنی جسم پر اُتر آئی ہو۔ یہ سفید کوئی عام سفید نہیں تھا۔ یہ وہ سفید تھا جو چاند کے گرد ہلکی سی کہکشاں بُن دیتا ہے۔ بازوؤں کی سلیولیس کٹ اور بلاؤز کی پشت کا مکمل کور ایک شائستہ توازن پیدا کرتا تھا، جب کہ بلاؤز پر کی گئی ہلکی سی آف وائٹ کڑھائی اس کے ذوق کی تہذیب کی خاموش گواہی دیتی تھی۔

اس کے ریشمی کافی رنگ کے بال کندھوں جو سے ذرا نیچے تک آتے تھے، آزاد اور بے نیاز تھے۔ کچھ لٹیں بے خیالی میں کھلے ہوئے کندھوں پر بکھری تھیں، جیسے ہوا نے انہیں نرمی سے سہلایا ہو اور اس کا چشمہ بالوں پہ جما ہوا تھا۔ ساڑھی کا گلا مختصر تھا۔ نہایت نفیس۔ اس کی گردن میں بندھا سفید موتیوں کا باریک ہار کسی پرانی نواب زادی کی جھلک دے رہا تھا جو زیور نہیں فقط ایک احساس بن کر چمک رہا تھا۔

پیروں میں سلیقے سے پہنی گئی سفید ہیلز نہ زیادہ اونچی تھیں نہ نمایاں، مگر ہر قدم پر وقار کا تاثر چھوڑتی تھیں۔ ایک ہاتھ میں بریسلٹ کی لطیف چمک تھی اور دوسرے ہاتھ کی کلائی پر چمکتا ہوا کڑا۔ دونوں زیورات گویا اسکی شخصیت اور اعتماد کا امتزاج تھے۔

ہیزل آنکھیں جیسے سارا راز اپنے اندر سمیٹے، خاموشی سے جگمگا رہی تھیں۔ ان آنکھوں میں خواب نہیں، فیصلے ہوتے تھے۔ خاموش مگر قاطع!

دراز قد اور دبلی پتلی سی وہ لڑکی اُس ساڑھی میں اس قدر حسین لگ رہی تھی کہ جیسے کوئی چاند زادی، دھرتی پر صرف ایک شام کے لیے اُتری ہو، خاموش، شفاف، ناقابلِ رسائی!

وہ اسے دیکھ رہا تھا جو اب اس کی جانب بڑھ رہی تھی۔ چہرے پر دلفریب مسکراہٹ تھی۔

سانس کی آمد و رفت جیسے کہیں رُک گئی تھی۔

پلکیں جھپکنے میں وقت لگا۔

لبوں پر کچھ کہنے کا خیال آیا مگر لفظ راستہ بھول گئے۔

دل نے جیسے اپنی رفتار تیز کی اور لمحہ ایک خاص دھڑکن پر رُک سا گیا۔

فجر کی نظریں اس سے ٹکرائیں۔

ولی نے ایک لمحے کو خود کو سنبھالا، قدم آگے بڑھایا اور جب وہ اس کے قریب پہنچی تو اس نے کچھ کہنے کے بجائے چند لمحے اسے ویسے ہی دیکھا پھر اس کی خفگی بھری آواز ابھری۔

"تم میرے ساتھ یوں نہیں کر سکتیں!" آنکھوں اور چہرے پر خفگی تھی۔

"کیا؟" اس نے پلکیں جھپکائیں۔

وہ سامنے لان میں دیکھ رہی تھی جہاں کافی عوام نظر آرہی تھی۔ تمام مرد سیاہ سوٹ میں اور تمام عورتیں مہرون رنگ پہنے ہوئے تھیں۔ ایک وہ تھی جو ولی کا پسندیدہ رنگ پہن کر آئی تھی۔

"سب سے پہلے تمہیں دیکھنے کا حق، تم مجھ سے نہیں چھین سکتیں۔" وہ ابھی بھی خفگی سے کہہ رہا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ جب جب وہ اتنی حسین لگے گی وہ اسے سب سے پہلے دیکھے گا۔

"اچھا۔۔۔ مجھے لگا تھا مجھے سب سے پہلے دیکھنے کا حق میرا ہے۔" فجر کے لبوں پر شرارت بھری مسکراہٹ رقصاں تھی۔

"مت بھولو کہ تم بھی میری ہو۔۔۔" وہ خفا تھا مگر نظریں اسی کے چہرے پر جمی تھیں۔ فجر کے رخسار لال ہوئے۔ وہ وہاں مزید کھڑے نہیں رہ سکتے تھے۔ وہ اسے لیے اندر کی جانب بڑھا۔ فجر پہلی بار یہاں آئی تھی مگر کسی رشتے کی حثیت سے نہیں بلکہ بزنس پارٹنرز کی حیثیت سے۔

وہ دھیمے قدموں سے ایک ساتھ چل رہے تھے۔ کئی نظروں نے پلٹ کر اس سفید ساڑھی والی لڑکی کو دیکھا جس کے ساتھ سیاہ لباس والا لڑکا تھا۔ اب وہ کچھ کہہ رہا وہ ضبط کرنے کے باوجود ہنس دی تھی اور یہ منظر نہایت دلکش تھا۔ وہ ایک دوسرے کو مکمل کرتے تھے۔

✿••✿••✿••✿

ہال لوگوں سے بھرا ہوا تھا، جیسے شہر کے تمام ستارے رئیس اورنگزیب کی کہکشاں میں اتر آئے ہوں۔ مردوں کے سیاہ لباس اور عورتوں کے شوخ مہرون ملبوسات نے ایک طے شدہ، منظم خوبصورتی کا تاثر پیدا کیا تھا۔ فجر، فروہ کے ساتھ کھڑی باتوں میں مصروف تھی، مگر اس کی نظریں بے اختیار ہجوم میں کسی کو تلاش کر رہی تھیں۔ رئیس ابھی

تک نظر نہیں آیا تھا، لیکن اس سے زیادہ اسے فلک کی کمی شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ نہ جانے کیوں، اس کے دل میں ایک خواہش سر اٹھا رہی تھی کہ کاش فلک یہاں ہوتی۔ سبھی یہاں تھے۔ تقریباً پورا منار۔۔۔ سوائے اس کے۔

تبھی بالائی منزل پر ایک حرکت ہوئی۔ رئیس وہاں نمودار ہوا۔ سیاہ ڈریس پینٹ پر سفید شرٹ میں ملبوس، اس کے ساتھ ایک خاتون رپورٹر تھی، اور یہ منظر غیر معمولی تھا۔ سال میں بس یہی ایک موقع ہوتا تھا جب کسی کو اس کی ذاتی زندگی یا خیالات کے بارے میں انٹرویو کرنے کی اجازت ملتی تھی۔ دونوں کے کالروں پر چھوٹے مائیک لگے تھے، جو اس بات کی نشاندہی کر رہے تھے کہ یہ ایک غیر رسمی اور چلتے پھرتے لیا جانے والا انٹرویو ہے۔ یہ انٹرویو ریکارڈ ہو رہا تھا۔

وہ دونوں دھیرے دھیرے چلتے ہوئے ریلنگ کی طرف آئے۔ رپورٹر نے ریلنگ سے ٹیک لگا لی جبکہ رئیس نے اپنے ہاتھ اس پر جما دیئے۔ اس کی نظریں نیچے وسیع ہال میں پھیلے ہوئے رنگوں اور چہروں کا جائزہ لے رہی تھیں۔ ایک سرد، بے تاثر نگاہ، جیسے کوئی بادشاہ اپنی سلطنت کو دیکھتا ہے۔ اور تبھی، جیسے مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے، اس کی نظروں کو ایک وجود نے اپنی گرفت میں لے لیا۔

وہ ساکت رہ گیا۔

یہ اس کے منصوبے میں نہیں تھا۔ یہ اس کی ترتیب دی گئی بساط پر ایک غیر متوقع چال تھی۔

مہرون اور سیاہ کے سمندر میں، وہ سفید رنگ ایک جزیرے کی طرح تھا، منفرد، پرسکون، اور ناقابلِ یقین حد تک نمایاں۔

وہ سفید پہنے ہوئے تھی اور رئیس کو باقی سبھی رنگ بے رنگ لگے۔

وہ خواب اور معجزے کے درمیان کوئی شے تھی۔

ایک ایسا طلسم جو حقیقت کے کھردرے پن کو ایک لمحے میں بھلا دے۔ رئیس نے سانس روکی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے نیچے کھڑی وہ لڑکی کسی طوفان کی طرح تھی۔ خاموش، مگر سب کچھ تہس نہس کر دینے والی۔

دل نے ایک دھڑکن چھوڑی۔

پھر دوسری بھی۔

اور رئیس کو لگا جیسے اس کا سینہ ضبط کے بوجھ تلے ٹوٹنے والا ہو گیا ہو۔

وہ خود پر قابو پا رہا تھا، کم از کم ظاہر میں۔ چہرہ پتھر کی طرح سنجیدہ، آنکھیں نیم تنگ، اور ہونٹوں پر وہی ہلکی سی تمسخرانہ سختی جو اس کی پہچان تھی۔ مگر دل، دل کا عالم کچھ اور تھا۔ وہاں ایک دراڑ پڑی تھی، ایک ایسی دراڑ جس سے روشنی کی ایک کرن پھوٹ کر اس کے اندر کے اندھیروں کو چیر رہی تھی۔

اسی لمحے رپورٹر کی آواز گونجی، جو اس کی اندرونی کیفیت سے مکمل طور پر بے خبر تھی۔

"آپ کا پسندیدہ رنگ کونسا ہے، مسٹر اورنگزیب؟"

اس کی نظریں اب بھی نیچے فجر پر جمی تھیں۔

"سفید۔۔۔" لفظ اس کے لبوں سے بے اختیار پھسلا، حالانکہ وہ ہمیشہ سے سیاہ رنگ کا اسیر تھا۔

رپورٹر نے چونک کر اسے دیکھا مگر فوراً سنبھل گئی۔

"اچھا!اور آپ کے خیال سے لڑکیوں پر سب سے زیادہ کونسا رنگ جچتا ہے؟"

اس کی آنکھیں جیسے اس کی نہیں لگ رہی تھیں۔وہ اس سفید ساڑھی کو نہیں،اس میں ملبوس وجود کو دیکھ رہا تھا جو خود ایک رنگ بن گیا تھا۔

"سفید۔۔۔"وہی جواب مگر اس بار آواز میں ایک گہری،خوابناک کیفیت تھی۔

رپورٹر نے مسکراتے ہوئے اگلا سوال داغا،

"آنکھیں کیسی اچھی لگتی ہیں آپ کو؟"کسی رپوٹر کو پہلی بار ان سوالوں کے جواب ملے تھے۔وہ خوش تھی۔

اسے کہنا تھا شہد رنگ!کیونکہ فلک کی آنکھیں دنیا کی خوبصورت آنکھیں تھیں لیکن اس کے سامنے ہیزل آنکھوں کا ایک جوڑا تھا جس میں فیصلے تھے۔

"ہیزل۔۔۔"برجستہ،بغیر سوچے سمجھے،لبوں سے ادا ہوا۔

رپورٹر کی دلچسپی بڑھ رہی تھی۔"اور بال کیسے اچھے لگتے ہیں؟"

اسے لمبے بال پسند تھے لیکن وہ نیچے اس کے شانوں پر بکھرے کافی رنگ کے بالوں کو دیکھ رہا تھا جو آزاد اور بے نیاز تھے۔

"سیدھے اور چھوٹے۔"اس کی آواز اب کسی اور ہی دنیا سے آرہی تھی۔

اس کی نظریں فجر پر اس طرح جمی تھیں جیسے کائنات میں دیکھنے کے لائق بس وہی ایک منظر بچا ہو۔

رپورٹر جو رئیس کی آنکھوں میں تیرتی انجانی کیفیت سے ناواقف تھی۔ اپنے سوالات کی فہرست میں آخری نکتے پر آئی۔

"آخری سوال، مسٹر اورنگزیب۔ آپ کے نزدیک عورتوں پر کونسا لباس سب سے زیادہ پرکشش لگتا ہے؟"

اس سوال پر رئیس کے ذہن میں کوئی سوچ نہیں ابھری، صرف ایک عکس تھا۔ نیچے ہال میں کھڑا وہ سفید وجود۔ ساڑھی وہاں درجنوں عورتوں نے پہن رکھی تھی، ایک سے بڑھ کر ایک قیمتی اور دیدہ زیب، مگر اس نے فجر کو دوسری بار ساڑھی میں دیکھا تھا اور اسے یوں لگا جیسے یہ لباس بنا ہی صرف اسی کے لیے تھا۔

"ساڑھی!" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ آواز میں ایک حتمیت تھی۔

رپورٹر نے تشکر بھری مسکراہٹ کے ساتھ اپنی ریکارڈنگ مشین بند کی۔

"آپ کے وقت کا بہت شکریہ!" چند مزید رسمی جملوں کے بعد وہ چلی گئی۔ نیچے کیمروں کی فلیش لائٹس ایک لمحے کے لیے بالائی منزل کی طرف چمکیں، جیسے اس انٹرویو کے اختتام کی گواہی دے رہی ہوں۔

مراد، جو کچھ فاصلے پر کھڑا یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا اب اس کی جانب بڑھا۔ اس کے چہرے پر گہری تشویش تھی۔ اس نے کولڈ ڈرنک کا ایک گلاس رئیس کی طرف بڑھایا، جسے اس نے مشینی انداز میں تھام لیا اور ایک گھونٹ بھرا، مگر نظریں ابھی تک ہال کے اُس پار فجر پر جمی تھیں۔

"رئیس تمہاری آنکھیں۔۔۔" مراد نے اس کے ساتھ ریلنگ پر کہنیاں ٹکاتے ہوئے گفتگو کا آغاز کیا۔

"کیا ہوا انہیں؟" رئیس کا لہجہ سپاٹ تھا، مگر اس کے اندر طوفان برپا تھا۔

"یہ پھر سے ویسی ہی لگ رہی ہیں۔" مراد نے زور دے کر کہا۔"تم intoxicated لگ رہے ہو۔ ہوش میں آؤ رئیس!"

آخری جملہ ایک جھٹکا تھا۔ رئیس نے چونک کر فجر سے نظریں ہٹائیں۔ گلے میں جیسے کچھ اٹک گیا، اس نے بمشکل تھوک نگلا۔ رخ موڑ کر جب اس نے مراد کو دیکھا تو اس کی آنکھوں میں وہ سرد بے نیازی نہیں تھی بلکہ ایک گہری، چھپی ہوئی بے بسی تھی۔

"مان جاؤ کہ تم اس کے سامنے بے بس ہو۔" مراد کے لہجے میں اب التجا تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کا دوست خود کو دھوکا دینے کی کوشش میں دیر کر دے۔ وہ ولی اور فجر کو ساتھ دیکھ چکا تھا۔

"وہ مجھ سے سترہ سال چھوٹی ہے، مراد!" اس کی آواز میں ایک جلن سی تھی۔"میں اپنی ہی نظروں میں نہیں گرنا چاہتا۔"

اس نے ایک ہی سانس میں پورا گلاس ختم کر دیا مگر گلاس کی ٹھنڈک اس کے اندر جلتی آگ کو بجھا نہ سکی۔ اس کی نظریں پھر بے اختیار اس کی طرف پلٹ گئیں۔

"سترہ سال کا فرق ہے، ستائیس کا نہیں۔" مراد نے دلیل دی۔"یہ کوئی آسمانی صحیفہ نہیں ہے جو بدلا نہ جا سکے۔ اس سے پہلے کہ دیر ہو جائے اور تم صرف پچھتاوے کے ساتھ رہ جاؤ، اپنے دل کی سن لو۔"

"میں دل کے ہاتھوں مرنا نہیں چاہتا مراد!" اس کے لہجے میں تکلیف کی ایک واضح لہر تھی۔

اور اسی لمحے، جیسے کوئی غیبی طاقت اس کی اذیت کا تماشا دیکھ رہی ہو، فجر نے سر اٹھایا اور سیدھا اس کی طرف دیکھا۔ ان کی نظریں ملیں۔ ایک لمحے کے لیے وقت تھم گیا۔ اس نے شناسائی میں ہلکے سے سر کو خم دیا، ایک سادہ سا، معصوم سا اشارہ، اور اس کے بال پھسل کر اس کے کھلے شانے پر آ گرے۔

یہ منظر ایک تیر کی طرح تھا۔ رئیس نے جھٹکے سے رخ موڑ لیا۔ جیسے اس نے آگ کو چھو لیا ہو۔

اس نے ریلنگ پر اپنی گرفت سخت کر لی، انگلیاں سفید پڑ رہی تھیں۔ یہ جو ہو رہا تھا، ٹھیک نہیں ہو رہا تھا۔ اس کا بنایا ہوا قلعہ، اس کے ضبط کی دیواریں، سب کچھ ایک لڑکی کی ایک نگاہ سے لرز رہی تھیں۔

"دل کے ہاتھوں مرنے سے بہتر ہے، رئیس!" مراد نے اس کی حالت دیکھ کر دھیمے سے کہا۔ "تم حسرتوں کے ساتھ زندہ رہو۔ کم از کم ایک بار لڑ کر تو دیکھو۔"

"یہ جنگ، میرے اپنے آپ سے ہے۔" اس نے بھینچی ہوئی آواز میں کہا، "اور اس جنگ میں، میں ہار نا برداشت نہیں کر سکتا۔"

وہ مزید ایک لمحہ وہاں نہیں رکا۔ ایک تیز قدم اٹھاتا وہ بالکونی کے دوسرے سرے کی طرف بڑھ گیا۔ اس منظر سے، اس احساس سے اور خود اپنی بے بسی سے دور بھاگتا ہوا۔ وہ رئیس اورنگزیب تھا وہ کبھی ہار نہیں مانے گا۔ وہ دل کے ہاتھوں نہیں مرے گا۔ کبھی نہیں۔۔۔۔!

✿••✿••✿••✿

محفل کی رونق اور موسیقی کا شور پیچھے رہ گیا تھا۔ فجر نے بالآخر اسے ڈھونڈ ہی لیا تھا۔ وہ سب سے الگ تھلگ، مینشن کے اُس حصے میں تھا جسے سن روم کہا جاتا تھا۔ دن میں یہاں سے سورج کی روشنی چھن کر آتی تھی، مگر اس وقت شیشے کی دیواروں سے صرف چاندنی کا سرد نور اور لان سے آتی ہلکی موسیقی کی آواز اندر جھانک رہی تھی۔

سن روم کے دونوں جانب تالاب بنا تھا اور وہ درمیان میں چلتی ہوئی آ رہی تھی۔

وہاں وہ اکیلا تھا، ایک گہری چمڑے کی کرسی پر بیٹھا، جس کی پشت دروازے کی طرف تھی۔ ہوا میں مہنگے سگار کا دھواں تیر رہا تھا۔ وہ گہرے سوچ میں ڈوبا تھا بلکہ خود سے فرار حاصل کرنے کی کوشش میں تھا۔

وہ دبے پاؤں اندر داخل ہوئی۔ اس کے قدموں کی آہٹ پر وہ چونکا نہیں، جیسے اسے اس کی آمد کا پہلے سے اندازہ ہو۔

مگر جیسے ہی اس نے رخ موڑ کر فجر کو اپنے سامنے کھڑے دیکھا اس کے ہاتھ میں پکڑا سلگتا ہوا سگار ایک لمحے کے لیے ساکت ہوا اور پھر اس نے اسے بے دردی سے قریب پڑی ایش ٹرے میں مسل دیا۔ یہ ایک غیر ارادی فعل تھا، جیسے اس کی موجودگی میں یہ سکون بخش عمل بھی ایک گناہ بن گیا ہو۔

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے چہرے پر وہی سرد، بے تاثر ماسک واپس آ چکا تھا جو چند لمحے پہلے بالکونی میں لرز گیا تھا۔

"مجھے نہیں پتا تھا کہ رئیس اور نگزیب مجھ سے اس قدر ڈرنے لگا ہے کہ خود کو یوں چھپائے پھرے گا۔" فجر کی آواز میں واضح استہزا تھا۔ اس کی آنکھوں میں شکایت تھی اور لہجے میں وہ کاٹ جو صرف وہی استعمال کر سکتی تھی۔

وہ اس سے منار کے بارے میں بات کرنا چاہتی تھی۔ وہ اس سے ماضی بھول جانے کا کہنا چاہتی تھی مگر وہ آج اسے نظر انداز کر رہا تھا۔

رئیس نے اپنی شرٹ کے اوپری بٹن بند کیے۔ اس کا قد اور شخصیت اس خاموش سن روم میں اور بھی حاوی لگ رہی تھی۔

"ڈر اور احتیاط میں فرق ہوتا ہے محترمہ!"

"احتیاط؟" وہ حیران ہوئی۔ اسے آج کیسی احتیاط یاد آگئی تھی۔

"آپ آج مجھ سے بچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کیوں؟ کیا آپ اس حقیقت کا سامنا نہیں کرنا چاہتے کہ آپ نے اپنی پوری زندگی جس عورت کے نام پر وقف کر دی، آج اس کی بہن آپ کے سامنے کھڑی ہے اور آپ اس سے آنکھ تک نہیں ملا پا رہے؟"

یہ ایک براہِ راست حملہ تھا۔ رئیس کو لگا جیسے کسی نے اس کے سینے پر لگی زرہ میں دراڑ تلاش کر لی ہو۔ اس کے اندر کچھ جلنے لگا۔ وہی غصہ، وہی بے بسی۔

اس نے ایک گہری سانس لی اور خود کو مجتمع کیا۔

"جذباتی بلیک میلنگ مجھ پر اثر نہیں کرتی۔ تمہاری بہن ماضی کا حصہ تھی۔ ایک بدصورت، مگر ماضی کا حصہ! آج تم اور میں بزنس پارٹنر ہیں۔ ہمارا رشتہ صرف منافع اور نقصان کا ہے۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔"

اس کے الفاظ بے رحم تھے، جان بوجھ کر چنے گئے تھے تاکہ ہر قسم کی جذباتی وابستگی کی جڑ کاٹی جا سکے۔

فجر کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے مایوسی جھلکی۔ وہ اسے واقعی یاد نہیں تھی۔ انکا تعلق یہی تھا کہ وہ منار کی بہن تھی۔ بس۔۔۔۔۔! وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔

"آپ خود سے بھاگ رہے ہیں اور اس کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔"

یہ کہہ کر وہ پلٹی اور خاموشی سے سن روم سے باہر نکل گئی۔ اس کے جانے کے بعد کی تنہائی اور بھی گہری ہو گئی۔

رئیس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور سر کرسی کی پشت سے ٹکا دیا۔ اس کے ہاتھ بے اختیار مٹھیوں میں بھنچ گئے۔

"دشمن۔۔۔ وہ دشمن ہے اور ہمارا یہی رشتہ رہے گا۔"

باہر ایک عوام اسکا انتظار کر رہی تھی اور وہ جہاں خود سے لڑ رہا تھا۔ ہاں وہ، وہ دشمن تھی جسے بچانے کے لیے وہ گاڑیوں کی قطار لے کر بھاگتا تھا۔

✿••✿••✿••✿

ریستوران کی مدھم روشنیوں اور کافی کی مہک میں گھلی ہلکی موسیقی ایک پر سکون ماحول بنا رہی تھی۔ فون پر طنز اور بدگمانیوں کے تیر برسانے والا شخص اس کے سامنے بیٹھا ایک بالکل مختلف انسان نظر آ رہا تھا۔ اس کی باتوں میں شائستگی تھی اور لہجے میں نرمی۔ فلک کو کچھ دیر کے لیے اطمینان محسوس ہوا، جیسے اس نے یہاں آ کر درست فیصلہ کیا تھا۔ وہ پر سکون تھی۔

"تمہیں اندازہ نہیں فلک! میں اس ملاقات کا کب سے منتظر تھا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ابھی وہ جواب دینے ہی والی تھی کہ رجب کا فون بجنے لگا۔ اس نے سکرین پر نام دیکھ کر ایک ناگواری کا تاثر دیا اور پھر فلک سے معذرت کرتے ہوئے کرسی سے اٹھا اور ریستوران کے شیشے والے حصے کی طرف چلا گیا تاکہ باہر کھڑے ہو کر سکون سے بات کر سکے۔

فلک نے اسے جاتے ہوئے دیکھا اور ایک گہرا سانس لیا۔ اسے یہاں آ ہی آدھا گھنٹہ ہو چکا تھا اور اسے واپس بھی جانا تھا۔ فخر آج جامشورو کے لیے نکلا تھا۔ فاخرہ گھر اکیلی تھی۔ وہ اسے بتا کر آئی تھی۔

اسی لمحے، میز پر پڑا اس کا دوسرا فون جسے اس نے شاید جلد بازی میں وہیں چھوڑ دیا تھا، تھرتھرانے لگا۔ اس کی سکرین روشن ہوئی اور پھر بجنے لگی۔ فلک نے اسے نظر انداز کرنے کی کوشش کی لیکن فون مسلسل بج رہا تھا۔ اس کی مسلسل گونج ماحول کے سکون کو توڑ رہی تھی۔

ایک عجیب سی بے چینی نے اسے گھیر لیا۔ اس نے ہچکچاتے ہوئے فون کی طرف دیکھا۔ شاید کوئی ایمرجنسی ہو؟ یہ سوچ کر اس نے فون اٹھا لیا۔ جیسے ہی اس نے فون کان سے لگایا، اس سے پہلے کہ وہ "ہیلو" کہتی، دوسری طرف سے ایک کرخت اور غصیلی آواز سنائی دی۔

"تمہیں اتنا وقت کیوں لگ رہا ہے رجب؟ وہ لڑکی تمہارے ساتھ ہے نا؟ رئیس کے اس خوشگوار دن کو سیاہ بنانے کا اس سے بہتر موقع کوئی نہیں ہو سکتا۔ آخر تم یہ معاملہ کھینچ کیوں رہے ہو؟"

فلک کا چہرہ فق ہو گیا۔ ایک لمحے کے لیے اسے لگا جیسے اس کے کانوں نے کچھ غلط سنا ہے۔ آنکھیں خوف اور بے یقینی سے پھیل گئیں۔ وہ کچھ بول نہ سکی بس سانس روکے سُنتی رہی۔

آواز دوبارہ گونجی اور اس بار اس میں پہلے سے زیادہ زہر تھا۔

"اس لڑکی کو اتنی اذیت دو کہ رئیس اورنگزیب کی روح تک تڑپ جائے۔"

یہ جملہ ایک بجلی بن کر اس پر گرا۔ اس کے ہاتھ سے فون چھوٹ کر قالین پر گر گیا۔ اس کے اعصاب جواب دے گئے۔ پورا وجود سن ہو گیا۔ وہ ایک بت کی طرح ساکت بیٹھی تھی۔ آنکھیں سامنے کی دیوار پر جمی تھیں۔ فون سے "ہیلو ہیلو" کی مدھم آوازیں آ رہی تھیں اور پھر کال کٹ گئی۔

وہ اس آواز کے سحر سے تب نکلی جب اس کا ذہن دھماکے سے پھٹا۔ اس نے جھٹکے سے اپنا رخ موڑا اور شیشے کی دیوار کے پار دیکھا۔ رجب اب بھی فون پر بات کر رہا تھا لیکن اس کے چہرے پر وہی سکون نہیں تھا جو چند لمحے پہلے تھا۔ اس نے بھی فلک کو اپنی طرف دیکھتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ ان کی نظریں ملیں اور فلک کو لگا جیسے اس نے ایک نقاب کے پیچھے چھپے شکاری کو دیکھ لیا ہو۔

ایک انجانا خوف اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی بن کر دوڑ گیا۔ اس کا پورا وجود لرزنے لگا۔ دل اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا کہ اسے اپنی پسلیوں سے ٹکراتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ الفاظ ہتھوڑے کی طرح اس کے ذہن پر برس رہے تھے۔

یہ سب کیا تھا؟ یہ شخص کون تھا؟

اس کا دماغ ماؤف ہونے لگا لیکن اس کے اندر بقا کی جبلت چیخ رہی تھی۔ "بھاگو! یہاں سے بھاگو!"

وہ وحشت زدہ سی اپنی جگہ سے اٹھی۔ اسے اپنا بیگ اٹھایا۔ اس کی دنیا گھوم رہی تھی۔ ریستوران کی آوازیں اور روشنیاں دور ہوتی محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے دروازے کی طرف بھاگی۔

اسی لمحے رجب نے اپنی کال ختم کی اور تیزی سے میز کی طرف پلٹا۔ فلک وہاں نہیں تھی۔ اس کی نظر فرش پر پڑے اپنے دوسرے فون پر پڑی۔ اس نے فون اٹھایا اور کال ہسٹری دیکھی۔ ایک سرد لہر اس کے پورے جسم میں پھیل گئی۔ وہ فوراً سمجھ گیا کہ کیا ہوا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات یکسر بدل گئے۔ وہ شائستہ اور نرم مزاج شخص کہیں غائب ہو گیا تھا اور اس کی جگہ ایک خوفناک، بے رحم چہرہ ابھر آیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک سرد چمک تھی۔

"میں چاہتا تھا تم جیو فلک عالمگیر! لیکن تمہیں مرنے کی بہت جلدی ہے۔"

وہ اپنی چیزیں اٹھاتا، میز پر چند نوٹ رکھتا، اور بجلی کی سی تیزی سے باہر کی جانب لپکا۔ وہ ابھی دور نہیں گئی ہو گی۔ وہ اسے ڈھونڈ نکالے گا۔ اگر وہ سچ جان گئی تھی تو اسکا مرنا طے تھا۔

جبکہ فلک بے تحاشا سڑک پر بھاگ رہی تھی۔ آنسو اس کے گالوں پر بہہ رہے تھے۔ گاڑیوں کے ہارن، لوگوں کا شور، کچھ بھی اسے سنائی نہیں دے رہا تھا۔ اس کا ذہن خالی تھا اور صرف ایک ہی سوچ، ایک ہی خوف اس پر حاوی تھا۔ اسے کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ کپکپاتے ہاتھوں سے فون ملا رہی تھی۔ پہلے فخر کا مگر نمبر نہیں ملا۔ وہ فجر کو فون کر رہی تھی مگر اس نے اٹھایا نہیں۔ اسے لگا جیسے پوری دنیا میں صرف وہی بچی ہو۔

وہ ایک جال میں پھنس چکی تھی اور شکاری اس کے پیچھے تھا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہاں جائے، کیا کرے۔ اس کا ہر راستہ، ہر پناہ گاہ اسے اسی خوفناک حقیقت کی طرف لے جا رہی تھی کہ جس شخص پر اس نے ایک لمحے کے لیے اعتبار کرنے کی کوشش کی تھی وہی اس کی زندگی کی سب سے بڑی اذیت کا منصوبہ ساز تھا بلکہ وہ اس کی موت کی طرح اس کے پیچھے آ رہا تھا۔

✿••✿••✿••✿

بسمہ اللہ الرحمن الرحیم

عنکبوت

(معرفت اور محبت سب کو نہیں ملتی)

از قلم: نور راجپوت

قسط نمبر:19

"باب دہم: چیتھڑوں میں لپٹی روح!"

کبھی روح بھی لباس اوڑھتی ہے۔

ایسا لباس جو ریشمی نہیں ہوتا، نہ خوشبو میں بسا ہوا، نہ کسی خوشگوار لمحے کی پہچان ہوتا ہے۔

یہ چیتھڑوں کا لباس ہوتا ہے۔ پھٹا ہوا، میلا، وقت کی گرد میں اٹا ہوا۔

یہ وہ چیتھڑے ہیں جو کرب کو ڈھانپنے کے لیے نہیں بلکہ چھپانے کے لیے لپیٹے جاتے ہیں۔

وہ کرب جو صرف دکھائی نہیں دیتے لیکن اندر سے پورا وجود کھا جاتے ہیں۔

جنہیں بیان کرنے کا ہنر چھن جائے، جنہیں سننے والا کوئی نہ ہو، وہ خاموش اذیت چیتھڑوں میں چھپ کر جیتی ہے۔

یہ باب اُن روحوں کی کہانی ہے جنہیں بار بار استعمال کیا گیا۔

جنہیں چاہے بغیر چھوا گیا۔

جن کا اعتماد لوٹ کر، ان کی پہچان مٹا دی گئی۔

جو آواز کھونا نہیں چاہتی تھیں مگر گم کر دی گئیں۔

یہ اُن لمحوں کی کہانی ہے جن میں انسان مرتا نہیں، بس اندر سے کچھ مر جاتا ہے۔

اور جو بچتا ہے وہ صرف ایک لاش نہیں، ایک چیتھڑوں میں لپٹی روح ہوتی ہے۔

بظاہر زندہ، مگر در حقیقت مٹی ہوئی۔

یہ باب کسی ایک شخص کی روداد نہیں۔

یہ ہر اس شخص کا عکس ہے جو کبھی "**اپنا**" تھا اور پھر "**کسی کا**" بھی نہ رہا۔

✿••✿••✿••✿

وقت جیسے ریت کی طرح مٹھی سے پھسل رہا تھا اور رئیس نے خود کو ایک بار پھر اسی ہجوم کے مرکز میں پایا تھا جس سے وہ اندرونی طور پر فرار حاصل کرنا چاہتا تھا۔ کئی سالوں کے بعد اس حویلی کی دیواروں نے اپنے مالک کی سالگرہ کا جشن دیکھا تھا مگر مالک خود اپنے ہی وجود کے قفس میں قید تھا۔ وہ خود پر قابو پا چکا تھا، کم از کم دنیا کو یہی دکھا رہا تھا۔

ہال کی چمک دمک اور لوگوں کا شور اس کے لیے بے معنی تھا۔ وہ ہال کی چوڑی سیڑھیوں پر بیٹھا تھا۔ ٹانگیں نچلی سیڑھیوں پر جمائے، اس کا قیمتی سیاہ کوٹ نہ جانے کہاں تھا اور سفید ڈریس شرٹ کی آستینیں بے پروائی سے کہنیوں تک موڑی ہوئی تھیں۔ بال سلیقے سے بنے تھے مگر اس کا اپنا وجود بے ترتیب تھا۔ وہ اپنی تمام تر قوتِ ارادی مجتمع کر کے ایک وجود کو نظر انداز کرنے کی کوشش کر رہا تھا جو ابھی ہال میں نہیں تھی مگر اس کی موجودگی ہر شے پر حاوی تھی۔

شیشے کی وسیع دیوار کے پار، لان کی سبز مخمل پر وہ ایک سفید ہیولے کی طرح نظر آ رہی تھی۔ ذرتاش اور احمد صاحب کے ساتھ وہیل چیئرز کے پاس کھڑی تھی۔ اس کا سفید لباس رات کی سیاہی میں کسی ستارے کی طرح نمایاں تھا۔

لوگ اس کے گرد جمع تھے، اس بے تاج بادشاہ سے سوالات کر رہے تھے جس نے اپنی سلطنت اپنے دم پر بنائی تھی۔

"سنا ہے آپ کا دل بہت اچھا ہے۔ کیا یہی راز ہے آپ کی کامیابی کا؟" ایک نوجوان نے پرجوش لہجے میں پوچھا۔

اسکے لبوں پر دھیرے سے مسکراہٹ ابھری، ایک ایسی مسکراہٹ جو آنکھوں تک نہیں پہنچی۔

"دل کا اچھا ہوں مگر بزنس دماغ سے ہوتا ہے محترم! دل کو کاروبار میں شامل کرنا خودکشی کے مترادف ہے۔"

"لوگ آپ کو ایک بادشاہ کے طور پر دیکھتے ہیں۔ یہ سلطنت، یہ عزت، کیسا لگتا ہے اس سب پر راج کرنا؟" ایک اور آواز ابھری۔

اس نے ایک لمحے کے لیے شیشے کی دیوار کے پار دیکھا۔

"راج کرنا نہیں، ذمہ داری نبھانا۔ ہر چیز کی قیمت ہوتی ہے اور سب سے بڑی قیمت آپ کی اپنی ذات ہوتی ہے۔"
اس کی آواز میں ایک فلسفیانہ گہرائی تھی جسے سمجھنا ہر کسی کے بس میں نہ تھا۔

اُدھر لان میں، فجر خاندان کے ان دو افراد کے سامنے کھڑی تھی جن سے وہ پہلی بار مل رہی تھی۔

"یقین نہیں ہوتا۔۔۔" احمد صاحب نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا، ان کی آنکھوں میں حیرت اور کچھ نامانوس جذبات تھے۔

"تمہیں دیکھ کر لگتا ہے جیسے منار زندہ ہو گئی ہو۔ تم ہو بہو اس کی کاپی ہو۔"

فجر خاموش رہی۔ یہ تعریف نہیں تھی، یہ ایک الزام تھا جس کا بوجھ وہ ہمیشہ سے اٹھائے ہوئے تھی۔

منار۔۔۔ منار۔۔۔ منار۔۔۔۔!

"لیکن تمہیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔" ان کے لہجے میں اب سختی در آئی، وہ زیرِ لب بڑبڑا رہے تھے۔

"منار مر چکی ہے۔" اس نے پہلے ذرتاش اور پھر احمد صاحب کو دیکھا۔ "میں یہاں کسی رشتے کی حیثیت سے نہیں آئی۔ میں یہاں ویسے ہی آئی ہوں جیسے شہر کے باقی لوگ۔ ایک مہمان کے طور پر۔" اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا۔

"رئیس تم سے نفرت کرتا ہے۔" اس بار ذرتاش کی آواز سنائی دی۔ "اسے اس چہرے سے نفرت ہے۔" اس کی آواز کسی کھائی سے آتی سنائی دی۔

فجر کے لبوں پر ایک اذیت بھری مسکراہٹ ابھری۔ ایک ایسی مسکراہٹ جو شکست اور حوصلے کے درمیان کہیں ٹھہری تھی۔

"جانتی ہوں۔" وہ بس اتنا ہی کہہ پائی۔ اس تقریب سے اس کا دل اُچاٹ ہو گیا تھا۔ یہاں مزید رکنا اپنے زخموں کو کریدنے کے مترادف تھا۔ اسے واپس جانا تھا۔

"مگر امید ہے ہم آئندہ نہیں ملیں گے۔" وہ دونوں کو خدا حافظ کہتی اندر کی جانب بڑھی تا کہ ولی کو بتا کر واپس جا سکے۔

"تت۔۔ تمہاری ماں۔۔۔" اس کے قدم جیسے زمین نے جکڑ لیے۔

"وہ کک۔۔۔ کیسی ہے؟" احمد صاحب کی آواز میں ایک واضح کپکپاہٹ تھی۔ وہ رکی اور پلٹ کر انہیں دیکھا۔ سادہ شلوار قمیض میں ملبوس وہ شخص وہیل چیئر پر بیٹھا تھا۔ صاف ستھری رنگت اور وجیہہ نقوش۔ رئیس نے شخصیت یقیناً ان ہی سے چرائی تھی۔

"آپ لوگوں کے لیے تو وہ مر چکی تھیں نا؟ پھر مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں؟" اس نے ایک سرد نظر ان پر ڈالی اور تیزی سے پلٹ کر اندر بڑھ گئی۔

جیسے ہی وہ شیشے کا دروازہ عبور کر کے ہال میں داخل ہوئی اندر کا منظر جیسے بدل گیا تھا۔

ہال کے ایک گوشے میں سجا سفید پیانو، مدتوں سے خاموش کھڑا جیسے کسی موسیقار کی انگلیوں کا منتظر تھا۔ روشنیوں کا زاویہ بدل چکا تھا۔ چہکار کے شور کے بیچ ایک لمحاتی خاموشی نے پنپنا شروع کیا، جیسے فضا بھی خود کو کچھ خاص کے لیے تھام رہی ہو۔

اور پھر، ولی نمودار ہوا۔

سیاہ سوٹ میں ملبوس، بال معمول سے کچھ زیادہ سنوارے ہوئے۔ چہرے پر وہی روایتی سکون، جو ہمیشہ اس کی آنکھوں کی خاموشی میں چھپا رہتا تھا۔ مگر آج، اس کی آنکھوں میں ایک نمی سی تھی جیسے کوئی پرانی دھن پھر سے جاگ گئی ہو۔

رئیس کی اصرار پر وہ پیانو بجانے آیا اور اسے بے ساختہ نینسی یاد آگئی۔

اسکے اصرار پر اس نے بغیر کچھ کہے۔ بنا کسی اعلان کے پیانو کے قریب جا کر کرسی سنبھالی۔ محفل کی رونق جیسے چند لمحوں کے لیے منجمد ہو گئی۔ وہ جھکا۔ انگلیاں آہستگی سے کیز پر رکھیں اور دھیرے دھیرے بغیر تمہید کے، دھن بجنے لگی۔

وہ دھن ایسی تھی جیسے دل کی دیواروں پر کسی نے انگلیوں سے درد لکھ دیا ہو۔ ہاں درد کی اگر کوئی دھن ہوتی تو یہی ہوتی۔

وہ نوٹس نہ ہائی تھے نہ لو، بس ایک بہاؤ تھا۔ جیسے آنکھوں میں چھپا کوئی کرب، ساز کے ذریعے باہر نکلنے لگا ہو۔ ہر چمکتی کی پر اس کی انگلیاں یوں رقص کر رہی تھیں جیسے تکلیف نے حسن کا روپ دھار لیا ہو۔ وہاں کوئی گانا نہیں تھا۔ کوئی دھن پہچانی ہوئی نہیں تھی مگر پھر بھی، ہر سننے والے کو لگ رہا تھا جیسے یہ دھن صرف اسی کے اندر کے دکھ پر لکھی گئی ہو۔

محفل خاموش تھی۔

اور پھر ہجوم میں نظریں دوڑاتی فجر کی پلکیں اس منظر پر آ کر ٹھہر گئیں۔ وہ بھی رک گئی۔ اس کا دل دھڑکنا بھول گیا، جیسے اس ساز سے جُڑا کوئی احساس اس کے اندر کے زخموں پر مرہم رکھ رہا ہو۔ اس نے ولی کو اس سے پہلے پیانو

بجاتے دیکھا نہیں دیکھا تھا مگر وہ جانتی تھی اسے بجانا آتا تھا۔ ٹیپ ریکارڈر کے ذریعے وہ اسے کچھ کچھ جانتی تھی۔ وہ ساکت کھڑی تھی۔

ہر نوٹ میں ایک نامکمل فسانہ تھا۔

ہر سُر میں کوئی دبا ہوا سوال۔

وہ صرف دھن نہیں بجا رہا تھا وہ اپنے اندر کی کوئی گھٹن، کوئی پکار، کوئی خواب، ان کیز کے ذریعے دنیا کے سامنے رکھ رہا تھا۔ اس کی انگلیوں کی حرکت میں ایک عجیب خود سپردگی تھی۔ جیسے وہ ہر کی کو چُھونے سے پہلے دل پر انگلی رکھتا ہو۔

اور جب دھن اونچائی پر پہنچی، اُس لمحے پورے ہال میں موجود لوگوں کو لگ رہا تھا کہ وہ سب کسی جادو کے زیرِ اثر ہوں۔ کچھ نے آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ کے چہروں پر حیرت تھی۔ کچھ کے دلوں میں ایک ان دیکھا درد سر سرانے لگا۔

فجر کی پلکوں کے گوشے بھیگنے لگے۔ پیانوں کے سامنے بیٹھا وہ سیاہ سوٹ والے شخص کو وہ کبھی اسکین نہیں کر پائی تھی۔

پتا نہیں کیا تھا اس میں جو ظاہر ہو کر بھی چھپا ہوا تھا۔

پھر جیسے دھن نے خود بھی ہار مان لی ہو، اس کا اختتام ایک مدھم سسکی پر ہوا۔ آخری نوٹ میں ایک ایسا خلا تھا جو ہر سننے والے کے دل میں کچھ چھوڑ گیا۔ تشنگی، تڑپ، یا شاید وہ سوال جس کا جواب نہ فجر کے پاس تھا، نہ ولی کے اور نہ رئیس کے۔

پیانو بجاتے شخص نے سر جھکا لیا۔

وہ تھک گیا تھا جیسے پیانو کے ذریعے اپنی ساری چیخیں، اپنے سارے راز سونپ چکا ہو۔

تالیاں بجیں۔ دھیمے احترام سے بھری ہوئیں لیکن وہ سب محض رسم لگ رہی تھیں۔

سیڑھیوں پر بیٹھا وہ شخص ایک بار پھر ساکت تھا۔ شور پس منظر میں گم ہو گیا اور ہال میں موجود سینکڑوں چہروں میں سے صرف ایک چہرہ باقی رہ گیا۔ اس کی حالت ایسی تھی جیسے وہ صدیوں سے بیمار ہو اور مسیحا سامنے آ گیا ہو، مگر وہ اس سے دوا نہیں لے سکتا تھا۔ وہ چاہتا تھا یہ تقریب ختم ہو جائے، لوگ چلے جائیں اور چاروں جانب ایک ایسی خاموشی چھا جائے جہاں اسے اپنے دل کی دھڑکن بھی سنائی نہ دے۔

وہ جو اپنے دھیان میں ولی کو دیکھ رہی تھی خود پر رئیس کی نظریں محسوس ہی نہ کر پائی۔ وہ اسے دیکھے جا رہا تھا۔ اور پھر، جیسے کسی نے منظر کی ترتیب بدل دی ہو۔ ایک وجود غیر محسوس انداز میں اس کے اور فجر کے درمیان آ گیا۔ یہ ولی تھا۔ وہ پیانو بجا کر اٹھا تو اچانک ٹھٹک گیا تھا۔ رئیس کی نظروں کا تعاقب کرتے ہوئے اس کے اندر کچھ کھٹک گیا تھا۔ اسے یہ شدت، یہ انہماک اچھا نہیں لگا۔ وہ لوگوں کے تعریفی جملوں کے درمیان مضبوط قدموں سے آگے بڑھا اور ان دونوں کے درمیان یوں حائل ہو گیا کہ اس کا رخ رئیس کی جانب تھا۔

جیسے ہی طلسم ٹوٹا، رئیس حقیقت میں لوٹ آیا۔ ولی کے چہرے پر ایک مسکراہٹ تھی مگر وہ ایک زبردستی کی، تصنع سے بھری مسکراہٹ تھی۔ پھر اس نے رخ موڑا، فجر کی جانب۔

"میں کب سے ڈھونڈ رہی تھی۔ مجھے گھر جانا ہے۔" اس کے لہجے میں بے زاری نمایاں تھی۔ کچھ دیر پہلے ہی رئیس سے اس کی بحث ہوئی تھی جب اس نے صاف انکار کر دیا تھا کہ وہ اس کے پروجیکٹ کو اسپانسر نہیں کرے گا۔ "تم نہیں کرو گے تو میں خود کر لوں گی۔"

"یعنی تم پیچھے نہیں ہٹو گی؟"

"فجر معراج اپنے فیصلے نہیں بدلہ کرتی۔"

وہ بس اسے دیکھ کر رہ گیا۔ تاسف سے ہنس دیا پھر سر جھٹک کر چلا گیا۔ وہ بھی باہر نکل گئی تھی اور اب لوٹی تھی۔

"ہاں، ٹھیک ہے۔ میں تمہیں گھر چھوڑ دیتا ہوں۔" ولی نے مرکزی دروازے کی جانب اشارہ کیا۔ وہ لوگوں کو ایک عجیب سے کرب میں مبتلا کر کے خود وہاں سے جا رہا تھا۔

فجر نے پلٹنے سے پہلے ایک جتاتی ہوئی، خفگی بھری نظر رئیس پر ڈالی اور پھر ولی کے ساتھ چل پڑی۔ وہ ساکت بیٹھا دیکھتا رہا۔ ولی اب اس کے لیے بڑا سا چوبی دروازہ کھول رہا تھا۔ پھر وہ دونوں باہر نکل گئے۔ ان کو جاتے ہوئے دو لوگ غور سے دیکھ رہے تھے۔ زینوں پر بیٹھا رئیس اور کونے میں کھڑی مہرون میکسی والی عروزہ! وہ آج پیاری لگ رہی تھی۔

ان کے جاتے ہی جیسے سب ختم ہو گیا۔

ہال کے رنگ پھیکے پڑ گئے۔ آوازیں بے معنی ہو گئیں۔ اس کی سلطنت اسے خالی اور بے وقعت لگنے لگی۔ وہ جنگ جو وہ خود سے لڑ رہا تھا، اسے لگا وہ ایک لمحے میں ہار گیا تھا۔

"کہاں جارہے ہو تم دونوں؟" وہ دونوں اب پورچ کی جانب بڑھ رہے تھے کہ ایک سرد آواز نے انہیں روکا۔ یہ مراد تھا جو ماتھے پر بل ڈالے انہیں دیکھ رہا تھا۔ دونوں نے پلٹ کر دیکھا۔ مراد کی آنکھوں کچھ عجیب سا تھا۔

"انہیں گھر چھوڑنے جارہا ہوں۔" ولی نے مضبوط اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

مراد کی بھنویں مزید سکڑ گئیں۔ اس نے ایک اچٹتی ہوئی نظر فجر پر ڈالی جو اس وقت کسی بحث کے موڈ میں نہیں تھی۔

"یہ خود جاسکتی ہے۔ آئی بھی تو خود تھی۔" اس کا لہجہ تیز تھا۔

"انہیں چھوڑنا میری ذمہ داری ہے۔" اس نے اسی مضبوطی سے دہرایا، جیسے وہ کوئی ناقابلِ تردید حقیقت بیان کر رہا ہو۔

مراد نے ایک گہرا سانس لیا۔ وہ جانتا تھا کہ اس وقت بحث بے کار تھی۔

"ٹھیک ہے، جلد واپس آنا۔ ضروری بات کرنی ہے۔" وہ کہہ کر پلٹ گیا۔ تیز تیز قدم اٹھاتا اندر جارہا تھا۔

ولی نے آگے بڑھ کر فجر کے لیے گاڑی کا دروازہ کھولا۔ اگلے چند لمحوں میں گاڑی پورچ سے نکل کر طویل ڈرائیوے پر رواں تھی اور رئیس مینشن کی روشنیاں پیچھے رہ گئی تھیں۔

✿••✿••✿••✿

گاڑی جب ترنم ہاؤس کے پورچ میں داخل ہوئی تو رات گہری ہو چکی تھی۔ رئیس مینشن کی مصنوعی روشنیوں اور کان پھاڑتے شور کے بعد یہاں کی خاموشی اور سکون روح میں اترتا محسوس ہو رہا تھا۔ راستہ مکمل خاموشی سے کٹا

تھا۔ خلافِ توقع آج ولی نے اسے تنگ نہیں کیا تھا، اس کی یہ خاموشی فجر کے لیے زیادہ اجنبی تھی۔ وہ جو ہر پل بولتا تھا، آج اس کی چپ میں ایک گہرا ٹھہراؤ تھا جیسے سمندر طوفان سے پہلے پر سکون ہو جاتا ہے۔

وہ اسے ایک نظر دیکھ کر گاڑی سے اترنے لگی تو اس کی آواز نے اسے روکا۔

"کیا ہم کچھ دیر بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں؟ مجھے تم سے بات کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔" وہ اب اس کی جانب مکمل رخ کیے کہہ رہا تھا۔ اس کی آواز میں وہ روزمرہ والی شرارت نہیں بلکہ ایک سنجیدہ درخواست تھی۔

"کافی رات ہو گئی ہے، اماں غصہ۔۔۔" اس نے ایک کمزور سا بہانہ تراشا۔

"وہ جانتی ہیں۔" اس نے اسٹیئرنگ پر ہاتھ جمائے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"کیا؟" فجر حیران ہوئی۔ اس کی آنکھیں بے یقینی سے پھیل گئیں۔

"ہمارے رشتے کے بارے میں۔ میں انہیں بتا چکا ہوں۔"

ایک لمحے کے لیے فجر کو لگا جیسے اس کے کان بج رہے ہوں۔ وہ جانتی تھیں؟ پھر اسے زچ کیوں کر رہی تھیں؟ وہ ساکت رہ گئی۔

"پھر وہ کیوں کہہ رہی تھیں کہ ولی سے کہو رشتہ لائے؟ واؤ!" وہ استہزائیہ ہنسی۔ اس کے گالوں پر غصے کی لالی پھیل گئی۔ "وہ مجھے بے وقوف بنا رہی تھیں۔" وہ زیر لب بڑبڑا رہی تھی مگر ساتھ بیٹھا شخص سن سکتا تھا۔

"وہ شاید تمہارے بتانے کا انتظار کر رہی ہیں۔" اس نے نرمی سے وضاحت کی۔ "اور تمہیں کیا لگتا ہے، اگر انہیں پتا نہ ہوتا تو وہ مجھے یوں آنے جانے دیتیں؟ اپنے گھر میں، اپنی بیٹی کے لیے ایک غیر لڑکے کو لائبریری بنوانے دیتیں؟"

فجر نے تاسف سے سر ہلایا۔ بات تو منطقی تھی مگر اماں کا یہ روپ اس کے لیے نیا تھا۔

"کیا وہ رشتہ لانے کا کہہ رہی ہیں؟" اس کی آنکھوں میں اب وہ پرانی شرارتی چمک لوٹ آئی تھی۔ "تو تم بتاؤ، جوزف خاندان کو لاؤں یا اورنگزیب کو؟"

فجر جو ابھی تک اماں والے صدمے سے نہیں نکلی تھی۔ اس کے اس اچانک حملے پر بوکھلا گئی۔

"پہلے لڑکی تو مان جائے۔" اس نے بالوں کو کندھے سے پیچھے کرتے ہوئے مصنوعی بے رخی سے کہا۔ وہ دھیما سا ہنس دیا۔

"لڑکی مان چکی ہے۔ بس میرا امتحان لے رہی ہے۔ تو بتائیں بیگم، آپ کا تھوڑا وقت مل سکتا ہے؟" اس کی آواز میں مان تھا۔

فجر نے ایک لمحے کو اسے دیکھا اور پھر ہار مان لی۔

"پیچھے لان میں اچھی جگہ ہے۔ میں چینج کر کے آتی ہوں۔" وہ کہتے ہوئے گاڑی سے اتر گئی۔ ولی نے مسکرا کر اسے جاتے دیکھا۔

بیس منٹ بعد اپنے کمرے کی کھڑکی سے پردہ ہٹا کر فجر نے لان میں جھانکا اور وہ ساکت رہ گئی۔

وہ جوتے ایک جانب رکھے، جائے نماز بچھائے، دنیا و مافیہا سے بے خبر، منہمک سا نماز پڑھ رہا تھا۔ اس کی گھڑی اور موبائل میز پر رکھے تھے۔ رات کی خاموشی میں، ہلکی روشنی میں اس کا وجود ایک عجیب سے سکون کا ہالہ لیے ہوئے تھا۔ یہ اتنا مکمل منظر تھا کہ وہ کئی لمحے پلک جھپکنا بھول گئی۔ یہ وہ شخص بالکل نہیں لگ رہا تھا جو اسے زچ کرتا تھا، جو

شرارتیں کرتا تھا، جو رئیس کی محفل میں ایک پراسرار دھن بجا کر سب کو اپنی گرفت میں لے چکا تھا۔ یہ نظارہ ایک مکمل نظارہ تھا۔

کئی لمحے گزر گئے پھر وہ کھڑکی سے ہٹ گئی۔ سادہ سی شلوار قمیص پہنے، دوپٹہ بے پروائی سے گلے میں لٹکائے، منہ ہاتھ دھوئے وہ اب کچن میں تھی۔ بالوں کی ڈھیلی سی چٹیا بنالی تھی مگر چند لٹیں پھر بھی اس کے چہرے پر آرہی تھیں۔ چولہے پر رکھی چائے کی پتیلی سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ زیادہ وقت نہیں ہوا تھا مگر اماں اور بانو آج جلدی سو گئی تھیں۔

مزید دس منٹ بعد وہ دونوں کپ ہاتھ میں اٹھائے لان میں آگئی۔ وہ اب دونوں ہاتھ اٹھائے دعا مانگ رہا تھا۔ وضو کرنے کے باعث بال ہلکے گیلے تھے جنہیں اس نے انگلیوں سے بے ترتیبی سے پیچھے کی جانب کیا ہوا تھا۔ اور فجر کرسی پر بیٹھے، مٹھی پر ٹھوڑی ٹکائے اسے دعا مانگتے دیکھ رہی تھی۔ آستینیں کہنیوں تک چڑھی ہوئی تھیں، مضبوط ہاتھ اور وجیہہ نقوش، سوائے اس ایک نشان کے!

آہ! کیوں تھا یہ نشان؟ یہ دیکھنے والے کے انہماک میں خلل ڈال دیتا تھا۔ یہ وہ شخص تھا جس کا باپ، اسکاٹ لینڈ کا مشہور پروڈیوسر تھا۔ جو چاہتا تھا اس کا بیٹا شوبز جوائن کرے، کئی جاننے والے اس کے ایک فوٹو شوٹ کو ترستے رہ گئے اور وہ، یہ حکم نہ ماننے کی پاداش میں اپنے چہرے پر یہ نشان لیے، یہاں ایک عام سے گھر کے لان میں ہاتھ اٹھائے دعا مانگ رہا تھا۔

وہ جب دعا مانگ کر اٹھا تب فجر کا انہماک ٹوٹا، اس نے جلدی سے رخ موڑا مگر وہ دیکھ چکا تھا اور پھر زیرِ لب مسکرا دیا۔ جائے نماز ایک جانب رکھتے وہ اب ننگے پاؤں چلتا ہوا اس کی جانب آرہا تھا اور پھر آکر ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کیا بات ہے؟ بڑے غور سے دیکھا جا رہا تھا۔" اس کی آنکھوں میں دھیمی سی شرارت تھی۔

"نہیں تو۔۔۔" اس نے فوراً نفی کی۔ "تم نے ہی کہا تھا باتیں کرنی ہیں، میں اس لیے یہاں آئی ہوں۔" اس نے اپنا کپ اٹھا کر لبوں سے لگایا، البتہ چہرے کی تپش بتا رہی تھی کہ وہ پکڑی گئی تھی۔

"یہ چائے تم نے بنائی ہے؟" اس نے بھی کپ اٹھاتے ہوئے موضوع بدلا۔

"تمہیں اور کوئی نظر آ رہا ہے؟" اس نے الٹا سوال کیا۔

"نہیں میرا مطلب، فجر معراج نے اپنے شوہرِ نامدار کے لیے چائے بنائی ہے! اس کا تو پوسٹر چھپنا چاہیے۔" چائے کا گھونٹ بھرتے اس نے ڈرامائی انداز میں کہا۔

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔" وہ جھینپ گئی۔

"مجھے نہیں پتا تھا تمہیں چائے بنانی بھی آتی ہے۔ امپریسو!" وہ واقعی متاثر نظر آیا۔

"مجھے روٹی بنانی بھی آتی ہے۔" تیکھے انداز میں اطلاع دی گئی۔

"واقعی؟ وہ گول روٹی؟" وہ اب سنجیدگی سے حیران نظر آ رہا تھا۔ فجر نے فخر سے اثبات میں سر ہلایا۔

"مجھے نہیں پتا تھا منار فیشنز کی سی ای او کو روٹی بنانی بھی آتی ہو گی۔" وہ اب چھیڑ رہا تھا۔

"منار فیشنز کی سی ای او نہ ہوتی تو چل جاتا، مگر روٹی نہ بنانی آئے، یہ نہیں چل سکتا۔ اماں مجھے اٹھا کر گھر سے باہر پھینک دیتیں۔" اس نے سچائی سے اعتراف کیا۔ اماں نے اسے بچپن سے گھر داری سکھار کھی تھی۔ آتا اسے سب تھا، مگر کرتی وہ اپنی مرضی سے تھی اور اب تو اس کے پاس خود کے لیے چائے بنانے کا وقت بھی نہیں ہوتا تھا۔ وہ کاسٹیومز نہ بناتی تو چل جاتا، مگر روٹی؟ ناں۔۔۔ یہ نہیں چل سکتا تھا۔ اگلے گھر والوں کو کیا وہ کاسٹیومز کھلاتی؟

"ویسے یہ تو اچھا ہو گیا۔ تم خود سارے کام کر لیا کرو گی، کوئی ملازم نہیں رکھنا پڑے گا۔" وہ مسکراہٹ چھپائے کہہ رہا تھا۔ فجر بس اسے گھور کر رہ گئی۔

بنا کچھ کہے، وہ اب اسے دیکھ رہی تھی۔ جانچتی ہوئی نگاہیں کبھی اس کے چہرے کے نشان پر ٹھہرتیں تو کبھی اس کی گہری، خاموش آنکھوں پر۔ کچھ تھا جو الجھا ہوا تھا۔ کچھ تھا جو نارمل نہیں تھا۔ یہ وہ شخص تھا جو اس کے بارے میں سب جانتا تھا اور یہ وہ شخص تھا جس کے بارے میں وہ سب سے کم جانتی تھی۔ صرف اتنا، جتنا ٹیپ ریکارڈر میں تھا۔ اس کے بعد کیا ہوا تھا؟ وہ نشان اسے کیسے ملا تھا؟ وہ پاکستان کیسے اور کیوں آیا تھا؟ یہ سب غیر واضح تھا۔

وہ ویسا نہیں تھا جیسا دکھتا تھا، جیسا خود کو دکھاتا تھا۔ اسے دیکھتے ہوئے وہ الجھ رہی تھی۔ اسے کیوں اسکین نہیں کر پا رہی؟

اس کی خواہشیں کیا تھیں؟ اس کے جذبات کیا تھے؟ وہ اپنی زندگی میں کیا کرنا چاہتا تھا اس کے مقاصد کیا تھے وہ سب سے انجان تھی۔ اس نے کبھی کچھ شیئر ہی نہیں کیا تھا۔

"تم ویسے نہیں ہو جیسے دکھتے ہو۔" وہ اب اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ آواز میں ایک عجیب سی بے چینی تھی۔ ولی نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا، کپ ہونٹوں سے لگانے ہی والا تھا کہ رک گیا۔

اسی لمحے، اوپر اماں کے کمرے کی کھڑکی کا پردہ ذرا سا ہٹا۔ انہوں نے دونوں کو لان کی مدھم روشنی میں چائے پیتے دیکھا۔ ایک بوجھل سانس ان کے سینے سے خارج ہوئی۔ بس کچھ اور وقت! بس وہ کچھ ہی وقت خوشی سے جی سکتی تھی۔ پھر تو موت اسے دبوچ ہی لیتی۔ یہ خوشی، یہ سکون، یہ سب عارضی تھا۔ ان کے دل میں ایک ٹیس اٹھی اور انہوں نے پردہ واپس گرا دیا۔

نیچے لان میں، ولی نے کپ میز پر رکھ دیا۔ ”کیا مطلب ہے؟ کیسا دکھتا ہوں میں؟“

”تم جتنے سیدھے، شریف اور معصوم دکھتے ہو، ویسے ہو نہیں۔“ فجر کی نگاہیں اس کے چہرے پر جمی تھیں۔ ”ایسا کیوں لگتا ہے جیسے تم بہت کچھ چھپا رہے ہو؟“

اس کی بات پر وہ دھیرے سے ہنس دیا۔ مگر یہ ہنسی اس کی آنکھوں تک نہ پہنچ پائی۔ وہ اب کرسی سے ٹیک لگا چکا تھا۔ سینے پر دونوں بازو باندھے، جیسے خود کو کسی دفاع کے لیے تیار کر رہا ہو۔

”کیسا ہوں پھر میں؟“ اس کی آواز میں چیلنج نہیں، خالصتاً تجسس تھا۔

فجر نے چند لمحے اسے دیکھا۔

”پتا نہیں۔ میں تمہیں اسکین نہیں کر پا رہی۔ ایسا کیوں ہے؟“ رئیس اور نگزیب جیسے شخص کو اسکین کر کے اس سے بزنس ڈیلز کرنے والی فجر معراج، اسے اسکین نہیں کر پا رہی تھی۔ یہ اس کی انا کے لیے ایک جھٹکا تھا۔

”تو کس نے کہا ہے اسکین کرو؟“ وہ تھوڑا آگے کو جھکا۔ ”صرف قبول بھی تو کر سکتی ہو نا؟“

”جس کو میں جانتی نہیں، اسے قبول کیسے کر لوں؟“ وہ کندھے اچکا کر بولی۔ انداز میں بظاہر بے نیازی تھی مگر اندر ایک طوفان تھا۔ وہ اسے ہی تو قبول کرنا چاہتی تھی مگر۔۔۔۔

”تمہارا دل قبول کر چکا ہے، صرف تمہارا یہ خبطی دماغ تمہیں زچ کر رہا ہے۔“ وہ پر شوق نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ وہ کچھ نہ بولی۔ اس کی بات کی تردید نہیں کر سکی، کیونکہ یہی سچ تھا۔

چند لمحوں کی خاموشی چھا گئی۔ پھر اس نے ایک گہرا سانس لیا اور وہ سوال پوچھا جو اس کے اندر زہر کی طرح پھیلا ہوا تھا۔

"تم نے اس دن کہا کہ تم میرا کردار ہو۔ میرے ماضی کے بارے میں جانتے ہوئے بھی تم اتنی بڑی بات کیسے کہہ سکتے ہو؟"

"اگر تم تین سال سے زائد عرصہ میری بیوی اور پھر بیوہ بن کر، مجھ سے وفادار رہ کر گزار سکتی ہو تو مجھے تمہارا کردار بننے میں کیا تکلیف ہو گی؟"

اس کے الٹے سوال پر وہ لاجواب ہوئی۔

کئی لمحے اسے دیکھتی رہی۔ اندر سے اسے کچھ ڈس رہا تھا۔

"تمہیں مجھ سے ڈر نہیں لگتا؟ مجھ سے نفرت نہیں ہوتی؟ مجھ سے خوف نہیں آتا؟"

اس کے سوالوں پر وہ ٹھٹک گیا۔ فضا میں جیسے کچھ ٹھہر گیا ہو۔ اس نے اپنا کپ میز پر رکھتے ہوئے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ فجر کی انگلی اب کپ کے کنارے پر بے چینی سے گھوم رہی تھی۔ ہلکے پستہ رنگ کے سادہ سوٹ میں سیاہ دوپٹے کے ساتھ وہ اسے اب بھی اتنی ہی اچھی لگ رہی تھی جتنی اس سفید ساڑھی میں کھلے بالوں کے ساتھ۔

"مجھے تم سے ڈر کیوں لگے گا؟" اس نے تحمل سے الٹا سوال کیا۔

"کیونکہ میں ایک مونسٹر ہوں۔ حیوان ہوں۔" اس کی آواز اب کسی گہری کھائی سے آ رہی تھی۔ "ملعون، ایک قاتل، ایک ڈائن! جو زندگیاں کھاتی ہے۔ سب یہی کہتے ہیں۔" وہ اب کھوئے کھوئے لہجے میں کہہ رہی تھی، نظریں سامنے خلا میں تھیں۔ سب کچھ مضبوطی سے برداشت کر جانے والی کا اندر اسے سکون سے جینے نہیں دیتا تھا۔

ولی نے چند لمحے اسے دیکھا۔(**سارے حیوان اس کے گرد ہی جمع تھے مسٹر جوزف، جارج، رئیس اور فجر**)اس کے چہرے پر رحم اور عزم کے ملے جلے تاثرات ابھرے۔ فجر کی یہ غلط فہمی، یہ خود ساختہ اذیت، اسے آج ختم کرنی تھی۔ اس کے خود کو قید کرنے والے جال کو ہٹانے کا وقت آ گیا تھا۔ اسے عنکبوت کے ان نرم ریشوں سے رہائی پانی ہی ہو گی۔

"میں نے تمہیں جان بوجھ کر ہرٹ کیا۔" وہ اب اس کے ہاتھ کو دیکھ رہی تھی جہاں کوئی نشان نہیں تھا، مگر اسے لہو کے وہ چند قطرے آج بھی یاد تھے۔ "دوبار ہرٹ کیا۔ تمہیں مجھ سے ڈر کیوں نہیں لگتا؟"

"میں تم سے کیوں ڈروں گا؟" ولی کی آواز اب گہری اور مضبوط تھی۔ "تم یہ سب نہیں ہو۔"

اس کے اس دوٹوک انکار پر فجر نے چونک کر سر اٹھایا۔ اس کی آنکھوں میں شدید الجھن تھی۔ وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"میں ایسی لڑکی سے کیوں ڈروں گا جو اندر سے کھوکھلی ہے؟"

یہ سنتے ہی فجر کا چہرہ فق ہو گیا۔ جیسے کسی نے اس کے پیروں تلے سے زمین کھینچ لی ہو۔ رات کی سیاہی میں، چاروں جانب لٹکتے برقی قمقموں کی نرم روشنی میں، وہ اس کا سفید پڑتا چہرہ صاف دیکھ سکتا تھا۔ اس کی ہیزل آنکھوں میں بے یقینی اور خوف کی ایک لہر دوڑ گئی۔

"کک۔۔ کیا مطلب؟" اس نے خشک ہوتے گلے کو تر کرتے ہوئے پوچھا۔ جیسے کانوں نے کچھ غلط سن لیا ہو۔

"فجر معراج تم اندر سے کھوکھلی ہو!" اس نے اپنی بات دہرائی۔ "بالکل خالی!"

یہ سنتے ہی وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔اس کا چہرہ وحشت زدہ دکھائی دے رہا تھا، آنکھیں پھٹ سی گئی تھیں۔ وہ اسے اتنا جانتا تھا، یہ وہ نہیں جانتی تھی۔

"یہ بکواس ہے!" وہ دبی دبی سی چیخی اور بھاگنے کے لیے جیسے ہی رخ موڑا، وہ سرعت سے اٹھا اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"چھوڑو مجھے!" اس کا سفید چہرہ اب سرخ پڑ چکا تھا۔یوں لگا جیسے کسی نے اس کے وجود کو جہنم میں پھینک دیا ہو۔ وہ اپنا ہاتھ چھڑا رہی تھی۔ولی نے ایک جھٹکے سے اسے اپنی جانب کھینچا، دایاں بازو اس کی کمر کے گرد حمائل کیا اور بائیں ہاتھ سے اس کا تڑپتا ہوا دوسرا ہاتھ تھام لیا۔

"نہ میں کھوکھلی ہوں، نہ میں خالی ہوں! میں ملعون ہوں۔ڈائن ہوں۔لوگوں کی زندگیاں کھاتی ہوں، تمہیں مجھ سے ڈرنا چاہیے۔ تمہیں مجھ سے نفرت کرنی چاہیے!" وہ خود کو اس سے چھڑانے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔ لمحوں میں اس کی پلکوں کے گوشے نم ہو گئے۔حالیہ جو رانیہ کا واقعہ ہوا تھا وہ اس سے اتنی جلدی آگے نہیں بڑھ سکتی تھی۔لوگوں کے الزامات آج بھی اسے سونے نہیں دیتے تھے۔

"مزاحمت ترک کر دو، بیگم!" اس کی گرفت مضبوط تھی مگر اس میں نرمی کا عنصر غالب تھا۔

"میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا جب تک تم میری بات نہیں سنو گی۔" وہ جانتا تھا اس کا وجود مچھلی کی طرح تڑپ رہا تھا۔وہ اس کی ہر تکلیف کو اپنے وجود پر محسوس کر سکتا تھا۔

"مجھے کچھ نہیں سننا! تم چھوڑو مجھے۔۔۔جانے دو۔۔۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

"تم یہی تو ہمیشہ کرتی آئی ہو۔" ولی کی آواز اب اس کے کانوں میں سرگوشی کر رہی تھی۔

"جب بھی کوئی تمہاری حقیقت کے قریب آنے لگتا ہے، تم بھاگ جاتی ہو۔ لوگوں کو تکلیف دے کر، انہیں خود سے دور کر کے، تم اپنے اندر کے اس کھوکھلے پن کو، اس خالی پن کو اپنی اذیت سے بھرنے کی کوشش کرتی ہو۔"

وہ ساکت ہونے لگی۔

"تم ملعون نہیں ہو۔ تم کرب زدہ ہو۔ ایک ایسی بچی جسے اس کے ماں باپ کی نفرت نے درد دیا، جسے دنیا کی پھٹکار نے گھائل کیا، اور جسے اس شخص نے دھتکارا جس سے اس نے محبت کی۔ انہوں نے تمہیں آئینے میں ایک عفریت دکھایا اور تم نے یقین کر لیا۔"

اس کے آنسوں بہہ جانے کو تیار تھے مگر وہ جبڑے بھینچے کھڑی تھی۔

"تمہارے اندر ایک خلا ہے۔ ایک ایسا خالی پن جسے محبت سے بھرنا تھا، جسے شفقت اور قبولیت چاہیے تھی۔ مگر دنیا نے اس میں نفرت کا زہر انڈیل دیا۔ اور جب وہ زہر تمہارے لیے ناقابلِ برداشت ہو گیا تو تم نے خود کو سزا دینا شروع کر دی۔ تم نے اپنے گرد کانٹوں کی باڑ لگالی۔ خود اپنے سر پر ملعون ہونے کا تاج سجالیا۔"

اس کی آواز میں اتنی سچائی، اتنی ہمدردی تھی کہ فجر کے وجود کا ہر دفاعی حصار ٹوٹنے لگا۔

"تم لوگوں کو تکلیف اس لیے نہیں دیتیں کہ تم ایسا چاہتی ہو۔ تم انہیں تکلیف اس لیے دیتی ہو تاکہ وہ تم سے نفرت کریں اور تمہارا یہ یقین پکا ہو جائے کہ تم محبت کے قابل نہیں اور تم کبھی اس کی خواہش نہ کرو۔" وہ اس کی لرزتی نم پلکوں کو دیکھ رہا تھا۔

"تم خود کو اذیت سے بھرتی ہو کیونکہ تمہیں لگتا ہے کہ تم اسی کے لائق ہو۔ تم خالی ہو فجر اور اس خالی پن کا شور اتنا زیادہ ہے کہ تم اسے دبانے کے لیے چیختی ہو، چلاتی ہو، سب کچھ تہس نہس کر دیتی ہو۔"

اس نے فجر کو مزید قریب کیا۔ حصار تنگ ہوا مگر اس کی نرمی قائم رہی۔

"مگر میں۔۔۔ میں اس شور کو سن سکتا ہوں۔ میں تمہارے بنائے ہوئے اس ملعون کو نہیں، اس کے پیچھے چھپی اس لڑکی کو دیکھ رہا ہوں جس کی روح چیتھڑوں میں لپٹی ہے۔"

اسکے الفاظ تیر بن کر نہیں، بلکہ ایک زہریلے مرہم کی طرح اس کے وجود میں اتر رہے تھے۔ ایک لمحے کے لیے فجر کی مزاحمت ٹوٹی، مگر یہ شکست نہیں، طوفان سے پہلے کا سکوت تھا۔ اس کے آنسو بہنے کے بجائے اندر ہی اندر ابلنے لگے۔ اتنی جلدی ہار ماننا اس کی سرشت میں نہیں تھا۔ اس نے برسوں کی ریاضت سے اپنے گرد جو قلعہ تعمیر کیا تھا، وہ اتنی آسانی سے مسمار نہیں ہو سکتا تھا۔

"بس کرو یہ فلسفہ!" وہ پھنکاری۔ "یہ ہمدردی کا ڈرامہ بند کرو۔ میں کھوکھلی نہیں ہوں! میں نفرت سے بھری ہوئی ہوں۔ اتنی نفرت کہ اگر باہر نکل آئے تو تمہیں جلا کر راکھ کر دے۔"

اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی، مگر وہ خوف کی نہیں، ضبط کیے گئے طوفان کی تھی۔ وہ اس کے شانے پر سر رکھنے والی نہیں تھی۔ وہ اس کے سینے پر سر مار کر اسے خود سے دور دھکیل دینا چاہتی تھی۔

مگر ولی نے اسے جانے نہیں دیا۔ اس کی گرفت اب بھی مضبوط تھی مگر اس میں اب ایک ٹھہراؤ تھا، جیسے وہ اس طوفان کا سامنا کرنے کے لیے پہلے سے تیار تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے؟ تم میرے ماضی کی دو چار باتیں جان کر میرے مسیحا بن جاؤ گے؟ میری روح کے شناسا بن جاؤ گے؟" اس کی آواز میں کاٹ دار طنز تھا۔ "تم کچھ نہیں جانتے، ولی اورنگزیب! کچھ بھی نہیں۔"

"جانتا ہوں۔" اس کی آواز پر سکون مگر اٹل تھی۔ اس نے فجر کے وجود کی لرزش کو محسوس کرتے ہوئے کہا، "تم صحیح کہہ رہی ہو۔ تمہارے اندر نفرت نہیں، زہر بھرا ہوا ہے۔"

اس کے طنزیہ تاثرات پر ایک لمحے کو بے یقینی چھا گئی۔

"ہاں زہر۔۔۔" ولی نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے دہرایا۔

"مگر وہ تمہارا نہیں ہے۔ یہ وہ زہر ہے جو تمہیں دنیا نے قطرہ قطرہ کر کے پلایا۔" وہ ساکت رہ گئی۔ ہاں اس کے اندر قطرہ قطرہ زہر انڈیلا گیا تھا۔ اس کے ماں باپ اسے زہر دے کر مار دینا چاہتے تھے۔ کیا وہ کبھی یہ بھول سکتی تھی؟ کیا کبھی کوئی اولاد یہ بھول سکتی ہے؟ شاید کبھی نہیں۔۔۔۔

"جب ایک بچی کو اس کے اپنے ہی ماں باپ کی محبت نہ ملے، جب دنیا اسے جنم سے ہی ملعون قرار دے، جب اس کا پہلا بھروسہ اسے دھتکار دے تو وہ جینے کے لیے یہی زہر پینے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ تم نے بھی یہی پیا ہے۔"

فجر کی سانس جیسے سینے میں اٹک گئی۔ اس کی گرفت میں ولی کے بازو پر اس کی انگلیاں سفید پڑ گئیں۔ اس کے لب کپکپا اٹھے۔ وہ آئینہ تھا اور وہ اپنا ہی وجود اس میں دیکھ کر لرز رہی تھی۔

"اور اس زہر کا سب سے برا اثر یہ ہوا کہ تم مری نہیں، بس تمہارے اندر کا وہ معصوم وجود مر گیا جسے محبت پر یقین تھا۔ اور جو بچا ہے وہ صرف ایک لاش نہیں وہ ایک چیتھڑوں میں لپٹی روح ہے۔ بظاہر زندہ، مگر در حقیقت مٹی ہوئی۔"

فجر کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اس کا دماغ سائیں سائیں کرنے لگا۔ تو کیا ولی کو اس کے چیتھڑے نظر آنے لگے تھے؟

"جب تم خود کو دیکھتی ہو تو تمہیں اپنا اصل چہرہ نظر نہیں آتا۔ تمہیں اپنی روح نظر آتی ہے چیتھڑوں میں لپٹی ہوئی۔ ایک مسخ شدہ، ایک بدصورت ہیولا۔ اور سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ تمہاری اس چیتھڑوں میں لپٹی روح کو لباس نہیں ملا!"

اس کے لب کپکپانے لگے مگر کوئی لفظ ادا نہیں ہو پایا۔ اگر وہ اسے تھامے نہ رکھتا تو شاید وہ گر جاتی۔ اس کا دماغ، جو ہر چیز کو اسکین کرتا تھا جو ہر صورتحال کا تجزیہ کرتا تھا آج مکمل طور پر خالی ہو چکا تھا۔ وہ شخص اس کی روح کا ایکسرے کر رہا تھا اور وہ کچھ نہیں کر پا رہی تھی۔

"میں یہاں تم پہ ترس کھانے یا تمہارا مسیحا بننے نہیں آیا۔" اس کی آواز اب نرم ہو گئی، جیسے وہ کسی ڈرے ہوئے بچے کو سمجھا رہا ہو۔ اس نے فجر کو تھوڑا سا خود سے الگ کیا مگر اس کے بازو تھامے رکھے، تاکہ وہ بھاگ نہ سکے۔

"میں ان چیتھڑوں کو نوچ کر پھینکنے آیا ہوں۔ میں تمہارا لباس بننا چاہتا ہوں۔ ایک ایسا لباس جسے دنیا کی کوئی نفرت، کوئی دھتکار، کوئی بے حسی میلی نہ کر سکے۔" اس کی آنکھوں میں ایک شدید تمکیت ابھری۔ "یہ میرا حق ہے کیونکہ میں تمہارا شوہر ہوں۔"

(میاں بیوی ایک دوسرے کا لباس ہیں۔ زینت اور وقار! القرآن)

"میرا حق ہے کہ میں تمہیں اس اذیت سے آزاد کراؤں جو تم نے خود پر مسلط کر رکھی ہے۔ تمہارے اس خبطی دماغ کو یہ قبول کرنا ہو گا، چاہے اس میں کتنا ہی وقت لگ جائے۔"

فجر کا پورا وجود کانپ رہا تھا۔ اس کا ذہن، جو ہر چیز کا تجزیہ کرتا تھا، آج مفلوج تھا۔ اس شخص نے اس کی روح کی سب سے خفیہ، سب سے تکلیف دہ گتھی کو کھول کر اس کے سامنے رکھ دیا تھا۔ اس کی روح اس شخص کے سامنے بے لباس کھڑی تھی۔

"میں وہ آئینہ بننے آیا ہوں جو تمہیں تمہاری اصلیت دکھائے۔ جو تمہیں بتائے کہ تم چیتھڑوں میں لپٹی ہو، بدصورت نہیں۔ تم تنہا رہی ہو، ملعون نہیں۔ تمہارے اندر جو ہے، وہ نفرت نہیں وہ ناقابلِ بیان درد ہے۔ تم پر کوئی برا سایہ نہیں ہے۔"

اس نے آخری جملہ کہتے ہوئے اسے مکمل طور پر آزاد کر دیا۔

فجر ساکت کھڑی رہی۔ اس کا جسم کانپ رہا تھا۔ وہ روئی نہیں، اس نے سر نہیں جھکایا، مگر اس کی آنکھوں میں ایک ایسی شکست تھی جو کسی جنگ کے ہارنے پر نہیں بلکہ جنگ کی حقیقت سمجھ آ جانے پر طاری ہوتی ہے۔ آنسوں پلکوں پر ٹھہرے رہے۔ وہ اس کی اجازت کے بغیر بہہ نہیں سکتے تھے۔

وہ اب لڑ نہیں رہی تھی، مگر اس نے ہتھیار بھی نہیں ڈالے تھے۔ وہ بس وہاں کھڑی تھی، اپنی چیتھڑوں میں لپٹی روح کے ساتھ اور ایک شخص اس کے سامنے کھڑا تھا جو ان تمام چیتھڑوں کے پار اس کا اصل چہرہ دیکھ چکا تھا۔

وہ کئی لمحے اسے دیکھتی رہی۔ وضو کیے چہرے کے ساتھ وہ شخص کتنا پر سکون دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے اپنے گلے میں اٹکے آنسوؤں کے گولے کو نگلنا چاہا مگر ناکام رہی۔ وہ نم آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ یہی تو وہ چاہتی تھی کہ کوئی تو ہو جو اس کے کرب کو دیکھ سکے۔ جو اس کی روح کے چیتھڑوں کو دیکھ سکے۔ جو اس کا لباس بنے اور اس شخص کو اللہ نے اس کا لباس بنایا تھا۔

ارسل سے محبت اور اس سے شادی اس کا پلان تھا۔ اسکا خواب تھا مگر سامنے کھڑا وہ کھتئی آنکھوں والا شخص، اللہ کی طرف سے تھا۔ یہ اس کا پلان نہیں تھا یہ اللہ کا کن تھا جو فیکون ہو چکا تھا۔ وہ اس سے مزید کتنا بھاگ سکتی تھی؟ وہ اللہ کے منصوبے سے کتنا بھاگ سکتی تھی؟ اللہ کے منصوبوں سے کوئی بھاگ پایا ہے؟

وہ کچھ کہنا چاہتی تھی شاید اپنی صفائی میں، کوئی بودی دلیل تاکہ اس کا بھرم قائم رہ سکے، اس کی روح چیتھڑوں میں ہی لپٹی رہے مگر لب لرز کر رہ گئے۔

وہ کئی بار کہہ چکا تھا وہ صرف اس کا تھا، وہ اس کے لیے سات سمندر پار کر کے اپنے چہرے پر نشان لے کر آیا تھا، وہ اس کے سامنے کھڑا تھا، وہ ولیم جوزف عرف ولی اور نگزیب اللہ کی طرف سے اس کے لیے انعام تھا تو کیا وہ اسے ٹھکرا دیتی؟ اللہ کے انعاموں کو ٹھکرایا جاتا ہے بھلا؟

ایک لمحہ گزرا، دوسرا اور پھر تیسرا، اس نے آگے بڑھ کر دھیرے سے ولی کے سینے پر سر رکھ دیا۔ ضبط کے باعث رکے آنسوں بہہ نکلے۔

ہاتھ پہلو میں گرے رہے۔ اب وہ رو رہی تھی۔ بے آواز سسکیاں، اس کے آنسوؤں سے ولی کی شرٹ بھیگنے لگی، اس کی چیتھڑوں میں لپٹی روح کا کرب آج باہر نکل آیا تھا۔ اس کی بے آواز سسکیوں میں ایسی کراہیں تھیں جو کبھی کسی نے نہیں سنی ہوں گی۔

ولی نے اسے رونے دیا اور پھر دھیرے سے اپنا حصار اس کے گرد قائم کر لیا۔ ٹھوڑی اس کے سر پہ ٹکا دی۔ یہ عورت نہ ہوتی تو وہ کبھی اپنی پہچان نہ ڈھونڈ پاتا۔ وہ ہمیشہ بھٹکتا ہی رہتا۔ فجر معراج اسے دنیا کی ہر شے سے قیمتی تھی۔ پتا نہیں کتنے لمحے گزر گئے۔

"مجھے تم سے نفرت ہے۔" اس کی زکام زدہ آواز ابھری۔

"خیر ہے، محبت میں کرلوں گا۔" وہ ہولے سے مسکرایا۔ حصار مزید تنگ کرلیا۔

"مجھے تم سے بہت زیادہ نفرت ہے۔" اس کی آواز بمشکل کانوں تک پہنچی۔

"میں بہت زیادہ محبت کرلوں گا۔" اس کے سر کو ہولے سے سہلایا۔

"مجھے تم سے ساری دنیا کی نفرت ہے۔" اس بار آواز تیز تھی۔

"میں ساری دنیا کی محبت کرلوں گا۔" اس بار ٹھوڑی اٹھا کر اس کے سر پہ اپنے لب رکھ دیئے۔

✿••✿••✿••✿

شہر کی رگوں میں دوڑتی سڑک پر فلک کا وجود ایک بے قابو پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔ اس کے پھیپھڑوں میں ہوا نہیں بلکہ کانچ کی کرچیاں اتر رہی تھیں۔ ذہن کے پردے پر صرف ایک ہی جملہ کسی آسیب کی طرح چمٹا تھا۔

"بھاگو فلک! بھاگو!"

گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس اس کی آنکھوں میں خنجر کی طرح چبھتیں اور ہر ہارن کی آواز ایسی لگتی جیسے کوئی اس کے کانوں میں چیخ رہا ہو۔ یہ زندہ شہر، جو لاکھوں لوگوں کو پناہ دیتا تھا، آج اس کے لیے ایک وسیع و عریض قبرستان بن چکا تھا جہاں ہر سایہ ایک ممکنہ قبر کا کتبہ تھا۔

اس کے لرزتے ہاتھ فون سے چپک گئے تھے۔ اسکرین پر **فجر** اور **فخر** کے نام دھندلا رہے تھے۔ ہر ناکام کال کے بعد بجنے والی خاموش ٹون اس کے کانوں میں ایک اعلان کی طرح گونجتی۔

"تم تنہا ہو، تم ہمیشہ سے تنہا تھیں۔"

کوئی اس کا فون نہیں اٹھا رہا تھا۔ اسے یہ بھی نہیں پتا تھا وہ کہاں آ گئی تھی۔ حواس باختہ اتنی تھی کہ اس نے کسی گاڑی کو روکا نہ کسی آٹو کو، وہ بس رجب سے دور بھاگ جانا چاہتی تھی۔ زندگی میں کبھی ایسی صورتحال دیکھی نہیں تھی اس لیے جانتی بھی نہیں تھی کہ جیسے نبٹنا تھا۔

پھر اسے ایک گلی نظر آئی۔ اندھیری گلی، وہ اس گلی میں مڑ گئی۔ یہ گلی نہیں، زمین کا ایک گہرا زخم تھا جس میں اندھیرا مواد کی طرح بھرا ہوا تھا۔ دیواروں پر جمی کائی اور نمی سے ایسی لکیریں بنی تھیں جیسے کسی نے اذیت میں اپنے ناخنوں سے انہیں کھُرچا ہو۔ ہوا میں گٹر کی سڑاند اور گیلی مٹی کی باس اس طرح گھلی تھی جیسے موت خود اپنی آمد کا جشن منا رہی ہو۔ شاید اسے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ یہ کسی جرائم پیشہ افراد کا اڈا لگ رہی تھی۔ وہ بھیڑ سے بچنا چاہتی تھی، شاید اس کے ماؤف ذہن نے اسے ایک ایسی جگہ دھکیل دیا تھا جہاں کوئی اسے دیکھ نہ سکے۔ یہی اس کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ گلی کے دوسرے سرے پر روشنی کا نام و نشان نہیں تھا۔ اسے اپنی تیز سانسوں کی آواز کے سوا کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ دیوار کا سہارا لے کر رک گئی، اس کا سینہ دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ اپنی طرف سے وہ چھپی ہوئی تھی۔

اور پھر، وہ وہاں تھا۔

کی چاپ۔

وہ اندھیرے کا ایک حصہ تھا، جو اچانک الگ ہو کر ایک انسانی شکل میں ڈھل گیا۔ ایک سایہ، جسے دیکھ کر خود شیطان بھی پناہ مانگے۔

ایک جھپٹا اور فلک کی چیخ اس کے حلق میں ہی پتھر بن گئی۔

اس کا ہاتھ فلک کے منہ پر کسی آہنی شکنجے کی طرح جما ہوا تھا، اس کی انگلیاں اس کی گالوں کے گوشت میں دھنس رہی تھیں۔ دوسرا بازو اس کے دھڑ کے گرد ایک اژدھے کی طرح لپٹا تھا، جس کی ہر حرکت کے ساتھ اس کو اپنی پسلیاں ٹوٹتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

وہی شخص جو کچھ دیر پہلے تک مہکتی خوشبوؤں اور مسکراہٹوں سے جڑا تھا، اب زہریلے ناگ کی پھنکار بن کر اس کی سماعتوں سے ٹکرا رہا تھا۔

"کہاں بھاگ رہی تھیں فلک عالمگیر صاحبہ؟" اس کی سرگوشی میں شہد میں لپٹا زہر تھا۔ وہ لفظ نہیں تھے، کان میں پگھلایا ہوا سیسہ تھے۔ وہ خود کو چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ اس کے ہاتھ پر ڈانٹ گاڑنا چاہتی تھی مگر۔۔۔۔

اگلا لمحہ ایک دھماکہ تھا۔

رجب نے اس کا سر پوری قوت سے دیوار پر دے مارا۔ ایک تیز، کڑاکے دار آواز اور فلک کی آنکھوں کے سامنے روشنی کے ہزاروں ستارے پھٹ پڑے۔ دنیا گھوم گئی، اور اسے اپنے منہ میں خون کا گرم، نمکین ذائقہ محسوس ہوا۔

وہ بے جان ہو کر زمین پر گری۔ وہ کسی شکاری کی طرح اس کے اوپر جھکا۔ اس کی آنکھوں میں فتح کی ایک وحشیانہ چمک تھی۔

"میں نے سوچا تھا یہ سب آسانی سے ہو جائے گا۔" اس نے حقارت سے کہا اور فلک بے جان سی زمین پر گر پڑی۔ "لیکن تمہیں تو سنسنی خیزی پسند ہے۔ تمہیں تو بھاگ کر اپنی جان بچانی ہے۔"

وہ زمین پر پڑی کراہ رہی تھی۔ وہ نم آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ یہ وہ شخص نہیں تھا۔ اس کا چہرہ وہی تھا، مگر اس کی آنکھوں میں ایک درندہ چمک رہا تھا۔ نقاب اتر چکا تھا اور پیچھے چھپا شکاری اب پوری طرح بے نقاب تھا۔

"اٹھو!" وہ دھاڑا۔ فلک نے ہمت جمع کی اور سہارے سے اٹھنے کی کوشش کی۔ "اپنے مسیحا کو فون کرو۔ بلاؤ رئیس اورنگزیب کو۔"

فلک نے نفی میں سر ہلایا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

"وہ۔۔ وہ میرا کوئی نہیں لگتا۔" اس کی آواز میں درد ہی درد تھا ایسا درد جو روح کو چیر دے۔ رجب رضا نے غلط عورت کا انتخاب کر لیا تھا۔ رئیس اس کے لیے کیوں آتا؟

وہ قہقہہ لگا کر ہنسا۔ ایک خوفناک، دل دہلا دینے والا قہقہہ۔

"یہ کہانی کسی اور کو سنانا۔ میں سب جانتا ہوں۔ تم اس کا خاندان ہو۔ وہ اپنے خاندان کے لیے کیوں نہیں آئے گا؟"

اس نے فلک کا فون اس کے ہاتھ سے چھینا اور اس کا کانپتا ہوا انگوٹھا لگا کر اسے ان لاک کیا۔ رئیس کا نمبر اس کے فون میں نہیں تھا پر اس نے اپنے فون سے اس کا نمبر نکالا۔ کال ملا کر اس نے اسپیکر آن کیا اور فون فلک کے چہرے کے سامنے کر دیا۔

گھنٹی جارہی تھی۔ ہر بجتی رنگ فلک کے دل پر ہتھوڑے کی طرح برس رہی تھی۔ دماغ کہہ رہا تھا کہ رئیس فون نہ اٹھائے وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی وجہ سے کسی اور کی جان خطرے میں پڑے۔ مگر دل کہہ رہا تھا کاش وہ اس کے لیے آئے۔ وہ اسے بچانے آئے۔ اور پھر، کال کٹ گئی۔ کسی نے فون نہیں اٹھایا۔

"وہ تو نہیں آئے گا مگر میں تمہیں زندہ رکھ کر توڑوں گا ہر لمحہ، ہر سانس کے ساتھ تمہیں خود سے نفرت ہو گی۔ میری بہن کی اذیت کا بدلہ کسی کو تو چکانا ہو گا نا۔"

اس نے فلک کے ہاتھ میں فون پکڑایا اور پھر اس کے ہاتھ پر پوری قوت سے اپنا پیر مارا۔ بھاری بوٹ کی ضرب سے اس کی فلک شگاف چیخ ابھری۔ فون کی اسکرین اس کے ہاتھ میں ہی ٹوٹ گئی۔ خون کی لکیر بہہ نکلی۔ وہ اٹھنا چاہتی تھی۔ مگر سر پر پڑنے والی بوٹ کی دوسری ضرب نے اسکے حواس مزید معطل کر دیئے۔ اس کا لباس، اسکا جسم اس گندی گلے کے کیچڑ سے لتھڑ چکا تھا۔

"پپ۔۔ پلیز میرے ساتھ یوں م۔۔۔ مت کرو۔ میری کیا غلطی ہے؟ میں نے کچھ نہیں کیا۔" وہ رو رہی تھی۔

"تمہاری غلطی؟ بتاؤں تمہاری غلطی کیا ہے؟" وہ پنجوں کے بل اس کے قریب بیٹھا۔ دائیں ہاتھ کی پہلی انگلی اس کے گال پر پھیری۔

"تمہاری غلطی یہ ہے میری جان کہ تمہیں رئیس سے محبت نہیں کرنی چاہیے تھی۔" جیسے ہی اس کی انگلی فلک کی ٹھوڑی تک آئی، ایک زوردار پہ چانٹا اس کے نازک گال پر پڑا۔ وہ سسک اٹھی۔ اس چانٹے کی آواز گلی میں گونج گئی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہاں کوئی انسان نہ رہتا ہو۔ اس کی چیخوں پر، اس کی تکلیفوں پر کوئی باہر نہیں نکلا تھا۔

"مجھے تم پسند تھیں بچپن سے، تمہاری خوبصورتی نے مجھے پاگل کر دیا تھا۔ پھر مجھے پتا چلا تم تو رئیس اورنگزیب کی منگیتر ہو۔" وہ اسی کے قبیلے کا تھا، وہ جامشورو سے تھا وہ اسے جانتا تھا۔ وہ اسے بچپن سے جانتا تھا۔ وہ ایک نفسیاتی لڑکپن سے ہی کلکلالعب لگتا تھا۔

"اور میں نے سوچا کہ کیوں؟ رئیس کی منگیتر کیوں ہو تم؟ اس میں ایسا کیا ہے؟ پھر مجھے پتا چلا رئیس۔۔۔ رئیس۔۔۔ رئیس۔۔۔ وہ تو ہر جگہ تھا۔ وہ تو کسی بادشاہ کی طرح سب فتح کر رہا تھا۔ میرے قبیلہ کا ہو کر وہ مجھ سے بہت آگے تھا کیوں؟ کیسے؟"

اس نے فلک کے ہونٹ سے نکلتے خون کو اپنے انگوٹھے سے صاف کیا وہ اٹھنا چاہتی تھی مگر رجب ہر بار اسے چانٹا مار کر دوبارہ گرا دیتا۔

"پہلے مجھے صرف تمہاری وجہ سے اس سے نفرت تھی اور پھر۔۔۔ پھر اس نے میری بہن کا گھر اجاڑ دیا۔ میری خوش قسمتی کہ اس نے تمہیں چھوڑ دیا اور میری درخواست پر تمہیں میرے نام کر دیا گیا۔ تم میری ہو فلک عالمگیر! میں تمہارے ساتھ جو چاہے کر سکتا ہوں اور میں نے تمہیں اپنے بدلے کے لیے چنا۔۔۔" اس کے انکشافات فلک کو ساکت کر رہے تھے۔

"لیکن۔۔۔ لیکن۔۔۔۔ تمہیں اس سب کا اتنی جلدی پتا نہیں چلنا چاہیے تھا میری جان!"

فلک کی آنکھیں کھلی تھیں، مگر ان میں زندگی کی کوئی رمق دکھائی نہیں دی۔ وہ صرف ایک گوشت کا لوتھڑا تھی، جس میں اذیت کی لہریں دوڑ رہی تھیں۔ اس کے ساتھ جو ہو رہا تھا یہ جہنم جیسا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

"وہ تو نہیں آیا لیکن اب تمہاری ہر کراہ، ہر سسکی، تمہارے خون کا ہر قطرہ، رئیس اور نگزیب کے لیے ایک بد دعا بنے گا۔"

وہ اٹھ کھڑا ہوا اور اب کچھ فاصلے پر کھڑا اپنے فون پر کسی کا نمبر ملا رہا تھا۔ فلک کی جانب اس کی پیٹھ تھی۔ شاید وہ جانتا تھا وہ بھاگ نہیں پائے گی۔

اسی جملے نے فلک کے اندر کوئی ٹوٹی ہوئی چنگاری بھڑکا دی۔ وہ اپنی ساری ہمت جمع کر کے، زمین پر گھسٹتی ہوئی اٹھی۔ ایک زخمی جانور کی طرح جو اپنی آخری سانس تک لڑنا چاہتا تھا۔

اس نے گلی کے دہانے کی طرف بھاگنے کی کوشش کی۔ اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے، وجود کانپ رہا تھا، مگر آنکھوں میں جینے کی ایک آخری، مایوس کن ضد تھی۔ وہ ابھی مرنا نہیں چاہتی تھی۔ اس کے ڈھیروں خواب تھے۔

تب ایک دھاڑ سنائی دی۔

ایک لمحے کے لیے گلی میں روشنی کا جھماکا ہوا اور کان پھاڑ دینے والا دھماکہ ہوا۔

ایک گولی آگ کا گولہ بن کر آئی اور فلک کی پنڈلی کو چیرتی ہوئی گزر گئی۔

یہ درد نہیں تھا، یہ اذیت کی انتہا تھی۔ جیسے کسی نے گرم لوہے کی سلاخ اس کی ہڈیوں کے اندر گھما دی ہو۔ چمڑا، گوشت، اور ہڈی، سب ایک ساتھ چیخ اٹھے۔

وہ زمین پر اس طرح گری جیسے کسی نے کانچ کی گڑیا کو بلندی سے پھینک دیا ہو۔ اس کی چیخ! وہ چیخ نہیں تھی، وہ ایک جانور کی آخری، دلخراش پکار تھی جو آسمان تک کو ہلا سکتی تھی۔ وہ زمین پر پڑی تڑپ رہی تھی، اس کا جسم جھٹکے کھا رہا تھا، اور اس کی ٹانگ سے خون فوارے کی طرح بہہ کر گلی کی غلاظت میں جذب ہو رہا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ، قدم قدم چلتا ہوا اس کے پاس آیا۔ اس کے چلنے کا انداز ایسا تھا جیسے کوئی فاتح بادشاہ اپنی فتح کا نظارہ کر رہا ہو۔

اس نے فلک کو بالوں سے پکڑ کر اس کا چہرہ اوپر اٹھایا۔

فلک کی آنکھوں میں اب خوف نہیں تھا، نہ اذیت تھی۔ ان میں ایک خالی پن تھا، ایک ٹھہراؤ اور مکمل، بھیانک ناامیدی۔

"میں نے تمہیں موقع دیا تھا فلک!" اس کی آواز اب برف کی طرح سرد تھی۔

"میں چاہتا تھا تم زندہ رہو اور اپنی آنکھوں سے رئیس کی بربادی کا ہر منظر دیکھو۔ مگر تم، تم تو خود موت کی آغوش میں جانے کے لیے بے تاب ہو۔"

اس کا ہر لفظ ایک نیا زخم تھا۔

"میں جانتا ہوں تم اسے کبھی نہ بھولتیں وہ تمہاری محبت تھا مگر اب صرف تمہیں رجب رضا یاد رہے گا۔ تمہیں اس سے محبت نہیں کرنی چاہیے تھی فلک! تمہیں اس کا خاندان نہیں ہونا چاہیے تھا۔ بس تمہاری یہی غلطی ہے۔"

یہ اس کی غلطی کیوں تھی؟ اس نے یہ جان بوجھ کر نہیں چنا تھا۔ اس کے گھنگھریالے خوبصورت بال خون سے، کیچڑ سے لتھڑے ہوئے اس کی گردن اور چہرے سے چپکے ہوئے تھے۔

"تم بہت خوبصورت ہو پر افسوس میں اس خوبصورتی کو خراج تحسین پیش نہیں کر سکا۔"

وہ اپنے انگوٹھے کی مدد سے اس کے ہونٹ سہلا رہا تھا۔ فلک کی مڑی ہوئی پلکیں نم تھیں۔ وہ اس کا ہاتھ اپنے جسم سے ہٹانا چاہتی تھی مگر اس کے اپنے ہاتھ اٹھے ہی نہیں۔

زمین پر بہتا اس کا خون گلی کی تاریکی میں ایک سیاہ لکیر بنا رہا تھا، جو کسی المناک داستان کے پہلے باب کی طرح تھی۔

اس کی نیم وا آنکھیں اب آسمان کو تک رہی تھیں۔ شاید وہ پوچھنا چاہ رہی تھیں۔

"کوئی کیوں نہیں آیا؟

کیا میرا وجود اتنا بے معنی تھا؟"

اس کے ہونٹ ہلے، مگر کوئی آواز نہ نکلی۔ پھر، درد اور وحشت کے اس طوفان کے بیچ، ایک مایوس کن سکون اس پر طاری ہونے لگا۔ آوازیں مدھم پڑ گئیں، درد کی لہریں دور ہوتی محسوس ہوئیں اور دنیا ایک نقطے میں سمٹتی گئی۔

اس کے سینے میں ایک آخری، کانپتی ہوئی سانس اٹھی اور وہیں اٹک گئی۔

کچھ دیر گلی کے بند کواڑ کھلنے لگے، پولیس کے سائرن کی آوز سنائی دے رہی تھی اور کچھ فاصلے پر پڑے اس کے فون کی اسکرین جگمگ کر رہی تھی مگر ٹوٹی ہوئی اسکرین پر کسی کا نام واضح نہیں ہوا۔ فون کرنے والا کون تھا یہ پتا نہیں چل پایا۔

✿••✿••✿••✿

فجر کی سسکیوں کا طوفان تھم چکا تھا، مگر اس کے بعد کی خاموشی میں ایک گہرا سکون تھا۔ وہ ولی کے سینے پر سر رکھے، اس کی دھڑکنوں کے ٹھہراؤ میں اپنی بکھری ہوئی ذات کو سمیٹ رہی تھی۔ اس کے آنسوؤں سے بھیگی ولی کی شرٹ ٹھنڈی ہو رہی تھی اور رات کی تازہ ہوا میں اس کے پرفیوم کی ہلکی سی مہک اس کے حواس پر چھا رہی تھی۔ یہ اس کی زندگی کا شاید پہلا لمحہ تھا جب اس کی روح کے چیتھڑوں کو کسی نے نفرت سے نہیں، بلکہ حفاظت سے چھوا تھا۔ وہ حصار، جس میں وہ قید تھی، ایک پناہ گاہ تھا۔ ایک ایسا لمحہ جو صدیوں پر محیط لگ رہا تھا۔

اور پھر وہ آواز ابھری۔

ایک بے وقت، بے لحاظ فون کی گھنٹی نے اس مقدس خاموشی کو کرچی کرچی کر دیا۔

آواز میز پر رکھے ولی کے فون سے آ رہی تھی۔ فجر نے چونک کر سر اٹھایا۔ اس کی سرخ اور سوجی ہوئی آنکھوں میں الجھن تھی۔ ولی نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں بند کیں جیسے اس خلل پر اسے شدید غصہ آیا ہو مگر پھر اس نے نہایت نرمی سے فجر کو خود سے الگ کیا۔

"ایک منٹ۔" اس کی آواز میں وہی ٹھہراؤ تھا۔

اس نے فون اٹھایا۔ اسکرین پر انجانا نمبر دیکھ کر اس کے ماتھے پر شکنیں ابھریں۔ اس نے فون اٹھا کر کان سے لگایا۔

"ہیلو؟"

دوسری طرف سے آتی آواز میں شدید پریشانی اور گھبراہٹ تھی۔

"میں فخر عالمگیر بات کر رہا ہوں، کیا میری فجر سے بات ہو سکتی ہے؟ میں اس کا کزن ہوں۔ وہ میرا فون نہیں اٹھا رہی ہے۔"

ولی کے تاثرات فوراً بدل گئے۔ اس نے فجر کی جانب دیکھا جو سوالیہ نظروں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ اس نے فون فجر کو تھما دیا۔ فجر نے فون پکڑا۔

"ہیلو؟" وہ اب خود پر قابو پا چکی تھی۔

"فجر! فلک کہاں ہے؟ کیا وہ تمہارے ساتھ ہے؟ وہ گھر نہیں پہنچی۔ اس کا فون بھی نہیں لگ رہا۔ کیا تمہیں پتا ہے وہ کہاں ہے؟" فخر کی آواز میں چھپی وحشت فجر کے دل میں اتر گئی۔

"نہیں۔۔۔میری بات نہیں ہوئی۔" ایک عجیب سے احساس نے اسے گھیر لیا۔

"پلیز اس کا پتا کرو! میں ابھی لاہور نہیں ہوں، جامشورو پہنچا ہوں۔ اس نے ہمیں کئی فون کیے لیکن میں اور بشارت بھائی اٹھا نہیں پائے۔ وہ کسی مصیبت میں نہ ہو، مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ وہ رجب۔۔۔رجب سے ملنے گئی تھی۔"

فخر کے آخری الفاظ ایک ہتھوڑے کی طرح فجر کے دماغ پر لگے۔

"میں۔۔۔میں دیکھتی ہوں۔" اس نے لرزتی آواز میں کہا اور ولی کو فون واپس پکڑا کر دیوانہ وار اندر کی جانب بھاگی۔ اس کا اپنا فون اوپر کمرے میں والٹ میں پڑا تھا۔ وہ سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی اپنے کمرے میں پہنچی، والٹ کھولا اور فون نکالا۔ دل دھک دھک کر رہا تھا۔

اسکرین روشن ہوتے ہی اس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں بھینچ لیا ہو۔

فلک کی سات مسڈ کالز تھیں۔

سات بار اس کی دوست اسے پکارتی رہی تھی اور وہ؟ وہ اپنی اذیت میں گم تھی۔ اسے کیسے پتا نہیں چلا؟ اس کے کانوں میں فخر کی آواز گونجنے لگی۔ **"وہ کسی مصیبت میں نہ ہو۔"**

وہ کہاں ہو گی؟ وہ فون کیوں نہیں اٹھا رہی؟ اسے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ بھاگتی ہوئی نیچے آئی جہاں ولی کسی گہری سوچ میں کھڑا اسی کا منتظر تھا۔

"ولی۔۔۔اس کی۔۔۔سات مسڈ کالز ہیں۔" اس کی آواز ٹوٹ رہی تھی۔

ولی نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے فون لے لیا۔ اس کے چہرے پر اب شدید سنجیدگی تھی۔

"فکر نہ کرو، میں دیکھتا ہوں۔"

اس نے فوراً اپنے فون سے مراد کا نمبر ملایا۔ فجر بے چینی سے ٹہل رہی تھی، بار بار فلک کا نمبر ملا رہی تھی۔ اسکا چہرہ بار بار آنکھوں کے سامنے آرہا تھا۔

"مراد! بگ بی کا فون تمہارے پاس ہے؟" ولی کی آواز میں ایک تیزی تھی۔

"ہاں۔۔۔"

"کیا انہیں کسی انجان نمبر سے فون آیا تھا؟ چیک کرو۔"

کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد مراد کی لاپرواہ آواز آئی۔ "ہاں ایک نمبر سے کئی کالز آئی تھیں۔ وہ نمبر بے وقوف مصنفہ کے نام سے سیو ہے مگر میں نے اٹھایا نہیں۔ آج کے دن میں رئیس کا موڈ خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں جانتا ہوں وہ کون ہے۔"

یہ سنتے ہی ولی کا دماغ گھوم گیا۔ اس نے بے ساختہ بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ اس کا دل کسی ان ہونی کے خیال سے بیٹھ گیا۔

"وہ فلک تھی، مراد! وہ شاید کسی مصیبت میں ہے۔ وہ غائب ہے۔ تمہیں فون اٹھانا چاہیے تھا!" اس کی آواز میں غصہ اور پچھتاوا تھا۔

فجر کا دل ڈوبنے لگا۔ وہ کہاں ہو گی؟ وہ گھر کیوں نہیں گئی؟ اس کا ذہن ماؤف ہو رہا تھا۔

"کوئی بات نہیں، ہم ڈھونڈ لیں گے۔" ولی نے اسے تسلی دی، مگر اس کی اپنی آنکھوں میں تشویش کی گہری پرچھائیاں تھیں۔

وہ اب بھی پاگلوں کی طرح فلک کا نمبر ملائے جا رہی تھی۔ ہر بار بیل جاتی اور ہر بجتی رنگ اس کے دل پر چھری کی طرح لگتی۔ وہ دعا کر رہی تھی کہ فلک فون اٹھالے۔ چاہے چیخے، چلائے، مگر بس فون اٹھالے۔

اور پھر بیل کٹ گئی اور فون اٹھالیا گیا۔

فجر کی سانس رک گئی۔ ایک لمحے کی امید اس کے دل میں جاگی۔

"ہیل۔۔۔ ہیلو فلک؟ کہاں ہو تم؟ ٹھیک تو ہو؟" وہ ایک ہی سانس میں بولی۔

مگر دوسری جانب سے جو آواز آئی، وہ فلک کی نہیں تھی۔ وہ ایک اجنبی، سنجیدہ اور بھاری مردانہ آواز تھی۔

"میڈم! یہ فون جن خاتون کا ہے وہ۔۔۔"

آگے جو اطلاع دی گئی، اس نے فجر کو ساکت کر دیا۔ اس کے ہاتھ سے فون پھسلنے ہی والا تھا کہ ولی نے آگے بڑھ کر اسے تھام لیا۔ فجر کی آنکھیں بے یقینی سے پھیلی ہوئی تھیں، چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ جیسے وہ پتھر کی ہو گئی ہو۔

اس کا پورا وجود کانپ رہا تھا۔

ولی نے فون اس کے ہاتھ سے لے کر اپنے کان سے لگایا اور اب وہ خود بات کر رہا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات ہر گزرتے لمحے کے ساتھ سنگین ہوتے جا رہے تھے۔ پیشانی پر گہری لکیریں ابھر آئیں اور جبڑے بھنچ گئے۔

فجر کو پوری دنیا گھومتی ہوئی محسوس ہوئی۔ یوں لگا جیسے کسی نے اس کے پیروں تلے سے زمین نہیں، بلکہ پوری کائنات کھینچ لی ہو۔ اس کی سماعت میں پولیس والے کے الفاظ گونج رہے تھے۔

"ہمیں وہ ملی ہیں۔ ان کی باڈی مسخ شدہ ہے!"

کیاسب ختم ہو گیا تھا؟ فلک کی ہنسی، اس کی باتیں، اس کے خواب۔۔۔ کیاسب ایک گندی، اندھیری گلی میں دم توڑ چکے تھے؟

✿••✿••✿••✿

اسپتال کی سرد، بے رحم راہداریوں میں دوڑتے ہوئے فجر کو لگا جیسے وہ کسی برفانی سرنگ میں بھاگ رہی ہو۔ نو فرینڈ والی لڑکی ایک دوسری لڑکی کے لیے بھاگ رہی تھی۔ ہر طرف جراثیم کُش دوا کی تیز، ناگوار مہک اور موت کی خاموش سرگوشیاں تھیں۔ ایمرجنسی وارڈ کا دروازہ دھکیل کر جب وہ اندر داخل ہوئے تو وقت جیسے تھم گیا۔ ولی فوراً آگے بڑھ کر پولیس انسپکٹر سے بات کرنے لگا، اس کی آواز پر اعتماد اور مضبوط تھی، وہ حالات کو سمجھنے اور سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

مگر فجر۔۔۔ فجر وہیں دہلیز پر جمی کھڑی تھی۔ اس کی نظریں شیشے کی دیوار کے پار اس بستر پر مرکوز تھیں جہاں ایک وجود، اذیت کا ایک مجسمہ بنا پڑا تھا۔

ایک پل کو لگا جیسے روح اس کے جسم سے کھینچ لی گئی ہو۔

وہ فلک نہیں تھی۔ وہ ایک ٹوٹا ہوا، کچلا ہوا جسم تھا جسے مشینوں اور نالیوں کے جال نے جکڑ رکھا تھا۔ اس کا خوبصورت چہرہ سوجن اور گہرے نیلے زخموں سے ناقابلِ شناخت ہو چکا تھا۔ ایک آنکھ سوج کر مکمل طور پر بند تھی اور دوسرے گال پر ایک گہرا خراش تھا جو کسی درندے کے ناخنوں کا نشان لگ رہا تھا۔ اس کے ہونٹ پھٹے ہوئے تھے۔ اس کے گھنگھریالے، ریشمی بال اب بھی جمے ہوئے خون سے لتھڑے ہوئے تھے۔ سر پر بندھی چوڑی پٹی سرخ تھی۔

اس کے جسم پر بچھی چادر بھی اس پر ڈھائے گئے تشدد کو چھپا نہیں پا رہی تھی۔ جس ٹانگ پر گولی لگی تھی وہ بھاری پٹیوں میں جکڑی ایک عجیب زاویے پر رکھی تھی۔ اس کے بازوؤں پر لگے ان گنت نیل ایسے لگ رہے تھے جیسے کسی نے اسے بے رحمی سے پکڑا اور گھسیٹا ہو۔

مگر سب سے خوفناک منظر ان مشینوں کا تھا جو اسے زندہ رکھے ہوئے تھیں۔ وینٹی لیٹر کی ایک نالی اس کے حلق میں اتری ہوئی تھی۔ ہارٹ مانیٹر کی سکرین پر چلتی سبز لکیر اور اس کے ساتھ ابھرتی تیز، بے ترتیب 'بیپ۔۔۔بیپ۔۔۔بیپ' کی آواز اس کمرے کی واحد زندہ علامت تھی۔ ایک ایسی زندگی جو اسکی اپنی نہیں، مشینوں کی محتاج تھی۔ پاس لٹکی خون کی تھیلی سے سرخ مائع قطرہ قطرہ اس کی رگوں میں اتر رہا تھا۔ اس خون کی جگہ لے رہا تھا جو بے دردی سے گلی کی غلاظت میں بہا دیا گیا تھا۔

فجر اب شیشے کی دیوار سے چپکی کھڑی تھی۔ اس کی آنکھیں پلک جھپکنا بھول گئی تھیں۔ اس کے کانوں میں ولی اور پولیس کی آوازیں آ رہی تھیں **(جامشورو اطلاع کر دی گئی ہے۔ گھر والے نکل چکے ہیں۔ حالت تشویشناک ہے۔)** مگر اس کے دماغ تک کوئی لفظ نہیں پہنچ رہا تھا۔ اس کی دنیا اس شیشے کے پار اس ساکت وجود پر آ کر ٹھہر گئی تھی۔

اسے فلک یاد آئی۔ مسکراتی ہوئی۔ نازک، معصوم جو اس کے ساتھ ایک جیسے رنگ کے کپڑے پہننا چاہتی تھی۔

اسے اپنی وہ اذیت، وہ چیتھڑوں میں لپٹی روح یاد آئی۔ مگر وہ تو صرف ایک احساس تھا، ایک نفسیاتی زخم تھا۔ یہ۔۔۔ یہ تو حقیقی تھا۔ یہ گوشت پوست پر لگے زخم تھے، یہ ہڈیوں تک اتری ہوئی اذیت تھی۔

اور پھر، اس کے اندر کچھ ٹوٹا۔

یہ خوف تھا۔ ایک ایسا ٹھنڈا، جان لیوا خوف جو اس نے پہلے بھی محسوس کیا تھا۔ پیرس کی ایک پرانی گلی میں، جب رئیس کو گولی لگی تھی۔ وہ اسے اپنی وجہ سے مرتا ہوا نہیں دیکھ سکتی تھی اور اب۔۔۔ اب اسے لگ رہا تھا جیسے فلک

اسی کی وجہ سے اس حال میں تھی۔ اس کا وہ سیاہ سایہ ایک اور زندگی نگلنے کو تیار تھا۔ یہ سیاہ سایہ اسکا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ دیتا؟ شیشے کی دیوار پر رکھیں اس کی انگلیاں لرز رہی تھیں۔

اسے لوگوں سے نفرت تھی، وہ ان سے دور بھاگتی تھی، مگر آج پہلی بار اسے فلک کو کھونے کا ڈر لگ رہا تھا۔ اسے اس بات سے وحشت ہو رہی تھی کہ اگر مانیٹر کی وہ 'بیپ بیپ' کرتی آواز خاموش ہو گئی تو کیا ہو گا؟ اگر وینٹی لیٹر کا مشینی سانس رک گیا تو کیا ہو گا؟ وہ زندگی سے بھرپور لڑکی یوں نہیں مر سکتی تھی۔

اس نے سات بار فجر کو فون کیا تھا۔ یہ خیال بجلی بن کر اس کے ذہن پر گرا۔ ہر 'بیپ' کی آواز اب اسے ایک مسڈ کال کی یاد دلا رہی تھی۔ ایک پکار جسے اس نے نہیں سنا۔ وہ اپنی اذیت کے خول میں اتنی گم تھی کہ باہر کسی کی چیخیں اس تک پہنچ ہی نہ سکیں۔

"اسے ہوش نہ آیا تو وہ کوما میں جا سکتی ہے۔" ڈاکٹر کی یہ آواز، جو اس نے راہداری میں سنی تھی، اب اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔

کوما۔ ایک زندہ موت!

نہیں! وہ اسے مرا ہوا نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ وہ اس بے جان جسم کو مزید بے جان ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔

ولی پولیس سے بات ختم کر کے اس کے پاس آیا اور نرمی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ فجر یوں کانپی جیسے کسی نے برف کی سل اس کی گردن پر رکھ دی ہو۔ اس نے ولی کی طرف دیکھا اس کی آنکھوں میں اب آنسو نہیں تھے، ان میں ایک گہری بھیانک دہشت تھی۔ ایک ایسی دہشت جو کسی جنگ کے ہارنے پر نہیں بلکہ اپنے کسی عزیز کو موت کے جبڑوں میں دیکھ کر طاری ہوتی ہے۔

اس کے ہونٹ کپکپائے، مگر کوئی لفظ ادا نہیں ہوا۔ وہ بس وہاں کھڑی تھی، اپنی واحد دوست کی اذیت کو دیکھ رہی تھی۔ وہ یہ دعا کر رہی تھی کہ کاش وہ اس کی جگہ ہوتی۔ کاش یہ سارے زخم اس کے جسم پر ہوتے۔ کیونکہ جسم کے زخم شاید بھر بھی جائیں، مگر اپنی غفلت سے کسی اپنے کو موت کے منہ میں دھکیلنے کا یہ زخم، یہ جرم، کبھی نہیں بھرنے والا تھا۔

"وہ مر نہیں سکتی۔ وہ مر نہیں سکتی۔ اسے زندہ رہنا ہو گا۔"

اس نے ولی کا بازو پکڑ لیا۔ وہ اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس سے جواب چاہتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ وہ کہے **"ہاں فلک زندہ رہے گی۔"** مگر ولی نے اس کی گردن کے گرد بازو پھیلا کر اسے قریب کیا۔

"وہ مر نہیں سکتی۔ اسے زندہ رہنا ہو گا۔ وہ مر نہیں سکتی۔"

اس کے لرزتے لب ایک ہی بات دہرا رہے تھے۔ اس کے اندر کا وحشت زدہ وجود چیخ رہا تھا مگر سسکیاں اس کے گلے میں اٹک گئیں۔ کتنے منصوبے بنائے تھے ان دونوں نے۔ ساتھ مل کر کتنا کچھ کرنا چاہتی تھیں۔ وہ اسے ایسے چھوڑ کر نہیں جا سکتی تھی۔ ابھی ابھی تو اس نے خود کو آزاد کیا تھا۔ ابھی ابھی تو وہ اپنی اذیتوں کو دیکھنے کے قابل ہوئی تھی۔ ابھی ابھی تو اسے اپنی چیتھڑوں میں لپٹی روح پر ایک لباس ملا تھا لیکن اگر وہ مر گئی تو اس کی روح ہمیشہ کے لیے چیتھڑوں میں لپٹی رہی جائے گی۔ وہ سیاہ سایہ اس پر ہمیشہ کے لیے قابض ہو جائے گا۔ نہیں اسے نہیں مرنا چاہیے۔ فلک کو زندہ رہنا ہو گا۔

✿••✿••✿••✿

اسپتال کی راہداری، جو کچھ دیر پہلے تک فجر کے خوف اور ولی کی خاموش مضبوطی سے بھری تھی، اب ایک نئے طوفان کی زد میں تھی۔ دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا اور رئیس اندر داخل ہوا۔ اس کے پیچھے عروزہ اور مراد بھی تھے۔ رئیس کی آمد میں کوئی افراتفری نہیں تھی، بلکہ ایک سرد، بھیانک سکوت تھا جو کسی بڑے دھماکے سے پہلے چھا جاتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں نہ کوئی خوف تھا، نہ کوئی ہمدردی، صرف ایک گہری، یخ بستہ حیرت اور ضبط شدہ قہر تھا۔

اس کی نظر سب سے پہلے فجر اور ولی پر پڑی، اور پھر سیدھا اس شیشے کی دیوار پر جہاں فلک زندگی کی بھیک مانگ رہی تھی۔ وہ ایک لفظ کہے بغیر، نپے تلے قدموں سے چلتا ہوا اس شیشے کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔

وہ ساکت تھا۔

یہ وہ لڑکی تھی جس کی آنکھوں میں اس کے لیے ہمیشہ ایک محبت چمکتی تھی۔ جو اس سے بے لوث محبت کرتی تھی۔ جس نے تیرہ سال اس کا انتظار کیا تھا اور پچھلے تین سالوں سے اپنے ٹھکرانے کی اذیت کو ساتھ لے کر جی رہی تھی۔ ایک زندہ دل، قہقہے بکھیرنے والی لڑکی۔ اور آج وہ محبت ہی اس کا کفن بن گئی تھی۔ اسے فلک سے محبت نہیں تھی مگر اس کی عزت اسکے خاندان سے جڑی تھی۔ اسے فلک سے محبت نہیں تھی مگر دونوں کی رگوں میں ایک ہی خون بہتا تھا اور وہ خون بے دردی سے بہایا گیا تھا۔

وہ اس کے نام کی بھینٹ چڑھائی گئی تھی اور یہ توہین، یہ حالت ناقابلِ برداشت تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے فلک کا وجود نہیں تھا بلکہ اپنے نام پر لگا ایک بدنما داغ تھا۔ ایک ایسی شکست تھی جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

"اگر وہ مر جاتی تو؟ اگر وہ مر گئی تو؟"

یہ سوال اس کے دماغ میں گونجا نہیں۔ یہ ایک حقیقت بن کر اس کے وجود پر اترا۔ اگر وہ مر جاتی تو یہ قصہ ایک المناک داستان بن جاتا۔ مگر وہ ابھی زندہ تھی اور اس کی ہر چلتی سانس، مانیٹر کی ہر بیپ، رئیس اور نگزیب کے غرور پر ایک چانٹے کی طرح پڑ رہی تھی۔

ضبط سے اس کے چہرے کے زاویے بگڑ گئے۔ اس کی مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں۔ آخری وقت میں وہ رجب رضا کے ساتھ تھی۔ اس پر عروزہ تحقیق کر رہی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ اپنے ٹیبلٹ کے ساتھ آئی۔ اس نے چہرے پر حیرانی تھی۔

"جازب لغاری، رجب رضا کا بہنوئی تھا۔ اس نے اپنے بدلے کے لیے یہ سب کیا ہے۔"

دیوار پر پڑنے والا رئیس کا مکا زوردار تھا۔ یہ اتنا شدید تھا کہ کھال ادھڑ گئی۔ خون رسنے لگا۔ عروزہ نے سانس روک لی۔ مراد اور ولی اب ڈاکٹر کے پاس کھڑے تھے۔ وہ اس کی حالت کا پوچھ رہے تھے۔ جبکہ فجر ایک جانب بیٹھی تھی۔ اس پرانے سے صوفے پر، اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔

"پتا کرو وہ کہاں ہے۔" یہ اس کا حکم تھا۔

"پولیس بھی ڈھونڈ رہی ہے۔ شاید وہ انڈر گراؤنڈ ہو چکا ہے۔ میں اپنی پوری کوشش کروں گی۔" وہ سنجیدگی سے کہتی چلی گئی۔ اس کی کھال سے رستا خون اب نیچے ٹپک رہا تھا۔

اس نے ایک نظر فجر کو دیکھا پھر وہ چلتا ہوا اس کے قریب پہنچا اور فاصلہ رکھ کر بیٹھ گیا۔

بالکل ویسے ہی جیسے سالوں پہلے وہ خاموشی سے آکر بس سٹاپ پر اس کے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔ فرق یہ تھا آج فجر کی بجائے اس کا ہاتھ زخمی تھا۔

فجر کی نظر اس کے چمچماتے جوتے پر پڑی۔ پھر اس نے سر اٹھایا، رخ موڑ کر اسے کو دیکھا۔ ہیزل آنکھیں میں ٹھنڈک تھی۔ وجود جما کر مار دینے والی ٹھنڈک!

"میں اتنی ملعون کیوں ہوں؟" اس نے دھیرے سے سوال کیا۔ رئیس نے سانس روک کر اسے دیکھا۔ چہرہ سپاٹ تھا البتہ آنکھیں جل رہی تھیں۔

"جو بھی میرے قریب آتا ہے وہ مارا جاتا ہے۔ کیوں؟"

"تمہاری کوئی غلطی نہیں ہے۔" اس نے خود پر قابو پاتے جواب دیا۔

"وہ زندہ رہے گی نا؟" اس نے رئیس کے کوٹ کی آستین انگلیوں سے کھینچی۔ "بتائیں وہ زندہ رہے گی نا؟" وہ رو نہیں رہی تھی۔ اس کا وجود سرد تھا۔ ٹھنڈا اور بے تاثر۔ اس کے اندر تکلیف نے اسے جما دیا تھا۔ وہ ٹھنڈا خوف اسے مزید جما رہا تھا۔ اس کا دل بند ہو رہا تھا۔ رئیس نے اس کی تکلیف محسوس کی اور پھر ایک گہری سانس لے کر خود پر ضبط کیا۔

"آپ تو رئیس اورنگزیب ہیں نا۔ آپ اسے بچا لیں گے۔ پلیز اسے بچا لیں۔ میرے پاس اور کوئی دوست نہیں ہے۔ اگر وہ میری وجہ سے مر گئی تو۔۔۔"

"وہ، وہ زندہ رہے گی۔" اس کی بات کاٹتے ہوئے دھیرے سے اپنی آستین اس سے چھڑا لی۔ فجر نے چند لمحے اسے دیکھا اور پھر گردن جھکا لی۔ وہ مزید کچھ نہیں کہنا چاہتی تھی۔ ولی بات ختم کر کے چلتا ہوا ان کی جانب آیا اور پھر فجر کے دوسری جانب بیٹھ گیا۔

تین کردار صوفے پر بیٹھے تھے، ایک بستر پر پڑی تھی۔

"امید ہے وہ جلد ہوش میں آجائے گیں۔" اس نے اطلاع دی۔

چار کردار ایک چھت تلے جمع ہو چکے تھے۔ اس گھر کی بنیاد جورانیہ والے حادثے کے بعد رکھی جا چکی تھی اب وہ دھیرے دھیرے تعمیر ہو رہا تھا۔ وہ سب اکٹھے ہو رہے تھے انکا گھر بن رہا تھا۔ ایک خوبصورت گھر!

"میں رجب رضا کو ایسی موت دوں گا کہ موت بھی کانپ اٹھے گی۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا اور پھر بڑے بڑے قدم دھرتا باہر نکل گیا۔ پیچھے وہ تین رہ گئے۔

✿••✿••✿••✿

صبح کی دھیمی روشنی میں، راہداری میں ایک کہرام برپا ہو گیا تھا۔

جامشورو سے عالمگیر خاندان پہنچ چکا تھا۔ دروازہ دوبارہ کھلا اور ایک قیامت اندر داخل ہوئی۔ فلک کی ماں کا دل دہلا دینے والا بین پوری راہداری میں گونج اٹھا۔

"میری دھی! میری ایک ہی تو تھی۔ کیا بگاڑا تھا میری گڑیا نے کسی کا؟" وہ شیشے کی دیوار کی طرف لپکنا چاہتی تھیں مگر ان کے دو جوان بیٹوں نے انہیں تھام رکھا تھا۔

فلک کے والد، عالمگیر صاحب! جن کے نام سے جامشورو واقف تھا۔ آج ان کے کندھے جھکے ہوئے تھے۔ وہ ایک مضبوط چٹان کی طرح تھے جو اندر سے کھوکھلی ہو چکی تھی۔ ان کی نظریں بے تاثر تھیں، مگر ان کے اندر کا طوفان ان کی بھنچی ہوئی مٹھیوں سے عیاں تھا۔ وہ اپنی اکلوتی بیٹی کو اس حال میں دیکھ کر پتھرا گئے تھے۔

بھائی مشتعل تھے۔ ان کی آنکھوں میں آنسوؤں سے زیادہ خون اترا ہوا تھا۔

"جس نے بھی یہ کیا ہے اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔" بشارت نے دیوار پر گھونسا مارتے ہوئے دھاڑا۔

نرس انہیں باہر جانے کا کہہ رہی تھیں۔ یہاں بولنا، رونا اور چیخنا، منع تھا۔ فاخرہ اب فلک کی والدہ کو سنبھال رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے۔

فخر کی نظر اچانک باہر نظر آتے رئیس پر پڑی۔ اس کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے زہر بھری نفرت ابھری۔ یہ شخص! اس شخص کی وجہ سے اس کی بہن آج موت اور زندگی کے بیچ جھول رہی تھی۔ اگر وہ اسے نہ ٹھکراتا تو آج یہ سب نہ ہوتا۔

اس نے رخ موڑ لیا۔ وہ اب فلک کو دیکھ رہا تھا۔ ہنستا مسکراتا اس کا وجود اب زندہ لاش لگ رہا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کیا کرے؟ دنیا تہس نہس کرنا چاہتا تھا مگر شروعات خود سے کرتا۔ اس کے ذریعے ہی رجب، فلک تک پہنچا تھا۔ اس کے خلاف مقدمہ درج کر لیا گیا تھا مگر وہ ابھی فرار تھا۔

کچھ دیر بعد وہاں خاموشی تھی۔ فلک کی ماں کی گھٹی گھٹی سسکیاں ابھر رہی تھیں۔ وہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ہوئے تھیں۔

فجر ایک جانب کھڑی تھی۔ یہ فلک کا خاندان تھا۔ اس کی ماں کا خاندان مگر وہ انہیں نہیں جانتی تھی۔ نہ جانتی تھی کہ ان سے کیسے برتاؤ کرے کیسے ملے؟

اور پھر اس بھیانک خاموشی کو موبائل کی بیل نے توڑا۔ یہ فخر کا فون تھا۔ وہ چوڑے کندھوں والا مرد، اپنی بہن کے لیے خاموش آنسوں بہا رہا تھا۔ اس نے موبائل نکالا اور میسج چیک کیا مگر اگلے ہی لمحے ہسپتال کی چھت اس پر آن گری۔ وہ رجب رضا تھا۔

"تمہاری بہن کی اس حالت کا زمہ دار صرف اور صرف رئیس اور نگزیب ہے۔ اگر اس نے اپنا گناہ قبول نہیں کیا تو میں یہاں رکوں گا نہیں۔ میں تمہارے تمہارے خاندان کی ایک ایک عورت کی زندگی عذاب بنادوں گا جیسے اس نے میری بہن کی ہے۔ اسے کہو اپنا جرم قبول کرے۔"

اس کا مکروہ چہرہ ابھرا، زہر بھری آواز گونجی اور بند ہو گئی۔

فخر ساکت رہ گیا۔ وہاں بیٹھے سبھی افراد ساکت تھے۔ عین اسی لمحے دروازہ کھلا رئیس اندر داخل ہوا۔ وہ شاید کوئی خبر دینا چاہتا تھا مگر فخر کی آنکھوں نے چنگاریاں پکڑ لیں۔ وہ جل رہا تھا۔ غصے سے اس کی جانب لپکا۔

"تمہاری وجہ سے، صرف تمہاری وجہ سے گھٹیا انسان! میری بہن اس حالت میں ہے۔" وہ اس کا گریبان پکڑ چکا تھا۔

یہ دیکھتے ہی رئیس کی بھنوین سکڑ گئیں۔ آنکھوں میں خون اتر آیا۔ وہ اس معاملے کو اپنے طور پر دیکھ رہا تھا۔ باہر میڈیا اکٹھا ہو چکا تھا کیونکہ رئیس اور نگزیب کو ایک سٹی ہسپتال میں دیکھ لیا گیا تھا۔ خبریں چھپ رہی تھیں، ہیڈ لائنز بن رہی تھیں۔

"اگر تم اسے نہ ٹھکراتے تو وہ آج اس حال تک نہ پہنچتی۔ تم نے میری بہن کو استعمال کیا۔ تم عفریت ہو عفریت!" وہ چیخ رہا تھا۔

بشارت نے آگے بڑھ کر اس کا گریبان چھڑوانے کی کوشش کی۔ وجاہت عالمگیر وہاں نہیں تھے۔ وہ اپنی بیٹی کو اس حال میں نہیں دیکھ سکتے تھے۔

یہ انکشاف ایک بم کی طرح فجر پر گرا۔ کیا رئیس اور فلک کا ایسا کوئی رشتہ تھا؟

فلک ایک مرد کے انتقام کی بھینٹ چڑھی تھی، اور وہ مرد رئیس اورنگزیب تھا۔ رجب کا اصل ہدف فلک نہیں، رئیس تھا۔ یعنی وہ اس کی وجہ سے اس حالت میں نہیں تھی؟ وہ ساکت کھڑی سب دیکھ رہی تھی۔

جیسے ہی بشارت اس کے ہاتھوں سے رئیس کا گریبان چھڑانے میں کامیاب ہوا وہ اپنا کوٹ جھاڑتے ہوئے، دبی دبی آواز میں دھاڑا۔

"بکواس بند کرو! وہ میری وجہ سے نہیں تم لوگوں کی فرسودہ روایات کی بھینٹ چڑھی ہے۔ تم لوگوں نے اسے قبیلے کے مرد سے باندھا۔ تم نے لوگوں نے اسے پہچان کا حق چھین کر اسے قبیلے کی روایت کی بھینٹ چڑھایا۔ تم سب اپنے گریبانوں میں جھانکو!"

اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا البتہ گردن کی رگیں تن گئی تھیں۔ یہ صرف توہین نہیں تھی، یہ ایک قرض تھا۔ ایک خون کا قرض جو اب واجب ہو چکا تھا۔

فلک کی ماں اب زمین پر بیٹھی رو رہی تھیں۔ رجب کے الفاظ نے انہیں مزید زخمی کر دیا تھا۔ وہ سرد نظر ان پر ڈال کر باہر نکل گیا۔

اس نے اپنا فون نکالا اور مراد کو ایک طرف آنے کا اشارہ کیا۔ اس کی آواز اب کسی برفانی تودے کی طرح سرد اور مہلک تھی۔

"مجھے رجب رضا چاہیے۔" اس نے کہا نہیں، حکم دیا۔ "وہ زمین کے نیچے ہو یا آسمان میں، مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ اسے ڈھونڈو۔ اور یاد رکھنا مراد۔۔۔" اس نے ایک لمحے توقف کیا۔ آنکھوں میں ایک وحشیانہ چمک ابھری۔

"مجھے وہ زندہ چاہیے۔"

یہ آخری جملہ اس راہداری میں گونجتا رہ گیا۔ یہ کسی رحم کی اپیل نہیں تھی۔ یہ ایک بدترین انتقام کا اعلان تھا۔ فلک کی زندگی کی ڈور مشینوں کے سہارے چل رہی تھی اور باہر، اس کی قیمت پر شروع ہونے والی ایک خونی جنگ کا طبل بج چکا تھا۔

✿••✿••✿••✿

شہر کے سب سے مہنگے ہسپتال کی فضا میں ایک مصنوعی جراثیم سے پاک ٹھنڈک تھی۔ پالش شدہ فرش پر روشنیوں کے عکس تیرتے دکھائی دے رہے تھے اور مشینوں کی دھیمی، مسلسل گنگناہٹ خاموشی کو مزید گہرا کر رہی تھی۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں پیسہ، تکلیف پر پردہ ڈال دیتا تھا۔ جیسے ہی فلک کو ہوش آیا اور اس کی حالت خطرے سے باہر نکلی اسے سٹی ہسپتال کی افراتفری سے نکال کر یہاں ایک وسیع پرائیویٹ سوئٹ میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ کمرے کی بڑی کھڑکی سے ڈوبتے سورج کی آخری سنہری کرنیں اندر آ رہی تھیں مگر بستر پر لیٹی فلک کے وجود کی طرح اس کمرے کی روح سرد اور بے رنگ تھی۔

اس نے ہوش میں آنے کے بعد سے ایک لفظ نہیں بولا تھا۔ اس کی آنکھیں کھلی تھیں مگر وہ دیکھ نہیں رہی تھی۔ وہ سن رہی تھی مگر سمجھ نہیں رہی تھی۔ اس کا خاندان، اس کے ماں باپ، اس کے بھائی، سب اس کے گرد موجود تھے مگر وہ ان سب کے درمیان ہوتے ہوئے بھی تنہا تھی۔ ایک زندہ لاش کی طرح جس کی ہر سانس ایک اذیت تھی جبکہ رئیس کل اسے منتقل کرنے کے بعد خود غائب ہو چکا تھا۔ باہر سیکیورٹی کڑی تھی مگر وہ دوبارہ خود نہیں آیا تھا۔

یہ شام کا وقت تھا جب فجر، ولی کے ہمراہ ہسپتال کی راہداری سے گزر کر اس سوئٹ کے دروازے پر پہنچی۔ وہ باہر ہی رک گیا۔ اسے ڈاکٹرز سے ملنا تھا جبکہ فجر اندر داخل ہوئی۔

اس نے ہلکے بھورے رنگ کا سادہ سا سوٹ پہن رکھا تھا۔ سیاہ دوپٹہ سلیقے سے شانوں پر ٹکا تھا اور بالوں کو ایک ڈھیلے سے جوڑے میں قید کر رکھا تھا۔ آنکھوں پر لگا چشمہ اتار کر اس نے بالوں میں اڑس لیا۔ چہرے پر تھکن کے ساتھ ایک مضبوط ارادے کے آثار تھے۔ صبح وہ اپنی ماں کو یہیں چھوڑ گئی تھی تاکہ وہ برسوں بعد اپنے بچھڑے ہوئے خاندان سے مل سکیں۔ دن بھر آنسوؤں اور معافی تلافی کا سلسلہ چلا تھا۔ وجاہت عالمگیر نے آج جب اپنی بیٹی کو تکلیف میں دیکھا، اس کی تکلیف محسوس کی تو اپنے ماں باپ کا خیال آیا جو اپنی بیٹی سے ملے بنا ہی مر گئے تھے۔ ان کی تکلیف محسوس ہوئی۔ آخر انہوں نے اتنا وقت کیوں لگا دیا تھا؟

جیسے ہی فجر اندر داخل ہوئی صوفے پر بیٹھی نگین بیگم، جو اپنی بیٹی کی خاموشی پر اندر ہی اندر گھل رہی تھیں، نے اسے دیکھا اور ان کی آنکھیں نفرت سے پھیل گئیں۔ پہلے وہ اپنے دکھ اور صدمے میں اسے ٹھیک سے دیکھ نہیں پائی تھیں مگر اب اپنے سامنے کھڑی اس سپاٹ چہرے والی لڑکی کو دیکھ کر ان کے اندر کا سارا زہر ابل پڑا۔ یہ چہرہ ان کے نزدیک، تباہی کی علامت تھا۔ یہ چہرہ ملعون تھا۔ اس چہرے نے کیا کچھ نہیں کیا تھا۔ وہ شاید اپنے حواسوں میں نہیں تھیں۔ اسے منار سمجھ رہی تھیں۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" ان کی آواز میں سندھی لہجے کی تلخی نمایاں تھی۔ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

فجر اپنی جگہ پر ٹھہر گئی۔ اس نے رخ موڑ کر ایک نظر بستر پر لیٹی فلک پر ڈالی جس کی خالی آنکھیں چھت کو گھور رہی تھیں۔ گلاس وال سے اس کا وجود زیادہ واضح نہ ہوا۔

"مجھے فلک سے ملنا ہے۔" اس کی آواز پرسکون مگر اٹل تھی۔ اس نے ہسپتال میں کافی وقت گزارا تھا مگر پہلی بار فلک کے سامنے جانے کی ہمت کر رہی تھی۔ جب سے اسے ہوش آیا تھا اس سے اس کا سامنا کرنے کی ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی۔

"میری بیٹی سے دور رہو!" وہ جیسے پھنکاریں۔

"تم ملعون ہو! تم یہاں کیوں آئی ہو میری بیٹی کی بچی کھچی زندگی بھی برباد کرنے؟" وہ کسی زخمی شیرنی کی طرح فجر پر چڑھ دوڑیں، ان کا ارادہ اسے دھکے دے کر باہر نکالنے کا تھا۔

اسی شور پر بستر پر لیٹی فلک نے آہستہ سے آنکھیں کھولیں۔ وہ خالی اور ویران تھیں۔ اس نے گردن موڑ کر دروازے کی طرف دیکھا۔ اس کی ماں فجر کو وہاں سے نکالنا چاہتی تھی جبکہ فجر اپنی جگہ پر جمی ہوئی تھی۔

"میں فلک سے ملے بغیر نہیں جاؤں گی۔"

سوئٹ دو کمروں اور ایک لاؤنج پر مشتمل تھا۔ یہاں شور شرابے کی اجازت نہیں تھی مگر نگین بیگم کا دکھ ان ضابطوں سے ماورا تھا۔

"میں تمہیں اپنی بیٹی کے قریب بھی نہیں پھٹکنے دوں گی۔"

انہوں نے اپنی نند یعنی ترنم بیگم کی طرف گھور کر دیکھا۔ واضح اشارہ تھا کہ وہ اپنی بیٹی کو یہاں سے لے جائے۔ اماں نے ایک نظر اپنی جگہ پر پتھر بنی فجر کو دیکھا اور ان کے چہرے پر اذیت کی لہر دوڑ گئی۔

"فجر۔۔۔" خود پر قابو پاتے ہوئے اس کا نام لیا۔ آواز میں التجا تھی۔

"میں کہیں نہیں جا رہی اماں!" اس نے ماں کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ "میں فلک سے ملے بغیر یہاں سے نہیں جاؤں گی۔" لہجہ ذرا بھی نہیں لڑکھڑایا۔ اچھا ہی تھا کہ وہ ان رشتوں سے محروم تھی۔ وہ سامنے آئے بھی تو کس انداز میں؟ وہ واقعی ہر جگہ ملعون ہی ٹھہرائی گئی تھی۔

اماں اپنی جگہ سے اٹھیں۔ ان کے چہرے پر اپنی بھابھی کے سامنے شرمندگی اور اپنی بیٹی پر بے بسی کا غصہ تھا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر فجر کا بازو مضبوطی سے پکڑا اور اسے کھینچنے کی کوشش کی۔

"چلی جاؤ یہاں سے! سنتی نہیں ہو تم؟"

"ہرگز نہیں!" فجر نے اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کی۔ "میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔ میں کیوں جاؤں؟" اس کا لہجہ اب بھی سرد اور سپاٹ تھا۔

تبھی اماں نے اسے کھینچ کر اس کا رخ پوری طرح اپنی جانب موڑا۔ عین اسی لمحے سوئٹ کا دروازہ کھلا اور ولی اندر داخل ہوا۔ وہ باہر ڈاکٹر سے فلک کی تازہ ترین رپورٹس ڈسکس کر رہا تھا اور اندر سے آتی آوازیں سن کر ہی آیا تھا۔

اماں کا غصہ اس کی ہٹ دھرمی پہ اپنے عروج پر تھا۔ مگر وہ کیوں جاتی آخر؟

"فجر جاؤ یہاں سے! تم فلک سے نہیں مل سکتیں۔ نگین ٹھیک کہہ رہی ہے۔" یہ اس کی ماں کے الفاظ تھے۔ جو اپنی بھابھی کے الزامات پر مہر لگا رہے تھے۔ وہ دنیا کے سامنے تسلیم کر رہی تھیں کہ ان کی بیٹی منحوس تھی۔ ساری دنیا کو انہوں نے ہی تو بتایا تھا۔

"میں نہیں جا رہی۔" اپنے موقف سے ہٹ جانا فجر نے سیکھا ہی نہیں تھا۔ چہرہ سپاٹ تھا۔ جیسے اسے ان کے الفاظ سے کوئی فرق ہی نہ پڑتا ہو۔

عین اسی لمحے اماں کا ہاتھ میں بلند ہوا۔ اس سے پہلے کہ وہ تھپڑ فجر کے بے تاثر چہرے پر پڑتا، ولی ایک جھٹکے سے آگے بڑھا اور فجر کو کھینچ کر اپنے پیچھے کر لیا۔ اماں کا ہاتھ پوری قوت سے اس کے سینے پر پڑا۔

"پیچھے ہٹ جاؤ لڑکے!" اماں نے اسے خونخوار نظروں سے گھورا۔

ولی نے فجر کو اپنے پیچھے کیا مگر ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹایا۔ اس کی آواز دھیمی تھی مگر اس میں ایسی سختی تھی کہ کمرے میں موجود ہر شخص ٹھٹھک گیا۔

"میں پیچھے ہٹ جاؤں گا مگر آپ کو کس نے اجازت دی کہ آپ میری بیوی پر ہاتھ اٹھائیں؟"

اس کے الفاظ برف کی طرح ٹھنڈے تھے۔ فخر، جو ابھی ابھی اندر داخل ہوا تھا، اپنی جگہ پر جم گیا۔ نگین بیگم کے ہونٹ کھلے کے کھلے رہ گئے اور اماں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"یہ میری بیٹی ہے۔ تم پیچھے ہٹ جاؤ!" اماں تڑخ کر بولیں۔ انکا چہرہ جلال سے لال ہو چکا تھا۔

"یقیناً آپ کی بیٹی ہے۔" ولی نے پر سکون مگر سرد لہجے میں جواب دیا۔

"مگر اب یہ میری بیوی ہے۔ اس کے حقوق و فرائض میرے ذمے ہیں۔ اب میں اس کا ولی ہوں۔" اس نے نگین بیگم اور فخر کی طرف دیکھا۔ "اسے ہاتھ لگانے کا یا مارنے کا حق آپ کو کس نے دیا؟"

وہ دوبارہ اماں کی طرف متوجہ ہوا۔ "میں نے آپ کو یہ حق نہیں دیا تو آپ کس کی اجازت سے اس پر ہاتھ اٹھا رہی ہیں؟"

اس کے آخری جملے نے کمرے میں ایک بھیانک، گہرا سکوت طاری کر دیا۔ یہ الفاظ نہیں تھے، ایک اعلان تھا۔ ایک ڈھال تھی جو فجر کے گرد تن گئی تھی۔ اماں کا اٹھا ہوا ہاتھ بے جان ہو کر نیچے گر گیا۔ نگین بیگم کی زہر اگلتی زبان گنگ ہو گئی۔ فخر حیرت سے کبھی ولی کو دیکھ رہا تھا اور کبھی فجر کے سپاٹ چہرے کو۔ وہ افق اور نگزیب کا بیٹا تھا یہ سرپرائز کیا کم تھا جو وہ اب فجر کا شوہر بھی نکل آیا تھا؟

"میں آپ سب کی عزت کرتا ہوں لیکن دوبارہ کسی نے انہیں جھٹکا، دھکا دیا یا ملعون کہا تو مجھ سے لحاظ کی امید مت رکھیے گا کیونکہ میں کوئی مشرقی مرد نہیں ہوں!" اس نے ایک جتاتی نظر نگین بیگم پر ڈالی اور پھر فخر کو دیکھا تاکہ وہ اپنی ماں کو سمجھا سکے۔ یہ اعلان تھا۔

اور بستر پر لیٹی فلک کی خالی آنکھوں میں، کئی دنوں بعد، زندگی کی ایک ہلکی سی رمق ابھری۔ اس نے اپنی گردن پوری طرح موڑی اور گلاس وال کے پار اس منظر کو دیکھا جہاں ایک مرد اس لڑکی کے لیے کھڑا تھا جسے پوری دنیا ملعون کہہ رہی تھی۔ اس سے پہلے کوئی کچھ کہتا۔ ولی کے الفاظ پر چھائے گہرے سکوت کو ایک ہلکی سی، کانپتی ہوئی آواز نے توڑا۔ یہ آواز بستر پر لیٹی فلک کی تھی۔

"اماں۔۔"

یہ ایک لفظ نہیں تھا ایک کراہ تھی جو بمشکل اس کے پھٹے، خشک ہونٹوں سے باہر نکلی تھی۔ مگر اس بھیانک خاموشی میں یہ ایک دھماکے کی طرح گونجی۔ سب کی توجہ کا مرکز ایک لمحے میں بدل گیا۔ نگین بیگم جو ولی کے سامنے ساکت کھڑی تھیں، پلٹ کر اپنی بیٹی کی طرف بھاگیں۔ فجر نے کھلے دروازے اور شیشے کی دیوار کے پار دیکھا۔ فلک ٹوٹے ہوئے وجود کے ساتھ اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی اور اس کی ماں اس کے چہرے کو، اس کی پیشانی کو بے طرح چوم رہی تھیں جیسے ان بوسوں سے اس کی روح پر لگے زخم بھر جائیں گے۔

فجر پتھرائی ہوئی نظروں سے یہ منظر دیکھتی رہی۔ نگین بیگم کے ہاتھوں میں اب فلک کے ہاتھ تھے جن پر نیلے اور پیلے نشان ابھرے ہوئے تھے۔ اس کی دو انگلیاں ٹوٹی ہوئی تھیں۔

فخر کی مدد سے اسے سہارا دے کر بٹھایا گیا۔ فلک کے لب بھنچے ہوئے تھے۔ اس کے چہرے پر درد کی اتنی تہیں تھیں کہ گننا ناممکن تھا۔ یہ صرف جسمانی درد نہیں تھا، یہ اس کرب کا اظہار تھا جو اس کی روح کو چیتھڑوں میں بدل چکا تھا۔

اس نے دھیرے سے مگر ایک حتمی انداز میں اپنی ماں کے ہاتھوں سے اپنے ہاتھ چھڑا لیے۔ یہ ایک چھوٹی سی حرکت تھی مگر اس میں ایک عمر کا انکار چھپا تھا۔

فخر کچھ کہہ رہا تھا، تسلیاں دے رہا تھا مگر وہ نہیں سن رہی تھی۔ اماں وہیں دروازے کے پاس جمی کھڑی تھی۔ فجر ابھی تک اپنی جگہ ساکت تھی اور ولی سنجیدہ کھڑا تھا۔

اور پھر فلک کی آواز ابھری۔ اس کی آواز ٹوٹی ہوئی تھی۔ ہر لفظ کے ساتھ اس کے گلے میں جیسے کانچ کی کرچیاں چبھ رہی تھیں مگر اس میں ایک ایسی کاٹ تھی جس نے سب کو چھلنی کر دیا۔

"مم۔۔ میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟"

اس نے خالی نظروں سے سامنے بیٹھی اپنی ماں کو دیکھا جو اس کے پیڈ کی پائنتی پر ٹکی ہوئی تھیں۔

"میں نے۔۔ میں نے تو کبھی کسی کا برا نہیں کیا۔" ایک آنسو اس کی آنکھ سے ٹوٹ کر گال کی خراش پر گرا اور وہ تکلیف سے سسک اٹھی۔ اس نے نظریں گلاس وال کے پار کھڑی فجر پر جمائیں۔

"آپ۔۔۔ آپ فجر کو باہر نکال رہی ہیں کہ وہ ملعون ہے۔ اسے دھکے ملنے چاہئیں۔۔" سانس لینے میں مشکل پیش آ رہی تھی۔ "لیکن اماں۔۔ میں۔۔۔ میں تو ملعون نہیں ہوں۔ میں نے تو آپ سب کی ہر بات مانی ہے۔ پھر میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟"

اس کے چہرے کی خراشیں، پھٹے ہونٹ، اور ویران آنکھوں کے پیچھے ایک چیتھڑوں میں لپٹی روح تھی جو وہاں موجود ہر شخص سے سوال کر رہی تھی۔

"میں نہ باغی ہوں نہ ہی مضبوط! میں نے کبھی کسی سے اونچی آواز میں بات تک نہیں کی۔ میں نے کبھی کسی کا برا نہیں چاہا، کسی کو تکلیف نہیں دی تھی۔ پھر میرے ساتھ۔۔ میرے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوا؟"

اس کے سوال جائز تھے مگر جواب کس کے پاس تھا؟

اپنی جگہ جمی فجر کے اندر شیشے کا بنا کوئی محل دھڑام سے زمین بوس ہو گیا تھا۔ وہ یونہی کھڑی اسے دیکھتی رہی۔

پھول اگانے والی لڑکی، کہانیاں لکھنے والی لڑکی، جس نے اپنی پوری زندگی اطاعت کی مقدس چادر اوڑھ کر گزاری تھی۔ جس نے کبھی انجانے میں بھی کسی چیونٹی کو نہ مسلا تھا، اس کے حصے میں اتنی اذیت کیوں آئی تھی؟

"چپ کر جا میری دھی! اتنا نہ بول، تکلیف ہو گی۔ لیٹ جا میری دھی!" نگین بیگم اسے چپ کروانا چاہتی تھیں، اس کے سوالوں کے نیچے دبنے کے خوف سے اسے اپنی بانہوں میں بھرنا چاہتی تھیں۔

مگر فلک آج چپ نہیں رہ سکتی تھی۔

"کیوں چپ کر جاؤں، اماں؟ کیوں؟" اس کی آواز اب ایک درد بھری چیخ میں بدلنے لگی۔ وجود کپکپانے لگا۔

"مم۔۔یں نے کبھی کسی کو انکار نہیں کیا۔ زبان ہوتے ہوئے بے زبان گڑیا بنی رہی۔ کبھی سر اٹھا کر بات نہیں کی۔ ہم۔۔ ہمیشہ بڑوں کے فیصلوں پر سر جھکایا۔ آپ لوگوں نے مجھے جس کھونٹے سے باندھا، میں چپ چاپ بندھ گئی۔ میں نے انکار نہیں کیا تھا رج۔۔ رجب سے شادی کرنے پر بھی نہیں۔ صرف اس لیے کہ آپ سب خوش ہو جائیں کہ خاندان جڑا رہے، قبیلے کا سر اٹھا رہے۔"

اس کی نظریں اب فخر اور اپنی ماں کے درمیان بھٹک رہی تھیں۔

"اگر فجر باغی ہے اگر وہ آپ کے بنائے ہوئے اصولوں پر نہیں چلتی، اگر وہ خاندان کا حصہ بننے کے قابل نہیں، مگر میں تو تھی! مم۔۔ میں تو آپ سب کے لیے ایک مثالی بیٹی تھی۔ میں باغی نہیں ہوں۔ پھر میری فرمانبرداری کا یہ صلہ کیوں ملا؟ کیوں؟"

وہ چیخنا چاہتی تھی، مگر گلے نے جواب دے دیا۔ جسم درد سے ٹوٹ رہا تھا۔ وہ اپنی پوری قوت صرف کر کے بول رہی تھی۔ اس کے وجود کا ذرہ ذرہ تڑپ رہا تھا۔

فخر نے آگے بڑھ کر اس کا کندھا تھپتھپایا، "بس کر دو فلک! پلیز۔"

"نہیں! مجھے جواب چاہیے۔ کیا ایک مم۔۔ مشرقی لڑکی ہونے کی سزا یہی ہے کہ وہ اپنے خوابوں کی قبر پر چپ چاپ آنسو بہاتی رہے؟ اپنی ہر خواہش کو مار کر دوسروں کی خوشی میں مسکرانے کا ناٹک کرے؟ مم۔۔ یں نے سب کیا تو پھر میرے وجود کو اس گندی گلی کی غلاظت میں کیوں روندا گیا؟ مم۔۔ میری روح کو تار تار کیوں کیا گیا؟ میری کیا غلطی تھی؟ رئیس اورنگزیب سے رشتہ یا آپ لوگوں کی فرسودہ روایات پر سر جھکانا؟ بتائیں مجھے۔ میری غلطی کیا تھی؟"

اس کی چیخ ایک گھٹی ہوئی سسکی میں بدل کر جب دم توڑ گئی تو کمرے میں ایک ناقابلِ بیان، بھاری خاموشی چھا گئی۔ وہ تکیے پر ایک بے جان گڑیا کی طرح گر گئی، اس کا جسم اب بھی ہلکے ہلکے جھٹکے کھا رہا تھا۔ نگین بیگم اپنی جگہ بت بنی بیٹھی تھیں ان کے پاس نہ تسلی کے الفاظ تھے، نہ آنسو۔ فخر کا چہرہ درد اور بے بسی سے سرخ پڑ رہا تھا۔

دروازے کے باہر، فجر کے مضبوط قدم اب اس کا بوجھ نہیں اٹھا سکے۔ فلک کا ہر لفظ، اس کی ہر سسکی، اس کے اندر کی دیواروں کو مسمار کر رہی تھی۔ وہ آہستہ سے دیوار کا سہارا لیتی ہوئی اپنے پیروں پر بیٹھ گئی۔ گھٹنے، سینے سے لگے ہوئے تھے۔

اس کی آنکھیں شیشے کی دیوار کے پار فلک پر جمی تھیں جسے وہ آج پہلی بار صحیح معنوں میں دیکھ رہی تھی۔ وہ لڑکی جسے وہ ہمیشہ ایک خوش قسمت، لاڈلی اور محفوظ شہزادی سمجھتی تھی، آج اس کائنات کی سب سے تنہا اور ٹوٹی ہوئی مخلوق لگ رہی تھی۔

کچھ لمحوں بعد، فلک نے دوبارہ سر اٹھایا۔ اس کی آواز اب پہلے سے بھی زیادہ کمزور اور ٹوٹی ہوئی تھی جیسے کسی نے شیشے کے برتن کو جوڑنے کی کوشش کی ہو اور وہ دوبارہ بکھر جائے۔

"یاد ہے اماں؟" اس نے خالی نظروں سے اپنی ماں کو دیکھا۔

"جب میں نے سکول میں ڈرامے میں حصہ لینا چاہا تھا؟ آپ نے کہا تھا کہ اس خاندان کی بیٹیاں یہ سب تماشا نہیں کرتیں، میں نے وہ فارم پھاڑ دیا تھا۔"

ایک تلخ مسکراہٹ اس کے پھٹے ہونٹوں پر ابھری۔

"مجھے رنگوں سے بھی محبت تھی۔ میں کینوس پر ایک دنیا بسانا چاہتی تھی۔ بابا سائیں نے کہا یہ سب فارغ لوگوں کے چونچلے ہیں، گھر سنبھالنا سیکھو۔ میں نے اپنے سارے رنگ، اپنے سارے برش ایک صندوق میں بند کر کے سٹور روم میں پھینک دیے تھے۔"

وہ اب رو نہیں رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک بھیانک ٹھہراؤ تھا۔

"میں نے اپنی ہر چھوٹی بڑی خواہش کا گلا صرف اس لیے گھونٹا کہ آپ سب کو مجھ پر فخر ہو کہ آپ کہہ سکیں، ہماری بیٹی بہت فرمانبردار ہے۔ وہ پرفیکٹ ہے۔" اس نے ایک گہری، تکلیف دہ سانس لی۔ "میری فرمانبرداری میری نزاکت نے مجھے کیا دیا؟ ایک گندی، تاریک گلی اور ایک درندہ جس نے میرے وجود کی، میری روح کی ہر حرمت کو اپنے پیروں تلے روند ڈالا۔"

وہ سانس ہموار کرنے کو رکی۔ جسم کے ساتھ ساتھ روح بھی لرز رہی تھی۔

"تین مرد میری حفاظت کے لیے ہیں مگر کسی نے یہ نہیں سکھایا کہ جب کوئی مرد نہیں ہو گا تو میں خود کی حفاظت کیسے کروں گی؟" وہ اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔ زخموں سے چور ہاتھ اور ٹوٹی انگلیاں۔ کاش اسے یہ ہاتھ اٹھانے آتے تو وہ فجر کی طرح اپنا دفاع کر سکتی۔

"عورت کو زبان بند رکھیں چاہیے، عورت کے ہاتھوں میں چوڑیاں اچھی لگتی ہیں۔ مجھے یہی سکھایا گیا۔ یہ کیوں نہیں سکھایا کہ جب کوئی درندہ میری کلائیوں کو توڑنے آئے گا تو اس سے خود کو کیسے بچاؤں گی؟ مجھے اپنی حفاظت کے لیے ہاتھ اٹھانا کیوں نہیں سکھایا گیا؟ کیا میرا یہ قصور ہے کہ میں ایک اچھی لڑکی ہوں جو زبان اور ہاتھ باندھ کر رکھتی ہے؟ میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا اماں؟"

اس کے سوالوں کا جواب دینے والا کوئی بھی نہیں تھا۔

"سب کہتے ہیں فف۔۔ فجر باغی ہے۔ وہ اصول توڑتی ہے، سوال اٹھاتی ہے۔ مگر میں نے تو کچھ نہیں توڑا۔ میں نے تو زندگی کی ہر زنجیر چپ چاپ پہن لی۔ پھر بھی میری روح کو کیوں نوچا گیا؟"

اس نے سر گھما کر فجر کی طرف دیکھا۔

"وہ ملعون ہے یا میں جو سب کے لیے چپ چاپ قربان ہوتی آئی؟

میں نے کیا کیا تھا، اماں؟ بس اتنا کہ رئیس اور نگزیب کو دل سے قبول کیا؟ اس سے منسوب رہی؟ یا آپ سب کے فیصلوں کو اپنا نصیب مانا؟"

اس کی آواز اب گھٹ رہی تھی مگر الفاظ جلتے انگارے بن چکے تھے۔

"بتائیں نا اماں؟ کیا صرف عورت ہونے کی سزا ہے یہ کہ وہ زبان رکھتے ہوئے بھی چپ رہے؟ اپنی ذات کو، اپنے خوابوں کو مرد کے قدموں میں رکھ دے؟ اور جب اس کا جسم تار تار کر دیا جائے تو صرف یہ سننے کو ملے کہ چپ ہو جاؤ تکلیف ہو گی!"

اس نے اب فجر سے نظریں ہٹا لیں۔

"آخر کب تک لڑکیاں انتقام کی، غیرت کی بھینٹ چڑھتی رہیں گی؟ کب تک ان کے لہو سے گلیاں رنگین ہوتی رہیں گی؟ کیا ان کی چیخیں یونہی بے آواز رہیں گی؟"

باہر کھڑے ولی کا دل کسی نے مٹھی میں بھینچ دیا۔ فلک کی حالت ویسی ہی تھی جیسی نساء کی تھی جب وہ اسے ہسپتال لے کر گیا تھا۔ آخر لڑکیوں کو کب تک یہ سہنا پڑے گا؟ ملک کوئی بھی ہو، معاشرہ کوئی بھی ہو، مرد ایک جیسے کیوں ہوتے ہیں؟

"میری کیا خطا تھی، اماں؟ یہ کہ میں نے کبھی انکار نہیں کیا؟

یا یہ کہ میں نے ایک دن بھی اپنی مرضی نہیں جانی؟ مجھے انکار کرنا اور پھر اس پر قائم رہنا کیوں نہیں سکھایا گیا؟"

کمرہ ساکت تھا۔

نگین بیگم کے آنسو تھم گئے تھے۔ اماں کی جان جیسے ہوا میں معلق تھی۔ فخر کا سینہ بھاری ہو چکا تھا۔

اور فجر۔۔۔

وہ یونہی بیٹھی تھی۔

وہ بغاوت کی قیمت چکا رہی تھی۔

اور فلک فرمانبرداری کی۔

دو عورتیں، دو تقدیریں،

اور درمیان میں ایک ایسا سماج جو یا تو چپ کرواتا تھا یا الزام دیتا تھا۔

فلک نے اب کمرے میں موجود ہر شخص کو باری باری دیکھا اور پھر اس کی نظریں دروازے کے باہر فرش پر بیٹھی فجر پر دوبارہ آ کر ٹھہر گئیں۔ ان کی آنکھیں ملیں اور اس ایک لمحے میں صدیوں کا درد اور تفہیم کا تبادلہ ہو گیا۔

پھر اس نے اپنا فیصلہ سنایا۔

"سب یہاں سے چلے جائیں۔"

یہ ایک سرگوشی تھی مگر اس میں حکم کی سختی تھی۔ نگین بیگم نے چونک کر اسے دیکھا۔

"فلک۔۔۔ میری بچی۔۔۔"

"چلے جائیں یہاں سے پلیز!" اس کی آواز میں پہلی بار ایک ناقابلِ انکار اختیار تھا۔ اس نے اپنا کانپتا ہوا ہاتھ اٹھا کر دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"مجھے ابھی آپ میں سے کوئی نہیں چاہیے۔نہ کسی کی ہمدردی،نہ کسی کے آنسو!"

اس کی نظریں دوبارہ فجر پر مرکوز ہوئیں۔

"میں صرف فجر کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔"

یہ جملہ ایک بم کی طرح گرا تھا۔نگین بیگم کے چہرے پر ناقابلِ یقین تکلیف ابھری۔جس بیٹی کے لیے وہ رو رہی تھیں وہ انتخاب کر رہی تھی اس لڑکی کا جسے وہ خود ملعون قرار دے چکی تھیں۔

فخر نے اپنی بہن کی حالت کو سمجھا۔اس کی آنکھوں میں گہری تکلیف تھی مگر وہ جانتا تھا کہ اس وقت بحث کرنا بیکار تھا۔اسے وقت چاہیے تھا۔وہ اسے وقت دینا چاہتا تھا۔باہر سوئٹ کے دروازے پر کھڑے،بشارت اور وجاہت عالمگیر اپنی اپنی جگہ پر ساکت تھے۔وہ فلک کی ساری باتیں سن چکے تھے مگر زبان تالو سے جا چپکی تھی۔

فخر نے آگے بڑھ کر اپنی ماں کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

"اماں چلیں۔اسے ابھی آرام کی ضرورت ہے۔"

"پر یہ۔۔یہ اس لڑکی کے ساتھ۔۔۔"

"اماں خدا کا واسطہ ہے اب تو ضد چھوڑ دیں۔"فخر کے لہجے کی التجا سن کر وہ خاموش ہو گئیں۔اس نے اپنی ماں کو سہارا دیا اور انہیں باہر لے جانے لگا۔

اماں جو اب تک دروازے پر ساکت کھڑی تھیں آگے بڑھیں۔ان کے چہرے پر گہرا دکھ تھا۔انہوں نے فلک کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

ولی نے فخر کو آنکھوں سے ایک اشارہ کیا۔ فخر سمجھ گیا اور اپنی ماں اور پھوپھی کو لے کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ بشارت بھائی اور وجاہت عالمگیر پہلے ہی نکل چکے تھے۔ ولی نے ایک آخری نظر فجر پر ڈالی جو اب بھی فرش پر بیٹھی تھی۔ اس وقت ان دونوں کو اکیلے چھوڑ دینا ہی بہتر تھا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ اس کے سر کو ہولے سے سہلاتے، خاموشی سے دروازہ بند کر کے باہر نکل گیا۔

دروازہ بند ہونے کی ہلکی سی کلک کی آواز نے جیسے ایک دنیا کو دوسری سے جدا کر دیا۔

اب اس پر تعیش، سرد سوئٹ میں صرف دو لڑکیاں تھیں۔ ایک بستر پر، دوسری فرش پر۔ ایک وہ، جس نے اطاعت کی قیمت اپنے وجود سے چکائی تھی اور دوسری وہ، جس نے بغاوت کی قیمت اپنی روح کی تنہائی سے۔ درحقیقت دونوں کی روحیں چیتھڑوں میں لپٹی تھیں۔

✿••✿••✿••✿

فجر کھڑکی کے سامنے رکھے صوفے پر بالکل ویسے ہی بیٹھی تھی جیسے کچھ دیر پہلے فرش پر تھی۔ اس کا چشمہ میز پر پڑا تھا۔ گھٹنے، سینے سے لگے ہوئے تھے اور اس نے اپنے گرد اپنی بانہیں کسی حفاظتی حصار کی طرح پھیلا رکھی تھیں۔ ٹھوڑی گھٹنوں پر ٹکی تھی۔ اس کی نظریں کھڑکی سے باہر پھیلی رات کی سیاہی میں کھوئی ہوئی تھیں جہاں شہر کی روشنیاں مدھم ستاروں کی طرح ٹمٹما رہی تھیں۔

کمرے میں مشینوں کی دھیمی گنگناہٹ کے سوا مکمل خاموشی تھی۔ یہ ایک بھاری، بوجھل خاموشی تھی جو الفاظ سے زیادہ معنی خیز تھی۔ کتنی ہی دیر گزر گئی۔ پھر فلک کی ٹوٹی ہوئی آواز نے اس سکوت کو توڑا۔

"تم نے یہ سب کیسے سیکھا فجر؟" اس کی آواز اب سرگوشی سے زیادہ بلند نہ تھی مگر اس میں ایک ایسی پیاس تھی جو صدیوں پر محیط لگتی تھی۔ "تم نے اپنا دفاع کرنا کیسے سیکھا؟"

فجر نے اپنی پوزیشن تبدیل نہیں کی، نہ ہی اس کی طرف دیکھا۔ اس کا جواب ہوا میں تحلیل ہوتا محسوس ہوا۔

"جب انسان یہ جان لیتا ہے نہ کہ اسے بچانے کوئی نہیں آنے والا، تو وہ خود سیکھ جاتا ہے۔"

اس کے لہجے میں کوئی تلخی نہیں تھی، کوئی فخر نہیں تھا۔ بس ایک حقیقت کا بیان تھا، اتنا ہی سرد اور بے رحم جتنا خود زندگی کا اصول ہوتا ہے۔

فلک نے تکیے سے ٹیک لگائے، اپنی زخمی انگلیوں کو دیکھا۔ ان پر جمے خون کے نشان اب صاف تھے مگر اسے ابھی بھی نظر آئے۔

"جب میں نے سنا تھا کہ تم نے اپنے دفاع میں ایک قتل کیا تھا، تب مجھے تم عجیب لگی تھیں، ایک خوفناک معمہ!" اس نے ایک لمحے کو توقف کیا۔

"مگر آج احساس ہوا کہ اگر دس لوگ بھی تمہیں مارنے آئیں، تمہاری جان اور پہچان چھیننے آئیں تو انہیں چیر پھاڑ ڈالنا چاہیے۔ اپنے ہاتھوں، پیروں، اپنے دانتوں کا، اپنی ہمت، ہر چیز کا استعمال کرنا چاہیے۔ اپنا دفاع کرنا ضروری ہے۔"

وہ دھیمی آواز میں کہہ رہی تھی، جیسے خود کو کوئی سبق پڑھا رہی ہو۔ پھر اس نے فجر کو دیکھا جو اسے نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ کہیں اور الجھی تھی۔ اس کا چہرہ ابھی تک سرد و سپاٹ تھا۔ نہ دکھ، نہ رنج، نہ خوف!

"لیکن میں۔۔۔ میں اپنے ہاتھوں کا استعمال نہیں کر سکی۔" اس کی آواز میں ایک بھیانک بے بسی تھی۔ "مجھے کسی نے سکھایا ہی نہیں تھا۔"

یہ جملہ ایک چابی کی طرح تھا جس نے فجر کے ذہن میں قید ماضی کے دروازے پر دستک دی۔ وہ وہیں بیٹھی رہی مگر اس کا وجود حال میں نہیں تھا۔ وہ ماضی کے ایک تاریک، تنگ گلیارے میں جا پہنچی تھی۔

سولہ سال کی تھی وہ جب اس کے ماں باپ نے اسے پہلی بار مارنے کی کوشش کی تھی۔ اسے تھوڑا تھوڑا زہر دیا جاتا تھا۔ اسے بیمار رکھا گیا تاکہ وہ آہستہ آہستہ مر جائے مگر وہ بچ گئی۔ ان کے دل نرم پڑ گئے تھے یا اس کی زندگی ابھی باقی تھی۔

"تم اتنی مضبوط کیسے بنیں، فجر؟" وہ واقعی جاننا چاہتی تھی۔ وہ اس کی اذیتوں کی گہرائی سے واقف نہیں تھی۔ وہ صرف سطح پر نظر آنے والی برف کی چٹان دیکھ رہی تھی۔ اس کے نیچے چھپے آتش فشاں سے بے خبر تھی۔ اس نے کبھی اپنی ذاتی زندگی ڈسکس نہیں کی تھی۔

فجر کی آنکھوں کے سامنے ایک اور منظر ابھرا

وہ سترہ سال کی تھی۔ سردیوں کی ایک لمبی رات۔ گہری نیند میں تھی جب اسے اپنے چہرے پر ایک شدید دباؤ محسوس ہوا۔ اس کی سانس رک رہی تھی۔ آنکھیں کھل نہیں رہی تھیں۔ اس کے منہ پر ایک بھاری تکیہ تھا۔ وحشت سے اس کا پورا وجود کانپ رہا تھا۔ وہ مرنا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے اپنے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کیے۔ پوری قوت سے خود کو چھڑانے کی کوشش کی۔ اس کے ناخن ابا کے بازو میں گڑ گئے۔ اس کی ٹانگوں نے بستر کو ٹھوکریں ماریں۔ وہ ایک جنگلی جانور کی طرح لڑ رہی تھی، اپنی زندگی کے لیے، اپنی سانسوں کے لیے۔ اور پھر۔۔۔ اچانک وہ دباؤ ہٹ گیا۔ ابا کی ہمت شاید دم توڑ گئی تھی۔ وہ اسے چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل گئے۔ وہ وحشت زدہ سی بستر

کے دوسرے کنارے پر سمٹ گئی۔ حلق خشک تھا، سانس نہیں آرہا تھا مگر وہ رو نہیں پائی۔ اس کے آنسوں جم گئے تھے۔

باہر سے آتی آوازیں آج بھی سنائی دے رہی تھیں۔

"وہ ہماری بچی ہے۔ میں اسے مرتا ہوا نہیں دیکھ سکتی۔" یہ اماں کی سسکیوں بھری آواز تھی۔

"وہ ہماری بچی نہیں ہے۔ میں اسے اپنی نہیں مانتا۔ اس کا چہرہ دیکھا ہے تم نے؟ مم۔۔ میں یہ سب جانتے ہوئے بھی اسے۔۔۔" یہ ابا کی چیخ تھی۔ وہی باپ، جس کی انگلی پکڑ کر اس نے چلنا سیکھا تھا۔ اب اس کے وجود سے ہی انکاری تھا۔ وہ اب اسے مارنا چاہتا تھا۔ پچھلے ایک سال سے ابا اماں مزید خوفزدہ رہنے لگے تھے۔

ان دو حادثوں کے بعد کچھ بھی پہلے جیسا نہیں رہا۔ آہستہ آہستہ وہ ان سے دور ہوتی گئی۔ آہستہ آہستہ ابا اسے مارنے کے لیے مزید سنکی ہوتا گیا۔ اماں ابا چیختے تھے، اس نے چیخنا چلانا سیکھ لیا۔ وہ اسے مارنے کی کوشش کرتے اور اس نے خود کا دفاع کرنا سیکھ لیا۔

زندگی میں کبھی اپنی سالگرہ پر اس نے کیک نہیں کاٹا تھا، اسے کبھی تحفہ نہیں ملا تھا۔ ہر سالگرہ پر اسے بس موت کی کوئی نئی کوشش ملتی تھی۔

وہ ایک جھٹکے سے حال میں واپس آئی۔ اسے ابھی بھی سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی۔ مگر اس نے اپنے لب نہیں کھولے۔ وہ فلک کو اپنی اذیتوں کی داستان نہیں سنانا چاہتی تھی۔ اس کی تکلیف پہلے ہی بہت زیادہ تھی۔

اسے خاموش دیکھ کر فلک خود ہی بولی۔

"تم نے اپنی پہچان قائم رکھی؟ اکیلے ہوتے ہوئے بھی کیسے تم اس معاشرے میں سروائیو کر رہی ہو؟"

فجر کے ذہن میں ایک چہرہ ابھرا۔ رئیس اورنگزیب! جس شخص کے اصولوں نے فلک کو یہاں تک پہنچا دیا تھا، اسی نے فجر کو جینے کا ایک اصول سکھایا تھا۔

"جب کوئی تمہاری پہچان چھیننے آئے تو اسے چیر پھاڑ دینا۔ اپنی شناخت پر کبھی سمجھوتہ مت کرنا۔"

یہ الفاظ اس نے اپنے اندر کہیں لکھ لیے تھے۔ وہ سروائیور تھی۔ رو کر، لڑ کر، خوفزدہ ہو کر وہ سروائیو کرتی گئی۔

پھر ارسل برہان گردیزی آیا۔ جس نے محبت کا دعویٰ کیا اور پھر اس کے وعدے ریت کی دیوار ثابت ہوئے۔ اس نے اس کے کردار کو مسخ کرنا چاہا۔ محبت کرنے والے یوں بھی کرتے ہیں؟

لوگ اسے قاتل سمجھتے تھے۔ اسے ڈائن کہتے تھے۔ اس کے سائے سے بھی بچتے تھے، پھر بھی وہ کھڑی رہی۔ کیونکہ گرنے کا مطلب موت تھا۔ اور وہ جینا سیکھ چکی تھی۔ وہ جینا چاہتی تھی۔

فلک کی آواز نے اسے پھر چونکایا۔

"رئیس نے۔۔۔ اس نے کبھی مجھے قبول ہی نہیں کیا۔ وہ شروع سے اس رشتے سے انکاری تھا۔ مجھے ہمیشہ لگتا تھا کہ مجھ سے زیادہ ٹھکرایا ہوا کوئی نہیں۔" اس نے ایک تلخ ہنسی ہنسی۔

"لیکن آج لگ رہا ہے کہ میری دھتکار تو کچھ بھی نہیں تھی۔ تمہیں تو اس سے بھی بڑی دھتکار ملی۔۔۔ ان سے، جنہیں دنیا میں سب سے بڑھ کر محبت کرنی چاہیے تھی۔"

فجر نے پہلی بار گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں اب وہ سپاٹ پن نہیں تھا بلکہ ایک گہری اداس تفہیم تھی۔ فلک اس کی خاموشی کے پیچھے چھپے طوفانوں کو محسوس کر رہی تھی۔

"تمہیں تمہارے اپنوں نے دھتکار دیا اور میرے اپنوں نے مجھے ایک ایسے درندے کے نام کر دیا جس نے مجھے مار ڈالا۔ بتاؤ فجر۔۔۔ کون زیادہ قصوروار ہے؟"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ آہستہ سے صوفے سے اٹھی اور بستر کے قریب آکر کھڑی ہو گئی۔ اس کی آنکھیں فلک کے چہرے پر موجود خراشوں، اس کے پھٹے ہوئے ہونٹوں اور اس کی ویران آنکھوں پر جمی تھیں۔ پھر وہ اس کی پائنتی کے قریب بیٹھ گئی۔

"مجھے مضبوطی ورثے میں نہیں ملی فلک!" اس کی آواز اب بھی دھیمی تھی۔

"مضبوطی انتخاب ہوتی ہے۔ ایک تکلیف دہ انتخاب! جب تمہارے پاس رونے اور لڑنے کے علاوہ کوئی راستہ نہ بچے اور تم لڑنے کا انتخاب کر لو، تو تم مضبوط بن جاتے ہو۔ تمہیں بنایا نہیں جاتا، تم بنتے ہو۔ ہر زخم، ہر آنسو، ہر دھوکا تمہیں تراشتا ہے۔"

وہ ایک لمحے کو رکی۔

"تمہیں لگتا ہے میں نے اپنی پہچان قائم رکھی۔ سچ یہ ہے کہ میری کوئی پہچان تھی ہی نہیں جسے میں قائم رکھتی۔ مجھے تو ہر روز اپنی ایک نئی پہچان بنانی پڑتی ہے صرف زندہ رہنے کے لیے۔ کبھی باغی، کبھی قاتل، کبھی ملعون! میرا تو چہرہ بھی میرا نہیں ہے۔" اس سے بڑی اذیت کیا ہو گی؟

"اور میں۔۔۔ میں تو صرف ایک مثالی بیٹی بننا چاہتی تھی۔ ایک فرمانبردار بیوی۔ ایک اچھی بہن۔ میں نے اپنی ساری زندگی دوسروں کے بنائے ہوئے سانچوں میں ڈھلنے میں گزار دی۔" فلک کی آواز ٹوٹ گئی۔ "اور ان سانچوں نے ہی مجھے کچل ڈالا۔"

"کیونکہ یہ سانچے عورتوں کے لیے نہیں ان کی قبروں کے لیے بنائے جاتے ہیں۔ کچھ ان میں چپ چاپ دفن ہو جاتی ہیں اور کچھ قبر توڑ کر باہر آجاتی ہیں۔" فجر کی الفاظ کمرے کی فضا میں زہر کی طرح پھیل گئے۔

فلک نے اپنا زخمی ہاتھ آگے بڑھایا۔ فجر ایک لمحے کو ہچکچائی پھر اس نے آگے ہو کر اس کے ہاتھ تھام لیا۔ اس کے ہاتھ سرد تھے مگر مضبوط تھے۔ فلک کے ہاتھ کانپ رہے تھے مگر ان میں ایک نئی زندگی کی حرارت تھی۔

اس نے فلک کا ہاتھ تھامے رکھا، جیسے اس کی ہڈیوں میں چھپی کمزوری کو اپنی انگلیوں کی مضبوط گرفت سے سمیٹ رہی ہو۔ وہ لمحہ چھوٹا تھا، مگر اس میں ایک عمر کی تھکن اتری ہوئی تھی۔

پھر وہ آہستہ سے بولی، جیسے الفاظ کی ڈور سے وہ فلک کی بکھری روح کو سمیٹ رہی ہو۔

"ہم ان سانچوں میں نہیں ڈھلیں گے جو ہماری روح کو چیتھڑوں میں بدل دیں، جو ہم سے ہماری شناخت چھین لیں، جو ہمیں تکلیف پہنچائیں۔ جو ہمیں بے آبرو کریں، ہم اپنی پہچان خود تراشیں گے، اپنے نام خود لکھیں گے۔"

فلک کی آنکھوں میں ایک نمی سی چمکی مگر وہ آنسو اب کمزوری کے نہیں تھے۔ وہ پہلی بار کسی ایسی عورت کے ساتھ کھڑی تھی جو صرف کرب دکھاتی نہیں تھی۔ ان سے لڑنا سکھاتی تھی۔

"میں تھک چکی ہوں۔ میں کچھ وقت اب صرف خود کے لیے جینا چاہتی ہوں۔"

فجر کی آنکھیں گہری ہو گئیں۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"یہی ہماری سب سے بڑی بغاوت ہے۔ خود کو چن لینا۔ اس دنیا میں جہاں عورت کو اپنی ذات سب سے آخر میں رکھنے کی ترغیب دی جاتی ہے وہاں خود کو چن لینا ایک انقلابی قدم ہے۔"

فلک نے اپنے اندر وہ سناٹا محسوس کیا جو برسوں سے آباد تھا۔ اور پھر، اسی لمحے وہ سناٹا ہلنے لگا جیسے برف کے نیچے کسی چشمے نے بہنا شروع کر دیا ہو۔

"میں سر جھکا کر جینے سے انکار کرتی ہوں۔" فلک آہستہ مگر پر عزم لہجے میں کہا۔ "اگر میری خاموشی کو کمزوری سمجھا گیا تو اب میری آواز گونجے گی۔ میں ہر اس شخص کو بے نقاب کروں گی جس نے میرے ساتھ دکھوں کا کاروبار کیا۔"

فجر نے پہلی بار مسکراہٹ میں وہ روشنی دکھائی جو شاید برسوں سے دفن تھی۔

"یہی تو زندگی ہے، ایک انکار۔ ہر اس ناممکن چیز کا انکار جو تمہیں مجبور کرتی ہے کہ تم خود کو بھول جاؤ۔ جو تمہیں اذیت دیتی ہے۔ جو تم پر تشدد کرتی ہے۔ جو تمہیں بے آبرو کرتی ہے۔"

"ہم وہ کڑیاں ہوں گی جو اپنی زنجیر خود بنائیں گی۔ ہم وہ آئینہ ہوں گی جس میں عورت اپنی اصل پہچان دیکھ سکے گی۔"

کمرے کے باہر ہسپتال کے لان میں کہیں دور رات کی ٹھنڈی ہوا پتے ہلا رہی تھی۔ کھڑکی کے باہر روشنیوں نے مدھم ہونا شروع کیا، جیسے شہر بھی ان کی گفتگو کے سحر میں کھو گیا ہو۔

"اگر میں ایک دن مر بھی جاؤں تو میرے بارے میں کہا جائے کہ یہ وہ عورت تھی جو آخر وقت تک خود کے لیے کھڑی رہی۔" فلک نے کہا اور فجر نے اپنا ہاتھ اس کے ماتھے پر رکھا، جیسے وہ لفظ خود لکھ رہی ہو پھر ہولے سے بولی۔

"اور میں چاہتی ہوں کہ میرے نام کے ساتھ یہ نہ جوڑا جائے کہ میں صرف ایک قاتلہ تھی۔ بلکہ یہ لکھا جائے کہ میں وہ عورت تھی جو مرنے سے پہلے دس بار زندہ ہوئی، ہر بار اپنے قاتل کو ہرا کر۔"

کچھ لمحے خاموشی کے گزرے پھر فلک نے آہستہ سے پوچھا۔

"وہ لوگ جو بچپن میں ہی مر جاتے ہیں، مگر پھر بھی سانس لیتے رہتے ہیں کیا وہ کبھی پوری طرح جیتے ہیں؟"

فلک کے سوال پر اس نے کھڑکی کے پار تاریکی کو دیکھا، جیسے وہاں سے کوئی روشنی نکالنے کی کوشش کر رہی ہو۔

"جیتے ہیں! جب وہ دوسروں کو جینے کا ہنر سکھا دیتے ہیں تو وہ خود بھی جینا سیکھ جاتے ہیں۔"

فلک نے آہستہ سے سر ہلایا جیسے اس نے بھی زندگی کو اب ایک نیا نام دے دیا ہو۔

"ہم نئی عورتیں ہیں۔" اس نے سرگوشی میں کہا، جیسے کوئی حلف لے رہی ہو۔ "جنہیں نہ زنجیریں قید کر سکیں گی، نہ الزام۔ ہم اپنی آنکھوں میں طوفان پالیں گی اور اپنی ہڈیوں میں چراغ رکھیں گی۔ ہم۔۔۔ وہ ہوں گی جنہیں کوئی ڈرا نہیں سکے گا۔ کوئی بے آبرو نہیں کرے گا کیونکہ ہم۔۔۔ ہم ڈرنا چھوڑ چکی ہیں۔"

فجر نے دھیرے سر جھکا دیا، جیسے وہ اس حلف پر مہر ثبت کر رہی ہو۔

اس کا چہرہ اب بھی سپاٹ تھا مگر اس کی آنکھوں میں ایک طوفان تھم کر ایک نئی جنگ کی تیاری کر رہا تھا۔

قبریں توڑ کر باہر آنے والی عورتیں گھائل ضرور ہوتی ہیں مگر وہ زندہ ہوتی ہیں۔ اور ایک زندہ عورت سے زیادہ خطرناک کچھ بھی نہیں۔

✿••✿••✿••✿

رات کی سیاہی شہر پر ایک گہری چادر کی طرح تن چکی تھی مگر اس فلک بوس عمارت کی سب سے اونچی منزل پر واقع دفتر میں روشنی اور سائے کا ایک مہلک کھیل جاری تھا۔ رئیس اپنے وسیع و عریض دفتر میں جو اس کی سلطنت کا

مرکز تھا، تنہا تھا۔ کمرے میں خاموشی کا راج تھا، جسے صرف ایئر کنڈیشنر کی دھیمی گونج اور سامنے دیوار جتنی بڑی اسکرین سے آتی آوازیں توڑ رہی تھیں۔

وہ سیاہ چمڑے کی کرسی پر براجمان، ایک بے رحم بادشاہ کی طرح یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اسکرین پر ابھرتا وجود کسی شکاری پرندے کی طرح مہلک اور حسین تھا۔ تارکول کی طرح سیاہ بزنس سوٹ میں ملبوس عروزہ جمال، جس کے بال ایک سخت جوڑے میں قید تھے اور بھوری رنگت پر سنجیدگی پتھر کی طرح جمی تھی۔ کورٹ شوز نے اس کے قد کو مزید ہیبت ناک بنا دیا تھا۔ وہ جازب لغاری کے گھر میں تھی، اسی گھر میں جہاں کبھی ماتم بچھا تھا اور آج ایک نیا طوفان دستک دے رہا تھا۔

جازب کی بیوہ، بکھرے ہوئے حلیے میں اپنے دو سہمے ہوئے بچوں کو سینے سے بھینچے بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسوؤں سے زیادہ خوف تھا۔

"آخر کیا چاہتے ہو تم لوگ؟ خدا کے لیے ہمارا پیچھا چھوڑ دو!" اس کی آواز میں التجا اور بے بسی تھی۔

عروزہ نے اپنے دونوں ہاتھ پشت پر باندھ رکھے تھے۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا، جیسے کسی سنگ تراش نے جذبات کا ہر نشان چھیل دیا ہو۔

"زیادہ کچھ نہیں۔" اس کی آواز اتنی ہی سرد تھی جتنا اس کا چہرہ۔ "بس اپنے بھائی سے کہو کہ اپنی قبر سے باہر نکل آئے۔"

"میں نہیں جانتی وہ کہاں ہے!" وہ پھوٹ پڑی۔ "میں نے اسے روکا تھا! خدا گواہ ہے میں نے اسے اس انتقام سے منع کیا تھا۔" رجب نے اس کی ایک نہ سنی تھی اور آج اس کی حماقت کا خمیازہ یہ پورا خاندان بھگت رہا تھا۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تم نے کیا کہا تھا۔" عروزہ ایک قدم آگے بڑھی۔ اس نے اپنی ٹانگ اٹھا کر سامنے پڑی شیشے کی میز پر رکھی۔ اس کا انداز حاکمانہ تھا۔ وہ مسز جازب کی طرف جھکی۔

"اگر وہ باہر نہ آیا تو میں تمہارے، تمہارے ان بچوں، اور تمہارے خاندان کے ساتھ وہ کروں گی جس کا تصور بھی تمہارے وہم و گمان میں نہیں ہو گا۔" اس کے لہجے کی برف جیسی ٹھنڈک مسز جازب کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی بن کر دوڑ گئی۔ اس نے ایک جانب کھڑے اپنے گارڈ کی طرف ہاتھ بڑھایا، جس نے فوراً ایک ٹیبلٹ اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ اس نے اسکرین آن کر کے مسز جازب کے چہرے کے سامنے کر دی۔

اس پر ایک ویڈیو چل رہی تھی۔ جامشورو میں واقع ان کے آبائی گھر کا منظر تھا، جہاں اس کے بوڑھے ماں باپ اور بہنوں کو کچھ مسلح افراد نے گھیر رکھا تھا۔ اس کے باپ کے چہرے پر تشدد کے نشانات واضح تھے اور سب کے چہروں پر موت کا خوف رقص کر رہا تھا۔

یہ منظر ایک بجلی بن کر گرا۔ مسز جازب کی آنکھیں دہشت سے پھیل گئیں۔

"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ پلیز۔۔۔" وہ زمین پر گرنے کے انداز میں جھکی۔ "خدا کا واسطہ ہے! انہیں کچھ مت کرنا۔ انہیں چھوڑ دو!" وہ اب گڑگڑا رہی تھی، اس کی ساری ہمت جواب دے گئی تھی۔

عروزہ نے میز سے پاؤں ہٹایا اور سیدھی کھڑی ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں ایک لمحے کو بھی رحم کی رمق پیدا نہیں ہوئی۔

"تمہیں چار گھنٹے کی مہلت دیتی ہوں۔" اس کی آواز ایک فیصلہ سنا رہی تھی۔ "چار گھنٹے میں اگر رجب رضا نے ہمارے سامنے سر نہیں جھکایا تو۔۔" اس نے ایک لمحے کا وقفہ لیا، اور اس کی آنکھیں کسی قاتل کی طرح ٹھنڈی اور بے رحم ہو گئیں۔

"میرے باس اپنی جنگ کے اصول رکھتے ہیں، وہ عورتوں کو استعمال نہیں کرتے۔" اس نے اپنی شہادت کی انگلی سے اپنے سینے پر دستک دی۔

"مگر میرے کوئی اصول نہیں ہیں۔ میں کسی کو نہیں بخشتی!"

یہ کہتے ہی اس نے میز پر ایک زوردار ٹھوکر ماری۔ شیشے کی سطح پر دراڑیں پڑ گئیں۔ بچے بلک کر چیخے اور مسز جازب نے انہیں اپنی بانہوں کے ٹوٹے ہوئے حصار میں مزید بھینچ لیا۔

وہ جس شاہانہ اور سفاک انداز میں آئی تھی، اسی انداز میں واپس پلٹ گئی۔ اس کے جانے کے بعد بھی اس کے قدموں کی آہٹ اور اس کی دھمکی کی گونج اس گھر کی دیواروں میں قید ہو کر رہ گئی۔

دفتر میں بیٹھے رئیس کے لبوں پر ایک پر سکون، تقریباً غیر محسوس مسکراہٹ ابھری اور غائب ہو گئی۔ جب تک عروزہ اس کے ساتھ تھی، اسے کسی بات کی فکر نہیں تھی۔ وہ طوفانوں کا رخ موڑنا جانتی تھی۔

اس نے ریموٹ سے اسکرین بند کر دی۔ جس سے کمرہ ایک بار پھر نیم تاریکی میں ڈوب گیا۔ اس نے میز کا نچلا دراز کھولا اور ایک فائل نکالی۔ **'پروجیکٹ رانیہ'**۔ یہ اس کے اور فجر کے درمیان طے پانے والا معاہدہ تھا۔ وہ اس کے اوراق پلٹ رہا تھا، اس کی انگلیاں کاغذ کو محسوس کر رہی تھیں، مگر اس کی سوچیں کہیں اور تھیں۔ کافی دیر کی گہری

سوچ وبچار کے بعد اس کے چہرے پر ایک عزم ابھرا، جیسے وہ شطرنج کی بساط پر اپنی اگلی فیصلہ کن چال کا انتخاب کر چکا ہو۔

عین اسی لمحے لفٹ کے آنے کی مخصوص گھنٹی بجی اور دروازہ کھلا۔ مراد اندر داخل ہوا۔ اس کے قدم مضبوط تھے مگر چہرے پر دن بھر کی تھکن اور ایک نئی پریشانی عیاں تھی۔ وہ احمد اورنگزیب اور ذرتاش کو فلک سے ملوانے کے بعد انہیں رئیس مینشن چھوڑ کر سیدھا یہیں آیا تھا۔ وہ خاموشی سے رئیس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

رئیس نے فائل بند کر کے ایک طرف رکھی اور نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"وہ دونوں آدمی مارے گئے۔" مراد کی آواز میں شکست کی تلخی تھی۔

یہ وہی دو مخبر تھے جنہوں نے یہاں گھسنے کی کوشش کی تھی اور کسی **'موسیٰ'** کے آنے کا پیغام دیا تھا۔ رئیس کے حکم پر انہیں چھوڑ دیا گیا تھا تاکہ ان کی رسی پکڑ کر اصل سانپ تک پہنچا جا سکے مگر رسی کاٹ دی گئی تھی۔ وہ اپنے مالک تک پہنچانے سے پہلے ہی ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیے گئے تھے۔

اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ وہ اپنی کرسی سے اٹھا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا شیشے کی اس دیوار کے سامنے جا کھڑا ہوا جہاں سے پورا شہر اس کے قدموں میں بکھرا نظر آتا تھا۔ اس نے پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال لیے۔ اس کا عکس شیشے پر ایک طاقتور سائے کی طرح ابھر رہا تھا۔

"آخر یہ ہے کون؟" اس کی آواز میں غصے سے زیادہ حیرت تھی۔ ایک ایسی ناقابلِ برداشت حیرت جو اس کے جیسی ہر شے پر قادر شخصیت کے لیے سب سے بڑی توہین تھی۔

"یہ کون ہے جو بار بار رئیس اورنگزیب کی سلطنت کی دیواروں میں نقب لگانے کی جرات کر رہا ہے؟"

وہ اپنے اس ان دیکھے دشمن سے مخاطب تھا، جو سائے میں رہ کر وار کر رہا تھا اور اب تک اس کی گرفت سے باہر تھا۔ شہر کی روشنیاں اس کی آنکھوں میں جل بجھ رہی تھیں مگر اس کے ذہن میں ایک نئے، زیادہ خطرناک اور پوشیدہ دشمن کا اندھیرا گہرا ہو رہا تھا۔

✿••✿••✿••✿

ایک نیا سورج اگا تھا۔

یہ محض روشنی کا ایک دائرہ نہیں تھا جو مشرق سے طلوع ہوا تھا، یہ ایک پیغام تھا، ایک وعدہ! گزشتہ شام کی گہری، اداس خاموشی پر ایک سنہری مہر۔ ہسپتال کے پر تعیش سوئٹ کی کھڑکی سے چھن کر آتی ہوئی کرنوں نے کمرے کی مصنوعی ٹھنڈک میں زندگی کی حرارت گھول دی تھی۔ پالش شدہ فرش پر تیرتے عکس اب بے جان نہیں لگ رہے تھے۔ ان میں ایک امید کی چمک تھی۔

کل تک جو کمرہ ایک مقبرے کی طرح سرد اور بے رنگ تھا، آج رنگوں کے ایک سیلاب میں ڈوبا ہوا تھا۔ یہ منار کے ملازمین تھے۔ وہ لوگ جنہیں فلک نام سے بھی نہیں جانتی تھی وہ عقیدت اور محبت کے ڈھیروں گلدستے لے کر آئے تھے۔ کمرہ گلاب، چنبیلی، اور موتیے کی ملی جلی خوشبو کی ایک فوج کے حصار میں تھا، جو فضا میں پھیلی مایوسی کو شکست دے رہی تھی۔

اور ان پھولوں کے درمیان، بستر پر سہارا لیے بیٹھی فلک مسکرا رہی تھی۔

یہ کسی کیمرے کے لیے یا کسی کو دکھانے کے لیے کھینچی گئی مسکراہٹ نہیں تھی۔ اس میں کوئی نقلی پن، کوئی بناوٹ نہیں تھی۔ یہ ایک ہلکی سی، ٹھہری ہوئی مسکراہٹ تھی جو روح کے چیتھڑوں پر اگنے والے پہلے پھول کی طرح تھی۔ اس کی آنکھوں میں اب بھی درد کی پرچھائیاں تھیں مگر ان پر ایک نئی صبح کا نور غالب آچکا تھا۔

دوپہر کے وقت جب زیادہ تر لوگ جا چکے تھے تب روحی، صفدر کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔ اس کے سر کے کافی بال اتر چکے تھے اور چہرے پر بیماری کی زردی تھی مگر اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں ایک عجیب سی دانائی اور زندگی سے لڑنے کی چمک تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر فلک کو ایک کاغذ کا بنا ہوا ستارہ دیا۔ وہ اس کے لیے مکڑی نہیں لا سکتی تھی۔ وہ فلک کے لیے ستارہ لائی تھی۔

"یہ میں نے آپ کے لیے بنایا ہے۔" اس کی آواز کمزور تھی مگر اس میں ایک حوصلہ تھا۔ "میری ماما کہتی ہیں جب ہمت ٹوٹنے لگے تو ستاروں کو دیکھنا چاہیے، وہ اندھیرے میں ہی چمکتے ہیں۔"

فلک نے وہ ستارہ اپنے زخمی ہاتھ میں تھام لیا۔ اس ایک لمحے میں، دو مختلف عمر کی، دو مختلف جنگیں لڑتی روحوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ فلک کو احساس ہوا کہ مضبوطی کا مطلب چیخنا یا لڑنا ہی نہیں ہوتا۔ مضبوطی کا مطلب اس بچی کی طرح مسکرا کر اپنی جنگ جاری رکھنا بھی ہے۔

اس نے ایک نظر دروازے کے پاس کھڑی فجر پر ڈالی جو خاموشی سے سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ کل رات سے وہ اس کے ساتھ تھی۔ وہ اسے دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

وہ فجر جیسی نہیں بن سکتی تھی اور نہ ہی بننا چاہتی تھی۔ فجر ایک ایسی چٹان تھی جو طوفانوں کو چیر دیتی تھی مگر وہ پانی کی طرح تھی۔ نرم، خاموش، اپنی راہ بنانے والی۔ اسے اپنی نزاکت کو اپنی طاقت بنانا تھا اسے کھونا نہیں تھا۔

یہ احساس ایک سکون بن کر اس کے وجود میں اتر گیا۔

شام تک لوگ آتے جاتے رہے۔ڈاکٹرز اس کی ذہنی اور جسمانی حالت میں اتنی تیزی سے آتی ہوئی بہتری پر حیران تھے۔دن یونہی گزرتا گیا۔ولی، فجر کی جگہ منار گیا تھا۔فلک کے گھر والے آئے اور مل کر چلے گئے۔وہ اسے ہنستا دیکھ کر حیران تھے۔کبھی فجر کو تو کبھی اسے دیکھ رہے تھے اور پھر آہستہ آہستہ شام ڈھلنے لگی۔

فجر، اسے وہیل چیئر پر بٹھا کر کھڑکی کے پاس لے آئی تاکہ وہ باہر کا نظارہ کر سکے۔تب سوئٹ کا دروازہ کھلا۔

رئیس اندر داخل ہوا۔

اس کے چہرے پر سختی نہیں تھی بلکہ ایک گہری سنجیدگی تھی۔آنکھیں سیاہ چشمے کے پیچھے چھپی تھیں۔اس کے پیچھے ولی، اور ان کے پیچھے عروزہ اور مراد بھی تھے۔کمرے کی فضا ایک دم بدل گئی۔سوئٹ کی صفائی کرتے ملازم بھی ایک لمحے کو ٹھٹھک گئے۔ولی اور فجر کی نگاہیں ملیں، ولی نے دونوں ابرو اٹھا کر آنکھوں ہی آنکھوں میں اس سے پوچھا کہ وہ کیسی تھی؟ ہیزل آنکھوں نے خاموشی سے کئی جواب دے دیئے۔وہ پر سکون ہو گیا۔سچ تو یہ تھا ان کتھئی اور ہیزل آنکھوں کو بات کرنے کے لیے بولنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔

رئیس سیدھا میز کے پاس آیا۔اس نے کسی سے کچھ نہیں کہا، بس ایک فائل میز پر رکھی۔

"یہ تم لوگوں کے پروجیکٹ کا کانٹریکٹ ہے۔"اس کی آواز بھاری تھی۔"رئیس گروپ اسے بغیر کسی منافع کے اسپانسر کرے گا۔"

کمرے میں ایئر کنڈیشنڈ کی دھیمی گنگناہٹ کے سوا مکمل سکوت طاری ہو گیا۔یہ الفاظ نہیں تھے۔یہ ایک ٹوٹے ہوئے رشتے پر رکھا گیا مرہم تھا۔یہ ایک گھر کی بنیاد کا دوسرا پتھر تھا۔

فلک نے اپنی وہیل چیئر پر بیٹھے ہوئے سامنے میز پر رکھے کانٹریکٹ کو دیکھا۔اس کے پیچھے فجر نے آگے بڑھ کر وہیل چیئر کی پشت کو تھاما۔رئیس کی نظریں اٹھیں۔وہ بالوں کو ایک جانب گرائے، دوپٹہ شانوں پہ پھیلائے کھڑی تھی۔کانوں میں چھوٹے چھوٹے ٹاپس چمک رہے تھے جبکہ شفاف گردن بالکل خالی تھی۔یہ نظر ایک لمحے کے لیے اٹھی تھی اور رئیس کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہو گئی۔حلق خشک ہو گیا۔وہ فوراً رخ موڑ گیا۔یہ چشمہ اسی لیے لگا رکھا تھا کہ وہ اپنی آنکھوں کے دھت ہونے کو باقیوں سے چھپا سکے۔

فجر کے ساتھ ولی ایک خاموش محافظ کی طرح آ کھڑا ہوا۔رئیس دیکھ ہی نہیں پایا کہ اس کے آنے سے فجر کے رخسار لال ہو گئے تھے۔وہ اس کے قریب کھڑا تھا جبکہ دوسری جانب، عروزہ، مراد اور رئیس تھے۔

یہ ایک منظر نہیں تھا، یہ ایک گھر کی تعمیر کا لمحہ تھا۔جس کی بنیاد فلک کے عزم نے رکھی تھی۔جس کی دیواریں فجر کی مضبوطی نے اٹھائی تھیں۔جسے ولی کی حفاظت نے سہارا دیا تھا اور آج رئیس کے اس ایک فیصلے نے اس پر چھت ڈال کر اسے مکمل کر دیا تھا۔ان کا گھر مکمل ہو چکا تھا۔

فلک نے نظریں اٹھا کر رئیس کو دیکھا۔اس کی آنکھوں میں شکوہ نہیں تھا صرف ایک خاموش تفہیم تھی۔وہ جانتی تھی کہ یہ صرف ایک پروجیکٹ نہیں، یہ کفارہ تھا۔یہ ان تمام غلطیوں کا ازالہ کرنے کی ایک کوشش ہے جنہوں نے روحوں کو چیتھڑوں میں بدل دیا تھا۔

اس کے ہونٹوں پر وہی پرسکون مسکراہٹ ابھری۔

چیتھڑوں میں لپٹی روحوں کو ڈھانپنے کا وقت آ گیا تھا اور اس بار لباس ریشم کا نہیں، عزم اور خودداری کا تھا۔

✿••✿••✿••✿

رئیس ہیڈ آفس کی بلند ترین منزل پر کھڑا تھا جہاں سے شہر کی روشنیاں اس کے قدموں میں بکھری ہوئی تھیں۔ مراد اس کے پہلو میں تھا، اس کے چہرے پر گہری تشویش نمایاں تھی۔ رئیس نے آج اعلان کیا تھا کہ وہ فجر اور فلک کے پروجیکٹ کو اسپانسر کرے گا یہ ایک ایسا فیصلہ تھا جو مراد کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ نہ صرف اعلان کیا تھا بلکہ رئیس گروپ کی سبھی سائٹس پر یہ خبر پھیل چکی تھی۔ لوگ پرجوش نظر آرہے تھے۔

"تم یہ واقعی اسپانسر کر رہے ہو؟" مراد کی آواز میں کوفت تھی۔ "مجھے یہ پروجیکٹ شروع سے ہی پسند نہیں۔ میں اس لیے خاموش تھا کہ تم کچھ اور سوچ رہے ہو گے، جب تم نے منع کیا تو مجھے بہت اچھا لگا مگر اب یہ کیا ہے؟"

رئیس نے ایک لمبی سانس لی، شہر کی روشنیاں اس کی بے چین آنکھوں میں جھلملا رہی تھیں۔

"ہاں، میں یہ اسپانسر کر رہا ہوں۔"

"تم بھول رہے ہو کہ تم رئیس اور نگزیب ہو۔ لوگ اس بچگانہ پروجیکٹ پر ہنسیں گے۔" مراد کا لہجہ اب براہ راست تھا۔ وہ رئیس کو اس کے حقیقی راستے سے بھٹکتا نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ رئیس یا تو فجر کو اپنا لے یا اسے بھول جائے، یہ درمیان کی کیفیت اسے برداشت نہیں تھی۔

"ہاں، میں جانتا ہوں میں رئیس اور نگزیب ہوں پر۔۔۔" اس نے خشک گلہ ترکیا۔ اس کی نگاہیں کہیں دور، ان بکھری ہوئی روشنیوں میں کچھ تلاش کر رہی تھیں۔

"آج کل میں بھولنے لگا ہوں مراد! آج کل میں بھولنے لگا ہوں کہ میں رئیس اور نگزیب ہوں۔"

"آج کل میں بھولنے لگا ہوں کہ وہ مجھ سے سترہ سال چھوٹی ہے۔ وہ فجر معراج ہے۔ منار معراج کی بہن!"

مراد نے اسے غور سے دیکھا، اس کے چہرے پر سوالیہ نشان تھا۔

"آج کل میں یہ بھولنے لگا ہوں کہ اس کا منار سے کوئی رشتہ بھی ہے۔ میں بھولنے لگا ہوں کہ وہ دشمن ہے۔"
اس کی آواز میں ایک عجیب سی بیچارگی تھی، جیسے وہ خود کو سمجھانے کی کوشش کر رہا ہو۔

"میں بھولنے لگا ہوں کہ مجھے اسے مارنا ہے۔ وہ پیدا ہی اس لیے ہوئی ہے۔ کئی سال میں نے صرف اسی لیے اسکا انتظار کیا تھا۔"

"میں بھولنے لگا ہوں مراد کہ تین سال پہلے میں نے اس کے لیے جال بچھایا تھا۔ مجھے اس سے سب کچھ چھیننا ہے۔"

اس نے اپنا ہاتھ ریلنگ پر جما لیا، انگلیاں سفید پڑنے لگیں۔

"میں بھولنے لگا ہوں کہ اس کی شکل منار سے ملتی ہے۔ میں بھولنے لگا ہوں کہ مجھے اس چہرے کی وجہ سے کتنی تکلیفیں اٹھانی پڑیں، آج کل میں سب بھولنے لگا ہوں مراد! میں یہ اذیتیں اور تکلیفیں بھولنے لگا ہوں۔ میں اپنی چیخیں بھولنے لگا ہوں۔ میں اپنے وجود کی بے حرمتی بھولنے لگا ہوں۔ میں سب بھولنے لگا ہوں۔ بس یاد رہتی ہے تو وہ۔۔۔"

اس نے آنکھیں بند کر لیں جیسے وہ اس تکلیف دہ یاد سے فرار حاصل کرنا چاہتا ہو لیکن فجر چھم سے تصور کے پردے پر لہرائی۔

"اس کی ہیزل آنکھیں، جو میرے اندر تک دیکھ لیتی ہیں۔ اس کا سفید لباس جو اس شام مجھے اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ اس کی وہ سادہ سی مسکراہٹ اور اس کی آواز جو مجھے زندہ ہونے کا احساس دلاتی ہے۔"

وہ پلٹا اور مراد کے کندھے پر ہاتھ رکھا، اس کی آنکھوں میں ایک ایسی بے بسی تھی جو مراد نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

"کاش! کاش میں اسے دشمن سمجھ پاتا۔ کاش میں اس سے نفرت کر پاتا۔ لیکن جب وہ میرے سامنے آتی ہے تو میں بھول جاتا ہوں کہ میں کون ہوں، میں نے کیا کھویا ہے، اور مجھے اس سے کیا بدلہ لینا ہے۔ سب کچھ دھندلا جاتا ہے، مراد! صرف وہ رہ جاتی ہے، ایک روشن نقطے کی طرح جو میرے تاریک وجود کو منور کر رہا ہے۔"

مراد نے ایک گہری سانس لی۔ "تو تم ہار مان لو رئیس!"

"میں اس جنگ میں ہارنا نہیں چاہتا، لیکن اس کے سامنے میرے سارے ہتھیار بے کار ہو جاتے ہیں۔ میرا دماغ اسے دشمن مانتا ہے۔ لیکن میرا دل۔۔۔ میرا دل میرا ساتھ نہیں دے رہا۔ میں دل کے ہاتھوں نہیں مرنا چاہتا، مراد!"

اس کی نظریں پھر شہر کی روشنیوں پر جم گئیں۔

"ہم جیسوں کا دل اور دنیا نے بہت نقصان کیا ہے۔"

مراد کے سارے الفاظ دم توڑ گئے۔ سمجھ نہ آیا کیا کہے۔

"میں اس کے قریب رہنا چاہتا ہوں۔ میں جانتا ہوں یہ خطرناک ہے۔ میں جانتا ہوں یہ مجھے برباد کر سکتا ہے لیکن میں خود کو روک نہیں پا رہا۔"

"تم ہمیشہ سے اپنی مرضی کے مالک رہے ہو۔ اگر تمہارا دل تمہیں اس طرف کھینچ رہا ہے تو اس میں غلط کیا ہے؟"

"غلط ہے مراد!" اس کی آواز میں ایک کڑواہٹ تھی۔ "بہت غلط ہے! میں اس کے خاندان کا دشمن ہوں۔ میرا اور اس کا کوئی مستقبل نہیں۔ یہ صرف ایک اذیت ہے، ایک ایسی اذیت جس سے میں خود کو نکال نہیں پا رہا۔"

وہ خاموش ہو گیا، اس کی آنکھیں اب بھی دور خلا میں گھور رہی تھیں۔ مراد نہیں جانتا تھا کہ اس کے اندر ایک نئی جنگ شروع ہو چکی تھی اور اس جنگ میں اس کا سب سے بڑا حریف کوئی اور نہیں بلکہ خود وہ تھا۔

✿••✿••✿••✿

فلک بوس عمارت کی چمک دمک اور رئیس کے دفتر کی نفیس خاموشی سے بہت دور، شہر کے صنعتی علاقے میں ایک متروک گودام کی دیواریں ایک اذیت ناک داستان سن رہی تھیں۔ یہاں ہوا میں نمی، زنگ اور خون کی ملی جلی بو رچی ہوئی تھی۔ چھت سے لٹکتا ایک واحد، بے رحم بلب نیچے کے منظر پر تیز زرد روشنی ڈال رہا تھا، جس سے ہر سایہ مزید گہرا اور خوفناک نظر آ رہا تھا۔

اس روشنی کے عین نیچے رجب رضا گھٹنوں کے بل گرا ہوا تھا۔

چار گھنٹے کی مہلت میں تو نہیں البتہ وہ اپنے گھر والوں کی سلامتی کے لیے باہر نکل آیا تھا۔ مگر یہ سلامتی اسے اپنی آزادی اور جان کی قیمت پر ملی تھی۔ اس کا وجود زخموں سے چور تھا۔ پھٹا ہوا ہونٹ، سوجی ہوئی آنکھ، اور جسم پر لاتوں اور گھونسوں کے ان گنت نشانات! وہ ایک زندہ لاش کا منظر پیش کر رہا تھا۔

اس کے اطراف دو ہٹے کٹے، بے تاثر چہروں والے گارڈز کھڑے تھے۔ ان کی سانسیں بھاری تھیں اور ان کی مٹھیاں رجب کے خون سے تر تھیں۔ وہ حکم کے منتظر تھے۔

اور حکم دینے والا، ان سے چند فٹ کے فاصلے پر، چمڑے کی ایک پرانی کرسی پر بیٹھا تھا۔ رئیس اورنگزیب!

اس نے ٹانگ پر ٹانگ جمار کھی تھی اور اس کے ہاتھ آپس میں جڑے تھے۔ اس کی آنکھوں میں نہ غصہ تھا، نہ رحم، صرف ایک برفانی سرد مہری تھی جیسے وہ کسی کیڑے کو اپنی جوتی تلے مسلنے سے پہلے اس کا جائزہ لے رہا ہو۔

گارڈ نے ایک اور زوردار ٹھوکر رجب کی پسلیوں میں رسید کی۔ اس کے منہ سے کراہ نکلی، مگر اگلے ہی لمحے اس کے پھٹے ہوئے ہونٹوں پر ایک خونی مسکراہٹ ابھری۔ اس نے نظریں اٹھا کر سیدھا رئیس کی آنکھوں میں دیکھا اور پھر وہ ہنس پڑا۔

یہ ٹوٹی ہوئی، تکلیف میں ڈوبی ہوئی ہنسی تھی، جو گودام کی دیواروں سے ٹکرا کر ایک بھیانک قہقہے میں بدل گئی۔

"تم۔۔۔ تم جو مرضی کر لو رئیس اورنگزیب!" وہ تھوک اور خون کے گھونٹ کو حلق میں اتارتے ہوئے بولا۔ اس کی آواز اذیت سے چور تھی مگر لہجے میں ایک ناقابلِ یقین ڈھٹائی تھی۔

"تمہاری سلطنت تباہ ہونے کا وقت آ چکا ہے۔ موسیٰ آئے گا اور تمہاری بنیادیں ہلا دے گا!"

اس کی ہنسی اور الفاظ پر گارڈز ایک بار پھر اس کی طرف بڑھے مگر رئیس نے صرف اپنا ہاتھ اٹھا کر انہیں روک دیا۔

گودام میں ایک دم موت جیسا سناٹا چھا گیا۔ صرف چھت سے پانی کے ایک قطرے کے ٹپکنے کی آواز گونج رہی تھی۔

وہ دھیرے سے اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے قدموں کی آہٹ اس سناٹے میں کسی منجھے ہوئے شکاری کی چال جیسی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا رجب کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا سایہ رجب کے ٹوٹے ہوئے وجود پر پوری طرح چھا گیا۔

"ہمت یا حماقت؟" رئیس کی آواز پرسکون مگر اتنی گہری تھی جیسے کسی کنویں سے آ رہی ہو۔

"تمہیں کیا لگتا ہے؟ تم جیسے پیادے کہانیاں شروع تو کر سکتے ہیں، مگر ان کا انجام بھی لکھ سکتے ہیں؟"

اس نے جھک کر اپنی انگلیوں سے رجب کی ٹھوڑی کو پکڑا اور اس کا چہرہ اوپر اٹھایا۔ رجب کی آنکھوں میں درد کے ساتھ نفرت کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ رئیس کی آنکھوں میں صرف اپنی طاقت کا غرور تھا۔

"میری سلطنت کی دیواروں میں نقب لگانے کی جرات کرنے سے پہلے تم بھول گئے کہ یہ رئیس اورنگزیب کی سلطنت ہے۔" اس کے لہجے کی برف رجب کی روح تک کو منجمد کر گئی۔ "یہاں ہر سانس میری اجازت سے لی جاتی ہے اور ہر کہانی کا انجام میرے قلم سے لکھا جاتا ہے۔"

اس نے رجب کا چہرہ ایک جھٹکے سے چھوڑ دیا۔

"تم نے میرے خاندان کی عورتوں تک پہنچنے کی حماقت کی۔ تم نے جنگ کے اس اصول کو توڑا جسے میں بھی نہیں توڑتا۔" اس کی آواز اب بھی سپاٹ تھی مگر اس کے پیچھے چھپے آتش فشاں کو صرف وہی محسوس کر سکتا تھا جو اس کے قہر کا نشانہ بننے والا تھا۔

"اس لیے تمہاری موت آسان نہیں ہو گی۔ میں تمہیں پولیس کے حوالے کر کے قانون کی کتابوں میں ایک اور فائل کا اضافہ نہیں کروں گا۔" وہ سیدھا کھڑا ہوا اور اپنے کوٹ کے بٹن بند کیے۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ کوئی کاروباری معاہدہ ختم کر رہا ہو۔

"میں تمہیں ماروں گا نہیں، رجب رضا۔" اس کی آنکھوں میں ایک شیطانی چمک ابھری اور غائب ہو گئی۔ "میں تمہیں ایک عبارت بناؤں گا۔ ایک ایسی مثال جسے دیکھ کر آنے والی سات نسلیں بھی میری حدود میں قدم رکھنے سے پہلے کانپیں گی۔ تمہاری اذیت کی داستان اس سلطنت کی بنیاد کا وہ پتھر بنے گی جسے کوئی موسیٰ تو کیا، کوئی فرعون بھی نہیں ہلا سکے گا۔"

وہ پلٹا، جیسے رجب کا وجود اس کے لیے اب کوئی اہمیت نہ رکھتا ہو۔

"اسے لے جاؤ۔" اس نے اپنے گارڈز کو حکم دیا۔ "اور اس کی چیخوں کو اتنا بلند کرو کہ شہر کے بہروں کو بھی سنائی دیں۔"

رجب کی آنکھوں میں پہلی بار خالص دہشت کی پرچھائیاں لہرائیں۔ وہ ایک آدمی سے نہیں، ایک بے رحم تقدیر سے ٹکرا گیا تھا اور اب اس کی کہانی کا انجام لکھا جا رہا تھا۔

"تم کچھ بھی کر لو، تمہاری موت تمہارے گرد گھیرا تنگ کر چکی ہے رئیس اورنگزیب! وہ آ چکی ہے!"

وہ اسے لے جا چکے تھے۔ اس کی چیخ کی بازگشت ابھی تک گونج رہی تھی۔ آخر یہ سبھی دشمن اسے کس کے آنے کا عندیہ دے رہے تھے؟

✿••✿••✿••✿

کمرہ پر سکون تھا، مشینوں کی مدھم آواز اور دور کہیں نرسنگ اسٹیشن سے آتی ہلکی کھسر پھسر اس خاموشی کا پس منظر بنی ہوئی تھی۔

فلک نیم دراز حالت میں تھی۔ اس کے کاندھوں کے نیچے تکیے رکھے گئے تھے۔ چہرے پر تھکن اب بھی چھائی تھی مگر آنکھوں میں وہی خاموش بغاوت، وہی بے آواز چیخ اب روشنی میں بدلنے لگی تھی۔ اس کے آس پاس اس کا پورا خاندان موجود تھا۔ نگین بیگم جو اب اس کے ہاتھ کو ہولے سے تھامے بیٹھی تھیں، فخر جس کی نظریں نیچی تھیں، فاخرہ بھابھی، بشارت بھائی، اور وجاہت عالمگیر جن کے کندھے ابھی تک جھکے ہوئے تھے۔

یہ وہ لمحہ تھا جس سے سب خوفزدہ تھے۔سچ سننے کا لمحہ !اس بیٹی کی بات سننے کا لمحہ، جس کی آواز ہمیشہ نذرانہ سمجھی گئی تھی۔

"فلک۔۔۔اگر تم کچھ کہنا چاہو۔۔تو کہو بچی۔ آج ہم سب تمہیں سننے آئے ہیں۔"نگین بیگم نے آہستہ سے خاموشی کو توڑا۔

فخر نے ہولے سے سر اٹھایا،"ہم سب تمہارے قصوروار ہیں، فلک!ہم نے تمہیں کبھی سنجیدگی سے نہیں سنا۔" ابا سائیں کی آواز کپکپا رہی تھی۔"آج ہم تیرے آگے ہاتھ جوڑ کے کھڑے ہیں۔ہماری آنکھوں پہ پردے تھے، اب ہٹے ہیں۔تو بس یہ بتا کہ تیرا دل کیا چاہتا ہے؟"

فلک نے سب کی طرف دیکھا، ایک ایک چہرہ۔۔۔جنہیں وہ ٹوٹنے کے بعد پہلی بار یوں مکمل دیکھ رہی تھی۔وہ لمحے بھر کو خاموش رہی، پھر آہستگی سے بولی۔ آواز کمزور تھی لیکن اس کے ہر لفظ میں جیسے آسمانوں کو چیرنے کی سکت تھی۔

"میں۔۔۔میں آپ سب سے بغاوت نہیں کرنا چاہتی۔نہ کبھی کی، نہ اب کروں گی۔میں آپ لوگوں کے خلاف نہیں ہوں۔"اس نے ماں کی طرف دیکھا، جس کی آنکھوں سے پھر آنسو بہنے لگے۔

"میں بس۔۔۔بس کچھ وقت اپنی مرضی سے جینا چاہتی ہوں۔بغیر خوف، بغیر دباؤ، بغیر اس بوجھ کے کہ میں کسی کی عزت کا بکسہ ہوں جسے بس دبا کے رکھا جائے۔"

وہ ایک لمحے کو رکی، جیسے لفظوں کو تول رہی ہو۔

"میرا دل؟ میرا دل لکھنے میں ہے۔ میں کہانیاں لکھنا چاہتی ہوں، وہ کہانیاں جو شاید کسی اور فلک کو بچا سکیں، کسی اور لڑکی کو سچ بولنے کا حوصلہ دے سکیں۔ میں خاموش رہ کر خود کو کھو چکی ہوں۔ اب میں اپنی آواز کو خود سننا چاہتی ہوں۔"

فخر نے آہستہ سے سر ہلایا، فاخرہ کی آنکھوں میں آنسوں تھے۔

فلک کی نظریں اب اپنی اماں پر تھیں، جن کے چہرے پر دکھ، ندامت اور محبت، تینوں کی تحریر صاف دکھائی دے رہی تھی۔

"میں جانتی ہوں آپ سب مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ مگر محبت صرف قربانی مانگتی ہے، یہ تو کسی کی مرضی چھیننے کا بہانہ نہیں بن سکتی۔"

وہ تھوڑی دیر خاموش رہی پھر اپنے ہاتھوں کو دیکھا جن پر اب بھی کچھ زخموں کے نشانات تھے۔ ٹوٹی انگلیاں ابھی تک جڑی نہیں تھیں۔

"اگر آپ سب میرے ساتھ ہیں، میری اس راہ میں میرا ہاتھ تھامیں گے، تو مجھے بہت خوشی ہو گی۔ اگر نہیں، تب بھی میں رکوں گی نہیں۔ میں لکھتی رہوں گی۔ میں اپنی سچائیاں، اپنی آواز کو نہیں دباؤں گی۔ میں شادی جیسے بندھن کے لیے فی الوقت تیار نہیں ہوں۔" اس نے فی الوقت پر زور دیا۔

کمرے میں ایک اور خاموشی اُتر گئی۔

"اب بس کچھ وقت مجھے میری مرضی سے جینے دیں۔ اتنا وقت جس میں میں خود کو دوبارہ جوڑ سکوں۔ میں کسی سے نفرت نہیں کرتی، مگر اب خود سے بھی تو محبت کرنی ہے، نا؟"

بشارت بھائی نے آہستہ سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا، جیسے وہ بھی اس آواز کی گونج کو سن رہا ہو جو فلک نے جنم دی تھی۔

نگین بیگم نے فلک کا ہاتھ چوم لیا۔ وہ رو رہی تھیں۔

"تجھے وقت چاہیے، میری دھی؟ توں وی زندہ تھیون چاہے پئی؟ جے ایہو گال اے تے رب دا واسطہ، جے وقت مانگیا اے۔۔ تے جان وی دے ساں۔ توں بس دوبارہ مرنا نئی۔" ان کی سندھی زبان وہاں بیٹھا ہر شخص سمجھ سکتا تھا۔

فخر نے فلک کے سامنے بیٹھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا، "ہم تمہارے ساتھ ہیں، فلک! ہر حال میں۔ یہ ہم سب کا قرض تھا، جو تم پر چڑھتا گیا۔ اب ہم سب مل کے ادا کریں گے۔"

"تم لکھو، جتنی کہانیاں چاہے، لکھو۔ جو جی میں آئے کرو۔ پر بس، اب اپنی آواز مت دبانا۔" بشارت بھائی نے اس کا سر تھپتھپایا۔

اور یوں، وہ کمرہ جہاں کل تک فلک کی چیخیں گونجی تھیں آج پہلی بار اس کی مرضی کی اجازت سے بھر گیا تھا۔ اس کی زبان پر جو لفظ آئے وہ اپنے مستقبل کے چراغ تھے۔ اور وہ لڑکی، جو ہمیشہ دوسروں کے لیے جیتی آئی تھی آج پہلی بار صرف اپنے لیے جی رہی تھی۔

✿••✿••✿••✿

چند دن بیت چکے تھے۔ ہسپتال کی ٹھنڈی، بے جان دیواروں سے نکل کر زندگی، منار کے وسیع و عریض اسٹوڈیو میں پوری آب و تاب سے رواں دواں تھی۔ فلک اب روزانہ چند گھنٹوں کے لیے یہاں آتی تھی۔ وہیل چیئر پر بیٹھی

وہ ایک خاموش مبصر کی طرح سب کچھ دیکھتی، اس کی آنکھوں میں اب صحت یابی کی چمک لوٹ آئی تھی۔

'پروجیکٹ رانیہ' اب صرف کاغذ پر موجود ایک خیال نہیں تھا بلکہ ایک جیتی جاگتی حقیقت بنتا جا رہا تھا جس کی روح فلک کا عزم اور جسم فجر کے ڈیزائن تھے۔

اسٹوڈیو کا وسیع ہال ایک تخلیقی میدانِ جنگ کا منظر پیش کر رہا تھا۔ ایک طرف سلائی مشینوں کی بے چین گنگناہٹ تھی جہاں ٹیم فجر کے بنائے ہوئے پیچیدہ ڈیزائنوں کو حقیقت کا روپ دے رہی تھی۔ دوسری جانب کپڑوں کے تھان، کترنیں، دھاگے اور موتی کینوس پر بکھرے رنگوں کی طرح پھیلے تھے۔ ٹیم کا ہر فرد ایک جنون کی کیفیت میں مبتلا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ یہ محض ایک فیشن شو نہیں یہ ایک ایسی داستان تھی جسے انہیں کپڑوں، روشنیوں اور موسیقی کی زبان میں بیان کرنا تھا۔

لیکن اس تخلیقی شور کے بیچوں بیچ، ایک خلا تھا۔

چند کاسٹیومز مکمل ہو چکے تھے اور ماڈلز ریمپ پر ریہرسل کر رہی تھیں۔ ان کے جسم متناسب تھے، چال میں پیشہ ورانہ نفاست تھی، مگر ان کی آنکھیں اور تاثرات خالی تھے۔ وہ خوبصورت مجسموں کی طرح چل رہی تھیں جنہیں صرف لباس کی نمائش کے لیے بنایا گیا ہو مگر اس روح کی اذیت کو بیان کرنے سے قاصر تھیں جو ان چیتھڑوں میں قید تھی۔

فجر ٹیم کے درمیان کھڑی تھی اس کے بازو سینے پر بندھے تھے اور ماتھے پر گہری شکنیں تھیں۔

"نہیں! ایسے نہیں!" اس کی آواز میں بے چینی اور جھنجھلاہٹ تھی۔ "تم لوگ صرف چل رہی ہو۔ مجھے چال نہیں، کہانی چاہیے۔ مجھے اس لڑکی کا درد محسوس کرنا ہے جس کی روح کو نوچا گیا ہو۔" اس کا ہر قدم ہچکچاہٹ بھرا، اس کی نظریں جھکی ہوئیں مگر ان میں ایک بغاوت کی چنگاری تھی۔ "یہ سب کہاں ہے؟"

اس نے ایک ماڈل کی طرف اشارہ کیا۔ ”تمہارا لباس اذیت کی لہر ہے مگر تمہارا چہرہ ایسا ہے جیسے تم مارکیٹ کے لیے نکلی ہو۔“

ماڈلز ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔ وہ پروفیشنل تھیں، انہیں کپڑے پہن کر چلنا آتا تھا، اداکاری کرنا نہیں۔

فجر نے بے بسی سے اپنی گردن مسلی اور ایک گہری سانس لی۔ وہ تھک چکی تھی۔ وہ ڈیزائنر تھی، ڈائریکٹر نہیں۔ وہ انہیں اپنا وژن کیسے سمجھاتی؟

عین اسی لمحے ولی اس کے قریب آیا۔ وہ کچھ دیر سے خاموشی سے یہ سب دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر فجر کی تھکن پڑھنے کے بعد ایک فیصلہ کن تاثر ابھرا تھا۔

”اگر تم چاہو تو میں جارج سے تم لوگوں کی ایک آن لائن میٹنگ کروا سکتا ہوں۔“ اس کی آواز پرسکون تھی۔

”وہ ایک اچھا ڈائریکٹر ہے۔ شاید وہ ٹیم کو وہ پہلو سمجھا سکے جو ہم نہیں سمجھا پا رہے۔“

فجر نے فوری طور پر اثبات میں سر ہلایا۔ یہ اچھا خیال تھا۔

کچھ ہی دیر بعد، اسٹوڈیو کے ایک کونے میں بڑی سی ایل ای ڈی اسکرین روشن ہوئی۔ تمام ماڈلز، فجر اور کور ٹیم اسکرین کے سامنے جمع تھی۔ اسکرین پر ایک سنجیدہ مگر ذہین چہرے والا شخص نمودار ہوا۔ وہ جارج تھا۔ اس کے پس منظر میں نظر آنے والے کمرے سے اس کی پیشہ ورانہ کامیابی عیاں تھی۔ ایک اور سکاٹش؟ وہ ہینڈسم لگ رہا تھا۔ اس نے سب کو ہیلو کہا، ایک نظر دیکھا اور پھر اس کی نگاہیں فجر پر مرکوز ہو گئیں۔

"ولیم نے مجھے آپ کے پروجیکٹ کی روح کے بارے میں بتایا ہے۔ یہ بہت متاثر کن ہے۔" اس کی آواز میں ایک پیشہ ورانہ گرمجوشی تھی۔ "لیکن یاد رکھیں، ایک متاثر کن خیال کو اگر صحیح طریقے سے پیش نہ کیا جائے تو وہ اپنی موت آپ مر جاتا ہے۔"

اس نے اپنی بات شروع کی۔ اس کی آواز نے سب کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ وہ اچھا بولتا تھا۔

"سب سے پہلے یہ سمجھیں کہ یہ فیشن شو نہیں ہے۔ یہ ایک خاموش تھیٹر ہے، ایک پرفارمنس آرٹ۔ آپ کی ماڈلز صرف ماڈلز نہیں، یہ اداکار ہیں۔ لباس ان کا مکالمہ ہے اور ریمپ ان کا اسٹیج۔"

اس نے اسکرین پر چند تصاویر شیئر کیں۔ یہ مختلف تھیٹر پرفارمنس کی تصاویر تھیں۔

"روشنی۔۔۔" وہ بولا۔ "روشنی صرف اسٹیج کو روشن کرنے کے لیے نہیں ہو گی۔ روشنی کرداروں کے جذبات کی عکاسی کرے گی۔ جب پہلی ماڈل اسٹیج پر آئے گی تو اس پر صرف ایک تیز، سرد اسپاٹ لائٹ ہو گی۔ باقی ہر طرف اندھیرا۔ اس کا ہر قدم اس اندھیرے کو چیرتا ہوا محسوس ہونا چاہیے۔ جب کہانی آگے بڑھے گی اور روحی کا لباس آئے گا تو روشنی نرم اور گرم ہو جائے گی۔ آخر میں آخری لباس آئے گا تو پورا اسٹیج روشنیوں میں نہا جائے گا۔"

اس نے اگلی سلائیڈ کھولی جس پر ایک خاکہ بنا تھا۔

"اور یہ بڑی اسکرین۔۔۔ اسے خالی مت چھوڑیں۔ جب ماڈل چل رہی ہو تو اسکرین پر اس کے لباس کی تفصیلات دکھائیں۔ کپڑے کے ریشے، وہ کچے دھاگے جو چیتھڑوں کی علامت ہیں۔ اس کے ہاتھ کا لرزنا، اس کی آنکھ کا آنسو! ان سب کو کلوز اپ میں دکھائیں۔ موسیقی کوئی عام دھن نہیں ہو گی، بلکہ ایک مکمل ساؤنڈ اسکیپ ہو گا۔ کبھی

ٹوٹے ہوئے شیشے کی آواز، کبھی ایک تیز ہوتی دھڑکن، کبھی بارش کی بوندیں۔ ہر لباس کی اپنی ایک مخصوص آواز ہو گی جو اس کے پیچھے کی کہانی سنائے گی۔"

جارج ایک لمحے کو رکا، اس نے سب کے چہروں کو پڑھا۔ سب کی آنکھوں میں اب حیرت اور ستائش کی ملی جلی چمک تھی۔

"اور سب سے اہم۔۔۔ آپ کی اداکارائیں!" اس نے ماڈلز کی طرف اشارہ کیا۔ "انہیں صرف چلنا نہیں ہے، انہیں محسوس کرنا ہے۔ انہیں اپنی چال سے، اپنے ہاتھوں کی حرکت سے، اپنی گردن کے جھکاؤ سے کہانی بیان کرنی ہے۔ انہیں بھولنا ہو گا کہ وہ خوبصورت ہیں، انہیں وہ کردار بننا ہو گا جس کا لباس انہوں نے پہنا ہے۔"

میٹنگ تقریباً ایک گھنٹہ جاری رہی۔ جارج نے انہیں ایک نیا زاویہ دیا تھا، ایک مکمل روڈ میپ۔ جب میٹنگ ختم ہوئی تو کمرے میں ایک نئی توانائی دوڑ رہی تھی۔ ماڈلز کے چہروں پر اب الجھن نہیں، ایک چیلنج کو قبول کرنے کا عزم تھا۔

فجر نے اسکرین کو دیکھا جہاں اب جارج کی جگہ اسٹوڈیو کا اپنا عکس تھا۔ جارج ایک اچھا بھائی تھا یا نہیں، یہ ایک الگ بحث تھی، مگر وہ بلاشبہ ایک شاندار ڈائریکٹر تھا جو اب تک اسکاٹ لینڈ میں تین سپر ہٹ فلمیں دے چکا تھا۔

اسی لمحے فجر کو احساس ہوا۔ اس نے نظریں گھما کر پورے ہال میں دیکھا۔ ولی وہاں نہیں تھا۔ وہ میٹنگ شروع کروا کر خاموشی سے وہاں سے چلا گیا تھا۔ فجر کی آنکھوں میں الجھن ابھری۔ آخر کیوں؟

✿••✿••✿••✿

جارج کی آن لائن میٹنگ کو کئی دن بیت چکے تھے اور اس ایک گھنٹے کی گفتگو نے اسٹوڈیو کی فضا کو یکسر بدل دیا تھا۔ اب یہاں صرف کپڑے نہیں بن رہے تھے بلکہ کردار تراشے جا رہے تھے، کہانیاں بُنی جا رہی تھیں۔ رئیس

گروپ کی طرف سے فیشن شو کی تاریخ کا باقاعدہ اعلان ہو چکا تھا اور اب ان کے پاس صرف ایک مہینہ باقی تھا۔ الٹی گنتی شروع ہو چکی تھی اور وقت کسی ریت کی طرح مٹھی سے پھسلتا جا رہا تھا۔

اسٹوڈیو میں ایک منظم افراتفری کا عالم تھا۔ ہر کوئی اپنے کام میں یوں غرق تھا جیسے دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو۔ فجر کی ٹیم جارج کے دیے ہوئے وژن کو حقیقت میں بدلنے کے لیے دن رات ایک کر رہی تھی۔ آج دوپہر جب پوری ٹیم تھک ہار کر لنچ کے لیے کیفے گئی تو اسٹوڈیو میں ایک گہرا سکوت چھا گیا۔ مشینوں کی گنگناہٹ تھم گئی تھی، قہقہوں اور باتوں کا شور بھی کہیں دب گیا تھا لیکن تخلیق کا عمل ابھی رکا نہیں تھا۔

فجر اپنی جگہ سے نہیں ہلی تھی۔

وہ اسٹوڈیو کے بیچوں بیچ رکھی ایک بڑی سی میز پر جھکی ہوئی تھی۔ اس کا سارا وجود اپنے کام میں سمٹ آیا تھا۔ اس کے سامنے سیاہ رنگ کا ایک قیمتی کپڑا بچھا تھا، وہ کپڑا جو اذیت کے لباس کا آخری حصہ تھا۔ اس کی انگلیاں نزاکت سے قینچی تھامے ہوئے تھیں اور اس کی آنکھیں پوری شدت سے کپڑے پر مرکوز تھیں۔ اس کا ارتکاز ایسا تھا کہ اسے اپنے گرد و پیش کی کوئی خبر نہ تھی۔ وہ بھول چکی تھی کہ اس نے صبح سے کچھ نہیں کھایا، وہ بھول چکی تھی کہ اس کے کندھوں میں اب ایک مستقل درد رہنے لگا تھا۔

اسی لمحے اسٹوڈیو کا دروازہ آہستگی سے کھلا اور ولی اندر داخل ہوا۔ وہ بھی اپنے کاموں میں بے طرح مصروف تھا۔ پروجیکٹ رانیہ کی مارکیٹنگ اور انتظامی امور اسے ایک لمحے کی فرصت نہیں دے رہے تھے۔ وہ ٹیم کو لنچ کے لیے جاتے دیکھ چکا تھا اور جانتا تھا کہ فجر یہیں کہیں ہو گی۔ وہ سیدھا اسے کھانے کے لیے بلانے ہی آیا تھا۔ کئی دنوں سے وہ ٹھیک سے بات بھی نہیں کر پا رہے تھے۔

اس نے ایک نظر اسٹوڈیو کے خالی پن پر ڈالی اور پھر اس کی نگاہیں میز پر جھکی فجر پر ٹھہر گئیں۔ اس کے بالوں کا جوڑا ڈھیلا ہو کر گردن پر بکھر گیا تھا، اور میز پر لگے لیمپ کی روشنی سیدھی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی جس سے اس کی تھکن اور بھی عیاں ہو رہی تھی۔ وہ چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا، اس کے کام میں ڈوبے ہوئے وجود کو، اس کی ضد کو، اس کے جنون کو۔ پھر وہ دھیرے سے چلتا ہوا اس کے قریب آیا۔

"بس کرو اور کتنا ظلم کرو گی ان آنکھوں پر؟" اس کی آواز سکوت میں گونجی تو نرم مگر گہری تھی۔

فجر نے اس کی آواز سنی مگر چونکنے یا سر اٹھانے کی زحمت نہیں کی۔ اس کی توجہ اب بھی کپڑے کی باریک کٹنگ پر تھی۔ شاید اس کے دماغ نے آواز تو سنی تھی مگر اس کا مفہوم سمجھنے سے انکاری تھا۔

"تم کیا جانتے ہو میری آنکھوں کے بارے میں؟" وہ اسی طرح چہرہ جھکائے ہوئے، ایک سپاٹ لہجے میں بولی۔

اس کا سوال کسی جواب کا متقاضی نہیں تھا، بلکہ محض ایک تھکی ہوئی بڑبڑاہٹ تھی۔

اس کے غیر متوقع سوال پر گول گلے والی سیاہ ٹی شرٹ میں ملبوس ولی کے لبوں پر ایک خفیف سی مسکراہٹ ابھری۔ وہ اس کی کیفیت کو سمجھ رہا تھا۔

"تم سے زیادہ جانتا ہوں۔" اس کے لہجے میں ایک عجیب سی ٹھہراؤ بھری خود اعتمادی تھی۔

وہ چلتا ہوا میز کے بالکل قریب آ کر کھڑا ہو گیا، فجر کو اس کی موجودگی کا شدید احساس ہوا۔

اس بار اس کے ہاتھ ایک لمحے کو رکے۔ اس نے قینچی کپڑے پر ہی رکھی اور سر اٹھائے بغیر پوچھا۔ اس کا لہجہ اب بھی چیلنج کر رہا تھا، جیسے کہہ رہی ہو کہ ثابت کرو۔

"تو بتاؤ ان کا رنگ کیا ہے؟"

وہ چاہتی تھی کہ وہ لاجواب ہو جائے، کہ وہ کوئی عام سا جواب دے کر بات ختم کر دے مگر وہ عام سا جواب کیوں دیتا؟

"تمہاری آنکھوں کا کوئی ایک رنگ نہیں ہے۔" اس کی ٹھہری ہوئی آواز اسٹوڈیو میں گونج گئی۔

"جب تم پہلی بار ملی تھیں تو ان میں خوف اور بے یقینی تھی۔ تب ان کا رنگ گہری جھیل جیسا تھا جس کی تہہ میں طوفان چھپے ہوں۔"

ولی کی آواز مدھم، مگر گہری تھی۔ کسی راز کی مانند جو ہوا میں تیرنے لگا۔

"اندھیرے میں تمہاری آنکھیں گہری بھوری لگتی ہیں جو سب کچھ اپنے اندر چھپا لیں۔ صدمے، سچ، چیخیں!"

اس کے قدم دھیرے تھے جیسے کسی مقدس زمین پر چل رہا ہو۔

"روشنی میں وہ ہلکی سبز ہو جاتی ہیں۔ جیسے کسی ویران باغ میں بہار آ گئی ہو۔"

"چشمے کے پیچھے وہ دھندلکوں سے جھانکتی ہیں جیسے کوئی خزاں زدہ خواب جو ابھی ٹوٹا نہیں۔"

"ہنستی ہو تو وہ چمک اٹھتی ہیں جیسے پگھلا ہوا شہد!" وہ اس کے قریب آ رہا تھا۔

"کام کے وقت تمہاری آنکھوں کا رنگ وہ ہو جاتا ہے جسے بیان کرنے کے لیے کوئی لفظ نہیں۔ تب وہ صرف آنکھیں نہیں رہتیں، ایک پوری کائنات بن جاتی ہیں۔ ان میں کہکشائیں گھومتی ہیں، کہانیاں جنم لیتی ہیں، اور ایک ایسا جنون نظر آتا ہے جو ہر چیز کو تخلیق بھی کر سکتا ہے اور تباہ بھی!"

"جب روتی ہیں تو وہ سارے رنگ بجھ جاتے ہیں جیسے شام اور رات کے بیچ بھٹکی ہوئی کوئی دعا۔"

فجر کو سانس لینے میں دشواری ہوئی۔ وہ سیاہ ٹی شرٹ والا شخص، پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اس کے نہایت قریب کھڑا تھا۔

"اذیت میں وہ آنکھیں خاموش نہیں رہتیں۔ وہ چیختی ہیں۔

سراپا احتجاج، مگر ضبط کی آخری حد تک حسین!"

اس کی آواز سرگوشیوں جیسی تھی۔

"غصے میں وہ آنکھیں تیز ہو جاتی ہیں۔ کٹتی ہوئیں، واضح! جیسے کوئی فیصلہ جو اب واپس نہیں مڑ سکتا۔"

وہ کام چھوڑ کر سیدھی ہو گئی۔ اب وہ اسے دیکھ رہی تھی۔ چشمے کے پیچھے سے جھانکتی ہیزل آنکھیں!

"مگر جب تم محبت سے دیکھتی ہو تب وہ وہی ہو جاتی ہیں جو تمہیں زیب دیتی ہیں۔ ہیزل!

نہ مکمل سبز، نہ بھورا، جیسے قدرت نے دونوں کو ملایا ہو،

تاکہ تمہاری آنکھیں بنائی جا سکیں۔"

فجر نے کچھ نہیں کہا۔ وہ اسے دیکھ رہی تھی مگر ولی جانتا تھا۔ اس کی پلکوں کے کنارے پر کچھ ٹھہر گیا تھا۔

شاید حیرت۔۔۔

شاید وہ رنگ۔۔۔

جو پہلی بار کسی نے پہچانا تھا۔

وہ خاموش ہو گیا۔ وہ ساکت تھی۔

وہ اسے سچ میں دیکھتا تھا۔ اس کے ہر رنگ، ہر روپ کے ساتھ!

کیا یہ محبت تھی؟ اس نے چشمہ اٹھا کر بالوں پر جما لیا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے۔ سیاہ شرٹ والا لڑکا، ہیزل آنکھوں والی لڑکی! وہ بس ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ لڑکے کی آنکھوں میں نرمی تھی، محبت تھی مان تھا جبکہ لڑکی کی آنکھوں میں بے چینی تھی، حیرت تھی اور سوال تھا۔

کیا محبت اسے ہی کہتے ہیں؟

اسٹوڈیو کے سارے مجسمے، کٹے پھٹے کپڑے، دم سادھے انہیں دیکھ رہے تھے۔ اس سے پہلے کوئی کچھ کہتا اسٹوڈیو کا بھاری دروازہ کھلا اور ٹیم اندر داخل ہوئی۔ ان کی آنکھوں کی گفتگو وہیں دم توڑ گئی۔

✿••✿••✿••✿

اس کے اپنے کمرے میں ایک مانوس سی خاموشی تھی۔ ایک ایسی خاموشی جو صرف اپنے گھروں میں ملتی ہے، دیواروں، کھڑکیوں اور پردوں میں جذب ہو کر، دل کو تھپکتی ہے۔

فلک اپنے کمرے میں، جو نرم زرد روشنی میں گھرا تھا، بیٹھنے کی بجائے کام کر رہی تھی۔ سامنے لیپ ٹاپ کھلا تھا، اس کی اسکرین پر ٹیکسٹ فائلیں بکھری ہوئی تھیں۔ وہی خواب، جو کبھی بستر پر لیٹے ایک بیمار جسم کے لیے دور لگتے تھے۔ آج اس کی انگلیوں کے نیچے دوبارہ سانس لینے لگے تھے۔

اس کے بال اب تھوڑے بڑھ چکے تھے، آنکھوں کے گرد کی خفیف سوجن اب بھی گزرے طوفان کی گواہی دے رہی تھی، مگر اس کی پشت سیدھی تھی، سانسوں میں ایک نیا وزن تھا۔

تبھی، فون کی بیپ نے اس کی دنیا کو دو لمحوں کے لیے روک دیا۔

ایک نوٹیفکیشن۔

اس نے عادتاً فون اٹھایا، اور اگلے ہی لمحے۔۔وہ لمحہ ٹھٹھک گیا۔

سانس درمیان میں اٹک گئی۔

دل جیسے کسی نادیدہ رسی سے بندھ کر کھنچنے لگا۔

فون ہاتھ سے پھسلتے پھسلتے بچا۔

یہ رئیس اورنگزیب کا میسج تھا۔

پہلا۔

پہلی بار۔

اور صرف تین لفظ۔

"طبیعت کیسی ہے؟"

فلک کی آنکھیں اس چھوٹے سے مستطیل اسکرین پر جم گئیں۔یہ صرف ایک سوال نہیں تھا، یہ ایک زلزلہ تھا جس نے دل کی تہہ در تہہ پرتوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

کتنے دنوں، کتنی راتوں سے وہ اس لمحے کا انتظار کر رہی تھی؟

کتنی بار تصور میں اسے اپنا حال پوچھتے دیکھا تھا؟

مگر آج، جب وہ الفاظ حقیقت میں اس کے سامنے تھے، تو انگلیاں کانپ گئیں۔

آنکھیں دھندلا گئیں۔ شہد رنگ آنکھوں کے گوشے چپ چاپ بھیگنے لگے۔

اس نے کئی بار اسکرین کو آنکھوں کے قریب لا کر دوبارہ دیکھا، جیسے تصدیق کرنا چاہتی ہو کہ یہ خواب نہیں۔

وہ کچھ ٹائپ کرنا چاہتی تھی۔ شاید بہت کچھ۔

میں بہتر ہوں۔

آپ کی یاد آئی۔

آپ نے آخر کار پوچھا۔

آپ کو پروا ہے؟

مگر کچھ بھی نہیں لکھا جا سکا۔

آخر کار، انگلیوں نے خود کو سنبھالا۔

"ٹھیک ہے۔" ایک ہاتھ سے ٹائپ کیا۔

بس یہ دو لفظ اور ساتھ دل والا ایموجی، وہ جو انگلیوں کو جوڑ کر بنایا جاتا ہے۔ خاموش، مگر مکمل۔

پھر وہ اپنی ہی اسکرین دیکھ کر مسکرائی۔

ایسی مسکراہٹ جس میں ہار بھی تھی اور ایک بے بسی کا سا سکون بھی۔

چند لمحے بعد، دوسری جانب سے جواب آیا۔

"اوکے۔"

بس۔ اتنا ہی۔ او کے ؟

فلک نے کئی بار وہ او کے پڑھا۔ جیسے الفاظ کی گہرائی ناپنا چاہتی ہو۔

کیا وہ خوش تھا؟

کیا وہ بس رسمی جواب دے رہا تھا؟

کیا اس کے اندر بھی وہی اضطراب تھا جو فلک کی رگوں میں دوڑ رہا تھا؟

کیا وہ پچھتا رہا تھا؟

اس کا دل چاہا وہ رئیس سے پوچھے کہ "آپ کو او کے سے آگے کچھ نہیں کہنا تھا؟" مگر اس نے کچھ نہیں پوچھا۔

وہ صرف کھڑکی کو تکتے تکتے دیر تک خاموش بیٹھی رہی۔

رئیس جیسے شخص سے محبت کرنا شاید سب سے مشکل جنگ ہوتی ہے۔

ایک ایسا شخص جو عمر، تجربے، طاقت، اور جذبات کے اظہار میں سب کچھ پیچھے چھوڑ چکا ہو۔ اس سے کسی ایک لفظ کی امید رکھنا بھی کئی راتوں کا عذاب بن سکتا ہے۔

وہ جانتی تھی کہ وہ لفظوں کا آدمی نہیں تھا۔

اس کے فیصلے، اس کی نظروں کی گہرائی، اس کی خاموشیاں، وہی اس کی زبان تھیں۔

لیکن اس سب کے باوجود، ایک بات اس نے آج کی رات سیکھ لی تھی۔

"فلک عالمگیر، تم رئیس اورنگزیب سے محبت کرنا نہیں چھوڑ سکتیں۔ چاہے وہ او کے کہے یا کچھ نہ کہے۔ وہ تمہارے دل کے ایک کونے میں ہمیشہ شامل رہے گا۔"

رات گہری ہوتی گئی اور اس نے اپنا لیپ ٹاپ بند کر دیا۔

کھڑکی سے باہر، شہر کی روشنیوں میں ایک مخصوص عمارت کی چھت پر لگی روشنیاں جھلملا رہی تھیں۔

اور اس منظر کے بیچ، دل کے اندر، ایک نئی جنگ شروع ہو چکی تھی۔ محبت کی خاموش جنگ!

✿••✿••✿••✿

ہال میں تیز روشنیاں جھلملا رہی تھیں، موسیقی کی دھیمی دھن اور ماڈلز کی ایڑیاں فرش سے ٹکرا کر ایک منظم گونج پیدا کر رہی تھیں۔ اسٹیج کے عقب میں کپڑے، فیبرکس، اور کاسٹیومز کے رنگ بکھرے تھے جیسے کسی مصور نے قوسِ قزح کو زمین پر گرا دیا ہو۔ یہ وہی ہال تھا جہاں شو ہونا تھا۔ کاسٹیومز مکمل ہو چکے تھے اب بس ریہرسل جاری تھی۔

کونے میں فجر اپنے مخصوص انداز میں، مکمل انہماک سے مصروف تھی۔

سادہ سلیٹی سوٹ، لوفرز، اور ڈھیلی پونی میں بندھے بال، بہت سے لوگوں کو شاید وہ ایک عام سی ورکنگ وومن لگ رہی ہو گی مگر حقیقت میں وہ اس لمحے پورے ہال کی روح تھی۔

ہر ماڈل کی واک، ہر لباس کا فال، ہر روشنی کی شدت، سب پر اس کی نظر تھی۔ وہ جیسے خود کو بھول چکی تھی۔

اور وہ اوپر کھڑا تھا رئیس اورنگزیب!

بالائی گیلری سے وہ نیچے جھانک رہا تھا۔

روایتی پاور سوٹ کے بجائے سادہ ٹی شرٹ اور خاکی پینٹ میں، چہرے پر سیاہ چشمہ، ہاتھ میں کولڈ کافی کا گلاس۔

اس کی آنکھیں شاید سیاہ شیشوں کے پیچھے چھپی تھیں مگر نگاہیں؟ وہ تو نیچے کھڑی اس عورت پر جمی تھیں جو دنیا سے بے خبر اپنے فن میں ڈوبی ہوئی تھی۔

وہ کئی لمحے یونہی دیکھتا رہا۔ جیسے وقت تھم گیا ہو جیسے دل نے دیر بعد دھڑکنا شروع کیا ہو۔

تبھی، فجر نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

ایک نرم، مدھم سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر ابھری، نہ حیرت، نہ بے چینی۔ جیسے وہ جانتی ہو کہ وہ آئے گا۔ کچھ ہدایات دیتے ہوئے وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔

ہر قدم جو وہ چڑھ رہی تھی رئیس کے دل پر جیسے دستک دیتا۔

سیڑھیوں پر اس کے قدموں کی چاپ، رئیس کی دھڑکن کے ساتھ ہموار ہوتی جا رہی تھی۔ اب وہ اس کے برابر کھڑی تھی۔

رئیس کی انگلیوں میں دبا کولڈ کافی کا گلاس اب بھی جوں کا توں تھا۔ اس نے ایک گھونٹ بھی نہیں لیا تھا۔ فجر نے ایک نظر اس کے ہاتھ کی جانب دیکھا پھر گویا ہوئی۔

"اگر نہیں پینی تو مجھے دے دیں، میں کافی تھک گئی ہوں۔"

اس نے کچھ کہے بغیر گلاس اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"کام کیسا چل رہا ہے؟" اس نے اپنے لہجے کو معمول کے مطابق رکھنے کی کوشش کی۔

"ابھی تک اچھا ہے۔"

فجر نے گلاس لبوں سے لگایا، "آپ کی ٹیم کے آنے سے کافی فائدہ ہو گیا ہے۔"

کوئی طنز نہیں، کوئی نوک جھونک نہیں۔یہی تبدیلی تھی۔

"امید ہے اب بہترین ہو جائے گا۔"اس نے ریلنگ پر کہنی ٹکا کر نیچے جھانکا۔

فجر نے بغور اسے دیکھا۔

"آپ آج کل چشمہ لگائے رکھتے ہیں۔ خیریت ہے؟"

رئیس نے ایک لمحہ توقف کیا۔ کیا وہ اسے اتنا نوٹ کرتی تھی؟

"میری آنکھیں خراب ہیں اس لیے۔"وہ دھیمے لہجے میں بولا۔

فجر کے لبوں پر ہلکی سی شرارت ابھری۔

"اچھا؟ کتنی خراب ہیں؟ کام ٹھیک سے نظر آرہا ہے یا نہیں؟"

رئیس نے گہرا سانس لیا، جیسے اس کی چوٹ سیدھی دل پر لگی ہو، اور چشمہ اتار دیا۔

سیاہ آنکھیں ایک پل کو ہیزل آنکھوں سے ٹکرائیں۔

"تم نظر آرہی ہو مجھے۔ اس سے زیادہ خراب کیا ہوں گی؟"

اس کی آواز میں وہ مخصوص ٹھہراؤ تھا، جو صرف اس کی ذات میں تھا۔

فجر نے جواب میں کوئی لفظ نہیں کہا، بس گلاس لبوں سے لگائے، ہنوز مسکراہٹ چھپاتے ہوئے، اسے تکتی رہی۔ یہ منظر پیرس کے لگژری ہوٹل کی بالکونی سے مختلف تھا جہاں وہ ایک دوسرے پر صرف طنز کرتے تھے۔ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے تھے۔

"ویسے۔۔۔ آپ جتنے ڈارک لارڈ ہیں، جتنے بڑے عفریت ہیں۔ آپ کی آنکھیں اتنی ہی مختلف ہیں۔"

وہ چونک گیا۔ پھر اس کی جانب مڑا۔ خود پر مکمل قابو تھا۔ آخر اتنی جلدی تو گھٹنے تو وہ بھی نہیں ٹیک سکتا۔

"کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"یہ بری نہیں لگتیں۔" فجر کی آواز میں ایک عجیب سی سنجیدگی تھی۔

"یہ مہربان لگتی ہیں۔ ان پر شیطانیت اپنا قبضہ نہیں جما پاتی۔ ایسا کیوں ہے؟"

وہ سامنے دیکھ رہی تھی جیسے وہ اس کو نہیں، اس کے اندر چھپے رازوں کو مخاطب کر رہی ہو۔

رئیس نے جیسے کوئی وزنی پتھر نگلا ہو۔

"ایسا کچھ نہیں۔ یہ ایک عفریت کی آنکھیں ہیں۔"

"عفریت کی آنکھیں عفریت جیسی نہیں ہیں اور میں جانتی ہوں ایسا کیوں ہے۔" وہ گھونٹ گھونٹ کافی پی رہی تھی۔

"کیوں ہے؟" وہ اسے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"ایسا اس لیے ہے کیونکہ میں نے ان آنکھوں کو کبھی کسی عورت کی بے حرمتی کرتے نہیں دیکھا۔"

اس کی بات نے رئیس کو ساکت کر دیا۔

"مجھے آپ پسند نہیں ہیں، البتہ۔۔۔"

وہ نرمی سے بولی، "مجھے آپ کی ایک عادت پسند ہے۔ کہ آپ عورتوں کو بے عزت نہیں کرتے۔ اپنی جنگ میں انہیں نہیں گھسیٹتے۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا، ان آنکھوں میں ہوس ابھری ہو۔ ایسا کیوں ہے؟"

سوال وہ تھا جو رئیس نے کبھی خود سے بھی نہیں پوچھا تھا۔

اسے کیا جواب دیتا؟ ایک وجہ تو اس کی ماں تھی۔ بلقیس بیگم! جنہوں نے اسے ہمیشہ عورت کی حرمت کی اہمیت سکھائی تھی۔ یونہی تو نہیں وہ دلوں پر راج کرتا تھا۔

دوسرا، ان آنکھوں نے کبھی کسی چہرے کو خود پر چھا جانے نہیں دیا تھا۔

سوائے اس چہرے کے جس کے دیدار کے لیے وہ برسوں جلتا رہا تھا۔ وہ اب بھی خاموش تھا۔ کئی لمحے خاموش رہا۔

تبھی، اس نے خود کو سنبھالا۔

چشمہ دوبارہ آنکھوں پر رکھا، ایک قدم پیچھے ہٹا اور نیچے سیڑھیوں کی طرف بڑھنے لگا۔ بنا کچھ کہے۔

"تمہیں میری آنکھوں میں تشریح ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں۔

کام پر توجہ دو، فضول باتوں سے بچو۔ شوا چھانہ ہوا تو ہرجانہ بھرنا پڑے گا۔"

فجر اسے جاتے دیکھتی رہ گئی۔

اسے رئیس کی ہر بات کی عادت تھی۔ مگر ڈپٹ کر، فاصلے ڈال کر، اسے پیچھے چھوڑ دینے کی یہ عادت، شاید وہ کبھی نہ سیکھ پائے گی۔

سیڑھیاں اترتے ہوئے رئیس نے خود کو سخت رکھنے کی بہت کوشش کی مگر ہر قدم کے ساتھ اس کا دل، وہی ہیزل آنکھیں یاد کر رہا تھا۔ وہی باتیں یاد کر رہا تھا۔ وہ لڑکی اس کا اسکینر تھی۔ وہ اس سے بھاگ نہیں سکتا تھا۔

فجر، ایک لمحہ، دو لمحے، یونہی کھڑی رہی۔

پھر اس کی ذہین آنکھیں مسکرا دیں۔

وہ جانتی تھی۔ رئیس کی آنکھوں پر چشمہ تھا، دل پر نہیں۔

اس نے اپنا موبائل نکال کر اس میں رئیس کا سیو نمبر **"ڈارک لارڈ"** کے نام کی بجائے **'mentor'** کر دیا تھا۔

ہال سے باہر نکلتے رئیس نے اس کا نمبر **'لٹل مس'** کی جگہ ایڈٹ کر کے **'اسکینر'** کے نام پر سیو کر دیا تھا۔ یہ تو وہ جانتا تھا وہ خطرناک تھی۔ اس سے جتنا بچا جاتا اتنا اچھا تھا۔

✿••✿••✿••✿

یہ شو سے دو دن پہلے کی بات تھی۔ ہال کی فضا میں ایک خاص سی سرگرمی تھی۔ اسٹیج کے فلور پر لائٹس کے اینگلز سیٹ ہو رہے تھے، ریمپ کی لائننگ چیک کی جا رہی تھی اور ماڈلز آخری ریہرسل کی تیاریوں میں تھیں۔ ہر طرف ایک سنجیدہ سی گہما گہمی تھی، مگر اس کے بیچ دو عورتیں، دو دنیائیں، فجر معراج اور فلک عالمگیر، ایک طرف بیٹھ کر پرسکون انداز میں سب کچھ دیکھ رہی تھیں۔

فلک اب بغیر سہارے کے چلنے پھرنے لگی تھی۔اس کے چہرے پر صحت کی واپسی کی روشنی تھی۔اور فجر،وہ اب بھی سادہ لباس میں تھی مگر اس کی آنکھوں کی تیزی اور لبوں کی بے نیازی ویسی ہی تھی۔

کچھ دیر منظر کو سراہنے کے بعد،فجر نے اچانک بیگ اٹھایا۔

"چلو فلک،باہر چلتے ہیں۔"وہ اٹھتے ہوئے بولی،"شاپنگ کریں گے۔"کام کر کر کے وہ تھک گئی تھی۔اس ہیکٹک روٹین سے باہر نکلا چاہتی تھی۔

"ابھی؟"فلک نے حیرت سے دیکھا۔

"ہاں!ابھی۔شو جلد ہے۔ہم دونوں بھی کچھ اچھا سا پہنیں گی۔لڑکیاں ہیں،یہ شو ہمارا ہے،شاپنگ تو بنتی ہے۔"

فلک مسکرا کر اس کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔دونوں نے بیگ کندھے پر ڈالے،فون ہاتھ میں لیے،اور جیسے ہی باہر نکلنے کے لیے قدم بڑھایا۔

عروزہ جمال سامنے کھڑی تھی۔ہال کے دروازے کے باہر۔اونچی لمبی عروزہ ان کے راستے میں حائل تھی۔وہ یقیناً رئیس کے ساتھ آئی ہو گی جو ابھی باہر تھا۔

"کہاں جا رہی ہو دونوں؟"عروزہ کا لہجہ سخت تھا۔بھنویں تنی ہوئی تھیں۔

اس کے پیچھے رئیس نمودار ہوا۔وہ آفس سے سیدھا آیا تھا،روایتی ڈریس شرٹ اور پینٹ پہنے ہوئے۔موبائل ہاتھ میں تھا۔

اس کی آنکھیں پہلے فلک سے ہوتی ہوئیں فجر پر جم گئیں۔

اسے دیکھ فلک کا دل دھڑکا۔مگر فجر،وہ پھر پر سکون انداز میں بولی۔

"شاپنگ کرنے۔"

"بغیر سیکیورٹی کے؟" رئیس کے تیور بدل گئے۔

"ہم ایک ساتھ وقت گزارنا چاہتی ہیں۔ ہمیں کسی سیکیورٹی کی ضرورت نہیں ہے۔ پہلے کیا ہم سیکیورٹی کے ساتھ باہر نکلتی ہیں؟ ہم عام لڑکیاں ہیں، اشتہاری نہیں جو لوگ دیکھتے ہی ہم پر ٹوٹ پڑیں گے۔"

وہ سینے پر بازو باندھے بولی۔

رئیس نے نچلا ہونٹ دبایا، اس کے جبڑے بھنچ گئے۔ پھر وہ ایک قدم آگے بڑھا۔

"واپس اندر جاؤ! تم دونوں!" اس نے حکم دیا۔

"ہرگز نہیں۔ مجھے شاپنگ کرنی ہے۔" وہ اس کے پہلو سے نکل کر آگے بڑھی۔ مگر اگلے لمحے وہ پلٹا، فجر کی گردن کے پیچھے اس کا مضبوط ہاتھ آ گیا۔

نرمی سے، مگر مضبوطی کے ساتھ، جیسے کسی ضدی بچے کو روکنے والا بڑا۔ وہ اسے گُدّی سے پکڑ چکا تھا۔ فلک کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"اس پروجیکٹ پر میرا بہت سا پیسہ لگا ہوا ہے۔ تمہارے مرنے پہ میں برباد ہو سکتا ہوں اور فی الوقت میں یہ افورڈ نہیں کر سکتا۔"

اس کا لہجہ سخت تھا۔ عروزہ نے گہری سانس لے کر انہیں دیکھا جو اسے گردن سے پکڑ کر اندر لے جا چکا تھا۔ وہ خود کو چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی مگر بے سود۔

"جب تک یہ شو نہیں ہو جاتا۔ تم دونوں کو احتیاط کرنی چاہیے۔" وہ اسے واپس اندر جانے کا اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ فلک بنا کچھ کہے واپس مڑ گئی۔

ہال کے دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی رئیس نے اسے چھوڑ دیا۔

"آپ کو پتا بھی ہے شاپنگ لڑکیوں کے لیے کتنی اہم ہوتی ہے؟"

وہ دبی دبی آواز میں چلائی۔ وہ اس کا بڑا کیوں بن رہا تھا؟ سمجھتا کیا تھا خود کو؟

"آپ کو اگر شاپنگ نہیں پسند تو آپ ہمیں نہیں روک سکتے۔"

رئیس رکا۔ اس نے گہرا سانس لیا جیسے صبر آزمایا جا رہا ہو۔

"مجھے بھی شاپنگ کرنا پسند ہے۔" اس نے سکون سے کہا۔

فجر کی بھنویں ہلکی سی بلند ہوئیں۔ اس سے پہلے کہ وہ اور کچھ کہتی، فلک نے تجسس سے پوچھا۔

"آخری بار کب کی تھی آپ نے شاپنگ؟ اور کیا خریدا تھا؟"

رئیس نے کچھ بولنے ہی والا تھا کہ پیچھے سے عروزہ کی آواز ابھری۔

"کوئی دس دن پہلے، اور باس نے ایک yacht خریدی ہے۔"

وہ جتاتی ہوئی نظر فجر پر ڈال کر آگے بڑھی۔ رئیس بھی سر ہلا کر آگے بڑھ گیا۔ آج اسے بھی یہاں کافی کام کرنا تھا۔ فضول الجھ نہیں سکتا تھا۔

فلک اور فجر نے بیک وقت ایک دوسرے کو دیکھا۔ آنکھیں پھیل سی گئیں۔ پھر فلک خفیف سا ہنس دی۔ آگے بڑھتے ہوئے وہ ذرا سا رکا، پلٹا۔ ان دونوں کو گھورا، پھر سرد لہجے میں کہا۔

"تم دونوں میری اجازت کے بغیر کہیں نہیں جاؤ گی۔"

پھر وہ سیدھا آگے بڑھ گیا جیسے کوئی آخری فیصلہ سناتا ہوا بادشاہ۔

فجر نے اس کی پشت کو گھورا۔

"پتا نہیں کیا سمجھتا ہے خود کو۔" وہ کڑتی ہوئی واپس چل پڑی۔ البتہ فلک کے چہرے پر خوبصورت سی مسکراہٹ تھی۔

رئیس کو ان کی فکر تھی۔ اس کے لیے یہ کافی تھا۔

✿••✿••✿••✿

رات کے اس وقت ہال اب خاموش تھا۔ روشنیوں کی شدت کم کر دی گئی تھی، صرف اسٹیج لائٹس کی مدھم جھلکیاں ہال میں ایک سنہرا سا عکس بکھیر رہی تھیں۔

ٹیم اور ماڈلز جا چکی تھیں، میوزک بند ہو چکا تھا، صرف ہوا کی ہلکی سرسراہٹ باقی تھی۔

ہر کاسٹیوم، ہر لٹکتا ہوا دوپٹہ، ہر سلک کا لہراتا ہوا ٹکڑا کسی مکمل فن پارے کا خاموش دعویٰ کر رہا تھا۔

یہاں ہر گوشہ، کسی نہ کسی عورت کے خواب، جنگ اور درد کی تصویر تھا۔

مگر ہال کے ایک کنارے پر، روشنی کے حلقے سے ذرا ہٹ کر، ایک عورت بیٹھی تھی جس نے یہ خواب دیکھا تھا، فجر معراج!

وہ ریمپ کے آخری زینے پر تھی۔

گردن ذرا سی جھکی ہوئی، ہاتھ میں کچھ نوٹس، مگر نگاہوں کا مرکز وہ کاغذ نہ تھا۔

اس کے وجود پر عجیب سی تھکن اور خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ جیسے کوئی بہت بولنے کے بعد تھک جائے یا کوئی بہت کچھ سہہ کر بھی چپ رہے۔ وہ ولی کا انتظار کر رہی تھی جو ابھی تک نہیں آیا تھا اور اسے یہ انتظار برا لگ رہا تھا۔

تب، آہٹ ہوئی۔ نرمی سے کھلتے دروازے کی آواز۔

اور کوئی اندر ہال میں داخل ہوا۔ قدموں کی دھیمی چاپ، آہستہ، ناپ تول کر رکھی گئی جیسے کسی نے ہال کی خاموشی کا احترام کیا ہو۔

وہ ولی تھا۔ ایڈنبرا کے جوزف پیلس کا شہزادہ! وہ آج پورا دن غائب رہا تھا۔ زیادہ وقت منار میں گزارہ، صفدر کے ساتھ اہم معاملات دیکھنے تھے۔ اس کے بعد جانے کدھر تھا۔

سفید شرٹ جس کی آستینیں کہنی تک چڑھی ہوئی، چہرے پر تازگی، اور آنکھوں میں وہ سکون جو صرف نماز کے بعد ہی چمکتا ہے۔ وہ اسے لینے آیا تھا۔ اس نے کہا تھا وہ خود آئے گا تب تک وہ یہیں انتظار کرے اور وہ اس کی کا انتظار کر رہی تھی۔

فجر نے نگاہ اٹھائی۔

ولی کو دیکھتے ہی اس کی سانسوں میں جیسے ٹھہراؤ آ گیا ہو۔

وہ اس کی سمت بڑھا، قدم آہستہ، مگر یقین سے بھرے ہوئے۔

دونوں کی نظریں ملیں۔

نہ کوئی سلام۔ نہ کوئی جملہ۔ صرف ایک نظر۔

اور وہ نظر لمحہ بھر میں کئی سوال، کئی جواب، کئی درد، اور کئی تسلیاں کہہ گئی۔

وہ قریب آ کر رک گیا۔ دونوں کے درمیان خاموشی تھی مگر وہ خاموشی کسی دیوار کی نہیں۔ کسی پردے کی طرح تھی جسے صرف ایک لمس ہٹا سکتا تھا۔

فجر نے اس کی طرف دیکھا جیسے کچھ کہنا چاہے مگر پھر صرف پھیکا سا مسکرا دی۔

وہ مسکراہٹ وہ نہیں تھی جو وہ دنیا کے لیے رکھتی تھی یہ وہ مسکراہٹ تھی جو صرف اس کے لیے محفوظ تھی۔

خالص، ہلکی، اور تھوڑی سی شرمندہ۔ ولی کی آنکھوں میں ایک دھیمی روشنی جھلکی۔

وہ چند قدم اور قریب آیا اور بغیر اجازت، اس کے برابر بیٹھ گیا۔

دونوں کی کہنیاں اب قریب تھیں۔

اس نے نیچے فرش کو دیکھا، پھر چھت کو اور پھر فجر کو۔

اور فجر نے آنکھوں ہی آنکھوں میں پوچھا۔

"کیا بات ہے؟ تم چپ کیوں ہو؟" اس کی نگاہیں بولیں۔

"کیونکہ تم بول رہی ہو، تمہاری خاموشی بہت کچھ کہہ رہی ہے۔"

فجر نے پلکیں جھکائیں، جیسے اس نے وہ سب سن لیا ہو جو ولی کہنا چاہتا تھا۔

پھر اس نے دھیرے سے، بے آواز انداز میں اس کی کلائی کے پاس ہاتھ رکھا۔ چھوا نہیں، بس اتنا قریب آیا کہ موجودگی محسوس ہو۔

"تم ٹھیک ہو؟" اس کی نگاہیں سوال بنیں۔

فجر نے پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا اور آہستہ سر ہلا دیا۔

"جب تم پاس ہوتے ہو تو ہاں، ٹھیک ہوتی ہوں۔"

یہ وہ جملہ تھا جو اس نے نہیں کہا، مگر ولی نے سن لیا۔

چند لمحے یونہی بیت گئے۔ پھر ایک ہاتھ سے اس نے زمین پر رکھا ہوا رومال تھاما جس سے وہ بال باندھتی تھی۔ اسے اپنی انگلیوں میں لپیٹا۔

"میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی تھی۔ کہاں تھے تم؟" بالآخر وہ بول پڑی۔

"نماز پڑھنے گیا تھا دیر ہو گئی۔ تمہارے لیے دعا کی ہے۔"

اس کی آواز میں وہ گونج نہیں تھی جو دنیا سنتی۔ یہ وہ لہجہ تھا جو صرف فجر کے لیے مخصوص تھا۔ نرمی سے خراش دیتا، اور خراش دے کر مرہم رکھتا۔

"کیا مانگا؟" اس نے آہستہ پوچھا، جیسے کسی خواب میں بول رہی ہو۔ دھیمی روشنیوں میں ہال کا منظر خواب ناک تھا۔

ولی نے لمحہ بھر اس کی طرف دیکھا۔

"یہ کہ تم کبھی اکیلی نہ رہو۔"

وہ سانس روکے اسے دیکھے گئی۔ اس نے فجر کی جانب اپنا ہاتھ بڑھایا، لیکن چھوا نہیں۔

بس انگلیوں کی موجودگی اس کی کلائی کے قریب تھی۔

جیسے اجازت کا منتظر ہو۔

"کبھی تم نے سوچا کہ دنیا بھر کے کاسٹیومز، یہ سب رنگ، یہ شو کی چمک، تمہیں چھپا تو سکتی ہے مگر تھام نہیں سکتی؟"

فجر نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا۔ "جانتی ہوں۔"

"تم نے کافی کچھ جھیل لیا ہے۔ اب تھامنے کی باری میری ہے۔ میں چاہتا ہوں تم کچھ پل کے لیے اپنی تلوار نیچے رکھ دو۔

مجھے اجازت دو۔۔۔ تمہیں سہلانے کی، سنوارنے کی، سنبھالنے کی۔"

وہ سانس لینا چاہتی تھی مگر اس کی باتیں خلل ڈال رہی تھیں۔

آنکھیں بند کیں جیسے اس لمحے کو محسوس کرنا چاہا۔

جیسے اس یقین کی روشنی کو اپنی جلد میں جذب کرنا چاہتی ہو۔

ولی نے دھیرے سے اس کی انگلیوں کو چھوا۔

"یہ ہاتھ، تھک گئے ہیں نا؟" وہ بولا۔

"میں چاہتا ہوں کچھ دیر یہ ہاتھ میری ہتھیلی میں رہیں۔

میں انہیں بتاؤں کہ یہ تنہا نہیں ہیں۔"

فجر کے ہونٹ ہلکے سے لرزے۔

"ولی۔۔۔" وہ بس اتنا کہہ پائی۔

وہ اب ہلکا سا مسکرایا۔ وہ جب جب نماز پڑھ کر آتا تھا اس سے الگ سی انسیت ہوتی تھی۔ اس پر غصہ بھی نہیں آتا تھا۔ آخر کیا خاص تھا اس کی عبادت میں؟

"سب کچھ ٹھیک ہو گا۔" اس نے سر جھکا کر کہا۔

"میں نے تمہارے لیے خیر اور امن مانگا ہے۔ خود کو تمہارے لیے چھوڑ آیا ہوں۔"

فجر نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

اس کی نگاہوں میں وہ تمام رنگ تھے جو ہال کے کاسٹیومز میں نہ تھے۔ تحفظ کا رنگ، قربانی کا رنگ، اور۔۔۔ محبت کا رنگ!

ولی نے آہستہ سے فجر کے گرد اپنا ہاتھ پھیلایا۔

نہ زبردستی، نہ بے چینی۔ بس ایک خاموش آفر۔

اور اس بار، وہ پیچھے نہیں ہٹی۔

وہ اس کی طرف جھکی۔ اس کے کندھے پر اپنا سر رکھ دیا۔ وہ تھک جاتی تھی پر جب وہ سامنے آتا تھا تو کرب، مرہم بن جاتے تھے۔ لمحے، آسان ہو جاتے تھے۔ دل، روشن ہو جاتا تھا۔

وہ لمحہ۔۔۔

وقت کی گرفت سے نکل کر، بس اُن دونوں کے لیے تھا۔

ہال کی روشنیوں میں وہ منظر یوں چمکا جیسے ہزاروں چمکتے دوپٹے ایک ہی عورت کے لیے دعا بن گئے ہوں۔

یہاں، اس کونے میں محبت نے اپنے سب سے خوبصورت رنگ سے نقش کھینچ دیا تھا۔

اور وہ رنگ، خاموشی کا رنگ تھا۔

وہ کافی پریشر میں تھی۔ حد درجہ ٹینشن بھی تھی۔ یہ شو اس کے لیے بہت اہم تھا۔ ایک تو رئیس گروپ کا نام جڑا تھا دوسرا اس کے ریفرنس سے بڑے بڑے لوگ آنے والے تھے۔ اس کے علاوہ وہ جس مقصد کے لیے یہ سب کر رہی تھی اگر وہ پورا نہ ہوا تو؟ سوچ سوچ کر سر درد ہونے لگا تھا۔

کچھ دیر وہ یونہی اس کے کندھے پر سر رکھے رہی۔ دنیا کا سارا شور، سارے خدشے، ساری تھکن جیسے اس ایک لمحے میں تحلیل ہو کر رہ گئے تھے۔ اسکی قربت ایک ایسا حصار تھی جس کے اندر صرف سکون اور امان کی حکومت تھی۔

پھر ولی نے بہت آہستگی سے اپنا سر اٹھایا اور فجر کے چہرے کو دیکھا، جو اب بھی اس کے کندھے میں چھپا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک نئی چمک تھی، ایک عزم کی روشنی۔ اس نے دھیرے سے فجر کا ہاتھ تھاما جو اس کے بازو پر رکھا تھا۔ اس کی گرفت میں ایک یقین تھا، ایک وعدہ تھا۔

وہ کچھ کہے بغیر کھڑا ہوا۔ اس کا ہاتھ اب بھی فجر کے ہاتھ میں تھا۔ فجر نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تو وہ ہلکا سا مسکرایا۔ اس نے جھک کر اس کا دوسرا ہاتھ بھی تھام لیا۔

"اٹھیں۔۔۔" اس کی آواز میں حکم نہیں، ایک نرم سی گزارش تھی۔

فجر اس کے سہارے کھڑی ہو گئی۔ اب وہ دونوں آمنے سامنے تھے، روشنی کے سنہری دائرے میں، ایک دوسرے کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے۔ ریمپ پر۔

پھر ولی نے اس کا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ میں تھامے رکھا اور اس کا بایاں ہاتھ اٹھا کر نرمی سے اپنے کندھے پر رکھ دیا۔ فجر کی انگلیاں اس کی شرٹ کے کھردرے کپڑے پر ٹھہر گئیں۔ اس لمس نے اس کے وجود میں ایک سنسنی دوڑا دی۔

پھر ولی کا دایاں ہاتھ آگے بڑھا اور اس کی کمر کے گرد ایک محفوظ حصار قائم کر لیا۔ یہ گرفت اتنی مضبوط تھی کہ تحفظ کا احساس دے، اور اتنی نرم کہ اس میں جبر کا شائبہ تک نہ ہو۔ وہ اسے اپنی جانب کھینچ کر اور قریب لے آیا۔

"یہ کیا کر رہے ہو؟" اس کی آواز سرگوشی جیسی تھی۔ وہ حیرانی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اس خاموشی میں بھی ایک موسیقی ہے۔ کیا تم سن نہیں سکتیں؟" اس نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس موسیقی پر رقص کرتے ہیں۔"

"مجھے ڈانس نہیں آتا۔" وہ بے اختیار بولی۔ اس کی آواز میں ایک ایسی بے بسی تھی جو اس کی شخصیت سے بالکل میل نہیں کھاتی تھی۔ وہ فجر معراج تھی، جو دنیا کو اپنی انگلیوں پر نچاتی تھی اور آج اسے اپنے قدموں پر قابو نہیں تھا۔ اسے واقعی ڈانس نہیں آتا تھا۔

ولی کی آنکھوں میں شرارت بھری مسکراہٹ جھلکی۔

"میں ہوں نا آدھا انگریز، سکھا دوں گا۔" اس کا لہجہ اتنا اپنائیت بھرا تھا کہ فجر کے لبوں پر بھی ایک خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔

وہ اسے ساتھ لیے ہلکا ہلکا جھومنے لگا۔ ایک قدم آگے، ایک قدم پیچھے۔ کوئی جلدی نہیں تھی، کوئی ترتیب نہیں تھی۔ بس ایک دھیما سا آہنگ تھا جو ان کی دھڑکنوں سے ہم آہنگ تھا۔ وہ پہلے تو ہچکچائی۔ اس کا جسم اکڑا ہوا تھا، قدم بے یقینی کا شکار تھے۔ وہ مسلسل نیچے اپنے پیروں کو دیکھ رہی تھی۔ ڈر رہی تھی کہ کہیں کوئی غلط قدم نہ اٹھا لے۔

ولی نے اس کی ٹھوڑی کے نیچے اپنی انگلی رکھ کر نرمی سے اس کا چہرہ اوپر اٹھایا۔

"قدموں کو نہیں، مجھے دیکھو۔ بس میرے ساتھ چلو۔" اسٹیج پر ان کے سائے لمبے ہو رہے تھے۔

فجر نے اس کی آنکھوں میں دیکھا، اور اسے لگا جیسے وہ کسی گہرے سمندر میں ڈوب رہی ہو جہاں خوف نہیں، صرف سکون تھا۔ اس نے خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا، اپنی روح کو اس کے سپرد کر دیا۔ اب اس کے قدم خود بخود اٹھ رہے تھے۔ وہ اس کے ساتھ جھوم رہی تھی، سنہری دھند میں، وقت اور جگہ سے بے نیاز ہو کر۔ ولی نے اسے دھیرے سے گھمایا۔ ایک ہلکا سا، خواب ناک چکر، جس میں ریکس پر لٹکتے کاسٹیومز کے رنگ اور فرش پر بکھرے ستارے ایک دھندلی سی لکیر بن کر رہ گئے۔

اسے لگا جیسے وہ ہوا میں تیر رہی ہو۔ ولی نے اسے دوبارہ اپنے قریب کیا، اس کی کمر پر گرفت مضبوط کی۔ اس کی ایفرٹس، اس کا سکھانے کا انداز اور اس کے چہرے پر موجود وہ خالص مسکراہٹ دیکھ کر فجر کے اندر سے ایک آبشار ابل پڑا۔ وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ شاید زندگی میں پہلی بار!

اس کی ہنسی اس خالی، وسیع ہال میں گونج گئی۔ یہ کوئی رسمی یا تھکی ہوئی ہنسی نہیں تھی، یہ روح کے اندر سے پھوٹنے والا ایک قہقہہ تھا، جس نے شو کا سارا اسٹریس، ساری ٹینشن، ساری تھکن کو ایک لمحے میں پیچھے چھوڑ دیا۔ وہ ہنستی رہی اور ولی اسے مسکراتے ہوئے دیکھتا رہا، جیسے اس کی ہنسی دنیا کی سب سے قیمتی شے ہو۔

اور پھر اسی ہنسی کے درمیان جب اس کے قدم ولی کے قدموں کے ساتھ ایک ہو چکے تھے، تب اس کا سر ایک بار پھر اس کے کندھے سے آ لگا تھا۔۔۔

اس کے ذہن میں ایک جھماکہ ہوا۔

وقت جیسے ایک لمحے کے لیے ساکت ہو گیا۔

یہ منظر۔۔۔ یہ لمس۔۔۔ یہ احساس۔۔۔

یہ تو وہ خواب تھا جو وہ اکثر دیکھتی تھی۔

ایک خواب، جس کی تعبیر اسے کبھی معلوم نہ تھی۔ ایک دھندلا سا خواب، جس میں ہمیشہ ایک مضبوط ہاتھ اسے تھامے ہوتا تھا، اور اس کا وجود کسی نامعلوم ساتھی کے ساتھ رقص کر رہا ہوتا تھا۔ اس نے خواب میں کبھی چہرہ نہیں دیکھا تھا، صرف اس ہاتھ کی گرفت اور اس کی موجودگی کے احساس کو محسوس کیا تھا۔

آج وہ خواب حقیقت بن کر اس کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ ہاتھ، ولی کا ہاتھ تھا۔ وہ وجود، ولی کا وجود تھا۔ وہ چہرہ، ولی کا تھا۔

اس کی ہنسی یکلخت تھم گئی۔ اس نے سانس روکے، اپنی آنکھیں پوری طرح کھول کر ولی کو دیکھا۔ جیسے وہ پہلی بار اسے پہچان رہی ہو۔ اسے یہ چہرہ دنیا کا سب سے خوبصورت چہرہ لگا۔ یہ نشان اسے دنیا کا خوبصورت نشان تھا۔ اس کی نگاہوں میں حیرت تھی، بے یقینی تھی اور ایک ایسی شناخت تھی جو روحوں کے ازلی تعلق سے جنم لیتی ہے۔ یہ شخص۔۔۔ یہ اس کے خوابوں کا شہزادہ تھا جو ایڈنبرا کے جوزف پیلس سے اتر کر اس کی حقیقت میں داخل ہو چکا تھا۔

✿••

شہر کی سب سے مصروف سڑک پر، جہاں رات کے سائے جگمگاتی روشنیوں سے شکست کھا چکے تھے، رئیس ہیڈ آفس کا یہ ہال اپنی رعونت میں باقی سب عمارتوں کو چھوٹا دکھا رہا تھا۔ اس کی بلندی اور شاندار طرزِ تعمیر دور سے ہی آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ آج کی شب اس کی دہلیز پر رکنے والی ہر قدمگاہ، گویا کسی خواب کی سرزمین پر جا رہی تھی۔ ہوا میں ایک خاص قسم کی سرسراہٹ تھی، جو آنے والے کسی بڑے واقعے کا پیش خیمہ تھی۔

مرسڈیز، رولز رائس، اور برق رفتار اسپورٹس گاڑیوں کی ایک لمبی قطار مرکزی دروازے تک پھیلی ہوئی تھی، جن کی چمکتی دھات رات کی روشنیوں میں جلتی بجھتی محسوس ہو رہی تھی۔ ہر گاڑی سے نکلنے والا شخص خاص تھا، اور ہر چہرے پر ایک مخصوص انداز نمایاں تھا۔ ہال کے داخلی راستے پر بچھا کارپٹ اپنی نرم و گداز سطح کے ساتھ مدعو کر رہا

تھا۔اس پر قدم رکھتے ہی ایک ایسا وسیع ہال کھلتا تھا جو روشنیوں، موسیقی، اور ستاروں سے بھرا ہوا تھا۔ہال کی اندرونی فضا میں ایک بھاری مگر پر سکون خاموشی تھی، جیسے ہوا بھی اپنی سانس روکے ہوئے ہو۔

سیکیورٹی بے حد سخت تھی۔ہال کے باہر بھیڑ لگی تھی، جہاں چند عام لڑکیاں، جن کی آنکھوں میں بے پناہ خواب چمک رہے تھے، دروازے تک آکر منتیں کر رہی تھیں۔ان کی آوازوں میں ایک حسرت تھی، ایک تڑپ تھی کہ شاید ایک لمحے کے لیے ہی سہی، انہیں اس شاندار دنیا کی جھلک دیکھنے کو مل جائے۔

"بس ایک جھلک دیکھنے دو اندر کی۔ہمیں جانے دو۔پلیز!" ایک لڑکی نے منت کی۔اس کی آنکھوں میں نمی سی تھی۔

"میری بہن کا نام لسٹ میں تھا، مجھے بھی جانے دو!" دوسری لڑکی نے امید بھری نظروں سے سیکیورٹی اہلکاروں کو دیکھا۔

مگر انتظامیہ کی طرف سے ایک ہی جملہ بار بار، بے تاثر اور آہستگی سے دہرایا جا رہا تھا۔

"ہال فل ہو چکا ہے۔ٹکٹس ختم ہو چکے ہیں۔مزید داخلہ ناممکن ہے۔آپ آنلائن دیکھ سکتے ہیں۔"

اندر، ہال کے اندرونی حصے میں ہزاروں آنکھیں چمکتی تھیں۔ہال کی چکاچوند روشنیوں میں ہر چہرہ روشن دکھائی دے رہا تھا۔ہر صفِ اول کا آرٹسٹ، اداکار، ہدایتکار، موسیقار اور بزنس ٹائیکون اپنی مخصوص نشستوں پر آ چکے تھے۔ان کی ہنسی کی دھیمی گونج، ان کی آپس میں سرگوشیاں اور ان کے قیمتی لباسوں کی جھلملاہٹ ہال کی رونق میں اضافہ کر رہی تھی۔

پہلی قطار میں بیٹھی ملک جس کی سرخ چہرے پر بڑی اعتماد و ڈور کشی کی میابی سرکا کی نگ لگنہ نمایاں تھا۔ ان کے پیچھے شوبزنس کی چمکتی ہوئی خواتین، انسٹاگرام کی اسٹارز، نیشنل گیلری کے آرٹسٹ اور بڑے میڈیا چینلز کے اینکرز اپنی جگہ بنا چکے تھے۔ زیادہ تر لوگ وہ تھے جنہیں شاید اس شو میں کوئی دلچسپی نہیں تھی وہ بس رئیس گروپ کا نام سن کر آئے تھے۔

ہال میں موجود ہر شخص کی نظریں اس اسٹیج پر جمی تھیں، جو ابھی تک خالی تھا۔ مگر خالی نہیں۔ منتظر تھا۔ اسٹیج کے سامنے بیٹھے لوگوں کی بے چینی ان کی آنکھوں سے عیاں تھی۔

ہر کرسی پر ایک سفید کارڈ رکھا تھا، جس پر سنہری الفاظ میں خوبصورت خطاطی سے لکھا تھا۔

پروجیکٹ: رانیہ (چیتھڑوں میں لپٹی روح)

تھیم: عنکبوت

تحریر: فلک عالمگیر

کاسٹیومز: فجر معراج

سرپرستی: رئیس اورنگزیب

یہ الفاظ ایک گہرے راز کی طرف اشارہ کر رہے تھے، جو ہر حاضرین کے دل میں تجسس پیدا کر رہے تھے۔ اسٹیج کے پیچھے، کالے پردے ہلکی ہوا سے لرز رہے تھے جیسے وہ خود کسی کہانی کو اپنے اندر قید کیے ہوں۔ ان پردوں کے پیچھے کیا تھا، یہ تجسس اسٹیج کی خاموشی کو مزید پراسرار بنا رہا تھا۔ روشنیوں کی سمت وقتاً فوقتاً بدلی جا رہی تھی، کبھی اسٹیج کے ایک کونے کو روشن کرتی تو کبھی دوسرے کو، جیسے کسی آنے والے طوفان کا پیش خیمہ ہو۔

کچھ تصویریں پنکھوں کی طرح چھت سے نیچے لٹک رہی تھیں، ہر تصویر میں ایک عورت کا مختلف روپ دکھایا گیا تھا۔ کبھی شاندار، کبھی کمزور، کبھی پراسرار۔ کچھ سائے دیواروں پر عورتوں کے مختلف روپ دکھا رہے تھے، جو ہال کی دیواروں پر ناچتے پھر رہے تھے۔ یہ سب ایک فنکارانہ آمیزش تھی، ایک ایسا امتزاج تھا جو ناظرین کو اپنی گرفت میں لے رہا تھا۔

کانسیپچوئل آرٹ اور فیشن کا یہ امتزاج، نہایت شعوری طور پر سماجی نارمز کو چیلنج کرتا نظر آرہا تھا۔ یہ ایک ایسا تجربہ تھا جسے دیکھنے کے لیے لوگوں نے ٹکٹس بلیک میں خریدے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ محض ایک شو نہیں بلکہ ایک سوچ، ایک پیغام تھا جو انہیں ہر صورت دیکھنا تھا۔

پھر ایک آواز، بہت دھیمی، ہال میں گونجی۔ یہ آواز اتنی دھیمی تھی کہ اسے سننے کے لیے ہر شخص کو اپنی سانس روکنی پڑی۔ ابھی اسٹیج خالی تھا مگر اس آواز نے ہال میں موجود ہر دل کو دھڑکا دیا۔

"عنکبوت شروع ہونے والا ہے۔۔۔"

ہال کی تمام لائٹس مدھم ہو گئیں۔ ہوا میں پھیلی دھیمی گونج اچانک ایک گہری خاموشی میں بدل گئی۔ ہر چہرہ اسٹیج کی جانب مڑ گیا جہاں ایک سنجیدہ سی سفید روشنی دائرے کی شکل میں پھیلی اور اس کے دائرے میں ایک مرد آہستہ آہستہ چلتا ہوا آیا۔ اس کا ہر قدم متوازن، پرسکون اور پراعتماد تھا۔ وہ سیاہ ڈریس پینٹ، سیاہ شرٹ، بغیر ٹائی اور اس کی آستینیں کہنیوں تک فولڈ کی ہوئی تھیں۔ یہ سادہ مگر پروقار لباس اس کی غیر معمولی شخصیت کی عکاسی کرتا تھا۔ اس کا چہرہ سکون سے بھرپور تھا جیسے وہ بہت کچھ کہنے آیا ہو۔

یہ رئیس اورنگزیب تھا۔ ایک ایسا نام جو دنیا کو اپنے الفاظ سے نہیں، اپنی حکمت اور اختیار سے متاثر کرتا تھا۔ اس کی موجودگی ہال میں ایک خاص وقار پیدا کر رہی تھی اور ہر شخص محسوس کر رہا تھا کہ وہ کسی غیر معمولی لمحے کا گواہ بننے والا ہے۔

وہ مائیک کے سامنے رکا۔ چند لمحے خاموشی سے ہال میں موجود ہر چہرے کو دیکھتا رہا ایک طویل، پر معنی نظر جو ہر حاضرین کو اپنی گرفت میں لے رہی تھی۔ پھر اس نے نہایت متوازن آواز میں، ایک غیر متوقع اعتراف کے ساتھ اپنی بات کا آغاز کیا۔

"میں رئیس اورنگزیب ہوں۔ مجھے بولنا خوب آتا ہے، الفاظ میرے غلام ہیں۔ لیکن آج۔۔۔ آج میرے پاس الفاظ کم پڑ گئے ہیں۔

میں کاروباری آدمی ہوں، حساب کتاب میں یقین رکھتا ہوں۔

لیکن کچھ معاملات ایسے ہوتے ہیں جہاں نفع، نقصان، شہرت، نام سب غیر متعلقہ ہو جاتے ہیں۔ **پروجیکٹ رانیہ** ان میں سے ایک ہے۔ یہ شو، فیشن، تھیٹر یا آرٹ سے آگے کی چیز ہے۔

یہ ان کہانیوں کا اسٹیج ہے۔

جو ہم نے برسوں تک سننے سے انکار کیا۔

یا شاید سہنے سے ڈر گئے۔

میں نے اس شو کو اس لیے اسپانسر نہیں کیا کیونکہ یہ غیر معمولی ہے۔

میں نے اسے اسپانسر کیا کیونکہ میں ان سب لڑکیوں کے لیے کچھ کرنا چاہتا تھا جنہیں ہم نے خاموشی سکھائی اور پھر الزام دیا کہ وہ **"چیخی کیوں نہیں؟"**

میں نہیں جانتا کہ یہ شو کس کو کیا دکھائے گا،

لیکن میں جانتا ہوں آج اگر ہم چپ رہے، تو کل ہر بیٹی، ہر بہن، ہر دوست، ایک اور رانیہ بنے گی۔ یہ شو اُن کے لیے ہے جو بول نہیں سکتیں۔

اور آج میں رئیس اور نگزیب ان کی خاموشی کو اسپانسر کر رہا ہوں۔"

وہ عفریت آج اپنا عفریت ہونا بھول گیا تھا۔

اس کے الفاظ ہال میں گونجے اور ایک گہرا اثر چھوڑ گئے۔ یہ خاموشی ہزاروں الفاظ پر بھاری محسوس ہوئی۔ اس نے ایک لمبی سانس لی جیسے اس نے اپنے کندھوں سے ایک بھاری بوجھ اتار دیا ہو۔

پھر اس نے آہستہ سے سر ہلایا۔ ایک ہلکا سا اشارہ جو اسٹیج سے نیچے جانے کی طرف تھا۔ اس کے سر ہلانے کے ساتھ ہی اسٹیج کی روشنی اس کے گرد مدھم ہو گئی اور وہ تاریکی میں گم ہو گیا۔ اس کی موجودگی اب بھی محسوس کی جا سکتی تھی مگر وہ پس منظر میں چلا گیا تا کہ کہانی خود سامنے آ سکے۔

تمام لائٹس گل ہو چکی تھیں۔ ہال میں موجود سینکڑوں افراد جو چند لمحے پہلے سرگوشیوں میں مصروف تھے، اب ایک گہری، خوفناک خاموشی میں ڈوب گئے تھے۔ ہوا میں ایک عجیب سی گھٹن تھی ہر دل اپنے ہی دھڑکنے کی آواز سن رہا تھا۔

پھر اسی سناٹے کو چیرتی ہوئی، آہستہ آہستہ دھڑکن جیسی آواز ابھری۔ پہلے ہلکی، گونجتی ہوئی، پھر گہری، مضبوط اور دل کے گہرے کونوں تک پہنچنے والی۔ یہ آواز ایسی تھی جیسے کسی بند کمرے میں قید دل کی آہٹ ہو، جو اب آزاد ہونے کی جدوجہد کر رہا ہو۔ یہ ہر سانس، ہر وجود میں سرایت کرتی جا رہی تھی۔

اور تب خاموشی کا طلسم ٹوٹا اور اچانک اسٹیج پر صرف ایک سپاٹ لائٹ روشن ہوئی۔ یہ روشنی ایسی تھی جیسے تاریکی کے سینے میں ایک شگاف پڑا ہو۔ سفید دھوئیں کی ہلکی تہہ اسٹیج پر پھیل چکی تھی جس میں ایک پراسرار اور دلفریب منظر تشکیل پا رہا تھا۔

اسی سفید دھوئیں کی اوٹ سے ایک لڑکی نمودار ہوئی۔ وہ سراپا سفید لباس میں ملبوس تھی۔ لیکن وہ سفید کپڑا برف جیسا صاف نہیں تھا۔ اس میں گہری شکنیں تھیں، کچھ تہیں تھیں جو کہ جیسے وقت کی گرد، دکھ اور اذیت کے اشارے دے رہی تھیں۔ ایک ایسا سفید رنگ جو بے داغ نہیں بلکہ داغدار ماضی کی کہانی سنا رہا ہو۔

اس کے ہاتھوں میں پرانے کاغذات کا ایک پلندہ تھا جس کے کنارے مڑے ہوئے تھے اور رنگ زرد پڑ چکا تھا۔ یہ پلندہ کسی پرانی اسکرپٹ یا رازوں سے بھری ہوئی ڈائری کی مانند تھا جس میں جانے کتنی ان کہی کہانیاں قید تھیں۔ وہ خاموشی سے اسٹیج کے بیچ میں آئی۔ اس کی چال میں ایک عجیب سا تقدس تھا۔ وہ کسی پرفارمر کی طرح نہیں لگ رہی تھی بلکہ ایسے جیسے کسی مقدس اعلان کے ساتھ کوئی قاصد آسمان سے اترا ہو، جو ایک گہرے پیغام کا حامل ہو۔

وہ اسٹیج کے وسط میں رکی۔ ہال میں موجود ہر آنکھ اس پر جمی تھی۔ ہر سانس رکی ہوئی تھی۔ اس نے آہستہ سے کاغذوں کو اپنے سامنے پھیلایا۔ ان کاغذوں کی سرسراہٹ بھی ہال میں سنائی دے رہی تھی۔

اسی لمحے پس منظر میں ہولے ہولے بارش کی آواز ابھری۔ ایک دھیمی، مستقل بارش جو روح میں اداسی اتار رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ایک دھیمی، دبی ہوئی نسوانی سانس کی آواز شامل ہو گئی جیسے کوئی سسکی لے رہا ہو۔ ایک گہرا کرب جو الفاظ سے ماورا تھا۔

پھر اس لڑکی نے بولنا شروع کیا۔ اس کی آواز آہستہ، مگر ایسی کہ جیسے ہر لفظ پتھروں پر کندہ ہو رہا ہو، ہر لفظ میں ایک صدی کا درد سمایا ہو۔

آئیں اور دیکھیں وہ چہرے

جنہیں ہم نے کبھی نہیں دیکھا۔۔۔

وہ کردار جنہیں کہانیوں سے کاٹ دیا گیا۔

یہ وہ چیتھڑوں میں لپٹی روحیں ہیں

جنہیں کبھی محبت نے نہیں تھاما،

کبھی سماج نے نوچا،

اور کبھی انہوں نے خود کو جلا ڈالا۔

آج ان کی چال بولے گی۔

ان کی آنکھیں چیخیں گی۔

ان کے بدن پر بکھرے کپڑے ان کے دکھ ہوں گے۔

یہ صرف فیشن نہیں ہے۔

یہ بغاوت ہے۔

یہ خاموش چیخ ہے۔

یہ وہ بیانیہ ہے جو ہمیشہ دبایا گیا۔

اس کی آواز کے ساتھ ہی اسکرین پر دھندلی تصویریں چلنے لگیں۔ کبھی ایک لڑکی جو آئینے میں خود کو نہیں پہچانتی، اس کی آنکھوں میں خالی پن اور حیرت۔ کبھی ایک ہاتھ جو ریشمی کپڑے کے ساتھ خون میں بھیگا ہوا ہے، درد اور جبر کی علامت۔ کبھی ایک چھوٹا سا بچپن کا جوتا جو ٹوٹا ہوا، مٹی میں اٹا ہوا اور تنہائی کی داستان سنا رہا تھا۔ یہ تمام مناظر لمحہ بہ لمحہ بدلتے، گہرے اور تکلیف دہ احساسات کو جنم دے رہے تھے۔

پھر اچانک ایک کاغذ اس کے ہاتھ سے پھسلتا ہوا میں لہر کھا کر آہستہ سے اسٹیج کے فرش پر گرا۔ جیسے کوئی راز بے نقاب ہونے والا ہو۔ لڑکی نے جھک کر وہ کاغذ اٹھایا اور اسے ایک مقدس شے کی طرح تھامتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

پہلا کردار آ چکا ہے۔

یہ کہانی اب چلنے والی ہے۔

اور تب شو کا پہلا "**لباس اور کردار**" اسٹیج پر ابھرا۔

اسٹیج پر آنے والا پہلا لباس محض ایک ماڈل کا پہناوا نہیں تھا، بلکہ ایک **روح کا کردار** تھا۔ ایک خالص، بے داغ اور دلکش روح! ماڈل کی چال میں ایک غیر معمولی نفاست، ایک ایسی آہستگی تھی جو کائنات کے سب سے نرم سرگم کی طرح محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی نگاہیں جھکی ہوئی نہیں تھیں بلکہ دور، ایک ایسے نقطے پر مرکوز تھیں جہاں صرف امید اور روشنی دکھائی دیتی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک پر سکون چمک تھی جیسے کسی نے اس میں زندگی کے تمام خواب بھر دیے ہوں۔

اس کے بدن پر بکھرا لباس ریشوں سے نہیں، بلکہ باریک، چمکدار ریشم کے دھاگوں سے بنا تھا جو ہوا کے ہر دھیمے جھونکے سے نرمی سے لہراتے تھے۔ لباس کا رنگ چاندنی سا سفید تھا جس میں ہلکی نیلی چمک شامل تھی جیسے رات کے آسمان پر کوئی خوبصورت ستارہ اپنی روشنی بکھیر رہا ہو۔ یہ لباس اتنا ہلکا اور نفیس تھا کہ دیکھنے والوں کو لگ رہا تھا جیسے ماڈل نے کچھ پہنا ہی نہیں بلکہ اس کا اپنا وجود ہی نور سے تخلیق کیا گیا ہے۔ اس کی ہر تہہ، ہر شکن میں ایک کہانی تھی۔ خوبصورتی کی، سکون کی، اور اس بے پناہ طاقت کی جو روح کی پاکیزگی میں ہوتی ہے۔

سپاٹ لائٹ اس کے ہر قدم پر ساتھ ساتھ چل رہی تھی، اس کے وجود کے ہر زاویے کو اس طرح نمایاں کر رہی تھی کہ جیسے ہر منظر ایک فن پارہ ہو۔ ہال میں مکمل سناٹا تھا۔ ہزاروں نگاہیں اس پہلی "**روح**" پر جمی تھیں جو اسٹیج پر زندہ ہو چکی تھی۔ یہ ایک ایسی زندہ روح تھی جو نہ صرف خوبصورت تھی بلکہ اپنی خوبصورتی سے سب کو مسحور کر رہی تھی۔ اس کا کردار محض چلنا نہیں تھا بلکہ یہ ایک نورانی وجود کی عکاسی تھی جو اپنے ساتھ پاکیزگی اور سکون کا پیغام لے کر آیا ہو۔ وہ کسی سے نظریں نہیں ملا رہی تھی بلکہ اپنے ہی جمال اور تقدس میں گم تھی، دیکھنے والوں کے دلوں کو چھو رہی تھی۔

✿••✿••✿••✿

پہلی "**خالص روح**" کے پر سکون رخصت ہونے کے بعد ہال میں چھائی مسحور کن خاموشی کچھ لمحے مزید برقرار رہی۔ دیکھنے والوں کے دل ابھی تک اس خوبصورتی کے زیر اثر تھے۔ جب اسٹیج پر ایک بار پھر دھندلی روشنی چھانے لگی اور فضا میں وہ دبی ہوئی دھڑکن کی آواز دوبارہ بلند ہوئی۔ یہ آواز اب پہلے سے زیادہ گہری اور پر اسرار تھی جیسے کسی نامعلوم حقیقت کی نوید دے رہی ہو۔ پھر خوبصورت روح کے ساتھ کیا ہوتا ہے؟

اگلا کردار: خاموش قیدی

وہ لڑکی جو سالوں سے پابندیوں میں جکڑی ہوئی تھی۔ جسے کہا گیا کہ چپ رہو، بیٹھو، جھکو، اور جیو مت۔ صرف نبھاؤ۔ اس کا وجود ایک چیختی ہوئی خاموشی کا ترجمان تھا۔

اسٹیج پر بکھری ہلکی دھند میں سے ایک نیا سایہ ابھرا۔ یہ **خاموش قیدی** تھی۔ اس کا لباس مدھم سرمئی رنگ کا تھا۔ جیسے دھند یا کسی بوسیدہ دیوار کی پرچھائیں جس پر وقت کی گرد جم چکی ہو۔ اس لباس کی ساخت ایک گہرے کرب کی عکاس تھی۔ کہیں تو وہ اتنا تنگ تھا کہ لگتا تھا ہر حرکت میں اسے اذیت ہو رہی ہے۔ اس کا بدن قید میں ہے اور کہیں اتنا ڈھیلا جیسے اس نے اپنی شخصیت، اپنی ہستی ترک کر دی ہو۔ اس کی آستینیں بہت لمبی تھیں، ہاتھوں کو چھپاتی ہوئیں، گویا وہ اپنی ذات، اپنے وجود کو دنیا کی نظروں سے بچانا چاہتی ہو۔ اس کے کندھوں پر ایک بھاری چادر تھی جو زمین پر گھسٹتی جا رہی تھی وہ اسے اوڑھنے کے بجائے بوجھ کی طرح گھسیٹ رہی تھی۔ یہ بوجھ اس کی خاموش جدوجہد کا عکاس تھا۔

یہ کاسٹیوم ظاہر کر رہا تھا کہ اس لباس کی اندرونی استر میں ادھورے خواب چھپے تھے۔ مدھم پرنٹ میں مری ہوئی تتلیاں جو کبھی اُڑ نہ سکیں، ٹوٹے پنکھ جو دوبارہ فضا میں بلند ہونے کی ہمت نہ کر سکے اور دھاگے جو کبھی ایک قوسِ قزح بنانے والے تھے مگر بیچ ہی میں ٹوٹ گئے۔

پس منظر میں ایک مدھم سی زنجیر کھنکنے کی آواز ابھری جو اس کی قید کی کہانی بیان کر رہی تھی۔ہال ابھی بھی اندھیرے میں ڈوبا تھا،جب صرف ایک تیز، ٹھنڈی سپاٹ لائٹ سیدھی اس پر آکر ٹھہری۔اس کے وجود کے ہر زخم کو نمایاں کرتی ہوئی۔اس کی چال میں ایک عجیب سا بوجھ تھا جیسے وہ پتھروں کو گھسیٹ رہی ہو۔ نظریں زمین پر تھیں،اور اس کے کندھے جھکے ہوئے تھے۔وہ بوجھل قدموں سے اسٹیج پر آگے بڑھی۔ایک لمحے کے لیے اس کی چادر اس کے کندھے سے سرک گئی اور اس کی استر کی جھلک ناظرین کو دکھائی دی۔ایک سیکنڈ کا وہ لمحہ،جب اس کے اندر کا درد،اس کے ادھورے خواب،اس کے ٹوٹے پنکھ نظر آئے۔پھر وہ چادر کو دوبارہ درست کر گئی اور وہ درد چھپ گیا۔ہال میں ایک گہری آہ سی سنائی دی۔وہ واپس چلی گئی۔

اگلا کردار: بند آواز

جس لڑکی کی آواز کبھی نکلی ہی نہیں۔جس کی ہر بات صرف اندر گونجتی رہی، باہر نہیں۔ایک ایسی روح جو چیخنا چاہتی تھی مگر خاموش رہی۔

بند آواز،اسٹیج پر تاریکی سے نکلی۔اس نے مکمل کالا لباس پہن رکھا تھا،جو اس کی خاموشی اور اندرونی گھٹن کی علامت تھا۔ مگر اس کالے پر سنہری دھاگوں میں ایک مفلر کی طرح لپٹی ہوئی خاموشی کا نشان تھا جو اس کے گلے کے پاس سے گزر کر نیچے لٹک رہا تھا جیسے اس کی آواز کو قید کیا گیا ہو۔اس کے منہ کے قریب ایک کپڑے کی پٹی سی لٹکی ہوئی تھی۔ جیسے کبھی زبردستی باندھی گئی ہو تاکہ وہ بول نہ سکے اور اب وہ پٹی اس کے وجود کا حصہ بن چکی ہو۔ دامن پر کہیں کہیں ٹوٹے حروف کڑھے ہوئے تھے۔ایسے حروف جو الفاظ بننے سے پہلے ہی بکھر گئے تھے۔ جیسے الفاظ اس کے لباس سے چھوٹ کر گر گئے ہوں مگر کوئی سننے والا نہ تھا۔

پس منظر میں کسی ہارمونیم کی بجتی ہوئی، ٹوٹی ہوئی تان گونجی، جو ایک ادھورے گیت کی طرح تھی۔ وہ ایک لالٹین ہاتھ میں لائی جو بجھنے کے قریب تھی۔ اس کی روشنی مسلسل ٹمٹمارہی تھی جیسے اس کی امید بھی بجھنے کو ہے۔ وہ اسٹیج کے ایک حصے پر آکر رکی۔ لالٹین کو دھیان سے دیکھا۔ پھر آہستہ سے منہ کھولا جیسے کچھ کہنا چاہتی ہو، مگر آواز نہیں آئی۔ ہال کی خاموشی میں صرف اس کے کپکپاتے ہونٹ اور بھیگی پلکیں نظر آئیں، جن پر آنسو بننے سے پہلے ہی جم گئے۔ اس کی خاموشی ہال میں موجود ہر فرد کے دل میں ایک گہری بازگشت چھڑ گئی۔

اگلا کردار: زندہ لاش

وہ جو زندہ تھی سانس لے رہی تھی مگر اندر سے مر چکی تھی۔ جس کا جسم تو موجود تھا، مگر روح ویران ہو چکی تھی۔

زندہ لاش کا ظہور سب سے زیادہ لرزا دینے والا تھا۔ اس نے مکمل سفید لباس پہن رکھا تھا، جو کسی کفن کی طرح محسوس ہوتا تھا۔ مگر اس سفید پر سرخ دھاگوں سے کڑھے ہوئے بدن پر کٹاؤ کے نشانات تھے۔ یہ وہ زخم تھے جو بظاہر نظر نہیں آتے لیکن روح کو چھلنی کر چکے تھے۔ لباس کی آستینوں کے اندر سے جھانکتی ہوئی زنجیریں تھیں جو کہ اس کے ہاتھوں کو جکڑے ہوئے محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ زنجیریں دکھا رہی تھیں کہ وہ آزاد ہو کر بھی قید تھی، شاید اپنی ہی اذیتوں میں یا ماضی کے حصار میں۔

پس منظر میں دروازہ بند ہونے کی ایک بھیانک آواز گونجی۔ جیسے کسی کو ہمیشہ کے لیے قید کر دیا گیا ہو۔ وہ جب چلی تو اس کے ہر قدم سے فرش پر راکھ سی جھڑتی گئی جیسے اس کا وجود اندر سے جل کر خاک ہو چکا ہو۔ اس کی چال میں کوئی مقصد نہیں تھا، بس ایک بے سمت حرکت تھی۔ وہ اسٹیج کے بیچ میں آکر رکی اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا، صرف ایک گہری بے حسی۔ پھر وہ آہستہ سے زمین پر بیٹھی اور اپنے دامن میں منہ چھپا لیا جیسے دنیا کی نظروں

سے بھی چھپنا چاہتی ہو جیسے اپنے ہی وجود کے درد سے فرار ہونا چاہتی ہو۔ہال میں خوفناک سناٹا چھا گیا۔ہر کوئی اس کی کیفیت کو محسوس کر سکتا تھا۔

✿••✿••✿••✿

یہ وہ لمحہ تھا جہاں "**عنکبوت**" اپنے سب سے خاموش، لیکن سب سے گہرا زخم پیش کرنے والا تھا۔

ایک ایسا کردار جو خود اب موجود نہیں،

لیکن ہر ماں کے دل میں، ہر لڑکی کے خواب میں، ہر قبر کی مٹی میں کہیں نہ کہیں بسا ہوا ہے۔

یہ تھی رانیہ!

وہ جس کے نام پر یہ پورا پروجیکٹ تھا۔

جو خودکشی کر گئی،

مگر صرف مرنے کے لیے نہیں

بلکہ ایک سوال چھوڑنے کے لیے۔

"اگر سن لیا ہوتا، اگر یقین کر لیا ہوتا۔۔تو کیا میں زندہ رہتی؟"

اسٹیج پر مکمل سناٹا تھا۔نہ روشنی، نہ موسیقی۔

صرف ایک دل کی دھیمی دھڑکن، جیسے کوئی آخری سانسوں میں ہو۔

پھر آہستہ آہستہ روشنی کا ایک نرم، نیلا دائرہ اسٹیج کے کنارے پر بنتا گیا۔اور اس میں ایک لڑکی نمودار ہوتی ہے۔

وہ چل نہیں رہی تھی بلکہ لگ رہا تھا جیسے ہوا اسے لے کر آ رہی ہو۔ قدم ہلکے، آنکھیں جھکی ہوئی، اور چہرے پر کوئی شکایت نہیں۔ بس ایک تلخ قبولیت!

وہ زندگی سے جا چکی تھی۔ مگر افسوس سے نہیں۔

اسکے لباس کا رنگ مٹیالا نیلا تھا۔

نہ آسمان جیسا، نہ اندھیرے جیسا، بلکہ جیسے آنکھ کے حلقے جب رو رو کر تھک جائیں۔ بالکل ویسا۔ اسکا کپڑا انہایت نرم اور بہتا ہوا تھا۔ جیسے کفن!

وہ اسٹیج کے بیچ پہنچی اور ایک لمحے کو اپنے دونوں ہاتھ دل کے سامنے جوڑ کر کھڑے کیے۔

جیسے کوئی معافی مانگنے نہیں، معافی دینے آئی ہو۔

پھر وہ بولی۔ نہایت دھیمی، خواب جیسی آواز میں۔

"میں رانیہ ہوں۔ وہ جس نے خود کو ختم کیا کیونکہ کسی نے میری بات سننے کا وقت نہ نکالا۔"

مجھے محبت نے نہیں مارا، مجھے وہ مار گئے جو کہتے تھے، "تمہیں مر جانا چاہیے۔"

اور وہ بھی جو کہتے تھے،

"ہم شرمندہ ہیں، مگر تم مر ہی کیوں گئیں؟"

میں چلی گئیں ہوں۔ مگر تم میں باقی ہوں۔

تم میں سے ہر ایک میں

جو کبھی 'ناں' کہنے سے ڈری تھی،

جو اپنے کرب کو غلطی کہہ کر چپ ہو گئی۔

میں ایک یاد نہیں۔ میں ایک وراثت ہوں!

اور اگر تم جینا چاہتی ہو تو میری موت کو صرف ماتم مت بنانا۔

اسے آواز بنانا۔

پھر وہ واپس چلی گئی اور اسٹیج کے آخری حصے میں وہاں کھڑی ہو گئی جہاں باقی کردار کھڑے تھے۔

وہ ان تمام لڑکیوں کی نمائندہ تھی۔

جنہوں نے جینا چاہا تھا لیکن انہیں سنبھالا نہ گیا۔

خوبصورت روح اب چیتھڑوں میں لپٹ چکی تھی۔

✿••✿••✿••✿

اگلا کردار: چیتھڑوں میں لپٹی روح

اسٹیج پر اچانک ہر رنگ نے اپنی شناخت کھو دی۔ نیلا، سفید، سیاہ! سب معدوم ہو گئے۔ فقط ایک گہرا، خالی سایہ تھا جو زمین پر رینگ رہا تھا۔ پھر، فضا میں دھواں سا پھیلنے لگا۔ نہایت آہستہ، جیسے کوئی قدیم راز افشاں ہو رہا ہو۔ اور اس دھندلکے کے بیچوں بیچ، ایک سایہ جنم لینے لگا۔

ایک لرزتا ہوا وجود اسٹیج پر داخل ہوا۔ نہ لڑکی لگتی تھی، نہ عورت۔ بس ایک روح کا ملبہ۔ اس کی چال میں نہ وقار تھا نہ شرم، بلکہ ایسی وحشت تھی جیسے کسی نے اسے پھینک دیا ہو۔ نوچ کر، سمیٹ کر۔ ہر قدم پر کپڑوں کے ریشے بکھرتے تھے اور ہال میں مدھم مدھم کپڑے پھٹنے کی آواز آتی تھی۔ جیسے ہر قدم پر وہ اپنا کوئی ٹکڑا گنوا رہی ہو۔ یہ محض آواز نہیں تھی۔ یہ ایک خاموش چیخ تھی جو فضا میں سرایت کر رہی تھی۔

اسکا کاسٹیوم فجر معراج کا شاہکار تھا۔ ہال میں بیٹھے لوگ، سانس روکے اسے دیکھ رہے تھے۔

اس کے لباس کا رنگ واضح نہیں تھا کبھی خاکی، کبھی سیاہ، کبھی خونی سرخ کا دھبہ۔ کمر سے دامن تک چیتھڑے تھے۔ دانستہ ادھڑے ہوئے، جلے ہوئے اور کچے دھاگے نکلتے ہوئے جو ہر حرکت کے ساتھ ایک کربناک داستان سناتے تھے۔ بازوؤں پر کپڑے کی پتلی سی پٹیاں تھیں جیسے کسی نے اسے باندھ کر رکھا ہو۔ اس کی آزادی چھین لی گئی ہو۔ ایک کندھے پر سیڑھیوں کی طرح پھٹی ہوئی کڑھائی تھی۔ جیسے کسی نے بار بار چڑھنے کی کوشش کی ہو اور ہر بار گر گیا ہو۔ لباس کے بیک پینل پر خون جیسے سرخ ریشے تھے جنہیں دیکھ کر محسوس ہوتا تھا کہ یہ صرف رنگ نہیں تازہ زخم تھے جو ابھی بھی رس رہے تھے۔

اس کے پاؤں ننگے تھے اور انگلیوں سے چاندی جیسے تار جُڑے ہوئے تھے جیسے وہ کسی نامعلوم، اذیت ناک جال میں ابھی بھی پھنسی ہو۔

اسکی اسٹیج پر موجودگی وحشت ناک تھی۔

روشنی اس پر نہیں پڑتی تھی بلکہ وہ جہاں چلتی، روشنی اس سے پیچھے ہٹتی جاتی۔ جیسے وہ خود روشنی کے لیے بھی ناقابلِ برداشت تھی۔ ایک لمحے کو وہ رکی، سر جھکا اور پھر آہستہ آہستہ اپنی چادر (**جو چیتھڑوں کا مجموعہ تھی**) زمین پر بچھائی۔

ایک گہرا سناٹا چھا گیا، اور تب وہ بولی۔

تم سب مجھے دیکھتے ہو۔۔

مگر جو دیکھا ہے وہ میں ہوں؟

یہ چیتھڑے صرف کپڑے نہیں۔

یہ میری جلد ہے جو اتاری گئی۔

یہ دھاگے، میری نسیں ہیں۔

جنہیں کاٹا گیا۔

یہ دامن دیکھو

کبھی سفید تھا

اب ہر دھبہ ایک لمس کی تذلیل ہے۔

تم فیشن دیکھنے آئے ہو؟

آؤ دیکھو

یہ ڈیزائن نہیں یہ میں ہوں

چیتھڑوں میں لپٹی روح!

اس کی آواز ختم نہیں ہوئی بلکہ دھند میں تحلیل ہو گئی اور وہ خود، چادر سمیٹ کر دائرے کی طرح مڑی، اپنے جسم کے گرد لپیٹی اور فرش پر گر گئی، بالکل ساکت، جیسے وہ کبھی تھی ہی نہیں۔ روشنی دھیرے دھیرے واپس آئی مگر اب ہال میں کوئی سانس نہیں لیتا تھا۔ ایک گہرا، ناقابلِ بیان اثر ہر دل پر نقش ہو چکا تھا۔

یہ تھی **"چیتھڑوں میں لپٹی روح"** فجر کی کڑھائی ہوئی خاموش چیخ! فلک کی لکھی ہوئی قبر کے اندر کی تحریر!

✿••✿••✿••✿

اگلا کردار: روحی! عنکبوت کا اصل دھاگہ

ہال میں خاموشی کی ایک نئی تہہ اتری، گہری، بے آواز، جیسے وقت خود تھم گیا ہو۔ نہ پس منظر میں کوئی موسیقی، نہ کوئی ساؤنڈ ایفیکٹ۔ صرف ایک چیز تھی جو اس گہری چپ میں بھی گونج رہی تھی۔ سانس لینے کی آواز۔ نرم، کمزور، مگر ہر ریشے سے گواہی دیتی ہوئی کہ **"میں اب بھی یہاں ہوں، میں اب بھی موجود ہوں۔"**

پھر۔۔۔

اسٹیج کے ایک کنارے سے ایک نحیف سی بچی، ایک مجسم سوال، داخل ہوئی۔ یہ روحی تھی۔ ہاں روحی!

وہ تیزی سے نہیں آئی، نہ کسی ادا کے ساتھ۔ اس کی چال میں نہ غرور تھا نہ عجلت۔ بلکہ وہ دھیرے دھیرے، ایک قدم، پھر دوسرا، یوں بڑھتی رہی جیسے ہر قدم موت کے گلے سے چھینا گیا ہو۔ اس کے ہاتھوں میں کوئی سہارا نہیں تھا۔ نہ ویل چیئر، نہ چھڑی، صرف ایک کپکپاتا ہوا وجود جو اپنی داخلی ہمت کے سہارے قائم تھا۔ ہر اٹھتا قدم ایک بے آواز چیخ تھا، ایک اَن دیکھی جدوجہد جو روح کی گہرائیوں سے پھوٹ رہی تھی۔

روحی کا لباس شفاف سفید گوز (gauze) کے کپڑے سے تیار تھا۔ نہایت ہلکا، جیسے چاندنی کا ٹکڑا ہو جس پر زخموں کی روشنی گرا دی گئی ہو۔ یہ لباس نہیں اس کی روح کا عکس تھا۔ اس کی آستینیں لمبی تھیں، مگر کناروں پر بہت باریک سرخ دھاریاں تھیں جیسے کوئی نازک نس کی رگیں جلد سے باہر آ گئیں ہوں اس کے اندرونی کرب کو ظاہر کرتی ہوئی۔ کمر پر ایک ہلکی سی سنہری بیلٹ بندھی تھی۔ یہ فقط ایک پٹی نہیں تھی بلکہ یوں لگتا تھا جیسے روحی خود اپنی سانسوں کو باندھ کر رکھ رہی ہو، کہیں وہ پھسل نہ جائیں، کہیں زندگی اس کی گرفت سے نکل نہ جائے۔

لباس کی پشت پر، بہت ہلکے ہاتھوں سے کڑھی ہوئی ایک مکڑی کا جالا تھا۔ نہایت نرم، نہایت شفاف، جیسے ایک بچی نے اپنے درد سے خود کو بُن کر محفوظ رکھا ہو۔ یہ جالا اس کا دفاع تھا۔ اس کی بقا کا نمونہ۔ لیکن جالا مکمل نہیں تھا۔ ایک کنارے سے ٹوٹا ہوا تھا۔ اس ٹوٹے دھاگے پر ایک عبارت جمی تھی جو ہر دیکھنے والے کی روح میں اتر گئی۔

"میں ختم نہیں ہوئی، میں بس ٹھہری ہوں۔"

فرش پر کوئی شوخ روشنی نہیں تھی، بس چاندنی جیسی ہلکی نیلاہٹ تھی جیسے اسپتال کی رات، جیسے زندگی کا آخری خواب! اسکرین پر، روحی کے ہاتھ کا کلوز اپ نمودار ہوا جہاں انگلیوں پر ایک IV ڈرپ کا نشان تھا۔ ابھی بھی تازہ، اس کی جنگ کی لافانی یاد دہانی۔

وہ آہستہ آہستہ اسٹیج کے مرکز میں آئی۔ تماشائی اب سانس بھی دبا کر سن رہے تھے۔ فضا میں رُوحی کے وجود کی ٹیسیں گونج رہی تھیں۔

مجھے نہیں پتا

لوگ کیوں سمجھتے ہیں

کہ موت عمر مانگتی ہے۔

کبھی کبھی وہ کھیل کھیلتی ہے

اور میں

میں اس کا سب سے چھوٹا کھلونا ہوں۔

مگر مجھے جینا ہے۔۔۔

صرف آج نہیں،

ہر اُس دن کے لیے

جو مجھ سے چھینا گیا۔

اسکرین پر اس کی ایک تصویر ابھری۔ اسپتال کے بستر پر، ایک شیریں مسکراہٹ کے ساتھ اور سر پر اسکارف بندھا ہوا، جو بیماری کے زخموں کو بھی چھپانے سے قاصر تھا۔

اسٹیج پر دھیمی سی روشنی پھیل گئی اور باقی تمام کردار ایک ایک کر کے دائرے میں آ گئے۔ خاموش، لیکن موجود، سب اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں احترام تھا، درد تھا، اور اس چھوٹی سی جان کے لیے ایک گہری دعائے بقا۔

اور روحی نے بس ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر اٹھایا۔ اس کی آنکھوں میں ایک ایسی روشنی تھی جو موت کو بھی پگھلا دے۔ وہ آہستہ سے بولی۔

میں عنکبوت ہوں۔

میں نے خود کو بُنا ہے۔

یہی وہ لمحہ تھا جب فیشن، پرفارمنس اور آرٹ، سب ختم ہو گئے تھے۔ باقی بچی صرف ایک بچی کی خواہش! زندہ رہنے کی خواہش! ایک ایسی خواہش جو ہر دل کو اشکبار کر گئی۔

✿••✿••✿••✿

اگلا کردار: آئینے سے کتراتی ہوئی لڑکی!

وہ خوبصورت نہیں تھی۔ نہ نین نقش، نہ بدن کی تراش، نہ رنگ، نہ جلد کوئی مطلوبہ۔ اسے نہ صرف نظر انداز کیا گیا تھا بلکہ ناپسند کیا گیا تھا۔ اور سب سے بڑھ کر خود اپنے ہی ہاتھوں سے۔ وہ ہر صبح بیدار ہوتی تو اپنی جلد کو اپنا دشمن پاتی۔

اس کے لباس کا رنگ خاکستری تھا، گرد آلود سرمئی، جیسے وہ بار بار خود کو صاف کرنا چاہے مگر کچھ دھبے تھے جو روح پر نقش ہو چکے تھے۔ لباس کی ساخت میں کوئی سہولت نہیں تھی۔ کپڑا بدن کے ساتھ ڈھنگ سے نہیں بیٹھتا تھا۔ آستینیں بہت چھوٹی۔ وہ خود کو ڈھکنے کی کوشش میں ہمیشہ ناکام رہی تھی۔

اس کے چہرے پر نیم شفاف جالی دار پردہ تھا جو صرف اتنا ظاہر کرتا تھا کہ **"یہ چہرہ تمہیں دیکھنا تھا اور تم نے منہ موڑ لیا۔"** پاؤں میں معمولی، پلاسٹک کی جیسی چپلیں تھیں جیسے وہ خود کو کسی قابل نہیں سمجھتی تھی۔ پاؤں پر نشان تھے جلے ہوئے۔ خود شاید خود سے بنائے گئے۔

لباس پر چھوٹے چھوٹے آئینے ٹکے تھے مگر یہ آئینے سالم نہیں، ٹوٹے ہوئے تھے۔ جب وہ ہلتی تو ان آئینوں میں اس کا عکس بکھر جاتا۔ کوئی بھی مکمل چہرہ نہیں بنتا بس ٹکڑوں میں بٹی ایک اذیت کی تصویر۔ پیٹھ پر ایک جملہ کڑھا تھا جو اس کے وجود کی سب سے گہری سچائی بیان کرتا تھا۔

میری جلد میرا دشمن ہے

اور میں ہر روز اس کے ساتھ جاگتی ہوں۔

وہ کبھی سیدھا نہیں چلتی تھی۔ اس کی چال میں ایک ہچکچاہٹ تھی۔ ایک بار بار پلٹنے والی خوفزدہ تھکن جیسے وہ جانتی ہو کہ وہ تماشا نہیں، تضحیک بننے آئی تھی۔ ہر قدم پر اس کی بے چینی عیاں تھی۔ جب وہ ریمپ کے آخری حصے پر پہنچی تو جیسے خاموشی چیخ اٹھی۔

"کیا مجھے یہ جگہ ملی؟ یا میں نے چھین لی؟" اس کی نظریں بھٹکی ہوئی تھیں، کسی آئینے کی تلاش میں نہیں بلکہ اس سے بچنے کی تلاش میں۔

میں وہ ہوں،

جو آئینے میں دیکھنے سے ڈرتی ہے۔

کیونکہ وہ بھی میرا مذاق اڑاتا ہے۔

میں وہ ہوں

جس کی جلد پر نظر پڑتے ہی

لوگ نظریں ہٹا لیتے ہیں۔

یں نے ہر حسن کی تعریف کو اپنی موت کے پروانے کی طرح دیکھا ہے۔

مگر آج۔۔۔

میں تمہارے سامنے ہوں۔

اپنی پوری بدصورتی میں۔

کیونکہ یہ بھی سچ ہے۔

اور جب سچ بولنے لگے،

تو پھر کوئی بھی بدصورت نہیں رہتا۔

میں کہنا چاہتی ہوں میں خوبصورت ہوں

اور مین زندہ رہوں گی، ہر دھاگے کے ساتھ!

✿••✿••✿••✿

اگلا کردار: پھٹے ریشم کی دلہن

وہ آئی تو تھی دلہن بننے

مگر پہنایا گیا اسے ریشم نہیں، بدلہ تھا۔

وہ ایک انتقام کی کہانی کا حصہ بنی،

کسی اور کی نفرت کا ذریعہ۔

اور جس نے اس سے محبت کا وعدہ کیا،

اسی نے اسے نوچ ڈالا،

قسطوں میں توڑا،

لفظوں میں مارا،

اور خاموشی میں دفن کیا۔

اس کا کاسٹیوم ایک دلہن کے لباس کا مسخ شدہ عکس تھا۔

زرد اور سرخ کا روایتی امتزاج مگر رنگ بے جان تھے، جیسے کسی نے تمام خوشی نچوڑ لی ہو۔

قمیص کے دامن پر ریشمی دھاگے کٹے پھٹے تھے کچھ جگہوں پر ایسے سلائی کی گئی جیسے کسی نے کرب کو ڈھانپنے کی کوشش کی ہو۔

آستینوں پر گہرے نیلے اور سیاہ دھاگوں سے دھاریاں بنی تھیں، جو اس کے فیانسی کے ہاتھوں کے نشانوں کا استعارہ تھیں۔ **(یہ کردار فلک کا تھا)**

گھونگھٹ اس کے چہرے پر تھا، مگر مکمل نہیں۔ ایک طرف سے پھٹا ہوا جیسے کسی نے محبت کو درمیان سے چاک کر دیا ہو۔

اس کے پاؤں ننگے تھے اور ان پر مہندی نہیں،

جیسے کسی نے سیاہی سے لکھ دی ہو۔ یہ سفر خوشی کا نہیں تھا، قید کا تھا۔

زیور کے بجائے اس کے ہاتھوں میں ٹوٹے کنگنوں کے ٹکڑے تھے،

اور کلائی پر بندھی ایک زنگ آلود زنجیر۔

جو رشتہ کہلاتی تھی،

مگر ایک قید تھی، ایک سزا۔

اس کی چال لڑکھڑاتی ہوئی تھی،

مگر وہ رکی نہیں۔

جیسے ہر قدم میں درد ہو، مگر ہر درد میں عزم ہو۔

اس کی گردن جھکی تھی، مگر آنکھیں بلند تھیں۔

اور جب وہ ریمپ کے بیچ میں آ کر رکی،

تو وہ بولی نہیں بلکہ ریشمی دامن کھولا، جس کی اندرونی تہہ پر کڑھائی تھی۔

"تم نے میرا جسم لیا، مگر میری روح ابھی باقی ہے!"

پھر اس نے آہستہ سے اپنے کندھے سے وہ زنگ آلود زنجیر اتاری کر اور اسٹیج کے بیچ میں رکھ دی۔

"میں بدلہ نہیں انسان تھی اور آج میں خود کو واپس لے رہی ہوں۔"

✿••✿••✿••✿

ڈھیروں کرداروں کے بعد سب شوا ختتام کی جانب بڑھ رہا تھا اور اب سب سے آخری کردار نمودار ہوا تھا۔ وہ جس کی سب کو اشد ضرورت تھی۔

اگلا کردار: مرہم کی روپوش چادر

ہال میں ایک بار پھر گہرا اندھیرا چھا گیا۔ اس قدر گہرا کہ جیسے اسٹیج پر موجود ہر وجود فنا ہو گیا ہو۔ صرف وہی چیتھڑوں میں لپٹی روح پڑی تھی تنہا، ساکت، جیسے اس پر کوئی دعا بھی بھاری ہو۔ فضا سوگوار تھی۔ ایک بے نام کرب ہوا میں سرایت کر رہا تھا۔ کرسیوں پر بیٹھے لوگوں کے دل بھاری ہو چکے تھے۔ کئی آنسوں بہا چکے تھے اور کئی دبا کر بیٹھے ہوئے تھے۔

اچانک ایک ہلکی سی نقرئی روشنی آسمان سے اتری، نہ اسٹیج لائٹ تھی نہ پروجیکٹر کی چمک۔ یہ ایسی روشنی تھی جیسے کوئی دعا، کسی نے آنکھیں بند کر کے، دل کی گہرائیوں سے اسے طلب کیا ہو۔ ایک پاکیزہ، امید بھری کرن۔ اور اس روشنی میں ایک عورت دکھائی دی۔

اس کا لباس نہایت سادہ تھا۔ مٹیالا سفید، جیسے چادر ہو جو دُھند سے بنی ہو۔ اس لباس میں کوئی تکلف نہیں تھا مگر اس کی سادگی میں ایک سکون تھا، ایک ایسی ٹھنڈک جو ہر زخم پر مرہم کا کام کرے۔

وہ نہایت نرم قدموں سے چلتی ہوئی ایک۔ اس کی چال میں کوئی بھاری پن نہیں تھا۔ جیسے زمین پر اس کا حق نہ ہو بس اذن ملا ہو گزرنے کا۔ ہر قدم کے ساتھ ایک ان دیکھی رحمت فضا میں تحلیل ہوتی نظر آئی۔ اس کے ہاتھ میں

کپڑے کا ایک لپٹا ہوا پارچہ تھا۔ نہ قیمتی، نہ نفیس، مگر اس میں ایسی خلوص کی مہک تھی کہ ہال میں سانس لینا آسان ہو گیا۔ جیسے بند کلیوں میں جان پڑ گئی ہو۔

جب وہ **"چیتھڑوں میں لپٹی روح"** کے قریب کے پہنچی پھر رکی اور جھکی۔

اپنے ہاتھوں سے وہ پارچہ اس پر ڈال دیا۔

نہ جلدی، نہ نمائش۔ اس عمل میں اتنی محبت، اتنی ملائمت تھی جیسے کوئی ماں اپنے تھکے ہارے بچے کو سلا رہی ہو، جیسے کسی نے کپکپاتے شعلے پر اپنی ہتھیلی رکھ دی ہو تا کہ وہ بجھنے نہ پائے۔ یہ محض ایک کپڑا نہیں تھا جو ڈالا گیا تھا، یہ ایک چادرِ تحفظ تھی جو ایک بے نام کرب کو ڈھانپ رہی تھی۔

اس کا اپنا لباس مکمل ہموار تھا، کوئی زیور، کوئی نقش نہیں۔ اس کی سادگی ہی اس کی عظمت تھی۔ لیکن اس کی پشت پر، سلک کے دھاگوں سے ایک جملہ کڑھا تھا، جو اس کی خاموش موجودگی کا مفہوم بیان کر رہا تھا۔

میں ان سب کی ماں نہیں۔

مگر ان کی ماں کی دعا ہوں۔

میں مرہم کی روپوش چادر ہوں۔

پھر وہ آہستہ سے تماشائیوں کی طرف مڑی، اس کی نگاہوں میں شفقت تھی، گہرا فہم تھا۔ نہایت آہستہ، گونجتی ہوئی آواز ابھری۔

تم نے ان کی چیخیں سنیں۔۔۔

مگر کیا تم نے ان کی خاموشی میں جھانکا؟

یہ صرف کردار نہیں۔۔۔

یہ زندہ زندہ دفن ہونے والی لڑکیاں ہیں۔

ان میں کوئی بند آواز ہے،

کوئی مردہ خواب۔۔۔

کوئی اپنی جلد سے شرمندہ۔

اور یہ۔۔۔

یہ چیتھڑوں میں لپٹی روح؟

یہ سب کی گواہی ہے۔

یہ وہ ہے جو باقی سب ہونے سے بچ گئیں۔

مگر اگر تم سنبھال نہ سکے۔۔۔

تو کل ہر لڑکی ایک چیتھڑا ہو گی۔

وہ ایک لمحے کو رُکی، اس کے الفاظ فضا میں ارتعاش پیدا کر رہے تھے۔ پھر اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے، نہ نعرہ، نہ بین، صرف ایک خاموش دعا۔ اس کی ہتھیلیوں سے ایک ان دیکھی رحمت کا نور پھوٹتا محسوس ہوا۔

اور اس کے بلند ہاتھوں کے ساتھ، تمام کردار ایک ایک کر کے دوبارہ اسٹیج پر نمودار ہوتے دائرہ بنانے لگے۔ ان کے سروں پر ہلکی سی روشنی آئی، جیسے ایک نیا آغاز ہو، ایک نئی امید کی کرن۔

اور چیتھڑوں میں لپٹی روح، اب دھند کے اس لپٹے میں چھپی ہوئی تھی، جیسے کوئی راز، جو اب آخر کار محفوظ ہو گیا ہو۔ مرہم کے وجود نے اسے ایک ایسی پناہ دی تھی جو کسی لفظ سے بیان نہیں ہو سکتی تھی۔

یہ وہ کردار تھا جس کا نام شاید کبھی سنا نہیں جائے گا، جسے ماڈلز میں نہیں گنا جائے گا۔ مگر اس کے بغیر "**عنکبوت**" مکمل نہیں ہوتا۔ یہ وہ لباس ہے جس کے بغیر کوئی زخم کوئی کرب مندمل نہیں ہو سکتا تھا۔

✿••✿••✿••✿

آخری منظر: دھاگوں کا اتصال

اسٹیج پر خاموشی کی وہ آخری تہہ چھا چکی تھی جو کسی بھی منظر کو ابدیت بخش دیتی ہے۔ مرکز میں، وہ چیتھڑوں میں لپٹی روح اب بھی ساکت پڑی تھی، جسے مرہم کی چادر جیسے پارچے سے ڈھانپ دیا تھا۔ فضا میں ایک عجیب سی تقدیس تھی، دکھ اور امید کا ایک انوکھا امتزاج!

پھر بہت آہستگی سے، ایک ایک کر کے تمام کردار اسٹیج کے مرکز کی طرف بڑھنے لگے۔ ہر کردار، اپنے اپنے کرب، اپنی اپنی کہانی کے ساتھ، اس روح کے قریب آتا گیا جو ان سب کی مشترکہ گواہی تھی۔

روحی سب سے پہلے آئی۔ اس کا نازک وجود چاندنی جیسے سفید گوز میں لپٹا ہوا تھا، اس کی ہر سانس زندگی کی دعا تھی۔ اس نے اپنے لباس کے پیچھے کڑھے ہوئے مکڑی کے ٹوٹے جالے کا دھاگا کھولا جو اس کے وجود کا ایک حصہ تھا اور اسے چیتھڑوں میں لپٹی روح پر رکھ دیا۔

جیسے وہ کہہ رہی ہو، **"میرا ٹوٹا ہوا ٹکڑا ہی میرے لیے پناہ ہے۔"**

اس کے بعد آئینے سے کتراتی ہوئی آئی، اس کی چال میں اب بھی جھجک تھی مگر اس کی آنکھوں میں ایک نئی چمک تھی۔ اس کے لباس پر لگے ٹوٹے ہوئے آئینوں میں اس کا عکس بکھر رہا تھا مگر اب یہ بکھراؤ اذیت نہیں بلکہ سچ کی ایک علامت تھا۔ اس نے اپنے لباس سے ایک چھوٹا سا ٹوٹا ہوا آئینہ اتارا اور اسے اس ڈھانپی ہوئی روح پر رکھ دیا۔ گویا کہہ رہی ہو۔

"میری صورت کا سچ ہی میری حفاظت کرے گا۔"

اور یوں ایک ایک کر کے، عنکبوت کے تمام کردار آتے گئے۔ ہر کوئی اپنی کہانی کا ایک دھاگا، اپنے وجود کا ایک ٹکڑا، اپنی اذیت کا ایک نشان، اس ڈھانپی ہوئی روح پر نچھاور کرتا گیا۔ وہ لباس کے کنارے، کڑھے ہوئے ریشے، جلے ہوئے نشان، وہ سب جو ان کی ذاتی جنگ کا حصہ تھے۔ اب اس مشترکہ چادر کا حصہ بن رہے تھے۔ یہ صرف کپڑوں کے ٹکڑے نہیں تھے۔ یہ ان کی روحوں کے حصے تھے جو اب ایک دوسرے سے جڑ رہے تھے۔

جب سب نے اپنے ٹکڑے رکھ دیئے تو اسٹیج پر ایک انوکھا منظر تھا۔ مرکز میں ایک مقدس ڈھیر تھا جو ان تمام کرداروں کی کہانیوں سے بُنا گیا تھا۔

تمام روحوں نے اپنے چیتھڑے اتار پھینکے تھے۔

پھر تمام کردار، ایک خود ساختہ، خاموش ترتیب میں، چیتھڑوں میں لپٹی روح کے پیچھے ایک لائن میں کھڑے ہو گئے۔ وہ سب اب ہال میں سب کو اپنے سامنے نظر آ رہے تھے۔ ٹوٹے پھوٹے، کٹے پھٹے، مگر اب تنہا نہیں۔ ان کی

آنکھوں میں ایک مشترکہ درد تھا مگر اس درد کے ساتھ ایک مشترکہ قوت بھی تھی جو انہیں آپس میں باندھ رہی تھی۔ ان کی خاموشی چیخوں سے زیادہ بلند تھی۔

اسٹیج کی روشنیاں دھیمی پڑنے لگیں۔ ایک نرم، الہامی چمک میں بدل گئیں۔ فضا میں ایک گہرا سکون اتر آیا، اور پھر، سب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان تمام کرداروں نے ایک ساتھ مگر سرگوشی کی طرح کہا۔

ہم نے اپنے چیتھڑے

اتار پھینکے ہیں

ہم نے خود کو امید،

خودداری اور دعا

سے ڈھانپ لیا ہے

ہم اب زندہ رہیں گے

ہر دھاگے کے ساتھ!

ان کے الفاظ ہال میں گونجتے ہوئے پگھل گئے۔ یہ محض ایک جملہ نہیں تھا، یہ ایک عہد تھا، ایک دعا، ایک ابدی امید! یہ لمحہ اتنا خوبصورت تھا کہ ہال میں موجود ہر آنکھ اشکبار ہو چکی تھی۔ ہر دل میں ایک مرہم سا لگا۔ ایک ایسی گہرائی کا احساس ہوا جو صرف سچائی کی عکاسی سے حاصل ہوتا ہے۔

اور جیسے ہی آخری لفظ ہوا میں تحلیل ہوا اسٹیج پر آہستہ آہستہ پردہ گرنے لگا۔ پردہ گر رہا تھا، مگر وہ دھاگے جو ان تمام روحوں کو جوڑ گئے تھے وہ اب کبھی نہیں ٹوٹیں گے۔

✿••✿••✿••✿

اب وقت پہنچ چکا تھا اس لمحے پر، جہاں عنکبوت ختم نہیں ہوتا، کھلتا ہے۔ جہاں تمام کردار اپنے چیتھڑوں، اپنے زخموں، اپنے خوابوں کے ساتھ اسٹیج سے جا چکے تھے اور باقی بچی تھی صرف وہ، جس نے ان سب کو سینچا تھا، لفظ بہ لفظ، دھاگہ بہ دھاگہ۔ **فجر معراج!** یہ اس کا لمحہ نہیں، یہ اس کا نچوڑ تھا۔ وہ لمحہ جہاں وہ خود نہیں بولنا چاہتی تھی مگر ہر آنکھ، ہر لڑکی، ہر چیخ اسے بولنے پر مجبور کر رہی تھی۔

اسٹیج پر تاریکی چھا گئی۔

ہال میں تماشائیوں کا سانس بند تھا۔ آنکھوں میں وہ کردار قید تھے جو ابھی اس اسٹیج پر رو چکے، چل چکے، ڈھل چکے تھے۔ ہوا میں ایک گہرا سناٹا تھا جو دلوں میں اتر رہا تھا۔ اور تب دھیرے دھیرے ایک سفید روشنی پھیلی، مرکز میں ایک اکیلی عورت کھڑی تھی۔

سفید بلاوز اور سیاہ لمبی کھلی اسکرٹ پہنے، کھلے بال، اس کی سادگی میں ایک غیر معمولی طاقت تھی۔ چہرہ تھکا ہوا، مگر روشن۔ آنکھوں میں نمی تھی مگر شکست نہیں۔ **وہ فجر معراج تھی! جس کے گرد خاموشی کی چادر تھی۔**

ہال میں بیٹھے لوگ، CEO's، وزراء، ڈپلومیٹس، فیشن کریٹکس، اداکار، سفیر، سرمایہ دار، سب کی نظریں ساکت تھیں۔ ان کے چہروں پر فیشن کی چمک نہیں، بلکہ ایک گہری سوچ اور حیرت کا عکس تھا۔

آن لائن فیڈ کے اس پار، نساء ایڈنبرا میں اپنے صوفے پر بیٹھی رو رہی تھی۔ اس کی انگلیاں اسکرین پر کسی چھوڑی ہوئی دعا کی طرح رینگ رہی تھیں۔ جیسے وہ اس روشنی کو چھونا چاہتی ہو۔ جیسے ان کرداروں کے ہر لفظ میں اسے اپنی گُم شدہ آواز مل رہی ہو۔

ہال کے پچھلے حصے میں فلک کی پلکیں لرزتی تھیں۔ وہ جانتی تھی کہ اب فجر کیا کہنے جا رہی تھی اور یہی بات سب سے زیادہ دھچکا دینے والی تھی۔ اس نے قلم مضبوطی سے تھام لیا۔۔۔

جیسے یہ الفاظ ہمیشہ کے لیے رقم کر لینا چاہتی ہو۔

ولی کے لب بھنچے ہوئے تھے مگر آنکھوں میں ایک فخر تھا۔

اور رئیس اورنگزیب، ہال کے وی آئی پی باکس میں بیٹھا تھا۔ سراپا سایہ، مگر اس لمحے وہ سایہ ٹوٹ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کی سختیاں پگھل رہی تھیں۔ وہ جانتا تھا، وہ ہار گیا تھا۔ وہ سامنے کھڑی اس لڑکی سے ہار گیا تھا جس سے جیتنا اس نے عہد کر رکھا تھا۔ جو طاقت وہ کبھی بندوق، پیسہ اور کنٹرول میں ڈھونڈتا تھا، وہ سب فجر معراج کی آواز میں سمٹ آئی تھی۔

اسٹیج پر فجر کی کپکپاتی آواز ابھری۔

یہ سب کچھ میں نے کیوں بنایا؟

یہ کپڑے، کاسٹیوم، ریمپ، لائٹس؟

کیونکہ جب لفظ نہیں سنے جاتے۔

تو ہم دھاگے بولنے لگتے ہیں۔

جب آنکھوں میں سچ ہو،

اور منہ پر خاموشی

تو جسم بولنے لگتا ہے۔

آپ نے آج وہ جسم دیکھے

جو فقط زندہ نہیں تھے

جو کبھی دفن ہو چکے تھے۔

آپ نے وہ لباس دیکھے

جو پہنے نہیں گئے،

مسلے گئے۔

مگر میں یہ بتانے آئی ہوں۔۔۔

کہ اگر آپ زندہ ہیں،

اگر آپ سن رہے ہیں،

تو آپ بھی وہ سوئی ہیں، وہ دھاگہ ہیں،

جو کسی کو جوڑ سکتا ہے۔ خود کو بھی۔

کوئی بھی لڑکی،

چاہے وہ رانیہ ہو، روحی ہو،

یا وہ جو اسکرین کے اس پار بیٹھی خود کو گناہ سمجھتی ہے۔

تم قابلِ رحم نہیں ہو، تم مکمل ہو۔

تم چیتھڑے نہیں ہو۔

تم وہ چادر ہو جس میں پوری دنیا لپٹی جا سکتی ہے۔

میں نے یہ سب

صرف فیشن کے لیے نہیں بنایا۔

میں نے یہ بنایا کیونکہ

روح ہمیشہ شفاف نہیں رہتی۔

بعض روحیں وقت کے تیز دھاروں سے کٹتی جاتی ہیں، ان پر داغ لگتے ہیں، چھالے پڑتے ہیں اور پھر جب زندگی آگے گھسیٹتی ہے تو وہ روح خود کو ڈھانپنے کے لیے کچھ نہ کچھ تلاش کرتی ہے۔ کبھی لفظ، کبھی خاموشی، اور کبھی چیتھڑے۔

یہ چیتھڑے صرف کپڑا نہیں ہوتے۔

یہ تلخیوں کی بوسیدہ چادریں ہیں جن میں ہم اپنے اندر کی سچائیوں کو چھپاتے ہیں۔

یہ دکھ کی دھجیوں سے بُناوہ لبادہ ہے جو انسان اس وقت اوڑھتا ہے جب دنیا اس کی ذات کی تاریکی کو دیکھنے سے انکار کر دیتی ہے۔

ہر وہ شخص جو اس باب کا حصہ ہے۔ کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی شکل میں، "**چیتھڑوں میں لپٹی روح**" بن چکا ہے۔

کسی نے اپنا اعتبار گنوا دیا، کسی نے خود پر سے یقین۔

کسی کی آواز اس کے اندر ہی دفن ہو گئی اور کسی کے اندر اتنی چیخیں تھیں کہ سننے والا کوئی رہا ہی نہیں۔

کسی نے اپنا آپ کسی ایسے شخص کو دے دیا جو کبھی اس کا تھا ہی نہیں اور جب وہ واپس آیا، تو نہ وجود سلامت تھا، نہ اعتماد!

یہ کہانی صرف اذیتوں کی نہیں،

یہ اُن اذیتوں کی ہے جنہیں دکھانے کی اجازت نہیں،

جن پر مرہم نہیں، صرف چپ ہے۔

جو گواہی مانگتی ہیں، مگر زبان کھولنے سے ڈرتی ہیں۔

کیونکہ سچ بولنا یہاں گناہ ہے، اور سچ سہنا سزا۔

یہ باب ان کرداروں کی خاموش چیخ ہے۔

جو بظاہر زندہ ہیں، چلتے پھرتے ہیں، بولتے ہیں، ہنستے ہیں،

مگر ان کی روح چیتھڑوں میں لپٹی ہے۔

تاکہ کوئی ان کی اندرونی شکستگی کو نہ پہچان سکے۔

تاکہ وہ روز جئیں، جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

تاکہ معاشرہ مطمئن رہے اور وہ اندر ہی اندر مرتے رہیں۔

ایک پل کی خاموشی چھا گئی۔ وہ ہاتھ میں مائیک لیے کھڑی تھی۔ دبلی پتلی، دراز قد لڑکی جس کی اپنی روح سالوں تک چیتھڑوں میں لپٹی رہی۔

یہ باب ایک سوال ہے

کیا ہم صرف جسم ہوتے ہیں؟

کیا ایک روح کو چیر کر بار بار باندھ دینا ظلم نہیں کہلاتا؟

کیا جنہیں ہم نظر انداز کرتے ہیں وہ واقعی سلامت ہوتے ہیں؟

یا وہ اندر ہی اندر گلتے رہتے ہیں اور پھر ایک دن صرف ایک خالی خول میں بدل جاتے ہیں؟

یہ باب انہیں آواز دیتا ہے۔

جو کبھی بول نہ سکے۔

جو کبھی اپنی ذات کا دفاع نہ کر سکے۔

جو کبھی اپنی ٹوٹی ہوئی روح کے لیے انصاف نہ مانگ سکے۔

جنہوں نے سیکھ لیا کہ جینا ہے تو چپ رہو

اور چپ رہنے کے لیے چیتھڑے کافی ہوتے ہیں۔

اس کی آواز رُکی۔ گلے میں آنسوؤں کا گولہ تھا۔ مگر وہ نہیں روئی۔ کیونکہ وہ رونے نہیں آئی تھی۔ ایک لمحے کو وہ اپنی کمر سیدھی کی اور اس روشنی کے ہالے میں اس کے چہرے پر ایک روشنی پھوٹی۔ خاموش فتح کی! یہ فتح کسی لڑائی کی نہیں، بلکہ سچائی اور کرامت کی تھی۔

پیچھے اسکرین پر دھند کے درمیان بس ایک جملہ ابھرا جیسے کائنات کا سب سے بڑا سچ آشکار ہو رہا ہو۔

عنکبوت۔۔۔۔۔!

ہر وہ دھاگہ جو تم نے توڑ دیا تھا۔

آج ہم نے اسے جوڑ دیا۔

اور تب۔۔۔ہال میں خاموشی ٹوٹی نہیں، چپ ہو گئی۔ لوگ تالیاں بجا بھی نہیں پائے، کیونکہ وہ اب صرف دیکھ نہیں رہے۔ محسوس کر رہے تھے۔ ہر روح اپنے اندر ایک نئے احساس کو جنم لیتی محسوس کر رہی تھی۔

ایڈنبرا میں بیٹھی نساء سکرین پر ہاتھ رکھ کر بس یہی کہہ رہی تھی **"میں زندہ ہوں۔ میں زندہ ہوں۔"** اس کی بھرائی آواز میں ایک نئی زندگی کا اقرار تھا۔

یہ تھا اس شو کے عنکبوت تھیم کا آخری لمحہ جہاں فجر معراج نہ صرف ڈیزائنر رہی تھی بلکہ مرہم، گواہ اور فاتح بن گئی تھی۔ اس کی آواز ہمیشہ کے لیے دلوں میں گونجتی رہے گی۔

✿••✿••✿••✿

شو ختم ہو چکا تھا، مگر اس کا اثر ابھی زندہ تھا۔ ہال میں چھائی گہری خاموشی بالآخر ٹوٹ گئی۔ ایک، پھر دو، پھر سینکڑوں ہاتھوں نے تالیاں پیٹنا شروع کر دیں۔ یہ محض تالیاں نہیں تھیں یہ دلوں کا دھڑکنا تھا، صدیوں کی خاموشیوں کا اعتراف تھا۔ ہر تالی میں ایک لڑکی کی آواز تھی، ایک درد کا اقرار، ایک نئی صبح کا وعدہ۔ لوگ کھڑے ہو چکے تھے، آنکھوں میں نمی تھی مگر چہروں پر ایک نئی روشنی رقص کر رہی تھی۔

آن لائن دیکھنے والے ساکت تھے، ان کی انگلیاں کی بورڈ پر جم چکی تھیں۔ کوئی کیپشن نہیں، کوئی ہیش ٹیگ نہیں، بس بے آواز آنسو اور دل میں گہری اترتی ہوئی ایک حقیقت۔ سوشل میڈیا پر ایک لمحے کو جیسے سب کچھ تھم گیا تھا۔ لیکن پھر طوفان برپا ہو گیا۔

لڑکیوں نے اپنی اپنی پوسٹس میں لکھنا شروع کیا۔

"میں عنکبوت ہوں! میں زندہ رہوں گی۔ ہر دھاگے کے ساتھ!"

یہ نعرہ بن گیا تھا جو دنیا بھر میں گونجنے لگا۔ باتصویر اور بے تصویر ہر پوسٹ ایک بیان تھی، ایک اعتراف تھا کہ جو آج دکھایا گیا، وہ ان کی اپنی کہانی تھی۔

باہر میڈیا پاگل ہو چکا تھا۔ رپورٹرز ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں دھکے دے رہے تھے۔ کیمروں کی فلیش لائٹس مسلسل چمک رہی تھیں، مائیک ہر طرف بڑھا دیے گئے تھے۔ **"ایسا پہلے کبھی کسی نے نہ لکھا تھا، نہ دکھایا تھا۔"** ہر صحافی کی زبان پر یہی فقرہ تھا۔ تجزیہ کار اس شو کو فیشن کی تاریخ کا نیا موڑ قرار دے رہے تھے۔

لوگ رئیس اور نگزیب کو مبارکباد دے رہے تھے، اس عظیم الشان شو کو سپانسر کرنے پر اسے ہیرو بنا رہے تھے۔ ہر طرف سے تعریفوں کی گونج تھی، مگر وہ جانتا تھا کہ اس کامیابی کا اصلی حقدار کوئی اور تھا۔ اس کے چہرے پر ایک عجب سی کیفیت تھی۔ فتح کا گمان بھی تھا اور ایک ناقابلِ بیان شکست کا احساس بھی۔

ہال کے ایک کونے میں تمام شور سے بے نیاز، فجر اور فلک ایک دوسرے کے سامنے کھڑی تھیں۔ فلک نے ایک خوبصورت، سادہ فراک پہن رکھا تھا، اس کے بال سلیقے سے بندھے ہوئے تھے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھیں ان کی نظروں میں دنیا بھر کی تھکن تھی، صدیوں کا درد تھا، مگر اس کے ساتھ ایک غیر متزلزل فتح کا احساس بھی تھا۔

کوئی الفاظ نہیں تھے، بس دو روحیں ایک دوسرے سے بات کر رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں وہی **چیتھڑے** تھے، وہی **زخم** تھے، وہی **گٹھلی**، وہی **روحی کا لہو**، وہی **آئینے سے کتراتی** آنکھوں کی شرمندگی، اور وہی **مرہم کی روپوش چادر** جیسی پناہ۔ انہوں نے کر دکھایا تھا۔ انہوں نے ان تمام آوازوں کو زبان دے دی تھی جو گمنامی کے اندھیروں میں دفن تھیں۔

فجر کی آنکھوں میں ایک خاموش سوال تھا"ہم نے کر دیا نا؟"اور فلک کی آنکھوں میں اس کا جواب تھا۔

"ہاں ہم نے کر دیا۔اور اب کچھ بھی پہلے جیسا نہیں رہے گا۔"

یہ وہ لمحہ تھا جب آرٹ، سچ اور جرات ایک ساتھ مل گئے تھے۔یہ عنکبوت کا اختتام نہیں تھا، یہ ایک نئی شروعات تھی۔ایک ایسی شروعات جو لاکھوں دلوں میں ہو چکی تھی۔

✿••✿••✿••✿

شو کے اختتام کے بعد اسٹیج کی چکا چوند مدھم پڑ چکی تھی، مگر اس کا سحر ابھی فضا میں بر قرار تھا۔ہال میں موجود ہجوم اب بھی اپنے جذبات کو سمیٹنے کی کوشش کرتا ہوا جا چکا تھا۔اب وہاں بس ٹیمیں تھیں۔

فجر، تمام تھکن کے باوجود، اسٹیج کے بالکل کنارے پر جا بیٹھی تھی۔اس کے پاؤں ہوا میں جھول رہے تھے جیسے وہ ابھی بھی اس خوابیدہ دنیا میں سانس لے رہی ہو جو اس نے ابھی تخلیق کی تھی۔اس کے کھلے ہوئے بھورے بال کندھوں پر بکھرے تھے اور ہیزل آنکھوں میں ایک ایسی چمک تھی جو اس کی روح کی گہرائیوں کو عیاں کر رہی تھی۔یہ فتح کا لمحہ تھا، وہ لمحہ جب اس کا خواب حقیقت بنا تھا۔وہ ہال کو دیکھ رہی تھی۔چیزیں سمیٹتی ٹیموں کو۔

تب ایک سایہ اس کے قریب آیا۔رئیس دھیرے سے اس کے ساتھ آ بیٹھا، اسٹیج کے کنارے پر، جہاں سے ان کی نظریں نیچے خالی ہال میں دور تک پھیل جاتی تھیں۔

فجر نے اس کی جانب دیکھا۔اس کی ہیزل آنکھوں میں رئیس کے لیے ایک انوکھی چمک تھی۔ایک گہرا احترام، بے پناہ شکر گزاری، اور ایک ایسی معصومانہ عقیدت جو اس کے وجود کو چھو گئی۔اس کے لیے رئیس صرف ایک اسپانسر نہیں تھا۔۔

وہ ایک **مسیحا** بھی تھا، ایک **رہنما** جس نے اس کے خواب کو پرواز بخشی تھی۔ اس کی کامیابی میں رئیس کی موجودگی اس کے لیے کسی معجزے سے کم نہیں تھی۔ اس کے لبوں پر ایک خالص، بے ساختہ مسکراہٹ پھیلی، جو سیدھی دل میں اترتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس مسکراہٹ اور ان ہیزل آنکھوں کی شفاف چمک میں ذرہ برابر بھی بناوٹ نہ تھی۔ وہ اس وقت صرف ایک کامیاب، خوش باش لڑکی تھی جو اپنی محنت کے ثمر پر نہال تھی۔

"ہم نے کر دکھایا نا؟" اس نے رئیس کو دیکھا۔ ہیزل آنکھیں نم تھیں جبکہ ہونٹ مسکرا رہے تھے۔ مطلبی لوگوں کی بے مطلب سائیڈ سامنے نہیں آنی چاہیے ورنہ بڑی تباہیاں ہوتی ہیں۔

ایسی ہی تباہی کے زیر اثر اس وقت رئیس تھا۔

اس نے لمحے خود کو ایک عجیب سی کیفیت میں مبتلا پایا۔ اس کا دماغ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ یہ وہی لڑکی ہے، وہی ہدف جسے اس نے ختم کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ مگر اس کا دل؟ دل جیسے اس کی کمان سے نکل چکا تھا۔

اسکا، کافی جیسے بھورے بالوں کے سنہری گھیرے میں قید چہرہ، اس کی معصوم خوشی، اس کی ہیزل آنکھوں کی وہ شفاف چمک، رئیس کو لگا جیسے دنیا کی تمام خوبصورتی اسی ایک وجود میں سمٹ آئی ہو۔ ایک ناقابلِ فہم کشش اسے اپنی جانب کھینچ رہی تھی۔

"ہاں تم نے کر دکھایا۔۔۔" اس نے اپنے ہاتھ کو بے اختیار اٹھتے ہوئے محسوس کیا۔ وہی ہاتھ جو کبھی اس کی شہ رگ کاٹنے کے لیے بنے تھے، اب اس کے سر کو، اس کے نرم و ملائم بالوں کو سہلانے کے لیے بے تاب تھے۔ اور جیسے ہی اس کی انگلیوں نے ان ریشمی بالوں کی نرمی کو چھوا، ایک جھرجھری سی اس کے پورے وجود میں دوڑ گئی۔

اس کا دل، جو ہمیشہ ایک متعین رفتار سے دھڑکتا تھا، جیسے ایک لمحے کے لیے اپنی حرکت بھول گیا وہ رک سا گیا۔

یہ کیسا احساس تھا؟ یہ ناقابلِ بیان، یہ گنگ کر دینے والا جذبہ ؟ نفرت، غصہ، انتقام، یہ سب تو وہ جانتا تھا، ان جذبات سے تو اس کی پرانی شناسائی تھی۔ مگر یہ۔۔۔ یہ کچھ نیا تھا، کچھ انجانا، کچھ ایسا جو اس کے وجود کی بنیادوں کو ہلا رہا تھا۔ جس لڑکی کی موت اس کے منصوبوں کی تکمیل کے لیے لازم تھی۔ آج وہی اس کی سانسوں کی ڈور کھینچتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی ہر مسکراہٹ، اس کی ہر نگاہ، رئیس کے اندر ایک طوفان برپا کر رہی تھی۔

اس کے دماغ کی ساری دیواریں، جو اس نے برسوں کی بے حسی اور سنگدلی سے تعمیر کی تھیں، ایک ہی لمحے میں ریت کے گھروندوں کی طرح ڈھے گئیں۔ وہ رئیس، جو سمجھتا تھا کہ جذبات کمزوری کی علامت ہیں، آج خود کو دنیا کے سب سے طاقتور جذبے کے سامنے نہتا اور بے بس پا رہا تھا۔ یہ کوئی معمولی کشش نہیں تھی یہ کوئی وقتی بہکاوا نہیں تھا۔ یہ سیدھا روح کا سودا تھا۔

ایک جھماکہ سا ہوا اور اس کا ہاتھ وہیں اس کے بالوں میں ساکت ہو گیا، جیسے کسی نے پتھر کا بنا دیا ہو۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، سانس سینے میں اٹک گئی۔

اسی اثناء میں ولی ہال میں داخل ہوا۔ اسے دیکھ کر فجر، وہاں سے اٹھ کر اس کی جانب بھاگی اور رئیس کا ہاتھ ہوا میں ہی معلق رہ گیا۔

اسے لگا جیسے اس کے اندر کچھ ٹوٹا تھا یا شاید کچھ نیا جنم لے رہا تھا۔ ایک ایسی آگ بھڑکی تھی جو اس کے ماضی کے ہر ارادے، ہر منصوبے کو جلا کر راکھ کر دینے پر تلی تھی۔ وہ لڑکی، جسے وہ مارنا چاہتا تھا، اب اس کی زندگی کی سب سے بڑی، سب سے شیریں اور سب سے خطرناک حقیقت بن کر اس کے دل پر قدم رکھ چکی تھی۔

یہ محبت تھی، خالص، بے رحم، اور ناقابلِ مزاحمت محبت! جس نے اس کے سنگدل وجود پر اپنا پہلا مگر فیصلہ کن قدم رکھ دیا تھا۔

✿••✿••✿••✿

ہال کے ایک کونے میں دھیمی پیلی روشنیاں پھیلی تھیں۔ کچھ مہنگے صوفے سجے تھے۔ کانچ کی میز پر منرل واٹر کی بوتلیں اور ادھ کھائی چاکلیٹس پڑی تھیں۔ پس منظر میں جاز کی دھیمی دھن بج رہی ہے۔ فجر ایک کاؤچ پر بیٹھی کچھ نوٹس چیک کر رہی تھی۔ چہرہ سنجیدہ مگر آنکھوں میں شو کی کامیابی کی چمک صاف دکھائی دے رہی ہے۔

اسے دیکھتے ہی مراد کے معدے میں درد کی لہر اٹھی۔

اُس کے ہاتھ میں فریش جوس تھا اور چہرے پر ایک مخصوص تپانے والی مسکراہٹ!

"آج تو تم نے مکڑی کے جالے سے دنیا کو ایسا باندھا کہ کیا کہنے۔" جوس کا گھونٹ بھرتے ہوئے، جیسے خود کو تسلی دے رہا ہو۔ "اور یقیناً یہ سب ہمارے اسپانسر گروپ کے عظیم وژن کی بدولت ہے۔" وہ اپنی تعریف کرنا نہیں بھولتا تھا۔

فجر نے سر اٹھائے بغیر، مکمل بے نیازی سے جواب دیا۔

"اوہ، تو آپ وژن بھی دیتے ہیں؟ میں تو سمجھی تھی آپ صرف بجٹ کی ایکسل شیٹ بھیجنے کے ماہر ہیں۔" مراد نے جو اسے زچ کیا تھا یہ وہی جانتی تھی۔ جتنا خرچہ اس شو پر آ رہا تھا وہ روزانہ نئی شیٹس بھیج کر اسے باور کرواتا کہ رئیس گروپ اس کے لیے کیا کچھ کر رہا تھا۔ وہ اپنا احسان جتا رہا تھا۔

"مان بھی لو کہ ہماری رقم کے بغیر تمہاری مکڑی سیدھا کنویں میں جا گرتی۔"

فجر نے نوٹس رکھ کر بال باندھتے ہوئے کہا جیسے اسے کوئی فرق ہی نہ پڑا ہو۔

"اگر کنواں ہی کافی ہو تو مکڑی کو جالا بُننے کی ضرورت ہی کہاں رہتی۔"

مراد نے کندھے اچکائے اور پھر اندر ہی اندر جلتے ہوئے بولا۔

"پھر بھی یہ رئیس گروپ کی مہربانی ہے کہ تمہارا یہ **'درد کا تھیٹر'** صرف نوٹس بورڈ پر ایک خیال بن کر نہیں رہ گیا۔"

فجر کے چہرے پر ایک چھوٹی سی شیطانی مسکراہٹ ابھری۔

"میری تخلیق کو تو لوگ دل پر لگا کر لے جا رہے ہیں۔ نوٹس بورڈ پر تو وہ لگتے ہیں جو دوسروں سے اجازت مانگتے پھریں۔"

"اور کبھی کبھی وہ بھی جو بجٹ کے لیے **'محترم مراد صاحب'** لکھ کر درخواستیں بھیجتے ہیں۔" اس کے معدے میں درد کا ایک اور جھٹکا لگا۔

فجر نے گہری سانس لے کر سیدھے اُس کی طرف دیکھا۔

"محترم لکھنا آداب ہوتا ہے۔ تعریف نہیں۔ ویسے بھی، آپ نے نوٹ کیا ہو گا کہ میں نے کبھی آپ کی ای میل کے جواب میں **'شکریہ'** نہیں لکھا۔"

مراد نے جوس کا گلاس زور سے میز پر پٹخا۔ چھینٹے اڑ گئے۔ ناک پھول گئی۔

"نوٹ تو بہت کچھ کیا ہے مکڑی! خاص طور پر تمہاری ضد۔ ہر بات منوانے کی۔ ہر منظر اپنی مرضی کا۔ ہر لفظ اپنے لہجے میں۔"

"ضد نہیں، وژن!"

مراد ہنسا جیسے مان بھی گیا اور انکار بھی کر رہا ہو۔ اُس کے معدے کا درد اب بڑھتا محسوس ہو رہا ہے۔

"وژن ہمارا بھی تھا۔ تم نے دکھایا، ہم نے ممکن بنایا۔ شراکت داری کو مان لینا کبھی کبھی بڑا پن ہوتا ہے مکڑی!"

"اور چھوٹا پن یہ کہ بار بار یاد دلانا پڑے۔" وہ اٹھ کھڑی۔ آگے بڑھی مگر جاتے جاتے ایک لمحے کو رکی اور پلٹ کر دیکھا۔

"آپ چاہیں تو اگلی بار خود اسٹیج پر آسکتے ہیں۔ میں آپ کے لیے بھی ایک کاسٹیوم بنادوں گی۔ کسی کیکڑے کا یا پھر کسی گوبلن کا پتلا!"

"بس دیکھ لینا کہیں وہ پتلا تم سے زیادہ مقبول نہ ہو جائے!"

"سچ پہننے کا حوصلہ سب میں نہیں ہوتا۔" وہ گزرے ہوئے بولی۔

"تم ایک نمبر کی احسان فراموش عورت ہو۔" وہ کمر پر ہاتھ رکھے تپے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اور آپ دو نمبر کے مطلب پرست آدمی!"

وہ جاچکی تھی جبکہ مراد دانت کچکچا رہا تھا البتہ اُس کے معدے کا درد بتا رہا تھا کہ فجر ایک بار پھر بازی لے گئی تھی۔

✿••✿••✿••✿

ہزاروں روشنیاں گل ہو چکی تھیں۔ صرف اسٹیج پر چند مدھم اسپاٹ لائٹس جل رہی تھیں جن کی ہلکی، اداس روشنی میں دھول کے ذرات رقص کرتے نظر آرہے تھے۔ وہ پر شکوہ اسٹیج، جو کچھ دیر پہلے ان کی کامیابی کا گواہ تھا اب ایک وسیع اور ویران جزیرے کا منظر پیش کر رہا تھا۔ اور اس جزیرے کے عین وسط میں، رئیس کا وجود ایک گرے ہوئے مجسمے کی طرح پڑا تھا، بے سدھ، جیسے اس کی روح اس کے جسم کا ساتھ چھوڑ گئی ہو۔

رات اپنی سیاہ چادر پوری طرح پھیلا چکی تھی جب عروزہ اور مراد بھاری قدموں سے ہال میں داخل ہوئے۔ وہ تمام معاملات نمٹا کر اپنے باس کو لینے آئے تھے مگر سامنے کا منظر دیکھ کر ان کے قدم زمین نے جکڑ لیے۔

"باس۔۔؟" عروزہ کی تیز، پیشہ ورانہ آواز میں پہلی بار ایک واضح پریشانی کی لہر ابھری۔ وہ تیزی سے آگے بڑھی۔

مراد بھاگ کر اس کے قریب پہنچا اور اسٹیج پر اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ اس نے رئیس کا کندھا جھنجھوڑا۔

"رئیس۔۔۔ کیا ہوا ہے؟ تم ٹھیک ہو؟"

اس نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں، مگر ان آنکھوں میں وہ فولادی چمک نہیں تھی جو ہمیشہ ان کی پہچان رہی۔ آج ان میں ایک گہری، کھوکھلی وحشت تھی۔ اس نے مراد کا بازو کسی ڈوبتے ہوئے شخص کی طرح تھام لیا۔ اس کی آواز ایک زخمی سرگوشی تھی۔

"مجھے بچالو مراد! مجھے بچالو۔"

مراد نے اسے سہارا دے کر اٹھانے کی کوشش کی۔

"کس سے؟ کس نے کچھ کیا ہے؟"

رئیس نے ایک تکلیف دہ قہقہہ لگایا جو اس خالی ہال میں کسی ماتم کی طرح گونجا۔

"کسی نے نہیں۔ سب کچھ میں نے خود کیا ہے۔" اس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا۔

"یہاں۔۔ یہاں ایک طوفان اٹھا ہے مراد! میں۔۔۔ میں اس محبت کے سامنے گھٹنے ٹیک چکا ہوں۔ یہ مجھے مار ڈالے گی۔"

عروزہ، جو خاموشی سے یہ سب دیکھ رہی تھی اس نے ایک نظر رئیس کی ٹوٹی ہوئی حالت پر ڈالی، پھر مراد کے بے بس چہرے کو دیکھا۔ ایک لمحے کے لیے اس کے تاثرات سخت ہوئے۔ اس کے جبڑے بھنچ گئے اور آنکھوں میں وہی بے رحم، سفاک چمک لوٹ آئی جو اس کی پہچان تھی۔ وہ ایک جھٹکے سے مڑی اور ہال کے دروازے کی جانب بڑھی۔ اس کی چال میں ایک مہلک ارادہ تھا۔ اس کا ہاتھ بے اختیار پینٹ میں لگی گن کی طرف بڑھا۔

"کہاں جا رہی ہو عروزہ؟" رئیس کی آواز میں اچانک اتنی توانائی آئی کہ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔

وہ رکی، مگر پلٹی نہیں۔ اس کی پشت اب بھی ان کی طرف تھی۔ اس کی آواز برف کی طرح سرد اور شیشے کی طرح تیز تھی۔

"اسے مارنے، تاکہ آپ جی سکیں۔"

"وہ مر گئی تو میں مر جاؤں گا۔"

اس کا لہجہ، اس کی آواز کا کرب، اس میں چھپی ہوئی مطلق سچائی۔۔۔ وہ ایسی تھی کہ مراد اور عروزہ کو اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔ عروزہ کا ہاتھ جو اپنی گن کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہیں ہوا میں ساکت ہو گیا۔ اس نے دھیرے سے گردن موڑ کر اپنے باس کو دیکھا، جس کی آنکھوں میں نمی تھی۔ رئیس اورنگزیب کی آنکھوں میں آنسو؟ یہ کائنات کا سب سے انہونا منظر تھا۔

رئیس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا، جیسے وہ پھٹ جائے گا۔

"وہ مجھ سے سترہ سال چھوٹی ہے، سترہ سال!" اس کی آواز ٹوٹ رہی تھی۔

"میں اپنی ہی نظروں میں گر رہا ہوں۔ یہ تکلیف مجھے اندر سے کھا رہی ہے۔ میں نے ساری زندگی لوگوں کو ان کی کمزوریوں سے مارا ہے اور آج میری سب سے بڑی کمزوری ایک لڑکی کی مسکراہٹ بن گئی ہے۔"

وہ مراد کے قریب ہوا۔ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر سوال کیا۔

"مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟ اس احساس کو اپنے سینے سے کیسے نوچ کر پھینکوں؟ میں اسے نظر انداز کرتا ہوں تو سانس رکتا ہے، اسے دیکھتا ہوں تو زندگی بڑھتی ہے۔"

اس نے اپنا ہاتھ دل پر رکھا۔

"یہاں آگ لگی ہے۔ ایک ایسی آگ جو جلاتی بھی ہے اور جینے کی وجہ بھی لگتی ہے۔ میں نے زندگی بھر نفرت کو اپنا ہتھیار بنایا۔ آج محبت نے مجھے نہتا کر دیا ہے۔ اسے مجھ سے بچاؤ مراد! اور مجھے۔۔ مجھے خود سے بچالو! یہ مجھے برباد کر دے گی۔"

اس کا مضبوط بدن کپکپا رہا تھا۔ وہ، جو پہاڑوں سے ٹکرانے کا حوصلہ رکھتا تھا، آج ایک نازک سے احساس کے سامنے ریت کی دیوار ثابت ہوا تھا۔

مراد اور عروزہ ساکت کھڑے تھے۔ ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا، کوئی تسلی نہیں تھی۔ آج پہلی بار، ان کا بے رحم، ہر چال کو پہلے سے بھانپ لینے والا عفریت باس، زندگی کے شطرنج میں ایک ایسی شہ مات کھا چکا تھا جس کا کوئی توڑ نہیں تھا۔

خالی ہال کی مدھم روشنیوں میں رئیس اور نگزیب کی ٹوٹی ہوئی سرگوشیاں گونجتی رہیں۔

"مجھے بچالو مراد۔۔۔" اور یہ التجا صرف ایک شخص کے لیے نہیں تھی، یہ پوری کائنات سے، خود اپنے وجود سے ایک جنگ ہارتے ہوئے سپاہی کی آخری، بے بس پکار تھی۔

وہ ریمپ، وہ اسٹیج، جہاں وہ ہمیشہ فاتح ہوتا تھا۔ آج وہیں اسی ریمپ پر وہ اپنا آپ ہار گیا تھا۔

✿••

ہال کا وہ وسیع و عریض منظر، جہاں رئیس اپنے وجود کی کرچیاں سمیٹنے میں ناکام تھا، دھیرے دھیرے سکڑنے لگا۔ روشنیاں، اسٹیج، اور وہ تین وجود ایک نقطے میں سمٹتے چلے گئے، یہاں تک کہ وہ منظر ایک روشن مستطیل میں قید ہو گیا۔ یہ ایک بڑی، فلیٹ اسکرین تھی جو ایک نیم تاریک کمرے میں روشنی کا ذریعہ تھی۔

اسکرین کی سرد روشنی گھنگھریالے بالوں والی ایک عورت کے چہرے پر پڑ رہی تھی، جس کی نظریں ساکت تھیں۔ اس کے ہاتھ میں پاپ کارن کا ایک بڑا پیالہ تھا مگر اس کے ہاتھ بے حرکت تھے۔ وہ ایک مجسمے کی طرح اسکرین پر نظر آنے والے ٹوٹے ہوئے شخص کو دیکھ رہی تھی۔ رئیس کی آخری التجا "**مجھے بچالو**" جب اسکرین کے اسپیکروں سے ابھری تو اس نے دھیرے سے پاپ کارن کا پیالہ اپنے سامنے رکھی میز پر رکھ دیا۔ اس کی حرکت میں ایک عجیب ٹھہراؤ تھا جیسے کسی شکاری کو اپنے شکار کے آخری سانس کا انتظار ہو۔

کچھ لمحے گہری خاموشی طاری رہی، پھر اس خاموشی کو چیرتا ہوا ایک نقرئی قہقہہ اس کے حلق سے آزاد ہوا۔ وہ ہنسی سریلی اور خوبصورت تھی مگر اس میں فتح کی ایک ایسی سفاکی تھی جو سننے والے کے دل میں ہیبت طاری کر دے۔ ہنستے ہوئے جب اس کا سر پیچھے کو گیا تو اس کے گلے میں پہنا چھوٹا سا سنہری مکڑی کا لاکٹ، چھت پر جلتے مدھم بلب کی روشنی میں ایک لمحے کے لیے چمکا اور بجھ گیا، جیسے کسی خطرے کا اشارہ ہو۔

وہ سادہ سیاہ پینٹ کے اوپر ایک ڈھیلی ڈھالی سفید شرٹ پہنے ہوئے تھی۔ اس کے گھنگھریالے بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے، جو حد درجہ گھنگھریالے تو نہیں تھے مگر ان میں ایک ایسی بے ترتیبی اور دلکشی تھی جو اسے پُر اسرار اور بے پناہ حسین بنا رہی تھی۔

اس نے اپنی کرسی سے اٹھ کر اسکرین کی طرف قدم بڑھایا، جہاں اب بھی رئیس کا بے بس چہرہ نظر آ رہا تھا۔ وہ اس سے ایسے مخاطب ہوئی جیسے وہ اسے سن رہا ہو۔

"اوہ، رئیس اورنگزیب! آخر کار۔۔۔ آخر کار تم نے مان ہی لیا۔ مگر اتنا وقت؟ تین سال سے بھی زیادہ عرصہ؟ بھلا کون لگاتا ہے اتنا وقت صرف یہ تسلیم کرنے میں کہ اسے محبت ہو گئی ہے؟" اس کی آواز میں طنز اور ایک عجیب سی اپنائیت کا امتزاج تھا۔

وہ اب اسکرین کے بالکل قریب کھڑی تھی، سینے پر بازو باندھے۔ اس کی دبلی پتلی، مگر چست اور پھرتیلی جسامت کسی بھی لمحے حملہ کرنے کو تیار شکاری سی تھی۔ اس کی گہری پلکیں اور ہونٹوں پر لگی گہری لپ اسٹک اس کے تاثرات کو مزید ڈرامائی بنا رہی تھی۔

"آخر کار۔۔۔ شکار جال میں آ ہی گیا۔ بہت انتظار کروایا ہے تم نے۔ ماننا پڑے گا، حوصلہ آج بھی بلند ہے تمہارا۔"

اس کی نظریں میز پر رکھے شطرنج کے بورڈ کی طرف گئیں۔ پیادے، بیگم اور رخ اپنی اپنی جگہ موجود تھے، مگر بادشاہ کا مہرہ سب سے نمایاں تھا۔ اس نے اپنا دایاں ہاتھ بڑھایا، شہادت کی انگلی کو انگوٹھے کے نیچے دبایا اور پھر ایک جھٹکے سے انگلی کو آزاد کرتے ہوئے بادشاہ کے مہرے پر ضرب لگائی۔ لکڑی کا مہرہ ایک کھٹاک کی آواز کے ساتھ بورڈ پر گر گیا۔

"تو۔۔۔اصل کھیل شروع کرنے کا وقت آ گیا ہے۔" اس نے ایک فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ اعلان کیا۔ اور بیگم کا مہرہ اپنی مٹھی میں بھینچ لیا۔

"تمہاری جان اب میری مٹھی میں ہے رئیس!"

وہ سیدھی ہوئی اور مزید کچھ کہنے ہی والی تھی کہ اچانک کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک اور عورت اندر داخل ہوئی۔ وہ سونیا سلطان تھی جس کے چہرے پر مایوسی چھائی تھی۔

اسکرین اب بند ہو چکی تھی اور کمرے میں بلب کی مدھم روشنی پھیل گئی۔ گھنگھریالے بالوں والی عورت نے پلٹ کر اسے دیکھا، اس کے لبوں پر وہی دلکش مسکراہٹ تھی۔

"کہو سونیا، کیسے آنا ہوا؟ آج میں بہت خوش ہوں۔"

"تم نے جو جو کہا، میں نے وہ سب کیا۔ خدا کے لیے اب شہرام کو چھوڑ دو۔" سونیا کی آواز میں التجا نہیں تھی مگر وہ مجبوری کے آخری دہانے پر کھڑی تھی۔

گھنگھریالے بالوں والی عورت نے سینے پر ہاتھ باندھے، اپنی گردن کو ذرا سا دائیں جانب گرایا۔ اس کی یہ ادا اتنی ہوشربا تھی کہ دیکھنے والے کی سانس رک جائے۔ اس کی خوبصورتی کسی تیز دھار خنجر کی طرح تھی، جو دل میں اترنے سے پہلے ہیبت زدہ کرتی ہے۔

"میں آج واقعی بہت خوش ہوں سونیا اور شاید تمہاری بات مان بھی لیتی۔ مگر مجھے تم پر بھروسہ نہیں ہے۔ مجھے ابھی تمہاری ضرورت ہے۔"

"میں نے ان تمام سالوں میں تمہیں کبھی دھوکا نہیں دیا! اب بھی نہیں دوں گی۔ پلیز مجھے صرف ایک بار شہرام سے ملنے دو۔۔ بہت دن ہو گئے ہیں۔" سونیا نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

گھنگھریالے بالوں والی عورت میز کے پیچھے سے گھوم کر اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔ اس کی آنکھوں کی چمک، اس کے لبوں کی نزاکت، اور اس کا انداز، سب کچھ مل کر ایک خوفناک حسن تشکیل دے رہا تھا۔

"بس کچھ وقت اور۔۔۔" اس نے سونیا کے چہرے پر ایک سرد نظر ڈالی اور اس کے پہلو سے گزر کر دروازے کی جانب بڑھ گئی۔ اس کی چال میں کوئی جھنجھلاہٹ نہیں تھی۔ اس کی چال بھی اس کی طرح مدھر اور خوبصورت تھی۔

پیچھے کھڑی سونیا ضبط کے آخری مراحل سے گزر رہی تھی۔ اس نے بے بسی سے پلٹ کر پکارا۔

"مجھے صرف ایک بار اس سے ملنے دو! پلیز۔۔۔ پلیز منار!"

اس نے اس کا نام لیا۔ دروازے پر پہنچ کر وہ رکی، پلٹی۔ اسکا چہرہ کسی سے خطرناک حد تک ملتا تھا اور پھر وہ مسکرا کر دروازہ پار گئی۔

فضا ساکت ہو گئی۔ ہوا تھم گئی۔ وقت جیسے رک گیا۔

کیا کہا تھا اس نے؟ کیا نام لیا تھا؟ منار۔۔۔؟ کیا وہ منار تھی؟

ہاں! وہ منار معراج تھی!

وہ کوئی عام عورت نہیں تھی، نہ ہی کوئی عام دشمن! وہ چالیں چلتی نہیں تھی، وہ شطرنج کا بورڈ خود تھی۔ وہ طوفانوں کی پیشین گوئی نہیں کرتی تھی، وہ طوفانوں کا مرکز تھی۔ رئیس اور نگزیب کی تباہی کی داستان لکھنے والی۔

قیامت کی پانچویں گھڑ سوار، منار معراج! وہ اپنے وقت پر سامنے آچکی تھی۔

✿••✿••✿••✿

رات کا آخری پہر تھا اور آسمان پر سیاہی کی جگہ سرمئی رنگت پھیل رہی تھی۔ رئیس اپنے وسیع و عریض مینشن کے اس پرائیویٹ کمرے میں تھا جو اس کی ذات کا سب سے گہرا راز تھا۔ وہ اس دیوار کے سامنے کھڑا تھا جہاں ایک بڑے سے فریم میں منار کا پورٹریٹ آویزاں تھا، ایک ایسا پورٹریٹ جو ماضی میں اس کی ہر سوچ کا محور رہا تھا۔ مگر آج، اس کی آنکھوں میں منار کے لیے کچھ نہیں تھا۔ نہ دکھ، نہ پچھتاوا، نہ غصہ اور نہ ہی محبت نہ نفرت! صرف ایک سرد بیگانگی تھی، جیسے کسی پرانے زخم کا نشان جو اب درد نہیں دیتا۔

وہ ایک سادہ سے گہرے نیلے رنگ کے سوٹ میں ملبوس تھا، اس کے بال سلیقے سے بنے ہوئے تھے اور اس کے چہرے پر وہ سکون تھا جو طوفان گزر جانے کے بعد آتا ہے۔ منار کا وہ کالا سایہ جو برسوں سے اس کے وجود پر ایک عفریت کی طرح مسلط تھا، آج چھٹ چکا تھا۔ کھڑکی کے پردوں سے چھن کر آتی فجر کی پہلی، پاکیزہ روشنی نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا جیسے کائنات خود اس کے نئے جنم کا جشن منا رہی ہو۔

اس نے اپنی نگاہیں پورٹریٹ پر جمائے رکھیں۔ اس میں قید منار کی آنکھیں آج بھی اسے دیکھ رہی تھیں مگر اب ان میں وہ طاقت نہیں تھی جو اسے بے بس کر سکے۔

"مراد ٹھیک کہتا تھا۔" اس کی آواز پرسکون اور گہری تھی۔

"تم میری محبت نہیں، میرا گلٹ تھیں منار! ایک ایسا بوجھ جسے میں محبت کا نام دے کر اپنے کندھوں پر اٹھائے پھرتا رہا۔"

اس نے ٹراؤزر کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اور ایک قدم آگے بڑھایا۔

"تم میری وہ غلطی تھیں جس کا کفارہ میں خود کو اذیت دے کر ادا کر رہا تھا۔ تم وہ اندھیرا تھیں جسے میں اپنی قسمت سمجھ بیٹھا تھا۔ مگر ہر رات کی ایک صبح ہوتی ہے۔"

"اور آج!" اس نے ایک گہری سانس اپنے اندر بھری، جیسے اپنے وجود سے آخری بچی کھچی تاریکی بھی نکال رہا ہو،

"آج میں خود کو اس گلٹ سے آزاد کرتا ہوں!"

یہ کہتے ہی وہ آگے بڑھا اور دیوار پر لگے اس بھاری پورٹریٹ کو اپنے ہاتھوں سے اتارا۔ ایک لمحے کے لیے اس نے فریم کو تھامے رکھا، آخری بار اس چہرے کو دیکھا اور پھر اسے ایک جانب دیوار کے ساتھ الٹا کر کے رکھ دیا۔ جیسے ہی پورٹریٹ اس کے ہاتھوں سے جدا ہوا، اسے محسوس ہوا جیسے اس کے کندھوں پر پڑا منوں کا وزن یک دم اتر گیا ہو۔ اس کا وجود ہلکا پھلکا ہو گیا۔ سانسیں گہری اور آسان ہو گئیں۔ اس کے لبوں پر ایک حقیقی، آزاد مسکراہٹ ابھری اور وہ واپس پلٹا۔

اس کے پیچھے، میز پر مخمل کے کپڑے میں لپٹا ایک اور پورٹریٹ رکھا تھا۔ اسی سائز کا، اتنا ہی بڑا۔ اس نے کپڑا ہٹایا اور پورٹریٹ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں اٹھایا۔ اس کی حرکتوں میں ایک عجیب تقدس تھا، جیسے وہ کوئی شاہکار نہیں، بلکہ اپنی عبادت اٹھا رہا ہو۔ اس نے پورٹریٹ کو اسی دیوار پر، اسی جگہ نصب کر دیا جہاں چند لمحے پہلے منار کی تصویر تھی۔

اس پورٹریٹ میں موجود لڑکی کا چہرہ پہلے پورٹریٹ والی لڑکی سے ہو بہو ملتا تھا، وہی نقوش، وہی پیشانی، وہی لب۔ چہرہ ایک ہی تھا، مگر شخصیت بالکل مختلف تھی۔ وہ منار کی تاریکی کے برعکس، روشنی کا ایک ہالہ تھی۔

سیاہ لمبی اسکرٹ، سفید بلاؤز اور شانوں پر بکھرے کھلے بالوں میں وہ اسٹیج پر کھڑی تھی۔ اسپاٹ لائٹ کی تیز روشنی صرف اسی پر پڑ رہی تھی اور اس نے ہاتھ میں مائیک تھاما ہوا تھا۔ یہ پچھلی رات کی تصویر تھی۔ وہ روپ، جو اسے ہمیشہ یاد رہے گا۔

رئیس اس تصویر کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں اب وہ فولادی چمک نہیں تھی بلکہ ایک نرمی اور گہرائی تھی۔

"میں جانتا ہوں یہ بہت غلط ہے!" اس کی آواز اب ایک سرگوشی تھی، ایک اعتراف تھا۔

"میں جانتا ہوں مجھے یہ نہیں کرنا چاہیے، مگر میں بے بس ہوں۔ تم سے جو میرے احساسات جڑ چکے ہیں، وہ روایتی نہیں ہیں۔ وہ دنیا کے اصولوں اور معاشرے کے پیمانوں سے بہت بلند ہیں۔ تم وہ ہو، جو کبھی کوئی نہیں ہو سکتا۔"

اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور دھیرے سے تصویر کے شیشے پر انگلیاں پھیرنا چاہیں مگر ہمت نہیں ہوئی۔ ہاتھ ہوا میں ہی معلق ہو گیا۔

"تم واقعی فجر ہو، میری زندگی کی وہ صبح جس نے میرے وجود سے منار کی طویل اور تاریک رات کو ختم کر دیا ہے۔"

وہ ایک قدم پیچھے ہٹا۔ فجر کی تصویر اس دیوار پر ایسے لگ رہی تھی جیسے وہ ہمیشہ سے یہیں کے لیے بنی ہو۔

"میں نے زندگی بھر نفرت اور طاقت سے دنیا کو جیتا ہے۔ مگر تمہارے سامنے، میں ہر روز خود کو ہارنا چاہتا ہوں۔ مجھے اس ہار میں جو سکون ملتا ہے۔ وہ کبھی کسی فتح میں نہیں ملا۔ تم میرا گناہ نہیں ہو، تم میری پہلی عبادت کی طرح ہو۔"

وہ سانس لینے کو رکا۔

"میں جانتا ہوں تم نے مجھے کیا مقام دے رکھا ہے اور میں جانتا ہوں مجھے کیا کرنا ہے۔"

اسکے گلے کی گلٹی ابھر کر معدوم ہو گئی۔ وہ اس کے لیے مسیحا تھا۔ وہ ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہا تھا۔ رات بھر خود سے لڑنے کے بعد بالآخر وہ خود پر قابو پا چکا تھا۔

فجر کی پہلی کرنیں اب کمرے میں پوری طرح پھیل چکی تھیں، اور رئیس اور نگزیب کا چہرہ ان کرنوں میں چمک رہا تھا۔ وہ اب پچھلی رات والا ٹوٹا ہوا شخص نہیں تھا، بلکہ ایک ایسا مرد تھا جس نے اپنی سب سے بڑی جنگ جیت لی تھی۔ خود اپنے خلاف جنگ! اور اس جنگ کا انعام دیوار پر مسکرا رہا تھا۔

✿••✿••✿••✿

صبح کی پہلی نقرئی لکیر جب مشرقی افق پر نمودار ہوئی، تب ولی کی گاڑی آہستگی سے ترنم ہاؤس کے وسیع گیٹ سے اندر داخل ہوئی۔ یہ پروجیکٹ ایک شاندار کامیابی تھی مگر اس کامیابی کی قیمت تھکن اور بے چینی کی صورت میں وصول کی گئی تھی۔ ہال سے سیدھا منار اور پھر تمام معاملات سمیٹتے سمیٹتے صبح ہو گئی تھی، اور اب وہ اسے واپس چھوڑنے آیا تھا۔

گاڑی پورچ میں رکی تو انجن کی آواز کے ساتھ ہی رات بھر کا شور بھی جیسے تھم گیا۔ فجر نے سر سیٹ سے ٹکا رکھا تھا۔ آنکھیں بند تھیں مگر وہ سو نہیں رہی تھی۔ اس کا ذہن اب تک پچھلی رات میں اٹکا تھا۔ اس کا جسم تھکن سے چور تھا مگر روح ایک نئی توانائی سے سرشار تھی۔

ولی نے اسے دیکھا، اس کے چہرے پر پھیلے سکون اور تھکن کے ملے جلے تاثرات کو پڑھا پھر کچھ کہے بغیر دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا۔ چند لمحوں بعد فجر کی طرف کا دروازہ آہستگی سے کھلا۔

"ہم پہنچ گئے۔" اس کی آواز صبح کی خاموش فضا میں ایک نرم سرگوشی کی طرح تھی۔

فجر نے آنکھیں کھولیں اور اس کی طرف دیکھا۔ پھر وہ باہر نکل آئی۔ اب وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے۔ رات کے ہنگامے اور لوگوں کے ہجوم کے بعد یہ پہلی تنہائی تھی، پہلا پرسکون لمحہ تھا جہاں صرف وہ دونوں تھے اور ان کے درمیان معلق ان کہے جذبات۔

اس نے اپنے بالوں کو جو اب ایک ڈھیلے سے جوڑے میں بندھے تھے، بے خیالی میں ٹھیک کیا۔ اس کی نظریں ولی کے چہرے پر جمی تھیں۔

"کیا۔۔ کیا میں نے سب ٹھیک کیا؟" اس کی آواز میں ایک ہلکی سی لرزش تھی۔ یہ فجر معراج کی آواز نہیں تھی، جو دنیا کے سامنے اعتماد سے بولتی تھی۔ یہ ایک عام سی لڑکی کی آواز تھی جو اس سے جاننا چاہتی تھی حالانکہ وہ جانتی تھی جو اس نے کیا تھا وہ شاید ہی کوئی کر پائے۔ لیکن کیا وہ اس کے لیے اتنا اہم تھا کہ وہ اس سے یوں پوچھ رہی تھی؟

اس کے سوال پر ولی کے لبوں پر ایک دھیمی، گہری مسکراہٹ ابھری۔ وہ ایک قدم آگے بڑھا، دونوں کے درمیان فاصلہ مٹاتا ہوا۔ اس نے فجر کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامے پھر جھک کر اپنے لب اس کی پیشانی پر رکھ دیئے۔

یہ کوئی جذباتی بوسہ نہیں تھا، یہ ایک مہر تھی، تحفظ کی، فخر کی، اور بے پناہ عزت کی۔

فجر کی آنکھیں خود بخود بند ہو گئیں۔ سکون کی ایک میٹھی لہر اس کے پورے وجود میں پھیل گئی۔

چند لمحے وہ یونہی کھڑا رہا، جیسے اس لمحے کو اپنی روح میں جذب کر رہا ہو۔ پھر اس نے خود کو پیچھے ہٹایا اور اس کے چہرے کو دیکھا، جو اب بھی اس کے لمس کے زیرِ اثر تھا۔

"مجھے تم پر فخر ہے!" وہ ایک دلکش بے نیازی سے مسکراتے ہوئے بولا۔ اس کی آواز میں وہ اپنائیت اور مان تھا کہ فجر اپنے چہرے پر پھیلتی سرخی نہ چھپا سکی۔

زندگی میں پہلی بار کسی نے اس سے یہ کہا تھا۔ تعریفیں بہت سنی تھیں، مگر کسی نے اس پر یوں کھلے دل سے فخر کا اظہار نہیں کیا تھا۔ یہ احساس دنیا کی ہر کامیابی سے بڑھ کر تھا۔ اس نے دھیرے سے اپنا چہرہ اٹھا کر ولی کو دیکھا۔

"جو ان ہاتھوں نے کیا ہے وہ شاید ہی کوئی کر سکے۔" اس نے اس کے ہاتھوں کو اوپر اٹھایا۔ بائیں ہاتھ کی انگلی پر سوئی لگنے کی بدولت زخم تھا۔ اس کی ہتھیلی پر بھی کانچ لگا تھا۔ دونوں جگہ پر سنی پلاسٹر لگا ہوا تھا۔ ولی نے وہ ہاتھ اوپر کیا اور ہتھیلی کو دھیرے سے لبوں سے لگایا۔ وہ اسے دیکھتی رہی پھر دھیرے سے بولی۔

"تھینک یو!" اس کی آواز میں سچائی تھی۔

"کس لیے؟" وہ فجر کے وقت کے بعد اپنی فجر کو دیکھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ اس وقت کائنات کی سب سے حسین شے لگ رہا تھا۔

"میرا ساتھ دینے کے لیے۔ مجھے یہ یقین دلانے کے لیے کہ میں اکیلی نہیں ہوں۔"

"مائی پلیژر، بیگم!" اس نے انگریزی اور اردو کا حسین امتزاج استعمال کرتے ہوئے کہا اور اس لفظ بیگم میں اتنا حق تھا کہ فجر کا دل ایک نئی دھڑکن سے آشنا ہوا۔

وہ مسکرا دی۔ وہ جانتی تھی کہ یہ صرف ایک شو کا اختتام نہیں بلکہ ان کی کہانی کا ایک نیا، خوبصورت آغاز تھا۔ ولی کا ہاتھ تھامے، اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس نے صرف ایک شو نہیں جیتا بلکہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی جنگ جیت لی ہو۔ خود پر یقین کی جنگ!

اور صبح کی وہ پہلی کرن، جو ترنم ہاؤس کی دیواروں پر پڑ رہی تھی۔ جیسے ان دونوں کے اس خاموش عہد کی گواہ بن گئی تھی۔

✿••✿••✿••✿

پروجیکٹ رانیہ ایک طوفان تھا جو گزر چکا تھا مگر اس کی لہریں اب بھی شہر کے فیشن اور ادب کے حلقوں میں ٹھاٹھیں مار رہی تھیں۔ آج ہر میگزین کے سرورق پر فجر معراج کے ڈیزائنز کی دھوم تھی تو ہر ادبی جریدے میں فلک کے لکھے گئے کانسپٹ کی تعریف۔ مگر اس کامیابی کی دونوں معمار اس وقت ایک پرسکون گھر کے لاؤنج کے صوفے پر یوں بیٹھی تھیں جیسے دنیا و مافیہا سے کوئی سروکار ہی نہ ہو۔

فجر، نیم دراز، سر پر تیل کی چمپی کیے ہوئے تھی جو اس نے اماں کے طعنوں سے بچنے کے لیے لگایا تھا۔ اس کے قریب ہی فلک بیٹھی تھی، ہاتھ میں ایک کتاب تھی اور چہرے پر گہری سنجیدگی۔

سامنے میز پر چائے کی دو کپ، بکھرے ہوئے نوٹس اور ایک کھلا ہوا لیپ ٹاپ تھا، جس پر کسی مشہور فیشن بلاگر کا آرٹیکل چمک رہا تھا۔ **"پروجیکٹ رانیہ: جہاں لباس کہانی بن جاتا ہے"**

تبھی باورچی خانے سے اماں کی بلند آواز گونجی، جس میں فکر اور خفگی کا ملا جلا تاثر تھا۔

"بانو! جا کر دیکھو ذرا، اس لڑکی نے اپنے سر پر تیل ڈالا ہے یا نہیں؟"

بانو نے کچن کے دروازے سے جھانکتے ہوئے اپنی مسکراہٹ دبائی۔

"اماں، تیل تو لگا لیا ہے باجی نے۔ اب بال مزید اچھے ہو جائیں گے۔"

"ہاں، تاکہ کل جب گنجی ہو تو اخبار والے یہی تیل بیچنے کا اشتہار چھاپیں اس کی تصویر کے ساتھ!"

"نہیں اماں! بال تو گھنے ہیں فجی باجی کے۔ اتنی جلدی نہیں اتریں گے۔"

وہ جب گھر ہوتی تھی اسے یونہی ڈسکس کیا جاتا تھا۔ اس لیے پرسکون سی بیٹھی تھی۔ اسے عادت تھی۔ آج پورے منار کو چھٹی تھی اور اس وقت وہ اپنا فون دیکھ رہی تھی۔ ڈھیروں تعریفی ای میلز! کمینٹس اور میسجز تھے۔

"یہ کوئی حال ہے یہ اسکا؟ آنکھوں کے نیچے دیکھو تو سیاہ غار بنے ہوئے ہیں۔ کیا فیشن کی دیوی بنتے بنتے خود چڑیل بننے کا ارادہ ہے؟"

فجر جانتی تھی اسے سنایا جا رہا تھا اور وہ ڈھیٹ بن کر سن رہی تھی۔

فلک نے کتاب سے نظریں ہٹائے بغیر دھیمے سے کہا۔

"پھوپھو! چڑیلیں بھی تو فیشن کرتی ہوں گی۔ شاید فجر ان کے لیے اپنی اگلی کلیکشن ڈیزائن کر رہی ہو۔"

"اماں کے طعنوں سے بچنے کے لیے میں یہ بھی کر سکتی ہوں۔"

اس نے بیٹھتے ہوئے چاہے کا کپ اٹھایا۔

"طعنوں سے تب بچتی جب شادی کر کے اپنے گھر کی ہو جاتی!" اماں کا آزمودہ تیر ٹھیک نشانے پر لگا۔ بانو نے اس بار اپنی ہنسی روکنے کی کوئی کوشش نہ کی اور کھل کر ہنس دی۔

"لو اماں! شادی تو ہو گئی ہے باجی کی۔ اب بس رخصتی کر دیں۔ ولی بھیا اور کتنا انتظار کریں گے؟"

"ہاں میرے کام سے میری شادی ہو چکی ہے۔" اس نے باور کرانا ضروری سمجھا۔

"اور اس شادی کا حق مہر تھا پروجیکٹ رانیہ تھا جو ہم دونوں نے مل کر ادا کر دیا ہے۔" فلک نے بھی لقمہ دیا۔

"بس کر دو تم دونوں اپنی فلسفے کی دکان!" اماں نے چمچ ہلا کر دھمکی دی۔ شام کو فخر اور فاخرہ آ رہے تھے۔ اسی لیے کھانے کی تیاریاں ابھی سے شروع تھیں۔

"اٹھو اور آ کر ٹماٹر کاٹو۔ تمھاری شہرت تمھارے لیے سالن نہیں بنائے گی۔" اماں نے سیدھا فجر پر وار کیا۔

"دنیا مجھے کریئٹیو ڈیزاسٹر (creative disaster) کہہ رہی ہے اور آپ لوگ مجھے ٹماٹر کاٹنے پر لگا رہے ہیں؟" اس نے کس قدر ڈرامائی انداز میں کہا۔

"تو کیا تحریف میں قصیدے پڑھ کر پلیٹ میں سجا دیں؟" اماں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چلو فلک! میرے ٹماٹر کاٹنے پر بھی کوئی کہانی لکھ ڈالو۔"

"عنوان ہو گا، ٹماٹر، آنسو اور ایک ڈیزائنر کی قربانی۔" فلک نے فوراً نام پیش کیا۔

جیسے ہی فجر کچن میں داخل ہوئی بانو اسکے سر کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"یہ تیل بڑا بابرکت ہے فجی باجی! ایک بار میں نے لگایا تھا تو اگلے ہی ہفتے میرا رشتہ پکا ہو گیا تھا۔"

فجر نے مصنوعی خوف سے آنکھیں پھیلائیں۔

"بانو! یہ بات تم نے پہلے کیوں نہیں بتائی؟ میں ابھی شیمپو کر کے آتی ہوں۔" وہ فوراً مڑی لیکن اس کے پیچھے آئی فلک نے اسے اندر کی جانب دھکیلا۔

"ڈرامے مت کرو تم شادی شدہ ہو!"

اور اس گفتگو میں پہلی بار فجر کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ ابھری۔ ولی کا چہرہ تصور کے پردے پر لہرایا۔

اماں نے کن انکھیوں سے ٹماٹر کاٹتی فجر کو دیکھا۔ ہاتھ پر لگے سنی پلاسٹر سمیت وہ ٹماٹر کاٹ رہی تھی۔

اماں کے لبوں پر سخت گیری کا پہرہ تھا، مگر آنکھوں میں چھپی مامتا اور سکون سورج کی آخری کرنوں کی طرح چمک رہا تھا۔

کچن میں پیاز اور ٹماٹر کی مہک، سرسوں کے تیل کی خوشبو اور بے تکلف ہنسیوں کی بازگشت گھل مل رہی تھی۔ باہر دن کامیابی کے شور میں ڈھل رہا تھا مگر اس گھر کے اندر زندگی اپنی سادہ، مکمل اور بے مثال دھن پر رواں دواں تھی۔

✿••✿••✿••✿

شہر کے پوش علاقے میں واقع منار فیشنز کی شیشے سے بنی عمارت اس صبح کچھ الگ سی لگ رہی تھی۔ سورج کی کرنیں جب بڑی بڑی ونڈو پینلز پر پڑیں تو ایسا لگا جیسے عمارت نے خود روشنی اوڑھ لی ہو۔ نیچے استقبالیہ کے ڈیسک سے لے کر اوپر ڈیزائن اسٹوڈیوز تک، ہر چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ ہر قدم میں ایک چمک تھی، ایک فتح کی چمک!

پروجیکٹ رانیہ کی کامیابی نے صرف ایک شو نہیں جیتا تھا، اس نے ایک بیانیہ بدل دیا تھا۔

آج فجر معراج حسبِ معمول وقت سے پہلے آفس پہنچی تھی۔

پیشانی پر اعتماد، آنکھوں میں گہری سنجیدگی اور وجود میں وہ توازن جسے برسوں کی ریاضت نے چمکایا تھا۔

اس نے کالے رنگ کی کھلی ڈریس پینٹ اور ہلکی زرد سلک کی شرٹ کے اوپر کھلا لمبا ہم رنگ بلیزر پہن رکھا تھا۔ پونی ٹیل میں بندھے بال اور سادہ کانوں میں چھوٹے چمکتے ٹاپس۔ اس کے انداز میں کوئی مصنوعی فیشن نہیں تھا بلکہ وہی تھا جو وہ تھی۔ طاقت، وقار اور شعور!

دفتر کے لاؤنج میں داخل ہوتے ہی ٹیم کی نظریں اس پر جا ٹھہریں۔ سرگوشیاں شروع ہوئیں۔

"وہ آ گئی ہیں۔"

"آج تو وہ بالکل الگ لگ رہی ہیں۔"

"اب دیکھنا کیا announce کرتی ہیں۔"

سرگوشیاں اس تک پہنچ رہی تھیں۔

ہال میں ہر رنگ تھا۔ڈیزائنرز،مارکیٹنگ ٹیم، فوٹو گرافرز، کرافٹ ورکشاپ سے آئے ہوئے لڑکے، اور وہ دو لڑکیاں بھی جو رانیہ کے اسٹیج پر پہلی بار اسٹیج پر چلی تھیں۔

پروجیکٹ کے بعد منار کی میل باکس collaboration کی درخواستوں سے بھر چکی تھی۔ معروف برانڈز نے partnership کی بات کی تھی۔ ہر بڑے فیشن ہاؤس نے آنکھ اٹھا کر منار کو دیکھا تھا۔

مگر فجر نے اپنی توجہ ان ڈی ایمز پر رکھی تھی جو سوشل میڈیا پر ٹیگ ہو رہے تھے۔ جن سے اسے سروکار تھا۔ وہ کمینٹس جن میں لکھا تھا۔

"میں نے پہلی بار خود کو آئینے میں دیکھا اور روئی۔ پھر امید کا لباس پہنا اور جی اٹھی۔ شکریہ منار!"

"میرے شوہر نے کہا تم پاگل ہو، مگر میں اس شو میں گئی۔ آج میں اپنی بیٹی کو بتا سکتی ہوں کہ ماں کمزور نہیں ہوتی۔"

"میرے چیتھڑے میرے اندر کے زخموں جیسے تھے۔ آج میں نے وہ پھاڑ دیے اور خود کو پہن لیا۔"

فجر نے آہستہ سے اپنی گردن سیدھی کی۔ اور مزید سیدھی۔

کیونکہ اس نے وہ بنا دیا جسے کوئی پہن نہیں رہا تھا۔ **خودی کا لباس!**

جبکہ ٹیم خوشی سے جھوم رہی تھی، مبارکبادوں کے میسیجز آ رہے تھے، صفدر، جو بزنس پارٹنر ہوتے ہوئے بھی پروجیکٹ رانیہ سے غیر حاضر رہا، اس نے محض چند لفظ کہے تھے۔

"مبارک ہو، فجر! تم جیت گئی ہو۔"

کچھ دیر بعد کانفرنس روم میں سب کو جمع کیا گیا۔

سفید ماربل کی میز، جدید ساؤنڈ سسٹم، شفاف ونڈوز کے پیچھے شہر کی دھندلی گونج تھی اور ایک جانب وہ کھڑی تھی۔

"ہم نے کچھ نیا نہیں کیا،

ہم نے صرف ان کو جگہ دی جنہیں ہمیشہ سے خاموش کر دیا جاتا تھا۔

یہ کامیابی صرف میری نہیں ہے۔

یہ منار کی ہے۔

تم سب کی ہے۔

اسی لیے ہم اسے ضرور منائیں گے۔"

کمرے میں خوشی کی لہریں دوڑ گئیں۔

"چھوٹی سی تقریب رکھیں گے۔ بس اپنی ٹیم کے لیے۔ کوئی شو آف نہیں ہو گا۔ صرف وہ سب جو پروجیکٹ رانیہ کی روشنی میں جھلملائے۔"

اس کی ایک خوشخبری سے منار کے مختلف سیکشنز میں چہل پہل بڑھ گئی۔

ڈیزائن اسٹوڈیو میں نئے تھیمز پر بات ہو رہی تھی۔ ڈیزائنرز اب کچھ نیا کرنا چاہتے تھے۔

کیفے میں وہی سب لڑکیاں کھل کر بول رہی تھیں جو کبھی سہم کر سائے میں کھڑی رہتی تھیں۔ ہر لڑکی نے اپنے روپ کو، اپنی جلد کو، اپنے وقار کو اوڑھ لیا تھا۔

اکاؤنٹس ٹیم بھی آج زیادہ زندہ دل لگ رہی تھی۔ کیونکہ آج منار صرف پیسے کا نہیں، جذبے کا نام بن گیا تھا۔ وہ لڑکی جو ہمیشہ اپنے ملعون ہونے کی وجہ سے، اپنے چہرے کی وجہ سے اپنی پہچان کے پیچھے بھاگتی رہی تھی اس نے آج سینکڑوں لوگوں کو اپنی پہچان ڈھونڈنے میں آسانی فراہم کر دی تھی۔ اس نے امید کا دیا جلا دیا تھا اب دیکھنا یہ تھا اس سے کتنے لوگ خود کو روشن کر پاتے۔

✿••✿••✿••✿

رات کی پرچھائیاں کھڑکی کے شیشوں پر لمبی ہو چکی تھیں۔ باہر شہر روشنیوں میں جگمگا رہا تھا لیکن اس کمرے کی فضا پرسکون تھی۔ کونے میں رکھی لکڑی کی میز پر لیپ ٹاپ کھلا تھا، اس کی اسکرین پر سفید پس منظر پر سیاہ الفاظ ابھر رہے تھے۔

فلک نے ٹائپنگ روکی، ایک گہری سانس لی، اور لمحے بھر کو چھت کی جانب دیکھا۔ بالوں کی ایک لٹ اس کے رخسار پر گر رہی تھی۔ وہ اب وہ فلک نہیں تھی جو چند ماہ قبل تھی۔ اس کے جو حادثہ ہوا تھا اس نے اسے اندر سے بدل دیا تھا اور پھر شو کی کامیابی، لوگوں کی تعریف، اور کرداروں کی پذیرائی نے اسے وقتی طور پر ہلکا ضرور کیا تھا، لیکن اس کے اندر ایک نیا زہر جنم لے چکا تھا۔ تلخ سچائی کا زہر۔ اسے اب لوگوں کی تضحیک اور تنقید سے فرق نہیں پڑتا تھا۔ اب اسے وہی لکھنا تھا جو وہ لکھنا چاہتی تھی۔

وہ وہی پرانی رائٹر تھی لیکن کہانی نئی تھی۔ اور یہ کہانی۔۔۔ کسی نجات دہندہ کے انتظار کی نہیں تھی۔

اس نے دوبارہ لیپ ٹاپ کی طرف دیکھا اور نئی دستاویز کے پہلے صفحے پر ٹائپ کیا۔

"زہر خوردہ پری(Poisoned Fairy) "

ل از فلک عالمگیر

"کہانیاں ہمیشہ شہزادیوں کی نجات پر ختم نہیں ہوتیں۔

کبھی کبھار، وہ پری جو زہر پی لیتی ہے۔

وہی زہر اس کے لہجے میں گھل جاتا ہے۔

یہ کہانی ان کے لیے ہے جنہوں نے اپنی آواز خود دریافت کی،

جنہیں بچانے کوئی نہیں آیا۔

اور جنہوں نے آخر کار خود کو بچانا سیکھ لیا۔

یہ ایک پری کی کہانی ہے۔ جو محبت میں جلی، وفا میں بکی، اور پھر جب اس کا عکس آئینے میں دھندلا گیا،

تو اس نے آئینہ توڑ دیا۔

یہ فیری ٹیل نہیں،

یہ تکلیف، پہچان اور خود مختاری کا سفر ہے۔"

اس نے اسکرین پر یہ تعارفی صفحہ دیکھا اور دھیرے سے مسکرائی۔ وہ مسکراہٹ جو ہار نے نہیں دیتی جو اندر سے پیدا ہوتی ہے تب، جب باہر سب ختم ہو چکا ہوتا ہے۔

پھر اس نے نئے پیراگراف میں ٹائپ کرنا شروع کیا۔

"پہلی بار جب اس نے خواب دیکھا، اسے نہیں پتا تھا کہ خواب بھی کاٹے جاسکتے ہیں۔ وہ تو انہیں بس ایک حسین تتلی سمجھتی تھی جو رنگ بکھیرتی اڑتی پھرتی ہے۔ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ کوئی اس کے پر نوچ کر اسے زمین پر پٹخ دے گا۔ اس کے خواب جو کبھی آزاد تھے، اب اس کی روح میں کانچ کے ٹکڑوں کی طرح چبھ رہے تھے۔ وہ انہیں چننے کی کوشش کرتی تو انگلیاں لہولہان ہو جاتیں اور چھوڑ دیتی تو ان کی نوکیں اندر تک اتر جاتیں۔

کچھ عرصے تک تو وہ ان کو چھپاتی رہی، دنیا سے بھی اور خود سے بھی۔ اس نے مسکراہٹ کی اوڑھنی اوڑھ لی، ہر صبح جاگتے ہوئے خود کو باور کراتی کہ سب ٹھیک ہے یہ کرب، صرف ایک بُرا خواب تھے۔ مگر رات کی تنہائیوں میں جب وہ آنکھیں موندتی، تو وہی کاٹے ہوئے خواب کالے سایوں کی طرح اس پر حملہ آور ہو جاتے اور اسے بے چین کر دیتے۔

آخر کار ایک دن اس نے فیصلہ کر لیا۔ اب وہ ان خوابوں کو چننے یا چھپانے کی بجائے، انہیں ہتھیار بنائے گی۔ اس نے ان کانچ کے ٹکڑوں کو جوڑنا شروع کیا، ان سے ایک تیز دھار آئینہ بنایا۔ یہ آئینہ صرف اس کی اپنی حقیقت نہیں دکھاتا تھا بلکہ ان تمام چہروں کو بے نقاب کرتا تھا جنہوں نے اس کے خوابوں کو کاٹا تھا۔ یہ خود داری کا آئینہ تھا۔ اور اب، وہ اس آئینے میں اپنی نئی پہچان دیکھ رہی تھی۔ ایک ایسی پہچان، جو خوابوں سے نہیں بلکہ زہر سے بنی تھی۔"

کمرے میں صرف کی بورڈ کی کلک کلک تھی اور باہر رات گہری ہو رہی تھی۔ اندر ایک اور کہانی جنم لے رہی تھی۔

فلک کی کہانی۔

اس فلک کی، جواب زخموں سے نہیں، زہر سے لکھنا سیکھ گئی تھی۔

✿••✿••✿••✿

شہر پر برستی بارش تھم چکی تھی مگر ہسپتال کی چمکدار کھڑکیوں پر اب بھی پانی کی بوندیں موتیوں کی طرح ٹھہر کر نیچے بہہ رہی تھیں۔ باہر کا سناٹا اندر کی گہری خاموشی کو مزید پراسرار بنا رہا تھا، ایسا لگ رہا تھا جیسے وقت خود بھی ٹھہر گیا ہو۔ اچانک، اس سکتہ کو توڑتا ہوا دروازہ ایک ہلکی سی آواز کے ساتھ کھلا۔

فجر اندر داخل ہوئی۔ اس کے ہر قدم میں ایک بے چینی تھی۔ جیسے وہ سیدھی دل سے چلی ہو، دماغ سے نہیں۔ اس کا سانس تھوڑا بے ترتیب تھا، سینے کی دھڑکن معمول سے تیز محسوس ہو رہی تھی۔

سیاہ بلیزر کے اندر اس کا رسمی لباس تھا، جو اس کی پیشہ ورانہ شخصیت کی عکاسی کر رہا تھا۔ لیکن اس کے چہرے پر وہ عام رسمی سنجیدگی نہیں تھی بلکہ ایک گہرا درد چھپا تھا۔ آنکھوں میں تھکن تھی، جیسے اس نے کئی مشکل گھڑیاں گزار کر یہاں تک رسائی حاصل کی ہو۔ اس کے ہونٹ ایک باریک لکیر میں ڈھل گئے تھے گویا وہ اپنے جذبات کو ضبط کرنے کی آخری کوشش کر رہی ہو۔

بیڈ پر روحی لیٹی تھی۔ اس کے گالوں کی زردی اس کی بیماری کا واضح اشارہ تھی۔ مگر اس کی آنکھوں میں ایک ایسی چمک تھی جو اس کی حالت پر بھاری تھی۔۔ وہی چمک جو فجر کی سوشل میڈیا تصویروں میں جھلکتی تھی، جسے روحی اپنی کہانیوں میں پڑھتی اور اپنی ہمت میں ڈھالتی تھی۔ اس نے جیسے ہی فجر کو دیکھا، اس کے چہرے پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی جو لمحوں میں اس کی تمام تکلیف کو پس پشت ڈال گئی۔

"فجر آپی!" کمزوری کے باوجود اس آواز میں ایک غیر معمولی قوت تھی۔

فجر نے دروازہ پیچھے سے آہستگی سے بند کیا، جیسے وہ نہیں چاہتی تھی کہ کوئی باہر کی آواز یا دنیا کی پریشانیاں اس خاص لمحے کو خراب کریں۔ اس نے اپنا مہنگا پرس کرسی پر تقریباً پھینکا اور دھیرے سے بیڈ کے پاس جا بیٹھی، جیسے کسی نازک شے کو چھونے کی احتیاط کر رہی ہو۔

"کیسی ہو روحی؟" اس نے نرم ترین لہجے میں پوچھا، جیسے وہ روز ایسا بولتی ہو۔ اس کی آواز میں وہ اپنائیت تھی جو دنیا کے تمام تکلفات سے ماورا تھی۔ دنیا میں کچھ بھی نارمل نہ ہو، مگر ان دونوں کے بیچ کی انسیت سب کچھ تھی اور وہ سچ تھی۔ فجر کو روحی بہن کی طرح نہیں اولاد کی طرح عزیز ہو گئی تھی۔ اس کی طبیعت دن بدن بگڑ رہی تھی۔ روحی اس سے ملنا چاہتی تھی اور وہ اپنی اہم میٹنگ چھوڑ کر آئی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں، بس تھوڑا سا بور۔" اس نے گردن کا زاویہ بدلا، آنکھوں میں وہی شرارت تھی جو اس کی عمر کے ہر بچے میں ہوتی ہے، چاہے وہ جس بھی حالت میں ہو۔

"یہ کینسر والے بہت بور لوگ ہوتے ہیں۔"

فجر نے بمشکل مسکراہٹ ضبط کی جو اس کے اندر کے درد کو لمحہ بھر کے لیے بھلا گئی۔

"تو اب تم کینسر والوں پر بھی طنز کرنے لگی ہو؟" اس نے ہلکے سے اسے ڈپٹا تاکہ ماحول میں تھوڑی اور روشنی بکھر سکے۔

"کیوں نہیں؟ وہ مجھے بور کرتے ہیں تو میں بھی اُنھیں تھکا دوں گی۔" روحی نے اپنے کمزور ہاتھوں کو حرکت دی، جیسے وہ واقعی کینسر کو تھکا رہی ہو۔

"پتا ہے؟ آج تم نے میری سب سے اہم میٹنگ کینسل کروادی۔ اس ڈیل پر ہماری پوری کمپنی کی تقدیر کا انحصار تھا لیکن میں اسے چھوڑ کر آئی ہوں۔"

"سوری۔۔۔" روحی نے شرمندگی سے نظریں چرائیں اسے لگا جیسے اس نے واقعی فجر کو مشکل میں ڈال دیا تھا۔ وہ بس اس سے ملنا چاہتی تھی۔

"اگر مجھے آج صرف ایک جگہ ہونا ہوتا۔ تو وہ یہی ہوتی، تمہارے پاس۔ یہ ڈیل اس تعلق سے زیادہ قیمتی نہیں جس سے ہم دونوں جڑے ہیں۔" فجر اسے بتانا چاہ رہی تھی کہ وہ اس کے لیے اہم تھی۔

روحی نے دھیرے سے اس کی انگلیاں تھام لیں۔ اس کا لمس برف کی طرح ٹھنڈا اور نازک تھا، پھر بھی اس میں ایک غیر معمولی گرمی تھی۔

"میں ہر رات دعا کرتی ہوں کہ اگر میں ٹھیک ہو گئی تو میں آپ کے ساتھ منار میں کام کروں گی۔ آپ کی طرح کاسٹیومز بناؤں گی، لوگوں کو امید دوں گی اور اگر نہ ہو سکی، تو بھی فخر سے کہوں گی کہ میں فجر معراج کو جانتی ہوں اور مجھے ان سے محبت ہے۔"

یہ جملہ، ایک ننھی سی روح کی اتنی بڑی خواہش، فجر کے اندر کہیں ٹوٹ کر بکھر گیا۔ اس کے دل کے ریشے ایک ساتھ ٹوٹے مگر اس کے چہرے پر تبسم باقی رہا۔ اس نے اپنی آنکھوں کو پلک جھپک کر نمی سے پاک کیا اور اپنے لبوں کو تھوڑی سی جنبش دی۔

"تم منار کی روح ہو، روحی! تم نے وہ پہنا جو ہم نے صرف سوچا تھا۔ امید کا لباس۔ یہ کوئی ڈریس ڈیزائن نہیں کر سکتا۔ صرف تم جیسا دل، جو اتنی مضبوطی سے دھڑکتا ہے۔"

کمرے میں گہری خاموشی چھا گئی۔ فقط ڈرپ مشین کی ہلکی سی بیپنگ اور باہر بارش کے بعد بہتے پانی کی سرگوشی سنائی دے رہی تھی۔ یہ خاموشی ان دونوں کے مضبوط رشتے کا گواہ تھی، جہاں الفاظ کی ضرورت نہیں تھی۔

"اگر میں ٹھیک ہو گئی نا۔" روحی نے ایک گہرا سانس لیا، جیسے وہ آنے والے دن کا خواب دیکھ رہی ہو۔ "تو سب سے پہلے آپ کے لیے ایک ہیل ڈیزائن کروں گی۔ بہت اونچی، بالکل آپ کی شخصیت جیسی۔ تاکہ جب آپ چلیں تو زمین بھی تھوڑا ہچکچائے اور آپ کی طاقت کو محسوس کرے۔"

فجر بے ساختہ مسکرا دی۔ وہی مسکراہٹ، جو اس کے اندر سے نکلی تھی، کسی گہرے کرب کے نیچے سے جو اس نے اب تک چھپا رکھا تھا۔ اس سے پہلے وہ کچھ کہتی روحی کا اگلا سوال حاضر تھا۔

"مسٹر اسکار نہیں آئے؟" وہ اب بے چین تھی۔

"آئے ہیں۔ ضروری کال سننے لگ گئے تھے۔ ابھی آ رہے ہوں گے۔"

"اور فلک آپی؟"

"وہ راستہ میں ہیں۔"

"اور رئیس انکل؟" وہ سب کے بارے میں جان لینا چاہتی تھی۔

"وہ پچھلے بیس دنوں سے بزنس ٹور پہ ہیں۔ شو کے بعد میں نے نہیں دیکھا۔" فجر نے اطمینان سے بتایا۔ شو کے چند دن بعد وہ چلا گیا تھا اور ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ نہ اس سے بات ہو رہی تھی نہ وہ کوئی جواب دے رہا تھا۔ اسے رابطہ ناممکن تھا۔ ان کی تقریب اسکی وجہ سے رکی ہوئی تھی۔ اسپانسر کے بغیر وہ کیسے تقریب کی خوشی منا سکتے تھے؟

"وہ کب آئیں گے؟" روحی نے آنکھیں چھوٹی کر کے پوچھا۔ اسے وہ سب عزیز ہو گئے تھے۔

"آج کل میں۔۔۔" اس نے جو سنا تھا بتا دیا۔

"کیا مسٹر اسکار آپ کے ہسبنڈ ہیں؟" اس کے اگلے سوال پر وہ ٹھٹکی پھر گردن ہلا کر جواب دیا۔

"ہاں۔۔۔" یہی حقیقت تو اس کی زندگی میں چین کی گھڑی تھی۔

"آپ لوگ اپنی شادی کب اناؤنس کر رہے ہیں؟" بھنویں سکیڑے پوچھ رہی تھی۔ وہ سب جان لینا چاہتی تھی۔

"بہت جلد۔۔۔" وہ بس مسکرائی۔ "اب تم جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ۔ تاکہ ہم اکٹھے ایک پوری کلیکشن بنائیں گے۔ تمہارے نام پر۔"

"پکا؟" روحی کی آنکھوں میں ایک نئی چمک ابھری جو بیماری کے زرد رنگ پر حاوی ہو گئی۔

"پکا وعدہ!" فجر نے اپنے دل پر ہاتھ رکھا، اس وعدے کی گہرائی کو محسوس کرتے ہوئے۔

کچھ دیر بعد فجر، روحی کو معمول پر آتا دیکھ کر، اپنے دل کو کچھ لمحے کا سکون دے کر ایک ضروری کال سننے کے لیے باہر راہداری میں آئی۔ اس کا موبائل کان سے لگا تھا مگر نگاہیں سامنے کی کھڑکی سے باہر پھیلے تاریک شہر پر جمی تھیں۔ راہداری کے ایک طرف مدھم نیون لائٹس تھیں جو پھیکی سی روشنی بکھیر رہی تھیں جبکہ دوسری طرف اندھیری خاموشی اس سناٹے کو مزید گہرا کر رہی تھی۔

تبھی، اچانک، ایک ہلکی سی آواز آئی جیسے کوئی برقی جھماکا ہوا ہو۔ اور ہسپتال کی آدھی لائٹس، بغیر کسی وارننگ کے بجھ گئیں۔ راہداری نیم تاریک ہو چکی تھی۔ صرف دیواروں پر نصب ایمرجنسی لائٹس ایک زرد، مٹیالا سا ہالہ بکھیر رہی تھیں جس سے ہر چیز پر ایک عجیب سی پرچھائیں چھا گئی تھی۔

پھر ٹک۔۔۔ٹک۔۔۔ٹک۔۔۔۔

خاموش راہداری میں ہر قدم کے ساتھ ایک واضح، گونجتی ہوئی آواز اٹھی۔ یہ آواز تیز نہیں، بلکہ موزوں اور باقاعدہ تھی جیسے کوئی بہت پر اعتماد شخص چل رہا ہو۔ اس میں کوئی جھجھک نہیں، کوئی ڈگمگاہٹ نہیں۔ ہر ٹک کے ساتھ ایک مضبوط ارادے کا احساس ہوتا تھا جیسے وہ اپنے راستے پر اٹل ہو۔ یہ آواز راہداری کی خاموشی کو چیرتی ہوئی اسے بھر رہی تھی اور اپنے پیچھے ایک مخصوص اثر چھوڑ رہی تھی۔

اونچی ایڑیوں کی یہ مضبوط آواز یوں لگ رہی تھی جیسے وہ زمین سے نہیں، فجر کے دل کی گہرائیوں سے آ رہی ہو۔ ہر ٹک اس کے دل پر ایک دستک تھی، ایک نامعلوم پکار!

اس نے چونک کر گردن گھمائی۔ راہداری کی دھندلی روشنی میں ایک دھندلا سا سایہ ابھرا۔ پہلے ایک مبہم شکل اور پھر وہ سایہ قدم بہ قدم اس کی طرف بڑھنے لگا۔ بتیاں جل بجھ رہی تھیں اور ہر جلتی بجھتی بتی کے ساتھ وہ اور قریب آ رہی تھی۔

ہر قدم کے ساتھ، اس کے وجود کا جادو گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ ہر لمحہ اس کی شکل مزید واضح ہوتی جا رہی تھی، جیسے کوئی خواب حقیقت کا روپ لے رہا ہو۔

وہی چہرہ۔۔۔وہی آنکھیں۔۔۔وہی جبیں، وہی ساخت۔۔۔فجر کا اپنا عکس، مگر کچھ اور تھا۔ کوئی ایسی بات جو اس کے اندر جیسے کسی بند دروازے کو دھیرے سے کھول رہی تھی۔ یہ محض ایک عکس نہیں تھا بلکہ ایک گہرا وجود جو اس کے اندر سو رہا تھا۔

وہ سیاہ سادہ گاؤن پہنے ہوئے تھی، جسے کمر پر سنہری بیلٹ نے تھام رکھا تھا۔ اس کے گلے میں ایک چمکتا ہوا لاکٹ تھا۔ ایک چمکتی مکڑی، جیسے کسی پرانے، بھولی بسری یادگار خاندان کی مہر جو اس کی روح سے جڑی تھی۔ گھنگریالے بال اس کے کندھوں پر جھول رہے تھے جو ہوا میں ہلکے ہلکے لہرا رہے تھے۔

اور وہ آنکھیں، وہ نگاہیں، اتنی گہری تھیں کہ فجر کو لگا جیسے وہ اس کی ہر پرت، ہر چھپے ہوئے راز کو چیر کر دیکھ رہی ہوں۔

جب وہ اس کے بالکل سامنے آ کر رکی، تو اوپر لائٹ کا ایک بجھا ہوا بلب اچانک چمکا اور روشنی سیدھی اس کے چہرے پر پڑی۔

فجر کا سانس جیسے حلق میں اٹک گیا۔ یہ وہی چہرہ تھا، اس جیسا، اس کی اپنی شبیہہ۔ مگر یہ وہ نہیں تھی۔ یہ کوئی اور تھی، یا شاید اس کا ہی کوئی بھولا ہوا حصہ!

فون سے ابھرتی آواز گونج رہی تھی جسے اس نے سنا ہی نہیں۔ اس کی ساری توجہ اس پراسرار وجود پر تھی۔

پھر اس کی آواز ابھری۔ اس میں سحر نہیں، جادو تھا۔ ایسا جادو جو خالص تھا، ننگا، بے نقاب، جو براہ راست روح سے مخاطب ہو رہا تھا۔

"ہیلو بے بی گرل۔۔۔۔"

فجر کا دل جیسے دھڑکنا بھول گیا۔ یہ آواز۔۔۔ یہ لہجہ۔۔۔ یہ انداز تو کبھی کسی نے اس سے نہیں اپنایا تھا۔ اس میں ایک ایسی اپنائیت تھی جو اجنبی نہیں، بلکہ کسی اندرونی، قدیم رشتے کی نشانی تھی۔

وہ آہستہ سے اس کے گرد گھومنے لگی، بالکل دائرے کی صورت میں، جیسے کوئی پراسرار رسم ادا کر رہی ہو۔ اس کی چال میں وقار نہیں، اعلان تھا۔ ایک ایسا اعلان جو فجر کی روح کو جگا رہا تھا مگر وہ خود ساکت تھی۔ بالکل ساکت!

"جانتی ہو میں کون ہوں؟

جب تم نہیں تھیں، تب میں تھی۔"

اس کی آواز میں گونج تھی جیسے ماضی کی صدائیں لوٹ آئی ہوں۔

"جب تم نے خود کو کھو دیا،

میں تمہارے اندر چھپ گئی۔"

وہ جھکی، فجر کی آنکھوں میں گہرائی سے جھانکا۔

"میں تمہارا حصہ ہوں اور تم میرا۔" اس کا ہر لفظ فجر کے وجود کے اندر گونج رہا تھا۔

"تم نے جو چھوڑ دیا،

میں وہی پہن کر آئی ہوں۔

تم نے جو چھپا دیا،

میں وہی دکھانے آئی ہوں۔"

وہ منار تھی جبکہ فجر پتھر بنی کھڑی رہی، اس کا جسم جکڑا ہوا تھا۔ منار اسے سر سے پیر تک دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک بے رحمانہ چمک تھی، جو فجر کی تمام کمزوریوں کو بے نقاب کر رہی تھی اور لہجے میں ایک زہریلی شفقت تھی، جو زہر بھی تھی اور دوا بھی۔

پھر اچانک، تمام بتیاں بند ہو گئیں۔ راہداری مکمل تاریکی میں ڈوب گئی۔ ایک لمحے کو صرف گھپ اندھیرا، صرف سناٹا۔ فجر نے آنکھیں موند لیں، اس پراسرار وجود کو اپنی آنکھوں میں بسانے کی کوشش کی۔

اور پھر ایک جھماکہ! بتیاں دوبارہ جل اٹھیں۔ راہداری روشنی سے بھر گئی، جیسے کبھی کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ مگر۔۔۔ وہ وہاں نہیں تھی۔ نہ کوئی قدموں کی چاپ، نہ کوئی سایہ۔ راہداری ویران تھی۔ صرف فجر اور ہاتھ میں پکڑا ہوا فون!

اسی لمحے فون کی رنگ ٹون بجی، اچانک اور تیز۔ وہ چونک گئی، جیسے کسی گہری نیند سے جاگی ہو۔ ولی کا نمبر اسکرین پر جگمگا رہا تھا جو اسے حقیقت کی دنیا میں واپس کھینچ رہا تھا۔

اس نے خشک لبوں پر زبان پھیری، ایک گہری سانس لی جو اس کے اندر کی لرزش کو چھپا نہ سکی۔ قدم واپس روحی کے کمرے کی سمت مڑے، مگر اس کے دل میں کوئی نئی لرزش، کوئی نامعلوم شناسائی پھسلتی رہی۔ یہ لمحہ اس کی زندگی کا نقطۂ آغاز تھا، جہاں فجر معراج، منار معراج کو دیکھ چکی تھی مگر کیا یہ سچ تھا یا وہم؟ یہ سچ نہیں ہو سکتا؟ اور اسے وہم نہیں ہوتے تھے تو پھر یہ کیا تھا؟

کیا وہ کام کے دباؤ میں تھی؟ کیا اس کا دماغ اس سے کھیل رہا تھا۔ وہ بس یہ سوچتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھی۔

لیکن وہ وہم نہیں تھا۔ وہ منار معراج تھی! اس کا سایہ، اس کی روشنی، اس کا دوسرا روپ۔ ایک ایسا روپ جو اب اس کی زندگی کا حصہ بننے جا رہا تھا۔

✿••✿••✿••✿

کیفے کی دیواریں شفاف گلاس کی تھیں جن پر باہر سے برستی بارش کی موٹی بوندیں کسی موسیقی کی طرح بہہ رہی تھیں۔ ان بوندوں کے پیچھے، شہر دھندلا اور مدھم سا دکھائی دیتا تھا۔ اندر، ہلکی ہلکی جاز موسیقی، کافی کی مہک اور برقی قمقموں کی ملائم چمک نے فضا کو پرسکون بنا رکھا تھا۔

ایک کونے کی میز پر تین لوگ بیٹھے تھے۔ ولی، فلک اور فجر۔

فجر ایک اسٹائل میگزین کی ورق گردانی میں مصروف تھی۔ اس کے انداز میں بظاہر ایک لاپروائی تھی، جیسے وہ صرف وقت گزارنے آئی ہو مگر اس کی آنکھوں میں وہی دھندلی الجھن تھی جو اس نے ہسپتال میں دیکھی تھی۔ خود کا عکس، وہ لمحہ، ابھی تک اس کی سوچوں کی تہہ میں گونج رہا تھا۔

دوسری طرف، فلک اور ولی آپس میں گپ شپ میں مشغول تھے جیسے زندگی کسی خاص، گرم کپ سے قہوے کی طرح گھونٹ گھونٹ پی جا رہی ہو۔

"تم بہت اچھے ہو ولی!" فلک نے کافی کا سپ لیتے ہوئے کہا، "اپنی بیوی کی ساری باتیں مانتے ہو۔"

ولی نے ابرو اچکائے۔ "اگر اتنا ہی اچھا ہوں تو رخصتی میں ہیلپ کر دیں۔ میں اپنی بیوی کو لے کر سکاٹ لینڈ جانا چاہتا ہوں۔"

فجر نے میگزین سے نظریں نہیں ہٹائیں، مگر لبوں پر ہلکی سی جنبش پیدا ہوئی۔

"کیا پتہ رخصتی کے بعد تم بدل جاؤ۔" فلک نے مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے اپنی جان بہت پیاری ہے۔ مرنے کا کوئی شوق نہیں!" اس نے جان بوجھ کر ڈرامائی انداز اپنایا اور فجر کی طرف دیکھا، جو اب بھی خاموشی سے ورق پلٹ رہی تھی۔

"نہیں پھر تمہیں فجر کریلے اور ٹینڈے کھلائے گی۔"

فجر نے آخر کار میگزین بند کیا، ایک نظر ان دونوں پر ڈالی، پھر نپے تلے انداز میں اپنا کافی کپ اٹھالیا۔ آنکھوں میں ہلکی سی چمک ابھری۔

ولی نے فوراً سوالیہ نگاہوں سے پوچھا، "کیا واقعی؟"

فجر نے کندھے ہلکے سے اچکائے۔

"بائی داوے، میں اسپورٹس مین ہوں، سب کھالیتا ہوں۔"

فجر نے گہری سانس لی۔ وہ کیسے بھول سکتی تھی کہ وہ رگبی کا بیسٹ پلیئر تھا۔

"تو تم وہ ہو جو زہر بھی مزے سے پی جاتے ہیں؟" فلک نے فوراً لقمہ دیا۔

"زہر تو نہیں۔۔۔" اس نے فجر کو دیکھتے ہوئے کہا، "لیکن اگر میری بیگم بنائے تو زہر بھی قہوہ لگے گا۔"

فجر کی نگاہ اس پر ٹھہر گئی۔ ولی کی آنکھوں میں وہی شرارت بھری روشنی تھی۔ کچھ پل کے لیے، وقت کا بوجھ، ہسپتال کی دھند، اور منار کا عکس دھندلا گیا۔

فلک نے ہنستے ہنستے اپنا ہاتھ ہلایا۔

"او کے اگلا پلان بتاؤ۔ سکاٹ لینڈ کب لے جا رہے ہو اسے؟"

"جب آپ رخصتی کروادیں گی۔" اس نے جواب میں کہا، "اور جب یہ تیار ہو جائے کریلے اور ٹینڈے ساتھ لے جانے کے لیے۔"

"ضروری تو نہیں میں کریلے اور ٹینڈے کھلاؤں گی؟ میں بھوکا بھی رکھ سکتی ہوں۔" وہ بے ساختہ بولی۔

"یعنی تم تیار ہو رخصتی کے لیے؟" فلک نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"اب ایسی بھی بات نہیں ہے۔" اس نے خود کو ملامت کیا جبکہ ولی ابھی بھی انہیں نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"ڈونٹ وری مجھے تھوڑا بہت بنانا آتا ہے۔ میں بھوکا نہیں رہوں گا۔"

اف یہ چالاک فارنر! وہ اس سے نہیں جیت سکتی تھی۔

فجر نے آنکھیں بند کر کے خوشبو جذب کی، جیسے وہ ان دونوں کی موجودگی میں اپنی الجھنوں کو تحلیل کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔ باہر بارش کی رم جھم جاری تھی اور کیفے کے اندر زندگی کی ہنسی ٹھہر کر بیٹھ گئی تھی۔

✿••✿••✿••✿

اگست کا مہینہ تھا۔ سائبیریا اپنی مختصر مگر بھرپور گرمیوں کے آخری دنوں میں تھا۔ برف کا کہیں نام و نشان نہ تھا، بلکہ جہاں تک نظر جاتی، دیودار اور صنوبر کے گھنے جنگلات (Taiga) کا ایک لامتناہی سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ شام کے گہرے ہوتے سائے ان سرسبز درختوں کو مزید پراسرار بنا رہے تھے اور ولا کی بڑی کھڑکیوں سے نظر آنے والا منظر کسی جنگلی اور ان چھوئی خوبصورتی کی تصویر پیش کر رہا تھا۔ یہ رئیس اورنگزیب کا نیا ٹھکانہ تھا۔

اس نے یہ جگہ خود چنی تھی۔ اسے یہ زمین پسند تھی کیونکہ یہاں ہیرے تھے اور وہ خود ایک ہیرہ تھا۔ سخت، قیمتی اور بے رحم!

اسے یہاں کے الگ تھلگ جزیروں جیسے علاقے پسند تھے۔ مگر پچھلے پندرہ دنوں سے یہی تنہائی اسے ایک قید محسوس ہو رہی تھی۔ ولا کے اندر، وہ ایک سیاہ چمڑے کی آرم چیئر پر بے حس و حرکت بیٹھا تھا، اس کی نظریں سامنے میز پر رکھے موبائل فون کی جلتی بجھتی اسکرین پر تھیں جس پر **اسکینر** کا نام لکھا چمک رہا تھا۔

عروزہ، جو ہمیشہ ہر چیز پر قابو رکھنے کی عادی تھی، اب شدید کوفت کا شکار تھی۔ وہ کمرے میں تیز تیز قدموں سے چل رہی تھی، اس کے بھورے چہرے پر بیزاری اور غصے کے ملے جلے تاثرات تھے۔

"ہم یہاں مزید نہیں بیٹھ سکتے۔ میرا تمام کام رکا ہوا ہے اور میں اس جنگلی ویرانے میں بیٹھ کر آپ کے موڈ کا انتظار نہیں کر سکتی!" اس نے آخر کار کہہ ہی دیا۔

رئیس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی آنکھیں جلتی بجھتی اسکرین میں کچھ تلاش کر رہی تھیں۔ وہ اپنی ہی سوچوں کے زندان میں قید تھا۔

"میں دنوں سے آپ کو سمجھا رہی ہوں کہ ہمیں واپس چلنا چاہیے، لیکن آپ ایک نہیں سن رہے۔ آخر کب تک یہاں رہیں گے؟"

اس سے پہلے کہ رئیس جواب دیتا، اس کا فون پھر بج اٹھا۔

وہی نام چمک رہا تھا۔

اس کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہ آئی لیکن اس کی انگلیوں کی گرفت کرسی کے بازو پر سخت ہو گئی۔ اس نے فون کی طرف دیکھے بغیر عروزہ کو اشارہ کیا۔ عروزہ نے جھنجھلا کر فون اٹھایا۔

"ہیلو؟" اس کی آواز میں ناقابلِ برداشت سختی تھی۔

دوسری طرف فجر کی آواز سپاٹ تھی، مگر اس کے پیچھے ایک آتش فشاں دہک رہا تھا۔

"مجھے رئیس سے بات کرنی ہے۔"

"باس مصروف ہیں۔"

"یہ مصروفیت پچھلے بیس دنوں سے چل رہی ہے۔ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی؟ برائے مہربانی، میری بات کروائیں۔"

"کہا نا، وہ مصروف ہیں۔ تمہیں سمجھ نہیں آتی؟" عروزہ کا لہجہ اب توہین آمیز ہو رہا تھا۔ اسکا بس چلتا تو وہ اسے جان سے مار دیتی۔

"اپنے ڈرامے بند کرو اور میری بات کرواؤ!" وہ بھی سیدھی ہوئی تو عروزہ کا بھورا چہرہ سرخ پڑ گیا۔

"تم مجھ سے ایسے بات نہیں کر سکتیں۔"

"مجھے تم سے بات کرنے میں دلچسپی ہے بھی نہیں۔ فون اسپیکر پر ڈال دو میں خود کر لوں گی۔"

عروزہ کے چہرے پر ایک جنگ چھڑ گئی۔ پیشہ ورانہ وقار اور ذاتی انا کی۔ لیکن رئیس کے سامنے فجر کی بات کو رد نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس نے دانت پیستے ہوئے فون اسپیکر پر رکھا اور اسے میز پر رکھ دیا۔

کمرے کی خاموشی کو فجر کی گونجتی ہوئی آواز نے توڑ دی۔ ایسی آواز جو سائبیریا کے گھنے جنگلات کی خاموشی کو چیر دے۔

"ڈارک لارڈ صاحب! بہت ہو گئی آپ کی یہ گمشدگی۔ مجھے نہیں پتا آپکے دماغ کو نسا پرزہ ڈھیلا ہوا ہے، لیکن جو بھی ہے۔ اسے کس لیں۔ مجھے آپ کی ضرورت ہے۔۔! میری پوری ٹیم، میرا ایونٹ، سب کچھ آپ کے انتظار میں

رکا ہوا ہے۔ اگر آپ میں آنے کی ہمت نہیں ہے، تو صاف صاف بتا دیں تا کہ میں کوئی اور انتظام کروں۔ اس طرح بزدلوں کی طرح چھپنے کا کیا مطلب ہے؟"

کال کے آخر میں اس کا لہجہ اتنا تیز اور کاٹ دار تھا جیسے اس نے بیس دنوں کا سارا زہر ایک ہی سانس میں اگل دیا ہو۔

پھر ایک گہرا سناٹا چھا گیا۔ ایک نئی زندگی چاروں جانب دوڑ گئی۔ اسے رئیس کی ضرورت تھی۔ **اس نے کہا اسے رئیس کی ضرورت ہے۔**

کال کٹ چکی تھی، لیکن الفاظ ہوا میں تیر رہے تھے۔ عروزہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو چکا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی، رئیس اپنی جگہ سے اٹھا۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا، لیکن اس کی چال میں ایک نئی قطعیت تھی۔ وہ سکون سے اپنے ٹریول بیگ کی طرف بڑھا جو کونے میں پڑا تھا، اسے کھولا اور دھیرے دھیرے اس میں کپڑے رکھنا شروع کر دیئے۔ یہ دیکھ کر عروزہ زندگی میں پہلی بار جیسے پھٹ پڑی۔

"اب؟ اب آپ جا رہے ہیں؟ میں آپ کو کب سے کہہ رہی تھی واپس چلنے کے لیے، آپ نے میری ایک نہ سنی، اور اس عورت کے ایک بلاوے پر آپ بھاگے جا رہے ہیں I just HATE her! !وہ آپ پر حکم کیسے چلا سکتی ہے؟ اس کی اوقات کیا ہے؟ اور آپ۔۔۔ آپ نے اسے یہ سب کہنے دیا؟"

رئیس جو اپنا بیگ بند کر چکا تھا، سکون سے اس کی طرف مڑا۔ اس کے چہرے پر ایک پراسرار مسکراہٹ تھی۔

شکست خوردہ بھی، اور فاتح بھی۔ اس نے بہت دھیرے سے کہا، جیسے کوئی راز بتا رہا ہو۔

"اس نے بلایا ہے، عروزہ۔۔۔ جانا تو پڑے گا۔"

عروزہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"لیکن وہ۔۔وہ آپ سے اس طرح۔۔۔وہ حکم کیسے چلا سکتی ہے؟"

رئیس نے اس کی بات کاٹ دی۔اس کی آواز اب پہلے سے بھی زیادہ گہری اور پر سکون تھی۔اس نے کھڑکی سے باہر پھیلے سبز اندھیرے کو دیکھا،اور پھر جیسے خود سے مخاطب ہو کر بولا۔

"وہ چلا سکتی ہے۔وہ فجر معراج ہے۔وہ مجھ پر راج کرتی ہے۔"

یہ جملہ کمرے کی ہوا میں کسی اقرار کی طرح ٹھہر گیا۔

سائبیریا کی کھڑکیوں کے پار اندھیرا گہرا ہو رہا تھا اور جنگل کی وحشی خاموشی چھا رہی تھی۔عروزہ اسے تاسف سے دیکھتے ہوئے واک آؤٹ کر گئی۔

اور رئیس کے اندر،اس سبز ویرانے میں،ایک چراغ جل اٹھا تھا۔

✿••✿••✿••✿

کمرہ نیم تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا،مگر دیوار پر لگی متعدد اسکرینز کی چمک نے اسے ایک سائنسی فلم کا سا تاثر دیا تھا۔ہر اسکرین پر ایک الگ زاویے سے کوئی ویڈیو فیڈ جاری تھی۔کہیں کوئی عمارت،کہیں کسی گلی کا منظر،کہیں کسی گھر کی سیڑھیاں،اور ایک اسکرین پر ایک عورت کے دھندلے خدوخال،جس کے گھنگریالے بال ہوا میں لہرا رہے تھے۔

دیواروں پر نوٹس بورڈز لگے تھے جن پر دھاگوں سے جڑی فائلیں،تصاویر اور ہاتھ سے لکھے گئے چند رمز آویزاں تھے۔فضا میں عجیب سا سکوت تھا،جیسے یہاں وقت بھی سانس روکے بیٹھا ہو۔

کمرے کے بیچ میں ایک چرمی کرسی پر جنید بیٹھا تھا،تھکا ہوا،جھنجھلایا ہوا،اور ایک چھوٹی میز کے کونے پر کہنی ٹکائے بیزاری سے ولی کو گھور رہا تھا جو سیاہ پولو شرٹ اور بیگی کارگو پینٹ پہنے،بال پیچھے جمائے،ایک ہاتھ میں کولڈ کافی کا

مگ تھامے، کمرے کے ایک کونے میں کھڑا تھا۔ اس کی نظریں اسکرینز پر تھیں۔ سرد، بے تاثر اور اتنی گہری کہ سامنے کیمرے بھی ان کے آگے دھندلے پڑ جائیں۔

وہ جتنا ہنستا اور بولتا دکھائی دیتا تھا اتنا ہی کم کھلتا تھا۔

اور جو کچھ بولتا تھا، وہ ہمیشہ بعد میں کسی واقعے کی بنیاد بنتا تھا۔

"میں تو سمجھا تھا تمہارا ماموں اور تمہاری بیوی ہی عفریت ہیں، تم تو ان سے بھی بڑے عفریت نکلے، ولیم! تم بہت بڑے ڈیش ہو!"

جنید کی آواز میں خفگی سے زیادہ بے بسی تھی، جیسے اسے اپنی بے اختیاری کا شدت سے احساس ہو رہا ہو۔

ولی کی مسکراہٹ ابھری، لیکن وہ دل کو بہلانے والی مسکراہٹ نہیں تھی۔ وہ ایسی تھی جیسے کسی نے ابھی ایک چال چلی ہو اور وہ نتیجے کا مزا لے رہا ہو۔

وہ ہمیشہ سب سے آخری چلنے والا دکھائی دیتا تھا، مگر شطرنج کی بساط پر وہ وہ پیادہ تھا جو راہ بدلتے ہی وزیر بن جاتا تھا۔

خطرناک، ناقابلِ پیشین گوئی اور فیصلہ کن!

"کم از کم دھوکے باز نہیں ہوں۔" وہ دھیرے سے بولا۔

"فرض کرو میری بیوی کو پتا چل گیا کہ تم منار میں سونیا سلطان کے کہنے پر آئے تھے تو وہ تمہارا کیا حال کرے گی؟ تمہارا کریئر تباہ!"

جنید کا چہرہ تپتے ہوئے سوال سے پگھلنے لگا۔

"ہاں۔۔۔ لیکن میں نے منار کو کبھی دھوکہ نہیں دیا۔۔ میں نے سونیا سلطان کو منع کر دیا تھا۔"

ولی نے جواب نہیں دیا، بس ایک نظر جنید پر ڈالی۔ وہ نظر جو سادہ دکھائی دیتی تھی لیکن اس کے پیچھے درجنوں فیصلے، تجزیے اور خدشات چھپے ہوتے تھے۔

وہ عام نظر آتا تھا، کیونکہ وہ چاہتا تھا لوگ اسے عام سمجھیں۔ مگر جو ایک بار اس کی نظر میں آ جائے، وہ کبھی ویسا نہیں رہتا جیسا پہلے تھا۔

"تم پر کون یقین کرے گا؟" ولی نے کولڈ کافی کا مگ لبوں سے لگایا۔ اس کا لہجہ نرم تھا مگر ہر لفظ نوک دار۔

"تم میرے ساتھ یوں نہیں کر سکتے! بھول گئے میں نے تمہاری کورٹ میرج میں ہیلپ کی تھی؟"

"تبھی تو تم یہاں بیٹھے ہو۔ تبھی تمہیں موقع دے رہا ہوں۔"

اس کی نظریں اب بھی اسکرین پر جمی تھیں۔ جبکہ لبوں پر مسکراہٹ ابھری کر غائب ہو گئی۔

وہ بہ ظاہر ایک سادہ سا کردار لگتا تھا، مگر اس کے اندر ایک پورا جنگی نقشہ چھپا تھا، جہاں ہر شخص اپنی جگہ پر بٹھایا جا چکا تھا اور کوئی بھی اس نقشے سے باہر نہیں نکل سکتا تھا۔

"اور کیا کہا تم نے؟ ہیلپ کی تھی؟ یہ تو مجھے اب پتا چلا ہے کہ تمہارے انکل نے مجھے کتنی بری طرح لوٹا تھا۔"

اسکرین پر اس لمحے ایک فریم تھما۔ ایک چہرہ، ایک یاد، ایک خفیہ راہ۔

"ہاں تو تمہیں کیا لگتا ہے کورٹ میرج کرنا اتنا آسان ہے؟ بیٹا! جو تم کر رہے ہو نا اپنے ماموں کو بنا بتائے، اگر ان کو پتا چلا تو تم بے موت مارے جاؤ گے۔"

ولی کی آنکھوں میں لمحہ بھر کو ایک مدھم شعلہ چمکا۔

"فی الوقت تو مجھے بہت ضروری کام کرنے ہیں موت کو بعد میں دیکھ لیں گے۔" اس نے ایک اسکرین پر انگلی رکھی۔

"یہ بتاؤ، اس کا پتہ ملا یا نہیں؟"

"ہاں، ڈھونڈ لیا ہے۔۔۔"

جنید نے پہلے بے سی سے کہا، پھر جیب سے ایک کاغذ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

اس نے سرسری نظر سے پتہ دیکھا، ایک بار ہونٹوں کو بھینچا، پھر کپ اٹھا کر میز پر رکھا۔ ایک طرف سے سیاہ کیپ اٹھائی، چہرے پر ماسک لگایا۔ بالکل ویسے ہی جیسے وہ ریکارڈنگ کرنے نکلتا تھا مگر آج کام اس سے زیادہ اہم تھا۔

"دھیان رکھنا۔" یہ کہتے ہی وہ نکل گیا۔

کمرے میں اب صرف جنید اور اس کی بے بسی رہ گئی۔ اس نے مایوسی سے اپنی انگلیوں سے بال نوچے۔

"اچھا بھلا لیگل ایڈوائزر تھا اس فارنر نے مجھے جاسوس بنا دیا ہے!" وہ کلس کر رہ گیا۔

اور ولی۔۔۔ اس کے بارے میں کہا جاتا تھا۔

کہ وہ شطرنج کا بادشاہ نہیں تھا۔

وہ سب سے آخری پیادہ تھا۔

مگر وہی پیادہ تھا جو آگے بڑھ کر تخت بدل سکتا تھا۔

وہ ولیم تھا، ولی بھی۔

وہ زمین تھا، آسمان بھی۔

جاری ہے۔

اگلی قسط پندرہ دن بعد ان شاءاللہ!

* * * * * * *

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔۔۔

اَلسلامُ علیکم احباب۔۔۔۔"

"ناولز کی دنیا" کے ناولز میں خوش آمدید ۔۔۔۔

ناولز کی دنیا (NKD) کی جانب سے ناولز کو بغیر کسی غلطی کے آپ تک پہچانے کی کوشش کی گئی۔ اگر کوئی غلطی اس میں ملتی ہے تو اسے محض اتفاق سمجھا جائے۔ کیونکہ ناول کو پورا پروف ریڈ کر کے ہی پبلش کیا جاتا ہے چوُک ہونا محض اتفاق ہوگا۔۔

نئے اور مختلف لکھنے والوں کے لیے "ناولز کی دنیا" ویب سائیٹ /گروپ / پیج / یوٹیوب چینل دے رہا ہے تمام لکھاریوں کو ایک ایسا پلیٹ فارم جہاں آپ اپنی خدا داد صلاحیتوں کو اپنے قلم سے تحریر کر کے اپنا اور اپنے ملک کا نام روشن کرسکتے ہیں ۔۔۔ اگر آپ کو بھی اللہ کی طرف سے یہ صلاحیت دی گئی ہے تو اسے اجاگر ضرور کریں ۔۔۔ ہمیں آپ جیسے ہی لکھاریوں کی تلاش اور ضرورت ہے۔۔۔

اگر آپ ہمارے بلاگز پر اپنا ناول، ناولٹ،افسانہ،کالم،آرٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ہم سے رابطہ کریں ۔۔ اپنی تحریر اردو میں ٹائیپ کرکے ہمیں بھیجیں۔ جتنا جلدی ہوسکا آپکی تحریر پوسٹ ہوجائے گی ۔۔۔

مزید تفصیلات یا کسی بھی طرح کی مدد کے لیئے ہم سے گروپ یا پیج انباکس میں رابطہ کریں یا ای میل پر ہم سے رابطہ کرسکتے ہیں۔۔

com.Email address :- Novelskiduniya77@gmail

Facebook page :- Novels ki duniya

بسمہ اللہ الرحمن الرحیم

عنکبوت

(معرفت اور محبت سب کو نہیں ملتی)

از قلم: نور راجپوت

قسط نمبر:20

"باب گیارہ: شہر کی سرگوشیاں میں پلتا سانپ!"

کہا جاتا ہے کچھ شہروں کی رگوں میں صرف روشنی نہیں،

راز بھی دوڑتے ہیں۔

یہ شہر۔۔۔

وہی ہے جس نے کبھی سچ کو زندہ دفن ہوتے دیکھا،

اور جھوٹ کو تاج پہنے۔

مگر آج،

کسی نے ان رگوں میں زہر گھولا ہے۔

اور سرگوشیوں نے شور مچانا سیکھ لیا ہے۔

کہیں دور،

ایک ہنسی گونجی ہے جو ہنسی نہیں، اعلان تھا۔

ایک عورت نے خواب میں جلتے پتنگے دیکھے۔

ایک بچہ اچانک بول اٹھا کہ **"ماں! شہر کے نیچے کوئی سانپ پلتا ہے۔"**

اور ایک سایہ۔۔

شہر کی چھتوں پر چل رہا ہے۔

بغیر قدموں کی چاپ کے۔

دلوں میں، لفظوں میں، دیواروں میں دراڑیں پڑنے لگی ہیں۔

کچھ چہروں کی نقابیں سرکنے کو ہیں۔

کچھ محبتیں اپنی ہی لاشوں پر رونے والی ہیں۔

قیامت کا پانچواں گھڑ سوار۔۔۔؟

وہ شاید انسان نہیں، لمحہ ہے۔

جو آجائے تو ہر رشتہ آئینے کی طرح چٹخ جاتا ہے۔

شہر، اب خاموش نہیں رہا۔

شہر اب بولے گا۔

اور جو سنے گا، وہ کبھی ویسا نہیں رہے گا۔

آج وہی شہر لاہور بارش میں بھیگا، سر جھکائے، کانپتا سا کھڑا تھا۔ مگر یہ بارش عام نہیں تھی۔ یہ اس دن جیسی بارش تھی، جب تاریخ نے پہلی بار سچ کو دفن ہوتے دیکھا تھا۔ آسمان پر بجلی کوندی تو شہر کا ذرہ ذرہ ہیبت سے لرز گیا۔ فضا میں ایک مہیب، بے نام لرزش ابھری، جیسے زمین خود اپنی ہڈیوں میں ایک پرانے درد کی ٹیسیں محسوس کر رہی ہو۔

اسی گرجتی فضا کے بیچ ایک سیاہ جیٹ بادلوں کا سینہ چیرتا ہوا دھیرے دھیرے نیچے اتر رہا تھا۔ جیٹ کے پیچھے آسمان میں بادلوں کی چیخیں تھیں اور نیچے شہر کی سانس رکی ہوئی تھی۔ اس کے کاک پٹ میں پائلٹ مکمل سکوت میں تھا مگر پیچھے، جیٹ کے عین وسط میں، بائیں طرف بے شمار اسکرینوں کی نیلی روشنی میں عُروزہ بیٹھی تھی۔ اس کی تیز انگلیاں کی بورڈ پر یوں دوڑ رہی تھیں جیسے کوئی سازندہ اپنے ساز پر آخری دھن چھیڑ رہا ہو۔ رئیس کی سلطنت کی نگرانی، عمارتوں کی فریکوئنسیز، موبائل نیٹ ورکس، حتیٰ کہ سینکڑوں کیمروں کے رخ تک اس کے تابع تھے۔

اور وہاں جیٹ کے آخری دروازے کے قریب، کھڑکی کے سامنے وہ شخص کھڑا تھا جسے لوگ بادشاہ کہتے تھے۔

بیالیس سالہ مرد، جس کے چہرے پر وقت کے نشانات نہیں، فیصلوں کی دھار تھی۔ وہ جس کی آنکھیں شطرنج کے بادشاہوں جیسی تھیں۔ ہر چال سوچنے والیں، ہر زاویہ دیکھنے والیں۔ جس کی خاموشی کسی اعلانِ جنگ کی مانند تھی۔ اس نے پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال رکھے تھے اور اس کا وجود مکمل ساکت تھا۔ بارش کی بوندیں شیشے سے ٹکرا کر لکیریں بنا رہی تھیں اور اسے ہر لکیر میں شہر کا کوئی بھولا ہوا چہرہ، کوئی دبی ہوئی چیخ دکھائی دے رہی تھی۔

جیٹ نیچے اتر رہا تھا۔ لاہور اس کے نیچے تھا۔ اس کا شہر! اس کی سلطنت۔ مگر آج، شہر کچھ اور تھا۔ سرگوشیاں اب سرِعام بولنے لگی تھیں۔ دیواروں میں دراڑیں تھیں۔ زمین کے نیچے کنڈلی مارے بیٹھا سانپ اب سو نہیں رہا تھا، حرکت کر رہا تھا۔

اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

"میں واپس آ گیا ہوں!" وہ بڑبڑایا، جیسے زمین سے مخاطب ہو۔

اس کے الفاظ، جیٹ کے دباؤ میں دب کر بھی، عروزہ کے کانوں تک پہنچے۔ وہ پلٹی نہیں، بولی نہیں۔ وہ جانتی تھی، رئیس صرف آیا نہیں، واپس اترا تھا۔ جیسے وقت کا کوئی کٹا ہوا ٹکڑا، دوبارہ اپنی جگہ پر آ لگا ہو۔

شیشے پر پڑتی بارش کی بوندوں نے اس کی یادوں کو سات سال پیچھے دھکیل دیا۔ منظر دھندلا کر اس کے ذہن کی اسکرین پر روشن ہو گیا۔

ہاں سات سال پہلے جب وہ پینتیس سال کا تھا۔ اس کے بالوں میں سرمئی رنگ کا شائبہ تک نہ تھا۔ اس کی آنکھوں میں آج جیسی سرد مہری نہیں، ایک مقناطیسی تپش تھی۔

"رئیس۔۔۔؟"

وہ لیونگ روم میں تھا، لیپ ٹاپ کی اسکرین پر ہیروں کی کچھ تصویریں چمک رہی تھیں۔ جب بلقیس بیگم نے اسے پکارا۔ آواز پر اس نے فوراً نظریں اٹھائیں اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ارے اماں۔۔ مجھے بلا لیا ہوتا، میں آجاتا۔" وہ ان کی طرف بڑھا اور انہیں اپنے ساتھ لگائے اندر لا کر صوفے پر بٹھا دیا۔ پھر واپس میز کے پیچھے رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔ بلقیس بیگم اب غور سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ اس وقت اس کی شخصیت میں ایک عجیب سی مہربانی تھی۔ وہ ایسا تھا کہ اسے دیکھتے رہنے کو دل کرتا تھا، کہیں کوئی خلل نہیں پڑتا تھا۔ بلقیس بیگم نے کئی دعائیں پڑھ کر اس پر پھونکیں۔

"کیا بات ہے؟ آج کچھ بولیں گی نہیں؟" وہ ایک نظر انہیں دیکھتا اور ایک نظر اسکرین کو۔

"میں چاہتی ہوں تم شادی کر لو۔" انہوں نے ہمیشہ کی طرح اپنی خواہش پیش کی۔ کتنا ارمان تھا ان کا، ایک بار اپنے بیٹے کے سر پر سہرا دیکھنا چاہتی تھیں۔ یہ سن کر اس کے لبوں پر ایک استہزائیہ مسکراہٹ ابھری۔

"مجھے لگا تھا آپ کوئی نئی بات کریں گی۔" اس نے تاسف سے سر ہلایا۔

"یہ بات بہت ضروری ہے۔ تم شادی کر لو رئیس! لیکن فلک سے نہیں۔" انہوں نے بات ادھوری چھوڑی۔ رئیس نے سوالیہ نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"منار کی بہن سے۔"

ان کی بات پر پہلے تو رئیس کے چہرے پر شدید حیرت ابھری اور پھر وہ بے ساختہ ہنس دیا۔ وہ ہنس رہا تھا، اس کی ہنسی میں تمسخر تھا۔

"میں آج معراج الدین کے گھر ہو کر آئی ہوں۔ ترنم کی بیٹی، اٹھارہ کی ہو گئی ہے۔ میں چاہتی ہوں تم اپنے اور اس کے درمیان اس دشمنی کے رشتے کو بدل دو۔ تم اس سے شادی کر لو۔"

رئیس مسکراہٹ ضبط کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے اپنی ماں کو دیکھ رہا تھا جو اس وقت اسے دنیا کی سب سے بھولی خاتون لگ رہی تھیں۔

"ہاں میں جانتی ہوں تم اسے اپنے بدلے کی بھینٹ چڑھانا چاہتے ہو، مگر اُس کا اِس میں کیا قصور ہے؟ بھول جاؤ سب اور اس سے شادی کر لو۔"

"کیا ہو گیا ہے آپ کو؟" اس کی ہنسی یکدم سنجیدگی میں بدلی۔

"اپنے سے آدھی عمر کی لڑکی سے شادی کر لوں؟ سترہ سال چھوٹی ہے مجھ سے۔ ہمارا صرف ایک رشتہ ہے، دشمنی کا۔ مستقبل میں وہ مقتول ہو گی اور میں قاتل، اور آپ چاہ رہی ہیں میں اس سے شادی کر لوں؟" وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ اب انہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کی بات سنتے ہی بلقیس بیگم کا دل کانپ اٹھا۔

"کیسی باتیں کر رہے ہو رئیس! خدا کا خوف کھاؤ۔"

"وہ تو آپ لوگوں کو نہیں آتا۔ پچھلے سال سے سن رہا تھا کہ فلک سے شادی کر لو، فلک اٹھارہ کی ہو گئی ہے اور اب آپ اچانک یہ معراج الدین کی بیٹی والا بکسہ کھول کر بیٹھ گئی ہیں جس سے میرا دور دور تک ایسا کوئی رشتہ نہیں، میں ہنسوں نہیں تو کیا کروں؟"

وہ چلتا ہوا ان کے قریب آیا۔ بلقیس بیگم اسے دیکھ رہی تھیں۔

"ترنم نے اپنی بیٹی کو بچپن سے یہی سکھایا ہے کہ وہ تمہاری امانت ہے۔ اسے یہی بتایا ہے کہ ایک دن۔۔۔"

"ایسا کرنے کو میں نے نہیں کہا تھا۔ انہیں اپنی بیٹی کو سچ بتانا چاہیے تھا کہ ایک دن موت کا سوداگر آئے گا اور اسے مار ڈالے گا۔" وہ استہزائیہ ہنسا۔

"اور میں حیران ہوں ترنم کی بیٹی، اپنے سے سترہ سال بڑے شخص کے لیے مان کیسے گئی؟" بلقیس بیگم سے کوئی جواب نہیں بن پایا، وہ نظریں چرا گئیں لیکن آنکھوں میں نمی ابھر آئی تھی۔

"میں بس تمہارا گھر بسا ہوا دیکھنا چاہتی ہوں۔ ختم کر دو یہ دشمنی۔ کیوں دل میں سانپ پالے بیٹھے ہو؟" ان کی آواز بھرا گئی۔ رئیس مزید چند قدم آگے بڑھا اور ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ ان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھا۔

"میں کسی بھی لڑکی کو اپنے ساتھ جوڑ کر اس کی زندگی برباد نہیں کر سکتا۔ اور معراج الدین کی بیٹی کا مجھ سے جو رشتہ ہے، آپ جانتی ہیں۔ وہ آج تک زندہ ہے تو صرف آپ کی وجہ سے۔ میں اتنے لمبے انتظار سے گزر رہا ہوں تو صرف آپ کی وجہ سے، ورنہ معراج الدین کے خاندان کا نام و نشان کب کا مٹ چکا ہوتا۔" وہ نرمی سے بولتے ہوئے بھی بے رحم لگا۔

"یوں نہ کرو رئیس! اتنے ظالم مت بنو۔" وہ بھرائی آواز میں بولیں۔

"میں ظالم نہیں بن رہا۔ میں بس دنیا کو وہ لوٹا رہا ہوں جو اس نے مجھے دیا ہے۔" وہ اب ان کے آنسو پونچھ رہا تھا۔ وہ اپنی ماں کے آگے بے بس تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے، روئیں مت! جو آپ کہیں گی، میں کروں گا مگر ابھی نہیں اور میری ایک شرط ہے۔" اس نے انہیں چپ کروانے کے لیے، ان کا دل بہلانے کے لیے اپنی شرط سامنے رکھی۔

"اگر معراج الدین کی بیٹی مجھ سے انکاری نہ ہوئی۔بقول آپ کے، اس کی ماں نے اسے بتایا ہوا ہے کہ وہ کسی کی امانت ہے۔ اگر وہ اس جھوٹے رشتے پر پوری اتر جائے تو جیسا آپ چاہیں گی، میں ویسا کرلوں گا۔"

بلقیس بیگم نے حیرانی سے اس کی بات سنی **(وہ مان گیا تھا؟)** پھر ان کے چہرے پر امید کی ایک لہر دوڑی۔

"لیکن جب تک میں نہ چاہوں، آپ مجھے مجبور نہیں کریں گی۔ ٹھیک ہے؟" وہ جانتا تھا ایسا کبھی نہیں ہو گا، پھر بھی وہ اپنی ماں کا دل رکھ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" وہ نم آنکھوں سے مسکرا دیں۔ انہیں لگا تھا کہ وہ اسے منالیں گی۔

یونہی چار سال مزید گزر گئے۔ بلقیس بیگم، معراج الدین کے گھر جاتیں، مگر فجر ان سے کبھی نہ ملی۔ چار سال بعد جب وہ پیرس میں تھا، ایک بار پھر انہوں نے اس پر دباؤ ڈالا۔ وہ انتالیس کا ہو چکا تھا۔

"میں جانتا ہوں۔ معراج الدین کی بیٹی مجھ سے انکاری ہے، ہے نا؟ وہ اس رشتے سے باغی ہے؟" وہ فون پر اپنی ماں کی خاموشی سے سب سمجھ گیا تھا۔ "پھر آپ ایسا کیوں کر رہی ہیں؟"

"تو تم اس کے بے وفا ہونے کا انتظار کر رہے ہو؟ چار سال پہلے اگر تم نے اس سے شادی کرلی ہوتی تو یہ نوبت نہ آتی۔"

"بائیس سالوں کا انتظار ہے میرا، اماں! بائیس سالوں کی وفا ہے۔"

(وہ بائیس سال سے انتظار کر رہا تھا۔ اپنے مرے ہوئے خاندان سے کیا ہوا وعدہ نبھانے کے لیے، جو اس نے فجر کی پیدائش پہ کیا تھا کہ وہ معراج الدین اور گردیزی خاندان کا نام مٹا کر رہے گا۔ ایک وعدے کو بائیس سال دے دیئے تھے۔ ایک وعدے پر عمر لٹادی تھی۔ دشمنی سے بھی وفا نبھائی۔)

وہ چاہتا تھا جن تنہائیوں میں اسے معراج الدین کی پہلی بیٹی نے دھکیلا تھا، وہ تنہائیاں اس کی دوسری بیٹی سہے۔ اس دشمنی کے رشتے سے کو بائیس سال گزر چکے تھے۔ ایک دن تو اسے مرنا ہی تھا۔ آج وہ اکیلی مر جاتی، اور کل کو اپنے خاندان کے ساتھ **(اگر اس نے کہیں شادی کر لی گھر بسا لیا)** وہ سوچتا تھا پورے خاندان کو ختم کرنے میں زیادہ سکون ملتا۔

(ماں کے سامنے یوں بنتا تھا جیسے اسے اس رشتے سے بہت فرق پڑتا ہے، اداکار جو ٹھہرا۔)

کبھی کبھی کہانیاں ویسی نہیں ہوتی جیسی دکھائی جاتی ہیں۔ کہانیوں کا اگر ایک رخ دکھایا جائے تو دوسرا دیکھنے کی کوشش کرنی چاہیے اور کہانی کا دوسرا رخ یہ تھا۔ فجر معراج کا رئیس اور نگزیب سے بس ایک ہی رشتہ تھا۔ دشمنی کا! مستقبل کا قاتل اور مقتول!

رئیس اور نگزیب کی کے نام دو عورتوں کو کیا گیا تھا۔ منار معراج اور فلک عالمگیر!

فجر معراج ان میں کہیں بھی نہیں تھی۔

(کمبخت دو دو منگیتریں ہونے کے باوجود سنگل رہ گیا۔)

پھر بلقیس بیگم بیمار رہنے لگیں۔ بیٹے کا غم انہیں کھا رہا تھا۔ مگر اس پیرس والے واقعے سے پہلے کچھ ہوا اور بھی ہوا تھا۔ کچھ مہینے پہلے ترنم بیگم نے ان پر دباؤ ڈال دیا تھا کیونکہ فجر، ارسل کو پسند کرنے لگی تھی۔ جس دن ارسل کے ماں باپ نے فجر کو ٹھکرایا، اگلے ہی دن ترنم بیگم نے بلقیس بیگم کو بلا بھیجا۔

رئیس مینشن میں ایک بار پھر سرد جنگ چھڑی تھی۔

"تم نے کہا تھا تم میری بات مانو گے رئیس! اب وقت ہے۔"

"اماں میں یہ نہیں کر سکتا۔ انتالیس سال کا شخص ایک بائیس سالہ لڑکی سے شادی کیسے کر لے؟ وہ بھی اس لڑکی سے جسکی ابھی کچھ دیر پہلے چھین لیا؟ میں اپنی نظروں میں نہیں گر سکتا۔ میں اپنے پیاروں سے دھوکا نہیں کر سکتا۔" بالآخر اداکاری ختم کرنی پڑی۔ آخر کب وہ اس رشتے کا بوجھ لٹکائے پھرتا۔

"تم اسے مار سکتے ہو، شادی نہیں کر سکتے؟" بلقیس بیگم خفا ہوئیں۔

"میں رشتے نہیں بدلا کرتا، آپ جانتی ہیں۔ میرا اس سے ایسا کوئی رشتہ نہیں کہ میں شادی کروں۔ اور جو وعدہ آپ نے مجھ سے لے رکھا ہے، اس کے بعد میں اسے نقصان کیسے پہنچا سکتا ہوں؟ صرف آپکی وجہ سے بے بس ہوں۔ ورنہ وہ آج زندہ نہ ہوتی اور نہ گردیزی خاندان!" وہ بے بس تھا بھی۔

"بدلہ صرف تباہی لاتا ہے۔" وہ معراج الدین کے گھر جانے کو تیار تھیں۔ موسم ابر آلود تھا۔

"میں نے دل سے اسے تمہارے ساتھ جوڑ دیا ہے۔"

"میرا اس سے دل کا رشتہ کیسے ہو سکتا ہے؟" وہ اپنی ماں کو کیسے سمجھاتا کہ وہ اپنے اصولوں سے پیچھے نہیں ہٹ سکتا تھا۔ اس نے تعجب سے اپنی ماں کو دیکھا۔

"میں اب تمہاری نہیں سنوں گی۔ میں شادی کی تاریخ طے کرنے جا رہی ہوں۔" وہ کمر پر ہاتھ رکھے بس انہیں دیکھتا رہا اور پھر پھیکا سا ہنس دیا۔

"آپ اپنی یہ خوشی بھی پوری کر لیں لیکن میں اپنے اصولوں سے نہیں پھرنے والا۔۔۔"

وہ یہ کہہ کر واک آؤٹ کر گیا تھا، مگر وہ واقعی نہیں جانتا تھا کہ اس کی ماں کی خوشی کبھی پوری نہیں ہو گی۔ کیونکہ جس روز بلقیس بیگم اس کے رشتے کی تاریخ پکی کرنے معراج الدین کے گھر پہنچیں تھیں، اسی دن فجر معراج کو

سکاٹ لینڈ سے آئے ایک لاابالی لڑکے کے عقد میں دے دیا گیا تھا۔ اس کے بعد معراج الدین کی وفات ہو گئی اور پھر بلقیس بیگم بھی چل بسیں۔ شاید وہ یہ راز جان گئی تھیں کہ فجر معراج نے منار معراج کی طرح کسی اور کو اپنے لیے چن لیا تھا لیکن انہوں نے یہ راز، راز ہی رکھا کہ وہ منار کی ہمشکل تھی۔

اور پھر کھیل بدل گیا جب وہ منار کی ہمشکل نکل آئی۔ اب اسے مارنے میں، اسے تکلیف پہنچانے میں زیادہ سکون ملتا۔ پر افسوس اس کھیل میں اس کا دل دغا دے گیا۔ اس بار بھی وہی چہرہ!

سچ کہا تھا رئیس نے، فجر معراج سے اس کا دل کا رشتہ کبھی نہیں ہو سکتا تھا۔ پہلے وہ اس کے مارنے والوں میں شامل تھا اور اب وہ شاید اس کے بچانے والوں میں ہو جاتا۔ ان کا دل کا رشتہ کبھی نہیں جڑ سکتا تھا۔ وہ بس دشمن تھی جو اب جان سے پیاری ہوتی جا رہی تھی۔

جیٹ کے پہیوں نے رن وے کو چھوا تو ایک جھٹکے سے وہ حال میں واپس آیا۔ اس کی یادوں کا منظر ٹوٹ چکا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اب ماضی کی تپش نہیں، حال کی برفانی سرد مہری تھی۔

جیٹ رک چکا تھا۔ بارش کی گرج کے درمیان، شہر نے پہلی بار ایک آواز سنی۔ ایسی جو باہر نہیں، اندر گونجی تھی۔

رئیس اورنگزیب، بائیس دنوں بعد لوٹ آیا تھا۔

وہ جو محبت کو سہہ سکتا تھا، مگر اس کے سامنے جھک نہیں سکتا تھا۔ وہ جس کے ہونٹ کم، آنکھیں زیادہ بولتی تھیں۔ وہ جسے توڑنے کے لیے دشمن کو پہلے خود ٹوٹنا پڑتا تھا۔

اور اب؟

شہر اسے پکار رہا تھا۔

جیٹ کا دروازہ کھلا۔ لاہور کی گیلی، ٹھنڈی ہوا اس کے چہرے سے ٹکرائی۔

نقابیں سرکنے لگیں۔

راز سانس لینے لگے۔

ان رازوں میں چھپا سانپ کو کنڈلی مارے بیٹھا تھا وہ باہر نکل آیا تھا۔

منار معراج، اس کے انتظار میں بیٹھی تھی اور وہ آگیا تھا۔

✿••✿••✿••✿

سیاہ مرسڈیز بارش کے پانی کو چیرتی ہوئی رئیس مینشن کے وسیع گیٹ سے اندر داخل ہوئی۔ گاڑی کے ٹائروں کی آواز کے سوا ہر طرف ایک گہرا سکوت طاری تھا۔ سنگِ مرمر کا وسیع و عریض فرش، اونچی چھتیں اور ہر شے پر جمی خاموشی، اس حویلی کی ہیبت اور اس کے مالک کے مزاج کی عکاس تھی۔

رئیس نے گاڑی سے اتر کر اندر قدم رکھا تو ملازمہ اسے دیکھتے ہی سہم کر بھاگی آئی۔ اس کے چہرے پر خوف اور احترام کے ملے جلے تاثرات تھے۔

"صاحب! یہ آپ کے لیے آیا تھا۔" اس نے لاؤنج کے وسط میں رکھی میز کی جانب اشارہ کیا جہاں سرخ اور سفید گلابوں کا ایک شاہانہ گلدستہ دھرا تھا۔ ان پھولوں کا وجود انتہائی غیر متوقع اور چونکا دینے والا تھا۔

اس نے محض اثبات میں سر ہلایا جیسے یہ کوئی غیر اہم بات ہو۔ پھر اپنا لمبا برساتی کوٹ اتار کر بے پروائی سے صوفے پر پھینکا اور شرٹ کے اوپری دو بٹن کھولتے ہوئے وہیں بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر سفر کی تھکن سے زیادہ گہری سوچ کے آثار تھے۔

جبکہ عُروزہ کی پیشہ ورانہ حس جاگ اٹھی تھی۔ وہ سیدھی گلدستے کی جانب بڑھی۔ اس کی تیز نظریں پھولوں کی ترتیب اور پتیوں کے خم کا جائزہ لے رہی تھیں، جیسے ان میں چھپا کوئی کیمرا یا مائیکروفون کھوج رہی ہوں۔ پھر اس کی نظر پھولوں میں لگے ایک سفید کارڈ پر پڑی۔ اس نے کارڈ اٹھایا اور اس پر لکھی تحریر پڑھتے ہی اس کے چہرے پر تناؤ کی لکیریں ابھر آئیں۔ بھنویں سکڑ گئیں اور آنکھوں میں سرد سنجیدگی در آئی۔

"یہ دیکھیں۔۔۔" اس نے کارڈ رئیس کی جانب بڑھایا، جس نے بے دھیانی میں اسے تھام لیا۔ مگر کارڈ پر لکھی سطر نے ایک لمحے میں اس کا سارا سکون غارت کر دیا۔

"ایک دشمن جان سے پیارا ہے۔ بالآخر رئیس اور نگزیب کا دشمن پر دل آ ہی گیا۔"

رئیس کو اپنا سانس سینے میں اٹکتا محسوس ہوا۔ اس کے مضبوط ہاتھ میں پکڑا وہ چھوٹا سا کارڈ جیسے لوہے کا بن کر رہ گیا۔ پیشانی پر ڈھیروں بل پڑ گئے۔

"کیا بکواس ہے یہ؟" وہ ایک جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ آواز میں دبی دبی گرج تھی۔ اس نے ان جذبات کو تو خود سے بھی چھپایا تھا۔ عُروزہ اور مراد کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا، پھر یہ کیسے ممکن ہوا؟ اس نے غصے سے کارڈ اپنی مٹھی میں بھینچ کر مروڑ دیا۔

تبھی میز پر رکھا اس کا فون بج اٹھا۔ اسکرین پر **'پرائیویٹ نمبر'** جگمگا رہا تھا۔ رئیس نے عُروزہ کی جانب دیکھا، جس نے آنکھوں کے اشارے سے فون اٹھانے کو کہا۔ اس نے کال وصول کرتے ہوئے اسپیکر آن کر دیا جبکہ عُروزہ کی انگلیاں تیزی سے اپنے ٹیبلٹ پر حرکت کرنے لگیں، وہ کال ٹریس کرنے کی کوشش میں تھی۔

"ویلکم بیک، رئیس اورنگزیب صاحب! ویلکم بیک!" فون کے دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز ابھری، مگر وائس چینجر کے استعمال کی وجہ سے وہ مشینی اور بے جذبات محسوس ہو رہی تھی۔

"امید ہے آپ کو میرا تحفہ مل گیا ہو گا۔ پھول پسند آئے؟ ویسے تو آپ کو ہیرے پسند ہیں، جو آپ کے پاس پہلے ہی بہت ہیں اور **'ڈارک اسٹارز'** کے بعد تو آپ کو ہیرے دینا، آپ کی توہین ہو گی۔" وہ ایسے بات کر رہی تھی جیسے اس کی زندگی کی ہر تفصیل سے واقف ہو۔

رئیس نے اپنے تاثرات پر قابو پالیا۔

"مجھے اچھا لگتا اگر تم خود سامنے آکر مجھے یہ پھول دیتیں۔ چھپ کر وار کرنے والے لوگوں سے شدید نفرت ہے مجھے۔"

دوسری طرف سے ایک دھیمی ہنسی کی آواز آئی۔ "سامنے بھی آؤں گی نا! لیکن اس سے پہلے تمہاری کمزوری کو مٹھی میں کرنا ہے۔"

"تمہیں لگتا ہے میں عورتوں کو اپنی کمزوری بننے دوں گا؟" وہ اسے باتوں میں الجھا کر وقت حاصل کر رہا تھا تاکہ عُروزہ اپنا کام مکمل کر سکے۔

"ایک عورت! ایک چہرہ!" وہ پھر سے ہنسی۔ اس کی بات سن کر رئیس کے لبوں پر بھی ایک تمسخرانہ مسکراہٹ ابھری اور پھر اس کا بلند و بالا قہقہہ رئیس مینشن کے در و دیوار میں گونج اٹھا۔ اس کے قہقہے میں اب سردی اتر آئی تھی۔

"کبھی کبھی سانپ کو اس کی بل سے باہر نکالنے کے لیے اسے یہ یقین دلانا پڑتا ہے کہ اس کی بنیاد مضبوط ہو چکی ہے۔ میرے ایک عمل سے میرا دشمن خود باہر نکل آیا ہے۔ جسے تم میری کمزوری سمجھ رہی ہو، وہ تمہیں بے نقاب کرنے کا ایک ذریعہ تھا۔ اب یہ تو پتا چل گیا کہ میری دشمن ایک عورت ہے۔ ماننا پڑے گا، پلان تم اچھے بناتی ہو۔"

اس کا انداز ایسا تھا کہ ایک پل کے لیے دوسری جانب مکمل خاموشی چھا گئی۔ صورتحال کو پلٹنا اسے خوب آتا تھا۔ اور عین اسی لمحے عُروزہ کی اسکرین پر لوکیشن ٹریس ہو چکی تھی، مگر اسے دیکھتے ہی اس کی انگلیاں ساکت ہو گئیں۔ اس کے چہرے پر ناقابلِ بیان حیرانی کی ایک لہر دوڑی، جسے اس نے اگلے ہی پل کمال مہارت سے چھپا لیا۔ بھورے نقوش تناؤ سے سکڑ گئے۔

"چلو دیکھتے ہیں، کون پہلے گھٹنے ٹیکتا ہے۔" یہ کہہ کر فون بند کر دیا گیا۔

رئیس نے سوالیہ نظروں سے عُروزہ کی جانب دیکھا۔ عُروزہ نے تھوک نگلتے ہوئے نفی میں سر ہلایا، اشارہ تھا کہ وہ ناکام ٹھہری تھی حالانکہ اس کے ٹیبلٹ کی اسکرین پر اسی مینشن کی لوکیشن جگمگا رہی تھی۔ کال یہیں سے کی گئی تھی۔

اس نے بے ساختہ سر اٹھایا۔ بالائی منزل پر زینوں کے اوپر زرتاش اپنی وہیل چیئر پر بیٹھی نظر آئی۔

"تم لوگ آ گئے؟" وہ جیسے پوچھ رہی تھی۔ اس نے ماحول پر چھائی سنجیدگی کو محسوس کرتے ہوئے دوبارہ پوچھا، "سب ٹھیک ہے؟"

"سب ٹھیک ہے ذری!" رئیس نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

"کھانا لگواؤں؟" اس نے پھر سے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔" رئیس نے اپنی پیشانی مسلتے ہوئے جواب دیا۔ عُروزہ کی نظریں ایک پل کو ذرتاش سے ٹکرائیں۔ ان نظروں میں بہت کچھ تھا۔ شک، حیرت اور ایک انجانا خوف۔ ذرتاش اپنی وہیل چیئر موڑتی ہوئی واپس پلٹ گئی۔ جبکہ عُروزہ اندر تک ساکت تھی۔

کیا وہ ذرتاش تھی؟ وہ اپنے بھائی کے ساتھ ایسا کیوں کرے گی؟

کچھ دیر کی گہری خاموشی کے بعد عُروزہ کی آواز ابھری۔

"باس۔۔۔"

"ہوں؟" وہ اس کی جانب پلٹا۔

"اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے دشمن اس لڑکی کو آپ کے خلاف استعمال نہ کریں، تو آپ کو اس سے دوری بنانا ہو گی۔" اس کی آواز آہستہ مگر ٹھہری ہوئی تھی۔ "ہمیں اب یہی ظاہر کرنا ہے کہ یہ محبت کا ڈھونگ آپ نے اپنے دشمن کو سامنے لانے کے لیے ہی رچایا تھا اور۔۔۔ اور ہو سکے تو اس سے سارے رشتے ختم کر لیں۔"

رئیس نے کچھ دیر خالی نظروں سے اسے دیکھا اور پھر گہری سوچ میں ڈوبتے ہوئے آہستہ سے سر ہلا دیا۔

✿••✿••✿••✿

رات کی بارش نے لاہور کے چہرے کو دھو کر اُجلا تو کر دیا تھا، مگر فضا میں پھیلی دہشت کو نہ مٹا سکی تھی۔ صبح کی دھوپ شفاف تھی مگر اس میں گرمی نہیں، ایک ٹھہراہوا، دم روکتا تناؤ تھا۔ شہر کی سڑکوں پر ٹریفک معمول سے رواں تھا، لوگ اپنے کاموں میں مصروف نظر آتے تھے لیکن یہ سب ایک دکھاوا تھا۔ ایک سطحی سکون جس کے نیچے گزشتہ رات کی گرج اور وہ اعلان گونج رہا تھا جو کسی نے سنا نہیں، صرف محسوس کیا تھا۔

ٹھیک صبح دس بجے، شہر کی سب سے بلند اور جدید عمارت، رئیس ہیڈ کوارٹر کے سامنے کی سڑک پر زندگی تھم گئی۔

سیاہ شیشوں والی ایک جیسی چھ چمکتی ہوئی گاڑیوں کا قافلہ کسی بہتے دریا کو کاٹتا ہوا آیا اور ٹاور جیسی عمارت کے مرکزی دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ ان گاڑیوں کی آمد میں کوئی جلدی نہیں تھی، کوئی افراتفری نہیں تھی۔ ان کی حرکت میں ایک نپی تُلی، پُر اعتماد ٹھنڈک تھی جو دیکھنے والوں کے دلوں میں ہیبت طاری کر رہی تھی۔ آس پاس کی عمارتوں کی چھتوں پر، سیاہ لباس میں ملبوس، تربیت یافتہ محافظ اپنی پوزیشنیں سنبھالے ہوئے تھے۔ ان کی نظریں کسی عقاب کی طرح ہر حرکت پر جمی تھیں۔ عروزہ نے سیکیورٹی بڑھادی تھی۔

درمیانی گاڑی کا دروازہ ایک محافظ نے آہستگی سے کھولا۔

پہلے ایک سیاہ، چمکدار آکسفورڈ جوتا باہر آیا اور اس نے گیلی سڑک کو چھوا۔ پھر دوسرا۔ ایک لمحے کے لیے دنیا کی سانسیں جیسے رک سی گئیں۔ ہر وہ شخص جو آفس کی کھڑکیوں اور بالکونیوں پر موجود تھا، پتھر کا ہو گیا۔

اور پھر وہ باہر نکلا۔ بائیس دن کی غیر حاضری نے اس کے وجود پر کوئی گرد نہیں جمنے دی تھی۔ وہ پہلے سے زیادہ توانا، زیادہ پُر خطر اور زیادہ ناقابلِ تسخیر لگ رہا تھا۔ اس نے گہرے چارکول رنگ کا ایک بے داغ تھری پیس سوٹ پہن رکھا تھا۔ بال سلیقے سے بنے ہوئے تھے اور چہرے پر وہی بے تاثر سنجیدگی تھی جو کبھی کبھی ہزاروں لفظوں پر بھاری تھی۔

وہ گاڑی سے نکل کر سیدھا کھڑا ہوا۔ اس نے دائیں یا بائیں نہیں دیکھا۔ اس کی نظریں سیدھی عمارت کے شیشے کے دروازوں پر مرکوز تھیں۔ اس کی آنکھوں میں نہ تھکن تھی، نہ سفر کی کوئی علامت۔ ان میں ایک ٹھہری ہوئی گہرائی تھی جیسے وہ صرف سامنے کی عمارت کو نہیں بلکہ شہر کی روح کے پار دیکھ رہا ہو، ان سرگوشیوں کو سن رہا ہو جو اس کی غیر موجودگی میں بلند ہوئی تھیں۔

اس کے پیچھے عُروزہ اتری۔ اس کے ہاتھ میں ایک ٹیبلٹ تھا جس کی اسکرین پر عمارت کے سیکیورٹی نیٹ ورک کا دل دھڑک رہا تھا۔ اس کی نظریں بھی رئیس کی طرح مرکوز تھیں مگر وہ اطراف کا جائزہ لے رہی تھی، ہر سائے، ہر پرچھاویں کو پڑھ رہی تھی۔ دگنی سیکیورٹی صرف محافظوں کی تعداد نہیں تھی، یہ ایک ذہنی کیفیت تھی۔ ایک ایسا حصار جو اب رئیس کے گرد کھینچ دیا گیا تھا۔

رئیس نے قدم اٹھایا۔

ایک قدم۔ پھر دوسرا۔

اس کی چال میں بادشاہوں جیسی متانت تھی۔ نہ تیز، نہ سست۔ یوں لگتا تھا جیسے زمین اس کے قدموں تلے سکڑ رہی ہو، اسے راستہ دے رہی ہو۔ جو لوگ جہاں تھے، وہیں ساکت کھڑے تھے۔ دفتروں کے شیشوں کے پیچھے چہرے جم گئے تھے۔ کسی نے سرگوشی کرنے کی ہمت نہ کی۔ کسی کی پلک نہ جھپکی۔ ایک خاموش، خوف زدہ احترام کا سمندر تھا جس میں وہ اکیلا چل رہا تھا۔

وہ بائیس دنوں بعد نظر آیا تھا۔ رعایا پر فرض تھا اسے ٹھہر کر دیکھا جائے۔

بائیس دن وہ کہاں تھا، یہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ اس بار نہ کوئی پوسٹ، نہ کوئی شوٹ، کوئی اتہ پتہ نہیں تھا۔ مگر اب وہ لوٹ آیا تھا اور اس کی یہ واپسی ہی سب سے بڑا بیان تھی۔ یہ اس سانپ کے لیے جواب تھا جو شہر کے نیچے پل رہا تھا۔ یہ ان تمام چہروں کے لیے پیغام تھا جن کی نقابیں سرکنے کو تھیں۔

بھاری شیشے کے دروازے خود بخود، خاموشی سے کھل گئے۔

اس نے اندر قدم رکھا۔

عمارت کی وسیع و عریض لابی میں موجود ہر ملازم، ہر گارڈ، ہر ایگزیکٹو اپنی جگہ پر مجسمہ بن گیا۔ ہوا میں تیرتی ہلکی جاز موسیقی بھی جیسے اس کے قدموں کی آہٹ سن کر تھم گئی تھی۔ صرف اس کے قدموں کی آواز چمکتے ہوئے ماربل کے فرش پر گونج رہی تھی۔ وہ سیدھا لفٹ کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اس کے ساتھ روبوٹ عروزہ تھی۔ انہیں بہت سے کام نبٹانے تھے۔

✿••✿••✿••✿

کمرے کی روشنی مدھم تھی، جیسے ہر شے منار کی موجودگی کے سامنے اپنا وجود کھو رہی ہو۔ دیواروں پر لٹکی جدید آرٹ کی مبہم پینٹنگز اور شیشے کی میز پر سلیقے سے جمایا ہوا شطرنج کا بورڈ، سب کچھ ایک عجیب تناظر پیش کر رہا تھا۔ یہ کمرہ محض ایک جگہ نہیں تھا بلکہ ایک منصوبہ بند جال کا حصہ معلوم ہوتا تھا جہاں ہر چیز سوچ سمجھ کر، ایک چال کے طور پر رکھی گئی تھی۔ ہوا میں کسی گہری، پرانی خوشبو کا خفیف سا احساس تھا جو منار کی شخصیت کی طرح پیچیدہ اور پراسرار تھی۔

سونیا سلطان خاموشی سے بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھوں میں گہری تھکن، پریشانی اور الجھن کی کئی تہیں صاف جھلک رہی تھیں۔ اس کے بال جو کبھی آزادانہ جھولتے تھے، اب بے ترتیبی سے باندھے ہوئے تھے جیسے اسے خود کو سنوارنے کی فرصت ہی نہ ملی ہو۔ منار ایک سفید ساٹن کے لباس میں کرسی پر نیم دراز تھی، اس کے بال اب پہلے سے خوبصورت انداز میں سنوارے ہوئے تھے۔ مگر اس کی آنکھیں ویسی ہی تھیں چمکتی، مگر چبھتی ہوئیں جیسے وہ ہر چیز کو اپنی گہری نظروں سے پرکھ رہی ہو۔

اس نے آہستگی سے اپنا ہاتھ شطرنج کے بورڈ پر رکھا اور بیگم کا مہرہ گھمایا، اس کی انگلیاں نرمی سے اس مہرے پر ٹھہریں۔ پھر اس نے اپنی نظریں سونیا پر جما دیں۔ اس کی آنکھوں میں ایک ایسی چمک تھی جو ایک ہی وقت میں فتح اور سازش کی عکاسی کر رہی تھی۔

"میں چاہتی ہوں تم منار فیشنز کے ساتھ ایک collaboration کرو۔"

اس کی آواز میں حکم سے زیادہ ایک گہری تدبیر تھی جیسے وہ کسی سزا کی نہیں بلکہ ایک غیر متوقع موقع کی پیشکش کر رہی ہو۔

سونیا نے چونک کر اسے دیکھا، پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو آپس میں پیوست کرتے ہوئے قدرے بے چینی سے پہلو بدلا۔ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔

"کیا یہ ضروری ہے؟" اس نے ہکلاتے ہوئے پوچھا، اس کی آواز میں ایک دبی ہوئی مزاحمت تھی۔

منار مسکرائی۔ یہ ایک ایسی مسکراہٹ تھی جس میں کسی نئے خطرے کی بازگشت تھی۔ ایک ایسی مسکراہٹ جو سونیا کو سالوں سے خوفزدہ کرتی آ رہی تھی۔

"بہت ضروری ہے۔" وہ آہستگی سے بولی۔ "میں ان سب کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھنا چاہتی ہوں۔ خاص طور پر فجر کو۔"

سونیا کے ہونٹوں پر تناؤ کی لکیریں ابھر آئیں۔

"فجر میرے ساتھ کام نہیں کرے گی منار!" اس نے سچائی کے ساتھ کہا۔ وہ فجر کی شخصیت سے بخوبی واقف تھی۔

منار کی انگلیاں کرسی کے بازو پر چلنے لگیں، جیسے وہ کسی گہرے خیال میں گم ہو۔ اس کی نظریں شطرنج کے بورڈ پر ٹکی تھیں جہاں بیگم کا مہرہ اب بھی اس کے سامنے تھا۔

"مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ کرے گی یا نہیں۔ تم کرو گی۔" اس نے یکدم نظریں اٹھا کر سونیا کی آنکھوں میں دیکھا۔ اس کے لہجے میں ایک سرد، غیر متزلزل عزم تھا۔

سونیا نے دانت بھینچ کر سر جھکایا، پھر آہستہ سے بولی۔

"اور اگر میں انکار کر دوں؟" اس کی آواز میں ایک خوفناک خاموشی تھی۔

منار نے گردن تھوڑی سی جھکا کر اسے دیکھا، جیسے کسی بچے کی بے معنی ضد سن رہی ہو۔ اس کے چہرے پر ایک اداس سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تو تم شہرام کو دوبارہ کبھی نہیں دیکھو گی۔ نہ اس کی آواز، نہ اس کی سانس۔ نہ زندہ، نہ۔۔۔ باقی کچھ۔" اس کے آخری الفاظ ایک ٹھنڈی لہر کی طرح سونیا کے جسم میں دوڑ گئے، جس نے اس کے دل کو مٹھی میں جکڑ لیا۔ "لکس کو تو بھول ہی جاؤ!"

ایک خاموش، گھٹن زدہ لمحہ دونوں کے درمیان پھیل گیا۔ سونیا کا رنگ اڑ چکا تھا پھر منار اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا لباس نرمی سے حرکت میں آیا، جیسے ہوا میں کوئی ریشمی پرندہ پرواز کر رہا ہو۔ مگر اس کی چال اب بھی ویسی ہی تھی۔ خطرناک حد تک دلکش، ایک شکاری کی چال۔

"سونیا۔۔۔" اس نے آہستہ سے کہا، جیسے کوئی ماں کسی بچے کو بہلا رہی ہو۔ اس کی آواز میں ایک نرمی تھی جو اس کے الفاظ کے زہر کو چھپا رہی تھی۔

"یہ collaboration صرف ایک شراکت نہیں، ایک نظر ہے۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ میری دنیا کے کردار آج کہاں کھڑے ہیں۔ رئیس لوٹ آیا ہے اور وہ دکھا رہا ہے جیسے کچھ بھی نہیں بدلا۔ مگر وہ جانتا ہے۔۔۔ وہ جانتا ہے اس کی سلطنت میں کوئی تو آیا ہے اور تم جانتی ہو، جب میں آتی ہوں تو بہت کچھ لے جاتی ہوں۔" اس کے لہجے میں ایک گہرا غرور اور وارننگ کا ملاپ تھا۔

سونیا نے تھوک نگلا، اس کا حلق خشک ہو چکا تھا۔ پھر اس نے خود پر قابو پاتے کہا۔

"کیا واقعی یہ صرف فجر کے لیے ہے؟" اس کے لہجے میں ایک دبی ہوئی امید تھی کہ شاید اسے کوئی راستہ مل جائے۔

منار کا چہرہ ایک لمحے کو سخت ہوا، اس کی آنکھوں میں ایک پراسرار چمک آئی، پھر وہ دھیرے سے مسکرائی۔ ایک ایسی مسکراہٹ جو اس کے ارادوں کی گہرائی کو چھپا رہی تھی۔

"نہیں۔ یہ سب کے لیے ہے۔ فجر، رئیس، باقی سب، یہاں تک کہ تم بھی۔" اس نے اپنا ہاتھ اٹھا کر کمرے میں چاروں طرف اشارہ کیا۔

"میں اس سب سے تھک گئی ہوں منار!" سونیا کے لہجے میں اب تھکن کے ساتھ ایک بے بسی کی التجا تھی۔ اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"میں تمہیں تھکا ہوا نہیں دیکھنا چاہتی۔"

اس نے پیچھے پلٹ کر، کھڑکی کی طرف دیکھا جہاں باہر رئیس کی شاندار عمارت کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ ابھری، جیسے اس کے ذہن میں کوئی گہرا راز پنپ رہا ہو۔

"کاش وہ سب جانتے کہ وہ جس فجر کو بچانے کے لیے لڑ رہے ہیں، وہ کبھی ان کی تھی ہی نہیں۔ کبھی کسی کی تھی ہی نہیں۔" اس نے دھیمی آواز میں سرگوشی کی۔

"تم کیا کہہ رہی ہو؟" اس نے بے یقینی سے پوچھا، منار کے الفاظ اسے ہلا کر رکھ گئے تھے۔

وہ پلٹی اور اس کی آنکھوں میں وہی پرانا زہر تھا جو برسوں سے سونیا کو اندر ہی اندر زنگ لگا رہا تھا۔ اس کی نظروں میں ایک ایسی سچائی تھی جو خوفناک حد تک واضح ہوئی۔

"کچھ لوگ خلا کی طرح ہوتے ہیں۔ وہ کسی کو نہیں ملتے۔۔۔ بس، اپنے اندر سب کچھ نگل لیتے ہیں۔ فجر بھی ایسی ہی ہے۔ میں نے اسے ایسا بننے پر مجبور کیا اور اب میں چاہتی ہوں میری آنکھوں کے سامنے وہ سب کو نگل جائے۔"

"میں بات کروں گی۔ کوشش کروں گی۔"

سونیا آہستگی سے بولی، اس کی آواز میں اب صرف شکست کا اعتراف تھا۔

منار نے دوبارہ شطرنج کا بادشاہ اٹھایا مگر اس بار آہستگی سے، محبت سے جیسے وہ ایک قیمتی خزانہ ہو۔

"یہ مت کہنا تم نے کوشش کی، سونیا۔۔۔ مجھے نتیجہ چاہیے۔ کوششیں کمزور لوگ کرتے ہیں۔" اس کے آخری الفاظ نے کمرے میں ایک گہرا سناٹا طاری کر دیا۔

کمرے کی خاموشی پھر سے پھیل گئی۔ شطرنج کے مہرے اب بھی اپنی جگہ موجود تھے۔

✿••✿••✿••✿

رات کا پچھلا پہر تھا اور بارش اب جنون کی حدوں کو چھو رہی تھی۔ آسمان سے گرتی ہر بوند اپنے اندر ایک کہانی سمیٹے تھی اور زمین پر ٹکرا کر اسے شہر کے کان میں انڈیل رہی تھی۔ رئیس ہیڈ کوارٹر کی بلند و بالا عمارت اس طوفان میں ایک خاموش عفریت کی طرح کھڑی تھی مگر اس کی ایک راہداری میں ہیبت ناک خاموشی طاری تھی۔

اچانک، اس خاموشی کو چیرتا ہوا ایک وجود نمودار ہوا۔ سیاہ برساتی کوٹ میں ملبوس، سر پر سیاہ کیپ اس حد تک جھکی ہوئی کہ چہرے کے نقوش اندھیرے میں تحلیل ہو چکے تھے۔ اس کے قدم مضبوط اور بے آواز تھے، جیسے وہ فرش پر نہیں، ہوا پر چل رہا ہو۔ پانی اس کے کوٹ سے ٹپک کر سنگِ مرمر کے فرش پر چھوٹے چھوٹے دائرے بنا رہا تھا۔ اس کا رخ سیدھا راہداری کے آخر میں موجود اس دفتر کی طرف تھا جس کے شیشے کے دروازے پر عُروزہ جمال لکھا تھا۔ ایک ایسا دفتر جہاں اس کی اجازت کے بغیر پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا۔

وہ دروازے کے قریب پہنچ کر رکا۔ یہاں اندھیرا زیادہ گہرا تھا۔ اس نے ڈیجیٹل لاک کی جانب ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اچانک وقت تھم سا گیا۔

پستول کی ٹھنڈی، بے رحم نوک اس کی گردن کی جلد میں دھنس گئی۔

"ہلنا مت!"

آواز عُروزہ کی تھی۔ سرد، سپاٹ اور کسی بھی غلطی کی گنجائش سے پاک۔

ایک لمحے کی ساکت خاموشی، دوسرے لمحے ہوا میں حرکت ہوئی اور تیسرے لمحے میں بازی پلٹ چکی تھی۔

وہ شخص اس برق رفتاری سے پلٹا تھا کہ عُروزہ کو سنبھلنے کا موقع تک نہ ملا۔ اس نے ایک ماہرانہ گرفت سے اس کی کلائی موڑی، پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹی اور اب وہی پستول اس شخص کے ہاتھ میں تھی، جس کی نال سیدھی

عُروزہ پر تنی تھی۔ اس نے گردن تھوڑی اوپر اٹھائی اور کیپ کا سایہ ہٹا تو راہداری کی مدھم روشنی میں چہرہ واضح ہوا۔

وہ ولی تھا۔

دونوں ایک دوسرے کو خاموش، گہری اور پرکھتی نظروں سے گھور رہے تھے۔ فضا میں تناؤ تھا، مگر دشمنی کا نہیں، بلکہ دو ہم پلہ شکاریوں کے ایک دوسرے کی صلاحیت کو جانچنے کا۔ پھر ولی کے لبوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ ابھری اور اس نے پستول کا رخ نیچے کرتے ہوئے اسے چھوڑ دیا۔ اس سے پہلے کہ وہ فرش سے ٹکراتی، عُروزہ نے ایک پھرتیلے جھٹکے سے اسے ہوا میں ہی تھام لیا تھا۔

"ویلکم بیک، پارٹنر!" ولی کے لہجے میں دبی دبی شرارت تھی، جیسے وہ اس استقبال کی توقع کر رہا ہو۔

اس کے لہجے کے ساتھ ہی راہداری کا ماحول بھی جیسے بدل گیا۔ تناؤ کی جگہ ایک عجیب سی مفاہمت نے لے لی۔

"چوروں کی طرح کیوں گھس رہے ہو؟" عُروزہ نے پستول کو اپنی پینٹ کی بیلٹ میں اڑستے ہوئے پوچھا۔ اس کی آواز میں جھنجھلاہٹ تھی، مگر حیرانی نہیں۔ وہ آگے بڑھی اور ڈیجیٹل لاک پر اپنی انگلی رکھی، دروازہ ایک ہلکی سی آواز کے ساتھ کھل گیا۔

"سوچ رہا تھا مگر تم پہلے ٹپک پڑیں۔"

وہ دونوں آگے پیچھے اندر داخل ہوئے۔ اونچی لمبی، ایتھلیٹک عُروزہ اس وقت اپنے معمول کے لباس میں تھی۔ سیاہ ڈریس پینٹ، سیاہ ڈریس شرٹ جس کے آستین کہنیوں تک مڑے ہوئے تھے، اور نوکدار کورٹ شوز۔ اس کے

کالر پر ایک چھوٹا سا مائیک نصب تھا اور اس کے وجود سے دو تین پستولیں یوں چپکی تھیں جیسے اس کے جسم کا حصہ ہوں۔ وہ ہر لمحہ خطرے سے نمٹنے کے لیے تیار رہتی تھی۔

اندر داخل ہوتے ہی ولی نے اپنا بھیگا ہوا برساتی کوٹ اتار کر ایک طرف رکھا۔ کمرے میں دیوار گیر اسکرین روشن تھی، جس پر ڈیٹا کی لکیریں دوڑ رہی تھیں۔

"تمہارا شک درست تھا۔" عُروزہ سیدھا مدعے پر آئی۔ اس کی نظریں اسکرین پر تھیں مگر مخاطب وہ ولی سے تھی۔

"دشمن جو بھی ہے، وہ باس اور فجر سے جڑا ہے۔ وہ ان کے اندر ہے۔"

عُروزہ کو اپنے سسٹمز پر مکمل یقین تھا، مگر رئیس مینشن میں ہونے والے واقعے کے بعد اس کے ذہن میں ایک شک کا کیڑا کلبلانے لگا تھا۔ پروجیکٹ رانیہ سے پہلے اس نے ولی کو چند غیر معمولی طریقوں سے لوگوں کا پیچھا کرتے دیکھا تھا۔ وہ اسے پکڑ چکی تھی، ایک لمحے کو اسے لگا تھا کہ ولی غدار ہے، مگر تب ولی نے اسے خبردار کیا۔ اس نے کہا تھا کہ دشمن ان کی ہر حرکت پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ وہ ان کے سسٹم، ان کی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ اسے ڈھونڈنے کے لیے اس کی نظروں سے بچ کر، اندھیرے میں اتر کر اسے ڈھونڈنا ہو گا۔ تب ولی نے سب کی نظروں سے بچ کر اپنے طور پر تحقیق شروع کی تھی۔ وہ دونوں ایک خفیہ اتحاد میں کام کر رہے تھے، جس کا علم نہ رئیس کو تھا، نہ مراد کو اور نہ ہی فجر کو۔

آگے پیچھے ہونے والے واقعات نے ولی کو ٹھٹکنے پر مجبور کیا تھا۔ پہلے فجر پر حملہ، پھر رانیہ والا حادثہ، سب جیسے ایک دوسرے سے جڑا ہوا تھا۔

"تم بتاؤ تمہیں کیا ملا ہے؟" عروزہ نے پوچھا۔

"مجھے جو سراغ ملا ہے، وہ ناقابلِ یقین ہے۔" اس کی آواز میں اب وہ شرارت نہیں تھی، ایک گہری سنجیدگی تھی۔ عُروزہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

"میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔" اس کے ذہن میں اب بھی بالائی منزل پر وہیل چیئر پر بیٹھی ذرتاش کا چہرہ گھوم رہا تھا۔

ولی نے اپنی شرٹ کی اندرونی جیب سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکالا اور اسے سیاہ شیشے کی میز پر رکھ دیا۔ یہ اس فلیٹ کا پتہ تھا جو اس نے جنید سے نکلوایا تھا۔

"سننے میں آیا ہے کہ یہ فلیٹ سالوں سے خالی ہے، مگر جانتی ہو یہ کس کے نام پر ہے؟" اس نے سوالیہ نظروں سے عُروزہ کو دیکھا۔

اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتی۔ اس نے خود ہی پردہ فاش کر دیا۔

"ذرتاش اورنگزیب!"

یہ نام ایک بم کی طرح گرا تھا۔ عُروزہ کچھ لمحوں کے لیے سانس لینا بھول گئی۔ اس کے چہرے سے خون نچڑ گیا اور آنکھیں ناقابلِ یقین حد تک پھیل گئیں۔ وہ ساکت نظروں سے ولی کو دیکھ رہی تھی۔ وہی شک، وہی ناقابلِ یقین خیال جسے وہ اپنے ذہن سے جھٹک رہی تھی، آج ولی کی زبان پر ایک ٹھوس حقیقت بن کر کھڑا تھا۔

اس نے کانپتے ہاتھوں سے میز کا سہارا لیا۔

"رئیس مینشن۔۔۔"اس کی آواز بمشکل نکلی۔"جس دن باس واپس آئے، اسی عورت کا فون آیا تھا۔ میں نے کال ٹریس کی۔۔۔لوکیشن۔۔۔لوکیشن رئیس مینشن کی تھی۔"

اس نے پوری کہانی ولی کے سامنے بیان کر دی۔ فون کال، وہ مشینی آواز، اور پھر کال کٹتے ہی زینوں کے اوپر ذرتاش کی موجودگی۔

ولی خاموشی سے سنتا رہا۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا، مگر اس کی آنکھوں کی گہرائی بڑھ گئی تھی۔

عُروزہ نے اپنی بات مکمل کی تو کمرے میں ایک گہرا، برفانی سناٹا چھا گیا۔ دو الگ الگ جگہوں سے اٹھنے والے ناقابلِ یقین شک کے دھاگے، آج رات اس دفتر میں مل کر ایک خوفناک تصویر بنا رہے تھے۔

دیوار گیر اسکرین پر دوڑتی ہوئی ڈیٹا کی بے جان لکیریں اس وقت ان کے ذہن میں چلنے والے طوفان کی علامتی تصویر تھیں۔ عُروزہ، جو ہمیشہ منطق اور ثبوتوں کی دنیا میں رہتی تھی، جس کا دماغ ایک ایسے سپر کمپیوٹر کی طرح تھا جہاں ہر چیز کا حساب اور ہر مسئلے کا حل موجود تھا، آج پہلی بار ایک ایسے مقام پر کھڑی تھی جہاں اس کے سارے سسٹم جواب دے گئے تھے۔ اس کے بنائے ہوئے قلعے کی بنیاد میں ہی کوئی دیمک لگا رہا تھا اور اسے خبر تک نہ ہوئی۔

وہ ذرتاش تھی۔ اس کے باس کی بہن۔ یہ خیال اتنا ناقابلِ یقین تھا کہ عُروزہ کا ذہن اسے قبول کرنے سے انکاری تھا۔ ایک بہن، اپنے بھائی کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتی ہے؟

اس سناٹے کو ولی کی پر سکون آواز نے توڑا۔

"شطرنج کی بساط پر جب اپنا ہی کوئی مہرہ باغی ہو جائے تو سب سے خطرناک چال چلنی پڑتی ہے۔"

عُروزہ نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ ولی کی آنکھوں میں حیرت نہیں، ایک ٹھہری ہوئی سنجیدگی تھی۔ جیسے وہ اس انکشاف سے صدمے میں جانے کے بجائے اگلی چال سوچ رہا ہو۔ اس کا یہی انداز عُروزہ کو ہمیشہ متاثر کرتا تھا۔ رئیس اورنگزیب ایک طوفان تھا، جو سامنے آنے والی ہر شے کو اپنی طاقت سے اڑا لے جاتا تھا۔ مگر ولی وہ گہرا، خاموش پانی تھا جو چپکے سے راستے بناتا تھا اور بڑی سے بڑی چٹان کی بنیاد کھوکھلی کر دیتا تھا۔

"ہم براہِ راست میڈم ذرتاش پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے اور نہ باس کو بتا سکتے ہیں۔" عُروزہ نے پیشہ ورانہ انداز میں خود کو سنبھالتے ہوئے کہا، حالانکہ اس کی آواز میں ابھی بھی ایک خفیف سی لرزش تھی۔

"میں جانتا ہوں۔" ولی نے اثبات میں سر ہلایا۔ "لیکن مجھے لگتا ہے اصل دشمن ذرتاش نہیں ہیں اور ہم ذرتاش کے پیچھے نہیں جائیں گے۔ ہم اس بھوت کے پیچھے جائیں گے جس کے لیے ذرتاش کام کر رہی ہیں۔ وہ بھی ایک عورت ہی ہے۔" گھنگھریالے بالوں والی عورت کا مٹا مٹا سا سراپا آنکھوں کے سامنے گھوما۔

"تم اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہو؟" وہ بھنویں سکیڑے پوچھ رہی تھی۔ اس کی بات پر ولی نے کندھے اچکا دیئے۔ اسے بس لگتا تھا۔

ذرتاش اب ان کے لیے صرف ایک شخص نہیں، ایک معمہ تھی، ایک کوڈ ورڈ۔ ان کا اصل دشمن کوئی اور تھا جو اسے استعمال کر رہا تھا۔

"ذرتاش ہمارا راستہ ہے۔ منزل نہیں۔" ولی میز کے قریب آیا اور اس پر رکھے کاغذ کو انگلی سے چھوا۔ "پہلا قدم یہ فلیٹ ہے۔ ہمیں اس فلیٹ کے اندر جھانکنا ہو گا۔ چپکے سے۔ ایسے کہ ہوا کو بھی خبر نہ ہو۔"

"یہ کیسے ممکن ہے؟ اس کے ارد گرد یقیناً نگرانی ہو گی۔"

"بیشک ہو گی۔ لیکن وہاں تک جانا ہی ہو گا۔ کسی نہ کسی طریقے سے۔ اس گھنگھریالے بالوں والی عورت تک پہنچنا ہی ہو گا۔ وہی اصل دشمن ہے۔"

وہ دونوں نہیں جانتے تھے کہ وہ اس وقت دو سب سے بڑے راز ایک دوسرے سے چھپائے کھڑے تھے۔ عُروزہ یہ کبھی نہیں بتا سکتی تھی کہ اس جنگ کا مرکز فجر معراج کے لیے رئیس اورنگزیب کی وہ خاموش محبت تھی جو اب اس کی سب سے بڑی کمزوری بن چکی تھی۔ اور ولی یہ کبھی ظاہر نہیں کر سکتا تھا کہ فجر معراج نامی وہ کمزوری، اس کی بیوی تھی۔ ان کی اپنی اپنی وفاداریاں تھیں، اپنے اپنے عہد تھے۔

"لیکن ایک سوال ہے۔" ولی نے عُروزہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کی نظریں اتنی گہری تھیں کہ ایک لمحے کو عُروزہ کو لگا وہ اس کے اندر چھپے راز پڑھ لے گا۔ "ذرتاش اپنے بھائی سے غداری کیوں کریں گی؟ کوئی تو وجہ ہو گی۔ کوئی پرانی چوٹ، کوئی چھپا ہوا لالچ، یا کوئی ایسی کمزوری جسے کوئی اور استعمال کر رہا ہو؟"

عُروزہ خاموش رہی۔ وہ رئیس کی زندگی کے ہر پہلو سے واقف تھی مگر کیا واقعی اسے ذرتاش پر شک کرنا چاہیے؟ ایک بڑی وجہ تھی لیکن اگر یہ سچ نہ ہوا تو؟

ولی نے اس کی خاموشی کو سمجھا۔

"خیر، یہ ہم بعد میں جان لیں گے۔ فی الحال میرے لیے سب سے ضروری کام فجر معراج کی حفاظت ہے۔"

فجر کا نام سن کر عُروزہ کے تاثرات سخت ہوئے۔ اس کے لیے فجر کی حفاظت کا مطلب رئیس کی حفاظت تھی۔

ولی نے اس کی کیفیت کو بھانپتے ہوئے منطقی دلیل پیش کی۔

"دیکھو روبوٹ! دشمن کی نظر میں فجر اور بگ بی آپس میں جڑے ہیں۔ لوگ فجر کو منار سمجھتے ہیں اور اسی لیے بگ بی کو ٹارگٹ کریں گے۔ جنگ میں، دشمن کا تصور ہی حقیقت ہوتا ہے۔ وہ اسے نشانہ بنائیں گے بگ بی کو توڑنے کے لیے۔ اس لیے فجر اب صرف ایک لڑکی نہیں، اس جنگ کا سب سے اہم مہرہ ہے۔ اور ہمیں اس مہرے کو ہر قیمت پر بچانا ہے۔" وہ اسے کسی اور نظریے سے دیکھ رہا تھا جبکہ عروزہ جانتی تھی فجر کو کیوں استعمال کیا جا رہا تھا۔

عروزہ خود کو اس سے متاثر ہونے سے روک نہیں پا رہی تھی۔ وہ رئیس کی وفادار تھی، اس کی طاقت کا سایا تھی۔ مگر آج پہلی بار اسے لگ رہا تھا کہ اس کے سامنے کھڑا شخص صرف ایک ساتھی نہیں بلکہ وہ شاطر کھلاڑی تھا جس کے ساتھ مل کر وہ یہ بازی جیت سکتی تھی۔

اس کی منطقی دنیا میں ایک غیر منطقی جذبہ دھیرے دھیرے سر اٹھا رہا تھا۔ اس کے دل کی دھڑکن، جو ہمیشہ ایک نپے تلے ردھم میں چلتی تھی، آج ولی کی موجودگی میں تیز ہو رہی تھی۔ وہ صرف متاثر نہیں ہو رہی تھی، وہ دھیرے دھیرے اس شطرنج کے کھلاڑی کی چالوں میں، اس کی پراسرار شخصیت میں الجھ رہی تھی۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے بالآخر گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "تمہیں جو بھی معلومات ملے، سب سے پہلے مجھے بتاؤ گے۔ ہم ہر قدم ساتھ اٹھائیں گے۔"

"ڈیل۔" ولی کے لبوں پر وہی ہلکی سی مسکراہٹ لوٹ آئی اور وہ اپنا برساتی کوٹ اٹھانے کے لیے مڑا۔

وہ اپنا سیاہ برساتی کوٹ اٹھا کر دروازے کی جانب بڑھا۔ اس کا وجود ایک سائے کی طرح تھا جو ابھی اندھیرے میں داخل ہوا تھا اور اب واپس اسی اندھیرے میں تحلیل ہونے کو تھا۔ بارش کی بوندوں کی شیشے کی دیوار سے ٹکرانے کی مسلسل دستک کمرے کی خاموشی کو مزید گہرا کر رہی تھی۔ وہ دروازے تک پہنچا ہی تھا کہ عُروزہ کی آواز نے اسے روک لیا۔

"ولی!"

اس نے پہلی بار اس کا نام لیا تھا۔ وہ رکا، اس نے آہستہ سے پلٹ کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں سوال تھا، مگر وہ خاموش رہا، اسے خود اپنا سوال پوچھنے کا موقع دیا۔

عُروزہ اپنی جگہ سے اٹھی اور چند قدم چل کر اس کے قریب آئی۔ ان کے درمیان اب چند فٹ کا فاصلہ تھا۔

"ایک بات سمجھ نہیں آئی۔" اس نے سیدھا ولی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہاری ہر بات، ہر منصوبہ فجر معراج کے گرد گھومتا ہے۔ تم اس کی حفاظت پر اتنا زور کیوں دے رہے ہو؟ آخر کیوں کر رہے ہو تم اس کے لیے اتنا سب کچھ؟" یہ صرف ایک سوال نہیں تھا، یہ اس کے پیشہ ورانہ ذہن کا ایک تجزیہ تھا جو اس کے رویے میں ایک غیر معمولی، ایک ذاتی دلچسپی کو محسوس کر رہا تھا۔

اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں ابھرا، مگر ایک لمحے کے لیے اس کی آنکھوں میں ایک ایسی گہرائی اتری جسے عُروزہ پڑھ نہیں سکی۔ باہر بادلوں کی ایک گہری گرج سنائی دی، جیسے اس کے اندر کے سکوت کو زبان مل گئی ہو۔

"یہی سوال میں تم سے بھی پوچھ سکتا ہوں روبوٹ!" اس کی آواز دھیمی مگر پہلے سے زیادہ وزنی تھی۔ "تم رئیس اورنگزیب کے لیے یہ سب کیوں کر رہی ہو؟ اپنی جان خطرے میں ڈال کر، چوبیس گھنٹے ایک سائے کی طرح اس کے گرد منڈلاتی ہو۔ کیوں؟"

سوال ایک تیر کی طرح تھا جو سیدھا عُروزہ کے منطقی دفاع پر لگا۔ اس نے ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر جواب دیا۔ اس کا جواب صاف، سیدھا اور پیشہ ورانہ تھا۔

"وہ میرے باس ہیں۔ میں ان کے ساتھ، ان کی سلطنت کے ساتھ وفادار ہوں۔ یہ میرا کام ہے، میری ذمہ داری۔" اس کے لہجے میں کوئی شک نہیں تھا، کوئی جذباتیت نہیں تھی۔ یہ ایک حقیقت تھی جسے اس نے اپنی زندگی کا محور بنالیا تھا۔

اس کا جواب سن کر ولی چند قدم مزید آگے بڑھا اور اب وہ اس کے بالکل سامنے کھڑا تھا۔ نشان زدہ چہرے والا فارنر! بارش کا شور جیسے پس منظر میں گم ہو گیا اور سارا فوکس ان دو وجودوں پر ٹھہر گیا۔ اس نے اپنی نظریں عروزہ کی آنکھوں میں گاڑ دیں۔

"میں بھی فجر معراج سے وفادار ہوں۔"

اس نے یہ جملہ اتنی سنجیدگی، اتنے ٹھہرے ہوئے اور پر اسرار انداز میں کہا تھا کہ عُروزہ کے پاس الفاظ ختم ہو گئے۔ اس کے لہجے میں باس اور ملازم والا رشتہ نہیں تھا، نہ ہی کوئی پیشہ ورانہ ذمہ داری تھی۔ اس میں کچھ اور تھا۔ کچھ گہرا، کچھ پرانا، کچھ ایسا جسے عُروزہ کا ذہن سمجھنے سے قاصر تھا۔

وہ شاید یہی سمجھی کہ وہ "**منار فیشنز**" میں کام کرتا تھا تو یہ اسی حوالے سے کوئی پیشہ ورانہ وفاداری کا عہد تھا۔ اس کے منطقی دماغ نے اس پر اسرار جملے کو اسی سادہ خانے میں فٹ کرنے کی کوشش کی، مگر اس کا دل اس وضاحت سے مطمئن نہیں ہوا۔

اس نے مزید کچھ نہیں کہا۔ اس نے محض ایک گہری نظر اس پر ڈالی، ہلکا سا سر ہلایا اور پلٹ کر دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ راہداری کے اندھیرے نے اسے ایک بار پھر اپنی آغوش میں لے لیا اور چند ہی لمحوں میں وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

عُروزہ وہیں ساکت کھڑی رہی۔ اس کی نظریں خالی دروازے پر جمی تھیں۔ باہر بارش اب بھی اسی شدت سے برس رہی تھی، مگر اب اس کی بوندوں کا شور اس کے کانوں میں ولی کے آخری الفاظ کی گونج بن چکا تھا۔

"میں بھی فجر معراج سے وفادار ہوں۔"

اس وفاداری کا مطلب کیا تھا؟

وہ سوچتی رہی، اور پہلی بار اسے اپنی بنائی ہوئی منطق کی دنیا میں ایک ایسا معمہ نظر آیا تھا، جس کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔

✿··✿··✿··✿

منار فیشنز کی بلند و بالا عمارت شیشے اور اسٹیل کا ایک شاہکار تھی مگر اس کی چمک دمک کے پیچھے رازوں کی وہ کہر تھی جسے صرف چند لوگ محسوس کر سکتے تھے۔

بورڈ روم سب سے اوپری منزل پر ایک شیشے کا پنجرہ تھا، جس سے شہر کی بے لگام زندگی ایک بے آواز فلم کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔ اندر ایک بھاری، گھٹی ہوئی خاموشی تھی۔ ہوا میں تناؤ اتنا واضح تھا کہ اسے چھوا جا سکتا تھا۔

دروازہ آہستگی سے کھلا اور سونیا سلطان اندر داخل ہوئی۔ اس کا نیوی بلیو پینٹ سوٹ کسی کوچ کی طرح اس کے جسم پر سجا تھا اور سفید سلک شرٹ اس کے ارادوں کی طرح بے داغ تھی۔ چال میں وہی پرانا دبدبہ، وہی ناقابلِ شکست اعتماد تھا، مگر یہ سب ایک بڑی کوشش سے اوڑھا گیا خول تھا۔ اس کی آنکھوں کے کناروں پر ایک ایسی تھکن تھی جسے کوئی میک اپ نہیں چھپا سکتا تھا۔

اس نے اپنا قیمتی بیگ میز پر رکھا، اس کی آواز خاموشی میں گونجی۔ کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس نے ایک لمحے کو اپنی کانپتی انگلیوں کو دیکھا اور پھر انہیں میز کی ٹھنڈی سطح پر رکھ کر اپنی مٹھی بھینچ لی۔ اسے یہ بازی ہر حال میں جیتنی تھی، کیونکہ ہارنے کا مطلب صرف کاروبار کا نقصان نہیں، بلکہ خود کا مٹ جانا تھا۔

کچھ دیر بعد، دروازہ دوبارہ کھلا۔

فجر اندر داخل ہوئی۔ اس کے آنے سے کمرے کی فضا بدل گئی، جیسے درجہ حرارت یکدم کئی ڈگری گر گیا ہو۔ اس نے زیتونی رنگ کا ایک سادہ مگر بے حد نفیس لباس پہنا تھا، اس کے شانوں پر بکھرے بال بھورے روشنی میں مزید گہرے لگ رہے تھے۔ مگر اس کی اصل طاقت اس کی ہیزل آنکھوں میں تھی۔ جہاں ذہانت اور بے رحمی کا ایسا امتزاج تھا جو کسی کو بھی بے بس کر سکتا تھا۔

وہ پر اعتماد قدموں سے چلتی ہوئی سونیا کے عین سامنے آ کر بیٹھ گئی۔ اس کے انداز میں کوئی دکھاوا نہیں تھا، صرف ایک ٹھہری ہوئی برتری تھی۔ وہ اس جگہ کی مالک تھی اور یہ بات اس کی ہر سانس سے عیاں تھی۔

دونوں کی نظریں ملیں۔ یہ صرف دو کاروباری حریفوں کا ٹکراؤ نہیں تھا، بلکہ دو ماضی، دو نفرتوں اور دو زخمی اناؤں کا تصادم تھا۔

خاموشی کو بالآخر سونیا کی آواز نے توڑا، جس میں اس نے پیشہ ورانہ لاتعلقی سمونے کی بھرپور کوشش کی تھی۔

"ماننا پڑے گا، تمہاری شہرت تم سے پہلے سفر کرتی ہے۔ منار فیشنز نے بہت کم وقت میں بڑا نام بنایا ہے۔"

فجر کے لبوں پر ایک ہلکی سی، طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔ اس نے سر جھکا کر میز پر پڑے ایک پیپر ویٹ کو دیکھا، جیسے وہ سونیا کے الفاظ کا وزن تول رہی ہو۔

"کبھی کبھی بدنامی بھی شہرت کی سب سے پائیدار شکل ہوتی ہے، سونیا! خاص طور پر جب وہ سچائی کے قریب ہو۔" اس کا لہجہ نرم تھا، مگر الفاظ تیر کی طرح لگے۔ سونیا نے اپنا جبڑا بھینچ لیا۔

"میں یہاں ماضی کریدنے نہیں آئی۔ یہ ایک بزنس میٹنگ ہے۔"

فجر نے نظریں اٹھا کر براہِ راست سونیا کی آنکھوں میں دیکھا۔

"واقعی؟ مجھے تو لگا تھا تم حساب برابر کرنے آئی ہو۔ لگس کو پہنچنے والے نقصان کا یا شاید کسی اور چیز کا۔"

اس بار سونیا خود کو مسکرانے سے روک نہ سکی۔ یہ ایک سرد، بے جان مسکراہٹ تھی۔

"تمہارا سب سے بڑا ٹیلنٹ ہی یہی ہے فجر معراج! چیزوں کو توڑنا اور پھر ان کے ملبے پر کچھ نیا کھڑا کر دینا۔" اس نے ایک لمحے کا وقفہ لیا، جیسے اپنے اصل مقصد کے لیے ہمت جمع کر رہی ہو۔ "خیر ہم چاہتے ہیں کہ منار فیشنز ہمارے اگلے پروجیکٹ کے لیے ہمارے ساتھ اشتراک (collaboration) کرے۔"

فجر نے کوئی تاثر نہیں دیا۔ اس کی آنکھیں ایک شکاری کی طرح سونیا کے چہرے کے تاثرات پڑھ رہی تھیں۔

"اور اس ہم میں کون کون شامل ہے؟ تمہارے پیچھے کس کی طاقت ہے؟ یہ خیال تمہارا اپنا نہیں لگتا۔"

ایک لمحے کے لیے سونیا کے چہرے پر خوف کی پرچھائیں لہرائی، مگر اس نے فوراً خود پر قابو پا لیا۔ لیکن وہ ایک لمحہ ہی فجر کے لیے کافی تھا۔ اس کی نظریں گہری ہو گئیں، جیسے وہ سونیا کے اندر اس غیر مرئی موجودگی کو تلاش کر رہی ہو جو اس کمرے میں نہ ہوتے ہوئے بھی ہر شے پر حاوی تھی۔

"خیالات کسی کی ملکیت نہیں ہوتے، صرف مواقع ہوتے ہیں، اور انہیں پکڑنے والے ذہین ہوتے ہیں۔ یہ ڈیل ہم دونوں کے لیے فائدہ مند رہے گی۔"

"تم چاہتی ہو میں اُس سلطنت کو بچانے میں تمہاری مدد کروں جس کی بنیادوں میں میرے ماضی کا ملبہ دفن ہے؟ تم چاہتی ہو میں تمہارے ساتھ کام کروں؟" لہجے میں ہلکا سا استہزاء ابھرا۔

"یہ بزنس ہے، ذاتی انا کا کھیل نہیں۔"

"تمہیں مجھ سے نفرت تھی، شاید آج بھی ہو۔ تو پھر یہ پیشکش کیوں؟ ایسی کیا مجبوری ہے کہ تم میرے دروازے پر آئی ہو؟" فجر نے آگے کی طرف جھکتے ہوئے پوچھا۔ اس کی آواز اب سرگوشی جیسی تھی۔

سونیا چند لمحے خاموش رہی۔ اس کی نظریں میز پر جمی تھیں، جیسے وہ اپنے اندر چل رہے طوفان کو لفظوں میں ڈھالنے کی کوشش کر رہی ہو۔ آخر کار، اس نے شکست خوردہ لہجے میں سچائی کا ایک قطرہ ٹپکا دیا۔

"شاید میں تم سے نفرت کرتی ہوں اور شاید تم سے جلتی بھی ہوں۔ مگر میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تمہارے اندر ایک آگ ہے۔ ایک ایسی آگ جو ہر چیز کو جلا کر راکھ بھی کر سکتی ہے اور اندھیرے میں روشنی بھی دکھا سکتی ہے۔ میں بس اتنا چاہتی ہوں کہ اس بار وہ آگ میرے ہاتھ میں ہو۔"

فجر خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ پھر اس نے اپنی انگلی سے میز کی شیشے جیسی سطح پر ایک دائرہ بنانا شروع کیا، جیسے کسی پرانے، پیچیدہ جال کے دھاگوں کو چھو رہی ہو۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا، مگر آنکھوں میں سوچوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

"اور اگر میں انکار کر دوں؟"

یہ سوال نہیں، فیصلہ تھا۔ سونیا کی پلکیں لرزیں۔ اس کے چہرے پر خوف کی جگہ ایک عجیب، گہری بے بسی نے لے لی۔ اسے لگا جیسے زمین اس کے پیروں تلے سے کھینچی جا رہی ہے پھر اس نے خود پر قابو پایا۔

"اس میں تمہارا نقصان ہے۔ لکس کے ساتھ collaboration کوئی چھوٹی بات نہیں ہے۔"

یہ ایک دھمکی تھی، مگر ایک کمزور، کانپتی ہوئی دھمکی۔

فجر نے دائرہ بنانا چھوڑ دیا۔ وہ سکون سے کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا قد سونیا پر حاوی ہو گیا۔ اس نے ایک آخری، گہری نظر اس پر ڈالی۔

"میں سوچوں گی۔ جواب کے لیے انتظار کرنا ہو گا۔"

"تمہارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے، فجر!"

فجر دروازے کی طرف بڑھی، پھر دہلیز پر رک کر پلٹی۔ اس کی آنکھوں میں ایک پراسرار چمک تھی۔

"یا یوں کہو کہ تمہارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔" وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ بلاوجہ سفر ٹھکرانا بے وقوفی تھی۔

"میں جلد جواب دوں گی۔" یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکل گئی۔

وہاں اب صرف خاموشی اور سونیا کی تیز ہوتی سانسیں تھیں۔ وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھیں بے مقصد شیشے کی دیوار کے پار دیکھ رہی تھیں، مگر اسے شہر نظر نہیں آ رہا تھا۔ اسے صرف ایک جال نظر آ رہا تھا۔ ایک ایسا جال جس کے مرکز میں وہ خود قید تھی اور جس کا ہر دھاگا منار کی عمارت سے بُنا جا رہا تھا۔ اس کی زندگی دو عورتوں کے بیچ پھنس گئی تھی۔ وہ دو عورتیں جو ایک دوسرا کا عکس تھیں۔ فجر معراج اور منار معراج!

✿••✿••✿••✿

شام کے گہرے سائے منار فیشنز کی راہداریوں میں پھیل چکے تھے اور دن بھر کی ہلچل اب ایک پر سکون خاموشی میں بدل گئی تھی۔ اس خاموشی میں صرف اس کے دل کی بے ترتیب دھڑکن کا شور تھا۔ اسے ولی کی ضرورت تھی، اس کے وجود کی، اس کی باتوں کی، جو ہمیشہ سب سے بڑے طوفان کے بعد بھی سکون کا باعث بنتی تھیں۔

اس نے ولی کو فون کیا، مگر دوسری طرف صرف بیل جاتی رہی۔ ایک بے چینی سی اس کے اندر پھیلنے لگی۔ وہ تیز قدموں سے چلتی ہوئی اس کے کیبن تک پہنچی۔ دروازہ ہلکا سا کھلا تھا۔ اندر جھانکا تو وہ موجود نہیں تھا۔ اس نے دروازہ مکمل طور پر کھولا اور اندر داخل ہو گئی۔

کیبن میں دھیمی روشنی پھیلی تھی۔ دن بھر کا تناؤ فجر کے چہرے پر عیاں تھا۔ اس نے بے اختیار اپنی گردن کو سہلایا اور فون دوبارہ کان سے لگایا۔ بیل کی آواز کیبن کے اندر سے ہی گونجی۔ اس کی نظر میز پر پڑے ولی کے فون پر پڑی، جس کی اسکرین روشن تھی۔ اس پر ایک نام جگمگا رہا تھا۔

"**جانم**، **Janam**"

ایک لمحے کے لیے وہ ساکت رہ گئی۔ اس کے ہونٹوں پر ایک ناقابلِ فہم مسکراہٹ ابھری۔ تو یہ تھی نئی ترقی۔ **میڈم** سے **بیگم**، اور اب **جانم**؟ یہ فارنر کبھی اپنی حرکتوں سے باز نہیں آ سکتا تھا۔ وہ اسکرین کو دیکھ ہی رہی تھی کہ دروازہ پوری طرح کھلا اور ولی اندر داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر وہی دل موہ لینے والی مسکراہٹ تھی۔

اس نے فجر کو دیکھا جو اس کے فون کو گھور رہی تھی اور پھر مسکراتے ہوئے فون اٹھا لیا۔

"ہیلو جانم؟ بتائیں کیا حکم ہے؟" اس نے فون کان سے لگائے، اپنی شرارتی نظریں سیدھی فجر پر مرکوز کرتے ہوئے پوچھا۔

فجر نے اپنا فون بند کیا اور ایک گہری سانس لی، خود کو پر سکون رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے۔

"تم نے ایک اور نام رکھ دیا میرا؟" اس کے لہجے میں شکایت سے زیادہ حیرت تھی۔

"ہاں نا!" اس نے فون میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "پہلے تم میرے **'میڈم میڈم'** کرنے سے بور ہو گئیں پھر **'بیگم بیگم'** سے، تو میں نے سوچا کچھ نیا ہونا چاہیے۔ ویسے بھی مجھے جانم اچھا لگتا ہے۔"

وہ اسے دیکھ رہی تھی جو کسی عام انسان کی طرح پر جوش انداز میں وضاحت دے رہا تھا۔ اس کی باتیں مرہم کی طرح تھیں جو اسے عملی زندگی سے دور لے جاتی تھیں۔

"اور اگر میں اس سے بھی بور ہو گئی تو؟" اس نے سینے پر بازو باندھتے ہوئے پوچھا۔ زیتون رنگ کے لباس میں اس کی شخصیت مزید دمک رہی تھی۔ بالوں پر چشمہ جما تھا اور بال ایک ڈھیلی پونی میں بندھے تھے، جن میں سے چند لٹیں اس کے چہرے پر آ رہی تھیں۔

"تو میرے پاس ناموں کی ایک لمبی فہرست ہے۔" اس نے سکون سے جواب دیا۔

"جانم کے بعد کیا ہو گا؟"

"ٹوائی لائٹ! وہ ویسے بھی تمہارے نام سے ملتا جلتا ہے۔" وہ سکون سے گویا ہوا۔

"اور ٹوائی لائٹ کے بعد کیا ہو گا؟"

"للی!" اس نے ایک لفظی جواب دیا، جیسے یہ دنیا کی سب سے سیدھی بات ہو۔

"اور اس کے بعد؟" فجر کے لہجے میں اب تجسس تھا۔

"ہیزل آنکھوں والی آفت!" وہ اپنی مسکراہٹ بڑی مشکل سے ضبط کیے ہوئے بولا۔ فجر اسے گھور کر رہ گئی البتہ اس سے بات کر کے خود کے گرد چھایا جمود ٹوٹنے لگا تھا۔

باقی دنوں کی طرح آج کا دن بھی کافی مصروف گزرا تھا لیکن یہ چند لمحے اس پورے دن پر بھاری تھے۔

فجر نے اپنی نظریں اس پر سے ہٹا کر کھڑکی سے باہر دیکھا، جہاں شہر کی روشنیاں جلنے لگی تھیں۔ اس کے اندر کا خلفشار ابھی تھما نہیں تھا۔

"مجھے رئیس ہیڈ آفس جانا ہے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ ولی کے چہرے پر بھی سنجیدگی ابھری۔

"خیریت؟" وہ اس کے قریب آ کھڑا ہوا۔

"وہ تقریب کا انویٹیشن دینا ہے۔" وہ ڈارک لارڈ ابھی تک فون نہیں اٹھا رہا تھا۔

"ٹھیک ہے چلتے ہیں۔" وہ اس کی پریشانی کم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ٹیم لکس کے ساتھ کولابوریشن کرنا چاہتی ہے۔ کیا یہ ٹھیک رہے گا۔" وہ اس سے پوچھ رہی تھی۔

"تم کیا چاہتی ہو؟" اس نے گہری سرگوشی کی۔

"میرا فیصلہ ٹیم کے حق میں ہے لیکن۔۔۔۔"

"جانم! جب سب تمہارے فیصلوں کی داد دیں مگر تمہیں شک ہونے لگے تو یقین دلانے کو میں ہوں۔" اس نے فجر کے چہرے پر جھولتی لٹ کو کان کے پیچھے اڑستے ہوئے کہا تو وہ خفیف سا مسکرا دی۔

"ویسے تم نے میرا نمبر کس نام سے سیو کیا ہوا ہے؟" اس نے تجسس سے پوچھا۔ آنکھیں چھوٹی کیے وہ فجر کو دیکھ رہا تھا۔

"تمہیں اس سے کیا مطلب؟" وہ رخ پھیر گئی۔ ابھی تک **بہروپیا آدمی** لکھا ہوا تھا۔ اگر وہ دیکھ لیتا تو؟ اوخدایا۔ چہرہ خفت سے سرخ پڑ گیا۔

"مجھے ہی تو سارے مطلب ہیں۔ اب دکھاؤ۔۔" وہ جو نام بدلنے کی کوشش کر رہی تھی ولی نے اس کے ہاتھ سے فون جھپٹ لیا۔ اگلے ہی پل اس کی نظر نام پر پڑی۔

"توبہ توبہ استغفار! شوہر کو کوئی بہروپیا آدمی کہتا ہے؟" اس کے سر پر چپت لگاتے کس قدر ڈرامائی انداز میں کہا۔ فجر نے سرخ چہرہ لیے اپنا فون واپس جھپٹ لیا۔

"میرا فون، میرا شوہر، میری مرضی، میں جو بھی نام دوں۔" وہ اپنی شرمندگی مٹانے کی کوشش کرتے ہوئے اب نام ایڈٹ کر رہی تھی۔ جبکہ ولی اس کے یوں "**میرا شوہر**" کہنے پر ساکت ہوا۔ اس نے فٹافٹ نام ایڈٹ کیا اور اسکرین اس کے سامنے لہرائی۔ اسکرین پر اب "**منار فیشنز کا داماد**" لکھا ہوا چمک رہا تھا۔

"ارے۔۔۔۔" وہ بے ساختہ ہنس دیا۔ "تم صرف ہسبنڈ بھی لکھ سکتی ہو۔"

"میرا جو دل کرے گا میں وہ لکھوں گی۔" کس قدر بے نیازی سے کہا، کندھے اچکاتے ہوئے، مصنوعی بال پیچھے جھٹکے اور پھر اس پر ایک جتاتی نظر ڈال کر دروازہ پورا کھولتے ہوئے باہر نکل گئی۔

اس عورت کا کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ بس مسکراتے ہوئے اسے جاتے دیکھ رہا تھا۔

✿••✿••✿••✿

وہ اپنے آفس میں تھا۔ سائبیریا سے واپسی کے بعد اس نے خود کو مکمل طور پر کام میں غرق کر دیا تھا۔ یہ اس کا خود کو مصروف رکھنے کا طریقہ تھا، ان سوچوں سے فرار کا ایک بہانہ جو فجر کے ایک فون کال سے بے قابو ہو گئی تھیں۔

اس کی انگلیاں لیپ ٹاپ کے کی بورڈ پر تیزی سے پھسل رہی تھیں، جس کی اسکرین پر ایک مکڑی کا پیچیدہ تھری ڈی ماڈل چمک رہا تھا۔ ہر تفصیل، ہر زاویہ مکمل اور بے رحم تھا، بالکل اس کی اپنی شخصیت کی طرح۔

اور تبھی ایک ہلکی سی 'ٹن' کی آواز کے ساتھ لفٹ کا دروازہ کھلا۔ اس نے لاشعوری طور پر نظریں اٹھائیں، مراد کی آمد متوقع تھی مگر جو وجود اندر داخل ہوا تھا، اس کی رئیس نے کبھی توقع نہیں کی تھی۔

لفٹ کے پاٹ کھلتے ہی فجر نے قدم اندر رکھا۔ وہ پہلی بار یہاں آئی تھی۔ ایک ایسی جگہ جہاں عروزہ اور مراد کے علاوہ کسی کو بھی آنے کی اجازت شاذ و نادر ہی ملتی تھی۔ زیتون رنگ کی لمبی، کھلی شرٹ اس کے پاؤں چھو رہی تھی۔ پیروں میں سیاہ لوفرز اور گلے میں لپٹا اسکن رنگ کا ریشمی اسکارف اس کے لباس کو مکمل کر رہا تھا۔ چشمہ اس نے بالوں پر جما رکھا تھا۔

وہ قدم قدم دھرتی، پر اعتماد چال چلتی اندر آ رہی تھی۔ اس کی آمد اتنی غیر متوقع تھی کہ رئیس بے ساختہ اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا۔ جس عورت سے وہ پچھلے کئی دنوں سے بھاگ رہا تھا، آج وہ خود چل کر اس کی سلطنت کے مرکز میں آ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ ساکت کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ فجر چلتی ہوئی آئی اور اپنے ہاتھ میں پکڑا خوبصورت کارڈ اس کی میز پر رکھ دیا۔ اس نے اپنا بیگ کرسی پر دھرا اور پھر سینے پر بازو باندھے، آنکھیں چھوٹی کیے اسے ایسے دیکھا جیسے کوئی ماہر کسی نادر نمونے کا جائزہ لے رہا ہو۔

"دیکھنے میں تو آپ ٹھیک لگ رہے ہیں۔ اندر کیا خرابی ہوئی ہے؟"

اس کی آواز میں کوئی لگی لپٹی نہیں تھی، سیدھی اور کاٹ دار۔ یہی آواز رئیس کو ٹرانس سے واپس لائی۔ اسے خود پر قابو پانے میں چند لمحے لگے پھر اس نے اپنے چہرے پر سرد مہری کا نقاب چڑھایا۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" اس نے لہجے کو ممکن حد تک سخت اور سپاٹ بنانے کی کوشش کی۔

فجر نے اس کے سوال کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیا۔ وہ اب پلٹ کر اس کے وسیع و عریض دفتر کا جائزہ لے رہی تھی۔ ایسا شاندار اور ذاتی نوعیت کا دفتر اس نے اپنی پوری زندگی میں نہیں دیکھا تھا۔

"میں وہی کر رہی ہوں جو آپ کر رہے ہیں۔ یعنی کام!"

سینے پر بازو باندھے، خراماں خراماں چلتی وہ اب شیشے کے اس بڑے جار کے سامنے کھڑی تھی جس میں سیاہ تاج رکھا تھا۔ تاج ادھورا تھا، جیسے بنتے بنتے رہ گیا ہو، مگر اس کی ہیبت اور خوبصورتی مکمل تھی۔

"آپ کی وجہ سے میری تقریب لیٹ ہو رہی ہے۔ میرے اسٹاف کو لگتا ہے میں نے دکھاوے کے لیے دعویٰ کیا تھا اور اب میں صرف اپنے پیسے بچا رہی ہوں۔"

اس کے جواب پر رئیس پل بھر کو لاجواب ہو گیا۔ وہ گھوم رہی تھی، جیسے اسے رئیس کے جواب کی کوئی توقع ہی نہ ہو۔ وہ بولنے کے لیے اکیلی ہی کافی تھی۔

اب وہ ایک بڑی پینٹنگ کے سامنے کھڑی تھی۔ یہ ایک تجریدی (abstract) تصویر تھی۔ گہرے نیلے، سیاہ اور سرخ رنگوں کا ایک طوفان تھا جو کینوس پر برپا تھا مگر اس طوفان کے عین مرکز میں روشنی کا ایک چھوٹا سا، پرسکون نقطہ تھا۔ فجر نے سر ترچھا کر کے اسے دیکھا۔

"دلچسپ!" وہ بڑبڑائی۔ "ایک قابو میں رکھا گیا طوفان۔ افراتفری، غصہ، طاقت۔۔۔۔ لیکن ہر چیز پر کنٹرول ہے۔ ہر رنگ اپنی جگہ پر چیخ رہا ہے مگر کینوس سے باہر نہیں نکل سکتا۔ یہ پینٹنگ نہیں، کسی کی شخصیت کا عکس ہے۔"

رئیس کے دل کی دھڑکن بے ترتیب ہونے لگی۔ اس کا تجزیہ اتنا درست تھا کہ اسے لگا جیسے فجر نے پینٹنگ نہیں، اس کی روح پڑھ لی ہو۔

پھر وہ کتابوں کی الماری کے سامنے آئی۔ شیلف زیادہ تر روسی ادب سے بھری پڑی تھی۔ خاص طور پر دوستوفسکی کی کتابیں نمایاں تھیں۔ "**کرائم اینڈ پنشمنٹ**"، "**دی برادرز کرامازوف**"، "**دی ایڈیٹ**"

"دوستوفسکی!" فجر نے ایک کتاب نکال کر اس کے صفحات پلٹتے ہوئے کہا۔ "انسانی نفسیات کی تاریک گہرائیاں، گناہ کا بوجھ اور نجات کی اذیت ناک تلاش۔ آپ کو انسان کی پیچیدگی پسند ہے۔" پھر اس نے کتاب واپس رکھتے ہوئے کہا، "مجھے کافکا زیادہ پسند ہے۔ وہ نظام کی بے معنویت اور فرد کی بے بسی پر بات کرتا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ انسان کتنا ہی ہاتھ پاؤں مار لے، وہ ایک ان دیکھے نظام کا قیدی ہی رہتا ہے۔"

یہ نظارہ ایک خواب جیسا تھا۔ وہ اس کی سلطنت میں موجود تھی اور اس کی ہر چیز کا بے خوفی سے تجزیہ کر رہی تھی۔ آج رئیس کو شدت سے محسوس ہوا کہ یہ انٹرووٹ (introvert) لڑکی جب بولنا شروع کرتی تھی تو شاید چپ نہیں ہوتی تھی۔ اسے بس وہ کمفرٹ زون چاہیے ہوتا تھا جہاں وہ بے دھڑک بول سکے۔

اب وہ اس کے میز پر رکھے شو پیسز کو دیکھ رہی تھی۔ ہر چیز قیمتی، نایاب اور مردانہ تھی۔ ایک کرسٹل کا بنا شطرنج کا سیٹ، ایک دھاتی عقاب، اور چند دیگر نوادرات۔ وہ ہر چیز کو ایسے دیکھ رہی تھی جیسے ان کے پیچھے چھپی کہانیاں پڑھ رہی ہو۔

اور پھر اگلے ہی لمحے، اس نے وہ کیا جس کی رئیس کو بالکل توقع نہیں تھی۔ وہ اس شیشے کی دیوار کی طرف بڑھی جو دفتر کو بالکونی سے الگ کرتی تھی۔ اس نے آرام سے شیشے کا دروازہ سرکایا اور باہر قدم رکھ دیا۔

باہر ایک وسیع بالکونی تھی اور یہاں سے پورا شہر کسی جگمگاتے ہوئے قالین کی طرح بچھا نظر آرہا تھا۔ شام گہری ہو رہی تھی اور شہر کی روشنیاں ایک ایک کر کے جل رہی تھیں۔ وہ ریلنگ کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی اور نیچے پھیلے منظر کو دیکھنے لگی۔ اس کی پشت رئیس کی طرف تھی۔ ہوا اس کے کھلے بالوں اور ریشمی اسکارف سے کھیل رہی تھی۔

رئیس کے اندر، اس سبز ویرانے میں، جو سائبیریا میں بجھ گیا تھا، ایک چراغ پھر سے جل اٹھا تھا۔

وہ چند لمحے وہیں کھڑا رہا، آنکھیں بند کیے۔ پھر ایک گہری سانس لی۔ فجر کی موجودگی اس کے ضبط کے ہر امتحان سے بڑھ کر تھی۔ اس نے خود کو سنبھالا، دل کی دھڑکن جو کسی سرپٹ دوڑتے گھوڑے کی مانند تھی، جب آہستہ آہستہ معمول پر آئی تو وہ بھی اس کے پیچھے بالکونی میں آ گیا۔

یہاں کا منظر دفتر کے اندر سے بھی زیادہ پر ہیبت تھا۔ چاروں طرف شیشے اور اسٹیل سے بنی رئیس ہیڈ آفس کی ہی دوسری بلند و بالا عمارتیں تھیں، جو رات کی تاریکی میں اپنے لوگو (logo) کی مدھم روشنی کے ساتھ ایک ناقابلِ تسخیر قلعے کا منظر پیش کر رہی تھیں۔ شہر کی روشنیاں ان عمارتوں کے بیچ سے جھانکتی ہوئی ذرا دور نظر آ رہی تھیں، جیسے اس کی سلطنت کے آگے ان کی کوئی حیثیت نہ ہو۔

اب وہ دونوں وہاں کھڑے تھے، خاموش! ان کے درمیان چند فٹ کا فاصلہ تھا مگر محسوس ہو رہا تھا جیسے میلوں کی دوری ہو۔ وہ، جو چند لمحے پہلے تک اسے جھڑک کر یہاں سے نکال دینا چاہتا تھا، اب بے بس کھڑا تھا۔ اس کی موجودگی ایک مقناطیسی کشش رکھتی تھی جس کے آگے اس کا ہر ارادہ دم توڑ رہا تھا۔

فجر اب ریلنگ پر قدرے جھکی ہوئی، چاروں طرف پھیلی اس عظیم الشان تعمیر کو دیکھ رہی تھی۔ نیچے برے بڑے لان کے قطعے تھے۔

اس کی آنکھوں میں بے اختیار ایک ستائش ابھری۔ یہ شخص واقعی ایک بہت بڑی سلطنت کا مالک تھا۔ یہ صرف دولت نہیں تھی، یہ وژن تھا، طاقت تھی، اور ایک ناقابلِ شکست عزم تھا۔ پھر بے اختیار اس کے ذہن میں ایک سوال ابھرا، ایک ایسا سوال جو اس کے کاروباری ذہن سے نہیں بلکہ اس کی متجسس روح سے نکلا تھا۔ وہ اسے نہیں دیکھ رہی تھی۔

"کیا آپ کی ایسی کوئی خواہش ہے جو پوری نہ ہوئی ہو؟ کوئی حسرت؟"

اس کا سوال اتنا اچانک اور ذاتی تھا کہ رئیس کی نظریں بے ساختہ اس کی جانب اٹھ گئیں۔ ایک لمحے کے لیے اس کے چہرے سے سرد مہری کا نقاب اتر گیا۔ کاش وہ دیکھ پاتی، کاش وہ پڑھ پاتی کہ اس وقت اس کی آنکھوں میں حسرت ہی حسرت تھی۔ وہ ایک ایسی حسرت میں مبتلا ہو چکا تھا جو ناممکن تھی۔ وہ خود اس کے سامنے کھڑی تھی، اس کی سب سے بڑی، سب سے ان کہی خواہش!

یہ لمحہ بس چند ثانیوں کا تھا۔ پھر اس نے تیزی سے اپنا رخ پھیر لیا، جیسے ڈرتا ہو کہ اس کی آنکھیں اس کا راز فاش کر دیں گی۔ اس نے اپنی انگلیاں ریلنگ پر جما دیں، اتنی سختی سے کہ اس کی پوریں سفید پڑ گئیں۔

"ایسی کوئی خواہش، کوئی حسرت نہیں جو رئیس اورنگزیب پوری نہ کر سکے۔"

اس کی آواز میں وہی پرانا غرور اور بے نیازی لوٹ آئی تھی مگر فجر کو لگا جیسے اس نے یہ جملہ خود کو یقین دلانے کے لیے کہا ہو۔

"ہر چیز حاصل کر لینا بھی تو ایک طرح کی قید ہے۔" اس نے دھیمے لہجے میں کہا، اس کی نظریں اب بھی رئیس کے تاثرات سے خالی چہرے پر تھیں۔ "جب پانے کو کچھ باقی نہ رہے، تو انسان کیا کرتا ہے؟ کیا زندگی بے معنی نہیں ہو جاتی؟"

اس کے اس فلسفیانہ سوال پر رئیس کے لبوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔ وہ اس کی طرف پلٹا، اس کی آنکھوں میں اب ایک خطرناک چمک تھی۔

"دل نئی خواہشیں پیدا کرتا ہے، فجر معراج!۔" اس کی آواز میں گہری سرگوشی تھی۔ "پہلے سے زیادہ بڑی، پہلے سے زیادہ مشکل۔۔۔ پہلے سے زیادہ ناممکن۔ طاقت کا اصل نشہ جیتنے میں نہیں، ناممکن کو ممکن بنانے کی جدوجہد میں ہے۔"

فجر خاموشی سے اسے دیکھتی رہی پھر اس نے خود کو ریلنگ سے الگ کیا۔

"تقریب میں آپ کا انتظار رہے گا۔ میری ٹیم کو مایوس مت کیجیے گا۔"

یہ کہہ کر وہ پلٹی اور اسی پر اعتماد چال سے چلتی ہوئی واپس دفتر کے اندر چلی گئی۔ بیگ اٹھایا اور اس کی جانب ایک پھیکی سی مسکراہٹ اچھال کر لفٹ کی جانب بڑھ گئی۔ رئیس وہیں کھڑا اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ جب لفٹ کے بند ہونے کی ہلکی سی آواز آئی تو اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

شہر کی ہوا میں خنکی تھی مگر اس کے اندر ایک آگ دہک رہی تھی۔ فجر معراج اس کی سلطنت میں آئی تھی، اس کے دفاعی حصار کو توڑا تھا، اس کی روح کے اندر جھانکا تھا اور اسے اس کی سب سے بڑی، ناممکن خواہش کا آئینہ دکھا کر

چلی گئی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ اپنی کتابوں کی شیلف کے سامنے کھڑا تھا۔ ہاتھ میں جون ایلیاء کی کتاب تھی اور اس کی انگلیاں اس غزل پر چل رہی تھیں جو اس کی حالت کی گواہ تھی۔

تم حقیقت نہیں ہو حسرت ہو

جو ملے خواب میں وہ دولت ہو

میں تمھارے ہی دم سے زندہ ہوں

مر ہی جاؤں جو تم سے فرصت ہو

تم ہو خوشبو کے خواب کی خوشبو

اور اتنی ہی بے مروّت ہو

تم ہو پہلو میں پر قرار نہیں

یعنی ایسا ہے جیسے فرقت ہو

تم ہو انگڑائی رنگ و نکہت کی

کیسے انگڑائی سے شکایت ہو

کس طرح چھوڑ دوں تمھیں جاناں

تم میری زندگی کی عادت ہو

کس لیے دیکھتی ہو آئینہ

تم تو خود سے بھی خوبصورت ہو

داستاں ختم ہونے والی ہے

تم میری آخری محبت ہو!

✿••✿••✿••✿

منار فیشنز کا روف ٹاپ لاؤنج ایک خواب گاہ کا منظر پیش کر رہا تھا۔ شہر کی روشنیاں نیچے ایک جگمگاتے سمندر کی طرح پھیلی تھیں اور مدھم روشنیوں، نرم موسیقی اور شیشے کے گلاسوں کے ٹکرانے کی ہلکی آواز نے ماحول کو پر سکون بنا رکھا تھا۔ یہ محض ایک پارٹی نہیں تھی، بلکہ پراجیکٹ رانیہ کی شاندار کامیابی کا جشن تھا، جس میں دونوں کمپنیوں کی ٹیموں کی محنت کا اعتراف کیا جانا تھا۔

فجر ایک سادہ مگر خوبصورت سیاہ لباس میں ملبوس، ایک بہترین میزبان کے فرائض انجام دے رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک پیشہ ورانہ مسکراہٹ تھی مگر اس کی آنکھیں بار بار داخلی دروازے کا چکر لگا رہی تھیں۔ آج کی تقریب کے مہمانِ خصوصی، **رئیس اور نگزیب**، ابھی تک نہیں پہنچے تھے۔

اور پھر وہ آیا۔

رئیس نے لاؤنج میں قدم رکھا تو ایک لمحے کے لیے گفتگو کا شور تھم سا گیا۔ اس نے خود پر بے حسی اور لاتعلقی کے کئی خول چڑھا رکھے تھے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی اس کے چہرے پر وہ تاثرات پڑھ لے جو فجر کی موجودگی اس پر طاری کر دیتی تھی۔ اس کی نظریں ہجوم کو چیرتی ہوئی سیدھی فجر پر جا ٹکیں، جو اب مسکراتی ہوئی اسی کی جانب بڑھ رہی تھی۔

"خوش آمدید، مسٹر اورنگزیب! مجھے خوشی ہے کہ آپ نے میری ٹیم کو مایوس نہیں کیا۔" اس نے نہایت پیشہ ورانہ انداز میں کہا۔

"میں اپنے وعدوں سے نہیں مکرتا۔" رئیس کا لہجہ سپاٹ تھا، مگر اس کی آنکھیں کچھ اور کہہ رہی تھیں۔ وہ بس سر ہلا کر رہ گئی۔ اسے اچھا لگا تھا وہ آیا تھا۔

کچھ دیر بعد، فجر نے ایک چھوٹے سے پوڈیم پر آ کر سب کو خوش آمدید کہا۔

"آج ہم یہاں صرف ایک پروجیکٹ کی کامیابی کا جشن منانے کے لیے جمع نہیں ہوئے بلکہ ان لوگوں کی محنت کو سراہنے کے لیے اکٹھے ہوئے ہیں جن کے بغیر یہ کامیابی ناممکن تھی۔"

اس کی آواز میں فخر تھا۔ اس نے دونوں ٹیموں کی تعریف کی اور پھر مہمانِ خصوصی کو اسٹیج پر آنے کی دعوت دی۔

"میں گزارش کروں گی ہمارے مہمانِ خصوصی، رئیس اورنگزیب سے، کہ وہ اپنے ہاتھوں سے ہماری ٹیم کی حوصلہ افزائی کریں۔"

رئیس بے دلی سے اٹھا اور پوڈیم پر فجر کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔ یہ سب اس کے لیے نیا نہیں تھا۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا، مگر اس کا وہاں کھڑا ہونا ہی بہت بڑی بات تھی۔ ایک ایک کر کے اہلکاروں کے نام پکارے گئے اور رئیس نے انہیں وظائف (بونس) کے چمکتے لفافے اور خوبصورتی سے پیک کیے گئے تحائف دیئے۔ ملازمین کے چہروں پر خوشی اور اطمینان دیدنی تھا۔ جب چند اہم لوگوں کی ترقیوں کا اعلان ہوا تو پورا لاؤنج تالیوں سے گونج اٹھا۔ رئیس کسی مشین کی سی یکسانیت سے یہ سب کرتا رہا۔

رسمی تقریب کے اختتام پر جب ماحول دوبارہ غیر رسمی ہوا تو رئیس ایک کونے میں کھڑا، ہاتھ میں پکڑے ڈرنک کو بے دلی سے گھماتا ہوا سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظریں سب کا تعاقب کر رہی تھیں اور پھر فجر پر ٹھہر گئیں جو اب ولی کے ساتھ ایک طرف کھڑی تھی۔ دونوں کے چہرے سنجیدہ تھے اور وہ کسی گہری گفتگو میں مصروف تھے۔ شاید یہ گفتگو تقریب کے بارے میں ہی ہو مگر وہ جس قدر ایک دوسرے سے کمفرٹیبل لگ رہے تھے اس سے وہ صرف میڈم اور پی اے نہیں لگتے تھے۔ مراد نے ان دونوں کو دیکھا اور پھر وہ رئیس کے پاس آیا اور دھیرے سے سرگوشی کی۔

"تم اپنے جذبات اپنے تک رکھ کر غلطی تو نہیں کر رہے؟" اس کا لہجہ فکر مند تھا۔ "کیونکہ مجھے کچھ اور نظر آ رہا ہے۔" اس کی نظروں کا محور فجر اور ولی تھے، جو اب بھی اپنی گفتگو میں محو تھے۔ وہ سادہ سیاہ جارجٹ کے سوٹ میں تھی۔ بال سیاہ رنگ کے رومال سے بندھے تھے۔ کانوں میں سنہری ٹاپس جگمگ کر رہے تھے جبکہ دوپٹہ گلے میں

تھا۔ البتہ ولی، سیاہ پینٹ پر سفید شرٹ پہنے ہوئے تھے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو مکمل کرتے تھے۔ انہیں دیکھ کر لگتا تھا وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے ہی بنے تھے۔

رئیس کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ اس نے ڈرنک کا ایک گھونٹ بھرا۔

"مجھے بھی کچھ اور نظر آرہا ہے۔"

رئیس نے ذرا سی گردن گھمائی اور اس کی نظریں لاؤنج کے دوسرے سرے پر کھڑی عروزہ پر ٹک گئیں۔ وہ ایک بڑے میز کے قریب تنہا کھڑی تھی، وہ بظاہر اپنے فون پر مصروف نظر آتی تھی مگر اسکی نظریں ولی پر جمی تھیں۔ ان نظروں میں الجھن تھی۔ وہ جیسے ان دونوں کے ساتھ کھڑے ہونے پر اعتراض کر رہی ہوں۔

مراد ٹھٹک گیا۔ اس نے اس سمت دیکھا اور اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ عروزہ کی آنکھوں میں ایک ایسی خواہش تھی جسے وہ لاکھوں میں پہچان سکتا تھا۔ روبوٹ کی آنکھیں آج بس ایک عام لڑکی کی آنکھیں لگ رہی تھی۔

"نن۔۔ نہیں۔۔ عروزہ؟ کیا واقعی؟" اس کی آواز میں ناقابلِ یقین حیرت تھی۔ کیا وہ واقعی ولی کو پسند کرنے لگی تھی؟

رئیس نے تلخی سے سر ہلایا۔

"میں جانتا ہوں وہ کبھی نہیں مانے گی اور میں چاہتا ہوں اس کا دل نہ ٹوٹے۔" اس کے لہجے میں اپنی عروزہ کے لیے ایک گہری فکر مندی تھی، ایک ایسا جذبہ جو وہ شاذ و نادر ہی ظاہر کرتا تھا۔ اسے عروزہ کی فکر تھی بالکل ویسے ہی جیسے ذرتاش کی۔

اسی لمحے ولی سر اثبات مین ہلاتا چلا گیا اور فجر ایک مسکراہٹ لیے ان دونوں کی جانب بڑھ آئی۔ مراد نے فوراً خود کو سنبھالا، کچھ بھی ہو سکتا تھا۔

"آخر تم نے ہمارے ڈارک لارڈ کو ان کی غار سے نکال ہی لیا۔ کیا جادو کیا ہے؟" مراد کی زبان قابو میں نہیں رہ سکتی تھی۔

فجر نے ایک ابرو اچکایا۔ "اسے جادو نہیں، پیشہ ورانہ مہارت کہتے ہیں۔"

"تمہاری کمپنی کے منافع کی طرح تمہاری زبان بھی ہر سال تیز ہوتی جا رہی ہے۔"

"کم از کم میری کمپنی منافع میں تو ہے۔" وہ اسی انداز میں بولی جبکہ رئیس یونہی کا تعلق سا کھڑا رہا۔

"ویسے تقریب کیسی لگ رہی ہے بگ بی؟" فجر نے اس بار رئیس سے پوچھا۔

"یہ۔۔۔ قابلِ برداشت ہے۔" اس نے مختصر جواب دیا۔

اس کے اس جواب پر فجر کے ہونٹوں پر وہی ناقابلِ فہم مسکراہٹ ابھری جو رئیس کے ضبط کے ہر امتحان کو توڑ دیتی تھی۔ اس نے ہولے سے سر اثبات میں ہلایا۔ وہ کچھ کہے بغیر پلٹی اور دوسرے مہمانوں میں گھل مل گئی۔

مراد نے رئیس کو دیکھا۔ "یہ لڑکی تمہیں پاگل کر دے گی۔"

رئیس نے اپنی نظریں ایک بار پھر عروزہ کی سمت دوڑائیں جو اب بھی تک وہیں کھڑی تھی۔

"شاید۔۔۔" اس نے سرگوشی میں کہا مگر اس کی آنکھیں فجر پر نہیں، عروزہ کی تنہائی پر جمی تھیں۔ "شاید ہم سب ہی پاگل ہونے والے ہیں۔"

"سب کو چھوڑو اپنی بتاؤ!" مراد نے اس پر حملہ کیا۔ رئیس نے اس کی بات سن کر ایک گہری سانس لی پھر گردن مزید سیدھی کر لی۔

"میں رئیس اورنگزیب ہوں۔ میں ایک عورت کی وجہ سے خود کو رسواء نہیں کر سکتا۔"

اس کے اس سپاٹ بیان میں بہت کچھ تھا۔ مراد خاموش رہ گیا۔

✿••✿••✿••✿

روف ٹاپ لاؤنج میں موسیقی کی دھیمی لے اور قہقہوں کا شور پس منظر میں گم ہو گیا جب عُروزہ اپنی محتاط چال چلتے ہوئے ولی تک پہنچی، جو کھانے کی اشیا کے قریب ایک کرسی پر بیٹھا پانی پی رہا تھا۔ سیاہ جمپ سوٹ میں اس کا ایتھلیٹک جسم مزید نمایاں لگ رہا تھا اور اس کے بال مضبوطی سے جمے تھے۔ وہ بظاہر یوں وہاں پہنچی تھی جیسے اسے پیاس لگی ہو، جیسے کچھ کھانے کا ارادہ ہو۔

"کیا رپورٹ ہے؟" اس کی آواز سرگوشی نما تھی، اتنی دھیمی کہ ولی کے کانوں کے علاوہ کسی کو سنائی نہ دیتی۔ اس کا انداز ایسا تھا کہ اگر ان کا دشمن ان پر نظر رکھے ہوئے تھا تو اسے شک نہ ہو۔ وہ ایک ٹرے سے چاکلیٹ پیسٹری اٹھا رہی تھی، اس کا چہرہ مکمل طور پر بے تاثر تھا۔

ولی نے پانی کا گلاس واپس رکھا اور اپنے سر کو بمشکل حرکت دی، جس سے اس کے سفید شرٹ کے کالر پر ایک چھوٹا سا مائیک نظر آیا۔ اس نے ایک لمحے کے لیے عُروزہ کی آنکھوں میں دیکھا، اس کی نظروں میں ایک انوکھی چمک تھی۔

"ابھی ویٹ کرو۔" اس نے لاپرواہی سے جواب دیا، اس کا لہجہ اتنا بے فکر تھا جیسے وہ کسی عام بات کا جواب دے رہا ہو۔ اس کے ساتھ ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا، اس کے حرکت کرنے کے انداز میں ایک پراسرار سی خاموشی اور پھرتی تھی۔ اس نے اپنے ہاتھ جیبوں میں ڈال لیے اور عُروزہ سے تھوڑا سا فاصلہ رکھتے ہوئے مٹھائیوں کے سٹال کی طرف بڑھ گیا۔

عُروزہ کا ماتھا تن گیا۔ وہ اس کے بے فکر لہجے اور لاپرواہی سے اٹھ جانے پر حیران تھی۔ اسے انتظار کرنے کی عادت نہیں تھی۔ اس کے نیچے کام کرنے والے سینکڑوں گارڈز اس کے ایک رپورٹ مانگنے پر لائن بنا لیتے تھے اور ولی کا یہ رویہ اسے جھنجھلاہٹ دے رہا تھا۔

"مجھے انتظار کرنے کی عادت نہیں ہے۔" وہ سرد لہجے میں بولی، اس کی آواز میں ایک غیر معمولی سختی تھی جو ظاہر کرتی تھی کہ وہ اس کی عادی نہیں۔

ولی نے ایک نظر اسے دیکھا، اس کی بھنویں ہلکی سی اٹھیں اور اس نے کندھے اچکا دیئے جیسے عُروزہ کی جھنجھلاہٹ اس کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی۔ اسے حکم ماننے کی عادت نہیں تھی۔ وہ جو کرتا تھا اپنی مرضی سے کرتا تھا۔

"تو عادت ڈال لو کیونکہ اس مشن کو میں لیڈ کر رہا ہوں۔" اس کے لہجے میں طنز نہیں تھا مگر چہرے پر کوئی مسکراہٹ بھی نہیں تھی۔ وہ سیدھا عُروزہ کو چیلنج کر رہا تھا، اس کی کمانڈنگ شخصیت کو۔

عُروزہ کا جبڑا تن گیا۔ وہ اسے حکم دے رہی تھی، جیسے وہ ہمیشہ کرتی آئی تھی۔ لیکن ولی اس کا حکم کیوں مانتا۔ اس کی آنکھوں میں شدید بے چینی ابھری۔ اس نے دانت پیستے ہوئے اپنی ٹرے پر ایک چاکلیٹ پیسٹری رکھی، گویا اس غصے کو پیسٹری کے ذریعے دبا رہی ہو۔

"تمہیں مجھے ابھی بتانا چاہیے۔" اس کا لہجہ اب بھی حکمیہ تھا، آواز میں وہی پختگی تھی۔ جیسے وہ جان کر ہی سانس لے گی۔

ولی نے ایک بار پھر اسے دیکھا، اس کی نظروں میں ایک لمحے کے لیے گہرائی اتری، جیسے وہ اس کے اندر کی بے چینی کو بھانپ رہا ہو۔ پھر اس نے مسکرانے کے بجائے ایک غیر متوقع اور پر سکون انداز میں محض دہرایا، "ویٹ کرو!"

اس کے لہجے میں ایک ایسا اعتماد تھا کہ عُروزہ کو ایک لمحے کے لیے اپنی طاقت غیر مؤثر محسوس ہوئی۔ وہ اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر ہی مجمع میں آگے بڑھ گیا، اس کا وجود ایک سایہ کی طرح تھا۔ عُروزہ وہیں ساکت کھڑی رہ گئی، اس کے جبڑے سختی سے کھنچے ہوئے تھے، آنکھوں میں ایک نئی قسم کی الجھن تھی۔ ولی کی غیر متوقع ہٹ دھرمی نے اسے پریشان کر دیا تھا اور وہ جانتی تھی کہ یہ صرف ایک مشن نہیں بلکہ اس کی اپنی منطقی دنیا کا ایک نیا امتحان تھا۔

✿••✿••✿••✿

روشنیوں سے جگمگاتا ہال، قہقہوں کی ہلکی گونج، کیمروں کی چمک اور ادھ کھلے گلابوں کی خوشبو فضا میں رچی ہوئی تھی۔ مگر اس سجی سنوری تقریب کے ایک کونے میں فلک تنہا بیٹھی تھی۔ سیاہ رنگ کی ریشمی سادہ گھیرے دار فراک پہنے، شہد رنگ بالوں کو ایک خوبصورت ہیئر اسٹائل میں باندھے جبکہ دوپٹے کو ایک جانب گرائے وہ سیاہ ہیلز پہنے ہوئے بھی۔ اس کی شہد رنگ آنکھیں وہاں جلتے سبھی برقی قمقموں کو مات دے رہی تھیں۔ کئی نظریں بے اختیار اس کی جانب اٹھی تھیں مگر اس کی نظریں؟ وہ ایک ایسے شخص پر جمی تھیں جو خود کو کسی عورت کی وجہ سے رسواء نہیں کر سکتا تھا۔

وہ بار بار نظریں چرا کر کسی خاص سمت دیکھتی، پھر خود کو سنبھال کر چپ ہو جاتی۔

چند لمحوں بعد، عروزہ آہستہ قدموں سے آکر اس کے قریب بیٹھ گئی۔ سیاہ فراک والی فلک اور سیاہ اسٹائلش جمپ سوٹ والی عروزہ جمال زندگی میں پہلی بار ایک ساتھ بیٹھی تھیں۔

آج وہ روبوٹ، بے تاثر خاتون نہیں بلکہ ایک لڑکی لگ رہی تھی۔ ہلکی سی انسیکیور، مگر بے حد اصلی! بالکل سیاہ گلاب کی طرح! پر کشش اور خطرناک!

"تم ابھی بھی باس کو پسند کرتی ہو نا؟"

اس کے سوال پر فلک نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس ایک پھیکی سی، بے آواز مسکراہٹ لبوں پر لے آئی۔

اس مسکراہٹ میں کسی سوال کا نہیں، کسی تسلیم شدہ زخم کا عکس تھا۔ عروزہ نے اُس مسکراہٹ کو دیکھا اور جانے کیوں، ایک پل کو دل ہلکا سا بیٹھ گیا۔ چند لمحے یونہی خاموش گزر گئے۔

"ویسے اپنے سے بڑی عمر کے انسان سے محبت کرنا آسان نہیں ہوتا۔" کچھ دیر بعد فلک کی الجھن بھری آواز ابھری۔

عروزہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

"یہ تو میسج کے ساتھ اموجی کا استعمال بھی نہیں کرتے۔ اب بتاؤ، ایک خالی 'اوکے' کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟"

وہ بات کرتے کرتے خود بھی الجھ گئی تھی۔ عروزہ کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھرے۔

"اور اپنے سے کم عمر انسان کو پسند کرنا اور بھی مشکل ہے۔" عروزہ کی آواز سنائی۔

فلک نے رخ موڑ کر اسے کو دیکھا۔

"یہ بد تمیز تو بات بھی نہیں سنتے۔"

دل کر رہا تھا اس سکار کی گردن مروڑ دے جس نے اسکے حکم کو ٹالا تھا۔

"میں تمہارا درد سمجھ سکتی ہوں۔" فلک نے ہمدردی سے کہا اور نظریں سامنے لوگوں پر جما دیں۔

چند لمحوں تک دونوں بس خاموش بیٹھی رہیں۔ روشنیوں کی چمک اُن کی آنکھوں تک پہنچ رہی تھی مگر دل کے اندر ایک ہلکی سی دھند چھائی تھی۔

آخر میں دونوں نے ایک ساتھ گہری سانس لی۔ جیسے کسی نامکمل دعا کو ادھورا چھوڑ کر صرف وقت کے حوالے کر دیا ہو۔

✿••✿••✿••✿

"کوئی جاہل ہی ہو گا جو فلک جیسی لڑکی کو ریجیکٹ کرے۔" فجر اسی کو شرمندہ کرنے آئی تھی۔

رئیس نے بے نیازی سے کندھے ہلائے۔ "I agree"

"کوئی اندھا ہی ہو گا جو اسے اندیکھا کرے گا۔"

"I agree." اس کا جواب ایک لفظی تھا۔

"بالکل عقل سے پیدل!"

"I agree"

اس کی اطمینان میں کوئی کمی نہیں آئی۔

"وہ جس کی مردانگی صرف فیصلوں میں نہیں، بھاگنے میں ظاہر ہوتی ہو۔"

"I agree."

"وہ خود کو عقل مند سمجھتا ہو۔"

"I agree."

"وہ بدنصیب ہو گا جو اسے ٹھکرائے گا۔"

"I agree."

"جسے صرف خود سے عشق ہو، وہی دوسروں کو ریجیکٹ کرتا ہے۔"

"I agree."

"فلک ایک روشنی ہے اور بزدل لوگ روشنیوں سے ڈرتے ہیں۔"

"I agree."

"لگتا ہے مصنوعی ہیروں نے مت ماردی ہے تبھی اصلی ہیرہ نظر نہیں آرہا۔"

"I agree."

اس بار وہ مسکرادیا۔ اس کے مسکرانے پر وہ خفگی سے اسے گھور کر رہ گئی۔

"اور آپ؟ آپ شاید وہ ہیں جنہیں کوئی بھی جملہ شرمندہ نہیں کر سکتا۔"

"I agree."

وہ تو جل بھن کر ہی رہ گئی۔ جو اسے شرمندہ کرنے آئی تھی اس کے ڈھیٹ پن پر واک آؤٹ کر گئی۔

رئیس اپنی جگہ کھڑا رہا۔ اب بھی سوفٹ ڈرنک کے ساتھ، وہ شرمندہ تو نہیں مگر تھوڑا سا خاموش ضرور ہو گیا ہے۔

✿••✿••✿••✿

منار فیشن کے دفتر میں صبح کا پہلا اُجالا کسی فاتح کی طرح دھیرے دھیرے داخل ہو رہا تھا۔ رات کی تقریب کے بعد یہ روشنی ایک ٹھنڈے مرہم کی مانند تھی۔ میز پر خاکوں کے بے ترتیب ڈھیر، رنگوں کی درجنوں چھوٹی بڑی شیشیاں، دھاگوں کی ریلیں اور آدھے بنے ہوئے کاسٹیومز! ہر چیز میں ایک گہرا سکون تھا، وہی سکون جو کسی عظیم طوفان کے گزر جانے کے بعد زمین پر اترتا ہے۔ پروجیکٹ رانیہ ایسا ہی ایک طوفان تھا جو گزر گیا تھا۔

فجر اپنے آفس میں تھی۔ اس کے ہاتھ میں چائے کا کپ تھا۔ اس کی آنکھوں میں ہفتوں کی تھکن تھی مگر اس تھکن پر ایک اطمینان کی چادر بچھی تھی۔ اس نے چائے کی چُسکی لیتے ہوئے لیپ ٹاپ پر آؤٹ لک اوپن کیا تاکہ ای میلز دیکھ سکے۔ سینکڑوں نوٹیفکیشنز کے درمیان، اس کی نظر ایک معمولی سی ای میل پر ٹھہر گئی جس کا عنوان کسی بھی دوسرے پیغام سے بالکل مختلف تھا۔ بھیجنے والا ایک غیر مانوس، پروفیشنل نام تھا!

Emberlight Studios

"کاسٹیوم ڈیزائننگ کی درخواست کے حوالے سے، ایمبر لائٹ اسٹوڈیوز، لندن!"

(Regarding your application for Costume Direction. Emberlight Studios, London.)

دل نے ایک لمحے کو دھڑکنا چھوڑ دیا۔

وہ ٹھٹک گئی۔ انگلیاں کپ پر بے حس ہو کر جم گئیں، سانس جیسے سینے میں ہی کہیں قید ہو گئی۔ اس نے عنوان کو دوبارہ پڑھا۔

"میری کوئی درخواست۔۔۔؟لندن سے؟میں نے تو کبھی۔۔۔"

ایک انجانے خوف اور ناقابلِ یقین تجسس کے ساتھ اس نے ای میل کھولی۔الفاظ انتہائی نپے تلے،خوش اخلاق اور پیشہ ورانہ تھے۔

"محترمہ فجر معراج!

ہمیں یہ لکھتے ہوئے بے حد خوشی ہو رہی ہے کہ آپ کے بھیجے گئے پورٹ فولیو نے ہماری ٹیم کو بے حد متاثر کیا ہے۔ آپ کی تخلیقی انفرادیت،کہانی بیان کرنے کے لیے کپڑے کی تہوں کا استعمال،اور بناوٹ کا امتزاج ہمارے لیے نہایت تر و تازہ اور متاثر کن ہے۔

ایمبر لائٹ اسٹوڈیوز اپنی آنے والی تاریخی،فینٹسی فیچر فلم کے لیے کاسٹیوم ڈائریکشن کے سلسلے میں آپ سے بات کرنا چاہے گی۔ہم آپ کو ایک آن لائن میٹنگ کے لیے مدعو کرنا چاہتے ہیں تاکہ اس پروجیکٹ پر مزید گفتگو کی جا سکے۔

ہم جلد آپ سے بات کرنے کے منتظر ہیں۔

مخلص،

ایلیسن جینکنز

ہیڈ آف پروڈکشن،ایمبر لائٹ اسٹوڈیوز"

میل ختم ہو گئی۔اس کا وجود اندر تک کانپ گیا۔چائے کا کپ کب کا میز پر رکھا جا چکا تھا،مگر اسے یاد بھی نہیں تھا۔وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر ساکت بیٹھ گئی۔چند لمحے ایسے گزرے جیسے اس نے دنیا کا ہر شور اپنے کانوں سے بند کر

دیا ہو۔ کیا یہ سچ تھا؟ مگر اس نے تو کسی فلم کی وارڈروب کے لیے اپلائی نہیں کیا تھا؟ کیا کوئی اس کے ساتھ مزاق کر رہا تھا؟ سر گھوم گیا۔

پھر، جیسے اندر کوئی بجھا ہوا بلب پوری طاقت سے پھٹ گیا ہو۔ ایک ہی نام اس کی زبان پر آیا، ایک سرگوشی کی صورت میں۔

"ولی۔۔۔"

اس کی نظریں بے اختیار سامنے دیوار پر لگے پروجیکٹ رانیہ کے کولاج پر جم گئیں۔ یہ اس کا وہ پروجیکٹ تھا، جسے اس نے کسی کے لیے نہیں، صرف اپنی روح کی تسکین کے لیے بنایا تھا۔ اسے وہ دن یاد آیا جب اس کی تیاریوں کے دوران ولی نے اس کے خاکوں کی بڑی تفصیل سے تصویریں کھینچی تھیں۔ اس کی انگلیاں ایک ایک ٹانکے، ایک ایک دھاگے پر رُکی تھیں۔ وہ ہر چیز پر گہری نظر رکھے ہوئے تھا۔ اس نے ہی پروجیکٹ رانیہ سے اس کا بالکل مختلف پورٹ فولیو تیار کیا تھا۔

"اس نے بھیجا تھا۔۔۔ اس نے چھپ کر میرا کام دنیا کے سب سے بڑے خواب کے دروازے پر پہنچا دیا اور مجھے بتایا تک نہیں؟"

اس کی آنکھوں میں نمی کی ایک پتلی سی تہہ چمکنے لگی، مگر وہ آنسو نہیں تھے۔ وہ حیرت، ہلکی سی خفگی، بے یقینی اور ایک ایسی گہری خوشی کا امتزاج تھے جسے وہ نام نہیں دے پا رہی تھی۔

کبھی کبھی کچھ لوگ ہمارے لیے وہ دعا بن جاتے ہیں جو ہم خود اپنے لیے مانگنا بھول جاتے ہیں۔

ولی اس کی وہ دعا بن گیا تھا جسے وہ خود کے لیے مانگنا بھول گئی تھی۔

دفتر کا دروازہ ہولے سے کھلا۔ ولی اندر داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر وہی پر سکون مسکراہٹ تھی جو فجر کے لیے اس کے چہرے کا حصہ بن چکی تھی۔ وہ فجر کو ساکت دیکھ کر رک گیا۔ فجر کی نم آنکھیں سیدھا اس پر جم گئیں۔

"تم نے بھیجا تھا؟" اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

"تم نے بنا بتائے۔۔۔" وہ بول بھی نہیں پا رہی تھی۔ بمشکل کھڑی ہوئی۔ لیپ ٹاپ کی اسکرین اس کی جانب کی۔ ولی نے ایک نظر اسکرین کو دیکھا پھر اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"میں نے صرف تمہارا فن دنیا کو دکھایا ہے۔ تمہیں وہاں ہونا چاہیے جہاں لباس صرف کپڑے نہیں، تاریخ ہوتے ہیں۔"

"مگر میں کک۔۔ کیسے۔۔۔؟" اس نے پاکستانی کئی فلموں کی وارڈروب کی تھیں مگر پھر بھی اسے جیسے خواب لگ رہا تھا۔

وہ رکا اور پھر بولا، "جب ماہین خان (پاکستانی فیشن ڈیزائنر جنہوں نے ہالی ووڈ فلموں کی وارڈروب میں کام کیا) بین الاقوامی سیریز کے لیے کرداروں کو زندہ کر سکتی ہیں، جب شہریار حسن کا کام دنیا بھر میں سراہا جا سکتا ہے، تو فجر معراج کیوں نہیں؟ تمہارا فن ان سے کم نہیں، بس اسے صحیح آنکھ کی تلاش تھی۔"

وہ خاموش رہی۔ ولی کا چہرہ آنکھوں میں آئی نمی کی وجہ سے دھندلا سا لگ رہا تھا۔

پھر ایک ادھورا سا، کانپتا ہوا جملہ اس کے لبوں سے پھسلا۔

"کیا میں۔۔۔ واقعی وہاں تک پہنچ سکتی ہوں؟"

وہ اس کے بالکل قریب آیا اور اس کے ہاتھ تھام لیا۔

"جانم تم پہلے ہی وہاں ہو۔ دنیا کو بتانے کے لیے، میں ہوں۔"

✿••✿••✿••✿

تین دن بعد، منار فیشن کا دفتر ایک اعلیٰ سطحی میٹنگ روم کا منظر پیش کر رہا تھا۔ یہ کوئی عارضی تبدیلی نہیں لگ رہی تھی بلکہ ہر چیز کو سوچ سمجھ کر ترتیب دیا گیا تھا۔ دیوار کے ساتھ لگے مینکئنز پر موجود ادھورے ملبوسات اب بے ترتیب نہیں بلکہ فن پاروں کی طرح ایستادہ تھے، جیسے وہ فجر کی تخلیقی صلاحیتوں کی گواہی دے رہے ہوں۔

سامنے دیوار پر ایک بڑی اسکرین نظر آ رہی تھی۔ ولی نے آخری بار پروجیکٹر کا زاویہ اور روشنی کو پرکھا، پھر فجر کے کندھے پر ہلکا سا ہاتھ رکھ کر پیچھے کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کا کام ختم ہو چکا تھا، اب یہ فجر کا میدان تھا۔

فجر نے ایک سادہ مگر بے حد خوبصورت لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔ یہ لباس اس کے اعتماد اور پیشہ ورانہ رویے کا عکاس تھا۔ اس کے بال صفائی سے ایک جوڑے میں بندھے تھے اور اس کا چہرہ پُرسکون تھا مگر اس کے دل کی دھڑکن اس طوفان کا پتا دے رہی تھی جو ایک بڑے موقع سے پہلے ہر فنکار کے اندر برپا ہوتا ہے۔

وقت پر، اسکرین روشن ہوئی اور دو چہرے نمودار ہوئے۔ ایک طرف فلم کے تجربہ کار ڈائریکٹر، مسٹر ایلسٹیئر فنچ تھے، جن کی پرکھتی ہوئی آنکھیں کسی بھی فنکار کی روح تک جھانکنے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔ دوسری طرف ہیڈ آف پروڈکشن، ایلیسن جینکنز تھیں، جن کے چہرے پر پیشہ ورانہ گرمجوشی تھی۔

ایلیسن نے مسکراہٹ کے ساتھ گفتگو کا آغاز کیا اور فجر سے ملنے پر اپنی خوشی کا اظہار کیا۔ فجر نے اسی پیشہ ورانہ انداز میں، صاف اور پُراعتماد لہجے میں ان کا شکریہ ادا کیا اور اس موقع کو اپنے لیے ایک اعزاز قرار دیا۔ اس کی آواز

میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں تھی۔ البتہ ولی یوں پر سکون بیٹھا تھا جیسے اس کا روز کا کام ہو۔ اس کے اپنے گھر میں ایک عدد پروڈیوسر اور ایک عدد ڈائریکٹر رہتا تھا۔

مسٹر فنچ براہِ راست مدعے پر آئے۔ انہوں نے فجر کے پچھلے کام، خاص طور پر **'پروجیکٹ رانیہ'** کی تعریف کی اور بتایا کہ انہیں کپڑوں کی بناوٹ کے ذریعے کہانیاں بیان کرنے کا اس کا انداز بے حد پسند آیا ہے۔ انہوں نے اپنی فلم کا تصور بیان کیا۔

سترہویں صدی کی ایک خیالی سلطنت، جہاں ہر طرف شاہانہ شان و شوکت ہے اور اسی شان و شوکت کے پردے میں گہری سازشیں اور دھوکہ دہی پنپ رہی ہے۔ انہوں نے واضح کیا کہ انہیں ایسے ملبوسات درکار ہیں جو اس دنیا کے دوغلے پن، یعنی ظاہری چمک اور باطنی اندھیرے، دونوں کو ایک ساتھ پیش کر سکیں۔

فجر خاموشی اور پوری توجہ سے ان کی بات سنتی رہی۔ اس کا ذہن ایک کینوس کی طرح تھا جس پر فنچ کے الفاظ رنگ بھر رہے تھے۔ جب ڈائریکٹر نے اپنی بات مکمل کی تو فجر نے ایک لمحے کا توقف لیا، اپنی سوچ کو ترتیب دیا اور پھر بات شروع کی۔

"میں آپ کے وژن کو پوری طرح سمجھتی ہوں۔ میرے نزدیک، لباس صرف ایک کردار کو نہیں بلکہ اس کی پوری دنیا کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ اس کی طاقت بھی ہے اور کمزوری بھی۔"

اس کے جواب میں موجود گہرائی نے مسٹر فنچ کو متاثر کیا۔ انہوں نے آگے جھکتے ہوئے وہ سوال پوچھا جو اس میٹنگ کا اصل امتحان تھا۔ انہوں نے ایک ایسی ملکہ کے کردار کا تصور پیش کیا جو عوام میں بے حد طاقتور، باوقار اور قابلِ احترام ہے، لیکن اپنی ذاتی زندگی میں وہم اور گہرے خوف کا شکار ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ فجر اپنے ڈیزائن کے ذریعے، بغیر کسی لفظ کا سہارا لیے، اس کردار کی ان دو متضاد حالتوں کو کیسے ظاہر کرے گی؟

یہ سوال فجر کے لیے ایک چیلنج نہیں، بلکہ ایک دعوت تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک خاص چمک ابھری۔

"ملکہ جب عوام کے سامنے ہو گی۔" اس نے وضاحت شروع کی، "تو اس کا لباس اس کی زرہ ہو گا۔ میں بھاری اور شاہانہ کپڑے، جیسے گہرا مخمل اور قیمتی بروکیڈ استعمال کروں گی۔ ان پر سونے اور چاندی کے دھاگوں سے مضبوط، جیومیٹریکل اور نوکیلے نمونے کڑھے ہوں گے جو اس کی طاقت، اصولوں اور ہر چیز پر اس کے کنٹرول کو ظاہر کریں گے۔ لباس کی ساخت سخت ہو گی تاکہ اس کے جسم اور لوگوں کی نظروں کے درمیان ایک واضح فاصلہ قائم رہے۔"

وہ ایک لمحے کو رکی، جیسے خود اس ملکہ کو اپنے سامنے کھڑا دیکھ رہی ہو۔

"لیکن جب وہ اکیلی ہو گی، اپنے ذاتی کمروں میں، تو یہی لباس اس کی قید بن جائے گا۔ وہاں، میں تمام بھاری پن ختم کر دوں گی۔ میں ہلکے اور نازک کپڑے جیسے ریشم اور شیفون کا انتخاب کروں گی، جن کے رنگ مدھم اور دھندلے ہوں گے۔ ان پر کوئی واضح نمونہ نہیں ہو گا، بلکہ کپڑے کی بناوٹ میں ہی ایک بے ترتیبی اور الجھن ہو گی، جیسے بکھرے ہوئے دھاگے یا ادھوری سلائی۔ یہ اس کے اندرونی خوف، بے یقینی اور ٹوٹ پھوٹ کی عکاسی کرے گا۔ یہ لباس اس کی جلد سے قریب ہو گا، جیسے وہ تحفظ ڈھونڈ رہی ہو، لیکن یہی قربت اس کی کمزوری کو بھی عیاں کرے گی۔"

جب اس نے اپنی بات مکمل کی تو اسکرین پر گہری خاموشی چھا گئی۔ مسٹر فیچ اور ایلیسن ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں پیشہ ورانہ دلچسپی اب گہرے احترام اور تحسین میں بدل چکی تھی۔ یہ کسی ڈیزائنر کا نہیں، بلکہ ایک کہانی کار کا جواب تھا۔

ایلیسن نے اس خاموشی کو توڑا۔ اس نے فجر کو بتایا کہ اس کی بصیرت غیر معمولی ہے اور انہیں بالکل اسی گہرائی کی تلاش تھی۔

میٹنگ کے اختتام پر، انہوں نے فجر کو باضابطہ طور پر لندن آنے کی دعوت دی تاکہ وہ ایگزیکٹو پروڈیوسرز کے سامنے اپنا مکمل کانسپٹ بورڈ پیش کر سکے۔ انہوں نے یقین دہانی کرائی کہ اس سفر کے تمام انتظامات اسٹوڈیوز کی ذمہ داری ہوں گے۔

گفتگو ختم ہوئی اور اسکرین سیاہ ہو گئی۔ کمرے میں چھائی خاموشی اب بوجھل نہیں بلکہ کامیابی کی خوشی سے سرشار تھی۔ فجر نے ایک لمبی، گہری سانس خارج کی جسے اس نے نہ جانے کب سے روک رکھا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کیں اور ایک لفظ اس کے ذہن میں گونجا، **لندن!**

جب اس نے آنکھیں کھولیں تو سامنے ولی کا مسکراتا ہوا چہرہ تھا۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ فخر اور خوشی تھی۔ اسے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تھی، اس کی نگاہیں ہی سب کچھ کہہ رہی تھیں۔

فجر کے لبوں پر بھی ایک پُرسکون مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے میز پر رکھے اپنے ہاتھ پر ولی کا ہاتھ محسوس کیا جو اس نے اسے تھامنے کے لیے بڑھایا تھا۔

"ہم لندن جا رہے ہیں؟" اس نے آہستہ سے مگر ایک اٹل یقین کے ساتھ پوچھا۔ "مجھے یقین نہیں ہو رہا۔ یہ خواب جیسا ہے۔"

"جانم تم خواب دیکھو، یقین دلانے کو میں ہوں!"

یہ سفر کسی ایک کا نہیں، ان دونوں کا تھا۔

✿••✿••✿••✿

مہنگے فانوس کی روشنی میں نہایا ہوا ڈائننگ ہال، سفید سنگِ مرمر کی میز، عمدہ چینی کے برتن، اور چاندی کے کٹلری سیٹ کے بیچ چار افراد بیٹھے تھے۔ باہر کی خاموش رات اندر کے ماحول میں عجیب سی کشیدگی لے آئی تھی حالانکہ کھانے کی میز پر سب کچھ مکمل تھا۔

رئیس معمول کے مطابق خاموش بیٹھا تھا، اس کے چہرے پر آج کل وہی مخصوص لاتعلقی تھی جو اکثر ہوتی تھی۔ ولی، ذرتاش اور احمد اورنگزیب بھی میز پر موجود تھے۔

ولی کا چہرہ خلافِ معمول پرسکون، ہلکی سی تھکن اور گہری سوچ کے آثار لیے ہوئے تھا۔ البتہ وہ خوش نظر آرہا تھا۔

ذرتاش نے نوالہ لیتے ہوئے چونک کر پوچھا۔

"خیریت ہے ولی؟ آج تو تم بہت خوش لگ رہے ہو۔ چہرے سے روشنی پھوٹ رہی ہے۔"

اس نے خفیف مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔ جو کچھ عروزہ نے بتایا اس کے بعد وہ ذرتاش کے ساتھ اپنا رویہ نہیں بدل سکتا تھا ورنہ شک ہو جاتا۔ جب تک کچھ ثابت نہ ہو جاتا وہ ویسے ہی رہنا چاہتا تھا جیسے تھا۔

"ہاں۔۔۔ آج منار فیشنز کے لیے ایک بڑی کامیابی کا دن تھا۔"

رئیس جو خاموشی سے کانٹے سے اپنی پلیٹ میں موجود اسٹیک کی تہیں کاٹ رہا تھا، اچانک ٹھٹک گیا۔ انگلیاں بے اختیار رک گئیں۔ وہ جو فجر کی طرف سے بالکل لاتعلق بنا ہوا تھا، لاتعلق رہ نہیں پایا۔ اس نے نظریں نیچے ہی رکھیں مگر کان اب پوری طرح متوجہ ہو چکے تھے۔

"ویسے آج کل منار فیشنز واقعی کامیابیوں کو چھو رہا ہے۔" ذرتاش نے بات کو بڑھایا، لہجہ قدرے معنی خیز تھا۔

"پروجیکٹ رانیہ نے اسے آسمان کی بلندیوں کی جانب گامزن کر دیا ہے۔ ماضی کے لگے داغ بھی مٹنے لگے ہیں۔"

احمد اورنگزیب نے ولی کی طرف نظریں مرکوز کیں، جیسے الفاظ سے زیادہ اس کی باڈی لینگویج پڑھنے کی کوشش کر رہے ہوں۔ رئیس اب بھی خاموش تھا۔ جیسے وہاں ہو ہی نا۔

"ان کی ٹیم بہت محنتی ہے۔" اس نے سنبھلے ہوئے کہا، "اور وہ سب واقعی زبردست کام کر رہے ہیں۔"

احمد صاحب نے بھنویں چڑھائیں۔ "اور اس بار؟ کیا کامیابی ملی ہے؟"

اس نے لمحہ بھر سوچا، جیسے خود کو ترتیب دے رہا ہو۔ پھر دھیرے دھیرے پورا قصہ سنایا۔

"ایمبر لائٹ اسٹوڈیوز، لندن نے فجر کو اپنی اگلی تاریخی فلم کے لیے کاسٹیوم ڈائریکٹر کے طور پر مدعو کیا ہے۔ انہوں نے پروجیکٹ رانیہ سے متاثر ہو کر یہ فیصلہ کیا ہے۔"

ڈائننگ ٹیبل پر لمحہ بھر کو مکمل خاموشی چھا گئی۔ صرف دیوار پر لگے گھڑی کی ٹک ٹک سنائی دی۔

رئیس کی نگاہ اب پلیٹ سے اٹھ چکی تھی، سیدھی ولی پر جم گئی۔ ایک گہری، سخت اور کسی انجانے سوال سے بھری نگاہ۔

"کیا وہ۔۔۔ اکیلی لندن جائے گی؟" اس کی آواز میں ضبط کی تہیں تھیں، مگر اندر ایک انجانی بے چینی تھی جو پہلی بار لفظوں کا روپ دھار رہی تھی۔

ولی نے ایک لمحے کے لیے اسے دیکھا، پھر نپے تلے انداز میں جواب دیا۔

"نہیں۔۔۔ میں اس کا پی اے ہوں، تو میں ساتھ جاؤں گا۔"

یہ کہتے ہوئے اس کی آواز میں تھوڑا سا تذبذب ضرور تھا۔ اگر اس نے جانے سے منع کر دیا؟ ویسے تو آج تک روکا نہیں تھا۔

احمد صاحب نے اس کے پی اے کہنے پر گلا کھنکارا جبکہ ولی نے بمشکل اپنا سرخ ہوتا چہرہ چھپایا۔ وہ جانتا تھا انہوں نے جان بوجھ کر ایسا کیا تھا۔

مگر رئیس کے چہرے پر پہلی بار ایک واضح نرمی سی ابھری، جیسے وہ خود سے کہہ رہا ہو۔ **"کم از کم وہ اکیلی نہیں جا رہی۔"** اس کی کمر سیدھی ہوئی، اعصاب کی کچھ گرہیں ڈھیلی پڑ گئیں۔

"تو تم اب صرف پی اے کی پوزیشن پر خوش ہو؟" ذرتاش کی آنکھوں میں شرارت تھی۔ وہ خفیف سا ہنس دیا۔

"جہاں موقع اور خواب ایک ساتھ جائیں، وہاں پوزیشنز معنی نہیں رکھتیں۔"

رئیس کے ہونٹوں پر ایک سایہ سا آیا، شاید مسکراہٹ کا، شاید طنز کا۔

"اور اگر وہ وہاں کامیاب ہو گئی؟" رئیس کی آواز اب کچھ اور گہری تھی، جیسے اس نے خود کو تیار کر لیا ہو۔

ولی نے ایک پل ٹھہر کر آنکھوں میں اٹل یقین کے ساتھ کہا۔

"تو وہ اسی جگہ پہنچے گی جہاں اس کا حق بنتا ہے۔"

رئیس نے کچھ دیر اسے دیکھتے ہوئے سر ہلایا۔

"بس خیال رکھنا۔۔۔ لندن کے خوابوں میں اکثر تنہائیاں بھی چھپی ہوتی ہیں۔" احمد صاحب نے یہ کہتے ہی نظریں جھکا لیں۔

رئیس کے چہرے پر اب بھی ایک ان کہی لہر باقی تھی۔ جیسے وہ ہر جملے کے پیچھے کسی اور ہی بات کی گونج سن رہا ہو۔

اس نے کانٹے سے پلیٹ میں ایک آخری ٹکڑا کاٹا، پھر اٹھ کر چپ چاپ ہال سے باہر نکل گیا۔

"ان کو کیا ہو گیا ہے؟ یہ اتنے سائلنٹ کب سے ہو گئے؟" وہ اسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

ذرتاش نے ولی کو دیکھا اور سر جھٹکا۔

"تمہارے پاس دل بھی ہے، زبان بھی، مگر رئیس کے پاس صرف دیواریں ہیں۔"

ولی خاموش رہا۔ چہرے پر ہلکی سی الجھن تھی۔

ہال میں دوبارہ صرف چاندی کی کٹلری کی آواز سنائی دی۔

✿••✿••✿••✿

رات کی ہوا میں خنکی گھلی تھی۔ پورے شہر کی روشنیاں نیچے چھوٹے ستاروں کی مانند ٹمٹما رہی تھیں۔ آسمان پر چاند کسی گواہ کی طرح چپ چاپ دیکھ رہا تھا۔ سوئمنگ پول کے کنارے، ماربل کے فرش پر دو کرسیاں تھیں۔ ایک پر رئیس بیٹھا تھا، دوسری پر مراد!

پانی خاموش تھا، بالکل رئیس کی طرح۔ مگر اس کے اندر، جیسے کوئی طوفان آہستہ آہستہ سانس لے رہا ہو۔

مراد نے کافی کا سپ لیتے ہوئے اسے دیکھا۔ چہرے پر معمول کی شوخی، مگر آنکھوں میں چبھتا ہوا سوال۔

"ویسے تم بھی عجیب ہو رئیس! تمہیں اس بات سے اطمینان ہے کہ وہ ولی کے ساتھ جا رہی ہے بجائے اس کے کہ تم پریشان ہو کہ وہ ایک غیر مرد کے ساتھ جا رہی ہے؟"

رئیس نے آنکھیں بند کیں، جیسے لمحے بھر کو خود سے آنکھیں چرائی ہوں۔ پھر آہستگی سے آنکھیں کھولیں، چہرے پر ہلکی سی طنزیہ سی مسکراہٹ آئی۔

"تمہیں میں پچیس سال کا لڑکا لگتا ہوں مراد؟ جو ایک ٹیپیکل مجنوں کی طرح اس لڑکی کے پیچھے پڑ جائے گا جسے وہ پسند کرتا ہے؟"

مراد نے کندھے اچکائے، لیکن باز نہ آیا۔

"محبت تو محبت ہوتی ہے۔ جس میں جلن نہ ہو۔۔۔۔ وہ کیسی؟"

"پھر تم مان لو میں اس سے محبت نہیں کرتا۔" اس نے ہونٹ سختی سے آپس میں پیوست کر لیے۔ وہ سب کچھ جو اندر گونج رہا تھا، ضبط کی مضبوط دیواروں میں قید تھا۔ جب اس نے کہہ دیا تھا کہ وہ خود کو رسوا نہیں کر سکتا، تو بس کہہ دیا تھا۔

"وہ ولی کے ساتھ جا رہی ہے کم از کم مجھے یہ اطمینان ہے۔"

مراد نے گہری سانس لی۔ لہجے میں استہزاء در آیا۔

"خود کو دھوکہ دینے سے کچھ نہیں بدلنے والا۔"

رئیس کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔ آواز بھاری تھی، مگر زخمی نہیں، غرور سے لپٹی ہوئی۔

"تو کیا کروں؟ بتا دو؟ کیسے اپنے مقام سے گر جاؤں؟ کس طرح ایک عورت کے پیچھے چیخوں، گڑگڑاؤں؟"

مراد لمحے بھر کو خاموش ہو گیا۔ چاند کی روشنی میں رئیس کا چہرہ کچھ اور سنجیدہ لگنے لگا تھا۔ پھر آہستہ سے پوچھو۔

"اگر فجر کو ولی سے محبت ہو گئی تو؟"

رئیس کے چہرے پر جیسے کوئی سایہ سا گزرا۔ وہ ساکت ہو گیا۔ چند لمحے تک کوئی آواز نہیں آئی۔ سوئمنگ پول کے کنارے پانی کی سطح پر چاند کی پرچھائیاں لرزنے لگیں۔

"یہ۔۔۔۔" اس کی آواز بالآخر ابھری، "یہ وہ سوال ہے جس کا جواب میرے پاس نہیں۔"

مراد نے سرد آہ بھری۔

"فجر معراج ایسی عورت نہیں جو کسی پر اتنا بھروسہ کرے جتنا وہ ولی پر کرتی ہے۔ تمہیں نظر کیوں نہیں آتا؟"

مراد تپ کر بولا۔

"میں اندھا نہیں ہوں مراد! مجھے سب نظر آ رہا ہے۔" وہ چیخ کر بولا۔

"مسئلہ یہ ہے میں محبت اور نفرت کے درمیان پھنس گیا ہوں۔ میرا اس سے یہ رشتہ ہے کہ مجھے اسے مارنا ہے اور میرا دل باغی ہو گیا ہے۔"

مراد کہنا چاہتا تھا کہ اس کا دل شروع دن سے ہی باغی تھا مگر وہ بولا تو آواز دھیمی اور گہری تھی۔

"تو پھر جیت کس کی ہو گی؟ محبت کی؟ یا نفرت کی؟"

اس نے آہستہ سے آنکھیں بند کر لیں اور پھر الفاظ اس کے لبوں سے نکلے، جیسے صدیوں پرانے ہوں۔

"میں نے محبت کو تاج کی طرح پہنا اور نفرت کو خنجر کی طرح سنبھالا۔" پھر کچھ دیر وہ چپ رہا۔

"جنگ ان دونوں میں ہے۔ میں نہیں جانتا کون جیتے گا۔"

مراد نے کافی کا آخری سپ لیا، پھر پر سکون لہجے میں پوچھا۔

"اور تم؟ تم کہاں کھڑے ہو اس جنگ میں؟"

"میں نفرت اور محبت دونوں کو ایک موقع ضرور دوں گا۔ میرے جذبات اسے نفرت سے بچا رہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ میری نفرت، میرے جذبات سے جیت پائے گی یا نہیں۔۔۔۔"

"اور تمہارے دل کا کیا؟" مراد کو افسوس ہوا۔

رئیس نے گہری سانس لی، چہرہ اب بالکل پر سکون تھا۔ آنکھیں چمک رہی تھیں مگر اندر ایک دنیا جل رہی تھی۔

"میں رئیس اورنگزیب ہوں! میں ایک عورت کی وجہ سے خود کو رسوا نہیں کر سکتا۔"

سوئمنگ پول کے پانی میں چاند کا عکس لرزنے لگا۔ فضا میں خاموشی پھیل گئی، لیکن اندر۔۔۔ کچھ بہت گہرا، بہت پرانا، بہت کمزور ہو کر بھی ابھی تک زندہ تھا۔

✿••✿••✿••✿

دن کا وقت تھا اور منار فیشنز کا اسٹوڈیو کسی فعال شہد کی مکھیوں کے چھتے کی مانند گونج رہا تھا۔ رنگوں کی کہکشاں ہر طرف بکھری تھی، ڈیزائنرز کی بھاگ دوڑ، درزیوں کی مشینوں کی مسلسل ٹک ٹک اور ماڈلز کی آمد و رفت نے اس جگہ کو ایک نئی زندگی بخش دی تھی۔

فجر اپنے دفتر میں بیٹھی تھی۔ میز پر ڈیزائنز اور فیبرک کے نمونے سلیقے سے رکھے تھے۔

اسی وقت دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور فلک مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ اس کے چہرے پر فخر اور محبت کے ملے جلے تاثرات تھے۔ اس کے پیچھے فخر بھی تھا، جو نہ چاہتے ہوئے بھی ساتھ چلا آیا تھا۔ وہ اپنی بہن کو اکیلے نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

"میں تم سے ملے بغیر جا مشورو نہیں جانا چاہتی تھی۔" اس نے آگے بڑھ کر فجر کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ اس کی آواز میں سچی خوشی تھی۔ "مجھے تم پر بہت فخر ہے فجی! لندن جا رہی ہو، وہ بھی اتنے بڑے پروجیکٹ کے لیے، تمہاری کامیابی میری کامیابی ہے۔"

فجر خوشدلی سے مسکرا دی۔ وہ دونوں اب باتیں کر رہی تھیں جبکہ فخر صوفے پر بیٹھا۔

اس دوران فجر کی نظر اس پر پڑی۔ وہ ٹانگ پر ٹانگ جمائے، اپنے مہنگے فون میں مصروف تھا مگر اس کے چہرے پر بیزاری اور ہونٹوں پر ایک ناگواری کی شکن واضح تھی، جسے وہ چھپانے کی کوشش بھی نہیں کر رہا تھا۔ وہ کب سے ان کی باتوں پر برا سا منہ بنائے جا رہا تھا۔ فجر نے محسوس کیا اور اس کی نظروں سے کچھ بھی چھپا نہیں تھا۔

"خیریت تو ہے؟ آپ کچھ زیادہ خوش نظر نہیں آ رہے میری کامیابی سے۔" پھر ایک لمحے کو رک کر مزید چوٹ کی۔ "اب یہ مت کہہ دینا کہ آپ کے خاندان کی عورتیں لندن نہیں جاتیں۔"

فخر نے فون سے نظریں ہٹائیں اور اس کی طرف دیکھا۔ ایک لمحے کو اس کے چہرے پر غصہ آیا، مگر پھر اس نے ایک مصنوعی مسکراہٹ سجائی۔

"نہیں، ایسی بات بالکل نہیں۔ بلکہ میں تو خوش ہوں کہ تم یہ سب کر رہی ہو۔ محنت کر کے اپنا نام بنا رہی ہو۔۔۔" اس نے جملہ ادھورا چھوڑا، پھر زہر میں بجھا تیر چلایا، "آج کل کی عورتوں کی طرح **'گولڈ ڈگر'** تو نہیں ہو نا؟"

لفظ **'گولڈ ڈگر'** پر فجر کے چہرے پر ایک استہزائیہ مسکراہٹ ابھری۔

"گولڈ ڈگر؟" اس نے لفظ چبایا۔

"عورتوں کی وراثتیں تک تو مرد ڈکار جاتے ہیں اور گولڈ ڈگر؟ عورتیں؟ واہ!"

اس نے ایک بار پھر طنزیہ نظروں سے فخر کو دیکھا۔

"ویسے عجیب ہے۔ عورت اپنی محنت سے آسمان بھی چھو لے تو اسے کردار کی سند آپ لوگوں سے لینی پڑتی ہے۔" تاسف سے سر جھٹکا۔

اس کا طنز کسی تیز دھار نشتر کی طرح چبھا۔ فخر کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی کھوکھلی دلیل پیش کرتا یا غصے کا اظہار کرتا، کمرے کے دروازے پر دوبارہ دستک ہوئی۔

"میڈم! میٹنگ کے لیے آپکا انتظار کیا جا رہا ہے۔"

اس ایک جملے نے ماحول کی ساری کشیدگی کو جیسے کاٹ کر رکھ دیا۔ فجر نے اثبات میں سر ہلایا۔ گفتگو وہیں دم توڑ گئی، مگر اس کے کہے ہوئے الفاظ کمرے کی ہوا میں معلق رہ گئے۔ جو فخر کے غرور پر ایک گہرے زخم کی طرح ثبت ہوئے۔ وہ اپنا بدلہ بعد میں لے گا۔ پہلو بدلتے ہوئے اس نے سوچ لیا۔

"ویسے میں نے ابھی ایک پوسٹ دیکھی تھی۔ تمہاری کتابوں کے خلاف تنظیم چل رہی ہے۔ تم پر کاپی کے الزامات لگائے جارہے ہیں۔ لوگ بلاوجہ تمہاری تذلیل کررہے ہیں۔ تم لیگل ایکشن کیوں نہیں لیتی ہو؟" اس نے میز کا دراز کھولتے ہوئے کہا۔

"پروجیکٹ رانیہ کا حصہ ہونے کے بعد بھی اگر کوئی مجھ پر الزام لگائے۔ میرے لکھے ہوئے کو کاپی یا فضول کہے تو پھر میں تف ہی کرسکتی ہوں۔ ویسے بھی یہ الزام دنیا کے ہر کونے کے مصنف پر لگتے آئے ہیں۔" اس نے سکون سے جواب دیا۔ "لیو ٹالسٹائی کی کتاب **'جنگ اور امن'** پر بھی کاپی اور انسپائریشن کا ٹھپہ لگا ہے تو پھر ہم کس کھیت کی مولی ہیں؟" اس نے تفصیل سے جواب دیا۔ "اور مصنفین پبلک فگر ہوتے ہیں ان پر تنقید کے ساتھ ساتھ تضحیک بھی چلتی ہے۔"

"اپنی قدر و قیمت پر کوئی سمجھوتہ مت کرو۔" وہ دراز سے کچھ ڈھونڈ رہی تھی۔

"قیمتی ہو کر مفت کا ہو جانا درویشی ہے۔" فلک کے اندر کی مصنفہ جاگ اٹھی۔

"ہر کوئی ہمارا مفت ورژن ڈیزور نہیں کرتا۔" بالآخر اسے مل گئی۔

ٹشو میں لپٹی ہوئی نرش ریستوران کی وہ چھری جو اس نے فروہ کے سامنے اٹھائی تھی۔ وہ اس نے فلک کے سامنے رکھی۔

"اپنے بیگ میں رکھو! کچھ ایسا ویسا ہو تو استعمال کرنا باقی میں دیکھ لوں گی۔" وہ قدرے سکون سے بولی۔ فلک حیرانی سے ہنس دی۔

"تم میری بہن کو کیا سیکھا رہی ہو؟" اس بار وہ چپ نہیں رہ پایا۔

"جو تمہیں سکھانا چاہیے تھا۔" وہ اسی کے انداز میں بولی جبکہ فلک نے چھری اٹھالی۔

"ٹھیک ہے میں یہ رکھ رہی ہوں۔ تم لوگ بحث بند کرو۔" وہ پیس میکر بن چکی تھی۔ بحث وہیں دم توڑ گئی۔

✿••✿••✿••✿

رات اپنے گہرے سیاہ پروں کو شہر پر پھیلا چکی تھی۔ وہ اپنے وسیع و عریض بیڈ روم کے خاموش، ٹھنڈے ماحول میں کھڑا تھا۔ ابھی ابھی شاور لینے کے بعد اس نے ایک ڈھیلے ڈھالے سیاہ ٹراؤزر اور سفید ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ بال ہلکے گیلے تھے جن میں وہ بے دلی سے انگلیاں پھیر رہا تھا جبکہ اس کی نظریں آئینے میں اپنے ہی عکس پر جمی تھیں، ایک ایسا عکس جو باہر سے پر سکون مگر اندر سے ایک نہ ختم ہونے والی جنگ میں مبتلا تھا۔

اس کے شاہانہ بیڈ پر میک بک پرو کھلا ہوا تھا اور ساتھ ہی اس کا فون بے حسی سے پڑا تھا۔ فجر کی کئی کالیں اس کی اسکرین پر نظر انداز کی جا چکی تھیں۔ فون ایک بار پھر سے بجا، مگر اس بار اسکرین پر ایک انجان نمبر جگمگا رہا تھا۔ یہ ایک ویڈیو کال تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ اسے بھی مسترد کرتا، کال خود بخود اس کے لیپ ٹاپ پر منتقل ہو گئی اور ایک مانوس چہرہ اسکرین پر ابھرا۔

"ہیلو بگ بی۔۔۔۔۔!"

یہ ایک ایسی کھنکتی ہوئی، شرارت بھری آواز تھی کہ رئیس، جو ڈریسنگ ٹیبل سے اپنی پرفیوم کی بوتل رکھ رہا تھا، جھٹکے سے پلٹا۔ کرسٹل کی منقش بوتل اس کے ہاتھ میں ہی رہ گئی۔ وہ لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھی تھی، اس کی ہیزل آنکھوں میں ستاروں جیسی چمک تھی اور چہرے پر وہ مسکراہٹ جو رئیس کے ہر دفاع کو تہس نہس کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ وہ ولی کی طرح اسے بگ بی کہنے لگی تھی۔ اسے بگ بی کہنا بہت اچھا لگتا تھا۔

"میری کال کیوں نہیں اٹھا رہے ہیں آپ؟ مجھے مجبوراً دوسرے نمبر سے فون کرنا پڑا۔"

اب بندہ اتنا بھی مصروف نہ ہو کہ فجر معراج کا دوسرا نمبر تک محفوظ نہ کر سکے۔

"اور تمہیں مجھے کال کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟" اس کی آواز سپاٹ اور سرد تھی، جیسے وہ اس غیر متوقع مداخلت سے سخت ناخوش ہو۔

"آف کورس! آپ کو دیکھنے کے لیے!" اس نے آنکھیں چھوٹی کیے شرارت سے کہا۔

رئیس نے گہری سانس بھری اور ہاتھ میں پکڑی بوتل واپس اس کی جگہ پر رکھی۔

فجر کی تیز نظروں نے بوتل کو دیکھ لیا تھا۔

ین کے

قریب ہو کر پوچھا۔ "میں نے سنا ہے یہ دنیا کی مہنگی ترین خوشبوؤں میں سے ایک ہے، جس کی بوتل کے ڈھکن پر ایک اصلی ہیرا جڑا ہوتا ہے۔ کیا یہ سچ ہے؟"

اس کے سوال میں تجسس ہی تجسس تھا جیسے چودہ سال کی عمر میں وہ اس سے، اس کی سلطنت کے بارے میں جان لینا چاہتی تھی۔

"ہاں، وہی ہے۔" اس نے مختصر، بے تاثر جواب دیا، جیسے یہ کوئی معمولی سی بات ہو۔ فجر کو اب سمجھ آیا تھا اس سے پہلے اس کی خوشبو کیسے پہنچ جاتی تھی۔

"یہ تو لمیٹڈ ایڈیشن تھا نا؟ صرف دس بوتلیں بنائی گئی تھیں۔ آپ کو کہاں سے ملا؟" وہ آنکھیں پھیلائے پوچھ رہی تھی۔

"نیلامی سے خریدا ہے۔" اس نے سکون سے جواب دیا۔

"کروڑوں میں ہے نا؟"

رئیس نے صرف کندھے اچکائے۔

"ویسے آپ کا کمرہ بہت خوبصورت ہے۔ نائس!" وہ دائیں بائیں جھانکتے ہوئے کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ بس نہیں چل رہا تھا لیپ ٹاپ سے باہر نکل آتی۔

"یہ بیڈ کتنے کا ہے اور وہ دیوار پر لگی پینٹنگ؟"

رئیس نے کمر پر دونوں ہاتھ رکھے اور جبڑے بھینچ کر اسے دیکھا۔ وہ منار فیشنز کی مالکن نہیں لگ رہی تھی۔ وللہ وہ یہاں ہوتی تو اسے گدی سے پکڑ کر باہر نکالتا۔

"اب یہ مت پوچھ لینا کہ رئیس اور نگزیب کتنے کا ہے؟" وہ ضبط کے آخری سرے پر پہنچ کر طنزیہ لہجے میں بولا۔

اس کی آنکھوں میں ایک لمحے کو چمک ابھری، مگر اس نے اپنی مسکراہٹ کو کمال مہارت سے دبا لیا۔

"آپس کی بات ہے،" اس نے اسکرین کے اور قریب چہرہ لاتے ہوئے رازداری سے پوچھا، "کیا قیمت ہے آپ کی؟"

"کم از کم فجر معراج افورڈ نہیں کر سکتی۔" اس نے اپنے **'ڈارک لارڈ'** ہونے کا پورا ثبوت دیا۔

(جھوٹا انسان، ایک مسکراہٹ پر بک گیا تھا)

فجر نے برا سا منہ بنایا۔

"خیر، بتاؤ فون کیوں کیا ہے؟" وہ اب اس سے جان چھڑانا چاہتا تھا۔

"میں لندن جا رہی ہوں۔" اس کی ہیزل آنکھوں میں دنیا جہان کی خوشی اور فخر امڈ آیا۔ چہرہ بلاوجہ ہی تمتما اٹھا۔

"اچھا۔۔۔" وہ اب بھی بے رخی سے کہیں اور دیکھ رہا تھا۔

"آپ کی مدد چاہیے۔"

"اب یہ مت کہنا کہ میں تمہیں اٹھا کر لندن چھوڑ آؤں، میرے پنکھ نہیں ہیں۔"

اس کے طنز پر فجر نے خفگی سے دیکھا۔ منحوس کے پاس پرائیویٹ جیٹ تو تھا نا؟ اگر پیشکش کر دیتا تو اس کا کیا چلا جاتا؟

"میں ایک بہت بڑے پروجیکٹ کے لیے جا رہی ہوں۔" اس نے پھر سے پرجوش ہوتے ہوئے بتایا۔

"تو مجھے کال کیوں کی ہے؟" وہ حیران ہوا۔

"تو کیا فواد خان کو کروں؟" اس بار وہ تپ گئی۔

"تم کر سکتی ہو۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"ویسے وہ آپ کا ایج فیلو ہے نا۔"

"تمہیں میری ایج سے کیا آبسیشن ہے؟" وہ چڑ گیا۔

"خود ہی کہا تھا میں تم سے سترہ سال بڑا ہوں میں چلا سکتا ہوں۔" اس کی نقل اتارتے ہوئے فجر نے یاد دہانی کروائی۔

رئیس کا چہرہ سرخ پڑ گیا اس نے بے ساختہ اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

"اگر میرے پاس آپشن ہوتا میں تب بھی رئیس اورنگزیب کو ہی کرتی!" اس کی آنکھوں میں خفگی ابھری اور لہجے میں ایک عجیب سامان در آیا۔

اس کا جملہ ایک تیر کی طرح تھا۔ سیدھا، بے خطا اور ٹھیک نشانے پر لگا۔

وہ ساکت ہو گیا۔ اس پوری گفتگو میں پہلی بار اس نے نظریں اٹھا کر سیدھا اسے دیکھا۔ کھلے بال بکھرے ہوئے تھے، وہ گردن اکڑائے اس پر یوں زعم کر رہی تھی جیسے وہ دنیا کا سب سے قیمتی اور قابلِ بھروسہ انسان ہو۔ ایک لمحے میں رئیس کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ اس سے بے رخی برتنے کے سارے ہتھیار جیسے خود بخود گر گئے۔ اس کے اندر کی جنگ ایک لمحے کو تھم گئی۔

"اچھا بتاؤ، کیا ہیلپ چاہیے؟" وہ اب مکمل سنجیدہ تھا۔ لیپ ٹاپ کو بہتر زاویے پر رکھتے ہوئے وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس کی آواز میں اب پہلے والی تلخی یا طنز کا شائبہ تک نہ تھا۔

فجر نے ایک گہری سانس لی۔

"ایمبر لائٹ اسٹوڈیوز نے مجھے اپنی اگلی تاریخی فلم کے لیے کاسٹیوم ڈائریکٹر کے طور پر مدعو کیا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ یہ پروجیکٹ مجھے ہر حال میں ملے۔"

رئیس نے کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھا۔ اب وہ ایک بزنس ٹائیکون تھا جو ایک باصلاحیت آرٹسٹ کو بین الاقوامی میدان میں قدم رکھنے کے گر سکھا رہا تھا۔

"ٹھیک ہے، سنو!" اس کی آواز میں ایک ٹھہراؤ اور ژرف نگاہی ابھری۔

"سب سے پہلے، اپنی پرجوش طبیعت کو ایک طرف رکھ دو۔ وہاں وہ تمہاری قابلیت پر تمہارا انتخاب کریں گے، تمہاری خوشی پر نہیں۔ پر اعتماد رہو، مگر بے تاب نہیں۔ انہیں یہ احساس دلاؤ کہ یہ تم یہ ڈیزور کرتی ہو، اس کی محتاج نہیں ہو۔"

فجر نے اثبات میں سر ہلایا۔

"دوسری بات!" رئیس نے اپنی انگلی اٹھائی۔ "یہ ایک تاریخی فلم ہے۔ تمہیں اس دور کو پینا ہو گا۔ صرف کپڑوں کے ڈیزائنز مت لے جانا، بلکہ اس عہد کی روح کو اپنے ساتھ لے جانا۔ وہاں کی سیاست، ثقافت، فنِ تعمیر، اور لوگوں کی نفسیات پر تحقیق کرو۔ تمہارا پورٹ فولیو صرف تمہارے کام کی نمائش نہیں بلکہ تمہاری سوچ اور وژن کی کہانی سناتا ہو۔ انہیں یہ دکھاؤ کہ تم نے **'پروجیکٹ رانیہ'** کیسے نہیں، بلکہ **'کیوں'** کامیاب بنایا تھا۔"

اس کی باتیں عملی اور گہری تھیں۔ فجر کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"اور سب سے اہم بات!" وہ لمحہ بھر کو رکا۔ "ڈائریکٹر کے وژن کو سمجھو۔ اس سے یہ مت پوچھو کہ اسے کیا چاہیے بلکہ یہ سمجھو کہ وہ کیسا محسوس کروانا چاہتا ہے۔ پھر اسے بتاؤ کہ تم اس کے وژن کو کپڑوں کے ذریعے کیسے حقیقت کا روپ دے سکتی ہو۔ اپنے آئیڈیاز ان پر تھوپنا مت بلکہ ان کے آئیڈیاز کو ایک نئی بلندی دینا۔ انہیں فجر معراج، ایک **ڈریس ڈیزائنر** نہیں چاہیے۔ انہیں فجر معراج، ایک **وژنری** چاہیے جو کپڑوں سے دنیا تخلیق کر سکے۔"

فجر کی آنکھوں میں تشکر اور اعتماد کی ایک نئی لہر ابھری۔

"میں ان سب باتوں کا خیال رکھوں گی۔"

وہ چودہ سالہ باغی فجر تھی اور وہ اکتیس سالہ رئیس اورنگزیب! اسے نصیحتیں کرتا ہوا اور وہ اس کی نصیحتیں اپناتی ہوئی۔

اس کے جواب پر رئیس کے ہونٹوں پر ایک بہت ہی ہلکا سا، تقریباً غیر محسوس تبسم آیا، جس میں تفاخر کا عنصر نمایاں تھا۔

"مجھے معلوم ہے تم رکھو گی۔ بس خود پر بھروسہ رکھنا۔"

اس ایک لمحے میں، کمرے کی خاموشی میں، ان دونوں کے درمیان فاصلے اور تلخیاں جیسے کہیں پیچھے رہ گئیں۔ لیپ ٹاپ کی اسکرین کے ایک طرف وہ تھی اپنے خوابوں کی دہلیز پر کھڑی اور دوسری طرف وہ، جو اپنی نفرت اور محبت کی جنگ کے باوجود اسے اس دہلیز کو پار کرتے ہوئے دیکھنا چاہتا تھا۔

✿••✿••✿••✿

ہیتھرو ایئرپورٹ کی شیشے کی دیواروں کے اس پار، شام کی دھند شہر کی جلتی بجھتی روشنیوں پر ایک پراسرار نقاب ڈال رہی تھی۔ ستمبر اپنی آخری سانسیں لے رہا تھا اور لندن نے خزاں کی بھوری، زرد اور نارنجی رنگوں سے بُنی چادر اوڑھ لی تھی۔ فضا میں ایک مانوس سی ٹھنڈک تھی، جس میں بھیگی مٹی اور سوکھے پتوں کی مہک رچی تھی۔ درختوں کی ٹہنیاں زرد پڑتے پتوں کے بوجھ سے جھکی ہوئی تھیں اور جب ہوا کا کوئی جھونکا آتا تو چند پتے رقص کرتے ہوئے زمین کی آغوش میں پناہ لے لیتے۔

فجر نے جیسے ہی ایئرپورٹ کے خودکار دروازوں سے باہر قدم رکھا ایک سرد لہر اس کے چہرے کو چھو کر گزر گئی۔ یہ لاہور کی خنکی سے مختلف تھی۔ اس میں ایک گہری خاموشی اور صدیوں پرانی تاریخ کا احساس تھا۔ اس نے بے

اختیار گردن اٹھا کر آسمان کو دیکھا۔ سرمئی بادلوں کے پیچھے سورج ایک دھندلے سے داغ کی طرح نظر آرہا تھا، جیسے کسی نے پگھلا ہوا سونا بادلوں پر مل دیا ہو۔

اس کے ساتھ کھڑا ولی پر سکون اور پر اعتماد تھا، جیسے کوئی اپنی ہی زمین پر لوٹا ہو۔ وہ اسکاٹش تھا، لندن اس کے لیے کوئی اجنبی سرزمین نہیں تھی بلکہ ایک ایسا شناسا شہر تھا جسے وہ پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ اس نے فجر کے چہرے پر پھیلے تاثرات کو پڑھا اور دھیمے سے مسکرایا۔

"یہاں کا موسم اکثر ایسا ہی رہتا ہے۔" اس کی آواز میں اپنائیت تھی۔ "خزاں کا لندن ایک اداس نظم کی طرح ہے، خوبصورت مگر خاموش۔!"

فجر نے اپنے اسکارف کو شانوں پر ذرا اور کس لیا۔ اس کی نظریں اب بھی لندن کے دھندلائے منظر پر جمی تھیں۔

"اداس نہیں، شاید گہرا۔" وہ دھیرے سے بولی۔ "اور گہرائی میں اترے بغیر تخلیق کہاں جنم لیتی ہے؟ خاموشی تو فن کا پہلا قدم ہے۔"

ولی نے اس کی بات کی گہرائی کو محسوس کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

"اور تم یہاں اسی تخلیق کے سفر کا آغاز کرنے آئی ہو۔"

کالی ٹیکسی انہیں لندن کی صاف ستھری سڑکوں سے لے کر کنسنگٹن کے ایک پر سکون علاقے میں پہنچی۔ ان کا ہوٹل وکٹورین طرز کی ایک سفید عمارت تھی جس کے داخلی دروازے پر سونے کے حروف چمک رہے تھے۔ لابی اندر سے گرم اور روشن تھی، جس میں لکڑی کے کام اور مخملی فرنیچر نے ایک آرام دہ ماحول بنا رکھا تھا۔

ولی نے کاؤنٹر پر با آسانی چیک اِن کے مراحل مکمل کیے جبکہ فجر لابی میں لگی ایک بڑی پینٹنگ کو دیکھنے لگی، جس میں لندن کی ٹیمز ندی کا منظر تھا۔ یہ شہر اسے اپنی طرف کھینچ رہا تھا، ہر کونے میں ایک کہانی چھپی محسوس ہو رہی تھی۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر ولی نے کھڑکی کے پردے ہٹائے۔ نیچے سڑک پر لوگ آجا رہے تھے اور عمارتوں کی روشنیاں رات میں جگنوؤں کی طرح چمک رہی تھیں۔

"میٹنگ کل صبح گیارہ بجے ہے۔" ولی نے اسے یاد دلایا۔ "تمہیں نروس ہونے کی ضرورت نہیں، تمہارا کام خود بولتا ہے۔"

فجر کھڑکی کے پاس آکر کھڑی ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں گھبراہٹ نہیں، بلکہ ایک چمک تھی۔ وہ چمک جو کسی بڑے امتحان سے پہلے خود پر یقین سے پیدا ہوتی ہے۔

"میں نروس نہیں ہوں۔" اس نے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں تیار ہوں۔ یہ منزل نہیں، شروعات ہے۔" وہ مسکرا دی۔ ان دونوں کے کمرے الگ الگ تھے۔ ولی اپنے کمرے میں جا چکا تھا۔ فجر بھی فریش ہونے لگی۔

کچھ دیر بعد دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ اس نے دروازہ کھولا تو سامنے وہ کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اس کے گلے میں کیمرہ تھا اور ہاتھ میں ایک پرانے طرز کا ٹیپ ریکارڈر۔

"اگر تھکی نہیں ہو تو تمہیں اصل لندن دکھانے لے چلوں؟" اس نے پیشکش کی۔ "لندن کو صرف ہوٹل کی کھڑکی سے نہیں دیکھا جاتا۔ اسے محسوس کرنے کے لیے اس کی رات میں اترنا پڑتا ہے۔"

فجر کی آنکھوں میں تجسس کی چمک ابھری۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"یہ کیمرہ میرے لیے ہے۔" اس نے اپنے گلے میں لٹکے کیمرے کی طرف اشارہ کیا، "اور یہ ٹیپ ریکارڈر تمہارے لیے۔ تم کہتی ہو نا خاموشی فن کا پہلا قدم ہے؟ تو اس شہر کی خاموشی کو، اس کی سرگوشیوں کو ریکارڈ کرو۔ شاید تمہاری تخلیق کو اس کی ضرورت پڑے۔"

فجر نے احتیاط سے وہ چھوٹا سا ٹیپ ریکارڈر تھام لیا۔ وہ ہوٹل سے باہر نکلے تو رات مزید بھیگ چکی تھی۔ کنسنگٹن کی سڑکوں پر گیس لیمپ اپنی سنہری دھند پھیلا رہے تھے، جس سے عمارتوں کے سفید ستون اور پالش کیے ہوئے کالے دروازے کسی پرانی پینٹنگ کا منظر پیش کر رہے تھے۔ ہوا میں ٹھنڈک اور پتوں کی مہک پہلے سے زیادہ گہری ہو گئی تھی۔ خاموشی اتنی تھی کہ انہیں اپنے قدموں کی چاپ اور پتوں کی سرسراہٹ صاف سنائی دے رہی تھی۔

"یہاں ہر عمارت کی اپنی ایک تاریخ ہے۔" ولی نے ایک وکٹورین گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا۔ "کچھ میں شاعر رہتے تھے، کچھ میں سیاستدان۔ یہ دیواریں صرف اینٹوں کی نہیں، وقت کی تہوں سے بنی ہیں۔"

وہ چلتے چلتے رک گئی۔ ارد گرد دیکھا۔

"ان گھروں میں کتنی کہانیاں قید ہوں گی۔ صدیوں کی ہنسی، آنسو، انتظار۔" وہ کسی خواب کی سی کیفیت میں بولی۔

ولی نے اپنا کیمرہ آنکھ سے لگایا۔ "ٹھہرو۔۔۔۔" اس نے کہا۔ "اسی طرح رہو۔ گیس لیمپ کی روشنی تمہارے چہرے پر بہت خوبصورت لگ رہی ہے۔"

"وہ پہلی لڑکی ہو گی جسے تم اپنے کیمرہ میں قید کرو گے۔" نینسی کی سرگوشی شہر میں پھیل گئی۔

وہ وہیں کھڑی رہی، اس کی نظریں سامنے ایک پرانی بالکونی پر جمی تھیں۔ کیمرے کے شٹر کی **کلک** کی آواز اس خاموشی میں ایک واضح دھڑکن کی طرح ابھری۔ وہ تصویر فجر کی نہیں تھی بلکہ اس لمحے کی تھی جس میں وہ، لندن کی رات اور تاریخ ایک ساتھ سانس لے رہے تھے۔

کچھ قدم آگے چل کر اس نے ہاتھ میں پکڑا ٹیپ ریکارڈر اوپر اٹھایا اور ریکارڈ کا بٹن دبا دیا۔ اس نے کچھ کہا نہیں، صرف رات کے گہرے سکوت، ہوا کی سرسراہٹ، اور دور سے آتی کسی گاڑی کی مدھم آواز کو اس ٹیپ میں قید کرنے لگی۔ وہ شہر کی دھڑکن سن رہی تھی، اس کی روح کو محسوس کر رہی تھی۔

ولی خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ اس کے چہرے پر ایک گہرا سکون تھا۔

"اس شہر میں ہر فنکار کو اپنی کہانی مل جاتی ہے۔" کچھ دیر بعد وہ بولا۔ "مجھے لگتا ہے تمہاری کہانی نے تمہیں ڈھونڈنا شروع کر دیا ہے۔"

فجر نے ریکارڈ کا بٹن آف کیا اور مسکرا دی۔ یہ مسکراہٹ سردی یا گھبراہٹ کی نہیں، بلکہ ایک نئی دنیا کی کھوج کے اطمینان سے پیدا ہوئی تھی۔ رات ابھی باقی تھی اور ان کے سامنے لندن اپنی تمام تر پراسراریت اور خوبصورتی کے ساتھ پھیلا ہوا تھا، جیسے کسی عظیم تخلیق کا پہلا باب!

✿••✿••✿••✿

اگلی صبح لندن کی ایک تاریخی سڑک پر واقع ایمبر لائٹ اسٹوڈیوز کی عمارت ان کا استقبال کر رہی تھی۔ سرخ اینٹوں سے بنی اس پرشکوہ عمارت کو سیاہ اور سفید پینلز نے جدید اور کلاسیکی فنِ تعمیر کا ایک حسین امتزاج بنا دیا تھا۔ عمارت

کا وقار ایسا تھا جیسے وقت نے اسے چھوا بھی ہو تو بہت نرمی سے۔ اندر قدم رکھتے ہی ایک پیشہ ورانہ سنجیدگی اور تخلیقی توانائی کا احساس ہوتا تھا۔ یہاں خوابوں کو حقیقت میں ڈھالا جاتا تھا۔

کانفرنس روم میں شیشے کی لمبی میز کے گرد فجر اور ولی اپنے پورٹ فولیو کے ساتھ بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے لندن کے مشہور فیشن ہاؤس ویرا اینڈ لنچ (Vera & Linch) کے ڈائریکٹر، جوناتھن لی اور فلم پروڈیوسر ایما کلارک موجود تھیں۔ جوناتھن ایک ادھیڑ عمر، سلجھے ہوئے شخص تھے جن کی آنکھوں میں تجربے کی گہرائی تھی جبکہ ایما کی تیز نظریں کسی بھی فن پارے کی روح تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔ ان کی نئی فلم، اس وقت شہر کا سب سے بڑا تخلیقی منصوبہ تھی۔

جوناتھن نے اپنی نگاہیں فجر پر مرکوز کیں۔

"مس معراج! آپ جس طرح کپڑے کی بناوٹ اور لباس کی ساخت کو استعمال کرتی ہیں۔ ہم نے جنوبی ایشیا سے ایسا کام پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ یہ بہت جرات مندانہ ہے، لیکن اس میں گہری سوچ بھی جھلکتی ہے۔"

فجر نے متانت سے شکریہ ادا کیا مگر وہ جانتی تھی کہ یہ محض تعریف نہیں، بلکہ امتحان کا پہلا سوال ہے۔

ایما کلارک نے بات کو آگے بڑھایا۔

"ہماری فلم ایک فرضی اور زوال پذیر سلطنت کی کہانی ہے۔ اس کے لیے ہمیں ایسے ملبوسات چاہئیں جو مستقبل کی جھلک بھی دیں اور ان کی جڑیں تاریخ میں بھی ہوں۔ ہم نے اس پروجیکٹ کے لیے تین ڈیزائنرز کی فہرست بنائی تھی اور آپ کا اسٹوڈیو ان میں سے ایک ہے۔"

ولی نے مکمل پیشہ ورانہ اعتماد کے ساتھ پروجیکٹ کی ضروریات، بجٹ اور وقت کی تفصیلات پر بات شروع کی جبکہ فجر خاموشی سے ایما کی آنکھوں کا جائزہ لے رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ ان انگریز آنکھوں میں بیک وقت تجسس اور شک دونوں موجود تھے۔ میٹنگ کافی لمبی چلی۔

پھر وہ لمحہ آیا جب فجر نے اپنے پچھلے کلیکشن کی تصاویر اور ویڈیوز پیش کیں۔ اسکرین پر جب رومانی عہد کے لباس جدید کڑھائی اور مستقبل کے ڈیزائن سے مل کر ایک نئی دنیا تخلیق کر رہے تھے تو کمرے میں گہری خاموشی چھا گئی۔ یہ وہ خاموشی تھی جو کسی فیصلے سے پہلے طاری ہوتی ہے۔

خاموشی کو جوناتھن کی آواز نے توڑا۔

"اب ہمیں اس فہرست کی مزید ضرورت نہیں۔ جس کی ہمیں تلاش تھی، وہ ہمیں مل گیا ہے۔"

ایما کلارک کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس نے سیدھا فجر کی طرف دیکھا۔

"مس معراج! ہم آپ کو چاہتے ہیں۔ بطور ہیڈ ڈیزائنر۔ آپ ویرا اینڈ لنچ کے ساتھ ہماری وارڈروب پارٹنر کے طور پر کام کریں گی۔ دنیا آپ کا فن دیکھے گی۔"

اسے خود پر بھروسہ تھا۔ وہ اس فلم کا حصہ ضرور بنے گی چاہے وہ چھوٹا ہی کیوں نہ مگر یہ خبر سنتے ہی وہ کئی پلوں کے لیے ساکت رہ گئی۔ مس ایما نے فجر سے جبکہ جوناتھن نے ولی سے ہاتھ ملایا۔ جب پروجیکٹ انہیں مل گیا تھا تب ولی نے اپنا تعارف کروایا۔ وہ اسٹار لائٹ اسٹوڈیو کے مالک جوزف پیٹرسن کا بیٹا تھا۔ جوناتھن اور ایما دونوں پل بھر کو ساکت رہ گئے۔

"آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟" وہ چاہتا تو ریفر کر سکتا تھا۔

"میری وائف یہاں تک اپنی قابلیت کے بل پہ پہنچی ہیں۔ انہیں میرے ریفرنس کی ضرورت نہیں۔" اس کے لہجے میں اعتماد ہی اعتماد تھا۔ فجر وہاں سے آگے بڑھ چکی تھی۔

ولی کا انداز، اس کا سکاٹش ہونا، وہ ان انگریزوں کو کافی حد تک مطمئن کر گیا تھا۔

جب وہ دونوں اسٹوڈیو سے باہر نکلے تو لندن کی سڑک پر خزاں کی وہی ہوائیں چل رہی تھیں مگر اب ان ہواؤں کا احساس بدل چکا تھا۔ اب ان میں سردی نہیں، بلکہ ایک نئی امید کی گرمی تھی۔

اس نے چلتے چلتے فجر کی طرف دیکھا، اس کے چہرے پر فخر اور خوشی کا ملا جلا تاثر تھا۔

"تو اب تم صرف منار فیشنز کی روحِ رواں نہیں بلکہ ایک بین الاقوامی فلم کا چہرہ بھی ہو۔"

فجر کی آنکھوں میں ایک گہری روشنی ابھری مگر یہ کامیابی کے غرور کی نہیں بلکہ اس اندرونی چمک کی تھی جو بڑی آزمائشوں سے گزرنے کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ اس نے اپنی نگاہیں لندن کی بلند و بالا عمارتوں پر دوڑائیں۔

یہ شہر ایک نئے جال کی بنیاد بننے جا رہا تھا۔ مگر اس بار عنکبوت اوجھل نہیں تھا، وہ سب کے سامنے تھا، اپنی تقدیر کا جال خود بُننے کے لیے تیار! اب دیکھنا یہ تھا کہ یہ جال کتنا مضبوط تھا۔

✿••✿••✿••✿

کامیابی کی گرمجوشی نے لندن کی سرد شام کو بھی خوشگوار بنا دیا تھا۔ وہ دونوں کنسنگٹن کے اس ہوٹل سے ملحق ایک اطالوی ریستوران میں بیٹھے تھے، جس کی مدھم روشنیاں اور دھیمی موسیقی ایک پرسکون ماحول بنا رہی تھیں۔ شیشے کی بڑی کھڑکی سے باہر سڑک پر تیز ہوائیں چل رہی تھیں اور لوگ اپنے کوٹوں میں سمٹے تیزی سے گزر رہے تھے۔ فجر نے اپنا کوٹ کرسی کی پشت سے ٹکا دیا تھا اور وہ بھی اپنا اوور کوٹ اتار چکا تھا۔

"تو، ایک بین الاقوامی فلم کی ہیڈ ڈیزائنر، کیسا محسوس ہو رہا ہے؟" ولی نے مسکراتے ہوئے پانی کا گلاس فجر کی طرف بڑھایا۔ اس کی آنکھوں میں خالص فخر اور ستائش تھی۔

فجر نے ایک لمحے کے لیے کھڑکی سے باہر دیکھا، جہاں خزاں کے پتے ہوا میں ناچ رہے تھے۔

"بہترین!" وہ مسکرائی۔

"میڈم! پھر تو اس جشن کو منانا چاہیے۔" ولی نے مینیو اٹھاتے ہوئے کہا۔ "بتائیں کیا کھائیں گی؟" اس نے مینیو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ سفید ڈریس شرٹ، کہنیوں تک فولڈ کف، اور گہرے کتھئی! وہ آج بھی اتنا ہی اچھا لگ رہا تھا۔ فجر، مٹھی پر ٹھوڑی ٹکائے اسے دیکھ رہی تھی۔

"جو آپ کھلا دیں!" خوبصورت سے بندھے اس کے بال اور ان سے نکلتی چند لٹیں۔

ابھی وہ مینو دیکھ ہی رہے تھے کہ ولی کے فون نے میز پر تھرتھراہٹ پیدا کی۔ اس نے اسکرین پر نام دیکھ کر نظر انداز کر دیا۔ فون خاموش ہوا، مگر چند لمحوں بعد پھر سے بجنے لگا۔ اس بار اس کی تھرتھراہٹ میں زیادہ بے چینی تھی۔

"کوئی ضروری کال ہو سکتی ہے۔" فجر نے نرمی سے کہا۔

ولی نے ایک لمبا سانس لیا اور فون اٹھا لیا۔ اس کے ماتھے پر بل پڑ چکے تھے۔

"اب کیا آفت آ گئی؟" وہ دانت بھینچے بولا۔

دوسری طرف سے کچھ کہا گیا جو فجر کو سنائی نہ دیا۔

"میں اپنی بیوی کے ساتھ ڈنر پر ہوں۔ تمہیں بعد میں کال کرتا ہوں۔" وہ فی الوقت نیل کے ڈرامے نہیں سن سکتا تھا۔

"واہ! بیوی کیا ملی، تم دوست کو بھول گئے؟" دوسری طرف سے آواز آئی، جس میں شکایت اور ڈرامائی پن بھرا ہوا تھا۔ "میں تمہارے ہوٹل کے باہر ٹھنڈ میں ٹھٹھر رہا ہوں اور تم عیش کر رہے ہو؟ تم ہو ہی منحوس آدمی! مطلب پرست۔۔۔" اس کے الزامات کا سلسلہ رکنے والا نہیں تھا۔

یہ سنتے ہی ولی کے چہرے کے تاثرات ایک دم بدل گئے۔

"کیا مطلب؟ تم۔۔۔ تم لندن میں ہو؟"

"ہاں! تم سے ملنے آیا ہوں۔ تمہیں تو میری یاد آتی نہیں، سوچا میں ہی سرپرائز دے دوں۔" وہ جل بھن گیا تھا۔

ولی نے ماتھے پر ہاتھ پھیرا اور پھر فجر کو دیکھا، اس کے بعد اس نے ریستوران کا نام بتا دیا کچھ دیر بعد، ریستوران کا دروازہ کھلا اور ایک نوجوان اندر داخل ہوا۔ اس کے بال سیاہ تھے، آنکھوں میں بلا کی چمک تھی اور چال میں ایک لاپرواہ سی توانائی۔ وہ سیدھا ان کی میز کی طرف آیا۔ وہ نیل تھا۔ سکاٹ لینڈ میں پیدا ہونے والا ایک ہندوستانی!

ولی اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ نیل سیدھا آیا اور پھر بنا کچھ کہے اس سے چپک گیا۔ اب وہ یوں چپکے کھڑا تھا جیسے اس کی برسوں بچھڑی گرل فرینڈ ہو۔ باہر کی نسبت اندر سکون تھا اور اسے یہ سکون بھلا لگا۔ ولی اس کی حرکت پر دھیرے سے مسکرایا۔

بیوی کے لیے شوہر کا دوست، سوتن سے کم نہیں ہوتا۔ فجر بھی اسے کچھ ایسی ہی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"اب بس بھی کرو۔" اس کی آواز پر نیل پیچھے ہٹا اور پھر فجر کی جانب متوجہ ہوا۔

فجر اور نیل نے ایک دوسرے کو ایسے دیکھا جیسے تنازعہ کے بعد ایک انڈین اور ایک پاکستانی ایک دوسرے کو دیکھ سکتے ہیں۔ ایک سرد شناسائی، جس میں تجسس بھی تھا اور فاصلہ بھی۔ فجر، ٹیپ ریکارڈر کے ذریعے نیل کو جانتی تھی۔

اور نیل کے لیے وہ، وہ پاکستانی ڈائن تھی جس نے اس کے دوست کو خوار کیا تھا۔ دونوں میں رسمی سی ہیلو ہائے ہوئی۔

چوکور میز کی ایک جانب فجر تھی، دوسری جانب نیل اور ان کے درمیان ولی۔

"تم نے بتایا کیوں نہیں کہ تم آرہے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"بتاتا تو تمہارے **'بیوی'** کے ساتھ ڈنر کا پلان کیسے خراب کرتا؟" اس نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا اور پھر فجر کی طرف مڑا۔ "ویسے مبارک ہو، سنا ہے آپ نے لندن فتح کر لیا ہے۔ منار فیشنز اب بین الاقوامی ہو گیا ہے۔"

"شکریہ!" وہ بس اتنا ہی کہہ پائی۔

"ویسے یہ قابلیت کے بل بوتے پر ہے یا۔۔۔" وہ جان بوجھ کر پنگا لے رہا تھا۔

"کچھ لوگوں کو اپنی قابلیت منوانے کے لیے صرف کام کی ضرورت پڑتی ہے، جذباتی بلیک میلنگ کی نہیں۔" فجر کا جواب تیر کی طرح لگا۔ اس کا اشارہ صاف نیل کے **'سرپرائز'** کی طرف تھا۔ اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"تم نے بتایا نہیں تھا کہ تمہاری بیوی صرف کپڑے ہی نہیں، لفظوں سے بھی لوگوں کو ادھیڑ دیتی ہے؟" اس نے ولی کو دیکھا۔

"اب اگر کوئی خود کو ادھڑوانا چاہے تو کیا کیا جا سکتا ہے۔" ولی سے پہلے اس نے جواب دیا۔ کھانا کہیں پیچھے رہ گیا۔ ایک انڈین اور ایک پاکستانی، اپنے نیوز چینلز کی طرح ایک دوسرے پر حملے کر رہے تھے۔

"وہ منار فیشنز کی سی ای او ہے، نیل! اور تم ایک کیفے کے مالک ہو۔ دونوں میں فرق ہوتا ہے۔" ولی نے دونوں کے بیچ صلح کروانے کی ناکام کوشش کی۔

"بالکل فرق ہوتا ہے!" نیل فوراً بولا۔ "میرا کیفے لوگوں کو جوڑتا ہے، انہیں خوشی دیتا ہے۔ اور فیشن۔۔۔؟ فیشن تو لوگوں میں احساسِ کمتری پیدا کرتا ہے۔" اس نے فاتحانہ انداز میں فجر کو دیکھا۔

فجر نے اپنی کرسی پر پہلو بدلا اور پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"اگر فیشن احساس کمتری پیدا کرتا تو میں آج یہاں نہ ہوتی اور تم اپنے دوست سے ملنے نہ آتے۔"

اب ماحول ایک دلچسپ جنگ کا میدان بن چکا تھا۔ ولی سر پکڑ کر بیٹھ گیا، اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ لاہور اور ایڈنبرا کے بیچ چھڑی اس لفظی جنگ کو کیسے روکے۔

"ہاں ٹھیک کہا۔ میں یہاں صرف اپنے دوست سے ملنے آیا ہوں۔ ہماری دوستی کا گواہ پورا ایڈنبرا ہے۔" وہ چڑ کر بولا۔ بس نہیں چل رہا تھا اس ہیزل آنکھوں والی ڈائن کو اٹھا کر باہر پھینک دے۔ کمبخت جب سے ان کی زندگی میں آئی تھی کچھ بھی پہلے جیسا نہیں رہا تھا۔

"میں تمہاری دوستی کو نہیں، پروفیشنلزم کو جانتی ہوں۔" اس نے سکون سے جواب دیا۔ "اور ایک کامیاب پروجیکٹ دوستوں کے ساتھ گپ شپ سے نہیں بلکہ لگن اور محنت سے ملتا ہے۔"

وہ دونوں ہمرے کو شعلہ فشاں نظروں سے گھور رہے تھے۔ ایک منار فیشنز کی مالک تھی، دوسرا نیلز کیفے کا، مگر لڑ ایسے رہے تھے جیسے سینڈوچ پر لڑنے والے دو بچے۔ اور سینڈوچ ہونق بنا انہیں دیکھ رہا تھا۔

آخر کار تنگ آ کر اس نے میز پر زور سے ہاتھ مارا۔

"خدا کے لیے بس کرو! تم دونوں نے میری ڈنر ٹیبل پر واہگہ بارڈر بنا دیا ہے!" اس کی آواز میں بے بسی اور جھنجھلاہٹ تھی۔

"نیل، تم چپ چاپ بیٹھو اور کھانا آرڈر کرو۔ اور فجر، تم اسے اگنور کرو۔ یہ پیدائشی ڈرامہ کوئین ہے۔" اس نے **کوئین** پر زور دیا۔

ولی کے اس جملے پر فجر کے ہونٹوں پر دبی دبی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور نیل نے بھی مصنوعی غصے سے منہ پھلا لیا۔ سرد جنگ کچھ دیر کے لیے تھم گئی تھی مگر ہوا میں اڑتے ہوئے لفظوں کی تپش اب بھی باقی تھی۔ ولی نے سکون کا سانس لیا۔ یہ جشن دو لوگوں کا تھا، مگر اب یہ تین لوگوں کی ایک ایسی شام بن چکا تھا جس میں کامیابی کی خوشی بھی تھی، دوستی کی شرارت بھی اور ایک نئی، انوکھی رقابت کی پہلی دستک بھی۔

✿••✿••✿••✿

کمرے کی خاموشی میں صرف گھڑی کی سوئیاں سرکنے کی آواز گونج رہی تھی۔ باہر کی دیوار پر شام کی سنہری دھوپ آخری ہچکیوں پر تھی۔ ارسل ایک موٹے شیشوں والے کمرے میں میز پر جھکا بیٹھا تھا، جیسے خود پر بوجھ لادے ہو۔ اس کی آستینیں کہنیوں تک چڑھی تھیں، جبڑے سختی سے بھنچے، اور آنکھوں کے نیچے نیند کی محرومی کے گہرے سائے۔

فجر کے ہاتھوں ہوئی ذلالت وہ آج تک نہیں بھولا تھا۔ ولی کے تھپڑ اسے سونے نہیں دیتے تھے۔ اس کی زندگی حرام ہو گئی تھی۔ مر جانا چاہتا تھا مگر اپنے والدین کے لیے زندہ رہنا تھا۔

مگر ان سب سے بھی زیادہ خوفناک تھا وہ سکوت جو اس کے اندر پل رہا تھا۔ ایک ایسا سکوت جو نہ تو چیخنے دیتا ہے نہ رونے۔

میز پر ایک بھورا پارسل صبح سے رکھا تھا۔ اس پر کوئی لیبل نہیں تھا، بس اسکا نام لکھا تھا۔ وہ کئی بار اسے دیکھ چکا تھا، جیسے اس سے نکلنے والی کوئی غیر مرئی کشش اسے کھینچ رہی ہو، مگر وہ اب تک کام میں مگن ہونے کی وجہ سے نہیں کھول پایا تھا۔

مگر اب تھکن ایک بار پھر غالب آچکی تھی۔ تذلیل کا زہر پھر سے دل میں اترا۔ فجر کا انکار، ولی کی برتری، اپنی شکست، سب اسے اندر سے کھوکھلا کر چکا تھا۔

اس نے آہستگی سے پارسل اٹھایا، دھڑکتے دل سے اس کی گرہیں کھولیں۔ جیسے جانتا ہو کہ یہ کوئی عام لفافہ نہیں۔ جیسے یہ بہت کچھ بدلنے والا ہو۔ اس کی چھٹی حس اعلان کر رہی تھی۔

جیسے ہی پارسل کھلا، پرانی تصاویر اس کے سامنے بکھر گئیں۔

کچھ میز پر گریں، کچھ اس کی جھولی میں آ گئیں۔ کمرہ اچانک سرد محسوس ہوا، جیسے وقت تھم گیا ہو۔

اس نے ایک تصویر اٹھائی۔ آنکھیں اسے چھونے کے لمحے حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

تصویر میں فرقان گردیزی تھا۔ اس کا چچا۔ جنہیں وہ بہت چاہتا تھا۔ مگر اس کے ساتھ کھڑی لڑکی۔۔۔ وہ؟ وہ فجر نہیں تھی، لیکن فجر جیسی تھی۔

نقش ویسے، ناک کی ساخت، ہونٹوں کی نرم سی قوس۔۔۔ ہر چیز ایک جیسی تھی۔

مگر کچھ مختلف تھا۔ جیسے وقت کی دھند سے ابھری کوئی پرچھائی۔ پھر اس کے ذہن میں جھماکہ ہوا۔

"منار معراج!"

فجر کی وہ بہن جو مر چکی تھی۔ جس کا اس کے چچا کے ساتھ تعلق رہا تھا۔ اس کے باپ کے مطابق اس کے چچا کی حالیہ حالت کی زمہ دار وہی تھی۔

ایک ایک تصویر اس نے جھپٹے میں اٹھا کر دیکھنی شروع کی، جیسے کسی ادھ کھلی قبر سے سچ نکالنے کی کوشش کر رہا ہو۔

پھر ایک تہہ لگا کاغذ نظر آیا۔ نیا نکور کاغذ!

اس کے ہاتھ لرز رہے تھے۔ پھر کاغذ کھلا۔ پہلا لفظ جو سامنے آیا۔

"DNA Analysis Report"

اس کی آنکھوں کے آگے دھند چھا گئی۔

سانس حلق میں اٹک گیا۔

لائنیں دھندلا رہی تھیں، لیکن ایک نام بار بار چمک رہا تھا۔

"Furqan Gardizi-Biological Father"

"Fajar Maraj- Subject Child"

ڈی این اے رپورٹ سے ثابت ہوتا تھا کہ فجر، فرقان گردیزی کی بیٹی تھی۔

ایک خالی پن، ایک خوف، ایک صداقت جیسے خنجر کی طرح اس کی چھاتی کے بیچوں بیچ پیوست ہو گئی۔

وہ جو تصویریں دیکھتے وقت کھڑا ہو چکا تھا۔ اس کے ہاتھ سے رپورٹ چھوٹ کر میز پر گر گئی۔

کمرے کی ہوا جیسے بھاری ہو گئی۔

دیواریں قریب آ رہی تھیں۔

روشنی دھندلا رہی تھی۔

سانس لینے میں مشکل ہونے لگی۔

"نہیں۔۔۔ یہ ممکن نہیں۔۔۔"

مگر سب کچھ سامنے تھا۔

فجر، معراج الدین کی بیٹی نہیں تھی۔

وہ فرقان گردیزی کی بیٹی تھی۔

یعنی۔۔۔ اُس کی چچازاد۔۔۔ نہیں۔۔۔

نہیں، یہ سچ نہیں ہو سکتا!

"فجر۔۔۔ فجر۔۔۔ منار اور فرقان۔۔۔؟ نہیں! یہ سب جھوٹ ہے!"

وہ لڑکھڑا گیا۔ جیسے کسی نے زمین کھینچ لی ہو۔

وہ میز کے کنارے پر ہاتھ رکھ کر سنبھلنے کی کوشش کر رہا تھا۔

مگر اندر جیسے ہر چیز شکستہ ہو چکی تھی۔ اس کے باپ نے اس سے یہ سب چھپایا تھا لیکن کیوں؟

"آخر کیوں؟" وہ چلا اتھا۔

آواز میں لرزش، آنکھوں میں نمی اور چہرے پر تباہی تھی۔

اسے سب یاد آرہا تھا، بچپن، خاندان کی خاموشیاں، منار کا نام جسے ہمیشہ ایک راز کی طرح لیا گیا۔ جسے تباہی گردانہ گیا۔ جسکی وجہ سے فجر کو اس سے دور کیا گیا اور اب یہ راز پوری شدت کے ساتھ پھٹ چکا تھا۔

کمرہ اب دفتر نہیں، عدالت بن چکا تھا۔

جہاں وہ سچائی کے کٹہرے میں کھڑا، اپنے باپ کو مجرم ماننے پر مجبور تھا۔

✿••✿••✿••✿

کمرے میں ایک سنّاٹا تھا، مگر وہ خاموشی نہیں تھی۔ وہ انتظار کی دھمک تھی۔ وہ لمحہ جو سالوں سے دبایا گیا، آج لفظ بننے والا تھا۔ برہان گردیزی اپنی مخصوص اونچی کرسی پر بیٹھا تھا۔ کندھوں پر ایک شاہانہ شال، ہاتھ میں چائے کا کپ، سامنے روشن شمع، اور چہرے پر وہی سنگین خاموشی جس سے کبھی کوئی سوال ٹکرا نہیں سکا۔

مگر آج دروازہ دھڑام سے کھلا تھا۔

ارسل اندر داخل ہوا۔ تھکے قدم، مگر لہراتا ہوا وجود۔

ہاتھ میں وہی ڈی این اے رپورٹ، آنکھوں میں خون اتری ہوئی تیز روشنی، اور سینے میں ایک ایسا طوفان جو برسنے والا تھا۔

برہان گردیزی نے سر اٹھایا۔

بیٹے کی آنکھوں میں کچھ تھا۔ وہ پرانی فرمانبرداری نہیں، وہ مروت نہیں، بلکہ شعلہ تھا۔

"آپ نے میری زندگی برباد کر دی بابا!"

کمرے میں گونجتی آواز، لکڑی کی دیواروں سے ٹکرا کر جیسے صدائیں بن گئی۔ اس میں درد تھا، تکلیف تھی، ٹوٹا ہوا مان تھا۔

برہان گردیزی نے سکوت سے اس کی طرف دیکھا۔ کوئی تاثر نہ دیا، بس ساکت رہا۔

ارسل دو قدم آگے بڑھا۔

"آپ جانتے تھے کہ فجر کون ہے۔ آپ جانتے تھے وہ منار کی ہمشکل ہے، فرقان چچا کی بیٹی ہے، ہمارا خون ہے۔ پھر بھی آپ نے اسے ٹھکرا دیا؟ کیوں؟"

اس کے ہاتھوں میں تھامی رپورٹ لرز رہی تھی۔

"آپ نے کہا، ہم معراج الدین کی اولاد کو اپنے دروازے پر قبول نہیں کریں گے۔ مگر یہ۔۔۔ وہ تو آپ کے ہی خاندان کی بیٹی تھی! آپ نے کیوں چھپایا مجھ سے؟ آپ نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟"

برہان گردیزی کی آنکھیں ذرا سکڑیں، جیسے صدیوں پرانے کسی زخم کو چھو لیا گیا ہو۔ ارسل کی آواز بلند ہو رہی تھی، جذبات کے بے قابو ریلا میں بدلتی جا رہی تھی۔

"میں اس سے محبت کرتا تھا۔ آپ نے یہ جان کر بھی میری زندگی کو ایک سیاسی کھیل بنا دیا؟ میں کوئی وارث تھا یا کوئی مہرہ؟"

برہان نے آخر کار آہستگی سے چائے کا کپ رکھ دیا۔

"محبت سب کچھ نہیں ہوتی، ارسل!"

"محبت سب کچھ ہوتی ہے بابا! کم از کم میرے لیے سب کچھ تھی۔"

اس کی آواز میں وہ تکلیف تھی جو مرد روتے ہوئے نہیں، بکھرتے ہوئے دکھاتے ہیں۔

"آپ نے مجھے کیا سے کیا بنا دیا۔" اسے اب اپنا آپ نظر آنے لگا تھا۔ بے ساختہ اپنا سر پکڑ لیا۔

"آپ نے فرقان چچا کی بیماری کو اپنی جیت سمجھا اور اورنگزیب خاندان سے دشمنی کو اپنی جنگ۔ مگر درمیان میں ہم بچے کیا تھے؟ بیج یا لاشیں؟"

برہان کے چہرے پر پہلی بار ہلکی لرزش آئی، جیسے وقت کے پردے پھٹ رہے ہوں۔

ارسل آگے بڑھا، میز پر رپورٹ پھینکی۔

"یہ ہے آپ کا سچ۔ اور یہی ہے میری بربادی کا آغاز۔ آپ کے فیصلے نے مجھ سے فجر کو چھین لیا۔ کیا آپ کو کبھی افسوس ہوا؟"

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ برہان گردیزی نے نظریں نہیں جھکائیں۔

"میں نے جو کیا، خاندان کے لیے کیا۔۔۔ تمہارے لیے بھی۔"

"جھوٹ! آپ نے جو کیا، اپنی انا کے لیے کیا۔ اور میں، میں آج پہلی بار آپ سے سوال کر رہا ہوں۔ برہان چچا کے ساتھ کیا ہوا تھا؟"

"وہ سب جاننے کے لیے تم ابھی بچے ہو ارسل!"

"نہیں۔۔۔۔ میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ آپ نے مجھے بوڑھا کر دیا۔ میرے کندھے جھک گئے ہیں بابا! دیکھیں میں اپنی نظروں میں گر گیا ہوں۔"

"میں تمہارا باپ ہوں۔ تم میرے بیٹے ہو۔ تم میرے وارث ہو!" ان کے لہجے میں سختی در آئی۔

"میں وارث نہیں بننا چاہتا۔ میں صرف وہ مرد بننا چاہتا تھا جسے فجر قبول کرتی اور آپ نے وہ بھی چھین لیا۔"

وہ اپنی آستین سے آنکھیں صاف کرتے، ڈی این اے رپورٹ وہیں پھینکتے ہوئے باہر نکل گیا۔ پیچھے بیٹھے برہان گردیزی کی بھنویں سکڑ گئیں۔ ان کا دماغ جھنجھنا اٹھا تھا۔ اتنا بڑا راز آخر کون جانتا تھا؟

✿••✿••✿••✿

باقی کا کھانا غیر معمولی خاموشی میں کھایا گیا۔ ماحول میں تناؤ ایسا تھا کہ اسے چھری سے کاٹا جا سکتا تھا۔ البتہ فجر نے اس خاموشی کا بھرپور فائدہ اٹھایا۔ وہ ہر دو نوالوں کے بعد ایک جتاتی نظر نیل پر ڈالتی۔ نیل غصے سے پاستا میں کانٹا گھماتا رہا، اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس ہیزل آنکھوں والی ڈائن کو اٹھا کر پاکستان واپس پھینک سکتا۔

کھانے کے بعد وہ ریستوران کی گرمائش سے نکل کر لندن کی سرد رات میں آ گئے۔ تیز، یخ بستہ ہوا نے ان کا استقبال کیا۔ فجر نے فوراً اپنے کوٹ کے بٹن بند کیے اور گرم اسکارف اپنی گردن اور کانوں کے گرد مزید کس کر لپیٹ لیا۔ ولی نے اپنا اوور کوٹ پہنتے ہوئے ان دونوں کو دیکھا جو ایک دوسرے سے نظریں پھیرے ہوئے تھے۔

"تھوڑی واک کرتے ہیں، پھر کہیں بیٹھ کر کافی پیئیں گے۔" اس نے تجویز دی۔

باہر نکلتے ہی نیل نے ایک قدم آگے بڑھایا اور ولی کا بازو مضبوطی سے پکڑ لیا، وہ جان بوجھ کر فجر کو چڑانا چاہتا تھا۔ فجر نے اپنی نظروں کی تپش اس کی پشت پر مرکوز کر دی۔ ولی نے یہ محسوس کرتے ہوئے ایک لمبا سانس لیا اور نیل کو

نرمی سے کھینچ کر اپنی دوسری جانب کر لیا۔ اب وہ ان دونوں کے درمیان ایک انسانی دیوار کی طرح چل رہا تھا، ایک طرف بیوی، دوسری طرف بیوی نما دوست! ایک طرف انڈیا دوسری طرف پاکستان!

فجر نے کورٹ شوز پہن رکھے تھے اور اس کا بڑا سا چمڑے کا بیگ کندھے سے لٹک رہا تھا۔

"تم واپس کب آ رہے ہو؟" نیل نے بغیر کسی تمہید کے فوراً پوچھا۔

"کچھ ٹائم اور۔۔۔" ولی نے آہستگی سے جواب دیا۔

"واپس؟ لیکن کہاں؟" فجر کے کان کھڑے ہوئے۔ وہ ٹھٹھک کر رک گئی۔

"سکاٹ لینڈ، اپنے ملک، اور کہاں؟" نیل نے منہ بنا کر جواب دیا، جیسے یہ دنیا کی سب سے واضح بات ہو۔ فجر نے ولی کو دیکھا، اس کی آنکھوں میں سوالات کا طوفان تھا۔

"تم سکاٹ لینڈ واپس چلے جاؤ گے؟" ان کی کبھی اس موضوع پر بات نہیں ہوئی تھی۔ اس سے پہلے کہ ولی جواب دیتا، نیل بول پڑا۔

"چار سال ہو گئے ہیں اسے آپ کی وجہ سے خوار ہوتے ہوئے، اب تو آپ کو مان جانا چاہیے۔"

چار سال ہونے والے تھے ان کے نکاح کو، اور نیل صحیح کہہ رہا تھا۔

"تو کیا مجھے بھی سکاٹ لینڈ جا کر رہنا ہو گا؟" وہ اب بھی ولی کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے لہجے میں عجیب سی سرد مہری تھی کہ ولی کو لگا وہ کسی بھی لمحے بارود کی طرح پھٹ سکتی ہے۔

"لڑکیاں اپنے سسرال میں ہی اچھی لگتی ہیں!" نیل نے ایک فسادی ساس کی طرح آگ لگائی۔

ولی نے ایک قدم آگے بڑھایا اور فجر کے قریب ہوا۔

"مجھے پاکستان پسند آگیا ہے۔ میں تمہارے ساتھ وہیں رہ لوں گا۔" اس نے بارود پر سیفٹی پن لگادی۔ فجر کے چہرے پر ایک دم چمک لوٹ آئی، جیسے سرد رات میں کہر چھٹ گیا ہو۔ اس نے گردن موڑ کر نیل کو ایک فاتحانہ نظروں سے دیکھا۔

البتہ وہ، ولی کی بات پر بدک اٹھا تھا۔

"تم یوں نہیں مکر سکتے ولیم!" اس نے آگے بڑھ کر ولی کو بازو سے پکڑ کر اپنی جانب کھینچا۔ "تم نے واپس آنے کا وعدہ کیا تھا۔ ہم تمہاری راہ تک رہے ہیں۔ تم نے کہا تھا دلہن واپس لے کر آؤ گے۔ تمہیں شرم نہیں آئے گی، پاکستانی داماد بن کر وہیں رہتے ہوئے؟" وہ اسے غیرت دلانے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا۔

"پاکستان اتنا بھی برا نہیں ہے! تم کیوں مجبور کر رہے ہو؟" فجر آگے بڑھی۔ انڈیا اور پاکستان ایک بار پھر بیچ سڑک پر آمنے سامنے تھے۔

نیل نے بے یقینی سے ولی کو دیکھا۔

"مجھے تمہاری مدد کرنی ہی نہیں چاہیے تھی۔ تمہیں اردو ہندی نہیں سکھانی چاہیے تھی۔ تم ایک نمبر کے احسان فراموش ہو۔" وہ خفگی سے کہتا ہوا ان سے چند قدم آگے نکل گیا۔

ولی کو اس وقت کچھ بھی کہنا فضول لگا۔ وہ فجر کی جانب مڑا تاکہ وہ آگے بڑھ سکیں۔ فجر نے کندھے اچکائے اور آگے بڑھ گئی۔ کچھ دیر مزید چلنے کے بعد اسے اپنے پیر ہیلز میں ٹوٹتے ہوئے محسوس ہوئے۔ وہ رک گئی۔

"میں مزید نہیں چل سکتی، مجھے جوتے تبدیل کرنے ہیں۔" وہ فٹ پاتھ کے قریب رکھے ایک سنگی بینچ پر بیٹھ گئی۔ ولی اور نیل بھی رک گئے۔ نیل اب بھی منہ ہی منہ میں بڑبڑا رہا تھا۔

فجر نے اپنے کورٹ شوز اتارے اور اپنے بڑے سے بیگ سے اسنیکرز نکالے جو اس نے احتیاطاً رکھ لیے تھے۔ وہ دونوں خاموش کھڑے تھے۔

"تم بالکل بدل گئے ہو ولیم! تم وہ آدمی نہیں ہو جو میرا دوست ہوا کرتا تھا۔" نیل اب شکوے کر رہا تھا۔ فجر نے جھک کر اسنیکر پہنا اور اب وہ اس کے تسمے باندھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسکارف اور کوٹ کی وجہ سے اسے جھکنے میں مشکل ہوئی۔

"ٹھہرو، میں کر دیتا ہوں۔" ولی اس کے سامنے ایک گھٹنے پر بیٹھ گیا۔

نیل کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ فجر نے ایک لمحے کے لیے سر اٹھایا، نیل کو ایک ایسی نظر سے دیکھا جس میں شرارت، جیت اور خالص جلانے کا عنصر تھا اور پھر واپس ولی کو دیکھنے لگی جو اس کے اسنیکر کے تسمے باندھ رہا تھا۔

اسنیکرز پہننے کے بعد وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آہ! سکون مل گیا۔" پھر اس نے قدرے معصومیت سے ولی کی طرف دیکھا۔ "میں یہ بیگ اٹھا اٹھا کر تھک گئی ہوں، کیا تم یہ پکڑ لو گے؟"

ولی نے اپنی مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے اس کا بھاری بیگ پکڑ لیا۔ اب وہ ان کے آگے چل رہی تھی۔ آرام دہ اسنیکرز پہنتے ہی اس کی چال میں نئی توانائی آ گئی تھی۔ وہ دونوں پیچھے رہ گئے تھے۔ ولی نے اس کا بیگ ویسے ہی پکڑ رکھا تھا جیسے کوئی شاپنگ بیگ پکڑے ہو۔

"ایڈنبرا کی جتنی لڑکیوں کو تم نے ریجیکٹ کیا تھا، ان سب کا بدلہ یہ پاکستانی عورت تم سے لے رہی ہے۔" وہ جل بھن کر بولا۔ جبکہ ولی صرف مسکرایا۔

"تم ولیم جوزف ہو ہی نہیں سکتے۔ میں مانتا ہی نہیں۔ تم اتنے کیسے بدل سکتے ہو؟ کہاں گیا تمہارا غرور؟ تمہاری انا؟" نیل کو تو جیسے صدمہ ہی لگ گیا تھا۔

ولی نے آگے چلتی فجر کی پشت کو دیکھا اور اس کے لبوں پر ایک نرم مسکراہٹ پھیل گئی۔

"محبت میں کیسی انا، کیسا غرور؟ وہ مجھے دنیا کی ہر شے سے قیمتی ہے۔" وہ محبت سے بولا۔

"وہ تمہاری حرکتوں سے دکھ بھی رہا ہے۔" نیل نے برا سا منہ بنایا۔

چلتے چلتے وہ ایک روشن کونے پر کھڑی کافی شاپ کے پاس پہنچ گئے۔ فجر بھی رک گئی۔

"کافی کون لائے گا؟" سوال ولی کا تھا۔

"جو جوتے پہنا کر، جوتے اٹھا کر، غلامی کی اعلیٰ ترین مثال قائم کر رہا ہے، وہی لائے گا۔" نیل نے طنز کیا۔

"کچھ لوگوں کو محبت اور غلامی کا فرق سمجھ نہیں آتا۔" وہ کہاں چپ رہ سکتی تھی۔

"میری اور ولیم کی دوستی، کسی بھی محبت سے زیادہ گہری اور پرانی ہے۔" نیل نے سینے پر ہاتھ باندھے۔

اس سے پہلے کہ لفظوں کی یہ جنگ مزید شدت اختیار کرتی، ولی نے ہاتھ میں پکڑا بیگ زمین پر رکھا۔ اس کی خاموشی اور اس حرکت نے دونوں کو چونکا دیا۔

"بس!" اس کی آواز اس بار جھنجھلائی ہوئی نہیں بلکہ حتمی تھی۔ "میں کافی لینے اندر جا رہا ہوں۔ میرے واپس آنے تک، تم دونوں نے اپنے معاملات سلجھا لیے ہوں، ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔"

اس نے دونوں کو سخت نظروں سے گھورا۔

"ایک دوسرے کو برداشت کرو یا نظر انداز کرو، مجھے فرق نہیں پڑتا۔ لیکن میری موجودگی میں یہ چونچ لڑانا بند ہو جانا چاہیے۔" یہ کہہ کر وہ مڑا اور کافی شاپ کے اندر چلا گیا۔ باہر لندن کی سرد رات میں فجر اور نیل اکیلے رہ گئے۔

کافی شاپ کے شیشے کے دروازے پر لگی گھنٹی بجی اور ولی کچھ دیر بعد باہر نکلا۔ اس کے ہاتھ میں دو بڑے پیپر کپ تھے جن سے گرم بھاپ اٹھ کر لندن کی سرد ہوا میں تحلیل ہو رہی تھی۔ اس نے ایک نظر سامنے کے منظر پر ڈالی اور اس کے چہرے پر ایک تھکی ہوئی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

وہ دونوں ایک دوسرے سے منہ موڑے کھڑے تھے۔ ایک کا رخ مشرق کی طرف تھا تو دوسرے کا مغرب، جیسے دو مخالف قطب جو کسی صورت ایک دوسرے کو قبول کرنے پر راضی نہ ہوں۔ ان کے قدموں کے درمیان فجر کا وہ بھاری بھرکم بیگ ایسے رکھا تھا جیسے کوئی لاوارث سامان ہو۔ وہ دونوں اتنے ضدی تھے کہ ولی کے دیئے گئے الٹی میٹم کے چند منٹوں میں بھی ایک دوسرے سے بات کرنا گوارا نہیں کیا تھا۔

اس نے ایک لمبا سانس بھرا اور ان کے بیچ کی خالی جگہ پر کی۔ ایک کپ نیل کی طرف بڑھایا اور دوسرا فجر کی طرف۔ دونوں نے خاموشی سے کپ تھام لیے۔

"تم اپنے لیے نہیں لائے؟" نیل نے اپنے کپ سے اٹھتی مہک کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں، میرا دل نہیں ہے۔" اس نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ وہ جانتا تھا کہ فجر ہمیشہ کی طرح آدھا کپ چھوڑ دے گی اور اسے کھانے پینے کی اشیاء ضائع کرنا برا لگتا تھا۔ اس کی بچی ہوئی کافی وہ پی لیتا تھا۔ یہ ان دونوں کے درمیان کا ایک ان کہا معمول تھا۔

اس نے جھک کر زمین پر رکھا بیگ اٹھایا اور ایک بار پھر ان دونوں کے درمیان آ کھڑا ہوا۔ اب وہ دائیں بائیں چل رہے تھے اور وہ ان کے بیچ میں، جیسے دو متحارب ملکوں کے درمیان ایک امن فوجی ہو۔ ماحول کی کشیدگی کم کرنے کے لیے اس نے نیل سے بات شروع کی۔

"ایڈنبرا میں سب کیسے ہیں؟ آنٹی انکل ٹھیک ہیں؟" وہ اسکاٹ لینڈ کا، وہاں کے جاننے والوں کا، اور گھر والوں کا پوچھ رہا تھا۔ نیل بھی مختصر جواب دیتا رہا۔ لندن کی سڑکوں پر رات گہری ہو رہی تھی۔ گیس لیمپس کی زرد روشنی وکٹورین عمارتوں پر پڑ کر ایک پراسرار سا حسن پیدا کر رہی تھی۔ کچھ دیر چلنے کے بعد اس نے اچانک پوچھ لیا۔

"ویسے کافی کا ٹیسٹ کیسا ہے؟"

اس نے یہ سوال یونہی پوچھا تھا مگر اگلے ہی پل، نیل اور فجر، دونوں نے ایک ہی لمحے میں اپنے اپنے کپ اس کی طرف بڑھا دیئے۔

"تم پی کر دیکھ لو۔"

دو ہاتھ، دو کپ، اور بیچ میں وہ۔ اب وہ کس کا تھامتا؟ ایک کو تھامنا موت تھا۔

"نہیں شکریہ!" وہ ان کی اس سرد جنگ سے تنگ آ کر انکار کرتا آگے بڑھ گیا۔

وہ دونوں پیچھے رہ گئے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو ایک برہم نظروں سے دیکھا اور اپنے ہاتھ پیچھے کھینچ لیے۔ چہرے پر اب شرمندگی تھی۔

"اس کی قسمت بھی عجیب ہی ہے۔" نیل نے ولی کی چوڑی پشت کو تاسف سے دیکھتے ہوئے کہا، جو بیگ اٹھائے ان سے چند قدم آگے چل رہا تھا۔ "پہلے دو سال باپ نے قید رکھا، اب بیوی نے کر لیا۔"

اس کے آخری جملے پر فجر کے قدم جیسے زمین میں گڑ گئے۔ وہ ٹھٹک گئی۔

"کیا مطلب۔۔۔ باپ نے قید میں رکھا؟" اس نے الجھ کر نیل کو دیکھا۔ اس کی آواز میں خالص حیرانی تھی۔

اس کے یوں چونکنے پر نیل بھی ایک پل کو رکا۔

"آپ کو نہیں پتا؟" وہ واقعی حیران تھا۔ کیا ولیم نے ابھی تک اسے یہ سب نہیں بتایا؟

"کیا نہیں پتا مجھے؟" فجر کی الجھن بڑھ رہی تھی۔ اس کا دل کسی ان دیکھے خوف سے دھڑکنے لگا تھا۔

نیل نے اسے غور سے دیکھا، اس کے چہرے پر لکھی بے خبری کو پڑھا۔

"پھر تو آپ کو یہ بھی نہیں پتا ہو گا کہ اس کے چہرے پر وہ نشان کیوں ہے؟"

اس بار فجر کے اندر صحیح معنوں میں کچھ ٹوٹا تھا۔ ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد لہر دوڑ گئی۔ وہ نشان۔۔۔ جسے اس نے کبھی معمولی چوٹ سمجھا تھا، اس کے پیچھے ایک کہانی تھی؟ ایک قید؟ ایک باپ؟ اس کا ذہن ماؤف ہو رہا تھا۔

اس کی خاموشی اور پھیلی ہوئی آنکھوں سے نیل بہت کچھ سمجھ گیا۔ اسے شاید پہلی بار احساس ہوا کہ اس نے طعنہ مارنے کی کوشش میں ایک بہت گہری اور حساس بات چھیڑ دی ہے۔ اس کے لہجے سے طنز غائب ہو گیا۔

"مجھے افسوس ہے۔۔۔۔" وہ بس اتنا کہہ کر خاموشی سے آگے بڑھ گیا اور ولی کے ساتھ جا ملا، جبکہ فجر چند پلوں کے لیے وہیں ساکت کھڑی رہ گئی۔

لندن شہر اپنی پوری رفتار سے چل رہا تھا۔ ڈبل ڈیکر بسیں گزر رہی تھیں، لوگ ہنس بول رہے تھے مگر فجر کے لیے جیسے وقت تھم گیا تھا۔ اسے اپنے ارد گرد کی کوئی خبر نہ تھی۔ اس کی نظریں صرف ولی کی پشت پر جمی تھیں، اس شخص پر، جس کے بارے میں وہ سوچتی تھی کہ وہ سب کچھ جانتی ہے مگر آج اسے احساس ہوا کہ وہ اس کی روح پر لگے سب سے گہرے زخم سے ہی ناواقف تھی۔ باہر کی سردی کچھ بھی نہیں تھی، اصل ٹھنڈ تو اب اس کے اندر اتر رہی تھی۔

✿••✿••✿••✿

رات کیسے گزری تھی، یہ سوال صرف ولی کے سینے میں دفن تھا۔ ایک طرف نیل کی جذباتی بلیک میلنگ اور بچپنے کی ضد تھی، دوسری طرف فجر کی ہٹ دھرمی۔ اسے تو ان کے CEOs ہونے پر شک ہونے لگا تھا۔

اس نے ان دو متحارب محاذوں کے بیچ ایک نازک پل کا کردار ادا کرتے ہوئے رات گزاری تھی، ایک ایسا پل جو کسی بھی لمحے ٹوٹ سکتا تھا۔ ایئرپورٹ کا وسیع و عریض لاؤنج اپنی تمام تر روشنیوں اور ہنگاموں کے باوجود ایک عجیب سی اداسی لیے ہوئے تھا۔ تینوں روانگی کے گیٹ کے قریب کھڑے تھے۔ فجر اور نیل کے درمیان فاصلہ اب بھی برقرار تھا مگر کل والی تلخی کی جگہ اب ایک ٹھہری ہوئی سنجیدگی نے لے لی تھی۔ وہ دونوں کسی صورت ولی کو بانٹنے کو تیار نہیں تھے۔

نیل کا سامان چیک اِن ہو چکا تھا اور اب الوداع کا وقت تھا۔ وہ ولی کی طرف مڑا، اس کی آنکھوں میں وہی پرانی شرارت لوٹ آئی تھی مگر اس کے پیچھے ایک گہری اداسی بھی چھپی تھی۔

اس نے ولی کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ اس بار اس کے لہجے میں کوئی طنز نہیں، صرف خالص دوستی کا مان تھا۔

"جلدی واپس آجانا۔ ایڈنبرا تمہارے بغیر سونا ہے۔ تم نے وعدہ کیا تھا، بھولنا مت۔"

ولی نے اس کی پیٹھ تھپتھپائی۔ "آجاؤں گا۔"

نیل اس سے الگ ہوا اور پھر فجر کی طرف دیکھا، جو خاموشی سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ ایک لمحے کے لیے اس کے چہرے پر وہی پرانی رقابت ابھری، مگر پھر جیسے اسے کچھ یاد آگیا ہو۔

"اوکے، اپنا خیال رکھنا۔ اور آپ بھی، بھابھی صاحبہ!" اس نے آخری جملہ خاص طور پر فجر سے کہا تھا۔

کہا اس نے فجر سے تھا مگر ولی کا چہرہ بے ساختہ سرخ پڑ گیا۔

دل میں ہلچل سی مچ اٹھی۔ چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

جبکہ فجر نے اس کے برعکس انتہائی سنجیدہ انداز میں صرف سر ہلایا، جیسے یہ خطاب قبول کر لیا ہو۔ نیل نے آخری نظر ان دونوں پر ڈالی اور وہیں ٹھہر گیا۔

وہ دونوں ایک ساتھ کھڑے تھے۔ دونوں کے خاکستری رنگ کے لمبے کوٹ انہیں ایک جیسا دکھا رہے تھے۔ ہیزل آنکھوں والی لڑکی، اور اس کے ساتھ کھڑا وہ نشان زدہ چہرے والا لڑکا جو دنیا کی نظروں سے بچا کر اسے اپنی پناہ میں لیے ہوئے تھا۔ وہ ایک دوسرے کے لیے بنے تھے۔ وہ ہر منظر مکمل کرتے تھے۔

وہ انہیں دیکھ کر دھیرے سے مسکرا دیا۔ اس کے دل سے ایک بوجھ اتر گیا تھا۔ وہ جان گیا تھا کہ اگر ولی اس لڑکی کے لیے خوار ہوا تھا، تو یہ خوار ہونا رائیگاں نہیں تھا۔ یہ لڑکی اس کے لیے بہت حساس (ٹچی) تھی۔ وہ اسے کسی اور کے ساتھ نہیں بانٹ سکتی تھی، حتیٰ کہ اس کے بہترین دوست کے ساتھ بھی نہیں۔ وہ غلط جگہ خوار نہیں ہو رہا تھا۔ وہ

دونوں ایک دوسرے کے ادھورے پن کو بھرتے تھے۔ایک دوسرے کے کرب کا مرہم تھے۔ایک دوسرے کی کمی کا جواب تھے۔

اس نے دل کی گہرائی سے ان دونوں کے لیے دعا کی، ایک آخری بار ہاتھ ہلایا اور مڑ کر امیگریشن کاؤنٹر کی جانب بڑھ گیا۔اس کی چال میں اب سکون تھا۔

جب نیل نظروں سے اوجھل ہو گیا تو ولی نے ایک لمبا سانس بھرا۔اس نے مڑ کر فجر کو دیکھا جو اب بھی اسی سمت دیکھ رہی تھی جہاں نیل غائب ہوا تھا۔لندن کی سردی اب ایئرپورٹ کے اندر بھی محسوس ہو رہی تھی۔

"مجھے تمہارا دوست بالکل پسند نہیں آیا۔"ناک چڑھا کر کہا اور پلٹ گئی۔

"اچھا۔۔۔"ولی نے بمشکل مسکراہٹ ضبط کی اور اس کے ساتھ چل پڑا۔"شاید اسکا بھی تمہارے بارے میں یہی خیال ہو۔"

"مجھے فرق نہیں پڑتا۔"وہ سینے پر ہاتھ باندھے تیز تیز چل رہی تھی۔

"کس بات سے فرق پڑتا ہے؟"وہ شرارتی آنکھیں لیے پوچھ رہا تھا۔

"مجھے زہر لگتے ہیں وہ لوگ جو میری چیزوں پر حق جتائیں۔"

"لیکن میں کوئی چیز تو نہیں ہوں۔"اس نے کس معصومیت سے احساس دلایا۔وہ فوراً رک گئی۔ولی کو بھی رکنا پڑا۔وہ اب سینے پر ہاتھ باندھے اسے دیکھ رہی تھی۔کچھ کہنا چاہتی تھی مگر کہہ نہیں پائی۔وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے اس کا اگلہ جملہ سننا چاہتا ہو۔

"اب یہ مت کہہ دینا کہ میں بھی تمہارا ہی ہوں۔"اس نے شرارت چھپانے کی بھرپور کوشش کی۔

"کیا تم نہیں ہو؟" بھنویں سکیڑ کر الٹا پوچھا۔

وہ اب سڑک کے درمیان کھڑے تھے۔ لوگ ان کے آس پاس سے گزر رہے تھے۔

"تم کہہ دو گی تو ہو جاؤں گا۔" وہ ایک قدم آگے آیا۔ وہ اب اسکے چہرے کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ کشادہ پیشانی، کٹاؤ دار ہونٹ، خم زدہ بال، کتھئی آنکھیں اور وہ نشان!

مسٹر جوزف کو اگر لگتا تھا کہ ان کا بیٹا دنیا کا وجیہہ ترین مرد تھا تو انہیں صحیح لگتا تھا۔

"میں کیوں کہوں؟" وہ نظریں چرا گئی۔ "اگر تم نہ ہوئے تو؟" وہ ایک مزید قدم آگے آیا۔

"جانم! کہو تو سہی، تمہارے ہونے کے لیے میں تیار ہوں!"

اس نے اس قدر خوبصورتی سے کہا کہ فضا تھم سی گئی۔ وہ چند ثانیے اسے دیکھتی رہی پھر دھیرے سے ہنس دی۔ لندن کی خزاں میں بہار چھا گئی۔

✿••✿••✿••✿

یہ شام کے بعد کا وقت تھا۔ ایسٹ اینڈ کا علاقہ، جہاں تاریخ اور جرم کی داستانیں ایک دوسرے میں گندھی ہوئی تھیں، رات کے سائے میں ڈوب رہا تھا۔ وائٹ چیپل کی ایک گلی، جو اپنی پتھریلی زمین اور گیس لیمپ کی یاد دلانے والی مدھم روشنیوں کی وجہ سے مشہور تھی، ایک آسیب زدہ خاموشی اوڑھے ہوئے تھی۔ وہ دونوں ایک پرانی وکٹورین عمارت کے سامنے کھڑے تھے، جس کی دیواروں پر وقت نے اپنی کہانیاں لکھ دی تھیں۔ فجر کی آواز میں ایک زندگی سے بھرپور جوش تھا، وہ عمارت کے گوتھک طرزِ تعمیر پر تبصرہ کر رہی تھی۔

"مجھے کافی پینی ہے۔" وہ جب بول بول کر تھک گئی تو فرمائش کی۔

"میں سامنے والے کیفے سے لے کر آتا ہوں۔" ولی نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا، اس کی مسکراہٹ میں ایک اپنائیت تھی۔ "یہاں سے ہلنا مت۔"

فجر نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا اور اس کی نگاہیں ایک بار پھر عمارت کے نقش و نگار میں کھو گئیں۔ اسے ولی کا یوں خیال رکھنا ہمیشہ اچھا لگتا تھا۔ گلی میں اترتی شام کی دھند ایک پراسرار خوبصورتی رکھتی تھی۔ وہ اپنے فون میں مصروف تھی۔

ایک سیاہ، چمکتی ہوئی سیڈان کار جیسے کسی شکاری جانور کی طرح بے آواز گلی میں داخل ہوئی اور فجر کے پاس آکر ایک جھٹکے سے رکی۔ اس کا انجن یوں خاموش تھا جیسے وہ بجلی سے چل رہی ہو۔ فجر نے سر اٹھایا۔ دماغ میں خطرے کی گھنٹی بجی مگر اس سے پہلے وہ کچھ کر پاتی۔

گاڑی کے پچھلے دروازے کھلے اور چند لڑکے گاڑی سے اترے۔ وہ کم عمر تھے۔ جیسے کالج اسٹوڈنٹس ہوں جو نشئی تھے۔

فجر کا جسم خطرے کو بھانپ کر سرد پڑ گیا۔ اس نے ایک قدم پیچھے ہٹایا، مگر بہت دیر ہو چکی تھی۔ ایک نقاب پوش نے کسی عقاب کی طرح جھپٹ کر اس کا بازو فولادی گرفت میں لے لیا۔

"چھوڑو مجھے!" اس کی چیخ اس کے حلق میں ہی دم توڑ گئی کیونکہ دوسرے نقاب پوش نے اپنے دستانے والے ہاتھ سے اس کا منہ بھینچ لیا۔ اس نے اپنی پوری طاقت سے خود کو چھڑانے کی کوشش کی، اس کے ناخن حملہ آور کے بازو پر لگے، مگر ان کی گرفت میں کوئی لرزش نہ آئی۔ اس نے اپنے نوکیلے ہیل والے جوتے سے ایک کی پنڈلی پر وار کیا، جس سے وہ کراہا، مگر اگلے ہی لمحے انہوں نے اسے اٹھا کر گاڑی کی پچھلی نشست پر پھینک دیا۔

دروازہ بند ہونے کی آواز ایک دھماکے کی طرح گونجی اور گاڑی اندھیرے میں گم ہو گئی۔

گاڑی کے اندر، فجر کی بقا کی جنگ اپنے عروج پر تھی۔ تنگ جگہ، سگریٹ اور سستی شراب کی ملی جلی بدبو اس کا دم گھونٹ رہی تھی۔ وہ کسی زخمی شیرنی کی طرح لڑ رہی تھی۔ اس نے اپنی کہنی ایک نقاب پوش کے پیٹ میں ماری، اپنے ناخنوں سے دوسرے کا چہرہ نوچنے کی کوشش کی اور جب ایک نے اس کے بال پکڑ کر اسے قابو کرنا چاہا تو اس نے پوری قوت سے اس کے ہاتھ پر کاٹ لیا۔ گاڑی کی رفتار زیادہ نہیں تھی وہ بس آس پاس مختلف گلیوں میں گھوم رہی تھی۔

"چھوڑو مجھے۔" اس کی آواز میں خوف پر غصہ غالب تھا۔

مگر ان کے چہروں پر کوئی تاثر نہیں تھا، سوائے ایک شیطانی خوشی کے۔ ایک نے اس کا سر پکڑ کر سیٹ کی کھڑکی سے دے مارا۔ شیشے سے ٹکرانے کی آواز کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں کے سامنے تارے ناچ گئے۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھل پاتی، دوسرے نے اپنی پستول کا بھاری بٹ نکالا اور اس کی کنپٹی پر پوری قوت سے وار کیا۔

ایک گہری، sickening آواز ابھری۔ اس کے منہ سے ایک کربناک آہ نکلی اور آنکھوں کے سامنے گہرا اندھیرا چھا گیا۔ اس کی پیشانی سے گرم خون کی ایک لکیر بہہ کر اس کی آنکھ میں داخل ہو گئی، جس سے اس کی بینائی مزید دھندلانے لگی۔ اس کی مزاحمت اب کمزور پڑ رہی تھی، ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑنے لگے مگر حوصلہ ابھی زندہ تھا۔ وہ آنکھیں کھولنا چاہتی تھی مگر نہیں کھل پائیں۔۔۔۔

ولی کیفے سے کافی لے کر مڑا ہی تھا کہ اسے اپنی پشت پر ایک غیر معمولی سکوت کا احساس ہوا۔ وہ سکوت جو کسی طوفان سے پہلے آتا ہے۔ ٹائروں کی ایک تیز چرچراہٹ کی آواز نے اس کا دل حلق میں پہنچا دیا۔ اس نے پلٹ کر

دیکھا۔ جس جگہ فجر کھڑی تھی، وہاں اب صرف ہوا تھی۔ ایک سیاہ کار تیز رفتاری سے گلی کے کونے سے مڑ رہی تھی۔ وہاں کھڑے چند لوگ خوفزدہ تھے۔ ان میں سے ایک دو پولیس کو فون ملا رہے تھے۔

"فجر"!

کافی کے کپ اس کے ہاتھ سے گر کر زمین پر بکھر گئے اور وہ سرپٹ کار کے پیچھے بھاگا۔ اس کے قدموں میں جنونی تیزی تھی، اس کے پھیپھڑے جل رہے تھے مگر اسے صرف وہ کار نظر آ رہی تھی۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے فون نکالا۔ اب وہ پولیس کو فون کر رہا تھا۔ اس کی سانسیں ٹوٹی ہوئی تھیں، اس کی آواز لڑکھڑا رہی تھی مگر وہ گاڑی کا ماڈل، رنگ اور وائٹ چیپل کی گلی کا پتہ بتا رہا تھا۔

کار تنگ گلیوں کے بھنور میں غائب ہو رہی تھی اور ولی کی امید ہر قدم پر دم توڑ رہی تھی۔ پھر، اچانک، کار ایک سنسان موڑ پر رکی۔ ولی کے قدم وہیں جم گئے۔ پچھلا دروازہ کھلا اور ایک بے جان وجود کو کسی کچرے کے ڈھیر کی طرح فٹ پاتھ پر دھکیل دیا گیا۔

"فجر!"

اس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں بھینچ کر مسل دیا ہو۔ ایک لمحے کے لیے اس کے پاؤں زمین میں گڑ گئے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ماضی کے وہ تمام چہرے گھوم گئے جنہیں وہ کھو چکا تھا۔ اس کی **ماں**، **نینسی**۔ نہیں! اب اور نہیں! وہ اپنی زندگی میں کسی اور عورت کو اس طرح مرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ یہ خیال اس کے اندر بجلی بن کر دوڑا اور وہ اپنی تمام تر قوت سے اس کی طرف بھاگا۔ گاڑی کا دروازہ کھلا اور اس میں سے ایک لڑکے نے باہر جھانکا۔ اس کے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ تھی اور پھر گاڑی وہاں سے روانہ ہو گئی۔ وہ ان کے پیچھے نہیں جا سکتا تھا۔

اس نے فجر کو اپنی بانہوں میں اٹھالیا۔ وہ لمحہ جب اس کا زخمی، خون آلود چہرہ ولی کے سامنے آیا، وقت جیسے تھم گیا۔ اس کی پیشانی پر گہرا زخم تھا جس سے خون بہہ رہا تھا۔ ہونٹ پھٹے ہوئے تھے۔

"آنکھیں کھولو پلیز! فجر، پلیز۔۔۔" اس کی آواز ایک ٹوٹی ہوئی سرگوشی تھی۔ اس نے فجر کو خود میں ایسے بھینچ لیا جیسے وہ اسے اپنی روح میں چھپالینا چاہتا ہو۔ وہ جو مکمل ساکت تھی، اس کی حرکت پر کراہ اٹھی۔

اس کراہ نے جیسے ولی کی رکی ہوئی سانسیں بحال کر دیں۔ وہ زندہ تھی! خدا کا شکر ہے، وہ زندہ تھی!

"ایم سوری۔۔ فجر، ایم سو سوری۔۔۔" اسے لگا تھا اس نے فجر کو ہمیشہ کے لیے کھو دیا۔ اس نے اپنی زندگی کی سب سے اہم عورت کو کھو دیا تھا۔ وہ تو اسے اپنی محبت کا یقین دلانے والا تھا۔ وہ اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا، اس کے بہتے خون اور گہرے زخموں کو۔۔۔ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کس زخم پر ہاتھ رکھے، کہاں مرہم لگائے۔

"م۔۔۔ میں۔۔۔ ٹھیک ہوں۔۔۔" فجر نے خود پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ اس کا سر بری طرح چکرا رہا تھا۔

"مجھے لگا میں نے تمہیں کھو دیا۔۔۔ مجھے لگا میں نے تمہیں ہمیشہ کے لیے کھو دیا۔۔۔" وہ اسے خود میں بھینچے ہوئے یہی جملہ دہراتا رہا۔ اس کی آواز میں صدیوں کا درد سمٹ آیا تھا۔ اس کی خون آلود خوشبو ولی کے نتھنوں سے ٹکرا رہی تھی۔

اور تبھی دور سے پولیس کے سائرن کی تیز ہوتی آواز سنائی دی، جو اس خاموش، زخمی لمحے کو چیرتی ہوئی ان کی طرف بڑھ رہی تھی۔

✿••✿••✿••✿

رئیس مینشن کی دیواریں پہلے سے کہیں زیادہ اونچی اور خاموش تھیں۔ اس نے خود کو ایک ایسی دنیا میں قید کر لیا تھا جہاں جذبات کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ یہ خاموشی اس کی ڈھال تھی مگر اس ڈھال کے پیچھے اس کا دل ہر لمحے چھلنی ہو رہا تھا۔

وہ اپنے وسیع اسٹڈی روم میں تھا جب اس کا فون پر ائیویٹ نمبر سے روشن ہوا۔ اس کے جبڑے بھنچ گئے، آنکھوں میں ایک سرد عزم کے پیچھے چھپا ہوا خوف لرز رہا تھا۔ اس نے کال وصول کی۔

وہی مشینی، نسوانی آواز گونجی۔

"ماننا پڑے گا رئیس اورنگزیب! اپنی محبت سے ہی منہ موڑ لیا۔"

رئیس کی مٹھی اس قدر زور سے بھنچی کہ اس کے ناخن ہتھیلی کے گوشت میں پیوست ہو گئے۔

"اور تمہیں یہ لگتا ہے میں جذبات کو اپنی کمزوری بننے دوں گا؟"

"اچھا؟" آواز میں طنز بڑھ گیا۔ "تو پھر اس ویڈیو سے بھی تمہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا؟ چلو دیکھ لیتے ہیں۔"

کال کٹ گئی اور ایک ویڈیو پیغام موصول ہوا۔

اسکرین پر وائٹ چیپل کا وہی منظر تھا۔ فجر کا ہنستا ہوا چہرہ، سیاہ کار کی آمد، اور پھر وہ بھیانک تشدد۔ ہر چیخ، ہر تھپڑ، پستول کی بٹ کا ہر وار سیدھا اس کے دل پر لگ رہا تھا۔ وہ منظر جب اسے خون میں لت پت فٹ پاتھ پر پھینکا گیا، رئیس کا جسم پتھر کا ہو گیا۔ یہ سب بس اسی لیے کیا گیا تھا تاکہ اس کی کمزوری کو مزید ہوا دی جائے۔ اسے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا جائے۔ اسے جذباتی طور پر کمزور کیا جائے۔

ویڈیو ختم ہو گئی۔ خاموشی چھا گئی۔ اس کے جبڑے اس قدر بھنچے ہوئے تھے کہ دانت پیسنے کی آواز سنی جا سکتی تھی۔ آنکھوں میں برسوں سے قید شدہ خوف ابھر آیا جسے وہ باہر نہیں نکلنے دے سکتا تھا ورنہ اس کا دشمن مزید طاقتور ہو جاتا۔ مگر کب تک؟ صرف اسے تکلیف دینے کے لیے فجر معراج کو تکلیف دی گئی تھی۔ اسے استعمال کیا گیا تھا۔ یہ احساس روح فرساں تھا۔

اور پھر ایک غیر انسانی، جانوروں جیسی دھاڑ اس کے حلق سے نکلی۔ اس نے میز پر پڑا شیشے کا پیپر ویٹ اٹھایا اور پوری قوت سے دیوار پر لگی اپنی ہی تصویر پر دے مارا۔ شیشہ کرچی کرچی ہو گیا بالکل اس کے دل کی طرح۔ پھر اپنا فون اٹھایا اور اسے دیوار پر پٹخ دیا، اس کے ٹکڑے فرش پر بکھر گئے۔ اب وہ گہرے سانس لے کر خود کو پر سکون کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر آنکھوں سے آگ بہہ رہی تھی۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا کیا کرے؟ وہ ایسے جال میں پھنس چکا تھا جہاں سے نکلنا ناممکن تھا۔ اسے گھیر لیا گیا تھا۔

منظر بدل گیا۔ یہ اب منار کا کمرہ تھا۔ اس نے رئیس کی حالت کا حظ اٹھاتے ہوئے جوس کا ایک پر سکون گھونٹ بھرا۔ اس کے لبوں پر ایک گہری، مطمئن مسکراہٹ تھی۔ آنکھیں، دنیا جہان کی چمک کو مات دیتی تھیں۔

"ملکہ کے بچھائے جال سے کوئی نہیں بچ سکتا۔"

اک ادا سے کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ سلک کے سیاہ کافتان میں تھی۔ گھنگھریالے بال جھول رہے تھے۔ پھر اس نے مزید پر رکھی گاڑی کی چابی اٹھائی۔

"ابھی مجھے تمہارا مزید تماشہ دیکھنا ہے رئیس اورنگزیب! جلد ملیں گے۔"

فی الوقت اسے گردیزی خاندان سے نبٹنا تھا۔ گہری سانس لے کر وہ اک ادا سے چلتی باہر نکل گئی پھر ایک جھٹکے سے رکی۔ پلٹی اور دروازے کی اوٹ سے اندر جھانکا۔ دیوار پر لگی فجر کی تصویر پر نظر پڑی۔

"سوری بے بی گرل! لیکن تمہیں ابھی بہت suffer کرنا ہے۔"

✿••✿••✿••✿

پولیس اسٹیشن کی سفید دیواریں اور فلوروسینٹ لائٹس کی تیز روشنی ماحول میں ایک عجیب سی ٹھنڈک گھول رہی تھی۔ ہوا میں جراثیم کش دوا اور سستی کافی کی ملی جلی بو رچی تھی۔ فجر کے سر پر سفید پٹی بندھی تھی، جہاں پستول کے بٹ سے گہری چوٹ لگی تھی۔ زخم کی ٹیسیں ابھر رہی تھیں مگر اس سے زیادہ اس کے اندر ایک طوفان برپا تھا، جس کی لہریں اس کے حواسوں کو معطل کر چکی تھیں۔

ان لڑکوں کو ایک سیل میں بند کر دیا گیا تھا۔ وہ نشے میں دھت، ایک دوسرے کو دھکے دے رہے تھے اور بے ہنگم قہقہے لگا رہے تھے، جیسے یہ سب ان کے لیے ایک کھیل ہو۔ ان کے مجرمانہ ریکارڈ کو دیکھتے ہوئے پولیس کے لیے یہ ایک معمولی کیس تھا۔ **"نشئی لڑکوں کا ایک اور بے مقصد تشدد کا واقعہ!"** کسی کا دھیان اس کے پیچھے چھپے بھیانک جال کی طرف نہیں گیا تھا۔

ولی ایک کرسی پر بیٹھا تھا، اس کا جسم ساکت تھا مگر آنکھوں میں ایک دہکتی ہوئی آگ تھی، جسے وہ بڑی مشکل سے ضبط کیے ہوئے تھا۔ اس کی نظریں سلاخوں کے پیچھے قید ان لڑکوں پر جمی تھیں، جو اب بھی ہنس رہے تھے۔ ان کی ہنسی اس کے ضبط کے پیمانے کو لبریز کر رہی تھی۔

اس نے ایک گہرا سانس لیا اور اٹھ کر انسپکٹر کے پاس گیا۔ اس کی آواز سپاٹ اور جذبات سے عاری تھی۔

"اگر یہ لڑکے معافی مانگ لیں، تو میں ان پر سے چارج ہٹانے کو تیار ہوں۔"

انسپکٹر نے حیرت سے اسے دیکھا اور پھر فجر کی طرف، جو خود ولی کی بات پر ششدر رہ گئی تھی۔ لڑکوں نے بھی یہ سنا اور ان کے قہقہے ایک لمحے کے لیے تھم گئے۔ وہ حیران تھے کہ جس شخص کی آنکھوں میں ان کے لیے نفرت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا، وہ اچانک اتنی آسانی سے کیسے مان گیا؟

ویسے بھی وہ اسٹوڈنٹس تھے۔ انہیں سیل سے باہر لایا گیا۔ انہوں نے فجر سے معافی مانگی مگر ان کے لہجے میں ندامت کا شائبہ تک نہ تھا۔ یہ صرف ایک رسم تھی، جس کے بعد وہ آزاد ہو سکتے تھے۔ فجر خاموش رہی، اس کی نظریں ولی کے چہرے پر جمی تھیں، وہ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ اس کے دماغ میں کیا چل رہا تھا۔

جیسے ہی وہ پولیس اسٹیشن سے باہر نکلے، لڑکوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر فاتحانہ انداز میں ہنسنے لگے۔ ان کے چہروں پر طنز اور حقارت تھی۔ وہ اپنی گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اونچی آواز میں باتیں کر رہے تھے۔ ان کی گفتگو میں کسی جگہ کا نام بھی آیا، جسے ولی نے اپنے ذہن میں محفوظ کر لیا۔

"چلو، اب سیدھا دی ڈین چلتے ہیں، آج کی رات کا جشن تو بنتا ہے۔"

ولی نے ان کی گاڑی کو نظروں سے اوجھل ہونے تک دیکھا، اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ پھر اس نے سنجیدگی سے فجر کے لیے گاڑی کا دروازہ کھولا، اسے اندر بٹھایا۔ ہوٹل کی طرف واپسی کا سفر خاموشی میں کٹا۔ یہ ایک بھاری، بوجھل خاموشی تھی، جس میں ہزاروں ان کہے سوال تیر رہے تھے۔ فجر الجھی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟ یہ حملہ بے مقصد تھا یا اس کے پیچھے کوئی تھا؟ ولی اتنا پر سکون کیوں تھا؟

ہوٹل پہنچ کر ولی نے اسے درد کش دوا دی اور آرام سے بستر پر لٹا دیا۔ کوئی خاص بات نہیں کی، بس اس کی ضرورت کی ہر چیز کا خیال رکھا اور پھر کمرے سے باہر نکل گیا۔ فجر لیٹی رہی، آنکھیں بند کیے، مگر ذہن جاگ رہا تھا۔

جانے کتنی دیر گزری ہو گی کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ وہ اندر داخل ہوا۔ فجر نے بمشکل سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"وہ مجھے اپنے کمرے میں اکیلے ڈر لگ رہا ہے، کیا میں کچھ دیر یہاں رک سکتا ہوں؟" وہ اب بالکل نارمل نظر آ رہا تھا۔ اس کے انداز میں ایک ایسی معصومیت تھی کہ فجر کی نقاہت کے باوجود اس کے لبوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی اور اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ بیڈ کے دائیں جانب دیوار کے ساتھ رکھے صوفے پر بیٹھ گیا۔ فجر دائیں کروٹ لیے لیٹی تھی، دونوں ہاتھ تکیے پر گال کے نیچے رکھے تھے۔ کمرے میں نیم تاریکی تھی۔ کھڑکی سے چھن کر آتی چاند کی دودھیا روشنی اور میز پر رکھے لیمپ کی مدھم زرد روشنی میں وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ بس دیکھ رہے تھے۔ زبانیں خاموش تھیں، مگر آنکھیں سوال و جواب میں مصروف تھیں۔ فجر کی آنکھوں میں خوف کے سائے تھے، اور ولی کی آنکھوں میں ایک گہرا سمندر، جس کی تہہ میں طوفان چھپے تھے۔ وہ مضبوط تھی، مگر آج ڈر گئی تھی۔ وہ بہادر تھا، مگر آج اس نے خوف کو بہت قریب سے محسوس کیا تھا۔

کئی لمحے یوں ہی گزر گئے۔ پھر وہ دھیرے سے اٹھا اور اس کے قریب آ کر نیچے نرم قالین پر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنی پشت بیڈ کے کنارے سے ٹکا لی۔

"تمہیں نیند نہیں آ رہی؟" اس نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اس کی آواز میں ایک عجب سی نرمی تھی۔

"آرہی ہے، لیکن سونے کا دل نہیں ہے۔" وہ ہولے سے بولی۔

"سونے کا دل کیسے کرے گا؟" اس نے اگلا سوال کیا، نظریں اب بھی باہر خلا میں کچھ تلاش کر رہی تھیں۔

"جب تم اس نشان کی کہانی سناؤ گے۔" فجر کی آواز میں ایک ضد تھی، وہ آج یہ راز جاننا چاہتی تھی۔ اسکا نشان گزرے سالوں میں کافی حد تک بھر گیا تھا۔ اب وہ جلد کا حصہ تھا۔ نہ ابھرا ہوا تھا نہ برا لگتا تھا۔

اس کے گلے کی گلٹی ڈوب کر ابھری۔ چند لمحے گہری خاموشی چھائی رہی اور پھر اس کی آواز ابھری، جیسے کسی گہری کھائی سے آرہی ہو۔

"ڈیڈ کو مسلمانوں سے نفرت ہے۔" اس نے کہانی شروع کی۔ فجر کی تمام تر توجہ اب اس کی آواز پر تھی۔ وہ اسے دیکھ رہی تھی، اسے سن رہی تھی۔

"وہ نہیں چاہتے تھے کہ ہم بہن بھائی کبھی کسی مسلمان سے ملیں۔ یا ہم میں سے کوئی کسی مسلمان سے شادی کرے۔ مسلمان ہونا تو دور کی بات ہے۔"

اس کی آواز میں برسوں کا درد تھا۔ وہ ان کے نکاح کے بعد کی کہانی سنا رہا تھا۔ ہر لفظ کے ساتھ فجر کی پلکیں بھاری ہو رہی تھیں۔ درد کش دوا اپنا اثر دکھا رہی تھی اور دن بھر کا ذہنی اور جسمانی تھکاوٹ اس پر غالب آرہی تھی۔

"مجھے یہ نشان اس لیے دیا گیا کہ مجھے کوئی اس کے ساتھ قبول نہ کرے، خاص طور پر تم۔۔۔۔"

اس نے اپنی بات مکمل کر کے رخ موڑا تاکہ فجر کے تاثرات دیکھ سکے اور وہ ساکت رہ گیا۔ وہ سو چکی تھی۔ اس کی سانسیں ایک منظم ترتیب سے چل رہی تھیں اور اس کے معصوم چہرے پر سکون تھا۔

اس کے سنجیدہ چہرے پر ایک دھیمی سی، اداس مسکراہٹ ابھری۔ وہ جانے کتنی دیر اسے دیکھتا رہا۔ پھر وہ آہستگی سے اٹھ کھڑا ہوا، اس پر کمبل درست کیا اور کمرے کی مدھم روشنی کو ویسے ہی چھوڑ کر باہر نکل گیا۔ اس نے باہر سے دروازہ لاک کیا اور اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ اس کی چال میں اب ایک نیا عزم تھا۔ رات ابھی باقی تھی، اور اسے **'دی ڈین'** نامی جگہ کا حساب چکانا تھا۔

اس کے اندر کا لاوا پھٹنے کو تیار تھا۔ کچھ دیر بعد جب وہ اپنے کمرے سے باہر نکلا تو وہ ولی نہیں تھا، جو عام سا نظر آتا تھا۔ وہ رات کا ایک سایہ تھا، انتقام کی آگ میں لپٹا ایک وجود!

اس نے سیاہ چمڑے کی جیکٹ پہنی تھی، سر پر سیاہ کیپ اس طرح کھینچ لی تھی کہ اس کی کا چہرہ چھپنے لگے۔ چہرے پر چڑھا سیاہ ماسک اس کی شناخت کو مکمل طور پر نگل چکا تھا۔ وہ پارکنگ میں کھڑی گاڑی تک آیا، قدموں میں کوئی لڑکھڑاہٹ نہیں تھی، صرف ایک ٹھوس، بے رحم ارادہ تھا۔

گاڑی اسٹارٹ کرنے سے پہلے اس نے چند لمحے اسٹیئرنگ ویل پر ہاتھ رکھے، اس کی آنکھیں بند تھیں، مگر ذہن میں فجر کا خون آلود چہرہ اور ان لڑکوں کے تمسخر اڑاتے قہقہے گونج رہے تھے۔

پھر گاڑی شہر کی سنسان سڑکوں پر دوڑنے لگی۔ وہ جان بوجھ کر ان گلیوں سے گزرا جہاں کوئی نہیں تھا، جیسے وہ خود کو آنے والے طوفان کے لیے تیار کر رہا ہو۔ ایک پرانی، زنگ آلود مارکیٹ کے پاس پہنچ کر وہ رکا۔ وہاں ایک دکان تھی جو رات گئے تک کھلی رہتی تھی، جہاں تعمیراتی سامان ملتا تھا۔ اس نے دکاندار کو پیسے دیے اور بنا کچھ کہے، ایک ٹھوس، وزنی لوہے کی سلاخ اٹھالی۔ اس سلاخ کی ٹھنڈک اس کے دستانے پہنے ہاتھوں میں اترتی محسوس ہوئی، جیسے یہ اس کے ارادوں کی توسیع ہو۔

وہاں سے نکل کر وہ مزید آدھا گھنٹہ سڑکوں پر گھومتا رہا، جب تک اسے **'دی ڈین'** کا دھندلا سا نیون سائن نظر نہیں آیا۔ یہ جگہ شہر کے ایک فراموش شدہ صنعتی علاقے میں تھی، جہاں قانون کی حکمرانی ختم ہو جاتی تھی۔ یہ جرائم پیشہ افراد کا اڈا تھا، ایک ایسی جگہ جہاں رات کی تاریکی میں گناہ پروان چڑھتے تھے۔ اس نے گاڑی کچھ فاصلے پر ایک اندھیری گلی میں روکی، انجن بند کیا اور رات کی خاموشی کو خود پر طاری ہونے دیا۔

اس نے کیپ کو مزید نیچے کھینچا، ماسک درست کیا اور اپنے بھاری کمبیٹ بوٹوں کے تسمے کسے۔ پھر اس نے ساتھ والی سیٹ سے وہ لوہے کی سلاخ اٹھائی۔ گاڑی کا دروازہ تقریباً بے آواز کھلا اور وہ باہر نکلا۔

اب وہ مضبوط قدم دھرتا اندر بڑھ رہا تھا۔ اس کے بوٹوں کی آہٹ بجری پر ایک منحوس تھاپ کی طرح گونج رہی تھی۔ **'دی ڈین'** کے دروازے پر کوئی گارڈ نہیں تھا، یہاں آنے والے خود اپنی حفاظت کے ذمہ دار تھے۔ اس نے زنگ آلود دروازے کو دھکا دیا اور اندر داخل ہو گیا۔

اندر کا منظر باہر سے بھی زیادہ غلیظ تھا۔ ہوا میں سگریٹ، شراب اور انسانی پسینے کی بو کا ایک ناقابلِ برداشت امتزاج تھا۔ ایک کونے میں کچھ لوگ تاش کھیل رہے تھے، جب کہ ایک ٹوٹی ہوئی میز پر دو لڑکے بیٹھے تھے، جو نشے میں تقریباً ڈوب چکے تھے۔ ان کی آنکھیں سرخ تھیں اور چہروں پر احمقانہ مسکراہٹ تھی۔

ان میں سے ایک وہی تھا، جس نے فجر کو گاڑی سے باہر پھینکنے کے بعد کھڑے ہو کر اسے دیکھا تھا، اس کی آنکھوں میں وہی شیطانی چمک تھی۔

ولی سائے کی طرح ان کی میز پر آ کھڑا ہوا۔ اس کی آمد اتنی اچانک اور خاموش تھی کہ ایک لمحے کے لیے انہیں محسوس ہی نہیں ہوا۔ پھر ایک لڑکے کی نظر اس پر پڑی۔ اس کی نشے میں دھت آنکھیں پہلے حیرت سے پھیلیں، جان لیوا خوف نے جگہ بنالی۔

"کک۔۔۔کون۔۔۔ہو۔۔تم؟"اس کی زبان لڑکھڑائی۔

اس نے جواب نہیں دیا۔آنکھوں میں کوئی جذبہ نہیں تھا،نہ غصہ،نہ نفرت،صرف ایک برفانی سرد مہری۔اس نے ایک قدم آگے بڑھایااور لوہے کی سلاخ ہوامیں بلند کی۔

پہلاوار ہوااور اس کے ساتھ ہی ایک دل دہلا دینے والی چیخ گونجی۔سلاخ سیدھااس لڑکے کے دائیں ہاتھ پڑی تھی۔ہڈی ٹوٹنے کی کرخت آوازنے باقی ماندہ شور کو چیر دیا۔وہ کرسی سے گر کر فرش پر تڑپنے لگا،اس کا چہرہ درد سے مسخ ہو چکا تھا۔

دوسرا لڑکا حواس باختہ ہو کر اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کا دوسرا وار اس کے بائیں ہاتھ پر پڑا۔اس کی چیخ حلق میں ہی گھٹ گئی۔ولی کی حرکت میں ایک مشینی درندگی تھی۔نہ کوئی اضافی حرکت،نہ کوئی ضائع شدہ لمحہ!

وہ دونوں اب فرش پر تھے،اپنے ٹوٹے ہوئے بازوؤں کو سمیٹے ہوئے،درد سے بلبلا رہے تھے۔وہ خود کو بچانے کی کوشش کر رہے تھے،گھسیٹ کر دور جانا چاہتے تھے،مگر بے سود۔ولی ان کے اوپر ایک قہر بن کر کھڑا تھا۔اس نے پے در پے کئی وار کر کے ان دونوں کے صرف ہاتھ توڑے۔کہیں اور نہیں مارا تھا۔ایک کونے میں بیٹھے وہ تاش کھیلتے لڑکے بھاگ گئے تھے۔

پھر اس نے جھک کر اس لڑکے کے بالوں کو اپنی آہنی گرفت میں لیا۔اس کی آنکھوں میں اب دہشت ناچ رہی تھی۔

"اپنی میڈم کو میرا پیغام دو۔"اس کی آواز ابھری،مگر یہ وہ آواز نہیں تھی جو فجر سنتی تھی۔یہ گہری،کھردری اور ایک واضح سکاٹش لہجے میں تھی۔

"اسے میرا یہ پیغام دو کہ میں اس کی شہ رگ تک پہنچ کر رہوں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے اس کا سر فرش پر پٹخ دیا اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔ ایک نظر فرش پر تڑپتے ہوئے ان نشئیوں پر ڈالی اور پھر جس خاموشی سے آیا تھا، اسی خاموشی سے پلٹ گیا۔ اس نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ اس کے بوٹوں کی آواز آہستہ آہستہ دور ہوتی گئی اور پھر رات کی خاموشی میں گم ہو گئی۔

'دی ڈین' میں اب صرف دو انسانوں کے کراہنے کی آوازیں تھیں، اور ہوا میں ایک پیغام گونج رہا تھا۔ ایک ایسا پیغام جو خون اور ٹوٹی ہوئی ہڈیوں سے لکھا گیا تھا۔

✿••✿••✿••✿

جب وہ واپس فجر کے کمرے میں داخل ہوا تو رات کا آخری پہر تھا۔ اس نے جیکٹ، کیپ اور ماسک اتار کر اپنی پرانی شناخت دوبارہ اوڑھ لی تھی مگر اس کے اندر کا طوفان ابھی تھما نہیں تھا۔ اس نے دروازہ آہستگی سے کھولا، یہ سوچ کر کہ وہ اب تک سو رہی ہو گی، مگر وہ کمرے کے عین بیچ میں کھڑی تھی، ہاتھ میں فون پکڑے اس کی مدھم روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی، جس پر تفکر کے سائے تھے۔ دروازہ کھلنے کی آہٹ پر اس نے سر اٹھایا۔

"تم کہاں گئے تھے؟" وہ آگے بڑھی۔ آواز میں بے چینی صاف ظاہر تھی۔

"کچھ نہیں، بس تازہ ہوا کھانے گیا تھا۔" اس نے دروازہ بند کرتے ہوئے نرمی سے کہا۔ آواز میں وہی اپنائیت تھی۔ وہ فجر کی جانب بڑھا۔

فجر نے حیرت سے اسے دیکھا۔اس کی آنکھیں ولی کے چہرے، اس کے لباس اور اس کی چال کا جائزہ لے رہی تھیں۔چند لمحے جانچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے کے بعد اس کی آواز ابھری، جس میں شک کی ایک ہلکی سی لکیر تھی۔

"ہوا کھانے یا کھلانے؟" اس نے بھنویں سکیڑ کر پوچھا۔

اس کی بات پر ولی کے لبوں پر ایک بے ساختہ، دلکش مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کیسی خوفناک باتیں کر رہی ہو؟ میں ایڈنبرا کا معصوم سا انسان ہوں۔" اس نے آگے بڑھ کر فجر کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔اس کی گرفت مضبوط مگر نرم تھی۔وہ اب اس کے سرد ہاتھ اپنے گرم ہاتھوں میں لیے کھڑا تھا، اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے، جیسے وہ اس کی روح میں اتر کر سارے شک دور کر دینا چاہتا ہو۔

"اس معصوم انسان پر مجھے شک کیوں ہو رہا ہے؟" فجر نے بھی اسی کے انداز میں جواب دیا۔

"اتنا شک نہیں کرتے، بیگم صاحبہ! صحت کے لیے اچھا نہیں ہوتا۔" اس نے دلکشی سے کہا۔پھر عام سے انداز میں فجر کا ایک ہاتھ چھوڑا اور دوسرا ہاتھ اوپر اٹھا کر اس کے سر سے گزارتے ہوئے اسے ہلکا سا گھمایا۔

فجر اس کے اس غیر متوقع عمل پر خود کو روک نہ پائی اور ہلکے سے گھوم گئی۔اس کے چہرے پر حیرت اور مسکراہٹ کا امتزاج تھا۔

"میں فجر معراج ہوں۔میں خطروں اور زخموں کو سونگھ لیتی ہوں۔" اس نے گھومتے ہوئے جواب دیا۔آواز میں ایک فخر اور چیلنج تھا۔

ولی نے اسے گھوم کر واپس اپنی جانب کیا اور اس کا ہاتھ نرمی سے اپنے کندھے پر رکھتے ہوئے اسے اپنے قریب کر لیا۔ وہ اب اس کے نزدیک تھا۔

"اچھا۔۔۔ تو پھر ابھی کیسا محسوس ہو رہا ہے؟" اس نے دھیرے سے پوچھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک گہری، مقناطیسی کشش تھی۔

"سچ بتاؤں؟" فجر اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے بولی۔ اس لمحے میں وقت جیسے تھم گیا تھا۔

"ہاں۔۔۔" اس کی آواز ایک سرگوشی کی مانند تھی۔ وہ دونوں ساکت کھڑے تھے، دنیا سے بے خبر، صرف ایک دوسرے کے وجود سے آگاہ۔

"بہت اچھا۔۔۔" فجر کے لبوں پر ایک جذب بھری، مطمئن مسکراہٹ ابھری۔ اس کی آنکھوں میں موجود سارے شک پگھل کر اعتماد کی چمک میں بدل گئے۔

"مجھے پتا ہے تم کچھ تو کر کے آئے ہو اور مجھے اچھا لگ رہا ہے۔"

وہ دونوں ایک جیسے تھے۔ جیسے ایک روح کے دو حصے!

"لیکن تمہیں احتیاط کرنی چاہیے۔" اس نے اپنا سر ولی کے کندھے پر ٹکایا۔

فجر کی مسکراہٹ دیکھ کر اس کے چہرے پر بھی سکون کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اس لمحے، اس کے لیے دنیا کی سب سے بڑی جیت اس کی یہی مسکراہٹ تھی، جو بتا رہی تھی کہ اس کے سائے میں، وہ محفوظ تھی۔

✿••✿••✿••✿

دن کی روشنی رات کے سایوں سے بالکل مختلف تھی۔ لندن کی صبح شفاف اور روشن تھی، جس میں ایک نئی امید کی جھلک تھی۔ ایمبر لائٹ اسٹوڈیو کی چمکتی ہوئی شیشے کی عمارت میں داخل ہوتے ہوئے فجر اور ولی دونوں کے چہروں پر ایک پر اعتماد سکون تھا۔ رات کا خوف اور تشدد اب ایک دھندلی یاد کی طرح تھا، جسے دن کی کامیابی نے پیچھے دھکیل دیا تھا۔

دوسری میٹنگ کامیاب رہی۔ کانٹریکٹ ان کے سامنے میز پر رکھا تھا، اور قلم کی ایک جنبش نے اسے ان کے حق میں کر دیا۔ جب انہوں نے دستخط شدہ دستاویزات کا تبادلہ کیا تو کمرے میں ایک پیشہ ورانہ خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

اسٹوڈیو سے باہر نکل کر وہ ابھی اپنی گاڑی کی طرف بڑھ ہی رہے تھے کہ اس کا فون بج اٹھا۔ اسکرین پر چمکتا نام دیکھ کر اس کے لبوں پر ایک بے ساختہ مسکراہٹ آئی۔

"ہیلو نساء کیسی ہو؟" اس نے خوش دلی سے پوچھا۔

مگر دوسری طرف سے آنے والی آواز نے ایک لمحے میں اس کے چہرے سے سارے رنگ نچوڑ لیے۔ اس کی مسکراہٹ یکلخت غائب ہو گئی، آنکھیں پھیل گئیں۔ فجر، جو چند قدم آگے نکل گئی تھی، اس کی بدلی ہوئی حالت دیکھ کر ٹھٹکی اور تیزی سے پلٹی۔

ولی کا چہرہ سفید پڑ چکا تھا، جیسے کسی نے اس کے وجود سے تمام زندگی کھینچ لی ہو۔ وہ فون کان سے لگائے ساکت کھڑا تھا، مگر اس کا پورا جسم لرز رہا تھا۔

"کب؟ کیسے؟ آئی سی یو؟" اس کے منہ سے ٹوٹے پھوٹے الفاظ نکل رہے تھے۔ فون بند ہوا اور بے جان ہاتھ سے نیچے لٹک گیا۔

"سب ٹھیک ہے؟" فجر نے اس کا بازو تھام کر جھنجھوڑا۔

اس نے خالی نظروں سے فجر کو دیکھا۔ اس کی آواز ایک زخمی سرگوشی کی طرح نکلی،

"نینی۔۔ انہیں۔۔ انہیں ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ وہ آئی سی یو میں ہیں۔۔۔ حالت بہت نازک ہے۔"

یہ خبر کسی دھماکے سے کم نہ تھی۔ جس شخص نے رات بھر اپنے جذبات پر ایک فولادی غلاف چڑھا رکھا تھا، وہ اس ایک خبر سے ریزہ ریزہ ہو گیا تھا۔ نینی صرف ایک ملازمہ نہیں تھیں، وہ اس کی ماں جیسی تھیں، اس کا گھر تھیں، اس کے بچپن کی شیریں یاد تھیں۔

ان کی واپسی کی فلائٹ اسی شام کی تھی۔

"تم یہیں سے ایڈنبرا چلے جاؤ۔" فجر نے مضطرب ہو کر کہا۔ "میں پاکستان چلی جاؤں گی۔ تمہارا وہاں ہونا زیادہ ضروری ہے۔"

جبکہ وہ گہری سوچ کا شکار نظر آ رہا تھا۔ وہ اسے اکیلے چھوڑ کر کبھی نہ جاتا۔ کسی صورت نہیں۔

"میں کوئی حل نکالتا ہوں۔"

وہ اس کے لیے اپنی سب سے بڑی پریشانی کو بھی پسِ پشت ڈال رہا تھا۔ فجر نے خاموشی سے سر ہلا دیا۔

لاہور کی فلائٹ میں آٹھ گھنٹے کا سفر جیسے آٹھ صدیوں پر محیط تھا۔ وہ کھڑکی سے باہر خلا میں گھورتا رہا، اس کا جسم ساکت تھا مگر اندر ایک طوفان برپا تھا۔ اس نے بڑی مشکل سے لاہور پہنچنے سے چند گھنٹے پہلے ہی ایڈنبرا کی فلائٹ بک کر لی تھی۔ فجر خاموشی سے اس کی اذیت کو محسوس کر رہی تھی۔ وہ کچھ کہہ کر اس کا دکھ بانٹنا چاہتی تھی مگر الفاظ اس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ اس نے ہمت کر کے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھا۔ ولی نے چونک کر اسے

دیکھا اور پھر اپنا ہاتھ ہٹائے بغیر، اپنی انگلیوں سے اس کی گرفت کو مضبوط کر لیا۔ یہ ایک خاموش اقرار تھا کہ اس لمحے میں اسے اس ساتھ کی کتنی ضرورت تھی۔

برٹش ایئرویز کی پرواز رات گئے علامہ اقبال انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر اتری۔ لاہور کی ہوا میں مخصوص نمی اور مانوس خوشبو تھی، مگر اس وقت دونوں کے حواس معطل تھے۔ ان کے پاس صرف چند گھنٹے تھے۔ اگلی فلائٹ قطر ایئرویز کی تھی، جو دوحہ کے راستے ایڈنبرا جانی تھی۔ اسے اسی فلائٹ کی ٹکٹ ملی تھی۔

انہوں نے فیصلہ کیا کہ یہ وقت ایئرپورٹ کے قریب ہی کسی لاؤنج گزارا جائے۔

ایئرپورٹ کے قریب ایک خاموش لاؤنج میں وہ ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے تھے۔ کافی کے کپ میز پر پڑے ٹھنڈے ہو رہے تھے۔ ولی خود کو سنبھال چکا تھا، اس کے چہرے پر ایک سپاٹ سنجیدگی تھی مگر فجر اس کے اندر کی ٹوٹ پھوٹ کو صاف دیکھ سکتی تھی۔

اور وہ خود؟ اس کے اندر ایک انجانا خوف سر اٹھا رہا تھا۔ اس کی چھٹی حس پوری شدت سے خطرے کی گھنٹیاں بجا رہی تھی۔ یہ صرف نینی کی بیماری کی فکر نہیں تھی، یہ کچھ اور تھا۔ ایک بے نام سا وسوسہ، ایک گہرا ڈر کہ اگر ولی اس بار گیا تو شاید وہ اسے دوبارہ کبھی نہیں دیکھ پائے گی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے ان کے درمیان کوئی نادیدہ دیوار کھڑی کی جا رہی تھی۔ جیسے قسمت انہیں جدا کرنے پر تلی ہوئی تھی۔

وہ بظاہر پرسکون نظر آنے کی پوری کوشش کر رہی تھی مگر اس کی آنکھیں بار بار بھر آتیں اور وہ انہیں چھپانے کے لیے ادھر ادھر دیکھنے لگتی۔

ولی کی گہری آواز نے اس کی سوچوں کا تسلسل توڑا۔

"میری طرف دیکھو۔"

فجر نے ہمت کر کے نظریں اٹھائیں۔اس کی آنکھوں میں چھپا خوف ولی سے چھپ نہ سکا۔

"میں جانتا ہوں تم کیا سوچ رہی ہو۔"اس نے میز پر سے فجر کے سرد ہاتھ اپنے گرم ہاتھوں میں لے لیے۔"کچھ نہیں ہو گا۔میں بس نینی کو دیکھ کر، ان کی خیریت یقینی بنا کر فوراً واپس آ جاؤں گا۔میں وعدہ کرتا ہوں۔"

"میں جانتی ہوں۔۔۔"وہ بمشکل بولی۔

"اگر نینی کا معاملہ نہ ہوتا تو میں تمہیں ایک لمحے کے لیے بھی چھوڑ کر نہ جاتا۔تم جانتی ہو، وہ میرے لیے کیا ہیں۔"

اس کی آواز مین کوئی لڑکھڑاہٹ نہیں تھی۔

"تم میرا گھر ہو فجر! میں بے گھر کیسے رہ سکتا ہوں؟"

اس نے فجر کے ہاتھ پر ہلکا سا دباؤ ڈالا۔

فجر نے اثبات میں سر ہلایا۔وہ نارمل نظر آنا چاہتی تھی، اسے مضبوط دکھنا چاہتی تھی مگر اندر کا خوف اس پر حاوی ہو رہا تھا۔

ان دونوں سے مزید کچھ نہ بولا گیا۔

فلائٹ کا وقت ہو گیا تھا۔ وہ اسے ڈراپ کرنے کے لیے روانگی لاؤنج تک آیا۔ شیشے کی دیوار کے اس پار جانے سے پہلے وہ رکا۔ ایک لمحے کے لیے دنیا تھم گئی۔ انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا، آنکھوں ہی آنکھوں میں وہ ساری باتیں کہہ دیں جو زبان پر نہ آسکیں۔ الوداع کہنا بہت مشکل تھا۔

"میں جلد آؤں گا۔" اس نے فجر کی پیشانی پر لب رکھے۔ ٹھیک اس جگہ جہاں چوٹ لگی تھی۔ پٹی بندھی تھی۔ وہ بس خود پر ضبط کیے کھڑی رہی۔ وہ اتنا ضروری کب ہوا تھا کچھ پتا نہیں چلا۔

یہ کہہ کر وہ مڑا اور تیز قدموں سے امیگریشن کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا، شاید اس میں پلٹنے کی ہمت نہیں تھی۔

فجر اسے شیشے کے پار جاتے دیکھتی رہی، جب تک اس کا وجود نظروں سے اوجھل نہیں ہو گیا۔ اس کا دل ڈوب گیا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی بہت قیمتی حصہ اس سے جدا ہو کر چلا گیا ہو۔ ہیزل آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ دل کیا پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔ جو کامیابی اسے ملی تھی وہ اس احساس کے آگے کچھ بھی نہیں تھی۔

اس وقت اس کے دل میں ایک ہی دعا تھی، ایک ہی التجا کہ اس کی چھٹی حس اس بار غلط ثابت ہو۔ کہ اس کا ولی، اس کا محافظ، اس کے پاس لوٹ آئے۔

✿••✿••✿••✿

رات اپنے آخری پہر میں داخل ہو رہی تھی۔ اورنگزیب مینشن کے وسیع و عریض اسٹڈی روم میں ایک مہیب خاموشی طاری تھی، جسے صرف قدیم گھڑیال کی ٹک ٹک کی مدھم آواز توڑ رہی تھی۔ رئیس، جس کے نام کی ہیبت سے شہر لرزتا تھا، اس وقت اپنے چمڑے کے گہرے سبز صوفے پر نیم دراز تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے سے وہ

منظر نہیں چھٹ رہا تھا۔ وہ خود کو ملامت کر رہا تھا کہ آخر اس نے ایک لڑکی کو اپنی کمزوری کیوں بننے دیا؟ لڑکی بھی وہ جو دشمن تھی۔

اس کے چہرے پر پہلے سے ہی ذہنی کلفت کے آثار تھے، ایک بے چینی جو فجر اور ولی کے لندن جانے کے بعد سے اس کے وجود کا حصہ بن گئی تھی۔

تبھی ملازم نے جھجکتے ہوئے اطلاع دی کہ اس کے نام ایک پارسل آیا ہے۔ اس بے وقت پارسل نے اس کے ماتھے پر شکنوں کو مزید گہرا کر دیا۔ اس نے سپاٹ لہجے میں اسے اندر لانے کا حکم دیا۔

یہ ایک عام سا بھورے کاغذ میں لپٹا ڈبہ تھا، جس پر کوئی نام یا پتہ درج نہیں تھا۔ ایک بے نام خطرہ اس کے دل میں سر اٹھانے لگا۔ اس نے دھیرے سے اسے کھولا۔ اندر کوئی خط نہیں تھا، کوئی پیغام نہیں تھا۔ بس چند تصویریں تھیں۔ اس نے پہلی تصویر اٹھائی۔

اس کے مضبوط ہاتھ ایک لمحے کے لیے کانپے۔ یہ پولیس اسٹیشن کے باہر کا منظر تھا۔ ولی کا ایک بازو فجر کے گرد تھا، اسے اپنے وجود کے حصار میں لیے کھڑا تھا اور فجر کا چہرہ اس کے سینے میں چھپا ہوا تھا۔ ان کی قربت میں ایک ایسی بے تکلفی تھی جو باس اور پرسنل اسسٹنٹ کے رشتے سے کہیں آگے تھی۔

اس کا حلق خشک ہو گیا۔ اس نے دوسری تصویر اٹھائی۔ یہ کسی ریستوران کی تھی۔ ولی کے ہاتھ میں نوالہ تھا اور وہ مسکراتے ہوئے فجر کو کھلا رہا تھا اور فجر کی آنکھوں میں ایک ایسی چمک تھی جو صرف کسی بہت خاص شخص کے لیے ہوتی ہے۔

تیسری تصویر۔۔۔چوتھی۔۔۔ہر تصویر زہر میں بجھے ایک تیر کی طرح اس کے دل میں پیوست ہو رہی تھی۔ ایک تصویر میں ولی اس کا ہاتھ تھامے بیٹھا تھا۔اور پھر وہ آخری تصویر۔۔۔جس نے اس جیسے پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر دیا۔

یہ حملے کے فوراًبعد کی تصویر تھی۔فجر تکلیف کے عالم میں اس کی بانہوں میں تھی اور ولی اسے خود میں بھینچے ہوئے، اس کی پیشانی کو چوم رہا تھا۔اس کے انداز میں ملکیت تھی،عبادت تھی،ایک ایسی شدت تھی جیسے فجر اس کی کائنات کا مرکز ہو۔جیسے وہ اس کے لیے سب کچھ ہو۔

وہ جو اندھا نہیں تھا مگر پھر بھی ایک موہوم سی امید لگائے بیٹھا تھا کہ اس کے خدشے غلط ہوں، کہ ان کے درمیان پیشہ ورانہ حد سے آگے کچھ نہیں ہو گا۔یہ تصویریں اس کے منہ پر ایک کرارا طمانچہ تھیں۔یہ ثبوتوں کا ایک لشکر تھا جس نے اس کی آخری امید کو بھی کچل ڈالا تھا۔وہ پھر سے دھوکا کھا گیا تھا۔

اس کے ہاتھ سے تصویریں چھوٹ کر قیمتی ایرانی قالین پر بکھر گئیں۔وہ شخص جس کی انگلیاں بڑے بڑے معاہدوں پر دستخط کرتے ہوئے کبھی نہیں لرزتی تھیں،اس وقت کپکپا رہی تھیں۔اس کی انگلیوں کے پور سفید پڑ چکے تھے۔گلے میں اذیت کا ایک گولہ اٹک گیا مگر زبان سے ایک لفظ نہ بولا۔

اسے ولی پر بھروسہ تھا،اپنی ذات سے بڑھ کر بھروسہ تھا۔اسے یقین تھا کہ ولی اسے دھوکا نہیں دے سکتا۔اگر ان کے درمیان کچھ تھا تو وہ اسے خود بتاتا۔وہ رئیس اورنگزیب کو دھوکا کیسے دے سکتا تھا؟اسے تو فجر کی حفاظت کے لیے بھیجا گیا تھا،اس کے دل پر پہرا بٹھانے کے لیے نہیں!

مگر یہ سچائی اتنی بھیانک تھی کہ وہ اس وقت چیخ نہیں سکتا تھا،دنیا درہم برہم نہیں کر سکتا تھا۔یہ رئیس اورنگزیب کی شان کے خلاف تھا۔وہ اپنی شکست اور اپنے ٹوٹنے کا تماشا نہیں بنا سکتا تھا۔

اس نے بس اپنی گردن صوفے کی پشت پر گرادی اور آنکھیں سختی سے میچ لیں۔

اندر ایک طوفان تھا مگر باہر مکمل سکوت۔ وہ کیسے کسی اور کو الزام دیتا؟ کیسے ان پر دھوکے کا الزام لگاتا؟ اس کا اپنا دل تو خود اس سے دغا کر گیا تھا۔ جو جذبہ اس نے برسوں سے اپنے سینے میں دفن کر رکھا تھا، وہ ایک لڑکی کے لیے امڈ آیا تھا۔ جب وہ خود محبت کے آگے بے بس ہو گیا تھا تو وہ کسی اور کو قصوروار کیسے ٹھہراتا؟

یہ احساس اسے اندر ہی اندر کھا رہا تھا۔ اس کی زبان اس کے اپنے دانتوں تلے دبی ہوئی تھی، ہونٹ آپس میں پیوست تھے، جیسے وہ ایک چیخ کو باہر آنے سے روک رہا ہو۔ تکلیف حد سے زیادہ تھی، سانس سینے میں اٹک رہی تھی پھر بھی اس نے کوئی حرکت نہ کی۔ وہ طاقتور تھا اور طاقتور لوگ اپنی کمزوری نہیں دکھاتے۔ وہ اپنے مقام سے نہیں گرنا چاہتا تھا اور یہی ضبط، یہی انا، اسے اندر سے توڑ رہی تھی۔

پھر ضبط کا آہنی حصار ٹوٹ گیا۔

ایک آنسو، صرف ایک، اس کی بند آنکھ کے گوشے سے پھسلا اور اس کی کنپٹی سے ہوتا ہوا صوفے کے گہرے سبز چمڑے میں جذب ہو گیا۔ کسی نے نہیں دیکھا، کسی نے نہیں سنا۔ یہ ایک طاقتور آدمی کی خاموش شکست کا واحد گواہ تھا، جو رات کی تاریکی اور تنہائی میں ہمیشہ کے لیے دفن ہو گیا۔

✿••✿••✿••✿

سورج کی پہلی کرنیں لاہور کے آسمان پر پوری طرح پھیل چکی تھیں۔ وہ گھر کے اندر داخل ہوئی۔ اس کی چال میں سفر کی تھکاوٹ تھی مگر اس سے کہیں زیادہ ایک گہری جذباتی ماندگی تھی۔ کامیابی کا تاج اس کے سر پر سجا تھا، ایک

ایسا بین الاقوامی معاہدہ جس کا خواب اس نے ہمیشہ دیکھا تھا مگر اس کا پہلو خالی تھا۔ ولی کی غیر موجودگی ایک ایسے خلا کی طرح تھی جسے دنیا کی کوئی کامیابی پر نہیں کر سکتی تھی۔

لاؤنج میں ہی اماں اور بانو اس کی منتظر تھیں۔ بانو کا چہرہ اسے دیکھ کر کھل اٹھا، مگر اماں خلافِ توقع خاموش تھیں، ان کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔

"فجر باجی! آ گئیں آپ؟ کیسا رہا سفر؟" بانو لپک کر آگے بڑھی، مگر اس کی نظر فجر کے ماتھے پر بندھی پٹی اور چہرے پر موجود ہلکی خراشوں پر پڑی۔ "ارے اللہ! یہ کیا ہوا؟ یہ چوٹ کیسی؟"

بانو کے نہ ختم ہونے والے سوالات کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ فجر نے ایک تھکی ہوئی مسکراہٹ سے اسے ٹالنے کی کوشش کی۔ "کچھ نہیں بانو، ایک چھوٹا سا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

وہ خوش نظر آنے کی سر توڑ کوشش کر رہی تھی، اپنی فتح کا احساس دلانا چاہتی تھی مگر اس کی بھیگی آنکھیں اس کی اداسی کی چغلی کھا رہی تھیں۔ وہ چیخ چیخ کر رونا چاہتی تھی، اس خلا کا ماتم کرنا چاہتی تھی جو ولی کے جانے سے پیدا ہوا تھا مگر وہ ہونٹ بھینچے کھڑی رہی۔ اماں اسے غور سے دیکھ رہی تھیں، ایک ایسی نظر سے جو اس کے وجود کے آر پار دیکھ رہی ہو، مگر اس نظر میں ممتا کی گرمجوشی کے بجائے برفانی سرد مہری تھی۔

فجر نے پانی کے چند گھونٹ پیے اور وہیں صوفے پر نڈھال سی ہو کر بیٹھ گئی۔ اماں نے اس سے ایک بھی سوال نہیں پوچھا، نہ چوٹ کا، نہ سفر کا، نہ کامیابی کا۔ ان کی خاموشی کسی آنے والے طوفان کا پتا دے رہی تھی۔

سامان اس کے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ وہ اب فون نکالے میسج ٹائپ کر رہی تھی۔ **"میں نے پروجیکٹ جیت لیا۔"** میسج اس نے رئیس کو کیا تھا۔ ابھی وہ سینڈ ہوا بھی نہیں ہو گا کہ تبھی اس کی نظر سامنے میز پر رکھے شاندار گلدستے پر پڑی۔ رنگ برنگے، تر و تازہ پھولوں سے ایک مہک اٹھ رہی تھی۔

"یہ کس نے بھیجے ہیں؟" اس نے بے دلی سے پوچھا، مگر دل میں ایک انجانا دھڑکا تھا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور پھولوں کے درمیان لگے چھوٹے سے کارڈ کو اٹھایا۔

جیسے ہی اس نے کارڈ کھولا، اس پر لکھی چند سطروں نے اس کی دنیا کو تہہ و بالا کر دیا۔ وقت جیسے تھم گیا، آوازیں معدوم ہو گئیں۔ اس کی پوری دنیا تین سو ساٹھ ڈگری پر گھوم گئی۔

"ویلکم بیک! زندگی کی سب سے بڑی کامیابی مبارک ہو! بلقیس کا بیٹا!(رئیس اورنگزیب)"

بریکٹ میں لکھے نام پر نظر پڑتے ہی اسے لگا جیسے لاؤنج کی چھت اس کے سر پر آ گری ہو۔ اسے اپنی پوری زندگی جھوٹ لگنے لگی۔

کارڈ اس کے بے جان ہاتھوں سے چھوٹ کر نیچے قالین پر گر گیا۔ وہ صوفے پر ڈھے گئی۔ اماں وہیں ساکت بیٹھی تھیں، بالکل سپاٹ چہرہ لیے۔ کئی لمحے، شاید صدیاں بیت گئیں، فجر کو یہ سمجھنے میں کہ جو اس نے پڑھا، وہ سچ تھا۔ اس نے جھک کر کانپتے ہاتھوں سے دوبارہ کارڈ اٹھایا۔ پھر سے پڑھا۔ الفاظ وہی تھے۔ ایک ایک حرف اس کے دل میں نشتر کی طرح چبھ رہا تھا۔

اس نے کپکپاتی انگلیوں سے کارڈ کو بھینچا اور اماں کی جانب دیکھا جو بے تاثر نظروں سے اسی کو دیکھ رہی تھیں۔

"اماں۔۔۔۔؟" اس کی آواز ایک ٹوٹی ہوئی سرگوشی تھی۔

"اماں یہ۔۔۔؟" وہ پوچھنا چاہتی تھی مگر الفاظ اس کے حلق میں ہی دم توڑ گئے۔

"اماں یہ سچ نہیں ہے نا؟" اس نے ایک آخری، موہوم سی امید کے ساتھ پوچھا۔ اس کی آنکھوں میں التجا تھی۔ وہ اٹھ کر اماں کی جانب آئی۔

"کہیں نا اماں یہ جھوٹ ہے۔ کہیں نا۔۔۔" اماں کے گھٹنے پر ہاتھ دھرتے وہ نیچے بیٹھی تھی۔ آواز بھرا گئی۔ آنکھوں میں آنسوؤں کا سمندر امڈ آیا۔

"یہی سچ ہے۔" ٹھنڈے، بے رحم الفاظ اماں کے لبوں سے ادا ہوئے۔

فجر بے یقینی سے انہیں دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھوں میں ہزاروں شکوے تھے۔

"آپ۔۔۔ آپ نے مجھ سے کیوں چھپایا۔۔۔؟" بڑی دیر بعد اس نے سوال کیا۔ بانو، جو کچن کے دروازے کی اوٹ میں کھڑی تھی، سہم کر پیچھے ہٹ گئی۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ کیا ہو رہا ہے، مگر فضا میں پھیلا درد اسے اپنی گرفت میں لے رہا تھا۔

"کیونکہ مجھے تم سے نفرت ہے فجر۔۔۔ شدید نفرت۔۔۔" اماں نے بغیر کسی لگی لپٹی کے کہا اور ان کے ہر لفظ نے فجر کے وجود کو چیر کر رکھ دیا۔ اماں کے گھٹنے پر جما اس کا ہاتھ ساکت رہ گیا۔

"اماں۔۔۔!" اس نے اذیت سے اپنی ماں کو دیکھا، اس عورت کو جسے وہ اپنی جنت بنانے کے لیے سب سہہ گئی تھی۔

"تم ملعون ہو فجر! ملعونوں سے کس کو محبت ہوتی ہے بھلا؟" ان کے الفاظ کسی تیز دھار آری سے کم نہ تھے۔

سب اسے cursed کہتے تھے۔مانتے تھے۔اسے فرق نہیں پڑتا تھا پر جب اماں اسے ملعون کہتی تھیں،وہ ہر بار اندر سے مر جاتی تھی۔

"تم ایک ان چاہا وجود ہو۔ہم نے کبھی تمہاری خواہش نہیں کی۔" وہ اسے نہیں سامنے دیکھ رہی تھیں۔کاش وہ اس کی کتب زدہ آنکھیں دیکھ لیتیں۔

"تم ہم پر عذاب کی طرح مسلط کی گئیں۔تمہارا ملعون ہونا سب کچھ نگل گیا۔"

فجر ضبط کیے انہیں دیکھتی رہی۔اس کے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔پلکیں لرز رہی تھیں۔وہ بہت کچھ کہنا چاہتی تھی مگر کچھ کہہ نہ سکی۔اپنا سو فیصد دے کر بھی وہ اماں کے دل میں رتی بھر جگہ نہیں بنا پائی تھی۔اس کی ساری زندگی، ساری کوششیں،سب بے معنی تھا۔اس کا ہاتھ اماں گھٹنے سے اٹھ گیا۔

"میں نے تمہیں روکا تھا۔میں نے کہا تھا کہ رئیس اورنگزیب سے دور رہو!مگر تم نے نہیں سنی۔تم اس کے جال میں پھنس گئیں۔تم نے اپنی موت خود چنی!"

ایک بے رحم سسکی فجر کے حلق میں ہی اٹک گئی۔

"تم منار کا متبادل ہو۔تم اپنے لیے نہیں بنی۔تمہاری کوئی پہچان نہیں ہے سوائے اس کے کہ تم پر رئیس اورنگزیب کا برا سایہ ہے۔

جو ہمیشہ رہے گا۔تمہاری ہر سانس،تمہاری ہر کامیابی،سب ایک دھوکا ہے جو تم نے خود کو دیا۔"

وہ ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹی۔اس کے اندر کچھ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گیا۔جس شخص کو وہ اپنا مسیحا سمجھتی تھی،وہی اس کی زندگی کا سیاہ سایہ نکلا۔جس کامیابی پر وہ نازاں تھی،وہ اس کی سب سے بڑی شکست تھی۔

اس نے مزید کچھ نہیں کہا، کچھ نہیں پوچھا۔ تمام سوالات دم توڑ چکے تھے۔ تمام جوابات مل چکے تھے۔ اس نے خالی نظروں سے اپنی اماں کو آخری بار دیکھا، پھر جھک کر وہ چھوٹا سا کارڈ اٹھایا۔ اسے مٹھی میں بھینچ لیا۔ اب اسے رئیس مینشن جانا تھا۔ وہ جانتی تھی، وہ اسکا انتظار کر رہا تھا۔

✿••✿••✿••✿

وہ نہیں جانتی تھی وہ وہاں تک کیسے پہنچی تھی۔ اس کا دماغ ماؤف تھا۔ ذہن اتنی بڑی حقیقت برداشت نہیں کر پا رہا تھا، ابھی تک لگ رہا تھا جیسے یہ کوئی بھیانک، بے رحم مذاق تھا۔ رئیس مینشن کا بڑا سا آہنی دروازہ گارڈ نے اس کے لیے کھولا اور وہ اندر داخل ہو گئی۔ اس کے قدموں تلے سفید چمکتا ہوا ماربل تھا اور اس کے ہاتھ میں بھینچا ہوا وہ کارڈ!

وہ سفید ماربل پر قدم دھرتی آگے بڑھ رہی تھی، ہر قدم پر جیسے کانچ کی کرچیاں بکھری ہوں۔ اس کی اپنی ذات ریزہ ریزہ ہو رہی تھی۔

وہ عالیشان ڈرائنگ روم سے گزرتے ہوئے بڑے سے لابی نما لاؤنج میں پہنچ چکی تھی۔ سامنے کی زینوں کے ایک جانب سے اس کی آواز ابھری۔

صرف اتنا ہی نہیں وہ ہار اپنی مان لے

وہ شخص ہمارے سامنے مجبور ہونا چاہیے

بڑی سی شہنشاہوں جیسی سفید کرسی جس کی لکڑی سنہری رنگ کی تھی، وہ اس پر یوں براجمان تھا جیسے کوئی بادشاہ اپنے تخت پر بیٹھا ہو۔ اس کے وجود سے ایک ناقابلِ تسخیر طاقت اور ہیبت پھوٹ رہی تھی۔ وہ چلتی ہوئی آئی اور

اس کے سامنے چند قدم کے فاصلے پر کھڑی ہو گئی۔ اس کا ہر قدم، دل پر پڑنے والے ہتھوڑے کی طرح تھا، جسے وہ سن رہا تھا، محسوس کر رہا تھا۔ اس نے کتاب بند کی اور ایک جانب رکھے میز پر دھری، پھر دھیرے سے رخ موڑ کر اسے دیکھا۔

ہیزل آنکھیں سرخ متورم ہو چکی تھیں، جیسے خون اتر آیا ہو۔ ہونٹ پھٹا ہوا تھا، سر پر پٹی بندھی تھی۔ وہ اس کے سامنے کھڑی تھی، ہاتھ میں وہ بھینچا ہوا، مڑا تڑا کارڈ تھا۔ اس کا پورا وجود آندھیوں کی ضد میں تھا۔ رئیس نے چند لمحے اسے دیکھا۔

"یہ جھوٹ ہے نا؟" اس نے کانپتا ہوا ہاتھ آگے بڑھایا۔ ہتھیلی پر وہ مسلا ہوا کارڈ رکھا تھا۔ اس کی آواز ایک زخمی سرگوشی تھی، ایک آخری امید کی التجا۔ وہ اسے امید بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی، جیسے کوئی ڈوبتا ہوا تنکے کا سہارا تلاش کرے۔

رئیس نے ایک گہری سانس لی جو اس کے سینے میں کہیں اٹک گئی۔

"میں جھوٹ نہیں بولتا۔"

ایک جملہ! اور سب کچھ ختم ہو گیا۔ اس کی امید کی آخری کرن بھی بجھ گئی۔ ہاتھ بے جان ہو کر پہلو میں گر گیا اور کارڈ چمچماتے ماربل پر جا گرا، جیسے اس کا اپنا وجود گرا ہو۔ وہ اب اسے شکوہ کناں نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں میں نفرت نہیں، صرف ایک گہرا، بے پایاں دکھ تھا۔

"تم شروع سے جانتے تھے؟ تم سب جانتے تھے؟ اماں کی طرح؟ تم نے بھی مجھے دھوکا دیا؟" وہ ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہی تھی۔ ہر لفظ اس کے حلق میں کانٹوں کی طرح چبھ رہا تھا۔

"میں دھوکے نہیں دیتا۔"

اس کے انداز میں وہی سکون، وہی ٹھنڈک تھی جو فجر کے اندر آگ لگا رہی تھی۔ اتنا بڑا طوفان برپا کر کے کوئی اتنا پر سکون کیسے رہ سکتا تھا؟

"تو وہ تم تھے؟ ہمیشہ سے؟ وہ کالا سایہ؟ وہ تم تھے؟"

اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ رئیس کا وجود آنسوؤں کے پردے کے پیچھے دھندلا سا گیا۔ اس کی پوری زندگی کسی فلم کی طرح آنکھوں کے سامنے گھوم گئی۔ لوگوں کا اسے ملعون کہنا، اسے دھتکارنا، اسے پھٹکارنا، اس سب کی وجہ وہ ایک شخص تھا جسے وہ واقعی اپنا مسیحا سمجھنے لگی تھی۔ جس کے ساتھ اس نے ایک خوبصورت، چمکتا ہوا، محفوظ گھر بنا لیا تھا۔ جہاں وہ اس کا سربراہ تھا۔ جس کی وجہ سے اسے لوگوں نے ہمیشہ تکلیف دی اور ستم ظریفی یہ کہ اس تکلیف پر پہلا مرہم بھی اسی نے رکھا تھا۔ اس تکلیف سے لڑنا بھی اسی نے سکھایا تھا۔ وہ دیکھ اسے رہی تھی مگر تصور کے پردے پر اس کی اپنی زندگی کسی فلم کی طرح چلتی رہی۔

"پھر بھی تم نے فرار کی راہ ڈھونڈ لی؟" وہ بس اتنا ہی بولا، مگر اس کے لہجے میں ایک عجیب سی کاٹ تھی۔

"کہہ دو یہ جھوٹ ہے۔ کہہ دو! پلیز۔۔۔" اس کا ذہن یہ قبول نہیں کر رہا تھا۔ وہ یہ حقیقت تسلیم نہیں کرنا چاہتی تھی کہ ہمیشہ اس کا مسیحا بننے والا شخص اس کی تمام محرومیوں، تمام تکلیفوں، تمام تنہائیوں کا ذمہ دار تھا۔ وہ یہ سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی کہ وہ اس کی وجہ سے ملعون ٹھہرائی گئی۔ وہ سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی جس "**بلقیس کے بیٹے**" سے وہ اس قدر نفرت کرتی تھی وہ کوئی اور نہیں **رئیس اور نگزیب** تھا۔

وہ اپنی زندگی میں رئیس کا بنا ہوا بلند مقام ٹوٹتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس کے اندر ایسی تکلیف تھی کہ دل چاہ رہا تھا دھاڑیں مار مار کر روئے۔ اس کالے سائے سے بچنے کے لیے ہی تو اس نے ارسل جیسے شخص کو فرار کا راستہ بنایا تھا۔

"میرے کہہ دینے سے حقیقت نہیں بدل جائے گی۔" اس بار اس کا لہجہ زخمی تھا مگر فجر صرف اپنی تکلیف محسوس کر سکتی تھی۔

"تمہاری وجہ سے۔۔۔ صرف تمہاری وجہ سے۔۔۔ میرے ماں باپ نے مجھے مارنا چاہا۔۔۔ تمہاری وجہ سے مجھے ہمیشہ نفرت ملی۔ تم نے یہ کیوں کیا؟ کیوں؟"

اس بار وہ پوری قوت سے چلائی۔ گردن کی نسیں ابھر آئیں۔ چہرہ سرخ انگارہ ہو رہا تھا، جیسے ابھی پھٹ جائے گا۔ ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ چکے تھے۔ وہ کھڑی نہ رہ پائی۔ گھٹنوں کے بل فرش پر گر گئی۔ کھڑے رہنے کی طاقت نہیں تھی۔

وہ یونہی بیٹھا رہا، کسی ڈارک لارڈ کی طرح، بے حس، بے حرکت۔ مگر اس کے حلق میں اذیت کا ایک گولہ اٹک چکا تھا۔ زندگی کا ایک ایک پل فجر کی آنکھوں کے سامنے گھوم گیا۔

"تم نے میری ساری روشنی چرا لی رئیس! تم نے مجھ میں اندھیرے بھر دیئے۔"

وہ روتی نہیں تھی۔ وہ رو رہی تھی۔ پھوٹ پھوٹ کر، سسکیاں لے کر۔ اس کا ہر آنسو اس سفید ماربل پر ایک داغ چھوڑ رہا تھا۔

اس نے پہلی بار اسے 'رئیس' کہا تھا۔ اس کا نام لیا تھا۔ وہ یہ 'رئیس' دوبارہ سننے کے لیے ایک سلطنت لٹا سکتا تھا، مگر افسوس اس وقت اپنی خاموش شکست کا تماشا دیکھ رہا تھا۔

"تم نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ کیوں کیا؟" وہ جواب چاہتی تھی۔ وہ ہر اس اذیت کا حساب چاہتی تھی جو اس نے بنا کسی جرم کے سہی تھی۔ ہر اس تکلیف کی وجہ جاننا چاہتی تھی جو اسے بے قصور ہوتے دی گئی تھی۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے قد کا سایہ فجر کے وجود پر پھیل گیا۔

"جاننا چاہتی ہو کیوں؟" وہ قدم دھرتا اس چبوترے سے نیچے اترا جس پر وہ کرسی دھری تھی اور چلتا ہوا اس کی جانب آیا۔ اس کے قدموں کی آہٹ بھی کسی شاہی فرمان کی طرح گونج گئی۔ پھر وہ پنجوں کے بل اس کے قریب بیٹھ گیا۔ اس کی قربت کی وحشت سے پورا مینشن کانپ اٹھا۔ اس نے بھیگی پلکیں اٹھا کر رئیس کو دیکھا۔ ان نم آنکھوں میں ایسی بے بسی تھی کہ رئیس کا دل ہمیشہ کے لیے ڈوب گیا۔ وہ جانتا تھا، اب یہ کبھی نہیں ابھر پائے گا۔

"میرا کیا قصور تھا؟" وہ پوچھ رہی تھی۔ اس کی آواز میں معصومیت کا وہ زہر تھا جو رئیس کو تلچھٹ تک کڑوا کر گیا۔

"تمہارا یہ قصور ہے کہ تم منار معراج کی بہن ہو۔" اس نے فجر کے چہرے پر نگاہیں گاڑ دیں۔ "تمہارا یہ چہرہ! اس چہرے سے مجھے سب سے زیادہ نفرت ہے۔"

وہ اس چہرے کو یوں دیکھ رہا تھا جیسے کوئی آخری حسرت ہو۔ جیسے اس کی ہر تفصیل اپنی آنکھوں میں نقش کرنا چاہتا ہو۔ فجر اسے بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔ یہ شخص تو رئیس اور نگزیب تھا، طاقت اور تحمل کا پہاڑ۔ یہ عام لوگوں

جیسی باتیں کیوں کر رہا تھا؟ وہ اس کے چہرے کو کرسڈ کیوں کہہ رہا تھا؟ وہ اس چہرے سے نفرت کیوں کر رہا تھا؟ یہ تو عام لوگ کرتے تھے۔ وہ تو رئیس اور نگزیب تھا!

"یوں نہ کرو۔۔۔" اس نے ایک سسکی لی۔ آنسو گالوں پہ بہہ نکلے۔

وہ اس سے نفرت نہیں کرنا چاہتی تھی جس نے اسے بقاء سکھائی تھی۔ اس کا دل یہ ماننے کو تیار نہیں تھا کہ یہ شخص اتنا بے رحم ہو سکتا تھا۔

"اس چہرے نے مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا۔ سب کچھ! میں یہ سب کیوں نہ کروں؟" اس کی سیاہ آنکھوں میں پہلی بار نمی کی ایک واضح تہہ ابھری، ایک ایسی تکلیف جو اس کے مضبوط ضبط کے پردے کو چیر کر باہر جھانک رہی تھی۔

"میں منار نہیں ہوں۔ میں فجر ہوں۔" اس نے وہی بودی دلیل دی جو وہ بچپن سے سب کو دیتی آئی تھی، ایک ایسی سچائی جسے کوئی ماننے کو تیار نہ تھا۔

"پر افسوس، تمہارا چہرہ منار کا ہے۔" وہ بے رحم ہوا۔ ایک ایک لفظ نشتر بن کر چبھنے لگا۔

فجر نے ایک لمحے کے لیے خود کو سنبھالا۔

"میں منار نہیں ہوں۔ اگر تم میرا نصیب ہوتے، میں تمہیں کبھی نہ ٹھکراتی۔" اس نے لہجہ مضبوط کرنے کی ایک آخری کوشش کی۔ اس کے الفاظ میں ایک ایسی سچائی تھی جس نے وقت کو روک دیا۔ رئیس اس کی بات پر ساکت رہ گیا۔ ایک گہری بے یقینی اس کے چہرے پر ابھری۔ چند پل کی وہ خاموشی طوفان سے زیادہ وحشت ناک تھی اور

پھر وہ ایک جھٹکے سے کھڑا ہوا۔ اگلے ہی لمحے اس کا قہقہہ پورے رئیس مینشن میں گونج اٹھا۔ اب وہ بے طرح ہنس رہا تھا۔ ایک ایسا استہزائیہ، اذیت ناک قہقہہ جو اس کی اپنی روح کے زخموں سے اٹھ رہا تھا۔

فجر حیرانی سے اسے دیکھے گئی۔ یہ کیسی اذیت تھی جو ہنسی کا روپ دھارے ہوئے تھی؟ پھر وہ ٹھہر گیا۔ کمر پر ہاتھ رکھے اس کی جانب پلٹا۔

"مجھے افسوس ہے کہ تمہاری ماں نے تمہیں اصل سچائی سے آگاہ نہیں کیا۔" اس کا انداز حظ اٹھانے والا تھا، جیسے وہ اس کی تکلیف سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔ پھر وہ دوبارہ پنجوں کے بل اس کے قریب بیٹھا۔ آنکھیں اس کے چہرے پر جما دیں۔ ان سیاہ آنکھوں میں حسرت ہی حسرت تھی۔ وہ اس کے بکھرے بالوں کو سمیٹ کر اس کے کان کے پیچھے کرنا چاہتا تھا، وہ اس کی نم آنکھوں کو انگلی کی پوروں سے چھونا چاہتا تھا، وہ آنسوؤں کو پونچھ لینا چاہتا تھا مگر افسوس۔۔۔ وہ زہر سے بجھے الفاظ اگلنے پر مجبور تھا۔

"تمہیں لگتا ہے میں نے اتنے سال صرف اس لیے انتظار کیا کہ مجھے تم سے شادی کرنی تھی؟ یا ہمارا ایسا کوئی رشتہ تھا؟ اوہ خدایا۔۔!"

اس کی نظریں ایک پل کو ہیزل آنکھوں سے ٹکرائیں اور اندر اٹھتے طوفان سے گلے کی گلٹی ابھر کر معدوم ہو گئی۔ وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ آخر سارے سچ اس سے ہی کیوں چھپائے گئے تھے؟

"تم صرف میرے انتقام کا ایک ذریعہ ہو۔ تمہارے ساتھ مجھے وہ کرنا ہے جو منار معراج نے میرے خاندان کے ساتھ کیا۔ مجھے تمہیں مارنا ہے فجر! میں وہ کالا سایہ ہوں جو تمہاری موت ہے۔"

لفظ ہوا میں معلق رہ گئے۔ وہ ششدر سی اسے دیکھے گئی۔ سانس سینے میں اٹک گئی۔ تو یہ تھی حقیقت۔ یہ تھی اس کے وجود کی قیمت؟ منار فیشنز کی سی ای او جس کی قابلیت کی گواہی پوری دنیا دے رہی تھی وہ بس ایک بدلے کا ذریعے تھی؟ کیا یہ حیثیت تھی اس کے وجود کی جس کی خاطر اس نے اتنی جنگیں لڑیں؟

"مجھے معراج الدین کا خاندان مٹانا تھا، مٹانا ہے۔" وہ ابھی بھی اسے انہی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے پھٹے ہونٹ کو، اس کے سر پہ بندھی پٹی کو۔ اسے کتنی تکلیف ہوئی ہو گی نا؟

اگر وہ مارنے والوں میں ہو جاتا تو بچانے والا کون ہوتا؟

تو یہ وجہ تھی کہ اماں نے اس سے سچ چھپایا تھا۔ اسے کبھی رئیس اور نگزیب کا نام نہیں بتایا تھا۔ اس کی منگیتر صرف منار تھی، وہ نہیں۔ انکا ایسا کوئی رشتہ نہیں کبھی تھا ہی نہیں۔ وہ بس اس کے بدلے کا ایک مہرہ تھی۔ وہ کالا سایہ جو اس پر منڈلاتا تھا، وہ اس کی موت تھا۔

"پھر اتنے سال انتظار کیوں کیا؟" وہ اسے دیکھتے ہوئے چیخی۔ اس کی آواز میں صدیوں کی تھکن اور کرب تھا۔

"کیوں پیدا ہوتے ہی مار نہیں دیا تھا؟"

اسے جواب چاہئیں تھے۔ وہ کہنا چاہتا تھا کہ اسے اس کی ماں نے ایک وعدے سے باندھ لیا تھا۔ وہ بتانا چاہتا تھا کہ وہ اپنے ہتھیار کب کے پھینک چکا تھا۔ وہ بتانا چاہتا تھا کہ وہ اسے کبھی نہیں مار سکتا۔ وہ بتانا چاہتا تھا کہ وہ منار معراج کے کالے سائے سے رہائی پا چکا تھا۔ وہ بتانا چاہتا تھا کہ وہ اس کی زندگی کو روشن کر رہی تھی۔ وہ بتانا چاہتا تھا کہ وہ عورتوں کو چاہ کر بھی اپنی جنگ میں نہیں گھسیٹ سکتا تھا۔ وہ بتانا چاہتا تھا کہ اسے اپنا یہ گھر عزیز تھا جو انہوں نے مل کر بنایا تھا۔

مگر اس نے کہا بھی تو کیا۔۔۔

"کیونکہ میں اس چہرے کو تڑپتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں۔ روتے ہوئے، سسکتے ہوئے، کرلاتے ہوئے، بالکل اپنی طرح!"

اس کی بات سن کر فجر چند پل ساکت رہی۔ اس کا دماغ سن ہو گیا۔ پھر اس کے لبوں پر ایک عجیب، ٹوٹی ہوئی مسکراہٹ ابھری اور وہ ہنس دی۔ اذیت بھری ہنسی۔ اب وہ ہنس رہی تھی۔ ہنستی جا رہی تھی۔ پھر وہ رک گئی۔ منہ بھینچ لیا، جیسے ایک چیخ کو اندر ہی دبا رہی ہو اور پھر وہ ہنستے ہنستے رو دی۔ اس کا سر جھک گیا اور وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اب وہ رو رہی تھی۔

جب سے ہوش سنبھالا تھا، تڑپ ہی تو رہی تھی۔ وہ اسے مزید کیا تڑپاتا، وہ تو پہلے ہی اذیت کی انتہا پر تھی۔ ابھی ابھی تو ان سب سے باہر نکلی تھی۔ رئیس نے اسے پہلی بار روتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہ ایک تکلیف دہ عمل تھا۔ فجر معراج کو رلانا بچوں کا کھیل نہیں تھا۔ اگر وہ رو رہی تھی تو اس کا مطلب اسکی تکلیف ناقابل برداشت تھی۔

وہ اس کے قریب سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا یوں اٹھنا ایسا تھا جیسے کوئی بادشاہ اپنی رعایا کے درمیان سے اٹھ کر واپس اپنے ناقابلِ تسخیر تخت کی جانب بڑھ رہا ہو۔ اس کی قربت کا وہ لمحہ جو وحشت اور ایک ان کہی اذیت سے بھرا تھا، ختم ہو چکا تھا۔ فاصلہ دوبارہ قائم ہو گیا اور اس فاصلے میں صدیوں کی نفرت اور برسوں کا پچھتاوا تھا۔

دنیا میں ایسا رشتہ کسی کا نہیں ہو گا جیسے انکا تھا۔ موت کا سایہ اور مسیحا ایک ہی تھا۔ حقیقت اور فریب کے بیچ کی آخری لکیر وہ خود تھی۔ وہ دونوں ایک انوکھی ڈور سے بندھے تھے۔

اس نے آنسوں ضبط کرتے سر اٹھایا۔ آنسوؤں سے بھیگے گالوں پر بال چپک گئے پھر اپنے ریزہ ریزہ وجود کو سمیٹنے کی کوشش کی۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد جب وہ بولی تو اس کی آواز میں اب سسکیوں کا ارتعاش نہیں بلکہ ایک شکست خوردہ ٹھہراؤ تھا۔

"تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

وہ رخ دوسری جانب کیے کھڑا تھا، اس کی پشت فجر کی طرف تھی۔ وہ اسے خود سے دور کرنا چاہتا تھا اور اس کے لیے ضروری تھا کہ اسے اتنی تکلیف دی جاتی کہ وہ خود نفرت کرنے پر مجبور ہو جائے۔ وہ اس کی آنکھوں میں اپنے لیے وہ التجا نہیں دیکھ سکتا تھا جو اس کے ضبط کے ہر بندھن کو توڑ دیتی تھی۔

"میں چاہتا ہوں تم ویسے جیو جیسے میں جی رہا ہوں۔ تنہا! اکیلے!"

اس کا لہجہ اتنا سپاٹ تھا جیسے وہ کسی موسم کا حال بتا رہا ہو۔ فجر کی آنکھیں، جو ابھی خشک ہونا شروع ہوئی تھیں پھر سے بھر گئیں۔ ایک تلخ مسکراہٹ اس کے لبوں پر ابھری۔

"میں نے تم سے زیادہ تنہائی دیکھی ہے۔ میں تم سے زیادہ اکیلی رہی ہوں۔ میں تم سے زیادہ تڑپی ہوں۔" اس کی آواز ایک سرگوشی جیسی تھی، جیسے وہ اسے نہیں، خود کو اپنی اذیتوں بھری زندگی کا خلاصہ سنا رہی ہو۔

اسی لمحے رئیس کے ہاتھ میں پکڑے فون کی اسکرین روشن تھی۔ جانے سے پہلے ولی کا بھیجا گیا پیغام چمک رہا تھا۔

"میں جلد واپس آؤں گا بگ بی! منار فیشنز آپ کے حوالے ہے۔ خیال رکھیے گا۔"

اس نے فجر کا نام نہیں لیا تھا، پورے پیغام میں اسے منار کہا تھا۔ رئیس کی آنکھوں میں ایک لمحے کو عجیب سی تاریکی چھا گئی۔ ہاں وہ پہلے اکیلی تھی، اذیت میں تھی مگر اب اس کے پاس سب کچھ تھا۔ ایک خاندان، ایک دوست، ایک محبت!

"میں تمہیں ایک آپشن دیتا ہوں۔" وہ ایک جھٹکے سے پلٹا۔ اس کی آنکھوں میں اب وہی پرانی بے رحمی اور طاقت کا غرور لوٹ آیا۔ فجر نے خالی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"تمہاری پہچان برقرار رہے گی۔ منار فیشنز کی سی ای او، فجر معراج! مگر تمہیں چننا ہو گا اپنی پہچان یا پھر ولی!"

فجر اپنی جگہ جم سی گئی۔ تو کیا وہ جان گیا تھا؟ وہ سب کچھ جانتا تھا؟

"میں تمہیں مشورہ دوں گا۔ اپنی پہچان چن لو۔ یہ جھوٹے رشتے، یہ کھوکھلے سہارے تمہارے کسی کام نہیں آئیں گے۔ اپنے راستے الگ کر لو۔ باقی سب چھوڑ دو۔ ولی، فلک اور۔۔۔۔" وہ لمحہ بھر کو رکا۔ "مجھے!"

"آج کے بعد ہمارا تم سے کوئی واسطہ نہیں۔"

یہ جملہ نہیں تھا، ایک حکم تھا، ایک فیصلہ تھا۔

وہ اسے اپنے بنائے گھر سے باہر نکال رہا تھا۔ فجر کے اندر خوف کی ایک لہر دوڑ گئی۔ وہ سب اسے عزیز تھے۔ پہلی بار تو اسے سچے رشتے ملے تھے۔ ایک محبت کا، ایک دوست کا، اور ایک سربراہ کا، جس کی چھت تلے اس نے خود کو محفوظ سمجھا تھا۔ پہلی بار تو اس نے گھر بنایا تھا، وہ اس کا گھر نہیں توڑ سکتا تھا۔

"میں کسی کو نہیں چھوڑ سکتی۔" اس کے لہجے میں اب التجا کے ساتھ ایک ضد بھی تھی۔

لوگوں کو اپنی کمزوری نہیں بنانا چاہیے ورنہ وہ ہماری جان لے لیتے ہیں۔ وہ یہی کر رہا تھا۔

وہ ملکہ معلون ہی ٹھیک تھی۔ کیا ہوا اگر اکیلی تھی، مطمئن تو تھی نا۔۔۔ مگر اب۔۔۔ اب وہ کیسے چھوڑ دیتی؟ اس نے ایک آخری التجا کی، اپنی بچی کھچی ہمت مجتمع کی۔

"میرا کوئی گھر نہیں تھا۔ میں نے بہت مشکل سے یہ گھر بنایا ہے۔ میرے ساتھ یوں نہ کرو۔ میرا گھر مت توڑو رئیس!" اس کی آواز میں وہ درد تھا جو پتھر کو موم کر دے۔

مگر وہ رئیس اورنگزیب تھا، سلطنتیں جیتنے والے سوال نہیں کرتے حکم دیتے ہیں۔ وہ واپس چلتا ہوا اسی کرسی تک پہنچا اور اسی شاہانہ انداز میں بیٹھ گیا، یوں جیسے اسے سنا ہی نہ ہو۔

"تم سن رہے ہو نا؟ یہ ہمارا گھر ہے۔ میں اسے نہیں چھوڑ سکتی!"

وہ اب فرش پر بیٹھی نہیں تھی، گھٹنوں کے بل کھڑی تھی، وہ فجر معراج جو ٹوٹ سکتی تھی مگر جھک نہیں سکتی، وہ آج اپنا گھر بچانا چاہتی تھی۔

"یہ تمہارا گھر کبھی نہیں تھا۔" اس نے کتاب اٹھاتے ہوئے سرد مہری سے کہا۔

"تم ہمارا حصہ نہیں ہو۔ تم کبھی ہمارا حصہ نہیں بن سکتیں۔ تم ملعون ہو۔ تم وہی رہو گی۔"

اس کے سرد الفاظ نے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی۔

اور عنکبوت ہمیشہ اس بھرم میں جیتا ہے کہ اس کا گھر سب سے مضبوط گھر ہے۔

فجر معراج کا بھرم ٹوٹ کر کرچی کرچی ہوا۔

وہ واپس اپنی کتاب اٹھا کر اس میں یوں مگن ہو چکا تھا جیسے فرش پر بیٹھی، ٹوٹتی بکھرتی لڑکی وہاں ہو ہی نا، جیسے اس کا وجود ایک سائے سے زیادہ کچھ نہ ہو۔

"بگ بی۔۔۔" بہت آہستگی سے، ایک ٹوٹی ہوئی سرگوشی اس کے لبوں سے آزاد ہوئی تھی۔

"جاؤ یہاں سے، اس سے پہلے کہ میں اپنا ارادہ بدل لوں!" یہ التجا نہیں، تجویز تھی اور اسکی تجویزیں اکثر آخری ہوتی تھیں۔ لہجے میں ایک ایسی دھمکی تھی جس نے فجر کو ساکت کر دیا۔ ارادہ بدلنے کا مطلب شاید وہ تھا جو وہ ہمیشہ سے کرنا چاہتا تھا۔۔۔ اسے مارنا۔

رئیس اورنگزیب کی اتنی بڑی سلطنت میں اس کے لیے ذرا بھی جگہ نہیں تھی۔ اسے بے دخل کر دیا گیا۔ اسے پھر سے ملعون قرار دے دیا گیا۔ اسے پھٹکار دیا گیا۔

انسان مرنے سے پہلے ہاتھ پاؤں مارتا ہے، اور وہ جن لوگوں کو اہم سمجھتی تھی، ان پر اپنی ہر کوشش آزماتی تھی۔

کل ارسل برہان نے اسے ایسے ہی اپنی زندگی سے نکال دیا تھا اور آج رئیس اورنگزیب نے اسے کاٹ کر پھینک دیا۔ کل بھی اس نے پوری کوشش کی تھی، آج بھی وہ پوری کوشش کر رہی تھی، مگر نتیجہ وہی تھا۔ دھتکار!

پھر وہ خود کو سمیٹتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے وجود میں اب کوئی جان باقی نہیں تھی۔ ایک آخری، حسرت بھری نظر اس شخص پر ڈالی جو تخت پر بیٹھا بے حس نظر آ رہا تھا۔ دل کرلا اٹھا۔ وہ بے رحم لڑکی جب رشتوں سے جڑ جاتی تھی، پھر انہیں کاٹ کر پھینکنا اس کے لیے موت کے برابر ہوتا تھا۔ وہ مڑی اور بے جان قدموں سے واپسی کے لیے پلٹی۔ چند قدم چل کر وہ لمحے کو رکی، اس کی پشت ابھی بھی رئیس کی طرف تھی۔ اس نے پلٹ کر اسے نہیں دیکھا، بس ایک جملہ کہا جو پورے رئیس مینشن میں گونجتا رہ گیا۔

"کاش تم مجھے کبھی بچانے نہ آتے، کاش تم مجھے اسی کالے سائے کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتے، کم از کم مجھے یہ تو معلوم ہوتا کہ میرا قاتل کون ہے۔"

وہ کہہ کر رکی نہیں۔ وہ وہاں سے نکلتی چلی گئی۔ رئیس کی نگاہوں نے دروازہ بند ہونے تک اس کا پیچھا کیا۔ اس سیاہ آنکھوں میں تکلیف ہی تکلیف تھی۔ اس کے دشمن، اس کی کمزوری جان گئے تھے اور وہ اسے استعمال ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"تمہیں ہمیشہ کے لیے آزاد کرنے کے لیے، خود کو ہجر کا غلام بنانا پڑا مجھے۔"

آج رئیس اورنگزیب نے اسے ہر طرح کی محبت اور نفرت سے آزاد کر دیا تھا۔ دل کا رشتہ تو کبھی انکا بن ہی نہیں سکتا تھا، آج اس نے اسے اپنی زندگی سے بھی نکال دیا تھا۔

✿••✿••✿••✿

رات گہری ہو چکی تھی۔ کمرے میں مکمل اندھیرا تھا، صرف کھڑکی سے چھن کر آتی چاند کی مدھم روشنی فرش کے ایک حصے کو منور کر رہی تھی۔ وہ اسی ٹھنڈے فرش پر دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ سادہ سے سوٹ میں سکڑی ہوئی تھی، جیسے خود کو دنیا سے چھپانا چاہتی ہو۔ اس کا سامان ابھی تک ویسے ہی پڑا تھا جیسے رکھا گیا تھا، اس نے اسے کھولنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ اس کا اپنا وجود بھی ایک بند سامان کی طرح تھا، جس کے اندر طوفان قید تھے۔

صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا، بھوک کا احساس کب کا مر چکا تھا۔ رنگت زرد پڑ رہی تھی اور ہونٹ خشک تھے۔ سر میں لگی چوٹ میں وقفے وقفے سے درد کی شدید ٹیسیں اٹھتیں، جیسے اس کے اندر کی اذیت جسمانی شکل اختیار کر کے اسے مزید توڑنا چاہتی ہو۔ ہر ٹیس کے ساتھ اماں اور رئیس کے الفاظ اس کے ذہن میں ہتھوڑے کی طرح لگتے۔

کمرے کے سناٹے کو اس کے فون کی وائبریشن نے توڑا جو بیڈ سائیڈ ٹیبل پر پڑا تھا۔ اسکرین روشن ہوئی۔ ولی فون کر رہا تھا۔ ایک لمحے کو اس کا دل دھڑکا، ایک کمزور سی امید نے سر اٹھایا، مگر اگلے ہی پل ایک تلخ حقیقت نے اس امید کا گلا گھونٹ دیا۔

"وہ رئیس اورنگزیب کا بھانجا تھا۔"

فون بجتا رہا، وائبریشن کی آواز کمرے کی خاموشی میں زہر کی طرح گھل رہی تھی۔ وہ اسے دیکھتی رہی، جیسے وہ فون نہ ہو، ایک زہریلا سانپ ہو جو اسے ڈسنے کے لیے بے تاب تھا۔ اس نے فون نہیں اٹھایا۔ اسے اٹھانا ہی نہیں تھا۔ اسے رئیس کے آپشنز یاد تھے۔

اور کیا کہتی وہ اس سے؟ کیسے بتاتی کہ جس شخص کو وہ اپنا مسیحا سمجھتی تھی وہ اس کی زندگی کی سب سے خوفناک حقیقت تھا۔

اسے بے ساختہ ارسل یاد آ گیا۔ اس نے بھی اپنے باپ کے ایک اشارے پر اسے چھوڑ دیا تھا۔ خاندان، خون، رشتے۔۔۔ یہ سب محبت سے زیادہ طاقتور ہوتے ہیں۔ ولی بھی تو اپنے ماموں کی ہی بات مانتا؟

فون بالآخر خاموش ہو گیا۔ مگر چند ہی لمحوں بعد اسکرین دوبارہ روشن ہوئی۔ اس کے پیغامات ایک کے بعد ایک آ رہے تھے۔

"تم ٹھیک ہو؟"

"تم میری کال کیوں نہیں اٹھا رہیں؟ پلیز مجھے فکر ہو رہی ہے۔"

"فجر، خدا کے لیے جواب دو۔"

اس کا ہر پیغام فجر کے دل پر ایک نئے زخم کی طرح لگتا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی، کمزوری سے اس کے قدم لڑکھڑائے۔ اس نے فون اٹھایا۔ ولی کی تصویر اسکرین پر نظر آ رہی تھی۔

اس نے کانپتے ہاتھ سے میسجز کو اسکرول کیا۔ وہ نہیں پڑھنا چاہتی تھی، مگر اس کی آنکھیں بے اختیار پڑھ رہی تھیں۔

محبت ایک دھوکا تھی۔ گھر ایک فریب تھا اور اعتبار دنیا کا سب سے مہنگا سودا تھا جسے خریدنے کی سکت اب اس میں نہیں تھی۔

اس نے فون کا سائلنٹ بٹن دبایا اور اسے واپس میز پر پٹخ دیا۔

وہ واپس فرش پر بیٹھ گئی۔ اپنے گھٹنوں میں سر چھپا لیا۔ سر کا درد اب ناقابلِ برداشت ہو رہا تھا۔ لگ رہا تھا جیسے اس کا سر پھٹ جائے گا۔ وہ چیخنا چاہتی تھی، چلانا چاہتی تھی مگر اس کے حلق سے ایک سسکی کے سوا کچھ نہ نکلا۔

وہ جانتی تھی وہ اس کی فکر کر رہا تھا۔ مگر وہ یہ بھی جانتی تھی کہ جیسے ہی اسے سچ معلوم ہو گا، وہ بھی رئیس اورنگزیب کے ساتھ کھڑا نظر آئے گا اور وہ ایک بار پھر اکیلی رہ جائے گی۔

اس سے بہتر تھا کہ وہ خود ہی اس تنہائی کو گلے لگا لے۔ اس سے پہلے کہ کوئی اسے پھر سے دھتکارے، وہ خود ہی سب سے دور ہو جائے۔

اس نے سوچ لیا تھا اسے کیا چننا تھا۔

✿••✿••✿••✿

وہ دونوں اس کے پینٹ ہاؤس میں تھے۔ بالکونی میں دھری کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ سوئمنگ پول کی سطح پر چاند چمک رہا تھا۔ مراد اسے دیکھ رہا تھا جو خوشبوؤں میں رچا بسا یوں بیٹھا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

"تم نے اسے اپنی زندگی سے نکال دیا؟" اس کی آواز میں گہرا دکھ تھا۔

رئیس نے خالی نظروں سے پانی کی سطح کو دیکھا جیسے وہاں کوئی منظر بن رہا ہو۔

"خود کو اس کی زندگی سے نکال لیا ہے۔"

"ماننا پڑے گا، رئیس! میں نے آج تک اتنا حوصلہ کسی میں نہیں دیکھا۔" اس کے لہجے میں تحسین بھی تھی اور افسوس بھی۔

رئیس نے ایک تلخ مسکراہٹ کے ساتھ اپنا سر ہلایا، جیسے مراد کے الفاظ اس کے زخموں پر نمک چھڑک رہے ہوں۔

اگر کوئی اپنے درد کا ڈھنڈورا نہیں پیٹتا اسکا مطلب یہ نہیں اسے درد نہیں ہوتا۔ اسے وکٹم کارڈ سے نفرت تھی۔

"حوصلہ نہیں، یہ میری مجبوری ہے۔" اس نے اپنا سر اٹھایا اور مراد کی آنکھوں میں دیکھا، ان سیاہ گہری آنکھوں میں ایک ان کہی کہانی چھپی تھی۔

"میں نے ساری زندگی ایک ہی اصول پہ گزاری ہے کہ اپنی کمزوری کو کبھی کسی کو مت دکھاؤ، ورنہ وہ تمہاری جان لے لے گی۔"

مراد خاموشی سے سنتا رہا۔ وہ رئیس کو جانتا تھا، اس کے اصولوں کو سمجھتا تھا۔

"وہ میری کمزوری بن چکی ہے۔" اس کے لہجے میں ایک عجیب سی لرزش تھی۔ "میں اسے مزید اپنے انتقام کا حصہ نہیں بنا سکتا۔ اسے استعمال ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔" وہ ابھی تک اس کے ماتھے کی چوٹ اور اس کا پھٹا ہوا ہونٹ نہیں بھولا تھا۔ اس کے دشمن بھی عجیب تھے۔ اسے زیر کرنے کے لیے، عورتوں کا استعمال کر رہے تھے۔

"تم جانتے ہو کہ وہ اس بات کو کبھی نہیں سمجھ پائے گی۔" مراد نے کہا۔

"اور شاید یہی بہتر ہے۔" اس کی آواز میں ایک ٹھہراؤ تھا۔

"نفرت کرنا آسان ہوتا ہے، محبت کی قیمت چکانا بہت مشکل۔ میں اسے مجھ سے نفرت کرنے کی وجہ دے گیا ہوں تاکہ وہ آزاد ہو سکے۔"

"اور ولی کا کیا؟" مراد کے سوال پر رئیس کے چہرے پر اذیت کے سائے لہرائے۔ اس نے گہری سانس لے کر خود کو نارمل رکھنا چاہا۔

"اسے مجھے دھوکا نہیں دینا چاہیے تھا۔" اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"کیا تم اسے معاف کر دو گے؟"

"رئیس معافی نہیں موت دیتا ہے۔" اسکا لہجہ اٹلانٹا کی برف کو مات دے رہا تھا۔

"اور دونوں کے رشتے کا کیا؟" اس نے جھجھکتے ہوئے پوچھا۔

"وہ خود اسے چھوڑ دے گی۔" اس کے لہجے میں اعتماد تھا۔

"تمہیں یہ کیسے پتا؟" مراد الجھا۔

"فجر معراج کے لیے اس کی پہچان بہت اہم ہے۔ وہ اپنی پہچان چنے گی۔" وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔

فجر معراج اپنی پہچان ہی چننے والی تھی۔

✿••✿••✿••✿

ایڈنبرا کے پرائیویٹ ہسپتال کا ماحول ایک عجیب، بوجھل خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔ یہ شہر کا سب سے مہنگا اور جدید ہسپتال تھا، جہاں جوزف پیٹرسن خاندان کے اثر و رسوخ کے باعث ہر ممکن سہولت میسر تھی مگر اندرونی کرب کو کوئی آسائش کم نہیں کر سکتی تھی۔ گلیاروں میں پھیلی جراثیم کُش ادویات کی تیز بو اور ڈاکٹروں نرسوں کی دھیمی سرگوشیاں۔

اس کے اندر مزید بے چینی پیدا کر رہی تھیں۔ نینی، زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھیں۔ ہر گزرتا لمحہ اس کے دل پر ایک بھاری چٹان کی طرح گر رہا تھا۔ ڈاکٹرز مسلسل ان کی حالت کو "**نازک**" قرار دے رہے تھے جو ولی کے لیے کسی خنجر سے کم نہ تھا۔

وہ ICU کے باہر کوریڈور میں رکھے صوفے پر نڈھال بیٹھا تھا۔ آنکھوں میں نیند کا کوئی نام و نشان نہیں تھا، صرف بے چینی اور خوف کی سرخی نمایاں تھی۔ ذہن میں مسلسل دو تصویریں گھوم رہی تھیں۔ ایک نینی کا زرد پڑتا چہرہ اور دوسرا فجر کا اداس، خاموش چہرہ! اس نے صبح سے فجر کو کئی بار فون کیا تھا، ایک درجن سے زیادہ پیغامات بھیجے تھے لیکن دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔

نساء، قریب ہی بیٹھی تھی، اس کا چہرہ سہما ہوا اور آنکھیں آنسوؤں سے سرخ تھیں۔ نینی صرف ایک ملازمہ نہیں تھیں، وہ ان کے خاندان کا حصہ تھیں، نساء کے لیے تو وہ اپنی ماں تھیں۔ اس نے تو کبھی اپنی ماں کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ

انہیں کھونا نہیں چاہتی تھی اور ولی اس کا درد صاف محسوس کر سکتا تھا۔ ہسپتال کے باہر میڈیا کا اژدہام بڑھتا جا رہا تھا، ہر کوئی ایڈنبرا کے مشہور پروڈکشن ہاؤس کے سربراہ کے خاندان کی خبر جاننے کو بے تاب تھا۔ اور یہ سب ولی کے لیے ایک اضافی بوجھ تھا۔

اس نے بے دلی سے اپنا فون نکالا، اسکرین روشن ہوئی اور اس پر ایک بار پھر فجر کا نام چمک رہا تھا۔ وہ امید کر رہا تھا کہ اس بار کوئی جواب آئے گا، کوئی پیغام یا کم از کم ایک مسڈ کال، لیکن نہیں۔ اسکرین پر کوئی نئی سرگرمی نہیں تھی۔ اس کے آخری پیغامات ابھی بھی بغیر پڑھے نظر آ رہے تھے۔

اس کا دل ڈوبنے لگا۔ وہ اسے ٹھیک چھوڑ کر آیا تھا۔ لیکن اس کے آنے کے بعد وہاں کیا ہوا تھا؟ کیوں وہ اس سے رابطہ نہیں کر رہی تھی؟

اسے فجر کی خاموشی سے خوف آ رہا تھا۔ وہ ہر مشکل میں بھی خود کو سنبھال لیتی تھی، مضبوط رہتی تھی۔ لیکن آج اس کی خاموشی ولی کو کسی آنے والے طوفان کی پیش گوئی لگ رہی تھی۔ اس کی چھٹی حس اسے خبردار کر رہی تھی۔

ایک نرس ICU سے باہر نکلی، ولی تیزی سے اٹھ کر اس کی طرف بڑھا۔

"نینی۔۔۔ کیسی ہیں اب؟" اس کی آواز میں التجا تھی۔ نساء بھی بے چینی سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔

نرس نے افسوس سے سر ہلایا۔ "ابھی بھی حالت مستحکم نہیں ہے۔ ہمیں امید ہے کہ وہ جلد از جلد سنبھل جائیں گی لیکن ابھی کچھ کہنا مشکل ہے۔" وہ یہ کہہ کر آگے بڑھ گئی، جیسے اس کے پاس ولی یا نساء کے لیے مزید کوئی تسلی بخش جواب نہ ہو۔

وہ واپس کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔ اس نے ہاتھ میں فون کو مضبوطی سے پکڑا۔ وہ صرف نینی کی فکر نہیں کر سکتا تھا۔ اسے فجر کی بھی فکر تھی۔

اس نے دوبارہ فجر کا نمبر ملایا، لیکن وہی بے حس خاموشی۔ وہ بیچ میں پھنس چکا تھا۔ ایک طرف اس کی ماں جیسی نینی اور دوسری طرف فجر! یہاں رہنا محال ہو رہا تھا۔

✿••✿••✿••✿

لاہور کی ہلکی دھوپ اور مانوس ہوا، جو کبھی اسے توانائی بخشتی تھی، آج اسے بے جان لگ رہی تھی۔ لندن سے اتنی بڑی کامیابی سمیٹ کر لوٹنا کسی بھی سی ای او کے لیے جشن کا باعث ہوتا، لیکن منار فیشنز کا شیشے کا یہ عالیشان دفتر، اسے بے رنگ اور ویران محسوس ہو رہا تھا حالانکہ منار فیشنز اس کے خوشخبری لانے پر خوشی سے جھوم رہا تھا۔

اس نے خود کو چھپانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔ قیمتی سرمئی لباس، گہری لپ اسٹک، سب بے سود ثابت ہو رہے تھے۔ اس کا میک اپ بھی اس کے اندر کے خلا کو نہیں چھپا پا رہا تھا۔ آئینے میں نظر آنے والی فجر ایک کامیاب کاروباری عورت تھی، لیکن اندر سے وہ ریزہ ریزہ ہو چکی تھی۔ اسے اپنا آپ بالکل خالی لگ رہا تھا، جیسے اس سے رشتے ہی نہیں، اس کی روح چھین لی گئی ہو۔ رئیس کے الفاظ اس کے کانوں میں گونج رہے تھے، ہر لفظ ایک تیزاب کی طرح اس کے وجود کو جھلسا رہا تھا۔

اس کی آنکھوں کے سامنے ولی کا فکر مند چہرہ گھوم گیا۔ اس نے صرف اس کے ذاتی نمبر پر ہی نہیں، آفس کے نمبر پر بھی کئی بار فون کیا تھا۔ ہر بار فون کی گھنٹی بجتی اور اس کے سینے میں ایک ٹیس اٹھتی، لیکن وہ اسے اٹھانے کی ہمت نہیں کر پائی۔ اسکے درجنوں پیغام انتظار میں پڑے تھے۔ وہ جواب دینا چاہتی تھی۔ وہ اس سے بات کرنا چاہتی تھی۔ وہ اسے اپنی تکلیف بتانا چاہتی تھی مگر وہ کچھ بھی نہیں کر پائی۔

اپنی کرسی پر بیٹھی فائلوں کو بے دلی سے پلٹ رہی تھی۔ اس کا ذہن کام پر مرکوز نہیں ہو پا رہا تھا۔ ہر صفحے پر اسے رئیس کا قہقہہ سنائی دیتا، اماں کے بے رحم الفاظ یاد آتے اور ولی کی فکر مند آواز اس کے کانوں میں گونجتی۔ اس کی روح پر لگا زخم تازہ تھا اور اس میں شدید درد تھا۔

شام کی ہلکی دھوپ اس کے دفتر کی کھڑکی سے اندر آ رہی تھی، لیکن اس کی دنیا میں ہر طرف اندھیرا تھا۔ کامیابی کا یہ تاج اسے بے معنی لگ رہا تھا کیونکہ اس کی قیمت اس نے اپنی روح دے کر چکائی تھی۔

✿••✿••✿••✿

وہ بے چینی اور بے خوابی کی تھکن سے چور، آخر کار صوفے پر ٹیک لگائے سو گیا۔ ایک بوجھل نیند نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا، اور پھر وہ ایک مبہم، کرب ناک خواب کی وادی میں جا پہنچا یا۔ یہ کوئی خواب نہیں بلکہ اس کے بچپن کا ایک بھولا ہوا، بھیانک منظر تھا۔

وہ پانچ سال کا تھا، خوفزدہ اور تنہا۔ ایک کمرے میں، چھت کے پنکھے سے لٹکتی اس کی ماں کی بے جان لاش جھول رہی تھی۔ اس کا ننھا جسم فرش پر پڑا، سسکیاں بھر رہا تھا، آنسوؤں نے رخسار بھگو دیے تھے۔ وہ بار بار اپنی ماں کو پکار رہا تھا جو جواب نہیں دے رہی تھی۔

وہ روتے روتے بے ہوش ہونے کو تھا جب ایک وجود کمرے میں داخل ہوا۔

ایک عورت، سفید لباس میں ملبوس، اس کے گھنگھریالے بال کندھوں پر پھیلے ہوئے تھے۔ وہ اس کی لاش کے قریب آ کھڑی ہوئی۔ اس کا چہرہ دھندلا تھا، شناخت سے پرے۔ وہ کچھ سرگوشیاں کر رہی تھی، ایسی آوازیں جو ہوا میں تحلیل ہو رہی تھیں۔ پھر، اس کی اونچی ہیلز کی ٹک ٹک فرش پر گونجنے لگی، ہر ٹک ٹک اس کے ننھے دل پر ایک

ہتھوڑے کی طرح لگ رہی تھی۔ وہ اس کی طرف بڑھ رہی تھی، اور اب اس کے سامنے گھٹنوں کے بل جھک گئی۔ پھر بھی اس کا چہرہ واضح نہیں تھا۔

"تم ایک پیارے بچے ہو!" عورت کی آواز گونجی، اور ہاتھ ولی کے بالوں کو چھونے لگے۔

"اگر سب ٹھیک ہوتا تو یقیناً افق کی خواہش پوری ہوتی۔ افق کا بیٹا اور میری بیٹی! مگر افسوس! یہ فیری ٹیل ایک زہریلی فیری ٹیل ہے۔"

ننھے بچے نے بمشکل اپنا ہاتھ اٹھایا اور اپنی ماں کی جانب اشارہ کیا، اس کی آواز حلق میں اٹک رہی تھی۔

"وہ مم۔۔۔ میری۔۔۔ ممی!"

عورت کی آواز میں ایک عجیب سی ٹھنڈک تھی۔

"میں دیکھ سکتی ہوں، ایک نفسیاتی بچہ۔۔۔ ایک ملعون بچی۔۔۔ جو کبھی مل نہیں سکتے!"

یہ الفاظ اور ان کے مفہوم اس کی سمجھ سے باہر تھے۔ وہ سسکتا رہا، اور وہ عورت اسے وہیں چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے ایک نظر افق کی بے جان لاش پر ڈالی، پھر خاموشی سے دروازے سے باہر نکل گئی۔ ہیل کی ٹک ٹک کی آواز دھیرے دھیرے دور ہوتی گئی، جیسے کوئی بھیانک خواب ہوا میں تحلیل ہو رہا ہو۔ آوازیں مدھم ہو گئیں اور پھر تیز۔۔۔۔

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔ اس کا پورا وجود پسینے میں شرابور تھا۔ دل کی دھڑکن اتنی تیز تھی کہ کانوں میں گونج سنائی دی۔ خواب کا ہر لفظ، ہر لمحہ اس کے ذہن میں تازہ تھا۔ خوف اور الجھن کا ایک سرد احساس اسے گھیرنے لگا۔

اسی لمحے، گلاس ونڈو سے اندر پڑنے والی ہلکی روشنی نے ایک منظر دکھایا جس نے اس کے دل کو سکون دیا۔ نینی کو ہوش آچکا تھا! نساء اور جارج ان کے پاس کھڑے تھے، ان کے چہروں پر اطمینان کی لہر تھی۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھا اور تیزی سے ICU کی جانب لپکا۔ اس کا سر درد سے پھٹ رہا تھا، لیکن نینی کی صحت یابی کی خبر نے اسے ایک نئی توانائی بخش دی تھی۔

✿••✿••✿••✿

وہ نینی کے بستر کے پاس کرسی پر بیٹھ گیا، اس نے آہستہ سے ان کا جھریوں بھرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی تھی، خوف اور بے چینی کے بادل چھٹ چکے تھے اور ان کی جگہ تشکر اور محبت نے لے لی تھی۔ نینی کا چہرہ کمزور لیکن پر سکون تھا، ان کی آنکھوں میں زندگی کی چمک واپس آگئی تھی۔

"نینی۔۔۔" اس کی آواز بمشکل نکلی، "آپ کیسی ہیں اب؟"

نینی نے اسے دیکھ کر مسکرانے کی کوشش کی، ان کی مسکراہٹ میں ایک مدھم سی روشنی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں بیٹا، تمہاری دعاؤں سے۔ تم آگئے، بس یہی کافی ہے۔" ان کی آواز کمزور تھی، لیکن اس میں پہلے جیسی اپنائیت اور پیار تھا۔

وہ دونوں کچھ لمحے خاموشی سے بیٹھے رہے، صرف ایک دوسرے کی موجودگی کو محسوس کر رہے تھے۔ یہ لمحے بے انتہا قیمتی تھے۔ نینی نے آہستہ سے ولی کے ہاتھ کو تھپتھپایا، اور ان کی نظریں کمرے میں ادھر ادھر گھومیں۔

"تم اسے لائے نہیں؟" انہوں نے دھیمی آواز میں پوچھا، ان کی نظریں ولی کے چہرے پر جم گئیں۔ "م میری بہو کو؟"

یہ سنتے ہی اس کا دل ڈوب گیا۔ فجر کا خیال دوبارہ ذہن میں لوٹ آیا۔ اس کی خاموشی، اس کے نہ اٹھائے گئے فون۔ ایک عجیب سا خوف اسے گھیرنے لگا۔ اس نے نینی کے ہاتھ کو ہلکا سا دبایا اور کوشش کی کہ اس کی آواز میں کوئی پریشانی ظاہر نہ ہو۔

"میں جلد لے آؤں گا نینی! بس آپ ٹھیک ہو جائیں، پھر میں اسے لے کر آؤں گا۔"

نینی نے ایک مطمئن سانس لی اور آنکھیں موند لیں۔ ان کے چہرے پر سکون تھا۔ وہ وہیں بیٹھا ان کا ہاتھ تھامے رہا۔ ایک طرف نینی کے ٹھیک ہونے کی خوشی تھی، تو دوسری طرف فجر کی بے خبری کا بوجھ، جو اس کے دل پر ایک بھاری چٹان کی طرح جما ہوا تھا۔ وہ بے طرح الجھ چکا تھا۔

✿••✿••✿••✿

دو دن گزر چکے تھے۔ دو دن جو فجر نے کسی عذاب میں گزارے تھے۔ اسکا فون پھر سے بج رہا تھا۔ کال کرنے والا شخص ولی تھا۔ تھک ہار اس نے فون اٹھا لیا۔

"تم ٹھیک ہو؟ میرا فون کیوں نہیں اٹھا رہی ہو؟ کیا ہوا ہے؟" اس کی آواز میں بے تابی اور فکر مندی صاف جھلک رہی تھی۔

"ہاں میں ذرا بزی تھی۔" اس نے سپاٹ چہرہ لیے جواب دیا۔ آواز میں ایسی بے حسی تھی جو اس کی اندرونی حالت کا عکس تھی۔ ایک لمحے کو دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔ وہ شاید یہ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ کیا فجر واقعی اتنی مصروف تھی کہ اس کا فون تک نہ اٹھا پاتی؟ اس کے میسجز تک نہیں دیکھ پاتی۔

"مجھے تم ٹھیک نہیں لگ رہی ہو فجر!" اس کے لہجے میں فکر مندی مزید گہری ہو گئی تھی۔ فجر نے منہ بھینچ کر ایک سسکی روکی۔ وہ ٹوٹ رہی تھی مگر اپنی کمزوری ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ رئیس کے الفاظ ابھی تک اس کے ذہن میں گونج رہے تھے،

"تنہا رہو، اکیلے!"

"تمہیں کوئی غلط فہمی ہو رہی ہے۔ میں ٹھیک ہوں۔" بھرپور کوشش کی کہ اس کی آواز میں کوئی لرزش نہ آئے۔ لہجہ سرد کر لیا۔

"نینی کو ہوش آ گیا ہے۔ وہ ٹھیک ہیں اب!" اس نے خود ہی خوشخبری سنائی، شاید اسے امید تھی کہ یہ خبر فجر کو کچھ سکون دے گی۔ وہ اب جلد واپس آ جاتا۔

"چلو اچھا ہے۔" اس نے مختصر سا جواب دیا، لہجے میں کوئی خاص خوشی نہیں تھی۔ وہ خود کو ہر جذبے سے عاری کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"میں جلد واپس آؤں گا۔" وہ اطلاع دے رہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" اس کا جواب اتنا سپاٹ تھا کہ ولی مزید ٹھٹک گیا۔

"فجر تم۔۔۔"

"مجھ سے بات کرنے کے لیے دوسروں کو کال مت کیا کرو۔ مجھے یہ نہیں پسند!" اس کے لہجے میں غیر متوقع تلخی ابھری۔

"مجھے فکر ہو رہی تھی۔۔" وہ نرمی سے بولا۔ لہجہ اب بھی اتنا ہی ملائم اور پر سکون تھا۔

"ڈونٹ وری مر نہیں رہی میں!"

وہ ساکت رہ گیا۔ فجر کے الفاظ کسی نوک دار چیز کی طرح اس کے دل میں پیوست ہو گئے۔ یہ وہ فجر نہیں تھی جسے وہ چھوڑ کر آیا تھا۔ وہ بولنے کے لیے پر تولنے لگا۔

"مجھے اب کام کرنا ہے۔" اس نے ولی کی سنے بغیر فون بند کیا اور پھر پٹخ دیا۔ ہر چیز بری لگ رہی تھی۔ ہر چیز سے نفرت ہو رہی تھی۔

✿••✿••✿••✿

ستمبر کے آخر کی ایک خنک، اداس شام!

ایڈنبرا کے پرائیویٹ ہسپتال کا ماحول ایک عجیب، بوجھل خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔ ستمبر کے آخر کی خنکی شیشے کی بڑی کھڑکیوں سے ٹکرا کر اندر کے مصنوعی طور پر گرم ماحول کو مزید غیر حقیقی بنا رہی تھی۔

ولی، جارج اور نساء، تینوں آئی سی یو کے باہر رکھے صوفے پر بیٹھے تھے۔ چہروں پر پہلے سے کچھ اطمینان تھا۔ وہ نینی کے خطرے سے باہر آنے پر شکر گزار تھے۔

مگر اس بند دروازے کے پیچھے، کمرے میں، ایک بالکل مختلف منظر تھا۔ نینی کے بستر کے پاس مسٹر جوزف، ایک کرسی پر جھکے بیٹھے تھے۔ ان کا قد آور، مضبوط وجود آج سکڑا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ ان کے گوتھک طرز کے سیاہ لباس اور چہرے پر ہر وقت طاری رہنے والی ڈریکولا جیسی پراسراریت آج ماند پڑ گئی تھی۔ ان کی آنکھیں، جو کبھی پورے شہر پر حکمرانی کرتی تھیں، آج صرف ایک کمزور وجود پر ٹکی تھیں! نینی، جس نے اپنی پوری زندگی اس

خاندان کے نام کر دی تھی۔ مسٹر جوزف، جوزف پیلس میں آج بھی اکیلے رہ رہے تھے۔ وہ ٹوٹ چکے تھے، مگر جھکے نہیں تھے۔ انہوں نے تنہائی کو اپنی سزا چن لیا تھا۔

نینی نے ہمیشہ خاندان کو ایک ساتھ دیکھا تھا، مگر جب سے جوزف پیلس کے مکین الگ ہوئے تھے اور انہوں نے نساء اور جارج کے ساتھ رہنا شروع کیا تھا، وہ تب سے بیمار رہنے لگی تھیں۔ وہ مسٹر جوزف کو اکیلے نہیں چھوڑنا چاہتی تھیں مگر ان کی خواہش پر وہ بچوں کے ساتھ رہ رہی تھیں اور شاید اسی دباؤ اور دکھ نے انہیں یہاں تک پہنچا دیا تھا۔

نینی نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں اور مسٹر جوزف کے چہرے کو دیکھا۔ ان کی آواز ایک کمزور سرگوشی جیسی تھی۔

"میں سب کو پیلس میں ایک ساتھ دیکھنا چاہتی ہوں۔ میں اپنا آخری وقت وہیں گزارنا چاہتی ہوں۔" انہوں نے نم آنکھوں سے درخواست کی۔ "پہلے کی طرح۔"

مسٹر جوزف کا سر جھکا ہوا تھا، جیسے کئی سالوں کا بوجھ ایک لمحے میں ان کے کندھوں پر آن پڑا ہو۔ انہوں نے کچھ کہے بغیر نینی کے جھریوں بھرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ابھی آپ ایک لمبی زندگی جیئیں گی۔"

کچھ دیر مزید باتیں کرنے کے بعد وہ باہر نکل آئے۔

راہداری میں انہیں دیکھ کر تینوں بہن بھائی کھڑے ہو گئے۔ مسٹر جوزف، نساء کے پاس آ کر رکے۔ ان کی آواز میں وہ پرانا رعب نہیں تھا، بلکہ ایک باپ کی التجا تھی۔

"کیا تم۔۔ جوزف پیلس واپس نہیں آ سکتیں؟ نینی کے لیے؟"

وہ اپنے باپ سے سخت ناراض تھی، ان کی سرد مہری اور اصولوں نے ہی اس خاندان کو توڑا تھا۔ مگر اس نے اب خود کو سمیٹ لیا تھا۔ اس نے ایک نظر اپنے باپ کے چہرے پر ڈالی اور پھر آئی سی یو کے دروازے کی طرف دیکھا، جہاں نینی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے، مگر ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ ابھری۔

جوزف پیلس ان کی پہچان تھا۔ وہ کب تک اس سے الگ رہ سکتے تھے؟ نینی کی خواہش ان سب کی خواہش تھی۔ وہ اپنی وجہ سے دوسروں کو تکلیف نہیں دے سکتی تھی۔

✿••✿••✿••✿

مقام: جوزف پیلس، موریفیلڈ

وقت: کچھ دن بعد، ایک برستی شام

باہر خزاں کی بارش پوری شدت سے برس رہی تھی اور ٹھنڈی ہوا کھڑکیوں کے شیشوں سے ٹکرا رہی تھی، مگر موریفیلڈ میں واقع جوزف پیلس کے وسیع لاؤنج میں ایک عجیب سی گرمجوشی اور سکون پھیلا ہوا تھا۔ آتش دان میں لکڑیاں چٹخ رہی تھیں اور ان کے شعلوں کی روشنی دیواروں پر لگی پینٹنگز پر رقص کر رہی تھی۔ فضا میں کھانے اور تازہ بیک کیے گئے کیک کی ملی جلی خوشبوئیں پھیلی ہوئی تھیں، جو اس گھر کے دوبارہ آباد ہونے کا اعلان تھیں۔

نینی، اگرچہ ابھی کمزور تھیں، ایک آرام دہ، بڑی سی کرسی پر شال اوڑھے بیٹھی تھیں اور ان کے چہرے پر ایک گہرا اطمینان تھا۔ ان کے آس پاس تینوں بہن بھائی موجود تھے۔ نساء ان کے لیے سوپ کا پیالہ لا رہی تھی جبکہ جارج اسے زچ کر رہا تھا۔

”نساء، اگر تم نے سوپ میں نمک تیز کیا تو نینی نے تمہیں معاف نہیں کریں گی۔“

"اور اگر تم نے مجھے تنگ کرنا بند نہ کیا تو میں یہ گرم سوپ تم پر گرا دوں گی۔" اس نے مصنوعی غصے سے جواب دیا، مگر اس کی آنکھوں میں خوشی کی چمک دکھائی دی۔

یہ منظر مکمل تھا۔ ایک ایسا منظر جسے دیکھنے کی خواہش مسٹر جوزف نے کئی بار کی تھی۔

وہ بالائی منزل پر راہداری میں کھڑے، لکڑی کے جنگلے پر ہاتھ رکھے، نیچے لاؤنج میں پھیلی اس زندگی کو دیکھ رہے تھے۔ ان کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا، مگر ان کی آنکھوں میں ایک گہری حسرت اور ایک لمحاتی سکون صاف جھلک رہا تھا۔

ولی اور جارج کے درمیان ابھی بھی ایک انجان سی دیوار حائل تھی۔ وہ ایک دوسرے سے نظریں چرانے کی کوشش کر رہے تھے۔ مگر نینی کے سامنے وہ دونوں بالکل نارمل لگ رہے تھے۔

جارج نے نساء کے ہاتھ سے سوپ کا چمچ لے کر نینی کی طرف بڑھایا اور ولی ان کے پاؤں دبانے لگا۔ قہقہوں اور باتوں کی آوازیں اس وسیع لاؤنج میں گونج رہی تھیں۔

مسٹر جوزف نے ایک گہری سانس لی۔ سب کچھ تھا، مگر پھر بھی ایک کمی تھی۔

کاش۔۔۔ کاش نینسی بھی زندہ ہوتی اور آج یہ منظر مکمل ہو جاتا۔ بارش کی بوندیں شیشے پر ایک مدھر موسیقی بکھیرے گئیں اور اندر، آتش دان کی آگ کی گرمی میں، جوزف پیلس ایک بار پھر ایک گھر لگ رہا تھا۔

✿••✿••✿••✿

یہ رات کو منظر تھا۔ خزاں کی خنک ہوا پیلس کے وسیع و عریض لان میں خاموشی سے تیر رہی تھی۔ اندر آتش دان کی گرمی اور قہقہوں کے برعکس، باہر کا ماحول گہرا، ساکت اور اداس تھا۔ کنالوں تک پھیلے احاطے میں، سامنے کی جانب سنگی بینچ رکھا تھا جس پر اسٹریٹ پول کی زرد روشنی ایک تنہا دائرہ بنا رہی تھی۔

اسی دائرے میں ولی اور جارج بیٹھے تھے مگر ان کے درمیان میلوں کے فاصلے تھے۔ ایک انجانی، سرد دیوار جو وقت کے ساتھ مزید ٹھوس ہو گئی تھی اور جسے توڑنے کی ہمت دونوں میں سے کسی میں نہیں تھی۔

جارج کی شخصیت میں مزید نکھار آ گیا تھا۔ اس کے نین نقش پہلے سے زیادہ تراشیدہ اور پختہ لگ رہے تھے مگر اس کے اندر کا نرم خو انسان کہیں کھو گیا تھا۔ اس کی جگہ اب ایک سرد مزاج، حقیقت پسند شخص نے لے لی تھی جس نے دنیا کے دیے ہوئے "**مونسٹر**" کے لقب کو اپنی پہچان بنا لیا تھا۔

"واپس کب جا رہے ہو؟" بالآخر جارج کی آواز نے خاموشی کو توڑا۔ اس کے لہجے میں کوئی تجسس نہیں تھا، بس ایک حقیقت کا اعتراف تھا۔

"پرسوں۔۔" ولی نے مختصر جواب دیا اور اس کی نظریں سامنے اندھیرے میں پھیلے درختوں پر جمی رہیں۔

اس کے جواب پر جارج نے بس سر ہلایا۔ وہ اب ایڈنبرا کا ایک قابل ڈائریکٹر تھا۔ اسٹار لائٹ پروڈکشن ہاؤس اس کی قیادت میں تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا مگر اس کامیابی کی قیمت اس نے اپنی ذات سے وصول کی تھی۔

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد ولی نے ایک غیر متوقع سوال کیا۔

"تم شادی کیوں نہیں کر لیتے؟"

یہ سوال اتنا اچانک تھا کہ جارج نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کے سرد چہرے پر حیرت کی ایک لہر دوڑ گئی۔ پھر اس کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ ابھری۔

"اک مونسٹر سے شادی کون کرے گا؟" اس نے خود کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا، جیسے یہ ایک ایسی حقیقت تھی جسے وہ روز خود کو یاد دلاتا ہو۔

ولی نے اس کی تلخی کو نظر انداز کیا۔ اس کی آواز پر سکون اور گہری تھی۔

"جینی رابرٹ!"

یہ نام نہیں تھا، ایک دھماکا تھا۔ جارج ساکت ہو گیا۔ اس کے وجود میں ایک لرزش سی ہوئی جسے اس نے بڑی مشکل سے ضبط کیا۔ جینی۔۔۔ وہ آج شام ہی تو آئی تھی۔ نینی سے مل کر، ان کی عیادت کر کے گئی تھی۔

جارج کے گلے میں ایک گلٹی سی ڈوب کر ابھری۔

جینی، اس کی پہلی اور آخری پسند تھی۔ وہ دونوں اب اچھے دوست بن چکے تھے مگر ایسے جذبات کبھی کسی نے ظاہر نہیں کیے۔

"میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا ہے۔ وہ تمہیں پسند کرتی ہے۔"

اس کے اس جملے پر جارج کے جبڑے بھنچ گئے۔ اس نے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں، جیسے اپنے اندر اٹھتے طوفان کو قید کرنا چاہتا ہو۔ وہ کچھ نہیں بولا، بول ہی نہیں سکتا تھا۔

کچھ دیر بعد ولی اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے چند لمحے جارج کے پتھرائے ہوئے وجود کو دیکھا اور پھر دھیرے سے کہا،

"اس بارے میں سوچنا ضرور۔"

وہ اپنی پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے، پول کی روشنی کے دائرے سے نکل کر اندھیرے میں گم ہونے لگا۔ اس کے قدموں کی آہٹ گھاس پر بہت مدھم تھی۔

"کل پروڈکشن ہاؤس کی ایک تقریب ہے۔ تم آؤ گے؟"

عقب سے آتی جارج کی آواز پر وہ رکا۔ اس کی آواز میں التجا نہیں تھی مگر ایک کوشش ضرور تھی۔ ولی نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ پول کی روشنی میں جارج کا چہرہ آدھا روشن اور آدھا تاریک تھا، بالکل اس کی اپنی ذات کی طرح۔ اس نے کچھ کہنے کے بجائے بس ہلکے سے کندھے اچکائے، ایک ایسا جواب جس کا کوئی مطلب نہیں تھا اور پھر مڑ کر چلا گیا۔

جارج وہیں بیٹھا رہ گیا۔ رات کی خنکی اب اس کے اندر اتر رہی تھی۔ وہ اسے روکنا چاہتا تھا، اس سے بات کرنا چاہتا تھا مگر الفاظ منجمد تھے۔ وہ خود کو اس قابل بھی نہیں سمجھتا تھا کہ اپنے بھائی سے ان غلطیوں کی معافی مانگ سکے جنہوں نے ان کے درمیان یہ سرد دیوار کھڑی کی تھی۔

✿••✿••✿••✿

اسٹار لائٹ اسٹوڈیو، ایڈنبرا

ایڈنبرا کی وہ شام ستاروں سے سجی تھی۔ آسمان پر ہی نہیں، زمین پر بھی۔ اسٹار لائٹ اسٹوڈیو کی کئی منزلہ اونچی عمارت کے باہر کہکشاں اتری ہوئی تھی۔ مہنگی گاڑیوں کی لمبی قطاریں، شوبز کے چمکتے دمکتے چہرے اور ان سب پر حاوی، کیمروں کی فلیش لائٹس کی بوچھاڑ جو رات کے اندھیرے کو دن کے اُجالے میں بدل رہی تھی۔

اور پھر اس شور میں ایک سناٹا چھا گیا۔

مسٹر جوزف پیٹرسن آئے تھے۔ سیاہ ڈریس سوٹ میں ملبوس، ان کی ڈریکولا جیسی پراسرار اور تیکھے نین نقش والی شخصیت کیمروں کی زد میں تھی۔ وہ اسٹوڈیو کی عمارت کی طرف جانے والی سیڑھیوں پر رکے، ان کی آنکھوں میں وہی پرانی حکمرانی تھی جو پورے شہر کو اپنی گرفت میں لے لیتی تھی۔ فلیش لائٹس ان کے گرد ایک ہالہ بنا رہی تھیں مگر وہ خود کسی روشنی کے محتاج نہیں تھے۔

چند پل بعد جارج آ گیا۔ گرے پینٹ پر سفید ڈریس شرٹ، جس کے اوپری دو بٹن کھلے تھے اور گلے میں ایک باریک سی چین چمک رہی تھی۔ اس کے ہلکے گھنگھریالے بال انگلیوں سے سنوارے ہوئے تھے، جو اس کی لاپرواہ مگر دلکش طبیعت کا پتا دے رہے تھے۔ وہ بہترین لگ رہا تھا۔ ماڈلز اور اداکاراؤں کی نگاہیں اس پر تھیں مگر اس کی نظریں صرف اپنے باپ پر مرکوز ہوئیں۔ وہ آ کر ان کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور دو نسلوں کی طاقت ایک فریم میں قید ہو گئی۔

وہ دونوں اپنا وقت لے کر آگے بڑھے ہی تھے کہ گیٹ سے ایک اور گاڑی اندر داخل ہوئی۔ یہ ایک سیاہ چمچماتی (Porsche) تھی، جس کی چمک نے کیمروں کی روشنی کو بھی مات دے دی۔ سب کی توجہ اس نئی آمد پر مرکوز ہو گئی۔

جارج اور مسٹر جوزف بھی وہیں رک گئے۔ گاڑی کا دروازہ کھلا اور اس میں سے ایک شخص باہر نکلا۔ کریم رنگ کی کھلی پینٹ پر بھوری اونی شرٹ پہنے، اس نے دھیرے دھیرے سیڑھیوں کی جانب قدم بڑھائے۔ اس کے چہرے پر ماسک تھا اور گہرے کتھئی بال نہایت نفاست سے بنے تھے۔ مگر سب سے منفرد چیز وہ رومال تھا جو اس کی بیلٹ سے بندھا ایک جانب جھول رہا تھا۔ ہلکے بھورے اور سفید رنگ کا وہ چھوٹا سا ریشمی رومال۔

وہ رومال جو اس نے **'رانیہ پروجیکٹ'** سے پہلی رات فجر کے پاس سے اٹھایا تھا، جس سے وہ اپنے بال باندھتی تھی۔ آج وہ رومال اس کی ملکیت کا اعلان کر رہا تھا۔

لوگوں کی سانسیں رکی ہوئی تھیں، وہ اس پر اسرار شخص کا چہرہ دیکھنے کو بے تاب تھے۔ وہ قدم دھرتا اوپر تک آیا اور پھر۔۔۔ اس نے ماسک اتار دیا۔

ایک لمحے کو جیسے وقت تھم گیا۔ جتنی فلیش لائٹس چمکیں، اس سے کہیں زیادہ آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس چہرے کو کون بھول سکتا تھا؟ جوزف پیٹرسن کا بیٹا، ولیم جوزف!

وہ، جو اپنے علاج کے سلسلے میں سالوں سے غائب تھا، آج اپنی پوری سحر انگیز شخصیت کے ساتھ ان کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر ہلکا سا نشان تھا، جو اس کی خوبصورتی کو کم کرنے کے بجائے مزید گہرا اور پر اسرار بنا رہا تھا۔ مہنگا سوٹ، مہنگی گھڑی، مہنگے جوتے۔۔۔ وہ ان سب چیزوں سے کہیں زیادہ قیمتی لگ رہا تھا۔ وہ پوز دے رہا تھا اور لوگ پاگلوں کی طرح اس کی تصویریں کھینچ رہے تھے۔ ایڈنبرا کے میڈیا کو اس سال کی سب سے بڑی کہانی مل چکی تھی۔

آج پہلی بار اس نے اپنے باپ کی خواہش کو اس انداز میں پورا کیا تھا جس کا خواب وہ ہمیشہ دیکھتے تھے۔

جارج اور مسٹر جوزف ساکت کھڑے تھے۔ ان کے چہروں پر یقین اور بے یقینی کی ملی جلی کیفیت تھی۔ ولی نے اپنا رخ ان کی طرف پھیرا، اس کی آنکھوں میں ایک گہری چمک تھی، اور پھر اس نے آنکھوں کے اشارے سے انہیں اپنے پاس بلایا۔

کچھ دیر بعد وہ تینوں ایک ساتھ کھڑے تھے۔ بیچ میں مسٹر جوزف، اور ان کے دائیں بائیں ان کے دو بیٹے، ان کی سلطنت کے دو ستون!

مسٹر جوزف کا سینہ فخر سے پھول گیا۔ ان کے کندھے تن گئے، جیسے سالوں کا بوجھ اتر گیا ہو۔ ان کی آنکھوں میں آنسو نہیں تھے مگر ایک ایسی خوشی تھی جو زندگی میں صرف ایک بار ملتی ہے۔ وہ زندگی میں پہلی بار اتنا خوش ہوئے تھے۔

کبھی کبھی ہمیں اپنوں کو وہ خوشی دے دینی چاہیے جسے دینے سے ہمارا کچھ نہیں جاتا۔ ولی نے اپنے باپ کو وہ خوشی سے دی تھی۔

وہ رات ایڈنبرا کی تاریخ کی ایک حسین رات بن گئی۔ ہر طرف بس تین ہی چرچے تھے۔

ولیم جوزف، اس کا رومال، اور اس کا وہ نشان!

شوبز کے ہر چینل اور سوشل میڈیا اکاؤنٹ پر اس کی تصویر گردش کر رہی تھی۔ لوگ اس کے چہرے کے مدھم نشان پر قیاس آرائیاں کر رہے تھے اور اس کی بیلٹ کے ساتھ بندھا وہ رومال چیخ چیخ کر ایک ان کہی کہانی سنا رہا تھا کہ شہزادہ واپس آ چکا تھا، مگر وہ بُکڈ تھا۔

ایڈنبرا کو ایسا دلکش، پراسرار اور رومانوی کمبینیشن پہلے کبھی نہیں ملا تھا۔

میلوں دور، لاہور کے ایک پوش علاقے کے گھر میں، فجر اسکرین پر اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی ہیزل آنکھوں میں نمی تھی۔ اس کی نظریں بار بار اس رومال کو دیکھتے ہوئے بھیگ رہی تھیں۔ وہ اسے وہاں جا کر بھی اپنے ساتھ رکھے ہوئے تھا جسے وہ یہاں بیٹھ کر بھول جانا چاہتی تھی۔

✿••✿••✿••✿

وہ اپنی آرام دہ کرسی پر بیٹھی تھی۔ اس کی نگاہیں سامنے لگی بڑی سکرین پر جمی تھیں، جہاں ایڈنبرا کے پیٹرسن خاندان کی تصاویر یکے بعد دیگرے چمک رہی تھیں۔ خاص طور پر ولیم جوزف، اس کی پراسرار شخصیت اور بیلٹ سے جھولتا وہ مخصوص رومال۔ اس کی کتھئی آنکھوں میں ایک گہری سوچ تھی۔

اس کے پہلو میں رکھے نفیس لکڑی کے ٹیبلٹ پر دو نوجوان لڑکوں کی تصویریں دکھائی دے رہی تھیں، ان کے ہاتھ ٹوٹی ہوئی حالت میں تھے۔ یہ تصاویر لندن سے موصول ہوئی تھیں، ساتھ میں ایک پیغام بھی تھا جو اس کے دماغ میں گونج رہا تھا

"اپنی میڈم کو میرا پیغام دو، میں اس کی شہ رگ تک پہنچ کر رہوں گا۔"

"انٹرسٹنگ!" اس نے ٹھوڑی پر مٹھی جماتے ہوئے آہستگی سے کہا۔ "ویری انٹرسٹنگ!" آواز میں ایک مسحور کن گہرائی تھی۔

اس کی نظریں اسکرین پر نظر آتے ولی پر مرکوز تھیں اور اس کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ایڈنبرا کا ولیم جوزف اور لاہور کا ولی اورنگزیب!" دھیمی سی سرگوشی کی۔ پھر اس کی نگاہیں ٹیبلٹ پر موجود گہری کتھئی آنکھوں والے لڑکے پر جم گئیں، جس نے یہ خطرناک پیغام بھیجا تھا۔

"نفسیاتی بچہ اس قابل ہو گیا کہ میری شہہ رگ تک پہنچ سکے؟"

پھر اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک نمودار ہوئی، جو آنے والے کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ تھی۔

"لگتا ہے، کھیل دلچسپ ہونے والا ہے۔" میز پر رکھے شطرنج کے بورڈ پر نظر ڈالی۔ اس کی نگاہیں بساط پر رکھے ایک پیادے پر جمی تھیں۔ گویا یہ پیادہ ہی اب اس کے نئے کھیل کا محور بننے والا تھا۔

"تم میرے پلان کا حصہ کبھی نہیں تھے۔" وہ اس پیادے کو دیکھ رہی تھی۔

"تم اس کھیل میں کہاں سے آ گئے؟" اسکے اتنے بڑے جال میں، جہاں پر شکار اس کی مرضی کے مطابق پھنسا تھا، وہ انجانے میں اس کے جال کے اندر پہنچ چکا تھا۔

کچھ لوگ ہمارے پلان کا حصہ نہیں ہوتے۔ **ولیم جوزف عرف ولی اور نگزیب** کسی کے بھی پلان کا حصہ نہیں تھا۔ مگر وہ اس کہانی میں اہم حصہ بن چکا تھا۔ وہ اللہ کا کن تھا جو فیکون ہو کر آیا تھا اور اللہ کی مرضی کے بغیر تو پتا بھی نہیں ہلتا۔

✿••✿••✿••✿

شیشے کی دیواروں کے پار، سرمئی بادل آسمان پر قبضہ جما رہے تھے، جیسے کسی آنے والے طوفان کا اعلان کر رہے ہوں۔ آفس کے اندر ایک مصنوعی، سرد سکون طاری تھا جو اس کی شخصیت کا عکاس تھا۔

لفٹ کی مدھم سی 'ٹن' کی آواز گونجی اور لفٹ کا دروازہ بے آواز کھلا۔ عروزہ اندر داخل ہوئی۔ اس کے قدموں میں ہمیشہ کی طرح ایک اعتماد تھا اور اس کے چہرے پر پیشہ ورانہ سنجیدگی کا ماسک چڑھا ہوا تھا۔

"یہ نئی ڈیل کی فائلز ہیں۔ ٹیم نے تمام قانونی نکات کا جائزہ لے لیا ہے۔" اس نے چند فائلیں رئیس کی وسیع و عریض میز پر رکھیں۔

رئیس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اپنی سیاہ چمڑے کی کرسی پر براجمان، شہر کے بدلتے منظر کو گھور رہا تھا۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا، کسی بھی جذبے سے عاری مگر اس کی آنکھوں میں ایک ایسی ویرانی تھی جسے عروزہ جیسی ذہین لڑکی بھی پڑھنے سے قاصر تھی۔ اس نے عروزہ کی لائی ہوئی فائلوں کی طرف دیکھا تک نہیں۔

عروزہ نے چند اور ضروری باتیں کیں، جن کا جواب رئیس نے محض سر کے اشارے یا ایک آدھ لفظ میں دیا۔ اس سرد مہری سے عروزہ کو الجھن ہوئی مگر وہ خاموش رہی۔ اپنا کام ختم کر کے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ دروازے کی طرف پلٹی اور پھر جیسے کچھ یاد آنے پر رک گئی۔

"ولی سے بات ہوئی آپ کی؟ وہ کب آ رہا ہے؟" اس نے اپنے لہجے کو ہر ممکن حد تک عام اور بے تاثر رکھنے کی کوشش کی، مگر اس کی آواز میں چھپی بے چینی رئیس کے کانوں سے ٹکرا گئی۔

رئیس نے دھیرے سے اپنی گردن موڑی اور پہلی بار نظریں اٹھا کر اسے براہِ راست دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی، ٹھنڈی اور کاٹ دار۔

"اس پر اتنا بھروسہ مت کرو۔"

اس کے لہجے میں کوئی غصہ نہیں تھا، کوئی سوال نہیں تھا، بس ایک سرد حقیقت کا بیان تھا۔ ایسا کچھ تھا اس آواز میں کہ عروزہ اپنی جگہ پر ٹھٹک گئی۔

"کیا مطلب؟" وہ واقعی الجھی ہوئی تھی۔

رئیس اپنی کرسی سے اٹھا۔ اس کے قد کا سایہ کمرے میں پھیلا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے قریب آیا۔

"تمہیں وہ اچھا لگتا ہے نا، روز؟"

رئیس نے اسے ایک نیا نام دیا۔ **'روز'**۔ عروزہ کے ذہن میں بجلی کی سی تیزی سے سالگرہ کا دن گھوم گیا جب رئیس نے پہلی بار اسکے ہاتھ میں سیاہ گلاب دیکھا تھا۔ ایک حقیقی سیاہ گلاب، نایاب اور پر اسرار، بالکل اس کی اپنی طرح!

اس ایک لفظ نے عروزہ کا دفاعی حصار توڑ دیا۔ اس کا رنگ فق ہو گیا۔

"نہیں، ایسی کوئی بات۔۔۔" اس کی باقی باتیں اس کے حلق میں ہی دم توڑ گئیں۔

رئیس اس کے پاس سے گزر کر ایک میز کی دراز کی طرف بڑھا۔ اس نے دراز کھولی اور اس میں سے چند تصویریں نکالیں۔ وہی تصویریں جو اس رات اس کے وجود کو ریزہ ریزہ کر گئی تھیں۔ اس نے پلٹ کر وہ تصویریں بے پروائی سے عروزہ کی طرف اچھال دیں۔

تصویریں ہوا میں تیرتی ہوئی فرش پر بکھر گئیں۔ عروزہ نے بھنویں سکیڑ کر انہیں دیکھا اور پھر بے اختیار ایک گھٹنا زمین پر ٹیک کر انہیں اٹھانے لگی۔ اس نے پہلی تصویر اٹھائی۔۔۔ پھر دوسری۔۔۔ تیسری۔ ہر تصویر کے ساتھ اس کے چہرے کا رنگ بدل رہا تھا۔ سپاٹ چہرے سے حیرت، پھر بے یقینی اور آخر میں ایک گہری اذیت ابھری۔

یہ سچ تھا، اسے ولی اچھا لگنے لگا تھا۔

یہ دیکھتے ہی ایک منظر اس کے ذہن پر کسی فلم کی طرح چلنے لگا۔ یہ لندن جانے سے پہلے کی رات تھی۔ وہ دونوں اپنے مشن کی میٹنگ کے لیے ملے تھے۔

"میں لندن سے ہو آؤں، پھر اس معاملے کی جڑ تک پہنچ کر رہیں گے۔" اس کا لہجہ سنجیدہ اور پر عزم تھا۔

عروزہ اس کی ذہانت اور وفاداری سے متاثر ہو چکی تھی۔ وہ چند قدم بڑھا کر اس کے قریب آئی۔

"شروع میں مجھے تم بہت برے لگتے تھے سکار! لیکن تمہاری وفاداری نے ہم سب کو جیت لیا۔" اس نے بے ساختہ ہاتھ بڑھا کر اس کی شرٹ کے کالر کو چھوا، جیسے اس پر لگی کوئی خیالی دھول جھاڑ رہی ہو۔

ولی کا ماتھا ٹھنکا۔ اس کے چہرے پر ناگواری کی ایک ہلکی سی لہر ابھری۔

"تم نے کم عمری میں کافی کچھ جھیلا ہے، تبھی تم اس عمر میں اس قدر میچور ہو۔" عروزہ نے اس کے تاثرات کو نظر انداز کرتے ہوئے دوبارہ ہاتھ بڑھایا تاکہ اس کے ماتھے پر آئی کتھئی بالوں کی لٹ کو چھو سکے۔

وہ ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹ گیا۔ اس کا ردِ عمل اتنا تیز اور واضح تھا کہ عروزہ ٹھٹک گئی۔

"کیا ہوا؟ تمہیں برا لگا؟"

"آپ میرے لیے قابلِ احترام ہیں۔ آئندہ ایسی حرکت مت کیجیے گا۔" اس کے لہجے میں روکھا پن اور ایک گہری تنبیہہ تھی۔

عروزہ کا چہرہ فق ہو گیا۔ وہ شدید شرمندہ ہوئی۔ "آئی ایم سوری۔۔۔ میں بس۔۔۔"

"میرے بارے میں ایسا کچھ مت سوچیں، روبوٹ! میں شادی شدہ ہوں!"

یہ الفاظ کسی ہتھوڑے کی طرح اس پر برسے۔ اسے لگا جیسے چھت اس کے سر پر آ گری ہو۔ ولی کا چہرہ دو سو فیصد سنجیدہ تھا اور اس کی آنکھوں میں پہلی بار واضح ناگواری تھی۔

"میں بس تمہیں admire کر رہی تھی۔۔۔" اس نے کمزور سی صفائی دی۔

"اس کے لیے میری بیوی ہے۔ آئندہ ایسے جتن مت کیجیے گا۔"

وہ ایک تنبیہی نظر اس پر ڈال کر پلٹ گیا جبکہ عروزہ ساکت کھڑی رہ گئی۔

شادی؟ بیوی؟ کیا وہ مذاق کر رہا تھا؟ مگر وہ ایسا سنگین مذاق کیوں کرے گا؟ وہ پوری رات الجھن کا شکار رہی۔ پھر اس نے ایڈنبرا میں اپنے وسائل استعمال کر کے اس کی معلومات نکلوائیں، مگر وہاں اس کی شادی کا کوئی ریکارڈ نہیں تھا۔ وہ غیر شادی شدہ تھا۔

اور اب، ان تصویروں کو دیکھتے ہوئے، فجر کے چہرے کو ولی کے سینے میں چھپے دیکھ کر، اس کی بانہوں میں اس کی ملکیت کو محسوس کر کے، عروزہ کو سمجھ آ رہا تھا کہ وہ اس سے گریزاں کیوں تھا۔ اس کی **'بیوی'** موجود تھی، بس اس کا نام اور چہرہ دنیا سے پوشیدہ تھا۔

"اس نے دھوکا کیوں دیا، روز؟"

رئیس کی بھاری آواز اسے خیالوں کی دنیا سے کھینچ لائی۔ وہ اب شیشے کی دیوار کے سامنے کھڑا، باہر کے منظر کو دیکھ رہا تھا۔ ہلکی ہلکی بارش اب تیز ہو چکی تھی اور شہر کو اپنی گیلی چادر میں لپیٹنے لگی۔

عروزہ خاموش تھی۔ بالکل خاموش۔ اس کے الفاظ جیسے برف کی طرح جم گئے تھے۔ اس کے ہاتھ میں پکڑی تصویروں کے کونے اس کی انگلیوں میں دھنسنے لگے۔

"شہر سرگوشیاں کر رہا ہے۔ کیا تم سن سکتی ہو؟" رئیس نے شیشے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ اس کی آواز میں ایک عجیب سی گہرائی تھی۔

عروزہ نے نظر اٹھا کر اس کی پشت کو دیکھا۔ کوئی جواب نہیں آیا۔

"یہ میرا شہر ہے۔ میں اس کی ہر دھڑکن کو پہچانتا ہوں اور یہ میری۔ میں اس کی سرگوشیاں سن سکتا ہوں۔ اور یہ کہہ رہی ہیں کہ۔۔۔۔ کچھ بہت برا ہونے والا ہے۔ بہت برا روز۔۔۔"

اس کا ہر لفظ ایک پیش گوئی کی طرح کمرے میں گونج رہا تھا۔ باہر بارش تیز ہو رہی تھی اور اندر عروزہ کو اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔ اس کے ہاتھ سے تصویریں ایک بار پھر چھوٹ کر نیچے گر گئیں۔ زندگی میں پہلی بار کوئی اچھا لگا تھا مگر افسوس۔۔۔۔۔۔!

✿••✿••✿••✿

شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے، ہسپتال کی راہداریوں میں ایک عجیب سی خاموشی اور اداسی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ اس ماحول میں بھی ایک الگ ہی شان سے چل رہی تھی۔ اس نے خاکستری رنگ کا ایک خوبصورت لباس پہنا ہوا تھا جس کے پھولے ہوئے بازو اور کمر پر کسی ہوئی سیاہ بیلٹ اس کی شخصیت کو مزید شارپ بنا رہے تھے۔ اس کے بال احتیاط سے فولڈ کیے گئے تھے اور چشمہ بالوں میں کسی تاج کی طرح سجا تھا۔ سیاہ بوٹ اور سیاہ بیگ تھامے، وہ منار فیشنز کے چند منیجرز اور صفدر کے ہمراہ اپنے جی ایم کی عیادت کو آئی تھی، جو اچانک بیماری کا شکار ہو گئے تھے۔

ملاقات کے بعد، ایک فون کال سنتے ہوئے فجر لابی میں آ گئی۔ لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی، نرسوں اور ڈاکٹروں کی بھاگ دوڑ میں زندگی کی ہلچل تھی۔ وہ فون پر بات کر رہی تھی جب ایک نرس وہیل چیئر پر ایک مریض کو لے کر اس کی طرف بڑھی۔ شاید وہ اسے باہر واک کروانے لے جا رہی تھی۔ اچانک وہیل چیئر پر بیٹھے شخص کی نظر فجر پر پڑی۔ اس کی سبز آنکھوں میں پہلے شدید حیرت اور پھر ایک گہرا، ناقابلِ بیان خوف ابھرا۔ اس کے بے جان وجود میں ایک عجیب سی بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔ وہ بول نہیں سکتا تھا، چل نہیں سکتا تھا، مگر اس نے کانپتا ہوا ہاتھ فجر کی جانب اٹھایا۔ نرس ٹھٹھک کر رکی اور اس کے اشارے کی سمت دیکھا۔

فجر نے کال بند کی اور سیدھی ہوئی۔ اس کی نظر سامنے وہیل چیئر پر موجود اس شخص پر پڑی جس کی آنکھیں خوف سے پھٹی جا رہی تھیں۔ وہ کچھ کہنے کی کوشش کر رہا تھا، مگر اس کے منہ سے صرف بے ربط آوازیں نکل رہی تھیں۔ فجر نے اسے دیکھ کر ایک لمحے کے لیے الجھن کا اظہار کیا، پھر سر جھٹک کر بے نیازی سے اس کے پاس سے گزر گئی۔ وہیل چیئر پر موجود شخص اب بھی کچھ بولنے کی کوشش کر رہا تھا، مگر نرس اسے کھینچ کر باہر لے گئی۔

کچھ دیر مزید ہسپتال میں رکنے کے بعد وہ سب واپس جانے لگے۔ اتفاق سے نرس اسی شخص کو واپس لا رہی تھی۔ اس بار فجر نے اسے نہیں دیکھا۔ وہ لوگ ہسپتال سے باہر نکلے اور اپنی اپنی گاڑیوں میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔

جیسے ہی اس کی گاڑی ہسپتال کے گیٹ سے باہر نکلی، صرف دو منٹ بعد ویسی گاڑی واپس اندر داخل ہوئی۔

دروازہ کھلا اور وہ باہر نکلی۔

اب اس کے قدموں میں ایک ناقابلِ یقین مضبوطی اور چال میں ایک بدلاؤ تھا۔ یہ ایک پر اعتماد اور ہوشربا چال تھی، جو کسی عام لڑکی کی نہیں ہو سکتی تھی۔ چشمہ اب اس کے بالوں سے اتر کر اس کی آنکھوں پر جم چکا تھا۔ وہ ایک راہداری کی طرف بڑھی اور ایک کمرے کے قریب جا کر رک گئی۔ اس کے گلے میں سنہری مکڑی کا لاکٹ پراسرار انداز میں چمک رہا تھا پھر اس نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئی۔

اندر داخل ہوتے ہی اس نے دروازہ بند کیا۔ بیگ اور چشمہ اتار کر میز پر پھینکا۔ کھڑکی کے قریب وہیل چیئر پر بیٹھے فرقان گردیزی نے گردن اٹھائی اور جب اسے اپنے سامنے کھڑا دیکھا تو اس کی سبز آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ وہ ایک ادا سے اس کی جانب بڑھنے لگی۔ یہ چال فجر معراج کی تو بالکل نہیں تھی۔ یہ ایک ایسی ماڈل کی چال تھی جس میں بلا کا اعتماد اور بے رحمی چھپی تھی۔ وہی لباس، ویسے بال، وہی شکل، سوائے اس چال کے!

وہ اس کے قریب آئی اور جھکی۔ فرقان گردیزی نے بے بسی سے ہاتھ پاؤں مارنے کی کوشش کی۔

"ہیلو ڈارلنگ!" اس نے اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھتے ہوئے ایک زہریلی سرگوشی کی۔ فرقان گردیزی تڑپ اٹھا۔

"بالآخر آج تم نے اپنی بیٹی کو دیکھ ہی لیا۔" وہ سیدھی ہوئی۔ پھر گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس کے چہرے کے سامنے جھکی۔

"وہ میری فوٹو کاپی ہے نا؟"

اس کی آنکھیں، اس کا انداز، جتنا خوبصورت تھا، اتنا ہی خوفناک! فرقان گردیزی کی سبز آنکھیں دہشت سے پھٹ پڑیں۔

"افسوس کہ وہ کبھی تم سے مل نہیں پائے گی۔ نہ تم اس سے۔" اس نے چہرہ ایک طرف گراتے ہوئے کہا۔

"اوہو اتنا مچلو مت! آج میں تمہیں ہر تکلیف سے آزاد کر دوں گی۔"

پھر وہ سیدھی ہوئی اور میز پر رکھے بیگ کی جانب بڑھی، اس میں سے ایک چھوٹا سا منی کیم نکالا اور ریکارڈنگ پر لگا کر میز پر رکھ دیا۔ پھر بیگ سے ایک چمکتا ہوا، تیز دھار چاقو برآمد کیا۔

اسے دیکھتے ہی فرقان گردیزی کی آنکھیں مزید پھٹ پڑیں۔ اس کے حلق سے گھٹی گھٹی، خوفناک آوازیں نکلنے لگیں۔ وہ اپنا وجود ہلانے کی کوشش کر رہا تھا جو کہ ناممکن تھا۔

اس نے چاقو کی نوک پر انگلی رکھ کر دبائی اور پھر پیچھے کھینچ لی۔ اس کی انگلی پر ایک سرخ لکیر ابھر آئی۔ پھر وہ فرقان کی جانب بڑھی۔ کیمرہ یہ سارا منظر ریکارڈ کر رہا تھا۔

”تم نے مجھے بہت تکلیف دی فرقان! پر افسوس، تم میرے کسی کام کے نہیں ہو۔ تمہیں مر جانا چاہیے، اور یہ دکھ لے کر مرنا چاہیے کہ تم کبھی اپنی بیٹی سے نہیں مل پائے۔ وہ جانتی ہی نہیں اس کا باپ کون ہے۔ ویسے تمہیں پتا ہے میں نے اسے کیا بنایا ہے؟ ملعون۔۔۔!“

اسکا نقرئی قہقہہ گونج اٹھا اور پھر اگلے ہی پل، اس نے وہ تیز دھار چاقو فرقان گردیزی کی گردن پر پوری مہارت سے پھیر دیا۔

نہ کوئی تماشہ، نہ واویلا! اس کی آنکھیں خوف سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ گردن پر ایک گہری لکیر ابھری اور پھر خون کا فوارہ بہتا چلا گیا۔ کیمرہ سب کچھ ریکارڈ کر چکا تھا۔

منار معراج؟ نہیں وہ تو مر چکی تھی۔ فرقان گردیزی کا قتل فجر معراج نے کیا تھا، اور یہ ثبوت اس کے پاس محفوظ ہو چکا تھا۔ کمرے کا سی سی ٹی وی کیمرہ اس وقت بند تھا۔

وہیل چیئر پر بیٹھا شخص خون میں لت پت تھا، وہ کچھ دیر تڑپا اور پھر دھیرے دھیرے ساکت ہو گیا۔ اس نے کیمرہ بند کیا، چاقو صاف کر کے واپس بیگ میں رکھا، چشمہ آنکھوں پر جمایا اور بیگ کندھے پر لٹکاتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔ وہ اسی چال سے چلتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

لیکن کون یقین کرتا کہ وہ فجر نہیں منار تھی؟ وہ عنکبوت، جس کا بنایا ہوا جال موت کا پیغام تھا۔

✿••✿••✿••✿

چند اہم میٹنگز، بورڈ کے افراد کی بے تکی بحثیں، وہ بے طرح کام میں مگن تھا۔ اس نے اپنے آپ کو کام میں غرق کر لیا تھا۔

وہ سوچوں میں گم راہداری سے گزر رہا تھا، جب اچانک جیب میں رکھے فون کی لرزتی خاموشی نے اُس کے قدم روک دیئے۔

انجان نمبر۔۔۔

ایک لمحہ کو اس کی نظریں اسکرین پر جم گئیں، پھر اس نے گہری سانس لی۔ اب تو اسے عادت ہو چکی تھی۔ جانتا تھا دوسری جانب کون ہو سکتا تھا۔ اس نے فون اٹھاتے کان سے لگایا۔

" (knock knock)۔۔

ایک نسوانی آواز ابھری۔ دھیمی، مدھم، مگر زہر میں بجھی ہوئی۔

رئیس نے خاموشی اختیار کی۔ وہ کچھ نہ بولا۔ چہرہ سپاٹ ہو چکا تھا۔ اس کی بھنویں سکڑی ہوئی تھیں۔۔

" (knock knock)۔۔

اس کے خاموش رہنے پر پھر وہی آواز ابھری۔ جیسے کسی پرانی الماری کا دروازہ کھٹکھٹا رہا ہو۔

"کون ہے؟(Who is there)" اس نے گہری سانس لی اور مدھم آواز میں پوچھا۔

" (

دوسری جانب سے جواب آیا۔ وہی آواز۔۔۔ وہی دل میں اترتی زہریلی مٹھاس۔

" (

اس نے خود سے بے نیاز ہو کر سوال کیا۔ اُس کی زندگی میں دشمنوں کی کمی نہ تھی۔

"اب کوئی نہیں۔۔۔(No one) "

خاموشی کی ایک خلیج کے بعد آواز ابھری۔

"کیونکہ میں نے اسے مار دیا!"

ایک قہقہہ گونجا۔ نسوانی، زہریلا، اور اذیت بھرا۔ رئیس کی رگوں میں لمحہ بھر کو خون جیسے جم گیا۔

"خبر تمہیں نیوز چینل پر مل جائے گی۔" وہ کس قدر سکون سے کہہ رہی تھی۔

وہ فوراً پلٹا، تیز قدموں سے ایک اسکرین روم کی جانب بڑھا، جہاں نیوز چینل خاموشی سے چل رہا تھا۔ ریموٹ کے ایک بٹن سے آواز تیز کی، اور اسکرین پر وہ خبر ابھری جس نے اسے لمحوں میں بے حس کر دیا۔

"معروف بزنس مین برہان گردیزی کے بھائی فرقان گردیزی، جو گزشتہ کئی سالوں سے ہسپتال میں زیرِ علاج تھے، آج شام پراسرار طور پر قتل کر دیئے گئے۔"

تصویر میں وہی ہسپتال، وہی راہداری، اور پولیس کی گاڑیاں!

"تمہارا ایک رقیب ختم ہو گیا۔۔۔"

آواز اب بھی فون پر موجود تھی۔ رئیس نے آہستہ سے فون کان سے لگایا۔

"ویسے میں حیران ہوں۔ تم ابھی تک میری تلاش میں کیوں نہیں نکلے؟"

وہ مسکرایا، مگر اس مسکراہٹ میں تلخی تھی۔ زہر کی تلخی۔

"میں لوگوں کے پیچھے نہیں بھاگتا محترمہ! لوگ میری تلاش میں نکلتے ہیں۔"

ایک لمحے کو دوسری طرف خاموشی رہی، پھر وہی قہقہہ، جیسے کسی مکڑی نے اپنا جالا مکمل کر لیا ہو۔

"یہ میرا شہر ہے۔"

اس کی آواز اب قدرے سخت تھی، مگر گمبھیر!

"یہ شہر تمہیں وقت پر باہر اگل دے گا۔ تم خود میرے سامنے آؤ گی۔ مجھے تمہیں ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں۔ تم خود آؤ گی، اپنی قبر کے تعویز پر چلتی ہوئی۔"

بغیر کسی اور جواب کا انتظار کیے، اس نے فون بند کر دیا۔

وہ جانتا تھا۔ وہ کھیل رہی تھی۔ ذہنوں، رشتوں، دشمنیوں اور موت سے۔

اور جب تک وہ خود نہ چاہے، اُس تک پہنچنا ناممکن تھا۔

مگر رئیس بھی وہی تھا، جو وقت کا صبر کرتا تھا۔

جس کے فیصلے خاموشی میں سنائے جاتے تھے اور سزا سایوں میں دی جاتی تھی۔ ان کے مقابل آنے میں اب زیادہ وقت نہیں بچا تھا۔

✿••✿••✿••✿

ستمبر کا آخری دن تھا اور لاہور کی فضا میں ایک ناقابلِ برداشت حبس ٹھہر گیا تھا۔ ایسی ہی ایک شام، جب آسمان پر بادلوں نے ڈیرے ڈال لیے اور ہوا ساکن تھی، بارش کی پہلی بوند مٹی پر گری اور وہ سوندھی مہک اٹھی جو یادوں کو جگا دیتی ہے۔ شام دھیرے دھیرے رات کی سیاہی میں تحلیل ہونے لگی۔

وہ جانے کب سے لاؤنج کے داخلی دروازے کے قریب بنے چوڑے زینوں پر بیٹھی تھی۔اس کی ہیزل آنکھوں میں کوئی چمک نہیں تھی، بس ایک گہرا خلا، جس میں وہ خود بھی ڈوبتی جا رہی تھی۔اس کی نظریں بے مقصد بارش کی تیز ہوتی بوندوں پر جمی تھیں جو صحن میں لگے پودوں کے پتوں کو دھو رہی تھیں۔ایک دفعہ بات کرنے کے بعد، اس نے ولی کی کالز اور پیغامات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ایک خاموشی تھی جو اس نے جان بوجھ کر طاری کی تھی، ایک دیوار تھی جو وہ اپنے اور اس کے بیچ کھڑی کرنا چاہتی تھی۔

اچانک گیٹ کھلنے کی آواز آئی اور اس کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹ گیا۔اس نے چونک کر دیکھا۔ایک ہیولہ گیٹ سے اندر داخل ہوا۔فجر کی نظر اس پر پڑی اور وہیں ٹھہر گئی۔سانس سینے میں اٹک گئی۔وہ ساکت رہ گئی۔گاڑی باہر، سڑک پر کھڑی تھی۔وہ سب سے پہلے، ہر چیز سے پہلے، اس سے ملنے آیا تھا۔

وہ ولی تھا۔بارش کی پرواہ کیے بغیر، وہ دھیرے دھیرے، لمبے قدم بھرتا اس کی جانب بڑھ رہا تھا۔پانی کی بوندیں اس کے بالوں کو بھگو کر اس کے چہرے پر لکیریں بنا رہی تھیں۔اس کی سفید شرٹ گیلی ہو کر اس کے وجود سے چپکنے لگی۔فجر کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ایک لمحے کو لگا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہو، کوئی سراب جو بارش کے تھمتے ہی مٹ جائے گا۔

وہ چلتا ہوا آیا اور اس کے عین سامنے، ایک زینہ نیچے کھڑا ہو گیا۔اب وہ گردن اٹھا کر اسے دیکھ رہی تھی۔وہ پہلے سے زیادہ پرکشش، زیادہ پختہ لگ رہا تھا۔اس کے چہرے پر سفر کی تھکن تھی۔مگر آنکھوں میں صرف اس کے لیے ایک گہری، بے پناہ چاہت تھی۔فجر کے دل میں ایک تیز ہوک اٹھی۔

"کیسی ہو جانم؟" اس کا لہجہ اتنا نرم، اتنا محبت بھرا تھا کہ فجر کے ضبط کے سارے بندھن ٹوٹنے لگے۔نہ کوئی ناراضی، نہ غصہ، نہ اس کی خاموشی پر کوئی شکوہ۔بس خالص، بے ریا محبت۔

وہ جیسے پتھر کی ہو گئی۔ آنکھیں پلک جھپکائے بغیر اس کے چہرے پر جمی تھیں۔ وہ ایک دوسرے کو اپنی نگاہوں سے سیر اب کر رہے تھے۔ وہ جس طرح گردن پیچھے گرا کر اسے دیکھ رہی تھی، ولی کو اس کی گردن کے درد کا احساس ہوا۔ یہ سوچ کر وہ پنجوں کے بل جھکا اور اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ اب ان کے چہرے ایک سطح پر تھے۔

اس کے ہونٹ سختی سے آپس میں پیوست تھے۔ وہ کچھ کہنا نہیں چاہتی تھی، شاید کہہ نہیں پا رہی تھی۔ ولی نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور اس کے بھیگے ہوئے رخسار کو چھوا۔ اس کا لمس گرم تھا۔

"خود کو تکلیف مت دو۔"

اس کے چھونے پر وہ جیسے کسی گہرے خواب سے جاگی۔ وہ جسے اپنا خواب سمجھ رہی تھی، وہ تو حقیقت بن کر اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ وہ ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹی۔ ولی کا ہاتھ فضا میں معلق رہ گیا۔ وہ اس کی حرکت پر ساکت ہوا۔

("ولیم جوزف کو محبت ہو گی۔" نینسی کے الفاظ فضا میں گونجنے لگے۔)

"تم یہاں۔۔۔؟" اس کی آواز بمشکل نکلی۔

"سب سے پہلے مجھے تمہیں دیکھنا تھا۔ تم سے ملنا تھا۔ اسی لیے سیدھا یہاں آیا ہوں۔" اس کی آواز میں وہی نرمی تھی۔ آنکھیں چمک اٹھیں۔

(اسے دیکھ کر تمہاری آنکھیں چمک اٹھیں گی۔)

"مجھے تم سے نہیں ملنا۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا اور ایک جھٹکے سے اٹھنے لگی۔

ولی نے سرعت سے اس کا بازو پکڑا اور اسے وہیں روک لیا۔ اس کے چہرے پر اب سنجیدگی چھا گئی تھی۔

"کیوں نہیں ملنا؟" وہ حد درجہ سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا، البتہ آنکھیں اب بھی اسے اندر کہیں قید کر لینا چاہتی تھیں۔ وہ اس چہرے کو پورے ایڈنبرا میں ڈھونڈتا رہا تھا۔

(تم اسے دیکھنا چاہو گے، تمہاری آنکھیں صرف اس کے دیدار کو ترسیں گی۔)

"ہاتھ چھوڑو میرا۔ میری مرضی، میں جس سے چاہوں ملوں، جس سے چاہوں نہ ملوں۔" اس کے الفاظ اذیت بھرے تھے مگر ولی کے لیے اس کی آواز سننا بھی ایک سکون تھا۔ وہ یہ سننے کو بے تاب تھا۔

(تمہاری سماعت صرف اسے سنے گی۔)

"میں بھی اپنی بیوی سے ملنے آیا ہوں۔" اس نے بازو نہیں چھوڑا۔ گرفت مضبوط تھی۔

"پلیز جاؤ یہاں سے۔" وہ ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہی تھی۔ آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

"میں تمہیں چھوڑ کر کہاں جاؤں گا؟" اس کی آواز میں بے بسی تھی۔

(ولیم جوزف، وہ تمہاری شروعات ہے۔ تم اس سے بھاگ نہیں سکتے۔)

"مجھے نہیں پتا۔ بس میری جان چھوڑ دو۔" اس بار وہ غرائی۔ ضبط شدہ آنکھیں جیسے لہو ٹپکا رہی تھیں۔

ولی نے اسے دیکھا۔ اس کی باتیں اذیت دے رہی تھیں مگر وہ ہمت ہارنے کو تیار نہیں تھا۔

وہ جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ بھی اس کے ساتھ اٹھا۔

"میں نہیں چھوڑ سکتا تمہاری جان!" اس کا لہجہ اب بھی نرم تھا، جیسے وہ کسی بچے کو سمجھا رہا ہو۔

"کیوں نہیں چھوڑ سکتے؟ کیوں؟" فجر نے چیخ کر اس کے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے پیچھے دھکیلا۔

"تم آئے ہی کیوں تھے؟ میں نے تمہیں نہیں بلایا تھا۔ تم کیوں آئے؟" وہ دونوں ہاتھ اس کے سینے پر رکھے اسے پیچھے دھکیل رہی تھی۔ وہ پیچھے ہٹ رہا تھا۔ وہ دونوں اب زینوں کے شیڈ سے باہر، براہِ راست بارش کے نیچے آ چکے تھے۔ وہ اب لان میں کھڑے تھے۔

"کیونکہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔" اس نے فجر کے دونوں ہاتھ تھامتے ہوئے بے بسی سے کہا۔

زندگی میں پہلی بار اس شخص نے محبت کا اقرار کیا تھا۔

(تم اس کے لیے دل نکال کر ہتھیلی پر رکھ لوگے۔۔۔)

اس نے اپنا دل ہتھیلی پر رکھ دیا تھا۔ اب وہ ظالم لڑکی اس دل کو رکھتی یا کھا جاتی۔۔۔۔ کسے معلوم تھا۔

وہ اس کے اظہار پر ساکت ہو گئی۔ وہ اب ہلکی بارش میں بری طرح بھیگ رہے تھے۔ وہ ششدر سی اسے دیکھ رہی تھی۔

"میں یہاں صرف اس لیے نہیں ہوں کہ تم میری بیوی ہو۔

میں یہاں اس لیے ہوں کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ اس دن سے، جب تمہیں پہلی بار دیکھا تھا۔ میں نے شدت سے خواہش کی تھی کہ کاش اس سرخ لباس والی لڑکی کے سامنے میں بیٹھا ہوتا۔ وہ مجھے دیکھ رہی ہوتی۔ وہ میرے لیے ہنس رہی ہوتی۔"

اسے وہ منظر آج بھی یاد تھا جب اس نے پہلی بار فجر کو دیکھا تھا۔ وہ کتنے ضبط سے کہہ رہا تھا۔ وہ یقین کر لینا چاہتی تھی مگر۔۔۔

"میں تم سے محبت نہیں کرتی۔" اس نے ایک جھٹکے سے اپنے ہاتھ چھڑا لیے۔ انداز اتنا قطعی تھا کہ ولی ساکت رہ گیا۔

"میں کرلوں گا۔ دونوں کے حصے کی۔" پھر بھی ہمت نہیں ہاری۔

"تمہیں سمجھ نہیں آرہا میں کیا کہہ رہی ہوں؟ تم میری زندگی میں ایک اضافی ہو۔ تم زبردستی آئے ہو۔ میں تم سے تنگ آچکی ہوں، پلیز جاؤ یہاں سے۔" اس نے بے رخی سے کہتے ہوئے رخ موڑ لیا۔ اس بار ششدر رہ ہونے کی باری ولی کی تھی۔ اسے لگا تھا وہ کسی بات پر ناراض ہو گی، شاید اس کے جانے پر، مگر یہ۔۔۔ یہ تو مکمل انکار تھا۔

"فجر۔۔۔" اس نے ہولے سے اس کا نام پکارا۔ رخ پھیرے کھڑی فجر نے ضبط سے آنکھیں میچ لیں۔

"میں تمہیں نہیں چھوڑ سکتا۔" وہ ضبط سے بولا۔

"مجھے فرق نہیں پڑتا۔ تم کبھی میری پسند تھے ہی نہیں۔" گلے میں اٹکی اذیت کو پیتے ہوئے وہ مزید بے رحم ہوئی۔

"میں تمہارے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔ نہ آج، نہ کل اور نہ کبھی۔"

وہ جو اس کے لیے پوری دنیا ٹھکرا چکا تھا، وہ اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی تھی؟ وہ جس نے اس کے لیے خود کو بھی کھو دیا تھا، وہ اسے چلے جانے کو کہہ رہی تھی؟

"فجر میری بات۔۔۔"

"میں خلع کے کاغذات بھجوا دوں گی۔"

یہ وہ آخری ضرب تھی جس نے نشان زدہ چہرے والے شخص کی ٹانگوں تک سے جان نکال دی۔ وہ سب کچھ سوچ کر بیٹھی تھی۔

"بلکہ اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ تم تین لفظ بول کر۔۔" اس کے باقی الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔ ولی نے اس کا رخ اپنی طرف کیا اور اس کے شانوں سے پکڑ کر جھنجھوڑا۔

"ہوش میں آؤ! کیسی باتیں کر رہی ہو؟" اسے لگا وہ بھی اپنے حواس کھو دے گا۔

مگر فجر پر اس کے جھنجھوڑنے کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ پوری آنکھیں کھولے اسے دیکھتی رہی۔ سرد و سپاٹ تاثرات۔ پانی ان کے چہروں سے بہہ رہا تھا۔ وہ اس کی ساری جان نکال کر خود کیسے اتنی مضبوط کھڑی تھی؟

"میں ایسے مذاق نہیں کرتی۔ میں نے تم سے کہا تھا جب مجھے ضرورت ہو گی میں تم سے رابطہ کروں گی، اور آج مجھے اس رشتے سے آزادی چاہیے۔"

ولی کے ہاتھ اس کے کندھوں سے بے جان ہو کر گر گئے۔ یہ وہ فجر نہیں تھی جسے وہ چھوڑ کر گیا تھا۔ اس کی جان بے جان ہو رہی تھی۔ وہ دھیرے دھیرے، بہت دھیرے دھیرے نیچے بیٹھتا گیا۔ وہ اب اپنے گھٹنوں پر تھا۔ قید و بند کی ہر مشقت سہہ جانے والا اس کے سخت الفاظ نہیں سہہ پا رہا تھا۔

"تم میری زندگی سے چلے جاؤ۔"

وہ اب گھٹنوں پر تھا، سر جھکا ہوا تھا۔ پانی اس کے بالوں سے ٹپک کر اس کی گردن کو بھگو رہا تھا۔ پہلی بار، وہ کسی کے سامنے کمزور پڑا تھا، ٹوٹ گیا تھا۔ فجر کے دل کو کسی نے مٹھی میں لے کر بھینچ دیا۔ وہ شخص اس کے سامنے گھٹنوں پر تھا، وہ کیسے کھڑی رہ سکتی تھی؟ وہ بھی جھکتی چلی گئی۔ اب وہ دونوں آمنے سامنے تھے۔

(تم کھڑے نہیں رہ پاؤ گے۔ تم گھٹنے ٹیک دو گے۔ تم اس کے سامنے جھک جاؤ گے۔۔۔)

وہ جھک گیا تھا۔

فجر نے ایک نظر اسے دیکھا۔ وہ لوگوں کو گھٹنوں پر لا کر گھٹنے ٹیک دینے میں ماہر تھی مگر آج۔۔۔ وہ یہ جھکا ہوا سر نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اسے تکلیف ہو رہی تھی۔ ایڈنبرا کا شہزادہ اس سب کے لیے نہیں بنا تھا۔ وہ جس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے لوگوں نے سالوں انتظار کیا تھا، وہ اسے چلے جانے کو کہہ رہی تھی۔

وہ دوزانوں بیٹھے تھے۔ فجر اس کے ہاتھ دیکھ سکتی تھی جن میں ہلکی سی کپکپاہٹ تھی۔ وہ شاید خود کو سمیٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔

وہ اسے دیکھ رہی تھی۔ دل چاہ رہا تھا اسکا جھکا ہوا سر اٹھائے۔ اسکے لرزتے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے لے۔

اسے بتائے اسے دیکھنے کے لیے وہ کتنی بے تاب تھی۔

اسے بتائے وہ اس کے بنا اندھی ہو گئی تھی۔ اسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

اسے بتائے کہ اسے، اس کے چہرے کے نشان سے عشق ہوتا جا رہا تھا۔

اسکا چہرہ اوپر کرے اور اپنے ہاتھ سے اس نشان کو چھو کر دیکھے۔

اسے بتائے کہ وہ اس کے سامنے گردن جھکاتا اچھا نہیں لگتا۔

مگر وہ بولی بھی تو کیا؟

"پلیز چلے جاؤ۔۔۔"

وہ خود لرز رہی تھی۔

"تم میرا گھر ہو فجر! مجھے بے گھر مت کرو۔"

اس نے جیسے آخری التجا کی۔

"واپس چلے جاؤ پلیز!"

اس نے اپنی بات دہرائی۔ آنسوں اب پانی کے بارش میں گھل مل گئے۔ وہ مزید رکتا تو وہ مر جاتی۔

خاموشی چھا گئی۔ ایک گہری خاموشی۔ بس پانی کے ٹپ ٹپ کی آواز تھی۔

"میں گیا تو واپس نہیں آؤں گا۔"

کتنی دیر بعد اس کی آواز ابھری۔ اس نے سر ابھی بھی نہیں اٹھایا تھا۔ وہ اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔

وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ سسکی روکنے کی کوشش میں منہ بھینچ لیا۔ کچھ نہ بولی۔ چند لمحے مزید گزر گئے۔ پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

اس نے فجر کو نہیں دیکھا۔ وہ اب واپس جا رہا تھا۔ وہ وہیں بیٹھی رہ گئی۔ وہ جا رہا تھا اور وہ اس کا سب کچھ ساتھ لے جا رہا تھا۔

وہ اسے دیکھتی رہی جب تک وہ گیٹ پار نہیں کر گیا۔

اسکے جاتے ہی وہ بے جان ہو کر وہیں گر گئی۔

وہ اللہ کا انعام تھا۔ آج اس نے اللہ کا انعام ٹھکرا دیا تھا۔ وہ واقعی ملعون تھی۔ اور پھر ملعونوں پر انعام کہاں ہوتے ہیں؟

✿••✿••✿••✿

ستمبر کی وہ آخری بھیگی رات اپنے پیچھے ایک قیامت خیز خاموشی چھوڑ گئی تھی۔ جب اگلی صبح سورج نکلا تو لاہور کا آسمان شفاف نیلا تھا، جیسے کل رات یہاں کوئی طوفان آیا ہی نہ ہو۔ لان میں کھڑے پودے بارش میں دھل کر نکھر گئے تھے اور گیلی مٹی کی سوندھی مہک اب بھی فضا میں باقی تھی۔ مگر فجر کے لیے وہ رات اپنے ساتھ اس کی دنیا کے سارے رنگ بہا کر لے گئی تھی۔ اس کی زندگی کا آسمان اب گہرا، سیاہ اور بے ستارہ تھا۔

اس نے خود کو ایک ایسے خول میں بند کر لیا تھا جو باہر سے جتنا چمکدار اور خوبصورت تھا، اندر سے اتنا ہی کھوکھلا اور تاریک تھا۔ اس نے ولی کی یاد کو، اس کے سامنے گھٹنوں پر بیٹھے وجود کو، اور اپنی زبان سے ادا کیے گئے زہریلے الفاظ کو اپنے ذہن کے کسی کونے میں دفن کرنے کی کوشش کی۔ اس کی جنگ اب خود سے تھی۔ وہ دنیا کو یہ دکھانا چاہتی تھی کہ اسے فرق نہیں پڑتا۔ وہ مضبوط ہے۔ اسے ولی کی ضرورت نہیں۔

اس کی صبحیں اب الارم سے نہیں بلکہ ایک انجانے خوف سے ہوتیں۔ وہ اٹھتی اور گھنٹوں آئینے کے سامنے خود کو تیار کرتی۔ دنیا کے مہنگے ترین برانڈز کے لباس اس کے بدن کی زینت بنتے۔ اس کا میک اپ ایک مہارت سے ہوتا۔ ایک ایسا ماسک جو اس کی ہیزل آنکھوں کے خلا کو، اس کی روح کی ویرانی کو چھپا سکے۔

وہ اب فجر نہیں تھی، وہ منار فیشنز کی بے رحم سی ای او تھی، ایک ایسی عورت جس کا نام کامیابی کی ضمانت سمجھا جانے لگا تھا۔ ہر فیشن پیج پر اس کی کامیابی کی باتیں ہو رہی تھیں۔ بین الاقوامی فلم کے پروجیکٹ نے اسے مزید اٹھا دیا تھا۔

مگر دفتر میں اس کے قدموں کی چاپ سن کر لوگ سہم جاتے۔ اس کے چہرے پر ہر وقت ایک سرد، سپاٹ تاثر رہتا۔ وہ مسکرانا بھول چکی تھی۔ اس کی ٹیم جو کبھی اس کے ساتھ دوستانہ ماحول میں کام کرتی تھی، اب اس کی موجودگی میں سانس بھی احتیاط سے لیتی تھی۔ چھوٹی سی غلطی، ایک معمولی سی کوتاہی پر وہ ملازمین کو یوں فارغ کر دیتی جیسے وہ کوئی بے جان چیز ہوں۔

"یہ فنانس کی رپورٹ کس نے بنائی ہے؟" ایک دوپہر اس نے میٹنگ روم میں فائل میز پر پٹخ کر پوچھا۔ اس کی آواز برف کی طرح سرد تھی۔

ایک نوجوان لڑکی، جو چند ماہ پہلے ہی ٹرینی کے طور پر آئی تھی، ڈرتے ڈرتے کھڑی ہوئی۔ "میم۔۔۔ میں نے۔"

"پیراگراف تین کی آخری لائن میں اسپیلنگ کی غلطی ہے۔ تمہیں نظر نہیں آئی؟"

"میم وہ۔۔۔ جلدی میں۔۔۔"

"جسے جلدی ہے وہ منار سے ہمیشہ کے لیے جا سکتا ہے۔ اپنا استعفیٰ ایچ آر میں جمع کروا دو۔"

لڑکی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر فجر نے ہاتھ کے اشارے سے اسے خاموش کروا دیا۔

"Get out۔"

وہ روتی ہوئی باہر نکل گئی۔ میٹنگ روم میں ایک سناٹا چھا گیا تھا۔ کسی کی ہمت نہیں ہوئی کہ سر اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔

اس کا سیف ہیون (Safe Haven) جا چکا تھا، اب اس سے کوئی کیسے محفوظ رہ پاتا؟ وہ سب کو خود سے دور کر رہی تھی۔

ارسل نے کئی بار اس سے رابطے کی کوشش کی۔ ریسپشن پر فون آتے۔

"منزہ اگر دوبارہ اس شخص کی کال میرے آفس تک آئی تو تم منار سے باہر جاؤ گی!" اس نے ریسپنشٹ کو تنبیہہ کی۔

اس نے ارسل کی خود تک پہنچنے کی ساری کوششیں ناکام بنادیں۔

اکتوبر کا مہینہ اپنی تمام تر سماجی تقریبات کے ساتھ گزر رہا تھا۔ وہ ہر تقریب کی جان ہوتی۔ وہ جہاں جاتی، کیمروں کی چکاچوند اس کا تعاقب کرتی۔ لوگ اسے حسرت سے دیکھتے، اس کی خوبصورتی، اس کے اعتماد اور اس کی کامیابی پر رشک کرتے۔ وہ کسی ملکہ کی طرح محفل میں داخل ہوتی، اس کا لباس اور انداز سب کو مبہوت کر دیتا۔

مگر اس ہجوم میں بھی وہ تنہا تھی۔ اس کی آنکھیں بے اختیار ہر نئے داخل ہونے والے چہرے کو کھوجتیں۔ وہ ہر لمبے قد والے شخص میں اسے تلاش کرتی۔ کسی کی پشت بھی ویسی لگتی تو اس کا دل ایک لمحے کو دھڑک کر رہ جاتا۔ وہ ایڈنبرا کے شہزادے کو لاہور کے ہر کونے میں ڈھونڈ رہی تھی۔ وہ ہر اس جگہ جاتی جہاں اس کے ہونے کا ذرا سا بھی امکان ہوتا۔ مگر وہ کہیں نہیں تھا۔ اسے جیسے زمین نگل گئی ہو یا آسمان کھا گیا ہو۔ وہ ایسے غائب ہوا تھا جیسے کبھی تھا ہی نہیں۔ اس نے کہا تھا، **"میں گیا تو واپس نہیں آؤں گا۔"** اور وہ واقعی واپس نہیں آیا تھا۔

اس کی کامیابیوں کا گراف بلند سے بلند تر ہوتا جا رہا تھا۔ ایک مشہور بین الاقوامی بزنس میگزین نے اسے سرورق پر جگہ دی،

"**ایشیا کی ابھرتی ہوئی فیشن ڈیزائنر**" کے خطاب کے ساتھ۔ مبارکباد کے پیغامات اور پھولوں کے گلدستوں سے اس کا دفتر بھر گیا۔ مگر اس کامیابی میں وہ خوشی نہیں تھی، وہ سکون نہیں تھا جو وہ چاہتی تھی۔ اس سب کا کیا مطلب تھا اگر وہ شخص اس کی خوشی میں شریک نہیں تھا جس کے لیے وہ یہ سب کچھ جیتنا چاہتی تھی؟

اس کی آنکھوں سے آنسو جیسے خشک ہو چکے تھے۔ وہ راتوں کو جاگتی، چھت کو گھورتی رہتی۔

وہ بھاگ کر کہاں آگئی تھی؟ ایک ایسی کامیابی کے صحرا میں جہاں دور دور تک تنہائی کے سوا کچھ نہیں تھا۔

اکتوبر کا آخری ہفتہ تھا۔ وہ ایک چیریٹی گالا میں تھی۔ اس نے سیاہ رنگ کا ایک شاہکار لباس پہنا ہوا تھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح بے حد حسین لگ رہی تھی، مگر اس کی آنکھیں ویران تھیں۔ وہ اسٹیج پر کھڑی اپنی کمپنی کی طرف سے ایک بڑی رقم کا چیک عطیہ کر رہی تھی۔ تالیوں کی گونج میں اسے اپنا وجود خالی خالی لگا۔

تقریب کے بعد وہ اپنی گاڑی میں بیٹھی۔ ڈرائیور نے گھر کا راستہ لیا۔ راستے میں ایک جگہ ٹریفک جام تھا۔ اس نے بے دھیانی میں باہر دیکھا۔ سڑک کے کنارے ایک بک اسٹور تھا۔ شیشے کے پار اسے ایک شخص کھڑا نظر آیا جس کی پشت اس کی طرف تھی۔ وہی قد، وہی بال، وہی انداز۔ اس کی سانس ایک پل کو رک گئی۔ اس نے بے اختیار گاڑی کا دروازہ کھولنا چاہا، مگر تبھی اس شخص نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ کوئی اور تھا۔ ایک اجنبی!

ایک شدید مایوسی نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ وہ واقعی اندھی ہو گئی تھی۔ اسے ہر شخص میں ولی نظر آتا تھا۔

گھر پہنچ کر وہ سیدھا اپنے کمرے میں آگئی۔ اماں سے بات کرنا چھوڑ دی تھی۔ وہ انہیں دیکھتی بھی نہیں تھی۔ ان کے لفظوں نے اسے دوبارہ ادھیڑ دیا تھا۔

کمرے میں پہنچ کر وہ قیمتی لباس اتارا اور آئینے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ میک اپ کے پیچھے چھپا چہرہ اب عیاں تھا۔ آنکھیں سوجی ہوئیں، ہونٹ خشک اور رنگت زرد۔ وہ عورت جسے دنیا کامیابی کی دیوی سمجھتی تھی، وہ تو محبت میں ہاری ہوئی ایک عام لڑکی تھی۔

اچانک، مہینوں سے رکا ہوا آنسوؤں کا سیلاب ٹوٹ پڑا۔ وہ فرش پر بیٹھتی چلی گئی۔ اس کے اندر کا سارا ضبط، سارا غرور، سارا دکھ آنسوؤں کے راستے بہنے لگا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

"کیسی ہو جانم؟"

"میں تم سے محبت کرتا ہوں۔"

"تم میرا گھر ہو فجر! مجھے بے گھر مت کرو۔"

ولی کے الفاظ ہتھوڑوں کی طرح اس کے دل پر برس رہے تھے۔ وہ چیخنا چاہتی تھی، اسے بتانا چاہتی تھی کہ وہ اس کے بنا مر رہی تھی۔ اسے بتانا چاہتی تھی کہ اس کے چہرے کے نشان سے اسے عشق ہو گیا تھا۔ اسے بتانا چاہتی تھی کہ وہ اس کے سامنے جھکا ہوا اچھا نہیں لگتا۔

مگر اب بہت دیر ہو چکی تھی۔

وہ رات بھر وہیں فرش پر پڑی روتی رہی۔ اس نے اللہ کا انعام ٹھکرا دیا تھا۔ پھر کیسے وہ سکون سے رہ پاتی؟

اکتوبر کا مہینہ ختم ہو چکا تھا اور اپنے پیچھے ایک ایسی فجر کو چھوڑ گیا تھا جو کامیابی کی چوٹی پر کھڑی تھی مگر روح کی گہرائیوں میں بالکل تنہا اور ٹوٹی ہوئی تھی۔

وہ ایسی عنکبوت تھی جس کا جال مکمل ہو چکا تھا، اور وہ اس میں خود ہی قید ہو کر رہ گئی تھی۔

✿••✿••✿••✿

لاہور کی فضا میں دھند کی چادر پھیلنے لگی تھی، مگر فجر کے اندر کی دھند اور گہری ہوتی جا رہی تھی۔

اس نے خود کو سب سے کاٹ لیا تھا۔ فون کی گھنٹی بجتی رہتی، مگر وہ اسے اٹھاتی نہیں۔ میسجز کے نوٹیفکیشنز آتے، مگر وہ انہیں دیکھ کر بھی نظر انداز کر دیتی۔ فلک، بے تاب تھی کہ اس سے رابطہ کرے۔ وہ جانتی تھی کہ فجر اندر سے کس کرب سے گزر رہی تھی۔ وجاہت عالمگیر کی خراب طبیعت کی وجہ سے وہ واپس نہیں آپائی تھی، مگر لاہور میں ہونے والے واقعات کی خبر اسے مل چکی تھی۔ اسے معلوم تھا فجر کس حال میں ہو گی۔

فلک نے اسے مسلسل پیغامات بھیجے۔ اس کی آواز میں التجا تھی، محبت تھی، اور غصہ بھی۔

"میری بات سنو فجر!" ایک پیغام میں لکھا تھا۔

"مجھ سے بات کرو!" ایک اور پیغام اس کے فون کی سکرین پر چمکا۔

"بھاڑ میں جائے رئیس! بھاڑ میں جائے منار!"

اس کا غصہ اس کے الفاظ سے عیاں تھا۔ **"یہ خاندان! یہ دشمنی! مجھے فرق نہیں پڑتا!"**

"ہم ساتھ رہیں گے۔" اس نے اسے یقین دلانا چاہا، جیسے وہ اب بھی اس کے فیصلے کو بدل سکتی تھی۔

"میں تمہیں نہیں چھوڑ سکتی۔" یہ پیغام اس کی بے بسی اور محبت کا اظہار تھا۔

"خود کے اور ہمارے ساتھ ظلم مت کرو۔" فلک نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"پلیز مجھ سے بات کرو!" آخری پیغام میں اس کی آواز لرزتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔

اس نے یہ تمام پیغامات پڑھے۔ ایک ایک لفظ اس کے دل پر تیر بن کر لگا۔ اسے فلک کی محبت اور فکر محسوس ہو رہی تھی، مگر اس کے اندر ایک دیوار کھڑی ہو چکی تھی۔ ایک ایسی دیوار جو اس نے خود تعمیر کی تھی۔ وہ جانتی تھی

کہ فلک صحیح کہہ رہی ہے مگر وہ اس وقت کسی سے بات کرنے کے قابل نہیں تھی۔ اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ اس نے سب کچھ گنوا دیا تھا، اور اب وہ اس نقصان کے بوجھ تلے دب چکی تھی۔

اس نے فون ایک طرف رکھ دیا اور چھت کو گھورنے لگی۔ فلک کی باتیں اس کے کانوں میں گونج رہی تھیں۔

"ہم ساتھ رہیں گے۔"

لیکن کیسے؟ جب اس نے خود ہی اپنے ہاتھوں سے سب کچھ تباہ کر دیا تھا۔ ولی چلا گیا تھا، اور اس کے ساتھ ہی اس کی زندگی کے سارے رنگ بھی۔ اب وہ صرف ایک خالی خول تھی، ایک کامیاب سی ای او جس کی روح ویران تھی۔

اب وہ ساتھ جیسے رہ سکتے تھے؟

✿••✿••✿••✿

اکتوبر کا مہینہ اپنے تمام تر دکھوں اور تنہائیوں کے ساتھ رخصت ہو چکا تھا۔ نومبر کی سرد ہوائیں لاہور کی فضا میں رقص کر رہی تھیں اور ولی، جس نے خود کو فجر کی نظروں سے اوجھل کر لیا تھا، ان ہواؤں میں اپنی بے بسی محسوس کر رہا تھا۔ فجر کے انکار کے بعد اس کی دنیا جیسے تھم سی گئی تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ مہینہ کیسے گزرا۔ ایک بے نام کرب تھا جو اس کے اندر گونج رہا تھا۔

اس کی واپسی پر رئیس نے بھی کوئی سوال نہیں کیا تھا، بلکہ وہ خود بھی ایک خاموشی کے خول میں سمٹ گیا تھا۔ عروزہ کے سامنے بھی ولی نہیں آیا تھا۔ ہر کوئی اپنے اپنے دکھ میں غرق تھا۔ اور آج، رئیس نے اسے اپنے ہیڈ آفس میں بلا بھیجا تھا۔ یہ ٹاور جیسے رئیس ہیڈ آفس کی سب سے بالائی منزل تھی جو صرف اسی کے لیے مخصوص تھی۔ یہاں لاہور کا شور بھی ایک دھیمی سرگوشی بن کر رہ جاتا تھا۔

ولی کمرے میں داخل ہوا تو رئیس اپنی بڑی سی کھڑکی کے سامنے کھڑا، باہر کے منظر پر نگاہیں جمائے ہوئے تھا۔ ہلکی ٹھنڈ میں اس نے اونچی گردن والی شرٹ پہن رکھی تھی، جو اس کے مضبوط کندھوں پر کسی شاہی لباس کی طرح سجی تھی۔ اس کی آمد پر وہ پلٹا اور نظریں اس پر گاڑ دیں۔ رئیس کی آنکھوں میں وہ سرد تاثر تھا جو وہ ہمیشہ سے دیکھتا آیا تھا، مگر آج اس میں ایک گہری، پوشیدہ تکلیف بھی تھی جو محسوس کی جاسکتی تھی۔

"مجھے تم سے ضروری بات کرنی تھی اس لیے یہاں بلایا۔" وہ گلاس وال کھول کر باہر نکل گیا۔ ولی بھی اس کے پیچھے باہر نکل آیا۔

وہ دونوں گول میز کے گرد رکھی کرسیوں پر بیٹھ چکے تھے۔ ولی کی نگاہیں رئیس کے چہرے پر جمی تھیں، جیسے وہ اس کے اگلے الفاظ کا اندازہ لگانا چاہتا ہو۔

"آج کل تم غائب رہتے ہو، خیریت ہے؟" اس نے یوں پوچھا جیسے وہ کسی بھی چیز سے واقف نہ ہو۔

ولی پھر بھی کچھ نہ بولا۔ وہ جانتا تھا کہ رئیس سب کچھ جانتا ہے، اور یہ سوال صرف ایک بہانہ تھا۔ رئیس نے ایک گہری سانس لی، جو اس کے سینے میں کہیں اٹک سی گئی۔ اس کی نگاہیں ولی کے چہرے پر گہری ہوتی چلی گئیں۔

"خیر، اب وقت آگیا ہے!"

اس بار ولی نے نظریں اٹھائیں۔ وہ جانتا تھا کہ کس وقت کی بات ہو رہی ہے۔

"میں نے تمہیں منار فیشنز میں جس مقصد کے لیے بھیجا تھا وہ پورا کرنے کا وقت آچکا ہے۔" اس کے الفاظ ولی کے لیے کسی زندگی کے احساس سے کم نہ تھے۔ وہ ٹھٹک گیا۔ گزرے دنوں میں پہلی بار اسے زندہ ہونے کا احساس ہوا۔

پھر رئیس نے میز کے نیچے سے ایک پستول نکالا اور اسے میز پر رکھ دیا۔ اس کی دھاتی چمک مدھم روشنی میں مزید نمایاں ہو گئی۔

"فجر معراج کو ختم کرنے کا آج وقت آچکا ہے۔" رئیس نے اسے گہری نظروں سے دیکھا، جبکہ وہ یوں بیٹھا تھا جیسے اسے کوئی فرق نہ پڑتا ہو۔ ایک بے حسی تھی اس کے چہرے پر جو رئیس کو مزید پر اسرار لگی۔

"میں چاہتا ہوں تم اسے مار ڈالو۔ ایک قتل تو کر لو گے نا میرے لیے؟" رئیس نے کہتے ہوئے کرسی سے پشت ٹکائی، جانچتی نگاہیں ولی کے چہرے پر تھیں۔ چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔ اس کے الفاظ کی گونج فضا میں باقی تھی۔

پھر ولی کا ہاتھ اٹھا۔ اس نے دھیرے سے ہاتھ بڑھا کر وہ پستول اٹھا لیا۔ اس نے پستول کو الٹا سیدھا کر کے دیکھا، جیسے وہ اس کے وزن کا اندازہ لگا رہا ہو۔ پھر واپس میز پر رکھا اور ہاتھ کی مدد سے رئیس کی جانب کھسکا دیا۔ ایک عجیب اطمینان تھا اس کے چہرے پر۔

"ہاں کر سکتا ہوں۔ ہر اس شخص کو قتل کر سکتا ہوں جو فجر کی طرف ایک قدم بھی بڑھائے گا۔" اس کا لہجہ سرد تھا۔

اتنا سرد کہ ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑ جائے۔ اس کے الفاظ میں ایک ایسی لہر تھی جو سامنے بیٹھے شخص نے کبھی محسوس نہیں کی تھی۔

چند لمحے رئیس نے اسے دیکھا اور پھر اس کا قہقہہ ابھرا۔ ایک تلخ، اذیت ناک قہقہہ جو اس کی روح کے زخموں سے اٹھ رہا تھا۔ پھر وہ ایک جھٹکے سے آگے ہوا اور اس نے ولی کی گردن سے دبوچ کر اس کا چہرہ اپنے سامنے کیا۔ اتنا کہ دونوں کی پیشانی ایک دوسرے کو چھو رہی تھی، اور ان کی آنکھوں میں گہری لکیریں چھا گئیں۔

"اور تم ایسا کیوں کرو گے؟" رئیس کے الفاظ گہرے اور بوجھل تھے۔

"کیونکہ وہ ہماری ہے۔" اس نے پر سکون انداز میں جواب دیا، چہرے پر کوئی خوف یا گھبراہٹ نہیں تھی۔

"وہ ہماری نہیں ہے!" رئیس حلق کے بل غرایا، اس کے لہجے میں ایک ناقابلِ برداشت دکھ اور غصہ تھا۔ جبکہ ولی کی صحت پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس کا چہرہ سپاٹ رہا۔

"تم نے ایک دشمن کے لیے مجھے دھوکا کیوں دیا ولی؟ کیوں؟" رئیس نے اس کی گردن پر دباؤ بڑھایا اور پھر ایک جھٹکے سے چھوڑ دیا۔ اگلے ہی پل اس نے پوری قوت سے میز کو دھکا مارا جو ولی کو لگا اور وہ کرسی سمیت نیچے گرا۔ میز اس کے اوپر گر گیا۔

وہ اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے اندر اتنے دنوں کی آگ جل رہی تھی۔ وہ اسے بجھا دینا چاہتا تھا۔

اپنے اوپر سے میز ہٹاتا ولی اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے خود سے نادیدہ گرد جھاڑی، جیسے یہ سب کچھ اس کے لیے معمول کی بات ہو۔ فجر معراج کے لیے اس نے بہت مار کھالی تھی۔ اب یہ بھی سہی!

اب وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے، خنک ہوا ان کے اندر سے گزر رہی تھی۔ اب اسے کو سمجھ آ چکا تھا کہ فجر نے اسے کیوں خود سے دور کیا تھا۔

"تم میرے بھانجے ہو، تم اس کی سائیڈ کیسے لے سکتے ہو؟"

وہ چلایا، اس کی آواز گونج کر رہ گئی۔ یہاں ان کی آواز دور دور تک کوئی نہیں سن سکتا تھا۔

"کیونکہ وہ بھی ہماری ہی ہے۔" اس کے اطمینان میں کوئی کمی نہیں آئی۔ اس کے الفاظ نے رئیس کو مزید بھڑکا دیا۔

"وہ ہماری نہیں ہے۔ تمہیں یہ سمجھ کیوں نہیں آتا؟" رئیس پھٹنے کو تھا، اس کے اندر اتنی تکلیف تھی کہ اگر وہ باہر نکال دیتا تو پورا لاہور جل جاتا۔

"وہ کبھی ہماری نہیں تھی۔ وہ کبھی ہماری نہیں ہو سکتی۔ وہ منار معراج کی بہن ہے۔"

"وہ ہماری ہے بگ بی!" اس نے وہی الفاظ دہرائے۔

"آخر رشتہ کیا ہے تمہارا اس سے؟ کیوں دیا تم نے مجھے دھوکا؟" رئیس نے زوردار دھکا دیا۔ وہ لڑکھڑا کر گرا۔

"کیوں دیا تم نے مجھے دھوکا؟" اس نے جھکتے ہوئے اسے گریبان سے پکڑ کر کھینچا۔ اس کی آنکھوں میں سرخ ڈورے ابھر آئے۔۔

دھوکے کی سزا صرف موت تھی اور وہ اسے مار نہیں سکتا تھا۔

"ایک دو ٹکے کے رشتے کے لیے تم نے مجھے دھوکا دیا؟" وہ اسے جھنجھوڑ رہا تھا۔ اس کا سارا غصہ، سارا دکھ ان جھٹکوں میں تھا جو وہ ولی کو دے رہا تھا۔

"کیوں کیا تم نے ایسا؟" اسے جواب چاہیے تھا۔ تسلی بخش جواب جو اسے بے قصور ثابت کرتا۔

وہ بے طرح ہرٹ ہوا تھا۔ اور بدبختی یہ تھی کہ وہ رئیس اورنگزیب تھا اپنے ہرٹ ہونے کا ڈھنڈورا نہیں پیٹ سکتا تھا۔

"میں نے کوئی دھوکا نہیں دیا آپ کو!" وہ پہلی بار چیخا۔ اس کی گونج دور دور تک گئی۔

"دو ٹکے کا رشتہ نہیں، بیوی ہے وہ میری!"

اس کے الفاظ لاہور کی فضا میں نقش ہو گئے۔ رئیس کی یکدم گرفت ڈھیلی پڑ گئی، اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ وہ اسے چھوڑ کر ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹا جیسے اسے بجلی کا جھٹکا لگا ہو۔

ولی کے الفاظ اسے بے یقینی کی گہرائیوں میں دھکیل رہے تھے۔

"میں نے کسی کو دھوکا نہیں دیا۔ میں اُسی کے لیے یہاں آیا تھا۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"چار سال پہلے جب میں پہلی بار یہاں آیا تھا تب ہم نے کورٹ میرج کی تھی۔ بیوی ہے وہ میری بگ بی! دو ٹکے کا رشتہ نہیں ہے ہمارا۔ میں نے کسی کو دھوکا نہیں دیا۔"

اس کے گلے میں کانٹے اگ آئے تھے جبکہ رئیس ساکت، بے حس و حرکت کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر کسی قسم کا کوئی تاثر نہیں تھا۔

"میں آپ کو بتانا چاہتا تھا مگر آپ کی دشمنی کی وجہ سے خاموش رہا۔" وہ اب خود پر قابو پا رہا تھا۔ "مجھے لگا تھا آپ یہ دشمنی ختم کر دیں گے۔" اس کی آواز میں ایک دبی ہوئی تکلیف تھی۔

"وہ ہماری ہے، وہ ہماری رہے گی۔ میں جانتا ہوں وہ آپ کے لیے بھی اتنی ہی اہم ہے اور آپ کا حکم وہ کبھی نہیں ٹالتی۔" اس کی آواز میں ایک درد تھا جو اس کے دل سے اٹھتا ہوا محسوس ہوا۔

"اس نے مجھے چھوڑ دیا بگ بی! جس کے لیے میں نے خود کو خوار کر لیا۔ اس نے مجھے چھوڑ دیا۔ اس کے لیے آپ بہت معنی رکھتے ہیں۔ اس نے مجھے چھوڑ دیا۔"

وہ اپنے چہرے پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔ آنکھوں میں نمی کی ایک تہہ ابھر آئی۔ جبکہ رئیس تو ساکت کھڑا تھا۔ اس کا دماغ ولی کے الفاظ کو قبول کرنے سے انکاری تھا۔

پھر وہ پلٹا اور رئیس کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک التجا تھی۔

"میں یہاں اپنی ماں کے لیے نفرت ختم کرنے آیا تھا مگر میں نہیں جانتا تھا آپ کی فجر سے ایسی کوئی دشمنی ہے۔ میں نے آپ کو کبھی دھوکا نہیں دیا۔ ہم تب سے شادی شدہ ہیں جب ہمیں شادی کی اہمیت بھی نہیں پتا تھی۔"

رئیس تو یوں کھڑا تھا جیسے سانس نہ لیتا ہو۔ اس کی دنیا ایک پل میں جیسے الٹ گئی تھی۔

پھر وہ آگے بڑھا اور اس نے آگے بڑھ کر رئیس کو گلے لگا لیا۔ اس کا جسم کانپ رہا تھا، مگر اس کی آواز میں التجا اور محبت تھی۔

"میں آپ سے بہت پیار کرتا ہوں بگ بی! آئی ایم سوری اگر میں نے آپ کا دل دکھایا، پر وہ ہماری ہے اور ہماری رہے گی۔ اسے اپنا لیں پلیز۔۔۔" اسکا لہجہ محبت سے بھرپور تھا۔

"وہ بہت اکیلی ہے۔ بہت زیادہ! جب تک آپ اسے نہیں اپنائیں گے وہ مجھے نہیں اپنائے گی۔ میں اس سے محبت کرتا ہوں بگ بی! میں اس کے بنا جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ پلیز اسے اپنا لیں۔" وہ التجائیں کر رہا تھا۔

چند لمحے یونہی گزر گئے۔ پھر رئیس نے ایک جھٹکے سے خود کو چھڑایا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکلتا چلا گیا۔ اس نے ولی کو پیچھے اکیلا چھوڑ دیا۔ اس کی نگاہوں میں وہ اذیت تھی جو کسی نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ وہ اس حقیقت کو برداشت نہیں کر پا رہا تھا کہ اس کا اپنا بھانجا اس کی سب سے بڑی دشمن سے شادی شدہ تھا۔ دشمن بھی وہ جو اسے جان سے پیاری ہو چکی تھی۔

✿••✿••✿••✿

وہ شخص جو خود کو طاقت اور تحمل کا پہاڑ سمجھتا تھا، اس وقت اپنے ہی بنائے ہوئے شیش محل میں تنہا کھڑا تھا۔ ولی کے انکشاف نے اس کے وجود میں ایک زلزلہ برپا کر دیا تھا۔ جس لڑکی کو وہ اپنی دشمنی کا نشانہ بنانا چاہتا تھا، جس سے وہ انجانے میں محبت کر بیٹھا تھا، وہ اس کے بھانجے کی بیوی نکلی۔ یہ ایک ایسا سچ تھا جو اسے اندر ہی اندر کھوکھلا کر رہا تھا۔

اس اذیت سے بچنے کے لیے اس نے اپنی آنکھیں سختی سے بند کر لیں، جیسے وہ اس حقیقت سے بھاگنا چاہتا ہو جس نے اسے نگل لیا تھا۔ اس کے کانوں میں ولی کے جملے گونجنے لگے۔

"بیوی ہے وہ میری بگ بی! دو ٹکے کا رشتہ نہیں ہے۔"

وہ لڑکھڑاتا ہوا کھڑکی کی جانب بڑھا۔ لاہور کی بلند عمارتیں اس کی نظروں میں دھندلا گئیں۔ وہ ہمیشہ سے ایک فاتح رہا تھا، ایک ایسا شخص جس نے ہر جنگ جیتی تھی۔ لیکن آج، اس نے خود کو ایک ایسی جنگ میں ہارا ہوا پایا تھا جہاں دشمن کوئی اور نہیں، اس کا اپنا دل تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ سینے پر رکھا۔ وہاں ایک گہرا زخم تھا جو ناسور بن چکا تھا۔

"میں تمام بھیڑیوں سے بچ گیا میرا دل مجھے کھا گیا۔"

وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے کھڑکی کا ٹھنڈا شیشہ تھامے ہوئے تھا۔ سانسیں تیز ہو رہی تھیں۔ وہ پہاڑوں جیسا مرد جو کبھی اپنی تکلیف کا ڈھنڈورا نہیں پیٹ سکتا تھا، آج اندر ہی اندر ریزہ ریزہ ہو رہا تھا۔ بند آنکھوں کے پردے پر ہیزل آنکھیں ابھریں، ان کے آنسوں، ان کی التجا۔

اس نے تڑپ کر آنکھیں کھول دیں اور باہر کے منظر پر نگاہیں جمائیں۔ اس کی آنکھوں میں اب وہ طاقت نہیں تھی، بلکہ ایک گہرا دکھ اور بے بسی جھلک رہی تھی۔

وہ پلٹا اور کمرے میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ہر چیز اسے بے معنی لگنے لگی۔ یہ سلطنت، یہ دولت، یہ سب کچھ بے کار تھا اگر اس کی روح میں سکون نہ ہو۔ وہ کرسی پر گرا، اپنا سر پیچھے ٹیکا دیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو نہیں بہہ رہے تھے مگر اس کے اندر کا سمندر شدت سے ٹکرا رہا تھا۔

وہ لمحہ اس کے لیے تکلیف دہ تھا جب اس کے بھانجے نے اس سے فجر کو اپنانے کی التجا کی تھی۔ ایک عورت کے لیے جسے وہ خود چاہتا تھا، مگر وہ اس کی نہیں ہو سکتی تھی۔

وہ اٹھا اور میز پر رکھے پستول کو دیکھا۔ وہی پستول جو اس نے ولی کو دیا تھا۔ وہ اس کو چلاتے ہوئے ایک پل بھی نہیں سوچتا تھا۔ اس کی انگلیاں پستول پر پھسلیں اور اسے اٹھا لیا۔ یہ صرف ایک ہتھیار نہیں تھا، یہ اس کی تمام ناکامیوں اور ادھوری خواہشوں کا نشان تھا۔ کاش وہ اسے سالوں پہلے چلا چکا ہوتا۔ کاش۔۔۔۔۔

اس نے پستول واپس پٹخ دیا۔ وہ جانتا تھا وہ فجر کو کبھی نہیں مار سکتا۔ وہ اس کی زندگی کا سب سے بڑا تضاد بن چکی تھی۔ وہ لڑکی جو اس کی سب سے بڑی دشمن تھی، وہی اس کی سب سے بڑی کمزوری بن چکی تھی۔ اور اس کمزوری نے اسے اندر سے کھا لیا تھا۔

وہ اپنی کرسی پر پھر سے گر گیا، اپنا چہرہ اپنے ہاتھوں میں چھپا لیا۔ ایک گہری، دردناک آہ اس کے ہونٹوں سے آزاد ہوئی۔ سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی۔ وہ چلانا چاہتا تھا مگر چیخیں اندر ہی گھٹ گئیں۔

وہ تمام بھیڑیوں سے بچ کر آیا تھا، مگر آج اس کے اپنے دل نے اسے نگل لیا تھا۔ یہ ایک ایسی شکست تھی جس کا اسے کبھی اندازہ نہیں تھا۔ جس کا اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔

✿••✿••✿••✿

"لفظوں کا مقدمہ"

نومبر کی ایک سرد مگر روشن دوپہر تھی، اور جامشورو میں واقع عالمگیر حویلی کے وسیع صحن میں ایک غیر معمولی خاموشی طاری تھی۔ ہوا میں خنکی تھی، مگر فضا میں ایک تناؤ بھی تھا جو اس خاموشی کو مزید گہرا کر رہا تھا۔ حویلی کے بیچوں بیچ، سفید موتیے کی بیلوں کے نیچے، ایک بڑی میز کے گرد چند کرسیاں رکھی تھیں۔ ایک طرف فلک بیٹھی تھی۔ وہ مصنفہ جس کے کرداروں نے ادبی دنیا میں ایک طوفان برپا کر دیا تھا۔ اس کے چہرے پر سکون تھا، مگر آنکھوں میں ایک گہری سوچ تھی، جیسے وہ اپنے لفظوں کا دفاع کرنے کے لیے پوری طرح تیار ہو۔ سادہ سوٹ میں گرم شام کندھوں پر ڈالے وہ بہت پر وقار لگ رہی تھی۔ موتیے کی بیلوں نے ہلکی سی سرگوشی کی۔

(اس پر وقار لڑکی سے زیادہ رئیس اورنگزیب کے ساتھ اور کون اچھی لگ سکتی ہے؟)

اس کے سامنے ایک مشہور ادبی جریدے کی ٹیم بیٹھی تھی، جن کی سربراہی ایک سنجیدہ اور تجربہ کار نقاد، منصور صاحب کر رہے تھے۔ ان کے ہاتھ میں فلک کی پچھلی کتاب تھی اور ان کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ محض تعریف کرنے نہیں آئے تھے۔ یہ ایک تحریری انٹرویو تھا، مگر سوالات کی تلخی فضا میں محسوس کی جا سکتی تھی۔

رسمی انٹرویو کے بعد منصور صاحب نے اپنا چشمہ صاف کیا اور اہم سوال فلک کی طرف بڑھایا۔

"محترمہ فلک، آپ کے ناول پر فریب اور پروجیکٹ رانیہ کے کرداروں کو جہاں بے پناہ سراہا گیا ہے، وہیں اس پر سرقے کے سنگین الزامات بھی عائد کیے گئے ہیں۔ ناقدین کا کہنا ہے کہ آپ کی کہانی کے کچھ حصے اور کردار دیگر مشہور ناولوں سے مماثلت رکھتے ہیں۔ کیا آپ کی کہانی واقعی اصل ہے؟ یا یہ بھی کسی اور کہانی کی کاپی ہے؟"

اس سوال پر فلک لمحہ بھر کو خاموش ہوئی۔ جیسے کسی نے اس کی روح سے سوال کیا ہو، محض زبان سے نہیں۔ پھر اس نے مدھم مگر واضح لہجے میں کہا۔

"دیکھیے، کہانی کوئی چیز نہیں جو صرف ایک انسان کی ملکیت ہو۔ یہ ایک احساس ہے، ایک جذبہ، جو صدیاں بدل کر نئے جسموں میں آتا ہے۔ محبت، تنہائی، انتقام، خواب، یہ سب ہر انسان نے کبھی نہ کبھی محسوس کیے ہیں۔ کیا ایک جیسے جذبے لکھنے والے تمام مصنف چور ہیں؟ ہرگز نہیں۔

کچھ کہانیاں دھوپ کے وقت دیواروں پر پڑنے والے سایوں کی طرح ہوتی ہیں۔ سب کو لگتا ہے کہ انہیں پہلے بھی کہیں دیکھا ہے، لیکن ان سایوں کا اپنا ایک وقت، ایک زاویہ اور ایک سچائی ہوتی ہے۔ میری کہانی بھی ایک ایسا ہی سایہ ہے، جو میری زندگی کی دیوار پر پڑا ہے۔

کیا ایک عورت جو صدیوں سے ظلم سہتی آئی ہے، اگر اُس کے درد پر دس مصنف لکھیں، تو کیا نو چور ہو جائیں گے؟ نہیں۔ وہ سب سچ لکھ رہے ہیں۔ اپنے اپنے زاویے سے۔

فکشن کا کام ہے زندگی کو آئینے میں دکھانا۔ اگر دو آئینے ایک جیسی تصویر دکھائیں تو کیا ہم آئینوں کو موردِ الزام ٹھہرا سکتے ہیں؟"

نقاد ہنستے ہوئے بولا، "یہ تو پھر ایسا ہوا جیسے دو مصور ایک ہی منظر پینٹ کریں اور دعویٰ کریں کہ دونوں کا فن اصل ہے۔"

فلک نے سیدھی ہو کر، نرم مگر مضبوط لہجے میں جواب دیا۔

"جی! بالکل ایسا ہی ہے۔ اور دونوں کا فن اصل ہوتا ہے۔

فرق صرف یہ ہے کہ ایک نے وہ منظر دیکھا، اور ایک نے وہ منظر محسوس کیا۔

ادب میں مشابہت گناہ نہیں۔ نیت کا فریب ہوتا ہے اصل جرم۔

آپ انداز چُرا سکتے ہیں، مگر درد نہیں۔

آپ الفاظ کا ڈھانچہ لے سکتے ہیں، مگر ان میں سانس نہیں ڈال سکتے۔ میں نے اپنے لفظوں کو اپنے خون سے سینچا ہے، کسی اور کی روشنائی سے نہیں۔

میری ہر سطر میرے اندر سے نکلی ہے۔ میری خاموشیوں، میری چیخوں، میرے لمس، اور میری دعاؤں سے۔ اگر وہ کسی اور سے ملتی ہے، تو شاید ہم دونوں نے ایک جیسے زخم سہے ہوں، یا ایک جیسے خواب دیکھے ہوں۔"

"آپ کی بات میں وزن ہے مگر کیا آپ یہ نہیں مانتیں کہ آج کا قاری بہت ہوشیار ہے؟ وہ فوراً پہچان لیتا ہے کہ کون سا پلاٹ کہاں سے لیا گیا ہے، کون سا کردار کس سے متاثر ہے۔ آپ کے ایک نئے ناول "**زہر خوردہ پری**" کے ایک کردار کی ذہنی کشمکش اور کچھ جملے، بالکل ایک پرانی فرانسیسی کہانی سے ملتے ہیں۔ کیا یہ محض اتفاق ہے؟"

فلک نے پر سکون نظروں سے نقاد کو دیکھا اور جواب دیا۔

"قاری یقیناً ہوشیار ہے، مگر کیا وہ ہر بار پورا سیاق و سباق بھی جانتا ہے؟ اگر میں نے وہ فرانسیسی ناول پڑھا ہوتا، تو میں کھلے دل سے تسلیم کر لیتی کہ میں اس سے متاثر ہوں۔ لیکن میں نے جو لکھا، وہ ان راتوں کا نچوڑ ہے جب میری اپنی سانسیں بھی میرے خلاف ہو گئی تھیں۔ کیا ایک جیسی اذیت دو عورتوں کو دو الگ دہائیوں میں نہیں ہو سکتی؟ کیا درد کا حوالہ دینا بھی سرقہ کہلائے گا؟

میرے پاس وہ زندگی ہے جسے میں نے جیا، اور اگر وہ کسی اور کی لکھی گئی زندگی سے ملتی ہے تو کیا دونوں غلط ہو گئیں؟ یا دونوں سچ لکھ رہی تھیں؟ اصل تخلیق ظاہری فرق کا نام نہیں، روح کی انفرادیت کا نام ہے۔ اور روح ہمیشہ منفرد ہوتی ہے، چاہے بدن ایک جیسے ہوں۔"

"تو پھر آپ کی نظر میں اصل تخلیق اور سرقے میں کیا فرق ہے؟ ادب کی تاریخ تو ایسے الزامات سے بھری پڑی ہے۔"

اس سوال پر فلک قدرے آگے جھکی، جیسے کوئی بہت اہم راز بتانے لگی ہو۔

"یہ سوال بہت اہم ہے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ شیکسپیئر پر الزامات لگتے رہے کہ اس نے اپنی کہانیوں کے پلاٹ دوسری تاریخی کتابوں سے لیے؟ ٹالسٹائی کے شاہکار **'جنگ اور امن'** کو بھی دوسرے ناولوں سے متاثر کہا گیا؟ ممتاز مفتی اور اشفاق احمد پر بھی ایک دوسرے سے متاثر ہونے کے الزامات لگے، حالانکہ ان کی روحانی تحریریں اپنی الگ جہت رکھتی تھیں۔

تو کیا یہ سب چور تھے؟ نہیں۔

فرق نیت کا ہے۔ آپ انداز چُرا سکتے ہیں، مگر درد نہیں۔ آپ الفاظ کا ڈھانچہ لے سکتے ہیں، مگر ان میں اپنی روح کی سانس نہیں ڈال سکتے۔ سرقہ وہ ہے جب آپ دوسرے کے لفظوں کے پیچھے چھپ جائیں، اور اصل تخلیق وہ ہے جب آپ کے لفظ آپ کے اندر کی آگ سے جنم لیں۔ میں نے اپنے لفظوں کو اپنے خون سے سینچا ہے، کسی اور کی روشنائی سے نہیں۔"

"تو کیا آپ سمجھتی ہیں کہ آپ پر لگنے والے الزامات بے بنیاد ہیں اور اس کے پیچھے حسد یا کوئی اور وجہ ہے؟"

فلک کے لبوں پر ایک تلخ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"ادب کی تاریخ میں عورت کی آواز جب بھی بلند ہوئی ہے، اسے کبھی اخلاق، کبھی مذہب، اور کبھی سرقے کا الزام لگا کر خاموش کرانے کی کوشش کی گئی۔ جب کوئی عورت اپنے سچ کی مالکن بن جائے، تو لوگ اسے مصنفہ نہیں، مشکوک سمجھتے ہیں۔ میں ان تمام آوازوں سے صرف اتنا کہتی ہوں کہ میں چور نہیں، میں وہ آئینہ ہوں جس میں آپ کو اپنی کمزوریاں اور خوف نظر آتے ہیں۔"

نہایت پر اعتماد انداز! نقاد ٹھٹک گیا۔

"آخر میں، آپ ان پڑھنے والوں سے کیا کہیں گی جو آپ کی کہانی کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں؟"

اس نے سیدھے ہو کر، نرم مگر مضبوط لہجے میں اپنا آخری جواب دیا۔

"مجھے فرق نہیں پڑتا کہ کوئی میری کہانی کو کس نظر سے دیکھتا ہے۔ مجھے صرف اس بات کی خوشی ہے کہ کسی نے میرے لفظوں میں خود کو پہچانا اور یہی فن کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ ادب مقابلہ نہیں، مکالمہ ہے۔
اور اس مکالمے میں اگر ایک آواز کسی اور کی آواز سے ملتی جلتی ہے، تو یہ سرقہ نہیں۔ یہ گونج ہے، جو بتاتی ہے کہ کچھ سچائیاں ہر دل میں سنائی دیتی ہیں۔"

منصور صاحب کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئے، شاید یہ پہلا موقع تھا جب انہوں نے 'سرقہ' کو صرف چوری نہیں، بلکہ زندگی کی گونج کے طور پر دیکھا تھا۔ انہوں نے پلکیں جھپکیں اور اپنا قلم بند کر دیا۔ انٹرویو ختم ہو چکا تھا۔ فلک وہیں بیٹھی رہی، اس کی نگاہیں صحن میں لگے پرانے برگد کے درخت پر ٹکی تھیں۔

قاری جو دور بیٹھا یہ سارا مکالمہ سن رہا تھا، اُس کے دل میں ایک سوال ابھرا۔

"اگر دو لوگ ایک جیسا دکھ لکھیں،

تو کیا الزام اُس پر ہو گا جس نے بعد میں لکھا؟

یا پھر وقت پر جو پہلے ٹوٹا؟"

آج کے قارئین کو یہ سمجھنے کی اشد ضرورت ہے۔

ادب صرف تخلیق کا نام نہیں،

یہ انصاف، نیت، اور جذبے کی گواہی بھی مانگتا ہے۔

فلک عالمگیر نے وہی لکھا جو اس کی راتوں کی اذیتیں تھیں۔

اور اگر وہ اذیت کسی اور کی بھی تھی،

تو شاید یہ دنیا ہم سب کو ایک جیسا جلاتی ہے۔

فرق صرف یہ ہے کہ

کوئی اسے رو کر سہہ لیتا ہے،

اور کوئی اسے لکھ کر امر ہو جاتا ہے۔

✿••✿••✿••✿

اس کے انٹرویو سے اس کی بہت سی باتیں مشہور ہو گئی تھیں۔ جو سوشل میڈیا پر کچھ اس طرح گھوم رہی تھیں۔

فلک کہتی ہے:

"میرے لفظ اگر تمہیں کسی اور سے ملتے لگتے ہیں، تو اپنی یادداشت پر شک کرو، میری نیت پر نہیں۔"

فلک کہتی ہے:

"میں نے کہانی لکھی، گناہ نہیں۔ اور اگر عورت کی آواز تمہیں خطرہ لگتی ہے، تو یہ تمہارا مسئلہ ہے، میرا نہیں۔"

فلک کہتی ہے:

"چوری وہ کرتا ہے جو خالی ہوتا ہے، میں تو بھری ہوئی ہوں۔ آنکھوں سے، وقت سے، سچ سے۔"

فلک کہتی ہے:

"ادب میں کوئی پہلا نہیں ہوتا، سب پیچھے سے آتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ کچھ خاموش رہتے ہیں، اور کچھ فلک بن جاتے ہیں۔"

فلک کہتی ہے:

"جو عورت اپنی کہانی خود لکھتی ہے، اسے چور کہنا صرف ایک سستا بہانہ ہے۔ کیونکہ سچ برداشت نہیں ہوتا۔"

فلک کہتی ہے:

"تم نے لکھنے والوں پر الزام لگا دیا، لیکن پڑھنے والوں کی عقل پر نہیں؟"

فلک کہتی ہے:

"کہانی کبھی چرائی نہیں جاتی، وہ خود چن لیتی ہے کہ کس کے ہاتھوں لکھوائی جائے۔"

فلک کہتی ہے:

"میں نے لفظوں سے کپڑے نہیں بنائے۔ میں نے ان سے زخم ڈھانپے ہیں!"

فلک کہتی ہے:

"میں نے کہانیاں لکھی ہیں، فیصلے نہیں سنائے اور تمہیں مجھ پر فیصلہ سنانے کا حق کس نے دیا؟"

فلک کہتی ہے:

"تم اگر سچائی سے خائف ہو تو ادب مت پڑھو، اشتہار پڑھو!"

✿••✿••✿••✿

"مجھے جالا نہیں گھر چاہیے!"

لاہور کی شام گہری ہو رہی تھی۔ فجر، گھر کے وسیع و عریض لاؤنج میں، مخملی صوفے پر تقریباً بے حس و حرکت بیٹھی تھی۔ باہر ڈوبتے سورج کی آخری روشنی شیشے کی بڑی کھڑکی سے چھن کر اندر آ رہی تھی اور سامنے دیوار پر نصب بڑی اسکرین پر پڑ رہی تھی، جہاں اس کی اپنی ہی کامیابی کی تاریخ رقم ہو رہی تھی۔ لاؤنج میں ایک خاموش گونج تھی۔ ٹی وی کی مدھم آواز اور اس کے اندر کا گہرا سناٹا۔

اس کے سامنے شیشے کی میز پر چائے کا کپ رکھا تھا، جو کب کا ٹھنڈا ہو کر اپنے وجود کا احساس کھو چکا تھا، بالکل اسی کی طرح۔ میز پر دنیا کے نامور فیشن میگزینز بکھرے پڑے تھے۔ 'Vogue UK' کے سرورق پر وہ خود موجود

تھی۔ ایک ایسی تصویر جو مشرق کے وقار اور مغرب کی جدت کا حسین امتزاج تھی۔ سرورق پر جلی حروف میں لکھا تھا:

Fajr Maraj_Not a Brand. A Voice.

فجر معراج_ایک برانڈ نہیں۔ایک آواز!

اور اس کے نیچے کی سطر اس کے وجود کا خلاصہ بیان کر رہی تھی:

"The Woman Reweaving the Silence of the East into the Future of Fashion."

∴ "مشرق کی خاموشی کو مستقبل کے فیشن میں دوبارہ بُننے والی عورت!"

وہ خالی، سپاٹ نظروں سے یہ سب دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کے پپوٹے سوجے ہوئے تھے، جو گزشتہ راتوں کے بے آواز آنسوؤں کی چغلی کھا رہے تھے۔ آج وہ اس مقام پر تھی جس کا خواب اس نے ہمیشہ دیکھا تھا، مگر اس کی روح میں خوشی کی کوئی رمق نہ تھی۔ یہ کامیابی ایک چمکدار چادر کی طرح تھی، جس کے نیچے اس کی اپنی ذات ٹھٹھر رہی تھی۔

ٹی وی اسکرین پر منظر بدلا۔ لندن کی وہ غیر معمولی پر سکون صبح دکھائی دی، اور پھر 'The House of A کا شاہانہ دروازہ، جہاں سے وہ چند دن قبل داخل ہوئی تھی۔ اسکرین پر نظر آتی
فجر کے قدموں میں ہلکی سی تھکن تھی، مگر نگاہوں میں ایک فیصلہ کن عزم چمک رہا تھا۔ پھر کانفرنس روم کا منظر ابھرا، جہاں دنیا بھر کے فیشن کے ستون اس کے منتظر تھے۔ اس کا سیاہ لباس، جس کے کندھوں پر شیشے کے دھاگوں کا جال بنا تھا، ٹی وی کی روشنی میں بھی جگمگا رہا تھا۔

پھر اس کی اپنی آواز لاؤنج میں گونجی۔ یہ اس کی وہ تقریر تھی جس نے فیشن کی دنیا میں تہلکہ مچا دیا تھا۔

"میں اُن عورتوں کی نمائندہ ہوں جن کی آوازیں سلائی مشین کی چرچراہٹ میں دفن ہو گئیں۔ جن کی محنت سے، جن کے پسینے سے، فیشن کی دنیا آراستہ ہوئی۔ جن کی آنکھوں میں بڑے بڑے خواب تھے، مگر ان کے ہاتھ ہمیشہ کپڑا کاٹتے رہے۔۔۔"

اسکرین پر موجود حاضرین کے چہروں پر احترام اور اعتراف کے تاثرات ابھرے، اور پھر وہ مدھم تالیوں کی گونج سنائی دی جو ایک نئے دور کا آغاز تھی۔ فجر نے نظریں جھکا لیں۔ یہ سب دیکھنا ایسا تھا جیسے کوئی اپنی ہی زندگی کی فلم دیکھ رہا ہو، جس کا مرکزی کردار وہ خود تو ہو، مگر اس کی کہانی کوئی اور لکھ رہا ہو۔

وہ پہلی پاکستانی عورت تھی جسے Alexander McQueen نے **"وائس آف ویسٹرن ویمن فیشن"** کے لیے چنا تھا۔ وہ کوئی برانڈ ایمبیسڈر نہیں تھی۔ اسے کپڑے نہیں بیچنے تھے اسے آواز بننا تھا اور یہ اتنا بڑا مقام اسے دیا گیا تھا۔

اسی لمحے، اس کے کانوں میں ولی کی آواز گونجی، جیسے وہ یہیں کہیں پاس کھڑا ہو۔

"میں نے کہا تھا نا تم کر لو گی۔"

اس کے ہونٹوں پر ایک تلخ، اداس مسکراہٹ ابھر گئی۔ پھر خود سے سرگوشی کی، اتنی دھیمی کہ شاید اس کے اپنے کان بھی نہ سن پائیں۔

"شاید تم ٹھیک تھے۔ میں نے کر دکھایا، مگر لاکھوں کی آواز بننا، بہت تنہا کر دیتا ہے۔ جب آپ دوسروں کی کہانیاں سناتے ہیں تو اپنی ذات کی سرگوشی کہیں کھو جاتی ہے۔"

لاؤنج کی فضا میں ایک گھٹن سی محسوس ہونے لگی۔ باہر کی بہ نسبت اندر گرمائش تھی۔ شام مکمل طور پر رات میں ڈھل چکی تھی۔

تبھی اماں کے کمرے کا دروازہ چرچراہٹ کے ساتھ کھلا۔

اس آہٹ پر وہ بری طرح چونکی۔ دل دھک سے رہ گیا۔ فوراً میز سے ٹھنڈا کپ اٹھایا اور کھڑی ہو گئی۔ ان دنوں وہ شعوری طور پر کوشش کرتی تھی کہ اماں کو اس کی شکل نہ دیکھنی پڑے، جیسے وہ خود کو ان کی نظروں سے چھپا کر انہیں کسی اذیت سے بچا رہی ہو۔ اس نے اماں کو دیکھنا بھی چھوڑ دیا تھا بات کرنا تو دور۔۔۔۔۔

مگر آج ایسا نہ ہو سکا۔

"بیٹھ جاؤ!"

ایک ٹھہری ہوئی، مگر پر کمزور آواز نے اس کے قدموں کو جکڑ لیا۔ اس آواز میں نہ نرمی تھی، نہ سختی، بس ایک گہرا ٹھہراؤ تھا جو کسی بھی طوفان سے زیادہ وزنی تھا۔ اماں لاؤنج کے وسط میں کھڑی اسے دیکھ رہی تھیں۔ اس پورے عرصے میں یہ پہلی بار تھا کہ انہوں نے اسے کو خود مخاطب کیا تھا۔

فجر نے ایک لمحے کے لیے پلکیں جھپکائیں۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا، ایک سپاٹ پن، جیسے اس نے اپنے تمام جذبات کو کسی گہری قبر میں دفن کر دیا ہو۔ وہ دھیرے سے واپس صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس کا وجود ساکت تھا، مگر اندر ایک طوفان برپا ہونے کو تیار تھا۔ اماں ایک جانب بیٹھ چکی تھیں۔

"یہ سچ ہے تم ہمارے لیے ایک ان چاہا وجود تھیں۔" انہوں نے بولنا شروع کیا۔

"یہ بھی سچ ہے ہم نے تمہیں بہت نفرت دی۔ تمہیں باغی بننے پر مجبور کیا۔" وہ ذرا سا رکیں۔ فجر کی نظریں ابھی بھی ٹی وی کی اسکرین پر جمی تھیں۔ وہ اماں کو سن رہی تھی مگر دیکھ نہیں رہی تھی۔

"یہ بھی سچ ہے کہ تم نے کبھی میری بات نہیں مانی۔ مگر آج کچھ کہنا چاہتی ہوں۔۔۔" وہ اسے دیکھ رہی تھیں۔ جس کی آنکھوں میں آنسوں جم چکے تھے۔ اس یخ بستہ نومبر نے اسے بھی جما دیا تھا۔

"تمہیں مکڑیاں ہمیشہ پسند رہی ہیں نا؟ عجیب لگتی تھیں مجھے تمہاری یہ پسند، مگر اب سمجھ میں آیا، تم خود بھی تو ایک مکڑی جیسی ہو ہو گئی ہو۔"

فجر نے چونک کر سوالیہ نظروں سے اماں کو دیکھا۔

"تمہیں پتا ہے مکڑی کا گھر کمزور کیوں ہوتا ہے؟"

اس نے سر ہلایا، جیسے وہ جواب جاننا چاہتی ہو۔

اماں کی آواز جیسے صدیوں پرانی کتاب سے نکل رہی تھی۔

"مکڑی کے جالے میں ہنر ہوتا ہے، باریکی ہوتی ہے، مگر مضبوطی نہیں ہوتی۔ اور وہ کمزوری صرف اس لیے ہے کہ اس میں شراکت نہیں۔ مکڑی، جب جالا بناتی ہے، اپنا گھر بنا لیتی ہے تو فوراً بعد اپنے پارٹنر کو باہر پھینک دیتی ہے، مار دیتی ہے۔ وہ اُسے ختم کر دیتی ہے۔ جیسے وہ محض ایک ضرورت تھا، نہ کہ حصہ دار!" انہوں نے مکڑی کے گھر کا قصہ سنایا۔

"عورت جب اپنے گھر سے اپنے ہی رفیق کو نکال باہر کرے، جب اُس گھر میں اعتماد نہ رہے، شراکت نہ ہو، تو پھر وہ گھر ایک جالا بن جاتا ہے۔ نرم، خوبصورت، مگر کمزور۔ جو ذرا سی ہوا سے بکھر جاتا ہے۔"

فجر کے دل میں کچھ چبھا۔ کچھ عجیب سا احساس جاگا۔

"مرد، عورت کا تاج ہوتا ہے اور جب عورت اپنی بڑائی میں اس تاج کو اتار پھینکتی ہے تو وہ ملکہ نہیں رہتی۔ وہ ایک عام عورت بن جاتی ہے۔"

"عام عورتیں راج نہیں کرتیں، راج تو ملکہ کرتی ہے۔"

اماں کے الفاظ ایسے تھے کہ وہ سن ہو گئی۔

"تم چاہے جتنی بڑی بزنس ویمن بن جاؤ، فیشن کی دنیا کی ملکہ بن جاؤ، لیکن اگر اپنے مرد کو پوری دنیا کے سامنے **'اپنا'** نہ کہہ سکو، اگر اس کی ذات کو اپنے گھر میں جگہ نہ دے سکو، تو پھر وہ سب کچھ جالا بن جاتا ہے۔ خوبصورت، نفیس مگر بکھرنے کے لیے تیار۔"

چند پل کی خاموشی چھا گئی۔ چائے کے کپ پر جمی فجر کی انگلیاں لرز اٹھیں۔

"عورت چاہے دنیا کی سب سے بڑی سلطنت بھی بنا لے، اگر اس کا دل خالی ہو، اس کے گھر میں اسکے مرد کی شراکت نہ ہو۔ ایک ایسا مرد جو عزت دیتا ہو، محبت دیتا ہو، ساتھ نبھاتا ہو، تو وہ سلطنت ریت کی دیوار ہے۔"

"اور اگر یہ رشتہ صرف زہر پیدا کرے، صرف تکلیف دے تو پھر؟" اس کے ہونٹ دھیرے سے لرزے۔

"تو عورت کا کام ہوتا ہے، فرق جاننا۔ تکلیف اور انا میں، کمی اور کمزوری میں۔ عورت صرف جذبات نہیں، عقل بھی ہے۔ اُسے مروت سے، وقار سے، نرمی سے اپنا گھر سنوارنا آنا چاہیے۔ اپنے مرد کو اپنا کہنا آنا چاہیے۔ OWN کرنا آنا چاہیے اور جہاں OWN نہیں ہوتا، وہاں RISE بھی نہیں ہوتا۔"

یہ عورت اماں نہیں تھیں جنہوں نے زندگی کے پچیس چھبیس سال ان پڑھ ہونے کا ناٹک کرتے گزار دیئے۔ یہ عورت ترنم عالمگیر تھیں، اپنے وقت کی مشہور ایڈووکیٹ!

لاؤنج میں خاموشی پھیل گئی، مگر یہ خاموشی گونگی نہیں تھی۔

"مکڑیاں جالا بناتی ہیں، عورتیں گھر۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مکڑی کے لیے وہ جالا کافی ہوتا ہے، عورت کے لیے نہیں۔ عورت کو اُس چھت کو سانس دینا سکھانا ہوتا ہے اور اسے صرف اپنی ذات سے نہیں، رشتوں سے مکمل بنانا ہوتا ہے۔" وہ سانس لینے کو رکیں۔ حلق میں کچھ اٹک گیا تھا۔

"مرد، عورت کی زندگی میں اُس درخت کی طرح ہوتا ہے، جس کے سائے تلے وہ سانس لیتی ہے، پلتی ہے، اور بڑھتی ہے۔ عورت خود جڑ ہوتی ہے۔ مضبوط، گہری، خفیہ، مگر درخت کی چھاؤں کے بغیر وہ جڑ بھی سوکھنے لگتی ہے۔"

فجر نے سرخ ہوتی آنکھوں سے اماں کو دیکھا۔

"مرد اگر عورت کی زندگی سے نکال دیا جائے، تو عورت خوش تو رہتی ہے مگر مکمل نہیں رہتی، وہ فیصلہ ساز تو بنتی ہے، مگر سننے والا کوئی نہیں ہوتا۔ وہ بلند ہو جاتی ہے، مگر گہرائی کھو دیتی ہے۔ اور فجر، جو عورت اپنی انا میں، اپنی زندگی سے اپنے مرد کو نکال دے، وہ صرف مرد کو نہیں، خود کو بھی نامکمل ہونے کی سزا دیتی ہے۔"

میاں بیوی ایک دوسرے کا لباس ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو مکمل کرتے ہیں۔

"تم جتنی مرضی کامیاب ہو جاؤ، دنیا تمہارے قدموں میں ہو، اگر تمہارا گھر خالی ہے، تو سب کچھ کھوکھلا ہے۔"

اس کی ہیزل آنکھوں کے گوشے نم پڑ گئے۔

"تم میرا گھر ہو فجر! مجھے بے گھر مت کرو۔" ولی کی التجا نے اسکا دل نکال لیا تھا۔

"گھر وہ قلعہ ہے، جس کی دیواریں اگر اعتماد، محبت، اور شعور سے بنی ہوں تو باہر کا کوئی طوفان، کوئی سازش، کوئی حسد، کچھ بھی اسے ہلا نہیں سکتا۔"

اماں نے گہری نظریں اس پر گاڑ دیں۔

"عورت اگر اپنی ذات میں مضبوط ہو، اور اپنے رشتوں میں سچائی رکھے، تو وہ گھر کی بنیاد بن جاتی ہے۔ اور جب بنیاد پکی ہو، تو اس پر چاہے محل بنے یا جھونپڑی، وہ گرتا نہیں۔"

ایک پل کو ان کی نظریں ملیں۔

"اپنا گھر مضبوط بناؤ فجر! اپنا گھر مضبوط بناؤ!"

"میں اپنے ہی جال میں پھنس گئی ہوں اماں! یہ مجھے گھونٹ رہا ہے۔ میں کیا کروں؟" اس کی آواز رُکی رُکی، کمزور تھی۔ اذیت سے بھری ہوئی۔

"خود کو معاف کرو۔ خود کو سنو۔ پھر اپنے شوہر کو اپنے دل سے، سچ کے آئینے میں دیکھو۔ اگر وہ تمہارے لیے آیا تھا تو اسے نکالنا نہیں تھا، اُسے سنبھالنا تھا۔ مرد بھی انسان ہوتا ہے، جذبات بھی رکھتا ہے، غلطیاں بھی کرتا ہے، کمزور بھی پڑتا ہے لیکن عورت اگر عقل والی ہو، تو وہ اپنے مرد کو سنبھال لیتی ہے۔"

"عورت کو صرف شکایت نہیں کرنی چاہیے، اُسے مرہم بننا آنا چاہیے۔ مردوں کو بھی مرہم کی ضرورت ہوتی ہے۔"

اماں نے بات مکمل کی تو لاؤنج میں خاموشی چھا گئی۔ باہر رات ہو چکی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر کے دل میں کچھ طے کیا۔

"ایک عورت کو وہ مکڑی نہیں بننا چاہیے جو جالا تو بناتی ہے مگر رشتہ توڑ دیتی ہے۔"

ایک عورت کو عورت بننا چاہیے۔ جو گھر بناتی ہے، جو مرد کو اپناتی ہے، جو قلعہ تعمیر کرتی ہے، جو محبت کو محافظ بناتی ہے اور جو اپنے اندر وہ روشنی رکھتی ہے جس سے ایک نسل سنور سکتی ہے۔

اس وقت فجر نے پہلی بار ولی کے نہ ہونے کو "**کامیابی**" نہیں، "**خالی پن**" کے آئینے میں دیکھا۔ اور پہلی بار اُس نے احساس ہوا کہ اُسے جالا نہیں، گھر چاہیے تھا۔

✿••✿••✿••✿

"عورت، مرد اور گھر کا فلسفہ"

"عورت جب دنیا میں آنکھ کھولتی ہے تو اُس کی روح میں فطرت نے نرمی، برداشت، اور تعمیر کا ہنر رکھ دیا ہوتا ہے۔ وہ چاہے کسی شہر کی تیز و تند ہوا میں جوان ہو، یا کسی مٹی کے گاؤں میں پروان چڑھے، اُس کے اندر گھر بنانے کی ایک فطری خواہش ہوتی ہے۔ مگر سوال یہ نہیں کہ عورت گھر کیوں بناتی ہے، سوال یہ ہے کہ وہ کیسا گھر بناتی ہے اور کس کے ساتھ؟"

وہ بہت سنجیدگی لکھ رکھ تھی۔ اس کی انگلیاں تیزی سے کی بورڈ پر پھسل رہی تھیں۔ شہد رنگ آنکھوں میں گہری چمک تھی۔

"گھر صرف اینٹوں کی دیواریں اور چھت نہیں ہوتا۔ گھر وہ جگہ ہے جہاں ایک عورت خود کو سب سے زیادہ پہچانتی ہے، جہاں اُس کی ہنسی، اُس کی تھکن، اُس کی خاموشی، سب گواہی دیتی ہے کہ وہ زندہ ہے۔

مگر گھر تبھی بنتا ہے جب اُس میں ایک مرد ہو! وہ مرد جو صرف نام کا نہیں، مقام کا ہو۔ جو عورت کے برابر کھڑا ہو، اُس کے لفظوں کا سامع، اُس کے خوابوں کا محافظ، اور اُس کے ظرف کا آئینہ ہو۔

مرد، عورت کی زندگی میں وہ دیوار ہے جس سے وہ خود کو ٹیک دیتی ہے۔ وہ دروازہ ہے، جو دنیا کے شور سے بچاتا ہے۔ وہ صدا ہے، جو اس کی خاموشی میں گونجتی ہے۔ عورت چاہے کتنی بھی مکمل ہو، اگر وہ اپنے دل کے کونے میں کسی مرد کی غیر موجودگی کو چھپا کر جیتی ہے تو وہ کمرہ ہمیشہ خالی رہتا ہے۔

ایک عورت کو اپنے مرد کو **'اپنا'** کہنا آنا چاہیے۔

اپنانا (own) صرف دعویٰ نہیں، ذمہ داری ہے۔ یہ اس بات کا شعور ہے کہ مرد بھی کمزور ہو سکتا ہے، تھک سکتا ہے، لڑکھڑا سکتا ہے۔ اور عورت، اگر واقعی عقل والی ہو تو وہ مرد کی کمزوری کو تحقیر نہیں، پردہ دیتی ہے۔ وہ اُسے اوپر اٹھاتی ہے۔ گرتے وقت تھامتی ہے اور کبھی ایسا نہیں ہونے دیتی کہ وہ خود کو اس گھر میں غیر محفوظ سمجھے۔

ایک گھر میں، عورت کا ظرف یہ نہیں کہ وہ سب جھیل لے بلکہ یہ ہے کہ وہ جانتی ہو کہ کیا جھیلنا ہے اور کیا چھوڑ دینا ہے۔ وہ خود کو فنا نہیں کرتی، بلکہ ایسا گھر بناتی ہے جو دونوں کے وجود کو مکمل کرے۔

عورت کو گھر بناتے وقت چند باتیں ہمیشہ یاد رکھنی چاہئیں۔

رشتے انا سے نہیں، فہم سے بنتے ہیں۔

محبت، عزت کے بغیر خاموش ہو جاتی ہے۔

برداشت، کمزوری نہیں بلکہ عورت کی وہ حکمت ہے جو ایک نسل کو سنوار سکتی ہے۔

گھر کا سکون، عورت اور مرد کی زبان، لہجے اور نگاہ سے جُڑا ہوتا ہے۔

مرد کو عزت دینی چاہیے لیکن اندھا تقدس نہیں۔ محبت دینی چاہیے لیکن خودی بیچ کر نہیں۔

عورت اگر اپنے گھر کو ایسا قلعہ بنالے جہاں **مرد کو پناہ ملے، بچوں کو امن، اور خود کو پہچان!** تو پھر دنیا کا کوئی طوفان، کوئی زخم، کوئی سازش اُس کی بنیاد کو ہلا نہیں سکتی۔

عورت صرف "**رہنے کی جگہ**" نہیں بناتی۔ وہ "**جینے کی جگہ**" بناتی ہے۔

اور جب ایک عورت ایسا گھر بناتی ہے، تو وہ صرف چھت نہیں اٹھاتی، وہ ایک نسل کو عزت، وقار اور محبت کی روشنی دیتی ہے۔"

وہ جس انہماک سے لکھ رہی تھی مزید لکھتی رہتی اگر بروقت فون کی گھنٹی اسے چونکنے پر مجبور نہ کرتی۔ تسلسل ٹوٹ گیا اور پھر اس نے فون اٹھالیا۔

✿••✿••✿••✿

اماں کے جانے کے بعد لاؤنج کی خاموشی مزید گہری اور وزنی ہوگئی تھی۔ یہ اب خالی پن کی خاموشی نہیں تھی، بلکہ ان کہے الفاظ، تلخ سچائیوں اور ایک ایسی حقیقت سے گونج رہی تھی جس سے فجر ہمیشہ بھاگتی رہی تھی۔ اماں کے الفاظ مکڑی کے جالے کی طرح اس کے ذہن میں بُنتے جارہے تھے، اور ہر دھاگا اسے اپنی ہی تنہائی میں جکڑ رہا تھا۔ وہ صوفے پر بت بنی بیٹھی تھی، نگاہیں سامنے بجھے ہوئے ٹی وی کی سیاہ اسکرین پر تھیں، جہاں اب صرف اس کا اپنا عکس نظر آرہا تھا۔ ایک تھکا ہوا، ٹوٹا ہوا عکس!

اسی لمحے، میز پر رکھے اس کے فون کی اسکرین روشن ہوئی اور اس کی وائبریشن نے بھاری خاموشی کو چیر دیا۔

وہ جیسے کسی گہرے سمندر سے سطح پر آئی ہو۔ ایک جھٹکے سے اس نے فون کی طرف دیکھا۔ اسکرین پر فلک کا نام جگمگا رہا تھا۔ نوٹیفکیشن بار پر دو میسجز تھے۔ اس کا دل دھک سے رہ گیا۔

"وہ جا رہا ہے فجر!"

پہلا پیغام ایک تیر کی طرح اس کے دل میں پیوست ہوا۔

"اسے روک لو۔ وہ چلا گیا تو پھر نہیں آئے گا۔"

دوسرا پیغام اس کے وجود پر بجلی بن کر گرا۔ اس کے اندر کی جمی ہوئی برف یکدم چیخ گئی۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ہاتھ کپکپا رہے تھے اور رنگت ایسی سفید پڑ گئی جیسے جسم میں لہو کی ایک بوند بھی نہ ہو۔ وہ جانتی تھی، وہ شدت سے جانتی تھی کہ بات کس کی ہو رہی تھی۔ اس نے لرزتے ہوئے، بمشکل فون ان لاک کیا اور فلک کا نمبر ملایا۔ ہر رنگ ایک صدی کے برابر تھی۔ دوسری طرف سے فون اٹھا لیا گیا۔

"کہاں جا رہے ہیں وہ؟" اس کی آواز میں وہ خوف اور بے تابی تھی جو اس نے کبھی خود میں محسوس نہیں کی تھی۔

"یہ تمہیں پتا ہونا چاہیے۔" دوسری طرف سے فلک کی آواز غیر معمولی طور پر پرسکون اور ٹھہری ہوئی تھی۔

"کک۔۔۔ کہاں ہیں وہ؟ مجھے بتاؤ!" اس کی آواز بھیک مانگنے جیسی تھی۔

"مجھے کیسے پتا ہو گا فجر؟" فلک نے نرمی مگر کاٹ دار لہجے میں کہا۔ "وہ تمہارا شوہر ہے، تمہارا گھر ہے۔ تمہیں پتا ہونا چاہیے کہ وہ تمہیں کہاں ملے گا۔"

یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ کال کٹنے کی بیپ فجر کے کانوں میں سائیں سائیں کرنے لگی۔ اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ **'تمہارا شوہر'، 'تمہارا گھر'** یہ الفاظ ہتھوڑوں کی طرح اس کے سر پر برس رہے تھے۔ وہ جا نہیں سکتا تھا۔ وہ اسے اس طرح خالی کر کے نہیں جا سکتا تھا۔

ایک لمحے کی مکمل بے حسی کے بعد اس کے اندر سے ایک گرجدار آواز ابھری، ایسی آواز جو مہینوں سے اس گھر نے نہیں سنی تھی۔

"بانو!"

اماں کے کمرے سے متصل دروازہ ایک چرچراہٹ کے ساتھ کھلا اور بانو سہمی ہوئی، سرپٹ بھاگتی ہوئی آئی۔

"جی فجی باجی۔۔۔" وہ فجر کی حالت اور آواز کی شدت سے گھبرا گئی۔

"میری گاڑی کی چابی لاؤ! جلدی!" اس کے حکم میں ایک وحشت تھی۔

بانو "جی" کہتے ہوئے کسی مشن پر نکلی سپاہی کی طرح سیڑھیوں کی جانب بھاگی۔ اس دوران فجر نے صوفے پر پڑی اپنی گہرے رنگ کی چادر اٹھا کر بے پروائی سے کندھوں پر لپیٹ لی۔ پیروں میں گھر کی نرم چپلیں ہی تھیں۔ وہ مسلسل ولی کا نمبر ملا رہی تھی، جو بند جا رہا تھا۔ ہر بار مشین کی آواز اس کے دل پر ایک نیا گھاؤ لگاتی۔ اس کا پورا جسم بے جان ہو رہا تھا، مگر اس کے اندر کوئی چیز اسے بھاگنے پر مجبور کر رہی تھی۔ بانو بھاگتی ہوئی آئی، اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔ فجر نے اس کے ہاتھ سے چابیاں جھپٹیں اور تیز تیز قدموں سے بھاگتی ہوئی لاؤنج سے باہر نکل گئی۔

چند لمحوں بعد، رات کی خاموشی کو چیرتی ہوئی گاڑی کے اسٹارٹ ہونے کی آواز ابھری اور پھر پہیوں کی چیخ کے ساتھ وہ گیٹ سے نکل گئی۔ پیچھے صرف سناٹا رہ گیا۔

"اللہ جی، سب ٹھیک کر دیں۔" بانو نے وہیں کھڑے کھڑے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔

فجر کی گاڑی لاہور کی سرد سڑکوں پر بے تابی سے بھاگ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے منظر دھندلا رہے تھے۔ اس کا رخ گردیزی ٹیکسٹائل کی طرف تھا، مگر اس فیکٹری کی طرف نہیں، بلکہ اس بس اسٹاپ کی طرف جہاں وہ اس سے پہلی بار ملی تھی۔ وہ جگہ ان کے رشتے کا نقطہ آغاز تھی۔ پندرہ منٹ، جو اسے پندرہ صدیوں جیسے لگے، کے بعد وہ وہاں پہنچ چکی تھی۔

بس اسٹاپ اس وقت بالکل سنسان تھا اور نومبر کی ٹھنڈی ہوا ویرانی کو مزید بڑھا رہی تھی۔ گاڑی کی ہیڈ لائٹس کی تیز روشنی میں وہ نظر آیا۔ بینچ پر بیٹھا ایک تنہا وجود۔ اس نے اپنی کیپ سر پر اوڑھی ہوئی تھی اور اس سے کچھ فاصلے پر اس کا چھوٹا سا ہینڈ کیری بیگ رکھا تھا، جیسے کسی آخری سفر کا خاموش اعلان ہو۔

فجر نے کچھ فاصلے پر ایک جانب اپنی گاڑی روکی اور انجن بند کر دیا۔ دھڑکتے دل کے ساتھ وہ گاڑی سے باہر نکلی۔ ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا سیدھا اس کی ہڈیوں میں گھس گیا۔ اس نے اپنی چادر کو مضبوطی سے اپنے گرد لپیٹا اور اس کی جانب بڑھی۔ اس کے قدم آہستہ تھے مگر ان میں ایک عزم تھا۔ وہ اس کے قریب پہنچی اور پھر کچھ فاصلے پر، اسی بینچ کے دوسرے کونے پر بیٹھ گئی۔

ولی نے سر نہیں اٹھایا۔

کئی لمحے یونہی گزر گئے۔ دونوں میں سے کوئی کچھ نہ بولا۔ بس ٹھنڈی ہوا کی سرسراہٹ اور دور سے آتی ٹریفک کی مدھم آواز تھی۔ فجر کو ٹھنڈ کا احساس شدت سے ہونے لگا۔ وہ ایک دم کھڑی ہوئی۔ پھر اس نے اپنے کندھوں سے شال اتاری، اس کے قریب ہوئی، اور شال کا ایک کونا اس کے کندھوں پر ڈال کر دوسرا کونا اپنے گرد لپیٹتی ہوئی اس کے بالکل ساتھ بیٹھ گئی۔ اب وہ دونوں ایک ہی شال میں تھے۔

"میں ٹھیک ہوں۔ تمہیں مجھے ڈھانپنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

اس کا لہجہ موسم کی طرح سرد تھا، مگر اس کی قربت سے اس کے اندر جمی برف کا ایک ٹکڑا پگھل ضرور گیا تھا۔

"میں تمہارا لباس ہوں۔ تمہیں ڈھانپ سکتی ہوں۔" فجر کا لہجہ بھیگا ہوا تھا۔ اس ایک جملے نے ولی کے گرد جمی برف میں دراڑیں ڈال دیں۔

کچھ دیر بعد اس کی آواز سنائی دی۔۔، "تم کہاں جا رہے ہو؟"

اس نے تلخی سے جواب دیا، "ایک بے گھر انسان کہاں جا سکتا ہے؟"

وہ شکوہ کناں تھا۔ وہ اسے اتنے دنوں بعد دیکھ رہی تھی۔ دھیمی روشنی میں کیپ کے نیچے اس کا چہرہ تھکا ہوا لگ رہا تھا۔ پتلی سی شرٹ اور وہی لاپرواہ انداز۔

"بے گھر کیسے ہو؟ میں تو ابھی زندہ ہوں۔" اس کی آواز میں ایک مان تھا۔

ولی کچھ نہ بولا۔ خاموشی پہلے سے زیادہ تکلیف دہ تھی۔

"تمہیں میری یاد نہیں آئی؟ اتنے دن؟ ایک بار بھی نہیں؟" پلکوں کے گوشے نم ہونے لگے تھے۔ وجود میں عجیب سی کپکپاہٹ تھی۔ وہ اب بھی کچھ نہ بولا۔

"تم نے کہا تھا تم ساتھ رہو گے۔ تم ہمیشہ ساتھ رہو گے۔ تم میرے لیے آئے ہو، پھر تم مجھے کیسے۔۔۔ کیسے چھوڑ کر جا سکتے ہو؟" وہ بھرائی آواز میں بولی، ہر لفظ ٹوٹ رہا تھا۔

"تمہارے پاس پورا جہاں ہے، پوری دنیا ہے۔ تم تو چاند جیسی ہو، تمہیں میری کیا ضرورت؟"

"وہ چاند کس کام کا جس کا کوئی آسمان نہ ہو؟" اس کی آواز آنسوؤں میں بھیگی ہوئی تھی۔

اس بار ولی نے رخ موڑ کر اسے دیکھا۔ سوکھا ہوا چہرہ، سوجی ہوئی آنکھیں۔ وہ جس اذیت سے گزری تھی، اس کی حالت گواہ تھی۔

"میں بے وقوف تھی۔ میں نے بہت بڑی بے وقوفی کی۔ میں ڈر گئی تھی۔ مجھے لگا تم مجھے چھوڑ دو گے۔ ارسل کی طرح تم بھی اپنوں کی بات مان کر چلے جاؤ گے۔" وہ گود میں رکھے اپنے ہاتھوں کو بے دردی سے مسلتی ہوئی رو پڑی۔

"میں نے کہا تھا تم میرا گھر ہو۔ تمہیں یقین کرنا چاہیے تھا۔" اس کی آواز میں اب خفگی تھی۔

"میں بہت ڈر گئی تھی۔ بہت زیادہ!"

"فجر معراج ڈرنے والوں میں سے نہیں، ڈرانے والوں میں سے ہے۔" اس نے حقیقت سے پردہ اٹھایا۔

"میں پھر بھی ڈر گئی۔" وہ منہ بھینچ کر بولی۔ "میں نے سوچا، اس سے پہلے کہ تم مجھے چھوڑو، میں تمہیں چھوڑ دیتی ہوں۔ میں اس اذیت سے دوبارہ نہیں گزرنا چاہتی تھی۔"

"تمہیں ایسا کیوں لگا؟" ولی کی آواز میں دکھ تھا۔ "میں ایک دنیا جیت کر تمہیں چھوڑنے کے لیے تھوڑی آیا تھا؟"

"تو پھر کیوں جا رہے ہو؟" اس سوال پر وہ پھر خاموش ہو گیا۔

"میں نے تمہیں ہر جگہ ڈھونڈا، تم نے خود کو غائب کیوں کر لیا تھا؟ تمہیں پتا ہے نا تم میرا سیف ہیون ہو؟ تمہیں احساس بھی تھا کہ میں کیسے رہوں گی؟ کیسے وقت گزاروں گی؟" وہ اب الٹا اسی سے شکوے کر رہی تھی۔

"ملازمین کو نکال کر، اور کیسے ؟" ولی کے برجستہ جواب پر اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ اس کی آواز میں اب طنز کے ساتھ ایک سرد حقیقت تھی۔

"جانتا ہوں تم نے کتنے ملازمین کو نکالا ہے۔ تم بہت بے رحم ہو فجر!"

"ہاں! تو مجھے غصہ آتا ہے۔ دل کرتا ہے سب کچھ تہس نہس کر دوں! تم کیوں گئے ؟ میں کہوں گی اور تم چلے جاؤ گے ؟ تم جھوٹے ہو۔ آئی ہیٹ یو!"

واللہ، وہ کتنی بڑی ڈرامے باز تھی۔ یہاں وکٹم وہ تھا، اور وہ خود وکٹم بن گئی تھی۔

ولی نے بمشکل اپنی مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے ایک گہری سانس لی۔

"تم نے کہا تھا چلے جاؤ۔" تپانے والا انداز۔

"میں کہوں گی تو تم چلے جاؤ گے ؟" وہ حلق کے بل چلائی۔ آنسو اس کے گالوں پر بہنے کو تیار تھے۔

"پہلے بھی آپکا حکم ہی مانتا آیا ہوں میڈم!" وہ اپنی کتھئی آنکھوں کی چمک چھپاتے ہوئے بولا۔

"شٹ اپ۔۔۔۔ آئی ہیٹ یو!"

وہ اب کسی بچے کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ اس کی تمام کامیابیاں، اس کا سارا وقار، اس کا مضبوط خول، اس ٹھنڈی رات میں، اس سنسان بس اسٹاپ پر، اس ایک شخص کے سامنے آنسوؤں میں بہہ گیا تھا۔

"میڈم، ایسے مت بولیں۔ میں شادی شدہ ہوں، میری بیوی سنے گی تو کیا کہے گی ؟"

اس کی غیر متوقع، شرارتی آواز فجر نے روتے روتے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"تمہیں احساس ہے بیوی کا؟" وہ پھٹی پھٹی آواز میں چلائی۔

"تمہیں پتا ہے اس کی کیا حالت ہوئی ہے؟ وہ اندھی ہو گئی ہے، اسے تمہارے بغیر کچھ دکھائی نہیں دیتا!"

وہ کہہ رہی تھی اور ولی کو اس پر ڈھیر سارا پیار آیا۔ وہ اپنی اذیت میں بھی معصوم لگ رہی تھی۔

"میں اتنا تڑپا ہوں، اگر وہ تھوڑا تڑپ لے گی تو کیا ہو جائے گا؟" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ مگر کتھئی آنکھوں کی شرارت چھپ نہ پائی۔

"تم انگریز بہت خود غرض ہوتے ہو!" اس کے ایک اور الزام پر ولی نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھا۔

"تم لوگوں پر بھروسہ کرنا ہی نہیں چاہیے۔" وہ زکام زدہ آواز میں بڑبڑائی۔

اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتی، ولی نے اس کے برف کی طرح ٹھنڈے، کپکپاتے ہاتھوں کو اپنے گرم ہاتھوں کے مضبوط حلقے میں لے لیا۔ یہ لمس ایک وعدے کی طرح تھا۔

"پلیز! چپ کر جاؤ! میں ان آنسوؤں میں ڈوبنا نہیں چاہتا۔ میں کہیں نہیں جا رہا۔"

فجر نے جھٹکے سے اسے دیکھا۔ اس کی ہیزل آنکھوں میں آنسوؤں کے پیچھے حیرانی کی ایک لہر دوڑی۔ پھر اس نے گردن ٹیڑھی کر کے اس کے پاس رکھے ہینڈ کیری بیگ کو دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں ہزاروں سوال تھے۔

ولی نے اس کی نظروں کا تعاقب کیا اور دھیمے سے مسکرایا۔

"وہ خالی ہے۔"

یہ سنتے ہی فجر کے اندر جیسے کسی نے آگ لگادی۔ وہ تپ گئی۔ اس کا رونا ایک دم رک گیا، آنسو خشک ہو گئے اور اس کی سوئی ہوئی انا پوری شدت سے جاگ اٹھی۔

"تم میرے ساتھ ڈرامہ کر رہے تھے؟" اسے تو صدمہ ہی لگ گیا۔

"تم نے بھی تو کیا تھا۔ اسٹوڈیو والا سین بھول گئیں؟" اس نے سکون سے جواب دیا۔

اوہ خدایا! وہ جانتا تھا؟ فجر کا چہرہ جو آنسوؤں اور سردی سے سفید پڑ رہا تھا، اب شرمندگی اور غصے سے سرخ ہو گیا۔

"تو اب تم مجھ سے بدلے لو گے؟" وہ ہار ماننے والوں میں سے کب تھی۔ اس کی آواز میں وہی پرانا رعب لوٹ آیا تھا۔

ولی نے چند لمحے اسے دیکھا۔ اس کے گال پر بہتے آنسوؤں کے سوکھے ہوئے نشان، اس کی سرخ ناک، اور اس کی آنکھوں میں جلتی ہوئی خفگی۔ پھر اس نے نرمی سے ہاتھ بڑھایا اور اپنی پوروں سے اس کے آنسو پونچھے۔ اس کا لمس اتنا نرم تھا کہ فجر کا سارا غصہ پگھلنے لگا۔

"میں تم سے بدلہ لے کر کیا کروں گا؟" اس کی آواز محبت سے بھیگی ہوئی تھی۔ "مجھے تم سے کوئی بدلہ نہیں لینا۔"

"پھر تم واپس کیوں نہیں آئے؟ تم جانتے تھے میں انتظار کر رہی تھی۔" آواز میں اب بھی گلہ تھا۔

"میں چاہتا تھا، اس بار تم خود آؤ۔ سوچ سمجھ کر، اپنی مرضی سے، اس رشتے کو اپناؤ۔ میں تمہارا انتظار کر رہا تھا۔"

"تم مجھے نخرے دکھا رہے تھے؟" باتوں کو الٹا گھمانا کوئی فجر معراج سے سیکھے۔

وہ ہنس دیا۔ اس کے نخرے تو پورا ایڈنبرا دیکھتا تھا۔ اگر وہ دیکھ لیتی تو کیا چلا جاتا؟

"نہیں، میں تمہیں نخرے کیوں دکھاؤں گا؟" اس نے فجر کے چہرے پر آئی بالوں کی ایک لٹ کو نرمی سے اس کے کان کے پیچھے اڑستے ہوئے کہا۔ اس کی آواز اور اس کے لمس میں اتنی محبت تھی کہ فجر کی ساری اذیتیں، سارے شکوے دم توڑ گئے۔ اس ایک لمحے میں جو سکون تھا، وہ اسے پانے کے لیے دنوں سے تڑپ رہی تھی۔

"پھر تم واپس کیوں نہیں آئے؟" وہ اب بھی وہیں اٹکی تھی، مگر اب آواز میں ضد نہیں، صرف ایک معصومانہ سوال تھا۔

"آئی ایم سوری۔ مجھے واپس آجانا چاہیے تھا۔ دوبارہ ایسا نہیں ہو گا۔" اس نے اتنی نرمی سے کہتے ہوئے اس کا یہ جواز بھی ختم کر دیا کہ فجر کے پاس کہنے کو کچھ نہ رہا۔

وہ چند لمحے بس اسے دیکھتی رہی۔ اس کی کتھئی آنکھوں کو، اس کے چہرے پر مدھم ہو چکے نشان کو، اس کے پورے وجود کو، جس کے ایک لمس کے لیے وہ اتنا تڑپی تھی۔ اور پھر، اس احساس کے ساتھ کہ وہ کتنی محفوظ ہے، وہ دوبارہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

اس نے اپنا سر اس کے بازو سے ٹکا دیا۔ مگر یہ آنسو مختلف تھے۔ پوری دنیا میں صرف یہ شخص تھا جو اس سے محبت کرتا تھا، اور وہ اسے ہی گنوانے جا رہی تھی۔ اس نے اپنے ہاتھ اس کے بازو کے گرد لپیٹ لیے اور خوفزدہ ہو کر مزید شدت سے رو دی۔ اسے کھونے کے ڈر سے۔ اگر وہ واقعی چلا جاتا تو؟ اس نے کتنی بڑی، ناقابلِ تلافی غلطی کر دی تھی۔

"پلیز رونا بند کرو۔۔۔ پلیز فجر!" اسے اس طرح ٹوٹ کر روتے دیکھ کر ولی کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اس نے فجر کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھاما اور اسے چپ کروانے لگا۔ پھر اس نے اس کے ماتھے پر اپنے لب رکھے اور اسے خود میں بھینچ لیا۔

"میں کہیں نہیں جارہا۔ میں کیوں جاؤں گا بھلا؟ میں اپنا گھر کیوں چھوڑوں گا؟"

خدایا! لڑکیوں کو محبت کا یقین دلانا اتنا مشکل کیوں ہوتا ہے؟

"تم وائس آف ویسٹرن ویمن ہو۔ تم روتی ہوئی اچھی نہیں لگتیں۔"

"مجھے نہیں چاہیے وہ سب! بھاڑ میں جائے سب!" وہ خفگی سے بولی۔

ایسی کامیابی کا کیا فائدہ جس میں وہ نہیں تھا۔ پھر اس نے سر اٹھایا۔

"تم سچ میں کہیں نہیں جارہے تھے؟" اسے اب بھی یقین کی ایک اور خوراک چاہیے تھی۔

وہ مسکرایا۔ "میرا پاسپورٹ رئیس مینشن میں پڑا ہے۔"

یہ سن کر فجر نے اسے گھور کر دیکھا۔ اس کا مطلب تھا کہ یہ سارا منصوبہ **(فلک کا منصوبہ)** سوچا سمجھا تھا۔ اس کے چہرے پر خفگی ابھری، مگر اس میں اب غصہ نہیں، صرف شکایت تھی۔

"تو یہ سب ڈرامہ مجھے سبق سکھانے کے لیے تھا؟" وہ خفا ہوئی۔

"یاد دلانے کے لیے۔ کہ تم ایک جالا نہیں، گھر بنانے کی طاقت رکھتی ہو۔ اور گھر میں شراکت ہوتی ہے، ڈر نہیں ہوتا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ میری فجر معراج اپنی کامیابی کے پیچھے اپنی ذات کی سرگوشی کو دوبارہ سن سکتی ہے یا نہیں۔" وہ مان سے بتا رہا تھا۔

"اماں کہتی ہیں مکڑی جالا بناتی ہے اور عورت گھر۔"

"اور تم کیا بنانا چاہتی ہو؟" اس نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر اس کا چہرہ اوپر اٹھایا۔

"گھر۔۔۔ تمہارے ساتھ۔۔!" مضبوط لہجہ!

یہ اعتراف تھا۔ یہ اقرار تھا۔ یہ اس سفر کا اختتام تھا جو اس نے اکیلے شروع کیا تھا اور اب وہ اسے شراکت میں بدلنا چاہتی تھی۔ ولی کے چہرے پر گہرا سکون پھیل گیا۔

"چلیں، فیشن کی ملکہ؟" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہاں بہت ٹھنڈ ہے۔"

"پہلے بگ بی سے ملنا ہے۔" وہ اپنائیت سے بولی۔

"وہ ہمیں چپیڑیں مار کر باہر نکالیں گے۔"

"میں کھالوں گی تم اپنا بتاؤ؟" اس نے ابرو اٹھا کر پوچھا۔

"میں کھا کر بیٹھا ہوں۔" اس نے اطلاع دی۔ **(موصوف میز کھا کر بیٹھا تھا)**

اس کے جواب پر وہ خفیف سا ہنس دی۔

"تمہاری غلطی ہے۔ تمہیں انہیں پہلے دن ہی بتا دینا چاہیے تھا۔" وہ تپانے والے انداز میں بولی۔

"ہاں میرے ڈیڈ بھی یہی کہتے ہیں ساری غلطیاں میں ہی کرتا ہوں۔"

اس نے فجر کی گردن کے گرد بازو پھیلاتے اسے قریب کیا مگر فجر کی بے ساختہ سسکی ابھری۔

"کیا ہوا؟" وہ جھٹکے سے اس کی جانب مڑا۔ چہرے پر پریشانی ابھری۔ وہ پیچھے اپنی گردن پر ہاتھ رکھے ہوئے تھی۔ اماں کی دی گئی چوٹ سردیوں میں درد کرتی تھی۔

"تمہاری وجہ سے اماں نے مجھے بیلن سے مارا تھا۔" وہ برا سا بنا کر بولی۔ ولی نے حیرت سے اسے دیکھا اور پھر بے ساختہ ہنس دیا۔

"ویل میری لسٹ بہت لمبی ہے۔" آخر کیا کیا بتاتا؟

پھر اس کے کمر کے گرد بازو پھیلایا۔ وہ ایک شام میں لپٹے بیٹھے تھے۔

اب وہ اس پر نیا الزام لگا رہی تھی اور وہ ہر نئے الزام پر معذرت کر رہا تھا۔

چند قدم کے فاصلے پر، سڑک کنارے ایک سیاہ گاڑی کھڑی تھی۔ گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر ایک عورت بیٹھی تھی۔ سیاہ جیکٹ، گھنگھریالے بال، اور نگاہیں سیدھی ان دونوں پر جمی ہوئی تھیں۔

منار معراج! اس کے چہرے پر جذبات کی کوئی لہر نہیں تھی، بس ایک گہری خاموشی اور غور۔ اس کے ساتھ والی نشست پر ایک اور عورت بیٹھی تھی، جس کا چہرہ سائے میں چھپا ہوا تھا، مگر اس کی آنکھیں جھلک رہی تھیں۔ جیسے اندھیرے میں بھی کچھ دیکھ رہی ہوں۔

اس کے لب ہلے، آواز دھیمی تھی مگر لہجہ زہر آلود۔

"نفسیاتی بچہ!

ملعون بچی!

رب نے بنا دی جوڑی!"

پھر اس نے تھوڑا سر موڑا اور زیرِ لب ہنسی ہنسی، جیسے کوئی پرانا راز یاد آ گیا ہو۔

اس کی آواز میں تلخ استہزاء گھلا ہوا تھا۔ دوسری عورت نے اس کی طرف دیکھا، ہونٹوں پر ہلکی کپکپاہٹ آئی، جیسے کچھ کہنا چاہا ہو، پھر ہچکچاتے ہوئے بولی۔

"وہ دونوں اچھے ہیں، منار! انہیں نقصان پہنچا کر کیا ملے گا؟"

اس نے نظریں نہیں ہٹائیں، مگر اس کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرایا۔

"مجھے اچھے لوگ بہت برے لگتے ہیں۔"

چند لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی۔ گاڑی کے اندر موجود سانسیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔

"کیا لگتا ہے، رئیس انہیں اپنا لے گا؟" دوسری عورت نے پوچھا۔

"وہ اصول پسند آدمی ہے۔ اپنے اصولوں کے ہاتھوں مارا جائے گا۔"

اس کی آنکھوں میں ایک چمک ابھری۔ وہ چمک جس میں آگ تھی، اذیت تھی، اختیار تھا۔

"یقین کرو اگر وہ تمہیں زندہ دیکھ لے، تو اپنے سارے اصول جلا ڈالے۔"

وہ مسکرائی، جیسے کچھ تماشا دیکھنے والی ہو اور کچھ کھیل کھیلنے کو تیار۔

"محبت اصولوں کو کھا جاتی ہے اور مجھے جلتے اصولوں کی خوشبو بہت پسند ہے۔"

"تم کیا کرنے والی ہو منار؟" خوفزدہ لہجہ۔

"وہ جو کسی نے سوچا بھی نہیں ہو گا۔" اس کی آنکھوں کی چمک ماند نہ پڑی البتہ چہرے پر سرد پن چھا گیا۔

گاڑی کے شیشے کے پار، ایک نیا طوفان آنکھیں کھول رہا تھا۔

بسمہ اللہ الرحمن الرحیم

عنکبوت

(معرفت اور محبت سب کو نہیں ملتی)

از قلم: نور راجپوت

قسط نمبر:21

سیکنڈ لاسٹ ایپیسوڈ (پارٹ 1)

"باب بارہ: نقش نفرین!"

The Doppelgänger's curse

کہا جاتا ہے، اگر تم نے اپنا دوسرا چہرہ دیکھ لیا

تو یا تم مرو گے، یا وہ!

ہر زمانے میں، کچھ چہرے وقت کی دیوار سے پھسل کر نکل آتے ہیں۔

ایک جیسے چہرے، مگر الگ ارادے، الگ سائے۔

اور جب تقدیر ایک کو چنتی ہے، تو دوسرا چپکے سے اس کی جگہ لینے لگتا ہے۔

خاموشی سے، گہرائی سے، بدن کے اندر تک سرایت کرتا ہوا۔

یہ نحوست ایک چہرے سے نہیں،

بلکہ اس چہرے کی پہچان سے جڑی ہے۔

جسے تم سمجھو اپنے جیسا،

وہ تمہاری زندگی کی قبر بھی ہو سکتا ہے۔

کہا جاتا ہے Doppelgänger صرف عکس نہیں ہوتا۔

وہ تمہاری قسمت کا چور ہے،

تمہاری شناخت کا خنجر!

اور جب ایک چہرہ دوسرے پر قابض ہو جائے۔

تو سوال صرف یہ نہیں ہوتا کہ کون اصل ہے؟

سوال ہوتا ہے،

زندہ کون بچے گا؟

✿••✿••✿••✿

دو بھائی، دو شہر

جامشورو کی زرخیز زمینوں پر، جہاں دریائے سندھ کی ہوائیں صدیوں پرانی داستانیں سناتی تھیں، تالپور خاندان کا نام ایک علامت تھا۔ یہ صرف زمیندار نہیں تھے، بلکہ ان کے چمڑے کے کارخانے پورے ملک میں مشہور تھے۔ احمد جہانگیر تالپور، اس خاندان کے سربراہ، ایک بارعب اور روایات کے پاسدار شخص تھے۔ ان کی دنیا ان کے دو بیٹوں، بڑے احمد عالمگیر اور چھوٹے احمد اورنگزیب کے گرد گھومتی تھی۔ ان کی کوئی بیٹی نہیں تھی، اور اسی لیے دونوں بیٹوں کو بہت لاڈ اور پیار سے پالا گیا تھا۔

سب کچھ اپنی جگہ پر تھا، ایک طے شدہ ترتیب کے ساتھ۔ زمینیں سونا اگل رہی تھیں، کارخانے دن رات چل رہے تھے اور خاندان کا وقار بلند تھا۔ پھر ایک دن، احمد اورنگزیب نے اعلیٰ تعلیم کے لیے لاہور جانے کا فیصلہ کیا۔ یہ فیصلہ صرف ایک شہر سے دوسرے شہر کا سفر نہیں تھا بلکہ ایک نئی تقدیر کی طرف پہلا قدم تھا۔

لاہور، شہرِ زندگانی، اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ اورنگزیب کو ایسا بھایا کہ وہ یہیں کا ہو کر رہ گیا۔ اس کی فضاؤں میں ایک ایسی کشش تھی جس نے جامشورو کی خاندانی حویلی کی گرفت کو کمزور کر دیا۔ تعلیم ابھی مکمل بھی نہ ہوئی تھی کہ خاندان نے ان کی شادی کر دی، اس امید پر کہ شاید یہ بندھن انہیں واپس اپنی جڑوں کی طرف کھینچ لائے۔ مگر ہوا اس کے برعکس۔

تعلیم مکمل ہوتے ہی، احمد اورنگزیب نے اپنے اندر چھپے ایک پرانے شوق کو جلا بخشی۔ انہیں ہمیشہ سے سونے اور قیمتی پتھروں سے ایک خاص لگاؤ رہا تھا۔ انہوں نے لاہور میں ہی سونار کا کام شروع کیا۔ ان کی محنت، ایمانداری اور

سونے کی پرکھ میں کمال نے بہت جلد اپنا رنگ دکھایا۔ آہستہ آہستہ کاروبار بڑھتا گیا اور "**اورنگزیب جیولرز**" کا نام شہر کے معتبر جوہریوں میں شمار ہونے لگا۔ وہ لاہور میں مکمل طور پر سیٹ ہو چکے تھے۔

پیچھے جامشورو میں، احمد عالمگیر بھی شادی کے بندھن میں بندھ گئے۔ وہ اپنے والد کے ساتھ خاندانی کاروبار اور زمینوں کو سنبھالتے تھے۔ خاندان کی پہلی بیٹی، ترنم عالمگیر، نے ان کے گھر آنکھ کھولی۔ اس کی پیدائش پر پوری حویلی میں جشن کا سماں تھا۔ چند سال بعد، ادھر لاہور میں، احمد اورنگزیب کے گھر آفاق اورنگزیب کی پیدائش ہوئی۔

کم عمری میں شادی اور کم عمری میں ہی باپ بننے والے دونوں بھائی اپنی اپنی دنیا میں مگن تھے۔ احمد اورنگزیب کا کاروبار دن دگنی رات چوگنی ترقی کر رہا تھا مگر ان کے گھر آفاق کے بعد کوئی اور اولاد نہ ہوئی۔ وہ ایک ہی بیٹے کے باپ رہے۔ جبکہ دوسری طرف، عالمگیر کے گھر ترنم کی پیدائش کے دس سال بعد وجاہت عالمگیر پیدا ہوئے۔

خاندان اور برادری کے رسم و رواج اٹل تھے۔ ان ہی رواجوں کے تحت، بچپن میں ہی ترنم عالمگیر اور آفاق اورنگزیب کا رشتہ طے کر دیا گیا تھا۔ گو کہ ترنم عمر میں آفاق سے کچھ بڑی تھیں، مگر خاندان میں اس بات کو اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔ خاندان میں اعلیٰ تعلیم پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ کسی بھی کاروبار پر کوئی روک ٹوک نہیں تھی، سوائے ایک جرم کے، برادری سے باہر شادی کرنا۔ یہ ایک ناقابلِ معافی جرم سمجھا جاتا تھا۔

وقت پر لگا کر اڑتا رہا۔ ترنم جامشورو میں ہی پرائیویٹ تعلیم حاصل کر رہی تھیں جبکہ آفاق لاہور کے بہترین کالج میں پہنچ چکا تھا۔ اور یہیں سے کہانی نے ایک نیا موڑ لیا۔ کالج کی راہداریوں میں، کتابوں اور بحثوں کے درمیان، آفاق اورنگزیب کی ملاقات بلقیس فاروقی سے ہوئی۔ وہ ان کی سادگی اور ذہانت کو پسند کرنے لگا، اور یہ پسندیدگی کب محبت میں بدل گئی، اسے خود بھی خبر نہ ہوئی۔

ادھر جامشورو میں، ترنم نے جیسے ہی انٹر کا امتحان پاس کیا، خاندان میں اس کی شادی کے لیے زور بڑھنے لگا۔ مگر لاہور میں بیٹھا آفاق اس رشتے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس کے دل و دماغ پر بلقیس فاروقی چھا چکی تھی۔ وہ کسی اور کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

احمد اور نگزیب ایک عجیب کشمکش میں مبتلا تھے۔ ایک طرف ان کے اکلوتے بیٹے کی خوشی تھی اور دوسری طرف وہ خاندانی روایات تھیں جن کی بنیاد پر ان کی پوری زندگی کھڑی تھی۔ مگر آخر کار، آفاق اور نگزیب کی محبت جیت گئی۔

یہ فیصلہ اور نگزیب خاندان کے لیے ایک طوفان لے کر آیا۔ احمد اور نگزیب کو خاندان اور برادری سے کاٹ دیا گیا۔ ان کا جامشورو سے رشتہ ہمیشہ کے لیے ٹوٹ گیا اور اسی دوران جہانگیر تالپور وفات پا گئے۔

لاہور میں آفاق اور نگزیب کی محبت جیت گئی مگر جامشورو کی حویلی میں خاندانی وقار ہار گیا۔ احمد اور نگزیب کا اپنے بیٹے کی پسند کو اپنی برادری کی روایات پر ترجیح دینا ایک ایسا عمل تھا جسے معاف نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ خبر جب حویلی پہنچی تو احمد عالمگیر پر جیسے آسمان ٹوٹ پڑا۔ انہیں اپنے بھائی کے فیصلے پر شدید غصہ بھی تھا اور اپنی بے بسی کا احساس بھی۔ برادری کے طعنے اور بزرگوں کی غضب ناک نگاہیں ان کے لیے ناقابلِ برداشت تھیں۔ انہیں نہ صرف اپنے بھائی سے لاتعلقی کا اعلان کرنا پڑا بلکہ خاندان کی عزت پر لگے داغ کو دھونے کا دباؤ بھی بڑھ گیا۔

اب سب کی نظریں ترنم عالمگیر پر تھیں۔ آفاق کے انکار کے بعد، خاندان میں اس کے جوڑ کا کوئی اور لڑکا نہیں بچا تھا۔ برادری کی عزت داؤ پر لگی تھی اور اس کی حفاظت کے لیے ایک فوری اور مناسب حل درکار تھا۔ برادری کے بزرگوں نے مل کر ایک رشتہ تجویز کیا۔ یہ رشتہ برادری کے ہی ایک زمیندار کا تھا، جو عمر میں ترنم سے کافی بڑا اور پہلے سے شادی شدہ تھا۔ مگر چونکہ وہ صاحبِ ثروت تھا اور اثر و رسوخ بھی رکھتا تھا، اس لیے دوسری شادی اس کے

لیے کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ احمد عالمگیر نے دباؤ میں آکر یہ رشتہ قبول کر لیا۔ ان کے نزدیک، بیٹی کا کسی کی دوسری بیوی بن جانا، گھر میں بیٹھے رہنے سے بہتر تھا۔

مگر جب یہ فیصلہ ترنم کو سنایا گیا تو اس نے خاموشی سے سر جھکانے سے انکار کر دیا۔

"میں کسی کی دوسری بیوی نہیں بنوں گی۔"

ان کا یہ ایک جملہ حویلی کے در و دیوار سے ٹکرا کر ایک کہرام برپا کر گیا۔ یہ اس لڑکی کی طرف سے پہلی بغاوت تھی جس نے ہمیشہ خاندان کے ہر فیصلے پر سرِ تسلیم خم کیا تھا۔ احمد عالمگیر غصے سے بے قابو ہو گئے۔ ان کی ماں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی، دھمکیاں دی گئیں، اس کا گھر سے نکلنا بند کر دیا گیا، پڑھائی روک دی گئی۔ مگر ترنم عالمگیر اپنے فیصلے پر چٹان کی طرح اڑی رہیں۔ انہوں نے صاف کہہ دیا کہ وہ اپنی زندگی اس طرح برباد نہیں ہونے دیں گی۔

پوری برادری اس ایک لڑکی کے خلاف ہو گئی۔ ان کی شادی زبردستی کرنے کی تیاریاں ہونے لگیں، اور عین اسی وقت، جب ترنم خود کو بالکل تنہا اور بے بس محسوس کر رہی تھیں۔ جب انہیں لگا کہ وہ ہار جائیں گی، کہانی میں احمد اورنگزیب اور آفاق کی واپسی ہوئی۔

وہ دونوں لاہور سے سیدھا جامشورو پہنچے۔ انہیں اس ظلم کی خبر ہو گئی تھی۔ ان کا حویلی کے دروازے پر یوں آ کھڑا ہونا سب کے لیے حیران کن تھا۔ احمد عالمگیر نے ان سے بات کرنے سے بھی انکار کر دیا مگر آفاق سیدھا پنچایت میں پہنچ گیا جو ترنم کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لیے بیٹھی تھی۔

وہ پنچایت کے بزرگوں کے سامنے کھڑا ہوا اور اس کی آواز میں کوئی لغزش نہیں تھی۔

”میں ان سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ میں کسی اور سے محبت کرتا ہوں مگر میری بہنوں جیسی ہیں اور میں اسی ناطے سے ان کے ساتھ یہ ظلم بھی نہیں ہونے دوں گا۔“

یہ آفاق اور نگزیب تھا۔ اور اس کے والد، احمد اور نگزیب، خاموشی سے اپنے بیٹے کے ساتھ کھڑے تھے، اس کے ہر لفظ کی تائید کرتے ہوئے۔

پنچایت میں ایک شور مچ گیا۔ ایک طرف برادری کی انا تھی، دوسری طرف ایک لڑکی کا مستقبل اور اس کے حمایتی، جو خود برادری کے مجرم تھے۔ کئی گھنٹوں کی بحث اور فیصلوں کے بعد، آخر کار پنچایت نے اپنا حکم سنایا۔ یہ فیصلہ انصاف نہیں، طاقت کا مظاہرہ تھا۔

احمد اور نگزیب کو ان کی نافرمانی کی پاداش میں خاندان اور جائیداد سے باقاعدہ طور پر بے دخل کر دیا گیا۔ اور ترنم کو ان کی بغاوت کی سزا یہ ملی کہ اسے بھی خاندان سے ہمیشہ کے لیے عاق کر دیا گیا۔ اس سے تمام تعلقات ختم کرنے کا اعلان کر دیا گیا۔ وہ اب اس خاندان کا حصہ نہیں تھیں۔

اس رات، جب حویلی کے دروازے اس پر ہمیشہ کے لیے بند کر دیے گئے۔ اور نگزیب اور آفاق اسے اپنے ساتھ لے آئے۔ تین لوگوں کا یہ چھوٹا سا قافلہ جامشورو کی سرحدیں چھوڑ کر لاہور کی طرف روانہ ہو گیا۔ ایک ایسی دنیا کی طرف جہاں رشتے خون سے نہیں، انسانیت اور احساس سے بننے والے تھے۔

لاہور کی سرزمین نے ان تینوں کو کھلے دل سے قبول کیا۔ اور نگزیب صاحب کا کاروبار پہلے ہی شہر میں ایک مستحکم مقام رکھتا تھا۔ ان کا گھر، اور نگزیب حویلی، جامشورو کی آبائی حویلی کی طرح وسیع و عریض تو نہ تھا مگر اس کی دیواروں میں گھٹن اور مجبوری کے بجائے سکون اور آزادی تھی۔ یہاں فیصلوں کا اختیار چند روایات کے ہاتھوں میں نہیں بلکہ محبت اور فہم کے پاس تھا۔

احمد اور نگزیب صاحب نے ترنم کے لیے ایک باپ سے بڑھ کر شفیق سرپرست کا کردار ادا کیا۔ انہوں نے ان کی آنکھوں میں صرف دکھ نہیں، بلکہ کچھ کر گزرنے کی خواہش بھی دیکھی۔ جب ترنم نے قانون پڑھنے کی خواہش ظاہر کی تو انہوں نے فوراً ان کا داخلہ شہر کے بہترین لاء کالج میں کروا دیا۔ یہ ان کی تعلیم کا آغاز نہیں بلکہ اس کی خود مختاری اور اعتماد کی بحالی کا سفر تھا۔ وہ لڑکی جو کل تک دوسروں کے فیصلوں کی محتاج تھی، اب قانون کی کتابوں میں اپنے حقوق اور انصاف کے اصول تلاش کر رہی تھی۔

دو سال سکون سے گزر گئے۔ اس عرصے میں آفاق اور نگزیب اور بلقیس فاروقی کی شادی کر دی گئی۔ یہ ایک سادہ مگر پُر وقار تقریب تھی۔ جس میں برادری کا دباؤ نہیں، صرف خاندان کی خوشیاں شامل تھیں۔ بلقیس کے آنے سے گھر کی رونق مزید بڑھ گئی۔

اب اور نگزیب صاحب کی توجہ ترنم کے مستقبل پر تھی۔ وہ ان کے لیے کوئی ایسا شخص نہیں چاہتے تھے جو اسے دولت یا خاندانی نام دے بلکہ ایک ایسا ساتھی چاہتے تھے جو اسے عزت اور خوشی دے سکے۔ ان کی نظر انتخاب اپنے ہی کاروبار کے ایک ہیرے، معراج الدین پر پڑی۔ معراج ایک یتیم اور اکیلا لڑکا تھا۔ جس کا اس دنیا میں کوئی نہیں تھا مگر اس کی محنت، ایمانداری اور لگن اس کی سب سے بڑی پہچان تھی۔ وہ پڑھا لکھا، سلجھا ہوا اور خوددار نوجوان تھا۔ اور نگزیب صاحب نے اسے سالوں سے پرکھا تھا اور اس کے کردار پر انہیں مکمل بھروسہ تھا۔

جب انہوں نے ترنم کے سامنے یہ رشتہ رکھا تو ترنم نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ انہوں نے معراج الدین میں وہی خوبیاں دیکھیں جو ان کے چچا نے دیکھی تھیں۔ ایک محنتی اور مخلص انسان کی۔ انہیں خاندانی ناموں اور زمینوں سے کوئی غرض نہیں تھی۔ انہیں ایک ایسے ہی ہمسفر کی تلاش تھی جو انہیں سمجھے۔

یوں ترنم اور معراج الدین کی شادی ہو گئی۔ اور اور نگزیب حویلی کی خوشیاں مکمل ہو گئیں۔ وہ اسی حویلی میں رہتے تھے۔

احمد اور نگزیب کی رہنمائی میں، آفاق اور معراج الدین نے مل کر کاروبار کو نئی بلندیوں تک پہنچایا۔ دونوں میں بھائیوں جیسا پیار تھا اور کام میں بہترین ہم آہنگی۔ "**اور نگزیب جیولرز**" کا نام ملک بھر میں گونجنے لگا اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے ایک نئے میدان میں قدم رکھا۔ انہوں نے ٹیکسٹائل کی ایک فیکٹری لگائی اور "**اور نگزیب ٹیکسٹائل**" کی بنیاد رکھ دی۔

وقت گزرتا گیا، کاروبار پھیلتا گیا اور گھر میں محبت اور سکون کا راج رہا۔ وہ زخم جو جامشورو میں لگے تھے، آہستہ آہستہ بھرنے لگے۔ خاندان کی اس چھوٹی سی شاخ نے لاہور کی زمین میں گہری جڑیں پکڑ لی تھیں، اور اب اس پر نئی کونپلیں پھوٹنے کا وقت قریب تھا، جو اس خاندان کی کہانی کو ایک نئے اور ان دیکھے مستقبل کی طرف لے جانے والی تھیں۔

شادی کے دو سال بعد بھی جب آفاق اور بلقیس کے آنگن میں پھول نہ کھلا تو گھر میں ایک اداسی سی چھانے لگی۔ بلقیس اور ترنم، ایک دوسرے کا دکھ بانٹتیں۔ احمد اور نگزیب صاحب اپنے بیٹے اور بہو کو دیکھ کر کڑھتے، مگر زبان سے کچھ نہ کہتے۔ وہ جانتے تھے کہ اولاد دینا صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔

پھر ایک دن، بلقیس نے ہمت کر کے آفاق سے بات کی اور دونوں نے مل کر ایک فیصلہ کیا۔ وہ ایک بے سہارا بچی کو اپنی بیٹی بنائیں گے۔ یہ فیصلہ آسان نہ تھا مگر ان کی محبت اور ایک دوسرے کا ساتھ ہر مشکل پر بھاری تھا۔

چند ہی دنوں کی ایک بچی، جسے کسی نے ہسپتال میں چھوڑ دیا تھا، اور نگزیب خاندان کا مقدر بن گئی۔ جس دن آفاق اسے گود میں اٹھا کر حویلی لایا، اس دن جیسے اس سفید حویلی کے در و دیوار خوشی سے جھوم اٹھے۔ احمد اور نگزیب صاحب نے بچی کو اپنے ہاتھوں میں لیا، اس کی پیشانی چومی اور اس کا نام رکھا اُفق!

افق اور نگزیب! وہ اور نگزیب خاندان کی پہلی بیٹی تھی، اور اس کے آتے ہی جیسے خاندان کی قسمت کا ستارہ افق پر طلوع ہو گیا۔

اس سے چند سال بعد، ترنم عالمگیر اور معراج الدین کے گھر اللہ نے رحمت بھیجی۔ ایک خوبصورت بیٹی جس کا نام منار رکھا گیا۔ **منار معراج**! اس کے سنہری بال اور سنہری آنکھیں اسے سب سے منفرد بناتی تھیں۔ وہ بلا کی خوبصورت اور اتنی ہی نرم دل تھی۔ افق اور منار ایک ساتھ پلنے بڑھنے لگیں۔ ان کی مائیں بہنوں جیسی تھیں اور وہ دونوں بھی ایک دوسرے کی پرچھائیں بن گئیں۔

پھر آہستہ آہستہ گھر بچوں سے بھر گیا۔ افق سے سات سال جبکہ منار سے تین سال چھوٹا رئیس پیدا ہوا۔ احمد اور نگزیب صاحب کو جیسے دنیا کی ہر خوشی مل گئی تھی۔ رئیس کے بعد دو جڑواں بیٹیاں، ذرتاش اور ذرناب اور پھر سب سے چھوٹا ولی اور نگزیب! البتہ ترنم اور معراج کو اللہ نے صرف منار سے ہی نوازا تھا۔

سفید حویلی اب بچوں کی ہنسی، قہقہوں، اور رونے کی آوازوں سے گونجتی تھی۔ وقت پر لگا کر اڑنے لگا۔ بچے بڑے ہوتے گئے۔ ان سب بچوں میں احمد اور نگزیب صاحب کے سب سے قریب افق تھی۔ وہ اسے پوتی نہیں، بیٹی مانتے تھے اور افق بھی انہیں بابا کہہ کر پکارتی تھی۔ اس کی پرورش احمد صاحب نے خود کی تھی، اور وہ ان کی لاڈلی تھی۔ وہ گھر کی بڑی بیٹی تھی جس کے آنے سے ان کے مقدر کا ستارہ مزید چمک اٹھا۔ جس کے آنے سے اللہ نے آفاق اور نگزیب کو مزید اولاد سے نوازہ۔

جیسے جیسے بچے بڑے ہو رہے تھے، اور نگزیب جیولرز کے ساتھ ساتھ اور نگزیب ٹیکسٹائل کا نام بھی صنعت کی دنیا میں گونجنے لگا تھا۔ احمد اور نگزیب کی رہنمائی میں آفاق اور معراج الدین نے دن رات ایک کر دیئے تھے۔ ان کی محنت رنگ لا رہی تھی۔ اور نگزیب ٹیکسٹائل اتنی تیزی سے ترقی کر رہی تھی کہ وہ کئی دہائیوں سے مارکیٹ پر راج کرنے والی "**گردیزی ٹیکسٹائل**" کے لیے ایک بڑا خطرہ بن گئی۔

گردیزی خاندان، جس کی سربراہی ایاز گردیزی کرتا تھا، اور نگزیب ٹیکسٹائل کی کامیابی سے کھٹکنے لگا تھا۔ ٹیکسٹائل کی دنیا میں گردیزی ٹیکسٹائل نے کبھی کسی کو آگے نہیں آنے دیا تھا۔ اس شعبے میں صرف انکا سکہ چلتا تھا۔

ایاز گردیزی کے دو بیٹے تھے۔ بڑا، برہان گردیزی، جو باپ کے ساتھ کاروبار سنبھالتا تھا اور چھوٹا، فرقان گردیزی، جو ابھی یونیورسٹی میں تھا۔ برہان اپنے باپ کی طرح ہی مغرور اور سازشی ذہن کا مالک تھا جبکہ فرقان اپنی دلکش شخصیت اور خوش اخلاقی کے پیچھے اپنے ارادے چھپانے کا ماہر تھا۔

سب کچھ ٹھیک چل رہا تھا مسئلہ تب شروع ہوا جب افق اعلیٰ تعلیم کے لیے بیرون ملک گئی اور منار نے یونیورسٹی میں قدم رکھا۔ اور نگزیب خاندان کو اندازہ بھی نہیں تھا کہ ان کے دشمن ان کی دہلیز تک پہنچ چکے تھے۔ گردیزی خاندان نے ایک منصوبہ بنایا اور اس منصوبے کا سب سے اہم مہرہ تھا فرقان گردیزی!

اسے ذمہ داری دی گئی کہ وہ منار معراج کی زندگی میں داخل ہو اور اسے اپنے جال میں پھنسائے تاکہ اور نگزیب خاندان کو ذاتی اور کاروباری، دونوں محاذوں پر شکست دی جا سکے۔

فرقان نے ٹھیک وہی کیا۔ اس نے یونیورسٹی میں منار سے تعلق بڑھایا۔ وہ جانتا تھا کہ سنہری بالوں اور سنہری آنکھوں والی یہ نرم دل لڑکی بہت جلد کسی پر بھی بھروسہ کر لیتی تھی۔ وہ اس کی زندگی میں ایک دوست بن کر

داخل ہوا۔ اسے منار تک پہنچنے میں بڑے پاپڑ بیلنے پڑے مگر ایک لڑکی کب تک ایک مرد کو نظر انداز کرتی ہے؟ وہ منار تک پہنچ تو گیا تھا مگر اس کا اصل مقصد اپنے بھائی اور باپ کی سازش کو کامیاب بنانا تھا۔

ادھر ہزاروں میل دور، افق، جوزف پیٹرسن نامی ایک غیر ملکی کی محبت میں گرفتار ہو چکی تھی۔ اورنگزیب صاحب نے اس رشتے سے صاف انکار کر دیا اور افق کو واپس آنے کو کہا مگر افق نے واپس آنے سے انکار کر دیا۔ اس نے مذہب، خاندان اور ہر چیز پر اپنی محبت کو چن لیا۔ یہ اس خاندان کے لیے بہت بڑا دھچکا تھا۔ جو کوئی بھی نہیں سہہ پایا تھا۔ خاص طور پر اورنگزیب صاحب اور رئیس!

جس بیٹی کو انہوں نے اتنا پیار دیا، اس نے خاندان کی عزت کو یوں داؤ پر لگا دیا تھا۔

عالمگیر صاحب کو جب یہ خبر پتا چلی تو انہوں نے اورنگزیب صاحب سے رابطہ کیا اور زہر بھرے الفاظ ان کے گوش گزار کیے۔ احمد اورنگزیب صاحب کا سر شرم سے جھک گیا۔ غیر ملکی ہونے میں انہیں اعتراض نہیں تھا مگر غیر مذہبی؟ ایسا تو انہوں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔

افق کے اس قدم نے منار کی زندگی میں مشکل پیدا کر دی۔ وہ اورنگزیب جو خاندانی روایات سے باغی تھے اس قدم نے انہیں مجبور کر دیا اور انہوں نے منار اور رئیس کا رشتہ طے کر دیا۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح وہ خاندان کو بکھرنے سے بچا لیں گے اور منار بھی محفوظ ہاتھوں میں رہے گی۔

منار اس فیصلے پر سکتے میں آ گئی۔ رئیس اس سے تین سال چھوٹا تھا اور اس نے ہمیشہ اسے اپنے چھوٹے بھائیوں کی طرح دیکھا اور پیار کیا تھا۔ رئیس، منار کی ذہانت، اس کی خوبصورتی اور اس کی نرم دلی سے بے حد متاثر تھا۔ وہ اکثر جب اکٹھے لائبریری میں کتابیں پڑھنے بیٹھتے تو وہ چھپ چھپ کر منار کو دیکھتا رہتا۔ منار اسے اچھی لگتی تھی۔ وہ سنہری گڑیا جیسی تھی۔ نرم دل اور ذہین!

منار جو اس سب کو قبول نہیں کر پا رہی تھی، اس سب سے نکلنے کا چور راستہ فرقان گردیزی تھا۔ وہ ان تمام مسئلوں سے بچتے بچتے کب اس کے جال میں پھنس گئی اسے پتا بھی نہیں چلا۔ وہ جو پہلے اجنبی تھا پھر دوست بنا اور کب محبت بن گیا پتا ہی نہیں چلا۔

وہ جو پریشان تھی، روتی تھی۔ فرقان کی باتوں نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

"میں یقین نہیں کر سکتا کہ وہ تمہارے ساتھ ایسا کر سکتے ہیں۔" اس نے دھیمے اور افسردہ لہجے میں کہا۔

وہ سسک رہی تھی۔

"فرقان، میں کیا کروں؟ کوئی میری بات نہیں سمجھ رہا۔ رئیس میرا بھائی ہے۔ وہ مجھ سے کتنا چھوٹا ہے۔ افق کی سزا مجھے کیوں دی جا رہی ہے؟"

فرقان نے گہری سانس لی، جیسے وہ بھی اس درد کو محسوس کر رہا ہو۔

"یہ ناانصافی ہے۔ سراسر ظلم ہے۔ ان کی اپنی بیٹی نے باہر جا کر ایک غیر مذہبی سے شادی کر لی، اس کی سزا وہ تمہیں دے رہے ہیں۔ تم خود کے ساتھ ایسا کیسے ہونے دے سکتی ہو، منار؟ تم اتنی ذہین، اتنی خوبصورت ہو۔ تم اس سے کہیں بہتر کی حقدار ہو۔"

یہ الفاظ منار کے دل میں تیر کی طرح لگے۔ فرقان نے وہی کہا تھا جو وہ خود محسوس کر رہی تھی۔ اسے لگتا تھا دنیا میں صرف ایک فرقان ہی تھا جو اسے سمجھتا تھا۔

"مگر میں کیا کروں؟ بابا (معراج الدین) کچھ سننے کو تیار نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ان پر نانا ابو کے احسانات ہیں۔ وہ دشمنوں (گردیزی خاندان) سے رشتہ نہیں جوڑ سکتے۔"

وہ جو اپنے ماں باپ سے بات کر چکی تھی اسکا نتیجہ بھی بتایا۔ معراج الدین گردیزی خاندان سے اچھے سے واقف تھا اور اسی وجہ سے منار جس نے کبھی پابندیاں نہیں دیکھی تھیں اب اس پر پابندیاں لگ چکی تھیں۔

"دشمن؟ کیا محبت کرنا دشمنی ہے؟ میں تم سے محبت کرتا ہوں منار! کیا یہ میرا گناہ ہے؟ اور کون سے احسانات؟ تمہارے والد نے ان کے کاروبار کے لیے اپنی زندگی لگا دی۔ یہ احسان نہیں، حق ہے۔ وہ تمہیں اپنی عزت بچانے کے لیے قربان کر رہے ہیں۔ تمہیں اپنے لیے کھڑا ہونا ہو گا، ورنہ تم ساری زندگی پچھتاؤ گی۔"

یہ گفتگو منار کے ذہن پر ہتھوڑے کی طرح برسی۔ فرقان نے اسے یقین دلا دیا تھا کہ اس کا اپنا خاندان اس کے ساتھ ظلم کر رہا تھا اور صرف وہی اس کا خیر خواہ تھا۔ رئیس، جو کل تک اسے عزیز تھا، اب اسے اپنی بربادی کی علامت نظر آنے لگا۔ اس کے دل میں اپنے خاندان کے لیے نفرت اور بغاوت نے جنم لے لیا۔

✿••✿••✿••✿

فرقان رشتہ بھیجنے کے لیے دباؤ ڈال رہا تھا۔ منار اپنے ماں باپ کے سامنے روئی مگر معراج الدین اپنے فیصلے پر اٹل تھے۔ ان کے لیے اورنگزیب خاندان سے وفاداری اپنی بیٹی کی خواہشات سے زیادہ اہم تھی۔ وہ اسکی خواہش کا مان رکھ بھی لیتے اگر مقابل گردیزی خاندان نہ ہوتا۔ وہ ان کی مکاریوں اور چالبازیوں سے واقف تھے مگر یہ بات منار کو سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

منار روتی، چیختی، مگر کوئی اس کی سننے کو تیار نہ تھا۔ رئیس اس سب سے بری تھا۔ یہ بڑوں کے فیصلے تھے اور وہ ابھی چھوٹا تھا۔ اگر منار کا ہم عمر ہوتا تو ضرور کچھ کہتا سنتا مگر اسے چپ لگ گئی تھی۔ پہلے افق کا چھوڑ جانا اور پھر منار کی نفرت نے اس خاموش طبع لڑکے کو مزید خاموش کر دیا۔

دوسری جانب فرقان، منار پر مسلسل ذہنی دباؤ میں ڈال رہا تھا۔ وہ اسے روز بھاگ کر شادی کرنے پر اکساتا۔ جب اورنگزیب حویلی میں اس کی نہیں سنی گئی تو تنگ آکر، اس نے وہی فیصلہ کیا جو افق نے کیا تھا۔ بغاوت کا فیصلہ۔ اس نے فرقان سے کورٹ میرج کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

مگر حویلی سے نکلنا آسان نہ تھا۔ جعفر عالم (ایک وفادار ملازم) جو ان کے ڈرائیور بھی تھے اور گارڈ بھی، وہی گھر کے سبھی بچوں کو اسکول کالج اور یونیورسٹی لینے جاتے اور لے کر واپس آتے۔

گھر والے اتنے بے رحم تو نہیں تھے منار کو گھر میں قید کر دیتے البتہ جعفر کے ذریعے اس پر پوری نظر رکھوائی گئی۔ پھر آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہونے لگا۔ فرقان کے کہنے پر منار نے ضد چھوڑ دی۔ یوں بھی اس کی شادی کونسا ابھی ہو رہی تھی۔ پانچ سال تو نہیں۔ یعنی اس کے پاس وقت تھا اور اسے خود سے پابندیاں بھی ہٹوانی تھیں۔ وقت گزرنے لگا اور آہستہ آہستہ سب نارمل ہونے لگا۔ وہ ٹھیک ہو رہی تھی مگر فرقان کی طرف سے دباؤ بڑھتا جا رہا تھا کیونکہ فرقان کا خاندان اس پر دباؤ ڈال رہا تھا۔

پھر منار کی یونیورسٹی کا ایک ایجوکیشنل ٹور آیا۔ پہلے اسے اجازت مل جاتی تھی مگر اب بہت مشکل تھا اور یہاں اس نے فرقان کے کہنے پر، رئیس کو استعمال کیا۔

"تم میری آخری امید ہو رئیس! مجھے کچھ دنوں کے لیے اس ماحول سے دور جانا ہے۔ یونیورسٹی کا ٹور جا رہا ہے۔ اگر تم بابا اور نانا ابو سے سفارش کرو تو وہ مان جائیں گے۔ پلیز، میری مدد کرو۔ میں یہاں گھٹ گھٹ کر مر جاؤں گی۔"

بڑے دنوں بعد اس نے رئیس سے بات کی تھی۔ وہ جانتی تھی اس کی بات نہیں ٹھکرائی جائے گی۔

فی الوقت رئیس کو بھی یہی لگا کہ شاید کچھ دن باہر رہنے سے منار کا موڈ بہتر ہو جائے گا۔ اس نے اورنگزیب صاحب سے جا کر بات کی۔

"منار بہت پریشان ہیں۔ اگر وہ ٹوور پر چلی جائیں گی تو شاید ان کا دل بہل جائے۔ پلیز، انہیں جانے دیں۔"

اس کا انداز، عقیدت سے بھرپور تھا۔ وہ افق اور منار کو کبھی تم نہیں کہتا تھا۔ وہ اس کے لیے قابل احترام تھیں۔ وہ انہیں "**آپ**" کہتا تھا۔ خاص طور پر افق! جس کے جانے پر وہ ٹوٹ گیا تھا۔ جس کے جانے پر اسے چپ لگ گئی تھی۔ وہ اپنی کلاس کا واحد لڑکا تھا جس کے دوست نہیں تھے کیونکہ اسے کبھی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ اس نے سارا وقت افق اور منار کے ساتھ گزارا تھا۔ وہ اس کی بہترین ساتھی تھیں۔ وہ ان سے چھوٹا تھا مگر قد میں ان سے لمبا، ذہانت میں ان سے آگے اور سمجھداری میں سب سے آگے!

بالآخر اورنگزیب صاحب اپنے پوتے کے اسرار اور منار کی حالت دیکھ کر پگھل گئے۔ انہوں نے اجازت دے دی۔ رئیس خوش تھا کہ اس نے منار کے لیے کچھ کیا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ نادانستگی میں اسے تباہی کے راستے پر دھکیل چکا تھا۔

رئیس اور معراج الدین، جعفر کے ساتھ اسے یونیورسٹی چھوڑنے آئے تھے۔

"ہمیں امید ہے تم کبھی ایسا کچھ نہیں کرو گی جس سے ہمارا سر جھکے۔"

معراج الدین نے کہا اور رئیس بس اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ افق کے بعد منار کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔ منار کے چہرے پر سایہ سا لہرایا۔ دل میں عجیب سی ہوک اٹھی مگر وہ قابو ہو گئی۔ زبردستی مسکرا کر سر ہلا دیا۔

اورنگزیب خاندان کو اپنی تربیت پر بھروسہ تھا مگر جب محبت کا آسیب کا وار دہوتا ہے تب ساری پرورشیں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ وہ اسے اتار کر واپس چلے گئے مگر نہیں جانتے تھے وہ اپنی تقدیر لکھ چکی تھی۔

ٹوور دو گھنٹے لیٹ نکلنا تھا۔ فرقان اسے لے گیا۔ برہان گردیزی کی موجودگی میں ان دونوں کا نکاح پڑھایا گیا۔ وہ جو خوفزدہ بھی تھی اور دل گرفتہ بھی، برہان گردیزی کی باتوں نے اس کے مستقبل کا ایسا نقشہ کھینچا کہ وہ مزید سوچ نہ پائی۔

منار معراج اب فرقان گردیزی کی بن چکی تھی۔ اس نے اپنے خاندان کی عزت، اپنے باپ کی وفاداری، اور رئیس کے اعتماد، سب کو اپنے ایک فیصلے کی بھینٹ چڑھا دیا تھا۔ وہ فرقان کے ساتھ تھی، یہ سوچ کر کہ اس نے اپنی محبت کو پا لیا مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ ایک سازش کا سب سے کامیاب مہرہ بن چکی ہے، اور اس کہانی کا اصل طوفان تو اب شروع ہونا تھا۔

✿••✿••✿••✿

وہ جب یونیورسٹی ٹوور (جو کہ فرقان کے ساتھ منایا گیا تھا) سے واپس لوٹی تو اورنگزیب حویلی کی فضا میں پھیلا تناؤ کم ہونے لگا۔ اس کے چہرے پر اب وہ پہلی جیسی مسکراہٹ اور سکون تھا، جسے دیکھ کر ترنم اور بلقیس کے دل کو قرار آیا۔ انہوں نے سمجھا کہ بیٹی کا غصہ وقتی تھا اور اب وہ حالات سے سمجھوتہ کرنے پر آمادہ تھی۔

رئیس اسے خوش دیکھ کر خوش تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ سکون ایک آنے والے طوفان کا پیش خیمہ تھا اور منار کی ہنسی کے پیچھے ایک بہت بڑا راز چھپا تھا۔

منار نے اپنے خاندان سے اپنی زندگی کا سب سے بڑا سچ چھپا لیا تھا۔ فرقان کی محبت بھری باتیں اسے یہ احساس دلاتیں کہ اس نے دنیا کا سب سے صحیح فیصلہ کیا تھا۔ وہ محبت کے اس نشے میں اتنی چور تھی کہ اسے اپنے ارد گرد کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ اندھی ہو چکی تھی اور اندھوں کو طوفان کہاں نظر آتے ہیں؟

فرقان بہت شاطر تھا۔ اس نے منار کو کبھی یہ محسوس نہیں ہونے دیا کہ وہ اسے استعمال کر رہا تھا۔ وہ اس سے باتیں کرتا اور باتوں باتوں میں اورنگزیب ٹیکسٹائل کے بارے میں پوچھنا شروع کیا۔ پھر آہستہ آہستہ اس سے سب اگلوانے لگا۔

"تمہارے بابا اور آفاق انکل واقعی کمال کے بزنس مین ہیں۔ آج کل کونسا نیا پروجیکٹ شروع کر رہے ہیں؟" وہ بڑے معصومانہ انداز میں پوچھتا اور منار جو خود کو فرقان کے برابر ثابت کرنا چاہتی تھی اور اسے یہ دکھانا چاہتی تھی کہ وہ صرف ایک نازک لڑکی نہیں بلکہ اپنے خاندان کے معاملات سے بھی واقف ہے، سب کچھ جاننے کی کوشش کرتی اور پھر اسے سب کچھ بتا دیتی۔

"ہاں، آج کل یورپ سے ایک نئی مشینری آ رہی ہے۔ ابا کہہ رہے تھے کہ اس سے پروڈکشن ڈبل ہو جائے گی۔ اگلے ہفتے اس کی پہلی کھیپ کراچی پورٹ پر پہنچے گی۔"

وہ یہ باتیں کرتے ہوئے فخر محسوس کرتی۔ اسے لگتا کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ اپنی دنیا کی ہر چھوٹی بڑی بات شیئر کر رہی ہے۔ اسے یہ اندازہ ہی نہیں تھا کہ اس کی یہ معصومانہ باتیں اورنگزیب خاندان کی تباہی کا اسکرپٹ لکھ رہی تھیں۔ فرقان اس سے کاروبار کے راز، نئے سودوں کی تفصیلات، اور یہاں تک کہ خاندان کے آنے جانے کے منصوبے بھی پوچھ لیتا اور وہ محبت میں اندھی، سب کچھ اگل دیتی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کی ہر بات ریکارڈ کی جا رہی تھی اور گردیزی حویلی میں ایاز گردیزی اور برہان کے سامنے پیش کی جا رہی تھی۔

گردیزی خاندان، جس کے سینے میں اورنگزیب خاندان کے لیے نفرت کی آگ دہک رہی تھی، اب اپنے آخری وار کے لیے تیار تھا۔ اورنگزیب ٹیکسٹائل کو وہ پروجیکٹ مل چکا تھا جس کے لیے گردیزی ٹیکسٹائل نے سالوں تیار کی تھیں اور برہان گردیزی یہ کسی صورت برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔

منار کی دی گئی معلومات نے انہیں وہ موقع فراہم کر دیا تھا جس کا وہ برسوں سے انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے صرف کاروبار کو نہیں بلکہ پورے خاندان کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا منصوبہ بنالیا تھا۔ وہ اپنے دشمن کو جڑ سے ختم کر دینا چاہتے تھے۔

وہ ایک عام سا دن تھا۔ خاندان نے شہر سے باہر فارم ہاؤس پر ویک اینڈ گزارنے کا پروگرام بنایا۔ سب خوش تھے اور تیاریوں میں مصروف تھے۔ تین بڑی گاڑیاں تیار کھڑی تھیں۔

منار کہ طبیعت خراب تھی اور اس نے جانے سے منع کر دیا تھا اور اس کی وجہ سے ترنم بیگم اور معراج الدین بھی نہیں جا رہے تھے۔

اس دن آفاق اورنگزیب کے ساتھ ان کے ایک دوست بھی تھے۔ ابراہیم سلطان (**سونیا سلطان کے والد**) مگر کسے معلوم تھا جو دو گاڑیاں پہلے نکل چکی تھیں انہیں موت اچک لے گی۔

بلقیس بیگم اور احمد اورنگزیب صاحب کے ساتھ رئیس آخری گاڑی میں جانے والا تھا۔

احمد اورنگزیب صاحب کی دوا نہیں مل رہی تھی اور بلقیس بیگم اسے ڈھونڈنے میں لگی تھیں۔ رئیس اپنی کتاب پیک کر رہا تھا جبکہ باہر جعفر گاڑی میں ہونے والی غیر معمولی خرابی ٹھیک کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر تب تک فارم ہاؤس کی طرف جانے والا راستہ انہیں نگل چکا تھا۔

یہی چند لمحوں کی تاخیر ان کی زندگی بچانے کا سبب بن گئی۔

پہلی دو گاڑیاں حویلی کے بڑے گیٹ سے باہر نکلیں۔ انہوں نے پیچھے رہ جانے والوں کو ہاتھ ہلا کر الوداع کہا۔ کون جانتا تھا کہ یہ ان کی آخری جھلک ہو گی، یہ مسکراہٹیں ہمیشہ کے لیے تصویروں میں قید ہو جائیں گی۔

گاڑیوں کو نکلے ہوئے بمشکل پندرہ بیس منٹ گزرے ہوں گے کہ حویلی میں فون کی گھنٹی بجی۔ ایک ایسی گھنٹی جس نے ہنستی بستی دنیا کو ایک لمحے میں قبرستان بنا دیا۔

رئیس نے فون اٹھایا۔ دوسری طرف ایک اجنبی، گھبرائی ہوئی آواز تھی۔

"کیا یہ اورنگزیب حویلی ہے؟ ہائی وے پر۔۔۔ آپ کی دو گاڑیوں کا بہت بھیانک ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔"

اس کے ہاتھ سے فون چھوٹ گیا۔ اس کے کانوں میں سائیں سائیں ہونے لگی۔

اس کے بعد جو ہوا، وہ کسی قیامت سے کم نہ تھا۔

آفاق اورنگزیب موقع پر ہی دم توڑ گئے تھے۔ دادی اماں (احمد اورنگزیب کی بیوی) ولی، ذرناب، ڈرائیور کے ساتھ ساتھ ابراہیم سلطان، سب ختم ہو چکا تھا۔ ہر طرف کہرام مچ گیا۔ احمد اورنگزیب وہیں دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بھی خشک ہو گئے۔ بلقیس بیگم پر سکتہ طاری تھا، وہ زندہ ہوتے ہوئے بھی ایک بے جان مجسمہ بن چکی تھیں۔

اس قیامت میں صرف ایک جان بچی تھی۔۔۔ ذرتاش! ڈاکٹروں نے بتایا کہ اس کی ریڑھ کی ہڈی کو شدید نقصان پہنچا تھا اور وہ شاید اپنی باقی زندگی اپنے پیروں پر کھڑی نہیں ہو سکے گی۔ وہ ہمیشہ کے لیے وہیل چیئر پر آ گئی۔

منار ایک کونے میں کھڑی یہ سب دیکھ رہی تھی۔ اس کا دماغ ماؤف ہو چکا تھا۔ اس کی ماں رو رہی تھیں، اس کے نانا زندہ لاش بن چکے تھے، رئیس پتھرا گیا تھا۔ سب چلے گئے۔ یہ اتنا بھیانک حادثہ قدرتی نہیں ہو سکتا تھا۔ اچانک اس کے ذہن میں فرقان کے الفاظ گونجے۔

"تم لوگ کس راستے سے فارم ہاؤس جاتے ہو؟ وہی پرانا ہائی وے والا راستہ؟"

وہ سن ہو گئی۔

"کون کون جارہاہے؟اچھاتم نہیں جارہیں؟چلویہ تواچھاہے۔"

یہ سوالات جو اس وقت اسے محبت بھرے لگے تھے، اب زہریلے سانپ بن کر اس کے ذہن میں پھنکار رہے تھے۔اس کے قدموں تلے سے زمین نکل گئی۔اسے ایک لمحے میں سمجھ آگیا کہ یہ کوئی حادثہ نہیں تھا، یہ ایک سوچا سمجھا قتل عام تھا۔یہ اس کے خاندان کا قتل تھا، اور قاتل کوئی اور نہیں، وہ خود تھی۔اس کی دی گئی معلومات نے اس کے اپنے خاندان کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

رئیس جو پتھر ایا کھڑا تھا اس نے ایک نظر منار پر ڈالی۔بس وہ ایک نظر اور سب ختم ہو گیا۔

منار کا پورا وجود کانپنے لگا۔اس کے حلق سے ایک ناقابل یقین، دردناک چیخ نکلی اور وہ وہیں بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ اور نگزیب حویلی پر قیامت ٹوٹ چکی تھی اور اس قیامت کی وجہ وہ خود تھی۔

✿••✿••✿••✿

گردیزی حویلی کے عالیشان مگر سرد ڈرائنگ روم میں فتح کا جشن منایا جارہا تھا۔ایاز گردیزی اور ان کا بڑا بیٹا برہان، اپنے سب سے بڑے دشمن کو نیست ونابود کر کے مطمئن تھے۔ان کے چہروں پر سکون اور تکبر تھا مگر فرقان کا حال برا تھا۔اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور چہرے پر پریشانی اور بے چینی واضح تھی۔اس نے ہمت جمع کی اور اپنے باپ اور بھائی کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"جیسے آپ لوگ چاہتے تھے ویسے ہی سب کچھ ختم ہو گیا ہے۔"اس نے کانپتی آواز میں کہا۔

"میں منار کو یہاں لانا چاہتا ہوں۔وہ میری بیوی ہے۔میں نے اس سے وعدہ کیا تھا۔"

یہ سننا تھا کہ برہان گردیزی نے ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا۔ اس نے حقارت سے فرقان کو دیکھا۔

"بیوی؟ کون سی بیوی؟ وہ ایک مہرہ تھی فرقان، اور اس کا کام ختم ہو چکا ہے۔ تم ہوش میں تو ہو؟"

ایاز گردیزی نے اپنی کرسی پر پہلو بدلا اور اپنے چھوٹے بیٹے کو سرد نگاہوں سے دیکھا۔

"اس لڑکی کا اب ہماری زندگی میں کوئی کام نہیں۔ وہ ایک زندہ ثبوت ہے، ہمارے خلاف ایک چلتا پھرتا خطرہ۔ اسے یہاں لانے کی حماقت مت کرنا۔"

فرقان نے بے بسی سے اپنے باپ کو دیکھا۔

"میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ وہ میرے لیے مہرہ نہیں تھی۔ میں نے اسے استعمال نہیں کیا، میں نے اس سے محبت کی ہے! اور اسے یہاں لانے کے لیے وہ سب کیا جو آپ لوگوں نے چاہا۔"

"محبت؟" برہان طنزیہ انداز میں بولا، "واہ! کیا محبت ہے! دشمن کی بیٹی سے، جس کے خاندان کو ہم نے اپنے ہاتھوں سے تباہ کیا ہے۔ وہ لڑکی اب کسی کام کی نہیں ہے۔ اس کا خاندان مر چکا ہے۔ اس کا باپ کنگال ہو جائے گا اور وہ خود ایک زندہ لاش بن جائے گی یا نفسیاتی مریضہ! ایسی لڑکی کو گردیزی خاندان کی بہو بناؤ گے؟ لوگ تھوکیں گے ہم پر۔"

"بھائی، پلیز۔۔۔ میں نے اس سے وعدہ کیا تھا۔ وہ اس وقت بالکل اکیلی ہے۔ اگر میں نے اسے چھوڑ دیا تو وہ مر جائے گی۔"

"تو مر جانے دو!" ایاز گردیزی نے بے رحمی سے کہا اور فیصلہ سنا دیا۔ "اس لڑکی سے آج کے بعد تم کوئی رابطہ نہیں کرو گے۔ وہ اورنگزیب خاندان کا خون ہے، اور دشمن کا خون ہم اپنے گھر میں شامل نہیں کرتے۔ فرقان، تم

میرے بیٹے ہو، گردیزی خاندان کے وارث ہو۔ ایک معمولی لڑکی کے لیے خاندان کی عزت اور مستقبل داؤ پر مت لگاؤ۔ یہ معاملہ یہیں ختم ہوتا ہے۔ یہ طے تھا۔ تم اسے حاصل کر چکے ہو اور کیا چاہیے؟ مرد کو یہی چاہیے ہوتا ہے۔ بس اب اس کا خیال اپنے ذہن سے نکال دو۔ وہ ہمارے کسی کام کی نہیں ہے۔"

فرقان وہاں بت بنا کھڑا رہ گیا۔ یہ سچ تھا وہ اپنے باپ بھائی کے کہنے پر منار کے پیچھے گیا تھا مگر اس کی خوبصورتی اور معصومیت نے اسے پاگل کر دیا تھا۔ نکاح کے بعد جو وقت انہوں نے ساتھ گزارا تھا وہ اس کے لیے دنیا کے سب سے حسین پل تھے۔ وہ بے طرح منار کی محبت میں گرفتار ہو چکا تھا۔

جس خاندان کے لیے اس نے اپنی محبت کو داؤ پر لگایا، جس منصوبے کی کامیابی کے لیے اس نے منار کی زندگی تباہ کر دی، آج وہی خاندان اسے دھتکار رہا تھا۔ اسے پہلی بار احساس ہوا کہ اس سرد اور بے رحم دنیا میں محبت کی کوئی قیمت نہیں تھی۔ وہ اپنے ہی گھر میں، اپنے ہی باپ اور بھائی کے سامنے بے سود اور بے بس تھا۔

✿••✿••✿••✿

کئی دن گزر گئے۔ منار پر جو قیامت ٹوٹی تھی، اس نے اسے نیم پاگل کر دیا تھا۔ وہ نہ کھاتی تھی، نہ پیتی تھی، بس خلا میں گھورتی رہتی۔ اس کے ذہن میں بار بار اپنے گھر والوں کے ہنستے چہرے اور پھر ہسپتال کا وہ دل دہلا دینے والا منظر گھومتا۔ اس سارے عذاب میں اس کے پاس امید کی صرف ایک کرن تھی۔ فرقان! کاش وہ اس سے رابطہ کرے اور اسے بتائے کہ اس کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ کاش وہ کہے کہ اس نے کچھ نہیں کیا۔ وہ آئے اور اسے اس درد بھرے چنگل سے نکال کر لے جائے۔ اس نے فرقان سے بات کرنے کی کوشش کی۔ اس تک پہنچنے کی کوشش کی مگر وہ تو جیسے غائب ہو چکا تھا۔ اس سے رابطہ ناممکن تھا۔

اتنے بڑے حادثے پر رئیس نہیں رویا تھا۔ اس کی آنکھیں جیسے پتھرا گئی تھیں۔ وہ منار کو دیکھتا تھا اور ان آنکھوں میں بہت کچھ ہوتا تھا مگر اس کی زبان خاموش تھی! بالکل خاموش! جیسے گونگا ہو گیا ہو۔

منار یہ سب سہہ نہیں پا رہی تھی۔ اس کا ضمیر اسے کچوکے لگا رہا تھا۔ وہ اس درد سے باہر نکلنا چاہتی تھی۔ وہ سچائی جاننا چاہتی تھی تاکہ اسے سکون مل سکے۔

اس نے بے شمار کے بعد آخر کار فرقان سے رابطہ کر ہی لیا۔ فرقان نے دباؤ میں آکر اسے شہر کے ایک پرانے، ویران کاروباری علاقے میں ملنے کے لیے بلایا۔ منار ٹوٹی پھوٹی حالت میں، جعفر کی منتیں کرنے کے بعد وہاں پہنچی۔

"مجھے سچ جاننا ہے جعفر انکل! مجھے امید ہے آپ میری مدد کریں گے۔ پلیز کسی کو نہیں بتایئے گا۔ میرا آج فرقان سے ملنا بہت ضروری ہے۔" وہ بھرائے لہجے میں بولی اور جعفر نے کچھ سوچتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ اسے لے گیا۔ وہ امید پر آئی تھی کہ شاید آج سب ٹھیک ہو جائے گا۔

وہ ایک خالی دفتر میں اس کا انتظار کر رہی تھی۔ باہر جعفر کو اس نے کہا تھا کہ اگر وہ دس منٹ تک باہر نہ آئی تو وہ اندر آجائے۔

چند لمحوں بعد جب دروازہ کھلا مگر اندر آنے والا شخص فرقان نہیں، بلکہ اس کا بھائی برہان گردیزی تھا۔ منار کا دل دھک سے رہ گیا۔

"فرقان کہاں ہے؟" اس نے کمزور آواز میں پوچھا۔

برہان نے دروازہ بند کیا اور اس کے گرد ایک طنزیہ چکر لگایا، جیسے کوئی شکاری اپنے شکار کو دیکھتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں حقارت اور فتح کا نشہ تھا۔

"کون فرقان؟ اوہ۔۔۔ وہ جو تم سے محبت کے لمبے چوڑے دعوے کرتا تھا؟" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس کے پاس تم جیسی فضول لڑکیوں کے لیے وقت نہیں ہے۔"

منار کو لگا جیسے کسی نے اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال دیا ہو۔

"کیا۔۔۔ کیا مطلب ہے آپکا؟"

وہ اس کے بالکل قریب آکر کھڑا ہو گیا۔ اس کی آواز اب ایک زہریلی سرگوشی میں بدل چکی تھی۔

"تمہیں ابھی تک سمجھ نہیں آئی؟ تم صرف استعمال ہوئی ہو۔ تم ایک بے وقوف، جذباتی مہرہ تھیں جسے ہم نے تمہارے خاندان کو تباہ کرنے کے لیے استعمال کیا۔ تمہاری ہر بات، تمہاری ہر معلومات، ہمارے لیے ایک ہتھیار تھی۔ جس دن تم نے اپنی فیملی کے ٹریول پلان کے بارے میں بتایا تھا، اسی دن ان کی موت کا دن مقرر ہو گیا تھا اور فرقان؟ وہ تم سے محبت نہیں کرتا۔ اس نے صرف تمہیں استعمال کیا ہے۔ تم ایک استعمال شدہ چیز ہو۔"

منار کی آنکھیں خوف اور ناقابل یقینیت سے پھیل گئیں۔ وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ فرقان مجھ سے محبت کرتا ہے۔۔۔ یہ جھوٹ ہے۔۔۔"

"محبت؟" وہ زور سے ہنسا۔ "فرقان اپنے خاندان کا وفادار ہے، تمہاری طرح نہیں جس نے چند میٹھے لفظوں کے لیے اپنے پورے خاندان کو بیچ دیا۔ اور اب سنو، گردیزی خاندان کو تم میں کوئی دلچسپی نہیں۔ ہم دشمنوں کے خون کو اپنے گھر میں پناہ نہیں دیتے۔ سمجھیں؟ تم استعمال ہو چکی ہو، اور استعمال شدہ چیزوں کو ہم کچرے میں پھینک دیتے ہیں۔"

یہ آخری جملہ ایک ہتھوڑے کی طرح منار کے وجود پر برسا۔

"**استعمال ہو گئی تھی**" یہ لفظ اس کے دماغ میں گونجنے لگا۔ یہ صدمہ اس کے خاندان کے مرنے کے صدمے سے بھی بڑا تھا۔ جس محبت کے لیے اس نے اپنے ماں باپ، اپنے خاندان، اپنی عزت، سب کچھ قربان کر دیا، وہ ایک دھوکہ تھا، ایک سازش تھی۔ اس کی وجہ سے اس کے اپنے مارے گئے تھے، اور اب اسے استعمال کر کے پھینک دیا گیا تھا۔

سب تباہ ہو گیا تھا۔ اس کا اپنا بنایا ہوا محل ریت کی دیوار کی طرح گر چکا تھا۔

"فرقان مُلک چھوڑ کر جا چکا ہے۔ اسے تم میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ آئندہ ہم سے دور رہنا۔"

برہان گردیزی اسے اسی حالت میں چھوڑ کر دفتر سے باہر نکل گیا۔ وہ وہیں فرش پر گر گئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو نہیں نکل رہے تھے، اس کی روح چیخ رہی تھی۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ اصل قیامت تو اب شروع ہوئی تھی۔ ایک ایسی قیامت جس میں وہ زندہ رہے گی، مگر ہر سانس کے ساتھ اپنی بے وقوفی، اپنی خیانت، اور اپنے استعمال ہونے کے عذاب کو بھگتے گی۔

✿••✿••✿••✿

اورنگزیب حویلی، جو کبھی قہقہوں، خوشیوں اور زندگی سے بھرپور تھی، اب ایک مقبرہ بن چکی تھی۔ اس کے در و دیوار سے ایک سناٹا لپٹا ہوا تھا، مگر یہ خاموش سناٹا نہیں تھا، یہ ایک چیختا ہوا، اذیت ناک سناٹا تھا جو ہر لمحہ وہاں بچ جانے والوں کی سماعتوں سے ٹکراتا تھا۔

احمد اورنگزیب ایک زندہ لاش بن چکے تھے، جو سارا دن بس خلا میں گھورتے رہتے۔ بلقیس بیگم کی حالت ان سے مختلف نہ تھی، وہ ایک ہی جگہ ساکت بیٹھی رہتیں، جیسے ان کی روح ان کے شوہر اور بچوں کے ساتھ ہی دفن ہو چکی

ہو۔رئیس ایک ہی رات میں جیسے صدیوں کا سفر کر گیا تھا۔اس کے چہرے کی معصومیت کی جگہ ایک گہری، خوفناک سنجیدگی نے لے لی تھی۔ حیرت کی بات یہ تھی وہ اپنوں کی موت پر نہیں رویا تھا۔ایک آنسو اس کی آنکھ سے نہیں بہا۔وہ بس جیسے پتھر کا ہو گیا تھا۔

ذرتاش کی وہیل چیئر کی ہر حرکت ایک خاموش الزام کی طرح گونجتی تھی۔اور معراج الدین۔۔۔۔وہ ایک ٹوٹا ہوا باپ تھا۔جس کی آنکھوں میں اپنی بیٹی کے لیے اب کوئی محبت نہیں، صرف ایک سوالیہ نفرت باقی تھی۔وہ اس سے بات نہیں کرتے تھے، بس کبھی کبھی اسے ایسے دیکھتے جیسے وہ کوئی قاتل ہو کیونکہ وہ جانتے تھے اس حادثے میں اس کا ہاتھ ضرور تھا۔

ترنم بیگم اس صورتحال میں بری طرح پھنس چکی تھیں ایک طرف روتی بلکتی بیٹی تھی جو کچھ بھی کہنے اور بتانے سے قاصر تھی جبکہ دوسری جانب پورا خاندان، جس میں سے آدھے افراد مر چکے تھے۔

اور ان سب کے بیچ میں تھی منار۔۔۔اس قیامت کی وجہ، اس تباہی کی معمار۔انجان معمار! ایک استعمال ہونے والا مہرہ!

وہ اپنے کمرے میں قید تھی۔مگر یہ قید سلاخوں کی نہیں، یادوں اور پچھتاوے کی تھی۔

فرقان گردیزی نے اسے اندر باہر سے بے طرح توڑ دیا تھا۔اسے ابھی تک یقین نہیں ہو رہا تھا کہ وہ استعمال ہو چکی تھی۔

اور اپنوں کو کھونے کا دکھ، ایک ایسا درد جس نے اس کے دل کو چھلنی کر دیا۔وہ ایک جانور کی طرح بلک رہی تھی، اس کا پورا وجود دکھ کی شدت سے لرز رہا تھا۔

مگر اس دکھ کے نیچے ایک اور آگ دہک رہی تھی۔ ایک ایسی آگ جو اس کی روح کو جھلسا رہی تھی۔۔۔ پچھتاوے اور ذلت کی آگ۔

اسے یاد تھا کہ وہ کس فخر سے فرقان کو اپنی فیملی کے راز بتاتی تھی۔ اسے اپنی وہ بے وقوفانہ مسکراہٹ یاد آئی، وہ اعتماد یاد آیا جس سے وہ کہتی تھی، **"فرقان، تم میرے ہو، اور میری ہر چیز تمہاری ہے۔"**

اور پھر اسے برہان کے الفاظ یاد آتے۔۔۔ **"تم صرف استعمال ہوئی ہو۔ استعمال شدہ چیزوں کو ہم کچرے میں پھینک دیتے ہیں۔"**

یہ حقیقت ایک تیزاب کی طرح اس کے اندر پھیل گئی۔ اس کا رونا ایک دم تھم گیا۔ آنسو خشک ہو گئے اور ان کی جگہ ایک جلن نے لے لی۔ ایک ایسی جلن جیسے کوئی اس کی روح کو گرم سلاخوں سے داغ رہا ہو۔

اس نے فرقان سے نکاح کیا تھا۔ وہ دونوں میاں بیوی تھے۔ اس نے اپنا آپ، اپنی روح، اپنا جسم، سب کچھ یہ سوچ کر فرقان کو سونپ دیا تھا کہ وہ اس کی محبت ہے، اس کا شوہر ہے، اس کی جنت ہے۔ اس نے ان لمحوں کو اپنی زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ سمجھا تھا۔

اور اس نے۔۔۔ اس نے اسے صرف استعمال کیا تھا؟

یہ سوال نہیں تھا، یہ ایک نوچتی ہوئی حقیقت تھی۔ وہ لمحات جو منار کے لیے پاکیزہ اور محبت بھرے تھے، وہ فرقان کے لیے صرف ایک مقصد حاصل کرنے کا ذریعہ تھے۔ اس کا وجود، اس کی محبت، سب ایک دھوکہ تھا۔ ایک جسم جسے اپنی سازش کو کامیاب بنانے کے لیے استعمال کیا گیا۔

اسے لگا جیسے وہ دنیا کی سب سے غلیظ اور بے قیمت شے تھی۔۔

اس کا اپنا وجود اسے ایک کچرے کا ڈھیر محسوس ہو رہا تھا جسے استعمال کر کے پھینک دیا گیا تھا۔ یہ درد اپنوں کے بچھڑنے کے درد سے بھی زیادہ گہرا تھا۔ خاندان کا غم تو شاید وقت کے ساتھ کم ہو جاتا، مگر استعمال ہو جانے کا یہ احساس، یہ ذلت، ایک ایسا داغ تھا جو کبھی نہیں مٹنے والا تھا۔

وہ فرش پر گر گئی اور ایک زخمی ناگن کی طرح تڑپنے لگی۔ وہ اپنے بال نوچ رہی تھی، اپنے چہرے پر تھپڑ مار رہی تھی۔ وہ چیخنا چاہتی تھی مگر اس کے حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ وہ مرنا چاہتی تھی، مگر موت بھی اسے قبول کرنے کو تیار نہیں تھی۔

اس کی محبت ایک جھوٹ تھی۔ اس کی بغاوت ایک حماقت تھی۔ اس کی قربانی ایک گناہ تھی۔ وہ نہ گھر کی رہی تھی نہ گھاٹ کی۔ اس نے جنت کی تلاش میں اپنے آپ کو ہمیشہ کے لیے جہنم میں دھکیل دیا تھا، اور اس جہنم کی آگ میں اب اسے ہمیشہ جلنا تھا۔

لڑکیوں کو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ جب ہمارے اپنے ہم پر اندھا بھروسہ کرتے ہیں تو انہیں اندھا نہیں کرنا چاہیے ورنہ زندگی اندھیر ہو جاتی ہے۔

✿••✿••✿••✿

رات کی سیاہی جب اورنگزیب حویلی کے در و دیوار پر مکمل طور پر قابض ہو چکی تھی، تب حویلی کے پچھلے لان میں دو سائے نمودار ہوئے۔ ہوا میں ایک عجیب خنکی تھی، جو موسم کی نہیں، ماحول کی تھی۔ جھینگروں کا شور اس سناٹے کو مزید گہرا اور اذیت ناک بنا رہا تھا۔ حویلی کے بجھے ہوئے قمقمے اس بات کا اعلان تھے کہ یہاں اب روشنی نہیں، صرف یادوں کا اندھیرا بستا تھا۔

جعفر عالم ہاتھ باندھے، سر جھکائے کھڑا تھا۔ اس کی نگاہیں زمین میں گڑی تھیں۔ اس کے سامنے رئیس کھڑا تھا، مگر یہ وہ رئیس نہیں تھا جسے اس نے گود میں کھلایا تھا۔ اس رئیس کی آنکھوں میں اب وہ معصومیت اور ذہانت کا ملا جلا تاثر نہیں تھا، بلکہ ایک سرد، پتھریلی سختی تھی۔ اس کا جبڑا بھنچا ہوا تھا اور کندھے تنے ہوئے تھے، جیسے وہ کسی ان دیکھے بوجھ کو اٹھائے کھڑا ہو۔ وہ قد میں جعفر سے بھی لمبا لگ رہا تھا۔ ان چند دنوں نے اس سے اس کی عمر چھین کر اسے کئی سال بڑا کر دیا تھا۔

فضا میں ایک ناقابلِ بیان تناؤ تھا۔ آخر کار، اس خاموشی کو رئیس کی بھاری، سپاٹ آواز نے توڑا۔

"جعفر۔۔۔۔"

آج اس نے انکل نہیں کہا۔ جعفر کا دل دھک سے رہ گیا، مگر اس نے سر نہیں اٹھایا۔

"جی، چھوٹے صاحب!"

"اپ جانتے ہیں جو کچھ ہوا، وہ حادثہ نہیں تھا۔" یہ سوال نہیں تھا، ایک حقیقت کا بیان تھا۔

جعفر کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔ اس کی آواز بھیگ گئی۔

"جی صاحب، جانتا ہوں۔"

رئیس نے ایک قدم آگے بڑھایا۔ اس کی آنکھوں میں ایک آگ سی دہک رہی تھی، مگر آواز برف کی طرح سرد تھی۔

"اور تم کچھ جانتے ہو۔ کچھ ایسا جو تم نے اب تک کسی کو نہیں بتایا۔"

جعفر کا پورا وجود لرز گیا۔ اس نے ہمت کر کے سر اٹھایا اور رئیس کی آنکھوں میں دیکھا۔ وہ ان آنکھوں کی شدت برداشت نہ کر سکا۔ اس نے فوراً نظریں جھکا لیں۔

"صاحب، میں۔۔۔ میں قصوروار ہوں۔۔۔"

"بیان کرو؟" رئیس کی آواز میں پہلی بار کوئی تاثر ابھرا۔ ایک خطرناک، تیز دھار والا تاثر۔

"حادثے سے چند دن بعد منار بی بی نے مجھ سے ضد کی تھی کہ میں انہیں شہر کے پرانے کاروباری علاقے میں لے جاؤں۔ وہ بہت رو رہی تھیں، کہتی تھیں کہ ان کا فرقان گردیزی سے ملنا بہت ضروری ہے۔ میں ان کی حالت دیکھ کر انکار نہ کر سکا۔" جعفر کی آواز میں شرمندگی اور دکھ تھا۔

رئیس ساکت کھڑا رہا۔ اس کے دماغ میں منار کا وہ پتھرایا ہوا چہرہ گھوم گیا جو اس نے حادثے کی خبر سن کر دیکھا تھا۔ وہ چیخ جو اس کے حلق سے نکلی تھی، وہ صرف غم کی چیخ نہیں تھی۔

"وہاں کیا ہوا تھا؟"

"میں باہر گاڑی میں انتظار کر رہا تھا۔ وہ ایک پرانے دفتر میں گئیں۔ جب کافی دیر تک واپس نہ آئیں تو میں اندر چلا گیا۔ وہاں کوئی نہیں تھا، منار بی بی فرش پر بے حس و حرکت پڑی تھیں۔ ان کی حالت بہت خراب تھی۔ میں انہیں حویلی لے آیا۔ اس دن کے بعد سے۔۔۔ مجھے یقین ہے صاحب۔۔۔ یہ سب گردیزی خاندان نے کیا ہے۔ انہوں نے۔۔۔ انہوں نے منار بی بی کو استعمال کیا ہے۔"

یہ الفاظ ایک ہتھوڑے کی طرح رئیس کے ذہن پر برسے۔ جو شک ایک زہریلے ناگ کی طرح اس کے اندر پھنکار رہا تھا، آج اس نے اپنا پھن پوری طرح پھیلا دیا تھا۔

منار؟ جس پر اس نے بھروسہ کیا تھا۔ جس کے لیے اس نے اپنے دادا سے سفارش کی تھی، وہی اس تباہی کا راستہ بنی تھی۔ اسے استعمال کیا گیا تھا، اور اس استعمال کی قیمت اس کے پورے خاندان نے چکائی تھی۔ اس کی مٹھیاں بھینچ گئیں۔

کئی لمحے ایک ناقابلِ یقین خاموشی میں گزر گئے۔ پھر اس نے ایک سوال پوچھا، ایک ایسا سوال جس نے جعفر عالم کے وجود کو ہلا کر رکھ دیا۔

"تم کس کے وفادار ہو، جعفر؟"

آج وہ جعفر انکل نہیں تھا، صرف جعفر تھا۔ آج وہ پوتا نہیں، مالک تھا۔ آج اس کی آواز میں عقیدت نہیں، حق تھا۔

جعفر نے چونک کر سر اٹھایا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت اور پھر ایک گہری، اٹل وفاداری کی چمک ابھری۔

"میں اورنگزیب خاندان سے وفادار ہوں۔ آپ کے والد، آفاق صاحب، کا نمک کھایا ہے اور اب آپ کا کھا رہا ہوں۔ میری وفاداری اسی خاندان کے لیے ہے۔"

"اورنگزیب خاندان میں میرے دادا بھی آتے ہیں۔" اس کی آواز میں ایک تلخی گھل گئی۔ "وہ ڈر چکے ہیں۔ وہ اپنے زندہ بچ جانے والے خاندان کو بچانے کے لیے پیچھے ہٹ جائیں گے۔ وہ انصاف نہیں مانگیں گے، وہ صرف امان چاہیں گے۔ جبکہ میں؟ میں پیچھے نہیں ہٹوں گا۔"

فضا میں چند پل کی خاموشی چھا گئی۔ اس خاموشی میں دو نسلوں، دو ارادوں، اور دو راستوں کا فرق واضح تھا۔ ایک راستہ خوف اور سمجھوتے کا تھا، دوسرا راستہ انتقام اور حساب کا۔

رئیس نے اپنی سرد نگاہیں جعفر پر مرکوز کیں۔

"تو اگر صرف میرے وفادار ہو، تو پھر تمہیں وہ سب کرنا ہو گا جو میں کہوں گا۔ بنا کسی سوال کے، بنا کسی ہچکچاہٹ کے۔"

جعفر نے ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سوچا۔ اس نے اپنے جسم کو سیدھا کیا، سر کو جھکایا، اور ایک ایسی آواز میں جواب دیا جس میں اس کی پوری زندگی کی وفاداری سمٹ آئی تھی۔

"جی، صاحب!" اس ایک لفظ نے سب کچھ طے کر دیا تھا۔ اورنگزیب حویلی کی تاریک راہداریوں میں، انتقام کی ایک نئی، خاموش کہانی نے جنم لے لیا تھا، جس کا پہلا باب جلد لکھا جا چکا تھا۔

✿••✿••✿••✿

حویلی کا اذیت ناک سناٹا رات کے پچھلے پہر اور بھی گہرا ہو جاتا تھا۔ ہر ایک اپنے اپنے غم کے مقبرے میں قید تھا، مگر منار کی قید سب سے الگ تھی۔ وہ صرف غم کی نہیں، ذلت اور پچھتاوے کی قیدی تھی۔ اس رات جب حویلی میں ہر آہٹ سو چکی تھی، اس نے ایک ناممکن کام کو ممکن کر دکھایا۔ وہ دبے پاؤں لائبریری میں گئی اور لینڈ لائن فون کی لمبی تار کھینچتی ہوئی کسی طرح اپنے کمرے تک لے آئی۔ اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا، مگر اس کے اندر کی آگ اس خوف سے کہیں زیادہ تھی۔ اسے فرقان سے رابطہ کرنے کا ذریعہ ملا تھا۔

کئی ناکام کوششوں کے بعد، دوسری طرف فون اٹھا لیا گیا۔ ایک جانی پہچانی آواز سنتے ہی اس کے ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔ وہ ریسیور کو کان سے لگائے، زمین پر بیٹھی ایک زخمی جانور کی طرح سسک رہی تھی۔

"تم۔۔۔ تم ایک دھوکے باز ہو۔" اس کی آواز ٹوٹے ہوئے شیشے کی طرح کرچی کرچی تھی۔

"تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے فرقان۔۔۔ تم نے میرا پورا خاندان تباہ کر دیا۔۔ کیوں کیا تم نے ایسا؟"

دوسری طرف چند لمحوں کی خاموشی رہی، پھر فرقان کی محتاط، بے جان آواز ابھری۔

"منار، پلیز۔۔ کوشش کرو مجھے بھول جاؤ۔"

"بھول جاؤں؟" وہ پاگلوں کی طرح ہنسی، ایک ایسی ہنسی جس میں آنسوؤں کا زہر شامل تھا۔ "کیسے بھول جاؤں؟ کہ تم نے مجھ سے محبت کے دعوے کیے؟ کہ میں نے تم پر اعتبار کیا؟ میں نے تمہیں اپنا شوہر مانا تھا فرقان! میں نے اپنا سب کچھ تمہیں سونپ دیا تھا! تم جانتے ہو اس کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ اور تم۔۔ تم نے مجھے استعمال کیا؟ بولو فرقان! کیا تمہاری محبت، تمہارے وعدے، سب جھوٹ تھا؟"

"جو ہو گیا اسے بدلا نہیں جا سکتا۔ میں کچھ نہیں کر سکتا۔" اس کی آواز میں بے بسی تھی یا بے حسی، وہ سمجھ نہ پائی۔

"نہیں! تم کر سکتے ہو۔" وہ چیخی، اس کی آواز میں امید کی آخری کرن تڑپ رہی تھی۔ "تم گواہی دو۔ اپنے باپ اور بھائی کے خلاف۔ سب کو سچ بتاؤ کہ یہ حادثہ نہیں، قتل تھا۔ بتاؤ کہ یہ سب تمہارے خاندان نے کیا ہے۔ وہ تمہیں کچھ نہیں کہیں گے، تم ان کے بیٹے ہو۔ فرقان، پلیز۔۔۔ صرف ایک بار میرا ساتھ دے دو۔۔۔ میں یہ سب نہیں سہہ سکتی۔۔۔ میں مر جاؤں گی۔۔۔"

وہ اپنی پوری اذیت ان چند لفظوں میں انڈیل رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ فرقان اپنے خاندان کے خلاف جا کر اس کی محبت کا مان رکھ لے، اس کے گناہ کا کفارہ ادا کر دے۔

مگر دوسری طرف سے جو جواب آیا، اس نے منار کی روح فنا کر دی۔

"یہ ناممکن ہے، منار! میں اپنے خاندان کے خلاف نہیں جا سکتا۔ تم سے رابطہ کرنا میری سب سے بڑی غلطی تھی۔ آئندہ مجھے فون مت کرنا۔"

اور اس سے پہلے کہ منار کچھ کہتی، فون بند ہو چکا تھا۔ ایک لمبی، مسلسل ٹوں ٹوں کی آواز اس کے کانوں میں گونجنے لگی، جیسے اس کی موت کا اعلان ہو۔ اس کے ہاتھ سے ریسیور گر گیا۔ وہ خلا میں گھور رہی تھی۔ سب ختم ہو چکا تھا۔ امید کا آخری دیا بھی بجھ گیا تھا۔

وہ بے جان سی اٹھی اور پلٹی۔۔۔ سامنے دروازے میں کھڑے وجود کو دیکھ کر اس کی سانس سینے میں ہی اٹک گئی۔

معراج الدین وہاں کھڑے تھے۔ ان کی آنکھیں ناقابلِ یقینیت اور ایک بھیانک اذیت سے پھیلی ہوئی تھیں۔ ان کا چہرہ سپاٹ تھا، مگر اس سپاٹ چہرے کے پیچھے طوفان کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ انہوں نے سب کچھ سن لیا تھا۔

وہ ساکت کھڑی تھی، جیسے پتھر کی ہو گئی ہو۔

معراج الدین آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھے۔ ان کے قدموں میں وہ وقار نہیں تھا، ایک ٹوٹے ہوئے انسان کی لڑکھڑاہٹ تھی۔ وہ منار کے سامنے آ کر رکے۔ ایک لمحے کے لیے ان کی آنکھوں میں اپنی بیٹی کے لیے شدید درد ابھرا، مگر اگلے ہی لمحے وہ درد ایک ناقابلِ برداشت غصے میں بدل گیا۔

چٹاخ!

ہوا کو چیرتا ہوا ایک تیز، کرارا طمانچہ اس کے گال پر پڑا۔ اس کا سر دوسری طرف گھوم گیا اور اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ وہ اسی کی حقدار تھی۔

"میں نے۔۔۔ ہم سب نے تم پر بھروسہ کیا۔" معراج الدین کی آواز کسی گہری کھائی سے آ رہی تھی۔ "تم نے یہ کیوں کیا؟ تم نے ہمیں توڑ دیا منار۔۔۔ تم نے ہم سب کو مار ڈالا۔۔۔"

ان کی آواز میں غصے سے زیادہ بے بسی اور ٹوٹ جانے کا درد تھا۔

"میری عزت، میرا وقار، میرا مان، سب خاک میں ملا دیا۔" وہ اس کے قریب آ کر دھاڑے۔

"تم اتنا کیسے گر سکتی ہو؟ ایک دشمن کے لیے اپنے باپ، اپنے خاندان کو بیچ دیا؟"

یہ الفاظ سن کر منار تڑپ اٹھی۔ اس نے روتے ہوئے اپنے باپ کے قدموں میں گر کر ان کے پاؤں پکڑ لیے۔

"ابا۔۔۔ میں نے۔۔۔ میں نے جان بوجھ کر نہیں کیا۔" وہ ہچکیوں کے درمیان بولی۔ "میں۔۔ میں نے نکاح کیا تھا فرقان سے۔۔ اس نے۔۔ اس نے مجھے دھوکہ دیا۔۔۔ ابا، اس نے مجھے استعمال کیا۔۔۔"

وہ اپنی صفائی دے رہی تھی، اپنی بے گناہی کا ثبوت دے رہی تھی مگر یہ الفاظ معراج الدین کے لیے طمانچے سے بھی زیادہ شدید تھے۔

وہ ساکت رہ گئے۔ ان کا غصہ ایک دم سے جیسے برف بن گیا۔

"نکاح۔۔۔؟"

یہ ایک لفظ ان کے پورے وجود میں اتر گیا۔ ان کی بیٹی گناہگار نہیں تھی۔ وہ ایک قانونی رشتے میں تھی۔ مگر یہ رشتہ کس سے تھا؟ گردیزی خاندان سے۔ دشمن سے۔

ایک لمحے میں انہیں ساری کہانی سمجھ آ گئی۔ ان کی بیٹی ان کی سب سے بڑی کمزوری تھی۔ گردیزی خاندان کے پاس ان کے خلاف سب سے بڑا ہتھیار تھا۔ وہ جب چاہیں، اس نکاح کو سامنے لا کر اورنگزیب خاندان کی بچی کھچی عزت کو سرِ بازار نیلام کر سکتے تھے۔

معراج الدین نے اپنی بیٹی کو دیکھا جو ان کے قدموں میں پڑی تڑپ رہی تھی، مر جانے کی دعائیں مانگ رہی تھی۔ مگر اب ان کی آنکھوں میں غصہ نہیں تھا، ایک سرد، خوفناک احساس تھا۔ ان کی بیٹی ایک زندہ بم تھی، جس کی ڈور دشمن کے ہاتھ میں تھی۔

✿••✿••✿••✿

اورنگزیب حویلی کا دفتر، جو کبھی کاروبار اور خوشحال مستقبل کے منصوبوں کا مرکز تھا، آج ایک ماتم کدہ اور سازش گاہ کا منظر پیش کر رہا تھا۔ فضا میں سگار کا دھواں نہیں بلکہ ایک ناقابلِ بیان گھٹن اور انتقام کی بو پھیلی ہوئی تھی۔ جعفر عالم دیوار کے ساتھ ایک سائے کی طرح چپ چاپ کھڑا تھا، اس کی موجودگی رئیس کے نئے اختیار پر مہرِ تصدیق تھی۔

معراج الدین صوفے پر نڈھال سے بیٹھے تھے، ان کی آنکھوں میں بیٹی کی خیانت سے سلگتی ہوئی غیرت کی آگ تھی۔ مگر آج اس کمرے کا حاکم وہ نہیں، رئیس تھا۔

وہ میز کے پیچھے کرسی پر بیٹھا تھا مگر اس کا انداز آرام دہ نہیں تھا۔ وہ ایک شکاری کی طرح چوکس اور خطرناک لگ رہا تھا۔ اس کی انگلیوں میں ایک فائل تھی، ایک ایسی فائل جو کسی کی زندگی اور موت کا فیصلہ تھی۔

"وہ اس سب کی وجہ ہے۔" اس کی آواز میں کوئی جذبہ نہیں تھا، صرف ایک حقیقت کا سرد بیان۔ "ہمارا ہر آنسو، میری ماں کا ہر زخم، اور ابا کی موت۔۔ سب کا حساب اسی سے شروع ہو گا۔ خاندان کا خون رائیگاں نہیں جائے گا۔"

معراج الدین نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا مگر رئیس نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

"فیصلہ اب آپ کو کرنا ہے، پھوپھا جی!" اس نے فائل میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ اس کی آواز میں وہی سرد مہری تھی۔

"پہلا راستہ قانون کا ہے۔ میرے پاس پختہ ثبوت ہیں کہ منار نے جان بوجھ کر گردیزی خاندان کو معلومات فراہم کیں، جس کی وجہ سے یہ قتلِ عام ہوا۔ جعفر اس بات کا گواہ ہے کہ وہ ان سے ملتی رہی۔ میں اسے پولیس کے حوالے کر سکتا ہوں۔ وہ جیل جائے گی، مقدمہ چلے گا، اور اورنگزیب خاندان کی بیٹی کے کرتوت پوری دنیا کے سامنے آئیں گے۔ ہماری بچی کھچی عزت بھی اخباروں کی سرخیاں بنے گی۔"

معراج الدین کا چہرہ غصے اور بے بسی سے سرخ ہو گیا۔

"اور دوسرا راستہ؟" اس نے ایک لمحے کا توقف کیا۔ "دوسرا راستہ حساب کا ہے۔"

اس نے اٹھ کر معراج الدین کے سامنے میز پر دونوں ہاتھ رکھے۔

اس کی آنکھوں میں ایک بھیانک سنجیدگی تھی۔

"آپ اسے اپنے ہاتھوں سے اس عذاب سے آزاد کر دیں۔ مرے گی تو وہ دونوں صورتوں میں۔ ایک موت بدنامی اور رسوائی کی ہے، دوسری خاموش۔ اب یہ آپ کے ہاتھ میں ہے کہ آپ خاندان کے نام پر مزید کالک لگنے دینا چاہتے ہیں یا اس کہانی کو یہیں ختم کرنا چاہتے ہیں۔"

کمرے میں ایک قیامت خیز سناٹا چھا گیا۔ اس نے ایک باپ کو اس کی بیٹی کے قتل کا اختیار دیا تھا۔ یہ ایک ناقابلِ تصور بے رحمی تھی، مگر اس وقت یہی اورنگزیب حویلی کا نیا قانون تھا۔

معراج الدین کی آنکھوں میں اپنی بیٹی کا چہرہ گھوما، پھر ان لاشوں کا منظر جو انہوں نے اپنے کندھوں پر اٹھائی تھیں۔ ان کے نزدیک ایسی اولاد کو مر جانا چاہیے جو خاندان کی عزت اور اعتماد کو دشمن کے قدموں میں رول دے۔ انہوں نے کانپتے ہاتھوں سے میز پر رکھا پانی کا گلاس اٹھایا مگر ان کے ہاتھ اتنے لرز رہے تھے کہ گلاس وہیں گر کر چکنا چور ہو گیا۔

انہوں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ سانس لینے میں دشواری ہوئی

"جو خاندان کے انصاف کے لیے بہتر ہے۔۔۔ وہی ہو گا۔" ان کی آواز ایک زخمی شیر کی دھاڑ کی طرح نکلی مگر حویلی کی دیواروں سے باہر نہ جا سکی۔ فیصلہ ہو چکا تھا۔

✿••✿••✿••✿

دوسری جانب، منار کا کمرہ ایک زندہ جہنم بنا ہوا تھا۔ وہ پچھلے ایک گھنٹے سے باتھ روم کے فرش پر گری، قے کر کر کے ہلکان ہو چکی تھی۔ اس کا پورا وجود دکھ اور متلی کی اذیت سے ٹوٹ رہا تھا۔ اس کا خوبصورت چہرہ زرد پڑ چکا تھا اور آنکھوں کے گرد گہرے حلقے نمایاں تھے۔

ترنم بیگم اس کے پاس بیٹھی، اس کی کمر پر ہاتھ پھیر رہی تھیں، اسے سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ ان کا دل اپنی بیٹی کی حالت پر کٹ رہا تھا۔

"بس کر دو منار۔۔۔ کیا کھا لیا تھا تم نے؟ ڈاکٹر کو بلاؤں؟"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ اس میں بولنے کی ہمت بھی نہیں تھی۔ وہ پھر سے اٹھ کر واش بیسن کی طرف بھاگی۔ ترنم بیگم اس کی حالت دیکھ رہی تھیں اور تبھی۔۔۔ ان کے ذہن میں ایک جھماکا ہوا۔ ان کا ہاتھ جو کچھ دیر پہلے منار کی

کمر پر تھا، وہیں ٹھٹک گیا۔ ان کی آنکھیں نا قابلِ یقینیت سے پھیل گئیں۔ انہیں اپنی بیٹی کی یہ حالت، یہ مسلسل متلی، یہ زرد رنگت۔۔ سب کے پیچھے چھپی وجہ ایک لمحے میں سمجھ آگئی۔

وہ ساکت رہ گئیں۔ ان کا پورا وجود برف کی طرح ٹھنڈا پڑ گیا۔

جب وہ واپس پلٹی تو اس نے اپنی ماں کے چہرے پر وہ تاثر دیکھا جسے وہ کبھی نہیں بھول سکتی تھی۔ ایک ایسا تاثر جس میں محبت یا ہمدردی نہیں، بلکہ شدید خوف اور نا قابلِ بیان وحشت تھی۔

"تم نے۔۔۔ تم نے کیا کیا ہے منار؟" ترنم بیگم کے منہ سے الفاظ ادا نہیں ہو رہے تھے۔ وہ کانپ رہی تھیں۔

"کیا۔۔ کیا تم۔۔۔؟"

اسے اپنی ماں کا خوف سمجھ آگیا۔ اس نے روتے ہوئے آگے بڑھ کر ان کے ہاتھ تھام لیے۔

"نہیں اماں! میں نے کوئی گناہ نہیں کیا! خدا کے لیے مجھ پر یقین کریں۔" اس نے اپنی ماں کے ہاتھوں کو چومتے ہوئے کہا۔

"میں نے۔۔۔ میں نے نکاح کیا تھا۔ فرقان نے۔۔۔ فرقان نے۔۔۔" وہ آگے بول نہیں پا رہی تھی۔ شرمندگی، ذلت اور بے بسی سے اس کا چہرہ سرخ پڑ چکا تھا۔ اسے فرقان کے وہ محبت بھرے الفاظ یاد آئے، جو دراصل زہر میں بجھے ہوئے تیر تھے۔

"کیا یہ سب ابھی ضروری ہے؟ ہمیں انتظار کرنا چاہیے۔" وہ تیار نہیں تھی۔

"ہم کوئی گناہ نہیں کر رہے۔ ہم نے نکاح کیا ہے۔ اور میرا یقین کرو، جب تمہارے گھر والوں کو ہمارے نکاح کا پتہ چلے گا، تو وہ خود خوشی سے تمہیں میرے ساتھ رخصت کر دیں گے اور میرے خاندان کو جب وارث ملے گا وہ سب دشمنیاں بھول جائیں گے۔"

اور وہ پاگل، وہ اندھی، اس کی باتوں میں آ گئی۔ انیس سالہ لڑکی اندھی ہو چکی تھی۔

ترنم بیگم نے جھٹکے سے اپنے ہاتھ اس کی گرفت سے چھڑا لیے اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ان کی آنکھوں میں اپنی بیٹی کے لیے کوئی نرمی نہیں تھی۔

ان کی بیٹی نے یہ کیا کر دیا تھا؟ ایک خفیہ نکاح، جس کا ان کے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا۔ اور اب۔۔۔ وہ حاملہ تھی۔

اگر یہ بات باہر نکلتی تو کیا ہوتا؟ ان کی رہی سہی عزت بھی مٹی میں مل جاتی۔ لوگ کہتے کہ اورنگزیب خاندان کی بیٹی نے اپنے خاندان کے قاتلوں میں سے ایک کے ساتھ ناجائز تعلقات قائم کیے۔

وہ دقیانوسی سوچ رکھنے والی ماں نہیں تھیں، مگر یہ سب غلط تھا، یہ ایک ناقابلِ معافی گناہ تھا۔

اور تب، اس لمحے میں، ترنم بیگم نے ایک فیصلہ کیا۔ ایک ماں کا سب سے مشکل فیصلہ۔

وہ اب معراج الدین یا دنیا کے رحم و کرم پر اپنی بیٹی کو نہیں چھوڑیں گی۔ وہ خود اس مسئلے کو حل کریں گی۔ انہوں نے گردیزی خاندان سے ملنے کا فیصلہ کیا۔ وہ اپنی بیٹی کو، ان کے گناہ کے ثبوت سمیت، ان کے دروازے پر پھینک آئیں گی۔ وہ اس سے سارے رشتے توڑ دیں گی، اسے عاق کر دیں گی، مگر اب اسے اس حویلی میں نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ یہ خاندان کے لیے بھی زہر تھی اور خود اپنے لیے بھی۔

✿••✿••✿••✿

شام کا سایہ حویلی کی دیواروں کو آہستہ آہستہ اپنی سیاہ چادر میں لپیٹ رہا تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب گھروں میں زندگی کی چہل پہل بڑھ جاتی ہے مگر اس حویلی پر ایک موت کا سا سکوت طاری تھا۔ آج خلاف معمول حویلی میں گہرا سناٹا تھا۔ ملازم چھٹی پر تھے۔ بلقیس بیگم اور ترنم، ذرتاش کے ساتھ ہسپتال میں تھیں، اس کی ٹوٹی ہوئی ہمت کو جوڑنے کی ناکام کوشش کر رہی تھیں۔ احمد اور نگزیب شہر سے باہر، اپنے بکھرتے ہوئے کاروبار کو بچانے کی آخری جنگ لڑ رہے تھے۔ حویلی تقریباً خالی تھی، اور اس خالی پن میں اذیت چیخ رہی تھی۔

وہ اپنے کمرے میں فرش پر بیٹھی تھی، دیوار سے ٹیک لگائے۔ ٹیلی فون کی لمبی تار وہاں تک جا رہی تھی اور وہ فون کان سے لگائے بیٹھی تھی۔ اس کا وجود ایک سفید، بے داغ سوٹ میں ملبوس تھا، جو اس کی حالت پر ایک المناک طنز تھا۔ وہ ایک زندہ لاش لگ رہی تھی۔ اس کے کپکپاتے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی ڈبی تھی، جس میں موت کی گولیاں تھیں۔ آج دوپہر ہی ترنم بیگم، گردیزی حویلی گئی تھیں، اور وہاں سے انہیں جس بے عزتی اور دھتکار کے ساتھ نکالا گیا تھا، اس نے منار کے زندہ رہنے کی آخری وجہ بھی چھین لی تھی۔ انہوں نے نہ صرف منار کو اپنانے سے انکار کیا تھا بلکہ اس نکاح کو بھی ایک جھوٹ اور سازش قرار دے کر اس کی ماں کو ذلیل کیا تھا۔ فرقان تو پہلے ہی ملک چھوڑ کر بھاگ چکا تھا۔

وہ مر جانا چاہتی تھی، اس ذلت سے، اس پچھتاوے سے ہمیشہ کے لیے آزاد ہو جانا چاہتی تھی۔ مگر جیسے ہی وہ ڈبی کھولتی، اس کے اندر پلتا ایک نازک، انجان وجود اسے روک لیتا۔ ایک ایسی زندگی جو ایک دھوکے کی نشانی تھی مگر تھی تو بے قصور۔ وہ بے طرح رو رہی تھی، اس کا پورا وجود ہچکیوں سے لرز رہا تھا۔

"میری بات سنو منار۔۔۔ تم نے کچھ غلط نہیں کیا۔ تم نے نکاح کیا تھا۔ تم نے گناہ نہیں کیا۔" افق کی آواز ٹیلی فون سے گونج رہی تھی۔

"کم از کم تم نے کسی عیسائی سے شادی نہیں کی۔ تمہارا جرم مجھ سے بڑا نہیں ہے۔ تم کسی کی سزا اس بچے کو مت دینا۔ اسکا کوئی قصور نہیں ہے۔" افق کی آواز پر اس کی سسکیاں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ اماں نے فیصلہ اس کے ہاتھ میں رکھ دیا تھا۔ یا وہ اس بچے کو ذلت کے ساتھ پال لے یا جان چھڑا لے۔

"بچے بے قصور ہوتے ہیں۔ یہ اللہ کا سب سے پیارا تحفہ ہے جو ایک عورت کو ملتا ہے۔ تم اسے مارنا مت، اسے دنیا میں آنے دو۔ اپنے حصے کی زندگی جینے دو۔۔۔"

"مگر۔۔۔" وہ زیر لب بڑبڑائی۔

"تم پریشان مت ہو! اگر بیٹی ہوئی تو میں لے لوں گی اپنے ولی کے لیے۔ میں ابھی سے تم سے مانگ رہی ہوں۔"

وہ شاید اپنے خاندان کی موت کے بارے میں نہیں جانتی تھی۔

"دیکھو نا میں کتنی پاگل ہوں۔ ہم والدین سے لڑتے ہیں کہ وہ ہماری زندگی کا فیصلہ خود کیوں کرتے ہیں؟ ہمیں لائف پارٹنر چننے کیوں نہیں دیتے؟ اور آج مجھے احساس ہو رہا ہے کہ یہ ایک فطری چیز ہے۔ میرا ولی چند مہینوں کا ہے اور دیکھو میں نے اسے تمہاری بیٹی سے جوڑ دیا ہے۔ میرے اندر یہ خواہش ابھی سے جاگ اٹھی ہے۔"

منار کی گھٹی گھٹی سی سسکی برآمد ہوئی۔

"میں پاکستان آپاؤں گی یا نہیں۔۔۔ میں نہیں جانتی۔۔۔ لیکن میرا بیٹا ایک دن ضرور آئے گا۔ تمہاری بیٹی کے لیے۔۔۔ بس تم اسے زندہ رکھنا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

وہ مزید نہیں سن سکتی تھی۔ فون کاٹ دیا۔ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

اور پھر۔۔۔ کھٹاک!

کمرے کا دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا۔

اس نے خوفزدہ ہو کر دیکھا۔ سامنے جعفر عالم کھڑا تھا، اس کی آنکھوں میں نہ کوئی ہمدردی تھی، نہ نفرت، بس ایک پتھریلا حکم تھا۔ اس سے پہلے کہ منار کچھ سمجھ پاتی، جعفر نے آگے بڑھ کر اس کا بازو کسی شکنجے کی طرح پکڑ لیا۔ اس کی کمزور سی چیخ اس کے حلق میں ہی دب گئی۔ وہ اسے گھسیٹتا ہوا کمرے سے باہر راہداریوں میں لے آیا۔ حویلی کے ایک پرانے، تاریک اور متروک حصے کی طرف، جہاں برسوں سے کوئی نہیں گیا تھا۔ دھول اور سیلن کی بو دماغ میں گھس رہی تھی۔

اس نے منار کو ایک تاریک کمرے میں دھکیل دیا جہاں ایک مدھم بلب جل رہا تھا۔

وہاں، کمرے کے بیچ میں، رئیس کھڑا تھا۔

وہ ساکت تھا، جیسے پتھر کا مجسمہ ہو۔ جعفر نے منار کو اس کے قدموں کے پاس لا کر چھوڑ دیا۔

رئیس نے ایک نظر اسے دیکھا۔ اس کی حالت ناقابلِ بیان حد تک خراب تھی۔ وہ زندہ دل، ہنستی مسکراتی لڑکی آج واقعی ایک زندہ لاش لگ رہی تھی۔ آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئیں، چہرہ زرد، اور سفید لباس اس کے کفن جیسا لگ رہا تھا۔ رئیس کو دیکھتے ہی منار میں جیسے جان آ گئی۔

"یہ سب۔۔۔ یہ سب میری غلطی ہے۔ میری وجہ سے ہوا ہے۔" وہ گھٹنوں کے بل گر گئی، اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ وہ ایک مجرم کی طرح سسک رہی تھی۔

"میں نے۔۔۔ میں نے کبھی ایسا نہیں چاہا تھا۔"

وہ ساکت کھڑا رہا۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ منار نے اسے دھوکا دیا تھا، ایک ایسا دھوکا جس کی قیمت اس کے پورے خاندان نے چکائی تھی۔

"مجھے مر جانا چاہیے!" وہ اچانک ایک ہیجانی انداز میں چیخی، اس کی آواز میں پاگل پن تھا۔

"صحیح کہا۔"

پہلی بار اس کی آواز سنائی دی۔ برف کی طرح سرد، کانٹوں کی طرح چبھتی ہوئی۔ منار نے چونک کر چہرہ اٹھایا۔

"تمہیں مر جانا چاہیے، منار! تمہیں مر جانا چاہیے۔" اس نے ایک قدم آگے بڑھایا۔ "اور جانتی ہو؟ تمہارا باپ بھی یہی چاہتا ہے۔"

یہ الفاظ ایک ہتھوڑے کی طرح منار کے وجود پر برسے۔ ہاں، وہ مر جانا چاہتی تھی، مگر۔۔ وہ کیسے مر جاتی؟ وہ اب اکیلی نہیں تھی۔ یہ راز اس کے سینے میں ایک اور عذاب بن کر دفن تھا۔

"جعفر۔۔۔" رئیس نے صرف ایک لفظ کہا۔

اگلے ہی پل جعفر نے آگے بڑھ کر ایک بھاری، زنگ آلود زنجیر منار کے پاؤں میں ڈال دی اور دوسری طرف دیوار میں لگے کنڈے سے باندھ دیا۔ دھات کی سردی اور وزن سے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سنسناہٹ دوڑ گئی۔ وہ قیدی بن چکی تھی۔ وہ اسے کیسے بتاتی کہ اسکا فرقان سے کیا رشتہ تھا؟ وہ اسے کیسے بتاتی کہ اس کے ساتھ کیا کیا ہوا تھا؟ وہ کیسے کہے وہ حاملہ تھی۔ وہ انیس سالہ لڑکی حاملہ تھی۔ وہ مر جانا چاہتی تھی مگر یہ وجود مرنے نہیں دے رہا تھا۔

رئیس نے اس کی طرف دیکھا، اس کی نظریں منار کے ہاتھ میں دبی اس چھوٹی سی ڈبی پر پڑیں۔

"جب دشمن گھر میں ہو، تو صفائی گھر سے ہی کرنی چاہیے۔" اس کی آواز میں کوئی لرزش نہیں تھی۔

"ویسے میں تمہیں پستول دینے والا تھا، تاکہ تم خود کو مار سکو۔" اس نے جعفر کی طرف دیکھا جس کے ہاتھ میں ایک لوڈڈ گن تھی۔ "مگر اب نہیں۔۔۔ جو زہر تم اپنے ساتھ لائی ہو، وہی لو۔۔ اپنے ہاتھوں سے اپنی موت چنو، منار معراج! تم اسی قابل ہو۔" وہ بے طرح جل رہا تھا۔

وہ ساکت بیٹھی تھی۔ جعفر بت بنا کھڑا تھا۔ ہاں، وہ مر جانا چاہتی تھی، مگر حرام موت چننا اتنا آسان نہیں تھا۔ برہان گردیزی کے زہریلے الفاظ اس کی سماعت سے ٹکرا رہے تھے۔

"استعمال شدہ چیزوں کو ہم کچرے میں پھینک دیتے ہیں۔"

رئیس اس کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھ گیا۔ ان دونوں کے چہرے ایک دوسرے کے بہت قریب تھے۔

"تم نے ہمیں دھوکا کیوں دیا، منار؟"

"میں۔۔ میں نے بس محبت کی تھی۔" آنسو اس کے رخساروں پر لڑھک گئے۔

"محبت؟" اس کی آواز میں ایک تلخ طنز تھا۔ "محبت انسان کو دھوکا دینا نہیں سکھاتی۔ محبت انسان کو اپنے مقام سے نہیں گراتی۔ محبت انسان کو اپنے پیاروں کا قاتل نہیں بناتی۔"

یہ وہی باتیں تھیں جو وہ ایک ساتھ کتابوں میں پڑھتے تھے، ایک ساتھ سیکھتے تھے۔ پھر وہ کیسے بھول گئی؟

منار نے آخری بار نظریں اٹھائیں۔ اس کی آنکھوں میں ایک ٹوٹی ہوئی، بھیگی ہوئی چمک تھی۔

"جب تمہیں محبت ہو گی تم سب جان جاؤ گے۔"

رئیس کے چہرے پر ایک تاریک سایہ لہرایا۔ یہ الفاظ اس کے اندر تک اتر گئے۔ تکلیف کی ایک لہر اس کے پورے وجود میں پھیل گئی۔ محبت؟ کیا وہ اب اس قابل بچا تھا کہ محبت کر پائے؟ کیا واقعی وہ کبھی محبت کر پائے گا؟

اس نے بنا کچھ کہے جعفر کی جانب ہاتھ بڑھایا۔ جعفر نے ایک طرف رکھی پانی کی بوتل اٹھا کر اسے پکڑائی۔ اس نے وہ بوتل منار کے سامنے رکھ دی۔

"فیصلہ تمہارا ہے۔ اپنی موت خود چنو، یا پھر اپنے اور اپنے ماں باپ کے لیے عمر بھر کی ذلت چنو!" وہ ایک لمحے کو رکا۔ "بلکہ میں انہیں اپنے ہاتھوں سے مار دوں گا تاکہ وہ یہ ذلت نہ دیکھیں۔"

وہ اسے دیکھتی رہی۔ یہ رئیس نہیں تھا۔ وہ سیدھا، صاف دل لڑکا مر چکا تھا۔ اس کی جگہ ایک بے رحم، ٹوٹا ہوا شخص کھڑا تھا۔

کئی لمحے اسی قیامت خیز خاموشی کی نظر ہو گئے۔ وہ اپنے ذہن میں حساب کتاب کر رہی تھی۔ وہ ناپ تول کر رہی تھی۔

اور پھر اس نے کانپتے ہاتھوں سے بوتل تھام لی۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اب دوزانو بیٹھی تھی، کپکپاتے ہاتھوں سے زہریلی ڈبی کھول رہی تھی۔ اس کے ہاتھ بے طرح کانپ رہے تھے۔ آنکھیں نم تھیں مگر آنسو خشک ہو چکے تھے۔ فرقان کے ساتھ کی گئی باتیں اس کے ذہن میں گونج رہی تھیں۔

"میں نے بچوں کے نام بھی سوچ لیے ہیں۔ جب ہماری بیٹی ہو گی تو اس کا نام فجر فرقان گردیزی ہو گا۔ بیٹے کا نام تم رکھ لینا۔"

پھٹ!ڈبی اس کے ہاتھ سے گری۔ آدھی گولیاں اس کی ہتھیلی میں تھیں اور آدھی نیچے فرش پر بکھر گئیں۔ہاں،وہ مر جاناچاہتی تھی، مگر وہ مرنا نہیں چاہتی تھی۔

دو دن سے اس نے کچھ نہیں کھایا تھا۔جو کھاتی، فوراً قے ہو جاتی تھی۔اس کی انتڑیاں تک سوکھ گئی تھیں۔

رئیس اب چند قدم ہٹ کر دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔اس کا دل کسی نے اپنی مٹھی میں بھینچ رکھا تھا، مگر اس کا دماغ؟اس کا دماغ یہی سب چاہتا تھا۔

پھر منار نے ایک گہری سانس لی۔اس نے کانپتے ہاتھوں سے ہتھیلی پر رکھی ساری گولیاں ایک ساتھ منہ میں ڈال لیں۔۔۔پانی کی بوتل اٹھائی اور ایک گھونٹ بھرا۔۔۔

گولیاں اس کے حلق میں اٹکنے لگیں۔اس نے آخری بار رئیس کو دیکھا۔اس کی آنکھوں میں نفرت نہیں،ایک عجیب سی سرد مہری تھی۔

"میں نے تمہیں معاف کیا!محبت تمہیں معاف نہیں کرے گی۔"

اور اس کے ساتھ ہی وہ ایک طرف ڈھیر ہو گئی۔اس کا چہرہ دھول بھرے فرش سے جا ٹکرایا۔

یہ منظر دیکھتے ہی وہ ایک جھٹکے سے باہر کی طرف بھاگا۔وہ مزید ایک لمحہ بھی وہاں کھڑا نہیں رہ سکتا تھا۔اس کی ٹانگیں جواب دے گئی تھیں۔وہ راہداری میں بھاگتا جا رہا تھا۔اس کے ساتھ ہی جعفر بھی باہر نکل آیا۔اس نے کمرے کا دروازہ باہر سے بند کیا اور تالا لگا دیا۔

کمرے میں گھپ اندھیرا یونہی پڑی تھی، ساکت!اس کے ذہن کے پردے پر ان سب کی خوبصورت یادیں چل رہی تھیں۔اس کی آنکھیں بند ہونا چاہتی تھیں۔۔۔ایک۔۔۔دو۔۔۔تین۔۔۔

چند لمحے اور۔۔ اور پھر اچانک اس کے وجود کو ایک شدید جھٹکا لگا! ایک زوردار، ناقابلِ برداشت قے، جیسے کوئی اس کی انتڑیاں تک باہر کھینچ لایا ہو۔۔ زہر اور پانی اس کے معدے نے قبول ہی نہیں کیا تھا۔

اور پھر اگلے ہی پل، اس کا ذہن اندھیروں کی گہری کھائی میں ڈوبتا چلا گیا۔

✿••✿••✿••✿

رات کا وہ پہر جب وقت بھی تھک کر سو جاتا ہے، ویرانہ خود ایک ماتم کدہ تھا۔ ہوا کے جھونکے درختوں سے ٹکرا کر ایک مسلسل نوحہ کر رہے تھے۔ دور افق پر اورنگزیب حویلی کے جلتے ہوئے شعلوں کا عکس بادلوں کو خونی رنگ دے رہا تھا۔

اسی ویرانے میں، ایک پرانی، شکستہ دیوار سے ٹیک لگائے رئیس ایک بت کی طرح ساکت بیٹھا تھا۔ وہ محض ایک جسم تھا، جس کی روح کہیں دور جلتی ہوئی آگ میں بھٹک رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں نہ آنسو تھے، نہ غصہ، صرف ایک گہرا، ٹھہرا ہوا خالی پن تھا، جیسے کسی گہرے کنویں کی سطح، جس میں کوئی عکس نہ ابھرتا ہو۔ ہر گزرتا لمحہ اس کے وجود پر ایک صدی کی طرح بھاری تھا۔

قریب ہی جعفر ایک چٹان کی مانند آ کر کھڑا ہو گیا تھا، اس کا چہرہ سپاٹ اور ناقابلِ فہم تھا، جیسے وہ اس کائنات میں ہونے والے ہر ظلم کا گواہ رہا ہو اور اب اسے کسی بات پر حیرت نہیں ہوتی تھی۔

رئیس کے خشک ہونٹ ہلے۔ اس کے حلق سے جو آواز نکلی، وہ ایک زخمی سرگوشی سے زیادہ کچھ نہ تھی۔

"کیا۔۔۔ کیا وہ۔۔۔؟"

مگر جملہ مکمل نہ ہو سکا۔ جیسے حلق میں کانچ کی کرچیاں چبھ رہی ہوں۔ وہ اس جواب سے خوفزدہ تھا جو اس کے مقدر پر آخری مہر ثبت کرنے والا تھا۔

جعفر نے اپنی پتھرائی ہوئی نظریں اس پر سے ہٹائے بغیر، سرد اور بے رحم لہجے میں کہا۔

"وہ مر گئی صاحب!"

یہ تین الفاظ گولیوں کی طرح رئیس کے سینے میں نہیں، اس کی روح میں اتر گئے۔ چند لمحوں کے لیے کائنات کا ہر شور تھم گیا۔ ہوا رک گئی۔ وقت ساکت ہو گیا۔

اور پھر۔۔۔ جیسے صدیوں سے ضبط کیا ہوا کوئی آتش فشاں پھٹ پڑا ہو۔ اس کا پتھر کا وجود ریت کی طرح بکھر گیا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ یہ رونا کمزور نہیں، بھیانک تھا۔ یہ ایک ایسے شخص کا رونا تھا جو اپنا سب کچھ ہار چکا ہو، خاص کر خود کو۔ وہ ایک جھٹکے سے آگے بڑھا اور جعفر کی ٹانگ سے لپٹ گیا۔ اس کا جسم کسی سوکھے پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔ وہ ایک بادشاہ تھا جو لمحوں میں فقیر بن گیا تھا، ایک شکاری تھا جو خود شکار ہو گیا تھا۔

"میں ایسا نہیں چاہتا تھا جعفر انکل۔۔۔!" اس کی آواز اذیت، پچھتاوے اور جنون کے ایک ناقابلِ بیان امتزاج میں گندھی ہوئی تھی۔

"میں۔۔۔ میں قاتل بن گیا ہوں۔۔۔ میں نے اسے مار دیا۔۔۔!"

اس کی چیخیں اور ہچکیاں اس ویرانے کے سناٹے کو چیر رہی تھیں، جیسے کوئی زخمی بھیڑیا چاند کو دیکھ کر اپنی تکلیف کا اظہار کر رہا ہو۔ جس رئیس نے آدھا خاندان اپنے ہاتھوں سے دفناتے ہوئے ایک آنسو نہیں بہایا تھا، جو اپنی ماں کی سسکیوں پر پتھر بنا رہا تھا، وہ آج ایک بے سہارا بچے کی طرح رو رہا تھا۔

"ہر رات۔۔وہ آتے ہیں جعفر انکل۔۔!" وہ کانپتے ہوئے، جعفر کی ٹانگ پر اپنا سر رکھے کہہ رہا تھا، "میرے ابا، میری بہن، بھائی۔۔وہ سب۔۔۔!وہ مجھے سونے نہیں دیتے تھے۔وہ سوال کرتی آنکھوں سے مجھے دیکھتے ہیں۔میں آنکھیں بند کرتا ہوں تو ان کے چہرے مجھے گھیر لیتے ہیں۔اور اب۔۔اب منار بھی آئے گی۔وہ بھی مجھے دیکھے گی۔۔۔میں کبھی سو نہیں پاؤں گا جعفر انکل!میں نے اسے مار دیا۔میں اب کبھی نہیں سو پاؤں گا۔"

اس کا سر جعفر کی ٹانگ سے لگا رہا، جیسے وہ اس بے جان سہارے میں کوئی پناہ گاہ ڈھونڈ رہا تھا مگر اسے معلوم ہو چکا تھا کہ اب اس کے لیے دنیا میں کوئی پناہ گاہ نہیں بچی تھی۔

✿••✿••✿••✿

اور اِدھر۔۔۔۔اورنگزیب حویلی جل نہیں رہی تھی، وہ اپنی موت کا رقص کر رہی تھی۔آگ کے شعلے کسی بدروح کی طرح حویلی کی دیواروں کو چاٹ رہے تھے۔لکڑی کے چٹخنے کی آوازیں ایسی تھیں جیسے حویلی کی ہڈیاں ٹوٹ رہی ہوں۔ہر کھڑکی سے نکلتا دھواں ایسا تھا جیسے حویلی کی آخری سانسیں نکل رہی ہوں۔

ترنم بیگم پاگلوں کی طرح چیخ رہی تھیں، ان کی آواز اپنا گلا چھیل رہی تھی۔

"منار!میری بچی!مجھے اندر جانے دو!خدا کے لیے کوئی اسے باہر نکالو!مجھے اندر جانے دو۔"

مگر معراج الدین نے انہیں فولادی شکنجے میں جکڑ رکھا تھا۔ان کی آنکھوں میں آنسو نہیں تھے، ان کی آنکھوں میں وہی آگ جل رہی تھی جو سامنے حویلی کو جلا رہی تھی۔ان کا لہجہ ٹوٹا ہوا نہیں، جلا ہوا تھا۔

"نہیں!اب کچھ باقی نہیں بچا ترنم!سب ختم ہو گیا۔سب کچھ۔۔!" ان کی آواز میں ایک ایسی بے بسی تھی جو موت سے بدتر تھی۔

بلقیس بیگم دور ایک دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی تھیں، ان کے سر سے چادر سرک چکی تھی اور بال ہوا میں بکھر رہے تھے۔ ان کا چہرہ سپاٹ تھا، جیسے ان کی روح یہ منظر دیکھنے سے پہلے ہی پرواز کر چکی ہو۔

فائر بریگیڈ کی گاڑیوں کا شور، پولیس کی بھاگ دوڑ، ایمبولینس کے سائرن۔۔۔ سب مل کر ایک قیامت کا منظر پیش کر رہے تھے۔ مگر یہ سب بے معنی تھا۔ جو ہونا تھا، ہو چکا تھا۔ اور نگزیب خاندان کا سورج آج غروب ہو گیا تھا۔

اور پھر کئی گھنٹوں کی جاں سوز جدوجہد کے بعد، جب آگ کے شعلے ٹھنڈی، گیلی راکھ میں بدلے، تو حویلی ایک سیاہ ڈھانچے کی صورت کھڑی تھی۔ ہر طرف گیلی راکھ اور بجھی ہوئی امیدوں کی بو پھیلی تھی۔

امدادی کارکنوں نے حویلی کے پچھلے، متروک حصے کی طرف قدم بڑھائے۔ وہاں ایک کمرے کی چھت گر چکی تھی۔ جلے ہوئے ملبے کے نیچے۔۔۔ انہیں وہ مل گئی۔

ایک انسانی لاش، جو مکمل طور پر مسخ ہو چکی تھی۔

یہ گوشت پوست کا وجود نہیں تھا، یہ کوئلے اور راکھ کا ایک ہیولا تھا۔ چہرہ ناقابلِ شناخت تھا۔ ہاتھ اور پاؤں سیاہ راکھ میں تحلیل ہو چکے تھے۔ اس کے جھلسے ہوئے جسم پر سفید لباس کے چند جلے ہوئے ٹکڑے ہی اس بات کی گواہی دے رہے تھے کہ کبھی یہاں کوئی انسان موجود تھا۔ اس کی شناخت کے لیے اس کی کلائی میں چپکا وہ بریسلٹ تھا جس پر م لکھا ہوا تھا۔ یہ منار کا تھا۔

یہ منظر اتنا بھیانک تھا کہ تجربہ کار امدادی کارکنوں نے بھی اپنے چہرے پھیر لیے۔

معراج الدین نے، جو نہ جانے کب وہاں پہنچا تھا، اس مسخ شدہ وجود کو دیکھا اور بہت آہستہ، بوجھل آواز میں کہا، جیسے یہ الفاظ اس کی زبان پر سیسہ بن کر جم گئے ہوں۔

"یہ۔۔۔یہ منار ہے۔میری بیٹی!"

یہ سنتے ہی ترنم بیگم کے حلق سے ایک بے آواز چیخ نکلی اور وہ ایک جھٹکے سے زمین پر گر کر بے ہوش ہو گئیں۔

معراج الدین نے اپنا منہ دوسری طرف موڑ لیا، جیسے وہ اس حقیقت کا سامنا کرنے سے قاصر ہوں۔

اور وہیل چیئر پر بیٹھی ذرتاش۔۔۔اس نے ایک دل خراش چیخ ماری جو اس جلی ہوئی حویلی کی دیواروں سے ٹکرا کر واپس آئی۔

"منار۔۔۔!"

منار معراج!وہ جو کبھی اورنگزیب حویلی کی سب سے روشن کرن تھی، آج اسی حویلی کی راکھ میں تحلیل ہو گئی تھی۔

✿••✿••✿••✿

وہ اب خاموش تھا۔اس کے آنسو خشک ہو چکے تھے مگر ان کی جگہ اس کی آنکھوں میں ایک برفیلا سکوت اتر آیا تھا۔

اس کے اندر کی آگ بجھی نہیں تھی، وہ اب ایک ایسی سرد آگ میں بدل چکی تھی جو باہر سے نظر نہیں آتی، مگر اندر ہی اندر انسان کو بھسم کرتی رہتی ہے۔

"میں نے اپنی سب سے قیمتی چیز کھو دی، جعفر انکل!وہ مجھے بہت پسند تھی۔" وہ دھیرے سے، اپنے آپ سے مخاطب ہو کر بولا، "اور وہ چیز۔۔۔میں نے خود اپنے ہاتھوں سے توڑی۔"

اس کی آواز میں اب پچھتاوا نہیں تھا، ایک بھیانک اقرار تھا۔اس نے صرف منار کو نہیں، اپنے اندر کے انسان کو بھی توڑ دیا تھا۔

جعفر نے آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا، شاید تسلی دینے کے لیے۔ مگر اس نے ایک جھٹکے سے وہ ہاتھ ہٹا دیا۔

"مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔"

اس کے لہجے میں اب درخواست نہیں، حکم تھا۔ ایک ایسی سرد مہری تھی جو جعفر جیسے شخص کو بھی لرزا گئی۔

جعفر ایک قدم پیچھے ہٹا اور اندھیرے میں تحلیل ہو گیا۔ وہ اب اس ویران کمرے میں اکیلا تھا۔ بالکل اکیلا۔ جہاں رات کی وحشت ناک خاموشی اور اس کے ضمیر کی ابدی چیخیں ایک ساتھ گونج رہی تھیں۔

کہیں دور، آسمان پر بادل گرجے۔ ایک زوردار گڑگڑاہٹ، جیسے آسمان نے بھی اس فیصلے پر مہر لگا دی ہو۔

منار معراج مر چکی تھی۔۔۔ مگر اس کی موت، رئیس کی زندگی کی سب سے طویل، سب سے تاریک قید بن چکی تھی۔ منار معراج کا برا سایہ آج سے اس پر قبضہ کرنے والا تھا۔

✿••✿••✿••✿

ورق کے پنے تیزی سے پلٹے اور کہانی واپس حال میں لوٹ آئی!

رات کے سیاہ مخمل پر گاڑی یوں رواں تھی جیسے کوئی خوابیدہ خیال ہو۔ باہر شہر کی روشنیاں دھندلے نقوش کی طرح پیچھے بھاگ رہی تھیں، مگر فجر کی دنیا گاڑی کے اندر، اس ایک وجود پر آ کر ٹھہر گئی تھی۔ وہ ساتھ والی نشست پر بیٹھی، اپنے گرد گہرے رنگ کی وہی شال لپیٹے، اپنی ٹھوڑی ہتھیلی پر ٹکائے بس اسے دیکھے جا رہی تھی۔ وہ اسٹیئرنگ وہیل پر ہاتھ جمائے پوری توجہ سے گاڑی چلا رہا تھا۔ سڑک کی مدھم روشنی جب وقفے وقفے سے اس کے چہرے پر پڑتی تو اس کی سنجیدہ پروفائل، اس کی کتھئی آنکھوں کی گہرائی اور اس کے ہونٹوں پر ٹھہری خاموشی فجر کو

اپنے اندر جذب کر لیتی۔ یہ وہی شخص تھا جس کے لیے اس کا دل اتنی شدت سے دھڑکا تھا، جس کے جانے کے خیال نے اس کی روح فنا کر دی تھی۔ اب وہ اس کے پاس تھا، اور یہ احساس اتنا مکمل تھا کہ فجر کو اپنے وجود کا ہر ذرہ پر سکون ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

جب اس کی مسلسل نظروں کی تپش اسے محسوس ہوئی تو اس نے نگاہیں سڑک پر ہی مرکوز رکھتے ہوئے دھیمے، شرارتی لہجے میں کہا۔

"ایسے مت دیکھیں بیگم! ایکسیڈنٹ ہو جائے گا۔"

اس کی آواز کی کھنک پر وہ بے ساختہ ہنس دی۔ وہ ہنسی جو آنسوؤں سے بھیگی ہوئی تھی مگر اس میں اب اذیت نہیں، سکون تھا۔ اس کی پلکیں اب بھی نم تھیں۔

"تم نے کہا تم میرا انتظار کر رہے تھے۔" اس نے کچھ دیر بعد سرگوشی کی۔ "اگر میں نہ آتی تو؟"

"مجھے یقین تھا تم آؤ گی۔" اس کے لہجے میں کوئی شک نہ تھا، بس ایک ٹھہراہوا، غیر متزلزل ایمان تھا۔

"نہ آتی تو؟" اس نے ضد کی۔ اسے اس یقین کی بنیاد جاننی تھی۔

"ایسا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"تمہیں اتنا یقین کیوں تھا؟"

اس بار ولی نے ایک لمحے کے لیے رخ موڑ کر اسے دیکھا، اس کی آنکھوں میں ایک ایسی گہرائی تھی جس نے فجر کو ساکت کر دیا۔ پھر اس نے دوبارہ سامنے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"تم میرا مقدر ہو فجر! اور اللہ کسی ایک کا رزق دوسرے کو نہیں دیتا۔"

اس کے الفاظ فجر کے دل میں تیر کی طرح نہیں، ایک ٹھنڈی، میٹھی پھوار کی طرح اترے۔ وہ ساکت رہ گئی۔ اس ایک جملے نے اس کے سارے شکوے، سارے خوف بہا دیے تھے۔ گاڑی اب 'رئیس مینشن' کے بلند و بالا گیٹ کے سامنے کھڑی تھی۔ سفید محل! خوابوں جیسا حسین، مگر اس وقت ان کے لیے کسی امتحان گاہ سے کم نہ تھا۔

"اور کوئی سوال؟" اس نے فجر کی طرف رخ کرتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

"بہت سارے ہیں۔" اس نے اپنی سوچوں سے نکلتے ہوئے کہا۔

"بعد میں پوچھوں گی۔" وہ بس اتنا ہی کہہ پائی۔

خودکار گیٹ ایک بے آواز ترتیب سے کھلتے چلے گئے اور گاڑی اندر داخل ہو گئی۔ کچھ دیر بعد وہ لمبی، روشن روش پر چلتے ہوئے اندر کی جانب بڑھ رہے تھے۔ فجر کا دل کسی پرندے کی طرح پسلیوں میں پھڑ پھڑا رہا تھا۔ ایک انجانا خوف اس کی ٹانگوں کو بے جان کر رہا تھا۔ یہ محسوس کرتے ہوئے ولی نے مضبوطی سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔ اس کا لمس ایک وعدہ تھا، ایک ڈھارس تھی کہ وہ اکیلی نہیں ہے۔

وہ ڈرائنگ روم عبور کرتے ہوئے سفید براق ماربل پر پاؤں دھرتے لاؤنج میں داخل ہوئے۔

لاؤنج میں کام کا ماحول تھا۔ عروزہ اور مراد صوفوں پر بیٹھے لیپ ٹاپس اور فائلوں میں الجھے ہوئے تھے۔ رئیس ان کے سامنے کھڑا، کسی کاروباری معاملے پر ہدایات دے رہا تھا کہ ان کی نظر داخلی راستے پر پڑی اور وہ ٹھٹک گئے۔

اس کی گفتگو وہیں رک گئی۔ اس کے پیچھے عروزہ اور مراد نے بھی سر اٹھایا۔

منظر ساکت ہو گیا۔ فجر اور ولی، ہاتھ میں ہاتھ ڈالے، قدم بہ قدم ان کی جانب بڑھ رہے تھے۔ ولی کا چہرہ پُر عزم تھا مگر فجر کی آنکھوں میں ایک خوف کی پرچھائی تھی۔ رئیس کا چہرہ غصے کی شدت سے سرخ پڑ گیا۔ عروزہ کی آنکھوں میں ولی کو یوں فجر کے ساتھ دیکھ کر ایک واضح درد ابھرا، جبکہ مراد کے چہرے پر شدید حیرانی کے تاثرات تھے۔

"اسے یہاں کیوں لائے ہو؟" اس کی کڑک دار، گرجتی ہوئی آواز نے لاؤنج کی خاموشی کو توڑا۔ سوال ولی سے تھا، مگر نظریں فجر پر تھیں، جیسے وہ کوئی ناپسندیدہ، ناقابلِ قبول شے ہو۔

اس سے پہلے کہ ولی کچھ کہتا، فجر نے اس کا ہاتھ ہلکے سے دبایا، اسے چپ رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے ایک قدم آگے بڑھایا۔ اس نے اپنی نظریں سیدھی رئیس کی آنکھوں میں مرکوز کیں۔ اس کی آواز میں اب خوف نہیں، ایک اٹل فیصلہ تھا۔

"آپ نے کہا تھا مجھے اپنی پہچان چننی چاہیے۔"

اس نے ایک لمحے کا وقفہ لیا، اور پھر پورے اعتماد سے اپنا جملہ مکمل کیا۔

"میں نے اپنی پہچان چن لی ہے، بگ بی!"

اس کا جواب ایک اعلان تھا۔ ایک بغاوت تھی۔ اس سفید محل کی پرسکون دیواروں سے ٹکراتی ہوئی ایک گونج، جس نے وہاں موجود ہر شخص کو ساکت کر دیا تھا۔

اسکا جملہ لاؤنج کی بھاری فضا میں ایک چیلنج کی طرح معلق رہ گیا۔ خاموشی اتنی گہری تھی کہ جیسے وقت تھم گیا ہو۔ رئیس کے چہرے پر ابھرنے والا شدید غصہ ایک لمحے میں سرد، مہلک سکوت میں بدل گیا۔ اس کی آنکھوں کی

آگ بجھی نہیں تھی بلکہ ایک ایسے نقطے پر مرکوز ہو گئی تھی جو کسی بھی لمحے بھڑک کر سب کچھ جلا سکتا تھا۔ اس نے فجر کو نظر انداز کیا جیسے اس کا وجود اس قابل ہی نہ ہو کہ اسے مخاطب کیا جائے۔ اس کی تمام تر توجہ ولی پر تھی۔

"ولی۔۔۔" ان کی آواز پر سکون تھی مگر اس پر سکون سطح کے نیچے لاوا پک رہا تھا۔

"اسے یہاں سے لے جاؤ۔"

یہ حکم تھا۔ ایک ناقابلِ تردید حکم۔

ولی نے ایک قدم آگے بڑھ کر فجر کا ہاتھ تھام لیا۔ یہ ایک اعلان تھا۔ اس کا یہ عمل رئیس کے ضبط کی آخری حد کو چھو گیا۔

"درخواست کر رہے ہیں تو معذرت خواہ ہوں۔ حکم دے رہے ہیں تو افسوس کروں گا۔"

احکامات اسکی کمزوری تھے۔ دھجیاں اڑانا اس کی عادت!

"میں اپنی بیوی کو نہیں چھوڑ سکتا۔ آپ کو ہمیں اپنانا ہو گا۔"

"یہ ہمارا خاندان نہیں ہے۔" رئیس نے دوٹوک، کاٹ دار لہجے میں کہا۔ "یہاں دشمنوں کی کوئی جگہ نہیں۔ اسے لے جاؤ اور اس گھر میں دوبارہ قدم مت رکھنا جب تک یہ تمہارے ساتھ ہے۔"

ہر لفظ ایک پتھر کی طرح تھا جو وہ ان دونوں پر برسا رہے تھے۔ فجر کا دل ڈوب رہا تھا۔ وہ خوف پھر سے حاوی ہونے لگا تھا۔ مسترد کیے جانے کا خوف!

"میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔" اس کی آواز بلند نہیں تھی مگر اس میں چٹان جیسی مضبوطی تھی۔

"کیوں؟ کیوں نہیں چھوڑ سکتے؟ ایک عورت ہی تو ہے۔ ایک عام عورت!"

(وہ عام عورت جس پر وہ خود سلطنت لٹا سکتا تھا۔۔)

"عام عورت نہیں بگ بی! یہ میرا سرمایہ ہے۔ میں نے بہت مشکل سے کمایا ہے۔"

یہ رئیس کی اپنی زبان تھی۔ کاروبار کی زبان، نفع نقصان کی زبان۔ ولی نے اسی زبان میں جواب دے کر اسے ساکت کر دیا۔ ایک لمحے کے لیے اس کے چہرے پر حیرت کی لہر دوڑی، جو فوراً ہی گہرے غصے میں بدل گئی۔ اس نے اپنی زندگی میں کبھی ایسی کھلی بغاوت نہیں دیکھی تھی اور وہ بھی اس سے جسے اس نے اپنا سب کچھ دیا تھا۔

اس سے پہلے کہ رئیس کچھ اور کہتا، فجر ولی کے پہلو سے آگے آئی۔ اس کی آنکھیں نم تھیں مگر قدم ثابت تھے۔

"پلیز مجھے قبول کر لیں۔ مجھے، ہمارے گھر سے نہ نکالیں۔ میں۔۔۔ میں آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔"

یہ سنتے ہی عروزہ اور مراد اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ مزید یہاں نہیں ٹھہر سکتے تھے۔ خاص طور پر عروزہ۔ وہ مراد کے ہمراہ باہر نکل گئی۔

اب اس وسیع و عریض لاؤنج میں صرف تین وجود باقی تھے۔ ایک بادشاہ، اور دو باغی۔

ان کے جانے سے ماحول کی دہشت مزید بڑھ گئی۔ رئیس نے ایک قدم آگے بڑھایا۔ وہ فجر کے بالکل قریب آ گیا۔ اس کی آنکھوں میں اب کوئی جذبہ نہیں تھا، صرف ایک بے رحم حقیقت تھی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے؟" اس کی آواز زہر میں بجھی ہوئی تھی۔

"تمہارے آنسو تمہاری بہن کے گناہوں کو دھو ڈالیں گے؟ یہ رئیس مینشن ہے، فجر معراج! یہاں اصولوں پر سودے بازی نہیں ہوتی۔ اور میرا اصول یہ ہے کہ میں سانپ کو اپنے گھر میں دودھ نہیں پلاتا۔"

فجر نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"میں سانپ نہیں ہوں۔" وہ ہولے سے بڑبڑائی جبکہ رئیس اس سے رخ موڑ کر ولی کی طرف متوجہ ہوا۔ اس کا لہجہ اب مایوسی اور اذیت میں گندھا ہوا تھا۔

"اور تم۔۔۔" اس نے ولی کی طرف انگلی اٹھائی۔ "تمہیں میں نے اپنا نام دیا۔ اپنی پہچان دی۔ اورنگزیب نام کی طاقت دی تاکہ تم سر اٹھا کر جی سکو۔ اور تم نے کیا کیا؟ تم نے اسی دشمن کو میرے سامنے لا کھڑا کیا جس سے مجھے نفرت ہے۔"

ولی خاموش کھڑا تھا، اس کا چہرہ ہر جذبے سے عاری تھا مگر اس کی آنکھیں اس اندرونی جنگ کی گواہی دے رہی تھیں جو وہ لڑ رہا تھا۔

رئیس کی آواز اب بلند ہو رہی تھی، اس میں سالوں کا مان، محبت اور اب کی شدید تکلیف شامل تھی۔

"میں نے سوچا تھا تم میری میراث ہو! میرا فخر ہو! مگر تم تو۔۔۔ تم تو آخر کار افق کی اولاد ہی نکلے بے وفا، دھوکے باز!"

یہ آخری جملہ ایک بم کی طرح گرا۔ یہ صرف ایک الزام نہیں تھا، یہ اس کے پورے وجود کی نفی تھی۔ یہ اسے بتانے کے مترادف تھا کہ وہ اس کا حصہ نہیں، اس خاندان کا حصہ نہیں، اس کی ماں دھوکے باز تھی۔ یہ وہ گہرا زخم تھا جو رئیس اسے دے سکتا تھا۔

"میں بے وفا نہیں ہوں بگ بی! میں نے کوئی دھوکا نہیں دیا۔" وہ ضبط کیے لہجے میں بولا۔

"اچھا۔۔۔؟" رئیس استہزائیہ کہتے اس کی جانب بڑھا۔ اس نے عین سامنے کھڑے ہوتے اس نے ولی کو گہری نظروں سے دیکھا اور پھر اسے گدی سے پکڑ کر اسکا چہرہ قریب کیا۔

"تو پھر ثابت کرو۔ میرا حکم مانو۔ محبت کے سامنے نہیں، میرے سامنے جھکو ولی! ثابت کرو۔"

وہ ضبط کے آخری مراحل میں تھا جبکہ ولی یونہی ساکت کھڑا تھا پھر اس کی آواز سنائی دی۔

"میں برداشت کرتا ہوں، چپ رہتا ہوں۔

زخم کھاتا ہوں، ساتھ نبھاتا ہوں۔

معاف بھی کر دیتا ہوں، مگر میں جھکتا نہیں۔

میں ولی ہوں!

میں کسی فریب کے آگے، کسی طاقت کے سامنے نہیں جھکتا۔

میری پیشانی صرف اُس کے حضور جھکتی ہے۔

جس نے میرے دل کو حوصلہ دیا۔"

اس کے الفاظ کسی بھی قسم کے خوف اور وحشت سے پاک تھے۔ چند لمحے یونہی گزر گئے اور پھر رئیس نے اسے ایک جھٹکے سے چھوڑ دیا۔ اب وہ چند قدم پیچھے کھڑا تھا۔ دونوں کو ایک نظر دیکھا اور پھر ہنس دیا۔ اسکا قہقہہ رئیس مینشن کی در و دیوار میں گونج گیا۔ دونوں کو ہنستے ہوئے تاسف سے دیکھا پھر وہ سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا۔

"چلے جاؤ یہاں سے اور آئندہ مجھے اپنی شکل مت دکھانا۔"

اسکا حکم گونج کر رہ رہا جبکہ ولی اور فجر کا دل ڈوب رہا تھا۔

"ہم آپ کو نہیں چھوڑ سکتے۔ سنا آپ نے؟ ہم نہیں چھوڑ سکتے۔ آپ کو ہمیں اپنانا ہو گا۔"

اس کے حکم کو توڑتی فجر کی آواز گونجی۔

"خود اور ہمیں تکلیف پہنچا کر آپ کے اصول میوزیم میں نہیں رکھے جائیں گے۔"

وہ حلق کے بل چلائی۔ پتا نہیں وہ اتنا ضدی کیوں تھا۔

"گیٹ آؤٹ!" زینے چڑھتے اس نے سرخ چہرے کے ساتھ کہا۔ اندر اتنی آگ تھی یوں لگ رہا تھا جیسے ابھی سب خاک ہو جائے گا۔ وہ دونوں اپنی اپنی جگہ کھڑے رہے اور پھر آخری زینے پر پہنچ کر وہ رکا۔

"یاد آیا۔۔۔" وہ پلٹا۔ "تمہارے لیے ایک سرپرائز ہے۔" اس نے ٹراؤزر کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور پھر کچھ نکالا اور اگلے ہی پل اس نے وہ چیز بازو پھیلا کر ولی کی جانب پھینک دی۔ وہ اس کے قدموں میں آ گری۔

"شاید یہ تم سے جڑا ہے۔" یہ ایک بریسلٹ تھا۔ سفید ماربل پر پڑا وہ چمک رہا تھا۔ ولی نے سر جھکا کر دیکھا اور پھر وہ ساکت رہ گیا۔ وہ اسے پہچانتا تھا۔ وہ بریسلٹ جس پر W کا حرف لٹک رہا تھا۔ یہ اس نے نینسی کو دیا تھا۔

رئیس اب ریلنگ پر کہنیاں ٹکائے ان کی جانب جھکا ہوا تھا۔

لاؤنج میں ایک بار پھر موت جیسا سناٹا چھا گیا۔ فجر نے دہشت سے ولی کی طرف دیکھا، جس کا چہرہ سفید پڑ چکا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ناقابلِ یقین اذیت تھی۔ ایسا لگا جیسے کسی نے اس کی روح کھینچ لی ہو۔

وہ پنجوں کے بل جھکا اور پھر ایک گھٹنا زمین پر ٹکاتے اس نے کپکپاتی انگلیوں سے وہ بریسلٹ اٹھایا۔ اس کے ہاتھ سفید پڑ چکے تھے۔ آنکھیں دھندلا گئیں۔

"نینسی۔۔۔"ٹوٹی پھوٹی سی سرگوشی لبوں سے آزاد ہوئی۔ فجر ساکت تھی۔

"وہ مرنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ جینا چاہتی تھی۔"رئیس کی بے رحم آواز گونجی جبکہ ولی کا وجود طوفانوں کی زد میں تھا۔ اس نے ہونٹ بھینچ لیے۔ بریسلٹ اب اسکی انگلیوں میں چمک رہا تھا اور پھر ایک ٹھنڈا تاثر اس کی رگ وپے میں سرائیت کر گیا۔ لہراتے ہوئے گاؤن کی سرسراہٹ اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ وہ آگئی تھی۔ وہ سفید ہیولا واپس آگیا تھا۔ وہ اس کے عین پیچھے کھڑی تھی۔ بھیگی ہوئی۔ ولی کو اپنے سینے کے مقام پر شدید جلن کا احساس ہوا۔ دل کیا دھاڑیں مار مار کر روئے۔

رئیس، گردن اکڑائے اسے دیکھ رہا تھا جبکہ فجر ساکت تھی۔ یوں جیسے جم ہو گئی ہو۔ وہ نینسی کو جانتی تھی مگر۔۔۔ کیا اس کی موت میں رئیس کا ہاتھ تھا؟ یہ کیسا سچ تھا؟ بھیانک!

ولی کی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے۔ ایک ناقابل بیان تکلیف پھیلتی جا رہی تھی۔ وہ ابھی تک اسی پوزیشن میں تھا۔ فجر بے ساختہ اس کی جانب بڑھی اور پھر گھٹنے فرش پر ٹکاتے اسے بازو سے تھام لیا۔ ولی کا وجود ہولے ہولے لرز رہا تھا۔

کیا دنیا میں اس سے بڑا بدنصیب کوئی تھا؟ اس کی زندگی کی دو اہم عورتوں کو اس کے زندگی کے دو اہم مردوں نے مرنے پر مجبور کر دیا۔

ایک عورت **افق** اور **نگزیب** تھی۔

دوسری عورت **نینسی جیسن** تھی۔

ایک مرد **جوزف پیٹرسن** تھا۔

دوسرا مرد **رئیس اورنگزیب** تھا۔

بدلے کی اس کہانی میں اس کا کیا قصور تھا؟ اس لڑکے کا کیا قصور تھا جس سے اس کے اپنوں کو چھین لیا گیا؟ کیا قصور تھا اسکا؟

اس نے زبان دانتوں تلے دباتے اپنی گھٹن زدہ چیخ کو روکا۔

رئیس دیکھ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا وہ اب سر اٹھائے گا اور کچھ کہے گا۔ کچھ ایسا جو اسے ولی سے نفرت کرنے پر مجبور کرے گا۔ مگر۔۔۔۔۔ اس نے آستین سے اپنی آنکھیں پونچھ ڈالیں۔

اپنے ساتھ لگی بیٹھی فجر کو تھاما اور اٹھ کھڑا ہوا۔ بنا رئیس کی جانب دیکھے وہ اسے لیے خارجی دروازے کی جانب بڑھ رہا تھا۔ یہ غیر متوقع تھا۔ رئیس کی بھنویں سکڑ گئیں۔

"بزدل ہو یا بہادر جو بنا کچھ کہے سنے جا رہے ہو؟ جاننا نہیں چاہو گے وہ کیسے مری تھی؟"

ان کے عقب میں بدی بادشاہ کی آواز گونجی۔ وہ ٹھہر گیا۔ کئی لمحے یونہی گزر گئے پھر پلٹ کر دیکھا۔ اس نے نظریں اٹھائیں اور بلندیوں پر کھڑے اس شخص کو دیکھا جو کسی زمینی خدا سے کم نہیں لگ رہا تھا۔

"میں جانتا تھا۔۔۔۔۔"

اس کے تین الفاظ اور وقت جیسے ساکت ہو گیا۔

"بہت پہلے سے جانتا تھا۔" وہ اب ہاتھ میں پکڑے بریسلٹ کو دیکھ رہا تھا۔ چہرہ سرخ تھا جبکہ حلق میں اذیت کا گولہ سا اٹک گیا تھا۔ رئیس تو جیسے اپنی جگہ جم گیا۔ وہ سرپرائز دینا چاہتا تھا مگر اب خود سرپرائز ڈلگ رہا تھا۔

"ایسا نہیں ہے کہ آپ سے نفرت کرنے کا دل نہیں کرتا مگر۔۔۔۔"

اسکی نظریں ابھی بھی بریسلٹ پر جمی تھیں۔

"مام کی بات یاد آجاتی ہے۔" اس کے گلی گلٹی ڈوب کر ابھری۔

"یاد رکھنا، جو اپنوں کو چھوڑ دے وہ اپنا پروردگار کو بھول چکا ہے۔"

اس نے افق کے الفاظ دہرائے پھر نظریں اٹھا کر رئیس کو دیکھا جو زلزلوں کی زد میں ہونے کے باوجود یونہی گردن اکڑائے کھڑا تھا۔

"میں آپ کو چھوڑنا نہیں چاہتا بگ بی! میں آپ کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔" اس نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا اور فجر کا ہاتھ تھامے تیز تیز قدم اٹھاتا دور ہوتا چلا گیا۔ چوبی دروازہ کھلا اور بند ہو گیا۔ بلندیوں پر کھڑے شخص کے اعصاب چیخ اٹھے۔ ڈھیروں بوجھ کندھوں پر آگرا۔ اس نے گہری سانس لے کر سینے میں اٹھتی جلن کو دبایا اور پلٹا۔۔۔۔ ذرتاش اپنی وہیل چیئر پر اس کے عین پیچھے کھڑی تھی۔ ایک لمحے کو دونوں کی نظریں ٹکرائیں۔ ذرتاش کی آنکھوں میں نفرت ہی نفرت تھی جبکہ رئیس کی آنکھیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔

شکووں سے لبریز، بے بسی سے بھیگیں، کچھ کہنے کے لیے بے قرار، مگر پھر بھی چپ تھیں۔

ان میں وہ سارے دکھ تیر رہے تھے جو برسوں سے ان کہے تھے۔

منار کے لیے، فجر کے لیے، ولی کے لیے، اور شاید خود اپنے لیے بھی۔

ان آنکھوں میں اقتدار کی تھکن تھی، فیصلوں کا بوجھ، اور ایک خالی پن۔۔۔

جیسے وہ ساری دنیا کا مالک ہو کر بھی کچھ نہ رکھ سکا ہو۔

وہ جا چکا تھا۔

لمحے بھر کو ذرتاش اپنی جگہ وہیں ساکت کھڑی رہی، وہیل چیئر کے ہینڈل پر گرفت سخت، جیسے انگلیوں سے کچھ کچل دینا چاہتی ہو۔

اس کی آنکھوں میں اب بھی وہی پرانی نفرت تھی۔ جلتی ہوئی، بھاپ دیتی ہوئی، مگر اب اور بھی پختہ، اور بھی گہری۔

پھر اس نے آہستہ سے اپنی چیئر گھمائی اور لمبے، خاموش راہداریوں سے گزرتی اپنے کمرے کی طرف روانہ ہو گئی۔

ہر پہیہ جیسے زمین پر کوئی فیصلہ لکھ رہا تھا۔

کمرے میں پہنچ کر اس نے دروازہ بند کیا، پھر ٹھہر کر اسے اندر سے لاک کر دیا۔

اس خاموشی میں تالا لگنے کی آواز کسی اعلان کی طرح تھی کہ اب یہ کمرہ، یہ عورت، اور یہ لمحہ سب کچھ ایک جنگی مشن کی طرح محفوظ کر لیا گیا تھا۔

بیڈ پر رکھے ٹیبلٹ کی اسکرین روشن ہوئی، جیسے کسی راز کا دروازہ کھلنے لگا ہو۔

چند لمحوں کی انگلیوں کی حرکت کے بعد ویڈیو کال کا آئیکن جگمگایا اور پھر وہ لرزتی سی اسکرین اچانک مستحکم ہو گئی۔

دوسری طرف ایک چہرہ ابھرا۔ گھنگریالے بالوں والی عورت، جیسے کوئی بیابان میں رقص کرتی آگ ہو۔

ذرتاش کی آواز میں سرد موسم کی ٹھنڈک اتر آئی۔

"رئیس نے آج ولی کو بھی نکال دیا۔۔۔۔"

وہ یوں بولی جیسے کسی ندی کا آخری قطرہ پتھر پر گرا ہو۔

اسکرین کے دوسری جانب منار کے لبوں پر ایک مدھم سا تبسم ابھرا۔

آواز صبر سے لدی ہوئی، مگر اس کے اندر ایک خفیہ خنجر تھا۔

"دھیرے دھیرے اسے سب چھوڑ جائیں گے۔"

ذرتاش کا ضبط ٹوٹنے کے قریب تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں، آواز تھرّا گئی۔

"اور کتنا وقت لگے گا، منار؟ میں جب جب اُنہیں دیکھتی ہوں میرا خون کھولنے لگتا ہے۔ احمد کا چہرہ میری آنکھوں کے سامنے گھومتا ہے۔ مجھے احمد کا بدلہ لینا ہے۔ میں چاہتی ہوں رئیس اورنگزیب تڑپے۔ بہت زیادہ تڑپے۔ اسے اپنے گناہوں کا احساس ہو۔"

منار خاموش رہی۔

اس کی آنکھوں میں ایک الگ ہی روشنی تھی۔ ایسی روشنی جو شعلے سے کم، اور بجلی سے زیادہ تھی۔

وہ کچھ نہ بولی، مگر اس کی خاموشی ہی سب کچھ کہہ رہی تھی۔

تبصرہ صرف فضا نے کیا دیوار کی گھڑی کی ٹک ٹک، جو گویا کہہ رہی تھی۔

"اب وقت رئیس کا نہیں، تمہارا ہے۔"

کمرے میں روشنی مدھم پڑتی جارہی تھی، مگر منار کی آنکھوں کی چمک بڑھتی جارہی تھی۔

جس شخص نے اپنی جنگ میں کبھی عورتوں کو نہیں گھسیٹا تھا اس کی تباہی میں سب سے بڑا ہاتھ اس کی اپنی عورتوں کا تھا۔

✿••✿••✿••✿

نومبر کی اس سرد رات نے شہر کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ گہری سیاہی میں ڈوبی سڑکیں اور بلند و بالا عمارتوں پر چمکتی مدھم لائٹس، جیسے کسی خاموش کہانی کا حصہ ہوں۔ مگر شہر کے مہنگے ترین ہسپتال کے کمرہ 709 میں، ایک اور ہی کہانی لکھی جارہی تھی۔ رات کی سیاہی کا عکس شیشے کی بڑی کھڑکی سے کمرے میں داخل ہو رہا تھا اور اندر کی مصنوعی روشنی سے مل کر ایک عجیب سا اندھیرا پھیلا رہا تھا۔

روحی کا جسم بستر پر بے جان سا پڑا تھا، اس کے چہرے پر پڑنے والی روشنی اس کے گالوں کے گڑھوں اور آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقوں کو مزید گہرا کر رہی تھی۔ وہ بچی جو مکڑیوں کی شوقین تھی، آج اسی کی طرح اپنے جال میں قید تھی۔ اس کے بستر کے قریب میز پر، ایک چھوٹا سا شیشے کا جار رکھا تھا، جس میں ایک مکڑی نے اپنا جال بُن رکھا تھا۔ وہ گھنٹوں اسے دیکھتی رہتی، اس کے تاریک وجود میں ایک عجیب سی راحت تلاش کرتی تھی، کیونکہ وہ بھی اسی کی طرح تنہا اور قید تھی۔

صفدر، اس کے قریب کرسی پر بیٹھا، اس کا سر دہاتھ تھامے ہوئے تھا۔ روحی کے دوسرے ہاتھ میں آئی کومک بک تھی۔ وہ اسے پڑھ کر سنا رہی تھی۔ کچھ دیر پہلے اس نے روحی کے لیے آدھا سیب کاٹا تھا، جو اب میز پر پڑا سوکھ رہا تھا۔

اچانک دروازے کا لاک گھوما اور ذرقا اندر داخل ہوئی۔ اس کی خوبصورت، نفیس شخصیت اس سرد رات کی روشنی میں بھی چمک رہی تھی مگر اس کے چہرے پر گہری خفگی نمایاں تھی۔ روحی کو دیکھتے ہی اس کی بھنویں تن گئیں، اور اس کی نظریں سیدھی صفدر پر جا ٹکیں۔

"یہ کیا مذاق ہے صفدر؟" وہ اندر آتے ہی تقریباً چیخی، "میں کب سے تمہیں فون کر رہی ہوں! تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا؟"

صفدر نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ روحی کے ہاتھ سے ہٹایا اور فوراً اٹھ کھڑا ہوا،

"فون سائلنٹ پر تھا۔ میں روحی کے ساتھ۔۔۔"

"اور تمہاری دنیا بس یہ روحی ہے نا؟" اس کی آواز اب اور بلند ہو چکی تھی، "میں کب سے انتظار کر رہی ہوں کہ تم ایک دن میرے لیے بھی وقت نکالو گے۔ مگر یہاں تو ہر چیز اسی کے گرد گھومتی ہے! شادی؟ وہ بھی شاید کسی دن اس کے جنازے کے بعد ہی ہو گی!"

روحی کا بدن ساکت ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں تھامی ہوئی کتاب ایک دم پھسل کر بستر پر گر گئی۔ صفدر کا چہرہ زرد پڑ گیا، اس نے فوراً آگے بڑھ کر ذرقا کا بازو تھاما۔ بمشکل خود پر ضبط کیا۔

"چلو باہر بات کرتے ہیں۔۔۔" اس کی آواز خوف اور بے بسی سے کپکپا رہی تھی۔

ذرقا نے ایک بار پھر روحی کو دیکھا۔ اس کی نظر میں غصے سے زیادہ بیزاری تھی، روحی کا وجود اب اس کے لیے نفرت بن چکا تھا۔ اس ہی لڑکی نے دونوں خاندانوں کو مصیبت میں ڈال رکھا تھا۔

صفدر اسے تقریباً گھسیٹتے ہوئے کمرے سے باہر لے گیا۔ دروازہ بند ہوا مگر اس کی آواز دیواریں روک نہ سکیں۔

"میں تھک چکی ہوں، صفدر! مجھے تم سے سب کچھ چاہیے، مکمل! مگر تم اب بھی روحی کو لیے بیٹھے ہو۔ وہ ٹھیک نہیں ہونے والی۔ سب مان چکے ہیں، تم کب مانو گے؟"

"بس کرو ذرقا۔۔۔ وہ میری بہن ہے۔۔۔ میری زندگی ہے۔۔۔"

"اور میں کیا ہوں؟ تمہارے لیے کچھ بھی نہیں؟" وہ بھڑکی۔

روحی کی آنکھیں بند تھیں مگر اس کے کانوں میں ہر لفظ خنجر کی طرح پیوست ہو رہا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ یہ سب جھوٹ ہو کہ وہ مکڑیوں کے جال کی طرح کوئی برا خواب دیکھ رہی ہو۔ لیکن اس کے اندر کا درد اور دھڑکن کی لڑکھڑاہٹ اس بات کی گواہی تھی کہ یہ حقیقت تھا۔ اس کے پاس تھے مگر وہ اپنی دنیا میں تنہا رہ گئی تھی، بالکل اسی طرح جیسے اس کے جار میں قید مکڑی۔ اسے محسوس ہوا جیسے وہ بھی مکڑی کے جال کی طرح ایک ایسی زندگی میں الجھ گئی تھی جہاں اس کا وجود دوسروں کے لیے بوجھ بن چکا ہے۔

اس کی آنکھوں کے کناروں سے بے آواز آنسو بہنے لگے، جو آہستہ آہستہ اس کے کانوں کی جانب بہہ رہے تھے۔ وہ بچی جو کبھی بلند حوصلہ رکھتی تھی۔ جو بہت کچھ کرنا چاہتی تھی آج سرد نومبر کی رات میں اپنے وجود کو ایک بے معنی جال سمجھ رہی تھی، جس سے وہ خود کو آزاد کرنا چاہتی تھی۔

اور دروازے سے باہر، صفدر اور ذرقا کی آوازیں آہستہ آہستہ ختم ہوتی گئیں۔ مگر ان کی بازگشت روحی کے دل میں ہمیشہ کے لیے قید ہو چکی تھی۔ اسکے جینے کی امید آہستہ آہستہ دم توڑ رہی تھی کیونکہ وہ دوسروں پر بوجھ بن کر نہیں جینا چاہتی تھی۔

✿••✿••✿••✿

وہ لڑکیاں جنہیں دنیا **کمزور** کہہ کر آگے بڑھ جاتی ہے، دراصل وہی سب سے زیادہ جری (**بہادر**) ہوتی ہیں۔ وہ جو دکھا نہیں سکتیں، وہ جو چیخ نہیں سکتیں، وہ جو بھاگ نہیں سکتیں۔ ان کی خاموشی میں جو زہر رچا ہوتا ہے، وہ صدیوں کے دکھ کی تلخی لے کر پلتا ہے۔ یہ وہ لڑکیاں ہوتی ہیں جنہیں محبت میں رسوائی ملی، عزت کی گٹھری سمجھ کر قربانی کے لیے چُن لیا گیا یا خاندان کی غیرت کا کفن پہنا دیا گیا۔ ان کے اندر ایک مسلسل سڑن ہوتی ہے، جیسے کوئی یاد، کوئی زخم، کوئی بے آواز چیخ ہر رات ان کے اندر دوبارہ جنم لیتی ہے۔

ان لڑکیوں کے لیے دنیا کبھی نرم نہیں ہوتی۔ ان کی ماں بھی ان کی آنکھوں کی نمی کو ضد کہہ دیتی ہے اور باپ اسے گستاخی سمجھتا ہے۔ بھائی غیرت کے نام پر ان کا نام مٹا دینا چاہتا ہے اور معاشرہ انہیں ایک بدنما داغ کی طرح مٹانے پر تُلا ہوتا ہے۔ لیکن وہ۔۔ وہ اپنی شکست کے ساتھ جینے کا ہنر سیکھتی ہیں۔ نہ واپسی کا کوئی در ہوتا ہے، نہ معافی کا کوئی دروازہ۔ وہ بس، اپنی ہار کو اپنی سانسوں میں سمو کر جینا سیکھتی ہیں۔ وہ خاموشی سے اپنے اندر زہر گھولتی ہیں اور پھر اس زہر کو اپنی عادت بنا لیتی ہیں۔

انہیں محبت نے نہیں مارا، محبت میں ملنے والی تنہائی نے توڑا ہے۔ انہیں اس وقت مارا گیا جب ان کے خوابوں کا مذاق اڑایا گیا، جب ان کی باتوں کو جھوٹ، ان کی آہوں کو ڈرامہ اور ان کی ذات کو بوجھ کہا گیا۔ اور پھر ایک دن وہ لڑکیاں، وہ "**زہر خوردہ پریاں**" پھر بھی زندہ نکلتی ہیں۔ نہ فتح کا نعرہ، نہ انقلاب کا وعدہ۔ بس ایک خاموش، تھکی ہوئی، مگر مضبوط سانس جو یہ کہتی ہے۔

"میں زہر خوردہ ہوں، مگر میں زندہ ہوں اور یہ میری کہانی ہے!"

لکڑی کی میز پر اس کا لیپ ٹاپ کھلا تھا، اسکرین پر ایک خالی ورڈ ڈاکیومنٹ جھلملا رہا تھا، جیسے منتظر ہو کہ کوئی زخم لفظ بن کر اس پر اترے۔ باہر ٹھنڈی ہوا میں درختوں کے پتے سرسراتے تھے اور اندر فلک کی سانسیں دھیمی رفتار سے چلتی تھیں جیسے وہ خود کسی اندرونی کرب کی گواہی دے رہی ہو۔

اس نے کی بورڈ پر انگلیاں رکھیں، پھر روکی۔ آنکھیں بند کیں۔ جیسے کچھ یاد کر رہی ہو، کوئی منظر، کوئی آواز، شاید کوئی لڑکی۔۔ کوئی زہر خوردہ پری!

پھر وہ لکھنے لگی۔

"وہ لڑکیاں جنہیں دنیا 'کمزور' کہہ کر آگے بڑھ جاتی ہے، دراصل وہی سب سے زیادہ جری ہوتی ہیں۔۔۔"

✿••✿••✿••✿

واپسی کا راستہ ایک سنگین، بوجھل خاموشی میں کٹا تھا۔ گاڑی کی رفتار پہلے سے دھیمی تھی، جیسے وہ دونوں اس حقیقت سے فرار نہیں چاہتے تھے جو رئیس مینشن کی دیواروں کے پیچھے رہ گئی تھی۔ ولی کے ہاتھ اسٹیئرنگ وہیل پر جمے ہوئے تھے مگر اس کی نظریں بار بار اپنی انگلیوں میں پیوست اس جگہ جاتیں جہاں نینسی کا بریسلٹ چمک رہا تھا جو

اس نے دیا تھا۔ اب وہی بریسلٹ اس کی انگلیوں میں بے حسی سے جکڑا ہوا تھا۔ اس پر بنا **'W'** کا حرف جیسے اس کے وجود پر ایک سوالیہ نشان بن کر چبھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا مگر آنکھوں میں ایک ایسا طوفان قید تھا جسے فجر محسوس تو کر سکتی تھی، مگر سمجھنے سے قاصر تھی۔

فجر خاموش تھی۔ اس نے کوئی سوال نہیں کیا، تسلی کا کوئی لفظ ادا نہیں کیا۔ وہ جانتی تھی کہ اس وقت الفاظ مرہم نہیں، نمک کا کام کریں گے۔ وہ بس اسے دیکھتی رہی، اس شخص کو جس کی دنیا ایک بار پھر اس کے سامنے بکھر گئی

تھی۔ وہ اسے وقت لینے دے رہی تھی۔ اس کی خاموشی ایک وعدہ تھا، ایک عہد تھا کہ وہ اس بکھرے ہوئے وجود کو سمیٹ لے گی۔

جب گاڑی 'ترنم ہاؤس' کے سامنے رکی تو رات گہری ہو چکی تھی۔ گھر کی روشنیاں جل چکی تھیں، جو اس خاموش گلی میں کسی امید کی طرح لگیں۔ گیٹ کے باہر ایک بڑی گاڑی کھڑی۔

مگر جیسے ہی وہ دونوں اندر داخل ہوئے، ڈرائنگ روم کا منظر ان کے استقبال کے لیے تیار کھڑا تھا۔ یہ وہ منظر نہیں تھا جس کی فجر کو توقع تھی۔

وہاں بشارت عالمگیر اور فخر عالمگیر بیٹھے تھے۔ ان کے چہروں پر ایک عجیب سی سنجیدگی اور عجلت طاری تھی۔ پاس ہی اماں کا ایک سوٹ کیس پیک ہوا رکھا تھا، جیسے کسی طویل سفر کی تیاری ہو۔

فجر نے اپنی حیرت کو ضبط کرتے ہوئے انہیں سلام کیا۔ ولی نے بھی تھکے ہوئے قدموں کے ساتھ اس کی تقلید کی۔

"ولی آج سے یہیں رہیں گے۔ آپ کو کوئی مسئلہ تو نہیں؟" اس نے سیدھا اماں کو مخاطب کیا۔ اس کی آواز میں ایک اٹل فیصلہ تھا۔

"تمہارا شوہر ہے۔ تمہارا گھر ہے۔ تم جسے چاہو رکھ سکتی ہو۔" اماں نے اسی ٹھہرے ہوئے، سنجیدہ لہجے میں جواب دیا جس میں کوئی جذبہ تلاش کرنا مشکل تھا۔ ولی اس دوران ان دونوں بھائیوں سے مل رہا تھا۔ وہ نارمل نظر آنے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا، مگر اس کے چہرے کی زردی اور آنکھوں کی سرخی اس کی اندرونی کیفیت کی چغلی کھا رہی تھی۔

"خیریت ہے؟ آپ کہیں جارہی ہیں؟" اس نے سوٹ کیس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ اس کے دل میں ایک انجانا سا کھٹکا پیدا ہوا۔

"میرا بھائی بیمار ہے۔ میرے بھتیجے مجھے لینے آئے ہیں۔ مجھے جانا ہو گا۔"

اماں نے اسی سپاٹ لہجے میں جواب دیا تو فجر ایک گہری سانس لے کر رہ گئی۔ وجاہت عالمگیر کی طبیعت خراب تھی اور کئی دہائیوں بعد آج ترنم عالمگیر کو اس کے خاندان میں واپس قبول کیا جارہا تھا۔ ان کے بھتیجے خود انہیں لینے آئے تھے، وہ کیسے نہ جاتیں؟ یہ ایک تاریخی لمحہ تھا، مگر اس وقت فجر کے لیے یہ ایک اور تنہائی کا پیش خیمہ تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی، بشارت کی بے چین آواز ابھری۔

"چلیں پھوپھو۔ ہمیں نکلنا ہے، دیر ہو رہی ہے۔"

وہ لوگ جیسے بس اسی کا انتظار کر رہے تھے۔ اماں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ مضبوطی سے اپنی چادر کاندھوں پر لپیٹی۔ فجر کے دل کو کچھ ہوا۔ یہ زندگی میں پہلی بار تھا جب اماں اسے چھوڑ کر کہیں جارہی تھیں، مگر اس کے جانے میں وہ پرانی تلخی یا بے بسی نہیں تھی بلکہ ایک حق تھا جو اسے واپس مل رہا تھا۔ مگر اس وقت، جب فجر کو خود سہارے کی سب سے زیادہ ضرورت تھی، یہ احساس عجیب تھا۔

"بانو کے گھر والے صبح اسے لینے آرہے ہیں۔ وہ چند دنوں کے لیے جارہی ہے۔ اپنا گھر دیکھ لینا۔"

اماں ایسے کہہ رہی تھیں جیسے کوئی ذمہ داری سونپ رہی ہوں، یوں کہنا مناسب ہو گا کہ ذمہ داری سے آزاد ہو رہی ہوں۔ ان کے لہجے میں فجر کے لیے محبت سے زیادہ ایک حقیقت پسندی تھی۔ فجر نے ان کا بیگ اٹھایا اور پھر وہ بنا

مڑے، بنا کچھ کہے باہر نکل گئے۔ گھر کے باہر ایک بڑی، چمکتی ہوئی گاڑی کھڑی تھی جس میں گارڈ بھی موجود تھا۔ یہ اس دنیا کی جھلک تھی جسے اماں نے کبھی پیچھے چھوڑ دیا تھا۔

ان کے جاتے ہی گھر میں ایک گہرا، کاٹ کھانے والا سناٹا چھا گیا۔ جیسے اچانک سارا سہارا چھن گیا ہو۔

"چلیں؟ کمرہ دکھاتی ہوں۔" فجر نے ماحول کی بوجھل خاموشی کو توڑتے ہوئے ولی کی طرف دیکھا۔ آواز میں ایک نرمی تھی۔ اس نے سر ہلا دیا اور چپ چاپ اس کے پیچھے چل پڑا۔

آدھے گھنٹے بعد وہ بالائی منزل کے لاؤنج میں تھے۔ میز پر چائے کے دو کپ رکھے تھے، جن سے اٹھتی بھاپ ہوا میں تحلیل ہو رہی تھی۔ لمبے صوفے کے ایک کونے پر وہ بیٹھا تھا، خاموش اور بے حس و حرکت۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور سربری طرح گھوم رہا تھا۔ ہاتھ میں پکڑا بریسلٹ اب بھی نہیں چھوڑا تھا۔

"تم ٹھیک ہو؟" وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے نرمی سے بولی۔ آواز میں فکر مندی تھی۔

"بس سر درد ہے۔" وہ اتنا ہی کہہ پایا۔ لہجے میں صدیوں کی تھکن سمٹ آئی۔

وہ کچھ کہے بغیر اٹھی اور چند منٹ بعد واپس آئی۔ اس کے ہاتھ میں پین کلرز اور پانی کا گلاس تھا۔ اس نے ہاتھ ولی کی جانب بڑھایا۔ اس نے ایک نظر دوا کو اور پھر فجر کے چہرے کو دیکھا۔

"مجھے دواء کی عادت نہیں ہے۔" اس نے دھیمے سے کہا، جیسے وہ اس درد کو بھی خود ہی سہنا چاہتا ہو۔

فجر نے اپنا ہاتھ پیچھے نہیں ہٹایا۔ اس کی آنکھوں میں ایک نرم سی ضد تھی۔

"میری عادت بھی تو نہیں تھی، وہ بھی ڈال لی نا؟" وہ مسکرانے کی کوشش کیے بغیر بولی۔ "اب اسے بھی کھالو۔"

لہجے میں اتنا مان اور اتنی اپنائیت تھی کہ وہ انکار نہ کر سکا۔ اس نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے خاموشی سے دواء اس کے ہاتھ سے لے لی اور پانی کے ساتھ نگل لی۔

لاؤنج کی بڑی سی گلاس وال سے باہر کا منظر دھندلا اور غیر واضح تھا۔ شہر کی روشنیاں اس پہر مدھم پڑ گئی تھیں، بالکل ان دونوں کی زندگیوں کی طرح، جہاں مستقبل ہر منظر سے اوجھل، دھندلا سا تھا۔

وہ اب اس کے ساتھ ہی صوفے پر سمٹ کر بیٹھ گئی۔ ولی نے اپنی پوزیشن بدلی اور اب وہ ٹیک لگا کر سیدھا ہو گیا۔ اس کے پیر سامنے رکھی میز پر دھرے تھے۔ صاف ستھرے، سفید پیر، فجر کی نظر ان پر پڑی تو اسے بے اختیار وہ دن یاد آ گیا جب اس نے ان قدموں کو پہلی بار مسجد کے ٹھنڈے فرش پر دیکھا تھا۔ جب وہ اسلام قبول کرنے کے بعد، دنیا کی ہر فکر سے آزاد، بارش کے پانی میں قدم دھرتا، صرف اس کی جانب بڑھ رہا تھا۔ وہ دن ایک خواب جیسا تھا، ایک پاکیزہ حقیقت!

اس نے نرمی سے اپنا سر ولی کے کندھے سے ٹکا دیا۔ وہ جانتی تھی کہ اس وقت ولی کو سب سے زیادہ اس کی ضرورت تھی۔ خود اس سے بھی زیادہ۔ وہ اس کا قلعہ تھی، اور اس طوفان میں اسے ثابت قدم رہنا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے دھیرے سے سوال کیا۔

"سر درد اب کیسا ہے؟" اس کا ہاتھ اٹھا کر اپنے ہاتھوں کے پیالے میں لے لیا۔ اس کا لمس ٹھنڈا تھا، جیسے اندر کی آگ ساری حرارت کھا گئی ہو۔

"ہاں۔۔۔ اب بہتر ہے۔" وہ ہولے سے بولا، جیسے بولنے میں بھی توانائی صرف ہو رہی ہو۔

فجر اسے اس اذیت کی گہرائی سے باہر نکالنا چاہتی تھی۔ اس کا دھیان اپنی جانب مبذول کرانا چاہتی تھی۔

"نینسی بہت اچھی لڑکی تھی۔ جتنا تم نے ٹیپ میں ریکارڈ کیا تھا، اتنا میں اسے جانتی ہوں۔"

اس نے صرف **'ہوں'** کہا۔ اس کی جلتی ہوئی آنکھیں گلاس وال سے باہر کے دھندلے منظر پر جمی تھیں۔ اس کے سینے میں ایک ایسی جلن تھی، ایک ایسا لاوا پک رہا تھا کہ اگر وہ چیختا، چلاتا، اسے باہر نکال دیتا تو شاید پورا لاہور شہر جل جاتا۔ مگر وہ صبر کیے بیٹھا تھا، ایک زندہ آتش فشاں کی طرح۔ اتنا صبر کہاں سے سیکھا تھا؟

"کیا وہ۔۔۔ مجھ سے زیادہ اچھی تھی؟"

یہ ایک الٹا سوال تھا۔ جان بوجھ کر پوچھا گیا ایک معصوم، بچگانہ سوال، جس کا مقصد صرف اسے حال میں واپس لانا تھا۔

ولی کے لبوں پر ایک لمحے کے لیے ایک نہ نظر آنے والی مسکراہٹ ابھری اور غائب ہو گئی۔

"ہاں۔۔۔"

وہ جانتا تھا کہ وہ جان بوجھ کر پوچھ رہی تھی۔ اس کے **'ہاں'** کہنے پر فجر نے مصنوعی غصے سے اس کا ہاتھ دبایا، جیسے کوئی حق جتا رہی ہو۔

"کیا وہ تمہیں مجھ سے زیادہ عزیز تھی؟ کیا تم مجھ سے زیادہ اس سے محبت کرتے تھے؟" ایک اور الٹا سوال!

اس بار ولی نے ایک لمحے کا توقف کیے بغیر جواب دیا۔ "نہیں۔"

اس کے **'نہیں'** میں کوئی شک نہیں تھا۔ اس کا اور نینسی کا رشتہ پیار، دوستی اور ایک مشترکہ درد کا تھا، محبت کا نہیں۔ اس نے محبت صرف ایک ہی عورت سے کی تھی، جو اس وقت اس کے کندھے سے سر ٹکائے بیٹھی تھی۔ یہ جواب

سنتے ہی فجر کے چہرے پر جیسے لال گلال سا بکھر گیا۔ ایک اطمینان کی لہر اس کے وجود میں دوڑ گئی۔ دونوں کے درمیان ایک گہری، پر سکون خاموشی چھا گئی۔

کچھ لمحوں بعد فجر نے ہمت کر کے وہ سوال پوچھا جو اس کے ذہن میں کانٹے کی طرح چبھ رہا تھا۔

"وہ ایسا کیوں کریں گے؟ وہ نینسی کو کیوں ماریں گے؟" وہ یہ سوال پوچھتے ہوئے ڈر رہی تھی کہ کہیں اس کے زخموں کو پھر سے نہ کرید دے، مگر وہ پر سکون بیٹھا رہا۔

"انہوں نے نینسی کو نہیں مارا۔"

اس کے جواب پر فجر نے جھٹکے سے اس کے کندھے سے سر اٹھایا اور باقاعدہ اس کے چہرے کو دیکھا۔ وہ نشان زدہ گال، وہ سنجیدہ آنکھیں اس کے سامنے تھیں۔

"ہاں وہ اسے تکلیف پہنچانے میں شامل تھے لیکن انہوں نے نینسی کو نہیں مارا۔" وہ پر اعتماد تھا۔ اس کے لہجے میں ایک ٹھوس حقیقت تھی۔ وہ اسے دیکھتی رہ گئی۔ اگر اسے اتنا یقین تھا، تو یہی سچ تھا۔

"تو پھر۔۔۔ احمد؟" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی، جیسے کسی بھیانک سچ کے کنارے پر کھڑی ہو۔

ولی نے اس بار اپنا رخ پوری طرح فجر کی جانب موڑا۔ اس کے ہاتھوں میں دبے اپنے ہاتھ کو دیکھا اور پھر اس کے سرد ہاتھوں کو مضبوطی سے تھام لیا۔ وہ بہت کچھ نہیں جانتی تھی، اور شاید اب وقت آ گیا تھا۔ وہ اسے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ کیا اسے سب کچھ بتا دینا چاہیے؟ وہ اس کی بیوی تھی، اس کے ہر سکھ دکھ کی ساتھی۔ وہ حق رکھتی تھی۔ پھر اس نے ایک گہری سانس لی۔

"یہ سب اتنا سیدھا نہیں ہے، فجر۔" اس نے جس انداز سے اس کا نام لیا تھا، جس اپنائیت سے پکارا تھا، فجر کا چہرہ کھل اٹھا۔

"تو پھر بتائیں مجھے۔ میں جاننا چاہتی ہوں۔ سب نے ہمیشہ مجھ سے سچ چھپایا ہے۔ کیا میں اس قابل بھی نہیں کہ مجھے سچ بتایا جائے؟" وہ سنجیدگی سے اسے دیکھے گئی۔ آنکھوں میں شکایت نہیں، حق تھا۔

"پورا سچ میں بھی نہیں جانتا۔ مگر میں تمہیں وہ بتانا چاہتا ہوں جو میں جانتا ہوں۔" وہ اب پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھا۔

"نینسی کی موت کا ذمہ دار احمد تھا، احمد جہانزیب! بگ بی کا دوست اور ذرتاش کی محبت! وہ ان سے شادی کرنا چاہتی تھیں۔"

یہ سچ کسی دھماکے سے کم نہیں تھا۔ فجر کو لگا جیسے ترنم ہاؤس کی چھت اس کے سر پر آ گری ہو۔ اس کا ذہن ماؤف ہو گیا۔

"احمد اب زندہ نہیں ہے۔ بگ بی نے اسے مرنے پر مجبور کر دیا۔" اس نے اگلا انکشاف کیا۔ وہ حیرت اور ناقابل یقینیت سے اسے دیکھتی رہ گئی کہ وہ اتنا کچھ کیسے جان گیا تھا۔

"مگر۔۔ کیوں؟"

"یہ سچ ہے کہ احمد بگ بی کے کہنے پر نینسی سے ملا تھا۔ اس کے پیچھے بگ بی کا ہاتھ تھا۔ یہ شاید پہلی اور آخری بار تھا جب انہوں نے اپنی جنگ میں کسی عورت کو ذریعہ بنایا تھا اور افسوس، وہ نینسی تھی۔" دکھ کی لہر اس کے چہرے پر پھیل گئی۔

"مگر انہوں نے ایسا کیوں کیا؟" وہ ساکت تھی، جیسے اس کا دماغ کام کرنا چھوڑ گیا ہو۔

"میرے لیے!"

اس کے اگلے انکشاف نے فجر کا سر گھما دیا۔ وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"میں افق اور نگزیب کی اولاد ہوں اور وہ مجھے واپس پانا چاہتے تھے۔ وہ مجھے جوزف پیٹرسن سے چھین لینا چاہتے تھے۔ جیسے انہوں نے مام کو اور نگزیب خاندان سے چھین لیا تھا اور اس کے لیے انہوں نے نینسی کا استعمال کیا۔" وہ اسے وہ سب بتا رہا تھا جو اسے احمد اور نگزیب صاحب سے معلوم ہوا تھا۔

"رئیس اور نگزیب کے لیے افق اور نگزیب بہت اہم تھی۔ یہ سچ ہے کہ وہ مام کے چھوڑ جانے پر ٹوٹ گئے تھے، ان سے نفرت کرتے تھے، شاید آج بھی کرتے ہوں مگر وہ تھی تو ان کی بہن ہی۔ جب وہ اس قابل ہوئے کہ افق کی نشانی کو واپس پا سکیں، تو انہوں نے ایک منصوبہ بنایا۔ نینسی کا استعمال کیا گیا تاکہ مسٹر جوزف سے سودے بازی کر سکیں۔ انہیں ولیم جوزف ہر قیمت پر واپس چاہیے تھا مگر پھر احمد نے دھوکا دے دیا۔ کھیل الٹ گیا۔ نینسی ماری گئی، ذرتاش، جو احمد سے شادی کرنا چاہتی تھی، ہمیشہ کے لیے ٹوٹ گئیں اور احمد کو اپنے دھوکے کی سزا موت کی صورت ملی۔ یہی وجہ ہے کہ ذرتاش اور نگزیب اپنے بھائی رئیس اور نگزیب سے شدید نفرت کرتی ہے۔"

اس نے، جتنا وہ جانتا تھا، فجر کے سامنے کھول کر رکھ دیا۔ ہر سچ پچھلے سچ سے زیادہ بھیانک تھا۔

پوری کہانی سننے کے بعد لاؤنج میں ایک لمبی، گہری خاموشی چھا گئی۔ فجر کے ذہن میں اب بھی ایک سوال تھا۔

"تو۔۔ انہوں نے آج ہمیں سچ کیوں نہیں بتایا؟" اس نے پوچھا۔ آخر رئیس نے خاموشی سے یہ کیوں ظاہر ہونے دیا کہ وہ نینسی کا قاتل تھا؟

ولی نے ایک تلخ، تاسف بھری سانس لی۔ پھر فجر کے ہاتھوں پر اپنی گرفت مضبوط کی۔

"ہمیں خود سے دور کرنے کے لیے۔"

آواز میں ایک ایسی اذیت تھی جو رئیس اور نگزیب کے لیے تھی۔

"کچھ لوگ اپنی غلطیوں کا بوجھ اٹھانے کے بجائے خود کو تنہا کر لیتے ہیں۔ وہ ہمیں تکلیف دے کر، خود سے نفرت کروا کر، ہمیں اپنی زندگی سے نکالنا چاہتے تھے تاکہ انہیں اپنی ناکامی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ یہ ان کی خود ساختہ جلاوطنی ہے۔"

اس نے فجر کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھامے رکھا، جیسے وہ اسے آنے والے سچ کے طوفان کے لیے تیار کر رہا ہو۔

"اور میں؟ میں اس سب میں کہاں آتی ہوں؟"

"وجہ صرف یہ نہیں ہے کہ تم منار کی بہن ہو اور وہ اس لیے تمہیں قبول نہیں کر رہے۔ بلکہ۔۔۔" وہ ایک لمحے کو رکا، اس کی کتھئی آنکھوں میں ایک پیچیدہ، گہری سنجیدگی تھی۔ "ان کے دشمن، بلکہ تمہارے اور ان کے کچھ مشترکہ دشمن ہیں۔ ایک عورت! ایک عورت جو تمہارے اور ان کے ماضی سے جڑی ہے اور اس کا ساتھ ذرتاش دے رہی ہیں۔ وہ بگ بی کو نقصان پہنچانا چاہتی ہیں۔ وہ ان سے بدلہ لینا چاہتی ہیں۔۔۔ اور وہ اس لیے تمہیں استعمال کرنا چاہتی ہیں۔۔۔"

اس نے آخری جملہ ادھورا چھوڑ دیا، مگر اس کا مفہوم فضا میں ایک زہر کی طرح پھیل گیا۔

"کوئی مجھے استعمال کیوں کرے گا؟" اس کی آواز میں خالص حیرانی تھی۔ وہ اس بڑی، خطرناک شطرنج کی بساط پر اپنی حیثیت سمجھنے سے قاصر تھی۔

ولی نے اس کی آنکھوں میں جھانکا، اور پھر وہ سچ بولا جس نے پل بھر کے لیے گھر کی ہر شے کو ساکت کر دیا۔

"کیونکہ تم منار کی ہمشکل ہو۔"

یہ جملہ کسی گونج کی طرح نہیں، بلکہ ایک سناٹے کی طرح اترا۔ ایک ایسا سناٹا جس میں اسے اپنے دل کی دھڑکن بھی سنائی دینا بند ہو گئی۔ وہ مزید الجھ گئی تھی۔ ایک بار پھر، اس کی اپنی شناخت، اس کا اپنا چہرہ ہی اس کے خلاف ایک ہتھیار تھا؟ یہ خوفناک حقیقت پیچھا کیوں نہیں چھوڑ رہی؟

کئی لمحے یونہی گزر گئے۔ پھر اس نے ایک لمبی سانس لی، جیسے بکھری ہوئی سوچوں کو مجتمع کر رہی ہو۔ اس کی آنکھوں میں اب الجھن نہیں، ایک اٹل فیصلہ تھا۔

"میں بس اتنا جانتی ہوں، میں انہیں نہیں چھوڑوں گی۔ وہ مجھے جتنا مرضی ہرٹ کر لیں، میں انہیں نہیں چھوڑوں گی۔ میں انہیں نہیں چھوڑ سکتی۔" اس کی آواز میں ایک ایسی مضبوطی تھی جو ساتھ بیٹھے شخص کے دل میں اتر گئی۔ جو شخص بار بار اسے بچانے کے لیے مسیحا بن کر آیا تھا، وہ اسے اس کی جنگ میں اکیلا کیسے چھوڑ دیتی؟

"میں بھی نہیں!" ولی کے لبوں پر ایک ہلکی سی، تھکی ہوئی مسکراہٹ ابھری۔ "ہاں، میں ان سے ناراض ہوں۔ غصہ ہوں، ہرٹ ہوں، انہوں نے تکلیف دی ہے مجھے۔ پر تکلیف تو مجھے سب نے ہی دی ہے۔ جب میں باقیوں کو نہیں چھوڑ سکتا تو پھر انہیں کیوں؟ میں انہیں نہیں چھوڑ سکتا۔ ہم۔۔۔ انہیں نہیں چھوڑیں گے۔"

اس نے 'ہم' پر زور دیتے ہوئے فجر کے ہاتھوں پر دباؤ ڈالا، اسے یقین دلایا کہ وہ اس سفر میں اکیلی نہیں ہے۔ جتنا اس کے لیے جاننا ضروری تھا، اتنا اس نے بتا دیا تھا۔ باقی سچ کی تلاش میں وہ خود ابھی تک سرگرداں تھا۔ یہ جال تھا کہ الجھتا جا رہا تھا۔

فجر اسے دیکھتی رہ گئی۔ اس ہیزل آنکھوں میں ولی کے لیے اب صرف محبت نہیں تھی، بلکہ ایک بے پناہ احترام امڈ آیا تھا۔ یہ شخص کس مٹی کا بنا تھا؟

"تم نے یہ سب کیسے سیکھا؟" اس کی آواز ایک سرگوشی کی طرح ابھری۔ "اپنوں کو معاف کرنا؟ اتنا درد سہہ لینا؟ کیسے؟ تم نے سب کو کیسے معاف کیا؟" وہ اس راز کو جان لینا چاہتی تھی جس نے ولی کو ٹوٹ کر بکھرنے نہیں دیا تھا۔

ولی نے اپنی نظریں اس کے جڑے ہوئے ہاتھوں پر مرکوز کر لیں۔ اس کی آواز اب کسی گہرے کنویں سے آتی محسوس ہو رہی تھی، پرسکون اور ٹھہری ہوئی۔

"ہم انہیں معاف نہیں کرتے، نہ ہی تعلق توڑتے ہیں۔ ہم بس انہیں اپنی زندگی کے اس نقشے پر وہیں رہنے دیتے ہیں، جہاں وہ ہمیشہ سے تھے۔ ہم وقت کے ساتھ اپنے دل کو اتنا کشادہ کر لیتے ہیں کہ ان کی خامیوں اور غلطیوں کے بوجھ کو اٹھا سکیں۔ یہ بوجھ کبھی مکمل طور پر اترتا نہیں، مگر قبولیت اسے سہنے کے قابل بنا دیتی ہے۔ یہ ایک دکھ بھرا سچ ہے، مگر یہ بہت سے گھروں کی کہانی ہے۔ یہ وہ رشتہ ہے جو ہمیں توڑ بھی سکتا ہے اور جوڑ کر مکمل بھی کرتا ہے، اور جس کے ساتھ جینا سیکھنا ہی شاید زندگی کے سب سے کٹھن اسباق میں سے ایک ہے۔"

وہ ہولے سے بڑبڑایا تھا، مگر اس کے الفاظ فجر کی روح میں تیر کی طرح نہیں، نور کی طرح اترے تھے۔ ان ہیزل آنکھوں میں، محبت کے ساتھ ساتھ ایک گہرا، پختہ احترام بھی اتر آیا تھا۔

وہ لڑکی، جو ہمیشہ سے خود کو ملعون اور بدنصیب کہتی آئی تھی، آج اسے اپنی قسمت پر رشک ہو رہا تھا۔ اسے ولی اورنگزیب ملا تھا، جو صرف ایک شوہر نہیں، ایک بہترین ساتھی تھا۔

اس کے لبوں پر ایک دھیمی، پرسکون مسکراہٹ ابھری اور پھر اس نے دوبارہ اپنی گردن اس کے کندھے سے ٹکا دی۔ بھاری، سنجیدہ باتیں ختم ہو چکی تھیں۔ اب وہ اسے صرف خود میں الجھانا چاہتی تھی، اس کا دھیان اس کے درد سے ہٹا کر ان دونوں کی چھوٹی سی دنیا کی طرف لانا چاہتی تھی۔

"ویسے ایک بات بتاؤ۔۔۔"

"پوچھو؟" وہ گہری سانس لیتے ہوئے بولا۔

"اگر میں تم سے ایڈنبرا میں ملی ہوتی تو تم کیا کرتے؟"

"تو میں سارے قلعے تمہارے نام کر دیتا۔"

"اگر میں تم سے موریفیلڈ کی شاموں میں ملی ہوتی؟"

"تو میں جوزف پیلس کے دروازے تمہارے نام سے منسوب کر دیتا۔"

"اور اگر میں تم سے خوابوں کی دھند میں ملتی؟"

"تو میں اپنے ہر خیال کو، ہر سوچ کو، تمہاری دہلیز پر رکھ دیتا۔

تمہاری نیند کی رکھوالی کے لیے اپنے بخت کا چراغ جلا دیتا۔"

وہ دلکشی سے مسکرائی۔ اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔

"اگر میں تم سے وقت کے کسی لمحے میں ملی ہوتی؟"

"تو میں وقت کو قید کر لیتا اور اس لمحے کو تمہارے نام سے مقدس کر دیتا۔۔۔"

"اگر میں تم سے پہلی برفباری میں ملی ہوتی؟"

"تو میں ہر برف کے ذرّے پر تمہارا لمس تراشتا!"

"اگر میں تم سے وینس کے کسی سنسان کنارے پر ملی ہوتی؟"

"تو میں ہر کشتی کو تمہارے انتظار میں روک دیتا۔"

"اگر میں تم سے کسی لائبریری میں ملی ہوتی؟"

"تو میں ہر صفحے پر تمہارا نام لکھتا اور ہر کتاب کا عنوان تمہیں بنا دیتا۔"

وہ کھکھلا کر ہنس دی۔ اس کی ہنسی خوبصورت اور مدھر تھی۔ ولی کے اندر جلتا لاوا بجھنے لگا۔

"اگر مجھے تم پہلی بار ملنے پر پسند نہ آتے؟"

"تو میں خود کو دوبارہ ایجاد کرتا، تمہاری پسند، تمہاری نظر، تمہارے لمس کے مطابق۔"

"اگر میں تم سے ایسی دنیا میں ملی ہوتی،

جہاں جنگیں نہ ہوتیں، نفرتیں نہ ہوتیں؟"

"تو میں محبت کو تمہارے چہرے سے پہچانتا!"

"اگر میں تم سے اس زندگی کے بعد ملی ہوتی؟"

”تو میں موت سے کہتا،

ذرا ٹھہرو،

اس بار مجھے جینا ہے۔ صرف اُس کے ساتھ!“

اسکا ہر جواب فجر کا غرور بڑھا رہا تھا۔ وہ سرشار ہوتی جا رہی تھی۔

✿••✿••✿••✿

"شیشے کا قفس"

شام لاہور کے افق پر اپنے سرمئی پر پھیلا رہی تھی۔ شہر کی روشنیاں ایک ایک کر کے جلنے لگیں، جیسے کسی سیاہ مخملی چادر پر ہیرے ٹانک دیے گئے ہوں۔ مگر کانفرنس روم کے اندر، ان روشنیوں کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ یہاں ہر شے مصنوعی، نپی تلی اور بے حد سرد تھی۔ چھت سے لٹکتی ہینڈ کرافٹڈ کرسٹل لائٹس کی یخ زدہ چمک، آہنی میز کی پالش شدہ سطح پر منعکس ہو کر درجنوں چہروں کو ایک غیر حقیقی تقدس بخش رہی تھی۔ یہ چہرے رئیس جیولرز کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کے تھے۔ وہ لوگ جو خواب بیچتے تھے اور حقیقت خریدتے تھے۔

کمرے کی مکمل خاموشی کو صرف سینٹرل روم ہیٹر کی ہلکی، بے معنی گونج توڑ رہی تھی۔ سامنے لگی دیو قامت اسکرین پر سیاہ پس منظر میں سفید حروف کسی کتبے کی طرح ثبت تھے۔

“Dark Stars: The Rarest Collection Yet”

اور اس کے نیچے ایک چھوٹی، پراسرار سطر:

“An experience beyond jewelry. A myth in motion.”

ہیڈ ڈیزائنر، حماد خان، اپنی کرسی کے کنارے پر تھا، اس کی آنکھوں میں وہ جنونی چمک تھی جو ایک تخلیق کار کو اپنی بہترین تخلیق کے قریب ہونے پر محسوس ہوتی ہے۔ وہ جوش سے بول نہیں رہا تھا، بلکہ جیسے الفاظ کو تراش رہا تھا۔

"میں واضح کر دوں کہ ہمیشہ کی طرح ہم زیورات کی نمائش نہیں کر رہے۔ ہم ایک بیانیہ پیش کرنے جا رہے ہیں۔ Dark Stars صرف ہیرے، نیلم یا پکھراج نہیں ہوں گے۔ یہ کردار ہوں گے۔ سانس لیتے، چلتے، بات کرتے کردار۔ جیسے پروجیکٹ رانیہ میں ہم نے ہر لباس کو ایک عورت کی شناخت، اس کی طاقت اور اس کی کمزوری سے جوڑا تھا۔ یہ ویسا ہی ہے، لیکن اس بار کہیں زیادہ گہرا، کہیں زیادہ طاقتور۔"

کمرے میں سرگوشیاں ابھریں۔ مارکیٹنگ ہیڈ نے زور دیا، "ہمیں صرف ڈیزائنرز نہیں، رائٹرز چاہئیں۔ ایسے رائٹرز جو ان پتھروں کے لیے دیومالائی کہانیاں (mythologies) تخلیق کریں۔ ایسی حکایات (fables) جو ہمارے ہیرے پہننے والی عورت کو محض ایک خریدار نہ رہنے دیں، بلکہ اسے ایک داستانی کردار بنا دیں۔ ایک ایسی ہیروئن جس کی کہانی وہ خود پہن سکے۔"

یہ وہ لمحہ تھا جب ندیم قریشی نے وہ نام لیا جو اس کمرے کی فضا کو ہمیشہ کے لیے بدلنے والا تھا۔

"فلک عالمگیر۔۔۔" ندیم نے کہا اور اس کے لہجے میں پروجیکٹ رانیہ کی کامیابی کا خمار تھا۔ "اس نے رانیہ کے لیے جو لکھا، وہ اب تک کی سب سے دلی اور سب سے خطرناک کمپین تھی۔ اس کی کہانی نے لباس کو اسٹیج پر زندہ کر دیا تھا۔ وہ کرداروں میں روح پھونک دیتی ہے۔"

حماد نے فوراً اثبات میں سر ہلایا۔ "بالکل۔ فلک عالمگیر ہی چاہیے۔ وہ اس کلیکشن کو ایک ماورائی، ایک روحانی بیانیہ دے سکتی ہے۔ اس کے لفظوں میں وزن ہے، ایک تاریکی ہے جو ہمارے ڈارک اسٹارز کے فلسفے سے ملتی ہے۔"

پوری گفتگو کے دوران، رئیس میز کے سرے پر اپنی مخصوص سربراہی کرسی پر ساکت بیٹھا تھا۔ وہ جسمانی طور پر وہاں تھا، مگر ذہنی اور روحانی طور پر کہیں اور۔ اس کی آنکھیں نہ تو اسکرین پر تھیں، نہ اپنے ساتھیوں پر۔ وہ شفاف شیشے کی دیوار سے پرے، ڈوبتے سورج کی آخری روشنیوں اور شہر کی جلتی بجھتی بتّیوں کے درمیان بھٹک رہا تھا۔ اس کی نگاہوں میں ایک ایسا خلا تھا جیسے وہ کسی اور وقت، کسی اور زندگی کے منظر دیکھ رہا ہو۔ اس کے چہرے پر وہی مخصوص سرد مہری تھی جو اکثر کسی بڑے فیصلے یا شدید ذہنی دباؤ کے لمحے میں اس پر طاری ہو جاتی تھی۔ وہ ایک بت کی طرح منجمد تھا۔

اس کے قریب بیٹھے مراد نے اس کی کیفیت بھانپ لی۔ اس نے آہستگی سے، جیسے کسی گہرے خواب میں خلل ڈالنے سے ڈر رہا ہو، پکارا۔

"باس؟"

کوئی جواب نہیں۔ باہر ہوا کا شور ایک مدھم لہر کی طرح شیشے سے ٹکرا کر گم ہو رہا تھا۔

مراد تھوڑا آگے جھکا، اس کی آواز میں فکرمندی تھی۔

"رئیس۔۔۔۔؟" اس نے نام لیا۔

اب بھی کوئی حرکت نہیں ہوئی۔ اس کی پلکیں تک نہ جھپکیں۔ بورڈ کے دیگر ممبران کی نظریں اب حماد سے ہٹ کر رئیس پر مرکوز ہو چکی تھیں۔ کمرے کی مصنوعی روشنیوں میں ایک غیر آرام دہ تناؤ گھلنے لگا تھا۔

مراد نے تیسری بار، اس بار قدرے مضبوط اور واضح لہجے میں پکارا، جیسے کسی کو گہری نیند سے جگا رہا ہو۔

"رئیس۔۔۔۔۔؟"

یہ آواز جیسے ہزاروں میل کا فاصلہ طے کر کے اس تک پہنچی۔ وہ چونکا۔ اس کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے مکمل خالی پن جھلکا، جیسے کوئی نوزائیدہ بچہ جو ابھی نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے۔ پھر یادداشت کی لہریں ایک ایک کر کے لوٹیں، چار نفرے نسی اسکورمین بز۔۔ سب کچھ اپنی جگہ واپس آ گیا۔ اس نے آہستہ سے سر اٹھایا، اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

مراد نے نرمی سے پوری گفتگو کا خلاصہ اس کے سامنے رکھ ڈارک اسٹارز کا وژن، ایک نئی اساطیری کہانی کی ضرورت، اور۔۔۔ فلک عالمگیر کا نام!

فلک کا نام سنتے ہی اس کے چہرے کے تاثرات ایسے بدلے جیسے کسی نے پر سکون جھیل میں پتھر پھینک دیا ہو۔ اس کی بھنویں ایک جھٹکے سے سکڑ گئیں، جبڑے بھینچ گئے، اور اس کی آنکھوں میں شناسائی اور کوفت کا ایک عجیب امتزاج ابھرا۔

وہ ایک منجمد لمحے میں بولا اور اس کے لہجے کی برف نے پورے کمرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

"پاکستان کے باقی سب رائٹرز مر گئے ہیں کیا؟" آواز بلند نہیں تھی مگر اس میں چھپی کاٹ اتنی تیز تھی کہ سب کو محسوس ہوئی۔ اس میں کوفت تھی، بے زاری تھی، اور ان سب کے نیچے کہیں بہت گہرائی میں ایک چھپی ہوئی تکلیف بھی سسک رہی تھی۔ مراد جانتا تھا کہ یہ تکلیف کیوں ہے۔ وہ اپنوں کو خود سے دور ہی رکھتا تھا۔ اس نے اتنی بڑی سلطنت بنالی تھی۔ ساتھی بنا لیے تھے مگر کبھی گھر نہیں بنایا تھا۔ اس کے گھر میں جو افراد تھے وہ تو ان سے بھی کوسوں دور رہتا تھا اور پھر زندگی میں وہ نئی نسل کے تین نوجوان آ گئے۔ فلک، فجر اور ولی! وہ جتنا ان سے دور رہنا چاہتا تھا وہ اتنا قریب آتے جا رہے تھے۔ کب گھر بنا کچھ پتا ہی نہیں چلا اور اب جب اس نے اپنے ہاتھوں سے توڑ دیا تھا تو تکلیف برداشت کرنا مشکل ہو گیا تھا۔

"ٹیم کو وہی چاہیے۔"

اس نے اپنی جلتی ہوئی نگاہیں مراد پر گاڑ دیں، جیسے وہ اس سے جواب طلب کر رہا ہو، پھر آہستہ مگر گہری، سرگوشی نما آواز میں کہا۔

"وہی کیوں؟ ایسا عجیب و غریب، ایسا نفسیاتی لکھنے والی وہی ایک رہ گئی ہے؟ اس کی کہانیاں، خواب اور حقیقت کا ملغوبہ! سب کچھ بہت وزنی ہے۔ بہت بھاری جبکہ ہمارے ہیرے چمکدار ہیں۔"

بورڈ کے سینئر ممبران نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ وہ رئیس کی ذاتی زندگی سے ناواقف تھے، مگر اس کے کاروباری فیصلوں پر سوال اٹھانے کا حق نہیں رکھتے تھے۔ ندیم قریشی نے ہمت کر کے سنجیدگی سے کہا۔

"مگر یہی وزن ہمارے ہیروں کو افسانوی بناتا ہے۔ وہ کسی بھی کلیکشن کو ایک عورت کی اندرونی جنگ بنا دیتی ہے، اس کی روح کا سفر دکھاتی ہے اور ہم یہی تو بیچنا چاہتے ہیں۔ ایک احساس، ایک شناخت، صرف ایک زیور نہیں۔"

رئیس نے کچھ نہیں کہا۔ اس نے اپنی نظریں واپس شیشے کی دیوار کی طرف موڑ لیں۔ باہر رات مکمل طور پر چھا چکی تھی اور شہر روشنیوں کا ایک لامتناہی سمندر لگ رہا تھا۔ وہ شاید حساب لگا رہا تھا۔ کاروبار کی ضرورت اور اپنے ماضی کے بوجھ کے درمیان۔ ہر کوئی سانس روکے اس کے فیصلے کا منتظر تھا۔ کئی لمحے گزر گئے۔ یہ خاموشی کسی بھی گفتگو سے زیادہ بھاری تھی۔

آخر کار، اس نے ایک گہرا سانس لیا اور ایسے سر ہلایا جیسے کوئی شخص دل پر پتھر رکھ کر کسی ناگزیر حقیقت کو تسلیم کر رہا ہو۔

"ٹھیک ہے۔"

صرف دو لفظ، مگر اس میں ایک پوری داستان کی شکست تھی۔

اس نے سامنے پڑی فائل کو ایک حتمی حرکت سے بند کیا، جس کی آواز کمرے میں گونج اٹھی۔ پھر کرسی کو پیچھے دھکیلا اور آہستہ قدموں سے باہر کی جانب چل دیا۔ اس کے قدم بھاری تھے، جیسے وہ کانفرنس روم سے نہیں، بلکہ اپنی یادوں کے کسی قبرستان سے نکل رہا ہو۔

مراد ایک لمحے کو وہیں بیٹھا رہا، پھر فوراً اس کے پیچھے لپکا۔

ان کے جاتے ہی کمرے کی فضا بدل گئی۔ تناؤ ختم ہوا اور ایک نئی، تخلیقی توانائی پھیل گئی۔ حماد اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور بلند آواز میں اپنی ٹیم سے کہا۔

"چلو لوگو! کام پر لگ جاؤ! ڈیٹا تیار کرو۔ فلک عالمگیر سے رابطہ کیا جائے۔ وہ کہانی لکھے گی، اور ہم۔۔ ہم اس کہانی کو زیورات میں ڈھالیں گے۔"

اس کے جوش و خروش سے بے خبر، کہ یہ محض ایک معاہدہ نہیں، دو ٹوٹی ہوئی روحوں کا تصادم ہونے والا تھا۔

"Dark Stars: Written by Falak Alamgir.

Presented by Raees Jewelers."

✿••✿••✿••✿

عالمگیر حویلی میں شام کے سائے کھڑکی سے اندر آ رہے تھے۔ اس کے کھنے کا کمرہ ایک تخلیقی بے ترتیبی میں لپٹا ہوا تھا۔ میز پر بکھری کتابیں، کاغذوں کے بیچ دبی چائے کی خالی پیالی، اور ایک کھلا لیپ ٹاپ۔

اسکرین پر ایک ادھوری فائل کھلی تھی۔

"باب نمبر نو: جب لڑکیاں بغاوت نہیں کرتیں، بس خاموش ہو جاتی ہیں۔۔۔"

اس نے آنکھیں بند کیں، انگلیاں کنپٹی پر رکھیں اور گہری سانس لی۔ وہ کئی دنوں سے الجھی ہوئی تھی۔ رئیس اور فجر کے درمیان چلتے اختلافات، اوپر سے یہ پروجیکٹ! سب بہت مشکل سا ہو گیا تھا۔

اچانک لیپ ٹاپ پر ایک نئی ای میل کی آواز گونجی۔

اس نے سستی سے کرسر حرکت دی، پھر جیسے کسی انجانے احساس نے اس کی نگاہ روک لی۔

پروجیکٹ "**ڈارک اسٹارز**" میں تخلیقی شراکت کے لیے دعوت

From: Raees Jewelers | Head Office, Lahore

اس کی آنکھیں چند لمحے کے لیے ساکت ہو گئیں۔ اس نے فوراً ای میل کھولی۔

محترمہ فلک عالمگیر صاحبہ،

السلام علیکم،

ہم، رئیس جیولرز، دنیا بھر میں قیمتی جواہرات اور نایاب فن پاروں کے لیے پہچانے جاتے ہیں۔ اس وقت ہم ایک غیر معمولی کلیکشن "ڈارک اسٹارز" پر کام کر رہے ہیں جو کہ تاریخ کی سب سے نایاب اور پر اثر جیولری ہو گی۔

اس پروجیکٹ کے لیے ہم ایسی کہانی تخلیق کرنا چاہتے ہیں جو صرف سُنائی نہ دے، بلکہ زیورات کے ساتھ جیتی جا سکے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہر زیور ایک کردار ہو، ایک داستان کا ٹکڑا۔

ہم نے آپ کے کام، خصوصاً پروجیکٹ رانیہ، کو بڑے احترام سے دیکھا ہے اور یہ طے کیا ہے کہ اس بار ڈارک اسٹارز کی آواز، آپ ہوں۔

آپ کو اس پروجیکٹ کی مرکزی تخلیق کار کی حیثیت سے دعوت دی جا رہی ہے۔ اگر آپ راضی ہوں تو براہِ کرم اگلے تین دنوں میں ہماری ٹیم سے رابطہ کریں۔

خلوص کے ساتھ،

حماد خان

ہیڈ آف کریئیٹو، رئیس جیولرز

اس نے جیسے لمحہ بھر کے لیے سانس روک لی۔

وہ کرسی سے تھوڑا پیچھے ہوئی اور کچھ دیر ای میل کی سطر سطر گھورتی رہی۔

پھر زیرِ لب بڑبڑائی۔

"رئیس جیولرز؟ یہ مذاق ہے؟ یا کوئی فریب؟"

اس کی انگلیاں بے اختیار دوبارہ ای میل پر چلنے لگیں۔ یہ نام فلک کے لیے اجنبی نہ تھا۔ مگر اس نام سے یوں آنا، یہ پیشکش، جیسے کوئی اندھیری کھڑکی اچانک کھل گئی ہو۔

اس نے چائے کا خالی کپ دیکھا، پھر اسکرین کی روشنی میں اپنی دھندلی پرچھائیں۔

اگلے ہی لمحے، وہ کھڑی ہو چکی تھی۔ کتابیں، کاغذ، سب ایک طرف۔

جیسے کہانی کا مرکزی باب اب شروع ہو رہا ہو۔

کیا کائنات اسے رئیس اورنگزیب کے قریب لے جارہی تھی؟ کیا اس کے حق میں کوئی سبز اشارہ تھا؟ یہ تو آنے والا وقت ہی بتا سکتا تھا۔

✿••✿••✿••✿

شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ بلند و بالا عمارت کی آخری منزل پر واقع برہان گردیزی کے دفتر میں خاموشی کا راج تھا۔ باہر، شہر کی روشنیاں ایک ایک کر کے جاگ رہی تھیں، مگر دفتر کے اندر کی فضا میں ایک عجیب سی وحشت اور تناؤ تھا۔ شیشم کی سیاہ چمکتی میز کے پیچھے مہنگی چمڑے کی کرسی پر بیٹھے برہان گردیزی کی نظریں سامنے رکھے کاغذات پر تھیں، لیکن ان کا دھیان کہیں اور بھٹک رہا تھا۔

جب سے ارسل کو فجر کی حقیقت معلوم ہوئی تھی، باپ بیٹے کے درمیان ایک ان دیکھی دیوار کھڑی ہو گئی تھی۔ فرقان کی موت نے اس دیوار کو پتھریلا اور ناقابلِ عبور بنا دیا تھا۔ ارسل کی خاموشی اور ناراضی برہان کے دل میں کانٹے کی طرح چبھتی تھی۔ وہ اپنی کاروباری سلطنت کے بادشاہ تھے، لیکن اپنے ہی بیٹے کے سامنے بے بس اور لاچار محسوس کرتے تھے۔

انہی سوچوں میں گم تھے کہ میز پر رکھے فون کی تیز گھنٹی نے انہیں چونکا دیا۔ ایک جھنجھلاہٹ کے ساتھ انہوں نے کریڈل اٹھایا۔

"یس؟"

دوسری جانب سے جو کہا گیا، اس نے برہان گردیزی کے وجود کو ایک پل کے لیے منجمد کر دیا۔ وقت جیسے تھم گیا اور سماعت پر صرف ایک نام گونجتا رہا۔

"سر۔۔۔ کوئی منار معراج آپ سے ملنے آئی ہیں۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو؟" وہ اپنی پوری قوت سے دھاڑے۔ ان کی آواز دفتر کی دیواروں سے ٹکرا کر گونجی۔ دوسری جانب موجود ملازم اس غیر متوقع غصے سے سہم گیا۔

"نام ٹھیک سے پتا کرو! کس نے بھیجا ہے اسے؟"

ملازم نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔ "سر میں نے دو بار پوچھا ہے، وہ اپنا نام منار معراج ہی بتا رہی ہیں۔"

برہان گردیزی کے ماتھے پر پسینے کے قطرے نمودار ہوئے۔ یہ نام ماضی کے کسی دفن شدہ قبرستان سے نکل کر ان کے حال پر دستک دے رہا تھا۔ انہوں نے بے چینی سے میز پر رکھا ریموٹ اٹھایا اور دیوار پر لگی بڑی اسکرین آن کی تاکہ استقبالیہ کا منظر دیکھ سکیں۔ مگر اسکرین پر صرف سیاہی تھی۔ کیمرے بلینک ظاہر ہو رہے تھے۔ انہوں نے دو تین بار کوشش کی، پھر غصے اور بے بسی کے عالم میں ریموٹ میز پر پٹخ دیا۔

اگلے ہی لمحے، دفتر کا بھاری دروازہ ایک ہلکی سی چرچراہٹ کے ساتھ کھلا اور ایک سرد، پرسکون آواز گونجی۔

"میری موجودگی میں کیمرے کام نہیں کرتے۔"

برہان گردیزی نے جھٹکے سے پلٹ کر دروازے کی جانب دیکھا اور ان کی سانس سینے میں اٹک گئی۔ سامنے دہلیز میں وہ کھڑی تھی۔ ایک ایسی عورت جس کا وجود پراسراریت میں لپٹا ہوا تھا۔ گھنگھریالے بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے، اس طرح کہ آدھا چہرہ ان کی اوٹ میں چھپا ہوا تھا۔ جسم پر گہرے رنگ کی گرم جیکٹ اور آنکھوں پر بڑا سیاہ چشمہ جما تھا۔ ایک لمحے کے لیے انہیں فجر لگی۔ شاید منار کا نام استعمال کر کے انہیں پریشان کرنے آئی ہو۔

مگر اگلے ہی لمحے اس عورت نے دھیرے سے اپنا سیاہ چشمہ اتارا اور سر کو ایک جھٹکا دیا، بال لہراتے ہوئے چہرے سے ہٹ گئے۔ اس کا چہرہ واضح ہوا اور برہان گردیزی کو لگا جیسے کسی نے ان کے پیروں تلے سے زمین کھینچ لی ہو۔ وہ بے ساختہ اپنی کرسی پر گر گئے، ان کی آنکھیں حیرت اور ناقابلِ یقین خوف سے پھٹ پڑیں۔ وہ فجر نہیں تھی۔

وہ منار معراج تھی۔ زندہ۔۔ اور ان کے سامنے کھڑی تھی۔

وہ دھیرے دھیرے آگے بڑھی۔ اس کی ہیل کی بھاری ٹک ٹک سنگِ مرمر کے فرش پر ایک منحوس لے پیدا کر رہی تھی۔ دفتر کی چھت سے لٹکتے برقی قمقمے یکایک پھڑ پھڑانے لگے۔ وہ جلتے، بجھتے اور ایک خوفناک ماحول پیدا کر رہے تھے۔ برہان گردیزی کو لگا جیسے وہ کسی برے خواب کے زیرِ اثر ہوں، ایک ایسا خواب جس سے فرار ممکن نہیں۔

وہ اپنی اسی ہوشربا چال سے چلتی ہوئی ان کی میز تک پہنچی اور پھر دونوں ہاتھ میز پر رکھ کر ان کی جانب جھکی۔ اس کی آنکھوں میں نہ کوئی جذبہ تھا، نہ کوئی رحم۔ صرف ایک ٹھنڈی، حساب چکانے والی چمک تھی۔

"نہیں، یہ خواب نہیں ہے برہان گردیزی صاحب!" اس نے برف جیسے سرد لہجے میں کہا۔

"میں، منار معراج، ایک بدصورت حقیقت ہوں!"

برہان گردیزی کا خوف سے سفید پڑتا چہرہ دیکھ کر اس کے لبوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ وہ سیدھی ہوئی اور سینے پر بازو باندھ کر دفتر کی وسیع گلاس وال کی جانب بڑھ گئی۔ یہاں سے نیچے پھیلا ہوا شہر کسی جگمگاتے قالین کی مانند نظر آ رہا تھا۔

"سنا ہے آپ کی سلطنت آخری سانسیں لے رہی ہے۔" اس نے شہر کو دیکھتے ہوئے طنزیہ انداز میں کہا۔ اس کی پشت برہان کی طرف تھی مگر اس کی آواز کمرے میں یوں گونج رہی تھی جیسے وہ ان کے کان میں سرگوشی کر رہی ہو۔ برہان اپنی آنکھوں کو مسل کر اسے دیکھ رہے تھے، یہ یقین کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ جو وہ دیکھ رہے ہیں وہ سچ ہے۔

"خوش تو بہت ہوں گے آپ؟" وہ ایک ادا سے پلٹی۔ اس کی آنکھوں میں ایک شیطانی چمک تھی۔ "اپاہج اور نفسیاتی بھائی سے چھٹکارا مل گیا۔"

یہ الفاظ تیر کی طرح برہان گردیزی کے سینے میں لگے۔ یعنی۔۔۔ فرقان کا قتل اس نے کیا تھا؟ اس کمال مہارت سے کہ ملک کی بہترین پولیس تمام تر کوششوں کے باوجود ایک سراغ تک نہ ڈھونڈ پائی۔

"کبھی سوچا نہیں ہو گا نہ آپ نے کہ میں لوٹ آؤں گی؟" وہ واپس چلتے ہوئے ان کی جانب بڑھی اور ایک کرسی کھینچ کر ان کے سامنے بیٹھ گئی۔ ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر اس نے یوں دیکھا جیسے وہ یہاں کی مالک ہو۔

برہان گردیزی کا گلا خوف سے سوکھ کر کانٹا ہو گیا تھا۔

"بھائی کی موت کے بعد بیٹے کی موت کا صدمہ کیسا رہے گا؟" اس نے اپنا داہنا ہاتھ اٹھا کر ناخنوں پر یوں پھونک ماری جیسے ابھی تازہ نیل پینٹ لگایا ہو۔

یہ دھمکی نہیں تھی، یہ ایک اعلان تھا۔ برہان کے وجود میں ایک سرد لہر دوڑ گئی۔

"کک۔۔ کیا چاہتی ہو تم؟" آخر کار ان کی زبان سے ٹوٹے پھوٹے الفاظ نکلے۔ انہوں نے بے ساختہ اپنی ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی، جیسے کوئی ان کا گلا گھونٹ رہا ہو۔

"بربادی!" وہ دلکشی سے مسکرائی۔ "تمہاری بربادی! مگر صرف تمہاری نہیں۔۔۔ تمہارے ساتھ رئیس اورنگزیب کی بھی!" اس نے ایک جانب گردن گرا کر جس قدر سکون اور ٹھہراؤ سے یہ کہا تھا، وہ پورے لشکر کے سکون کو خاک میں ملانے کے لیے کافی تھا۔

"میرے بیٹے کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔۔۔" برہان نے التجا کی۔

"چچ۔۔۔ چچ۔۔۔ چچ۔۔۔" منار کے لہجے میں بناوٹی تاسف تھا۔

"حقیقت تو یہ ہے کہ گنہگاروں کی جنگ میں بے گناہ ہی مارے جاتے ہیں۔ اب دیکھ لو نا، تمہاری بھتیجی۔۔۔ تمہارے بھائی کی بیٹی۔۔۔ اس کا بھی کوئی قصور نہیں ہے۔ لیکن سہنا تو پڑے گا۔" اس کے لہجے میں چھپی دھمکی وحشت ناک تھی۔

"کک۔۔۔ کیا۔۔۔ چاہتی ہو؟" برہان گردیزی نے اپنا سوال دہرایا، آواز کانپ رہی تھی۔

"زیادہ کچھ نہیں۔" وہ آگے کو جھکی، اس کی آنکھوں میں شطرنج کے کھلاڑی جیسی چالاکی تھی۔

"اگر تم اپنے بیٹے ارسل کو زندہ دیکھنا چاہتے ہو، تو فجر معراج۔۔ آہ، معافی چاہتی ہوں۔ فجر فرقان گردیزی سے اپنے تعلقات ٹھیک کرو۔ اسے اپنے قریب لاؤ اور اسے رئیس اورنگزیب کے خلاف استعمال کرو۔"

یہ اس کی پیشکش تھی، ایک ایسا جال جس سے نکلنا ناممکن تھا۔

"وہ۔۔ وہ ایسا کیوں کرے گی؟" برہان نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔

"یہ تمہارا کام ہے۔" اس نے سکون سے جواب دیا۔ چند پل کی خاموشی چھا گئی۔ فرقان گردیزی کو فی الوقت کچھ سمجھ نہ آیا۔

"رئیس اور نگزیب اس کی پشت پناہی کرتا ہے۔"

"وہ اسے چھوڑ چکا ہے۔" منار نے اطمینان سے کہا۔ "تم بس اسے اپنے ساتھ ملاؤ۔ اسے یہ یقین دلاؤ کہ تم اس کے ساتھ ہو، اسے یقین دلاؤ کہ رئیس اور نگزیب اسکا دشمن ہے۔"

"وہ میرا یقین نہیں کرے گی۔" وہ فجر کو اچھے سے جان گئے تھے۔

"یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔" منار نے اپنی بات دہرائی۔ چند پل کی مزید خاموشی چھا گئی۔ وحشت ناک خاموشی!

"مجھے کیا کرنا ہو گا؟" اگلے سوال پر منار کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی۔

وہ اب اسے پورا لائحہ عمل بتا رہی تھی۔ کمرے کی کھڑکیاں اور دروازے بند تھے، لیکن ٹھنڈک بڑھتی جا رہی تھی۔ یہ موسم کی ٹھنڈک نہیں تھی، یہ منار کے وجود سے پھوٹتی ہوئی سردی تھی جو برہان گردیزی کی ہڈیوں تک کو جما رہی تھی۔ وہ اپنی سلطنت کے بادشاہ تھے، لیکن آج ایک مردہ عورت نے لوٹ کر انہیں اپنی ہی بازی میں شہ مات دے دی تھی۔

✿••✿••✿••✿

نومبر کی سردی شہر کی روح تک میں اتر چکی تھی۔ شہر جو دن میں زندگی سے بھرپور نظر آتا تھا، رات کے اس پہر ایک پراسرار خاموشی کی چادر اوڑھے ہوئے تھا۔ کہر کی ایک ہلکی سی تہہ نے شہر کی اونچی عمارتوں کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا اور سڑکوں پر دوڑتی گاڑیوں کی روشنیاں مدھم ستاروں کی مانند ٹمٹما رہی تھیں۔

اسی سیاہ آسمان کے سینے کو چیرتا ہوا، ایک سیاہ رنگ کا پرائیویٹ ہیلی کاپٹر، اپنی پوری طاقت سے پرواز کر رہا تھا۔ اس کی گونجتی ہوئی آواز شہر کے شور میں ایک انوکھی وحشت اور حکمرانی کا تاثر دے رہی تھی۔

ہیلی کاپٹر کے اندر کا ماحول باہر کی ٹھنڈک کے برعکس پر سکون مگر بھاری تھا۔ رئیس اپنی مخصوص نشست پر براجمان تھا، اس کی آنکھیں نیچے پھیلے ہوئے شہر پر مرکوز تھیں۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا، مگر اس کی خاموشی میں ایک طوفان قید تھا۔ اس کے برابر میں مراد بیٹھا تھا، جس کی نظریں کبھی رئیس کے چہرے پر جاتیں اور کبھی باہر کے منظر پر۔

"صرف پندرہ منٹ، سر!" پائلٹ نے انٹر کام پر اطلاع دی۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا، جیسے اس نے سنا ہی نہ ہو۔

ہیلی کاپٹر انار کلی، بادشاہی مسجد، مینار پاکستان، اور پھر کالے پانیوں جیسے دریائے راوی کے اوپر سے گزرا۔ مراد نے گفتگو کا آغاز کیا۔

"تم نے واقعی ولی اور فجر کو نکال دیا؟ کیوں؟ کیا وہ اس وراثت کے حقدار نہیں؟"

رئیس کی نظریں بدستور نیچے تھیں لیکن آواز میں وہی فولادی پن۔

"سلطنت کی وراثت رشتوں سے نہیں قابلیت سے ملتی ہے۔"

"اور فجر کا کیا؟ اسکا کیا قصور ہے؟ تمہارا دل اسے تکلیف کیسے پہنچا سکتا ہے؟" وہ شکوہ کناں تھا۔

"کبھی کبھی اقتدار اتنا اونچا ہو جاتا ہے کی دل کی آواز نیچے دب جاتی ہے مراد! مجھے میرا اقتدار بہت عزیز ہے۔"

مراد نے چند لمحے اسے دیکھا۔ وہ محبت کے لیے نہیں حکومت کے لیے پیدا ہوا تھا پھر اسے محبت کیوں ہوئی؟

"تو کیا صرف یہی وجہ ہے؟" وہ سچائی جاننا تھا۔

"نہیں۔۔۔ تم جانتے ہو میرا دشمن۔۔۔"

"تو کیا اس بار وہ دشمن تم سے بڑا ہے؟" اس نے رئیس کی بات کاٹی۔ چہرے پر الجھن تھی۔

رئیس کی گردن آہستہ سے مراد کی طرف مڑی۔ نگاہ میں کوئی جلن نہیں، بس ایک خاموش آگ تھی۔

"تمہیں تصحیح کی ضرورت ہے مراد! میرا دشمن مجھ سے شاطر ہو سکتا ہے۔ مجھ سے بڑا نہیں۔" سرد لہجے میں دیئے گئے جواب پر گفتگو دم توڑ گئی۔ اب وہ دونوں نیچے دیکھ رہے تھے۔ کچھ دیر بعد پھر سے گفتگو کا آواز ہوا۔

"ویسے یہ پروجیکٹ واقعی ایک شاہکار ہو گا۔ جب یہ مکمل ہو گا، تو پورا شہر اسے دیکھے گا۔"

رئیس نے اپنی نظریں شیشے سے ہٹائے بغیر، ایک ٹھہری ہوئی آواز میں کہا۔

"شہر نہیں، دنیا دیکھے گی۔" اس کی آواز میں غرور نہیں، ایک حقیقت کا یقین تھا۔

کچھ ہی دیر میں ہیلی کاپٹر نے اپنی رفتار کم کی اور ایک وسیع و عریض زیرِ تعمیر سائٹ کے اوپر منڈلانے لگا۔ نیچے سینکڑوں ایکڑ پر پھیلی زمین پر کنکریٹ اور اسٹیل کے دیو ہیکل ڈھانچے کھڑے تھے، جو رات کی فلڈ لائٹس میں کسی قدیم تہذیب کے کھنڈرات کا منظر پیش کر رہے تھے۔ یہ منظر طاقت اور وحشت کا ایک عجیب امتزاج تھا۔

ہیلی کاپٹر مخصوص ہیلی پیڈ پر اترا۔ جیسے ہی دروازہ کھلا، نومبر کی یخ بستہ ہوا نے ان کا استقبال کیا۔ ہوا میں مٹی اور تعمیراتی سامان کی ملی جلی بو تھی۔

رئیس باہر نکلا، اس کا لمبا کوٹ ہوا میں لہرا رہا تھا۔ مراد اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ وہ دونوں خاموشی سے اس دیو ہیکل ڈھانچے کے قریب کھڑے ہو گئے جو مستقبل میں اس سلطنت کا سب سے اونچا ٹاور بننے والا تھا۔

مراد نے ارد گرد پھیلی تاریکی اور سناٹے کو دیکھتے ہوئے کہا

"مخالفین کہتے ہیں کہ یہ رئیس اورنگزیب کا سب سے بڑا جوا ہے۔ وہ رئیس کے زوال کی باتیں کرتے ہیں، اس پروجیکٹ کے خاتمے کے خواب دیکھتے ہیں۔"

مراد کی بات پہ اس کے لبوں پر ایک سرد مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس نے نگاہیں اٹھا کر اس ادھورے ٹاور کے سب سے اونچے سرے کو دیکھا، جیسے وہ اس کی بلندی کو اپنی آنکھوں سے ناپ رہا ہو۔

"انہیں کون بتائے کہ میرا زوال میرے علاوہ کوئی نہیں لکھ سکتا۔"

اس کی آواز ہوا کے شور میں بھی مراد کے کانوں تک واضح پہنچی، اور مراد کو لگا جیسے زمین تھوڑی ہل گئی ہو۔

پھر آگے بڑھ کر ایک سٹیل کے ستون پر ہاتھ رکھا، جو برف کی طرح ٹھنڈا تھا۔

"یہ سلطنت۔۔۔ میرے غرور کا عکس نہیں، میری ہڈیوں کا ڈھانچہ ہے۔ اور ہڈیوں کو دفن تو کیا جا سکتا ہے مگر جھٹلایا نہیں جا سکتا۔"

اس کا لہجہ اتنا پر عزم اور حتمی تھا کہ مراد کے پاس مزید کچھ کہنے کو نہیں بچا۔ کافی دیر وہ وہاں گھومتے رہے، سائٹ کا تجزیہ کرتے رہے پھر مراد خاموشی سے اپنے بادشاہ کے پیچھے چل پڑا جو اب واپسی کے لیے ہیلی کاپٹر کی طرف بڑھ رہا تھا۔

واپسی کا سفر خاموشی میں گزرا۔ رئیس دوبارہ اپنی نشست پر آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا، مگر مراد جانتا تھا کہ وہ سو نہیں رہا، بلکہ اپنی آنے والی چالیں ترتیب دے رہا ہے۔

آخر کار، ہیلی کاپٹر نے سائٹ کو پیچھے چھوڑا اور ایک ایسی عمارت کی طرف بڑھا جو خود ایک شہر کی مانند تھی۔ رئیس ہیڈ کوارٹرز! نیچے میلوں پر پھیلا ہوا وسیع و عریض میدان تھا، جس کے بیچوں بیچ، سنگ مرمر سے بنا ایک بہت بڑا ہیلی پیڈ تھا، جس پر تیز روشنیوں سے انگریزی حرف 'RA' جگمگا رہا تھا۔

ہیلی کاپٹر نے انتہائی مہارت سے اس نشان کے عین اوپر چکر کاٹا اور آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگا۔ اس کا اترنا کسی بادشاہ کی آمد کا اعلان لگ رہا تھا۔ منظم، طاقتور، اور خوف طاری کر دینے والا۔

جیسے ہی ہیلی کاپٹر کے پہیے زمین سے لگے اور انجن بند ہوا، ایک گہری، وحشت ناک خاموشی چھا گئی۔ مسلح گارڈز کی ایک قطار پہلے ہی کسی حکم کے بغیر پوزیشن لے چکی تھی۔

دروازہ کھلا۔ رئیس نے باہر قدم رکھا۔ اس کی نگاہیں سامنے کھڑی قلعہ نما عمارت پر تھیں۔

"کیا تمہیں انجام سے ڈر نہیں لگتا؟"

مراد اس کے پیچھے کھڑا تھا۔ وہ رکا رہا مگر پلٹا نہیں۔ اس کی نظریں سامنے ہی جمی رہیں۔

"میں اپنی داستان کا مصنف ہوں، مراد! اور ابھی میں نے آخری باب لکھا نہیں۔" اس نے ٹھہر کر کہا۔

اس کی نگاہیں سامنے عمارت پر بنے تاج لوگو پر جمی تھیں۔

"جس دن یہ تاج گرے گا وہ دن صرف میری مرضی سے طلوع ہو گا۔"

اس کے جواب پر مراد کے کندھے مزید چوڑے گئے۔ اسے دنیا میں اگر کسی مرد سے عشق تھا تو وہ رئیس اورنگزیب تھا۔

پہلی کا پٹر اب واپس اڑ رہا تھا۔ وہ دونوں اب بھی وہیں کھڑے تھے۔ اس سے پہلے کوئی کچھ بولتا رئیس کا فون بج اٹھا۔ وہی پرائیویٹ نمبر! اس نے گہری سانس لی۔ مراد نے آگے بڑھ کر اسکرین دیکھی۔ وہ دونوں سمجھ چکے تھے کال کرنے والی ہوں تھی۔

"اس کو کیا نام دیا جائے؟"

The woman

The Myth

The baddest Bitc

"آخر کون ہے یہ؟" مراد کے معدے میں درد اٹھنے لگا۔ رئیس نے ایک توقف کے بعد فون اٹھالیا۔

"آسمانوں پر اڑنا چھوڑ دیں رئیس صاحب! زمین پر رینگنے کا وقت آچکا ہے۔" وہی کھنکتی ہوئی آواز اسکے حواس معطل کرنے آتی تھی۔

"رئیس اورنگزیب کا شمار رینگنے والوں میں نہیں ہوتا، تمہیں یہ مان لینا چاہیے۔" وہ دونوں چل پڑے۔ مراد کی توجہ فون کی جانب تھی۔

"تمہیں رینگتا پورا شہر دیکھے گا۔ تمہارا زوال شروع ہو چکا ہے۔ ایسی اونچی عمارتیں بنانا چھوڑ دو۔"

اس کی بات پر وہ ہنس دیا۔

"اور میرا زوال لکھے گا کون؟" اچنبھے سے پوچھا۔

"میں لکھ رہی ہوں اور شہر دیکھے گا۔"

اس کے اگلے جملے رئیس کے لبوں پر پھر سے مسکراہٹ ابھری۔

"یہ میرا شہر ہے۔اس کی رگوں میں میرا خون دوڑتا ہے۔میرا زوال لکھنا ہے تو وہ قلم ڈھونڈو جو میرے لہو سے نہ بہکے!"

اس نے گردن چوڑے کر کے، گردن پیچھے گرا کر آسمان کو دیکھا۔اس کے لہجہ سرشار تھا۔دشمن ہی سہی مگر یہ عورت اس میں ایک نئی انرجی بھر دیتی تھی۔اسے زندہ ہونے کا احساس دلاتی تھی۔مراد کو اس پر رشک ہوا۔ اس کے الفاظ رات کی خاموشی میں تحلیل ہو گئے۔وہ لمبے لمبے قدم اٹھاتا، مراد نے ہمراہ اپنی سلطنت کے مرکز، اپنے ہیڈ کوارٹر کی طرف بڑھ گیا، اور اس کی پرچھائی اس کے پیچھے ایسے چل رہی تھی جیسے وہ خود ایک زندہ وجود ہو، ہر تاج کے سائے میں، ہر دل کی دھڑکن میں، اور ہر خوف کے پیچھے۔

کیونکہ وہ رئیس تھا۔۔۔

اور رئیس کا اختتام۔۔۔۔

رئیس کے سوا کوئی نہیں لکھ سکتا تھا!

✿••✿••✿••✿

نومبر کی دھوپ شیشے کی دیواروں والے اس کانفرنس روم کو نرمی سے روشن کر رہی تھی، جہاں فجر، اپنی تخلیقی ٹیم کے ساتھ سر جوڑے بیٹھی تھی۔میز پر ہر طرف رنگین کپڑوں کے ٹکڑے، اسکیچز اور ڈیزائن کے نمونے بکھرے پڑے تھے۔جنوری میں لندن کا سفر اس کے سر پر تھا، فلم کی کاسٹیومز ڈیزائننگ کا معتبر منصوبہ اس کا منتظر تھا۔یہ

خیال ہی اسے ایک نئی توانائی بخش رہا تھا مگر جانے سے پہلے اسے یہاں کہ بہت سے پراجیکٹ نبٹانے تھے۔ بہت سا کام کرنا تھا۔

اس نے ہائی ویسٹ جینز کے ساتھ ایک گرم، سلیقے سے تراشا ہوا کراپ ٹاپ پہن رکھا تھا اور بال ایک خوبصورت جوڑے میں قید تھے، جو اس کی پیشہ ورانہ سنجیدگی کو ظاہر کر رہے تھے۔ آواز میں ایک ٹھہراؤ اور اعتماد تھا جب وہ اپنی ٹیم کو ہدایات دے رہی تھی۔

"ہمیں ونٹر کلیکشن میں روایت اور جدت کا امتزاج لانا ہے لیکن رنگوں کو مدھم نہیں ہونے دینا۔ مجھے سردیوں کی شاعری چاہیے، خزاں کا ماتم نہیں۔"

ٹیم پوری توجہ سے اسے سن رہی تھی، مگر اسے اچانک محسوس ہوا جیسے کمرے کی ساری توانائی ایک نقطے پر سمٹ گئی ہو۔ کوئی اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے غیر محسوس انداز میں نظریں اٹھائیں اور شیشے کی دیوار کے پار راہداری میں دیکھا۔

اور پھر وقت جیسے تھم گیا۔

وہاں ایک ستون سے ٹیک لگائے، ٹانگوں کی قینچی بنائے، ولی کھڑا تھا۔ وہ یہیں سے گزر رہا تھا مگر فجر کو دیکھ کر وہیں رک گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں نہ سوال تھا، نہ کوئی شرارت۔۔۔ بس ایک گہری، پرسکون اور پرشوق دلچسپی تھی، جیسے وہ دنیا کی سب سے حسین پینٹنگ دیکھ رہا ہو۔

فجر کے الفاظ اس کے حلق میں ہی اٹک گئے۔ اس کی پیشانی پر ہلکا سا پسینہ ابھرا اور اس کے گالوں پر بلاوجہ ایک تپش چڑھنے لگی۔ وہ کنفیوز ہو رہی تھی۔ اس کے سامنے بیٹھی ٹیم کے چہرے دھندلانے لگے اور ولی کا وجود پوری

راہداری پر حاوی ہو گیا۔ اس کی نظروں کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ اسے لگا وہ سب کے سامنے اپنا توازن کھو دے گی۔

خود کو سنبھالنے کی ایک آخری کوشش میں، اس نے میز پر رکھا اپنا فون اٹھایا۔ اس کی انگلیاں تیزی سے اسکرین پر چلیں۔

چند لمحوں بعد، راہداری میں کھڑے شخص کے فون کی اسکرین روشن ہوئی اور ایک نوٹیفکیشن ابھرا۔ اس نے فون نکالا اور پیغام پڑھا۔

"مجھے ایسے مت دیکھو، میں کنفیوز ہو رہی ہوں۔"

پیغام پڑھتے ہی اس کے لبوں پر ایک بے ساختہ، دلکش مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ ہنس دیا۔ یہ قہقہہ نہیں تھا، بس ایک ہلکی سی، گرم ہنسی تھی جو صرف اسی کے لیے تھی۔ اس نے ایک آخری نظر اندر کھڑی فجر پر ڈالی، جس کا چہرہ اب بھی سرخ تھا اور وہ نظریں جھکائے فون کو گھور رہی تھی۔

یعنی بس اتنا ہی؟ دی فجر معراج صرف دیکھنے سے ہی بلش کرنے لگی تھی۔

اس نے محبت بھری نظروں سے اسے دیکھا، سر کو ہلکا سا نفی میں ہلایا، اور پھر مڑ کر اپنی منزل کی طرف بڑھ گیا۔

منظر خالی ہو گیا تھا مگر اس کی پر شوق نظروں کا احساس فجر کے ارد گرد ابھی تک موجود تھا۔

✿••✿••✿••✿

ہسپتال کی سرد، بے رحم راتوں کے بعد گھر کی شناسا خوشبو اور اپنے پن کا احساس کسی نعمت سے کم نہیں ہوتا۔
کیموتھراپی نے روحی کے جسم سے توانائی نچوڑ لی تھی، مگر اس کی آنکھوں میں زندگی کی ایک نئی ضد ابھر آئی تھی۔

وہ لاؤنج کے آرام دہ صوفے پر کشن سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی، ایک پتلی سی شال اس کے شانوں پر پڑی تھی جو اس کی کمزوری کو چھپانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

لاؤنج میں خاندان کے سبھی افراد موجود تھے۔ مسٹر اور مسز حسین، صفدر اور صدام۔ ایک مصنوعی سکون طاری تھا، جیسے ہر کوئی اس ناگفتہ بہ حقیقت سے ڈر رہا ہو کہ یہ خوشی عارضی ہے۔ سبھی اس کے آرام کا خیال رکھ رہے تھے، ہلکی پھلکی باتیں کر کے ماحول کو بوجھل ہونے سے بچا رہے تھے۔

صفدر بار بار نظریں چرا کر اسے دیکھتا۔ ہسپتال والی رات اور ذرقا کے الفاظ ابھی تک اس کے سینے میں کانچ کی کرچیوں کی طرح چبھ رہے تھے۔ وہ شرمندہ تھا، مجرم تھا، اور روحی سے نظریں ملانے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔

تبھی اس کی دھیمی مگر صاف آواز نے لاؤنج کی خاموشی کو توڑا۔

"میں چاہتی ہوں کہ صفدر بھیاء کی شادی ہو جائے۔"

سب ایک دم خاموش ہو گئے۔ صفدر نے چونک کر اسے دیکھا۔ مسز حسین کے ہاتھ میں پکڑی چائے کی پیالی وہیں رک گئی۔

اس نے اپنی نظریں سیدھی صفدر پر گاڑ دیں۔

"میں چاہتی ہوں کہ میں اپنی آنکھوں سے صفدر بھیا اور ذرقا بھی کی شادی دیکھوں۔"

صفدر، جو پہلے ہی احساسِ جرم کے بوجھ تلے دبا ہوا تھا، اس کی اس بات پر ساکت رہ گیا۔ اس کے حلق میں الفاظ جیسے جم سے گئے۔

روحی نے ایک گہرا سانس لیا، جیسے اگلے الفاظ کہنے کے لیے ہمت جمع کر رہی ہو۔ ”میں نہیں جانتی کہ میں ٹھیک ہوں گی یا نہیں۔ ڈاکٹرز کہہ رہے ہیں کہ باہر علاج کے لیے جانا پڑے گا لیکن وہاں جانے سے پہلے میں آپ دونوں کی شادی دیکھنا چاہتی ہوں۔“

”یہ تم کیا کیسی باتیں کر رہی روحی؟“ صفدر کی آواز بمشکل نکلی۔

”ایسی باتیں مت کرو۔ تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گی۔ اور رہی شادی کی بات۔۔ تو ابھی اس کا وقت نہیں ہے۔“ اس کے لہجے میں انکار سے زیادہ التجا تھی۔

”نہیں روحی، یہ ٹھیک نہیں ہے۔“ اب کی بار مسز حسین بولیں۔

”ابھی ہماری ساری توجہ تمہاری صحت پر ہے۔ یہ شادی بیاہ بعد میں بھی ہو سکتا ہے۔“ ان کی آواز میں مامتا کی فکر تھی۔

”بعد میں کب ماما؟“ اس کی آواز میں پہلی بار ایک تلخی ابھری۔ ”کیا آپ سب کو یقین ہے کہ وہ **'بعد'** آئے گا؟“

اس ایک سوال نے سب کے سر جھکا دیئے۔ لاونج کی فضا بوجھل ہو گئی۔ سب کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

اس نے اپنی نم آنکھوں سے سب کو دیکھا اور پھر اس نے اپنا آخری پتا کھیلا۔ اس کی آواز اب بھیک مانگنے والی منت سے بھری ہوئی تھی۔

”اسے میری آخری خواہش سمجھ لیں۔ پلیز۔۔۔ میرے لیے۔۔ کیا آپ اتنا بھی نہیں کریں گے؟“

یہ لفظ نہیں، ایک فیصلہ تھا۔ ایک ایسی التجا جسے رد کرنا ناممکن تھا۔ صفدر نے بے بسی سے اپنی ماں کی طرف دیکھا، جن کی آنکھیں بھی بھیگ چکی تھیں۔ مسٹر حسین خاموشی سے سب کچھ دیکھ رہے تھے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اب انکار کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

اس نے اپنا کمزور ہاتھ صفدر کی طرف بڑھایا۔ "بھیا۔۔ پلیز۔۔"

صفدر اس کی منتوں کے سامنے ہار گیا۔ اس کے اندر کا سارا انکار، ساری منطق، اپنی بہن کی ٹوٹی ہوئی خواہش کے سامنے ریزہ ریزہ ہو گئی۔ اس نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھاما اور ایک شکست خوردہ سپاہی کی طرح ہاں میں سر ہلا دیا۔

روحی کے مرجھائے ہوئے چہرے پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

لاؤنج میں ایک گہری، بوجھل خاموشی چھا گئی تھی۔ اسی لمحے، صفدر کے کوٹ کی جیب میں رکھے فون پر ایک نوٹیفکیشن کی ہلکی سی آواز ابھری۔ اس نے میکانکی انداز میں فون نکالا، جیسے دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو۔ اس نے اسکرین پر ابھرنے والے پیغام پر نظر ڈالی، اور اگلے ہی پل اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ اس کے اندر سے جیسے کسی نے سارا خون نچوڑ لیا ہو۔

صرف دو سطریں تھیں، مگر وہ کسی موت کے پروانے سے کم نہ تھیں۔ یہ پیغام رئیس اورنگزیب کا تھا۔

"جو جال سالوں پہلے بچھایا گیا تھا، اسے سمیٹنے کا وقت آ چکا ہے۔ میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔"

"سب ٹھیک ہے؟" اس کی اچانک بدلتی رنگت دیکھ کر مسز حسین نے پریشانی سے پوچھا۔

صفدر کے ہاتھ کانپنے لگے۔ یہ وہی دن تھا، وہی بلاوہ تھا، جس سے وہ سالوں سے بھاگ رہا تھا۔ جس جال سے نکلنے کے لیے اس نے اپنی پوری زندگی داؤ پر لگائی تھی، آج اسی جال کا شکاری اسے واپس بلا رہا تھا۔

"ج۔۔۔جی۔۔۔سب ٹھیک ہے۔" خشک گلے کو تر کرتے ہوئے اس نے جواب دیا، البتہ فون پکڑے ہوئے اس کی انگلیوں کی پوریں سفید پڑ چکی تھیں۔

رئیس کا بلاوہ تھا اور اسے جانا تھا۔ اس نے میز پر رکھا پانی کا گلاس اٹھایا اور ایک ہی سانس میں غٹا غٹ پی گیا۔ پھر بنا کسی کو دیکھے، بنا کچھ کہے، وہ تیز قدموں سے لاؤنج سے باہر نکل گیا۔

"پتا نہیں، آج کل کتنا عجیب سا رہنے لگا ہے۔" مسز حسین نے اپنے شوہر کی طرف دیکھتے ہوئے تشویش سے کہا۔

"کام زیادہ ہے اور اب یہ اچانک شادی؟ یہ بہت بڑا فیصلہ ہے، ثمینہ! کچھ وقت دو، ٹھیک ہو جائے گا۔" مسٹر حسین نے انہیں حوصلہ دیا جبکہ وہ اصل حقیقت سے باخبر تھے۔

صوفے پر بیٹھی روحی خوش تھی۔ اس کے لیے اس کی سب سے بڑی خواہش پوری ہونے جا رہی تھی۔ وہ صدام کی طرف مڑ کر اس سے شادی کی تیاریوں پر بات کرنے لگی، اس بات سے بالکل بے خبر کہ جس بھائی کی خوشی کے لیے اس نے یہ سب کیا تھا، وہ ابھی ابھی اپنی زندگی کے سب سے خطرناک جال کی طرف قدم بڑھا چکا تھا۔

✿••✿••✿••✿

رئیس ہیڈ آفس کی عمارت باہر سے جتنی پر شکوہ اور ناقابلِ تسخیر نظر آتی تھی، اندر سے اتنی ہی سرد اور بے رحم تھی۔ کانفرنس روم کا ماحول کسی مقبرے کی طرح خاموش اور بھاری تھا۔ شیشے اور کروم سے بنی میلوں لمبی میز کسی یخ بستہ جھیل کی مانند پھیلی ہوئی تھی، جس کی چمکدار سطح پر چھت کی مدھم روشنیوں کا عکس کانپ رہا تھا۔

میز کے ایک سرے پر، سربراہی کرسی پر، رئیس براجمان تھا۔ اس کا وجود اس وسیع کمرے کی ہر شے پر حاوی تھا۔ اس کے سامنے ایک فائل کھلی رکھی تھی مگر اس کی نظریں دروازے پر مرکوز تھیں۔

تبھی دروازہ کھلا اور صفدر شکستہ قدموں سے اندر داخل ہوا۔ اس کے کندھے جھکے ہوئے تھے، چہرے پر کئی دنوں کی تھکن اور ایک گہری مایوسی تھی۔ اس کی آنکھوں سے جیسے زندگی کی ساری رمق نچوڑ لی گئی ہو۔ وہ ایک ہارا ہوا کھلاڑی تھا جو اپنے شکاری کے سامنے پیش ہو رہا تھا۔

"آیئے صفدر صاحب! آپ ہی کا انتظار کیا جا رہا تھا۔" رئیس کی آواز پر سکون تھی مگر اس میں ایک ایسی ٹھنڈک تھی جو سیدھی ہڈیوں میں اتر جائے۔

اس نے ہاتھ سے لمبی میز کے دوسرے، ویران سرے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے اسے بیٹھنے کے لیے کہا۔ دونوں کے درمیان کا فاصلہ حاکم اور محکوم کی تفریق کو واضح کر رہا تھا۔

صفدر بنا کچھ کہے، لکڑی کی بے جان کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ اس نے ایک بار بھی رئیس سے نظریں نہیں ملائیں۔

"ویسے، **'منار فیشنز'** تمہاری قیادت میں کافی ترقی کر گیا ہے۔" اس نے فائل کے اوراق پلٹتے ہوئے سرسری انداز میں کہا، جیسے وہ موسم کا حال بتا رہا ہو۔

صفدر خاموش رہا۔ اس کے دل کی دھڑکن اتنی سست روی سے چل رہی تھی۔ جیسے وہ کسی بھی لمحے رک جائے گی۔ رئیس کے تاثرات ہر صفحے کے ساتھ بدل رہے تھے۔ کبھی دلچسپی، کبھی اطمینان، اور کبھی ایک عجیب سی ملکیت کا احساس۔ پھر اس نے ایک جھٹکے سے فائل بند کر دی۔ اس کی گونج خالی کمرے میں پھیلی اور صفدر کے اعصاب پر

ہتھوڑے کی طرح لگی۔ رئیس نے اپنے ہاتھ کی مٹھی بنا کر فائل پر جمائی اور اپنی گہری، سیاہ آنکھیں میز کے دوسرے کونے پر بیٹھے صفدر کی آنکھوں میں گاڑ دیں۔

"مجھے میرے شیئرز واپس چاہئیں۔"

اس ایک جملے نے صفدر کی بچی کھچی جان بھی نکال دی۔ اس کا گلہ سوکھ کر کانٹا ہو گیا۔ کانفرنس روم کا منظر دھندلا گیا اور تصور کے پردے پر ماضی کی فلم چلنے لگی۔

(تین سال سے زائد عرصہ قبل، حسین ولا)

اس روز رئیس ان کے گھر مدعو تھا۔ صفدر لاؤنج کے ایک کونے میں کھڑا فون پر فجر سے بات کر رہا تھا۔ اس کی آواز میں ایک نئی امید اور جوش تھا۔ یہ وہی دن تھا جب فجر نے اسے پارٹنر شپ کی آفر کی تھی۔

"ڈیڈ مجھ پر اتنا بھروسہ نہیں کرتے۔" وہ اسے بتا رہا تھا۔

رئیس جو قریب ہی بیٹھا مسٹر حسین سے گفتگو کر رہا تھا، اس کی گفتگو سن کر متوجہ ہوا۔ اس نے صفدر کی چند آخری باتیں سنی تھیں اور پھر کھانے کی میز پر دانستہ بات چھیڑی۔

"تمہاری پڑھائی مکمل ہو گئی ہے نا؟ آگے کیا ارادہ ہے؟" اس نے صفدر سے پوچھا۔ پھر جیسے کچھ یاد آیا ہو، "وہ لڑکی۔۔۔ فجر معراج! وہ تمہاری پراجیکٹ پارٹنر تھی، ہے نا؟ وہ کافی ترقی کر گئی ہے۔"

"ج۔۔۔جی۔" صفدر اس کے اتنا جاننے پر حیران تھا۔ گو کہ وہ پیرس فیشن شو کا اسپانسر رہ چکا تھا مگر ہر ڈیزائنر تھوڑی یاد رکھتا ہو گا۔

"سنا ہے لکس (LUXE) چھوڑ دیا اس نے؟" اس کا اگلا سوال ایک بم کی طرح گرا۔ صفدر بے ہوش ہوتے ہوتے بچا۔

"ج۔۔۔جی۔۔وہ تھوڑی خبطی ہے۔ کہتی ہے اپنی کمپنی کھولے گی۔ اپنا برانڈ بنائے گی۔"

اس کی بات پر رئیس نے اثبات میں سر ہلایا، جیسے وہ پہلے سے سب جانتا ہو۔

"اور کیا جانتے ہو اس کے بارے میں؟"

فجر میں اس کی اس قدر گہری دلچسپی پر باقی سب بھی حیران تھے مگر صفدر جواب دینے لگا۔

"وہ ذہین ہے، ضدی ہے، اور پیچھے نہیں ہٹتی۔ جو کہتی ہے، وہ کر کے دکھاتی ہے۔"

"فیملی کے بارے میں کیا جانتے ہو؟" عام سا لہجہ!

"فیملی میں بس اس کی والدہ ہیں۔ والد کی ڈیتھ ہو گئی ہے اور۔۔ اور ہسبنڈ کی بھی۔"

"ہسبنڈ" کا لفظ سن کر رئیس کو اچھو لگا۔ مسز حسین نے فوراً پانی کا گلاس آگے بڑھایا۔

"اس نے کم عمری میں کافی کچھ دیکھ لیا ہے، اس لیے تھوڑی تلخ ہے۔" صفدر نے مزید اضافہ کیا۔

"شادی کب ہوئی تھی؟ تم اس کے شوہر سے ملے تھے؟" رئیس کے سوالات کسی تفتیشی آفیسر کی طرح تھے۔

اس پر صفدر کنفیوز ہو گیا۔ "اس نے کبھی ملوایا نہیں۔ کہتی تھی وہ انگیجڈ ہے، مگر میں نے اس کے منگیتر کو کبھی نہیں دیکھا، نام تک نہیں جانتا۔ پھر جس دن اس کے والد کا انتقال ہوا، اسی دن اس کا نکاح ہوا۔ کس سے ہوا، یہ بھی بس

وہی جانتی۔۔ مطلب، مجھے نہیں بتایا۔ اور حال ہی میں جب میں نے پوچھا کہ وہ اپنے شوہر کے پاس کیوں نہیں جاتی، تب اس نے بتایا کہ وہ مر چکا ہے۔"

رئیس ہر لفظ سن کر اپنے ذہن میں تانے بانے جوڑ رہا تھا۔ اسے یہی لگا کہ فجر جھوٹ بول رہی تھی، مگر وہ خاموش رہا۔ عروزہ نے پوری تفتیش کی تھی۔ اسکا تو کوئی افیئر بھی نہیں تھا۔

"تو اب وہ تمہیں بزنس کی آفر دے رہی ہے؟"

"جی، وہ چاہتی ہے ہم مل کر فیشن کمپنی شروع کریں۔ اس کے پاس زمین اور پلان سب تیار ہے۔"

کھانے کے بعد، رئیس نے مسٹر حسین اور صفدر کے ساتھ الگ میٹنگ کی۔ مسٹر حسین نے ایک بڑے رئیل اسٹیٹ پروجیکٹ کا لالچ دے کر ہی رئیس کو بلایا تھا۔ رئیس نے شرط رکھی کہ وہ یہ پورا پروجیکٹ مسٹر حسین کو دے دے گا، مگر بدلے میں اسے کچھ چاہیے۔ اور تب، اس نے اپنا جال بچھایا۔ منار فیشنز میں صفدر کی پارٹنر شپ درحقیقت رئیس کی تھی۔ ان کا معاہدہ ہوا تھا کہ صفدر صرف ایک چہرہ ہو گا، اصل مالک رئیس ہی رہے گا، اور وقت آنے پر صفدر کو یہ شیئرز چپ چاپ رئیس کے حوالے کرنا ہوں گے اور آج وہ وقت آ چکا تھا۔

ماضی کا پردہ ہٹا اور کانفرنس روم کا تلخ بستہ منظر دوبارہ واضح ہو گیا۔

"مجھے میرے شیئرز واپس چاہئیں!" رئیس نے اس کی طویل خاموشی پر اپنی بات دہرائی۔ اس کی آواز اب پہلے سے زیادہ سخت تھی۔

"منار فیشنز۔۔۔ مجھے بہت عزیز ہے۔" اس نے ٹوٹی ہوئی آواز میں کہا۔ "فجر۔۔ وہ مجھ پر بھروسہ کرتی ہے۔ میں اسے دھوکہ نہیں دے سکتا۔"

"یہ تمہیں تین سال پہلے کانٹریکٹ سائن کرتے وقت سوچنا چاہیے تھا۔" رئیس کا جواب سپاٹ تھا۔

اس نے ہونٹ بھینچ لیے۔ وہ تب یہ نہیں چاہتا تھا، مگر اپنے باپ کے بزنس کو آگے بڑھانے اور ان کے اصرار پر اسے یہ زہر پینا پڑا تھا۔ پچھلے تین سالوں سے وہ اسی گلٹ میں جل رہا تھا۔ اس نے جان بوجھ کر فجر سے فاصلہ بڑھایا، اس سے تلخ کلامی کی، تاکہ جب یہ سچ سامنے آئے تو اسے کم سے کم دکھ ہو۔

مگر اب وہ یہ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ یہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"میرے لیے۔۔۔ میرے لیے یہ اب بہت مشکل ہے۔"

اس کے جواب پر رئیس کے جبڑے بھینچ گئے۔ اس کی آنکھوں میں ایک خطرناک چمک ابھری۔ وہ جانتا تھا یہ خطرناک تھا مگر پھر بھی۔۔۔

"کیا۔۔ کیا ہم کوئی اور راستہ نہیں نکال سکتے؟" اس نے ایک آخری امید بھری نظر سے رئیس کو دیکھا، جس نے تین سال پہلے ہی واضح کر دیا تھا کہ فجر سے اس کی دشمنی پرانی ہے۔

"میں اپنا حق نہیں چھوڑتا۔"

صفدر بری طرح پھنس چکا تھا۔ ایک طرف اس کا خاندان، اس کے باپ کا کاروبار، اور دوسری طرف فجر کا بھروسہ اور منار فیشنز تھا۔ جہاں اس نے محبت کی تھی۔ کتنی راتیں وہ بھول جاتا تھا کہ یہ اسکا نہیں تھا۔ یہ حقیقت تھی کہ رئیس کی پشت پناہی میں ہی منار اتنی تیزی سے پھولا تھا۔

"مجھے۔۔۔ مجھے کچھ وقت چاہیے۔" اس نے بمشکل کہا۔

"ٹھیک ہے۔" رئیس نے کرسی سے ٹیک لگاتے ہوئے اجازت دی۔ اس کی آنکھوں میں ایک فاتحانہ سکون تھا۔

صفدر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے پیر کانپ رہے تھے۔ جیسے ہی وہ مڑنے لگا، رئیس کی آواز نے اسے وہیں جکڑ لیا۔

"لیکن یاد رہے، میں دھوکہ دینے والوں کو موت دیتا ہوں۔"

یہ ایک واضح دھمکی تھی۔ ایک ناقابلِ تردید حقیقت۔ صفدر کا پورا وجود سن ہو گیا۔ وہ بنا کچھ کہے، بنا پلٹے، کمرے سے باہر نکل گیا، جیسے ایک زندہ لاش اپنی قبر کی طرف جا رہی ہو۔

✿••✿••✿••✿

سردیوں کی دوپہر، جیسے کسی مصور نے موسم کی نرم چھاؤں سے سجا دی ہو۔

عمارت کے بلند و بالا شیشے دھوپ کی روشنی میں جھلک رہے تھے، اور اندر لابی میں داخل ہوتے ہی فلک نے گردن اٹھا کر چھت کی جانب دیکھا۔ لابی کی چھت قوس قزح کی طرح خم دار تھی، اور نیچے ماربل کی سنہری سفید ٹائلیں، جن پر اس کی قدموں کی چاپ نرم گونج پیدا کر رہی تھی۔

اس کے ساتھ فخر عالمگیر تھا۔ مگر اسے لگا جیسے یہ لمحہ، یہ فضا، جیسے صرف اس کے لیے تخلیق کی گئی ہو۔ وجاہت عالمگیر کی طبیعت اب پہلے سے بہت بہتر تھی۔ ترنم بیگم کے وہاں جانے پر وہ سنبھل گئے تھے اور اسی لیے فلک، فخر کے ساتھ واپس لاہور آ گئی تھی۔ اسکی دنیا یہی تھی۔

وہ شہد رنگ گھنگریالے بال فولڈ کیے، گردن کے گرد خاکی اسکارف لپیٹے، کریم رنگ کے اون کے سوٹ پر ہلکا سرمئی سویٹر پہنے، بالکل ایک وقار سے سجی گڑیا جیسی لگ رہی تھی۔ مگر اس کی آنکھوں میں وہ سنجیدگی اور گہرائی تھی جو کسی عام لڑکی میں نہ ہوتی۔ ایک مصنفہ، جو اب ایک کہانی سے بڑھ کر ایک گھر کو جوڑنے نکلی تھی۔

لفٹ کے شیشے میں خود کو دیکھتے ہوئے اس نے آہستہ سے اسکارف درست کیا۔ بالکل اسی وقت لفٹ کے دروازے کھلے، اور اس کے سامنے رئیس جیولرز کا کریئیٹو فلور تھا۔ وہ جگہ جہاں تاریخ رقم کی جاتی تھی، سونے اور قیمتی پتھروں کی نہیں، خیالات اور جذبات کی۔

ایک بیضوی شیشے کے کمرے میں میز کے گرد سات افراد بیٹھے تھے۔ جدید تقاضوں سے ہم آہنگ، نفاست سے سجے ہوئے اس دفتر میں ہر چیز اپنا مطلب رکھتی تھی۔ دیوار پر "Dark Stars" کا سیاہ، چمکتا ہوا لوگو، میز پر فائلوں کے ساتھ رکھی چند جواہرات کے خاکے، اور ان کے بیچ فلک کے لیے مخصوص کرسی۔

"خوش آمدید، مس فلک عالمگیر!" حماد خان نے مسکرا کر کہا، "یہ ہے ہماری ڈریم ٹیم۔ اور اب، اس ٹیم کی کہانی آپ کے ہاتھوں میں ہے۔"

اس نے سب کا پروقار انداز میں شکریہ ادا کیا۔ جب ٹیم نے اپنے ابتدائی آئیڈیاز اور ڈیزائن کے نمونے دکھانے شروع کیے، اس نے ہر خاکہ گہرائی سے دیکھا۔ وہ ایک ایک کردار کو محسوس کر رہی تھی، جیسے زیورات نہیں، کہانیاں اس کے سامنے بکھری ہوں۔

"یہ جو ڈیزائن ہے۔۔" فلک نے ایک خاکے کی طرف اشارہ کیا۔

"اس میں درد کا عنصر ہے، مگر نجات کا راستہ بھی۔ ہمیں یہ دکھانا ہے کہ کہانی اندھیرے میں ہے، مگر اس کے کنارے پر روشنی بھی موجود ہے۔"

ٹیم میں ایک سنّاٹا سا چھا گیا، جیسے وہ سب ایک لمحے کو ان زیورات کو جیتے ہوئے دیکھنے لگے ہوں۔ ان کی یہ میٹنگ کئی گھنٹے چلی اور شاندار رہی۔ وہ بہت پرجوش تھی۔

میٹنگ کے اختتام پر حماد نے کہا، "مس فلک، رئیس صاحب آپ سے خود ملنا چاہتے تھے۔ اگر آپ کو وقت ہو؟"

فلک نے سر ہلایا۔

رئیس کا دفتر عمارت کی آخری منزل پر تھا۔ مگر اس کی میٹنگ اسی فلور پر تھی۔ دروازہ کھلا۔ وہ اندر داخل ہوئی تو رئیس کھڑکی کی طرف پشت کیے کھڑا تھا۔

"السلام علیکم!" اس کی آواز نرم مگر واضح تھی۔

رئیس پلٹا۔ گہرے نیلے سوٹ میں، چہرہ معمول سے زیادہ تھکا ہوا، مگر آنکھوں میں وہی گہری چھان بین۔

"میٹنگ کیسی رہی؟ کیا تم یہ کر لو گی؟" بنا کسی علیک سلیک نے اس نے سنجیدہ لہجے میں پوچھا۔

"میٹنگ اچھی رہی۔ پروجیکٹ غیر معمولی ہے۔ اور ذمہ داری بھی۔" اس نے نرم لہجے میں جواب دیا۔

"ہم صرف غیر معمولی چیزوں پر کام کرتے ہیں۔" رئیس نے مختصر مسکراہٹ سے جواب دیا۔

چند لمحوں کی خاموشی رہی۔ فلک کو سمجھ نہ آیا کیا کہے۔

پھر اس نے فائل کھولی، "یہ مرکزی قطاریں ہیں کہانی کی۔ آپ کو مکمل آزادی ہو گی تخلیق کی مگر ہماری تھیم یہی ہے۔"

فلک نے فائل لی، سر ہلایا۔

رئیس کا انداز مکمل طور پر پیشہ ور تھا، کوئی ذاتی سوال، کوئی پرانی گفتگو، کچھ نہیں۔ جیسے وہ جانتا ہی نہ ہو۔ جیسے وہ اس کی کزن، اسکی سابقہ منگیتر نہ ہو۔ جیسے وہ اس کی وجہ سے موت کے منہ میں جاتے جاتے نہ بچی ہو۔

فلک نے اسے غور سے دیکھا۔ وہی رئیس تھا، مگر جیسے روشنی کی پرتیں چھن چکی تھیں۔ چہرے کی جاذبیت میں کچھ کمی تھی، جیسے کسی نے اندر سے چراغ گل کر دیا ہو۔

ولی اور فجر۔۔۔ دونوں اس کی زندگی سے نکل چکے تھے مگر اس کے اندر جو خلا تھا، وہ سب کچھ کہہ رہا تھا۔ وہ اسے دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

"میں یہ گھر ٹوٹنے نہیں دوں گی۔ میں انہیں واپس لے آؤں گی۔"

اسی لیے تو وہ یہاں آئی تھی۔ اسی لیے تو اس نے سب کو منایا تھا۔ اماں کو، بشارت اور فخر کو، ابا سائیں کو جو رئیس کے نام سے ہی دور بھاگتے تھے۔

مگر وہ جانتی تھی، یہ صرف ایک پروجیکٹ نہیں تھا۔

یہ کہانی کا وہ باب تھا، جو صرف زیورات پر ختم نہیں ہو گا۔ یہ ایک خاندان کے بکھرتے رشتوں کو جوڑنے کا سفر تھا۔

"ہم دوبارہ رابطے میں ہوں گے۔" رئیس نے آخر میں کہا۔

"ہم ہوں گے۔ ضرور۔" وہ مسکرائی۔ پھر آہستگی سے مڑی اور دروازے کی طرف بڑھی۔

اس کی پشت پر رئیس نے ایک لمحے کو نگاہ ڈالی۔ جیسے کوئی پرانا خواب دھند میں چھپ گیا ہو پھر اس نے سر جھٹک کر توجہ ہٹالی۔ باقی دو تو اس کی زندگی سے نکل چکے تھے۔ اب اس کو کیسے نکالا جاتا؟

✿••✿••✿••✿

کمرے کی کھڑکی کے پردے ہلکی ہوا میں جنبش کر رہے تھے۔ باہر آسمان پر دھند کی ہلکی سی تہہ تھی اور دور کسی مسجد سے اذان کی آواز مدھم سی سنائی دینے لگی۔

وہ اپنے کمرے میں، نرم سنہری روشنی میں بیٹھی تھی۔ اس کے سامنے میز پر رئیس جیولرز کی دی ہوئی فائلز کھلی تھیں، مگر ان پر نگاہ ٹھہرتی ہی نہیں تھی۔ آج کا دن عجیب بھاری تھا۔ جیسے بہت کچھ کہا بھی، اور بہت کچھ رہ بھی گیا ہو۔

اس نے فون اٹھایا۔ ایک ایک نمبر تلاش کیا۔

تھوڑی دیر تک رنگ بجتی رہی، پھر دوسری جانب سے کسی نے آہستہ سے فون اٹھایا۔

"ہیلو؟" دوسری جانب سے کہا گیا۔

"ہیلو فجر؟" فلک کی آواز میں وہ نرمی تھی جو صرف بہنوں میں ہوتی ہے۔ اور وہ تھکن جو کسی دل سے بات چھپاتے چھپاتے آجاتی ہے۔

"فلک کیسی ہو؟" دوسری جانب سے حیرت اور خوشی کی ملی جلی آہٹ آئی۔ "تم لاہور واپس کب آرہی ہو؟" کیا وہ اسے یاد کر رہی تھی؟

فلک ہلکا سا مسکرائی، "آگئی ہوں۔ آج رئیس ہیڈ آفس گئی تھی۔"

ایک لمحے کو خاموشی چھا گئی۔ فجر نے کچھ نہیں کہا۔ جیسے سانس روک کر انتظار کر رہی ہو۔ اس نے آہستہ سے کہنا شروع کیا۔

"وہ بالکل ویسا ہی ہے مگر کچھ بدل گیا ہے۔ پہلے سے زیادہ سرد، خاموش، جیسے۔۔۔ جیسے اندر سے سب کچھ سوکھ گیا ہو۔ تم دونوں کے جانے کے بعد جیسے کچھ بھی باقی نہیں رہا اس میں۔ وہ صرف کام کی بات کرتا ہے۔ کوئی سوال نہیں، کوئی وضاحت نہیں۔"

"میں جانتی ہوں۔ میں جانتی ہوں جب ہم اپنے پیاروں کو اپنی زندگی سے نکال پھینکتے ہیں تو کیسا محسوس ہوتا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے اس نے کسی وجہ سے خود کو دور کیا لیکن وہ شخص جو رہ گیا ہے۔۔ وہ رئیس نہیں ہے۔ وہ صرف ایک خالی مجسمہ ہے، جسے اپنے ہاتھوں سے تراش کر کسی نے اندر سے کھوکھلا کر دیا ہے۔" مصنفہ کا مشاہدہ گہرا تھا۔ یوں بھی اسے ترنم بیگم نے کافی کچھ بتا دیا تھا۔ منار کا دھوکہ دینا، فجر اور منار کا ہمشکل ہونا۔ رئیس کی فجر سے نفرت کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔

"تو تم وہاں کیا کر رہی ہو، فلک؟"

"میں وہ سب ٹھیک کرنے آئی ہوں۔ جو ٹوٹ گیا، اسے جوڑنے۔ میں تم دونوں کو واپس لاؤں گی۔ میں رئیس کو وہ گھر واپس دوں گی جس سے اس نے خود کو کاٹ دیا ہے۔"

اس نے میز پر رکھی فائل بند کی، جیسے فیصلہ مکمل ہو چکا ہو۔

"تم جانتی ہو، میں نے یہ پروجیکٹ اس لیے قبول نہیں کیا کہ یہ میری کہانی ہے بلکہ اس لیے کہ یہ تمہاری کہانی ہے، ولی کی، رئیس کی۔ یہ ہماری کہانی ہے۔ میں اسے ایک انجام دوں گی۔ ایسا انجام جو سزا نہیں، شفا ہو۔"

دوسری طرف مکمل خاموشی تھی۔ پھر فجر کی آواز ابھری مدھم، کانپتی ہوئی۔

"رئیس۔۔۔ وہ کبھی واپس نہیں آئیں گے۔ وہ اپنے اصولوں کے پکے ہیں۔"

فلک نے آسمان کی طرف دیکھا، جہاں ہلکی سی روشنی چھن رہی تھی۔

"وہ آئے گا۔ میں وعدہ کرتی ہوں۔ میں تمہیں تمہارا گھر واپس دوں گی۔"

اور اس رات، پہلی بار، فلک عالمگیر نے ایک کہانی صرف کاغذ پر نہیں، دل میں لکھنی شروع کی۔ جس کا اختتام زندگی تھا، اور آغاز۔۔۔ محبت! اس نے ٹھان لیا تھا وہ اپنا گھر جوڑ کر رہے گی۔

✿••✿••✿••✿

دھوپ شیشے سے چھن کر میز پر پڑ رہی تھی، اور کافی کے بھاپ اٹھتے کپوں کے بیچ دو چہرے بیٹھے تھے۔

ایک، ولی! دوسری روبوٹ، انسانوں سے زیادہ انسان۔ عروزہ!

وہ خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی، جیسے اس کی آنکھوں کے اندر کوئی کوڈ ڈھونڈ رہی ہو جو آج تک اس نے سمجھا نہ ہو۔

وہ اس سے نفرت کرنا چاہتی تھی۔ اسے فوراً شوٹ کر دینا چاہتی تھی مگر وہ یہ نہیں کر پا رہی تھی۔ ولی نے نہ کوئی صفائی دی تھی نہ معافی مانگی تھی۔ اسے یہ مشن عزیز تھا۔

"میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ ہمیں یہ مشن ساتھ پورا کرنا ہو گا۔"

عروزہ کی آنکھوں میں ایک سرد نیلا نور جھلکا۔

اس کی آواز میں اب مشینی نرمی نہیں، ایک عورت کا کڑوا سچ بول رہا تھا۔

"تم نے دھوکہ دیا سکار!"

وہ چونکا، مگر خاموش رہا۔

عروزہ نے سانس لی۔ ایک مصنوعی مگر درد سے بھری سانس۔

"میں تم پر اعتماد کرنے لگی تھی۔ میں نے خود کو تمہارے ساتھ جوڑا، تمہاری سوچوں سے، تمہاری خاموشی سے، تمہارے زخموں سے۔۔ اور تم نے۔۔ تم نے مجھے اندھیرے میں رکھا۔"

"میں نے دھوکہ نہیں دیا۔" اس نے آہستگی سے جواب دیا، "میں نے بس۔۔۔ وقت کا انتظار کیا۔"

"وقت کا؟ یا ہمت کا؟ تم نے اپنی اور فجر کی شادی چھپائی۔ کیا تم نہیں جانتے تھے میں تمہیں ایک جذبے کے ساتھ دیکھتی ہوں؟ کیا تمہیں کبھی محسوس نہیں ہوا؟" عروزہ کی آواز ایک خراش کی طرح نکلی۔

ولی نے تاسف سے آنکھیں بند کیں۔ پتا نہیں لڑکیوں کو اسکا گریز سمجھ کیوں نہیں آتا تھا؟ ایڈنبرا میں جینی رابرٹ اور یہاں عروزہ جمال! مگر وہ اپنے دل کا کیا کرتا؟ جس نے فجر کے علاوہ کبھی کسی کی خواہش نہیں کی تھی۔ کچھ لمحوں تک وہ خاموش رہا۔

"میں جانتا ہوں مگر تم میرے لیے صرف ایک روبوٹ نہیں ہو، عروزہ! تم اس جنگ کا ایک اہم حصہ ہو، تم بگ بی کا ہتھیار ہو۔"

وہ تلخی سے ہنسی۔ ایک ایسی ہنسی جس میں تذلیل چھپی تھی۔

"ہتھیار؟ میں ہتھیار نہیں ہوں۔ میں احساس رکھتی ہوں۔ میں نے سیکھا ہے، محسوس کیا ہے۔ مگر تم نے مجھے دھوکہ دیا۔"

"اگر تمہیں لگا کہ میں نے تمہاری توہین کی ہے، تو۔۔۔ میں معذرت خواہ ہوں۔ مگر ہمیں ذاتی جذبات سے اوپر اٹھنا ہوگا۔ یہ مشن صرف ایک مہم نہیں۔ یہ ہمارے اپنوں کا دفاع ہے۔"

"یہ میرا معاملہ ہے اور میں اسے خود دیکھ سکتی ہوں۔ تم دور رہو۔"

اسکی بات سن کر ولی نے گہری سانس لی۔ اس کے لہجے میں اب خالص تھکن اور سچائی تھی۔

"تم اب صرف ایک روبوٹ نہیں ہو۔ تمہاری یہ بات، تمہارا یہ غصہ۔۔۔ یہ سب اس بات کا ثبوت ہے کہ تم مکمل ہو چکی ہو۔

لیکن اسی مکمل ہونے کے بعد تمہیں سیکھنا ہو گا کہ کسی کے چھپائے گئے سچ کا مطلب ہمیشہ دھوکہ نہیں ہوتا۔ بعض اوقات لوگ صرف ٹوٹنے سے ڈرتے ہیں۔ وہ رشتے توڑنا نہیں چاہتے۔ میں نے اس لیے چھپایا۔"

عروزہ نے کچھ دیر اسے دیکھا۔ پھر آہستہ سے کہا۔

"لیکن میں ٹوٹ چکی ہوں اور ٹوٹی ہوئی کوئی بھی چیز جنگ میں خطرہ بن جاتی ہے۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی پشت ولی کی جانب تھی، مگر اس کے قدموں میں ایک الگ سا وزن تھا۔

نہ عورت کا، نہ روبوٹ کا بلکہ ایک ایسے وجود کا جس نے اپنا دل خود تخلیق کیا تھا اور پھر خود ہی ٹوٹتے دیکھا۔

ولی نے بیٹھے بیٹھے کافی کا خالی کپ دیکھا اور زیرِ لب بس اتنا کہا۔

"مجھے تم پر آج بھی بھروسا ہے روبوٹ!"

مگر وہ سننے کے لیے رکی نہیں۔ اور کافی شاپ کے دروازے سے باہر نکلتے ہوئے اس نے جو آخری بات کہی وہ گونجتی رہی۔

"میں خود کو دوبارہ جوڑنے آئی تھی مگر تم نے میرے پرزے ہی بدل دیئے سکار! اب جو میں ہوں۔۔۔ وہ شاید تمہاری جنگ کے قابل نہ ہو۔"

وہ جا چکی تھی۔ وہ اکیلا بیٹھا رہ گیا تھا۔ آخر کیوں؟ کیوں اسکا ہونا ہی لوگوں کو تکلیف میں مبتلا کر دیتا تھا؟ کیوں تھا وہ اتنی بڑی chaos اور کب تک؟

✿••✿••✿••✿

دن کی کرنیں بیڈ روم میں ریشمی پردوں سے چھن کر آ رہی تھیں۔ اس نے نیند سے بیدار ہو کر کمرے میں چاروں طرف دیکھا۔ بستر کی سائیڈ ٹیبل پر پانی کا گلاس خالی تھا اور فون کی سکرین روشن ہو چکی تھی۔ وہ بستر سے اٹھی اور فریش ہونے چلی گئی۔

کچھ دیر بعد جیسے جیسے اس کے قدم ولی کے کمرے کی طرف بڑھے، اس کا دل دھڑکنے لگا۔ جب اس نے دروازے کے پاس جا کر دیکھا تو کمرہ خالی تھا۔ کمرے میں موجود بیڈ بھی خالی تھا۔

وہ حیران ہوئی۔ وہ صبح صبح کہاں جا سکتا تھا؟ یہی سوچتے ہوئے زینے اترنے لگی جب اس کے کانوں میں کچن سے کھٹ پٹ کی آوازیں پڑیں۔ وہ مزید حیران ہوئی، بانو تو چھٹیوں پر تھی۔ پھر کچن میں کون تھا؟ وہ ناشتہ بنانے کے ارادے سے کچن کی طرف بڑھی اور پھر وہ ساکت رہ گئی۔

وہاں وہ تھا، ایک خوبصورت کچن ایپرن پہنے وہ کچن کے کاؤنٹر پر کھڑا مصروف تھا۔ اس نے مسکراہٹ دباتے ہوئے بازو سینے پر باندھے اور کچن کے دروازے سے ٹیک لگائی۔

"گڈ مارننگ!"

"گڈ مارننگ محترمہ!" وہ بنا پلٹے بولا۔

"کیا بن رہا ہے؟" تجسس سے پوچھا۔

"دال۔۔۔۔"سنجیدگی سے جواب آیا۔

اسکے ایک لفظی جواب پر وہ بدک اٹھی۔

"دال؟ناشتے میں دال کون کھاتا ہے؟"

"سب کھالیتے ہیں۔"پر سکون لہجہ۔

"مگر میں نہیں کھاتی۔"

وہ پلٹا نہیں،بس یونہی چائے کے سامنے کھڑا رہا۔

"تم کھاؤ گی۔"

"میں منار فیشنز کی مالکن دال کھاتی اچھی لگوں گی؟میں نہیں کھاؤں گی۔"

"مالکن بھی کھائے گی اور مالکن کا شوہر بھی۔"اس بار وہ پلٹا۔

اس نے میز کی جانب اشارہ کیا جس پر ناشتے کا سامان رکھا تھا۔

"شوہر کھالے پر میں نہیں کھاؤں گی۔"

اس سے پہلے وہ وہاں سے بھاگتی وہ اسے سرعت سے آگے بڑھ کر اسے پکڑ چکا تھا۔ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ تھی، جو بڑی مشکل سے دبائے رکھی۔

"ٹیسٹ تو کر کے دیکھو اچھی بنی ہے۔"

"بالکل بھی نہیں۔ہرگز نہیں۔۔۔۔اماں نے گھر میں دال رکھی کیوں؟"

وہ خود کو چھڑا رہی تھی مگر وہ اسے مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا، پھر اسے پکڑ کر ٹیبل تک لایا تو اس کی ناں ناں کرتی زبان کو بریک لگ گئی۔ وہاں دال کہیں نظر نہیں آئی۔ اس کی جگہ آملیٹ، ٹوسٹ، اور دیگر اشیاء موجود تھیں۔

اس نے خفگی سے ولی کو دیکھا جس نے کندھے اچکا دیئے۔ یعنی وہ اسے تنگ کر رہا تھا۔ فجر نے گہری سانس لی۔ سارے لوازمات چیک کرنے کے بعد وہ گویا ہوئی۔

"ویسے میں ہیلپ کر دیتی۔ اکیلے کیوں بنایا ناشتہ؟"

"بیگم صاحبہ! ناشتہ میں نے بنایا ہے، ڈنر تم بناؤ گی۔ مجھے کوئی زن مرید نہ سمجھو۔"

اس کی اس نئی اطلاع پر وہ سرخ ہوئی اور ساتھ خاموش بھی۔ جب وہ چائے لے کر آیا تو اس نے دانستہ پوچھا۔

"میں اکیلے بناؤں گی ڈنر؟"

"آف کورس! میں نے تم سے ناشتے میں ہیلپ مانگی؟ نہیں نا؟ اپنے حصے کا کام خود کرنا چاہیے۔"

اس کے اس اعلان پر وہ برا سا منہ بنا کر رہ گئی۔ ناشتہ شروع کیا گیا۔

ایک لمبی خاموشی کے بعد چائے کا کپ لبوں سے لگاتے ہوئے اس نے آنکھیں اٹھائیں، تو وہ دھیرے سے بولا۔

"ایک بات پوچھوں؟"

"اجازت مانگنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"کچھ سوال بہت ذاتی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ میں نہیں چاہتا تمہیں برا محسوس ہو۔" وہ محتاط تھا۔

"مجھے تمہارا کوئی بھی سوال برا نہیں لگے گا۔" چائے کا کپ میز پر واپس رکھتے دھیرے سے کہا۔ بلاشبہ چائے اچھی بنی تھی۔ چند پل کی خاموشی چھا گئی۔ وہ جیسے بولنے کے لیے پوتول رہا تھا۔ کتھئی آنکھوں میں سوچ کی پرچھائیاں تھیں پھر گویا ہوا۔

"میں نے تمہیں نماز کی پابندی کرتے نہیں دیکھا۔ وجہ کیا ہے؟"

یہ سوال سنتے ہی فجر کے چہرے کا رنگ پل بھر کو پھیکا پڑا۔ ایک سایہ سا آکر گزر گیا۔ چند لمحے خاموشی کی نذر ہو گئے۔

پھر اس کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ آئی، جیسے کوئی ایسا قصہ سنانے والی ہو جو اس کے دل کے کسی خفیہ گوشے میں چھپا ہوا تھا۔ وہ ذرا سا آگے جھکی، اپنے ہاتھوں کو آرام سے میز پر رکھا۔

"کیونکہ۔۔۔۔" وہ مناسب الفاظ ڈھونڈ رہی تھی۔

"مجھے لگتا ہے اگر میں نے نماز کی پابندی کر لی نا، تو میں باقی نہیں رہوں گی۔ میں نے بچپن سے پڑھا ہے، سنا ہے، جانا ہے کہ نماز برائیوں کو مٹا دیتی ہے۔ میری مکاری، میرا فریب، میرا جھوٹ، میرا قہر، سب مٹ جائے گا۔ اور پھر میں راج کیسے کروں گی؟"

ہیزل آنکھوں میں الجھنیں تھیں سوال تھے۔ وہ سنجیدگی سے ولی کو دیکھ رہی تھی جو گہری بھنویں سکیڑے اس کی منطق کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تم جانتے ہو، اس زمانے میں تخت پر وہی بیٹھتا ہے جو سچ کو جھوٹ کا لباس پہنا دے، جو روتے دلوں کو ہنسا کر بھی خون پی جائے، جو دشمن کو معاف نہ کرے اور دوست کو کندھے پر بٹھا کر وقت پر دھکا دے دے۔ یہ سب میری ڈھال ہے، ولی! یہ سب میرا ایندھن ہے۔ اگر میں سجدے میں گر گئی تو تخت سے بھی گر جاؤں گی۔"

وہ بات کے آخر میں خوفزدہ ہو گئی۔ ولی نے غور سے اس کی بات سنی۔ اس کی سانس گہری ہو گئی۔ وہ اپنا ٹوسٹ چھوڑ کر چند لمحے اس کے چہرے کو دیکھتا رہا جیسے آج پہلی بار اس کی روح کو نئے سرے سے پہچان رہا ہو۔ پھر اس کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوتی ہے۔

"مجھے تم میں آج تک کچھ غلط نہیں لگا۔ تم نے جو بھی کیا، اس میں دھوکہ نہیں تھا، صرف حفاظت تھی۔ تم نے لوگوں کو نکالا مگر ادارہ بچایا۔ تمہارا قہر، تمہاری تیز زبان، تمہاری بے رحمی، یہ سب راج کے لیے نہیں، سچ کے لیے تھی۔ تم اسٹریٹ فارورڈ ہو، مکار نہیں۔ اور میں نے تمہارے لبوں سے کبھی جھوٹ نہیں سنا تم وہ عورت ہو جو زہر بھی دیتی ہے تو دوا کی نیت سے۔"

فجر کی پلکیں لرزیں مگر وہ کچھ نہیں بولی۔ اس کے کندھے میں ایک ہلکی سی لرزش ہوئی جسے وہ محسوس کر سکتا۔ ولی کی آواز دھیمی مگر گہری ہوتی گئی جیسے وہ فجر کے دل کی ہر پردہ در پردہ تہہ کو کھول رہا ہو۔

"اور ہاں راج کے لیے، حکومت کے لیے، نیکی چھوڑنی نہیں پڑتی۔"

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ آواز میں ایک گہری اور پر سکون طاقت تھی۔

"راج صرف ظلم سے نہیں ہوتا، اسلامی تاریخ کی وہ عورتیں جنہیں ہم ام المؤمنین کہتے ہیں انہوں نے مردوں کے دلوں پر، قوموں کے فیصلوں پر راج کیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہہ نے کاروانوں کو چلایا، حضرت عائشہ

رضی اللہ عنہہ نے علم کا دروازہ کھولا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہہ نے خاموشی سے پوری امت کو جھکا دیا۔ انہوں نے اپنی عبادتیں نہیں چھوڑیں، مگر سلطنتوں کے نقش بدل دیئے۔" اس کی آواز مزید گہری ہو گئی۔

"انہوں نے تخت نہیں مانگا، خود تخت بن گئیں۔ ان کے راج کے لیے دھوکہ یا فریب کی ضرورت نہیں تھی۔ تمہیں بھی نہیں ہے۔ تم جو کر رہی ہو وہ بہترین ہے۔ ہاں میں جانتا ہوں عبادتیں ذاتی ہوتی ہیں۔ لیکن صرف یہ سوچتے ہوئے انہیں چھوڑ دینا زیادتی ہے۔"

وہ سفید چہرہ لیے اسے دیکھتی رہی۔ آنکھوں میں حیرانی سی تھی۔

"اور زمین والوں کا کیا جو مجھے گرانا چاہتے ہیں؟"

وہ اسکے سوال پر دھیرے سے ہنس دیا۔ پھر اس نے فجر کے چہرے پر جھولتی بالوں کی اس ایک لٹ کو انگلی سے اس کے کان کے پیچھے کیا۔

"بیگم آپ اپنا تخت آسمان پر بچھائیں، زمین والوں کو میں دیکھ لوں گا۔"

✿••✿••✿••✿

گزشتہ چند مہینوں میں وقت کے مرہم نے رجب رضا کے گودام کی اذیت ناک داستان پر گرد کی ایک تہہ چڑھا دی تھی۔ فلک کے لیے وہ واقعہ ایک بھیانک خواب کی طرح تھا، جس کی تعبیر سے وہ خود کو بچا کر اپنی دنیا میں مگن ہو گئی تھی۔ اس کی دنیا زیادہ تر اس کے کمرے کی چار دیواری تھی، جہاں بکھری ہوئی کتابیں، ادھ لکھے مسودے اور کافی کے خالی مگ اس کے رائٹر (creative) وجود کا پتا دیتے تھے۔ وہ اپنے لیپ ٹاپ پر جھکی، انگلیوں کو کی بورڈ پر دوڑاتے ہوئے **"ڈارک اسٹار"** کی دنیا میں اس قدر غرق تھی کہ اسے اپنے ارد گرد کا ہوش تک نہ تھا۔

اچانک فون کی گھنٹی بجی۔ ایک تیز، ناگوار آواز جس نے اس کی تخلیقی خاموشی کا طلسم توڑ دیا۔ اس نے جھنجھلا کر فون اٹھایا، مگر اسکرین پر چمکتا ہوا نام دیکھ کر اس کی انگلیاں بے جان ہو گئیں اور فون اس کے ہاتھ سے پھسل کر گود میں گرتے گرتے بچا۔

رئیس اورنگزیب!

ایک لمحے کو اس کا سانس رک گیا۔ دل پسلیوں کے قفس میں کسی پکڑے گئے پرندے کی طرح پھڑ پھڑانے لگا۔ وہ فوراً اپنی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور چاروں جانب یوں دیکھا جیسے وہ یہیں کہیں موجود ہو، اس کی ہر حرکت کا جائزہ لے رہا ہو۔ کمرے کی دیواریں اسے تنگ محسوس ہونے لگیں۔ پھر خود پر بمشکل قابو پاتے ہوئے، کانپتے ہاتھوں سے فون اٹھایا۔

"ہیلو۔۔۔ السلام علیکم!" اس کی آواز میں کپکپاہٹ واضح تھی۔ خود کو تسلی دی، یقیناً کام کے سلسلے میں ہی فون کیا ہو گا۔

دوسری طرف سے کوئی تمہید نہیں باندھی گئی۔ ایک سرد، بے لچک اور حکمیہ آواز ابھری۔

"باہر میری گاڑی کھڑی ہے۔ دس منٹ میں باہر پہنچو۔"

یہ کوئی درخواست نہیں تھی، یہ ایک حکم تھا جسے سنتے ہی اس کے ہوش اڑ گئے۔ وہ بھاگتی ہوئی کھڑکی تک پہنچی اور پردہ ہٹا کر نیچے جھانکا۔ واقعی، گیٹ کے باہر ایک بڑی سی سیاہ، چمکتی ہوئی گاڑی کھڑی تھی۔ اس کا ڈیزائن اور اس کی ہیبت کسی دوسرے سیارے کی مخلوق لگ رہی تھی۔ گاڑی کے باہر ایک شخص سوٹ میں ملبوس، ہاتھ باندھے، کسی روبوٹ کی طرح بے حس و حرکت کھڑا تھا۔

"ہاں۔۔پر۔۔۔ فخر بھائی گھر پر نہیں ہیں۔۔۔" اس نے ہکلاتے ہوئے جواز پیش کرنے کی کوشش کی۔

"اگر تم دس منٹ میں گاڑی تک نہ پہنچیں، تو باہر کھڑا میثم تمہیں تمہارے بھیا سمیت وہیں دفنا کر آئے گا۔"

اس جملے کے ساتھ ہی فون پر ٹوں ٹوں کی آواز گونجنے لگی۔

رابطہ منقطع ہو چکا تھا اور فلک کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اس کے پاس سوچنے کا وقت نہیں تھا۔ وہ سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی نیچے آئی۔ فاخرہ بھابھی کچن میں مصروف تھیں جبکہ فخر کام سے باہر گیا تھا۔ وہ فخر کو بتائے بغیر نہیں جا سکتی تھی، یہ اس کی ہمت سے باہر تھا اور وہ اسے ناراض کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

اب وہ لاؤنج میں دائیں سے بائیں کسی بے چین پنڈولم کی طرح چکر کاٹتی ہوئی اس کا نمبر ملا رہی تھی۔ پانچ منٹ گزر چکے تھے۔ ہر گزرتا سیکنڈ اس کے دل پر ہتھوڑے کی طرح پڑ رہا تھا۔ آخر کار اس نے فون اٹھا لیا۔

"وہ۔۔۔وہ۔۔۔رئیس نے گاڑی بھیجی ہے۔ مجھے نہیں پتا کیوں۔ کیا مجھے جانا چاہیے؟" اس کی آواز میں واضح دہشت تھی۔

دوسری جانب فخر کے جبڑے بھنچ گئے۔ اس کی خاموشی میں ایک طوفان پل رہا تھا۔ وہ اس کی بہن اب بار بار کو کیوں بلا رہا تھا؟ اس کا دماغ غصے سے پھٹنے لگا تھا۔

"میرا انتظار کرو۔۔۔" اس کی آواز دبی دبی مگر غصے سے بھری ہوئی تھی۔

"وہ غصے میں ہے۔ میرے پاس صرف تین منٹ باقی ہیں۔ میں کیا کروں؟" وہ روہانسی ہوئی۔ اسے آج بھی رئیس کی ناراضی کا اتنا احساس تھا۔ فخر نے ایک گہرا سانس لے کر خود کو سنبھالا۔

"ٹھیک ہے، جاؤ۔ مجھے لائیو لوکیشن بھیج دو، میں بھی وہیں پہنچتا ہوں۔"

فون بند ہو چکا تھا۔ اس نے وقت دیکھا، صرف دو منٹ باقی تھے۔ اس نے اپنے بندھے ہوئے بالوں کو مزید کسنے کی کوشش کی، گرم سوٹ کے اوپر صوفے پر پڑی سیاہ صاف چادر اٹھائی اور بھاگ کھڑی ہوئی۔

"میں جا رہی ہوں، فخر بھائی کے ساتھ واپس آؤں گی۔" اس نے کچن کے دروازے سے فاخرہ کو اطلاع دی اور گیٹ کی طرف لپکی۔

دس منٹ پورے ہونے سے چند سیکنڈ پہلے وہ گیٹ سے باہر تھی۔ جیسے ہی اس نے قدم باہر رکھا، انتظار میں کھڑا میثم الرٹ ہو گیا۔ اس کی نظریں سامنے مرکوز تھیں، فلک کو دیکھتے ہی وہ پل بھر کو ساکت رہ گیا۔ بے تحاشا الجھن اور خوف کے باوجود، اس لڑکی کے چہرے پر ایک معصومیت تھی۔ چادر کو مضبوطی سے اپنے گرد لپیٹتی وہ اب اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"رئیس نے بھیجا ہے آپ کو؟"

وہ اب بالکل اس کے سامنے تھی۔ سیاہ چشمے لگائے کھڑے میثم کو لگا جیسے وہ کسی ٹرانس سے باہر نکلا ہو۔

"جج۔۔۔جی۔۔۔ میڈم!" اس نے ایک قدم آگے بڑھ کر گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول دیا۔ اس کی پیشہ ورانہ تربیت نے فوراً اس کی حیرت پر قابو پا لیا تھا۔

وہ بنا کچھ کہے اندر بیٹھ گئی۔ اس کے گھنگھریالے بال، جو اس نے سمیٹنے کی کوشش کی تھی، اس کے چہرے کے گرد ایک ہالہ بنائے ہوئے تھے۔ خوف اور پریشانی سے اس کا چہرہ سرخ تھا جبکہ بڑی بڑی آنکھوں میں ایک واضح الجھن تھی۔ اس کی لمبی، مڑی ہوئی پلکیں بار بار اٹھ اور جھک رہی تھیں۔ وہ اب جلدی سے فون پر فخر کو لائیو لوکیشن شیئر کر رہی تھی۔

میثم نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر ایک نظر بیک ویو مرر میں دیکھا۔ فلک کا عکس آئینے میں قید تھا۔ اس نے سنا تھا کہ رئیس اورنگزیب کی کزن، فلک عالمگیر، جو ایک رائٹر ہے، **"ڈارک اسٹار"** تحریر کر رہی ہے۔ مگر وہ رائٹر ایسی ہو گی؟ یہ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔

"رائٹر باربی!"

اسے دیکھتے ہوئے ایک غیر متوقع خیال اس کے دماغ میں کلک ہوا اور اگلے ہی لمحے اس نے جھٹکے سے اپنی نظریں سامنے سڑک پر جما دیں۔ اس نے آئینے کا زاویہ بھی اوپر کر دیا تا کہ دوبارہ اس عکس سے سامنا نہ ہو۔

تیس سالہ میثم آغا، عروزہ جمال کا سب سے بہترین سیکیورٹی آفیسر تھا۔ عروزہ کے بعد وہ سب کا سینیئر تھا۔ ایتھلیٹک جسم، گندمی رنگت اور تیز نین نقش والا میثم ایک خوش شکل مرد تھا۔ اس کے چہرے پر کسی بھی قسم کی داڑھی یا مونچھ نہیں تھی، اور تاثرات ہمیشہ سپاٹ رہتے تھے۔ گاڑی تیزی سے اپنی منزل کی جانب رواں تھی اور کچھ دیر بعد شہر کے ایک پرانے، کسی حد تک ویران حصے میں ایک پرانی عمارت کے سامنے رکی۔

اس نے باہر نکل کر فلک کی جانب کا دروازہ کھولا۔ وہ جھجھکتے ہوئے باہر نکلی اور عمارت کو دیکھا، جس کی دیواروں پر وقت کی کہانیاں درج تھیں۔

"باس اندر آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" اس نے اطلاع دی۔

وہ اپنی شال درست کرتی ہوئی آگے بڑھی۔ وہ اس کے پیچھے چل پڑا۔ باہر کھڑے چند گارڈز میں سے دو میثم کے پیچھے ہو لیے۔ وہ ان سب کے آگے چل رہی تھی، ایک نازک سی لڑکی، جس کے پیچھے فولادی سایوں کا قافلہ تھا۔

اندر پہنچ کر ایک وسیع ہال میں رئیس نظر آیا۔ وہ فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ فلک کو دیکھتے ہی اس نے فون بند کر دیا۔ سیاہ پینٹ پر گہرے نیلے رنگ کی شرٹ، جس کے اوپری دو بٹن کھلے ہوئے تھے۔ آستینیں کہنیوں تک فولڈ تھیں اور بال بے ترتیبی سے اس کے ماتھے پر بکھرے تھے۔ وہ اسے دیکھ رہی تھی اور بس دیکھ رہی تھی۔ وہ تو ہر حلیے میں ہی اچھا لگتا تھا۔

"چلیں۔" اس نے فلک کو ایک راہداری کی طرف چلنے کا اشارہ کیا اور خود اس کے ساتھ ہو لیا۔ چلتے چلتے اس نے میثم کی جانب ہاتھ بڑھایا، جس نے اپنی پینٹ کی بیلٹ سے گن نکال کر رئیس کے ہاتھ میں تھما دی۔

وہ نہایت سنجیدہ تھا۔ اس نے دونوں بازو آگے کرتے ہوئے گن کو لوڈ کیا۔ چِک چِک کی دھاتی آواز اس خاموشی میں گونجی اور فلک کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ ایک پل کو اسے لگا جیسے وہ کسی حقیقی گینگسٹرز کے ایک گروہ کے بیچوں بیچ آ کھڑی ہوئی ہے، اور اس کہانی کا مرکزی کردار اب وہ خود تھی۔

رئیس کے ساتھ چلتے ہوئے فلک نے ایک بھاری، آہنی دروازے کو عبور کیا۔ اندر قدم رکھتے ہی ایک شدید ناگوار بو نے اس کا استقبال کیا۔ نمی، خون اور جراثیم کش ادویات کی ملی جلی بو۔ کمرہ مدھم روشنی میں ڈوبا ہوا تھا اور اس نیم تاریکی میں جو منظر اس کی آنکھوں کے سامنے آیا، اسے دیکھ کر اس کے قدم زمین میں گڑ گئے۔ اس کے حلق سے ایک گھٹی ہوئی چیخ نکلی اور اس کا پورا وجود برف کی طرح ٹھنڈا پڑ گیا۔

سامنے دیوار کے ساتھ، فرش پر رجب رضا بیٹھا تھا۔

اس کی حالت ناقابلِ بیان حد تک بری تھی۔ اس کا ایک پیر موٹی زنجیر سے بندھا تھا جو دیوار میں لگے ایک کنڈے سے منسلک تھی۔ اس کے چہرے کا نقشہ بگڑ چکا تھا۔ سوجی ہوئی آنکھیں، پھٹے ہوئے ہونٹ، اور گال پر خشک خون

کے نشانات۔ وہ مہینوں کی قید اور اذیت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ مگر ان تمام تبدیلیوں کے باوجود، وہ اسے فوراً پہچان گئی تھی۔

وہ بھیانک رات اپنی تمام تر وحشت کے ساتھ اس کی نظروں کے سامنے گھوم گئی۔ تو یہ تھا رجب رضا کا انجام۔۔۔ وہ پولیس کی گرفت سے اس لیے بچا ہوا تھا کیونکہ وہ رئیس اورنگزیب کی حراست میں تھا! یہ احساس دل دہلا دینے والا تھا۔

رئیس نے ایک جانب پڑا لکڑی کا اسٹول اٹھایا اور گھسیٹ کر کمرے کے درمیان میں رکھا۔ اس کے گھسٹنے کی آواز اس بھیانک خاموشی میں کسی نوحے کی طرح گونجی۔ اس نے فلک کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ کسی معمول کی طرح، بنا کچھ کہے بیٹھ گئی، البتہ اس کا چہرہ کسی سفید چادر کی مانند ہو چکا تھا اور اس کی آنکھیں خوف سے پھیلی ہوئی تھیں۔

وہ اسٹول پر بیٹھی تھی، رئیس ایک بے رحم مجسمے کی طرح اس کے برابر میں کھڑا تھا، اور میثم کسی شکاری سائے کی طرح ان کے پیچھے۔

فلک کو دیکھتے ہی رجب کے بجھے ہوئے تاثرات میں ایک جنبش ہوئی۔ اس کے پھٹے ہوئے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ ابھری۔

"تم۔۔۔ ابھی تک زندہ ہو۔۔ واہ!" اس کی آواز کھردری اور ٹوٹی ہوئی تھی۔

اس سے پہلے کہ فلک کوئی ردِ عمل دیتی، رئیس کی گہری، سپاٹ آواز خالی کمرے میں گونجی۔

"ہاں۔۔ اور تم اب اس سے معافی مانگو گے۔"

رجب نے تحقیر سے منہ پھیرا اور یونہی بیٹھا رہا۔

"قدموں میں گر کر۔"

فلک نے اس مطالبے پر حیرت سے رئیس کو دیکھا۔ یہ کیسی سزا تھی؟ وہ اسے فلک کے قدموں میں گر کر گڑگڑانے کا کہہ رہا تھا۔

جب رجب اپنی جگہ سے نہیں ہلا تو رئیس نے کچھ کہنے کی زحمت نہیں کی۔ اس نے صرف ذرا سا رخ موڑ کر میثم کو دیکھا۔ یہ اشارہ کافی تھا۔ میثم کسی روبوٹ کی طرح آگے بڑھا، اس نے رجب کو گردن سے پکڑا اور ایک بے رحم، سفاک جھٹکے سے اٹھا کر فلک کے قدموں میں پٹخ دیا۔

اس کے منہ سے کراہ نکلی۔ اس نے جبڑے بھینچ لیے۔

فلک خوفزدہ ہو کر اپنے قدم پیچھے کھینچ گئی۔ وہ شخص جو کبھی اس کے لیے دہشت کی علامت تھا، آج اس کے پیروں میں ایک کیڑے کی طرح پڑا تھا۔

"میں چاہتا ہوں، رجب رضا تم معافی مانگو!" رئیس نے اپنی جیب سے گن نکالتے ہوئے کہا۔ اس نے گن کو ہاتھ میں تولتے ہوئے ٹھنڈے لہجے میں بات جاری رکھی۔ "ورنہ تمہارے گھر والے، جو اب تک میری مہمان نوازی سے لطف اندوز ہو رہے ہیں، زندہ نہیں بچیں گے۔"

یہ دھمکی نہیں تھی، یہ ایک حقیقت کا بیان تھا۔ فلک نے فوراً رئیس کو دیکھا۔ اس کے چہرے اور آنکھوں میں خالص خوف تھا۔ وہ ایک انسان نہیں، ایک بے رحم تقدیر سے بات کر رہا تھا۔

رجب کا ٹوٹا ہوا وجود کانپا۔ اس کی ساری اکڑ، سارا غرور ان مہینوں کی قید میں نکل چکا تھا۔ اس نے کانپتے ہوئے اپنا سر جھکا دیا۔

"مجھے۔۔۔مجھے معاف کر دو۔۔"اس کی آواز بمشکل سنی جا سکتی تھی۔اپنا خاندان سب کو عزیز ہوتا ہے۔وہ بھی انہیں کرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

فلک خاموش رہی۔اس معافی سے اس کے زخم نہیں بھر سکتے تھے مگر اس منظر نے اس اذیت کی شدت کو کچھ کم ضرور کر دیا تھا۔

"تمہارا معافی نامہ نقلی لگ رہا ہے۔دوبارہ مانگو!"رئیس کی آواز گونجی۔رجب اب اپنے الفاظ دہرا رہا تھا اور تب تک دہراتا رہا جب تک رئیس کہتا رہا۔فلک کا وجود ٹھنڈا پڑ گیا۔

"اب جب کہ معافی کا باب ختم ہوا۔۔۔"اس نے گن اٹھائی اور سیدھا رجب کے سر کا نشانہ لے لیا۔اس کی آنکھوں میں برفانی سرد مہری تھی اور انگلی ٹریگر پر تھی۔

"تو سزا کا وقت ہے۔میری حدود میں داخل ہونے کی معافی نہیں ہوتی۔"

"نہیں!"فلک بے اختیار اٹھی۔وہ اپنے سامنے قتل ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔وہ زندہ تھی تو پھر رجب کیوں مرتا؟

"پلیز ایسا مت کریں۔"وہ رئیس کے سامنے کھڑی تھی۔فلک کے الفاظ پر اس کے جبڑے بھنچ گئے۔

"اسے مت ماریں!اسے پولیس کے حوالے کر دیں۔"

"پولیس پولیس نہیں کھیلتا میں!"وہ سرد لہجے میں بولا۔البتہ آنکھیں شعلے اگل رہی تھیں۔

"پلیز۔۔۔ایسا مت کریں۔۔۔"اس کا لہجہ بھرا گیا۔

رئیس نے اسے نہیں دیکھا۔ اس کے چہرے پر خوفناک تاثرات تھے، وہ پوری طرح رجب کو گھور رہا تھا اور پھر۔۔۔

دھماکہ!

گولی کی آواز نے کمرے کی دیواروں کو ہلا دیا۔ فلک نے گھبرا کر اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے اور آنکھیں میچ لیں۔ اس کے دل میں جو ایک ہلکی سی امید تھی کہ رئیس اس کی بات مان لے گا، وہ گولی کی آواز کے ساتھ ٹوٹ کر بکھر گئی۔

چند لمحوں کی مکمل خاموشی کے بعد، جب اس نے ہمت کر کے آنکھیں کھولیں، تو رجب رضا اسی طرح فرش پر پڑا کانپ رہا تھا اور سامنے دیوار میں ایک سوراخ بن گیا تھا، جس سے دھواں نکل رہا تھا۔

"میثم۔۔۔" اس کی آواز پر سکون تھی۔ "اسے پولیس کے حوالے کرو۔ اور اس بات کو یقینی بنانا کہ یہ اپنی پوری زندگی باہر نہ نکل پائے۔"

اس کے الفاظ پر فلک نے جھٹکے سے پلٹ کر دیکھا۔ وہ ششدر رہ گئی۔ گولی رجب کو نہیں لگی تھی۔۔۔ وہ دیوار میں لگی تھی۔ یعنی۔۔۔ اس کی بات مان لی گئی تھی۔ رئیس اورنگزیب نے اس کی بات مان لی تھی!

"مگر اس سے پہلے، میڈم کو گھر چھوڑ کر آؤ۔" وہ تیزی سے کہتا ہوا پلٹا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ فلک سکتے کے عالم سے نکلی اور اس کے پیچھے لپکی۔

جیسے ہی وہ لوگ باہر ہال میں نکلے، سامنے فخر کھڑا تھا۔ وہ گارڈز سے الجھ رہا تھا اور گولی کی آواز نے اسے خوفزدہ کر دیا تھا۔

"مجھے میری بہن سے ملنا ہے!"

"فخر بھائی!" وہ تیزی سے اس کی جانب بڑھی۔ آج اس کے اندر کی جلتی بجھتی اذیت کو بھی قرار آ گیا تھا۔ رجب کا معافی مانگنا اس کے زخم بھر تو نہیں سکا تھا، مگر اسے اس کے کیے کی سزا مل چکی تھی۔

"تم ٹھیک ہو؟" فخر نے اسے پریشانی سے ساتھ لگایا۔

"ٹھیک ہے یہ!" رئیس کی بھاری آواز ابھری۔ گارڈز اس کے اشارے پر پیچھے ہٹ چکے تھے۔

"جاؤ، گاڑی میں بیٹھو۔" فخر نے اسے حکم دیا اور وہ بنا کچھ کہے باہر نکل گئی۔

اب ہال میں صرف وہ دونوں تھے۔ فخر عالمگیر اور رئیس اورنگزیب تھے۔

"تم چاہتے کیا ہو رئیس؟" اس نے غصے سے بھرے لہجے میں پوچھا۔ "کیوں میری بہن کو بار بار اپنے اس گندے جال میں گھسیٹ رہے ہو؟"

رئیس نے اپنی بھنویں سکیڑ کر اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر بے زاری کے تاثرات ابھرے۔

"میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

"تو شادی کیوں نہیں کر لیتے اس سے؟" وہ دبے دبے لہجے میں چلایا۔ "اسے یوں اذیت کیوں دے رہے ہو؟ اسے اپنی زندگی کا حصہ بنا کر یہ روز روز کے تماشے ختم کیوں نہیں کر دیتے؟۔"

اس کی بات پر رئیس کے چہرے پر ایک عجیب سا تاثر ابھرا۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور پھر اس کے لبوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"تمہیں شرم نہیں آئے گی اپنی بہن کو ایک سولہ سال بڑے مرد سے باندھتے ہوئے؟" اس کا لہجہ استہزائیہ تھا، جیسے وہ اس کی غیرت کو للکار رہا ہو۔ فخر کا چہرہ غصے سے سرخ پڑ گیا۔ اس نے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔

"تمہیں بھی تو نہیں آئی تھی۔۔۔" اس نے نفرت سے کہا۔ "اپنے سے سولہ سال چھوٹی لڑکی سے رشتہ کرتے ہوئے۔" آج اسے موقع مل گیا تھا حساب برابر کرنے کا۔

"میں ایسے بے ہودہ کام نہیں کرتا۔" پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالتے وہ سکون سے کہتے فخر کو آگ لگا گیا۔

"اچھا؟ تو پھر منع کیوں نہیں کیا تھا؟" وہ قدم بڑھا کر اس کے سامنے آیا۔

"میں نے فوراً منع کر دیا تھا جا کر دی احمد اورنگزیب صاحب سے پوچھیں جنہوں نے اپنا خاندان جوڑنے کے لیے میری قربانی دی۔" اس کے اطمینان میں کمی نہیں آئی۔ فخر اس کی بات سن کر حیران رہ گیا۔

"قربانی؟ تمہاری؟ تمہیں کیا فرق پڑا ہے؟ زندگی میری بہن کی خراب ہوئی ہے۔ تمہاری وجہ سے وہ موت کے منہ میں گئی۔"

اس کی بات پر رئیس نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔

"اس خاندان کے افراد نے اپنی غلطی ماننا نہیں سیکھی۔" تاسف سے کہتا وہ پیچھے ہٹا اور پھر ایک جانب چل پڑا۔

"تم پچھتاؤ گے رئیس!" وہ اس کے یوں جانے پر بلکا۔ مگر اور کر بھی کیا سکتا تھا؟ وہ ڈھیٹ، بنا پلٹے آگے بڑھتا گیا جبکہ فخر غصہ ضبط کرتا باہر نکل گیا۔

✿••✿••✿••✿

نومبر کی دھند بھری رات!

شہر کی فضا میں ہلکی سی ٹھنڈک اور نمی رچی ہوئی تھی، جیسے کسی نے آسمان پر ہلکے سنہری پردے لٹکا دیے ہوں۔ ترنم ہاؤس اس وقت نیم روشن تھا، کھڑکیوں کے شیشوں پر باہر، بادلوں نے دھندلا سا پردہ ڈال رکھا تھا۔ اندر، لاؤنج کی مدھم پیلی روشنی میں فجر آہستہ آہستہ سیڑھیاں اتر رہی تھی۔

اس نے ایک گرم بھوری اسکرٹ پہنی تھی جو قدموں کے ساتھ ہلکے انداز میں جھوم رہی تھی۔ اوپر خاکی رنگ کا کراپ ٹاپ جس کا گلا گردن تک بند تھا اور آستین ہلکے سے پھولے ہوئے، جیسے خزاں کے موسم میں کھلنے والا آخری پھول۔ اس کے بال ڈھیلی پونی میں بندھے تھے، درمیان میں مانگ نکلی ہوئی اور دونوں جانب سے چند باریک لٹیں نفاست سے فولڈ کر کے پیچھے کی گئی تھیں۔ ان لٹوں میں جڑے چھوٹے سفید موتی دھندلے کمرے کی روشنی میں ایسے جھلک رہے تھے جیسے ٹھنڈی صبح کی اوّلین اوس۔

وہ آ کر ولی کے سامنے رکی جو اسکا ہی انتظار کر رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں چمک تھی۔ وہ چمک جو اپنے آپ پر بھروسہ اور تھوڑا سا کھیل پن رکھتی ہے۔

"کیسی لگ رہی ہوں میں اور میرے موتی؟" اس نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔ ولی نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا، اور ہنس دیا۔

"تم بھی اچھی لگ رہی ہو اور تمہارے موتی بھی۔"

فجر نے ذرا سا جھک کر اپنی آستین کا کنارہ سنبھالا، پھر مسکراتے ہوئے بولی۔

"وائس آف ایسٹرن ویمن ہوں میں۔۔۔ میرا فیشن منفرد ہونا چاہیے نا؟"

ولی کی مسکراہٹ ذرا گہری ہو گئی۔

"مجھے تمہارا فیشن پسند ہے۔" اس کا لہجہ نرم تھا، جیسے کسی نے دھند میں ایک پرانا گیت گنگنا دیا ہو۔ وہ مسکرائی اور پھر دونوں لاؤنج عبور کرتے باہر نکل گئے۔

انہیں **'انٹرنیشنل فیشن اینڈ ٹیکسٹائل گالا'** میں جانا تھا، جو ہر سال نومبر میں شہر کے قدیم گرینڈ اوک ہال میں منعقد ہوتا تھا۔ یہ تقریب محض فیشن شو نہیں تھی بلکہ ایک ایسا ایونٹ تھا جہاں ملک کے بڑے فیشن ہاؤسز، شوبز کے نمایاں چہرے، اور ٹیکسٹائل انڈسٹری کے بڑے نام ایک ساتھ آتے۔ اس سال گالا کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں بین الاقوامی ڈیزائنرز بھی شامل تھے اور ہر کوئی اپنی موجودگی کو ایک بیانیہ بنانے آیا تھا۔

گاڑی کے دروازے کے پاس پہنچتے ہوئے خزاں کی ہوا نے فجر کے موتیوں کو ہلکا سا ہلا دیا، جیسے آنے والی رات کا کوئی راز سرگوشی میں سنایا جا رہا ہو۔ آدھے گھنٹے بعد وہ دونوں مطلوبہ وینیو پر پہنچ چکے تھے۔

گرینڈ اوک ہال کا داخلی منظر!

لمبے، شیشے جیسے چمکتے دروازوں سے گزرتے ہی ان دونوں کو ایک سنہری سی روشنی نے گھیر لیا۔ ہال کی چھت سے جھولتے کرسٹل کے جھاڑ فانوس ہر زاویے سے چمک بھیج رہے تھے۔ نیچے، سرخ و سنہری قالین پر مہنگے جوتوں کی چاپ اور قہقہوں کی گونج ملی جلی سنائی دیتی تھی۔ فیشن کی خوشبو، مہنگے پرفیوم اور ہلکی ساونڈ ٹریک کے بیچ ہر قدم ایک اسٹیج جیسا لگ رہا تھا۔

ہجوم میں ذرا آگے، رئیس کھڑا تھا۔ اس کے ساتھ مراد بھی تھا۔ سیاہ سوٹ، سنجیدہ آنکھیں اور چہرے پر وہی سرد تاثر جو اب اکثر اس کی شناخت ہوتا تھا۔ اس کی نگاہ ان دونوں پڑی، فجر بھی اسے دیکھ چکی تھی۔ مگر جیسے ہی اس کے چہرے پر چمک ابھری اور وہ اس کی طرف بڑھنا چاہتی تھی، وہ بے رحمی سے رخ موڑ گیا۔

"دیکھو۔۔۔ دیکھو۔۔۔ دیکھو اس مکڑی کو دیکھو۔" مراد کی آواز میں ہنسی اور طنز کا عجیب سا امتزاج تھا۔

"ہمارے ہیروں سے چڑتی ہے اور خود بالوں میں موتی لگا کر آگئی۔"

فجر کے چہرے کا رنگ لمحے بھر کو بدل گیا، مگر اس نے ضبط کا نقاب اوڑھ لیا۔ اسے دیکھتے ہی مراد کے معدے میں درد اٹھا اور وہ ان کی جانب بڑھا۔

رئیس کچھ قدم پیچھے ہٹ کر کسی اور سے بات کرنے لگا، مراد سیدھا ان کی سمت بڑھ آیا۔

"ویلکم ٹو داشو، مس مکڑی۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔

"بگ بی کیسے ہیں؟" سوال والی نے کہا تھا مگر لہجے میں احتیاط اور چھپی ہوئی بے قراری تھی۔

مراد کے لبوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ آئی مگر اس کے لفظ سخت تھے۔

"حالات اچھے نہیں ہوتے جب لوگ خود اپنی زندگی سے کچھ لوگوں کو نکال دیں۔" اس نے ولی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مزید کہا۔ "ان کے اور تمہارے درمیان ایک سرد دیوار کھڑی ہے چھوٹے! مگر سچ یہ ہے کہ وہ دیوار کے اس طرف اب بھی تمہارے لیے ایک نرم گوشہ رکھتا ہے۔"

ولی کا چہرہ لمحے بھر کو نرم پڑا مگر وہ کچھ نہ بولا۔ فجر نے ولی کی طرف دیکھا پھر رئیس کی پشت کی طرف، جو بھیڑ میں گم ہو رہا تھا اور شاید اس رات کا سب سے مشکل فیصلہ یہ تھا کہ وہ اس کے پیچھے جائے یا نہیں۔

✿••✿••✿••✿

یہ ایک مسٹری نائٹ تھی۔ روشنیوں کا رنگ بدل چکا تھا۔ اب پورا ہال ہلکی نیلی روشنی میں نہایا ہوا تھا، جیسے سمندر کی گہرائی میں کوئی پوشیدہ محفل جاری ہو۔ دیواروں کے سائے لمبے اور نرم تھے اور ہر چہرہ ایک ماسک کے پیچھے چھپا تھا۔ مختلف شکلوں والے ماسک، چمکتے، سونے اور چاندی جیسے نقاب، جن پر نیلی روشنی ہلکی سی سرسراہٹ پیدا کر رہی تھی۔ ہال میں ہر قدم اور ہر سرگوشی ایک راز کی طرح لگ رہی تھی۔

پچھلے ایک گھنٹے سے مختلف گیمز چل رہی تھیں۔ یہ ایک دلچسپ مرحلہ تھا اور تبھی اگلی گیم کے لیے اناؤسمینٹ شروع ہوئی۔ شیشے کے ایک بڑے جار سے پارٹیسپنٹس کے ناموں کی دو پرچیاں نکالی گئیں۔

"اگلی گیم کے لیے ہمارے پاس دو اسپیشل پارٹیسپنٹس ہیں۔ ایک چیف گیسٹ مسٹر رئیس اور منار فیشنز کی مالکن، فجر معراج!"

فجر کا دل دھڑکا۔ کیا وہ اس سے بات کرنے والی تھی؟ کیا واقعی ان دونوں کا نام آیا تھا؟ ساتھ بیٹھے ولی نے اسکا ہاتھ ہلکے سے دبایا۔ وہ اٹھی اور ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسٹیج کی طرف بڑھی۔ اس کے بالوں میں جڑے سفید موتی نیلی روشنی میں ایسے لگ رہے تھے جیسے چاند کے ذرات پھنس گئے ہوں۔ اس کے چہرے پر چاندی کا پنکھ نما ماسک تھا جس کے کنارے ہلکی روشنی پکڑ کر چمک رہے تھے۔

رئیس دوسری طرف سے اسٹیج پر آیا۔ سیاہ ماسک نے اس کے چہرے کی سخت لکیروں کو اور بھی گہرا کر دیا۔ اس کی آنکھوں میں بے زاری اور تھکن کا امتزاج تھا۔ وہ یہاں سے جلد از جلد ختم کر کے جانا چاہتا تھا مگر چیف گیسٹ ہونے کے ناتے محض اٹھ کر جا نہیں سکتا تھا۔ وہ دونوں اب اسٹیج پر کھڑے تھے۔ یہاں انہیں مختلف ٹاسک پر فارم کرنے تھے۔ سب سے پہلا اپنا تعارف کروانا تھا۔ نام اور اپنا پسندیدہ حصہ! پہلے فجر کی آواز سنائی دی۔

"میرا نام فجر معراج ہے اور میرا سب سے پسندیدہ حصہ میرا دماغ ہے۔"

اب رئیس کی باری تھی۔ اس نے گہری سانس لی۔

"میرا نام رئیس اورنگزیب ہے اور میرا نام میرا پسندیدہ حصہ ہے۔"

اینا ؤنسر کی بھرپور آواز ہال میں گونجی۔

"لیڈیز اینڈ جینٹلمین! اگلی گیم ہے **'ماسکڈ اسکیچ'** ہر جوڑے کو ایک خالی پیپر اور پینسل دی جائے گی۔ تیس سیکنڈ میں آپ کو وہ ڈرائنگ مکمل کرنی ہے جو اسکرین پر صرف ایک لمحے کے لیے دکھائی جائے گی۔"

ہال میں ہلکی نیلی روشنی پھیل گئی۔ اسموک مشین سے دھند کے ہلکے بادل اسٹیج کے کناروں پر رینگ رہے تھے۔ سب کے چہروں پر مختلف ماسک تھے۔ کچھ پر پنکھ، کچھ پر جگمگاتے موتی، کچھ سادہ مگر پراسرار۔ اس ماحول میں ایک دوسرے کو پہچاننا آسان نہیں تھا۔

ٹائم شروع ہوا تو فجر نے پینسل اٹھائی اور پیپر پر جھک گئی جبکہ رئیس یونہی کھڑا رہا۔

"تو آپ کچھ نہیں بنائیں گے؟" اس نے سوالیہ انداز میں کہا۔

رئیس نے ہاتھ جیب میں ڈالے اور ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ وہ کچھ نہ بولا۔ نظر ایک پل کو اس کے بالوں میں ٹکے ان سیپ کے موتیوں پر ٹھہر گئی۔ بے اختیار دل چاہا انہیں چھو کر دیکھے پر اگلے ہی پل وہ رخ پھیر گیا۔

جبکہ فجر اس کی خاموشی کو توڑنے کی ضد میں تھی۔ وہ مختلف سوال کر رہی تھی۔ کمینٹس پاس کر رہی تھی مگر وہ نظر انداز کرتا رہا۔

اس نے ڈرائنگ مکمل کی مگر اس کی توجہ تصویر سے زیادہ رئیس کی سرد مزاجی پر تھی۔ نیلی روشنی میں اس کے ماسک کا سایہ اس کی آنکھوں کو اور بھی گہرا اور دور لگنے والا بنا رہا تھا۔

ٹائم ختم ہو گیا۔ وہ پیپر پینسل چھوڑ کر ہٹ گئی۔

دوسرا ٹاسک شروع ہوا۔

اس میں چند سیکنڈ کے لیے ایک ٹرے میں مختلف اشیاء دکھائی گئیں۔ موتی، پرانی چابی، چھوٹا سا کمپس، اور ایک سرخ ربن۔ پھر وہ سب ڈھانپ دی گئیں اور شرکاء سے پوچھا گیا کہ انہوں نے کیا دیکھا۔

فجر نے فوراً جواب دیا۔ ”موتی۔۔۔ سرخ ربن۔۔۔۔“ پھر رئیس کی طرف دیکھ کر چھیڑنے والے انداز میں بولی۔

”ویسے موتیوں میں تو آپ کی ماہر نظر ہے، اسکے علاوہ آپ کے پاس بھی کچھ یادداشت باقی ہے یا نہیں؟“

”کچھ یادیں بھلانا بہتر ہوتا ہے۔“ اس نے آہستہ مگر سرد لہجے میں جواب دیا۔

فجر کا دل ایک پل کو ساکت ہوا، مگر اس نے ہونٹ بھینچ کر خود کو سنبھال لیا۔

اگلا مرحلہ آخری تھا۔ تماشبین تالیاں بجا کر انہیں داد دے رہے تھے۔

”مقررہ وقت ختم ہونے سے پہلے اسٹیج کے بیچ میں رکھی کرسی پر بیٹھنا ہو گا۔“

یہ سب سے عام اور آسان سا ٹاسک تھا۔

نیلی روشنی نے ماحول کو اور بھی پراسرار کر دیا۔ پس منظر میں ہلکی موسیقی بج رہی تھی۔ وقت تیزی سے گزرنے لگا۔

فجر نے رئیس کو دیکھا۔ وہ دونوں آگے بڑھے اور کرسی کے دائیں بائیں کھڑے ہو گئے۔

"ویسے میں سوچ رہی تھی اگر منارز ندہ ہوتی تو آپ میرے برادران لاء ہوتے !واہ!یعنی آپ کی آدھی سلطنت میری ہوتی!"

"منارز ندہ ہوتی تو تمہارے جیسا عذاب تھوڑی نازل ہوتا!"

منحوس نے دل رکھنا نہیں سیکھا تھا۔وہ برا سا منہ بنا کر رہ گئی۔

ایک ہلکی آواز گونجی۔میوزک بند ہوا اور ٹائم ختم ہو گیا۔وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کرسی کی طرف بڑھ سکتا تھا مگر نہیں بڑھا۔

وہ بھی ایک قدم آگے چل کر بیٹھ سکتی تھی مگر نہیں بیٹھی۔

وہ دونوں کھڑے رہے،ایک دوسرے کی موجودگی کا احساس کرتے ہوئے،مگر کوئی حرکت نہ کی۔

وہ اس سے جیت کر کیا کر لیتا؟

وہ اسے ہرا کر کیا جیت لیتی؟

لوگ حیران تھے مگر وہ دونوں ہار گئے۔

نیلی روشنی میں،دو ماسک۔۔۔دو کہانیاں۔۔۔اور بیچ میں ایک خاموشی،جو شاید اس رات کا سب سے بڑا کھیل تھی۔

✿••✿••✿••✿

"سنا ہے فلک رئیس گروپ کا حصہ بن چکی ہے۔"وہ پھر سے گویا ہوئی۔"اسے ہرٹ مت کیجئے گا۔"جملے میں ہلکا سا حکم تھا۔رئیس نے بھنویں سکیڑ کر اسے دیکھا۔

"وہ میری پسندیدہ عورت ہے۔" اسکے گھورنے پر وہ ہنس دی۔

فجر کی بات پر وہ تاسف سے سر ہلا تارخ موڑ گیا۔ آنکھیں گول گول گھوم گئیں۔

یہ کس جنریشن میں پھنس گیا تھا وہ؟ عورت کی بھی پسندیدہ عورت تھی۔ بیڑہ غرق۔۔۔۔۔۔

ہال میں روشنی مدھم تھی۔ گیم ختم ہو چکی تھی اور اسٹیج پر موجود خوش رنگ ماسکوں والے جوڑے نیچے اتر رہے تھے۔ وہ پہلے اتر چکا تھا۔

جب فجر نے اسٹیج سے نیچے قدم رکھا اور نظر دوڑائی۔ ولی اسے نظر نہیں آیا۔ دل میں ایک ہلکی سی بے چینی اتر آئی۔

اس نے اپنی آنکھوں پر لگا پنکھ دار ماسک آہستہ سے اتار دیا۔

سنہری پنکھ جھلملا کر نیچے گرے اور اس کے چہرے پر ایک آزاد سا تاثر ابھرا، جیسے کسی بوجھ سے چھٹکارا ملا ہو۔ مگر ولی۔۔۔ وہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

تبھی، بھیڑ میں سے ایک لمبا، دبلا شخص اس کی سمت بڑھا۔

سرگوشی جیسی دھیمی مگر گہری آواز سنائی دی۔

"ملکہ۔۔۔ آپ یہاں؟" اس کے چہرے پر حیرت ہی حیرت تھی۔

وہ الجھی۔

"ایکسکیوزمی؟" اس نے الجھ کر کہا، مگر اس کی آواز میں خفیف سا تناؤ تھا۔

وہ شخص چند لمحے بس اسے دیکھتا رہا۔ جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو، یا شاید کوئی پرانا عکس اس کے سامنے آ گیا ہو۔ پھر سر جھٹکا اور تیزی سے دوسری سمت بڑھ گیا۔ فجر نے پلٹ کر دیکھا، مگر بھیڑ کے شور میں وہ گم ہو چکا تھا۔ دل میں ایک لمحے کو شبہ ابھرا۔ کیا وہ اسے جانتی تھی؟ چند لمحے وہ اسی جانب دیکھتی رہی جہاں وہ گم ہوا تھا پھر رخ واپس موڑا۔

دوبارہ ولی کو تلاش کرنے کے لیے نظر دوڑائی اور تبھی کونے میں، ایک دھندلے حصے میں، روشنی کے سرمئی بادلوں کے بیچ، اسے برہان گردیزی سونیا سلطان کے ساتھ نظر آیا۔ دونوں کے چہرے پر ایک عجیب اطمینان اور حسابی مسکراہٹ تھی۔

اسے ان کے قریب سے گزرنا تھا۔ شاید وہ دوسرے ہال میں ہو۔ وہ جیسے ہی قریب سے گزری، برہان گردیزی کی گہری آواز اس کی سماعت میں اتر گئی۔

"سنا ہے رئیس اورنگزیب نے تم سے اپنا دستِ شفقت اٹھا لیا ہے۔"

اس کے قدم رک گئے۔

"وہ تمہیں برباد کر دے گا فجر معراج!"

سونیا سلطان نے مڑ کر اسے دیکھا، ہونٹوں پر ایک فاتحانہ سی مسکراہٹ۔

"اسے چھوڑ دو اور ہمارا ساتھ دو۔" برہان گردیزی کی آواز میں زہر گھلا تھا۔

"اس کا انجام قریب ہے۔"

ان کی باتیں سن کر اس نے گہری سانس لی۔ دل کے اندر ایک تلخ شعلہ بھڑک اٹھا۔ وہ پلٹی اور ایک قدم ان کی سمت بڑھی، چہرے پر غرور کا ایک لبادہ اوڑھ لیا۔

"تم جیسے سو کتے مل کر بھی اس ایک شیر کا شکار نہیں کر سکتے۔"

اس کی نظر میں چمکتی حقارت کی دھار تھی۔ وہ ان کی سنے بنا واپس جانے کے لیے پلٹی مگر اگلے ہی لمحے اس کا قدم رک گیا۔ سامنے، بھیڑ کے بیچ سے ارسل نمودار ہوا۔ خاموش، مگر اس کی آنکھوں میں ایک عجیب بے تابی۔

ارسل کو دیکھ کر اسکے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ اس کی آنکھوں میں نرم روشنی بجھ کر نفرت کی دھار میں بدل گئی۔

"مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔" اسکے لہجے میں بے تابی تھی۔ وہ اس کی بات ہی نہیں سنتی تھی۔

"میرا راستہ چھوڑو۔"

"پلیز۔۔۔ مجھے تمہیں کچھ بتانا ہے۔" اس نے جیسے منت کی۔

"میں نے کہا ہٹو!" اس کی آواز اونچی ہوئی، آنکھوں میں غصے کے شعلے بھڑکے۔

ارسل ایک لمحے کو ٹھٹھکا پھر پیچھے ہٹ گیا۔ فجر نے اس پر قہر بھری نگاہ ڈالی۔ ایسی نگاہ جو برف کو بھی جلا دے اور قدم تیز کر دیئے۔ بھیڑ کے شور میں وہ رقص کرتی ہوئی روشنیوں کے بیچ غائب ہو گئی مگر اس کے پیچھے رہ گئے کچھ الجھے راز، اور وہ لوگ جنہیں اس کے غرور اور یقین نے لمحہ بھر کے لیے ساکت کر دیا تھا۔

✿••✿••✿••✿

شہر کی بھیڑ، روشنیوں کا ہجوم اور تقریب کا شور پیچھے رہ گیا تھا۔ اب وہ ایک پر سکون ریستوران میں بیٹھے تھے۔ نیم مدھم روشنی، ہر میز پر جلتی چھوٹی سی موم بتی اور شیشے کی دیوار کے پار بارش کی بوندوں سے دھندلا ہوا منظر۔ بیک گراؤنڈ میں پُر سکون جاز میوزک بج رہا تھا جیسے وقت آہستہ چل رہا ہو۔

میز پر ابھی ابھی کھانا سرو ہوا تھا۔ گرم سٹیک سے اٹھتی خوشبو، سائیڈ میں سجا ہلکا سا سلاد، اور فجر کے سامنے بھاپ اڑاتی سوپ کی پلیٹ۔ ولی اپنی بھوری اونی شرٹ میں ہمیشہ کی طرح اچھا لگ رہا تھا، آستینیں کہنی تک موڑی ہوئی تھیں اور کلائی پر بندھی گھڑی دھیمی روشنی میں ہلکا سا چمک رہی تھی۔ وہ اسے دیکھ رہی تھی پھر بول پڑی۔

"کچھ ایڈنبرا کے بارے میں بتاؤ نا۔"

"ایڈنبرا کے ریستوران کی خاص بات بھلا کیا ہوتی ہے؟" اسٹیک کا ٹکڑا کاٹتے ہوئے وہ ہولے سے بولا۔

فجر نے ذرا مسکراتے ہوئے پلکیں جھکائیں۔

"کیا؟"

اس کی آنکھوں میں ایک چمک سی آ گئی وہ چمک جو دور کے اپنے وطن کو یاد کرنے سے آتی ہے۔

"وہاں کے ریستوران صرف کھانے کے لیے نہیں ہوتے، بلکہ ایک کہانی سنانے کے لیے ہوتے ہیں۔ ہر ڈش کے پیچھے تاریخ، ہر ذائقے کے پیچھے روایت اور سب سے بڑھ کر، وہاں کا سکون۔"

فجر نے دلچسپی سے جھک کر پوچھا۔

"پاکستان اور وہاں کے ریستوران میں کیا فرق ہے؟"

"یہاں شور ہے، تیزی ہے، جیسے سب جلدی میں ہیں۔ وہاں لوگ وقت نکال کر کھانے آتے ہیں۔ گھنٹوں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں، کھڑکی سے باہر دیکھتے ہیں۔ جیسے کھانا صرف جسم نہیں، روح کو بھی سیراب کرتا ہو۔"

وہ اسے دیکھے گئی۔ اس کی آنکھوں کی وہ چمک محسوس کر رہی تھی جو شاید صرف ایڈنبرا کا ذکر ہی جگا سکتا تھا۔

"کیا تمہیں اسکاٹ لینڈ یاد آتا ہے؟"

ولی کا کانٹا پلیٹ کے کنارے پر رکا اور وہ چند لمحے خاموش رہا۔ پھر دھیمی آواز میں بولا۔

"وہ میرا ملک ہے، میرا شہر ہے۔ میں نے وہاں زندگی گزاری ہے تو کیا میں اسے بھول سکتا ہوں؟"

اسکے جواب پر فجر کے چہرے پر ہلکا سا تاسف ابھرا۔ وہ اپنا سب کچھ چھوڑ کر یہاں بیٹھا تھا۔ اسکا ملک، اس کے شوق، اس کے مقاصد، وہ سب چھوڑ کر بیٹھا تھا۔

"تمہیں یہاں خوار ہونا برا لگتا ہو گا۔۔۔" سوال تھا یا تبصرہ۔

اس نے آہستہ سے ہنس کر سر جھکایا، پھر محبت سے نظر اٹھا کر کہا۔

"جس دن تم میرا ہاتھ تھام کر جوزف پیلس میں قدم رکھو گی، ساری تکلیفیں، مرہم بن جائیں گی۔"

چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔ ریستوران کے کسی کونے سے برتنوں کی ہلکی سی کھنک سنائی دی، باہر بارش کی بوندیں شیشے سے ٹکرا رہی تھیں۔ دونوں کے ذہن میں ایک ہی سوال گونج رہا تھا۔ وہ یہاں ہمیشہ نہیں رہ سکتا۔۔۔ اور فجر اپنا بزنس چھوڑ کر کیسے جا سکتی ہے؟

"تم نے بتایا نہیں تمہارے گولز کیا ہیں؟" پتا نہیں کیوں کھانے سے دل اُچاٹ ہو گیا۔

"بہت سارے ہیں۔" وہ کھانا چھوڑ کر اس کی جانب متوجہ ہوا۔

"یقیناوہ سکاٹ لینڈ میں ہی پورے ہوں گے ؟" اس کے سوال پر وہ دھیرے سے ہنس دیا۔

"بہت کچھ کرنا ہے فجر! میں سب یہاں رہ کر تو نہیں کر سکتانا۔" وہ پہلی بار اس موضوع پر کھل کر بات کر رہا تھا۔ اس کی بات سن کر فجر نے گہری سانس لی۔

"تمہیں یقین ہے میں تمہارے ساتھ چلوں گی ؟"

ولی نے کانٹا پلیٹ میں رکھ کر سیدھا اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"کیا تم نہیں جانا چاہتیں ؟"

فجر کی پلکیں جھپکیں، آواز مدھم ہو گئی۔

"مجھے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں مگر میرا بزنس یہاں ہے۔ میں یہ سب چھوڑ کر کیسے چلی جاؤں گی ؟" کمزور لہجے میں کہا، (کہیں اسے پتہ نہ چل جائے کہ وہ دل ہی دل میں کتنی الجھی ہوئی تھی)

ولی نے چند لمحے بس اسے دیکھا۔ جیسے کسی گہری سوچ میں ہو پھر نرمی سے گویا ہوا۔

"اس کا حل ہے میرے پاس۔۔۔ تم اپنا برانڈ وہاں کھول سکتی ہو۔ تم میری بیوی ہو، تم یہ کر سکتی ہو۔ مگر اس سے پہلے ہمیں اپنی شادی وہاں رجسٹر کرنی ہو گی۔"

"لیکن ہمارا نکاح یہاں بھی رجسٹر نہیں ہوا۔۔۔" بے ساختہ لبوں سے پھسلا۔

کورٹ میرج کے بعد نکاح رجسٹر کروانا باقی تھا اور فجر کے پاس تو نکاح نامہ بھی نہیں تھا۔ انکا نکاح آج تک رجسٹر کی نہیں ہوا تھا۔

کتھئی آنکھوں والے شخص نے جیسے بات کا بوجھ محسوس ہی نہ کیا، وہ خوش دلی سے مسکرایا۔

"اب تو کروالیتے ہیں۔"

موم بتی کی لو کے ساتھ ساتھ اس کے لہجے کی گرمی بھی فجر کے دل میں اُتر گئی، مگر کھڑکی کے پار برستی بارش جیسے آنے والے دنوں کی ہلکی سی سرگوشی کر رہی تھی۔

اس نے کانٹے سے سوپ کے پیالے کو ہلایا، مگر نظر ولی سے نہ ملائی۔

"میرے پاس تو میرج سرٹیفکیٹ نہیں ہے۔" وہ نظریں چرائے دھیرے سے بولی۔

وہ دونوں کہنیوں پر جھک کر ذرا قریب ہوا اور گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرے پاس ہے۔"

فجر کے کانوں تک اس کی آواز دھیرے سے اتری، مگر دل کی دھڑکن ایک دم تیز ہو گئی۔ وہ چند لمحے خاموش رہی۔ تصویر سی ساکت! یادوں کا ایک دروازہ کھلا۔۔ جب انہوں نے کورٹ میرج کی تھی، تب اس کے دل میں اس رشتے کے لیے کوئی خاص احساس نہ تھا، صرف رسمی سی بات تھی۔ مگر اب؟ اب تو وہ ہر جہان میں اسے ہی چنتی۔

اسی لمحے، اماں کے کہے الفاظ یاد آئے۔

"ایک عورت کو اپنے مرد کو ساری دنیا کے سامنے اپنا کہنا آنا چاہیے۔"

اس نے ہلکی سی سانس لی، پھر دھیرے سے کہا۔

"اتنے سال گزر چکے ہیں۔ پتا نہیں اب رجسٹر ہو گا یا نہیں۔ اس سے اچھا ہم دوبارہ کر لیتے ہیں۔"

ولی کی آنکھوں میں ایک ہلکی سی مسکراہٹ ابھری، جیسے وہ کچھ جان گیا ہو مگر پھر بھی اس نے اگلا جملہ آہستہ سے پھینکا۔

"کیا؟" جان بوجھ کر انجان بنا۔

فجر کی نظریں اس پر جمی رہیں۔

"شادی۔۔۔ سب کی موجودگی میں۔ سب کے سامنے۔ پوری دنیا کے سامنے۔"

اس کے لہجے میں ایک مضبوطی تھی، جیسے برسوں کے بعد کوئی فیصلہ دل سے نکلا ہو۔

وہ کچھ لمحے خاموش رہا۔ گہری آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا۔ شاید وہ اس کے عزم کو پرکھ رہا تھا۔ یہ خاموشی فجر کو بے چین کرنے لگی۔

"کیا تم یہ کر سکتے ہو؟" سرخ ہوتے رخسار لیے پوچھا۔ پہلی بار تو پوچھنا اتنا مشکل نہیں تھا۔ کمبخت اب کیوں دل دھڑک رہا تھا؟ ہتھیلیوں میں پسینے اتر آیا۔

"کیا؟" اس نے جیسے سوال کو سن کر بھی دوبارہ سننا چاہا۔ شرارتی نظروں سے اسے دیکھے گیا۔

"شادی؟ کیا تم مجھ سے شادی کر سکتے ہو؟" پلکیں لرز اٹھیں۔

اس بار وہ ہنس دیا۔ اس کی مسکراہٹ میں خوشی، حیرت اور محبت سب ملا کر ایک نرم روشنی سی تھی۔ چہرے پر جیسے بہار آگئی ہو۔ مانو چاروں طرف پھول کھل گئے ہوں پھر وہ ذرا سا اس کی جانب جھکا۔

"ہاں میں تم سے شادی کر سکتا ہوں۔ مجھے کوئی مسئلہ نہیں۔"

اس نے آہستگی سے میز پر رکھے فجر کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ دونوں ہاتھوں کے بیچ کی وہ گرمی الفاظ سے زیادہ کہہ رہی تھی۔ کھڑکی کے اس پار کا آسمان ہلکے بادلوں میں لپٹا ہوا تھا، مگر اس لمحے چاند نے جیسے ان کی خوشی دیکھ کر مسکرا دیا ہو۔

✿··✿··✿··✿

ریستوران سے نکلتے ہوئے بارش ہلکی بوندا باندی میں بدل چکی تھی۔ وہ چھتری تھامے ہوئے تھا اور فجر اس کے ساتھ قدم ملا رہی تھی۔ شہر کی بھیگی سڑکوں پر لیمپ پوسٹ کی زرد روشنی پانی میں جھلک رہی تھی۔ ولی نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور فجر کو اندر بیٹھا دیا۔ وہ کچھ کہے بغیر مسکرائی، جیسے دل میں کوئی راز چھپا ہو۔

گھر پہنچ کر بھی اس کے دل کی دھڑکن معمول پر نہیں آئی۔ وہ اسے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ کچھ ضروری کام کرنے تھے جبکہ فجر کو کچھ وقت اکیلے چاہیے تھا۔ کمرے میں آکر اس نے اپنا بیگ صوفے پر رکھا، جوتے اتارے، مگر ہاتھ سیدھا فون کی طرف گیا۔

اسکرین پر فلک کا نام دیکھتے ہی لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ آئی۔

فون بجتے ہی دوسری طرف سے اس کی خوش آواز سنائی دی۔

"آج تو تم نے جلدی کال کر لی۔ کہو کیسی رہی تقریب؟" وہ جیسی بھی ہوتی تھی، اس سے ہمیشہ ہنستے مسکراتے بات کرتی تھی۔ فجر نے لمحہ بھر کو خاموشی اختیار کی، پھر دھیرے سے بولی۔

"فلک میں۔۔۔" سمجھ نہ آیا جیسے بات شروع کرے؟

"میں تمہیں کچھ بتانے والی ہوں۔ اور یہ میں سب سے پہلے تمہیں بتا رہی ہوں۔"

فلک کا لہجہ فوراً سنجیدہ ہو گیا مگر اس میں ایک شرارت بھی چھپی تھی۔

"کیا تم رخصتی کے لیے مان گئی ہو؟ یا ولی کو پکا پاکستانی بنا کر چھوڑو گی؟"

یہ سنتے اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی ہنسی آئی مگر آنکھوں میں نمی تیر گئی۔

"فلک۔۔۔ میں۔۔ میرا مطلب۔۔۔ ہم شادی کر رہے ہیں۔"

چند لمحے کے لیے دوسری طرف خاموشی چھا گئی جیسے فلک نے یہ جملہ سمیٹنے کے لیے سانس روک لی ہو۔ پھر اچانک، فون کے اسپیکر میں ایک چیخ گونجی۔

"کیا واقعی؟ کیا تم سچ میں۔۔۔۔ او خدایا!" اس کی خوشی دیدنی تھی۔ فجر نے ہنستے ہوئے فون کان سے ذرا دور کیا۔ وہ خوشی سے چلا رہی تھی۔

"یہ تو وہ لمحہ ہے جس کا میں کب سے انتظار کر رہی تھی! تم جانتی ہو، نا؟ تم نے میرے دل کی سب سے بڑی خواہش پوری کر دی۔ تمہیں دلہن بنے دیکھنا۔۔۔۔۔"

فجر نے آہستگی سے پلکیں جھپکیں، جیسے دل کی دھڑکن کے ساتھ کوئی پرانا زخم بھی ہلکا سا بھر گیا ہو۔

"میں نے سوچا، سب سے پہلے تمہیں بتاؤں۔۔۔ کیونکہ تم جانتی ہو یہ فیصلہ میرے لیے کتنا بڑا ہے۔"

دوسری جانب فلک کی ہنسی تھوڑی بھیگ گئی۔ وہ سب بھول گئی۔ نہ اسے رجب کا کچھ یاد رہا اور نہ رئیس کا۔ وہ یہ باتیں کر کے فجر کا دل خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"ہاں میں جانتی ہوں۔ محبت سے دور بھاگنے والی لڑکی جب محبت کی شادی کرتی ہے تو کیسا محسوس ہوتا ہے۔ فجر تم خوش ہو نا؟"

فجر نے کھڑکی کے پار بھیگتی رات کو دیکھا۔

"ہاں۔۔ میں خوش ہوں۔ اور یہ خوشی۔۔۔ میں تمہارے ساتھ سب سے پہلے شیئر کیے بغیر رہ نہیں سکتی تھی۔"

"تم نے بہت اچھا کیا کہ بتایا۔" وہ بے تحاشہ خوش تھی۔

"میں چاہتی ہوں کہ جب تم شادی کا جوڑا پہنو، سب سے پہلے گلے ملنے والی میں ہوں۔ سن لیا نا؟" وہ حق جتاتے ہوئے بولی۔

اس کے لبوں پر ایک پر سکون مسکراہٹ آئی۔

"ہاں سن لیا۔۔۔"

فلک کے رائٹر دماغ نے لمحوں کے اندر اندر اس کی شادی کی پوری پلاننگ کر لی اور وہ اب اسے بتا رہی تھی کب کب کیا کرنا تھا اور فجر بنا اعتراض کیے سنے جا رہی تھی۔

یہ بہت خوبصورت لمحہ تھا جس میں محبت، اعتماد اور کی دوستی کی گہرائی بول رہی تھی۔

✿••✿••✿••✿

لاہور کی صبح ابھی پوری طرح بیدار بھی نہیں ہوئی تھی۔ سرمئی آسمان خواب ناک لگ رہا تھا اور فضا میں ایک خنکی سی گھلی تھی۔ وہ نیچے لان کھڑکی کے پاس بچھی کرسی پر ساکت بیٹھی تھی، جیسے خود بھی اس منظر کا حصہ ہو۔ درختوں پر پرندے ایک نئی صبح کا گیت گا رہے تھے مگر ان کی چہچہاہٹ اس کے اندر کے شور کو دبا نہیں پا رہی تھی۔ دل پر ایک عجیب سا بوجھ تھا جو رات بھر کی کروٹوں کے باوجود ہلکا نہ ہو سکا۔

ایک خوف تھا۔ ایک انجانا خوف! اور اسی خوف دور کرنے کے لیے وہ جلدی اٹھ گئی تھی۔ آفس جانے سے پہلے وہ یہ خوف ختم کرنا چاہتی تھی۔ میز پر پڑا فون اس کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے ایک امتحان ہو۔ اس نے ایک لمبی، کانپتی ہوئی سانس لی اور فون اٹھا لیا۔ انگلیاں اسکرین پر بے جان سی حرکت کرنے لگیں۔ بالآخر اس نے ہمت مجتمع کی اور ایک شناسا نمبر ملایا۔ یہ بشارت عالمگیر کا نمبر تھا جو اس نے فلک سے لیا تھا تاکہ اماں سے رابطہ کر سکے۔ بیل جا رہی تھی۔

"ہیلو؟" دوسری طرف سے بشارت کی آواز ابھری۔ اس نے اپنا گلا صاف کیا، آواز کو ٹوٹنے سے بچاتے ہوئے۔

"میں فجر ہوں۔ کیا اماں سے بات ہو سکتی ہے؟"

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد فون اماں کو تھمایا گیا۔ پھر وہی مانوس مگر برف جیسی سرد آواز سماعت سے ٹکرائی، جس نے ہمیشہ اس کی روح کو زخمی کیا تھا۔

"ہیلو؟ خیریت ہے؟" اماں کی آواز میں نہ کوئی اپنائیت تھی، نہ کوئی گرمجوشی۔ بس ایک رسمی سوال، جیسے کسی اجنبی سے پوچھا گیا ہو۔ فجر نے اپنی آنکھیں مضبوطی سے بند کر لیں۔

"اماں۔۔۔ مم۔۔۔ مجھے آپ کو ایک ضروری بات بتانی تھی۔" اس کی آواز میں التجا اور خوف کی ملی جلی کیفیت تھی۔ لندن کے پروڈکشن ہاؤس سے ڈیل کرنے والی فجر معراج اپنی ماں کے سامنے کپکپاہٹ کا شکار تھی۔

"بولو۔۔۔" لہجہ سپاٹ اور بے تاثر تھا۔ ہر لفظ جیسے دل پر ہتھوڑے کی طرح برس رہا ہو۔

اس نے اپنی ساری ہمت اپنے حلق میں جمع کی۔

"اماں میں۔۔۔ میں ولی سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ یہ شادی سب کی موجودگی میں ہو۔۔۔"

اس نے آخری جملہ کہتے ہوئے اپنی سانس روک لی جیسے کسی معجزے کی منتظر ہو۔

"مجھے کیوں بتا رہی ہو؟ پہلے مجھ سے پوچھ کر کی تھی؟"

"کیونکہ میں آپ کی خوشی سے کرنا چاہتی ہوں۔ آپ کی موجودگی میں۔۔۔" وہ فوراً بولی۔

دوسری طرف گہری، سناٹے بھری خاموشی چھا گئی۔ پھر جو آواز ابھری، وہ پہلے سے زیادہ سرد اور تیز دھار تھی۔

"بیٹیوں کی شادی پر خوشی تب ہوتی ہے جب ان سے محبت ہو۔ مجھے تم سے کبھی محبت نہیں رہی، فجر! تمہیں جو ٹھیک لگتا ہے، کرو۔ میں نہیں آؤں گی۔"

یہ الفاظ نہیں تھے، پگھلا ہوا سیسہ تھے جو اس کے کانوں میں انڈیل دیا گیا تھا۔ فجر کی سانس جیسے سینے میں ہی کہیں اٹک گئی۔ چہرے کی ساری رونق، آنکھوں کی آخری چمک بھی بجھ گئی۔ اس کا وجود کرچی کرچی ہو گیا۔

وہ ساکت رہ گئی، آواز بھرا گئی، الفاظ ٹوٹنے پھوٹنے لگے۔

"چھبیس سال۔۔۔ اماں، چھبیس سال کسی بے زبان جانور کو بھی پالا جائے تو اس سے انسیت ہو جاتی ہے۔ میں تو آپ کی بیٹی تھی، ایک جیتا جاگتا انسان۔۔۔۔ آپ کو مجھ سے محبت کیسے نہیں ہوئی؟"

اس کے لفظوں میں لہجے وہ درد تھا جو کسی کا بھی دل چیر دے مگر دوسری طرف ترنم بیگم کے لہجے میں طنز کی ہلکی سی جھلک بھی شامل ہو گئی۔

"محبت کوئی جبراً کرنے والی چیز نہیں ہوتی۔ یہ دل سے اٹھتی ہے، اور میرا دل تمہارے لیے ہمیشہ پتھر ہی رہا۔"

اتنا سفاک لہجہ؟

اس کے ہاتھ میں پکڑا فون لرزنے لگا۔ آنکھوں میں آنسوؤں کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ دل کو کسی نے ہزار آریوں تلے رکھ کر چیر دیا۔

"کیوں اماں؟ کیوں نہیں ہوئی آپ کو مجھ سے محبت؟" سوال جائز تھا جواب ندارد!

"میرا قصور کیا ہے؟ بچپن میں، میں آپ کے ایک اشارے پر دوڑتی تھی، آپ کی توجہ کی ایک نظر کے لیے ترستی تھی۔۔۔ آپ کی آنکھوں میں ذرا سی مسکراہٹ دیکھنے کے لیے ہر حکم مانتی تھی۔۔۔ کیا وہ سب بے معنی تھا؟ کیا آپ کو کبھی کچھ محسوس نہیں ہوا؟" حلق میں اذیت کا گولہ سا اٹک چکا تھا۔

"قصور؟" اماں نے ایک حقارت بھری سانس لی۔ "تمہارا وجود ہی میرے لیے ایک بوجھ تھا۔ اور بوجھ سے محبت نہیں کی جاتی فجر، اسے صرف ڈھویا جاتا ہے۔"

ان الفاظ نے فجر کے وجود کو اندر تک چیر دیا۔ ایسا لگا جیسے کسی نے اس کی روح پر تیزاب ڈال دیا ہو۔ اس نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لیے۔

"آپ نے کبھی ایک لمحے کے لیے سوچا کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے، اس دن سے آج تک میں نے آپ سے صرف ماں کی نظر چاہی۔۔۔۔ میں نے چاہا کہ آپ ایک بار محبت سے میرے ماتھے پر بوسہ دیں مگر آپ کے لیے میں ہمیشہ ایک ناپسندیدہ مہمان ہی رہی۔"

بڑی بدنصیبی ہے ماؤں کا بے رحم ہو جانا اور یہ بدنصیبی اس کے حصے میں آئی تھی۔ وہ ہونٹ بھینچے سسکیوں کا گلہ گھونٹ رہی تھی۔

"میں تم سے جھوٹ نہیں بول رہی۔ یہی سچ ہے اور تمہیں اسے قبول کرنا ہی ہو گا۔ میں نہیں آؤں گی۔ تمہیں اپنا گھر بسانے کی پوری اجازت ہے۔"

اماں کی آواز اب کچھ تھکی ہوئی محسوس ہوئی مگر اس کی سختی میں کوئی کمی نہ آئی۔

چند لمحوں کے لیے دونوں طرف موت جیسا سناٹا طاری رہا۔ فجر کے ہاتھ برف کی طرح ٹھنڈے ہو گئے، دل کی دھڑکن جیسے تھم سی گئی۔ پھر اس نے ایک ہاری ہوئی، ٹوٹی ہوئی آواز میں کہا۔

"ٹھیک ہے اماں! میں آپ کو مجبور نہیں کروں گی۔"

اس نے فون بند کر دیا مگر اندر ایک ایسا زخم کھل گیا تھا جو شاید کبھی نہ بھر پاتا۔ صبح کی روشنی پھیل رہی تھی مگر اس کا چہرہ ایسا بے نور اور ویران تھا جیسے برسوں کا بوجھ اس کی پلکوں پر آ ٹکا ہو، اور روح کسی گہری، تاریک کھائی میں گر گئی ہو۔

✿••✿••✿••✿

ترنم بیگم کے انکار کے بعد دن گزرنے لگے۔ وہ خوش تو تھی مگر دل جیسے اندر سے خالی تھا البتہ چہرے پر ایک شائستہ سکون قائم رکھا۔

کسی کو خبر نہیں ہونے دی کہ اس کے اندر ابھی ابھی ایک پرانا زخم تازہ ہوا تھا۔ وہ اسے کچھ دونوں سے نوٹ کر رہا تھا۔ وہ بات کرتے کرتے کھو جاتی تھی۔ کام کرتے کرتے تھک جاتی تھی۔ وہ لاونج میں کھڑکی کے قریب کھڑی تھی۔ وہ اسے دیکھ رہا تھا پھر اس کی جانب بڑھا۔ آنکھوں میں وہی نرمی، وہی سمجھ جو لفظوں سے کہیں زیادہ بولتی ہے۔

"اگر تم تیار نہیں ہو۔۔۔ یا چاہتی ہو کہ اماں کا انتظار کریں۔۔۔ تو ہم رک جاتے ہیں۔" وہ اسے مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔

فجر نے لمحہ بھر کو پلکیں جھپکیں، گہری سانس لی، پھر سیدھی اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"نہیں! وہ کبھی نہیں آئیں گی۔ میں انہیں جانتی ہوں۔" پھر ہولے سے مسکرائی۔

"میں اب اپنی زندگی اُن لوگوں کے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں جو مجھ سے محبت کرتے ہیں نہ کہ وہ جنہوں نے مجھے محبت کے لیے ہمیشہ ترسایا۔" وہ اعتماد سے بولی تو ولی کے ہونٹوں پر ایک مختصر مگر دل سے نکلا ہوا مسکراہٹ کا سایہ آیا۔

"اگر تمہیں لگے تم یہ نہیں کر سکتیں تو بتا دینا۔ ہم یہ شادی روک دیں گے۔ مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ سمجھ آگئی نا؟" اس کے گال کو سہلاتے ہولے سے کہا تو شال لپیٹے کھڑی فجر نے اثبات میں سر ہلایا۔

"لنچ کا کیا ارادہ ہے؟" گہری نے سانس لیتے اس نے بات بدلی۔

"آج فلک آرہی ہے۔ میں نے بانو سے کہہ دیا ہے وہ تیاری کرلے گی۔" اس نے بھی مسکرا کر جواب دیا تو ولی کو اس کے مسکرانے پر حوصلہ ہوا۔

اور پھر دوپہر ڈھلتے ہی لاؤنج میں ایک مختلف سا منظر تھا۔ لکڑی کی میز پر لیپ ٹاپ کھلا تھا، چاروں طرف رنگ برنگے کاغذ اور کچھ سیمپل پھیلے ہوئے تھے۔

فلک ہمیشہ کی طرح جوش سے بھری ہوئی فجر کو مختلف ڈیزائن دکھا رہی تھی۔

"دیکھو، یہ عام سا نہ ہو۔ تمہاری شادی ہے۔ کارڈ ایسا ہونا چاہیے کہ لوگوں کو یاد رہ جائے۔" اس نے ہلکے نیلے رنگ کے خاکے کی طرف اشارہ کیا۔

فجر نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ لیپ ٹاپ اسکرین پر نظر ڈالی۔

"ویسے سب سے پہلے کارڈ کس کو جائے گا؟" اس نے چمکتی آنکھوں سے پوچھا۔

فجر نے پلکیں جھکائیں اور فوراً جواب دیا۔

"رئیس اورنگزیب کو!"

فلک نے جیسے اس جواب کی پیش بینی کی، ہلکا سا سر ہلایا، پھر دوبارہ اسکرین پر ڈیزائن کھولا۔

"اچھا میری بات سنو، یہ کارڈ صرف پرنٹڈ نہیں ہو گا یہ ایک کہانی سنائے گا۔ دیکھو۔۔ سامنے ایک خوبصورت لباس تمہارے لیے ڈیزائن کیا ہوا، ہینڈ اسکیچ اور ساتھ ایک چھوٹا سا ٹیپ ریکارڈر۔" وہ تفصیل بات رہی تھی۔

فجر نے چونک کر دیکھا۔

"ٹیپ ریکارڈر؟" وہ زیر لب بڑبڑائی۔

فلک کے چہرے پر شرارت بھری مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہاں! ولی کے لیے۔ جیسے کارڈ کو ہاتھ میں لیتے ہی لباس تمہارا نمائندہ ہو، اور ٹیپ ریکارڈر ولی کا، دونوں کی موجودگی ایک ساتھ، ایک ہی فریم میں۔ یہ صرف کارڈ نہیں ہو گا یہ تم دونوں کی کہانی کا حصہ ہو گا۔"

فجر کی انگلیاں غیر شعوری طور پر کارڈ کے خاکے پر چلنے لگیں۔

"یہ۔۔۔ واقعی منفرد ہے فلک!"

باہر شام کی ہلکی سنہری روشنی لاؤنج میں اتر رہی تھی۔ میز پر پڑے رنگ، کاغذ اور سیمپل اس روشنی میں اور بھی نکھر گئے تھے۔

"یاد رکھنا۔۔۔ یہ صرف شادی کا کارڈ نہیں، یہ اعلان ہے کہ تمہاری زندگی کے اگلے باب کا آغاز محبت سے ہو رہا ہے۔" وہ دلکشی سے مسکرائی۔ زندگی میں اسے کسی کی شادی کی اتنی خوشی نہیں تھی جتنی فجر کی تھی۔ کچھ سوچتے ہوئے اس نے ہاتھ روک کر فجر کی طرف دیکھا۔

"کیا کہتی ہو؟ کارڈ پر ایک عدد چھری یا تلوار اچھی لگے گی؟"

اس کے سوال پر فجر خفت سے مسکرائی۔

"نہیں وہ میرے ہاتھ میں ہی اچھی لگتی ہے۔" اس نے گردن اٹھا کر اسی زعم سے کہا تو پل بھر کی خاموشی کے بعد لاونج میں ان دونوں کی ہنسی کی مدھر آواز گونج گئی۔

✿••✿••✿••✿

لفٹ کا دروازہ ایک مدھم ٹن کی آواز کے ساتھ کھلا اور اس نے رئیس ہیڈ کوارٹرز کی سب سے بالائی، شیشے کی دیواروں والی منزل پر قدم رکھا۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں سے شہر، کچھ دور پاؤں تلے بچھا نظر آتا تھا، طاقت اور اختیار کا ایک بے رحم مرکز۔ وہ ایک سادہ سے سلیٹی سوٹ پر گہرے نیلے رنگ کا گرم سویٹر پہنے ہوئے تھی، یہ لباس اس دفتر کی چکاچوند اور سرد مہری کے سامنے ایک عجیب سی سادگی کا تاثر دے رہا تھا۔

لفٹ کھلنے کی غیر متوقع آواز پر رئیس نے اپنے سامنے پھیلے کاغذات سے سر اٹھایا۔ ایک لمحے کے لیے اس کی آنکھوں میں کوئی تاثر نہ ابھرا، پھر جیسے ہی ذہن نے سامنے کھڑی ہستی کو پہچانا، اس کا وجود ساکت ہو گیا۔ دوسری بار۔۔۔ یہ دوسری بار تھا کہ وہ اس کی ذاتی سلطنت میں یوں بن بلائے چلی آئی تھی۔ وہ اس سے جتنی چاہے نفرت کا ڈھونگ کر لے، مگر اس کے اندر کوئی ایسی طاقت ضرور تھی جو اسے یہاں آنے سے روک نہیں پاتی تھی۔ فجر معراج کو گیٹ پر روکنے کی ہمت کسی میں نہیں تھی۔

میز کے گرد کھڑے مراد اور عروزہ بھی بری طرح چونکے تھے۔ ان کے چہروں پر حیرت کی لکیریں ابھر آئیں۔ عروزہ کے چہرے پر نفرت کے تاثرات واضح ہوئے۔ وہ اعتماد سے قدم اٹھاتی آگے بڑھ رہی تھی۔ چند لمحے رئیس اسے بس دیکھتا رہا، جیسے وقت تھم گیا ہو، جیسے وہ کوئی خواب ہو جو حقیقت کا روپ دھار کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا ہو۔ پھر وہ چونکا اور اس کے چہرے پر شدید برہمی کے تاثرات ابھر آئے۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" وہ ہاتھ میں پکڑی پینسل غصے سے میز پر پھینکتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کی جانب بڑھا۔

جبکہ مراد اور عروزہ اپنی جگہ مجسموں کی طرح ساکت کھڑے تھے، فجر کی اس اچانک آمد پر ان کی حیرت ابھی تک نہیں ٹوٹی تھی۔

"میں آپ کو یہ دینے آئی تھی۔" اس نے دھیمے مگر مضبوط لہجے میں کہتے ہوئے ہاتھ میں پکڑا خوبصورت کارڈ رئیس کے سامنے کیا۔ وہ قہر بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا، لیکن اس کی آنکھوں کی پتلیاں بے اختیار پھیل گئیں۔ اس کا چہرہ جو غصے سے تمتما رہا تھا، فجر کے چہرے پر نظر پڑتے ہی ایک لمحے کو پیلا پڑ گیا، اس کے چہرے کی معصومیت پہلے سے کہیں زیادہ گہری محسوس ہوئی۔

"کیا ہے یہ؟" اس نے کارڈ کو دیکھا، مگر اسے لینے کے لیے ہاتھ آگے نہیں بڑھایا۔ آواز میں سرد بیگانگی تھی۔ اس نے بنا کچھ کہے، خاموشی سے اس کے پہلو سے گزر کر وہ قیمتی کارڈ اس کی وسیع آبنوسی میز پر رکھ دیا۔

"شادی کا کارڈ ہے۔"

"کس کی شادی؟" مراد بے اختیار بول اٹھا۔ اس کے لہجے میں صریحاً حیرت ابھری۔ رئیس وہیں کھڑا رہا، پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے، اس کی پشت اب ان تینوں کی جانب تھی۔

"میں اور ولی شادی کر رہے ہیں۔"

یہ ایک جملہ کسی ہتھوڑے کی طرح برسا اور رئیس کو لگا جیسے دفتر کی چھت آہستہ آہستہ نیچے آ رہی ہو، اس کا وجود کچلنے کے لیے۔ پینٹ کی جیبوں میں قید اس کے ہاتھوں کی انگلیاں بے اختیار لرز اٹھیں۔ وہ شادی شدہ تھے، یہ حقیقت وہ جانتا تھا مگر اس کا یوں سب کے سامنے اعلان سن کر دل میں درد کی ایک تیز ٹیس کیوں اٹھی تھی؟

مراد حیرت زدہ تھا، جبکہ عروزہ کے چہرے کی رنگت مزید گہری ہو گئی۔ اس کے تاثرات سخت اور ناقابلِ فہم تھے۔

"ہمیں اپنی شادی رجسٹر کروانی تھی مگر کورٹ میرج رجسٹریشن کی ذلالت سے بہتر ہے کہ ہم سب کے سامنے عزت سے نکاح کریں۔"

وہ عام سے لہجے میں آگاہ کر رہی تھی، جیسے موسم کا حال بتا رہی ہو جبکہ رئیس کا وجود اندر سے زلزلوں کی زد میں تھا۔ مراد نے اب آگے بڑھ کر میز پر رکھا کارڈ اٹھایا۔ وہ واقعی بہت نفاست سے بنایا گیا تھا۔ عروزہ نے بے ساختہ پانی کی بوتل اٹھا کر منہ سے لگائی، جیسے اس کے حلق میں کانٹے اگ آئے ہوں۔ وہ چیخ بھی نہیں سکتی تھی کیونکہ اس حقیقت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا تھا۔

"یہاں کیوں آئی ہو؟"

اس بار رئیس کی آواز اونچی اور کھردری تھی، ضبط کی کوشش میں بھینچی ہوئی۔ وہ اپنی جگہ یوں ہی کھڑا رہا، جیسے اس کے پاؤں زمین میں گڑ گئے ہوں۔ اس کے سوال پر فجر کی آنکھوں میں نمی کی ایک ہلکی سی تہہ ابھری، جسے اس نے بڑی مشکل سے پلکوں کے پیچھے چھپایا۔

"آپ لوگوں کو دعوت دینے۔" وہ ہولے سے بولی۔ آواز میں ایک مان تھا۔

"اور تمہیں لگتا ہے ہمیں ان فضولیات میں کوئی دلچسپی ہو گی؟" اس بار جواب عروزہ کی طرف سے آیا، اس کے لہجے میں زہر بھرا تھا۔ فجر نے خاموشی سے اس کی بات سنی، کہا کچھ نہیں، اور پھر قدم بڑھاتی ہوئی واپس رئیس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ وہ اب اپنی گردن اٹھائے سیدھا اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے کہنا شروع کیا۔

"میں جب چھوٹی تھی نا۔۔۔ جب سے ہوش سنبھالا۔۔۔ ہمیشہ اماں کو یہی کہتے سنا کہ میں اپنے لیے نہیں بنی۔ مجھ پر صرف ایک انسان کا حق ہے۔ وہ جو میری موت ہے۔"

وہ اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی، اس شخص کو جو اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔

"مجھے ہمیشہ یہ کہا گیا کہ میں کسی اور کے لیے پیدا ہوئی ہوں۔"

ہیزل آنکھوں میں ایک امید کا دیا روشن تھا جبکہ رئیس جبڑے بھینچے، ہونٹ آپس میں پیوست کیے یوں کھڑا تھا جیسے سانس لینا بھول گیا ہو۔ جیسے اس کا دل سینے میں دفن ہو گیا ہو۔

"لیکن میں نے ہمیشہ یہی کہا کہ میں اپنے لیے بنی ہوں۔ مگر آج۔۔ میں آپ کو یہ حق دیتی ہوں۔۔۔ کیا آپ میرے سربراہ بنیں گے؟"

بات کے آخر تک پہنچتے پہنچتے اس کی آواز مدھم جبکہ لہجہ بھیگ گیا۔ رئیس نے بے ساختہ اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں شدید حیرانی ابھری۔ بھنویں سکڑ گئیں۔ وہ جانتی بھی تھی وہ کیا کہہ رہی ہے؟

"میرا کوئی نہیں ہے سوائے آپ لوگوں کے۔۔۔ تو کیا آپ اپنا حق استعمال کریں گے؟ کیا آپ ایک سربراہ کی حیثیت سے مجھے ولی کو سونپیں گے؟"

وہ کیا مانگ رہی تھی؟ سامنے کھڑے بادشاہ جیسے شخص کی ٹانگیں لرز اٹھیں۔ یوں لگا جیسے اس کے جسم سے جان نکل رہی ہو۔ وہ نہ جانے کس طرح اپنے پیروں پر کھڑا تھا۔

وہ رئیس اورنگزیب جو کبھی کہتا تھا کہ اسے رلانے اور تڑپانے کے سارے حقوق صرف اس کے پاس ہیں، آج وہی لڑکی اسے سب سے بڑا، سب سے مقدس حق سونپ رہی تھی۔ مگر کب؟ جب اس کا اپنا دل اسی لڑکی کے لیے دھڑکنے لگا تھا۔

اس نے بے ساختہ پلکیں جھپکیں۔ ہونٹ ہلکے سے وا ہوئے، مگر کوئی لفظ ادا نہ ہو سکا۔ سمجھ نہیں آیا کہ سامنے کھڑی فجر کو کیا جواب دے، جس کی آنکھوں کے پپوٹے سوجے ہوئے تھے۔ وہ کسی بات پر روئی ہو گی مگر آنسوں پونچھ کر آئی تھی۔

رئیس کے گلے کی گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔ پھر ایک ٹوٹی پھوٹی آواز بر آمد ہوئی۔

"تمہارا دماغ ٹھیک ہے؟ کیا بکواس ہے یہ؟" وہ اب اسے گھور رہا تھا، اپنی اذیت چھپانے کی ناکام کوشش!

"میں نے بس اپنے گھر کے سربراہ سے درخواست کی ہے۔"

"میں نے کہا تھا میرے سامنے مت آیا کرو! مجھے تمہاری شکل سے نفرت ہے!" وہ دوبارہ رخ موڑ گیا، بار بار پلکیں جھپک کر آنکھوں میں امڈتے طوفان کو واپس دھکیلنے کی کوشش کر رہا تھا۔

عروزہ کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ وہ اس کارڈ کو گھور رہی تھی جیسے اسے آنکھوں سے جلا کر راکھ کر دے گی۔ مراد ساکت کھڑا تھا، اس ڈرامے کا ایک خاموش تماشائی۔ فجر کی نظریں اب رئیس کی پشت پر تھیں۔

"میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں، میں پھر کبھی آپ کے سامنے نہیں آؤں گی۔ میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔۔۔ میں پاکستان ہی چھوڑ دوں گی۔۔۔ بس آپ ایک بار میرے۔۔۔"

"جاؤ یہاں سے!"

اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی وہ دھاڑا۔ اس کی دھاڑ اتنی شدید تھی کہ عروزہ نے ضبط سے آنکھیں میچ لیں، جبکہ فجر ایک پل کو لرز گئی مگر اس نے ہمت نہیں ہاری۔

کمرے میں ایک ناقابلِ برداشت خاموشی چھا گئی۔ وہ گہرے سانس لے کر خود کو نارمل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کئی ثانیے گزر گئے۔ پھر فجر کی ٹوٹی ہوئی آواز سنائی دی۔ آنکھیں اب نم ہو چکی تھیں۔ اماں نے بھی انکار کر دیا تھا مگر اسے رئیس سے زیادہ امید تھی۔

"اماں نے آنے سے منع کر دیا ہے۔ وہ کہتی ہیں میں ایک بوجھ ہوں۔ وہ مجھ سے نفرت کرتی ہیں۔ میں آج تک سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں کہ مجھے اتنی نفرت کیوں ملی۔"

اس کی امید بھری نگاہیں رئیس کی پشت پر جمی تھیں، جیسے پتھر سے پانی نکالنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ وہ اس کی نگاہوں کی تپش اپنی پیٹھ پر محسوس کر سکتا تھا۔

"میں نے چھبیس سال ان کی نفرت دیکھی ہے۔۔۔ مگر۔۔۔ میں چھبیس دن بھی آپ کی نفرت نہیں دیکھ سکتی۔" وہ اذیت بھرے لہجے میں بولی۔

"کیا آپ میری ایک بات کا مان نہیں رکھ سکتے؟ کیا آپ چند پلوں کے لیے میرے سربراہ نہیں بن سکتے؟"

اس کا کوئی بھی نہیں تھا۔ نہ باپ، نہ بھائی، نہ کوئی چچا، تایا جو اس کے نکاح میں اس کا ولی بن کر اسے ولی کے سپرد کرتا۔ ایک آخری امید وہ شخص تھا جس نے اسے جینا سکھایا تھا اور مرنا بھی۔

اس کی آنکھوں کے سامنے بس اسٹاپ کا وہ منظر گھوم گیا جب رئیس اسے پہلی بار ملا تھا۔ وہ اس کے ساتھ بیٹھا اسے ایک نئے، کٹھن سفر کے لیے تیار کر رہا تھا۔ وہ چاہتی وہ ساتھ بیٹھ کر اسے اس کٹھن سفر کے لیے تیار کرے۔

"میں بس چاہتی ہوں کہ جب میں یہ نیا سفر شروع کروں تو آپ میرے ساتھ ہوں۔ آپ میرے ساتھ بیٹھے ہوں۔ آپ میری ہمت بنیں۔ آپ میرا حوصلہ ہوں۔"

وہ اسے کن کانٹوں بھرے راستے پر گھسیٹنا چاہتی تھی، کیا اسے اس کا اندازہ تھا؟

"مم۔۔۔ میں۔۔۔"

"میں نے تمہیں آپشن دیا تھا کہ کسی ایک کو چن لو۔۔۔" وہ ایک جھٹکے سے پلٹا۔ فجر کے لب کپکپا کر رہ گئے۔ وہ اب بھی قہر بھری نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔

"آپ کی ہی بات مانی ہے۔ میں نے پہچان ہی چنی ہے۔" وہ ہمت کر کے بولی۔ نظریں رئیس کے چہرے پر تھیں۔ فجر کی بات سنتے ہی اس کے چہرے پر استہزاء ابھرا۔

"میں نے کہا تھا ہمارا پیچھا چھوڑ دو۔۔۔۔ ولی کو چھوڑ دو۔۔۔۔"

"نہیں چھوڑ سکتی۔۔۔۔ میں اپنا گھر نہیں چھوڑ سکتی بگ بی!" ایک پل کے لیے بھی نظریں اس کے چہرے سے نہیں ہٹائیں۔ پتا نہیں اسے یہ شخص اتنا عزیز کیوں تھا؟

"اور تمہاری سلطنت؟ اس کی پرواہ نہیں ہے تمہیں!" وہ ایک ابرو اٹھائے طنزیہ لہجے میں بولا۔

"ولی پر ایسی ہزار سلطنتیں لٹا سکتی ہوں اور آپ کے ایک اشارے پر ایسی ہزار کھڑی کر سکتی ہوں۔ حکم کریں۔۔۔"

وہ ساکت رہ گیا۔ فجر معراج نے اسے آج پھر لاجواب کر دیا تھا۔ وہ پورے عزم سے اسکے سامنے کھڑی تھی۔ اس نے جھکنا نہیں سیکھا تھا اور وہ اسے جھکا کر کیا کر لیتا؟ وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ اسکے عزم کو جانچتا رہا۔ پھر اس کی سرد آواز ابھری۔

"دفع ہو جاؤ!" پھر سے رخ موڑ گیا۔ فجر کا چہرہ ایک پل کو سرخ پڑا۔

"میں انتظار کروں گی۔"

وہ ڈھیٹ تھا تو وہ مہا ڈھیٹ! یہ ڈھیٹ پن اسی نے سکھایا تھا۔

"میں نے کہا جاؤ یہاں سے۔۔۔۔" وہ ضبط شدہ لہجے میں دھاڑا۔

فجر کے اگلے الفاظ اس کے لبوں میں ہی دم توڑ گئے۔ اس نے ایک خالی، شکست خوردہ نظر مراد پر ڈالی۔ مراد نے فجر کی ہیزل آنکھوں میں ٹوٹے خوابوں کا عکس دیکھا مگر وہ اس کے آگے کھڑے رئیس کو بھی چپ چاپ بکھرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد، وہ دھیرے سے مڑی اور اسی راستے پر واپس چل پڑی جہاں سے آئی تھی۔ اس کے قدموں میں اب وہ اعتماد نہیں تھا، صرف ایک گہری تھکن تھی۔ لفٹ کا دروازہ کھلا اور وہ اس میں داخل ہو گئی۔ دروازہ بند ہونے سے پہلے، اس نے آخری بار اس دفتر کو دیکھا، جہاں اس کی آخری امید بھی دم توڑ گئی تھی۔

اس کے جانے کے بعد دفتر میں ایک بھیانک، گلا گھونٹ دینے والی خاموشی چھا گئی۔ ایسا سکوت کہ جیسے کائنات نے سانس لینا چھوڑ دیا ہو۔ رئیس کو اپنا دل سینے میں نہیں، کانوں میں دھڑکتا محسوس ہو رہا تھا۔ ہر دھڑکن ایک ہتھوڑے کی ضرب تھی جو اس کی سماعت پر پڑ رہی تھی۔ عروزہ میز پر دونوں ہاتھ جمائے، جھکی ہوئی تھی۔ اس کا سارا وجود کانپ رہا تھا، وہ خود پر ضبط کرنے کی ایک شدید، ناکام کوشش کر رہی تھی۔ پھر وہ ایک جھٹکے سے سیدھی ہوئی۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا، آنکھیں شیشے کی مانند بے جان تھیں۔

بنا ایک لفظ کہے وہ تیز قدموں سے رئیس اور مراد کے درمیان سے گزرتی ہوئی لفٹ کی جانب بڑھی۔ اس کے کورٹ شوز کی تیکھی **'ٹک ٹک'** کی آواز اس بھیانک خاموشی کو چیر رہی تھی۔ لفٹ کا دروازہ کھلا، وہ اندر داخل ہوئی اور **'ٹن'** کی ایک حتمی آواز کے ساتھ دروازہ بند ہو گیا۔ اس آواز کے ساتھ ہی جیسے دفتر میں موجود آکسیجن بھی ختم ہو گئی۔ ایک بار پھر وہی گہری، ناقابلِ برداشت خاموشی چھا گئی۔

وہ وہیں کھڑا رہا، جیسے وقت اور وجود کے احساس سے عاری، ایک پتھر کا مجسمہ بن گیا ہو۔

"رئیس۔۔۔" مراد نے آہستہ سے پکارا۔ وہ اس کی جانب بڑھا، اس کے قدموں کی آہٹ بھی اس سناٹے میں گونج گئی۔ وہ اپنے دوست کی حالت سمجھ سکتا تھا، اس کی اذیت کو محسوس کر سکتا تھا۔ مگر رئیس یونہی کھڑا رہا، بے حس و حرکت۔

"رئیس!" اس بار مراد نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

اس لمس میں ایک اپنائیت تھی، ایک حقیقت تھی جس نے اسے خواب غفلت سے جھنجھوڑ دیا۔ وہ جیسے ہوش میں آیا۔ اس نے دھیرے سے رخ موڑ کر مراد کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں غصہ نہیں تھا، نفرت نہیں تھی، صرف ایک جلتی ہوئی، بے کراں اذیت تھی۔ جیسے کسی نے اس کی روح کو آگ لگا دی ہو۔

"یہ میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتی ہے مراد؟ کیسے؟" آواز ٹوٹی ہوئی تھی، اس میں اذیت کے ساتھ ساتھ ایک بھیگا پن بھی تھا، جیسے سالوں سے روکے ہوئے آنسو آج راستہ مانگ رہے ہوں۔

"میرے ساتھ اتنا بڑا ظلم۔۔۔ وہ کیسے کر سکتی ہے؟" اس کے حلق میں آنسوؤں کا ایک گولا اٹک گیا تھا۔

"تمہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔" مراد نے نرمی سے کہا۔ "تم خود کو یہ تکلیف مت دو۔"

"کوئی اتنا بے رحم کیسے ہو سکتا ہے مراد؟" وہ ایک قدم آگے بڑھا اور ٹوٹے ہوئے انسان کی طرح اپنا سر مراد کے کندھے پر ٹکا دیا۔ اس کے مضبوط وجود کا سارا بھار جیسے مراد پر آ گیا ہو۔ یہ وہ رئیس اورنگزیب نہیں تھا جسے دنیا جانتی تھی، یہ وہ رئیس اورنگزیب تھا جسے صرف مراد عالم جانتا تھا۔

اس منظر کو دیکھ کر، اسے یوں بکھرتے دیکھ کر، مراد کی آنکھوں میں بھی پہلی بار نمی کی ایک تہہ ابھری۔

پسندیدہ عورت برباد نہ کر دے، تو پسندیدہ کیسی؟

اور ستم یہ تھا کہ وہ تو جانتی بھی نہیں تھی کہ وہ پسندیدہ تھی۔ وہ تو اسے اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتی تھی۔

"کوئی اتنا بے رحم کیسے ہو سکتا ہے؟" اس کی آواز مراد کے کندھے میں گھٹ رہی تھی۔

کاش! کاش اس لمحے اسے احساس ہوتا کہ یہی اذیت، یہی بے رحمی اس نے خود کئی بار فلک کے وجود میں اتاری تھی۔ مگر انسان اکثر اپنے کیے ہوئے ظلم اس وقت تک نہیں دیکھ پاتا جب تک وہ خود اس کا شکار نہ ہو جائے۔

"قسمت میرے ساتھ ایسا کھیل کیسے کھیل سکتی ہے؟" وہ ٹوٹ رہا تھا، لمحہ بہ لمحہ، ریزہ ریزہ۔۔۔ مگر وہ ٹوٹ نہیں سکتا تھا۔ وہ بکھر نہیں سکتا تھا۔

"تمہارے پاس اختیار ہے رئیس!" مراد نے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے، اس کے شانوں کو تھام کر جھنجھوڑا، جیسے اسے اس کی طاقت یاد دلا رہا ہو۔

"تم بھولو مت کہ تم کون ہو۔ تمہیں اس عذاب سے گزرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ مت جاؤ۔"

اس نے سر اٹھا کر مراد کی آنکھوں میں دیکھا۔ اس کی اپنی آنکھیں سرخ انگاروں کی مانند دہک رہی تھیں، مگر ان میں ایک عجیب سی شکست خوردگی تھی۔ اس نے ایک لمبی، کانپتی ہوئی سانس لی۔

"اس نے مجھ سے میرا اختیار چھین لیا ہے۔" اس کی آواز اب پر سکون تھی مگر یہ طوفان سے پہلے کی خاموشی تھی۔

"اس نے رئیس اورنگزیب کو نہیں بلایا۔۔۔ اس نے اپنے **'سربراہ'** سے مان رکھا ہے۔"

ایک تلخ مسکراہٹ اس کے لبوں پر ابھری۔

"میں نہ گیا تو گر جاؤں گا، میں گیا تو مر جاؤں گا۔"

✿••✿••✿••✿

جس دن فجر نے اپنی شادی کا باقاعدہ اعلان کیا، اُس دن سے منار فیشنز کی دنیا میں جیسے خوشیوں کا ایک طوفان آ گیا تھا۔ واٹس ایپ گروپس مبارکباد کے پیغامات سے بھرے ہوئے تھے، اور ہر ملازم کے چہرے پر ایک ایسی مسکراہٹ تھی جیسے یہ ان کے اپنے گھر کی تقریب ہو۔ یہ کوئی عالیشان، دکھاوے کی شادی نہیں تھی بلکہ ایک مختصر اور پُروقار نکاح کی تقریب تھی، جس میں صرف چند خاص لوگ اور منار فیشنز کا پورا اسٹاف مدعو تھا۔ فجر کے لیے اس کے ملازمین صرف ملازم نہیں، اس کے سفر کے ساتھی تھے، اس کی کامیابی کے گواہ تھے۔

گھر کے لاؤنج میں ایک خوبصورت اور بھرپور منظر تھا۔ فلک اور بانو بھاگ بھاگ کر کام کر رہی تھیں۔ ایک کونے میں پھولوں والے سے بحث ہو رہی تھی تو دوسرے کونے میں ملازمین والے کو ہدایات دی جا رہی تھیں۔ ہوا میں موتیا اور گلاب کی ملی جلی خوشبو رچی ہوئی تھی۔ میز پر اب بھی شادی کے کارڈ کا سیمپل پڑا تھا، مگر اب اس کے ارد گرد رنگین دوپٹوں اور گوٹے کناری کے تھان بکھرے ہوئے تھے۔ فضا میں قہقہوں، باتوں اور خوشی کی ایک مسلسل سرگوشی موجود تھی، مگر ان سب آوازوں کے بیچ، صوفے پر بیٹھی فجر کی مسکراہٹ کچھ ادھوری سی تھی۔

وہ سب کو دیکھتی، ان کی خوشی میں شامل ہونے کی کوشش کرتی، مسکراتی مگر اس کی آنکھوں میں ایک گہری اداسی ٹھہر چکی تھی۔ ایک ایسی اداسی جسے کوئی پڑھ نہیں پا رہا تھا۔ یہ خوشی اس نے خود چنی تھی مگر اس خوشی میں اس کے اپنوں کا سایہ تک نہ تھا۔ یہی احساس اس کے دل پر بوجھ بن کر بیٹھ گیا تھا۔

تبھی دروازہ کھلا اور ایک تازہ ہوا کے جھونکے کی طرح پندرہ سالہ روحی اندر داخل ہوئی۔ اس نے شوخ گلابی رنگ کا فراک پہنا تھا اور اس کے چہرے پر زندگی کی تمام تر رعنائیاں موجود تھیں۔ اس کی آنکھیں شرارت سے چمک رہی تھیں۔

"ہم تو بھائی کی شادی کی تیاریوں کا سوچ رہے تھے اور یہاں تو آپ نے ہی میدان مار لیا، فجر آپی!" وہ سیدھا فجر کے پاس آئی اور اس کے گلے لگ گئی۔

اس کی بات پر پورے لاؤنج میں ایک قہقہہ بلند ہوا۔ فجر بھی ہنس پڑی، اور یہ اس پورے دن میں شاید اس کی پہلی حقیقی مسکراہٹ تھی۔ روحی کی موجودگی میں ایک ایسی توانائی تھی جو کسی کو بھی اداس رہنے نہیں دیتی تھی۔

"اب کیا کریں روحی! کچھ لوگوں کو بہت جلدی ہوتی ہے۔" فلک نے شرارتی انداز میں کہا۔

"صحیح کہا فلک آپی! ویسے ایک لطیفہ سناؤں؟" اس نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں گھمائیں۔ اجازت کا انتظار کیے بغیر ہی شروع کر دیا۔

"ایک بار ایک شوہر نے بیوی سے کہا، 'اگر مجھے کچھ ہو گیا تو کیا تم دوسری شادی کر لو گی؟' بیوی بولی، 'بالکل نہیں! میں اپنی بہن کے ساتھ رہوں گی۔' پھر بیوی نے پوچھا، 'اور اگر مجھے کچھ ہو گیا تو؟' شوہر نے فوراً جواب دیا، 'تو میں بھی تمہاری بہن کے ساتھ ہی رہوں گا!'"

لاؤنج میں چند لمحے خاموشی چھائی رہی پھر فلک، فاخرہ اور بانو کا قہقہہ بے ساختہ ابھرا۔

"یہاں ایسا کچھ نہیں ہونے والا! ان محترمہ کے شوہر کو ان کے سامنے کچھ نہیں دکھتا۔" فلک کی اگلے تبصرے پر فجر کا چہرہ پھر سے سرخ پڑا۔ یہ ایک خوشگوار دن تھا۔

روحی کی یہی خاصیت تھی۔ اس نے اس بیماری کو اپنی زندگی کی امید پر کبھی حاوی نہیں ہونے دیا تھا۔ اب وہ فجر سے چپکی بیٹھی تھی۔ وہ خوش تھی، واقعی بہت خوش تھی مگر جب بھی اس کی نظر دروازے پر پڑتی، ایک انجانی سی امید دل میں سر اٹھاتی اور پھر مایوس ہو کر دم توڑ دیتی۔ نہ اماں آئیں گی، اور نہ ہی۔۔۔۔ وہ۔

وہ روحی کے قہقہوں میں شامل تھی، مگر اس کی آنکھیں بار بار بھیگ جاتیں۔ یہ خوشی ایک خوبصورت خواب جیسی تھی پر اس خواب میں دو چہروں کی کمی اسے ہر لمحے محسوس ہو رہی تھی۔ یہ ایک ایسی جیت تھی جس کا جشن مناتے ہوئے بھی وہ اندر ہی اندر ہار رہی تھی۔

✿••✿••✿••✿

فارم ہاؤس کے سنہری گیٹ پر کھڑے وہ بکنگ کے کاغذات سنبھال رہا تھا، کبھی مینیجر سے سجاوٹ کے رنگوں پر بات کرتا، کبھی فوڈ مینیو کی فہرست چیک کرتا۔

ساتھ کھڑا فخر اس کی مدد کر رہا تھا، مگر ذمہ داری کا بوجھ پھر بھی ولی کے کندھوں پر تھا۔

عالمگیر خاندان میں سے، فلک اور فخر کے سوا کوئی اس کے قریب نہ آیا تھا۔

یہاں تک کہ وہ پہلا دلہا تھا جسے شادی کی ہر تیاری اپنے ہاتھوں سے کرنی پڑ رہی تھی۔ مہمانوں کی فہرست، بکنگ، کپڑوں کا انتخاب، حتیٰ کہ پھولوں کی ڈیزائننگ تک۔

فارم ہاؤس کی راہداری میں روشنی کی زرد کرنیں پھیلی تھیں، گیٹ کے باہر ہلکی ہوا چل رہی تھی۔ اس نے آخری دستخط کیے اور فخر کے ساتھ باہر نکل آیا۔ دونوں گاڑی کی طرف بڑھ ہی رہے تھے کہ سامنے سے ایک مانوس سی پرچھائیں ابھری۔

وہ مراد تھا۔

قدموں میں ٹھہراؤ لیے، چہرے پر ہلکی سی سنجیدگی اور آنکھوں میں گہری مسکراہٹ جو کبھی کبھی ہی دوسروں کو حوصلہ دیتی تھی۔

ولی قدم روک کر وہیں رک گیا۔

مراد نے بھی قدم روک لیے۔

چند لمحے۔۔۔بس دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ جیسے ان لمحوں میں سب کچھ کہہ دینا چاہ رہے ہوں مگر الفاظ راستہ نہ پا رہے ہوں۔

پھر مراد آگے بڑھا اور اسے مضبوطی سے گلے لگا۔

"مبارک ہو، چھوٹے!"

رئیس کا دکھ اپنی جگہ تھا، مگر وہ اس کے لیے بھی عزیز تھا۔

ولی کے چہرے پر اس پورے عرصے میں پہلی بار ایک مسکراہٹ ابھری۔ پھیکی سی، تھکی ہوئی، مگر پھر بھی مسکراہٹ۔

"مجھے لگا تھا بگ بی آپ کو بھی نہیں آنے دیں گے۔۔" ولی نے دھیرے سے کہا۔

مراد ہولے سے ہنسا اور اسکے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"ابھی تو میں صرف تمہارے لیے آیا ہوں۔ تم خوش نصیب ہو، تمہیں محبت مل گئی۔"

مراد کی بات پر وہ پھیکا سا ہنسا۔

اس کی کتھئی آنکھوں میں نہ جانے کتنی کہانیاں چھپی تھیں۔

اسے محبت ملی نہیں تھی، اس نے کمائی تھی۔ اور وہ بھی کن کن اذیتوں، محرومیوں اور طعنوں کے بدلے۔۔۔ یہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ کوئی بھی نہیں۔ اس کی آنکھوں میں چھپی کہانیاں یہاں کوئی نہیں جانتا تھا۔

کچھ دیر بعد گاڑیاں سڑک کی دھندلی روشنی میں دھیرے دھیرے دور جا رہی تھیں۔

ہوا میں ایک عجب سا سکوت تھا، جیسے وقت رک کر تماشہ دیکھ رہا ہو۔

نکاح کی تقریب میں صرف تین دن باقی تھے۔

تین دن بعد کیا ہو گا، یہ کسی کو معلوم نہ تھا۔۔۔

شاید خود وقت کو بھی نہیں۔

✿••✿••✿••✿

مہندی کی رات کا کوئی باقاعدہ اہتمام نہیں تھا، نہ لوگ نہ کوئی دکھاوا۔ گھر کا لاؤنج ایک سادہ مگر پُرسکون تقریب کا منظر پیش کر رہا تھا۔ وہ ہلکے رنگ کے ایک عام سے سوٹ میں ملبوس، صوفے پر خاموشی سے بیٹھی تھی۔ بانو ہمیشہ کی طرح پھرتیوں سے کام میں لگی ہوئی تھی جبکہ فلک نے ابھی ابھی اس کے ہاتھوں پر مہندی لگائی تھی۔

کوئی بھاری بھرکم بیل بوٹے نہیں تھے، بس اس کی صاف شفاف ہتھیلیوں کی پشت پر مہندی کا ایک سادہ سا گول ٹِکا بنایا گیا تھا۔ اس سادگی میں بھی ایک عجب حسن تھا جو اس کے خالی ہاتھوں پر نہایت خوبصورت لگ رہا تھا۔

جب سے فلک یہاں آئی تھی، اس نے ولی کو گھر سے نکال باہر کیا تھا۔ اس کا اصول تھا کہ دلہا شادی سے پہلے دلہن سے نہیں مل سکتا، چنانچہ وہ بے چارہ آج کل فاخر کے گھر پر مہمان بنا ہوا تھا۔ ایک عجیب سا دلہا تھا جو اپنی ہی شادی میں گھن چکر بنا ہوا تھا۔

سب سے پہلے صفدر کی والدہ نے آگے بڑھ کر فجر کے ہاتھ میں مہندی لگائی اور دعائیں دیں۔ صفدر کی پوری فیملی وہاں موجود تھی، اور وہ خود بھی آیا تھا۔ سفید شلوار قمیص میں وہ باوقار لگ رہا تھا۔ گزرے سالوں نے اس کی شخصیت میں ایک سنجیدہ نکھار پیدا کر دیا تھا۔

اپنی باری آنے پر وہ دھیرے سے چلتا ہوا صوفے پر اس کے قریب آ بیٹھا۔ سامنے میز پر مہندی کا پیالہ رکھا تھا اور فجر کی ہتھیلی پر فاخرہ اور آنٹی کا رکھا ہوا ایک نوٹ موجود تھا جس پر مہندی کا ایک چھوٹا سا نشان لگا تھا۔ ان کے سامنے دوزانو بیٹھی روحی اپنے موبائل فون سے یہ سارا منظر فلما رہی تھی۔

"تم ہمیشہ میرے ساتھ زیادتی کرتی ہو۔ میری شادی ایک ہفتے بعد ہے اور تم نے پہلے ہی ساری لائم لائٹ لوٹ لی۔" وہ مصنوعی خفگی سے بولا تو فجر کے لبوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ ابھری۔

"میری شادی تمہارے بعد ہوتی تب بھی میں ہی لائم لائٹ لوٹتی۔۔۔ نرگسی آدمی!"

سالوں بعد۔۔۔ اس نے اسے اس پرانے نام سے پکارا تھا۔ صفدر کے دل میں ایک عجیب سا احساس اٹھا۔ وہ اس تقریب میں آنا نہیں چاہتا تھا مگر پھر خود کو روک بھی نہیں پایا تھا۔

اس نے مہندی کی ایک پتلی سی لکیر اس کے ہاتھ پر رکھی، پھر روایت کے مطابق تیل کی چند بوندیں اس کے بالوں میں لگائیں اور اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ چند قدم آگے بڑھا ہی تھا کہ نہ جانے کیا سوچ کر رک گیا۔ پھر وہ پلٹا اور اسے دیکھا، جو اپنوں کی بے رخی پر اندر سے ٹوٹ چکی تھی، مگر مضبوطی سے بیٹھی تھی۔

پھر اس کا ہاتھ بے اختیار اٹھا اور دھیرے سے فجر کے سر پر آ ٹھہرا۔

وہ ساکت رہ گئی۔ اس کے لمس میں ایک ایسی اپنائیت تھی جس کی اسے توقع نہیں تھی۔ اس نے چہرہ اٹھا کر شدید حیرانی سے صفدر کو دیکھا۔

"تم نے کہا تھا تم بھائی نہیں بناتی اور میں نے کہا تھا کہ میں بن جاتا ہوں۔"

وہ اس قدر گہری سنجیدگی سے بولا کہ فجر کے پاس کہنے کو کچھ نہ بچا۔ وہ بس اسے دیکھتی رہ گئی۔

پھر اس کے لبوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔

"ویسے تو ڈائنوں کو دعا کی ضرورت نہیں ہوتی، پھر بھی میں کہوں گا کہ اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔"

وہ دونوں ہم عمر تھے، مگر آج پہلی بار فجر کو محسوس ہوا تھا کہ کبھی کبھی ایک مرد کا صرف مرد ہونا ہی کافی ہوتا ہے۔ اس کا ساتھ، اس کا سہارا، اس کی موجودگی۔ پچھلے آٹھ سالوں سے وہ ساتھ تھے۔ یونیورسٹی میں ایک دوسرے کی جان کے دشمن بنے رہتے تھے، جنگلیوں کی طرح ایک دوسرے سے لڑتے تھے اور دیکھتے ہی دیکھتے وقت نے کیسی کروٹ لی تھی کہ آج وہی شخص اس کے سر پر ایک بھائی کی طرح ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔

یہ احساس بہت قیمتی تھا۔ اتنا قیمتی کہ اس کی آنکھوں کے کنارے بھیگ گئے۔ وہ اسے کوئی جلی کٹی سنانے یا طنز کرنے کے بجائے، بے اختیار کھل کر ہنس دی۔ ایک صاف، شفاف اور مدتوں بعد آئی حقیقی ہنسی جو سیدھا اس کے دل سے نکلی تھی۔

✿••✿••✿••✿

رات کا سکوت پورے گھر میں چھایا ہوا تھا۔ مہمان واپس جا چکے تھے، اور لاؤنج میں خاموشی اور خالی صوفوں کی گونج کے سوا کچھ باقی نہ رہا تھا۔ فلک اور بانو تھک ہار کر صوفے پر لیٹی ہوئی تھیں، بالکل ایسے جیسے وہ پہرہ دینے کی ذمے داری سے مطمئن ہو کر خود بھی خوابوں کی دنیا میں غرق ہو گئی ہوں۔ وہ دونوں جان بوجھ کر وہاں پڑی تھیں تاکہ فجر کہیں باہر نہ نکلے اور ولی اندر نہ آئے۔ فلک ظالم سماج کی طرح سختی سے اپنے فرائض نبھا رہی تھی، مگر تھکن کی شدت نے اس پر غلبہ کر لیا۔

جبکہ فجر کی آنکھیں جاگ رہی تھیں۔ نیند اسے بیچ میں چھوڑ گئی تھی، ذہن الجھا یا ہوا، ہر لمحے کے اثرات میں کھویا ہوا۔ اس کے ہاتھوں پر لگی مہندی، خشک ہو چکی تھی۔ وہ اپنی ہتھیلیوں کو غور سے دیکھتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ دوپٹہ سنبھالا اور اوپر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ قدم دھیرے تھے۔۔ تھکن سے بھرپور۔

جیسے ہی اس نے کمرے میں قدم رکھا اور دروازہ بند کیا، ایک دھیمی مگر گھٹی ہوئی آواز کے ساتھ کمرے کی ہوا کانوں میں گونجی۔

"ہیلو جانم۔۔۔"

وہ لمحہ فجر کے دل کو یوں ہلا گیا جیسے اچانک روشنی اندھیروں میں پھوٹ پڑی ہو۔ دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

وہ کھڑکی کے قریب رکھے صوفے پر بیٹھا تھا۔

"ڈرا دیا مجھے۔۔۔" اس نے خفگی سے کہا، نظریں ولی پر جمائیں۔ دل کی دھڑکن کو ہر لفظ کے ساتھ محسوس کیا جا سکتا تھا۔

اس نے ایک نظر فجر پر ڈالی پھر اٹھ کر قدم بڑھائے، خاموشی کے ساتھ اس کے قریب پہنچا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" دھیمے لہجے میں پوچھا، مگر چہرے کی سرخی اور دل کی تیز دھڑکن اس کے خوف اور کشش کو ظاہر کر رہی تھی۔ وہ گھبرا رہی تھی۔

"میں اپنی دلہن دیکھنے آیا ہوں۔"

لہجہ پُر اعتماد تھا، محبت اور احترام سے بھرا ہوا۔ فجر کا چہرہ گلابی ہو گیا۔ وہ اسے پر شوق نگاہوں سے دیکھے جا رہا تھا۔

"اندر کیسے آئے؟ کھڑکی تو بند تھی۔" حیرانی سے استفسار کیا۔

"ولیم جوزف کو جوزف پیلس کی دیواریں نہیں روک پائیں یہ تو پھر کھڑکی ہے۔"

انہی حربوں سے وہ پیلس سے فرار ہوتا تھا۔ اب وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔

اس کی نظریں فجر کے چہرے پر جمی رہیں۔ صاف اور بے داغ چہرہ، ہلکے کھلے بال، مہندی کی خوشبو کی نرم لہریں۔ سب کچھ اس کی روح کو چھو رہا تھا۔ یہ سب بہت خوبصورت تھا۔ پھر وہ دھیرے سے بولا۔

"بہت خوبصورت لگ رہی ہو!"

یہ سنتے ہی فجر کو جیسے احساس ہوا۔ وہ ٹھٹکی اور جھٹ سے گھونگھٹ اٹھا کر چہرے پر ڈال لیا۔ وہ اس کی حرکت پر حیران ہوا۔ وہ اب رخ موڑے کھڑی تھی۔

"فلک نے کہا تھا شادی سے پہلے تم مجھے نہیں دیکھ سکتے۔"

وہ پہلے ہنسا پھر قدم بڑھا کر، اسے کندھوں سے تھامتے ہوئے اسکا رخ اپنی طرف کیا، ایک ہلکی مگر محبت بھری مسکراہٹ کے ساتھ۔

"میں تو دیکھو گا۔" گھونگھٹ کے اندر سے اس کی نظریں فجر کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

"پہلے منہ دکھائی۔۔۔" اس نے جھٹ سے اپنا ہاتھ آگے پھیلا دیا۔

اس نے ایک نظر فجر کے پھیلے ہاتھ کو دیکھا اور پھر محبت سے اسے تھام لیا۔

"کیا چاہیے؟" وہ اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"کیا دے سکتے ہو؟" الٹا سوال آیا۔

"چہرہ ابھی بھی چھپا ہوا ہے، مگر اس کے لیے جان بھی دے سکتا ہوں۔"

وہ یہ سن کر ساکت رہ گئی۔ اس چہرے کی وجہ سے سب اسے مارنا چاہتے تھے۔ اس چہرے کو ملعون قرار دیا گیا۔ یہ نقش نفرین تھا۔ صرف یہ شخص تھا جس نے یہ اس چہرے کو محبت سے قبول کیا تھا۔

اس کی موجودگی، اس کی قربت، اور اس کا بے تکلف انداز، سب کچھ ایک لمحے میں فجر کے دل کو چھو گیا۔ وہ واحد تھا جو اس کے جذبات اور وجود کو اتنی شدت سے محسوس کرتا تھا۔ اتنی ایمانداری سے۔

وہ دونوں ایک دوسرے کے قریب کھڑے تھے، خاموشی میں ہر احساس اور ہر لفظ کے بغیر بات کر رہے تھے۔

رات کی چپ، کمرے کا سکوت، اور مہندی کی خوشبو! سب کچھ اس لمحے کو لازوال اور یادگار بنا رہا تھا۔

"تم نے میرا نام نہیں لکھوایا؟" اس نے فجر کے ہاتھ کو دیکھتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

یہ سنتے ہی اس نے فوراً گھونگھٹ اٹھا دیا۔ چہرہ واضح ہوا۔

ولی کی نظریں اٹھیں اور پھر اس کے چہرے پر ٹھہر گئیں۔

"تمہیں نام بھی چاہیے؟" وہ اب پریشان ہوئی۔ خالی ہتھیلی کو دیکھا۔

"آف کورس!" وہ جتاتے لہجے میں بولا۔

"مجھے مہندی نہیں پسند، میں نے تمہارے لیے لگوائی ہے۔" اس نے اپنی ہتھیلیوں کی پشت دکھائی، جہاں صرف گول ٹکیاں بنی تھیں لیکن ہیزل آنکھوں میں الجھن ابھر آئی۔

"لیکن مجھے تو نام بھی چاہیے۔۔۔۔" وہ شرارت چھپائے کہہ رہا تھا۔

"اچھا میں مہندی لے کر آتی ہوں۔"

وہ ہاتھ چھڑا کر جانے لگی مگر اس نے سرعت سے واپس کھینچ لیا۔

"بعد میں لکھوا لینا، ابھی مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔"

اس نے فجر کا تھاما ہوا ہاتھ اوپر اٹھایا اور اس کے سر سے گزارتے ہوئے اسے ہلکا سا گھمایا۔ وہ ہنس دی۔

"تمہیں کیا بننا پسند ہے؟ مسز جوزف یا مسز اورنگزیب؟" فجر کے ٹھنڈے پڑ چکے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیے پوچھا۔ وہ اب صوفے پر بیٹھے تھے۔

"شوہر تم ہو تو سر نیم سے فرق نہیں پڑتا۔" اس نے رخ موڑ کر ولی کو دیکھا۔

یہاں وہ مسز اورنگزیب کہلائی جاتی اور اسکاٹ لینڈ میں مسز جوزف! اسے دونوں قبول تھے۔ اس سے پہلے وہ کچھ کہتا وہ بول پڑی۔

"اب تمہیں جانا چاہیے، فلک اٹھ گئی تو غصہ ہو گی۔"

"تمہیں فلک کی اتنی فکر کیوں ہو رہی ہے؟ وہ ظالم سماج بن گئی ہے۔" وہ حیران ہوا۔

"وہاں اسکاٹ لینڈ میں بیٹھے، تمام افراد مجھے گالیاں دے رہے ہیں۔ انہوں نے مجھے دلہن لینے بھیجا تھا اور میں یہاں دوبارہ شادی رچا رہا ہوں۔ میرا ابھی تو سوچو میں اتنا کچھ اکیلے سہہ رہا ہوں۔"

وہ سہی پھنسا تھا۔ وہ اسکی بے چارگی پر پھر سے ہنس دی۔

اس سے پہلے کوئی کچھ کہتا باہر سے آہٹ کی آواز ابھری۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ چہرے پر گھبراہٹ ابھری۔

"مجھے لگتا ہے فلک اٹھ گئی۔ پلیز تم جاؤ۔۔۔" اس نے ولی کو کھینچ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔

"ارے ارے۔۔۔ میں غیر نہیں ہوں، شوہر ہوں، میں تم سے مل سکتا ہوں۔" وہ اڑ گیا۔

"کل مل لینا۔۔۔" اسے کھینچتے ہوئے کھڑکی کی جانب دھکیلا۔

"یہ زیادتی ہے بیگم!" وہ مصنوعی خفگی سے بولا اور پھر کھڑکی کھول کر باہر کود گیا۔

وہ دھک سے رہ گئی۔ کھڑکی سے جھانک کر دیکھا تو وہ نیچے لان میں کھڑا تھا، ہاتھ ہلاتے ہوئے گیٹ کی جانب بڑھ رہا تھا۔

تبھی کمرے کا دروازہ کھلا، اور وہ جھٹکے سے پلٹی۔

فلک کا چہرہ سامنے تھا۔

"کیا ہوا؟ تم اٹھ کیوں گئیں؟" اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے پوچھا، چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"مجھے بولنے کی آوازیں آئیں۔" اس نے مشکوک انداز میں نظریں چاروں جانب پھیلائیں۔

"وہ میں کال پہ تھی۔" اس نے بہانہ بنایا۔

فلک نے سر سے پاؤں تک اسے دیکھا، وہ گھبرائی ہوئی سی خواب ناک لگ رہی تھی۔

"کھڑکی کیوں کھلی ہے؟" ابرو اچکا کر پوچھا۔

"ہاں وہ گھبراہٹ ہو رہی تھی۔" اس نے بے ساختہ کھڑکی بند کی۔

"اتنی سردی میں؟" حیرانی سے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔"

"کیا ولی آیا تھا؟" اب کی بار لہجہ ذرا سخت تھا۔

"نہیں، وہ کیوں آئے گا؟" فجر نے خود پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔

"یہ بھی ہے۔۔۔وہ کیوں آئے گا؟"اس نے سمجھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا جبکہ ہونٹوں کی مسکراہٹ چھپی رہی۔

"ویسے اب تمہیں سو جانا چاہیے کافی رات ہو چکی ہے۔"

"ہاں میں بس میں چینج کرنے جا رہی ہوں۔"وہ تیزی سے کہتے باتھروم کی جانب بھاگی جبکہ فلک اس کی حرکتوں پر بے ساختہ ہنس دی۔اس نے دروازہ بند کر دیا۔

"پاگل۔۔۔"وہ بڑبڑاتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھی لیکن چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

جوزف کی اولاد اسکے کڑے پہرے کے باوجود اپنی دلہن دیکھ گیا تھا۔

✿••✿••✿••✿

شام گہری ہو کر رات کے سیاہ مخمل میں ڈھل چکی تھی۔فارم ہاؤس کا وسیع و عریض لان روشنیوں کے سیلاب میں نہایا ہوا تھا،یوں لگتا تھا جیسے آسمان سے ستارے زمین پر اتر آئے ہوں۔سفید اور سنہری رنگوں کے امتزاج سے کی گئی سجاوٹ میں نفاست اور وقار تھا۔ہوا میں تازہ موتیا اور سفید گلاب کی بھینی بھینی خوشبو رچی ہوئی تھی،جو ماحول کو مزید مسحور کن بنا رہی تھی۔

مگر ہال کے اندر کا منظر اس ظاہری چکاچوند کے برعکس تھا۔جگمگاتے فانوسوں تلے بیٹھے مہمانوں کے چہروں پر اب خوشی سے زیادہ تھکاوٹ اور بیزاری کے آثار نمایاں تھے۔نکاح کا مقررہ وقت گزرے گھنٹوں بیت چکے تھے۔ دھیمی سرگوشیاں اب واضح چہ میگوئیوں میں بدل گئیں۔نکاح خواں بھی بے چینی سے بار بار اپنی گھڑی دیکھ رہا تھا۔ اور ان سب سے بے نیاز،اسٹیج پر رکھی کرسی پر وہ بیٹھی تھی۔سرخ لباس والی دلہن!

جس کی ہیزل آنکھیں ساکت و جامد، ہال کے داخلی دروازے پر جمی تھیں۔ وہ اپنے سربراہ کا انتظار کر رہی تھی۔ کئی گھنٹے گزر گئے تھے مگر وہ اپنی ضد پر قائم تھی۔ وہ بت بنی بیٹھی تھی، ایک خوبصورت، سجا سنورا بت جسے دیکھتے رہنے کو دل چاہتا تھا مگر جس کی خاموشی میں ایک طوفان قید تھا۔

لوگوں کی بڑھتی ہوئی باتیں فلک کے کانوں میں سیسہ انڈیلنے لگیں۔ وہ مزید برداشت نہ کر سکی اور اس کی جانب بڑھی۔

"وہ نہیں آئیں گے فجر! بہت دیر ہو گئی ہے۔" اس نے جھک کر اس کے کان میں سرگوشی کی۔ سفید فراک پر سرخ ویلوٹ کی شال ایک جانب گرائے وہ کسی مصور کا شاہکار لگ رہی تھی، مگر اس وقت اس کے چہرے پر اپنی دوست کے لیے گہری تشویش تھی۔

"وہ آ گئے تو۔۔۔؟" فجر نے آہستہ سے چہرہ اٹھا کر فلک کو دیکھا۔ اس کی آواز میں سوال سے زیادہ ایک یقین تھا۔ سرخ رنگ کا اس کا لہنگا دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ پیروں تک آتی لمبی قمیص اور نیچے گھیرے دار لہنگا، ہتھیلیوں کی پشت پر مہندی کی گہری سرخ رنگت، کھلے بال جنہیں نفاست سے پیچھے کیا گیا تھا، باریک سا نیکلس، کانوں میں چمکتے اسٹڈز اور اس کی پیشانی پر چمکتی ایک ننھی سی بندیا۔ ایسی دلہن فلک نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی، اس کے روایتی سرخ رنگ میں بھی ایک جدید اور منفرد شان تھی۔ جب اس نے فجر کو تیار دیکھا تھا تو جانے کتنی ہی بلائیں لے ڈالی تھیں۔۔

ہال کے دوسرے کونے میں کھڑا ولی بے چینی سے کسی کو فون ملا رہا تھا۔ سفید شیروانی نے اس کے مغربی پن کو واضح کر دیا تھا۔ اس کے کتھئی بال، کتھئی روشن آنکھیں اور چہرے پر کتھئی ہلکی داڑھی، اس سفید لباس میں مزید نمایاں

لگ رہے تھے۔لوگ کبھی دلہے کی بے چینی کو دیکھتے تو کبھی دلہن کے صبر کو،اور یہ فیصلہ نہ کر پاتے کہ دونوں میں سے زیادہ حسین کون لگ رہا تھا۔

فجر کا اٹل یقین دیکھ کر فلک بے بسی سے اثبات میں سر ہلاتی ایک جانب ہو گئی۔اس نے اپنا فون نکالا اور ایک نمبر ملایا۔رئیس اورنگزیب کا نمبر!بار بار بیل جانے کے باوجود کال نہیں اٹھائی گئی تو اس نے کپکپاتی انگلیوں سے ایک پیغام ٹائپ کیا۔

"اسے رسوا مت ہونے دیجیے گا۔پلیز آجائیں۔"

کاش وہ آجاتا۔۔۔کاش وہ اس کی امید کا مان رکھ لیتا۔

دوسری جانب رئیس ہیڈ آفس کے سرد، شیشے کی دیواروں والے کانفرنس روم میں وہی پیغام موبائل اسکرین پر روشن تھا۔رئیس خالی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔وہ جانا نہیں چاہتا تھا۔وہ یوں پر سکون بیٹھا تھا جیسے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا، مگر صرف وہ جانتا تھا کہ اس کا سکون کب کا برباد ہو چکا تھا۔

عروزہ اس کے دائیں جانب بیٹھی کچھ تفصیلات بتا رہی تھی، جبکہ کھڑکی کے قریب کھڑا مراد فون پر بات کر رہا تھا۔

دوسری جانب ولی تھا۔

"انہیں کہیں پلیز آجائیں۔۔۔بس ایک بار۔۔۔"اس کی آواز میں التجا تھی۔وہ فجر کو مزید ٹوٹتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ترنم بیگم کے بعد اب رئیس۔۔۔نہیں!

چند لمحے گزرے۔۔۔ایک، دو، تین۔۔۔اور پھر وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔اس کے یوں اچانک اٹھنے پر تفصیلات بتاتی عروزہ خاموش ہو گئی۔اس نے رئیس کو دیکھا، جس کی آنکھوں میں نا قابلِ فہم خالی پن تھا۔وہ خود کو کام میں مصروف رکھ کر اس شادی کے خیال سے بھاگنے کی کوشش کر رہی تھی، مگر ناکام ہو رہی تھی۔

اس سے پہلے کہ رئیس کچھ کہتا، مراد پلٹا۔

"کیا تم چلو گی، روز؟" اس نے سیدھا عروزہ سے پوچھا۔

عروزہ نے ایک گہری سانس لی اور لیپ ٹاپ کی اسکرین بند کر دی۔

"اس سلطنت کے بادشاہ بھی آپ ہیں اور اس گھر کے سربراہ بھی آپ، رعایا کا خیال رکھنا اور اپنوں کا مان رکھنا، آپ پر فرض ہے مجھ پر نہیں۔" اس کی نظریں رئیس پر تھیں۔"آپ جایئے۔مجھے کچھ ضروری کام نبٹانے ہیں۔"

وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنا لیپ ٹاپ اٹھا کر کانفرنس روم سے باہر نکل گئی۔

رئیس نے مراد کی طرف دیکھا، جس نے صرف اثبات میں سر ہلا دیا۔وہ جانتا تھا، اب اسے جانا ہی ہو گا۔

دوسری جانب ہال میں اب تقریباً مایوسی کا عالم تھا۔فلک کی آخری امید بھی دم توڑ رہی تھی۔فجر اب بھی اسی طرح دروازے کو تک رہی تھی، مگر اب اس کی پلکیں بھیگنے لگیں۔

اور پھر۔۔۔

ہال کے دیو ہیکل چوبی دروازوں کے چرچرانے کی ایک گہری آواز ابھری۔ایک ایسی آواز جس نے تمام چہ میگوئیوں، تمام سرگوشیوں اور تمام سازوں کو ایک لمحے میں خاموش کر دیا۔وہاں موجود ہر شخص ساکت ہو گیا۔ لوگوں نے بے اختیار گردنیں موڑ کر دروازے کی جانب دیکھا۔

وقت جیسے تھم گیا۔

دروازے کے عین وسط میں وہ کھڑا تھا۔

ہمیشہ کی طرح سیاہ ڈریس سوٹ میں، اس کا وجود طاقت اور بے رحمی کی ایک جیتی جاگتی تصویر تھا۔ چہرے پر کوئی تاثر نہیں، آنکھیں ایک سرد جھیل کی مانند، جن میں کوئی جذبہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ وہ بادشاہ تھا اور رعایا اسے دیکھ کر سانس لینا بھول گئی تھی۔

وہ آگیا تھا۔ اس کا سربراہ آگیا تھا۔

وہ ہال کے دروازے پر کھڑا تھا اور اس کی نظریں دوسرے کونے پر اسٹیج پر بیٹھی اس سرخ لباس والی لڑکی پر تھیں، جو یہاں سے روشنیوں اور فاصلے کے باعث محض ایک خوبصورت سرخ نکتہ لگ رہی تھی۔

مراد دائیں جانب کھڑے ولی کی جانب بڑھا جبکہ رئیس نے اپنی اندرونی اذیت کے طوفان کو ایک سرد، بے تاثر چہرے کے پیچھے چھپایا اور اس سرخ نکتے کی جانب قدم بڑھا دیئے۔

چال ویسی ہی بادشاہوں جیسی تھی، ہر قدم میں ایک ناقابلِ تسخیر طاقت اور رعب مگر آج اس کا دل سینے میں نہیں، قدموں تلے دفن ہو گیا تھا۔ ہر قدم اپنی ہی قبر پر رکھا جا رہا تھا۔

اسے اپنی جانب آتے دیکھ کر فجر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی ہیزل آنکھوں میں پہلے شدید حیرانی کی لہر اٹھی، پھر تشکر کے آنسوؤں کی نمی چمکی اور پھر اس مان کا ایک گہرا سمندر امڈ آیا جو صرف اسے ہی زیب دیتا تھا۔ وہ جانتی تھی، اسے آنا ہی تھا۔

جیسے جیسے ان دونوں کے درمیان کا فاصلہ سمٹ رہا تھا، ویسے ویسے دنیا، ہال کا شور، لوگوں کی سرگوشیاں، سب کچھ محو ہوتا جا رہا تھا۔ پس منظر میں صرف ایک دھند رہ گئی تھی۔ اور پیش منظر میں صرف وہ تھی۔ دلہن بنی لڑکی!

وقت جیسے رک گیا۔ آوازیں کہیں دور خلا میں گم ہو گئیں۔ اب وہ اس کے بالکل سامنے کھڑا تھا۔ اسے دیکھ رہا تھا۔ سیاہ آنکھوں میں چھپی اذیت کی آگ اسے اس روپ میں دیکھ کر جیسے ایک لمحے کو بجھ گئی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے چپ چاپ کھڑے تھے۔

فجر کا سر فخر سے مزید اٹھ گیا۔ اس کا انتظار رائیگاں نہیں گیا تھا۔

رئیس نے اس کے اس روپ کو دیکھا جو ناقابلِ فراموش تھا۔ اس کے گلے کی گلٹی ابھری اور معدوم ہو گئی۔ آنکھوں میں ایک لمحے کو حسرت کی ایسی لہر آئی جسے اس نے فوراً ہی اپنی بے رحمانہ ضبط کی دیوار کے پیچھے قید کر لیا۔

"کیسی لگ رہی ہوں میں؟" وہ اپنا دوپٹہ نفاست سے ٹھیک کرتے ہوئے بولی۔ آواز میں ایک معصومانہ تجسس تھا۔ وہ چند لمحے اسے بس دیکھتا رہا۔ دل نے ایک بوجھل دھڑکن چھوڑی۔ اس نے منہ کھول کر ایک لمبی سانس لی اور پھر سینے پر دایاں ہاتھ رکھتے ہوئے سر کو اسکی جانب ہلکا سا خم دیا۔ لفظ نہیں تھے، صرف انداز تھا۔۔۔ اور اس کا انداز ہزار لفظوں پر بھاری تھا۔

وہ بے ساختہ نم آنکھوں سے ہنس دی۔ یعنی وہ پاس ہو گئی تھی۔

"بہت دیر کر دی آپ نے۔۔۔" اب ہولے سے شکوہ کیا۔ لہجے میں گلہ تھا، شکایت تھی، اور بے پناہ مان تھا۔ وہ کچھ نہ بولا، کچھ بول ہی نہیں سکتا تھا۔ زبان تالو سے جا چپکی تھی۔ اس کی خاموشی پر وہ پھر سے بولی۔

"چلیں۔۔۔" اپنا ہاتھ آگے کیا۔ ہال کے درمیان میں نکاح کے لیے ایک چھوٹی سی فلورل اسٹیج بنائی گئی تھی، جہاں درمیان میں سفید پھولوں کی ایک دیوار تھی اور دونوں جانب لمبے بینچ رکھے گئے تھے۔

فجر کا اشارہ سمجھتے ہوئے رئیس نے ایک اور گہری سانس لی، جو اس کے وجود میں اٹکے ہوئے درد کو باہر نکالنے کی ناکام کوشش تھی۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا اور اپنا بازو آگے کر دیا۔ وہ ایک قدم آگے بڑھی اور مضبوطی سے اس کے بازو کو تھام لیا۔

اب وہ ایک ساتھ کھڑے تھے۔ **رئیس اور نگزیب اور فجر معراج!**

کئی کیمروں کی فلیش لائٹس نے اس تاریخی منظر کو قید کر لیا۔

سامنے فلورل اسٹیج پر ولی کھڑا تھا۔ وہ انہیں اپنی جانب آتے دیکھ رہا تھا اور پھر دھیرے سے ہنس دیا۔ اس کی کتھئی آنکھوں کے گوشے بھیگ گئے۔ وہ گردن اکڑائے، اپنے سربراہ کے ساتھ اس کی جانب آ رہی تھی۔

انتظار کرتا ہوا دلہا، اپنے سربراہ کے ساتھ آتی ہوئی دلہن! یہ منظر مکمل تھا۔

لوگ حیران تھے، ساکت تھے۔ تو اس کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ رئیس اور نگزیب کا! اور یہ انتظار رائیگاں نہیں گیا۔

ہواؤں نے منادی کرا دی۔۔۔

آج دیکھ لیں وہ سب لوگ جنہوں نے

فجر معراج کو رد کیا تھا،

جنہوں نے اسے اکیلا سمجھا تھا،

جس کے اپنوں نے اسے بوجھ مانا تھا،

جنہیں لگتا تھا اس کا کوئی نہیں تھا۔

آج وہ سب دیکھ لیں، اس کا سربراہ آ گیا تھا۔

اس کی آمد نے سب کے منہ بند کروا دیئے!

(سرخ اور سبز وادیوں کی طرف وہ میرے ساتھ چل رہی ہو گی۔۔۔وہ چل رہا تھا اور پہلو میں دل مچل رہا تھا۔)

وہ چلتے ہوئے آئے اور ولی کے سامنے آ کر رک گئے۔ اس کی نظریں رئیس سے ملیں۔ ان کتھئی آنکھوں میں اس کے لیے بے پناہ شکر گزاری تھی۔ پھر فجر کی آواز ابھری، اس نے ولی کو مخاطب کیا۔

"ان سے ملیے یہ میرے گارجین ہیں، رئیس اورنگزیب!"

ولی، جو خود پر ضبط کیے کھڑا تھا، سر ہلاتے ہوئے مسکرا دیا۔

پھر فجر نے رئیس کی جانب رخ کیا۔

"اور یہ ولیم جوزف عرف ولی اورنگزیب ہیں۔ وہ شخص جس سے میں دنیا میں سب سے زیادہ محبت کرتی ہوں۔ کیا میرا انتخاب صحیح ہے؟" وہ اس سے جاننا چاہتی تھی۔

چند لمحے کی خاموشی چھائی رہی پھر اس نے ولی کو دیکھتے ہوئے صرف اپنی گردن کو جنبش دی۔ انتخاب اگر غلط ہوتا تو وہ یہاں ہرگز نہ آتا۔

"میرے خیال سے نکاح شروع کرتے ہیں۔پہلے ہی بہت دیر ہو چکی ہے۔" مراد کی آواز پر وہ چونکے۔ولی پلٹا اور دوسری جانب جا کر بیٹھ گیا جبکہ رئیس اور فجر ایک جانب بیٹھ گئے۔

وہ خوش تھی۔بے تحاشا خوش!صفدر کی فیملی تھی، فلک تھی، مراد تھا اور سب سے بڑھ کر، وہ شخص اس کے ساتھ تھا جس کی موجودگی ہر کمی کو پورا کر گئی تھی۔

اس نے ذرا سا رخ موڑ کر اپنے دائیں جانب بیٹھے رئیس کو دیکھا۔سالوں پہلے بس اسٹاپ کا وہ منظر ایک بار پھر تازہ ہو گیا۔وہ تب بھی اس کے ساتھ تھا، اور وہ آج بھی اس کے ساتھ تھا۔دیکھتے ہی دیکھتے اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔یہ سب خواب لگ رہا تھا۔ایسا خواب جو بس دیکھا جا سکتا تھا مگر اس کی لگن نے اسے حقیقت بنا دیا تھا۔

رئیس نے اس کی جانب رخ موڑا۔اس کی ہیزل آنکھوں سے خوشی کے آنسو چمک رہے تھے۔ان آنسوؤں کا عکس جب اس کی سیاہ آنکھوں میں پڑا تو وہاں بھی نمی ابھر آئی۔

وہ اپنی جیت پر رو رہی تھی، اور وہ اپنی ہار پر رو رہا تھا۔

نکاح خواں نے کارروائی شروع کی۔جب انہوں نے فجر کے سرپرست کی اجازت طلب کی تو ہال میں ایک بار پھر مکمل خاموشی چھا گئی۔نہ اسکا باپ تھا، نہ بھائی، نہ دادا!اس کا سرپرست آج رئیس اورنگزیب تھا۔وہ چند لمحے ساکت رہا، دل دھڑکا اور پھر اس نے ضبط کرتے ہوئے دل کو دفنا دیا۔اجازت دے دی گئی۔اور پھر نکاح نامہ آگے بڑھایا گیا۔گارجین کے طور پر دستخط کرنے کے لیے۔قلم اس کے ہاتھ میں دیا گیا۔اس کے ہاتھ لرز اٹھے تھے۔انگلیاں سفید پڑ گئیں۔قلم کا وزن جیسے منوں بھاری تھا۔ہر کوئی دیکھ رہا تھا کہ وہ ایک لمحے کو رکا۔پھر اس نے اپنی ساری قوت مجتمع کی اور اس کاغذ پر دستخط کر دیئے جہاں اس کی محبت کا ڈیتھ وارنٹ لکھا تھا۔

پھر سب سن ہو گیا۔ وہ سن بیٹھا تھا۔ کچھ بھی سنائی نہیں دیا۔ وہ سب دیکھ رہا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو قبول کر رہے تھے۔ مگر وہ سن تھا۔ بہت مشکل تھا مگر اس نے کر لیا تھا۔

ہواؤں نے پھر سے شور مچا دیا۔

کوئی کھڑا رہنا سیکھے تو **رئیس اور نگزیب** سے سیکھے۔

کوئی حکومت کرنا سیکھے تو **رئیس اور نگزیب** سے سیکھے۔

کوئی محبت کرنا سیکھے تو **رئیس اور نگزیب** سے سیکھے۔

فجر کی طرف سے شرعی گواہ صفدر تھا اور ولی کی طرف سے مراد! نکاح ہو چکا تھا۔

قاضی صاحب کی دعا کے لیے اٹھے ہاتھوں کے ساتھ جب سب نے **"آمین"** کہا تو جیسے ایک عہد ہمیشہ کے لیے مکمل ہو گیا۔ سب سے پہلے ولی اپنی جگہ سے اٹھا۔ اس کے قدم فجر کی جانب نہیں بلکہ اس کے ساتھ بیٹھے اس شخص کی طرف اٹھے جو آج اس کی خوشی کا سب سے بڑا ضامن بنا تھا۔ جو دعا کے بعد ہاتھ نیچے کرتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

ولی بے ساختہ اس سے لپٹ گیا۔ اس کے مضبوط بازوؤں نے رئیس کے گرد ایک شکر گزار حصار قائم کر لیا۔

"تھینک یو بگ بی! تھینک یو!" اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ وہ کہیں نہ کہیں جانتا تھا کہ یہ صرف ایک شرکت نہیں تھی، یہ ایک قربانی تھی۔

جانے کتنی دیر وہ یونہی کھڑا رہا۔ رئیس کے ہاتھ بے جان سے پہلو میں گرے رہے، جیسے ان میں کوئی سکت ہی نہ بچی ہو۔ پھر۔۔۔ جب وہ الگ نہ ہوا تو اس نے دھیرے دھیرے اپنے بازوؤں کو اٹھتے دیکھا، جیسے وہ اس کے اپنے نہ ہوں، اور پھر اس نے وہ بازو ولی کے گرد پھیلا دیئے۔ اس نے پوری قوت سے اسے خود میں بھینچ لیا۔ یہ ایک ماموں کا بھانجے کو دیا گیا پیار تھا، ایک بادشاہ کا اپنی سب سے قیمتی شے سونپنے کا اقرار تھا۔ اصول اپنی جگہ، محبت اپنی جگہ! وہ اسے عزیز تھا۔ وہ رئیس کامان تھا جس نے خاموشی سے سب سہہ کر اسکا مان اور بڑھا دیا تھا۔

قریب بیٹھی فجر روئے جا رہی تھی۔ فلک اسے چپ کروانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی مگر یہ خوشی اور دکھ کا ملا جلا سیلاب تھا جو رکنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں الگ ہوئے۔ دونوں نے ایک ساتھ فجر کو دیکھا۔ پھر ولی اس کی جانب بڑھا۔ اس پل بھی، جب نکاح کی خوشیاں منائی جا رہی تھیں، جب دو دل ہمیشہ کے لیے مل چکے تھے۔۔۔ وہ الٹے قدموں پیچھے ہٹا۔

وہ اب فجر کے ہاتھ تھامے کھڑا تھا۔ وہ رو رہی تھی۔ ایک دکھ اماں کے نہ آنے کا تھا، ایک خوشی اس نئی زندگی کی تھی۔ وہ اسے بچوں کی طرح پچکارتے ہوئے چپ کروا رہا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ تھام کر باری باری لبوں سے لگائے لیکن وہ جذباتی ہو چکی تھی پھر اس نے اسکا ہاتھ چھوڑ کر دوسرا اوپر اٹھاتے، اس کے سر سے گزار کر اسے دھیرے سے گھمایا۔ اس بار وہ روتے روتے ہنس دی۔

رئیس اسے صدیوں بیٹھ کر دیکھ سکتا تھا مگر جب اس تصویر کے فریم میں ولی آجاتا تو وہ بے اختیار نظریں ہٹا لیتا۔

الٹے قدموں دور جاتے شخص نے یہ منظر دیکھا۔ یہ وہ منظر تھا جسے دیکھنے کی اس میں تاب نہیں تھی۔ وہ ایک جھٹکے سے پلٹا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہال سے باہر نکل گیا۔ اسے یوں اچانک باہر نکلتے دیکھ کر مراد فوراً اس کے پیچھے لپکا۔

جیسے ہی مراد ہال سے باہر لان میں آیا، اس کی نظر چند قدم کے فاصلے پر گھاس پر پڑے رئیس کے سیاہ کوٹ پر پڑی۔ بادشاہ نے اپنی خلعت اتار پھینکی تھی۔ مراد نے جھک کر اسے اٹھایا۔ وہ اسے کہیں نظر نہیں آیا۔ پھر اس کی نظر دائیں جانب پڑی، وہاں اس کی قیمتی گھڑی پڑی تھی، جس کی سوئیاں اب بھی چل رہی تھیں مگر شاید مالک کا وقت وہیں رک گیا تھا۔ وہ آگے بڑھا اور گھڑی اٹھائی۔ کچھ فاصلے پر اس کے مہنگے چمڑے کے شوز پڑے تھے۔۔۔ اور پھر اس نے نظر اٹھائی۔

سامنے کچھ فاصلے پر، فارم ہاؤس کے نیلگوں سوئمنگ پول کے کنارے وہ کھڑا تھا۔ اس سے پہلے کہ مراد اسے پکارتا، اس نے خود کو پانی میں گرا دیا۔ وہ اندر کودا نہیں تھا، وہ بس گر گیا تھا، جیسے اندر جلتی آگ کو ٹھنڈے پانی سے بجھانے کی یہ آخری کوشش ہو۔

وہ اب اس کا سارا سامان تھامے سوئمنگ پول کے کنارے پر آ کھڑا ہوا۔ رئیس کا وجود پانی کی بے رحم سطح پر ساکت تیر رہا تھا۔ جانے کتنی دیر گزر گئی۔ باہر کی خاموشی بھیانک تھی۔

"بس کرو رئیس! بیمار پڑ جاؤ گے۔" بالآخر مراد کی آواز ابھری۔

اس کی آواز پر پانی میں حرکت ہوئی اور وہ سیدھا ہوا۔ اس کے بال اور کپڑے پانی سے شرابور تھے۔ وہ دھیرے دھیرے چلتا ہوا کنارے تک آیا اور پھر باہر نکل کر وہیں کنارے پر بیٹھ گیا۔ مراد نے ایک گہری سانس لی۔ اس نے رئیس کے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا، لائٹر اور سگار نکالا۔ سگار نکال کر اسے جلایا اور رئیس کے سامنے کر دیا۔ رئیس نے بنا کچھ کہے، بنا اسے دیکھے، وہ سلگتا ہوا سگار اپنے لبوں میں دبا لیا۔

سگار کا دھواں اب مرغولوں کی صورت رات کی سیاہی میں تحلیل ہونے لگا۔

"تم نے ٹھیک کیا رئیس! تمہیں یہی زیب دیتا ہے۔" مراد اب اس کے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔

"لیکن میں نے ایک بے ایمانی کر دی، مراد!" وہ اب سگار کا ایک گہرا کش لیتے ہوئے بولا۔ اس کی آواز پانی اور اذیت میں بھیگ کر اور بھاری ہو گئی تھی۔ مراد نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"جب میں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تھے، تو پتا ہے کیا مانگا؟" اس کی نظریں پول کے پانی میں تیرتے اپنے لرزتے ہوئے عکس پر جمی تھیں۔

"کیا مانگا؟"

"میں نے سنا ہے اس جہان جیسے اور بہت سے جہان ہیں۔ اس دنیا جیسی اور دنیائیں ہیں۔" وہ سانس لینے کو رکا۔ سینہ بھاری ہو رہا تھا۔ "میں نے مانگا کہ وہ چہرہ۔۔۔ وہ چہرہ کسی اور دنیا میں مجھے چن لے! بس ایک بار۔۔۔ بس ایک بار۔۔۔۔"

مراد نے گہری سانس لی۔

"اس جہان میں، میں اسے سب سے پہلے ملوں۔"

وہ کسی بادشاہ کی طرح نہیں، ایک عام، ٹوٹے ہوئے انسان کی طرح کہہ رہا تھا۔

"کیا کسی جہان میں یہ ممکن ہے؟ کسی میں تو ہو گا نا؟" اس نے پہلی بار رخ موڑ کر مراد کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں سوال نہیں تھا، ایک بچے جیسی امید تھی، ایک بھکاری کی التجا تھی۔

"پھر مجھے خیال آیا۔۔۔سنا ہے اس جہان کے بچھڑے کسی جہان میں نہیں ملتے۔ پھر میرا دل مر گیا مراد! پھر میرے ہاتھ گر گئے۔ میری دعا اُدھوری رہ گئی۔ میں آمین نہیں کہہ پایا۔" وہ ہولے ہولے بڑبڑا رہا تھا، جیسے خود سے باتیں کر رہا ہو۔

اندر ہال میں ایک الگ سماں تھا۔ قہقہے تھے، مبارکبادیں تھیں اور ایک نئی زندگی کے آغاز کا جشن تھا۔ اور یہاں باہر، ایک بادشاہ اپنی پوری سلطنت ہار کر، ایک ایسی دعا مانگ رہا تھا جس کی قبولیت کا اسے خود بھی یقین نہیں تھا۔

✿••✿••✿••✿

ہال میں قہقہوں، فلیش لائٹس اور دعاؤں کا شور تھا۔ دلہا دلہن ایک دوسرے کے قریب آ کر رُک گئے ہیں۔ شاید کوئی تصویر لی جا رہی تھی مگر ان دونوں کی نظریں کیمرے میں نہیں، ایک دوسرے میں گم تھیں۔

فلک نے ان دونوں کو دیکھا اور پھر وہ ان کے سامنے آ رکی۔ اس تقریب کو تھوڑا سا تو دلچسپ بنایا جائے۔

"فوٹو شوٹ بعد میں ہو جائے گا پہلے ادھر دیکھیں۔" اس نے دونوں کی توجہ مبذول کی۔

"لوگ جاننا چاہتے ہیں تم دونوں ایک دوسرے کے لیے کیا ہو؟"

فجر نے مسکرا کر ولی کی طرف دیکھا۔ آنکھوں میں نمی تھی، مگر لہجے میں مکمل سکون۔ پھر وہ گہری سانس لیتے بولی۔

"یہ۔۔۔؟ یہ میرے لیے گھر ہے۔ ایسا گھر جس کے دروازے پر کبھی تالا نہیں لگتا۔ جس کی کھڑکیوں سے روشنی اندر آتی ہے اور جہاں رات کے اندھیرے میں بھی خوف نہیں ہوتا۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں میں واپس آتی ہوں۔۔۔چاہے کتنی بھی دور نکل جاؤں۔" اس نے بنا کسی ہچکچاہٹ کے کہا۔

ہال میں لوگ چپ ہو گئے۔ ولی کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔ اس نے فجر کی طرف ذرا سا جھک کر جواب دیا، مگر آواز اتنی تھی کہ سب سن سکیں۔

"اور یہ۔۔۔ یہ میری پناہ ہے۔ میرا سکون۔ میں نے ساری عمر شہر بدلتے گزاری، کبھی لوگوں کے بیچ، تو کبھی لوگوں سے دور بھاگتے، مگر اپنا ہونے کا احساس صرف یہاں ملا، یہ جہاں ہوتی ہے وہ وطن، وطن لگنے لگتا ہے۔"

کچھ سوال مزید ہوئے۔ انہیں فوٹوز کے لیے وہیں روکا گیا۔ وہ دونوں اب بھی ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے، جیسے یہ ہال، یہ لوگ، سب دھند میں ہوں اور سامنے صرف وہی۔

"جب تم ایڈنبرا میں تھے تو میرے لیے کیا کرتے تھے؟" فجر نے اسے دیکھتے ہوئے آہستہ سے پوچھا۔ وہ بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا پھر مسکرایا۔

"تمھارے لیے صدقے کیے جاتے تھے

دعائیں کروائی جاتی تھیں

دیگیں چڑھائی جاتی تھیں

چاند کو دیکھا جاتا تھا۔۔

اور ہر بار اللہ سے کہا جاتا تھا

وہ میری محبت ہے

مجھے لوٹا دیں!"

وہ اتنی خوبصورتی سے کہہ رہا تھا کہ وہ ساکت رہ گئی۔

"تمھارے نام کے عوض نیندیں بیچی گئیں،

تمھاری یاد کے بدلے خواب وارے گئے۔

تمھارے نام کی حرمت میں ہر ساعت جلتی رہی،

تمھاری چاہ کے بدلے ذات گروی رکھی گئی۔۔۔اور،

تمہاری محبت کی ایک جھلک کے لیے بے شمار درد خریدے گئے۔"

وہ گھنٹوں سن سکتی تھی اور وہ گھنٹوں تعریف کر سکتا تھا۔

"میرے سجدوں کی سب سے گہری خواہش تم تھیں،

میرے صبر کی آخری حد تمہارا نام تھا۔"

کسی نے کیمرے کا فلیش چلایا، اور اس پل کی تصویر ہمیشہ کے لیے قید ہو گئی۔

ایک لڑکی جو اپنے گھر کو تھامے کھڑی تھی،

اور ایک مرد جو اپنی پوری دنیا کو اپنے پہلو میں لیے کھڑا تھا۔

✿••✿••✿••✿

رات کی ٹھنڈی ہوا فارم ہاؤس کی پرانی راہداریوں میں سنسناتی پھر رہی تھی۔

اینٹوں سے بنے لمبے، اداس کوریڈور میں زرد روشنی کے بلب جھول رہے تھے اور چھت سے جھڑتے جالوں کو ہلکے ہلکے تھپتھپا رہے تھے۔

اسی سنّاٹے میں، سیڑھیوں کے آخری موڑ پر ایک سایہ ٹھہرا ہوا تھا۔

وہ دھیرے سے محراب دار کھڑکی کے پاس جا کر رکی۔ باہر فارم ہاؤس کی روشنیاں اب بھی جل رہی تھیں۔۔۔ اندر آتشیں فانوس اور کیمروں کے فلیشز ابھی تک جھلملا رہے تھے۔

اس نے ایک بے آواز ہنسی ہونٹوں پر آنے دی۔

وہ جانتی تھی، بادشاہ ٹوٹ گیا تھا!

اس نے اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے کھڑکی کا خنک شیشہ چھوا۔

"زخم کی ٹھنڈک محسوس ہو رہی ہے نا۔۔؟" وہ خود سے سرگوشی کرتے ہوئے ذرا سا جھکی اور نیچے لان کے ایک کونے کو گھورنے لگی، جس طرف رئیس ابھی کچھ لمحات پہلے گرا تھا۔

اس کے لب ہولے سے کپکپائے۔

"تمہیں فجر کے لیے آنا تھا، بادشاہ۔۔۔ اور یہی تمہاری سب سے بڑی شکست تھی!"

ہوا کی ایک سرد لہر اس کے کھلے بالوں سے گزری۔

"مگر مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی کہ تم محبت پہ حکومت چن لوگے۔" اس نے گہری سانس لی۔

"خیر! میرے پاس تمہیں تباہ کرنے کے ہزار راستے ہیں۔" اسکا ریشمی لباس سرسرا اٹھا۔ چند لمحوں کی خاموشی۔

اس کی نگاہ پھولوں کے اس راستے پر پڑی جس پر سے فجر، رئیس کے بازو کو تھام کر گزری تھی۔

"مگر یہ پیادہ میرا کھیل خراب کر رہا ہے۔"

اس نے آنکھیں نیم وا کیں، جیسے اس راستے پر اپنے ذہن میں سے خونی سیاہی انڈیل رہی ہو۔

ایک ہلکی سی خنجر جیسی مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیل گئی۔

"ولی اورنگزیب۔۔۔" اس نے بہت آہستگی سے، تقریباً محبت بھرے لہجے میں اس کا نام لیا۔۔۔ اور پھر وہ لہجہ یک دم سرد پڑ گیا۔

"تم نے میری بات نہ مانی۔۔۔ فجر کو چُن لیا۔۔۔ تم نے میری بازی کو بگاڑ دیا۔"

وہ پیچھے ہٹی، سیدھی کھڑی ہوئی اور گردن ذرا سا خم کر کے اپنے نچلے ہونٹ کو دانتوں میں لے لیا۔ جیسے غصے کے گھونٹ کو نمکین مسکراہٹ کے ساتھ نگل رہی ہو۔

اس نے کمرے کی حدت بھری ہوا کا شکار بننے کے بجائے اپنی نگاہ دوبارہ روشنیوں کی سمت جما دی۔

نیچے لان میں بکھرا ہوا ہر پھول، ہر چراغ، ہر قہقہہ۔۔۔

سب اسے یقین دلا رہے تھے کہ بادشاہ ہار چکا ہے۔

اور اس ہار کی سب سے بڑی چشم دید گواہ وہ تھی۔۔۔ منار!

"تم سب مرو گے۔۔۔" وہ آہستہ سے بولی۔

جیسے خود کو کسی گہرے سحر میں لے جا رہی ہو۔

آواز میں کوئی جوش نہیں تھا،

کوئی دشمنی کی چیخ نہیں،

صرف ایک نہایت پُر سکون یقین۔۔۔

ایک مکڑی کے جال کی طرح ٹھنڈا اور خاموش یقین!

وہ پلٹنے ہی لگی تھی کہ پھر رُک گئی۔

اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر آنکھیں بند کیں اور ایک اور سرگوشی کی۔

"اگلی چال میرے نام کی ہو گی جوزف کی اولاد! تم اپنا خسارہ تب سمجھو گے جب سب کچھ ہاتھ میں ہونے کے باوجود مٹھی خالی نکلے گی!"

پھر وہ مکمل پر سکون انداز میں چلتی ہوئی تاریک راہداری کی جانب بڑھ گئی۔

اس کے پیروں کی آہستہ آہستہ پڑتی چاپ ایسے گونج رہی تھی جیسے کسی قدیم حویلی میں کوئی پرانی روح قدم بہ قدم اپنی حکمرانی کا آغاز کر رہی ہو۔

دور کہیں کوئی دروازہ ہلکا سا چرچرا کر بند ہوا۔۔ شکاری مکڑی نے ایک اور ڈور کھینچ دی تھی۔

✿••✿••✿••✿

یہ چند دن بعد کا منظر ہے۔ رئیس ہیڈ آفس کی فضا میں ایک مانوسیت سی گھل گئی تھی۔ فلک اب اس ماحول کا حصہ بن رہی تھی۔ ڈیزائنر روم، جو شیشے کی شفاف دیواروں سے بنا تھا، اس کا نیا تخلیقی گوشہ تھا۔ یہاں دیواروں پر لگے سفید

بورڈز پر اس پروجیکٹ کے کرداروں کے نام، ان کی خصوصیات اور ان سے جڑے زیورات کے خاکے پنوں سے لگے تھے۔ کمرے میں پھیلی کافی کی مہک اور دھیمی روشنی، سوچنے اور لکھنے کے لیے بہترین تھی۔

وہ آج گہرے خاکی رنگ کا گرم سوٹ پہنے ہوئے تھی جس پر اس نے ایک لمبا، سیاہ کوٹ ڈال رکھا تھا۔ پاؤں میں گرم جوتے اور گلے میں لپٹا اسکارف اسے سردی سے بچا رہا تھا۔ جب وہ گہرائی سے سوچتی تو بے دھیانی میں اپنے قلم کا سرا ہونٹوں سے لگا لیتی۔ اس کی ناک میں چمکتی وہ ننھی سی نوز پن، جو بس نہایت قریب آنے پر ہی نظر آتی تھی، کمرے کی نیم گرم روشنی میں جب کبھی جھلملاتی تو اس کے سنجیدہ چہرے پر ایک نرم سا تاثر چھوڑ جاتی۔

وہ حماد کے ساتھ اپنی کہانی کے مرکزی کرداروں پر بات کر رہی تھی۔

حماد اس کی بات پوری توجہ سے سن رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں فلک کے لیے عزت اور اس کے کام کے لیے ستائش تھی۔ وہ اس کے لفظوں کو ذہن میں بٹھا کر خاکوں کو حتمی شکل دے رہا تھا۔ جب وہ کافی کچھ طے کر چکے تو فلک نے اپنی ڈائری بند کی اور جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

تبھی اس کی نظر شیشے کی دیوار سے باہر، وسیع و عریض ہال پر پڑی۔

وہاں سے رئیس آ رہا تھا۔

آج وہ بالکل مختلف حلیے میں تھا۔ تھری پیس سوٹ کی جگہ اس نے ہلکی نیلی ڈینم پینٹ پر ایک مہنگے کریم رنگ کی اونچی گردن والی شرٹ (ٹرٹل نیک) پہن رکھی تھی۔ اس کے بال معمول سے کچھ زیادہ بکھرے ہوئے تھے، جیسے کسی طویل میٹنگ سے اٹھ کر آیا ہو۔ اس کے ساتھ پوری ٹیم تھی۔ ڈیزائنرز، مارکیٹنگ ہیڈز، اور پروڈکشن مینیجرز! وہ چلتے چلتے کسی نقشے پر انگلی رکھ کر پرجوش انداز میں کچھ سمجھا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر وہ پیشہ ورانہ سختی نہیں تھی جو

پچھلی بار دفتر میں تھی بلکہ ایک تخلیق کار کا جنون اور اعتماد تھا۔ وہ کسی میٹنگ سے نکلے تھے یا شاید کسی نئے پروجیکٹ کی سائٹ کی طرف جا رہے تھے۔

اسے اور اس کی سلطنت کو اس طرح متحرک دیکھ کر فلک کے ذہن میں بے اختیار ایک سوال ابھرا۔ وہ حماد کی طرف مڑی، جو اب بھی خاکوں کو ترتیب دے رہا تھا۔

"ویسے اس کلیکشن کا بجٹ کیا ہے؟"

اس کی بات پر حماد نے سر اٹھایا۔ پہلے اس کے چہرے پر ایک لمحے کی حیرانی ابھری، جیسے یہ سوال اس ماحول میں اجنبی ہو، پھر وہ ہولے سے مسکرا دیا۔ اس کی مسکراہٹ میں فخر کا عنصر تھا۔

"یہاں بجٹ یا پیسہ ڈسکس نہیں کیا جاتا، مس فلک! رئیس کے لیے یہ معنی نہیں رکھتا۔ رئیس گروپ بجٹ اور قیمتوں سے بہت اوپر اٹھ آیا ہے۔"

اس نے جواب تو سن لیا مگر اس کی نظریں ابھی بھی باہر ہی جمی تھیں۔ وہ اپنے گروہ کے ساتھ اب بالکل ان کے شیشے کے کمرے کے قریب سے گزر رہا تھا۔ اس کی پر اعتماد آواز کی ہلکی سی گونج شیشے کے پار سے محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے ایک لمحے کے لیے بھی اس کمرے کی طرف نہیں دیکھا، اس کی دنیا اس کے کام میں گم تھی۔ وہ اپنے لوگوں کے ساتھ چلتا ہوا دائیں جانب راہداری میں مڑ گیا اور نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

فلک نے ایک گہری سانس لے کر خود کو سنبھالا۔

حماد کی بات اور رئیس کا یہ انداز۔۔۔ یہاں آکر اسے آہستہ آہستہ سمجھ آرہا تھا کہ اس کے برانڈ کا لوگو 'تاج' کیوں تھا۔ وہ صرف ایک بزنس مین نہیں تھا، وہ واقعی اپنی دنیا کا بادشاہ تھا۔ جس کے لیے وسائل کی کوئی حد نہیں تھی، جس کے لیے صرف ایک ہی چیز اہم تھی۔ تخلیق کا بہترین معیار! وہ قیمت نہیں لگاتا تھا، وہ قدر پیدا کرتا تھا۔

اس احساس نے اس کے دل میں مزید ایک عجیب سی لہر پیدا کی۔ یہ شخص اپنی ذاتی زندگی میں کتنا ہی ہارا کیوں نہ ہو، اپنی پیشہ ورانہ دنیا میں وہ ناقابلِ تسخیر تھا۔

✿••✿••✿••✿

وہ اس وقت اپنی کمر کی سیدھ سے کرسی کی پشت سے لگا، میز پر رکھی فائل کو خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ سیاہ رنگ کی فولڈنگ وال میں ٹکی بڑی سی گھڑی کی سوئیاں یکساں رفتار سے آگے بڑھ رہی تھیں، مگر اس لمحے اسے ہر گزرتا سیکنڈ غیر معمولی محسوس ہو رہا تھا۔

کچھ دیر پہلے اس نے عروزہ کا نمبر ملانے کی کوشش کی تھی۔ ایک، دو۔۔۔ پھر تیسری بار۔۔۔ مگر دوسری طرف مکمل خاموشی تھی۔ موبائل کی اسکرین پر اُبھرنے والی صرف وہی ایک جملہ تھا کہ اس کا مطلوبہ نمبر بند جا رہا تھا۔ یہ جملہ اس کے دل میں کسی انجانے خدشے کی طرح ٹھہر گیا۔

پھر حیرت سے فون کو ذرا فاصلے پر رکھا، جیسے یہ کسی مذاق کا حصہ ہو۔۔۔ مگر نہیں، عروزہ کا نمبر بند ہونا مزاح کا حصہ نہیں تھا۔ ایسا اس نے ان درجن سے زائد سالوں میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔

کانفرنس ٹیبل پر رکھی فائلیں، سائٹ رپورٹس اور ڈیولپمنٹ پلانز اس کی نگاہ کے سامنے بکھرے تھے، مگر ذہن کہیں اور الجھ گیا تھا۔ اس نے فوراً انٹر کام کا بٹن دبایا۔

"عروزہ کہاں ہے؟"

فرنٹ ڈیسک کی آواز دوسری طرف سے آئی، جھجکتے ہوئے۔

"سر، میڈم آج آئیں نہیں۔۔۔انہوں نے کوئی اطلاع بھی نہیں دی۔۔"

چند ثانیوں کے لیے کمرے میں ایک دبا ہوا سکوت چھا گیا۔اس نے انٹر کام آف کیا، کرسی کی پشت سے کمر الگ کی اور فائلز سمیٹ کر ایک طرف رکھ دیں مگر اس خاموشی نے کمرے کی فضا کو مزید بھاری کر دیا تھا۔

دن بھر اس نے خود کو مصروف رکھنے کی کوشش کی۔ میٹنگز، اگلے فیز کی پلاننگ، بے شمار دستخط اور دوپہر تک جاری رہنے والی بریف اسٹورمنگ۔۔۔ مگر ہلکا سا خلا مسلسل اس کے وجود کے گرد لپٹا رہا۔

اور جب کبھی اسے کسی کارروائی کے دوران عروزہ کی رائے یا ہدایات کی ضرورت محسوس ہوتی، تو رکھے ہوئے چپ چاپ چیمبر پر نگاہ پڑتی۔۔۔ جیسے وہ احساس دلانے کے لیے خالی چھوڑا گیا ہو کہ آج عروزہ نہیں ہے۔

شام ڈھلتے ہی میثم نے زمہ داریاں سنبھال لیں۔وہ ہر رپورٹ رئیس کے سامنے لا کر رکھتا، ہر فائل سے متعلق مختصر مگر درست بریف دیتا۔وہ نروس تھا مگر کوشش کر رہا تھا کہ کمی محسوس نہ ہونے دے۔

رئیس نے اس کی سنجیدگی کو سراہا، مگر تمام باتوں کے بیچ ایک انجانا سا احساس رہ رہ کر ہلچل مچاتا تھا۔

"عروزہ کہاں تھی؟ آخر کیوں؟ اس نے اطلاع نہیں دی؟"

رات نے آہستہ آہستہ اپنے پر پھیلا دیئے۔ہیڈ آفس رات کے سناٹے میں بھی سانس لیتا محسوس ہو رہا تھا۔پوری عمارت میں مدھم روشنیوں کا جال بچھا تھا، جس میں کام کی تھکن اور زمہ داریوں کی خوشبو گھلی ہوئی تھی۔ تمام فلورز

پر پھیلے گلاس وال کمرے، راہداریوں میں جھلملاتی اسٹیل لائٹس اور مسلسل چلتے سسٹمز کی مدھم گُوں گُوں۔۔۔ ایسا لگتا تھا جیسے یہ سرزمین دن کے اختتام کے باوجود، اب بھی مکمل طور پر بیدار ہو۔

وہ اب ایک بار پھر اپنی میز پر موجود تھا۔ اپنے آفس میں۔ کوٹ کی آستین تھوڑی سی موڑی، میز پر رکھی گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ رات کے پونے دس بج رہے تھے۔

اچانک لفٹ کی ٹن کی آواز ہلکی سی بازگشت کے ساتھ ابھری۔

اس نے سر اٹھایا۔

چند لمحوں بعد لفٹ کا سلائیڈ ہوتا ہوا دروازہ کھلا اور میثم اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں چند فائلز تھیں اور پیشانی پر خاموشی اور الجھن کے آثار پھیلے ہوئے تھے۔

یہ پہلا موقع تھا جب وہ براہِ راست رئیس کے پرسنل آفس میں آیا تھا۔ دس سالوں میں پہلی بار۔

اس کے قدم موقر اور ہلکے تھے۔ وہ آہستگی سے آگے بڑھا اور میز کے قریب آکر احترام سے خاموشی اختیار کر گیا۔

رئیس نے سانس دبا کر سر اثبات میں ہلایا۔

میثم نے تازہ رپورٹس سامنے رکھیں اور مختصر طور پر سائٹس کی اپ ڈیٹ دینے لگا۔ اس کی آواز دھیمی تھی، مگر ہر لفظ نپا تلا۔ اس نے خاموشی سے سنا، سوالات کیے، اور ایک دو اہم فیصلوں پر مختصر نوٹس دیئے۔

سب کچھ بظاہر معمول کے مطابق تھا مگر کمرے میں کوئی انجانی سی بے چینی تھی۔

آخر میں میثم نے اجازت لینے کے لیے ہلکا سا سر جھکایا، فائلز سمیٹنے لگا اور آہستہ آہستہ پلٹ گیا۔ مگر جب وہ چند قدم چل چکا تو ٹھٹک کر رک گیا۔ جیسے کسی نے اس کے قدموں سے فرش کھینچ لیا ہو۔

رئیس کے ماتھے پر ایک ہلکی سی شکن پڑی۔ ”کچھ کہنا ہے؟“ وہ اس کی بے چینی پچھلے پندرہ منٹ سے محسوس کر رہا تھا۔

میثم نے لمحہ بھر خاموشی کے بعد گہری سانس لی۔ اپنی خشک ہوتی ہوئی زبان کو حلق میں گھمایا، پھر احتیاط سے بولا۔

”مجھے آپ سے کچھ ضروری بات کرنی ہے باس۔۔“

رئیس نے ابرو سوالیہ انداز میں اٹھادی۔ کرسی کی پشت سے وہ ذرا سا سیدھا ہوا، آنکھوں میں سرد تجسس۔

”بولو۔۔۔۔“

میثم نے ایک نظر جھکائی، جیسے لفظ چُنے جا رہے ہوں پھر کسی ہمت کو جمع کر کے دھیرے سے کہا۔

”یہ عروزہ سے متعلق ہے۔“

ایک لمحے کو فضا جیسے تھم گئی۔ اس کے الفاظ کمرے میں کسی دھیمی دستک کی طرح گونجے۔

رئیس کے ہونٹ ایک لمحے کو سخت ہوئے مگر اس نے فقط اثبات میں سر ہلایا۔

”کہو۔۔۔“

میثم نے گھبراہٹ کے باوجود بات مکمل کی،

”مجھے یہ کہنا تو نہیں چاہیے، مگر۔۔۔ میڈم عروزہ آج کل کچھ عجیب سا برتاؤ کر رہی ہیں۔ وہ پہلے جیسا کام نہیں کر رہیں۔ کئی سائٹس اُنہوں نے کئی دنوں تک وزٹ نہیں کیں اور کچھ جگہوں پر ورکنگ میں تاخیر ہوئی ہے۔ کئی جگہ

پر سیکیورٹی اپڈیٹس نہیں ہوئے۔ میں نہیں جانتا ایسا کیوں ہے، لیکن ان کی ذرا سی بے خبری بہت بڑا نقصان کروا سکتی ہے، باس۔۔۔۔" اس نے آخری جملہ دھیمی مگر پوری سچائی کے ساتھ کہا اور سر جھکا لیا۔

رئیس نے بہت آہستگی سے کرسی پر مدھم سا زاویہ بدلا۔ اس کے چہرے پر سطحی سا سکون تھا مگر آنکھوں میں ایک خاموش سا لوہا اتر آیا۔

وہ بہت دھیرے، نمکین سرد لہجے میں بولا۔

"تم جانتے ہو تم کیا کہہ رہے ہو اور کس کے بارے میں کہہ رہے ہو؟"

میثم بدستور سر جھکائے کھڑا رہا۔ اس کی آواز میں اس بار ہلکی سی لرزش شامل تھی،

"جی باس۔۔ جانتا ہوں۔ میں میڈم عروزہ کی وفاداری پر قطعاً شک نہیں کر رہا۔۔ مگر رئیس گروپ میرے لیے سب کچھ ہے۔ بس مجھے لگا شاید وہ اپنی طرف سے کسی پریشانی میں ہیں۔۔۔ لیکن۔۔۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے میثم کی بات درمیان میں کاٹ دی۔

آواز میں جذبات نہیں تھے۔ صرف ایک حتمی نقطہ۔

"تم جا سکتے ہو!"

میثم نے سر اثبات میں ہلایا، خاموشی سے مڑا اور اسی احترام کے ساتھ واپس لفٹ کی طرف چل پڑا۔ قدموں کی آواز دھیمی تھی مگر اس پر سکون کمرے میں صاف سنائی دیتی رہی، یہاں تک کہ لفٹ کا دروازہ بند ہوا اور خاموشی دوبارہ پورے آفس میں پھیل گئی۔

میثم کے جانے کے بعد اس نے گہری سانس لی۔ اس نے کمر سیدھی کر کے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا لی۔

کمرے کی دیواروں پر ہلکی زرد روشنی اب اِس خاموشی میں کسی گہری سوچ کی طرح ٹھہری ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

"عروزہ۔۔۔" اس نے آنکھیں بند کیے بغیر ذہن میں اس نام کو دہرا کر سوچا۔

وہ اس کی حالت کو سمجھتا تھا۔ جانتا تھا کہ اس کی زندگی میں بہت کچھ ٹوٹا تھا، اور وہ اپنی ذات کے کسی خالی گوشے سے نبرد آزما تھی۔ مگر۔۔۔ کام کے میدان میں عروزہ کبھی بھی غفلت نہیں برت سکتی۔

وہ ایسا شخص تھا جو جذبات اور پیشہ ورانہ شعور کے درمیان واضح لکیر کھینچتا تھا اور عروزہ ہمیشہ اس لکیر کے احترام میں کھڑی ہوئی تھی۔

تو پھر یہ سب کیا تھا؟

اس سوال نے اس کے وجود میں ہلکی سی جھرجھری سی دوڑا دی۔

اس نے ایک بار پھر میز پر رکھی اسکرین کی طرف دیکھا، جیسے کسی غیر مرئی جواب کی تلاش میں ہو۔

چند ثانیے یونہی بیت گئے۔

دفتر کی دیوار پر نصب گھڑی کی ٹک ٹک اب پہلے سے کہیں زیادہ واضح محسوس ہو رہی تھی۔

باہر دور کہیں شہر کے روشن بل بورڈز چمک رہے تھے جیسے یاد دلا رہے ہوں کہ یہ دنیا رکتی نہیں۔۔۔ حاکم ہو یا رعایا۔۔۔ چوٹ کھائی روح ہو یا مسکراتا چہرہ۔۔۔ کام جاری رہتا ہے۔

اس نے آہستہ سے اپنی کہنی میز پر ٹکائی، انگلیوں کی پوروں کو ماتھے پر رکھا اور پلکیں چند لمحے کے لیے موند لیں۔

اس کی نظروں کے سامنے عروزہ کا پر سکون چہرہ، اس کی مضبوط آواز اور مستقل مزاجی ایک کے بعد ایک آکر رکتی رہی۔

وہ بے طرح الجھ گیا تھا۔

خاموشی اب پہلے سے زیادہ گہری تھی۔

✿••✿••✿••✿

رات کا سناٹا پورے گھر پر ایک گہری چادر کی طرح پھیل چکا تھا۔ باہر، سڑک کنارے کھڑے درختوں سے گزرتی سرد ہوا کی سرگوشیاں ایسی تھیں، جیسے وقت نے اپنے قدموں کی چاپ دھیمی کر دی ہو۔ فیروز جمال کا گھر، جو ہمیشہ ایک منظم اور پیشہ ورانہ خاموشی میں ڈوبا رہتا تھا، آج کچھ زیادہ ہی ساکت اور بوجھل محسوس ہو رہا تھا۔ لاؤنج کے گوشے میں موجود آف وائٹ صوفہ اور سامنے رکھی شیشم کی میز اپنی جگہ ویسے ہی بے جان کھڑے تھے، مگر ان کے درمیان کی فضا کسی ان کہے سوال کے ناقابلِ برداشت بوجھ سے بھاری تھی۔

وہاں صوفے کے ایک کونے میں عروزہ بیٹھی تھی۔ اونچی، دراز قامت، گھنے سیاہ بال جو اس کی گردن سے نیچے ڈھلک رہے تھے، مگر آج وہ رئیس گروپ کے میگزین پر نظر آنے والی پر اعتماد سیکیورٹی ہیڈ نہیں لگ رہی تھی۔ وہ ایک عام سی لڑکی تھی، جس نے کسی پرانی، بوسیدہ لان کی شال کی طرح اپنے گرد خاموشی لپیٹ رکھی تھی۔

نیم تاریک لاؤنج میں لیمپ کی مدھم، زرد روشنی اس کے چہرے کے ایک حصے کو منور کر رہی تھی۔ ہاتھ میں پکڑا چائے کا کپ اس کی انگلیوں کی گرفت میں مقید تھا، مگر چائے سے اٹھتے بھاپ کے مرغولے بھی جیسے اسے یہ

احساس دلانے سے قاصر تھے کہ وہ اس لمحے، اس کمرے میں موجود ہے۔ اس کی بھوری رنگت ہمیشہ کی طرح شفاف اور روشن تھی مگر اس روشنی میں آج کوئی گہری، خاموش تھکن پیوست تھی۔

دوسرے صوفے پر مسٹر فیروز جمال بیٹھے تھے۔ سر کے بالوں میں چاندی کی لکیریں اب واضح ہو چکی تھیں مگر چہرے پر وہی رعب دار تاثر تھا جو ایک منجھے ہوئے بینکر کا خاصا ہوتا ہے۔ ان کی آنکھوں میں وقت کی تھکن بھی تھی اور ایک باپ کی خاموش، گہری پریشانی بھی۔

کافی دیر تک وہ عروزہ کو ٹکٹکی باندھے دیکھتے رہے۔ جب خاموشی ناقابلِ برداشت ہونے لگی تو ان کے لب ہلے۔

"تم کیا کرنے جا رہی ہو عروزہ؟" ان کی آواز دھیمی تھی مگر لہجے میں ایک واضح بے چینی اور ایک انجانا خوف چھپا ہوا تھا۔

لیکن عروزہ وہاں نہیں تھی۔ نہیں۔۔۔ وہ اس وقت بالکل وہاں نہیں تھی! جسمانی طور پر وہ اس صوفے پر موجود تھی مگر اس کی روح ماضی کی ایک گہری، خاردار بھول بھلیّاں میں بھٹک رہی تھی۔ وہاں جہاں اس کی رگ رگ میں درد، بے بسی اور بچپن کی الٹ پلٹ یادیں دفن تھیں۔

یہ برسوں پہلے کی بات ہے۔ جب وہ صرف عروزہ تھی نہ کوئی سیکیورٹی ہیڈ، نہ ہائی ٹیک ٹیکنالوجسٹ۔ ایک عام سی کالج اسٹوڈنٹ، جس کے ہاتھوں میں لیپ ٹاپ اور ڈیجیٹل فائلز کے بجائے پینٹ برشز اور کینوس ہوا کرتے تھے۔

فیروز جمال تب ملک کے سب سے بڑے بینک کی مرکزی برانچ کے ڈائریکٹر تھے۔ ان کا نام قابلیت، دیانت اور اصول پرستی کی علامت تھا۔ عروزہ اکثر کالج کے بعد انہیں لینے بینک جاتی اور اپنے باپ کے لیے عملے کی آنکھوں میں عقیدت اور احترام دیکھ کر فخر سے بھر جاتی۔

مگر پھر ایک دن آسمان ٹوٹ پڑا۔

ایک ایسی صبح طلوع ہوئی جس کے سورج میں روشنی نہیں، رسوائی کی تپش تھی۔ شہر بھر کے نیوز چینلوں پر ایک ہی بریکنگ نیوز گردش کر رہی تھی۔

"معروف بینکر فیروز جمال دہشت گرد تنظیموں کی فنڈنگ کے الزام میں گرفتار!"

یہ الزام نہیں، ایک تہمت تھی۔ فیروز جمال ایک رئیل بینکر تھے، انتہائی قابل احترام۔ کچھ عرصہ پہلے کسی NGO کے اکاؤنٹ کی renewal approval ہوئی تھی۔ وہ فائل کسی نے فیروز جمال کے forged signatures لگا کر اپروو کر دی۔ کچھ ہفتوں بعد وہ این جی او دہشت گردی کی فنڈنگ میں ملوث نکلی۔

ساتھ ہی بینک کے کچھ ہائی پروفائل کلائنٹس کا کانفیڈنشل ڈیٹا لیک ہو گیا۔ ڈیجیٹل ٹرائل میں فیروز جمال کا آئی ڈی شو ہوا۔

میڈیا نے دونوں چیزیں ملا کر فیروز جمال دہشت گردوں کی فنڈنگ اور ان کے لیے ڈیٹا لیک کرنے میں ملوث بنا دیا گیا تھا۔

کسی نے دلیل پر توجہ نہیں دی، کسی نے ان کے تیس سالہ بے داغ کیریئر کو نہیں دیکھا۔ وہ دن لمحہ بہ لمحہ ایک بھیانک خواب میں بدلتا چلا گیا۔

عروزہ کو وہ منظر آج بھی یاد تھا۔ جب وہ کالج کے گیٹ سے باہر نکلی تو درجنوں کیمروں کی چکاچوند روشنیوں نے اس کا راستہ روک لیا۔ وہ سہمی ہوئی، خالی نگاہوں سے ان رپورٹرز کو دیکھ رہی تھی جو مائیک اس کے چہرے کے قریب لا

کر چیخ رہے تھے، اس کے باپ کے خلاف زہریلے سوالات برسا رہے تھے۔ اس دن پہلی بار اس نے دنیا کے اصل، سفاک اور بے رحم چہرے کو دیکھا تھا۔ مقدمہ چلا، اور ناکافی ثبوتوں کے باوجود ایک طاقتور لابی نے انہیں مجرم ٹھہرا دیا۔۔۔ فیروز جمال کو سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا گیا تھا۔

پھر۔۔۔ وہ شام آئی جس نے سب کچھ بدل دیا۔

جب پوری دنیا فیروز جمال کے خاندان سے منہ موڑ چکی تھی، اس وقت رئیس سامنے آیا تھا۔ کیونکہ جب اورنگزیب خاندان پر مشکل وقت آیا تھا۔ جب آفاق اورنگزیب کی موت ہوئی تھی تب فیروز جمال، اورنگزیب خاندان کی مدد کو کھڑے تھے۔

آفاق اورنگزیب اور فیروز جمال بچپن کے دوست تھے۔

یہ عروزہ کے گھر کا خاموش سا لاؤنج تھا۔ وہ صوفے کے کونے میں خوفزدہ اور ٹوٹی ہوئی بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھیں مسلسل دروازے پر جمی تھیں، جیسے وہاں سے کوئی معجزہ نمودار ہونے والا ہو۔

دروازہ کھلنے کی ہلکی سی آواز آئی اور اس نے اس بار رئیس کو دیکھا۔ سفید شرٹ، سادہ سیاہ پینٹ، آنکھوں میں بہت مگر چہرے پر چٹان جیسا ~~ایک لفظ کہے بغیر~~ آگے بڑھا، بغیر

سیدھا اس کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھ گیا۔

پہلے تو عروزہ نے نظریں نہیں اٹھائیں۔ آنسو اس کے گالوں پر خشک ہو چکے تھے۔

پھر وہ ایک ایسی نرمی بھرے لہجے میں بولا جو صرف مرہم رکھنے والے جانتے ہیں۔

"کیسی ہو۔۔۔ روزہ؟"

ایک پل کو عروزہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ آنکھوں میں حیرت اور الجھن تھی۔

"م۔۔ میرا نام عروزہ ہے۔" اس نے تصیح کی۔ البتہ نظریں اس کے چہرے پر تھیں۔ وہ رئیس کو جانتی تھی مگر اتنا انٹریکشن کبھی نہیں ہوا تھا۔ اس کے سامنے گھٹنوں کے بل جھکا مرد وجیہہ تھا۔

وہ ہلکا سا مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ میں تسلی تھی۔

"جانتا ہوں، لیکن تم پر **'روزہ'** سوٹ کرتا ہے۔ صبر اور ہمت کی علامت!"

وہ اس کے پاس بیٹھ گیا۔ اور بہت دھیرے سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ جیسے برسوں سے سسکتی، تنہا کھڑی اس لڑکی کی پشت پر کسی نے اختیار اور حفاظت کا سایہ رکھ دیا ہو۔

"اٹھو روزہ!" اس کی آواز میں ایک حکم اور ایک حوصلہ تھا۔

"یہ تمہارا کمزوری میں بیٹھنے کا وقت نہیں۔ تم اپنے بابا کا نام واپس لاؤ گی۔ اور میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

وہ الفاظ نہیں تھے، ایک منتر تھا۔۔۔ جس نے اس کی بجھتی ہوئی روح میں ہمت کی چنگاری روشن کر دی تھی۔ اسی دن پہلی بار عروزہ نے کسی کے اعتماد کو اپنی سب سے بڑی طاقت کے طور پر محسوس کیا تھا۔

وہ اکیلی تھی۔۔۔ ماں اس کی پیدائش کے چند سال بعد چل بسیں تھیں۔ مسٹر جمال نے اپنی پوری زندگی عروزہ کے نام کر دی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کا سب کچھ تھے اور آج وہ اکیلی رہ گئی۔۔۔ نہیں۔۔۔ آج سے وہ اکیلی نہیں تھی۔ رئیس اور نگزیب اس کے ساتھ تھا۔

اس واقعے کے بعد اس نے آرٹ اور رنگوں کی دنیا کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ دیا۔ رئیس کی رہنمائی میں اس نے ٹیکنالوجی کی تعلیم حاصل کی۔ اس نے سائبر سیکیورٹی، ڈیجیٹل فرانزکس، اور انفارمیشنل پروٹیکشن میں ایسی

مہارت حاصل کی کہ بڑے بڑے ماہرین دنگ رہ گئے۔ وہ دن رات ایک کر کے ڈیجیٹل قلعوں کو فتح کرنے لگی۔ اس کا مقصد صرف ایک تھا۔ **"اپنے باپ پر لگے جھوٹے الزام کے ڈیجیٹل فٹ پرنٹس کو کھوجنا۔"**

رئیس نے اسے تمام وسائل فراہم کیے۔ دنیا کے بہترین سسٹمز، قانونی ٹیم، اور ہر طرح کا تحفظ۔ عروزہ نے مہینوں تک انکرپٹڈ لیجرز کو ڈی کوڈ کیا، شیل کمپنیوں کے پیچیدہ جال کو بے نقاب کیا، اور آخر کار اس ڈیجیٹل راستے کو ڈھونڈ نکالا جو اصل مجرموں تک جاتا تھا۔ اس نے ناقابلِ تردید ڈیجیٹل ثبوت اکٹھے کیے، جس سے ثابت ہوا کہ فیروز جمال کو ایک حریف بینکنگ گروپ نے منظم سازش کے تحت پھنسایا تھا۔

انہی ثبوتوں کی بنیاد پر کیس دوبارہ کھولا گیا اور فیروز جمال باعزت بری ہوئے۔ اس دن کے بعد عروزہ، صرف عروزہ نہیں رہی۔ وہ رئیس اور نگزیب کا دایاں بازو بن گئی۔ اس کا ہتھیار، اس کی ڈھال۔ وہ خود کو کبھی ملازم نہیں سمجھتی تھی، وہ خود کو رئیس گروپ کا ایک اٹوٹ حصہ مانتی تھی۔ رئیس کے ساتھ اس کا رشتہ اتنا حقیقی اور مضبوط تھا کہ جتنا رئیس کا اپنی بہن زرتاش کے ساتھ بھی نہیں تھا۔ وقت گزرتا گیا اور وہ دونوں ایک ساتھ کھڑے رہے۔ ان میں جتنا پروفیشنلزم تھا اتنا ہی اپنا پن! وہ غصے میں رئیس کا ناک پھوڑ سکتی تھی۔ وہ اسے اپنے باپ کی دھمکیاں لگاتی تھی کیونکہ اسکا باپ، اس سے زیادہ رئیس کو اہمیت دیتا تھا۔

اور آج۔۔۔ آج، اپنی زندگی میں پہلی بار۔۔۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے سب کچھ اس کے ہاتھوں سے ریت کی طرح پھسل رہا ہو۔

"عروزہ۔۔۔"

مسٹر جمال کی آواز نے اسے ایک جھٹکے سے ماضی سے حال میں واپس لا پٹخا۔ وہ چونک کر پلکیں جھپکنے لگی۔ وہ اب اس کے چہرے کو ایک سخت مگر فکر مند نگاہ سے دیکھ رہے تھے۔

"مجھے سچ بتاؤ۔۔۔ تمہارے دماغ میں آخر چل کیا رہا ہے؟" ان کا لہجہ نرم ہونے کے باوجود خالی نہیں تھا۔ اس میں ایک جانا پہچانا خوف تھا۔ وہ جانتے تھے کہ اگر عروزہ نے دل میں کوئی فیصلہ کر لیا تو اسے دنیا کی کوئی طاقت بدل نہیں سکتی۔

چائے کا کپ عروزہ کے ہاتھ میں ہلکا سا لرزا۔ وہ ایک طویل، ٹھہری ہوئی سانس لے کر صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر سیدھی ہو بیٹھی۔ آہستگی سے پلکیں اٹھائیں اور سامنے بیٹھے اپنے باپ کی آنکھوں میں دیکھا۔

"میں۔۔۔ نہیں جانتی بابا۔۔۔" وہ بہت دھیمی آواز میں بولی، جیسے وہ خود اپنے اندر کی کشمکش سے ناواقف ہو۔

ایک لمحے کے لیے دونوں کے درمیان گہری خاموشی چھا گئی۔

مسٹر جمال نے اپنی انگلیاں آپس میں پیوست کیں اور پھر ایک اداس سی سختی کے ساتھ بولے۔

"تم۔۔۔ رئیس کو دھوکہ دینے کا تو نہیں سوچ رہیں؟"

یہ جملہ ایک آہنی ہتھوڑے کی طرح تھا۔ جیسے ہی یہ الفاظ فضا میں گونجے، عروزہ کے دل کی دیواروں پر زلزلہ سا برپا ہو گیا۔ وہ چند لمحوں تک ساکت رہی، جیسے اس سوال کے وزن نے اس کے پورے وجود کو منجمد کر دیا ہو۔

پھر بہت آہستگی سے اس نے اپنے ہاتھوں میں پکڑا ہوا کپ میز پر رکھا۔ ایک گہری سانس اندر کھینچی۔۔۔ اور پھر ایک مضبوط، اٹل لہجے میں، اپنی آنکھوں میں فولادی یقین کے ساتھ بولی۔

"عروزہ مر سکتی ہے لیکن رئیس اورنگزیب کو دھوکہ نہیں دے سکتی!"

اس کی آواز دھیمی تھی۔۔۔ مگر اس میں وہی طاقت اور وہی گونج تھی جو اس نے برسوں پہلے رئیس کی آنکھوں سے ادھار لی تھی۔

وہ یہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے قدموں میں نہ کوئی لرزش تھی، نہ کوئی کمزوری۔ اس نے ایک آخری بار اپنے باپ کو دیکھا۔ ان کے چہرے پر اب ایک عجیب سا سکون اور بے بسی آپس میں گڈ مڈ ہو گئے تھے۔ جیسے وہ اپنی بیٹی کے ظرف پر فخر بھی کر رہے ہوں اور اس کی آنے والی تکلیف کو محسوس بھی۔۔۔

عروزہ آہستگی سے لاؤنج سے باہر نکل گئی۔ پیچھے صوفے پر مسٹر جمال تنہا رہ گئے۔ کمرے کی دھیمی روشنی نے اب ان کے چہرے پر ایک تھکی ہوئی نمی بکھیر دی تھی۔

انہوں نے آہستہ سے آنکھیں موند لیں اور خود سے بے آواز سرگوشی کی۔

"خدا کرے تمہارا یہی حوصلہ تم سب کو بچا لے میری بچی۔۔۔"

✿••✿••✿••✿

رئیس ہوٹلز کی پانچویں اینیورسری کا جشن اپنے عروج پر تھا۔ کرسٹل کے جھاڑ فانوسوں سے چھنتی دودھیا روشنی ہزاروں مہمانوں کے قیمتی ملبوسات اور زیورات پر پڑ کر منعکس ہو رہی تھی۔ ہوا میں مہنگے پرفیومز، تازہ پھولوں اور زیرِ لب گفتگوؤں کی ملی جلی مہک تھی۔ ہر طرف مسکراہٹیں تھیں، مبارکبادیں تھیں مگر یہ سب ایک چمکدار دکھاوا تھا۔ ایک فارمیلٹی جو بزنس کی دنیا کی اہم کڑی تھی۔

عروزہ سیاہ رنگ کے ایک نفیس پینٹ سوٹ میں ملبوس، اپنے فرائض میں جُتی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں ایک تربیت یافتہ عقاب کی طرح پورے ہال کا جائزہ لے رہی تھیں مگر اس کی روح اس محفل سے میلوں دور تھی۔ اس نے اپنے اور رئیس اورنگزیب کے بیچ ایک سرد، نادیدہ شیشے کی دیوار کھڑی کر لی تھی۔ وہ اس کے احکامات پر عمل

کرتی، اس کے اشاروں کو سمجھتی، مگر ان کے درمیان وہ پرانا، بے تکلف تعلق اب برف کی طرح جم چکا تھا۔ جانے کتنے دن گزر گئے تھے ان کی ٹھیک سے بات ہوئے بھی۔

اسی ہجوم میں ولی بھی موجود تھا، جسے مراد نے خاص طور پر مدعو کیا تھا۔ اور یہ دعوت رئیس کے حکم پر دی گئی تھی۔ عروزہ نہ اس کی سنتی تھی اور نہ اپنی سناتی تھی۔ اس نے ولی کے ساتھ ساتھ رئیس کو دیکھنا بھی چھوڑ دیا تھا۔ کام کرنا مجبوری تھی مگر ولی کے ہزار بار اس مسئلے پر بات کرنے کی درخواست اس نے مسترد کر دی۔ وہ خود بے طرح پھنس گیا تھا۔

رئیس کی اس تقریب کا اصل مقصد ظاہر سے کچھ اور تھا۔ وہ کچھ آزمانا چاہتا تھا۔ اس کے اندر کئی دنوں سے ایک شک، ایک کانٹا کھٹک رہا تھا جو اندر ہی اندر کھائے جا رہا تھا۔ وہ آج اس شک کی تصدیق یا تردید چاہتا تھا۔

تقریب کے بیچ میں، میثم خاموشی سے عروزہ، مراد اور پھر ولی کے پاس آیا۔

"رئیس صاحب نے پینٹ ہاؤس فلور پر بلایا ہے۔"

یہ جملہ کسی حکم سے زیادہ ایک سمن تھا۔ لفٹ میں مکمل خاموشی تھی۔ ہر کوئی جانتا تھا کہ یہ کوئی عام ملاقات نہیں ہے۔ جب پینٹ ہاؤس کا دروازہ کھلا تو اندر کا منظر باہر کی چکاچوند کے بالکل برعکس تھا۔ وسیع و عریض لاؤنج میں مدھم روشنی تھی، فرنیچر کم اور جدید تھا، اور ماحول میں ایک عجیب سی وحشت اور ٹھہراؤ تھا بظاہر یہ اپنوں کی مخصوص میٹنگ تھی مگر سب جانتے تھے کہ عدالت سج چکی تھی۔

وہ ایک بڑی سی کھڑکی کے سامنے کھڑا تھا، جس سے نیچے شہر کی روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔ اس نے پلٹ کر ان چاروں کو دیکھا۔ اس کی نظریں ایک ایک چہرے پر ٹھہریں اور پھر اس نے بولنا شروع کیا۔ اس کی آواز پر سکون تھی مگر اس سکون کے پیچھے طوفان کا شور تھا۔

"میں نے سوچا کیوں نہ سب مل کر بیٹھیں۔۔۔" مراد نے اثبات میں سر ہلایا۔ "ساتھ کچھ ضروری باتیں بھی ہو جائیں۔" اس کے الفاظ چنے ہوئے تھے۔ جبکہ باقی چاروں خاموش کھڑے تھے۔ پھر اس نے میز پر رکھی اپنی سوفٹ ڈرنک اٹھائی۔ ان سب کو بھی اشارہ کیا مگر کوئی اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔

"وفاداری۔۔۔ کیا ہوتی ہے؟" ایک گھونٹ بھرتے اس نے سوال فضا میں اچھالا مگر خاموشی یونہی قائم رہی۔

"وفاداری ایک بنیاد ہوتی ہے جس پر سلطنتیں کھڑی کی جاتی ہیں۔ جب بنیاد میں دیمک لگ جائے۔۔۔ تو اونچی سے اونچی عمارت بھی زمیں بوس ہو جاتی ہے۔"

وہ دھیرے دھیرے چلتا ہوا ان کے قریب آیا۔ اس کی آنکھیں مراد کے پریشان چہرے سے ہوتی ہوئی ولی کے سپاٹ چہرے پر جم گئیں۔

"کچھ عرصے سے مجھے اپنی بنیاد میں دیمک لگنے کا احساس ہو رہا ہے۔" وہ عروزہ کے سامنے کھڑا تھا۔

"جب دل بدل جائیں تو اعمال بدلنے میں دیر نہیں لگتی۔" اس کا لہجہ سرد سے سرد تر ہوتا گیا کمرے میں درجہ حرارت جیسے نقطہ انجماد سے بھی نیچے گر گیا ہو۔

"سب سے پہلا دھوکہ مجھے میرے وارث نے دیا۔" اس کا اشارہ ولی کی طرف تھا۔ آواز ایک دم بلند ہوئی، جیسے بادل گرجے ہوں۔

"تم نے اس اعتماد کو توڑا جو میں نے تم پر کیا تھا۔" ولی پر ایک نظر ڈالتے پھر وہ تیزی سے عروزہ کی طرف مڑا، اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی۔

"لیکن عروزہ۔۔۔ عروزہ مجھے کبھی دھوکا نہیں دے گی۔"

یہ سن کر عروزہ کے بے تاثر چہرے پر ایک لمحے کے لیے سایہ سا لہرایا اور گزر گیا۔

"ہے نا، عروزہ؟" وہ چلتا ہوا اس کے بالکل سامنے آ کھڑا ہوا۔ اس کی آنکھیں عروزہ کے جھکے ہوئے چہرے میں کچھ تلاش کر رہی تھیں۔

"عروزہ وہ کرتی ہے جو میں کہتا ہوں۔ وہ میری طاقت ہے، میری ڈھال۔"

عروزہ کی نظریں فرش میں گڑی رہیں۔ اس کا دل پسلیوں کے قفس میں کسی زخمی پرندے کی طرح پھڑ پھڑا رہا تھا۔ پھر وہ پلٹا اور میز پر رکھی چمکتی ہوئی سیاہ پستول اٹھالی۔ اس نے اپنا ہاتھ عروزہ کے سامنے کیا۔ اس کی ہتھیلی پر وہ موت کا کھلونا پڑا تھا۔

"میں چاہتا ہوں، روز۔۔۔ تم ولی کو مار ڈالو۔"

جیسے کسی نے وقت کا بٹن دبا دیا ہو۔ ہر شے ساکت ہو گئی۔ یہ سنتے ہی عروزہ نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔ اس کی آنکھوں میں ناقابلِ یقین حیرت کا طوفان تھا۔

"کر لو گی نا یہ؟ میرے لیے؟" اس نے عروزہ کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

ایک لمحے کے لیے عروزہ کی آنکھوں میں کچھ پرچھائیں ابھری مگر پھر اگلے ہی پل وہ پرچھائیں ایک فولادی عزم میں بدل گئی۔ اس نے رئیس کے ہاتھ سے گن اٹھالی۔ ولی اپنی جگہ بت کی طرح ساکت کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر سرد مہری تھی، جیسے اسے اپنی قسمت کا فیصلہ قبول ہو۔

عروزہ کے کورٹ شوز کی ٹک۔۔۔ ٹک۔۔۔ ٹک۔۔ کی آواز خاموش ہال میں گونجنے لگی۔ ہر قدم موت کی گھڑی کی سوئی کی طرح تھا۔ ماحول اتنا سرد ہو چکا تھا کہ سانس لینا بھی دشوار تھا۔

اگلے ہی پل وہ ولی کے سامنے کھڑی تھی۔ اس نے ہاتھ اٹھایا اور پستول کی سرد دھات اس کی پیشانی پر جمادی۔

"عر۔۔۔ عروزہ۔۔۔" مراد کی گھٹی گھٹی سی آواز ابھری۔ اس کی آنکھوں میں خالص دہشت تھی۔ جبکہ رئیس آرام سے ایک کرسی کھینچ کر اس پر بیٹھ گیا جیسے وہ کوئی سنسنی خیز فلم کا آخری منظر دیکھ رہا ہو۔

ولی ساکت تھا۔

عروزہ کی نظریں پل بھر کو ان کتھئی آنکھوں سے ٹکرائیں جن میں کبھی اس نے اپنا عکس دیکھنا چاہا تھا۔

ہاتھ چھڑا کر جانے والوں کے خواب نہیں دیکھتے ورنہ روح زخمی، دل مردہ اور آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں۔

اس کے ساتھ یہی ہوا تھا۔ سب کچھ سیاہ ہو گیا تھا۔

کچ! پستول کے ریڈی ہونے کی میکانکی آواز نے سناٹے کو چیرا۔ ولی نہ اپنی جگہ سے ہلا، اور نہ اس نے نظریں جھکائیں۔ عروزہ نے ضبط سے ہونٹ بھینچ لیے۔ اس کی انگلی ٹریگر پر تھی۔ رئیس اپنی ٹھوڑی مٹھی پر جمائے انہیں دیکھ رہا تھا۔ ایک پل کو اسکا دل چاہا کہ وہ ولی کا بھیجا اڑادے، اس دھوکے کی اذیت کا خاتمہ کر دے۔۔۔ مگر۔۔۔

ٹھک!

پستول اس کے کانپتے ہاتھ سے چھوٹ کر ماربل کے فرش پر گر گیا۔

چند پل کی موت جیسی خاموشی۔۔۔اور پھر رئیس کا قہقہہ گونجا۔یہ ہنسی نہیں تھی، یہ بے ساختہ نہیں تھی۔یہ ایک زخمی شیر کی دھاڑ تھی جو اذیت میں بدل گئی تھی۔عروزہ کا سر شرمندگی اور شکست سے جھک گیا۔ولی کے چہرے پر اذیت کے گہرے تاثرات ابھرے، جیسے وہ گولی لگنے سے بھی بڑی تکلیف سے گزرا ہو۔

وہ اب سر جھکائے کھڑی تھی جبکہ رئیس کی اذیت بھری ہنسی کمرے کی دیواروں سے ٹکرا رہی تھی۔مراد کی آنکھیں خوف سے پھٹی پڑی تھیں۔میثم سانس روکے دروازے کے قریب کھڑا تھا۔

سب صدمے میں تھے اور وہ شخص ہنس رہا تھا جس کا سب کچھ لٹ گیا تھا۔

پھر اس کی ہنسی ایک دم رکی۔اس نے عروزہ اور ولی کو دیکھا۔اس کے سینے میں ایک شدید درد کی لہر اٹھی اور وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"تم سب پر اندھا بھروسہ کیا تھا میں نے۔۔۔تم سب نے مل کر مجھے اندھا کر دیا!" اس کی آواز میں درد ہی درد تھا۔اسکے دو اپنے مضبوط پیادے حکومت پر اپنی محبت چن چکے تھے۔اس بادشاہ کی تکلیف کون سمجھ پاتا؟

عروزہ خاموشی سے ولی کے سامنے سے ہٹ گئی۔رئیس چلتا ہوا اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔اس کی آنکھوں میں غصہ نہیں، صرف اذیت تھا۔

"محبت کیوں، عروزہ؟ محبت کیوں؟" اس نے سرگوشی نما سوال کیا۔سب کچھ تھا اسکے پاس۔۔عزت، طاقت، اور اسکا اعتماد پھر محبت کیوں؟ اس نے محبت کیوں چنی؟

عروزہ نے ولی پر اپنی محبت کو چن کر رئیس کو شکست دے دی تھی۔ اس وقت رئیس کی تکلیف سے کون واقف تھا؟ مگر عروزہ؟ اس کی اپنی تکلیف کا کیا؟ وہ چپ کھڑی تھی، نظریں جھکائے۔ دل پھٹنے کو تھا مگر وہ کچھ نہ بولی۔ اس کے پاس رئیس کی کسی بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔

پھر، بنا کچھ کہے، اس نے ایک فیصلہ کیا۔ اس نے اپنے گلے سے اپنا سیکیورٹی کارڈ اتارا اور آگے بڑھ کر میز پر رکھ دیا۔ اپنی پینٹ کے بیلٹ سے اپنی ذاتی پستول نکال کر اس کے ساتھ رکھی۔ اب وہ اس قابل نہیں رہی تھی کہ وہ رئیس اورنگزیب کی سلطنت میں رہتی۔ وہ خود کو بے دخل کر رہی تھی۔ جبڑے بھینچے، آنسوؤں کو حلق میں اتارے، وہ خاموشی سے سب کر رہی تھی۔ اپنی کلائی سے جدید ڈیجیٹل گھڑی اتاری۔۔۔۔

رئیس گروپ سے جڑی ہر چیز اب میز پر پڑی تھی۔

رئیس زبان دانتوں تلے دبائے، ساکت کھڑا اسے یہ سب کرتے دیکھ رہا تھا۔ بولا کچھ بھی نہیں۔

پھر وہ چلتے ہوئے رئیس کے سامنے آئی۔ اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"مجھے افسوس رہے گا۔"

یہ چار الفاظ کہنے کے بعد وہ تیزی سے پلٹی۔ دروازے کے قریب میثم کھڑا تھا، جو تکلیف دہ نظروں سے یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک پل کو رکی۔ اس نے میثم کی آنکھوں میں دیکھا۔ کئی ان کہے عہد، کئی خاموش وعدے ان نظروں کے تبادلے میں ادا ہوئے، اور پھر وہ باہر نکل گئی۔

پیچھے کمرے میں ایک گہرا، ناقابلِ بیان سناٹا چھا گیا۔ جیسے کسی نے اچانک پوری کائنات سے آواز چھین لی ہو۔

✿••✿••✿••✿

رات بہت آگے نکل چکی تھی لیکن ترنم ہاؤس کے ایک گوشے میں اب بھی روشنی جل رہی تھی۔

فجر کھڑکی کے پاس کھڑی باہر سرد رات کو دیکھ رہی تھی۔ چاند دھیمی روشنی کے ساتھ درختوں کی چوٹیوں پر ٹکا ہوا تھا۔ ہوا کی تھپتھپاہٹ کھڑکی کے شیشے کو چھو کر گزر رہی تھی مگر اس کے اندر سکون تھا۔۔۔ ایسا سکون جو صرف کسی اپنے کا انتظار کرتے ہوئے دل میں ہوتا ہے۔

ہلکے نیلے رنگ کی چادر اوڑھے وہ مسلسل دروازے کی طرف نظر اٹھا دیتی۔۔۔ پھر خود ہی نظریں جھکا لیتی۔ پیچھے میز پر لیپ ٹاپ کھلا تھا۔ کافی اسکیچز بکھرے پڑے تھے۔ کام سے دل اُچاٹ ہو چکا تھا۔

پھر اچانک لاؤنج کی سیڑھیوں سے قدموں کی چاپ ابھری۔

اس نے پلٹ کر دیکھا۔

وہ آہستہ آہستہ اندر داخل ہوا، کوٹ اتار کر بازو پر لٹکایا اور جیسے ہی اس کے نگاہ فجر پر پڑی، چند لمحوں کو رُک گیا۔

وہ اس کے سامنے آئی، نرمی سے اس کے چہرے کو دیکھا۔

"سب ٹھیک ہے۔۔۔؟"

ولی نے ایک سانس لیا، خود کو سنبھالا اور ہلکی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا دی۔

"ہاں۔۔۔ سب ٹھیک ہے۔"

اس کی ہلکی سی تھکن فوراً اُس جواب کے پیچھے چھپ گئی۔

فجر نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر آہستگی سے پوچھا۔

"تقریب کیسی رہی؟"

وہ مسکرایا۔وہ خاص مسکراہٹ جو صرف اس کے لیے تھی۔

"بہت اچھی۔۔۔"

پلکیں جھکی ہوئی تھیں مگر آنکھوں میں نرم روشنی تھی۔

"بگ بی نے کچھ کہا تو نہیں؟" اس کے سوال میں فکر مندی چھپی تھی۔جانے کیوں اسکی چھٹی حس کسی خطرے کا الارم بجا رہی تھی۔مگر سمجھ نہیں آرہا تھا یہ خطرہ کیا تھا؟

اس نے ایک پل فجر کو دیکھا، پھر سر ہلایا، "نہیں۔۔ایک لفظ بھی نہیں کہا۔"

وہ چند لمحوں تک خاموش کھڑے رہے۔لاؤنج کے دِیے کی روشنی ان دونوں کے چہروں پر نرم سا سایہ پھیلا رہی تھی۔

"کھانا لگاؤں؟" بانو سوچکی تھی۔اسے خود ہی کرنا تھا۔

"نہیں میں نے کھالیا تھا۔" اس نے نہیں کھایا تھا بس ایسے ہی کہہ دیا تھا۔

"ایسے کیوں لگ رہا ہے تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو؟" اس کی سکڑی ہوئی بھنویں دیکھ کر اس بار وہ ہنس دیا۔

"میں کچھ نہیں چھپا رہا البتہ آج تم آفس میں کافی ہائپر تھیں۔بتاؤ کیا مسئلہ ہوا ہے؟" وہ فوراً بات بدل گیا۔

"میرا تو چلتا رہتا ہے۔سو طرح کے مسائل ہیں۔" وہ واپس صوفے کی جانب بڑھی لیکن وہ اس سرعت سے اسکا ہاتھ کھینچ چکا تھا۔

"باقی مسئلے تو تم حل کر لیتی ہو آؤ میں تمہارے دل کا مسئلہ حل کرتا ہوں۔"

اس نے دھیرے سے جھکتے ہوئے فجر کا گال چھوا۔ اس کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ ابھری۔

"یہ تمہارا غرور ہے یا میر انصیب۔۔۔؟" وہ اب ہیزل آنکھوں میں محبت کا سمندر لیے اسے دیکھ رہی تھی۔ ولی نے آہستگی سے اس کی ٹھوڑی اوپر کی۔

"دونوں۔۔۔"

اس ایک لفظ نے فضا کے اندر ایک دلکش خاموشی بھر دی۔ وہ اب اسکا ہاتھ تھام کر صوفے کی طرف بڑھ چکا تھا۔

"چلو بیٹھو، مجھے تم سے سب سننا ہے۔۔۔"

"کیا؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"تم سارا دن کس بارے میں سوچتی ہو، غصہ کیوں آیا؟ شامت کس کی آئی؟ سب بتاؤ مجھے۔"

وہ گہری سانس لے کر رہ گئی۔ یہ اسکا روز کا کام تھا۔

"تم تھک گئے ہو، آرام کر لو۔۔۔"

اس نے فجر کی بات پر نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں۔۔۔ سارا دن شور اور باتیں سنیں۔ اب مجھے صرف وہ سننا ہے جو تمہارے دل میں ہے۔" وہ واقعی اس کے دل کا مسئلہ حل کرنے بیٹھ چکا تھا۔

فجر نے اپنی پلکیں جھکائیں اور پھر مدھم آواز میں بولنا شروع کیا۔

الفاظ آہستہ آہستہ ہوا میں بکھرنے لگے، محبت کی مہک کے ساتھ۔

وہ سب سناتی رہی، وہ سب سنتا رہا اور وقت بغیر آواز کے، اُن کے درمیان بیٹھا ان سب لمحوں کو محفوظ کرتا رہا۔

وہاں صرف ایک نرم سی روشنی، دو دھڑکتے دل۔۔۔ اور "ہم" جیسا سکون۔

✿••✿••✿••✿

سرِ شام دھند کے پہلے جھونکوں نے شہر کے آسمان پر ایک مبہم سی پرت چڑھادی تھی۔ گہرے نیلے آسمان میں کہیں کہیں ستاروں کے ننھے ذرے جگمگا رہے تھے لیکن اُن کے بیچ ایک عجیب سی بے چینی سانس لے رہی تھی۔ وہ گاڑی میں بیٹھے فلک کی طرف ڈنر کے لیے جا رہے تھے۔ ڈیش بورڈ پر موجود چھوٹا سا فانوس ہولے ہولے ہل رہا تھا۔ فجر نے اپنی شال ذرا سا کھینچ کر ٹھوڑی کے نیچے درست کی اور مسکرا کر ولی کی طرف دیکھا۔

"عجیب موسم ہے، ہے نا؟" ادھیرے سے کہا۔

ولی نے ایک نظر سامنے سڑک پر ڈالی، پھر اُس کی طرف دیکھا اور مسکرا دیا۔

"ایسا موسم ہمیشہ کچھ کہنے سے پہلے آتا ہے۔۔۔ اور کچھ کہنے کے بعد چلا جاتا ہے۔"

فجر نے ہنستے ہوئے سر نفی میں ہلایا۔

"تم نے بھی فلسفیانہ باتیں سیکھ لیں؟"

"آج زیادہ دل کر رہا ہے۔ چونکہ میڈم صبح سے ناراض تھیں تو ابھی موقع ہے کہ میں اپنی سب باتیں آسانی سے کہہ دوں۔" وہ ذرا سا اس کی جانب جھکا۔ "ورنہ کب پھر ناراض ہو جاؤ، پتا نہیں۔"

وہ ہنس دی۔ ”ناراض نہیں ہوں۔ بس تھکی ہوئی تھی۔“

گاڑی دھند سے ڈھکی ہوئی اس سڑک پر آگے بڑھ رہی تھی جہاں روشنیوں کی قطاریں دھند میں تحلیل ہو کر ایسے لگ رہی تھیں جیسے کسی نے شیشے پر انگلی سے دھندھلی لکیریں بنادی ہوں۔ اس نے کھڑکی کی طرف دیکھا۔ سرد دھند کے اندر گلابی رنگ کی دکانوں کے بورڈ اور مختلف دکانوں کی روشنیاں مدھم سا عکس بکھیر رہی تھیں۔

”ایک بات کہوں؟“ وہ اچانک بولا۔

”ہوں؟“ وہ اس کی طرف مڑی۔

”جب بھی تم ایسی خاموش ہوتی ہو نا مجھے لگتا ہے جیسے تمہارے دل میں بہت سی باتیں قید ہو گئی ہیں۔ اور اگر میں نے اُنہیں نہ سنا۔۔۔ تو شاید وہ کبھی آزاد ہی نہ ہو پائیں۔“

اس کی بات پر فجر کے ہونٹوں پر نرم سی مسکراہٹ اُبھری۔ اُس نے آہستہ سے ولی کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”تم شاید اس لیے میرے نصیب میں آئے ہو تا کہ میرا ہر لفظ کسی کے دل تک پہنچ سکے۔“

ولی نے کچھ بولنے کے بجائے سر اثبات میں ہلاتے ہوئے، اس کا ہاتھ تھام کر ہلکا سا دبایا۔ اس ایک لمس میں بے شمار بے نام وعدے تھے۔

گاڑی اچانک سڑک کے ایک کنارے پر آکر آہستہ ہوئی۔ سامنے ایک چھوٹی سی فلاور شاپ تھی۔ شاپ کے باہر ننھے سفید لائٹس جگنوؤں کی طرح جھلملا رہی تھیں اور کانچ کے شیلف پر درجنوں پھولوں کے گلدستے سجے ہوئے تھے۔ اس نے ایک نظر دکان پر ڈالی پھر مسکرا کر فجر کی طرف دیکھا۔

”ایک منٹ؟“

فجر کے چہرے پر حیرت کے تاثرات ابھرے۔ ”ابھی؟“

”یہ وہ ایک منٹ آج مجھے ضرور لینا ہے۔۔۔“ اُس نے نرم لہجے میں کہا اور گاڑی کا دروازہ کھول کر اُتر گیا۔

وہ اُس کے جاتے ہوئے قدموں کو دیکھتی رہی۔ دھند کی ہلکی سی پرت اُس کے اطراف میں ناچ رہی تھی۔ وہ دکان کے اندر گیا تو کانچ کے دروازے کے پیچھے اس کا عکس کچھ لمحوں کے لیے مدھم روشنی میں گھل سا گیا۔ فجر نے کھڑکی سے گردن موڑ کر باہر دیکھا۔ دکان کی شیشے کی دیوار کے اندر ولی پھولوں کے بیچ کھڑا کچھ منتخب کر رہا تھا۔ ایک لمحے کے لیے اس کے ہونٹوں پر دلکش سی مسکراہٹ پھیلی۔ اس سمے وہ بالکل کسی رومانوی منظر کا کوئی ہیرو معلوم ہوتا تھا جو اپنے محبوب کے لیے پھول چننے میں مصروف ہو۔

گھڑی کی سوئیاں سست روی سے آگے بڑھ رہیں تھیں۔ اس نے سرد پڑتے اپنے ہاتھوں کو آپس میں جوڑا اور اپنی سانس کی دھند سے شیشہ دھندلا کر ایک چھوٹا سا دل بنا دیا۔ وہ ہنس دی۔ یوں لگا جیسے محبت اس لمحے اُس کی ہتھیلی میں سمٹ آئی ہو۔

اسی پل شاپ کے اندر ولی نے سفید گلابوں کا ایک نفیس سا گلدستہ چنا اور کاؤنٹر پر پیسے رکھ کر باہر کی سمت بڑھا۔ جیسے ہی وہ دروازے سے نکلا، اس کا فون بج اُٹھا۔ اُس نے تھوڑا رُک کر جیب سے فون نکالا۔ نمبر انجان تھا۔ اُس کی پیشانی کی ہلکی سی شکن پھیلی۔ وہ چونکا، مگر فون کان سے لگا لیا۔

”ہیلو؟“

”ہیلو بے بی بوائے۔۔۔“

وہ آواز۔۔۔وہ سانپ کی طرح سرسراتی گہری، گھنی، اور جان لیوا۔اس کے قدم پل بھر کو زمین میں دھنس گئے۔ چہرے کا رنگ بدل گیا۔ایک تاریک سایہ آکر گزرا۔ آنکھوں میں حیرت اور ناگواری کی ایک جھلک ابھری۔اس نے ایک نظر گاڑی کی طرف ڈالی جہاں فجر اطمینان سے اسے دیکھ رہی تھی، پھر اس کی نظریں واپس سڑک کے اس خاموش گوشے پر جم گئیں۔

فون کی دوسری طرف وہی آواز سانس کو تھپک رہی تھی۔

"میں نے کہا تھا ناواپس چلے جاؤ۔اُسے چھوڑ دو۔لیکن نہیں۔۔۔اب میں تم پر ہنسوں یا تم پر افسوس کروں؟"

اس کے لب سختی سے بھینچ گئے۔

"اور تمہیں لگتا ہے کہ میں اُسے چھوڑ کر چلا جاؤں گا؟" وہ دانت کچکچاتے بولا۔

"یہ تمہاری کہانی نہیں ہے۔ تمہیں اس میں ہونا ہی نہیں چاہیے۔ تمہیں آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔"

"اسی لیے میں ختم کرنے آیا ہوں۔" ایک نظر فجر پر ڈالی۔وہ اب فون پر مصروف تھی۔

دوسری طرف ایک دھیما، زخمی قہقہہ ابھرا۔

"جو ملکہ کا حکم ٹالتا ہے وہ موت کے منہ میں جاتا ہے۔"

"میں موت سے نہیں ڈرتا۔۔۔" اسکا لہجہ حتمی تھا۔

"اچھا۔۔۔" لمبا کھینچا گیا۔

اچانک فجر کی گردن ایک عجیب احساس سے اُٹھی۔ اُس کی چھٹی حس نے عجیب سا الارم بجایا۔ وہ چونکی۔ اُس نے شیشے کے پار دیکھا تو وہ اب گاڑی سے کچھ قدم دور کھڑا فون پر مصروف تھا اور اس کے پیچھے سے ایک تیز رفتار ٹرک دھند چیرتا ہوا برق رفتاری سے سیدھا اُس کی سمت بڑھ رہا تھا۔

"ولی۔۔۔!" اُس کی چیخ اُس کے گلے میں پھنس گئی۔ آواز گاڑی کے اندر ہی ٹوٹ گئی۔

وہ جھٹکے سے دروازے کھولتے ہوئے باہر نکلی۔

"پیچھے دیکھو!" فون سے ابھرتی منار کی وہی گہری سرگوشی اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

اسکا دل پل بھر کو ساکت ہوا، اُس نے ایک پل کے لیے پیچھے مڑ کر دیکھا۔۔۔

ٹرک اُس کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا۔ اس نے پوری برق رفتاری سے پیچھے چھلانگ لگائی۔ ہوا کا زور ایسی شدت سے اس کے چہرے پر پڑا کہ پھولوں کا گلدستہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر گیا۔ لیکن۔۔۔ کڑاک کی آواز!

ٹرک کا بایاں حصہ اس کے کندھے کو ٹکّر دے کر گزر گیا۔ وہ دور جا کر فٹ پاتھ کی دہلیز سے ٹکرا کر گرا۔ اُس کے جسم نے زمین پر ہچکولا کھایا۔ پھول بکھر کر فٹ پاتھ پر پھیل گئے۔

فجر کے قدم جیسے شل ہو گئے۔ اس کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ دل کی دھڑکن جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لی ہو۔ وقت جیسے کسی نے روک دیا ہو۔ میدانِ جنگ کے اس ایک پل میں سب کچھ خاموش، لیکن اندر تنفس چیخ رہا تھا۔

وہ جھٹکے سے آگے بڑھی، سرد ہوا اس کے گالوں پر خنجر کی طرح چبھ رہی تھی۔ وہ اس کی جانب بھاگ رہی تھی۔ قدموں سے بے ساختہ آوازیں ابھرنے لگیں، جیسے پتھر پر کوئی شیشہ ٹوٹ رہا ہو۔

"ولی۔۔۔"اس کی چیخ فضا کو ہلا گئی۔

وہ نیم بے ہوش حالت میں زمین پر پڑا تھا۔اس کے سفید قمیض پر سرخ دھبہ پھیلنا شروع ہو چکا تھا۔ہونٹوں کے کناروں پر خون کی باریک دھار نمودار ہوئی۔اُس کی نظریں دھند میں تحلیل ہوتی روشنیوں کو پھٹی پھٹی سی تک رہی تھیں۔

"ولی!انکھیں کھولیں۔۔۔"وہ اسکے قریب گھٹنوں کے بل گری ہوئی تھی۔اس کے ہاتھوں نے ولی کے کندھے کو تھاما،خوف سے اُس کا پورا وجود کانپ رہا تھا۔

ولی نے بمشکل پلکیں اٹھائیں۔وہ ہوش میں رہنے کی کوشش کر رہا تھا۔اُس کی نگاہ میں درد نہیں تھا۔۔۔صرف بے بسی تھی۔

"فجر۔۔۔"اُس نے لب ہلائے لیکن آواز جیسے گلے کے اندر کہیں دفن ہو گئی۔

"نہیں۔۔۔بات مت کرو۔میں۔۔۔میں ابھی۔۔۔"اس کی سانسیں بے قابو ہو چکی تھیں۔چہرہ خوف سے سفید پڑ گیا۔"کسی کو فون کرنا ہو گا۔۔۔ایمبولینس۔۔۔"اسکا اپنا فون گاڑی میں گر گیا تھا۔

"یااللہ۔۔۔کوئی؟کوئی ہے۔۔۔؟"وہ حلق کے بل چلائی۔قریب کی دکانوں سے لوگ بھاگ کر باہر آنے لگے۔

ولی کا سر اس کی گود میں تھا۔سرخ مائع پھیلتا جا رہا تھا۔ٹرک کب کا دھند میں غائب ہو چکا تھا۔

دور کہیں منار کی وہ شریر سرسراتی ہنسی دھند میں تحلیل ہو رہی تھی۔

فجر نے آنسوؤں میں گھری نظروں سے ولی کی طرف دیکھا۔اُس کی انگلیاں ولی کے بالوں میں پھسلتی ہوئی اس کے گالوں تک آئیں۔

"کچھ نہیں ہو گا۔۔۔ تم سن رہے ہو؟" اس نے لرزتی ہوئی سانس سے کہا۔ ولی کی آنکھوں میں ہلکا سا عکس ابھرا۔۔۔ جیسے وہ مسکرانا چاہ رہا ہو۔

"تم نے کہا تھا۔۔۔ تم میرے دل کا مسئلہ حل کرو گے۔۔۔ ابھی تو بہت سے مسئلے باقی ہیں۔۔"

ولی نے دھیرے سے آنکھیں بند کیں۔

"نہیں! آنکھیں مت بند کرو۔۔۔ ولی۔۔۔ ولی۔۔۔ نہیں۔۔۔" وہ تڑپ رہی تھی۔ بن پانی کے مچھلی کی طرح! اس کی آواز ٹوٹتی جا رہی تھی۔ وہ اپنے ہونٹ کاٹ کر ضبط کے بندھن سنبھال رہی تھی لیکن آنسو اُس کے گالوں سے بہہ گئے۔

"کوئی۔۔۔ ڈاکٹر کو بلاؤ!" شور پھیل چکا تھا۔ کچھ لوگ بھاگتے ہوئے آئے۔ کسی نے ایمبولینس کو کال کی۔ سڑک کے درمیان فجر کی ہچکیوں اور ولی کے مدھم سانسوں کے بیچ وقت تھم گیا تھا۔

ولی کی پلکوں نے دوبارہ ہلکا سا ارتعاش محسوس کیا اور اُس نے بہت مشکل سے اپنی نگاہ فجر پر مرکوز کی۔ اُس کی آنکھوں میں اُداسی نہیں، ایک خاص سی تسکین تھی۔۔۔ جیسے وہ اس بات پر مطمئن ہو کہ اگر یہ زندگی کے آخری لمحہ تھا تو وہ اسے دیکھ رہا ہے جس سے وہ بے پناہ محبت کرتا تھا۔ وہ اسکے چہرے کو تھامے خود میں سمیٹنے کی کوشش کر رہی تھی۔

اسکے لرزتے لب ولی کی سماعت میں سرگوشی کر رہے تھے۔

"تم نے کہا تھا۔۔۔ تم کبھی مجھے اکیلا نہیں چھوڑو گے۔۔۔ کبھی نہیں۔۔۔"

ولی کی سانس میں ایک پھڑپھڑاہٹ اُبھری۔۔۔ اور پھر۔۔۔

نم آنکھوں سے اس نے فجر کا چہرہ دیکھا اور ہولے سے سر انکار میں ہلایا۔ جیسے کہہ رہا ہو **'میں نہیں چھوڑوں گا۔۔۔'**

وہی لمحہ تھا جب ایمبولینس کا سائرن بہت دور دھند میں کہیں بجا لیکن اُس ایک لمحے کے بیچ فجر کی آنکھوں کے سامنے ہر شے سفید ہو گئی۔ جیسے دل کے اندر کسی نے برف کی ایک سِل رکھ دی ہو۔ وہ ہوش کھو چکا تھا اور فجر کی ایک خوفناک چیخ ابھری۔ دل دہلا دینے والی چیخ!

وہ چیخ۔۔۔ جس نے سڑک کی دھند کو روند ڈالا، قریبی درختوں پر بیٹھے پرندوں کو چونکا کر اڑا دیا، اور شاید کسی دور کھڑی منار کو لمحے بھر کو خاموش کر دیا۔

اور پھر۔۔۔۔

ہاتھوں میں اس کی دھڑکن لیے، وہ دھند میں گم سناٹے کے اندر بیٹھی رہی۔۔۔ ٹوٹے پھولوں کے بیچ، بکھرے دل کے ساتھ۔۔۔ اور خاموش آسمان اس صدمے کا گواہ بنتا چلا گیا۔

✿••✿••✿••✿

ایمبولینس کے سائرن نے ہسپتال کے سناٹے کو چیر کر رکھ دیا۔ اس کے ہاتھ خون سے رنگے ہوئے تھے، شال کے کناروں پر سرخی جم کر سیاہی میں بدل چکی تھی۔ آئی سی یو کے شیشوں کے پار ڈاکٹرز کی بھاگ دوڑ عیاں تھی۔ بار بار دروازہ کھلتا، بند ہوتا۔۔۔ مشینوں کی تیز بیپ بیپ اُس کی سماعتوں کو زخمی کر رہی تھی۔

وہ دروازے کے پاس زمین پر بیٹھی تھی۔ گہرے نیلے لباس پر خون کے داغ ایسے لگ رہے تھے جیسے کسی نے پھولوں کو مسل کر ان پر پھینک دیا ہو۔ سردی اتنی تیز تھی کہ سانسیں برف کی بھاپ بن کر نکل رہی تھیں۔ لیکن

اُس کے جسم کو جیسے احساس ہی نہ تھا۔ وہ پتھر کے بُت کی طرح بیٹھی بس اپنے کان آئی سی یو کی طرف لگائے ہوئے تھی۔۔۔ شاید کوئی آواز، کوئی امید، کوئی دھڑکن سن سکے۔

"یہ سب۔۔۔ میری وجہ سے ہوا ہے۔۔۔" اُس کے ہونٹوں نے بے آواز الفاظ ادا کیے۔ انگلیاں کپکپا رہی تھیں، دل کے اندر ندامت اور اذیت کا ایک طوفان تھا۔

"میں نے۔۔۔ میں نے اسے نگل لیا۔" وہ سر گھٹنوں میں دے کر سسکتی رہی۔ آج پھر وہ اپنے ملعون ہونے پر تڑپ رہی تھی، وہ ہر اُس چیز کو کھا جاتی تھی جس سے وہ محبت کرتی تھی۔

وقت گزرتا رہا۔۔۔ اور پھر قدموں کی چاپیں ایک ایک کر کے سنائی دینے لگیں۔

سب سے پہلے رئیس ہال کی لمبی راہداری سے گزرتا ہوا آیا۔ اُس کے قدم ہمیشہ کی طرح مضبوط نہیں تھے ان میں ایک عجیب سی بوجھل خاموشی تھی۔ جیسے ہر سانس کے ساتھ کوئی بڑی چیز ٹوٹ رہی ہو۔ جب اُس نے فجر کو زمین پر یوں خون آلود حالت میں بیٹھا دیکھا تو اس کی آنکھوں کی پتھریلی خاموشی میں ایک درد بھرا اضطراب ابھرا۔ وہ چند لمحے دور کھڑا اُسے دیکھتا رہا۔ سیاہ کوٹ کے اندر اس کا سینہ تیزی سے اٹھ رہا تھا جیسے وہ اپنی پوری طاقت سے خود کو ٹوٹنے سے روک رہا ہو۔ آخر وہ آہستہ قدموں سے آگے بڑھا اور اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"فجر۔۔۔۔"

بس ایک لفظ۔ مگر اُس ایک لفظ کے اندر خوف، غصہ، بے بسی، سب کچھ بند تھا۔ فجر نے بے یقینی سے سر اٹھایا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں، کسی جلتے ہوئے انگارے کی طرح۔

"میں نے۔۔ اسے۔۔۔ اسے کھا لیا۔۔۔" دھڑکتے لفظ اس کے لبوں سے ٹوٹے۔

رئیس نے پل بھر کو آنکھیں بند کیں۔ اُس کے اندر کی پوری سلطنت جیسے لمحہ بھر کو خاموش ہو گئی۔ شاید اس نے زندگی میں پہلی بار اپنی ہتھیاروں سے خالی، ننگی روح کی حالت محسوس کی۔ ولی۔۔۔ اُس کا ولی۔۔۔ جسے وہ اپنا وارث سمجھتا تھا، جو کل رات اس کی بنیادوں میں دیمک کہلایا تھا۔ آج اسی کی زندگی اور موت کے بیچ وہ کھڑا تھا۔ بے حال، بے اختیار!

"کوئی کچھ کرے۔۔۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا، جیسے خود سے مخاطب تھا۔ اس نے مڑ کر خالی راہداری کو دیکھا، جیسے وہ ہسپتال کی سفید دیواروں سے مدد مانگ رہا ہو۔ آنکھوں کے کناروں پر نمی چمکی مگر اُس نے پلکیں سختی سے جھپک لیں۔

اسی لمحے مراد بھاگتا ہوا آیا۔ اُس نے جیسے ہی فجر کی حالت دیکھی تو پل بھر کو سانس روک گیا۔

"فجر!" وہ اس کے پاس جھکا، لیکن پھر محمودانہ طور پر پیچھے ہوا۔ "ڈاکٹر کیا کہہ رہے ہیں؟"

فجر نے خاموشی سے سر نفی میں ہلایا۔ اُس کے ہونٹ پھڑ پھڑائے، مگر کوئی لفظ نہیں نکلا۔ دور آئی سی یو کی شیشے کی کھڑکیوں کے پار ڈاکٹر ایک اور انجکشن کی تیاری کر رہے تھے۔

کچھ دیر بعد فلک اور فخر بھی آن پہنچے۔ فلک کے ہاتھ میں دعا کی تسبیح تھی جو بے قابو انگلیوں کے بیچ گرتی سنبھلتی رہی۔ اُس نے فجر کو بانہوں میں بھر لینا چاہا مگر وہ بلکل جامد ہو چکی تھی۔ جیسے کسی نے اس کے وجود کو برف کی سل میں بدل دیا ہو۔

اور آخر میں۔۔۔ عروزہ!

وہ قدم بہ قدم ہسپتال کی راہداری میں چلی آ رہی تھی۔ اُس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ جیسے اس نے سارے احساسات کہیں راستے میں دفن کر کے قدم بڑھائے ہوں۔ رئیس نے اُسے آتے دیکھا تو پل بھر کو اس کا دل کسی نامعلوم درد سے بھر گیا۔ آج اس کے سب سے قریبی لوگ اس سفید راہداری میں جمع تھے، اور سب کی آنکھوں میں بے بسی اور شکست لکھی تھی۔

وہ سامنے آئی، ولی کے وجود کو آئی سی میں دیکھ کر اسکا دل ڈوب گیا۔ شاید چند لمحوں کے لیے زمین نے اس کے قدموں سے رشتہ توڑ دیا۔ اس کی آنکھوں کے نیچے حلقے اور تھکن کے نشانات واضح تھے، مگر کچھ کہے بغیر وہ آئی سی یو کے دروازے کے سامنے دیوار کے ساتھ کھڑی رہی۔ چہرے پر وہی پتھریلی خاموشی مگر آنکھوں میں ایک گہرا، ٹوٹا ہوا اندھیرا۔

رئیس نے اُس کی طرف دیکھا۔ دو قدم آگے بڑھ کر وہ ٹھہر گیا۔ اُس نے جیسے کچھ کہنا چاہا مگر زبان حلق میں اٹک گئی۔ الفاظ اُس کے پاس تھے ہی نہیں۔ وہ بس اپنے دونوں ہاتھ سائیڈ میں بھینچے کھڑا رہا۔ اندر سے ٹوٹتا ہوا، باہر سے مضبوط رہنے کی کوشش کرتا ہوا۔

"یہ سب۔۔۔ میرا قصور ہے۔" اس کی آواز کھردری پڑ گئی۔ وہ بہت آہستہ بولا مگر عروزہ نے وہ الفاظ سن لیے۔ اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا، آنکھوں میں شدت ناک کرب لیے۔

"اب قصور کی باتیں نہ کریں۔۔ ابھی۔۔ بس وہ زندہ رہے۔۔۔ بس وہ۔۔۔" وہ بول نہیں پا رہی تھی۔

رئیس کی ایک تھکی ہوئی سانس خارج ہوئی۔

"میں نے اُس سے وفاداری کا امتحان لیا۔۔۔اور وہ۔۔۔موت کے دروازے پہ کھڑا ہے۔"اس کی آنکھوں میں پہلی بار بے بسی کی نمی تراشی گئی۔"اور شاید۔۔۔شاید یہ سب۔۔۔میرے ہی ہاتھوں شروع ہوا تھا۔"

وہ دیوار کے ساتھ پشت لگا کر کھڑا تھا۔اُس کا مضبوط وجود تھر تھرا اٹھا۔آنکھیں چھت کی طرف اُٹھائیں جیسے ربِ ذوالجلال سے سوال کر رہا ہو،**"میں نے سب کچھ کھو کر کیا پایا؟"**

سناٹے میں صرف مشینوں کی بیپ بیپ رہ گئی تھی۔شیشے کے پار وہ موت و زندگی کی سرحد پر لڑ رہا تھا۔باہر سب خاموش تھے۔ہر ایک کی روح اس لمحے برف کی طرح ساکت ہو چکی تھی۔

وہ رات۔۔۔ایک ایسی رات تھی جو شاید زندگی بھر کسی کی یادوں سے مٹنے والی نہیں تھی۔کیونکہ اُس رات حقیقت نے سب کے دلوں سے زخمی آواز میں بس ایک سوال پوچھا تھا۔

وفاداری کی قیمت کیا ہوتی ہے؟

✿••✿••✿••✿

رات اور گہری ہو چکی تھی۔ہسپتال کے باہر کھڑے درختوں کی ٹہنیاں سرد ہوا کے جھونکوں سے سسکیاں بھر رہی تھیں۔وارڈ کی کھڑکیوں سے مدھم زرد روشنی باہر چھن چھن کر پھسل رہی تھی مگر اُس روشنی کا ایک بھی ذرّہ اس وقت فجر کے دل میں نہیں اُتر پا رہا تھا۔

وہ خاموشی سے راہداری سے نکل کر ایک چھوٹے سے خالی راہداری میں آ گئی۔وہاں عبادت گاہ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔کوئی بھی اندر نہیں تھا۔سفید ماربل کی ٹھنڈی سیڑھیوں پر قدم رکھتے ہی اس کے اندر کچھ لرز سا گیا۔در و دیوار پر

قرآنی آیات کے طلائی فریم لٹک رہے تھے، اور ایک کونے میں جائے نماز رکھے تھے۔ جن سے کسی کے آنسوؤں کی مہک آ رہی تھی۔

وہ چند لمحوں تک دروازے کے پاس کھڑی رہی جیسے خود سے سوال کر رہی ہو **'کیا میں یہاں آسکتی ہوں؟'**

پھر اُس نے دیر نہیں کی۔ اندر داخل ہو کر وضو کیا پھر خاموشی سے آگے بڑھ کر جائے نماز اٹھایا، اپنی کانپتی انگلیوں سے اسے بچھایا۔ ہسپتال کی روشنیاں یہاں سے بہت دور محسوس ہو رہی تھیں۔ دھند، بے بسی، خاموشی۔۔۔ سب اس کے دامن سے لپٹ گئے۔

آج وہ منار فیشنز کی مالکن نہیں تھی،

نہ دنیا کی مشہور ترین کاسٹیوم ڈیزائنر،

نہ وہ عورت جو یہ کہتی تھی کہ اگر میں سجدے میں گری تو تخت سے گر جاؤں گی۔

آج وہ۔۔۔ صرف ایک **بیوی** تھی۔

ایک عام سی، خوف زدہ، ٹوٹتی ہوئی عورت جس کی پوری دنیا آئی سی یو کے شیشے کے اُس پار دھڑک رہی تھی۔

وہ دھیرے سے سجدے میں جھک گئی۔

پہلا لمحہ۔۔۔ خاموشی!

دوسرا لمحہ۔۔۔ نم آنکھوں کی لرزش!

تیسرا لمحہ۔۔۔ ٹوٹ کر بکھرنے کی اذیت!

"یااللہ۔۔۔"اس کی آواز بہت آہستہ نکلی، جیسے کسی نے اس کے گلے کے گرد سناٹے کی رسی لپیٹ رکھی ہو۔

"میں نے ہمیشہ خود کو مضبوط کہا سب کے سامنے سر اونچا رکھا۔۔ مگر آج۔۔۔ آج میں کمزور ہوں۔"

اس کے الفاظ آنسوؤں میں بھیگتے جا رہے تھے۔

"وہ میرا غرور ہے۔۔ میری ہمت ہے۔۔ اس کی سانس میرے دل کی دھڑکن ہے اگر وہ رک گئی۔۔ تو میں بھی مر جاؤں گی۔"

اس کی ہچکیوں نے ساری خاموشی چیر ڈالی۔ سجدے کے فرش پر آنسوؤں کے ننھے قطرے ٹوٹ کر گرے اور جائے میں جذب ہو گئے۔

"مجھے اس دنیا کی کوئی شہرت نہیں چاہیے۔۔۔ نہ فیشن کا کوئی تاج۔۔۔ نہ نام۔۔۔ نہ طاقت۔۔۔ بس میرے شوہر کو زندگی اولے دیں چھینیں سے میر"

ایک لمحے کے لیے اُس کے الفاظ ٹوٹ گئے۔ گہری سانس لی، آنکھیں بند کیں اور پوری ٹوٹتی ہوئی روح کے ساتھ سرگوشی کی۔

"یارب۔۔۔ وہ تیری امانت ہے۔۔۔ لیکن آج میں وہ امانت واپس مانگنے آئی ہوں مجھے میر اولی۔۔۔ زندہ واپس چاہیے۔۔۔"

مسجد کے اندر موجود ہلکی سی روشنی اس کے سجدے پر ٹھہر گئی۔۔۔ جیسے رب کی رحمت خاموشی سے اسے سن رہی ہو۔

وقت وہاں رک گیا۔

عبادت گاہ کے در و دیوار فجر معراج کے سجدے کو دیکھ کر ساکت کھڑے رہے۔

کیونکہ اس عورت نے آج تخت سے نہیں، خودی سے گر کر دعا مانگی تھی۔

اور یہ دعا۔۔۔ صرف زبان نہیں، روح سے نکلی تھی۔۔۔!

✿••✿••✿••✿

رات کی سردی آہستہ آہستہ اپنے پر سمیٹ کر صبح کے نرم مگر بے رنگ اجالے میں تبدیل ہو رہی تھی۔ آئی سی یو کے باہر اب اتنی بھاگ دوڑ نہیں تھی، جیسے تھکن سے ساری آوازیں خاموش ہو گئی ہوں۔ وہ وہیں کرسی پر بیٹھی تھی آنکھوں کے نیچے گہرے حلقے محسوس ہو رہے تھے، شال اس کے وجود کے گرد لپٹی ہوئی، اور ہاتھوں میں دعا کی تسبیح! جو ہر چند سیکنڈ بعد بے ساختہ اس کی انگلیوں کے بیچ گھومنے لگتی۔

فلک سامنے والی کرسی پر چپ چاپ بیٹھی تھی۔ اُس نے فجر کے لئے چائے کا کپ اٹھایا مگر اس کے ہونٹوں نے جیسے کسی بھی چیز کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ دونوں کے درمیان خاموشی تھی مگر یہ خاموشی کسی بوجھ کی طرح ان کے دلوں پر تھی۔

اچانک آئی سی یو کا دروازہ ہلکا سا کھلا۔ ایک نرس نکلی اور فجر کی طرف نظریں اُٹھائیں۔

"مسز اورنگزیب۔؟"

فجر پل بھر کو اپنی جگہ پر منجمد رہی۔۔۔ پھر ایک دم کھڑی ہوئی۔ "جج۔۔۔جی۔؟"

نرس نے نرم لہجے میں ہلکا سا مسکرا کر کہا، "وہ ہوش میں آ گئے ہیں۔۔۔ آپ چاہیں تو اندر آ جائیں۔"

بس یہی ایک جملہ تھا۔ فجر کی سانس جیسے رک گئی۔ آنکھیں پلک جھپکنا بھول گئیں۔ فلک نے فوراً اُس کا ہاتھ تھاما۔

"جاؤ۔۔۔" اس نے دھیمے لہجے میں کہا اور وہ قدم اٹھاتی اندر کی جانب بڑھی۔

آئی سی یو میں مدھم سفید روشنی تھی۔ مشینوں کی بیپ بیپ قدرے نرم ہو چکی تھی۔ وہ پر سکون انداز میں بے حس و ت لیٹا تھا، سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی، کندھے پر پلستر چڑھا تھا مگر آنکھیں آہستہ آہستہ نیم وا تھیں۔ اور اُن نیم وا آنکھوں کے اندر ایک تھکا ہوا سا سکون تھا۔

جیسے ہی وہ اندر داخل ہوئی، اُس کے پاؤں جم سے گئے۔ کچھ بھی کہا نہیں جا سکا۔ بس اُس نے دونوں ہاتھ لبوں پر رکھے۔۔۔ اور دھیرے دھیرے اس کے قریب آئی۔

ولی نے سر ہلکا سا اُس کی طرف موڑا۔ آنکھوں کے گوشوں میں نمی چمکی۔ جیسے منٹوں کی نہیں برسوں کی مسافت کے بعد وہ اُسے دیکھ رہا ہو۔ اُس کے لب ہلے، آواز بہت مدھم نکلی۔

"ہائی۔۔۔ بیگم۔۔۔۔"

وہ ضبط کے کڑے مراحل سے گزرتی اس کے قریب بیٹھ گئی۔ اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لیا۔ آنسو بڑی خاموشی سے اُس کی پلکوں سے گرنے لگے۔

"تم نے مجھے ڈرا دیا۔۔۔" وہ کانپتے لہجے میں بولی۔ چہرے کی حالت بری ہو چکی تھی۔

ولی نے اپنی انگلی کو ہلکی سی جنبش دی۔

"میں نے کہا تھا۔ میں کہیں نہیں جاؤں گا۔۔۔ تم ڈر کیوں جاتی ہو؟"

اس کی آواز بہت کمزور تھی، مگر اس کے ہر لفظ میں وہی گہری محبت اور یقین چھپا تھا۔ فجر نے اُس کے ہاتھ کو پیشانی سے لگا لیا اور دھیرے سے روتی رہی۔

اس سے تھوڑا پیچھے فلک خاموش کھڑی تھی۔اُس نے پلکیں جھکالیں اور پلٹ گئی۔۔۔اس منظر کی شدت کو اپنے دل میں جذب کرتے ہوئے۔کچھ منظر لفظوں سے نہیں۔۔۔خاموشی سے محفوظ کیے جاتے ہیں۔

اس کے رونے پر ولی نے ایک گہرا سانس لیا۔

"تم۔۔۔ٹھیک ہو؟" وہ اول لمحہ بھی خود کے بجائے اُس کی فکر کر رہا تھا۔

فجر نے اپنے آنسو صاف کیے اور زبردستی مسکرائی۔"ہاں۔۔بالکل ٹھیک۔۔۔"

چند لمحوں تک وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے،درد،اذیت،خوف سب ان آنکھوں کے پیچھے دبے ہوئے تھے لیکن ان دونوں کی موجودگی ان سب سے کہیں زیادہ طاقتور تھی۔

وہ ابھی تک اس کا ہاتھ تھامے ہوئے تھی۔آنکھوں کی سوجن اور ہلکی ہلکی سرخی بتا رہی تھی کہ کتنی دیر تک وہ روتی رہی تھی۔وہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ایک عجیب سا سکون تھا کہ وہ اس کے سامنے موجود ہے،سانس لے رہی ہے،اور اسی کے ہاتھ میں اس کی سانسیں بندھی ہوئی ہیں۔

اسی لمحے اس کی نظر فجر کے ہاتھ میں موجود چھوٹی سی سفید تسبیح پر پڑی جو ان دونوں کے ہاتھوں میں دبی ہوئی تھی۔

اس نے پلکوں میں شرارت سمیٹ کر ایک لمبا سانس لیا۔

"اوہ مائی گاڈ۔۔۔" وہ بہت آہستہ سے بول اٹھا۔نظریں اس تسبیح پر جمی تھیں۔وہ چونکی۔

"تم۔۔۔تم واقعی تسبیح کر رہی تھیں؟" انداز اسے تپانے والا تھا۔

یہ سنتے فجر کی آنکھوں میں آنسو پھر ابھر آئے۔

"تو میرے لیے دعا کر رہی تھیں؟" وہ اسے تنگ کر رہا تھا جیسے یہ انہونی بات ہو۔

"کیا مجھے ہوش میں رہنا چاہیے؟ دی فجر معراج! میرے لیے دعائیں مانگتی رہی ہے؟"

وہ روتے روتے ہنسی اور پھر رو دی۔۔۔ ایک تھپڑ اس کے بازو پر پڑا۔

"آہ! ظالم عورت دھیان سے۔ پہلے ہی ایک کندھا ٹوٹا ہوا ہے!"

فجر کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں، "سوری! وہ م۔۔۔ میں۔۔" وہ گھبرا گئی۔ اس کی حالت دیکھتے ہوئے ٹوٹے کندھے والے شخص نے فوراً اس کا دوسرا ہاتھ بھی تھام لی، ابہت دھیرے سے۔

"میں تمہیں روتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔۔۔۔" وہ اپنے زخمی ہاتھ سے آہستگی کے ساتھ اس کے آنسو صاف کرنے لگا۔

"اگر تم میرے لیے دعا کرو۔۔۔ وہ بھی تسبیح کے ساتھ۔۔ تو میں غرور سے ہنسوں نہیں تو اور کیا کروں؟"

فجر نے پلکیں جھکائیں۔ آنسوؤں سے بھیگی ہوئی مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا۔

"ڈرو نہیں۔۔۔" اس نے نرم لہجے میں کہا، "اب میں ہوں اور تم ہو، اور تمہاری یہ تسبیح اور دعائیں۔۔۔" جنہوں نے مجھے واپس کھینچ لیا۔

"یقین رکھو دنیا کا کوئی شخص، کوئی حادثہ ہمیں الگ نہیں کر سکتا۔"

فجر نے سسکتے ہوئے سر ہلایا اور دھیرے سے سرگوشی کی۔

"اگر دوبارہ کبھی مجھے اتنا ڈرایا تو میں تسبیح نہیں، ایصال ثواب کے لیے تم پر پورا قرآن پڑھ دوں گی۔"

وہ خفگی سے بولی تو وہ بے ساختہ ہنس دیا، ہلکی سی، تھکی ہوئی مگر دل سے نکلی ہوئی ہنسی اور اس ہنسی کے اندر فجر کو اپنی زندگی کی سب سے خوبصورت آواز سنائی دی۔

وہ اپنا سر اس کے سینے سے لگا کر خاموشی سے ساکت ہو گئی۔ وہ دھیرے دھیرے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔ اس کی دعائیں سن کی گئی تھیں۔ دعائیں رد ہوتی ہیں بھلا؟

✿••✿••✿••✿

شام ڈھل رہی تھی جب ہسپتال کی راہداری میں ایک خاموش شخصیت داخل ہوئی۔ آج بھی ہمیشہ کی طرح اُس کے کوٹ کا کالر سیدھا تھا، چال مضبوط تھی۔۔۔ مگر آنکھیں تھکی ہوئی اور سرخ!

اس نے آہستہ آہستہ قدم بڑھائے اور پرائیوٹ سوئٹ کے دروازے تک آیا۔ اندر داخل ہوا کر کھڑکی کے شیشے کے پار اُس نے فجر کو دیکھا جو ولی کے سامنے بیٹھی کچھ سنا رہی تھی اور وہ بہت کمزور سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔ سن رہا تھا۔ اسے آئی سی یو سے شفٹ کر دیا گیا تھا۔

اس منظر نے رئیس کے سینے کے اندر کوئی پردہ سا پھاڑ دیا۔ وہ چند لمحوں تک شیشے کے پار انہیں دیکھتا رہا اور پھر نظریں جھکا لیں۔

شاید پہلی بار اس نے شدت سے محسوس کیا کہ محبت کسی سلطنت کی دشمن نہیں ہوتی۔۔۔ محبت سلطنت کو اس قابل بناتی ہے کہ اُس کی بنیادوں میں انسانیت باقی رہے۔

دو قدم پیچھے ہٹائے، آنکھیں بند کیں۔ ایک گہری سانس لی جیسے برسوں سے روکی ہوئی سانس اب نکل رہی ہو۔

پھر حلق میں اتری اذیت کو واپس نگلا اور آہستگی سے واپسی کے لیے قدم بڑھا دیئے۔

وہ چند گام چل کر رکا اور پلٹا، اس کی نگاہیں دھندلا گئیں جیسے پچھلے کئی برسوں کی چیخیں ایک ہی پل میں سما گئی ہوں۔

اُسے ٹھیک اسی لمحے اِحساس ہوا کہ فجر کبھی اکیلی نہیں تھی، اُس کی محبت نے کبھی تنہا لڑائی نہیں لڑی۔

محبت اپنے اندر اتنا بڑا دائرہ رکھتی ہے کہ اُس میں دو دل اپنی خودی سے نکل کر ایک دوسرے میں ضم ہو جاتے ہیں۔

محبت میں شاید ایک انسان ہوتا ہے مگر عشق میں ہمیشہ دو ہوتے ہیں، اور وہ دونوں اپنے انا کے تاج اتار کر ایک دوسرے کے سامنے جھکتے ہیں۔

وہ آہستہ سے شیشے کے پار دیکھتے ہوئے زیرِ لب مسکرایا، ایک صبر بھری مسکراہٹ !

اس نے ولی کو بچانے کے لیے نہ جانے کتنے در بند کیے، کتنی راہیں بدلیں۔۔۔ کتنی دیر تک اپنی طاقت، اپنی سربراہی کا سہارا لے کر سب کچھ قابو میں رکھنے کی کوشش کی۔ مگر محبت قابو میں آتی ہی کب ہے ؟

ایک لمحے کو اُسے محسوس ہوا کہ جیسے اُس کے دل پر بچھی تمام رُتیں ایک ساتھ بدل گئیں۔

اب سمجھ آیا کہ سربراہ ہونا صرف حکم دینا نہیں ہوتا بلکہ اُس جیتے ہوئے لشکر کو سمیٹنا ہوتا ہے جس کے سپاہی تھک چکے ہوں۔

محبت بھی ایک سلطنت ہوتی ہے اور اصل **سربراہ** وہ ہوتا ہے جو اُس سلطنت کے دروازوں پر اپنی خواہشات کا سر جھکا دے۔

یہ جنگ اس نے اکیلے نہیں لڑی، فجر بھی لڑ رہی تھی۔ شاید سب ہی لڑ رہے تھے۔۔ ایک ہی **محاذ** پر ! اس کے سپاہی تھک چکے تھے اب انہیں سمیٹنے کا وقت آ چکا تھا۔

اس کی نم پلکیں دوبارہ بھیگنے لگیں، مگر اس بار یہ نمی شکست کی نہیں تھی بلکہ ایک ایسی فتح کی جو خاموشی سے کسی دل کے اندر جنم لیتی ہے۔

دن کی آخری سنہری شعاع اس کے چہرے پر پڑی اور اُس کے دل نے پہلی بار بہت آہستہ، مگر پورے یقین کے ساتھ کہا۔

"محبت سلطنت سے ٹکراتی نہیں، اُس کو زندہ رکھتی ہے۔"

وہ تیز تیز قدم اٹھاتا سوئٹ سے باہر نکل گیا۔ دن کی آخری شعاع ہسپتال کے شیشوں سے اندر پڑ رہی تھی اور اندر ایک زندگی واپس دھڑکنے لگی تھی۔

✿••✿••✿••✿

"محبت، کیوں عروزہ؟ محبت کیوں؟"

یہ وہ الفاظ تھے جنہوں نے عروزہ کو زندہ در گور کر دیا تھا۔

رات کے گہرے سناٹے میں وہ اپنے کمرے کی کھڑکی کے سامنے کھڑی تھی۔ پورا کمرہ مدھم پیلی روشنی میں ڈوبا ہوا تھا، اور اُس کی پشت پر آویزاں شیشے کے فریمز میں سیاہ سائے اُبھر رہے تھے، جیسے اس کے اندر کی تاریکی کمرے میں پھیل گئی ہو۔ فون اُس کے کان سے لگا تھا، مگر اُس کے ہونٹوں پر نہ کوئی تاثر تھا نہ کوئی ہلچل۔ دوسری جانب میثم کی گھبرائی ہوئی آواز بار بار سنائی دے رہی تھی، التجا کر رہی تھی۔

"ع۔۔۔ عروزہ پلیز۔۔۔ میڈم۔۔۔ ایسا مت کریں۔ ہم کوئی اور راستہ نکال لیں گے۔"

عروزہ کی بھوری آنکھوں میں ایک عجیب سی دھند اُتری ہوئی تھی۔ جیسے وہ اس دنیا میں موجود ہو کر بھی کہیں اور دیکھ رہی ہو۔ اس نے چھت کی طرف دیکھ کر ایک لمبی سانس اندر کھینچی، پھر دھیمے، بالکل ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"یہ بہت ضروری ہے، میثم! مجھے امید ہے تم سب سے سنبھال لوں گے۔"

ایک لمحہ خاموشی کے بعد اُس نے کال کاٹ دی۔ فون اس کے ہاتھ میں ایک بے جان پتھر کی طرح رہ گیا۔ گھڑی دیکھی۔۔۔۔ وقت ریت کی مانند پھسلتا جا رہا تھا۔

پھر اُس نے آہستگی سے دروازہ کھولا اور لاؤنج میں آ گئی۔ مسٹر جمال لاؤنج میں صوفے پر بیٹھے تھے، سامنے قرآن کھلا ہوا تھا۔ اُس نے چند قدم آگے بڑھ کر اُن کے سامنے کھڑے ہوتے اطلاع دی۔ بہت سادہ، کسی عام دن کی طرح۔

"میں ہسپتال جا رہی ہوں۔"

مسٹر جمال نے ایک لمحے کو سر اُٹھایا۔ اُن کی آنکھوں میں ایک مہربان سی چمک اُبھری۔ انہوں نے اسے بغور دیکھا جیسے کچھ ڈھونڈ رہے ہوں۔۔ جیسے اس کے سپاٹ چہرے کے پیچھے چھپے طوفان کو سمجھنے کی خواہش لیے ہوئے ہوں۔

"جلد واپس آنا، میں انتظار کروں گا۔"

عروزہ کے ہونٹ ایک لمحے کو ہولے سے کپکپائے۔۔ ایک ناقابلِ دید لرزش، جو اس کے اندر کے آخری انسانی احساس کا ثبوت تھی۔ لیکن اس نے فوراً لب بھینچ لیے، اور صرف سر ہلایا۔ اس کے بعد وہ مُڑی اور تیز، نپے تلے قدموں سے باہر نکل گئی۔

اس کی گاڑی شہر کی تاریک سڑکوں پر خاموشی سے کسی شکاری جانور کی طرح تیر رہی تھی۔ ونڈ شیلڈ پر بارش کی بوندوں کی ہلکی تہہ جمع ہو رہی تھی، جس سے باہر کی دنیا کسی دھندلے خواب کا منظر پیش کر رہی تھی۔ اس وقت سڑکیں تقریباً خالی تھیں جیسے اور پوری دنیا کسی ان جان گھاٹی میں گم ہو گئی ہو۔

وہ سفید سادہ شرٹ اور نیلی پینٹ پہنے ہوئے تھی۔ بال سختی سے جوڑا بنا کر بندھے ہوئے تھے، چہرہ مکمل طور پر سپاٹ! آنکھوں پر بڑے فریم والا چشمہ جیسے جذبات کو چھپانے کے لیے کوئی آہنی نقاب اوڑھ رکھا ہو، جو اس نے اٹھا کر بالوں پر جما لیا۔

سٹیئرنگ پر رکھی انگلیاں یکدم سخت ہوئیں۔ پھر اُس نے دوسری طرف رکھے فون کو اٹھایا۔ ایک مخصوص نمبر ڈائل ہوا۔

دوسری جانب نرس نے کپکپاتی آواز میں فون اٹھایا، ”س۔۔۔ سب کلیئر ہے، میڈم! میں نے انجیکشن لگا دیا ہے وہ چار گھنٹے تک نہیں اٹھیں گے۔“

اس کے چہرے پر ایک بے تاثر سا سکون اتر آیا۔ گاڑی پہلو بدل کر سیدھی ہسپتال کے سامنے جا رُکی۔ اُس نے چشمہ آہستگی سے اتارا، ایک گہری، خاموش نظر پورے ہسپتال کی عمارت پر ڈالی جیسے کوئی کمانڈر جنگ سے پہلے آخری بار میدان کو دیکھتا ہو۔ پھر وہ گاڑی سے اُتری۔

ایمبولینسوں کی مدھم سی بیپ بیپ۔۔۔ راہداریوں کی مدھم روشنیاں، مگر اس لمحے سب کچھ ٹھہرا ہوا تھا۔ جیسے یہ عمارت کسی طوفان سے چند ثانیے پہلے سانس روک چکی ہو۔

پھر اس نے نے فون نکالا۔ اُس کی انگلیاں لمحہ بھر کو ہلکی سی لرزیں۔۔۔ پھر ایک نمبر ملایا۔ رنگ ہو رہی تھی اور پھر کال اُٹھائی گئی۔

"عروزہ؟" دوسری جانب رئیس تھا۔

پل بھر کو سناٹا چھا گیا۔

"آپ کو پتا ہے ولی کی اس حالت کا ذمہ دار کون ہے؟"

وہ خاموش رہا۔ جیسے سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"نہ آپ۔۔ نہ میں۔" اس کی آواز مزید ٹھنڈی اور زہریلی ہو گئی۔

پھر زہر بھری ایک سانس کھینچی۔

"اس کی حالت کی ذمہ دار وہ ملعون لڑکی ہے۔ وہ۔۔۔ جس سے میں شدید نفرت کرتی ہوں۔ اور آج۔۔۔ میں اُس کا کام تمام کرنے جا رہی ہوں۔"

رئیس کی ریڑھ کی ہڈی میں جیسے برف گھسی ہو۔

"کیا بکواس کر رہی ہو؟" وہ غرایا۔

وہ نے ہولے سے ہنس دی۔ "آپ جانتے ہیں عروزہ جمال بکواس نہیں کرتی۔" اس کے ہونٹوں پر ایک زہر آلود مسکراہٹ ابھری۔

"جب سے یہ ڈوپل گینگر ہماری زندگی میں آئی ہے۔ سب تباہ ہو گیا ہے۔ یہ سب کچھ نگل گئی ہے۔۔۔ اور آج، میں اسے ہمیشہ کے لیے ختم کرنے جا رہی ہوں۔"

اس نے بنا رئیس کا جواب سنے فون بند کر دیا۔

پھر اس نے ہسپتال کی تصویر کھینچی اور اسے سینڈ کر دی۔۔۔ ساتھ ہی لائیو لوکیشن بھیج دی۔ یہ ایک دعوت تھی، ایک چیلنج تھا، آ کر دیکھو کہ میں کیا کر سکتی ہوں۔

پھر اس نے اپنی پستول نکالی۔ ایک دھیمی سی کِلک کے ساتھ میگزین لوڈ کیا اور اُسے جیب کے اندرونی حصے میں واپس رکھ لیا۔

سُورج تو کب کا غروب ہو چکا تھا اور پوری راہداری میں ایک غیر مرئی سایہ اُتر آیا تھا۔

ہسپتال کے اندر، سیکورٹی کیمرے اس وقت اندھے ہو چکے تھے۔ بجلی کے کچھ سرکٹس پہلے سے ہی ٹرِپ ہو چکے تھے۔ راہداریوں کے درمیان لمبا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ بس کہیں کہیں اضطراری لائٹس ٹمٹما رہی تھیں۔

وہ خاموشی سے چلتی جا رہی تھی۔ قدم ہُو بہ ہُو کسی تربیت یافتہ قاتل کی طرح ناپے ہوئے۔۔۔ اس کے ساتھ ملے چند عملے کے افراد اور اس کے اپنے آدمی مختلف راہداریوں کے موڑوں پر کھڑے تھے، سر ہلا کر اسے راستہ کلیئر ہونے کا اشارہ دیتے ہوئے۔

جیسے یہ ہسپتال نہیں گویا جنگ کا میدان ہو اور وہ ایک ایسی فوجی تھی جو دل میں ایک خونی ارادے کے ساتھ یہاں اپنا آخری معرکہ لڑنے آئی تھی۔

پھر اچانک کڑک آواز سے بجلی کے دو تیز جھماکے ہوئے۔ پوری راہداری ایک لمحے کے لیے سفید روشنی سے چمکی اگلے ہی لمحے سیاہی میں ڈوب گئی۔

تمام لائٹس بند۔۔۔۔۔

ایمرجنسی سسٹم پر سرخ بتی جل کر فریز ہو گئی۔

صرف کہیں دور سے وینٹی لیٹر کی بیپ بیپ آ رہی تھی۔

اس نے لمحہ بھر کو آنکھیں بند کیں، جیسے اپنی پوری نفرت اور تکلیف کو ایک مٹھی میں بھینچ رہی ہو۔ پھر قدم آگے بڑھائے۔ راہداری کے اس طرف مڑی جہاں پرائیویٹ سوئٹ کا چھوٹا سا سفید بورڈ لگا تھا، اور اس دروازے کے پار فجر تھی۔

اور۔۔۔ وہاں سے صرف چند قدم دور، موت اسے خوش آمدید کہنے کے لیے تیار کھڑی تھی۔

سوئٹ کا دروازہ بہت آہستہ سے کھلا۔ اس نے ایک محتاط سی نگاہ پورے لاؤنج پر ڈالی۔ ہر طرف گہری خاموشی تھی۔۔ اُس خاموشی جیسی جو کسی بھاری طوفان سے پہلے اُترتی ہے۔

وہ اندر داخل ہوئی۔ اس کے قدم مضبوط تھے، سانسیں بالکل متوازن۔ وہ چلتی ہوئی آئی اور آہستگی سے شیشے کا سلائڈنگ ڈور کھول کر آگے بڑھی جہاں ولی کا بستر تھا۔

وہ سفید چادر میں، بے ہوشی کی حالت میں مکمل سکون سے پڑا تھا۔ مشینوں کی بیپ بیپ بہت ہلکی تھی۔ جیسے کسی دھڑکن کو آخری حد پر روک لیا گیا ہو۔ وہ کچھ لمحوں تک یوں کھڑی رہی جیسے وقت جم گیا ہو۔ پھر اُس کے ہونٹوں سے ایک مہین سا، سرگوشی جیسا جملہ نکلا۔

I'm sorry---

آنکھوں میں کوئی نمی نہیں تھی۔ صرف ایک شدید شکست! ایک اذیت!

پھر وہ یکدم پلٹی اور کمرے سے باہر نکل گئی، مگر ساتھ ہی اندر کھڑی سامان کی وہ ٹرالی باہر کھینچ لائی جس میں مختلف طبی آلات رکھے تھے۔ پھر اس نے دروازہ باہر سے لاک کیا۔ چہرے پر پھر وہی فولادی سپاٹ پن لوٹ آیا۔

وہ مُڑی ہی تھی کہ پیچھے سوئٹ کا دروازہ کھلا اور فجر اندر داخل ہوئی۔ وہ فون سننے گئی تھی۔ یہاں سگنل ڈراپ ہو رہے تھے۔ ایک پل کو اُس کے قدم زمین سے چپک گئے۔ سامنے عروزہ کو اس وقت وہاں دیکھ کر اور اس کے ہاتھ میں کمرے کی چابی دیکھ کر اس کے اندر خطرے کا الارم بجا۔

"تم۔۔۔ یہاں کیا کر رہی ہو؟" اس کی آواز دبی ہوئی تھی مگر بے چین۔

عروزہ نے آنکھیں اس پر گاڑ دیں۔ گہری، ٹھنڈی، نفرت سے بھری ہوئی ایک نظر۔۔۔ جیسے کسی اندھی غار کا دہانہ کھل گیا ہو۔

"ابھی کچھ نہیں کیا۔۔۔ کرنا ہے۔" وہ قدم قدم اس کی طرف بڑھی۔

فجر وہیں جمی رہی۔ "ک۔۔۔ کیا مطلب ہے تمہارا؟"

عروزہ اب سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کی سانس بھی گرم تھی اور لہجہ بھی۔

"تم ملعون ہو۔۔۔ تم ڈائن ہو! تم نے میری زندگی کے دو، سب سے اہم مردوں کو کھا لیا ہے۔ تم نے مجھے ولی سے محروم کیا۔۔۔ اور رئیس سے بھی۔ تم۔۔۔ ایک ناسور ہو فجر معراج! تم مر کیوں نہیں جاتیں؟"

فجر حیرت میں لب کھول نہ سکی۔ صرف اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اس شدّت کی نفرت اُس نے کبھی کسی آنکھ میں نہیں دیکھی تھی۔

"کیا۔۔ بکواس کر رہی ہو؟" وہ تھوڑا سنبھل کر بولی، مگر آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

"بکواس؟" وہ طنزیہ ہنسی۔ "بکواس یہ ہے کہ تم اب تک زندہ ہو۔ تم نے سب کچھ نگل لیا ہے! تمہیں زندہ نہیں رہنا چاہیے۔۔۔ اور میں آج۔۔۔ یہ نیک کام کرنے آئی ہوں۔ زندگی چاہتی ہو تو۔۔ بھاگ جاؤ یہاں سے۔ ہمیشہ کے لیے۔ ولی اور رئیس سے بہت دور۔۔۔ دفع ہو جاؤ!" وہ غرائی۔ یہ سنتے ہی فجر کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔

"میں بھاگنے والوں میں سے نہیں ہوں۔۔۔" وہ اسی کے انداز میں کہتی آگے بڑھی۔

عروزہ کی نخوت بھری ہنسی ابھری۔۔۔

"تو پھر۔۔۔ مرو۔"

اور اگلے ہی پل، اس نے آگے بڑھ کر فجر کی گردن ایک ہاتھ سے پکڑی اور اسے پورے زور کے ساتھ پیچھے دیوار پر دے مارا!

دیوار میں بیٹھ جانے کی آواز پورے لاؤنج میں گونجی۔

دوسری جانب شہر کی ایک سڑک پر رئیس کی گاڑی ہوا کو چیرتی ہوئی دوڑ رہی تھی۔ چہرے پر ہوائیاں، آنکھوں میں خوف!

اس کی سانسیں بھاری تھیں۔۔۔ ٹریفک کو چیرتے ہوئے وہ صرف اس کے ذہن میں عروزہ کے جملے گونج رہے تھے۔ وہ ایسے مزاق نہیں کرتی تھی۔

ادھر ہسپتال کے سوئٹ کے اندر عروزہ بار بار اسے اٹھا کر دیوار سے مار رہی تھی۔

"تم نے مجھے سب سے اکیلا کر دیا۔۔۔"

فجر نے اپنے بازو سے وار روکنا چاہا مگر عروزہ کی گرفت فولاد کی تھی۔ وہ ایتھلیٹ تھی، ٹرینڈ فائٹر۔ وہ چاہ کر بھی اسکا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ ہاں لیکن وہ بھاگی نہیں تھی۔ وہ لڑ رہی تھی۔

ایک اور وار، فجر کے ماتھے سے خون ٹپکنے لگا۔

نک سیاہ دوپٹّے میں جذب ہوتا چلا گیا۔

"بھاگو۔۔۔ ورنہ مَر جاؤ گی!" اس نے گھٹنے کی ضرب اس کے پیٹ پر ماری۔

وہ درد کے مارے جھک گئی۔ سانس ٹوٹ کر باہر آئی۔

"م۔۔۔ مت کرو۔۔۔" وہ اس سے لڑنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی اسے ہوا کیا تھا۔

عروزہ نے اس کا بازو پکڑا اور پوری قوت سے اسے اُس دیوار کی طرف کھینچا جہاں سوئٹ کا شیشہ لگا تھا۔

دھڑام کی آواز ابھری اور وہ دیوار سے ٹکرائی، شیشہ ہلکا سا کرچیوں کی طرح تھرتھرایا۔

ناک سے خون بہنے لگا۔

"چلی جاؤ یہاں سے۔۔۔"

اس کی سانسیں بھاری ہو رہی تھیں۔۔۔ مگر وہ پھر بھی کھڑی ہوئی۔

"میں۔۔۔ تم سے نہیں ڈرتی۔ میں کہیں نہیں جاؤں گی۔" اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

یہ سنتے ہی عروزہ کی آنکھوں میں بغاوت کی آگ دہک اٹھی۔

"تو پھر۔۔ مرو۔۔۔"

وہ جیب سے پستول نکال رہی تھی کہ اسی لمحے سوئٹ کا دروازہ جھٹکے سے کھل کر دیوار سے جالگا۔ رئیس اندر داخل ہوا۔ چہرہ سُن، آنکھوں میں بگولے۔ وہ دو قدم کے فاصلے پر رک گیا۔

ایک نظر۔۔۔ فجر پر۔ خون آلود، دیوار کے ساتھ لگی، ہانپتی ہوئی۔ اُس ایک منظر نے اس کے اندر کا بادشاہ چیر کر رکھ دیا۔

اس کی پیشانی کی رگیں پھڑکیں، جبڑا بھنچ گیا اور آنکھوں میں ایسے شعلے بھڑکے کہ جیسے قیامت کا طوفان آنکھوں کے اندر قید ہو۔

"عـــروزہ۔۔۔۔" وہ دھاڑا۔ ایسی دھاڑ کہ لگتا تھا پوری عمارت ہل جائے گی۔

عروزہ نے دیکھا۔ وہ بمشکل مسکرائی اور رئیس پر نظریں گاڑیں۔

"باس۔۔۔ دیکھیں نا۔۔۔ یہ لڑکی کتنی ڈھیٹ ہے۔ میں نے اسے کہا تھا کہ ولی کو چھوڑ دے۔۔ آپ کو چھوڑ دے۔۔۔ دفع ہو جائے۔۔۔ لیکن نہیں۔۔۔ یہ ماننے کو تیار ہی نہیں۔"

پھر اس نے فجر کی طرف دیکھا، جس نے دیوار کا سہارا لے کر خود کو سنبھال لیا تھا۔

"آخری بار کہہ رہی ہوں لڑکی، ولی کو، رئیس کو، اس شہر کو۔۔۔ سب چھوڑ دو۔ ورنہ میں تمہیں وہ اذیت دوں گی کہ موت بھی تم پر ترس کھائے گی۔"

فجر نے اپنی ناک سے بہتے خون کو آستین سے پونچھا۔ اس کی نظریں سیدھی عروزہ کی آنکھوں میں گڑی تھیں۔ اس کی آواز کپکپائی نہیں، بلکہ برف کی طرح سرد اور مضبوط تھی۔

"میں اپنی کوئی چیز نہیں چھوڑتی۔" یہ جملہ نہیں تھا، اعلانِ جنگ تھا۔

"اچھا۔۔۔" اس نے استہزائیہ سر ہلایا۔ "تو پھر یہی منظور ہے۔"

اس نے پستول کو جیب میں ہی رہنے دیا۔ اس کی نظریں ساتھ کھڑی طبی آلات کی ٹرالی پر پڑیں۔ اس کا چہرہ ایک سفاکانہ خوشی سے تمتما اٹھا۔

"گولی سے مرنا بہت آسان موت ہے۔ تم اس کی حقدار نہیں ہو۔" اس نے ٹرالی سے ایک وزنی، سٹین لیس اسٹیل کی ٹرے اٹھائی۔

اس سے پہلے کہ رئیس کچھ سمجھتا، اسٹیل کی ٹرے ہوا میں ایک قوس بناتی ہوئی پوری قوت سے فجر کے کندھے اور پسلیوں پر لگی۔ ٹکرانے کی آواز اتنی بھیانک تھی جیسے کوئی ہڈی ٹوٹی ہو۔ اس کے منہ سے ایک گھٹی ہوئی چیخ نکلی اور وہ فرش پر گر گئی۔ رئیس جو پہلا منظر دیکھ کر ساکت ہو گیا تھا یکدم سے ہوش میں آیا۔

"تم نے میرا سب کچھ چھین لیا۔۔۔" وہ اب ٹرالی سے کچھ اور ڈھونڈ رہی تھی۔

"عروزہ بس کرو! پاگل ہو گئی ہو تم!" وہ اس کی جانب بڑھا۔

مگر اس کے سر پر خون سوار تھا۔ اس نے ٹرالی کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اس کی انگلیاں چمکدار، نوکیلی سرجیکل قینچی پر بند ہو گئیں وہ اسے پکڑ کر تیزی سے فجر کی جانب لپکی۔

یہ وہ منظر تھا جس نے رئیس کے اندر کے ہر ضابطے کو توڑ دیا۔ اس نے ایک جانور کی سی قوت سے دھاڑتے ہوئے عروزہ کو پکڑا اور اسے پوری طاقت سے پیچھے کھینچا۔

"باس چھوڑیں مجھے۔۔۔" وہ رئیس کی گرفت میں پھڑ پھڑا رہی تھی۔ "یہ ہم سب کو کھا جائے گی! یہ ڈائن ہے۔"

"خاموش!" رئیس نے اسے جھنجھوڑ کر دیوار سے لگا دیا۔ قینچی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گری اور کھنکھناتی ہوئی دور جا رکی۔ اس کی آنکھوں میں وہ شعلے تھے جو عروزہ نے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ یہ مکمل بیزاری اور نفرت کے شعلے تھے۔

"تم نے۔۔۔" رئیس کی آواز گھٹی ہوئی تھی۔ "یہ تم نے کیا کیا عروزہ؟ یہ تم نے کیا کیا؟" اس کے الفاظ، اسکے لہجے، اس کی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔ ٹوٹا ہوا مان تھا۔ عروزہ ایسا کیسے کر سکتی تھی؟

سوئٹ میں اب صرف تین آوازیں تھیں۔

فجر کی ٹوٹی ہوئی، درد بھری سانسیں۔

عروزہ کی تیز، جنونی سانسیں۔

اور مانیٹر کی وہ بے رحم، مسلسل آواز۔۔۔

بیپ۔۔۔بیپ۔۔۔بیپ۔۔۔

رئیس کی گرفت میں جکڑی عروزہ کے ہونٹوں پر ایک ٹوٹی ہوئی، بھیانک ہنسی نمودار ہوئی۔ یہ ہنسی نہیں تھی، یہ روح کے ٹوٹنے کی آواز تھی۔ پھر ایک ناقابلِ یقین تیزی سے، اس نے بیلٹ میں لگا پستول نکالا۔

دھات کی وہ آواز اس خاموش وحشت میں کسی کوڑے کی طرح برسی۔ پستول کا دہانہ سیدھا فجر کی طرف تھا، جس کی آنکھیں حیرت سے پھیل کر پتھرا گئی تھیں۔

"آج یہ مرے گی!" عروزہ کی آواز میں اب کوئی انسانی جذبہ باقی نہیں تھا، صرف ایک بنجر، قاتلانہ ارادہ تھا۔

"نہیں!"

وقت جیسے ایک لمحے کے لیے منجمد ہو گیا۔ پستول کا ٹریگر دبنے ہی والا تھا کہ اُس نے اپنی پوری قوت سے عروزہ کا ہاتھ اوپر کی طرف دھکیل دیا۔

گولی بے آواز چلی۔ چھت میں ایک سیاہ سوراخ بن گیا اور پلستر کا ایک بڑا سا ٹکڑا برف کے گالے کی طرح جھڑ کر نیچے گرا۔ کمرے میں بارود کی تیز، تلخ بدبو ایسے بکھر گئی جیسے موت نے اپنی آمد کا اعلان کیا ہو۔

رئیس نے اُس کی کلائی مروڑ کر پستول چھیننا چاہا لیکن اس نے ایک تربیت یافتہ جنگجو کی طرح اُلٹے ہاتھ سے اس کے سینے پر گھونسہ دے مارا اور خود ایک جست لگا کر پیچھے ہٹ گئی۔ اس کی سانسیں تیز تیز چل رہی تھیں، آنکھیں جنون سے دہک رہی تھیں۔

"کیا کر رہی ہو تم؟" اسکی آواز پھٹی ہوئی تھی۔ یہ ضبط کی آخری حد تھی۔ وہ عروزہ تھی۔ اب تک زندہ تھی۔ کوئی اور ہوتا تو اس کے ہاتھوں اب تک مر چکا ہوتا۔

عروزہ کی آنکھوں میں بجلی کی سی چمک تھی۔

"آج آپ کو فیصلہ کرنا ہو گا، باس!" وہ ایک ایک لفظ چبا کر، بھنبھنا کر بولی۔

"میں۔۔۔ یا وہ!"

یہ کہتے ہی وہ ایک جست فجر کی طرف لپکی۔ وہ جو پہلے ہی نیم جان کھڑی تھی، پیچھے کو کھسکی۔ لیکن عروزہ نے سرجیکل ٹرالی کو ایک وحشیانہ جھٹکے سے کھینچا۔ ٹرے میں رکھی اسٹیل کی اسکیلپل، سرجیکل فورسپس اور دیگر آلات فرش پر بکھر گئے، جیسے دھات کے دانت بکھر گئے ہوں۔

رئیس لی رعب میں کانپتی آواز گونجی، ”عروزہ۔۔۔ بس کر دو۔۔۔“ یہ جیسے التجا تھی۔

”ہر گز نہیں۔۔۔۔“ اس نے جھک کر فرش سے ایک چمکدار فورسپس (Surgical forceps) اٹھایا۔

پستول اس کے دائیں ہاتھ میں تھا، فورسپس بائیں ہاتھ میں۔ اس کے چہرے پر اب ہوش نہیں تھا۔۔۔ صرف جنون تھا، ایک ایسا جنون جو سب کچھ جلا کر راکھ کر دینا چاہتا تھا۔

وہ دوبارہ حملہ کرنے کیلئے بڑھی۔ رئیس بیچ میں آ کر اسے دونوں ہاتھوں سے اتنے زور سے دھکیلا کہ وہ توازن برقرار نہ رکھ سکی اور سیدھی دیوار سے ٹکرائی۔

تصادم اتنا شدید تھا کہ پستول اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گرا لیکن اس نے پلک جھپکنے سے پہلے فرش پر پڑی اسکیلپل (Scalpel) اٹھالی، اسے چھری کی طرح مٹھی میں جکڑا اور آگے بڑھی۔

”باس، پیچھے ہٹ جائیں! ورنہ یہ بھی۔۔۔“ اس کی آواز میں اب التجا نہیں، ایک خونی دھمکی تھی۔

رئیس کی آواز کسی زخمی شیر کی طرح گونجی۔

”عروزہ۔۔۔ ہوش میں آؤ۔ یہ تم نہیں ہو۔۔۔“

”ہاں! یہی میں ہوں!“ وہ غرائی، آواز میں سالوں کا درد اور قربانیاں تھیں۔ ”وہی عروزہ۔۔۔ جس نے آپ کیلئے اپنی پوری زندگی قربان کر دی ہے۔ اور آج آپ اسی لڑکی کیلئے مجھے روک رہے ہیں؟“

اس نے وہ تیز دھار اسکیلپل اپنی پوری قوت سے فجر کی سمت اچھالا۔ شڑاک کی آواز ابھری۔ رئیس نے آخری لمحے میں خود کو ایک ڈھال کی طرح آگے پھینکا۔

نفرت سے پھینکا گیا وہ چھوٹا سا خنجر، وہ اسکیلپل، اس کے بازو کے اوپری حصے میں گہرا چبھ گیا۔ بدن میں بجلی جیسی دردناک ٹیس دوڑ گئی۔ اس نے ہونٹ بھینچ کر زخمی جگہ سے اسکیلپل نکالا، خون کا ایک گرم فوارہ چھوٹا اور اس کی سفید شرٹ پر تیزی سے پھیلنے لگا، جیسے کوئی سرخ پھول کھل رہا ہو۔

"بگ بی۔۔۔" فجر تڑپ کر آگے بڑھی۔

"پیچھے رہو، فجر۔۔۔ جاؤ یہاں سے۔ باہر نکلو۔۔۔" اس کی آواز میں اب بھی بادشاہ کی گونج تھی مگر درد سے بھری ہوئی۔ یہ جو ہو رہا تھا ناقابل یقین تھا۔

یہ دیکھتے ہی عروزہ کی ہنسی ابھری، ایک پاگلوں جیسی، دلخراش ہنسی۔۔۔

"دیکھا؟ میں نے کہا تھا نا یہ ڈوپل گینگر سب کچھ نگل گئی ہے۔ اب سب اس کے غلام ہو گئے ہیں۔"

ایک پل کو وہ اسکیلپل کے خون آلود بلیڈ پر نظریں جمائے کھڑی رہی۔ پھر ایک ناقابلِ فہم حرکت کرتے ہوئے، جھپٹ کر صوفے کے نیچے گرے پستول کی طرف لپکی۔ رئیس نے دوڑتے ہوئے اس کا بازو پکڑا اور اسے اپنی پوری طاقت سے دیوار کے اس حصے پر دے مارا جہاں شیشے کا فریم لگا تھا۔

پورا شیشے کا فریم لرز کر رہ گیا اور اس میں مکڑی کے جالے کی طرح دراڑیں پڑ گئیں۔ عروزہ کے ماتھے سے خون بہنے لگا، مگر اس کے منہ سے ایک جنونی قہقہہ نکلا۔

"آج یہ مرے گی یا میں۔۔۔" وہ ہنسی۔

"باہر جاؤ گی تو ماری جاؤ گی۔" باہر اس کے آدمی تھے۔

رئیس کی آنکھوں میں بے بسی کی نمی ابھری لیکن اُس نے ایک بازو سے اسے دیوار کے ساتھ جکڑے رکھا اور دوسرے ہاتھ سے پستول کو ٹھوکر مار کر مزید دور پھینک دیا۔

"عروزہ۔۔۔ میں تمہیں مرنے نہیں دوں گا!" اس نے پھٹے ہوئے، زخمی لہجے میں کہا۔

"تو پھر اُسے مرنے دیں۔ میں یا وہ؟" وہ اپنی پوری قوت سے جھٹکا کھا کر رئیس کی گرفت سے باہر نکلی۔ پاس پڑے آکسیجن سلنڈر کو زور سے دھکیلا، سلنڈر لڑھکتا ہوا فجر کے پاؤں سے ٹکرایا۔

پھر اس نے وار کرنے کیلئے دیوار کے ساتھ رکھا آہنی بیڈ سائیڈ اسٹینڈ اٹھایا۔ اس سے پہلے وہ اسے فجر کو دے مارتی، رئیس نے اپنی پوری قوت سے ایک لات گھما کر اُس کے پیٹ میں ماری۔

یہ وار اتنا شدید تھا کہ عروزہ کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا، منہ سے ایک کراہ نکلی، جسم بے جان ہو کر پیچھے فرش پر لڑھک گیا۔ بیڈ سائیڈ اسٹینڈ اس کے ہاتھ سے نکل کر دائیں جانب گرا اور کڑکڑاتا ہوا رُکا۔

اب وہ فرش پر پڑی تھی، ہیجانی انداز ہنس رہی تھی۔۔ ہانپ رہی تھی۔۔ گردن نفی میں ہلا رہی تھی۔

"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ آج یا میں۔۔۔ یا وہ۔۔" وہ گھٹنوں کے بل، بے پناہ ہمت سے اُٹھی۔ خون اس کے ماتھے سے بہہ کر اس کی گردن اور سفید شرٹ کو سرخ کر رہا تھا۔

رئیس اب تقریباً ٹوٹ چکا تھا۔ وہ دشمنوں سے لڑ سکتا تھا اپنوں سے نہیں۔۔۔

سانسیں تیز، بازو سے مسلسل ٹپکتا خون، مگر اس نے ایک قدم آگے بڑھ کر خاموشی سے اپنے بازو پھیلا دیئے اور فجر کے سامنے ایک زندہ دیوار بن کر کھڑا ہو گیا۔

"تمہیں۔۔۔اُس تک پہنچنے کیلئے۔۔مجھے مارنا ہو گا، عروزہ۔"

عروزہ ساکت رہ گئی۔

اس کے ہاتھ میں پڑا سرجیکل فورسیپس کپکپانے لگا۔اس کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے دکھ، وحشت، محبت، نفرت سب ایک ساتھ اُبھرے اور ڈوب گئے۔

"نہیں صرف یہ مرے گی۔"

وہ ایک آخری، دلدوز چیخ کے ساتھ آگے بڑھی، فورسیپس ہوا میں چمکا لیکن رئیس نے ایک جھٹکے سے اس کے ہاتھ سے فورسیپس چھین کر اُسے ایک بار پھر اسے پیچھے دھکیلا۔وہ دیوار سے ٹکرائی۔اس بار وہ سیدھی زمین پر گری اور اس کی پیشانی پوری قوت سے ماربل کے تیز کنارے سے ٹکرائی۔

ایک دھڑکتے، خاموش لمحے کے بعد۔۔۔خون کا ایک باریک سا فوارہ اُس کے کان کے پاس سے پھوٹ نکلا۔

اس کی آنکھیں چند سیکنڈ کھُلی رہیں۔

اُس نے کانپتی پلکوں کے پیچھے سے رئیس کو دیکھا۔۔۔

پھر فجر کو جو حواسوں میں نہیں تھی وہ جیسے اپنی جگہ جم گئی تھی۔

ایک گہری، بہت گہری سسکی کے ساتھ عروزہ کے ہونٹوں سے ایک ٹوٹی ہوئی سرگوشی نکلی۔

"میں یہ یا وہ۔۔۔۔؟"پلکیں لرزیں۔۔۔۔

اور پھر اس کا سر بے جان ہو کر ایک طرف کو ڈھلک گیا۔

"عـــروزہ۔۔۔" وہ تڑپ کر اس کی جانب بڑھا۔ اس کے کندھے کو پکڑ کر جھنجھوڑا۔

"آنکھیں کھولو! میں نے تمہیں۔۔۔ م۔۔۔ میں نے تمہیں نہیں چھوڑا تھا۔۔۔" اس کی آواز ٹوٹ کر بکھرتی گئی۔

فرش پر عروزہ کا خون پھیلتا جا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔۔۔ سانسیں بہت خفیف۔۔۔ جیسے وہ زندگی اور موت کے درمیان اٹکی ہوئی تھی۔

پیچھے۔۔۔ فجر لرزتی ٹانگوں کے ساتھ دیوار سے پھسل کر زمین پر بیٹھ گئی۔ اس کے ہونٹ چپ تھے، گال پر خون تھا اور آنکھوں میں ایک ایسا خوف تھا جو شاید اب کبھی ختم نہ ہو گا۔ وہ اپنی ہتھیلیاں لبوں پر رکھے، اس ٹوٹتے، بکھرتے، مرتے ہوئے منظر کو دیکھ رہی تھی۔ وہ کسی کو مرتے نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

کمرے کے اوپر لگی ادھ جلی ٹیوب لائٹ ایک آخری بار دھڑک کر بجھ گئی۔

پورا کمرہ گہری، مکمل تاریکی میں ڈوب گیا۔

سوئٹ کی ادھ جلی ٹیوب لائٹ بجھ چکی تھی مگر ایک سفید فلور لیمپ کونے میں ٹمٹما رہا تھا، جس کی کانپتی ہوئی روشنی فرش پر بکھرے خون، شیشے کے ٹکڑوں اور تباہی کے منظر پر پڑ رہی تھی۔ چند منٹ پہلے تک جس کمرے میں چیخیں، دھمکیاں کی آوازیں گونج رہی تھیں، اب وہاں ایک قبرستان جیسی گہری، بھاری خاموشی اتر چکی تھی۔

ماربل کے فرش پر خون کے پھیلتے ہوئے دھبوں کے درمیان عروزہ نیم بے ہوش پڑی تھی، اور رئیس اس کے سر کے نیچے اپنا بازو رکھے، گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا۔ اُس کے ہاتھ کانپ رہے تھے، سانس تیز تھی اور آنکھوں میں بیک

وقت صدمہ، اذیت اور ایک ایسی شکست تھی جو اس نے اپنی بادشاہت بھری زندگی میں کبھی محسوس نہیں کی تھی۔

پھر عروزہ کی سانس ہلکی سی پھڑ پھڑائی اور پلکیں لرزیں۔

رئیس نے جھک کر اس کی نبض پر ہاتھ رکھا، اس کی آواز ایک ٹوٹی ہوئی سرگوشی تھی، "عروزہ آنکھیں کھولو۔۔۔"

اس نے دھیرے دھیرے پلکیں کھولیں۔ زخموں نے اس کے چہرے کو بھاری بنا دیا تھا مگر آنکھوں میں اب بھی وہی جنون کی آخری چنگاری باقی تھی۔ اُس کے پھٹے ہوئے ہونٹوں پر ایک زخمی، اذیت ناک مسکراہٹ ابھری۔

"چننا ہو گا۔۔۔ آپ کو، باس۔۔۔" وہ سرگوشی کرتی ہوئی ہنسی۔ اس کی ہنسی میں شیشے کی کرچیاں تھیں۔

"میں۔۔۔ یا وہ۔۔۔؟"

رئیس کے دل پر کسی نے نوکیلا پتھر رکھ دیا۔

"نہیں۔۔۔" اس کی آواز کانپ گئی۔ "عروزہ! میں کسی کو۔۔۔ کسی کو مرنے نہیں دوں گا۔۔۔ پلیز۔۔۔ ہم بات کریں گے۔۔۔"

"بات؟" وہ پھر ہنسی، ایک زخمی، کھوکھلی ہنسی۔ "آپ باتیں نہیں۔۔۔ فیصلے کرتے ہیں۔"

"مت کرو یہ سب۔۔۔" وہ التجائیہ لہجے میں بولا۔ اب کی بار، رئیس اورنگزیب کوئی بادشاہ نہیں تھا۔۔۔ وہ بس ایک ٹوٹا ہوا، بے بس انسان تھا۔

مگر عروزہ نے گردن موڑ کر پاس پڑے پستول کو دیکھا جو صوفے کے نیچے پڑا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خون اترا۔

"ہوش میں آؤ عروزہ!"

عروزہ نے آنکھیں سیدھی کر کے اس کی طرف دیکھا۔

"ہوش میں تو۔۔ اب آئی ہوں۔" اور ہلکی سرسراہٹ کے ساتھ اس کے لبوں پر ایک بے آواز، وحشت ناک قہقہہ دوڑ گیا۔

"کسی کو کچھ نہیں ہو گا!" وہ بلند آواز میں کہتا ہوا اٹھا اور تیزی سے دروازے کی طرف پلٹا تا کہ ڈاکٹر کو بلا سکے۔ لیکن

چک۔۔۔ چک۔۔۔ پستول کے کاک ہونے کی وہ دھاتی آواز فضا میں گونجی۔ رئیس کے قدم وہیں ٹھٹھک گئے۔

وہ مڑا منظر قیامت خیز تھا۔

عروزہ گھٹنوں کے بل بیٹھ چکی تھی، پستول دونوں ہاتھوں میں تھاما ہوا تھا اور آنکھوں سے ایسے لگ رہا تھا جیسے اُن سے آنسوؤں کے بجائے خون بہہ رہا ہو۔

پستول کا رخ سیدھا فجر کی طرف تھا، جو دیوار کے ساتھ ساکت بیٹھی تھی۔ ایک دروازے کے پار اسکا شوہر تھا۔ وہ بھاگ کر جہاں جاتی؟

"آپ کو چننا ہو گا باس۔۔۔" اس کی آواز میں اب کوئی کپکپاہٹ نہیں تھی، صرف جنون، وحشت اور ایک حتمی فیصلہ تھا۔

"میں۔۔۔ یا یہ۔۔۔"

رئیس نے دونوں ہاتھ ہوا میں اٹھائے، جیسے ہتھیار ڈال رہا ہو۔

"عروزہ نہیں۔۔۔ خبر دار۔۔۔"

عروزہ کے لبوں سے سانس کا ایک طویل، دھویں جیسا مرغولہ نکلا۔ اس نے فجر کو ایسے دیکھا جیسے کوئی شکاری اپنے شکار کی روح کا جائزہ لے رہا ہو۔

"کیا ہے تم میں ایسا۔۔۔ کہ پوری دنیا تمہارے گرد گھومنے لگتی ہے؟"

رئیس نے لمحہ بھر کو فجر کی بے بسی کو دیکھا اور پھر آہستہ سے اپنا کوٹ ہٹایا۔ کوٹ کے نیچے چھپی اس کی اپنی گن تھی۔ اس نے آہستہ سے اسے نکالا اور عروزہ کی طرف تان لیا۔

"عروزہ۔۔۔ نہیں!" اس کا لہجہ رُلا دینے والا تھا، خبر دار کرنے والا، التجا کرنے والا، ٹوٹا ہوا۔

"رئیس نہیں۔۔۔۔" اسے پستول نکالتے دیکھ کر فجر خوف سے کپکپائی۔

لیکن عروزہ کی گردن ہلکی سے نفی میں ہلی۔ لبوں پر ایک پتھریلی، فاتحانہ مسکراہٹ اتر آئی اور اُس نے ٹریگر دبا دیا۔ گولی فجر کے قدموں کے عین پاس دیوار میں لگی، کنکریوں کا ایک چھوٹا سا دھماکہ ہوا۔ فجر گھبرا کر اچھلی اور اپنی کمر دیوار سے چپکا دی مگر وہ بھاگی نہیں۔

ٹھیک اسی لمحے رئیس کی گن سے فائر ہوا گولی عروزہ کے بازو کے گوشت کو چیرتی ہوئی گزر گئی۔ وہ اسے مارنا نہیں چاہتا تھا صرف خبر دار کیا تھا۔

اس کا بازو پیچھے کی طرف جھٹکا کھا گیا، آنکھوں میں لمحہ بھر کو تکلیف کا گہرا سایہ چھایا۔۔۔ مگر۔۔۔ اس نے پستول ہاتھ سے نہیں گرنے دیا۔ وہ ٹرینڈ اور مضبوط تھی۔ اتنی جلدی مر نہیں سکتی تھی۔

"عروزہ!" وہ چیختا ہوا تیز قدموں سے اس کی طرف بڑھا۔

وہ ہانپتی ہوئی، خون بہاتے بازو کے ساتھ اب بھی پستول تھامے کھڑی تھی۔ بار بار، نفرت سے، اپنے پھٹے ہوئے ہونٹوں سے وہی الفاظ دہرا رہی تھی: ''آپ کو۔۔ چننا ہو گا۔۔۔ یہ۔۔ یا میں۔۔''

''عروزہ نہیں۔۔۔'' رئیس نے دھاڑ کے ساتھ اپنی گن نیچے کی۔

عروزہ نے سر موڑا، فجر کو دیکھا اور پستول دوبارہ سیدھا اس کی جانب کر دیا۔

''کیا تم جانتی ہو۔۔۔'' وہ بہت آہستہ، زہر میں بجھے ہوئے لہجے میں بولی، ''تمہارے آنے سے پہلے، ہر دن، ہر رات۔۔۔ میں نے اُن دو کتھئی آنکھوں کو اپنے لیے تڑپتا دیکھنا چاہا لیکن پھر ایک دن اُن آنکھوں میں تمہاری جھلک دکھائی دینے لگی۔۔ اور میں۔۔ مرنے لگی۔''

رئیس کا ہاتھ کپکپایا۔ وہ چند قدم آگے بڑھا۔

''عروزہ۔۔ بس۔۔'' وہ رو دینے کو تھا۔ حلق میں اذیت کا گولا اٹکا ہوا تھا۔

''میں یا یہ۔۔۔؟''

فجر نے پیچھے قدم لیے کچھ سوچتے ہوئے، تاکہ باہر سے کوئی مدد لا سکے۔ اپنا فون اٹھا کر کسی کو فون ملا سکے۔

وہ اٹھی اور قدم قدم اس کی طرف بڑھنے لگی اس کی انگلی جھٹکوں کے ساتھ ٹریگر پر گھسی جا رہی تھی۔ اس پل رئیس نے اس کی آنکھوں میں حتمی چمک دیکھی۔ ٹریگر پر انگلی دبی اور تبھی رئیس نے پل بھر کی تاخیر بھی نہیں کی۔ اس بار گولی عروزہ کی پنڈلی کو چیرتے ہوئے گزر گئی، وہ لڑکھڑا کر گری۔

''بس کر دو عروزہ۔۔۔۔'' وہ اب اسکے سر پہ کھڑا تھا۔ عروزہ کے چہرے پر تکلیف کے آثار پھیل گئے۔

"بس اب بہت ہو گیا۔۔۔" اسکا لہجہ بدل گیا مگر گری پڑی عروزہ نے پستول والا ہاتھ اٹھایا۔ ایک نظر رئیس کو دیکھا۔

"میں یاوہ۔۔۔۔؟" آخری سوال! اس نے فائر کیا مگر نشانہ فجر نہیں تھی۔ وہ اس کے قریب گلاس ڈور کو لگا جو چھناکے سے ٹوٹ گیا اور اس کے ساتھ ہی یکے بعد دیگرے تین فائر ہوئے۔

تین فیصلے جو رات کی تاریکی میں گونجے۔

تین دھماکے جنہوں نے سب کچھ ختم کر دیا۔

پہلی گولی نے اسے پیچھے جھٹکا دیا۔

دوسری نے اس کے جسم کو شاک میں جما دیا۔

اور تیسری نے وقت کو ہمیشہ کے لیے جکڑ لیا۔

وہ بے یقین، کھلی آنکھوں سے رئیس کو دیکھتی رہ گئی۔ چہرے پر حیرانی تھی، غصہ نہیں، نفرت نہیں، صرف ایک گہری، اذیت ناک حیرانی، جیسے وہ اس انجام کا تصور بھی نہ کر سکی ہو۔ جیسے تصور کر کے بھی یقین نہ کر رہی ہو۔ جیسے موہوم سی امید بھی ٹوٹ گئی ہو۔

سفید ماربل پر خون کی سرخ لکیر ایسے پھیلنے لگی جیسے کسی نے لال سیاہی کا دریا بہا دیا ہو۔

فجر کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ اس کے گھٹنے ڈھیلے پڑ گئے وہ وہیں دروازے کے پاس ایک جھٹکے سے زمین پر گرتی چلی گئی۔ ٹوٹا ہوا کانچ اسکے ہاتھ پیروں میں گھس گیا۔ اس کے ہونٹ کپکپائے مگر آواز نہیں نکلی۔

عروزہ کی آنکھیں ادھ کھلی رئیس پر جمی تھیں۔اس نے ایک ٹوٹتی ہوئی سانس لی۔۔۔۔ایک آخری ہچکی۔۔۔بے ربط الفاظ!

"اب۔۔۔اب پتا چلا۔۔۔م۔۔۔محبت۔۔۔کیوں؟"

رئیس ساکت کھڑا تھا۔پستول اس کے ہاتھ سے پھسلا اور وہ خود گھٹنوں کے بل عروزہ کے سر کے قریب گر گیا۔

"نہ۔۔۔نہ۔۔۔نہیں۔۔۔عروزہ۔۔۔نہیں۔۔۔"اس کے لفظ بکھرنے لگے۔وہ اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھامتا رہا،اپنے بازوؤں میں کھینچ کر اسے اپنی گود میں لے لیا۔

"عروزہ۔۔۔آنکھیں کھولو۔۔خدارا۔۔۔آنکھیں کھولو۔۔۔"

اس نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی اور پھر آنکھیں کھلیں،اس کی پلکیں لرزیں۔۔۔ایک آخری،ہلکی سی سسکی۔۔۔اور اس کا سر رئیس کے بازو پر ہمیشہ کے لیے ڈھلک گیا۔

گہری خاموشی۔۔۔۔۔۔اور وہ لمحہ وقت کے سینے میں دفن ہو گیا۔

وہ اس کے گال تھپتھپا رہا تھا۔اس کے بال سہلا رہا تھا۔وہ اسے اٹھنے کو کہہ رہا تھا۔وہ اسے سانس لینے کو کہہ رہا تھا۔

"عروزہ۔۔۔"صرف یہی ایک لفظ!مگر اس لفظ کے اندر ایک پوری عمر کی تاریخ،وفاداری اور اذیت تھی۔اس نے عروزہ کا سر اوپر کرتے اپنا چہرہ اس کی پیشانی سے ٹکا دیا اور کسی ٹوٹے ہوئے بچے کی طرح رونے لگا۔اس کے آنسو عروزہ کے چہرے پر گر رہے تھے۔

یہ وہ بادشاہ تھا جس نے آج اپنی سلطنت،اپنی وفادار سپاہی،اپنی روح۔۔۔سب کچھ ہار دیا تھا۔

کچھ فاصلے پر زمین پر بیٹھی فجر کے آنسو ساکت تھے۔ اسے اپنا سانس گھٹتا محسوس ہوا۔ کہیں اندر سے ایک آواز ابھری۔

"دیکھا؟ تمہارا وجود آج پھر ایک زندگی نگل گیا۔۔۔" وہ بے اختیار اپنے سر کے گرد بازو لپیٹ کر نیچے جھک گئی، جیسے کسی نہ ختم ہونے والے کابوس میں قید ہو گئی ہو۔ پتہ نہیں کتنی دیر گزر گئی۔ وقت رک گیا تھا۔

پھر اچانک رئیس نے آہستہ سے عروزہ کو نیچے ماربل پر لٹایا۔ وہ بمشکل کھڑا ہوا۔۔۔ قدم جیسے پتھر کے ہو گئے تھے۔ وہ فجر کے قریب آیا اور پنجوں کے بل بیٹھ گیا۔ فجر نے سر اٹھایا۔

"وو۔۔۔وہ۔۔۔ عرو۔۔۔زہ۔۔۔ آپ۔۔۔نے۔۔۔اسے۔۔۔۔" اس کے لبوں سے ٹوٹے پھوٹے الفاظ نکلے۔ اس نے عروزہ کو مار دیا تھا۔ صرف اسے بچانے کے لیے۔ وہ اسکا گارجین تھا پھر اسے کیسے مرنے دے سکتا تھا؟ اس نے اپنا لرزتا ہاتھ فجر کے سر پر رکھا اور پھر اسی ہاتھ پر اپنے لب رکھ دیئے۔ پھر بہت آہستہ آدھی سانس میں کہا۔

"تمہارے لیے کچھ بھی۔۔۔"

اس کی آنکھیں بھیگ گئیں لیکن وہ کچھ بول نہ سکی۔

رئیس نے اپنا چہرہ پیچھے ہٹایا، اٹھا اور بغیر پلٹ کر دیکھے۔۔۔ سوئٹ سے باہر نکل گیا۔

جیسے ہی وہ دروازہ پار کر کے راہداری میں آیا باہر کھڑے عروزہ کے آدمی جنہوں نے سوئٹ کو گھیر رکھا تھا فوراً سوئٹ کی سمت بھاگے۔ اب یک دم قدموں کی دوڑ، لوگوں کی چیخیں اور کوڈ بلیو کی آواز گونجنے لگی۔ مقررہ وقت پر سب ہو رہا تھا۔ سب پلان کے مطابق! یہ عروزہ کا پلان تھا کہیں گڑبڑ ہو ہی نہیں سکتی تھی۔

اور رئیس۔۔۔ خاموشی سے چلتا رہا۔ لمبی خالی راہداری۔۔۔ بجلی جھپکنے لگی، جیسے ہسپتال کی عمارت بھی کانپ رہی ہو۔ وہ آج ہار گیا تھا۔

وہ چلتا رہا، چلتا رہا۔۔۔ پھر اچانک کسی نے اسے پکڑ کر ہسپتال کے پچھلے دروازے سے باہر نکال دیا۔ وہ ایک سنسان سڑک پر آ کر رُک گیا۔

فضا بھاری تھی، بارش کی ہلکی بوندیں آسمان سے گرنے لگیں۔

وہ ایک پل کھڑا رہا۔۔۔ پھر گھٹنوں کے بل سڑک پر گر گیا۔ اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔ وہ عروزہ کے خون سے بھرے ہوئے تھے۔ اُس نے ہولے سے انگلیوں کو چھوا۔۔۔ پھر یکدم اس کے اندر سے ایک تیز، زخمی، جانور جیسی چیخ نکلی۔ وہ دھاڑا۔۔۔۔۔

یہ ایک زخمی شیر کی چیخ تھی جو پوری رات، پوری فضا، پورے شہر میں گونجی۔ وہ سڑک کے وسط میں بیٹھا بیک وقت روتا اور چیختا رہا۔ بارش کے قطرے اس کے خون آلود ہاتھوں اور آنسوؤں سے مل کر بہنے لگے، جیسے آسمان بھی اس کے گناہوں اور غموں کو دھونے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

اور اسی لمحے سوئٹ کے اندر عروزہ کی بے جان آنکھیں ٹکٹکی باندھے چھت کو دیکھ رہی تھیں۔۔۔ عملہ اسے اٹھا رہا تھا۔ ایک کی مضبوط آواز گونجی۔

"میڈم نے کہا تھا میری باڈی جلد گھر پہنچا دینا۔"

وہ جانتی تھی اس کا باپ انتظار کر رہا تھا۔

سوئٹ کے اندر مراد اور میثم بھاگتے ہوئے داخل ہوئے۔ تب تک دیر ہو چکی تھی۔

فجر خاموشی سے فرش پر بیٹھی کانپ رہی تھی، اس رات کے خون اور فیصلوں میں ہمیشہ کے لیے قید ہو کر۔ وہ عروزہ سے پہلی بار ہسپتال میں ملی تھی اور آج آخری ملاقات بھی ہسپتال میں!

یہ رات محبت کی نہیں، خون کی تھی۔ یہ رات ایک بادشاہ کو ایک انسان میں بدل دینے والی تھی۔

✿••✿••✿••✿

دور۔۔۔ کچھ دور، راہداری کی نیم تاریک موڑ پر وہ خاموشی سے کھڑی تھی۔ منار معراج!

مدھم روشنی میں اس کا چہرہ آدھا سایوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ سفید دیوار پر پڑتا اس کا سایہ، مکڑی کے پھیلتے جال کی طرح لگ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ کی انگلیاں آہستہ آہستہ دروازے کے فریم کو چھو رہی تھیں۔۔۔ جیسے اس نے ابھی ابھی کسی نازک دھاگے کو ٹٹولا ہو۔

اور تب۔۔۔ وہ چیخ۔۔۔ وہ زخمی شیر کی دل پھاڑ دینے والی چیخ ہسپتال کے سینے کو چیرتی ہوئی فضا میں بلند ہوئی۔

راہداری کی بتی ذرا سی لرزی، اور منار کی پتلیوں میں ایک منجمد روشنی بھڑک اٹھی۔ ہونٹوں پر ایک ایسی خاموش، خفیف سی مسکراہٹ اُبھری جو کسی عام انسان کے چہرے پر نہیں آتی۔۔۔ یہ وہ مسکراہٹ تھی جو صرف جال بُننے والی کو اپنی محنت کے پورا ہونے پر نصیب ہوتی ہے۔

اس نے پلکوں کے پیچھے سے ایک گہری، تیز سانس لی اور پھر دھیرے سے اپنے سر کو ایک طرف جھکایا جیسے دور کہر میں پھنسا ہوا منظر پوری وضاحت کے ساتھ اُتر آیا ہو۔

"اور کھیل شروع ہوا۔۔۔" اس کے سرد الفاظ، ہوا میں یخ لہر کی طرح بکھر گئے۔

کافی دیر تک وہ ساکت رہی۔ پھر اس نے اپنے پیر پیچھے سرکائے اور دھیرے سے قدم موڑا۔ اس کی اونچی ایڑیاں فرش پر پھسلیں تو ہلکی سی ٹھنڈی آواز پیدا ہوئی، جیسے کوئی دھاگہ شریان کے اندر رینگ رہا ہو۔ اس نے آخری بار پلٹ کر اس بند دروازے کو دیکھا۔ جس کے پیچھے خون، چیخیں اور ایک ٹوٹا ہوا بادشاہ سب ہار گیا تھا اور اس کی آنکھوں میں ایک ایسے سکوت کا سایہ اترا جو خالی نہیں تھا۔۔۔ وہ سکوت سازشوں سے بھرا ہوا تھا۔

اس کے ہونٹ ہلے، بہت آہستہ، جیسے وہ کسی غیر مرئی روح سے بات کر رہی ہو۔

"ایک ہار۔۔۔ اور ایک نئی چال۔۔۔"

پھر اس نے نگاہیں جھکائیں اور خاموشی سے اندھیرے کے اندر تحلیل ہو گئی، ایسے جیسے کبھی وہاں موجود ہی نہ تھی مگر اس کی موجودگی کی سرد، سنسنان جھلک راہداری کی دیواروں پر، خون کی مہک کے ساتھ۔۔۔۔۔ ہمیشہ کے لیے نقش ہو گئی۔

✿••✿••✿••✿

جاری ہے۔

پارٹ 2 اگلے مہینے!

(قسط 21 پارٹ 1 اس باب کا ایک رخ تھا دوسرا رخ پارٹ 2 میں ان شاءاللہ)

* * * * * * *

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔۔۔

بسمہ اللہ الرحمن الرحیم

عنکبوت

(معرفت اور محبت سب کو نہیں ملتی)

از قلم: نور راجپوت

قسط نمبر:21

سیکنڈ لاسٹ اپیسوڈ(پارٹ2)

زندگی کے پنوں پر کچھ نام ہمیشہ وفاداری کی روشنائی سے لکھے جاتے ہیں، مگر تقدیر کے ہاتھ جب خون میں ڈوبے قلم سے تحریر ہوں تو وہی نام سرخیِ الم بن جاتے ہیں۔

عروزہ جمال۔۔۔ ایک سایہ تھی جو رئیس کے ساتھ جڑا رہا، ایک سایہ جو کبھی الگ نہ ہوا، مگر آج وہی سایہ اس کے ہاتھوں بجھ گیا۔

اس کی خاموشی اب صدا تھی، اس کا دم ٹوٹنا ایک سوال،

کیاوفاداری کی انتہا یہی ہے کہ وہ اپنے محسن کی تلوار پر قربان ہو جائے؟ کیا محبت اور عقیدت کا انجام یہی ہے کہ مرنے کے بعد بھی وہی چہرہ سامنے ہو جس کے لیے جیا تھا؟ وقت کے طاق پر عروزہ کا وجود مٹی کی طرح بکھر گیا، لیکن اس کی موت رئیس کے سینے پر وہ بوجھ رکھ گئی جسے شاید وقت بھی کم نہ کر سکے۔

یہ داستان خون سے لکھی جا چکی ہے اور اب اگلا باب ان زخموں کے ساتھ کھلتا ہے جہاں وفاداری کا کفن بھی رئیس کے ہاتھوں سل دیا گیا۔۔۔

وقت جیسے اُس سوئٹ میں منجمد ہو چکا تھا۔

عروزہ کی بے جان آنکھیں چھت میں گڑے کسی نادیدہ نقطے پر جمی تھیں، جیسے وہ اس دنیا سے پرے کچھ دیکھ رہی ہوں۔ اُس کی موت نے کمرے کی ہوا کو اتنا بھاری کر دیا تھا کہ سانس لینا بھی ایک اذیت بن گیا۔ ڈاکٹر اور نرسوں کی ایک ٹیم اندر داخل ہوئی، اُن کے چہروں پر پیشہ ورانہ سنجیدگی تھی مگر آنکھوں میں اُس تباہی کا عکس صاف نظر آ رہا تھا جو چند لمحے پہلے یہاں برپا ہوئی تھی۔

"کوڈ بلیو کینسل کر دیں۔ شی از گون۔" ایک سینئر ڈاکٹر کی تھکی ہوئی آواز گونجی۔

مراد اور میثم تقریباً ایک ساتھ ہی بھاگتے ہوئے اندر داخل ہوئے تھے۔ اُن کے قدم فرش پر بکھرے شیشے اور خون کے دھبوں کے پاس آ کر رک گئے۔ سامنے اسٹریچر پر سفید چادر میں ڈھکا وجود عروزہ کا تھا۔ مراد کے حلق سے ایک گھٹی ہوئی آواز نکلی اور وہ دیوار کا سہارا لے کر وہیں رک گیا۔ میثم سکتے کے عالم میں کھڑا تھا، اس کی آنکھیں فجر پر جمی تھیں جو ایک کونے میں، خون اور شیشے کے درمیان، اپنے گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی تھی۔ اس کا وجود کانپ رہا تھا، جیسے وہ اس حقیقت کو اپنے اندر جذب کرنے سے قاصر ہو۔

"یہ۔۔۔ یہ سب کیسے ہوا؟" مراد کی آواز ناقابلِ یقین حد تک کمزور تھی۔ پولیس پہنچ چکی تھی۔ اب تفتیش ہو رہی تھی۔

اس سے پہلے کہ کوئی جواب دیتا، میثم کے فون پر ایک نوٹیفکیشن کی تیز بیپ بجی۔ یہ ایک ای میل الرٹ تھا، جس کا سبجیکٹ صرف ایک لفظ تھا۔ **"آخری خواہش۔۔۔"**

اس نے کانپتے ہاتھوں سے فون کھولا۔ ای میل **عروزہ** کے ذاتی اکاؤنٹ سے بھیجی گئی تھی اور اس میں ایک ویڈیو کا لنک تھا۔ اس نے لرزتی انگلی سے لنک پر کلک کیا۔ ویڈیو پلے ہوئی اور کمرے میں موجود ہر شخص کے قدم وہیں جم گئے۔

اسکرین پر عروزہ تھی۔

وہ اپنے گھر کے اسٹڈی روم میں بیٹھی تھی، بالکل پر سکون۔ اس نے سیاہ لباس پہنا ہوا تھا، بال نفاست سے بندھے تھے اور چہرے پر میک اپ کا شائبہ تک نہیں تھا۔ اس کی بھوری آنکھوں میں کوئی جذبہ نہیں تھا، نہ نفرت، نہ محبت، نہ دکھ۔ صرف ایک ٹھہراؤ تھا، ایک برفانی حقیقت کو تسلیم کر لینے والا ٹھہراؤ۔ وہ سیدھا کیمرے میں دیکھ رہی تھی، جیسے جانتی ہو کہ اس وقت کون کون اسے دیکھ رہا ہو گا۔

"اگر آپ یہ ویڈیو دیکھ رہے ہیں، تو اس کا مطلب ہے کہ میں اب زندہ نہیں ہوں۔"

اس کی آواز اتنی صاف اور مضبوط تھی جیسے وہ کوئی بزنس رپورٹ پیش کر رہی ہو۔ بالکل روبوٹ کی طرح!

"میری موت کا ذمہ دار کوئی نہیں ہے۔ نہ اس ہسپتال میں موجود شخص، نہ کوئی اور۔ یہ فیصلہ میرا اپنا تھا، میری مرضی سے، میرے ہوش و حواس میں۔ میں ایک ایسی جنگ لڑ رہی تھی جسے جیتنا میرے بس میں نہیں تھا۔ کبھی

کبھی ایک جذبہ آپ کو اتنا مضبوط کر دیتا ہے کہ آپ دنیا سے لڑ جاتے ہیں، اور کبھی کبھی وہی جذبہ آپ کو اندر سے اتنا کھوکھلا کر دیتا ہے کہ آپ خود سے ہار جاتے ہیں۔"

اس کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی، استہزاء بھری مسکراہٹ ابھری۔

"یہ میری آخری خواہش اور حکم ہے کہ اس کیس پر کوئی تفتیش نہ کی جائے۔ کسی سے کوئی پوچھ گچھ نہ ہو۔ یہ خودکشی نہیں، یہ میرا انتخاب تھا۔ میری موت کو ایک منطقی انجام سمجھ کر فائل بند کر دی جائے۔"

کمرے میں موجود ہر شخص سانس روکے یہ اعتراف سن رہا تھا۔ مراد نے بے یقینی سے فجر کی طرف دیکھا، جو اب سر اٹھا کر فون کو نظریں جمائے گھور رہی تھی۔

ویڈیو میں عروزہ نے ایک لمحے کو توقف کیا۔ اس کی آنکھوں میں پہلی بار ایک ہلکی سی نمی چمکی، مگر فوراً ہی غائب ہو گئی۔

"میثم۔۔۔!" اس نے اپنے سب سے وفادار ساتھی کو پکارا۔ **"تم جانتے ہو تمہیں کیا کرنا ہے۔ میری باڈی پر کوئی پوسٹ مارٹم نہیں ہو گا۔ اسے بنا کسی تاخیر کے سیدھا میرے گھر پہنچا دیا جائے۔۔۔ میرے والد انتظار کر رہے ہیں۔"**

یہ آخری جملہ کہتے ہوئے اس کی آواز ایک لمحے کو بھرائی، مگر اس نے فوراً خود کو سنبھال لیا۔

"یہ میری جنگ تھی۔ اور میں نے اسے اپنے طریقے سے ختم کیا ہے۔ الوداع!"

ویڈیو ختم ہو گئی۔ اسکرین سیاہ ہو گئی۔

سوئٹ میں ایک ناقابلِ برداشت خاموشی چھاگئی۔ یہ عروزہ کا آخری ماسٹر اسٹروک تھا۔ اس نے مرتے مرتے بھی سب کچھ اپنے کنٹرول میں رکھا۔ اس نے رئیس کو ہر الزام سے بچالیا تھا، فجر کو کسی بھی قانونی کارروائی سے دور کر دیا تھا، اور اپنی موت کو ایک ایسی پہیلی بنا دیا تھا جسے اب کوئی حل نہیں کر سکتا تھا۔

میثم نے خالی آنکھوں سے فون بند کیا۔ وہ آگے بڑھا، اس کے قدموں میں اب ایک نئی مضبوطی تھی۔

"آپ سب نے سن لیا۔ میڈم کا آخری حکم یہی ہے۔" اس نے پولیس، ہسپتال کے عملے اور سیکیورٹی گارڈز کو مخاطب کیا۔

"ہمیں ان کی باڈی فوراً یہاں سے لے کر جانی ہے۔"

پولیس انسپکٹر آگے بڑھا۔ "لیکن یہ۔۔۔ یہ سب۔۔۔؟" وہ فرش پر بکھرے خون کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔

"یہ سب اب کوئی معنی نہیں رکھتا، سر!" اس کی آواز میں دکھ اور وفاداری کا امتزاج تھا۔ "انہوں نے اپنا فیصلہ سنا دیا ہے۔ اب بحث کی کوئی گنجائش نہیں۔"

ڈاکٹر نے سر ہلایا۔ قانونی طور پر، جب متوفی کا واضح بیان موجود ہو تو پولیس بھی زیادہ کچھ نہیں کر سکتی۔

عملے نے اسٹریچر کو احتیاط سے اٹھایا۔ سفید چادر کے نیچے عروزہ کا وجود ابدی نیند سو رہا تھا۔ میثم اور مراد اسٹریچر کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ جب وہ دروازے کے پاس سے گزرے تو مراد ایک لمحے کو رکا۔ اس نے پلٹ کر فجر کو دیکھا جو اب بھی اسی حالت میں تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں تھے، صرف ایک خالی پن تھا۔ ایک ایسا خالی پن جو شاید اب کبھی نہ بھر سکے۔

"فجر۔۔۔" مراد نے اسے پکارنا چاہا، مگر الفاظ اس کے حلق میں ہی دم توڑ گئے۔ وہ کیا کہتا؟ تسلی دیتا؟ کس بات کی؟

میثم نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "چلیں سر، مسٹر جمال انتظار کر رہے ہیں۔"

وہ دونوں خاموشی سے باہر نکل گئے۔ راہداریوں میں اب سکون تھا۔ ایمرجنسی لائٹس کی ٹمٹماہٹ بند ہو چکی تھی اور معمول کی روشنیاں جل اٹھیں، جیسے ہسپتال اس خونی رات کے داغ اپنے سینے سے مٹا دینا چاہتا ہو۔

وہ عروزہ کا جسدِ خاکی لے کر ہسپتال کی پچھلی راہداری سے باہر نکلے، جہاں ایک ایمبولینس پہلے سے کھڑی تھی۔

جیسے ہی انہوں نے باڈی کو ایمبولینس میں رکھا، میثم نے ڈرائیور کو ہدایت دی۔ وہ جمال ہاؤس جا رہے تھے۔ گاڑی رات کی تاریکی میں گم ہو گئی۔ اور سوئٹ کے اندر فجر اکیلی رہ گئی۔ اس کے کانوں میں صرف عروزہ کی سرگوشیاں گونج رہی تھیں۔

"تم ناسور ہو فجر معراج! تم مر کیوں نہیں جاتیں؟"

یہ رات ایک بادشاہ کو توڑ گئی تھی، ایک وفادار سپاہی کو نگل گئی تھی، اور ایک لڑکی کو ہمیشہ کے لیے ایک ایسے جرم کے احساس میں قید کر گئی تھی جو اس نے کیا ہی نہیں تھا۔

✿••✿••✿••✿

وقت کا دریا بہتا رہا، مگر رئیس کے لیے وہ ایک ہی لمحے میں منجمد ہو گیا تھا۔

اس کا وسیع و عریض دفتر، جو شہر پر حکمرانی کرنے والی طاقت کا مرکز تھا، آج ایک مقبرے کی سی خاموشی اوڑھے ہوئے تھا۔ سورج کی پہلی کرنیں شیشے کی دیواروں سے چھن کر اندر آتیں فرش پر لمبی لمبی لکیریں بنا رہی تھیں، جیسے کسی جیل کی سلاخیں ہوں۔ مگر اسے نہ دن کا ہوش تھا، نہ رات کا۔

وہ اپنی مہنگی چمڑے کی کرسی پر بیٹھا تھا، بالکل ساکت، جیسے وہ کرسی کا ہی ایک حصہ ہو۔ اس کا جسم اکڑ چکا تھا، گردن ایک خاص زاویے پر جمی ہوئی تھی اور آنکھیں سامنے شہر کے منظر پر ٹکی تھیں، مگر وہ کچھ دیکھ نہیں رہا تھا۔ وہ گزشتہ رات سے اسی حالت میں تھا۔ وہی لباس پہنے ہوئے جس کی سفید شرٹ پر عروزہ کے خون کا گہرا سرخ دھبہ اب سوکھ کر سیاہی مائل ہو چکا تھا۔ یہ دھبہ نہیں تھا، ایک دائمی الزام تھا جو اس کے سینے پر ثبت ہو گیا تھا۔

رات عروزہ جمال کو سپردِ خاک کر دیا گیا تھا۔ پورا رئیس گروپ، ہر چھوٹا بڑا ملازم، شہر کی ہر بااثر شخصیت وہاں موجود تھی۔ صرف ایک شخص نہیں تھا رئیس اورنگزیب! یہ حیران کن تھا۔ خبریں چھپ رہی تھیں، نیوز چل رہی تھی، عروزہ جمال کی خبر سوشل میڈیا کا ہاٹ ٹاپک بن چکی تھی۔

وہ کیسے جاتا؟ کس منہ سے ایک باپ کے سامنے کھڑا ہوتا؟ وہ اپنے سب سے وفادار سپاہی کا قاتل تھا اور قاتل جنازوں میں شرکت نہیں کرتے۔

اس کے ذہن میں گزشتہ رات کے مناظر ایک نہ ختم ہونے والے تسلسل کے ساتھ چل رہے تھے۔ پستول کی ٹھنڈی دھات کا لمس، گولیوں کی دہاڑ، عروزہ کی بے یقین آنکھیں، اس کے جسم کا بے جان ہو کر اس کی بانہوں میں گرنا، اور اس کی آخری سرگوشی، **"اب پتا چلا۔۔۔ م۔۔۔ محبت۔۔۔ کیوں؟"**

وہ بادشاہ تھا، مگر آج وہ اپنی ہی سلطنت کا سب سے بے بس اور گناہگار قیدی تھا۔ اس کا دل نہیں دھڑک رہا تھا، بس ایک پتھر تھا جو سینے میں اٹکا ہوا تھا۔ وہ زندہ تھا مگر جیسے اس کی روح مر چکی تھی۔

ٹن!

لفٹ کے دروازے کھلنے کی دھاتی آواز نے دفتر کی گہری خاموشی کو چیرا۔

قدموں کی آہٹ سنائی دی اور پھر مراد اندر داخل ہوا۔ اس نے سادہ لباس پہنا ہوا تھا، چہرہ تھکا ہوا اور آنکھیں سوگوار تھیں۔ اس نے ایک نظر دفتر کی حالت پر ڈالی اور پھر رئیس پر، جو اب بھی ایک بت کی طرح ساکت تھا۔ ایک لمحے کو مراد کے قدم ڈگمگائے۔ اس نے ہمیشہ اپنے رئیس کو فولاد کی طرح مضبوط دیکھا تھا، اتنا تو وہ فجر کی شادی پر نہیں بکھرا تھا جتنا وہ اسے اس وقت ٹوٹا ہوا، بکھرا ہوا دیکھ رہا تھا۔

وہ آہستہ سے چلتا ہوا اس کی میز کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ رئیس نے نہ پلکیں جھپکائیں، نہ کوئی ردِ عمل ظاہر کیا۔

"رئیس۔۔۔" مراد کی آواز بہت دھیمی تھی، جیسے وہ اس خاموشی کو توڑنے سے ڈر رہا ہو۔ "تدفین ہو گئی ہے۔"

ایک طویل وقفہ۔ دفتر میں صرف خون جما دینے والی ٹھنڈک تھی پھر، جیسے کسی نے پتھر میں جان ڈالنے کی کوشش کی ہو، رئیس کے ہونٹ ہلے۔

"تد۔۔۔ تدفین۔۔۔؟"

یہ ایک لفظ نہیں تھا، ایک کراہ تھی جو اس کے اندر سے نکلی تھی۔

مراد نے ایک گہری سانس لی۔

"جمال صاحب۔۔۔ وہ ٹھیک نہیں ہیں۔ مگر انہوں نے کوئی سوال نہیں کیا۔ نہ کوئی جواب! انہوں نے خاموشی سے بیٹی کو دفنا دیا۔"

اس بار رئیس کی پتھرائی ہوئی آنکھوں میں ایک ہلکی سی لرزش ہوئی۔ اس نے اپنی نظریں شہر کے منظر سے ہٹا کر سامنے میز پر جمائیں۔

"روزہ کو دفنا دیا؟" وہ جیسے اسے نہیں سن رہا تھا۔ اس کی آواز کھردری تھی، جیسے صدیوں بعد استعمال کی گئی ہو۔

"وہ ٹوٹ چکے ہیں۔" مراد کی آواز میں بھی درد ابھرا۔ "تمہیں ایک بار ان سے ملنا چاہیے۔ وہ تمہاری راہ تک رہے ہوں گے۔"

رئیس نے کچھ نہیں کہا۔ اس نے آہستہ سے اپنے ہاتھ اٹھائے اور میز پر رکھ دیئے۔ اس کے ہاتھ اب کانپ نہیں رہے تھے، وہ بے حس تھے۔ اس نے اپنی انگلیوں کو دیکھا، پھر اپنی شرٹ پر لگے خون کے دھبے کو۔۔۔

یہ وہی ہاتھ تھے جنہوں نے ٹریگر دبایا تھا۔

یہ وہی ہاتھ تھے جنہوں نے عروزہ کو گود میں اٹھایا تھا جب وہ مر رہی تھی۔

یہ وہی ہاتھ تھے جو اب اس کے خون سے رنگے ہوئے تھے۔

ایک ناقابلِ برداشت اذیت کی لہر اس کے پورے وجود میں دوڑ گئی۔ وہ پتھر جو اس کے اندر جما ہوا تھا، چٹخنے لگا۔

"میں نے اسے مارا، مراد۔" اس کی آواز ایک ٹوٹی ہوئی سرگوشی تھی۔ اس نے پہلی بار مراد کی آنکھوں میں دیکھا، اور اس کی آنکھوں میں ایک ایسی بے بسی تھی جو پہاڑ کو بھی ریزہ ریزہ کر دے۔

مراد نے نفی میں سر ہلانا چاہا مگر وہ جانتا تھا کہ سچ یہی تھا۔ چاہے ڈیفنس میں مارا ہو مگر خون اسی کے ہاتھوں ہوا تھا۔ یہ ایک بھیانک سچائی تھی۔

"تم نے فجر کو بچایا، رئیس! تمہارے پاس کوئی اور راستہ نہیں تھا۔ وہ پاگل ہو چکی تھی۔"

"راستہ؟" اس کے لبوں پر ایک بھیانک، کھوکھلی ہنسی ابھری۔

"راستے تو کمزور لوگ ڈھونڈتے ہیں، مراد۔ بادشاہ فیصلے کرتے ہیں۔ اور میرا فیصلہ۔۔۔۔ کیا وہ صحیح تھا؟" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے اکڑے ہوئے جسم سے چٹخنے کی آواز آئی۔ وہ چند قدم بڑھا کر کھڑکی کے پاس گیا اور باہر دیکھنے لگا۔

"وہ میری ڈھال تھی۔ میری تلوار تھی۔ میری وفادار۔ اور میں نے۔۔۔ میں نے اپنی ہی ڈھال کو توڑ دیا۔" اس کی آواز میں آنسو نہیں تھے، آنسوؤں سے کہیں زیادہ گہرا کرب تھا۔

"اس کی قیمت عروزہ تھی۔" اس نے شیشے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "فجر کو بچانے کی قیمت۔۔۔ عروزہ تھی۔ اور یہ قرض مجھ پر ہمیشہ رہے گا۔"

مراد خاموش کھڑا رہا۔ اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔

آج رئیس اورنگزیب کوئی بادشاہ نہیں تھا، وہ ایک مقروض تھا، جو اپنی ہی روح کا قرض دار ہو چکا تھا۔

دن پوری طرح نکل آیا تھا۔ شہر جاگ رہا تھا، زندگی اپنی رفتار سے چل رہی تھی مگر رئیس کے دفتر میں رات ٹھہر گئی تھی۔ ایک ایسی رات جس کی صبح شاید کبھی نہ ہو پائے۔

✿••✿••✿••✿

ہوش کی دنیا میں واپسی دھندلی اور مبہم تھی۔ اس کی آنکھیں جب پوری طرح کھلیں تو اس نے خود کو ہسپتال کے اسی پرائیویٹ سوئٹ میں پایا، مگر اب منظر بدل چکا تھا۔ مشینوں کی بیپ مدھم تھی، اور کمرے میں ایک عجیب سی ویرانی اور ٹھہراؤ تھا۔ باہر سے صفائی کی آوازیں آ رہی تھیں اور اندر ایک نرس کچھ سامان اکٹھا کر رہی تھی۔

اس کی پہلی نظر فجر پر پڑی جو کھڑکی کے پاس کھڑی باہر خلا میں گھور رہی تھی۔ اس کا وجود وہاں تھا، مگر روح کہیں اور بھٹک رہی تھی۔ وہ اٹھنا چاہتا تھا مگر سر چکرا گیا۔ طویل بے ہوشی نے اسکے حواس سلب کر لیے تھے۔

اٹھنے کی کوشش کی تو اس کے جسم میں درد کی ٹیسیں اٹھیں۔ اسی لمحے اس کی نظر لاؤنج میں گئی۔ دیوار پر لگے شیشے کے فریم میں دراڑیں تھیں، چھت کا پلستر اترا ہوا تھا اور ہوا میں جراثیم کش دوا کی تیز بو کے ساتھ ایک اور ناقابلِ بیان سی بھاری باس رچی ہوئی تھی۔ لگا جیسے اس کی بے ہوشی کے دوران یہاں کوئی طوفان آ کر گزر چکا ہو۔

"فجر۔۔۔" اس کی آواز کمزور تھی۔

اس آواز پر وہ جھٹکے سے پلٹی، اس کی آنکھوں میں ایک لمحے کو خوف کی لہر دوڑی، پھر اس نے جلدی سے خود کو سنبھالا اور اس کے پاس آ گئی۔

"آپ ٹھیک ہیں؟ میں ڈاکٹر کو بلاتی ہوں۔"

"نہیں۔۔۔ بیٹھو۔" اس نے فجر کا ہاتھ پکڑنا چاہا، مگر وہ اپنا ہاتھ کھینچ چکی تھی۔ جیسے وہ اس کے چھونے سے ڈرتی ہو۔ جیسے وہ چھوئے گا تو جل جائے گا۔ اس کے گال پر ایک خراش کا نشان تھا جبکہ پیشانی پر بھی سنی پلاسٹر لگا ہوا تھا۔ چہرے کے زخموں کو نفاست سے چھپانے کی کوشش کی گئی تھی۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا یا پوچھتا، راہداری میں لگے ٹی وی کی آواز اندر آنے لگی۔ کوئی نیوز چینل چل رہا تھا۔

"رئیس گروپ کی سینئر ٹیک ڈائریکٹر، عروزہ جمال کی اچانک موت نے کاروباری حلقوں میں تشویش کی لہر دوڑا دی ہے۔ ابتدائی اطلاعات اور جائے وقوعہ سے ملنے والے شواہد کی بنا پر پولیس نے اسے خودکشی قرار دے کر کیس بند کر دیا ہے۔۔۔"

ٹی وی اسکرین پر عروزہ کی یونیفارم میں تصویر ابھری۔

یہ سننے کی دیر تھی کہ ایک لمحے کو ولی کا سانس ساکت ہوا۔ اس نے بے یقینی سے ٹی وی کی آواز سنی، پھر فجر کے زخمی چہرے اور خوفزدہ آنکھوں کو دیکھا، اور پھر لاؤنج کی تباہ شدہ حالت پر نظر ڈالی۔ تینوں چیزیں ایک ساتھ مل کر ایک ایسی خوفناک تصویر بنا رہی تھیں جسے اس کا دماغ قبول کرنے سے انکاری تھا۔ اس کے اندر سب کچھ ٹوٹ کر بکھر گیا۔ مگر چہرے پر مکمل سکوت طاری ہو گیا۔ اس نے کچھ نہیں کہا۔ ایک لفظ بھی نہیں۔ بس آنکھیں بند کر لیں، جیسے اس کڑوی حقیقت کو اپنے اندر اتار رہا ہو۔

اس کے بعد ڈسچارج کا عمل مکمل خاموشی میں ہوا۔ فجر اب یہاں نہیں رکنا چاہتی تھی اور نہ ولی رک سکتا تھا۔ ولی کی دو سرجری ہوئی تھیں اور وہ آہستہ آہستہ صحت یاب ہو رہا تھا۔ وہ خود یہاں رہنا نہیں چاہتا تھا۔ باقی کا علاج گھر میں بھی ہو سکتا تھا۔

نہ اس نے کوئی سوال کیا، نہ فجر نے کوئی وضاحت دی۔ وہ ایک دوسرے سے ایسے بچ رہے تھے جیسے ان کے درمیان الفاظ نہیں، کانچ کی ایک دیوار کھڑی ہو جسے چھونے سے دونوں زخمی ہو جاتے۔

گھر تک کا راستہ بھی اسی برفانی خاموشی میں کٹا۔ گاڑی کی کھڑکی سے باہر، شہر کی زندگی دوڑ رہی تھی مگر اندر دو انسان اپنی اپنی ذات میں قید، ایک نہ ختم ہونے والی رات کا بوجھ اٹھائے بیٹھے تھے۔

گھر کا دروازہ کھول کر جب وہ اندر داخل ہوئے تو یہ خاموشی مزید گہری اور کاٹ دار ہو گئی۔ یہ وہی گھر تھا جہاں سے وہ خوشی خوشی گئے تھے، مگر اب اس کی دیواروں سے بھی وحشت ٹپک رہی تھی۔ فجر نے اسے صوفے پر بٹھایا اور خود اس سے چند قدم دور کھڑی ہو گئی۔ چند لمحے یونہی گزر گئے۔

آخر کار، ولی نے اس نا قابلِ برداشت خاموشی کو توڑا۔ اس کی آواز سپاٹ تھی، لیکن کہیں ہلکا سا خوف تھا۔

"کیسے ہوا یہ سب؟"

فجر نے کوئی جواب نہیں دیا، وہ ساکت کھڑی رہی۔

"کیا وہ۔۔۔۔ کیا وہ ہسپتال میں؟" اس نے جسم سے اٹھتے درد کو ضبط کرتے پوچھا۔ وہ یونہی کھڑی رہی۔ فجر کی خاموشی اسے سب سمجھا رہی تھی۔

"وہ چاہتی تھی۔۔۔ میں تمہیں۔۔۔ ہمیشہ کے لیے چھوڑ دوں۔" پھر وہ آہستہ آہستہ ساتھ والے صوفے پر بیٹھ گئی۔ بے جان سی۔

ولی نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے ذہن میں عروزہ کا چہرہ گھوم گیا۔ اس کی محبت، اس کا جنون، اس کی ضد۔ اسکا ٹوٹا پن۔ اس نے کہا تھا **"ٹوٹی ہوئی کوئی بھی چیز جنگ میں خطرناک ثابت ہوتی ہے۔"** مگر اسکا دماغ نہیں مان رہا تھا کہ عروزہ صرف محبت کے لیے ایسا کرے گی؟ عروزہ جمال اتنی کمزور نہیں تھی۔

"اور۔۔۔ یہ زخم۔۔۔" اس نے فجر کے چہرے کی طرف اشارہ کیا۔

"اس نے۔۔۔ مجھ پر حملہ کیا تھا۔ وہ مجھے مار دینا چاہتی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی کہ اگر میں تمہاری زندگی سے نہیں گئی تو وہ مجھے صفحہ ہستی سے مٹا دے گی۔ اسے لگتا تھا، میں نے تمہیں اور بگ بی کو اس سے چھیننا ہے۔" وہ سر جھکائے کہہ رہی تھی جیسے مجرم وہی ہو۔ ایک عروزہ کی موت سینکڑوں لوگوں کو مجرم بنا گئی تھی۔ ایک ایک لفظ زہریلے تیر کی طرح ولی کے سینے میں اتر رہا تھا۔ وہ تصور کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کی غیر موجودگی میں ان پر کیا بیتی ہو گی؟

"پھر۔۔۔ اس کی موت۔۔۔؟" وہ جاننا چاہتا تھا جو وہ سوچ رہا تھا کیا وہ سب تھا؟

"وہ خودکشی نہیں تھی۔ وہ بگ بی نے۔۔۔۔۔" مزید کہنا اس کے بس میں نہیں تھا۔ وہ یہ بوجھ اس کے کندھوں پر نہیں ڈالنا چاہتی تھی۔ مگر ولی کو مزید جاننے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ عروزہ کی موت کا تعلق براہِ راست اس سے اور فجر سے تھا۔ اس کا سارا غصہ، ساری تکلیف، ایک گہرے، یخ بستہ احساسِ جرم میں بدل گئی تھی۔ یہ سب اس کی وجہ سے ہوا تھا۔ وہ خود کو مجرم سمجھا رہا تھا۔

اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اس کی محبت میں عروزہ اس حد تک جائے گی۔ وہ ایک انسان کو قاتل بنا دے گی اور خود موت کے منہ میں چلی جائے گی۔

"اس کی محبت نے اسے مار ڈالا۔۔۔۔ یہ ماننے کو ذہن تیار نہیں ہے۔" اس نے ہولے سے سرگوشی کی۔

"مجھے نہیں پتا تھا وہ مجھ سے اتنی نفرت کرتی تھی۔"

ولی نے چونک کر سر اٹھایا۔ اس کی آنکھوں میں ایک گہری، اذیت ناک شکست تھی۔

"وہ تم سے نفرت نہیں کرتی تھی، فجر۔ وہ مجھ سے محبت کرتی تھی۔ اتنی شدید محبت کہ راستے میں آنے والی ہر چیز کو تباہ کر دینا چاہتی تھی۔۔۔۔ اور آخر میں، اس نے خود کو ہی تباہ کر لیا۔" وہ سانس لینے کو رکا۔

"اور اس سب کا ذمہ دار میں ہوں۔"

یہ اعتراف نہیں تھا، یہ ایک سزا تھی جو اس نے خود کو سنائی تھی۔ ایک ایسی سزا جو اسے عمر بھر کاٹنی تھی۔ ان کا گھر اب گھر نہیں رہا تھا، ایک یادگار بن چکا تھا۔ ایک ایسی محبت کی یادگار جس کی قیمت ایک جان سے چکائی گئی تھی۔ وہ جاتے جاتے سب کو احساس جرم میں ڈال گئی تھی۔

✿••✿••✿••✿

وقت کی رفتار کبھی کبھی ایک دھوکہ لگتی ہے۔ دن، ہفتے اور مہینے اپنی جگہ پر چلتے رہتے ہیں، مگر انسان کے اندر ایک ایسی گھڑی جاگ اٹھتی ہے جو رُک جاتی ہے۔ رئیس کے لیے وہ گھڑی عروزہ جمال کی موت کے دن سے رُکی ہوئی تھی۔

دنیا اپنی رفتار سے چل رہی تھی۔ شہر کے فلک بوس ٹاور، گلیوں میں دوڑتی گاڑیاں، بورڈ رومز میں ہونے والی ڈیلز، اسٹاک مارکیٹ کی گرتی بڑھتی لہریں۔۔۔ سب کچھ پہلے جیسا تھا۔ مگر اس کے اندر کا شہر، اس کی اپنی سلطنت، اس کا دل۔۔۔ سب ساکت ہو چکے تھے۔

دفتر کی بلند و بالا عمارت، جو ہمیشہ زندگی اور طاقت سے لبریز رہتی تھی، اب قبرستان کی سی خاموشی لیے کھڑی تھی۔ بڑے بڑے شیشوں کے پار شہر کا منظر جھلملا رہا تھا، مگر اندر بس سناٹا تھا۔ اس کے سامنے میز پر کاغذوں کے ڈھیر، بند فائلیں اور بجھتی اسکرینز تھیں، مگر آنکھوں میں ان سب کا عکس نہیں تھا۔ وہ خالی خلا کو گھور رہا تھا جیسے وہاں اسے کوئی جواب ملنے والا ہو۔

اس کی شرٹ اب سفید نہیں رہتی تھی۔ وہ دن گزر گئے جب اس کی شخصیت نکھری ہوئی، بے داغ اور فولادی لگتی تھی۔ عروزہ کے خون کا ایک داغ، جو شاید کئی بار دھویا جا چکا تھا، پھر بھی کہیں نہ کہیں واپس ابھر آتا تھا۔ وہ داغ صرف کپڑے پر نہیں تھا، وہ اس کے اندر، اس کی سانسوں میں، اس کی روح پر درج تھا۔

دن گزر رہے تھے، مگر رئیس کی راتیں ختم نہ ہوتیں۔ وہ جاگتا رہتا، اور جاگتے ہوئے بھی خواب دیکھتا۔ خواب نہیں، ڈراؤنے سچ۔ عروزہ کا آخری لمحہ، اس کی آنکھوں کی بے یقینی، اور وہ ایک جملہ جو اس کی زندگی کا دائمی بوجھ بن گیا تھا۔

اسی لمحے کمرے کی خاموشی لفٹ کے کھلنے کی آواز سے ٹوٹ گئی۔اس نے سر کو ذرا سا جنبش دیا، جیسے یقین نہ آیا ہو کہ واقعی کوئی اندر داخل ہوا ہے۔

یہ میثم تھا۔وہ دھیرے دھیرے چلتا ہوا اندر آیا۔اب وہی عروزہ کی جگہ دیکھ رہا تھا، وہی ذمہ داریاں اٹھا رہا تھا۔اس کے قدموں میں ایک طرح کی جھجک تھی، جیسے وہ جانتا ہو کہ یہاں ہر لفظ اور ہر حرکت تولی جائے گی۔

وہ آہستگی سے میز کے قریب آیا۔اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی چیز تھی۔ایک یو ایس بی۔اس نے خاموشی سے وہ رئیس کے سامنے رکھ دی۔رئیس نے خالی نظروں سے یو ایس بی کو دیکھا۔پھر نگاہیں میثم پر ٹکائیں۔وہ نگاہیں اجنبی تھیں، جیسے وہ پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو کہ یہ شخص کون تھا، اور یہ اس کے سامنے کیوں کھڑا تھا؟

میثم کے ہونٹ تھوڑے کانپے، اور وہ دھیمی آواز میں بولا۔

"یہ۔۔۔میڈم عروزہ نے آپ کے لیے دی۔۔"

یہ سنتے ہی رئیس کے اندر جیسے بجلی سی دوڑ گئی۔اس نے فوراً یو ایس بی کی طرف دیکھا، اس کے ہاتھ آگے بڑھے، لیکن انگلیاں لرز رہی تھیں۔یہ ہاتھ بادشاہ کے نہیں تھے۔

"اس میں کیا ہے، میں نہیں جانتا۔"میثم نے وضاحت کی۔"صرف آپ ہی اسے اوپن کر سکتے ہیں۔"

وہ یہ کہہ کر خاموشی سے پیچھے ہٹ گیا اور لفٹ کی جانب قدم بڑھائے۔

"تم جانتے تھے؟"رئیس کی آواز گونجی۔"تم واقف تھے وہ کیا کرنے والی ہے؟"میثم کے قدم تھمے۔وہ رکا اور پلٹا۔اسکا سر جھک گیا۔

"میں یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ فجر میڈم کو مارنے جائیں گی۔"

رئیس نے گہری سانس لی اور سر اثبات میں ہلایا۔ میثم پلٹ گیا۔ لفٹ کا دروازہ بند ہوا تو پھر وہی سناٹا لوٹ آیا۔

میثم کے جانے کے بعد اس نے میز پر رکھی یو ایس بی کو گھورا۔ اس کی آنکھیں بھر آنے لگیں۔ سیاہ آنکھوں کے گوشے نم ہو گئے۔ ہونٹ خشک اور پپڑی زدہ تھے، جیسے کئی دن سے ان پر زندگی نے دستک نہ دی ہو۔

کچھ دیر وہ ساکت رہا، پھر لرزتے ہاتھوں سے یو ایس بی اٹھائی اور لیپ ٹاپ کے پورٹ میں لگا دی۔ اسکرین جگمگائی۔ ایک پاس ورڈ سامنے آیا۔ رئیس نے کنپٹیاں دبالیں۔ دل دھڑکنے لگا۔

پاس ورڈ کی جگہ چند خاکے ابھرے۔ ایک چہرہ، آنکھیں، اور ایک آواز۔

وہ عروزہ کی آواز تھی۔ وہ اس سے پاسورڈ مانگ رہی تھی۔ اس کا دل سینے سے ٹکرا گیا۔ اس کی آنکھیں بند ہوئیں، پھر کھلیں۔ اس نے کانپتے ہاتھ سے چہرے کو چھوا۔ آنکھیں اسکین ہوئیں اور پھر اس کی بھرائی آواز گونجی، اور اگلے ہی لمحے اسکرین پر ویڈیو چلنے لگی۔ مگر اسکا سر جھک چکا تھا۔

"سر اٹھائیں باس!"

یہ آواز، یہ لہجہ، یہ انداز۔۔۔ سب کچھ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ زندہ ہو، جیسے اسی کمرے میں موجود ہو۔

اس کا سر مزید جھک گیا۔ اذیت بھری ایک سسکی گلے میں ہی دب گئی۔

"رئیس اور نگزیب کا جھکا ہوا سر اچھا نہیں لگتا۔"

عروزہ کی آواز میں وہی غرور تھا جو ہمیشہ اس کی پہچان تھا۔ جیسے رئیس اور نگزیب سے بڑا کوئی نہ ہو۔

"میں یہ سب کرنے کے لیے شرمندہ ہوں باس! مگر میری مجبوری تھی۔"

اس جملے پر اس نے بے یقینی سے اسکرین کو دیکھا۔ آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"اگر آپ کو لگتا ہے کہ عروزہ جمال آپ کے ہاتھوں مر چکی ہے، ختم ہو چکی ہے۔۔۔ تو آپ کو غلط لگتا ہے۔ میرا ایک حصہ ہمیشہ زندہ رہے گا، آپ کے ساتھ!"

وہ دھیرے سے مسکرائی۔ رئیس کے لب کپکپائے۔

"میں نے یہ سب کیوں کیا، وہ آپ جلد جان جائیں گے۔ مگر اتنا کہوں گی کہ میرے پاس کوئی اور چوائس نہیں تھی۔ ہاں۔۔۔ آپ کو زخم دینے کے لیے مجھے افسوس ہے۔ مگر یہ بھیانک سچ ہے کہ انسان محبت کے آگے بے بس ہوتا ہے۔"

رئیس نے آنکھیں زور سے میچ لیں۔ اس کے کندھے کانپنے لگے۔ مگر آنسو پھر بھی نہ نکلے۔ جیسے وہ بھی سوکھ گئے ہوں۔

"لیکن یاد رکھیں، عروزہ جمال کبھی بھی رئیس اورنگزیب کو دھوکہ نہیں دے سکتی۔"

اس کے بعد اسکرین پر ایک لمحے کی خاموشی چھا گئی۔ رئیس کا سانس رکنے لگا۔ کمرے میں صرف دل کی دھڑکنوں کی صدا گونج رہی تھی۔ پھر اچانک وہی پرانا لہجہ ابھرا۔۔۔

"خیر، بہت ہو گئیں یہ باتیں۔" وہ فائل اٹھاتے ہوئے نظر آئی۔

"میں چاہتی ہوں کہ اب بس کریں۔ تین دن کا سوگ بہت ہوتا ہے، اور آپ پر تو ایک دن کا بھی نہیں جچتا۔"

رئیس کے لبوں سے ایک بے اختیار کراہ نکلی۔

"کھڑے ہو جائیں۔ آپ کی سلطنت آپ کی منتظر ہے۔ اسے نظر انداز نہ کریں۔ آپ کا دشمن بہت خطرناک ہے۔ اور کون ہے وہ۔۔۔ آپ کو جلد پتا چل جائے گا۔ میرا وقت سے پہلے کچھ بھی کرنا نقصان دہ ہو سکتا ہے۔"

رئیس کا سانس بھاری ہونے لگا۔ اس کی آنکھیں حیرت اور خوف کے امتزاج سے اسکرین پر جمی رہیں۔

"ہاں۔۔۔ اس سے پہلے آپ کو بہت کچھ کرنا ہے۔ میں نے پوری لسٹ بنادی ہے۔" وہ فائل کھول کر دیکھنے لگی۔

"کل۔۔۔ یعنی اکیس نومبر۔۔۔ آپ کو نکلنا ہے۔ Prada سے جو پروجیکٹ طے ہو چکا ہے، اسے پس پشت نہیں ڈال سکتے۔"

اسکرین کے سامنے بیٹھے شخص کا دل دھڑکنے لگا۔ یوں جیسے عروزہ سامنے بیٹھی ہو۔

"اور ہاں، میں نے اور مراد نے آپ پر لکھی جانے والی جس کتاب کی اجازت دی تھی وہ جلد پبلش ہو رہی ہے۔"

وہ بالکل عام لہجے میں بات کر رہی تھی، جیسے کچھ بھیانک ہوا ہی نہ ہو۔ جیسے وہ ابھی زندہ ہو اور کمرے کے ایک کونے میں بیٹھی بات کر رہی ہو۔

رئیس ساکت اسے دیکھتا رہا۔ سانسیں روکے، پلکیں جھپکائے بغیر۔ ہاں، وہ دنیا سے جا سکتی تھی، وہ عروزہ جمال تھی، رئیس گروپ کی ٹیک ہیڈ۔۔۔ مگر وہ رئیس کی سلطنت سے کبھی نہیں جا سکتی تھی۔

اسکرین پر وہ آخری بار مسکرائی۔

"بس یاد رکھیں باس۔۔۔ عروزہ جمال ختم نہیں ہو سکتی۔ جلد ملیں گے اگر آپ نے یہ سارے کام کیے تو۔۔۔"

اسکرین سیاہ ہو گئی۔

رئیس کا سر آہستہ آہستہ جھک گیا۔ اس کے ہاتھوں نے کانپتے ہوئے کی بورڈ کو تھاما۔ کمرے کی خاموشی میں اس کے سانسوں کی گونج تھی۔ باہر شہر جاگ رہا تھا، مگر اس کے اندر ایک طوفان جاگ چکا تھا۔

وہ جانتا تھا۔۔۔

ئی۔

یہ ابھی شروع ہوئی تھی۔

انجام کی کہانی!

✿••✿••✿••✿

اکیس نومبر کی صبح تھی۔ شہر میں ہلکی ٹھنڈ اتر آئی تھی مگر رئیس کے اندر کی سردی اس سے کہیں زیادہ گہری تھی۔

ہوائی اڈے کے پرائیویٹ ٹرمینل پر رئیس گروپ کے جیٹ کے گرد معمول کی بھاگ دوڑ جاری تھی۔ وردی پہنے عملہ سامان رکھ رہا تھا، ٹیکنیشنز آخری چیکنگ کر رہے تھے، اور فضا میں ایندھن کی ہلکی سی بُو تھی جو تیز ہوا کے ساتھ گھل رہی تھی۔

یہ سفر عام نہیں تھا۔ یہ ایک عظیم فیشن شو کی طرف سفر تھا، جہاں دنیا کے سب سے بڑے ولن۔۔۔ تاریخ کے خوفناک کردار۔۔۔ کپڑوں اور جواہرات کے روپ میں دوبارہ زندہ کیے جانے والے تھے۔ Prada نے اس بار تاریخ کی کتابوں کو اسٹیج پر اتارنے کا فیصلہ کیا تھا۔

کاسٹومیمز سے جڑے جواہرات رئیس گروپ کے تھے۔ یہ محض ایک فیشن شو نہیں تھا، بلکہ طاقت اور دولت کی علامت تھی۔ اور اس کا دل تھا رئیس گروپ۔

اس کی کار خاموشی سے رن وے کے قریب رُکی۔ دروازہ کھلا، اور وہ باہر آیا۔ کالا کوٹ، سیاہ چشمے، اور وہی جمی ہوئی سنجیدگی جو اب اس کے وجود کا حصہ بن چکی تھی۔ چند لمحوں کے لیے اس نے آسمان کی طرف دیکھا۔ دن پوری طرح نہیں نکلا تھا، مگر افق پر روشنی کی ایک مدھم لکیر ابھری ہوئی تھی۔

اس کے ساتھ میثم تھا۔ وہ پہلے ہی تھوڑا آگے بڑھ چکا تھا اور عملے کو ہدایات دے رہا تھا۔ مراد نظر نہیں آیا تھا، وہ نہیں جا سکتا تھا۔ ڈارک اسٹارز پروجیکٹ کے لیے، جس کی تیاریوں میں اسے رات دن مصروف رہنا تھا۔

رئیس نے ایک بار مڑ کر پیچھے دیکھا۔ شہر کی عمارتیں، وہی شیشے کے ٹاور، وہی زندگی کی دوڑ، سب کچھ پیچھے رہ رہا تھا۔ کچھ لمحے کے لیے اس کے دل میں خیال آیا کہ شاید چند دن دور رہ کر وہ اپنی روح کے زخم پر مرہم رکھ سکے۔ شاید فاصلہ اسے عروزہ کے جواب سے آزاد کر دے۔

وہی جملہ، جو اب بھی اس کی رگوں میں خنجر کی طرح چلتا تھا۔ میثم نے آ کر سر جھکایا۔

"جیٹ تیار ہے، باس!"

رئیس نے سر ہلایا۔ وہ آہستہ قدموں سے چلتے ہوئے زینے پر چڑھا۔ جیٹ کا اندرونی حصہ ہمیشہ کی طرح شاندار تھا۔ چمڑے کی نرم کرسیاں، سونے کے باریک کناروں والی لائٹس، اور سکون سے بھری فضا۔ وہ اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔ کھڑکی سے باہر شہر کا منظر چھوٹا سا لگ رہا تھا۔

انجنوں کی آواز ابھری، جہاز ہلکا سا لرزا۔

میثم آ کر سامنے بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھوں میں رئیس کے لیے احترام بھی تھا اور تشویش بھی۔ اس نے آہستہ سے سانس لی۔

"چند دنوں کے لیے۔۔۔شاید میں ٹھیک ہو جاؤں، میثم۔"

یہ الفاظ زیادہ اپنے آپ سے کہے گئے تھے، میثم سے نہیں۔

جہاز رن وے پر دوڑا، پھر آسمان کی طرف اڑ گیا۔نیچے شہر چھوٹ گیا، عمارتیں نقطوں میں بدل گئیں، اور وہ سناٹا، جو اس کے اندر جمی برف کی طرح تھا، بدستور ساتھ اڑا جا رہا تھا۔

اوپر آسمان پر روشنی پھیل رہی تھی، مگر اس کے دل میں اب بھی رات تھی۔شاید واقعی۔۔۔یہ سفر اس رات کو تھوڑے وقت کے لیے توڑ دے۔شاید واپسی پر وہ پھر بادشاہ لگے۔

✿••✿••✿••✿

میلان کی ایک وسیع و عریض ہال میں وہ رات تھی جو دنیا کے فیشن کیلنڈر پر ہمیشہ کے لیے ثبت ہونے والی تھی۔ہال کے در و دیوار سیاہ مخمل سے ڈھکے تھے، روشنی نیون بلیو اور سرخ کی مدھم کرنوں میں ڈھل رہی تھی، اور ایک پراسرار سا جادو ہر کونے میں بکھرا ہوا تھا۔شو کا تھیم اعلان ہو چکا تھا۔

"تاریخ کے سب سے بڑے ولن۔۔۔اور ان کے جواہرات!"

ہال میں موجود ہزاروں آنکھیں اس لمحے کا انتظار کر رہی تھیں۔دنیا کے سب سے بڑے ڈیزائنرز، سرمایہ کار، اور شاہی خاندانوں کے نمائندے قطاروں میں بیٹھے تھے۔کیمروں کی فلیشز دم توڑ چکی تھیں کیونکہ سب جانتے تھے، ابھی روشنی اسٹیج پر گرے گی۔

پہلا ماڈل ریمپ پر ابھرا۔

اس نے قرونِ وسطیٰ کے ایک خون آشام بادشاہ کا لباس پہنا تھا، مخملی سرخ کوٹ، اور کالر پر جھلملاتے ہیروں کی قطار۔ وہ ہیرے رئیس گروپ کے تھے، جن کی کٹائی خاص اسی شو کے لیے کی گئی تھی۔ ہال میں ایک لمحے کو سناٹا چھا گیا، جیسے سبھی ان ہیروں کی چمک سے سانس لینا بھول گئے ہوں۔

اس کے بعد ولن ایک ایک کر کے ریمپ پر اترتے گئے۔ کوئی اپنی سیاہ کیپ میں تھا جس کے کنارے پر رئیس گروپ کے سیاہ ہیرے بکھرے تھے۔ کوئی اپنی چھڑی پر جھکے ہوئے زمرد اور نیلم کے ساتھ چل رہا تھا۔ کسی کے دستانوں میں برف کی طرح چمکتے ہیرے جڑے تھے۔

یہ محض کپڑے نہیں تھے، یہ طاقت کی تاریخ تھی جو گویا زیورات کی زبان میں دوبارہ لکھی جا رہی تھی۔ ہر ولن کا لباس اپنے اندر ایک کہانی رکھتا تھا، اور اس کہانی کا دل وہ ہیرے تھے جن پر رئیس گروپ کی مہر لگی ہوئی تھی۔

مہمانوں میں سرگوشیاں چلنے لگیں۔

"یہ کون سا جواہرات ہاؤس ہے؟"

"اتنی باریک کٹنگ، اتنی شاندار چمک۔۔۔ یہ عام نہیں۔"

"رئیس گروپ؟ ہاں، رئیس گروپ ہی ہو سکتا ہے!"

کیمروں نے ریمپ چھوڑ کر وی آئی پی سیکشن کی طرف رخ کیا۔

وہاں، سب سے اگلی قطار میں رئیس بیٹھا تھا۔

سیاہ کوٹ میں، آنکھوں پر دھیمی روشنی کا عکس، اور چہرے پر وہی خالی پن جو آج کل رہنے لگا تھا۔

وہ بادشاہ کی طرح بیٹھا تھا، مگر اس کے دل میں وہی خلا تھا۔

میثم اس کے برابر میں بیٹھا تھا، سب سنبھالتا ہوا۔

رئیس کی نظریں کبھی ریمپ پر، کبھی ان جواہرات پر ٹھہرتیں، اور کبھی خلا میں گم ہو جاتیں۔

ایک لمحے کو جب ایک ولن نے سیاہ ہیروں کے ساتھ اپنا کیپ لہرایا، تو اسے عروزہ یاد آ گئی۔ اس کی آواز سماعت سے ٹکرائی۔

"سر اٹھائیں باس!"

اس کا دل زور سے دھڑکا۔ وہ لمحہ بھر کے لیے آنکھیں بند کر گیا۔

اسٹیج پر آخری ولن نمودار ہوا۔ وہ سب سے شاندار اور سب سے پراسرار تھا۔ اس کا لباس کالے مخمل کا تھا، مگر اس پر جڑے ہیرے صرف زیورات نہیں لگتے تھے۔۔۔ وہ زنجیریں لگتے تھے۔ طاقت کی، غلامی کی، اور خون کی زنجیریں۔

ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ اس وقت، میزبان کی آواز بلند ہوئی۔

"خواتین و حضرات، یہ ہیں پراڈاولنز کلیکشن اور ان جواہرات کا شکریہ جو اس شو کو ہمیشہ کے لیے یادگار بنا گئے۔۔۔

courtesy of Raees Group۔"

روشنی رئیس پر پڑی۔

وہ ذرا سا چونکا، مگر پھر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کے سیاہ آنکھوں کے گرد تھکن تھی، ہال میں تالیوں کی گونج بڑھ گئی۔

وہ جانتا تھا، یہ لمحہ دنیا کے لیے جیت تھی۔ مگر اس کے اندر۔۔۔ہار ابھی بھی قائم تھی۔

✿••✿••✿••✿

کئی دنوں کی غیر حاضری کے بعد آج فجر نے ہمت کر کے دفتر کا دروازہ کھولا۔ منار فیشنز کی عمارت ہمیشہ کی طرح چمک رہی تھی مگر اندر داخل ہوتے ہی اسے ایسا لگا جیسے وقت تھم گیا ہو۔ راہداریوں کی چہل پہل، کام کرتے ڈیزائنرز، اور میزوں پر بکھری ہوئی فائلیں۔۔۔سب جیسے کسی بکھراؤ کا عکس تھے۔

ولی کا ایکسیڈنٹ، عروزہ کی موت، یہ سب واقعات اس کے ارد گرد ایک ایسا جال بُن چکے تھے جسے کاٹنا ناممکن لگ رہا تھا۔

کمرے میں دھوپ ہلکی ہلکی کھڑکی کے پردوں سے چھن رہی تھی۔ وہ فائلز پلٹ رہی تھی، مگر ذہن کہیں اور تھا۔ تبھی فون بجا۔

پہلے ایک بار۔

پھر دوسری بار۔

پھر مسلسل، ضدی انداز میں۔

اس نے بھنویں سکیڑیں۔ نمبر انجان تھا۔ لمحہ بھر کو سوچا کہ نظر انداز کر دے، مگر پھر جانے کیوں ہاتھ خود بخود آگے بڑھا۔

فون کان سے لگایا۔

"ہیلو۔۔۔؟" اس کی آواز میں وہی رسمی سختی تھی۔

دوسری جانب سے ایک لرزتی ہوئی، مگر مانوس آواز ابھری۔

"ہیلو فجر۔۔۔؟"

وہ چونکی۔ یہ ارسَل تھا۔ اس کی آواز سن کر جسم ایک پل کو جیسے جم سا گیا۔

"پلیز فون بند مت کرنا۔۔۔ تمہیں تمہارے شوہر کی قسم!"

فجر کا ہاتھ فون بند کرنے کے لیے بڑھا تھا، مگر یہ جملہ اس کے ارادے کو جکڑ گیا۔ دل میں جھنجھلاہٹ دوڑی۔

"تم میرا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟ آخر چاہتے کیا ہو؟"

دوسری طرف سے سانسوں میں بھاری پن گھلا ہوا۔

"میری بات غور سے سنو فجر۔۔۔ مجھے تمہیں کچھ بتانا ہے۔ میرا یقین کرو۔ پلیز۔۔۔"

"جلدی بولو!" اس نے بے زاری سے آنکھیں بند کیں۔

ایک لمحے کے سکوت کے بعد وہ دھماکہ ہوا، جس نے فضا کو چیر کر رکھ دیا۔

"تم۔۔۔ تم معراج الدین کی بیٹی نہیں ہو۔"

چند پل کی خاموشی اور پھر وہ غرائی۔

"کیا بکواس کر رہے ہو؟"

"یہ حقیقت ہے۔۔۔ تم منار معراج اور فرقان گردیزی کی بیٹی ہو۔ فجر۔۔۔ تم میری کزن ہو۔" اس کی آواز میں ہلکی سی کپکپاہٹ تھی۔

دفتر کی دیواریں جیسے لرز گئیں۔ چھت جیسے اس کے سر پر آ گری۔ وہ کرسی پر ساکت ہو گئی۔ اس کا سانس رکنے لگا۔

"منہ بند کرو! اب تم مرے ہوئے لوگوں کو بدنام کرو گے؟"

اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ آنکھوں میں چنگاریاں بھر آئیں۔ ازلی قہر لوٹ آیا۔ مگر ارسَل کی آواز نرم اور ٹوٹی ہوئی تھی۔

"میں تمہیں بچانا چاہتا ہوں۔ میں تمہیں ڈی این اے رپورٹ بھیج رہا ہوں۔۔۔ اسے دیکھ لو۔ باقی تم اپنی اماں سے پوچھ سکتی ہو۔ میں نے کبھی تم سے جھوٹ نہیں بولا فجر۔۔۔ میں جانتا ہوں تم میری نہیں ہو، مگر میری محبت کبھی جھوٹ نہیں تھی۔"

اس کے الفاظ کا آخری سرا اذیت سے لرز رہا تھا۔ پھر کال کٹ گئی۔ وہ کرسی پر بیٹھی رہی۔ بالکل ساکت۔ جیسے وقت تھم گیا ہو۔ کانوں میں سائیں سائیں گونج رہی تھی۔

اچانک فون پر نوٹیفکیشن ابھرا۔ اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے اسکرین کھولی۔ سامنے ایک DNA رپورٹ کھلی۔

اس کی آنکھیں ایک ایک لفظ پڑھ رہی تھیں، مگر دماغ انکار کر رہا تھا۔

نتیجہ: فجر معراج۔۔۔ بایولوجیکل چائلڈ آف فرقان گردیزی۔

اس کے اور فرقان کے جینز کا میچ صاف درج تھا۔

فون لرزتے ہاتھوں سے چھوٹ کر میز پر گر گیا۔ ہونٹ کپکپا گئے، آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"کیا یہ سچ تھا؟ اتنی خوفناک سچائی؟"

"نہیں۔۔۔یہ جھوٹ ہے۔یہ سچ نہیں ہو سکتا۔"

وہ خود کو تسلی دینا چاہتی تھی، مگر دماغ بار بار حقیقت دکھاتا۔ماضی کی یادیں ایک ایک کر کے سامنے آنے لگیں۔

اماں کے وہ جملے، جو اس کے دل میں ناسور کی طرح پیوست تھے۔

"تمہارا وجود ان چاہا ہے فجر! ہم نے کبھی تمہاری خواہش نہیں کی۔تم ہم پر عذاب کی طرح مسلط کی گئیں!"

ہر یاد اب ایک کڑی بن رہی تھی۔اس کی اور منار کی عمر کا فرق۔والدین کا اسے کبھی قبول نہ کرنا۔ہر سرد نظر، ہر کاٹتا ہوا لفظ۔۔۔اب سب معنی خیز لگ رہا تھا۔اس کے گلے میں پھندا سا پڑ گیا۔سانس لینا مشکل ہو گیا۔پورے جسم کو لگا جیسے کسی نے اٹھا کر کانٹوں پر پھینک دیا ہو۔آنکھیں نم ہو گئیں اور دل کی دھڑکن بے قابو۔وہ کرسی سے جھٹکے سے اٹھی۔کمرے میں گھٹن پھیل گئی۔اسی لمحے اس کی نظر اٹھی۔گلاس ڈور کے باہر راہداری میں ایک سایہ سا ہلا۔ ولی تھا۔

اس کے کندھے اور بازو پر پلستر چڑھا ہوا تھا، کندھے کے علاوہ اسکے سر کے پچھلے حصے پر چوٹ آئی تھی۔ایک چھوٹی سی سرجری ہوئی تھی جس سے جما ہوا خون صاف کیا گیا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ چل رہا تھا، مگر اب بھی حوصلہ جتا رہا تھا۔

فجر نے اسے دیکھا، مگر ولی کا وجود اس کی آنکھوں میں دھندلا گیا۔

سب کچھ بکھرتا جا رہا تھا۔

کیا اس کی زندگی میں کچھ سچ باقی تھا؟

یا وہ خود محض ایک بوجھ تھی۔۔۔ایک ان چاہا وجود؟

آنکھوں سے آنسو بہہ نکلنے کو بے تاب تھے مگر وہ پی گئی۔

کمرے کی روشنی مدھم ہو گئی اور وہ اپنے ہی وجود میں قید، ان دکھوں کے کانٹوں پر تڑپنے لگی۔ وہ قریب آ گیا تھا۔

اس نے لمحہ بھر کو خود کو سمیٹا۔ دل کی دھڑکنیں اب بھی بے ترتیب تھیں مگر چہرے پر ایک زبردستی سکون کی تہہ جما دی۔ وہ اندر داخل ہوا۔ کچھ کہنے والا تھا کہ رک گیا۔ اس کی تیز آنکھیں اسے پرکھ رہی تھیں۔

"کیا ہوا؟ سب ٹھیک ہے؟" وہ پریشانی سے بولا۔ آہستہ آہستہ تو سب ٹھیک ہو رہا تھا۔ اس نے لب ہلائے مگر الفاظ گلے میں اٹک گئے۔ ایک لمحے کے بعد مسکرا دی، وہی ٹوٹی ہوئی مگر مضبوطی سے جوڑی گئی مسکراہٹ۔

"کچھ نہیں ہوا سب ٹھیک ہے۔"

ولی نے قریب ہوتے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ اس کے ضبط کے پیچھے چھپا خوف، چھپا راز وہ صاف دیکھ رہا تھا۔ مگر فجر کی ضد، اس کی خاموشی، سب پر بھاری تھی۔

"کچھ تو ہوا ہے۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

"کچھ باتیں کہنے سے بوجھ اور بڑھ جاتے ہیں۔ مجھے ابھی کچھ نہیں کہنا۔"

وہ رکی، سانس بھرتی ہوئی گویا اپنے ہی زخم پر مرہم رکھ رہی ہو۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اس کے الفاظ زنجیر ڈال گئے۔

چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے بات کا رخ موڑ دیا۔ اس نے آگے بڑھ کر فجر کا ہاتھ تھام لیا۔

"چلو۔۔۔ لنچ کے لیے چلتے ہیں۔ مجھے بھوک لگی ہے۔"

فجر نے سر ہلایا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کی لرزتی کیفیت ولی سے چھپی نہیں، مگر وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اب اس کی زبان کھل گئی تو سب کچھ بکھر جائے گا۔

ضبط کے شکنجے میں جکڑی وہ اس کے ساتھ چل دی۔ قدم بوجھل تھے، مگر چہرے پر وہی زبردستی کا اطمینان جو اسے سجائے رکھنا تھا۔ شاید کچھ وقت۔۔۔۔ تب تک جب تک وہ سچائی جان نہ لے۔ اور ولی؟ وہ اسے کچھ وقت دینا چاہتا تھا جو ہر انسان کو چاہیے ہوتا ہے۔

✿••✿••✿••✿

اس وقت ہیڈ آفس اپنی شاندار عمارت کے ساتھ روشنیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ کانفرنس روم میں ایک سنجیدہ سا سکوت تھا۔ لمبی میز کے ایک طرف مصنف اقبال حسین بیٹھا تھا، جس کے سامنے بھاری فائل رکھی تھی۔ فائل کے کور پر بڑے سنہری حروف میں لکھا تھا۔

Raees Aurangzeb_ The Crowned King!

کور پر رئیس کی ایک تصویر چمک رہی تھی۔ وہ سیاہ سوٹ میں تھا۔ بازو پر ہیرے جڑی گھڑی، اور نگاہوں میں وہی غرور اور حکمرانی کا جادو۔ نیچے چھوٹے حروف میں جملہ درج تھا۔

From Jewels to Kingdoms_ The Journey of a Visionary-

مصنف پرجوش تھا۔ برسوں کی تحقیق، انٹرویوز، رپورٹس اور رئیس کے پروجیکٹس کی باریکیوں پر محنت کی تھی۔ آج وہ لمحہ تھا جب اس کا مسودہ رئیس گروپ کے سامنے رکھا گیا تھا تاکہ پبلشنگ شروع ہو سکے۔ مگر صدر دروازے سے داخل ہونے والی عورت نے اس کی ساری مسرت لمحوں میں نگل لی۔

فلک سادہ سوٹ میں، نفیس تراشیدہ قلم ہاتھ میں پکڑے، اور آنکھوں میں ایسی چمک جیسے سچائی کو بھانپ لینے والی روشنی ہو، اندر داخل ہوئی۔ وہ کرسی کھینچ کر مصنف کے سامنے بیٹھ گئی اور مسودے کے صفحات کھول کر تیز نظروں سے پڑھنے لگی۔

مراد ایک طرف سنجیدگی سے بیٹھا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ فلک کی رائے معمولی نہیں۔ فلک چند صفحات پلٹنے کے بعد ہلکا سا استہزائیہ ہنسی۔

"یہ آپ نے کیا لکھا ہے؟

Raees Aurangzeb is known as the King because of his jewelry empire!"

"یہ جملہ ہی رئیس کو محدود کر دیتا ہے۔ وہ صرف زیورات کا بادشاہ نہیں، ان کی پہچان صرف ہیرے نہیں ہیں۔ وہ نام ہے قیادت کا، وژن کا، ایک عہد کا۔ آپ نے انہیں ایک تاجر کے خانے میں بند کر دیا ہے۔"

"لیکن۔۔۔ عوام تو انہیں اسی پہچان سے جانتی ہے۔۔"

مصنف نے الجھ کر دیکھا۔ اس کے بزنس بہت زیادہ تھے مگر اس کی پہچان ہیرے تھے۔ فلک نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی، قلم میز پر بجایا اور سنجیدہ لہجے میں گویا ہوئی۔

"عوام کے جاننے سے تاریخ نہیں لکھی جاتی۔ کتاب تاریخ کے لیے لکھی جاتی ہے، اور تاریخ میں رئیس کو ایک بزنس مین نہیں، ایک عہد ساز شخصیت کے طور پر یاد رکھا جائے گا۔ آپ نے اس نکتہ کو نظر انداز کیا ہے۔"

مراد نے خاموشی سے فلک کو دیکھا۔ وہ اس کے جملوں کے پیچھے چھپی تیزابیت کو بھانپ رہا تھا، مگر وہ اپنی دھن میں بول رہی تھی۔

"یہاں آپ نے ان کے اسپانسر کردہ فیشن شوز کا ذکر کیا ہے۔" اس نے مسودہ کے ایک حصے پر انگلی رکھی، "لیکن انداز ایسا ہے جیسے کوئی لسٹ بنادی ہو۔ رئیس کے اسپانسر کردہ شوز صرف ایونٹس نہیں تھے، وہ قومی وقار کی علامت تھے۔ ان میں پاکستان کے خوابوں کا ایک تانا بانا دکھایا گیا تھا۔ آپ نے اس جذبے کو نہیں لکھا۔ آپ نے یہ نہیں بتایا کہ رئیس نے صرف اسپانسر نہیں کیا، اس نے نئے ڈیزائنرز کو وہ پلیٹ فارم دیا جس کا وہ خواب دیکھتے تھے۔ یہ صرف سرمایہ کاری نہیں تھی، یہ ایک vision تھا۔"

مصنف کی پیشانی پر پسینے کی ننھی بوندیں چمکیں۔

"میں نے تفصیلات تو شامل کی ہیں۔۔۔"

"تفصیلات کافی نہیں ہوتیں، اقبال صاحب! تفصیل اور وژن میں فرق ہوتا ہے۔ آپ نے فیشن شوز کو ایسے لکھا جیسے کسی اخبار کی رپورٹ نقل کر دی ہو۔ رئیس کا سفر صرف تاریخ نہیں، ایک عہد کی نفسیات ہے۔ اگر میں لکھتی، تو ہر شو کو ایک داستان بناتی۔"

"فلک۔۔۔ یہ فائنل مسودہ ہے۔" مراد نے آہستگی سے کہا۔

"فائنل مسودہ؟ اس میں وہ سچائی کہاں ہے جو رئیس کی آنکھوں میں جھلکتی ہے؟ یہ محض ایک چمکتی کتاب ہے، جسے پڑھنے والا کہے گا کہ واہ، بہت بڑا بزنس مین ہے۔ لیکن رئیس صرف بزنس مین نہیں۔ وہ ایک سلطنت کا استعارہ ہے۔ اس کتاب کا کور دیکھ لیجیے۔ تصویر اچھی ہے، لیکن یہ رئیس کو مکمل طور پر ریپریزنٹ نہیں کرتی۔ رئیس صرف ہیروں کا شہنشاہ نہیں ہے، وہ خوابوں کا معمار ہے۔ آپ نے انہیں بہت گلیمرس دکھایا ہے مگر ان کی entrepreneurial journey کی اصل کشش ان کے خواب اور قربانیوں میں ہے۔"

مصنف نے قلم اٹھایا، فوراً نوٹ کیا۔

مراد نے ہلکی مسکراہٹ چھپانے کی کوشش کی۔ وہ صحیح جا رہی تھی۔

فلک نے صفحات پلٹے۔ اس کی آواز کبھی نرم ہوتی، کبھی نوکیلی۔

"یہاں آپ نے لکھا ہے

He was destined to be a king of diamonds

یہ غلط ہے۔ رئیس نے قسمت پر نہیں، اپنی محنت پر بھروسہ کیا۔ وہ destined نہیں تھے، انہوں نے خود کو اس مقام تک تراشا۔ یہ جملہ رئیس کی شخصیت کو کمزور کرتا ہے کیونکہ انہیں یہ کنگڈم ملا نہیں بلکہ خود بنایا ہے۔"

مصنف نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ جملہ اس کے پسندیدہ حصوں میں سے تھا۔ فلک نے صفحہ بند کیا اور اگلا ڈرافٹ کھولا۔

"لیکن یہاں آپ نے رئیس کو **Entrepreneur of the Era** کہا ہے، یہ بہت خوبصورت لکھا ہے۔ اس کے ساتھ آپ نے ان کی عالمی پہچان اور ان کے پروجیکٹس کی ڈیٹیلز دی ہیں یہ حصہ بہترین ہے۔ یہ وہی رئیس ہے جسے دنیا بادشاہ کہتی ہے۔"

اس بار اس نے تعریف کی۔ مصنف کو پہلی بار سکون کا احساس ہوا۔ فلک نے آخری صفحات پر نگاہ ڈالی اور اپنی آواز میں پھر وہی اعتراض لے آئی۔

"کتاب کے اختتام پر آپ نے رئیس کا ہیروں کے تاج کے ساتھ موازنہ کیا ہے۔ لیکن رئیس کی اصل کامیابی یہ نہیں کہ ان کے پاس دنیا کے نادر ترین ہیرے ہیں۔ ان کی اصل کامیابی یہ ہے کہ انہوں نے اپنے ملک کا نام روشن

کیا۔ آپ کو یہ اینگل اور زیادہ واضح کرنا ہو گا۔ اگر یہ کتاب صرف لگژری اور گلیمر پر ٹکی رہی، تو یہ رئیس کو ادھورا دکھائے گی۔"

مصنف ہونق سا دیکھتا رہا۔ اس کی برسوں کی محنت پر فلک کے اعتراضات چابک کی طرح برس رہے تھے۔ وہ کل کی لڑکی اس کے لکھے پر اعتراض اٹھا رہی تھی۔

اس نے آخری صفحہ بند کیا، قلم رکھ کر کرسی سے اٹھ گئی۔

"خیر۔۔۔ میں نے چند پوائنٹس نوٹ کر دیے ہیں۔ آپ چاہیں تو انہیں شامل کر لیجیے۔ کتاب بہتر ہو جائے گی۔ ورنہ یہ بس ایک اور گلیمرس سوانح عمری ہو گی۔"

وہ مضبوط قدموں سے کمرے سے باہر نکل گئی۔ کمرے میں ایک لمحے کا سکوت چھا گیا۔ مصنف نے مراد کی طرف دیکھا، حیرت اور بے بسی کے ساتھ۔

"یہ۔۔۔ یہ کون ہیں؟ ایسے لہجے میں بات کر رہی تھیں جیسے رئیس کو مجھ سے زیادہ جانتی ہوں۔"

مراد نے لمحہ بھر سوچا پھر مسکرا دیا البتہ انداز سنجیدہ تھا۔

"یہ رئیس اورنگزیب کی کزن ہیں اور ڈارک اسٹارز کی رائٹر۔۔۔ فلک عالمگیر!"

یہ تعارف کافی تھا۔ مصنف کی آنکھوں میں حیرت کی لہر دوڑ گئی۔ اس نے پہلی بار محسوس کیا کہ اس کی کتاب کے مقابلے میں، فلک کی ایک سطر ہی زیادہ بھاری پڑ سکتی تھی۔ پھر وہ تذبذب کا شکار مراد سے مخاطب ہوا۔

"وہ میں کہہ رہا تھا اگر اس کتاب کے آخر میں مسٹر رئیس اورنگزیب کے سائن مل جاتے تو۔۔۔۔ دراصل لاکھوں لوگ ان کا آٹوگراف چاہتے ہیں۔ بس ایک سائن۔۔۔؟"

"میں آپ کو جلد آگاہ کر دوں گا۔" اس کی بات سمجھتے ہوئے مراد نے جواب دیا۔

"اور انکا سوشل ورک؟ کیا وہ۔۔۔۔؟" مصنف نے اگلی عرضی رکھی۔

"نہیں اس کی اجازت نہیں ہے۔ وہ اپنے سوشل ورک کی وجہ سے منظر عام پر نہیں آنا چاہتے۔ اس چیز کا خیال رکھیے گا۔" مراد سنجیدہ ہوا تو مصنف نے سمجھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

✿••✿••✿••✿

رات کی خاموشی پورے گھر پر سایہ فگن تھی۔ دن بھر کی ہلچل اور بھاگ دوڑ کے بعد لاؤنج ایک پُر سکون مگر بوجھل فضا میں ڈوبا ہوا تھا۔ بڑے لیمپ مدھم جل رہے تھے اور ان کی روشنی نیم اندھیرے میں صوفوں کی لمبی لمبی پرچھائیاں بنا رہی تھی۔ باہر باغ میں جھینگروں کی آوازیں ٹوٹتی ہوئی خاموشی کو اور گہرا کر رہی تھیں۔

فجر نے صوفے پر بیٹھنے سے گریز کیا۔ وہ نیچے کارپٹ پر بیٹھی تھی، صوفے سے کمر ٹکائے، اپنے گھٹنوں کو بانہوں میں لپیٹے۔ اس کے بال شانوں پر بکھرے تھے اور چہرے پر تھکن اور دکھ کی دھند واضح تھی۔ آنکھوں کے گرد سوجن، بار بار ضبط کرنے کی کوشش، اور پھر بھی اندر ہی اندر بہنے والا اضطراب، یہ سب اس کے وجود کو چپکے چپکے توڑ رہے تھے۔

فلک بھی صوفے پر نہیں بیٹھی۔ وہ بھی نیچے اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔ ان دونوں کے درمیان میز پر چائے کے کپ رکھے تھے۔ وہ منظر ایسا تھا جیسے دو روحیں وقت کے بوجھ تلے ایک دوسرے کے سہارے بیٹھی ہوں۔

وہ فلک سے ملنے آئی تھی۔ ولی اسے یہاں چھوڑ کر مراد سے ملنے گیا تھا۔ کچھ غم صرف دوستوں سے ہی بانٹے جاتے ہیں۔

کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر فجر کی آواز رُکی رُکی سی نکلی۔

"ایسا کیوں ہے فلک؟ میرے ارد گرد کے لوگ ہمیشہ تکلیف میں کیوں مبتلا رہتے ہیں؟ کیوں سب کچھ میری زندگی کے گرد آکر ٹوٹنے لگتا ہے؟"

اس کے لہجے میں تھکن بھی تھی اور ایک عجیب سا خوف بھی۔ جیسے وہ خود سے یہ سوال بار بار کر رہی ہو اور ہر بار جواب سے خالی لوٹ رہی ہو۔ فلک نے آہستگی سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ جانتی تھی کہ یہ سوال صرف شکوہ نہیں، یہ ایک چیخ تھی جو اس کے دل سے نکلی تھی۔ جو سالوں سے قید تھی۔ وہ ذرا اور قریب آئی اور نرمی سے بولی۔

"ہر درد تمہاری وجہ سے نہیں ہوتا۔ کچھ چیزیں قسمت کے لکھے میں ہیں۔ عروزہ نے جو کیا، وہ اس کی اپنی مرضی تھی، اس کا اپنا فیصلہ۔ تم اس کو روک نہیں سکتی تھیں۔ تمہارے کندھوں پر اتنا بوجھ نہیں ڈالا جا سکتا۔"

فجر کے ہونٹ کانپے، مگر وہ خاموش رہی۔ آنکھوں میں نمی ابھر آئی تھی۔ اس نے اپنی انگلیوں کو سختی سے جکڑ لیا جیسے خود پر قابو پانے کی آخری کوشش کر رہی ہو۔

"لیکن فلک۔۔۔۔ عروزہ چلی گئی۔ لگتا ہے دنیا ہی اندھیر ہو گئی ہے۔ جیسے ہر خوشی چھین لی گئی ہو۔ سب کچھ میرے ہونے کی سزا دے رہا ہے۔" وہ کہتے کہتے رُک گئی۔

فلک نے نرمی سے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ اس کے لہجے میں بھی نرمی تھی مگر الفاظ میں مضبوطی۔

"یہ تمہاری سزا نہیں ہے۔ زندگی میں جانے والے اپنے فیصلے لے کر جاتے ہیں۔ کسی کے جانے سے دنیا نہیں رکتی۔ عروزہ نے جو کیا وہ اس کے اندر کی جنگ تھی، اس کی اپنی لڑائی۔ رئیس نے جو کیا وہ انکا فیصلہ تھا۔ تمہیں اپنے آپ کو الزام دینا بند کرنا ہو گا۔ یہ تمہاری غلطی نہیں ہے۔"

فجر نے ہلکی سی سانس کے ساتھ سر جھکا لیا۔

"مگر مجھے لگتا ہے سب کچھ میری وجہ سے ہوتا ہے۔۔۔ میرا وجود ہی سب کے لیے زہر ہے۔"

فلک نے ایک لمحہ اسے دیکھا، پھر پوری شدت سے اس کے گرد بازو پھیلا دیئے۔ وہ اسے اپنے ساتھ لگا کر بولی۔

"دنیا کا کوئی زہر اتنا طاقتور نہیں کہ وہ تمہاری روشنی کو بجھا دے۔ تم وہ ہو جس نے اتنے زخم سہنے کے بعد بھی خود کو کھڑا رکھا ہے۔ لوگ تمہیں مضبوط کہتے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ تمہارے اندر ایک ایسا دل ہے جو بار بار ٹوٹ کر بھی دوسروں کے لیے دھڑکتا ہے۔ اور یہی تمہاری سب سے بڑی طاقت ہے۔"

فجر اس کے کندھے سے لگی رہی، آنکھیں بند تھیں مگر آنسوؤں کی اذیت گلے میں محسوس ہو رہی تھی۔ پھر اس نے موبائل اٹھایا اور ڈی این اے رپورٹ فلک کے سامنے کی۔ اس نے ناسمجھی کے عالم میں موبائل تھاما۔ چند لمحے دیکھتی رہی اور پھر اسکا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ اس نے جھٹکے سے فجر کی جانب دیکھا۔ اب سمجھ آیا تھا وہ اس قدر ٹوٹی ہوئی کیوں تھی۔

"میں واقعی دشمن کی بیٹی ہوں؟ وہ دشمن جس نے اس خاندان کو تباہ کر دیا؟" وہ خوفزدہ تھی۔

فلک کے الفاظ جیسے دم توڑ گئے۔ اب احساس ہوا کہ اس کی تکلیف کئی زیادہ تھی۔

"میں کیسے سچائی جانوں؟" وہ فیڈ اپ ہو چکی تھی۔ "ڈی این اے دوبارہ نہیں ہو سکتا۔ فرقان گردیزی مر چکا ہے۔ میں کیا کروں؟"

"ارسل۔۔۔ اس سے ملا جا سکتا ہے۔" فلک کی آواز ابھری۔ فجر نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں میں اس سے نہیں ملنا چاہتی۔ مل بھی نہیں سکتی۔ ولی کو نہیں پسند۔۔۔ اسکا نام بھی نہیں پسند۔۔۔ میں ان سے چھپ کر نہیں مل سکتی۔ میں انہیں ہرٹ نہیں کر سکتی۔"

وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ فلک نے گہری سانس لی۔ کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔

"میرا وجود واقعی ملعون ہے۔ اب سمجھ آیا اماں مجھ سے اتنی نفرت کیوں کرتی ہیں۔۔۔" وہ بمشکل ضبط کیے ہوئے تھی۔

"نہیں۔۔۔ بالکل نہیں۔۔۔ تم ملعون نہیں ہو۔" فلک نے دوبارہ اسے ساتھ لگایا۔

"اگر یہ سچ بھی ہے تو اس سے فرق نہیں پڑتا۔ تم فجر معراج ہو اور یہی تمہاری پہچان ہے۔ انسان وہ ہوتا ہے جو وہ چنتا ہے۔ سمجھ رہی ہو نا۔۔۔؟" وہ اس کے بال سہلاتے بولی۔

"بگ بی۔۔۔۔؟ وہ مجھ سے شدید نفرت کریں گے۔ وہ۔۔۔ وہ۔۔۔"

وہ ڈر رہی تھی۔ وہ اس شخص کی مزید نفرت نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ جس شخص کے سائن اس کے سرپرست کے خانے میں تھے اس پر کیا گزرے گی جب اسے پتا چلے گا کہ وہ گردیزی خاندان کی بیٹی تھی؟ اس عورت کی بیٹی جس کی وجہ سے اس نے اپنی پوری زندگی اکیلے گزار دی؟

"تم پریشان مت ہو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ نرمی سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے بولی۔

"اور رہی بات رئیس کی۔۔۔" وہ لمحے بھر کو رکی، پھر اس کے کان کے قریب دھیرے سے سرگوشی کی۔

"میں انہیں ٹھیک کر کے رہوں گی۔ ان کے اندر جو طوفان ہے، وہ بھی ایک دن رک جائے گا۔ وہ شخص ایسا نہیں کہ سب کچھ چھوڑ دے یا ٹوٹ جائے۔ وہ لڑنے والا ہے، ہارنے والا نہیں اور کسی کے مرنے سے زندگی نہیں رکتی۔۔۔۔"

وہ اسے دلاسہ دے رہی تھی۔ حوصلہ دے رہی تھی۔ وہ دعویٰ کر رہی تھی کہ وہ سب ٹھیک کر دے گی۔ فجر نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔ آنکھوں میں ابھی بھی نمی تھی مگر ہونٹوں پر لرزتی ہوئی مسکراہٹ ابھری۔

"لوگ مجھے مضبوط کہتے ہیں فلک۔۔۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ تم میں مجھ سے زیادہ حوصلہ ہے۔"

فلک نے جواباً مسکرایا۔

"تو پھر یقین رکھو کہ یہ **فلک عالمگیر** اپنا گھر ٹوٹنے نہیں دے گی۔ جو کچھ ہونا تھا، ہو گیا۔ اب کچھ غلط نہیں ہو گا۔ اب ہم خود اپنی تقدیر لکھیں گے۔"

اس کی طرف سے [illegible] پر فضا کلیئر میں ایک عجیب سا سکون اتر آیا۔ فجر نے پہلی بار اس رات خود کو ہلکا سا پُرسکون محسوس کیا۔

"کاش سب لوگ تمہاری آنکھوں سے دنیا دیکھ پاتے فلک۔۔۔۔"

"بھلا پھر سب مصنف نہ ہوتے؟" فلک نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے ہولے سے جواب دیا۔

"اور کاش سب لوگ تمہارے دل کی گہرائی جان پاتے۔۔۔"

دونوں دیر تک اسی خاموشی میں بیٹھی رہیں۔ باہر رات کی ہوا آہستہ آہستہ کھڑکی کے پردوں سے کھیل رہی تھی۔ وہ لمحہ ایسا تھا جیسے دو تھکی ہوئی روحوں نے ایک دوسرے میں سہارا ڈھونڈ لیا ہو۔

خوشیاں بانٹنے سے بڑھتی ہیں، غم بانٹنے سے ہلکے ہوتے یہی دوستی کا کمال ہے۔ اور کچھ بوجھ دل سے صرف دوست ہی اتار سکتے ہیں۔

✿••✿••✿••✿

رئیس ہیڈ آفس کی ہر رات اب ہمیشہ سے مختلف ہوتی تھی۔

شیشے کی دیواروں کے اس پار پورا لاہور روشنیوں میں ڈوبا ہوا تھا مگر اندر کا ماحول اتنا سنجیدہ اور بوجھل تھا کہ سانس لینا مشکل لگ رہا تھا۔ مراد کی میز پر کافی کے بھاپ اڑاتے کپ رکھے تھے۔

ولی کرسی کے بازو پر کہنی ٹکائے گہری خاموشی میں بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں عروزہ کی چند یادیں اور اپنی بے بسی کی پرچھائیاں لرز رہی تھیں۔

مراد نے انگلیوں کے درمیان قلم گھماتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے چھوٹے؟ عروزہ نے یہ کیوں کیا؟"

ولی نے سر جھکائے ہوئے دھیرے سے سانس کھینچا۔ کیا اسے سچ بتا دینا چاہیے؟ بتا دینا چاہیے کہ ان کا مشترکہ دشمن کون تھا؟ مگر انہیں بتانا یعنی انہیں خطرے میں ڈالنا تھا۔ وہ چند لمحے سوچتا رہا پھر گویا ہوا۔

"وہ صرف میری وجہ سے یہ قدم نہیں اٹھا سکتی تھی، مراد! مجھے یقین ہے۔۔۔۔ اس کے پیچھے کچھ اور تھا۔"

"تم بھی یہ کہنا چاہتے ہو کہ کسی نے اسے مجبور کیا؟" وہ سنجیدگی سے بولا۔

ولی نے آنکھیں بند کر کے پیشانی کو دبایا۔ چہرے پر وہ اضطراب تھا جو اندر کی سچائی کو چھپا بھی رہا تھا اور مان بھی رہا تھا۔

"شاید۔۔۔ اسے بلیک میل کیا گیا ہو۔"

مراد کی آنکھیں تیز ہو گئیں۔ وہ چونک کر سیدھا ہوا۔

"وہ عورت۔۔۔؟ تمہیں بھی لگتا ہے؟"

ولی نے ہلکا سا سر ہلایا، لبوں پر بے آواز اعتراف تھا۔

"ہاں۔۔۔ عروزہ جان چکی تھی کہ اصل زہر کہاں سے ٹپکتا ہے۔ تبھی اسے راستے سے ہٹایا گیا۔"

کمرے میں چند لمحے کے لیے صرف ہیٹر کی مدھم گونج باقی رہی۔ مراد نے گہرا سانس لیا۔

"عروزہ صرف جسمانی طور پر گئی ہے۔ اس نے جو رئیس کے لیے چھوڑا۔۔۔ وہ یو ایس بی۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ رئیس پھر سے کھڑا ہوا ہے۔ ورنہ۔۔۔۔" شاید سب تباہ ہو چکا ہوتا۔ وہ چند لمحے ولی کو دیکھتا رہا پھر بے ساختہ بولا۔

"کیا تمہیں کوئی سراغ ملا ہے؟" اس نے جانچتی نگاہوں سے ولی کو دیکھا۔ مراد کی آواز پر اس نے سر اٹھایا۔

"اس عورت کا سراغ؟ تم جانتے ہو نا وہ کون ہے؟" وہ سوال کرتے وقت خود چونک اٹھا۔ نظریں اس کے کندھے پر بندھے پلستر پر گئیں۔۔۔ ذہن میں ایک جھماکہ سا ہوا۔ اسکا ایکسڈنٹ؟ وہ ایک نارمل حادثہ نہیں ہو سکتا۔

ولی نے دھندلی آنکھوں سے مراد کو دیکھا۔ دل جیسے سوالوں اور جوابوں کے بھنور میں ہو مگر کچھ بولا نہیں۔۔۔ اسکی خاموشی بہت کچھ کہہ رہی تھی۔

"بولو چھوٹے۔۔۔کیا چھپا رہے ہو؟" مراد کی آنکھیں پھیل گئیں۔سانس جیسے اٹک سا گیا۔

"بگ بی ٹوٹ جائیں گے مراد!وہ عورت۔۔۔وہ شاید۔۔۔مافیا ہے۔۔۔اور اسکا ساتھ دینے والی ذرتاش۔۔۔۔"

مراد کو اپنا لہو رگوں میں جمتا محسوس ہوا۔یوں لگا جیسے کمرے کی ساری حرارت ختم ہو گئی ہو اور انٹارکٹیکا کی سردی نے لے لی ہو۔اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"یہ۔۔۔یہ کیا کہہ رہے ہو؟" وہ بمشکل بول پایا۔

"جو اس تک پہنچتا ہے وہ اسے راستے سے ہٹا دیتی ہے۔ہمیں انتظار کرنا ہے جب تک وہ خود بگ بی کے سامنے نہ آنا چاہے ہم اسکا راز فاش نہیں کر سکتے۔۔۔البتہ ہمیں اسکے راز جاننے ہیں۔سمجھ رہے ہو نا۔۔۔۔"

اس کی باتیں ناقابل یقین تھیں۔مراد ہیں لمحے سکتے کی سی حالت میں بیٹھا رہا۔

"ذرتاش۔۔ایسا کیسے کر سکتی ہے؟" وہ الجھا گیا۔چہرے پر بے یقینی رقم تھی۔"اور وہ عورت کون ہو سکتی ہے؟"

"جو بگ بی کے ماضی سے جڑی ہے۔" ولی نے بہت کچھ اندر اتارا۔

"رئیس کا ماضی ایک عورت سے جڑا ہے۔۔۔منار۔۔۔لیکن وہ تو۔۔۔" وہ کہتے کہتے رک گیا۔

"زندہ بھی ہو سکتی ہے۔" وہ بس اتنا ہی بول پایا۔مزید کسی کی زندگی خطرے میں نہیں ڈال سکتا تھا۔

چند لمحے مزید خاموشی اور پھر مراد نے میز پر مکا مارا، آواز کمرے میں گونجی۔

"تو پھر یہ جنگ اور بھی ضروری ہو گئی ہے چھوٹے۔اگر وہ منار ہے اور اس نے عروزہ کو توڑ دیا ہے تو ہم اسے ثابت کریں گے کہ عروزہ کی قربانی رائیگاں نہیں گئی۔"

"میں چاہتا ہوں یہ سب جلد ختم ہو۔ وہ کھیل، کھیل رہی ہے۔ وہ۔۔۔ وہ انجام لکھ رہی ہے اور مجھے یہ انجام بدلنا ہے۔" وہ مضبوط لہجے میں بولا تو مراد نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔

"عروزہ کے لیے۔۔۔ رئیس کے لیے۔۔۔ اور ہمارے مستقبل کے لیے، یہ کھیل ہم جیتیں گے۔" مراد کی مضبوطی آواز گونجی۔

"بگ بی کو پتا چلا تو تباہی آئے گی۔۔۔۔ جبکہ ہمیں سوچ سمجھ کر چلنا ہو گا۔" وہ محتاط نظروں سے مراد کو دیکھتے ہوئے بولا۔ وہ دونوں جانتے تھے رئیس کو پتا چلنا یعنی سب ختم ہونا۔۔۔۔ انہیں سوچ سمجھ کر قدم رکھنا تھا۔

"تو پھر عروزہ واقعی زندہ ہے۔۔۔ ہمارے ہر فیصلے میں۔"

کمرے کی فضا میں خاموشی چھا گئی مگر اس خاموشی کے پیچھے عزم کی بجلیاں جل رہی تھیں۔ باہر شہر کی روشنیوں میں جتنا سکون دکھائی دیتا تھا، اندر اتنی ہی تیز آندھیاں اٹھ رہی تھیں۔ وہ دونوں اب کچھ اہم چیزیں ڈسکس کر رہے تھے۔

✿••✿••✿••✿

لاہور کی رات ہمیشہ کی طرح وسیع، پھیلی اور بوجھل تھی۔ رئیس مینشن کی دیواروں پر لٹکتی کرسٹل لائٹس ایک خواب کی طرح مدھم روشنی پھیلا رہی تھیں، مگر اس روشنی میں بھی ایک عجیب سا سناٹا گونج رہا تھا۔

سیڑھیوں کے اوپر وہ کھڑا تھا۔ فون کان سے لگا ہوا، قدم آہستہ آہستہ اتر رہے تھے۔ اس کا لہجہ رسمی تھا مگر آنکھوں کے اندر وہی تھکن، وہی ویرانی جمی ہوئی تھی۔

"تم یہ فائل مراد سے چیک کروا لینا۔"

اور پھر اچانک جیسے کوئی دبے پانی سے ابھر آیا ہو، اس کی زبان پھسل گئی۔

"مجھے نہیں آئیڈیا عروزہ سے پوچھ۔۔۔"

آخری الفاظ اس کے ہونٹوں پر جم گئے۔ دوسری جانب فون پر بھی خاموشی چھا گئی۔ اس کا گلا خشک ہو گیا، آدم کے ابھار کی طرح گلٹی اوپر نیچے ڈولنے لگی۔ سانس جیسے رگڑ کھا رہا ہو۔

عروزہ کا نام۔۔۔ ایک خنجر تھا جو ہر بار نئی جگہ سے گھس کر اندر لہو چوس لیتا تھا۔ اس کے قدم سست پڑ گئے، جیسے ٹانگوں کی جان نکل گئی ہو۔

"مراد یا میثم سے پوچھو۔" اس نے جلدی سے جملہ بدلا، فون بند کیا اور سیڑھیوں پر وہیں بیٹھ گیا۔ سرد پتھر کے زینے پر بیٹھے رئیس کا وجود، اپنی پوری شان و شوکت کے باوجود، اس لمحے ٹوٹا ہوا لگ رہا تھا۔ ماتھے پر بوجھل پسینہ، آنکھوں کے گرد نیند کی کرچیاں، اور دل پر ایک صدیوں پرانی خراش۔

بھوک کے ہاتھوں سر درد تھا، مگر کھانے کا دل بالکل نہیں چاہ رہا تھا۔ پھر بھی وہ نیچے جا رہا تھا تاکہ کچھ کھا سکے۔ جسم اپنی پرانی عادتوں کے سہارے چل رہا تھا۔

اس نے موبائل کھولا۔ اسکرین روشن ہوئی اور ایک تصویر ابھری۔

بھوری رنگت والی عروزہ، ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ، سادہ ٹی شرٹ پہنے۔ اس کی مسکراہٹ کے پیچھے ایک سکون تھا جو اس کی زندگی سے کب کا چھن چکا تھا۔

وہ تصویر دیکھتے ہوئے اس کے دل نے جیسے ڈبکی کھائی۔ گہرا خلا ایک بار پھر اس پر حاوی ہو گیا۔ انگلیاں تصویر پر رکی رہیں، اور وہ جانے کتنی دیر وہاں ساکت بیٹھا رہا۔

اسی لمحے عقب سے ایک آواز ابھری۔ کٹتی ہوئی، بھاری اور بوجھل آواز۔

"کیسا لگتا ہے جب کوئی اپنا آپ سے بچھڑ جائے؟ جب کوئی آپ سے اپنا چھین لیا جائے؟ کیسا لگتا ہے؟"

وہ چونکا۔ ذرا سی گردن گھما کر دیکھا۔ زینوں کے آخر میں ذرتاش اپنی وہیل چیئر پر بیٹھی تھی۔ اس کے ہاتھ میں بھی فون تھا، اور اسکرین پر احمد جہانزیب کی تصویر جگمگا رہی تھی۔

رئیس نے اسے دیکھا۔ لب بھینچے۔ جواب دینا چاہا مگر الفاظ گم ہو گئے۔ وہ پھر سے بولی۔ اس کی آواز میں طنز اور اذیت کا ملا جلا زہر تھا۔

"کیا آپ کو پچھتاوہ ہے؟ جو آپ نے کیا؟ جس کے ساتھ بھی کیا؟ جتنے لوگوں کو آپ نے مرنے پر مجبور کیا۔۔۔ کیا آپ کو کبھی پچھتاوہ ہوا؟"

رئیس نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں بند کیں۔ پھر گہری سانس لی۔ وہ آہستہ آہستہ زینے سے اٹھا۔ روشنی کی چمک میں اس کا سراپا نمایاں ہو گیا۔ وہی بادشاہی رعب، وہی جمی ہوئی سنجیدگی۔ پھر اسکا جواب آیا۔ آواز بھاری اور کٹی ہوئی تھی۔

"نہیں۔۔۔ مجھے کوئی پچھتاوہ نہیں ہے۔"

یہ جملہ پتھر کی طرح زینوں میں گونجا۔ ذرتاش کے چہرے پر اذیت ابھر آئی، آنکھوں میں نفرت کی گہری تہہ۔

"اتنا غرور؟ اتنا تو فرعون کو بھی نہیں تھا بھائی۔۔۔" اس نے فرعون پر زور دیا۔

رئیس کے لبوں پر ایک کڑوی ہنسی ابھری۔ اس نے نیچے آخری زینے کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"کیونکہ میں فرعون نہیں ہوں۔ میں رئیس اور نگزیب ہوں اور میں نے اپنے ہر فعل کی قیمت چکائی ہے۔ مجھے کچھ بھی مفت میں نہیں ملا۔ میں نے بہت بھاری قیمتیں چکائی ہیں ذری۔۔۔" اس کا لہجہ بلند ہوتا گیا۔

"میں نے اگر کسی کو درد دیا تو بدلے میں زخم خریدے۔ میں نے اگر کسی کو توڑا ہے تو اپنے اندر سیکڑوں ٹکڑے جمع کیے ہیں۔ یہ دنیا طاقت کو سلام کرتی ہے، مگر طاقت کبھی بھی خون کے بغیر نہیں ملتی۔"

وہ لمحہ بھر کو رکا، پھر مزید سخت لہجے میں بولا۔

"تم یہ کبھی نہیں سمجھ سکو گی۔ کیونکہ تم نے ہمیشہ صرف انجام دیکھا ہے۔۔۔ سفر نہیں۔ تم نے تخت دیکھا ہے، مگر وہ قبریں نہیں جن پر سے گزر کر یہ تخت بنا ہے۔"

ذرتاش کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ اس کے لب کانپے۔

"قبریں۔۔۔ یا لاشیں؟"

رئیس نے رخ موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ آنکھوں میں خالی پن اور تھکن تھی، مگر لہجے میں اب بھی وہی بادشاہی تیقن۔

"قبریں، لاشیں، زخم۔۔۔ سب۔ میں ان سب کی قیمت دے چکا ہوں۔ اور آج بھی دیتا ہوں۔ تم سوچتی ہو میں فاتح ہوں؟ نہیں ذری۔۔۔ میں تو وہ ہارا ہوا سپاہی ہوں جو جنگ جیت کر بھی تنہا ہے۔ ہاں مگر مجھے کوئی پچھتاوہ نہیں۔ میرے حساب کتاب برابر ہیں۔"

یہ کہہ کر اس نے رخ موڑا اور تیز قدموں سے زینے اترنے لگا۔

"میں نے ہر فعل کی قیمت چکائی ہے۔ کچھ بھی مفت میں نہیں ملا۔"

شیشے کے جھلملاتے مینشن میں اس کا وجود، سائے کی طرح لمبا اور بھاری لگ رہا تھا۔ ذرتاش وہیں اپنی وہیل چیئر میں جمی رہی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، مگر اس کی نظریں اب بھی رئیس کے پیچھے بھاگ رہی تھیں۔

سیڑھیوں کے آخر میں اس کا سراپا اوجھل ہو گیا۔ ہال میں سناٹا چھا گیا۔ صرف دور سے مینشن کی قدیم گھڑی کی ٹک ٹک سنائی دے رہی تھی۔

ذرتاش نے نم آنکھوں سے اس اندھیرے کو دیکھا، اور اس کے دل میں ایک سرد لہر دوڑ گئی۔

کیا واقعی یہ شخص بادشاہ تھا؟ یا صرف ایک ایسا قیدی، جو اپنے ہی بنائے قلعے کی دیواروں کے پیچھے سسک رہا تھا مگر ہار نہیں مانتا تھا؟

✿••✿••✿••✿

اگلے دن کی رات شہر کی تیز رفتار دھڑکن کے برعکس ایک پرسکون غلاف اوڑھے ہوئے تھی۔ سڑکوں پر روشنی کے ستون کھڑے تھے مگر ان کے نیچے سناٹا اتر آیا تھا۔ ہیڈ آفس کی بلند و بالا عمارت بھی باہر سے ایک خاموش دیو کی طرح ایستادہ تھی۔ اندر البتہ، فلورز پر بکھری لائٹس جل بجھ رہی تھیں۔ زیادہ تر کیبن خالی ہو چکے تھے مگر کچھ جگہوں پر چراغ اب بھی جل رہے تھے۔

یہ رات گزر جانے والی تھی، مگر رئیس کے لیے راتیں گزرنے کا عمل کتنا بھاری تھا، یہ وہی جانتا تھا۔ وہ آفس کی راہداریوں میں یوں ہی قدم بہ قدم چل رہا تھا جیسے خود سے بھاگنے کی کوشش میں ہو۔ ہر دیوار، ہر شیشہ، ہر سجاوٹ اس کی اپنی دولت اور طاقت کی نشانی تھی، مگر دل کی گہرائیوں میں وہ ایک ایسے قلعے میں قید بادشاہ لگتا تھا جس کے کمرے خالی تھے۔

وہ چلتے چلتے ٹھٹک گیا۔ سامنے گلاس وال کے پار ایک کیبن روشن تھا۔ یہ فلک کا کیبن تھا۔

وہ لمحہ بھر کو رکا۔ گلاس کے پیچھے وہ صاف دکھائی دے رہی تھی۔ میز پر جھکی، سنجیدگی سے کام میں مصروف۔ لیپ ٹاپ کھلا تھا، اسکرین کی نیلی روشنی اس کے چہرے کو اور زیادہ واضح کر رہی تھی۔ وہ کاغذات پر جھک کر کچھ نوٹ کر رہی تھی، کبھی انگلیوں سے کی بورڈ پر ہلکی سی آواز پیدا ہوتی کبھی قلم کے چھونے سے۔

رئیس نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی۔ رات کے ساڑھے دس بج رہے تھے۔ اس کی بھنویں سکڑ گئیں۔ اس وقت یہاں صرف نائٹ اسٹاف رہتا تھا، وہ بھی اس فلور پر نہیں۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ گلاس ڈور ذرا سا کھولا اور پھر دستک دی۔

فلک نے چونک کر سر اٹھایا۔ لمحہ بھر کو وقت تھم سا گیا۔

ٹیبل لیمپ کی روشنی اس کی شہد رنگ آنکھوں پر گری، اور وہ جگنوؤں کی مانند جل اٹھیں۔

وہ لمحہ دونوں کے درمیان ایک خاموش مکالمہ تھا۔

وہ اٹلی سے واپس آ چکا تھا۔ اس کے آنے کی خبر فلک کو ملی تھی مگر وہ خود تب سے سامنے نہیں آیا تھا۔

"تم ابھی تک یہاں کیا کر رہی ہو؟" سنجیدہ اور بھاری آواز میں پوچھا گیا۔

فلک چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ وہ دروازے کے باہر کھڑا تھا، مگر اس کے وجود کی سنگینی پورے کیبن کو بھرتی جا رہی تھی۔

سادہ پینٹ پر اونی شرٹ پہنے، وہ آج دفتر کے رسمی وقار سے ہٹ کر ایک تھکن زدہ مگر اب بھی باوقار انسان لگ رہا تھا۔ وہ اٹھی نہیں، بس کرسی پر سیدھی ہو کر بیٹھی رہی۔

"فخر بھائی تھوڑا لیٹ ہیں۔ میں انتظار کر رہی ہوں۔" اس نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔ نہ ہچکچاہٹ، نہ لرزش۔

رئیس کی آنکھیں تنگ ہوئیں۔

"تم جانتی ہو اس وقت یہاں صرف نائٹ اسٹاف رک سکتا ہے۔ وہ بھی اس فلور پر نہیں ہیں۔ تم یہاں اکیلی ہو۔ اسے عقلمندی کہوں یا بے وقوفی؟"

وہ پل بھر کو گھبرا گئی۔ رئیس کا انداز نیم طنزیہ تھا، مگر فوراً سنبھل گئی۔

"میرے خیال سے رات کے اس پہر اکیلے باہر نکلنے سے بہتر ہے میں یہاں انتظار کر لوں۔ آپ اسے بے وقوفی کہیں گے یا عقلمندی؟"

رئیس نے گہری نظر اس پر ڈالی۔ یہ وہی فلک تھی جسے وہ اکثر ڈگمگاتا دیکھتا تھا، مگر آج اس کا لہجہ مضبوط تھا۔ اس نے کچھ لمحے خاموشی میں اسے دیکھا، پھر گہری سانس لے کر کہا۔

"میں گھر کے لیے نکل رہا ہوں۔ اگر فخر زیادہ لیٹ ہے تو آؤ، میں چھوڑ دیتا ہوں۔"

یہ صرف ایک آفر نہیں تھی، ایک فیصلہ تھا۔

وہ اسے اس وقت یہاں اکیلا چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔

فلک کی آنکھوں میں لمحے بھر کو ایک ہلکی سی چمک ابھری، مگر اس نے فوراً چھپا لیا۔ اثبات میں سر ہلایا اور آہستگی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ شال درست کی، لیپ ٹاپ بند کیا، فائل ہاتھ میں لی اور دروازے کی طرف بڑھی۔

وہ دروازے پر کھڑا رہا۔ جب وہ باہر نکلی تو اس نے دروازہ آہستہ سے بند کر دیا۔

اب وہ دونوں ساتھ راہداری میں چل رہے تھے۔ فرش پر جمی روشنیوں کے عکس ان کے قدموں کے ساتھ بہہ رہے تھے۔ عمارت کا سناٹا اور ان کے قدموں کی دھیمی چاپ اس لمحے کے ماحول کو اور زیادہ پر اسرار بنا رہی تھی۔ لفٹ کے سامنے پہنچے۔

رئیس نے لفٹ کال کی۔ یہ وہ لفٹ تھی جو صرف وہ استعمال کرتا تھا۔ آج پہلی بار فلک اس میں داخل ہونے جا رہی تھی۔

دونوں اندر آئے۔ لفٹ کی گلاس وال سے سارا فلور، ساری عمارت نیچے کی طرف کھلنے لگی۔ فلک نے لمحہ بھر کو نیچے جھانکا۔ شیشے کی دیواروں کے باہر شہر کی رات اپنی خاموش چمک میں ڈوبا ہوا تھا۔

لفٹ نیچے اتر رہی تھی۔ اندر سناٹا چھایا تھا۔

وہ اپنی سوچوں میں گم تھا، فلک اپنے ضبط میں۔ دونوں کے درمیان فاصلہ چند قدموں کا تھا، مگر خاموشی کئی صدیوں کی لگ رہی تھی۔ گراؤنڈ فلور پر پہنچتے ہی لفٹ کا دروازہ کھلا۔ باہر میثم انتظار کر رہا تھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح ہاتھ باندھے، ایک روبوٹ کی طرح سیدھا کھڑا تھا۔

فلک نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر ہولے سے بڑبڑائی۔

"Robot 2.0"

فلک کو دیکھ کر میثم کے ہونٹ ذرا سے لرزے، وہ ٹھٹکا مگر جلد خود پر قابو پا گیا۔ اس نے پہلے فلک کے لیے دروازہ کھولا۔ وہ نکل گئی۔ پھر رئیس کے لیے دروازہ کھولا۔

گاڑی دروازے کے سامنے موجود تھی۔ڈرائیور نہیں تھا، کیونکہ رئیس اب میثم کے ساتھ سفر کرتا تھا۔ فلک پیچھے کی سیٹ پر بیٹھی۔ رئیس بھی آگے میثم کے برابر آ بیٹھا۔ گاڑی خاموشی سے ہیڈ آفس سے باہر نکل گئی۔

شہر کی سڑکیں نیم روشن تھیں۔ کہیں کہیں درختوں کے سائے ہلکی ہوا میں جھول رہے تھے۔ شیشے کے باہر اندھیرا اور اندر ایک بوجھل سکوت۔

اس نے سر سیٹ کی پشت سے ٹکایا اور آنکھیں چند لمحے بند کیں۔ فلک نے چپ چاپ کھڑکی کے باہر دیکھا۔ مگر اس کی نظر شہر پر نہیں، اپنے ہی اندر کے ایک خلا پر تھی۔ یہ خاموشی بھیانک تھی۔ رئیس نے آنکھیں کھولیں اور کھڑکی سے باہر دیکھا، جیسے کچھ ڈھونڈ رہا ہو۔

"کام کیسا چل رہا ہے؟" وہ فلک سے مخاطب تھا۔

"بہترین۔۔۔" وہ مسکرائی۔ میثم تمام توجہ سے گاڑی چلا رہا تھا۔ اسکا رخ فلک کے گھر کی طرف تھا۔ خاموشی کا وقفہ لمبا ہوا تو وہ خود ہی بول پڑی۔

"میں نے آپ پر لکھی جانے والی کتاب کے مسودے میں کافی تبدیلیاں کروائی ہیں۔ کیا آپ نے دیکھا؟"

"مجھے اس میں دلچسپی نہیں ہے۔" وہ بڑبڑایا۔

"دلچسپی ہونی چاہیے۔" وہ ڈٹی رہی۔ اس بار وہ ٹھٹکا۔

"اتنی چھوٹی چیزوں میں دلچسپی لوں؟" ابرو اٹھا کر پوچھا گیا۔

"یہ کوئی چھوٹی بات نہیں ہے۔ آپ کو پتا ہونا چاہیے آپ کے ارد گرد کیا ہو رہا ہے کیا نہیں۔" مفت میں صلح دی گئی۔

"اچھا۔۔۔" وہ استہزائیہ بولا۔

"جو جال نہیں دیکھتا وہ سب سے پہلے پھنستا ہے۔" اس بار وہ گردن تھوڑی سیدھی کر کے بولی۔ میثم کی نظر بے ساختہ بیک ویو مرر پر اٹھی۔ رائٹر بار بی پچھلی بار کے برعکس کافی پر اعتماد لگ رہی تھی۔ اور تو اور رئیس اورنگزیب کو مشورے دے رہی تھی۔

رئیس نے ذرا سا رخ موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ دونوں کی آنکھیں لمحہ بھر کو ملیں۔

"قدرت کا قانون ہے۔" وہ اس کے دیکھنے پر مسکرائی۔

گاڑی کی رفتار سڑک پر بہتی رہی، مگر ان لمحوں میں وقت پھر ٹھہر گیا۔ فلک کی آنکھوں میں وہی شہد رنگ روشنی تھی، جیسے جگنو اندھیری رات میں راستہ دکھاتے ہیں۔ رئیس نے پلک جھپکی اور پھر بنا کچھ کہے دوبارہ باہر دیکھنے لگا۔ میثم خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس کے چہرے پر وہی غیر متزلزل سختی تھی مگر کان شاید ان دونوں کی گفتگو پر لگے ہوئے تھے۔ کہہ تو وہ ٹھیک ہی رہی تھی۔ رات گہری ہو رہی تھی۔ مگر اس رات میں، گاڑی کے اندر ایک انجانا سکون اترنے لگا تھا۔

جیسے فلک کی خاموشی رئیس کی تھکن کے گرد ہلکا سا مرہم رکھ رہی ہو۔

✿••✿••✿••✿

لان میں ہلکی دھوپ بکھری تھی۔ گھاس پر ہلکی سنہری کرنیں چمک کے کھیل کھیل رہی تھیں۔ بانو چائے رکھ کر جا چکی تھی اور ہلکی سی بھاپ اٹھتی پیالیوں میں موسم کی خوشبو گھل گئی تھی۔ آج کئی دنوں بعد دل کا موسم سہانا تھا۔ آج کئی دنوں بعد دل و دماغ پر جمی گرد اتری تھی۔ وہ دونوں کئی دنوں بعد یوں فرصت سے بیٹھے تھے۔ ولی کے ہاتھ میں

میگزین تھا، وہ بظاہر اس کے صفحات پلٹ رہا تھا مگر اصل میں لمحہ لمحہ فجر کی موجودگی محسوس کر رہا تھا جو الجھی ہوئی سی سامنے بیٹھی تھی۔

وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ جانے کیوں اسے دیکھنا اچھا لگ رہا تھا۔ میگزین کے ورق پر فرسٹ امپریشن کا لفظ نظر آیا۔ وہ چند لمحے خاموش رہی پھر دھوپ کی نرمی، ہوا کی خنکی اور اس کی قربت نے زبان کھول دی۔

"ویسے ایک بات تو بتائیں۔۔۔" دھیرے سے پوچھا۔

اس نے پلکیں جھپکائیں، صفحہ الٹتے ہوئے بس "ہوں۔۔۔" کہا۔ وہ جانتا تھا جتنا وہ اسے گھور چکی تھی اب ابھرنے والا سوال کوئی الٹا ہی ہونے والا تھا۔

"میرا فرسٹ امپریشن کیسا تھا؟ میں جب پہلی بار ملی تھی تو کیسی لگی تھی؟" وہ سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

فجر کے سوال پر اس کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ ابھری مگر اس نے اسے بڑی مہارت سے چھپاتے ہوئے صفحہ پلٹا اور سنجیدگی سے کہا۔

"سچ بتاؤں یا جھوٹ؟" نظریں ورق پر جمائے پوچھا۔

"جھوٹے پر خدا کی لعنت۔۔۔" اس کے ایسے جواب پر ولی نے بمشکل اپنا قہقہہ ضبط کیا۔ چہرہ ضبط کے باعث سرخ پڑ گیا پھر خود پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔

"فرسٹ امپریشن؟ بالکل ڈائن جیسا تھا۔ تم مجھے ڈائن لگی تھیں۔" وہ یاد کرتے ہوئے بولا۔

اس کے جواب پر فجر کے تاثرات فوراً بگڑے۔ وہ تلملائی مگر ہار ماننے والی کہاں تھی، جھک کر میز پر کہنی رکھی اور مزید پوچھا۔ اس بار انداز میں ذرا غرور تھا۔

"پھر تمہاری سوچ کیسے بدل گئی؟"

ولی نے اس بار میگزین بند کر کے ایک نظر اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر معصوم سی امید چھلک رہی تھی۔ وہ اپنی چائے میں چمچ چلا رہی تھی مگر نظریں اسی پر جمی تھیں۔ اس نے ذرا سا توقف کیا، پھر جیسے بے رحمی سے بولا۔

"کس نے کہا سوچ بدل گئی؟ تم ابھی بھی ڈائن ہی ہو۔۔۔"

اس بات فجر کا منہ ہونقوں کی طرح کھل گیا۔

"کیا مطلب؟" وہ صدمے سے بس اتنا ہی بول پائی۔

اس رد عمل پر اس آدھے انگریز نے ہنستے ہوئے میگزین ایک طرف رکھا، اس کی طرف جھک کر نظریں اس کی آنکھوں میں ڈال دیں۔

"فرق صرف اتنا ہے کہ یہ ڈائن اب مجھے دل و جان سے عزیز ہے۔"

فجر کی آنکھوں میں حیرت اور صدمے کا عکس دھیرے دھیرے پگھلا اور مسکراہٹ میں ڈھل گیا۔ اس کے گالوں پر ہلکی سی سرخی اتر آئی۔

"تم انگریزوں پر بھروسہ کرنا ہی نہیں چاہیے۔" اس نے مصنوعی خفگی سے کہا اور نظریں چائے پر جمائیں۔

"تو پھر کیوں برداشت کر رہی ہو؟"

اس کے سوال پر فجر نے چاہے کا گھونٹ لیا مگر جواب دینے کے بجائے نظریں چرا لیں۔

"کہہ دو کہ تم مجھے برداشت کرنے کی عادی ہو چکی ہو؟ کہہ دو نا تمہارا میرے بنا گزارا نہیں ہے۔۔۔" وہ دلکشی سے مسکرایا۔ شرارتی سی مسکراہٹ چہرے پر جمی رہی۔

"اب چاہ کر بھی چھٹکارا نہیں پا سکوں گی۔" وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے لہجے کو غیر بنانے کی کوشش کر رہی تھی مگر اس کی بولتی کتھئی آنکھیں تنگ کرنے پر تلی تھیں۔

جبکہ وہ خود میز پر کہنی جمائے ہاتھ پر گال رکھے، ٹکٹکی باندھ کر اسے دیکھے گیا۔

"چھٹکارا؟ اب تمہیں مجھ سے نجات نہیں مل سکتی میڈم! میں تمہاری زندگی میں ایسے جکڑا ہوں جیسے دھڑکن دل کو جکڑ لیتی ہے۔"

وہ چند لمحے خاموش رہا جبکہ فجر چہرہ جھکائے مسکراہٹ دبانے لگی۔

"تم جانتی ہو، پہلی ملاقات میں تم ڈائن ضرور لگی تھیں مگر اندر کہیں مجھے لگا تھا کہ یہ لڑکی میری کہانی کا سب سے خوبصورت باب بنے گی مگر پتا نہیں تھا تم میری بیوی بن جاؤ گی۔"

اس کے الفاظ پر فجر نے جھجکتے ہوئے نظریں اٹھائیں۔ دھوپ اس کے چہرے پر سنہری لکیریں بناتی تھی اور ولی کی آنکھوں میں وہی جذبہ جھلک رہا تھا جسے لفظوں میں بیان کرنا مشکل تھا۔

"بس کریں۔۔۔ اتنا جھوٹ کون بولتا ہے؟" میگزین اٹھا کر چہرے کے سامنے کیا۔ وہ اپنے چہرے سے نکلتی آگ محسوس کر سکتی تھی۔

"اچھا پھر تم بلش کیوں کر رہی ہو۔۔۔؟" ایک کندھے پر پلستر تھا دائیں ہاتھ سے آگے کو ہوتے اس کے چہرے سے میگزین ہٹانا چاہا۔

"میں کیوں بلش کروں گی؟" کھٹاک سے جواب آیا۔

"پھر مجھے چہرہ دیکھنے دو۔" وہ پیچھے کھسک چکی تھی۔ میگزین مزید اوپر کیا۔

"اپنا کام کریں۔۔۔" دل کی دھڑکن بڑھ گئی۔ چہرہ مزید چھپالیا۔

"وہی تو کر رہا ہوں مگر یہ میگزین رکاوٹ بن رہا ہے۔ اب میں چہرہ کیسے دیکھوں؟" میگزین چھیننے کی کوشش کی۔

"ولی مجھے تنگ مت کریں۔" اتنی سردی میں بھی ہتھیلیوں پر پسینہ ابھر آیا۔

"ایسے کہو گی تو کیسے باز آؤں گا؟" اس بار میگزین چھین لیا۔ فجر کا سرخ چہرہ واضح ہو گیا۔

"پھر اکیلے چائے پیئیں۔۔۔" وہ کرسی سے اٹھتے ہوئے جان چھڑا کر بھاگی۔ اس بار وہ قہقہہ ضبط نہیں کر پایا۔ فجر کو اپنے عقب میں اس کی شرارتی ہنسی سنائی دی۔

"منار فیشنز کی مالکن اپنی چائے تو لیتی جائیں۔" وہ اسے جاتے دیکھ کر پر شوق نظروں سے بولا۔

"مجھے نہیں پینی۔۔۔" اس کی شرارتی نگاہوں سے بچتے ہوئے وہ اندر جا چھپی تھی جبکہ اس نے مسکراتے ہوئے چائے کی پیالی اٹھا کر لبوں سے لگائی۔ پھر میز پر رکھا موبائل اٹھایا اور انہی شرارتی نگاہوں سے میسج ٹائپ کیا اور اسے بھیج دیا۔

"شرمانا ختم ہو گیا ہو تو میں اندر جاؤں؟"

چند سیکنڈ کا وقفہ اور دوسری جانب سے فوری جواب آیا۔

"کس لیے؟"

"تاکہ تم مزید بلش کرو۔" مسکراہٹ مزید گہری ہوئی۔

"میں تمہیں ٹرمینیٹ کر دوں گی۔"

بس یہی دھمکی بچتی تھی اس کے پاس۔

"اب میں پرماننٹ ہو چکا ہوں۔ شوہر بن چکا ہوں۔ تم میرے لیے بلش کر سکتی ہو۔۔" اس نے ٹائپ کیا اور بھیج دیا۔

"شٹ اپ۔۔۔۔"

جواب پر اسکا جاندار قہقہہ لان میں گونج گیا۔ اس لمحے اس کی ہنسی، چائے کی خوشبو اور دھوپ کی نرمی سب جیسے ایک دوسرے میں گھل گئے۔

✿••✿••✿••✿

کانفرنس روم کی کھڑکیوں سے دوپہر کی نرم دھوپ اندر آ رہی تھی۔ لمبی میز پر رئیس جیولرز کی پوری تخلیقی ٹیم جمع تھی۔ فائلوں، نوٹس اور چمکتے ہوئے کاغذوں کے بیچ ایک پر سکون، مگر پُر اثر شخصیت بیٹھی تھی۔۔۔۔ وہ اور کوئی نہیں بلکہ فلک تھی۔ اُس کے سامنے بند فائل رکھی تھی جس میں اس کے لکھے ہوئے کردار سانس لے رہے تھے۔ لیپ ٹاپ کھلا رکھا تھا۔

ڈیزائنر انچارج نے مسکرا کر کہا۔

"فلک صاحبہ! ہم بے حد تجسس میں ہیں۔ آپ نے ڈارک اسٹارز کے لیے جو کردار تراشے ہیں، وہ سننے کے لیے سب تیار ہیں۔"

اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ فائل کھولی۔ کمرے میں ایک لمحے کو خاموشی چھا گئی، جیسے سب اس کے لفظوں کے جادو میں کھو جانے کو بے تاب ہوں۔ پروجیکٹر اسکرین پر پہلا کردار ابھرا اور اس نے بولنا شروع کیا۔

"ڈارک اسٹارز کلیکشن کے جو سیمپل مجھے دکھائے گئے ہیں ان کے مطابق میں نے کچھ کردار تخلیق کیے ہیں ان میں سے فائنل آپ سب کریں گے۔" سب نے سر ہلایا تو اس نے پہلے کردار کا تعارف پیش کیا۔

"یہ ایک بے چہرہ کردار ہے، ایک ایسی عورت جو ہجوم میں بھی پہچانی نہیں جاتی۔ اس کی انگوٹھی اس کی پہچان ہے اور اس کا ہار اُس کی خاموشی۔ وہ گمنام ہے، مگر بھلا دینے کے قابل نہیں۔"

"یہ تو واقعی ڈارک اسٹارز کی روح ہے۔" ایک جونیئر ڈیزائنر نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

پھر وہ رکی نہیں مزید بیان کرتی چلی گئی۔ آخری ورق میز پر رکھا اور خاموش ہو گئی۔ کمرے میں سب سانس روکے بیٹھے تھے۔ پھر ڈیزائنر انچارج نے کہا۔

"یہ تو واقعی لفظوں کا جادو ہے۔" وہ اب ڈسکس کر رہے تھے کہ کس کردار کو رکھنا تھا۔ کس میں تبدیلی چاہیے تھی۔

بحث جاری تھی، مگر فلک خاموش تھی۔ اُس کی نظریں کھڑکی کے پار روشنی کی لکیر کو دیکھ رہی تھیں۔

اچانک دروازہ کھلا۔ رئیس اندر داخل ہوا۔ کمرے میں ایک اجنبی سی سردی پھیل گئی۔ سب ایک دم سنبھل کر بیٹھ گئے۔

اُس نے میز پر رکھی فائل کی طرف دیکھا، پھر فلک کی طرف۔ لمحے بھر کو کمرے کا شور جیسے رُک گیا۔

اس کی موجودگی نے پورے کمرے کی فضا بدل دی۔ وہ آکر خاموشی سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ کسی نے کچھ نہیں کہا۔

فلک نے لمحے بھر کے لیے نظریں اٹھائیں۔ پھر پرسکون انداز میں فائل بند کی۔

"میٹنگ مکمل ہوگئی۔ آپ سب اپنی رپورٹس فلک کے پاس جمع کرادیں۔"

سب لوگ ایک ایک کرکے باہر نکل گئے۔ اب کمرے میں صرف رئیس اور فلک تھے۔ چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر فلک نے ہلکی سی سنجیدگی کے ساتھ پوچھا۔

"آپ کو کچھ کہنا ہے؟"

"سوچا دیکھوں۔۔۔ تم ٹیم کو کیسے handle کرتی ہو۔" رئیس نے چند لمحے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور verdict کیا ہے؟" وہ اب اسے دیکھ رہی تھی۔

رئیس کی آنکھیں گہری ہو گئیں۔

"تمہارے اندر وہ یقینیت ہے جو زیادہ تر لوگ بنا دکھائے نہیں دکھا پاتے۔"

فلک نے لمحہ بھر کو سانس روکی، پھر دھیمی آواز میں پوچھا۔

"یہ تعریف ہے یا تنقید؟"

"دونوں۔" وہ مختصر سا بولا۔

وہ اٹھ کھڑی ہوگئی۔ ڈینم کی جیکٹ کندھوں پر ٹکی ہوئی تھی۔

"خیر، یہ یقینیت کمپنی کے لیے ضروری ہے۔ ورنہ لوگ جال کو جال نہیں سمجھ پاتے۔"

اب وہ اپنی فائل سمیت رہی تھی۔

"اور ہاں، آپ کو اپنی زندگی کی چھوٹی چیزوں میں بھی کبھی کبھار دلچسپی لے لینی چاہیے۔ ورنہ بہت کچھ سلپ ہو جاتا ہے۔" یہ کہتے ہوئے وہ فائل اٹھا کر باہر نکل گئی۔

رئیس خالی کرسی کو دیکھتا رہا، پھر زیر لب بڑبڑایا۔

"تو تمہیں لگتا ہے میں غافل ہوں؟" اس نے گہری سانس لی۔ کمرے میں دوبارہ خاموشی اتر آئی البتہ پروجیکٹر پر اس کے کرداروں کی تفصیل چل رہی تھی۔

✿··✿··✿··✿

اس وقت کیفے میں شام کے ہلکے سائے اتر رہے تھے۔ لڑکیوں کی چہکار، کافی کے کپوں کی کھنک اور چمچوں کی ہلکی سی آوازیں ماحول میں گھلی تھیں۔ اچانک کیفے کا دروازہ کھلا اور میثم اندر داخل ہوا۔

یہ وہ منظر تھا جس کی کسی نے توقع نہیں کی تھی۔ کیفے کی میزوں پر بیٹھی لڑکیاں ایک دم چونک گئیں۔

"یہ۔۔۔ میثم ہے؟" ایک نے سرگوشی کی۔

"یہاں؟ کیفے میں؟" دوسری نے حیران آنکھیں پھیلا کر کہا۔

"یہ تو ہمیشہ سائٹس پر ہی ہوتا ہے۔" سرگوشیاں جاری تھیں۔

"عروزہ کے بعد یہاں کا نظام میثم نے ہی سنبھالا ہے۔" ایک نے اطلاع دی۔

"جو بھی ہے لیکن باڈی گارڈ، کیا کمال لگ رہا ہے۔"

ان سب کے تجسس اور کھسر پھسر کے بیچ میثم نے پورے سکون اور مشینی انداز میں قدم بڑھائے۔ اس کے قدموں میں وہی مضبوطی تھی جو اس کی پہچان تھی اور چہرہ ایسا جیسے پتھر پر کندہ ہو۔

وہ ناک کی سیدھ میں چلتا فلک کی میز تک آیا۔ جو کافی کا گھونٹ لے رہی تھی، اور اس کے سامنے لیپ ٹاپ کھلا ہوا تھا۔ اچانک آہٹ پر اس نے ذرا سا رخ موڑا۔ میثم کو دیکھ کر وہ حیران ہوئی۔

"میڈم! آج سے شام ڈھلے میں آپ کو گھر چھوڑوں گا۔" اس نے آتے ہی اطلاع دی۔

"کیا مطلب؟" چونک کر اسے دیکھا۔ چہرے پر تعجب سا تھا۔ "آپ؟ مجھے گھر چھوڑیں گے؟ اور وہ بھی ہر روز شام کے بعد؟"

"جی میڈم!" میثم کا لہجہ بالکل سیدھا تھا۔

"کیوں؟"

"یہ حکم ہے۔"

فلک نے ایک لمحے کے لیے اسے غور سے دیکھا، وہ انسان کم چلتا پھرتا روبوٹ زیادہ لگتا تھا۔

"لیکن میں پوچھنا چاہتی ہوں آپ رئیس کے ہر حکم کے آگے سر کیوں جھکاتے ہیں؟ کبھی انکار کرنے کا بھی سوچا ہے؟"

میثم کی آنکھوں میں کوئی جنبش نہ ہوئی۔

"یہ میری ڈیوٹی ہے۔ جو ذمہ داری مجھے دی گئی ہے، اس سے پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔"

"کمال ہے۔۔۔ ایک حکم ملا اور آپ حاضر۔ جیسے بٹن دبایا جائے اور مشین چل پڑے۔ میری مرضی پوچھی ہے؟"

قریب بیٹھی لڑکیوں نے سرگوشیاں کیں۔ وہ میثم کے مہذب لہجے پر جہاں دل تھام رہی تھیں وہیں فلک کی تکرار انہیں حیران کر رہی تھی۔ میثم نے جبڑے بھینچے اس کی بات سنی اور پھر گویا ہوا۔

"آپ کو جو کچھ بھی لگے، مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا۔ میں وہی کروں گا جو مجھے کہا گیا ہے۔"

"میرا بھائی مجھے روز لینے آتا ہے۔ میں تمہیں اس حکم سے آزاد کرتی ہوں۔ جاؤ اور باقی کام دیکھو۔۔" وہ کس قدر پختگی سے بولی۔

میثم نے ایک لمحے کو لب بھینچے، جیسے اندر کہیں کوئی دباؤ اٹھ رہا ہو، مگر فوراً خود کو سنبھال لیا۔

"میں صرف باس کے آڈر فالو کرتا ہوں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ آپ روبوٹ ہی رہیں۔ لیکن یاد رکھیں، میں روبوٹ کے حکم نہیں مانتی۔"

"آپ چاہیں یا نہ چاہیں۔۔۔ یہ میری ذمہ داری ہے۔ اور ذمہ داری سے پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔"

فلک نے کندھے اچکا دیئے، جیسے فرق نہ پڑتا ہو۔ اور واپس اپنی ڈائری کھول لی۔ دل کے کسی کونے میں ہوک اٹھی۔ اگر اتنا ہی خیال تھا تو خود گھر چھوڑتا۔ اس روبوٹ کو کیوں بھیجا؟

ارد گرد بیٹھی لڑکیاں اب تک کنفیوز تھیں۔

"یہ دونوں ہیں کیا؟ جھگڑ رہے ہیں یا مذاق کر رہے ہیں؟"

"مجھے تو لگتا ہے فلک اسے ہلا رہی ہے۔۔۔ اور وہ ہلنے کو تیار نہیں۔"

میثم خاموشی سے ایک طرف کھڑا رہا، اس کا چہرہ پہلے جیسا سخت مگر دل اندر ہی اندر ایک انجان لرزش سے دوچار۔ وہ لڑکی لمحہ بھر کو اسکا دل دھڑکنے پر مجبور کر دیتی تھی۔ جب وہ وہاں سے نہیں ہلا تو فلک نے سر اٹھایا۔

"جاؤ یہاں سے۔۔۔ یا میرا پہرہ دینے کا بھی حکم ملا ہے؟"

جب وہ نہیں ہلا تو وہ کوفت سے سر ہلاتی اٹھی اور آگے بڑھ گئی۔ میثم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مگر اس کے قدموں میں ہلکی سی بے چینی تھی۔ وہ اسکے پیچھے تھا۔

کیفے کا ہلکا سا شور جیسے ہی پیچھے رہ گیا تو کار پوریٹ گلیارے میں شام کے سنہری رنگ جھلکنے لگے۔ وہ ہاتھ میں کافی کا کپ لیے نکل آئی، ہلکے سے سروں پر ڈھلتی ہوئی روشنی اس کے رخسار چھو رہی تھی۔ قدم تیز تھے مگر دل میں عجیب سی بے چینی گھلی ہوئی تھی جو صرف میثم کی ضد اور اس کی **"حکم برداری"** نے جگائی تھی۔

پیچھے میثم اسی سنجیدہ انداز میں چل رہا تھا، جیسے سائے کی طرح ساتھ رہنا اس کی ڈیوٹی ہو۔ کندھے سیدھے، آنکھوں میں نہ غرور نہ نرمائش، بس ایک میکانکی ذمہ داری کا عکس۔ وہ اسے اپنے پیچھے آتے دیکھ کر رکی۔ کپ کو ہلکا سا گھمایا۔

"تم کھاتے پیتے بھی ہو یا صرف مالک کے حکم پر چلتے ہو؟"

میثم کے قدم ذرا سست ہوئے، اس نے فلک کو دیکھا مگر جواب دینے کے بجائے ہونٹ بھینچ لیے۔ وہ چپ رہنے والا انسان تھا۔

"کیا مطلب آپکا؟" آخر اس نے خشک لہجے میں پوچھا۔

"مطلب یہ کہ تمہارا وجود بھی کہیں اپنی مرضی رکھتا ہے یا نہیں؟ یا صرف رئیس کا حکم کوڈ کی طرح تمہارے سسٹم میں فیڈ ہے، اور بس اسی پر چلتے ہو؟"

یہ سنتے ہی دو لڑکیاں جو کیفے سے باہر نکل رہی تھیں، پیچھے پلٹ کر میثم کو دیکھنے لگیں۔ وہ تو یوں ہی اس کی خاموش اور مشینی شہرت پر حیران تھیں اور فلک کے ساتھ دیکھ کر مزید حیران ہو رہی تھیں۔

میثم نے جیسے یہ سب نوٹس ہی نہ کیا۔ وہ صرف فلک کو دیکھ رہا تھا، اس کی آنکھوں میں پہلی بار ذرا سی تھکن ابھری۔

"میں یہاں اپنی مرضی کے لیے نہیں ہوں۔ میرا کام ہے جو حکم دیا جائے، اسے پورا کروں۔ بس!"

"تو پھر آج سے میں بھی تمہیں حکم دیتی ہوں۔ تمہیں مجھے گھر چھوڑنے کی ضرورت نہیں۔ سمجھے؟"

وہ لمحہ بھر کو رکا، جیسے دل میں کچھ کہنے کو آیا ہو، مگر پھر سیدھا سا جواب دیا۔

"آپ حکم نہیں دے سکتیں اور میں روبوٹ نہیں ہوں۔ لیکن آپ کو گھر پہنچانا میرا کام ہے۔ یہ ذمہ داری مجھے دی گئی ہے، اور میں اس سے پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔"

"تو پھر اپنے باس کو میرا پیغام پہنچا دیں۔ اگر وہ خود مجھے چھوڑنے جائیں گے تو ٹھیک ہے ورنہ بھول جائیں۔" وہ اس پر جتاتی نظر ڈال کر تیز تیز قدم اٹھاتی نظروں سے اوجھل ہو گئی

جبکہ میثم کے سخت چہرے پر ہلکی سی لکیریں پڑیں، جیسے دل نے دھڑک کر اس روبوٹ کے پردے پر دستک دی ہو۔ مگر وہ خاموشی سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔

کیا ہو جاتا اگر وہ رائٹر باربی خاموشی سے بات مان لیتی؟

✿••✿••✿••✿

بڑی کھڑکیوں سے چھن کر آتی روشنی کمرے میں دھندلا سا عکس ڈال رہی تھی۔ میز پر رکھا لیپ ٹاپ کھلا ہوا تھا اور اس کی اسکرین پر عروزہ کی ویڈیو چل رہی تھی۔

وہ ویڈیو میں ہلکی سی مسکراہٹ لیے بیٹھی تھی مگر آنکھوں میں تھکن اور وقت کی جھلک صاف دکھائی دیتی تھی۔

رئیس کرسی کی پشت سے سیدھا ہو کر جھکا، جیسے ایک ایک لفظ اپنی روح میں اتار لینا چاہتا ہو۔ عروزہ کی آواز کمرے کی فضا میں مدھم گونج رکھتی تھی۔۔

"مجھے امید ہے آپ کھڑے ہوں گے، بالکل بادشاہ کی طرح جیسے میں نے ہمیشہ آپ کو دیکھا ہے اور دیکھنا چاہتی ہوں۔"

رئیس کی آنکھوں میں نمی کی ایک لہر سی اتری۔ اس کی سانس بے ربط تھی مگر وہ آنکھ جھپکائے بغیر اسکرین کو دیکھتا رہا۔

وہ اب ٹیبلٹ کی اسکرین کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"سب کچھ ترتیب سے چل رہا ہو گا، میں جانتی ہوں۔ کسی کے جانے سے دنیا نہیں رکتی۔ اور مجھے خوشی ہو گی کہ میری وجہ سے جو تکلیف آپ کو آئی، اس کا اثر اگر جلد زائل ہو جائے۔"

وہ لمحے بھر کو رکی، جیسے سوچ رہی ہو کہ مزید کیا کیا کہنا ہے۔ پھر اپنے ہاتھ میں پکڑے ٹیبلٹ کو میز پر رکھتے ہوئے آہستہ سے بولی۔

"اگلا ایونٹ؟ ہاں۔۔ مسٹر حسین کے بیٹے کی شادی۔ مجھے امید ہے آپ ضرور شرکت کریں گے۔ میں نہیں چاہتی کہ لوگ آپ کو ٹوٹا ہوا دیکھیں۔۔۔ یا آپ کے خلاف کوئی بات کریں۔"

رئیس نے بے اختیار کرسی کی آرم ریسٹ کو مضبوطی سے تھام لیا۔ دل چاہ رہا تھا کہ وقت تھم جائے اور یہ منظر کبھی ختم نہ ہو۔

عروزہ کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ تھی۔

"میں چاہتی ہوں آپ کھڑے رہیں۔ ہر تقریب میں جائیں۔ ہر محفل میں اپنی موجودگی دکھائیں۔ اور جو گھر آپ نے بنایا ہے۔۔ اسے بنائے رکھیں۔"

اس کے یہ الفاظ رئیس کی رگوں میں تیز دھڑکن کی طرح دوڑنے لگے۔ کمرے میں ویڈیو کے علاوہ سب کچھ خاموش تھا۔ اس کے ہونٹوں سے دھیما سا لفظ نکلا، اتنا مدھم کہ صرف وہی سن سکتا تھا۔

"عروزہ۔۔۔"

مگر جواب میں صرف ویڈیو کا مدھم اختتام اور کمرے کی سنسان خاموشی باقی رہ گئی۔ وقت گزرنے کے ساتھ عروزہ کی موت کی گونج مدھم ہو رہی تھی۔ چند دن ٹی وی چینلز پر خبریں چلتی رہیں، اخباروں کے کالمز میں اس کی تصویر چھپتی رہی، کچھ نے اسے حادثہ کہا، کچھ نے معمہ۔

مگر پھر نئے واقعات، نئی سرخیاں، اور نئی کہانیاں آ گئیں۔

یہ دنیا کا دستور ہے۔ موت سب سے بڑی سچائی ہے لیکن سب سے جلد فراموش بھی کر دی جاتی ہے۔

لوگ مرنے والوں کے لیے دو دن اشک بہاتے ہیں، چند دعائیں کرتے ہیں، پھر اپنی روزمرہ زندگی میں واپس لوٹ جاتے ہیں۔

گزر جانے والے لمحہ بھر کے لیے یاد آتے ہیں مگر پھر وقت کی دھول میں دب جاتے ہیں۔

انسان جیتے جی جتنا بھی اہم ہو، مرنے کے بعد رفتہ رفتہ صرف ایک نام، ایک تصویر، یا ایک کہانی بن کے رہ جاتا ہے۔

رئیس کا نام لوگوں کی زبان پر چند دن رہا، سب اس کاردِ عمل چاہتے تھے، ایک بیان، ایک لفظ۔ مگر وہ خاموش رہا۔ وہ منظرِ عام سے یوں اوجھل ہوا جیسے ہوا میں تحلیل ہو گیا ہو۔ اسے نہ کچھ کہنے کی ضرورت تھی اور نہ شاید کہنے کی طاقت!

رئیس گروپ کا نظام چند دن ہلکا سا ڈگمگایا، جیسے بڑی عمارت کو زلزلے نے چھوا ہو۔ مگر بہت جلد سب کچھ سنبھل گیا۔ عروزہ کی ٹیم کی بہت ٹرینڈ تھی۔ خاص طور پر میثم۔۔۔۔ وہ عروزہ کے چھوڑ جانے پر ہی سب سنبھال چکا تھا۔ ہاں البتہ عروزہ کی موت ان سب کے لیے ایک بڑا دھچکا تھی۔ پر کب تک؟

منافع کی گنتی، معاہدے، اجلاس، سب اپنے وقت پر ہونے لگے۔

لیکن رئیس کے اندر جو خلا کھل گیا تھا وہ کسی انتظامی ترتیب سے نہیں بھر سکتا تھا۔

یہ خلا خالی کرسی یا خالی کمرے جیسا نہیں تھا کہ کسی اور کی موجودگی اسے پُر کر دے۔ یہ ایک ایسا زخم تھا جو جیتے جی ناسور بن کر رہنے والا تھا۔

ہر صبح وہ آنکھ کھولتا تو پہلا احساس یہ ہوتا کہ دنیا وہی ہے، مگر اس کی دنیا ٹوٹ چکی تھی اور ہر رات آنکھ بند کرنے سے پہلے یہی سوال اسے ستاتا کہ اگر عروزہ ہوتی تو آج کا دن کیسا ہوتا؟

وہ جانتا تھا۔۔۔ یہ خلا کبھی نہیں بھر سکتا۔ ہاں مگر وہ اسکی امیدوں کو ٹوٹنے نہیں دے سکتا تھا۔ اسے کھڑے رہنا تھا اور وہ اٹھ کھڑا ہوا کیونکہ اسے یہی زیب دیتا تھا۔

✿••✿••✿••✿

یہ پرائیویٹ کلب کا منظر تھا۔ یہاں کی فضا ہمیشہ کی طرح دھندلائی ہوئی تھی۔ رنگ برنگی روشنیاں چھت پر جھولتے فانوسوں اور دیواروں میں لگے شیشوں سے ٹکرا کر عجیب سا خمار پیدا کر رہی تھیں۔ ہر جانب قہقہوں، سگریٹ کے دھوئیں اور شیشے کے گلاسوں کی ٹھنک کی ملی جلی آواز گونج رہی تھی۔ بڑی بڑی میزوں پر جواری اپنے پتے سمیٹتے، چپ کی ڈھیریاں لگاتے اور ایک دوسرے کو آنکھوں ہی آنکھوں میں للکارتے تھے۔ کونے میں چند اسمگلر، سیاسی رہنما اور دولت کے نشے میں چُور کاروباری کھسر پھسر کر رہے تھے۔

لیکن جیسے ہی دروازہ کھلا۔۔۔ سارا شور ایک پل کے لیے جیسے رک گیا۔

سیاہ ڈریس سوٹ میں رئیس اور مراد اندر داخل ہوئے۔ انکے پیچھے میثم بھی تھا۔ رئیس کے داخل ہونے پر یوں لگا جیسے کمرے کی ساری روشنی اس کی طرف جھک گئی ہو۔ اس کی سرد اور گہری آنکھوں نے ہال کا جائزہ لیا۔ ایک پل کو کلب کی ساری دھڑکن اس کے قدموں کی چاپ میں سمٹ آئی۔

"دیکھو۔۔۔ دیکھو بادشاہ آیا ہے!"

سرگوشیاں پھیل گئیں۔

کلب کے مالک نے لپک کر رئیس کا استقبال کیا۔ اس کی آواز گونجدار تھی اور فضا میں کسی مقدس اعلان کی طرح پھیل گئی۔ اسی لمحے، میزوں پر بیٹھے جواری ٹھٹک گئے۔ کچھ کی انگلیاں پتوں پر جم گئیں، کچھ نے سگریٹ کے کش آدھے چھوڑ دیے۔ جواری سرگوشیوں میں ڈوب گئے، حریف آنکھوں میں سوال اور خوف لیے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

رئیس کے ساتھ چلتا ہوا مراد بھی اپنے مخصوص وقار میں تھا، مگر نظر سب کی رئیس پر تھی۔ کلب کا مالک احترام میں دونوں کے ساتھ آگے بڑھا۔ اس کے قدم تیز مگر نظریں جھکی ہوئیں۔

راستے کے دونوں جانب بیٹھے لوگوں کے دلوں کی دھڑکنیں تیز تھیں۔ کچھ کی نگاہوں میں حسد چمکا، کچھ کی پلکوں میں خوف۔ لیکن رئیس کے چہرے پر ایک سخت اور بے حس سکوت تھا۔ جیسے دنیا کا کوئی ہنگامہ، کوئی دشمنی، کوئی سازش اس کے قریب نہیں پھٹک سکتی۔

اس کی موجودگی نے کلب کی فضا ہی بدل دی تھی۔ وہ جگہ جو لمحہ بھر پہلے قہقہوں، شراب اور جوئے کی شوریدہ سرّیوں سے بھری تھی، اب ایک نامعلوم دباؤ اور ہیبت سے دبی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

وہ جیسے ہی اندرونی ہال کے مرکزی حصے میں پہنچا، کلب کے سب سے بڑے ہال میں موجود لوگ ایک ساتھ اپنی نشستوں سے کھڑے ہو گئے۔ یہ احترام بھی تھا اور خوف بھی جبکہ میثم اندرونی ہال کے داخلی دروازے پر کھڑا ہو چکا تھا۔ اس کی عقابی نگاہیں پورے ہال کا جائزہ لے رہی تھی۔

کلب کا مالک خوشگوار سا بولا۔

"رئیس صاحب آپ بڑے دنوں بعد یہاں تشریف لائے ہیں۔"

رئیس نے محض ایک نظر ڈالی۔ سرد اور بے نیاز۔ جیسے وہ خود بولنے کی ضرورت نہیں سمجھتا، اور دنیا خود اس کی خاموشی کو لفظ سمجھنے پر مجبور ہو۔ مراد نے اپنے گرد موجود لوگوں کی نظروں کو محسوس کیا اور ہلکی سی مسکراہٹ دبائی۔

اب کلب کے ہر گوشے میں ایک ہی تاثر گونج رہا تھا۔

"رئیس آیا ہے۔۔۔۔"

"رئیس۔۔۔؟ کہو کہ بادشاہ آیا ہے۔"

"پچھلی بار رئیس یہاں کب آیا تھا؟"

"جب اس کے اڑھائی ارب کے ہیرے یعنی ڈارک اسٹارز چوری ہوئے تھے۔"

ایک شخص نے نشے کی جھلملی حالت میں بلند آواز سے کہا۔

"ہت۔۔۔ بادشاہ کے ہیرے کون چوری کر سکتا ہے؟"

اس کے برابر بیٹھے آدمی نے غصے سے اس کی طرف جھک کر پوچھا۔ "تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

اس نے ہنکارا بھرا، جیسے سب کو راز بتانے جا رہا ہو۔

"جو ہیرے چوری ہوئے تھے وہ نقلی تھے۔ اصل تو اسمگل ہو چکے تھے۔ پوری دنیا کے ڈون اور شیطان جانتے ہیں مگر بادشاہ کا کیا بگاڑ سکتے ہیں؟"

"اور پولیس؟ وہ کیا کر سکتی ہے؟" دوسرے نے سگریٹ کا دھواں پھینکا۔

قہقہہ سنائی دیا۔

"پولیس ثبوت پر چلتی ہے۔ اس نے چوری کا کیس الٹا حکومت پر ڈال دیا۔ جب تک وہ حل نہیں ہوتا، اس پر کون انگلی اٹھا سکتا ہے؟"

اسی دوران رئیس مراد کے ساتھ کونے کی الگ میز پر بیٹھ گیا۔ شراب کے گلاس جگمگاتی روشنیوں میں بھرے جا رہے تھے مگر سب کی نظریں اس ایک شخصیت پر جمی تھیں۔

مزید سرگوشی ابھری۔

"اور جو نئی کلیکشن لانچ ہونے والی ہے؟ اس کے ہیرے؟"

کسی نے آہستہ سے جواب دیا۔

"وہی ڈارک اسٹارز ہیں۔ کاغذوں میں چند کروڑ کے ہیرے امپورٹ ہوئے ہیں مگر حقیقت میں یہ وہی ہیرے ہیں۔ اسی لیے کلیکشن کا نام ڈارک اسٹارز رکھا گیا ہے۔ رئیس حکومت کو ایک پیسہ مفت کھانے نہیں دے گا، چوری اور اسمگلنگ کی گیم اسی لیے کھیلا گیا۔"

"پر سنا ہے اس کی رائٹ ہینڈ، ٹیک ڈائریکٹر عُروزہ جمال، مار دی گئی ہے۔۔۔ لوگ کہتے ہیں رئیس نے خود مارا ہے اسے۔"

جواب آیا، طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ۔

"اسے رائٹ ہینڈز کی کمی ہے کیا؟ ایک گیا تو دس آ جائیں گے۔ وہ بادشاہ ہے۔ اس پر جان لٹانے والے ہمیشہ پیدا ہوتے رہیں گے۔ وہ دیکھ رہے ہو اسے جو دروازے میں کھڑا ہے؟" میثم کی طرف اشارہ کیا گیا۔

"بندہ بولتا بعد میں ہے گولی پہلے مارتا ہے۔ ایمپائر مال کی سیکیورٹی اس کے زمہ ہے۔ کبھی سنا ہے رئیس کے کسی مال، کسی برانچ، کسی ہوٹل میں کوئی ایسا حادثہ ہوا ہو؟ یہ لوگ ہونے نہیں دیتے۔ ایسی منظم فوج ہے اس کی۔۔۔۔"

ایک اور نے دھیمی آواز میں کہا۔

"اچھا اگر جان دینے والے ہیں تو جان لینے والا کون ہے؟"

یہ جملہ سنتے ہی خاموشی چھا گئی۔ پھر کسی نے سگار کی راکھ جھاڑتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔

"وہ ابھی پیدا نہیں ہوا۔۔۔ تم نے سنا نہیں؟ وہ خود کہتا ہے کہ وہ اپنی داستان کا مصنف ہے، اور اس نے ابھی آخری باب نہیں لکھا۔"

ساری میزیں اس گفتگو سے کھچا کھچ بھر گئیں۔ نظریں بار بار رئیس کی طرف اٹھتیں اور جھک جاتیں۔ کلب کے ایک کونے میں کوئی آہستہ سے بولا۔

"ویسے اختلافات اپنی جگہ پر ماننا پڑے گا، بادشاہ نام ایسے ہی نہیں پڑا۔ چالیس کی عمر میں ایسی سلطنت؟ ہم ساری عمر لگا دیں تو بھی نہ بنا سکیں۔"

"پر میں نے اڑتی اڑتی خبر سنی ہے کسی ملکہ کی۔۔۔ اس سیاہ دنیا میں ایک ملکہ بھی آ گئی ہے۔" گفتگو کا موضوع بدل گیا۔

اور اس سب شور کے بیچ وہ خاموشی سے مراد کے ساتھ بیٹھا، سگار سلگا رہا تھا۔ اس کی خاموشی مراد کو بھیانک لگ رہی تھی۔ اس نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی، سگریٹ کی راکھ میز کے کنارے پر جھاڑی اور بھاری لہجے میں بولا۔

"مراد۔۔۔ عروزہ کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے۔۔۔ کیا تم کوئی سوال جواب کرنا چاہتے ہو؟"

مراد کے چہرے پر سایہ سا آ کر گزر گیا۔

"نہیں۔۔۔۔ مجھے کچھ نہیں پوچھنا۔" وہ گہری سانس لیتے بولا۔

"تمہیں پورا حق ہے۔ تمہارا دل چاہے تو تم مجھے چھوڑ سکتے ہو۔"

مراد چند لمحے خاموش رہا، جیسے لفظ ڈھونڈ رہا ہو۔ اس کے ہاتھوں میں تھوڑا لرزہ تھا لیکن آنکھیں بدستور رئیس پر جمی رہیں۔

"چھوڑ دوں؟ اتنے برسوں کا رشتہ ایک دن میں؟ رئیس۔۔ تمہیں لگتا ہے میں صرف رئیس گروپ کا جی ایم ہوں؟ اس کے علاوہ کچھ نہیں۔"

رئیس نے دھیرے سے ہنسا مگر وہ ہنسی تھکی ہوئی اور زہر آلود تھی۔

"میں تمہارے دل کا حال جانتا ہوں مراد۔۔۔ عروزہ کی موت نے تمہیں تکلیف دی ہے اور میرے قریب رہ کر تمہیں ہر روز وہ زخم تازہ ملے گا۔ تم چاہو تو اپنی الگ دنیا بنالو۔ اپنا راستہ چن لو۔"

مراد نے میز پر مٹھی رکھ دی، آواز میں ضبط ٹوٹنے لگا۔

"تم سمجھتے ہو کہ میں تمہیں چھوڑ دوں گا؟" اسکا چہرہ سرخ پڑا۔۔

"رئیس، یہ سلطنت صرف تمہاری نہیں ہے۔ ان اینٹوں میں ہمارا بھی خون ہے، ہماری بھی سانسیں ہیں۔ عروزہ گئی ہے، مگر میں نہیں جاؤں گا۔ سمجھ آئی؟ یہ تاج نہیں ٹوٹے گا۔"

رئیس نے نظر اٹھائی، اس کی آنکھوں میں لمحہ بھر کو عجیب سی روشنی لہرائی۔

"بادشاہ ٹوٹا تو تاریخ لکھتی ہے۔ اور تاریخ صرف جیتنے والوں کو یاد رکھتی ہے۔"

مراد آگے جھک آیا، جیسے الفاظ کو رئیس کے سینے پر گاڑ دینا چاہتا ہو۔

"بادشاہ ہو یا عام انسان، دل کا بوجھ ایک سا ہوتا ہے۔ تمہارے کندھے پر یہ سلطنت ہے، میرے کندھے پر تم۔ میں یہ بوجھ اکیلا اٹھا سکتا ہوں لیکن تمہیں تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔"

رئیس نے سگریٹ بجھا دیا۔ لمحہ بھر کے سکوت میں جیسے پورا ہال خاموش ہو گیا ہو۔ وہ دھیرے سے بولا۔ لہجے میں تشویش تھی۔

"تم جانتے ہو نا کہ جو میرے قریب رہتا ہے وہ یا تو مر جاتا ہے یا مار دیا جاتا ہے۔"

مراد کے لبوں پر ہلکی مسکراہٹ ابھری۔

"اگر مرنا ہی ہے تو بادشاہ کے ساتھ مرنا بہتر ہے۔ اور اگر جینا ہے تو بادشاہ کی تاریخ میں امر ہونا بہتر ہے۔"

رئیس نے لمحہ بھر اس کی آنکھوں میں جھانکا، وہی دوستی، وہی پرانا خلوص بھرپور سانس لے رہا تھا۔

"تم پاگل ہو مراد!" وہ استیزائیہ بولا۔

"ہاں۔۔۔" مراد نے دھیرے سے جواب دیا، "یہ پاگل پن ہی تو ہے جو ہمیں باقی سب سے مختلف بناتا ہے۔"

اس کی آواز کلب کے دور میں بھی نمایاں ہوئی۔

✿••✿••✿••✿

مدھم پیلی روشنی کمرے میں یوں بکھری تھی جیسے کوئی پرانی لالٹین آخری سانسوں پر ہو۔ چھت سے لٹکتے بلب کے نیچے دھندلکا سا ہال تھا، جس کے ایک کونے میں نوٹس بورڈ لگا ہوا تھا۔ اس بورڈ پر بے شمار کاغذ، دستاویزات اور تصویریں چسپاں تھیں۔ کچھ کے اوپر سرخ دائرے کھینچے گئے تھے، کچھ پر سوالیہ نشان، اور ایک پر کانٹے کی لمبی لکیر۔۔۔

عروزہ جمال کی تصویر۔

وہی عروزہ جواب زندہ نہیں تھی۔ تصویر کے اوپر کانٹا ایسے تراشیدہ تھا جیسے کسی نے خاموشی سے اس کی تقدیر کا فیصلہ لکھ دیا ہو۔

نوٹس بورڈ کے سامنے منار کھڑی تھی۔

اس کے کھلے گھنگریالے بال کندھوں پر بکھرے ہوئے تھے، روشنی کی لہر ان بالوں میں کہیں کہیں سنہرا سا عکس پیدا کرتی تھی۔ وہ میز کے کنارے سے ہلکی سی ٹکی ہوئی تھی، لیکن اس کے لبوں پر ایک عجیب سی، شریر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

اس کی آنکھیں بورڈ پر جمی ہوئی تھیں۔ عروزہ کی تصویر سے ذرا ہٹ کر تین اور چہرے نمایاں تھے۔

مراد عالم، ارسل برہان اور روحی۔۔۔

ان تصویروں کے نیچے تحریریں تھیں، کبھی تاریخیں، کبھی واقعات، کبھی حساب کے اعداد۔ ایک تصویر کے اوپر سوالیہ نشان لرز رہا تھا، دوسری کے اوپر ایک دائرہ کھینچا گیا تھا، تیسری کے اوپر بس ایک خالی لکیر۔

اس نے ہولے سے انگلی اپنی ٹھوڑی پر رکھی۔ اس کی نگاہ ان تین چہروں کے بیچ ادھر اُدھر سرک رہی تھی۔

"عروزہ تو ہٹ گئی راستے سے۔۔۔" اس نے اتنا مدھم کہا کہ آواز صرف اس کے اپنے ہونٹوں نے سنی۔ پھر آہستہ سے وہ انگلی مراد کی تصویر پر رکی۔

"مراد عالم۔۔۔" اس کی سانسوں میں مسکراہٹ گھل گئی، "رئیس کا سب سے پرانا سایہ۔۔۔ اگر یہ ٹوٹے تو بادشاہ ڈگمگا جائے گا۔ لیکن ابھی نہیں۔ ابھی اس کے وجود کو جینا ہے۔۔۔"

اس نے انگلی کھسکائی اور ارسَل برہان کی تصویر کو چھوا۔

"ارسل برہان گردیزی۔۔۔" اس کے لہجے میں سرد روشنی جھلکی، "یہ کاروباری دنیا کے سانپ کا بیٹا! لیکن اب زہریلے سانپ کا سر کچلنا ہے۔ کب؟ اس کا فیصلہ میرے ہاتھ میں ہے۔"

پھر اس کی نظریں روحی پر ٹک گئیں۔

منار کی مسکراہٹ گہری ہوئی، آنکھیں سیاہ روشنی کی طرح تنگ ہو گئیں۔

"روحی۔۔۔ عنکبوت کا دھاگہ۔۔۔ وہ بچی جسے ہسپتال میں بدل دیا گیا تھا۔"

وہ ایک قدم پیچھے ہٹی، پورا بورڈ ایک ساتھ اس کی آنکھوں میں سما گیا۔

کمرے کی خاموشی میں صرف اس کی سانسیں تھیں، اور نوٹس بورڈ پر لگی تصویروں کی وہ بے جان آنکھیں جو اس کی قید میں تھیں۔

"اب اگلا کون۔۔۔؟" اس نے خود سے سوال کیا۔ نظریں ان تینوں پر تھیں۔ کمرے کی فضا میں اس کے سوال کی گونج پھیل گئی۔ جیسے دیواریں بھی کان لگا کر سن رہی ہوں۔

اس کی انگلی نے تصویروں پر چلتے چلتے آہستہ سے بورڈ کو تھپتھپایا، پھر بجلی کی مدھم روشنی میں اس کا عکس دیوار پر جھلملایا۔

وہ ایک مکڑی کی طرح اپنے ہی جال کے بیچ کھڑی تھی۔

"سب آئیں گے۔۔۔ ایک ایک کر کے۔۔۔"

اس کے لبوں پر وہی شریر مسکراہٹ واپس آئی، جیسے اگلے شکار کا فیصلہ بس چند لمحوں میں ہونے والا ہو۔

✿••✿••✿••✿

یہ ایک سرد رات تھی، فارم ہاؤس کا ہال صفدر کی مہندی کی تقریب کے لیے جگمگا رہا تھا۔ ہال کے اونچے چھت سے لٹکتے جھومر اور دیواروں پر آویزاں قندیلیں ایک پر شکوہ منظر پیش کر رہی تھیں۔ روشنیوں کے مدھم جھماکے سیاہ کے رِبنوں اور زری دار پردوں پر پڑ رہے تھے، جو تاریک آسمان پر بکھرے ٹوٹے ستاروں کا گمان دے رہے تھے۔ سونے کی مدھم روشنیاں اور کالے شامیانے ایک دوسرے میں ایسے گھل مل گئے تھے کہ فضا پر شکوہ بھی تھی اور پراسرار بھی۔

ہال میں مہمانوں کی سرگوشیاں، دبے قہقہے اور روشنیوں میں چمکتے چہرے، سب ایک خاص رچاؤ کا حصہ تھے۔

ڈریس کوڈ سیاہ تھا، اور سبھی خواتین نے ویلوٹ کے خوبصورت ملبوسات پہن رکھے تھے جو سردی کے احساس کو بھی کم کر رہے تھے۔ کوئی ریشمی ساڑھی میں، کوئی سیاہ شیفون کی لہراتی میکسی میں، اور مرد حضرات قیمتی ویلوٹ کے کرتہ شلوار یا سوٹ میں ملبوس تھے۔ سب ایک ہی رنگ میں رنگے تھے۔

اسٹیج کے عقب میں، جہاں ذرقا اور صفدر نے بیٹھنا تھا، سرخ اور سنہری گلاب کی باریک لڑیاں لٹک رہی تھیں۔

روشنیوں کے عکس میں ذرقا کی ہلکے رنگ کی پوشاک اور صفدر کی ہلکی شرٹ نمایاں ہو رہی تھی، گویا وہ دونوں سیاہ سمندر میں دو جگنو کی طرح چمک رہے ہوں۔ ہال کے ایک کونے میں ڈی جے کی محفل جمی تھی، موسیقی کی تھاپ اور ہارمونیم کی دلنشیں دھنیں فضا میں ایک خاص قسم کا سرور بھر رہی تھیں۔

روحی خوبصورت سی سیاہ میکسی پہنے ہوئے تھی جس پر سنہری کام تھا۔ وہ اچھی لگ رہی تھی اور خوش بھی۔۔۔۔یوں بھی فجر ساتھ تھی تو اس کے آدھے درد کم پڑ جاتے تھے۔ خوشی کا ماحول تھا۔ سب خوش تھے۔

اسی لمحے داخلی دروازے پر ہلچل مچی۔ سب کی نظریں ایک ساتھ اس جانب اٹھ گئیں۔ وہ رئیس تھا۔

سیاہ ویلوٹ کے ٹراؤزر پر سیاہ ویلوٹ کا کرتا، قد بلند، قدموں میں وقار اور چہرے پر وہی اجنبیت کا بوجھ جو حالیہ دنوں نے اس کے وجود پر نقش کر دیا تھا۔ آج وہ اکیلا تھا۔ نہ مراد ساتھ اور نہ میثم! مراد کی بیگم بیمار تھی جبکہ میثم کو سائٹس وزٹ کرنی تھیں اسی لیے گارڈز کے ہمراہ وہ خود آیا تھا۔

مہمانوں میں سرگوشیاں تیز ہو گئیں۔

"رئیس آیا ہے۔۔۔"

"کئی دنوں بعد منظرِ عام پر۔۔"

"کتنی خاموشی ہے اس کے انداز میں۔۔۔"

اس کی آنکھیں سب کو دیکھ رہی تھیں، مگر جیسے کسی کو بھی نہیں دیکھ رہی تھیں۔ جیسے وہ خود اپنے وجود کا بوجھ اٹھائے کسی اور دنیا سے اس محفل میں آ گیا ہو۔

فلک جو ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی اس کی نظر جیسے ہی رئیس پر پڑی، اس کی سانس اٹک گئی۔

وہ سیاہ ویلوٹ کے سوٹ میں تھی جس پر ہلکی سنہری بیل بوٹیاں کڑھی تھیں، اور اس کا گلابی ویلوٹ کا دوپٹہ گہری سیاہی میں جیسے ایک نرم کرن سا لگ رہا تھا۔ وہ لمحہ ایسا تھا جیسے وقت تھم گیا ہو، گرد و پیش کا شور اور موسیقی کی آوازیں سب دب گئیں۔ فلک کی آنکھوں نے صرف رئیس کو دیکھا۔ وہی چہرہ، وہی وقار، وہی اندوہناک خاموشی۔ آج سے پہلے اس نے کبھی رئیس کو اس طرح کے لباس میں نہیں دیکھا تھا۔ اس کے دل کی دھڑکن بے قابو ہو گئی۔ فجر اسے ٹھٹکتے دیکھ چکی تھی۔ وہ دھیرے سے قریب آئی۔

وہ بھی سیاہ ویلوٹ کے سوٹ میں تھی، جس پر باریک چمکتے دھاگے رات کے آسمان پر ستاروں کی مانند جگمگا رہے تھے، اور اس کا سبز دوپٹہ اس کے حسن کو اور نمایاں کر رہا تھا۔ اس نے فلک کی کمر پر ہاتھ رکھا، نرمی سے سہلایا اور دھیرے سے کہا۔ انداز میں شرارت نماں تھی۔

"سانس لو فلک عالمگیر۔۔۔ سانس لو۔۔۔"

فلک نے اس کی طرف دیکھا، لب کپکپائے۔

"ان کی موجودگی میں۔۔۔ مشکل کام ہے۔۔ بہت مشکل۔۔"

اس کی آواز جیسے کسی نے ہوا میں ٹھہرے ساز پر آہستہ سا ہاتھ رکھا ہو۔ فجر اس کے جواب پر ہولے سے ہنس۔

"مشکل ہی سہی مگر تمہیں مضبوط رہنا ہے۔"

فلک نے اثبات میں سر ہلاتے اپنی آنکھوں میں نمی کو روکنے کی کوشش کی، اس نے گلابی دوپٹے کے پلو کو سختی سے تھام لیا۔ اس کی نظریں اب بھی رئیس پر جمی تھیں، جو اب صفدر کے والد کے ساتھ ہال کے ایک جانب بڑھ رہا تھا۔ اس نے بھی فلک کو دیکھا تھا مگر اس کے چہرے کے تاثرات لمحہ بھر کے لیے بھی نہ بدلے۔ نہ مسکراہٹ، نہ حیرانی، بس ایک گہری سانس جو اس کے دل کی تیز دھڑکنوں کو ظاہر کر رہی تھی۔ نظریں نہیں ملائیں، اور جیسے ہی اس کی نظر فجر پر پڑی، اس نے فوراً رخ موڑ لیا۔ عروزہ کی موت کے بعد وہ آج فجر کو دیکھ رہا تھا۔ فجر کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا ہو، اس کے قدم وہیں زنجیر ہو گئے۔ وہ خود بھی رئیس کے سامنے نہیں آنا چاہتی تھی۔ وہ اسے مزید تکلیف سے دوچار نہیں کرنا چاہتی تھی اور اگر رئیس اس سے نفرت کر رہا تھا یا نظر انداز کر رہا تھا تو یہ اسکے نزدیک

جائز تھا۔اس نے دکھ بھری نظروں سے رئیس کی پشت کو دیکھا جو اب تیزی سے ہال کے دوسرے کونے کی طرف جا چکا تھا۔

پھر جیسے ہی اس کی نظر کونے میں جنید کے ساتھ کھڑے ولی پر پڑی تو اس کی تکلیف زائل ہو گئی۔اذیت کی جگہ چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھر آئی۔

اسٹیج کے قریب صفدر اور ذرقا مسکرا رہے تھے، تصویریں کھنچ رہی تھیں، ڈھول کی تھاپ اور موسیقی کی دھنیں گونج رہی تھیں۔

مگر فلک اور فجر کی دنیا لمحہ بھر کے لیے رک گئی تھی۔فلک کی آنکھیں رئیس کے اس وجود کو تلاش کر رہی تھیں جو اب ہال میں کہیں گم ہو چکا تھا، اور فجر اپنے دل میں اٹھنے والے دکھ اور ندامت کے احساس کو دبانے کی کوشش میں تھی۔

صفدر کی نظر جیسے ہی رئیس پر پڑی وہ ٹھٹک گیا۔چہرہ کا رنگ بدل گیا۔

"میں آپ کے شیئرز آپ کو لوٹانے کے لیے تیار ہوں۔۔۔بس میری شادی گزر جائے۔اگر اس سے پہلے فجر کو پتا چلا تو اسکا دل ٹوٹ جائے گا اور وہ کبھی نہیں آئے گی۔" اس نے رئیس سے درخواست کی تھی جو منظور ہو گئی تھی۔

فجر اب فروہ کے ساتھ کھڑی تھی۔فروہ اپنی بہن ذرقا کے لیے خوش تھی۔وہ رئیس گروپ میں اچھی پوسٹ پر کام کر رہی تھی۔مگر اس پل وہ تھوڑی الجھی ہوئی تھی۔

"ذرقا بہت خوش ہے۔" فروہ نے کہا۔

"صفدر اسے خوش رکھے گا۔ وہ اچھا لڑکا ہے۔" اس میں برداشت تھی۔ وہ فجر کو برداشت کر سکتا تھا تو ذرقا کو بھی کر لیتا۔

"اور صدام۔۔؟" فروہ کے سوال پر فجر نے چونک کر اسے دیکھا۔ صدام سے اس کی کبھی بات نہیں ہوئی تھی۔ جب سے اس نے صدام کو ریجیکٹ کیا تھا وہ کبھی سامنے نہیں آیا تھا۔ وہ فاصلے پر رہتا تھا اور شاید شرمندہ بھی تھا۔ فروہ اس وقت امید بھری نظروں اسے دیکھ رہی تھی۔

"ذرقا اور صفدر کی شادی کے بعد گھر والے چاہتے ہیں میں صدام کے بارے میں سوچوں۔ فیملی اچھی ہے۔ ذرقا بھی چاہتی ہے میری اور صدام کی شادی ہو جائے۔۔۔ مگر میں اسے زیادہ نہیں جانتی۔" وہ بولتی رہی اور فجر بھنویں سکیڑے اسے سنتی رہی۔

"مجھ سے کیا جاننا چاہتی ہو؟" اس نے براہِ راست پوچھا۔

"تم کیا کہتی ہو؟ کیا صدام اچھا لڑکا ہے؟ تمہاری اس فیملی سے زیادہ اٹیچمنٹ ہے تو۔۔۔۔"

"میں روحی اور صفدر کو جانتی ہو۔۔" اور تبھی اس کی نظر مہمانوں سے بات کرتے صدام پر پڑی۔ وہ بار بار ادھر دیکھ رہا تھا۔ شاید وہ جانتا تھا کہ فروہ اسی کے متعلق بات کر رہی تھی۔

"میں نے صدام کے بارے میں کبھی کچھ غلط نہیں سنا۔۔۔" بالآخر اس نے کہہ دیا۔ وہ جھوٹ کیوں بولتی جب صدام اور اسکی ایسی چپقلش نہیں تھی۔ ویسے بھی صدام کو اب فروہ پسند تھی۔ دو بہنیں ایک ہی گھر میں آجاتیں تو اچھا تھا۔ اتنا کچھ ہونے کے بعد صفدر نے ذرقا کو نہیں چھوڑا۔۔۔ صدام بھی اسی کا بھائی تھا۔ یہ سنتے ہی فروہ کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ فجر کا اتنا کہہ دینا بہت تھا باقی وہ خود دیکھ لیتی۔

تقریب پورے زور و شور سے جاری تھی البتہ فلک کی نظریں مسلسل ہجوم میں ایک ہی چہرے کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ وہ جانتی تھی کہ اس کی موجودگی ایک بھاری بوجھ کی طرح اس کے دل پر ہے، مگر پھر بھی اس کے دیدار کی پیاس کم نہ ہو رہی تھی۔ وہ محبوب تھا، مگر ایسا مغرور کہ اپنی چاہت کا اظہار بھی نہ کر سکتا تھا اور وہ عاشق تھی، جو ضبط کے باوجود کبھی کبھی اپنے نصیب کے خالی پن پر تنہائی میں رو پڑتی تھی۔

آخر کار، اس نے ہمت کی اور اس سمت بڑھی جہاں رئیس چند دیگر مہمانوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ جیسے ہی وہ قریب پہنچی، گفتگو میں وقفہ آیا اور وہ اسے آتے دیکھ کر، مسکرا کر ایک طرف ہو گیا۔ اب وہ اور رئیس آمنے سامنے تھے۔ ہال کا شور، موسیقی کی گونج، سب کچھ پس منظر میں چلا گیا۔

"آپ آئے۔۔۔ اچھا لگا۔ مجھے لگا نہیں تھا کہ آپ آئیں گے۔" اس کی نظریں رئیس کے چہرے پر تھیں، جو تاثرات سے عاری تھا۔

رئیس نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا، آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی۔ تعریف کی نہیں، بلکہ تجزیے کی۔

"کچھ کام نہ چاہتے ہوئے بھی کیے جاتے ہیں۔" اس کا لہجہ سرد اور سپاٹ تھا۔

"وہ میں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی۔"

"کس بات کا؟" اس نے اپنی بھنویں اچکائیں۔

"آفس سے گھر چھوڑنے کے لیے۔"

یہ سن کر رئیس کے لبوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔

"اوہ،وہ۔۔۔ویسے مجھے سمجھ نہیں آئی، تمہیں بے وقوف کہنا چاہیے یا ضدی؟ تم نے میثم کے ذریعے جو پیغام بھجوایا ہے، کیا تمہیں لگتا ہے کہ تمہاری اس بچگانہ ضد کی وجہ سے میں اپنا کام چھوڑ کر تمہارے لیے ڈرائیور بنوں گا؟"

ایک سایہ سا فلک کے چہرے پر لہرایا مگر وہ فوراً سنبھل گئی۔

"میں میثم کے ساتھ کیوں جاؤں؟ میرا کیا رشتہ ہے اس سے؟" اس بار بے نیازی سے کندھے اچکائے۔

"اور مجھ سے کیا رشتہ ہے؟" فوراً سوال آیا۔

"خون کا۔۔۔" وہ ترکی بہ ترکی بولی۔ رئیس ساکت ہوا۔ کہہ تو ٹھیک ہی رہی تھی۔ خاندان ایک تھا تو خون بھی۔۔۔۔

"اور تمہیں لگتا ہے اس وجہ سے تمہاری ہر خواہش پوری کی جائے گی؟ فلک عالمگیر، یہ دنیا تمہارے خوابوں اور کتابوں کی طرح حسین نہیں ہے۔ یہاں ہر چیز کی ایک قیمت ہوتی ہے۔"

"آپ کو یہ غلط فہمی کیوں ہے کہ میرے خواب اور میری کتابیں حسین ہیں؟"

اس کے الٹے سوال پر وہ چند پل اسے دیکھتا رہا۔

"لڑکیاں عموماً۔۔۔۔"

"لڑکیاں عموماً کیا؟" اس نے رئیس کی بات کاٹ دی، لہجہ نرم تھا مگر الفاظ تیز!

"یہی کہتے ہیں نا آپ لوگ۔۔۔ کہ لڑکیاں خوابوں اور کتابوں میں رہتی ہیں۔ لیکن کبھی یہ سوچا کہ انہی خوابوں اور کتابوں سے وہ اپنی سانسوں کو جواز دیتی ہیں؟

دنیاان کے گرد جب دیواریں کھڑی کر دیتی ہے تو وہ خواب ہی ہوتے ہیں جو ان کے لیے کھڑکی بن جاتے ہیں۔

جب حقیقت کڑوی اور بے رحم ہو جائے تو یہی کتابیں ان کے زخموں پر مرہم رکھتی ہیں۔

لوگ مذاق اڑاتے ہیں کہ لڑکیاں خیالی دنیا میں جیتی ہیں۔۔۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ اسی خیالی دنیا سے اپنے دکھ جھیلنے کی ہمت کشید کرتی ہیں۔" وہ بولتی چلی گئی جبکہ رئیس سنجیدگی سے اسے دیکھے گیا۔

"جب دنیاان کے حصے میں آنسو لکھتی ہے، تو وہ کتابوں سے مسکراہٹ چرا لیتی ہیں۔

جب حقیقت ان کے سامنے زخم رکھتی ہے، تو وہ خوابوں سے مرہم بنا لیتی ہیں۔

جب سب راستے بند ہو جائیں، تو وہی خواب ان کے لیے نیا دروازہ کھولتے ہیں۔

آپ کو لگتا ہے خواب اور کتابیں بچکانہ ضد ہیں۔۔۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ انہی سے وہ جینے کا فن سیکھتی ہیں۔

یہ وہ روشنی ہے جس سے لڑکیاں اپنے اندھیروں کو برداشت کر لیتی ہیں۔

یہ وہ سانس ہے جو ان کے مرجھائے وجود کو دوبارہ زندہ کر دیتی ہے۔

تو رئیس صاحب! جو لڑکی خوابوں اور کتابوں میں رہتی ہے، وہ حقیقت میں سب سے زیادہ جینے والی ہوتی ہے۔"

وہ خاموش ہو گئی۔ وہ متاثر ہوا تھا یا نہیں البتہ چہرے کے تاثرات تبدیل ہو گئے تھے۔

"تم تو offend ہو گئی ہو۔" گہری سانس لے کر اگلا تبصرہ کیا جبکہ فلک کے چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ ابھری۔ کئی چہرے پلٹ پلٹ کر انہیں دیکھ رہے تھے۔ وہ دونوں ساتھ کھڑے کتنے اچھے لگ رہے تھے۔

"کیونکہ میرے نزدیک ہر رشتے کی ایک اہمیت ہے جیسے محبت اور شادی۔۔۔" وہ صفدر اور ذرقا کو دیکھتے ہوئے بولی۔

رئیس کے چہرے پر تلخی گہری ہو گئی۔

"محبت؟ کیا ہوتی ہے محبت؟ ایک کمزوری، ایک دھوکا جو انسان خود کو دیتا ہے۔ اور شادی؟ صرف ایک سماجی سمجھوتہ۔ ان دونوں جذبوں کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔"

"ایسا نہیں ہے۔" اس نے ہمت سے رئیس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "محبت انسان کو مضبوط بناتی ہے، اور شادی اس رشتے کو تقدس بخشتی ہے۔ آپ شاید یقین نہ کریں مگر یہی سچ ہے۔"

"تمہارے لیے ہو گا۔" اس نے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔ "مگر میں ان جذباتی باتوں پر یقین نہیں رکھتا۔ میرے لیے صرف طاقت اور مقصد کی اہمیت ہے۔ ہر بادشاہ کو اپنی سلطنت چلانے کے لیے کسی ملکہ کی ضرورت نہیں۔"

کڑوی ہی سہی مگر وہ باتیں تو کر رہا تھا نا؟ فلک کے لیے یہ کافی تھا۔

"کبھی کبھی بادشاہوں کو بھی ایک ساتھی کی ضرورت پڑتی ہے۔ جو ان کی سلطنت میں نہیں، بلکہ ان کے دل میں رہ سکے۔"

رئیس کے دل کی دھڑکن پل بھر کو ساکت ہوئی۔

دل۔۔۔۔ کیا اس کا دل اس قابل تھا؟ وہ کچھ نہ کہہ پایا۔

وہ خاموشی سے پلٹ گئی۔ وہ اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا، مگر اس کی آنکھوں میں ایک ایسی کشمکش تھی جسے وہ دنیا سے چھپانا چاہتا تھا۔ اس کی آنکھیں چیخ چیخ کر کہتی تھیں۔

"میں تمام بھیڑیوں سے بچ گیا۔ میرا دل مجھے کھا گیا۔"

اسکا دل ہی تو کھا گیا تھا اسے۔۔۔۔۔۔۔

✿••✿••✿••✿

تقریب دھیرے دھیرے اپنے اختتام کو پہنچ رہی تھی۔ جھومروں کی روشنیاں مدھم پڑنے لگیں مگر مہمان جانے کو تیار نہیں تھے۔ ہال میں گلابوں، عود اور سرد رات کی ملی جلی مہک بڑھتی گئی تھی۔ فلک ایک جانب مخملی کرسی پر بیٹھی فجر اور ولی کا انتظار کر رہی تھی۔ اسے ان کے ساتھ جانا تھا، کیونکہ فخر اور فاخرہ دونوں جامشورو روانہ ہو چکے تھے۔ فاخرہ کی والدہ کی اچانک علالت نے اسے فجر اور ولی کی ذمہ داری بنا دیا تھا۔ اونچی ہیلز پہنے اس کے پاؤں اب ٹوٹ کر الگ ہونے کو تھے، اور وہ بے چینی سے پہلو بدل رہی تھی۔

اس تقریب سے سب سے پہلے رخصت ہونے والا مہمان رئیس ہی تھا۔ جب خود نکلنے لگا تو ہال کے پار بیٹھی فلک پر نظر پڑنے پر اس کے قدم یکدم رک گئے۔ ایک لمحے کو کچھ سوچا اور پھر اس کی جانب بڑھا۔ اس کا سایہ جب فلک پر پڑا تو اس نے چونک کر اوپر دیکھا۔

"تمہیں گھر نہیں جانا؟" اس کی آواز میں بے تاثر سی گہرائی تھی۔

"وہ۔۔۔ میں فجر کے ساتھ جا رہی ہوں۔"

اس کے جواب پر رئیس نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ آج وہ محفل کی جان بنی ہوئی تھی۔ اس کا سیاہ لباس، گلابی دوپٹہ اور معصوم حسن۔۔۔ کتنی نظریں اس پر اٹھی تھیں، کتنے دل اس کے لیے دھڑکے تھے، اس نے سب دیکھا تھا۔ ایک تلخ احساس اس کے اندر پیدا ہوا مگر وہ کچھ نہ بولا۔

"چلو چلتے ہیں۔" پیشکش کی گئی۔۔

اس کی اس پیشکش پر فلک نے چونک کر اسے دیکھا۔ آج محفل میں عورتیں اور لڑکیاں اسے دیکھ دیکھ کر جتنا خوش ہوئی تھیں، فلک کا دل اتنا ہی جلا تھا۔ مگر اس وقت وہ الجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی کہ یہ اچانک مہربانی کیسی؟ رئیس نے بنا کچھ کہے جیب سے فون نکالا اور اسکرین اس کے سامنے کر دی۔ اسکرین پر فخر کا نمبر چمک رہا تھا۔

"تمہارے بھائی نے ذمہ داری سونپی ہے کہ تمہیں حفاظت سے اپنے گھر لے جاؤں۔"

وہ واقعی حیران ہوئی۔ فخر نے اسے کب کہا؟ اور کیوں؟

"اب اگر تمہیں چلنا ہے تو بتاؤ، مجھے دیر ہو رہی ہے۔" لہجہ بے زار بنانے کی کوشش کی گئی۔

وہ تذبذب کا شکار تھی۔ اس کے ساتھ جائے یا فجر کا انتظار کرے؟ رئیس اس کی الجھن بھانپ چکا تھا۔ اس نے ایک قدم قریب آ کر دھیمے لہجے میں کہا۔

"تم نے ہی کہا تھا ہمارا رشتہ خون کا ہے۔"

بس! یہی تو وہ سننا چاہتی تھی۔ صد شکر، اسے یاد تو آیا کہ وہ اسی کے خاندان کا حصہ تھی۔ یہ سنتے ہی دل کو جیسے قرار آ گیا۔ وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں باہر انتظار کر رہا ہوں۔" وہ مڑ کر چلا گیا مگر اس کی خوشبو رہ گئی تھی۔

جبکہ وہ تیزی سے فجر کی جانب لپکی، اسے اطلاع دی اور پھر باہر کی جانب بڑھی مگر ہال سے باہر نکلتی سنگ مرمر کی ٹھنڈی سیڑھیوں پر پہنچتے ہی اس کے پاؤں نے جواب دے دیا۔ ایک تیز ٹیس اس کے ٹخنے سے اٹھی اور وہ کراہتے ہوئے وہیں بیٹھ گئی۔

رئیس اپنی گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ اس کی گاڑی کے پیچھے گارڈز کی گاڑی تھی۔ رات کی خاموشی میں اس کا سیاہ لباس اسے اور بھی پروقار بنا رہا تھا۔ فلک کو یوں بیٹھتے دیکھ کر وہ جھنجھلایا، پھر جب اس نے اسے ہیلز اتارتے دیکھا تو تاسف سے سر ہلاتے اس کی جانب بڑھا۔

چاہے ٹخنہ جائے مگر لڑکیاں ہیلز پہننا نہیں چھوڑ سکتیں۔

فلک نے دونوں ہیلز اتار کر ایک طرف رکھیں اور اپنے سرخ پڑتے پاؤں دبانے لگی۔ تبھی وہ مضبوط قدم دھرتا اس تک آیا۔ اس کی قربت اور شخصیت کا سحر فلک پر چھا سا گیا۔

"انسان کو ایسی عادتیں ترک کر دینی چاہئیں جو تکلیف دیں۔"

اس کا لہجہ طنزیہ تھا مگر اس میں ایک عجیب سا تاسف بھی تھا۔

"کچھ تکلیفیں جینے کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔" رائٹر کا جواب حاضر تھا۔ وہ گہری سانس لیتا جھکا اور پھر اس نے فلک کی دونوں ہیلز اٹھا لیں۔

وہ ساکت رہ گئی۔ ہوا جیسے تھم گئی، وقت جیسے جم گیا۔ بادشاہ کہلائے جانے والے شخص نے، اس مغرور رئیس اورنگزیب نے، اس کی ہیلز اٹھائی تھیں۔۔۔ کیا یہ حقیقت تھی یا کوئی خواب؟ کیا اسے بے ہوش ہو جانا چاہیے؟ وہ گردن پیچھے گرائے، سانس روکے، بس اسے دیکھ رہی تھی۔

رئیس نے اسے بت بنے دیکھ کر خود پر ضبط کیا۔

"اب کیا بیٹھ کر پیر دباؤں پھر اٹھو گی؟" آواز میں اب بھی وہی جھنجھلاہٹ تھی، آخر وہ اٹھ کیوں نہیں رہی؟ اسے دیر ہو رہی تھی۔

"محبوب قدموں میں لاؤں تو مر نہ جاؤں!" وہ بے ساختہ کہہ گئی۔

اب کی بار ساکت ہونے کی باری رئیس کی تھی۔ وہ لب بھینچے اس جگنوؤں جیسی لڑکی کو دیکھ رہا تھا جس کی وہ پہلی یا آخری نہیں، بلکہ واحد محبت تھا۔ اس کی آنکھیں، اس کا چہرہ، اس کا وجود۔۔۔ کچھ بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں تھا۔ یہ لڑکی اس سے دل و جان سے محبت کرتی تھی۔ ایک عجیب، نا آشنا سے احساس نے اسے گھیر لیا۔ یہ احساس طاقتور بھی تھا اور خطرناک بھی۔ وہ ضبط کرتا ہوا رخ موڑ گیا۔

اس کے رخ موڑنے پر فلک کو ہوش آیا۔ وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ کیا اتنا کافی نہیں تھا کہ رئیس آج اس کی ہیلز اٹھا کر لے گیا تھا؟ اس کے دل میں جیسے ہزاروں دیے جل اٹھے۔ وہ ننگے پاؤں ٹھنڈے فرش پر چلتی ہوئی گاڑی تک پہنچی۔ وہ اس کے لیے دروازہ کھولے کھڑا تھا۔ جب وہ اندر بیٹھ گئی تو اس نے دروازہ بند کیا اور دوسری جانب آ بیٹھا۔

گاڑی ہموار سڑک پر دوڑنے لگی۔ شہر کی روشنیاں شیشوں سے گزر کر اندر آ رہی تھیں۔ خاموشی گہری تھی، مگر تکلیف دہ نہیں۔

"اگر پاؤں میں زیادہ درد ہے تو ہسپتال چلتے ہیں۔" اس نے سڑک سے نظریں ہٹائے بغیر پوچھا۔ وہ خود ڈرائیو کر رہا تھا۔ وہ ساتھ بیٹھی تھی سانس روکے۔۔۔۔

"اب نہیں ہے۔" بمشکل مسکرائی۔ درد تو غائب ہو چکا تھا۔ جان تو اس کی موجودگی نکال رہی تھی۔

اس کی بات پر رئیس نے صرف سر ہلایا۔ مگر اس کی یہ مختصر سی گفتگو ہی بہت تھی۔ وہ جانتی تھی کہ یہ شخص اسٹیج پر گھنٹوں بول سکتا تھا مگر اس کے معاملے میں الفاظ کا بخیل تھا۔ آج تو اس نے بخیل پن اتار دیا تھا۔

جلد ہی گاڑی رئیس مینشن کے بلند و بالا گیٹ کے سامنے تھی۔ گیٹ خود بخود کھلے، جیسے اپنے مالک کے استقبال کے لیے منتظر ہوں۔ گاڑی اندر پورچ میں رکی۔

آج کی رات سرد تھی مگر فلک کے لیے اس میں ایک انوکھی گرمی تھی۔ آج کی رات، اس قلعے جیسی حویلی میں صرف ان دونوں کے نام تھی۔

✿••✿••✿••✿

وہ دونوں جیسے ہی مینشن کے اندر داخل ہوئے تو سفید سنگِ مرمر کا وہ محل نما گھر اپنی خاموش شکوہ کے ساتھ ان دونوں کے قدموں کو خوش آمدید کہہ رہا تھا۔ ستونوں پر ٹمٹماتی مدھم روشنیوں میں وہ جگہ کسی پرانی داستان کی قلعہ نما حویلی لگ رہی تھی، جس نے برسوں سے اپنے بادشاہ کے ساتھ ایک ملکہ دیکھنے کی چاہ کی تھی۔ کیا آج وہ چاہ پوری ہونے کو تھی؟ کیا فلک واقعی اس محل کی ملکہ بننے آئی تھی؟

مرکزی ہال میں گہری خاموشی تھی۔ بڑے بڑے فانوس بجھی روشنی میں نیم مدھم تھے۔ دور کہیں گھڑی کی سوئیوں کی ٹک ٹک سنائی دیتی تھی، باقی ہر چیز جیسے سانس روک کر منتظر تھی۔ رئیس نے مختصر سا اشارہ کیا تو ایک ملازمہ آگے بڑھی۔

"انہیں کمرے تک پہنچا دو۔"

نہ اورنگزیب صاحب نظر آرہے تھے اور نہ ہی ذرتاش! فلک نے ایک لمحے کو رئیس کو دیکھا پھر وہ لب بھینچ کر خاموش رہی اور ملازمہ کے پیچھے چل دی۔ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس کے دل کی دھڑکنیں اور بھی تیز ہو گئیں۔ اس نے ایک بار پلٹ کر دیکھا۔ نیچے رئیس لاؤنج میں کھڑا تھا، اس کے وجود کی سیاہ روشنی جیسے پورے مینشن کو اپنے قابو میں لیے ہوئے تھی۔ پھر وہ گہری سانس لے کر زینے چڑھتی گئی۔

کمرہ وہی تھا جس میں وہ چار برس پہلے بھی ٹھہری تھی۔ مگر آج اس کمرے کی ہوا مختلف تھی۔ پردے آدھے کھلے تھے اور ٹھنڈی رات کی چاندنی اندر آکر فرش پر بکھر گئی تھی۔ قالین نرم تھا، بیڈ پر ریشمی چادر کسی خواب کی مانند بچھی تھی۔

اس نے ایک لمحے کے لیے گہری سانس لی اور پھر تھکن سے بے حال ہو کر بیڈ پر گر گئی۔ آنکھیں بند تھیں، مگر دل کی آنکھوں کے سامنے بار بار وہی منظر آرہا تھا۔ رئیس کا جھک کر اس کی ہیلز اٹھانا، اس کے لبوں سے نکلے بے ساختہ الفاظ، اس کی نگاہوں میں لمحے بھر کی وہ خاموش الجھن اور جھجک۔۔۔ سب کچھ کسی فلم کی طرح ذہن میں گھومنے لگا۔

وہ کئی ثانیے یونہی لیٹی رہی، اپنی روح میں پہلی بار اس احساس کو محسوس کرتے ہوئے کہ شاید، شاید وہ اس محل کی ایک خاموش چاہت بن چکی ہے۔

پھر اس نے آہستگی سے والٹ سے موبائل نکالا۔ اس کی انگلیاں ہلکی لرزش کے ساتھ اسکرین پر چلیں۔ وہ ان لوگوں میں سے تھی جو ہمیشہ نمبروں کو اصل نام سے محفوظ رکھتی تھی۔ مگر آج کچھ بدل گیا تھا۔ اسکرین پر **رئیس اورنگزیب** لکھا تھا۔ اس نے آہستہ آہستہ ایک ایک حرف مٹا دیا۔ جیسے وہ سخت، سرد نام اس کے دل پر بوجھ ڈال رہا ہو۔

اور پھر، نئی انگلیوں سے، ایک نیا لفظ ابھرا۔

"ہمدم"

اسکرین پر اب وہی لکھا تھا۔ دل کی دھڑکن اور بھی بڑھ گئی۔ وہ مسکرا دی۔

"ہمدم۔۔۔" اس نے زیرِ لب کہا۔ لفظ نے اس کے اندر عجیب سا سکون بھرا۔ مگر ساتھ ہی ایک ان دیکھے خوف نے بھی اسے گھیر لیا۔ کیا یہ شخص واقعی اس کا ہمدم بنے گا، یا کل صبح پھر اپنی وہی برفانی دوری اوڑھ لے گا؟

رات سرد تھی مگر فلک کے لیے اس میں ایک انوکھی گرمی اتر آئی تھی۔ اس کمرے کی دیواروں نے برسوں کی خاموشی میں پہلی بار ایک دل کی سرگوشی سنی تھی۔

اور کہیں نیچے، رئیس اپنی تنہائی کے حصار میں کھڑا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ رات انوکھی تھی۔ یہ وہ لمحہ تھا جو طاقتور بھی تھا اور خطرناک بھی!

✿••✿••✿••✿

ہیڈ آفس کا اوپری ہال ہمیشہ کی طرح خاموش اور پر شکوہ تھا۔ وہ مصنفہ تھی اور اسے ایکسپلور کرنے کا شوق تھا اس وقت بھی ایک بڑی راہداری سے گزرتے اس کی نظر ایک کمرے پر پڑی اور وہ رک گئی۔ اس کی نظر کمرے کے باہر لگے **'ڈاکومنٹ اسٹورج روم'** کی تختی پر پڑی تو وہ ٹھٹک گئی۔

گردن گھما کر آس پاس دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ پھر اس نے آگے بڑھ کر دروازے کا ناب گھمایا اور اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ دروازہ کھلتا چلا گیا۔ بڑی کھڑکیوں سے روشنی اندر اتر رہی تھی، اور وہ محتاط قدموں سے چاروں جانب جمی بڑی بڑی الماریوں اور ان میں رکھی فائلوں کو دیکھ رہی تھی۔ قدم بڑھا کر ایک میز کے قریب آئی۔۔۔

وہاں ایک فائل رکھی تھی۔ شاید اسے حالیہ استعمال کیا گیا تھا۔ اس نے فائل کھولی اور پھر اس نے ہاتھ میں پکڑی فائل کے اوراق پر جیسے سیاہ سائے گرنے لگے۔ وہ ایک ایک لفظ پڑھ رہی تھی، مگر اس کے دل کی دھڑکنیں ہر جملے کے ساتھ بے ترتیب ہونے لگیں۔

"یہ۔۔۔ یہ سب رئیس نے کیا ہے؟" اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

اس نے آہستگی سے صفحہ پلٹا۔ سامنے بلقیس بیگم کے نام پر رجسٹرڈ ایک ویمن شیلٹر ہوم کی دستاویزات تھیں، اور ساتھ ہی ایک جدید طرز کے ہسپتال کے کاغذات۔ لاکھوں، کروڑوں کا سرمایہ لگایا گیا تھا۔ اس نے ہسپتال کی دن تاریخ دیکھی تو وہ مزید ساکت ہوئی۔

یہ سرمایہ وہی تھا جو اسے وراثت سے ملا تھا۔ جو وہ جامشورو جا کر اپنا حق لے کر آیا تھا۔ سالوں پہلے جب بلقیس بیگم کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا تب اس نے اپنی ماں کے نام پر ہسپتال بنوایا تھا۔ بعد زاں ان کی خواہش پر شیلٹر ہوم بنایا گیا جہاں وہ جاتی رہتی تھیں۔ جس کی زمہداری ان کے پاس تھی۔

تو یہ جھوٹ تھا کہ اس پر کبھی کوئی مشکل وقت آیا تھا؟ اس نے نے وہ جائیداد اپنے کاروبار میں نہیں بلکہ اپنی ماں کی خواہش پر لٹائی تھی اور اسی ڈور سے اسے رئیس سے باندھ دیا گیا تھا۔

اس کے ذہن میں سوالوں کا طوفان سا اٹھا۔

کیا یہ وہی رئیس اورنگزیب تھا جو سب کے سامنے صرف غرور کا پیکر تھا؟ کیا یہ وہی شخص تھا جو دنیا کو اپنے قریب آنے ہی نہیں دیتا تھا؟ ایک دنیا اس کی دیوانی تھی اور وہ ترسائے رکھتا تھا؟ وہ کرسی پر ڈھے سی گئی۔

"تو۔۔۔ اس نے وہ دولت اپنے کاروبار میں نہیں لگائی؟

اس نے تو کبھی اسے استعمال نہیں کیا، نہ اپنی سلطنت بڑھانے میں، نہ اپنے شوق میں۔ اس نے وہ سب خاموشی سے دوسروں پر لٹا دیا۔"

فلک کی انگلیاں فائل کے کنارے پر کانپ رہی تھیں۔ آنکھیں پھیلتی گئیں۔

وہ اپنا حق کبھی نہیں چھوڑتا، یہ تو وہ جانتی تھی۔ مگر اس حق کو لے کر اس نے کیا کیا تھا؟ اس نے اسے انسانوں کے زخموں پر مرہم بنانے میں لگا دیا۔ بیشک وہ اس کی ماں کی خواہش تھی مگر پوری تو اس نے کی تھی۔۔۔۔ ایک واحد بلقیس بیگم تھیں جن کی ہر خواہش کے سامنے وہ سر تسلیم کر دیتا تھا سوائے شادی کے۔۔۔۔

ایک دبی سی آہ اس کے ہونٹوں سے نکل گئی۔

دل میں عجیب سی ٹیس اٹھی، دکھ بھی تھا اور عجیب سا مان بھی۔

وہ کرسی سے اٹھی۔ سانسیں بے ترتیب تھیں پھر کمرے سے باہر نکل آئی۔ ہال کے چمکتے فرش پر قدم دھرتی وہ آہستگی سے سیڑھیوں کی جانب بڑھی۔ اس کے ذہن میں مسلسل وہی الفاظ گھوم رہے تھے جو ابھی چند لمحے پہلے دیکھے تھے۔

پہلا قدم سیڑھی پر رکھا تو نیچے لابی میں نظر گئی۔ وہاں وہ کھڑا تھا۔ سیاہ سوٹ میں، پورے اعتماد اور سنجیدگی کے ساتھ، چیونگم چباتا ہوا۔ اس کے ساتھ میثم تھا، کاغذات ہاتھ میں، دونوں کسی اہم بات میں مصروف تھے۔

رئیس کا انداز میں ہمیشہ کی طرح ٹھہراہوا تھا، مگر آنکھوں میں وہ مخصوص سنجیدگی جس کے آگے کسی کو جھانکنے کی اجازت نہیں تھی۔ میثم بڑی توجہ سے اس کی ہر بات سن رہا تھا، جیسے کوئی شاگرد اپنے استاد کے سامنے ادب سے جھکا ہو۔

فلک کے قدم تھم گئے۔ وہ ہال کے سائے میں کھڑی، نیچے دیکھتی رہی۔ یہ وہی شخص تھا جسے دشمن ظالم، مغرور اور بے نیاز کہتے تھے۔ مگر اس کے سخت چہرے کے پیچھے ایک اور جہان چھپا ہوا تھا۔ ایک ایسا جہان جس کا پتا کسی کو نہیں تھا اور نہ وہ لگتے دے سکتا تھا۔

اس کے دل نے دھیرے سے سرگوشی کی۔ ایک بوجھل سوال۔

"یہ شخص قابلِ محبت تھا پھر یہ خود سے محبت کرنے کیوں نہیں دیتا؟"

آنکھوں میں نمی سی اتر آئی۔ دل کیا اسی لمحے نیچے جا کر اس سے سوال کرے، اس کی آنکھوں میں جھانک کر پوچھے کہ وہ ایسا کیوں تھا؟ مگر کچھ اس کے اندر ہی اندر تھا جو اسے روک رہا تھا۔

رئیس اور میثم اپنی گفتگو میں محو تھے، اور فلک اوپر کھڑی اپنی الجھنوں، اپنی حیرت اور اپنے دل کی نرمی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ یہ لمحہ اس کے لیے کسی راز کے انکشاف سے کم نہ تھا۔

آج اس نے پہلی بار رئیس اورنگزیب کو اس کے غرور سے ہٹ کر دیکھا تھا۔

✿••✿••✿••✿

منار فیشنز کا اسٹوڈیو ہمیشہ کی طرح ہلکی روشنی اور شیشوں کی جھیلتی دیواروں کے باعث کسی آرٹ گیلری کی مانند لگ رہا تھا۔ رنگوں، کپڑوں اور ڈیزائنز کا ایک طلسم سا بکھرا ہوا تھا۔ ہر طرف خاموش مصروفیت تھی۔ ملازم ماڈلز کے ساتھ مصروف، اسکرینوں پر نئے کلیکشن کے خاکے چمک رہے تھے اور خوشبو میں تازہ ریشم کی مہک گھلی ہوئی تھی۔

وہ ایک بڑے آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں سیاہ نیوی بلاؤز کا نمونہ تھا اور چشمے سے جھانکتی ہیزل آنکھیں غور سے کپڑے کے باریک دھاگوں کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اس کے انداز میں خود اعتمادی اور تیزی تھی۔

وہ جس نے اس کے مخالفین کو ہمیشہ خوفزدہ کیا۔ ولی چند قدم دور کھڑا، ایک فائل پلٹ رہا تھا۔ مگر اس کی نظریں بار بار فجر کی طرف اٹھتیں۔ ایسے جیسے کچھ جاننا چاہتا ہو۔ کچھ پوچھنا چاہتا ہو اور سوچ رہا ہوں کہ پوچھے یا نہیں؟ پھر وہ فائل میز پر رکھتا اس کی جانب بڑھا۔

"کیا سب ٹھیک ہے؟" اسے اس قدر منہمک دیکھ کر پوچھا۔

"ہاں۔ یہ بلاؤز ٹھیک ہے مگر اس کی کٹنگ میں ایک خفیف زاویہ کمی لگ رہی تھی۔" اس نے آہستہ کہا، اور ایک پِن نکال کر کپڑے پر لگا دی۔

"یہ اب مکمل ہے۔" اسے پرفیکشن چاہیے ہوتا تھا ہر کام میں۔ پرچیز میں۔ چھوٹی سے چھوٹی بے ترتیبی اسے بے چین کر دیتی تھی۔ بے ترتیبی اسے hunt کرتی تھی۔ چاہے چیزوں میں ہو یا رشتوں میں۔۔۔۔

"تمہارے ہاتھ لگتے ہی سب کچھ مکمل ہو جاتا ہے۔" وہ اسے مطمئن دیکھ کر مسکرایا۔

فجر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ نگاہ میں ایک پل کو وہی نرمی اتر آئی جو بہت کم لوگوں نے دیکھی تھی۔

"چاپلوسی بند کریں، نقاد بنیں۔"

"میں نقاد بننا چاہتا ہوں مگر مشکل یہ ہے کہ تمہارے کام میں کمال کے سوا کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا۔ تمہارا کام تمہاری طرح اتنا مکمل، اتنا پرفیکٹ ہے کہ کبھی کبھی حیرت ہوتی ہے۔" وہ ذرا ٹھہرا۔ "کبھی کبھی حیران ہوتا ہوں کہ تم مجھے کیسے مل گئیں؟ ایک آدھے ادھورے شخص کو اتنی مکمل لڑکی؟ سوچتا ہوں خود پر رشک کروں یا فخر کروں؟ یا خود سے حسد کرنا چاہیے؟"

فارنر نے تعریف میں ذرا سی بھی کنجوسی نہیں کی۔

فجر نے ایک لمحے کو نظریں چرائیں۔وہ جانتی تھی یہ صرف تعریف نہیں تھی،اس کے لہجے میں سچائی چھپی ہوتی تھی۔

"اب ایسی بھی بات نہیں ہے۔"رخ موڑ لیا۔

"ایسی ہی بات ہے۔میں نے پوری تحقیق کر رکھی ہے۔"وہ گھوم کر اس کی جانب آیا۔

"تم ہمیشہ سب میں سبقت لے جاتی رہی ہو۔اسکول کے گریڈز میں،پڑھائی میں،تمہاری محنت اور ذہانت سب پیچھے چھوڑ دیتی تھی۔"اس نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ بتایا۔"پھر یہ ہنر۔۔۔یہ کام۔۔۔تمہارا کاسٹیومز کے ساتھ جادو سا کھیلنا،تمہارے ہاتھوں میں جیسے کوئی راز چھپا ہے۔تم اس عمر میں بین الاقوامی سطح پر پہنچ گئیں جہاں پہنچنے تک لوگوں کی ایک عمر گزر جاتی ہے۔۔"

"اب حسن کی تعریف مت کرنا۔"اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتا وہ اسے ٹوک گئی۔اس کی بات پر وہ ہنس دیا۔

"حسن کا تو میں ذکر بھی نہ کروں،کیونکہ تمہیں پتا ہے تم کیسی ہو۔تم اپنے حسن سے واقف ہو۔"اس کی آواز بھاری ہوئی۔اس نے فجر کے لیے سینکڑوں مردوں کو گھٹنوں پر آتے دیکھا تھا اور مرد گھٹنوں پر ایسے ہی نہیں آتا۔

مرد صرف حسن کے سامنے گھٹنے نہیں ٹیکتا۔وہ وہاں جھکتا ہے جہاں اسے عورت میں کمال دکھائی دے۔

جہاں وہ دیکھے کہ عورت نے اپنی محنت سے ہر مقام بنایا ہے،اپنی قابلیت سے ہر دروازہ کھولا ہے۔

جہاں وہ عورت کے فیصلوں کی پختگی اور اس کی باتوں کی گہرائی سے متاثر ہوتا ہے۔

وہ اس وقت جھکتا ہے جب عورت اپنی کمزوریوں کو طاقت میں بدل دے۔

جب وہ مقابل کھڑی ہو کر دلیل سے جیتے،جنگ سے نہیں۔

جب اس کا ہنر، اس کا پیشہ ورانہ رویہ اور قیادت کرنے کی صلاحیت مرد کو یہ احساس دلائے کہ اصل طاقت یہی ہے۔

مرد وہاں جھکتا ہے جہاں عورت اپنے اندر کا توازن برقرار رکھ سکے۔

جذبات اور عقل کا، نرمی اور سختی کا، ہنر اور حکمت کا۔

وہ گھٹنے وہاں ٹیکتا ہے جہاں عورت محض خوبصورت نہیں، بلکہ کامل اور کارآمد ہوتی ہے۔

جہاں اس کے وجود سے مرد کو یہ احساس ہوتا ہے کہ اگر وہ ساتھ ہے تو ادھورے پن کی کوئی جگہ باقی نہیں رہتی۔

وہ کئی لمحے اسے دیکھتا رہا پھر گویا ہوا۔

"اصل کمال یہ ہے کہ تم صرف خوبصورت نہیں ہو، تم لیڈر ہو۔ تمہیں دیکھ کر لگتا ہے تمہیں بنایا ہی اس لیے گیا کہ سب کو راستہ دکھاؤ۔ تمہارے پیچھے لوگ خود بخود چلنے لگتے ہیں۔ تم میں وہ روشنی ہے جو باقیوں کو بھی روشن کر دیتی ہے۔"

"اور اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟" وہ سینے پر بازو باندھتے اس کی جانب متوجہ ہوئی۔ چشمے سے جھانکتی ہیزل آنکھیں جانچتی ہوئی تھیں۔

"میں۔۔ میں تو خانہ بدوش ہوں۔" مسکرا دیا۔ ہاں وہ خانہ بدوش تھا جسکا گھر وہ تھی۔

"میں پڑھائی میں بس ٹھیک تھا۔ نہ کوئی بہت بڑا نمبرون، نہ ہی کوئی قابلِ فخر طالبعلم۔"

وہ ایک پل کو رکا، پھر جیسے فہرست پڑھنے لگا۔

"اسکول سے بھاگنا، کالج سے بھاگنا، جوزف پیلس سے بار بار بھاگ جانا۔" ہلکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر کھیل گئی۔

"ڈیڈ کو تپانا تو جیسے میرا سب سے پسندیدہ مشغلہ تھا۔ باقی وقت آوارہ گردی میں کٹ گیا۔ زیادہ تر یہی کیا ہے میں نے۔" اس نے سر جھٹکا اور فجر کی طرف دیکھا، جیسے اعتراف کر رہا ہو۔

"میرے حصے میں یہی شورشیں آئیں۔ اور تمہارے حصے میں وہ کمال۔۔۔ جس نے تمہیں آج یہاں کھڑا کیا ہے۔"

"اس کا کیا مطلب ہوا؟" فجر کی پیشانی پر ہلکی سی شکن ابھری۔ ولی نے لمحہ بھر کو سوچا پھر نرم لہجے میں جواب دیا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر انسان کی کہانی الگ ہوتی ہے۔ تمہاری کہانی میں محنت ہے، نظم ہے، کامیابی کے خواب ہیں اور میری کہانی میں بھاگنے کی ضد، بے سمتی اور شورش رہی۔"

وہ ذرا ٹھہرا، جیسے اپنے ہی لفظوں پر غور کر رہا ہو۔

"لیکن شاید یہی زندگی ہے۔ ہر کہانی ایک جیسی نہیں ہوتی، ہر کردار کا مقصد الگ ہوتا ہے۔ کسی کو دنیا بنانے کے لیے بھیجا جاتا ہے، کسی کو بس سیکھنے کے لیے۔" اس نے فجر کی آنکھوں میں دیکھا۔

"تم اپنی کہانی میں ایک مقصد لے کر چلتی ہو، اور میں اپنی کہانی میں ایک بھٹکنے والا کردار ہوں۔ فرق یہی ہے۔ اور یہی فرق ہمیں ایک دوسرے کے سامنے آئینہ بنا دیتا ہے۔"

وہ دلچسپی سے اسے سنتی رہی۔ اس نے آہستہ سے آئینے میں اپنی جھلک دیکھی اور ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوئی۔

"سچ کہوں تو میں لوگوں کو زیادہ دیر نہیں سن سکتی۔ کتابیں پڑھ لیتی ہوں، لیکن زیادہ دیر لوگوں کو سننا میرے بس کی بات نہیں۔"

اس نے کندھے اچکائے، جیسے بات کوئی بڑی نہ ہو۔

"فلسفیانہ باتیں کرنے والے اکثر مجھے بور کر دیتے ہیں۔ وہ ایک ہی خیال کو اتنی بار دہراتے ہیں کہ آخر میں سمجھ نہیں آتا وہ کہنا کیا چاہتے ہیں۔" کپڑے کی تہہ درست کرتے ہوئے بات جاری رکھی۔

"میں کسی کانفرنس میں نہیں گئی، نہ کسی لیکچر ہال میں بیٹھی، نہ مجھے ایسے مباحثے پسند ہیں جہاں گھنٹوں صرف باتیں ہوتی رہیں۔ مجھ سے اتنی دیر کسی کے جملے برداشت نہیں ہوتے۔"

پھر اس نے ولی کی طرف دیکھا۔ ہیزل آنکھوں میں ایک پل کو نرمی اتری۔

"لیکن تمہاری باتیں۔۔۔ وہ مختلف ہیں۔ شاید اس لیے کہ تم دوسروں کی طرح مصنوعی نہیں لگتے۔ تم اپنی کہانی سناتے ہو، اپنی بھاگ دوڑ، اپنی شورش۔ اسی لیے تمہاری باتوں میں بوریت کے بجائے دلچسپی محسوس ہوتی ہے۔ اسی لیے میں تمہیں ہمیشہ سن سکتی ہوں۔"

پوری ٹیپ ریکارڈر سن رکھی تھی۔ اس کی بات پر ولی کے اندر سرشاری کی لہر دوڑ گئی۔ پھر وہ ذرا قریب ہوا۔ دراز قد آئینے میں ان کے سراپے واضح ہو گئے۔

"تمہاری سب سے بڑی جیت کیا ہے فجر؟" تجسس بھرا سوال۔

دور اسکرین پر منار فیشنز کا لوگو جگمگا رہا تھا۔ فجر نے ایک گہری سانس لی اور آہستہ سے کہا۔

"یہ لوگو۔۔۔ یہ نام۔۔۔ یہ سب۔۔۔ بس فیشن نہیں ہے۔ یہ میرا بدلہ ہے، تقدیر سے، یہ میرا کھیل ہے۔۔ بقا کا کھیل اور تم۔۔۔" وہ رکی، اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولی، "تم اس کھیل میں میری سب سے بڑی جیت ہو۔" آئینہ مسکرا اٹھا۔

کمرے کی فضا چند لمحے کے لیے بھاری ہو گئی۔ ریشمی کپڑوں کی کھڑ کھڑاہٹ اور دور سے آتی مشینوں کی آواز اس خاموشی کو اور گہرا کر رہی تھی۔ وہ کئی لمحے اسے دیکھتا رہا۔ پرکھتا رہا۔ اسکرین پر منار لوگو چمک رہا تھا اور اس کے ذہن میں چند سوال سانپ کی طرف ڈنک مار رہے تھے۔

"تم نے اس کمپنی کا نام منار کیوں رکھا؟" اس کے سوال پر فجر نے ایک گہری سانس لی۔

"منار میرا curse ہے۔ میں نے اپنے کرس کو، اپنی کمزوری کو اپنی طاقت بنالیا۔ اب یہی میری پہچان ہے۔" وہ کس قدر جذب سے بولی۔ جو وہ کرتی تھی وہ کوئی نہیں کر پاتا تھا۔

"کبھی سوچا ہے، اگر منار خود یہ سب دیکھتی تو تم پر فخر کرتی یا تم سے خوفزدہ ہو جاتی؟"

وہ جو اب کپڑے کا ایک ٹکڑا اٹھا رہی تھی ٹھٹک گئی۔ چونک کر اسے دیکھا۔ ہیزل آنکھیں بجلی کی طرح چمکیں۔

"وہ مجھ سے خوفزدہ بھی ہوتی اور فخر بھی کرتی۔ کیونکہ میں وہی کرتی ہوں جو وہ کبھی نہ کر سکی۔۔۔ جو وہ کبھی نہ کر پاتی۔"

کمال بے نیازی سے کندھے اچکا دیئے۔

"اگر کوئی تم سے یہ سب چھیننا چاہے تو؟" مزید قریب ہوا۔

"یہ کھیل سب کے بس کا نہیں۔ اور یہ تخت سب کے حصے کا نہیں۔" وہ مسکرائی۔ تنی ہوئی گردن، اٹھا ہوا سر۔۔۔

"میں فجر معراج ہوں اور یہاں میں راج کرتی ہوں۔"

اسٹوڈیو میں رکھے مجسموں نے سرگوشیاں کی۔۔۔ "غرور تب ہی جچتا ہے جب اسکے معیار تک خود کو اٹھالیا جائے۔" اور اس نے یہ کر دکھایا تھا۔ ولی نے دھیرے سے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

"اسی لیے مجھے تم پر فخر ہے۔" وہ جذب سے بولا تو وہ سرخ چہرے کے ساتھ مسکرا دی۔

✿••✿••✿••✿

باہر موسم کروٹ لے رہا تھا۔ صفدر کے ولیمے کی تقریب جس پُر تکلف ہال میں جاری تھی، اس کے شیشوں سے ٹکراتی ہوا میں سائیں سائیں کی آواز بڑھتی جا رہی تھی۔ آسمان پر گہرے بادلوں کے لشکر جمع تھے اور کسی بھی لمحے برس پڑنے کو تیار تھے۔ مگر اندر جھومروں کی زرد روشنیوں تلے ایک الگ ہی دنیا آباد تھی۔ قہقہوں، موسیقی اور مہکتے پھولوں کی خوشبو سے فضا معطر تھی۔

وہ دونوں ایک ساتھ تھیں۔ فجر ہلکے جامنی رنگ کی نازک سی ساڑھی میں ملبوس تھی۔ اس کے کھلے بال ہوا میں لہراتے تو ایک لمحے کو گمان ہوتا کہ کوئی تتلی پر تول رہی ہے۔ چشمہ اس نے عادتاً بالوں پر جما رکھا تھا۔ جبکہ فلک خود ہلکے گلابی رنگ کی ٹشو کی میکسی میں تھی۔ اس کے گھنگھریالے بال آدھے بن میں تھے اور باقی کھلے ہوئے تھے۔ یہ ہیئر اسٹائل گردن کی صراحی کو مزید نمایاں کر رہا تھا اور کانوں میں پہنے جھمکوں کی چمک دمک جیسے چاند کی روشنی کو بھی مات دے رہی تھی۔

"تین دن رئیس مینشن میں ایسے گزرے جیسے کوئی خواب ہو۔"

فلک اسے اپنی مختصر سی مہم جوئی کا احوال سنا رہی تھی کہ کیسے رئیس نے اس کی ہیلز اٹھائیں اور کیسے اسے گھر چھوڑا تھا۔ ہر لفظ میں ایک ناقابلِ بیان خوشی اور سرشاری تھی۔ وہ اس کی باتیں سن کر بس مسکرا رہی تھی کہ تبھی روحی ان کے قریب آئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک پروفیشنل کیمرہ تھا۔

"مجھے آپ دونوں کی ایک تصویر چاہیے۔" اس کی آواز میں بچوں جیسی معصومیت تھی۔ دونوں نے خوش دلی سے اثبات میں سر ہلایا اور ایک دوسرے کے قریب ہو گئیں۔ روحی نے چند بہترین زاویوں سے ان کی تصویریں لیں اور پھر اس کی نظریں فجر پر جم گئیں۔

"مجھے آپ کے اور رئیس انکل کے ساتھ ایک تصویر چاہیے۔"

اس کی فرمائش پر فلک کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ یکدم تھم سی گئی۔

"میرے دو فیورٹ لوگ ایک ہی فریم میں۔۔۔ پلیز؟" اس نے ننھی سی خواہش کا اظہار کیا تو فلک کے دل پر ایک انجانا سا سایہ لہرایا۔ وہ جانتی تھی، رئیس کبھی نہیں مانے گا۔ وہ فجر کے ساتھ کسی بھی قسم کے تعلق سے گریز کرتا تھا۔

"لیکن روحی۔۔۔" فجر نے کچھ کہنا چاہا، اس کے لہجے میں صاف ہچکچاہٹ تھی۔

"پلیز فجر آپی۔۔۔ پلیز۔۔۔ میں جب علاج کے لیے باہر چلی جاؤں گی تب آپ سب کی تصویریں ہی تو دیکھوں گی۔" اس کا اصرار بڑھا تو فجر نے بے بسی سے فلک کی جانب دیکھا۔ فلک کے دل میں ایک عجیب سی کشمکش تھی۔

ایک حصہ چاہتا تھا کہ یہ ناممکن ممکن ہو جائے اور دوسرا حصہ جانتا تھا کہ رئیس کا انکار فجر اور روحی دونوں کو شرمندہ کر دے گا۔ اس نے روحی کا دل رکھنے کی خاطر خاموشی سے سر ہلا دیا۔

"بگ بی نہیں مانیں گے۔" فجر ہولے سے بڑبڑائی۔ اس کی آواز میں مایوسی تھی۔ تبھی روحی نے امید بھری نظروں سے فلک کو دیکھا۔

"پلیز فلک آپی، آپ انہیں کہیں نا! وہ آپ کی بات ضرور مان لیں گے۔"

فلک کے وجود میں ایک سرد لہر دوڑ گئی۔

وہ اس کی بات مان لے گا؟ کاش ایسا ہوتا! کاش وہ اس کی اتنی سی بات بھی مان لیتا۔

مگر روحی ایک پرجوش لڑکی تھی۔ وہ کیمرہ سنبھالے ہجوم کو چیرتی ہوئی اس ستون کے پاس جا پہنچی جہاں وہ کھڑا تھا۔ سیاہ لباس میں ملبوس، اس کی پروقار شخصیت پورے ہال پر حاوی تھی۔ اس نے قریب پہنچ کر رئیس سے کچھ کہا۔ فجر نے دور سے دیکھا، رئیس کی بھنویں بے اختیار سکڑ گئیں۔ اس کی نظریں بے ساختہ ہال کے دوسرے کونے میں کھڑی فجر پر اٹھیں، جو شرمندگی سے نظریں جھکائے کھڑی تھی۔ وہ بات تو دور، اس کی طرف دیکھتا بھی نہیں تھا اور آج۔۔۔۔

اس نے ایک لمحے کو جبڑے بھینچے، جیسے کوئی تلخ گھونٹ حلق سے اتارا ہو، پھر اس نے روحی کے معصوم چہرے کو دیکھا اور نہایت آہستگی سے سر اثبات میں ہلا دیا۔

فلک کی سانس جیسے سینے میں ہی اٹک گئی۔ وہ مان گیا تھا! یہ کیسے ممکن تھا؟

وہ دونوں محتاط قدموں سے اس کی جانب بڑھیں۔ فلک کے دل کی دھڑکن بے ترتیب ہو رہی تھی۔ روحی نے کیمرہ فلک کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔

"آپ لیں نا تصویر، آپ رائٹر ہیں، آپ کا اینگل سب سے اچھا ہو گا۔"

فلک نے بے جان ہاتھوں سے کیمرہ تھام لیا۔ وہ تینوں اب ایک فریم میں تھے۔ چند تصویریں کلکس ہوئیں پھر روحی ہٹ گئی۔

"آپ دونوں کی ایک ساتھ چاہیے۔" اس نے بالوں پر ہاتھ رکھتے فرمائش کی۔ فجر نے اثبات میں سر ہلایا جبکہ رئیس یونہی کھڑا رہا۔ جبڑے بھنچے ہوئے، ہونٹ آپس میں پیوست!

فلک نے کیمرہ اٹھایا اور کیمرے کے لینز سے دنیا ایک محدود فریم میں سمٹ آئی تھی۔ اس فریم میں دو لوگ تھے، جو ایک دوسرے سے قریب ہوتے ہوئے بھی میلوں کے فاصلے پر کھڑے تھے۔ رئیس کی گردن تنی ہوئی تھی، جبڑے بھنچے ہوئے تھے اور چہرے پر وہی بے تاثری تھی جو فجر کو دیکھتے آجاتی تھی۔ وہ یوں کھڑا تھا جیسے کسی اجنبی کے ساتھ تصویر بنوانے کی سزا کاٹ رہا ہو۔

"ریڈی؟" فلک کی آواز دھیمی آواز ابھری۔ اس نے کیمرے پر انگلی رکھی۔

اچانک فریم کے اندر ساکت کھڑی فجر کی آواز ابھری۔ ایک ایسی آواز جس میں صدیوں کی تھکن اور ایک معصوم سا سوال تھا۔

"اگر اس حادثے میں، عروزہ کی جگہ میں ماری جاتی، تو کیا تب بھی آپ مجھ سے اتنی ہی نفرت کرتے؟"

یہ سوال نہیں تھا، ایک تیر تھا جو سیدھا رئیس کے مضبوط دفاعی حصار کو توڑتا ہوا اس کے دل میں جا لگا۔ اس نے جھٹکے سے رخ فجر کی جانب موڑا۔ ایک لمحے کے لیے، صرف ایک لمحے کے لیے اس کے چہرے سے وہ بے تاثری کا نقاب اتر گیا۔ اس کی آنکھوں میں جو خوف ابھرا، وہ فلک نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ خوف کسی کاروباری نقصان کا نہیں تھا، کسی دشمن کے حملے کا نہیں تھا۔۔۔ وہ خالصتاً کسی کو کھو دینے کا خوف تھا۔

فجر آنکھوں میں نمی کی ایک ہلکی سی تہہ لیے ساکت کھڑی تھی۔ ہاں اسے عروزہ کا دکھ تھا مگر یہ سب کرنے کو اس نے نہیں کہا تھا۔ اس نے یہ سب نہیں چنا تھا۔ اگر ولی اور رئیس اس کے پسندیدہ مرد تھے تو اس میں اسکا کیا قصور تھا؟ اس نے ہمیشہ سارے الزام اپنے سر لیے تھے۔ یہ بھی لے لیا تھا مگر کب تک۔۔۔۔

فلک کا انگوٹھا کیمرے کے بٹن پر تھا۔ کلک۔۔۔ کلک۔۔۔ ایک کے بعد ایک تصویر کھنچتی گئی اور پھر اس کا انگوٹھا وہیں ٹھہر گیا۔

وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ رئیس اورنگزیب فجر کو دیکھ رہا تھا اور اس کے چہرے کے تاثرات، اس کی آنکھوں کی گہرائی میں چھپا طوفان۔۔۔ فلک پڑھ سکتی تھی۔ وہ ایک رائٹر تھی، لفظوں اور خاموشیوں کے پیچھے چھپے معنی سمجھنا اس کا ہنر تھا۔ آج اس نے اپنی زندگی کے سب سے بڑے سوال کا جواب ڈھونڈ لیا تھا۔

رئیس کی نظریں۔۔۔ وہ عام نظریں نہیں تھیں۔ ان میں جو خوف ابھرا تھا، وہ عام خوف نہیں تھا۔ وہ جس طرح اسے دیکھ رہا تھا، وہ عموماً ایسے نہیں دیکھتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک لمحے کو اپنائیت کا، حفاظت کا، اور گہری محبت کا وہ سایہ لہرایا تھا جو وہ ہزار کوشش کے باوجود چھپا نہیں پایا تھا۔

تصویر کلک کرتی فلک کی مسکراہٹ اس کے لبوں پر ہی جم گئی۔ اس کی آنکھوں کی چمک، جو کچھ دیر پہلے جھمکوں کو مات دے رہی تھی، دھیرے دھیرے غائب ہونے لگی۔ کیمرہ بے جان ہو کر اس کے ہاتھوں سے نیچے آ گیا۔

اس پل، اس مصنفہ پر وردان ہوا تھا۔ ایک ایسا وردان جس نے اس کی روح تک کو زخمی کر دیا تھا۔

رئیس اورنگزیب اس چہرے سے صرف **نفرت** نہیں کرتا تھا۔ وہ اس چہرے سے **محبت** کرتا تھا۔

کسی نے مصنفہ کا دل اپنی آہنی مٹھی میں لے کر بے دردی سے مسل دیا۔ اس کی مسکراہٹ شیشے کی کرچیوں کی طرح اس کے اندر بکھر گئی۔

روحی نے آگے بڑھ کر چہکتے ہوئے اس کے ہاتھ سے کیمرہ لے لیا۔ فجر بنا کچھ کہے، بھیگی آنکھوں کے ساتھ وہاں سے پلٹ کر چلی گئی۔ ہال کے شور میں بس وہ دو لوگ رہ گئے تھے۔ اسے جاتے ہوئے دیکھتی ہوئی رئیس کی آنکھیں، اور رئیس کو دیکھتی ہوئی فلک عالمگیر کی آنکھیں۔

آج کی رات سرد تھی، اور اس قلعے جیسی حویلی میں نہیں، بلکہ اس پُر تکلف ہال کے وسط میں، فلک کے لیے اس رات میں ایک ایسی ٹھنڈک ابھری تھی جو اس کی ہڈیوں تک کو جما گئی تھی۔

آج کی رات، محبت اور نفرت کے سارے معنی بدل گئے تھے۔

ہال کا شور، موسیقی کی آواز، لوگوں کے قہقہے۔۔۔ سب کچھ جیسے ایک لمحے میں کہیں دور، بہت دور رہ گیا تھا۔ اسے اپنے کانوں میں صرف اپنے دل کے ٹوٹنے کی صدا سنائی دے رہی تھی۔ پھر بھاری قدم اٹھا کر اس شخص کی جانب بڑھنا شروع کیا جو ساکت کھڑا تھا، جس کی نظریں اب بھی فجر پر جمی تھیں۔ ان چند قدموں کا فاصلہ اسے صدیوں پر محیط لگا۔ وہ اس کے قریب پہنچی، اتنے قریب کہ اس کی مخصوص خوشبو فلک کی سانسوں میں اتر کر اس کی روح تک کو مزید زخمی کرنے لگی۔

چند لمحے کی خاموشی طاری رہی، ایک ایسی خاموشی جس میں ایک عورت کی پوری کائنات لٹ چکی تھی۔ پھر وہ گویا ہوئی اور اسے لگا جیسے اس کی آواز اس کے اپنے حلق سے نہیں، کسی گہری کھائی سے آ رہی ہو۔

"تو۔۔۔ مجھ سے انکاری ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ آپ اس سے محبت کرتے ہیں؟"

اس نے پتا نہیں کیسے اپنے حلق میں اٹکی اذیت کے سمندر کو پیتے ہوئے یہ سوال پوچھا تھا۔

رئیس نے دھیرے سے اپنی نظریں فجر سے ہٹا کر اس کے چہرے پر مرکوز کیں۔ اس کی آنکھوں میں تاسف کے گہرے سائے ابھرے، جیسے وہ اس تکلیف سے واقف ہو جو اس کے الفاظ دینے والے تھے۔ مگر آج وہ اسے سچائی سے آگاہ کرنا چاہتا تھا، شاید اس لیے کہ وہ مزید کسی خوش فہمی میں نہ رہے۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈال لیے، ایک دفاعی مگر بے حد تھکا ہوا انداز!

"کچھ سچائیاں بہت تکلیف دہ ہوتی ہیں۔" وہ بس اتنا ہی بولا، مگر اس کے لہجے نے سب کچھ کہہ دیا۔

"کیوں؟" آواز میں کپکپاہٹ در آئی۔ "ایسا کیوں ہے؟ آخر کیوں؟" وہ جاننا چاہتی تھی۔ وہ ہر قیمت پر اس اذیت کی وجہ جاننا چاہتی تھی جو اس کی رگوں میں زہر بن کر دوڑ رہی تھی۔ وہ اس سے محبت کیوں کرتا تھا؟

رئیس نے پھر سے ایک بوجھل سانس لی، جیسے سینے پر رکھا کوئی بھاری پتھر ہٹانے کی کوشش کر رہا ہو، اور پھر اپنی نظریں دوبارہ اسی مرکز پر جما دیں جہاں صفدر اور ذرقا کے ساتھ بیٹھی فجر مصنوعی مسکرانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"یہ میرے بس میں نہیں ہے۔"

اس کا ایک ایک لفظ فلک کو بے طرح زخمی کر رہا تھا اور وہ آج زخمی ہونے کے لیے ہی وہاں کھڑی تھی۔

"ایسا کیا ہے اس میں؟" اگلا سوال تیر کی طرح اس کی زبان سے نکلا۔

اس سوال پر رئیس چند لمحے خاموش رہا، جیسے خود اپنے اندر اس کا جواب تلاش کر رہا ہو۔

"میں نہیں جانتا۔۔۔" اس کی آواز اب کسی سرگوشی کی مانند تھی۔ "جانتا ہوں تو بس اتنا کہ وہ چہرہ پچھلے چھبیس سالوں سے آسیب کی طرح میرے ساتھ ہے۔ میں نے اپنی زندگی کے بائیس سال اسے دوبارہ دیکھنے کی تمنا میں گزار دیئے اور پچھلے چار سالوں سے اسے روز دیکھ رہا ہوں اور آج تک یہ طے نہیں کر پایا کہ میں اس سے نفرت کرتا ہوں یا محبت؟"

فلک نے اپنے آنسوؤں کو بے دردی سے اندر کھینچا۔ رئیس نے ایک نظر اس کی جانب دیکھا جو سر جھکائے اپنے لب کتر رہی تھی۔ وہ اس کی تکلیف سے واقف تھا، کیونکہ وہ خود اس تکلیف سے ہر روز گزرتا تھا۔ ایک بوجھل سانس لی۔

"میں اعتراف کرتا ہوں کہ تمہاری آنکھیں دنیا کی حسین ترین آنکھیں ہیں فلک!" اس نے کہنا شروع کیا اور فلک کا دل دھڑکنا بھول گیا۔

"پر مجھے آج بھی اُن آنکھوں میں اپنا عکس چاہیے۔" اس نے فجر کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

فلک نے کترے ہوئے لب چھوڑ کر حیرت سے اپنا سر اٹھایا۔ وہ کیا کہہ رہا تھا؟

"میں رئیس اورنگزیب، یہ اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے تم سے خوبصورت اور ذہین لڑکی نہیں دیکھی، پر میرا یہ دل پھر بھی اُسی ایک عام سے چہرے کا طلب گار ہے۔"

فلک کی دھڑکن جیسے رک سی گئی۔ تو کیا رئیس اور نگزیب آج اس کے سامنے اعتراف کر رہا تھا؟ اپنی محبت کا اعتراف، یا اپنی اذیت کا؟ ہر اعتراف فلک کے وجود پر ایک نیا گھاؤ لگا رہا تھا۔

"میں رئیس اور نگزیب، اعتراف کرتا ہوں کہ عورت کو تمہارے جیسا خوش اخلاق اور بہادر ہونا چاہیے۔ تم روشنیوں سے بھری ہوئی ہو فلک۔۔۔ لیکن میری آنکھیں اور میری روح آج تک اُس کے اندھیروں میں الجھی ہوئی ہیں۔"

وہ اسے لمحہ بہ لمحہ حیران نہیں، قتل کر رہا تھا۔

"میں یہ اعتراف کرتا ہوں کہ تمہارا وجود ایک مکمل سکون ہے، ایک ٹھہرا ہوا دریا۔۔۔ مگر اُس چہرے کے پیچھے چھپے طوفانوں نے مجھے تباہ کر دیا ہے۔"

اس کے الفاظ تیز دھار خنجر تھے جو سیدھے دل میں اتر رہے تھے۔

"میں یہ اعتراف کرتا ہوں کہ تم بہت اچھی لڑکی ہو۔ تم مجھے پسند ہو، مگر۔۔۔۔"

اس کے گلے کی گلٹی ابھری اور پھر سے معدوم ہو گئی۔ اس نے اپنی بات مکمل کی۔

"وہ چہرہ آج بھی میری پسند ہے۔"

بس! فلک وہیں مر گئی۔ کوئی اتنا ظالم کیسے ہو سکتا تھا؟ کوئی اتنی صاف گوئی سے کسی کے دل کے ٹکڑے کیسے کر سکتا تھا؟ اس نے، اس کی ہر خوبی گنوائی، صرف یہ بتانے کے لیے کہ اس کی کوئی بھی خوبی اس ایک چہرے کے سامنے کوئی معنی نہیں رکھتی جو چھبیس سالوں سے اس سے آسیب کی مانند چپکا ہوا تھا۔

"میں جانتا ہوں کہ تمہاری محبت سچی اور بے غرض ہے۔" یہ اس کا آخری وار تھا۔ "پر میں ایک ایسے چہرے کا مقروض ہوں جس نے کہا تھا محبت مجھے کبھی معاف نہیں کرے گی۔"

اس آخری جملے نے فلک کے اندر بچی کھچی ہمت بھی توڑ دی۔ اس کی دنیا کا محور، اس کی محبت کی بنیاد، سب کچھ ٹوٹ کر بکھر گیا تھا۔ ہال کا شور، روشنیوں کا رقص، قہقہوں کی گونج، سب یکدم اس پر حملہ آور ہوا۔ اس کا دم گھٹنے لگا۔

اس نے ایک آخری، بجھی ہوئی نظر رئیس پر ڈالی اور بنا ایک لفظ کہے، تیزی سے پلٹی اور وہاں سے بھاگتی چلی گئی۔ اسکا گھیرے دار خوبصورت فراک لہراتا چلا گیا۔ وہ ہجوم کو چیرتی ہوئی، اپنی اونچی ہیلز کی پرواہ کیے بغیر، بس بھاگ رہی تھی۔ اپنے ٹوٹے ہوئے خوابوں سے، اس بے رحم سچائی سے، اور اس شخص سے، جو آج اپنی محبت کا اقرار کر کے اسے ہمیشہ کے لیے مار گیا تھا۔

✿••✿••✿••✿

ہال کے عقبی دروازے سے منسلک سنگِ مرمر کی سیڑھیاں رات اور بارش کی شدت میں بھیگ رہی تھیں۔ اندر جہاں زندگی قہقہے لگا رہی تھی، باہر فلک کی دنیا خاموشی سے آنسو بہا رہی تھی۔ بادل اس زور سے گرجے جیسے آسمان بھی اس کے غم میں شریک ہو۔ بارش کی پہلی بوندوں نے جلد ہی ایک طوفانی شکل اختیار کر لی۔ سرد ہوا اس کے بھیگے وجود سے ٹکرا کر کپکپی طاری کر رہی تھی مگر اس کی گھٹی گھٹی سسکیاں اندر ہال کی بلند موسیقی میں تحلیل ہو کر رہ جاتی تھیں۔

وہ رو رہی تھی۔ برسوں بعد اس طرح ٹوٹ کر روئی تھی۔

کیا اسے رونا نہیں چاہیے تھا؟ ایک طرف اس کی بہترین دوست تھی تو دوسری طرف اس کی زندگی بھر کی محبت۔ وہ شخص اس چہرے پر مرتا تھا جو اس کی دوست کا تھا! اس سے بڑی اذیت بھلا کیا ہو سکتی تھی؟ کیا اسے فجر سے نفرت کرنی چاہیے جس کی کوئی خطا نہ تھی؟ یا پھر خود سے، جس نے ایک ناممکن خواب پال رکھا تھا؟ اتنے سوالات، اتنی تکلیف اس کے ذہن میں جمع ہو چکی تھی کہ اس کا وجود اب اس بوجھ کو سہار نہیں پا رہا تھا۔

اس کی گھٹی گھٹی سسکیاں یونہی ابھرتی رہیں، بارش کے شور میں گم ہوتی رہیں۔ اور تب ہی، مضبوط قدموں کی چاپ سنائی دی۔ وہ آیا، اور بھیگتی بارش میں اس کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے سر نہیں اٹھایا، مگر اس کی موجودگی کا احساس اس کی روح تک کو چیر گیا۔

"تم اندر بیٹھ کر بھی رو سکتی ہو۔۔۔"

اس کی گہری، بے تاثر آواز ابھری اور فلک کے ضبط کا آخری بند بھی ٹوٹ گیا۔ اس کے رونے میں شدت آ گئی۔ وہ شخص اسے اندر جا کر رونے کا کہہ رہا تھا، یہ جانتے ہوئے کہ اس کے آنسوؤں کا سبب وہی تھا۔

اس کے شدید ردِ عمل پر رئیس ایک لمحے کو ساکت ہوا، پھر وہ اس سے دو زینے نیچے اترا اور ٹھیک اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ بارش کی تیز بوچھاڑ اب اس کے چوڑے شانوں اور مضبوط پشت سے ٹکرا کر پلٹ رہی تھی، اور فلک جیسے اس کے وجود کی پناہ میں آ گئی۔

"میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا، مجھے روتی ہوئی لڑکیاں زہر لگتی ہیں۔" اس نے پرانے انداز میں کہا، مگر اس کے لہجے کی تلخی میں آج ایک عجیب سی بے بسی تھی۔ مگر وہ چپ نہ ہوئی۔

"ایسا۔۔۔ کیوں ہے؟" وہ سسکتے ہوئے بولی۔ "ایسا۔۔ میرے ساتھ ہی کیوں ہوتا ہے؟" سردی سے اس کے دانت بجنے لگے، ہونٹ نیلے پڑ چکے تھے اور بارش کے پانی نے اس کا سارا حسن جیسے دھندلا کر مزید بھڑکا دیا تھا۔

"وہ چہرہ ہی کیوں؟"

اگلا سوال ایک نیزے کی طرح تھا، اور رئیس کے چہرے پر اذیت کی وہ لہر ابھری جسے وہ لاکھوں نقابوں میں چھپاتا تھا۔

"یہ ایک curse ہے۔" اس کی آواز بھیگتی رات میں سرگوشی کی طرح تھی۔

"چھبیس سال پرانا کرس۔" پہلی محبت کا کرس! پہلے قتل کا کرس!

"چھبیس سال؟" وہ بے یقینی سے بڑبڑائی۔ "آپ کے چھبیس سال اتنے اہم؟ اور میرے سترہ سال؟ کیا وہ کسی گنتی میں نہیں؟"

سترہ سال۔۔۔ جب اس کا رشتہ رئیس سے طے ہوا تھا۔ بیس سال کی عمر تک وہ اس رشتے کی گہرائی سے ناواقف تھی، مگر پھر احساس جاگا۔ بیس سے تئیس سال کی عمر تک، ان تین سالوں میں اس نے رئیس کو تیرہ بار فون کیا، اور اس نے ہر بار اس کا دل توڑا، اسے اپنی پہچان بنانے کا کہہ کر دور کر دیا۔ وہ اس سے محبت کرنے لگی تھی اور جب اس نے رشتہ ختم کیا تو وہ پیچھے ہٹ گئی۔۔۔ اس نے محبت پر عزت نفس کو چن لیا۔ مگر اس محبت کا کیا کرتی جو دل میں گھر کر چکی تھی؟ پچھلے چار سال اس نے اسی محبت اور اذیت کے ساتھ گزارے تھے۔ سترہ سال کا زبردستی رشتہ اور سات سال کی یکطرفہ محبت۔۔۔ کیا وہ اس شخص کے لیے واقعی کچھ معنی نہیں رکھتی تھی؟

"چھبیس سال کی یہ اذیت میں نے خود نہیں چنی۔۔۔"

وہ یونہی اس کی حفاظتی دیوار بن کر کھڑا رہا۔ ٹھنڈی ہوا اور بارش کی تیز بوچھاڑ اس کی پشت سے ٹکرا کر پلٹتی رہی، مگر فلک کو جیسے اب سردی کا احساس کم ہو رہا تھا۔ رئیس اورنگزیب حفاظتی دیوار بن جائے پھر تکلیفیں کیسی؟

"ایک مری ہوئی عورت پر آپ نے چھبیس سال لٹا دیئے اور ایک زندہ فلک کے لیے آپ کے پاس چھبیس دن بھی نہیں؟"

اس نے چہرہ اٹھایا۔ آنسوؤں سے تر آنکھیں، مڑی ہوئی بھیگی پلکیں، نیلے پڑتے ہونٹ اور چہرے پر بکھری مایوسی۔۔۔ رئیس نے ایک لمحے کو سانس روک کر اسے دیکھا۔ وہ اس کے لیے سسک رہی تھی۔ تقدیر اسے، اس کے اتنا قریب لے آئی تھی کہ وہ پھر سے اپنے دل میں امید پال بیٹھی تھی۔ اسے لگا تھا شاید اب وہ شخص اسے مل جائے گا۔۔۔ مگر کیسے؟ اس مری ہوئی عورت کی ہمشکل تو اندر زندہ تھی۔ اسے بچانے کی خاطر اس بادشاہ نے اپنے وفادار سپاہی کو مار دیا تھا۔ یہ محبت نہیں تو اور کیا تھا؟

رئیس نے اس کے نیلے پڑتے ہونٹوں کو دیکھا، پھر بنا کچھ کہے اپنا بھاری سیاہ کوٹ اتارا اور اسکی جانب کیا مگر فلک نے نہیں تھاما۔ وہ یونہی بیٹھی رہی تو اس نے ناچاہتے ہوئے بھی جھک کر احتیاط سے کوٹ اس کے گرد پھیلا دیا۔ ہوائیں مزید تیز ہو گئیں، مگر جیسے کوٹ کی گرمی نے فلک کے کپکپاتے وجود کو ایک لمحے کا سکون بخشا حالانکہ وہ بھی بھیگا ہوا تھا۔

"آپ یہ کیوں کر رہے ہیں؟" اس کی آواز کانپنے لگی۔ "مجھ پر رحم مت کھائیں۔ مجھے آپ کا رحم نہیں چاہیے۔"

رئیس نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"یہ رحم نہیں ہے، ذمہ داری ہے۔ فخر تمہیں میری ذمہ داری پر چھوڑ کر گیا ہے۔"

"ذمہ داری؟" وہ تلخی سے ہنسی۔ "کیا آپ کی ہر مہربانی کے پیچھے کوئی ذمہ داری یا کوئی قرض ہوتا ہے؟ کیا آپ کے اپنے کوئی جذبات نہیں؟"

"میرے جذبات ایک ایسی بھول بھلیاں ہیں جس میں، میں خود گم ہوں۔ میں تمہیں اس میں الجھانا نہیں چاہتا۔" اس نے صاف گوئی سے کہا۔ وہ اسے کوئی امید نہیں دینا چاہتا تھا۔

"تو مجھے سچ بتادیں۔ کیا۔۔۔ کیا کبھی کوئی امید ہے؟ کیا آپ اس کرس سے کبھی باہر نکلیں گے؟" وہ سر اٹھائے اسے دیکھ رہی تھی۔

رئیس نے نظریں چرالیں۔ اس کی خاموشی فلک کے لیے ہر جواب سے زیادہ تکلیف دہ تھی۔

"امید وہ سب سے بڑا دھوکہ ہے جو انسان خود کو دیتا ہے۔ میں وہ نہیں بن سکتا جو تم چاہتی ہو۔"

"کیوں نہیں بن سکتے؟" وہ چلائی مگر آواز بارش میں دب گئی۔

"کوشش تو کریں! میں آپ کے ساتھ ہوں! ہم مل کر اس آسیب سے لڑیں گے!"

"یہ آسیب نہیں، میری ذات کا حصہ ہے۔" رئیس کی آواز میں فولادی قطعیت تھی۔ "اس سے لڑنے کا مطلب ہے خود کو مٹا دینا۔ میں تمہیں اپنی اس بے معنی جنگ کا حصہ نہیں بنا سکتا۔ تمہاری زندگی اس سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔"

وہ اس کی قدر کر رہا تھا، مگر اسے اپنا نہیں رہا تھا۔

اس کا کوٹ محض ایک کپڑا نہیں تھا، بلکہ اس کی بے لفظ حقیقت کا اعتراف تھا۔ وہ اسے موسم کی سختی سے بچا سکتا تھا، مگر اپنی محبت کی تپش نہیں دے سکتا تھا۔ وہ اس کی حفاظت کر سکتا تھا، مگر اسے اپنا نہیں سکتا تھا۔ وہ چند لمحے خاموش رہی۔۔۔ جیسے کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو۔

"چھبیس دن؟ کیا میں یہ چھبیس دن لے سکتی ہوں؟"

چھبیس دن؟ کیا تھا چھبیس دنوں بعد؟

سال ختم ہو رہا تھا۔ ڈارک اسٹارز کی لانچ تھی۔ رئیس گروپ کے ساتھ اسکا کنٹریکٹ ختم ہو رہا تھا۔ وہ ہمیشہ کے لیے جامشورو واپس جا رہی تھی۔۔۔ اور۔۔۔ اور۔۔۔ تقدیر جانتی تھی چھبیس دنوں بعد آنے والی رات، کیا لانے والی تھی۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا اور پھر بنا کچھ کہے پلٹ گیا۔ فلک کا سر جھک گیا۔

بارش برستی رہی۔ ہال سے آتی موسیقی کی مدھم دھنیں اب بھی سنائی دے رہی تھیں۔ رات بھیگ رہی تھی اور وہ، رئیس کے کوٹ میں لپٹی، اپنی محبت کے ملبے پر بیٹھی سسک رہی تھی۔

✿••✿••✿••✿

صبح کی دھند ابھی مکمل طور پر چھائی ہوئی تھی۔ مینشن کے لان میں شبنم کے قطرے سبز گھاس پر جھلملاتے تھے اور بڑی بڑی شیشے کی دیواروں پر اوس بارش کے قطروں کی طرح پھسلتی نظر آ رہی تھی مگر رئیس کے لیے یہ سب کچھ بے معنی تھا۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں نک سک سے تیار ہو کر ڈائننگ ہال میں آیا۔ سیاہ سوٹ، چمکتے بوٹ، کلائی پر قیمتی گھڑی۔۔۔ ہر چیز اس کی شخصیت کی طرح بے داغ اور پر وقار تھی۔

میز پر ذرتاش اور احمد اور نگزیب صاحب بیٹھے کسی اہم موضوع پر مدہم آواز میں گفتگو کر رہے تھے۔ مگر رئیس کے داخل ہوتے ہی دونوں کی آوازیں جیسے کٹ گئیں۔ ایک غیر مرئی خاموشی فضا پر چھا گئی۔ یہ منظر رئیس کے لیے نیا نہ تھا۔ اکثر اسے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس سے بہت کچھ چھپایا جا رہا ہو۔ اس کی موجودگی میں لوگ محتاط ہو جاتے تھے۔

وہ بغیر کچھ کہے اپنی کرسی کھسکا کر بیٹھ گیا۔ ناشتہ سامنے رکھ دیا گیا۔ اس نے چند نوالے خاموشی سے لیے۔ مگر اس صبح ایک کمی شدت سے محسوس ہوئی۔ فلک کی کمی!

وہ چند دنوں سے اسی میز پر موجود ہوتی۔ صبح سویرے تیار، مسکراتی ہوئی، چاہے اپنی آنکھوں کے نیچے تھکن کے سائے چھپائے ہوئے ہی کیوں نہ ہوں۔ وہ تھی ہی ایسی کہ بکھرنے کے بعد بھی خود کو سنبھال کر سب کے سامنے پیش کرتی۔ مگر آج اس کی کرسی خالی تھی۔

اس نے ایک لمحے کو نوٹ کیا، مگر سوال نہ کیا۔ وہ جانتا تھا سوال کرنے سے جواب کی پیچیدگی بڑھ جائے گی۔

چند لمحوں بعد وہ سختی سے کرسی پیچھے دھکیل کر اٹھ کھڑا ہوا۔ دو ملازم اس کے اطراف میں موجود ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں بولا۔

"روبینہ۔۔۔" آواز کڑی اور حکم نما تھی۔ ملازمہ بھاگتے ہوئے آئی اور ادب سے جھک گئی۔

"جی صاحب؟"

"میڈم فلک کو بلاؤ۔ مجھے آفس کے لیے دیر ہو رہی ہے۔"

اس نے گھڑی پر ایک نظر ڈالی۔ بھنویں مزید سکڑ گئیں۔ وہ وقت ضائع کرنا برداشت نہیں کرتا تھا۔

روبینہ ایک پل کو ہچکچائی، پھر اس نے گھبرا کر ذرتاش کی جانب دیکھا۔ ذرتاش کے سنجیدہ تاثرات اور گھورتی آنکھوں نے اس کی زبان پر بوجھ ڈال دیا پھر ذرتاش کی آواز ابھری۔

"فلک کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ کل رات بارش میں بھیگنے کی وجہ سے اسے تیز بخار ہے۔ میں نے ڈاکٹر کو بلا کر چیک اپ کروایا ہے۔ اسے آرام کی ضرورت ہے۔"

رئیس کا قدم وہیں ٹھٹک گیا۔ اس کی نظریں لمحے بھر کو خالی ہوئیں۔ کل رات کی تصویر اس کے دماغ میں چمک اٹھی۔ وہ بارش میں بھیگی ہوئی، لرزتی ہوئی، اور اس کے کوٹ میں لپٹی۔۔۔ اسے معلوم تھا کہ وہ ضدی تھی۔۔۔ صرف اس کے لیے۔ مگر یہ ضد اسے اس حال تک لے آئے گی؟

اس نے لب وا کیے جیسے کچھ کہنا چاہتا ہو، مگر اگلے ہی لمحے وہ لب بھینچ گیا۔ سختی سے سانس اندر کھینچی اور پھر تیز تیز قدموں سے ڈائننگ ہال سے باہر نکل گیا۔ ذرتاش اور احمد صاحب کے درمیان دوبارہ ایک خاموشی چھا گئی مگر اس بار اس خاموشی میں ایک ان کہی تشویش چھپی تھی۔

باہر آسمان سرمئی رنگ میں ڈوبا تھا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ وہ اپنی سیاہ کار کے عقبی حصے میں آ بیٹھا۔ دروازہ بند ہوتے ہی باہر کی دنیا اور اندر کی خاموشی الگ ہو گئیں۔ ڈرائیور سیٹ پر میثم نے عقبی آئینے میں ایک نظر اس پر ڈالی اور پھر انجن اسٹارٹ کر دیا۔ آج وہ سنجیدہ تھا تبھی پیچھے بیٹھا تھا۔

رئیس نے خود کو پچھلی سیٹ پر ڈھیر نہیں کیا۔ اس کی نشست ہمیشہ کی طرح سیدھی تھی۔ گاڑی جیسے ہی بڑے آہنی گیٹ سے باہر نکلی، اس نے کھڑکی کے شیشے سے گزرتی روشنی کو دیکھا۔ مگر اس کی نگاہیں کہیں اور الجھی تھیں۔

فلک پر غصہ بھی تھا۔ افسوس بھی تھا۔ سمجھ نہ آیا کہ اس پر چیخے، اسے ڈانٹے، یا بس خاموشی اوڑھ لے۔

"بے وقوف ہے یہ لڑکی۔۔۔" وہ دل ہی دل میں کڑواہٹ سے بڑبڑایا۔ اس کے دماغ میں فلک کی رات والی صورت گھومتی رہی۔ وہ بھیگی آنکھیں، نیلے ہونٹ، لرزتا وجود۔۔۔ پھر وہی سوال جو بار بار گونج رہا تھا۔

"ایک مری ہوئی عورت پر چھبیس سال، اور ایک زندہ فلک کے لیے چھبیس دن بھی نہیں؟"

وہ جملہ کانوں میں گونجتے ہی اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ سینے پر ایک عجیب سا بوجھ اتر آیا۔ وہ چاہ کر بھی اس کے سوال کا جواب نہیں دے پا رہا تھا۔ اس کے لیے فلک محض ایک لڑکی نہیں تھی۔ وہ روشنی تھی۔ مگر وہ روشنی اس کے اندھیروں کو چھو نہیں سکتی تھی۔

گاڑی تیز رفتاری سے شہر کی سڑکوں پر بھاگتی رہی۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھتا رہا۔ مگر اس کا ذہن گاڑی کے اندر، اسی مینشن میں اٹکا تھا جہاں ایک ضدی لڑکی بخار میں تپ رہی تھی۔

اس کی مٹھی بے اختیار بھنچ گئی۔ کاش وہ اس کی حماقت پر چیخ سکتا، اسے جھنجھوڑ سکتا، مگر۔۔۔

"فلک عالمگیر۔۔۔ تمہیں سمجھاؤں کیسے؟" اس نے کنپٹی مسلی۔

"میری دیواروں کے اندر جگہ نہیں ہے۔"

مگر اس کی آنکھوں کے گہرے سائے یہ ماننے کو تیار نہ تھے۔

✿••✿••✿••✿

دوپہر کا وقت تھا۔ بڑی کھڑکیوں سے ہلکی سرمئی روشنی اندر آ رہی تھی۔ فجر اپنی میز پر جھکی ہوئی تھی، سامنے کھلی فائلوں اور لیپ ٹاپ پر گہری نظریں جمائے۔ قلم اس کی انگلیوں میں بے اختیار گھوم رہا تھا۔

شہناب فیشن کے لیے محض ایک بزنس نہیں تھا، یہ اس کی محنت، خواب اور پہچان تھا۔ وہ ہر دن، ہر لمحہ اسے اور بلند کرنے کے لیے لڑ رہی تھی۔

دفتر میں مکمل خاموشی تھی کہ اچانک دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

"آجاؤ۔" اس نے سنجیدگی سے کہا، توقع یہی تھی کہ شاید کوئی اسسٹنٹ ہو گا۔

مگر دروازہ کھلا اور اندر صفدر داخل ہوا۔ فجر کی آنکھوں میں حیرانی ابھری۔

"صفدر؟" اس کے لبوں سے بے ساختہ نکلا۔

یہ حیرت لازمی تھی۔ ابھی کل ہی اس کا ولیمہ تھا اور وہ یہاں، اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر عجیب سا تناؤ، آنکھوں میں شکستہ سا رنگ۔

"السلام علیکم۔" اس نے رسمی سا سلام کیا۔

فجر نے جواب سر ہلا کر دیا جو حیرانی سے بھرا ہوا تھا۔ وہ اسے دیکھتی رہی جیسے سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو کہ وہ یہاں کیوں آیا تھا؟ چھٹی حس چوکنی ہو گئی۔ زخموں کو سونگھ لینے والی حس جاگ اٹھی۔ صفدر نے آہستہ آہستہ کرسی کھینچی اور اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک فائل تھی۔ لمحہ بھر اس نے وہ فائل میز پر رکھی، پھر جیسے اپنی ہمت سمیٹتے ہوئے بولا۔

"مجھے تمہیں کچھ بتانا ہے۔"

اس کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ چکا تھا۔ آواز بھاری تھی۔

فجر کے دل کو عجیب سی گھنٹیاں سنائی دینے لگیں۔ خطرے کی بو، ایک انجان سا خدشہ اس پر سایہ ڈالنے لگا۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے فائل کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا مگر اس کی جانب ہاتھ نہیں بڑھایا۔

"تم دیکھ سکتی ہو۔" اسنے نظریں جھکالیں۔ اپنی خفت اور شرمندگی پر قابو پانے کی کوشش میں وہ زیادہ دیر آنکھ ملا نہ سکا۔ فجر نے لمحہ بھر توقف کیا، پھر فائل اپنی طرف کھینچی۔ اس کے دل کی دھڑکنیں تیز تھیں۔ اس نے پہلی شیٹ پلٹی، آنکھوں نے کاغذ پر اٹکے الفاظ کو پڑھنا شروع کیا۔

چند لمحے وہ خاموش بیٹھی رہی۔ اس کی رنگت بدلنے لگی۔ اگلا صفحہ کھولا۔ آنکھیں پھیل گئیں۔ سانس سینے میں اٹک گئی۔

وہ سر نہیں اٹھا سکی۔ شاید اس کو سمجھنے، پروسیس کرنے میں وقت چاہیے تھا۔

"وہ۔۔۔ میں۔۔۔" صفدر نے ہچکچاتے ہوئے بولنا شروع کیا، مگر الفاظ ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

"ایم سوری، فجر۔۔۔ میں نے سچ چھپایا۔" اس نے گہری سانس لی۔

"منار کا اصل پارٹنر رئیس اورنگزیب ہے۔ میں بس ان کی جگہ۔۔۔ آگے رکھا گیا۔"

فجر کی انگلیاں ہلکی سی لرزیں۔ مگر اس نے گردن نہیں اٹھائی۔ ہونٹ سختی سے جکڑ لیے، جیسے وہ خود کو ٹوٹنے سے بچا رہی ہو۔

صفدر پھر سے گویا ہوا، آواز میں کرب صاف جھلک رہا تھا۔

"اس روز۔۔۔ وہ روز یاد ہے نا، جب رئیس ہمارے گھر آئے تھے۔۔۔؟ اسی روز تم نے پارٹنرشپ کی بات کی تھی۔ ڈیڈ کو وہ پروجیکٹ چاہیے تھا جو رئیس گروپ سے جڑا ہوا تھا مگر اس کے لیے رئیس اورنگزیب نے ایک شرط رکھی اور ڈیڈ کی وجہ سے مجھے وہ سب کرنا پڑا۔۔۔"

اس کی بات ادھوری رہی۔ کیونکہ فجر کے ذہن میں تصویر پوری ہو گئی تھی۔ وہ دن، وہ منظر، رئیس کی موجودگی۔۔۔ سب یاد آ گیا۔ سب واضح ہو گیا۔ اس نے گہری سانس اندر کھینچی، ضبط کرنے کی بھرپور کوشش کی۔

صفدر نے تھوک نگلا۔ "اب۔۔۔ انہیں اپنے شیئرز واپس چاہئیں۔ میں تمہیں بتانا چاہتا تھا، مگر۔۔۔" اس کی آواز ٹوٹ گئی۔ "میں ڈر گیا تھا۔"

فجر کے جھکے ہوئے سر کو دیکھ کر اس پر مزید بوجھ بڑھ گیا۔

"شروع میں مجھے لگا یہ بس چھوٹا سا بزنس ہو گا۔ تمہارا شوق ہے، شاید جلدی اکتا جاؤ گی۔" وہ شرمندگی سے کہہ رہا تھا۔

"مگر مجھے اندازہ نہ تھا کہ منارا اتنی ترقی کر لے گا۔۔۔ اور مجھے اتنا عزیز ہو جائے گا۔" اس کے لہجے میں اذیت، پشیمانی، اور ٹوٹا ہوا فخر تھا۔

"فجر۔۔۔ میں بہت شرمندہ ہوں۔"

لمحہ بھر کو خاموشی چھا گئی۔ فجر نے نظریں فائل پر جمائے رکھیں۔ اندر کچھ ٹوٹتا رہا، کچھ جلتا رہا۔

"جاؤ یہاں سے۔"

اس کی آواز ابھری، بھاری اور کپکپاتی ہوئی۔

صفدر کا چہرہ سفید پڑ گیا، جیسے سارا خون نچوڑ لیا گیا ہو۔

"فجر۔۔۔ ایم سوری۔۔۔"

"میں نے کہا جاؤ، صفدر!" اس بار وہ ضبط کرتے ہوئے دبا دبا چلائی۔

صفدر نے گہری سانس لی، تھوک نگلا، پھر پلکیں جھکا لیں۔ لمحے بھر کو اسے دیکھتا رہا، جیسے یقین کر رہا ہو کہ اس نے فجر کو کھو دیا تھا۔ اس لڑکی کو جسے وہ دل و جان سے اپنی بہن مانتا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ اٹھا۔ قدم بوجھل تھے۔ دروازے تک آیا، رکا۔ پلٹ کر اسے دیکھا۔ وہ یونہی کرسی پر بیٹھی تھی، جھکی ہوئی، جیسے سانس بھی لینا بھول گئی ہو۔ صفدر نے ہونٹ ہلائے، مگر الفاظ نہ نکلے۔ پھر دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا۔

فجر کے وجود میں جیسے جان پڑ گئی۔ اس نے فائل سے ہاتھ ہٹا لیا۔ انگلیاں لرز رہی تھیں۔ کرسی کی پشت سے ٹیک لگا لی۔ پورا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ آنکھوں میں جلتی ہوئی آگ بھڑکنے لگی۔

"ایسا کیوں تھا؟" اس کے لبوں سے ہلکی سی سرگوشی نکلی۔

"آخر کیوں؟"

اس کے اپنے ہی ہمیشہ اسے کیوں توڑ دیتے تھے؟

اس کی آنکھوں کے کنارے جلنے لگے۔ وہ خواب جس پر اس نے اپنے دن رات وار دیئے تھے، اچانک اتنا اجنبی، اتنا دھوکے سے بھرا کیوں محسوس ہو رہا تھا؟

✿••✿••✿••✿

بارش کی بھیگی ہوئی رات کا اثر اب بھی فلک کے وجود پر باقی تھا۔ وہ پوری رات کروٹیں بدلتی رہی، تیز بخار نے اسے نیند نہ آنے دی۔ کبھی کمبل اوڑھ لیتی تو کبھی بے چینی سے ہٹا دیتی۔ سردی اس کے جسم میں چبھتی رہی اور پیشانی جلتی رہی۔ بالآخر صبح کے قریب دوا کے اثر سے آنکھ لگی، اور وہ دن بھر جیسے بے ہوش سی پڑی رہی۔

جب سہ پہر کے تین بجے آنکھ کھلی تو کمرے میں نیم اندھیرا تھا۔ سر اب بھی بوجھل لگ رہا تھا مگر بخار اتر چکا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اٹھی، آئینے کے سامنے گئی۔ چہرے کی زردی اور آنکھوں کے گرد حلقے صاف نمایاں تھے، لیکن ہونٹوں پر اس نے ایک کمزور سی مسکراہٹ سجالی جیسے خود کو یقین دلانا ہو کہ وہ بہتر ہے۔ گرم پانی سے منہ دھویا، ہلکا سا میک اپ کیا اور صاف ستھرا لباس پہن لیا۔ زرد اسکارف اور لمبا اوور کوٹ، ساتھ سر پر اونی ٹوپی، اسے کچھ باوقار مگر تھکا ہوا سا ظاہر کر رہے تھے۔

وہ نیچے لاؤنج میں آئی تو وہاں ذرتاش بیٹھی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک فائل تھی اور قریب کھڑا ملازم کچھ وضاحت کر رہا تھا۔ ذرتاش نے سائن کیے، فائل واپس دی اور ملازم نے جھک کر شکریہ ادا کیا پھر پلٹ گیا۔ وہ رئیس گروپ کے فنانس کا حصہ تھی۔ اکثر فنڈز اسکے سائن کے بعد ہی اپروو ہوتے تھے۔

اس نے نظریں فلک پر ڈالی تو لمحہ بھر کے لیے اس کے چہرے پر فکر کی لکیر کھنچ گئی۔

"اُٹھ گئیں تم؟ کیسی طبیعت ہے؟" نرم لہجے میں پوچھا۔

فلک نے پھیکی سی مسکراہٹ دی اور ساتھ والے صوفے پر بیٹھ گئی۔

"اب ٹھیک ہوں۔" وہ آگے بڑھتے ہوئے ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔

"میں تمہارے لیے ناشتہ منگواتی ہوں پھر دواء لینا۔" زرتاش فوراً بولی۔ مگر فلک کے چہرے پر ایک ہلکی سی بے چینی تیر گئی۔

"دراصل مجھے آفس جانا ہے۔"

"مگر تمہیں ابھی آرام کی ضرورت ہے۔" زرتاش نے نصیحتاً کہا۔

فلک نے آہستہ سے سانس بھری، نگاہیں فرش پر گاڑ دیں اور دھیرے سے جواب دیا۔

"ہاں۔۔۔ مگر اب ٹھیک ہوں۔ اصل میں۔۔ کام زیادہ ہے۔ صرف پچیس دن رہ گئے ہیں لانچ میں، اور وہاں میرا ہونا ضروری ہے۔"

زرتاش نے غور سے اس کے چہرے کو دیکھا، جیسے کسی ضد کو بھانپ گئی ہو۔ پھر خاموشی سے سر ہلا دیا۔

"ٹھیک ہے، لیکن پہلے ناشتہ کر لو۔ دوا ساتھ لے جانا۔ ڈرائیور تمہیں چھوڑ دے گا۔"

فلک نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ گاڑی میں بیٹھ چکی تھی، کھڑکی کے شیشے پر اوس پھسل رہی تھی، جو دھندلے منظر کو اور دھندلا رہے تھے۔ لمبے اوور کوٹ کے اندر سکڑی ہوئی، زرد اسکارف اور ٹوپی میں لپٹی، وہ جیسے اپنے ہی خیالوں میں گم تھی۔

اچانک فون بجنے لگا۔ اسکرین پر فخر کا نام جگمگا رہا تھا۔ اس نے کال ریسیو کی۔

"تم ٹھیک ہو؟" فخر کی آواز میں بے چینی صاف جھلک رہی تھی۔

"ہاں، میں ٹھیک ہوں۔" وہ بمشکل مسکرائی، جیسے اپنی کمزوری چھپا رہی ہو۔

"کیا رئیس نے تم سے کچھ کہا؟ تم نے رات کو میسج کیا تھا۔۔۔ کہ مجھے یہاں چھوڑا، مجھے ساتھ لے کر جاتے۔۔۔ میں مصروف تھا، ابھی دیکھا ہے میسج۔ سب ٹھیک ہے نا فلک؟"

فلک کے لب خشک ہو گئے۔ اس کا دل ایک لمحے کو دھڑکنا بھول گیا۔

میں نے میسج کیا تھا؟ مگر کب؟

یادداشت پر زور دیا، مگر سب دھندلا تھا۔ شاید بخار میں۔۔۔ بے ساختہ اس نے کنپٹی مسلی۔

"ہاں۔۔۔ سب ٹھیک ہے۔ شاید غلطی سے ہو گیا ہو۔ تم فکر مت کرو۔ سب ٹھیک ہے۔ میں ابھی آفس جا رہی ہوں۔"

مگر فخر کو ابھی بھی تسلی نہیں ہوئی، وہ اور سوال کرتا رہا۔ البتہ فلک کے لہجے میں نرمی اور عزم کی ملاوٹ تھی، اس نے اسے بڑی مشکل سے مطمئن کیا۔

کال ختم ہوئی تو اس نے موبائل اپنی گود میں رکھا اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ ہیڈ آفس کی عمارت اب قریب آنے لگی تو اس نے گہری سانس لی۔

"ایک دن اور کم ہو چکا ہے۔۔۔ اب میرے پاس صرف پچیس دن بچے ہیں۔"

اس کے دل کی دھڑکن جیسے رات کی بارش کے بعد کی خاموشی میں اور نمایاں سنائی دے رہی تھی۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد وہ نیچے ہال میں ایک ڈیزائنر کے ساتھ گھوم رہی تھی۔ وہ دھیمی رفتار سے چلتے ہوئے کچھ ڈسکس کر رہی تھیں تبھی رئیس فون سنتا ہوا بالائی منزل کی ریلنگ تک آیا۔ وہ ریلنگ پر کہنیاں ٹکائے فون سن رہا تھا جب مراد ساتھ آ کھڑا ہوا۔ ایک نظر نیچے گھومتی فلک کو دیکھا اور پھر رئیس کو۔۔۔ جو اب فون بند کر چکا تھا۔

"ویسے یہ تتلی کافی بہادر ہے۔۔۔ نہیں؟" اس سے تصدیق چاہی۔

"بے وقوف ہے۔" وہ تصدیق کر ہی نا دے۔ مراد نے سنا اور پھر کچھ یاد کرتے گویا۔

"ویسے مکڑی تمہیں کیا کہہ رہی تھی اس دن؟ ایونٹ پہ؟ جب تم دونوں اسٹیج پر تھے؟"

وہ جب تک جان نہ لیتا اس کے معدے کا درد کہاں ٹھیک ہونے والا تھا۔

"یہی کہ میں فلک کو ہرٹ مت کروں کیونکہ یہ اس کی پسندیدہ عورت ہے۔ عجیب۔۔۔"

"اس میں عجیب کیا ہے۔ ایسا ہوتا ہے۔" اس نے ایک نظر رئیس کو دیکھا پھر بات جاری رکھی۔ "تم جانتے ہو۔۔۔ تم میرے پسندیدہ مرد ہو۔"

رئیس ایک پل کے لیے ٹھٹکا۔ پھر اس نے آنکھیں سکیڑ کر مراد کو گھورا، جیسے کوئی ان سنی کرنا چاہتا ہو۔

"بکواس نہیں کرو۔" بگڑ کر بولا۔

مراد ذرا بھی گھبرایا نہیں، بلکہ مسکرا کر پھر آگاہ کیا۔

"اس میں بکواس کیا ہے؟ تم میرے فیورٹ ہو تو ہو۔"

رئیس کے ماتھے پر رگیں ابھر آئیں، مگر آواز بدستور خشک اور بھاری تھی۔ اس نے نگاہیں ترچھی کیے اسے دیکھا۔

"میں نے کہا منہ بند رکھو۔"

مراد ہنسا، جیسے رئیس کا غصہ اس کے لیے تماشہ ہو۔

"لیکن سچ یہی ہے۔ تم سے بہتر کوئی۔۔۔"

"شٹ اپ۔۔۔" اس نے بدکتے ہوئے ریلنگ سے کہنیاں اٹھائیں۔

"دنیا میں کروڑوں مرد ہوں گے مگر میرے پسندیدہ تم ہو۔ کاش میں لڑکی ہوتا۔۔۔" مجال ہے وہ چار نمبر آدمی باز آجائے۔

"بکواس بند کرو گھٹیا انسان نہیں تو، اٹھا کر نیچے پھینک دوں گا۔"

یہ کہہ کر وہ تیز قدموں سے واک آؤٹ کر گیا مگر مراد کی مسکراہٹ اور دلچسپی ہنوز قائم رہی۔

"واللہ تم غصے میں بھی مزیدار لگتے ہو۔" اس نے پیچھے سے ہانک لگائی جبکہ رئیس دل میں اسے عزت افزا القابات سے نوازتا تیز تیز قدم اٹھاتا وہاں سے نکل گیا تھا۔

✿••✿••✿••✿

پورا دن فجر کے لیے ایک کرب ناک اذیت میں گزرا۔ صبح جب صفدر آیا تھا، اس لمحے کے بعد وقت جیسے بے رنگ سا ہو گیا۔

نہ اس نے صفدر سے کچھ کہا، نہ رئیس کو الزام دیا۔ وہ چاہتی تو سیدھا رئیس کے دفتر پہنچ کر سوال کرتی، چیختی، لڑتی جھگڑتی۔۔۔ مگر وہ سب کچھ پی جانے کے بعد اب اس کے اندر چیخنے چلانے کی توانائی نہیں بچی تھی۔

ذہن میں ہنگامہ ضرور تھا۔ سوالوں کے بادل دن بھر اس پر چھائے رہے۔

"کیا منار اس کے پاس رہے گا؟"

"کیا صفدر واقعی اتنا کمزور تھا کہ اس نے دھوکہ دیا؟"

"کیا رئیس نے یہ اچھے کے لیے کیا یا برے کے لیے؟"

مگر کوئی جواب نہ ملا۔ اس کے باوجود اس نے سوچ لیا تھا کہ اب وہ کسی نتیجے سے پہلے جذباتی نہیں ہو گی۔

کبھی وہی فجر تھی جو ایک لمحے کی بات پر بھڑک اٹھتی تھی، چیختی تھی، مقابلہ کرتی تھی۔ لیکن آج، گزرے سالوں میں وہ جتنا کچھ جھیل چکی تھی، اتنا صبر آ گیا تھا۔ اتنی برداشت سیکھ چکی تھی۔ اب اس کے اندر ایک شعور پیدا ہو چکا تھا۔

اسے اپنی انرجی ضائع نہیں کرنی تھی، وقت نہیں برباد کرنا تھا۔ وہ ابھی بھی لیڈنگ سی ای او تھی۔ جو بھی ہو گا، وہ جانتی تھی وہ نبٹ لے گی۔ اور یہی سوچ اسے سہارا دے رہی تھی۔ رات اتر آئی۔

دسمبر کی ٹھنڈ نے شہر کو اپنے لپیٹے میں لے رکھا تھا۔ بالکونی کے سامنے اس کی دنیا کچھ دھندلی، مگر پر سکون دکھائی دے رہی تھی۔ سرد ہوا رخساروں کو چھو کر گزرتی، جیسے بے آواز تسلی دے رہی ہو۔

وہ دہلیز پر آ کر بیٹھ گئی۔ کندھوں پر شال اوڑھی، اور دونوں ہاتھ اس کے گرد لپیٹ لیے۔

اس کے ساتھ ولی آ بیٹھا۔ اس کے قریب، خاموش! جس نے کچھ دیر پہلے وہ فائل دیکھی تھی اور اب خود بھی الفاظ کے انتخاب میں قاصر تھا۔

دونوں کے بیچ چند لمحے خاموشی چھائی رہی۔ پھر اس نے آہستہ سے پوچھا۔

"تمہیں غصہ نہیں آ رہا؟"

فجر نے شال کو کندھوں پر مزید سختی سے لپیٹا۔ نگاہیں دھند میں الجھی ہوئی تھیں۔

"ضرور آتا۔۔۔ اگر مجھے لگتا کہ میں اس سے نبٹ نہیں سکتی۔ اگر مجھے لگتا میں کمزور ہوں۔"

وہ رکی، پھر دھیرے سے بات جاری رکھی۔

"مگر اب نہیں آرہا۔ اب بس افسوس ہے۔ جو صفدر نے کیا، وہ برا تھا، تکلیف دہ تھا۔۔۔ لیکن اب میں ہر جنگ کے لیے تیار ہوں۔ اب مجھے فرق نہیں پڑتا سامنے کون ہے۔"

اس کی آواز میں سختی اور نرمی دونوں شامل تھیں۔ جیسے برف کے تودے کے اندر جلتی ہوئی آگ۔ ولی نے غور سے اسے دیکھا۔

"اور بگ بی؟"

فجر کا رخ اس کی طرف مڑا۔ آنکھوں میں پختگی تھی۔

"ان کے کہنے پر ہی چلوں گی۔ پہچان چھیننے والوں کو نہیں چھوڑ سکتی۔ پھر چاہے وہ خود ہی کیوں نہ ہوں۔" ان سے عقیدت اپنی جگہ۔۔۔ اصول اپنی جگہ!

ولی نے چند لمحے اسے دیکھا۔ پھر ہلکا سا مسکرایا۔ اسے اس پر بھروسہ تھا۔ چند لمحے یونہی گزر گئے۔ دھند کے پردے میں خاموشی اور سردی جیسے ان دونوں کے بیچ ٹھہر گئی ہو۔ وہ چند باتیں کرتا رہا تھا۔ اسکی پریشانی زائل ہو رہی تھی۔ ولی کی موجودگی ہمیشہ اس کے لیے مرہم تھی۔ وہ ہر کرب کو التیام بخش دیتا تھا۔ اس کے ساتھ ہونے سے سب کچھ پھیکا پڑ جاتا تھا۔ وہ اب اس کی کسی بات پر مسکرا رہی تھی پھر کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

"ویسے میں سوچ رہی ہوں۔۔۔ اگر انہوں نے منار مجھ سے چھین لیا تو پھر میں کیا کروں گی؟"

اس نے ولی کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا، جس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

"پلس۔۔۔ اگر ڈیڈ نے جوزف پیلس میں جگہ نہ دی تو؟"

"تو پھر ہم کیا کریں گے؟" وہ فکر مندی سے بولی۔

"پھر ہم اسکاٹ لینڈ کے کسی قصبے میں رہیں گے۔ ایک فارم بنائیں گے۔ مویشی رکھیں گے۔ مرغیاں پالیں گے۔"

اس کی آواز میں خوابوں کی نمی تھی، جیسے وہ اس تصویر کو حقیقت میں دیکھ رہا ہو۔ فجر نے چونک کر اسے دیکھا۔

"میں دن میں مویشی چرانے لے جاؤں گا۔ تم مرغیوں کو سنبھالنا۔ ہم سبزیاں اگائیں گے۔ تم تازہ سبزیوں سے کھانا بنایا کرنا اور جب شام میں میں واپس آؤں گا تو تمہارے ہاتھوں سے کھایا کروں گا۔"

پہلے اس کی آنکھیں حیرت سے کھلیں، پھر وہ ہنس دی۔

"میں مرغیاں پالوں گی؟" اپنی طرف انگلی کرتے ہوئے وہ واقعی حیران ہوئی۔

"آف کورس! میں اب مویشیوں کے ساتھ مرغیاں تو باہر لے جانے سے رہا۔"

"لیکن میں اکیلے کیسے رہوں گی؟ وہ بھی صرف مرغیوں کے ساتھ؟" گفتگو اب دلچسپ موڑ لے چکی تھی۔

"اکیلی کیوں بھئی؟ بچے ہوں گے نا ہمارے۔۔۔"

یہ سنتے فجر کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی۔ آنکھوں کی چمک اور بڑھ گئی۔ اس نے مٹھی پر ٹھوڑی ٹکائی اور دلچسپی سے پوچھا۔

"بچے۔۔۔؟"

"ہاں نا بچے۔۔۔ چار بچے ہوں گے۔" اس کی آنکھوں میں روشنی تھی۔

"چار بچے؟" اس نے بے یقینی سے دہرایا۔

"ہاں ناچار۔ جیسے ہم تھے۔۔۔ جارج، میں، نینسی اور نساء!" اس کے لہجے میں اپنے بچپن کی جھلک تھی۔

"تمہیں نہیں لگتا چار زیادہ ہوں گے؟" اس نے آنکھیں سکیڑ کر پوچھا۔ وہ اکلوتی تھی۔ ہمیشہ اکیلے رہی تھی۔ اسے اندازہ نہیں تھا بہن بھائیوں کے ساتھ بچپن کیسا ہوتا ہے۔

"نہیں۔۔ چار ہی ٹھیک ہیں۔ ایک دوسرے کا سہارا۔ ایک دوسرے کا ساتھ۔" وہ کچھ لمحے سوچنے کی اداکاری کرتا رہا، پھر بولا۔

فجر کا دل جیسے دھند سے نکل کر کسی روشن صبح میں آ گیا۔

منار فیشنز، صفدر، رئیس۔۔۔ سب لمحاتی طور پر مدھم پڑ گئے۔

اس کے سامنے صرف ولی تھا۔ اس کی باتوں میں چھپا ہوا مستقبل، جس میں دکھ نہیں تھا، بس محبت اور سکون تھا۔

"میں تو زیادہ سے زیادہ دو سوچ سکتی ہوں۔" وہ صاف گوئی سے بولی۔

"دو؟" ولی کو جیسے صدمہ لگا، "دو تو بالکل ہی کم ہیں۔ گھر میں رونق کیسے رہے گی؟ شور شرابہ، ہنسی مذاق۔۔۔ یہ سب تو چار ہی بچوں سے آئے گا۔"

"رونق؟ یا پھر سر پر پہاڑ؟ چار بچوں کے ساتھ تو مجھے لگتا ہے تمہیں بھول ہی جاؤں گی کہ بیوی بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔"

"ارے نہیں!" وہ ہنس دیا۔ "چار بچے ہوں گے تو وہ خود بھی ایک دوسرے کا دھیان رکھیں گے۔ تمہیں فرصت ہی فرصت ملے گی۔"

"بالکل نہیں۔۔۔۔مجھے نہیں چاہیے ایسی فرصت!" وہ اڑ گئی۔

"کم از کم تین پر تو مان جاؤ۔" وہ بھی ضد پر اتر آیا۔

"تین؟ نہیں۔۔۔بس دو بہت ہیں۔"

ولی نے ناک سکیڑ کر پیچھے میز پر رکھی کافی اٹھا کر گھونٹ بھرا، پھر جیسے ہتھیار ڈال دیئے۔

"ٹھیک ہے جانم! دو بچے کافی ہیں۔"

"بس؟ اتنی جلدی ہار مان لی؟" وہ شرارت سے مسکرائی۔

"ہار نہیں مانی۔۔ حقیقت قبول کی ہے۔ چار تو خواب تھے لیکن دو۔۔۔وہ حقیقت بن سکتے ہیں۔"

وہ ہنس دی، مگر ہنسی کے پیچھے ایک عجیب سی سنجیدگی بھی تھی۔

"پتا ہے، کبھی کبھی مجھے لگتا ہے بچے صرف تعداد نہیں ہوتے۔ ایک بھی ہو تو وہ ساری دنیا بن سکتا ہے۔"

وہ کچھ لمحے اسے دیکھتا رہا، پھر دھیرے سے بولا۔

"اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ جو بھی ہو۔۔۔وہ ہماری دنیا کا سب سے خوبصورت حصہ ہو۔"

وہ چپ ہو گئی، نگاہیں جھکائیں اور کافی کے کپ کو انگلیوں سے گھمانے لگی۔

"ہاں دو کافی ہوں گے۔" کہیں اندر وہ بچوں کو لے کر خوفزدہ تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی اس جیسا بچپن اس کی اولاد جیے۔ وہ اولاد کے معاملے میں خوفزدہ تھی۔ وہ اس موضوع پر بات بھی نہیں کرتی تھی۔ ولی چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ وہ اس کی الجھن بھانپ چکا تھا۔

"جانتی ہو۔۔۔"اس نے آہستہ سے فجر کو ساتھ لگایا۔"بچے نہیں، اصل میں تم کافی ہو۔"

وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی، جیسے اس کے الفاظ نے اسے اچانک بے بس کر دیا ہو۔ جیسے وہ اس کا ڈر سمجھ گیا ہو۔

"کبھی کبھی لگتا ہے تمہارے ساتھ تو دنیا کہیں بھی جینے کے قابل ہو گی۔ چاہے وہ فارم ہو یا شہر، کچھ بھی۔۔۔"وہ مسکرائی۔

"اور کبھی کبھی لگتا ہے اگر تم ہو، تو زندگی پہلے ہی مکمل ہے۔"ولی نے مسکرا کر اس کی پیشانی سے سر ٹکایا۔

"اب یہ یاد رکھنا کہ میں کافی ہوں۔"وہ جتاتے ہوئے بولی۔

"اگر بھول گیا تو۔۔۔؟"شرارت سے پوچھا۔

"ٹرمینیٹ کر دوں گی۔۔۔"ازلی دھمکی دی تو وہ کھل کر ہنس دیا۔

ایک تو بیوی سب کچھ ہو مگر باس نہ ہو۔۔۔ورنہ آپ کب ٹرمینیٹ ہو جائیں کچھ پتا نہیں۔

"اوکے میڈم!"وہ اسے دلچسپ نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا تو فجر نے نظریں جھکا لیں۔ دل میں ایک سکون اترا، جیسے ساری تھکن دھل گئی ہو۔ دسمبر کی رات گہری ہو رہی تھی، مگر ان دونوں کے بیچ محبت کی حرارت بڑھتی جا رہی تھی۔

✿••✿••✿••✿

اسٹوڈیو روم کی خاموشی میں ایک سکون سا بکھرا ہوا تھا۔ ہر طرف رولز میں لپٹے کپڑے، کٹنگ بورڈز، دھاگوں کی رنگین ریلیں اور میز پر رکھے خاکے، یہ سب اس کے تخلیقی جہاں کی جھلکیاں تھیں۔ آج منار میں زیادہ تر ڈیپارٹمنٹس کو چھٹی تھی۔ چند ایک لوگ آئے تھے۔

وہ اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھی تھی۔ ہاتھوں میں سفید ڈریس شرٹ کا نازک کپڑا تھا۔ نہایت نفیس، بے داغ اور چمک دار سفید، جیسے روشنی کا ایک ٹکڑا۔ ولی کا برتھ ڈے قریب تھا اور اس نے پہلی بار اسکے لیے کچھ بنایا تھا۔

سوئی دھاگہ اس کی انگلیوں میں رقص کر رہا تھا۔ کالر پر وہ باریک سرخ کڑھائی کر رہی تھی۔ دھیرے دھیرے، بڑی محنت اور نرمی سے۔ اور پھر جب آخری ٹانکا مکمل ہوا، اس نے سوئی ایک طرف رکھی۔

کالر کے دائیں حصے پر ایک چھوٹا سا سرخ دل ابھرا ہوا تھا۔ چند سینٹی میٹر کا ہی سہی، مگر اتنی باریکی سے بنایا گیا کہ جیسے سفید برف پر سرخ گلاب کھل گیا ہو۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک اتر آئی۔ وہ لمحوں تک اسے دیکھتی رہی۔ اس شرٹ کو ولی کے وجود پر تصور کیا، اور پھر بے اختیار مسکرا دی۔ ابھی وہ انہی سوچوں میں گم تھی کہ میز پر رکھا اسکا فون بج اٹھا۔ اس نے گہری سانس لے کر فون اٹھایا۔ "یس؟"

آواز دوسری طرف سے اس کی ریسپشنسٹ کی تھی۔

"میڈم، ارسل برہان گردیزی آپ سے ملنے آئے ہیں۔"

یہ نام سنتے ہی اس کے چہرے کے سارے تاثرات یکلخت بدل گئے۔ وہ میٹھی مسکراہٹ جیسے پتھر میں ڈھل گئی، اور اس کی جگہ برف جیسی سختی نے لے لی۔ ہوا میں جیسے خنکی گھل گئی۔

"انہیں کہیں کہ میں available نہیں ہوں۔" اس کا لہجہ سپاٹ اور فیصلہ کن تھا۔

"لیکن میڈم۔۔۔" ریسپشنسٹ ہچکچائی، "وہ کہہ رہے ہیں کہ میٹنگ بہت ضروری ہے، بہت اہم ہے۔ وہ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ یہ آخری بار ہے، پھر وہ دوبارہ کبھی نہیں آئیں گے۔"

دوسری طرف سے کہے گئے الفاظ نے اسے مزید تپا دیا۔ **'آخری بار'** کا ڈرامہ۔ اس نے آنکھیں بند کر کے ایک لمحے کو خود کو پر سکون کیا۔

"ٹھیک ہے، انہیں میٹنگ روم میں بھیج دو۔"

فون بند کر کے اس نے میز پر رکھ دیا۔ ایک گہری سانس لی اور سمجھنے کی کوشش کی کہ آخر وہ اب کیوں آیا تھا؟ اب اسے کیا چاہیے تھا؟ کیوں پیچھا نہیں چھوڑ دیتا یہ شخص؟

وہ فوراً نہیں اٹھی۔ وہیں بیٹھی رہی، اپنے ادھورے کام کو مکمل اطمینان سے پورا کیا۔ ولی کی شرٹ اس کی پہلی ترجیح تھی۔ تقریباً آدھا گھنٹہ اسی طرح گزرا۔ جب اس کا کام مکمل ہو گیا تب وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ نیلی جینز پر سفید سویٹ شرٹ پہن رکھی تھی، بال ڈھیلے سے جوڑے میں قید تھے اور آنکھوں پر عینک جمی تھی۔ اسی پیشہ ورانہ حلیے میں وہ میٹنگ روم کی جانب بڑھی۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے دیکھا، ارسل بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی وہ رک گیا اور ایک امید کے ساتھ اس کی جانب بڑھا۔ فجر نے اپنا ہاتھ اٹھا کر اسے وہیں رکنے کا اشارہ کیا۔ اس کا یہ انداز ارسل کے چہرے پر خفت کی لہر دوڑا گیا۔ وہ پروقار قدم اٹھاتی ہوئی میز کے دوسرے سرے پر پہنچی اور ہیڈ چیئر کھینچ کر بیٹھ گئی۔

"کہیے ارسل صاحب، کیسے آنا ہوا؟" اس کے لہجے میں کوئی جذبات نہیں تھے، صرف کاروباری سرد مہری تھی۔

اس کے انداز اور لہجے پر ارسل کا چہرہ بجھ گیا۔ وہ اسے چند لمحے بس دیکھتا رہا۔ اس کا چہرہ، اس کا انداز، اس کا غرور۔۔۔ یہ وہی فجر تھی جسے اس نے ٹھکرایا تھا، اور آج وہ سچ مچ آسمان بن چکی تھی۔ اتنی اونچی کہ وہ گردن اٹھا کر

ٹھیک سے دیکھ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس نے بمشکل تھوک نگلا اور آگے بڑھ کر اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے بات شروع کی۔

"چند سال پہلے۔۔۔ جب ہم ساتھ تھے، میں نے ایک بہت خوبصورت مستقبل کا خواب دیکھا تھا۔۔۔ تمہارے سنگ۔۔"

وہ گویا ہوا تو فجر کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ آخر اب ان باتوں کا کیا مقصد؟

"لیکن پھر میں نے سب خود ہی برباد کر دیا۔" اس کے لہجے میں شدید پچھتاوا تھا۔

"میں بہت آگے بڑھ آئی ہوں ارسل! تمہیں بھی چاہیے کہ اب موو آن کر جاؤ۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

ارسل نے اس کے منہ سے اپنا نام اتنے عرصے بعد سنا تو حسرت سے اسے دیکھا۔ ایک وقت تھا جب اس کا نام اس کی زبان پر ورد کی طرح رہتا تھا۔ ایک وقت تھا جب وہ اس ورد کی خاطر اپنی اماں سے بد دعائیں سنتی تھی۔

"جانتا ہوں۔۔۔ اسی لیے شادی بھی کر لی تھی، مگر موو آن نہیں کر پایا۔"

"تم یہاں کیوں آئے ہو؟" وہ اس کی کہانی سننے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتی تھی۔ ارسل نے چند لمحے اپنے لب کاٹے اور پھر ہمت جمع کر کے بولا۔

"کیا تم مجھے معاف کر سکتی ہو؟" اس نے آج چار سال بعد یہ سوال پوچھا تھا۔

"کس بات کے لیے؟" اس نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے ایسی بے نیازی سے پوچھا جیسے وہ کسی اجنبی سے بات کر رہی ہو۔

"میں نے تمہیں ہرٹ کیا تھا، تمہیں چھوڑ دیا تھا، تمہیں۔۔۔"

"تم میرے کردار کی دھجیاں اڑانا چاہتے تھے۔ کیا تم بھول گئے؟"

اس کی یاد دہانی پر ارسل کا چہرہ شرمندگی سے مزید سرخ ہو گیا۔ اس کا سر جھک گیا۔

"میں پاگل ہو گیا تھا۔"

"مجھے فرق نہیں پڑتا۔ ویسے بھی میرے نزدیک ان باتوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ میں لوگوں کو اتنی اہمیت نہیں دیتی کہ ان کے خلاف دل میں بغض پالے بیٹھی رہوں۔ میرے نزدیک میرے دل کی بہت اہمیت ہے اور میں اسے غیر ضروری لوگوں، غیر ضروری حادثات سے نہیں بھرتی۔ میں اپنے دل کو ایک مقدس کتاب کی طرح عزت دیتی ہوں، جہاں ہر کسی کا نام نہیں لکھا جاتا۔ میں خود کو معافی تلافی کے ان سلسلوں سے بہت اوپر رکھتی ہوں۔" وہ جیسے سانس لینے کو رکی۔ ارسل اسے سنے گیا۔

"تم جانتے ہو، میرے لیے موو آن کرنا کبھی مشکل نہیں رہا اور جب میں آگے بڑھ جاتی ہوں پھر فرق نہیں پڑتا کہ پیچھے رہ جانے والا زندہ ہے یا مر گیا۔"

اس نے صاف گوئی کی انتہا کر دی تھی اور ارسل کا دل جو پہلے ہی ہزاروں ٹکڑوں میں بٹا ہوا تھا، اس پل مر گیا۔ اس کے چہرے پر مردنی چھا گئی۔ اس نے سر اٹھا کر فجر کو دیکھا۔ وہ یہاں کی مالکن تھی، اور اس کے بیٹھنے کا انداز بھی ویسا ہی شاہانہ تھا۔ یہ کسے گنوا دیا تھا اس نے؟ وہ اسے آگے بڑھنے کا کہہ رہی تھی، مگر دنیا میں کوئی دوسری فجر معراج کیسے ہو سکتی تھی، جسے پا کر وہ اس سے موو آن کر جاتا؟ وہ بس ایک ہی تھی، جسے اس نے خود گنوایا تھا۔ کئی لمحے وہ ناکام حسرت سے اسے دیکھتا رہا۔

"میں بس یہ کہنے آیا تھا کہ ماضی میں جو بھی ہوا۔۔۔مجھے خوشی ہے کہ ہم کزنز ہیں۔مجھے خوشی ہے کہ تم فرقان چچا کی بیٹی ہو۔کاش مجھے پہلے پتا ہوتا۔۔۔"

"اس سے فرق نہیں پڑتا۔۔۔"اس نے ارسل کی بات کاٹی۔"میں رشتے پالنے کی عادی نہیں۔میں فجر معراج ہوں،اس حقیقت کو کوئی نہیں جھٹلا سکتا۔یہی میری پہچان ہے۔"

"مگر تم ہمارا خون ہو۔۔۔"وہ بے ساختہ کہہ گیا۔

فجر نے ابرو اٹھا کر استہزائیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"تو تم اسکا فائدہ اٹھانے آئے ہو؟"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔اس کا اٹھنا اس بات کا اشارہ تھا کہ یہ میٹنگ ختم ہو چکی ہے۔ارسل کو بھی مجبوراً اٹھنا پڑا۔وہ اسے مزید ایک لمحہ بھی نہیں دے سکتی تھی۔

"کیا تم واقعی مجھے معاف کر چکی ہو؟"اس نے آخری کوشش کی۔

"میرے لیے تمہارا ہونا نہ ہونا برابر ہے،پھر معافی کا سوال کیسا؟"

ارسل کے چہرے کا رہا سہا رنگ بھی اڑ گیا۔کچھ کہنے کے لیے لب وا ہوئے۔۔۔

"م۔۔۔میں۔۔۔میں نے بس تم سے محبت کی ہے فجر۔۔۔"

"ارسل پلیز۔"وہ سخت لہجے میں اس کی بات کاٹ گئی۔"میں تمہیں یہاں مزید ذلیل نہیں کرنا چاہتی۔یہاں سے چلے جاؤ اور دوبارہ کبھی مت آنا۔میرے شوہر کو یہ پسند نہیں۔"

'شوہر' کا لفظ ایک تیر کی طرح ارسل کے سینے میں پیوست ہو گیا۔ باقی الفاظ اس کے منہ میں ہی رہ گئے۔ اس نے سمجھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا اور پھر ایک آخری، شکست خوردہ نظر اس پر ڈال کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

اس کے جاتے ہی فجر نے گہری سانس خارج کی۔ اس نے آنکھیں موند کر خود کو نارمل کیا۔ پھر دروازہ کھول کر کمرے سے باہر نکلی اور نکلتے ہی ساکت رہ گئی۔ سامنے ولی کھڑا تھا۔

وہ ستون سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ ایک بازو پر پلستر تھا تو دوسرے میں گرم کافی کا مگ جبکہ اس کے بال ماتھے پر گر رہے تھے۔ آنکھیں ترچھی تھیں جو لاوے کی طرح دہک رہی تھیں۔ شرٹ کے اوپری دو بٹن کھلے تھے۔ اس وقت وہ رقابت کی تصویر لگ رہا تھا۔ اس نے ارسل کو باہر جاتے دیکھا تھا۔ اگر وہ دنیا میں کسی شخص سے چڑتا تھا، تو وہ ارسل تھا۔

فجر نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے، مگر الفاظ جیسے حلق میں ہی دم توڑ گئے۔ وہ جانتی تھی کہ وہ اس پر شک نہیں کرے گا، مگر وہ اس وقت صفائی دینے کی پوزیشن میں بھی نہیں تھی اور نہ ہی دینا چاہتی تھی۔ وہ اس کے دہکتے وجود کو یہاں تک محسوس کر سکتی تھی۔

وہ آہستہ سے اس کی جانب بڑھا۔ اس کے قدموں میں ایک ٹھہراؤ تھا، مگر چال میں تناؤ صاف ظاہر تھا۔

"سب ٹھیک ہے؟" اس نے فجر کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اس کی آواز گہری اور بھاری تھی۔

"ہاں۔۔ سب ٹھیک ہے۔" وہ خود پر قابو پاتے بولی۔

"کوئی مسئلہ؟" یہ اگلا سوال تھا۔ اس کی جانچتی ہوئی نگاہیں فجر کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

"نہیں۔" وہ پھیکا سا مسکرائی۔

اس نے یہ نہیں پوچھا کہ ارسل یہاں کیوں آیا تھا، مگر اس کی جلتی آنکھیں بہت کچھ کہہ رہی تھیں۔ وہ جانتا تھا کہ فجر صرف اس کی ہے، مگر رقابت ایک ایسی آگ ہے جو یقین کے پانی سے بھی نہیں بجھتی۔

"تم ٹھیک ہو؟" اس بار پوچھنے کی باری فجر کی تھی۔

"نہیں۔۔۔" اس کی آواز غیر معمولی طور پر سپاٹ اور گہری تھی۔

"کیا ہوا ہے؟" فجر کو اس کے مختصر جواب پر تشویش ہوئی۔

اس نے اپنی دہکتی ہوئی نگاہیں فجر کے چہرے پر جمائیں۔

"جل رہا ہوں۔۔۔ اندر سے، باہر سے۔۔۔ تمہاری خاموشی سے، ابھی جو ہم دونوں میں چند قدم کا فاصلہ ہے اس کہ کہیں تم مجھے بھول نہ جاؤ۔"

وہ رکا نہیں، مزید قریب جھکتے ہوئے اس کے کانوں تک اپنے دل کا شور پہنچا گیا۔

"میں اس ہر لمحے سے جلتا ہوں جو تم نے میرے بنا گزارا ہے، اور اس ہر شخص سے نفرت کرتا ہوں جس کی سانسیں بھی کبھی تمہارے قریب سے گزری ہوں۔"

اس کی بھاری آواز میں جو شدت اور گہرائی تھی، اس پر فجر ساکت رہ گئی۔ یہ صرف الفاظ نہیں تھے، یہ ایک کیفیت تھی جو اس کی آنکھوں سے عیاں تھی۔

"میں صرف تمہاری ہوں۔" اسے کہنے کی ضرورت نہیں مگر پھر بھی کہا۔ کبھی کبھی کہہ دینا چاہیے۔ سامنے والا سننا ڈیزرو کرتا ہے۔

وہ ایک قدم آگے بڑھا، ان کے درمیان فاصلہ کم کرتا ہوا، اور اس کی آواز سرگوشی جیسی ابھری۔

"آئندہ ماضی کا کوئی بھی بھوت تمہارے حال کے دروازے پر دستک دے، تو دروازہ کھولنے سے پہلے اپنے شوہر کو یاد کر لینا۔"

اس نے مزید جھک کر اپنے لب اس کے گال پر رکھے۔ اس لمس میں حق تھا، ملکیت تھی، رقابت تھی۔

فجر جو چند لمحے پہلے ارسل کے سامنے ناقابلِ تسخیر پہاڑ بنی کھڑی تھی، اس شخص کے سامنے ریت کی دیوار کی طرح بکھر گئی۔ وہ جیسے ساکت ہو گئی۔ وہ سیدھا ہوا۔ ہاتھ میں پکڑا کافی کا مگ اسے تھمایا اور پھر ایک استحقاق بھری نظر اس پہ ڈال کر پلٹ گیا۔ اس کے قدم اتنے ہی مضبوط تھے۔

وہ ششدر سی اسے جاتے دیکھ رہی تھی۔ وہ ولیم تھا اور ولی بھی۔ وہ زمین تھا اور آسمان بھی لیکن وہ اس کے لیے ہمیشہ زمین بن کر رہا۔ آج فجر نے اسکے اس روپ کی ایک ہلکی سی جھلک دیکھی تھی جس کی بنا پر جوزف پیلس کے مکین اسے **'ڈیفالٹ پیس'** کہتے تھے۔ وہ اپنی چیزیں چھوڑنے کا عادی نہیں تھا فجر تو پھر محبوب بیوی تھی۔ اسکے راہداری میں مڑتے ہی فجر کے لبوں سے بے ساختہ پھسلا۔

"بے شرم فارنر۔۔۔" مگر چہرہ حد درجہ سرخ تھا۔ وہ خود پر قابو پاتی پلٹ گئی۔ البتہ ذہن تانے بانے بن رہا تھا تھا کہ اسے ٹرمینیٹ کر دیا جائے ورنہ وہ اسے ایسے ہی پزل کرتا رہے گا۔

✿••✿••✿••✿

رات گہری ہو چکی تھی۔ سنسان سڑک پر صرف گاڑی کی ہیڈ لائٹس جل رہی تھیں۔ اردگرد ویرانی کا عالم تھا۔ دور تک نہ کوئی روشنی، نہ کوئی ذی روح۔ سردیوں میں ہوں بھی لوگ سرِ شام ہی بستروں میں دبک جاتے ہیں۔

اچانک گاڑی نے جھٹکا کھایا اور پھر ساکت ہو گئی۔ ارسل نے بار بار چابی گھمائی مگر انجن نے جواب دینا بند کر دیا۔

"کیا مصیبت ہے۔۔۔؟" وہ بڑبڑایا اور گاڑی سے باہر نکل آیا۔ ہوا میں نمی اور خاموشی کا بوجھ تھا۔ اس نے بونٹ کھولا، جھانکا، پھر جھنجھلاہٹ سے فون نکالا۔ فون کان سے لگاتے ہی اس کے قدموں تلے ہلکی سی کھڑکھڑاہٹ گونجی۔ وہ لمحہ بھر کو چونکا، مگر اگلے لمحے اپنی بات پر دھیان دیا۔

"ہاں۔۔۔ میری گاڑی خراب ہو گئی ہے، تم ذرا۔۔"

جملہ ابھی پورا بھی نہ ہوا تھا کہ پیچھے سے ایک بھاری چیز اس کے سر پر آ کر لگی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے سب کچھ دھندلا گیا۔ فون زمین پر گرا۔

اس کا وجود لڑکھڑایا اور اندھیروں میں ڈوبنے لگا۔ آخری لمحے اس نے مدھم سی جھلک دیکھی۔۔۔ چند ماسک زدہ چہرے اس پر جھکے ہوئے تھے اور پھر اسکا ذہن اندھیرے میں ڈوبتا چلا گیا۔

جب اسے ہوش آیا تو اس نے سب سے پہلے نمی بھری بو اور گھٹن محسوس کی۔ آنکھیں کھلتے ہی اوپر زنگ آلود چھت اور لٹکتی بتی نظر آئی، جو وقفے وقفے سے بجھتی اور جلتی تھی۔ ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے، جسم بھاری لگ رہا تھا جس پر ایک جدید گن
سیز رکھا
اٹھ رہی تھیں۔

"یہ۔۔ کہاں ہوں میں؟" اس کی آواز کمزور مگر خوف سے بھری ہوئی تھی۔ "کوئی ہے؟"

دماغ میں وہی آخری لمحہ گھوم گیا جب کسی بھاری چیز نے اس کے سر پر وار کیا تھا۔ وہ پوری کوشش کے باوجود خود کو آزاد نہ کر سکا۔

اچانک کمرے کا دروازہ چرچرا کر کھلا۔ لکڑی کی درزوں سے روشنی اندر پھیلی اور ایک دبیز خاموشی پورے ماحول پر چھا گئی۔ اس کی آنکھیں دروازے کی طرف جمی رہ گئیں۔

اور پھر وہ آئی۔۔۔

دراز قد، ٹھہرے ہوئے قدم، اور ایک چہرہ۔۔۔ ایک چہرہ جو اس کی روح تک کو ہلا گیا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

"یہ۔۔۔ یہ کیسے ممکن ہے؟" وہ خوف سے بڑبڑایا۔

اس کے سامنے کھڑی عورت کی آنکھوں کی ساخت، خدوخال، چہرے کی لکیر در لکیر۔۔۔ سب کچھ فجر جیسا تھا۔ وہی آنکھوں کی گہرائی، وہی لبوں کی ساخت، وہی ہلکی سی تلخی میں لپٹی دلکشی۔

"فجر۔۔۔؟" وہ بے یقینی سے بڑبڑایا۔

لیکن فوراً ہی اس کا دماغ جھٹکا کھا گیا۔ نہیں۔۔۔ یہ فجر نہیں ہو سکتی۔

وہ زیر لب مسکرائی اور پھر چلتے ہوئے اس کے سامنے آئی۔ میز کے دوسری جانب دھری کرسی پر بیٹھ گئی۔ ہیلز کی ٹک ٹک بند ہو گئی۔ اس کے بال گھنگھریالے سیاہ تھے اور آنکھیں بھی۔۔۔ دونوں چیزیں کبھی سنہری ہوتی تھیں مگر آج صرف سیاہی تھی۔ وہ اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ دیکھ کر سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

یہ فجر نہیں ہو سکتی۔۔۔ یہ کوئی اور تھی۔۔۔ جس کے بارے میں اسے بتایا گیا تھا کہ مر چکی ہے، وہ۔۔۔ اس کی آنکھیں مزید پھیل گئیں۔

"منار۔۔۔؟" اس کا لہجہ بے یقینی اور خوف سے لرز گیا۔

منار کے ہونٹوں پر ایک سرد مسکراہٹ ابھری۔

"ذہین ہو۔۔۔"

وہ اسے پہچان گیا تھا جواب حیرانی سے دیکھ رہا تھا۔

"یقین نہیں آرہا، ہے نا؟ تمہارے سامنے جو کھڑی ہے وہ حقیقت ہے، دھوکہ نہیں۔"

ارسل کے وجود میں ایک لرزہ سا دوڑ گیا۔ اس نے سوچا تھا یہ صرف کہانیاں تھیں، افواہیں تھیں **(کہ منار معراج تباہی کی وجہ بنی تھی)**۔ مگر اس لمحے وہ افواہیں گوشت پوست کا روپ دھار کر اس کے سامنے کھڑی تھیں۔ اس کے ذہن میں ایک ہی سوال گردش کر رہا تھا۔

"اگر یہ منار تھی۔۔۔ تو فجر کا کیا؟ اور اگر فجر اصل ہے۔۔۔ تو یہ کیا تھی؟"

ایک جیسے دو چہرے۔۔۔۔۔ **ڈوپلگینگر کرس**۔۔۔۔ دونوں چہرے آمنے سامنے ہو جاتے تو بچتا کون؟

اس کی سانسیں تیز ہو گئیں، جیسے دنیا کی بنیادیں اس کے قدموں کے نیچے سے کھسک گئی ہوں۔ رات کی خاموشی اور زنگ آلود کمرے کی گھٹن ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ایسا احساس پیدا کر رہی تھی جیسے وقت رک گیا ہو۔ بلب کی مدھم روشنی بار بار جھپک رہی تھی اور ارسل کے دل کی دھڑکن ہر جھپک کے ساتھ اور تیز ہوتی گئی۔ سامنے بیٹھی ممار کے چہرے پر عجیب سا سکون اور بے رحم ٹھہراؤ تھا۔ وہ سکون جو صرف ایک ایسے انسان کے چہرے پر آسکتا ہے جس کے دل میں انتقام دہک رہا ہو۔

اس نے میز پر رکھی گن کی طرف اشارہ کیا، پھر اپنی انگلیاں میز کی سطح پر ہلکی ہلکی بجائیں۔

"تمہارے باپ کو میں نے آپشن دیا تھا۔۔۔ایک چھوٹا سا کام۔۔۔صرت فجر کو اپنی جانب کرنا تھا مگر افسوس۔۔۔۔اس سے یہ نہیں ہو پایا۔۔۔"

وہ لمحہ بھر کو رکی، پھر آگے جھک کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔

"اب تمہارے سامنے بھی وہی آپشن ہے۔۔۔"

ارسل کی آنکھوں میں خوف کی جھلکیاں تیرنے لگیں۔اس کے ہونٹ کپکپانے لگے۔

"ک۔۔۔کیا چاہتی ہو تم؟"

منار کی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی۔اس نے ایک ایک لفظ الگ الگ کر کے ادا کیا۔

"بدلہ۔۔۔بربادی۔۔۔تباہی۔۔۔"

پھر وہ آہستہ سے ہنسی۔وہ ہنسی جو دل کو کاٹ کر رکھ دیتی ہے۔

"اور ہاں۔۔۔موت!"

ارسل کے جسم میں سردی کی ایک لہر دوڑ گئی۔پسینہ اس کی پیشانی پر نمودار ہوا۔منار نے چٹکی بجائی۔ساتھ ہی کمرے کی پچھلی دیوار پر پروجیکٹر روشن ہوا۔اسکرین پر برہان گردیزی کا چہرہ ابھرا۔خون سے لتھڑی پیشانی، آنکھوں میں درد اور کرب۔ارد گرد چند آدمی کھڑے تھے، سختی سے پکڑے ہوئے، جیسے کسی بھی لمحے ان کا دم گھٹ جائے۔

"بابا۔۔۔!" ارسل اپنی جگہ تڑپ اٹھا۔آواز میں خوف، بے بسی اور محبت سب کچھ شامل تھا۔

"ارسل۔۔۔" برہان کی گھٹی گھٹی آواز اسکرین سے ابھری۔ جیسے وہ اپنی پوری طاقت اکٹھا کر کے بول رہے ہوں۔ ارسل کی آنکھوں سے آنسو چھلکنے کو تھے۔ وہ بے یقینی سے کبھی باپ کو دیکھتا، کبھی منار کو۔

"یہ کیا ہے۔۔۔؟ یہ سب کیوں؟"

منار نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی، ہاتھ باندھ کر پر سکون لہجے میں بولی۔

"تمہارے باپ نے جو کیا۔۔۔ اس کا حساب آج چکانا ہو گا۔ ایک خاندان کو تباہ کرنے، ایک انیس سالہ لڑکی کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کر کے پھر دھتکارنے، بے گناہ لوگوں کو مروانے کا حساب دینا ہو گا۔۔۔"

اس کی آنکھوں میں بجلی سی چمکی۔

"آج فیصلہ تم کرو گے۔"

ارسل نے کانپتے ہاتھوں سے سامنے میز کو دیکھا۔ گن چمک رہی تھی۔ اس کے بازوؤں میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔

"یا تو اس گن کو اٹھاؤ۔۔۔ اور اپنی زندگی ختم کر دو۔ یا پھر اپنے باپ کو تڑپ تڑپ کر مرتے دیکھو۔"

"نہیں۔۔۔ ارسل مت!" اسکرین پر برہان گردیزی کی آواز پھٹی۔ وہ ہچکیاں لیتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"ارسل۔۔۔ تمہارے مرنے سے کچھ نہیں بچے گا۔۔۔ یہ عورت صرف تباہی چاہتی ہے۔۔۔ ارسل ایسا مت کرنا۔۔۔"

ارسل کے ہاتھ کانپنے لگے۔ پسینہ اس کی گردن سے بہہ کر کالر تک جا پہنچا۔ وہ اپنی بندھی ہوئی کلائیوں کو رسی سے چھڑانے کی ناکام کوشش کرنے لگا مگر کچھ نہ ہوا۔

"فیصلہ کرو، ارسل برہان گردیزی۔۔۔" منار نے سر کو ذرا سا جھٹکا دیا۔ "موت کو تمہیں چننا ہے یا تمہارے باپ کو۔۔۔؟"

کمرے میں صرف دو آوازیں گونج رہی تھیں۔ برہان گردیزی کی گھٹی گھٹی پکاریں اور ارسل کے تیز سانسوں کی لرزتی ہوئی گونج۔

"یہ۔۔۔ یہ پاگل پن ہے۔۔۔" وہ ہکلا کر بولا۔

"پاگل پن نہیں۔۔۔ انصاف! وہ انصاف جو برسوں ادھورا رہا۔" اسکی آنکھوں میں جنون اور سرشاری کی جھلک تھی۔

ہوا بوجھل ہو گئی۔ روشنی اور سائے لرزنے لگے۔

ارسل کی آنکھیں گن پر جمی تھیں۔ باپ کی تصویر، منار کی مسکراہٹ اور اپنی لرزتی سانسیں۔۔۔ سب ایک ساتھ اس پر ٹوٹ پڑے تھے۔

وقت رک سا گیا تھا۔

کمرے کی گھٹن اب اور زیادہ بڑھ گئی تھی۔ بلب اب بھی جھپک رہا تھا، کبھی جلتا، کبھی بجھتا، جیسے خود بھی اس منظر کو دیکھنے سے خوفزدہ ہو۔ ارسل کا دل دھڑک رہا تھا مگر اب اس دھڑکن میں خوف کے ساتھ ایک عجیب سا سکون بھی گھلنے لگا۔۔۔ وہ سکون جو انسان کو تب آتا ہے جب وہ جان لیتا ہے کہ انجام طے ہے۔ منار کے سرد لہجے نے اس کی سوچوں کو چیر ڈالا۔

"باپ۔۔۔باپ ہوتا ہے، ارسل۔ مگر تمہارے باپ نے جو سیاہ کارنامے انجام دیئے ہیں۔۔۔ان کی بھرپائی کا وقت آچکا ہے۔"

ارسل نے نظریں جھکالیں۔ لمحہ بھر کے لیے آنکھیں بند کیں اور جیسے ساری اذیت اپنے اندر اتار لی۔

اسے اپنی ماں کا چہرہ یاد آیا، وہ چہرہ جس پر مامتا کی جھریاں تھیں۔ پھر فجر کا خیال آیا، وہ فجر جو اب اسے کبھی نہیں مل سکتی تھی۔ وہ بھی اس کے باپ نے چھین لی تھی۔ اور پھر اسکرین پر نظر آتے برہان گردیزی کا وجود۔۔۔جو اب لرز رہا تھا، جنہیں بیڑیاں اور زخموں نے بے بس کر دیا تھا۔

ارسل نے آہستہ سے آنکھیں کھولیں۔ ہونٹ کپکا رہے تھے مگر آواز میں ایک عجیب حوصلہ تھا۔

"میرے بابا کو چھوڑ دو۔۔۔"

کمرہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہو گیا۔ صرف بلب کے ٹمٹمانے اور سانسوں کی لرزش سنائی دے رہی تھی۔ برہان گردیزی اسکرین پر تڑپ اٹھے۔ آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

"نہیں۔۔ نہیں، ارسل۔۔۔ نہیں میرے بچے۔۔!" ان کی آواز ٹوٹنے لگی، جیسے سینے میں ہر لفظ خون اگل کر نکل رہا ہو۔

منار نے ہلکی سی طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ دائیں ہاتھ کا اشارہ کیا۔ ایک آدمی آگے بڑھا اور ارسل کے ہاتھوں کی رسی کھول دی۔

آزادی کا احساس بھی عجیب تھا۔ وہ ہاتھ جو ابھی بندھے تھے، اب کانپ رہے تھے۔ اس نے نظریں جھکائے گہری سانس لی۔ اس کے چہرے کے تاثرات وہی تھے جو ایک انسان موت کے قریب جا کر قبول کر لیتا ہے۔

"ارسل۔۔۔ نہیں۔۔۔ میرے بچے!" برہان گردیزی کا وجود اسکرین پر کانپا۔ "مت کرو۔۔۔ ارسل۔۔۔ نہ کرو۔۔۔ منار رک جاؤ۔۔۔ یہ میں کروں گا۔ میرے بچے کو چھوڑ دو۔۔۔" انہوں نے بیک وقت دونوں سے التجا کی۔

مگر ارسل کا دل جو پہلے ہی ٹوٹ چکا تھا، آج ایک آخری بار اپنے باپ کو بچانے کے لیے دھڑک رہا تھا۔ اس نے کپکپاتے ہاتھوں کو میز پر رکھی گن کی طرف بڑھایا۔ دھات کی ٹھنڈک اس کے ہاتھوں سے جسم میں سرایت کرنے لگی۔ مشکل سے اس نے گن کو اٹھایا اور لرزتے ہوئے اپنی کنپٹی تک لے گیا۔

منار کا چہرہ اس لمحے ایک پر سکون قاتل کا تھا، جیسے صدیوں کی پیاس بجھنے والی ہو۔

ارسل نے نظریں اسکرین کی طرف پھیریں۔ باپ کی آنکھوں میں کرب اور بے بسی تھی۔ اس کے ہونٹ پھڑپھڑائے۔ وہ بولا، آواز بھاری اور زہر میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"بابا۔۔۔ آپ نے۔۔۔ آپ نے مجھ سے سب کچھ چھین لیا۔ آپ نے میری محبت کو رلایا، میرا دل جلایا۔ آپ نے فجر کو چھین لیا۔۔ آپ نے میری زندگی برباد کی۔ آپ نے۔۔ سب سے زیادہ مجھے ایک کھلونا بنایا۔۔۔ مجھے ہمیشہ سب سے زیادہ exploit کیا۔۔۔"

اس کی آواز میں کرب کی گونج بڑھتی گئی۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے مگر ہاتھ اب بھی کنپٹی پر جمی گن تھامے ہوئے تھے۔

"کاش۔۔۔کاش آپ نے لوگوں کے ساتھ اتنا ظلم نہ کیا ہوتا، بابا۔کاش آپ نے دوسروں کے ساتھ نہیں تو کم از کم میرے ساتھ۔۔فرقان چچا کے ساتھ۔۔۔فجر کے ساتھ۔۔۔انصاف کیا ہوتا۔مگر۔۔۔اب اس کی قیمت آپ کو نہیں، مجھے چکانی پڑ رہی ہے۔"

وہ لمحہ بھر کے لیے رک گیا۔آنکھیں بند کیں۔ہونٹوں سے دھیمی سرگوشی نکلی۔

"لیکن مجھے آپ سے آج بھی محبت ہے، بابا۔۔۔"

"نہیں۔۔۔ارسل۔۔۔نہیں!" برہان گردیزی چیخے۔ان کی چیخ اسکرین کے پار سے کمرے میں ٹوٹتی ہوئی پہنچی۔ان کے وجود میں لرزہ دوڑ گیا۔

مگر ارسل کے سامنے آخری تصویر ابھری۔۔۔پہلے اپنی ماں اور پھر فجر کی۔وہی چہرہ جو کبھی اس کی دنیا تھی۔وہی آنکھیں جنہیں وہ اب کبھی اپنا نہ پائے گا۔ایک ٹوٹی ہوئی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آئی۔

اور پھر۔۔۔دھماکہ ہوا۔

کمرے میں گولی کی آواز گونجی۔اسکا کا وجود ایک جانب ڈھے گیا۔کرسی سے لڑھک کر زمین پر گرا۔خون کی دھار بہنے لگی اور موت کی خاموشی چھا گئی۔

خون کے چھینٹے سامنے بیٹھی منار تک آکر گرے۔مگر اس کی آنکھوں میں لرزش نہیں تھی۔اس کے ہونٹوں پر وہی سرد مسکراہٹ تھی، آنکھوں میں ایک وحشی سی چمک۔اس لمحے اس کے اندر دہکتی ہوئی آگ کو سکون ملا۔جیسے برسوں کی اذیت، برسوں کی پیاس ایک ہی منظر سے بجھ گئی ہو۔

اسکرین پر برہان گردیزی کی حالت اور بھی خراب ہو گئی۔ ان کا چہرہ سرخ پڑ گیا، آنکھیں خون اگلتی لگیں۔ انہوں نے کچھ کہنا چاہا مگر سینے میں ایسا درد اٹھا کہ وہ کرسی سے گر پڑے۔ ان کی چیخ کٹ کر رہ گئی۔

کمرے میں ایک لمحے کے لیے سب کچھ رک گیا۔

منار چند ثانیے اپنی جگہ بیٹھی رہی۔ ارسل کے خون سے بھیگی زمین کو دیکھتی رہی۔ وجیہہ ارسل برہان گردیزی مر چکا تھا۔

پھر آہستہ سے کھڑی ہوئی۔ اس کے قدموں کی چاپ سردی میں اور گونجی۔ وہ چند لمحے اس کے بے جان وجود کو دیکھتی رہی۔ آنکھوں میں کوئی پشیمانی نہ تھی۔

پھر پلٹی، کرسی کی پشت سیدھی کی اور کمرے کے دروازے کی جانب بڑھ گئی۔ زنگ آلود دروازہ چرچرا کر بند ہوا اور کمرے پر موت کی خاموشی دوبارہ چھا گئی۔

✿••✿••✿••✿

صبح کی دھندلی روشنی شہر کے آسمان پر پھیل رہی تھی۔ سڑکوں پر لوگ اپنے معمول کے مطابق نکلے مگر ہر طرف ایک ہی خبر گردش کر رہی تھی۔

ٹی وی اسکرینوں پر سرخ پٹی دوڑ رہی تھی۔

"نامعلوم افراد کے ہاتھوں نوجوان قتل۔۔۔لاش گاڑی کے قریب سے برآمد۔"

نیوز کاسٹر کی بھاری آواز کمرے کمرے میں گونج رہی تھی۔

"ارسل گردیزی کی لاش شہر کے نواحی علاقے سے ملی ہے۔ پولیس کا کہنا ہے کہ ابتدائی طور پر یہ معاملہ ڈکیتی کے دوران مزاحمت کا لگتا ہے، مگر فی الحال کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ تحقیقات جاری ہیں۔"

دوسرے چینل پر تجزیہ نگاروں کی بحث چل رہی تھی۔

"یہ محض چوری کا کیس نہیں، صاحب! یہ منظم قتل ہے۔ جس طرح گاڑی بند پائی گئی اور لاش اس کے قریب ملی، یہ صاف ظاہر ہے کہ سب کچھ پہلے سے طے تھا۔"

"لیکن سوال یہ ہے کہ کون؟ اور کیوں؟"

سوشل میڈیا پر بھی شور برپا تھا۔ اخبارات کے صفحات پر شہ سرخیاں چھپ رہی تھیں۔

"گردیزی خاندان کا وارث پراسرار موت کا شکار"

"قتل یا حادثہ؟ سوالات بڑھتے جا رہے ہیں۔"

ی کے پاس جواب نہ تھا۔

گردیزی ہاؤس کی فضائیں بھی سوگوار تھیں۔ مگر وہ سوگ موت کے نہیں بلکہ ایک ایسی اذیت کا تھا جو موت سے بدتر تھی۔

برہان گردیزی کو جب ارسل کو اپنی آنکھوں کے سامنے مرتے دیکھا تو ان کے وجود نے صدمے کا بوجھ نہ سہا۔ اسکرین پر بیٹے کی موت کا منظر دیکھتے ہی ان کے اندر بجلی سی کوند گئی۔ ایک ہی لمحے میں دل کے ساتھ دماغ بھی ہار گیا۔ ان کے جسم میں لرزہ اٹھا، زبان بے جان ہو گئی، چہرہ ٹیڑھا پڑ گیا۔

فالج نے ان کے جسم کو جکڑ لیا۔

اب وہ نہ چل سکتے تھے، نہ بول سکتے تھے۔ ان کے ہاتھ پاؤں بے جان ہو گئے۔ صرف آنکھیں تھیں جو سب کچھ دیکھتی تھیں اور دل جو اندر ہی اندر تڑپتا رہتا تھا۔

وہ ایک بڑے بستر پر لیٹے تھے۔ ارد گرد مشینوں کی بیپ بیپ گونجتی تھی۔ کبھی نرسیں آتیں، کبھی ڈاکٹر۔ مگر وہ سب انہیں ایک مریض کی طرح دیکھتے۔ کوئی یہ نہ جان سکا کہ ان کے اندر کس طوفان نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔

وہ آنکھیں ہر وقت نم رہتیں۔ کبھی چھت کو تکتی رہتیں، کبھی دیوار کو۔ مگر اصل میں وہ ہر لمحہ اپنے بیٹے کی تصویر دیکھ رہی تھیں۔ ارسل کا چہرہ، اس کی آواز، اس کا آخری لمحہ!

وہ چیخنا چاہتے تھے، بولنا چاہتے تھے، مگر زبان حرکت نہیں کرتی تھی۔ ان کا وجود ایک قید خانہ تھا جس میں وہ اپنی چیخیں خود ہی سنتے تھے۔

یہ منار معراج کا بدترین انتقام تھا۔

اس نے انہیں مارا نہیں تھا۔ بلکہ ایک ایسی زندگی دے دی تھی جو موت سے زیادہ کربناک تھی۔

گردیزی خاندان کے لوگوں کے چہرے پر سوگ اور بے بسی کی جھلک تھی۔ ہر کوئی خاموشی سے ماتم کر رہا تھا۔ مگر برہان گردیزی بستر پر پڑے صرف اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ سکتے تھے۔

"کاش۔۔۔ کاش۔۔۔۔ کاش میں نے یہ سب نہ کیا ہوتا۔"

لیکن یہ الفاظ ان کے لبوں سے نہیں نکلتے تھے۔ وہ صرف دل کی چیخیں تھیں، جو کسی کے کانوں تک نہ پہنچ سکیں۔

جس طرح انہوں نے پوری زندگی اپنے بھائی کو نفسیاتی اور اپاہج بنا کر ہسپتال میں چندر کھا تھا اب خود ان کی بقیہ زندگی کچھ ایسے ہی گزرنے والی تھی۔ جہاں کل فرقان گردیزی تھا آج وہاں برہان گردیزی تھا۔

منار کی آنکھوں کے سامنے اب گردیزی خاندان کا غرور ٹوٹ چکا تھا۔ ارسل زمین کے نیچے جا چکا تھا، اور برہان زمین پر زندہ لاش بن کر پڑا تھا۔

یہ انتقام تھا۔ یہ عنکبوت کے جال کی آخری ڈوری تھی۔ جس میں گردیزی خاندان مکڑی کی طرح پھنس کر تڑپ کر دم توڑ گیا تھا۔

✿••✿••✿••✿

دوسری جانب ترنم ہاؤس کے وسیع و عریض کمرے میں شام کی مدھم روشنی اتر رہی تھی۔ پردوں کے پیچھے سورج ڈوبنے کو تھا اور لاؤنج میں صرف ٹی وی کی نیلی روشنی جھلمل کر رہی تھی۔ نیوز چینلز بار بار ایک ہی خبر دہرا رہے تھے۔

"معروف بزنس مین کے صاحبزادے ارسل کی لاش ان کی گاڑی کے قریب سے ملی۔۔۔ ابتدائی شواہد کے مطابق یہ چوری کا کیس ہو سکتا ہے، لیکن پولیس قتل کے زاویے سے بھی تحقیقات کر رہی ہے۔"

خبر بار بار دہرائی جا رہی تھی، اینکر کی آواز میں سنسنی تھی۔ پس منظر میں ارسل کی جوانی کی تصویریں آ رہی تھیں، وہی مسکراہٹ، وہی غرور، جو اب ایک بے جان لاش میں دفن ہو گیا تھا۔

کچن میں فجر کھڑی تھی۔ہاتھ میں پانی کا گلاس تھامے، مگر اس کے ہونٹ خشک تھے۔پانی حلق سے نیچے نہ اتر رہا تھا۔ اس نے کبھی نہیں چاہا تھا کہ ارسل یوں ختم ہو۔ہاں، اس نے اسے چھوڑ دیا تھا، آگے بڑھ آئی تھی، ولی کے ساتھ ایک نئی زندگی کے خواب بُن رہی تھی۔۔۔ مگر یہ موت؟ یہ اتنی بے رحمی؟ یہ اس کا انتخاب کبھی نہیں تھا۔

اس کے دل پر بوجھ سا اتر آیا۔ایک پل کو اس کے ذہن میں ارسل کی ماں کا چہرہ آیا، وہ بہن جس کے ساتھ وہ کھیلتا ہنستا بڑا ہوا تھا۔کسی کی ماں کو یہ صدمہ کیوں سہنا پڑے؟ کسی بہن کو اپنے بھائی کی میت پر کیوں رونا پڑے؟

گلاس کانپتے ہاتھوں میں تھرتھرایا۔اس نے گہری سانس لی، خود کو سنبھالنے کی کوشش کی اور پھر بنا پانی پیے آہستہ سے گلاس میز پر رکھ دیا۔

وہ باہر نکلی تو ولی سیڑھیاں اتر رہا تھا۔اس کے قدم بھاری تھے، مگر چہرے پر ضبط کی ایک لہر تھی۔وہ صبح سے خبریں سن رہا تھا، دیکھ رہا تھا کہ میڈیا کس طرح ارسل کی موت کو تماشا بنا رہا ہے۔جیسے ایک انسان کی زندگی محض ایک ہیڈ لائن ہو۔

فجر نے میز پر رکھا ریموٹ اٹھایا اور اچانک ٹی وی بند کر دیا۔کمرے میں ایک خاموشی چھا گئی۔وہ خاموشی جو دل کے اندر تک اتر کر زخم دے جاتی ہے۔وہ آہستہ سے چلتا ہوا اس کے عین سامنے آ کھڑا ہوا۔

"ہائی۔۔۔" اس کی آواز میں نرمی تھی۔

"ہائی۔۔۔" فجر کے لبوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ ابھری، جو پلک جھپکتے ہی ماند پڑ گئی۔ولی نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا، آنکھوں کے گرد ضبط کی لکیر تھی۔

"تم ٹھیک ہو؟" اس نے دھیرے سے پوچھا۔ ارسل سے اس کی رقابت ضرور تھی، مگر رقابت دل کی سنگینی کو ختم نہیں کر سکتی۔ موت کی خبر ہر ایک کو چھو جاتی ہے، چاہے دشمن ہی کیوں نہ ہو۔

"ہاں۔۔۔ میں ٹھیک ہوں۔" وہ بمشکل کہہ پائی۔ آواز میں لرزش تھی، جیسے الفاظ خود کو گھسیٹ کر نکل رہے ہوں۔

"اللہ اسکے درجات بلند کرے۔ آمین۔"

یہ دعا صرف ارسل کے لیے نہیں تھی، یہ دعا فجر کے دل کے بوجھ کو ہلکا کرنے کے لیے تھی۔ وہ جانتا تھا کہ فجر کے دل میں ابھی بھی سوال تھے، خلش، اور تھوڑا سا دکھ بھی۔

اس کے ان الفاظ پر، وہ بنا کچھ کہے آگے بڑھی اور اس کے سینے سے جا لگی۔ ولی نے بانہیں اس کے گرد پھیلا دیں۔ وہ لمحہ بوجھل تھا، مگر سکون بخش بھی۔ وہ دھیرے سے گویا ہوا۔

"کچھ لوگ برے نہیں ہوتے۔۔۔ وہ بس حالات کے دھارے میں بہہ جاتے ہیں۔ ارسل بھی شاید ایسا ہی تھا۔ لیکن اصل قصور ہمیشہ اُن والدین کا ہوتا ہے جو اپنی اولاد کو اپنی انا کے ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اپنی طاقت اور عزت کے کھیل میں انہیں قربان کر دیتے ہیں۔"

فجر خاموشی سے سنتی رہی۔ اس کے کانوں میں ولی کی آواز دھیرے دھیرے گونج رہی تھی۔

ماں باپ کو چاہیے کہ وہ اپنی اولاد کو محبت کے ساتھ تھامیں، انہیں خود پر بھروسہ کرنا سکھائیں۔ اگر وہ اپنی انا کے پیادے بنا دیں گے۔۔۔ تو وہ اولاد کو کھو دیں گے۔ ہمیشہ کے لیے۔ جیسے اولاد خود دور ہو جائے یا پھر کوئی اور چھین لے۔

والدین کو اپنے بچوں کو ذاتی مفاد کے لیے exploit کرنا چھوڑنا ہو گا۔ ورنہ بچے نہ والدین کے رہتے ہیں اور نہ خود کو مل پاتے ہیں۔

وہ جانتی تھی، وہ سچ کہہ رہا ہے۔ ارسل کی بربادی کا ایک سبب اس کا اپنا باپ بھی تھا۔

"ہم سب کو سیکھنا ہو گا۔۔۔ ورنہ ہم بھی وہی غلطیاں دہراتے رہیں گے۔" وہ گھمبیر لہجے میں بولا تو فجر سر بھی نہ ہلا پائی۔

کمرے کی خاموشی گہری ہو گئی۔ باہر ہوا ہلکی سی شاخوں کو ہلا رہی تھی، جیسے وقت بھی یہ لمحہ تھامے کھڑا ہو۔

✿••✿••✿••✿

یہ کانفرنس روم تھا۔ بڑی سی میز کے ایک سرے پر فلک بیٹھی تھی اور دوسری پر مراد تھا۔ فلک کے سامنے میز پر کتاب کا فائنل مسودہ پڑا تھا۔ ساتھ ہی فائنل کور بھی۔۔۔ the crowned king کا فائنل مسودہ جسے وہ دوبارہ پڑھ کر اپروو کرنے والی تھی۔ اسکی نظریں کور پہ نظر آتے رئیس پر جمی تھیں۔ وہ ایک صوفے پر بیٹھا تھا۔ شاہانہ انداز اور اس کے پیچھے شیلف میں ڈھیروں ایوارڈز لگے تھے۔ جو کور پہ پورے بھی نہیں آ رہے تھے۔ اسے اس قدر غرق دیکھ کر مراد کی بھنویں سکڑیں۔

"کیا سوچ رہی ہو تتلی؟" وہ مکڑی اور تتلی کہنے میں ذرا بھی نہیں ہچکچاتا تھا۔ فلک چونک کر خیالوں سے باہر آئی پھر گہری سانس لی اور پہلو بدل کر بیٹھی۔ اونی ٹوپی اس کی سنہری رنگت پر بھلی لگ رہی تھی۔

"سوچ رہی ہوں یہ تو بائیو گرافی ہے اگر میں ان پر کتاب لکھتی تو انہیں کیسا کردار بناتی؟ کچھ واضح نہیں ہوتا۔۔۔"

اس نے خاموشی سے مراد کی طرف دیکھا۔ کمرے میں چند لمحے کی چپ چھا گئی تھی، جیسے الفاظ کسی بڑے بوجھ کے ساتھ اس کے لبوں تک پہنچنا چاہتے ہوں۔

"وہ ایسا کیوں ہے؟ نہ مکمل اچھا، نہ مکمل برا۔ کبھی سایہ لگتا ہے، کبھی روشنی۔۔۔ کبھی زخم دیتا ہے، کبھی مرہم۔ وہ ہے آخر کیا؟"

مراد نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ ایک گہری سانس لی، جیسے وہ برسوں سے اس سوال کے جواب کا بوجھ اپنے دل میں اٹھائے پھر رہا ہو۔

"تتلی تم غلط سوچ رہی ہو۔ رئیس کوئی عام کردار نہیں ہے کہ ہم اسے ہیرو یا ولن کے ترازو میں تول سکیں۔ وہ کاغذ پر کھنچی لکیر نہیں، کہانی کی ضرورت سے جنم لیا گیا کوئی عکس نہیں۔ وہ تو خود کہانی ہے۔"

فلک نے چونک کر پلکیں جھپکائیں۔

"کہانی؟"

"ہاں، کہانی! دیکھو، ہیرو اور ولن تو قاعدے اور فارمولے ہوتے ہیں۔ وہ یا تو روشنی کا نمائندہ ہوتے ہیں یا تاریکی کا۔ لیکن بادشاہ۔۔۔ بادشاہ کبھی ایک رنگ کا نہیں ہوتا۔ وہ کبھی صرف اچھا نہیں ہو سکتا، کبھی صرف برا نہیں۔ اس کے پاس اختیار ہے، اور اختیار انسان کو آدھا فرشتہ اور آدھا شیطان بنا دیتا ہے۔ رئیس اورنگزیب وہی ہے۔ نہ مکمل انسان، نہ مکمل دیوتا، نہ مکمل شیطان۔ وہ بادشاہ ہے اور بادشاہ ایسے ہی ہوتے ہیں۔"

فلک کے لبوں پر سوال اب بھی لرز رہا تھا۔ مراد نے سلسلہ جاری رکھا۔

"وہ اصولوں کا قیدی ہے۔ دیکھو، وہ جنگ میں عورتوں کو نہیں گھسیٹتا۔ کیوں؟ کیونکہ اس کی نگاہ میں عورت کمزور نہیں۔ وہ جانتا ہے کہ اگر عورت کو جنگ میں توڑ دیا جائے تو نسلیں بکھر جاتی ہیں۔ اس لیے وہ اپنے خون میں یہ اصول بسا کر چلتا ہے۔ لیکن یہی رئیس کبھی اتنا سخت بھی ہو جاتا ہے کہ اپنے قریب ترین شخص کو مصلحت اور اصول کی خاطر قربان کر دیتا ہے۔ تم اسے ظالم کہو گی، مگر دراصل وہ خود اپنے ہی اصولوں کا قیدی ہے۔"

فلک کی آنکھوں میں تشویش کی نمی اتر آئی۔

"مگر یہ سب ہونے کے باوجود۔۔۔ وہ خود کے ساتھ اتنا سخت، اتنا بے رحم کیوں ہے؟" مراد نے گہری نظر اس پر ڈالی۔

"کیونکہ وہ جانتا ہے کہ نرم دل بادشاہ تخت پر زیادہ دیر نہیں رہتا۔ تاریخ نے اسے یہ سبق دیا ہے۔ اس کی رگوں میں طاقت کے ساتھ ساتھ خوف بھی دوڑتا ہے۔۔۔ وہ خوف کہ اگر وہ ایک لمحے کے لیے بھی کمزور ہوا تو سب کچھ بکھر جائے گا۔ اور یاد رکھنا۔۔ بادشاہ کے لیے سب کچھ بکھرنے کا مطلب صرف تخت کا زوال نہیں، بلکہ پوری سلطنت کا خاتمہ ہے۔"

مراد کی آواز مزید دھیمی اور بھاری ہو گئی۔

"تم اسے کبھی اچھا دیکھو گی، کبھی برا۔ کبھی وہ تمہیں بچانے والا لگے گا، کبھی تمہیں توڑنے والا۔ لیکن یہ سب اس لیے ہے کہ وہ اپنی ذات میں دو وجود رکھتا ہے۔ انسان اور بادشاہ۔ جب وہ انسان ہوتا ہے تو بہت اچھا لگتا ہے، جب بادشاہ ہوتا ہے تو ناقابلِ برداشت! اور یہی رئیس اورنگزیب کی اصل ہے۔ وہ کردار نہیں، وہ دھڑکتا ہوا متن ہے، وہ تاریخ ہے، وہ ایک ایسی کہانی ہے جسے تم لکھ نہیں سکتیں، صرف جی سکتی ہو۔۔۔"

فلک لاجواب ہو گئی۔ مراد کے الفاظ میں جو سچائی تھی، اس نے اس کے دل کو ایک نیا رخ دکھایا دیا۔

رئیس اور نگزیب۔۔۔۔۔وہ واقعی ایک کہانی تھا، اور کہانیوں کا انجام بھلا کیسا ہوتا ہے؟

✿••✿••✿••✿

دفتر کی دیوار پر لگی گھڑی کی سوئیاں ٹھیک ٹھیک چل رہی تھیں، مگر فجر کے اندر وقت جیسے تھم گیا تھا۔ وہ اپنی ڈیسک پر جھکی کچھ کاغذات دیکھ رہی تھی جب موبائل فون کی ہلکی سی وائبریشن نے اسے چونکا دیا۔ اسکرین پر واٹس ایپ کی ایک نوٹیفکیشن جھلک رہی تھی۔

کسی انجان نمبر سے ایک ویڈیو موصول ہوئی تھی۔

اس نے بے پرواہی سے کلک کیا۔ اور اگلے ہی لمحے اس کا دل سینے میں زور سے دھڑکا۔ اسکرین پر ارسل تھا۔

زرد چہرہ، تھرتھراتے ہونٹ، آنکھوں میں ٹوٹے خوابوں کا عکس۔۔

اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ وہ کچھ بولا مگر آخری الفاظ سنائی نہیں دیئے اور اگلے ہی پل گولی کی آواز کمرے میں گونج اٹھی۔ اسکرین لرز گئی۔ خون کے چھینٹے لینس پر بکھرے اور کیمرہ آہستہ آہستہ نیچے جھک گیا۔

فجر کا سانس رک گیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ مگر پھر۔۔۔ کیمرہ ٹھہرا۔

اور ایک مانوس، مگر ناممکن سا چہرہ اسکرین پر ابھرا۔

وہی آنکھیں، وہی ہونٹ، وہی سراپا۔۔۔ زندگی کی بجائے موت کی طرح سامنے کھڑا۔

"نن۔۔۔ نہیں۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ میں نہیں ہوں۔۔۔" اس کے ہونٹ خوف سے کپکپائے۔ موبائل اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر کارپٹ پر جا گرا۔

سانس بند ہونے کو تھا۔ دل کی دھڑکنیں کانوں کے پردے پھاڑنے لگیں۔

کمرے میں اچانک فون کی گھنٹی بجی۔ ڈھونڈھنے والی، سرسراتی، ہڈیوں تک اتر جانے والی۔ وہ خوفزدہ نظروں سے فون دیکھتی رہی جو بند ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ پھر اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے فون اٹھایا۔

"ہیلو۔۔۔ بے بی گرل۔۔۔"

آواز سانپ کی طرح کانوں میں سرسرا رہی تھی۔ اسکرین پر منار کا چہرہ ابھرا۔ فجر پتھر ہو گئی۔

"میرے خیال سے اب ہمیں آفیشلی مل لینا چاہیے۔ باہر گاڑی کھڑی ہے۔ اگر مجھے جاننا چاہتی ہو تو چپ چاپ جا کر بیٹھ جاؤ۔ میں انتظار کر رہی ہوں۔"

کال بند ہو گئی۔ اس نے بے یقینی سے اسکرین دیکھی۔ نمبر دوبارہ ملایا۔ مگر لمحہ ضائع ہو گیا۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے ویڈیو تلاش کی، مگر وہ غائب ہو چکی تھی۔ جیسے کبھی آئی ہی نہ ہو۔

"یہ۔۔۔ یہ نہیں ہو سکتا۔۔۔" وہ زیرِ لب بڑبڑائی، سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

چھٹی حس چیخ رہی تھی۔ جیسے کوئی سایہ اس کے گرد لپٹا ہوا ہو۔ اس نے گلے کو خشک محسوس کیا اور گھبراہٹ کے عالم میں دروازے کی طرف بھاگی۔ وہ کسی کو اطلاع دیے بغیر ریسپشن سے گزری اور سیدھا باہر نکل گئی۔

سیاہ شیشوں والی ایک بڑی گاڑی گیٹ کے قریب کھڑی تھی۔

اس کے قدم بے قابو تھے۔ وہ جانتی تھی یہ جال تھا۔

لیکن نہ جانا۔۔۔ کسی اور کی موت کا سبب بن سکتا تھا۔

اس کے قریب پہنچتے ہی گاڑی کا دروازہ کھلا۔ وہ گاڑی میں بیٹھ گئی۔ گاڑی فوراً آگے بڑھ گئی۔ زن گی آواز گونج گئی۔

ابھی وہ سیدھی ہوئی ہی تھی کہ پیچھے سے ایک ہاتھ بڑھا اور اس کے چہرے پر ماسک چڑھا دیا۔ اس نے مزاحمت کی، ہاتھ مارے، پیر چلائے۔

"چھوڑو مجھے۔۔۔" مگر اگلے لمحے ایک سرد لہجہ سنائی دیا۔

"اگر جان پیاری ہے تو چپ چاپ بیٹھی رہو۔"

فجر کے ہاتھ ساکت ہو گئے۔ سانس تیز، مگر آواز گم۔ ماسک کے پیچھے دم گھٹ رہا تھا۔ کھڑکیاں بند، گاڑی کا شور، اور اس کی اپنی دھڑکن۔۔۔ یہی سب باقی تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی گاڑی اسے کہاں لے جا رہی ہے۔ لیکن اتنا ضرور جانتی تھی۔ آج یا تو کوئی راز کھلے گا۔۔۔ یا وہ سب کچھ کھو دے گی۔

✿••✿••✿••✿

جانے کتنی دیر گاڑی چلتی رہی۔ مگر وہ کچھ دیکھ نہیں سکتی تھی پھر گاڑی رک گئی اور فجر کا حلق خشک ہوا۔ دروازہ کھلا اور اسے پکڑ کر باہر نکالا گیا۔ کوئی اسے پکڑے آگے لے جا رہا تھا اور پھر ایک جگہ رک گیا۔ اس کے دل کی دھڑکنیں یوں تیز تھیں جیسے پسلیوں کا قفس توڑ ڈالیں گی۔ ماسک اچانک چہرے سے اتارا گیا تو سامنے پھیلی روشنی نے اس کی آنکھوں کو زخمی کر دیا۔ کچھ ثانیے وہ بازوؤں کے پیچھے چھپی رہی، پھر آہستہ آہستہ ہاتھ ہٹا کر دیکھنے لگی۔

سامنے ایک لمبا سا ہال تھا۔ خاموش، خالی، مگر اس کی خاموشی میں ایک عجیب سا شور چھپا تھا۔ چھت کے بیچوں بیچ ایک بلب جھول رہا تھا جو اپنی روشنی سے سایوں کو مزید خوفناک بنا رہا تھا۔

اور پھر۔۔۔وہ آئی۔ٹک ٹک ٹک۔۔۔

ہیلز کی آواز ہال کے فرش سے ٹکرا کر گونج اٹھی۔وہی اعتماد بھرا انداز،وہی گھنگھریالے سیاہ بال،وہی لچکدار قامت،اور وہی کرخت آنکھیں جو کسی آئینے کی طرح اس کی اپنی آنکھوں کا عکس لگ رہی تھیں۔فجر نے گہری سانس کھینچی۔

یہ احساس بالکل ویسا ہی تھا جیسے اس دن ہسپتال کی راہداری میں روحی کے کمرے کے باہر کھڑے ہو کر اسے محسوس ہوا تھا۔۔وہ سرگوشی،وہ سایہ،وہ ناممکن سا وجود۔

"نن۔۔۔نہیں۔۔۔"اس کے ہونٹ کپکپائے۔آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔کیا یہ خواب تھا؟یا کوئی ڈراؤنی حقیقت؟

وہ عورت۔۔۔نہیں،وہ منار۔۔۔اس کے سامنے آکر رکی۔دونوں بازو سینے پر باندھ لیے اور گردن ذرا سی ایک طرف جھکا کر اسے اوپر سے نیچے تک تکتی رہی۔وہ نظریں تجزیہ کر رہی تھیں،جیسے شکار سے پہلے شکاری اس کی کمزوریوں کا حساب لگاتا ہے۔وہ سیاہ پینٹ اور سیاہ جیکٹ میں ملبوس تھی جبکہ فجر اجلے حلیے میں۔۔۔بھوری گرم اسکرٹ پر اونی شرٹ پہنے ہوئے اس کے سر پہ سفید ہیئر بینڈ جما ہوا تھا۔

فجر کی سانس بند ہونے کو تھی۔اس کا ہاتھ بے اختیار بڑھا،یہ پرکھنے کے لیے کہ یہ عورت گوشت پوست کی تھی یا محض اس کی بگڑتی ہوئی عقل کا فریب۔لیکن ہاتھ ابھی آدھا فاصلہ بھی نہ طے کر پایا تھا کہ منار نے اس کی کلائی دبوچ لی۔گرفت مضبوط اور سرد تھی۔

"کیسی ہو،بے بی گرل؟"اس کی آواز میں عجیب سا رس اور زہر گھلا تھا۔وہ لبوں کو کج کر کے مسکرائی۔

"کیسا لگا مجھ سے مل کر؟ میں ہوں۔۔۔ منار معراج!"

فجر کے ہونٹ کپکپائے۔

"تت۔۔۔ تم منار نہیں ہو سکتیں۔۔۔"

منار تو سنہری روشنیوں سے بھری تھی پھر یہ سیاہی کہاں سے آ گئی تھی؟ اس کے جواب پر منار کی ہنسی ہال کی دیواروں سے ٹکرا کر کئی گنا بڑھ گئی۔

"ہاں۔۔۔ ٹھیک کہا۔ منار مر چکی ہے۔ اب لوگ مجھے ملکہ کے نام سے جانتے ہیں۔"

وہ جھکی اور نرمی سے فجر کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"بیٹھ جاؤ۔"

اس کا لمس کسی برفانی دھار کی طرح جسم میں اتر گیا۔ فجر پیچھے رکھی کرسی پر لڑکھڑاتے انداز میں گر سی گئی۔ وہ بھی کرسی کھینچ کر سامنے بیٹھ گئی۔ اوپر جھولتا ہوا بلب ہلکی ہلکی حرکت سے روشنی کو بھیانک بنائے ہوئے تھا، جیسے ہر پل ایک نئی شکل میں ان دونوں کے چہروں پر پڑتا۔

اس نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے فجر کو غور سے دیکھا۔

"تم خوبصورت ہو۔۔۔ میری طرح۔"

وہ لمحہ بھر کو رکی، پھر مسکرا کر سر ذرا سا جھکایا۔

"مگر کمی ہے۔۔۔ کچھ کمی ہے۔ جانتی ہو کس چیز کی؟"

فجر خاموش رہی۔ اس کی آنکھیں اب بھی اپنی ہی ڈوپلگینگر کے چہرے پر جمی تھیں۔ وہ چہرہ جس کی وجہ سے اسے ہر دن اذیت سہنی پڑی۔ وہ عورت جس کے وجود نے اسے ہمیشہ ایک سائے کی طرح پیچھا کیا۔ وہ عورت جو اس کی **ماں** تھی۔

"بے رحمی کی۔۔۔" جواب آیا۔

"تمہیں زیادہ بے رحم ہونا چاہیے تھا۔ ملکہ معلون پر رحم دلی نہیں جچتی۔"

فجر کا گلا خشک ہو گیا۔ اس کے اندر جیسے طوفان اٹھا۔ خوف، حیرت، نفرت، اور ایک انجانا دکھ۔۔۔ سب مل کر اس کے اندر شور مچا رہے تھے۔ مگر لب اب بھی ساکت تھے۔ وہ اسے دیکھ رہی تھی۔۔۔ بس دیکھ رہی تھی۔ پھٹی پھٹی نگاہوں سے۔۔ جیسے اپنی ہی تصویر کو زندہ صورت میں دیکھ کر یقین کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ یہ سب کوئی وہم نہیں۔۔۔ بلکہ حقیقت تھا۔۔

دل دھڑک رہا تھا، لب کپکپائے، آواز رُکی رُکی اور بکھرے ہوئے لفظوں کی صورت نکلے۔

"کیا آپ۔۔۔ آپ۔۔۔ میری۔۔۔ ماں۔۔۔؟"

منار کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ کھیل گئی۔ اس نے ناک سے ایک بے نیازی بھری سانس چھوڑی۔

"پیدا کرنے سے کوئی ماں نہیں بن جاتی۔"

یہ سنتے فجر کے اندر چھن سے کچھ ٹوٹ گیا۔ دل مسوس سا گیا۔

تو یہ بھی انکار کر رہی تھیں؟ خون کا یہ رشتہ بھی اسے قبول کرنے پر تیار نہیں تھا۔ درد کی تیز لہر نے اندر سے اسے زخمی کیا مگر وہ ضبط کر گئی۔ اس کے اعصاب لرز رہے تھے پر آہستہ آہستہ وہ سنبھلنے لگی۔ بہت کچھ سمجھ آنے لگا تھا۔ بہت کچھ واضح ہو رہا تھا۔

اور پھر ارسل کا چہرہ ذہن پر چھا گیا۔ وہی زرد چہرہ، لرزتی آواز، گولی کی آواز۔ اسکے ہونٹوں سے چیخ بن کر سوال نکلا۔

"ارسل۔۔۔ ارسل کو کیوں مارا؟"

منار کے چہرے پر کوئی تاثر نہ آیا، جیسے یہ سوال پہلے ہی سن رکھا ہو۔

"ارسل کو میں نے نہیں مارا۔" اس کی آواز میں عجیب سا سکون تھا۔

"اس نے اپنی موت خود چنی۔ اپنے باپ کی زندگی کے بدلے میں اس نے اپنی زندگی ہار دی۔ کسی کو تو حساب چکانا ہی تھا۔ بالآخر گردیزی خاندان اپنے انجام کو پہنچا۔"

وہ یہ سب یوں کہہ رہی تھی جیسے کسی مہرہ کو شطرنج کی بساط سے ہٹایا اور ہاتھ جھاڑ لیے ہوں۔

فجر آنکھوں میں دکھ کی لہر دوڑ گئی۔ وہ یقین کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ یہ عورت واقعی اس کی ماں تھی؟ یا بس ایک سایہ، ایک سزا جو تقدیر نے اس پر مسلط کی تھی؟

چند لمحوں کے لیے دونوں کے درمیان سناٹا چھا گیا۔ صرف بلب کی ہلکی چرچراہٹ اور فجر کی تیز سانسیں باقی رہ گئیں۔

"اب تم مجھ سے پوچھو گی کہ میں یہ سب کیوں کر رہی ہوں؟ تو سادہ سا جواب ہے۔۔۔ بدلہ!"

اس کے الفاظ پتھر کی طرح ہال میں گرے۔

"گردیزی اور اورنگزیب خاندان نے میرے ساتھ جو کیا وہ انہیں واپس لوٹانے کا وقت آچکا ہے۔"

یہ سنتے ہی فجر کے وجود میں بجلی سی دوڑی۔ وہ پوری طرح حواسوں میں لوٹ آئی، دل کی کمزوری غصے میں بدل گئی۔

"نہیں۔۔۔ ایسا مت کریں!"

منار نے جھک کر اسے گھورا۔

"ایسا نہ کروں؟ کیوں نہ کروں؟" وہ کرسی سے سیدھی ہوئی، آنکھوں میں بے رحم چمک آگئی۔

"آپ بگ بی کو نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ میرے۔۔۔"

منار کی ہنسی نکلی، کڑوی اور کھوکھلی۔

"کیوں نہیں؟ اس نے مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا۔ میں اسے کیوں چھوڑوں؟"

فجر کا وجود جیسے پتھر کا ہو گیا۔ اس کے الفاظ پر حیرانی کی لہریں آنکھوں میں ابھریں جبکہ منار کے چہرے پر انتقام کی سرخی تھی۔

"اپنے حصے کی موت سب کو جھیلنی ہے۔ رئیس اورنگزیب اپنے انجام کو پہنچے گا۔"

"آپ ایسا نہیں کر سکتیں۔۔۔" فجر نے لرزتے ہوئے دہرایا، مگر لہجے میں ضد تھی۔ منار نے دھیرے سے سر جھٹکا۔

"مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔ تم بھی نہیں۔ اسی لیے چاہتی ہوں تم عقل سے کام لو۔۔۔ میرا ساتھ دو۔"

وہ اس کے قریب جھکی۔ نگاہوں میں بجلیاں کوند رہی تھیں۔

یہ سنتے ہی فجر کی ہلکی سی سرد ہنسی ابھری جو دراصل بے بسی تھی۔

"ساتھ دوں؟ آپ کا؟ مگر کس رشتے سے؟"

اس کے چہرے پر استہزاء جھلکا۔ منار پل بھر کو اسے دیکھتی رہی، پھر ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"کیونکہ ہم ایک ہیں۔ تم میرا حصہ ہو۔۔۔ اور میں تمہارا۔"

"ہم ایک نہیں ہیں!" اس نے جتا کر کہا۔ "میں فجر معراج ہوں۔ میں منار نہیں ہوں۔ اور آپ بگ بی کو نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔ وہ میرے گارجین ہیں۔"

اس کی جذباتی باتوں پر منار نے تاسف سے سر جھٹکا۔

"میں نے تمہیں جذباتی تو بالکل نہیں بنایا تھا۔ ملکہ معلون کا جذبات سے کیا کام؟"

وہ لمحہ بھر کو رکی، پھر اس کی آنکھوں میں اتر گئی۔

"یہ جانتے ہوئے بھی کہ رئیس اورنگزیب نے تمہیں دھوکہ دیا؟ ساری عمر تمہیں مارنا چاہا؟ تمہاری کمپنی میں دھوکے سے شیئرز رکھے؟ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اسی شخص نے مجھے زہر پینے پر مجبور کیا؟ اسی کی وجہ سے آج میں ایسی ہوں۔۔۔ پھر بھی تم۔۔"

"لیکن آپ زندہ ہیں! آپ زندہ ہیں! اس کا مطلب ہے انہوں نے آپ کا قتل نہیں کیا۔"

"تم اس کی طرف داری کیوں کر رہی ہو؟" منار کے چہرے پر کڑواہٹ چھا گئی۔

یہ سنتے فجر کا صبر جواب دے گیا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا، آواز اونچی ہو گئی۔

"جب کوئی نہیں تھا۔۔۔ وہ تب تھے۔ انہوں نے میری حفاظت کی۔ انہوں نے مجھے بچایا۔ انہوں نے میرے سر پر ہاتھ رکھا جب دو دو والدین ہونے کے باوجود کوئی مجھے اپنانے کو تیار نہیں تھا! دشمن ہوتے ہوئے انہوں نے مجھے اپنایا۔ میں انکی طرف دار کیوں نہ ہوں؟" اسکا تنفس بگڑ سا گیا۔ آواز ہال میں گونجی، جیسے دیواریں بھی لرز اٹھی ہوں۔

منار اپنی کرسی پر ٹکی رہی۔ اس کی آنکھوں میں دلچسپی کی روشنی جھلکی، جیسے پہلی بار فجر کی اصل روح دیکھ رہی ہو۔

"یہ مت بھولو کہ وہ تمہیں مارنا چاہتا ہے۔۔۔"

"مارا تو نہیں نا۔۔۔" وہ دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچتے ہوئے جھک کر، تیز آواز میں چلائی۔ "مارا تو نہیں۔۔۔"

ہال میں وحشت چھا گئی۔ جھولتا ہوا بلب تیزی سے ہلنے لگا۔ دونوں عورتوں کی آنکھوں میں ایک دوسرے کا عکس، ایک دوسرے کی سچائی۔۔۔ اور ایک دوسرے کی تباہی چھلک رہی تھی۔

منار نے اس کے سرخ پڑتے چہرے کو غور سے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں جلتے انگارے جیسے اس کے اندر کے سچ کو ظاہر کر رہے تھے۔ لیکن اگلے ہی لمحے اس کے چہرے پر ایک سایہ سا آیا، افسوس کا سایہ۔

"جذبات۔۔۔ جذبات اچھے بھلے انسان کو کھا جاتے ہیں۔ اگر تم یہ اوڑھنا نہ اوڑھتیں تو یقین کرو مجھے سامنے آنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ تم خود رئیس اور نگزیب کو مرنے پر مجبور کر دیتیں۔ مگر افسوس۔۔۔ تم نے اپنے اندر کی برائی کو چھپا دیا۔ اور جو تم نے چھپا دیا ہے، میں وہ دکھانے آئی ہوں۔"

فجر نے دانت بھینچ کر اس کی بات سنی۔ خاموشی اس کے لبوں پر جم گئی۔ چند لمحے اس کی آنکھوں میں جھانکتی رہی، پھر خوف پر قابو پاتے ہوئے گویا ہوئی۔

"اور میں آپ سے کہوں گی واپس چلی جائیں۔۔۔ آپ جس بھی دنیا سے آئی ہیں، وہیں لوٹ جائیں۔ آپ نے پہلے ہی ان کی زندگی برباد کر دی ہے۔ اگر انہوں نے آپ کو دیکھ لیا تو۔۔۔"

منار نے کا تیز قہقہہ ابھرا، جیسے کسی کا دل چیر دیا ہو۔

"تو کیا؟" وہ استہزائیہ بولی۔ "کیا کر لے گا وہ؟ جتنی جلدی وہ مجھ تک پہنچے گا اتنی جلدی موت اسے دبوچ لے گی۔ اسے مرنا ہو گا۔"

اس کے لہجے کی سردی ایسی تھی کہ فجر کو لگا جیسے وہ اپنی جگہ جم گئی ہو۔ دل جیسے برف کے تودے تلے دب گیا ہو۔

"آپ۔۔۔ آپ ایسا نہیں کر سکتیں۔۔۔" بے جان آواز جبکہ چہرے پر خوف واضح ہوا۔ منار اس کی حالت پر ایک ادا سے مسکرائی۔ اس کی آنکھوں میں چمک، ہونٹوں پر فتح کی لکیر ابھری۔

"میں جو کر سکتی ہوں، وہ تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔۔۔"

یہ لفظ فضا میں کسی خنجر کی طرح تراشے گئے۔ فجر کا خون جیسے نسوں میں جم گیا۔ حلق سوکھ گیا۔

منار نے ایک لمحہ رُک کر ہاتھ کی پشت سے کرسی پر ہلکی سی دستک دی اور ہنستے ہوئے بولی۔

"چلو، میں تمہیں آپشن دیتی ہوں۔ یا تو میرا ساتھ دو، یا پھر اس جنگ سے باہر نکل جاؤ۔ یہاں سے چلی جاؤ۔ رئیس اورنگزیب کو مجھ پہ چھوڑ دو۔ میں دیکھ لوں گی۔"

چند لمحے کی خاموشی چھائی رہی پھر فجر نے سیدھا ہو کر نفی میں سر ہلایا۔ آنکھوں میں ضد اور لہجے میں لرزش کے باوجود مضبوطی تھی۔

"ہر گز نہیں۔۔۔ میں کسی کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔"

"ضد۔۔۔ یہ وراثت میں ملی ہے تمہیں۔ مگر تم غلط جگہ پر کر رہی ہو۔ تم بے وقوف ہو، فجر! ان رشتوں اور جذبات نے تمہاری مت مار دی ہے۔"

"میں مکڑی نہیں، عورت ہوں۔ اور میں اپنا گھر ٹوٹنے نہیں دوں گی۔"

یہ سن کر منار لمحے بھر کے لیے ساکت ہو گئی۔ پھر آہستگی سے اس کی جانب جھکی۔ اس کے چہرے کے قریب آ کر دھیرے سے سرگوشی کی۔

"اور میں۔۔۔ عنکبوت ہوں۔ شکار کرنا میری فطرت ہے اور گھر توڑنا میری عادت۔۔۔"

اس کی آنکھوں کی وحشت فجر کی سانس روک گئی۔ وہ پھر کرسی سے ٹیک لگا کر پیچھے ہو گئی، جیسے کچھ بھی نہ ہوا ہو۔

"ویسے تمہاری یہ نوجوان نسل بڑی جذباتی ہے۔ یہ آپشن میں نے تمہارے شوہر کو بھی دیئے تھے۔ مگر افسوس۔۔۔ ایکسیڈنٹ کے بعد بھی اسے عقل نہیں آئی۔"

فجر کے لیے یہ الفاظ بم تھے، ایک کے بعد ایک گرتے رہے۔ اس کی آنکھیں پھیل گئیں، سانسیں تیز ہو گئیں۔

"ولی کا ایکسیڈنٹ۔۔۔؟ یہ سب اس نے کروایا تھا؟ اور کیا ولی جانتا تھا؟ او خدایا۔۔۔" اس کی دھڑکن دھیمی پڑ گئی۔

منار نے اسکے تاثرات جانچے اور پھر آنکھیں نیم وا کر کے بات جاری رکھی۔

"میں نے آپشن دیا تھا کہ وہ یہاں سے چلا جائے۔ یہ اس کی کہانی نہیں ہے۔ مگر افسوس۔۔۔ وہ نہیں مانا۔ اور تو اور، اس نے مجھے پہچان لیا۔ نفسیاتی بچہ۔۔۔۔۔ ہاں، اتنا قابل ہو گیا ہے کہ ماضی کے جلے پنوں کو پڑھ سکتا ہے۔ افق اور نینسی کو کھونے کے بعد بھی اسے عقل نہیں آئی۔"

فجر کے پیروں تلے زمین مزید سرک گئی۔ اس کی سانس بند ہونے لگی۔ آنکھیں مزید پھیل گئیں۔ سامنے بیٹھی وہ عورت کیسے خوفناک انکشافات کر رہی تھی۔

کک۔۔۔ کیا وہ ان کی موت میں۔۔۔ ملوث تھی؟ کیا وہ۔۔۔؟ اس کے لبوں پر بمشکل سوال آیا، گلا سوکھ گیا۔

"کیا۔۔۔ افق۔۔۔ نینسی۔۔۔ کیا۔۔۔ آپ نے انہیں مارا؟"

منار نے ذرا سا سر جھٹکا، پھر ہولے سے ہنس دی۔ اس ہنسی میں خوفناک سکون تھا۔

"افق میری دوست تھی۔ میں نے اسے نہیں مارا۔ بس۔۔۔ حالات ایسے پیدا کیے کہ وہ خود انجام تک پہنچ گئی۔"

وہ بات ادھوری چھوڑ کر چپ ہو گئی، جیسے مزید کہنا ضروری نہ ہو۔ فجر کے حلق میں کانٹے اگ گئے۔ آواز بندھ گئی۔

"اور نینسی۔۔۔ اس کا مرنا ضروری تھا۔ ورنہ رئیس اپنے دوست احمد کو کبھی نہ مارتا۔ اور پھر ذرتاش اپنے بھائی سے نفرت کیسے کرتی؟"

فجر کا دل جیسے سینے میں پھٹنے لگا۔ ہر لفظ، ہر جملہ اسے زمین میں دفناتا جا رہا تھا۔ یہ سب ایک جال تھا، سالوں پرانا جال۔ منار نے یہ جال برسوں سے بُنا تھا۔ وہ واقعی عنکبوت تھی۔ صبر اس کا ہنر، انتظار اس کی عبادت تھا۔۔۔!

کیا ولی جانتا تھا؟ اس کی ماں اور نینسی کی موت میں منار کا ہاتھ تھا؟ کیا وہ سب جانتا تھا؟ اگر ہاں، تو وہ کیوں خاموش رہا؟ آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے، وہ اذیت سے آنکھیں میچ گئی۔ منار نے اس کی حالت دیکھ کر اور وار کیا۔

"سوچو ذرا۔۔۔ جس لڑکے کے ساتھ تم ایک چھت کے نیچے رہ رہی ہو، وہ جب بھی تمہارا چہرہ دیکھتا ہو گا۔۔۔ اسے کیا محسوس ہوتا ہو گا؟ دل میں تم سے نفرت کرتا ہو گا۔ اگر نفرت نہیں کرتا، تو اذیت۔۔۔ ہاں، اذیت ضرور جھیلتا ہو گا۔ اف تمہارا یہ چہرہ۔۔۔۔"

اس کے الفاظ کانوں میں یوں اترے جیسے پگھلا ہوا سیسہ اور فجر کے وجود میں کپکپی دوڑ گئی۔

"پر افسوس۔۔۔" منار نے سر جھٹکا۔ "اس نے تمہیں بتایا نہیں۔ چچ۔۔۔ چچ۔۔۔"

"چپ کر جائیں۔۔۔" وہ بمشکل بول پائی۔ اس کی آواز پھٹی ہوئی تھی۔

"پلیز۔۔۔ چپ۔۔۔ کر جائیں۔۔۔"

منار کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔۔۔ فتح کی مسکراہٹ۔

"تم میرا عکس ہو، فجر! تم لوگوں کو بس تکلیف دے سکتی ہو۔ تم صرف اذیت کی وجہ ہو۔ اس لیے میں تمہیں مشورہ دوں گی۔۔۔ ان سب کو چھوڑ دو۔ اپنی اذیت سے آزاد کر دو۔"

فجر نے سر جھکا لیا۔ اس کے آنسو اندر ہی ٹپکنے لگے۔ وہ خود کو قابو میں رکھنے کی کوشش کر رہی تھی مگر منار کے الفاظ اسے مزید کچوکے لگا رہے تھے۔

اس کے سامنے کھڑی حقیقت اس قدر بھیانک تھی کہ وہ اپنا ہی عکس دیکھ کر خوفزدہ ہو گئی۔

دو ایک جیسے چہرے آمنے سامنے آ چکے تھے۔ اب سوال یہ تھا۔

کون کس پر قابض ہو گا؟

کون زندہ بچے گا اور کون مات کھائے گا؟

یہ وقت ہی بتا سکتا تھا۔ اسے یوں بیٹھے دیکھ کر منار اپنی جگہ سے اٹھی اور چلتے ہوئے اس کے پیچھے آئی پھر اسکے دائیں جانب جھکی۔ اس کی سانسیں فجر کو اپنے بالوں میں محسوس ہوئیں۔

"وہ کالا سایہ۔۔۔۔ وہ کالا سایہ۔۔۔۔ وہ میں ہوں فجر۔۔۔۔ وہ کالا سایہ تم ہو۔۔۔ وہ کالا سایہ سب نگلنے والا ہے۔ چھوڑ دو سب کو۔۔۔ تمہیں بس وہ کرنا ہے جو میں کہوں گی۔۔۔"

اس کی سرگوشیاں سانپ جیسی تھیں۔ سرسراتی ہوئی۔ فجر مزید جم گئی۔

"میں تمہیں ہرٹ نہیں کرنا چاہتی اسی لیے کہہ رہی ہوں یا میرا ساتھ دو یا راستے سے ہٹ جاؤ۔۔۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کے بکھرے بال سمیٹے۔ "پہلے ہی تم فرسودہ رشتے بنا کر میری امیدیں توڑ چکی ہو اس لیے بہتر ہو گا سمجھ جاؤ۔۔۔"

"یہ تارِ عنکبوت ہے اس میں جو بھی آئے گا وہ مارا جائے گا۔"

فجر نے ضبط سے آنکھیں میچ رکھی تھیں۔ سرگوشیاں آہستہ آہستہ مدھم پڑ گئیں۔ جانے کتنی دیر وہ خود پر ضبط کیے بیٹھی رہی اور پھر سناٹا سا چھا گیا۔ اس نے آنکھیں کھولیں۔۔۔۔ ہال خالی تھا۔ وہ جا چکی تھی۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی مگر اس سے پہلے کہ پلٹتی کسی نے پھر سے وہ سیاہ ماسک اسکے چہرے پر ڈال دیا۔

✿••✿••✿••✿

دفتر کی راہداری میں ہلچل تھی، لوگ آتے جاتے تھے ولی اس وقت برق رفتاری سے پورا منار چھان رہا تھا۔ فجر کہیں نہیں تھی۔ اسکا نمبر بند جا رہا تھا اور تب اسے ریسپشن سے اطلاع ملی۔

"سر۔۔۔۔ میڈم کچھ دیر پہلے ہی نکل گئی ہیں۔"

"کچھ بتایا کہاں جا رہی ہیں؟" اس نے اپنی پریشانی پر سے پوچھا۔

"پتا نہیں، سر! بس ایک سیاہ گاڑی آئی تھی۔۔۔ وہ اس میں بیٹھ کر چلی گئیں۔ کچھ بھی نہیں کہا۔"

یہ سنتے ہی اس کا دل کسی نامعلوم اندیشے سے رک سا گیا۔ خطرے کی گھنٹیاں دماغ میں زور سے بجنے لگیں۔ خون جیسے رگوں میں منجمد ہونے لگا۔ وہ بنا کچھ کہے تیزی سے باہر نکلا، گارڈز سے پوچھا، انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔ وہ دوبارہ اس کا نمبر ملانے کی کوشش کرتا رہا مگر رابطہ ناممکن تھا۔

"کہاں چلی گئی ہو، فجر؟" وہ بڑبڑایا اور ایک جھٹکے سے گاڑی کا دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ انجن اسٹارٹ کیا اور گاڑی بھگا لے گیا۔ اسے کھونے کا خوف حواسوں پر چھانے لگا۔ گاڑی جیسے وقت کے ساتھ دوڑ رہی تھی۔ اس کی سانسیں بے قابو تھیں، انگلیاں بار بار اسٹیئرنگ پر مٹھیاں بھینچ رہی تھیں۔ وہ دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہا تھا۔ ایک انجانی گھبراہٹ اس کے وجود کو چاٹ رہی تھی۔

کافی مطلوبہ جگہوں پر گھومنے کے بعد جب وہ گھر پہنچا تو ترنم ہاؤس کی فضا غیر معمولی طور پر خاموش تھی۔ گیٹ کے قریب گاڑی روکی اور ہانپتے ہوئے اندر بڑھا۔ وہ گھر پہ بھی نہیں تھی۔ وہ اندر چیک کرتے ہوئے لان میں نکل آیا۔ موبائل کان سے لگائے وہ پریشانی سے کچھ کہہ رہا تھا تبھی گاڑی رکنے کی آواز ابھری۔ وہ گیٹ کی طرف لپکا۔ اگلے ہی لمحے گیٹ کھلا اور فجر اندر داخل ہوئی۔

مگر وہ فجر نہیں تھی۔ یہ کوئی اور تھی۔ جیسے سانس لیتا ہوا ایک بے جان مجسمہ۔ اس کے قدم بے ربط تھے، آنکھیں خالی خلا میں گڑی ہوئی، چہرہ سپاٹ اور آنکھیں جیسے پلک جھپکنے سے بھی انکاری ہوں۔

"فجر۔۔۔!" وہ تڑپ کر اس کی جانب بڑھا۔

مگر وہ۔۔۔ وہ اسے نظر انداز کرتی تیزی سے اندر کی طرف بھاگی۔ جیسے کسی آسیب سے جان چھڑانی ہو۔ اس کے قدم بے قابو، سانسیں پھولی ہوئی تھیں۔ وہ سیدھی سیڑھیوں کی طرف لپکی اور دوڑتے دوڑتے اوپر جا پہنچی۔

"فجر۔۔۔ رکو! پلیز۔۔۔" وہ اس کے پیچھے لپکا۔ مگر فجر نے ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا۔ کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر گھس کر پوری قوت سے بند کر دیا۔

"فجر۔۔۔!" وہ دروازے پہ آ کر بے چینی سے دستک دینے لگا۔

"فجر، پلیز۔۔۔ دروازہ کھولو۔۔۔ خدا کے لیے۔۔۔!"

اندر۔۔۔ وہ دروازے سے ٹیک لگائے زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔ اس کا جسم لرز رہا تھا۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے مگر ہچکیاں گلے میں اٹک کر اسے مزید اذیت دے رہی تھیں۔ وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ نوچنے لگی جیسے اس وجود سے چھٹکارا چاہتی ہو جو اب اس کا اپنا نہیں لگ رہا تھا۔

"نہیں۔۔۔ یہ میں نہیں ہوں۔۔۔ یہ میرا چہرہ نہیں۔۔۔" وہ گھٹی گھٹی آواز میں بڑبڑائی۔

ولی نے دروازے پر ہاتھ مارے۔

"فجر! کیا ہوا ہے؟ پلیز، مجھے اندر آنے دو!"

مگر اندر بیٹھے وجود کے ٹکڑے بکھر رہے تھے۔

"سب جھوٹ ہے۔۔۔" وہ چیخی، اپنے ہی بال نوچ ڈالے۔ "یہ چہرہ۔۔۔ یہ سب۔۔۔ جھوٹ ہے!"

اس کے اندر اذیت کے طوفان اٹھے۔ سانس اکھڑنے لگی۔ وہ دروازے سے لگی نیچے گر گئی، دونوں ہاتھوں سے کانپتے ہوئے آنکھیں ڈھانپ لیں۔

"فجر! پلیز۔۔۔ مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے؟ پلیز دروازہ کھولو۔"

مگر اندر فجر کے سسکنے کی آوازیں بلند ہوتی گئیں۔ وہ ٹوٹ رہی تھی، بکھر رہی تھی۔ اپنے وجود سے لڑ رہی تھی۔ اس کی گھٹی گھٹی چیخیں کمرے کی دیواروں سے ٹکرا کر باہر کھڑے ولی کے دل کو کاٹنے لگیں۔

فجر نے بے ساختہ اپنے سر پر ہاتھ رکھا۔۔۔ رئیس کا لرزتا ہاتھ اور اس کا لمس اسے محسوس ہوا۔ وہ شخص جو اسکا گارجین تھا جسے وہ کالا سایہ سمجھتی آئی تھی۔۔۔ آج پتا چلا تھا وہ کالا سایہ رئیس اورنگزیب نہیں تھا وہ تو منار تھی۔۔۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھے سسک اٹھی۔ پورا وجود جل رہا تھا اور باہر ولی کا دل ڈوبنے لگا۔

"تم اکیلی نہیں ہو۔۔۔ سن رہی ہو؟ تم اکیلی نہیں ہو۔۔۔ دروازہ کھولو۔۔۔ مجھ سے بات کرو۔۔۔"

اس کے لفظ رات کی گھمبیر خاموشی میں ڈوب گئے۔ اندر فجر کی ہچکیوں اور باہر ولی کی بے چینی نے پورے گھر کو ایک قبرستان جیسا بنا دیا۔ اب بس دروازے کی لکڑی ان دونوں کے بیچ دیوار بنی کھڑی تھی۔۔۔ اور وہ دیوار فجر کے دل کے گرد کھینچے گئے خوف اور راز کے حصار کی عکاسی کر رہی تھی۔

دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے ولی دیر تک اندر بیٹھی فجر کی سسکیوں کو سنتا رہا۔ جس حقیقت سے وہ ڈرتا تھا آج وہ سامنے آگئی تھی اور وہ جان گیا تھا۔ وہ جان گیا تھا کیا ہوا تھا۔ اس کی اپنی آنکھوں میں نمی ابھری، دل میں عجیب سا بوجھ تھا۔ وہ دھیرے دھیرے نیچے سرک گیا اور فرش پر بیٹھ گیا۔

"تم جانتے تھے۔۔۔ تم سب جانتے تھے۔ تم نے مجھے نہیں بتایا۔۔۔"

فجر کی گھٹی گھٹی سسکیوں میں ڈوبی آواز ابھری۔اس کی آواز پر اس کا سر جھک گیا۔ حقیقت اتنی خوفناک تھی کہ وہ نظریں ملانا نہیں چاہتا تھا۔

"تم نے ایسا کیوں کیا۔۔۔کیوں۔۔۔؟" اس کی اذیت بھری آواز کے اندر تک اتر گئی اور پھر اس کی سوچیں دھیرے دھیرے اسے ماضی کے اس لمحے میں لے گئیں۔۔۔

یہ سب تب ہی شروع ہو تھا جب فجر پر منار فیشنز میں جان لیوا حملہ ہوا تھا۔سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا کہ کسی کو کچھ سمجھ نہ آیا۔جب کوئی سراغ نہ ملا تو کیس بند کر دیا گیا مگر ولی کے لیے وہ کبھی بند نہیں ہوا تھا۔

دراصل حملہ آور ایک افغانی تھا۔۔۔ایسے کئی افغانی پاکستان میں بغیر شناخت کے رہتے ہیں۔اس کے پیچھے کچھ خاص نہیں۔

یہ کہہ کر سب کچھ ختم کر دیا گیا۔

اور پھر رانیہ والا حادثہ۔۔۔سب جیسے ایک کڑی سے جڑے تھے۔وہ سراغ ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا تھا پھر چند مہینے پہلے جب وہ عروزہ کے ساتھ اس مشن پر کام کر رہا تھا تب اسے اس افغان کا خیال آیا۔

اس نے فجر کا بیان بار بار پڑھا،اس کے لفظوں کو دل میں دہراتا رہا۔اور پھر ایک جگہ اس کی نظر رکی تھی جس میں اس نے بتایا تھا کہ حملہ آور سے ایک عجیب سی مہک آئی تھی۔

"جیسے کوئی صنعتی کلینر یا کیمیکل کی۔۔۔"

یہ لفظ ولی کے دماغ میں دستک دیتے رہے۔اس نے اپنے تئیں پھر سے جاننے کی کوشش کی اور چند دن کے بعد جب مقتول کے کپڑوں کو اس نے ذاتی طور پر جانچنے کا موقع پایا تو وہی مخصوص مہک واقعی موجود تھی۔ایک جھٹکے میں

اس کی آنکھوں کے سامنے سارا منظر واضح ہو گیا۔ یہ مہک بلاوجہ نہیں تھی۔ اس نے جنید کے ساتھ مل کر اپنی تحقیق بڑھائی۔ اور پھر اسے وہ خفیہ نکتہ ہاتھ آیا جس نے سب کچھ بدل دیا۔

یہ مہک۔۔۔ یہ کیمیکل۔۔۔ پاکستان میں عام نہیں تھا۔ بلکہ یہ خاص قسم کا کلینز تھا جو صرف اور صرف لکس فیشنز میں استعمال ہوتا تھا۔ یہ کیمیکل خاص طور پر لگژری چمڑے کی دھلائی کے لیے استعمال ہوتا تھا اور یہ چمڑا لکس کے ایک لگژری بیگز کی کلیکشن میں استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ محض اتفاق نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر جب اس نے مزید کھوج لگائی تو سب کچھ صاف ہو گیا۔ لکس کی فیکٹریوں میں زیادہ تر مزدور افغانی تھے۔ ان تک پہنچنا سونیا کے لیے ناممکن نہ تھا۔

اب وہ جان گیا تھا۔ یہ محض ایک حادثہ نہیں۔ یہ ایک منصوبہ بند حملہ تھا۔ اور اس کے دھاگے کہیں نہ کہیں سونیا سلطان تک جا رہے تھے اور سونیا کے پاس فجر کو مروانے کی کئی وجوہات تھیں اور انہی وجوہات اور ثبوتوں کے ساتھ وہ ایک رات سونیا سلطان کے گھر پہنچ گیا۔

"رئیس اور نگزیب کا بھانجا۔۔۔۔ کیا میں جان سکتی ہوں تم یہاں کیوں آئے ہو؟" وہ اپنے ازلی انداز میں بولی البتہ اندر کہیں گھبراہٹ شروع ہو گئی۔

"آپ نے فجر معراج پر جان لیوا حملہ کروایا۔۔۔ کیوں؟" فائل میز پر پٹخی۔ سونیا نے پلکیں جھپکیں۔ اس کا سانس جیسے ایک لمحے کو رک گیا مگر اگلے ہی لمحے وہ خود پر قابو پا چکی تھی۔

"میں ایسا کیوں کروں گی؟" سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"آپ کے پاس بہت سی وجوہات ہیں مگر میں جانتا ہوں۔۔۔ آپ اکیلی نہیں کر سکتیں۔ تو بتائیں، کس کے کہنے پر کر رہی ہیں یہ سب؟"

سونیا کی نظریں لمحہ بھر کے لیے ڈگمگائیں مگر وہ فوراً غرائی۔

"بکواس بند کرو! میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔"

"تو پھر جس نے کیا ہے۔۔۔ وہ کون ہے؟ اگر یہ کیمیکل والا ثبوت پولیس کے ہاتھ لگ گیا تو آپ جانتی ہیں کیا ہو گا۔۔۔"

سونیا کے چہرے پر سایہ سا لہرایا۔ ایک لمحے کو اس کی مضبوطی ٹوٹ گئی۔ اس کی اتنی محتاطی، اتنی باریکی سے اٹھائے گئے قدم، سب دھرے کے دھرے رہ گئے تھے۔ پولیس نہیں ڈھونڈ پائی تھی مگر وہ اس تک کیسے پہنچ گیا؟

"مجھے فرق نہیں پڑتا تم جسے چاہو ثبوت دو۔۔۔ میرا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔"

"اچھا؟ تو پھر کس کا ہے؟" اس نے تیکھی مسکراہٹ کے ساتھ سر اٹھایا۔

یہ لفظ ابھی ہوا میں تیر رہے تھے کہ اچانک ایک اور آواز کمرے کے خاموش حصے سے ابھری۔

"میرا ہے۔۔۔"

دونوں نے ایک ساتھ چونک کر دائیں جانب رخ موڑا۔

اور وہاں۔۔۔ پردوں کی اوٹ سے ایک نسوانی سراپا نمودار ہوا۔ خراماں خراماں چلتی ہوئی وہ روشنی میں آئی۔ ولی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

فجر۔۔۔؟ نہیں۔ یہ فجر نہیں تھی۔

ہاں پر یہ اسکی ہمشکل تھی۔ وہی چہرہ، وہی نقوش، مگر آنکھوں میں پراسرار روشنی، بدن میں عجیب سا رعب!

وہ ساکت رہ گیا جیسے قدموں تلے زمین کھسک گئی ہو۔ جیسے ایک خواب اور حقیقت کی لکیر دھندلا گئی ہو۔ وہ بے ساختہ صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ کمرے کی فضا میں سنسنی پھیل گئی۔ سونیا کی آنکھیں کچھ حیرت اور کچھ گھبراہٹ سے کھل گئیں اور ولی۔۔۔ وہ بس دیکھتا رہ گیا۔

کمرہ نیم تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ بھاری پردے، دبیز قالین، اور کونے میں جلتا ایک لیمپ۔۔۔ اس کی مدھم روشنی میں سب کچھ پراسرار لگ رہا تھا۔ ولی کی نظریں سامنے کھڑی عورت پر جم گئیں اور دل کی دھڑکن جیسے ایک لمحے کو رک گئی۔

وہ عورت۔۔۔

وہ حلیہ۔۔۔

وہ سفید لباس، جس کی پاکیزگی میں ایک عجیب سا خوف چھپا تھا۔ وہی سیاہ گھنگریالے بال، جو شانوں پر یوں بکھرے تھے جیسے رات کی تاریکی نے بدن کا احاطہ کر لیا ہو۔

اور وہی ہائی ہیلز۔۔۔ جس کی ٹک ٹک نے برسوں اس کے ذہن کو لہولہان کیا تھا۔ اس کے قدم زمین سے جکڑ گئے۔ اس کا سانس پھنس گیا۔ یوں جیسے وقت الٹا بہنے لگا ہو۔ وہ دن کیسے بھول سکتا تھا؟ وہ دن جب اس کی ماں نے خودکشی کی تھی۔ وہ کیسے بھول سکتا تھا؟ لٹکتی ہوئی افق کی لاش اور ٹک۔۔۔ ٹک۔۔۔ ٹک۔۔۔

ہیلز کی آواز جیسے کمرے کی دیواروں کو کاٹتی اس کے کانوں تک پہنچی۔ اس نے خوف سے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ اس کے ننھے دل میں یہ آواز کسی شگونِ بد سے کم نہ تھی۔

یہ سب اس کے دل پر ایسے داغ بن کر ثبت ہو گیا کہ برسوں گزرنے کے بعد بھی وہ جب بھی ہیلز کی ٹک ٹک سنتا، کانوں پر ہاتھ رکھ لیتا تھا۔ وہ کئی سال اس آواز سے خوفزدہ رہا۔ کئی سال۔۔۔۔۔۔۔ وہ گھنگھریالے بالوں والی عورت وہ جسکا چہرہ ہمیشہ اس کی یادداشت میں دھندلا رہا آج اس کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ اس عورت کو تلاشنے کی کوشش کرتا رہا مگر وہ اسے نہیں ملی اور آج۔۔۔ آج وہی عورت سامنے کھڑی تھی۔ وہی حلیہ۔ وہی ہیلز۔ وہی مہیب فضا۔ اس کے ہونٹ کپکپا اٹھے۔

"تم۔۔۔ میں تمہیں جانتا ہوں۔۔۔"

منار چند قدموں کے فاصلے پر رک گئی۔ اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔ وہ گردن ایک جانب گرائے، عجیب جلال اور تمسخر کے ملے جلے تاثر کے ساتھ بولی۔

"اس چہرے کو روز دیکھتے ہو، پہچاننا مشکل کہاں؟ منار معراج کو کوئی کیسے بھول سکتا ہے۔۔۔"

ولی کے قدم بے اختیار آگے بڑھے۔ آنکھیں شعلہ بار تھیں، مگر اندر خوف اور اذیت ایک ساتھ دھڑک رہے تھے۔

"تم۔۔۔ وہاں تھیں۔۔۔" اس کی آواز لرز گئی۔

"میری ماں۔۔۔ جب میری ماں نے خودکشی کی تھی۔۔۔ تم۔۔۔ وہاں تھیں۔۔۔"

منار کی مسکراہٹ لمحے بھر کو سمٹ گئی۔ اس کی پلکیں جھپکیں جیسے وہ یہ اعتراف سننے کے لیے تیار نہ تھی۔ ولی کی یادوں میں دفن چہرہ یک لخت واضح ہو گیا تھا۔

وہی عورت۔ وہی ہیلز۔ وہی سایہ۔

"اوہ۔۔۔تو نفسیاتی بچے کی یاد داشت واپس آ رہی ہے۔ دلچسپ!"

"کیوں۔۔۔تم یہ سب کیوں کر رہی ہو؟"

لہجے میں ضبط کی انتہا تھی۔ آنکھوں میں برسوں کا دکھ، جلتی ہوئی نفرت اور ایک عجیب سی بے بسی تھی۔ منار نے آہستہ سے گردن اٹھائی۔

"جواب بہت سادہ ہے مگر میں تمہیں دینا نہیں چاہتی۔"

وہ اس کے پہلو سے گزری، اس کی خوشبو اور وجود کی ٹھنڈک نے ولی کے دل کو مزید دہلا دیا۔ وہ جا کر آہستہ سے صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس کا انداز ظالم ملکہ جیسا تھا۔

وہ وہیں جما رہا۔ سر میں عجیب سا درد اٹھا تھا۔ عجیب سا۔۔۔کچھ واضح ہونے لگا تھا۔ وقت تیزی سے پیچھے بھاگا۔ افق کی جھولتی لاش۔۔ایک کونے میں سسکتا بچہ اور رائٹنگ ٹیبل کے قریب کھڑی منار۔۔۔۔وہ ڈائری کے سامنے کھڑی تھی۔ اس نے ڈائری سے وہ چند صفحے پھاڑ لیے تھے جس میں اسکا ذکر تھا۔ اس کے زندہ ہونے کا۔ وہ وہاں اس روز ڈائری سے وہ ثبوت مٹانے آئی تھی۔ آج سب کچھ واضح ہو گیا تھا۔ ولی نے ضبط سے آنکھیں میچیں اور پھر چند لمحوں بعد پلٹا، اور الجھی ہوئی حیرانی سے منار کو گھورا۔

"مجھے جاننا ہے!" اس نے دانت بھینچ کر کہا۔

منار نے اس کی طرف دیکھا اور لبوں پر تمسخر ابھرا۔

"یہ تمہاری کہانی نہیں ہے، ولیم جوزف! تم محض ایک معمولی پیادے تھے جس کا کھیل ختم ہوا، تو بہتر ہو گا واپس چلے جاؤ۔۔۔"

کمرے میں چند لمحے کی خاموشی چھا گئی۔ پھر نشان زدہ چہرے والے شخص کی ہنسی گونجی۔ مگر یہ ہنسی استہزائیہ تھی، ٹوٹی ہوئی تھی۔

"جس دن بگ بی کو پتا چلا کہ آپ زندہ ہیں۔۔۔ جانتی ہیں کیا ہو گا؟" وہ ہنس رہا تھا، مگر اس کی آنکھوں میں طوفان تھا۔

منار نے گردن اٹھائی، آنکھوں میں عجیب سا غرور!

"کیا واقعی؟ یہ سب دیکھنے کے بعد بھی۔۔۔"

اس نے میز پر رکھا فون اٹھایا۔ انگلیوں کی جنبش سے ایک ویڈیو کھولی اور اسکرین ولی کے سامنے کر دی۔ منظر واضح ہوا۔ ہسپتال کا کمرہ۔۔۔ فجر۔۔۔ اور پھر برہان گردیزی۔۔۔

آخر میں وہ لرزتا ہوا لمحہ، برہان کی گردن پر چاقو پھیرتی منار۔۔۔ نہیں۔۔۔ فجر۔۔۔!

وہ ساکت رہ گیا۔

"یہ جھوٹ ہے۔۔۔" آواز کپکپا گئی۔ "یہ فجر نہیں ہے۔۔۔"

منار کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہاں۔۔۔ لیکن کون مانے گا؟"

اس نے ایک ادا سے بالوں کو پیچھے کیا۔ اس کے وجود سے خطرے کی مہک اٹھ رہی تھی۔ ولی کے ہاتھ بے اختیار مٹھیاں بن گئے۔ سامنے بیٹھی عورت۔۔۔ بہت خطرناک تھی۔

"اب اگر تم چاہتے ہو کہ فجر۔۔۔یعنی تمہاری بیوی۔۔۔اس قتل کے کیس میں اندر نہ جائے۔۔۔تو میں تمہیں مشورہ دوں گی۔۔۔یہاں سے چلے جاؤ۔یہ تمہاری کہانی نہیں ہے۔۔۔اور نہ کبھی تھی۔"

اس کی آواز زہر سے لبریز تھی۔

یہ سنتے ہی نشان زدہ چہرے والے شخص کی آنکھوں کے سامنے سب کچھ دھندلا گیا۔اس لمحے اس نے اپنے آپ کو ٹوٹتے محسوس کیا۔

منظر پلٹ گیا اور وہ حال میں واپس لوٹ آیا۔دروازے کے ساتھ بیٹھا، اندر سے آتی فجر کی گھٹی گھٹی چیخیں سنتا رہا، اس کا سر مزید جھک گیا۔رگ وپے میں اذیت اتر گئی۔

"تم جانتے تھے۔۔۔تم سب جانتے تھے۔۔۔پھر بھی تم نے۔۔۔تم نے ایسا کیوں کیا۔۔۔"

فجر کی ٹوٹی ہوئی چیخ اس کے کانوں میں پڑی۔سب جانتے ہوئے اس نے یہ شادی کیوں کی؟

ولی کے آنکھوں سے لاوہ بہہ نکلا۔اس کے دل میں خنجر پیوست ہو گیا۔جس لڑکی سے وہ بے پناہ محبت کرتا تھا۔۔۔اسی کی ماں نے اس سے افق اور نینسی کو چھین لیا۔رئیس ٹھیک ہی تو کہتا تھا وہ دشمن تھی مگر دشمن بھی جان سے پیاری۔۔۔

ایک طرف محبت تھی۔

اور دوسری طرف۔۔۔مر چکی دو عورتیں۔

اس روز وہ ٹوٹ گیا تھا کچھ سچ بہت زہریلے ہوتے ہیں اور اس زہریلے سچ نے اسے بہت تڑپایا تھا۔مگر پھر اس نے فیصلہ کیا۔

جس کے لیے وہ سات سمندر پار آیا تھا، اسے کیسے چھوڑ دیتا؟ وہ اس کی بیوی تھی، اس کی محبت تھی۔ ہاں، اس کا چہرہ منار کا چہرہ تھا، مگر وہ الگ تھی۔ وہ مختلف تھی۔ اس کی روح، منار جیسی نہیں تھی۔ وہ اسے نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

اس نے فجر سے دوبارہ شادی کی۔ اسے اپنایا۔ منار کی وارننگز کے باوجود۔ وہ سب جانتے ہوئے بھی خاموش رہا۔

اپنے تئیں کوشش کرتا رہا اس کی کمزوری ڈھونڈنے کی۔

صرف وہ جانتا تھا۔۔۔ عروزہ کی موت میں بھی منار کا ہاتھ تھا۔

مگر وہ کسی کو بتا نہیں سکتا تھا۔ کبھی کبھی کچھ راز بہت بھاری ہو جاتے ہیں۔

دروازے کے ساتھ بیٹھے اس کا وجود لرز رہا تھا۔ اندر فجر ٹوٹ رہی تھی، اور باہر وہ!

"اتنی اذیت اندر لیے۔۔۔ آخر وہ زندہ کیسے تھا؟" فجر بس یہی بات سہہ نہیں پا رہی تھی۔

"میری اپنی ماں۔۔۔" اس کی ہچکیوں میں بھیگی آواز نکلی۔

آنکھوں کے سامنے رئیس کی سرد اور نفرت بھری نظریں گھوم رہی تھیں، وہ نظریں جو برسوں پہلے اسے بے وجہ لگتی تھیں۔ آج سب کچھ واضح تھا۔ نفرت بے وجہ نہیں تھی۔ وہ چہرہ۔۔۔ وہ چہرہ جس نے رئیس کی زندگی تباہ کی، وہ اس کی اپنی ماں کا چہرہ تھا۔

پھر ولی کا خیال آیا۔ افق کے گلے میں لٹکی رسی۔۔۔ نینسی کی چپ چاپ لاش۔۔۔ اور ان سب کے عقب میں ایک عورت کا سایہ۔۔۔ سفید لباس، گھنگھریالے بال، ہیلز کی ٹک ٹک۔ وہ عورت اور کوئی نہیں، اس کی اپنی ماں تھی۔

اس کی زندگی کے دو اہم مرد اس عورت کے ڈسے ہوئے تھے جس کی پرچھائی وہ خود تھی۔

"تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔۔۔ تم نے ظلم کیا۔۔۔ تم نے۔۔۔ تم نے ایسا کیوں کیا ولی۔۔۔؟"

اس کے سوال کھلے خلا میں گونج رہے تھے، مگر جواب دینے والا خاموش تھا۔ وہ اپنے ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ کر کانپتی رہی۔

اسی لمحے دروازے کے باہر بیٹھا ولی مزید جھک گیا۔ اس نے اپنے گھٹنے سمیٹے اور سر ان پر رکھ دیا۔ اس کے لب کپکپا رہے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ اندر جو عورت ٹوٹ رہی تھی، وہ اس کی زندگی کی سب سے بڑی محبت تھی مگر اس کا دکھ کسی اور درجے کا تھا۔

"وہ میری ماں ہے۔۔۔ میں اس کی ہمشکل ہوں۔۔۔ یہ چہرہ ہمیشہ ایک لعنت رہا۔۔۔ ایک کرس۔۔۔ لیکن یہ اتنا بڑا کرس ہو سکتا ہے، میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔۔۔"

باہر بیٹھے ولی کے اندر ایک طوفان برپا ہوا مگر وہ ضبط کر گیا۔ اس نے مٹھی بھینچ کر اپنے آنسو اندر ہی اندر نگل لیے۔

"تم نے مجھ سے شادی کیوں کی، ولی؟" وہ خود سے پوچھ رہی تھی۔ وہ اس سے پوچھ رہی تھی۔

"ہر لمحہ، ہر روز، تمہیں یہ چہرہ نظر آتا رہا۔ اس چہرے سے جڑی وہ عورت جس نے تمہاری ماں کو چھین لیا، نینسی کو مار دیا۔ تم کیسے جیتے رہے میرے ساتھ؟ تم کیسے برداشت کرتے رہے؟"

وہ اپنے ہی سوالات میں گھٹتی جا رہی تھی۔ ولی کے کانپتے لب حرکت میں آئے مگر وہ اب بھی بولنے میں مشکل محسوس کر رہا تھا۔

"میں نے تمہیں چہرے کے لیے کبھی نہیں چاہا، فجر۔۔۔ میں نے تمہیں، تمہارے لیے چاہا تم منار نہیں ہو۔ تم میرا سب کچھ ہو۔ تم میرا سکون ہو۔ میرا انعام ہو۔"

"یہ چہرہ میری سزا ہے۔۔۔ میں خود اپنے وجود کی مجرم ہوں۔۔۔" وہ سسک اٹھی۔

ولی کے دل میں کٹتے ہوئے کانٹے چبھ گئے۔ وہ دروازے کے ساتھ ماتھا ٹکائے آنکھیں بند کیے بولا۔

"تم فجر ہو۔ میری فجر۔ اور یہی کافی ہے۔"

کمرے کے اندر فجر کی ہچکیوں کی آواز دروازے کے پار تک آ رہی تھی۔ ولی نے کانپتے ہاتھ سے دستک دی، مگر پھر دھیرے سے دروازے سے لگ کر بولا، آواز رندھی ہوئی تھی۔

"فجر۔۔۔ بس ایک بار۔۔۔ دروازہ کھول دو۔"

اندر سے لمحہ بھر کو خاموشی چھا گئی اور پھر اس کی بھرائی آواز سنائی دی۔

"تاکہ تمہیں پھر سے یہ چہرہ دیکھ کر مرنا پڑے؟ تاکہ تمہیں یاد آتا رہے کہ تمہاری ماں کو کس نے چھینا؟ نینسی کو کس نے مارا؟۔۔۔ یہ چہرہ لعنت ہے ولی۔۔۔ لعنت۔۔۔!"

آج اسے پہلی بار اپنے ملعون ہونے سے اتنی شدید نفرت ہوئی تھی۔

"نہیں۔۔۔ لعنت تم نہیں ہو۔ لعنت وہ تھی جو یہ سب کر گئی۔ تم میری دعا ہو۔۔۔ میرا حاصل ہو۔ تم منار نہیں ہو۔۔۔ تم فجر ہو۔۔۔ تم جانتی ہو۔۔۔"

فجر نے اپنے دونوں ہاتھوں سے کان ڈھانپ لیے۔

"تمہیں روز دکھ نہیں ہوتا؟ تمہیں روز جلنا نہیں پڑتا؟ یہ چہرہ دیکھ کر کیا تمہیں اپنی ماں کی رسی پر جھولتی لاش یاد نہیں آتی؟ کیا نینسی کی خاموش آنکھیں نہیں دکھتیں؟ بتاؤ ولی۔۔۔ کیوں برداشت کرتے رہے؟ کیوں۔۔۔؟"

کاش وہ جانتی اسکے سوال ولی کو مزید تڑپا رہے تھے۔

"ہاں! دکھتا ہے۔۔۔ ہر روز۔۔۔ ہر لمحہ۔۔۔ لیکن سچ یہ ہے کہ یہ چہرہ تمہارا ہے۔ اور تمہارے ساتھ میری زندگی جڑی ہے۔ میں نے تمہیں چہرے کے لیے کبھی نہیں چاہا۔۔۔ میں نے تمہیں تمہاری ذات کے لیے چاہا۔ وہ ذات جس نے مجھے زمین پر رکھا، ورنہ میں پتا نہیں کیا بن چکا ہوتا۔۔۔" وہ پھیکا سا مسکرایا۔ جبڑے بھنچ گئے۔

"تو پھر تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟ کیوں نہیں کہا کہ میری ماں نے تمہاری دنیا اجاڑ دی تھی؟ کیوں چپ رہے؟"

"میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا تھا۔۔۔ تمہیں حقیقت بتا کر تمہیں خود سے نفرت نہیں کروانا چاہتا تھا۔ فجر! تم میری کمزوری نہیں ہو۔۔۔ تم میرا سہارا ہو۔ میں کیسے تمہیں چھوڑ دیتا؟"

دونوں طرف خاموشی گہری ہو گئی۔ صرف آنسوؤں کی نمی اور سسکیوں کی آواز باقی رہ گئی۔ اس نے ایک بار پھر دھیرے سے کہا۔

"دروازہ کھولو فجر۔۔۔"

خاموشی گہری رہی اور اس طرف فجر کی سسکیاں اور ولی کی بھاری سانسوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ پھر کلک کی آواز ابھری اور دروازہ کھل گیا۔ وہ دروازے کے پیچھے ایک کونے میں سمٹی بیٹھی تھی، جیسے ساری دنیا سے چھپنا چاہتی ہو۔ بال بکھرے ہوئے، آنکھوں کے گرد لالی، اور وجود تھکن و اذیت سے چور۔

وہ اس کی یہ حالت دیکھ کر ٹوٹ گیا۔ دونوں گھٹنے زمین پر ٹکائے، اس کے قریب بیٹھا۔ دل میں جیسے کسی نے مٹھی بھر کر کانٹے بھر دیے ہوں۔

"ہے۔۔۔ ہے۔۔۔ ہے۔۔۔ فجر۔۔۔"

اس کی آواز رندھ گئی۔ وہ بے ساختہ جھک کر اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام بیٹھا۔

فجر نے پلکیں بھاری بوجھ کے ساتھ اٹھائیں۔ آنکھیں سرخ تھیں، ضبط کے دامن میں الجھی ہوئی۔ ان آنکھوں میں درد، اذیت، پچھتاوہ اور شرمندگی کی پوری دنیا سمٹی ہوئی تھی۔

ولی کی نگاہوں کے سامنے وہ لمحہ آیا جب وہ پہلی بار اس کی آنکھوں میں ڈوبا تھا۔ یہ وہی آنکھیں تھیں مگر آج ان میں روشنی نہیں، صرف ٹوٹ پھوٹ کا ملبہ تھا۔

فجر کے لب ہولے سے کانپے، مگر وہ کچھ نہ کہہ سکی۔ آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں نے اس کے چہرے پر ایک اور لکیریں کھینچ دیں۔

"آخر۔۔۔ آخر میں کس کس سے معافی مانگوں گی؟" اس کی آواز درد میں بجھے خنجر کی طرح نکلی۔

"کس کس سے؟ اپنی ماں کے گناہوں کے لیے؟ تمہاری ماں کے لیے؟ نینسی کے لیے؟ بگ بی کے لیے۔۔۔ کس کس سے معافی مانگوں؟"

ولی نے بے ساختہ سر جھٹکا اور اس کے آنسوؤں کو اپنے انگوٹھوں سے صاف کرتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

"رویا مت کرو فجر۔۔۔ تم روتی ہو تو میری دعائیں رکنے لگتی ہیں۔"

یہ الفاظ اتنے نرم، اتنے پگھلا دینے والے تھے کہ فجر کا ضبط پھر سے بکھر گیا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپاتے ہوئے زور سے رو پڑی۔ ولی نے لمحہ بھر اسے دیکھا، پھر مزید آگے بڑھا۔ اس نے اس کے گرد اپنے بازو لپیٹ لیے، جیسے ساری دنیا سے بچا لینا چاہتا ہو۔

"تمہیں کسی سے معافی مانگنے کی ضرورت نہیں ہے تم نے کچھ نہیں کیا۔"

"م۔۔۔ میں واقعی۔۔۔ ملعون ہوں۔" اسکے ٹوٹے پھوٹے الفاظ ولی کے وجود میں جذب ہونے لگے۔

"تو پھر میں وہ گواہ ہوں جس نے ملعون میں **رحمت** دیکھی۔" وہ اس کے بالوں پر اپنے لب رکھتے ہوئے بولا۔

"میں گناہ ہوں، شرمندگی ہوں۔۔۔" گھٹی گھٹی سسکیاں اس کے وجود سے اٹھ رہی تھیں۔

"پھر میں وہ شخص ہوں جس نے پہلی بار کسی گناہ سے **محبت** کی ہے۔"

"میں ہر رشتے کے لیے زہر ہوں ولی۔۔۔ میں نے سب نگل لیا۔"

"نہیں تم وہ ہو جسے اللہ نے سب سے **محفوظ** کر لیا۔"

"میں اپنے آپ سے بھی نظریں نہیں ملا سکتی۔"

"تو میری آنکھوں میں دیکھا کرو نا، وہاں تم کبھی گناہگار نہیں ہو۔"

وہ اپنی ہر بے یقینی کو باہر نکال رہی تھی اور وہ ہر بے یقینی پر یقین کی مہر لگا رہا تھا۔

"میں سب برباد کر دوں گی ولی۔۔۔ میں۔۔۔ بربادی ہوں۔"

وہ چاہتی تھی وہ اسے چھوڑ کر چلا جائے۔ وہ اس تکلیف سے آزادی پا لے جو اسکے چہرے کو دیکھ کر اسے ہوتی ہو گی۔

"تم وہی ہو جسے میں **مانگ** کر لایا ہوں اور دعا کبھی بربادی نہیں ہوتی۔"

"میرے نام کے ساتھ زخم جُڑے ہیں۔۔۔"

"میں **مرہم** ہوں فجر۔۔۔ ان زخموں پر بھی، تمہارے نام پر بھی۔"

فجر نے سر اٹھا کر اسے دیکھا جو ضبط کے کڑے مراحل سے گزر کر بھی اسے تھامے ہوئے تھے۔

"لوگ میرے نام سے پناہ مانگتے ہیں۔۔۔" وہ ماضی کے ہر دکھ کو یاد رہی تھی۔ جہاں لوگوں نے اسکا ہاتھ جھٹکا تھا۔

"پھر میں وہ شخص ہوں جس نے تمہارے نام پر **سکون** پایا ہے۔"

"سب نے مجھے رد کر دیا ولی۔۔۔ میری ماں نے بھی۔۔۔" وہ ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"لیکن میں نے تمہیں وہاں **قبول** کیا جہاں تم نے خود کو رد کر دیا تھا۔"

وہ ہونٹ آپس میں پیوست کیے اسے دیکھے گئی۔

"میں بہت مشکل ہوں۔۔۔"

"تم میری **آسانی** ہو فجر۔۔۔" اس نے جھک کر اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھے۔ فجر کی آنکھیں خود بخود بند ہو گئیں۔ جلتے سلگتے وجود کے اندر سکون کی حدت سی اتر گئی۔

"م۔۔۔ میں بہت کچھ نہیں کہہ پاتی۔۔۔" وہ خوفزدہ تھی وہ اس کی محبت کا حق ادا نہیں کر پاتی تھی۔

"تمہارے ہونے سے سب کہا جاتا ہے۔ تمہاری **موجودگی** چیخ چیخ کر بولتی ہے۔" اس نے فجر کے ساتھ دیوار سے ٹیک لگا لیا۔ وہ دونوں اب ایک ساتھ بیٹھے تھے۔

"میں تمہارے جیسا صبر نہیں رکھتی۔۔"

"اسی لیے تو **میں** تمہارے ساتھ ہوں تاکہ تمہیں صبر نہ کرنا پڑے۔۔" اس کی جانب رخ کرتے کہا۔ فجر کا سر اس کے کندھے پر تھا۔

"لوگ مجھے چھوڑ دیتے ہیں۔۔۔وہ زیادہ دیر سہہ نہیں پاتے۔"

"میں تمہارے خالی پن میں بھی تمہارے **ساتھ** ٹھہرا رہوں گا۔"

فجر کا ایک ایک خدشہ اور ولی کا ایک ایک یقین۔۔۔وقت کے ان لمحوں کو دائمی بنا رہا تھا۔

"میں۔۔۔مر۔۔کیوں نہیں جاتی۔۔۔؟تم مجھے چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔۔؟"حلق میں اتری اذیت کو پیتے اس نے بمشکل کہا۔

"کیونکہ تم میری **دعا** ہو اور دعائیں نہ **مرتی** ہیں اور نہ تنہا **چھوڑی** جاتی ہیں۔"

وہ اپنی اذیت پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔۔۔ولی کے کلون کی مہک اس کی موجودگی دھیرے دھیرے اسے پر سکون کرنے لگی۔اسے حواسوں میں لانے لگی۔

"یہ سب اتنا آسان نہیں ہے۔"وہ اپنے ہاتھوں کی لرزش پر قابو پاتے بولی۔ولی نے ایک نظر اس کے کپکپاتے ہاتھوں کو دیکھا اور پھر انہیں اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔اسکے ہاتھ ٹھنڈ سے نہیں بلکہ خوف سے نیلے پڑ رہے تھے۔

"تمہیں چاہنا آسان نہیں تھا۔۔۔مگر تمہیں چھوڑ دینا؟یہ کبھی ممکن نہیں۔"

فجر نے چند لمحے اس کے ہاتھوں میں مقید اپنے ہاتھوں کو، پھر اسے اور پھر۔۔۔۔منار کا چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔

"وہ۔۔۔وہ تمہیں مار ڈالیں گی۔تم۔۔۔تم۔۔۔یہاں سے چلے جاؤ پلیز۔۔۔"وہ پھر سے سسک پڑی۔

"فجر۔۔۔ادھر دیکھو میری طرف۔۔۔"وہ اسکا خوف محسوس کر سکتا تھا۔فجر نے بمشکل نظریں اٹھائیں۔

"میں نے کہا تھا دنیا کا کوئی شخص کوئی حادثہ ہمیں الگ نہیں کر سکتا۔۔۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

"بھروسہ ہے نا مجھ پر؟" فجر نے بس اثبات میں سر ہلایا۔

"پھر بے فکر رہو اگر میں تمہارے لیے جوزف پیٹرسن اور رئیس اور نگزیب کا سامنا کر سکتا ہوں تو منار معراج سے بھی لڑ لوں گا۔ میں تمہیں یہاں سے لے کر جاؤں گا۔۔۔۔ سمجھ رہی ہو نا؟"

وہ بس سر ہلا رہی تھی مگر اندر کہیں خوف ڈیرے ڈال کر بیٹھ چکا تھا۔

✿••✿••✿••✿

رات کی تاریکی اور گہری ہو چکی تھی۔ ہوا کی سرسراہٹ بھی جیسے تھم گئی۔ کمرے میں ایک بھاری شمعدان کی مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی، جس سے دیواروں پر عجیب و غریب سائے رقصاں تھے۔ اس نے کاؤنٹر پر رکھے گلاس میں سرخ رنگ کا مشروب انڈیلا، آنکھوں میں اسی مشروب جیسا زہر اور چہرے پر اطمینان تھا۔ جیسے ہی اس نے مشروب کی بوتل واپس رکھی عقب سے آواز ابھری۔

"میں نے بہت سی بلائیں دیکھی ہیں، لیکن تم سے بڑی بلا نہیں دیکھی، منار۔۔۔!" پیچھے صوفے پر بیٹھی عورت تعریف کے انداز میں بولی۔ اس کی آنکھوں میں تجسس بھی تھا اور تعریف بھی۔

یہ سنتے ہی منار کی آنکھوں میں ایک فاتحانہ چمک ابھری اور وہ مسکرا دی۔ یہ مسکراہٹ محض ہونٹوں تک محدود نہیں تھی، اس میں ایک طنزیہ غرور، ایک سرد فاتحانہ انداز چھپا تھا۔

"میں جہاں سے آئی ہوں، وہاں بلائیں ہی زندہ رہ سکتی ہیں۔"

اس نے کاؤنٹر پر رکھے دونوں گلاس اٹھائے اور آہستگی سے صوفے کی جانب بڑھی۔ ایک گلاس اس عورت کے سامنے میز پر رکھ دیا جبکہ دوسرا اپنے ہاتھ میں تھامے ٹانگ پر ٹانگ جما کر بیٹھ گئی۔ انداز ایک ظالم ملکہ جیسا تھا۔

"اور ان تمام بلاؤں کو کھانے کے بعد، تم ملکہ بن چکی ہو۔" سامنے بیٹھی عورت نے گلاس اٹھا کر ہونٹوں سے لگایا۔

منار نے بس ابرو اچکائی، جیسے تعریف وصول کی ہو اور ہاتھ میں تھاما مشروب اپنے لبوں سے لگایا، جیسے وہ فتح کا جام ہو۔

"کہا جاتا ہے کہ ماں کے قدموں تلے جنت ہوتی ہے، لیکن تم نے اس جہنم میں اپنی بیٹی کو بھی نہیں چھوڑا۔"

یہ سنتے ہی اس کے ہونٹوں پر ایک سرد مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"میں ماں نہیں ہوں، رشنا۔ میں وہ للیتھ ہوں، جس نے کسی جنت کو قبول نہ کیا۔" لہجہ پراسرار تھا۔ رشنا نے سر ہلا دیا۔

وہ جانتی تھی کہ یہ حوالہ کہاں سے آیا تھا۔ قدیم کہانیوں میں للیتھ (Lilith) کو ایک ایسی عورت کے طور پر پیش کیا جاتا ہے جس نے جنت اور آدم دونوں کو چھوڑ کر اپنی خود مختار زندگی کا انتخاب کیا۔ وہ محبت، جذبات اور رشتے سے آزاد تھی، اور منار نے اپنی ذات کو اسی کردار میں ڈھال لیا تھا۔

"تو اب؟ کیا لگتا ہے فجر کیا کرے گی؟" اندھیرے میں بیٹھی میڈم رشنا کا وجود اب واضح ہو گیا۔ منار نے لمبی سانس لی اور گلاس میز پر رکھ دیا۔

"وہی تو میں دیکھنا چاہتی ہوں۔۔۔ وہ خود کو سب سے کاٹ لے گی، اور اس کی آخری پناہ گاہ میں ہوں گی۔"

"اور اگر وہ نہ مانی؟"

"میرے پاس اور بھی بہت سے راستے ہیں۔" اس کے چہرے پر خوفناک اطمینان ابھرا۔ "اسے یا تو راستے سے ہٹنا ہو گا یا پھر میرا ساتھ دینا ہو گا۔"

"اس کے رئیس اورنگزیب کے ساتھ جیسے تعلقات ہیں، وہ اسے کبھی نہیں چھوڑے گی۔" میڈم رشنا کے لہجے میں تفکر ابھرا۔

"دیکھتے ہیں، کون کس کو چھوڑتا ہے۔" اس نے اپنے گھنگھریالے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔

"اور رئیس؟ اس کے بارے میں کیا کہو گی؟"

رئیس کا نام آتے ہی پہلے منار کے چہرے پر نفرت کے تاثرات ابھرے جو دھیرے دھیرے دلچسپی میں ڈھل گئے۔

"کیا سننا چاہتی ہو؟" اس نے آگے ہوتے میڈم رشنا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔

"یہی کہ تم اس سے آبسیسڈ ہو۔۔۔ ورنہ کوئی چھبیس سال کسی ایک شخص سے اتنی نفرت نہیں کر سکتا۔"

منار چند لمحے انہیں دیکھتی رہی، چہرہ سپاٹ تھا اور پھر وہ دھیرے سے ہنس دی۔ پیچھے صوفے سے پشت ٹکاتے وہ اب بالوں کی ایک لٹ کو انگلی پر لپیٹ رہی تھی۔

"اب ایسی بھی کیا نفرت کہ تم نے پوری زندگی لٹا دی۔۔۔"

وہ گہری نظروں سے منار کو دیکھ رہی تھیں۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔۔۔ محبت یا نفرت جب حد سے بڑھ جائے تو آبسیشن بن جاتی ہے۔ میں نے چھبیس سال صرف اسے یاد رکھا۔ اپنے انتقام کو مرنے نہیں دیا۔ اگر یہ آبسیشن ہے تو پھر میں اس سے آبسیسڈ ہوں۔"

"اور اس نے بھی چھبیس سال لٹائے ہیں تم پر۔۔۔ اسکا کیا؟"

"اسے محبت نہیں گلٹ کہتے ہیں ورنہ وہ میرا پورٹریٹ اتار کر فجر کا نہ لگاتا۔۔۔ اسے مجھ سے محبت کبھی نہیں تھی۔"

اس نے گہری سانس لیتے حقیقت سے پردہ اٹھایا۔

"فجر بھی تو تمہاری ہمشکل ہے۔ تمہیں نہیں لگتا اس نے پھر سے، تم سے ہی محبت کر لی ہے۔"

اب کی بار منار کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہوئی اور اس کی جگہ سرد تاثرات نے لے لی۔ آنکھوں میں نفرت کی چنگاریاں سی ابھر آئیں۔

"وہ اس تکلیف میں ہمیشہ جیے گا۔ یہ چہرہ کبھی اسکا نہیں ہو گا۔" اس نے گہری سانس لی۔ "خیر چھوڑو۔۔۔ پلان ڈسکس کرتے ہیں۔" بات پلٹ دی۔

وہ دونوں اب اپنے کسی نئے منصوبے پر بات کر رہی تھیں، جہاں ہر لفظ ایک ہتھیار تھا اور ہر خاموشی ایک آنے والے طوفان کا پیش خیمہ۔ منار کے چہرے پر آنے والا غرور اور میڈم رشنا کے چہرے پر چھا جانے والی دلچسپی اس بات کا ثبوت تھی کہ اگلا قدم ان کے لیے بہت اہم تھا۔

✿••✿••✿••✿

رات گہری ہو چکی تھی۔ ترنم ہاؤس پر غیر معمولی خاموشی طاری تھی۔ ڈائننگ ٹیبل پر رکھی مدھم روشنی کے نیچے فجر بیٹھی تھی۔ وہ سادہ سوٹ میں تھی، سردی سے بچنے کے لیے شال کو اپنے گرد لپیٹا ہوا تھا مگر آنکھوں کے پپوٹے سوجھے ہوئے تھے۔ وہ ایک بے جان مجسمہ بنی بیٹھی تھی۔

"فجی باجی، کھانا لاؤں آپ کے لیے؟ اب تو کھانا کھالیں۔" بانو کی پریشان سی آواز سنائی دی۔ وہ بار بار پوچھ رہی تھی، لیکن فجر کا جواب ہمیشہ ایک ہی ہوتا۔

"نہیں بانو، مجھے بھوک نہیں ہے۔ پلیز تم سو جاؤ۔ کافی رات ہو گئی ہے۔"

اس بار بانو اس کی ہدایات پر سر جھکا کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ ایک لمحے کے لیے فضا میں سناٹا چھا گیا، جسے توڑتا ہوا ولی فون کال ختم کر کے اندر داخل ہوا۔ اس کے قدموں میں تھکن تھی، مگر اس کی نظریں فجر پر ٹھہری ہوئی تھیں۔ وہ آہستگی سے اس کے قریب آ کر بیٹھا۔

فجر ہاتھ میں چائے کا مگ پکڑے گہری سوچ میں تھی۔ وہ اس وقت خود سے لڑ رہی تھی، اپنے وجود کے بکھرتے ٹکڑوں کو سمیٹنے کی بے سود کوشش میں تھی۔ جو کچھ ہوا تھا اسے سمجھنے اور قبول کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ولی نے اس کے چہرے پر جھولتی لٹ کو پیچھے کیا اور نرم لہجے میں اس کی خاموشی کو توڑنے کی کوشش کی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟"

فجر نے اپنی آنکھوں میں پھیلی ویرانی لیے ولی کی طرف دیکھا۔ وہ بولی اس کی آواز میں ایک خوف تھا جو شاید ہمیشہ کے لیے اس کے وجود کا حصہ بن چکا تھا۔

"یہی کہ جب بگ بی کو پتا چلے گا، وہ مجھ سے مزید نفرت کریں گے۔ جب انہیں پتا چلے گا کہ میں۔۔۔ منار اور فرقان گردیزی کی بیٹی ہوں۔"

"وہ تم سے نفرت نہیں کرتے، فجر!" ولی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے مزید نرمی سے دلاسہ دیا۔ فجر نے پھر سے چائے پر نظریں جمائیں۔ دل میں ایک عجیب سی امید جاگی، جسے وہ خود سے دور دھکیلنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"وہ تم سے نفرت کرتے، تو کبھی تمہارے گارجین نہ بنتے۔ وہ جو خود کو دکھاتے ہیں، اس سے بالکل مختلف ہیں۔ ان کے دل میں تمہارے لیے ایک خاص جگہ ہے۔ وہ تم سے کبھی نفرت نہیں کر سکتے۔"

فجر نے اس کی بات سنی اور پھر تھوک نگلتے ہوئے سر جھکا لیا۔ احساسِ جرم اسے اندر ہی اندر کھا رہا تھا، حالانکہ اس نے کوئی جرم نہیں کیا تھا۔ وہ کچھ دیر سوچتی رہی اور پھر اس کی آواز سنائی دی۔

"اور۔۔۔ اور۔۔۔ جب بگ بی کو ان کے زندہ ہونے کا پتا چلے گا تو؟" اسکی آنکھوں میں خوف کی پرچھائی ابھری۔

"یہ انکا معاملہ ہے وہ دیکھ لیں گے۔ تمہیں بس یقین رکھنا ہو گا۔" وہ اسکے یقین دلانے پر اثبات میں سر ہلاتے نظریں جھکا گئی۔ چند لمحے یونہی گزرے پھر جیسے اسے کچھ یاد آیا۔

"تم نے اتنا کچھ مجھ سے چھپایا۔۔۔ خود کو عقلِ کُل سمجھتے ہو؟" اب وہ اسے خفگی سے گھور رہی تھی۔

وہ اس کے جملے پر ہنس دیا۔ یہ ایک بے ساختہ ہنسی تھی، جس میں اس کی ساری محبت اور بے بسی چھپی نظر آئی۔

"میں تم پر مر مٹا ہوں، مسز! محبت میں عقل کا کیا کام؟"

وہ اسکے جملے پر لب کاٹ کر رہ گئی۔ اسے دیکھتی رہی اور پھر گویا ہوئی۔

"تم مجھ سے واقعی محبت کرتے ہو؟"

"تم سے صرف عشق کیا جاسکتا ہے۔" وہ بے ساختہ بولا۔ گہری نظریں اس کے چہرے پر جمائے جو ساکت بیٹھی تھی۔

"تو پھر اتنا سب کیوں چھپایا؟" سینے میں ابھی تک جلن تھی۔

ولی نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے؟" نرمی سے پوچھا، "میں نے وہ سچائی محض تمہارے لیے چھپائی تھی؟ اس سچ میں میری ماں کی جھولتی لاش بھی تو چھپی تھی۔ اس سچ میں میری نینسی کی بے جان آنکھیں بھی تو تھیں۔"

"آئی ایم سوری۔۔۔" وہ بھرائی آواز میں بولی۔ اس نے ولی کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا اور اپنے بکھرے ہوئے وجود کو سمیٹنے کی کوشش کی۔ وہ محبت کی اس پناہ گاہ میں سانس لینا چاہتی تھی، جہاں اسے کوئی گناہگار نہ کہتا۔

"میرے بس میں ہوتا تو میں ماضی بدل دیتی۔۔"

"پھر ہم ساتھ کیسے ہوتے؟" اس کے بالوں کو سہلاتے نرمی سے پوچھا۔

"کاش میں اس کہانی کا انجام بدل پاؤں۔۔۔"

"اب یہ کہانی صرف تمہاری نہیں ہے۔ یہ میری بھی کہانی ہے اور ہم اسے بدل دیں گے۔"

دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا، ان آنکھوں کی خاموشی میں بھی ایک ہزار باتیں چھپی تھیں، جو الفاظ کے محتاج نہیں تھیں۔ وہ دونوں ایک ساتھ تھے، اور اس وقت یہی سب سے بڑی حقیقت تھی۔

ایک اور حقیقت تھی جس سے وہ ناواقف تھے۔ڈائری کے وہ پنے صحیح سلامت ہوتے تو وہ جان جاتے کہ وہ بچپن سے ایک دوسرے سے بندھے تھے۔ افق اور نگزیب نے اپنے چند مہینے کے بیٹے کے لیے منار معراج کی بیٹی کو مانگ لیا تھا جو ابھی پیدا بھی نہیں ہوئی تھی۔ انکا **ملنا** طے تھا اور دوسرے کو **اپنا لینا** مقدر۔۔۔۔۔۔

✿••✿••✿••✿

یہ دسمبر کی ایک یخ بستہ رات تھی، جب شہر کی فلک بوس عمارت کے شیشوں پر باہر کی تیز ہوا شور مچا رہی تھی۔ مگر اندر پروڈکشن روم میں وقت ساکن ہو چکا تھا۔ کمرہ ایک مقدس عبادت گاہ کی طرح روشن اور خاموش تھا۔ چاروں ہلکی سنہری روشنی پھیلی ہوئی تھی، دیواروں پر لگے لیمپ شیشے اور دھات سے ٹکرا کر عکس پیدا کر رہے تھے۔ چاروں طرف قیمتی پتھروں، دھات کے اوزاروں اور ڈیزائن کے خاکوں سے بھری میزیں تھیں۔ خاموشی کے بیچ صرف اس کی سانسوں اور اوزاروں کی ہلکی کھنک سنائی دیتی تھی۔

رئیس لمبے سیاہ کوٹ میں ملبوس، بازو موڑ کر جھکا ہوا تھا۔ اس کے سامنے ایک چھوٹی سی میز پر جمی مخملی کپڑے کی شیٹ پر قیمتی ہیرے اور موتی بکھرے تھے، دنیا کے نایاب ترین جواہرات۔ ان کے عکس میں روشنی یوں جھلمل کر رہی تھی جیسے کوئی چھوٹا سا کہکشانی جھرمٹ بچھا دیا ہو۔

وہ ہنر اور صبر کے ساتھ ہر ہیرے کو چمٹی میں تھام کر باریکی سے دیکھتا۔ ایک پتھر کو چھوٹے آلے سے تراشتا، پھر آہستگی سے دوسرے کے ساتھ جوڑتا۔ دھات کو آگ پر نرم کرتا، پھر باریک قلم سے اس میں لکیریں کھینچتا۔ ایسی لکیریں جو عام نظر کو بس خوبصورتی دکھتیں مگر دراصل ان میں صدیوں کا فن اور راز پوشیدہ تھا۔

اس فن پارے کو مکمل ہونے میں ستاون دن لگے تھے۔ ہر دن ایک نئے امتحان کی طرح تھا، جس میں اس نے ہر ہیرے کو بڑی محنت سے تراشا اور پھر انہیں یوں جوڑا جیسے ستارے ایک دوسرے کی کشش سے جڑے ہوں۔

اب وہ آخری رات تھی، اور رئیس کے سامنے اس کے فن کا نچوڑ رکھا تھا۔ ایک ننھا سا لاکٹ، بالکل ویسا ہی جیسا کہ پرانی داستانوں میں بیان کیا جاتا ہے۔ اس کی شکل سادہ تھی، ایک بیضوی خول، جو باہر سے ایک خوبصورت، سیاہ اور گہرے رنگ کے ہیرے سے بنا ہوا تھا۔ اس کی سطح پر باریک، مدھم سے نقش و نگار تھے جو اسے ایک پراسرار اور قدیم شکل دے رہے تھے۔

پھر اس نے آہستگی سے اس لاکٹ کے خول کو کھولا، اور اندر کی دنیا اس کے سامنے آ گئی۔ خول کے اندر، سیاہ ہیروں سے بنی ہوئی ایک مکڑی تھی، گویا کسی تاریک سمندر کی تہہ میں جمی ہوئی لگتی تھی۔ اس کی باریک ٹانگیں ایسے تراشی گئی تھیں کہ جیسے ہوا میں تیر رہی ہوں۔ مکڑی کا درمیانی حصہ ایک بڑا سرخ ہیرا تھا، جو لاکٹ کی گہرائی میں یوں دہک رہا تھا جیسے کوئی دبی ہوئی آگ۔ اس کی چمک نے اندر کی فضا کو ایک غیر معمولی سرخی بخشی ہوئی تھی۔

یہ لاکٹ محض ایک زیور نہیں تھا، بلکہ ایک راز تھا جو اپنے اندر ایک خوفناک خوبصورتی کو چھپائے ہوئے تھا۔ اس کی قیمت کا اندازہ لگانا ناممکن تھا، مگر مراد کہتا تھا کہ یہ تخلیق ایک سو ستاون کروڑ (157) کی تھی۔ اتنی کہ کئی سلطنتیں ڈوب جائیں اور پھر بھی اس کی چمک باقی رہے۔

جب لاکٹ مکمل ہو گیا تو اس کی آنکھوں میں تھکن اور سکون دونوں نمایاں تھے۔ ستاون دنوں کی مسلسل محنت، ان کے اندرونی وسوسے، اس کی یکسوئی، سب کا حاصل اس لاکٹ کی صورت میں تھا۔ یہ لاکٹ نہیں تھا، بلکہ ایک جال تھا جسے وہ دنیا اور شاید خود اپنے لیے بُن چکا تھا۔

✿••✿••✿••✿

لکڑی کی میز پر رکھے مگ میں کافی کب کی ٹھنڈی ہو چکی تھی، اس کی سطح پر پتلا سا دھندلا پردہ جم گیا تھا، جیسے وقت خود بھی تھک کر تھم گیا ہو۔ فلک اپنی مخصوص نیلی چادر میں لپٹی کرسی پر جھکی بیٹھی تھی، اس کے سامنے کھلی

اسکرین پر لفظوں کی لڑی بن رہی تھی۔ کی بورڈ پر پھسلتی انگلیاں بار بار رُکتیں، پھر چلنے لگتیں، جیسے اس کے دل کی دھڑکنیں اسکرین پر بہہ رہی ہوں۔ **"جب محبت ٹھکرا دے تو اس سے کیسے باہر نکلا جائے؟"**

"جب محبت ٹھکرا دے تو انسان کا دل پہلے اپنی ہی دھڑکنوں کو دشمن سا لگنے لگتا ہے۔ وہ لمحے، جو کبھی روشنی کے چراغ تھے، اب اندھیروں کے خنجر بن جاتے ہیں۔ مگر زندگی کا کمال یہی ہے کہ وہ ٹوٹی ہوئی اینٹوں سے بھی ایک نیا آشیانہ بنا لیتی ہے۔ محبت کے انکار کے بعد انسان اگر اپنے زخموں کو عزت دے، اپنی تنہائی کو گلے لگائے اور اپنی ذات سے دوستی کر لے، تو دھیرے دھیرے وہی زخم زندگی کی سب سے بڑی طاقت میں بدل جاتے ہیں۔ محبت کا ٹھکرایا جانا کبھی اختتام نہیں ہوتا۔ یہ اکثر نئے آغاز کا پہلا دروازہ ہوتا ہے۔ بس ہمت چاہیے، اور یقین کہ دل کی راکھ سے بھی دوبارہ چراغ جل سکتے ہیں۔" اس کی انگلیاں تیزی سے پھسل رہی تھیں۔

"محبت جب آپ کو نہیں اپناتی، تو وہ دشمن نہیں بنتی۔ وہ بس ایک پرچھائی بن جاتی ہے، جو ساتھ ساتھ چلتی ہے لیکن ہاتھ نہیں تھامتی۔ ایسے میں نفرت پیدا نہیں ہوتی، بس ایک تھکن، ایک بوجھ اترنے کی خواہش جاگتی ہے۔ محبت سے نکلنے کے لیے نفرت درکار نہیں، ہمت درکار ہوتی ہے۔"

یہ جملے لکھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔ وہ جانتی تھی کہ یہ کتاب صرف قاری کے لیے نہیں، اس کے اپنے علاج کے لیے بھی تھی۔ اس کے پاس دن محدود تھے، اور وہ ہر لفظ کو دوا کی طرح اپنے اندر اتار رہی تھی۔

کھڑکی کے باہر دسمبر کی رات کا چاند دھند میں لپٹا ہوا تھا۔ ہوا میں ٹھنڈک کی کاٹ تھی، جیسے ہر شے خاموشی اور سوگ میں ڈوبی ہو۔ اس نے لمحہ بھر کو کھڑکی کے پار دیکھا۔

کتنی عجیب بات ہے کہ آسمان پر موجود روشنی بھی اپنی پوری طاقت کے باوجود زمین کے ہر کونے کو روشن نہیں کر پاتی۔ شاید محبت بھی ایسی ہی ہوتی ہے۔۔۔ چاہے جتنی بڑی ہو، کچھ جگہیں ہمیشہ اندھیرے میں رہ جاتی ہیں۔

کھڑکی سے ہٹ کر اس کی نگاہ موبائل فون پر جا ٹکی۔ ایک لمحے کے لیے دل نے ضد کی کہ وہ فجر کو کال کرے۔ جانے کیوں آج دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس سے بات کرے، اس کی آواز سنے، اس کی زندگی میں خود کو قریب محسوس کرے۔

مگر دل کی یہ خواہش اگلے ہی لمحے ایک یاد سے ٹکرا گئی۔ جب سے اسے معلوم ہوا تھا کہ رئیس فجر سے محبت کرتا ہے، اس نے فجر سے فاصلہ بڑھا لیا تھا۔ نہ وہ نفرت کرنا چاہتی تھی، اور نہ حسد، وہ بس اپنے آپ کو وقت دینا چاہتی تھی۔ اسے لگتا تھا فجر کے قریب جانا اس کے اپنے زخم کو ہرا کر دے گا، اور وہ چاہتی تھی کہ یہ زخم اپنی رفتار سے مندمل ہو۔ وہ یہ بھی جانتی تھی فجر کا چہرہ منار کا چہرہ نہ ہوتا تو وہ رئیس کی کمزوری کبھی نہ بنتی۔۔۔ وہ جانتی تھی اس میں فجر کا قصور نہیں تھا۔ یہ تو بس اس ایک چہرے کی بات تھی۔۔۔۔ آہ، وہ چہرہ!

اس نے موبائل اٹھا لیا، اسکرین جل اُٹھی۔ چند لمحوں تک وہ نمبر دیکھتی رہی، انگلی بار بار کال کے بٹن پر جا رکی مگر دبا نہ سکی۔ دل کہہ رہا تھا کہ آج تنہائی بانٹ لی جائے، لیکن عقل کہہ رہی تھی کہ یہ کمزوری ہے۔ آخر کار اس نے موبائل میز پر رکھ دیا، اور آنکھیں بند کر کے لمبی سانس لی۔ کمرے میں پھر خاموشی چھا گئی، صرف گھڑی کی ٹک ٹک باقی تھی۔

وہ نہیں جانتی تھی جو فجر پر گزر چکی تھی۔ کیونکہ ہر شخص اپنی اپنی تنہائی، اپنے اپنے سائے سے لڑ رہا ہوتا ہے۔ کسی کے پاس وقت نہیں کہ وہ دوسرے کا بوجھ اٹھائے۔ شاید اسی کا نام زندگی ہے۔

وہ تھکی ہوئی مسکرائی، پھر دوبارہ سیدھی ہو بیٹھی اور زہر خوردہ پری کے مسودے پر اگلا جملہ لکھنے لگی۔

✿••✿••✿••✿

منار فیشنز کی راہداری اُس صبح ایک شاہی قلعے کی راہداری لگ رہی تھی۔ روشنی ماربل کے فرش پر یوں جھلک رہی تھی جیسے کسی تخت کے سامنے قالین بچھایا گیا ہو۔ اور وہ اس قالین پر قدم رکھتی آگے بڑھ رہی تھی۔ اس کے قدموں کی ٹک ٹک میں مضبوطی تھی۔

رات اس پر کیسی بھی گزری ہو۔ چاہے وہ اندر ہی اندر ٹوٹ کر بکھری ہو، تنہائی نے اسے نگلنے کی کوشش کی ہو، یا آنسوؤں نے دل کا بوجھ ہلکا کیا ہو۔

مگر صبح وہ ہمیشہ ایک نئی عورت بن کر اٹھتی تھی۔ یہی اس کی سب سے بڑی خوبی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ ایک عورت کو ٹوٹنے کا حق ہے۔۔۔ مگر بکھرے رہنے کی اجازت نہیں۔ وہ جانتی تھی فجر معراج ٹوٹ سکتی تھی مگر جھک نہیں سکتی۔

اور عورت چاہے اندر سے کتنی ہی زخمی کیوں نہ ہو، اپنی سلطنت کے دربار میں اُسے ملکہ بن کر آنا ہوتا ہے۔

اور اس کی یہ عادت اچھی تھی کہ وہ بہت جلد خود پر قابو پا لیتی تھی۔ زخموں کو آنکھوں کے پیچھے قید کر لیتی، اور چہرے پر ایسا جلال سجا لیتی کہ دیکھنے والا گھبرا جائے۔

آج بھی اس نے اپنے وجود کو شاہکار کی طرح سنوارا تھا۔ گہرا زمردی سبز سلک بلاؤز جس پر باریک سنہری دھاگے کی کڑھائی تھی، اس کے ساتھ سیاہ ہائی ویسٹڈ پینٹ، اور آئینہ کی طرح چمکتے کورٹ شوز، کانوں میں ننھے مگر نایاب ڈائمنڈ اسٹڈز، کلائی پر ایک نفیس گھڑی اور بال نفیس جُوڑے میں بندھے ہوئے۔

وہ اپنی مخصوص چال چلتی آگے بڑھتی گئی۔ ہوا اس کے وجود کے ساتھ جھکتی محسوس ہو رہی تھی۔ ابھی وہ اپنے آفس کے دروازے تک پہنچی بھی نہ تھی کہ اچانک موبائل بج اُٹھا۔

سکرین پر پرائیویٹ نمبر چمکا۔ ایک پل کے لیے اس کی آنکھوں میں خوف کی ایک جھلک ابھری، مگر فوراً ہی اس کے لبوں پر ایک زہر بھری مسکراہٹ سج گئی۔ وہ مسکراہٹ جو اس کی اصل پہچان تھی۔ کسی کے سامنے کمزور نہ پڑنے کی۔ ملکہ ملعون کی پہچان؟ فون کان سے لگایا۔ لب ہولے سے ہلے۔

"ہیلو۔۔۔ مدر!"

دوسری جانب چند لمحے کی خاموشی تھی۔ گویا منار اس لفظ کی توقع نہیں کر رہی تھی۔

"میرے مدر کہنے پر یہ مت سمجھیے گا کہ میں آپ کو اپنی ماں سمجھ رہی ہوں کیونکہ میری ماں، ترنم عالمگیر ہیں۔"

دوسری جانب چند لمحے خاموشی چھائی رہی۔ پھر مخصوص آواز ابھری۔

"تو پھر کیا سوچا تم نے، بے بی گرل؟"

فجر کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔ لہجے میں آہنی اعتماد، لفظوں میں چٹان جیسی سختی عود آئی۔

"آپ میری ماں ہوتیں تو شاید جان جاتیں۔۔۔۔ میں اپنی کوئی چیز نہیں چھوڑتی۔"

فون کے دوسری طرف جیسے ہوا کھنچ گئی۔ منار کی بھنویں ضرور سکڑیں۔ اسے ناں سننے کی عادت نہیں تھی۔

"تم جانتی ہو تم کیا کہہ رہی ہو؟"

"آف کورس۔۔ اسی لیے کہہ رہی ہوں۔ مجھے ڈرانا بند کریں۔

یہ میرا گھر ہے، یہ میری سلطنت ہے۔ یہ ٹوٹے گا نہیں۔۔۔ کبھی نہیں۔"

یہ سنتے ہی منار کی ہنسی ابھری۔ وہ ہنسی جس میں تحقیر، طنز اور خطرہ تینوں تھے۔

"اچھا۔۔۔تو تمہیں اندازہ بھی نہیں اسکا انجام کیا ہو سکتا ہے۔"

"مجھے جاننے میں کوئی دلچسپی نہیں۔ آپ بس یہ جان لیں کہ میں کہیں نہیں جا رہی۔ نہ اس گھر سے، نہ اس کھیل سے۔۔۔"

بیگم اِن ہو چکی تھی۔ اس نے بنا کچھ سنے فون بند کر دیا۔ دروازہ دھکیلا، اور اپنے آفس میں داخل ہوئی۔

ایک چہرے والی، دو عورتیں آمنے سامنے آ چکی تھیں۔

ایک فجر معراج اور دوسری منار معراج!

وہ جو ایک دوسرے کا سایہ تھیں۔

ایک کے وجود میں جادو اور زہر تھا۔

دوسری کے وجود میں غرور اور تخت!

اگر فجر معراج سے رانیاں ڈرا کرتی تھیں تو منار معراج، ان رانیوں کو کھا جاتی تھی۔

اب یہ کھیل دو ملکاؤں کا تھا۔

دیکھنا یہ تھا کہ سلطنت پر قبضہ کس کا ہوتا۔

✿••✿••✿••✿

سوشل میڈیا کی چکا چوند دنیا میں وہ ایک خبر نہیں، ایک دھماکہ تھا۔ ایمبر لائٹ اسٹوڈیوز کے آفیشل پیج پر جاری کی گئی ایک مختصر مگر تباہ کن پوسٹ نے فیشن اور شوبز کی دنیا میں بھونچال پیدا کر دیا تھا:

"انتہائی افسوس کے ساتھ مطلع کیا جاتا ہے کہ منار فیشنز کے ساتھ ہمارا معاہدہ فوری طور پر ختم کیا جا رہا ہے۔ محترمہ فجر معراج کے غیر پیشہ ورانہ رویے اور اچانک منصوبے سے دستبرداری نے ہمیں مایوس کیا ہے۔ ہم عالمی صنعت میں ذمہ داری اور عزم کی قدر کرتے ہیں، اور اس قسم کا رویہ ناقابلِ قبول ہے۔"

یہ پوسٹ محض چند الفاظ کا مجموعہ نہیں تھی، بلکہ فجر کے کیریئر پر لگایا گیا ایک کاری وار تھی۔ ابھی لوگ اس خبر کے جھٹکے سے سنبھل بھی نہ پائے تھے کہ ایک ویڈیو وائرل ہو گئی۔ اسکرین پر فجر معراج کا چہرہ تھا۔ وہی نقوش، وہی جانی پہچانی آواز، مگر الفاظ نخوت بھرے تھے۔

"میں ایک ملکی فلم پر کام کر رہی ہوں، جس کی وجہ سے میرے پاس ایمبر لائٹ جیسے بڑے پروجیکٹ کے لیے وقت نہیں ہے۔ کبھی کبھی اپنے ذاتی عزائم زیادہ اہم ہوتے ہیں۔"

بس پھر کیا تھا، تبصروں اور سرخیوں کا ایک طوفان امڈ آیا۔ ہر نیوز چینل کی ہیڈ لائن، ہر فیشن بلاگ کا موضوع یہی تھا۔

"پاکستانی ڈیزائنر کی عالمی بے عزتی، فجر معراج نے ایمبر لائٹ کو دھوکہ دیا۔"

"کیا ملکی فلم کے لیے بین الاقوامی موقع ٹھکرا دیا گیا؟"

"منار فیشنز کی ساکھ داؤ پر لگ گئی!"

اسے یہ سب تب معلوم ہوا جب فون پر الزامات کی بارش ہونے لگی۔ وہ اپنے آفس میں ساکت کھڑی تھی، سامنے لیپ ٹاپ کی اسکرین پر اپنی ہی ہمشکل کو مسکرا کر جھوٹ بولتے دیکھ رہی تھی۔ اس کا دماغ سن اور دل برف کی طرح

ٹھنڈا ہو رہا تھا۔ یہ وہ نہیں تھی۔ یہ کال اس نے نہیں کی تھی۔ یہ ویڈیو اس نے نہیں بنائی تھی۔ یہ منار تھی اور اسکے الفاظ گونج اٹھے۔

"تم صرف میری پرچھائی ہو۔"

یہ اس کی نافرمانی کی پہلی سزا تھی۔

اگلے چند گھنٹے منار فیشنز کے لیے قیامت سے کم نہ تھے۔ دفتر کی پر سکون راہداریوں میں سرگوشیوں کا زہر گھل چکا تھا۔ ہر کوئی فجر کو شک کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔ اسکی عقل پر ماتم کر رہا تھا۔ ووگ جیسے میگزین کے فرنٹ کور تک پہنچنے والی فجر معراج اب نفرت کی زد میں تھی۔

"یہ فجر نے کیا کر دیا؟ اتنی بڑی کمپنی سے کون معاہدہ توڑتا ہے؟"

"اب کمپنی کا کیا ہو گا؟ ہماری ساکھ تو مٹی میں مل گئی۔"

فون کی گھنٹیاں بجنا بند نہیں ہو رہی تھیں۔ ایک کے بعد ایک مقامی کلائنٹس اپنے پروجیکٹس روکنے، معاہدوں پر نظرِ ثانی کرنے کی دھمکیاں دے رہے تھے۔ جو برانڈز کل تک منار فیشنز کے ساتھ کام کرنے پر فخر کرتے تھے، آج وہ اپنا نام اس "**غیر پیشہ ور**" کمپنی کے ساتھ جوڑنے سے خوفزدہ تھے۔ یہ خبر صرف بین الاقوامی نہیں رہی تھی، بلکہ ملکی سطح پر بھی ان کی بنیادیں ہلا رہی تھی۔

سوال ڈھیروں اور جواب؟ ندارد۔۔۔

وہ خاموش رہی۔ اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ جانتی تھی کہ یہ آگ منار نے لگائی تھی اور اس کا مقصد صرف اسے جلانا نہیں، بلکہ اس کی شناخت کو راکھ کر دینا تھا اور اس وقت وہ جل رہی تھی۔ اسکی شناخت، اسکی پہچان

پر حملہ ہوا تھا وہ کیسے سہہ پاتی؟ میز پر دونوں ہاتھ رکھے وہ جھکی ہوئی تھی۔ اس کا غصہ اس کی جلن دور دور تک محسوس کی جاسکتی تھی۔ اس کی شناخت پر وار کیا گیا تھا۔۔۔ وہ کیسے سہہ پاتی؟ اس کے ناخن میز کی سطح میں گڑ گئے۔ آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں۔ وہ زبان دانتوں تلے دبائے خود پر ضبط کر رہی تھی۔ اپنی چیخ کو اپنے اندر روکے ہوئے تھی۔

اسی دوران، شہر کے دوسرے کونے میں، منار اپنے نیم تاریک اسٹڈی میں بیٹھی تھی۔ اس کے سامنے لگی متعدد اسکرینوں پر وہی خبریں، وہی ویڈیوز، اور لوگوں کے غصے بھرے تبصرے گردش کر رہے تھے۔ اس کے ہاتھ میں پکڑے کپ سے اٹھتی بھاپ اس کے چہرے کے شیطانی تاثرات کو مزید پراسرار بنا رہی تھی۔ اس نے اپنی ہی آواز میں فجر کو ایمبر لائٹ سے انکار کرتے ہوئے سنا اور اس کے لبوں پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ یہ مسکراہٹ آہستہ آہستہ ایک سرد قہقہے میں بدل گئی۔

"کہا تھا نا، بے بی گرل۔۔۔ تمہاری کوئی شناخت ہے ہی نہیں۔ تم میری تخلیق ہو، میری پرچھائی۔ اور پرچھائیوں کا مقدر روشنی میں جل جانا اور اندھیروں میں گم ہو جانا ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔۔۔۔"

✿••✿••✿••✿

منار آؤٹ لیٹ کی عمارت روشنیوں سے جگمگا رہی تھی، مگر اس جگمگاہٹ کے باہر شور کا طوفان کھڑا تھا۔ بارش کی ہلکی بوندوں نے ہوا کو نمی دی ہوئی تھی اور کیمروں کی فلش لائٹس ہر لمحے اندھیرے کو چیر رہی تھیں۔ جیسے بجلی مسلسل کوند رہی ہو۔ وہ یہاں وزٹ کے لیے آئی تھی اور اب یہاں سے نکلنا مشکل لگ رہا تھا۔

شیشے کے دروازے کے پیچھے سکیورٹی کا ایک حلقہ بنا ہوا تھا۔ اندر سے قدموں کی چاپ ابھری اور سب کی نظریں ایک دم تن گئیں۔ اگلے ہی لمحے دروازہ کھلا، اور وہ منظر سامنے آیا جس کا انتظار تھا۔ فجر معراج! جس کا وہ انتظار کر رہے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ دروازے سے باہر نکلی۔ سیاہ لانگ کوٹ بارش کی نمی سے بھیگنے لگا، اس کے کندھوں پر

بالوں کی چند لٹیں گرتی ہوئی چمک رہی تھیں۔ بڑی عینک نے اس کی آنکھوں کو ڈھانپ رکھا تھا مگر چہرے کا تاثر کسی بھی کیمرے کے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ اتنی پُر اعتماد اور سرد لگ رہی تھی جیسے یہ سارا شور اس کے لیے کوئی معنی ہی نہ رکھتا ہو۔ اس کے باہر نکلتے ہی یک دم شور بڑھ گیا۔

"فجر معراج! کیا آپ کچھ کہنا چاہیں گی؟"

"کیا آپ کو اندازہ ہے یہ اسکینڈل کتنا بڑا ہے؟"

"ایمبر لائٹ اسٹوڈیوز نے آپ سے کنارہ کیوں کیا؟"

"کیا یہ سب منار فیشنز کا اختتام ہے؟"

سوالات کی بارش میں ہر مائیک اس کی طرف جھک رہا تھا۔ فلیش لائٹس مسلسل چمک رہی تھیں، اور رپورٹرز ایک دوسرے کو دھکیلتے ہوئے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ مگر وہ ایک پتھر کی دیوار کی طرح چلتی رہی۔ نہ رکی، نہ پلٹی، نہ کوئی جواب دیا۔ اس کے عقب میں ولی چل رہا تھا۔ ایک ہاتھ ہلکا سا اٹھائے، دوسرا قریب آنے والوں کو روکتے ہوئے۔ اس کے چہرے پر سختی تھی اور آنکھوں میں تیقن۔ وہ آنکھیں آگے بڑھنے والوں کو خبردار کر رہی تھیں۔ گارڈز نے ہجوم کو گھیرا ہوا تھا مگر وہ اس تک پہنچنے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے۔

گاڑی ہجوم کے پار کھڑی تھی۔ لمبی، بلیک، جس کی کھڑکیاں اندر کا منظر چھپا رہی تھیں۔ ڈرائیور نے دروازہ کھول رکھا تھا مگر وہاں تک پہنچنا گویا ایک معرکہ تھا۔ وہ ہونٹ آپس میں سختی سے پیوست کیے آگے بڑھ رہی تھی۔ اس کے ہیلز کی ہلکی ٹک ٹک بارش سے بھیگی فرش پر گونجتی اور شور میں بھی ایک الگ تاثر دیتی۔ کیمروں کے سامنے وہ ہر لمحہ ایک تصویری فریم بنتی جا رہی تھی۔۔۔۔ شاہانہ مگر ناقابلِ تسخیر!

ایک رپورٹر گارڈز کا گھیرا توڑتے ہوئے آگے بڑھا اس سے پہلے وہ فجر تک پہنچتا ولی نے اسے پیچھے کالر سے پکڑا اور دور جھٹکا۔

"کہا نا دور رہو۔۔۔"

ہجوم لمحہ بھر کے لیے پیچھے ہٹا مگر فوراً پھر سمٹ آیا۔ گاڑی اب قریب تھی، مگر فلیش لائٹس اس قدر تیز تھیں کہ جیسے دن نکل آیا ہو۔

فجر نے ایک لمحے کو گردن اٹھائی۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔۔۔ ایسی مسکراہٹ جو نہ وضاحت دیتی تھی، نہ انکار کرتی تھی۔ بس ایک خاموشی جو سب کو اور زیادہ بے چین کر گئی۔ وہ گاڑی تک پہنچی اور اندر بیٹھ گئی۔

"کیا آپ اس ویڈیو کی وضاحت نہیں کریں گی؟" کیمرے اس لمحے جھپٹ پڑے، مگر ولی نے دروازہ پوری طاقت سے بند کیا اور ایک نگاہ ہجوم پر ڈالی۔ وہ نگاہ خود ایک جواب تھی۔

"یہ تمہارے سوالوں کی حقدار نہیں ہیں۔"

وہ خود بھی اندر بیٹھ گیا۔ ڈرائیور نے جھٹکے سے گاڑی بڑھا دی۔ ہجوم نے آخری بار دھاوا بولا، مائیک اور کیمرے کھڑکیوں سے ٹکرائے، لوگ چیخے، فلیش لائٹس گئیں، مگر لمحہ گزر گیا۔

گاڑی شور اور ہجوم کو پیچھے چھوڑ کر سڑک پر نکل گئی۔

اندر ایک عجیب سی خاموشی چھا گئی۔ صرف گاڑی کا ہلکا سا شور باقی تھا۔ اس نے آہستگی سے سر سیٹ کے ساتھ ٹکایا، آنکھیں موند لیں۔ ولی نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ جانتا تھا، باہر دنیا طوفان اٹھا رہی تھی، مگر اس وقت خاموشی ہی ان کی ڈھال تھی۔

✿••✿••✿••✿

روشنیوں کی جھلکیاں ایک دوسرے سے ٹکرا رہی تھیں۔ کیمرے کے لینز کے سامنے فلم کی ہیروئن، ایک نیا چہرہ، اپنی ڈائیلاگ ڈیلیوری دہرا رہی تھی۔ بھاری بھرکم لائٹس کے نیچے پسینے کی بوندیں اس کے ماتھے پر دیکھی جا سکتی تھیں، مگر جارج کی آنکھیں صرف مانیٹر پر مرکوز تھیں۔

"کیمرا رولنگ۔۔۔ سین فورٹی سیون، ٹیک ٹو۔۔۔ ایکشن!" اسسٹنٹ ڈائریکٹر کی آواز گونجی۔

جارج کرسی پر بیٹھا اپنے ہیڈ فونز میں اداکاروں کی آوازیں سنتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں تیز چمک تھی، جیسے سب کچھ قابو میں ہو۔ سین ختم ہوا، اداکارہ نے مکالمہ ادا کیا مگر آواز میں جھجک تھی۔ جارج نے فوراً مانیٹر سے نظریں ہٹائیں اور بلند آواز میں بولا۔

"کٹ!"

پورے ہال میں ایک دم خاموشی چھا گئی۔ بوم مائیک تھامے لڑکے نے ہاتھ ڈھیلے کر دیئے، ایکسپوزر والے نے کیمرہ بند کیا۔ سب کی نظریں جارج پر ٹھہر گئیں۔

"اور زیادہ جذبات چاہئیں۔ یہ کردار کمزور نہیں ہے، اس کے اندر شدت ہے۔"

وہ کرسی سے اٹھا اور اداکارہ کے قریب جا کر نرم مگر مضبوط لہجے میں بولا۔

"پھر سے ریہرسل کرو۔ تم یہ کر سکتی ہو۔"

اداکارہ نے سر ہلایا۔ جارج کی نظریں چند لمحوں کے لیے روشنیوں میں اٹکیں اور پھر اس نے اپنے ڈائریکٹرز چیئر پر بیٹھنے کے لیے رخ موڑا۔ وہ ابھی بیٹھا ہی تھا کہ قریب رکھی میز پر اس کا فون زور زور سے بجنے لگا۔ وہ کافی دیر سے بج

رہا تھا۔ اس نے ایک نظر اسکرین پر ڈالی۔ نمبر انجان تھا۔ وہ ریکارڈنگ روکنا نہیں چاہتا تھا مگر کال بار بار آ رہی تھی۔ آخر کار اس نے اسٹاف کو اشارہ کیا۔

"پانچ منٹ کا بریک۔۔۔"

سیٹ پر ہلچل بڑھ گئی۔ کوئی پانی لا رہا تھا، کوئی اگلے سین کی تیاری کر رہا تھا۔ مگر جارج کے کانوں میں بس فون کی مسلسل بیل گونج رہی تھی۔ وہ فون اٹھا کر اسٹیج کے شور سے دور ایک کونے کی جانب نکل آیا۔

کال بند ہو چکی تھی۔ وہ ابھی فون کرنے والے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک اسکرین پر ایک نوٹیفیکیشن ابھرا۔ ایک ویڈیو موصول ہوئی تھی۔

اس نے کس قدر تیزی سے ویڈیو اوپن کی۔ جیسے ہی ویڈیو چلی، اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ وہ اپنی جگہ جم گیا۔ اسکرین پر وہ خود تھا۔۔۔

جارج جوزف! اور اس کے ساتھ باورچن صوفی کی بیٹی۔۔۔ لیزا!

یہ جوزف پیلس کے کچن کی فوٹیج تھی۔ وہ لمحہ جب ولیم نے اچانک وہاں آ کر جارج کو یہ شرمناک حرکت کرتے دیکھ لیا تھا اور ان دونوں کے بیچ لڑائی ہوئی تھی۔

"نہیں۔۔۔ یہ نہیں ہو سکتا۔۔۔"

وہ ہکلاتے ہوئے بڑبڑایا۔ اس کی انگلیاں کپکپانے لگیں۔

لیزا کے چہرے پر مسکراہٹ تھی، وہ قریب کھڑی تھی اور جارج اس پر جھکا ہوا تھا۔ یہ دیکھتے ہوئے اس نے دوسرا ہاتھ بے اختیار اپنے لبوں پر رکھ لیا۔ وہی لب۔۔۔ جن سے اس نے ایک کمزوری کا اظہار کیا تھا، جن پر اس نے کنٹرول کھو دیا تھا۔

چہرے کا رنگ پہلے سفید پڑا، پھر غصے اور خوف میں سرخ ہونے لگا۔ دل کی دھڑکن تیز سے تیز تر ہو گئی۔ فون دوبارہ بجنے لگا۔

اس بار اس نے لرزتے ہاتھوں سے کال ریسیو کی۔

"ہے۔۔۔ ہیلو۔۔۔"

آواز اس کے گلے میں ہی پھنس گئی۔

"ہیلو، جارج۔۔۔" لیزا کی مدھم مگر خطرناک آواز ابھری۔

"کیا بکواس ہے یہ، لیزا؟" وہ اچانک پھٹ پڑا۔ دماغ گھوم گیا تھا۔

"بکواس نہیں ہے، یہ حقیقت ہے۔ تم مجھے سالوں سے نظر انداز کر رہے ہو، جارج! جبکہ میں۔۔۔ میں بس تمہیں سوچتی ہوں۔"

"تم جانتی ہو یہ کیا ہے؟ تم مجھے بلیک میل کر رہی ہو؟" آواز دھیمی مگر تیز تھی۔

"یہ صرف میرے لیے تھا۔ ایک یاد۔۔۔ پر تم مجھے پسند ہو جارج! اور میں اب اس پیلس میں صرف باورچن کی بیٹی بن کر نہیں رہ سکتی۔"

"تم ہوش میں تو ہو؟" وہ ہولے سے غرایا، ضبط کی آخری حد۔

"ہوش میں تو اب آئی ہوں۔" وہ ہنسی۔ "یہ ویڈیو میں نے اپنے لیے بنائی تھی لیکن اب وقت آگیا ہے کہ اسے دنیا دیکھے۔ سوچو، جارج۔۔۔ تمہارے باپ کی حرمت کہاں جائے گی؟ تمہارا نام، تمہارا کریئر۔۔۔ یہ خاندان کا وقار۔۔۔ سب خاک میں مل جائے گا۔"

جارج کا دم خشک ہو گیا۔

"تم برباد ہو جاؤ گے۔ اس سے بہتر ہے کہ تم اس جینی چڑیل کو دفع کرو اور مجھ پر دھیان دو۔۔۔ تین دن۔۔ بس تین دن ہیں تمہارے پاس۔ سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا۔"

کال کٹ گئی۔ وہ بے جان ٹانگوں کے ساتھ قریبی کرسی پر بیٹھ گیا۔ آنکھوں کے سامنے سب دھندلا گیا۔ اس معاشرے میں یہ کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ ایسے تعلق عام تھے مگر اپنے ہی گھر کی باورچن کے ساتھ؟ شوبز کے لوگوں کو ویسے بھی کچھ معاف نہیں ہوتا۔ ان کی چھوٹی سی غلطی بڑی تباہی لا سکتی ہے وہ بھی اس وقت جب دعویٰ کرنے والی گھر کی ملازمہ ہو۔۔۔ حالانکہ انکا ایسا کوئی رشتہ نہیں تھا۔ نہ جارج کا اس سے ایسا کوئی جسمانی تعلق تھا مگر یہ چھوٹی سی غلطی۔۔۔

بے داغ کردار پر اگر داغ لگ جائے تو مٹانا مشکل ہو جاتا ہے۔ اف یہ کیا کر دیا تھا اس نے؟

فوراً ویڈیو ڈیلیٹ کی۔ یوں جیسے لیزا کے فون سے بھی ہو جائے گی۔ بے ساختہ پیشانی مسلی۔ غصے اور جذبات کے فیصلے کبھی کبھی منہ کے بل گراتے ہیں۔

ارد گرد شور بڑھ رہا تھا۔ اداکار ہنس رہے تھے، کوئی ڈائیلاگ زد ہرا رہا تھا، کوئی روشنیوں کا زاویہ درست کر رہا تھا۔ مگر اس کی سماعت میں صرف سائیں سائیں تھی۔

اس نے پیشانی تھام لی۔ سر میں درد کی لہر اٹھ رہی تھی۔ حلق خشک تھا۔

اسٹیج کی روشنیوں کا ہالہ دور سے جھلملاتا رہا مگر جارج کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ اس کے کانوں میں لیزا کی آخری باتیں گونج گئیں۔

"تم برباد ہو جاؤ گے جارج۔۔۔ تین دن ہیں تمہارے پاس۔۔۔"

اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا، ارد گرد دیکھا۔ کوئی نہ جان پائے کہ اس کے اندر کیا طوفان مچ چکا ہے۔ پھر گہری سانس لی، دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں بھینچیں، اور دھیرے دھیرے اپنے چہرے پر ایک مصنوعی اطمینان سالایا۔

"جارج۔۔۔؟" اسسٹنٹ ڈائریکٹر اس کے قریب آیا۔ "شاٹ ریڈی ہے۔"

جارج نے ایک لمحے کو آنکھیں بند کیں، پھر چہرے پر نقاب سا ڈال کر بولا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ سب اپنی پوزیشن پر۔"

اس کی آواز میں اعتماد تھا، مگر دل کے اندر دھڑکن اتنی تیز تھی جیسے ابھی باہر نکل آئے گی۔ وہ واپس ڈائریکٹرز چیئر پر بیٹھ گیا۔ کیمرا مین نے سوالیہ نظروں سے دیکھا، جیسے جاننا چاہتا ہو کہ سب واقعی ٹھیک ہے یا نہیں۔ جارج نے فوراً مانیٹر کی طرف نظریں گاڑ لیں۔

"کیمرا رولنگ! ساؤنڈ؟"

"ساؤنڈ او کے! ایکشن!"

ہیروئن اپنے ڈائیلاگ دہرا رہی تھی۔ مگر جارج کا دماغ وہاں نہیں تھا۔ ویڈیو کے ایک ایک فریم نے اسے اپنی گرفت میں جکڑ رکھا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اگر یہ باہر نکل گئی تو مسٹر جوزف کے سامنے وہ کس منہ سے

کھڑا ہو گا؟ اسٹار لائٹ اسٹوڈیو کی شہرت کا کیا ہو گا؟ اس کا حلق خشک تھا۔ وہ پانی کی بوتل کھول رہا تھا کہ اچانک ہیروئن کی آواز ٹوٹی، مکالمہ لڑکھڑا گیا۔

"کٹ!"

اس کی آواز بے قابو ہو گئی۔ وہ اپنی جھنجھلاہٹ پر قابو نہ رکھ سکا۔

"یہ کیا ہے؟ کہا تھا نا فیلنگز چاہئیں! تمہاری آنکھوں میں وہ آگ کیوں نہیں آ رہی؟"

اداکارہ کے چہرے پر مایوسی چھا گئی۔ سیٹ پر خاموشی چھا گئی۔ سب کو اندازہ ہو چکا تھا کہ ڈائریکٹر کے موڈ میں کچھ گڑبڑ تھی۔ اس نے گہری سانس لی، آواز نرم کی۔

"دیکھو۔۔ مجھے تم پر یقین ہے۔ مگر یہ سین تبھی کام کرے گا جب تم اپنی روح ڈال دو گی۔"

وہ کھڑا ہوا، اداکارہ کے قریب گیا، اور اپنی ہتھیلی سے اشارہ کیا جیسے وہ جذبات کو ہاتھ سے کھینچ رہا ہو۔

"یہ کردار۔۔ اندر سے ٹوٹا ہوا ہے۔ اسے اپنی پوری زندگی ایک لمحے میں بکھرتی دکھانی ہے۔ دل کی دھڑکن، سانسیں۔۔۔ ہر چیز۔" وہ کہہ تو اداکارہ کو رہا تھا در حقیقت یہ اس کے اپنے دل کی حالت تھی۔ وہ اپنے ہی الفاظ میں اپنی ٹوٹ پھوٹ بیان کر رہا تھا۔

"سمجھیں۔۔۔" آہستہ سے پوچھا۔

اداکارہ نے خاموشی سے سر ہلایا۔ جارج نے دوبارہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے موبائل پر نظر ڈالی۔ اسکرین آف تھی مگر اس کا دل چاہ رہا تھا موبائل پھینک دے، توڑ دے، مٹا دے ہر یاد۔۔۔ پر یہ ممکن نہیں تھا۔

شوٹنگ دوبارہ شروع ہوئی۔ اس بار سب نے اپنے حصے کا کام کیا، مگر اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اسکرین پر ہی نہیں بلکہ اپنی زندگی میں بھی ہدایات دے رہا ہو۔

"کیمرا رولنگ۔۔۔ ایکشن!"

اداکارہ رو رہی تھی، اس کے الفاظ ٹوٹے پھوٹے تھے۔ جارج نے مانیٹر پر دیکھا۔

"ہاں۔۔۔ یہی تو ہے۔ ٹوٹنا۔ مگر اس ٹوٹنے میں بھی ایک اداکاری چاہیے۔ ایک پردہ۔۔۔ ایک نقاب۔"

سین مکمل ہوا۔ اسسٹنٹ ڈائریکٹر نے خوش ہو کر داد دی۔

"زبردست شاٹ!"

سب نے تالیاں بجائیں۔ مگر جارج کے لبوں پر مسکراہٹ کے پیچھے ایک گہری تھکن چھپی تھی۔ اس نے اگلے سین کی ہدایات دیں۔ یہ شوٹنگ تو چلتی رہتی مگر اس کے سامنے اصل ڈرامہ شروع ہو چکا تھا۔ تین دن۔ صرف تین دن۔

✿••

گاڑی کے شیشوں پر ہلکی دھند جم رہی تھی۔ سڑک پر ہلکی اوس کی بوندیں بچھی تھیں جیسے کوئی سرگوشی کر رہی ہوں۔

رئیس گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ سامنے والی سیٹ پر فون کی اسکرین پر تیزی سے انگلیاں چلا رہا تھا، جبکہ ڈرائیور خاموشی سے گاڑی آگے بڑھا رہا تھا۔

رئیس کی نظریں کھڑکی سے باہر تھیں، لیکن دماغ کہیں اور۔ ایمبر لائٹ اسٹوڈیوز کی خبر اُس تک پہنچ چکی تھی۔ فجر کا نام بدنام ہو رہا تھا۔ ہر چینل، ہر اسکرین پر وہی تماشا۔

اس نے ایسا کیوں کیا تھا یہ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ جان بوجھ کر ایسا کبھی نہیں کرے گی اور ابھی تک اس کا کوئی بیان سامنے نہیں آیا تھا۔ کیا کر رہی تھی وہ؟ بھنویں سکڑی ہوئی تھیں اور چہرے پر گہری سنجیدگی۔

"چھوٹے سے بات کر رہا ہوں۔ آخری مکڑی نے ایسا بلنڈر کیوں مارا؟"

رئیس نے پلکیں جھکائے خاموشی سے سنا۔

"تم ملنے کب آؤ گے چھوٹے؟ مکڑی نے ایسا کیوں کیا؟ انٹرنیشنل بدنامی کیوں لی؟ مجھے سب جاننا ہے۔" اپنے ٹائپ کیا میسج بھی سنایا۔

"فی الوقت میں اپنی بیوی کے ساتھ ڈنر پہ ہوں۔ ابھی نہیں آ سکتا۔"

یہ میسج پڑھتے ہی مراد کے چہرے پر استہزا سا ابھرا۔

"آگ لگا کر محترمہ ڈنر کر رہی ہے؟ کمال ہے۔"

رئیس خاموش رہا۔ یوں جیسے اس کی باتیں ان سنی کر رہا ہو۔ جیسے کچھ سنا ہی نہ ہو۔

کچھ یاد آنے پر رئیس چونک کر آگے جھکا اور میز پر رکھا فون اٹھا کر ذرتاش کا نمبر ملایا۔ کئی بار بیل گئی، مگر دوسری طرف سے کال نہیں اُٹھائی گئی پھر اس نے لینڈ لائن ملایا۔

دو گھنٹیوں کے بعد فون اُٹھایا گیا۔ ملازمہ کی مدھم آواز ابھری۔

"جی صاحب!"

"زرتاش کہاں ہیں؟" اس کا سوال برق کی طرح کڑا تھا۔

"وہ۔۔۔ گھر پر نہیں ہیں، صاحب۔"

اس کی پیشانی پر شکنیں ابھریں۔ "گھر پر نہیں ہیں؟" آفس سے تو وہ کافی دیر پہلے نکل گئی تھی۔

"جی، میں جانتی ہوں بڑے صاحب کے لیے ڈاکٹر آنے والے ہیں۔ آپ فکر نہ کریں، ان کا چیک اپ میں خود دیکھ لوں گی۔" آج کل احمد اورنگزیب صاحب کا نرسنگ اسسٹنٹ چھٹی پر تھا اور آج انکا ماہانہ معائنہ تھا۔

"دھیان سے۔۔" اس نے تنبیہہ کی۔

"ٹھیک ہے صاحب مگر وہ۔۔۔"

ملازمہ کی اگلی بات نے جیسے زمین اس کے قدموں کے نیچے سے کھینچ لی۔

"وہ۔۔۔ فجر میڈم آئی ہیں۔ بڑے صاحب کے کمرے میں ہیں۔ انہوں نے مجھے اندر نہیں آنے دیا۔ تھوڑی عجیب لگ رہی ہیں اور آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔۔۔"

"فجر۔۔۔؟ گھر پہ؟" وہ الجھا۔

مراد نے چونک کر سر اٹھایا۔

"جی صاحب۔۔۔ میڈم فجر ہی ہیں۔۔۔" ملازمہ گھبرائی ہوئی لگ رہی تھی۔ رئیس نے ایک لمحے کے لیے فون کان سے ہٹایا اور مراد کو اشارہ کیا۔

"کیا ولی ان کے ساتھ ہے؟" اس نے فون دوبارہ کان سے لگایا۔

"نہیں صاحب۔۔۔ وہ اکیلی ہیں۔۔۔"

"لیکن وہ دونوں تو ریستوران۔۔۔۔" مراد نے الجھ کر کہا۔

"ٹھیک ہے۔" رئیس نے اثبات میں سر ہلاتے فون بند کر دیا۔

"کیا واقعی وہ دونوں ایک ساتھ ہیں؟" اس نے سنجیدگی سے مراد کو دیکھا۔

"کیسی باتیں کر رہے ہو؟ وہ دونوں ابھی ریستوران میں ہیں۔ یہ دیکھو لوکیشن۔۔۔۔" اس نے ریستوران کی لوکیشن دکھائی مگر اس سے پہلے رئیس کچھ کہتا، فون کی اسکرین پر ایک نوٹیفکیشن ابھرا۔ ویڈیو کال کا نوٹیفکیشن۔ اس نے جیسے ہی کال اٹینڈ کی۔

اسکرین پر ایک عورت ابھری۔۔۔ گھنگھریالے بال، چہرے پر وہی پراسرار کشش، آنکھوں میں زہر اور طنز! اس کے پیچھے بستر پر اورنگزیب صاحب لیٹے تھے۔

"ہیلو رئیس۔۔۔" وہ جو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا اس کے انداز اور لہجے پر ساکت ہوا۔

"سوچا آج ایک آفیشل ملاقات ہو ہی جائے۔ میں انتظار کر رہی ہوں۔ امید ہے تم جلدی آؤ گے۔۔۔۔ آپ کو کیا لگتا ہے احمد صاحب؟ آپ کا پوتا کتنی دیر میں پہنچ جائے گا؟" اس نے موبائل کا رخ ان کی جانب کیا جن کے چہرے پر دہشت کے سائے تھے۔

"میں انتظار کر رہی ہوں۔" وہ رئیس کو دیکھتے ہوئے مسکرائی اور کال کاٹ دی۔

"یہ کیا تھا؟" مراد الجھا۔

جبکہ رئیس کے ہاتھ سے فون لڑھک کر نیچے گر گیا۔اس کا دل زوردار دھڑکنوں میں بندھ گیا۔

"یہ ناممکن ہے۔۔۔"وہ ہولے سے بڑبڑایا۔

"یہ۔۔۔یہ فجر ایک وقت میں دو جگہ پر کیسے۔۔۔"مراد ششدر سا بولا جبکہ رئیس کے لیے دنیا تین سو ساٹھ درجے پر گھوم گئی۔

"یہ فجر نہیں ہے۔۔۔۔"اس کی آواز دور سے آتی سنائی دے رہی تھی۔

"یہ۔۔۔مم۔۔۔منار ہے۔۔۔"

"منار۔۔۔۔۔؟"مراد ساکت ہوا۔**"وہ زندہ بھی تو ہو سکتی ہے۔۔"**ولی کا جملہ سماعت سے ٹکرایا اور وہ اپنی جگہ جم گیا۔

جبکہ رئیس کی آنکھوں میں چھبیس سال کا بوجھ،یادوں کا سمندر اور غصے کی تپش یکجا ہو گئی۔ہر چیز واضح ہونے لگی۔

گاڑی کے اندر لمحے بھر کو موت جیسی خاموشی چھا گئی۔

"گاڑی واپس موڑو۔فوراً۔۔۔۔گھر کی طرف۔۔۔"اس کی آواز میں عجیب سا خوف ابھرا۔ڈرائیور نے بریک لگائے اور گاڑی رئیس مینشن کی طرف پلٹ گئی جبکہ رئیس اور مراد دونوں جیسے گونگے ہو گئے۔

✿••✿••✿••✿

کمرے میں نیم اندھیرا تھا۔پردے گرے ہوئے تھے اور صرف بیڈ سائیڈ لیمپ کی زرد روشنی احمد اورنگزیب کے لرزتے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ان کی سانسیں بھاری اور بے ترتیب تھیں،جیسے ہر سانس کے ساتھ وہ اپنی ہمت کا آخری قطرہ جمع کر رہے ہوں۔

سامنے کرسی پر وہ بیٹھی تھی۔۔۔ منار۔ گھنگھریالے بال شانوں پر بکھرے ہوئے، آنکھوں میں بجلیاں اور مسکراہٹ میں زہر۔ اس کے وجود کا ہر عکس کمرے کی فضا کو خوف سے بوجھل کر رہا تھا۔

احمد صاحب کے لب کپکپا رہے تھے۔ وہ کچھ کہنا چاہتے تھے مگر لفظ حلق میں اٹک جاتے۔ منار کا یوں سامنے آنا انہیں گنگ کر گیا تھا۔

"یہ۔۔۔ یہ کیسے ممکن ہے؟" ان کی آواز اتنی مدھم تھی جیسے کسی نے سینے پر پتھر رکھ دیا ہو۔

وہ دھیما سا مسکرائی۔

"ممکن۔۔۔؟ سب کچھ ممکن ہے احمد صاحب! لیکن آپ کے لیے یہ خواب بھی ہو تو ڈراؤنا ہے۔"

پھر وہ اٹھی، آہستہ آہستہ چلتی ہوئی بیڈ کے قریب آئی اور دونوں ہاتھ بیڈ کے کونے پر رکھ دیئے۔

"جانتے ہیں، یہ سب آپ کی غلطی ہے۔ اگر آپ نے برسوں پہلے میری زندگی رئیس سے نہ جوڑی ہوتی۔۔۔ اگر آپ نے مجھے اس جال میں دھکیلا نہ ہوتا تو آج یہ سب نہ ہوتا۔"

اورنگزیب صاحب کی آنکھوں میں دہشت کی پرچھائیاں اور گہری شرمندگی ایک ساتھ تیرنے لگیں۔ پسینے کی بوندیں ان کی پیشانی سے بہہ کر تکیے پر گرنے لگیں۔

"آپ نے مجھے قربان کر دیا، اپنی پوتی کی سزا مجھے دی۔۔۔ کیوں؟ کیا میں آپکی نواسی نہیں تھی؟ کیا میں آپ کو عزیز نہیں تھی؟"

وہ جھک کر ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھتی رہی۔

"لیکن دیکھیں اب میں لوٹ آئی ہوں۔۔۔"

اورنگزیب صاحب کے ہونٹ کپکپائے۔ ”منار۔۔۔“

بس اتنا ہی کہہ پائے۔ آواز رندھ گئی، آنکھوں میں صدمہ کہ وہ زندہ کیسے ہو سکتی ہے اور اگر زندہ تھی تو اب تک کہاں تھی؟

ان کے نام لینے پر وہ ہنستے ہوئے سر جھٹک گئی۔

”کتنا آسان ہے نا آپ لوگوں کے لیے؟ ایک لڑکی کی زندگی برباد کرنا اور پھر برسوں بعد حیرت سے صرف اس کا نام لے لینا۔۔۔ منار۔۔۔؟“ اس نے لفظ دہراتے ہوئے سرد آہ بھری۔

”نہیں احمد صاحب! اب صرف نام نہیں۔۔۔ اب میں حقیقت ہوں۔ آپ کی آنکھوں کے سامنے، آپ کی مرضی کے خلاف۔“

وہ سیدھی ہوئی۔ ایک نظر ان پر ڈال کر ٹہلنے لگی۔

”آپ سوچ رہے ہوں گے، میں یہاں کیوں آئی؟ تو سن لیں۔۔۔ حساب برابر کرنے۔۔ گردیزی خاندان کا انجام تو آپ بھی دیکھ چکے ہیں۔ اب باری اورنگزیب خاندان کی ہے۔۔“

احمد صاحب کے لب ہلے مگر زبان نے ساتھ نہ دیا۔ وہ صرف لرزتی نظریں اس پر گاڑھے رہے۔ دل کی دھڑکن اتنی تیز تھی جیسے سینہ پھاڑ کر باہر آجائے گی۔

”ڈریے مت۔۔۔ ابھی آپ کی جان نہیں لوں گی۔ لیکن اتنا یاد رکھیے، آج جو کچھ ہو رہا ہے۔۔۔ وہ آپ کی اپنی لگائی ہوئی بنیادوں کا نتیجہ ہے۔۔۔“ وہ ان کی حالت سے حظ اٹھاتے ہوئے بولی۔

"میں افق کے نقش قدم پر نہ چل پڑوں، اس سے روکنے کے لیے آپ نے مجھے قربان کر دیا مگر میں واپس آ گئی ہوں بار کوئی زہر، کوئی دھوکہ مجھے روک نہیں پائے گا۔"

احمد صاحب کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے، لیکن لب اب بھی بند تھے۔ ان کی روح جیسے لرز کر ٹوٹ گئی۔ وہ کبھی اپنی صفائی پیش نہیں کر پائیں گے اور منار کو صفائی چاہیے بھی نہیں تھی۔ اسے صرف سزا سنانی تھی۔

کمرے کی گھڑی کی ٹک ٹک سنائی دینے لگی۔ باہر کہیں دور گاڑی کے ٹائر رُکتے ہوئے سنائی دیئے۔ اسکے ہونٹوں پر ایک گہری، پر اسرار مسکراہٹ ابھری۔

"رئیس آ گیا ہے۔۔۔ رئیس آ رہا ہے۔" وہ دلکشی سے کہتے باہر نکل گئی۔

✿••✿••✿••✿

گاڑی کے ٹائروں کی تیز چیخ نے رئیس مینشن کے پُر سکون ماحول کو چیر کر رکھ دیا۔ اس سے پہلے کہ گارڈز کچھ سمجھ پاتے، گاڑی کا پچھلا دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا اور رئیس کسی طوفان کی طرح باہر نکلا۔ ٹھنڈی، دھند میں لپٹی ہوا نے اس کے اوور کوٹ سے ٹکرا کر ایک سرسراہٹ پیدا کی، مگر وہ کسی بھی چیز سے بے نیاز تھا۔ اس نے مینشن کے مرکزی دروازے کی طرف قدم نہیں رکھے، وہ دوڑا تھا۔ چہرے پر وہ برف جیسا سکون کہیں نہیں تھا۔ اس کی جگہ ایک ناقابلِ یقین وحشت اور آنکھوں میں بھڑکتی ہوئی آگ تھی۔

"کہاں ہے وہ؟" اس نے لاؤنج میں ٹہلتی ایک ملازمہ سے گرجدار آواز میں پوچھا۔ ملازمہ کی زبان سے الفاظ نہیں نکلے، اس نے لرزتے ہوئے ہاتھ سے اوپر ٹیرس کی جانب اشارہ کر دیا۔

شاندار راہداریوں کی خاموشی میں اس کے قدموں کی دھمک گونج رہی تھی۔ وہ کسی کو آواز دیئے بغیر، سیدھا سیڑھیوں کی طرف لپکا اور جبڑے بھینچے، پھلانگتا ہوا اوپر پہنچا۔ دل پسلیوں سے ٹکرا رہا تھا، سانسیں بے ترتیب ہو چکی تھیں۔ ہر ایک قدم ایک صدی جیسا بھاری تھا۔ چھبیس سال کا بوجھ اسے نیچے کھینچ رہا تھا، مگر وہ بھاگتا رہا۔

رئیس مینشن کا وسیع و عریض ٹیرس مصنوعی روشنیوں میں نہایا ہوا تھا، مگر باہر پھیلی دھند کی گہری چادر نے شہر کے نظاروں کو نگل لیا تھا۔ روشنیاں دھند سے ٹکرا کر ایک پراسرار، دودھیا ہالہ بنا رہی تھیں۔ یہاں موت جیسا سناٹا تھا، جسے صرف یخ بستہ ہوا کی سائیں سائیں توڑ رہی تھی۔ اور اُس سناٹے کے بیچ، وہ ریلنگ کے قریب کھڑی تھی۔

شہر کی دھندلی روشنیوں کے پس منظر میں اس کا ہیولا ایک سیاہ سائے کی طرح لگ رہا تھا۔ ٹھنڈی ہوا اس کے گھنگھریالے بالوں سے کھیل رہی تھی، انہیں بے رحمی سے اڑا رہی تھی۔ لمبی، سیاہ جرسی کی گرم میکسی اس کے وجود سے لپٹی ہوئی تھی، جس سے صرف اس کے سیاہ جوتے نظر آ رہے تھے۔

اس پر نگاہ پڑتے ہی رئیس کے قدم جم گئے۔ اس نے بے ساختہ تھوک نگلا۔ اپنے پیچھے آہٹ محسوس کرتے ہوئے وہ دھیرے سے پلٹی۔ اور وقت تھم گیا۔

وہ چہرہ۔۔۔ جس کی اس نے ساری عمر پرستش کی تھی، جس کے لیے وہ تڑپا تھا، اور جسے اس نے اپنے ہاتھوں سے گنوایا تھا، آج زندہ، گوشت پوست کے وجود کے ساتھ اس کے سامنے تھا۔

"ہیلو رئیس۔۔۔۔"

منار کی آواز میں وہی زہریلی مٹھاس تھی، وہی شناسائی جو صرف وہی لا سکتی تھی۔ اس انداز میں، اس طرز سے صرف وہی مخاطب کر سکتی تھی۔

"کیسا لگا مجھے دیکھ کر؟" وہ مسکرائی، مگر اس کی آنکھوں میں مسکراہٹ نہیں، ایک گہری، سرد آگ تھی۔

"چھبیس سال بعد زندہ دیکھ کر۔۔۔؟"

وہ مضبوط قدم جماتی اس کی جانب بڑھی، جبکہ رئیس جیسے پتھر کا ہو گیا تھا۔ اس کی انگلیاں لرز رہی تھیں۔ اس نے مٹھیاں بھینچ کر اپنی لرزش پر قابو پانے کی ناکام کوشش کی۔ وہ اسے دیکھ رہا تھا، اس کے اندر وہ سنہری پن ڈھونڈ رہا تھا جو اس کے بالوں اور اس کی آنکھوں کا حصہ تھا۔ مگر اب وہاں کچھ نہیں تھا۔۔۔ سوائے اندھیرے کے۔

"مجھے لگا تھا تم مجھے پہچان جاؤ گے، مگر تم تو فجر کو دیکھ کر اتنے اندھے ہو گئے کہ مجھے بھول ہی گئے۔"

وہ عین اس کے سامنے آ کر رکی۔ یہ ناقابلِ برداشت قربت رئیس کے دل پر ہتھوڑے برسانے لگی۔

"ت۔۔۔ تم۔۔۔" اس نے کچھ کہنا چاہا مگر ہونٹ لرز کر رہ گئے۔ الفاظ حلق میں ہی دم توڑ گئے۔ وہ بس اسے دیکھ رہا تھا۔ بے یقینی سے، صدمے سے۔۔۔ اس چہرے کو جسے وہ دنیا کا سب سے منفرد چہرہ مانتا تھا۔

"ماننا پڑے گا، میری قبر پر کیا محل کھڑا کیا ہے تم نے۔۔۔"

منار نے ذرا سا جھکتے ہوئے اس کے پہلو میں گرے دونوں ہاتھ اٹھا لیے۔ وہ ان کی لرزش کو اپنی ہتھیلیوں پر محسوس کر سکتی تھی۔

"بہت انتظار کیا میں نے اس دن کا۔۔۔ تم سے ملنے کا، رئیس! سالوں انتظار کیا۔۔۔"

اب وہ اس کے دونوں ہاتھ تھامے کھڑی تھی۔

"کافی بڑھے ہو گئے ہو تم۔۔۔۔۔ بہت اونچے، اتنا مرتبہ پا لیا تم نے کہ بادشاہ بن گئے۔ مگر دیکھو۔۔۔۔۔ تمہارے ہاتھ آج بھی مجھے دیکھ کر لرز اٹھے۔۔۔"

وہ پر سکون سی کہہ رہی تھی جبکہ رئیس کی نظریں ابھی تک اس کے چہرے پر جمی تھیں۔اس کے صرف ہاتھ ہی نہیں اس کے ہونٹ بھی لرز رہے تھے۔پھر منار نے اسکے ہاتھوں کو چھوڑتے ہوئے، آگے بڑھ کر اس کے کندھوں پر اپنے ہاتھ جمائے۔اس کی سرسراتی انگلیوں کا برف جیسا سرد پن رئیس کے وجود میں اتر گیا۔

"ویسے مجھے افسوس کرنا چاہیے یا خوش ہونا چاہیے؟" آواز طنزیہ تھی۔"اپنی فیملی کے لیے تم نے مجھے مار ڈالا، جبکہ میری ہی ہمشکل کو بچانے کے لیے تم نے عروزہ کی جان لے لی۔۔۔"

ہوا سائیں سائیں کرتی گزرنے لگی جبکہ فجر کا ذکر سنتے ہی رئیس کے بے جان وجود میں جیسے جان پڑ گئی۔

"یہ سچ نہیں ہے۔۔۔" وہ ہولے سے بڑبڑایا، جیسے خود کو یقین دلا رہا ہو۔

"میں، منار معراج، ایک بدصورت حقیقت ہوں۔" اس کی نظروں میں ابھی تک وہی بے یقینی دیکھ کر وہ بولی۔

"مجھے آج بھی یاد ہے جب تم کتابوں سے نظریں ہٹا کر چھپ چھپ کر مجھے دیکھا کرتے تھے۔"

رئیس مزید ساکت ہو گیا۔اگر یہ منار نہیں تھی، تو وہ یہ سب کیسے جانتی تھی؟

"مگر تم نے مجھے ویسے کبھی نہیں دیکھا، جیسے تم فجر کو دیکھتے ہو۔۔۔" وہ ہنس دی۔"تم اسے اپنی خوش قسمتی کہو گے یا بد قسمتی؟ میں نے چھبیس سال صرف تمہیں دیکھا، تمہیں سوچا، تمہارا وِرد کیا۔میں نے چھبیس سال تم سے نفرت کی ہے رئیس۔۔۔اور اب انجام کا وقت قریب آ چکا ہے۔" وہ ہولے سے پھنکاری۔

"تم جاننا چاہتے ہو میں یہاں کیوں آئی ہوں؟ جواب سادہ ہے۔تمہارا انجام لکھنے۔"

یہ سنتے ہی رئیس کے چہرے پر پہلی بار استہزا ابھرا۔اس کے اندر کا crowned king جاگ اٹھا۔اس نے اپنے کندھوں پر رکھے اس کے ہاتھ جھٹک دیئے۔

"غلط فہمیاں بہت ہیں تمہیں۔۔۔ تم آج بھی نہیں بدلیں۔"

"بدلی میں واقعی نہیں ہوں، مگر غلط فہمیاں؟ ناں۔۔۔" اس نے ایک قدم مزید رئیس کی طرف بڑھایا۔ "کم از کم اب تمہیں ڈرنا چاہیے رئیس! تمہاری سلطنت تباہی کے دہانے پر کھڑی ہے۔"

"اور تمہیں لگتا ہے میں یہ سب ہونے دوں گا؟" وہ ایک قدم پیچھے ہٹا۔ دماغ اب کام کرنے لگا تھا۔ وہ چھبیس سال بعد صرف دشمنی نبھانے آئی تھی۔

"تب تک نہیں، جب تک تمہاری کوئی کمزوری نہیں تھی۔ مگر اب۔۔۔" وہ زہریلی مسکراہٹ لیے بولی۔ "تمہاری کمزوری میری مٹھی میں ہے۔" اس نے اپنی ہتھیلی رئیس کے سامنے کی۔

"فجر معراج۔۔۔" یہ کہتے اس نے آہستہ سے اپنی مٹھی بند کرلی، جیسے فجر کی تقدیر کو اپنی گرفت میں لے لیا ہو۔ رئیس کے تاثرات یکلخت بدل گئے۔ آنکھوں میں ایک وحشی جلن ابھری۔

"اس سے دور رہو!" آواز میں حکم اور التجا کا امتزاج تھا۔

منار نے چند لمحے اسے دیکھا اور پھر دو قدم بڑھا کر اس کے بالکل قریب آگئی۔ مسکراتے ہوئے اس کے دائیں جانب جھکی۔

"میں اپنی بیٹی سے دور کیوں رہوں گی؟ تم مجھے میری بیٹی سے دور نہیں رکھ سکتے۔۔۔۔"

اس نے سکون سے کہتے ہوئے رئیس کی ساری جان نکال دی۔ اس انکشاف نے رئیس کے وجود میں زلزلہ برپا کر دیا۔ چہرہ پیچھے ہٹا کر رئیس کو دیکھا جس کا چہرہ سفید پڑ چکا تھا۔

"وہ میری بیٹی ہے، رئیس! فرقان گردیزی کی اولاد ہے وہ۔"

اس کے انکشافات بم کی طرح گرنے لگے۔ رئیس بے یقینی سے اسے دیکھتا رہا، جیسے اس کی سماعت نے اسے دھوکہ دیا ہو۔۔۔ بلکہ نہیں۔۔۔ جیسے اس کی پوری زندگی دھوکہ ہو۔

"تم جس سے محبت کرتے ہو نا، وہ اس شخص کی بیٹی ہے جس نے تم سے سب کچھ چھین لیا۔" وہ ہنسی۔ ایک تکلیف دہ، زہریلی ہنسی۔

"مجھے تم پر ترس آرہا ہے رئیس اورنگزیب۔۔۔ افسوس۔"

اس کا دھیما نقرئی قہقہہ دھند میں لپٹی رات میں گونج گیا۔ جبکہ رئیس اپنی جگہ ساکت، بت بنا کھڑا رہا۔

"میں نے کہا تھا نہ، رئیس۔۔۔ تمہارا انجام قریب ہے۔" وہ پیچھے ہٹی۔ "جلد ملیں گے۔"

وہ پلٹی اور دھیرے دھیرے چلتی ہوئی ٹیرس کے دروازے میں گم ہو گئی۔ وہ اس کی جان نکال کر اپنے ساتھ لے جا رہی تھی، اور وہ فق چہرہ لیے وہیں کھڑا رہ گیا۔ اس کی سماعت میں صرف منار کا قہقہہ اور ہوا کی سائیں سائیں گونج رہی تھی۔

"فجر۔۔۔۔ فرقان گردیزی کی بیٹی تھی۔۔۔"

یہ انکشاف اسے توڑنے کے لیے کافی تھا۔

✿••✿••✿••✿

زینے نیم روشن تھے۔ فانوس کی مدھم روشنی بس اتنی تھی کہ اس کا ساکت چہرہ اور کانپتے ہاتھ صاف دکھائی دے رہے تھے۔ وہ سیڑھیوں پر بیٹھا تھا، جیسے زمین نے اس کے قدموں کی طاقت چھین لی ہو۔

پہیوں کی ہلکی چرچراہٹ سنائی دی۔ ذرتاش آہستگی سے وہیل چیئر دھکیلتی ہوئی قریب آئی۔ اس کی نظریں رئیس پر جمیں تھیں، مگر ان آنکھوں میں دکھ سے زیادہ کڑواطنز ابھرا۔

وہ اس کے عین سامنے رک کر بولی۔ آواز گویا خنجر کی دھار جیسی تیز!

"کیسا لگا بھائی؟ اپنے گناہوں کو اپنے سامنے زندہ دیکھ کر؟"

رئیس نے ہلکا سا سر جھکایا، آنکھوں میں ابھی تک دھند بھری تھی۔

"چھبیس سال تک آپ نے سب کو بیوقوف بنایا۔۔۔ خود کو بھی۔ مگر تقدیر کے پاس بڑی لمبی یادداشت ہوتی ہے۔" وہ آگے کو جھکی، الفاظ مزید کاٹ دار ہو گئے۔

"کیسا لگتا ہے؟ جب آپکا ماضی، آپکا بدلہ۔۔۔ آپکی کمزوریاں، سب سامنے کھڑی ہو کر آپکا مذاق اڑاتی ہیں۔"

رئیس کے جبڑے بھنچے رہے۔ وہ سن رہا تھا، مگر اندر کا خوف، شک اور صدمہ اسے کند بنا رہے تھے جبکہ ذرتاش نے بات جاری رکھی۔

"آپ نے سوچا تھا سب ختم ہو گیا؟ ایک لاش دفنا دینے سے کہانی ختم ہو جاتی ہے؟ نہیں بھائی۔۔۔ کہانیاں قبروں سے جنم لیتی ہیں۔ اور اب آپ کی کہانی جاگ اٹھی ہے۔"

رئیس نے پلکیں موند لیں۔ دل کو یقین دلانے کی کوشش کی۔ جیسے یہ وہم ہو، دھوکہ ہو، مگر ذرتاش کے الفاظ حقیقت کی کیلیں ٹھونکتے رہے۔

"ڈریں مت بھائی!" اس نے طنز بھری مسکراہٹ سے کہا۔ "ابھی تو آغاز ہے۔ اصل حساب کتاب باقی ہے۔"

اس نے گہری سانس لی، جیسے خود کو حواسوں میں لوٹانے کی کوشش کر رہا ہو۔ مگر آنکھوں میں اب بھی وہی اندھیرا تھا۔

کچھ دیر بعد اس کی گاڑی رات کی سنسان سڑکوں پر بھاگی چلی جا رہی تھی، مگر اس کا دل بھاگنے سے قاصر تھا۔ اس کے اندر ایک ایسا قید خانہ آباد ہو چکا تھا جہاں سانس لینا بھی سزا لگ رہا تھا۔

اسٹیئرنگ پر اس کے ہاتھ جمے ہوئے تھے، انگلیوں کی پوریں سفید ہو رہی تھیں۔ وہ ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہا تھا۔

وہ شخص جو ہمیشہ پتھر کی طرح مضبوط کھڑا رہا، آج خود اپنی ہی سانسوں کے بوجھ تلے دبنے لگا تھا۔

آنکھوں کے پردے پر ایک ہی منظر بار بار ابھرتا۔۔۔ منار معراج!

وہ عورت جس کی یادوں نے چھبیس برس تک اس کے وجود کو نوچ نوچ کر کھایا، اب پھر سامنے کھڑی تھی، جیسے موت کا بھیس بدل کر واپس آئی ہو۔ اس کی آنکھوں میں آج بھی وہی نفرت دہکتی تھی جو سالوں پہلے تھی۔

اس نے ایک جھٹکے سے بریک دبایا۔ گاڑی ویران سڑک کے ایک جانب رک گئی۔ پیشانی اسٹیئرنگ پر رکھ دی اور رو دیا۔ ایسے جیسے برسوں کا ضبط ایک لمحے میں ٹوٹ گیا ہو۔

"کیا غلطی ہے میری؟" ہوئے لفظوں میں بڑبڑایا۔

"کیا غلطی ہے اگر میں نہیں جھکا؟ اگر میں نے ہر بار کھڑے رہنے کو چنا؟ کیا یہ خطا ہے میری۔۔۔؟"

اس کی آواز اندھیرے میں بکھر گئی، مگر جواب کوئی نہ آیا۔

تقدیر ہمیشہ اس کے حوصلے کا امتحان لیتی رہی۔ اور آج وہ امتحان ایسا تھا کہ اس کی رگوں میں بہتا خون بھی بغاوت کر رہا ہو۔ وہ لمحہ لمحہ جل رہا تھا۔ اس کی روح تپتے انگاروں پر رکھی جا چکی تھی اور سب سے بڑا زہر یہ تھا کہ فجر۔۔۔ وہ لڑکی جسے وہ اپنی زندگی کا سب سے قیمتی لمحہ سمجھتا تھا۔۔۔

وہ اس شخص کی بیٹی تھی جس نے اس کی زندگی کو دوزخ بنا دیا تھا۔ جس نے اس کی حرمت کو پامال کیا تھا۔

یہ انکشاف اس کے دل کو چھید رہا تھا۔ محبت اور نفرت ایک ہی بدن میں سمیٹنا کتنا بھاری ہے۔۔۔ یہ وہ آج مزید جھیل رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ گاڑی سے باہر نکلا اور گاڑی کے بونٹ سے ٹیک لگائے نیچے بیٹھ گیا۔ گھٹنے سینے سے لگاتے، دونوں بازو خود کے گرد لپیٹ لیے۔ وہ اب سسک رہا تھا۔ بالکل اس رات کی طرح جس رات اس نے منار کو مارا تھا۔۔۔

گاڑی کے شیشوں پر اوس کی بوندیں یوں ٹھہر گئیں جیسے آسمان بھی اس کے درد پر رو دیا ہو۔ مگر رئیس کا درد صرف آنکھوں میں نہیں، روح کے گہرے زخموں میں تھا۔ وہ زخم جنہیں نہ وقت بھر سکا، نہ دعائیں۔ اس نے آسمان کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹ کپکپائے۔

"اور کتنا؟ اور کتنا۔۔۔ توڑنا ہے مجھے۔۔۔۔" سسکی اس کے لبوں میں دب گئی۔ "میں انسانوں کے سامنے نہیں جھکتا۔ میں نہیں جھک سکتا۔۔۔ مجھے مجبور مت کریں۔" وہ گر نہیں سکتا تھا۔ وہ جھک نہیں سکتا تھا۔ تقدیر اس کے حوصلے کا اتنا امتحان کیوں لیتی تھی؟ ہر بار اسے گھٹنوں پر لائے جانے کی سازش کی جاتی تھی۔ آخر کب تک؟

سڑک خاموش تھی، مگر اسکے اندر برسات جاری رہی۔

✿••✿••✿••✿

بڑے بڑے آئینوں اور سنہری لائٹس سے سجا وہ ڈریسنگ روم، گویا کسی شاہی قلعے کے خفیہ خزانے جیسا تھا۔ دیواروں پر ترتیب سے لٹکے ہینگرز پر سو سے زائد ڈریسز، ڈائر، شنل، پراڈا، ایلگزینڈر میک کوئین، گوچی، اور ایسے کئی نام، جنہیں دیکھنے کا خواب بہت لوگ اپنی آنکھوں میں سجاتے ہیں مگر حقیقت میں چھو نہیں پاتے۔ شیشے کے بکسوں میں قیمتی ہینڈ بیگز قطاروں میں رکھے تھے، ہر ایک لاکھوں کا۔ شوکیس میں جوتوں کی کلیکشن، اسٹلٹس، بوٹس، ہیلز۔۔۔ سب اپنے وجود پر غرور کرتے ہوئے جگمگا رہے تھے۔

کمرے کے بیچ میں فجر کھڑی تھی۔ اس کا چہرہ سپاٹ، بالکل جذبات سے خالی نظر آتا تھا، مگر اس کی ہیزل آنکھوں میں جلن چھپی ہوئی تھی۔ وہ ایک ایک سوٹ کے سامنے رُکتی، لمحہ بھر کے لیے دیکھتی، پھر آگے بڑھ جاتی۔ جیسے وہ کپڑوں کو نہیں، اپنے زخموں کو تول رہی ہو۔ اچانک اُس کی نظریں کونے میں رکھی ایک میز پر جا ٹھہریں۔ وہاں ایک بڑا سا بکے رکھا تھا، جس میں گہرے سرخ گلاب اور کالی آرکیڈز تھیں۔ یہ پھول خوبصورت ہونے کے باوجود عجیب سی نحوست لیے ہوئے لگ رہے تھے۔ بکے کے ساتھ ایک سفید کارڈ تھا۔ اُس پر سنہری ابھری ہوئی تحریر میں کچھ درج تھا۔

"منار معراج آپ سب کو اپنے ساتھ ایک نئے آغاز کی خوشی میں مدعو کرتی ہیں۔"

Venue: Burj e Manar — Grand Hall۔

دن ہفتہ، شب نو بجے!

کارڈ کے نیچے ایک QR کوڈ بھی پرنٹ تھا۔ جیسے ہی فجر نے موبائل نکال کر اس پر کیمرا اڈالا، فون کی اسکرین پر فوراً ایک ویڈیو نوٹ نمودار ہوا۔ اس کا ویڈیو نوٹ۔ منار کی آواز ڈریسنگ روم کی خاموش فضا میں گونجی۔

"میں جانتی ہوں، آپ سب حیران ہوں گے۔ مگر وقت بدلنے والا ہے کیونکہ منار معراج زندہ ہے۔ہاں۔۔۔وہ منار جسے آپ سب بھول گئے تھے، جس کے نام پر صرف قصے کہانیاں باقی تھے۔۔۔وہ اب واپس آگئی ہے۔اس ہفتے۔۔برج منار کے گرینڈ ہال میں، میں خود آپ سب کو خوش آمدید کہوں گی۔یہ صرف ایک ڈنر نہیں ہے، یہ ایک اعلان ہے۔ایک نیا باب، ایک نئی تاریخ۔میں چاہتی ہوں، آپ سب وہاں موجود ہوں۔۔۔اس دعوت کو رد کرنے والا اپنا انجام خود دیکھے گا۔"

ویڈیو ختم ہوتے ہی اسکرین پر صرف ایک لائن جگمگائی۔

Be there--- or be forgotten-

فجر نے موبائل بند کیا تو اس کی سانس بھاری ہو گئی۔اس کے دل پر جیسے کسی نے جلتی ہوئی سل رکھ دی ہو۔ آنکھوں کے سامنے لندن کی وہ خبر پھر سے گھوم گئی، اپنی ہی بربادی پر وہ خاموش تھی۔اس کی تخلیقی کامیابی کو ایک ہی وار میں توڑ دیا گیا تھا اور یہ سب کرنے والی کوئی اور نہیں اسی کا دوسرا چہرہ تھی۔کچھ دیر سلگنے کے بعد اس نے گردن سیدھی کر لی تھی۔اس دعوت پر جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔منار کا وار کاری تھا مگر اب اس کی باری تھی۔۔۔۔

اس نے ہینگر پر لٹکے ڈریسز کو ایک ایک کر کے دوبارہ دیکھنا شروع کیا۔ Prada کا ایک شاندار سوٹ اس کے سامنے تھا۔گہرا نیلا اسکرٹ، اس پر سلور بیلٹ، اور اوپر نفیس بلاؤز، جس پر ہاتھ سے کڑھائی کی گئی تھی۔جیکٹ کے کالر پر ٹشو سے بنایا گیا آرٹ ورک گویا روشنی میں سانس لے رہا تھا۔

اس نے آئینے میں اپنے عکس کو دیکھا۔ آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں، مگر چہرہ مضبوط۔

"پہلی بار۔۔۔اپنے مائیکے جا رہی ہوں۔اتنی تیاری تو بنتی ہے۔" آنکھوں میں ملکہ معلون کی چمک ابھری۔

اور تبھی ڈریسنگ روم کا سلائیڈنگ دروازہ کھلا۔ ولی اندر آیا۔ اس کے قدم نرم تھے، مگر آنکھوں میں تلاش کی جھلک دکھائی دی۔

"میں تمہیں کب سے ڈھونڈ رہا ہوں۔" یوں کہا، جیسے سکون مل گیا ہو۔

فجر نے کوئی جواب نہ دیا، بس نظریں سوٹ پر مرکوز رکھیں۔

وہ اس کے قریب آیا۔ "کیا کر رہی ہو؟"

اس نے پراڈا کا سوٹ نکالا اور آئینے کے سامنے تھام لیا۔

ولی نے حیرانی سے دیکھا۔

"ڈنر پہ جانے کی تیاری؟"

فجر نے گردن اکڑا کر جواب دیا۔

"ہاں! پہلی بار مائیکے جا رہی ہوں۔۔۔ تیاری تو کرنی بنتی ہے۔"

وہ گہری نظر سے اسے دیکھتا رہا، اس کے تاثرات بدل گئے۔ وہ جانتا تھا کہ یہ محض تیاری نہیں تھی۔۔۔ یہ اسکا، منار کی شروع کی جنگ میں داخل ہونے کا اعلان تھا۔

"کیا ہمیں جانا چاہیے؟" تعجب سے پوچھا۔

"کیوں؟ کیا ہوا؟ مدران لاء سے ملنا نہیں چاہو گے؟" وہ یونہی کھڑی رہی۔

فجر کے جواب پر اس کے لب تھوڑا کھلے مگر وہ خاموش رہا۔ جانتا تھا کہ زخمی فجر کسی بھی بلا سے زیادہ خطرناک تھی۔ اس کے دماغ میں کچھ ضرور چل رہا تھا۔ پھر وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔

"اگر تم جانا چاہتی ہو۔۔۔ تو میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

"شکریہ۔۔۔" وہ بس اتنا ہی کہہ پائی۔

جبکہ ولی نے ہاتھ بڑھا کر اس کے گال کو نرمی سے چھوا۔

"مجھے تھوڑا سا کام ہے، میں لیٹ ہو جاؤں گا۔" اس کے کام مراد اور جنید سے جڑے ہوتے تھے۔

"زیادہ لیٹ نہیں ورنہ۔۔۔" فوراً تنبیہہ کی۔

"ہاں جانتا ہوں تم ٹرمینیٹ کر دو گی۔" وہ دروازے میں کھڑے ہوتے مسکرایا۔ فجر بال جھٹکتے ہوئے اس کی جانب مڑی اور پھر آنکھوں ہی آنکھوں سے اسے داد دی۔ وہ سمجھدار ہو گیا تھا۔

"شوہر حضرات پر وقت کی پابندی لازم ہے۔"

وہ سر ہلاتا پلٹ گیا۔ دروازہ بند ہوا تو مسکراہٹ فوراً مٹ گئی۔ اس کی آنکھیں پھر سے جل اٹھیں۔ آئینے کے سامنے کھڑے ہوتے نے اپنے عکس کو گھورا۔

"آپ نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔۔۔" زیرِ لب کہا۔

"میری پہچان پر حملہ کیا ہے۔۔۔ نہیں کرنا چاہیے تھا۔" وہ یوں کہہ رہی تھی جیسے آئینے میں اسکا اپنا عکس نہیں بلکہ منار ہو۔ پھر ڈریس ہینگر پر واپس لٹکا دیا۔

"ہاں یہی۔۔۔یہ مناسب ہے۔" وہ فیصلہ کر چکی تھی۔

گردن تھوڑی ڈھیلی کی، ایک گہری سانس لی۔ آنکھوں میں اب جلن کے بجائے آگ تھی۔

"فجر کو مٹانے والوں کو ڈرنا چاہیے۔ آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔۔۔مدر!"

ڈریسنگ روم کی سنہری لائٹز اس کے چہرے پر پڑیں، اور وہ لمحہ گویا اعلان بن گیا۔

✿••✿••✿••✿

رئیس گروپ کے اوپری فلور پر واقع اُس کے پرائیویٹ اسٹڈی کا ماحول پُر سکون مگر بوجھل تھا۔ بڑے بڑے شیشے کے گلاس وال کے پیچھے شہر کی روشنیاں پھیلتی جا رہی تھیں۔ وہ پھر سے کھڑا تھا۔ پورے قد کے ساتھ، دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈالے، زندگی میں کچھ بھی ہو جائے مگر دنیا کو اپنی خاموشی سے قابو میں کیے ہوئے تھا۔

میز پر رکھا وہی سرخ اور سیاہ بکے ابھی تک پڑا تھا، ساتھ وہ کارڈ، جس پر منار کا نام اور برج منار کا وینیو درج تھا۔

مراد نے کارڈ اٹھایا، غصے اور بے چینی سے اس پر درج الفاظ پڑھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا سوچ رہے ہو رئیس؟"

"میں جاؤں گا۔" رئیس نے جواب دیا۔

"تم وہاں نہیں جاؤ گے۔" مراد بدک اٹھا۔

رئیس پلٹا نہیں۔ اس کی آنکھیں اب بھی گلاس وال کے پار خلا میں جمی تھیں۔

"وہ عورت نہیں۔۔۔وہ ڈائن ہے۔وہ جادوگرنی۔۔۔وہ خون چوسنے والی بلا ہے۔وہ تمہارے ہر زخم میں زہر بھرتی آئی ہے۔وہ بہت خطرناک ہے۔تمہیں اس کے کھیل میں قدم رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

کمرے میں ایک گہری خاموشی چھاگئی اور یہ خاموشی کاٹنے لگی۔اس سے تنگ آکر مراد،اس کی جانب بڑھا۔

"تم چپ کیوں ہو رئیس؟کچھ بولو۔۔۔"وہ جھنجھلایا ہوا تھا۔

لمحہ بھر کو رئیس کے لب ذرا سے ہلے،پھر وہ دھیرے دھیرے بولا۔آواز اتنی مدھم مگر وزنی تھی۔

"میں وہاں جارہا ہوں۔"

مراد کی آنکھیں صدمے سے پھیل گئیں۔وہ لمحہ ایسا تھا جیسے رئیس نے کوئی فیصلہ نہیں بلکہ اعلان کیا ہو۔ایک ایسا اعلان جو پورے شہر تک پہنچ گیا ہو۔اور جیسے ہی یہ الفاظ فضا میں پھیلے۔۔۔کہیں دور بیٹھی منار مسکرادی۔جیسے جانتی ہو وہ آئے گا۔

"لیکن رئیس۔۔۔"وہ لڑکھڑائے لہجے میں بولا۔"وہ تمہیں اپنے جال میں پھانس لے گی۔وہ کسی بھی حد تک جا سکتی ہے۔مجھے اس پر بھروسہ نہیں ہے۔"

رئیس نے آہستگی سے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"اگر ہمیں جاننا ہے کہ وہ کیا کرنا چاہ رہی ہے تو اس کے آس پاس رہنا ضروری ہے۔"

یہ سنتے ہی مراد کا دماغ گھوما۔

"پھر نکاح کرلو اس سے،خبیث انسان۔۔۔"وہ چڑ کر کہتا پلٹ گیا۔"سمجھ نہیں آرہا تمہیں کہ یہ خطرناک ہے۔"

رئیس کے لبوں پر ایک تلخ لکیر ابھری۔

"خطرہ تو وہ لمحہ ہے جب ہم اندھے رہتے ہیں، منار اندھیروں سے کھیلتی ہے۔ میں اس کے سامنے روشنی بن کر کھڑا ہونا چاہتا ہوں۔"

"جاؤ۔۔۔ ضرور جاؤ۔۔۔ بلکہ شیروانی پہن جانا، کیا پتا تمہارے انتظار میں لہنگا پہن کر بیٹھی ہو۔" وہ جل کڑھ کر کہتا باہر نکل گیا۔ رئیس نے گہری سانس لی اور پلٹ کر گلاس وال سے باہر دیکھا، جیسے خود سے کوئی عہد باندھ رہا ہو۔

"مجھے وہ شکار نہیں بننا جو آسانی سے پھنس جائے۔"

کمرے میں دوبارہ خاموشی چھا گئی۔ صرف شہر کی روشنیوں کی بازگشت باقی تھی اور رئیس کا فیصلہ۔۔۔۔ پہاڑ کی طرح اٹل۔ اگر وہ لوٹ آئی تھی تو وہ بھی اب بادشاہ بن چکا تھا۔ بادشاہ اور ملکہ کی اس جنگ میں کون جیتے گا یہ فیصلہ وقت پر چھوڑ دیتے ہیں۔

✿••✿••✿••✿

فلک کھڑکی کے پاس کھڑی تھی۔ باہر آسمان پر ہلکے بادل تیر رہے تھے، ہوا میں نمی اور اداسی تھی۔ کمرے کے اندر نیم اندھیرا، ایک طرف اسٹڈی ٹیبل پر بکھرے کاغذات اور کھلی ڈائری، دوسری طرف میز پر رکھا وہی بکے اور کارڈ جس پر سنہری حروف میں منار معراج کا نام جگمگا رہا تھا۔

اس نے وہ کارڈ اٹھایا۔ چند لمحے خاموشی سے دیکھتی رہی، پھر اس کے چہرے پر ایک عجیب سا کھچاؤ آیا۔ انگلیاں کانپنے لگیں۔ اگلے ہی پل اس نے کارڈ کو مٹھی میں بھینچ ڈالا، جیسے اسے چیر کر رکھ دینا چاہتی ہو۔

اس کی سانسیں تیز ہو گئیں۔لب کپکپائے۔ آنکھوں کے سامنے سب کچھ گھومنے لگا۔۔۔وہ رئیس جس نے پوری عمر منار کے نام پر لٹادی، وہ رئیس جو آج بھی منار کے نام پر تھم جاتا تھا، اور وہ فجر۔۔۔جو منار کی ہمشکل تھی۔

"دو۔۔دو ہم شکل۔۔۔"اس کے ہونٹوں سے آہستہ آواز نکلی۔

"ایک جس سے وہ کبھی محبت کرتا تھا اور دوسری جس کے لیے وہ سب کچھ کر سکتا تھا۔"

اس کے دل پر جیسے کسی نے دہکتی سل رکھ دی۔ آنکھوں میں نمی اور غصہ ایک ساتھ اترنے لگے۔وہ ان عورتوں کے چنگل سے اسے کیسے نکالے گی؟ان کے سامنے ہوتے ہوئے وہ فلک کو بھلا کیوں دیکھا گا؟

وہ عورت۔۔۔وہ عورت جس نے کئی سال اس خاندان کو ہنٹ کیا، جس نے ہر ایک کو زخم دیئے، جس نے سب کو اندھیروں میں دھکیل دیا۔۔۔وہ زندہ تھی اور اب اس نے اپنے زندہ ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔اس کی آنکھوں کے سامنے منار کا وہ مسکراتا چہرہ آیا، جو ویڈیو نوٹ میں سب کو دعوت دے رہا تھا۔وہ مسکراہٹ فلک کے لیے طنز تھی، ایک چبھتا ہوا زہر۔اس نے پورے خاندان کو بلایا تھا۔وہ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ رئیس اس وقت کیسا محسوس کر رہا ہو گا۔

"یہ ناانصافی ہے۔۔۔"باہر آسمان کو دیکھتے ہوئے اس کی آنکھیں بھر آگئیں۔

"میرے پاس۔۔۔میرے پاس گنے چنے دن تھے۔"

وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔دونوں ہاتھوں میں کارڈ بھینچ کر گھٹنوں پر ٹکا دیا۔ آنکھیں بند کیں تو یوں لگا جیسے اندر سے جل رہی ہو۔

"اور اب۔۔۔اور اب وہ آگئی۔یہ تو غلط ہے اللہ جی۔۔۔"

اس کا دل چیخ اٹھا۔ منار کی واپسی اس کے لیے کسی قیامت سے کم نہ تھی۔ یہ صرف ایک عورت کی واپسی نہیں تھی۔۔۔ یہ پرانی یادوں، پرانے زخموں، اور رئیس کے دل کے سب رازوں کی واپسی تھی۔

"اگر رئیس کے پاس یہ دونوں عورتیں ہیں تو میں کہاں کھڑی ہوں۔۔۔؟"

یہ سوال ڈنک مار رہا تھا۔ اس کے اندر سلگتی ہوئی آگ بھڑکنے لگی۔ آنکھوں میں جلن، خوف، بے بسی اور غصہ سب کچھ ایک ساتھ تڑپ اٹھے۔ وہ دھیرے سے بڑبڑائی۔

"منار۔۔۔ تمہیں واپس نہیں آنا چاہیے تھا۔"

اس نے کارڈ کو مزید زور سے مٹھی میں دبایا، کاغذ کی لکیریں اس کی ہتھیلی میں نقش ہو گئیں، جیسے کوئی داغ ہمیشہ کے لیے ثبت ہو گیا ہو۔ فلک عالمگیر سلگ رہی تھی۔۔۔ اندر ہی اندر، جیسے کسی نے اس کی روح کو دہکتے کوئلوں پر رکھ دیا ہو۔

✿••✿••✿••✿

شام اپنے بال کھولے گہری ہونے لگی تو آسمان پر بادلوں کی گرج اور بارش کی مسلسل جھڑی نے پورے شہر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ شہر کے شور سے ذرا ہٹ کر، ایک پر سکون علاقے میں برج منار اپنے سرمئی پتھروں کا ڈھانچہ لیے کھڑا تھا۔ اس کی اونچی اونچی کھڑکیاں، تیز زاویوں والی چھتیں اور بارش میں چمکتے پتھر کسی عام گھر کی نہیں، بلکہ ایک ایسی پناہ گاہ کی کہانی سناتے تھے جہاں صدیوں پرانے راز دفن ہوں۔ یہ عمارت بظاہر ایک محل تھی مگر اس کی بناوٹ میں ایک عجیب سا خوف چھپا تھا۔

لمبی سیاہ گاڑیاں ایک کے بعد ایک آکر محل کے آہنی گیٹ کے آگے رکنے لگیں۔ گیٹ کے دونوں جانب پرانے دیودار کے درخت ہوا کے ساتھ جھوم رہے تھے، اور ان کی شاخوں کی سرسراہٹ ایسی محسوس ہوتی تھی جیسے کوئی سرگوشیاں کر رہا ہو۔

سب سے پہلی گاڑی رکی اور دروازہ کھلتے ہی وجاہت عالمگیر، ان کی بیوی اور ترنم بیگم باہر نکلے۔ ان کے ساتھ بشارت اور اس کی بیوی بھی تھے۔ اماں نے اپنے شال کو مضبوطی سے لپیٹا، ان کی آنکھوں میں ایک انجانا خوف لہرایا۔ محل کے پتھروں میں چھپی پراسراریت کو دیکھتے ہی انکا دل لرز اٹھا۔

اس کے بعد فخر اور اس کی بیوی فاخرہ اترے۔ فخر نے اپنی گھڑی پر ایک سرد نگاہ ڈالی اور لہجے میں خفگی بھر کر گویا ہوا۔

"یہ سب کچھ وقت ضائع کرنے کے سوا کچھ نہیں۔"

مگر اس کی بیوی فاخرہ کی آنکھوں میں ایک تجسس تھا، جیسے وہ اس پراسرار دعوت کے پس پردہ چھپے رازوں سے پردہ اٹھانا چاہتی ہو۔ ان کے ساتھ فلک بھی تھی جو بالکل خاموش تھی۔ وہ ایک موٹی اونی فراک پہنے، کندھوں پر گرم اسکارف ڈالے اور اونی ٹوپی اوڑھے ہوئے تھی۔ اس کی چھوٹی نوزپن روشنی میں چمک رہی تھی، مگر آنکھوں میں گہری تشویش اور بے چینی واضح تھی۔ وہ خاموشی سے قدم اٹھاتی محل کی جانب بڑھی، اس کا سفید لباس بارش کے دھندلکے میں ایک مدھم روشنی کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔

تیسری گاڑی سے ذرتاش اور احمد اورنگزیب نے قدم رنجہ فرمایا۔ ذرتاش اور اورنگزیب صاحب دونوں وہیل چیئر پہ تھے۔ اورنگزیب صاحب نے محل کو دیکھا اور ان کے اندر ایک ہی سوچ دوڑ گئی۔

"یقیناً ڈائن کے محل کو بھی یوں ہی ہونا چاہیے۔ سرد، خالی اور خوفناک۔"

اور پھر وہ گاڑی آئی جس کا سب کو انتظار تھا۔ فجر اور ولی۔

گاڑی رکی۔ ولی نے خود دروازہ کھولا۔ باہر بارش کی بوندیں جیسے ایک دم تیز ہو گئیں۔ فجر نے گاڑی سے قدم رکھا، اور گردن اٹھا کر پورے محل کا جائزہ لیا۔

سرمئی پتھروں کا یہ مکان۔۔۔ یہی ہو سکتا تھا منار کی پہچان!

وہ آج Prada کے نفیس سوٹ میں تھی۔ گہرا نیلا اسکرٹ، سلور بیلٹ کے ساتھ ایک نفیس بلاؤز، اور اس پر جیکٹ جس کے کالر پر ٹشو سے کڑھائی کا منفرد ڈیزائن بنا ہوا تھا۔ بارش میں اس کی جیکٹ کے کنارے جھلملائے، اور یہ منظر ایسا لگا جیسے کوئی ملعون ملکہ اپنے حریف کے تخت پر چڑھائی کرنے آئی ہو۔

اس کی ہیزل آنکھیں یوں دہک رہی تھیں جیسے کسی طوفان کا پیغام دے رہی ہوں۔ باری باری ان سب کو اندر لے جایا گیا۔ جیسے ہی محل کے بڑے، وزنی دروازے کھلے، اندر کی فضا نے سب کو گھیر لیا۔

ہال بہت وسیع تھا، اس کی بلند چھتیں تاریکی میں گم تھیں۔ دیواروں پر نصب مشعلیں مدھم زرد اور سنہری روشنی بکھیر رہی تھیں، جو دیواروں پر لمبی، پراسرار پرچھائیاں ڈال رہی تھیں۔ اونچی کھڑکیوں کے شیشوں پر بارش کا پانی مسلسل بہہ رہا تھا، جس کی ٹک ٹک اندر کی سنسناہٹ میں اضافہ کر رہی تھی۔

ہال کے بیچ میں ایک لمبا ڈائننگ ٹیبل سجا ہوا تھا، جو فی الوقت خالی تھا مگر اس کی ہموار سطح چمک رہی تھی۔ کھانے کے لوازمات ابھی ایک جانب رکھے جا رہے تھے۔ روسٹ، سوپ، سلاد، مگر ان کی خوشبو بھی یوں لگتی تھی جیسے کسی

پر اسرار پردے کے پیچھے دبی ہو۔ہال کی فضا میں جانے کیوں ایک انجانی سردی سرائیت کرتی جارہی تھی۔ہر ایک کو محسوس ہوا جیسے سانس بھاری ہو رہی ہو، جیسے کمرے کا درجہ حرارت اچانک گرتا جارہا ہو۔

سامنے سیڑھیاں تھیں جن پر سرخ قالین بچھا ہوا تھا، جو اوپر کہیں گھومتی ہوئی اندھیرے میں غائب ہو رہی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اوپر سے کوئی دیکھ رہا ہو، کوئی چھپا ہوا وجود، مگر سامنے نہیں آرہا۔

فلک اپنی اونی فراک اور اسکارف میں، ہال کے ایک کونے میں کھڑی تھی، یوں لگ رہی تھی جیسے چراغ جل رہا ہو، مگر اندر سے وہ جل ہی رہی تھی۔ضبط کر کے آئی تھی، مگر دل میں طوفان تھا۔ذرتاش نے وہیل چیئر کو گھما کر ہال کا جائزہ لیا۔

باقی سب میز کے گرد بیٹھتے محو گفتگو ہو چکے تھے۔

سب آچکے تھے۔پورا عالمگیر خاندان، اورنگزیب خاندان، سب موجود تھے۔لیکن ایک عجیب خلا تھا۔منار ابھی تک غائب تھی جبکہ رئیس بھی نہیں آیا تھا۔بس ان دونوں کی کمی تھی۔

ہال میں ہر کرسی پر بیٹھتے ہی یوں لگا جیسے ان سب پر کوئی نظر رکھ رہا ہو۔مشعلوں کی روشنی کے ساتھ پرچھائیاں دیواروں پر حرکت کرنے لگیں۔کھڑکیوں پر بارش کا شور تیز ہو گیا۔ہال میں موجود ہر ایک کے دل میں ایک ہی سوال تھا۔

"یہ سب کچھ کیوں؟"

سب خاندان والے اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ چکے تھے، مگر نظریں بار بار سیڑھیوں کی جانب اٹھ رہی تھیں۔

اور تبھی باہر دو گاڑیاں آگے پیچھے آکر رکیں۔ پہلی گاڑی سے رئیس اترا۔ بھوری لیدر کی جیکٹ پہنے، ایک گارڈ نے فوراً آگے بڑھ کر اس پر چھتری تانی۔۔۔ مراد دوسری جانب سے نکل آیا۔ وہ اب آگے بڑھ رہے تھے مگر گارڈز نے دروازے پر ہی روک لیا۔

"معذرت سر! صرف فیملی ہی داخل ہو سکتی ہے۔"

مراد نے نہایت بھونڈا منہ بنایا اور واپس پلٹ گیا۔ گارڈ وہیں رک گیا جبکہ رئیس داخل ہوا۔ بھوری جیکٹ کے کالر پر بارش کے قطرے جھلک رہے تھے، جیسے ہی اس نے ہال میں قدم رکھا خون کے رشتوں کی آنکھیں اس پر جم گئیں اور تبھی زینوں پر قدموں کی چاپ گونج گئی۔ سیڑھیوں پر منار دکھائی دی۔ بھورے سوٹ میں، بال اور بھی گھنگریالے لگ رہے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ اتر رہی تھی۔ ایک ایک قدم سینچ کر رکھتی۔ رئیس کے قدم جم گئے۔

وہ اوپر دیکھ رہا تھا، وہ نیچے، ہال کے دوسرے کونے میں دیکھ رہی تھی۔ دونوں کے درمیان برسوں کا حساب کھڑا تھا۔ رئیس وہیں جما رہا جبکہ منار دھیرے دھیرے سیڑھیاں اتر کر اسکی جانب بڑھی۔ وہ مضبوط قدم اٹھاتی، اس پر نگاہ ٹکائے اسی کی جانب جا رہی تھی۔ فاصلہ ابھی باقی تھا مگر اس لمحے۔۔۔

قدموں کی ایک اور چاپ ابھری، فجر۔۔۔ وہ سر اٹھائے، مضبوط قدموں کے ساتھ آگے بڑھتی دکھائی دی۔ پراڈا کا سوٹ، آنکھوں پر چشمہ، اور ہونٹوں پر وہی مسکراہٹ جو دشمن کو تاسف میں مبتلا کر دے۔ اس سے پہلے کہ منار رئیس تک پہنچتی وہ یک دم اسکے سامنے آگئی۔ منار ٹھٹک کر رکی، جیسے سامنے ایک دیوار کھڑی ہو گئی ہو۔

"ہیلو، مدر۔۔۔" چشمہ بالوں پر جماتے وہ دلکشی سے بولی۔

منار لمحہ بھر کے لیے ساکت ہوئی۔ پھر آنکھوں میں لکیریں ابھریں۔

"کہاں جا رہی ہیں آپ؟"

اس کے سوال پر منار نے گردن ذرا جھکائی، رئیس کو دیکھا جو پیچھے کھڑا تھا، اور پھر اسکے آگے کھڑی فجر کو۔ اعلان واضح تھا۔

"بادشاہ تک پہنچنے کے لیے بیگم کو پار کرنا ہو گا۔"

منار اسکا اشارہ سمجھتے ہوئے ہولے سے ہنس دی۔ وہ جو سوچ رہی تھی فجر اتنے بڑے نقصان کے بعد ٹوٹ پھوٹ کا شکار نظر آئے گی وہ بلا بن کر آگئی تھی۔

"میرے راستے سے ہٹ جاؤ، بے بی گرل۔۔" وہ دھیمے مگر حکمیہ لہجے میں بولی۔

"کہا تھا نا۔۔۔ ان سے دور رہیں۔" وہ اسی انداز میں بولی۔

"تمہیں لگتا ہے تم مجھے روک سکتی ہو؟" ابرو اٹھا کر پوچھا۔

"میں آپ کو روک چکی ہوں۔" گردن اکڑا کر واضح کیا۔ منار کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔ آنکھوں میں لمحہ بھر کو شعلے بھڑکے۔

"لگتا ہے مزاج ابھی ٹھکانے نہیں آئے۔۔۔" وہ اسکی اکڑ پر استہزائیہ بولی۔

"ٹھکانہ تو آپ کو نہیں ملے گا۔" فجر سینے پر بازو باندھتے اسی کے انداز پر گویا ہوئی۔

"تم میری ہم شکل ہو، مگر میرا عکس نہیں۔ اپنی حدود مت بھولو۔۔۔ ورنہ قبر۔۔۔"

"آپ کی قبر کا کھیل ختم ہو چکا ہے۔۔۔بس کریں اب۔۔۔" وہ اسکی بات کاٹتے ہوئے ناپسندیدگی سے بولی۔ منار کے ہونٹ بھینچ گئے۔

کشیدگی بڑھتی جا رہی تھی، اور خاندان کے لوگ ہال کے دونوں کناروں پر دم سادھے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ فلک کی انگلیاں مٹھی میں جمی تھیں، اماں کا سانس رکا ہوا، ولی کی نظریں فجر پر۔

رئیس یوں کھڑا تھا جیسے دو طوفان اس کے درمیان آ کھڑے ہوں۔ مگر اس کی نظریں فجر کے بالوں پر جمی تھیں۔

سامنے کھڑی منار بے معنی ہو گئی۔

"تم اس ایک شخص کے لیے میرے سامنے کھڑی ہو؟" منار کا ابرو کمان کی طرح اٹھا ہوا تھا۔

"وہ ایک شخص نہیں۔۔۔رئیس اورنگزیب ہے، اور دنیا کا کوئی شخص، رئیس اورنگزیب نہیں بن سکتا۔ تو سوچ سمجھ کر قدم اٹھایئے گا۔"

مشعلوں کی روشنی دیواروں پر جھول گئی، کھڑکیوں پر بارش کا پانی بہتا گیا مگر وہ یونہی ڈٹی رہی۔ جو فرض اس کے والدین کو نبھانا چاہیے تھا وہ اس کے پیچھے کھڑے شخص نے ادا کیا تھا۔ دو، دو والدین کے ہوتے ہوئے ایک تیسرا شخص اسکا سربراہ بنا تھا پھر وہ پیچھے کیوں ہٹتی؟ اس نے پیچھے ہٹنا نہیں سیکھا تھا۔

منار اور فجر، ایک دوسرے کے مقابل!

ایک ہی چہرہ، دو الگ تقدیریں۔ ایک ڈائن کی مسکراہٹ تو دوسری ملعون ملکہ کی ٹھہری ہوئی نظر۔

رئیس کے ہونٹ ذرا ہلے مگر آواز نہ نکلی۔ کیا کہتا؟ کس کا نام لیتا؟ سب کی نظریں اس پر تھیں، مگر وہ خود گم تھا۔

آخر کیا تھا وہ شخص؟ ایک ایسا مرد جس کے لیے دو عورتیں۔۔۔ ایک ہی چہرہ لیے میدان میں اتر آئی تھیں۔ ایک چہرے والی دو عورتیں، اس کے لیے آمنے سامنے کھڑی تھیں۔۔۔ اس کے لیے مقابل آچکی تھیں۔

رئیس نے گہری سانس لی اور بغیر کچھ کہے لمبے میز کی جانب بڑھنا شروع کیا۔ قدموں کی چاپ اتنی بھاری تھی جیسے ہر قدم زمین کو آزمارہا ہو۔ وہ میز کے سرے پر پہنچا، کرسی کو ہلکی سی حرکت دی، اور بیٹھ گیا۔ سربراہی کرسی پر۔ وہ کرسی جو ہمیشہ طاقت کا نشان رہی تھی اور وہ جانتا تھا وہ اسی کے لیے خالی تھی۔ میز کے دوسرے کونے کی کرسی خالی تھی۔ وہ جگہ جہاں سب جانتے تھے کہ منار بیٹھے گی۔ اور چند لمحوں بعد وہ منظر بھی سامنے آگیا۔ وہ فجر کو وہیں چھوڑ کر اپنے مخصوص وقار اور غرور کے ساتھ میز کی دوسری جانب آئی۔ سب نگاہیں اس پر جمی تھیں۔

ان کے بعد، فجر مضبوط قدم اٹھاتی میز کی ایک جانب ولی کے ساتھ آکر بیٹھ گئی۔ ایک طرف رئیس، دوسری طرف منار۔ درمیان میں خاندان۔

اماں گم سم بیٹھی تھیں۔ ان کی نظریں جھکی ہوئی تھیں، جیسے پتھر بن گئی ہوں۔ بشارت اور فخر اپنی بیویوں کے ساتھ خاموش تھے۔ احمد اور نگزیب صاحب کے چہرے پر حیرت اور خوف کی ملی جلی کیفیت تھی۔ فلک، جو ضبط کی چادر اوڑھے بیٹھی تھی، اندر سے سلگ رہی تھی۔

میز پر کھانے کے لوازمات رکھے جارہے تھے۔ برتنوں کی کھنک اور ملازموں کی آہٹ کے بیچ خاموشی کا بوجھ اور زیادہ بڑھ گیا۔

چند لمحے یونہی خاموشی میں گزرے۔

پھر منار کی آواز ابھری۔ وہ پر سکون تھی، جیسے سبھی کے دل کی دھڑکنوں پر حکمرانی کر رہی ہو۔ اپنی پلیٹ میں کھانا نکالتے ہوئے وہ بولی۔

"میں جانتی ہوں آپ لوگ مجھے دیکھ کر صدمے کی کیفیت میں ہیں۔ مگر کھانا کھائیں، کیونکہ اس صدمے کو برداشت کرنے کے لیے طاقت چاہیے۔"

سب خاموش۔ کسی نے ہاتھ نہیں بڑھایا۔ صرف رئیس نے بوتل اٹھائی، پانی گلاس میں انڈیلا اور لبوں سے لگالیا۔ نگاہیں البتہ منار پر جمی رہیں۔ وہ کرسی ذرا پیچھے کھینچ کر ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھا تھا، چہرے پر سنجیدگی کی گہری لکیریں تھیں۔

جبکہ منار نے خاموشی کو توڑتے ہوئے بات جاری رکھی۔

"سالوں پہلے میری ایک غلطی کو میری موت بنایا گیا۔ اور پھر میری موت کو میری خودکشی کا نام دے دیا گیا۔" اس کی آواز میں زہر گھلا سکوت تھا۔ "اور یہ سب کرنے والا کون تھا۔۔۔ آپ سب جانتے ہیں۔ مگر کسی نے آواز نہیں اٹھائی، کسی نے سوال نہیں کیا۔ کیوں؟"

اس نے نگاہ اماں پر ڈالی۔

"اماں۔۔۔ آپ نے بھی سوال نہیں اٹھایا؟ آپ تو ایڈووکیٹ تھیں۔"

ترنم بیگم پتھر کی مورت بنی بیٹھی تھیں۔ نظریں میز پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ نہ فجر کو دیکھ رہی تھیں اور نہ منار کو۔۔۔۔

اسی لمحے، اس خاموش فضا میں، اچانک فجر کی ہنسی ابھری۔

سب چونکے۔ نگاہیں فوراً اس پر جم گئیں۔ وہ اور ولی سرگوشیوں میں مصروف تھے۔

"ویسے میں نے کبھی غور نہیں کیا کہ مرد کے ہاتھ میں شادی کی انگوٹھی اتنی اچھی لگتی ہے۔"

وہ اس کے صاف ہاتھ کو دیکھتے ہوئے بولی۔ مٹھی پر ٹھوڑی ٹکائے اس کی نظریں ولی کی انگلی میں چمکتی اس سادہ سی سلور انگوٹھی پر جمی تھی۔

"شادی شدہ مرد کو پہننی چاہیے تاکہ دوسری عورتوں کو تنبیہہ ملتی رہے۔"

پھر وہ ہنسی، ایک ہلکی سی، مگر اتنی غیر متوقع کہ جیسے خاموشی کو چیرتی ہوئی نکل گئی ہو۔

"تمہارے ہاتھ میں اسے دیکھتی ہوں تو ملکیت کا احساس ہوتا ہے۔"

ولی نے نظریں جھکالیں، مگر اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ وہ یوں کہہ رہی تھی جیسے اپنے شوہر کے ساتھ کینڈل لائٹ ڈنر پر آئی ہو اور وہاں اس میز پر اس کے علاوہ مزید گیارہ افراد موجود نہ ہوں۔

منار نے سر اٹھایا، بھنویں سکیڑیں۔ وہ انہیں دیکھ رہی تھی۔

"ویسے یہاں کافی ٹھنڈ ہے نا؟" اس کی آواز خاموشی میں سنائی دی۔ ولی نے سمجھتے ہوئے اپنا کوٹ اتارا اور اس کے کندھوں پر ڈال دیا۔ منار انہیں گھور رہی تھی۔ فجر نے جب سب کی نظریں خود پر محسوس کیں تو مصنوعی شرمندگی ظاہر کی۔ وہ چپ ہوئی تو منار نے تاسف سے سر ہلایا۔ نظریں ابھی تک ان پر ہی تھیں۔ وہ زیر لب بڑبڑائی۔

'Ah---these two brats'

اس سے پہلے وہ دوبارہ بات شروع کرتی، فجر نے اچانک ملازم کو پکارا۔ "ایکسکیوز می!"

سب کی نگاہیں پھر سے اس پر اٹھ گئیں۔ منار کے لبوں پر رکی ہوئی بات وہیں رہ گئی۔

"کیا مجھے چائے مل سکتی ہے؟ دیسی چائے۔ خالص دودھ والی۔" مکمل سنجیدگی سے کہا۔ "یہاں مجھے نظر نہیں آ رہی۔ کم چینی اور تیز پتی والی؟"

ملازم فوراً سر جھکائے بولا، "جی میڈم، میں لاتا ہوں۔"

"اور کافی؟" فوراً پوچھا۔ "میرے ہسبنڈ کافی پیتے ہیں۔ پلیز ان کے لیے کافی لے آئیں۔ یہ پہلی بار اپنے سسرال آئے ہیں۔ آپ لوگوں کو خیال رکھنا چاہیے۔۔۔ یہ اس منار کے داماد ہیں۔"

ہال میں لمحہ بھر کے لیے مکمل سکوت چھا گیا۔ ولی کا چہرہ ضبط کے باعث سرخ پڑ گیا۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ دبانے کی کوشش واضح تھی۔ جبکہ منار کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں خون اترا۔

فجر نے گردن ذرا سا ترچھی کی اور سب کو مخاطب کیا۔

"ویسے آپ سب چپ کیوں بیٹھے ہیں؟ کیا کسی کو بھوک نہیں لگی؟ بگ بی؟ آپ کچھ لیں گے؟"

کئی دنوں بعد رئیس سے اس نے براہِ راست بات کی تھی۔

اس کے یوں پوچھنے پر رئیس نے سر جھکایا۔ ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔ اس کے چہرے پر پہلی بار کئی دنوں بعد نرمی کی ایک لہر آئی۔ کئی دنوں بعد وہ مسکرایا تھا بلکہ اس وقت ضبط کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ مگر اگلے ہی پل وہ اپنے تاثر پر قابو پا چکا تھا۔ گلہ صاف کرتے ہوئے بولا۔

"No, I am okay-"

فجر نے ہلکا سا سر ہلایا۔ پھر سامنے بیٹھی فلک کو دیکھا۔

"اور فلک تم؟ تم نے کچھ نہیں کھایا؟ پلیز ان کے لیے فرنچ فرائز لائیں۔ انہیں پسند ہیں۔" وہ اونچی آواز میں ملازم سے کہہ رہی تھی۔ "ان کا خیال کریں، یہ رائٹر ہیں، ہمارا سرمایہ۔ انہیں بھوکا نہیں۔۔۔"

"کیا تم اپنی بکواس بند کرو گی؟" منار کی دھیمی مگر واضح گرج ابھری۔ فجر نے بے ساختہ اسکی جانب دیکھا۔

"کیا مطلب؟ یہاں ہم بول نہیں سکتے؟" اس نے ہلکی سی معصومیت سے آنکھیں پھیلائیں۔ "انویٹیشن کارڈ پر تو نہیں لکھا کہ منہ بند رکھنا ہے۔"

ساتھ بیٹھے ولی کا سر مزید جھک گیا جبکہ رئیس کی آنکھوں میں دلچسپی اتر آئی۔ یہ منظر کسی نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ ہال میں وقت جیسے تھم گیا تھا۔

منار نے خود پر قابو پایا اور گردن سیدھی کی، ایک بھرپور اعتماد کے ساتھ رئیس کو دیکھا۔

اس کی آنکھوں کی روشنی میں نہ خوف تھا، نہ لجاجت۔۔۔ صرف نفرت تھی۔

"میرا اعلان سب سن لیں۔۔۔ یہ ہماری کہانی ہے، **منار معراج اور رئیس اورنگزیب کی۔۔۔**"

"سالوں پہلے جب میری موت کو خودکشی کا نام دیا گیا تھا۔ سب خاموش تھے۔ کسی نے سوال نہیں اٹھایا۔ کسی نے سچ جاننے کی کوشش نہ کی۔ سب مجھے بھول گئے۔ سب نے اسے میرا انجام مان لیا مگر یہ میرا انجام نہیں تھا۔ انجام اب لکھا جائے گا۔۔۔"

وہ قہربار نظروں سے صرف اور صرف رئیس کو دیکھ رہی تھی۔

"میں سب کو وارن کر رہی ہوں۔۔ یہ کھیل صرف میرا اور رئیس کا ہے۔ جو اس میں قدم رکھے گا۔۔۔ مارا جائے گا۔ جیسے سب چھبیس سال پہلے اندھے اور گونگے بن گئے تھے ویسے ہی بنے رہیں۔۔۔ کسی بھی قسم کی ہوشیاری کی تو اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔"

ہال میں بیٹھے سب کے دل دھڑکنے لگے۔ فجر کی آنکھوں میں ایک عجب چمک ابھری مگر اس کے ہونٹ خاموش تھے۔ ولی کے ہاتھ میز کے نیچے مکے کی طرح بند ہو گئے۔ فلک کی پلکوں پر لرزش آئی مگر وہ اپنے ضبط کو پکڑے بیٹھی رہی۔

ترنم بیگم نے آہستہ سے آنکھیں بند کر لیں جیسے وہ پھر ایک بار اسی اندھیرے میں لوٹ گئی ہوں جہاں برسوں پہلے بیٹی کو کھو دیا تھا۔

منار نے نگاہیں سب پر دوڑائیں، پھر دوبارہ رئیس کو دیکھا۔

"آج یہاں ایک خاندان کی کمی ہے۔ جانتے ہو کس کی؟ گردیزی خاندان۔۔۔ افسوس کہ آنے کے لیے کوئی بچا ہی نہیں اس لیے سوچ سمجھ کر قدم اٹھائیں۔ یا پھر۔۔۔ خاموشی سے الگ رہیں۔۔۔ میں آپ لوگوں کو بخش رہی ہوں اتنا کافی ہے۔"

اس کے آخری الفاظ کے ساتھ ہی ہال پر ایک بوجھل سکوت چھا گیا۔ کسی کے پاس کہنے کو کچھ نہ تھا۔ صرف بارش کی بوندوں کا شور، جو شیشوں پر بہہ رہا تھا، جیسے محل کے اندر گونجنے والی اس ملکہ کی وارننگ کی تصدیق کر رہا ہو۔ سب نے ملکہ کا پیغام سن لیا تھا لیکن کوئی بھی جواب نہ دے پایا اور پھر رئیس اٹھا۔ کرسی پیچھے دھکیل کر کھڑا ہوا۔ جیکٹ سیدھی کی اور منار کو دیکھا۔

"تم کل بھی اندھی تھیں، آج بھی اندھی ہو۔۔۔۔"

"یہ تو وقت بتائے گا کہ کون اندھا ہونے والا ہے۔ یہ انجام میں نے لکھا ہے رئیس اور نگزیب اور تم اس سے بھاگ نہیں سکتے۔ الٹی گنتی شروع ہو چکی ہے۔"

"ناں۔۔ناں۔۔۔ناں۔۔۔" رئیس نے نفی میں سر ہلایا۔

"میں اپنی داستان کا مصنف ہوں اور ابھی میں نے آخری باب نہیں لکھا۔"

اس نے ایک جتاتی ہوئی نظر منار پر ڈالی اور پھر بنا کچھ کہے دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ اسکے لیے اتنا کافی تھا۔ منار کی سرد نظریں اس کی پشت پر جمی رہیں۔

رئیس کے پیچھے نکلتے ہوئے دروازہ آہستگی سے بند ہوا، مگر اس کی گونج دلوں میں باقی تھی۔ چند لمحوں کے بعد ہال میں ایک عجیب سا خالی پن چھا گیا۔۔۔ وہ خلا جو صرف کسی طاقتور وجود کے جانے کے بعد رہ جاتا ہے۔ باہر بارش کی لکیریں شیشوں پر تیز ہو گئیں، جیسے پوری دنیا اس لمحے کو دھو رہی ہو۔

فلک نے اپنی چیختی ہوئی سانس پر قابو پانے کی کوشش کی۔ وہ آہستگی سے اپنی جگہ سے اٹھی۔ اس کے ہاتھ لرز رہے تھے مگر آنکھوں میں ایک نیا ٹھہراؤ جھلک رہا تھا۔۔۔ وہ خاموش لگن جو صرف لکھنے والے جانتے ہیں۔ اس نے منار کی طرف دیکھا۔ منار نے گردن ذرا اکڑائی، عقابی نگاہوں کی شدت جوں کی توں تھی۔

"تم فلک ہو نا؟" اس کی شہد رنگ آنکھوں کو دیکھتے ہوئے یوں پوچھا جیسے جانتی ہی نہ ہو۔ فلک بس سرد نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

"تم جو چاہو کر لو، رئیس تمہیں کبھی قبول نہیں کرے گا۔ یہ اُس کی ہڈیوں میں لکھا جا چکا ہے۔ تنہائی اسکا مقدر رہے گی۔۔۔" اس نے فلک کی جانب ہلکا سا جھکتے سر گوشی کی۔

"مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مگر یہ گھر میرا ہے۔ اگر تم نے اسے توڑنے کی کوشش کی تو یاد رکھو۔۔۔ اچھا نہیں ہو گا۔" اس ساری گفتگو میں وہ پہلی بار بولی تھی۔

ہو گی منار معراج کسی سیاہ دنیا کی ملکہ مگر یہ گھر اسکا تھا۔ اس گھر کی ملکہ وہ تھی اور وہ جتا چکی تھی۔

منار کے چہرے پر ایک لمحے کو خاموشی چھا گئی، پھر دھیرے سے طنزیہ مسکراہٹ ابھری، جیسے وہ فلک کی دھمکی کو اپنے اگلے کھیل کا حصہ سمجھ رہی ہو جبکہ فلک اس پر گہری نظر ڈال کر دروازے کی جانب بڑھی۔ اس کے پیچھے فخر اور فاخرہ بھی تھے۔

جبکہ اماں اپنی جگہ یونہی بیٹھی تھیں۔ منار نے ایک نظر ان پر ڈالی۔

"آپ نے میرا انتظار کیا اماں؟ آپ جانتی تھیں میں آؤں گی۔ دیکھیں میں آ گئی۔"

"تم کیوں آئی ہو منار؟ تم نہ آتیں۔۔۔" اماں نے پہلی بار نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ منار کے چہرے پر سایہ سا لہرایا۔

"تمہیں واپس نہیں آنا چاہیے تھا۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ بشارت نے انہیں سہارا دیا۔ منار کے ہونٹ بھنچ گئے۔

"تمہیں نہیں آنا چاہیے تھا۔۔۔" اماں یہی جملہ دہراتے، اپنے بھائی، بھتیجے اور ان کی فیملی کے ساتھ دروازے کی جانب بڑھیں۔

احمد اور نگزیب صاحب اور ذرتاش جو، فجر اور ولی کی سائیڈ بیٹھے تھے انہوں نے بھی اپنی وہیل چیئر کھسکائی۔ اور نگزیب صاحب نے خالی کرسیوں پر ایک طویل نظر ڈالی، پھر ہونٹوں پر ایک باریک سی مسکراہٹ لاتے ہوئے اپنی وہیل چیئر لیے دروازے کی جانب بڑھ گئے۔ ان کے پیچھے دیگر خاندان کے افراد بھی دبے قدموں، سر جھکائے، بارش کی بوندوں میں اپنی گاڑیوں کی طرف بڑھنے لگے۔ ذرتاش کو بھی ان کی پیروی کرنی پڑی جبکہ فجر اور ولی ابھی وہیں تھے۔

"اب تمہیں واپس جانے کے لیے بھی کوئی کارڈ چاہیے؟" منار نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا جو سینے پر بازو باندھتے کھڑی تھی۔

"نہیں۔۔۔ مگر آپ کو فیس کارڈ کھیلنا بند کرنا ہو گا ورنہ۔۔۔"

"ورنہ کیا۔۔۔؟" وہ میز پر دونوں ہاتھ جمائے اس کی جانب جھکی۔ فجر نے خشک گلہ تر کیا۔ زخمی نگاہوں سے اس عورت کو دیکھا جو اسے پیدا کرنے والی تھی مگر سچ کہا تھا اس نے، پیدا کرنے سے کوئی ماں نہیں بن جاتی۔۔۔

"چلیں ولی۔۔۔؟" بنا اس کی بات جواب دیئے وہ ولی کی جانب مڑی جو پر سکون سا بیٹھا۔

"جو حکم میڈم!" وہ اٹھ کھڑا ہوا اور پھر ایک گہری جتاتی نظر منار پر ڈالی اور فجر کا ہاتھ تھامے باہر کی جانب بڑھ گیا۔

ان کے جاتے ہی سائے لمبے ہوتے گئے۔ گاڑیاں ایک ایک کر کے روانہ ہوئیں، ہر گاڑی اپنے ساتھ ایک کہانی، ایک دباؤ اور ایک راز لے کر اندھیرے میں گم ہوتی گئی۔ سب کو اپنے حصے کی موت خود جھیلنی تھی پھر منار اور رئیس کی لڑائی سے ان کا تعلق؟ وہ مرے یا جئیں۔۔۔ جب آخری قدم بھی باہر نکلا تو محل اپنی خاموشی میں ڈھل

گیا۔ مگر یہ خاموشی خالی نہیں تھی۔۔۔ دیواروں میں ایک گونج تھی، ایک غیر مرئی سرگوشی، جیسے ہر اینٹ اس رات کا گواہ بن گئی ہو۔

منار وہیں کھڑی رہی، پورے ہال پر نظر ڈالی۔ دشمنوں، ساتھیوں اور یادوں کے اس منظر کو اپنے ذہن میں قید کیا اور پھر آہستگی سے باہر کی طرف بڑھی، بارش اس کے کندھوں پر گر رہی تھی، مگر وہ نہ گیلی محسوس ہوئی نہ بوجھل۔ اس کے باہر نکلتے ہی، محل کا بڑا دروازہ دھیرے سے بند ہوا اور روشنی ایک ایک کر کے بجھ گئی۔

✿••✿••✿••✿

ہیڈ آفس کی عمارت روشنیوں اور شور سے بھری ہوئی تھی۔ بڑے ہال کے ایک طرف شیشے کے دیوار نما پینل تھے، جن سے باہر کا آسمان اوس کے باوجود چمکتا نظر آ رہا تھا۔ نیچے پارکنگ میں گاڑیاں رکی تھیں، ڈرائیورز چھتریاں تھامے کھڑے تھے، اور اندر اسٹاف ایک طوفانی رفتار سے دوڑ بھاگ میں مصروف تھا۔

یہاں بس اٹھارہ دن باقی تھے۔ ڈارک اسٹارز۔۔۔ رئیس اورنگزیب کا سب سے بڑا پراجیکٹ، اس سال کے اختتام پر لانچ ہونا تھا۔ ساری دنیا کی نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں۔ مگر فلک جانتی تھی کہ اٹھارہ دن صرف اس لانچ کے نہیں تھے۔ یہ اٹھارہ دن منار کی الٹی گنتی کے بھی تھے، جس کا آغاز وہ کر چکی تھی۔ اور یہ اٹھارہ دن اس کی اپنی کہانی کے بھی تھے، رئیس کے ساتھ گزارے جانے والے شاید آخری دن۔۔۔

وہ اوپری منزل کی ریلنگ کے قریب کھڑی تھی۔ نیچے کے ہال میں بڑی بڑی اسکرینز پر پروموز چل رہے تھے، میٹنگ رومز میں مینیجرز کی آوازیں گونج رہی تھیں، اور پروجیکٹرز پر ڈارک اسٹارز کا چمکتا نام۔۔۔ چاروں طرف ہلچل تھی مگر فلک کے دل میں سناٹا۔ سامنے کانفرنس روم کی دیوار پر بڑی اسکرین پر ایک اور خبر بھی لگی تھی۔

یہ کتاب لانچ ہو چکی تھی۔ پہلے ہی ہفتے میں اس نے بازار کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ لوگ بادشاہ کی ایک روشن زندگی دیکھ رہے تھے، مگر وہ جانتی تھی کہ ہر صفحے کے پیچھے کتنا بھیانک ماضی چھپا تھا۔ وہ آہستہ سے ریلنگ پر جھکی۔ دل میں ایک عجیب سی نرمی آئی۔ یہ سوچ کر کہ رئیس نے منار کا قتل نہیں کیا، دل بوجھل ہونے کے باوجود ہلکا ہو گیا تھا۔ وہ زندہ تھی۔ نہ جانے آگے کیا ہونے والا تھا، مگر یہ حقیقت کم از کم دل کو کچھ سہارا دے رہی تھی۔

اس نے رئیس کو نیچے دیکھا۔ وہ کانفرنس روم میں ٹیبل پر جھکا، ایک کے بعد ایک فائل پلٹ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کے نیچے تھکن کے سائے تھے مگر ہاتھ رکے نہیں تھے۔ وہ شخص ہر لمحہ اس منصوبے میں ڈوبا جا رہا تھا۔ منار کے سامنے آ جانے کے بعد بھی، عروزہ کی موت کے بعد بھی۔۔۔ وہ خاموش تھا۔ نہ کسی سے بات کی، نہ کوئی وضاحت دی۔ جیسے کام ہی اس کی زبان ہو۔ گلاس وال سے واضح نظر آتے رئیس کو وہ دیکھے گئی۔

وہ شخص اکیلا پڑ گیا تھا۔ منار جیسی عورت کا مقابلہ تبھی ممکن تھا جب یہ گھر مضبوط ہوتا۔ مگر یہ گھر۔۔۔ یہ دل۔۔۔ یہ سب تو پہلے ہی ٹوٹ چکے تھے۔

اسی لمحے ایک ہلکی سی چاپ اس کے قریب رکی۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ میثم کھڑا تھا۔ وہ رکا، اسے چند لمحے دیکھتا رہا، پھر آہستہ سے چلتا ہوا آگے آیا اور کچھ فاصلے پر رکتے، ریلنگ پر کہنیاں جما دیں۔ اب ان میں کچھ بات چیت ہونے لگی تھی۔ میثم باقیوں سے تو نہیں البتہ اس سے کچھ بات کر لیتا تھا۔

"تو تمہارے باس نے حکم نہیں دیا؟" فلک کی آواز نرم مگر چبھتی ہوئی تھی۔

میثم نے گردن موڑی، حیرت سے اسے دیکھا۔ "کیسا حکم؟"

"منار کو مارنے کا۔" وہ سیدھے لفظوں میں بولی۔

ایک پل کے لیے میثم کے چہرے پر سنجیدگی چھائی، پھر وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔ دھیمی سی مسکراہٹ، جیسے مذاق ہو۔ فلک نے چونک کر اسے دیکھا۔ شاید پہلی بار اس نے میثم کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھی تھی۔

"آپ کو کیا لگتا ہے؟ کسی کو یونہی مار دینا آسان ہے؟" اس نے آنکھوں میں چمک لیے پوچھا۔

"تم لوگوں کے لیے تو آسان ہے۔" فلک نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ وہ اسکا جلوہ دیکھ چکی تھی۔ میثم سیدھا ہوا، کہنی ریلنگ سے ہٹالیں۔

"ہم اپنی حفاظت کرتے ہیں، قتلِ عام نہیں۔"

"منار معراج کے قتلِ عام کے بارے میں کیا خیال ہے؟" اس کے ہونٹوں پر تلخی اتر آئی۔ اس کے سوال پر وہ لمحہ بھر خاموش رہا۔ پھر دھیمی آواز میں بولا۔

"فی الوقت تو وہ جو کر رہی ہیں، اسے روکنا ہے۔"

فلک نے پلکیں اٹھائیں، سیدھے اس کی طرف دیکھا۔ "اور وہ کیا کر رہی ہے؟"

میثم نے شانے اچکائے۔ اس کی آنکھوں میں ایک الجھن سی تھی۔

"خطرناک عورت ہے۔ ہم پتا لگانے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

یہ سنتے ہی فلک کے چہرے پر حیرت کی لکیر کھنچ گئی۔

"ابھی تک پتا نہیں چلا؟ اتنی سیکیورٹی، اتنی ٹیکنالوجی، اتنی پہنچ ہونے کے بعد بھی اب تک معلوم نہیں ہو سکا؟"

"امید ہے جلد جان جائیں گے۔" میثم نے مختصر کہا۔ اس کی نظریں بے ساختہ رائٹر باربی پر پڑیں، دل کی دھڑکن کانوں تک سنائی دی۔ وہ جھٹکے سے پیچھے ہٹا، نگاہیں چرائیں اور چل دیا۔

فلک نے رخ موڑ کر اس کی پشت کو دیکھا۔ وہ شخص زیادہ دیر اس کے قریب نہیں رکتا تھا۔ شاید رکنے کا حق ہی نہیں رکھتا تھا۔ اس کی نظریں پھر سے نیچے کانفرنس روم پر جم گئیں۔ مراد اور رئیس میٹنگ میں مصروف تھے۔ یہ اٹھارہ دن۔۔۔ یہ سب کچھ۔۔۔ کیا واقعی کچھ ختم ہونے والا تھا؟

نیچے شور بڑھ رہا تھا۔ ڈارک اسٹارز کی نمائش کی تیاری، ساؤنڈ چیک، اسکرینز پر چلتے پروموز۔ مگر اسے اپنی سماعت میں بس اپنے ہی دل کی دھڑکن سنائی دے رہی تھی۔

✿••

نیچے کانفرنس روم کی بھاری شیشوں والی دیواروں کے پار اوس کی بوندیں پھسلتی جا رہی تھیں۔ اندر ہال میں پیلی روشنی کا اوور ہیڈ لیمپ کی کھچا کھچ بھری ہوئی تھی چار مگوں کی طرف فائلز، پروجیکٹر کے بیچ ایک عجیب سا سکوت جما ہوا تھا۔

رئیس کرسی پر نیم جھکا بیٹھا تھا۔ اس کی انگلیاں کھلی فائل پر رکھی ہوئی تھیں، جیسے وہ کچھ پڑھ رہا ہو مگر آنکھیں لفظوں سے پرے کہیں اور لگی ہوں۔ ماتھے پر شکنیں تھیں، ہونٹ بھینچے ہوئے۔ سامنے پروجیکٹر پر ڈارک اسٹارز کے لوگو کی روشنی بار بار جھلملا رہی تھی۔ مراد دوسری طرف بیٹھا تھا۔ اس کی سانسیں بھاری تھیں، جیسے اندر ہی اندر بھڑکتا ہوا الاؤ ہو۔ وہ رئیس کو دیکھ رہا تھا۔ ایسے دیکھ رہا تھا جیسے اس کی خاموشی کو توڑ دینا چاہتا ہو۔ آخر کار رئیس نے اس کی تپتی ہوئی نظریں محسوس کر لیں۔ اس نے فائل سے نظریں اٹھائیں اور سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"تمہیں کچھ کہنا ہے؟"

نئیہ آواز خالص پروفیشنل تھی، جیسے کوئی باس اپنے جونیئر سے پوچھ رہا ہو۔ مراد کا ضبط ٹوٹ گیا۔

"تم یہ سب کیوں کر رہے ہو؟"

رئیس نے سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے بھنویں اٹھائیں۔ "کیا؟"

"تم کچھ کہہ نہیں رہے۔" اس کے لہجے میں تلخی تھی، گلا بھرا ہوا سا۔ "تمہیں چپ لگ گئی ہے، رئیس!"

ایک لمحے کو رئیس کا چہرہ بجھ سا گیا۔ اس کی آنکھوں کے گرد تھکن گہری ہو گئی، جیسے یہ جملہ اس کے اندر چھپے زخم کو چھو گیا ہو۔

"تو کیا چاہتے ہو؟" اس نے آہستگی سے مگر کاٹ دار لہجے میں پوچھا۔ "کیا کروں؟"

"بات کرو! عروزہ پر بات کرو۔ اگر تم گلٹی ہو تو کہو۔۔"

یہ سنتے ہی رئیس آنکھوں میں ایک شعلہ لپکا۔ اس نے مراد کی بات کاٹتے میز پر ہاتھ مارا۔۔

"میں گلٹی نہیں ہوں!"

مراد ساکت رہ گیا جبکہ رئیس کا لہجہ لرز رہا تھا، جیسے ہر لفظ اس کے اندر کے زخم کو چیرتا جا رہا ہو۔

"میں گلٹی نہیں۔۔۔ میں تکلیف میں ہوں۔" اس نے آہستہ مگر کانپتی آواز میں کہا۔ گلے کی گلٹی بار بار ابھر رہی تھی۔ "جانتے ہو کیوں؟"

وہ جھک کر میز پر دونوں ہاتھ ٹکا گیا۔ اس کا جسم کپکپا رہا تھا۔

"فجر مجھے عزیز ہے۔ اسے بچانے کے لیے جو میں نے کیا۔۔۔ اس پر گلٹی نہیں ہوں۔ مگر جانتے ہو وہ کس کی بیٹی ہے؟" وہ لمحہ بھر کو رکا، پھر دنت بھینچے انکشاف کیا۔

"وہ فرقان گردیزی اور منار معراج کی بیٹی ہے! کیا تم میری بے بسی محسوس کر سکتے ہو؟ نہیں مراد! تم نہیں کر سکتے۔ تو پھر کیا چاہتے ہو؟ میں ڈھنڈورا پیٹوں؟"

اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ چہرہ ضبط سے سرخ تھا۔

"منار زندہ ہے۔ فجر اس کی بیٹی ہے۔ اور پہلا دھوکہ مجھے کس نے دیا؟" آواز بھاری تھی۔ "جعفر عالم نے! وہ شخص جس نے وفاداری کی قسم کھائی تھی۔"

اس نام پر مراد کے لب تھرتھرا کر بھینچ گئے۔ وہ اس کا باپ تھا۔ وہ شخص جس نے اپنی زندگی اس خاندان پر لٹا دی تھی پھر اتنی بڑی بات کیوں چھپائی؟

رئیس نے سر جھٹکا، جیسے مزید بوجھ نہ سہہ سکتا ہو۔۔

"بتاؤ کیا کروں؟ اس بات پر ڈھنڈورا پیٹوں کہ جعفر انکل نے مجھے دھوکہ دیا؟ یا اس پر روؤں کہ عروزہ۔۔۔ میری کمزوری جانتی تھی اور اس نے مجھے exploit کیا۔ یا اس پر کہ وہ۔۔۔" اس کی آواز کپکپا گئی۔ وہ ہاتھ میز پر رکھتے جھکا۔ سینے کی جلن بڑھتی گئی۔

"وہ میرے ہاتھوں سے مری۔۔۔ میرے بازوؤں میں دم توڑا۔۔۔"

لفظوں کے ساتھ اس کا ضبط ٹوٹتا گیا۔ ماتھے پر بل، آنکھوں میں شدت، اور چہرہ اذیت سے سرخ۔

"بتاؤ مراد! کیا کروں؟ پھر سے جا کر منار کو ماروں، جس نے ساری زندگی مجھے hunt کیا؟ یا اس پر روؤں کہ جس عورت پر میں نے زندگی لٹائی، وہ اپنی بیٹی کو چارہ بنا کر میرا شکار کر رہی ہے؟ کس پر روؤں؟ کس پر۔۔۔؟"

وہ لمحہ بھر کو رکا۔ سانس بھاری، آواز بھرا بھرا سا۔

"یا اس پر کہ میری اپنی بہن۔۔۔ میری بہن، مجھے چھوڑ کر منار کا ساتھ دے رہی ہے؟ بتاؤ مراد! پورے شہر کو چیخ چیخ کر سناؤں یا پھر خاموش رہوں؟ تم بتاؤ کیا کروں؟"

اس کی آواز یکدم اتنی بلند ہو گئی کہ دیواریں گونج اٹھیں مگر یہ آواز باہر نہیں جا سکتی تھی۔ مراد ساکت کھڑا رہ گیا۔ دل کو ایک دھچکا سا لگا۔ تو رئیس کو سب پتا چل گیا تھا۔ ذرتاش کا بھی۔۔۔ ولی ٹھیک کہتا تھا۔ ذرتاش، منار کا ساتھ دے رہی تھی۔ اس کے دل پر ہتھوڑا پڑا۔ لب بھنچ گئے۔ جبکہ رئیس نے گہری سانس لی، جیسے اپنا ہی بوجھ اٹھا رہا ہو۔

"میری تکلیف کوئی نہیں سمجھ سکتا، کوئی نہیں۔ تو بہتر ہے میں خاموش رہوں کیونکہ مجھے دکھوں کا اشتہار لگانے کی عادت نہیں ہے۔" ایک دنیا اس کی مٹھی میں تھی۔۔۔ اور ایک دنیا اس کی مٹھی سے پھسل رہی تھی۔

مراد نے لب کھولے۔

"لیکن۔۔۔ منار۔۔ وہ خطرناک ہے۔ نقصان پہنچا سکتی ہے۔ اس نے وارن کیا ہے۔"

رئیس نے آنکھیں میچ لیں۔ ضبط سے اس کا جبڑا سخت ہو گیا۔

"اسی لیے تو خود کو اکیلا کر لیا ہے۔" اس نے دھیرے مگر بھاری لہجے میں کہا۔ "نہیں چاہتا۔۔۔ میری وجہ سے کوئی اس کا شکار بنے۔"

فائل زور سے بند کی اور تیز قدموں سے گلاس ڈور کی طرف بڑھا۔ ہینڈل پکڑا، ایک جھٹکے میں دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا۔

مراد اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔ آنکھوں میں ایک طوفان، سینے میں ایک بوجھ لیے۔ رئیس کے الفاظ اس کے اندر کیل کی طرح پیوست ہو گئے تھے۔

✿••✿••✿••✿

انسان کی اصل کہانی وہ لمحہ ہوتی ہے جب اس کے اندر کی روشنی بجھ جاتی ہے۔

کبھی یہ روشنی محبت کی صورت ہوتی ہے، کبھی اعتبار کی، کبھی بھروسے اور امید کی۔ جب یہ سب دفن ہو جائے تو جو باقی رہتا ہے وہ انسان نہیں، ایک سایہ ہوتا ہے۔ وہ سایہ جو روشنی کی طرح زندگی نہیں دیتا، بلکہ اندھیرے کی طرح لپٹ کر سانسیں گھونٹ دیتا ہے۔

اچھائی مر جائے تو برائی جنم لیتی ہے۔

نرمی مٹی میں مل جائے تو سختی اپنی جڑ پکڑ لیتی ہے۔

رحمت دفن ہو جائے تو قہر اپنا چہرہ دکھاتا ہے۔

یہی وہ لمحہ ہے جب ایک انسان کے بدن میں دوڑتی زندگی اپنی شکل بدل لیتی ہے۔ وہ جو کبھی نرم، شفیق اور ہمدرد تھی، اب سرد، بے رحم اور انتقام سے لبریز ہو جاتی ہے۔

یہ موت نہیں، بلکہ ایک اور پیدائش ہے۔

ایسی پیدائش جو خون سے نہیں، آنسو اور زہر سے پروان چڑھتی ہے۔

ایسی زندگی جس کا مقصد جینا نہیں، بلکہ جال بُننا ہے۔

ایک ایسا جال جو وقت کے ساتھ پھیلتا ہے، مضبوط ہوتا ہے، اور آخر کار سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔

اس لمحے کے بعد باقی سانسیں انسان کی اپنی نہیں رہتیں۔ وہ کسی اور کی ملکیت ہو جاتی ہیں۔۔۔ نفرت کی، انتقام کی، اور اس عہد کی جس میں محبت کی کوئی جگہ نہیں۔

یہ وہ مقام ہے جہاں ایک وجود مر جاتا ہے، اور دوسرا زندہ ہو جاتا ہے۔

وہ زندہ وجود انسان نہیں ہوتا۔۔۔ وہ ایک جال ہوتا ہے، ایک مکڑی کی مانند جو اپنی تقدیر خود بُنتی ہے۔

سالوں پہلے، وہ لمحہ جب جعفر نے حویلی کے اس پرانے کمرے کا دروازہ کھولا تو وہاں کا منظر جعفر کے لیے ایک جھٹکے سے کم نہ تھا۔ منار زمین پر نیم بے ہوش پڑی تھی، اس کے ہونٹ نقاہت سے پھیکے، سارا جسم ایک بے جان سانچے کی مانند پھیلا ہوا۔ وہ کھانستے ہوئے اپنی سانسیں سمیٹ رہی تھی۔ وہ کھانسی جو زندہ رہنے کی آخری کوشش لگتی تھی۔ جعفر کا دِل ایک پل کے لیے رک سا گیا۔۔۔ وہ زندہ تھی؟ مگر کیسے؟ وہ اس کے قریب پنجوں کے بل بیٹھ گیا۔ جب منار نے بے ہوش نظروں سے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں، جب اس کی ناک سے پھونک پھونک کے سانس نکل رہے تھے، جعفر کے اندر وہ سرد مروّت جس نے اسے کڑی شکل دی ہوئی تھی، نرم پڑ گئی۔ وہ حیرانی سے اسے تکے گیا۔ وہ زندہ کیسے بچ گئی؟

"میں۔۔۔ میں پریگننٹ ہوں، جعفر انکل!" منار کے منہ سے یہ لفظ پھٹے پھٹے نکلے، کمزور مگر بے حد ٹھیک۔

یہ سنتے کر جعفر کے بدن میں ایک عجیب سی لہر دوڑ گئی۔۔۔ وہ ساکت رہ گیا، اس کے چہرے پر خوف، شرمندگی، اور ایک عجیب سی محافظانہ چمک کا امتزاج نمودار ہوا۔ رئیس کے سامنے وہ شخص جس نے منار کو مٹانے کا فیصلہ براہِ

راست سنایا تھا، اُس لمحے اپنی تمام سختیوں میں ایک شگاف محسوس کر رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس بچے کا مطلب اب سب کچھ بدل جائے گا۔ منار کی موت اس صورت میں کسی حد تک قبول نہ ہونے والی حقیقت تھی۔ اور اسی حقیقت نے اسے ایک غیر متوقع انتخاب پر مجبور کیا۔ چند لمحے وہ اسکے کپکپاتے وجود کو دیکھتا رہا اور پھر اس نے ایک فیصلہ کیا۔ وہ منار کو اٹھا کر اس کے بازو کے نیچے سے سہارا لے کر باہر نکلا۔ راہداری ساکت تھی۔ اس نے سوچ لیا تھا، وہ اس راز کو چھپائے گا۔

اس نے ایک لاوارث لاش کا انتظام کیا۔ ایک لڑکی جو اسی کی ہم عمر تھی۔ اس کی کلائی پر وہی بریسلٹ چپکایا گیا جو منار کی پہچان تھی اور پھر حویلی کے اس حصے میں آگ لگا دی۔ یہ مشکل اور خطرناک کام تھا مگر اس نے کر لیا اور حویلی میں جلتے شعلے، فائر بریگیڈ کی بے قراری میں، سب نے منار کی موت مان لی۔ باہر کی دنیا نے ایک فیصلہ سنا دیا تھا، منار معراج ختم ہو گئی۔ مگر حقیقت میں ایک چھوٹا سا کمرہ، ایک پرانا فلیٹ تھا جس میں منار کو رکھا گیا۔ زندہ مگر اندر سے مر چکی منار معراج۔۔۔۔۔

یہ فلیٹ چھوٹا اور گندہ تھا۔ پرانی فرنیچر کی بدبو، کھڑکیوں کی ٹوکریاں جو کبھی نہیں کھلیں، مگر جعفر نے وہاں وہ سب کچھ رکھا جو ایک حاملہ عورت کو زندگی دے سکتا تھا۔ غذا، دوا، اور خاموشی۔ اس خاموشی میں جعفر خود بھی کھو گیا۔ وہ رئیس کو دھوکہ دینا نہیں چاہتا تھا مگر اس حالت میں منار کو مارنا، اخلاقیات کے خلاف تھا۔ چنانچہ اس نے فیصلہ کیا جب تک بچے کی پیدائش نہیں ہو جاتی وہ اسے یہیں رکھنے والا تھا۔ اسکے بعد۔۔۔۔۔۔ یہ بعد میں دیکھا جاتا۔

منار خاموش رہی۔ نہ کوئی سوال نہ جواب، محلوں میں پلی بڑھی لڑکی، اس سیم زدہ فلیٹ میں خاموشی سے رہنے لگی۔ وہ زندہ تھی۔۔۔ کس کے لیے؟ انتقام کے لیے۔ اس کے اندر نفرت کا پہلا بیج اسی دن سے بور ہونا شروع ہو گیا جب مرنے کی بجائے اس نے دوبارہ آنکھ کھول لی تھی۔ اس کی نفرت صرف رئیس یا جعفر تک محدود نہ رہی، اس

نے اپنے اندر ایک ایسی سرد مہربانی اور کڑوی شکایت اُبھاری جو بعد میں ایک منصوبہ بنتی۔ اس نے جب سنا کہ اس کی موت کو **"خودکشی قرار دیا گیا"** تو اس کے کانوں میں یہ بات خون کی طرح گھس گئی۔ دنیا نے اسے سُلجھائے بغیر ختم کر دیا تھا، اسکا خاندان اس کے وجود کو ایک سیاہ داغ بنا کر چھوڑ چکا تھا۔ سب کچھ راکھ میں بدل چکا تھا مگر اس کے اندر ایک نئی چیز جنم لے چکی تھی۔۔۔ بدلے کے احساسات!

جعفر روز آتا۔ پہلے دنوں میں نخوت بھرے چہرے کے ساتھ، پھر دھیرے دھیرے نرم ہونے والی آواز کے ساتھ۔ وہ کھانا لاتا، دوا دیتا۔ منار خاموشی سے کھا پی لیتی۔ باہر جانے کا کوئی راستہ نہیں تھا اور نہ وہ جانا چاہتی تھی۔ باہری دنیا سے رابطہ منقطع تھا۔

دن گزرتے گئے۔ اس نیم بے ہوش کیفیت سے نکل کر جسمانی طور پر مضبوط ہونے لگی۔ اس کے وجود میں زندگی کی گہما گہمی کا ایک پیچیدہ احساس تھا۔۔ ایک طرف وہ سرد اور خفت زدہ تھی، دوسری طرف وہ بچے کے لیے کچھ بھی محسوس نہیں کر پاتی تھی۔

جعفر کے آنے جانے کے انداز میں بھی تبدیلی آئی۔ اب وہ صرف روزمرہ کا کھانا اور دوا لانے والا نہ رہا، وہ کبھی باتیں بھی کرتا۔ شہر کے حالات، حویلی کی فضا، اور رئیس کی بگڑتی حالت۔۔۔ سب ختم ہو جانا۔ معراج الدین اور ترنم بیگم کا حویلی چھوڑ جانا۔ وہ سن لیتی مگر کوئی جواب نہ دیتی۔ اسے چپ لگ چکی تھی۔ وقت کے ساتھ، اس نے اپنے اندر کے زخمی پن کو ایک ڈھال میں تبدیل کیا۔ فلیٹ کے باہر دنیا اپنی رفتار سے چلتی رہی۔۔ اورنگزیب خاندان کا سورج غروب ہو چکا تھا، مگر شہر کی روشنیوں کے پیچھے نئے ستارے چمکنے لگے تھے۔ اس نے اپنے اندر عہد کر لیا کہ وہ اب صرف زندہ رہنے کے لیے نہیں جیئے گی۔ وہ ایک ایسا وجود بنے گی جو اورنگزیب اور گردیزی

خاندان کے لیے ایک مستقل، خاموش سزا ہو گا۔ اور یہ سزا اتنی باریک، اتنی دھیمی اور اتنی ناقابلِ برداشت ہو گی کہ اسکا کوئی بھی مجرم، کبھی اپنے کیے کی صفائی نہ کر سکے گا۔

جعفر اس کے معائنے کے لیے ایک نرس کو لاتا۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا اس نے منار کے لیے ایک کام والی کا بندوست بھی کر دیا۔ کام والی ہفتے میں تین دن آتی اور صفائی کر جاتی۔۔۔

منار نے اس سے کبھی بات نہیں کی۔ اگر وہ بات کرتی تھی تو صرف اپنے اندر پلتے وجود سے۔ فلیٹ کا وہ چھوٹا سا کمرہ اب اس کے لیے دنیا تھا۔ ایک ایسی دنیا جس کے سارے دروازے بند تھے مگر اندر ایک آگ سر اٹھائے جل رہی تھی۔ منار نے وہاں دن گنے تھے، راتیں گنی تھیں، ہر سانس، ہر درد، ہر پھٹتی ہوئی امید اس کے وجود میں کسی ایک مقصد کی آگ بھڑکانے لگتی۔ وہ روزانہ صبح اٹھ کر ایک ہی ورد دہراتی، رئیس اور نگزیب اور گردیزی خاندان کی تباہی کا ورد۔

"تم یاد رکھنا۔۔۔ رئیس اور نگزیب کو یاد رکھنا، اس کی تباہی ہم لائیں گے۔" وہ جیسے اپنے اندر پلتے وجود کو سناتی رہتی۔ وہ دن میں کئی بار نفرت سے اسکا نام دہراتی۔۔۔ اس نے اپنے اندر پلتے وجود کو اگر کچھ سنایا تھا تو یہ نام تھا اور اس کی تباہی!

ہر ورد کے ساتھ اس کی روح میں نفرت کا ایک بڑا دانہ پھوٹا، وہ دانہ آہستہ آہستہ جڑ پکڑنے لگا، جڑ سے تنا بنتا گیا، اور تنا ایک دن درخت بن کر پھل دے گا۔۔۔ ایک ایسا پھل جو رئیس کے لیے زہر سے کم نہیں ہو گا۔ وہ دن رات ایک ہی بات دہراتی۔

"تم یاد رکھنا، میں نے تمہیں جو سکھایا ہے۔ تم۔۔۔ تم اس جنگ میں، میرا سب سے بڑا ہتھیار بنو گی۔"

ایک رات جب چاند اپنے پورے روپ میں تھا اور شہر کی آوازیں مدھم تھیں، اس کی طبیعت بگڑ گئی۔ وہ اکیلی تھی۔ جعفر نہیں آیا تھا۔۔۔ وہ تڑپ رہی تھی۔ رو رہی تھی اور پھر وہ آ گیا جب اس نے منار کی بگڑتی حالت دیکھی تو وہ الٹے قدموں لوٹ گیا اور پھر نرس کو ساتھ لایا۔ اس نے آتے ہی کمرے میں ادویات بسا دیں، ایک گرم کمبل بڑھایا گیا، باہر دنیا پُر سکون مگر بے رحم رہی، کہانی اپنی تھرتھلی رفتار سے آگے بڑھ رہی تھی، مگر یہاں اس چھوٹے فلیٹ کے اندر ایک اور نئی حقیقت نے جنم لیا۔

جب بچی کی پہلی آواز نکلی تو کمرے میں رکھی گھڑی کی ٹک ٹک بھی تھم گئی مگر لمحہ لافانی ہوا۔ نرس نے بچی کو آہستگی سے منار کی آنکھوں کے سامنے رکھ دیا۔ بچی زندہ تھی، اس کے ہونٹ گلابی، چھوٹا سا سینہ دھڑک رہا تھا، مگر منار نے ہاتھ نہ بڑھایا۔ اس کا چہرہ زرد تھا، مردنی پن سوار تھا، مگر اس کی آنکھوں میں ایک ایسی شَراع تھی جو چمکتی تھی، نہ ماں جیسی مامتا، نہ عورت جیسی محبت، صرف ایک سرد، واضح ارادہ!

نرس نے آہستگی سے کہا۔ ”خوبصورت ہے اور ماشاء اللہ بالکل ٹھیک ہے۔“

منار نے بچی کی طرف دیکھا، اس کی آنکھوں میں ایک عجیب خاموشی تھی۔ پھر اس نے دھیمی، مگر واضح آواز میں کہا۔

”تم یاد رکھنا۔ میں نے تمہیں جو سکھایا ہے۔۔۔“ اس کی آواز لرز گئی مگر کلمے قطعی تھے۔ ”تم۔۔۔ تم اس جنگ میں میرا سب سے بڑا ہتھیار بنو گی۔“

بچی کی نگاہیں ابھی تک بے مصرف سی تھیں، ایک دنیا جسے ابھی سمجھنا باقی تھا۔ منار نے اس کا چہرہ قریب سے دیکھا، مگر اس نے اس پر ہاتھ نہ رکھا۔ وہ اسے چھو کر محسوس کرنا چاہتی تھی کہ کیا یہ حقیقت تھی؟ مگر وہ خوف سے نہیں، ارادے کی وجہ سے رکی رہی۔ وہ جانتی تھی کہ اس چھوٹی سانس کے اندر مستقبل کی ایک قوسِ قزح بسی تھی۔ اسی

لیے وہ خود کو ایک خاص مقام میں رکھ رہی تھی۔۔ صرف پیدا کرنے والی ایک ماں جو محبت کے بجائے منصوبہ دے گی، جو بچے کو ہتھیار کی مانند تیار کرے گی۔

جعفر نے بچی کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر مختلف محسوسات کھیل رہے تھے۔ خوشی، خوف، ذمہ داری۔ وہ جانتا تھا کہ یہ بچی اس خاندانی ڈھانچے میں ایک ایسی حقیقت تھی جو سب کچھ بدل سکتی تھی۔ مگر وہ منار کے ارادوں سے واقف نہیں تھا۔ اس نے نرمی سے پوچھا۔

"نام رکھا جائے؟"

منار نے آہستگی سے سر اٹھایا۔ اس کی آواز ایک راز جیسی تھی،

"نام؟ فجر۔۔۔" اس نے لفظ ادا کیا، ایک نام جو پیچیدہ، دھیمی مگر معنی سے بھرا ہوا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ یہ نام اس کے منصوبے کے پہلے قدم کا نشان ہو گا۔ **"فجر معراج"** اس نے احتیاط سے الفاظ جوڑے، جیسے کسی نقش کو ثبت کر رہی ہو۔

چند دن یونہی گزر گئے اور پھر فیصلے کی گھڑی آ گئی۔

کمرے میں نیم تاریکی تھی۔ پرانی لکڑی کی کھڑکیوں سے چھن چھن کر آتی مدھم روشنی کمرے کی فضا کو اور زیادہ سنسان بنا رہی تھی۔

دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ جعفر آہستگی سے اندر آیا۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب کشمکش تھی۔ وہ منار کو بھی دیکھ رہا تھا اور کمبل میں لپٹی بچی کو بھی۔ اس نے پہلے کئی بار خود کو تیار کیا تھا کہ یہ جان لے لی جائے، مگر اب جب

وہ سامنے کھڑی تھی، اس کا دل بدل گیا۔ فیصلہ بچے کی پیدائش کے بعد ہونا تھا اور اب فیصلے کا وقت تھا اور منار۔۔۔ وہ اسی کا انتظار کر رہی تھی۔

"میں سوچ رہا ہوں۔۔۔ تمہیں یہ شہر چھوڑ دینا چاہیے۔ کہیں اور، کسی اور پہچان کے ساتھ۔ تم یہاں رہو گی تو رئیس کے لیے یہ اور زیادہ اذیت بن جائے گا۔ تم اس کے مر چکی ہو۔ یہی بہتر ہے۔"

منار نے ساکت چہرے کے ساتھ سر اٹھایا، اس کی آنکھوں میں نہ حیرانی تھی، نہ اعتراض۔

"اور اگر میں چلی جاؤں تو؟"

"تو سب کے لیے آسانی ہو گی۔ میں تمہارا انتظام کر سکتا ہوں۔ کسی اور شہر، کسی اور نام سے تمہیں نئی زندگی مل سکتی ہے۔"

وہ لمحہ بھر خاموش رہی۔ پھر اس نے کمبل آہستگی سے آگے بڑھا دیا۔ ننھی بچی کے گال سرخی مائل تھے، اور وہ بے خبر نیند میں مسکرا رہی تھی۔

"اسے میری اماں کو دے دیجیے۔۔"

جعفر چونکا۔ "کیا؟"

اس نے ایک لفافہ ساتھ رکھا۔

"یہ فجر فرقان نہیں۔۔۔ فجر معراج ہے۔ یہی اس کی پہچان ہے۔ آپ اسے پہنچا دیجیے۔ باقی جو آپ کہیں گے وہ میں کروں گی۔ مگر میں اسے اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتی۔"

جعفر نے ایک لمحہ اسکی آنکھوں میں جھانکا۔ وہ لہجہ سپاٹ تھا، لیکن اس آنکھوں کی سنہری پن میں ایک ایسا اندھیرا چھپا ہوا تھا جسے وہ سمجھ نہ سکا۔ اس نے سر ہلایا اور بچی کو اپنی بانہوں میں لیا۔

وہ اسے لے کر اپنے گھر آ گیا۔ گھر خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس بیوی کئی سال پہلے وفات پا چکی تھی۔ ایک ہی بیٹا تھا، مراد عالم! اور تب سے یہ دونوں باپ بیٹا ایک دوسرے کے سہارے جی رہے تھے۔ جب وہ ننھی بچی کو لے کر اندر داخل ہوا تو مراد فوراً آگے بڑھا۔ اس کے چہرے پر حیرانی اور تجسس تھا۔

"یہ کون ہے؟"

جعفر نے مختصر جواب دیا۔ "ایک امانت۔"

سترہ سال اکیلے رہنے والا مراد بچی کے ننھے ہاتھوں کو پکڑنے لگا۔ وہ مسکرا رہی تھی، جیسے اس نے پہلی بار روشنی دیکھی ہو۔ مراد کے چہرے پر ایک انوکھی خوشی جھلکنے لگی۔ وہ کئی دن وہاں رہی۔ اسے سنبھالنا بہت مشکل تھا۔ وہ رونے لگتی تو چپ نہیں کرتی تھی۔ مراد اسے اٹھائے اٹھائے گھومتا مگر وہ پورا گھر سر پہ اٹھا لیتی۔ وہ آج کل کالج بھی نہیں جا رہا تھا۔ جعفر شام کو آتا تھا اور اس دوران مراد ہی اسکا خیال رکھتا۔ گھر پہ ایک ملازمہ آتی تھی جو ادھیڑ عمر تھی۔ وہ کبھی کبھی بچی کو سنبھالتی۔ اسے گرم پانی سے نہلاتی۔۔۔ مراد اس کے چھوٹے چھوٹے کپڑے خرید لایا تھا مگر وہ چھوٹے کپڑے بھی اسے بہت بڑے تھے۔ وہ اکثر اپنے باپ سے پوچھتا۔۔۔

"اسکا نام کیا ہے؟" مگر جعفر نے منہ نہ کھولا۔ نہ بتایا وہ کس کی امانت تھی اور نہ اس کا نام لیا۔ چند دنوں میں مراد اس سے مانوس ہو گیا۔

"ابو۔۔۔ کیا ہم اسے اپنے پاس نہیں رکھ سکتے؟"

جعفر نے گہری سانس لی اور سر ہلایا۔ ”نہیں۔۔“

”مگر کیوں؟“ وہ بضد تھا۔

”کیونکہ اسے، اس کے گھر پہنچانا ہے۔ اس کی نانی کے پاس۔“

مراد نے بھنویں سکیڑ لیں۔ ”ہم بھی تو اسے پال سکتے ہیں۔“

جعفر نے بیٹے کی آنکھوں میں دیکھ کر آہستگی سے کہا۔

”ہم نہیں پال سکتے، مراد! اس سے ہمارا رشتہ نہیں ہے۔“

”تو ہم اڈاپٹ کر لیتے ہیں!“

”میں نہیں کر سکتا۔۔“ جعفر نے کرخت لہجے میں کہا۔

”میں کر لوں گا۔“ وہ فوراً راضی ہوا۔

”تم ابھی سترہ کے ہو۔“

”میں اگلے سال اٹھارہ کا ہو جاؤں گا، تب تو کر سکتا ہوں نا؟“

جعفر کے چہرے پر ایک تلخ مسکراہٹ آئی۔

”تم ابھی بہت چھوٹے ہو۔ اپنی پڑھائی پر دھیان دو۔“

”مگر ابو یہ مجھے اچھی لگتی ہے۔ بالکل اکیلی ہے، جیسے ہم۔“

جعفر کے اندر کچھ ٹوٹا، مگر وہ جانتا تھا کہ یہ امانت اسے کسی بھی قیمت پر پہنچانی تھی اور پھر ایک دن جب مراد کالج چلا گیا۔ جعفر وہ امانت پہنچانے ترنم بیگم تک پہنچ گیا۔

ایک نواحی علاقے کے مکان کے دروازے پر جعفر نے دستک دی۔ ترنم بیگم نے دروازہ کھولا تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ جعفر کی آمد متوقع نہیں کر رہی تھی۔ جعفر کے ہاتھ میں کمبل میں لپٹی ننھی بچی تھی، اور ساتھ ایک لفافہ !اس نے بچی ترنم بیگم کی جانب بڑھائی۔

"یہ۔۔یہ کون ہے؟"ترنم بیگم کے لب کپکپا گئے۔

"یہ آپ کی امانت ہے۔ آپ کی نواسی۔۔۔"

ترنم بیگم ساکت رہ گئیں۔پہلے تو یقین نہ آیا۔ پھر جیسے ہی جعفر نے لفافہ دیا، ان کے ہاتھ کانپنے لگے۔ کاغذ کھولتے ہی الفاظ آنکھوں کے سامنے ناچنے لگے۔

"اماں۔۔اسے سنبھال کر رکھیے گا۔یہ رئیس اورنگزیب کا تحفہ ہے۔اور یہ تحفہ عام تحفہ نہیں!"

(یہ اس کی موت ہے۔)

ترنم بیگم کے قدم ڈگمگا گئے۔ انہوں نے جعفر کا گریبان پکڑ لیا۔

"میری بچی کہاں ہے؟میری منار کہاں ہے؟"

جعفر نے کوئی مزاحمت نہ کی۔ صرف اتنا کہا۔

"وہ مر چکی ہے۔بس اس بچی کے لیے زندہ رکھی تھی۔۔۔میں نے اسے مار دیا۔"

یہ سنتے ہی ترنم بیگم کے ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے۔ وہ الٹے قدموں پیچھے ہٹیں، پھر زمین پر گر گئیں۔ آنکھوں میں بے یقینی اور دکھ کا ایسا سمندر تھا جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے ہونٹوں سے ہچکیاں نکلنے لگیں۔

انہوں نے بچی کو نہیں تھاما تو جعفر نے اندر داخل ہوتے اسے صوفے پر لیٹا دیا اور الٹے قدموں پلٹ گیا۔ پیچھے ترنم بیگم سسکتی رہ گئی تھیں۔۔۔۔ ایک ان چاہا وجود ان کی گود میں ڈال دیا گیا۔۔۔۔ وہ ان چاہا وجود جو آج تک ان چاہا تھا۔

✿••✿••✿••✿

ہال کی نیم تاریکی میں صرف پروجیکٹر کی تیز، سفید روشنی تھی جو ہوا میں تیرتے گرد کے ذرات کو منور کر رہی تھی۔ یہ روشنی سامنے دیوار پر پھیلی اسکرین پر عکس بنا رہی تھی اور اس کے آگے کھڑے ولی کے وجود کو ایک سیاہ ہیولے میں بدل رہی تھی۔ اسکرین پر ایک دھندلی سی تصویر تھی، کسی پرانی فائل سے نکالی گئی، ایک کم عمر لڑکی کی جس کی آنکھوں میں تباہی ہی تباہی تھی۔

ہال میں مکمل خاموشی طاری تھی۔ صرف پروجیکٹر کے پنکھے کی دھیمی آواز گونج رہی تھی۔ سامنے مہنگی چمڑے کی کرسیوں پر دو وجود بے حس و حرکت بیٹھے تھے۔ مراد عالم اور میثم آغا۔ ان کے چہرے پروجیکٹر کی بدلتی روشنی سے کبھی روشن ہوتے اور کبھی تاریکی میں ڈوب جاتے۔

ولی کی آواز گہری اور سنجیدہ تھی، جیسے وہ کوئی کہانی نہیں بلکہ ایک تاریخ کا سیاہ باب سنا رہا ہو۔

"آج سے ٹھیک ساڑھے پچیس سال پہلے، یہ کہانی افغانستان کی جنگ زدہ گلیوں سے شروع ہوئی تھی۔" اس نے اسکرین پر موجود تصویر کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ منار ہے۔۔ تب یہ صرف ایک بھاگتی ہوئی لڑکی تھی، جو ایک

عذاب سے بچ کر دوسرے، کہیں زیادہ بڑے عذاب میں پھنس گئی۔ وہ سرحدوں کے اس پار موت کے بیوپاریوں کے ہاتھ لگ گئی، ایک ایسے گروہ کے ہاتھ جو پاکستان سے باہر عورتوں اور بچوں کی اسمگلنگ کرتا تھا۔"

اسکرین پر تصویر بدلی۔ اب خلیجی ریاست کے کسی پر تعیش مگر دم گھونٹنے والے محل کا اندرونی منظر تھا۔

"اسے خلیجی ریاستوں میں لے جایا گیا، جہاں انسانوں کی منڈی لگتی تھی۔ یہ وہ دنیا تھی جہاں عورتوں کی خرید و فروخت، جسم فروشی اور غلامی ایک منظم نیٹ ورک کے تحت چلتی تھی۔ وہاں اس نے وہ سب دیکھا جو ایک عام انسان کے تصور سے بھی باہر ہے۔۔ بے رحمی، نیلامی، اور طاقت کا وہ کھیل جس میں کمزور کی ہر سانس گروی رکھی جاتی تھی۔" وہ ایک لمحے کو رکا، جیسے وہ خود ان الفاظ کا زہر اپنے اندر اتار رہا ہو۔

"مگر منار عام لڑکی نہیں تھی۔ اس کے اندر بقا کی ایک ایسی آگ تھی جو ہر ظلم کے ساتھ مزید بھڑکتی گئی۔ اس کی ذہانت، چالاکی اور ڈٹ جانے کی فطرت نے اسے جلد ہی باقی لڑکیوں سے الگ کر دیا۔ وہ اپنے اسمگلر آقا کی نظروں میں آ گئی۔ دوسرے اسے حسد اور خوف سے سروائیور کہنے لگے۔ اور پھر۔۔۔ اس نے اقتدار کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھا۔"

اسکرین پر ایک خاتون کی تصویر ابھری، جس کے چہرے پر بے پناہ غرور اور سختی تھی۔

"یہ اس نیٹ ورک کی ملکہ تھی۔ وہ عورت جو اس پورے جہنم کو کنٹرول کرتی تھی۔ منار نے کچھ ہی عرصے میں اس کا اعتماد حاصل کیا، اس کے قریب پہنچی، اور پھر ایک رات۔۔ اس ملکہ کا خون منار کے ہاتھوں سے بہا۔ یہ اس کا پہلا بڑا وار تھا۔ اس دن وہ شکار نہیں رہی، شکاری بن گئی تھی۔"

ولی نے ریموٹ کا بٹن دبایا۔ اسکرین پر اب ایک ادھیڑ عمر، خطرناک نظر آنے والے شخص کے ساتھ کھڑی نوجوان منار کی تصویر تھی، جس کی آنکھوں میں اب خوف نہیں، بلکہ ایک ٹھہری ہوئی طاقت تھی۔

"سولہ سال پہلے، منار نے اپنی طاقت کو وسعت دینے کے لیے ایک بین الاقوامی مافیا ڈان سے شادی کی۔ یہ شخص اسلحہ، ڈرگز اور ٹیکنالوجی کی بلیک مارکیٹ کا بے تاج بادشاہ تھا۔ منار نے اس کے ساتھ رہ کر نہ صرف اس کے پورے نیٹ ورک کے راز سیکھے، بلکہ اپنی ذہانت سے اس کی طاقت کو کئی گنا بڑھا دیا۔ اور پھر، جب اسے یقین ہو گیا کہ اب اس کی ضرورت نہیں رہی، تو ایک دن اس نے اپنے شوہر کو بھی زہر کا ایک ایسا گھونٹ پلایا جو سیدھا روح میں اتر گیا۔"

تصویر غائب ہو گئی۔ اسکرین پر اب اندھیرا چھا گیا۔

"یوں وہ نہ صرف اسمگلنگ نیٹ ورک بلکہ ایک بہت بڑی مافیا ایمپائر کی واحد وارث بن گئی۔ اور اب۔۔۔ وہ پاکستان واپس آ چکی ہے۔ لیکن ایک بھوت بن کر، ایک سایہ بن کر۔ وہ اب منظرِ عام پر نہیں آتی۔ وہ سیاہ دنیا کی وہ ملکہ ہے جو صرف اندھیرے میں راج کرتی ہے۔"

وہ گھوم کر مراد عالم اور میثم آغا کی طرف متوجہ ہوا۔ اس کی آواز میں اب مزید سنگینی تھی۔

"ہمارے پاس اس کی کوئی حالیہ، مصدقہ تصویر تک موجود نہیں۔ وہ حلیہ اور شناخت بدلنے کی ماہر ہے۔ آج وہ ایک بوڑھی عورت ہے، کل ایک نوجوان لڑکی، پرسوں شاید ایک مرد کے روپ میں ہو۔ اسے پکڑنا تقریباً ناممکن ہے۔"

اس نے ریموٹ سے اگلی سلائیڈ آن کی۔ اسکرین پر چار بڑے عنوانات ابھرے۔

"اسکا پہلا مقصد، ذاتی انتقام ہے رئیس اور نگزیب اور گردیزی خاندان کو مکمل طور پر برباد کرنا اور ہم جانتے ہیں گردیزی خاندان مٹ چکا ہے۔ اب رئیس اور نگزیب کی باری ہے اور اس کھیل میں اس کا سب سے بڑا مہرہ فجر تھی۔ وہ فجر کی زندگی کو اپنے انتقام کی آگ بھڑکانے کے لیے استعمال کرنا چاہتی تھی۔"

"اسکا دوسرا مقصد، پاکستان میں اسمگلنگ نیٹ ورک کا قیام۔ وہ افغانستان اور بلوچستان کے راستے دنیا تک ڈرگز پہنچانے کے لیے نئے روٹس قائم کر رہی ہے۔ جدید اسلحے کی بلیک مارکیٹ میں سپلائی۔

اور تیسرا مقصد، ایک جدید مافیا کا ایجنڈا۔ اس کا اصل ہتھیار ٹیکنالوجی ہے۔ ہیکرز، سائبر کرائم، اور کرپٹو کرنسی کے ذریعے منی لانڈرنگ کا ایک ڈیجیٹل بلیک مارکیٹ بنانا۔ ہمیں اطلاع ہے کہ وہ یونیورسٹیز میں چند ایک ذہین مگر لالچی پروفیسرز کو اپنے ساتھ ملا چکی ہے، جو نوجوان دماغوں کو بھٹکا کر منار کے نیٹ ورک کو ذہنی اور تکنیکی طاقت فراہم کرے گا۔ اس کا منصوبہ پاکستان کی نوجوان نسل کو ڈرگز اور انٹرنیٹ کی تاریک دنیا میں دھکیلنا ہے، تاکہ معاشرہ اندر سے کھوکھلا ہو جائے۔

اسکا چوتھا اور آخری مقصد، طاقت اور حکومت پر اثر۔ وہ سامنے آئے بغیر کام کرتی ہے۔ وہ فرنٹ کمپنیوں اور کالے دھن کے ذریعے سیاستدانوں کو خریدتی ہے اور ان کے رازوں پر انہیں بلیک میل کرتی ہے۔ میڈیا اور فیشن انڈسٹری میں پیسہ لگا کر اپنے ایجنڈے کو کلچر کا حصہ بناتی ہے، تاکہ جو زہر وہ بیچ رہی ہے، وہ خوبصورت پیکنگ میں سب قبول کر لیں۔"

ولی نے پروجیکٹر بند کر دیا۔ ہال میں مدھم سی ایمرجنسی لائٹس جل گئیں۔ خاموشی اب مزید گہری اور وزنی ہو چکی تھی۔

مراد عالم نے ایک لمبا سانس لیا۔ اس کی آواز میں تشویش کی گہرائی تھی۔

"توقع سے کہیں زیادہ خطرناک ہے۔ ہم ایک ایسے دشمن سے لڑ رہے ہیں جس کا کوئی چہرہ ہی نہیں۔ ایک بھوت۔۔۔ جسے ہم دیکھ تک نہیں سکتے۔"

یہ سنتے ہی میثم نے سختی سے اپنے ہاتھ بھینچے۔ "اسے پکڑنا ہوا کو قید کرنے کے مترادف ہے۔ وہ کوئی ایک شخص نہیں، ایک شناخت نہیں۔۔۔ وہ جب چاہے، جو چاہے بن سکتی ہے۔ اس کا سب سے بڑا ہتھیار یہی ہے کہ وہ ہماری نظروں سے اوجھل ہے۔"

ولی خاموشی سے سنتا رہا جبکہ مراد پھر سے بولا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ہم سیدھا اس پر حملہ نہیں کر سکتے۔ ہمیں پہلے اسے اندھیرے سے باہر نکلنے پر مجبور کرنا ہو گا۔ ہمیں کوئی ایسی چال چلنی ہو گی کہ وہ اپنا اصلی چہرہ دکھانے پر مجبور ہو جائے۔"

ولی نے اپنی جگہ واپس لیتے ہوئے کہا، "بالکل۔ اور اسی لیے ہمیں محتاط رہنا ہو گا۔ میں کل شہر سے باہر جا رہا ہوں فجر کے ساتھ۔ ایک بزنس میٹنگ ہے۔ لیکن میں نے پیچھے سیکیورٹی انتہائی سخت کر دی ہے۔ کوئی بھی انجان شخص منار میں میری اجازت کے بغیر داخل نہیں ہو سکتا۔ ہر کونے پر نظر رکھی جا رہی ہے۔"

میثم نے بھی اپنی ذمہ داری کا احساس دلایا۔ "میں نے بھی رئیس گروپ کی تمام سائٹس اور ان کے گھر کی سیکیورٹی دگنی کر دی ہے۔ ہمارے آدمی ہر جگہ موجود ہیں۔"

مراد عالم نے دونوں کی طرف دیکھا۔ "یعنی ہمارا مقصد اسے مارنا نہیں ہے۔ اگر وہ مر گئی تو اس کا نیٹ ورک کوئی اور سنبھال لے گا۔ ہمیں اسے پھنسانا ہے۔ قانون کے شکنجے میں۔۔۔ اس کے اپنے بنائے ہوئے جال میں۔"

تینوں نے ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے ایک ساتھ سر ہلایا۔

"ہاں ہم اسے پھنسائیں گے۔" ولی نے پختہ لہجے میں کہا۔

"ہر قیمت پر۔" میثم نے اس کی تائید کی۔

اور تینوں کے چہروں پر ایک ہی عزم تھا۔۔۔اس بے چہرہ شکاری کو اسی کے بچھائے جال میں قید کرنے کا۔

✿••✿••✿••✿

رئیس گروپ کا فلک بوس ٹاور، اس شام شہر کے سینے پر ایک روشن ستارے کی طرح دہک رہا تھا۔ عمارت کے اندر، ڈارک اسٹارز کی لانچ کی تقریب کی تیاریوں کا شور ایک منظم طوفان کی طرح برپا تھا۔ خود رئیس اورنگزیب، ایک عقاب کی سی نگاہ سے ہر چیز کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کی موجودگی ہی ایک ان کہا حکم تھی۔

اسی لمحے، ایک سٹاف ممبر، جس کے چہرے پر گھبراہٹ طاری تھی، تیز قدموں سے اس کے قریب آیا۔ اس کی آواز میں ایک خوف زدہ سرگوشی تھی۔

"سر! کوئی آپ سے ملنے آیا ہے۔" پھر اس نے نام بتایا۔ "وہ آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔"

رئیس کے چہرے کے تاثرات میں پہلی بار کوئی تبدیلی آئی۔

"اس وقت؟" اس کی آواز میں سرد مہری تھی۔

"جی سر۔۔۔وہ وزٹنگ ایریا میں منتظر ہیں۔"

اس کی بھنویں تن گئیں۔ ہونٹ ایک سخت لکیر میں بھنچ گئے۔ اس نے کچھ کہے بغیر ایک فیصلہ کن قدم اٹھایا اور ہال کے شور کو پیچھے چھوڑتا ہوا وزٹنگ ایریا کی خاموشیوں کی طرف بڑھ گیا۔

وزٹنگ ایریا ایک سرد اور بے جان جگہ تھی۔ سفید دیواروں پر لگی تجریدی پینٹنگز منجمد چیخوں کی مانند دکھائی دے رہی تھیں۔ اس وسیع کمرے کے ایک کونے میں رکھے بڑے سے صوفے پر روحی یوں بیٹھی تھی جیسے کوئی بھولا ہوا کھلونا ہو۔ پندرہ سال کا نحیف وجود، چہرے پر بیماری کی زردی، مگر اس کی آنکھوں میں ایک ایسی چمک تھی جو اس کی جسمانی کمزوری کی نفی کر رہی تھی۔ ایک غیر معمولی عزم کی آگ! اس کے پہلو میں ایک بیگ رکھا تھا۔ صفدر، جو اس کے ساتھ آیا تھا، رئیس کو دیکھتے ہی احتراماً کھڑا ہو گیا۔

"یہ آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہے۔" صفدر کی آواز میں ایک عجیب سنجیدگی تھی۔ وہ یہ کہہ کر خاموشی سے دروازے سے باہر نکل گیا، جیسے دو دنیاؤں کو ٹکرانے کے لیے تنہا چھوڑ گیا ہو۔

اب کمرے کی گھٹن زدہ خاموشی میں صرف دو وجود تھے۔ رئیس آہستگی سے آگے بڑھا اور اس کے مقابل صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھیں ایک سنجیدہ آدمی کی طرح روحی کا جائزہ لے رہی تھیں، جبکہ وہ سر جھکائے اپنے ہاتھوں کی لرزتی انگلیوں کو مروڑ رہی تھی۔ کچھ لمحے ہوا میں صرف ان کہے سوالات اور پرانے رازوں کا بوجھ معلق رہا۔

آخر کار روحی کی آواز نے اس خاموشی کو توڑا۔ ایک سرگوشی جو پورے کمرے پر حاوی ہو گئی۔

"میں۔۔۔ دو دن بعد جرمنی جا رہی ہوں۔ اپنے علاج کے لیے۔ مجھے نہیں معلوم کہ واپسی ممکن ہو گی یا نہیں لیکن جانے سے پہلے میں آپ سے ملنا چاہتی تھی۔ آپ جانتے ہیں کیوں؟"

اس نے اچانک سر اٹھایا اور اپنی گہری آنکھوں سے سیدھا رئیس کی آنکھوں میں دیکھا۔ رئیس کے پتھریلے چہرے پر کوئی تاثر نہ ابھرا، مگر اس کی آنکھوں کی گہرائی میں ایک ہلکی سی لہر ضرور اٹھی تھی۔ اس نے جواب دینے کے بجائے محض اپنی ایک بھنویں اچکا دیں۔

"مجھے سب معلوم ہے۔ صفدر بھائی نے سب بتا دیا ہے۔ آپ نے۔۔ اور انہوں نے فجر آپی کے ساتھ جو کیا۔۔۔ وہ سب کچھ۔"

رئیس کے سینے میں سانس جیسے جم سی گئی۔ اس نے اپنی نظریں ایک لمحے کے لیے جھکائیں، جیسے کسی بھولی ہوئی یاد کے خنجر نے اسے آن لیا ہو۔

"میں آپ کو کچھ دینے آئی ہوں۔" اس نے اپنے بیگ کی زپ کھولی اور اندر سے ایک چھوٹا سا شیشے کا جار نکالا۔ اس کے سرخ ڈھکن کے نیچے ایک کالی مکڑی قید تھی، ایک زہریلا راز جو شیشے کے پیچھے ساکت تھا۔ اس جار کو دیکھتے ہی رئیس کا وجود پتھرا گیا۔ وقت جیسے تھم گیا اور اس کی پلکیں جھپکنا بھول گئیں۔

وہی جار۔۔۔ وہی مانوس، زہر بھرا وعدہ۔۔۔ یہ خیال اس کے ذہن پر بجلی بن کر گرا۔

"یہ مجھے فجر آپی نے دیا تھا۔ ہمت کے لیے۔" روحی کی آواز اب بھاری اور پُرعزم تھی۔ "اور آج یہ میں آپ کو دے رہی ہوں۔"

اس نے وہ جار رئیس کی جانب بڑھایا۔ اس نے لرزتی انگلیوں سے وہ جار تھام لیا۔

"وہ کہتی ہیں، جب زندگی میں کوئی لمحہ ایسا آئے جو برداشت سے باہر ہو جائے۔۔۔ تو یہ ہمت دیتا ہے۔ بالکل ویسے ہی جیسے یہ انہیں ہمت دیتا رہا۔ یہ انہیں ان کے مینٹور نے دیا تھا۔ اور اب میں چاہتی ہوں کہ یہ آپ کے پاس رہے۔۔۔ تاکہ آپ کو یاد رہے کہ آپ باہمت انسان ہیں۔"

رئیس کا دماغ سائیں سائیں کرنے لگا۔ اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے نمودار ہوئے۔ یادوں کی دھند سے اس کی اپنی ہی آواز ابھری، جو برسوں پہلے کہی گئی تھی۔

"جب تم اپنی سلطنت بنالو تو مجھے بتانا۔۔۔ خطرہ ہوا تو میں تمہاری حفاظت کروں گا۔۔۔"

اس کے ہونٹوں پر ایک لرزتی ہوئی، تلخ مسکراہٹ ابھری پھر فوراً اس نے منہ بھینچ لیا۔

"یہ اسپائڈی پرامس۔۔۔ کیا ہے؟" یہ الفاظ اس کے قابو سے باہر، بے اختیار نکلے۔

"جو اسے توڑے گا۔۔۔ زہر اس کے جسم میں پھیل جائے گا۔ اور وہ مر جائے گا۔"

ایک ناقابلِ برداشت بوجھ نے رئیس کے دل کو جکڑ لیا۔ وہ قدرے پیچھے کو ہٹا، اس کا سانس رکنے لگا۔ اس نے منہ کھول کر ایک گہری، تکلیف دہ سانس اندر کھینچی۔

روحی نے تشویش سے پوچھا، "کیا آپ ٹھیک ہیں؟"

اس نے محض سر ہلایا، مگر اندر ایک طوفان برپا تھا۔

"کیا میں نے کوئی وعدہ توڑا ہے؟ کیا یہی وہ زہر ہے جو مجھے اندر ہی اندر کھا رہا ہے؟" ایک سوال اس کے اندر گونج اٹھا۔

جبکہ روحی چند لمحے اسے دیکھتی رہی اور پھر خاموشی سے اٹھی۔

اس سے پہلے کہ وہ مڑتی، رئیس نے خود پر قابو پاتے ہوئے ایک جھٹکے سے اٹھ کر اس کا راستہ روکا۔ اس نے وہ جار واپس روحی کی طرف بڑھایا۔ اس کی آواز اب بھاری تھی۔

"اسے اپنے پاس رکھو۔ تمہیں اس کی۔۔۔ مجھ سے زیادہ ضرورت ہے۔"

روحی نے بنا کچھ کہے، دھیرے سے اسے تھام لیا۔ رئیس تیزی سے مڑا اور دروازے کی طرف بڑھنے لگا، جیسے اس جگہ سے فرار چاہتا ہو۔

اسی لمحے، روحی کی آواز اس کے پیچھے ایک گونج بن کر ابھری۔۔۔ ایک ایسی گونج جس سے فرار نا ممکن تھا۔

"فلک آپی کہتی ہیں، اصل زہر وہ نہیں جو جسم میں پھیلتا ہے، اصل زہر وہ ہوتا ہے جو انسان اپنے دل میں چھپا لیتا ہے۔ آپ چاہیں تو اسے زہر رہنے دیں۔۔ یا ہمت میں بدل دیں۔ فیصلہ آپ کا ہے۔"

وہ کھڑا رہا مگر پلٹا نہیں۔۔۔۔ وہ اس کی پشت دیکھتی رہی۔

"میری بیماری مجھے کھا رہی ہے اور آپ کی خاموشی آپ کو۔ دیکھنا، کون پہلے ہمت ہارتا ہے۔"

رئیس کے قدم ایک لمحے کے لیے زمین میں گڑ گئے، ہونٹوں کو سختی سے بھینچے، وہ وزٹنگ ایریا کے سناٹے سے نکل کر واپس اپنی سلطنت کے شور میں گم ہو گیا، مگر پیچھے روحی کی آنکھوں کی چمک نے وزٹنگ ایریا کو روشن کر دیا۔

✿••✿••✿••✿

یہ اگلے دن کی بات تھی۔ شہر کی بلند و بالا عمارتوں کے درمیان منار فیشنز کی شیشے اور اسٹیل سے بنی عمارت رات کی تاریکی میں ایک دیو ہیکل ہیرے کی طرح چمک رہی تھی۔ اس کی ہر منزل، ہر کھڑکی فجر کے خوابوں، اس کی محنت اور اس کی کامیابی کی داستان سناتی تھی۔ آج رات، وہ عمارت غیر معمولی طور پر خاموش تھی۔ دن بھر کی ہلچل، ڈیزائنرز کی بھاگ دوڑ، ماڈلز کی کیٹ واک اور کاریگروں کی مشینوں کی آوازیں تھم چکی تھیں۔ صرف چند سیکیورٹی گارڈز داخلی دروازے پر اپنی ڈیوٹی پر تعینات تھے، اور ایمرجنسی لائٹس کی مدھم روشنی راہداریوں میں پراسرار سائے بنا رہی تھی۔

ایک سیاہ چمکتی ہوئی مرسڈیز عمارت کے پورچ میں آکر رکی۔ اس کا انجن تقریباً بے آواز تھا۔ پچھلا دروازہ کھلا اور ایک وجود باہر نکلا۔ وہ فجر تھی۔ وہی دلکش قد و قامت، وہی شان و شوکت سے چلنے کا انداز، اور وہی چہرہ جو سینکڑوں میگزین کے سرورق کی زینت بن چکا تھا۔ اس نے ایک سیاہ سلک کا لباس زیب تن کیا ہوا تھا، جس میں اس کا اعتماد اور رعب جھلک رہا تھا۔ اس کے بالوں کا جوڑا نفاست سے بندھا تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک برانڈڈ چمڑے کا بیگ تھا۔

گارڈز نے اسے دیکھتے ہی مؤدبانہ انداز میں سر جھکائے۔

"میڈم، آپ اس وقت؟ سب خیریت؟" چیف گارڈ نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

اس کے لبوں پر ایک ہلکی، تقریباً ناقابلِ فہم مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"ہاں سب خیریت ہے۔ بس ایک ضروری فائل دفتر میں رہ گئی تھی، وہی لینے آئی ہوں۔ تم لوگ اپنی ڈیوٹی کرو۔" اس کی آواز میں وہی مانوس حکم اور ٹھہراؤ تھا، لیکن آج اس میں ایک عجیب سی سرد مہری بھی شامل تھی۔

گارڈز نے مزید کوئی سوال نہیں کیا، کیونکہ فجر کا رات گئے اچانک دفتر آنا کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اس کا جنون ہی اس کی کامیابی کی دلیل تھا۔

اس نے اپنا ایکسیس کارڈ استعمال کیا اور شیشے کے بھاری دروازے خودکار طور پر اس کے لیے کھل گئے۔ اندر داخل ہوتے ہی اس کے قدموں کی آہٹ وسیع و عریض لابی میں گونجنے لگی۔ سنگِ مرمر کا فرش چاندنی میں نہایا ہوا تھا۔ دیواروں پر فجر کے سب سے مشہور ڈیزائنز کی بڑی بڑی تصاویر آویزاں تھیں۔ درمیان میں، ایک بے جان مینیکن نے اس کا شاہکار، "**دی شیڈو کوئین**" کا سٹیوم پہنا ہوا تھا۔

وہ چند لمحے اس کے سامنے کھڑی رہی، اس کی نگاہیں کاسٹیوم کے پیچیدہ کام اور اس پر جڑے ہزاروں نگینوں پر جمی تھیں۔ ایسا لگا جیسے وہ اپنی سب سے بڑی کامیابی کو الوداع کہہ رہی ہو۔

اس کے قدم اپنی منزل کی طرف اٹھنے لگے۔ وہ لفٹ کی طرف جانے کے بجائے سیڑھیوں کی طرف مڑی۔ اس کے ہیلز کی ٹک ٹک کی آواز خاموشی کو چیر رہی تھی اور ایک عجیب تناؤ پیدا کر رہی تھی۔ وہ اپنے پر تعیش دفتر کی طرف نہیں گئی، نہ ہی کانفرنس روم کی طرف۔ اس کا رخ عمارت کے دل کی طرف تھا۔ چوتھی منزل، جہاں ڈیزائن اسٹوڈیو، ورکشاپ اور سب سے قیمتی کپڑوں کا اسٹور روم تھا۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں خیالات جنم لیتے تھے اور خوابوں کو حقیقت کا روپ دیا جاتا تھا۔

اس منزل پر پہنچ کر اس نے دوبارہ اپنا کارڈ استعمال کیا۔ دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہو گئی۔ یہاں ہوا میں ریشم، چمڑے اور نئے کپڑوں کی ملی جلی خوشبو رچی بسی تھی۔ میزوں پر ادھورے خاکے بکھرے پڑے تھے، ڈمیز پر نامکمل لباس تھے، اور دیواروں پر آئندہ کلیکشن کے موڈ بورڈز سجے تھے۔ یہ ایک تخلیقی پناہ گاہ تھی، ایک مقدس جگہ، جہاں فجر نے اپنی زندگی کے بہترین سال گزارے تھے۔

وہ سیدھا اسٹور روم کی طرف بڑھی، جس کا دروازہ اس نے ایک مخصوص کوڈ سے کھولا۔ اندر داخل ہوتے ہی اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک ابھری۔ یہاں روشنی مدھم تھی، لیکن شیلفوں پر رکھے فرانسیسی شیفون، اطالوی ریشم، اور نایاب بروکیڈ کے تھان مدھم روشنی میں بھی جگمگا رہے تھے۔ یہ صرف کپڑے نہیں تھے۔ یہ ایک سلطنت کا خزانہ تھا۔ فجر کی سلطنت کا خزانہ۔

اس نے اپنا بیگ میز پر رکھا اور اسے کھولا۔ اس میں کوئی فائل نہیں تھی۔ اس کے اندر سے پلاسٹک کی دو بڑی بوتلیں اور ایک لائٹر نکلا۔ بوتلوں میں پیٹرول تھا۔ اس کے ہاتھ ذرا بھی نہیں کانپ رہے تھے۔ اس نے انتہائی

سکون اور اطمینان سے پہلی بوتل کھولی اور اس کی بدبودار رطوبت کو سب سے قیمتی ریشم کے تھانوں پر انڈیلنا شروع کر دیا۔ کپڑے کا رنگ گہرا ہوتا گیا، اور پیٹرول کی تیز بو نے کپڑوں کی نفیس خوشبو کو دبا دیا۔ ایک ایک کر کے، اس نے ہر شیلف کو بھگونا شروع کر دیا۔ وہ ایسے چل رہی تھی جیسے کوئی کسان اپنے کھیت میں بیج بو رہا ہو، لیکن وہ بیج نہیں، بربادی بو رہی تھی۔

اس کے ذہن میں خیالات کا ایک طوفان برپا تھا۔

"کتنی محنت، کتنے خواب۔۔۔ فجر نے اس جگہ کو اپنا سب کچھ دیا۔ اپنا وقت، اپنی نیند، اپنی محبت۔" اس نے سوچا، اور اس کی سوچ میں زہر بھرا ہوا تھا۔ "رئیس کو اس کی یہی کامیابی، یہی ضد پسند تھی نا؟" ایک تلخ مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیل گئی۔

"اب دیکھے گا رئیس۔۔۔ کہ جب سلطنتیں جلتی ہیں تو راکھ کیسی دکھتی ہے۔"

اس نے دوسری بوتل اٹھائی اور ورکشاپ کے حصے میں آ گئی۔ یہاں اس نے لکڑی کی میزوں، ڈیزائن کے خاکوں، اور تیار شدہ ملبوسات پر پیٹرول چھڑکا۔ اس نے خاص طور پر شیڈو کوئین کاسٹیوم کے اصلی خاکے کو نشانہ بنایا، جو ایک شیشے کے فریم میں دیوار پر لگا ہوا تھا۔ اس نے فریم توڑا، کاغذ کو باہر نکالا اور اسے پیٹرول سے تر کر دیا۔

"نافرمانی کی سزا۔۔ یہی ہوتی ہے، فجر! تم نے میری بات نہیں مانی۔" وہ زیرِ لب بڑبڑائی۔ اس کی آنکھیں انتقام کی آگ سے دہک رہی تھیں۔

جب اسے یقین ہو گیا کہ ہر کونے میں آگ بھڑکانے کا سامان ہو چکا ہے، تو وہ کمرے کے بیچ میں آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے ایک آخری نظر اس جگہ پر ڈالی۔ ہر چیز اپنی جگہ پر تھی، لیکن اب موت کی بو سے بسی ہوئی تھی۔

پھر وہ سیکیورٹی روم کی طرف گئی۔۔۔وہاں کچھ کام کیے اور پھر مزید ایک دو اہم کمروں سے ہوتے ہوئے واپس وہیں آئی۔

پھر اس نے اپنے بیگ سے لائٹر نکالا۔اس کے انگوٹھے نے ایک چھوٹی سی حرکت کی اور ایک کلک کی آواز کے ساتھ ایک ننھا سا شعلہ نمودار ہوا۔اس کی روشنی میں اس کا چہرہ کسی انتقامی دیوی کی طرح لگ رہا تھا۔اس نے ایک لمحے کے لیے اس شعلے کو دیکھا، اور پھر اسے قریب ترین پیٹرول سے بھیگے کپڑے کے ڈھیر کی طرف بڑھا دیا۔

جیسے ہی شعلے نے پیٹرول کو چھوا، ایک دھماکہ خیز آواز کے ساتھ آگ بھڑک اٹھی۔ایک لمحے میں، نارنجی اور نیلے رنگ کے شعلے چھت کی طرف لپکے۔ آگ بھوکے درندے کی طرح ریشم اور شیفون کو نگلنے لگی۔رنگ برنگے کپڑے جل کر سیاہ ہونے لگے۔گرمی کی شدت فوری طور پر ناقابلِ برداشت ہو گئی۔

وہ پیچھے ہٹی، اس کے چہرے پر آگ کی روشنی ناچ رہی تھی۔اس کی آنکھوں میں کوئی خوف، کوئی پچھتاوا نہیں تھا۔ صرف ایک گہرا، خوفناک سکون تھا۔اس نے جلتے ہوئے اسٹوڈیو کو دیکھا، جہاں فجر کے خواب، اس کی شناخت، اور اس کا مستقبل جل کر راکھ ہو رہا تھا۔

وہ سکون سے مڑی اور اسی راستے سے واپس چل پڑی جس سے وہ آئی تھی۔اس کے پیچھے آگ کے چٹخنے اور لکڑی کے جلنے کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ دھواں راہداریوں میں بھرنے لگا تھا، لیکن وہ اطمینان سے چلتی رہی، جیسے وہ کسی باغ میں چہل قدمی کر رہی ہو۔اس کے قدموں کی ٹک ٹک اب آگ کی دہاڑ میں دب رہی تھی۔

جب وہ لابی میں پہنچی، تو بالائی منزل سے دھویں کے مرغولے نظر آنے لگے تھے۔اس نے رفتار بڑھائے بغیر مرکزی دروازے کی طرف قدم بڑھائے۔باہر کھڑے گارڈز اب بھی اپنی باتوں میں مصروف تھے۔اس نے دروازہ کھولا اور باہر نکل گئی۔

"میڈم، فائل مل گئی؟" چیف گارڈ نے پوچھا۔

اس نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر وہی سرد مسکراہٹ تھی۔

"ہاں، جو کام کرنے آئی تھی، وہ ہو گیا۔" اس نے جواب دیا اور اپنی کار کی طرف بڑھ گئی۔

گارڈز نے اس کے لہجے کی پراسراریت کو محسوس نہیں کیا۔ وہ کار میں بیٹھی اور انجن اسٹارٹ کیا۔ اس نے کار کو تیزی سے بھگایا نہیں، بلکہ آہستہ سے اسے سڑک پر ڈالا اور کچھ فاصلے پر، ایک ایسی جگہ جا کر روک دیا جہاں سے منار فیشنز کی عمارت صاف نظر آ رہی تھی۔

اس نے کار کا شیشہ نیچے کیا۔ چند ہی منٹوں میں، اس کی آنکھوں کے سامنے وہ منظر تھا جس کا اس نے تصور کیا تھا۔ بالائی منزل کی کھڑکیوں سے پہلے نارنجی روشنی جھلکی، پھر ایک کھڑکی دھماکے سے ٹوٹی اور آگ کے شعلے آسمان کی طرف لپکنے لگے۔ ایک کے بعد ایک، کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹنے لگے اور آگ پوری عمارت کو اپنی لپیٹ میں لینے لگی۔ پھر سے گارڈز کے بولنے اور چیخنے کی آوازیں سنائی دیں۔۔۔۔ لبوں پر دھیمی مسکراہٹ پھیل گئی۔

دور سے فائر بریگیڈ کے سائرن کی آوازیں بھی سنائی دینے لگیں۔

عمارت، جو چند منٹ پہلے تک کامیابی اور شان و شوکت کا مینار تھی، اب ایک جلتا ہوا جہنم بن چکی تھی۔ شعلے آسمان کو چھو رہے تھے اور سیاہ دھواں شہر کی فضا میں پھیل رہا تھا۔

وہ اس منظر کو دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھوں میں شعلوں کا عکس تھا۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا، سوائے ایک گہرے، فاتحانہ سکون کے۔

"جل جاؤ۔۔۔" وہ سرگوشی میں بولی، آواز میں نفرت کی گہرائی تھی۔ ہونٹوں پر ایک مکمل، فاتحانہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ وہ اب وہ پراعتماد، کامیاب بزنس وومن نہیں لگ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک جنون تھا، ایک تاریکی تھی جو فجر کی آنکھوں میں کبھی نہیں دیکھی گئی تھی۔ اس نے اپنی نظریں جلتی ہوئی عمارت پر جمائے رکھیں، جو اس کے انتقام کی سب سے بڑی گواہ تھی۔

کیونکہ وہ فجر نہیں تھی، وہ منار تھی۔

✿••✿••✿••✿

صبح کی پہلی کرنیں جب لاہور کے افق پر نمودار ہوئیں تو وہ اپنے ساتھ امید کی روشنی نہیں، بلکہ ایک بھیانک حقیقت کا عکس لائی تھیں۔ رات کی تاریکی میں جو تباہی برپا ہوئی تھی، وہ اب دن کی سفاک روشنی میں عیاں تھی۔ منار فیشنز کی شاندار عمارت اب ایک سیاہ ڈھانچہ بن چکی تھی۔ اس کے ٹوٹے ہوئے شیشوں سے اب بھی دھواں اٹھ رہا تھا، جیسے عمارت آخری سانسیں لے رہی ہو۔ ہوا میں جلے ہوئے پلاسٹک، بھیگی راکھ اور کیمیکلز کی تیز بو پھیلی ہوئی تھی۔

فائر بریگیڈ کی گاڑیاں اب بھی موجود تھیں، اور امدادی کارکن ٹھنڈک کے عمل کو یقینی بنا رہے تھے۔ پولیس نے پورے علاقے کو پیلی ٹیپ لگا کر سیل کر دیا تھا۔ چند میڈیا کی گاڑیاں بھی دور کھڑی تھیں، اس بڑی کاروباری تباہی کی لمحہ بہ لمحہ کوریج کے لیے بے تاب تھیں۔

فجر کی گاڑی جیسے ہی اس گلی میں داخل ہوئی تو اسکا دل ساکت ہوا۔ یہ ایک بھیانک خواب تھا، مگر یہ خواب نہیں تھا۔ اس کی سلطنت، اس کا غرور، اس کی زندگی بھر کی کمائی، اس کی آنکھوں کے سامنے ایک سیاہ، بدصورت ڈھانچے کی صورت میں کھڑی تھی۔

گاڑی رکی، لیکن فجر چند لمحوں تک بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔ اس کا دماغ یہ ماننے سے انکاری تھا کہ جو وہ دیکھ رہی ہے، وہ سچ تھا۔ جیسے ہی اسے منار میں آگ کی خبر ملی تھی وہ اور ولی فوراً واپس آ گئے تھے۔ اتنی سیکیورٹی کے باوجود اتنا بڑا نقصان۔۔۔۔ ولی اس سے پہلے گاڑی سے باہر نکل گیا۔ جبکہ فجر وہیں بیٹھی رہی۔۔۔ اس جنگ میں داخل ہونے پر وہ جان گئی تھی کہ اسے ہر طرح کے نقصان کے لیے تیار رہنا ہو گا مگر اپنی سلطنت کو یوں اپنی آنکھوں کے سامنے جلتے دیکھنا۔۔۔ یہ نہایت تکلیف دہ عمل تھا۔

کچھ دیر بعد اس نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور باہر قدم رکھا۔ اس کے قدموں میں جان نہیں تھی۔ وہ روبوٹ کی طرح چلتی ہوئی پولیس ٹیپ کی طرف بڑھی۔ اس کی نظریں جلی ہوئی عمارت پر جمی تھیں۔ وہ جگہ جہاں اس کا دفتر تھا، جہاں سے وہ پورے شہر کا نظارہ کرتی تھی، وہاں اب ایک بڑا سا خلا تھا۔

وہ لابی، جہاں اس کا شاہکار شیڈو کوئین سجا تھا، اب ملبے کا ڈھیر تھی۔

اس کی سانسیں اکھڑنے لگیں۔ کانوں میں لاکھوں آوازیں گونج رہی تھیں۔۔ اپنی پہلی مشین خریدنے کی خوشی، اپنے پہلے ملازم کی بھرتی، پہلی کلیکشن کی کامیابی پر تالیوں کی گونج۔۔۔۔

وہ کھڑی رہی اور پھر اس کے گھٹنوں نے جواب دے دیا۔ اس کی ہمت، اس کا حوصلہ، اس کا مضبوط ارادہ، سب کچھ اس جلی ہوئی عمارت کی راکھ میں مل چکا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔ اس کے قیمتی لباس پر سڑک کی دھول لگ گئی، لیکن اسے کوئی پرواہ نہیں تھی۔ اس کی دنیا لٹ چکی تھی۔ وہ صرف ایک خالی نظر سے اپنی بربادی کا تماشا دیکھ رہی تھی۔ آنسو اس کی آنکھوں میں ہی جم گئے۔ صدمہ اتنا گہرا تھا کہ رونے کی سکت بھی چھین گیا تھا۔ وہ نہیں دیکھ پائی کہ رئیس وہاں تھا۔ وہ ان سے پہلے وہاں موجود تھا۔

اس نے جیسے ہی فجر کو اس حال میں زمین پر بیٹھے دیکھا، اس کے دل پر جیسے کسی نے گرم سیسہ انڈیل دیا۔ اس کے چہرے پر ضبط اور غصے کی لہریں ابھر کر ڈوب گئیں۔ وہ مضبوط قدموں سے چلتا ہوا اس کی جانب بڑھا۔ ہر قدم اٹھاتے ہوئے اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کانچ کے ٹکڑوں پر چل رہا ہو۔

وہ اس کے سامنے پہنچا اور پھر دھیرے سے پنجوں کے بل اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ کچھ کہنا چاہا، لیکن الفاظ اس کے حلق میں ہی دم توڑ گئے۔ وہ اس عورت کو اس طرح ٹوٹا ہوا نہیں دیکھ سکتا تھا۔

فجر نے اپنی خالی نظریں اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر اس کی آواز ایک ٹوٹی ہوئی سرگوشی کی طرح نکلی۔۔۔۔

"آپ نے کہا تھا۔۔۔ میں سلطنت بنالوں، خطرہ ہوا تو۔۔۔۔ تو آپ حفاظت کریں گے۔۔۔"

اس نے پہلی بار شکوہ کیا تھا۔ یہ الفاظ نہیں تھے، ایک یاد دہانی تھی، ایک ٹوٹے ہوئے اعتماد کی کرچی تھی۔

رئیس نے ضبط سے اپنی آنکھیں میچ لیں۔ دل کی تکلیف اتنی شدید تھی کہ لگا جیسے سانس رک جائے گی۔ وہ کیا جواب دیتا؟ وہ کیسے کہتا کہ وہ ناکام ہو گیا؟

"منار۔۔۔۔۔۔" اپنے اندر ابھرتی چیخ کو اس نے ہونٹ بھینچتے روکا۔

قریب ہی ولی، ایک پولیس انسپکٹر کے ساتھ محوِ گفتگو تھا۔ اس کا چہرہ بھی پریشانی اور تھکاوٹ سے زرد پڑ رہا تھا۔

انسپکٹر اسے بتا رہا تھا، "دیکھیں اورنگزیب صاحب، ابتدائی تفتیش بہت پریشان کن ہے۔ فائر الارم سسٹم کو جان بوجھ کر غیر فعال کیا گیا تھا۔ سی سی ٹی وی کیمروں کی فوٹیج بھی غائب ہے۔ لگتا ہے کسی نے بہت منصوبہ بندی سے کام کیا ہے۔"

"کوئی سراغ؟ کوئی گواہ؟" جانتا تھا کچھ نہیں ملے گا پھر بھی پوچھا۔

انسپکٹر نے ایک لمحے کے لیے توقف کیا، پھر آہستہ سے کہا۔

"گارڈز کا بیان سب سے اہم ہے۔ ان کے مطابق، رات گیارہ بجے کے قریب محترمہ فجر خود یہاں آئی تھیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ کوئی فائل لینے آئی ہیں۔ وہ تقریباً پندرہ بیس منٹ اندر رہیں اور پھر چلی گئیں۔ ان کے جانے کے کچھ ہی دیر بعد چوتھی منزل پر آگ بھڑک اٹھی۔"

یہ سن کر ولی کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ خود پر قابو پاتے اس نے بات جاری رکھی۔

"یہ ناممکن ہے۔ میں اور میری مسز رات شہر سے باہر تھے، ایک میٹنگ کے سلسلے میں۔ ہم ابھی واپس لوٹے ہیں۔"

"گارڈز انہیں اچھی طرح پہچانتے ہیں اور سبھی کا بیان یہی ہے۔"

آگ اب مکمل طور پر بجھ چکی تھی، مگر سب کچھ جل کر کوئلہ ہو گیا تھا۔ فجر کے خواب اور لاکھوں ڈالر کی انوینٹری، سب کچھ راکھ کا ڈھیر بن چکا تھا۔ جبکہ فجر نے اپنی نظریں دوبارہ اس ڈھانچے پر گاڑ دیں۔ اس کی آنکھوں میں اب ویرانی کے ساتھ ساتھ ایک سوال بھی تھا۔

"کیوں۔۔۔؟ آخر کیوں۔۔۔؟"

"تمہیں اٹھنا ہو گا فجر۔۔۔" رئیس کی دھیمی آواز ابھری۔ اس نے مٹھیاں بھینچ رکھی تھیں۔ مگر فجر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اسی طرح بیٹھی رہی، جیسے اس کے وجود میں اب اٹھنے کی ہمت ہی باقی نہیں رہی تھی۔ اس سے پہلے وہ مزید کچھ کہتا اس کا فون بج اٹھا۔ وہ فون کان سے لگاتے اٹھ کھڑا ہوا اور ایک جانب بڑھا۔

"چچ۔۔۔ چچ۔۔۔ چچ۔۔۔ مجھے جلتی عمارتوں کی خوشبو بہت پسند ہے۔ کہو کیسا لگا۔۔۔؟"

منار کی دلکش آواز سنائی دی۔ رئیس کے جبڑے بھنچ گئے۔

"تم بزدل ہو، تمہاری عادت ہے ہمیشہ پیٹھ پیچھے، چھپ کر وار کرنے کی۔۔۔ تمہیں کیا لگتا ہے تم یہ سب کر کے جیت جاؤ گی؟"

"میری گیمز بہت کمال ہیں۔۔۔ میں جیت جاؤں گی رئیس!" اس کے اطمینان میں کوئی کمی نہیں آئی جبکہ رئیس نے ضبط سے آنکھیں میچیں۔

"تمہاری دشمنی مجھ سے ہے۔ فجر کو اس میں مت گھسیٹو۔۔۔" وہ ایک ایک لفظ چبا کر بولا۔

"یہ آپشن میں اسے دے چکی ہوں۔۔۔ پوچھ لو اس سے۔۔۔" رئیس نے رخ موڑ کر اسے دیکھا جو یونہی بیٹھی تھی۔

"بس کرو۔۔۔۔ تم بہت نقصان کر چکی ہو۔ یہ ڈرٹی گیمز کھیلنا بند کرو۔۔۔" وہ سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ بولا۔

"سر عام کھیل لیتے ہیں۔۔۔ کیا کہتے ہو؟ کاونٹ ڈاون تو ویسے بھی جاری ہے۔ گنتی کے چند دن۔۔۔۔ سال کی آخری رات، ڈارک اسٹارز کی لانچ اور تمہارا انت، رئیس۔۔۔۔ لو میں نے فیئر لی تمہیں بتا دیا۔ اب تم سے جو ہوتا ہے وہ کر لو۔۔۔"

چند پل کی خاموشی چھائی رہی اور پھر رئیس کی آوز سنائی دی۔

"تم خود آؤ گی اپنی قبر کے نشان پر قدم دھرتی۔۔۔"

منار کا قہقہہ ابھرا۔

"دیکھ لیتے ہیں۔۔۔ویسے اتنا کچھ نقصان نہیں ہوا۔ایسے سینکڑوں منار فیشنز تم راتوں رات کھڑے کر سکتے ہو۔ دوبارہ بنالو۔۔۔"

اس نے فون کاٹ دیا جبکہ رئیس نے پلٹ کر ایک نظر جلی ہوئی عمارت کو دیکھا اور دوسری نظر فجر پر ڈالی۔

یہ اس کا خواب تھا، اس کی پہچان، اس کی سلطنت، اس کی محنت۔۔۔۔۔۔وہ کیسے برداشت کرے گی؟ وہ اس کی تکلیف سمجھ سکتا تھا مگر اس وقت بے بس محسوس کر رہا تھا۔فجر کی تکلیف اسے تکلیف پہنچا رہی تھی اور یہی تو منار چاہتی تھی کہ وہ تڑپے۔۔۔۔سسکے۔۔۔۔اور گڑگڑائے۔۔۔۔۔وہ اسے جھکا ہوا دیکھنا چاہتی تھی۔

✿••✿••✿••✿

رات کا آخری پہر تھا۔کمرے میں ہلکی پیلی روشنی جل رہی تھی، کھڑکی کے پار اندھیروں میں شہر کی روشنیوں کے عکس لرز رہے تھے۔ہسپتال کے اس پر تعیش سوئٹ کے کمرے میں روحی اس وقت اکیلی تھی۔وہ بستر پر نیم دراز، اپنے پتلے وجود کو کمبل میں لپیٹے ہوئے، ہاتھوں میں ایک کامک بک تھامے تھی۔صفحے پلٹتے وقت اس کی آنکھوں میں بچپنے کی ایک جھلک آتی تھی۔۔۔جیسے وہ لمحہ بھر کے لیے اپنی بیماری، ہڈیوں کے درد اور کل کے سفر کو بھول گئی ہو۔

اچانک کمرے کے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔اس نے چونک کر سر اٹھایا۔کتاب اس کی گود میں کھلی رہ گئی۔ دروازہ آہستگی سے چرچراتا ہوا کھلا۔کمرے کے اندر نیم روشنی میں ایک سراپا ابھرا۔اسے دیکھتے ہی روحی کی آنکھوں میں اچانک چمک جاگ اٹھی۔اس کے ہونٹوں پر حیرت بھری مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"فجر آپی۔۔۔؟"

وہ لمحہ بھر کے لیے خوشی سے دمک اٹھی، مگر اگلے ہی پل۔۔۔ جیسے کسی ان دیکھے خوف نے اس کے دل پر دستک دی۔

اس کی آنکھیں سکڑ گئیں، مسکراہٹ بجھ گئی، اور چہرے پر حیرت کے ساتھ ہلکی الجھن اتر آئی۔ اس کا دل تیز دھڑکنے لگا۔

"آپ۔۔۔ آپ فجر نہیں ہیں۔۔۔"

دروازے پر کھڑی عورت کے ہونٹوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ پھیلی۔ وہ لمحہ بھر خاموش رہی، پھر دھیرے سے بولی۔

"ہیلو، برڈ۔۔۔"

یہ آواز نرمی میں لپٹی ہوئی، مگر اندر کہیں بجلی کی سی کاٹ لیے ہوئے تھی۔ روحی کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑ گئی۔ وہ ساکت ہو گئی۔ دروازے کی دہلیز پر کھڑی وہ عورت اب دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی اس کی جانب بڑھنے لگی۔ اس کی ایڑیوں کی چاپ کمرے میں عجیب سا جادو گھول رہی تھی، جیسے ہر قدم کے ساتھ ہوا بھاری ہوتی جا رہی ہو۔

✿••✿••✿••✿

✿ ہماری جانب سے خصوصی پیغام ✿

اس کہانی کے ساتھ ہمارا مشترکہ سفر ہمیں ایک ایسی محبوب شخصیت کے یادگار دن کے قریب لے آیا ہے،
جن کے لفظوں نے دلوں میں چراغ جلائے، جذبات کو چھوا اور قارئین کے دلوں کو جیت لیا۔ ✨

جی ہاں!

صرف دو دن بعد یعنی 18 **ستمبر** کو وہ دن ہے جب ہماری **پسندیدہ مصنفہ** اپنی زندگی کا ایک اور سال مکمل کریں گی۔

یہ دن صرف ان کے لیے نہیں بلکہ ہم سب کے لیے بھی خاص ہے، کیونکہ ہمیں ان کے قلم کا انمول تحفہ ملا ہے۔

ریڈرز!

آیئے اس دن کو صرف ان کے لیے یادگار بنائیں۔

یہ ہمارا موقع ہے کہ ہم سب اپنی محبت اور قدردانی کو کسی تخلیقی انداز میں ڈھال کر ان تک پہنچائیں۔

- کبھی ایک دل سے لکھا ریویو
- کبھی ایک خوبصورت پوسٹ
- کبھی ایک تخلیقی ریل
- یا صرف ایک سچی دعا

یقین مانیے، جو بھی آپ کے دل سے نکلے گا، وہی ان کے لیے سب سے قیمتی تحفہ ہو گا۔

آیئے، اس دن کو ان کے لیے خاص بنائیں۔

آپ کی چھوٹی سی کوشش بھی ان کے لیے ایک بڑا تحفہ ثابت ہو گی۔

تو بھائی / بہن! صرف پڑھنا نہیں... کچھ "کر کے" دکھاؤ!

ایڈوانس ہیپی برتھ ڈے ہماری پسندیدہ رائٹر کو !

اور شکریہ آپ سب کا، کیونکہ ریڈرز ہی وہ طاقت ہیں جو لفظوں کو امر کر دیتے ہیں۔

✿••✿••✿••✿

عنکبوت

نور راجپوت

آخری باب سے قبل

"ہر جال کا انجام ایک لرزش میں چھپا ہوتا ہے۔"

جب دھاگے ٹوٹنے لگتے ہیں، تو سب سے پہلے وہی الجھتے ہیں جو خود کو سب سے مضبوط سمجھتے ہیں۔

منار کا جال اپنی آخری حد تک بُن چکا ہے۔

فجر نے جس کھیل کو حقیقت سمجھا، وہ دراصل ایک خواب کی تجسیم تھی۔۔

منار کے خواب کی۔

اور فلک عالمگیر، جو لفظوں سے تقدیریں لکھتی رہی، اب جاننے والی ہے کہ بعض کہانیاں ختم نہیں ہوتیں، بلکہ اپنے خالق کو بھی اپنے اندر سمیٹ لیتی ہیں۔ اب روشنی کے اس آخری منظر میں سب کچھ کھلنے والا ہے۔

ولیم کے دل میں جو عزم اتر آیا تھا۔

فجر کی آنکھوں میں جو خوف اتر آیا تھا۔

اور رئیس کے دل میں جو سچ دفن تھا۔

وہ سب ایک لمحے میں بے نقاب ہونے والے ہیں۔

یہ وہ لمحہ ہے جہاں ہر کردار اپنی اصل صورت میں آئے گا بغیر نقاب، بغیر دکھاوے، بس اپنے گناہوں، کمزوریوں، اور مقدر کے ساتھ۔

عنکبوت کا جال مکمل ہو چکا ہے۔ اب صرف ایک دھاگہ باقی ہے اور جیسے ہی وہ ٹوٹے گا۔ خاموشی سب کچھ نگل لے گی۔

یہ تاریکی ہو گی! ایک ایسی تاریکی جو پرانے زخموں کے ساتھ ساتھ نئے عہد کو بھی ہمیشہ کے لیے دفن کر دے گی، اور کوئی نہیں جانتا کہ اس کے بعد اجالا کبھی لوٹ پائے گا یا نہیں! (یہ تو ایک راز ہے)۔

یاد رہے! عنکبوت کی اس دنیا میں ہر قدم دھیان سے رکھیے۔ یہ جال محض ریشم کے تار نہیں، یہ کرداروں کی گمشدہ تقدیریں ہیں۔ آپ کو نہیں معلوم کہ یہ کہانی آپ کو محض اختتام تک لے جائے گی، یا خود آپ کو بھی اپنے اندر کھینچ کر ہمیشہ کے لیے کہیں اور لے جائے گی!

آخری باب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عنکبوت

(معرفت اور محبت سب کو نہیں ملتی)

از قلم: نور راجپوت

باب آخری: کہانی گر اور کہانی

ہر آغاز اپنے مقدر میں ایک انجام لے کر اترتا ہے۔

مگر انجام کا مطلب ہمیشہ فنا نہیں ہوتا۔ کبھی یہ ایک ایسی دہلیز ہوتا ہے جس کے پار قدم رکھنے کے بعد منظر تو بدل جاتا ہے، لیکن پیچھے بند ہونے والے دروازے کی دستک روح میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جاتی ہے۔

کہانی کو جنم دینے والے ہاتھ اور کہانی کے اندر سانس لیتی روح کے درمیان ایک مقدس عہد بھی ہے اور ایک ازلی جنگ بھی۔ کبھی کہانی گر کی انگلیوں میں تقدیر کے وہ دھاگے ہوتے ہیں جن سے وہ اپنی مرضی کے رنگوں کا جہان بُنتا ہے، اور کبھی کہانی خود ایک ایسا سرکش دریا بن جاتی ہے جو اپنے بنائے ہوئے کناروں کو توڑ کر اپنا راستہ خود تراشتی ہے۔

یہ آخری باب وہ مقام ہے جہاں روشنی اور تاریکی ایک دوسرے میں ایسے گھل مل گئے ہیں کہ پہچان ممکن نہیں۔ اب فیصلہ نہ قلم کی سیاہی کرے گی، نہ کردار کی سسکی، اور نہ ہی کہانی گر کی خواہش۔ فیصلہ وہ ٹھہرا ہوا لمحہ کرے گا جو ہر دل میں ایک ہی سوال کی گونج چھوڑ جائے گا۔

کیا کہانی گر اپنی تخلیق پر قادر ہو سکتا ہے؟

یا کہانی ہی وہ ابدی سچ ہے جو اپنے خالق کے مٹ جانے کے بعد بھی زمانے کی آنکھوں میں زندہ رہتی ہے؟

یہ اوراق کسی نتیجے کا اعلان نہیں، بلکہ اس بولتی خاموشی کا نام ہیں جو ہر قاری کے سینے میں اتر کر اس کی اپنی امانت بن جائے گی۔ یہ وہ نقطہ ہے جہاں وقت کی نبضیں تھم جاتی ہیں، جہاں کائنات سانس روک کر دیکھتی ہے کہ کیسے سب کچھ ختم ہو کر بھی، سب کچھ کسی نئی شکل میں باقی رہ جاتا ہے۔ یہاں اختتام بھی ہے اور لافانی آغاز بھی۔ یہاں راکھ بھی ہے اور چنگاری بھی۔۔۔۔۔

اکتیس دسمبر: سال کی آخری رات

سلاخوں سے لٹکے فانوس اور نیون لائٹس لاکھوں جگنوؤں کی طرح ٹمٹمار ہے تھے۔ چاروں جانب لگے برقی قمقمے، اور ہر طرف بے شمار چہروں کا ہجوم۔ ایسا ہجوم جو شاید ہی کبھی کسی نے ایک جگہ دیکھا ہو۔ شور اتنا کہ سانسیں بھی دب کر چل رہی تھیں۔ یہ جشن نہیں تھا، یہ ایک جنگ کی تمہید تھی۔

مگر اس ہجوم سے دور، کچھ فاصلے پر، اوپر ایک بالائی منزل کی سنگ مرمری بالکونی پر، وہ کھڑا تھا۔ ولیم جوزف عرف ولی اور نگزیب!

سفید شرٹ میں ملبوس، کتھئی آنکھوں والا وہ شخص جو برسوں سے خاموش پیادہ سمجھا گیا۔ لوگ اسے بھولتے رہے، کمتر جانتے رہے۔ مگر آج۔۔۔ آج کی رات وہ خود اپنی کہانی کا پہلا جملہ لکھنے والا تھا۔ اس نے نیچے جھانکا۔ ہجوم کے شور میں اسے ایک عجیب سا سکوت سنائی دیا۔

"یہ میرا **جنم دن** ہے۔ یہ دن **موت** لائے گا یا **زندگی**؟ کیونکہ یہ صرف جشن نہیں ہے، یہ **شطرنج** کا میدان ہے۔ آج ہار اور جیت کا فیصلہ ہو گا۔ سب سمجھتے ہیں کہ **بادشاہ** ہی انجام کا فیصلہ کرتا ہے۔ مگر آج۔۔۔۔ آج کا دن پیادے کے لیے اہم ہے۔ میں وہ **پیادہ** ہوں۔۔۔ وہ **معمولی سا مہرہ**، مگر آج اس کہانی کی ڈور کا ایک سرا میرے ہاتھ میں ہے۔"

نیچے ہزاروں چہرے تھے۔ روشنیوں کے طوفان میں ہر کوئی اپنی کامیابی، اپنی طاقت اور اپنی جیت کا تصور لیے کھڑا تھا۔ ڈارک اسٹارز کا یہ لانچ صرف ایک برانڈ کی تقریب نہ تھی، یہ وہ جگہ تھی جہاں دولت، شہرت، محبت، انتقام، اور غرور سب ایک دوسرے کے سامنے چال چلنے کو تیار تھے۔

"یہاں سب کو لگتا ہے کہ وہ جیتیں گے۔ مگر کوئی نہیں جانتا، ہار اور جیت کا اصل فیصلہ کس کے پاس ہے۔ یہاں ہر چال ایک انجام لائے گی۔ کچھ کے لیے کامیابی، کچھ کے لیے بربادی۔ اور میرے لیے۔۔۔ شاید حقیقت!"

نیچے قہقہے تھے، مکافات تھے، چمکدار لباس اور جھلملاتے خواب تھے۔

"کیا میں اپنی کہانی پر قادر ہوں؟ یا یہ سب دھاگے کسی اور کے ہاتھ میں ہیں؟ اگر سب مقدر ہے تو پھر میری یہ آواز۔۔۔ میرے یہ ہاتھ، کس لیے ہیں؟"

آج نہ صرف ڈارک اسٹارز کی لانچ تھی بلکہ بہت سے نقاب اترنے والے ہیں۔ آج ہارنے والے بھی جیت جائیں گے، اور جیتنے والے بھی ہار جائیں گے۔ کیونکہ ہر کہانی کا اصل انجام وہ نہیں ہوتا جو دکھائی دیتا ہے۔ اصل انجام وہ ہے جو دلوں کی راکھ میں چھپی چنگاری سے جنم لیتا ہے۔

ہال کی گونج آہستہ آہستہ مدھم ہوئی۔ روشنیوں کی چمک جیسے دھند میں ڈوب گئی۔ وقت کی ریت پلٹنے لگی۔

"اس انجام تک پہنچنے کے لیے، سب کچھ پندرہ دن پہلے شروع ہوا تھا۔ جب پچھلا باب ختم ہوا، تب وقت نے میرے سامنے پندرہ دن کا کاؤنٹ ڈاؤن لکھ دیا تھا۔ پندرہ دن جنہوں نے مجھے اس لمحے تک پہنچایا۔"

روشنی مدھم ہو گئی، اور یوں لگا جیسے ایک پردہ سرکا ہو،

گزرے دنوں کی تصویریں ابھرنے لگیں۔۔۔راز، دھوکے، خون، محبت، انتقام! سب کچھ جو پندرہ دنوں میں ہوا۔۔۔سامنے آنے لگا۔ کہانی پلٹ کر وہیں جا پہنچی جہاں اختتام کی پہلی لکیر کھینچی تھی۔ اصل کھیل شروع ہو چکا تھا۔

✿••✿••✿••✿

پندرہ دن پہلے!

لاہور کی صبح کا سورج جب افق پر نمودار ہوا تو اپنے ساتھ امید کی کرن نہیں، بلکہ ایک اذیت ناک سچائی کی تپش لایا تھا۔

کمرے میں نیم اندھیرا تھا، جس میں صرف ٹیلی ویژن اسکرین کی بے رحم روشنی جل بجھ رہی تھی۔ یہ روشنی فرش پر بکھرے سامان پر، دیواروں پر لرزتی اور فجر کے ساکت چہرے پر لمحہ بہ لمحہ بدلتے سائے بناتی۔ ڈرائنگ روم سے منسلک ڈریسنگ روم بکھرا ہوا تھا۔ کھلے ہوئے بکسے، الماریوں سے باہر لٹکتے ہوئے قیمتی جوڑے، فرش پر بکھرے ڈیزائن کے خاکے، اور ڈبوں میں قید زیورات کی کلیکشن، جن کی چمک آج بجھی ہوئی لگ رہی تھی۔ اور اس تباہی کے عین درمیان، فجر فرش پر بیٹھی تھی۔

ایک شکست خوردہ ملکہ، اپنی بکھری ہوئی سلطنت کے باقیات میں۔ ٹی وی اسکرین پر ایک اینکر کی آواز گونجتی سنائی دیتی تھی۔

"منار فیشنز کی مرکزی عمارت آگ کی لپیٹ میں۔۔۔کروڑوں کا نقصان۔۔۔ذرائع کے مطابق فائر الارم سسٹم غیر فعال تھا۔۔۔تحقیقات جاری ہیں۔۔۔"

ہر لفظ ایک ہتھوڑے کی طرح اس کے دل پر پڑ رہا تھا۔ وہ ایک ایک چیز کو اپنے ہاتھوں سے چھو رہی تھی۔ ایک ہیرے کا ہار اس کی ہتھیلی پر پڑا تھا۔ اسے وہ فیشن شو یاد آیا جہاں اس ہار کی چمک نے ہزاروں آنکھوں کو خیرہ کر دیا تھا۔

اس کی سلطنت۔ اس کی پہچان۔ اس کی زندگی بھر کی محنت۔

سب جل کر راکھ ہو چکا تھا۔ اس کے ہونٹ ہلے، ایک سرگوشی ابھری جو صرف اسے خود سنائی دی۔

"نہیں۔۔۔ میں جھکوں گی نہیں۔۔۔"

"میں ہار نہیں مانوں گی۔۔۔ یہ سب راکھ۔۔۔ دوبارہ سونا بنے گی۔"

اس نے ہیرے کا ہار میز پر رکھا۔ آنکھوں میں آنسوؤں کا سمندر تھا، مگر پلکوں کی دیوار انہیں باہر آنے سے روکے ہوئے تھی۔

ہونٹوں پر ایک ضد بھرا عزم تھا۔ ٹی وی پر آواز پھر ابھری۔

"ذرائع کے مطابق، فجر معراج کی کمپنی کو اس آگ سے کروڑوں کا نقصان ہوا ہے۔ کئی بڑے نیشنل اور انٹرنیشنل پروجیکٹس منسوخ ہو گئے ہیں۔۔"

اس نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں سختی سے بند کیں۔ جیسے اس آواز کو اپنے اندر جانے سے روکنا چاہتی ہو۔

"یہ سب ختم نہیں ہوا۔" وہ خود سے بولی۔ "یہ میرا امتحان ہے۔ اور میں ہار نہیں مانوں گی۔"

تبھی دروازہ آہستگی سے کھلا۔ ولی اندر داخل ہوا۔ اندر کی حالت دیکھتے ہوئے ایک لمحے کے لیے وہ دہلیز پر ہی ساکت ہو گیا۔ اس کے سامنے کا منظر دل دہلا دینے والا تھا۔ بکھری ہوئی چیزیں، اور ان کے درمیان فجر، جو ایک مشین کی طرح سامان نکال رہی تھی۔

"فجر۔۔۔"

اس کی آواز گہری اور نرم تھی، جیسے وہ شیشے سے بنے کسی وجود کو پکار رہا ہو۔ فجر نے سر نہیں اٹھایا۔ اس کی نظریں ایک اور بکسے پر جمی تھیں۔

"یہ سب کیا کر رہی ہو؟" وہ تیزی سے اس کی جانب بڑھا۔

"یہ سب مجھے بیچنا ہو گا۔" اس کی آواز میں کوئی جذبات نہیں تھے، سپاٹ اور بے رحم۔

"ہر چیز۔۔ ہر زیور، ہر جوڑا۔ مجھے رقم چاہیے۔ میں اپنی کمپنی دوبارہ کھڑی کروں گی۔ کوئی مجھے گرا نہیں سکتا۔"

"تمہیں یہ سب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"کیوں نہیں ہے؟" آخر کار اس نے سر اٹھایا۔ آنکھیں رات بھر جاگنے اور رونے سے لال انگارہ ہو رہی تھیں۔

"میں جھکوں گی نہیں۔ انہوں نے سمجھا میں ختم ہو جاؤں گی۔۔ نہیں! میں پھر سے اٹھوں گی۔ میں راکھ سے سلطنت بناؤں گی۔" وہ اپنے حواسوں میں نہیں لگ رہی تھی۔ ولی مزید اس کے قریب آیا اور اس کے ہاتھ سے پہلے بکسے کے ڈھکن پر ہاتھ رکھ کر اسے بند کر دیا۔

"بس کرو۔ یہ سب تمہیں بیچنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

یہ سنتے ہی فجر کی تیوری چڑھی۔

"کیوں نہیں؟ یہ سب میری محنت ہے۔ میری پہچان ہے۔ میں اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دوں گی، لیکن ہاروں گی نہیں۔"

"تمہیں کچھ بیچنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ میری ذمہ داری ہے۔ تمہاری نہیں۔" اس نے فجر کا ہاتھ تھاما مگر فجر نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ اس کی آنکھوں میں تکلیف اور غصہ ایک ساتھ ابھرا۔

"یہ میرا خواب تھا، ولی! میری سلطنت۔۔۔ میری زندگی بھر کی کمائی! تم سمجھ نہیں سکتے، یہ میرا وجود ہے۔ اگر یہ ختم ہوا تو میں بھی ختم ہو جاؤں گی۔"

"تم کبھی ختم نہیں ہو سکتیں۔ تم زندہ ہو، اور جب تک تم زندہ ہو، تمہارا خواب بھی زندہ رہے گا۔" وہ ایک قدم اور قریب آیا۔

"سنبھالو خود کو، یہ سلطنت پیسے سے دوبارہ بن سکتی ہے، مگر اگر تم ٹوٹ گئیں۔۔۔ تو سب کچھ ختم ہو جائے گا۔"

فجر کی آواز لرز گئی۔ آنسو جو اب تک رکے ہوئے تھے، اب بہنے کو تیار تھے۔

"میں جھکوں گی نہیں۔۔۔ میں ہار نہیں مانوں گی۔" وہ غائب دماغی سے ایک ہی جملہ دہرا رہی تھی۔ وہ چند لمحے اس کی بگڑی حالت دیکھتا رہا پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھ فجر کے کندھوں پر رکھتے اسے جھٹکا اور اسے اپنی آنکھوں میں دیکھنے پر مجبور کیا۔

"تمہیں جھکنے کی ضرورت ہے بھی نہیں۔ میں ہوں نا۔ میں سب دیکھ لوں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔ تمہیں اپنی کوئی چیز بیچنے کی ضرورت نہیں۔ یہ بوجھ میرا ہے، تمہارا نہیں۔ سمجھ رہی ہو نا؟"

فجر کی آنکھوں میں بے یقینی تیرتی رہی۔

"ہم یہ کر سکتے ہیں۔ سمجھ رہی ہو نا؟" ایک لمحے کے لیے وقت تھم گیا۔ فجر کے کپکپاتے ہاتھ، جو کچھ دیر پہلے سب کچھ بیچنے پر تلے تھے، اب بے جان ہو کر نیچے گر گئے۔ ولی کے الفاظ نے جیسے اس کے چاروں طرف ایک حفاظتی حصار بنا دیا تھا۔

وہ بس اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی، جہاں اس کے لیے سکون تھا، اعتماد تھا، اور ایک نہ ٹوٹنے والا سہارا تھا۔

"ولی۔۔۔" اس کی آواز ٹوٹ گئی۔ "میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ یہ سب یوں ختم ہو جائے گا۔ میرا دل ٹوٹ گیا ہے۔"

ولی نے نرمی سے ہاتھ بڑھا کر اس کے آنسو اپنی انگلیوں سے صاف کیے۔

"دل ٹوٹتے ہیں تاکہ انسان پہلے سے زیادہ مضبوط بن سکے۔ یہ تمہارا انجام نہیں ہے، فجر! یہ تمہاری نئی شروعات ہے۔"

وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ آنسو اب بھی بہنے کو تیار تھے مگر اب ان میں بے بسی نہیں تھی۔

"میں زندہ رہوں گی۔۔۔ میں دوبارہ جیتوں گی۔۔۔ میں سب دوبارہ بناؤں گی۔۔۔" وہ کسی رٹے رٹائے طوطے کی طرح بولی۔ ولی کے لبوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔

"ہاں، کیونکہ تم صرف ایک کاسٹیوم ڈیزائنر نہیں ہو، تم ایک سروائیور اور سروائیورز کبھی ہارتے نہیں۔"

یہ سنتے ہی فجر کے ہاتھ آہستہ آہستہ بکسوں سے ہٹ گئے۔ کچھ لمحے وہ وہیں ساکت کھڑی اسے دیکھتی رہی۔ پھر، اس نے پہلا قدم اٹھایا اور اپنا سر ولی کے کندھے پر رکھ دیا۔

ایک لمحے کی خاموشی۔ اس خاموشی میں شکر گزاری تھی، سکون تھا، اور ایک نئی امید تھی۔ ولی نے اپنا ہاتھ اس کے بالوں پر رکھا اور سرگوشی کی۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔۔۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔"

کمرے میں اب بھی نیوز چینل کی آواز گونج رہی تھی، تباہی کی داستان سنا رہی تھی۔ مگر فجر کے دل میں، پہلی بار، ایک ٹھہراؤ اتر آیا تھا۔

جنگ ابھی شروع ہوئی تھی لیکن وہ اس جنگ میں اکیلی نہیں تھی۔

✿••✿••✿••✿

رات کے آخری پہر رئیس ہیڈ آفس روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ شیشے کی دیواروں والے طویل راہداریوں میں سنّاٹا تھا، مگر اس کے قدموں کی دھمک اس سکوت کو توڑ رہی تھی۔ وہ، رئیس آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔

اس کی نگاہیں دیواروں پر لگی تصویروں پر گئیں، کامیاب منصوبوں کے فریم، اس کے باپ کی تصویر، دادا کی تصویر، وہ سب اس کے ہوتے ہوئے بھی اس کے نہیں تھے۔

"پندرہ دن، صرف پندرہ دن۔۔۔"

اس نے ایک لمحے کو رُک کر شیشے سے باہر شہر کی روشنیاں دیکھیں۔

"میں نہیں جانتا ان پندرہ دنوں کے بعد کیا ہو گا۔ انجام کس کا ہو گا، اور کس کے لیے تاریکی بچے گی۔"

وہ پھر چلنے لگا، راہداری کی گونج اس کے الفاظ کے ساتھ بڑھتی گئی۔

"لیکن ایک بات ضرور جانتا ہوں۔ باقی سب کو محفوظ رکھنا ہے۔ یہ سلطنت۔۔۔ یہ لوگ۔۔۔ یہ سب میرے حصے کا قرض ہیں۔ اور بادشاہ اگر اپنی سلطنت کے لوگوں کو نہ بچا سکے، تو پھر وہ بادشاہ ہی کیسا؟"

وہ ہاتھ گلاس وال پر پھیرتے ہوئے ہلکا سا مسکرایا۔

"بادشاہ سے جو بن پڑے گا، وہ کرے گا۔" بادشاہ کا عہد!

وہ ایک بڑے ہال کے دروازے پر آ کر رُکا۔ ہال میں کانفرنس ٹیبل، پروجیکٹ کی رپورٹس، اور آنے والے لانچ کے ماڈلز بکھرے پڑے تھے۔ اس نے اندر قدم رکھا اور میز پر جھکی فائل کو بند کر دیا۔

"یہ میری کہانی ہے۔" آواز بھاری اور پُرعزم تھی۔

"میں اپنی داستان کا مصنف ہوں۔"

اس نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ سوئیوں کی ٹِک ٹِک جیسے وقت کے زخم یاد دلا رہی تھی۔

"پندرہ دن! اور پھر فیصلہ ہو گا کہ تاریخ مجھے کیسے یاد رکھے گی۔ بادشاہ کی طرح۔۔۔ یا شکستہ انسان کی طرح!"

وہ ایک بار پھر راہداری میں لوٹ آیا۔ روشنی اس کے پیچھے دھندلا گئی، مگر اس کے قدموں کی دھمک اب بھی سنّاٹے میں گونج رہی تھی جیسے کسی آنے والے طوفان کی خبر ہو۔

✿··✿··✿··✿

سرد رات کی خنکی کمرے کے اندر تک سرایت کر رہی تھی۔ ایڈنبرا کی برف تھم چکی تھی۔ اندر فائر پلیس کی مدھم آنچ جل رہی تھی، لیکن کمرے کی فضا میں ایک بے نام سی ویرانی رچی محسوس ہوتی تھی۔ جینی نیم دراز صوفے پر لیٹی تھی۔ سنہری بال بکھرے ہوئے تھے، ایک ہاتھ سر کے نیچے دبائے اور دوسرے ہاتھ میں ایک قلم تھا جو اس نے بے دھیانی میں کاپی پر گھما رکھا تھا۔ سامنے میز پر ایک موٹی فائل رکھی تھی۔ نئی فلم کا معاہدہ! اس کی مینیجر اور دوست عینا سامنے کرسی پر بیٹھی تھی، ماتھے پر شکنیں اور آنکھوں میں الجھن۔

"جینی، یہ اسٹار لائٹ نہیں ہے۔ یہ ایک مختلف پروجیکٹ ہے۔ تمہیں یہ فلم سائن کرنی چاہیے۔" عینا کی آواز التجا سے بھری ہوئی محسوس ہوئی۔

"دل نہیں چاہتا، عینا۔۔۔ کسی چیز میں دل نہیں لگتا۔" اس نے آہستہ سے سر ہلایا۔

"یہ کیریئر ہے، جینی! تم سمجھتی کیوں نہیں؟ کتنے لوگ ترستے ہیں ایسی آفرز کے لیے، اور تم ایک کے بعد ایک ٹھکرا رہی ہو۔ اسٹار لائٹ کو بھی منع کر دیا، جارج اب کسی اور ہیروئن کو کاسٹ کر چکا ہے۔ آخر تم کیا چاہتی ہو؟"

جینی نے ایک ٹوٹی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرف دیکھا۔

"میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ کوئی ایک شخص۔۔۔ ایک شخص میرے سوال کا جواب دے دے۔"

عینا نے الجھ کر پوچھا۔ "کون؟ کیسا سوال؟"

"مجھ سے محبت کرتا ہے۔۔۔ پھر کہتا کیوں نہیں۔ آخر کیوں؟ وہ مجھ سے نظریں چرا لیتا ہے، بات کرنے سے بھاگتا ہے۔ کیا میری محبت اتنی بوجھل ہے؟" وہ آہستہ آہستہ بولتی گئی، جیسے اپنے ہی دل کا بوجھ اتار رہی ہو۔

"جب میں اس کے سامنے کھڑی ہوتی ہوں تو اس کی دنیا رک جاتی ہے مگر وہ۔۔۔ وہ مجھ سے نظریں چرا لیتا ہے۔ کیوں عینا؟ وہ کیوں ایسا کرتا ہے؟"

کمرے میں لمحہ بھر کو خاموشی چھا گئی۔ ذرا سی کھلی کھڑکی سے ٹھنڈی ہوا کا جھونکا آیا اور پردے ہلنے لگے۔ عینا نے سر جھٹکا، جیسے اس موضوع پر مزید بات کرنے کو تیار نہ ہو۔

"زندگی کسی ایک شخص پر ختم نہیں ہو جاتی، جینی۔ تمہارا مستقبل تمہارے سامنے ہے۔ لوگ تمہیں اس وقت کی سب سے بڑی اداکارہ کہتے ہیں۔ اور تم۔۔۔ تم ایک شخص کے رویے پر اپنی دنیا جلا رہی ہو۔ پہلے ولیم اور اب یہ جارج۔۔۔ آخر یہ جوزف پیلس کا بھوت کب اترے گا تمہارے سر سے؟"

جینی نے ضبط سے اپنی آنکھیں میچ لیں۔ پلکوں پر نمی لرزنے لگی۔

"تمہیں سمجھ نہیں آئے گی، عینا۔۔۔ سب خالی ہے۔ یہ کردار، یہ اسکرپٹس، یہ روشنی، یہ شہرت۔۔۔ سب بے کار لگتا ہے۔"

عینا نے کرسی کے ہتھے پر ہاتھ مارا۔

"بے کار؟ یہ سب وہ خواب ہیں جو لاکھوں لڑکیاں دیکھتی ہیں۔ اور تمہیں وہ سب ملا ہے۔ اگر تم نے یہ فلم سائن نہ کی تو لوگ یہی کہیں گے کہ جینی رابرٹ پاگل ہو چکی ہے!"

جینی نے آہستگی سے کروٹ بدلی اور قلم میز پر رکھ دیا۔

"شاید میں واقعی پاگل ہو گئی ہوں۔ اذیت انسان کو پاگل بنا دیتی ہے۔"

عینا نے اس کی طرف بے بسی سے دیکھا، پھر دھیرے سے بولی۔

"میں یوں تمہیں برباد ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔ تمہیں یہ فلم سائن کرنی ہو گی، جینی!"

جینی نے آنکھیں کھولیں، ان میں عجیب سا سکوت تھا۔

"نہیں، عینا۔ میں یہ فلم سائن نہیں کروں گی۔ میرا دل نہیں ہے۔ اور دل کے بغیر اداکاری صرف ڈھونگ ہے۔"

عینا نے فائل بند کی اور دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

"تم اپنی ضد میں سب کچھ کھو دو گی۔ جارج کو اس سے فرق نہیں پڑتا۔۔۔ اگر اسے پڑتا تو وہ تمہاری فلم کسی اور کو نہیں دیتا۔۔۔" وہ دانت بھینچ کر بولی۔

"میں نے اسکی آنکھوں کو دیکھا ہے۔" وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولی۔ "میں جب کسی شاٹ کسی سین میں کسی ہیرو کے قریب ہوتی ہوں۔۔۔ میں کیمرہ کے پیچھے سے اس کی جلتی آنکھیں محسوس کر سکتی ہوں۔"

"اگر وہ تم سے اتنی ہی محبت کرتا ہے تو کہتا کیوں نہیں؟ کیوں پاگل بنا رہا ہے؟" عینا دبے دبے لہجے میں چلائی۔

"یہی بات تو مجھے بے چین کرتی ہے۔ کیوں خود کو تکلیف دے رہا ہے وہ؟" وہ الجھی ہوئی تھی۔ جانتی تھی جارج خود کو سزا دے رہا تھا۔ وہ خود کو کسی کے قابل نہیں سمجھتا تھا۔ وہ اسے کہنا چاہتا تھا مگر نہیں کہتا تھا۔ شاید وہ کبھی نہ کہے۔۔۔۔

"مت گنواؤ خود کو۔۔۔" عینا نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"سب کچھ کھونے کے بعد بھی اگر وہ ایک لمحہ مجھے مل گیا، تو شاید سب کچھ ہار کر بھی میں جیت جاؤں گی۔"

کمرے میں خاموشی پھیل گئی۔ باہر برف باری دوبارہ شروع ہو گئی تھی۔ کھڑکی پر برف کے گالے پھر سے گرنے لگے، جیسے ایڈنبرا کی رات جینی کے دل کی کیفیت کو دہرا رہی ہو۔

✿••✿••✿••✿

یہ دسمبر کی ایک سرد شام تھی۔ سڑکوں پر جلتی لائٹس برف کے ذرات میں یوں جھلملا رہی تھیں جیسے آسمان کے ستارے زمین پر اتر آئے ہوں۔ ہوا میں برف کی کرچیاں تیر رہی تھیں اور ہر سانس کے ساتھ ٹھنڈ کا دھواں نکلتا محسوس ہوتا تھا۔ گروسری اسٹور کے شیشوں پر نمی جمی تھی، اندر ہیٹر کی گرمی اور باہر کی سردی کا تضاد کھڑکیوں پر دھند بناتا جا رہا تھا۔

اسی اسٹور میں نساء تھی۔ سرخ بالوں پر اونی ٹوپی اوڑھے، خاکی رنگ کی کوٹ میں لپٹی، وہ گروسری کے ریک کے بیچ یونہی چلتی، ایک ایک چیز اٹھا کر ٹرالی میں ڈال رہی تھی۔ اس کے ساتھ نینی تھیں جو وہیل چیئر پر تھیں۔ ایک نرس نے چیئر کو تھاما ہوا تھا، اور دو گارڈز داخلی دروازے کے پاس کھڑے اپنی نظریں آس پاس گھماتے، ہر لمحہ چوکس تھے۔ نینی کبھی کبھی مسکرا کر نساء کو دیکھتیں اور کوئی چھوٹی چیز اٹھا لینے کا کہتیں۔ نساء ہنستی اور ٹرالی میں رکھ دیتی۔ اس ہنسی میں ایک معصومیت تھی جو پچھلے چند مہینوں کے زخموں سے کچھ دیر کو آزاد لگتی تھی۔ وہ اب پہلے جیسی نہیں رہی تھی۔ بہت

کچھ جھیل چکی تھی، مگر اس لمحے وہ عام سی لڑکی نظر آ رہی تھی جو اپنی نینی کے ساتھ گروسری شاپنگ میں مصروف تھی۔ کئی دنوں بعد آج وہ پیلس سے باہر نکلی تھیں اور باہر آنا ان کے مزاج خوشگوار کر گیا تھا۔

کار نر پر کھڑا آفیسر پال، اس کی آواز پر اچانک پلٹا اور اس کی نظر سیدھی نساء پر جا ٹکی۔ وہ ساکت رہ گیا۔

چیری جیسے سرخ بالوں والی لڑکی، جو کبھی زندگی اور موت کی کشمکش سے گزری تھی، آج ہنستے ہوئے گروسری خرید رہی تھی۔ پال نے سانس روکا اور چند لمحے یوں ہی اسے دیکھتا رہا۔ دل بے اختیار چلا اٹھا۔

"یہ وہی ہے۔۔۔ جوزف پیٹرسن کی بیٹی! جوزف پیلس کی شہزادی! اور میں۔۔۔ ایک عام سا انسان۔"

اس نے کئی بار خود کو سمجھایا تھا، کئی بار دل سے اس کے خیال کو نکال پھینکا تھا۔ مگر نساء کے تصور نے اسے کسی اور طرف سوچنے ہی نہ دیا۔ دوسری لڑکیوں کے ساتھ وقت گزارنے کی کوشش کی، مگر اس کا دل کہیں اور جا ہی نہیں سکا۔ اور آج، اس برفیلے موسم میں، اسے سامنے دیکھ کر دل کی دیواریں ٹوٹنے لگیں۔ کئی لمحے وہ اسے دیکھتی رہی پھر ہمت جمع کی۔ سامان کا چھوٹا سا پیکٹ کاؤنٹر پر رکھا، پیسے ادا کیے، اور خود پر قابو پاتے ہوئے اس کی طرف بڑھ گیا۔

"ہائی لیڈیز! گڈ ایوننگ!" اس نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ انہیں مخاطب کیا۔

نساء نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر آئی مسکراہٹ سمٹ گئی اور آنکھوں میں حیرانی اتر آئی۔ نینی نے پہچانتے ہی خوش دلی سے جواب دیا۔

"اوہ! پال بیٹا۔۔۔ کیسے ہو؟"

جبکہ نساء نے نظریں جھکا لیں اور ہاتھ میں پکڑا ڈبہ تیزی سے ٹرالی میں رکھا۔

"آپ یہاں۔۔۔ کیا کر رہے ہیں؟" اس نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

پال نے ہلکے سے کندھے اچکائے۔ "وہ میں۔۔۔ گروسری کے لیے آیا تھا۔"

نینی نے شفقت سے پوچھا۔ ”تمہاری مام کیسی ہیں؟“

یہ سوال سنتے ہی پال کا چہرہ بجھ سا گیا۔ اس کی آنکھوں میں ایک سایہ سا لہرایا۔ دو ماہ پہلے اس کی ماں کا انتقال ہو چکا تھا۔ گلے کی گلٹی اوپر نیچے ہونے لگی، وہ کچھ لمحے بولا ہی نہیں۔

”وہ۔۔۔ وہ نہیں رہیں۔“ اس کی آواز مدھم پڑ گئی۔

نینی نے افسوس بھری نگاہ ڈالی۔ ”مجھے افسوس ہے، پال!“

نساء نے بھی نظریں اٹھا کر ایک پل کو اس کے چہرے کو دیکھا۔ پھر مدھم آواز میں کہا۔ ”مجھے بھی افسوس ہے۔“

چند لمحے خاموشی چھا گئی۔ پال کی نظریں بار بار نساء کے چہرے پر اٹکنے لگیں۔ وہ مزید ضبط نہ کر سکا۔ آج یا پھر کبھی نہیں۔۔۔۔

”میں۔۔۔ میں ان سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔“ اس نے آہستگی سے کہا اور نساء کی طرف اشارہ کیا۔

نینی نے سر ہلایا اور نرس کو اشارہ کرتے ہوئے وہیل چیئر آگے بڑھا دی، وہ انہیں بات کرنے کی اجازت دے چکی تھیں۔

اب نساء اور پال آمنے سامنے تھے۔ ٹرالی ایک طرف، برف جمی کھڑکیوں کے نیچے وہ کھڑی تھی۔ اس کے گال پہلے ہی سردی سے سرخ تھے، مگر اب ایک اور لالی بھی شامل تھی۔ پال نے ہمت باندھی اور پھر دھیرے سے پوچھا۔

”آپ سے شادی کے لیے مجھے کیا کرنا ہو گا؟“

نساء نے چونک کر سر اٹھایا۔ آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، اور چہرے کا رنگ سفید پڑ گیا۔

”ک۔۔۔ کیا؟ مطلب؟“ وہ ہکلا گئی۔

"میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے بتایئے، ایسا کیا کرنا ہو گا کہ آپ مجھے اپنا لیں؟"

اس کے سوال پر نساء نے گھبرا کر چاروں طرف دیکھا۔ گارڈز دور کھڑے تھے، مگر اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔

"آپ۔۔۔ آپ ایسے کیوں کر رہے ہیں؟"

"کیونکہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں، نساء! پہلی بار جب پولیس اسٹیشن میں آپ کو دیکھا تھا۔۔۔ تب سے آج تک ایک دن بھی ایسا نہیں گزرا جب آپ کے خیال نے میرا پیچھا نہ کیا ہو۔" وہ اسے دیکھتا رہا جبکہ نساء نظریں جھکائے کھڑی رہی۔ "پلیز مجھے بتائیں۔ آپ کو اپنا بنانے کے لیے مجھے کیا کرنا ہو گا؟" وہ اسے آس و امید سے دیکھ رہا تھا۔

"یہ۔۔۔ یہ بات سچ ہے کہ آپ۔۔۔ اچھے انسان ہیں۔ لیکن۔۔۔ میرا ماضی۔۔۔ میری پہلی شادی کا زخم۔۔۔ میں سب بھول کر آگے بڑھنے سے ڈرتی ہوں۔" وہ گھبرائی گھبرائی سی بولی۔ ہاں وہ اب خوش رہنے لگی تھی۔ وہ آگے بڑھ آئی تھی مگر شادی؟ یہ لفظ اسے پھر سے ماضی میں کھینچ لے جاتا تھا۔

"میں جانتا ہوں آپ کا ماضی تلخ ہے۔ مگر میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ کے مسکرانے کا حق آپ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔ میں وہ بننا چاہتا ہوں جو آپ کی مسکراہٹ کا سبب بنے۔"

نساء نے نظریں اٹھا کر پہلی بار اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ وہاں سچائی اور بے بسی کی جھلک تھی۔

"میں جانتا ہوں، مسٹر جوزف کبھی راضی نہیں ہوں گے۔ وہ اگر سن لیں کہ ایک عام سا، کیڑے مکوڑے جیسا شخص ان کی بیٹی کے خواب دیکھ رہا ہے تو وہ مجھے ایسی جگہ دفنائیں گے کہ ایڈنبرا کے کتے بھی نہ ڈھونڈ پائیں۔" وہ ہلکا سا مسکرایا، مگر اس مسکراہٹ کے پیچھے گہری اذیت چھپی تھی۔ "پھر بھی۔۔۔ میں ان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

نساء دم بخود رہ گئی۔ "آپ شاید میرے ڈیڈ کو نہیں جانتے۔۔"

"جانتا ہوں۔ پھر بھی تیار ہوں۔ بس آپ مجھے یہ بتا دیجیے کہ کب ان سے ملنے آسکتا ہوں۔" وہ اس سے اجازت چاہتا تھا تاکہ مسٹر جوزف سے بات کر سکے۔ پہلے تو اس کی اجازت ہی چاہیے تھی اگر وہی انکار کر دیتی تو پھر وہ کیوں جاتا؟

نساء نے لمبی سانس لی۔

"یہ سب اتنا آسان نہیں ہے، پال! آپ نہیں جانتے کہ آپ کس آگ میں قدم رکھ رہے ہیں۔"

"محبت کبھی آسان نہیں ہوتی۔ مگر اگر یہ سچ ہے تو مجھے اس کے لیے جلنا قبول ہے۔"

نساء کے گال مزید سرخ ہو گئے۔ اس کی نظریں جھک گئیں۔ وہ کچھ بولنا چاہتی تھی مگر الفاظ اس کے حلق میں اٹک گئے۔ پلکیں لرز اٹھیں۔۔۔ پہلی بار کوئی مرد اس سے محبت کی بات کر رہا تھا۔ اس کے لیے آگ میں کودنے کو تیار تھا۔

"میرے دو بھائی بھی ہیں اور ولیم۔۔۔ وہ۔۔۔ اور جارج۔۔۔"

"جانتا ہوں۔ میں سب کو جیتنے کی کوشش کروں گا۔" اس نے مضبوط لہجے میں کہا تو نساء کچھ نہ بول پائی۔ پال نے ایک قدم پیچھے لیا، جیسے خود پر قابو پانے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر دھیرے سے کہا۔

"میں زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ بس یہ وعدہ لے کر جا رہا ہوں کہ جلد آپ سے ملوں گا۔ اور مسٹر جوزف سے بھی۔۔۔ اگر آپ کے بھائی میرا جبڑا توڑنا چاہیں تو میں تڑوا لوں گا۔"

"پال، پلیز۔۔۔" وہ گھبرائی۔

مگر وہ مسکرا دیا۔ "جلد ملوں گا، نساء۔ بہت جلد۔"

یہ کہہ کر وہ مڑ گیا۔ برفانی ہوا کے جھونکے نے دروازہ کھولا، اور وہ باہر نکل گیا۔ پیچھے رہ گئی نساء، جس کے دل کی دھڑکن اب بھی قابو میں نہیں آ رہی تھی۔ اس کے جاتے ہی نینی نے مسکرا کر نساء کی طرف دیکھا اور پھر اس کی جانب آئیں۔

"وہ برا لڑکا نہیں ہے۔" انہوں نے دھیرے سے کہا۔

"آپ کو ڈیڈ کا پتا ہے نا؟"

"میں جوزف سے بات کر لوں گی۔" نینی پر سکون تھی جبکہ نساء کے چہرے پر گھبراہٹ اتر آئی۔

"نہیں نینی۔۔۔ پلیز، ایسا مت کیجیے۔"

نینی نے اس کی گھبراہٹ کو نرمی سے تھام لیا اور دھیرے دھیرے سے کہا۔

"میں پال کو دیکھ چکی ہوں۔ اس کی آنکھوں میں وہ چمک ہے جو جھوٹ نہیں بولتی۔ اس کی نیت صاف ہے، وہ تمہیں خوش رکھے گا۔ آدمی کو پرکھنے کے لیے بڑی باتوں کی ضرورت نہیں ہوتی، ایک نظر کافی ہوتی ہے۔ اور میں نے اس ایک نظر میں پال کو ایک اچھا لڑکا پایا ہے۔" وہ کہہ کر آگے بڑھ گئیں تو نساء نے سر جھٹکے ہوئے ٹرالی کو تھام لیا۔

پیلس کی بالائی منزل کی بڑی کھڑکیوں کے پار برف کے گالے دھیرے دھیرے زمین پر اتر رہے تھے۔ سفید چادر ہر سمت بچھ چکی تھی۔ درختوں کی ننگی شاخیں برف کا بوجھ سہہ رہی تھیں۔ فضا میں ایسی خاموشی تھی جس میں ہر آواز دب گئی ہو مگر اندر۔۔۔ اندر جارج کے دل کی دھڑکنیں اس سرد سکوت کو چیر رہی تھیں۔ وہ اپنے کمرے کے بھاری پردوں کو ہٹا کر کھڑکی کے قریب آیا اور بیرونی منظر کو دیکھنے لگا۔ باہر کی برفیلی ٹھنڈک جیسے اس کی رگوں میں بھی اتر آئی تھی۔ تین دن۔ وہ مہلت جو لیزا نے دی تھی، ختم ہو چکی تھی۔ وقت کی ریت ہاتھوں سے پھسل چکی تھی۔

ابھی وہ گہری سوچوں میں گم تھا کہ فون کی بیل بج اٹھی۔ اس نے پلکیں بند کر لیں۔ جانتا تھا کس کی کال تھی۔ دل نے ایک لمحے کو چاہا کہ فون بجنے دے، مگر ضمیر نے انکار کر دیا۔ بھاگنے سے کچھ نہیں ہو گا۔ اس نے دھیرے سے کال ریسیو کی۔

"ہیلو۔۔۔"

دوسری جانب سے لیزا کی آواز ابھری۔ مدھم مگر زہر میں بجھی ہوئی۔

"جارج۔۔۔ مہلت ختم ہو چکی ہے۔ اب فیصلہ سناؤ۔ تم مجھے اپنا رہے ہو یا نہیں؟"

جارج نے گہری سانس کھینچی۔ اس کی آواز میں غصہ نہیں تھا، صرف تھکن تھی۔

"اگر دل چاہتا، اگر محبت ہوتی تو میں ضرور تمہیں اپنا لیتا۔ مگر۔۔۔ میں خود سے بے ایمانی نہیں کر سکتا۔ میرا دل برسوں سے صرف ایک ہی خواب دیکھتا آیا ہے۔ اس خواب میں صرف ایک لڑکی ہے۔۔۔ اور وہ تم نہیں ہو۔"

کچھ لمحے سکوت چھایا رہا۔ پھر دوسری جانب ہنسی کی تلخ گونج سنائی دی۔

"نیک بننے کی کوشش مت کرو، جارج! دنیا تمہاری حقیقت جان لے گی۔ تم مجھے ٹھکرا کر خود کو بچا نہیں سکتے۔ تمہارا سب کچھ برباد ہو جائے گا۔ تمہارا نام، تمہارا کریئر، تمہارا خاندان۔۔۔ سب خاک میں مل جائے گا۔ اور جب یہ سب چھن جائے گا تو وہ محبت بھی نہیں بچے گی جس کا تم دعویٰ کر رہے ہو!"

جارج کے لب بھینچ گئے۔ اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی۔ دل کی گہرائیوں میں جانتا تھا کہ قصور اس کا ہے۔ ایک لمحے کی کمزوری، ایک نظر، ایک چھوٹی سی بھول۔۔۔ اور اب وہ اس بھول کی قیمت اپنی پوری زندگی سے چکا رہا تھا۔

"لیزا۔۔۔" وہ دھیرے سے بولا، "تمہیں شاید لگتا ہے کہ مجھے ڈرا کر تم جیت جاؤ گی۔ مگر جیت کبھی دھوکے سے نہیں ملتی۔ محبت زبردستی نہیں ہوتی۔ اور اگر میں نے غلطی کی بھی تھی۔۔۔ تو سزا کاٹنے کے لیے میں تیار ہوں۔"

"بہت جلد تمہیں سمجھ آجائے گی، جارج جوزف!" لیزا کی آواز زہر میں ڈوب گئی۔ "اب صرف تین دن نہیں۔۔۔ تمہاری پوری زندگی میرے ہاتھ میں ہے۔ دیکھتے ہیں تم کتنا سہہ سکتے ہو۔"

کال کٹ گئی۔ جارج نے فون آہستہ سے میز پر رکھا۔ اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی تیر گئی مگر اس نے پلکیں جھپک کر اسے روک لیا۔ وہ جانتا تھا۔۔۔ طوفان آچکا ہے۔

✿••✿••✿••✿

ڈوبتے سورج کی سرخی برف پر سنہری عکس ڈالنے لگی تو پیلس کی راہداریوں میں چراغ جل اٹھے۔ مگر جارج کا کمرہ اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ اپنی کرسی پر خاموش بیٹھا تھا۔ فون کی اسکرین اچانک جگمگائی۔ ایک نوٹیفیکیشن ابھرا۔

ویڈیو۔۔۔ وہی ویڈیو۔ لیزا نے اپلوڈ کر دی تھی۔ اس کے ساتھ تحریر تھی۔

"یہ ہے جوزف پیلس کا وارث۔ جس نے مجھے دھوکہ دیا، میرا استحصال کیا، اور اب شادی سے انکار کر رہا ہے۔"

اس نے فون ہاتھ میں لیا۔ انگلیاں لرز رہی اٹھیں۔ ویڈیو کے ایک ایک منظر نے اس کے اندر خنجروں کی طرح گھسنا شروع کر دیا۔ وہ لمحہ جب اس نے ضبط کھویا تھا، جب وہ حواسوں میں نہیں تھا، جب لیزا کی آنکھوں میں وہ مسکراہٹ تھی اور جب ولیم نے اسے روکنا چاہا تھا مگر وہ اپنے حواسوں میں ہوتا تو سمجھ پاتا۔ کچھ ہی دیر میں خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ سوشل میڈیا پر ہر جگہ یہی ویڈیو، یہی الزامات!

"پلے بوائے جارج جوزف!"

"اپنے ہی محل کی نوکرانی کو برباد کر دیا!"

"یہ ہے مشہور ڈائریکٹر کا اصل چہرہ!"

جس لڑکے کا کبھی کوئی افیئر نہیں رہا، جس کی پرورش ایک شرافت کی مثال تھی، اسے اب درندہ کہا جارہا تھا۔ ہر زبان زہر اگل رہی تھی۔ وہ کرسی پر بیٹھا یہ سب دیکھتا رہا۔ لب بھینچے رہے۔ دل کی دھڑکن قابو سے باہر تھی مگر اس کے لبوں سے کوئی صفائی نہ نکلی۔ کیونکہ اندر جانتا تھا۔۔۔ غلطی اس کی تھی اور یہ صرف غلطی نہیں شاید ایک سزا تھی۔

کمرے میں خاموشی تھی مگر اس کے اندر چیخیں گونج اٹھیں۔

یہ وہ درد تھا، جو ولیم نے جھیلا تھا۔ جب اس نے ولیم کی پہچان چھینی تھی۔ اسے وہ بننے پر مجبور کیا جو وہ نہیں تھا۔ آج اسے احساس ہو رہا تھا کہ جب کسی کو وہ بنایا جائے جو وہ ہے ہی نہیں۔۔۔ تو دل کس طرح کچلا جاتا ہے۔ کوئی پوچھے جارج جوزف سے جب کوئی آپ کی پہچان، آپ کی شناخت پر وار کرتا تو کیسا محسوس ہوتا ہے!

اس نے سر جھکا لیا۔ بڑے شہزادے کا سر! جو ہمیشہ بلند رہا تھا، آج پہلی بار جھک گیا تھا۔ پیلس کی بلند و بالا دیواریں جیسے خود افسوس کر رہی تھیں۔ باہر برف تھم چکی تھی مگر اندر کی سردی ہڈیوں میں اتر گئی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ سماعت لیزا کے الفاظ سے گونج اٹھی۔

"تم برباد ہو جاؤ گے، جارج۔۔۔ تمہارے پاس کچھ نہیں بچے گا۔"

اور وہ جانتا تھا، یہ شاید آغاز تھا۔ اصل سزا ابھی باقی تھی۔

✿••✿••✿••✿

لاہور میں دسمبر کی سرد شام اپنے عروج پر تھی۔ ہوا میں ایسی کاٹ تھی کہ جیسے ہر سانس اندر جاتے ہی ہڈیوں تک چیر ڈالے۔ فلک نے بالکونی کے کونے میں رکھی نرم سی کرسی پر شال لپیٹ کر اپنے آپ کو سنبھالا ہوا تھا۔ اس کے سامنے رکھا لیپ ٹاپ، ڈھیروں کاغذ اور ڈارک اسٹارز کا بکھرا ہوا مسودہ سمیٹے ہوئے تھا۔ مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد وہ یہاں آئی تھی تاکہ تنہائی کے سائے میں اپنے خیالات کو صفحوں پر انڈیل سکے۔

پیچھے ہال کی شان و شوکت اپنی جگہ قائم تھی۔ سفید چمکتا ہوا ماربل جس پر روشنی کے عکس یخ بستہ پانی کی طرح بہہ رہے تھے۔ گول میز کے گرد رکھی دو کرسیاں، جن میں سے ایک پر وہ بیٹھی تھی اور قریب ہی اسٹیل کا آتش دان، جس میں جلتی لکڑیوں کی خوشبو ہوا کے ہر جھونکے کے ساتھ بالکونی تک آ رہی تھی۔ آگ کے شعلے وقفے وقفے سے چٹخ کر گویا اپنی سرگوشیاں سناتے تھے، جیسے سردی اور دھند کی سازشوں کے خلاف مزاحمت کر رہے ہوں۔ اس کے ارد گرد ایک پراسرار سکوت تھا۔ وہ منہمک سی کی بورڈ پر انگلیاں پھیرتی اور کبھی کبھی تھرمل مگ سے ہاٹ کافی کا گھونٹ بھر کر یخ بستہ سانسوں کو نرم کر لیتی۔ شال کے باوجود سردی اس کے جسم میں سرایت کر رہی تھی، مگر وہ اس لمحے دنیا کی سب سے مضبوط ہستی محسوس ہو رہی تھی۔ سردی، دھند اور تنہائی، کسی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے بس اپنے تخلیقی جنون میں گم۔

اسی لمحے، اس کے پیچھے کچھ فاصلے پر ایک سایہ رکا۔ وہ رئیس تھا جو محض گزر رہا تھا مگر نظر جیسے ہی فلک پر جا ٹھہری، اس کی بھنویں ناگواری سے سکڑ گئیں۔ لمحہ بھر کو ٹھہر کر اس نے اس منظر کو دیکھا۔ ایک لڑکی سرد ہوا میں بیٹھی تھی، اسکرین اور کاغذوں میں جھکی ہوئی، اور اپنی دنیا میں مست، اس کے اندر ایک تاسف، ایک عجب جھنجھلاہٹ جاگی۔

عجیب پاگل لڑکی تھی کبھی بارش میں بیٹھ کر روتی تھی تو کبھی ٹھنڈ میں بیٹھ کر لکھتی تھی۔۔۔ جیسے اپنے دکھوں کو سب سے چھپا کر دھند کے سپرد کر دیتی ہو۔

وہ آہستگی سے قریب آیا۔

"لگتا ہے تمہیں بیمار ہونے کا زیادہ شوق ہے۔"

فلک کے ٹائپ کرتی انگلیاں ساکت ہو گئیں۔ چند لمحے وہ خاموش بیٹھی رہی۔ رئیس کی موجودگی، اس کی بھاری آواز، اور اس مخصوص خوشبو کا احساس ایک دم سے اسے اپنی گرفت میں لے آیا۔

"بیمار ہو کر دوسروں کے گلے پڑنے کا۔" اس نے مزید اضافہ کیا۔

جبکہ فلک نے گہری سانس اندر کھینچی۔ شال کو اور سخت لپیٹ لیا، جیسے اپنی کمزوری کو چھپانا چاہتی ہو۔ پھر آہستہ سے پلٹ کر دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب ٹھہراؤ تھا۔

"کم از کم دکھاوہ تو نہیں کرتی۔۔۔۔"

رئیس نے اپنی بھنویں اور بھی سکیڑ لیں۔ وہ آگے بڑھا اور اس کے قریب سے گزر کر بالکونی میں آ کھڑا ہوا۔ کرسی پر بیٹھنے کے بجائے جان بوجھ کر دروازے میں رکا رہا۔۔۔ گویا اپنی موجودگی کو ایک دباؤ بنا کر رکھنا چاہتا ہو۔ باہر سے دھند بادلوں کے ٹکڑوں کی طرح اندر سرک رہی تھی، اور رئیس کی بلند قامت شخصیت ان دھندلے عکسوں میں اور بھی پر ہیبت دکھائی دینے لگی۔

"یہ ضدی پن کب ختم ہو گا تمہارا؟ اپنے آپ کو ضائع کر کے کیا ملتا ہے تمہیں؟"

فلک نے سر جھکا کر کاغذ سمیٹے، اسکرین پر لکھے الفاظ محفوظ کیے اور پھر اس کی جانب دیکھ کر گویا ہوئی۔

"شاید وہی ملتا ہے جو آپ کو دوسروں کا دل توڑ کر ملتا ہے۔"

رئیس کے چہرے پر ایک لمحے کو گہری لکیر ابھری، جیسے کسی نے پرانے زخم پر نمک چھڑک دیا ہو۔

"دل بہلانے سے دل توڑ دینا بہتر ہے۔"

فلک کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ ابھری۔

"آپ رئیس ہیں۔ آپ غرور کر سکتے ہیں۔ آپ کو حق ہے کہ لڑکیوں کا دل توڑیں۔" لڑکیوں میں شاید وہی آتی تھی۔

"آپ کے لیے تو یہ کھیل ہے، جیسے کوئی مہرہ اٹھا کر پھینک دیا جائے۔ لیکن کبھی سوچا۔۔۔ کبھی سوچا کہ یہ مہرے بھی انسان ہوتے ہیں؟"

وہ خاموش کھڑا باہر دیکھتا رہا۔ فلک کے لفظ کانٹوں کی طرح اس کے اندر پیوست ہوتے جا رہے تھے۔

"آپ غرور کر سکتے ہیں، کیونکہ آپ رئیس اور نگزیب ہیں۔ لیکن کون جانے۔۔۔ شاید اسی غرور کے پیچھے وہ کہانی چھپی ہو جو آپ نے کبھی کسی کو نہیں سنائی۔"

یہ جملہ رئیس کو بے ساختہ پیچھے دھکیل گیا۔ اس کی نظریں دھند میں کھو گئیں۔ لمحہ بھر کو ایسا لگا جیسے وہ حال سے کٹ کر ماضی میں جا گرا ہو۔ اس کی سانس بھاری ہونے لگی۔

"عجیب بات ہے نا۔۔۔ وہ کہانی کبھی کسی نے نہیں سنی؟ آپ نے اپنی طرف اٹھنے والے سارے ہی آتے جھٹک دیئے؟ کیوں؟ کیوں جھٹکتے ہیں آپ ان ہاتھوں کو؟ کیا وہ اتنے حقیر ہیں؟"

اب رئیس کے چہرے پر وہ سایہ نمودار ہوا جسے وہ برسوں سے چھپاتا آیا تھا۔ آنکھوں میں ایسا خلا تھا جو عام انسان کا نہیں ہو سکتا۔ فلک نے پہلی بار اس کی خاموشی میں وہ لرزش محسوس کی جو اس کے غرور سے بالکل برعکس تھی۔ بالکونی کے در و دیوار خاموشی سے رئیس کی سانسیں سن رہے تھے۔ وہ لمحہ تھا جب سرد ہوا بھی تھم گئی تھی، جیسے وقت نے خود کو روک لیا ہو۔

"کیونکہ میں ایک sexual Assault survivor ہوں۔" (جنسی حملے سے بچ جانے والا)

فلک نے پلکیں جھپکیں۔ اس کا جملہ، دل تک گیا۔ رئیس کے چہرے پر وہ خاموشی اور وہ گھپ اندھیرا پھیل گیا جو کسی عام قصے کا حصہ نہیں ہو سکتا۔

"میں نے اسے مارا تھا۔۔۔ منار کو۔"

فلک کے ہاتھ، کاغذوں پر جمی انگلیاں، ڈھیلے پڑ گئے۔

"اس رات کے بعد میں کبھی سو نہ پایا۔ کبھی نہیں۔ جب بھی آنکھیں بند کیں، وہی منظر۔۔۔ اس کے وہ الفاظ اور اس کی وہ آنکھیں۔۔۔ جو مرتے مرتے بھی مجھے دیکھتی رہیں۔"

وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گیا، جیسے اس یاد کی شدت اسے بالکونی کے فرش پر کھڑا رہنے نہ دے رہی ہو۔

وہ کئی مہینے اپنے حواسوں میں نہیں رہا تھا۔ وہ ہر رات ڈر کر اٹھ جاتا۔ اور پھر۔۔۔ پھر جعفر عالم مر گیا۔ اس کی لاش ایک فلیٹ سے ملی اور وہ مزید ٹوٹ گیا۔ گردیزی خاندان نے آخری وار کیا۔ اورنگزیب ٹیکسٹائل۔۔۔ جلادی۔ ہر اینٹ، ہر دھاگا۔۔۔ جلادیا۔ احمد اورنگزیب صاحب کی کمر بے طرح ٹوٹ گئی۔ یہ وہ دن تھا جب اس نے مر جانا چاہا۔ اس نے چاہا۔۔۔ سب ختم ہو جائے تاکہ وہ اس اذیت سے باہر نکل سکے لیکن اسے مرنے بھی نہ دیا گیا۔

فلک نے شال کے اندر سمٹ کر سانس روکی۔ وہ جانتی تھی کہ رئیس کے لفظوں کا بوجھ عام نہیں تھا۔ وہ انہیں کبھی نہیں اٹھا پائے گی۔

اسے اغوا کر لیا گیا۔۔۔ اغواء کرنے والا کون تھا؟ فرقان گردیزی! جو واپس لوٹ آیا تھا۔ جسے احساس ہو چکا تھا کہ وہ منار کے بنا نہیں جی سکتا۔ منار مر چکی تھی اور اس خبر نے اسے پاگل کر دیا۔ سڑکوں پر آوارہ بنا رئیس ایک رات اس کے ہاتھ لگ گیا۔۔

"تم نے منار کو مارا۔ تم نے میری محبت کو مارا۔۔۔ تمہیں لگتا ہے یہ سب کر کے کھڑے رہ پاؤ گے؟" فرقان گردیزی پاگل ہو چکا تھا۔

فلک کا دل دھڑکنے لگا۔ یوں لگا جیسے رئیس کے غرور کا خول ہر لفظ کے ساتھ چٹخ رہا ہو۔ رئیس نے ہاتھ مٹھیوں میں بھینچ لیے۔

اس رات۔۔۔رئیس کا جسم محض ایک سزا گاہ بن گیا۔اذیت دی گئی۔۔۔لیکن اصل مقصد کچھ اور تھا۔فرقان گردیزی اسے توڑنا چاہتا تھا۔ہمیشہ کے لیے۔وہ چاہتا تھا کہ رئیس دوبارہ کبھی سر نہ اٹھا سکے۔

"میں بھاگا تھا فلک۔۔۔اس رات اگر نہ بھاگتا تو کب کا مر چکا ہوتا۔لیکن سچ یہ ہے کہ اس رات وہ عام سا لڑکا۔۔۔رئیس اورنگزیب۔۔۔مر گیا تھا۔" فلک کا حلق خشک ہو گیا۔اس نے لب کھولنے چاہے مگر الفاظ نہ نکلے۔رئیس نے سر جھکا لیا۔

"جو بچا۔۔۔وہ ایک زندہ لاش تھی۔ایک جنسی زیادتی سے بچ جانا والا لڑکا۔۔۔"اس کی آواز کپکپائی۔

"میں نے خود کو اتنا بڑا کر لیا کہ کوئی ہاتھ مجھ تک نہ پہنچ سکے۔میں نے اپنی سلطنت کھڑی کی، غرور کا خول بنایا، تاکہ دنیا کو لگے میں ناقابلِ شکست ہوں۔لیکن اپنے جسم پر رینگتے وہ ہاتھ۔۔۔وہ آج بھی مجھے نیند میں جھنجھوڑتے ہیں۔"

فلک کا دل سینے میں کسی قفس کی طرح پھڑ پھڑانے لگا۔اس نے کبھی رئیس کو روح کو اتنا بے لباس، اتنا بے بس نہیں دیکھا تھا۔ایک لمحے کو وہ کچھ کہہ نہ سکی۔

ہوا مزید ٹھنڈی ہو گئی تھی۔دھند بالکونی کے فرش پر یوں بچھ گئی جیسے کسی نے سفید کفن ڈال دیا ہو اور رئیس کی آواز اس سفید خالی پن میں گونج کر فلک کی روح تک جا پہنچی تھی۔وہ لفظ "survivor" فلک کے دل پر پتھر کی طرح گرا تھا۔اس نے لمحہ بھر آنکھیں بند کر لیں۔وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کے سامنے کھڑا رئیس اورنگزیب، جو بظاہر غرور اور سنگدلی کی دیوار لگتا ہے، اندر سے کس جہنم میں جلتا رہا تھا۔

"تو یہ ہے وہ کہانی؟ وہ غرور جو آپ اوڑھتے ہیں، وہ سنگدلی جسے آپ اپنا تاج بنا کر رکھتے ہیں۔۔۔دراصل اپنی ٹوٹی ہوئی حرمت کو چھپانے کے لیے ہے؟"

رئیس کچھ نہ بولا۔۔۔جبڑے مزید بھنچ گئے۔

"کتنی عجیب بات ہے نا؟ جو دوسروں کا دل توڑنے کو اپنا حق سمجھتا رہا، دراصل خود ایک عورت کی وجہ سے پامال ہوا۔ آپ دوسروں کے زخموں پر نمک چھڑکتے رہے، مرہم بھی رکھتے رہے، لیکن کوئی نہیں جانتا تھا کہ آپ کے اپنے زخم رستے ہیں۔"

رئیس دھند میں نظریں جما کر کھڑا رہا جبکہ وہ اس کی پشت گھورتی رہی۔

"تم سوچتی ہو میں دل توڑنے کا شوقین ہوں؟ نہیں۔۔۔ میں بس بدلہ لیتا ہوں۔ ہر بار کسی کا دل توڑ کر، اپنی جانب بڑھنے والا ہاتھ جھٹک کر، میں خود کو یقین دلاتا ہوں کہ میں اب بھی زندہ ہوں۔ کہ وہ رات مجھے ختم نہیں کر سکی۔"

"لیکن کیا آپ واقعی زندہ ہیں، ؟ یا پھر اب بھی اسی رات میں قید ہیں؟"

رئیس کے لب کپکپائے۔ اس نے سر جھکا لیا۔

"میں کبھی باہر نہیں نکلا، منار کی موت نے مجھے بھی مار دیا تھا، گردیزیوں نے مجھے روند ڈالا۔ اس کے بعد۔۔۔ جو بچ گیا وہ غرور سے بنا ہے۔ میں نے اپنے ہیروں کی چمک اتنی بڑھا دی ہے کہ کوئی میرے کھنڈرات کو دیکھ نہیں سکتا۔ کوئی ان تک پہنچ نہیں سکتا۔"

فلک نے لیپ ٹاپ کی اسکرین گرا دی۔

"تو آپ کے غرور کے پیچھے دراصل خوف ہے۔ اور آپ کی سنگدلی کے پیچھے وہ کمزوری ہے جسے آپ دنیا کے سامنے ماننے کی ہمت نہیں رکھتے۔ آپ رئیس اورنگزیب ہیں، آپ کو دنیا دیکھتی ہے، آپ کے پاس تاج ہے، تخت ہے۔ لیکن اندر سے۔۔۔ آپ اب بھی وہی عام سا لڑکا ہیں جو ایک رات مر گیا تھا۔"

رئیس کے لبوں پر ایک تلخ مسکراہٹ ابھری۔

"اسی لیے میں کسی کی محبت نہیں اپنا سکتا، کیونکہ محبت مجھے منار کی طرح قید کر دیتی ہے اور میں اب کسی قید میں واپس نہیں جانا چاہتا۔"

فلک نے اس کی پشت سے نظریں نہیں ہٹائیں اس بار اس کی نظروں میں طنز کم اور دکھ زیادہ تھا۔

"لیکن آپ بھول جاتے ہیں کہ محبت قید نہیں ہوتی۔ محبت زنجیر توڑتی ہے۔ اگر آپ کو لگتا ہے کہ دل توڑ کر آپ آزاد ہیں تو یہ آپ کی سب سے بڑی غلط فہمی ہے۔ آپ آج بھی قید ہیں۔ اپنی یادوں میں، اپنے دکھوں میں، اپنے غرور میں۔"

رئیس خاموش رہا۔ دھند میں کھڑا، اپنے اندر کی راکھ کو چھپائے ہوئے۔

"دوسروں کے لیے جو وحشت ہے، وہ دراصل میرے اپنے لیے رحمت ہے۔ کیونکہ میں جانتا ہوں اگر ایک لمحے کے لیے بھی میں نے اپنا غرور اتار دیا تو ٹوٹ کر بکھر جاؤں گا۔"

کتنی عجیب بات تھی دنیا اس کو ایک جابر، ایک مغرور رئیس اور نگزیب سمجھتی تھی۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ بس ایک لاش تھا جو اپنے ماضی کے قبرستان میں دفن تھا۔

ہوا کے جھونکے نے شعلوں کو چٹخایا۔ لکڑی کی خوشبو اور دھند کے بوجھل مرغولے اس منظر کے گواہ بن گئے۔

فلک نے اپنی آنکھیں بند کیں۔ وہ جانتی تھی کہ اس لمحے رئیس کے غرور کا خول ذرا سا ٹوٹا تھا لیکن وہ یہ بھی جانتی تھی کہ یہ زخم، یہ کرب، اتنے گہرے تھے کہ شاید کبھی بھر نہ سکیں۔

بالکونی پر خاموشی طاری ہو گئی۔ دونوں کے بیچ صرف دھند تھی اور وہ بھاری ماضی جسے لفظوں میں قید کرنا بھی مشکل تھا۔

"میں ڈارک اسٹارز کی لانچ کے بعد واپس چلی جاؤں گی۔" اس نے دھیرے سے آگاہ کیا۔

"اور مجھے خوشی ہو گی جب تم اپنی زندگی میں آگے بڑھ جاؤ گی۔ نام تو تم بنا ہی چکی ہو۔۔۔" اس بات پر وہ پلٹا ایک نرم سی نظر اس پر ڈالی۔ بے وقوف مصنفہ اب اتنی بھی بے وقوف نہیں لگتی تھی۔ فلک نے نظریں سیدھی رئیس کے چہرے پر گاڑ دیں۔

"کیا کبھی آپ ماضی سے باہر نکلیں گے؟ کبھی نئی شروعات کریں گے؟"

چند لمحے خاموش رہنے کے بعد وہ ہونٹ بھینچ کر گویا ہوا۔

"میں ایک سروائیور ہوں۔ اور کچھ سچائیاں ایسی ہوتی ہیں جو انسان کو یا تو حیوان بنا دیتی ہیں یا زندہ لاش! میں شاید دونوں کے درمیان اٹکا رہ گیا ہوں۔"

اس کی کوئی نئی شروعات نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا اور پھر جن قدموں سے آیا تھا انہی قدموں سے پلٹ گیا۔ فلک کا سر جھک گیا اور بالکونی میں ٹھنڈ مزید بڑھ گئی۔

✿••✿••✿••✿

وقت تیزی سے اڑا اور اگلا منظر فلک کے گھر کا تھا۔ لاؤنج کی سفید چھت پر جھولتا فانوس مدھم روشنی دے رہا تھا۔ لاؤنج بھرا ہوا تھا مگر ہر شخص جیسے اپنی اپنی خاموشی میں قید تھا۔ باہر بارش کے بعد کی نمی ہوا میں پھیلی تھی، شیشوں پر ہلکی دھند بیٹھی تھی، اور اسٹیل کے آتش دان میں جلتی لکڑیوں کی کرچیں بار بار چٹخ رہی تھیں۔ فلک صوفے کے ایک کونے پر بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھوں کے نیچے سائے گہرے ہو چکے تھے، ہاتھوں میں اب بھی کپکپاہٹ تھی۔ وہ رئیس کی باتیں ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کر رہی تھی مگر سب کچھ اندر گھوم رہا تھا۔۔۔ منار کا جال، فجر کی صورت، رئیس کا ماضی، اور وہ اعتراف جو اب اس کے دل پر ایک نوکیلے پتھر کی طرح رکھ دیا گیا تھا۔

اس کی ماں، نگین بیگم بھاری شال اوڑھے سامنے کرسی پر بیٹھی تھیں۔ ان کے ہونٹ بار بار واہ ہوتے مگر وہ بولنے سے پہلے رُک جاتیں۔ بشارت، فخر اور وجاہت عالمگیر سبھی وہاں موجود تھے۔ بالآخر خاموشی ٹوٹی۔ فخر کی آواز گونجی۔

"یہ سب۔۔ یہ سب کھیل تھا؟ منار زندہ تھی، فجر اس کی عکاسی ہے اور ہم پھنس چکے ہیں۔"

"نہیں ہمارا اس کھیل سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ ہم واپس جا رہے ہیں کل ہی۔۔۔" بشارت بھائی نے اپنا فیصلہ سنایا۔ فلک یونہی بیٹھی رہی۔ انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست کیے جبکہ ترنم بیگم کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ جب سے منار سے ملی تھیں انہوں نے کوئی رد عمل نہیں دیا تھا۔ کوئی بات نہیں کی تھی۔ انہیں بس خاموشی لگ چکی تھی۔

"اپنا سامان باندھ لو فلک پتر! اب ہم یہاں نہیں رک سکتے۔" وجاہت عالمگیر کی آواز سنائی دی اور اس بار فلک نے سر اٹھایا۔

"ایسے کیسے واپس چلے جائیں؟ جو ہو رہا ہے کیا آپ لوگوں کو فرق نہیں پڑتا؟" اس نے حیرت سے سب کو دیکھا۔

"نہیں ہمیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ سب کیا دھرا رئیس کا ہے وہ خود دیکھ لے گا۔" بشارت بھائی پھر سے گویا ہوئے۔

"رئیس کا کیا دھرا؟ منار زندہ ہے۔ وہ مری نہیں ہے۔ رئیس اس کے قتل سے بری الزمہ ہے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ اس کا کیا دھرا ہے۔" وہ بے یقینی سے بشارت بھائی کو دیکھنے لگی۔

"دیکھو بچے! یہ جذباتی ہونے کا وقت نہیں ہے۔"

"ہاں ٹھیک کہا بھائی آپ نے۔۔۔ یہ جذباتی ہونے کا وقت نہیں ہے۔ یہ خاندان کبھی جذباتی ہوا بھی ہے؟ کیا اس خاندان نے کبھی جذبات محسوس بھی کیے ہیں؟ کیا کسی کو پتا بھی ہے رئیس نے کیا کچھ سہا ہے؟" اس کی نظریں سب سے ہوتیں احمد اور نگزیب صاحب پر آکر ٹھہر گئیں۔ وہ بھی آج اس اجلاس کے اہم رکن تھے۔

"کیا آپ کو پتا ہے دادا جی کہ آپ پوتے نے کیا کچھ سہا ہے؟" اورنگزیب صاحب کے چہرے پر گہرا ملال تھا۔

"تم اس پر یقین کرتی ہو فلک؟ کیا یہ سب محض ایک کہانی نہیں جو اس نے اپنے بچاؤ کے لیے گھڑی ہو؟" فخر نے فوراً کہا۔

"کاش یہ کہانی ہوتی۔ کاش وہ سب ایک ڈراما ہوتا۔ جس شخص نے سب کچھ کھو دیا، جو منار کے ہاتھوں قید رہا، جو گردیزی خاندان کی سازشوں میں پس گیا، اور پھر اغواء۔۔۔ تشدد۔۔۔ اور وہ سب جو اس پر بیتا۔۔۔" وہ سانس کے لیے رکی پھر ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ "ایسا زخم گھڑ کر کوئی زندہ نہیں رہ سکتا۔ وہ جیتا جاگتا ثبوت ہے۔"

"لیکن ہمارا اس سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ وہ ہم سب سے بہت اونچا ہے۔ وہ اپنا بچاؤ کر لے گا۔" بشارت بھائی پھر سے بولے۔

"آج وہ اپنا بچاؤ کر سکتا ہے مگر سالوں پہلے ابا؟" اس نے براہ راست اپنے باپ کو مخاطب کیا۔ "سالوں پہلے وہ بچہ تھا۔ خونی رشتہ تھا آپ سے۔۔۔ پھر آپ نے کیوں اتنی بے اعتنائی برتی؟"

ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ جب سالوں انہوں نے بہن کی خبر نہیں کی تو پھر بھتیجا کس گنتی میں آتا تھا؟

"بس کرو فلک! تم ہماری نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہو۔"

بشارت بھائی اس سارے معاملے سے تنگ آ چکے تھے۔ یہ سنتے ہی فلک کے چہرے پر استہزاء ابھرا۔

"جب اپنی بیٹی پر گزری تو آپ سب کو خاندان کی دوسری بیٹی کا احساس ہوا۔" اس نے ترنم بیگم کی جانب دیکھا۔

"جب اپنے بیٹے پر گزرے گی کیا تب آپ کو رئیس کے درد کا احساس ہو گا ابا؟" اس کا سوال پھر سے اپنے باپ سے تھا۔ جنہوں نے پلٹ کر کبھی خبر نہیں لی۔ چچازاد بھائی مر چکا تھا مگر اس کا بیٹا زندہ تھا۔ چچا بھی زندہ تھا پھر کیوں وہ غافل ہو گئے تھے؟

"تم اب بھی اس کی حمایت کر رہی ہو؟ تمہارا دماغ خراب ہو چکا ہے۔" بشارت بھائی غصے سے کہتے اٹھ کھڑے ہوئے۔ "مت بھولو کہ تمہارا اب اس سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔ اپنا سامان باندھو ہم واپس جا رہے ہیں۔" فیصلہ سنا دیا گیا۔ فلک کئی لمحے انہیں دیکھتی رہی جو غصہ ضبط کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں کہیں نہیں جا رہی۔۔" اس نے بھی اعلان کیا۔ "تب تک نہیں جب تک میرا کانٹریکٹ ختم نہیں ہو جاتا۔" ایک جتاتی نظر سب پر ڈالی۔

"میں صرف عالمگیر خاندان کی بیٹی نہیں میں ایک عورت بھی ہوں، انسان ہوں، اور میرا نام؟ میرا مقام؟ جو میں نے اتنی محنت سے بنایا ہے کیا آپ لوگوں کو احساس ہے؟" اس کی سانس پھول چکی تھی۔

"میں یہاں کسی اور کے لیے نہیں رکی ہوئی۔ میں یہاں اپنے لیے ہوں۔ میں خود کو چن رہی ہوں۔ اپنی ذات، کو اپنی پہچان کو، اپنے مقام کو۔۔۔ اور میرے ساتھ کوئی زبردستی نہیں کر سکتا۔"

وہ ایسے کیسے چلی جاتی۔ عالمگیر خاندان کی زبان کی اہمیت تھی تو کیا اس کی زبان کچھ بھی نہیں؟ کیا وہ انسان نہیں؟

"فلک تم۔۔۔" بشارت غصے سے اس کی جانب بڑھے مگر فخر آگے بڑھ کر انہیں تھام چکا تھا۔

"تم نے جو کہا ہم نے وہ سب کیا۔ اب کیوں ہماری ناک کٹوانا چاہتی ہو؟ عمر دیکھی ہے اپنی! ستائیس کی ہونے والی ہو اور ابھی تک شادی نہیں ہوئی۔ تم جانتی ہو روز کتنے سوال اٹھتے ہیں ہم پر؟" وہ دانت بھینچے بولتے رہے جبکہ فلک یونہی کھڑی رہی۔

"میری شادی کی فکر کرنے کی ضرورت آپ کو نہیں ہے۔ یہ فیصلہ ابا جی کریں گے اور تب ہی کریں گے جب میں انہیں کہوں گی۔ آپ میری فکر چھوڑ دیں۔" یہ سنتے ہی بشارت بھائی کا چہرہ مزید سرخ پڑا۔ وہ فخر سے خود کو چھڑاتے

آگے بڑھے اور پھر چٹاخ کی آواز ابھری۔۔۔ایک زوردار تھپڑ فلک کے چہرے پر پڑ چکا تھا جو اسکے گال پر نشان چھوڑ گیا۔

گال پر ابھرنے والی جلن کے ساتھ ساتھ دل میں درد اٹھا تھا جسے فلک نے آنکھیں میچ کر ضبط کیا۔

"بشارت۔۔۔اپنے ہاتھ قابو میں رکھو۔۔۔" وجاہت عالمگیر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"آپ اسے نہیں دیکھ رہے اباجی؟ یہ کیسے اپنی من مانی کرتی جا رہی ہے؟ یہ کیسے ہمارے ہاتھوں سے نکلتی جا رہی ہے۔اسے آزادی دی ہے مگر اسکا مطلب یہ نہیں کہ یہ اسکا غلط فائدہ اٹھائے۔کل کو کوئی بات ہو گئی تو۔۔۔"

"میں نے ایسا کچھ غلط نہیں کیا جس سے آپ سب پر انگلیاں اٹھیں۔میں نے آپ سب کا نام روشن کیا ہے اس پر کالک نہیں ملی۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔آنسو روکنے کی بھرپور کوشش کی جا رہی تھی۔

"فلک عالمگیر! یہ نام مجھے خاندان نے دیا مگر اسے بنایا میں نے ہے اور میں یہ حق رکھتی ہوں کہ اپنی زندگی کا فیصلہ خود کر سکوں اور اس کی اجازت مجھے میرے اللہ نے دی ہے۔" وہ ایک تیز جلتی ہوئی نظر سب پر ڈال کر سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔

وہ کچھ غلط نہیں کر رہی تھی پھر سزا کیسی؟ ایک گھر ہی تو بنایا تھا اس نے پھر اسے کیسے چھوڑ دیتی؟

لاؤنج ایک بار پھر خاموش ہو گیا۔صرف لکڑیوں کے جلنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ہر چہرے پر ایک الگ فیصلہ، ایک الگ سوال تھا۔ترنم بیگم جانتی تھیں کہ یہ خاموشی طوفان سے پہلے کا سکوت تھی۔منار کی اصلیت، رئیس کا راز، اور خاندان کی بکھری سانسیں، سب مل کر ایک نئے موڑ کی طرف اشارہ کر رہی تھیں۔

✿••✿••✿••✿

شام کی سرخی اب گہری نیلاہٹ میں بدل چکی تھی۔ باہر کی بارش تھمے دیر ہو چکی تھی، مگر ہوا میں اب بھی ٹھنڈی نمی اور کچی مٹی کی ہلکی خوشبو تھی۔ فلک اپنے کمرے کی کھڑکی سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے پر پڑا تھپڑ کا نشان اب صرف ایک سوجن کی صورت میں موجود تھا، لیکن دل پر لگا زخم ابھی تازہ تھا۔ آنکھیں رونے سے سوجھی ہوئی تھیں، لیکن ان میں ایک نئی سختی، ایک مضبوط فیصلہ ابھر چکا تھا۔ وہ اپنے لیے خود کو چُن چکی تھی۔ دروازہ آہستہ سے کھلا اور فخر اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک ٹرے تھی جس پر کھانا رکھا تھا۔ وہ کمرے کی خاموشی کو توڑے بغیر احتیاط سے ٹرے سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر مڑا۔ فخر کا چہرہ بھی تھکا ہوا اور پریشان تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک کشمکش تھی۔ خاندان کی روایتوں کا بوجھ اور اپنی بہن کے لیے محبت کا احساس۔

فخر اس کے سامنے زمین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ ایک لمحے کی خاموشی رہی، پھر فخر نے آہستگی سے فلک کا ہاتھ تھاما۔

"مجھے معاف کر دینا فلک۔ میں نہیں روک سکا بشارت بھائی کو۔" اس نے تاسف سے کہا۔ فلک نے سر ہلایا۔ اس کی آواز اب بھی بھرائی ہوئی تھی، لیکن اس میں اب چیخنے کی بجائے دھندلی پختگی تھی۔

"آپ قصوروار نہیں ہیں۔ یہ خاندان کی دہائیوں کی گھُٹی ہوئی گھٹن تھی جو آج پھوٹ نکلی۔ میرا قصور اتنا ہے کہ میں نے اپنے لیے آواز بلند کی۔"

فخر نے آہ بھری اور کمرے کے مدھم ماحول میں اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"اگر مون سینگ جی (Moon Sang Tae) پر مون سینگ جی کا حق ہے تو فلک عالمگیر بھی فلک عالمگیر کی ہے۔" اس نے اپنے آنسوں بے دردی سے رگڑ ڈالے۔

(مون سینگ جی ایک کوریئن ڈرامہ 'it's okay to not be okay' کا کردار ہے جو کہتا ہے اس پر صرف اسکا حق ہے۔)

فخر کئی لمحے اسے دیکھتا رہا پھر آہستہ سے گویا ہوا۔

"تم نے ایک بار کہا تھا کہ مرد ذات عورتوں کو نہیں سمجھ پاتے، شاید تم اس وقت ٹھیک کہتی تھیں۔ میں۔۔۔ جب سے یہ سب ہوا ہے، میں نے پہلی بار خود کو تم سے، پھوپھو سے، اور یہاں تک کہ فجر اور منار کے غم سے جوڑنے کی کوشش کی ہے۔ میرا دماغ کہتا تھا کہ تمہیں سب چھوڑ کر واپس جانا چاہیے، یہ ہماری روایت ہے، مگر آج مجھے احساس ہوا کہ تم صحیح ہو۔ تم کوئی جائیداد نہیں ہو، نہ کوئی معاہدہ، نہ کوئی وعدہ۔ تم انسان ہو، فلک عالمگیر ہو۔ تم اپنے لیے بنی ہو۔"

فلک نے نم آنکھوں سے فخر کو دیکھا۔ برسوں کی گھٹن، محبت اور بغاوت کے بیچ فخر کا یہ اعتراف اس کے لیے ایک تازہ ہوا کا جھونکا تھا۔

"ابا جی اور بشارت بھائی، دونوں غصے میں ہیں۔ وہ سب کل صبح جا رہے ہیں۔ انہوں نے سب کو یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اگر تم نے یہاں رہنے کی کوشش کی، جانے سے انکار کیا تو۔۔۔" فخر کہتے کہتے رُک گیا۔

"تو کیا؟" فلک نے بے تابی سے اسے دیکھا۔

"تو وہ تم سے سارے رشتے توڑ لیں گے اور مجھ سے بھی۔۔۔ انہیں غصہ ہے کہ میں تمہارا ساتھ دے رہا ہوں اور وہ۔۔۔ وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ تمہارے اس فیصلے کے پیچھے صرف اور صرف رئیس ہی وجہ ہے۔" فخر کی آنکھوں میں گہری تشویش تھی۔ "وہ سوچ رہے ہیں کہ تم یہ سب اس کے لیے کر رہی ہو، اس سے متاثر ہو کر۔"

فلک کا چہرہ اس بات پر سرخ ہوا۔ وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی۔

"میں جھوٹ نہیں بولوں گی۔ ہاں، رئیس اور اس کا قصہ میرے دل پر ایک بوجھ بن چکا ہے۔ اس کے درد نے مجھے انسان ہونے کا احساس دلایا، جو ہم خاندان والے شاید بھول چکے تھے۔ لیکن۔۔۔"

اس نے بوجھل سانس لی، اور فخر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اپنی بات مکمل کی۔

"لیکن میں صرف اس کے لیے نہیں رُکی ہوں۔ میں یہاں کسی فرد کے لیے نہیں، اپنے اس مقام کے لیے، اپنے اس گھر کے لیے، اپنے 'ہونے' کے لیے رُکی ہوں۔ اگر رئیس کی کہانی نہ بھی ہوتی، اور مجھے واپس جانا پڑتا، تب بھی میں اپنے کام اور اپنے خواب کو چُنتی۔ میں نے وہ کانٹریکٹ اپنی پہچان کے لیے سائن کیا تھا، نہ کہ کسی کے بچاؤ کے لیے۔ یہ میرا امیدانِ عمل ہے۔ یہ میرا فیصلہ ہے۔"

فخر کے چہرے پر اطمینان کی ایک لہر دوڑ گئی۔ وہ بہن کو ایک نئے زاویے سے دیکھ رہا تھا۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔" فخر نے گہرا سانس لیا، اس کے ہاتھ کو چھوڑا اور ٹیبل پر رکھے کھانے کو فلک کے قریب کیا۔

"تم یہ سب صرف اپنے لیے کر رہی ہو، اور میں یہی سننا چاہتا تھا۔" اس نے اپنا سر جھکا کر کہا۔ "اب سنو، میری بات۔ اگر تم کل کو اٹھ کر کہتی ہو کہ میں یہاں رئیس کے لیے رکی ہوں، تو میں آج ہی سارا سامان باندھ کر تمہیں زبردستی واپس لے جاؤں گا۔ تمہارا اور میرا رشتہ خاندان کی بیٹی ہونے پر منحصر نہیں، فلک، تم چھوٹی بہن ہو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

"لیکن۔۔۔" فلک تڑپ اٹھی۔

"لیکن کچھ نہیں۔ تم میرا چُناؤ ہو۔ خاندان میرے چُناؤ پر ناراض ہے، تو ہوں! ابا جی بھی ناراض ہیں، تو سہی! جب انہوں نے سالوں پہلے اپنی بہن کو اس لیے چُننے سے انکار کر دیا کہ انہوں نے اپنے لیے اسٹینڈ لیا تھا، تو میں بھی ان کا بیٹا ہوں۔ اگر میری بہن اپنی زندگی چُنتی ہے، اور خاندان اس پر سوال اٹھاتا ہے، تو میں بھی اپنے اصول چُن رہا ہوں۔ تم اپنا بچاؤ کر رہی ہو، اور میں تمہیں چُن رہا ہوں کیونکہ میں بھی فخر عالمگیر ہوں۔"

فخر نے ایک عجیب سے عزم اور محبت کے ساتھ کہا۔

فلک کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ یہ آنسو اس تھپڑ کے درد کے نہیں تھے، نہ ہی اپنوں کی بے اعتنائی کے۔ یہ اس اعتراف کے تھے جس نے اسے احساس دلایا کہ وہ بالکل اکیلی نہیں ہے۔

"شکریہ۔۔۔" اس نے بمشکل کہا۔

فخر نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ "اب یہ کھانا کھالو۔ تم کمزور ہو جاؤ گی تو رئیس کا بچاؤ کیسے کر پاؤ گی؟ اور۔۔۔ کیا کہا تم نے، کہ ہمارا نام روشن کیا ہے، کالک نہیں ملی؟ ہاں تمہاری یہ جرات، تمہارا یہ اعتماد، یہ ہی تمہارے نام کو چمکائے گا۔ میرے نزدیک تو یہی حقیقت ہے۔"

فخر اٹھا اور فلک کے سر پر بوسہ دیا۔

"تم اپنا خیال رکھنا۔ میرا مزید کوئی سوال نہیں ہے۔ میں صبح تک باہر رہوں گا لیکن تمہارا گھر یہاں ہی ہے۔ مجھے پتا ہے، تم یہیں رہو گی۔"

فخر دروازے تک پہنچا، پھر رُک کر مڑا۔ "اور فلک۔۔۔ جب یہ سب ختم ہو جائے، تب بھی خود کو مت بھولنا۔ خود کو چُنتے رہنا۔ تم اہم ہو۔ بہت اہم۔"

وہ کمرے سے نکل گیا۔ فلک وہیں بیٹھی رہی۔ اس کے سامنے پڑی روٹی اور سالن کو اس نے غور سے دیکھا۔ ایک نیا عزم اس کے دل میں جگمگا رہا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کی لڑائی اب ایک نئے مرحلے میں داخل ہو چکی تھی۔ یہ صرف رئیس، منار یا گردیزی خاندان کی سازش کا معاملہ نہیں تھا۔ یہ اب فلک عالمگیر بمقابلہ عالمگیر خاندان کی روایات کا امتحان تھا۔ اور اس کی طاقت، اس کا بھائی، اب اس کے ساتھ تھا۔

✿••✿••✿••✿

شادی: ایک زہر خوردہ مکالمہ

”میں ستائیس برس کی ہونے والی ہوں۔ عمر کی اس دہلیز پر آکر ایک عورت کو سب سے زیادہ جو سوال سننے کو ملتا ہے وہ یہی ہے۔

”اب تک تمہاری شادی کیوں نہیں ہوئی؟“

یہ سوال کسی تعارف کا پہلا جملہ بن جاتا ہے، خاندان کے ہر اجتماع کی گونج، ہر ملاقات کی پرچھائی۔ جیسے کسی عورت کی زندگی کا حاصل یہی ہو کہ وہ ایک دن کسی کے نام منسوب کر دی جائے۔ میں اکثر سوچتی ہوں: کیا واقعی شادی ایک وقت کے تعین کے ساتھ پیدا ہونے والا رشتہ ہے؟ کیا یہ گھڑی کی سوئیوں کا محتاج ہے؟

ہماری معاشرت میں شادی کو مقدس ادارہ مانا جاتا ہے، اور یہ سچ ہے کہ یہ رشتہ انسان کی زندگی کو سنبھالتا ہے، لیکن المیہ یہ ہے کہ ہم نے اسے اتنا بھاری بوجھ بنا دیا ہے کہ عورت کی اپنی ذات، اس کے خواب، اس کی پہچان سب پسِ پشت ڈال دیے جاتے ہیں۔ ایک لڑکی کی عمر جیسے ہی بیس کے ہندسے کو چھوتی ہے، رشتوں کی تجویزیں آنے لگتی ہیں۔ بیس سے پچیس تک نہ ہو تو خاندان کی پیشانیوں پر بل پڑنے لگتے ہیں۔ اور اگر تیس کے قریب پہنچ جائے تو گویا وہ **”خطرے کی لکیر“** پر کھڑی ہے۔

لیکن کیا شادی کا فیصلہ صرف عمر کے حساب سے ہونا چاہیے؟

کیا ایک لڑکی کے خواب، اس کے کیریئر، اس کی ذہنی پختگی، اس کے زخم بھرنے کا وقت کوئی معنی نہیں رکھتے؟ کبھی ہم رشتے خود نہیں ٹھکراتے، حالات ٹھکرا دیتے ہیں۔

کبھی سامنے والا ساتھ دینے کا دعویٰ کرتا ہے مگر وقت آنے پر ہاتھ چھوڑ دیتا ہے۔ کبھی ایک رشتہ اپنے اندر اتنی تلخی گھول دیتا ہے کہ اگلا قدم اٹھانے کے لیے انسان کو سالوں درکار ہوتے ہیں۔ یہ سب حقائق ہیں۔ ہم سب اپنی زندگی

کے کسی نہ کسی موڑ پر ان سے گزرتے ہیں۔ لیکن معاشرہ یہ نہیں دیکھتا کہ ایک انسان کیوں تیار نہیں تھا، یا کیوں اس نے انکار کیا۔ وہ صرف ایک ہی جملہ دہراتا ہے، **"ابھی تک تمہاری شادی کیوں نہیں ہوئی؟"**

شادی کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ وہ زہر ہے جو ایک ناکام تعلق یا کسی دھوکے سے ہمارے اندر سرایت کر جاتا ہے۔

کبھی یہ زہر ایک ٹوٹے رشتے کی شکل میں ہوتا ہے، کبھی کسی ٹراما کی صورت، کبھی کسی ایسے دھوکے میں جو انسان کی اپنی شناخت کو ہی نگل لیتا ہے۔ ایسے وقت میں کسی عورت کو مزید دباؤ میں دھکیلنا گویا اس کے زخموں پر نمک چھڑکنے کے مترادف ہے۔ ہم بھول جاتے ہیں کہ وقت ہر انسان کا سب سے بڑا علاج ہے۔ لیکن ہمارے معاشرے میں صبر کم اور فیصلے زیادہ بانٹے جاتے ہیں۔"

زہر خوردہ پری میں آج ایک اور موضوع کا اضافہ ہو چکا تھا اور آج پھر اس کی انگلیاں کی بورڈ پر تیزی سے پھسل رہی تھیں۔

"میرا سوال یہ ہے۔ کیا لڑکی پہلے اپنی پہچان نہیں بنا سکتی؟

کیا وہ اپنے خوابوں کو حقیقت میں بدلنے کا حق نہیں رکھتی؟

کیا وہ اپنی صلاحیتوں سے دنیا میں جگہ نہیں بنا سکتی تاکہ جب وہ کسی کا ہاتھ تھامے تو اعتماد کے ساتھ تھامے، کمزوری کے ساتھ نہیں؟

ہم کیوں بھول جاتے ہیں کہ شادی ایک ساتھ چلنے کا رشتہ ہے، سہارا دینے کا تعلق ہے۔ اگر عورت خود اپنی بنیاد کو مضبوط نہ کر سکے تو وہ کسی کا سہارا کیسے بنے گی؟

عورت کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی زندگی کو اپنی شرائط پر جیے۔ اگر وہ چاہے تو بیس برس میں شادی کرے، اگر چاہے تو تیس برس کے بعد کرے۔ اگر وہ چاہے تو کبھی نہ کرے۔ یہ فیصلہ اس کے ہاتھ میں ہونا چاہیے، معاشرے کے نہیں۔

لیکن بد قسمتی یہ ہے کہ ہمارا معاشرہ عورت کو اپنی ذات کے بجائے ایک بوجھ سمجھتا ہے۔ جیسے وہ صرف کسی اور کے گھر کی زینت بننے کے لیے پیدا ہوئی ہو۔ شادی زندگی کا ایک جزو ہے، لیکن یہ زندگی کا حاصل نہیں۔ یہ ایک سفر ہے، لیکن یہ منزل نہیں۔ عورت کی پہچان اس کے رشتے سے نہیں، اس کی ذات سے ہونی چاہیے۔

میں ستائیس برس کی ہوں۔ شاید کل سب پوچھیں۔ **"ابھی تک تمہاری شادی کیوں نہیں ہوئی؟"**

اور میں ہنس کر کہوں گی۔ "کیونکہ میں ابھی تک اپنی پہچان بنا رہی ہوں۔ کیونکہ جب میں کسی کا ہاتھ تھاموں گی تو یہ جان کر تھاموں گی کہ میں نے خود کو جھٹلایا نہیں بلکہ ایک انسان کو اپنایا ہے۔ میں یہ جان کر تھاموں گی کہ اب میں مخلص ہوں۔ میں یہ جان کر تھاموں گی کہ ہاں اب میں تیار ہوں۔ لیکن کیا آپ تیار ہیں؟"

✿••✿••✿••✿

پیلس کی اونچی محرابوں والے لاؤنج میں خاموشی اپنی پوری رعنائی سے قائم تھی۔ باہر برف مسلسل برس رہی تھی اور کھڑکیوں کے پار سفید گالوں کی تہہ زمین پر بچھتی گئی۔ درختوں کی عریاں شاخیں بوجھ کے نیچے جھک کر ایک بے بسی کی تصویر بنی کھڑی تھیں۔ اندر بھاری آتش دان میں آگ جل رہی تھی، جس کی سنہری روشنی سرمئی اور بھوری دیواروں پر لرزتے سائے ڈال رہی تھی۔

اس سکوت میں صرف ایک آواز گونج رہی تھی۔ اخبار کے اوراق پلٹنے کی۔ مسٹر جوزف اپنی مخصوص کرسی پر نیم دراز بیٹھے تھے۔ سیاہ بالوں کے بیچ چمکتی ہوئی پیشانی اور آنکھوں پر ٹکی عینک کے پیچھے ایک سکون بھری سنجیدگی تھی۔ ان کی انگلیاں پر سکون انداز میں اخبار کے صفحے پلٹ رہی تھیں، جیسے دنیا میں کوئی طوفان اٹھا ہی نہ ہو۔

لیکن سیڑھیوں کے کنارے پر قدموں کی آہٹ نے ماحول کی فضا بدل دی۔ جارج نیچے اتر رہا تھا۔ ہر قدم کے ساتھ اس کے کندھے مزید جھک رہے تھے۔ اس کے چہرے پر ایسی مردنی چھائی تھی جیسے وہ ایک لمحے میں برسوں کا سفر طے کر آیا ہو۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے، ہونٹ خشک، اور نگاہوں میں خوف اور تھکن کی ملی جلی جھلک۔

وہ نیچے پہنچ کر رک گیا۔ سامنے مسٹر جوزف کو دیکھا، ابھی بھی اخبار میں گم، جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ اس کے دل کی دھڑکن بے قابو ہو گئی۔ لمحہ بھر کو وہ بچپن میں لوٹ گیا، جب کوئی غلطی کرنے پر باپ کے سامنے کھڑا ہو کر اسے لگتا تھا زمین پھٹ جائے۔ آج بھی ویسا ہی لگ رہا تھا۔ مسٹر جوزف کی کرسی کے پیچھے دیوار پر ٹنگی ان کی وہ ڈریکولا جیسی تصویر، اپنی ہیبت لیے اسے دیکھ رہی تھی۔ قریب پہنچ کر آخر کار اس نے لب کھولے۔

"ڈیڈ۔۔" اس کی آواز بھاری تھی۔ "مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔"

مسٹر جوزف نے اخبار کے کونے کو ہلکا سا موڑا مگر نظریں نہ اٹھائیں۔

"سن رہا ہوں۔"

جارج نے گہری سانس کھینچی۔

"آپ نے دیکھا نا۔۔۔ جو کچھ ہو رہا ہے۔۔۔ ویڈیو، خبریں، لوگوں کی باتیں۔۔۔ پورا میڈیا میرے خلاف ہے۔ آپ کچھ نہیں کہیں گے؟ نہ غصہ کریں گے، نہ سوال؟"

مسٹر جوزف نے اخبار سے نظریں ہٹائے بغیر صفحہ پلٹا۔

"غصہ؟" ان کی آواز پر سکون مگر گہری تھی۔ "غصہ تو اس پر آتا ہے جس سے توقع نہ ہو اور وہ دھوکہ دے۔ میں نے تمہیں ہمیشہ لڑنا سکھایا ہے، جارج! حالات چاہے جتنے بھی کڑے ہوں۔ ایک جوزف کبھی جھکتا نہیں۔ مجھے یقین ہے تم اسے ہینڈل کر لو گے۔"

یہ سن کر جارج پل بھر کو ساکت رہ گیا۔ اسے لگا تھا کہ مسٹر جوزف اس پر برہم ہوں گے۔ ایک بار پھر اسے بزدل کہیں گے مگر نہیں۔۔۔۔ آج انہیں یقین تھا وہ ہینڈل کر لے گا۔

"مگر ڈیڈ۔۔۔ میری وجہ سے آپ پر انگلیاں اٹھ رہی ہیں۔ پورا معاشرہ آپ کو قصوروار ٹھہرا رہا ہے کہ آپ نے مجھے قابو میں نہیں رکھا۔ میں۔۔۔ میں شرمندہ ہوں۔"

اب مسٹر جوزف نے پہلی بار اخبار تہہ کیا اور میز پر رکھ دیا۔ ان کی گہری آنکھیں سیدھا جارج کے اندر تک اتر گئیں۔

"شرمندگی انسان کو توڑ دیتی ہے، مگر احساسِ غلطی اسے مضبوط بناتا ہے۔ ہاں، تم نے غلطی کی ہے۔ ایک لمحے کی کمزوری تھی مگر کمزوری کو کمزوری تبھی کہا جاتا ہے جب اسے تسلیم کیا جائے۔ باقی دنیا کے لیے وہ جرم ہے۔"

جارج نے سر جھکا لیا، جیسے ہر لفظ اس کی ہڈیوں میں چبھ گیا ہو۔

"میں جانتا ہوں۔۔۔ اور اس کا بوجھ میں اپنی زندگی بھر اٹھاؤں گا۔"

یہ سنتے ہی مسٹر جوزف کی آواز میں سختی آ گئی۔

"بوجھ اٹھانا کافی نہیں، جارج! تمہیں ثابت کرنا ہو گا کہ تم اس بوجھ کے نیچے دبنے کے بجائے اس سے اوپر اٹھ سکتے ہو۔ تمہاری وجہ سے آج میرا نام، میرا وقار داؤ پر ہے۔ مگر مجھے یقین ہے کہ یہ انگلیاں تم خود جھکاؤ گے اور میں نے تمہیں بوجھ اٹھانے کے لیے پیدا نہیں کیا۔"

لاؤنج میں خاموشی چھا گئی۔ آگ کے شعلے بھڑکے اور روشنی جارج کے جھکے ہوئے چہرے پر لہر سی ڈال گئی۔ اس کے اندر ایک عجیب سا کرب تھا، مگر ساتھ ہی ایک فیصلہ بھی جنم لے رہا تھا۔ اس نے دھیرے سے جواب دیا۔

"میں کوشش کروں گا، ڈیڈ۔۔۔ میں سب ٹھیک کروں گا۔"

مسٹر جوزف نے کرسی کی پشت پر سیدھے ہو گئے۔

"کوشش نہیں، یقین چاہیے۔ یہ وہ امتحان ہے جس میں اگر تم گرے تو پھر جوزف نام کبھی سر نہیں اٹھا سکے گا۔"

جارج نے گہری سانس لی، جیسے اپنے اندر طاقت بھرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اس کی آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی مگر اس نے پلکیں جھپکا کر چھپالی۔

"جی، ڈَیڈ!"

وہ دھیرے دھیرے مڑنے لگا۔ قدم جیسے بھاری پتھروں میں ڈھلے ہوں۔ لیکن کچھ دور چلا ہی تھا کہ مسٹر جوزف کی آواز دوبارہ ابھری۔۔۔ اس بار پہلے سے کہیں نرم، کہیں زیادہ باپ کی سی۔

"جارج۔۔۔"

وہ رکا، پلٹا۔ مسٹر جوزف کی آنکھوں میں ایک ان کہی ملال کی چمک تھی۔

"تم میرے بڑے بیٹے ہو! مجھے تم پر فخر ہے لیکن اگر تم یہ سب ٹھیک نہ کر پائے تو میں تمہیں اٹھا کر باہر پھینک دوں گا۔"

یہ سنتے ہی جارج منہ بھینچے ہنس دیا۔ آنکھوں میں نمی ابھر آئی۔ پوری زندگی اس نے یہی تو سننا چاہا تھا۔ اتنا تو وہ جانتا تھا کہ اسکا باپ ایک روایتی باپ نہیں تھا۔ وہ کبھی اپنے محبت کا برملا اظہار نہیں کر سکتا تھا۔ وہ سونے کا نوالہ کھلا کر شیر کی نظر رکھتا تھا۔

"میں سب ٹھیک کر دوں گا۔" اس نے لب بھینچے، مسکراہٹ اور آنسوں روکتے کہا۔ بھاری اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ چند منٹ کی خاموشی چھا گئی پھر مسٹر جوزف کی آواز سنائی دی۔

"خود کو وہ سزا مت دینا۔۔۔ جو میری ہے۔"

ان کے الفاظ پر جارج الجھ گیا۔

"جینی۔۔۔"

جینی کا نام سنتے ہی جارج کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔

"تم جانتے ہو میں نے اپنی زندگی میں سب کچھ پالیا مگر ایک سچی محبت کو تھام نہ سکا۔ وہ میری سزا ہے۔ تم اسے اپنے حصے کی سزا مت بناؤ۔ تم ایک اچھے پارٹنر کے حقدار ہو۔۔۔ اور اگر تم نے اس موقع کو ضائع کیا تو یاد رکھنا، یہ زخم زندگی بھر نہیں بھریں گے۔"

جارج کا دل زور سے دھڑکا اور سینے میں ہی ساکت ہو گیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے کئی مناظر گھومنے لگے۔ جینی کی وہ ہنسی، وہ سوال بھری نظریں، وہ نرمی جو اس کے اندر کی سختیوں کو توڑ دیتی تھی

اس نے دھیرے سے سر جھکا لیا۔

"جی، ڈیڈ۔۔۔"

لاؤنج میں پھر سکوت پھیل گیا۔ وہ آہستہ آہستہ سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے قدم بھلے ہی لڑکھڑا رہے تھے مگر دل میں ایک نیا عزم جنم لے چکا تھا۔

مسٹر جوزف کرسی پر بیٹھے دیر تک جلتی آگ کو دیکھتے رہے۔ آگ کے شعلے جیسے ان کی آنکھوں کی تھکن، ان کے دکھ اور ان کے فخر کو ایک ساتھ منعکس کر رہے تھے۔ باہر برف مسلسل گر رہی تھی، مگر اندر اس لمحے ایک باپ اور بیٹے کے بیچ کہی گئی باتیں آنے والے وقت کی بنیاد بنتی گئیں۔

جوزف پیٹرسن! وہ شخص جس نے محبت کو اپنے ہاتھوں سے گنوایا۔

✿••✿••✿••✿

کانفرنس ہال میں روشنیوں کا سیلاب تھا۔ ہر نیوز چینل کی وین باہر کھڑی تھی، اندر ہر طرف کیمروں کا جنگل، رپورٹرز کی چیئرز پر بے چینی، اور ہر ایک کے ہونٹوں پر ایک ہی سوال۔

"لیزا نے آخر کار جارج جوزف پر الزام لگا ہی دیا اب وہ سب کچھ کھل کر بتائے گی یا نہیں؟"

اسٹیج پر، درمیان میں رکھی کرسی پر، لیزا بیٹھی تھی۔ اونی اوور کوٹ اور چہرے پر بناوٹی تھکن۔ یہ پریس کانفرنس ایک آخری وار تھا جو اس نے میڈیا کے اصرار پر رکھی تھی۔ وہ بار بار ٹشو سے آنکھیں صاف کرتی، پھر پانی کا گلاس اٹھاتی جیسے ہر گھونٹ اس کی ٹوٹی ہمت کو سہارا دے رہا ہو۔ اس کے سامنے اسٹیج پر کئی مائیک رکھے تھے۔

پہلا رپورٹر مائیک بڑھا کر بولا۔

"مس لیزا! آپ نے دعویٰ کیا ہے کہ جارج جوزف نے آپ کو استعمال کیا ہے ہمیں حقیقت جاننے دیں، آخر اس نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟"

لیزا نے ایک لمبی آہ بھری، جیسے دل کا بوجھ اتارنا چاہتی ہو۔

"میں یہ سب نہیں کرنا چاہتی تھی۔۔۔ مگر مجبوری ہے۔ اس نے مجھے خواب دکھائے، سہارا دیا اور پھر جب میں اس پر انحصار کرنے لگی، اس نے میرا ساتھ چھوڑ دیا۔"

کیمروں کے فلیش تیزی سے جلنے لگے۔

"کیا آپ یہ کہہ رہی ہیں کہ وہ آپ کے ساتھ رومانوی تعلق میں تھا؟"

لیزا نے نظریں جھکا کر مصنوعی لرزتی آواز میں جواب دیا۔

"ویڈیو تو آپ سب دیکھ ہی چکے ہیں۔ میں اتنا کہوں گی کہ اس نے مجھے یقین دلایا تھا کہ میں اس کی زندگی میں سب سے اہم ہوں۔ لیکن پھر۔۔۔ جب اس کی تنہائیاں مٹ گئیں وہ مجھے تنہا چھوڑ گیا۔"

ہال میں سرگوشیاں بڑھنے لگیں۔ کچھ لوگ نوٹ بنا رہے تھے، کچھ ایک دوسرے کو دیکھ کر آنکھوں کے اشارے دے رہے تھے۔

اسی دوران، دروازہ کھلا اور ایک لڑکی اندر داخل ہوئی۔ سادہ پینٹ شرٹ، کوٹ، گردن کے گرد اسکارف اور آنکھوں پر سیاہ چشمہ۔ وہ بھیڑ میں گھل مل گئی اور ایک جانب آکر بیٹھ گئی۔

لیزا نے سانس بھری اور اگلا جملہ پھینکا۔

"جارج جوزف نے میرا وقت، میرا اعتبار سب ضائع کیا۔ اس نے میرا دل توڑا اور مجھے اس مقام پر لایا کہ میں دنیا کے سامنے روتی پھر رہی ہوں کیوں؟ میں ایک باورچن کی بیٹی ہوں صرف اس لیے؟ ہمارے ہاتھ کا بنا کھانا تو کھا سکتے ہیں یہ جوزف مگر ہم سے رشتہ نہیں جوڑ سکتے۔ کیا یہ کھلا تضاد نہیں ہے۔"

اسی لمحے ایک پرسکون مگر مضبوط آواز گونجی۔

"کیا واقعی یہ سب سچ ہے؟ کیا تمہاری ماں تمہارے اس ڈرامے پر ناخوش نہیں ہیں؟"

سب کی گردنیں مڑ گئیں۔ لیزا چونک کر دیکھنے لگی۔ وہ لڑکی جس کا چہرہ چھپا ہوا تھا وہ میڈیا سے تو نہیں لگ رہی تھی۔

"جی۔۔۔؟ آپ کون ہیں؟" پہلی سی گھبراہٹ اس کے چہرے پر ابھری۔ اس کی ماں صوفی تو اس سب کے خلاف تھی اور ابھی تک میڈیا سے دور تھی۔ پھر اسے کیسے پتا چلا؟

جینی نے آہستگی سے چشمہ اتار کر بالوں میں جما لیا۔

"میں صرف ایک سوال کرنے والی ہوں۔ تم کہہ رہی ہو کہ جارج نے تمہیں استعمال کیا؟ لیکن ویڈیوز تو تم نے بنائیں۔ اور یقیناً اس کے علاوہ تمہارے پاس کچھ اور قابل اعتراض ویڈیوز بھی ہوں گی؟ کچھ اور لمحوں کو آپ نے قید کیا ہو گا؟ تو پھر وہ کہاں ہیں؟ اور آپ نے ابھی تک جارج کے خلاف کیس فائل کیوں نہیں کیا؟"

لیزا کے چہرے پر ایک لمحے کو پسینہ جھلکا، پھر وہ سنبھل گئی۔

"میں نے۔۔۔ میں نے اس سے محبت کی ہے۔۔۔ لیکن وہ اپنی محبت سے مکر گیا۔۔۔"

"کیا تمہارے پاس کوئی ثبوت ہے؟ کوئی خط؟ کوئی ریکارڈ؟ کوئی گواہی؟ اس ویڈیو کے علاوہ کوئی اور ثبوت؟"

کیمرہ کی فلیش لائٹس کبھی جینی تو کبھی لیزا پر پڑنے لگیں۔ ہال میں سرگوشیاں گونج اٹھیں۔

"میں ثبوت نہیں ڈھونڈتی، میں رشتے ڈھونڈتی ہوں۔ اور اس نے رشتہ توڑا ہے۔ اس نے میرا استعمال کیا ہے۔ کیا یہ ویڈیو کافی نہیں؟" وہ دبا دبا سا ہنس غرائی۔

میڈیا کی ہلچل بڑھ گئی۔ کچھ رپورٹرز نے لیزا سے تیز سوال داغے۔

"کیا آپ یہ کہہ رہی ہیں کہ وہ شادی کے وعدے کر چکا تھا؟ وہ کمیٹڈ تھا آپ سے؟ اور آپ نے اس سب کے پیسے نہیں لیے اس سے؟"

لیزا نے سانس پھلا کر جواب دیا۔ "ہاں! بالکل، وعدہ کیا تھا۔ لیکن اب وہ انکار کر رہا ہے۔"

تبھی جینی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور ایک قدم آگے بڑھایا۔

"جھوٹ! تم جھوٹ بول رہی ہو۔"

اسے اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر لیزا اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں جھوٹ نہیں بول رہی۔" وہ گھبرا گئی۔

"جس شخص پر تم الزام لگا رہی ہو، اس نے آج تک اپنی محبت کو نظر بھر کر دیکھا بھی نہیں۔ وہ وعدے کرنے والا آدمی ہی نہیں ہے۔"

جینی نے اپنا مفلر ہٹالیا۔ اسکا چہرہ واضح ہو گیا جبکہ لیزا کا چہرہ لال بھبھوکا ہو گیا۔

"یقیناً! یقیناً تم ایسا ہی کہو گی۔ کیونکہ جارج تمہارا ڈائریکٹر ہے۔ تم دونوں کے درمیان تعلق ضرور ہے، اس لیے تم اسے بچا رہی ہو۔ شاید تمہیں بھی اس سے فائدہ ہوا ہو۔۔۔ اسی لیے آج یہاں آکر تم مجھے جھوٹا کہہ رہی ہو! کیونکہ تمہارا اس سے افیئر چل رہا ہے۔ تمہاری وجہ سے اس نے مجھے چھوڑا ہے۔"

ہال میں ایک شور مچ گیا۔ رپورٹرز نے کیمروں کو جینی پر گھما دیا۔

یہ سنتے ہی جینی کی آنکھوں میں سختی ابھری۔ وہ تیزی سے آگے بڑھی اور بنا کچھ سوچے سمجھے، ایک زناٹے دار تھپڑ لیزا کے گال پر رسید کیا۔ آواز ہال میں گونجی اور سب کو لمحہ بھر کے لیے ساکت کر گئی۔

"کافی ہو گیا، لیزا! جس شخص پر تم انگلی اٹھا رہی ہو، وہ ایسا انسان ہے جس نے اپنی زندگی کے ہر رشتے کو عزت دی۔ تم اسے جھوٹے الزام سے بدنام نہیں کر سکتیں!"

لیزا کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ مگر اس بار وہ بناوٹی نہیں لگ رہے تھے، بلکہ غصے اور شکست کے ملے جلے تھے۔ اس نے ہونٹ کاٹے اور پوری وقت سے چلائی۔

"اگر جارج مجھ سے شادی نہیں کر سکتا تو وہ مجھے ہرجانہ دے! میرے وقت کا، میری عزت کا، میری قربانیوں کا۔ ورنہ۔۔۔ ورنہ میں عدالت جاؤں گی! میں اس کی زندگی جہنم بنا دوں گی!"

یہ سنتے ہی رپورٹرز نے شور مچایا۔

"کیا واقعی یہ بلیک میلنگ نہیں؟ کیا یہ ایک ڈیمانڈ ہے؟"

"یہ بلیک میلنگ ہے، صحافت کے سامنے ایک جھوٹ کا کھیل۔ اور میں گواہ ہوں کہ جارج جوزف نے کبھی کسی عورت کو ایسے دھوکے میں نہیں رکھا۔" جواب جینی کی طرف سب آیا تھا وہ اب اسٹیج پر کھڑی تھی۔ میڈیا کو اگلے کئی ہفتوں کی مرچ مصالحے کی خبر مل چکی تھی۔ ایک ایکٹرس نے سر عام ہاتھ اٹھایا تھا۔

ہال میں شور گونجا۔ رپورٹرز اپنی اپنی لائنیں ٹائپ کرنے لگے، کچھ لیزا کی شکل دیکھ کر مسکرا رہے تھے جیسے وہ سچائی بھانپ چکے ہوں۔

سب کو جینی کی طرف متوجہ دیکھ کر لیزا نے کرسی کے بازو تھامے، اور ہچکیوں سے رو پڑی۔ وہ ایک کم عمر بے وقوف لڑکی تھی۔

"تم سب ملے ہوئے ہو۔۔۔ تم سب چاہتے ہو کہ میری آواز دب جائے۔ لیکن میں خاموش نہیں بیٹھوں گی!"

"آواز ہمیشہ سچ کی گونجتی ہے، لیزا! جھوٹ شور مچا سکتا ہے۔۔۔ مگر زندہ نہیں رہ سکتا۔"

ہال میں ایک بار پھر کیمروں کی روشنیوں کا طوفان اٹھا۔ اور لیزا۔۔۔ وہ ایک لمحے کو سب کی نظروں کے سامنے ٹوٹ گئی، اس کے جھوٹ کا پردہ چاک ہو گیا مگر خود پر ضبط کرتی ہال کے پچھلے دروازے کی جانب بھاگی۔ اسکا یہ ڈرامہ جینی رابرٹ کی وجہ سے فیل ہو گیا مگر وہ ہار نہیں مانے گی جبکہ جینی نے ایک طائرانہ نظر سب پر ڈالی۔

"میرے خیال سے آج کے لیے اتنا کافی ہے۔" اس نے سیاہ چشمہ نیلی آنکھوں پر جما لیا اور سیڑھیاں اتر کر دروازے کی جانب بڑھی جبکہ رپورٹرز کا سیلاب کیمرے اور مائیک اٹھائے اس کے پیچھے لپکا۔

✿••✿••✿••✿

کانفرنس: اسٹار لائٹ پروڈکشن ہاؤس

اسٹار لائٹ پروڈکشن ہاؤس کی وسیع و عریض عمارت روشنیوں میں نہائی ہوئی تھی۔ باہر میڈیا کی گاڑیوں کا ہجوم تھا، کیمرے اور مائیک ہاتھوں میں تھامے رپورٹر ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے جنون میں تھے۔ عمارت کے اندر داخل ہوتے ہی سیکیورٹی کے کڑے حصار میں لمبا سا ہال جگمگا رہا تھا۔ اسٹیج کے سامنے کرسیاں بھری ہوئی تھیں۔ ہر سیٹ پر کوئی نہ کوئی رپورٹر، فوٹو گرافر اور بلاگر موجود تھا۔

اسٹیج پر بڑی سی میز رکھی تھی جس کے پیچھے مائیک اسٹینڈ نصب تھے۔ ایک طرف اسٹار لائٹ کا لوگو جھلک رہا تھا اور پیچھے سفید پردے پر روشنی کا گہرا عکس پڑ رہا تھا۔ ہال میں ایک عجیب سا شور تھا، لوگ بے چین تھے، سب کو انتظار تھا کہ آخر جارج جوزف کیا کہے گا؟ وہ کیا بیان دے گا؟ وہ اپنی صفائی میں کیا کہے گا؟

اسی شور میں اچانک سیکیورٹی کے چند اہلکار حرکت میں آئے۔ دروازہ کھلا اور جارج اندر داخل ہوا۔ کالے سوٹ میں، سفید شرٹ اور ٹائی کے ساتھ، اس کا سراپا سنجیدگی اور تھکن کا مجموعہ لگ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کے گرد حلقے نمایاں تھے، قدموں میں بوجھ، مگر چہرے پر ایک ایسی ضد جو شاید اندر کے خوف پر غالب آنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کے پیچھے اسسٹنٹ فائلز سنبھالے چل رہا تھا۔ اسٹیج پر پہنچ کر جارج نے کرسی سنبھالی۔ روشنی براہِ راست اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی، اور ہال میں کیمروں کے فلیش وقفے وقفے سے دمکتے رہے۔

سامنے کہیں ہجوم میں، آخری قطاروں میں ایک لڑکی بیٹھی تھی۔ اس نے اپنے چہرے پر سکارف اور سیاہ چشمہ رکھا ہوا تھا۔ وہ پرسکون بیٹھے سب دیکھ رہی تھی۔ کرسی پر بیٹھنے کے بعد جارج مائیک کی طرف جھک کر گویا ہوا۔ اسکی آواز بھاری مگر صاف تھی۔

"کچھ کہنے سے پہلے۔۔۔ میں چاہوں گا آپ سب یہ سنیں۔"

اس کے اشارے پر اسسٹنٹ نے ریکارڈنگ چلائی۔ لمحہ بھر بعد ہال میں لیزا کی آواز گونجنے لگی۔

"تم برباد ہو جاؤ گے جارج۔۔۔ تین دن ہیں تمہارے پاس۔۔۔"

"نیک بننے کی کوشش مت کرو، جارج! دنیا تمہاری حقیقت جان لے گی۔ تم مجھے ٹھکرا کر خود کو بچا نہیں سکتے۔ تمہارا سب کچھ برباد ہو جائے گا۔ تمہارا نام، تمہارا کریئر، تمہارا خاندان۔۔۔ سب خاک میں مل جائے گا۔ اور جب یہ سب چھن جائے گا تو وہ محبت بھی نہیں بچے گی جس کا تم دعویٰ کر رہے ہو!"

اس کی دھمکیاں، اس کی بلیک میلنگ کے جملے، وہ سب جو خفیہ طور پر ریکارڈ کیے گئے تھے، اب سب کے سامنے تھے۔ ہال میں ایک شور اٹھا۔ کچھ لوگ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے، کچھ رپورٹروں نے جلدی سے نوٹس لکھے جبکہ جارج نے سانس کھینچی اور مائیک کے قریب ہوا۔

"میں جارج جوزف ہوں۔ اسٹار لائٹ پروڈکشن ہاؤس کے مالک کا بیٹا۔۔۔ لیکن آج میں یہاں صرف 'جارج' کی حیثیت سے بیٹھا ہوں۔ کیونکہ اس سارے معاملے سے میرے ڈیڈ کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر میں غلط ہوں تو انگلی مجھ پر اٹھنی چاہیے، ان پر نہیں۔"

ہال میں خاموشی چھا گئی۔ صرف کیمروں کے کلکس اور روشنیوں کی چمک باقی رہ گئی۔

"یہ اسکینڈل اتنا بڑا نہیں تھا، جتنا بنا دیا گیا۔ لیکن میں یہاں صفائی دینے نہیں آیا۔ میں یہاں اپنی غلطی تسلیم کرنے آیا ہوں۔" اس کے لہجے میں ہلکی سی لرزش تھی۔ وہ لمحہ بھر کو رکا، ہاتھوں کی پشت پسینے سے بھیگ رہی تھی۔

"ہاں! مجھ سے ایک غلطی ہوئی ہے۔ لیکن صرف ایک بار۔ اور میرا مقصد کبھی کسی کو استعمال کرنا نہیں تھا۔ اُس لمحے۔۔۔ میں اپنے حواسوں میں نہیں تھا۔"

یہ کہتے ہی اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ آنکھوں میں شرمندگی، آواز میں گھٹن ابھری۔ وہ ایک لمحے کے لیے پلکیں جھپکا کر ضبط قائم رکھنے کی کوشش کرتا رہا۔

”حقیقت یہ ہے کہ میں اپنے کیے پر شرمندہ ہوں۔ اور میں اس کا ہر جانہ بھرنے کے لیے تیار ہوں۔ مگر میں نے ایسا کچھ نہیں کیا کہ مجھے سر جھکا کر جینا پڑے۔ میں نے کسی کی تضحیک نہیں کی، کسی سے جھوٹے وعدے نہیں کیے۔ میں کسی کا گنہگار نہیں۔۔۔ سوائے ایک شخص کے!“

اس کے ہونٹ تھرتھرائے۔ چہرے پر مردنی سی چھا گئی۔ سامنے کی صف میں بیٹھے کئی رپورٹرز نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ہال میں ایک دم سکوت طاری ہو گیا۔

”وہ شخص۔۔۔ وہ شخص میرا بھائی ہے۔۔۔ ولیم جوزف۔“

یہ نام لیتے ہی اس کے اندر کا بند دروازہ کھل گیا۔ ولیم کے چہرے کی جھلک آنکھوں کے سامنے لہرا گئی۔ وہ تہہ خانے کے لمحے، وہ زنجیریں، وہ صدا۔۔۔ سب ایک ہی پل میں لوٹ آئے۔

وہ مناظر ولیم کے ساتھ ساتھ اسے بھی ہنٹ کرتے تھے۔ اس کے لب کپکپانے لگے۔

”میں دنیا میں اگر کسی کا اصل گنہگار ہوں تو وہ صرف میرا بھائی ہے۔ اور آج۔۔۔ آج میں پوری دنیا کے سامنے اس سے معافی مانگتا ہوں۔“

وہ لمحہ ایسا تھا جیسے اسٹیج کی تمام روشنی مدھم ہو گئی ہو اور صرف اس کے چہرے پر ایک تیز کرن پڑ رہی ہو۔

”ولیم۔۔۔ میں جانتا ہوں میری معافی تمہارے زخم نہیں بھر سکتی۔ میں جانتا ہوں کہ میں نے تمہاری پہچان چھیننے کی کوشش کی، تمہیں وہ بنانا چاہا جو تم کبھی نہیں تھے۔ میں نے تمہیں اندھیروں میں دھکیل دیا۔ مگر پھر بھی۔۔۔ آج میں کہتا ہوں۔۔۔“

اس کی آواز بھرائی۔ گلا رندھ گیا۔ آنکھیں میچ لیں اور دل پر ہاتھ رکھا۔

”آئی ایم سوری، ولیم۔۔۔! میں معافی چاہتا ہوں۔“

بس یہ کہنے کی دیر تھی کہ آنکھوں میں نمی تیر گئی۔ وہ کیمروں کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے وہاں ولیم کھڑا ہو۔ جیسے وہ اس کے اندر کی سسکیاں سن سکتا ہو۔ ہال میں ایک گہرا سکوت پھیل گیا۔ رپورٹرز کے ہاتھ رکے رہے، سب لمحہ بھر کو ساکت رہ گئے۔ آخری قطار میں بیٹھی لڑکی کے لب تھرتھرائے۔ اس نے اپنی مٹھی بھینچ لی۔ دل کے اندر ایک عجیب سی گونج ابھری۔ جبکہ جارج کے چہرے پر آنسوؤں کی چمک تھی۔ وہ بمشکل ضبط قائم کیے بیٹھا تھا۔

"میں جانتا ہوں ہر غلطی، ہر گناہ کی معافی نہیں ہوتی۔ لیکن اگر ولیم نے دل کے کسی کونے میں مجھے معاف کر دیا تو یہ میری سب سے بڑی کامیابی ہو گی۔"

یہ کہہ کر اس نے گہری سانس لی اور اپنی کرسی کی پشت سے ٹیک لگالی۔ سینے کے مقام پر شدید جلن تھی جبکہ ہونٹ بھینچے ہوئے تھے۔ فلیش لائٹس ایک بار پھر چمکیں، سوالوں کی بارش شروع ہوئی، لیکن جارج کے کانوں میں صرف اپنی آواز گونج رہی تھی۔

"آئی ایم سوری، ولیم۔۔۔"

ہال کا ماحول ایک لمحے کو جیسے عدالتی کٹہرے میں بدل گیا تھا۔ ایک بھائی نے دوسرے سے، پوری دنیا کے سامنے معافی مانگ لی تھی۔ اور یہ معافی۔۔۔ شاید آنے والے وقت کے بہت سے فیصلوں کی بنیاد بننے والی تھی۔ ہال کے آخری حصے میں نیم تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اسٹیج کے اس پار چمکتی روشنیوں کے باوجود، پچھلی قطار ایک ایسی جگہ تھی جہاں چہروں کی پہچان ماضی کے آئینوں کی طرح دھندلا جاتی تھی۔ مگر آج نہیں۔۔۔ آج جارج کے لیے سب کچھ واضح تھا۔ اس کی نظریں جیسے ایک خالی کرسی پر ٹھہر گئیں، اور پھر وہ چہرہ ابھرا جسے وہ برسوں سے اپنے ذہن میں لے کر چل رہا تھا۔ وہ چہرہ، وہ خاموشی، وہ آنکھیں۔۔۔ وہ لڑکی جسے اس نے رلایا تھا۔ وہی تھی جو اب تک اس کے گلٹ کا سب سے بڑا عکس بنی ہوئی تھی۔ وہ چہرہ دیکھتے ہی جارج کے اندر کچھ ٹوٹا اور کچھ جڑ گیا۔ وہ اب تک اپنے گناہ، اپنی غلطیوں اور اپنی ناکامیوں کے بوجھ تلے دبا ہوا تھا۔ یہی بوجھ تھا جس کے باعث وہ جینی سے بھی بار بار بھاگتا رہا۔ اسے چاہنے کے باوجود وہ

اس سے نظریں چرا لیتا، اس کی مسکراہٹ سے بھی ڈرتا، کیونکہ اسے لگتا تھا وہ اس محبت کا اہل نہیں۔ لیکن آج۔۔۔۔ آج وہ فیصلہ کر چکا تھا۔ آج وہ اپنے خوف کو گلٹ سے نکال پھینکے گا۔

ہال میں ہلکی ہلکی سرگوشیاں تھیں۔ آخری قطار میں بیٹھی اس لڑکی کا کا دل بوجھل تھا۔ وہ اٹھی اور پلٹی، وہ جانا چاہتی تھی، جیسے خود کو اس منظر سے الگ کرنا چاہتی تھی کیونکہ اس میں اس کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ وہ پلٹی اور تیز تیز قدم اٹھاتے دروازے کی جانب بڑھی اور تبھی مائیک میں ایک آواز گونجی۔۔۔۔ اسکا نام لیا گیا تھا۔

"کہاں جا رہی ہو جینی؟"

وہ اسے پہچان گیا تھا۔ اس آواز میں کچھ ایسا تھا کہ وہ رکی، ساکت ہو گئی۔ یہ وہی آواز تھی جو کبھی ڈائریکٹر کے احکامات دیتی تھی، سخت، پروفیشنل، مگر آج اس میں ایک عجیب لرزش تھی، جیسے کسی نے سمندر کے اندر سے دل کی دھڑکن کھینچ کر اوپر رکھ دی ہو۔ جارج اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ ایک لمحے کے لیے خاموش رہا۔ وہ صرف اسے دیکھ رہا تھا۔ پہلی بار اس کی نظریں ایکٹنگ کے شوٹ سے ہٹ کر ایک انسان پر مرکوز تھیں۔ وہ جس کی پشت اس کی جانب تھی۔

"پہلی بار ولیم کے علاوہ کسی نے جارج کے لیے اسٹینڈ لیا ہے۔ شاید یہی صحیح وقت ہے۔" اس نے دھیرے سے کہا۔

جینی کا دل شدت سے دھڑک اٹھا۔ وہ دھیرے سے پلٹی اور اس لمحے کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگی۔ وہ جانتی تھی کہ جارج ماضی کے بوجھ میں دبا ہوا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ وہ اندر سے کتنا تنہا تھا۔ مگر یہ وہ لمحہ تھا جب دونوں کی کہانیاں ایک دوسرے کے قریب آ رہی تھیں۔

اسٹیج پر کھڑے جارج نے گہرا سانس لیا۔ اس کا لہجہ اب نرم مگر مضبوط تھا۔

"لوگ کہتے ہیں، میں ایک مونسٹر ہوں۔"

یہ الفاظ سن کر ہال میں جیسے ہوا رک گئی۔ اس نے کہا تو تھا مگر اس کے لہجے میں خود پر تنقید نہیں تھی، بلکہ اعتراف تھا، سچائی تھی، اور وہ سچائی جو دل کو چھو جائے۔

"لیکن اگر۔۔۔ اگر تم میری زندگی میں آ جاؤ۔۔۔ گی تو۔۔۔ میں انسان بن جاؤں گا۔"

اس جملے کے ساتھ ہی ہال میں گہری خاموشی چھا گئی۔ جینی کا دل جیسے کسی نے روک دیا۔ وہ اس لمحے کی شدت محسوس کر رہی تھی۔ اس کی سماعت میں سب کچھ جیسے دھیما گیا۔ صرف یہ جملہ، صرف یہ آنکھیں، اور ان میں وہ دعا چھپی تھی جو کسی زندگی بھر کی اداکاری کے بعد پہلی بار سچی تھی۔

وہ اب بھی ساکت تھی۔ وہ اسے پہچان گیا تھا۔ اس نے پہلی بار اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا اور وہاں وہ سب دیکھ لیا تھا جو الفاظ سے نہیں کہا جا سکتا۔ وہ اسٹیج سے نیچے اتر آیا اور اسکی جانب قدم بڑھائے۔

پہلا قدم **گلٹ** پر رکھا۔ "ہاں میں جانتا ہوں، میں مونسٹر ہوں۔۔۔"

دوسرا قدم **یقین** کا۔ "مگر تمہارے سامنے کھڑا میں، اپنی زندگی کا سب سے سچا انسان ہوں۔"

تیسرا قدم **مضبوط** تھا۔ "میں نے کئی کردار تراشے، مگر کبھی اپنے دل کا کردار نہیں لکھ سکا۔"

چوتھا قدم **اس کی جانب**۔ "تم وہ ایکٹرس ہو جس نے میری خاموشیوں کو بھی مکالمے دے دیئے۔"

پانچواں قدم **اعتراف** تھا۔ "جینی۔۔۔ یہ خاموشیاں چیخ چیخ کر کہہ رہی ہیں کہ شاید یہ وہ لمحہ ہے جہاں میری کہانی مکمل ہو سکتی ہے۔"

وہ دھیرے دھیرے اسکے قریب آرہا تھا اور اب وہ اس کے قریب تھا۔ ہال کی روشنی صرف ان دونوں پر مرکوز تھی۔ باقی سب منظر جیسے سلوموشن میں جم گیا ہو۔ وہ مزید اس کے قریب ہوا۔ آخری قدم سوال تھا۔ وہ جھک گیا، جیسے ایک اداکار اپنے کردار کے آگے نہیں بلکہ اپنی حقیقت کے آگے جھکتا ہے۔

"ہاں تم نے میری فلم سائن نہیں کی پر کیا تم مجھے ہمیشہ کے لیے **'سائن'** کرو گی؟

جینیفر! کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟"

ہال میں ایک مکمل خاموشی چھا گئی۔ جینی کی آنکھوں میں آنسو تیر گئے۔ وہ ساکت کھڑی تھی، جیسے وقت رکا ہوا ہو۔ پھر اس نے دھیرے سے اپنا سیاہ چشمہ اتار کر بالوں پر جما لیا۔ اس کا چہرہ واضح ہوا۔ کانوں کے گرد لپٹا مفلر ڈھیلا کیا۔ اس کا چہرہ سرخ پڑ چکا تھا۔ پھر وہ آہستہ سے آگے بڑھی۔

"سب کہتے ہیں جوزف پیلس کے مکینوں پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ سب کہتے ہیں جوزفز مطلبی ہیں۔ تم کیا ہو جارج جوزف؟"

اس کے سوال پر جارج بے ساختہ ہنس دیا۔

"میں تمہاری ہاں کا منتظر ایک عام سا انسان ہوں۔"

وہ الوہی آنکھیں اسے آس سے دیکھتی رہیں۔ جینی نے بے ساختہ لب کترے اور پھر کچھ دیر بعد اثبات میں سر ہلا دیا۔ لڑکی نے **ہاں** کہہ دی تھی۔ پریس کانفرنس بھاڑ میں گئی، ابھی میڈیا والے شور مچا رہے تھے۔ وہ آنکھوں کے گوشے پونچھتا اٹھ کھڑا ہوا۔

یہ "ہاں" صرف ایک جواب نہیں تھا، یہ جیسے ایک دستخط تھا، ایک سائن، جس نے ایک ڈائریکٹر کی زندگی کو ہمیشہ کے لیے بدل دیا۔ اور آج۔۔۔ آج وہ کردار توڑ کر ایک انسان بن کر سامنے کھڑا تھا۔ جارج نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا، جیسے ایک ڈائریکٹر پہلی بار اپنے سکرپٹ کے بغیر بول رہا ہو۔ جینی نے اسکا ہاتھ تھام لیا۔

وہ یہ فلم نہیں بنا رہا تھا، یہ اسکا دل تھا۔ یہ کوئی کردار نہیں، یہ وہ تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ جینی اسکی زندگی کا حصہ بنے۔ نہ صرف ایکٹرس کی طرح۔۔۔ بلکہ اس عورت کی طرح جو اسے سچ میں بدل سکتی تھی۔

ہال میں، ان پر روشنی کی ایک کرن پڑی، جیسے کسی نے اس لمحے کو تصویر بنا دیا ہو۔ سب کچھ جیسے رک گیا ہو۔ جینی کی آنکھوں میں نمی تھی۔ وہ جانتی تھی یہ پروپوزل تاریخ کا سب سے انوکھا پروپوزل تھا۔ ایک ڈائریکٹر اپنی ایکٹرس کو ہمیشہ کے لیے سائن کرنا چاہتا تھا، مگر نہ کسی فلم کے لیے، نہ کسی کردار کے لیے، بلکہ زندگی بھر کے لیے اور ایکٹرس نے ہاں کر دی تھی۔ یہ لمحہ جیسے خواب سا تھا۔ وہ دونوں وہاں کھڑے تھے، ایک اسٹیج پر مگر پردے گر چکے تھے۔ اب نہ ڈائریکٹر تھا نہ ایکٹرس، صرف دو انسان تھے، اور ایک وعدہ تھا جو لفظوں سے بڑا تھا۔

وقت نے پنکھ پھیلائے اور تیزی سے اڑا۔۔۔ دور، سات سمندر پار لاہور کی سرد شام میں وہ کمرہ ایک عجیب سکوت سے بھرا ہوا تھا۔ یہ کوئی عام کمرہ نہیں تھا، آفس نما اسٹوڈیو تھا۔ دیواروں کے ساتھ مختلف مشینیں رکھی تھیں، جدید اور پرانی ٹیکنالوجی کے بیچ کا امتزاج۔ کہیں ہیڈ فونز بکھرے تھے، کہیں کی بورڈ، کہیں ٹیپ ریکارڈرز، اور ایک کونے میں وہ چھوٹے چھوٹے مختلف آلے جو آوازوں کو قید کرنے کے لیے استعمال ہوتے تھے۔

کمرے کی نیم روشنی میں ایک میز کے سامنے وہ کھڑا تھا ولیم جوزف! بند گلے کی گہری سرمئی اونی شرٹ پہنے، اس کے ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں دھنسے تھے، جیسے وہ اپنے آپ کو تھامنے کے لیے سہارا تلاش کر رہا ہو۔ اس کا چہرہ۔۔۔ وہ نشان زدہ چہرہ سنجیدہ تھا۔ سامنے دیوار گیر بڑی اسکرین روشن تھی۔ اسکرین پر جارج تھا۔ اس کی آنکھوں میں پچھتاوا، لہجے میں لرزش، اور ہونٹوں پر وہ الفاظ جنہیں کہتے ہوئے شاید اس کی سانس رک رہی تھی۔

"آئی ایم سوری، ولیم۔۔۔"

یہ سن کر اس کے اندر جیسے کوئی بند کمرہ کھل گیا۔ یادیں، اذیتیں، وہ راتیں جب اس نے تنہائی میں جارج کے ظلم سہے تھے۔ سب ایک دم سے آنکھوں کے سامنے زندہ ہو گئیں۔ جارج معافی مانگ رہا تھا، مگر اس کی روح کی گہرائیوں میں وہ جانتا تھا کہ۔۔۔ معافی سے زخم بھر نہیں سکتے، مگر شروعات تو ہو سکتی ہے۔ اسکی کتھئی آنکھیں لمحہ لمحہ نم ہو رہی تھیں۔ لب بھینچے ہوئے تھے، جیسے ضبط ٹوٹنے کے قریب ہو۔ پھر اس نے گہری سانس لی، اور اپنے وجود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

وہ خود ہی کہتا تھا کہ **ہمارے اپنوں کی غلطیاں اتنی بڑی ہوتی ہیں کہ ہم انہیں معاف نہیں کر پاتے۔۔۔ مگر انہیں اپنی زندگی کے نقشے سے مٹا بھی نہیں سکتے۔ ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ جینے کے لیے ہی مقدر ہیں۔**

وہ جانتا تھا، ایک سرد دیوار، ان دونوں بھائیوں کے بیچ ایک سرد دیوار تھی۔ شاید یہ کبھی نہ گرے، شاید پوری زندگی گزر جائے، مگر یہ دیوار کبھی مکمل نہ گرے۔ مگر شروعات۔۔۔ ہاں شروعات کی جا سکتی ہے۔ اگر جارج نے ظلم تنہائی میں کیا تھا تو آج وہ معافی پوری دنیا کے سامنے مانگ رہا تھا۔ یہ کم نہیں تھا۔ یہ شاید ایک نئے سفر کی ابتدائی لکیر تھی۔

اس کی آنکھوں میں چمک ابھری، نمی نے راستہ بنایا۔ اس نے اپنے ہونٹ بھینچے، گہری سانس لی، اور اپنے آپ کو ضبط میں رکھا۔

پھر اچانک اس کی نگاہیں اسکرین کے دوسرے کونے میں ٹھہر گئیں۔ وہاں جینی اور جارج کی تصویر نظر آئی۔ وہ دونوں ایک ساتھ اچھے لگ رہے تھے۔ میڈیا کو نئی خبر مل چکی تھی۔ لیزا کئی پس منظر میں چلی گئی۔ ان دونوں کو ایک ساتھ دیکھ کر وہ دھیرے سے مسکرایا۔ وہ مسکراہٹ جس میں تھکن بھی تھی، قبولیت بھی، اور تھوڑی سی خوشی بھی۔ جیسے کسی نے اس کے دل پر پڑی برف کی تہہ پر ہلکی سی کرن ڈال دی ہو۔

کمرے میں سکوت ابھی باقی تھا کہ اچانک دیوار گیر اسکرین پر ایک نئی روشنی پھوٹی۔ **نیل کالنگ** لائٹ ٹمٹمانے لگی۔ نیل اسے فون کر رہا تھا۔ اس نے گہری سانس لی اور میز پر رکھا فون اٹھایا۔ اسکرین پر نیل کا نام نیل رنگ کی روشنی کے ساتھ جھلملاتا تھا۔ ایک لمحے کے توقف کے بعد اس نے کال ریسیو کی اور موبائل ڈیسک پر رکھتے ہوئے ایئر بڈ اٹھا کر کان میں لگا لیا۔

"ولیم! تم نے دیکھا وہ سب؟" نیل کی آواز میں ہلچل تھی، جیسے ابھی ابھی وہ منظر دیکھ کر اس کا سانس قابو سے باہر ہو گیا ہو۔ وہ سامنے اسکرین پر حیرت زدہ لگ رہا تھا۔

"ہاں، دیکھا۔۔۔" اس نے مختصراً جواب دیا۔

"جارج نے۔۔۔" اس کی آواز لڑکھڑاتی ہوئی سی تھی، جیسے الفاظ کو ترتیب دینا مشکل ہو رہا ہو۔ "جارج نے سب کے سامنے تم سے معافی مانگی۔۔۔ تم۔۔۔ تم کیسا محسوس کر رہے ہو، ولیم؟"

ولی نے ایک لمحے کو آنکھیں بند کیں۔ دل پر بھاری پتھر سا رکھا ہوا تھا، مگر آواز میں ٹھہراؤ تھا۔

"میں اس کے لیے خوش ہوں، میں جانتا ہوں وہ برسوں سے گلٹ میں جکڑا ہوا تھا۔۔۔ اور آج۔۔۔ آج وہ آزاد ہو گیا ہے۔"

دوسری طرف نیل کی آواز میں خوشی کی بجلی دوڑ گئی۔

"اور تم نے دیکھا؟ اپنے جارج نے جینی رابرٹ کو پرپوز کر دیا۔ اوہ مائی گاڈ، ولیم! وہ بھی سب کے سامنے! کیا سین تھا۔" اس کی خوشی دیدنی تھی۔ ولی کے لبوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔ وہ دھیرے سے بولا۔

"ہاں، دیکھا ہے۔ وہ دونوں۔۔۔ ایک ساتھ بہت اچھے لگ رہے ہیں۔"

"میں آج بہت خوش ہوں، ولیم۔۔۔ بہت زیادہ۔۔۔"

ولی نے لب بھینچ کر مسکراہٹ روکی۔ دل میں کسک بھی تھی اور سکون بھی۔

"میں بھی۔۔۔" وہ بس اتنا ہی کہہ پایا۔

ایک پل کو دونوں طرف خاموشی چھا گئی۔ لیکن یہ خاموشی بوجھل نہیں تھی، بلکہ ایک نئے آغاز کی گواہی دیتی تھی۔

"خیر، میں نے صرف یہ خوشی بانٹنے کے لیے کال نہیں کی، منحوس انسان! تمہاری وجہ سے میں اتنا بری طرح پھنسا ہوا ہوں کہ کبھی کبھی لگتا ہے میری فِیانسی میرا ہاتھ چھوڑ دے گی۔ تم نے مجھے اتنا بزی کر دیا ہے کہ سانس لینے کا وقت بھی نہیں۔"

"یہ کام تم نے اپنے ذمہ لیا تھا۔ اپنی مرضی سے۔"

"ہاں جانتا ہوں اور آج میڈم سیلینا کے ساتھ میٹنگ ہے۔ پلیز، جلدی جوائن کرنا۔ اگر میں ایک منٹ بھی لیٹ ہوا تو وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گی۔"

جبکہ ولی نے گہری سانس بھری، جیسے اپنے جذبات کو پیچھے دھکیل کر پھر سے پروفیشنل دنیا میں قدم رکھ رہا ہو۔

"ٹھیک ہے، تم میٹنگ شروع کرو۔۔۔"

"شکریہ! ورنہ میں اپنی انگیجمنٹ کی انگوٹھی واپس لینے کو تیار تھا۔"

کال بند ہو گئی۔ نیل کی بے چارگی پر وہ بس دھیما سا مسکرا دیا اور کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ اس کا چہرہ دوبارہ سنجیدہ اور پر عزم ہو گیا۔ اس نے لیپ ٹاپ کھول کر ایک جانب رکھا اور انگلیوں کو ہلکی سی حرکت دی، جیسے ایک نیا کھیل شروع ہونے والا ہو۔ کچھ ہی دیر بعد اسکرین پر میٹنگ کا ایک نوٹیفکیشن ابھرا۔ اس نے گہری سانس لے کر انوائٹ اوپن کیا۔ کمرے کی فضا پھر بدلنے لگی تھی۔ اسکرین دو حصوں میں بٹ گئی۔ ایک جانب میڈم سیلینا کا چہرہ ابھرا، دوسری جانب نیل کا۔ اسے دیکھتے ہی میڈم سیلینا کی آنکھوں میں حیرت اور خوشی کی ملی جلی چمک ابھری۔ وہ کرسی پر سیدھی ہو کر

بیٹھ گئیں، جیسے ان کے سامنے اچانک کوئی بھولا ہوا خواب حقیقت کا روپ دھار کر آ گیا ہو۔ رسمی کلمات کے بعد میڈم سیلینا گویا ہوئیں۔

"یقین نہیں ہوتا۔۔۔ یہ واقعی تم ہو ولیم؟" ان کی بھاری مگر نرم آواز میں صدیوں کی مسافت اور شفقت کی جھلک تھی۔ ولی نے لمحہ بھر کو نگاہ جھکائی، پھر دھیرے سے مسکرا دیا۔

"یہ میں ہی ہوں۔"

جبکہ میڈم سیلینا کے ذہن میں وہ بچہ ابھر آیا جو کبھی چیختا تھا، راتوں کو سوتے میں کانپ اٹھتا تھا، جس کے ہاتھ کانپتے ہوئے کھڑکیوں پر عجیب و غریب اشکال بناتے تھے۔ وہ کاغذ جن پر اس نے زنجیروں میں جکڑے ایک دھندلے شخص کی اسکیچنگ کی تھی، آج بھی ان کے دراز میں محفوظ تھے۔

"مجھے آج بھی تمہارے وہ خواب یاد ہیں، ولیم! زنجیروں میں بندھا وہ سایہ، تمہاری کمزور سانسیں، وہ چیخیں جنہیں دوا بھی دبانے میں ناکام ہو جاتی تھی۔ اور تمہارے وہ اسکیچز۔۔۔ میں نے آج تک سنبھال کر رکھے ہیں۔ تم جانتے ہو کیوں؟ کیونکہ مجھے یقین تھا، ایک دن یہ بچہ۔۔۔ خود اپنی زنجیریں توڑ دے گا۔"

ولی کے لب تھرتھرا اٹھے۔ اس کی آنکھوں میں پرانی تصویریں جھلملائیں، مگر اس بار وہ کانپا نہیں۔ اس نے اپنی پشت سیدھی کی اور گہری سانس کے ساتھ خود پر قابو پایا۔

"اور میں نے توڑ ڈالیں۔۔۔" میڈم سیلینا کی آنکھوں میں اب فخر کی روشنی جگمگا اٹھی۔

"آج تم میرے سامنے ایک مختلف شخص بن کر کھڑے ہو۔ وہ بچہ جو کبھی خوف کا قیدی تھا، آج آزاد ہے۔ اور سب سے بڑھ کر، وہ آزاد رہتے ہوئے دوسروں کو آزادی دینا چاہتا ہے۔ یہ میرے لیے سب سے بڑی خوشی ہے۔"

"میں بس کوشش کر رہا ہوں۔ شاید کسی کی مدد ہو جائے۔"

"جو تم کر رہے ہو وہ سب نہیں کر پاتے۔۔۔" وہ گہری سانس لیتے بولیں۔

"آپ سے مل کر اچھا لگا میڈم سیلینا! آپ نے مجھے کبھی ہارنے نہیں دیا۔"

ابھی فضا میں سنجیدگی گھلی ہوئی تھی کہ اچانک نیل کی آواز بلند ہوئی، وہ ان کی جذباتی باتیں سن کر اکتا چکا تھا۔

"اِٹس مائی ٹائم! اتنی تقریریں بند کرو ولیم جوزف!" اور پھر میڈم سیلینا کی طرف رخ کیا۔

"میڈم! اس میں میرا برابر کا ہاتھ ہے۔ اس کا چھوٹا سا آفس یہاں ایڈنبرا میں میں دیکھ رہا ہوں، میرا بھی تو کریڈٹ بنتا ہے۔"

اسکرین پر میڈم سیلینا کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔

نیل کبھی کریڈٹ لیے بغیر رہ بھی نہیں سکتا تھا لیکن یہ سچ تھا کہ وہ پچھلے کئی مہینوں سے انتھک محنت کر رہا تھا کس کے لیے؟ صرف ولیم جوزف کے لیے۔

جب سے ولیم نے فیلڈ ریکارڈنگ شروع کی تھی، تب سوچ لیا تھا کہ وہ اپنی کمزوری کو اپنی طاقت بنائے گا۔ نینسی یہی چاہتی تھی۔ وہی آوازیں جو کبھی اسے ڈراتی تھیں، آج اس زندگی کی پہچان بن گئی تھیں۔ اس نے انہیں قید کرنے کے بجائے آزاد کر دیا۔ اب اسکا مقصد ان قدرتی آوازوں کو، جنہیں وہ ریکارڈ کرتا تھا، قدرتی میوزک میں ڈھالنے کا تھا۔ اس میوزک کو، اس ویڈیو کو ان بچوں اور ان روحوں تک پہنچانا چاہتا تھا جو تنہائی میں قید تھے۔ جو اس جیسی بیماری میں قید تھے۔ جو سو نہیں پاتے تھے۔

"اور اس نے کر دکھایا۔ اس لڑکے نے! اس نے نہ صرف ایک مکمل میوزک ویڈیو بنالی ہے بلکہ میری مدد سے ایڈنبرا میں اپنی ایجنسی بھی کھول لی ہے۔" میڈم سیلینا کی آنکھوں میں حیرت کی چمک دوڑ گئی۔

"واقعی؟" وہ حیران ہوئیں۔ جوزف کا بیٹا اپنے باپ کے سہارے کے بنا اپنی پہچان بنا رہا تھا۔

"اور یہ سب نیل کے بغیر ممکن نہیں تھا۔ اس نے آدھا وقت اپنے کیفے میں گزارا، آدھا میری ایجنسی میں۔"

"تم اور کیا کیا کر سکتے ہو ولیم؟" وہ دلچسپی سے پوچھنے لگیں۔

"جو آوازیں کبھی میرے زخم تھیں، آج وہی میری طاقت ہیں۔ میں مصنوعی آوازیں تخلیق کر سکتا ہوں۔ میں قدرتی خاموشی کو بھی نغمہ بنا سکتا ہوں۔ یہ سب آپ کی وجہ سے ممکن ہوا۔ آپ نے مجھے کبھی **'نفسیاتی بچہ'** نہیں کہا۔۔۔ آپ نے مجھے آرٹسٹ کہا تھا۔"

"ولیم، تم نے مجھے فخر دیا ہے۔" انہوں نے ایک قلم اٹھاتے ہوئے کہا۔ کچھ دیر خاموشی چھائی رہی۔ وہ اپنی نوٹس بک پر قلم سے ہلکی سی لکیریں کھینچتی رہیں جیسے سوچ رہی ہوں۔ پھر چہرہ اٹھایا اور براہِ راست ولیم کی آنکھوں میں دیکھ کر بولیں۔

"میں اکیلے فیصلہ نہیں کر سکتی۔ یہ ہسپتال صرف میرا نہیں ہے۔ مینجمنٹ کی ایک بڑی ٹیم ہے اور ہر نئے پروجیکٹ کو ان کی منظوری درکار ہوتی ہے۔ لیکن۔۔۔"

وہ لمحہ بھر کو رُکیں، آنکھوں میں اطمینان ابھرا۔

"لیکن مجھے یقین ہے، یہ کام ہو کر رہے گا۔ میں نے تمہاری ویڈیو دیکھی ہے۔ اس میں وہ سکون ہے جس کی تلاش مریضوں کو برسوں رہتی ہے۔ یہ محض قدرتی آوازوں کا میوزک نہیں، ایک تھراپی ہے۔ ہم جلد اس کو لانچ کریں گے اور اسے باضابطہ طور پر ہسپتال کا حصہ بنالیں گے۔"

اور جیسے ولی کی برسوں کی تھکن کسی نے کندھوں سے اتار دی ہو۔ وہ یہی چاہتا تھا۔ اسی لیے میڈم سیلینا سے میٹنگ رکھی گئی تھی تاکہ اس کی ویڈیو کو ہسپتال کا حصہ بنایا جائے۔ اسکے لبوں پر دھیما سا تبسم ابھرا۔ وہ آگے کو جھکا، کیمرے کے قریب آیا اور آہستگی سے بولا۔

"آپ نہیں جانتیں، یہ لمحہ میرے لیے کتنا قیمتی ہے۔"

اس کے لہجے میں دبے جذبات کی لرزش واضح تھی۔

نیل نے حسبِ عادت بڑبڑا اٹھا۔

"تو پھر جشن کب منائیں؟ پلیز مجھے بتانا، میں اپنے کیفے کی اسپیشل کافی لے کر آؤں گا!" وہ سب دھیرے سے مسکرا دیئے۔

"ٹھیک ہے ولیم، میں جلد تمہیں اطلاع دوں گی۔ فی الحال مجھے اجازت دو۔ اور۔۔۔ ویل ڈن، بیٹے!"

یہ آخری لفظ نشان زدہ چہرے والے شخص کے دل میں گھل گیا۔ اسکرین سیاہ ہو گئی۔ نیل نے ہاتھ ہلا کر کال کا اختتام کیا۔ کمرے میں اب صرف کمپیوٹر کی مدھم روشنی اور اس کی بھاری سانسیں باقی تھیں۔ اس نے ایک لمحہ آنکھیں بند کیں، پھر آہستگی سے اپنی کرسی پیچھے کھسکائی۔ ابھی وہ اٹھا ہی تھا کہ اچانک کمرے کا دروازہ ایک جھٹکے سے کھل گیا۔

ہلکی سی ہوا اندر گھسی اور ایک جانب رکھے چند کاغذوں کے کونے پھڑ پھڑانے لگے۔ دروازے میں ایک لمبا سا سایہ ابھرا۔ اور اگلے ہی لمحے کمرے کی روشنی میں وہ سایہ حقیقت بن گیا۔

یہ مراد تھا۔ اس کی موجودگی اتنی بھرپور تھی کہ کمرے کی فضا لمحے بھر کو تھم سی گئی۔ دروازے میں مراد کھڑا تھا۔ اس کی آنکھوں میں تیز روشنی اور ہلکی سی خفگی جھلک رہی تھی۔ جیسے برسوں کا حساب ایک ہی پل میں چکا دینے آیا ہو۔

"تم یہاں ہو چھوٹے؟ اور میں تمہیں ہر جگہ ڈھونڈ رہا تھا!"

ولی نے بے نیازی سے رخ موڑا، ایئر بڈ اٹھا کر میز پر رکھا اور دھیمے لہجے میں جواب دیا۔

"ڈھونڈنے سے پہلے سیدھا میرے پاس آ جاتے۔۔۔ آپ کو پتا تو ہو گا، میں یہیں ملوں گا۔"

اس کے چہرے پر سکون تھا مگر آنکھوں میں ایک چمک تھی۔ کچھ پالینے کی چمک!

مراد کمرے میں داخل ہوا اور کندھے جھٹک کر کرسی کے بازو پر ہاتھ مارا۔

"ویسے بڑے ہوشیار نکلے تم! یہاں لاہور میں بیٹھے بیٹھے ایڈنبرا میں اپنی ایجنسی کھول لی۔"

ولیم نے سر ذرا جھکایا، اور پر اعتماد مسکراہٹ لبوں پر سجائی۔

"ظاہر سی بات ہے، شادی شدہ آدمی ہوں۔ کل کو اپنی بیوی، ایڈنبرا لے کر جاؤں گا تو وہاں اسے کیا کھلاؤں گا؟ صرف خواب؟ کام ضروری ہے بھئی۔"

اس کی آواز میں سنجیدگی تھی۔ مراد نے لمحہ بھر کے لیے اس کی آنکھوں کو پرکھا، جیسے جاننا چاہتا ہو کہ یہ وہی تھا جسے وہ چھوٹا چھوٹا کہتا تھا۔

"اتنی جلدی بڑا بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ چلو بتاؤ، فجر کے حالات کیسے ہیں؟"

یہ سنتے ہی ولی کی آنکھوں میں ایک چھپی ہوئی سنجیدگی ابھری۔ مراد نے اس کا بازو کھینچا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ دونوں اب راہداری میں ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

"ابھی تک وہ حواسوں میں لوٹ چکی ہوں گی۔ اپنے فنانس ڈیپارٹمنٹ کو کہہ دیں، ایک اچھی خاصی رقم تیار رکھیں۔ میڈم آتی ہی ہوں گی۔"

مراد نے چونک کر اسے گھورا۔ "کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ رئیس گروپ کا پچاس فیصد شیئر ہے منار فیشنز میں۔ اور جب منار جل چکا ہے تو آدھی بھرپائی کرنا بھی رئیس گروپ کی ذمہ داری ہے۔ اور اس بار وہ دینا ہوگا۔"

مراد کی آنکھیں ذرا پھیل گئیں۔

"یہ تو کوئی بڑی بات نہیں۔ رئیس ویسے بھی دے دے گا۔"

ولی قدم روک کر سیدھا اس کی طرف مڑا۔ اس کے لہجے میں ایک ٹھہری ہوئی تلخی تھی۔

"اور آپ کو لگتا ہے وہ ویسے لے لیں گی؟ وہ وہی لیں گی جو ان کا حق بنتا ہے۔ شاید آپ ابھی جانتے نہیں۔۔۔"

وہ بات ادھوری چھوڑ کر دوبارہ چل پڑا جبکہ مراد کو یہ جملہ پتنگے کی طرح چبھ گیا۔ اس نے خفگی سے ناک پھلایا اور غصے کو چھپاتے ہوئے تنک کر جواب دیا۔

"تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ جب وہ پیدا ہوئی تھی، تم نہیں تھے۔ اسے سنبھالنے والا میں تھا۔ اور میں جانتا ہوں، تب بھی وہ اتنی بڑی ہی ڈرامہ باز تھی۔ اللہ معاف کرے، پوری رات سونے نہیں دیتی تھی۔ کاش مجھے پتا ہوتا بڑی ہو کر ایسی بنے گی، تو کچھ دم درود کروالیتا!"

ولی کے ہونٹوں پر ایک دبی دبی مسکراہٹ ابھری، مگر اس نے ضبط کر لیا۔

"تمہیں شکر ادا کرنا چاہیے کہ تمہاری بیگم کا اتنا خیال رکھا تھا میں نے۔ اٹھائے اٹھائے پھرتا تھا اسے۔ اور آج۔۔۔ آج دل کرتا ہے۔۔۔"

وہ رُک گیا۔ مراد نے تیز نظروں سے اس کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کی۔

"آپ آج بھی کچھ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ وہ آج بھی آپ کو عزیز ہے۔"

بس یہ ایک جملہ مراد کے دل پر سیدھا لگا۔ اس کے چہرے پر بدلتے تاثرات کی لہر دوڑ گئی۔ اس نے بے رخی کا غلاف اوڑھنے کی کوشش کی، مگر اندر کی لرزش اس کے چہرے پر عیاں ہو گئی۔

"اب ایسی بھی بات نہیں ہے۔" وہ چہرہ دوسری جانب موڑ گیا۔

ولی نے فرصت سے ہاتھ جیبوں میں ڈالے، اور ایک وار اور کیا۔

"اچھا؟ تو پھر بتائیں کیا آپ کو برا نہیں لگتا جب اس کے ساتھ کچھ برا ہوتا ہے؟ کیا وہ آج بھی آپ کے لیے وہی بچی نہیں ہے جسے آپ اڈاپٹ کرنا چاہتے تھے؟"

یہ جملہ مراد کی کمزور رگ پر جا لگا۔ وہ لمحہ بھر کو گڑبڑا گیا، مگر فوراً لہجہ سخت کر لیا۔

"بس بس۔۔۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ وہ اب بچی نہیں ہے، بلکہ زہریلی مکڑی بن چکی ہے! جو مجھے ڈسنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی۔"

"ٹھیک ہے پھر۔۔۔ چھوڑ دیتا ہوں اسے۔ ویسے بھی میں ان سب سے تنگ آ گیا ہوں۔"

وہ پلٹا اور سکون سے چل دیا۔ مگر مراد کا سکون برباد ہو گیا۔

ایک۔۔۔ دو۔۔ تین۔۔۔ اور اگلے ہی لمحے مراد جھپٹ کر اس کی گردن دبوچ چکا تھا۔

"چھوٹے۔۔۔ ایسا سوچنا بھی مت! اس کا نہ ہونے والا اڈاپٹیو باپ ابھی زندہ ہے۔ میں تمہیں ایسے جانے نہیں دوں گا!"

یہ سنتے ہی وہ ہنس دیا۔ اتنا بے ساختہ کہ مراد کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ پہلے مراد کو فجر، رئیس کی نسبت سے عزیز تھی مگر اب اسے جب پتا چل چکا تھا کہ وہ وہی بچی تھی جسے وہ اڈاپٹ کرنا چاہتا تھا تو وہ اسے مزید عزیز ہو گئی تھی۔ راہداری میں روشنی اور سائے کھیل رہے تھے۔ دونوں کے درمیان لفظوں کی یہ کشمکش ایک بار پھر رشتے کی ڈور کو کھینچ لائی تھی۔

"تمہارا رشتہ تمہارے بھائی سے ٹھیک ہو گیا؟"

”رشتے کبھی مرتے نہیں! وہ صرف ضد اور خاموشی کے پردوں کے پیچھے چھپ جاتے ہیں۔“

مراد خاموش کھڑا تھا، مگر اس کے چہرے پر ایک ان کہی قبولیت کے آثار تھے۔ جبھی کبھی دشمنی کے لفظ بھی رشتے کی شدت کی گواہی ہوتے ہیں۔ جو رشتہ دل سے جڑا ہو، وہ گردن دبانے پر بھی ٹوٹتا نہیں۔

✿••✿••✿••✿

لکس فیشنز کے سفید ماربل کی چمکتی راہداری میں خاموشی کا قبضہ تھا۔ بس ایک آواز، ٹک۔۔۔ ٹک۔۔۔ ٹک۔۔۔ سیاہ ہیلز کی گونج۔ ہر قدم میں غرور، ہر جنبش میں زہر، اور ہر حرکت میں وہ پراسراریت جو سانس روک دے۔ منار آرہی تھی۔ لمبا سیاہ کوٹ پہنے، جس کی جھلک زمین پر بکھرتی جارہی تھی۔ کھلے بال ہوا کو چیرتے ہوئے کندھوں پر گر رہے تھے۔ سیاہ چشمے کے پیچھے چھپی آنکھیں کسی ایسے شکاری کی تھیں جو صدیوں سے شکار کھیل رہا ہو۔ دروازے کے قریب پہنچی تو ایک جھٹکے سے وہ کھل گیا، شیشے کی ہلکی سی ٹکڑاہٹ کے ساتھ۔ اندر سونیا سلطان کرسی پر بیٹھی تھی، سامنے رکھی فائلز اور کافی کا مگ جیسے پل بھر میں بے معنی ہو گئے۔ اس کے چہرے پر موجود پرسکون نقاب ایک لمحے کو پھسل گیا۔ اس کا سکون منار کو دیکھتے ہی برباد ہو گیا۔

”ہیلو سونیا! خیریت ہے۔۔۔ تم ملنا چاہتی تھی؟“

اس نے اندر آتے، ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کوٹ اتارا، کرسی پر ڈالا، اور نرمی سے بیٹھ گئی جیسے یہ جگہ اسی کی ہو۔

سونیا کے ہاتھ کپکپائے، مگر اس نے خود کو سنبھال لیا۔ پانچ سال۔۔۔ پانچ سال سے وہ اس عورت کے کھیل میں قید تھی۔ اس کی ہر سانس، ہر فیصلہ، ہر لمحہ، سب منار کے ہاتھوں کی کٹھ پتلی تھا۔

"میں آزادی چاہتی ہوں منار! پانچ سال۔۔۔ تم نے جو کچھ کہا، میں نے کیا۔ تمہارا ہر گندا کھیل کھیلا، تمہاری ہر سازش پوری کی۔ مگر اب میرا کام ختم ہو چکا ہے۔ میرے بھتیجے کو رہا کر دو۔۔۔ ہم پیرس جا رہے ہیں۔ ٹکٹس بک ہیں۔ میں ہمیشہ کے لیے چلی جاؤں گی۔"

منار چند لمحے بھنویں سکیڑے اسے دیکھتی رہی اور پھر اسکا قہقہہ ابھرا۔ اس کی آواز میں اتنی کرختگی تھی کہ کمرے کی دیواریں بھی جیسے لرز گئیں۔

"اور تم چاہتی ہو کہ میں تم پر یقین کر لوں؟ ایک لمحے میں؟ اگر تم نے دھوکہ دیا تو؟"

سونیا کے چہرے پر سختی ابھری۔ آنکھوں میں برسوں کی قید، بلیک میلنگ اور زخموں کا غصہ جھلکنے لگا۔ وہ منار سے نفرت کرتی تھی۔ اور نگزیب خاندان سے بھی۔۔۔ ان کی وجہ سے اسکا باپ مارا گیا۔ وہ رئیس سے ہمیشہ مقابلے بازی کرتی رہی اور پھر ایک دن منار لوٹ آئی۔ کھیل بدل گیا۔ جس منار سے وہ نفرت کرتی تھی وہ منار اس کی کمزوریوں سے واقف تھی۔ بزنس وومن کی حیثیت سے اس کے چند سیاہ کارنامے تھے جنہیں منار نے بڑے سلیقے سے استعمال کیا اور سونیا کی سب سے بری کمزوری شہرام تھا۔ اسکا بھتیجا جو اب بھی منار کی قید میں تھا۔

"پانچ سال میں کبھی دھوکہ نہیں دیا۔ اب کیوں دوں گی؟ تم نے میری دنیا اجاڑی، میری کمپنی کے خلاف میرے ہی ہاتھوں وار کروائے۔ میں نے فجر کو تمہارے کہنے پر لکس میں جگہ دی، شہرام کے ذریعے پرائیویٹ کالز کروائیں، رئیس کو بچانے پر مجبور کرنے کے لیے فجر کا ایکسیڈنٹ تک کروایا۔ منار۔۔۔ ہر گیم تمہاری تھی۔ اور اب جب تم نے سب کچھ حاصل کر لیا تو مجھے رہائی کیوں نہیں دیتیں؟"

منار نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی، انگلیاں آپس میں الجھا کر کے غور سے اسے دیکھتی رہی۔

"تمہاری یہ نفرت بڑی خوبصورت ہے، سونیا! یہی تو مجھے پسند ہے۔ تم جتنی نفرت کرتی ہو، اتنی ہی وفاداری دکھاتی ہو۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ تم جیسی عورتیں بھاگنے میں بھی ماہر ہوتی ہیں۔"

سونیا کے ہاتھ مٹھیوں میں بند ہو گئے۔

"میں بھاگ نہیں رہی۔ میں ختم کر رہی ہوں یہ کھیل۔ میرے بھتیجے کو چھوڑ دو۔ میں نے سب انتظام کر لیا ہے۔ پیرس ہمارا نیا آغاز ہو گا۔"

منار نے چشمہ اتارا، اور اس کی سیاہ آنکھوں میں وہی سرخی جھلکی جیسے کسی ڈائن کی آنکھوں میں چمکتی ہے۔

"اگر میں نے تمہیں آزاد کر دیا تو بدلے میں کیا ہے؟ صرف تمہاری یقین دہانی؟" اس نے ابرو اٹھا کر سونیا کو دیکھا۔

"یقین سے بڑھ کر اور کیا چاہیے؟ میں جا رہی ہوں۔ تمہارے کھیل میں مزید حصہ نہیں لوں گی۔ میں تھک چکی ہوں۔۔۔ میرا بھتیجا ہی میری دنیا ہے۔ پلیز اسے رہا کر دو۔"

منار کی آنکھوں میں لمحہ بھر کو سوچ کا سایہ ابھرا۔ پھر اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ مگر یاد رکھنا۔۔۔ مکڑی اپنے جال سے کبھی دور نہیں جاتی۔ چاہے تم پیرس چلی جاؤ یا دنیا کے آخری کنارے، یہ دھاگے ہمیشہ تمہیں میری طرف کھینچتے رہیں گے۔"

سونیا کا گلا خشک ہو گیا۔ وہ جانتی تھی کہ منار کا کہا کوئی عام دھمکی نہیں۔ اس عورت کی ہر بات، ہر جملہ۔۔۔ حقیقت میں بدلنے کی طاقت رکھتا تھا مگر فی الوقت اسے رہائی مل رہی تھی یہی کافی تھا۔

"اگر میں یہ جال توڑ دوں؟"

منار ہنس دی۔ ”جال توڑنے کی کوشش کرنے والے خود اس میں پھنس جاتے ہیں۔ تم نے دیکھا نہیں؟ پانچ سال۔۔۔ اور تم آج بھی میرے سامنے بیٹھ کر رہائی مانگ رہی ہو۔“

سونیا نے پل بھر کو آنکھیں بند کیں۔ وہ تھک چکی تھی۔ مگر اس کی آنکھوں میں اب بھی ایک چمک باقی تھی۔ امید کی چمک!

”تمہیں یقین دلا رہی ہوں منار! چند دن میں، میں چلی جاؤں گی۔ ٹکٹس میرے پاس ہیں۔ پیرس ہمارا نیا آغاز ہو گا۔“ اس نے پھر سے دہرایا۔

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ دونوں عورتیں ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں۔ ایک شکاری کی نگاہیں، ایک شکار کی مزاحمت۔

منار نے آخر کار آہستگی سے کہا۔

”اچھا۔۔۔ دیکھتے ہیں۔ یاد رکھو، اگر تم نے ذرا سا بھی قدم الٹا رکھا، تو نہ پیرس بچے گا، نہ تمہارا بھتیجا۔“

سونیا نے سر جھکا کر آہستگی سے جواب دیا۔

”میں دھوکہ نہیں دوں گی۔ یہ میرا وعدہ ہے۔“

”ٹھیک ہے پھر۔۔۔ کافی تو پلاؤ!“

سونیا نے ضبط کرتے ہوئے، انٹر کام پر کافی آرڈر کی۔ کچھ دیر وہ بیٹھی رہی۔ کافی پیتے ہوئے پر شوق نگاہوں سے سونیا کو دیکھتی رہی۔ پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے سیاہ کوٹ کی جھلک پھر سے ہوا میں لہری۔

دروازہ کھلا۔ وہ واپس راہداری میں قدم رکھتی گئی۔ ٹک۔۔۔ ٹک۔۔۔ ٹک۔۔۔ ہیلز کی آوازیں پھر گونجنے لگیں۔

سونیا کرسی پر بیٹھی رہ گئی، مگر اس کے دل کی دھڑکن ابھی بھی تیز تھی۔ پانچ سال کا کھیل ختم ہو رہا تھا، مگر یہ آخری ملاقات تھی یا ایک نئے کھیل کی شروعات۔۔۔ اس سوال کا جواب شاید صرف منار کے پاس تھا۔ سونیا سلطان پیرس جا رہی تھی، مگر منار کے زہریلے دھاگے اس کے ساتھ اڑنے کے لیے تیار تھے۔

✿••✿••✿••✿

دو دن مزید گزر چکے تھے۔ لاہور کی ہوا میں اب بھی جلے ہوئے کپڑے، پگھلے ہوئے شیشوں، اور راکھ میں چھپے خوابوں کی بو گھلی ہوئی تھی۔ مگر اس صبح فجر کے اندر کا موسم بدل چکا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اب آنسو نہیں تھے۔ صرف ایک خاموش، ٹھہری ہوئی روشنی تھی، جیسے کسی طوفان کے بعد دریا اپنی سطح پر واپس آ گیا ہو۔

منار فیشنز کی عمارت پر مرمت کا کام شروع ہو چکا تھا۔ مزدوروں کی آوازیں، ہتھوڑوں کی ٹک ٹک، اور اینٹوں کی سرسراہٹ ہر سمت سنائی دیتی تھی۔ وہ لمحہ بہ لمحہ اپنی بکھری سلطنت کو دوبارہ جڑتا دیکھ رہی تھی، مگر اس کے دل کے کسی کونے میں ایک ناقابلِ بیان خالی پن تھا۔ یہ خالی پن جلے ہوئے پتھروں یا گرے ہوئے شیلفوں کا نہیں تھا۔ یہ خالی پن رشتے کا تھا۔ خون کے اس رشتے کا، جس نے اس کے خوابوں کو آگ لگا دی تھی۔ وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی وہاں سے لوٹی تھی۔

منار فیشنز کے بالائی مرکزی ہال کی وہ جگہ جہاں کبھی شوریم ہوتا تھا، اب ملبے میں دبی تھی۔ مگر اس نے وہاں کھڑے ہو کر ایک لمحے کے لیے آنکھیں بند کی تھیں، اور دل ہی دل میں خود سے کہا تھا۔

”ہاں یہ میرا انجام نہیں۔ یہ صرف میرا امتحان ہے۔“

اور اب وہ گھر کی بالائی منزل کے لاؤنج میں تھی۔ چائے کے بھاپ اڑاتے کپ کے ساتھ وہ کرسی پر ٹیک لگا کر بیٹھی تھی۔ نیچے لان میں باغبانوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ آسمان دھند میں لپٹا تھا۔ زندگی کے پچھلے چند سال اس کی نگاہوں کے سامنے ایک فلم کی طرح گھوم گئے۔

رئیس کا چہرہ، منار کی پراسرار مسکراہٹ، ولی کی آنکھوں کا سکون، اور ان سب کے بیچ۔ اس کی اپنی بقا کی جدوجہد۔

کتنی بار اسے مارنے کی کوشش کی گئی تھی۔ کتنی بار اس کے وجود پر وار ہوئے تھے۔ مگر وہ ہر بار بچ نکلی تھی۔

کیوں؟ کیونکہ اس کے اندر ایک ضد تھی، ایک زہریلی سی ہمت، جو مرنے نہیں دیتی تھی۔۔ اور آج، اسی ہمت نے اسے پھر زندہ کھڑا کیا تھا۔ اس نے چائے کا گھونٹ لیا اور کرسی سے اٹھتے ہوئے میز پر رکھا موبائل اٹھایا۔

ای میل نوٹیفکیشن کی ایک نئی لائٹ چمکی۔

اس نے ان باکس کھولا، درجنوں پیغامات، رپورٹس، معاوضے کے کاغذات۔ مگر ایک نام پر انگلی تھم گئی۔

روحی! دل کی دھڑکن یکدم بدل گئی۔ وہ اپنے علاج کے لیے جا چکی تھی۔ فجر نے بے اختیار سر جھٹکا۔

"شٹ۔۔۔" لبوں سے دھیما سا نکلا، جیسے دل سے نکلنے والی دھواں دار چیخ کو روک لیا گیا ہو۔ وہ منار میں اتنا الجھ گئی تھی کہ جانے سے پہلے روحی سے مل بھی نہ سکی۔ مگر حیرت کی بات یہ تھی کہ روحی اس سے ملے بنا کیسے چلی گئی؟ بھوئیں ہلکی سی سکڑ گئیں۔ اس نے ای میل کھولی۔ ای میل جس کے سبجیکٹ میں گڈ بائے لکھا ہوا تھا۔

لفظوں نے جیسے اس کے سامنے کوئی نیا جال بُننا شروع کر دیا۔

"میں جا رہی ہوں۔ ہاں، اس بار آپ سے ملے بغیر۔

شاید اسی میں سکون ہے۔ کچھ ملاقاتیں دل کو سلجھانے کے بجائے الجھا دیتی ہیں، اور میں اب مزید الجھنا نہیں چاہتی۔

آپ کو یقیناً برا لگے گا۔ مگر مجھے یقین ہے کہ جب میں لوٹوں گی، تو آپ مجھے پہچان نہیں سکیں گی۔ کیونکہ میں وہ روحی نہیں رہوں گی جو آپ کو یاد ہے۔ میں بدل چکی ہوں گی، اور یہ تبدیلی شروع ہو چکی ہے۔ البتہ میں اپنا جار ساتھ لے جا رہی ہوں۔ ہاں، وہی چھوٹی سی مکڑی جو آپ نے مجھے دی تھی۔

آپ شاید یقین نہ کریں، مگر ہم دونوں اسی مکڑی سے جڑے ہیں۔

وہ مکڑی میرا سایہ ہے، اور شاید آپ کا بھی۔ میں جلد لوٹوں گی۔

اور جب لوٹوں گی۔۔۔ تو اس جال کا مرکز بدل چکا ہو گا۔

خدا حافظ، روحی!"

فجر کی انگلیاں اسکرین پر ٹک گئیں۔

کمرے کی خاموشی میں صرف دل کی دھڑکن سنائی دے رہی تھی۔ ای میل کے آخری جملے نے جیسے فضا میں سردی پھیلا دی۔ **"اس جال کا مرکز بدل چکا ہو گا۔۔۔"**

وہ لمحہ بھر کے لیے گہری سانس لے کر اٹھی اور کھڑکی کے پار دیکھا۔ آسمان پر گہری دھند پھیل چکی تھی، جیسے کسی نے شیشے پر سانس بھری ہو۔ نیچے لان میں ایک مکڑی اپنے جال پر چمکتی اوس میں آہستہ آہستہ حرکت کر رہی تھی۔ البتہ فجر کے لبوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ ابھری۔ ایک نئی سوچ اس کے اندر سر اٹھا چکی تھی۔ **"مکڑی اور جال"** وہ جس جال میں اسے پھنسایا گیا تھا اسے اب وہ جال توڑنا تھا۔ اس نے موبائل پر ایک نمبر ڈائل کیا۔ اسکرین پر اب **ہسبنڈ** لکھا چمک رہا تھا مگر کال نہیں اٹھائی گئی۔ پھر اس نے ایک اور نمبر ملایا۔

"یس میڈم؟" یہ ایک گارڈ تھا۔

"صاحب یہی ہیں یا چلے گئے؟" وہ اس سے ولی کا پوچھ رہی تھی جو منار میں ہی تھا۔ کام کروا رہا تھا۔

"صاحب ابھی کچھ دیر پہلے نکلے ہیں۔ کہہ رہے تھے جلد لوٹ آئیں گے۔" گارڈ نے اطلاع دی تو فجر نے اثبات میں سر ہلاتے فون بند کر دیا۔ چائے کا کپ اب مکمل ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

اس نے وہ کپ میز پر رکھا، فون بند کیا اور جیسے ہی موبائل میز پر رکھنے کو مڑی، نگاہ غیر ارادی طور پر میز کے کنارے پر رکھی ایک بھوری فائل پر جا ٹھہری۔ ایک لمحے کے لیے وہ ساکت ہو گئی۔ پھر اس کے چہرے پر وہی پرانی سنجیدگی اتر آئی۔

یہ وہی فائل تھی جو اسے دی تھی اور اگلے ہی لمحے وہ کرسی پر نیم جھکی فائل کھول چکی تھی۔ کاغذات کے درمیان جیسے کوئی سچائی دہک رہی تھی۔ وہی سچائی جو اسے تکلیف دیتی تھی۔ رئیس اورنگزیب کا نام بار بار اس کی آنکھوں کے سامنے آ رہا تھا۔ منار فیشنز کا حقیقی پارٹنر وہ تھا۔ لفظ تیز چمکتی چھریوں کی طرح اس کے دماغ میں اتر گئے۔

چند لمحے وہ خالی نظروں سے کاغذوں کو دیکھتی رہی۔

پھر جیسے ذہن میں کوئی کلک ہوا۔ ایک تیز، واضح، دھماکہ خیز خیال۔ اگر رئیس گروپ حقیقی پارٹنر تھا تو منار فیشنز کی تباہی کا مالی نقصان اب صفدر یا صرف اس کا نہیں بلکہ رئیس گروپ کا بنتا تھا۔ یعنی، قانوناً اور بزنس کے اصولوں کے مطابق، رئیس گروپ کو ازالے کے طور پر پچاس فیصد نقصان ادا کرنا تھا۔ بس فجر کی آنکھوں میں اچانک چمک لوٹ آئی۔ یہ صرف ایک مالی نکتہ نہیں تھا۔ یہ انصاف کا دروازہ تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ اکیلے منار دوبارہ کھڑا نہیں کر سکتی تھی۔ وہ کر سکتی تھی لیکن جب اتنا پاور فل پارٹنر موجود تھا پھر خود اتنا بوجھ کیوں اٹھانا۔ وہ لمحہ یاد آیا جب اس نے رئیس سے بے اختیار شکوہ کر دیا تھا اور وہ بنا کچھ کہے چلا گیا تھا۔ گہری سانس لے کر خود پر ضبط کیا اور کرسی سے آہستہ سے اٹھی۔

چائے کے کپ کی بھاپ کب کی ختم ہو چکی تھی مگر فضا میں اس کے عزم کی گرمی پھیلنے لگی تھی۔ وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر بالوں کو مضبوطی سے باندھا۔ اس کی حرکات میں ایک ٹھہرا ہوا اعتماد تھا، جیسے کوئی ملکہ میدانِ جنگ سے پہلے اپنا تاج درست کر رہی ہو۔

پھر اس نے وارڈروب کھولا۔ کچھ ہی دیر بعد، آئینے کے سامنے کھڑی فجر ایک نئے روپ میں تھی۔ گہرے مرون رنگ کا سوٹ! جس کی سلائیوں میں طاقت جھلک رہی تھی۔

ہلکی مگر نفیس جیولری، اور لبوں پر گہری لپ اسٹک کا ایک مضبوط سایہ۔ چہرے پر وہی وقار، وہی ضبط، مگر اب آنکھوں میں ایک نیا نور تھا۔ صرف انتقام کا نہیں بلکہ احقاقِ حق کا۔

کورٹ شوز پہنے، اپنا چھوٹا سا اسٹائلش بیگ ہاتھ میں لیا، اور آئینے میں خود کو ایک لمحے کے لیے غور سے دیکھا پھر زیرِ لب مسکرائی۔

"اب دیکھتے ہیں، مدر! جب منار فیشنز کی راکھ میں سے فجر دوبارہ اٹھے، تو آپ سامنا کیسے کریں گی؟"

وہ آہستہ آہستہ سیڑھیاں اترتی گئی۔ ہر قدم کی ٹک ٹک ماربل کے فرش پر گونج بن کر بج رہی تھی۔ جیسے کوئی جنگی اعلان۔ دروازہ کھلا۔ باہر کی دھوپ نہیں تھی، مگر اس کے چہرے پر زیادہ روشنی تھی۔ وہ گاڑی کے قریب پہنچی، ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی اور دروازہ بند ہو گیا۔

گاڑی آہستگی سے مین روڈ پر مڑی اور اس کی آنکھیں سیدھی ایک منزل پر ٹکی رہیں۔ **رئیس گروپ!**

جہاں آج صرف حساب نہیں ہونے والا تھا،

بلکہ ایک پرانی سلطنت کی بنیاد دوبارہ رکھی جانے والی تھی۔

کہانی پھر سے حرکت میں آگئی تھی۔ جال بُننے والا اب بدل چکا تھا اور عنکبوت کی نئی پرت کھلنے والی تھی کیونکہ بیگم اس بار جنگ نہیں چاہتی مگر اسے گھسیٹ لیا گیا تھا۔

✿··✿··✿··✿

جوزف پیلس: ماضی کی راکھ

شام کے دھندلے سائے جوزف پیلس کی بلند دیواروں پر رینگ رہے تھے۔ چمنی کے سامنے ایک بھاری کرسی پر مسٹر جوزف بیٹھے تھے، آنکھوں پر عمر کی لکیر، مگر چہرے پر وہی سرد پن جو ان کی پہچان تھا۔ ٹی وی کی روشنی ان کے چہرے کے نقوش پر ہلکی چمک ڈال رہی تھی۔ اسکرین پر جارج کا چہرہ نمایاں تھا۔ جینی کے ساتھ اس کے اعتراف، اس کے الفاظ، اس کا ندامت بھرا لہجہ! اسکرین پر تبصرے جاری تھے۔

"جارج کے اس کنفیشن کے بعد اس کے کئی بڑے کمرشل کینسل کر دیے گئے ہیں۔"

"مگر ایک بات طے ہے، اس شخص نے سچ بول کر دنیا ہلا دی ہے۔"

مسٹر جوزف نے آہستہ سے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی میوٹ کر دیا۔ ٹی وی خاموش ہوا، مگر اندر کی آوازیں جاگ اٹھیں۔ چہرہ سپاٹ تھا، مگر آنکھوں میں ایک نرم سی لرزش۔۔۔ دکھ کی ہلکی سی رمق، جو برسوں سے دبی ہوئی تھی۔

انہوں نے لمبی سانس لی۔ کمر سیدھی کی۔ اور لمحہ بھر میں جیسے ماضی کا پردہ کھل گیا۔ اس دھند میں جہاں افق اورنگزیب تھی۔ ان کی محبوب بیوی!

وہ دن جب قسمت انہیں ایک بار پھر سے ملا رہی تھی۔ اسٹرلنگ کے قدیم چرچ کے قریب شوٹنگ جاری تھی۔ سڑک کے کنارے سفید اسکارف میں لپٹی ایک عورت کھڑی تھی، آنکھوں میں گھبراہٹ، ہاتھوں میں کوئی فائل۔ وہی تھی۔ افق!

اسے دیکھ کر جوزف کے قدم ایک لمحے کو رک گئے۔ سانس جیسے اٹک گئی۔ وہ عورت جو کبھی ان کی زندگی کی سب سے بڑی حقیقت تھی، آج ایک اجنبی شہر کی گلی میں کھڑی تھی لیکن وہ نخوت سے رخ موڑ گئے۔ پانچ سال! پورے پانچ سال گزر گئے تھے۔ اسے غائب ہوئے۔۔۔ پانچ سال جوزف نے اسے ڈھونڈا تھا اور اب حالیہ وہ انہیں یہاں اسٹرلنگ میں ملی تھی۔ وہ آج پھر منت کرنے آئی تھی۔

"پلیز۔۔۔ مجھے جانے دو، جوزف! پلیز۔۔۔" لیکن جوزف نے اس کی التجاء کبھی سنی ہی نہیں کیونکہ اس وقت وہ اپنی انا کے ہاتھوں مجبور تھے۔

ایک عیسائی مرد اور وہ بھی دوبارہ شادی شدہ!

یہ صرف گناہ نہیں، بلکہ مذہب کی نظر میں حرام عمل تھا۔

ان کی پہلی بیوی روزینہ ایک مہذب، نیک مزاج خاتون تھی۔ جب جوزف نے اس سے افق کا ذکر کیا تو اس نے دل پر پتھر رکھ کر خود اجازت دی تھی کہ اگر جوزف چاہیں تو افق سے شادی کر لیں۔ مگر عیسائی مذہب اجازت نہیں دیتا۔ چرچ کے پادری نے کہا تھا۔

"خدا کی نظر میں دوسری شادی کی کوئی اجازت نہیں۔"

مگر جوزف نے افق سے محبت کی تھی۔ ایسی محبت جو مذہب کے قانون سے بڑی لگتی تھی۔ ایسی محبت جو خدا سے بڑی لگتی تھی۔ لہٰذا انہوں نے چرچ سے ہٹ کر، ایک خفیہ نکاح کر لیا۔

ایک پادری نے دونوں کا ایجاب و قبول پڑھوایا، اور وہ لمحہ ان کے لیے زندگی کی سب سے حسین یاد بن گیا۔ مگر وہ نکاح قانونی نہیں تھا۔ نہ چرچ نے تسلیم کیا، نہ حکومت نے رجسٹر کیا۔

محبت تھی۔۔۔ مگر غیر قانونی۔ پھر جب افق حاملہ ہوئی، تو اس کے اندر گناہ کا احساس سر اٹھانے لگا۔ وہ راتوں کو چیخ کر اٹھ بیٹھتی۔ ڈراؤنے خواب اسے سونے نہ دیتے۔ وہ ایک ہی بات بڑبڑاتی رہتی۔

"ہم نے غلط کیا جوزف۔۔۔ یہ شادی گناہ تھی۔ میں نے اپنے ایمان سے بغاوت کی۔"

جوزف نے بہت سمجھایا۔ "خدا محبت ہے، افق! اس نے ہمیں ملایا ہے۔" مگر افق کی روح اضطراب میں تھی۔ وہ خود کو آگ میں جلتا ہوا پاتی۔ وہ خود کو تڑپتا ہوا دیکھتی۔ اور پھر وہ خواب نہیں، حقیقت بن گیا۔ ایک دن وہ چلی گئی۔

جوزف نے ہر جگہ ڈھونڈا۔ مگر افق کہیں نہ ملی۔ اس کے پاسپورٹ، شناختی کارڈ، ویزا، سب کچھ پہلے جوزف کے قبضے میں تھا۔ اس کی ذہنی حالت جس قدر بگڑ چکی تھی جوزف کو یہی خدشہ تھا۔ مگر اب وہ جانا چاہتی تو جا نہیں سکتی تھی اور پھر پانچ سال بعد جب وہ دوبارہ سامنے آئی تو مزید ٹوٹی ہوئی تھی۔ وہ پاکستان واپس جانا چاہتی تھی۔ صرف اپنے بیٹے کو لے کر مگر قانون کہتا تھا کہ اگر شادی رجسٹرڈ نہیں، تو بچہ illegitimate سمجھا جائے گا، اور وہ ماں اکیلی اسے لے کر ملک نہیں چھوڑ سکتی۔ یہ وہ لمحہ تھا جب جوزف کا ضمیر اور انا آمنے سامنے کھڑے تھے۔

"پلیز جوزف! مجھے جانے دو۔ میرے کاغذات واپس دے دو۔ مجھے اپنے ملک جانا ہے۔۔۔ اپنے خاندان کے پاس۔"

"تم میرے بیٹے کو لے کر کہیں نہیں جا سکتیں۔" وہ بے رحم ہوئے۔

"ایسا مت کرو جوزف!"

"واپس آ جاؤ افق! میں تمہیں آج بھی اپنا لوں گا۔ تم میری بیوی ہو۔"

"تمہاری بیوی؟ چرچ مانتا ہے؟ حکومت مانتی ہے؟ کوئی مانتا ہے؟"

اس کی آواز میں چیخ تھی، گناہ کا اعتراف، اور ایک عورت کی ٹوٹی ہوئی امید۔۔۔

"محبت صرف ایک خطا تھی، جوزف! میرے ایمان کی خطا!"

مسٹر جوزف کا جرم یہ نہیں تھا کہ وہ محبت میں پڑے یا انہوں نے عیسائی ہوتے ہوئے دوسری شادی کی بلکہ ان کا جرم یہ تھا کہ انہوں نے سچ چھپایا اور ایک عورت کی واپسی کے راستے بند کر دیئے۔

"میں نے تمہارے لیے سب کچھ چھوڑا ہے۔ چرچ، برادری، ایمان، سب۔۔۔ اور تم نے مجھے ہی چھوڑ دیا؟"

"اور میں نے بھی تو چھوڑا ہے جوزف!" وہ رو دی، "میں نے اپنا مذہب، اپنے والدین، اپنی پہچان۔۔ سب کچھ تمہارے لیے قربان کیا۔ مگر اب میں خود کو پہچانتی نہیں۔ یہ زندگی، یہ گناہ۔۔۔ یہ محبت نہیں، عذاب تھا۔۔"

"محبت تمہارا عذاب نہیں، تمہاری پناہ تھی۔" جوزف نے رخ پھیرا۔

"پناہ وہ ہوتی ہے جہاں دل سکون پائے۔ یہاں تو میرے دل میں صرف خوف تھا۔۔۔ اور گناہ کا احساس۔"

جوزف نے اسے اس کے کاغذات نہیں دیئے۔ اس نے اپنی شادی رجسٹر نہیں کی۔ مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ افق کیوں اس کی منتیں کر رہی تھی کیونکہ اس دوران افق کی زندگی میں ایک سایہ داخل ہوا تھا منار کا سایہ! وہ منار نہیں تھی جسے افق جانتی تھی۔ یہ ایک تاریکی میں لپٹی منار تھی، جس کی آنکھوں سے روشنی رخصت ہو چکی تھی۔

وہ گزرے سالوں میں تاریک دنیا میں اپنی جگہ بنا چکی تھی اور پہلا بدلہ لینے اس کے پاس آئی تھی کیونکہ اسی کی وجہ سے وہ آج اس حال میں تھی۔ نہ افق غلط قدم اٹھاتی، نہ وہ جوزف سے شادی کرتی اور نہ اسے رئیس کے ساتھ باندھا جاتا۔ نہ وہ فرقان کی جانب مائل ہوتی۔ اس سارے فساد کی جڑ، وہی تو تھی **افق اور نگزیب!**

"تمہارا آدھا خاندان مر چکا ہے، افق! تم جیو گی تو کیا کرو گی؟"

"یہ جھوٹ ہے۔۔۔" وہ کانپ اٹھی۔

"جھوٹ نہیں، حقیقت ہے۔ تمہاری سزا مجھے ملی، اب تمہیں اپنی سزا خود چننی ہے۔"

افق نے کئی بار اورنگزیب حویلی رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر اس کی آواز اسکا نام بھی کوئی سننا نہیں چاہتا تھا۔

منار اکثر آتی۔ اس کے الفاظ زہر کی طرح اس کے دل میں اترتے۔

"جوزف تمہیں نہیں چاہتا۔ وہ تمہیں اپنے مذہب کے خلاف لا سکتا ہے مگر دل میں تمہارے گناہ سے شرمندہ ہے۔ تمہارا کوئی گھر نہیں، افق! تم نے مجھے برباد کیا اور اب تمہاری بربادی شروع ہو گی۔"

افق کے لیے یہ سب ناقابلِ برداشت تھا۔ وہ ہر روز فون کرتی، کبھی پاکستان، کبھی کسی پرانے نمبر پر۔۔۔ مگر دوسری جانب خاموشی تھی۔ دھیرے دھیرے افق کے اندر کی سانسیں ریزہ ریزہ ہونے لگیں۔ اس کی ذہنی حالت بگڑنے لگی۔

ایک رات وہ اپنے بیٹے کو دیکھتی رہی۔ چھوٹا سا وجود، جو اس کے گناہ اور محبت کا نشان تھا۔ پھر وہ جوزف کی بے رخی اور منار کی سیاہی کی تاب نہ لا سکی۔ ایک شام اس نے خود کو ختم کر لیا۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اور یوں ولیم، مسٹر جوزف کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مل گیا۔

اچانک ٹی وی کی تیز روشنی ان کے چہرے سے ٹکرائی تو وہ چونک کر حال میں واپس لوٹے۔ چند لمحے یونہی ساکت رہے پھر اپنی کرسی پر جھک گئے۔ چہرہ دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔

"میں نے اسے مارا نہیں تھا۔۔۔" وہ بڑبڑائے، "میں نے بس اسے جانے نہیں دیا تھا۔۔۔"

اور انکا نہ جانے دینا افق کو مار گیا۔

اور مسٹر جوزف! آج تک اکیلے تھے۔ جوزف پیلس میں ہر آئینہ جیسے ان پر ہنستا تھا۔

کہ جس نے محبت کے نام پر ایمان بیچ دیا،

اور انا کے نام پر محبت کھو دی۔

وہ آج بھی وہیں تھا۔

اپنے ہی محل میں قید،

ایک ڈریکولا جو روشنی سے ڈرتا تھا،

مگر اندھیرے میں رہنا اس کی سزا بھی تھی اور پناہ بھی۔

✿··✿··✿··✿

سفید ماربل سے بنے اس ہال میں ہر قدم کی بازگشت گونج رہی تھی۔ چھت سے نیچے تک پھیلی شفاف شیشے کی دیواروں میں فجر کا عکس بار بار جھلک رہا تھا۔ وہ عکس جو کبھی "**منار فیشنز**" کا چہرہ کہلاتا تھا، اور آج اپنی ہی راکھ سے جنم لے کر رئیس گروپ کے دل تک پہنچ چکا تھا۔ ہال کے ایک طرف جدید آرٹ کے فریم ٹنگے تھے۔ سیاہ، سفید، اور سرخ رنگ کے امتزاج میں بنے نقش، جیسے طاقت، سکوت، اور انتقام کی علامت ہوں۔

ہوا میں مہنگے پرفیوم اور کیفین کی خوشبو گھلی ہوئی تھی۔

لیکن اس خوشبو میں کہیں نہ کہیں جلے ہوئے خوابوں کی بھاپ بھی شامل تھی۔ اسکا ہر قدم ناپ تول کر رکھا جا رہا تھا۔ سیدھا، مضبوط، اور باوقار۔ وہ چلتے ہوئے سیدھی لابی سے گزر کر ان شیشے کے دروازوں تک پہنچی جہاں R.A کا سنہری لوگو چمک رہا تھا۔ لوگ رک رک کر اسے دیکھ رہے تھے۔ اس عورت کو جو دو دن پہلے منار فیشنز کے ملبے سے زندہ لوٹی تھی۔ کسی نے اس کی تیاری دیکھ کر آہستہ سے چوٹ کی۔

"رسی جل گئی۔۔۔ مگر بل نہیں گیا۔ دیکھو، اب بھی ویسی ہی لگ رہی ہے۔"

فجر کے لبوں پر ایک مدھم، مگر سخت مسکراہٹ ابھری۔ بات رسی کے جلنے کی نہیں تھی۔ بات یہ تھی کہ اب وہ خود آگ بن چکی تھی۔ وہ چند قدم مزید بڑھی اور پھر ٹھہر گئی۔ سامنے سے ایک اور ٹیم آ رہی تھی۔ فلک، بھورے بلیزر

میں، اونچی اونی ٹوپی پہنے تھی۔ وہ اس وقت ڈیزائنرز کی ٹیم کے ساتھ تھی اور چہرے پر وہی ٹھہراہوا وقار جو برسوں کی محنت سے پیدا ہوتا ہے۔ دونوں کی نظریں ٹکرائیں۔ وقت ایک لمحے کو تھم گیا۔ ہوا کی رفتار کم پڑ گئی، اور سفید روشنی میں جیسے دونوں کے چہرے ایک دوسرے میں تحلیل ہونے لگے۔

فجر وہیں کھڑی تھی۔ فلک کے قدم بھی آہستہ پڑ گئے۔ پھر اس نے اپنے ساتھ چلتے ڈیزائنرز کی طرف دیکھا اور ایکسکیوز کرتی سیدھی فجر کی طرف بڑھی۔ چند لمحوں بعد وہ دونوں آمنے سامنے تھیں۔

"خیریت؟ تم یہاں؟" فلک کی آواز نرم تھی مگر اس میں حیرت چھپی نہ تھی۔ پچھلے کافی دنوں سے وہ دونوں اپنی اپنی زندگی میں کسی حد تک مصروف ہو چکی تھیں۔ اتنی زیادہ کہ منار فیشنز کے جلنے پر فلک اسے ایک فون نہیں کر پائی تھی اور فجر پچھلے کئی دنوں سے اس سے یہ نہیں پوچھ پائی تھی کہ برج منار میں ہوئے ڈنر کے بعد اس کے خاندان نے اس کے ساتھ کیا رویہ رکھا؟ خاموشی دونوں طرف گہری تھی۔ شاید کبھی کبھی ہم اپنے درد میں اس قدر غرق ہو جاتے ہیں کہ کچھ اور دکھائی نہیں دیتا۔

فجر نے سانس بھری، اپنے چہرے سے چشمہ اٹھا کر بالوں میں جما دیا۔

"ہاں۔۔۔ کچھ ضروری کام تھا۔"

اس کے لہجے میں سکون تھا، مگر فلک محسوس کر چکی تھی کہ اس سکون کے نیچے ایک بھڑکتی آگ چھپی تھی۔ چند لمحے خاموشی میں گزرے پھر وہ دونوں شیشے کی دیوار سے ہوتے ہوئے اس کشادہ بالکونی میں آ کھڑی ہوئیں جہاں سے پورا لاہور ایک نقشے کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔ دور تک پھیلی سڑکیں، عمارتوں کی چھتوں پر لگی اینٹینا ز، اور رئیس گروپ کی سرسبز چھت۔ ایک سلطنت، جو طاقت کے سنگِ بنیاد پر کھڑی تھی۔

فجر ریلنگ پر کہنیاں ٹکائے کھڑی ہوئی۔ ٹھنڈی ہوا اس کے بالوں سے الجھ رہی تھی، مگر اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں۔

وہ دور شہر کی طرف دیکھ رہی تھی، جیسے وہاں کسی پوشیدہ جواب کی تلاش ہو۔ فلک نے پہلو بدلا تو فجر نے سوال کیا۔

"کیسا گزر رہا ہے یہاں تمہارا وقت؟" سوال عام سا تھا، مگر معنی بھاری۔

فلک نے ایک لمحے کو اسے دیکھا، پھر دھیرے سے جواب دیا۔

"جتنا اچھا ہو سکتا ہے، اتنا گزر رہا ہے۔"

کبھی کبھی زندگی ہمیں وہ سب دیتی ہے جو ہم نہیں چاہتے۔ خاموشی ایک بار پھر گہری ہو گئی۔

"تمہیں کیسا لگتا ہے فجر؟ منار کی ہمشکل ہونا؟ اور اس چہرے کے بدلے وہ نفرتیں اور محبتیں سہنا جو تمہارا حق نہیں تھیں؟"

"میں نے ان سے کسی محبت یا نفرت کی خواہش نہیں کی تھی،

مگر پھر بھی دونوں میرے حصے میں آئیں۔" فجر نے بنا کسی توقف کے جواب دیا۔

فلک کی آنکھوں میں ایک لمحے کو تاسف ابھرا۔ فجر نے دھیرے سے سر جھکایا، پھر نگاہ سیدھی کی۔

"شاید یہی زندگی کا سب سے بڑا امتحان ہے۔ کبھی کبھی خدا ہمیں کسی اور کا چہرہ دے کر، خود ہمارا اصل سامنے لاتا ہے۔

میں نے منار کا چہرہ پایا، مگر فجر کا دل رکھا۔ اور اب یہی دل میرا ہتھیار ہے۔" وہ دھیرے سے اس کی جانب مڑی اور مسکرائی۔

جبکہ فلک خاموش رہی۔ ہوا میں ان کہے جملوں کا بوجھ لٹک گیا اور اتنا ہی بوجھ فلک کے دل پر آ گرا تھا۔

"ڈارک اسٹارز کے لیے بیسٹ آف لک، فلک! میں جانتی ہوں تم بہت اچھا کرو گی۔"

اس بار فلک نے ہلکی سی مسکراہٹ دی مگر آنکھوں میں اداسی تھی۔

"شکریہ، مگر لگتا ہے کچھ کہانیاں ہمیں دوبارہ سے لکھنی پڑتی ہیں۔ جہاں پرانی سچائیاں ختم نہیں ہوتیں، وہیں نئی کہانیاں جنم نہیں لے سکتیں۔۔۔" اس بار اس کی شہد رنگ آنکھوں میں فجر کے لیے وہی الوہی سی محبت ابھری جو اس کے لیے مخصوص تھی۔ وہ مصنفہ تھی۔۔۔ ہر کہانی کو، ہر اینڈنگ کو اپنی مرضی سے بدل سکتی تھی۔

"مجھے بگ بی سے ملنا ہے۔"

فلک نے ہلکے سے سر ہلایا۔ "جاؤ۔۔۔ وہ تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔۔۔ اور شاید۔۔۔ تقدیر بھی۔" اس نے معنی خیز انداز میں کہا تو فجر تیز قدموں سے آگے بڑھی۔ اس کے ہیلز کی آواز ماربل پر بج رہی تھی۔ جیسے کسی اعلان کی گھنٹی۔

ہال کے آخر میں رئیس گروپ کے ایگزیکٹو روم کے دروازے تھے۔

وہ جانتی تھی، ان دروازوں کے پار وہ شخص تھا۔ جس نے کبھی اس کی دنیا جلائی بھی تھی اور بچائی بھی تھی۔ اور شاید۔۔۔ اب وہیں سے اسے دوبارہ زندہ ہونا تھا۔ اس نے ایک لمحے کو ٹھہر کر سانس بھری۔ پھر دروازے کی طرف بڑھی، ہاتھ دروازے کے ہینڈل پر رکھا اور اسے کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ سامنے ہی گلاس وال کے پار کا منظر واضح ہو گیا۔ کانفرنس روم میں چمکتی میز کے گرد رئیس اپنے بورڈ ممبرز کے ساتھ بیٹھا تھا۔ دیوار پر بڑی اسکرین پر مالیاتی رپورٹس جھلک رہی تھیں، چاروں جانب ٹھہری ہوئی سنجیدگی تھی۔ جیسے وقت خود بھی رئیس کے اشارے کا منتظر ہو۔ اس کا لہجہ مدھم مگر اتھارٹی سے بھرا ہوا تھا۔

"اگر فنانس ٹیم نے یہ بجٹ منظور نہیں کیا، تو کسی نئے پراجیکٹ کی بات بھی نہ کریں۔ ہم اب محض منافع نہیں، استحکام خرید رہے ہیں۔"

بولتے ہوئے اس نے انگوٹھا، انگوٹھی پر پھیرنے کی عادت دہرائی۔

یہ وہی انگوٹھی تھی جو برسوں سے اس کی ذات کا حصہ تھی۔

کمرے کے باہر، گلاس وال کے پار، ایک ہلکی سی حرکت ابھری۔

رئیس کے ہاتھ تھم گئے۔ نگاہ غیر ارادی طور پر دروازے کے باہر جا ٹھہری۔ وہ وہاں کھڑی تھی۔ اپنے ازلی حلیے میں۔ رئیس پل بھر کو خاموش ہوا، پھر اپنی کرسی کی پشت سے ٹک کر دھیرے سے بولا۔ "میٹنگ ختم۔"

سب نے چونک کر اسے دیکھا، مگر کسی نے کچھ کہنے کی ہمت نہیں کی۔ کاغذ، فائلیں، لیپ ٹاپز، سب سمیٹے گئے۔ کرسیوں کی ہلکی آوازیں گونجیں اور چند لمحوں بعد کمرہ خالی تھا۔

رئیس نے گہری سانس لی، آنکھیں چندھیا کر دوبارہ شیشے کے پار دیکھا۔ فجر اب اندر آ رہی تھی۔ وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ چند لمحے رئیس کو دیکھتی رہی، پھر بیگ میز پر رکھا اور سینے پر بازو باندھے کھڑی ہو گئی۔

کمرے میں ایک لمحے کو ہوا کا شور جیسے رُک گیا۔

"آپ تو بزدل نکلے۔۔۔" اس کے لہجے میں ٹھہراؤ تھا، مگر زہر بھی،

وہ دو دن پہلے کے لمحے کی طرف اشارہ کر رہی تھی، جب رئیس بنا کچھ کہے سنے وہاں سے چلا گیا تھا۔

"تو بتاؤ، تمہیں یہاں کیا کھینچ لایا ہے؟"

فجر کی آنکھوں میں چمک ابھری۔ وہ کرسی پر بیٹھ گئی، بازو میز پر ٹکائے، اور نظریں سیدھی رئیس کی آنکھوں میں گاڑ دیں۔

"میری کمپنی آپ کی وجہ سے جلی ہے۔ آپ یہ جانتے ہیں۔ مگر میں یہاں بدلے کے لیے نہیں، اصول کے لیے آئی ہوں۔

منار فیشنز میں آپ کے شیئرز ہیں اور اب اس کی بربادی کی بھرپائی میں بھی آپ کا حصہ بنتا ہے۔"

اس کے الفاظ سیدھے میز پر رکھے دھات کے قلم کی طرح چمک رہے تھے۔

رئیس نے کچھ نہیں کہا۔ بس دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں جوڑ کر ٹھوڑی کے نیچے ٹکائیں، اور گہری نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ اس وقت وہ اسکا بگ بی نہیں تھا۔ وہ بزنس وومن بن کر آئی تھی۔

چند ثانیے بعد، رئیس نے میز کی دراز کھولی، ایک بھاری سی فائل نکالی، اور آہستہ سے اس کی جانب کھسکائی۔

"یہ کیا ہے؟" وہ فوراً بولی۔

"دیکھ لو۔" فجر نے الجھن سے فائل دیکھی، پھر اسے کھولا۔

کاغذات صاف اور تازہ تھے، اور ان پر لکھا تھا کہ اس نے واپس سارے شیئرز صفدر کے نام کر دیئے تھے بلکہ صفدر نے خرید لیے تھے۔

فجر کی پلکیں لرزیں۔ صفحات پلٹے، دستخط، سیل، اور اسٹیمپس۔ سب درست۔

"دو دن پہلے شیئرز میرے پاس تھے۔ تو اس کی بھرپائی بھی میری ذمہ داری ہے۔ میری فنانس ٹیم جلد تم سے رابطہ کر لے گی۔"

یہ سنتے ہی فجر نے فائل زور بند کی۔

"کیا یہ کوئی مذاق چل رہا ہے؟"

وہ لوگ کیا شیئرز شیئرز کھیل رہے تھے۔

رئیس کے ہونٹوں پر مدھم مسکراہٹ آئی، جو چاقو کی دھار سے زیادہ تیز تھی۔

"سلطنتیں مذاق نہیں ہوتیں، محترمہ فجر معراج!"

فجر کے چہرے پر سختی ابھری۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی، دروازے پر دستک ہوئی۔ رئیس نے نظریں دروازے پر ڈالیں۔

"آؤ، صفدر!"

دروازہ کھلا، اور اندر صفدر داخل ہوا۔ شرمندہ، جھجھکتا، مگر آنکھوں میں ادھورا یقین۔

فجر کے ہاتھ خود بخود مٹھی میں بند ہو گئے۔ اسے صفدر پر شدید غصہ تھا۔ اس کے آتے ہی رئیس اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک لمحے کو دونوں کے چہروں کو دیکھا۔ پھر دھیرے سے گویا ہوا۔

"میں چاہتا ہوں تم دونوں اپنے معاملات درست کر لو۔ یہ نہ ہو کہ اپنی لڑائی میں تم دونوں اپنی کمپنی کھو دو۔"

اس کے لہجے میں وہی سرد ٹھہراؤ تھا۔ جو صرف طاقتور انسانوں کے پاس ہوتا ہے۔ وہ مزید کچھ کہے بنا دروازے کی طرف بڑھا اور تبھی عقب سے آواز ابھری۔

"اور جو آپ دونوں نے مجھے دھوکہ دیا، اس کا کیا؟" وہ جلتی ہوئی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

رئیس کے قدم رک گئے۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ چہرے پر کوئی تاثر نہیں، بس خاموشی جو فیصلہ سنا دیتی ہے۔

اس کی خاموشی پر فجر نے مطالبہ رکھا۔

"آپ کو نہیں لگتا، آپ کو مجھ سے معافی مانگنی چاہیے، مسٹر رئیس اورنگزیب صاحب؟"

رئیس نے چند لمحے اسے دیکھا۔ پھر سکون سے جواب دیا۔

"نہیں، مجھے ایسا نہیں لگتا۔"

دروازہ کھلا۔ ہلکی سی ہوا اندر آئی اور رئیس باہر نکل گیا۔

کمرے میں اب صرف فجر، صفدر، اور ایک نامکمل خاموشی رہ گئے۔ فجر نے فائل دور کھسکائی، دانت بھینچے، اور نگاہ دروازے پر جمادی۔ جہاں سے وہ گیا تھا۔

رئیس اورنگزیب؟ وہ معافی مانگ ہی نہ لے!

دروازہ جیسے ہی رئیس کے جانے کے بعد بند ہوا، کمرے کی فضا میں ایک خاموش تھرتھراہٹ باقی رہ گئی۔ گلاس وال کے پار شام ڈھل رہی تھی، اور فجر کے چہرے پر پڑنے والی روشنی آدھی سنہری، آدھی سرد تھی۔ صفدر وہیں کھڑا تھا۔ شرمندہ، چپ، اور اس کا چہرہ کسی مجرم کی طرح جھکا ہوا۔

وہ جانتا تھا فجر کے سامنے کھڑا ہونا آسان نہیں۔ خاص کر غلطی کرنے کے بعد۔۔۔۔

"منار فیشنز کو بیچ کر اب تم یہاں ہیرو بننے آئے ہو؟"

صفدر نے سانس بھری، "میں نے کچھ نہیں بیچا، فجر! میں نے بچایا ہے۔"

"بچایا؟ جانتے ہو تم پر بھروسہ کیا تھا میں نے؟ تم جانتے ہو منار فیشنز میرا کیا تھا؟"

چند پل کی خاموشی چھائی رہی اور پھر صفدر کی آواز گونجی۔ پہلے سے واضح اور بھاری۔

"تم نے ہمیشہ سب کچھ اکیلے کرنے کی کوشش کی۔ میں تھا تمہارے ساتھ، مگر تم نے کبھی مجھے ساتھی سمجھا ہی نہیں۔ تمہارے نزدیک میں محض ایک ملازم، ایک نمبر تھا۔"

"ہاں کیونکہ تم کمپنی سے زیادہ اپنی ذاتی زندگی کو اہمیت دیتے رہے۔ پچھلے کئی مہینوں سے میں نے کیا کچھ جھیلا، تمہیں اندازہ بھی ہے؟" وہ اسے نہیں دیکھ رہی تھی۔ صفدر گہری سانس لے کر اس کے ساتھ والی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"تمہارا ساتھ کب کسی کے حق میں ثابت ہوا صفدر؟"

صفدر کے چہرے پر دکھ کی لکیر اُبھری۔

"تم ہمیشہ میری نیت پر شک کرتی رہی ہو، مگر میں نے کبھی تم سے اپنی وفاداری چھپائی نہیں۔ میں نے ہمیشہ تمہیں چنا۔"

فجر نے ہاتھ میز پر رکھ کر جھک کر کہا۔

"تمہیں معلوم ہے تمہاری سب سے بڑی خامی کیا ہے صفدر؟

تم یہ سمجھتے ہو کہ تم ہمیشہ درست ہو تمہارے فیصلے، تمہاری پلاننگ، تمہارا وژن، اور باقی سب نادان۔" وہ اس کے اکثر فیصلوں سے آج تک خار کھاتی تھی۔

"اور تمہیں معلوم ہے تمہاری کیا خامی ہے؟ تمہیں کسی پر بھروسہ کرنا نہیں آتا۔ تمہیں لگتا ہے دنیا تم سے کتراتی ہے، تمہارے گرنے کا انتظار کرتی ہے۔ حالانکہ تمہاری جنگ خود تم سے ہے، فجر! کبھی سوچا ہے تمہارے اندر جو غصہ ہے، وہ دراصل کس پر ہے؟"

پل بھر کو فجر کی پلکیں لرزیں۔ چند لمحے اس کے چہرے پر ایک خاموش ٹوٹ پھوٹ ابھری، پھر اس نے رخ موڑ لیا۔

"تم نہیں سمجھو گے۔۔۔"

جھوٹ کی کوئی صفائی نہیں ہوتی۔ جھوٹ کا کبھی کوئی آپشن نہیں ہوتا۔ جھوٹ ہماری چوائس ہوتا ہے۔ اور فجر کو دکھ بھی یہی تھا کہ صفدر نے اس سے جھوٹ بولا تھا۔

"میں سمجھتا ہوں۔" صفدر نے نرم لہجے میں کہا، "آٹھ سال ہو گئے ہیں ہمیں ساتھ کام کرتے ہوئے۔ پہلے یونیورسٹی اور پھر بزنس۔ میں نے تمہیں ہر رنگ میں دیکھا ہے۔ جب تم نے پہلا فیشن شو جیتا، جب تم روتی تھیں، جب منار کے نام پر تم نے سب کچھ دوبارہ کھڑا کیا۔ میں نے تمہارے ساتھ کھڑے ہو کر وہ راتیں گزاری ہیں جب بجٹ ختم تھا اور امید نہیں۔ میں تمہیں کسی فائل کے پارٹنر کے طور پر نہیں، بلکہ ایک خواب کے ساتھی کے طور پر دیکھتا ہوں۔ ہم ایک کشتی کے مسافر ہیں فجر اور منار فیشنز ہمارا ہے۔"

لمحہ بھر کو فجر کا دل تھم سا گیا۔ یہ وہ لہجہ تھا جس میں صفدر کبھی نہیں بولا تھا۔ نہ تکرار، نہ حساب، بس ایک خاموش اعتراف! منار اسے بھی اتنا ہی عزیز تھا۔

فجر نے کرسی سے ٹک کر گہری سانس لی، آنکھیں بند کیں، پھر دھیرے سے بولی۔

"تمہیں پتا ہے صفدر، میں نے اگر کسی کو اپنے بزنس پارٹنر کے طور پر قبول کیا ہے تو وہ صرف تم ہو۔۔۔ مگر تم ایک نمبر کے جھوٹے اور دھوکے باز ہو۔"

صفدر کے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔

"بالآخر، آج تم نے مان ہی لیا کہ منار فیشنز کو میرا بھی حصہ چاہیے لیکن میں دھوکے باز نہیں ہوں اور نہ کبھی تھا۔"

"تم ہو۔۔۔ تبھی تم نے اس دھوکے باز، ذرقا سے شادی کی۔"

اس بات پر وہ بے ساختہ ہنس دیا۔

”محبت ایسی ہی ہوتی ہے۔ معاف کرنے کا ظرف رکھتی ہے۔ میں اس سے محبت کرتا ہوں اور میں نے اسے قبول کیا ہے۔ اسے بہتر کرنے کی کوشش کر سکتا ہوں مگر چھوڑ نہیں سکتا۔“

”تم اسے بہتر بناؤ گے؟“ اس بار فجر نے باقاعدہ رخ موڑ کر اسے دیکھا۔ آنکھوں میں ناقابل یقین تاثرات ابھرے۔ ”تم خود ویسے ہی ہو۔ تم دونوں ایک دوسرے کے لیے بنے ہو۔ جھوٹے اور دھوکے باز!“ وہ بنا کہے باز آنے والی نہیں تھی۔

”ٹھیک ہے میں نے مان لیا۔“ صفدر نے ہتھیار ڈال دیئے۔ ”چلو، جنگ دوبارہ شروع کرتے ہیں۔۔ مگر اس بار ایک ساتھ۔ منار فیشنز دوبارہ اٹھے گا اور اس بار، کوئی اسے گرا نہیں سکے گا۔ ڈیل؟“

اس نے ہاتھ آگے بڑھایا مگر فجر نے اسکا ہاتھ نہیں تھاما۔

”یاد رکھنا اگر پھر کبھی تم نے میرے پیچھے کوئی فیصلہ کیا، تو میں تمہیں شیئر ہولڈر نہیں، مخالف بنا دوں گی۔“

”تم ہمیشہ دھمکی کیوں دیتی ہو؟“

”کیونکہ دھمکیاں یاد رہتی ہیں، مسٹر صفدر!“

”میری یادداشت کمزور نہیں ہے۔“ وہ جھلایا۔

”ہاں تبھی تم روحی کے جانے کا بھی نہیں بتا سکے؟“

”اس نے خود منع کیا تھا۔ کہہ رہی تھی میں ایسے جا نہیں پاؤں گی۔ اس میں میری کوئی غلطی نہیں ہے۔“

”ہاں تم کبھی کوئی غلطی کیسے کر سکتے ہو؟ تم نرگسی آدمی ہو۔“

کمرے میں پہلی بار مسکراہٹ کی گونج ابھری۔ آٹھ سال کی تلخیوں کے بعد، ایک نیا آغاز، ایک نئی شراکت اور باہر، غروب ہوتے سورج کی روشنی گلاس وال سے گزر کر رئیس گروپ کے لوگو پر پڑ رہی تھی۔ جیسے کہہ رہی ہو، **"راکھ کے بعد، روشنی ہمیشہ واپس آتی ہے۔"**

✿••✿••✿••✿

کمرہ اندرونِ دفتر کا وہی تھا جسے لوگ خاموشی اور فیصلہ سازی کا جسمانی ثبوت مانتے تھے۔ دیواریں گہرے خاکستری، فرش پر بھاری قالین، اور پلک جھپکتے ہی سب کچھ نگل لینے والی سیاہ ہوا۔ روشنی تقریباً نہیں تھی۔ صرف پروجیکٹر کی مدھم نیلی روشنی ایک بڑی اسکرین پر پڑ رہی تھی، باقی کمرہ سائے میں ڈھکا ہوا تھا۔ اس نیلے نور نے ایک سنسان سین جیسی سے بھی فلمی شکل دے رکھی تھی۔ ہر چہرہ، ہر جھکاؤ، ہر سانس اس روشنی کے دائرے میں آ کر گھٹتا جا رہا تھا۔

اسکرین کے سامنے ولی کھڑا تھا۔ کندھے سیدھے (اسکا پلاسٹر اتر چکا تھا) ہاتھ میں ریموٹ، اس کی آواز خام مگر پُر اعتماد تھی۔ اس کے سامنے لپٹے نقشوں پر دو جگہیں سرِ فہرست جھلک رہی تھیں۔ منوڑہ اور اوماڑا۔ نقشے کے کنارے پر سرخ پن لگا ہوا۔

"تین دن بعد!" اس نے کمرے کی خاموشی کو چیرتے ہوئے بیان کیا۔

"میری اطلاعات کے مطابق تین دن بعد منار ایک بڑی شپمنٹ کر رہی ہے۔" اور ریموٹ سے اسکرین پر ایک سلائیڈ بدلی۔

اوماڑا کا ساحلی نظارہ اور ایک off-shore cove کا نشان۔

"لوکیشن یا تو منوڑہ ہو سکتی ہے یا اوماڑا۔ منوڑہ مطلب ہے زیادہ رسک، کیوں کہ وہاں نیوی کی چھاؤنی ہے، مرئی سیکیورٹی سخت ہے۔ حرکت کامیاب ہونے کے امکانات کم ہیں مگر اگر وہ وہاں ٹائمنگ بنالے تو کامیاب بھی ہو سکتے ہیں۔"

اس نے ایک سانس لی، اور اسکرین بدل گئی۔ نیلے نقشے پر اوماڑا کے کنارے کے قریب ایک چھوٹے بلیک مارکر سے نشان بنایا۔

"ہماری طرف سے اندازہ یہ ہے کہ منار اس بار اوماڑا انتخاب کرے گی۔ سیکیورٹی کی وجہ سے منوڑہ غیر محفوظ ہے، اور اوماڑا میں اس کا logistic coverage بہتر بنتا ہے۔ اور یہ اس کی اب تک کی سب سے بڑی ڈیل ہو گی۔"

کمرے میں بیٹھے افراد حرکت میں آئے۔ صدارتی کرسی میں رئیس کی موجودگی معمول کی طرح خاموش تھی۔ وہ سائے میں نیم بیٹھا، ایک ہاتھ اپنی ٹیبل پر رکھے، دوسرے میں سگار کا ایک موٹا ٹکڑا تھامے ہوئے تھا جو ابھی جلنے کی آغوش میں تھا۔ مراد کھڑکی کی طرف ٹہل رہا تھا، بازو اور کندھوں پر زور محسوس ہو رہا تھا جبکہ میثم اپنی انگلیوں سے میز کا کنارہ بجا رہا تھا جیسے کسی بے قرار شخص کا آدھا عمل۔ جنید ایک نوٹ بک کھول کر سرسری نوٹس لے رہا تھا۔

"یہ صرف ڈرگز کی ڈیل نہیں ہے بلکہ یہ ایک پرانی دشمنی کو دوسری میں بدلنے کا پہلا قدم ہے۔ یہ دشمنی پرانی اور ذاتی ہے۔ اگر انہیں منار کی طرف سے دھوکہ ملا تو وہ ذاتی طوفان برپا کر دیں گے اور اس سے ہمارا فائدہ ہو گا۔" اس نے رک چاروں کو دیکھا۔ یقیناً سب کو اس کا پوائنٹ سمجھ آ گیا تھا۔

"ہمیں یہ ڈیل روکنی ہو گی۔ کچھ اس طرح کے انہیں لگے کہ منار نے انہی دھوکہ دیا ہے۔ اس طرح وہ گروپ اپنا انتقام منار پر نہیں بلکہ اس پورے نیٹ ورک پر چلا سکتا ہے۔۔۔ اس سے دو فائدے ہوں گے۔ منار کی توجہ ہم سے ہٹ جائے گی اور دوسرا اہم ایک ڈرگز ڈیل کو ناکام بنا سکیں گے۔"

"اور ہمیں کیا کرنا ہو گا؟" سوال جنید کو تھا۔

"ہمیں یہ دیکھنا ہو گا کہ منار یہ ڈیل کیسے ترتیب دے رہی ہے۔"

رئیس نے اب اپنی سیگاری چنگاریاں بجھا دیں، اور کمرے میں چھائی سیاہی میں صرف اس کے ہونٹ کی چال دکھائی دی۔

"تم کام کے پلان بنا رہے ہو، بے بی برو مگر یاد رکھو۔ منار معمولی عورت نہیں۔ اس کا جال گہرا ہے۔ اگر ہم لافانی سمجھ کر چلیں تو وہ ہمیں اپنے جال میں الجھا دے گی۔"

"لیکن ہمیں اس کی کمر توڑنی ہو گی۔ یہ بہت ضروری ہے۔" مراد ان کی جانب آیا۔

"مگر سوال یہ ہے کہ کیسے؟ اس ڈیل کو کیسے روکا جائے؟"

"یہ ڈیل میں روکوں گی۔" نسوانی آواز دروازے کی طرف سے ابھری تھی۔ سب نے پلٹ کر دیکھا۔ آدھ کھلے دروازے میں فجر کھڑی تھی۔ وہ جانے کب وہاں آئی تھی۔ شاید اس نے ان کی ساری باتیں سن لی تھیں۔ اس نے ان کی جانب قدم بڑھائے، قدموں کی چاپ اتنی موزوں تھی کہ پروجیکٹر کی نیلی روشنی اس کے قدموں کے ساتھ مستول ہوتی چلی گئی۔ وہ اپنا بیگ ایک جانب رکھ کر کرسیوں کے سامنے کھڑی ہوئی۔ سب خاموش تھے۔

"کیا ہو اگر منار خود یہ ڈیل کینسل کر دے؟" اس نے ایسے انداز میں کہا جیسے وہ کمرے میں بیٹھے ہر شخص کے دلوں میں پہلے سے موجود شک کو الفاظ میں ڈھال رہی ہو۔

ولی نے ریموٹ دوبارہ تھام لیا، اوماڑا کے ساحل کا نقشہ سادہ اک خط کی طرح کھڑا ہو گیا۔

"لیکن منار ایسا کیوں کرے گی؟" جنید پھر الجھا۔

"اگر منار، فجر بن سکتی ہے تو فجر، منار کیوں نہیں؟" اس کے الفاظ میں ایک عام سی حقیقت کی طرف اشارہ تھا۔ سچ جو جتنا سادہ ہوتا ہے اتنا ہی خطرناک۔

"ہرگز نہیں! تم ایسا کچھ نہیں کرو گی۔" رئیس بجھا ہوا سگار ایش ٹرے میں رکھتا اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ سراسر بے وقوفی تھی۔

"میں یہ کروں گی اور مجھے یہ کرنا ہی ہو گا۔"

لفظ اتنے سادہ مگر بھاری تھے کہ لمحے بھر میں سب کی سانسیں سست پڑ گئیں۔ رئیس نے کئی بار منع کرنے کی کوشش کی، مگر اس کی باتیں بار بار ٹوک گئی کیونکہ اس کے اندر جو کچھ جل رہا تھا وہ کسی دلیل سے گھٹنے والا نہیں تھا۔ ولی خاموش تھا۔ وہ فجر کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ ہر ایک فگر، ہر ایک شق۔ اس کی آنکھوں میں کسی حساب کی تیزی تھی، مگر اس نے بولنے سے اجتناب کیا۔ فجر نے اس کی جانب قدم بڑھائے، آنکھوں میں امید اور سختی کا ملا جلا نور تھا، وہ اسکے سامنے کھڑی تھی۔

"تمہیں مجھ پر بھروسہ ہے نا؟ پلیز مجھے یہ کرنے دو۔ مجھے ایک موقع ملنا چاہیے ان ساری زیادتیوں کا بدلہ لینے کے لیے جو میرے ساتھ ہوئیں۔"

ولی کچھ دیر خاموش رہا۔ اس کی نگاہیں فجر کے چہرے پر ٹھہر گئیں۔ ذہن میں ایک تیزی سی گردش تھی، حساب اور خوف کے درمیان ایک پل۔ پھر اچانک اس نے دونوں ہاتھ بہت آہستگی سے فجر کے کاندھوں پر رکھ دیئے۔

"مجھے تم پر بھروسہ ہے۔"

فجر کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری جبکہ ولی نے آگے مڑ کر باقی افراد کی طرف دیکھا۔

"ہم یہ پلان کر سکتے ہیں۔"

جبکہ رئیس کے چہرے پر انکار ابھرا۔ ”یہ بہت رسکی ہے۔ یہ میری جنگ ہے اور میں نہیں چاہتا۔۔۔“

”یہ صرف آپ کی جنگ نہیں ہے بگ بی!“ وہ اس کی بات کاٹ چکی تھی۔

رئیس خاموش ہوا۔ وہ جانتا تھا، فجر کے الفاظ میں سچائی تھی۔ تیز اور کڑوی۔

”اگر یہ صرف آپ کی جنگ ہوتی تو میں آج تباہی کے دہانے پر نہ کھڑی ہوتی۔ یہ ہم سب کی جنگ ہے اور ہمیں ساتھ مل کر لڑنا ہو گا۔“

مراد کے ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں۔ رئیس نے ایک گہری سانس لی۔ جبکہ محافظ خاموش کھڑا تھا۔ ریاست نما تحفظ بخش رہا۔ میثم نے اس گھٹن کو توڑنے کے لیے بولنا شروع کیا۔

”ہمیں پراپر پلاننگ کرنی ہو گی۔“

کمرے میں ایک نرم سرگوشی سی ہوئی۔ سب نے اپنے اپنے خیالات کو ایک طرف رکھ کر ایک لمحے کے لیے ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر میثم نے خاموشی توڑی، ایسا نہیں کہ وہ تفصیلی نقشے کھینچ رہا تھا بلکہ ایک عمومی راہ دکھا رہا تھا، ایک پردہ جس کے پیچھے کام آگے چل کر طے ہونے تھے۔

”ہم اوماڑا میں ایک شوٹ رکھیں گے یا کوئی لانچ! جس سے لگے یہ ایک بزنس دورہ ہے۔“

ولی واپس اسکرین کی جانب مڑا، پروجیکٹر کی مدھم روشنی نقشے پر پھیل گئی۔ مراد نے ایک نقطہ اٹھایا، خوف اور احتیاط کی ملی جلی اواز میں۔

”لیکن اگر منار کو شک ہو گیا تو؟“

”وہ ویسے بھی ہماری ساری حرکات پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ لیکن ہم پلاننگ کے ساتھ چلیں گے۔ ہم یہاں سے کل نکل جائیں گے اور باقی سب پلاننگ کے مطابق ہو گا تاکہ یہ بزنس دورہ لگے۔“

اس پل ولی نے رئیس کی طرف دیکھا۔ ایک پل کو دونوں کی نظریں ملیں۔ اس پل میں ایک گفت وشنید تھی جو لفظوں میں ادا نہیں ہوئی۔ ان دونوں کی آنکھوں میں ایک خلیط جذبہ تھا۔ حفاظت، استفادہ اور شاید ایک چھپی ہوئی تسلیم کہ یہ راستہ اب ناگزیر ہو چکا تھا۔ فجر نے آخری بار سب کو دیکھا اور کہا، اس کی آواز نرم مگر پختہ تھی۔

"میں انتظار کروں گی۔"

وہ باہر کی طرف بڑھی۔ پروجیکٹر کی نیلی روشنی اس کے پیچھے پیچھے اٹھی، اور جب دروازہ بند ہوا تو کمرے میں ایک خاص قسم کا طویل سناٹا رہ گیا۔ وہی سناٹا جو لڑائی شروع ہونے سے پہلے ہوتا ہے۔ خوف، امید، اور ایک نامعلوم انجام کی خاموش دعوت! انہوں نے فی الوقت کسی تفصیلی پلان میں غوطہ نہیں لگایا۔ وہ جانتے تھے کہ اگلے دنوں میں ان کے پاس وقت کم ہو گا، مگر ابھی کے لیے یہ فیصلہ کافی تھا کہ فجر کو موقع دیا جائے گا۔ کمرے کی دیواروں پر پروجیکٹر کی روشنی مدھم پڑ گئی، اور اس کے نیلے سائے میں ہر چہرہ اپنے ایک نئے عہد کے ساتھ نظر آیا۔ ایک عہد جو شاید انہیں ان کی حدوں تک لے جائے گا۔ کمرے کا دروازہ جیسے ہی فجر کے پیچھے بند ہوا، فضا میں بوجھ سا اتر آیا۔ مراد نے کرسی سے پشت ٹکاتے ہوئے، مصنوعی سی خوف سے کہا۔

"یعنی ہم مافیا سے ٹکر لینے جا رہے ہیں۔۔۔ او خدایا!"

رئیس نے سرد نگاہ اس پر ڈالی، لبوں پر ہلکی سی طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔

"وہی مافیا، جس کی بیٹی کو تم اڈاپٹ کرنا چاہتے تھے۔"

"مجھے مستقبل تھوڑی پتا تھا، ورنہ۔۔۔" اس نے برا سا منہ بنایا۔

"پھر بھی تم کچھ نہیں کر پاتے۔"

اس سے پہلے ان کی کوئی بحث شروع ہوتی ولی فوراً بول اٹھا۔

"ٹھیک ہے! میں پلان تیار کرلوں، اس پر عمل آپ لوگ کریں گے۔ جلد ملتے ہیں۔" اس نے جنید کو اشارہ کیا۔ دونوں کمرے سے باہر نکل آئے۔

باہر دالان میں ہلکی روشنی تھی، کہیں دور سے سیکیورٹی وائرز کے ہلکے سنسر بیپس سنائی دے رہے تھے۔ مگر فجر کہیں نظر نہیں آرہی تھی۔ اس نے ارد گرد دیکھا، قدم آہستہ کر لیے۔ ساتھ چلتا جنید الجھ کر بولا۔

"ویسے ایک بات سمجھ نہیں آتی، منار معراج، فجر سے عمر میں تقریباً بیس سال بڑی ہے۔ پھر وہ اس کے جیسی کیسے لگتی ہے؟ لوگ دھوکہ کیسے کھا جاتے ہیں؟"

ولی نے قدم ذرا سست کیے، نظریں سامنے ٹکائیں۔

"وہ کون آرٹسٹ ہے، جنید۔ روپ بدلنے کی ماہر۔ اس نے خود کو ایسا رکھنے کے لیے کئی ٹریٹمنٹس کروائے ہوں گے۔"

(شاید فیس لفٹس، بایو سکن گرافٹس، نینو سیلولر انجیکشنز۔۔۔ ان سب کے علاوہ اس نے خود کو بہت فٹ رکھا تھا۔ کون جانے؟ شاید اسے ان سب کی ضرورت بھی نہ پڑی ہو۔)

"لیکن اصل بات یہ ہے کہ وہ اب تک جتنی بار بھی فجر بنی ہے، زیادہ تر صرف کیمرے کے سامنے بنی ہے۔"

جنید چونکا۔

"چند سیکنڈز کے ویڈیوز، چند لمحوں کی فوٹیجز۔۔۔ یا جب وہ منار فیشنز میں گھسی، تو گارڈ سے آمنا سامنا صرف چند سیکنڈز کا تھا۔" اس نے چلتے چلتے گہری سانس لی۔

"یہ چند سیکنڈز کسی عام آدمی کے لیے کافی نہیں ہوتے کسی کون آرٹسٹ کو پہچاننے کے لیے۔ اسی لیے سب دھوکا کھا گئے۔"

جنید کے چہرے پر خوف چھا گیا۔ ”یہ عورت پاگل ہے۔۔۔“

ولی کے لبوں پر ہلکی مگر سخت مسکراہٹ ابھری۔

”مافیا کوئی نارمل انسان نہیں بنتا، جنید!“

اسی لمحے اس کی نظر آگے پڑی۔ زینے کے پاس، شیشے کے بڑے ہال میں، فجر کھڑی تھی۔ وہ ابھی یہیں تھی۔ فلک کے ساتھ تھی۔ ولی کی نگاہ جیسے وہیں رک گئی۔ اس کی رفتار خود بخود سست ہونے لگی۔ وہ جتنی بار اسے دیکھتا تھا ہر بار وہ مختلف لگتی تھی اور اتنی ہی پر اثر بھی۔ فلک نے ولی کو آتے دیکھا اور کچھ کہہ کر پلٹ گئی۔ فجر نے آہستہ سا سر ہلایا اور پھر ولی کی طرف قدم بڑھائے۔ اس لمحے فضا جیسے لمحاتی سکوت میں بند ہو گئی۔ ولی کا ہر قدم بھاری مگر نپا تلا۔ اس کے بوٹوں کی آواز ٹھک۔۔۔ ٹھک۔۔۔ ٹھک۔۔۔ دالان میں گونجتی، دیواروں سے ٹکرا کر جیسے کوئی الگ سا ردھم بنا رہی تھی۔ دوسری طرف فجر کی ہلکی سی ہیلز کی ٹک ٹک ایک الگ ردھم میں جواب دیتی۔

یہ دو مختلف دنیاؤں کے دو قدم تھے۔ ایک بھاری اور محتاط، دوسرا نازک مگر بے خوف۔ دونوں کے بیچ فاصلہ چند قدموں کا رہ گیا تھا مگر اس چند قدم میں وقت جیسے رک گیا۔

فجر کے چہرے پر جذبات کی ہلکی سی روشنی تھی۔ عزم ضد، اور کہیں گہرائی میں چھپا ہوا دکھ۔

ولی کے چہرے پر تیزی سے بھڑکتی سنجیدگی۔۔۔ جیسے وہ ہر لمحہ سوچ رہا ہو کہ اگر اسے روک بھی دے تو کیسے؟ اور روکے بھی تو کیوں؟ یہ اس کا حق تھا۔ ایک موقع اسے ملنا چاہیے تھا اپنی زیادتیوں کا بدلہ لینے کا۔ ان کے درمیان روشنی کا ایک ہالہ سا پھیل گیا۔ فجر کے بالوں سے نکلتی خوشبو ہوا میں تحلیل ہو گئی، وہ رک گئی۔ وہ بھی چند انچ کے فاصلے پر ٹھہر گیا۔

دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے، جیسے وقت نے انہیں لمحہ بھر کے لیے جما دیا ہو۔ ان کی سانسیں ایک ہی رفتار سے چل رہی تھیں۔ ہال کی خاموشی میں صرف ان کے قدموں کی بازگشت باقی تھی۔ جواب ختم ہو چکی تھی۔

ولی کی نظریں جیسے کچھ کہنا چاہتی تھیں، مگر وہ خاموش رہا۔ اور فجر کے لبوں پر ایک مدھم سا تبسم ابھرا، ایسا تبسم جو آنے والے طوفان کی خبر دے رہا تھا۔

وہ دونوں میاں بیوی تھے۔ ایک دوسرے کے ساتھی، ہم قدم، ہم راز۔ ان کے بیچ کوئی لفظوں کی دیوار نہ تھی۔ صرف ایک خاموش سمجھوتہ، ایک ایسا بھروسہ جو برسوں کی آزمائشوں کے بعد پروان چڑھا تھا۔ وہ ایک دوسرے کو سمجھتے تھے، سہارا دیتے تھے، اور وقت کے ہر وار کے سامنے ایک دوسرے کے لیے ڈھال بن جاتے تھے۔ اسی بھروسے پر آج ولی نے اسے اجازت دی تھی۔ ایک ایسی اجازت جو دراصل اعتماد کی مہر تھی۔

اور فجر؟ وہ وہ عورت تھی جو ہر وہ جنگ جیت سکتی تھی، جس میں ولی اس کے ساتھ ہوتا۔

وہ آمنے سامنے کھڑے تھے۔

کتھئی آنکھوں والا لڑکا، ہیزل آنکھوں والی لڑکی۔

ایک لمحے کو وقت جیسے رُک گیا۔ ان کے بیچ کے فاصلے میں اتنے سالوں کی یادیں تھیں۔ تلخ، میٹھی، مگر سب سچی۔ بالآخر وہ بولا۔

"بہت اچھی لگ رہی ہو۔"

فجر نے چہرہ سیدھا رکھتے جواب دیا۔ "میں ہمیشہ ہی اچھی لگتی ہوں۔"

وہ ہنسا نہیں بس آنکھوں میں مسکراہٹ لے آیا۔ جیسے وہ اس کی عادت جانتا ہو۔

"تو بیگم صاحبہ، کیا آپ آج رات فری ہیں؟ پی اے آپ کو ڈنر پر لے جانا چاہتا ہے۔"

وہ ایک قدم اور آگے آیا، ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈال کر استفسار کیا تھا۔

"میں وقت کی بہت پابند ہوں۔" گردن اکڑا کر کہا۔

"بندہ وقت پر حاضر ہو جائے گا۔"

اس نے سینے پر ہاتھ رکھتے خفیف سا جھک کر اطلاع دی۔

فجر کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی، مگر وہ ضبط کر گئی۔

"جب آپ وقت پر پہنچ جائیں گے تب پوچھیے گا۔"

وہ بالوں میں لگا چشمہ آنکھوں پر واپس جماتے پلٹ گئی۔ ولی نے اس کے جانے پر مسکراہٹ دبالی۔ وہ تیز تیز قدموں سے وہاں سے نکلتی جا رہی تھی۔

راہداری میں جنید فون پر مصروف تھا اور میثم، فائلز تھامے ان کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اس نے مختصر سا سر خم کیا اور تیز قدموں سے باہر کی سمت بڑھ گیا۔ وہاں جہاں فجر گئی تھی۔ پارکنگ ایریا کی جانب۔ باہر ہوا میں شام کی خنکی تھی۔ پارکنگ میں مدھم روشنیوں کے درمیان فجر اپنی سیاہ گاڑی نکال رہی تھی۔ اسی وقت ولی نے بڑی سیاہ SUV انجن کی گڑگڑاہٹ کے ساتھ چلائی۔ وہ گیٹ سے باہر نکلا اور عین سڑک کے بیچ گاڑی روک دی۔ دوسری جانب سے آتی گاڑیوں نے بریک لگائیں، اور تبھی فجر کی گاڑی آہستہ آہستہ گیٹ سے باہر نکلی۔ اس نے رخ موڑ کر دیکھا۔ وہاں وہ نشان زدہ چہرے والا شخص ڈرائیونگ سیٹ پر موجود تھا۔ واضح اشارہ تھا۔ "پہلے آپ، بیگم صاحبہ۔"

وہ بے اختیار مسکرا دی۔ گاڑی آگے بڑھاتے اس کے برابر سے گزری، اور جیسے ہی وہ آگے نکلی، ولی نے اپنی گاڑی کو حرکت دی اور بالکل اس کے پیچھے لے آیا۔ اب سڑک پر دو گاڑیاں رواں تھیں۔ ایک کے پیچھے دوسری۔ شہر کی روشنیاں، سڑک کے دونوں جانب قطاروں میں کھڑے درخت، اور ان کے بیچ مختلف وجود،

ایک **عورت** جو اب صرف ایک **فیشن ڈیزائنر** نہیں، بلکہ ایک **جنگجو** بن چکی تھی۔ اور ایک **مرد**، جو اس کا **ساتھی**، اس کی **پناہ**، اس کی خاموش **طاقت** تھا۔

کچھ فاصلے بعد سگنل آیا۔ فجر نے گاڑی روکی، شیشے سے باہر دیکھا، ولی کی گاڑی بالکل برابر میں تھی۔ اس کے ساتھ والی سیٹ پر میثم تھا، جبکہ پیچھے جنید بیٹھا تھا۔ اس نے چہرے پر مسکراہٹ لیے ایک ہاتھ اٹھایا، ہلکا سا، جیسے کہہ رہا ہو، "گڈ لک!"

فجر نے صرف سر ہلایا اور سگنل کے سبز ہوتے ہی آگے بڑھ گئی۔

چند منٹوں بعد دونوں گاڑیاں مختلف سمتوں میں مڑ گئیں۔

راستے جدا ہوئے، مگر احساس ایک سا رہا۔ یہ وہ جنگ تھی جو دونوں ایک ساتھ لڑ رہے تھے اور یہ جنگ جلد ختم ہونے والی تھی۔

✿••✿••✿••✿

جوزف پیلس کی شام عجیب خاموش تھی۔ موریفیلڈ کی برفیلی فضا کے باوجود محل کے اندر ایک عجیب سا سکوت چھایا تھا۔ جیسے وقت اپنی سانس روکے کھڑا ہو۔ باہر برف کے ذرات باغ کے آہنی فوارے پر جم چکے تھے، اور اندر گلاس ونڈو کے سامنے نساء کھڑی تھی۔ اس نے ایک لمحے کو گہری سانس لی۔ کھڑکی کے پار برف کے ذروں کے درمیان جھلملاتی روشنیوں کو دیکھا، مگر اس کا دھیان کہیں اور تھا۔ اس کے ذہن میں اب بھی پال کی باتیں گونج رہی تھیں۔

"مجھے آپ سے شادی کے لیے کیا کرنا ہو گا؟"

اس سوال نے نساء کے اندر جیسے ہلچل مچا دی تھی۔ پال کے ساتھ ہی نینی کے الفاظ گردش کرنے لگتے تھے۔

"اس کی آنکھوں میں وہ چمک ہے جو جھوٹ نہیں بولتی۔"

یہ چمک، یہ سچائی، یہ وہ چیز تھی جو اس کے لیے برسوں سے ان جمی ہوئی دیواروں کے پار کوئی نہیں لایا تھا۔ مگر اس وقت اس کے دل میں ایک اور احساس بھی جاگا تھا، انجانا سا۔ جیسے وہ کسی کے مشورے کی طلبگار ہو۔ اور جانے کیوں، اچانک اس کے ذہن میں ایک چہرہ ابھرا۔ ہیزل آنکھوں والی فجر معراج کا، جس سے اسکا گہرا رشتہ تھا۔ وہ عورت جو جوزف پیلس کے دائرے سے باہر ہونے کے باوجود، نساء کی نظروں میں ہمیشہ "**خاندان کی عورت**" رہی۔ ولیم کی شریکِ حیات، اس کی بھابھی۔ یہ سچ تھا کہ فجر کی شخصیت ہمیشہ وقار اور سختی کے توازن میں ڈھلی ہوئی تھی، مگر اس کے اندر ایک نرمی بھی تھی جو کم ہی لوگ پہچان پاتے۔ نساء نے لمحہ بھر سوچا، پھر فون اٹھایا۔ اس کے ہاتھ ہلکے سے کپکپا رہے تھے۔ اسکرین پر فجر کا نام جگمگایا۔ جبکہ دوسری جانب لاہور میں، شام ڈھلنے کے بعد کی دھند فضا میں مزید پھیل چکی تھی۔

ترنم ہاؤس موجود وہ ایک بڑے ہال میں لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھی اپنی ٹیم کو ہدایات دے رہی تھی۔ سامنے اسکرین پر ایک نئی برانڈ کلیکشن کی پریزینٹیشن چل رہی تھی، جس پر وہ تنقیدی نگاہ ڈال رہی تھی۔ ہدایات دیتے وقت اس کی آواز میں وہی ٹھہراؤ تھا جو ایک لیڈر کی شناخت بنتا ہے۔ پوری ٹیم کے درمیان اس کا وجود کمانڈ جیسا لگتا تھا۔ نفیس، پرسکون، مگر پوری طرح کنٹرول میں۔ وہ فائلز چیک کر رہی تھی جب اس کی ٹیبل پر رکھا فون بج اٹھا۔ اسکرین پر ایک انجان نمبر تھا۔ نمبر کے ساتھ ملک کا کوڈ چمک رہا تھا۔ کال اسکاٹ لینڈ سے آ رہی تھی۔ اس نے ایک نظر ڈالی اور اس نے مصروفیت میں فون اٹھایا۔۔

"ہیلو؟" چشمہ آنکھوں پر سیٹ کرتے اس نے بے دھیانی سے کہا۔

دوسری جانب سے ایک نرم مگر ہلکا سا لرزتا ہوا لہجہ ابھرا۔

"ہیلو۔۔۔ کیسی ہیں آپ؟ میں نساء جوزف بات کر رہی ہوں۔"

ایک پل کے لیے فضا جیسے منجمد ہو گئی۔ فجر کے ہاتھ میں پکڑی فائل نیچے میز پر رک گئی۔ اس کی آنکھوں کے پیچھے ایک لمحے کو خالی پن چھا گیا۔

"نساء۔۔۔ جوزف؟"

اس کے لبوں پر حیرانی کے ساتھ ایک مدھم سی مسکراہٹ بھی آئی۔ یہ جوزف پیلس سے پہلی کال تھی۔ کئی لمحوں تک وہ صرف خاموش رہی۔ جیسے کسی پرانے باب کے کھلنے کی آہٹ سن رہی ہو۔ دوسری طرف سے پھر وہی نرم لہجہ ابھرا۔

"مجھے امید ہے آپ کو برا نہیں لگا ہو گا۔ بس۔۔۔ مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی تھی۔ کچھ اہم تھا تو سوچا آپ سے ڈسکس کر لوں۔ آخر آپ۔۔۔ میری بھابھی ہیں۔"

یہ سن کر فجر کے اندر جیسے کچھ بھر اسا گیا۔ بھابھی۔۔۔

یہ لفظ، پہلی بار اس کی سماعت سے سے ٹکرایا تو دل کی کسی گہری تہہ کو چھو گیا۔ وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہو گئی۔

گلاس ونڈو سے باہر دیکھنے لگی باہر اترتی ہوئی شام کی دھند اسے اچانک خوبصورت لگنے لگی۔ ابھی کچھ دیر پہلے یہی دھند اس کے لیے اداسی کی علامت تھی، مگر اب جیسے وہ کسی نئے احساس سے لبریز ہو گئی تھی۔

"آپ کیسی ہیں؟" نساء کی آواز میں نرمی تھی۔ وہی سادہ معصومیت جو اس کی عمر سے زیادہ دل کی تھی۔ فجر نے خود پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔

"میں ٹھیک ہوں۔ تم سناؤ؟ موریفلیڈ کا موسم اب بھی اتنا سرد ہے جتنا ہمیشہ ہوتا ہے؟"

نساء ہولے سے مسکرائی۔ "ہاں۔۔۔ برف آج بھی ضدی ہے۔ اور دل بھی۔"

دونوں چند لمحوں کے لیے خاموش رہیں۔ پھر نساء نے دھیرے سے کہنا شروع کیا۔

"کیا میں آپ سے کچھ پرسنل ڈسکس کر سکتی ہوں؟"

فجر کی نظریں اب بھی کھڑکی سے باہر تھیں، مگر دل پوری طرح متوجہ۔

"ہاں، بالکل! کیوں نہیں، نساء۔ تم بلا جھجک بات کر سکتی ہو۔"

"شکریہ! مجھے اچھا لگتا ہے کہ آپ میری céile bhràthair (بھائی کی بیوی) ہیں۔" اس نے سکاٹش میں کہا تھا۔

یہ لفظ دوبارہ آیا۔ **"بھائی کی بیوی"** اور فجر کے ہونٹوں پر خود بخود ایک مسکراہٹ کھل اٹھی۔ اس کے سینے کے اندر جیسے کوئی بند کھڑکی کھل گئی ہو۔

لاہور اور موریفیلڈ کے درمیان ہزاروں میل کا فاصلہ تھا، مگر اس لمحے دونوں عورتیں ایک ہی احساس میں جڑی ہوئی تھیں۔ ایک کے گرد ماضی کے برفیلے زخم تھے، اور دوسری کے ہاتھوں پر راکھ کے نشان۔ دونوں نے درد دیکھا تھا۔ مگر شاید اب وقت تھا کہ وہ ایک دوسرے کو سنبھالیں۔

"میں تمہاری بات سننے کے لیے یہاں ہوں، نساء! جو کہنا ہے، بلا جھجک کہہ دو۔"

دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔ مگر وہ خاموشی، جو باتوں سے زیادہ بولتی ہے۔ نساء نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ کے پاس وقت ہے؟ میں چاہتی ہوں۔۔۔ آپ کو دیکھ کر بات کروں۔"

"ویڈیو کال؟ ٹھیک ہے۔۔۔ میں تمہارا انتظار کرتی ہوں۔" اس نے سمجھتے ہوئے جواب دیا اور جیسے ہی کال ختم ہوئی۔ اس کے چہرے پر ایک الگ سی چمک پھیل گئی۔ لاہور کی دھند میں، ترنم ہاؤس کی کھڑکی کے اس پار، فجر کو یوں لگا جیسے اس کے ماضی کے بادلوں میں سے کسی نے روشنی کی ایک کرن بھیجی ہو۔

لیپ ٹاپ کی اسکرین نیلی روشنی میں نہا رہی تھی۔ اس نے چپ چاپ فائلز بند کیں، انگلیوں سے کنپٹی دبائی، اور ایک لمحے کے توقف کے بعد وہ ویڈیو کال کی بیپ سننے لگی۔ چند سیکنڈ بعد اسکرین پر نساء کا چہرہ ابھرا، نرم مسکراہٹ، چیری جیسے سرخ بال جو شانوں پر بکھرے تھے، اور پس منظر میں جوزف پیلس کی سحر انگیز جھلک۔ قدیم دیواریں، سنہری فانوس، اور دیوار گیر کھڑکیاں، جیسے کوئی پرانی سلطنت زندہ ہو۔

نساء نے اپنے نرم گلابی ہونٹوں پر مسکراہٹ سجا رکھی تھی۔ وہ بند کیوں والے ململی فراک میں تھی، کندھوں پر ہلکا سا اسکارف، جیسے اس کی معصومیت کے گرد کوئی ہالہ سا کھنچ گیا ہو۔

فجر کے لبوں پر ایک خاموش سانس رکا۔ جوزف پیلس۔۔۔۔ یہ نام سن کر ہی اس کے دل کی دھڑکن ایک لمحے کو الجھ گئی۔

جب سے اس نے ولیم جوزف کو اپنی زندگی میں قبول کیا تھا، اس کے اندر کہیں نہ کہیں اس محل کو دیکھنے کی خواہش جاگ اٹھی۔ وہ دیواریں جن کے سائے میں وہ بڑا ہوا تھا، وہ راہداریاں جن میں شاید اس کی ہنسی کی بازگشت باقی تھی، وہ کمرا جہاں کبھی وہ خود کو دنیا سے الگ کر لیتا تھا۔ وہ جوزف پیلس کی دیواروں کو اپنے ہاتھوں سے چھو کر محسوس کرنا چاہتی تھی اور اب جب اس کی اسکرین پر وہ محل حقیقت بن کر موجود تھا تو ایک عجیب سے احساس نے اس کے سینے میں گہری سانس بھری۔ کاش وہ ابھی وہاں ہوتی۔۔۔ نساء کے سامنے، اسے قریب بیٹھ کر دیکھ پاتی، اس کی باتوں کے درمیان اس محل کی ہوا محسوس کر پاتی۔

"فجر؟ آپ سن رہی ہیں؟" نساء نے نرمی سے پوچھا، اپنے اسکارف کو سنبھالتے ہوئے۔

"ہاں، سن رہی ہوں۔"

نساء کی مسکراہٹ ایک پل کو مدھم ہوئی، چہرے پر سنجیدگی اتر آئی۔

"مجھے پال کے بارے میں ڈسکس کرنا ہے۔" وہ آہستگی سے بولی، جیسے کوئی راز کھولنے جا رہی ہو۔

"اور پال کون ہے؟" فجر کے سوال پر اس نے تفصیل سے پال کے بارے میں بتایا۔

"ہائی اسکول کے زمانے تک ڈیڈ نے ہی پال کی تعلیم کا خرچہ اٹھایا تھا۔" وہ دھیرے دھیرے بتا رہی تھی۔

"ڈیڈ کو پال پسند نہیں تھا کیونکہ اس کی وجہ سے ولیم نے پہلی بار ڈیڈ کو انکار کیا تھا۔ اس نے سکول جانے سے انکار کر دیا تھا۔ اگر پال اس سکول میں نہیں جائے گا تو وہ بھی نہیں جائے گا۔"

فجر سنجیدگی سے سنتی گئی۔ یعنی ولیم نے مسٹر جوزف کو بہت ٹف ٹائم دیا تھا۔

"سکول کے بعد پال کہاں گیا کسی کو کچھ پتا نہیں تھا اور اب سالوں بعد وہ ایک پولیس آفیسر کی صورت سامنے آیا ہے۔"

ہیزل آنکھوں کے رنگ میں اب ایک ٹھہراؤ سا اتر آیا تھا۔ جیسے وہ کسی اجنبی مگر اہم کہانی میں کھو گئی ہو۔ نساء نے ایک ہلکی سی سانس لی۔

"وہ مجھے عزت دیتا ہے۔ میری حیثیت سے نہیں، ولیم کی بہن یا جوزف کی بیٹی کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک عورت، ایک انسان کی حیثیت سے۔" نساء کے لبوں پر خفیف کپکپاہٹ تھی۔

"اور اب۔۔۔ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے نظریں چرا لیں، جیسے کسی چمکدار حقیقت سے آنکھیں جھپک رہی ہو۔ اسکرین کی دوسری جانب فجر بالکل خاموش بیٹھی رہی۔ اس کے چہرے پر کوئی مسکراہٹ نہیں تھی۔ بس ایک گہری سنجیدگی، جیسے کسی پیچیدہ شطرنج کے کھیل میں ایک نیا مہرہ رکھ دیا گیا ہو۔

"تو کیا ولی جانتا ہے؟" اس نے آہستہ پوچھا۔

"ابھی نہیں۔۔۔"نساء کے لہجے میں خوف کی ہلکی سی پرچھائیں تھی۔

"بس نینی جانتی ہیں اور میں چاہتی تھی پہلے ڈسکس کرلوں۔"

ولیم، پال، جوزف اور نساء سب ایک ہی کہانی کے مختلف کردار بن چکے تھے۔

"مجھے ڈر لگتا ہے کہیں ڈیڈ غصہ نہ ہوں۔اس کے ساتھ کچھ غلط نہ کریں یا پھر ولیم؟ اسے جیکب ناپسند تھا پھر بھی میں نے اس سے شادی کی اور نتیجہ بہت برا نکلا۔اسے پال برا نہیں لگتا مگر پھر بھی۔۔۔وہ ایک عام انسان ہے اور ڈیڈ۔۔۔"

فجر سمجھ چکی تھی۔مسٹر جوزف کسی عام انسان کے ہاتھ میں اپنی بیٹی نہیں تھما سکتے تھے۔

"کبھی کبھی محبت، خاندان سے بڑی جنگ ہوتی ہے۔اور تمہیں سوچنا ہو گا، تم کس کے ساتھ لڑنا چاہتی ہو۔"

نساء گہری سانسیں لے رہی تھی، اور بار بار اپنے ہاتھوں کی انگلیوں سے فراک کا کنارا مروڑ رہی تھی۔وہ پزل تھی۔کنفیوز تھی۔فجر خاموشی سے اس کے چہرے کو دیکھتی رہی۔اس کے انداز، اس کی آنکھوں کے جھپکنے کے وقفے، اس کے اندر کے اضطراب کو محسوس کرتی ہوئی۔

"مجھے سمجھ نہیں آرہا، فجر۔۔میں پال کو جوزف پیلس آنے دوں یا نہیں؟ وہ کہتا ہے وہ ڈیڈ سے بات کرنا چاہتا ہے، لیکن۔۔"

اس کی آواز کانپ گئی۔وہ مسٹر جوزف کے غصے سے آج بھی ڈرتی تھی۔فجر نے سر تھوڑا سا ایک طرف جھکایا، ابرو کے خم میں نرمی تھی۔

"تمہیں ڈر ہے کہ وہ انکار کر دیں گے؟"

نساء کے چہرے پر ایک تلخ سی مسکراہٹ اتر آئی۔

"میں اپنے باپ کو جانتی ہوں۔ وہ کسی عام سے انسان کے ہاتھ میں اپنی بیٹی کا ہاتھ نہیں دیں گے۔ اور جو کچھ میرے ساتھ ایک بار ہو چکا ہے۔۔ اس کے بعد تو وہ کسی پر بھروسہ ہی نہیں کرتے۔ میں انہیں ڈر کے سائے میں جیتے دیکھتی ہوں۔ میرا نہیں، اپنے خوف کا۔ وہ اپنے ہی خوف میں قید ہیں۔"

فجر کے چہرے پر اداسی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ اس نے نساء کے چہرے پر نگاہ جمائے رکھی۔ کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے آہستہ پوچھا۔

"نساء، تم کیا چاہتی ہو؟"

نساء نے چونک کر سر اٹھایا۔ "میں؟"

اس نے بے اختیار دہرایا جیسے اس سوال کا سامنا کرنے کے لیے وہ تیار نہ ہو۔ اس کے لب ہلے، مگر کوئی جواب نہیں بن پایا۔ فجر نے تھوڑا آگے جھکتے ہوئے نرمی سے دہرایا۔

"ہاں، تم۔۔۔ تمہارا دل کیا چاہتا ہے؟"

نساء نے ایک لمحے کے لیے نظریں جھکا لیں۔ اس کے اندر جیسے کوئی زخم دہکنے لگا ہو۔ پھر اسکی آواز سنائی دی۔

"میری شادی جیکب سے ڈیڈ کی پسند سے ہوئی تھی۔" وہ آہستہ آہستہ بولی، "میں نے کبھی انکار نہیں کیا، نہ ناپسندیدگی ظاہر کی۔ میں نے اسے اپنا سمجھنے کی پوری کوشش کی۔ پوری ایمانداری سے اس کی زندگی میں شامل ہوئی۔۔ لیکن فجر، اس نے مجھے توڑ مروڑ دیا۔ میرے اندر کی عورت کو، میرے اعتماد کو، میری مسکراہٹ کو۔۔۔ سب کچھ۔"

فجر نے آنکھیں جھکائیں۔ نساء کی آواز میں وہ لرزش تھی جو کسی بھی مضبوط عورت کو اندر تک چھو جاتی ہے۔

"آج بھی جب وہ وقت یاد آتا ہے، میری روح کانپ جاتی ہے۔" اس نے سر پیچھے ٹکایا، گہری سانس لی۔ "لیکن میں نے خود کو وقت کے ساتھ ہیل کیا۔ آہستہ آہستہ۔ اور تمہارے پروجیکٹ رانیہ کے بعد۔۔ میں نے پھر سے جینا سیکھا۔ میں خود کے لیے جینے لگی۔"

فجر کے لبوں پر ایک خاموش مسکراہٹ اتر آئی۔

"اور اب؟" اس نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"اب۔۔۔" نساء کے لبوں سے ہلکی سانس نکلی۔ "میں نے پال کی آنکھوں میں دیکھا ہے۔ میں خود پر یقین نہیں کرنا چاہتی، نہ اس پر۔۔ مگر اس کی آنکھیں، وہ چیخ چیخ کر کہتی ہیں کہ مجھ پر بھروسہ کرو۔"

یہ کہتے ہوئے وہ جیسے خود سے الجھ گئی۔ اس کی نظریں ایک لمحے کو خالی خلا میں گم ہوئیں، پھر واپس اسکرین پر آئیں۔

"لیکن میں کوئی فیصلہ اپنے ڈیڈ اور بھائیوں کے خلاف جا کر نہیں لے سکتی۔ میں ان کی نظروں میں ایک بار ٹوٹ چکی ہوں، اب دوبارہ انہیں نہیں توڑ سکتی۔"

فجر نے اس کے لہجے کی نمی محسوس کی، مگر اپنی آواز کو مضبوط رکھا۔

"نساء۔۔۔ اگر وہ اچھا لڑکا ہے، تو یقیناً انکل، جارج اور ولی بھی اسے پسند کریں گے۔ لیکن سب سے اہم تمہارا دل ہے۔ خود کے ساتھ کسی قسم کی زبردستی مت کرنا۔ وقت دو، خود کو سنبھالو۔ جب لگے کہ تم واقعی نئی زندگی شروع کرنا چاہتی ہو۔ تب اسے ایک موقع دو۔ تاکہ وہ خود کو جوزف خاندان کے سامنے ثابت کر سکے۔"

نساء نے اس کی بات پوری توجہ سے سنی، اور ایک لمحے کے لیے مسکرا دی۔

"تم جانتی ہو، فجر۔۔۔ تم ہمیشہ بات کو اتنی آسانی سے سمجھا دیتی ہو کہ جیسے کوئی راستہ بن جاتا ہے۔" اس نے کئی فیشن شوز میں فجر کو بولتے سنا تھا۔ "لیکن مجھے ڈر لگتا ہے۔ کہیں ڈیڈ۔۔ کہیں وہ غصے میں پال کو کچھ نقصان نہ پہنچا دیں۔ وہ کسی عام انسان سے رشتے کا تصور بھی نہیں کر سکتے اور اگر انکار کے بعد پال اپنی ضد پر قائم رہا تو؟"

فجر نے لبوں پر خفیف مسکراہٹ رکھی۔

"گھبراؤ مت، وہ کوئی عام انسان نہیں ہے، نساء! تم نے ہی بتایا ہے کہ وہ ایک پولیس آفیسر ہے۔ خوددار، سمجھدار، اور مضبوط۔

اگر تمہیں لگتا ہے کہ وہ تمہاری عزت کرے گا، تمہیں سنبھالے گا۔

تو میرا مشورہ ہے، تم اسے ایک موقع ضرور دو۔ شاید وہ وہی شخص ہو جس کے ذریعے تمہارا یقین دوبارہ زندہ ہو سکے۔"

یہ سنتے ہی نساء کی آنکھوں میں نمی جھلملا گئی۔ وہ دھیما سا مسکرائی جیسے وہ خود کو تسلی دے رہی ہو۔

"شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو، شاید مجھے واقعی اسے ایک موقع دینا چاہیے۔ باقی جو ہو گا وہ خدا جانے۔"

فجر نے ہلکے سے سر ہلایا۔

"بس دل صاف رکھنا، نساء۔ باقی سب وقت پر چھوڑ دو۔ کبھی کبھی جو ہم سے چھن جاتا ہے، وہ لوٹ کر نہیں آتا لیکن جو ہمارا ہوتا ہے، وہ راستہ بنا ہی لیتا ہے۔"

نساء نے سر ہلایا، اس کے چہرے پر اطمینان سا اتر آیا۔

"شکریہ، فجر! تم نے مجھے سمجھا۔ مجھے بہت اچھا لگا۔"

فجر بس مسکرا کر رہ گئی۔ جوزف خاندان ایک ایسا خاندان تھا جو رازوں سے بھرا ہوا تھا۔ ولیم کی زندگی کے بہت سے پہلو دھیرے دھیرے اس پر آشکار ہو رہے تھے اور ایسا لگتا تھا جیسے وہ ہر بار ایک نئے ولیم جوزف سے متعارف ہو رہی ہو۔

دونوں کے درمیان خاموشی چھا گئی۔ مگر وہ خاموشی پر سکون تھی۔ جیسے دو عورتیں، دو کہانیاں، دو زخم ایک دوسرے کو مرہم دے رہی ہوں۔ اسکرین مدھم ہوئی۔ نساء نے کال بند کی،

اور فجر نے چند لمحے خالی جگہ کو دیکھا۔ پھر آہستہ سے لیپ ٹاپ بند کر دیا۔

آس پاس روشنی مدھم تھی، مگر اس کے دل میں ایک سکون سا اتر آیا تھا۔ شاید اس رات نساء نے پہلا قدم رکھا تھا۔ اپنی نئی زندگی کی طرف۔ اور فجر؟ وہ جانتی تھی، کچھ کہانیاں صرف دعاؤں سے نہیں، حوصلے سے آگے بڑھتی ہیں۔

✿••✿••✿••✿

طلوعِ آفتاب سے زیادہ خاموشی تھی اس وسیع و عریض محل میں۔ چمکتی ہوئی فرش، اونچی چھت سے لٹکے فانوس کی ٹھنڈی روشنی، اور دیواروں پر لگی قدیم تصویریں، سب میں ایک شاہانہ سنجیدگی گھلی ہوئی تھی۔

نینی، اپنے سفید بالوں اور نرم چہرے کے ساتھ، صوفے پر سیدھی بیٹھی تھیں۔ ان کے سامنے مسٹر جوزف بیٹھے تھے، وہی پر شکوہ وجود، جس کی نگاہ میں طاقت کے غرور کے ساتھ ساتھ خوف بسا ہوا تھا۔ خوف، اپنی اولاد کے دوبارہ بکھرنے کا۔

چند لمحوں بعد، دروازہ ہلکا سا کھلا۔

ایک ملازمہ مخصوص یونیفارم میں چائے کی ٹرالی دھکیلتی اندر داخل ہوئی۔ چائے کے برتن، سنہری کناروں والے کپ، اور ساتھ مختلف لوازمات، بٹر بسکٹ، بادام کی کیک سلائس، اور تازہ بیک کی ہوئی پیز ٹریز۔ اس نے خاموشی سے ٹیبل پر سب کچھ سجا کر ہلکا سا جھک کر سلام کیا اور چلی گئی۔

چائے کی خوشبو ابھی فضا میں گھل ہی رہی تھی کہ نینی کی نظریں کچھ دیر تک کپوں پر جمی رہیں، پھر آہستگی سے بولیں۔

"لگتا ہے صوفی کے جانے کے بعد اسٹاف سنبھل گیا ہے۔" صوفی کی بیٹی لیزا نے جو کچھ کیا، اس کے بعد اسے نکال دیا گیا تھا گو کہ صوفی نے کئی سال اس خاندان کی خدمت کی تھی اور نینی کو کبھی کبھار افسوس ہوتا تھا کہ انہیں صوفی کو نکالنا پڑا۔ مسٹر جوزف نے کپ اٹھائے بغیر ہی چائے کے بھاپ کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"صوفی کا جانا ضروری تھا، نینی! وہ عورت وفادار تھی، مگر اپنی بیٹی کی حرکت کے بعد یہاں رہنے کی گنجائش نہیں بچی تھی۔ آپ نے ٹھیک کیا۔"

نینی نے اثبات میں سر ہلایا۔

"میں جانتی ہوں۔ وہ خود شرمندہ تھی، مگر میں سمجھتی ہوں کہ شاید یہی ٹھیک تھا۔ یہ پیلس ہے، کوئی عام گھر نہیں۔ یہاں بداعتمادی کی ذرا سی دراڑ بھی بہت نقصان پہنچا سکتی ہے۔"

مسٹر جوزف نے اب کپ اٹھا لیا۔ کپ کی دھیمی کھنک کے ساتھ ہی کمرے کی خاموشی پھر لوٹ آئی۔ وہ چائے کی ہلکی چسکی لیتے ہوئے بظاہر پرسکون تھے، مگر نینی کے انداز نے بتا دیا کہ ان کے اندر اب بھی کچھ کھلبلی تھی۔ کچھ لمحوں کے توقف کے بعد، نینی نے بات شروع کی۔

"میں ایک اور بات کہنا چاہتی ہوں۔" انہوں نے ذرا جھجکتے ہوئے کہا۔

مسٹر جوزف کی آنکھوں کا زاویہ بدلا۔ "جی فرمائیے۔"

”نساء کے بارے میں ہے۔۔۔“

یہ نام سنتے ہی ان کے چہرے پر جیسے سرد چاندنی اتر آئی۔

وہ لمحہ بھر کے لیے جامد ہو گئے۔ کپ ہوا میں تھما، آنکھوں میں سختی آ گئی۔ نینی نے گہری سانس لی اور بات جاری رکھی۔

”میں جانتی ہوں کہ آپ اسے دنیا کے ہر دکھ سے بچانا چاہتے ہیں۔ لیکن۔۔ میں نے اسے پچھلے کچھ مہینوں میں بہت بدلتے دیکھا ہے۔ وہ پھر سے مسکرانے لگی ہے، اپنے کمرے سے باہر آنے لگی ہے۔

اور اس کی آنکھوں میں میں نے ایک چمک دیکھی ہے۔۔۔ جو برسوں بعد لوٹی ہے۔“

مسٹر جوزف کے چہرے پر کوئی تاثر نہ آیا۔ ان کے ہاتھ کی گرفت کپ پر ذرا سخت ہوئی۔

”نینی، صاف بات کریں۔“ ان کی بھاری، گمبھیر آواز میں صبر کی آخری لکیر تھی۔

نینی نے ہلکے سے سر جھکا کر کہا۔ ”وہ پال کے بارے میں سوچ رہی ہے۔ وہی آفیسر پال۔۔۔ جسے آپ نے خود کبھی اسکول کے زمانے میں مدد دی تھی۔ ایک سادہ، ایماندار لڑکا ہے۔ آفیسر بن چکا ہے۔ اور وہ واقعی نساء کی عزت کرتا ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ اسے ایک موقع ملنا چاہیے۔“

مسٹر جوزف کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرایا۔ ان کے جبڑے بھنچ گئے۔ آنکھوں کے کنارے کی رگیں نمایاں ہوئیں۔ ایسا لگا جیسے کسی نے ان کے سینے کے زخم پر دوبارہ ہاتھ رکھ دیا ہو۔

ان کی آنکھوں میں وہی پرانا خوف تھا کہ کہیں تاریخ خود کو دہرا نہ دے۔ چند لمحے خاموشی کے گزرے۔ کمرے کی گھڑی کی ٹِک ٹِک سنائی دے رہی تھی۔ نینی نے سوچا، شاید وہ اب کچھ بولیں گے نہیں۔ ان کے چہرے پر مایوسی چھانے لگی مگر پھر، مسٹر جوزف نے کپ آہستہ سے میز پر رکھ دیا۔

"نینی۔۔۔" ان کی آواز اس بار پر سکون مگر برف جیسی سرد تھی۔

"میں اپنی بیٹی کو کسی عام انسان کے ہاتھ میں نہیں دے سکتا۔

وہ جوزف پیلس کی شہزادی ہے اور ایک بار زخمی ہو چکی ہو،

میں اسے دوبارہ خون میں نہیں نہلوا سکتا۔"

نینی نے ہلکا سا سانس چھوڑا۔

"میں سمجھتی ہوں جوزف! لیکن آپ یہ بھی تو جانتے ہیں کہ خوشی کبھی محلوں میں قید نہیں رہتی۔ اگر پال سچ میں اچھا انسان ہے، تو صرف نساء کے لیے۔۔۔ اسے ایک موقع ملنا چاہیے۔"

کمرے میں دوبارہ خاموشی چھا گئی۔ مسٹر جوزف نے نظریں دیوار پر لگی ایک پرانی تصویر پر گاڑ دیں۔ اس میں چھوٹی سی نساء ان کے قریب بیٹھی مسکرا رہی تھی۔ چند لمحے وہ اسی تصویر کو دیکھتے رہے۔ پھر ان کے چہرے کے تاثرات آہستہ آہستہ نرم پڑنے لگے۔

"ٹھیک ہے، نینی۔۔۔" انہوں نے آہستگی سے کہا۔

"آپ اسے بلا لیں۔ لیکن۔۔۔" ذرا توقف کیا، "میں اسے اپنی شرطوں پر پرکھوں گا۔ پھر فیصلہ کروں گا کہ وہ اس قابل ہے یا نہیں اور اس دوران کوئی کچھ نہیں بولے گا۔"

یہ کہتے ہی انہوں نے اطمینان سے چائے کا کپ اٹھایا، لبوں سے لگایا اور چسکی لیتے ہوئے نظریں دوبارہ سامنے جما دیں۔

نینی نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا۔ چہرے پر ایک پر سکون مسکراہٹ ابھری۔ وہ جانتی تھیں، یہ پہلا قدم تھا۔ اب سب کچھ پال کی قسمت اور اس کے کردار پر منحصر تھا۔

کیونکہ جوزف پیلس کے دروازے آسانی سے کسی کے لیے نہیں کھلتے اور جو ایک بار اندر آجائے۔۔۔اسے ثابت کرنا پڑتا ہے کہ وہ اس خاندان کا حصہ بننے کے قابل ہے یا نہیں۔۔۔۔!

✿••✿••✿••✿

لاہور کی سرد رات دھند میں لپٹی ہوئی تھی۔رئیس مینشن کے باہر درختوں کے سائے جیسے کسی پرانی فلم کے باسی فریم بن چکے تھے۔گیٹ سے اندر آتی کار کی ہیڈ لائٹس نے دھند چیرتے ہوئے لمحہ بھر کو صحن روشن کیا اور پھر ملگجا اندھیرا ایک بار پھر پوری شان سے لوٹ آیا۔رئیس نے آہستہ سے گاڑی کا دروازہ بند کیا، سانس سے بھاپ نکلی، اور اس نے کالر ٹھیک کرتے ہوئے مینشن کی طرف قدم بڑھائے۔سنگِ مرمر کے فرش پر اس کے قدموں کی چاپ ویرانے میں گونج رہی تھی۔انداز ہمیشہ کی طرح مضبوط، مگر چہرے پر ایک تھکن جو برسوں کے بوجھ سے جنم لیتی ہے۔ مینشن کا دروازہ کھلتے ہی لاؤنج کی مدھم روشنی نے اس کا استقبال کیا۔چمنی میں آگ جل رہی تھی، ہلکی سی لکڑیوں کی چٹخ سنائی دیتی تھی۔اسی روشنی میں، وہیل چیئر پر بیٹھے احمد اورنگزیب صاحب کے چہرے کے نقوش نمایاں ہوئے۔چہرہ بوڑھا ضرور تھا مگر وقار اب بھی قائم تھا۔آنکھوں میں وہی سرد سی روشنی، مگر آج اس روشنی میں کچھ اور بھی تھا۔، شاید انتظار۔رئیس ایک لمحے کو رکا۔

اس نے اپنے دادا کو دیکھا، اور پھر بنا کچھ کہے سلام کرتے ہوئے سیڑھیوں کی سمت بڑھ گیا۔مگر پیچھے سے ایک مانوس مگر بوڑھی آواز گونجی۔

"کیا تمہارے پاس میرے لیے وقت ہے؟"

یہ صرف ایک جملہ نہیں تھا۔یہ برسوں کی دوری کا نوحہ تھا۔

رئیس کے قدم جیسے زمین میں پیوست ہو گئے۔ یہ التجا بھی تھی اور شکوہ بھی۔ وہ پلٹا، آہستہ سے کوٹ اتارا، صوفے کی پشت پر پھینکا، پھر کف فولڈ کرتے ہوئے ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"جی، بولیں۔۔۔"

آواز میں نرمی تھی، مگر اندر کہیں نہ کہیں ضبط چھپا ہوا تھا۔

اورنگزیب صاحب اسے دیکھتے رہے۔ کافی دیر تک بولے نہیں۔ جیسے وہ صرف اس کی آنکھوں سے وہ سب پڑھ لینا چاہتے ہوں جو برسوں پہلے کہہ نہیں پائے تھے۔ رئیس کے چہرے کی وہ لکیر، وہ ہلکی سی تھکن، وہ خاموشی، سب کچھ ان کے دل میں تیر بن کر اترتا گیا۔ یہ وہی بچہ تھا جسے وہ کبھی اپنے بازوؤں میں اٹھاتے تھے، وہی لڑکا جس کے لیے وہ دنیا جیت سکتے تھے۔

مگر پھر ایک دن، سب کچھ بدل گیا تھا۔ آفاق کے جانے کے بعد ان کے درمیان رشتے کی جگہ ایک دیوار نے لے لی تھی۔ خاموشی کی، غلط فہمیوں کی، اور زخموں کی اور جب سچ سامنے آیا، کہ رئیس کے ساتھ وہ سب کچھ ہوا جو کسی کے ساتھ نہیں ہونا چاہیے تھا، تو اورنگزیب صاحب کے دل میں ایک خوف سا جاگ چکا تھا کہ وہ اتنے برس صرف رئیس کو مجرم سمجھتے رہے جو کہیں نہ کہیں خود بھی مظلوم تھا۔ ان کی آنکھیں نمی سے بھر آئیں۔ مگر رئیس نے رخ موڑ لیا، جیسے وہ اس کمزوری کو برداشت نہ کر سکتا ہو۔ انہیں اورنگزیب صاحب بہت عزیز تھے۔ ہمیشہ سے، وہ اس کے دادا تھے۔ جس نام پر وہ اترا تا تھا وہ اسے انہوں نے ہی دیا تھا۔ وہ شکل صورت میں بھی ان جیسا تھا۔ اس کی چال ڈھال، اس کا بیٹھنا اٹھنا سب ان کے جیسا تھا۔ پھر اتنی دوریاں کیسے آ گئیں؟ چمنی کی روشنی میں دونوں کے چہرے جگمگا رہے تھے۔

ایک وقت کا بادشاہ اور اس کا زخمی وارث!

خاموشی کچھ دیر تک دونوں کے درمیان ٹھہری رہی۔ بس آگ کی چیخ تھی، اور دیوار پر ٹنگی گھڑی کی ٹک ٹک۔ پھر رئیس نے گہرا سانس لیا، کوٹ کی جیب سے سگار نکالا اور اسے جلا کر ایک کش کھینچا، اور دھویں کے درمیان نگاہیں نیچی رکھتے ہوئے بولا۔

"آپ ابھی تک سوئے کیوں نہیں؟ نیند نہیں آئی کیا؟"

اور اورنگزیب صاحب کے لبوں پر ایک ہلکی مسکراہٹ آگئی۔ بڑے دنوں بعد اس نے پوچھا تھا۔

"اب آجائے گی، شاید۔۔۔ پر تم اتنے بڑے کب سے ہو گئے کہ میرے سامنے بیٹھ کر سگار پیو؟" انہوں نے لہجہ سخت کرنے کی کوشش کی۔ رئیس کے چہرے پر استہزاء ابھرا۔

"لگتا ہے آپ نے مجھے غور سے دیکھا نہیں ورنہ آپ جان جاتے میں کافی بڑا ہو چکا ہوں۔"

یہ الفاظ مینشن میں گونج اٹھے۔ منظر یہاں آہستہ سا ٹھہر ا رہا ہوا کے کسی سرد جھونکے کے ساتھ۔ دھند مینشن کے شیشوں پر دبیز ہونے لگی تھی۔ مگر اس رات، برسوں کی ایک برف پہلی بار پگھلنے لگی تھی۔ خاموشی میں، مگر واضح طور پر۔

چمنی کی آگ کے شعلے لرز رہے تھے۔ وقت جیسے رُک گیا تھا۔

رئیس کے چہرے پر روشنی کے ہلکے زرد دھبے پڑ رہے تھے اور سامنے اورنگزیب صاحب، اپنی وہیل چیئر پر، تھکے ہوئے مگر زندہ دل نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ ایک طویل خاموشی کے بعد وہ گویا ہوئے۔ آواز میں نمی بھی تھی، ندامت بھی، اور برسوں کی مجبوریوں کی ٹوٹ پھوٹ بھی۔

"تم نے کبھی بتایا کیوں نہیں؟ جو کچھ تمہارے ساتھ ہوا، وہ سب تم نے اپنے سینے میں چھپا لیا۔ میں تمہارے اتنا قریب تھا، مگر تم نے میرا اعتبار نہیں کیا۔ کیوں؟"

رئیس نے آہستہ سے سر جھکایا، آواز بھاری تھی مگر ضبط شدہ!

"ہر تکلیف بتائی نہیں جاتی، ہر زخم دکھایا نہیں جاتا۔۔۔

کچھ زخم ایسے ہوتے ہیں جنہیں بولنے سے زیادہ چھپانے میں سکون ملتا ہے۔ اور کچھ درد ایسے۔۔۔ جنہیں اگر لفظوں میں ڈھال دیا جائے تو وہ مر کر بھی زندہ رہتے ہیں۔"

اورنگزیب صاحب نے گہری سانس لی۔ آنکھوں میں پسِ دیوار پچھتاوا تیر گیا۔ بیٹے کی موت کے دکھ میں وہ پوتے کو بھول گئے۔ چند لمحے یونہی گزرے، پھر وہ گویا ہوئے۔

"میں نے تمہاری زندگی برباد کر دی، رئیس! میں نے تمہیں ہمیشہ کے لیے تنہا چھوڑ دیا۔ دوبار تمہاری مرضی پوچھے بغیر تمہارا رشتہ طے کیا۔ کبھی تم سے نہیں پوچھا تم کیا چاہتے ہو؟ تمہیں کبھی جینے نہیں دیا میں نے۔"

یہ سننا تھا کہ رئیس کے ہاتھوں کی رگیں ابھر آئیں۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر ضبط کر گیا۔ چہرے پر ہلکی جنبش ہوئی، مگر لب بند رہے۔ سگار یونہی جلتا رہا اس کے دل کی طرح۔۔۔

"میں ایک قاتل سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔۔۔" اورنگزیب صاحب کی آواز بھرا گئی۔

"میں نے خود کو یقین دلا دیا تھا کہ تم منار کے قاتل ہو۔ میری نسل کے گناہ ہو۔

مگر ہر رات، ہر رات رئیس۔۔۔ میں تمہاری تصویریں دیکھتا رہا۔

میں تم میں اپنے بیٹے کو ڈھونڈتا رہا۔ تمہارے انٹرویوز سنتا رہا۔ وہی لہجہ، وہی اندازِ گفتگو۔۔۔ تم بولتے تھے تو لگتا تھا میرا بیٹا پھر سے زندہ ہو گیا۔ مگر میں نے انا کے ہاتھوں خود کو اندھا کر لیا۔ میں نے تمہیں سزا دی، صرف اس لیے کہ میں خود اپنی نفرت کے بغیر جینا نہیں جانتا تھا۔"

چمنی کی روشنی میں رئیس کے چہرے پر ہلکی نمی چمکی۔

آنکھوں کی خاموشی میں برسوں کی اذیت تھی۔ وہ اب بھی کچھ نہیں بولا، مگر اس کے چہرے پر پہلی بار وہ ادھورا سکون جھلکا جو کبھی منار کے خیال سے بھی نہیں آیا تھا۔

"تم نے جو کچھ سہا۔۔۔ وہ کسی دشمن کے ساتھ بھی نہیں ہونا چاہیے۔ اور میں، جو تمہارا سایہ ہونا چاہتا تھا، تمہارا دشمن بن گیا۔ تمہارے اندر کا بچہ مر چکا تھا، اور میں اسے خوف سمجھتا رہا۔"

انہوں نے اپنی لرزتی انگلیوں سے میز پر رکھی چائے کی پیالی تھامی۔ ایک گھونٹ لیا اور نظریں جھکا لیں۔ ان کی آواز جیسے سانس کے ساتھ پھسلتی گئی۔

"مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ میں نے جو کیا خود کیا۔ آپ میرے کسی برے کام میں ملوث نہیں رہے۔ آپ خود کو قصوروار سمجھنا چھوڑ دیں۔ میں نے جو کیا اپنی مرضی سے کیا۔"

اس نے جلتا سگار، ایش ٹرے میں رکھ دیا۔ اور نگزیب صاحب اسے دیکھتے رہے۔ ساڑھے بیالیس سالہ مرد اس کے سامنے بیٹھا تھا وہ جسے لوگ **وقت کا بادشاہ** کہتے تھے۔

"کاش وقت پلٹ سکتا۔ کوئی ٹائم مشین ہوتی تو میں واپس جا کر تمہارے ساتھ ایک مختلف زندگی گزرتا، اپنے بیٹے کے مرنے کے باوجود، میں تمہارے ساتھ جینے کی خواہش رکھتا ہوں۔ کاش کوئی ٹائم مشین ہوتی جو تمہیں ایک عام انسان بنا سکتی۔"

"بادشاہ کبھی عام انسان نہیں بن سکتا۔۔۔" رئیس نے ان کی بات کی تردید کر دی۔ "وقت کبھی نہیں پلٹتا۔"

خاموشی پھر سے گہری ہو گئی۔ اور نگزیب صاحب نے اپنی چائے کی پیالی واپس دھر دی۔

"اب میرے پاس وقت زیادہ نہیں بچا۔ بس اتنا چاہتا ہوں کہ اس جنگ کے اختتام پر تم زندہ رہو۔ اپنی سانسوں کے ساتھ، اپنے دکھوں سے آزاد۔ میں تمہیں زندہ دیکھنا چاہتا ہوں **رئیس!** میرے لیے **زندہ** رہنا۔"

انہوں نے جیسے التجا کی۔ رئیس نے خاموشی سے ان کی طرف دیکھا۔ وہ آنکھیں جو برسوں بعد نرمی سے چمک رہی تھیں۔ اس نے صرف اتنا کیا کہ آہستہ سے کرسی سے اٹھا، اورنگزیب کے قریب آیا، اور ان کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

کچھ پل کے لیے دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ نہ کوئی لفظ، نہ کوئی وضاحت، بس دو آنکھوں میں وہ سب تھا جو پچھلے ساڑھے چھبیس سال میں کبھی نہیں کہا گیا تھا۔

چمنی کے شعلے تھرتھرا کر مدھم پڑ گئے۔ باہر دھند کے پار صبح ہونے میں ابھی بہت وقت تھا اور رئیس کی زندگی میں پہلی بار، دھوپ کے آنے کی ہلکی سی گنجائش محسوس ہوئی۔

✿••✿••✿••✿

رات مزید گہری ہو چکی تھی۔ لان کے کنارے لگے درختوں سے اوس کے قطرے چھن چھن کر نیچے گر رہے تھے۔ ہوا میں نمی تھی اور فضا میں ایک عجیب سا سکون۔

فجر اپنے کمرے میں تھی، سامنے ڈریسنگ ٹیبل پر چند جیولری باکس کھلے ہوئے تھے۔ اس نے آئینے کے سامنے بیٹھے بیٹھے لپ اسٹک کی کیپ بند کی، اور ایک لمحے کو خود کو دیکھا۔ ہیزل آنکھیں جیسے کسی سوچ میں ڈوبی ہوں، بال شانے کے اوپر سے نرم لہروں میں بکھرے ہوئے تھے۔ وہ ڈنر کے لیے تیار ہو رہی تھی۔

دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے چونک کر پلٹ کر دیکھا۔ ولی دروازے کے فریم سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ سیاہ شرٹ کے اوپر گرے جیکٹ اور آنکھوں میں وہی الوہی سی چمک جو فجر کو غیر متوقع طور پر بھا گئی تھی۔

"تو بیگم صاحبہ، آپ آج رات فری ہیں؟"

اس نے وہی جملہ دہرایا جو صبح کہا تھا، مگر اس بار لہجہ نرم تھا، جیسے مذاق میں نہیں بلکہ کسی چاہت سے پوچھ رہا ہو فجر نے آئینے میں دیکھتے ہوئے ہلکی مسکراہٹ دبائی۔

"آپ وقت پر آئے ہیں۔ حیرت ہے۔"

"خیر! میں نے وعدہ کیا تھا اور جانتا ہوں توڑنے پر کسی بھی وقت ٹرمینیٹ ہو سکتا ہوں۔" وہ مسکرا کر کمرے میں داخل ہوا، میز پر رکھی چند جیولری پیسز پر نگاہ ڈالی۔

"کیا میں مدد کر سکتا ہوں؟ یا پھر آپ چاہتی ہیں کہ میں صرف تعریف کروں؟" اس نے فجر کے پیچھے عین آئینے کے سامنے کھڑے ہوتے پوچھا۔

"تعریفیں کرنے والے بہت ہیں، ہسبنڈ۔۔!" فجر نے گہری نظروں سے اسے آئینے میں دیکھا۔ "لیکن سچ بولنے والے بہت کم۔"

"تمہیں کسی زیور کی ضرورت نہیں۔ جو بھی تمہارے قریب آتا ہے، وہ خود اپنی چمک کھو دیتا ہے۔"

لمحہ بھر کے لیے خاموشی چھا گئی۔ ولی کے الفاظ جیسے اس کے گرد فضا میں تیرتے رہے۔ پھر وہ کھڑی ہوئی۔ نیوی بلیو سوٹ کی نرم لہریں چلتی ہوئیں زمین کو چھو گئیں۔ ایک لمحے کے لیے ولی نے اس کے بالوں میں سجے جیولڈ پن پر نگاہ ڈالی۔ وہ اکثر فارمل ہی رہتی تھی۔ شاید اسے عادت ہو گئی تھی۔ اب وہ اسے دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

"کافی دن بعد مسکرا رہی ہو۔" وہ آہستہ سے بولا۔ دراز قد آئینے میں انکا سراپا واضح ہو گیا۔

"زندگی میں کچھ پل ایسے ہوتے ہیں جب انسان بھول جاتا ہے کہ وہ کس جنگ میں ہے۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"شاید آج رات ان میں سے ایک ہے۔"

ولی نے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ سجائی اور اس کی جانب ہاتھ بڑھایا۔

"چلیے، میڈم۔ آج رات جنگ نہیں، صرف ڈنر ہو گا۔"

فجر نے پرس اٹھایا اور اسکا ہاتھ تھامتے دروازے سے باہر نکلی۔

لان میں سے گزرتے ہوئے ان دونوں کے قدموں کے ساتھ ہلکی موسیقی سنائی دے رہی تھی۔ گاڑی کے شیشے پر اوس کے قطرے چمک رہے تھے۔ ولی نے گاڑی کا دروازہ کھولا۔

"آفٹر یو، مائی لیڈی!" اس کے لہجے میں ایک عجیب سا احترام تھا۔ جیسے وہ واقعی کسی ملکہ کو سوار کر رہا ہو۔ فجر گاڑی میں بیٹھی اور باہر آسمان کو دیکھا۔ رات بہت خاموش تھی۔

شاید کچھ بدلنے والا تھا۔ لیکن کیا؟

گاڑی گھر سے باہر نکل گئی اور گیلی سڑک پر تیزی سے آگے بڑھنے لگی۔ کچھ دیر بعد وہ ریستوران میں تھے۔ ریستوران کی کھڑکی کے پار شہر کی روشنیاں نرم سا دھندلا ہالہ بن رہی تھیں۔ سامنے میز پر دو موم بتیاں جل رہی تھیں۔ ایک کی لو کبھی جھک جاتی، کبھی سنبھل جاتی، جیسے کسی دل کے دھڑکنے کا استعارہ ہو۔ ولی اپنی مخصوص سنجیدہ مسکراہٹ کے ساتھ بیٹھا تھا، ہاتھ میں پانی کا گلاس، مگر نگاہیں کہیں اور تھیں، شاید ماضی کے کسی اندھیرے گوشے میں۔ فجر اسے دیکھ رہی تھی۔ اُس کے چہرے پر وہی سکون، وہی خاموش وقار، مگر آنکھوں میں عجیب سا تناؤ۔ جیسے وہ جانتی ہو کہ آج کوئی بات کہی جائے گی جو سب بدل دے گی۔ وہ اس حلیے میں بھی اس قدر اچھا لگ رہا تھا۔ گرے جیکٹ میں اس کی رنگت نکھر گئی تھی اور اس کے کتھئی بال بھلے لگ رہے تھے اور اس کی آنکھیں؟ وہ جہاں ٹھہر جاتی تھیں، اسی چیز کو منجمند کرنے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔ آج وہ مٹھی پر ٹھوڑی جمائے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس سے آج بہت سی باتیں کرنا چاہتی تھی۔

"جوزف پیلس۔۔۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"جوزف پیلس میں ایسا کیا ہے؟ ناچاہتے ہوئے بھی وہ تمہیں سب سے زیادہ پسند ہے۔"

ولی کے ہونٹوں پر ہلکی سی جنبش ہوئی۔ اس نے گلاس رکھا، تھوڑا سا آگے جھک کر اسے دیکھا اور پھر بولا۔

"کیونکہ وہی میری زندگی کا پہلا سچ ہے۔"

"پہلا سچ؟" اسکی بھنوؤں کے بیچ ہلکی سی لکیر ابھری۔

"ہاں۔۔۔" اس کی آواز بھاری تھی۔ "میں آٹھ سال کا تھا۔ اکثر نیند میں چلنے لگتا تھا۔ نرسیں سمجھتیں میں ڈراؤنے خواب دیکھتا ہوں۔ مگر وہ کوئی عام خواب نہیں تھا۔۔۔ وہ سچا خواب تھا۔ وہ جوزف پیلس ہی تھا جہاں میں اپنے اصل سے روشناس ہوا۔"

وہ رکا، موم بتی کی لو میں اپنی انگلیوں کو دیکھتا رہا۔ سیلنگ پر چمکتے برقی قمقمے بہت دھیمے تھے۔ فجر پوری توجہ سے اسے سن رہی تھی۔

"میں ہر رات ایک ہی خواب دیکھتا۔۔۔ ایک آدمی زنجیروں میں بندھا ہوتا۔ تہہ خانے میں۔ اندھیرا اتنا گہرا کہ سانس لینا مشکل لگتا۔ میں جاگتا، مگر پھر بھی نیند میں ہوتا۔ خود بخود چلتا ہوا نیچے جاتا۔۔۔ اور ہر بار وہیں جا پہنچتا۔ اس کے ہاتھ، اس کے پاؤں، اس کی چیخیں، سب کچھ دیکھتا۔ مگر تب سمجھ نہیں آتا تھا کہ وہ کون ہے؟"

فجر نے آہستہ سے پوچھا، "پھر تمہیں پتا چلا؟" لہجے میں تجسس ابھرا۔

ولی نے گہرا سانس لیا۔

"ہاں! سالوں بعد۔ جب سب کچھ بدل گیا، جب میری قید شروع ہوئی۔ جب میں واقعی زنجیروں میں بندھا تھا۔۔۔ تب وہی خواب دوبارہ دیکھا۔ اور تب جانا کہ وہ شخص۔۔۔ میں خود تھا۔"

کتھئی آنکھیں، ہیزل آنکھوں سے ٹکرائیں، فجر کے ہونٹ خشک ہو گئے۔ دل میں جیسے کسی نے نمک چھڑک دیا ہو۔ وہ جیسے ساکت رہ گئی۔ آنکھوں میں حیرانی ابھری۔

"تو تم نے اپنے مستقبل کو بچپن میں دیکھا تھا۔۔۔" اس کی آواز بمشکل نکلی۔ چہرے کا رنگ بدل چکا تھا۔

"مستقبل کی ایک جھلک۔۔۔" وہ دھیرے سے بولا۔

وہ لمحہ ایسا تھا جیسے ہوا رک گئی۔ دونوں کے درمیان میز پر صرف موم بتیوں کی زرد روشنی ناچ رہی تھی، اور فضا میں ولی کے لفظوں کی گونج تیر رہی تھی۔

"اس خواب کے بعد مجھے کبھی کچھ خواب نہیں آیا۔ جیسے نیند مجھ سے روٹھ گئی ہو۔ مگر شاید خدا چاہتا تھا میں وہ ایک خواب یاد رکھوں۔۔۔ تاکہ جب زنجیر پڑے، میں یقین رکھوں کہ یہ سب ایک منصوبہ ہے، ایک امتحان، ایک نشانی۔"

فجر نے نظریں جھکا لیں۔ اندر کچھ عجیب سا احساس جاگا تھا۔

"اور تب تمہیں دین پر یقین آیا؟"

ولی نے اس کی جانب دیکھا۔ وہ نظر نرم تھی، مگر اس کے اندر کہیں گہرا سمندر تھرتھرا رہا تھا۔

"یقین بہت پہلے آ گیا تھا۔ تب خود پر رشک آیا تھا کیونکہ کوئی عام انسان اپنی زندگی کے کسی اہم حصے کو ایسے نہیں دیکھ پاتا۔ اگر وہ خواب میں نے دیکھا، تو وہ دکھایا گیا۔ اور جو دکھایا گیا، وہ کسی حکمت کے بغیر نہیں تھا۔"

فجر کی انگلیاں بے اختیار میز پر رکھی نیپکن کے کنارے سے کھیلنے لگیں۔

"اور وہ نشان؟" اس نے دھیرے سے ولی کے گال پر موجود نشان کی طرف دیکھا، "وہ کب آیا تھا؟"

ولی نے نظریں چرائیں، مسکرانے کی ناکام کوشش کی۔ پہلے بھی وہ اس نشان کے بارے میں اسے مختصر بتا چکا تھا مگر تب وہ دواؤں کے زیر اثر تھی اور پوری بات بنا سنے ہی سو گئی تھی۔

"اسی قید کے دوران! جب مجھے احساس ہوا کہ جسم سے زیادہ روح زخمی ہو چکی ہے۔"

چند لمحے خاموشی رہی۔ باہر سے کسی وائلن کی ہلکی دھن آ رہی تھی۔ دھیرے، اداس، مگر خوبصورت!

فجر کے دل میں جیسے کوئی چراغ جل اٹھا ہو، مگر وہ خود نہیں جانتی تھی کہ یہ روشنی درد سے بنی تھی یا محبت سے؟

"اور تم نے وہ سب۔۔۔ اکیلے سہا؟"

ولی نے نظریں اٹھائیں۔

"کچھ جنگیں اکیلے ہی لڑنی پڑتی ہیں، فجر۔ اگر کوئی ساتھ ہو، تو وہ جنگ نہیں رہتی۔ قربانی بن جاتی ہے۔"

اس کے لہجے میں ایک عجیب سی روشنی تھی۔ وہ روشنی جو ٹوٹنے کے بعد کسی شخص میں جنم لیتی ہے۔ فجر نے دھیرے سے سر جھکا دیا۔ اس کی آنکھوں میں نمی تھی، مگر وہ مسکرا رہی تھی۔

"تو تم اب بھی وہ خواب دیکھتے ہو؟"

"ہاں۔" وہ بولا۔ "اب بھی خواب دیکھتا ہوں۔۔۔ مگر جاگتے ہوئے اور سب سے خوبصورت خواب تم ہو۔"

اسکا لہجہ ہر جذبے کو مات دے رہا تھا۔ ریستوران میں مدھم روشنی تھی۔ میز پر جلتی موم بتیاں اب مدھم ہو چلی تھیں، مگر ان کی لو اتنی تھی کہ فجر، ولی کے چہرے کا ہر نقش صاف دیکھ سکتی تھی۔ وہ نشان۔۔۔ جو کبھی گہرا، وحشی اور سخت لگتا تھا اب جیسے اس کی شخصیت کا ایک نرم، خوبصورت حصہ بن چکا تھا۔ جلد کے رنگ میں گھلا ہوا، مگر پھر بھی واضح۔ فجر نے چند لمحے اسے دیکھتے گزار دیئے۔ ولی کی آنکھیں پر سکون تھیں، جیسے سب کچھ بتانے کا وقت آ گیا ہو۔

"یہ نشان۔۔۔" وہ دھیرے سے بولی، "اب پہلے جتنا گہرا نہیں لگتا۔"

ولی نے سر جھکایا، ہلکا سا مسکرایا۔ "ہاں، وقت نے اسے جلد کا حصہ بنا دیا۔"

"مجھے اس نشان کی پوری کہانی جاننی ہے۔" وہ امید سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

وہ لمحہ بھر رکا، اسے دیکھتا رہا اور پھر گلاس میں موجود پانی کو گھماتے ہوئے کہا۔

"یہ نشان مجھے نافرمانی کی سزا کے طور پر ملا تھا۔"

فجر کی پلکیں لرز گئیں۔ "نافرمانی؟"

"ڈیڈ کو انکار پسند نہیں تھا۔۔۔" وہ پھیکا سا ہنس دیا مگر وہ ہنسی ایسی تھی جیسے زخم کے اوپر کسی نے مرہم لگاتے ہوئے ہاتھ جلا لیا ہو۔

"میں نے انہیں انکار کیا۔ ان کے خلاف گیا اور انہوں نے مجھے یہ یادگار دے دی۔"

اس کے چہرے پر ایک نرم چمک سی تھی، جیسے وہ اب اس درد کو قبول کر چکا ہو۔ مگر فجر کا دل۔۔۔ وہ لمحے میں ساکت ہو گیا۔ اس کے ذہن میں منار کا چہرہ ابھرا، وہی ظالمانہ آنکھیں، وہی سرد لہجہ۔ اس کے ساتھ بھی تو یہی ہوا تھا۔ نافرمانی کی سزا۔ منار نے اس کی روح جلائی تھی، اس کے خوابوں کو راکھ کر دیا تھا۔ وہ دونوں ایک جیسے زخموں کے وارث تھے بس کہانیاں الگ تھیں۔

فجر نے گہرا سانس لینا چاہا، مگر حلق میں کچھ اٹک گیا۔ آنسو گلے تک آ کر ٹھہر گئے۔ اس نے نظریں جھکا لیں۔

"کچھ اذیتیں کبھی مٹائی نہیں جا سکتیں۔۔۔" اس کے الفاظ بس سرگوشی کی طرح نکلے۔ ولی نے اس کی طرف دیکھا، اس کی نظریں جیسے ایک ہی لمحے میں فجر کے اندر تک اتر گئیں۔

جبکہ فجر نے بمشکل سانس لیا اور آہستہ سے بولی۔

"تم چاہو تو یہ نشان مٹ سکتا ہے۔۔۔ سرجری سے۔۔ آسانی سے چلا جائے گا اور شاید اس کے ساتھ تمہاری تکلیف بھی۔۔۔"

وہ اسے اذیت سے نکالنا چاہتی تھی جبکہ ولی کے لبوں پر ہلکی مسکراہٹ آگئی۔ اس نے آہستہ سے میز پر رکھا فجر کا ہاتھ اٹھایا، اور بڑی نرمی سے اسے اپنے لبوں سے چھو لیا۔

"مجھے یہ نشان بہت عزیز ہے، بیگم!" اس کی آواز میں عجیب سا ٹھہراؤ تھا۔ جیسے کسی نے اندر کے طوفانوں کو قابو کر لیا ہو۔

"کیونکہ یہ مجھے یاد دلاتا ہے کہ میں قائم رہا اور یہ بھی کہ یہ محبت کے عوض ملا، اور تم نے مجھے اسی نشان کے ساتھ قبول کیا۔"

فجر کے لب ہولے سے کھل گئے، مگر کوئی لفظ نہ نکلا۔ وہ بس اسے دیکھتی رہی، وہ چہرہ، وہ سکون، وہ زخم جو خوبصورتی بن گیا تھا۔ وہ دھیرے سے بولی۔

"کیا میں۔۔۔" آواز بہت آہستہ نکلی، "کیا میں اسے۔۔۔ چھو سکتی ہوں؟"

ولی کے چہرے پر حیرت بھری نرمی آئی۔ پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر فجر کی کرسی کو اپنی جانب کھینچا اور اس کی جانب جھک گیا، اپنا چہرہ اس کے قریب کر لیا۔ اتنا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں اپنا عکس دیکھ سکتے تھے۔

"یہ تمہارا حق ہے۔"

فجر نے جھجکتے ہوئے اپنا دایاں ہاتھ اٹھایا۔ اس کی انگلیاں ہولے سے ولی کے گال پر ٹھہریں، پھر انگوٹھا آہستہ آہستہ اس نشان پر پھسلا۔ وہ نرم جلد، مگر اس کے نیچے چھپی صدیوں کی تکلیف، جیسے انگلیوں کے لمس سے بولنے لگی ہو۔

”بہت درد ہوا ہو گا نا؟“ اس کی آواز لرز رہی تھی، آنکھوں میں نمی کی ہلکی چمک تھی۔ ولی نے اس کا ہاتھ تھام لیا نرمی سے، مگر مضبوطی سے۔

”اب نہیں ہوتی۔۔۔“ وہ پھر سے مسکرایا۔ اس کے بالوں کی ایک آوارہ لٹ کو کان کے پیچھے کیا، اور بہت دھیرے سے بولا،

”درد ختم ہو جاتا ہے جب کوئی اسے محسوس کرنے لگے اور تم یہ محسوس کر چکی ہو۔“

فجر اپنی پلکوں پر لرزتی نمی پی گئی اور پھر مسکرا دی۔

ایک ایسی مسکراہٹ جس میں شکر بھی تھا، سکون بھی، اور شاید وہ محبت بھی۔۔ جس کا اعتراف کسی لفظ کو ضرورت نہیں ہوتی۔ ولی نے اس کے ہاتھ پر ہلکی سی گرفت بڑھائی۔

”یہ نشان میرا ماضی ہے اور تم۔۔۔ میرا حال۔۔۔“

ریستوران کی موم بتیاں اب پوری طرح بجھ چکی تھیں، مگر ان کے درمیان جو روشنی تھی، وہ کبھی بجھنے والی نہیں تھی۔

میز پر اب سادہ سا مگر لذیذ سا کھانا رکھا تھا، گرم سوپ کی بھاپ میں رات کی نمی گھل رہی تھی، اور پس منظر میں بجتا وائلن ان کے درمیان خاموش الفاظ کا ترجمہ کر رہا تھا۔ انہوں نے کھانا شروع کیا۔ کچھ دیر بس چمچ کانٹوں کی آواز ابھری پھر اس نے چمچ رکھ دیا۔

”آج میری نساء سے بات ہوئی۔“ اس نے دھیرے سے کہا۔

ولی نے سوالیہ نظروں سے دیکھا، مگر مسکراہٹ لبوں سے نہ گئی۔ ”اچھی لگی تمہیں؟“

”بہت۔۔۔“ فجر نے سر جھکاتے کہا۔

"وہ نرمی سے بات کرتی ہے، جیسے اس کے دل میں دنیا کے لیے گلہ نہیں، بس تھکن ہے۔"

ولی نے اثبات میں سر ہلایا۔ "وہ تھک چکی ہے، مگر کمزور نہیں۔"

چند لمحے وہ دونوں خاموش رہے پھر فجر نے لہجہ ہلکا سا بدلتے ہوئے پوچھا۔

"اس نے مجھے بچپن کے قصے سنائے، اس میں پال بھی تھا۔ اس کے بارے میں بتاؤ نا۔۔۔ تمہارا خیال ہے وہ اچھا انسان ہے؟"

وہ سمجھ گیا مگر چونکا نہیں۔ "پال؟"

"ہاں، وہ پولیس آفیسر۔۔۔۔ جس نے نساء کے کیس میں کافی مدد کی تھی اور جیکب کو سزا دلوائی۔" اس نے خود ہی وضاحت کر دی۔ یعنی وہ اتنا جانتی تھی۔

"ہاں، وہ سچ مچ نڈر ہے۔ میں نے اسے قریب سے دیکھا ہے۔ اصول پسند بھی ہے اور وفادار بھی۔ یہ سچ ہے نساء کے کیس میں، اس نے کافی مدد کی تھی۔ وہ سچا انسان ہے۔"

فجر نے آہستہ سے گہرا سانس لیا۔

"کبھی کبھی کسی انسان کا سچ ہمیں ڈرا دیتا ہے، لیکن پھر وہی سچ سکون بھی دیتا ہے۔"

ولی نے چمچ نیچے رکھ کر ہاتھ میز پر ٹکایا۔

"بلکل ایسے ہی جیسے تم۔۔۔"

وقت تھم سا گیا۔ ان کے درمیان نہ آنے والی جنگ کا ذکر ہوا، نہ منار کی سازشوں کا، نہ رئیس کی خاموشیوں کا۔ کل وہ اوماڑا کے لیے نکلنے والے تھے، وہاں جہاں شاید سب کچھ ختم ہو جاتا یا بدل جاتا، مگر اس لمحے وہ سب کچھ بھول چکے تھے۔

یہ پل ان کے تھے۔ اور وہ انہیں پوری شدت سے جینا چاہتے تھے۔

"کبھی کبھی لگتا ہے کہ ہم بہت دیر سے ملے ہیں۔۔۔ مگر شاید صحیح وقت پر۔"

وہ اسے دیکھتے ہوئے بولی تو ولی نے اس کے ہاتھ کو مضبوطی سے تھاما۔

"ہم اس وقت ملے جب اللہ نے چاہا اور اس کے بعد وقت نے ہمارے آگے چلنا چھوڑ دیا۔"

فجر کے لبوں پر ہلکی مسکراہٹ آئی۔ وائلن کی دھن مدھم ہو گئی۔ باہر رات خاموش کھڑی تھی۔ ان کے درمیان بس ایک لمحہ تھا جو جیسے ہمیشہ کے لیے ٹھہر گیا۔

"آب کھانا ختم کر لیں بیگم! صبح لمبا سفر ہے۔"

فجر نے سر ہلایا، مگر اس کی نظریں اب بھی ولی پر تھیں۔

"یہ رات کچھ دیر اور ٹھہر جائے۔۔۔"

وہ جواب نہیں دے پایا، بس اس کی آنکھوں میں دیکھا اور جیسے رات واقعی تھم گئی۔

✿••✿••✿••✿

پورا شہر دھند میں لپٹا ہوا تھا۔ کھڑکی کے پار، گلی کے آخر تک صرف زرد اسٹریٹ لائٹس کے دھندلے حلقے دکھائی دے رہے تھے۔

ایسا لگتا تھا جیسے وقت خود تھم گیا ہو، سانس روک کر کسی تحریر کے مکمل ہونے کا انتظار کر رہا ہو۔

فلک اپنے اسٹڈی روم میں بیٹھی تھی۔ کمرہ پر سکون، وسیع، مگر لفظوں سے بھرا ہوا۔ دیوار پر لگی کتابوں کی قطاروں میں چند غیر مطبوعہ مسودے اپنی باری کے منتظر تھے۔ لکڑی کی میز پر سفید لیمپ کی مدھم روشنی پھیل رہی تھی۔ سامنے لیپ ٹاپ کھلا ہوا تھا، جس کی اسکرین پر **"زہر خوردہ پری، آخری باب"** لکھا تھا۔

اس کے ہاتھ میں گرم کافی کا کپ تھا۔ کپ کے کناروں سے بھاپ اُٹھ رہی تھی، اور وہ کبھی کبھار نظریں کھڑکی کی جانب اٹھا کر دیکھ لیتی، دھند میں ڈوبے آسمان کی طرف۔ شاید یہ وہ موسم تھا جو اسے لکھنے کی تحریک دیتا تھا، ایک نرم سرد خاموشی، جس میں لفظ خود بہ خود جنم لیتے تھے۔

اسکرین پر کَرسَر ٹمٹما رہا تھا۔ فلک کی انگلیاں کی بورڈ پر رکی تھیں۔ **"زہر خوردہ پری"** کا انجام اس کے دل میں تھا، مگر صفحے پر اتارنے سے پہلے وہ خود کو محسوس کر رہی تھی۔

یہ اس کے لیے صرف ایک کتاب نہیں تھی، یہ اس کا سفر تھا۔

ایک آن لائن رائٹر سے ایک مصنفہ بننے تک کا، ایک غیر معتبر نام سے ایک پہچان تک کا۔

میز کے ایک طرف اس کے فون کی روشنی جھلکی۔

انسٹاگرام، فیس بک، اور ای میل پر نوٹیفکیشنز کا ڈھیر لگ چکا تھا۔ کتاب کے تازہ اقتباسات پر تبصرے آ رہے تھے۔ اس نے ایک ایک کر کے سب کھولنے شروع کیے۔ پہلا تبصرہ کچھ یوں تھا۔

"پیاری فلک! میں زہر خوردہ پری کے باب تیرہ کو پڑھ کر رو دی۔

آپ نے جیسے کسی انسان کے اندر کا زہر لفظوں میں بدل دیا۔

مجھے لگا میں اکیلی نہیں ہوں۔ شکریہ، واقعی شکریہ۔"

فلک کے لبوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔ یہ وہی جملے تھے جو اسے ہمت دیتے تھے۔ اسے لگا جیسے اس کی رات، اس کی محنت، اور اس کا درد، کسی کے لیے روشنی بن گیا ہو۔

لیکن پھر اگلا تبصرہ آیا۔

"یہ کتاب زہر سے بھری ہوئی ہے۔ فضول اور بے وجہ کی فلاسفی۔ زندگی اتنی بھی ٹیڑھی نہیں جتنی آپ نے بنا دی ہے۔"

اس نے ایک لمحے کو سانس روکی۔ کبھی وہ ایسے الفاظ سے لرز جاتی تھی، راتوں تک سوشل میڈیا بند کر دیتی تھی، خود پر شک کرنے لگتی تھی۔

مگر آج نہیں۔ اس نے کافی کا ایک گھونٹ لیا اور دھیرے سے بولی۔

"جو روشنی میں رہتا ہے، وہ اندھیرے کی گہرائی نہیں جانتا۔"

پھر اگلا تبصرہ ابھرا۔

"فلک عالمگیر، آپ نے مجھے لکھنے کا حوصلہ دیا۔ آپ کی ہر کہانی میں عورت کمزور نہیں، حقیقت پسند لگتی ہے۔ شکریہ کہ آپ نے ہمیں ہمارے اندر جھانکنا سکھایا۔"

فلک کے دل میں ایک نرم سی گرمی اتر گئی۔ یہ وہ تبصرے تھے جو اس کے سفر کے زخموں پر مرہم رکھتے تھے۔ وہ جانتی تھی کہ ہر لفظ ہر قاری کے لیے نہیں ہوتا۔ کچھ کہانیاں صرف ان کے لیے لکھی جاتی ہیں جو درد کو لفظوں سے پہچانتے ہیں۔

اس کے ذہن میں فجر کے الفاظ ابھرے۔

"ہر کوئی ہمارا فری ورژن ڈیزرو نہیں کرتا، فلک! جو تمہارے کام پر نہیں بلکہ تمہاری ذات پر انگلی اٹھائے، اس کی انگلی توڑ دینا بہتر ہے۔"

فجر کا سرخ چہرہ یاد کرتے وہ ہولے سے مسکرائی۔ یہ جملہ اس کے لیے اب منتر بن چکا تھا۔ اس نے موبائل سائیڈ پر رکھا اور لیپ ٹاپ کی طرف جھک گئی۔ زہر خوردہ پری کے آخری جملے اس کے ذہن میں گھوم رہے تھے۔ وہ کچھ دیر رکی، اپنی سانسوں کی رفتار سنی، پھر ٹائپ کرنا شروع کیا۔

"کبھی کبھی زندگی ہمیں وہ زہر پلاتی ہے جو مارنے کے لیے نہیں،

بلکہ جگانے کے لیے ہوتا ہے۔"

کَرسَر رک گیا۔ اس نے اس جملے کو غور سے دیکھا۔ پھر مسکرا کر Save پر کلک کیا۔ کمرے کی فضا میں خاموشی گہری ہو گئی تھی۔ دھند کھڑکی کے پار پھیل رہی تھی، اور باہر گلی میں سے کسی گاڑی کے گزرنے کی مدھم آواز آ رہی تھی۔ اس نے کرسی پیچھے کھسکائی اور کھڑکی کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی۔

شیشے کے پار، سفید دھند میں لپٹے درخت ایسے دکھ رہے تھے جیسے خواب کے سائے ہوں۔ اس نے اپنے عکس کو دیکھا۔ آئینے کی طرح شیشے پر اس کا چہرہ دھندلا سا ابھرا۔ آنکھوں میں سکون تھا، مگر اندر کہیں ایک ٹھہراؤ بھی۔

"تم بدل گئی ہو، فلک۔۔۔"

کھڑکی کی سطح پہ نظر آتا اس کا وجود گویا ہوا۔

"اب تم تنقید سے نہیں ڈرتیں۔ اب تم سمجھتی ہو کہ لوگ صرف وہی پتھر مارتے ہیں جو پہچانے جاتے ہیں۔"

کمرے میں واپسی پر اس نے اپنی لکھی ہوئی کتابوں کی قطار دیکھی۔ پر فریب، زہر خوردہ اور العنکبوت۔۔۔ تین الگ زمانوں، تین الگ فلکیں۔ ایک مکمل ہو چکی تھی، دو باقی تھیں۔ ہر ایک کی کہانی الگ تھی۔ وہ انہیں دیکھتے ہوئے دھیرے سے مسکرائی۔

"شاید انسان بھی ایڈیشنز میں جیتا ہے۔ ہر ایڈیشن پچھلے سے تھوڑا بہتر، تھوڑا خاموش، مگر تھوڑا زیادہ سچا ہوتا ہے۔"

اس نے ڈیسک کے اوپر رکھا ایک چھوٹا سا فریم اٹھایا۔ اس میں ایک میسج پرنٹ کیا گیا تھا جو اسے ایک قاری نے کبھی بھیجا تھا۔

"آپ کی کہانیاں میرے لیے محض ادب نہیں، تھراپی ہیں۔ کبھی آپ سے ملنا چاہوں گی تاکہ شکریہ کہہ سکوں کہ آپ نے میرا یقین بچا لیا۔"

فلک نے فریم کو دوبارہ جگہ پر رکھا۔ یہ وہ یاد تھی جو اسے ہمیشہ یاد دلاتی تھی کہ لکھنا صرف دکھ نہیں، کسی کی روح تک پہنچنے کا ذریعہ بھی ہوتا ہے۔ اسے اپنے مصنفہ ہونے پر فخر تھا۔

دور کہیں مسجد سے فجر کی اذان کی آواز اٹھی۔ گہری رات کٹنے والی تھی۔ اس نے شال لپیٹی، لیپ ٹاپ بند کیا اور کمرے کی لائٹ تیز کر دی۔ اذان کی آواز واضح محسوس کرنے کے لیے اس نے کھڑکی کھول دی۔ کھڑکی سے دھند اندر رینگنے لگی، اور وہ خود کو اتنا ہی دھندلا محسوس کر رہی تھی۔ بالکل اس کہانی کے کردار کی طرح، نہ بالکل واضح، نہ بالکل غائب۔ لیکن اب اسے اپنے دھندلے پن سے ڈر نہیں لگتا تھا۔ کیونکہ وہ جان چکی تھی۔

"ہر وہ دھند، جس میں انسان خود کو تلاش کر لیتا ہے، روشنی بن جاتی ہے۔"

وہ سب کچھ ایسے ہی چھوڑ کر نماز پڑھنے چلی گئی۔ لیپ ٹاپ کی اسکرین پر ابھی بھی مختصر تبصرے کھلے نظر آرہے تھے۔

"فلک! میں تمہیں نہیں جانتی مگر تم نے میرا دل جان لیا۔

میں بیمار تھی، زندگی سے بیزار، تمہاری 'زہر خوردہ' پڑھی،

اور مجھے لگا جیسے کسی نے مجھے میرے ہی تاروں سے آزاد کر دیا۔ تمہارا لکھنا کسی کے جینے کی وجہ بن سکتا ہے۔ کبھی رکنا مت۔"

جب وہ واپس لوٹی تو اس نے کمرے کی دیوار پر نصب شیشے میں خود کو دیکھا۔ سفید ٹرٹل نیک، شال، بالوں کا ایک حصہ چہرے پر گرا ہوا۔ چہرے پر وقار، مگر آنکھوں میں احساس۔

وہ اب واقعی وہ فلک نہیں تھی جو کبھی کمنٹ سیکشن سے اپنی پہچان ڈھونڈتی تھی۔ اب وہ وہ فلک تھی جس کی پہچان خود اس کے لفظ تھے۔

اس کے سامنے میز پر ایک چھوٹا کارڈ رکھا تھا۔ جس پر سادہ الفاظ میں لکھا تھا۔

Falak Alamgir--- The Writer, Dreamer, Believer!

یہ اسے فجر نے دیا تھا۔ وہ ہنس دی۔ 'Believer' وہ زیر لب مسکرائی۔ ہاں، اب وہ یقین رکھتی تھی۔ نہ شہرت میں، نہ تعریف میں بلکہ اس سچ میں کہ لفظ اگر سچے ہوں تو اپنی راہ خود بنا لیتے ہیں۔ پھر وہ لیپ ٹاپ پر وہ دوبارہ بار لوٹی اور شہر خوردہ پری کے اختتام پر ایک مختصر پیغام ٹائپ کیا۔

To every girl who swallowed her pain and still smiled, this story belongs to you-

(ہر اُس لڑکی کے نام، جس نے اپنا درد نگل کر بھی مسکرانا سیکھا۔۔۔ یہ کہانی تمہاری ہے۔)

یہ جملہ لکھ کر اس نے پبلش کا بٹن دبا دیا۔ چند لمحوں کے اندر، سینکڑوں لوگوں نے پوسٹ دیکھی۔ یہ تعداد بڑھتی گئی۔ نوٹیفکیشنز کی بارش ہونے لگی۔ لوگ لکھ رہے تھے۔

"فلک! تم نے ہمیں ہلا دیا۔"

اس نے موبائل سائیڈ پر رکھا۔ اب اسے ہر نوٹیفکیشن کا جواب نہیں دینا تھا۔ کیونکہ وہ جان چکی تھی، کچھ ردِ عمل لفظوں سے نہیں، خاموشی سے دیئے جاتے ہیں۔ تشکر سے دیئے جاتے ہیں۔

باہر صبح ہونے والی تھی۔ دھند ہلکی پڑ رہی تھی، سورج کہیں دور سے ابھر ہی آتا۔

اس نے کی بورڈ پر انگلیاں رکھیں اور ایک نئی پوسٹ لکھنی شروع کی۔ یہ پوسٹ کہانی نہیں تھی، نہ کسی ناول کا اقتباس۔

یہ عورتوں کے نام ایک خط تھا۔

"کبھی کبھی ہمیں وہ محبت چھوڑنی پڑتی ہے جو ہمیں خوبصورت بننے نہیں دیتی۔ کبھی ہمیں وہ رشتہ چھوڑنا پڑتا ہے جو ہمیں خود سے دور کر دیتا ہے۔ اور کبھی کبھی ہمیں کسی اور کو نہیں۔۔۔ خود کو چننا پڑتا ہے۔ یہ کمزوری نہیں، ہمت ہے۔

اپنے زخموں سے انکار نہیں، ان میں رہتے ہوئے سانس لینا ہے۔

ہر عورت جو ٹوٹ کر بھی جیتی ہے۔ وہ دنیا کے ہر فلسفے کو جھٹلا دیتی ہے کہ بقا صرف مضبوط لوگوں کا حق نہیں، بلکہ اُن کا بھی ہے جنہوں نے رو کر خود کو سنبھالا۔

اگر تمہیں کبھی لگے کہ سب ختم ہو گیا ہے تو یاد رکھنا، ختم صرف وہ چیز ہوتی ہے جسے ہم چھوڑ دیتے ہیں۔

تم اگر چاہو، تمہارا آغاز کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔"

کھڑکی کے پار اب ہلکی سی سنہری روشنی پھوٹ رہی تھی۔ وہ کئی گھنٹوں سے کام کر رہی تھی۔ اسی روشنی کے عکس میں اسے اپنی پرانی، چند دن پہلے والی زندگی یاد آئی۔۔۔ وہ راتیں جب وہ تنہا تھی، ٹوٹ چکی تھی، اور سوچتی تھی کہ اس کی کہانی شاید ختم ہو چکی ہے۔

مگر نہیں۔۔۔ کہانی ختم نہیں ہوئی تھی۔

بلکہ وہ ایک نیا باب لکھنے جا رہی تھی۔ جس میں کوئی ہیرو نہیں، کوئی انجام نہیں۔ صرف وہ خود تھی۔

وہ اپنے لیے چائے بنا لائی تھی۔ آہستہ سے چائے کا پہلا گھونٹ لیا اور آئینے میں دوبارہ دیکھا۔ اب اس کے چہرے پر وہ مان، وہ اطمینان تھا جو صرف خود کو چننے سے آتا ہے۔ پھر آہستہ سے اس نے زیرِ لب کہا۔

"جو عورت خود سے محبت کرنا سیکھ لے،

وہ کسی زہر، کسی جدائی، کسی سرد دسمبر سے نہیں ڈرتی۔"

✿••✿••✿••✿

کمرے میں مدھم روشنی تھی، جیسے دیواروں پر سایوں نے بسیرا کر رکھا ہو۔ وہ کھڑکی کے قریب کھڑی تھی۔ اس کے سیاہ گھنگھریالے بالوں کی لٹیں نرم ہوا میں ذرا ذرا ہل رہی تھیں، اور وہ چپ چاپ سامنے میز پر رکھی ایک تصویر کو دیکھ رہی تھی۔ پرانی فریم شدہ تصویر، جس میں معراج الدین اور ترنم بیگم کے چہرے ایک زمانے کی کہانی سمیٹے ہوئے تھے۔

یہ تصویر اس کی پرانی دنیا کا واحد باقی ماندہ ٹکڑا تھی، وہ دنیا جو اس نے خود اپنے ہاتھوں سے جلا دی تھی۔ اب صرف یہ فریم بچا تھا اور اس فریم میں بند وہ محبتیں، وہ سائے، جو اب اس کے وجود سے میلوں دور جا چکے تھے۔ وہ دیر تک تصویر کو دیکھتی رہی۔ پلکیں جھپکیں، مگر آنکھیں خالی تھیں۔

دھوئیں جیسی آنکھیں، جن میں نہ روشنی تھی نہ اندھیرا، بس ایک رکی ہوئی سانس، جو برسوں سے نہیں چھوڑی گئی تھی۔

"تم کیوں آئی ہو، منار؟ تمہیں واپس نہیں آنا چاہیے تھا۔"

اماں کی وہ آواز جیسے اچانک فضا میں گونجی۔ یہ وہی جملہ تھا جو اس نے حالیہ اپنی ماں سے آخری بار سنا تھا۔ منار کی پلکیں لرزیں، مگر اس نے آنکھوں میں نمی کو جگہ نہ دی۔ چہرے پر ایک لمحے کے لیے دکھ کی ایک لہر گزری، مگر فوراً ہی ضبط کے نیچے دب گئی۔ اس نے تصویر آہستہ سے واپس میز پر رکھی۔

پھر گہری سانس لی، جیسے دل پر بوجھ رکھ کر سانس لینا بھی ایک فن ہو۔ اسی لمحے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

منار نے سر اٹھائے بغیر کہا۔

"اندر آ سکتی ہو، رشنا۔"

دروازہ کھلا۔ میڈم رشنا اندر داخل ہوئیں، فیشن اور ایجوکیشن کی دنیا کی ایک ٹھوس، صاف گو اور سخت عورت۔ منار پلٹی، میڈم رشنا کی نظریں منار پر رُک گئیں، جیسے وہ پہلی بار اسے دیکھ رہی ہوں۔

"تم میں اور فجر میں اتنی مماثلت ہے کہ کبھی کبھی بے یقینی لگتی ہے۔"

ان کے لہجے میں حیرت تھی، شاید تھوڑا سا خوف بھی۔ منار کے لبوں پر ہلکی مسکراہٹ ابھری، وہی پراسرار مسکراہٹ جو چہرے پر آتی ہے مگر آنکھوں تک نہیں پہنچتی۔

"مماثلت؟" اس نے دھیرے سے کہا۔ "کچھ چیزیں قدرت طے کرتی ہے۔۔۔اور کچھ میں خود طے کرتی ہوں۔"

رشنا نے اسے بغور دیکھا۔

"تم نے خود کو بہت پرفیکٹ رکھا ہے، منار۔ ہر انداز، ہر لفظ، جیسے تمہارے اندر کوئی خامی ہو ہی نہیں۔ تم اتنی پرفیکٹ کیسے ہو؟"

منار نے ایک قدم آگے بڑھا۔

"خامیاں میں نے دفنا دی ہیں، رشنا۔ احساسات کے ساتھ۔

اور تم جانتی ہو، دفن چیزیں کبھی مرتی نہیں، وہ وقت پر سانس لینا شروع کر دیتی ہیں۔"

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ میڈم رشنا کے چہرے پر حیرت اور احترام کا ایک مخلوط تاثر تھا اور منار کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے وہی پرانی لرزش لوٹی۔ جیسے ضبط کی دیوار کے پیچھے کوئی چپ چاپ چیخ رہا ہو۔ مگر اگلے ہی لمحے، وہ دوبارہ وہی منار تھی۔ سیاہ جیکٹ میں ملبوس، اپنی کمزوریوں کو جلا کر راکھ بنا دینے والی عورت۔ اس نے میز سے فائل اٹھائی،

"میٹنگ شروع کرتے ہیں۔ جذبات کا وقت ختم ہوا۔ اب حساب کا وقت ہے۔"

میڈم رشنا نے اثبات میں سر ہلا دیا اور سامنے صوفے پر ٹک گئیں۔

یونیورسٹی کے وسیع لان کے پار جب میڈم رشنا چلتی تھیں،

تو ہر قدم میں ایک ناپ تولی ہوئی متانت، ایک پر اسرار سکون ہوتا تھا۔ فیشن ڈیزائننگ کی دنیا میں وہ میڈم رشنا وقار کے نام سے جانی جاتی تھیں۔ ایک ایسی استاد، جو تخلیق اور نظم کے امتزاج کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ انکا قیمتی لباس، گہری نظریں، اور ایسا لہجہ جو اعتماد پیدا کرتا تھا ان کی پہچان تھا۔

مگر اس کے اس پر سکون خول کے پیچھے ایک ایسی دنیا تھی، جس سے اس کے شاگرد، اس کے کولیگز، یہاں تک کہ یونیورسٹی کا سربراہ بھی بے خبر تھے۔ رشنا وقار کا خاندان، جنوبی پنجاب کے ایک قدیم مگر بوسیدہ جاگیر دار گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔

باہر سے وہ عزت دار لوگ تھے، مگر اندر سے ان کا کاروبار ڈرگز کی بین الاقوامی اسمگلنگ سے جڑا ہوا تھا۔ ان کے کھیتوں کے نیچے چھپے گودام، کپاس کے بیلوں میں چھپے سفید پاؤڈر کے تھیلے، اور ان کے مرد۔۔۔ جو نیک بھی تھے اور رات کے اندھیرے میں جہازوں تک راستے دکھانے والے بھی۔ رشنا اس گھرانے کی سب سے کم عمر بیٹی تھیں۔ اُنہوں نے بچپن سے دیکھا تھا کہ کیسے دولت کی چمک۔۔۔ خون، خوف اور خاموشی کی قیمت پر آتی ہے۔ وہ ہوشیار تھیں، بہت زیادہ۔ انہوں نے وہ سب کچھ سیکھا جو ایک تاجر کی بیٹی سیکھتی ہے، لیکن ایک فرق کے ساتھ۔۔۔ جب انکا آدھا خاندان ختم ہو گیا اور یہ زمہداری ان پر آگئی تو انہوں نے نے فیصلہ کیا کہ وہ وہی کھیل کھیلیں گی، مگر قانون کے اندر رہ کر۔ جب وہ فیشن ڈیزائننگ کی تعلیم کے لیے شہر آئیں، تو کسی نے سوچا بھی نہ تھا کہ یہ نازک چہرے والی لڑکی، ڈرگز نیٹ ورک کے لیے سب سے بڑا دروازہ بننے والی ہے۔ انہوں نے یونیورسٹی میں ٹیچر بننے کا فیصلہ کیا۔ بظاہر ایک معزز پیشہ، مگر دراصل ایک چالاک آڑ۔ وہ جانتی تھیں کہ نئے خریدار، نئے صارف، اور سب سے بڑی مارکیٹ کہاں ہے؟ اسٹوڈنٹس میں۔۔۔ تعلیم کے نام پر وہ انہیں قریب سے جانچتیں،

ان کی عادات، کمزوریاں، پارٹیوں اور دوستیوں کا جائزہ لیتیں۔

ان کا نرم لہجہ، ان کا اعتماد، اور ان کا باوقار تاثر اسٹوڈنٹس کو محفوظ محسوس کرواتا، اور یہی ان کے کھیل کا پہلا اصول تھا۔ اعتماد پیدا کرو، پھر خاموشی سے اس کا فائدہ اٹھاؤ۔ مگر پھر ایک دن، کئی سال پہلے، ان کی ملاقات منار معراج سے ہوئی۔ وہ ملاقات میڈم رشنا کے لیے محض ایک اتفاق نہیں تھی۔ وہ جیسے آئینے میں اپنے ہی عکس کو دیکھنے جیسی تھی۔ منار میں وہ سب کچھ تھا جو رشنا میں تھا۔

خاموشی، کنٹرول، اور عقل کی وہ دھار، جو کسی تیز دھار چھری سے زیادہ خطرناک تھی مگر۔۔۔۔ منار ان سے چار ہاتھ آگے تھی۔ دونوں عورتوں کے درمیان ایک خاموش شراکت بنی۔

رشنا نے منار کو فیشن کی دنیا کی گلیوں میں راستے دکھائے،

اور منار نے اسے یہ سکھایا کہ اصل طاقت مارکیٹ یا مال میں نہیں ہوتی، بلکہ ذہنوں کو قابو کرنے میں ہوتی ہے۔

سال گزرتے گئے، اور اب رشنا نہ صرف ایک معتبر ٹیچر تھیں بلکہ کئی بین الاقوامی فیشن ایجنسیوں کے نیچے ڈرگز نیٹ ورک کے لیے رابطہ کار کے طور پر کام کر رہی تھیں۔

وہ قانون کی نظر سے بچی ہوئی تھیں کیونکہ وہ ہمیشہ ایک قدم آگے رہتی تھیں، ہر غلطی سے پہلے اس کی اصلاح کر لیتی تھیں اور چھپ کر کھیلتی تھیں۔ منار اسے اکثر کہتی تھی۔

"تم وہ عورت ہو جو سایے میں رہ کر روشنی کو چلاتی ہے۔ ایسی عورتیں کبھی پکڑی نہیں جاتیں، بس تاریخ میں نوٹ کی جاتی ہیں۔"

میڈم رشنا اس جملے پر اکثر مسکرا دیتیں، کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ ان کی زندگی ایک خفیہ بیانیہ تھی، جس کا ہر صفحہ جرم سے بھرا ہوا مگر لفظ ہمیشہ اخلاقیات کے پردے میں لکھے گئے تھے۔ وہ چھپ کر کام کرتی تھیں۔

کمرے کی فضا میں اب گفتگو سے زیادہ خاموشی بول رہی تھی۔

وہی خاموشی جو منصوبوں، دھوکے اور ذہانت سے بھری ہوتی ہے۔ میڈم رشنا نے ہاتھ میں پکڑی فائل بند کی۔

"اوماڑا کی ڈیل کا ٹائم کنفرم ہے؟"

منار نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ہاں۔ اس بار کسی غلطی کی گنجائش نہیں ہے۔"

میڈم رشنا کے لبوں پر ہلکی مسکراہٹ آئی۔

"میں نے اس سیاہ دنیا میں تمہارا ذکر سنا ہے۔ تم زیادہ سامنے نہیں آتیں مگر منار تمہیں دیکھے بغیر بھی لوگ تم سے ڈرتے ہیں۔"

"ڈر ہمیشہ سائے سے آتا ہے، چہرے سے نہیں۔" منار مسکرا دی۔

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد میڈم رشنا نے جیسے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

"کیا تم نے کبھی سوچا تھا کہ فجر تمہیں چھوڑ کر رئیس اورنگزیب کو چن لے گی؟ وہ تم سے مکر جائے گی؟"

یہ سوال ہوا میں تیر کی طرح معلق ہوا۔ منار کے چہرے پر ایک لمحے کو سایہ سا لہرایا، پھر وہی پرانی دھیمی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آئی۔ وہی مسکراہٹ جس میں شرافت نہیں، شعور ہوتا تھا۔

"مجھے فجر کو جس مقصد کے لیے استعمال کرنا ہے، وہ ابھی بھی میرے پاس ہے۔"

اس نے چائے کا کپ اٹھایا، مگر پیا نہیں۔

"لوگ بھول جاتے ہیں کہ محبت ایک کمزور جذبہ ہے اور اسے کسی بھی سمت استعمال کیا جا سکتا ہے۔"

میڈم رشنا نے نظریں اٹھائیں۔

"تمہیں فجر کے لیے محبت محسوس ہوتی ہے؟"

منار کے لب ہلکے سے خم میں ڈھلے۔

"وہ میرے وجود کا حصہ ہے۔ ایسا نہیں کہ مجھے اس سے نفرت ہے لیکن اگر وجود کا کوئی حصہ ناکارہ ہو جائے تو اسے الگ کر دینا ہی بقاء کا اصول ہے۔"

یہ جملہ اس کے لبوں سے یوں نکلا جیسے کسی نے پتھر تراشا ہو۔ میڈم رشنا نے خاموشی سے سر ہلایا۔ وہ جانتی تھیں، منار کے لہجے میں جذبات نہیں ہوتے، صرف فیصلہ ہوتا تھا۔ پھر وہ دھیرے سے بولی۔

"تمہیں برا لگتا ہے جب وہ تمہارے سامنے آتی ہے؟ وہ بھی رئیس کے ساتھ؟"

منار نے ایک لمحے کو نظریں نیچی کیں، پھر گہری سانس لی اور صرف کندھے اچکائے۔

"میں نے اس امکان کو پہلے ہی زندہ دفن کر دیا تھا۔ فجر ہو یا کوئی اور، میرے کھیل میں نام بدل جاتے ہیں، انجام نہیں۔"

میڈم رشنا نے غور سے اسکا چہرہ دیکھا۔

"لیکن تمہارا سب سے بڑا مہرہ اس جنگ میں تمہارے خلاف ہو گیا ہے۔ آگے کیا کرو گی، منار؟"

منار نے پیچھے صوفے سے ٹیک لگائی۔ روشنی کے نیلے عکس میں اس کا چہرہ ایک طلسمی سکوت میں ڈوبا ہوا تھا۔

"میں کبھی ایک پلان بنا کر کھیل شروع نہیں کرتی، میرے پاس ڈھیروں پلانز ہیں۔ اگر ایک مہرہ ناکارہ ہو گیا تو کیا ہوا؟

میرے پاس ایک بڑا مہرہ ہے، جو اپنے وقت پر کام آئے گا۔"

اس کے لہجے میں نہ غرور تھا نہ اضطراب، بس ایک خطرناک یقین تھا۔ میڈم رشنا نے اسے دیکھا۔ منار کی آنکھوں میں ایک چمک تھی، کسی راز، کسی بڑی چال، یا شاید کسی انتقام کی جھلک! یہ وہ لمحہ ایسا تھا جیسے فضا بھی رک گئی ہو اور میڈم رشنا کے دل میں ایک انجانا سا خوف اتر گیا۔ کیونکہ وہ جانتی تھی۔ جب منار کی آنکھوں میں روشنی چمکتی تھی تو کسی نہ کسی کی زندگی ضرور بجھنے والی ہوتی تھی۔

جبکہ منار کا ذہن چند دن پہلے، روحی سے ہونے والی ملاقات میں الجھ گیا۔ اسکا دوسرا بڑا مہرہ! جسے اپنے وقت پر چال چلنی تھی۔۔۔ اسے تیاری کے مرحلے میں داخل کر دیا گیا تھا۔

وقت تیزی سے پیچھے بھاگا۔ رات کا آخری پہر تھا۔ کمرے میں ہلکی پیلی روشنی جل رہی تھی، کھڑکی کے پار اندھیروں میں شہر کی روشنیوں کے عکس لرز رہے تھے۔ ہسپتال کے اس پر تعیش سوئٹ کے کمرے میں روحی اس وقت اکیلی تھی۔ وہ بستر پر نیم دراز، اپنے پتلے وجود کو کمبل میں لپیٹے ہوئے، ہاتھوں میں ایک کامک بک تھامے تھی۔ صفحے پلٹتے وقت اس کی آنکھوں میں بچپنے کی ایک جھلک آتی تھی۔۔۔ جیسے وہ لمحہ بھر کے لیے اپنی بیماری، ہڈیوں کے درد اور کل کے سفر کو بھول گئی ہو۔

اچانک کمرے کے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ کتاب اس کی گود میں کھلی رہ گئی۔ دروازہ آہستگی سے چرچراتا ہوا کھلا۔ کمرے کے اندر نیم روشنی میں ایک سراپا ابھرا۔ اسے دیکھتے ہی روحی کی آنکھوں میں اچانک چمک جاگ اٹھی۔ اس کے ہونٹوں پر حیرت بھری مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"فجر آپی۔۔۔؟"

وہ لمحہ بھر کے لیے خوشی سے دمک اٹھی، مگر اگلے ہی پل۔۔۔ جیسے کسی ان دیکھے خوف نے اس کے دل پر دستک دی۔

اس کی آنکھیں سکڑ گئیں، مسکراہٹ بجھ گئی، اور چہرے پر حیرت کے ساتھ ہلکی الجھن اتر آئی۔ اس کا دل تیز دھڑکنے لگا۔

"آپ۔۔۔ آپ فجر نہیں ہیں۔۔۔"

دروازے پر کھڑی عورت کے ہونٹوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ پھیلی۔ وہ لمحہ بھر خاموش رہی، پھر دھیرے سے بولی۔

"ہیلو، برڈ۔۔۔"

یہ آواز نرمی میں لپٹی ہوئی، مگر اندر کہیں بجلی کی سی کاٹ لیے ہوئے تھی۔ روحی کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑ گئی۔ وہ ساکت ہو گئی۔ دروازے کی دہلیز پر کھڑی وہ عورت اب دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی اس کی جانب بڑھنے لگی۔ اس کی ایڑیوں کی چاپ کمرے میں عجیب سا جادو گھول رہی تھی، جیسے ہر قدم کے ساتھ ہوا بھاری ہوتی جا رہی ہو۔ روحی کے ہونٹ لرزے۔

"آپ۔۔۔ کون ہیں؟"

منار اس کے قریب رکی، جھک کر اس کے چہرے کے قریب آئی۔

روشنی نے جیسے اس کی آنکھوں کے بھید کھول دیئے۔

"ہاں میں فجر نہیں ہوں کیونکہ میں۔۔۔ تمہاری ماں ہوں۔ منار معراج!"

روحی کے چہرے پر حیرت، خوف اور ناقابلِ یقین سا سکوت جم گیا۔ چند لمحے وہ خالی نظروں سے اسے دیکھتی رہی، پھر لبوں پر کپکپاتی آواز اُبھری۔

"آپ کہاں تھیں، مما۔۔۔ میں نے۔۔۔ میں نے کئی سال آپ کا انتظار کیا۔"

یہ جملہ ایسا تھا جیسے برسوں کا بوجھ کسی بچے نے پہلی بار کہہ ڈالا ہو۔ روحی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ جانتی تھی مسٹر اور مسز حسین اس کے اصل ماں باپ نہیں تھے۔ وہ ان کی باتیں سن چکی تھی۔

"میری چھوٹی سی بچی۔۔۔ اس عمر میں اتنی بڑی بیماری کیسے جھیلے گی؟" مسز حسین رو رہی تھیں۔ وہ ان کے کمرے کے باہر کھڑی تھی۔ مسٹر حسین انہیں سمجھاتے رہے اور جب وہ نہ سنبھلیں تو انہوں نے ایسا انکشاف کیا جو روحی کے لیے ناقابل یقین تھا۔

"ہماری بیٹی پہلے ہی مر چکی ہے۔" مسز حسین ساکت رہ گئیں۔

"ہاں۔۔۔ وہ پیدا ہوتے ہی دم توڑ گئی تھی۔ تب تمہاری حالت کے پیش نظر میں نے ہسپتال سے اس لاوارث بچی کو اپنا لیا جس کا کوئی نہیں تھا مگر میں نہیں جانتا تھا اس کے ذریعے ہمیں آزمائش ملے گی۔"

روحی کے قدموں تلے زمین سرک گئی تھی۔ اس دن کے بعد اس کی زندگی مزید الجھ گئی۔ ہر دعا، ہر خواب، ہر سانس میں ایک سوال زندہ رہا۔ "میں کون ہوں؟"

ایسا نہیں تھا اسے اپنے ماں باپ عزیز نہیں تھے۔ وہ ان سے بے پناہ محبت کرتی تھی مگر اندر کہیں ایک خواہش زور پکڑ گئی تھی۔

کون تھی وہ؟ اور آج۔۔۔ وہ جواب اس کے سامنے کھڑا تھا۔

اس کی ماں۔ منار!

اس کا سوال سنتے ہی منار کے چہرے پر ایک لمحے کو نرمی ابھری۔ وہ نرمی جسے شاید کسی نے برسوں سے نہیں دیکھا تھا۔

"مجھے تم سے دور رہنا پڑا، برڈ۔۔۔" اس نے دھیرے سے کہا۔

"اگر میں قریب رہتی، تو تم زندہ نہ ہوتیں۔ میں نے تمہیں دشمنوں کی آنکھوں سے بچایا تھا۔ انہیں کبھی پتا نہیں چلنا چاہیے کہ ملکہ کی کوئی بیٹی ہے۔ ورنہ تم۔۔۔ میری کمزوری بن جاتیں۔"

روحی کے آنسو رک نہیں رہے تھے۔ وہ کبھی حیرت تو کبھی محبت سے منار کو دیکھ رہی تھی۔

"میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ آپ آئیں گی۔۔۔ کہ آپ۔۔۔ واقعی میری مما ہیں؟"

اسی لمحے منار نے اس کے قریب بیٹھ کر اس کے سیاہ بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

"میں تمہیں دیکھنے آئی ہوں، برڈ۔۔۔ لیکن صرف دیکھنے نہیں۔

میں چاہتی ہوں۔۔۔ تم میرا ساتھ دو۔ کیا دو گی مما کا ساتھ؟"

روحی نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ وہی آنکھیں جو فجر کی تھیں، رنگ مختلف تھا مگر ان میں روشنی نہیں، ایک گہری، خوفناک چمک تھی۔ پھر بھی، اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس کی پلکوں پر آنسو لرزے اور منار نے دھیرے سے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔ کم عمر ذہنوں کو توڑ مروڑ کر انہیں بدل کر اپنے مطابق ڈھالا جا سکتا ہے اور منار معراج اس وقت یہی کر رہی تھی۔ کمرے میں صرف دل کی دھڑکنوں کی آواز تھی۔

"آپ اندھیرے میں کیوں ہیں؟ آپ۔۔۔ آپ چھپی ہوئی کیوں ہیں؟"

منار کے چہرے پر پر سکون، کنٹرولڈ سا تاثر واپس آ گیا تھا۔

وہ اٹھی، پردہ ہٹایا، اور کھڑکی سے باہر شہر کی روشنیوں کو دیکھا۔

"روشنی ہمیشہ اندھیرے کے پیچھے چھپی ہوتی ہے، برڈ! لوگ صرف روشنی دیکھتے ہیں۔۔۔ میں اندھیرا دیکھتی ہوں۔"

ایک لمحے میں جیسے منظر بکھر گیا۔ منار نے گہری سانس لی۔ وہ ایک مہرہ آگے بڑھا کر حال میں لوٹ آئی تھی۔ کمرے میں پھر وہی نیلا سکوت پھیل گیا۔

میڈم رشنا سامنے بیٹھی تھیں، اس کے چہرے پر سوال تھا مگر زبان خاموش تھی۔ منار نے صوفے کی پشت سے ٹیک ہٹائی، اپنی انگلیوں سے بالوں کی ایک لٹ پیچھے کی۔

"کبھی کبھی سب سے بڑی کمزوری بھی سب سے بڑا ہتھیار بن جاتی ہے اگر تم اسے وقت پر استعمال کرو۔"

رشنا نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ منار کی آنکھوں میں روشنی تھی، راز، درد، اور خطرے کا امتزاج بھی۔ اس کے ارادے صرف وہی جانتی تھی۔ کوئی اس کے ذہن کو پڑھ نہیں پایا تھا۔

✿··✿··✿··✿

برف آہستہ آہستہ نہیں بے رحمی سے گر رہی تھی۔ پورے جوزف پیلس کے آسمان پر جیسے سفید موتیوں کی یلغار تھی۔ ہوا میں برف کی وہ نمی گھل چکی تھی جو سانس کو چیرتی ہے، اور اس کے بیچ پال اپنی کار سے باہر نکلا تھا۔ جوزف پیلس کے آہنی دروازے اس کے سامنے بند تھے۔ وہی دروازے جن کے پار دنیا کے امیر، سب سے مغرور، اور سب سے محفوظ انسان رہتے تھے۔ مسٹر جوزف!

وہ آج یونیفارم میں نہیں تھا۔ اس کے قدم برف میں دھنس رہے تھے۔ اس نے سر پر کوٹ کا کالر چڑھایا، سانس کی بھاپ فضا میں بادل بن کر تحلیل ہو گئی۔ جوزف پیلس کے گرد پھیلا احاطے نما لان بہت بڑا تھا، سفید چادر اوڑھے ہوئے تھا۔ دائیں جانب سنگِ مرمر کے مجسمے، بائیں طرف خشک درخت جن پر برف کی تہہ جم چکی تھی۔ اور بالکل درمیان میں، جوزف پیلس جو خود اقتدار کی علامت تھا۔ وہ اندرونی دروازے کے پاس آ کر رکا۔

گارڈز نے ہاتھ اٹھایا۔

"سر آپ ایسے اندر نہیں جاسکتے۔"

پال نے خاموشی سے سر ہلایا۔ ایک گارڈ اندر چلا گیا۔ وہ کچھ دیر بعد لوٹا۔ "آپ کو انتظار کرنا ہو گا۔"

"اگر مسٹر جوزف نے کہا ہے میں انتظار کروں۔ تو میں کروں گا۔"

اس نے یہ کہہ کر سنگی بینچ کی طرف رخ کیا۔ پتھریلی بینچ، برف سے اٹی ہوئی تھی، اسٹریٹ پول کے نیچے رکھا وہ سنگی بینچ کافی پرانا تھا۔ وہ برف ہٹاتے اس پر بیٹھ گیا۔ سردی جسم میں سوئیاں بن کر اتر رہی تھی، مگر وہ نہیں ہلا۔

اور پھر وقت گزرتا گیا۔ ایک گھنٹہ۔ دو۔ تین۔ برفباری تیز سے تیز تر ہوتی گئی۔ اس کے کندھے، بال، ہاتھ، سب سفید ہو چکے تھے۔

لیکن اس کی نظریں پیلس پر جمی تھیں۔ اوپری کھڑکیوں پر۔۔

اوپر، پیلس کی تیسری منزل کے کمرے کی کھڑکی سے نساء نے پردہ ذرا سا ہٹایا۔ وہ بے اختیار ٹھٹھک گئی۔

پال برف میں بیٹھا تھا۔ چہرہ سخت ہوا کے سامنے سپاٹ، مگر آنکھوں میں ایک عزم لیے، جیسے کوئی سپاہی اپنے قلعے کے باہر آخری پہرہ دے رہا ہو۔ اس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے، مگر وہ ہر بار ہاتھ مسل کر جیسے خود کو یاد دلا رہا تھا۔

"یہ میرا امتحان ہے۔ میں ہار نہیں مانوں گا۔"

نساء کے لب لرزے۔ اس کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ وہ اس لمحے چاہتی تھی بھاگ کر نیچے جائے، اس کے کندھے پر کوٹ ڈالے،

مگر وہ نہیں جاسکتی تھی۔ کم از کم تب تک نہیں جب تک مسٹر جوزف اسے اوکے نہ کر دیتے۔ کئیں لمحے وہ اسے دیکھتی رہی پھر اندر ایک اطمینان سا اترنے لگا۔ وہ شخص جو اس سے محبت کرتا تھا، اس محبت کے لیے سر جھکانے نہیں، برداشت کرنے آیا تھا۔ اوپر، لائبریری کی بالکونی میں، مسٹر جوزف کھڑے تھے۔ ان کی پشت سیدھی، ہاتھ پینٹ کی

جیبوں میں، اور چہرے پر وہی سختی تھی جو وقت کے ساتھ لکیر بن چکی تھی۔ انہوں نے نیچے دیکھا۔ برف کے بیچ بیٹھے پال کو۔۔۔ وہ کوئی بھاگنے والا یا کوئی جھکنے والا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ ایک ضدی سا جوان تھا جو شاید سمجھتا تھا کہ محبت کی ضد بھی کسی جنگ سے کم نہیں ہوتی۔ ان کی بھنویں سکڑیں۔

ہونٹوں کے کنارے سختی سے بند، دل کے کسی حصے میں ایک چھوٹا سا، ناقابلِ برداشت سا احساس جاگا۔

"شاید اسے ایک موقع ملنا چاہیے۔"

برف کے طوفان میں پال کے ہونٹ نیلے ہو چکے تھے۔

اس نے آسمان کی طرف دیکھا، ایک سانس بھری اور مدھم آواز میں بولا۔

"کچھ بھی ہو جائے، میں اس محل کے ڈریکولا کو منا کر رہوں گا۔ یہ جنگ اس کے خلاف نہیں، اس کے اصولوں کے خلاف ہے۔

اور اگر میری محبت سچی ہے، تو اسے بھی پگھلنا ہو گا۔"

وہ ہلکا سا مسکرایا۔ اس مسکراہٹ میں ضد تھی، یقین تھا، اور تھکن بھی۔ وہ پھر خاموش بیٹھ گیا۔ برفباری اب اس کے وجود کا حصہ بن چکی تھی۔ جوزف پیلس کے دروازے اب بھی بند تھے مگر ہوا میں ایک نرمی آ چکی تھی۔ جیسے محل کی دیواروں نے بھی اس شخص کی ضد کو محسوس کر لیا ہو۔

برف کے گالے اب قدرے دھیرے پڑنے لگے، مگر جوزف پیلس کے لان پر ان کی تہہ موٹی ہو چکی تھی۔ دوپہر ڈھلنے کو تھی، فضا میں برف کی خنکی کے ساتھ خاموشی کی گونج بھی موجود تھی اور پیلس کے بڑے دروازے سے ایک ملازم باہر نکلا، ہاتھ میں چھتری تھامے، دبے قدموں اس سمت بڑھا جہاں سنگی بینچ پر بیٹھا ہوا پال گہرے نیلے کوٹ میں لپٹا خاموش بیٹھا تھا۔

"مسٹر پال، مسٹر جوزف آپ کو اندر بلا رہے ہیں۔"

ملازم نے جھک کر کہا۔ پال نے لمحہ بھر آنکھیں بند رکھیں، جیسے خود کو مضبوط کر رہا ہو۔ پھر آہستگی سے کھڑا ہوا۔ کوٹ پر جمی برف جھاڑی، بالوں میں برف کے ذرے اب بھی چمک رہے تھے۔ اس کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔ ایسی مسکراہٹ جو اندر کے طوفان کو چھپا لے۔

وہ قدم بہ قدم جوزف پیلس کے دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازے کے اندر داخل ہوتے ہی، حرارت اور خوشبو کا امتزاج اس کے چہرے سے ٹکرایا اور زندگی کی ایک لہر اس کے اندر دوڑ گئی۔ اندر جھلملاتے فانوس، بھاری پردے اور اونچی چھتوں والے ہال میں جوزف پیلس کی شان الگ ہی تھی۔

ہال کے وسط میں مسٹر جوزف کھڑے تھے، اونچے قد، سیاہ بال، نیلی آنکھوں میں سرد تاثر۔ ان کے ہاتھ میں کافی کا کپ تھا، اور وہ کسی بادشاہ کی طرح کھڑے پال کو اوپر سے نیچے تک دیکھ رہے تھے۔

"تو تم ملنا چاہتے تھے مجھ سے؟"

ان کی آواز میں گونج تھی، مگر اتنی دھیمی کہ جیسے برف پر چلنے کی آواز۔

"جی، سر!" پال نے پر سکون لہجے میں کہا۔ یہ اس کی مسٹر جوزف سے پہلی ملاقات نہیں تھی البتہ اس رشتے سے پہلی ملاقات تھی۔

"کافی دیر انتظار کیا تم نے۔"

"جی، کیونکہ مجھے پتا تھا کہ انتظار ہی میرا پہلا امتحان ہے۔"

پال نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

مسٹر جوزف کے لبوں کے کونے معمولی سے ہلے، جیسے وہ اس نڈر لہجے پر حیران ہوئے ہوں۔

"اور اگر میں تمہیں اندر بلاتا ہی نہ؟"

پال نے شانوں کو ذرا سا جھٹکا دیا۔

"تو میں کل دوبارہ آجاتا، برفباری ختم ہو بھی جاتی، مگر میں نہیں جاتا۔"

"تمہیں لگتا ہے کہ ایک شخص جو میری بیٹی کے سامنے چند ملاقاتوں میں آیا، وہ اسے پا سکتا ہے؟"

مسٹر جوزف نے کافی کا کپ میز پر رکھا، آگے بڑھ کر پال کے سامنے آکھڑے ہوئے۔

"کیا تم جانتے ہو، نساء جوزف کون ہے؟"

پال نے نظریں نہیں جھکائیں۔

"میں جانتا ہوں، وہ آپ کی بیٹی ہے لیکن میرے لیے وہ میری دعا کا جواب ہے۔"

مسٹر جوزف نے ابرو اٹھائی۔ اتنی ہمت؟

"کافی شاعرانہ باتیں کرتے ہو۔ مگر زندگی شاعری نہیں، حقیقت ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ میں اپنی بیٹی کو کسی ایسے شخص کے حوالے نہیں کر سکتا جس کا ماضی مجھے معلوم نہیں۔"

پال نے سر ہلایا۔

"بالکل ٹھیک کہتے ہیں اور اسی لیے میں یہاں آیا ہوں، تاکہ آپ میرا ماضی سن سکیں۔ میں نے دولت نہیں کمائی، خواب کمائے۔ میرے پاس کوئی سلطنت نہیں، بس ایک ایمان دار دل ہے جو آپ کی بیٹی کے ساتھ دھڑکتا ہے۔"

جوزف کے چہرے پر معمولی سا تناؤ آیا۔

"تم جانتے ہو، میں تمہاری اس گستاخی پر تمہارے ساتھ کیا کر سکتا ہوں؟"

پال نے لب بھینچ کر ایک لمحہ مسکرا دیا۔

"جی بالکل جانتا ہوں۔ آپ وہی کریں گے جو لوگ آپ کے بارے میں کہتے ہیں، جو ایک ڈریکولا کر سکتا ہے۔"

ہال میں لمحہ بھر کو خاموشی چھا گئی۔ پھر مسٹر جوزف کے چہرے پر نہ چاہتے ہوئے بھی تناؤ ابھرا۔

"تو تم نے مجھے ڈریکولا کہا؟"

پال نے کندھے اچکائے۔

"پورے شہر میں آپ کا یہی تاثر ہے، سر۔ مگر میں نے سنا ہے کہ ڈریکولا بھی کسی وقت انسان تھا۔۔ بس اسے کسی نے سمجھا نہیں۔"

جوزف نے دھیرے سے پلکیں جھپکیں۔ یہ لڑکا اتنا بھی عام نہیں تھا۔

"تمہیں لگتا ہے کہ میں اپنی بیٹی کو تمہارے حوالے کر دوں گا صرف اس لیے کہ تم بہادری سے بولتے ہو؟"

پال نے اب آگے قدم بڑھا، مگر احترام سے۔

"نہیں سر، میں یہ نہیں چاہتا کہ آپ مجھے اجازت دیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ یقین کریں۔ اور یقین صرف وقت دیتا ہے۔ مگر ایک بات کہہ سکتا ہوں۔ میں آپ کی بیٹی سے محبت کرتا ہوں، ایسی محبت جو زبردستی نہیں مانگتی۔"

مسٹر جوزف خاموش ہو گئے۔ ان کی نگاہیں اب پال کے چہرے پر تھیں، جس پر سردی کے اثر سے ہلکی سرخی تھی، مگر آنکھوں میں ایک عزم، ایک سچائی چمک رہی تھی۔

"میں تمہارا یقین کیسے کر لوں؟ سالوں پہلے تم، میرے بیٹے کو بہلا پھسلا کر ایک اچھے سکول میں اپنا ایڈمیشن کروانے میں کامیاب ہو گئے تھے اور آج تمہاری جرأت اتنی ہو گئی کہ تم میری بیٹی کو ہی مانگنے آ گئے؟" وہ پیچھے ہاتھ

باندھتے پال کے مزید قریب ہوئے۔ پال کا دل پل بھر کو تیزی سے دھڑکا پھر وہ خود پر قابو پا گیا۔ مسکراتے ہوئے مسٹر جوزف کے احترام میں ایک قدم پیچھے ہو گیا۔

"نہیں سر۔۔۔۔ میں نے آپ کے بیٹے کو بہلایا پھسلایا نہیں تھا۔ وہ مجھے خود یہاں تک لایا تھا اور میں آپ کے اس احسان کا بدلہ کبھی نہیں چکا سکتا۔۔۔ ہاں البتہ میں واقعی آج آپ سے، آپ کی بیٹی کو مانگنے آیا ہوں۔ ہاں میری اوقات نہیں ہے مگر۔۔۔۔ دل کو سمجھانا تھوڑا مشکل ہے۔ اس لیے سوچا ایک کوشش کر لوں۔"

اس نے دھیمی مسکراہٹ لیے تفصیل سے جواب دیا۔

"میں تمہیں انکار کر دوں؟"

پال نے گہرا سانس لیا۔

"تو میں پھر بھی واپس آتا رہوں گا۔ چاہے برف جمی رہے، چاہے راستہ بند ہو جائے۔ میں اس دروازے کے باہر بیٹھ کر وقت کو مات دینے کی کوشش کروں گا۔ کیونکہ جو محبت میں ڈرتا نہیں، وہ ہارتا نہیں، سر!"

جوزف کے لبوں پر اب کے بار مسکراہٹ نہیں، سوچ کا عکس آیا۔

انہوں نے آہستہ سے سر ہلایا اور پلٹ گئے۔

"تم ضدی ہو۔"

"محبت ہمیشہ ضدی ہوتی ہے۔" پال نے دھیرے سے کہا۔

ہال کی فضا میں چولہے کی آنچ کی ٹک ٹک سنائی دی۔ باہر برفباری پھر تیز ہونے لگی تھی۔ جوزف کھڑکی کی طرف بڑھے، اور لمحہ بھر بعد بولے۔

"جاسکتے ہو آج کے لیے۔ مگر۔۔۔ کل واپس مت آنا موسم خراب ہے۔"

پال نے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر جھکایا۔

"شکریہ، سر! میں کل ضرور آؤں گا، چاہے موسم کیسا بھی ہو۔"

اور جیسے ہی وہ پلٹا، مسٹر جوزف کی آواز سنائی دی۔

"تمہیں اندازہ نہیں شاید مگر نساء تمہیں کبھی قبول نہیں کرے گی۔"

پال نے مڑ کر دیکھا۔

"مجھے اندازہ ہے سر۔۔ مگر دعا ہے کہ وہ مسکرائے۔۔۔ جب میرا نام لے۔"

پھر وہ پلٹ گیا۔ تیز تیز قدم اٹھاتا، قد آور دروازے کی جانب بڑھ رہا تھا۔ وہ باہر نکلا اور دروازہ بند ہو گیا۔ باہر برف اب بھی گر رہی تھی، مگر پال کے دل میں بہار اتر چکی تھی۔ مسٹر جوزف نے کھڑکی سے اسے جاتا دیکھا اور ان کے ہونٹوں کے کنارے ایک دھیما سا تاثر ابھرا۔ ڈریکولا کو شاید واقعی کسی نے سمجھا نہیں تھا۔

✿••✿••✿••✿

رات کی طویل پرواز کے بعد رئیس کا پرائیویٹ جیٹ کراچی ائیر پورٹ کے رن وے پر نرم دھچکے کے ساتھ اترا۔

جہاز کے اندر کی خاموشی میں محض انجن کے رکنے کی سرسراہٹ گونج رہی تھی۔ مراد نے کھڑکی سے باہر جھانکا، پورا رن وے ہلکی دھند میں لپٹا تھا، روشنیوں کے حلقے دھند میں بکھر رہے تھے۔ جہاز کے دروازے کے سامنے پہلے سے رئیس گروپ کے کچھ سینئر ممبرز، میڈیا ٹیم، اور مقامی ایجنٹس موجود تھے۔ یہ رات محض آمد نہیں، ایک نئے طوفان کی ابتدا تھی۔

رئیس خاموشی سے جہاز کے دروازے سے نیچے اترا۔ سیاہ اون کے کوٹ میں لپٹا ہوا۔ مراد اس کے ساتھ چل رہا تھا بھورے دستانوں میں ہاتھ لپیٹے۔

"سب تیار ہے سر!" ایک سوٹڈ بوٹڈ شخص نے آگے بڑھتے مراد سے کہا تو اس نے سست انداز میں سر ہلایا۔

"ایک رات میں فیشن شو۔۔۔" رئیس کے ساتھ چلتے وہ دھیرے سے مسکرایا۔ "کیا دنیا اب بھی سمجھتی ہے رئیس گروپ صرف بزنس کرتا ہے؟" وہ چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر کیے گئے اپنے کام پر فخر محسوس کر رہا تھا جبکہ رئیس خاموش تھا۔

در حقیقت پچھلے چوبیس گھنٹوں میں رئیس گروپ نے جو کچھ کر دکھایا تھا، وہ حیران کن سے کم نہ تھا۔

ملکی اور بین الاقوامی کئی برانڈز نے شو کے لیے کنفرمیشن دے دی تھی۔ رئیس گروپ کا نام ہی اتنا بڑا تھا۔ بس خبر چلنے کی دیر تھی کہ "**رئیس اینڈ گروپ اوماڑا بیچ پر ایک گلوبل فیشن نائٹ کروا رہا ہے۔**" اور برانڈز نے فوراً ہاں کر دی۔ اگلی صبح تک پورا کراچی اُن کی کمانڈ میں تھا۔ ڈیزائنرز کے کرافٹس پہنچ چکے تھے، ماڈلز اور ٹیمز فجر کی ہدایت پر جمع ہو رہی تھیں۔

کچھ دیر بعد وہ ہاربر پہنچ چکے تھے۔ سورج کی آخری کرنیں پانی پر کسی مدھم سنہری پٹی کی طرح لرز رہی تھیں۔ ہوا میں نمکین نمی کے ساتھ دسمبر کی خنکاہ گھلی ہوئی تھی، جو ہر سانس کو شیشے کے سانچے میں بدل رہی تھی۔ پورا ہاربر روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ ساحل پر روشنیوں کی قطاریں لگ چکی تھیں۔

رئیس کا نجی یاٹ، جسے وہ پہلی بار استعمال کرنے جا رہا تھا فی الوقت روشنیوں میں نہایا کھڑا تھا۔ سینکڑوں فٹ لمبا، سفید و سیاہ امتزاج میں، اس کا دہانہ کسی قلعے کی طرح چوڑا اور شاہانہ لگ رہا تھا۔ ڈیک پر سیکیورٹی اسٹاف، کریو، اور تکنیکی

ماہرین مصروف تھے۔ ایک جانب فجر کی ٹیم آچکی تھی۔ وہ اور ولی، دونوں الگ فلائٹ سے پہنچے تھے۔ فجر نے گہرے سبز رنگ کا ٹرنچ کوٹ پہنا ہوا تھا اور اس کی ہیزل آنکھوں میں سمندر کا عکس لرز رہا تھا۔

"یہ یاٹ اتنا بڑا ہے کہ لگتا ہے رئیس یہاں سے دنیا کے پار جا سکتا ہے۔" جنید نے یاٹ کو دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔ وہ ولی کے ساتھ یاٹ پہ جا چکا تھا۔

اور ان سب کے بیچ، سمندر کے کنارے وہ دو وجود خاموش کھڑے تھے۔ رئیس اور فجر۔ رئیس کے سیاہ کوٹ کے کالر کے کنارے ہوا سے ہل رہے تھے۔ اس کے بالوں پر خنک نمکین ہوا کے ذرات چمک رہے تھے۔ فجر، سبز ٹرنچ کوٹ میں، بالوں کو خفیف سا سمیٹے، اس کے برابر کھڑی تھی۔ دونوں کے درمیان چند قدم کا فاصلہ تھا مگر ان کے درمیان پھیلی ہوا بھری تھی ایسے لفظوں سے جو کبھی کہے نہیں گئے۔ یاٹ R.A ان کے عقب میں کھڑا تھا۔ ایک دیو قامت وجود، پانچ سو فٹ طویل، سفید و سیاہ چمکدار بدن میں، جیسے سمندر نے اپنے سینے پر کوئی شاہی قلعہ سجا رکھا ہو۔ اس کی روشنیاں پانی پر پڑ کر عکس بناتی تھیں اور ہر عکس میں ایک نئی کہانی جھلکتی تھی۔ طاقت، خطرہ، اور اختتام کی آہٹ! آس پاس شور تھا۔ ٹیمیں اپنے سامان سمیت اندر جا رہی تھیں اور اس کہانی کے وہ اہم کردار، ایک جانب کھڑے تھے۔

"ہمیں جانا ہو گا۔" وہ سب کو اندر جاتے دیکھ کر بولی۔

"میں جانتا ہوں۔" وہ چند لمحے خاموش رہا۔ پھر آہستہ بولا۔

"میں نہیں چاہتا کہ تم اس سب میں آؤ۔ یہ میرا میدان ہے، میری جنگ ہے۔"

فجر نے ایک گہری سانس لی۔

"لیکن اس یاٹ پر قدم رکھنے سے پہلے سوچ لینا، واپسی ناممکن ہو گی۔" وہ فجر کے چہرے پر نظریں جمائے سرد لہجے میں بولا۔ شاید اسے آنے والے خطرے سے آگاہ کر رہا تھا۔

"میں واپس پلٹنے کے لیے یہاں تک نہیں آئی۔" وہ اس کی سیاہ آنکھوں میں دیکھتے بولی۔ "اب جب اتنا سب کر لیا ہے تو مجھ پر بھروسہ بھی کر لیں۔" اس کی آواز میں ٹھہراہوا اعتماد تھا، مگر آنکھوں میں ہلکی لرزش۔ "میں کمزور نہیں ہوں اور یہ آپ جانتے ہیں۔"

رئیس کے لبوں پر ایک ادھوری مسکراہٹ آئی۔

"یہ کمزوری کی بات نہیں ہے۔ یہ موت اور زندگی کی بات ہے۔

جو کھیل ہم کھیلنے جا رہے ہیں، اس میں ہر مہر خود قربانی دیتی ہے۔"

"اور آپ کو لگتا ہے میں قربانی سے ڈر جاؤں گی؟" فجر نے ہلکا سا قدم آگے بڑھایا۔

"یہ کھیل جس نے بھی شروع کیا تھا۔ اسکا انجام صرف آپ نہیں ہیں۔"

دسمبر کی ہوا نے دونوں کے کوٹوں کے دامن اڑائے۔ دور، یاٹ کے انجنز کی ہلکی سی گونج سنائی دے رہی تھی۔ ولی ڈیک پر ہدایات دے رہا تھا۔ ٹیمیں باقاعدہ ترتیب میں چڑھ رہی تھیں۔

لائیٹس، پروپس، مائکس، کمپیوزرز، اور درجنوں چہرے، جو اس سفر کے اصل مقصد سے ناواقف تھے۔ رئیس کی نگاہ سمندر پر گئی۔

"تمہیں اس کہانی میں نہیں ہونا چاہیے تھا۔" وہ اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے بولا۔ آنکھوں میں عجیب سا ملال تھا۔

"افسوس۔۔۔اب میں ہوں۔" وہ پھیکا سا ہنسی۔ "اور جب تک میں ہوں، آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ بادشاہ کو بے فکر رہنے کا کہہ رہی تھی۔ رئیس کچھ کہہ ہی نہ پایا۔ اس لمحے کے اندر، جیسے سمندر بھی ساکت ہو گیا تھا۔ سرف کے کناروں سے اٹھنے والی جھاگ ان کے قدموں سے لپٹی۔ ہوا کے شور میں ان دونوں کی سانسوں کی آہٹیں واضح ہو گئیں۔ پچھلی جانب، یاٹ پر چڑھنے کا شور بڑھنے لگا۔ مراد نے رئیس کو اشارہ دیا۔

"سب بورڈ ہو گئے ہیں۔ صرف تم دونوں رہ گئے ہو۔"

رئیس نے سر ہلایا۔ پھر فجر کی طرف مڑا۔

"ایک آخری سوال۔۔۔اگر کل کچھ ایسا ہوا جس میں فیصلہ تمہارے خلاف گیا، تو؟"

فجر نے پلکیں جھپکیں۔

"تو میں وہ فیصلہ قبول کروں گی جس میں آپ بچ جائیں۔" اس کی آنکھوں میں مان تھا۔

وہ مسکرا دیا۔۔۔وہی مسکراہٹ جو اس کے ہونٹوں تک آتی تھی مگر آنکھوں تک نہیں پہنچتی تھی۔

"تمہاری یہ عادت خطرناک ہے۔"

"آپ سے زیادہ تو نہیں۔۔۔" وہ جتاتے ہوئے بولی۔ خاموشی پھر سے چھا گئی۔ پانی کی لہریں ساحل سے ٹکرا رہی تھیں،

جیسے کوئی پرانی دعا دہرا رہی ہوں، خطرے میں بھی ساتھ رہنے کی دعا۔ اب وہ دونوں یاٹ کی طرف بڑھے۔

روشنیوں سے جگمگاتا پل نما راستہ ان کے قدموں کے نیچے لرز رہا تھا۔ اوپر، R.A کے بڑے حروف چمک رہے تھے۔ آر اے یعنی رئیس اورنگزیب! ایک نام، جو اس وقت سمندر کے ماتھے پر لکھا جا رہا تھا۔

"سب آن بورڈ ہیں سر!" سٹاف نے خبر دی۔ "پانی کے بہاؤ کے مطابق ہوا مشرق سے چل رہی ہے، اگلے چار گھنٹے میں ہم اوماڑا کی حدود میں ہوں گے۔"

"گڈ۔" رئیس نے مختصراً کہا۔

فجر نے اطراف دیکھا۔ یاٹ کی ساخت حیرت انگیز تھی۔ ڈیک پر نیلے قالین بچھے تھے، سونے کی ریلنگ، اوپر ماسٹ سے چمکتی لائٹس اور اندرونی حصہ کسی سیون اسٹار ہوٹل سے کم نہ تھا۔

ولی کے ہاتھ میں ایک فولڈر تھا۔ وہ ایئر بیڈ کان میں لگائے کافی مصروف نظر آرہا تھا۔ لائن پر میثم تھا جو ساتھ نہیں آیا تھا مگر انہیں۔ لمحہ بہ لمحہ اپڈیٹ کر رہا تھا۔

"یہ شو کی اسکیچنگ ہے، تمہاری فائنل اسٹیج آوٹ لائن یہاں ہے۔"

اس نے فائل فجر کی جانب بڑھائی۔ فجر نے فائل کھولی۔ سب کچھ پروفیشنل لگ رہا تھا، مگر اس کے دل میں ایک خاموش ارتعاش تھا۔ یہ شو نہیں تھا، ایک جنگ تھی۔ جس کا پردہ بس روشنیوں سے ڈھک دیا گیا تھا۔ وہ اسے فائل تھماتے جا چکا تھا۔ فی الوقت بات کرنے کا وقت نہیں تھا۔ وہ اس کی حد درجہ مصروفیت پر اور اسے جاتے دیکھ کر گھور کر رہ گئی۔

جبکہ ڈیک پر پہنچ کر رئیس نے ایک لمحہ فضا کو محسوس کیا۔

نیچے سمندر کی لہریں نیلے سیاہ کینوس پر سفید جھاگ بن رہی تھیں۔ ہوا کے جھونکے نے اس کے کوٹ کا کالر اڑایا۔

اس نے مڑ کر فجر کو دیکھا، جو بالکنی کے قریب کھڑی سمندر کو دیکھ رہی تھی۔

تو پھر سمندر گواہ رہے۔۔۔ یہ سفر دو دشمنوں کا نہیں، زندہ بچ جانے والوں کا تھا۔

انجنز نے دھاڑ ماری۔ جہاز ہلکا سا لرزا۔ پانی کے اندر سے بلبلے اٹھے۔ روشنیوں کے عکس سمندر پر ٹوٹ گئے۔ جہاز نے ساحل کو پیچھے چھوڑ دیا۔ فجر نے پلٹ کر دیکھا۔ کراچی کی روشنیوں کا عکس دھند میں گم ہوتا جا رہا تھا۔ ولی ڈیک پر آخری چیکنگ کر رہا تھا، مراد نیویگیشن روم میں داخل ہو گیا تھا اور رئیس اس کے برابر آ کھڑا ہوا۔

"یہ سفر طویل ہے۔"

"مجھے طویل سفر پسند ہیں۔ خاص طور پر وہ جو انجام کے قریب ہوں۔" وہ بھاری لہجے میں بولا تو مراد سر ہلا کر رہ گیا۔

ہوا نے دونوں کے چہروں کو چھوا۔ نمکین، خنک، اور درد بھری۔

سمندر اب ان کے سامنے پھیل چکا تھا۔ اور اس کے سینے پر لکھا تھا۔

یہ وہ سفر ہے، جس سے واپسی ممکن نہیں۔ ہاں وہ اب پیچھے نہیں ہٹ سکتے تھے۔

✿••✿••✿••✿

جہاز سمندر کی نیلی وسعتوں پر دھیرے دھیرے تیر رہا تھا۔

دسمبر کی ٹھنڈی ہوا کھارے پانی کی نمی کے ساتھ جہاز کی وسیع بالکنیوں سے اندر آ رہی تھی، نمکین جھونکے نرم روشنیوں میں بکھر رہے تھے۔ نیچے ڈیک کے عین وسط میں ایک شاندار لابی تھی۔ شیشے کی دیواروں، سنہری روشنیوں اور سیاہ و چاندی کے امتزاج سے سجی ہوئی۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں اگلے دو دن منار فیشنز، رئیس گروپ، اور دنیا کے چند نامور برانڈز نے مل کر ایک غیر معمولی شو کی تیاری کرنی تھی۔ اب اس کے ہال میں سب جمع تھے۔ ڈی رین ہاٹس کی ٹیم، گلیم کی نمائندہ، ایل وینو برانڈ کے ڈیزائنرز، اور سب سے نمایاں **فجر معراج!**

ان سب کے سامنے رئیس کھڑا تھا۔ سرمئی پینٹ پر سیاہ شرٹ پہنے، آستینیں فولڈ کیے، فی الوقت وہ سادہ حلیے میں تھا۔ اس کے انداز میں ایک ایسا اعتماد تھا جو صرف ایک ایسے شخص میں ہوتا ہے جو خطرے کے عین دہانے پر کھڑا ہو کر بھی سکون سے سانس لے سکے۔ اس وقت وہ کچھ کہنے کا ارادہ کر رہا تھا۔

"سب سے پہلے۔۔۔" اس کی آواز گہری اور پر اثر تھی۔ ایسی جو ہال کی ہر دیوار سے ٹکرا کر واپس دل میں اتر جاتی۔

"میں آپ سب کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ راتوں رات آپ سب نے ہاں کی۔ کسی نے وجہ نہیں پوچھی، کوئی شرط نہیں رکھی۔

یہ صرف اعتماد تھا۔ میری ٹیم کا اعتماد۔۔۔ اور فجر معراج کا وژن۔"

سب کی نظریں اس کے بعد فجر کی طرف اٹھ گئیں۔ سبز کوٹ میں، بال ڈھیلے سے بندھے ہوئے، وہ ساکت کھڑی تھی۔

"منار فیشنز میں ہونے والے حادثے کے بعد یہ فیشن شو صرف برانڈ کی ری لانچ نہیں، یہ ایک بیان ہے۔ ایک اعلان کہ ہم تباہ نہیں ہوئے۔۔۔ اور نہ ہوں گے۔ ہم صرف دوبارہ جنم لے رہے ہیں۔ اس سمندر پر، انہی لہروں کے ساتھ۔"

"لیکن ہم جاننا چاہتے ہیں آپ کا منار فیشنز کے ساتھ کیا رشتہ ہے؟ اتنا خاص کہ آپ نے اسے دوبارہ اٹھانے کے لیے اتنا بڑا قدم اٹھایا؟" کسی نے پوچھا تھا۔ رئیس کی نظریں فجر پر آ کر جم گئیں۔۔۔ وہ اسے دیکھتا رہا اور پھر اس کے پیچھے ولی آ کر ٹھہر گیا۔ وہ شاید اب فری ہوا تھا۔ رئیس نے ایک گہری سانس لی۔

"میرا عمر بھر کا رشتہ ہے۔"

جواب ایسا تھا کہ گہری خاموشی چھا گئی۔

"یہ فیشن شو صرف منار فیشنز کے وژن پر نہیں ہے بلکہ یہ طے تھا کیونکہ ڈارک اسٹارز کی لانچ قریب ہے، اور اس سے پہلے یہ شو ایک خاموش طوفان ہو گا۔ ہاں، یہ ہڑبڑی میں ہے، لیکن کبھی کبھی ہڑبڑی وہ چنگاری ہوتی ہے جو آگ بھڑکا دیتی ہے۔"

لابی میں ایک لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی۔ سب اس آدمی کو دیکھ رہے تھے جس کی محض ایک فون کال پر بین الاقوامی برانڈز کراچی پہنچ گئے تھے۔ جس کے نام پر سرمایہ، اعتماد اور شہرت ایک ساتھ حرکت میں آ گئی تھی۔

"ہم پانچ گھنٹوں میں اوماڑا پہنچیں گے۔"

اس نے ہال کے عقبی دروازے کی طرف دیکھا جہاں سے کھلے سمندر کی لہریں دکھائی دے رہی تھیں۔

"وہاں سب کچھ تیار کرنا ہو گا۔ اس شو میں ہر ماڈل، ہر روشنی، ہر رنگ اس سمندر کی کہانی سنائے گا۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ اسے صرف ایک پروجیکٹ سمجھیں۔ یہ ہمارا پیغام ہے۔"

وہ چلتا ہوا لابی نما ہال کے وسط میں آ گیا۔

"اب آپ سب کے پاس ایک گھنٹہ ہے۔ ریفریش ہو جائیں، اپنی ٹیموں سے بریف لیں، اور اگلی میٹنگ کے لیے تیار ہوں۔ اب سے ہر لمحہ قیمتی ہے۔" اس نے ایک مختصر مسکراہٹ کے ساتھ بات ختم کی۔ سب تیزی سے اپنے اپنے کمروں کی جانب بڑھے۔ جیسے سب جانتے ہوں کہ یہ صرف شو نہیں۔۔۔ کوئی بڑا معرکہ ہو۔

جب سب بکھر گئے، فجر نے ولی کو دیکھا۔

"یہ سب یقین کر بیٹھے ہیں کہ ہم فیشن شو کرنے آئے ہیں۔" اس نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"بعض حقیقتیں، صرف وقت بتاتا ہے۔ فی الحال انہیں خواب پر یقین کرنے دو۔ خواب ہی سب سے طاقتور ہتھیار ہے۔"

فجر نے ہلکے سے سر ہلایا۔ جہاز کے عقبی شیشے سے نیلا سمندر جھلک رہا تھا۔ وہ لمحہ جیسے رکتا جا رہا تھا۔ ایک جنگ سے قبل کی خاموشی، ایک طوفان سے پہلے کا سکون۔ ہال کے دوسرے کونے میں رئیس کھڑا سب دیکھ رہا تھا۔

"یہ منظر خوبصورت ہے، ہے نا؟ جیسے سب کچھ ٹھیک ہونے والا ہو۔۔۔" ولی اس کے قریب ہوا۔

"یا سب کچھ ختم ہونے والا ہو۔" وہ دھیرے سے بولی۔

اور باہر سمندر پر، جہاز کی روشنیوں نے اندھیرے کو چیر دیا۔

یوں لگا جیسے سمندر پر ایک نیا باب لکھا جا رہا ہو۔ جہاں فیشن، انتقام، اور تقدیر ایک ہی لہر پر سوار تھے۔

✿••✿••✿••✿

دسمبر کی شام، نمی، ٹھنڈی ہوا اور سمندر کی شوریدہ لہریں جیسے ایک لمحے کے لیے وقت کو تھامے بیٹھی تھیں۔ ڈیک کے تختے پر فجر کھڑی تھی، ہاتھ میں فون تھا، لہجہ ہلکا مگر آنکھوں کی گہرائی میں ایک سنجیدہ سکوت تھا۔ دور پانیوں میں ڈوبتے سورج کا عکس اس کے چہرے پر پڑ رہا تھا، جو سرد ہوا میں اڑتی چند لٹوں کے پیچھے کبھی چھپ جاتا اور کبھی ابھر آتا۔ فون کے دوسری جانب صفدر تھا۔ اس کی آواز میں برسوں کی تھکن کے ساتھ ایک نئی توانائی گھلی ہوئی تھی۔

"مجھے امید ہے، بہت جلد منار فیشنز پھر سے پہلے جیسا ہو جائے گا۔"

وہ تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اب وہ منار فیشنز میں آفیشلی اور حقیقی طور پر پارٹنر تھا۔ اب وہ مطمئن تھا اور خوش بھی۔

فجر نے چند لمحے خاموشی کے بعد بس اتنا کہا۔

"امید رکھنا کبھی برا نہیں ہوتا، صفدر۔ مگر اب ہر چیز پہلے جیسی نہیں ہو گی۔"

"پھر بھی کچھ نہ کچھ تو بچا ہے اور باقی میں بنالوں گا۔"

"ہاں۔۔۔" اس نے دھیرے سے کہا، "کچھ خواب اب بھی سانس لے رہے ہیں۔"

یہ آخری جملہ ہوا میں تحلیل ہو گیا۔ اس نے فون بند کیا اور ایک گہری سانس لی۔ نمکین ہوا نے اس کے چہرے کو چھوا، اور بالوں سے نکلی چند لٹیں رخسار سے لپٹ گئیں۔ اس لمحے وہ مکمل اکیلی تھی۔۔۔ شاید وہ سمجھتی تھی کہ اکیلی ہے۔ اور پھر خاموشی ٹوٹ گئی۔

"اے مکڑی!"

یہ آواز اس کے عقب سے ابھری۔ تپانے والی مسکراہٹ لیے مراد وہاں کھڑا تھا۔ سیاہ لیدر جیکٹ، گردن کے گرد مفلر لپیٹے، سنجیدہ دکھنے کی کوشش کرتا ہوا۔ فجر نے ایک پل کے لیے خاموشی سے اسے دیکھا، پھر نظریں پھیر لیں۔ مراد چند قدم آگے آیا، ہاتھ جیبوں میں ڈالے جیسے کچھ گہرے حساب مانگنے آیا ہو۔

"تم نے ہماری فنانس ٹیم کو منع کر دیا؟"

لہجہ نرم نہیں تھا۔ "منار کے جلنے پر آدھی بھرپائی نہیں چاہیے کیوں؟"

فجر نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ سیدھی، نپی تلی نگاہوں سے۔

"کیونکہ رئیس گروپ کا منار فیشنز میں اب کوئی حصہ نہیں ہے۔ جب کوئی حصہ ہی نہیں تو پھر بھرپائی کیسی؟"

مراد نے سر ذرا جھکایا، ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تیر گئی۔

"دلچسپ منطق ہے۔ مگر نقصان تو پھر بھی ہوا ہے، اگر تمہیں مل رہا ہے تو لے لو۔ کبھی کبھی فائدہ اٹھانا غلط نہیں ہوتا۔"

فجر نے بازو سینے پر باندھ لیے، ہوا سے اڑتے بالوں کو ایک طرف کیا۔

"میں مفت میں کچھ نہیں لیتی اور جو میرا حق ہے وہ میں نہیں چھوڑتی۔"

اس کے لہجے میں ایک خفیف زہر تھا۔ وہی جو اس کے الفاظ کو چمکدار مگر خطرناک بنا دیتا تھا۔ مراد نے ذرا سا جھک کر اسے غور سے دیکھا۔

"کبھی کبھی لگتا ہے تم انسان نہیں۔۔۔ کوئی الگ ہی مخلوق ہو۔

اتنی سخت کیسے ہو جاتی ہو؟"

"جب زندگی نرم نہیں ہوتی نا، تو انسان خود کو پتھر بنانا سیکھ لیتا ہے۔" اس نے دھیرے سے جواب دیا۔ "اور فجر معراج یہ بہت پہلے سیکھ چکی ہے۔"

مراد نے ایک ٹھنڈی سانس لی، سمندر کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"پھر بھی، پتھر بھی کبھی کٹ جاتے ہیں یا پگھل جاتے ہیں، اگر آگ زیادہ تیز ہو۔"

فجر نے لبوں پر ہلکی مسکراہٹ لاتے ہوئے پلٹ کر اسے دیکھا۔

"تو آپ آگ بننے کی کوشش مت کیا کریں ورنہ مارے جائیں گے۔"

"نہیں۔۔۔ بالکل نہیں۔۔" وہ ہنس دیا۔ "میں تو بس وہ تیز ہوا ہوں جو آگ کو بھڑکاتی ہے۔۔۔ یا کبھی کبھی بجھا دیتی ہے۔"

فجر نے گھور کر اسے دیکھا۔ ”کم ظرف آدمی!“ وہ زیر لب بڑبڑائی۔ چند لمحے دونوں خاموش کھڑے رہے۔ نیچے سمندر کی لہریں تختے سے ٹکرا رہی تھیں، اوپر آسمان پر دھندلی روشنیوں میں چاند آدھا چھپا ہوا تھا۔ ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا۔ جہاز کی روشنیوں نے ان کے گرد ایک سنہری دائرہ سا بنا دیا تھا۔

دونوں سمندر کی سمت دیکھ رہے تھے۔ ایک سوچ میں گم، دوسرا کسی انجانے امتحان کی تیاری میں۔

”تم جانتی ہو مکڑی، تمہارے ساتھ گفتگو بھی ایک جنگ ہوتی ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ تم ہمیشہ جیت جاتی ہو۔“

”میں بس ہارنے سے انکار کرتی ہوں۔“ وہ اپنے مخصوص لہجے میں بولی۔

مراد نے گردن جھٹکی، اور اس کی آنکھوں میں چمک سی دوڑ گئی۔

”اسی لیے میں تمہیں مکڑی کہتا ہوں۔“

”کیونکہ میں جال بچھاتی ہوں؟“ تنک کر پوچھا۔

”نہیں۔ کیونکہ تم ہمیشہ زندہ رہتی ہو۔ چاہے آگ لگ جائے، چاہے دنیا جل جائے۔“

فجر نے کچھ نہ کہا۔ وہ بس مسکرا دی اور سمندر کی لہروں نے ان کی خاموشی کو اپنی زبان میں سمیٹ لیا۔

”مرنے سے بہتر ہے مار ڈالو۔۔۔“ وہ سرد سپاٹ تاثرات لیے بولی تو مراد اسے دیکھ کر رہ گیا۔

”تم جب چھوٹی تھیں نا۔۔۔ تب بھی اتنی ہی ڈرامے باز تھی جتنی اب ہو۔“

فجر نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ آنکھیں چھوٹی ہو گئیں۔

”تمہاری وجہ سے میں ڈاکٹر بنتے بنتے رہ گیا۔ اس روز تمہیں بخار تھا اور میرا ایف ایس سی کا فائنل پیپر۔۔۔ لیکن میں تمہیں چھوڑ کر نہیں جا سکا۔“ اس نے آخر میں ایک سرد آہ بھری۔

"اور اگر آپ نے تب مجھے اڈاپٹ کر لیا ہوتا۔۔۔ تو میرا بچپن اتنا ٹراما ٹک نہ ہوتا۔ میرے ماں باپ مجھے تین بار مارنے کی کوشش نہ کرتے۔ شاید میں تھوڑی محفوظ ہوتی، تھوڑی کم گھائل۔"

مراد کا چہرہ سنجیدہ ہوا۔

"تو اب اس میں بھی میری غلطی ہے؟" اس نے بھنویں اٹھائیں۔

"اگر مجھے پتا ہوتا کہ تم بڑی ہو کر ایسی ڈائن بنو گی تو میں کبھی تمہیں اڈاپٹ کرنے کا سوچتا بھی نہیں! بلکہ اپنے ہاتھوں سے گلہ دبا کر مار ڈالتا۔" وہ نہایت برا منہ بنا کر رہ گیا۔

"پر آپ نے مجھے اڈاپٹ نہیں کیا۔ میں کبھی معاف نہیں کروں گی۔"

مراد کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ یعنی اب وہ اسے الزام دے گی؟ یعنی اب وہ اس بات پر بھی لڑے گی؟ یا اللہ! کوئی اتنا بھی ڈرامے باز نہ ہو۔

"پتا ہے میں صرف سترہ سال کا تھا جب تم میری زندگی میں آئی۔ چھوٹی سی، لال رنگ کے کمبل میں لپٹی ہوئی، بالکل بلی کے بچے جیسی۔ ابو کہہ رہے تھے کہ بچی سے دور رہو، یہ چند دن کی ہے، کوئی رشتہ نہیں، کوئی پہچان نہیں۔ مگر میں نے ضد کی تھی۔ میں تمہیں اڈاپٹ کرنا چاہتا تھا۔"

"لیکن آپ نے نہیں کیا۔ آپ نے مجھے مرنے کے لیے چھوڑ دیا۔"

"میں بچہ تھا اُس وقت!" مراد کی آواز بھڑک اٹھی۔ "سترہ سال کا، خود اپنے خوابوں میں پھنسا ہوا۔ اور تم۔۔۔ تم اتنی ضدی، اتنی نازک سی تھی کہ ہاتھ لگانے سے بھی ٹوٹ جاتیں۔"

"پھر بھی آپ کو کوشش کرنی چاہیے تھی۔" فجر کی آواز مدھم مگر کاٹ دار تھی۔ "اگر آپ نے ایک بار وہ فیصلہ لیا ہوتا تو شاید میری کہانی بدل جاتی۔ میں شاید وہ فجر معراج نہ بنتی جو اب ہوں۔"

"اور وہ فجر معراج کون ہے؟" مراد نے اچنبھے سے پوچھا۔

"وہ جو کسی پر بھروسہ نہیں کرتی۔ جو ہر رشتہ آزماتی ہے، ہر شخص سے جھگڑتی ہے اور یہ سب آپ وجہ سے ہے کیونکہ آپ نے تب ہاتھ بڑھایا ہی نہیں تھا۔"

مراد نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"میں بچپن کی ایک نادان غلطی کے لیے زندگی بھر مجرم نہیں بن سکتا!"

"نہ بنیں! لیکن یاد رکھیں، میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔"

"آخر میری غلطی کیا ہے؟" مراد کی آواز تیز ہوئی۔ چہرہ سرخ پڑ گیا۔ بس اس کی برداشت ختم ہو رہی تھی۔

"آپ نے مجھے اڈاپٹ کیوں نہیں کیا؟" وہ اسی کے لہجے میں چلاتی آگے آئی۔

"میں صرف سترہ سال کا تھا اور مجھے نہیں پتا تھا کہ ابو تمہیں لے جائیں گے۔"

"اس میں میری غلطی ہے کیا؟ میں صرف چند دن کی تھی۔"

وہ لڑنے مرنے کو تیار ہو چکے تھے۔

"اور میری غلطی کیا ہے؟ میں نے جان بوجھ کر تمہیں نہیں چھوڑا تھا۔"

"ہاں پر سزا آپ کو مل رہی ہے۔ اگر مجھے اڈاپٹ کر لیا ہوتا تو آج آپ بے اولاد نہ ہوتے۔۔۔"

اور بس۔۔۔ مراد کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا جا چکا تھا۔ اس نے دانت بھینچ لیے۔ دل کیا اسے اٹھا کر سمندر میں پھینک دے۔ اس نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس لی۔

"چھوٹے۔۔۔ اسے لے کر جاؤ یار۔۔۔ کیا بلا گلے پڑ گئی ہے۔"

اس نے پوری قوت سے چلا کر ولی کو پکارہ۔ گردن کی نسیں ابھر آئیں۔

"جا رہی ہوں میں۔۔۔ زیادہ چلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن معاف نہیں کروں گی۔ ہنہہ!"

وہ پلٹی۔ لمبے کوٹ کے دامن نے ہوا میں لہرا کر اس کی رخصتی کو ایک فلمی منظر میں بدل دیا۔ مراد ساکت کھڑا رہ گیا۔

اس نے بے ساختہ ہاتھ بالوں میں پھیرے، جیسے کسی ناقابلِ حل مساوات کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ نیچے سمندر کی لہریں تیز ہو گئیں۔ ہوا نے جہاز کے اطراف شور مچایا۔

"سترہ سال کی غلطی کے لیے عمر بھر کی سزا؟ حد ہے، کاش میں نے اڈاپٹ کرنے کی بجائے مارنے کا سوچا ہوتا۔۔۔" اس نے اپنے بال نوچ ڈالے اور سر پکڑ کر تختے پر بیٹھ گیا، پانی کی چھینٹیں اس کے جوتوں تک پہنچ رہی تھیں۔

"زہریلی مکڑی۔۔۔۔ شکر خدا کا میں نے اسے اڈاپٹ نہیں کیا۔" اب وہ شکر ادا کر رہا تھا۔

✿••✿••✿••✿

جہاز کے اندر کا ماحول اس وقت ایک متحرک شہکار بن چکا تھا۔ نیچے کے فلور پر کشادہ گرینڈ ہال میں ماڈلز، ڈیزائنرز، اسسٹنٹس، اور لائٹنگ ٹیمز ایک تیز رفتار مگر منظم شور میں مصروف تھے۔ دیواروں سے جھلملاتی روشنیوں کے عکس پانی پر پڑ رہے تھے، ہر طرف شیشے، اسٹیل، اور نیون کا امتزاج ایک مستقل کا منظر پیش کر رہا تھا۔

ہال کے عین وسط میں ایک ٹیمیں برق رفتاری سے کام کر رہی تھیں۔ کوئی کاسٹیوم درست کیا جا رہا تھا اور کہیں کسی جیولری پر بات کی جا رہی تھی۔ دروازہ کھلا اور فجر داخل ہوئی۔ سب کی نظریں بے اختیار اس کی طرف اٹھ گئیں۔

سبز کوٹ کے نیچے سفید ریشمی شرٹ، اور گردن کے قریب بند بٹن، بال جُوڑے میں بندھے تھے، مگر ہوا کے جھونکے میں چند لٹیں پھر سے آزاد ہو کر اس کے گال سے کھیلنے لگیں۔ وہ چپ چاپ اندر آئی، آتے ہی کوٹ اتار کر ایک اسٹینڈ پر لٹکا دیا، اور بغیر کچھ کہے اسٹینڈ کے قریب جا کر کپڑوں کے نمونوں کا جائزہ لینے لگی۔

"یہ لائن اپ غلط ہے۔" اس نے مختصر مگر پر اثر انداز میں اپنی ٹیم سے کہا۔ "سب پہلے ڈسک کلیکشن دکھائیں گے، پھر سلور، سمجھ گئے؟"

ایک ماڈل نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر اس کی آنکھوں کی چمک میں ایسا رعب تھا کہ وہ فوراً چپ ہو گئی۔ اس کے اشاروں پر لوگ تیزی سے حرکت میں آ گئے۔ اسکی آواز کبھی نرم، کبھی کٹیلی، کبھی خاموش مگر پُر حکم ہوتی تھی۔

وہ ایک وقت میں مختلف جگہ نظر آ رہی تھی، کبھی کسی ڈیزائنر کو فیبرک بدلنے کا کہہ رہی تھی، کبھی اسسٹنٹس کو ہدایت دے رہی تھی۔ پوری ٹیم جانتی تھی کہ وہ ایک perfectionist ہے۔ اور آج، وہ خود اپنے ہر فیصلے سے جنگ کر رہی تھی۔ اسی لمحے رئیس اوپر کی بالکنی پر نمودار ہوا۔

سیاہ شرٹ میں ملبوس، اس کے چہرے پر معمولی تھکن مگر آنکھوں میں پراسرار سی چمک۔۔۔ نیچے کے ہجوم میں اس کی نظر صرف ایک وجود پر تھی اور وہ وجود فجر کا تھا۔

وہ اسے دیکھ رہا تھا، جیسے ہر حرکت اس کے دل کے کسی کونے میں چھپے سوال کو چھیڑ رہی ہو۔

"کیا وہ واقعی منار کا مقابلہ کر پائے گی؟ یا پھر یہ شو بھی اس جال کا حصہ بننے والا ہے جو وہ برسوں پہلے بُن چکی تھی؟"

رئیس کے پیچھے ایک اسسٹنٹ کھڑا تھا، ہاتھ میں ٹیبلٹ لیے، مگر اس کی خاموشی سے واقف۔

"Everything's on schedule, sir!"

اس آواز نے اسے چونکایا اور خیالوں سے نکالا۔ رئیس نے سر ہلایا، مگر نگاہیں نیچے ہی ٹکی رہیں۔ نیچے فجر نے ایک ڈریس اٹھایا۔ نیلے اور چاندی کے امتزاج والا۔

"یہ تو منار فیشنز کا پیٹرن ہے نا۔" کسی نے دھیرے سے کہا۔

فجر نے سنا، مگر جواب نہیں دیا۔ اس نے وہی ڈریس رن وے پر ایک ماڈل کے حوالے کیا۔

"منار فیشنز کا ایک پیٹرن ضرور تھا مگر اب میرا signature بنے گا۔"

اس کے لہجے میں حدت اور زہریلی خود اعتمادی تھی۔ سامنے سمندر کی لہریں نیون لائٹس کے عکس میں چمک رہی تھیں۔ جہاز کا انجن آہستہ آہستہ دھڑکنے لگا، جیسے یہ سمندر، یہ شو، اور یہ دونوں، ایک ہی داستان کے دو سَر ہوں۔ رئیس کچھ دیر کھڑا رہا اور پھر پلٹ گیا۔

جہاز کے اوپری حصے پر، جہاں ہوا کا شور سمندر سے آکر لوہے کے فرش پر سرگوشیاں کرتا تھا، رئیس اب وہاں تنہا بیٹھا تھا۔ رات آدھی گزر چکی تھی۔ آسمان پر ستارے دھند میں مدھم تھے اور سمندر کی لہریں جہاز کے جسم سے ٹکرا کر گہری سانسوں جیسی آواز پیدا کر رہی تھیں۔

بالکونی پر ایک سادہ سا اسٹیل کا ٹیبل رکھا تھا، اس پر کھلا ہوا لیپ ٹاپ، اور اس کے سامنے بیٹھا رئیس! سیاہ کوٹ میں لپٹا، بال ہوا سے الجھے ہوئے، آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک جو سکون اور خوف کے درمیان لٹک رہی تھی۔

اس نے لیپ ٹاپ آن کیا۔ اسکرین چمکی اور اگلے ہی لمحے، جیسے ہوا نے رخ بدلا ہو، اس کی سماعت سے ایک مانوس آواز ٹکرائی۔

"ہیلو باس!"

رئیس کے ہاتھ ہوا میں جم گئے۔ سانس لمحہ بھر کو اٹک گئی۔

اسکرین پر وہی چہرہ ابھرا۔۔۔ عروزہ! وہی سنجیدہ مسکراہٹ، وہی تیز بولنے کا انداز، وہی آنکھوں میں چھپا ہوا کچھ ان کہا درد۔ ہوا کے جھونکے نے رئیس کے بالوں کو اڑایا۔

"میں جانتی ہوں آپ ٹھیک ہوں گے۔ ایک بادشاہ کو ٹھیک ہی ہونا چاہیے۔"

وہ مسکرائی، مگر اس مسکراہٹ کے پیچھے ایک تھکن تھی۔

"ہم کسی انجان دشمن سے نبٹنے کی تیاری کر رہے تھے، اور اب یقیناً آپ جان گئے ہوں گے کہ وہ دشمن کون ہے۔"

رئیس کے ہونٹ سختی سے بھینچ گئے۔ اس کی انگلیوں میں ہلکی سی کپکپاہٹ ابھر آئی۔ جیسے جسم کسی پرانی یاد کے سرد جھٹکے کو محسوس کر رہا ہو۔ عروزہ کا چہرہ لمحہ بھر کے لیے مدھم ہوا، پھر اسکرین پر روشنی بڑھی۔

"مجھے افسوس ہے میں آپ کو خود یہ سب بتا نہیں پاؤں گی۔"

اس نے دھیرے سے کندھے اچکائے، جیسے وہ اپنے انجام سے واقف ہو۔

"شاید زندگی نے ہمیں اتنا وقت دیا ہی نہیں کہ ہم بات مکمل کر سکیں۔"

رئیس نے نظریں جھکا لیں۔ ہوا میں نمکین نمی گھل چکی تھی، اور ہر سانس کے ساتھ وہ کڑوا ذائقہ اس کے اندر اترتا جا رہا تھا۔

"میں جانتی تھی۔۔۔ میں جانتی تھی اس روز جو گن آپ نے میرے ہاتھ میں تھمائی تھی۔ وہ گن جو میں نے ولی کی کنپٹی پر رکھی تھی وہ خالی تھی۔"

رئیس نے ضبط سے آنکھیں میچ لی۔

"لیکن یہ جانتے ہوئے بھی میں ٹریگر نہیں دبا پائی، اگر دبا دیتی تو میری محبت میری نظروں میں گر جاتی۔ اس لیے میں نے خود کو گرا لیا مگر محبت نہیں۔۔۔ اور ٹریگر دبا کر میں آپ کو دھوکہ نہیں دے سکتی تھی کیونکہ عروزہ مر سکتی ہے مگر رئیس کو دھوکہ نہیں دے سکتی۔"

رئیس کے گلے کی گلٹی ابھر کر معدوم ہو گئی۔

"آپ ہمیشہ کہتے تھے، خطرہ باہر نہیں، اندر ہوتا ہے۔" اس کی آواز دھیرے دھیرے بدل رہی تھی۔ ایک اعتراف، ایک الوداع کی طرح!

"اور آپ ٹھیک تھے۔ میں نے اندر دیکھا، وہاں صرف خوف نہیں تھا۔۔۔ ایک نام بھی تھا۔"

وہ لمحہ رک گیا۔ سمندر کی لہریں جیسے ساکت ہو گئیں۔

رئیس نے سر اٹھایا، مگر اسکرین کی روشنی میں عروزہ کا چہرہ اب دھندلا رہا تھا۔

"میں نے اسے روکنے کی کوشش کی تھی، پر شاید اب دیر ہو چکی ہے۔ اگر آپ یہ ویڈیو دیکھ رہے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ کھیل۔۔۔ آپ تک پہنچ چکا ہے۔"

اس کے آخری الفاظ ہوا کے شور میں مدھم ہو گئے۔ اسکرین پر صرف برف جیسے سفید اسٹاٹک کے ذرات رہ گئے۔ اس نے لیپ ٹاپ بند نہیں کیا۔ وہ بس خالی نظروں سے اس اندھیرے سمندر کو دیکھتا رہا۔ ہوا کے تیز جھونکوں میں اس کا کوٹ لہرا رہا تھا،

اور اس کے چہرے پر وہی بے آواز سوال ابھر رہا تھا۔

کیا واقعی کھیل ختم ہونے والا تھا؟ یا ابھی اصل آغاز ہوا ہے؟ اس نے آہستگی سے ایک سگریٹ جلایا اور پہلا کش لیتے ہوئے زیرِ لب بڑبڑایا۔

”تم نے پھر بھی خود کو ختم کر کے جیت حاصل کر لی عروزہ۔۔۔ مگر میں ابھی زندہ ہوں۔“

ہوا نے جواب نہیں دیا۔ سمندر نے بھی نہیں، بس سردی بڑھتی گئی، اور جہاز کی بالکونی پر بیٹھا رئیس اور نگزیب، ایک بار پھر اپنے سائے کے ساتھ اکیلا رہ گیا۔

✿••✿••✿••✿

اس وقت جہاز کا پچھلا حصہ نیم تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔

سمندر کی لہریں دھیرے دھیرے جہاز کے فولادی بدن سے ٹکرا رہی تھیں اور ان کی آواز کسی دبی ہوئی دل کی دھڑکن جیسی محسوس ہوتی تھی۔ ہوا میں نمکین نمی اور سردی کی تلخی گھلی ہوئی تھی۔ فاصلوں تک صرف اندھیرا، ہوا، اور وہ گہری وسعت تھی جو ہر شے کو نگل لینے پر تُلی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

اسی اندھیرے کے بیچ ولی کھڑا تھا۔ سیاہ اوور کوٹ میں ملبوس، چہرے پر تھکن کے باوجود ضبط کی تہہ لیے۔ ایک ہاتھ جیب میں تھا، دوسرا کان سے لگے فون پر۔ نیلی اسکرین کی روشنی اس کے چہرے کو روشن کر رہی تھی، اور اس روشنی میں اس کی آنکھوں کے نیچے کی تھکن، دل کے ان دیکھے بوجھ کی طرح عیاں تھی۔ فون کے دوسری جانب وہ آواز گونجی جسے وہ چاہ کر بھی کبھی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔

مسٹر جوزف کی آواز۔ سرد، دھیمی مگر حکم دینے والی۔

”تم نے کہا تھا چند دن، ولیم۔۔۔ چند دن!“

آواز میں وہی خفگی، باپ جیسا غصہ اور کارپوریٹ دنیا کی تلخی تھی۔

”میں نے تمہیں ہمیشہ کے لیے نہیں بھیجا تھا۔ تمہاری مدت ختم ہونے والی ہے۔“

ولی نے گہری سانس لی۔ اس نے نظریں سمندر کے اس پار ڈالی جہاں بس اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔

"جانتا ہوں، ڈیڈ۔۔۔ میں جلد لوٹ آؤں گا۔ بس۔۔۔ کچھ وقت اور چاہیے۔"

"مجھے ایسے کوئی آثار دکھائی نہیں دے رہے!" مسٹر جوزف کی آواز اب قدرے بلند تھی۔ "ایسا نہ ہو کہ میں پھر جوزف پیلس کے دروازے تم پر بند کر دوں۔"

ولی کے ہونٹ سختی سے بھینچ گئے۔ چہرے پر وہی ضبط کی ہلکی پرچھائیاں ابھریں۔

"میں ایسے سب چھوڑ کر نہیں آ سکتا، ڈیڈ۔ بگ بی یہاں۔۔۔"

"میں نے تمہیں اس کے لیے نہیں بھیجا تھا!" مسٹر جوزف نے کرختگی سے اس کی بات کاٹ دی۔ ولی نے گہری سانس لی، اور جیسے دل کے کسی گوشے میں بھری صدیوں پرانی اذیت کو ہولے سے چھوا ہو۔

"لیکن میں انہیں ایسے نہیں چھوڑ سکتا، ڈیڈ۔۔۔"

پھر وہی ٹھہراؤ، وہی اعتماد۔ "میں وعدہ کرتا ہوں، میں جلد لوٹ آؤں گا۔"

دوسری طرف کچھ لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔ پھر مسٹر جوزف کی آواز ابھری، اس بار زیادہ تلخ، زیادہ زخمی۔

"تم اسے کیوں نہیں چھوڑ سکتے؟ کیا وہ تمہیں باپ سے زیادہ عزیز ہے؟"

یہ سوال ہوا میں گونجا اور جیسے سمندر بھی لمحہ بھر کے لیے خاموش ہو گیا۔ کتھئی آنکھوں والے شخص کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ چہرہ سپاٹ، نظریں خالی، اور جیسے دل میں کوئی پرانا زخم ہلنے لگا۔ اس نے بہت آہستگی سے کہا۔

"ماں کو کھو دیا ہے، ماموں نہیں کھو سکتا۔"

یہ جملہ بس ہوا میں نقش ہو گیا۔ ادھر چند لمحوں کے لیے مسٹر جوزف بھی ساکت ہو گئے۔ وہ شخص جو دنیا کے سامنے فولاد کا بنا ہوا لگتا تھا، اب شاید ایک لمحے کو خود بھی لرز گیا تھا۔

پھر وہی سختی۔ وہی حکم دینے والا لہجہ۔

"تمہیں پتا ہے مجھے تمہارا یہ باغی پن پسند نہیں، ولیم!"

آواز میں ناپسندیدگی کے ساتھ ساتھ ایک باپ کی جھنجھلاہٹ تھی۔ وہ جھنجھلاہٹ جو محبت کے نہ مانے جانے پر پیدا ہوتی ہے۔ ولی ہلکا سا مسکرایا۔ پھر سیدھا ہوا، بالوں میں ہاتھ پھیرا، اور ساکت سمندر کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"بغاوت میرے خون میں ہے، ڈیڈ!"

اس کے لہجے میں طنز نہیں، فخر تھا۔ وہ فخر جو ان لوگوں میں ہوتا ہے جو اپنے دکھوں کے ساتھ جیتے ہیں۔ جب اس کے ماں باپ باغی تھے تو وہ کیوں نہیں؟ آخری بات کہہ کر اس نے فون کان سے ہٹا لیا۔ دوسری جانب خاموشی چھا گئی۔ پھر اچانک ایک ٹوں ٹوں کی آواز سنائی دی۔ مسٹر جوزف نے فون بند کر دیا تھا۔ بس اتنی ہی برداشت ان کے بس میں تھی۔

ولی نے موبائل نیچے کیا۔ چہرے پر ایک لمحے کو خالی پن چھا گیا۔ پھر وہ دھیرے سے مسکرایا، جیسے اپنے دل کی شکست پر پردہ ڈال رہا ہو۔

"آپ ہمیشہ بھول جاتے ہیں، ڈیڈ۔۔۔" وہ خود سے بولا۔

"میں آپ کا بیٹا ضرور ہوں، مگر میں آپ کے ساتھ ساتھ مام جیسا بھی ہوں۔"

سمندر کی ہوا نے اس کے الفاظ کو اڑا لیا۔ پھر اس نے گہری سانس لی۔ دھواں لمحہ بھر کو اس کے چہرے کے گرد بادل بن گیا، پھر تحلیل ہو گیا۔ دور کہیں نیچے، فیشن ٹیم کی ہنسی کی آواز آئی۔ جہاز کی روشنیوں نے لہروں پر چمک بکھیر دی۔

اس نے ایک آخری نظر اس اندھیرے پانی پر ڈالی، پھر سر جھٹک کر پلٹا، اور اندر کی جانب بڑھ گیا۔ اس کے قدموں کے پیچھے سمندر کی ہوا اب بھی کچھ کہہ رہی تھی۔

"جوزف پیلس کے دروازے بند بھی ہو جائیں، ولیم جوزف کے اندر کی بغاوت اب کبھی قید نہیں کی جا سکتی۔"

جہاز کے اندر رات کا منظر کسی خواب کی طرح روشن تھا۔

نیچے کے ڈیک پر روشنیوں کی نرم سنہری کرنیں پڑ رہی تھیں، جو دیواروں پر لپٹی آئینے دار سطحوں سے ٹکرا کر فضا میں جھلملاہٹ پھیلا رہی تھیں۔ باہر سمندر کی لہریں نیلے سناٹے میں ہلکورے لے رہی تھیں، مگر اندر صرف خاموشی تھی۔ وہ خاموشی جو کسی آنے والے مکالمے سے پہلے کے لمحوں میں ہوا کرتی ہے۔ وہ اپنے کمرے کے دروازے تک پہنچا تو چند لمحے وہیں ٹھٹک گیا۔

دروازہ آدھا کھلا تھا۔ اندر سے مدھم سی خوشبو آ رہی تھی۔ وہ پہچان گیا۔ یہ فجر کی موئسچرائزنگ کریم تھی۔ گہری سانس لیتے ہوئے وہ ہلکی سی مسکراہٹ دبائے اندر داخل ہوا۔

کمرے میں فجر تھی۔ گرم سادہ سوٹ میں، بال کھلے تھے مگر کچھ گیلے تھے۔ آئینے کے سامنے کھڑی وہ اپنے نم بالوں کو انگلیوں سے سمیٹتے ہوئے کچھ سوچ رہی تھی، مگر چہرے پر اطمینان نہیں، ناراضی تھی۔ اپنے شوہر نامدار کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر اس کے چہرے پر جو ہلکی سی شکن ابھری، وہ کسی بھی نرم دل شخص کے لیے وارننگ ہوتی تھی۔

مگر وہ بھی ولیم جوزف تھا اور وہ ایسی وارننگز کو چیلنج سمجھتا تھا۔

"آ گئے جناب، وزیر اعظم صاحب۔۔۔" وہ تیکھے لہجے میں بولی، آئینے سے نظریں ہٹائے بغیر۔

"ارے میں؟ میں کہاں کا وزیر اعظم؟ میں تو خادم ہوں۔" وہ معصوم بن گیا۔

"پورے دن تو ٹیموں، فون کالز، اور ہدایات میں مصروف تھے۔ اب شاید قوم سے خطاب باقی ہو۔۔۔ نہیں؟"

ولی کے ہونٹوں پر وہی دبی دبی سی مسکراہٹ ابھری۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے عین پیچھے آ کھڑا ہوا۔ آئینے میں دونوں کا عکس واضح ہو گیا۔ فجر سنجیدہ مگر خفا، اور وہ، لاپرواہ مگر پوری طرح باخبر۔

"قوم تو نہیں۔۔۔" اس نے دھیرے سے کہا، "البتہ ایک خاص خاتونِ قوم ضرور ہے، جو مجھ سے ناراض لگ رہی ہیں۔"

فجر نے بال سمیٹے، مگر چہرہ سخت رہا۔

"ناراض؟ اتنی مصروف تو میں نہیں ہوتی جتنا تم ہوتے ہو۔ جب مجھے بات کرنی ہو، تب تمہاری کوئی فون کال، جب مجھے کچھ کہنا تب تمہاری کوئی پلاننگ۔۔۔ اور"

"اور جب آپ خفا ہوں؟" ولی نے جھک کر آہستگی سے کہا،

"تب میں آپ کے پیچھے۔"

فجر چونکی۔ وہ اب اس کے عین پیچھے کھڑا تھا، اتنا قریب کہ اس کے سانس کی گرمی اس کے گیلے بالوں کو چھو رہی تھی۔

اس نے نظریں چرائیں، مگر ولی کی مسکراہٹ اور بڑھ گئی۔

"تمہیں پتا ہے سمندر کے بیچ خوفزدہ ہونا فطری ہے۔ مگر تمہارے چہرے کی یہ سختی۔۔۔ یہ تو بالکل غیر فطری ہے۔"

فجر نے اپنی بھنویں سکیڑیں۔ "میں خوفزدہ نہیں ہوں۔" دل تیزی سے دھڑکا اور چہرہ سرخ پڑ گیا۔ وہ اس کی ناراضی کی وجہ جان گیا تھا۔ افف۔۔۔۔ رخساروں سے اب آگ نکلنے لگی۔

"جھوٹ۔" آواز اتنی دھیمی تھی کہ وہ سرگوشی سی لگتی تھی۔ "پہلی بار سمندر میں ہو، پانی چاروں طرف ہے، اور تمہارے ہاتھ ابھی تک کانپ رہے ہیں۔"

وہ پیچھے ہٹی، اور الجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں صرف تھک گئی ہوں۔"

"اچھا؟" ولی نے سر جھکایا، اور اس کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ "تو تھکن اتنی خوبصورت بھی ہو سکتی ہے؟"

فجر کے گالوں پر ہلکی سی سرخی دوڑی۔

"چپ کرو۔۔۔"

"تم چاہتی تھیں میں تم سے بات کروں، اب سنو میری باتیں۔۔۔"

"میں تمہیں ٹرمینیٹ کر دوں گی۔"

"یہ تو اب ناممکن ہے۔" وہ اسے دلچسپ نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ فجر نے اس بار چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔

"تم ناقابلِ برداشت ہو۔۔۔"

وہ پورے دل سے ہنس دیا۔

"ابھی ڈیڈ نے فون پر یہی کہا ہے۔ خیر تم چاہو تو میں تمہیں اوپر ڈیک پر لے جا سکتا ہوں اور بالکل ٹائٹینک اسٹائل میں تمہارے ساتھ ایک پوز بھی بنا سکتا ہوں۔۔۔ کیا کہتی ہو؟"

"اور وہیں سے مجھے دھکا بھی دے سکتے ہو۔" وہ تنک کر نہیں بولی۔

"نہیں یہ کام تم پر سوٹ کرتا ہے اور مجھے پورا بھروسہ ہے تم یہ کر سکتی ہو۔۔۔" پیچھے ہٹتے اس نے کمرے میں نظریں دوڑائیں۔ اس نے پلکیں جھپکائیں جیسے واقعی کچھ سوچ رہا ہو۔

"اچھی بات یہ ہے کہ تم مجھے برداشت کر لیتی ہو۔۔۔"

وہ کمرے کا جائزہ لینے کے بعد جیسے ہی پلٹا، اس کے باقی الفاظ منہ میں ہی دم توڑ گئے۔ محترمہ فجر معراج، ہاتھ میں پکڑی، چمکتی ہوئی چھری کی نوک اس کی گردن پر رکھ چکی تھیں۔

"او۔۔۔مائی۔۔۔۔مائی۔۔۔" اس نے دونوں ہاتھ کسی مجرم کی طرح اٹھا لیے۔

"کیا واقعی تمہیں لگتا ہے میں تمہیں برداشت کرتی ہوں؟" ہیزل آنکھیں چھوٹی ہو گئیں۔

"بالکل نہیں۔۔۔۔" فوراً تصحیح کی۔ "تم مجھے جھیلتی ہو۔ اور فرق تم خوب سمجھتی ہو۔" چہرے پر دلچسپ مسکراہٹ لیے وہ بولا۔

"زیادہ تنگ مت کرو ورنہ کام تمام کرنے میں مجھے وقت نہیں لگے گا۔۔۔ہاں تم تھوڑے وزنی ہو لیکن پھر بھی میں تمہیں یاٹ سے باہر پھینکنا، مینیج کر لوں گی۔" ہونٹ بھینچ کر واضح تنبیہہ کی گئی۔ اس سے پہلے وہ کوئی جواب دیتا ایک زوردار لہر جہاز سے ٹکرائی اور ہلکی سی لرزش پیدا ہوئی۔ باہر سمندر کی ہوا کھڑکی سے اندر داخل ہوئی۔ فجر کے بالوں کو ہلکا سا چھوا۔ وہ واقعی تھوڑی دیر کے لیے سہمی مگر چھری تھامے رکھی اور ولی نے وہ لمحہ فوراً بھانپ گیا مگر مسکراہٹ ضبط کر لی۔

"ڈرو مت۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "یہ یاٹ زمین سے زیادہ محفوظ ہے۔ اور اگر تم کبھی ڈوبیں بھی تو میں نکال لوں گا۔" وہ مسکرا کر جھکا۔

"مجھے یہ زیادہ پانی اچھا نہیں لگتا۔ بچپن سے ہی اس کا خوف ہے۔"

"اسی لیے تو میں یہاں ہوں۔ تاکہ تم سمندر کو نہیں، مجھے دیکھو۔"

"کبھی کبھی تم اتنے ڈرامائی کیوں بن جاتے ہو؟" چھری واپس میز پر رکھ دی۔

"جب مدِ مقابل تم جیسی ڈرامائی عورت ہو تو بندہ ایکٹنگ چھوڑ بھی کیسے سکتا ہے؟"

فجر نے آنکھیں گھمائیں، مگر لبوں پر دبی ہنسی آ گئی۔ اس کی ہنسی دیکھی تو ولی کے دل کے کسی گوشے میں روشنی سی پھیل گئی۔

"تمہیں معلوم ہے۔۔۔ جب تم مسکراتی ہو تو مجھے یقین آ جاتا ہے کہ ہر جنگ جیتی جا سکتی ہے۔"

وہ خاموش رہی۔ گہری سانس لی اور سینے پر بازو باندھ لیے۔

"اور اگر ہم ہار گئے تو؟"

"تو میں تمہارے ساتھ ہار جاؤں گا کیونکہ تمہارے ساتھ ہارنا، تمہارے بغیر جیتنے سے بہتر ہے۔"

کمرے میں چند لمحوں کے لیے خاموشی گہری ہو گئی۔

باہر لہریں ٹکرا رہی تھیں، اندر وہ دونوں ساکت۔ ولی کے الفاظ میں وہ سچائی تھی جو دل کو کمزور کر دیتی ہے۔ فجر نے نظریں جھکائیں، اپنی انگلیوں کو دیکھا جو اب لرز نہیں رہی تھیں۔ اس نے پلٹ کر آئینے میں اپنا عکس دیکھا، اس کے پیچھے ولیم جوزف موجود تھا، جیسے سایہ، جیسے محافظ۔

"اب کیسا لگ رہا ہے؟" وہ ابھی بھی اس کے پیچھے کھڑا تھا۔

"پانی ابھی بھی بہت زیادہ ہے۔" فجر نے مدھم مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"تو میں بھی تو ہوں نا۔۔۔ بس میری طرف دیکھتی رہنا۔ پانی نہیں، مجھے۔۔۔۔"

فجر نے نظر اٹھا کر آئینے میں اسے دیکھا۔ جس کے چہرے پر خوف کی جگہ اطمینان تھا۔ جہاز اپنی روانی میں ہلکی سی جنبش کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔ باہر سمندر کے نیلے سائے رات میں تحلیل ہو رہے تھے اور اندر ایک نیا سکون، نیا اطمینان، آہستہ آہستہ جنم لے رہا تھا۔ ولی نے اسے کندھوں سے تھامتے اسکا رخ اپنی جانب کیا، پھر پہلو میں گرا اسکا داہنا ہاتھ اٹھایا اور دھیرے سے اس کی پشت کو لبوں سے لگایا اور اگلے ہی پل اس نے فجر کو ہولے سے گھمایا، وہ ہنس دی۔۔۔ خوف بھاگنے لگا۔

"اب کہو کیسا لگ رہا ہے؟" اسے کمر سے قریب کرتے ہوئے پوچھا۔

"بہت اچھا۔۔۔" اس کے ساتھ قدم سے قدم ملاتی فجر پھر سے ہنس دیں۔ اسکی ہنسی، لہروں کی آواز کے ساتھ گھل مل گئی۔

✿••✿••✿••✿

صبح اوماڑا کے ساحل پر سنہری روشنیوں نے جیسے سمندر کے نیلے بدن پر زعفرانی کپڑا ڈال دیا تھا۔ ہوا میں سمندر کی نمکین خوشبو گھلی ہوئی تھی، جو ہر سانس کے ساتھ دل میں ایک عجیب سی ٹھنڈک اتارتی محسوس ہوتی تھی۔ جہاز اب ساحل کے قریب لنگر انداز تھا۔ نیچے ریت کے ساحل پر درجنوں لوگ مصروف تھے۔ ڈیزائنرز، ماڈلز، ٹیکنیکل اسٹاف، اور ساؤنڈ ٹیم کے افراد۔ کہیں لکڑی کے تختے بچھائے جا رہے تھے، کہیں روشنیوں کے لیے بڑے بڑے پولز نصب کیے جا رہے تھے۔

رئیس سب سے اوپر والے فلور پر کھڑا تھا، ہاتھ میں چینی کی باریک کپ میں بھاپ اگلتی چائے لیے۔ ہوا تیز تھی، جس سے اس کے بال کبھی ماتھے پر آتے اور کبھی اڑ کر پیچھے چلے جاتے۔

اس کے چہرے پر وہی گہری سنجیدگی تھی جو ہر بڑے فیصلے سے پہلے اس کی آنکھوں میں اتر آتی تھی۔

نیچے فجر کوٹ کے بغیر ہلکی سفید شرٹ اور گرے کارگو پینٹس میں تھی۔ اس کے ہاتھ میں ٹیبلیٹ تھا، جس پر وہ اسٹیج ڈیزائنرز سے پلاننگ کر رہی تھی۔ مراد کچھ فاصلے پر کھڑا، لائٹنگ ٹیم کو ہدایات دے رہا تھا۔ فجر کی تیز چال، اس کے لہجے کی قطعیت، اور بار بار کچھ درست کرنے کی عادت۔۔۔ رئیس کی آنکھیں ان سب کو ایک الگ نظر سے دیکھ رہی تھیں۔

وہ جانتا تھا، یہ صرف فیشن شو نہیں تھا۔۔۔ یہ ایک مقابلہ تھا۔ ایک جنگ تھی۔۔ منار کے نام سے، منار کی میراث سے، اور شاید خود اس کے اپنے دل کے ساتھ بھی۔

"یہ تمہارا امیدان ہے، فجر۔۔۔ دیکھتے ہیں تم واقعی منار کو پیچھے چھوڑ سکتی ہو یا نہیں۔۔۔"

اس کے لبوں پر سرگوشی سی ابھری، مگر آواز ہوا کے شور میں دب گئی۔ نیچے ساحل پر کارکنوں کی دوڑ بھاگ تھی۔ اسٹیج کا ڈھانچہ تیار ہو رہا تھا۔ لکڑی کے تختے، دھات کے بیم، اور ان کے گرد شفاف ریشمی پردے، جنہیں رات کے شو کے دوران ہوا جھولانے والی تھی۔ سمندر کی لہریں آہستہ آہستہ ریت سے ٹکرا کر واپس جا رہی تھیں، جیسے وہ بھی کسی بڑے مظاہرے کی تیاری میں شریک ہوں۔

"یہ ڈریس لائین تھوڑی بائیں کرو، ساحل کے ہوا کے رخ کے ساتھ رکھو تاکہ فلو بہتر آئے۔" فجر کی آواز بلند ہوئی، اور چند لڑکیاں اس کی بات پر فوراً حرکت میں آ گئیں۔ وہ اپنے کام میں اتنی ڈوبی تھی کہ اوپر کھڑے رئیس کو محسوس بھی نہیں کیا، جو ایک سائے کی طرح سب دیکھ رہا تھا۔ چائے کی بھاپ اب مدھم ہو چکی تھی۔ رئیس نے کپ ریلنگ پر رکھا اور سمندر کی طرف نگاہ ڈالی۔ دور سورج اپنی پوری معدوم سا چمک رہا تھا، مگر اس کے دل پر ایک عجیب سی دھند چھائی ہوئی تھی۔

نیچے ساؤنڈ سسٹم کی چیکنگ شروع ہو چکی تھی، مراد نے فجر کی طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے کہا۔

"اگر یہ سب کامیاب ہو گیا تو تم واقعی مکڑی ہو، جس کے جال میں سب پھنس جائیں گے۔"

فجر نے صرف ہلکی سی نظر اٹھائی، اور اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"پھنسنے والے خود آتے ہیں، مراد صاحب! مجھے تو فی الوقت جال بننا ہے۔"

ساحل پر ہلچل بڑھتی گئی۔ فجر کے چہرے پر ایک اطمینان ابھرنے لگا۔ ایک سپہ سالار کا سکون، جو اپنی فوج کو میدان میں دیکھ کر سر جھکاتا ہے۔ رئیس نے آخری نظر اس منظر پر ڈالی، اور اس کے لبوں پر ایک مبہم سا جملہ ابھرا۔

"کیا تم جانتی ہو، فجر۔۔۔ تم جس جنگ میں اتری ہو، اس کا اختتام سمندر کی گہرائیوں میں ہے۔۔۔"

ہوا میں چائے کی خوشبو باقی تھی، اور نیچے ساحل پر شور تھا۔

ایک فیشن شو کے نام پر ہونے والی ایک خاموش جنگ کا شور۔

✿••✿••✿••✿

محل کے بڑے دروازے پر پرانی یادوں کی خوشبو بسی ہوئی تھی۔ دیواروں پر لگی تصویریں جارج کے بچپن سے لے کر اس کے فلمی سفر کی گواہ تھیں۔ آج مگر منظر کچھ الگ تھا۔

اس کے ساتھ جینی چل رہی تھی۔ جینیفر رابرٹ جو کبھی اسٹار لائٹ پروڈکشنز کی ہیروئن تھی، اور آج۔۔۔ اس کے ساتھ ایک نیا رشتہ لے کر آئی تھی۔ جارج کے قدم آہستہ پڑ گئے جب وہ ہال میں داخل ہوا۔ مسٹر جوزف اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھے تھے۔ چائے کا کپ میز پر، عینک کے نیچے سے آتی نگاہیں وہی پرانی سخت مگر باریک بینی سے بھری ہوئی تھیں۔ ان کے قریب انکا اسسٹنٹ کھڑا تھا اور وہ انہیں کچھ کہہ رہے تھے۔ جیسے ہی ان کی نظر جارج اور جینی پر نظر پڑی انہوں نے فائل بند کی اور اسسٹنٹ کو جانے کو کہا، جو فائل اٹھاتا پلٹ گیا۔

"ہائی ڈیڈ! آج میں آپ کے سامنے کسی کاروباری ملاقات کے لیے نہیں بلکہ۔۔۔ایک نئے تعارف کے ساتھ آیا ہوں۔" اس نے جینی کا ہاتھ تھامتے ان کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

مسٹر جوزف، جو گہرے بلو رنگ کے سوٹ میں ملبوس، چمڑے کی آرم چیئر پر نیم دراز بیٹھے تھے، نے چشمہ اتار کر دونوں کو دیکھا۔ان کی نگاہوں میں پرانی سختی تھی مگر ساتھ میں ایک غیر متوقع نرمی بھی جھلک رہی تھی پھر وہ دھیمی آواز میں بولے۔

"نیا تعارف؟ میں سننا چاہوں گا۔"

جینی نے سر جھکایا، مگر اس کی آنکھوں میں ایک نیا اعتماد تھا۔وہ نہ ڈر رہی تھی اور نہ گھبرا رہی تھی۔جوزف پیلس کے بڑے سپوت نے اسکا ہاتھ تھام رکھا تھا پھر ڈر کیسا؟

جارج نے نرمی سے جینی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ۔۔۔جینی ہے ڈیڈ! آپ اسے پہلے بطور اسٹار لائٹ اسٹوڈیو کی آرٹسٹ کے جانتے تھے۔لیکن آج۔۔۔یہ ہماری فیملی کا حصہ ہے۔"

ایک لمحے کے لیے ہال میں خاموشی پھیل گئی۔

مسٹر جوزف نے اپنی انگلی سے میز پر ہلکی تھپتھپاہٹ دی۔

پھر وہ آہستہ سے اٹھے، اور چند قدم چل کر جینی کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔

"تمہیں یاد ہے، میں نے ایک بار کہا تھا کہ اس انڈسٹری میں سب لوگ ایک دوسرے کو مقابل سمجھتے ہیں؟ تم نے اس وقت مجھے کہا تھا کہ کچھ مقابلے جیتنے کے لیے نہیں، بدلنے کے لیے ہوتے ہیں۔شاید آج میں وہی بات سمجھ رہا ہوں۔۔"

"اور شاید اسی لیے میں آج یہاں ہوں، مقابل نہیں، اپنی جگہ لے کر۔۔۔ اس خاندان کا ایک حصہ بن کر۔۔۔"
جینی نے سادہ لہجے میں جواب دیا۔

"ہم دونوں جانتے ہیں ڈیڈ! سب کچھ بدل چکا ہے۔ آج میں چاہتا ہوں کہ آپ بھی اسے صرف ایک آرٹسٹ نہیں، ایک نئے رشتے کے حصے کے طور پر قبول کریں۔"

مسٹر جوزف نے ایک لمحے کو جارج کی آنکھوں میں دیکھا، پھر ہلکی سی سانس بھری۔۔۔ جیسے برسوں کی ضد آہستہ سے تحلیل ہو رہی ہو۔ پھر وہ ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔

"قبول کرنا مشکل نہیں، جارج! مشکل یہ ہے کہ تم دونوں کو اس فیصلے کی ذمہ داری کا احساس رہے۔ کیونکہ جوزف پیلس کے دروازے ہر رشتے کو برداشت نہیں کرتے۔۔۔ یہاں صرف وہی رہتا ہے جو وقار کے ساتھ کھڑا رہے۔"

وہ نہیں چاہتے تھے جارج چار دن اس رشتے سے جڑ کر پھر اسے چھوڑے۔

جینی نے سر ہلایا۔ "ہم ہمیشہ ساتھ رہیں گے۔"

"وقار کے ساتھ۔۔۔" جارج نے جملہ مکمل کیا۔

مسٹر جوزف کے لبوں پر پہلی بار ایک مکمل دھیمی مسکراہٹ ابھری۔ انہوں نے ہاتھ بڑھایا، اور جینی کا کندھا تھپتھپایا۔

"جوزف خاندان میں خوش آمدید جینیفر رابرٹ!"

ہال میں فضا نرم ہو گئی۔ جارج نے ایک گہری سانس لی، جیسے برسوں کا بوجھ اتار دیا ہو۔

"بس دھیان رکھنا یہ فلم فلاپ نہ ہو۔۔۔" مسٹر جوزف نے سرد نگاہوں سے جارج کو تنبیہہ کی اور پلٹ گئے۔ جینی کے چہرے پر روشنی پھیل گئی۔ یہ وہی پیلس تھا جہاں وہ کبھی مقابل کے طور پر آئی تھی، جس کے بارے کھڑے ہو کر اس نے اندر سے دیکھنے کی کئی سال چاہتی کی تھی اور آج۔۔۔ وہ اس گھر کا مان بن چکی تھی۔

✿••✿••✿••✿

جہاز کے عرشے پر شام اتر چکی تھی۔ مدھم سورج سمندر کے پیچھے ڈوب رہا تھا اور آسمان پر نارنجی، زعفرانی اور نیلگوں رنگوں کی پٹیاں جیسے کسی ماہر مصور نے بڑی نرمی سے بکھیر دی ہوں۔ ہوا میں نمکین ٹھنڈک تھی۔ جہاز کے اطراف لہریں ہلکے شور کے ساتھ ٹکرا رہی تھیں۔ ولی اپنے کیبن کے باہر آ کر ریلنگ کے ساتھ ٹیک لگا چکا تھا۔ ہاتھ میں فون تھا، جس کی سکرین پر ایک نام جگمگا رہا تھا۔۔۔ **پال** کا نام! اس نے چند لمحے سکرین کو دیکھا۔ پھر اس نے کال ریسیو کی۔

"ہیلو پال۔۔۔"

دوسری طرف خاموشی کے چند لمحے تھے۔ پھر پال کی آواز ابھری۔

"ہائی ولیم! مجھے امید ہے میں نے تمہیں ڈسٹرب نہیں کیا ہو گا۔"

لہجہ نرم، شائستہ اور تھوڑا سا جھجکا ہوا تھا۔ جیسے کوئی اپنے لیے نہیں، کسی عزیز کے لیے بات کرنے آیا ہو۔

"تم جانتے ہو، پال، تمہارے فون سے کبھی ڈسٹرب نہیں ہوتا۔ بس تھوڑا حیران ضرور ہوا ہوں۔ سب ٹھیک ہے نا؟" وہ شاید سب جانتے ہوئے بھی انجان بن رہا تھا۔

پال نے ہلکی سی سانس لی۔

"ہاں، سب ٹھیک ہے شاید۔۔۔ بس ایک بات کہنا باقی تھی، جو دل کے اندر تھی۔ اور تم سے کہنا ضروری لگا، کیونکہ نساء تمہاری بہن ہے۔۔۔ اور میں چاہتا ہوں، تم یہ سنو، اس سے پہلے کہ کوئی فیصلہ میں یا وہ، آگے بڑھائیں۔"

ولی کی نظریں سمندر کی لہروں پر جمی رہیں۔

"تو کہو، میں سن رہا ہوں۔"

پال چند لمحے خاموش رہا۔ جیسے الفاظ چن رہا ہو۔

"میں نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ میں کسی سے اس طرح جڑ جاؤں گا۔ نساء۔۔۔ وہ مختلف ہے۔ وہ ایک روشن چیز ہے، ولیم!

مجھے نہیں معلوم کہ اسے بچانا میری خوش قسمتی تھی یا قسمت کی شرارت، مگر اب جب وہ میری لیے بہت خاص بن چکی ہے تو میں چاہتا ہوں یہ سب کچھ صحیح طریقے سے ہو۔"

ولی کے چہرے پر سنجیدہ سی لکیر ابھری، مگر اس نے کچھ کہا نہیں۔ پال کی آواز اب گہری اور سچی لگ رہی تھی۔

"میں جانتا ہوں، تمہاری بہن کسی عام انسان کی طرح نہیں ہے۔

اس میں ایک خلوص ہے، ایک نرمی ہے جو اس دنیا میں اب کم ملتی ہے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ اگر وہ میرے ساتھ زندگی گزارے، تو اسے وہی احترام، وہی تحفظ ملے جس کی وہ حقدار ہے۔"

"اور تم یہ سمجھتے ہو، پال۔۔۔ کہ تم یہ سب دے سکتے ہو؟" اس نے ایک جوزف کی طرح سوال کیا۔

"میں سمجھتا نہیں، ولیم، میں یقین رکھتا ہوں۔"

پال کے لہجے میں اب وہی ٹھہراؤ تھا جو ایک سچے آدمی کے ایمان میں ہوتا ہے۔

”میں جانتا ہوں کہ وہ تم سب کے لیے کتنی قیمتی ہے۔ میں کبھی اس بات کو چیلنج نہیں کروں گا۔ لیکن میں تمہیں یہ وعدہ ضرور دے سکتا ہوں کہ اگر وہ میری زندگی میں رہی تو۔۔۔ وہ ہمیشہ محفوظ رہے گی۔ محبت میں، عزت میں، اور سکون میں۔“

ہوا ایک دم تیز ہوئی۔ ولی نے نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی چند پرندے واپس ساحل کی سمت جا رہے تھے۔ پال کی آواز ابھی بھی چل رہی تھی، مگر اس کے لہجے میں اب ایک عجیب سا وقار شامل تھا۔

”میں جانتا ہوں ولیم، تمہارے لیے تمہارا خاندان سب کچھ ہے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ تم یہ یقین رکھو کہ میں نساء کو کبھی تکلیف نہیں دوں گا۔ میں اس سے شادی اسی وقت چاہوں گا جب تم خود اپنے دل سے کہو گے کہ **’پال! وہ تمہارے سپرد کرنے کے قابل ہے‘** اس سے پہلے نہیں۔“

چند لمحے خاموشی کے نذر ہو گئے پھر ولی کی آواز سنائی دی۔

”پال، تمہیں معلوم ہے، دنیا میں کتنے لوگ دعویٰ کرتے ہیں محبت کا، لیکن بہت کم ایسے ہوتے ہیں جو اس محبت کے ساتھ ذمہ داری نبھانے کی ہمت رکھتے ہیں اور تم ان میں سے ایک ہو۔“

دوسری طرف سے ایک خاموش سا شکر گزار سانس ابھرا۔

”تھینک یو ولیم!“

ولی نے فون کے پار سمندر کی آواز میں اپنی بات گھولی۔

”نساء حساس ہے، لیکن وہ مضبوط بھی ہے۔ اور اگر تم اس کی نرمی کو سمجھ سکو۔۔ تو شاید تمہاری زندگی واقعی بدل جائے گی۔ میں تم پر بھروسہ کر رہا ہوں، پال۔“

"میں اس بھروسے کو ٹوٹنے نہیں دوں گا، ولیم! کبھی نہیں۔ بس اپنے ڈیڈ سے میری سفارش کر دو۔۔۔" اس نے جھجھکتے ہوئے کہا تو ولی نے سمجھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ کال ختم ہونے کے بعد وہ کچھ دیر وہیں کھڑا رہا۔ ہوا اس کے اردگرد تیز چل رہی تھی۔ سمندر کی سطح پر سورج کی آخری کرنیں اب چمک رہی تھیں، جیسے کسی وعدے پر مہر لگا رہی ہوں۔ اسنے چائے کا کپ اٹھایا، جو کب کا ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ ہونٹوں پر ایک مطمئن سی مسکراہٹ تھی۔

"ٹھیک ہے، پال۔۔۔ اگر نساء نے تمہیں چن لیا تو تمہاری خوش نصیبی۔۔۔"

اور وہ آہستہ سے کیبن کے اندر چلا گیا، دل میں ایک غیر متوقع اطمینان لیے۔ پہلی بار، اسے لگا شاید، دنیا میں ابھی بھی کچھ لوگ رہ گئے ہیں جن کی محبت لفظوں سے زیادہ وعدہ نبھاتی ہے۔

✿••✿••✿••✿

دسمبر کی شام ہلکی سنہری دھند میں لپٹی ہوئی تھی۔ آسمان پر سورج ڈھلنے کے قریب تھا، روشنی چھتوں اور شیشوں پر نرم سی چمک بن کر ٹھہری ہوئی تھی۔ ہیڈ آفس کی عمارت کے اندر ماحول ایک دم مصروف مگر ترتیب یافتہ تھا۔ ہر کمرے سے تیز ٹائپنگ کی آوازیں، سافٹ بیپس، اور سرگوشیاں سنائی دے رہی تھیں۔ ڈارک اسٹارز کے لانچ کی تیاریاں آخری مراحل میں تھیں، مگر رئیس کے نہ ہونے سے ایک خاموش سی سنجیدگی ہر چہرے پر تھی۔

مراد اور رئیس اوماڑا میں تھے۔ اور یہاں۔۔۔ اس ساری مشین کی دھڑکن تھی فلک عالمگیر! رئیس گروپ کی تخلیقی ڈائریکٹر، اور وہ لڑکی جس کی تحریر **'زہر خوردہ پری'** اس وقت ایک ادنی ہلکے میں طوفان مچا چکی تھی۔ دفتر کے پچھلے حصے میں، ایک الگ کمرہ تھا، سیکیورٹی یونٹ۔ جہاں سیاہ وردی میں، کان میں ایئر بیڈ لگائے، کالر سے مائیک جمائے، ہاتھ میں ٹیبلٹ لیے، کرسی کے کنارے پر بیٹھا ایک شخص پوری سنجیدگی سے کچھ دیکھ رہا تھا بلکہ پڑھ رہا تھا۔

میثم آغا! رئیس گروپ کا سب سے مضبوط سیکیورٹی سسٹم! انسان کم، مشین زیادہ۔۔۔ روبوٹ 0.2۔ وہ وہی شخص تھا جس کے بارے میں مشہور تھا کہ اس کے کان دو دیواروں کے پار بھی سانس کی آواز سن لیتے تھے۔ جو گولی پہلے مارتا تھا بات بعد میں کرتا تھا۔

لیکن آج۔۔۔ اس وقت۔۔۔ وہ کچھ اور ہی کر رہا تھا۔

ٹیبلٹ کی اسکرین پر اردو میں کچھ لکھا نظر آ رہا تھا۔ **'زہر خوردہ پری'** کی آخری قسط چل رہی تھی۔ الفظ، جذبات، ٹوٹ پھوٹ، نرمی۔۔۔ ہر ایک لفظ جیسے اس کے فولادی خول کے اندر کہیں اتر رہا تھا۔

"کبھی کبھی لڑکیاں ہار نہیں مانتیں، وہ صرف خاموشی سے جینا سیکھ لیتی ہیں۔"

فلک کی پوسٹ سامنے آئی تو میثم کے ہونٹوں پر بے اختیار ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔ اس کے چہرے پر موجود سختی لمحے بھر کو نرم ہوئی۔

اسی وقت دروازہ آہستہ سے کھلا اور فلک اندر آئی تھی۔۔ ہاتھ میں فائلیں، چہرے پر ہمیشہ کی طرح کمپوزڈ مسکراہٹ! وہ کسی ڈارک اسٹارز کی فیشن لائن کے پلان پر بات کرنے آئی تھی، مگر منظر دیکھ کر وہ ٹھٹھک گئی۔

میثم اتنا محو کس چیز میں تھا؟ وہ تو چوکنا آدمی تھا۔ فلک کے لیے لمحے بھر کو یہ یقین کرنا مشکل تھا۔ اس نے دبے قدم آگے بڑھائے۔ وہ اتنی خاموشی سے چلی کہ اگر میثم نارمل روٹین میں ہوتا، تو وہ لمحوں پہلے اس کی سانسوں کی رفتار سے اس کی آمد محسوس کر لیتا۔

مگر آج۔۔۔ آج وہ کہیں اور تھا۔ فلک کی نظریں ٹیبلٹ پر جم گئیں۔ جب اسے اپنے ہی الفاظ اسکرین پر چمکتے دکھائی دیئے، تو وہ ہلکی سی مسکرائی۔ پھر دھیرے سے بولی۔

"مجھے نہیں پتا تھا روبوٹ میرے ناول پڑھتا ہے۔"

ایک پل کے لیے فضا جیسے رک گئی۔ میثم کے ہاتھوں سے ٹیبلٹ تقریباً گر گیا۔ وہ فوراً سیدھا ہوا، جھٹ سے ٹیبلٹ الٹا دیا اور کھڑا ہو گیا۔

"آپ۔۔۔ آپ یہاں؟ میں۔۔ وہ۔۔۔ سرور سسٹم چیک کر رہا تھا۔ سیکیورٹی فائلز۔"

الفاظ الجھ گئے، اور فلک نے مسکراہٹ دبالی۔

"سیکیورٹی فائلز میں زہر خوردہ پری کہاں سے آگئی؟"

اس نے بازو سینے پر باندھے، سوالیہ انداز میں بھنویں اٹھائیں۔

میثم کے چہرے پر فولادی تاثر لوٹ آیا مگر کانوں کی لو سرخ ہو چکی تھی۔

"میں بس۔۔۔ جاننا چاہتا تھا کہ لوگ اس تحریر میں کیا دیکھ رہے ہیں۔"

"اور تم نے کیا جانا؟"

فلک نے ایک قدم آگے بڑھایا، نرم مگر متجسس لہجے میں پوچھا۔

میثم نے ایک لمحہ توقف کیا، پھر آہستہ بولا۔

"میں نے جانا کہ درد بھی اتنا خوبصورت ہو سکتا ہے۔"

فلک کا دل جیسے ذرا سا ساکت ہوا۔ "درد۔۔۔ خوبصورت؟"

میثم کی نظریں فرش پر تھیں۔

"آپ کے الفاظ، ایسے لگے جیسے۔۔۔ جیسے کسی نے فولاد کے اندر سانس بھری ہو۔" اس نے سر اٹھایا، نظریں سیدھی فلک کے چہرے پر جم گئیں۔ "اور آپ نے اسے اتنے یقین سے لکھا کہ میں خود کو روک نہیں سکا۔"

فلک کے ہونٹوں پر نرم سی مسکراہٹ ابھری۔

"تو روبوٹس کو بھی احساس ہوتا ہے؟" وہ تپانے والے انداز میں بولی۔ میثم کے چہرے پر پہلی بار انسانی تاثرات آئے۔

"مجھے نہیں معلوم کہ یہ احساس ہے یا سسٹم ایرر۔ لیکن جب میں نے وہ لائن پڑھیں کہ **'جو لڑکی خود سے محبت کرنا سیکھ لے وہ کسی زہر، کسی جدائی، کسی سرد دسمبر سے نہیں ڈرتی'** تو سسٹم شاید hang ہو گیا تھا۔"

اس بار فلک ہنس دی، مگر اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

"میں نے وہ لائن تب لکھی تھی جب مجھے لگا کہ دنیا میں میرے لیے کچھ باقی نہیں سوائے میرے۔۔۔"

"پھر بھی آپ نے لکھا۔ اور اسی لیے آپ صرف رائٹر بار بی ہی نہیں بلکہ وارئر بھی ہیں۔"

فلک کے ہاتھوں میں پکڑی فائلیں ڈھیلی پڑ گئیں۔ چند لمحے خاموشی میں گزرے۔ کمرے میں صرف کمپیوٹرز کی ہلکی بیپز تھی، اور ان دونوں کے درمیان عجیب سا سکون۔۔۔ پھر اس نے فائلز میز پر رکھ دیں۔

"تم نے یہ سب دل سے کہا، یا تمہارے پروگرام نے dictate کیا تھا؟"

اس نے پوچھا، جیسے ہلکے انداز میں مگر حقیقت جاننا چاہتی ہو۔

میثم نے ایک لمحے کو اس کی مڑی ہوئی پلکوں کو دیکھا۔

"پروگرام dictate کرتا ہے، لیکن دل وہ repeat کرتا ہے جو پروگرام محسوس نہیں کر سکتا۔"

"تم فلسفی پہلے سے ہو یا اب بنے ہو؟" بھنویں سکیڑ کر پوچھا۔

"یہ آپ کی تحریروں کا اثر ہے، میڈم!" وہ ہاتھ باندھے کھڑا رہا۔

"پڑھتے رہو۔ کبھی کبھی انسان بننے کے لیے کتابیں پڑھنا ضروری ہوتا ہے۔"

"اور کبھی کبھی۔۔۔" وہ بات اُدھوری چھوڑ گیا۔ فلک نے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"کسی ایک کہانی کے لکھنے والے کو، دیکھنا کافی ہوتا ہے۔" اس نے دل میں دہرایا مگر کہا نہیں۔

"اپنے سسٹم کی اپڈیٹ چیک کرو، روبوٹ 0.2، کہیں تمہیں اموشنز وائرس نہ لگ جائے۔۔"

میثم نے سنا مگر کہا کہ کچھ نہیں البتہ اس کی آنکھوں نے چیخ چیخ کر اعلان کیا۔

"اگر یہ وائرس ہے، تو میں اسے uninstall نہیں کرنا چاہتا۔"

کمرے میں ایک نرم سی خاموشی چھا گئی۔ فلک جا چکی تھی

اور میثم کے فولادی وجود کے اندر کہیں، ایک دل۔۔۔ ایک بار پھر انسان کی طرح دھڑکا تھا۔

✿••✿••✿••✿

دسمبر کی وہ شام، اوماڑا کے ساحل پر پھیلے نیلے سنہری رنگ جیسی تھی۔ جیسے کسی مصور نے وقت کو اپنی انگلیوں سے تھام کر روک دیا ہو۔ ساحل کے کنارے بنے عارضی اسٹیج پر ریہرسل جاری تھی۔ اسپیکرز سے مدھم میوزک کی دھنیں اٹھ رہی تھیں، اسٹیج کے ارد گرد روشنیوں کے جگمگ کرتے بلب شام کے دھندلکوں میں خواب جیسے لگ رہے تھے۔

جہاز کے سب سے اوپر والے ڈیک پر رئیس بیٹھا تھا۔ سب سے اونچا، سب سے اکیلا۔ لیپ ٹاپ کی اسکرین بند ہوئی تو اس نے ایک گہری سانس لی۔ میٹنگ ختم ہو چکی تھی، مگر اس کے اندر کی خاموشی ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔

نیچے نگاہ گئی تو فجر دکھائی دی۔۔۔ سیاہ جیکٹ میں، بال ایک طرف سمٹے ہوئے، ہاتھوں میں فائلز اور کپڑوں کے نمونے۔ وہ کسی ڈیزائنر سے بات کر رہی تھی، کبھی ہنستی، کبھی کچھ سمجھاتی، کبھی خود کچھ ترتیب دیتی۔ اس کے چہرے کی چمک میں کچھ ایسا تھا جو رئیس کے اندر کی ویرانی کو چبھنے لگا۔

وہ زندگی سے بھری ہوئی لگ رہی تھی۔ جیسے ساری دنیا تھک چکی ہو، مگر وہ اب بھی خوابوں پر یقین رکھتی ہو۔ اس کے وجود میں ایک ایسی توانائی تھی جو رئیس کے لیے اجنبی نہیں تھی۔۔۔ ہاں پر، بہت خوبصورت مگر بہت تکلیف دہ!

وہ نجانے کب سے اسے دیکھ رہا تھا۔ شاید خود سے بھاگتے بھاگتے اسی منظر میں پناہ ڈھونڈنے لگا تھا۔ لیکن تب اچانک عقب سے آواز ابھری۔

"اسے ایسے مت دیکھا کریں بگ بی۔۔۔"

یہ وہ آواز تھی جو رئیس کے اندر چپکے سے گڑگڑاہٹ بن کر اتری۔ وہ چونکا۔ سرد ہوا کے شور میں بھی ولی کی آواز چیر کر گزر گئی۔ رئیس نے لمحہ بھر کو پلکیں جھپکیں۔

ولی، سفید اونی شرٹ میں، سیاہ پینٹ پہنے، پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے، معمول سے زیادہ سنجیدہ مگر مسکراہٹ کے کنارے پر ضبط کیے کھڑا تھا۔ اس کے لہجے میں طنز نہیں تھا، دکھ تھا۔

رئیس نے نظریں چرا لیں۔ لیکن ولی خاموش نہیں ہوا۔

"اسے ایسے مت دیکھا کریں۔۔۔ مجھے برا لگتا ہے۔"

ہوا رک سی گئی۔ دونوں کے بیچ سمندر کی بو آتی خاموشی پھیل گئی۔ رئیس نے اپنی سانس روکی، پھر آہستگی سے رخ پھیر لیا۔ ولی اب بھی پیچھے کھڑا تھا۔ اس کے لہجے میں ایک خفیف سی لرزش تھی۔

"برا لگتا ہے۔ اپنے لیے۔۔۔ آپ کے لیے۔۔۔"

رئیس کے ہونٹوں پر ایک ٹوٹی مسکراہٹ آئی۔ اس کے اندر ایک شور اٹھا، ایک جلن۔۔۔ جیسے دل پر کسی نے برف رکھی ہو۔

وہ بولا نہیں، صرف آنکھیں میچ لیں۔

"زندگی میں پہلی بار میں نے شدت سے خواہش کی ہے کہ کاش میں اندھا ہوتا۔۔۔"

ولی کے چہرے پر وہ مسکراہٹ مرجھا گئی جو عادتاً اس کے ہونٹوں پر ہوتی تھی۔ اس نے قدم بڑھائے، رئیس کے سامنے آکر رک گیا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ اب وہ دونوں آمنے سامنے تھے۔ سمندر کی ہوا ان کے درمیان بہہ رہی تھی۔۔۔ جیسے کوئی خاموش گواہ!

رئیس کی آنکھوں میں وہ سب کچھ تھا جو الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتا۔ ولی نے ایک ٹھنڈی سانس بھری، اس کے اندر کی چبھن واضح تھی۔

"محبت مشکل نہیں ہوتی بس نصیب کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔"

رئیس کے لبوں پر ہلکی سی لرزش آئی، جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا ہو مگر کہہ نہ پائے۔ ولی کی نظریں نیچے سمندر پر جا ٹکیں۔

"جب بھی آپ اسے دیکھتے ہیں، وقت رک جاتا ہے بس ایک فرق ہے۔۔۔ مجھے وہ وقت ملا جس کی آپ دعا کرتے رہے۔"

ہوا میں سردی بڑھ گئی تھی۔ دونوں کے بیچ کوئی اور لفظ نہیں بولا گیا۔ بس سمندر کی لہریں شور مچاتی رہیں، اور شام کی آخری روشنی ان کے چہروں پر اترتی رہی۔۔۔ ایک پرسکون، دوسرا پگھلتا ہوا۔

وہ دونوں جانتے تھے۔ محبت ایک ہی چہرے کی دو کہانیاں تھی۔

ایک کو منزل ملی تھی اور دوسرا اب بھی سمندر کے کنارے ادھورا کھڑا تھا۔

"تم یہ کب سے جانتے ہو؟" رئیس نے سر جھکائے، ہونٹ بھینچے پوچھا۔

ولی نے چند لمحے کچھ نہ کہا۔ وہ اٹھا، جہاز کے کونے تک گیا، نیچے سمندر کو دیکھا۔ پھر مڑ کر رئیس کی جانب آیا۔ اس کے لہجے میں وہی نرمی تھی جو دوستی کے احترام اور دل کے بوجھ کے بیچ رہ جاتی ہے۔

"ہمیشہ سے۔۔۔ مرد اپنی عورت کی جانب اٹھنے والی ہر نگاہ جانتا ہے۔ مگر مجھے آپ کے لیے برا لگتا ہے۔۔۔ خود سے زیادہ۔ اگر وہ چہرہ فجر کو نہ ملتا، کسی اور کو ملتا، آپ تب بھی ایسے ہی بے بس ہوتے۔۔۔ کیونکہ وہ چہرہ منار کا ہے۔"

یہ جملے رئیس کے اندر چاقو کی طرح اترے۔ اس کا چہرہ جیسے کسی نے روشنی میں رکھ کر دیکھ لیا ہو۔۔۔ درد واضح ہو گیا۔

پھر وہ آہستگی سے بولا، مگر لہجہ بوجھل تھا۔

"فجر یہ نہیں جانتی۔۔۔ اور میں خود کو اس کے سامنے رسوا نہیں کرنا چاہتا، نہ اس کے، نہ کسی اور کے۔ میں نہیں چاہتا کہ میری کمزوری کسی کے سامنے ننگی ہو۔ میں خود کو ایک عورت کے لیے رسواء نہیں کر سکتا۔۔۔"

ولی نے دھیرے سے سر ہلایا۔ اس کی آنکھوں میں قبولیت تھی۔ جیسے وہ اس دکھ کو محسوس کر رہا ہو۔

"تم مرد ہو مگر کبھی میری اس غلطی کی سزا اسے مت دینا! کبھی اسے نیچا مت دکھانا۔۔۔"

"اگر مرد ہونا، اپنی عورت کو نیچا دکھانا ہے تو میں ایسی مردانگی سے انکار کرتا ہوں۔"

رئیس کے لبوں پر ایک لرزتی سانس ابھری۔ کوئی شکریہ نہیں، بس ایک گہری خاموشی۔ وہ بس دیکھتا رہا، جیسے جلتا رہا۔ کاش بات یہیں ختم ہو جاتی۔ کاش کوئی اس کے راز سے واقف نہ ہوتا۔

نیچے ساحل پر فجر نے ہاتھ ہلایا، اس کی آواز ہوا میں تحلیل ہوئی۔

"ولی! پلیز آئیں۔۔۔"

ولی نے ایک نظر رئیس پر ڈالی۔ اس کے چہرے پر نرمی تھی جو تعلقات کے آخری موڑ پر ہوتی ہے۔ وہ کرسی سے اٹھا، جیبوں میں ہاتھ ڈالے، رُک کر بولا۔

"وہ میرے حصے میں آئی ہے، بگ بی! اور میں اس کی قدر کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ آہستہ آہستہ سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ اس کے قدموں کی چاپ لکڑی کے فرش پر گونجی، تب رئیس کی آواز سنائی دی۔ بھاری، مگر سچائی سے لبریز۔

"معرفت اور محبت سب کو نہیں ملتی۔۔۔ تم خوش نصیب ہو!"

پیچھے بیٹھے بادشاہ نے قبول کیا۔

وہ رُک گیا۔ ایک لمحے کے توقف کے بعد وہ مڑا، ہوا کے دوش پر اس کے بال ہلے، اور ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔

"بادشاہت تو پھر کسی ایک کو ہی ملتی ہے۔"

اور اس کہانی کا بادشاہ وہ تھا رئیس اورنگزیب! وہ کندھے ہلاتا، پرسکون قدموں سے نیچے اتر گیا۔ پیچھے رئیس وہیں بیٹھا رہا۔ اس کے سامنے سمندر تھا، سردی تھی، اور وہ شام جو اب رات میں ڈھل رہی تھی۔ اس نے نگاہ اٹھا کر آسمان کو دیکھا۔ ستارے جھلملا رہے تھے، مگر کسی ایک بھی میں گرمی نہیں تھی۔

"اگر بادشاہوں کے حصے میں تنہائی آتی ہے، تو شاید میں اپنی بادشاہت کے عوض سب کچھ ہار چکا ہوں۔۔۔"

اور نیچے، ساحل پر، فجر کی ہنسی ہوا میں گونج رہی تھی۔

زندگی کے شور کے بیچ، کسی ایسے دل کے لیے جواب بھی خاموش تھا۔ پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ بالکل سیدھا، پورے قد سے، گردن اٹھالی۔۔۔ہاں وہ بادشاہ تھا اور اس نے اپنی بادشاہت چن لی تھی۔

✿••✿••✿••✿

رات کے آخری پہر کا وقت تھا۔ اوماڑا کے ساحل کے قریب لنگر انداز وہ سفید جہاز، جو دن میں چمکتی روشنیوں اور شور سے بھرا تھا، اب خاموشی میں ڈوبا چکا تھا۔ ہوا میں سمندر کی نمکین ٹھنڈک گہری ہو چکی تھی۔ دور کہیں لہروں کے ساتھ ریت کے ذروں کی مدھم سرسراہٹ سنائی دیتی تھی۔

ڈیک کے اوپر والے حصے پر لگے نیون لائٹس مدھم ہو چکے تھے۔ ٹیمیں، ماڈلز، اور ڈیزائنرز ایک طویل دن کے بعد اپنے اپنے کیبنز میں جا چکے تھے۔ کہیں دور کچن ایریا سے ہلکی سی چائے کے برتنوں کی آواز آ رہی تھی، جیسے کوئی آخری کپ رکھ رہا ہو۔

مگر جہاز کے درمیانی حصے میں، ایک کشادہ مگر سنجیدہ فضا والا میٹنگ روم۔۔۔اب بھی جاگ رہا تھا۔ رئیس، ولی، اور مراد وہاں موجود تھے۔ کمرے میں روشنی صرف ایک اسٹیل لیمپ سے آ رہی تھی جو میز پر رکھا تھا، اس کی ہلکی نارنجی روشنی رئیس کے چہرے کے نصف حصے کو اجالا اور نصف کو سایہ دے رہی تھی۔ اس کے سامنے لیپ ٹاپ کھلا تھا، اسکرین پر کچھ نقشے، نیلے اور سرخ پوائنٹس، اور چند کوڈز چمک رہے تھے۔

مراد ہاتھ میں کافی کا مگ تھامے دائیں بائیں چکر لگا تھا جبکہ ولی کان میں لگے ایئر بڈ سے ابھرتی آواز سن رہا تھا اور پھر نقشے پر نشان لگا رہا تھا۔ وہ اس قدر سنجیدہ تھا کہ اس کے چہرے کا نشان واضح ہو چکا تھا۔

اسی لمحے، میز پر رکھا رئیس کا فون بجا۔ ایک انجان نمبر۔

تینوں کی نگاہیں خود بخود اسکرین پر جا ٹھہریں۔

"سونیا ناگن۔۔۔" مراد کے لبوں سے پھسلا۔

رئیس نے ایک لمحے کو رک کر ولی اور مراد کو دیکھا، پھر فون اٹھا لیا۔

اس کی سرد سی آواز سنائی دی۔ "ہیلو۔۔۔؟"

دوسری جانب سے وہی آواز جسکی انہیں توقع نہیں تھی۔ کم از کم اب نہیں۔ سونیا سلطان!

"میری فلائٹ کا وقت ہو چکا ہے لیکن جانے سے پہلے سوچا، آخری بار تم سے بات کر لوں۔"

مراد کے چہرے پر ناگواری کے آثار نمایاں ہوئے، ولی نے خاموشی سے ایک ابرو اٹھایا۔ رئیس نے موبائل اسپیکر پر ڈال دیا۔ فضا میں آواز اور ٹھنڈک دونوں ایک ساتھ پھیل گئے۔ سونیا نے بات جاری رکھی۔

"میں جانتی ہوں ہمارے تعلقات کبھی اتنے اچھے نہیں رہے کہ ہم ایک دوسرے کی مدد کریں۔۔ لیکن میں جانے سے پہلے تمہیں گڈ لک کہنا چاہتی ہوں، رئیس!"

کمرے میں چند لمحوں کی خاموشی چھا گئی۔ مراد زیرِ لب بڑبڑایا۔

"اس ناگن پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔۔۔"

رئیس نے نگاہ نیچی کیے قلم گھمایا مگر کچھ نہ بولا۔

"منار جانتی ہے کہ تم اوماڑا پہنچ چکے ہو۔ سب جانتے ہیں۔ شاید وہ یہ بھی جانتی ہے کہ تم یہاں کیوں آئے ہو۔ لیکن وہ پھر بھی اپنی ڈیل اوماڑا میں کر رہی ہے۔ یہ تمہارے لیے خوشخبری ہے۔"

ولی کے چہرے پر وہی سنجیدگی گہری ہوئی۔ رئیس کے ماتھے کی لکیر مزید واضح ہو گئی۔

سونیا نے ذہنگی سے اضافہ کیا۔

"ہاں، میں جانتی ہوں۔۔۔ اس سے لڑنا، اس سے جیتنا آسان نہیں۔

لیکن مجھے یقین ہے تم اسے ٹف ٹائم دو گے۔ کیا پتا، جب میں واپس آؤں تو تم زندہ بھی ہو یا نہیں۔۔۔ لیکن میں تم سے آج اپنی ذاتی دشمنی ختم کرتی ہوں۔ اس جنگ کے لیے گڈ لک مسٹر رئیس اور نگزیب!"

اور اگلے ہی لمحے کال کٹ گئی۔ میز پر خاموشی کا بوجھ اتر آیا۔

ہوا میں صرف سمندر کی گونج تھی اور کسی ان دیکھے خوف کی موجودگی۔ تینوں مرد ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے، جیسے ہر ایک کے ذہن میں ایک ہی سوال تھا۔

"کیا منار واقعی انکا ارادہ بھانپ چکی ہے؟"

رئیس نے آہستہ سانس لی اور کرسی سے سیدھا ہو کر بولا۔

"میرا اندازہ درست تھا۔۔ وہ جانتی ہے کہ ہم یہاں پہنچ چکے ہیں، اور یہ کہ یہ شو صرف ایک بہانہ ہے لیکن وہ اوماڑا ہی میں ڈیل کرے گی۔"

مراد نے ابرو چڑھائے۔

"کیا تمہیں یقین ہے؟ شاید یہ بھی کوئی چال ہو۔"

ولی نے سر اٹھایا، آنکھوں میں سوچ کی چمک تھی۔

"نہیں، وہ اوور کانفیڈنس ہے۔ اسے لگتا ہے وہ ہمیں شکست دے چکی ہے۔ اور یہی لمحہ ہمارا موقع ہے۔ ہم اسی غرور کا فائدہ اٹھائیں گے۔"

مراد میز پر جھک گیا۔ "یعنی آخری مرحلہ؟"

رئیس نے آہستگی سے سر ہلایا۔ "ہاں، آخری۔۔۔ اگر وہ ڈیل اوماڑا کے بجائے منوڑہ میں رکھ لیتی، تو ہمارا سارا کھیل ختم ہو جاتا۔

لیکن اب۔۔۔ اب ہم تیار ہیں۔ یہ ڈرگز کا کھیل وہیں ختم ہو گا، جہاں اس نے شروع کیا تھا۔"

کمرے میں پھر خاموشی چھا گئی۔ دور سمندر سے آتی ہوا نے پردے ہلائے، کافی کی خوشبو، جذبات کی حدت، اور رات کی ٹھنڈک آپس میں گھل گئیں۔

ولی نے کان سے ایئر بڈ اتار دیا۔ مراد نے مگ خالی کر کے رکھ دیا،

اور رئیس نے لیپ ٹاپ کی اسکرین پر نگاہ گاڑ دی۔

یہ جنگ صرف فیشن شو کی نہیں تھی یہ سب کے انجام کی جنگ تھی اور انجام ہمیشہ بادشاہ لکھتا ہے۔

رئیس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔

"اور بادشاہ کو بھی کبھی کبھی اپنی سلطنت جیتنے کے لیے خود میدان میں اترنا پڑتا ہے۔"

اور اسی لمحے سمندر کے پار بجلی کی ایک چمک فضا میں لپکی۔

یوں لگا جیسے آسمان بھی اس جنگ کے آغاز کی گواہی دے رہا ہو۔

✿••✿••✿••✿

رات کے بطن میں سمندر کی لہروں جیسی چمک تھی۔ نیلگوں اندھیروں میں اوماڑہ کا ساحل ایک افسانوی جگہ میں بدل چکا تھا۔ "**کوئین**" یہ نام کبھی ایک پر تعیش ساحلی ریزورٹ کا تھا، جہاں صرف وہی لوگ داخل ہو سکتے تھے جن کے پاس دولت سے زیادہ اختیار ہوتا۔ اب وہ جگہ ایک پوش، نیم تاریک دنیا میں بدل چکی تھی۔ کلبز، پینٹ ہاؤسز، ہائی نیلامی شو کی تیاریوں سے روشن راہداریوں کے ساتھ۔ ہر طرف روشنیوں کے پردے، سمندر کی نم ہوا، اور سائے جو رقص کر رہے تھے۔ منار وہاں پہنچ چکی تھی۔

لیکن وہ منار نہیں تھی جسے وہ جانتے تھے۔

اس بار وہ '**ایلارارین**' کے نام سے آئی تھی۔ سیاہ چمکدار وِگ میں، نیلے لینز کے پیچھے چھپی آنکھوں کے ساتھ۔ لمبا سلور گاؤن، کندھوں پر بکھرے مصنوعی لہری بال، اور لبوں پر وہی ٹھہرا ہوا سکون جو صرف ایک ایسی عورت کو آتا ہے جس نے اپنی شکستوں کو طاقت بنا لیا ہو۔ ریسپشن پر موجود مینیجر نے احترام سے سر جھکایا۔

"Welcome, Ms. Rain- The Queen's Deck is ready for you-"

(خیر مقدم ہے، مس رین۔ ملکہ کا ڈیک آپ کے لیے تیار ہے۔)

منار نے صرف اتنا کہا،

"Good- I don't like delays."

(بہتر، مجھے تاخیر پسند نہیں۔)

اس کے لہجے میں وہ خفیف سی سردی تھی جس سے ہوا کا درجہ حرارت تک گر جائے۔

ڈیک ون وہ اصل جگہ تھی جہاں کل رات کی ڈیل ہونی تھی۔

اس کے ارد گرد ایک مستند ٹیم موجود تھی۔ پانچ لوگ، جن میں ہر ایک مخصوص کردار رکھتا تھا۔ ایک فنانشل ایجنٹ، دو ماڈلز اور دو سیکیورٹی پروفیشنلز۔ سب کچھ کامل نظم میں چل رہا تھا، جیسے کسی گھڑی کی سوئیاں۔ منار خاموشی سے سب دیکھتی رہی۔ اس نے سامنے پڑی نیون لائٹس سے بھری ہال کی تصویر اسکرین پر دیکھ۔

"یہاں کل رات وہ کمرشل شو ہو گا جو صرف ایک بہانہ ہے۔" اس نے سرد لہجے میں کہا، "اصل سودا اس کے بعد ہو گا۔۔۔ جب روشنیوں کے بجھنے کے بعد بھی ہم کھیل جاری رکھیں گے۔"

کلب کے بالکنی پر آ کر وہ رک گئی۔ نیچے ڈانس فلور پر الیکٹرک لائٹس کی چمک، شراب کے گلاسوں کی کھنک، اور ساحل سے ٹکراتی لہروں کی مدہم گونج۔ اس کے ہاتھ میں ایک سفید مونوگرامڈ کارڈ تھا۔

جس پر لکھا تھا۔ **"پراجیکٹ اراکنڈ (مکڑی) حتمی معاہدہ: رات دس بجے، ملکہ کا ڈیک۔"**

یہ وہی منصوبہ تھا جس پر بقا کا انجام تولا جانا تھا۔ منار نے آنکھیں بند کیں، سمندر کی سمت رخ موڑا۔ ایک لمحے کے لیے اس کے چہرے پر فجر جیسی ہلکی روشنی لہرائی لیکن فوراً غائب ہو گئی۔ اب وہاں صرف منار تھی۔ وہ عورت جس نے اپنے ماضی کے ملبے سے اپنا تاج تراشا تھا۔

"میڈم، ڈیزائنرز اور ماڈلز کے کانٹریکٹس آپ کے دستخط کے لیے تیار ہیں۔" اس کی اسسٹنٹ نے کہا۔

منار نے قلم اٹھایا۔

"سب کے نام بدل دو۔ کوئی بھی اصل شناخت سے یہاں نہیں ہو گا۔"

وہ مڑی، اور ریشمی لباس کے ہلکے سرسراہٹ کے ساتھ راہداری سے گزری۔ روشنیوں کے بیچ اس کا سایہ دیوار پر پھیلتا چلا گیا۔

لمبا، پُراسرار، جیسے کوئی عنکبوت اپنے جال کے آخری دھاگے کو کھینچ رہا ہو۔ آخر میں اس نے اپنے کمرے کی کھڑکی کھولی، سمندر کے شور میں دھیرے سے کہا۔

"کل رات، یہ شہر ایک اور کہانی نگلے گا۔۔۔ اور شاید میں خود بھی۔"

نیچے ساحل پر لائٹس مدھم ہو رہی تھیں۔ اور اوپر، **'کوئین'** کے کلب میں، منار نے آخری بار آئینے میں خود کو دیکھا۔

ایلارارین غائب ہو گئی۔ آئینے میں اب صرف منار معراج تھی۔

ٹھنڈی، بے رحم، اور ناقابلِ شکست!

دسمبر کی ایک اور یخ بستہ، خاکستری صبح نے لاہور کے اُفق کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ کمرے کے اندر ہیٹر کی دھیمی، یکساں آواز کے باوجود شیشے کی کھڑکیوں پر دھند کی ایک پتلی سی تہہ جمی تھی۔ باہر ابھی روشنی پوری طرح پھیلی نہ تھی۔

آئینے کے سامنے کھڑا صفدر گہرے سلیٹی رنگ کے سوٹ پر ٹائی کی گرہ درست کر رہا تھا۔ اس کی حرکات میں ایک نپی تُلی سنجیدگی تھی، جیسے وہ کسی معمول کا نہیں، کسی جنگ کی تیاری کر رہا ہو۔ اس کے چہرے پر رات کی نیند کا کوئی اثر نہ تھا، بس ایک گہری، مستقل تھکاوٹ تھی جو اب اس کی شخصیت کا حصہ بن چکی تھی۔ کف لنکس کے بند ہونے کی ہلکی سی ٹک اور پھر پرفیوم کے اسپرے کی آواز نے بستر پر سوئی ذرقا کو بیدار کر دیا۔

اس نے بھاری کمبل کو ایک طرف سرکایا اور آنکھیں ملتے ہوئے صفدر کو دیکھا، جو اب اپنا کوٹ پہن رہا تھا۔ اس کی نیند بھری آنکھوں میں فوراً جھنجھلاہٹ در آئی۔

"کہاں جارہے ہو؟" اس کی آواز میں صبح کی خنکی اور ناگواری واضح تھی۔

"آفس۔" صفدر نے آئینے میں اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے ایک لفظی جواب دیا۔

ذرقا طنزیہ انداز میں ہنس پڑی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی، ریشمی نائٹ گاؤن پر بکھرے بال سمیٹتے ہوئے۔ کمبل کی گرمائش سے نکلتے ہی اسے ہلکی سی سردی کا احساس ہوا، مگر اس کے لہجے کی تلخی اس سے کہیں زیادہ تھی۔

"آفس؟ اس تباہ ہو چکے منار فیشنز میں اب کیا بچا ہے لینے کو؟ اور اتنی صبح آفس کون جاتا ہے؟" اس نے کمبل کو اپنے گرد لپیٹا۔ "تمہیں پتا ہے نا آج مجھے ممی کی طرف جانا ہے؟ تم مجھے چھوڑ کر آؤ گے، میں نے کل رات ہی کہا تھا۔"

صفدر نے اس کے طنزیہ لہجے کو خاموشی سے برداشت کیا۔ اس نے بنا اس کی طرف مڑے کلائی پر اپنی گھڑی باندھنی شروع کر دی۔ اس کی یہ خاموشی ذرقا کے غصے کو بھڑکانے کے لیے کافی تھی۔

"تم میری بات اگنور کر رہے ہو، صفدر؟" وہ تقریباً چیخی۔ اس کے تیور بگڑ گئے۔ "جب سے اس رئیس نے تمہیں برباد کیا ہے، تم پاگل ہو گئے ہو۔ سن رہے ہو یا نہیں؟"

صفدر نے گھڑی کا اسٹریپ بند کیا اور آہستگی سے اس کی طرف مڑا۔ اس کی آنکھوں میں غصہ نہیں، ایک گہری بے بسی اور صبر تھا۔

"میں تمہاری فضولیات کو نظر انداز ہی کر سکتا ہوں، ذرقا۔"

"فضولیات؟" ذرقا بستر سے اتری، اس کے پاؤں نرم قالین پر پڑے۔ "میرا اپنی ماں کے گھر جانا فضولیات ہے؟ یا یہ حقیقت ہے کہ تم ایک مردہ گھوڑے کو زندہ کرنے کی کوشش کر رہے ہو؟ وہ آفس اب کھنڈر ہے! تمہارے پاس نہ سبھی ڈیزائنر ہیں، نہ کاریگر۔ سب چھوڑ گئے ہیں۔" وہ چلتی ہوئی اس کے قریب آئی۔

"اور وہ تمہاری لاڈلی پارنٹر، فجر۔۔۔ وہ تو مزے سے فیشن شوز کر رہی ہے، اپنا نام چمکا رہی ہے۔ اسے تو کوئی پرواہ نہیں کہ منار فیشنز کا کیا بنا۔ سارا بوجھ، سارا کام تمہیں ہی کرنا ہے؟ تمہیں یہاں اس ملبے پر بیٹھا رکھا ہے اور خود وہ۔۔۔ "

"بس کرو، ذرقا۔" صفدر کی آواز بلند نہیں تھی، مگر اس میں ایسی کاٹ تھی کہ ذرقا ایک لمحے کو ٹھٹھک گئی۔

اس نے اپنا والٹ اور فون اٹھایا۔ "ہاں، سارا کام مجھے ہی کرنا ہے۔" وہ اس کے قریب سے گزرا اور دروازے کی طرف بڑھا۔

"کیونکہ اگر میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ جاؤں، شکست تسلیم کر لوں، تو تمہاری یہ اعلیٰ خواہشات، یہ لائف اسٹینڈرڈ کون پورا کرے گا؟" اس نے ہاتھ سے کمرے کی آرائش کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ لائف اسٹائل، تمہارے ٹورز، تمہاری پارٹیاں، تمہاری شاپنگز، تمہاری ممی کے گھر کے لیے ہر ہفتے جانے والے تحفے۔۔۔ یہ سب کہاں سے آئے گا؟ کیا میں کام کرنا چھوڑ دوں؟ کیا میں گھر بیٹھ جاؤں تاکہ تم مجھے روز ایک ناکام آدمی ہونے کا طعنہ دے سکو؟"

ذرقا کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ "تم مجھے طعنہ دے رہے ہو؟ میں تمہاری بیوی ہوں! میرا حق ہے۔"

صفدر دروازے پر رکا۔ اس نے مڑ کر ذرقا کو دیکھا، اور اس ایک نگاہ میں اتنی تھکاوٹ تھی کہ ذرقا لرز گئی۔

"میں تم سے محبت کرتا ہوں، ذرقا۔" اس کی آواز اب بھی دھیمی تھی۔ "اتنی محبت کہ میں نے تمہاری ہر غلطی اور تمہارا وہ دھوکا بھی معاف کر دیا جس نے مجھے اندر سے مار دیا تھا۔ میں نے سب بھلا دیا، صرف اس لیے کہ تمہیں پاس سکوں اور میں جانتا ہوں تم میری بیوی، تمہارا حق اور یہ میں تمہارے لیے ہی کر رہا ہوں۔"

ذرقا نے نظریں چرا لیں۔

"یہ میرا بزنس ہے۔" صفدر نے سختی سے بات جاری رکھی۔ "یہ صرف پیسے کمانے کی مشین نہیں، یہ میری عزت ہے، میری شناخت ہے۔ اور فجر۔۔۔" اس کے لہجے میں فجر کے لیے غیر متزلزل حمایت تھی۔ "وہ میری پارٹنر ہے، اور اس سے زیادہ میری بہن۔ وہ جو فیشن شوز کر رہی ہے، وہ اپنا نام نہیں چمکا رہی، وہ منار فیشنز کو زندہ رکھنے کی آخری کوشش کر رہی ہے۔ وہ وہاں لڑ رہی ہے تاکہ میں یہاں اس ملبے کو دوبارہ کھڑا کر سکوں۔" اس نے ایک گہری سانس لی۔

"تمہیں لگتا ہے میں اس لیے جا رہا ہوں کہ وہاں کچھ بچا ہے؟ میں اس لیے جا رہا ہوں تاکہ وہاں سب کچھ دوبارہ بنایا جا سکے۔"

"صفدر۔۔۔ میں۔۔۔" ذرقا کے پاس الفاظ نہیں تھے۔

"میں نے تمہاری بہت باتیں سن لی ہیں، ذرقا! تم نے روحی کے ساتھ جو کیا میں نے برداشت کیا، تمہاری ناشکری، تمہارے طعنے، فجر کے خلاف تمہاری یہ زہر افشانی۔۔۔ آئندہ نہیں۔" اس نے حتمی لہجے میں کہا۔ "میں اس گھر کو بھی بچاؤں گا اور اپنے کام کو بھی۔ لیکن اب میں تمہاری اس تلخی کو اپنی ہمت توڑنے نہیں دوں گا۔" اس نے دروازے کا ہینڈل گھمایا۔

"تمہیں ممی کے گھر جانا ہے تو ڈرائیور لے جائے گا۔ میں شام تک مصروف رہوں گا۔"

اس سے پہلے کہ ذرقا کچھ اور کہتی، وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ کمرے میں ایک دم سناٹا چھا گیا۔ ہیٹر کی آواز اب پہلے سے زیادہ بلند محسوس ہو رہی تھی۔ ذرقا وہیں کھڑی رہ گئی، حیران، ساکت۔ اسے پہلی بار احساس ہوا تھا کہ جس شخص کو وہ اپنی انگلیوں پر نچاتی رہی تھی، اس کے صبر کی حد آخر کار آ گئی تھی۔ باہر، دسمبر کی سرد، دھند آلود ہوا میں صفدر نے اپنی گاڑی کا دروازہ کھولا اور اس تباہ شدہ آفس کی طرف روانہ ہو گیا، جسے وہ دوبارہ تعمیر کرنے کا عزم کر چکا تھا۔

✿••✿••✿••✿

دسمبر کی شام، اوماڑا کی خنک ہوا میں ایک عجیب سی سرسراہٹ تھی۔ وہ ہوا جو سمندر کے نمکین ذائقے کے ساتھ فضا میں تیرتی اور دل کے اندر تک اتر جاتی۔ سورج دھیرے دھیرے مغرب کے نیلگوں پانی میں ڈوب رہا تھا، اور اس کی نارنجی کرنیں جہاز کے اس بڑے شیشے والے میک اپ روم میں سنہری روشنی کے دھاگے بُن رہی تھیں۔ باہر فیشن شو کی گہما گہمی اپنے عروج پر تھی۔ کوریوگرافرز کی آوازیں، ماڈلز کے جوتوں کی کھٹ کھٹ، میوزک سسٹم کی ریہرسل، اور سمندر کے کنارے بنی اس عظیم الشان اسٹیج پر روشنیوں کی ترتیب جیسے کسی مقدس رسم کی تیاری ہو۔ لیکن اندر فضا بالکل مختلف تھی۔

سکون نہیں، بلکہ ایک خاموش طوفان۔

فجر آئینے کے سامنے بیٹھی تھی۔

سادہ حلیہ، ہیزل آنکھیں جو عجیب بے چینی سے بھری تھیں، اور گہرے بھورے رنگ کے بال جو کندھوں پر بکھرے ہوئے تھے۔

آئینے میں اس کی عکاسی ایک عام عورت کی نہیں، ایک چالاک مکڑی کی سی لگتی تھی، جو اپنے ہی بُنے ہوئے جال میں داخل ہونے والی تھی۔

مراد پاس کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظروں میں تجسس بھی تھا، فکر بھی۔ چند لمحے گزرے، پھر اس نے پوچھا۔

"اے مکڑی۔۔۔ تم یہ کر لو گی نا؟"

فجر نے اس کی طرف دیکھا، پھر دھیمی سی ہنسی اس کے لبوں سے پھسلی۔۔۔ وہ ہنسی جو دراصل نقاب تھی، دل کے اندر کے خوف کا۔

"کرلوں گی۔" اس نے آہستگی سے کہا، جیسے خود کو یقین دلا رہی ہو۔

مراد نے قریب آکر میز پر رکھی سیاہ وِگ اٹھائی۔

"تمہیں یہ پہننی ہو گی۔ منار کے بال ایسے ہی ہیں۔۔۔ سیاہ، گھنے، اور لہر دار۔"

فجر نے آئینے میں خود کو دیکھا، پھر جواب دیا۔

"میں اپنے بالوں کا رنگ سیاہ کر سکتی ہوں۔ مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔"

مراد نے تھوڑا حیران ہو کر پوچھا، "پکا؟"

"ہاں۔ اصل کردار ادھورا نہیں ہونا چاہیے۔"

اس کے لہجے میں وہی چالاک سکون تھا جو صرف ایک ماہر کھلاڑی کے پاس ہوتا ہے۔ لیکن آئینے کے پیچھے، اس کے چہرے کی جھلک میں ایک خوف چھپا ہوا تھا۔ وہ خوف جو منار کے نام سے جڑا تھا۔

رئیس ایک طرف کھڑا تھا۔ سیاہ تھری پیس سوٹ میں، بازو فولڈ کیے، اور نگاہیں آئینے میں جھلکتی اس عورت پر گڑی تھیں جو کچھ ہی دیر میں منار بننے والی تھی۔ مراد نے رئیس کی طرف دیکھا، پھر آہستگی سے بول اٹھا۔

"میں باہر جا رہا ہوں۔ شو کا آغاز ہونے والا ہے۔ تم دونوں یہاں سنبھال لو۔"

رئیس نے ہلکا سا سر ہلایا۔ مراد جاتے جاتے میک اپ آرٹسٹ کو بھی اشارہ کر گیا۔ دروازہ بند ہوا، کمرے میں خاموشی پھیل گئی۔ اب صرف تین وجود تھے۔ فجر، رئیس، اور آئینے میں جھلکتا منار کا سایہ۔ رئیس نے چند لمحے خاموشی میں گزارے، پھر آہستگی سے بولا۔

"تمہیں یقین ہے تم یہ کر لو گی؟"

فجر نے آئینے سے نظریں نہیں ہٹائیں۔

"کیا؟"

"جو کرنے جا رہی ہو۔۔۔" رئیس نے دھیرے سے پوچھا۔ "کیا تم جانتی ہو کہ وہ عورت۔۔۔ منار۔۔۔ تمہارے سامنے بھی آسکتی ہے۔"

فجر کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ ابھری۔

"سیدھی بات کریں بگ بی! آپ یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا میں اپنی ماں کے سابقہ عاشق کو بچالوں گی یا نہیں؟"

کمرے کی فضا لمحہ بھر میں منجمد ہو گئی۔ رئیس کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے۔۔۔ میں۔۔۔ میرا ایسا کوئی رشتہ۔۔۔"

"آپ نہیں؟ تو وہ آپ کی ایکس ہیں؟" فجر نے طنزیہ پوچھا۔

رئیس نے ایک گہری سانس لی۔

"ہمارا کوئی۔۔۔ ایسا رشتہ نہیں ہے۔"

فجر مڑی، اور بازو سینے پر باندھ کر اس کی طرف دیکھا۔

"تو پھر کیا رشتہ ہے؟"

رئیس خاموش رہا۔ اس کے لب ہلکے سے کھلے مگر کوئی لفظ نہ نکل سکا۔ دونوں کی نظریں پل بھر کو ٹکرائیں۔ ایک طرف فجر کی آنکھوں میں چمک تھی، دوسری طرف رئیس کے اندر ایک پرانا زخم۔

"یوں تو ہم کزنز تھے۔۔۔ مگر شاید کچھ رشتے خون سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔"

رئیس نے نظریں جھکائیں۔ کمرے میں دسمبر کی خنکی اور سمندر کی ہوا مل کر ایک بھاری فضا بنا رہی تھی۔ دونوں کے درمیان فاصلے کے باوجود ایک ان کہی کشش موجود تھی۔

وہ کشش جو فجر کو منار سے اور رئیس کو ماضی سے جوڑتی تھی۔ خاموشی گہری ہو گئی تو اس نے یہ خاموشی توڑی۔

"فکر نہ کریں۔ میں یہ کر لوں گی۔"

رئیس نے نگاہ اٹھائی۔

"تم سمجھتی نہیں ہو، یہ کھیل۔۔۔ تمہیں توڑ دے گا۔" وہ ضبط کیے بولا۔ وہ نہیں چاہتا تھا فجر منار کا وہ روپ دیکھے جس سے شاید وہ ناواقف تھی۔

"ٹوٹنا برا نہیں ہوتا بگ بی!" وہ دھیمی آواز میں بولی۔ "بعض اوقات ٹوٹ کر ہی پتا چلتا ہے کہ اندر کیا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ دوبارہ آئینے کی طرف مڑی۔ میک اپ آرٹسٹ (جو واپس آ چکی تھی) نے، اس کے بالوں میں کالے رنگ کا اسپرے کیا۔ پھسس کی آواز کے ساتھ گہرے بھورے بال آہستہ آہستہ سیاہ ہونے لگے۔ وہ بیٹھ چکی تھی۔ میک آرٹسٹ اپنا کام شروع کر چکی تھی۔ آئینے میں اب منار کا عکس ابھرنے لگا۔ وہی آنکھوں کا کمال، وہی چہرے کی لکیریں، وہی اسرار۔ رئیس نے دیکھا اور ایک لمحے کو اسے لگا جیسے ماضی زندہ ہو گیا ہو۔

"منار۔۔۔" لفظ اس کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔

فجر نے سنا، مگر کچھ نہیں کہا۔ صرف اتنا کہ آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر آہستگی سے بولی۔

"یہ میں نہیں ہوں۔ یہ صرف ایک چہرہ ہے۔"

رئیس نے گہری سانس لی۔

"کاش تم سمجھ پاتیں کہ چہروں کے پیچھے ہی سب کچھ چھپا ہوتا ہے۔"

فجر مسکرادی۔

"ہاں۔ مگر کبھی کبھی۔۔۔ چہرے ہی سب کچھ جلا دیتے ہیں۔"

دروازے کے باہر میوزک کی آواز بلند ہوئی۔ فیشن شو کا آغاز ہونے والا تھا۔ مراد کی آواز اناؤنسر کے مائیک پر گونج رہی تھی۔

"Welcome to The Queen's Fashion Gala--- where style meets secrets-"

فجر نے آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے ایک گہری سانس لی۔

آئینے میں اب صرف منار تھی۔ چہرہ، نگاہ، لب، بال۔۔۔ سب کچھ۔

وہ خود کو دیکھتی رہی، پھر دھیرے سے بولی۔

"چلو، کھیل شروع کرتے ہیں۔"

رئیس نے اس لمحے میں خواہش کی کہ وہ رک جائے۔ وہ بولنا چاہتا تھا مگر پھر خاموش ہو گیا۔ شاید وہ جان چکا تھا کہ یہ کھیل کسی ایک کے بس کا نہیں رہا تھا۔ جب فجر دروازے کی طرف بڑھی۔

"فجر۔۔۔" وہ رکی، مڑی، اور خاموشی سے اسے دیکھا۔

"تم خود کو منار مت سمجھنا۔۔۔ کیونکہ وہ صرف چہرہ تھی۔ تم اس سے زیادہ ہو۔" رئیس نے آہستگی سے کہا اور دروازے کی جانب بڑھ گیا جبکہ فجر وہیں کھڑی رہ گئی۔ دروازہ بند ہوا،

اور کمرے میں رئیس کی خاموشی باقی رہی۔ وہ خاموشی جو دل میں چبھتی ہے اور یاد دلاتی ہے کہ ہر جنگ میں صرف ایک چہرہ نہیں مرتا، کئی کہانیاں مر جاتی ہیں۔ دروازہ بند ہوا، اور چند لمحوں بعد دوبارہ کھلا۔ ولی اندر داخل ہوا۔ اس نے فجر کو دیکھا۔ جو اب مکمل طور پر منار بن چکی تھی۔ وہ اس کے قریب آیا اور اس کے دونوں سرد ہاتھ تھام لیے۔

"جانتا ہوں یہ مشکل کام ہے۔۔۔ مگر تم کر لو گی۔"

فجر نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"مشکل کیا ہے؟" اس نے مضبوط لہجے میں کہا، جیسے خود کو اور اسے پلان یاد دلا رہی ہو۔ "پلان سیدھا ہے۔ فیشن شو شروع ہو چکا ہے۔ اسی دوران اصلی منار کوئین ڈیک پہنچیں گی۔ بگ بی انہیں گراؤنڈ فلور پر روک کر رکھیں گے جو سب سے اہم ہے۔"

اس نے سانس لی، اپنی گرفت مضبوط کی۔

"جیسے ہی وہ وہاں رکیں گی، ان کا مرکزی گارڈ لفٹ کی طرف بڑھے گا۔۔۔ جہاں تم اسے ٹھکانے لگاؤ گے۔ تم اس کا حلیہ لو گے۔ میں پچھلے راستے سے تم سے ملوں گی۔ ہم منار اور ان کے گارڈ بن کر اوپر ڈیک ون پر ریون گروپ سے ملنے جائیں گے اور اگلا پلان شروع ہو گا۔"

ولی نے اس کے ہاتھ مضبوطی سے دبائے۔

"اس کے بعد کھیل ختم۔ بس تم اپنا دھیان رکھنا۔"

"تم بھی۔" فجر نے دھیرے سے کہا، اور آئینے میں اپنے عکس کو آخری بار دیکھا۔

"چلیں، کھیل شروع کرتے ہیں۔"

✿••✿••✿••✿

ساحل پر شام اپنے سیاہ چادر اوڑھے اتر رہی تھی۔ کہیں فیشن شو کے اسٹیج پر روشنیاں جگمگا رہی تھیں، کہیں کوئین جزیرے کی طرف بڑھتی کشتیاں اپنی دھیمی گنگناہٹ کے ساتھ لہروں کو چیرتی جا رہی تھیں۔ فیشن شو کا آغاز ہو چکا تھا۔

بیک اسٹیج کی آوازیں شور بن چکی تھیں۔ ریتلے جزیرے پر مہمان اپنی نشستوں پر بیٹھ چکے تھے۔ روشنیوں کا رنگ بدل رہا تھا، اور دسمبر کی سرد ہوا سرسرا رہی تھی۔ ساحل وہ ریم تھی، جس پر ماڈلز قدم رکھنے والی تھیں۔ جہاں گلیمر کے ساتھ ایک خاموش جنگ کی خوشبو گھل چکی تھی۔

دوسری جانب کوئین جزیرہ تھا۔ یہ جگہ کبھی افسانہ کہلاتی تھی۔ رات کی رطوبت میں لپٹی، روشنیوں سے چمکتی عمارت، جس کی دیواریں سمندر کی لہروں سے نم تھیں۔ کوئین ڈیک وہ مقام جہاں زیرِ زمین سیاہ دنیا کے سودے طے پاتے تھے۔ ڈیک کی عمارت کئی منزلوں پر پھیلی تھی۔ گراؤنڈ فلور پر ایک کلب تھا۔ مدھم روشنیوں میں رقص، قمار بازی، اور انجان چہروں کی ایک دنیا۔ اوپر، ڈیک ونپر وہ مقام جہاں آج ایک تاریخی ملاقات ہونے والی تھی۔ منار معراج کی RAVEN گروپ کے ساتھ۔ سیاہ گاڑیاں قطار در قطار رُک رہی تھیں۔ چمڑے کے کوٹوں میں لپٹے مرد، ہیٹ کے نیچے چھپے چہرے، اور بھاری سیکیورٹی۔ ہر قدم کے ساتھ ان کے جوتوں کی ٹھک ٹھک گونجتی تھی، جیسے کسی خفیہ عدالت کی طرف پیشی ہو رہی ہو۔ ہوا میں گن پاؤڈر اور پرفیوم کا ملا جلا احساس پھیلا ہوا تھا۔ کئی افراد آئے اور اندر چلے گئے۔

دور کہیں، روشنیوں سے بھرا فیشن شو بھی اسی وقت شروع ہوا۔۔۔ ایک ماڈل ریم پر قدم رکھ رہی تھی، پس منظر میں موسیقی بجی، اور لہروں کی گونج اٹھی۔ دونوں مناظر جیسے ایک ہی لمحے میں سانس لے رہے تھے۔ وہاں فیشن شو کے پردے اٹھ رہے تھے، یہاں ایک ایسی شام کے پردے کھلنے والے تھے جس کے بعد کئی زندگیوں کا حساب بدل جانا تھا۔

کوئین کلب کے اندر مدھم لائٹس میں رئیس ایک میز پر بیٹھا تھا۔ گولڈن رم کے گلاس کے گرد اس کی انگلیاں گھوم رہی تھیں، جیسے کسی سوچ کے گرد چکر کاٹ رہا ہو۔ اوپر جاتی سیڑھیوں سے مسلسل سیاہ کوٹ والے لوگ گزرتے جا رہے تھے۔

رئیس نے ہلکی سی نظر اٹھائی۔ وہ وہیں جا رہے تھے۔ ڈیک ون پہ۔۔۔ وہ انہیں پہچان گیا تھا۔ وہ جانتا تھا، ہر لمحہ قیمتی تھا۔

یہ جگہ کسی جنگ کے میدان سے کم نہیں تھی۔ اس کے ارد گرد قمار باز، غیر ملکی چہرے، اور شور کے بیچ ایک عجیب سی خاموشی تھی۔ وہ خاموش بیٹھا انتظار کر رہا تھا۔ سارے مہرے اپنی اپنی چال چل رہے تھے۔ فجر کو اپنی جگہ پہنچنا تھا، میثم کو سسٹم ہیک کرنا تھا، مراد کو نگرانی رکھنی تھی۔ یہ سب ایک سوچی سمجھی شطرنج تھی اور ہر چال اہم۔ اچانک اس کے فون پر وائبریشن ہوئی۔ اسکرین پر صرف ایک پیغام چمکا۔

"وہ آ چکی ہے۔"

رئیس نے گلاس ایک طرف رکھا۔ نظریں اٹھا کر سامنے دیکھا۔

روشنیوں کے بیچ، دھندلے شیشے کے پار، اسے منار کی پرچھائی نظر آئی۔ وہی انداز، وہی ٹھہراو، جیسے موت اپنی ترتیب سے چل رہی ہو۔ اندر قدم رکھتے ہی ہوا بدل گئی۔ پرفیوم، سگریٹ کے دھوئیں، اور وہ شور جو صرف بند کمروں کے گناہوں میں ہوتا ہے۔ چمکتے جھاڑ فانوس، سیاہ ماربل کی میزیں، اور دیواروں پر نیون لائٹس۔ وہ اندر داخل ہو چکی تھی۔ اس کے ساتھ ایک مرد تھا۔ سیاہ ہیٹ، چہرے پر ماسک، اور آنکھوں میں احتیاط۔

منار کی چال میں ٹھہراو تھا جیسے وہ ہر قدم زمین پر نہیں بلکہ کسی پلان پر رکھ رہی ہو۔ اس کی صراحی دار گردن میں چمکتی سنہری مکڑی کا بروچ روشنی لے کر دیواروں پر عکس ڈال رہا تھا۔ وہ اپنے دھیان میں آ رہی تھی مگر اگلے ہی لمحے اس کے قدم رک گئے۔

کلب کے بیچوں بیچ ایک میز پر، نیم تاریکی میں، رئیس بیٹھا تھا۔۔

سیاہ شرٹ کے بٹن کھلے، ہاتھ میں ڈرنک کا گلاس، اور چہرے پر خاموشی۔ دھوئیں کے درمیان جب منار کی نظریں اس پر پڑیں تو وقت جیسے تھم گیا۔ صرف ایک لمحہ۔۔۔ مگر جیسے اس لمحے میں پوری جنگ سمٹ آئی تھی۔ رئیس نے گلاس ذرا اوپر اٹھایا، نگاہوں میں ایک شوخ مسکراہٹ لیے۔ اسے دیکھ کر منار پہلے ٹھٹکی پھر ہولے سے مسکرائی ایک ایسی مسکراہٹ جو زہر میں بھی شکر گھول دے۔

پھر اس نے جان بوجھ کر چہرہ ہلکا سا موڑا اور رئیس کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے دیا۔

وہی ہیزل رنگ، وہی نرم چمک، وہی فجر کی آنکھیں!

رئیس بھی ٹھٹک چکا تھا۔ دل نے ایک پل کو دھڑکنا بھول دیا۔

یہ فجر تھی؟ یا منار؟ فرق مٹ چکا تھا۔

وہ آج فجر کے روپ میں تھی۔ وہی سلکی بھورے بال جو اب سنہری روشنی میں کالے دکھ رہے تھے، ویسا ہی اونی بلاؤز، اور ویسی ہی لمبی کھلی اسکرٹ جو ہلکے جھونکے کے ساتھ جنبش کھا رہی تھی۔ یہ پہچان تو فجر کی تھی۔ اور اگلے میں جھلملاتی سنہری مکڑی۔ وہ فجر بن کر کھیلنے آئی تھی۔

رئیس کا دل پسلیاں توڑ کر باہر آنے کو بیتاب تھا، مگر چہرہ جامد رہا۔ منار نے ایک نظر اسے دیکھا، پھر اپنے ساتھ کھڑے آدمی کو اشارہ کیا۔ وہ شخص فوراً سر ہلا کر پلٹا، اور لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔ جبکہ وہ قدم آگے بڑھاتی رئیس کے قریب آئی۔

ہر قدم پر اس کی ہیل کا کلب کے فرش پر لگنے والا ٹھک ٹھک، رئیس کے دل کی رفتار کے ساتھ ہم آہنگ ہوتا گیا۔ جب وہ میز کے قریب پہنچی، روشنی نے دونوں کو ایک ہی فریم میں قید کر لیا۔

رئیس نے گلاس آہستہ سے میز پر رکھا۔

"منار یا فجر؟" لبوں سے پھسلا۔

منار نے لمحے بھر کو نظریں اٹھائیں، پھر دھیرے سے کہا۔

"شاید تم بھول گئے ہو رئیس۔۔۔ مکڑیاں شکلیں بدلنے میں دیر نہیں لگاتیں۔"

دونوں کی نظریں ایک پل کو ٹکرائیں اور پھر جیسے سب ساکت ہو گیا۔

لفٹ ڈیک ون کی طرف جاتی تھی۔ ہیٹ پہنے وہ آدمی لفٹ میں داخل ہوا۔ دھیمی سی بیپ کے ساتھ دروازے بند ہوئے۔

لفٹ کے آئینے میں اس کے چہرے کا عکس پڑا، آنکھوں میں ہلکی سی بے چینی، جیسے کوئی جلدی ہو۔

دروازے کھلے۔ سامنے لمبا ہال، اور آخر میں کھڑے سیکیورٹی کے دو بندے۔ وہ آدمی چلنے ہی والا تھا کہ دائیں جانب ایک سائے نے جنبش لی۔ کالی شرٹ پہنے، اوپر چڑھی آستینیں، اور چہرے پر وہی خاموش یقین لیے، اس سائے نے ایک پل میں قدم بڑھایا،

پہلے گردن پر ضرب لگائی اور پھر ایک زوردار گھونسہ،

وہ آدمی زمین پر گرا، یک دھیمی کراہ، اور پھر خاموشی چھا گئی۔

اس سائے نے تیزی سے ارد گرد دیکھا۔ یہ جگہ ویسی ہی تھی جیسی میثم نے بتائی تھی۔ کوئی کیمرہ نہیں، کوئی گواہ نہیں۔

یہ کلب کے اس حصے کا فائدہ تھا جہاں صرف طاقتور آتے تھے، قانون نہیں۔ وہ تیزی سے اسے گھسیٹ کر قریب کے ریسٹ روم میں لے گیا۔ دروازہ اندر سے بند کیا،

اور آئینے کے سامنے اس کے کپڑے، کوٹ، ماسک اور ہیٹ اتار کر خود پہنے۔ چند لمحوں بعد وہی آئینہ ایک نئے شخص کو دکھا رہا تھا۔ ولیم جو اب منار کا آدمی بن چکا تھا۔

اس نے اپنے کان میں ایئر بڈ ٹھیک کیا۔

"تم لوکیشن پر ہو؟" میثم کی آواز گونجی، پریشانی اور ترتیب دونوں ایک ساتھ۔

"ہاں۔۔۔" اس نے ہلکی سانس لیتے کہا، "سب پہنچ گئے ہیں۔ ہم ابھی پلان کے مطابق آگے بڑھ رہے ہیں۔"

"ہمارے پاس وقت کم ہے۔ ابھی RAVEN کے لوگ ڈیک ون پر ہیں۔ ڈیل شروع ہونے میں دس منٹ باقی ہیں۔"

اس نے گھڑی دیکھی۔ پھر آئینے میں اپنی آنکھوں میں دیکھا۔

دروازہ کھولا۔ لفٹ کے دوسری سمت والے دروازے سے باہر نکلا،

جہاں نیچے پارکنگ ایریا میں فجر گاڑی میں بیٹھی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ سیڑھیوں پر قدموں کی آواز گونجتی گئی۔

ایئر بڈ میں میثم کی آواز ایک بار پھر ابھری۔

"تمہارے پاس وقت کم ہے ولی۔۔۔ اگر منار کو شک ہو گیا تو سب ختم ہو جائے گا۔"

"عنکبوت کے جال میں شکار ہی نہیں، شکاری بھی پھنستے ہیں۔"

پھر وہ رات کی سرد ہوا میں نکل گیا۔ جہاں سمندر کا شور، شہر کا شور، اور فیشن شو کی موسیقی سب ایک دوسرے میں گھل گئے تھے۔

کلب کا دروازہ دھیرے سے بند ہوا۔ اندر نیم اندھیرے میں نیلی اور سنہری روشنی جھلمل کر رہی تھی۔

سیکسوفون کی دھیمی دھن، ہنسیوں کی آوازیں، گلاسوں کی ٹکر اور ہر میز پر چلتا جوّا، جیسے گناہوں کی چال۔ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ منار نے اپنا سنہری والٹ میز پر رکھا،

اور نرم مگر چبھتی آواز میں پوچھا۔

"بادشاہ صاحب! اپنا فیشن شو چھوڑ کر یہاں کر رہے ہیں؟" اس کے لہجے میں تیز طنز، اور ایک ماضی کی ہلکی چوٹ چھپی تھی۔ رئیس نے نظر ہٹائی، اور مانوس انداز میں جواب دیا۔

"میں بادشاہ نہیں، بدی کا بادشاہ ہوں۔" اس نے گلاس میں باقی ڈرنک گھماتے کہا۔ "ایسی اندھیری دنیا میں مجھے اکثر پایا جاتا ہے۔"

منار نے سر کو ہلکا سا ایک طرف جھکایا، اور لبوں پر آدھی مسکراہٹ کھینچتے بولی۔

"تم کہو گے اور میں مان لوں گی؟"

"جانتا ہوں تم نہیں مانو گی۔" اس نے دھیرے سے گلاس میز پر رکھتے کہا۔ "میں تمہیں یقین دلانے کے جتن بھی نہیں کروں گا۔"

دونوں کے درمیان ایک خاموشی کا لمبا وقفہ آیا۔ دھواں فضا میں گھل گیا، اور روشنیوں کے رنگ ان کے چہروں پر بکھر گئے۔ منار کی نظریں رئیس پر ٹھہری رہیں۔ سیاہ شرٹ، چمکتے کف، اور اس کی آنکھوں کی وہ گہرائی جو کبھی بھی کسی کے بھی دل میں اتر جاتی تھی۔ وہ چاہ کر بھی اس سے نگاہ نہیں ہٹا پائی۔

"کبھی روشنی میں بھی دیکھا ہے خود کو؟"

رئیس کے ہونٹوں پر مدھم سا تبسم ابھرا۔

"روشنی میں دیکھنے والے اکثر اندھے ہو جاتے ہیں اور میں دیکھنا چھوڑ چکا ہوں۔۔۔ اُس رات کے بعد سے۔"

اس نے ماضی کی جانب اشارہ کیا۔ منار لمحے بھر کو رکی۔

اس کی آنکھوں میں ایک پرانا درد سا لرزا، مگر فوراً بجھ گیا۔

"اسی لیے تم ہار جاؤ گے۔"

"اور شاید اسی لیے تم مجھے مار نہیں پاؤ گی۔" گلاس اٹھا کر ایک گھونٹ بھرا۔

دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ جیسے دو آئینے آمنے سامنے آ گئے ہوں، اور روشنی کے بیچ صرف دھند رہ گئی ہو۔

کلب کے عقبی دروازے پر: (پارکنگ ایریا)

ہوا میں نمک اور تیل کی خوشبو تھی۔ دور سمندر کے شور کے ساتھ فیشن شو کی موسیقی ہلکی سنائی دے رہی تھی۔

گاڑی کے اندر، فجر ساکت بیٹھی تھی۔ سیاہ آف شولڈر ڈریس، جس کی نازک کمر پر سنہری بیلٹ جھلملا رہی تھی۔ گھنگھریالے سیاہ بال اس کے کندھوں پر بکھرے ہوئے تھے، آنکھوں پر گہرا اسموکی میک اپ، اور ہونٹوں پر گہری چمک۔ وہ واقعی منار لگ رہی تھی۔۔۔ بلکہ شاید اس سے بھی زیادہ منار۔

دروازہ کھلا۔ ولی اندر آیا، اسکی سانس تیز تھی، مگر چہرہ پُریقین۔ اس نے اپنا ماسک اتارا، پسینے کی بوندیں ماتھے پر چمکیں۔

"راستہ کلئیر ہے۔" وہ تیزی سے بولا۔

"لیکن ٹائم بہت کم ہے۔ بگ بی منار کو زیادہ دیر روک نہیں پائیں گے۔"

فجر نے نظریں اس پر اٹھائیں، ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ مگر آنکھوں میں تشویش تھی۔ اس نے کندھوں پر پڑا کوٹ اتارا، اور گہری سانس لیتے ہوئے بولی۔

"ہم چلتے ہیں پھر۔۔۔"

ولی نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھاما۔ "تم یہ کر لو گی نا؟"

آواز میں ایک نرمی تھی جو کسی سپاہی کے لہجے میں کم ہی آتی ہے۔ فجر نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھاما، سانس گہری لی، اور اثبات میں سر ہلایا۔

"جتنی تیاری ہم کر چکے ہیں۔۔۔ مجھے امید ہے، میں کر لوں گی۔"

"گھبرانا مت۔۔ میں ساتھ ہوں۔"

وہ لمحہ لمحہ دیکھ رہا تھا۔

ایک وہ جو اس کی زندگی تھی۔۔۔ فجر!

اور ایک وہ جو موت کے کھیل میں اتری ہوئی تھی۔۔۔ منار!

اس پل اس نے جیکٹ کی جیب سے فون نکالا۔ وہی موبائل جسے وہ بے ہوش کیے گئے آدمی سے لے آیا تھا۔ اس نے اس پر تیزی سے کچھ ٹائپ کیا، اور سینڈ کا بٹن دبایا اور پھر موبائل بند کر کے جیب میں ڈال لیا۔

فجر نے گہری سانس لی، چہرے پر خود اعتمادی کی جھلک، وہ جانتی تھی، واپسی کا راستہ نہیں۔ دونوں نے دروازے کھولے۔ ٹھنڈی ہوا اندر آئی۔ دور سمندر کی لہر ٹوٹی۔ اور وہ دونوں گاڑی سے نکل کر پچھلے دروازے سے ڈیک ون کی جانب بڑھ گئے۔

جبکہ اندر ڈیک کے نچلے حصے میں دھیمے سر بکھرتا میوزک فضا میں گھل رہا تھا۔ کلب کی لائٹس مدھم اور نیم روشن تھیں، جیسے اندھیرے نے روشنی سے کوئی معاہدہ کر رکھا ہو کہ زیادہ نہ چمکے۔ کرسٹل کے فانوسوں سے جھلمل کرتی زرد روشنی، بار کے شیشوں پر پڑ کر ایک خوابیدہ سا منظر تخلیق کر رہی تھی۔ ہر میز پر جوئے کی چپّیں، سنہری سکے، اور سگار کا دھواں ایک ساتھ ناچ رہے تھے۔ وہ دونوں اب اونچی گول میز کے گرد اونچے اسٹول پر بیٹھے تھے۔

منار کے فون میں اچانک ہلکی سی وائبریشن ہوئی۔ اس نے والٹ کھولا، موبائل نکالا۔ اسکرین پر کوڈ ورڈز میں ایک پیغام جگمگا رہا تھا۔

"ریون گروپ ابھی تک نہیں آیا۔ کچھ گڑبڑ لگ رہی ہے۔ اندر ہی رہیں۔"

منار کی بھنویں ہلکی سی سکڑیں مگر اس نے شبہ نہیں ہونے دیا۔ فون واپس والٹ میں ڈالا، گہری سانس لی۔۔۔ جیسے اس کے اندر کئی منصوبے پل بھر میں نئے سرے سے ترتیب پا گئے ہوں۔ پھر اس نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ رئیس کو دیکھا۔

"تو پھر، ایک جام دشمنی کے نام؟"

رئیس نے سر ہلایا۔ "دشمنی کے نام؟" وہ کرسی سے اٹھا، "میں دشمنی بہت اچھی نبھاتا ہوں، تم جانتی ہو۔"

اس کے قدم آہستہ آہستہ منار کے قریب آئے۔

"اور کبھی کبھی دشمنی ختم کرنے کے لیے بھی ایک لمحہ چاہیے ہوتا ہے۔۔۔" اس نے ہاتھ بڑھایا وہ بھی منار کی جانب جو ایک ادا سے بیٹھی تھی۔ دائیں جانب کچھ فاصلے پر فلور پر چند جوڑے ہاتھوں میں ہاتھ لیے ایک دوسرے کے سنگ جھول رہے تھے۔

"May I?"

منار چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھوں میں ایک تیز سی مسکراہٹ تھی۔ وہ جانتی تھی، یہ کھیل تھا۔ لفظوں کا، اعتماد کا، اور خطرے کا۔ لیکن وہ بھی منار تھی جس کے لیے کھیل ہی زندگی تھا۔

"ایک رقص ہو جائے؟" رئیس نے ہولے سے کہا۔

"اپنی موت کے ساتھ جھولنا چاہتے ہو؟ کرنا کیا چاہتے ہو؟" وہ ابرو اٹھا کر بولی۔

رئیس کی آنکھوں میں چمک ابھری۔

"جو بن پایا وہ کروں گا۔"

میوزک بدلا۔ مدھم سازوں کے بیچ ایک سلو بیٹ ابھری۔

رئیس نے ہاتھ آگے بڑھائے رکھا، اور ایک پل کے تذبذب کے بعد منار نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ اس لمحے دونوں کی آنکھوں میں یادوں کے پرانے عکس لہرا گئے۔ دھوئیں، ساز اور روشنی کے بیچ وہ دونوں ایک دوسرے

کے قریب آئے۔۔۔ جیسے دشمنی کے پردے کے پیچھے ایک گہرا سکوت ہو جو کبھی ان کہی محبت کہلاتا تھا۔ منار بھنوین سکیڑے اسے دیکھ رہی تھی اور عین اسی پل رئیس نے ایک جھٹکے سے اسے اپنی جانب کھینچ لیا۔

✿••✿••✿••✿

اور اسی لمحے، ڈیک ون پر ایک کمرے کے دروازے کھلے۔ فجر، منار کے حلیے میں، باہر نکلی۔ سامنے ریون کے لوگ جمع تھے۔

ہوا میں سمندر کی خنکی تھی، مگر اندر ایک عجیب سا تناؤ گھل چکا تھا۔ ڈیک ون کا یہ ہال سیاہ اور سنہری روشنیوں میں نہایا ہوا تھا۔ ہر میز پر خفیہ طاقتوں کے نمائندے بیٹھے تھے۔ ہر ایک کا انداز بادشاہوں جیسا، مگر چہرے ماسکوں کے پیچھے چھپے ہوئے تھے۔ مرکزی میز پر ریون گروپ کے سربراہ کراس ایورل بیٹھا تھا۔ پچاس کے لگ بھگ عمر، چاندی جیسے بال، اور آنکھوں میں وہی سفاک اعتماد جو منار کی آنکھوں میں چمکتا تھا۔

اس کے پیچھے دو محافظ، اور سامنے منار معراج بیٹھی تھی۔

سیاہ آف شولڈر لباس، سنہری مکڑی گلے میں، اور چہرے پر وہی بے نیازی جو طاقت کے عادی لوگوں میں ہوتی ہے جبکہ ولی اس کے پیچھے کھڑا تھا۔ سیاہ کوٹ، چہرے پر ماسک، مگر آنکھوں میں مسلسل چوکسی لیے۔ ایک ذرا سی غلطی اور وہ لوگ موت کے منہ میں پہنچ جاتے۔ کراس نے سگار جلایا۔ اس کی آواز دھیمی مگر کاٹ دار تھی۔

"ہم نے سنا تھا ملکہ کبھی دشمن سے ہاتھ نہیں ملاتی۔"

فجر نے اپنے گلاس کے کنارے پر انگلی پھیرتے ہوئے جواب دیا۔

"کبھی کبھی دشمن سے ہاتھ ملانے کے لیے پہلے خون بہانا پڑتا ہے۔" ایک لمحے کو وہ رکی، پھر نظر اٹھائی۔ "اور تم جانتے ہو، میں خون سے نہیں ڈرتی۔"

کر اس کی ہنسی ابھری۔

"تمہارے بارے میں کہا جاتا ہے کہ تمہارے دل میں برف ہے۔"

فجر نے چمکتی مسکراہٹ لیے اسے دیکھا۔ انداز ہوش ربا تھا۔

"برف پگھلے تو پانی بنتا ہے، اور پانی میں ڈوبنے والے زیادہ تیزی سے مرتے ہیں۔"

ایک لمحے کو دونوں کے درمیان عجیب سا سکوت چھا گیا۔ ولی نے سر جھکا کر گھڑی دیکھی۔ پونے نو ہو چکے تھے۔ سب کچھ ٹھیک جا رہا تھا، منصوبے کے عین مطابق۔

ڈیک زیرو، کلب

دھیمی موسیقی بہہ رہی تھی۔ منار رئیس کے بازوؤں میں تھی۔ روشنی ان دونوں کے گرد گول دائرے کی طرح پڑ رہی تھی۔

اس کے ہاتھ رئیس کے کندھے پر، رئیس کی انگلیاں اس کی کمر پر۔۔۔ اور وہ آہستہ آہستہ ایک دوسرے کے سنگ قدم اٹھا رہے تھے۔

اتنی مکمل جوڑی۔۔۔۔ وہاں بیٹھے کئی جوڑے انہیں دیکھ کر چونکے۔

منار کے چہرے پر پرانی مسکراہٹ تھی، مگر اس کی آنکھیں خالی لگ رہی تھیں۔ رئیس نے سر جھکایا، اس کے کان کے قریب کہا۔

"تمہاری آنکھیں خالی کیوں ہیں؟"

منار ہولے سے مسکرائی۔ ایک ہوشربا مسکراہٹ! ہیزل آنکھیں چمک اٹھیں۔

"جب میں کسی کی موت لکھتی ہوں تو کچھ پل افسوس کے ہوتے ہیں۔۔۔ یہ پل وہی ہیں۔" اس نے رئیس کے چہرے پر نظریں جمائیں۔ اس کے مضبوط کندھے پر ہاتھ کی گرفت بڑھائی۔ وہ اس کے جواب پر ہولے سے ہنس دیا۔

"میری موت کے لیے تم نے سالوں انتظار کیوں کیا؟" اس نے ایک قدم پیچھے ہٹایا اور ہاتھ منار کے سر سے گزارتے ہوئے اسے ہولے سے گھمایا۔ گول دائرے میں اس کی اسکرٹ گھوم گئی۔

"کیونکہ میں لوگوں کا زوال ان کے عروج پر لکھتی ہوں۔" اگلے لمحے وہ اسکے قریب آچکی تھی۔ اس کا ہاتھ رئیس کی دھڑکن کے مقام پر ٹک گیا۔ رئیس کا دل ٹھہر کر دھڑکا۔

"لیکن تمہاری آنکھیں تو کچھ اور کہتی ہیں۔" وہ پھر سے اس کی جانب جھکا۔

"میری آنکھوں پر مت جانا۔۔۔ یہ تمہیں وہ دکھائیں گی جو تم دیکھنا چاہتے ہو۔۔۔"

ایک لمحے جو خاموشی چھا گئی۔ پس منظر میں ساز کی بیٹ بدلی، اور کلب کی روشنی تھوڑی سی مدھم ہو گئی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے قریب تھے اور ایک دوسرے سے اٹھتی قیمتی مہک، ایک دوسرے کی دھڑکن کی بوجھل کر رہی تھی۔

ڈیک ون: میٹنگ ہال

"تو میرا مال کہاں ہے؟ کس جزیرے پر ملکہ۔۔۔؟" وہ رکا۔ "ویسے تمہارا اصل نام کیا ہے؟"

"نام جان لینا کافی نہیں ہوتا، کراس۔ بعض نام زہر ہوتے ہیں۔"

کراس ہنسا، "زہر بھی کبھی کبھی دوائی بن جاتا ہے۔"

فجر کے ہونٹوں پر طنزیہ لکیر کھنچ گئی، "میں دوائی نہیں دیتی، صرف اثر رکھتی ہوں۔" منار جیسا زہریلہ لہجہ۔ فضا میں ایک انجانی کھنک پھیل گئی۔

کر اس کی ٹیم آگے بڑھی۔ "چلیے پھر، ڈیل وہیں ہو گی جہاں ہمارا سامان ہے۔"

فجر نے ایک نظر اس کے پیچھے کھڑی ٹیم کو دیکھا اور سر ہلایا۔ وہ لوگ منزل کے قریب پہنچ چکے تھے۔ بس کچھ دیر اور۔۔۔۔

کچھ دیر بعد چاند کی مدھم روشنی میں چند گاڑیاں ڈیک کے کنارے سے آگے بڑھیں۔ گاڑیاں نمکین ہوا میں بل کھاتی ساحل کی طرف جا رہی تھیں۔ فجر کی گاڑی سب سے آگے تھی۔ بائیں طرف ولی بیٹھا، پیچھے دو نقاب پوش محافظ، جو سیاہ جیکٹوں اور ماسک میں ایک جیسے لگ رہے تھے۔ منار کے سائے۔۔۔۔ جو آگے بیٹھی فجر کو اپنی ملکہ سمجھ رہے تھے۔

دور روشنیوں کی ایک پٹی ابھری۔ وہی جگہ جہاں گاڑیاں رکنے والی تھیں۔ ریت میں پہیوں کے نشان، ہلکی ہوا، اور سمندر کی بھیگی ہوئی سانسیں چھا گئیں۔ یہ وہ مقام تھا جہاں منار اور ریون گروپ کی پرانی دشمنی آج ایک ڈیل کے پردے میں نپٹنے والی تھی۔

وہاں تین گاڑیاں پہلے کھڑی تھیں۔ منار کی باقی پوری ٹیم یہاں موجود تھی۔ ڈیک میں اس کے ساتھ صرف ایک آدمی گیا تھا جو اب تک بے ہوش تھا۔ باقی اس کی پوری ٹیم یہاں تھی۔ وہ اپنے وقت پر وہاں پہنچ چکے تھے۔ کہیں کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی تھی لیکن خطرہ سر پر منڈلا رہا تھا کیونکہ منار کا فون اسی کے پاس تھا۔ اگر کسی لمحے وہ کسی بھی آدمی کو فون کر لیتی تو کھیل یہیں ختم ہو جاتا۔۔۔ لیکن صد شکر اسے رئیس نے تھام رکھا تھا۔

گاڑیوں میں سے ایک کی ڈِکّی کھولی گئی۔ فجر نے انگلی کے اشارے سے کہا، "یہ رہا تمہارا مال۔ دیکھ لو۔"

کراس آہستہ سے آگے بڑھا، ایک باکس کھولا، اندر سفید پاؤڈر کے پیکٹس ترتیب سے رکھے تھے۔ اس نے انگلی سے چھوا، ہلکی سی پھونک ماری،

"صاف ہے۔۔" وہ مدھم آواز میں بولا۔

"میرا ذرّہ بھی ملاوٹ برداشت نہیں کرتا کراس۔۔۔" وہ ایک ادا سے آگے بڑھی۔

کراس مسکرایا۔ "مگر تمہاری قیمت بھی صاف نہیں لگتی۔"

"قیمت کبھی صاف نہیں ہوتی۔" فجر نے کہا، "بس ادا کرنی پڑتی ہے۔" وہ خود مزید سنجیدہ اور پراسرار بناتے ہوئے بولی۔

"ہم بھی وہی دینے آئے ہیں۔"

کراس کے آدمی نے اپنا ایک بکسہ کھولا، اندر نوٹوں کی گڈیاں تھیں جو رات کی روشنی میں چمک رہی تھیں۔

ولی کے ایئربڈ میں ہلکی سی جنبش ہوئی۔ "تمہیں یہاں زیادہ دیر نہیں رکنا چاہیے۔۔۔ یہاں سے جلدی نکلو۔۔۔ ٹیم پہنچ چکی ہے۔"

جیسے ہی کراس کے آدمیوں نے بکسے منار کے آدمیوں کی طرف بڑھائے۔ ہوا اچانک کسی چیتے کی طرح پھٹ پڑی۔

ایک تیز فائر ہوا۔ گولی سیدھی کراس کے کندھے میں لگی۔

"ڈاون! ڈاون!!" کوئی چیخا۔

فضا میں شور مچ گیا۔ ریت اڑنے لگی، گولیوں کی آوازوں نے سمندر کی خاموشی چیر دی۔ کراس جھک چکا تھا۔ اس نے خون سے لت پت ہاتھ فجر کی طرف اٹھایا۔

"تم۔۔۔ تم نے ہمیں دھوکہ دیا؟"

فجر نے کندھے اچکائے۔

"میں دشمنوں سے ہاتھ نہیں ملاتی۔" اس کے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ ابھری۔۔۔۔ اسکا کام پورا ہو چکا تھا۔ تباہی کا بدلہ تباہی۔۔۔۔!

مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتی۔ چاروں طرف اندھا دھند فائرنگ شروع ہو چکی تھی۔

"ہمیں یہاں سے نکلنا ہو گا!"

ولی نے اس کا بازو تھاما، "چلو، پیچھے گاڑی ہے!"

وہ دونوں ریت میں بچتے بچاتے ہوئے گاڑی کی طرف لپکے۔ گولیاں ان کے آس پاس ریت اڑا رہی تھیں۔ منار کی ٹیم اسے بچانے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ اسکے بعد دائرہ بنائے اسے بچا کر نکالنے کی کوشش میں تھے۔ سب ایم جیسے حلیے میں تھے۔ سب کے چہرے چھپے ہوئے۔ اس بھگدڑ میں فجر الجھ گئی۔

اس نے بھاگتے ہوئے ولی کا ہاتھ تھام لیا تھا اور پھر اچانک اس نے فجر کو گاڑی کے پیچھے دھکا دیا۔

"جھک جاؤ۔۔۔"

اور اگلے ہی لمحے یکے بعد دیگرے تین گولیاں اس کے سینے میں پیوست ہو گئیں۔

وہ ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹا، سانسیں کھینچنے لگا، پھر زمین پر گر گیا۔ گولیوں کی آوازوں کے بیچ فجر نے یہ منظر دیکھا اور پھر اس کی آنکھیں پھٹ پڑیں۔

"نہیں۔۔۔ ولی۔۔۔"

اس کی چیخ ہوا میں گھل گئی۔ وہ جیسے اپنی جگہ جم چکی تھی۔ اسکی آنکھوں میں دنیا جیسے رک گئی۔ گولیاں اب بھی چل رہی تھیں، ریت میں چنگاریاں اٹھ رہی تھیں، مگر اس کے لیے سب کچھ خاموش ہو چکا تھا۔ اس کے چہرے پر ناقابل بیان صدمہ تھا۔۔۔ ہاتھوں کے ساتھ ساتھ ہونٹ بھی کپکپائے۔۔۔

"ول۔۔ ولی۔۔۔" وہ پھر سے بڑبڑائی۔ ہمت اتنی بھی نہیں تھی کہ قدم بڑھا کر ریت پر بے جان پڑے شخص تک پہنچ پاتی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کی رنگت سفید پڑ گئی اور آنکھیں۔۔۔ ان آنکھوں کے سامنے منظر دھندلا گیا۔ ریون گروپ بھاگ رہا تھا۔ فائرنگ اب بھی جاری تھی۔ یہ رئیس سیکیورٹی کے ٹرینڈ لوگ تھے جو ولی کی قیادت میں آئے تھے مگر وہ شخص؟

فجر نے ایک قدم آگے بڑھایا۔ اس سے پہلے کہ وہ گاڑی کی اوٹ سے نکلتی کوئی پیچھے سے آیا تھا۔۔۔ ایک سائے کی طرح اور برق رفتاری سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے پیچھے کھینچا۔ اسکی ابھرنے والی چیخ گلے میں ہی دب گئی۔

✿••✿••✿••✿

کلب کی فضا میں سیکسوفون کی دھن اور دھوئیں کا راج تھا۔

منار کی آنکھوں میں بے چینی کی ایک ہلکی سی لہر ابھری۔ اس کا آدمی، جسے اس نے ریون گروپ کا پتہ کرنے ڈیک ون تک بھیجا تھا، ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔

وہ یہاں سے جانا چاہتی تھی، مگر اس کے سامنے نہیں۔ رئیس اسے تھامے ہوئے تھا اور وہ نہیں چاہتی کہ رئیس کو پتا چلے۔

اس کا یہاں ہونا محض اتفاق نہیں ہو سکتا۔ منار کے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بج چکی تھی۔ کوئی تو گڑبڑ تھی، لیکن اسے اپنی ٹیم پر بھروسہ تھا۔ جب تک اس کا کوئی اشارہ نہیں ملتا، وہ یہاں سے ہلنا نہیں چاہتی تھی۔

"کسی کا انتظار کر رہی ہو؟"

رئیس کی آواز نے اس کے خیالات کا تسلسل توڑا۔

"یا کسی سے بھاگ رہی ہو؟" وہ اس کے چہرے پر نظریں جمائے بولا۔ یہ چہرہ ہو بہو فجر جیسا تھا مگر اس چہرے پر پختگی تھی۔ منار کے لبوں پر وہی زہریلی مسکراہٹ ابھری۔

"بھاگنا شکار کا کام ہے، میں شکاری ہوں۔"

"اور تم سمجھتی ہو کہ آج رات میں تمہارا شکار ہوں؟" اسے ہلکا سا لہراتے رئیس نے پوچھا۔

"تم ہمیشہ سے تھے۔" وہ اس کے کندھے سے ہاتھ ہٹاتے بولی۔ وہ نامحسوس انداز میں وہاں سے جانا چاہتی تھی۔

"اتنی جلدی کیا ہے؟ رات ابھی باقی ہے۔ اور ہمارے پاس۔۔۔ برسوں کی باتیں ہیں۔۔۔" وہ شوخ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ جبکہ وہ ضبط کیے اسکی گرفت میں کھڑی رہی۔

"مجھے یقین نہیں ہوتا، منار۔" اس نے آہستگی سے کہا۔ "اتنا بڑا اسیٹ اپ، یہ ساری محنت۔۔۔ کیا یہ سب صرف مجھے مارنے کے لیے ہے؟ ایک آدمی کے لیے اتنی نفرت؟"

اس کے لہجے میں سالوں کی یک طرفہ محبت کی تلخی تھی۔

منار ایک لمحے کو ٹھٹکی۔ اسی لمحے، موسیقی بدلی۔ ایک سست، مدھر ٹینگو (Tango) کی دھن ابھری۔

وہ پہلے اسے کھینچ کر ڈانس فلور کے ایک تاریک کونے میں لے آیا تھا۔ یہ وہی حصہ تھا جہاں رئیس اسے جان بوجھ کر لایا تھا، یہاں سے نہ تو مرکزی دروازہ نظر آتا تھا، نہ ہی لفٹ یا سیڑھیاں۔

اگر فجر اس کے سامنے سے بھی گزر جاتی، منار اسے نہ دیکھ پاتی۔ وہ اس کی بانہوں میں تھی۔ ایک ایسا رقص جو محبت کا نہیں، جنگ کا تھا۔

"مجھ سے مت لڑو۔۔۔" اس نے منار کی جانب جھکتے ہوئے دلکش انداز میں سرگوشی کی۔ "ہار جاؤ گی۔۔۔۔" اس کی سانسیں منار کی گردن کو چھو گئیں جبکہ وہ اس کے سینے پر ہاتھ رکھے، اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ہنسی۔ وہ ہنسی ٹھنڈی اور بے رحم تھی۔

"ہارنا؟" اس نے لفظ کو چباتے ہوئے کہا۔ "تمہیں واقعی لگتا ہے کہ میں ہارنا جانتی ہوں؟" وہ رقص کرتے ہوئے اس سے ذرا سا پیچھے ہٹی۔

"تم کچھ دیکھنا چاہو گے، رئیس؟"

اس کی آواز اب ایک سرگوشی تھی۔ اس نے رئیس کی ٹھوڑی پر نظریں جما کر کہا اور پھر ادا سے پیچھے ہوئی۔ رئیس اسے دیکھتا رہا۔ نیون لائٹس کے بیچ میں منار نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ کی کلائی پر رکھا۔ رئیس اسے دیکھ رہا تھا۔۔۔ اور اگلے ہی لمحے وہ ساکت رہ گیا۔ کلک! ایک دھیمی، میکانکی آواز آئی۔

منار اپنے دائیں ہاتھ سے اپنا بایاں ہاتھ۔۔۔ اکھاڑ چکی تھی۔

وہ ہاتھ جو کلائی سے نیچے تک تھا، اب اس کے دائیں ہاتھ میں تھا۔ ایک مصنوعی، ہو بہو اصلی دکھنے والا ہاتھ! اس کا بایاں بازو اب صرف کلائی تک تھا۔ رئیس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ اس کا دل جیسے دھڑکنا بھول گیا تھا۔ منار نے رئیس کے اڑتے ہوئے رنگوں کو دیکھا اور اگلے پل وہ مسکراتی ہوئی اس کی جانب بڑھی۔ اس نے اپنا دایاں ہاتھ اور اپنے بائیں بازو کا آہنی سرا اس کے کندھوں پر جما دیا۔

"تمہیں لگتا ہے میں نے ہارنا سیکھا ہو گا؟" اس کی آواز میں اب صدیوں کا زہر تھا۔ "میں افغانستان میں تھی۔۔۔ تمہاری وجہ سے۔۔۔" اس نے کہنا شروع کیا، جبکہ آنکھیں رئیس کے چہرے پر گڑی تھیں۔ "جب مجھے ایک ایسے کمرے میں بند کیا گیا تھا جہاں مردہ لوگ تھے۔ سڑتے ہوئے جسم۔۔۔"

رئیس کے ہاتھ پہلو میں گرے رہے، وہ سانس لینا بھول چکا تھا۔

"تم جانتے ہو ان کے مردہ جسموں میں کیڑے رینگ رہے تھے؟ تمہیں احساس ہے مردوں کے ساتھ رہنا کیسا ہوتا ہے؟" منار کی آواز کانپ نہیں رہی تھی، وہ پتھر کی طرح سخت تھی۔

"میں زخمی تھی۔ میرا بایاں ہاتھ ایک زنجیر سے بندھا ہوا تھا۔"

اس نے اپنے کٹے ہوئے بازو سے اس کے کندھے پر دباؤ ڈالا۔

"میرے پاس بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں تھا سوائے اس کے کہ۔۔۔ میں اپنا ہاتھ کاٹ لیتی۔۔۔۔"

رئیس کی سماعت سائیں سائیں کر رہی تھی۔

"میں کئی دن وہاں قید رہی۔ میرے پاس دو آپشن تھے رئیس۔۔۔" اس کی آواز اب کسی نوکیلے خنجر کی طرح چبھ رہی تھی۔

"میں وہیں مر جاتی۔۔۔ یا جسم کا ایک حصہ مار کر بچ جاتی۔"

اس کی آنکھوں میں ایک وحشی چمک ابھری۔

"میں نے وہاں پڑا زنگ آلود لوہے کا ایک ٹکڑا اٹھایا۔۔۔ اور گھنٹوں تک اپنی ہڈی اور گوشت کو رگڑتی رہی۔۔۔ جب تک یہ الگ نہیں ہو گیا۔"

رئیس کی آنکھوں میں ناقابل یقین دہشت تھی۔ منار اس کے قریب جھکی، ان کے چہروں کے درمیان چند انچ کا فاصلہ رہ گیا۔

"اب شاید تمہیں میری نفرت کا اندازہ ہو جائے، رئیس اورنگزیب!"

اس کی آواز کلب کے شور میں ایک دھماکے کی طرح گونجی۔

"تم نے مجھے کس اندھیری دنیا میں دھکیلا تھا! تمہیں اندازہ نہیں ہے اور میں۔۔۔ میں اس جہنم سے بھی گہری قبر سے رینگ رینگ کر نکل آئی ہوں۔۔۔ صرف تمہارے لیے۔۔۔"

وہ پیچھے ہٹی، اپنا مصنوعی ہاتھ اٹھایا اور اسے واپس اپنے بازو پر نصب کیا۔ کلک!

"اور اب۔۔۔" اس نے اپنی آستین ٹھیک کرتے ہوئے کہا، "میرا انتظار ختم ہونے کو ہے۔" وہ دلکشی سے مسکرا دی۔

✿••✿••✿••✿

اوماڑا کا ساحل، فیشن گالا کی چمکتی روشنیوں میں نہایا ہوا تھا۔ دسمبر کی یخنی میں بھی ماحول پُرجوش تھا۔ فیشن شو اپنے عروج پر تھا، ایک ایسا لمحہ جس کا انتظار اس شام کے ہر مہمان کو تھا۔ اناؤنسر مراد کی آواز مائیک پر گونجی، جس میں پیشہ ورانہ جوش کے ساتھ ایک مخفی مسکراہٹ شامل تھی۔

"خواتین و حضرات! اب وہ لمحہ، جس کے لیے ہم سب بے تاب تھے۔۔۔ کوئین گالا کا اختتام! ایک ایسا شاہکار جو ڈیزائن اور سسپنس کا امتزاج ہے!"

میوزک نے اچانک ایک ڈرامائی موڑ لیا۔ ہلکا، سست، مگر دل کو جکڑ لینے والا ٹینگو اب ایک تیز، دھمکی آمیز الیکٹرانک بیٹ میں بدل چکا تھا۔ اسٹیج کی تمام تیز روشنیاں مدھم پڑ گئیں، اور صرف مرکزی نیلا رنگ ابھرا، جو کسی خفیہ مشن کی

فضا پیدا کر رہا تھا۔ ساحل کی ریت پر بنائے گئے رن وے کے آخری سرے سے، دھویں کے بادل چھٹے۔ اور پھر، وہ نمودار ہوئی۔

ماڈل کا ہر قدم ایک شاہکار تھا۔ اس کے چہرے پر سرد، منجمد تاثرات تھے، جیسے کوئی پتھر کا مجسمہ حرکت میں آ گیا ہو۔ لیکن سب کی نظریں اس کے لباس پر تھیں۔ **'شیڈو کوئین'**

یہ صرف ایک لباس نہیں، فجر کا اسگنیچر شاہکار تھا۔ عنکبوت کی تھیم کا عروج۔ کاسٹیوم کا بنیادی ڈھانچہ سیاہ اور گہرے سرمئی ریشم کے جالوں سے بنا ہوا تھا۔ اس لباس پر مکڑی کے جالے جیسی بُنت تھی، جو باریک سفید کرسٹلز سے سجی تھی، یوں لگ رہا تھا جیسے شبنم کے قطرے سیاہ ریشم پر جم گئے ہوں۔ کندھوں اور گردن کے گرد اونچے، ڈرامائی کالر تھے، جو کسی ملکہ کی ہیبت ظاہر کرتے تھے۔ لیکن سب سے نمایاں چیز وہ تھی جو ماڈل نے اپنے سر پر سجا رکھی تھی۔

ہیٹ۔ ایک چوڑی کنارے والی، اونچی، سیاہ فیلٹ کی ہیٹ، جس پر کوئی عام پر یا سجاوٹ نہیں تھی بلکہ چاندی کے رنگ کی ایک بڑی، خوفناک مکڑی بنائی گئی تھی، جس کے آٹھ پاؤں مکڑی کے جالے کی طرح ہیٹ کے کنارے سے نیچے لٹک رہے تھے۔ اس کے جالے کا کچھ حصہ چہرے کے ماسک کا کام کر رہا تھا، جو ماڈل کی آنکھوں کو چھپا رہا تھا۔ جب ماڈل آخری پوائنٹ پر پہنچی، اس نے دھیما مگر جان لیوا چکر لیا۔ مرکری نیلی روشنی جب سفید کرسٹل کے جالے پر پڑی، تو وہ ہزاروں چمکتی آنکھوں کا وہم پیدا کرنے لگا۔۔۔ ایسے، جیسے مکڑی کا جال خود زندہ ہو کر چمک رہا ہو۔ ماڈل کے قدموں کی ٹھک ٹھک موسیقی کی بیٹ پر ایک سیکنڈ کے لیے رکی۔

وہ لمحہ ساکت تھا۔ ساحل کی ہوا اس کے لمبے، چمکدار لباس کو چھو کر سرسرا رہی تھی۔ مراد کی آواز دھیمی ہوئی، ایک گہری وارننگ کی طرح تھی۔

"عنکبوت کا جال بچھ چکا ہے۔ اور آج رات کوئین کی حکمرانی ہو گی۔"

ہوٹنگ کا ایک دیوانہ شور بلند ہوا جیسے عوام کو یہ خوفناک خوبصورتی پسند آئی ہو۔

✿••✿••✿••✿

ایک مضبوط بازو نے فجر کی کمر کو جکڑ رکھا تھا جبکہ دوسرا ہاتھ اس کے منہ پر ہاتھ تھا۔ اس کی ابھرنے والی چیخ گلے میں ہی دب گئی۔ وہ تڑپ اٹھی۔ ایک پل کو وہ دشمن کے ہاتھ لگ گئی تھی اور ولی۔۔۔ ولی۔۔۔ وہ سوچ بھی نہیں پائی۔ اس نے پوری طاقت سے خود کو چھڑانے کی کوشش کی، اس کے ہاتھ پر کاٹنے کی کوشش کی، اس کے بازوؤں میں مچلتی رہی۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی بہہ نکلی۔ اس شخص نے اسے کھینچ کر دو بڑی گاڑیوں کے درمیان گھنے اندھیرے میں گرا لیا۔

وہ اب بھی چیخنا چاہتی تھی، تڑپ رہی تھی، مگر اس گرفت میں بے بس تھی۔ تبھی اس کے کانوں میں، گولیوں کے شور کو چیرتی ہوئی ایک سرگوشی ٹکرائی۔

"ریلیکس فجر! میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

فضا ساکت ہو گئی۔ یہ آواز۔۔۔ یہ خوشبو۔۔۔ فجر کا تڑپتا ہوا وجود ایک دم بے جان پڑ گیا۔ اس نے جدوجہد روک دی۔ ولی نے آہستہ آہستہ اپنا ہاتھ اس کے منہ سے ہٹایا۔ فجر نے پلٹ کر، آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا، وہ نسبتاً زیادہ اندھیرے میں تھے۔ ولی نے تیزی سے اپنے چہرے کا ماسک نیچے کیا۔ یہ وہی چہرہ تھا۔ وہی آنکھیں، جو اس اندھیرے میں بھی اس کے لیے چمک رہی تھیں۔ وہ زندہ تھا۔ وہ اس کے سامنے تھا۔ وہ کئی لمحے بے یقینی سے اسے دیکھتی رہی۔ اس کا دماغ ابھی تک اس منظر کو قبول نہیں کر پا رہا تھا جو اس نے چند لمحے پہلے دیکھا تھا۔

اور پھر، جیسے ہی حقیقت نے اس کے وجود میں سرایت کی، وہ تڑپ کر اس سے لپٹ گئی۔ یہ کوئی عام گلے ملنا نہیں تھا، یہ موت کے منہ سے واپسی تھی۔ وہ خوف سے کانپ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ رہا تھا، جو اس

کے 'منار' بنے چہرے کے میک اپ کو تباہ کر رہا تھا۔ اس کے ناخن ولی کی جیکٹ میں گڑ گئے تھے، جیسے وہ یقین کرنا چاہتی ہو کہ وہ واقعی یہاں تھا۔

"ریلیکس۔۔۔ میں ٹھیک ہوں۔" اس نے فجر کی پیٹھ مسلتے ہوئے اس کے کندھے پر اپنے لب رکھے۔

"شششش۔۔۔ سب ٹھیک ہے۔" وہ اسے ریلیکس کر رہا تھا، حالانکہ گولیوں کی آوازیں اب بھی قریب تھیں۔

"میں نے دیکھا۔۔۔ میں نے تمہیں۔۔۔ وہ گولیاں۔۔۔" اس کی آواز گھٹ رہی تھی۔ "ولی۔۔۔ میں نے سوچا میں نے تمہیں کھو دیا۔۔۔"

وہ اس سے الگ ہوئی، اس کے چہرے کو اپنے کانپتے ہاتھوں میں تھاما۔

"میں یہ جنگ ہار جاتی۔۔۔ مجھے پرواہ نہیں تھی۔ میں سب کچھ ہارنے کے لیے تیار تھی۔۔۔ مگر تمہیں نہیں۔۔۔ میں۔۔۔" وہ ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں اپنی دہشت بیان کر رہی تھی۔ ولی نے اس کے آنسوؤں کو اپنی انگلیوں سے پونچھا۔ اس کی آنکھوں میں گہرا سکون اور محبت تھی۔

"فجر، میری طرف دیکھو۔" اس نے نرمی سے اس کا چہرہ اوپر کیا۔

"میں نے کہا تھا نا؟ دنیا کا کوئی شخص، کوئی حادثہ۔۔۔ ہمیں الگ نہیں کر سکتا۔" اس نے فجر کے ہاتھوں کو تھامتے ہوئے دبایا۔

"وہ منار کا آدمی تھا جو میری پوزیشن پر آ گیا تھا۔"

پھٹ۔۔۔ اور ایک گولی ان کے قریب گاڑی سے ٹکرائی۔ اس نے فوراً فجر کو نیچے جھکایا۔

"وقت کم ہے۔ ہمیں یہاں سے نکلنا ہو گا۔ منار کی ٹیم کے باقی لوگ تمہیں ڈھونڈ رہے ہیں، وہ اب بھی تمہیں ملکہ سمجھ رہے ہیں۔"

اس نے فجر کا ہاتھ مضبوطی سے تھاما۔ ”میرے پیچھے رہنا۔ سر جھکا کر۔“

وہ اسے دو گاڑیوں کی اوٹ سے گزارتا، ریت پر بھاگتا ہوا اپنی گاڑی تک لایا جو کچھ فاصلے پر اندھیرے میں چھپی کھڑی تھی۔ فائرنگ اب بھی جاری تھی۔ میثم کی سیکیورٹی ٹیم (جو حملہ آور تھے) اب ریون گروپ کے باقی ماندہ افراد اور منار کی ٹیم کو ٹھکانے لگا رہی تھی۔ ولی نے دروازہ کھول کر فجر کو اندر بٹھایا، خود تیزی سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا۔ گاڑی کا انجن گرج اٹھا۔

سارا مال وہیں رہ گیا تھا۔ پیسے بھی اور ڈرگز بھی۔ اس گاڑی پر اب میثم کے لوگوں کا قبضہ تھا۔ اس کا کام یہیں تک تھا۔

اس نے گاڑی کو تیزی سے ریورس کیا، ریت اڑاتا ہوا اسے موڑا اور ساحل سے واپس کوئین ڈیک کی سڑک کی طرف بھگا لے گیا۔

فجر اب بھی کانپ رہی تھی، اس کی نظریں بے یقینی سے ولی کے پروفائل پر جمی تھیں، جو اب پوری توجہ سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ وہ بچ گئے تھے۔ وہ جیت گئے تھے۔ مگر فجر کے لیے، جیت صرف اتنی تھی کہ اس کا ولی اس کے پاس تھا۔

✿••✿••✿••✿

گولیوں کا شور اب تھم رہا تھا، دور سے پولیس کے سائرن کی آوازیں ہوا میں گھلنے لگی تھیں۔ منار کے دو آدمی، جو اس افراتفری میں بچ کر ایک کنٹینر کے پیچھے گاڑی میں چھپ گئے تھے، انہوں نے فجر کو ولی کے ساتھ گاڑی میں بیٹھتے دیکھا۔

”ملکہ۔۔۔“ ایک تیزی سے دروازہ کھول کر باہر نکلنے لگا، یہ سوچ کر کہ ملکہ کو مدد کی ضرورت ہو گی۔ دوسرے نے اسے بازو سے پکڑ کر سختی سے پیچھے کھینچا۔

”وہ ملکہ نہیں ہے۔“ اس کی آواز میں سرد سی حقیقت تھی۔

"کیا مطلب؟"

"جس طرح اس نے اس آدمی کو تھاما تھا۔۔۔وہ خوفزدہ تھی۔۔۔ملکہ کبھی خوفزدہ نہیں ہوتیں۔" وہ تقریباً سمجھ چکا تھا کہ جو اس وقت جا رہی تھی، وہ ان کی ملکہ نہیں، کوئی بہروپیا تھی۔

"تو پھر۔۔۔ملکہ کہاں ہیں؟"

"شاید کوئین ڈیک! جہاں ہم انہیں چھوڑ کر آئے تھے۔"

انہوں نے اپنی گاڑی اسٹارٹ کی اور کوئین ڈیک کی طرف موڑی۔ پیچھے میثم کی سیکیورٹی ٹیم کی چند گولیاں چلیں، لیکن وہ بچ نکلے۔ میثم کی سیکیورٹی ٹیموں نے بھی وہاں سے فرار دیکھا۔ سائرن قریب آ رہے تھے۔ سارا مال وہیں رہ گیا پیسے اور ڈرگز جو اب پولیس کے ہاتھ لگنے والا تھا۔ پانچ سے سات منٹ کا کھیل بھی نہیں تھا، مگر اس کھیل میں منار معراج کافی کچھ ہار چکی تھی۔

ولی کارخ بھی کوئین ڈیک کی طرف تھا۔ فجر ابھی تک صدمے سے نکل نہیں پائی تھی، مگر اسکا ہاتھ تھامے وہ پرسکون ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔ انہیں رئیس کو بھی وہاں سے نکالنا تھا۔

جبکہ کلب میں سیکسوفون کی دھیمی دھن کافی دیر سے ٹینگو کی تیز تھاپ میں بدل چکی تھی۔ رئیس منار کے کٹے ہوئے ہاتھ کی حقیقت جان کر ابھی تک صدمے کی سی کیفیت میں تھا۔ وہ لفظ جو اس نے کہے تھے، وہ زنگ آلود لوہا، وہ مردہ جسم۔۔یہ سب اس کے دماغ پر ہتھوڑے کی طرح برس رہے تھے۔ وہ اس عورت کو دیکھ رہا تھا جو نفرت کی آگ میں جل کر کندن نہیں، زہر بن چکی تھی۔ جبکہ منار اب اس کی آنکھوں میں تیرتی دہشت سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

"تم نے مجھے کس اندھیری دنیا میں۔۔۔"

اس سے پہلے کہ منار اسے چھوڑتی یا اپنا آخری وار کرتی، کوئی اور ان کے مقابل آیا۔ ایک جوڑا۔ رقص کرتے جوڑوں کے بیچ سے نکل کر وہ ان کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ رئیس کے ساتھ ساتھ منار بھی ٹھٹھک گئی۔ اس کے سامنے۔۔۔ وہ خود کھڑی تھی۔

مٹامٹا سا کاجل جو آنسوؤں سے بہہ چکا تھا، سیاہ گھنگھریالے بال جو افراتفری میں بکھر گئے تھے، اور وہی سیاہ آف شولڈر ڈریس۔

وہ فجر تھی۔۔۔ جو اس وقت اس کے روپ میں تھی۔ منار کو چند ملی سیکنڈ لگے تھے یہ سمجھنے میں کہ اس کے ساتھ کتنا بڑا کھیل کھیلا گیا تھا۔ وہ کلب میں رکی رہی۔۔۔ اور یہ لڑکی منار بن کر ڈیل پر چلی گئی۔ اب تک سب ختم ہو چکا ہو گا۔ مگر وہ منار تھی۔ وہ اپنی بقا کی جنگ لڑنا جانتی تھی۔ وہ پر سکون رہی۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں ابھرا۔ کسی قسم کا رد عمل دے کر وہ خود کو کمزور دکھانا نہیں چاہتی تھی۔ فجر نے ولی کے کندھے پر ہاتھ جماتے ہوئے فاتحانہ نظروں سے اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں واضح پیغام تھا۔ نقصان کا بدلہ نقصان!

اس کھیل میں اسے منار نے گھسیٹا تھا، اور آج اتنی بڑی شکست سے دوچار کر کے اس نے اپنا بدلہ لے لیا تھا۔ رئیس نے ان دونوں کو دیکھ کر گہری سانس لی۔ اس کے کندھوں سے سارا بوجھ ہٹ گیا۔

اس کے مہرے چال چل آئے تھے۔ ٹینگو کی موسیقی بلند ہوئی۔ دو جوڑوں کو فلو پر اس طرح کھڑے دیکھ کر مزید جوڑے ان کے قریب آ کر رقص کرنے لگے۔ کلب کا شور، قہقہے اور موسیقی ان چار وجودوں کے درمیان قائم خاموش طوفان کو چھپا رہے تھے۔

کلب کے ڈانس فلور پر، روشنیوں کے نیلمی اور سنہری عکس میں، چار وجود ایک خاموش جنگ کے مرکز میں کھڑے تھے۔

منار نے فجر کو دیکھا، پھر ولی کو، اور آخر میں اس شخص کو جس نے اسے یہاں روکا تھا۔۔۔رئیس!

اس کے وجود میں سرد غصے کی لہر دوڑی۔ اس نے رئیس کی گرفت سے نکلنے کے لیے اپنا بازو (مصنوعی ہاتھ والا) جھٹکنا چاہا۔

مگر رئیس نے اسے جانے نہیں دیا۔ اس نے اپنا ہاتھ، جو منار کے کندھے پر منجمد تھا، اس کی کمر پر جماتے، اسے اپنی جانب کھینچا۔ منار کا وجود اس کے سینے سے آلگا۔

رئیس کا بازو اس کی کمر کے گرد فولاد کی طرح سخت ہو گیا۔

"کہاں جا رہی ہو؟" اس کی آواز موسیقی کے شور میں ایک گھٹی ہوئی دھاڑ تھی۔ "ابھی تو کھیل شروع ہوا ہے۔"

منار کے چہرے کی وہ معصومیت، وہ ہلکی سی مسکراہٹ جو اس نے رئیس کو الجھانے کے لیے سجا رکھی تھی، ایک لمحے میں ختم ہو گئی۔ اس کی جگہ ایک بھیانک، برفیلے سرد پن نے لے لی۔ اس کے ہونٹ بھینچ گئے، اور اس کی آنکھیں، جو فجر سے مشابہت رکھتی تھیں، اب صرف نفرت اگل رہی تھیں۔

اس نے مجبوراً رقص میں رئیس کا ساتھ دیا۔ یہ رقص نہیں تھا، یہ طاقت کا مظاہرہ تھا۔

"تمہیں لگتا ہے تم کوئی چھوٹا موٹا کھیل کھیل کر مجھے ہرا دو گے۔۔" منار نے غراتے ہوئے کہا، جب رئیس نے اسے ایک تیز چکر (spin) دیا۔

"کھیل تو تم نے شروع کیا تھا، منار۔۔۔" رئیس نے اسے واپس کھینچتے ہوئے کہا۔ "تم نے میری کمزوری کو استعمال کرنے کی کوشش کی۔۔۔" اس کی نظریں ایک لمحے کے لیے فجر پر پڑیں، "مگر تم بھول گئیں، مکڑی کے جال میں اکثر شکاری خود پھنس جاتا ہے۔" وہ دلکشی سے مسکرایا۔ بادشاہ کی مسکراہٹ!

چند قدموں کے فاصلے پر فجر کا وجود ابھی تک ساحل پر ہوئے واقعے کے خوف کے زیر اثر تھا۔ اگر اسے گولی بھی لگ جاتی تو وہ اتنا نہ ڈرتی جتنا وہ اس منظر سے خوفزدہ ہوئی تھی۔ اس کا مٹا ہوا کاجل اور بکھرے بال اس افراتفری کی گواہی دے رہے تھے جس سے وہ گزری تھی۔ مگر اس کی نظریں منار پر جمی تھیں۔

ولی نے اسے مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ اس کا ہاتھ فجر کی کمر پر ایک حفاظتی حصار کی طرح تھا، اور اس کا چہرہ اس کے بالوں کے قریب تھا۔ وہ اسے صرف رقص نہیں کرا رہا تھا، وہ اسے سہارا دے رہا تھا، اسے طاقت دے رہا تھا۔ یہ اسے پر سکون کرنے کا سب سے بہترین طریقہ تھا۔ وہ اس کی پریشانی ایسے ہی زائل کرتا تھا۔

"غور سے دیکھو، فجر۔۔۔" اس نے فجر کے کان میں سرگوشی کی، اس کی گرم سانسیں فجر کی ٹھنڈی پڑتی جلد سے ٹکرائیں۔ "یہ اسکا انجام کا آغاز ہے جس سے تم ڈرتی تھیں۔۔۔"

فجر نے لرزتے ہوئے سانس بھری۔ "وہ اتنی آسانی سے ہار نہیں مانیں گی۔"

"فی الوقت وہ ہار چکی ہیں۔" ولی نے مضبوطی سے کہا۔ اس نے رقص کے دوران فجر کو اپنی طرف گھمایا تاکہ اس کی پشت منار کی طرف ہو جائے۔ "اب انہیں مت دیکھو۔ مجھے دیکھو۔۔۔"

فجر نے اپنی آنکھیں اس کی آنکھوں میں مرکوز کیں۔

"تم نے انہیں ہرایا ہے۔" اس نے فجر کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "آج رات تم منار تھیں، اور وہ۔۔ وہ صرف ایک سایہ۔۔۔ اپنی جیت کو محسوس کرو، فجر۔ تم نے یہ کر دکھایا۔" وہ اس کی جیت پر خوش تھا۔

دوسری جانب کھڑی منار کی نظریں فجر اور ولی پر تھیں۔

"وہ۔۔۔ وہ صرف ایک چہرہ ہے۔ تم نے اسے میرا چہرہ دیا!" اس نے استہزائیہ کہا۔

"نہیں، منار۔۔۔" رئیس نے اسے رقص میں جھکایا(dip) ،اور اسے مجبور کیا کہ وہ صرف اسے دیکھے۔ "وہ چہرہ اس کا تھا۔ تم نے اس سے چرایا تھا۔" وہ مسکرایا، ایک سرد، فاتحانہ مسکراہٹ۔

"تمہاری سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ تم نے اسے کمزور سمجھا۔ تم نے سوچا وہ صرف چارہ ہے تم بھول گئیں کہ وہ بھی ایک عنکبوت ہے۔"

منار کی گردن کی نسیں واضح ہوئیں۔ ڈپ انداز، وہ، اور اس پر آدھا جھکا ہوا رئیس۔۔۔۔ منظر اس سے پہلے کبھی مکمل نہیں ہوا تھا۔

"وہ ہمیں دیکھ رہی ہیں؟" فجر نے پوچھا۔

"دیکھنے دو۔۔۔" ولی نے اس کے کانپتے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں مضبوطی سے تھاما۔ "آج رات کے بعد، وہ صرف دیکھ ہی سکیں گی۔"

وہ چاروں افراد ڈانس فلور کے مرکز میں تھے۔ موسیقی اپنے عروج پر تھی۔

رئیس اور منار کا رقص ایک جنگ تھا، غصہ، نفرت اور ماضی کا ٹکراؤ!

ولی اور فجر کا رقص ایک عہد تھا، حفاظت، فتح اور مستقبل کا آغاز!

روشنیوں نے فضا میں سنہری چمک پھیلائی۔ فجر نے سر اٹھایا، اور پہلی بار منار کی آنکھوں میں سیدھا دیکھا۔ اس کی نظریں پُرسکون تھیں، چہرے پر وہی فاتحانہ خاموشی، جیسے ایک عورت نے آخر کار اپنی پرچھائی کو شکست دی ہو۔

منار کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ اس نے وہ مسکراہٹ دیکھی، اور اس ایک لمحے میں، کلب کے شور، روشنیوں، اور موسیقی کے بیچ، منار معراج کو اپنی اصل ہار کا احساس ہوا۔ اس کی اپنی پرچھائی اس کے خلاف تھی۔۔۔ اس جنگ میں اس کی سب سے بڑی شکست یہی تھی۔

یکدم ہی ٹینگو کی جارحانہ دھن ایک دھیمی، پیانو کی مدھر دھن (Slow Waltz) میں بدل گئی اور جوڑوں کی تبدیلی کے بعد، اب رئیس کے سامنے فجر کھڑی تھی، منار کے لباس اور روپ میں۔ وہ خفیف سا مسکرائی۔ یہ مسکراہٹ منار کی نہیں تھی، بلکہ فجر کی مخصوص، فتح سے بھرپور مسکراہٹ تھی۔ اس نے اپنا ہاتھ رئیس کی طرف بڑھایا۔

رئیس نے گہری سانس لی، چند لمحے اسے دیکھا۔ دل نے ایک بوجھل دھڑکن چھوڑی اور پھر اس نے فجر کا ہاتھ تھام لیا۔ یہ وہ ہاتھ تھا جسے پا کر انسان ساری جنتیں اپنے آس پاس محسوس کر سکتا ہے۔ یہ وہی ہاتھ جو اگر اسکے نصیب میں ہوتا تو جنتیں اس کی ہو جاتیں۔۔۔ مگر یہ لمس سرد تھا۔ یہ اس کے نصیب میں نہیں تھا۔

اس نے دوسرا ہاتھ اپنی کمر پر رکھا، جبکہ اس کے ایک ہاتھ میں فجر کا ہاتھ تھا۔ انہوں نے دو قدم آگے لیے اور دو پیچھے، یہ دو عقل مند حریفوں کا رقص تھا۔

رئیس کی نگاہیں فجر کے چہرے پر ٹکی تھیں۔ اس کے دل میں ایک عجیب کیفیت تھی۔ یہ منار کا چہرہ تھا، مگر اس کی آواز اور روح فجر کی تھی۔۔۔ وہ لڑکی جس کے لیے وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔

"کیسی رہی میری پرفارمنس؟" وہ اب ابرو اٹھائے پوچھ رہی تھی۔ اس کا دوسرا ہاتھ رئیس کے کندھے پر تھا۔

رئیس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"مجھے آج بھی پیرس کی رات یاد ہے تم نے میری گردن پر اپنی چھری رکھی تھی، اور بغیر کسی خوف کے میرا خون بہایا تھا۔ کیا تمہیں یاد ہے؟" وہ فی الوقت کچھ اور بات کرنا چاہتا تھا۔

"ظاہر ہے یاد ہے۔ اس سے پہلے میں نے کبھی کسی انسان کو اتنی قریب سے زخمی نہیں کیا تھا۔" گردن غرور سے اٹھی ہوئی تھی۔

اس نے رقص میں رئیس کا ساتھ دیا جبکہ آنکھیں چمک رہی تھیں۔

"کبھی سوچا نہیں تھا کہ میں اس شخص کے ساتھ وہ جنگیں جیت جاؤں گی، جس نے مجھے چودہ سال کی عمر میں لڑنا سکھایا تھا۔"

یہ واقعہ رئیس کے لیے زخمی یاد سے کم نہ تھا۔ اس نے آہستہ سے فجر کو گھمایا، اس کے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے۔

"تو تم۔۔۔ تم سب جانتی تھیں؟ شروع سے؟ تم جانتی تھیں کہ میں کون ہوں؟"

"میں جانتی تھی کہ میں آپ کا سب سے پہلا، سب سے خوبصورت اور سب سے مہنگا شاگرد ہوں۔"

سمجھ نہیں آیا تھا اسکینر نے اپنے مینٹور کو اہمیت دی تھی یا خود کو؟ البتہ رئیس کے اندر کا تناؤ بڑھ گیا۔ وہ محض فیشن یا انتقام نہیں تھا۔ وہ ایک شاگرد کا اپنے استاد کے خلاف کھڑا ہونا تھا۔

"تو پھر تمہارا رویہ میرے ساتھ شروع میں اتنا نفرت آمیز کیوں ہوتا تھا؟" اس کا لہجہ شدید تھا۔ "وہ غصہ، وہ تلخی؟ اگر تم شروع سے سب جانتی تھیں۔۔۔ تو اس نفرت کی کیا ضرورت تھی؟"

فجر نے ایک قدم پیچھے لیا، پھر ایک مکمل چکر لیا اور واپس رئیس کے سامنے آگئی۔ اس نے اپنی آنکھیں اس کی آنکھوں میں گاڑ دیں۔

"کیونکہ آپ مجھے بھول گئے تھے، رئیس اورنگزیب صاحب!" اس کے لہجے میں غصہ نہیں، پرانی چوٹ کا درد تھا۔

"مجھے غصہ تھا! آپ نے مجھے ایک اجنبی کی طرح دیکھا، ایک معمولی انسان کی طرح۔ آپ کو یاد بھی نہیں تھا کہ کوئی چودہ سالہ بچی آپ کے اصول کس قدر اپنا چکی تھی۔ میں نے آپ کا انتظار کیا سالوں۔۔۔ کہ آپ مجھے بچانے آئیں گے مگر آپ نہیں آئے۔ آپ جیسے مجھ سے بات کرتے تھے، میں ویسے ہی کرتی تھی۔ آپ نے مجھے کیا سکھایا تھا؟ دشمن کو اسی کے لہجے میں جواب دو، اور حساب ہمیشہ برابر رکھو۔"

"تمہیں میرے اصولوں پر اتنا نہیں چلنا چاہیے تھا۔ تمہیں ایسا نہیں بننا چاہیے تھا۔" رئیس نے اسے دیکھتے ہوئے دھیرے سے اعتراف کیا، مگر اس اعتراف میں فخر نہیں، خوف تھا۔

"آپ ہی نے بنایا ہے۔" فجر نے اس پر تھوڑا سا جھک کر کہا۔ "اور آپ نے اپنا ہی نقصان کر لیا۔ کیونکہ میں وہ نہیں ہوں جو چیزیں بھول جائے۔ حساب ہمیشہ برابر۔"

اس بار وہ خاموش رہا۔ بس اسے دیکھ رہا تھا۔ گھنگریالے سیاہ بال اس کے کندھوں پر لہرا رہے تھے۔ اس کی اٹھی ہوئی گردن اور اس کی گہری آنکھیں۔۔۔ وہ اسے دیکھ رہا تھا مگر اس کے دماغ میں کچھ اور چل رہا تھا۔ اس کے دل کی دھڑکن کانوں تک سنائی دیتی تھی۔

یہ اس نے کیا بنایا تھا؟ یہ لڑکی۔۔۔ یہ اس کا سب سے بڑا شاہکار تھی، اور سب سے بڑا زہر بھی۔ یہ وہ تھی جس میں وہ منار کو ہمیشہ ڈھونڈتا رہا۔۔۔ طاقت، ذہانت، اور ایک ایسی روح جو کسی کے سامنے نہ جھکے۔ وہ اس سے محبت نہیں کرتی۔۔۔ وہ اس کی پیروی کرتی تھی اور آج اس نے تختہ الٹ دیا تھا۔

ایک گہری سانس لیتے ہوئے رئیس نے، تلخ مسکراہٹ کے ساتھ رقص میں ایک آخری قدم اٹھایا۔

"تو پھر بتاؤ، اس رات میرا خون بہانے کے بعد۔۔۔ آج تم اس روپ میں میرے سامنے کھڑی ہو۔۔۔ کیوں؟"

"کیونکہ میں ایک فاتح ہوں۔" اس نے سادہ مگر پر اعتماد لہجے میں کہا۔ "اور فاتح کا کام صرف جیتنا نہیں ہوتا، وہ اپنے استاد کو شکست کا آخری سبق دیتا ہے۔"

✿••✿••✿••✿

کلب میں رقص کا ماحول تھا، مگر ولی اور منار کے درمیان کوئی رومانوی یا روایتی رقص ممکن نہیں تھا۔ ایک بیٹی کا شوہر اور اس کی ماں، جو اب ان کی سب سے بڑی دشمن تھی، کے درمیان رقص صرف ایک خاموش جنگ ہی ہو سکتا تھا۔

پیانو کی دھیمی دھن کے ساتھ ہی، ولی اور منار نے ایک انداز اختیار کیا۔ دونوں نے ایک دوسرے سے مناسب فاصلہ رکھا، اپنے ہاتھ اپنی اپنی کمر پر باندھے، اور ایک سست، نفسیاتی دائرے میں ایک دوسرے کے گرد گھومنا شروع کر دیا۔ یہ ایک رقص نہیں، شطرنج کی بساط پر چلتی چالیں تھیں، جہاں ہر حرکت کا مطلب تھا۔ منار کا چہرہ اب مکمل طور پر پتھر کا بن چکا تھا۔ کوئی جذبہ نہیں، صرف شکست کی تلخی۔ اس نے دائرے میں گھومتے ہوئے، سرد، چبھتی آواز میں کہا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے، ولیم جوزف؟"

وہ اس کا پورا نام لے رہی تھی، گویا اسے اس کی حقیقت یاد دلا رہی ہو۔

"کیا تم ایک رات میں، ایک چھوٹی سی چال سے، میرے برسوں کے جال کو توڑ سکتے ہو؟"

ولی نے سکون سے دائرے میں اس کا سامنا کیا۔ اس کی آنکھوں میں گہرا اعتماد تھا۔

"عنکبوت ہمیشہ اس بھرم میں جیتا ہے کہ اس کا گھر سب سے مضبوط ہے۔"

منار نے حقارت سے لب بھینچے، دائرے میں ایک قدم آگے بڑھایا۔

"تم اسے کب تک بچاؤ گے؟ وہ میرا ہی حصہ ہے۔ تم لوگ کبھی مل کر مجھ سے نہیں جیت سکتے۔ یہ کہانی میں نے لکھی ہے۔"

وہ مسکرایا، مگر اس کی آنکھوں میں کوئی نرمی نہیں تھی۔۔

"آپ نے صرف پہلا باب لکھا تھا اور وہ باب نفرت، خوف اور دھوکے کا تھا۔" وہ بھی دائرے میں ایک قدم آگے بڑھا، دونوں کے درمیان فاصلہ کم ہوا۔

"لیکن ہر کہانی اپنا **محافظ** (Savior) خود چنتی ہے۔"

اس نے اپنا سر ذرا سا جھکایا، اس کی آواز میں گہری سنجیدگی تھی۔

"اور اس کہانی کا محافظ میں ہوں، ولیم جوزف!"

یہ الفاظ منار کو مزید تپا گئے مگر وہ مسکرائی۔

"تمہارا غرور تمہیں لے ڈوبے گا۔۔۔ میری اگلی چال۔۔۔ تمہیں تمہاری سب سے کمزور جگہ پر لگے گی۔۔۔" اس نے فجر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"فجر میری کمزوری نہیں ہے۔ وہ میری سب سے بڑی طاقت ہے۔"

اس نے دائرے کو توڑا۔ اور منار کے سامنے آکر رک گیا۔

"اور اگر آپ نے کوشش کی۔۔۔ تو پھر آپ میری دوسری کمزوری دیکھیں گی۔۔۔ وہ جو کسی بھی قیمت پر اپنی محبت کی حفاظت کرنا ہے۔"

منار کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ کئی بار جیت چکی تھی، مگر اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس نے سب کچھ ہار دیا ہے۔ اس کی آنکھوں میں اب سرد غصے کے ساتھ ایک نئی منصوبہ بندی کا تاثر تھا۔

"افسوس آپ کا نقصان ناقابل فراموش ہے۔"

یہ کہہ کر، وہ پلٹا اور فجر کی طرف بڑھا۔ کلب میں اب بھی رقص جاری تھا۔ رئیس اور فجر، جواب بھی قریب ہی کھڑے تھے، منار اور اس کی گفتگو کو دیکھ رہے تھے۔ آواز ان تک نہیں آئی تھی مگر وہ سب سمجھ چکے تھے۔ وہ، فجر کے سامنے آیا اور اپنا بازو اس کی طرف بڑھایا۔ فجر نے مسکراتے ہوئے اس کا بازو تھام لیا۔ فجر نے پھر رئیس کی طرف دیکھا۔

رئیس نے بھی ایک لمبی سانس لی۔ اس کے چہرے پر تھکاوٹ، مگر جیت کا سکون تھا۔ وہ بھی کچھ سمجھے ہوئے آگے بڑھا، اور فجر نے اس کا دوسرا بازو بھی تھام لیا۔ اب منظر بدل گیا۔ وہ ڈانس فلور سے نکل رہے تھے۔

درمیان میں فجر چل رہی تھی، اس کے دائیں بائیں اس کے دو محافظ تھے۔۔۔ **ولی**، اس کا **شوہر** اور **محافظ**، **رئیس**، اس کا **استاد** اور **ساتھی**۔

ولی کے چہرے پر گہرا عزم اور فخر تھا۔ رئیس کے چہرے پر سکون، ایک مشکل فرض کی ادائیگی کا احساس تھا۔ یہ تینوں ایک فاتحانہ، خاموش جلوس کی شکل میں کلب سے نکل رہے تھے۔ وہ کسی کو دیکھتے نہیں تھے، صرف اپنے مقصد کی طرف!

فجر نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے، آخری بار پلٹ کر منار پر ایک فاتحانہ نظر ڈالی۔ اس کی نظر میں کوئی غصہ نہیں، کوئی نفرت نہیں، صرف حساب برابر کرنے کا مکمل اطمینان تھا۔ اس کی آنکھیں چیخ چیخ کر کہتی تھیں۔

”آپ کو مجھے اس جنگ میں نہیں گھسیٹنا چاہیے تھا مدر!“

منار کے لب بھینچ گئے۔ اس کی آنکھیں شعلہ اگل رہی تھیں۔ وہ اکیلی کھڑی تھی، شکست خوردہ مگر غیر متزلزل۔ وہ تینوں کلب کا دروازہ عبور کر گئے۔۔ ڈرگز ڈیل کینسل ہو چکی تھی، منار کو شکست ہو چکی تھی، اور عنکبوت کا جال واپس الٹ چکا تھا۔

کلب کا دروازہ بند ہوا، اور کہانی کا یہ صفحہ پلٹ دیا گیا۔

✿••✿••✿••✿

جہاز کو، اوماڑا کے ساحل سے چلے ہوئے تقریباً دس منٹ گزر چکے تھے۔ میک اپ، فائرنگ، دھوکے اور ٹینگو کے طوفان کے بعد، لگژری جہاز کا سکون بالکل مختلف تھا۔ کئی سو فٹ کا یہ عظیم الشان جہاز اندھیری رات میں کسی روشنی

کے مینار کی طرح سمندر کا سینہ چیر تا جا رہا تھا۔ رات کے بارہ بجے کا وقت تھا۔ سمندر کی لہروں کی مدھم آواز، جہاز کے انجن کی نرم گونج اور دسمبر کی ٹھنڈی، نمکین ہوا۔۔۔ یہ سب مل کر ایک گہرا، پر سکون ماحول بنا رہے تھے۔

اس وقت جہاز کا مرکزی ڈیک، ہلکی روشنیوں اور خاموش موسیقی سے سجا تھا۔ ٹیمیں تھکی ہونے کے باوجود ایک دوسرے کے ساتھ ہنس بول رہی تھیں۔ فیشن شو کی کامیابی کا جوش ان کے چہروں پر تھا۔ ڈیک پر رکھے گول میزوں پر مشروبات اور ہلکے کھانے رکھے تھے۔

فجر ایک جانب کھڑی تھی۔ وہ اب منار کے بھیس میں نہیں تھی۔ اس نے سیاہ فیشن شو کا لباس اتار کر ایک سادہ، آرام دہ سفید ٹی شرٹ اور ڈینم پہن لی تھی۔ اس کا میک اپ مٹا ہوا تھا، اور اس کے چہرے پر تھکن کے باوجود، آنکھوں میں ایک شدید اطمینان اور سکون جھلک رہا تھا۔ وہ ٹیم کے جشن پر خاموش مسکراہٹ کے ساتھ خوش نظر آ رہی تھی، جیسے اپنے پردے کے پیچھے کی جنگ کی فتح کا جشن منا رہی ہو۔

ولی کچھ فاصلے پہ کھڑا تھا۔ اس کی توجہ فجر پر تھی۔ وہ بھی سیاہ پینٹ اور ہڈی سے نکلی ہوئی سیاہ ٹی شرٹ میں تھا۔ اس کے جسم پر تھکن تھی، مگر اس کا وجود فجر کے لیے ایک مضبوط ستون تھا۔

اسی دوران، مراد، اسکے قریب آیا۔ اس کے چہرے پر سچی خوشی تھی۔ اس نے ولی کے کندھے پر ہاتھ دھرتے ہوئے کہا۔

"تم نے کمال کر دیا، چھوٹے! اور میں فیشن شو کی بات نہیں کر رہا۔"

ولی کے لبوں پر ہلکی سی لکیر ابھری۔ ان دونوں کی آنکھوں میں خاموش مفاہمت تھی۔ وہ جانتے تھے کہ اصل کامیابی کیا تھی۔

"ہم نے صرف اپنا کام کیا۔ سچ یہ ہے کہ بگ بی کے بغیر یہ ممکن نہیں تھا۔ صرف ایک وہی ہیں جو منار کا دھیان بھٹکا سکتے ہیں۔"

"نہیں چھوٹے! یہ تمہارا اور فجر کا کھیل تھا۔ تم نے ہمیں صرف ایک محفوظ راستہ فراہم کیا، جس کے لیے ہم ہمیشہ تمہارے شکر گزار رہیں گے۔" مراد نے گہری سانس لی۔ "ایک مافیا عورت کے خلاف جنگ جیتنا۔۔ خاص طور پر جب وہ منار ہو۔"

"وہ اتنی جلدی ہار نہیں مانیں گی۔ وہ دوبارہ آئیں گی۔ اور اگلی بار وہ جانتی ہوں گی کہ ان کے دشمن کون ہیں۔" وہ فکر مندی سے بولا۔

"جانتی ہے تو اچھی بات ہے۔ اب اس کے پاس کھونے کو بہت کچھ ہے، اور جیتنے کو کچھ نہیں۔ یہ جہاز اب کراچی جا رہا ہے۔ اوماڑا، کوئین ڈیک، وہ ڈیل۔۔۔ سب ماضی بن چکا ہے۔ فی الوقت ہمیں اس کامیابی کو انجوائے کرنا ہے۔" مراد نے کہا تو ولی نے اثبات میں سر ہلایا مگر اس کے چہرے کے تاثرات میں جو سنجیدگی اور فکر مندی تھی وہ کم نہیں ہوئی تھی۔

جبکہ رئیس ڈیک کے کنارے، سمندر کی طرف منہ کیے کھڑا تھا۔ اس کے سیاہ کوٹ پر سمندری ہوا پڑ رہی تھی۔ ہاتھ میں ایک بڑا، بھاری سفید کافی کا مگ تھا، جس میں شاید گرم مشروب تھا۔

اس نے کسی سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ وہ خاموش تھا۔ اس کا پورا جسم سکون میں تھا، جیسے برسوں کی الجھنیں آج کھل گئی ہوں۔

فجر کچھ دیر نیچے رہی پھر وہ دبے قدموں اس تک پہنچی اور خاموشی سے اس کے پہلو میں کھڑی ہو گئی۔

"آپ کیوں خاموش ہیں، بگ بی؟ آپ کو خوش ہونا چاہیے۔ آج آپ نے اپنی سب سے بڑی دشمن کو، سب سے بڑی شکست دی ہے۔"

رئیس نے دھیرے سے کافی کا مگ اپنے لبوں سے ہٹایا۔ اس نے سمندر کی طرف دیکھتے ہوئے، تقریباً سرگوشی میں جواب دیا۔

"میں نے دشمن کو شکست دی۔۔۔ مگر اس کے ساتھ ہی میں نے آج اپنا ایک وہمی جنون بھی ہمیشہ کے لیے مار ڈالا ہے۔"

اس نے مڑ کر فجر کی طرف دیکھا۔ آنکھوں میں گہری چمک تھی۔ وہ چمک جیت کی نہیں، سچ کی تھی۔

"آج تم منار کے روپ میں میرے سامنے کھڑی تھیں، اور وہ تمہارے، مگر میں نے اس کے اندر وہ کچھ دیکھا جو تم میں نہیں ہے۔ اس کی نفرت! اور آج مجھے پہلی بار یقین ہوا کہ گلٹ سے بڑا کوئی دکھ نہیں۔"

اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ فجر کا چہرہ دیکھا۔

"تم نے میرا حساب برابر کر دیا۔۔۔" اس کے چہرے پر ایک مان تھا۔ اس مان سے فجر کو بہت کم لوگ دیکھتے تھے۔ وہ مسکرا بھی نہ پائی۔

"ہم محفوظ ہیں۔ جہاز کراچی کی طرف گامزن ہے۔ تم اور ولی محفوظ ہو۔ یہی کافی ہے۔"

اس نے رخ واپس سمندر کی طرف موڑ لیا جبکہ فجر کی پیشانی پر الجھنوں کی لکیر ابھری۔ کبھی کبھی اس شخص کو اسکین کرنا اس کے اندر کے جذبات جاننا بہت مشکل ہو جاتا تھا۔ وہ باتوں کو گھمانے کا فن جانتا تھا۔

سمندر کی لہریں جہاز سے ٹکرا رہی تھیں، اور ایک دھندلی سی چادر ان کے گرد پھیلی ہوئی تھی۔

✿••✿••✿••✿

کلب کا شور نیچے کہیں دب چکا تھا۔ یہاں، شیشے کی دیواروں سے اوماڑا کا سیاہ سمندر اور دور جاتی اس جہاز کی روشنی نظر آ رہی تھی، جو اب محض ایک نقطہ تھی۔ کمرے میں موت جیسی خاموشی تھی۔ صرف ایک آواز تھی، ایک شخص کے رونے اور گڑگڑانے کی۔ وہ آدمی، جسے ولی نے بے ہوش کیا تھا، اب ہوش میں تھا۔ اس کا چہرہ سوجا ہوا تھا، اور وہ فرش پر منار کے قدموں میں پڑا تھا۔

"ملکہ۔۔۔ معاف کر دیں۔۔۔ خدا کے لیے۔۔۔" وہ جانتا تھا کہ وہ کس سے رحم مانگ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا ملکہ معاف نہیں کرتی۔

منار وہیں کھڑی تھی، کھڑکی کے قریب، سمندر کو تکتی ہوئی۔

وہ ابھی اسی حلیے میں تھی۔ قیمتی لباس جو اس کے وجود سے چپکا ہوا تھا۔ ریشمی سیاہ بال جو اب بھی اس کی کمر پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس کا چہرہ مکمل طور پر سرد و سپاٹ تھا، جیسے سنگِ مرمر سے تراشا گیا ہو۔ لیکن آنکھوں میں شعلے جل رہے تھے۔ ٹیم کے باقی دو افراد، جو ساحل سے بچ نکلے تھے، دیوار کے ساتھ سر جھکائے کھڑے تھے۔ اتنے خوفزدہ کہ سانس لینے کی آواز بھی جرم لگ رہی تھی۔ پھر وہ دھیرے سے مڑی۔

اس کے قدموں کی آہٹ نہیں ہوئی، وہ جیسے ہوا پر تیرتی ہوئی اس شخص کے قریب آئی جو فرش پر پڑا تھا وہ شخص کانپ رہا تھا۔

"ملکہ۔۔۔ کسی نے پیچھے سے وار کیا۔۔۔ میں۔۔۔ میں بے ہوش ہو گیا۔۔۔ مجھے اندازہ نہیں ہوا۔۔۔"

منار اس کے عین اوپر آ کر رکی۔ اس نے نیچے جھک کر اس شخص کی ٹھوڑی کو اپنے ناخنوں سے پکڑا اور اس کا چہرہ اوپر اٹھایا۔ اس کی آنکھیں جل رہی تھیں۔

"اندازہ؟" اس کی آواز کسی سرگوشی سے زیادہ نہیں تھی، مگر اس سرگوشی نے کمرے کا درجہ حرارت مزید گرا دیا۔

"تمہیں اندازہ نہیں ہوا کہ تمہاری ایک غلطی۔۔۔ میری برسوں کی محنت پر پانی پھیر دے گی؟" اس نے ٹھوڑی چھوڑ دی۔

"تمہیں اندازہ نہیں ہوا کہ تمہاری وجہ سے آج میں ان کے سامنے مذاق بن گئی؟"

وہ شخص تڑپ اٹھا۔ "نہیں ملکہ! نہیں۔۔۔ میں آپ کا وفادار ہوں۔۔" اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا، کوشش کی کہ اس کی ہیل کو چھو سکے، رحم کی بھیک مانگ سکے۔ "مجھے مار دیں۔۔۔ بس۔۔"

منار نے اس کے پھیلے ہوئے ہاتھ کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں بدلا۔ پہلے بھی ایک بار وہ شخص فجر کو منار سمجھنے کی غلطی کر چکا تھا۔

"مرنا بہت آسان ہے۔۔۔"

اس نے اپنا دایاں پاؤں اٹھایا، وہ تیز، نوکیلی اسٹیلیٹو ہیل جو اس کے لباس کا حصہ تھی۔ اور اس نے وہ ہیل۔۔۔ اس شخص کے فرش پر پھیلے ہوئے ہاتھ پر رکھ دی۔ کڑک! ہڈی ٹوٹنے کی ایک بھیانک آواز ابھری۔ اس شخص کی چیخ اس کے گلے میں ہی گھٹ گئی، اس کی آنکھیں دہشت سے ابل پڑیں۔ اس نے ایک لمحے کے لیے اپنا پورا وزن اس ہاتھ پر ڈالا۔ اس کی آنکھوں میں کوئی رحم نہیں تھا، صرف خالص، بے رحم غصہ تھا۔ پھر، جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو، اس نے اپنی ہیل اس کے ہاتھ سے رگڑتے ہوئے ہٹائی اور آگے بڑھ گئی۔ وہ آدمی فرش پر اپنے کچلے ہوئے ہاتھ کو پکڑے کراہ رہا تھا۔ جبکہ منار چلتی ہوئی دروازے تک گئی۔

اس نے مڑ کر باقی دو افراد کو دیکھا، جو خوف سے دیوار سے چپکے ہوئے تھے۔

"اسے میری نظروں سے دور لے جاؤ۔" اس کی آواز اب سپاٹ تھی۔

"اور تم دونوں۔۔۔" اس نے ان پر نظریں گاڑ دیں۔ "تم نے انہیں جاتے دیکھا۔۔۔ تم نے میری ہمشکل کو دیکھا۔۔۔ اور تم نے اسے روکا نہیں؟"

"ملکہ۔۔۔ وہ۔۔۔"

وہ بنا کچھ سنے کمرے سے باہر نکل گئی، پیچھے صرف ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کی تکلیف اور موت کی دہشت چھوڑ گئی۔

✿••✿••✿••✿

نیچے مین ڈیک پر فیشن شو کی کامیابی کا جشن مدھم پڑ چکا تھا، صرف موسیقی کی ہلکی سی گونج ہوا کے ساتھ اوپر آ رہی تھی۔ یہاں، عرشے کے اس آخری سرے پر، صرف خاموشی، سمندر اور وہ دونوں تھے اور جہاز پوری رفتار سے کراچی کی جانب رواں تھا۔ دسمبر کی رات اپنے عروج پر تھی۔ ولی نے ایک موٹی سیاہ ونڈ بریکر جیکٹ پہن رکھی تھی، جس کا کالر اس نے اونچا کیا ہوا تھا۔ فجر نے خود کو ایک گرم کشمیری شال میں مکمل طور پر چھپا رکھا تھا، اس کا چہرہ بمشکل نظر آ رہا تھا۔

ولی عرشے کی ریلنگ کے پاس کھڑا تھا، اس کا ایک بازو فجر کی کمر کے گرد مضبوطی سے پھیلا ہوا تھا، اسے سردی اور دنیا، دونوں سے بچاتے ہوئے، اپنے ساتھ لگائے ہوئے۔ فجر کا سر اس کے کندھے پر ٹکا تھا۔ وہ دونوں خاموشی سے اس لامحدود اندھیرے کو دیکھ رہے تھے، جو آج ان کا دوست لگ رہا تھا۔

"خوفناک تھا نا؟" فجر نے بالآخر خاموشی توڑی، اس کی آواز ہوا میں تقریباً ایک سرگوشی تھی۔ "وہ گولیوں کی آواز۔۔۔ اور وہ شخص جو گرا۔۔۔"

ولی نے اسکے گرد حصار مزید مضبوط کیا۔ "سب ختم ہو گیا، فجر! ہم جیت گئے ہیں۔"

"ہم جیت گئے۔۔۔" فجر نے یہ الفاظ دہرائے، جیسے خود کو یقین دلا رہی ہو۔ وہ چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔

"آج رات مجھے بگ بی کے لیے برا لگا۔"

ولی مسکرایا۔

"بگ بی (رئیس) کو ترس کی ضرورت نہیں۔ انہیں آج وہ مل گیا جو وہ ہمیشہ سے چاہتے تھے۔۔۔ شاید سچائی!"

فجر نے سمجھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ چند پلوں کی خاموشی چھا گئی۔ فجر اس کی جیکٹ کی گرمی محسوس کر رہی تھی۔

"ویسے میرے پاس تمہاری ایک چیز ہے۔"

فجر نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ "میری؟"

ولی نے اپنی جیب کی زِپ والی جیب میں ہاتھ ڈالا اور کچھ نکالا۔ اس نے اپنی ہتھیلی فجر کے سامنے کر دی۔ فجر کی آنکھوں میں شناسائی سی پھیل گئیں۔ اس کی ہتھیلی پر ایک نازک سا بریسلٹ پڑا تھا۔ چاندی کی باریک زنجیر اور ایک چھوٹا سا شیشے کا لاکٹ اور اس لاکٹ کے اندر چاول کا ایک دانہ تھا جس پر FAJAR لکھا چمک رہا تھا۔

فجر نے اسے پہچانتے ہوئے، ہاتھ سے اسے چھوا۔

"یہ۔۔۔ یہ تو۔۔۔ یہ میرا بریسلٹ ہے۔ یہ چار سال پہلے۔۔۔"

"گاڑی میں گر گیا تھا جب تم تازہ تازہ نکاح کے بعد مجھے کھری کھری سنا کر گئی تھیں۔" اس نے فجر کا جملہ مکمل کیا۔

فجر نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ مسکرایا، اس کی آنکھوں میں ماضی کی یادیں تھیں۔ فجر کو وہ دن یاد آ گیا۔۔۔ وہ غصہ، وہ تلخی۔ وہ بے اختیار ہنس دی۔

"اور تم نے۔۔۔ اٹھا لیا تھا؟"

"ہاں، بس ایسے ہی۔۔۔" ولی نے کندھے اچکائے، جیسے یہ کوئی بڑی بات نہ ہو۔ یہ بریسلٹ تھا اسے اب پتا چلا۔ وہ تو اسے لاکٹ سمجھ رہا تھا۔

"اور سنبھال کر رکھا۔" اس کی آواز میں حیرت اور ایک نئی، گہری اپنائیت تھی۔

ولی نے ایک لمحے کے لیے سمندر کو دیکھا۔

"کئی بار دل کیا پھینکنے کا۔۔۔ مگر۔۔۔" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ فجر سمجھ گئی۔

"مگر تم پھینک نہیں سکے۔"

وہ اسے پر شوق نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ یہ شخص، جو اتنا لاپرواہ سا تھا، اس نے چار سال تک اس کی ایک نشانی سنبھالے رکھی۔

"تمہیں پتا ہے۔۔۔" فجر نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔ "مجھے تم میں سب سے زیادہ اچھا کیا لگتا ہے؟"

"کیا؟" وہ فوراً متوجہ ہوا۔ اس کی آنکھوں میں تجسس تھا۔

فجر نے اپنی مسکراہٹ دبانے کی کوشش کی۔

"تمہاری یہ گلگلتی اردو۔"

یہ سنتے ہی ولی کو صدمہ لگ گیا۔ اس کا سکاٹش لہجہ جب اردو کے الفاظ ادا کرتا تھا، تو اس میں واقعی ایک عجیب سی مٹھاس (**اور تھوڑی پٹھانوں جیسی سختی**) آجاتی تھی۔

"تم میرا مزاق اڑا رہی ہو؟" اس کے چہرے کا رنگ بدلا۔

"نہیں تو۔۔۔"فجر نے بمشکل اپنی مسکراہٹ ضبط کی۔

"یہ تو سراسر لینگویج شیمنگ ہے۔"وہ مصنوعی خفا ہوا، سکاٹش لہجے میں کہتے ہوئے۔

فجر اس بار ہنسی ضبط نہ کر پائی۔ اس کا قہقہہ ٹھنڈی ہوا میں گونج اٹھا اور چہرہ سرخ پڑ چکا تھا۔ ولی اسے خفگی سے گھورتا رہا، پھر اس کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ آگئی۔ اس نے بریسلٹ اٹھایا اور خود فجر کی کلائی پر باندھ دیا۔

"یہ تم پر زیادہ اچھا لگتا ہے، میری گاڑی کے ڈیش بورڈ سے۔"اس نے آہستگی سے کہا۔

فجر نے اپنی کلائی پر اس بریسلٹ کو دیکھا، جو اب اس کے پاس واپس آگیا تھا، بالکل ولیم جوزف کی طرح جو اسے چھوڑ کر گیا تھا۔ اس نے اپنا سر واپس اس کے کندھے پر رکھ دیا، اس کی ہنسی اب ایک پر سکون مسکراہٹ میں بدل چکی تھی۔

"وعدہ کرو۔۔۔"فجر نے سرگوشی کی۔

"کیا؟"

"تم اردو بولنا کبھی نہیں چھوڑو گے۔"

وہ ہنس دیا۔"صرف اس لیے کہ تم میرا مزاق اڑا سکو؟"

"نہیں۔۔"فجر نے اس کی جیکٹ کو مضبوطی سے تھاما۔"اس لیے کہ جب تم بولتے ہو۔۔۔ تو مجھے لگتا ہے کہ دنیا کی ہر سخت چیز بھی نرم ہو سکتی ہے۔ بالکل تمہاری طرح۔"

"اوکے میڈم، جو آپ کہیں۔۔۔"اس نے فجر کے سر پر ٹھوڑی ٹکا دی۔ وہ دونوں اس لمحے میں سب کچھ بھول گئے تھے۔ جنگ، منار، انتقام۔۔۔ سب کچھ اس ٹھنڈی، پر سکون رات میں سمندر کی لہروں میں کہیں گم چکا تھا۔

✿••✿••✿••✿

•سات دن پہلے•

وقت کی سانسیں الٹی گننے لگی ہیں۔

یہ وہ لمحہ ہے جہاں کہانی اپنی موت سے پیچھے کی طرف چلنے لگتی ہے۔

جہاں ہر منظر ایک راز کا پرزہ بن کر گرنے والا ہے۔

شہر کے ہر کونے میں چمک اور شور بڑھ رہا تھا،

فیشن ورلڈ ایک نئے سال کی تیاری میں مصروف ہے۔

مگر اس سب کے بیچ کوئی اپنی آخری چال چلنے والا ہے۔

یہ وہ موڑ ہے جہاں کہانی اپنی موت سے نہیں،

اپنے انجام کی پیش گوئی سے شروع ہوتی ہو گی۔

جہاں ہر منظر، ہر چہرہ، ہر فیصلہ

ایک نئے راز کا دروازہ بننے والا ہے۔

سات دن۔۔۔۔

بس سات دن باقی ہیں اس رات تک

جب روشنی بجھ جائے گی،

نقاب گر جائیں گے،

اور عنکبوت کا جالا مکمل ہو جائے گا۔

یہ الٹی گنتی

کہانی کے اختتام کی نہیں،

بلکہ اس کے اصل آغاز کی دستک ہے!

رئیس ہیڈ آفس میں آج غیر معمولی ہلچل تھی۔ سب ٹیمیں اپنی اپنی جگہ مصروف تھیں۔ مگر اس ہجوم میں، دو چہروں کی غیر موجودگی سب سے نمایاں تھی۔

فلک میز کے پاس کھڑی ریہرسل دیکھ رہی تھی۔ اس کی نظریں اسکرین پر تھیں مگر دل کہیں اور، کسی ان دیکھے اضطراب میں اٹکا ہوا۔ اس کے چہرے پر تھکن کے باوجود ایک عجیب سا اطمینان تھا۔ **'زہر خوردہ کتاب'** مکمل ہو چکی تھی، مگر اس کا اثر شاید ابھی تک اس کے اندر کہیں گردش کر رہا تھا۔

دروازہ آہستہ سے کھلا۔ سب کے شور کے بیچ وہ قدم بہت نرم، مگر بہت واضح سنائی دیئے۔ فلک نے بے دھیانی میں مڑ کر دیکھا، فجر سامنے تھی۔

لمبے سفر کی تھکن کے باوجود اس کے چہرے پر ایسی چمک تھی جو اندر سے جنم لیتی ہے۔ جیسے کسی نے دل کے اندر کی سرد جنگ جیت لی ہو۔ ایک لمحے کے لیے دونوں بس ایک دوسرے کو دیکھتی رہیں۔ کچھ لمحے ایسے ہوتے ہیں جو بولنے سے پہلے سب کہہ دیتے ہیں۔ پھر فجر اس کی جانب بڑھی اور چند قدم کے فاصلے پر آ کر رک گئی۔

"کتنا وقت گزر گیا ہے نا، فلک۔۔۔" اس کی آنکھوں نے چیخ چیخ کر کہا۔

"ہاں۔۔۔ جیسے برسوں کا بوجھ کسی ایک پل میں اتر گیا ہو۔" فلک کی خاموشی نے چیخ چیخ کر جواب دیا۔

کچھ رشتے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ ساری شکایتیں دم توڑ جاتی ہیں جب وہ شخص سامنے آتا ہے جو ہمیں عزیز ہوتا ہے۔ فاصلے پل بھر میں نے جاتے ہیں۔

فجر وہیں کھڑی رہی۔ پھر وہ لمحہ آیا جب فلک نے بڑھ کر اسے بانہوں میں بھر لیا۔ اس کے آنسو پلکوں سے نیچے اتر آئے، مگر وہ ہنس رہی تھی۔

"تم واپس آ گئیں۔۔۔"

یہ لمحہ دو جیتوں کا ملاپ تھا۔ ایک جنگ جیت آئی تھی، دوسری نے اپنے اندر کا زہر لفظوں میں انڈیل کر خود کو بچا لیا تھا۔

"مبارک ہو۔۔۔ تم جیت گئیں فجر!"

فلک کی آواز دھیمی تھی، جیسے کسی دیرینہ قرض کی ادائی ہو گئی ہو۔

فجر مسکرائی۔ "نہیں، ہم جیت گئے۔"

وہ آہستہ سے پیچھے ہٹی۔ اس کے ہونٹوں پر نرم سی مسکراہٹ آئی۔

"کچھ جیت ایسی ہوتی ہیں جو دکھ کے بغیر ممکن نہیں ہوتیں۔" وہ بھی مسکرائی۔

"مجھے تم سے بہت کچھ کہنا ہے۔ بہت۔۔۔ تمہیں بتانا ہے کہ وہاں کیا ہوا، کیسے سب کچھ پلٹا، اور۔۔۔"

"اور مجھے بھی! مجھے تمہیں اپنی کتاب کے آخری باب کے بارے میں بتانا ہے، میں نے کیسے لکھا اور کیا کیا ہوا۔۔۔"

دونوں یکدم مسکرا دیں۔ وہ ہنسی جو آنکھوں سے شروع ہوتی ہے اور دل میں جا کر ٹھہرتی ہے۔

"یاد ہے وہ دن جب ہم نے کہا تھا کہ ہم کچھ ایسا بنائیں گے جو دنیا کو حیران کر دے؟" فلک نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں اور تم نے کہا تھا، اگر ہم ناکام ہوئے تو کم از کم ڈرامائی انجام تو ضرور دیں گے!"

فلک نے ایک گہری سانس لی، "میں نے تمہیں یاد کیا تھا۔ بہت۔"

فجر کے چہرے پر خاموش سا سکون اتر آیا۔

"میں نے بھی۔ تم وہ پہلا انسان ہو جس سے میں نے کبھی سب کچھ کہنا چاہا، اور شاید اب کہہ سکوں گی۔"

دونوں کے درمیان اب کوئی دیوار نہیں تھی۔ نہ فخر، نہ انا، نہ فاصلے۔ بس دو دوست، جنہوں نے زندگی کے مختلف محاذوں پر لڑ کر جیت حاصل کی تھی۔

دور اسٹیج کی لائٹس جلنے لگیں۔ کسی نے آواز لگائی، "میڈم! ریہرسل پھر سے شروع کرنی ہے!"

"بس سات دن باقی ہیں۔۔۔"

فجر مسکرائی، "ہاں۔ اور شاید یہی سات دن، سب کچھ بدل دیں گے۔"

وہ دونوں ایک بار پھر مسکرا کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔

وقت جیسے تھم سا گیا تھا۔ ایک طرف ڈارک اسٹارز کی چمک تھی، دوسری طرف ان دونوں کی وہ دوستی جو ساری اندھیروں کے باوجود آج بھی روشن تھی۔

"کل ملتے ہیں۔" فجر نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوا کہا۔

"دو عورتوں کا دن۔۔۔" فلک نے بھی اسکا ساتھ دیا تو فجر مسکراتے ہوئے پلٹ گئی۔

✿••✿••✿••✿

چھ دن پہلے!

•دو عورتوں کا دن•

لاہور کی سرد صبح تھی۔ دھند اتنی گہری کہ عمارتیں دھندلکوں میں تحلیل ہو گئی تھیں۔ آسمان پر سورج کی ہلکی نارنجی لکیر جیسے ان دو عورتوں کے دن کی نشانی ہو! دھند کے پار بھی روشنی موجود تھی۔

فجر دروازے کے سامنے کھڑی چائے کے مگ سے اٹھتی بھاپ کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں نیلے رنگ کا سرامک کپ تھا اور چہرے پر وہ سکون جو فتح کے بعد آتا ہے۔ آج کا دن، وہ جانتی تھی، اس کا اور فلک کا دن ہے۔ نہ جنگ، نہ چالیں، نہ سیاست۔ صرف دو عورتیں اور وہ وقت جس کا وعدہ وہ دونوں نے برسوں پہلے خود سے کیا تھا، کہ جب سب طوفان تھم جائیں گے، وہ ایک دن صرف اپنے لیے رکھیں گی۔ اس نے فلک کے کمرے کے دروازے پر دستک دی اور پھر دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔

دوسری طرف فلک تھی۔ اس نے آج اپنا اونی کیپ پہنا تھا، گہرے نیلے کوٹ کے ساتھ۔ اس کے بال کیپ کے اندر سمٹے ہوئے تھے مگر گردن کے پاس سے سنہری لٹ کے دو سرے باہر نکل آئے تھے۔ وہ جانتی تھی فجر اسے لینے خود آئے گی۔

دروازہ بجا تو اس نے بنا دیکھے کہا۔

"مجھے پتا تھا تم ہو۔"

"تمہیں ہمیشہ پتا ہوتا ہے۔"

"کیونکہ تم ہمیشہ وقت پر آتی ہو۔"

فجر نے شانے اچکائے، "وقت میرے بس میں نہیں، مگر یہ دن ضرور میرے بس کا ہے۔"

اس نے ایک آخری نظر فلک کی تیاری پر ڈالی۔ دو چار گھونٹ چائے کے لیے اور یوں وہ دونوں نکل پڑیں، بوٹس کی چاپ، کوٹوں کی خوشبو، اور ایک دن جس کا ہر لمحہ ان کی سانسوں میں قید ہونے والا تھا۔ سب سے پہلے وہ دونوں منار فیشنز پہنچی تھیں۔ دسمبر کی دھند فضا میں تیر رہی تھی۔ سڑکوں کے کنارے درختوں کے پتّے چاندی کی طرح چمک رہے تھے اور سانسوں سے اٹھتا بھاپ کا دھواں فضا میں تحلیل ہو رہا تھا۔

فجر نے اپنے اونی کوٹ کا کالر ٹھیک کیا۔ سیاہ چمڑے کے بوٹ، بالوں کا اونچا جڑا، اور گہرے برگنڈی رنگ کی لپ اسٹک۔

فلک کے لباس میں سادگی تھی مگر ایک الگ ہی شان، نیلے رنگ کا لانگ کوٹ، سیاہ اونی کیپ، اور ہلکی گلابی لپ اسٹک۔

ایک لمحے کو لگتا تھا جیسے دونوں ایک ہی عکس کی دو پرتیں ہوں۔۔۔ مختلف مگر مکمل! دروازے کے سامنے پہنچ کر فجر لمحہ بھر کو رک گئی۔ اس نے گردن اٹھا کر اس عمارت کو دیکھا جس میں اسکا خون پسینہ شامل تھا۔

اسے یاد آیا وہ دن جب یہ جل کر راکھ ہو رہی تھی۔ سب ماضی کا دھواں ہے فجر، اب صرف چمک رہ گئی ہے۔

اندر داخل ہوتے ہی خوشبوؤں، روشنیوں اور رنگوں نے ان کا استقبال کیا۔

ماربل کے فرش پر ان کے بوٹس کی آواز گونجی،

کمرے میں کارکن بھاگ دوڑ میں مصروف تھے، لائٹس فکس ہو رہی تھیں، گاؤن ٹنگے جا رہے تھے، ڈیزائنرز اپنے اپنے کام میں مصروف تھے۔ صفدر نے خوش دلی سے ان کا استقبال کیا۔ اوماڑا فیشن شو کے بعد فجر ایک بار پھر لائم لائٹ میں آگئی تھی۔

"یہ دیکھو۔۔۔" صفدر نے ایک گاؤن کی جانب اشارہ کیا۔

"یہ راکھ کلیکشن کا پہلا ڈریس ہے۔ وہ لمحہ جب عورت خود کو دوبارہ بُنتی ہے۔"

فلک نے کپڑے پر ہاتھ پھیرا۔

"یہ صرف کپڑا نہیں، یہ تم لوگوں کی زبان ہے۔"

"اور تمہاری کتاب؟ وہ زہر خوردہ پری، کیا تمہیں لگتا ہے لوگ سمجھ پائیں گے؟" فجر نے سینے پر ہاتھ باندھتے آنکھیں چھوٹی کیے پوچھا۔

"میں چاہتی نہیں کہ وہ سمجھیں، میں چاہتی ہوں کہ وہ محسوس کریں۔ جیسے میں نے لکھتے وقت کیا تھا۔"

دونوں کی آنکھیں ایک لمحہ کے لیے ملی۔ یہ وہ نظر تھی جو برسوں کے فاصلے مٹا دیتی ہے۔ فلک کے ہونٹوں پر نرم تبسم تھا

"تمہیں پتا ہے فجر، تم اب ویسی نہیں رہیں۔"

"کیسی؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ جو تنہا تھی، جو ہر چیز سے لڑتی تھی۔ اب تم کسی کے ساتھ ہو، میرے ساتھ۔"

ہاں شاید یہی ان کا ایک نیا جنم تھا۔ انہوں نے کافی وقت وہاں گزارا اور پھر دوپہر کے وقت، دھند ذرا چھٹی تو دھوپ نے اپنا لمس زمین پر پھیلایا۔

وہ دونوں گلبرگ کے ایک نئے مال میں آئیں۔

فلک نے ایک ہیٹ اٹھائی اور آئینے کے سامنے پہن کر بولی۔

"یہ دیکھو، میں اب نویسہ سے زیادہ اسٹائلش لگ رہی ہوں نا؟"

"ہاں، اب صرف قلم کے بجائے تمہیں ریمپ پر چلنا چاہیے۔"

"پھر تم ڈیزائن کرو گی میری ڈریس، ڈیل؟"

"ڈیل!" فجر مسکرا دی۔

وہ آئینوں کے بیچ، روشنیوں کے نیچے چلتی رہیں۔ ایک دکان میں خوشبوئیں آزمائیں، دوسری میں رنگین کوٹس، کبھی فجر نے فلک کے بال ٹھیک کیے، کبھی فلک نے فجر کے گال پر لپ اسٹک کا نشان صاف کیا۔

"ہم دونوں کا مزاج کتنا مختلف ہے۔ پھر بھی جب ساتھ ہوتے ہیں، سب ٹھیک لگتا ہے۔ کیسے؟" فجر نے اچنبھے سے پوچھا۔

"یہ دوستی نہیں، توازن ہے۔ تم آگ ہو، میں ہوا۔ تم جلنے لگو گی تو میں بہہ جاؤں گی۔"

ان کی ہنسی جیسے مال کے شیشوں پر ٹھہر گئی۔ لوگ انہیں دیکھتے تھے۔ دو عورتیں، جو کسی کی بیوی کی حیثیت نہیں، کسی کے ماتحت نہیں، بلکہ خود اپنی کہانی کی مرکزی کردار تھیں۔

کچھ دیر بعد وہ کیفے چلی آئیں۔ گرم کافی، براؤن شوگر، اور پیسٹری کے چھوٹے ٹکڑے۔ فلک نے پیسٹری کا ٹکڑا اٹھاتے اطلاع دی۔

"میں سوچتی ہوں، جب زہر خوردہ پری چھپے گی تو میں خوشی سے چیخوں گی، جب کاپیاں میرے ہاتھ میں آئیں تو شاید میں رو پڑوں گی۔"

"کیونکہ وہ کتاب تمہارا دل ہے۔ میں نے دیکھا ہے، لوگ اسے پسند کر رہے ہیں۔ تم نے جادو تخلیق کیا ہے۔"

"شاید عورت کا جادو ہی یہی ہے کہ وہ رو کر بھی تخلیق کرتی ہے۔" فلک دھیما سا مسکرائی۔

"ویسے تمہاری زہر خوردہ پری، عورت کے حوالے سے سال کی سب سے بولڈ کتاب ہے۔"

"تمہارے ساتھ مل کر میں دنیا بدلنے کی کوشش کر رہی ہوں۔"

"عورتوں کی جنگ صرف اس وقت ختم ہوتی ہے جب وہ ایک دوسرے کے ساتھ کھڑی ہوتی ہیں۔" فجر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"اور ہم اب ساتھ ہیں۔ بغیر کسی انا، بغیر کسی خوف کے اور۔۔۔ میں نے اگلی کتاب کا نام رکھ لیا ہے۔"

"کیا نام ہے؟"

"احیاء۔۔۔" فلک نے ایک لفظی جواب دیا۔ "یعنی حیات نو۔"

فجر نے دلچسپی سے پوچھا، "اور موضوع؟"

"انسا، جو خود کو بخشنے کا ہنر سیکھ لے کیونکہ جب ہر پتا جھڑ جاتا ہے، تب اندر کا شجر ہرا ہوتا ہے۔"

فجر نے آہستہ سے سر ہلایا، "کاش ہر عورت یہ ہنر سیکھ لے۔"

”پھر شاید دنیا کچھ نرم ہو جائے۔“ فلک نے بھی اسی کے انداز میں جواب دیا۔

”میں سوچ رہی ہوں اگلے شو میں تمہیں فرنٹ لائن پر بٹھاؤں۔“

”بس یہ مت کہنا کہ ماڈل بن جاؤں!“ فلک نے ڈرامائی انداز مین کہا تو دونوں کے قہقہے فضا میں گھل گئے۔

ہوا کے ساتھ وہ آزاد لگ رہی تھیں۔ جیسے ان کے کاندھوں کا بوجھ کسی نے اتار لیا ہو۔

”یہ دن۔۔۔ تمہیں پتا ہے فجر، میں چاہتی تھی ایسا دن آئے جہاں نہ کوئی مرد باتوں کے بیچ ہو، نہ کوئی خوف۔ بس دو عورتیں، جو خود کو جانتی ہوں۔“

”آج وہ دن ہے۔ ہم نے دنیا کو نہیں بدل سکتے، مگر اپنے دلوں کی سمت بدل سکتے ہیں۔ یہی اصل جیت ہے۔“

دونوں نے خود کو چنا تھا اور اب شاید دنیا کو سمجھ آ جائے کہ **عورت کا مطلب کمزوری نہیں۔۔۔ تخلیق، اختیار اور جیت ہوتا ہے!**

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر دھند میں غائب ہوتے سورج کی طرف۔

فجر نے آہستہ کہا۔ جیسے کچھ یاد آ گیا ہو۔

”چھ دن باقی ہیں۔۔۔“

فلک نے نرمی سے مسکرا کر جواب دیا۔

”ہاں۔۔۔ چھ دن، اور شاید پوری کہانی کا انجام۔“

✿••✿••✿••✿

شہر میں دھند کے ذرے پھر سے گھلنے لگے۔ وہ دونوں، سڑک کنارے کھڑی تھیں، ہاتھوں میں کافی کے کپ، چہروں پر بڑے سیاہ چشمے، جن کے پیچھے ان کی پہچان چھپی ہوئی تھی جیسے کہانیوں کے کردار اپنے انجام سے پہلے چہرہ چھپا لیتے ہیں۔

"مجھے اب وہ کام کرنا ہے جو کبھی نہیں کیا۔"

"کیا؟" فلک نے حیرانی سے پوچھا۔

"میں کسی سے آٹوگراف لینے جا رہی ہوں۔"

فلک کا چہرہ سنجیدگی سے حیران ہو گیا، پھر وہ ہنس دی۔

"فجر معراج کسی سے آٹوگراف لے؟ یہ تو تاریخ بدلنے والا واقعہ ہے۔"

"ہاں، اور تم وہ واحد عورت ہو۔"

فلک پل بھر کو ساکت ہوئی۔ وہ جانتی تھی فجر کے لیے یہ ایک عام جملہ نہیں تھا۔ اس کی دنیا میں تعریفیں نہیں ہوتیں، صرف تسلیم کیا جاتا ہے اور فجر نے اسے تسلیم کر لیا تھا۔

دونوں نے قدم بڑھائے۔ سامنے ایک پرانی سی دکان تھی۔ لکڑی کا دروازہ، اوپر دھندلا بورڈ تھا۔

"کتاب محل"

حروف کے کنارے زنگ آلود مگر قائم تھے۔

دکان کے اندر ہوا جیسے کاغذوں میں بسی ہو۔ شیلفوں پر پرانی جلدوں کا ڈھیر، بیچ بیچ میں نیا ادب۔ فلک کے چہرے پر وہ چمک تھی جو کسی قاری کو لفظوں کے جنگل میں داخل ہوتے محسوس ہوتی ہے۔

"یہ جگہ کتنی پرانی لگتی ہے جیسے وقت نے یہاں پناہ لی ہو۔" فجر نے تحیر سے کہا۔

"یہی تو اصل محبت ہے، وقت کو تھام لینا اور کتابیں یہ ہنر رکھتی ہیں۔"

فجر نے گردن موڑ کر کاؤنٹر پر بیٹھے دکاندار کو دیکھا۔

درمیانی عمر کا مرد، مٹیالے رنگ کی جیکٹ، عینک کی ایک ڈنڈی ٹیپ سے بندھی ہوئی۔ وہ اخبار پڑھ رہا تھا، شاید ادب نہیں سیاست۔

فجر آگے بڑھی۔

"معاف کیجیے گا، **پر فریب** نام کی کتاب چاہیے۔ مصنفہ ہیں **فلک عالمگیر!**"

دکاندار نے اخبار سے نظریں ہٹا کر انہیں دیکھا،

"نہیں بی بی، وہ کتاب نہیں چل رہی۔ ختم ہو گئی۔"

فلک نے ذرا نظریں جھکائیں۔ اس کے لیے یہ جملہ نیا نہیں تھا۔

پبلشنگ کی دنیا میں اکثر لفظ **'ختم ہو گیا'** کا مطلب ہوتا ہے،

"ہم نے جگہ نہیں دی۔"

"ختم ہو گئی یا بیچی نہیں؟"

دکاندار نے اخبار موڑ دیا۔

"بیچی نہیں جا سکتی۔ عوام ایسی کتابیں نہیں پڑھتی۔"

فجر نے چشمہ اتارا۔

"عوام پڑھنا چاہتی ہے، بس تم جیسے gatekeeper بیچنے نہیں دیتے۔"

فلک نے اس کی آستین تھامی۔

"فجر، چھوڑ دو، وہ سمجھ نہیں پائے گا۔"

"اسے سمجھنا ہو گا۔" وہ واپس دکاندار کی جانب مڑی۔ "جب آپ لوگ کسی نئی مصنفہ کی کتاب پیچھے رکھ دیتے ہیں، تو آپ لفظوں کی موت کے مجرم بنتے ہیں۔"

"بحث کا فائدہ نہیں ہے فجر!"

"اور مجھے ایسی جگہ خاموشی کی عادت نہیں۔"

دکاندار تھوڑا بدمزاجی سے بولا۔

"دیکھیں بی بی، نئی مصنفائیں زیادہ دماغ کھپاتی ہیں۔ ان کی چیزیں بکاؤ نہیں ہوتیں۔ لوگ نام دیکھتے ہیں۔"

فجر استہزائیہ ہنسی۔

"نام؟ تو آپ کو نام چاہیے نا۔۔۔ لکھ لیں۔۔۔ فلک عالمگیر!"

فلک نے گہری سانس لی۔ وہ جانتی تھی اب فجر رکنے والی نہیں۔

اسی دوران ایک کم عمر ملازم لڑکا پیچھے والے شیلف سے بولا۔

"سر، یہ رہی پر فریب! ادھر رکھی تھی۔"

دکاندار کے چہرے پر ایک لمحے کی شرمندگی لہرائی۔

"ہاں، وہی تو تھی۔ یہ لیجیے، میڈم!"

فجر نے کتاب اٹھائی۔

جلد پر چھپا ہوا نام۔۔۔ فلک عالمگیر! اس نے انگلی سے وہ نام چھوا جیسے کوئی لمس میں دعا مانگتا ہے۔ وہ فلک کی جانب مڑی۔

"تمہیں اندازہ ہے تم نے کیا لکھا ہے؟ تمہارے لفظ خون سے زیادہ زندہ ہیں۔"

فلک نے نظریں چرائیں، دھیمے سے مسکرائی۔

"جو لکھنا تھا، لکھ دیا۔ ہر کسی کے پاس اپنی موت کا طریقہ ہوتا ہے۔ میرا یہی ہے۔"

دکاندار ان دونوں کو دیکھتا رہا۔ پھر مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"میڈم، یہ آپ کی بڑی بہن ہیں؟"

فلک کے لبوں پر مسکراہٹ ابھری۔

"نہیں، یہ چھوٹی ہیں۔"

دکاندار نے بھنویں چڑھائیں۔ "لگتی تو لمبی ہیں۔"

"زبان بھی لمبی ہے۔" فجر نے کتاب کو سینے سے لگاتے فوراً جواب دیا۔

دکاندار کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فلک نے فجر کا بازو پکڑا۔

"چلو، تم ہر جگہ انقلاب نہیں لا سکتیں۔"

"میں انقلاب نہیں، عزت مانگ رہی ہوں۔۔۔ لفظوں کے لیے!"

وہ کتاب کی قیمت ادا کرتے پلٹ گئیں۔ فجر دروازے میں ہی رہ گئی۔

"اگلی بار اگر کسی نئی مصنفہ کی کتاب چھپائی تو میں تمہارا نام یاد رکھوں گی۔"

وہ دکان سے باہر نکلیں۔ پیچھے دکاندار بڑبڑایا۔

"عجیب عورتیں ہیں۔ پاگل !"

فلک نے سڑک پر آتے ہی گہری سانس لی۔ ہوا میں کافی اور سردیوں کا ذائقہ گھلا ہوا تھا۔

"تمہاری یہی عادت لوگوں کو یاد رہتی ہے۔ تم جب آواز اٹھاتی ہو تو ڈرتی نہیں۔"

"اور تمہاری عادت؟ تم لفظوں میں زہر گھولتی ہو، مگر وہ کسی کے لیے دوا بن جاتا ہے۔"

فلک نے نرمی سے جواب دیا۔۔

"میں تو بس زخموں کو لکھتی ہوں، تم ان سے جنگ لڑتی ہو۔ فرق یہ ہے کہ میں چھپ جاتی ہوں، تم سامنے آجاتی ہو۔"

فجر نے بیگ کھولا، پین نکالا۔

"سائن کرو اس پر، فلک عالمگیر۔"

فلک نے مسکراتے ہوئے قلم تھام لیا۔

"ایسے کون آٹو گراف مانگتا ہے محترمہ!"

پھر کتاب کھول کر پہلے صفحے پر لکھا۔

"لفظ کبھی نہیں مرتے، بس پڑھنے والے بدل جاتے ہیں۔ فلک عالمگیر!"

اس کی ہر کتاب کا انتساب یہی تھا۔ **"محبت کے نام"**

فجر نے صفحے کو دیکھا۔یوں جیسے کوئی تاج چھو رہا ہو۔

پھر آہستہ سے بولی۔

"یہ آٹو گراف نہیں، تمہاری بقا کی مہر ہے۔"

فلک بس مسکرا دی۔

"اور تم میری پہلی آٹو گراف ہو۔اب جب کبھی لفظوں سے محبت کم لگے گی، میں یہ نکال کر پڑھوں گی۔"

دونوں چل پڑیں۔کتاب اب فجر کے ہاتھ میں تھی، فلک کے دل میں ایک سکون تھا اور لاہور کی سرد فضا میں دو عورتوں کے قدموں کی چاپ سنائی دیتی تھی جو لفظوں سے زیادہ گہری تھی۔ان کے قدموں کے نیچے گرے پتوں کی چرچراہٹ جیسے اعلان کر رہی تھی۔

"اور جب کبھی جنگ یاد آئے گی، میں تمہیں یاد کروں گی!"

✿••✿••✿••✿

برف اب رک چکی تھی۔ مگر لان میں، رات کی برفباری کی موٹی تہہ ابھی تک چمک رہی تھی۔ آسمان پر مدھم دھوپ، سفید روشنی کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔جوزف پیلس کے دروازے پر آہٹ کا گمان ہوا۔ملازم نے دروازہ کھولا تو سامنے وہی شخص کھڑا تھا۔پال!

کل کی سرد رات کی اذیت جیسے ابھی بھی اس کے چہرے پر درج تھی، مگر آنکھوں میں ہار نہیں تھی۔

"مسٹر جوزف گھر پر ہیں؟"

"جی سر! وہ لائبریری میں ہیں۔"

پال نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔

"تو پھر بتا دیجیے، پال دوبارہ آ گیا ہے۔"

اس بار اسے روکا نہیں گیا تھا۔ اس بار آنے دیا گیا۔

یہ لائبریری کا منظر تھا جہاں مسٹر جوزف اپنی مخصوص اونچی کرسی پر بیٹھے تھے۔ سامنے آتشدان میں لکڑیاں سلگ رہی تھیں، ہلکی چٹخ کی آواز کمرے کی خاموشی میں گونج رہی تھی۔

کپڑے وہی ہمیشہ کی طرح نفیس! نیوی بلو شرٹ، چمڑے کے جوتے، اور ان کی چمکدار گھڑی جو ہمیشہ وقت سے چند سیکنڈ آگے رہتی تھی۔

دروازے پر دستک ہوئی۔

"کم ان!"

پال نے دروازہ کھولا۔ کل والی گھبراہٹ اب نہیں تھی۔ آج وہ پُرعزم اور مطمئن دکھائی دے رہا تھا۔

"تو تم واپس آ گئے۔"

"جی سر۔ وعدہ کیا تھا۔"

"کچھ وعدے بس موسم کے ساتھ بدل جاتے ہیں۔" مسٹر جوزف کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"میری محبت موسم نہیں، وہ یقین ہے۔"

مسٹر جوزف نے کافی کا کپ لبوں سے لگایا، پھر اسے میز پر رکھا۔

"تم نے کہا تھا، تمہارے پاس سلطنت نہیں، صرف ایمان دار دل ہے لیکن دنیا دل پر نہیں، حیثیت پر یقین کرتی ہے۔ تم میرے معیار پر کہاں ٹھہرتے ہو؟"

پال نے ایک گہرا سانس لیا، اور سچائی سے جواب دیا۔

"میں کسی معیار پر پورا نہیں اترنا چاہتا، سوائے اس عورت کے معیار پر اترنے کے، جو آپ کی بیٹی ہے۔"

جوزف نے چند لمحے تک اسے خاموشی سے دیکھا۔ پھر آہستگی سے کہا۔

"تمہیں پتا ہے، پال! میں نے اپنی زندگی میں صرف ایک چیز کبھی ہلکے میں نہیں لی اور وہ ہے فیصلہ۔ اور جب میں فیصلہ کر لیتا ہوں تو پھر واپس نہیں مڑتا۔"

پال نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"میں فیصلے نہیں بدلنے آیا، سر۔ میں بس یہ چاہتا ہوں کہ آپ کے فیصلے میں سچائی کی ایک اور پرت شامل ہو۔۔۔ نساء کی۔"

جوزف کے چہرے پر پہلی بار ہلکی سی لرزش آئی۔ انہوں نے ایک لمحہ رک کر ملازم کو آواز دی۔

"نساء کو بلا دو۔"

چند منٹوں بعد لائبریری کے دروازے سے وہ داخل ہوئی، سفید رنگ کے گرم شال میں لپٹی، چہرے پر سکون مگر آنکھوں میں بے چینی سی تھی۔ اس کے قدم آہستہ مگر پُر اعتماد تھے۔

پال نے اسے دیکھا، اور جیسے لمحہ بھر کو سانس روک لی۔ مسٹر جوزف نے اسے ایک جانب بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ خاموشی سے کرسی پر ٹک گئی۔ اس کی ایک جانب پال کھڑا تھا جبکہ دوسری جانب مسٹر جوزف!

"یہ شخص کہتا ہے کہ یہ تم سے محبت کرتا ہے۔ تمہارا کیا کہنا ہے؟"

نساء نے چند لمحے خاموشی اختیار کی۔ پھر دھیرے سے بولی۔

"محبت کبھی کہی نہیں جاتی، ڈیڈ! محسوس کی جاتی ہے اور جو شخص کئی گھنٹے رات برف میں بیٹھا رہا، وہ محبت نہیں، شاید ایمان لے کر آیا تھا۔ مگر آخری فیصلہ آپ کا ہو گا۔"

پال کے چہرے پر نرمی اُتری، اور جوزف نے دھیرے سے پلکیں جھپکیں۔ سفید شال میں نساء کے چیری جیسے بال مزید گہرے ہو گئے۔

"تم جانتی ہو، نساء، یہ پیلس تمہارا گھر ہے۔ یہ دیواریں، یہ نام، یہ سب کچھ تمہارا حصہ ہے۔ کیا تم یہ سب چھوڑ کر جانا چاہتی ہو؟"

نساء نے گود میں اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں پیوست کیا۔

"اگر آپ چاہیں تو۔۔۔ وہ یہاں رہ سکتا ہے۔"

پال نے فوراً قدم آگے بڑھایا۔

"اگر یہی آپ کی شرط ہے، تو میں یہیں رہوں گا۔ مجھے کسی محل سے مسئلہ نہیں، بس یہ شرط ہے کہ اس محل کے دروازے ہمارے درمیان دیوار نہ بنیں۔"

"تم جوزف پیلس میں رہنا چاہتے ہو؟" مسٹر جوزف نے بھنویں سکیڑ کر پوچھا۔

"کیوں نہیں؟" پال نے مسکرا کر کہا۔

"اگر محبت یہاں قید ہے، تو میں خوشی سے قیدی بن جاؤں گا۔

میں بھاگنے نہیں آیا، بس اس خاندان کا حصہ بننے آیا ہوں، جس کا مان نساء ہے۔"

نساء نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ کیا وہ واقعی اسے اتنا مان دیتا تھا؟

مسٹر جوزف کے چہرے پر اب بھی وہی پرانی خاموشی تھی مگر اس کے پیچھے کچھ پگھلتا جا رہا تھا۔

"تمہیں اندازہ بھی ہے یہاں رہنا آسان نہیں ہو گا۔ یہ گھر اصولوں پر چلتا ہے۔ یہاں ہر سانس ذمہ داری کے ساتھ لی جاتی ہے۔"

پال نے نرمی سے جواب دیا۔

"مجھے اصولوں سے ڈر نہیں لگتا۔ میں انہی اصولوں میں رہ کر نساء کو خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ آپ کا اصول اگر عزت ہے، تو میرا اصول محبت ہے اور میں وعدہ کرتا ہوں، ان دونوں میں کبھی ٹکراؤ نہیں آنے دوں گا۔"

لائبریری میں خاموشی چھا گئی۔ چولہے کی آگ کی روشنی تینوں کے چہروں پر پڑ رہی تھی۔ جوزف کی سختی، نساء کی نرمی، اور پال کی ضد۔

آخر کار مسٹر جوزف نے گہری سانس بھری۔

"نساء، تم جاؤ۔ مجھے پال سے کچھ ڈسکس کرنا ہے۔"

نساء نے اپنے باپ کی طرف دیکھا، پھر پال کی طرف۔ اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی، جیسے خاموش شکر گزاری کا اشارہ۔ وہ چلی گئی مگر جاتے جاتے اس کی نظریں صاف کہہ رہی تھیں۔

"میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

✿••✿••✿••✿

مسٹر جوزف نے کھڑکی کے پار لان کی برف کی طرف دیکھا۔

"میں نے اپنی بیٹی کو اس دنیا کے طوفانوں سے بچانے کے لیے ان دیواروں میں قید رکھا۔ میں نے لوگوں کو بھروسے کے نام پر ٹوٹتے دیکھا ہے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ نساء دوبارہ کبھی وہ سب سہے۔"

"اور میں چاہتا ہوں کہ وہ ان دیواروں کے اندر قید نہ ہو۔

میں اسے بچانے نہیں آیا، میں بس اس کے ساتھ چلنے آیا ہوں۔

آپ نے اگر اسے محفوظ رکھا ہے تو میں اسے آزاد سانس دینا چاہتا ہوں۔"

جوزف کے چہرے پر پہلی بار مسکراہٹ کی مدھم سی رمک ابھری۔

"تم فلسفے اچھے بول لیتے ہو۔"

"اور شاید اسی لیے آپ سننے کے باوجود انکار نہیں کر پاتے، سر!" پال نے مسکرا کر جواب دیا۔

"تم جس ڈریکولا کے بارے میں سنتے رہے ہو اس سے ڈرنا چاہیے۔"

"ڈریکولا اندھیروں میں رہتا ہے اور میں روشنی کا بندہ ہوں۔ جب تک نساء کی آنکھوں میں روشنی ہے، مجھے کسی اندھیرے سے خوف نہیں۔"

مسٹر جوزف نے دھیرے سے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔

"تمہیں اندازہ ہے، تم نے ابھی جوزف پیلس کو چیلنج کر دیا ہے؟"

پال نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"میں کبھی جنگ لڑنے نہیں آیا۔ میں تو صلح کرنے آیا ہوں۔

اگر آپ مجھے یہ موقع دیں تو میں اس پیلس کو گھر بنادوں گا۔"

گہری خاموشی چھائی اور پھر مسٹر جوزف نے اسے جانے کا کہہ دیا۔

پال لائبریری سے نکل کر نیچے آیا تو نساء سیڑھیوں کے قریب کھڑی تھی اس نے پلٹ کر دیکھا۔ دونوں کی نظریں ملی، اور نساء کے لبوں پر ایک پر سکون مسکراہٹ تھی۔

"ڈیڈ مان گئے؟"

"نہیں۔۔۔ مگر دل مان گیا ہے۔" اس نے دھیرے سے جواب دیا۔

"تو پھر برف پگھل جائے گی۔"

پال نے مسکرا کر بڑی کھڑکی سے باہر آسمان کی طرف دیکھا۔

"برف اب ٹھنڈی نہیں لگتی۔"

اوپر لائبریری کی کھڑکی میں مسٹر جوزف کھڑے تھے۔

ان کی آنکھوں میں وہی سرد نیلا رنگ تھا مگر اس بار ان آنکھوں میں ایک نرم سی چمک تھی۔

شاید یہ پیلس اب واقعی ایک گھر بننے جا رہا تھا۔

برف کے آخری گالے فضا میں بکھر رہے تھے اور جوزف پیلس کی ہوا پہلی بار گرم محسوس ہونے لگی۔

✿••✿••✿••✿

پانچ دن پہلے!

ٹی وی اسکرین پر سنہری حروف ابھرے۔

”ٹی وی شو: عالمی روشنی“

میزبان: مرانڈا کرس

دنیا بھر میں نشر ہونے والا یہ شو آج لاہور کے ایک عالی شان اسٹوڈیو میں براہِ راست دکھایا جا رہا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ پروگرام کی ٹیم صرف ایک شخص کا انٹرویو لینے پاکستان آئی تھی۔ اور وہ شخص رئیس تھا۔

جس کی زندگی پر لکھی گئی کتاب، اس سال دنیا کی سب سے زیادہ فروخت ہونے والی بائیو گرافی بن چکی تھی۔

اسٹیج کی روشنیوں میں نیلے اور سیاہ رنگ کا امتزاج کچھ ایسا تھا جیسے رات خود اپنے ستارے نچھاور کر رہی ہو۔ ایک لمبا بڑا ہال اور وہاں بیٹھے سینکڑوں لوگ بے تاب نظر آتے تھے۔ مرانڈا کرس، دنیا کی مشہور اینکر، اپنی مخصوص سنجیدہ مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

”آج ہم ایک ایسی شخصیت سے ملاقات کرنے جا رہے ہیں، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ خاموشی سے سلطنتیں تعمیر کرتا ہے۔“ تعارف کی فہرست لمبی ہوتی گئی۔ اس کے پاس وہ سارا ڈیٹا بھی تھا جو بائیو گرافی میں موجود نہیں تھا اور اب وہ بولے جا رہی تھی۔ لوگ سن رہے تھے اور پھر جب اسکا سانس پھولنے لگا تو اس نے مسکرا کر کہا۔

”خواتین و حضرات! یہ ہیں رئیس اورنگزیب!“

روشنیوں کا رخ دروازے کی سمت مڑا۔ کیمرے نے زوم کیا۔

اور اسکرین پر نمودار ہوا وہ چہرہ جسے دیکھنے کے لیے ہال میں موجود ہر شخص اٹھ کھڑا ہوا۔

سیاہ شرٹ، جو گردن تک بند تھی۔ کلائی میں بندھی قیمتی گھڑی اور چمچماتے جوتے وہ ماربل پر رکھتا آگے بڑھا۔ آنکھوں میں ٹھہراہوا وقار تھا اور چلنے میں اعتماد! تالیوں کا شور بلند ہوا۔ وہ نشست پر آکر بیٹھا۔ چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ، مگر آنکھوں میں ایک عجیب سا سکوت تھا۔

یہ انٹرویو اس کی غیر موجودگی میں فلک نے فائنل کر دیا تھا اور اسے آنا پڑا تھا۔ گفتگو کا آغاز ہوا۔

"رئیس صاحب! خوش آمدید۔ سب سے پہلے مبارکباد آپ کی کتاب نے دنیا بھر کے ریکارڈ توڑ دیئے ہیں۔"

"شکریہ! لیکن اس میں زیادہ کمال مصنف کا ہے۔" وہ مسکرایا۔ سلیقے سے جمے بال اس وقت بھلے لگ رہے تھے۔

"لیکن آپ اب محض ایک نام نہیں رہے، ایک علامت ہیں۔ شہرت، طاقت، اثر۔۔۔ کیا آپ کو شہرت پسند ہے؟" یہ ایک دلچسپ سوال تھا۔

"شہرت ایک سودا ہے۔ یہ آپ کو پہچان دیتی ہے، مگر سکون چھین لیتی ہے۔ میں اس کے پیچھے نہیں بھاگتا۔ بس اسے قابو میں رکھتا ہوں۔"

دوسری طرف ایک دھیمی روشنی والے کمرے میں فلک اور فجر بڑی اسکرین کے سامنے بیٹھی تھیں۔ کمرے میں ہلکی روشنی تھی، ٹی وی کی چمک ان کے چہروں پر پڑ رہی تھی۔ ان کے سامنے قریب ہی میز پر دو کپ رکھے تھے۔ فیری ٹی کے کپ! جن کے اندر تیرتے خوبصورت پھول، مدھم روشنی سے مزید جادوئی سے لگ رہے تھے۔

"بس زندگی میں اتنا پر اعتماد ہونا ہے۔" فلک نے ذرا سا فجر کی جانب جھکتے ہوئے کہا۔

"اور مجھے اتنا طاقتور۔۔۔" فجر کی گردن اٹھی ہوئی تھی جبکہ آنکھوں میں تحیر تھا اور اس تحیر کے ساتھ اسکرین پر نظر آتے شخص کی تصویر بھی۔

"کہا جاتا ہے کہ آپ نے اپنی سلطنت صفر سے شروع کی، ٹیکسٹائل، میڈیا، عمارات، فیشن اور بے شمار ہیرے، آخر وہ کیا جذبہ ہے جو آپ کو آگے بڑھاتا ہے؟"

"نقصان۔۔" رئیس نے اطمینان سے جواب دیا۔ "ہر وہ شخص جو کچھ عظیم بناتا ہے، پہلے کچھ انمول کھو چکا ہوتا ہے۔ میں نے یہ سب کسی لالچ میں نہیں، کسی کمی کو بھرنے کے لیے بنایا ہے۔"

"کمی۔۔۔ کس چیز کی؟" مرانڈا نے سنجیدگی سے پوچھا۔ ہال میں بیٹھی عوام تجسس بھری نگاہوں سے دم سادھے جواب سننے کو تیار تھی۔

"خوف۔۔۔" جواب نے ہال میں ایک سرد لہر دوڑا دی۔ "اس خوف کی کمی جو کسی معمولی شخص کو ہوتی ہے۔ جب انسان سب کچھ کھو دیتا ہے تو اس کے اندر ایک خطرناک سکون پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ سلطنت ہر وہ دروازہ بند کرنے کی کوشش ہے جس سے کوئی نقصان میرے قریب آ سکتا ہے۔ میں نے یہ سب بقا کے لیے نہیں، بلکہ لازوال بقا کے لیے بنایا ہے۔"

کیمرا رئیس کے چہرے پر زوم ہوا۔ ہال میں مکمل خاموشی چھا گئی۔

فجر نے ریموٹ مضبوطی سے پکڑ لیا۔

"تمہیں کچھ سمجھ آیا؟" اس نے آنکھیں چھوٹی کیے، نظریں اسکرین پر جمائے فلک سے پوچھا۔

"لازوال بقا کا مطلب ہے کہ یہ ہمیشہ حملہ آور رہے گا۔ کیونکہ دفاع میں خوف ہوتا ہے، لیکن حملہ کرنے میں کنٹرول۔ یہ ساری سلطنت اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ بے بس ہونے سے کس قدر ڈرتا ہے۔ وہ باہر کی دنیا کو نہیں، بلکہ اپنے ماضی کے خوف کو شکست دے رہا ہے۔ وہ شاید سکون ڈھونڈ رہا ہے۔ اور یہی اسے **'خطرناک'** بناتا ہے۔ کیونکہ جو

آدمی سکون کی تلاش میں ہو، وہ کسی بھی حد تک جا سکتا ہے۔ یہ سلطنت صرف کاروبار نہیں، فجر! یہ اس کا **'جذباتی بلیک ہول'** ہے جو سب کچھ نگل رہا ہے۔"

فلک نے کس قدر تفصیل سے جواب دیا۔ فجر کی آنکھوں میں ستائش ابھری۔

مرانڈا کی آواز دوبارہ سنائی دی۔

"دنیا آپ کا موازنہ بڑی ہستیوں سے کرتی ہے۔ طاقت، انداز، شہرت۔۔۔ آپ خود کو ان میں کہاں دیکھتے ہیں؟"

"میں اُن لوگوں سے نہیں ٹکراتا جو روشنیوں کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ میں لوگوں کے بنائے ہوئے **'عرش'** پر نہیں بیٹھتا، میں **'وقت'** کے ساتھ چلتا ہوں اور اُسے بتاتا ہوں کہ کہاں رکنا ہے۔"

"اتنا غرور؟ اتنا غرور تو چاند کو بھی نہیں۔" مرانڈا نے ستائشی نظروں سے اسے دیکھتے پوچھا۔ یہ سوال اسکرپٹ میں نہیں تھا۔ وہ اس وقت اس کی شخصیت سے متاثر نظر آ رہی تھی۔

"چاند روشنی کا محتاج ہے۔ میں اپنا آسمان ساتھ لایا ہوں۔"

صرف تالیاں نہیں تھیں، بلکہ ایک زوردار، گونجتا ہوا شور تھا جو کمرے کی مدھم روشنیوں کو چیر رہا تھا۔ سیٹیوں اور پرجوش نعروں کے درمیان، کئی لوگ دیوانگی میں رئیس کا نام پکارنے لگے۔

"تمہاری کزن یقیناً اپنے پرائم میں اندھی رہی ہوں گی۔" فجر نے کس قدر تاسف سے کہا۔

"تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میری وہ کزن تمہاری ماں ہے۔"

فجر کے ہونٹ اوہ کے انداز میں سکتے جبکہ فلک کا دل دھڑک اٹھا۔ وہ تو اندھی نہیں تھی پھر وہ شخص اسے کیوں نہیں ملتا تھا؟

"کئی لوگ کہتے ہیں کہ آپ بیک وقت سخت بھی ہیں اور حساس بھی۔ کیا واقعی آپ میں دونوں پہلو موجود ہیں؟"

"شاید۔۔۔ میں دونوں نہیں ہوں۔"

"آپ سب سے زیادہ کس پر بھروسہ کرتے ہیں؟"

"خود پر۔۔۔"

"آپ کا سب سے بہترین دوست کون ہے؟"

"میں خود۔۔۔"

"کوئی ہمراز؟"

"انسان اپنا سب سے بڑا ہمراز ہے۔"

"آپ کا نیا منصوبہ ڈارک اسٹارز۔۔۔ کہا جا رہا ہے یہ صرف ایک کلیکشن نہیں بلکہ ایک انقلاب ہے۔ کیا کچھ بتائیں گے؟"

رئیس نے نفاست سے پہلو بدلا۔ اس کی درمیانی انگلی میں چمکتی وہ سلور انگوٹھی جس پر RAEES کنندہ تھا، اس کے ہلنے پر چمک اٹھی۔

"انقلاب کا اعلان نہیں ہوتا، وہ اُس وقت آتا ہے جب دنیا تیار نہیں ہوتی۔"

"آپ ہمیشہ پہیلیوں میں بات کرتے ہیں۔" مرانڈا نے مسکرا کر پوچھا۔

"سادگی سے سلطنتیں نہیں بنتیں مس مرانڈ۔۔۔!" اس نے گہری نظریں مرانڈا پر گاڑتے کچھ انداز میں کہا کہ مرانڈا اس لمحے بھول گئی کہ اسے کیا بولنا ہے۔ کئی لمحے خاموشی کی نظر ہوئے پھر اس نے خود پر قابو پاتے ہاتھ میں پکڑے کارڈز پر نظر دوڑائی۔

"ایک سوال جو ہمارے ناظرین کی زبان پر ہے۔ کیا آپ سنگل ہیں؟"

پورے ہال میں قہقہے گونج اٹھے۔

"قوم جاننا چاہتی ہے!" وہ دلکشی سے مسکرائی۔

رئیس نے گہرا سانس لیا، پھر دھیرے سے کہا۔

"قانونی طور پر آزاد ہوں تو یس۔۔۔یس میں سنگل ہوں۔"

ہال قہقہوں سے لرز اٹھا۔ مرانڈا نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"یعنی کوئی عورت اب تک بادشاہ کو اپنا نہیں بنا سکی؟"

وہ ہال میں اٹھتی ہوٹنگ پر مسکرایا پھر کندھے اچکا دیئے۔ ہاں وہ سنگل تھا مگر محبت نے اسے عمر قید سزا سنا رکھی تھی۔

انٹرویو کے دوران ایک وقفہ آ گیا تھا پھر اگلا سیگمنٹ شروع ہوا۔

"اور وہ کیا ہے جو آپ کو راتوں کو جگائے رکھتا ہے؟"

"یہ خیال کہ میں حکومت کے لیے بنا ہوں۔"

پروگرام کے اختتام پر مرانڈا نے کیمرے کی جانب رخ کیا اور گویا ہوئی۔

"آپ نے ابھی اس انسان کو دیکھا جس نے اپنے زخموں سے ایک سلطنت کھڑی کی ہو؟ دنیا اسے تاج پوش بادشاہ کہتی ہے، مگر میرے خیال میں وہ ایک بہترین انسان ہے۔"

تالیوں سے پورا ہال گونج اٹھا۔ رئیس کے چہرے پر روشنیوں کی چمک تھی مگر آنکھوں میں ایک اداس سا سکوت۔

"ڈارک اسٹارز سے پانچ دن پہلے، دنیا نہیں جانتی، کیا آنے والا ہے۔"

"یہ انسان آخر کیا ہے؟"

"وہی جو دنیا کو ایک جال میں باندھ کر خود وہ دھاگا کاٹ سکتا ہے۔"

فجر نے بے رحمی سے جواب دیا۔

✿··✿··✿··✿

یہ جگہ اوماڑہ کے ساحل سے بالکل مختلف تھی۔ یہاں سمندر کا شور نہیں، بلکہ لاہور کے ٹریفک کی دھیمی، مسلسل گونج تھی۔ بھاری سیاہ پردے گرے ہوئے تھے جو کمرے کو مصنوعی طور پر تاریک رکھے ہوئے تھے۔ دھیمی روشنی صرف چند میز پر رکھی اسپاٹ لائٹس سے آ رہی تھی، جو شطرنج کی بساط کی طرح رکھے گئے نقشوں پر پڑ رہی تھیں۔ ہوا ٹھہری ہوئی اور سرد تھی۔

میڈم رشنا، سیاہ سلک کے لباس میں ملبوس، ایک مہنگے چمڑے کے صوفے پر بیٹھی تھیں، ہاتھ میں چائے کا کپ تھا۔

منار کھڑکی کے پاس کھڑی تھی، پردے کی ہلکی سی درز سے باہر دیکھ رہی تھی۔ اس کے بال کھلے تھے، اور اس نے سادہ مگر قیمتی ریشمی گاؤن پہن رکھا تھا۔ اس کا چہرہ پچھلی کئی راتوں کی طرح سرد و سپاٹ تھا۔

میڈم رشنا نے کپ ہونٹوں سے لگاتے ہوئے، استہزائیہ لہجے میں کہا۔

"زندگی میں پہلی بار میں نے منار معراج کو ہارتے دیکھا ہے۔"

منار نے پلٹ کر اسے نہیں دیکھا۔

"یہ صرف ایک ڈیل تھی، اثاثوں کا نقصان۔"

"صرف ایک ڈیل؟" میڈم رشنا نے کپ میز پر رکھا، ان کی آواز میں اب طنز نہیں، تشویش تھی۔ "ریون گروپ تمہارے خون کا پیاسا ہو گیا ہے۔ تمہارا سارا مال ضبط ہو گیا۔ اور رئیس اورنگزیب۔۔۔ وہ جیت گیا۔ اور اب، میری اطلاعات کے مطابق، ریون گروپ تمہارے مختلف گروہوں پر حملے کر رہا ہے۔ وہ اس دھوکے کو کبھی نہیں بھولیں گے۔"

منار دھیرے سے مڑی۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ نہیں تھی، مگر اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی۔ وہ شاید کچھ اور سوچ رہی تھی۔ اس نے میز سے ریموٹ اٹھاتے ایک بٹن دبایا۔ سامنے کی دیوار ایک بہت بڑی اسکرین میں بدل گئی۔

اسکرین پر کوئین ڈیک کے ڈیک ون کی خفیہ فوٹیج چلنے لگی۔ فجر کی آواز ابھری۔

"نام جان لینا کافی نہیں ہوتا، کراس۔ بعض نام زہر ہوتے ہیں۔"

میڈم رشنا اس منظر کو غور سے دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے فجر کی چال ڈھال، اس کے لہجے کا سرد پن، اور اس کی آنکھوں میں وہی منار والی وحشت دیکھی۔ وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔

"ماننا پڑے گا۔۔۔ فجر نے کیا خوب کھیلا ہے۔ ایکٹنگ نہیں۔۔۔ وہ تم بن گئی تھی۔"

منار نے اسکرین پر اپنی ہمشکل کو دیکھا۔ اپنی ہی ہمشکل بیٹی کو۔

"تم نے اس کی پہچان پر حملہ کیا تھا منار۔۔۔ اور اس نے ثابت کر دیا کہ وہ پہچان چھیننے والوں کو نہیں چھوڑتی۔"

منار کے لبوں میں ہلکی سی لکیر ابھری۔

"وہ بیٹی میری ہے، رشنا۔ میری۔۔۔" اس نے ریموٹ سے اسکرین کو پاز کیا، تصویر فجر کے چہرے پر منجمد ہو گئی۔

"اس کی رگوں میں میرا خون ہے۔ وہ ڈرتی نہیں ہے۔ وہ بدلہ لینا جانتی ہے۔ ہاں مجھے وہ پسند ہے۔۔۔ اور وہ میری فیورٹ ہوتی اگر وہ میرے خلاف نہ جاتی۔"

"مگر وہ تمہارے خلاف ہے منار۔" میڈم رشنا نے اپنی نشست پر پہلو بدلا، ان کی نظریں اب منار پر تھیں۔

"تمہارا غصہ صرف فجر پر نہیں ہے۔ یہ رئیس پر ہے۔ لیکن۔۔۔"

میڈم رشنا ایک لمحے کو رکیں، جیسے کوئی پیچیدہ معمہ حل کر رہی ہوں۔

"میں تمہیں جانتی ہوں۔ تم صرف زخمی دل کی وجہ سے اتنا بڑا رسک نہیں لیتیں۔ تم رئیس کو صرف ذاتی بدلے کے لیے تباہ نہیں کرنا چاہتی تھیں۔۔۔ کچھ اور بھی ہے، ہے نا؟ کچھ ایسا۔۔۔ جو بہت بڑا ہے۔ جو تمہیں چاہیے۔ تمہیں کیا چاہیے منار؟"

منار اس غیر متوقع سوال پر ایک لمحے کو رکی۔ پھر اس کے ہونٹوں پر ایک سرد مسکراہٹ ابھری۔ وہ اپنی میز کی طرف بڑھی۔

"ذاتی بدلہ؟" اس نے میز پر رکھے نقشے پر انگلیاں پھیریں۔ "اس سیاہ دنیا کی ملکہ بنے رہنے کی قیمت ہوتی ہے۔ اور وہ ملکہ زیادہ دیر نہیں ٹک پاتی۔۔ جو اس دنیا کو چلانے کے لیے خزانے نہ بھر پائے۔"

اس نے رشنا کی طرف دیکھا، آنکھیں اب کسی بزنس وومن کی طرح چمک رہی تھیں۔

"ہمیں چھوٹی موٹی مچھلیاں پھانسنا پڑتی ہیں۔ کیش فلو کے لیے۔" اس نے اطلاع دی۔۔۔

مگر رئیس؟ وہ۔۔۔ وہ تو مگرمچھ تھا۔

"میں ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتی ہوں اسے ختم کرنا اور اس کی سلطنت پر قبضہ کرنا۔"

"تو تمہارا مقصد صرف بدلہ نہیں تھا؟" میڈم رشنا نے بھنویں سکیڑ کر پوچھا۔

منار دوبارہ کھڑکی کے پاس گئی اور پردہ ہٹا کر نیچے مصروف لاہور کو دیکھا۔

"رئیس عزت کی نشانی بن چکا ہے۔ کلین بزنس، ہیرے، فیشن، پاور۔۔۔۔ وہ سب کچھ مل گیا جو کسی بھی عام شخص کو نہیں مل سکتا۔ اس کی یہ کامیابی مجھے مزید سلگاتی۔"

گہری سانس لیتے وہ مڑی، آنکھیں اندھیرے میں چمک رہی تھیں۔

"میرا مقصد اس کی سفید دنیا کو اپنی سیاہ دنیا کے نیچے کچلنا ہے۔ اس کی ہر چیز کو اپنا بنانا ہے۔ اسے اس جہنم میں دھکیلنا ہے جس میں، میں جلی ہوں۔ اس نے مجھ سے سب کچھ چھینا تھا۔ اسے سب کچھ گنوانا ہو گا۔" اسکا لہجہ حتمی تھا۔ بنا کسی لچک کے۔

"افسوس فجر نے وہ راستہ بند کر دیا۔" آواز میں غصہ لوٹ آیا۔ "اب ریون گروپ میری سپلائی لائنز کاٹ رہا ہے۔ وقت کم ہے۔ مجھے یہ کھیل جلد از جلد ختم کرنا ہو گا۔"

"تو رئیس کا کیا ہو گا؟"

منار مسکرائی۔ وہی بھیانک، سرد مسکراہٹ۔

"اس ڈیل کے کینسل ہونے سے اس کا انجام نہیں بدلے گا۔ صرف طریقہ بدلے گا۔"

وہ رشنا کے قریب آئی۔

"پہلے میں اسے مالی طور پر توڑنا چاہتی تھی، پھر جسمانی، اب۔۔۔ اب میرے پاس وقت نہیں ہے۔ اب میں سیدھا اس کی روح پر حملہ کروں گی۔"

"اور فجر؟" میڈم رشنا مزید الجھیں۔

"وہ اپنی آنکھوں سے اپنے بگ بی کو تباہ ہوتے دیکھے گی۔" وہ مسکرا دی اور پھر میز پر رکھا فون اٹھایا۔ اس کی انگلیاں اسکرین پر پھسلیں اور پھر اس نے فون کان سے لگا لیا۔ چند لمحوں بعد دوسری جانب فون اٹھا لیا گیا۔

"ہیلو ذرتاش۔۔۔؟" اس کے لہجے میں کھنک تھی۔ "مجھے تمہاری ایک آخری مدد چاہیے۔" میڈم رشنا کی جانب دیکھتے وہ مسکرائی۔ دوسری جانب سے کچھ کہا گیا پھر منار کی آواز سنائی دی۔

"تمہارے بھائی کے پرائیویٹ روم میں فجر کے بڑے سے پورٹریٹ کے نیچے ایک باکس رکھا ہے۔ وہی جس پر ایک مکڑی بنی ہے۔ اس کے اندر دو چھوٹے چھوٹے جار ہیں۔ مجھے ان میں سے ایک چاہیے۔ آج ہی۔۔۔" اس نے اطلاع دیتا فون کاٹ دیا اور پھر میڈم رشنا کی جانب دیکھا۔

"زہر کا بدلہ زہر۔۔۔ موت کا بدلہ موت۔۔۔"

✿••✿••✿••✿

انٹرویو کے ہال کا شور اور تالیوں کا سمندر اب پیچھے رہ چکا تھا۔ گاڑی، باہر کی گہری دھند کو چیرتی ہوئی، رئیس مینشن کی طرف رواں تھی۔ گاڑی کی عقبی نشست پر رئیس اور مراد بیٹھے تھے، مگر ماحول میں غیر معمولی خاموشی تھی۔

رئیس خلافِ توقع خاموش تھا۔ اس کا سر سیٹ کے ساتھ ٹکا ہوا تھا، آنکھیں باہر سڑک پر جمی تھیں، مگر نظریں کہیں اور تھیں۔ وہ ایک فاتح کی بجائے، ایک تھکا ہوا سپاہی لگ رہا تھا۔ مراد نے ہلکا پھلکا تبصرہ کرتے ہوئے ماحول کو معمول پر لانے کی کوشش کی۔

"آج تو مرانڈا کا ریکارڈ ٹوٹ گیا۔ وہ ہال کو سنبھال نہیں پا رہی تھی، خاص طور پر اُس **'چاند اور تاریک آسمان'** والے جواب کے بعد۔ کیا انرجی تھی رئیس! مارکیٹ میں آج تمہارے حصص نہیں، تمہاری ذات ٹرینڈ کر رہی ہے۔"

رئیس نے کوئی جواب نہیں دیا، بس ہلکے سے سر کو حرکت دی۔

مراد نے بات جاری رکھی، اب وہ سنجیدہ کاروبار کی طرف آیا۔

"بہر حال، ڈارک اسٹارز کی لانچ کے لیے چار دن ہیں۔ میں نے تمام پریس ریلیز کو حتمی شکل دے دی ہے۔ تمہارے **'انقلاب کا اعلان نہیں ہوتا'** والے بیان نے تجسس کو آسمان پر پہنچا دیا ہے۔ صرف ایک چیز۔۔۔ مجھے کل ہی یہ یقینی بنانا ہو گا کہ کوئی بھی ڈیٹیل میڈیا تک نہ پہنچے۔"

"ضرورت نہیں ہے۔" رئیس کی آواز پہلی بار گونجی۔ وہ دھیمی اور بھاری تھی، "جو کچھ لیک ہونا تھا، وہ فلک نے پہلے ہی کنٹرول کر لیا تھا۔ اب صرف **'لانچ'** ہو گی۔"

"ٹھیک ہے۔" مراد نے اپنے بریف کیس کو دیکھا، "تم نے بہت اچھا کیا۔ مجھے معلوم ہے تم یہاں نہیں آنا چاہتے تھے، لیکن اس انٹرویو نے چھ مہینے کا پبلسٹی پلان ایک گھنٹے میں پورا کر دیا۔ اب تم آرام کرو۔"

جیسے ہی گاڑی مینشن کے قریب پہنچی، مراد کا فون بج اٹھا۔ اسکرین پر فیملی کا نام چمک رہا تھا۔ مراد نے معذرت خواہانہ انداز میں رئیس کی طرف دیکھا، پھر فون ریسیو کر کے کان سے لگایا۔

"ہیلو؟"

دوسری طرف سے سنائی دینے والے الفاظ نے مراد کے چہرے کا رنگ یکدم اُڑا دیا۔ اس کی آنکھوں میں پریشانی اور خوف کا امتزاج تھا۔

"کیا؟ کب؟ کیسے؟ کس ہسپتال؟" اس کی آواز اچانک بلند ہو گئی۔

وہ پریشان ہو چکا تھا۔ اس نے گھبراہٹ سے آنکھیں بند کیں، جیسے صورتحال کو ہضم کر رہا ہو۔

"ٹھیک ہے میں آرہا ہوں۔ فوراً۔" فون بند کر دیا۔

"کیا سب ٹھیک ہے؟" رئیس نے متوجہ ہوتے ہوئے پوچھا۔ اس کی خاموشی ایک دم ٹوٹی تھی۔ مراد نے اپنے بال پیچھے کیے، پریشانی اس کے چہرے پر عیاں تھی۔

"آصفہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" اس نے گھبراتے ہوئے کہا۔ "وہ میڈ کو بے ہوش ملی ہے۔ ڈاکٹر معائنہ کر رہی ہے۔ مجھے جانا ہو گا۔"

آصفہ اس کی تیسرے نمبر والی بیوی تھی، جو اسے بے حد محبوب تھی۔

"کیا میں ساتھ چلوں؟" اس نے پیشکش کی۔

"نہیں، نہیں، میں جا رہا ہوں۔" مراد نے جلدی سے نفی کی۔ "تم ریسٹ کرو۔ آج کا دن کافی لمبا تھا۔"

گاڑی مینشن کے بڑے گیٹ پر رکی۔ مراد نے جلدی سے دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا۔

"صبح بات ہو گی۔" اس نے کہا اور تقریباً بھاگتا ہوا اپنی دوسری گاڑی کی طرف بڑھا جو اس کا انتظار کر رہی تھی۔

گاڑی کے ٹائروں کی ہلکی سی چرچراہٹ، رئیس مینشن کے وسیع و عریض، دھند میں لپٹے پورچ میں گونج کر خاموش ہو گئی۔ مراد کے جانے کے بعد، گاڑی میں ایک ناقابلِ بیان سناٹا تھا۔ وہ سناٹا جو انٹرویو ہال کی تالیوں اور نعروں کا مکمل تضاد تھا۔

وہ گاڑی سے باہر نکلا۔ لاہور کی رات گہری دھند کی چادر اوڑھے ہوئے تھی۔ وہ سفید محل، جو دن میں طاقت اور عظمت کی علامت تھا، اس وقت دھند میں ایک بھوت بنگلے کی طرح پراسرار اور تنہا لگ رہا تھا۔ ٹھنڈی ہوا اس کے سلیقے سے جمے بالوں سے ٹکرائی۔ اس نے گردن پیچھے گرائی اور اپنے محل کو دیکھا۔ لبوں سے ایک گہرا سانس خارج ہوا،

جو ٹھنڈ میں بھاپ بن کر فضا میں تحلیل ہو گیا۔ آج خلافِ معمول، مینشن میں ایک مردہ خاموشی تھی۔ نہ کوئی ملازم، نہ کوئی آہٹ۔

وہ سنگِ مرمر کے فرش پر قدم رکھتا، بھاری دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ اندر کا ہال، باہر سے بھی زیادہ خاموش اور سرد تھا۔ اس کے قدموں کی مضبوط چاپ، اس بوجھل خاموشی کو کاٹتی ہوئی، راہداریوں میں گونج رہی تھی۔ وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آیا۔ اس کا رخ اپنے پرائیویٹ ونگ، اپنے کمرے کی جانب تھا۔

اس کی ہر چال میں وہی شاہانہ اعتماد تھا جو گھنٹہ بھر پہلے لاکھوں لوگ اسکرین پر دیکھ چکے تھے، مگر اس کی آنکھوں میں وہی اداس سکوت اب پہلے سے زیادہ گہرا ہو چکا تھا۔

جیسے ہی وہ اپنے کمرے کے قریب پہنچا، اس کے قدم زمین سے چپک گئے۔ وہ ٹھٹھک گیا۔ اس کے کمرے کے عین دروازے کے بیچ، ذرتاش وہیل چیئر پر موجود تھی۔ وہ باہر نکل رہی تھی۔ اس کی گود میں، شیشے کا وہ چھوٹا سا جار تھا، جو اس کی گود میں رکھا تھا۔ وقت جیسے منجمد ہو گیا۔

ذرتاش کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے جو گھبراہٹ ابھری، وہ کسی بجلی کی طرح کوند گئی۔ اس نے جار پر اپنی گرفت مضبوط کی، مگر اگلے ہی پل، اس نے خود پر قابو پا لیا۔ اس کی آنکھوں میں خوف کی جگہ ایک سرد، باغیانہ چمک نے لے لی۔

رئیس نے اسے ایسی نظروں سے دیکھا جن میں اس وقت نہ غرور تھا، نہ بادشاہت۔ ان آنکھوں میں صرف دکھ تھا، تکلیف تھی اور ایک گہری، ناقابلِ بیان بے بسی!

یہ وہ لمحہ تھا جس نے دونوں کو اپنی جگہ جما دیا۔ وہ اسے دیکھ رہا تھا، اس کی چوری کو، اس کی ہمت کو، اور اس کے اندر چھپے طوفان کو۔ پھر ذرتاش نے ہمت کر کے اپنی گردن اٹھالی۔ اس کی آواز کانپی، مگر ٹوٹی نہیں۔

"میں آپ سے نہیں ڈرتی۔۔۔اور نہ میں اپنے کیے پر شرمندہ ہوں۔"

اس نے اس چھوٹے سے جار کو اپنی مٹھی میں بھینچتے ہوئے کہا، جیسے یہ جار نہیں، اس کی زندگی کا آخری سہارا ہو۔

رئیس کے چہرے پر کرب کے تاثرات مزید گہرے ہوئے۔اس کے جبڑے بھنچ گئے۔

"تم جانتی ہو ذری۔۔۔"اس کی آواز، جو ابھی ہال میں گونج رہی تھی، اب گھٹی گھٹی اور تھکی ہوئی نکلی، "تم جانتی ہو، رئیس کے نزدیک دھوکے کی سزا کیا ہے؟"

وہ قدم آگے دھرتا ہوا اس کے قریب آیا۔اس کی قربت میں خطرہ تھا، مگر ذرتاش نے آنکھیں نہیں جھپکائیں۔

اور پھر۔۔۔وہ بادشاہ، جو وقت کو روکنے کا دعویٰ کرتا تھا، ایک گھٹنا موڑتے ہوئے اپنی معذور بہن کی وہیل چیئر کے سامنے بیٹھ گیا۔سیاہ آنکھیں، ذرتاش کی بھوری آنکھوں سے ٹکرائیں۔ان سیاہ آنکھوں میں آج کوئی حکم نہیں تھا، صرف ایک سوال تھا۔سرخ و گلابی رنگت والی ذرتاش کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد لہر دوڑ گئی، مگر وہ خود پر قابو پا گئی۔

"جانتی ہوں۔۔۔ہاں جانتی ہوں!"اس کی آواز بلند ہوئی۔"آپ دھوکہ دینے والوں کو موت دیتے ہیں! اور میں آپ سے ڈرتی نہیں۔مجھے موت قبول ہے۔۔۔مگر۔۔۔"اس کی آواز بھرا گئی۔"مگر میں اپنا بدلہ لیے بنا۔۔خود کو سرخرو کیے بنا نہیں مروں گی۔۔۔بھائی!"

آخری لفظ **'بھائی'** ایک تیزاب کی طرح تھا، جو اس نے رئیس کے چہرے پر پھینکا تھا۔پسینے کی ننھی بوندیں اس کے ماتھے پر ابھر آئیں۔رئیس کے ہونٹ سختی سے بھنچ گئے۔اس کی آنکھوں میں تکلیف کی وہ لہر اٹھی جسے وہ دنیا سے چھپاتا تھا۔شاید یہی وقت تھا سچائی کے سامنے آنے کا۔اسے خاموش دیکھ کر، ذرتاش کے اندر ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی، آنکھوں میں آنسو نہیں، چنگاریاں تھیں۔

"اس پوری دنیا میں۔۔۔" اس نے جار کو سینے سے لگایا، "صرف ایک شخص تھا جو میرے اس معذور وجود کو اپنانا چاہتا تھا۔ بھری دنیا میں وہ ایک شخص تھا جو مجھ سے محبت کرتا تھا۔ بھری دنیا میں وہ۔۔ وہ ایک شخص تھا جو میرا سہارا تھا!" اس کا لہجہ ٹوٹ رہا تھا۔

"آپ نے۔۔۔ آپ نے اس کو مجھ سے چھین لیا۔۔۔" اس کی آواز میں اب درد نہیں، زہر تھا۔ "آپ نے ایسا کیوں کیا بھائی؟"

رئیس نے ضبط کی انتہا پر پہنچ کر اپنی آنکھیں سختی سے میچ لیں۔ وہ اس سوال کا سامنا نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اس سچائی کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ بنا جواب دیئے، اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ وہاں سے پلٹ جانا چاہتا تھا، بھاگ جانا چاہتا تھا۔ مگر ذرتاش نے اسے بھاگنے نہیں دیا۔

"جواب دیں بھائی!"

اس کی چیخ، سالوں کا جمع لاوا، اس خاموش محل کی دیواروں سے ٹکرائی۔ رئیس کے قدم جو اٹھ چکے تھے، وہیں جم گئے۔

"کیا آپ کا دل نہیں کانپا۔۔۔ اس شخص کو مارتے ہوئے جو آپ کا دوست تھا؟ آپ نے اسے اپنے فائدے کے لیے استعمال کیا اور پھر آپ نے۔۔۔"

آواز حلق میں اٹکنے لگے پھر اس نے روح کو جلا دینے والے لفظ ادا کیے۔

"آپ۔۔۔ آپ قاتل ہیں!"

یہ چیخ نہیں تھی، یہ ایک فیصلہ تھا جو سنا دیا گیا تھا۔ رئیس مینشن لرز اٹھا۔ رئیس، جو ابھی لاکھوں دلوں کا بادشاہ تھا، اس لمحے اپنی ہی بہن کا مجرم بن کر، اپنی ہی دہلیز پر، بے حس و حرکت کھڑا رہ گیا۔ خاموشی لمبی ہو گئی۔ وہ جو اپنی ہی بہن کے

قاتل کہنے پر جم گیا تھا، اس کے سارے وجود میں ایک سرد لہر دوڑ گئی۔ وہ لفظ، **قاتل**، اس کے اندر سالوں سے جمع زخموں کو چھیڑ گیا۔ وہ خاموش کھڑا رہا، اس کی گردن کی رگیں تن گئیں۔

ذرتاش کی آواز لرز رہی تھی مگر اس میں اب بھی پختگی تھی۔

"کیا آپ کا دل نہیں کانپا۔۔۔" اس نے پھر دہرایا، "جواب دیں! اگر وہ آپ کا دشمن بھی تھا، تو آپ کو خدا کا خوف نہیں آیا؟ وہ آپ کا دوست تھا! آپ نے اسے اپنے فائدے کے لیے استعمال کیا! اور جب اس کا استعمال ختم ہوا، تو آپ نے۔۔۔"

اس کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔ اگلے ہی پل رئیس چیخ اٹھا۔ اس کی آنکھوں میں وہ آگ تھی جو اس کے خوف سے پیدا ہوئی تھی۔ وہ اس سچ کو اور چھپا نہیں سکتا تھا۔

"وہ تم سے محبت نہیں کرتا تھا۔" اس کی دھاڑ راہداریوں میں گونجی۔ دیواروں سے ٹکرا کر واپس آنے والی آواز نے مینشن کی خاموشی کو تہس نہس کر دیا۔ وہ دو قدم آگے بڑھا، اس کا چہرہ غصے اور گہرے دکھ سے بگڑ چکا تھا۔ وہ اس درد کو چھپانے کے لیے غصے کا سہارا لے رہا تھا۔

"تمہیں صرف ایک سچ معلوم ہے اور وہ جھوٹ ہے جو تم نے اپنے دل میں پال رکھا ہے!"

اس کی بات سن کر ذرتاش نے اپنی وہیل چیئر کو پیچھے دھکیلا۔ اس کے چہرے پر پہلے لمحے میں بے یقینی، اور پھر ایک خطرناک نخوت ابھری۔

"وہ تم سے محبت نہیں کرتا تھا۔"

"آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ وہ میرے ساتھ دھوکہ کیسے کر سکتا ہے؟"

رئیس نے اپنے ہاتھ سختی سے ہوا میں لہرا دیئے۔ اس کے منہ سے اب جو الفاظ نکل رہے تھے، وہ جیسے اندرونی طوفان کا اظہار تھے۔

"احمد نے کبھی تم سے محبت نہیں کی۔۔۔۔"

یہ جملہ، ایک برہنہ حقیقت، فضا میں معلق ہو گیا۔ ذرتاش کے لیے یہ کائنات کے قوانین کے ٹوٹنے کے مترادف تھا۔

"احمد تمہیں دھوکہ دے رہا تھا!"

ذرتاش کا چہرہ سرخ انگارہ ہو گیا۔ اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس کے گلے سے ایک کرخت آواز نکلی۔

"جھوٹ۔۔ جھوٹ ہے یہ! آپ جھوٹ بول رہے ہیں بھائی!" وہ وہیل چیئر پر بیٹھی چیخ اٹھی۔ اس کا جسم غصے اور انکار کی وجہ سے لرز رہا تھا۔

رئیس کرسی کے ہتھے پر ہاتھ جماتے اس پر جھک گیا۔ اس نے ضبط شدہ لہجے میں ایک ایک لفظ ادا کیا۔

"ہاں اس نے تم سے کبھی محبت نہیں کی۔"

وہ جانتا تھا احمد، ذرتاش کی کمزوری تھا، اس لیے اس نے اسے یہ کام دیا، لیکن اس نے اسے سختی سے منع کیا تھا کہ نینسی کو نقصان نہ پہنچے! وہ نینسی کو اس کھیل میں گھسیٹنا نہیں چاہتا تھا۔ یہ صرف معلومات کا سودا تھا، ایک چھوٹی سی جنگ! اور اس نے بھروسہ دلایا تھا کہ وہ یہ کر لے گا!

رئیس کی آنکھوں میں تکلیف واضح تھی۔

لیکن نینسی پر احمد کا دل آ گیا۔ جو احمد ایک مشن پر وہاں گیا تھا، وہ نینسی سے محبت کرنے لگا! نہیں، وہ محبت نہیں تھی، وہ جنون بن گیا۔ وہ رئیس کے ساتھ دھوکہ کر کے، نینسی کو اپنا بنا کر، اپنی زندگی بنانا چاہتا تھا۔ وہ ذرتاش کے ساتھ لالچ

کی وجہ سے تھا مگر اس نے یقین دلار کھا تھا کہ وہ اس سے محبت کرتا تھا۔ ہاں وہ اس کے ساتھ زندگی گزار لیتا اگر بیچ میں نینسی نہ آتی۔۔۔۔ نینسی کو بھلا کون نظر انداز کر سکتا تھا۔ احمد نے بہت کوشش کی مگر وہ خود کو روک نہیں پایا۔ وہ اس کی محبت میں مبتلا ہو گیا اور جب وہ وقت آیا کہ نینسی کے ذریعے مسٹر جوزف سے سودا کر سکے تو احمد بغاوت پر اتر آیا۔ اور جب اسے لگا کہ نینسی خود پیچھے ہٹ چکی ہے اور رئیس اسے کبھی ایسا نہیں کرنے دے گا تو تو اس نے اسے مار ڈالا!

رئیس کا جسم کانپ رہا تھا۔ سچائی کا یہ بوجھ اس کے کندھوں پر سالوں سے تھا۔

"نینسی کو مارنے والا۔۔۔ میں نہیں تھا ذری!" اس کی آواز درد سے بھری تھی، "وہ۔۔۔ احمد تھا! تمہارا احمد! اس نے میری سلطنت کو دھوکہ دیا، میرے اعتبار کو توڑا، اور نینسی کا خون کیا! میں نے صرف۔۔۔ میں نے اسے اس کی سازشوں اور دھوکے کی سزا دی!"

یہ سچ، اس وقت کی سب سے بڑی اور تلخ حقیقت، ذرتاش کے دل پر ایک تیز دھار خنجر کی طرح لگی۔ اس کی آنکھیں، جو چند لمحے پہلے غصے سے چمک رہی تھیں، اب خوف اور وحشت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا، جیسے دماغ نے اس خوفناک خبر کو ہضم کرنے سے انکار کر دیا ہو۔

اس کے ہاتھ میں موجود چھوٹا سا جار، اچانک بے وزن ہو گیا۔ اس کی گرفت ڈھیلی پڑی۔

"جھوٹ۔۔۔" اس کے ہونٹوں سے صرف یہ ایک لفظ نکلا، ایک سسکی کی مانند۔

رئیس نے اس کی حالت دیکھی۔ درد، جو سالوں سے اس کے اندر تھا، اب باہر آ گیا تھا۔ وہ گھٹنے ٹیک کر دوبارہ اس کے سامنے نہیں بیٹھا، بلکہ گردن اٹھا کر پیچھے ہٹ گیا۔

"یہ مت دیکھنا کہ میرے پیچھے کیا تھا۔۔۔" رئیس کے گلے سے دھاڑ نکلی، "یہ دیکھو کہ میں نے کس کو کھویا! تم نے سالوں سے مجھے قاتل کہا۔۔۔ تم نے مجھے اس کا قاتل کہا جس کے پیچھے تمہاری محبت تھی! لیکن تم نے مجھے ہمیشہ اس دکھ کا قاتل کہا جس نے میرے دوست کو، میری بہن کو، اور میرے اعتماد کو تباہ کر دیا تھا!"

وہ خود پر قابو پانے لگا۔ پیشانی مسلی اور بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ ذرتاش اسے یونہی دیکھے جا رہی تھی۔

"تم جاؤ یہاں سے ذری، جاؤ اور اپنے سچ کو۔۔۔ زندہ کر کے دیکھو۔"

رئیس کا سر جھک گیا۔ وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے کان ڈھانپنا چاہتا تھا تاکہ اس خاموشی کو سن نہ سکے جو اب اس کے اندر چیخ رہی تھی۔ ذرتاش وہیل چیئر پر، خوف اور جھنجھلاہٹ کی کیفیت میں ساکت بیٹھی رہی۔ اس کے ہاتھ سے جار پھسل کر دوبارہ گود میں گر گیا۔

"جھوٹ۔۔۔" کا لفظ اس کے گلے میں ہی کہیں اٹک گیا۔

رئیس، جو اس دھماکہ خیز سچائی کے بعد پلٹا تھا، اب اس کی طرف پشت کیے کھڑا تھا۔ اس کے چوڑے شانے تناؤ سے اکڑے ہوئے تھے۔ اس کی دھاڑ کے بعد، راہداری میں ایک ناقابلِ برداشت، بھاری خاموشی چھا گئی تھی۔ پھر اس کی آواز آئی۔ دھیمی، سرد، اور اتنی تھکی ہوئی جیسے صدیوں کا بوجھ اٹھا رکھا ہو۔

"ہاں۔۔۔" اس نے اقرار کیا، "میں دھوکے کی سزا معاف نہیں کرتا۔"

وہ رکا۔ ایک لمبی، اذیت ناک خاموشی۔

"مگر وہ زخم کون بھرے گا؟" اس کی آواز میں زہر گھل گیا۔

"اپنی بہن کو کیا سزا دوں جو میری تباہی میں میرے دشمنوں کے ساتھ ملی ہوئی ہے؟"

اس نے دھیرے سے رخ بدلا۔ اس کی آنکھیں، جو ابھی غصے سے دہک رہی تھیں، اب بجھ چکی تھیں۔ ان میں ایک گہری، اداس و مایوسی تھی۔

"جو منار کا ساتھ دے رہی ہے؟ بولو ذرتاش!"

وہ جانتا تھا۔ وہ ہمیشہ سے جانتا تھا کہ ذرتاش اسے دھوکہ دے رہی تھی، اور آج وہ رنگے ہاتھوں پکڑی بھی گئی۔ وہ اپنے اصول نہیں توڑتا۔ کسی کے لیے نہیں۔ اگر عروزہ کو موت مل سکتی تھی، تو پھر سب کو مل سکتی تھی۔

مگر کیا وہ اپنی بہن کو مار سکتا تھا؟ بلقیس بیگم کے مرنے کے بعد، صرف وہ اور احمد اورنگزیب صاحب ہی تو اس کی زندگی میں بچے تھے۔ وہ بادشاہ جیسا شخص، جس کی ایک دنیا اسیر تھی، اس کی اپنی بہن، اس کا اپنا خون، اس سے نفرت کرتی تھی۔

"بتاؤ ذرتاش۔۔۔ جواب دو؟" اس کی آواز میں التجا تھی۔

ذرتاش نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ ابھی تک اس سچ کے صدمے میں تھی کہ اس کی محبت ایک فریب تھی۔

رئیس نے اسے پتھر کا بنے دیکھا۔ اس کے چہرے پر ایک سرد، بے تاثر فیصلہ ابھرا۔ وہ تیزی سے پلٹا اور اپنے پرائیویٹ روم میں داخل ہو گیا۔ چند سیکنڈز۔۔۔ جو ذرتاش کے لیے ایک صدی کی طرح تھے۔ وہ باہر نکلا۔ اس کے ہاتھ میں ایک سیاہ، چمکتی ہوئی پستول تھی۔ وہ قدم اٹھاتا ہوا اس کے قریب آیا۔ وہیل چیئر کے سامنے رکا۔ اس کی آنکھوں میں نہ غصہ تھا، نہ رحم۔ صرف ایک خالی پن تھا۔ اس نے جھک کر، وہ سرد دھات، ذرتاش کی گود میں رکھ دی۔

"دھوکے کی سزا صرف موت ہے۔"

اس کا لہجہ ایک جج کا تھا جو فیصلہ سنا چکا تھا۔ ذرتاش نے نیچے پستول کو دیکھا۔ وہ تو جیسے سانس لینا ہی بھول گئی تھی۔ اس کا دماغ ماؤف ہو چکا تھا۔ جس احمد کی یاد میں وہ روتی رہی تھی، جس کے انتقام کے لیے وہ اپنے بھائی سے ٹکرا گئی تھی، اس کا وجود ہی اس کے لیے ایک فریب تھا۔ اس کی محبت، اس کا غم، سب جھوٹ تھا۔ اس کے پاس اب جینے کے لیے کچھ نہیں بچا تھا۔ اس کے لرزتے ہاتھ اٹھے۔ اس نے پستول کو مضبوطی سے تھاما۔ اس کی انگلیاں سرد دھات پر جم گئیں۔

رئیس پتھر کا بنا، بے حس و حرکت اسے دیکھتا رہا۔

ذرتاش نے پستول اٹھائی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں تھے، ایک خوفناک ویرانی تھی۔ اس نے پستول کی نال، بنا کسی جھجھک کے، اپنی کنپٹی پر رکھ دی۔ وہ اسے دیکھ رہا تھا جو اپنے حواسوں میں نہیں لگ رہی تھی۔ چند لمحے یونہی گزر گئے۔ رئیس کی آنکھیں جل رہی تھیں۔

ذرتاش کی انگلی ٹریگر کی جانب بڑھی۔ اس سے پہلے کہ وہ ٹریگر دباتی، رئیس بجلی کی سی تیزی سے جھپٹا۔ اس نے وحشیانہ انداز میں اس کے ہاتھ سے پستول چھین لی۔ اس کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ ذرتاش درد سے کراہ اٹھی۔ پستول چھین کر وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اپنے خون کے لیے۔۔۔ اس نے آج پھر اپنا ایک اصول توڑ دیا تھا۔

اس کی آنکھیں ضبط کی شدت سے سرخ ہو رہی تھیں۔ گلے میں آنسوؤں کا ایک گولہ اٹکا ہوا تھا، جسے وہ نگلنے کی کوشش کر رہا تھا۔

جیسے ہی پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹی، ذرتاش کے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ یہ کسی عام عورت کا رونا نہیں تھا، یہ اس فنانس ہیڈ کا رونا تھا جس نے خود کو ضائع نہیں ہونے دیا تھا، مگر آج اس کا اندر کا سارا غم، سارا فریب، سارا درد، باہر ابل پڑا تھا۔ وہ وہیل چیئر پر آگے کو جھک گئی، اس کا جسم ہچکیوں سے لرز رہا تھا۔

"احمد۔۔۔" وہ چیخی، مگر اس آواز میں محبت نہیں، صرف دھوکے کا کرب تھا۔

وہ بے طرح رو رہی تھی۔ رات کی اس گہری خاموشی میں، اس کی کراہنے اور سسکیاں بھرنے کی آوازیں اس خالی محل میں کسی آسیب کی طرح گونج رہی تھیں۔

رئیس کئی لمحے وہیں کھڑا رہا۔ اس کے ہاتھ میں اب بھی وہ پستول تھی۔ وہ اپنی بہن کو ٹوٹتے ہوئے دیکھ رہا تھا، اس سچ سے ٹوٹتے ہوئے جو اس نے خود بتایا تھا۔ اس نے پستول والے ہاتھ کو اٹھایا، اور اپنی قیمتی شرٹ کی آستین سے، اپنی آنکھوں کے کناروں کو بے دردی سے رگڑا۔ پھر، وہ شکستہ قدموں سے واپس پلٹ گیا۔ ایک بادشاہ کی طرح نہیں، بلکہ ایک ہارے ہوئے جواری کی طرح، جو اپنا سب کچھ داؤ پر لگا کر ہار گیا ہو۔

وہ اپنے کمرے میں چلا گیا، اور دروازہ بند ہو گیا۔

ذرتاش وہیں، اس ٹھنڈے فرش پر، ٹوٹے ہوئے مان کے قریب، اپنی ٹوٹی ہوئی روح کے ساتھ، اکیلی روتی رہ گئی۔ آج اتنے سالوں بعد، اسے اپنی ماں شدت سے یاد آئی تھی۔ کچھ حقیقتیں بڑی تکلیف دہ ہوتی ہیں۔

✿••✿••✿••✿

رات ابھی باقی تھی۔ مراد عالم اس وقت اپنے عالیشان لاؤنج کے بیچ، ایک دیوانے کی طرح تیز قدموں سے چکر کاٹ رہا تھا۔ اس کی ہر حرکت سے خوشی اور بے صبری عیاں تھی۔ اس کے چہرے پر شکرانے اور خوشی کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں، آنکھیں نم تھیں مگر ان میں ایک نئی زندگی کی چمک تھی۔ وہ بار بار دروازے کی جانب دیکھتا، جیسے کسی انمول مہمان کا انتظار ہو۔ وہ اس لمحے پوری دنیا کا سب سے خوش قسمت انسان تھا۔

اور پھر، کافی انتظار کے بعد، دروازہ کھلا اور رئیس اندر داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر ابھی بھی اذیت کا ہلکا سا سایہ تھا، مگر اس نے خود کو مکمل طور پر قابو میں کر رکھا تھا۔ مراد ایک لمحے کے لیے بھی نہیں رکا۔ وہ تیزی سے رئیس کی جانب بڑھا اور بنا کسی ہچکچاہٹ کے اسے اپنی بانہوں میں بھر لیا۔

"میں باپ بننے جارہا ہوں رئیس!" اس کی آواز شدت جذبات سے لرز رہی تھی، جیسے الفاظ اس کے گلے میں ٹوٹ رہے ہوں۔

"اللہ نے مجھے زندگی کی سب سے بڑی خوشی دے دی ہے! یہ معجزہ ہے، رئیس، معجزہ!"

رئیس نے خود پر سخت ضبط کیا تاکہ رات کا بوجھ اس لمحے کو تباہ نہ کر دے۔ اس نے مراد کی پشت پر مضبوطی سے ہاتھ رکھ کر کندھا تھپتھپایا۔

"مبارک ہو گوبلن!" رئیس کی آواز میں خلوص تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سترہ سال کی عمر سے ایک بچے کو اڈاپٹ کرنے کی خواہش رکھنے والے اس شخص کو اللہ نے سالوں بعد یہ انمول خوشخبری دی تھی۔ وہ مراد کی آنکھوں میں جھلکتی اس خوشی کو دیکھ کر اپنے دکھ کو بھولنے کی کوشش کرنے لگا۔

مراد پیچھے ہٹا، اس کی آنکھیں اب بھی چمک رہی تھیں۔

"مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ میں کیا کروں؟" وہ بچوں کی طرح بے چین تھا۔ "پوری دنیا میں اعلان کر دوں؟ کیا کروں؟ تمہیں کیا لگتا ہے۔۔۔ پہلے کیا ہو گا؟ لڑکا ہو گا یا لڑکی؟ میں نے تو ابھی سے نام سوچنے شروع کر دیئے ہیں۔"

اسی دوران، آصفہ جو اب نسبتاً ٹھیک تھی، دہلیز پر آکر ہنسی۔ اس کے چہرے پر سکون اور نرمی تھی۔

"میری خوشی میں ان کو تو تنگ مت کریں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

مراد اس کی آواز پر پلٹا، اور پھر فوراً رئیس کی طرف اشارہ کیا۔

"کیسے نہ تنگ کروں!؟" وہ جوش سے بولا، "یہ ہونے والے تایا جی ہیں۔ اب ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ آفس سنبھالیں اور میں بچے کے لیے سوئنگ ڈیزائن کروں۔"

رئیس، جورات کے واقعات کی وجہ سے کڑے ضبط سے گزر کر خود کو نارمل رکھنے کی کوشش کر رہا تھا، اس جملے پر گھور کر رہ گیا۔ اس کی بھنویں تن گئیں۔

"تایا جی؟" اس نے آواز کو قدرے سخت کیا۔

مراد نے خباثت سے قہقہہ لگایا۔

"ہاں، اگر تمہیں تایا بننا نہیں پسند، تو چچا بن جاؤ! مجھے کوئی مسئلہ نہیں۔ تمہاری جائیداد تو بہر حال میرے بچے کی ہی ہے، رشتے کا کیا ہے!؟"

رئیس کے ہونٹ بھنچ گئے۔ اس کا فطری غرور ایک لمحے کو ابھرا۔

"میں صرف بگ بی بن سکتا ہوں۔۔۔ اس کے علاوہ مجھے کوئی رشتہ نہیں قبول!" اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

بگ بی ایک ایسا غیر سرکاری رشتہ جو اس کی سلطنت میں صرف اس کی عظمت اور طاقت کو ظاہر کرتا تھا، وہ جو اسے ولیم جوزف نے دی تھی۔ تایا یا چچا بننا اس کے لیے بہت **"معمولی"** تھا۔

اس جواب پر مراد نے نہایت برا منہ بنایا، جیسے کسی بچے کی خواہش کو ٹھکرا دیا گیا ہو۔

"ایسی حرکتوں پر تمہیں میں مٹھائی بھی نہیں کھلاؤں گا! ایک تو اتنی بڑی خوشخبری، اوپر سے ان کا اپنا نخرہ۔"

آصفہ نے مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا اور واپس چلی گئی۔ اسی لمحے ملازمہ مٹھائیوں کا ایک خوبصورت ٹرے لے کر آئی۔ وہاں اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہ پورے رات بحث کر سکتے تھے۔ مراد نے فوراً ایک لڈو اٹھا کر رئیس کی طرف بڑھایا۔

"چلو، بگ بی! اب یہ کھاؤ اور میرے بچے کو ڈارک اسٹارز سے زیادہ بڑا بناؤ۔"

رئیس نے ضبط کرتے مٹھائی لے لی۔ مراد کی سادگی اور خوشی اس کے اندر کی سردی کو پگھلانے لگی تھی۔ دو ساتھی، جو زندگی کی سب سے بڑی سچائیوں اور سب سے بڑے دکھوں سے گزر چکے تھے، اب ایک نئی امید کا جشن منا رہے تھے۔

"بس میری دعا ہے کہ میرا بچہ تمہاری طرح نہ بنے، جو راتوں کو جاگ کر دنیا کو خوفزدہ کرتا رہے۔" مراد نے ہلکے سے رئیس کو ٹہوکا دیا۔ رئیس کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے گہری مسکراہٹ آئی، جو اس کی سخت شخصیت کے پیچھے چھپی ہوئی تھی۔

"اور میں اسے سکھاؤں گا کہ سلطنتیں کیسے بنائی جاتی ہیں، کیسے سنبھالی جاتی ہیں۔ وہ میرے نقش قدم پر چلے گا۔ وہ تمہارا ہو کر بھی تمہارا نہیں ہو گا۔" اس نے سکون سے مٹھائی منہ میں ڈالتے مراد کا سکون برباد کیا۔

"میرے بچے پر گندی نظر مت رکھنا۔۔۔ میں پہلے بتا رہا ہوں۔" وہ بھڑک اٹھا۔

"تو پھر کونسی سنتیں پوری کرنے کے لیے مجھے یہاں بلایا ہے؟ اگر سب سے پہلے مجھے اطلاع دے سکتے ہو تو ایک میرے جیسا بیٹا بھی پیدا کر لو۔"

"یہ ناممکن ہے۔" اس بار مراد نے غور سے اسکا چہرہ دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"بادشاہ ایک ہی ہوتا ہے۔"

وہ بات پوری کرتے ہوئے دھیمے سے مسکرا دیا اور رئیس کے گلے کی گلٹی ڈوب کر ابھری۔

✿••✿••✿••✿

چار دن پہلے!

دسمبر کی شام لاہور پر گہری ہو رہی تھی۔ اس پوش سڑک پر جہاں مہنگے گھر خاموشی سے کھڑے تھے، سٹریٹ لائٹس کی زرد روشنی نے ماحول کو ایک نرم، رومانوی چمک دے رکھی تھی۔ ہوا میں ہلکی سی نمی تھی جو سردی کو مزید بڑھا رہی تھی۔ ایسے میں وہ دونوں دھیرے دھیرے چل رہے تھے، ان کے جوتوں کی آہٹ سنگِ مرمر کے فٹ پاتھ پر ایک دھیمی تال پیدا کر رہی تھی۔ فجر نے گہرا کریم کوٹ اور ولی نے اُسی رنگ کی جیکٹ پہن رکھی تھی، جو ان کی ہم آہنگی کو ظاہر کر رہا تھا۔ وہ ایک کاروباری جوڑے سے زیادہ، ایک ایسی طاقتور شخصیتوں کا جوڑا لگ رہے تھے جو اپنے عزم سے کسی بھی دنیا کو جھکا سکتے ہیں۔

فجر نے ولی کی بازو کو مضبوطی سے تھام رکھا تھا جبکہ نگاہیں سڑک کے اختتام کو دیکھ رہی تھیں، گویا وہ وہاں اپنے مستقبل کا نقشہ دیکھ رہی ہو۔

"تمہیں چلتے ہوئے میرا شہر کیسا لگتا ہے؟ میرے ساتھ چلنا کیا تمہارے ایڈنبرا کے پہاڑوں کی چڑھائی سے بھی زیادہ مشکل ہے؟"

وہ ہنسا، اس نے اس کے ہاتھ پر اپنا گرم ہاتھ رکھا اور اس کی ہتھیلی کو ہلکے سے دبایا۔

"میرے ایڈنبرا کے پہاڑوں پر صرف سرد ہوا چلتی ہے، مگر تمہارے شہر میں میرے دل کو گرما دینے والی تم ہو۔ میرے لیے تو یہ فلیٹ واک ہے۔ ہاں، مگر ایک چھوٹا سا مسئلہ ہے، جو میری رومانوی روح کو تکلیف دیتا ہے۔"

اس نے شرارت سے فجر کی طرف جھکا، جیسے کوئی راز بتا رہا ہو۔

"وہ یہ کہ جب میں تمہارے لیے چائے کے ساتھ سکاٹش کُکیز کا سوچ رہا ہوتا ہوں، تو تم کروڑوں کے بجٹ اور لانچ پلان پر سوچ رہی ہوتی ہو۔ کیا ہم کچھ دیر کے لیے صرف **'بیوی اور شوہر'** بن سکتے ہیں؟ یہ ہماری **'ویکیشن ٹائم'** ہے۔"

وہ بے ساختہ مسکرا دی۔ نفی میں سر ہلاتے اسے دیکھا۔ ولیم جوزف کو جو شوخ نگاہوں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"تم ہمیشہ مجھے غیر ضروری باتوں پر ہنسانے کی کوشش کرتے ہو۔ لیکن تمہاری یہ باتیں ہی مجھے یاد دلاتی ہیں کہ میرے پاس یہاں اس شور میں بھی کوئی **'سچے سکون'** والا ہے۔"

ولی نے اسکا ہاتھ تھامے چلنا جاری رکھا، اس کا لہجہ اچانک گہرا اور دلکش ہو گیا۔

"میرے لیے یہ شور نہیں، صرف ایک پس منظر ہے۔ اور میں سکاٹش ہوں، مجھے پرانے قلعوں سے لے کر نئے خوابوں تک، ہر اس چیز سے پیار ہے جو مضبوط ہو۔ اور تم۔۔۔ تم دنیا کی سب سے مضبوط اور خوبصورت تخلیق ہو۔"

وہ رک گیا۔ سڑک پر ایک لمحے کی مکمل خاموشی چھا گئی۔ اس نے فجر کا ہاتھ چھوڑا اور دونوں ہاتھوں سے اس کے چہرے کو تھاما، اسے اپنی آنکھوں میں دیکھنے پر مجبور کیا۔

"تمہاری طاقت میری طاقت ہے، تمہاری ہر مشکل میری مشکل بن جاتی ہے۔ تم میری صرف بیوی نہیں ہو، تم وہ محور ہو جس کے گرد میری پوری دنیا گھومتی ہے۔ مجھے تم پر فخر ہے۔"

فجر کی آنکھیں نم ہوئیں جسے وہ پلک جھپکتے پیچھے کھینچ گئی۔ ان کی یہ قربت، ان کے گہرے رشتے کی گواہی تھی۔

"تم ہمیشہ مجھے بہت زیادہ اعتماد دیتے ہو۔ میرے فیصلے، میرا وجود، تمہاری وجہ سے مزید طاقتور ہو جاتا ہے۔ میں یہ جنگ اس لیے جیتنا چاہتی ہوں، تاکہ میں تم پر فخر کر سکوں۔"

"ہم کر لیں گے۔"

اس نے گہرا سانس لیا، اس کی آنکھوں میں ایڈنبرا کی پہاڑیوں کی طرح کی مضبوطی اور صاف گوئی تھی۔ وہ اپنا ہاتھ فجر کے کندھے پر لے آیا۔

"اور جہاں تک بات ہے تمہارے شہر کی تو یہ شہر تمہارا ہے۔ یہ جنگ بھی تمہاری ہے۔ اور تمہارے ساتھ چلتے ہوئے، میں تمہیں یقین دلاتا ہوں، تمہاری کسی بھی سازش کو ناکام ہونے نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ اس بار، تم اکیلی نہیں ہو۔ تم اپنا راستہ چنو، اور میں ہمیشہ کی طرح وہاں کھڑا ہوں گا، تمہارے ہر فیصلے کے سامنے ایک مضبوط دیوار بن کر۔ اور تم جانتی ہو، تخلیق ہمیشہ تباہی سے بڑی ہوتی ہے!"

اس کا لہجہ مضبوط اور فیصلہ کن تھا۔ اس کی اس بات پر فجر کے ہونٹوں پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ آئی۔ اس لمحے، وہ دونوں، دسمبر کی دھند میں چلتے ہوئے، دنیا کے کسی بھی بادشاہ سے زیادہ طاقتور لگ رہے تھے۔

"اچھا۔ اب کام کی بات۔ جو عورت اپنے شوہر کو ہر بات میں ہرا سکتی ہے، وہ اپنے دشمنوں کو بھی ہرا سکتی ہے۔ تم نے کہا کہ اصلی بادشاہت وہ ہے جب میں تمہارے ساتھ ہوتا ہوں۔ اور یہ ہمارا آخری موقع ہے کہ ہم اپنے تمام تیر اکٹھے کر لیں۔"

"تیر اکٹھے کر لیے ہیں آگے بتاؤ کیا کرنا ہے؟" فجر نے رکتے ہوئے سینے پر ہاتھ باندھے پوچھا۔

"کرنا کیا ہے، تیر چلایئے بیگم! کمان میں سنبھال لوں گا۔"

اس کے ڈرامائی جواب پر وہ ایک بار پھر سے ہنس دی۔

ہیڈ آفس میں آج معمول سے زیادہ چہل قدمی تھی۔ جشن کا سماں تھا۔ شیشے کے بڑے ہال میں ڈارک اسٹارز فیشن لائن کی آخری ٹیسٹنگ کے بعد ہر طرف جوش و خروش تھا۔ مراد آج معمول سے زیادہ خوش تھا، اس کی زندگی میں آنے والی نئی خوشی کی بدولت پورے رئیس گروپ میں مٹھائی بٹ چکی تھی۔

وہ ایک کونے میں کھڑا، ہاتھ میں فریش جوس کا گلاس تھامے، اپنی ٹیم کو داد دے رہا تھا۔ اس کا چہرہ اطمینان سے دمک رہا تھا۔ وہ مزید کچھ کہہ رہا تھا کہ اس کی جیب میں فون کی تیز وائبریشن ہوئی۔ اس نے مسکراتے ہوئے فون نکالا، مگر اسکرین پر پرائیویٹ ہسپتال کا نام دیکھ کر اس کی مسکراہٹ منجمد ہو گئی۔ بے اختیار کال رسیو کی۔

"ہیلو؟"

"کیا آپ مراد عالم بات کر رہے ہیں؟ میں سینٹرل ہسپتال سے بات کر رہی ہوں۔ آپ کی وائف کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔ انہیں ایمرجنسی میں لایا گیا ہے۔"

لفظ ایکسڈنٹ اس کے ذہن پر ہتھوڑے کی طرح برسا۔ یہ خبر اسے لرزانے کے لیے کافی تھی۔

اس کے ہاتھ سے گلاس چھوٹ گیا، جوس اس کے مہنگے جوتوں پر گرا مگر اسے ہوش نہیں تھا۔ چہرے رنگ زرد پڑ چکا تھا، پھر بنا کچھ کہے سنے، لوگوں کے مبارکباد دیتے شور کو چیرتا ہوا، ہال سے بھاگتا چلا جائے گا۔ اس کی ڈرائیونگ وحشیانہ تھی۔ وہ اندھا دھند گاڑی بھگا رہا تھا، ذہن میں صرف آصفہ اور اپنے بچے کا چہرہ تھا۔ ہر ہارن، ہر سگنل اسے کاٹ کھانے کو دوڑ رہا تھا۔

بمشکل پندرہ منٹ میں وہ ہسپتال پہنچا۔ گاڑی کو بے ترتیبی سے پارک کر کے وہ ایمرجنسی وارڈ کی طرف بھاگا۔

"مسز آصفہ مراد! کس کمرے میں ہیں؟" وہ ریسپشن پر چیخا۔ کسی نے بس مراد کا نام سنا۔

"سر، آئی سی یو، روم 304۔"

وہ لفٹ کا انتظار کیے بغیر سیڑھیاں پھلانگتا ہوا تیسری منزل پر پہنچا۔ 304 کے بند دروازے کے سامنے پہنچ کر اس کا سانس پھولا ہوا تھا، مگر وہ ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ اور ساکت رہ گیا۔

ہسپتال کے بستر پر آصفہ نہیں، بلکہ زوبیہ تھی۔۔۔اس کی دوسری بیوی۔وہ بیوی جس سے اس کا حال ہی میں خلع ہوا تھا۔

زوبیہ کے سر پر پٹی بندھی تھی، مگر وہ سو رہی تھی، حالت خطرے سے باہر لگ رہی تھی۔مراد کے قدم وہیں جم گئے۔یہ کیا تھا؟ یہ مذاق؟ یہ۔۔۔اس کا دل پسلیاں توڑ کر باہر آنے کو تھا۔یہ کوئی اتفاق نہیں تھا۔یہ ایک پیغام تھا۔

اور پھر۔۔۔اس کا فون چنگاڑ اٹھا۔ایک **پرائیویٹ** نمبر۔

مراد کے چہرے سے وحشت جھلکتی تھی۔اس نے پپڑی زدہ ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کانپتے ہاتھوں سے فون کان سے لگایا۔

"ہیلو۔۔۔"

"ایکس وائف کی جگہ تمہاری اصل وائف بھی ہو سکتی تھی، مراد عالم!"

منار کی سرد، شناسا آواز گونجی تو مراد کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑ گئی۔وہ ساکت ہوا۔

"کک۔۔۔کیا چاہتی ہو؟" خود پر ضبط کرتے وہ بمشکل بول پایا۔پیشانی پر پسینے کے قطرے ابھرے۔

"وہی جو تم نہیں کرنا چاہتے۔" منار کی آواز میں کوئی جذبہ نہیں تھا۔"رئیس اور نگزیب کو چھوڑ دو۔اپنی بقا چاہتے ہو، اپنی بیوی اور بچے کو زندہ دیکھنا چاہتے ہو۔۔۔تو میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔"

وہ رئیس کو اکیلا کر دینا چاہتی تھی۔عروزہ کے بعد اب مراد عالم کی باری تھی۔مراد تو کچھ بول ہی نہیں پایا۔اس کا ذہن شل ہو چکا تھا۔

"یہ پہلی اور آخری وارننگ ہے۔اپنی فیملی پیاری ہے، تو چلے جاؤ۔ورنہ اگلی بار ہسپتال کے بستر پر زوبیہ نہیں ہو گی۔۔۔جو ہو گی وہ زندہ بھی نہیں ہو گی۔" کال کٹ گئی۔

مراد بے جان قدموں سے ہسپتال کی دیوار سے ٹیک لگا کر وہیں فرش پر بیٹھ گیا۔ جان نکلنا کسے کہتے ہیں یہ مراد عالم نے آج جانا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا چکا تھا۔

✿••✿••✿••✿

شام گہری ہو چکی تھی اور فضا میں موت کا سا سکوت تھا۔

رئیس کھڑکی کے پاس کھڑا تھا، چہرہ سپاٹ، اور باہر شہر کی روشنیوں کو دیکھ رہا تھا۔ مراد صوفے پر بیٹھا تھا، تھکا ہوا، پریشان۔ وہ مسلسل اپنی بھنویں مسل رہا تھا۔ آج جو بھی ہوا تھا اس سے مراد کے حواس معطل ہو چکے تھے۔ منار کی سائیں سائیں کرتی آواز اس کی سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔

"تمہیں جانا ہو گا، مراد!"

رئیس کی پر سکون آواز نے خاموشی کو توڑا۔ وہ پلٹا نہیں تھا۔

مراد نے چونک کر سر اٹھایا۔

"کیا؟" یوں جیسے کچھ غلط سن لیا ہو۔

"میں نے کہا، تمہیں جانا ہو گا۔" رئیس اب اس کی طرف مڑا۔

چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ "آصفہ اور اپنے بچے کو لو، اور اس ملک سے چلے جاؤ۔"

یہ سنتے مراد بھڑک اٹھا۔ وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہوا۔

"جانا ہو گا؟ تم مجھے بھگا رہے ہو؟ اس عورت کی ایک دھمکی کی وجہ سے؟" اس کی آواز میں غصہ اور تکلیف تھی۔

"میں اومازہ گیا تھا نا تمہارے ساتھ! میں نہیں ڈرتا اس سے!"

"تم نہیں ڈرتے، میں جانتا ہوں۔" رئیس کی آواز اب بھی سپاٹ تھی۔ "لیکن میں ڈرتا ہوں۔"

یہ اعتراف مراد کو جھنجھوڑ گیا۔

"رئیس۔۔۔"

"وہ زوبیہ کو معمولی چوٹ پہنچا سکتی ہے، مراد!" رئیس اس کے قریب آیا۔ "کیونکہ زوبیہ اب تمہاری کمزوری نہیں ہے۔ مگر آصفہ۔۔۔ وہ تمہاری کمزوری ہے۔ اور تم۔۔۔ تم میری کمزوری ہو۔"

مراد نے لب بھینچ لیے۔ ضبط سے اسکا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ رئیس نے ایسا سوچا بھی کیسے؟

"تو کیا کروں؟ بھاگ جاؤں؟ تمہیں اکیلا چھوڑ دوں؟ وہ یہی چاہتی ہے۔ وہ جیت جائے گی! پہلے عروزہ، اب میں۔۔۔ وہ تمہیں تنہا کرنا چاہتی ہے۔"

"وہ مجھے تنہا نہیں کر سکتی۔" رئیس نے تصحیح کی۔ "مگر وہ تمہیں توڑ سکتی ہے۔ اور اگر تم ٹوٹ گئے۔۔۔ میں یہ نہیں چاہتا۔"

"میں کہیں نہیں جا رہا!" اس نے واضح اعلان کیا۔ "وزیر، ہمیشہ بادشاہ کے ساتھ رہتا ہے۔ میں تمہاری ڈھال ہوں۔ ڈھال کبھی اپنے بادشاہ کو چھوڑ کر نہیں بھاگتی!"

"تمہیں جانا ہو گا۔" رئیس کی آواز میں اب حکم تھا۔

"تمہیں جانا ہو گا مراد۔ یہ میری جنگ ہے۔ تمہاری نہیں۔"

"بیس سال!" مراد کی آواز رندھ گئی۔ "بیس سال سے ہر جنگ ہم دونوں کی رہی ہے! جب کوئی مجھ پر بھروسہ نہیں کرتا تھا، تم نے کیا! اور آج۔۔۔ آج تم مجھے کہہ رہے ہو یہ میری جنگ نہیں؟"

مراد عالم، جو رئیس گروپ کے ہزاروں ملازموں کی ناک میں دم کر کے رکھتا تھا، اس کی آنکھیں نم ہو چکی تھیں۔

رئیس نے ایک گہری سانس لی۔ وہ جانتا تھا کہ منار اسے نقصان پہنچا سکتی تھی، اور اسے دور بھیج دینا ہی واحد عقلمندی تھی۔ وہ مراد کے سامنے آیا اور اپنے دونوں ہاتھ اس کے کندھوں پر رکھ دیئے۔

"وہ تمہیں نہیں چھوڑے گی، مراد۔ وہ جانتی ہے کہ تم میرے کتنے قریب ہو۔ وہ تمہیں مارے گی نہیں۔۔۔ وہ تمہیں تڑپائے گی۔ وہ تمہاری فیملی کو نشانہ بنائے گی، بار بار۔ اور میں یہ نہیں دیکھ سکتا۔"

"ہم مل کر مقابلہ۔۔۔"

"نہیں!" رئیس نے کر خشگی سے بات کاٹی۔ "کوئی مقابلہ نہیں۔"

پھر اس کا لہجہ نرم ہو گیا۔ وہ آخری حربہ استعمال کرنے والا تھا۔

"اگر تمہیں میں عزیز ہوں۔"

مراد نے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"اگر ان بیس سالوں کی دوستی کا کوئی مان ہے۔۔۔ اگر تم واقعی مجھے اپنا بادشاہ سمجھتے ہو۔۔۔ تو تم وہی کرو گے جو میں کہہ رہا ہوں۔"

اس کی آواز میں درد تھا، ایک التجا تھی جو حکم سے زیادہ طاقتور تھی۔ مراد نے لب بھینچتے نفی میں سر ہلایا۔

"جاؤ، مراد! اپنی فیملی کی حفاظت کرو۔ یہی میری سب سے بڑی مدد ہو گی۔"

مراد کے پاس اب کہنے کو کچھ نہیں تھا۔ اس کی پلکیں نم ہو چکی تھیں۔ وہ شخص جس کے لیے وہ جان دے سکتا تھا، آج اسی سے زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا۔۔ کسی اور کے لیے۔ اس نے آہستہ سے سر ہلایا۔ ایک لفظ بھی نہیں بول سکا۔

اس نے اپنی نم آنکھیں پونچھیں، ایک آخری، ٹوٹی ہوئی نظر رئیس پر ڈالی، اور دھیرے سے پلٹ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

دروازہ بند ہونے کی آواز کے ساتھ ہی، رئیس نے آنکھیں بند کر لیں، اس کے چہرے پر شدید تکلیف کے آثار نمودار ہوئے۔۔۔۔ اس نے اپنی شطرنج کا سب سے قیمتی مہرہ خود بساط سے ہٹا دیا تھا۔

✿••✿••✿••✿

تین دن پہلے!

یہ کمرہ ہیڈ آفس کے باقی کمروں سے بالکل مختلف تھا۔ یہاں اسکرینوں کی نہیں، مشینوں کی قطاریں تھیں۔ دیواریں ساؤنڈ پروف تھیں، اور دسمبر کی سردی کے باوجود، مشینوں کی گرمی سے کمرہ نیم گرم تھا۔ وہ ایک گھومنے والی کرسی پر بیٹھا تھا، اس کے سامنے درجنوں چھوٹی ریکارڈنگ مشینیں رکھی تھیں، کچھ اسکرینیں جن پر گزرتی لائنیں اوپر نیچے ہو رہی تھیں اور درمیان والی سب سے بڑی، دیوار گیر اسکرین پر مسٹر جوزف کا چہرہ نظر آ رہا تھا۔ ان کے چہرے پر سرد و سپاٹ تاثرات تھے۔ اس کی آنکھیں ایڈنبرا کی کسی منجمد جھیل جیسی تھیں، اور وہ اپنے بیٹے پر سخت غصے میں تھا۔

"تمہارا کام ختم ہو چکا ہے، ولیم۔ اوماڑا میں تم نے جو کرنا تھا، کر دیا۔ اب تم واپس آ رہے ہو۔ وقت بہت کم بچا ہے۔"

"کام ختم نہیں ہوا، ڈیڈ۔ ڈیل کینسل ہوئی ہے، منار نہیں۔"

"منار تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔ وہ۔۔۔"

تبھی جھٹکے سے کمرے کا دروازہ کھلا اور رئیس اندر داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر مراد کو رخصت کرنے کی تھکن تھی۔

"ولی سنو۔۔۔" اس کے باقی الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔

اس کی نظریں سامنے اسکرین پر پڑیں۔ اس نے اس چہرے کو دیکھا جسے اس نے صرف پرانی، دھندلی تصویروں میں دیکھا تھا اور ٹی وی کی نئی اسکرینوں پر، جوزف پیٹرسن! وہ شخص جو اس کی بہن کو اس سے چھین کر لے گیا تھا۔

رئیس ساکت ہوا۔ ایسا ہی کچھ حال مسٹر جوزف کا تھا۔ اسکرین پر ان کی آنکھیں ہلکی سی سکڑیں۔ انہوں نے بھی رئیس کو پہچان لیا۔ وہ شخص۔۔۔ جس نے ان سے نینسی کو چھین لیا تھا۔

زندگی میں پہلی بار دونوں سالا بہنوئی آمنے سامنے ہوئے تھے۔ کمرے کی ہوا میں برقی رو دوڑ گئی۔ رئیس نے خود کو فوراً سنبھالا۔

"فری ہو کر میری بات سننا۔" وہ واپس پلٹا۔

"نہیں!" وہ تیزی سے اپنی کرسی سے اٹھا۔ "رکیے!"

اس نے اسکرین کی طرف دیکھا۔ "ڈیڈ، پلیز!"

پھر رئیس کی طرف مڑا۔ "بگ بی، رکیے۔"

"میرے خیال سے آپ دونوں کو ایک آفیشل ملاقات کر لینی چاہیے۔"

مسٹر جوزف کے تاثرات بگڑ چکے تھے۔ اس دنیا میں وہ دونوں ایک دوسرے سے شدید نفرت کرتے تھے۔ رئیس نے ایک گہری سانس لی، جیسے کسی ناگوار حقیقت کو قبول کر رہا ہو۔ وہ پلٹا، اور مضبوط قدم دھرتا ہوا آکر سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

مسٹر جوزف نے بھی اسکرین پر اپنا کوٹ درست کیا۔

یہ دو سلطنتوں کا ٹکراؤ تھا۔

ایک ایڈنبرا کا ڈریکولا تھا، تو دوسرا لاہور کا ڈارک لارڈ۔

کچھ لمحے مکمل خاموشی رہی۔ دونوں صرف ایک دوسرے کو گھورتے رہے، دہائیوں کی نفرت کو تولتے ہوئے۔

تبھی ولی کا فون بجا۔ اس نے اسکرین کو دیکھا۔

"ایکسکیوزمی۔ یہ ارجنٹ ہے۔"

وہ تیزی سے فون کال سننے کے لیے کمرے سے باہر نکل گیا۔

جیسے ہی دروازہ بند ہوا، کمرے میں دبا ہوا طوفان پھٹ پڑا۔

پہل رئیس نے کی۔ اسکی آواز دھیمی مگر تیزاب جیسی تھی۔

"میری بہن کو مجھ سے چھین کر کیا ملا تمہیں؟"

مسٹر جوزف اسکرین سے آتی آواز اتنی ہی سرد تھی۔

"کبھی اپنے گریبان میں جھانکا ہے؟ نینسی کا کیا قصور تھا؟"

"نینسی کو میں نے نہیں مارا۔۔۔" رئیس کے لہجے میں تلخی تھی۔ "مگر میری بہن۔۔۔ اسے تم نے ورغلایا۔ اسے خاندان سے توڑا اور پھر قید کر لیا۔" اس کا چہرہ شدت جذبات سے سرخ پڑھ گیا۔

"اسے قید تم لوگوں نے رکھا تھا۔ تم لوگوں نے اس سے رشتہ توڑا۔۔" مسٹر جوزف کی آواز میں طنز تھا۔ "میں نے اسے آزادی دی تھی۔"

"آزادی؟" رئیس کے چہرے پر تلخی ابھری، ایک سرد ہنسی۔ "تمہارے سائے میں؟ تم نے اسے ایک قید سے نکال کر دوسری قید میں ڈالا۔ وہ تمہاری وجہ سے مری، جوزف۔"

"وہ تم لوگوں ضد کی وجہ سے مری! اگر تم لوگ اسے چین سے جینے دیتے! مگر نہیں۔۔۔ اورنگزیب خاندان کی ناک کٹ چکی تھی۔"

دونوں کی آنکھوں میں شعلے تھے۔ کوئی ایک بھی اپنی غلطی ماننے کو تیار نہیں تھا۔ کئی لمحے ایک لمبی خاموشی چھائی رہی۔ پھر رئیس کرسی پر آگے کو جھکتے ہوئے بولا۔

"مجھے تم زہر لگتے ہو!"

"پسند بہن کی ہو۔۔۔ تو بہنوئی زہر ہی لگتا ہے۔"

رئیس کے جبڑے بھنچ گئے۔

"تم نے اس کی زندگی چھینی، اور پھر تم نے اس کے بیٹے کو بھی اسی آگ میں جھونکا۔۔۔"

"وہ میرا بیٹا ہے! وہ جوزف کا خون ہے۔ وہ جلد میرے پاس ہو گا۔"

"وہ کہیں نہیں جا رہا۔" وہ قطعیت سے بولا۔ "وہ اس ملک میں ہے، اس نے میرا نام لیا ہے۔ وہ یہیں رہے گا۔"

مسٹر جوزف نے بھنویں سکیڑ کر رئیس کو دیکھا۔

"تم اسے خطرے میں ڈال رہے ہو!"

"وہ خطرے میں پیدا ہوا تھا، جوزف! تمہاری وجہ سے!"

مسٹر جوزف اسکرین پر ہنسے۔

”تم ایک ایسی عورت سے ہارنے والے ہو جسے تم نے خود مارا تھا۔ ولیم تمہاری گندگی صاف کر رہا ہے! وہ اس کے لیے نہیں بنا۔“

”اس پر میرا بھی حق ہے۔“

اسی لمحے دروازہ کھلا اور ولی واپس اندر آیا۔ وہ کمرے کے درجہ حرارت نہایت سرد تھا۔

”ولیم میرا بیٹا ہے! میرا خون ہے!“

رئیس فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

”وہ میرا بھانجا ہے! میں نے اسے اپنا نام دیا ہے!“

ولیم فورا آگے بڑھا۔

”اوہیلو! لڑنے کی ضرورت نہیں ہے میں اپنی بیوی کا ہوں۔“

اس کی بلند آواز نے دونوں کو خاموش کرا دیا۔

رئیس اور جوزف، دونوں نے بیک وقت اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔ وہ چلتا ہوا اپنی کرسی پر واپس بیٹھ گیا۔ اس نے بات ہی ختم کر دی تھی۔

رئیس اور جوزف دونوں کے چہرے پر ناقابلِ یقین تاثرات ابھرے۔ وہ کچھ کہنا چاہتے تھے، مگر اس نے انہیں موقع نہیں دیا۔

”میرے خیال سے۔۔۔“ اس نے کی بورڈ پر انگلیاں چلاتے ہوئے کہا، ”اب ہمیں کام کی بات کرنی چاہیے۔“

اسے پرواہ نہیں تھی کہ اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا جا رہا تھا یا نہیں۔

"یہ پلان بہت اہم ہے اور مجھے آپ دونوں کی ضرورت ہے کیونکہ اکتیس دسمبر میں صرف تین دن باقی ہیں۔"

اس نے انٹر دبایا۔ بڑی اسکرین پر نقشے، تصاویر اور ٹائم لائنز ابھر آئیں۔ یہ نقشہ رئیس ہیڈ آفس کی تھا۔

"اور یہ رہا پلان۔۔۔"

ڈارک لارڈ اور ڈریکولا، دونوں نے ایک دوسرے کو آخری بار نفرت سے دیکھا، اور پھر خاموشی سے اسکرین پر نظریں جمالیں۔۔۔ اس پلان کو سنتے ہوئے جو، ان دونوں کا وارث، ترتیب دے رہا تھا۔

✿••✿••✿••✿

دو دن پہلے!

اکتیس دسمبر کی آمد میں صرف دو دن باقی تھے۔ منار فیشنز کا ہیڈ کوارٹر، جو حملے کی زد میں آیا تھا، اب بھی مکمل طور پر بحال نہیں ہوا تھا۔ عمارت کے جو حصے ٹھیک تھے، وہاں زندگی پوری آب و تاب سے رواں تھی۔ جلے حصوں پر کام جاری تھا مگر اندر، ڈیزائنرز کے انگلیاں پہلے سے زیادہ تیزی سے چل رہی تھیں۔

فجر اپنے دفتر میں تھی۔ پچھلے چند گھنٹوں سے وہ بے طرح کام میں غرق تھی۔ اوماڑا فیشن شو ایک شاندار کامیابی تھی، اور اس کی عوامی مقبولیت آسمان کو چھو رہی تھی۔ اس کے سامنے ایک نیا فلمی سکرپٹ پڑا تھا، ایک بڑی پروڈکشن ہاؤس کی طرف سے آفر، جسے وہ قبول کرنے سے پہلے ہر زاویے سے پرکھنا چاہتی تھی۔ وہ ڈیزائن اسکیچز اور فلمی سکرپٹ کے درمیان کہیں کھوئی ہوئی تھی، جب اس کا فون بج اٹھا۔

اس نے بے دھیانی میں، اسکرین دیکھے بغیر، فون کان سے لگایا۔

"مسز فجر، میں حماد بات کر رہا ہوں، رئیس گروپ سے ہیڈ ڈیزائنر۔"

رئیس کا نام سن کر فجر کی توجہ فوراً کام سے ہٹ کر فون پر مرکوز ہو گئی۔ وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"جی، مسٹر حماد کہیے۔۔"

"میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ دراصل ڈارک اسٹارز کی لانچنگ فائنل ہو رہی ہے، اور ہمیں ایک کردار کے لیے آپ کے ایک پرانے ڈیزائن کی ضرورت تھی۔"

فجر کی بھنویں سکڑ گئیں۔ "میرا ڈیزائن؟"

"جی۔ آپ کا سب سے پہلا کاسٹیوم نائٹ میئر!"

کمرے میں ایک دم خاموشی چھا گئی۔ **نائٹ میئر**۔ وہ کاسٹیوم جو سونیا سلطان نے اس سے خرید کر۔۔۔ رئیس کو دے دیا تھا۔ وہ اس نے کبھی منظر عام پر نہیں دیکھا تھا اور نہ جانتی تھی کہ وہ رئیس کے پاس تھا۔ وہ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ یہ ایک بڑی خبر تھی۔

حماد نے جلدی سے اضافہ کیا۔

"دراصل، یہ کاسٹیوم ڈارک اسٹارز کے لکھے گئے کرداروں میں سے ایک کے ساتھ مکمل طور پر میچ ہوتا ہے۔ ہم اس میں تھوڑی سی بہتری لانا چاہتے ہیں، مگر اس کے لیے ہمیں آفیشلی آپ کی اجازت درکار ہو گی۔" اسنے مزید اضافہ کیا، "اگر آپ کے پاس وقت ہو، تو کیا آپ ہیڈ آفس آسکتی ہیں؟ ہم آپ کو پورا کانسپٹ دکھانا چاہتے ہیں۔"

فجر نے ایک گہری سانس لی۔ رئیس اب اس کا ڈیزائن استعمال کرنا چاہتا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" اس کی آواز ایک پر اعتماد بزنس وومن کی تھی۔ "میں شام میں وزٹ کروں گی۔" اس نے فون بند کر دیا اور سر جھٹک کر دوبارہ کام کی طرف متوجہ ہوئی۔

شام سے پہلے ایک سیاہ مرسڈیز رئیس گروپ کی عالیشان عمارت میں داخل ہوئی۔ دروازہ کھلا اور فجر باہر نکلی۔

وہ مکمل طور پر ایک پاور فل بزنس وومن کے حلیے میں تھی۔

دسمبر کی ٹھنڈی ہوا میں اس نے ایک لمبا، اسٹرکچرڈ کیمل وول کوٹ پہن رکھا تھا، جس کے کالر کھڑے تھے۔ اس کے پاؤں میں تیز، نوکیلی سیاہ اسٹیلیٹو ہیلز تھیں، اور آنکھوں پر بڑے، سیاہ شیڈز جمے تھے جو اس کے آدھے چہرے کو چھپائے ہوئے تھے۔ اس نے اپنا لیدر بیگ تھاما اور عمارت کے شیشے کے دروازوں سے اندر داخل ہوئی۔ یہاں فرش چمکتے ہوئے سیاہ ماربل کا تھا، جس میں اونچی چھتوں پر لگی کرسٹل لائٹس کا عکس پڑ رہا تھا۔ ہر طرف شیشے کی دیواریں اور مہنگا فرنیچر تھا۔ اس کی ہیلز کی ٹک ٹک کی آواز اس خاموش، وسیع راہداری میں گونج رہی تھی۔

وہ آواز اعتماد کی تھی۔ اسٹاف اس کے راستے سے احتراماً ہٹ رہا تھا۔ وہ بلاوجہ نہیں آتی تھی، وہ آج مدعو کی گئی تھی۔

اس کا چشمہ اس کی آنکھوں پر جما تھا، جس سے اس کے تاثرات کو پڑھنا ناممکن تھا۔ حماد خود اسے لینے کے لیے لابی میں موجود تھا۔

"مس، فجر، اس طرف۔"

وہ اسے ڈارک اسٹارز کے مخصوص ڈیزائن اسٹوڈیو میں لے گیا۔ کمرہ ڈیزائنرز، موڈ بورڈز اور جیولری کے نمونوں سے بھرا پڑا تھا۔

اور کمرے کے عین وسط میں، ایک لائف سائز مینیکوئن پر، روشنیوں کے جھرمٹ میں وہ کاسٹومیم کھڑا تھا۔

"نائٹ میئر!"

سرخ اور سفید نیلے رنگ کا وہ شاہکار، جسے فجر نے اپنے ٹوٹے ہوئے خوابوں سے بُنا تھا۔ فجر اس کے سامنے جا کر رک گئی۔ اس نے اپنا چشمہ نہیں اتارا۔ البتہ آنکھوں میں حسرت سی تھی۔ اس وقت اسے یہ بیچنا پڑا تھا۔

حماد نے احتیاط سے بات شروع کی۔

"یہ ہے ایک چھوڑی ہوئی ملکہ کا کنسیپٹ ہے جسے اس کی سلطنت سے نکال دیا جاتا ہے، مگر وہ واپس آتی ہے۔۔۔ ایک نائٹ میئر (ڈراؤنے خواب) کی طرح اور ہیروں سے زیادہ چمکدار!"

ڈیزائنرز کی ٹیم خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ فجر نے گاؤن پر ہاتھ پھیرا۔ وہی کپڑا، وہی کڑھائی۔

"آپ اس میں کیا بہتری لانا چاہتے ہیں؟" اس نے بالآخر پوچھا، اس کی آواز اس کے چشمے کی طرح بے تاثر تھی۔

حماد نے ایک اسکیچ اٹھایا۔ "ہم اس کے ساتھ ایک کرسٹل کا تاج شامل کرنا چاہتے ہیں اسے مزید شاہانہ دکھانے کے لیے۔ مگر اصل روح یہی رہے گی۔"

فجر خاموش رہی۔ وہ جانتی تھی یہ صرف ایک میٹنگ نہیں تھی۔ یہ رئیس کا ایک اور پیغام تھا۔ وہ اس کے ماضی کو۔۔۔ اس کے پہلے ہتھیار کو۔۔۔ اپنی سب سے بڑی جنگ **(ڈارک اسٹارز)** کا حصہ بنا رہا تھا۔

"اس کاسٹیوم سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کی جائے گی۔ اگر یہ آپ کی ڈارک اسٹارز کلیکشن سے میچ نہیں کر رہا تو کوئی مسئلہ نہیں۔ پر اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو گی۔ کم از کم میری مرضی سے تو نہیں۔۔۔ باقی جو آپ لوگوں کی مرضی۔۔۔" وہ مسکرا کر کہتی باہر نکل گئی۔ پیچھے حماد کلس کر رہ گیا۔

✿••✿••✿••✿

میٹنگ کے بعد، وہ نیچے مرکزی ہال میں آئی جہاں پر سکون ماحول میں فلک اس کا انتظار کر رہی تھی۔ ہال کی دیواریں شیشے کی تھیں، جہاں باہر غروب آفتاب کی دھیمی سی نارنجی شعاعیں پھیلی ہوئی تھیں۔ وہ دونوں ایک کونے میں صوفے پر بیٹھی تھیں، ان کے درمیان کچھ ڈیزائن اسکیچز اور کاغذات تھے۔ وہ بڑی دلجمعی سے نائٹ میئر کاسٹیوم کے حوالے سے ہونے والی میٹنگ اور آنے والے ڈارک اسٹارز پراجیکٹ پر گفتگو کر رہی تھیں۔ اوپر، ہال کے گرد گھومتی بالائی بالکونی پر، سیکیورٹی کے ایک نقطے پر میثم پل بھر کو ٹھہر گیا۔

وہ روبوٹ 0.2 کے نام سے جانا جاتا تھا۔ جو ہر وقت ایک مکمل سیاہ سوٹ میں ملبوس، اپنے سیاہ چشموں کے پیچھے دنیا سے بے نیاز رہتا تھا۔ مگر اس وقت، اس کے اندر ایک عجیب بے چینی تھی۔ وہ اپنے سیاہ چشمے کے پیچھے سے نیچے، ہال میں بیٹھی فلک کو دیکھ رہا تھا۔

فلک مسکرا رہی تھی۔ وہ خوبصورت لگ رہی تھی، اس کے چہرے پر ایک عجیب سی معصومیت اور ذہانت تھی۔ میثم کے دل میں کہیں ایک بے اختیار دھڑکن نے جنم لیا۔ یہ وہ دل تھا جو صرف فلک کے لیے دھڑکنے لگا تھا۔

اس کے قریب، آہٹ کے بغیر، کوئی آکر کھڑا ہوا۔ ہاتھ ریلنگ پر جما دیئے۔

"اسے پسند کرتے ہو تو کہہ کیوں نہیں دیتے؟" ولی کی آواز ابھری۔ میثم ٹھٹک گیا۔ وہ ساکت کھڑا رہا، جیسے اس کے سسٹم نے کوئی ایرر دے دیا ہو۔

"میں ایک سیکیورٹی ہیڈ ہوں۔ میرا کام سیکیورٹی دینا ہے۔ مالکن پر نظر رکھنا نہیں۔"

"مالکن پر نظر رکھنا؟" ولی مسکرایا۔ "آنکھیں جھوٹ نہیں بولتیں، میثم! میں دیکھ سکتا ہوں جب وہ تمہاری حدود سے گزرتی ہے تو تمہارے سیکیورٹی کوڈز میں گڑبڑ ہو جاتی ہے۔ تم صرف چند لمحوں کو جی رہے ہو، ان لمحات کو جب تم اسے دیکھ سکتے ہو۔"

میثم سختی سے اپنی ریلنگ پر جمے ہاتھ کی گرفت مضبوط کر گیا۔

"میں ایسا کچھ نہیں سوچتا۔۔"

"تم نفی کرو گے، کیونکہ تم ایک سپاہی ہو۔ مگر دل تو انسانی ہے نا، میثم؟ اور دل پر کس کا اختیار ہوتا ہے۔" اس کی نظریں فجر پر ٹھہر گئیں۔ اسے کھو دینے کا خوف آج بھی ویسا ہی تھا۔

میثم ایک لمحے کے لیے خاموش ہوا۔

"آپ جانتے ہیں وہ کون ہیں۔ وہ باس کی منگیتر رہ چکی ہیں۔"

"ہاں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ بگ بی اس سے محبت نہیں کرتے۔"

"یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔" میثم نے مضبوطی سے کہا۔ "میرے دل پر اختیار نہیں تھا۔۔۔ مگر میرے دماغ پر ہے۔ اور میں۔۔۔ ایسا کچھ سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"تم ایک اچھے انسان ہو۔ کیا وہ محبت کی مستحق نہیں؟"

"وہ۔۔۔ وہ باس کی امانت ہیں۔"

اس لمحے ولی نے اچانک اپنا سر گھما کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں گہرا جذباتی تاثر تھا۔

"کیا تم سچائی سے واقف نہیں ہو؟"

"میں اتنا جانتا ہوں کہ میں ساری عمر باس کے حکم پر فلک صاحبہ کے ساتھ سائے کی طرح رہ سکتا ہوں۔ انہیں ہر خطرے سے بچا سکتا ہوں۔ مگر۔۔۔" وہ ایک لمحے کو رکا، اس کی آواز میں اذیت گھل گئی۔

"مگر میں، اپنا وقت، ان کا رشتہ۔۔۔ کبھی خراب نہیں کروں گا۔"

ولی نے گہری سانس لی۔ کچھ محبتیں بس قربانی دینا جانتی ہیں۔ خاموشی سے قربان ہو جاتی ہیں۔

"یہ محبت کی سب سے تکلیف دہ شکل ہے۔"

"یہ میری ڈیوٹی ہے۔ اور اس سے بڑا کوئی اعزاز نہیں۔"

وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی اس کی کمزوری کو جان پائے۔ وہ بادشاہ کی امانت پر نظر نہیں ڈال سکتا تھا۔ ولی نے اپنے ہاتھ ریلنگ سے ہٹائے اور گہری سانس لی۔

"مجھے یقین ہے کہ اگر وقت آیا تو تم اس کے لیے اپنی جان دے دو گے۔"

"یہ میرا اعزاز ہو گا۔" وہ جس سنجیدگی سے بولا تھا نشان زدہ چہرے والا شخص مسکرا دیا۔

"مگر اسے بتاؤ گے کبھی نہیں کہ تم اسے پسند کرتے ہو۔"

"کبھی نہیں۔" میثم کی آواز فیصلہ کن تھی۔ ولی نے میثم کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور اسے ہلکا سا دبایا۔

"ٹھیک ہے۔ مگر جب جنگ ختم ہو جائے۔۔۔ جب تم بادشاہ اور ان کی امانت کو بچا لو۔۔۔ تب یہ ڈیوٹی کا سوٹ اتار کر۔۔۔ ایک بار، صرف ایک بار، اپنے دل کی سننا۔"

میثم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ نیچے فلک کو دیکھتا رہا، جو اب مسکراتی ہوئی فجر کے ساتھ ہال سے باہر نکل رہی تھی۔

اس نے ایک طویل، سرد سانس لی۔ ولی بھی پلٹ گیا۔ میثم وہیں کھڑا رہا۔ اس کا کام سیکیورٹی دینا تھا۔ مگر اس وقت، اس کے اپنے سینے میں وہ ایک انسان کے دل کو سیکیور کر رہا تھا، ایک ایسا دل جو ہمیشہ بند رہنا تھا۔

✿••✿••✿••✿

ایک دن پہلے!

گھر میں ایک عجیب، کاٹ کھانے والی خاموشی تھی۔ مگر چھت کی بالکونی پر، دسمبر کی اس ہلکی دھوپ میں، ماحول مختلف تھا۔

فلک، ایک موٹی بُنی ہوئی شال لپیٹے، ریلنگ کے پاس کھڑی تھی۔ اس کی آنکھیں رات بھر جاگنے سے ہلکی سی سوجی ہوئی تھیں، مگر چہرے پر اب ایک ٹھہراؤ تھا، ایک فیصلہ تھا۔ فخر اس کے ساتھ چائے کا کپ لیے کھڑا تھا۔

"تم بہت سمجھدار ہو چکی ہو، فلک!" اس نے خاموشی کو توڑا۔

"جب اپنے چھوڑ جائیں، تو سمجھداری خود ہی آجاتی ہے، بھائی!" اس نے گہری سانس لیتے کہا۔

اس کے اپنوں نے ناطہ توڑ لیا تھا۔ وجاہت عالمگیر اور بشارت بھائی نے دوبارہ اس سے بات نہیں کی تھی۔

"نہیں، یہ سمجھداری نہیں، یہ بہادری ہے۔ کل ڈارک اسٹارز کی لانچ ہے۔ اور جہاں تک میں جانتا ہوں، رئیس گروپ میں بطور مصنفہ تمہارا آخری دن ہے۔"

اس نے فلک کی آنکھوں میں جھانکا۔

"میرے خیال سے، تمہیں رئیس کی زندگی سے شاندار طریقے سے ایگزٹ لینی چاہیے۔"

فلک نے چائے کا کپ لبوں سے لگایا۔ اس کی نظریں سامنے بکھرے ہوئے لاہور پر تھیں۔

"میں جانتی ہوں مجھے کیا کرنا ہے۔" وہ پھیکا سا مسکرائی۔ فخر نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ اسے جانتا تھا۔ پہچانتا تھا اور یہ اچھے سے سمجھتا تھا کہ اس کے لیے یہ سب چھوڑ دینا کس قدر مشکل ہو گا مگر بطور بھائی اسے یہ کرنا ہی تھا۔

"آفس، کانٹریکٹ، پہچان۔۔۔ یہ سب تو ٹھیک ہے۔ لیکن محبت کا کیا؟" اس بار لہجے میں فکر مندی تھی۔

"تم کسی اور سے شادی نہیں کرنا چاہتیں تو باقی کی زندگی کیسے گزرے گی؟ کیا یہ سب تمہارے لیے اتنا آسان ہو گا۔"

فلک نے ایک لمبی، گہری سانس لی۔

"صرف دیکھ کر ہی زندگی گزاری جا سکتی ہے نا۔" اس نے بے ساختہ فخر کی جانب دیکھا۔

"میں صرف اسے دیکھ کر بھی زندگی گزار سکتی ہوں۔"

اس کی آواز رندھ گئی۔

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ یہ۔۔۔ یہ کوئی جینا نہیں۔۔۔" اسے حقیقتا برا لگا تھا۔ فلک خاموش رہی۔

"کاش وہ چلا جائے۔ وہ تمہاری زندگی سے چلا جائے۔۔۔"

فخر کی انگلیاں ریلنگ پر جم گئیں۔ اندر کہیں کچھ لرزا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا فلک خود کو چن کر بھی ایسی زندگی گزارے۔ جبکہ فلک اسکی ایسی خواہش پر مسکرا بھی نہ پائی۔ وہ چلا جاتا تو وہ کسے دیکھتی؟

پتا ہے ہم سب یک طرفہ محبت کو غلط سمجھتے ہیں۔ ہم سوچتے ہیں محبت حاصل کرنے کا نام ہے۔ کہ اگر وہ مل گیا تو جیت، نہ ملا تو ہار۔ یہ سچ نہیں ہے۔ محبت تو بس ہو جاتی ہے۔ یہ ایک احساس ہے جو ہمارے اندر زندہ رہتا ہے، ہمیں زندہ رکھتا ہے۔

ہاں، ہم کسی کے پیچھے بھاگنا چھوڑ دیتے ہیں۔ ہم ضد کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ اس سے امیدیں لگانا چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کی بے رخی پر رونا چھوڑ دیتے ہیں۔ لیکن ہم اس سے محبت کرنا نہیں چھوڑ سکتے، وہ ہمارے اختیار میں نہیں ہوتا۔

"میں نے یہ بہت پہلے کر لیا تھا فخر بھائی، میں نے رئیس کے پیچھے بھاگنا چھوڑ دیا تھا، میں نے اس سے امید لگانا چھوڑ دی تھیں کہ وہ پلٹ کر مجھے دیکھے گا۔ میں نے اس کے لیے رونا چھوڑ دیا مگر اس کا خیال دل سے نہیں نکلتا۔۔۔ میں اسے دیکھتی ہوں تو مجھے بس وہ دکھائی دیتا ہے۔ نہ اس کی اچھائیاں، نہ برائیاں، بس وہ دکھتا ہے جس نے ساری عمر ایک عورت کے نام پر گزار دی۔۔۔ پھر سوچتی ہوں کہ جب وہ ساری عمر اتنے شاندار طریقے سے گزار سکتا ہے تو میں کیوں نہیں؟ عورت کو تو عشق کی استاد کہا گیا ہے۔"

وہ مسکرائی، ایک ایسی مسکراہٹ جس میں ہزاروں آنسو قید تھے۔

"میں اس سے محبت کرتی ہوں۔ ہمیشہ کروں گی۔ اور مجھے اس کے ساتھ جینے کے لیے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اسے دیکھ کر جی لوں گی۔ ہاں ایک بہن اپنے بھائی سے ایسی باتیں کرتی اچھی نہیں لگتی لیکن ایک انسان سے تو کر سکتی ہوں؟ آپ میرے بھائی ہیں۔ اس سے بہتر کہ میں اس سفر کو کسی اور سے ڈسکس کروں، کیوں نہ میں آپ سے کر لوں تاکہ آپ کو یہ پتا ہو کہ میں کچھ غلط نہیں کر رہی۔۔۔ میں بس حالات سے، لوگوں سے اور اپنے ہی دل سے لڑ رہی ہوں۔"

"تم نے خود کو مضبوط کر لیا ہے فلک!"

"یہ مضبوطی نہیں ہے۔ یہ خود کو چننا ہے۔"

اس نے فخر کا ہاتھ مضبوطی سے تھاما۔

"میرا انتخاب ہمیشہ **'میں'** رہوں گی۔ میں رئیس کی محبت میں **'فلک'** کو کھونا نہیں چاہتی تھی۔ کبھی نہیں۔ اس کی بے رخی کے اندھیرے میں اپنی پہچان گم نہیں کرنا چاہتی تھی۔"

اس نے گہری سانس لی۔

"اس لیے، میں نے خود کو چن لیا تھا بہت پہلے ہی، میں خود کے لیے جی رہی ہوں۔ اور یہ کافی ہے۔"

فخر نے آگے بڑھ کر اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔

"جاؤ۔ اور کل اس ایگزٹ کو سب سے یادگار بنا دو۔ دنیا کو دکھا دو کہ فلک عالمگیر نے جب خود کو چنا، تو وہ کتنی نایاب ہو گئی۔"

فلک نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کا رشتہ رئیس سے ختم ہو چکا ہے، مگر اس کا تعلق۔۔۔ وہ کبھی نہیں ٹوٹے گا۔ ایک گھر ہے جو جڑا رہے گا اور یہ وہ گھر ہے جو رشتوں کی ڈیمانڈ نہیں کرتا۔ یہ وہ گھر ہے جہاں دور دراز سے آئے بنجارے ساتھی بن جاتے ہیں۔ یہ وہ گھر ہے جو ہم خود بناتے ہیں اپنے پسندیدہ لوگوں کے ساتھ!

✿••✿••✿••✿

لاہور کی چکاچوند اور سردی کے برعکس، جامشورو کی رات گہری، خاموش اور ٹھہری ہوئی تھی۔ عالمگیر حویلی کے وسیع دالان میں، پرکھوں کی تصویروں کے درمیان، ایک بھاری خاموشی قید تھی۔ ہوا میں ہلکی خنکی تھی، مگر وہ کاٹ نہیں تھی جو لاہور کی ہوا میں تھی۔

وجاہت عالمگیر، دالان کے مرکزی صوفے پر خاموش بیٹھے تھے، ان کی نظریں سامنے خالی صحن پر ٹکی تھیں۔ ان کا چہرہ زندگی کی تھکن سے زیادہ، ایک باپ کی شکست سے چور تھا۔

ترنم بیگم، اپنے کمرے سے نکل کر آئیں۔ انہوں نے اپنے بھائی کو اس طرح گم سم بیٹھے دیکھا تو وہیں رک گئیں۔ پھر آہستگی سے چلتی ہوئی ان کے قریب ایک کرسی پر بیٹھ گئیں۔

"ابھی تک جاگے ہوئے ہیں؟"

وجاہت عالمگیر نے گہری سانس لیتے ہوئے، نظریں ہٹائے بغیر کہا۔

"نیند آنکھوں سے کوسوں دور ہے، بہن!"

"فلک کی وجہ سے؟"

وجاہت نے کوئی جواب نہیں دیا، مگر ان کی خاموشی ہی اقرار تھی۔ اولاد سے بڑی آزمائش کیا ہو سکتی ہے؟

ترنم بیگم ایک تلخ مسکراہٹ کے ساتھ کہنا شروع کیا۔

"عجیب بات ہے نا، ہم اپنی اولاد کے لیے دنیا کی ہر آسائش چاہتے ہیں، مگر جب وہ اپنی خوشی خود ڈھونڈنے لگیں۔۔۔ تو ہم ہی ان کے سب سے بڑے دشمن بن جاتے ہیں۔" انہیں منار یاد آئی۔ جو ایک دشمنی کی نذر ہو گئی تھی لیکن ترنم عالمگیر نے کوشش کی تھی۔ انہوں نے کوشش کی تھی کہ منار کو وہ مل جائے جو وہ چاہتی ہے مگر کچھ بھی ویسا نہیں ہوا۔ منار ہی مر گئی۔

وجاہت عالمگیر نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"آپ۔۔۔ آپ اس کے فیصلے کو صحیح کہہ رہی ہیں؟ اس نے بھرے خاندان کے سامنے میری بات رد کر دی! وہ اس رئیس کے لیے۔۔۔"

"وہ رئیس کے لیے نہیں رکی، وہ اپنے لیے رکی ہے اور رئیس سے اس کو آپ سب نے باندھا تھا۔ اس نے ایسی کوئی خواہش نہیں کی تھی۔" وہ ایک لمحے کو رکیں، جیسے اپنے ماضی کے زخموں کو یاد کر رہی ہوں۔

"کبھی کبھی۔۔۔ ہم والدین اپنی اولاد کے ساتھ بڑی زیادتی کر جاتے ہیں۔" ان کی آواز رندھ گئی۔ "اور وہ بھی تب۔۔۔ جب وہ اولاد ماں باپ کا نام بدنام نہ کر رہی ہو۔"

وجاہت کے چہرے پر ناگواری ابھری۔ انہیں فلک بہت عزیز تھی مگر اس بار انہیں فلک کا خود کو چننا پسند نہیں آیا تھا۔ اس نے آنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس نے شادی سے انکار کر دیا تھا۔ عجیب بات ہے کچھ عرصہ پہلے جب وہ بستر مرگ پر تھی تو یہی وجاہت عالمگیر چاہتے تھے کہ اب کی بیٹی بچ جائے۔ وہ جو چاہے کرے لیکن زندہ رہے۔ کھو دینے کا خوف ہر احساس پر بھاری ہوتا ہے اور جب یہ خوف ختم ہو جاتا ہے تو ہماری انا پھر سے جاگ اٹھتی ہے۔

"فلک نے کچھ غلط نہیں کیا۔ اس نے اپنا نام بنایا، اپنی پہچان بنائی۔ اس نے خاندان کا سر جھکایا نہیں، فخر سے بلند کیا ہے۔"

ان کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی، یہ آنسو منار کے لیے تھے، فجر کے لیے تھے، یا فلک کے لیے، کہنا مشکل تھا۔

"میں نے۔۔۔ میں نے خود فجر کے ساتھ بہت زیادتیاں کی ہیں۔ میں نے اسے ہمیشہ گردیزی خاندان کا خون سمجھا، کبھی یہ سمجھنے کی کوشش نہیں کی کہ اسے میں نے پالا ہے۔ میں نے اسے خود سے دور کیا اور وہ اتنی دور چلی گئی کہ اب صرف اس کی خبریں ہی مجھ تک پہنچتی ہیں۔"

وہ وجاہت عالمگیر کی جانب مڑیں۔

"عالمگیر خاندان نے پہلے بھی ایک بیٹی کو کاٹ کر پھینک دیا تھا۔ میں نے فجر کو ٹھکرا دیا۔۔۔ خدا کے لیے، اب فلک کو کاٹ کر کے مت پھینکئے گا۔" ان کی آواز میں التجا تھی۔

"میں نہیں چاہتی کہ فلک بھی۔۔۔ مجھ جیسی تنہا زندگی جیئے۔"

وجاہت عالمگیر کے چہرے کے تاثرات نرم پڑ گئے۔ انہوں نے آنکھیں بند کر لیں۔

"آپ سمجھتی ہیں میں اس سے ناراض ہوں؟" ان کی آواز میں اب غصہ نہیں، تھکن تھی۔ "بشارت نے اس پر ہاتھ اٹھایا۔۔۔ اور میں خاموش رہا۔۔۔ تمہیں کیا لگتا ہے، مجھے تکلیف نہیں ہوئی؟"

"پھر تم نے اسے روکا کیوں نہیں؟ تم اسے زبردستی کیوں لا رہے تھے؟"

"باپ۔۔۔ بیٹیوں سے ناراض نہیں ہوتے، بہن! بس۔۔۔ بس ناراضی دکھاتے ہیں۔"

انہوں نے اپنی بہن کی طرف دیکھا، ان کی آنکھوں میں وہ درد تھا جو صرف ایک باپ ہی سمجھ سکتا تھا۔

"ناراضی دکھاتے ہیں۔۔۔ تاکہ انہیں احساس رہے کہ ان کی پرواہ کرنے والا کوئی ہے۔"

کچھ پل کی گہری خاموشی چھا گئی۔

"اولاد جب پرواز کرنے لگتی ہے نا، تو سب سے زیادہ خوف ماں باپ کو ہی لگتا ہے۔ ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کے پر نہ کٹ جائیں، کہیں کوئی شکاری ان کا راستہ نہ کاٹ لے۔ ہمارا غصہ، ہماری ڈانٹ۔۔۔ وہ نفرت نہیں ہوتی۔ وہ خوف ہوتا ہے۔ وہ اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ ہمیں ان کی کتنی فکر ہے۔"

"تو آپ کو کیا لگتا ہے فلک غلط راستے پر ہے؟" ترنم بیگم نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"رئیس۔۔۔ وہ راستہ بہت خطرناک ہے، بہن! وہ منار۔۔۔ وہ منار نہیں رہی، ایک بلا ہے۔ میں اپنی بیٹی کو اس آگ میں کیسے جلتا دیکھوں؟"

وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور صحن کی طرف قدم۔ بڑھائے۔

"وہ نہیں مانی۔ اور فخر۔۔۔ فخر بھی اس کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔" وہ رکے، ان کی آواز میں بے بسی تھی۔

"اولاد جب بڑی ہو جاتی ہے، تو ماں باپ بہت اکیلے ہو جاتے ہیں۔ ہم ان کا ہاتھ تھامنا چاہتے ہیں۔۔۔ مگر وہ اپنی انگلی چھڑا لیتے ہیں۔"

ترنم بیگم بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ بوڑھے چہرے پر پژمردگی تھی۔ منار کی واپسی نے انہیں توڑ دیا تھا۔ جس بات کا خوف تھا انہیں وہ ہو چکا تھا۔

"وہ تم سے دور نہیں گئی، وجاہت! وہ صرف اپنی جگہ بنا رہی ہے۔"

"دعا کریں کہ اس کی بنائی ہوئی جگہ محفوظ ہو۔" انہوں نے آسمان کی جانب رخ کرتے کہا۔ حویلی کی خاموشی میں دو بہن بھائی کھڑے تھے، ایک اپنی بیٹی کے کیے پر پچھتا رہی تھی، اور دوسرا اپنی بیٹی کے مستقبل سے خوفزدہ تھا۔

✿••✿••✿••✿

ہوائی اڈے کی رن وے پر جہاز کے انجنوں کی گڑگڑاہٹ فضا میں گونج رہی تھی، جیسے کوئی بڑا راز دفن کیا جا رہا ہو۔ مراد عالم جہاز کی فرسٹ کلاس کی ایک کھڑکی کے پاس بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں گہری تھکن تھی، جو پچھلی رات کی بے خوابی اور اندرونی خلفشار کا نتیجہ تھی۔ اس نے رئیس کا حکم مان لیا تھا۔ بیس سال۔۔۔ زندگی کے وہ بیس سال جو اس نے ایک سائے کی طرح، ایک ڈھال کی طرح، رئیس کے پہلو میں گزارے تھے۔ آج وہ سب کچھ پیچھے چھوڑ کر جا رہا تھا۔

اس کے ساتھ والی سیٹ پر اس کی بیوی آصفہ تھی۔ جو بھی ہوا تھا یا ہو رہا تھا وہ اس سے خوفزدہ تھی مگر وہ اس جھمیلے سے دور جا رہی تھی اس پر مطمئن تھی۔ مراد نے باہر اندھیرے میں لپٹے ہوئے لاہور کے افق کو دیکھا۔ کل ڈارک اسٹارز کی عظیم الشان لانچ تھی، وہ ایونٹ جس کے لیے اس نے دن رات ایک کیے تھے۔ وہ وہاں ہونا چاہتا تھا، وہ جشن اس کا بھی تھا۔ مگر قسمت نے ساتھ نہیں دیا۔ وہ وہاں نہیں ہو سکتا تھا جہاں اسے ہونا چاہیے تھا۔

"میں یہاں کیوں نہیں ہوں گا؟" اس کے اندر سے ایک تیز چیخ اٹھی۔ "کیوں میں اس جشن میں شامل نہیں ہوں گا جو میرا ہے۔"

اس کے ہونٹ کانپنے لگے۔ گلا رندھ گیا تھا۔ وہ صرف ایک جی ایم، ایک ڈیزائنر، یا ایک ساتھی نہیں تھا۔ وہ رئیس اورنگزیب کا وزیر تھا۔ وہ اس کا سب سے قیمتی مہرہ تھا، جو اَب خود بادشاہ کے حکم پر بساط سے ہٹایا جا رہا تھا۔ اسے اس بات کا سب سے زیادہ درد تھا کہ رئیس اسے سی آف کرنے بھی نہیں آیا تھا۔

"اسے آنا چاہیے تھا۔۔۔" اس کا دل سسک رہا تھا۔ "ایک بار۔۔۔ بس ایک بار آ کر کندھے پر ہاتھ رکھتا اور کہتا کہ تمہاری ضرورت پڑے گی، جلدی لوٹنا۔"

لیکن وہ نہیں آیا تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر وہ آتا، تو مراد کبھی نہ جا پاتا۔ یہ رئیس کا آخری، بے آواز الوداع تھا۔ یہ اس کی مجبوری کا اعتراف تھا کہ وہ اپنے سب سے وفادار شخص کو منار کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ مراد نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اس کی پلکوں کے نیچے آنسوؤں کا ایک قطرہ سلگ اٹھا۔ اس کے دل و دماغ میں جنگ چھڑ چکی تھی۔

"بیس سال۔۔۔" اس نے خود سے سرگوشی کی۔ "میں نے تمہارے لیے کیا کچھ نہیں کیا۔ تمہاری خاموشی پڑھی، تمہارے غصے کو سنبھالا، تمہاری ڈھال بنا۔ اور آج، تم نے مجھے ایک دھمکی پر بیچ دیا۔"

اس کے اندر کی بغاوت کچھ دیر کے لیے جاگی، مگر اگلے ہی لمحے بیس سال کی وفاداری غالب آ گئی۔

"نہیں۔۔۔ تم نے مجھے بچا نہیں۔" اس نے اپنے اندرونی درد کو تسلیم کیا۔

"تم نے مجھے بچایا ہے۔ تم نے میرے گھر کو منتخب کیا۔۔۔ اپنی سلطنت پر۔"

اس کے ذہن میں رئیس کا آخری جملہ گونجا۔

"اگر تمہیں میں عزیز ہوں، تو تم وہی کرو گے جو میں کہہ رہا ہوں۔"

یہ التجا نہیں تھی، یہ وفاداری کی آخری آزمائش تھی۔ مراد نے وہ آزمائش پاس کر لی تھی۔ اس نے بے آواز ایک سسکی بھری۔ اس کا ہاتھ بے ساختہ اس کی جیب میں چلا گیا۔ جہاں ایک چھوٹا سا پتھر تھا۔ وہ پتھر جو اسے ایک بار رئیس نے مذاق میں دیا تھا، جب مراد نے کہا تھا کہ وہ اس کے لیے چاند تارے بھی توڑ لائے گا۔ مراد نے وہ پتھر نکال کر اپنی ہتھیلی میں دبا لیا۔ یہ اس کا سارا ماضی تھا۔

جہاز نے دھیرے دھیرے رن وے پر حرکت شروع کر دی۔ مراد نے آخری بار پلٹ کر دیکھا، اس طرف جہاں رئیس کا ہیڈ آفس تھا، ایک اونچا، تاریک، تنہا برج!

"تمہیں زندہ رہنا ہو گا، رئیس!" اس نے انتہائی دھیمی، ٹوٹی ہوئی آواز میں کہا۔

”میں نے تمہاری امانت بچالی۔ اب تم اپنی امانت کو بچاؤ۔“

جہا، نے رفتار پکڑی اور اندھیرے آسمان میں بلند ہو گیا۔ مراد عالم، اپنے بادشاہ سے دور، ایک نئی دنیا کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔ اس کے آنسو اس کے چہرے پر خشک ہو رہے تھے، اور دل میں ایک گہرا زخم تھا۔

✿••✿••✿••✿

اس وقت قبرستان میں، سرد ہوا اور ہلکی کہر چھائی ہوئی تھی۔ دسمبر کی تیز ہوا میں درختوں کے پتے بجھتی سانسوں کی طرح تھرتھرا رہے تھے۔ سورج کی مدھم روشنی ٹوٹی قبروں کے سنگِ مرمر پر ایک ٹھنڈی چمک دے رہی تھی۔

ایک شخص، سیاہ اون کوٹ میں، ایک گہرے سایہ کی مانند، قبروں کی قطاروں کے درمیان چل رہا تھا۔ قدموں کے نیچے نمی تھی، جیسے زمین نے اپنے اندر درد کا پانی جمع کر رکھا ہو۔ اس کے ہاتھ میں ایک سیاہ گلاب تھا۔ وہ گلاب جسے وہ ہمیشہ اپنی فطرت کی علامت اور نفرت کی نشانی سمجھتا تھا، مگر آج وہ اس کے ہاتھ میں وفا کے ماتم کی طرح تھا۔

وہ ایک قبر کے سامنے جا کر رُک گیا۔ پتھر پر کندہ نام دھند میں ڈوبا ہوا تھا، **عروزہ بنت فیروز جمال!**

رئیس کی آنکھوں کے گرد سائے اور گہرے ہو گئے۔ وہ دھیرے سے جھک کر قبر کے قریب بیٹھ گیا، دونوں ہاتھ رانوں پر رکھے، نرمی سے، جیسے کسی زندہ روح سے بات کر رہا ہو۔

”تمہیں یاد ہے عروزہ۔۔۔ تم کہا کرتی تھیں کہ میں تمہیں بھی دھوکے کی وہی سزا دوں گا جو باقیوں کو دیتا ہوں، میں تمہیں تباہ کر سکتا ہوں اور میں نے تمہارا مذاق اڑایا تھا۔ کہا تھا، رئیس اورنگزیب کبھی کسی کو تباہ نہیں کرتا، لوگ خود تباہ ہونے پر اتر آتے ہیں۔“

وہ مسکرایا، ایک تلخ، نمکین مسکراہٹ! جیسے زخمی زبان پر زخموں کا ذائقہ۔

”تم ٹھیک تھیں۔ میں وہ شخص بن گیا جس سے تم ڈرتی تھیں۔ میں نے تمہیں مار دیا، اپنے ہی ہاتھوں سے۔۔۔“

اس نے عروزہ کی قبر پر نگاہ جمائے رکھی۔

"اور اب۔۔۔ اب میں خود اپنے اندر دفن ہوں۔ تمہارا درد میرے وجود کا ابدی قبرستان بن چکا ہے۔"

پیچھے درخت پر بیٹھا کوّا اچانک اُڑا، ایک لمحے کو منظر ویسا لگا جیسے وقت رک گیا ہو۔

"کبھی کبھی سوچتا ہوں، اگر تم بچ جاتیں۔۔۔ اگر اس دن میں تمہاری بات نہ مانتا اور بندوق نیچے رکھ دیتا۔۔۔ تو شاید میری کہانی کسی اور موڑ پر ختم ہوتی۔ شاید تم اب بھی میرے پاس ہوتیں۔۔۔ میرے اندھیروں کو سنبھالتی، میرے لیے ڈھال بنی رہتیں۔"

وہ اپنا چہرہ اپنے ہاتھ کی پشت پر رکھ کر بیٹھا رہا۔

"آج میری زندگی کا سب سے اہم موڑ ہے۔ کل ڈارک اسٹارز لانچ ہو رہا ہے، ہمارا سب سے بڑا خواب۔ اور تم ساتھ نہیں ہو اور مراد بھی نہیں۔۔۔ میں نے اسے دور بھیج دیا۔"

اس نے اپنا سر جھٹکا۔ ہوا کی ایک تیز لہر چلی، جیسے کسی نے ایک سرد سانس لی ہو۔ اس کے بال ماتھے پر آ گرے۔ اس نے انگلیوں سے انہیں پیچھے کیا اور آہستہ کہا۔

"لیکن مین یہ کبھی نہیں بھولوں گا کہ تم نے مجھے exploit کیا۔ میری کمزوری جانتے ہوئے بھی تم نے مجھے استعمال کیا۔"

اس کی آنکھیں نم ہوئیں۔ لبوں پر وہی تلخ مسکراہٹ لوٹ آئی۔ وہ کافی دیر وہیں بیٹھا رہا، کبھی قبر کے کتبے کو دیکھتا، کبھی اپنے ہاتھوں کو، جن پر اب بھی خون کی لکیر جیسے دکھائی دیتی تھی۔

"میں نے سب جیت لیا، عروزہ! شہرت، دولت، طاقت۔۔۔ لیکن تمہارے بعد جو ہارا، وہ شاید سب سے قیمتی تھا۔ میں خود سے ہار گیا۔"

اس نے گہری سانس لی، جیسے دل کی راکھ میں کوئی چنگاری باقی ہو۔

"کل ڈارک اسٹارز کی لانچ ہے۔ تمہارا خواب تھا نا۔۔۔ وہ آسمان جس میں سب روشنی تمہاری ہو۔ اب وہ لانچ تمہارے نام ہے۔ لیکن تم نہیں ہو۔"

خاموشی طویل ہو گئی۔ اس کے بعد اس نے کوٹ کی جیب سے ایک چھوٹا سا سفید کاغذ نکالا، تہہ شدہ کاغذ، پھر سیاہ گلاب کے نیچے رکھ دیا۔

"یہ میرا جواب ہے، تمہارے آخری سوال کا۔"

وہ اٹھا، لمحہ بھر قبر پر نگاہ ڈالی، اور دھیرے دھیرے واپس چلنے لگا۔ دسمبر کی دھند نے اس کے نقشِ قدم مٹا دیے۔ وہ ہمیشہ کی طرح، تنہا اور بوجھل تھا۔

کچھ دیر بعد ایک اور سایہ قبرستان کے دروازے سے داخل ہوا۔ سفید بال، بھاری چال، فیروز جمال، عروزہ کا باپ! وہ آہستہ آہستہ اس قبر تک پہنچا، جہاں ابھی چند لمحے پہلے رئیس گیا تھا۔ گلاب پر جھکی نگاہ، پھر وہ چھوٹی سی تہہ کی ہوئی چٹ اس کی نظر میں آئی۔

اس نے جھک کر وہ چٹ اٹھائی۔ لفظ صاف، قلم مضبوط، وہ رئیس کا ہی خط تھا۔

"اور تمہیں میری معافی کی ضرورت نہیں، نہ مجھے تمہاری۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تم معاف کرو یا نہ کرو، میری باقی تمام زندگی تم میری روح میں ایک زخم کی طرح رہو گے، اور میں تمہاری روح میں۔۔۔ اور یہی مناسب ہے۔" دوستوفسکی

فیروز جمال کے ہاتھ لرز گئے۔ چہرے پر آنسوؤں کی ایک لہر ابھری، بغیر آواز کے، بغیر دکھاوے کے۔ ہوا کی تیزی نے چادر ان کے چہرے پر اُڑائی۔ انہوں نے آنکھیں بند کر لیں، پھر دوبارہ کھول کر قبر کو دیکھا۔ گلاب اب بھی اپنی جگہ تھا۔ سیاہ، نم، اور سرد۔ انہوں نے قبر کے سرہانے ہاتھ رکھا۔ پھر پلٹ کر جاتے ہوئے رئیس کو دیکھا۔ وہ عروزہ کی خواہش پر اس سے سوال بھی نہیں کر سکتے تھے مگر اسے معاف کیسے کر دیتے؟

"خدا کرے وہ تمہیں وہی دکھ دے جو تمہارے دل میں باقی رہے۔"

پھر وہ دھیرے دھیرے اٹھے، اور قبرستان کی خاموشی میں محو ہو گئے۔

وہ ابدی گلٹ اور وفا کا ماتم اب قبر پر دفن ہو چکا تھا۔

✿••✿••✿••✿

رئیس ہیڈ آفس کی زیر زمین منزل پر واقع یہ کمرہ، جسے غیر رسمی طور پر کمانڈ اینڈ کنٹرول سینٹر کہا جاتا تھا، طاقت اور ٹیکنالوجی کا مرکز تھا۔ یہ کانفرنس روم سے زیادہ ایک ہائی ٹیک بنکر تھا۔ دیواریں مکمل طور پر ساؤنڈ پروف بلیک گلاس کی تھیں، جس کے باہر رئیس کا سونے کا تاج والا لوگو چسپاں تھا۔

اندر کا ماحول شدید ٹھنڈا تھا۔ دیواروں پر چھوٹی بڑی درجنوں اسکرینیں تھیں جو اس سلطنت کے ہر اہم کونے، ہوٹل کی ہر راہداری اور پارٹی کے ہر زاویئے سے لائیو فیڈز دکھا رہی تھیں۔ سرورز کی تیز، مسلسل گونج کمرے کی واحد آواز تھی۔ فرش گہرے سرمئی رنگ کا تھا، مگر کمرے کے بالکل بیچوں بیچ ایک مربع حصہ تھا جو ہلکے آئیوری رنگ کا تھا، جیسے کسی مقدس یا فیصلہ کن جگہ کی نشاندہی کر رہا ہو۔

ولی اسی آئیوری مربع پر کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر گہرا، غیر متزلزل ارتکاز تھا۔ وہ سیاہ ٹکسڈو میں ملبوس تھا، مگر اس کی آنکھوں میں پارٹی کی چمک نہیں، ایک فوجی کی چوکسی تھی۔

میثم اس کے سامنے تھا، اس کی آنکھیں بھی لائیو فیڈز پر تھیں، لیکن اس کی توجہ ولی پر تھی۔

"تمہیں لگتا ہے، یہ کام کرے گا؟" میثم نے نگاہیں ایک اسکرین سے ہٹاتے اسے دیکھا۔

ولی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ گلاس وال سے جھانک کر اندھیرے میں ڈوبے لاہور کو دیکھتا رہا، جہاں سے رئیس ہوٹل کی روشنیاں ایک دھندلی چمک دے رہی تھیں۔ اس نے ایک گہری سانس لی۔

"امید تو ہے۔ کیونکہ اگر یہ کام نہیں کیا، تو ہم سب ہار جائیں گے۔ میں اپنا سب کچھ ہار جاؤں گا۔"

"ہم نے ہر سیکیورٹی پروٹوکول ڈبل چیک کیا ہے۔ ڈیوائسز، ریڈارز، ہر چیز۔ ہم نے ہر دروازہ بند کر دیا ہے۔ منار کے پاس اندر آنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔"

"وہ منار ہے۔ وہ دروازہ ڈھونڈتی نہیں، وہ دروازہ بناتی ہے۔ یہ ساری محنت بے کار ہو جائے گی اگر ہم اس کے اگلے قدم کو نہ سمجھ پائے۔"

میثم اسے دیکھتا رہا، جو آج پہلے سے کہیں زیادہ گہرا، پراسرار اور سنجیدہ لگ رہا تھا۔

"تمہیں کیسے پتا چل جاتا ہے کہ اگلا انسان کیا سوچ رہا ہے؟ یا وہ کیا کرنا چاہتا ہے؟ تمہاری چھٹی حس کافی تیز ہے۔ کیسے؟"

ولی کے لب بھنچ گئے۔ اس نے میثم کی طرف پلٹ کر دیکھا۔ اس سوال کا جواب اس کے لیے ایک کھلا زخم تھا۔ اس کی آواز دھیمی، سرگوشی جیسی تھی۔

"میں نے زندگی کا ایک حصہ ہلوسینیشنش کے شکار میں گزارا ہے، میثم!"

وہ ایک لمحے کو رکا، جیسے کسی درد کو یاد کر رہا ہو۔

"میں نے کوشش کی ہے کائنات کی ہر آواز سننے کی۔ پتوں کے گرنے کی، ہوا کے رخ بدلنے کی، انسان کے دل کی دھڑکنوں کی، میں آوازیں سننا چاہتا تھا اور میں سنتا تھا۔ بہت کچھ سنتا تھا۔ اور جب بہت ساری آوازیں ایک ساتھ ٹکرائیں۔۔۔ تو بہت کچھ بدل گیا۔"

اس نے میز پر رکھے ایک خالی فریم کو دیکھا۔

"مگر ایک فائدہ ہوا۔ اس ہیجان میں، میں نے یہ سیکھ لیا کہ آوازوں کے پیچھے کی خاموشی کو کیسے پڑھا جاتا ہے۔"

"خاموشی؟" میثم کی بھنویں سکڑ گئیں۔

"ان آوازوں سے میں نے اندازہ لگانا سیکھ لیا کہ اگلا شخص کیا کرے گا۔ میں اب بھی ہر چیز کی آواز سنتا ہوں۔۔۔ لیکن اب میں شور سے نہیں، اس خاموشی سے رہنمائی لیتا ہوں۔"

میثم نے سر ہلایا۔ یہ فلسفہ اسے حیران کر گیا۔ روبوٹ کی طرح ہر چیز کو لاجک میں تولنے والا میثم، ولی کے اس غیر منطقی جواب پر خاموش ہو گیا۔

"آٹھ بج کر دس منٹ۔ ہمارے پاس اب زیادہ وقت نہیں ہے۔" اس نے گھڑی دیکھی۔

"سیکیورٹی پلان آئیرن مین کے نام سے چل رہا ہے۔ ہر جگہ ہمارا آدمی ہے۔ فلک صاحبہ اور باقی سب صحیح سلامت ہوٹل پہنچ چکے ہیں۔"

اس نے اطمینان کی ایک گہری سانس لی۔ یہ اس کا واحد سکون تھا۔ وہ ایک لمحے کے لیے اس آئیوری مربع پر کھڑا رہا، جیسے خود کو آنے والے چیلنج کے لیے تیار کر رہا ہو۔ پھر اس نے اپنا کوٹ درست کیا اور سیدھا ہو گیا۔ دونوں خاموشی سے کمرے سے باہر نکلے اور باہر کی روشنی میں گم ہو گئے، رئیس ہوٹل میں جشن شروع ہو چکا تھا۔

✿••✿••✿••✿

چھبیس گھنٹے پہلے:

رئیس ہوٹل کا مرکزی بال روم ایک جیتی جاگتی کہکشاں تھا۔ کرسٹل کے فانوس کی روشنی نے سیاہ اور سنہری تھیم کو ایسا نکھارا تھا کہ ہر چیز فن کا نمونہ لگ رہی تھی۔ پر تعیش موسیقی آہستہ آہستہ پورے ماحول کو اپنے اندر لے رہی تھی۔ ہال میں مردوں کی ڈریسنگ فارمل تھی۔ کالے اور گہرے رنگ کے ٹکسڈو اور ویلوٹ سوٹ، جو رئیس گروپ کے وقار کو ظاہر کر رہے تھے۔

ولی، فجر کے ہمراہ وہاں پہنچ چکا تھا۔ اپنے ٹکسڈو میں ملبوس، ہال میں ایک سیکیورٹی اسکیچ کی طرح کھڑا تھا۔ اس کی آنکھیں مسلسل ہر طرف حرکت کر رہی تھیں، لیکن اس کی بے چینی بھی صاف نظر آ رہی تھی۔ اس کے قریب ہی فجر موجود تھی۔ ایک لمحے کو دروازے پر ہلکی سی روشنی ڈم ہوئی۔ موسیقی مدھم ہوئی۔ اور پھر، فلک داخل ہوئی۔

اس نے ایک گہرے مرون رنگ کی میکسی پہن رکھی تھی، جو نہ زیادہ ماڈرن تھی نہ زیادہ سمپل۔ یہ درمیانی راستہ تھا۔ جس کے کندھوں پر شاندار اسٹرکچرڈ کٹ تھے جو اس کے عزم اور فیصلے کی عکاسی کر رہے تھے۔ شال کو وقار سے کندھوں پر ڈالے وہ فخر کے ساتھ آئی، جس نے اسے بازو تھام رکھا تھا۔

جیسے ہی وہ مرکزی ہال میں داخل ہوئی، تمام نگاہیں اس پر اٹھ گئیں۔ کیمروں کی فلیش لائٹس جواب تک دوسرے مہمانوں پر تھیں، جیسے خودکار طریقے سے گھوم کر فلک پر مرکوز ہو گئیں۔ اس کی چال میں ایک عجیب ٹھہراؤ تھا۔ یہ ایک اداکارہ کی چال نہیں، بلکہ اس عورت کی چال تھی جس نے خود کو چن لیا تھا۔

میثم جو کان میں لگے ایئربڈ سے کچھ ہدایات دے رہا تھا، فلک کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ اس کا چہرہ، جو ہمیشہ کی طرح جذبات سے عاری تھا، ایک پل کے لیے لرزا۔ اس کے سیاہ چشموں کے پیچھے کی آنکھوں میں، فلک کا مرون رنگ کا سایہ اترا۔

اس نے وہ لباس، وہ حسن دیکھا جس کے لیے اس کا دل دھڑکتا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ سب کچھ بھول گیا جو اس نے ولی سے کہا تھا۔ ایک سیکیورٹی روبوٹ کا سسٹم جیسے ایک خوبصورت تصویر کو دیکھ کر جم گیا ہو۔ اس نے فوراً نظریں ہٹائیں۔

فلک اپنی خوبصورت، پُرعزم انٹری کے بعد فخر کے ساتھ ایک محفوظ مقام پر جا کر رُکی۔ اسی لمحے، رئیس اورنگزیب بال روم کے مرکزی مائیک پر نمودار ہوا۔ اس کا سیاہ ویلوٹ سوٹ ہال کی روشنیوں میں چمک رہا تھا۔

"کل رات۔۔۔ ہم ایک ستارہ لانچ کر رہے ہیں۔ ڈارک اسٹارز۔"

اس نے ایک لمحے کے لیے رک کر پوری بھیڑ کو دیکھا۔ اس کی آنکھیں ولی، فجر، اور فلک پر سے ہو کر گزریں، گویا ہر ایک کو خاموشی سے ایک پیغام دے رہا ہو۔

"یہ صرف کلیکشن نہیں ہے۔ یہ ایک اعلان ہے اور آج ہم اسکا جشن منا رہے ہیں۔"

اس کے بعد ہال میں ہلکا سا شور مچا۔ صحافیوں نے مائیک کی طرف لپکنا شروع کیا۔

"رئیس صاحب! آپ کا اگلا بڑا منصوبہ کیا ہے۔" ایک صحافی نے پوچھا۔

"سیکیورٹی کے کیا انتظامات ہیں؟ کیا ڈارک اسٹارز کی لانچ کے ساتھ ہی نیو ایئر منایا جائے گا؟"

رئیس نے ہاتھ سے سب کو خاموش کرایا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک غیر متوقع، سرد مسکراہٹ تھی۔

"اگلا منصوبہ؟"

اس نے ایک پل کے لیے فلک کی طرف دیکھا، جہاں اس کی مرون ڈریس چمک رہی تھی۔

"ڈارک اسٹارز کی لانچ کے فوراً بعد، میں چھٹیوں پر جا رہا ہوں۔"

پورا ہال ساکت ہو گیا۔ ہر چہرہ حیرت زدہ تھا۔ وہ کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"مجھے کام کرتے ہوئے کافی عرصہ ہو گیا ہے۔ میں اب کچھ وقت بنا کام کیے گزارنا چاہتا ہوں۔ یہ فیصلہ پہلے سے طے شدہ تھا۔"

اس اعلان نے پارٹی کے اندر ایک نیا تھریل پیدا کر دیا۔ طاقتور ترین شخص اچانک منظر سے غائب ہو رہا تھا۔ کیا یہ خوف تھا؟ یا کوئی نئی چال؟ رئیس، اپنے اعلان کے اثرات کو دیکھ کر مطمئن ہوا اور مائیک چھوڑ دیا۔ وہ براہ راست ولی کی طرف بڑھا اور خاموشی سے اس کے کان میں کچھ کہا۔ فلک نے رئیس کے اعلان کو سنا، اور اس کے چہرے کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔

"وہ کہیں جا رہا تھا؟"

یہ رات صرف جشن کی نہیں تھی، یہ دبی ہوئی محبت، اور خطرناک عزائم کی ایک مکمل آمیزش تھی۔

✿••✿••✿••✿

رئیس، پارٹی میں اپنے اعلان کے بعد، لوگوں کے جمگھٹے سے نکل کر ہال کے ایک کم روشن گوشے میں آیا۔ وہیں فلک کسی سے بات کر رہی تھی۔ مرون میکسی میں ملبوس فلک آج ایک ایسی کتاب لگ رہی تھی جسے پڑھنے کا اختیار صرف چند لوگوں کو تھا۔

رئیس سیدھا فلک کے سامنے آ کر رُک گیا۔ اس کا چہرہ اب بھی سرد تھا، مگر آنکھوں میں ایک پرانی، جانی پہچانی سی چمک تھی۔

"میں تمہیں، تمہاری **زہر خوردہ پری** پر مبارک باد دینا چاہتا تھا۔"

فلک مسکرائی۔ "آپ کا شکریہ!"

"سنا ہے، اس نے مارکیٹ میں دھوم مچادی ہے۔ اور وہ ہماری لانچ سے زیادہ بڑی خبر بننے کے درپے ہے۔ کیا مجھے تمہیں سراہنا خاہیے؟"

"بات تو تب بنے گی جب آپ واقعی میری کتابیں پڑھیں گے۔ محض چارٹس دیکھ کر تعریف کرنا آسانی ہے۔"

رئیس نے آہستگی سے اپنا کوٹ درست کیا۔

"تمہیں میری عمر لو اسٹوریز پڑھنے والی لگتی ہے؟"

"لو اسٹوریز!" وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

"کیا آپ کو لگتا ہے میں صرف لو اسٹوریز لکھتی ہوں؟" چہرہ تپ گیا۔

"تو کیا تمہاری کتابیں تاریخ پر مبنی تھیسز ہیں؟" اس نے طنزیہ مسکراہٹ دی۔

"وہ صرف لو اسٹوریز نہیں ہیں! وہ تعلقات کی نفسیات، عورت کی تنہائی، جدوجہد اور اپنے آپ کو چننے کے بارے میں ہیں۔ وہ ہر اس لڑکی کے لیے ہیں جو آپ جیسے مردوں کی سرد مہری سہہ رہی ہے۔"

رئیس کے لب بھنچ گئے۔

"تو پھر تم۔۔۔ تم کیوں شادی نہیں کر لیتیں؟" اچانک، غیر متوقع طور پر سوال کیا گیا۔ یہ سن کر فلک کے چہرے پر موجود مسکراہٹ، اس کی آنکھوں کی چمک، اور اس کی ساری شرارت غائب ہو گئی۔ اس کا چہرہ بے تاثر، اور آنکھیں گہری ہو گئیں۔

"میں۔۔۔ میں کسی کا انتظار کر رہی ہوں۔"

رئیس نے اپنی نگاہیں اس کی آنکھوں پر جمائے رکھی۔ وہ جانتا تھا کہ یہ اس کے لیے پیغام تھا۔ اس کا انتظار صرف اسی شخص کے لیے تھا۔

"ہو سکتا ہے جس کا تم انتظار کر رہی ہو اس کے پاس وقت نہ ہو۔ وہ اپنی پوری زندگی کسی جنگ، کسی وعدے، یا کسی ذمہ داری میں جینے کا عادی ہو۔" ویٹر کے آنے پر اس نے اپنا مشروب کا گلاس تھاما۔

"کیا فائدہ ایسے انتظار کا؟ کیا تم نے اپنی کتابوں میں نہیں لکھا کہ وقت سے بڑھ کر کوئی سچ نہیں؟"

فلک نے پلکیں جھپکیں۔ پھر لبوں پر وہی دھیمی، نم مسکراہٹ لا کر دھیرے سے جواب دیا۔

"میرے پاس۔۔۔ بہت وقت ہے۔"

اس مسکراہٹ میں شکست نہیں، بلکہ ایک ابدی عزم تھا۔ وہ رئیس پر ایک گہری نگاہ ڈال کر پلٹ گئی۔ وہ چل پڑی، لیکن چند قدم بعد ہی رُکی۔ اس نے سر گھما کر رئیس کو دیکھا، جو ابھی بھی اسی جگہ ساکت کھڑا تھا۔

"جون ویڈنگ؟" اس نے پھیکی سی مسکراہٹ سے کہا۔ "مجھے جون ویڈنگ پسند ہے۔ سب کچھ سبز، روشن۔۔۔ کبھی انتظار پورا ہوا تو۔۔۔"

وہ بات اُدھوری چھوڑ گئی، ایک غیر یقینی امید کا ہلکا سا زخم دے کر۔

"تمہیں یہ ماننا ہو گا، میں ایک قاتل ہوں، ہر ادھوری کہانی کا وہ سیاہ حرف جسے لوگ ولن کہتے ہیں۔" رئیس کی آنکھیں چیخ چیخ کر کہتی تھیں۔

"اور میں ایک مصنفہ ہوں، آخر میں جسے اپنے ہی لکھے گئے ولن سے عشق ہو جاتا ہے۔" ان شہد رنگ آنکھوں میں اطمینان کے دیئے جلتے تھے۔ وہ پھر مڑی اور ہجوم میں گم ہو گئی، اپنے مرون لباس کے ساتھ، ایک ایسے وعدے کو پورا کرنے کے لیے جو کبھی کیا ہی نہیں گیا تھا۔

رئیس کچھ دیر وہیں کھڑا رہا۔ اس کی سماعت میں **"جون ویڈنگ"** کا جملہ گونج رہا تھا۔ اس کی کہانی میں صرف سیاہ گلاب تھے، کوئی روشن سبز شادی نہیں تھی۔ وہ جانتا تھا کہ یہ انتظار شاید کبھی پورا نہ ہو، لیکن فلک کی امید۔۔۔ یہ رئیس اورنگزیب کو ایک لمحے کے لیے اندر تک توڑ گئی تھی۔ اس نے بے اختیار اپنے ہاتھ میں موجود گلاس کو بھینچا، جیسے کسی سچ کو دبا رہا ہو۔ یہ جنگ جتنی باہر تھی، اتنی ہی اندر بھی تھی۔

✿••✿••✿••✿

ہال میں موسیقی کی لہریں بلند تھیں۔ لوگ رئیس کے غیر متوقع اعلانِ تعطیل پر سرگوشیاں کر رہے تھے۔ فجر ہال کے ایک پرسکون کونے میں کھڑی تھی، جہاں ہلکی روشنی ایک بڑے سکیچ پر پڑ رہی تھی۔ وہ اپنے سامنے لوگوں کی چہل پہل کو دیکھ رہی تھی، مگر اس کی آنکھیں کسی اور چیز کو تلاش کر رہی تھیں۔ وہیں، اس کی نگاہیں ولیم جوزف پر جا ٹھہریں۔ وہ اپنے سیاہ ٹکسڈو میں ملبوس، کسی بین الاقوامی جاسوس سے کم نہیں لگ رہا تھا۔ سیکیورٹی معاملات میں غرق ہونے کے باوجود، اس کا ہینڈسم لُک، اس کا سیدھا اور سٹرکچرڈ انداز، متاثر کن تھا۔

فجر اپنی جگہ پر کھڑی، بے اختیار اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی نگاہوں میں تعریف، تجسس اور ایک شرارتی سی کشش تھی۔ وہ اس کی ہر حرکت کو پڑھ رہی تھی، کیسے وہ رئیس سے سرگوشی کر رہا تھا، کیسے وہ میثم کے خفیہ اشارے سمجھ رہا تھا، وہ ہر لحاظ سے آج رات کا سب سے دلچسپ آدمی تھا۔ ولی نے اپنے ہاتھ میں مشروب کا گلاس تھاما، اور اسے فجر کی نگاہوں کی تپش محسوس ہوئی۔ وہ جانتا تھا کہ وہ زیرِ مشاہدہ ہے۔ ایک لمحے کو اس نے اپنی سرگرمیاں روکی اور آہستہ آہستہ، ایک پُراعتماد چال کے ساتھ، اس کی جانب آیا۔ وہ اس کے سامنے رُکا اور ایک ہلکی سی، نیم دلکش مسکراہٹ کے ساتھ اپنا بایاں ہاتھ اس کی جانب لہرایا۔ اس کی انگلی میں شادی کی انگوٹھی چمک رہی تھی۔

"محترمہ فجر، اگر آپ کی یہ تپتی ہوئی نگاہیں یونہی برقرار رہیں تو مجھے اندیشہ ہے کہ میرا ٹکسڈو پگھل جائے گا۔ اور جیسا کہ آپ دیکھ سکتی ہیں۔۔۔" اس نے انگوٹھی پر زور دیا۔

"میں شادی شدہ آدمی ہوں۔"

فجر کی آنکھوں میں ایک حسین چمک دوڑ گئی۔ وہ مسکرادی۔ یہ مسکراہٹ دل لبھانے والی تھی، جو اسے مزید پر کشش بنارہی تھی۔

"اور مجھے ذاتی طور پر اس شادی شدہ آدمی سے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔"

ولی نے مشروب کا گھونٹ پیا۔ اس کی بھنویں ہلکی سی اوپر اٹھیں۔

"آپ کو بھلے نہ ہو، میڈم فجر معراج! لیکن میرے خیال سے میری بیوی کو ہو گا۔ اور میں ان کے لیے ہر گز کوئی مشکل پیدا نہیں کرنا چاہتا۔"

"کیوں؟ آپ اپنی بیوی سے ڈرتے ہیں؟" اس نے قدرے دلچسپی سے پوچھا۔

"محبت کرتا ہوں۔ اور ویسے بھی۔۔۔" اس نے پھر سے وہ شرارتی، دل لبھانے والی مسکراہٹ دی جو ہمیشہ صرف فجر کے لیے مخصوص تھی، مگر اس وقت وہ اسے اجنبیوں کی طرح پیش کر رہا تھا۔

"اگر آپ میری بیوی کو دیکھ لیں تو خود بخود سو قدم پیچھے ہٹ جائیں گی۔"

وہ مسکرادی۔ ایک مکمل مسکراہٹ پھر مٹھی پر ٹھوڑی جمائی۔

"ایسا کیا ہے آپکی بیوی میں؟"

"وہ تو دل ہے، جان ہے، جہان ہے۔" وہ اس کے چہرے پر نظریں جمائے محبت سے بولا۔

"اور۔۔۔؟" وہ مزید سننا چاہتی تھی۔

"اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ میرے ہر فیصلے، ہر غلطی اور میرے ہر اندھیرے کا احاطہ کر سکتی ہے وہ میرے لیے وہ گھر ہے جو کسی بھی طوفان سے نہیں ٹوٹ سکتا۔ اور اس سے بڑھ کر کوئی خوبصورتی نہیں ہوتی۔"

اس نے فجر کی آنکھوں میں دیکھا، جیسے یہ بات اسے سکھا رہا ہو۔

"آپ کی بیوی واقعی خوش قسمت ہے۔"

"اور میں اس سے زیادہ خوش قسمت!"

فجر نے ایک لمبی سانس لی۔ اس نے اپنے گلاس کو میز پر رکھا۔

"ٹھیک ہے۔ تو کیا مسٹر ولیم جوزف! آپ اس رات میں۔۔۔ ایک شادی شدہ آدمی کی حیثیت سے ہی رہیں گے؟"

"میں ہمیشہ وہی رہتا ہوں جو میری بیوی مجھے دیکھنا چاہتی ہے۔ یعنی۔۔۔ ایک وفادار، ہینڈسم اور انتہائی مصروف پی اے۔۔۔"

"تو پھر۔۔۔ مصروف رہیں۔" وہ جھکی اور اس کے کان میں دھیمی سرگوشی کی۔ "مجھے فی الوقت آپ کی بیوی سے جلن ہو رہی ہے۔"

وہ ایک فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ وہاں سے ہٹ گئی اور لوگوں میں شامل ہو گئی۔ وہ کچھ دیر وہیں کھڑا رہا۔ پھر دھیرے سے مسکرا دیا۔ اس نے اپنے مشروب کا سارا گلاس ایک گھونٹ میں ختم کر دیا۔ یہ رات واقعی بہت لمبی ہونے والی تھی۔

✿••✿••✿••✿

جشن اپنے عروج پر تھا۔ فجر، اپنے آئیوری اور گولڈ لباس میں، اب رئیس کے قریب کھڑی تھی۔ رئیس نے ایک پل کو اس کے چہرے کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں کرب کے سائے لہرائے۔ یہ چہرہ، اسکا سب کچھ تباہ کر چکا تھا، تباہ کرنے جا رہا تھا لیکن اس کے لیے اتنا ہی روشن تھا۔ اس سے زیادہ اسے کوئی عزیز نہیں تھا۔

"کیا آپ کو مجھے اپریشیئٹ نہیں کرنا چاہیے؟" اس نے ابرو اٹھا کر پوچھا۔

"کس لیے؟" اس کی ساری سختیاں گھل گئیں۔ اس چہرے پر، ان آنکھوں میں صرف نرمی ہی نرمی تھی۔

"کہ میرا پہلا نائٹ میئر آپ کی سب سے بڑی کلیکشن کا حصہ بننے جا رہا ہے۔ میں نے خود کو ہر بار گرنے پر کھڑا کیا، کہ میں نے پہچان چھیننے والوں کو نہیں بخشا، کیا آپ کو مجھے سراہنا نہیں چاہیے؟" وہ جس مان سے پوچھ رہی تھی رئیس بس اسے دیکھے گیا۔ پھر اس نے اپنے دائیں ہاتھ کو اٹھتے دیکھا پھر فجر کے بالوں کو چھوتے پایا۔

"تم نے بہت اچھا کیا۔ مجھے تم پر فخر ہے۔"

وہ چند لمحے دیکھتی رہی پھر نم آنکھوں سے مسکرا دی مگر اس کی مسکراہٹ جلد سمٹ گئی جب اس نے رئیس کے عین پیچھے دور دروازے سے منار کو ہال میں داخل ہوتے دیکھا۔ اس کا ابھرنے والا جملہ اس کے ہونٹوں پر ہی جم گیا۔ چہرے پر سختی آئی اور سانس جیسے ایک لمحے کے لیے رک گئی۔

رئیس نے اس کے بدلتے تاثرات کو دیکھا اور اگلے ہی پل وہ سمجھ گیا، دھیرے سے پلٹا۔ ہال کے دروازے پر منار کھڑی تھی۔ بنا پاس کے داخلہ ممنوع تھا مگر وہ جانتی تھی صرف اسکا نام کافی تھا اسکے داخلے کے لیے۔ وہ سیاہ اور سنہری تھیم کے برعکس، ایک خون جیسے سرخ، ویلوٹ میکسی میں ملبوس تھی۔ گھنگھریالے بال کھلے تھے، اور لبوں پر زہریلی، پر اعتماد مسکراہٹ۔ وہ ایک مہلک وائرس کی طرح خاموشی سے داخل ہوئی تھی۔ فجر نے اپنا گلاس ہاتھ میں پکڑے رکھا، پھر اسے بے آوازی سے قریب کھڑے ویٹر کی ٹرے میں رکھا۔

"ایکسکیوزمی!"

اس نے رئیس کو جواب دیے بغیر، اس کی طرف دیکھے بغیر، قدم اٹھا لیے۔ دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ وہ ہجوم کو چیرتی ہوئی آگے بڑھی۔ اس کی ہیلز کی ٹک ٹک موسیقی پر غالب آ رہی تھی۔ لوگ اس کے راستے سے ہٹ رہے تھے، یہ دیکھتے ہوئے کہ وہ کس کی طرف جا رہی ہے۔ منار نے اسے آتے دیکھا۔ وہ رکی، اور انتظار کرنے لگی۔ فجر اس کے عین سامنے آ کر رکی۔

ایک چہرہ، دو روحیں۔ ایک آئیوری اور گولڈ میں ملبوس روشنی تھی، تو دوسری خون رنگ اندھیرے میں۔

"آخر تم۔۔۔ میرے راستے میں کیوں آ جاتی ہو؟" منار کی آنکھوں نے ایک لمحے کے لیے فجر کے پیچھے کھڑے رئیس کو دیکھا۔ "اس شخص کے لیے؟ تم اس کی ڈھال بننے کی کوشش کر رہی ہو حالانکہ وہ اس لائق نہیں ہے، بچی! ہٹ جاؤ۔"

"آپ یہ سب ختم کیوں نہیں کر دیتی ہیں؟ آخر کیوں کر رہی ہیں یہ سب؟"

"میں تمہیں جوابدہ نہیں ہوں۔"

"بس کر دیں۔۔۔ پلیز۔۔۔" اس بار اسکا لہجہ استہزائیہ تھا۔ وہ ان دونوں کی اس جنگ سے تنگ آ چکی تھی۔ جنگ شروع کوئی بھی کرے مگر تباہی سب کی ہوتی ہے۔ اسے ایک آخری التجا کرنی تھی۔

"آپ جو کہیں گی میں کروں گی لیکن آپ کو یہ سب یہیں ختم کرنا ہو گا۔ کیا آپ۔۔۔؟"

"یہ جنگ جان لے کر ہی ختم ہو گی۔" اس نے فجر کی بات کاٹ دی۔ فجر کے جبڑے بھینچ گئے۔ آنکھوں میں نمی ابھری جسے وہ فوراً پیچھے دھکیل گئی۔ اگلے ہی لمحے اس کی گردن اکڑ چکی تھی۔

"آپ نے سوچا، راستہ صاف ہو گیا؟" فجر ایک قدم اور قریب ہوئی۔ "آپ نے عروزہ کو ان سے چھین لیا۔ آپ نے مراد کو ان سے دور کر دیا۔۔۔ مگر آپ بھول گئیں۔۔۔"

اس کی آنکھیں منار کی آنکھوں میں گڑ گئیں۔

"اب راستے میں، میں کھڑی ہوں۔"

منار کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے تاثرات بدلے، پھر وہ طنزیہ مسکرا دی۔ اس نے گردن موڑ کر رئیس کو دیکھا، جو اب بھی اپنی جگہ کھڑا انہیں ہی دیکھ رہا تھا۔

"تم؟ تم جانتی ہو، تم مجھے اس تک پہنچنے سے نہیں روک سکتیں۔"

"آپ سے کس نے کہا۔۔۔ کہ اس راستے میں، میں اکیلی ہوں؟"

اس نے ہلکا سا پلٹ کر دیکھا۔ ایک نظر۔ بس ایک نظر۔۔۔ اور تین مختلف کونوں میں جنبش ہوئی۔ پہلے، **ولی**، جو بار کے پاس کھڑا تھا، اپنا گلاس رکھ کر آگے بڑھا۔ وہ آیا اور فجر کے دائیں کندھے کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ پھر، **میثم**، جو سیکیورٹی روٹ پر تھا، اپنی جگہ چھوڑ کر آیا اور فجر کے بائیں کندھے کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ اور پھر، **فلک**، جو فخر کے ساتھ کھڑی تھی، اس نے فخر کا ہاتھ چھوڑا اور پر اعتماد قدموں سے چلتی ہوئی آئی اور فجر کے عین پیچھے کھڑی ہو گئی۔ وہ چاروں اب ایک V شکل میں کھڑے تھے۔ فجر اس تکون کی نوک تھی۔

منار کی مسکراہٹ وہی جم گئی۔ اس کی آنکھیں سکڑیں۔ اس نے فجر کو دیکھا، پھر ولی، میثم اور فلک کو دیکھا۔

اس کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔ دو ساتھیوں کو اس کی زندگی سے نکالا تھا اس نے مگر چار اور آ گئے تھے۔ رئیس یہ دلچسپی سے دیکھ رہا تھا مگر چہرہ سپاٹ تھا، آنکھیں جتاتی ہوئی تھیں۔ ان آنکھوں میں اور کچھ بھی تھا۔ معراج الدین کی جس بیٹی

کے دھوکے سے وہ ڈرتا تھا۔ جس کے انکاری ہونے سے ڈرتا تھا، وہ تو اسے سب سے پہلے تسلیم کرنے والی تھی۔ وہ تو وہ تھی جو اس کی **'حرمت'** کے لیے دنیا جلا سکتی تھی۔

انکاری؟ وہ اسے اپنا سربراہ بنا چکی تھی۔ کیا ہوا اگر **منار معراج** نے اسے رد کیا تھا۔ **فجر معراج** نے اسے اپنایا تھا۔ اسے تسلیم کیا تھا۔ کبھی کبھی کچھ رشتے اذیت تو دیتے ہیں مگر مرہم بھی خود بنتے ہیں۔ کچھ رشتے جو ہمارا ہاتھ پکڑ کر ہمیں اندھیروں سے نکال لاتے ہیں۔ کچھ رشتے جو ہم سے ہر نحوست کو ہٹا دیتے ہیں۔ رئیس اور نگزیب کے لیے فجر معراج وہی رشتہ تھی۔ اس نے گہری سانس لی اور چلتا ہوا اس تکون کے قریب آیا۔

وہ منار کے سامنے نہیں، فجر کے پاس آ کر رکا تھا۔

"مجھے ان (منار) سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔"

اس نے فجر کو دیکھا، "تم لوگ۔۔۔ انجوائے کرو۔"

فجر نے اپنے جبڑے بھینچ لیے۔ وہ یہ جنگ ابھی لڑنا چاہتی تھی۔ مگر بادشاہ کا حکم آ چکا تھا۔ وہ نا چاہتے ہوئے بھی، ایک قدم پیچھے ہٹی۔ ولی، میثم اور فلک بھی اس کے ساتھ پیچھے ہٹ گئے، لیکن انہوں نے اپنی پوزیشن نہیں چھوڑی۔ وہ اب بھی ایک حفاظتی حصار بنائے ہوئے تھے۔

ہال کی تمام نظریں اب صرف دو لوگوں پر تھیں۔ **رئیس اور نگزیب اور منار معراج** جس کا چہرہ بڑے سے چشمے کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔

✿••✿••✿••✿

ہال کے بیچوں بیچ، اب صرف دو ہی کردار تھے، رئیس اور منار! آس پاس کا شور، موسیقی کی آوازیں، اور لوگوں کی سرگوشیاں سب ایک ڈسٹورشن کی طرح پیچھے ہٹ چکی تھیں۔ ولی، فجر، میثم، اور فلک کچھ فاصلے پر، مگر چوکنا کھڑے تھے، ایک لمحے کے بھی وقفے کے لیے تیار۔

رئیس نے، منار کی سرخ رنگت کو دیکھا۔ پھر قدرے سرد لہجے میں، نگاہیں سیدھی اسکی آنکھوں میں ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟"

"دیکھنے آئی ہوں۔۔۔ کہ تم اپنی آنے والی تباہی کا جشن کیسے منا رہے ہو۔" اس نے زہریلی مسکراہٹ سجائے کہا۔

رئیس کے کے لب پل بھر کو بھینچ گئے، پھر ایک پتھریلی مسکراہٹ ابھری۔

"تمہارے لیے افسوس، منار! تم ہمیشہ ایک سیکنڈ لیٹ ہوتی ہو۔ تم میری تباہی کا جشن کبھی نہیں دیکھ پاؤ گی۔"

"تمہیں غرور کس بات کا ہے؟ تمہیں بچانے والے ان پیادوں کے بل پر اکڑ رہے ہو؟" وہ سینے پر بازو باندھے استہزائیہ ہنسی۔ رئیس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"یہاں سے چلی جاؤ۔ میں فی الوقت تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتا۔" اسکا لہجہ حتمی تھا۔

منار ایک قدم آگے بڑھی۔ اس کا چہرہ اب مکمل طور پر سنجیدہ تھا۔

"تم چاہتے ہو میں جنگ ختم کر دوں؟" وہ اس کے چہرے پر نظریں جمائے بولی۔ "پھر ایسے کہو کہ ملکہ میری ہو جاؤ میں جنگ ختم کر دوں گا۔" وہ اپنے ہی جملہ پر ہنس دی۔ رئیس نے ضبط سے جبڑے بھینچے۔

"تمہیں کیا لگتا ہے، تم یہ جنگ جیت سکتی ہو؟ اور جنہیں تم پیادے کہہ رہی ہو۔" اس نے گردن گھما کر فجر اور ولی کے حفاظتی حصار کو دیکھا۔ "میرے ایک حکم پر یہ سب اپنی جان دینے کو تیار ہیں۔"

ہاں وہ ان پر اتنا اثر رکھتا تھا۔ وہ سب پر اتنا ہی اثر رکھتا تھا۔ منار ہنس دی۔

"اور تمہارے پاس انہیں دینے کے لیے کیا ہے کھوکھلے آدمی؟ صرف پیسہ اور اقتدار؟" اسکا لہجہ مزید زہر خند ہوا۔

"میرے پاس دینے کے لیے کیا ہے، اور کیا نہیں یہ میرا مسئلہ ہے۔"

اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی، مگر وہ اپنے چہرے پر کوئی تاثر نہیں آنے دے رہا تھا۔

"میں کل کی لانچ کے بعد میں جا رہا ہوں۔ اب تم کس پر وار کرو گی؟ ایک لاپتہ آدمی پر؟"

اس نے نیا پتا پھینکا۔

"تم بھاگ رہے ہو؟" منار کی آنکھیں چھوٹی ہو گئیں۔

"میں سٹریٹیجی بنا رہا ہوں لیکن تم یہ جان لو کہ رئیس اور نگزیب ایک سایہ ہے۔ تم سایہ پر کیسے حملہ کرو گی؟"

منار نے ایک طویل سانس لی۔ اس کی منصوبہ بندی میں یہ شامل نہیں تھا کہ رئیس اتنی آسانی سے تخت چھوڑ دے گا۔ وہ اسے شکست دے کر، حقارت سے تخت سے اتارنا چاہتی تھی۔

"یہ تمہاری بزدلی ہے، رئیس! مگر میں تمہیں کہیں جانے نہیں دوں گی۔"

وہ جانتا تھا وہ کل پھر آئے گی۔ منار نے ایک حقارت بھری نظر اس پر ڈالی اور پلٹ گئی، وہ تیزی سے بال روم سے باہر نکل گئی۔ اس کی چال میں غرور تھا، مگر اب اس کے پیچھے ایک نیا شکوک و شبہات تھا۔ رئیس وہیں کھڑا رہا۔ اس کا چہرہ سخت تھا۔ جب تک منار کی سرسراہٹ بال روم سے غائب نہیں ہو گئی، اس نے اپنی جگہ نہیں چھوڑی۔ میثم فوراً دو قدم آگے آیا۔

"باس۔۔۔"

رئیس نے ہاتھ سے اسے رُکنے کا اشارہ کیا۔ اس نے آنکھیں بند کیں، ایک گہری سانس لی۔ یہ جنگ صرف اس کی تھی اور وہ جانتا تھا اسے کیسے ختم کرنا تھا۔ وہ ایک لمحے کو وہاں کھڑا رہا، پھر پلٹ کر ان چاروں کو دیکھا۔

"سب ٹھیک ہے۔ انجوائے کرو۔"

وہ خود تیزی سے ہال سے نکل گیا۔ آنے والی اگلی رات، رئیس ہوٹل کی تاریخ میں ڈارک اسٹارز کی رات کے نام سے یاد کی جانے والی تھی۔

✿··✿··✿··✿

انیس گھنٹے پہلے!

شہر ابھی رات کی سیاہ چادر میں لپٹا سو رہا تھا۔ صرف چند روشنیاں تھیں جو اس گہری خاموشی کو توڑ رہی تھیں۔ رئیس اپنے آفس میں کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ سپاٹ، آنکھیں بے خوابی سے سرخ، مگر ان میں ایک ٹھہرا ہوا عزم تھا۔ وہ پچھلی رات کے جشن کی تھکن سے بے نیاز، آج کی جنگ کے لیے تیار تھا۔

اس نے گہری سانس لی اور میز کی دراز سے ایک چھوٹا، سیاہ دھاتی باکس نکالا۔ یہ باکس نہ قیمتی تھا، نہ اس پر کوئی نشان تھا، مگر اس کا وزن رئیس کے ہاتھ پر کسی سلطنت سے زیادہ بھاری تھا۔ پھر وہ آفس سے نکلا۔ اس کے قدموں کی آہٹ خالی راہداریوں میں گونج رہی تھی۔ وہ لفٹ کے بجائے سروس سیڑھیاں استعمال کرتا ہوا اس خفیہ منزل پر پہنچا، جہاں کمانڈ اینڈ کنٹرول سینٹر تھا۔ دروازے پر اس کے ہاتھ کا نشان اسکین ہوا، اور بھاری ساؤنڈ پروف دروازہ ایک دھیمی ہِس کے ساتھ کھل گیا۔

اندر کمرہ خاموش تھا۔ سرورز کی سبز اور نیلی بتیاں اندھیرے میں جگنوؤں کی طرح چمک رہی تھیں۔ ہوا ٹھنڈی تھی۔ وہ چلتا ہوا کمرے کے عین وسط میں آیا، اسی آئیوری مربع پر جہاں کچھ گھنٹے پہلے ولی کھڑا تھا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑے باکس کو دیکھا۔ کمرہ روشن ہوا تو اچانک اس کے سامنے ماضی کا منظر ایک فلم کی طرح چلنے لگا۔

اسی کمرے میں روشنیاں تیز تھیں۔ سرورز پوری رفتار سے کام کر رہے تھے۔ عروزہ مرکزی کنسول پر بیٹھی تھی، اس کی انگلیاں تیزی سے کی بورڈ پر چل رہی تھیں۔ رئیس اس کے پیچھے کھڑا تھا۔

"باس، کیا واقعی یہ ضروری ہے؟ یہ۔۔۔ یہ پروٹوکول 'زیرو' ہے۔ یہ بہت خطرناک ہے۔"

"ہاں۔ یہ بہت ضروری ہے، عروزہ۔ ہر سلطنت کو ایک فیل سیف (Failsafe) کی ضرورت ہوتی ہے۔"

عروزہ نے کچھ ٹائپ کیا۔ اسکرین پر کوڈز کی سرخ لکیریں دوڑ گئیں۔

"ہو گیا۔۔۔ انٹیگریٹڈ۔" اس نے پیچھے ہٹتے ہوئے وہی سیاہ باکس، جو اس وقت کنسول سے جڑا تھا، رئیس کی جانب سرکایا۔ اس کی آنکھوں میں فکر تھی۔

"میں نہیں چاہتی آپ اسے کبھی استعمال کریں۔ یہ آخری راستہ ہے۔ اگر آپ نے اسے استعمال کیا پھر واپسی کا کوئی راستہ نہیں بچتا۔" وہ فکر مندی سے دیکھتے کہہ رہی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی اس کے باس کبھی اس ٹیکنالوجی کا استعمال کریں جو انہوں نے کسی بڑے حادثے کے لیے تیار کر رکھی تھی۔

"مجھے امید ہے اس کی ضرورت ہمیں کبھی نہیں پڑے گی۔" وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

اور پھر منظر ہوا میں تحلیل ہو گیا، رئیس نے گہری سانس لی۔ عروزہ جانتی تھی، مگر وہ یہ بھی جانتی تھی کہ رئیس آخری راستے چننے کا عادی تھا۔ اب عروزہ نہیں تھی۔ وہ اکیلا تھا اور اسے ایک راستہ چننا تھا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا وہ باکس کھولا۔

اندر سیاہ مخمل پر ایک چھوٹی سی چپ رکھی تھی۔ چند ملی میٹرز کی ایک شفاف ڈِسک، جس کے اندر مائیکرو فلامنٹس کا ایک باریک جال بچھا تھا۔ یہ ایک سبڈرمل بائیو میٹرک پلس ٹرانسمیٹر تھا۔ ایک ایسا آلہ جو جلد کے نیچے نصب ہو کر سیدھا دل کی دھڑکنوں سے جڑ جاتا تھا۔ وہ اس باکس کو لے کر ایک اسکرین کے سامنے آیا اور پھر جھکتے ہوئے اس نے کچھ خانے منتخب کیے اور پھر اس نے وہ چپ اٹھالی۔ پھر اس نے اپنی سفید شرٹ کا کف کھولا اور آستین اوپر چڑھائی۔ اس نے اس شفاف چپ کو اپنی بائیں کلائی پر، عین اس جگہ رکھا جہاں نبض سب سے واضح محسوس ہوتی ہے۔ چپ کے مرکز پر انگوٹھا رکھا اور زور سے دبایا۔ ایک تیز، ٹھنڈی چبھن۔۔۔

وہ بائیو ٹرانسمیٹر اس کی جلد کے نیچے پھسل گیا، اور اس کے ٹشوز کے ساتھ جڑ گیا۔ ایک لمحے کے لیے اس کی نبض تیز ہوئی، پھر معمول پر آگئی۔ یہ اب اس کے وجود کا حصہ تھا۔

یہ پروٹوکول زیرو تھا۔ ایک **'ڈیڈ مین سوئچ'** یہ ٹرانسمیٹر اب اس کی دل کی دھڑکن سے جڑ چکا تھا۔

(یہ وہ ٹرانسمیٹر ہے جو ایک بار کسی مالک کی دھڑکن سے جڑ جاتا ہے اور دھڑکن رکتی ہے تو یہ ٹرانسمیٹر اپنا آخری، طاقتور سگنل بھیجتا ہے اور اس سگنل سے جڑے، سلطنت کے ہر خفیہ سرور، ہر ڈیٹا بیس، اور ہر وہ جگہ جو منتخب ہوتی ہے، سب ایک ہی لمحے میں دھماکے سے اڑ جاتے ہیں۔۔)

وہ کھڑکی میں آ کھڑا ہوا جس کے اوپر رئیس گروپ کا لوگو چمک رہا تھا۔ اس نے ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈالے اور ایک سرد مسکراہٹ اس کے لبوں پر دوڑ گئی۔ آنکھوں میں پراسرار سی چمک تھی۔ کئی لمحے وہ وہیں کھڑا رہا، اس کے تصور کے پردے پر آنے والے وقت کے مناظر گھوم رہے تھے۔ بہت کچھ ترتیب پا گیا تھا۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور پھر کمرے سے باہر نکل آیا۔ فجر کی اذان کی آواز قریب تھی۔ وہ اپنی سلطنت میں اکیلے گھوم رہا تھا۔ صرف انیس گھنٹے باقی تھے۔ اور آج شام کا سورج۔۔۔ جانے کیا لانے والا تھا۔

✿••✿••✿••✿

اکتیس دسمبر:

شب آٹھ بجے

چار گھنٹے پہلے:

کمرے کے اندر، رات کی سرد روشنی تھی۔ فضا میں ایک عجیب سی گہما گہمی تھی۔ اکتیس دسمبر! ولیم جوزف کی پیدائش کا دن اور وہ اس وقت کمرے میں تھا۔ اس نے دودھیا سفید شرٹ پہن رکھی تھی اور اس کے ہاتھ تیزی سے کف بند کر رہے تھے۔ اس کی نگاہیں سائیڈ ٹیبل پر رکھے ایک چھوٹے سے سیکیورٹی ڈیوائس پر تھیں، جس پر مسلسل الرٹس آ رہے تھے۔ وہ آج بے حد پُر تشدد نظر آ رہا تھا، اس کا ہر عمل تیز اور فیصلہ کن تھا۔

فجر، جو سادہ سیاہ پینٹ اور سفید اونی شرٹ میں تھی، سیدھے سلکی بال، جو پہلے سے لمبے لگ رہے تھے ایک ڈھیلے سے جوڑے میں بندھے تھے۔ آہستگی سے چلتی ہوئی اس کے قریب آئی۔ اس کی نظر ولی کی شرٹ پر پڑی۔ قمیص کے کالر پر، ایک نادیدہ جگہ پر، سرخ دھاگے سے بنا ایک چھوٹا سا دل ٹانکا ہوا تھا۔ یہ اس کی محبت کا ایک خفیہ، ذاتی نشان تھا۔ وہ مسکرا دی۔ وہ ولی کے سامنے آئی اور اپنا ہاتھ بڑھا کر پہلے اس کا کالر درست کیا۔ اس کی انگلیوں کے لمس میں دھیما پیار اور دبی ہوئی فکر تھی۔ اس نے آہستہ سے شرٹ کے بقیہ بٹن بند کیے۔

"سالگرہ بہت بہت مبارک ہو ہسبنڈ!"

ولی نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آج سالگرہ کی چمک نہیں تھی، صرف آنے والے وقت کا ارتکاز تھی۔ پھر وہ مسکرا دیا۔

"شکریہ، بیگم!" وہ خوش دلی سے کہہ رہا تھا۔ کتھئی آنکھوں میں چمک تھی جو اسے دیکھتے ہی ابھر آتی ہے۔ یہ شرٹ فجر نے اس کے لیے بنائی تھی۔ پہلی بار اس نے ولی کے لیے کچھ بنایا تھا اور یہ اس کا پہلا تحفہ تھا۔ یہ اسکا پسندیدہ رنگ تھا اور اس وقت اس کی نکھری شخصیت اس شرٹ میں مزید بھلی لگ رہی تھی۔

"مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ کیا تم وعدہ کرتے ہو سب ٹھیک ہو گا؟"

"تم جانتی ہو میں یہ وعدہ نہیں کر سکتا۔"

فجر نے لب بھینچے، وہ اندر کہیں خوفزدہ تھی۔ زخموں اور سونگھنے والی اس کی حس بے طرح بیدار ہو چکی تھی اور اسکی چھٹی حس اسے خبردار کر رہی تھی۔ ولی نے اپنے کف لنکس لگائے، ایک لمحے کو رُکا۔

"آج کا دن میرے لیے اہم ہے۔ میں کوشش کروں گا سب ٹھیک ہو لیکن وعدہ نہیں۔۔۔"

فجر نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیا۔

"آج تم اپنے ایڈنبرا جیسے لگ رہے ہو سرد۔۔۔"

ولی نے قریب ہوتے اس کے سر پر بوسہ دیا۔

"میں تمہیں وہ سکون دینا چاہتا ہوں، جو تمہاری کہانی میں کبھی نہیں لکھا گیا۔"

فجر نے اپنی آنکھیں بند کر لیں، اس بوسے میں سکون نہیں، خدشہ تھا۔ جب وہ الگ ہوئی، تو اس کی آنکھوں میں گہری التجا تھی۔

"میں انہیں زندہ دیکھنا چاہتی ہوں، ان دونوں کو، پلیز۔۔۔"

اس نے ولی کی آستیں پکڑ لی۔ وہ جانتی تھی جو کچھ بتایا گیا تھا اس سے کئی زیادہ خطرہ تھا۔

"اس کہانی کا Savior میں ہوں، اور میں جانتا ہوں مجھے ان کے ساتھ کیا کرنا ہے۔"

اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور آہستگی سے فجر کے چہرے پر جھولتی لٹ کو کان کے پیچھے کیا۔ اس کا لہجہ سرد تھا، ایڈنبرا کی برف جیسا سرد! فجر کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ آنے والا وقت جانے کیسا ہونے والا تھا۔ ولی نے جو سکون کا وعدہ کیا تھا، وہ سکون اسے ایک بہت بڑی تباہی کے بعد ہی ملنے والا تھا۔

وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے، کمرے کے باہر دنیا ڈارک اسٹارز کی لانچ کا انتظار کر رہی تھی، مگر ان کے اندر تو گویا کائنات کا وقت رک چکا تھا۔ آج کا دن ان کے تعلق اور ان کی پوری کہانی کا فیصلہ کرنے والا تھا۔

✿••✿••✿••✿

یہ ایک زیرِ زمین، وسیع و عریض ہال تھا، جس کی ہوا میں الیکٹرانک آلات کی بُو اور ایک سرد خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ہال میں سیکڑوں لوگ کھڑے تھے۔ یہ منار معراج کی سیاہ دنیا کی رعایا تھی۔ گمنام ہیکرز، تجربہ کار کرمنل، خاموش قاتل، اور وہ ماہرین جو زیرِ زمین دنیا کے ہر پہلو سے واقف تھے۔ ان سب کا لباس گہرا اور سنجیدہ تھا، گویا وہ کسی جنازے میں شامل ہونے آئے ہیں۔

مرکز میں، ایک بلند اسٹیج پر، منار تھی۔ آج اس نے کوئی شاندار گاؤن نہیں پہنا تھا۔ وہ سیاہ، سادہ، سوٹ میں ملبوس تھی۔ اس کے سیاہ گھنگریالے بال کُھلے تھے، جو اس کے چہرے کو ایک وحشیانہ، بے رحم فریم دے رہے تھے۔ اس کا انداز سرد تھا، وہی سرد پن جو موت کے بالکل قریب ہوتا ہے۔ وہ ایک آہنی کرسی پر بیٹھی تھی، اور اس کے سامنے ایک بڑی ڈیجیٹل اسکرین پر رئیس ہیڈ آفس کا نقشہ اور سیکیورٹی کوڈز تیزی سے چل رہے تھے۔

"یہ فیصلہ کن دن ہے۔ آج، یا تو ہم ایک نئی سلطنت قائم کریں گے یا ہم سب تاریخ کے کوڑے دان کا حصہ بنیں گے۔"

اس آواز گرج دار نہیں، مگر اتنی تھی دھیمی کہ ہر شخص اسے سننے کو مجبور تھا۔اس کے سامنے کھڑے لوگ بے آواز، ساکت رہے۔

"میں جانتی ہوں، آپ میں سے کئی لوگوں کے لیے رئیس اورنگزیب ایک خوفناک نام ہے۔اس سے جیتنا آسان نہیں ہے۔اس کی حکمت عملی برف جیسی ٹھنڈی اور غیر متوقع ہوتی ہے۔لیکن وہ۔۔۔صرف ایک بادشاہ ہے۔اور میں، میں اس دنیا کی قانون ہوں۔"

اس کے الفاظ میں اعتماد تھا، جو ان سیکڑوں چہروں میں یقین بھر رہا تھا۔

"آپ میں سے جو باہر کے نیٹ ورک کو سنبھالیں گے، یاد رکھیں، ہماری پہلی ترجیح ان کا مواصلاتی نظام جام کرنا ہے۔کوئی بیرونی مدد ان تک نہیں پہنچنی چاہیے۔دوسری ٹیم، آپ کا کام ہیڈ کے اندر کے تمام خفیہ راستے بند کرنا ہے۔رئیس کی سیکیورٹی ٹیم پلان لوہے کا بنا ہے، لیکن لوہا پگھلایا جا سکتا ہے۔"

اس نے اپنی تقریر کا رخ مزید گہرا کیا۔

"یہ جنگ صرف اقتدار کی نہیں۔یہ حیثیت کی جنگ ہے۔مافیا کی دنیا میں۔۔۔اگلا لیڈر تب تک نہیں چنا جاتا جب تک پہلا مر نہ جائے۔یہ قدیم اصول ہے، جو ہمیشہ برقرار رہے گا۔اور آج۔۔۔"

اس کی آنکھوں میں شدید انتقام کی آگ بھڑک اٹھی۔

"آج ہم اس اصول کو پورا کرنے جا رہے ہیں۔"

اس نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی کو دیکھا۔لانچ شروع ہونے والی تھی۔نیا سال شروع ہونے میں صرف دو گھنٹے باقی تھے۔

وہ مزید ہدایات دیتی رہی۔ وہ ایک لمحے کو رُکی۔ اس کا لہجہ اچانک مزید سرد ہو گیا، جیسے وہ اپنے ذاتی ماضی میں چلی گئی ہو۔

"اس کا مرنا ضروری ہے۔ مگر صرف مرنا کافی نہیں ہے۔ میں اسے ویسے ہی تڑپ تڑپ کر مرتے ہوئے دیکھنا چاہتی ہوں۔۔۔ جیسے میں تڑپی تھی۔"

اس نے سامنے کھڑے لوگوں پر نظر ڈالتے سوچا۔ دل میں قید انتقام اس لمحے اس کے وجود سے باہر نکل آیا تھا۔

وہ آہستگی سے اپنی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا سوٹ، اس کی جلد، سب موت کی سردی سے بھرے ہوئے تھے۔

"اپنے اپنے مقامات سنبھال لو۔ اگلے تیس منٹ میں، ہم اندرونی اور بیرونی سیکیورٹی کو توڑیں گے۔ ہم اس کی تباہی کو اس کی اپنی کامیابی کے عین عروج پر لائیں گے۔"

اس نے ایک گہری سانس لی اور اس ہال کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے پیچھے، سیکڑوں خاموش لوگ حرکت میں آ گئے۔ یہ دنیا کا ایک ایسا آپریشن تھا، جو اگر کامیاب ہو جاتا، تو مافیا کی تاریخ کو دوبارہ لکھ دیتا۔

✿••✿••✿••✿

رئیس ہیڈ آفس: کیولری گراؤنڈ

اکتیس دسمبر: شب دس بجے (دو گھنٹے پہلے)

آج کی یہ عظیم الشان تقریب کسی محفل نہیں، بلکہ ایک معبد کا منظر پیش کر رہی تھی، جہاں ہزاروں لوگوں کا ایمان طاقت اور فیشن کی دیوی پر تھا۔ رئیس ہیڈ آفس کا کیولری گراؤنڈ جگمگا رہا تھا۔ دور دور تک انسانی سروں کا سمندر تھا،

ایک ایسا ہجوم جسے شاید کبھی کسی آنکھ نے نہ دیکھا تھا۔ دسمبر کے آخری دن کی ٹھنڈی اور بے رحم ہواؤں میں بدل چکی تھیں۔ اوپر اٹھتی، نیچے گرتی دھند نے ماحول کو ایک پراسرار تجسس میں لپیٹ رکھا تھا۔ گراؤنڈ میں نصب ڈھیروں روشنیاں اس دھند کو چیر رہی تھیں، جس سے سارا منظر کسی پراسرار خواب کی مانند لگ رہا تھا۔

عین درمیان میں ایک وسیع رن وے بنایا گیا تھا، جس پر آج ڈارک اسٹارز کی لانچ کا آغاز ہونا تھا۔ اس رن وے کے آخر میں ایک عظیم الجثہ ایل ای ڈی اسکرین چمک رہی تھی، جس پر رئیس کا لوگو وقفے وقفے سے ٹمٹما رہا تھا۔ لانچ کا تھیم آج سفید اور سیاہ تھا، جو موت اور زندگی کے قدیم تضاد کو ظاہر کر رہا تھا۔ رئیس کی سلطنت کے اندر، اس گراؤنڈ سے ٹھیک ایک کلو میٹر کے فاصلے پر وہ عمارت کھڑی تھی جس پر رئیس کا تاج والا لوگو چمک رہا تھا۔ وہ عمارت جو رئیس کی پوری سلطنت کا اعلان تھی۔

اور اس ہجوم میں ولیم جوزف موجود تھا۔ وہ جس کے ہاتھ میں کہانی کی ڈور کا ایک سرا موجود تھا۔ وہ بالکونی سے اتر کر گراؤنڈ میں پہنچ چکا تھا۔ ہجوم کی دھڑکن اور شور اس کے اپنے دل کی تیزی سے دھڑکتی آواز میں گھل مل گئے تھے۔ وہ بظاہر رئیس اورنگزیب کے بھانجے کے روپ میں تھا، مگر اس کی کتھئی آنکھوں میں وہ شدت جل رہی تھی جو کسی بڑے انکشاف سے پہلے وقت کی سانسوں کو بھی تھام لیتی ہے۔ آج اسے ایک مشکل فیصلہ کرنا تھا۔ ایسا فیصلہ جو اس کے ظرف سے کئی اونچا تھا۔

گراؤنڈ کے داخلی راستے پر لوگوں کا تانتا بندھا تھا۔ پریس کے نمائندے، عالمی خریدار، اور فیشن انڈسٹری کی شخصیات اپنے مہنگے لباس میں اندر آ رہے تھے۔ لوگوں کا جوش دیدنی تھا۔ لانچ کے ساتھ ساتھ وہ نیو ایئر کا جشن بھی یہیں منانے والے تھے۔ اسی دوران، گاڑیوں کی قطار میں سے ایک لمبی، گہرے رنگ کی گاڑی آ کر رُکی۔ اندر سے جو خاتون اتری، وہ ہجوم کے لیے ایک نیا تجسس لے کر آئی۔ یہ **ملیکہ طیسر** تھیں۔ ایک ۶۸ سالہ خاتون، مگر ان کی شخصیت میں رتی برابر بھی ڈھلتا پن نہیں تھا۔ وہ سیاہ سوٹ پر ایک شاندار، ہلکے سرمئی اور سیاہ بالوں کا گچھا لیے ہوئے تھیں۔ ان

کے گلے میں سرخ رنگ کا سکارف لپٹا تھا، اور ان کے جوتے۔۔۔وہ سرخ تھے۔خون رنگ سرخ! ریڈ شوز! منفرد اور لاجواب! ان کے جوتوں سے نظر ہٹانا مشکل تھا۔ان کے ساتھ ایک سخت پروٹوکول تھا، محافظوں کا ایک حلقہ، جو انہیں براہ راست فرنٹ لائن میں نصب ایک خصوصی نشست کی طرف لے جا رہا تھا۔فرنٹ لائن میں بیٹھے لوگوں میں سرگوشیاں شروع ہو گئیں۔

"وہ کون ہے؟ یہ کیسا پروٹوکول ہے؟"

"خبر نہیں، مگر یہ معمولی شخصیت نہیں ہے۔"

پھر کچھ سرگوشیاں ابھریں۔

"اس ملک میں اگر کوئی شخص بنا قیمت پوچھے، رئیس جیولرز کے ہیرے خرید سکتا ہے۔۔۔تو وہ ایک ہی عورت ہے" ایک فیشن ایڈیٹر نے اپنے برابر بیٹھی صحافی کے کان میں سرگوشی کی۔

"ملیکہ طیسر! رئیس کے ہیروں کی سب سے بڑی خریدار ہیں۔"

ملیکہ طیسر پرجوش دکھائی دے رہی تھیں، ان کی نظریں براہ راست رن وے پر ٹکی تھیں۔

پروٹوکول سے الگ، سادہ اور پُرسکون، فلک اپنی جگہ پر آ چکی تھی۔ آج وہ **'ڈارک اسٹارز'** کی رائٹر تھی، اور اس کی سادگی ہی اس کا سب سے بڑا اعلان تھا۔اس نے سفید اونی، ٹخنوں تک آتی فراک پہن رکھی تھی، جو ٹھنڈی ہواؤں میں ہلکا سا لہراتی تھی۔ایک سکارف کو کندھوں سے لپیٹے اور بالوں کو نفیس انداز میں فولڈ کیے، وہ آج اپنی کہانی کی تکمیل پر ایک مضبوط وعدہ لگ رہی تھی۔اس کی آنکھیں کسی کو تلاش کر رہی تھیں۔

ایل ای ڈی سکرین پر الٹا کاؤنٹ ڈاؤن شروع ہو چکا تھا۔ سیکیورٹی ٹیم، جس کی نگرانی میثم کر رہا تھا، ہر طرف متحرک تھی۔ ہر ایک کے چہرے پر خوف کے بجائے ایک غیر معمولی عزم تھا۔ رئیس کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ وہ بادشاہ جس کے بغیر یہ کہانی مکمل نہیں ہو سکتی تھی۔

گراؤنڈ میں موجود ہزاروں لوگوں کا شور ایک ہی نقطہ پر مرکوز تھا۔ اسٹیج کی لمبی رن وے پر سیاہ کارپٹ بچھا تھا، جو آج کے تھیم کی عظمت کو ظاہر کر رہا تھا۔ ٹھنڈی، جوشیلی ہواؤں میں موسیقی کی دھنیں بلند ہو رہی تھیں۔ اسپیکر پر آواز گونجی، جس نے ماحول کو ایک جذباتی منظر میں بدل دیا۔

"لیڈیز اینڈ جنٹلمین! آج کی اس عظیم لانچ کو شروع کرنے کے لیے وہ شخصیت آپ کے سامنے آ رہی ہے، جس کے خواب نے یہ سب کچھ ممکن کیا! ہمیں یہ اعلان کرتے ہوئے خوشی ہو رہی ہے کہ آج کی تقریب کا آغاز خود چیئرمین رئیس اور نگزیب کریں گے!"

اس اناؤنسمنٹ نے شور کو ایک دھاڑ میں بدل دیا۔ مراد کا نام نہیں لیا گیا تھا، جس نے صورتحال میں ایک خالی پن پیدا کیا۔ لوگوں نے مراد کی کمی کو محسوس کیا مگر وہ نہیں تھا۔

ٹھیک اسی لمحے، اسٹیج کی ایک جانب، کم روشنی والے حصے سے فجر اور ولی ایک ساتھ باہر آئے۔ دونوں نے، ایک خاموش عہد کے تحت، مرکزی سیاہ کارپٹ کی طرف قدم بڑھائے۔ رئیس نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا۔ سیاہ پینٹ، سفید شرٹ، گردن کے گرد لپٹا مفلر، اور نفاست سے سیٹ اس کے گھنے بال۔ اس کا لُک آج کے بادشاہ کا تھا، مگر اس کی آنکھوں میں آج غیر معمولی نمی تھی۔

اسٹیج کے بالکل بیچ میں، تہہ شدہ سرخ رنگ کا ایک قالین رکھا تھا۔ وہ دونوں جھکے، ایک ساتھ اس کی کونے تھامے، اور آہستگی سے اسے کھول دیا۔ سرخ کارپٹ سیاہ کارپٹ پر بکھرتا چلا گیا، جو طاقت کے اوپر محبت اور جذبے کی فتح کا

اعلان کر رہا تھا۔ سرخ قالین کا کھلنا اور اسٹیج کے آخر میں ان دونوں کو ایک ساتھ کھڑے دیکھ کر رئیس جہاں تھا، وہیں رہ گیا۔ اس کے چہرے پر ایک ٹھہری ہوئی مسکراہٹ ابھری، جو سالوں کے گلٹ اور وفاداری کے اعتراف سے ملی ہوئی تھی۔

اس کے کالر سے نصب مائیک میں دھیمی سی سانس کی آواز آئی۔ لوگوں کی ہوٹنگ اس لمحے عروج پر تھی۔ اس نے گہری سانس لی اور اپنے مضبوط قدم دھرنے شروع کیے۔ وہ بھرپور تالیوں میں، آہستہ آہستہ، اس سرخ قالین پر چلتا ہوا آگے بڑھا۔ اس کی آنکھوں میں، اسٹیج کے آخر میں کھڑے اس کے **دو قیمتی لوگ** تھے۔

وہ وہاں پہنچا، جہاں سرخ کارپٹ ختم ہوا تھا۔ دھڑا دھڑ تصویریں بن رہی تھیں، کیمرے گھوم رہے تھے، ڈرونز اڑتے پھر رہے تھے۔ میوزک کی دھنیں تیز ہو چکی تھیں۔

رئیس نے ان دونوں کو دیکھا، اور پھر ہاتھ سے اشارہ کیا۔ وہ انہیں بلا رہا تھا۔ خوف اور جوش کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ، فجر اور ولی دونوں اس کی جانب بڑھے۔ قریب پہنچنے پر، رئیس نے چند لمحے ان دو چہروں کو دیکھا۔

سالوں پہلے، ان دونوں کی مائیں، اس کے ساتھ تھیں۔ وہ اسے دنیا سے زیادہ عزیز تھیں۔ اور آج، سالوں بعد، وہ دونوں نہیں تھیں، مگر ان کی اولاد، اس کی بقا اور حامی، اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کے لب ہلکے سے لرزے۔ اس نے دھیرے آگے بڑھتے ہوئے، اپنے دائیں بائیں کھڑے فجر اور ولی کے گرد اپنے بازو پھیلا دیے۔

یہ لمحہ غیر متوقع تھا۔ ہاں، وہ اسے عزیز تھے۔ ہر نفرت، ہر دشمنی، ہر خوف کے بعد بھی۔

عوام نے اس جذباتی منظر کی توقع نہیں کی تھی، اور اس پل جتنا شور اٹھا، وہ حیران کن تھا۔ یہ رئیس اورنگزیب کی پہلی کھلی جذباتی شکست اور وفاداری کی سب سے بڑی جیت تھی۔

شور اور جذباتی دھڑکنیں اپنے عروج پر تھیں، اور اگلے ہی پل اسپیکر پر ایک اور اناؤنسمنٹ ہوئی۔

"اور اب، وہ چہرہ جس کے قلم نے ڈارک اسٹارز کی پوری کہانی لکھی، وہ مصنفہ جو آج رات کے سب سے بڑے خواب کی تخلیق کار ہیں! لیڈیز اینڈ جنٹلمین، پلیز ویلکم فلک عالمگیر!"

پردے کے پیچھے کھڑی فلک نے اپنے کپکپاتے ہاتھوں پر قابو پایا اور اپنے سرخ چہرے کے ساتھ اسٹیج پر قدم رکھا۔ وہ ایک سفید پری لگ رہی تھی جو آج سیاہ رات پر اُتر رہی تھی۔ وہ جیسے ہی چند قدم چل کر آگے بڑھی، بے ساختہ رُک گئی۔ وہ تینوں اسے ہی دیکھ رہے تھے۔ اور پھر، غیر متوقع طور پر، رئیس نے فجر اور ولی کو وہیں چھوڑا، اور مضبوط قدموں سے اس کی جانب بڑھا، جہاں وہ خوف اور حیرت سے ساکت کھڑی تھی۔ خوشبوؤں میں رچا بسا رئیس اس کے قریب آن کھڑا ہوا۔

"چلیں، مصنفہ صاحبہ!"

اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ فلک نے ایک نظر اس کے ہاتھ کو دیکھا، پھر اس کی آنکھوں کو، اور پھر گہری سانس لیتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا اور اپنے کپکپاتے ہاتھ کو اس کے مضبوط ہاتھ میں رکھا۔ وہ اسے لے کر آگے بڑھ رہا تھا۔ ویسے ہی جیسے کوئی بادشاہ اپنی ملکہ کو اپنے دربار میں لاتا ہے۔ وہ اب اسٹیج کے بیچ میں آکر رُکے۔ اسی لمحے رئیس کی طاقتور اور پر اعتماد آواز گونجی۔

"لیڈیز اینڈ جنٹلمین! آج کی اس رات میں آپ سب کو رئیس گروپ کی جانب سے خوش آمدید!"

وہ اب اسٹیج کے عین بیچ میں تھے۔ اس نے فلک کا تعارف کرایا جس نے ڈارک اسٹارز کے کرداروں کو لکھا تھا۔ اس آنکھوں میں ایک فاتح کی چمک تھی۔

"اور اس لانچ کی کامیابی کی روح میری ٹیم اور مصنفہ فلک عالمگیر ہیں۔ جنہوں نے یہ ثابت کیا کہ عشق کی کہانیاں بھی سلطنتیں بنا سکتی ہیں۔"

اس کی نظریں فرنٹ لائن میں بیٹھی ملیکہ طیسر پر پڑیں۔ دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ دونوں نے اثبات میں سر ہلا کر، ایک خاموش سلام پیش کیا۔ یہ طاقت کی دنیا کا غیر اعلانیہ سلام تھا۔ لانچ کا آغاز ہو چکا تھا۔ ولی، فجر اور فلک، جو آج رئیس کی نئی، عجیب و غریب فیملی کا اعلان تھے، اسٹیج سے نیچے اتر رہے تھے۔ کہانی نے اپنا سب سے بڑا راز فاش کر دیا تھا۔

✿••✿••✿••✿

رئیس ہیڈ آفس کی عظیم الشان عمارت، جو اب سے تھوڑی دیر پہلے تک طاقت کا نشان تھی، اس وقت ایک آسیب زدہ، خالی قلعے کی طرح لگ رہی تھی۔ گراؤنڈ میں جاری لانچ کی تقریب کا شور، اور موسیقی کی دھمک یہاں تک دھیمی گونج کی صورت میں آ رہی تھی۔

منار اب اس عمارت کے اندرونی ہال میں تھی۔ اس کا رخ براہ راست اس خفیہ منزل کی جانب تھا، جہاں کمانڈ اینڈ کنٹرول سینٹر تھا۔ حیرت انگیز طور پر، کہیں بھی کوئی سیکیورٹی گارڈ یا کوئی رکاوٹ دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ آگے بڑھی اور آخر کار اس ساؤنڈ پروف گلاس والے کمرے کے قریب پہنچی، جس کے باہر رئیس کا تاج والا لوگو چسپاں تھا۔ اس نے ایک لمحے کو دروازے کو دیکھا، اور پھر اپنے موبائل سے ایک مخصوص کوڈ ڈائل کیا۔ بھاری دروازہ ایک دھیمی وِز کے ساتھ کھل گیا۔ اس نے اندر قدم رکھا۔ سرد ہوا، درجنوں اسکرینوں کی نیلی روشنی، اور سرورز کی مسلسل گونج نے اس کا استقبال کیا۔ یہ جگہ، جو اس کے سب سے بڑے دشمن کا دماغ تھی، اب اس کی دسترس میں تھی۔

اس نے سیکیورٹی کنسول کے سامنے آ کر ایک USB پورٹ تلاش کی اور اپنے ہاتھ میں موجود مختصر یو ایس بی ڈیوائس کو اس کے ساتھ اٹیچ کر دیا۔ چند خاموش کلکس کے بعد، اسکرین پر چلتے تمام ڈیٹا اور کوڈز اچانک غائب ہو گئے، اور ان کی جگہ ایک وقت ابھرا۔ بڑے، خوفناک سرخ ہندسوں میں۔

اس کے چہرے پر ایک فاتح کی مسکراہٹ ابھر آئی۔ یہ وہ وقت تھا جب سال کی آخری رات، نیا سال شروع ہو رہا تھا۔ ٹھیک ایک گھنٹہ اور تیس منٹ بعد۔ یعنی رات کے بارہ بجے۔ وہ وقت جب نئے سال کا آغاز ہو گا، اور اس کی تباہی کا آغاز ہو گا۔

دوسری جانب گراؤنڈ میں، جہاں شور اور روشنی کا سمندر تھا، میثم تمام حسیات کے ساتھ عقاب کی نظریں رکھے اپنے مقام پر کھڑا تھا۔ وہ ایک چھوٹی سی میز پر رکھے ٹیبلٹ پر لگا ہوا تھا۔

اسی لمحے، اس کے ٹیبلٹ پر ایک غیر متوقع نوٹیفکیشن ابھرا۔ ایک سیکیورٹی پروٹوکول ریڈ الرٹ ہو چکا تھا۔

میثم کی بھنویں ہلکی سی سکڑیں۔ وہ جانتا تھا، یہ وار کہاں سے آیا تھا۔ کمانڈ روم پر قبضہ ہو چکا تھا۔

اس نے فوراً دائیں جانب دیکھا۔ کچھ فاصلے پر اسے ولی نظر آیا۔ میثم نے اسے ایک خاموش، پریشان کن اشارہ کیا۔ اسے میثم کا اشارہ سمجھ آ گیا اور اس کے دل کی دھڑکن بے تحاشا بڑھ گئی۔ اس کا منصوبہ کامیاب ہو گیا تھا۔ اس نے فوراً فجر کی تلاش میں نظریں دوڑائیں۔

لانچ کا شور، ڈرونز کا اڑنا، اور موسیقی۔۔۔ سب کچھ وہاں تھا۔ رئیس اور فلک سٹیج پر موجود باقی ٹیم کے ساتھ فرنٹ لائن میں بیٹھے تھے۔ اس نے انہیں تو دیکھ لیا، مگر فجر وہاں کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس لمحے، اس نے اپنے دل کو پسلیوں سے ٹکراتے محسوس کیا۔ اس کے لب خشک ہو گئے۔

منار تو اپنے بنائے جال میں آ گئی تھی، مگر اس کا سب سے قیمتی اثاثہ، فجر، کہاں تھی؟ وہ اس شور میں، اس ہجوم میں کہاں چلی گئی تھی؟ اس کا چہرہ، جو ابھی تک حفاظتی پیادے کا ٹھہراؤ لیے ہوئے تھا، ایک دم خوف سے سفید پڑ گیا۔

لانچ گراؤنڈ کی شور و غل سے چند قدم کے فاصلے پر، ایک نجی لانچ کے باتھ روم میں گہری خاموشی تھی۔ فجر آئینے کے سامنے جھکی ہوئی تھی۔ ٹوٹی ہوئی نبض کی طرح، اس کی دھڑکن تیز چل رہی تھی۔ اس نے اپنے چہرے پر ٹھنڈے

پانی کے چھینٹے مارے۔ ایک خوف تھا، جو کسی جسمانی حملے سے زیادہ شدید تھا، وہ اسے گھیر چکا تھا۔ اسے رئیس کی حکمت عملی اور ولی کی سیکیورٹی پر بھروسہ تھا، مگر منار؟ وہ جانتی تھی کہ منار کا انتقام صرف ایک منصوبہ نہیں، بلکہ ایک لاعلاج جنون ہے۔

فجر نے چہرے پر ایک بار پھر پانی گرا کر آہستگی سے سر اٹھایا۔ اس کی آنکھیں سیدھی آئینے میں پڑیں۔

وہ ساکت رہ گئی۔ اس کے بالکل پیچھے، آئینے میں منار کا عکس ابھرا۔ وہ اتنی خاموشی سے کھڑی تھی کہ جیسے وہ کوئی وجود نہیں، بلکہ ایک سایہ ہو۔ سیاہ سوٹ اور بے رحم آنکھیں۔

"ہیلو، بے بی گرل۔"

فجر، جو جھکی ہوئی تھی، آہستہ آہستہ سیدھی ہوئی۔ ٹھنڈے پانی کے قطرے اس کے چہرے سے ٹپک رہے تھے۔ اس نے وحشت پر قابو پاتے ہوئے، انتہائی دھیمے لہجے میں پوچھا۔

"آپ اندر کیسے آئیں؟"

اس کی بات سنتے ہوئے، منار کے لبوں پر ایک تمسخرانہ مسکراہٹ ابھری۔

"میرے لیے مشکل نہیں ہے کسی کا بھی پاس لینا یا روپ لینا۔ مجھے دیواریں نہیں روک سکتیں۔ تم نے ابھی تک یہ نہیں سمجھا؟"

فجر نے اپنی مٹھی بھینچ لی۔ وہ جانتی تھی کہ یہ خوف کا لمحہ تھا۔

"آپ ہمارا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ دیتی ہیں؟"

اس کی بات پر، سینے پر ہاتھ باندھی کھڑی منار ایک قدم آگے آئی۔ وہ عین اس کے پیچھے کھڑی تھی۔ ان دونوں کے درمیان صرف چند انچ کا فاصلہ تھا۔ ایک ہی چہرے، دو مختلف تقدیروں کی حامل خواتین آمنے سامنے تھیں۔

"تم چاہتی ہو نا میں یہ کھیل ختم کر دوں؟ تو چلو، ڈیل کرتے ہیں۔"

فجر نے چند لمحے اسے دیکھا۔ پھر اس نے اپنی آستین سے، اپنا چہرہ آہستہ سے صاف کیا۔ میک اپ اور ہر قسم کی آرائش سے صاف چہرہ صرف سچ بول رہا تھا۔

"میں آپ پر بھروسہ کیوں کروں؟"

منار استہزائیہ نظر اس پر ڈالتے ہوئے، اس کے بالکل قریب جھکی۔

"تمہارے پاس اور کوئی آپشن ہے؟"

اس سچ نے فجر کے دل میں ایک ٹھنڈی لہر دوڑا دی۔ فجر نے تیز ہوتی دھڑکنوں پر قابو پایا اور پھر پلٹ کر اسے دیکھا۔ اب آئینے میں فجر کی پشت تھی اور منار کا سراپا۔

"کیا چاہتی ہیں؟"

منار سیدھی ہوئی، اور اس کی آنکھوں میں انتقام کی آگ پوری شدت سے بھڑک اٹھی۔

"معافی۔" اس نے نظریں فجر کے چہرے پر جمائیں۔

"رئیس اورنگزیب۔۔۔ مجھ سے معافی مانگے۔ گھٹنوں پر آ کر۔ اپنا جرم قبول کرے۔ دنیا کے سامنے۔ اس مائیک پر، جہاں وہ کھڑا اپنی جیت کا اعلان کرنے والا ہے۔"

فجر کے چہرے کی رنگت ایک دم بدلتی چلی گئی۔ اس کا خوف اب شدید وحشت میں بدل گیا۔ وہ جانتی تھی، کچھ بھی ہو جائے، رئیس معافی نہیں مانگتا۔ کبھی نہیں۔ یہ اس کے وجود کا انکار تھا۔ وہ مر جائے گا، مگر سر نہیں جھکائے گا۔

"وہ۔۔۔ وہ کبھی ایسا نہیں کریں گے۔" اس کی آواز دور سے آتی سنائی دیتی تھی۔

"تو پھر تمہیں فیصلہ کرنا ہو گا، اس کا غرور بچانا ہے۔۔۔ یا اس کی زندگی؟"

منار نے پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھا، جہاں سے باہر کا شور آ رہا تھا۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے فجر کے کندھے پر آہستہ سے ہاتھ رکھا۔

"تمہارے پاس بیس منٹ ہیں۔ بیس منٹ میں مجھے سگنل دے دو۔ ورنہ نیا سال۔۔۔ اس کے تابوت کے ساتھ شروع ہو گا۔"

وہ ایک سائے کی طرح مڑی اور ایک خاموش دھند کی طرح وہاں سے غائب ہو گئی۔ فجر وہیں کھڑی رہی، اس کا ہاتھ ابھی بھی اس جگہ تھا جہاں منار نے چھوا تھا۔ وحشت سے اس کی آواز نہیں نکل رہی تھی۔ وہ کمرے میں اکیلی تھی، مگر وہ جانتی تھی کہ اس وقت اس کا سارا وجود منار کے قبضے میں ہے۔

دشمنوں سے لڑنا آسان ہوتا ہے مگر اپنی ہی سائے سے لڑنا؟ یہ دنیا کا سب سے مشکل کام ہے۔

✿••✿••✿••✿

اسٹیج پر تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ ہزاروں لوگوں کا ہجوم سانس روکے منتظر تھا۔ ٹھنڈی ہوا میں صرف ایک دھیمی، پراسرار موسیقی کی دھن تھی۔ پھر، ایک تیز نیلی اسپاٹ لائٹ رن وے کے آغاز پر پڑی۔ اسپیکر پر آواز ابھری۔

"خواتین و حضرات۔۔۔ کائنات کا پہلا اصول۔۔۔ ہر روشنی اندھیرے سے جنم لیتی ہے۔ پیش خدمت ہے، ڈارک اسٹارز جیولری کا پہلا شاہکار۔۔۔ ستاروں کا قفس!"

ایک ماڈل، جو مکمل سیاہ لباس میں ملبوس تھی جیسے وہ رات کا مجسمہ ہو، رن وے پر نمودار ہوئی۔ اس کی گردن پر وہ ہار تھا۔ یہ ہار گردن کے گرد یوں بیٹھتا تھا جیسے روشنی کو قید کر لیا گیا ہو۔ چاندی جیسی دھات میں تین سیاہ ہیرے جڑے تھے، جو دیکھنے میں اندھیرے جیسے لگتے مگر اندر کہیں سرخی کی مدھم چمک سانس لیتی تھی۔ ان پتھروں کے درمیان

باریک دھات کے ریشے بُنے تھے، جیسے خلا میں دور دور ستارے ایک ہی لڑی میں بندھے ہوں۔ جب روشنی پڑتی تو لمحے بھر کے لیے وہ قید چمک جاگ اٹھتی، جیسے کسی دل نے سینے میں کروٹ لی ہو۔۔

ہجوم کی تالیوں اور کیمروں کی فلیش لائٹس کے درمیان وہ ماڈل رن وے پر چل رہی تھی اور اس کے پیچھے نصب ایل ای ڈی میں اس جیولری کی نمائش جاری تھی۔ رئیس، جو ملیکہ طیسر اور فلک کے ساتھ فرنٹ لائن میں بیٹھا تھا، اس کا فون اس کی جیب میں تھرتھرا اٹھا۔ یہ کوئی عام کال نہیں تھی۔ یہ وہ سگنل تھا جس کا اسے خوف تھا۔ اسکرین پر **پرائیویٹ** نمبر چمک رہا تھا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکا۔ گلے کی گلٹی ڈوب کر ابھری۔

اس نے ملیکہ طیسر کی طرف دیکھ کر انتہائی شائستگی سے ایکسکیوز کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا شور سے کچھ فاصلے پر، اسٹیج کے پیچھے اندھیرے میں آ گیا۔ پھر اس نے فون کان سے لگایا۔

"ہیلو۔۔۔"

"آخری میٹ اپ کر لیں؟ میں آ گئی ہوں۔ تم کہاں ہو؟"

رئیس کی آنکھیں سکڑ گئیں۔ منار کی آواز دوبارہ سنائی دی۔

"یالانچ کے ساتھ ساتھ۔۔۔ اسکرین پر اپنی تباہی دیکھنا چاہتے ہو؟"

رئیس کچھ نہ بولا، اسکے ہونٹ بھنچ گئے۔

"فجر میرے پاس ہے۔" یہ جملہ ایک بم کی طرح گرا۔ اسے لے جانا آسان نہیں تھا تو کیا وہ خود گئی تھی؟ اس نے بے ساختہ ہجوم کی جانب دیکھا۔ اتنے لوگوں میں وہ کہاں دکھائی دیتی؟

"تمہاری طرف میرا کچھ ادھار ہے، رئیس۔ چکانے کا وقت آ گیا ہے۔ تمہاری ہی سلطنت کے کمانڈ روم میں ہوں۔۔۔ آ جاؤ۔"

کال کٹ گئی۔ رئیس نے فوراً فون بند کر دیا۔ اس کا دماغ ایک سیکنڈ میں ہزاروں فیصلے کر رہا تھا۔ جیسے ہی وہ پلٹا، اسے میثم اپنی جانب برق رفتاری سے آتا دکھائی دیا۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا، مگر اس کی آنکھوں میں شدید پریشانی تھی۔

"باس۔ مجھے جانا ہو گا۔ جس کا خوف تھا وہی ہو رہا ہے۔"

"کمانڈ روم؟"

"نہیں! وہ یہاں اکیلی آئی ہے۔ اس نے اپنے لوگوں کو مال کی جانب بھیجا ہے۔ یہ ڈائیورژن ہے۔ اگر وہاں کچھ ہوا۔۔۔ کوئی حادثہ، کوئی دھماکہ۔۔۔ تو سب برباد ہو جائے گا۔ سینکڑوں لوگ۔۔۔"

رئیس نے اس کی بات کاٹی۔ اس کی ترجیحات واضح تھیں۔

"ٹھیک ہے۔ تم جاؤ۔ میں یہاں دیکھ لوں گا۔"

میثم نے سر ہلایا اور اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

اسٹیج پر اب دوسری ماڈل آ چکی تھی۔ اسپیکر پر آواز گونجی۔

"اور اب۔۔۔۔ شب گُل!"

ماڈل نے اپنا ہاتھ اٹھایا، جس پر وہ انگوٹھی تھی۔ یہ انگوٹھی گلاب کی کلی کے روپ میں تھی مگر عام گلاب نہیں۔ اس کے پنکھڑیوں کی جگہ باریک کانٹے ابھرے ہوئے تھے، اور بیچ میں وہ نایاب سیاہ ہیرہ جڑا تھا جس کے اندر سرخی کا سایہ چھپا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے کلی خون میں ڈوبی ہو۔ جب کوئی اسے پہنتا تو دل کی دھڑکن کے ساتھ ہیرے میں ہلکی سرخ چمک جاگتی اور بجھتی، جیسے زیور نہیں، کوئی زندہ وجود ہو جو دل کے ساتھ سانس لیتا ہو۔

رئیس نے گھوم کر دیکھا۔ چند قدم کے فاصلے پر ولی کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا، مگر اس کے بھنچے ہوئے جبڑے بتا رہے تھے کہ وہ فجر کی غیر موجودگی جان چکا ہے۔ رئیس نے اسے دیکھا، گہری سانس لی، اور اس کی جانب بڑھا۔ وہ اس

کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ گہری نظروں سے اسے دیکھا جو خود پر ضبط کرنے کی کوشش کر رہا تھا، غصہ، نفرت اور اذیت! لیکن بولا کچھ نہیں۔

"مجھے جانا ہو گا۔۔۔" رئیس نے گفتگو کا آغاز کیا۔

"میں ساتھ آؤں گا۔"

"نہیں! ابھی نہیں۔۔۔" رئیس نے اس کی بات کاٹی۔ اس نے اپنی کلائی پر گھڑی دیکھی۔ گیارہ بج کر ایک منٹ۔

"تمہیں اسے لے کر یہاں سے نکلنا ہے۔ سمجھ رہے ہو نا؟" اس نے ولی کے کندھے پر مضبوطی سے ہاتھ رکھا۔

ولی کی آواز میں پہلی بار دراڑ پڑی۔

"اگر فجر کو کچھ۔۔۔"

"وہ اسے نہیں مارے گی۔" رئیس نے فوراً کہا۔ "اس کا نشانہ میں ہوں۔ بھروسہ رکھو۔ وہ اسے صرف استعمال کر رہی ہے۔"

"مجھے اس پر بھروسہ نہیں ہے۔"

"مجھ پر ہے؟" رئیس نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ولی کے لب بھنچ گئے۔ فی الوقت اس کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا اسے اپنے جانے کا راستہ صاف کرنا تھا۔ وقت بہت کم تھا۔

"بس بیس منٹ دے دو مجھے۔ مجھ پر بھروسہ رکھو۔ اور دھیان رکھنا۔۔۔ اسے پتا نہ چلے کہ آج رات میں نہیں۔۔۔ بلکہ تم دونوں یہاں سے جا رہے ہو۔ سمجھ رہے ہو نا تمہیں کیا کرنا ہے؟ تمہیں اسے یہاں سے لے کر جانا ہے۔"

رئیس اسے جانچتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ولی نے گہری سانس لیتے آہستگی سے، مگر مضبوطی سے اثبات میں سر ہلایا۔

رئیس نے اس کا گال تھپتھپایا۔ ایک سربراہ کی طرح، ایک بادشاہ کی طرح۔ اور پھر وہ پلٹا، اور ہیڈ آفس کے اس ونگ کی جانب بڑھ گیا جس میں کمانڈ روم تھا۔۔۔ موت کی سی سردی تھی۔

پیچھے کھڑے شخص نے بے ساختہ اپنا سر تھام لیا۔ وقت بہت کم تھا۔ وہ تیزی سے ایک جانب بھاگا۔ اسے مطلوبہ کام کر کے بیس منٹ کے اندر واپس یہیں پہنچنا تھا۔

اسٹیج پر ڈارک اسٹارز کی لانچ جاری تھی۔ اسپیکرز پر اناؤنسمنٹ چل رہی تھی۔ ٹیمیں مستعدی سے کام کر رہی تھیں۔ مگر کچھ لوگوں کی زندگی۔۔۔ ہمیشہ کے لیے پلٹنے جا رہی تھی۔

✿••✿••✿••✿

کمانڈ روم میں سرورز کی دھیمی گونج تھی۔ ہوا ٹھنڈی تھی، اور نیلی اسکرینوں کی روشنی ماحول کو مزید سرد بنا رہی تھی۔ کمانڈ روم کے ٹھیک اس آئیوری مربع پر، جو باقی فرش سے مختلف تھا، دو کرسیاں اور ایک میز رکھی تھی۔

ایک کرسی پر فجر بیٹھی تھی، اس کے ہاتھ پشت سے مضبوطی سے بندھے ہوئے تھے۔ اس کی آنکھیں زخمی تھیں، رونے سے سرخ پڑ چکی تھیں۔ منار جانتی تھی وہ ہاتھ چلانے میں ہچکچاتی نہیں تھی اس لیے اسے باندھ دیا گیا تھا۔ جبکہ خود دوسری جانب کرسی کے پیچھے کھڑی تھی، ایک بازو کرسی کی پشت پر ٹکائے، نظریں فجر کے چہرے پر تھیں۔

"تمہیں رئیس عزیز ہے۔۔۔ مگر میں نہیں؟"

"آپ نے اپنی جگہ خود چھوڑی، میں نے کبھی آپ کا برا نہیں چاہا۔۔۔ مگر آپ نے۔۔۔ آپ نے مجھے اس جنگ میں گھسیٹا۔" فجر کی آنکھیں اور آواز دونوں زخمی تھیں۔

اس سے پہلے کہ منار کوئی جواب دیتی، کمانڈ روم کا ساؤنڈ پروف دروازہ ایک ہِس کے ساتھ کھل گیا اور رئیس اندر داخل ہوا۔ اس کا مفلر اب ہٹ چکا تھا۔ سفید ڈریس شرٹ کے بازو کہنیوں تک فولڈ تھے، اور اس کے چہرے پر برفانی سختی تھی۔

منار نے ایک فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ اسکا استقبال کیا۔

"آیئے رئیس صاحب۔ آپ کا ہی انتظار تھا۔"

وہ کرسی سے ہٹ گئی۔ اس نے رئیس کو وہاں بیٹھنے کا اشارہ کیا، فجر کے بالکل سامنے۔ رئیس نے اسے مکمل طور پر نظر انداز کیا۔ اس کی ساری توجہ صرف فجر پر تھی۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا اور فجر کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"تم ٹھیک ہو؟" آواز میں وہ پرواہ جو اس نے دنیا سے چھپا رکھی تھی۔

فجر نے بمشکل اثبات میں سر ہلایا۔ رئیس نے اس کے جواب پر ضبط سے آنکھیں میچیں۔۔۔ وہ جانتا تھا وہ ٹھیک نہیں تھی۔ اس نے آنکھیں کھولیں۔

"تمہیں پتا ہے تمہیں یہاں کیوں بلایا گیا ہے؟" منار نے کہا۔

"بگ بی! آپ ان سے معافی نہیں مانگیں گے۔ آپ ان کے لیے گھٹنوں پر نہیں آئیں گے۔ ہرگز نہیں۔۔۔" اس سے پہلے کہ رئیس جواب دیتا، فجر کی ٹوٹی ہوئی آواز ابھری۔

منار کے چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ ابھری۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو، بے بی گرل۔"

منار اپنی جیکٹ کی جیب سے ایک چھوٹی سی، سائلینسر لگی پستول نکالتے ہوئے آگے بڑھی۔ اگلے ہی لمحے، وہ جھکی اور پھر۔۔۔ پھٹ!

بنا آواز کیے، گولی رئیس کی پنڈلی کو چیرتی ہوئی گزر گئی۔

وہ ایک اذیت ناک، دبی ہوئی کراہ کے ساتھ آگے کو جھک گیا۔ درد کی شدید لہر نے اس کے وجود کو جکڑ لیا۔ اگلے ہی لمحے وہ سیدھا ہوا اور اٹھنے کی کوشش کی مگر منار نے پستول کا رخ فجر کی جانب کر لیا جبکہ فجر کی آنکھیں خوف سے پھٹ گئیں۔

"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔۔ نہیں۔۔۔"

وہ اپنی جگہ سے اچھلی مگر منار بجلی کی سی تیزی سے اس کے پیچھے آ چکی تھی اور پستول کی ٹھنڈی، دھاتی نوک اس کی گردن پر جمادی تھی۔ فجر کا سانس جیسے اٹک گیا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا، مگر وہ ہل نہیں سکتی تھی۔ رئیس کی پنڈلی سے خون تیزی سے بہہ کر فرش پر پھیل رہا تھا۔ یہ غیر متوقع تھا۔ اتنا تیز، اتنا بے رحم۔

"میں جانتی ہوں تم گھٹنوں پر نہیں آؤ گے۔ مگر میں انہیں توڑنا چاہتی ہوں۔"

رئیس نے تکلیف کو ضبط کرتے ہوئے، کراہتے ہوئے خود کو سیدھا کیا۔ اس کا چہرہ سینے سے بھیگ چکا تھا، مگر آنکھوں میں وہ نفرت تھی جو صرف منار معراج کے لیے مخصوص تھی۔ منار اب فجر کے کان کے قریب جھکی جس کی نظریں فرش پر پھیلتے خون پر جمی تھیں۔

"تم جسے اپنا مسیحا سمجھتی ہو۔۔۔ تم جانتی بھی ہو اس نے تمہاری پیشانی پر پستول کب رکھی تھی؟"

فجر صدمے کی سی حالت میں تھی۔

"جب تم صرف ایک سال کی تھیں۔ ہے نا، رئیس؟" اس نے رئیس کو گھورتے ہوئے کہا جبکہ رئیس کے چہرے پر اذیت ہی اذیت تھی۔ اسے یاد تھا۔ سب واضح تھا مگر وہ یاد کرنا نہیں چاہتا تھا۔

وہ چودہ سال کی عمر میں نہیں ملا تھا۔ وہ اس سے اس وقت ملا تھا جب وہ ایک سال کی تھی اور وہ اٹھارہ کا۔ جعفر عالم کی موت اور خود پر ہوئے اٹیک کے بعد وہ سنبھل چکا تھا، اس نے اپنے خاندان کا بچا کھچا بزنس سنبھال لیا تھا۔ تب اسے خبر ملی تھی کہ معراج الدین کے گھر بیٹی ہوئی ہے۔

وہ گیا تھا۔۔۔ دیکھنے نہیں، مارنے۔ ایک سالہ بچی جھولے میں سو رہی تھی۔ ترنم بیگم سپاٹ چہرہ لیے بیٹھی تھیں۔ وہ اس بچی کو نفرت سے دیکھتا رہا۔ وہ اسے مار دینا چاہتا تھا۔ وہ معراج الدین کے نام کو مٹا دینا چاہتا تھا۔ اس نے پستول نکالی۔۔۔ اس کی پیشانی پر رکھی۔۔۔ مگر پھر اس نے پستول ہٹالی۔

"ابھی نہیں۔۔۔ آپ کی بیٹی پر میرا سایہ ہمیشہ رہے گا۔ موت کا سایہ۔۔۔ اور ایک دن میں اسے اپنے ہاتھوں سے مار ڈالوں گا۔" وہ لوٹ گیا تھا۔

ماضی کا منظر رئیس کے ذہن کے پردے پر ختم ہوا تو منار کی زہریلی آواز سنائی دی۔

"تمہیں یہ اتنا عزیز کیوں ہے، فجر؟ اس نے تمہیں مارنے کے لیے جال بچھایا تھا۔"

وہ فجر کے کان میں سرگوشیاں کر رہی تھی۔

"یہ تمہیں ہر صورت مار دیتا اگر اسے تم سے محبت نہ ہوئی ہوتی۔" اس کے الفاظ زہر انڈیل رہے تھے۔ فجر تو جیسے بہری ہو چکی تھی۔ اور رئیس۔۔۔ وہ اپنی ٹانگ کے زخم اور اپنی روح کے زخم، دونوں سے بیک وقت خون بہا رہا تھا۔ کمرے میں صرف تین آوازیں تھیں۔ سرورز کی مسلسل گونج، فجر کی دبی دبی سسکیاں، اور رئیس کی ٹانگ سے بہتے خون کے فرش پر ٹپکنے کی مدھم آواز۔

منار، فجر کی پشت پر کھڑی تھی جبکہ آنکھیں رئیس پر مرکوز تھیں۔

"اس نے تمہارے ساتھ برا کیا۔ میرے ساتھ برا کیا۔ مگر تم کیسے بھول گئیں؟ تم اس کی جانب کیوں ہو گئیں، فجر؟ تم تو ملکہ ملعون تھیں! تم میری تخلیق تھیں۔ تم نے ایسا کیوں کیا؟"

فجر کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے، اس کی آنکھیں سے آنسوؤں سے بھر چکی تھیں۔ وہ منہ بھینچے، بے آواز رو رہی تھی۔

وہ کیا جواب دیتی؟ کہ عقیدت منطق سے نہیں ہوتی؟

"تمہیں پتا ہے۔۔۔ جو تمہیں بچاتا ہے، وہ مسیحا نہیں ہوتا۔" اس کی آنکھیں ایک لمحے کو ماضی میں بھٹکیں۔

"اور بچ جانے کے بعد۔۔۔ جسے سب سے پہلے مارا جاتا ہے، وہ مسیحا ہوتا ہے۔ جیسے میں نے کیا تھا۔"

وہ رات۔۔۔ جب جعفر عالم، فجر کو ترنم بیگم کے حوالے کر کے واپس آیا تھا۔ اس نے پہلے منار سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے غیر قانونی طریقے سے ملک سے باہر بھجوا دے گا۔ مگر اس کا ارادہ بدل گیا۔ وہ اسے مارنے آیا تھا۔ پستول کی ٹھنڈی نوک اس نے منار کی گردن پر رکھی تھی اور اس روز وہ پہلی بار لڑی تھی۔ مر تو وہ چکی تھی، مگر اب ایسے نہیں مرنا تھا۔ اس نے جعفر عالم کو مار ڈالا تھا۔

اور جیسے ہی گھر سے باہر نکلی، باہر کھڑے اس کے آدمیوں نے اسے پکڑ لیا۔ انہوں نے ہی اسے افغانستان کی قبر جیسی دلدل میں پہنچایا تھا۔

جعفر عالم کی موت۔۔۔ جو آج تک ایک معمہ تھی۔۔۔ آج سچ سامنے آیا تھا۔ اسے منار معراج نے مارا تھا اپنے دفاع میں!

رئیس نے ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا تھا۔ وہ صرف اپنی ٹانگ پر دباؤ ڈالے، درد کو ضبط کیے بیٹھا تھا۔

"تمہیں ان لوگوں سے محبت کیوں ہے، فجر؟ جنہوں نے تمہیں اتنی تکلیف دی ہے؟"

فجر کی سسکیاں ابھرتی رہیں، وہ کچھ نہ بولی۔

"اور ہاں، یاد آیا۔۔۔" اس نے ایک اسکرین کی جانب اشارہ کیا جس پر سرخ ہندسوں میں ٹائمر چل رہا تھا۔ چالیس منٹ! صرف چالیس منٹ باقی تھے۔

"میں چاہتی ہوں رئیس۔۔۔ کہ تم اپنی غلطی مانو۔ اپنے جرم کا اقرار کرو۔ کہ تم نے مجھے اندھیروں کی دنیا میں دھکیلا۔"

اس کی آواز اب کسی جج کی طرح گونج رہی تھی۔

"تم پوری دنیا کے سامنے اعتراف کرو کہ تم منار معراج کے قاتل ہو ورنہ دنیا یہ دیکھے گی۔"

اس نے دوسری اسکرین کی طرف اشارہ کیا۔ جہاں ایک ویڈیو چلنے لگی۔ یہ کوئی ساڑھے چار سال پرانی ویڈیو تھی۔۔۔ جس میں رئیس نے، شکور اور اس کے بیٹے کو بے دردی سے مارا تھا۔

یکے بعد دیگرے، بہت سی ویڈیوز چلنے لگیں۔ اس کے کچھ جرائم کے ثبوت! وہ لب بھینچے دیکھ رہا تھا۔ جبکہ فجر کی نظریں ابھی تک خون پر جمی تھیں جو بہتا جا رہا تھا۔

"تم جانتے ہو اس کو روکا نہیں جا سکتا۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے اگر تمہاری یہ سلطنت تباہ ہو جائے، سب دھماکے سے اڑ جائے۔ نہیں؟" وہ دلکشی سے مسکرائی۔

"تمہیں پتا ہے، میں نے تمہاری تباہی کا جال بہت پہلے بننا شروع کر دیا تھا۔ میں نے بہت انتظار کیا، رئیس۔۔۔ آج کے دن کا۔"

اس نے شیر کے شکار کے لیے ہرن کا چارہ ڈالا تھا اور وہ ہرن **فجر** تھی۔ اس کھیل کا آغاز فجر کی پیدائش پر ہی ہو گیا تھا۔ اس نے فجر کو ایسا بنایا تھا کہ وہ رئیس سے نفرت کرے، اس نے ایسے حالات پیدا کیے کہ وہ دونوں قریب آئیں، کیا

کچھ نہیں کیا تھا اس نے کہ **فجر**، **رئیس** سے نفرت کرے لیکن وہ رئیس کی بجائے اس کے ہی خلاف ہو گئی۔ مگر منار کے پاس بہت سے راستے تھے۔

"میں نے ساڑھے چھبیس سال انتظار کیا۔۔۔ جانتے ہو یہ کتنا لمبا عرصہ ہے؟" اس کی آواز میں پہلی بار صدیوں کا درد ابھرا۔

"انتالیس منٹ بعد۔۔۔ یہ ویڈیوز تمہارے ہی سلطنت کے سرورز سے، تمہاری ہی لانچ پارٹی کی میں اسکرین پر اپلوڈ ہوں گی اور اسکے ساتھ اسے پوری دنیا دیکھے گی۔" وہ اسکرین کی جانب دیکھتے ہوئے بولی۔

"لیکن صرف یہ نہیں۔۔۔ بلکہ یہ بھی۔"

اس نے ایک اور بٹن دبایا۔ دوسری اسکرین روشن ہوئی۔ اسکرین پر فجر نظر آ رہی تھی۔ وہی چہرہ، وہی آنکھیں۔۔ مگر وہ فرقان گردیزی کا گلا کاٹ رہی تھی۔

"فجر معراج نے فرقان گردیزی کا قتل کیا۔ وہ شخص جو اسکا باپ بھی تھا۔ چچ۔۔۔ چچ۔۔۔ چچ۔۔۔"

فجر کی آنکھیں پھٹ پڑیں۔ اس کا سانس سینے میں اٹک گیا۔ وہ سارے جرائم۔۔۔ جو منار نے فجر کے روپ میں کیے تھے۔۔۔ وہ سب اپلوڈ ہونے والے تھے۔ کون یقین کرتا کہ یہ وہ نہیں تھی؟ رئیس نے درد کی شدت سے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ اس اسکرین کو دیکھا۔ اس کے ہاتھ لرز اٹھے۔ منار نے رئیس کے قریب آتے سرگوشی کی۔

"اب تم کس کو بچاؤ گے، رئیس؟" اس نے ایک اسکرین پر اشارہ کیا۔

"خود کو؟ اپنی سلطنت کو؟" پھر دوسری اسکرین پر اشارہ کیا،

"یا اپنی لاڈلی کو؟"

پہلی بار اس کی ہنسی سنائی دی۔ اس نے نہ کوئی حملہ کیا تھا، نہ وہ لوگوں کو لائی تھی۔ اس نے صرف ایک جال بُنا تھا۔ ملکہ عنکبوت کی طرح۔ اس کی مٹھی میں رئیس کی کمزوری تھی۔ وہ کمزوری۔۔۔ جسے اس نے ہی پیدا کیا تھا۔ وہ شکاری تھی اور شکار کے لیے اس نے چارہ ڈالا تھا۔ کئی سال پہلے یہ کھیل شروع کیا تھا۔ پرفیکٹ کھیل۔ جیسا چاہا تھا، بالکل ویسا ہی ہو رہا تھا۔ فجر اس کے خلاف تھی؟ تو کیا ہوا۔۔۔ رئیس کی کمزوری وہ ابھی بھی تھی۔ وہ فجر کو ایک انتخاب کے طور پر لائی تھی۔

"میں اتنے سالوں سے تمہارے ناک کے نیچے یہ کھیل کھیلتی رہی اور افسوس تمہیں پتا بھی نہیں چلا، سمجھ نہیں آتا لوگ تمہیں بادشاہ کیوں کہتے ہیں؟" اس نے نخوت سے آنکھیں گھمائیں۔

"تم بادشاہ کہلانے کے لائق نہیں ہو۔"

اس سے پہلے وہ مزید کچھ کہتی، فجر کی شدتِ ضبط سے پھٹی پھٹی، لرزتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"مجھے نفرت ہے آپ سے۔"

منار نے پلٹ کر دیکھا۔ فجر کے ہاتھ بندھے تھے اور اپنی کرسی پر تڑپ رہی تھی۔ ہاتھوں کو کھولنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"شدید نفرت!" اس کی آواز سسکیوں میں گھٹ گئی۔ "میں نفرت کرتی ہوں۔۔۔ خود سے۔۔۔ کیونکہ یہ چہرہ آپ کا ہے۔ یہ۔۔۔"

وہ گلے میں اٹکے آنسوؤں کے پھندے کے باعث ٹھیک سے بول نہیں پائی۔

منار کے چہرے پر استہزاء ابھرا۔

"تم اس شخص کی وجہ سے مجھ سے نفرت کرتی ہو؟"

"نہیں!" فجر چیخی۔ "میں آپ کی وجہ سے آپ سے نفرت کرتی ہوں! آپ نے اپنی جگہ خود چھوڑی تھی! مجھے استعمال کرنا بند کریں۔ میں آپ کو کچھ نہیں مانتی۔۔۔ نہ ماں، نہ بہن۔۔۔ اب کچھ بھی نہیں۔"

وہ لرز رہی تھی۔ اس کا چہرہ، اس کی آنکھیں، سب بھیگ چکی تھیں۔

"اور اگر آپ کو لگتا ہے آپ سے ڈرنا یا آپ کی بات ماننا مجھ پر فرض ہے، تو یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔ میں آپ کو ماں نہیں مانتی، کیونکہ میری ماں ترنم عالمگیر ہیں۔"

منار نے خاموشی سے اسے دیکھا۔ سنا۔ اور پھر ایک گہری، سرد سانس بھری۔

"ترنم عالمگیر؟" وہ ہنسی۔ "میرے سوا تمہارا کوئی بھی نہیں ہے، فجر۔ سمجھ رہی ہو نا؟ شاید تم بھول گئی ہو، اماں نے تمہیں کبھی نہیں اپنایا۔ وہ تم سے نفرت کرتی ہیں۔" انداز سراسر تپانے والا تھا۔

"دیکھنا چاہو گی؟"

وہ واپس اسکرین کی جانب مڑی اور ریموٹ سے ایک اور اسکرین آن کی۔

"دیکھتے ہیں ترنم عالمگیر صاحبہ نے تمہارے لیے کیا پیغام بھیجا ہے۔ جو اپنی بیٹی کی نہ ہوئیں، تمہاری کیسے ہوں گی؟"

اسے شاید یہ ایک ہی دکھ تھا۔ ترنم عالمگیر کے اسے دھتکار دینے کا دکھ! اسے لگتا تھا اس کی واپسی پر خوش ہونے والی وہ پہلی عورت ہوں گی مگر نہیں۔۔۔ وہ پہلی عورت تھیں جنہوں نے کہا تھا کہ وہ کیوں واپس آئی؟

کچھ دیر بعد اسکرین پر ایک چہرہ ابھرا! اماں کا چہرہ۔ ترنم عالمگیر کا چہرہ! ان کے پیچھے دو نقاب پوش کھڑے تھے۔

فجر کا دل ساکت ہو گیا۔

"اماں۔۔۔" اس کے لبوں سے دھیرے سے پھسلا۔ ترنم عالمگیر نے اسکرین پر دیکھا اور اس جال سے جڑے تینوں اہم افراد انہیں نظر آئے۔ کرسیوں پر بیٹھے فجر اور زخمی رئیس۔۔۔ ان کے قریب کھڑی منار! اماں کی آنکھیں بھرنے لگیں، جھریوں زدہ چہرے پر تکلیف کے گہرے آثار تھے۔

"اماں۔۔۔ آپ ٹھیک ہیں؟" فجر نے بے چینی سے پوچھا۔

"وہ ٹھیک ہیں۔ انہیں کچھ نہیں ہو گا۔" جواب منار کی طرف سے آیا تھا۔ وہ زخمی نگاہوں سے اپنی ماں کو دیکھ رہی تھی۔ ترنم عالمگیر کو اپنی بیٹی کے مرنے پر شاید اتنا دکھ نہیں ہوا ہو گا جتنا اس کے اس روپ میں لوٹ آنے پر ہوا تھا۔

"اماں۔۔۔" فجر نے بڑے دنوں بعد انہیں پکارہ تھا۔۔

"میں نے۔۔ میں نے پوری زندگی تمہیں اپنوں سے دور رکھا۔ تمہیں چھپا کر رکھا کیونکہ تم ملعون تھیں۔"

آواز کانپ رہی تھی، مگر نظریں فجر پر تھیں جبکہ یہ سن کر فجر کی روح تک جل گئی۔

"تمہیں ملعون سمجھا، تمہیں ملعون بنایا۔ میں تمہیں بچا کر رکھتی رہی۔۔۔ جانتی ہو کیوں؟" فجر کے چہرے پر تکلیف مزید بڑھ گئی۔

"میں نے تمہیں رئیس سے دور رہنے کو کہا کیونکہ میں تمہیں نہیں بچا رہی تھی۔۔۔"

اماں نے نظروں کا زاویہ رئیس کی جانب کیا، جو درد سے سر جھکائے بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے سے پسینہ ٹپک رہا تھا۔

"میں تم سے۔۔۔ رئیس کو بچا رہی تھی۔" ان کے لہجے میں ایک پرانا درد تھا۔ ان کے اس انکشاف نے فجر کو سُن کر دیا۔

"میں تم سے نفرت کرتی رہی کیونکہ میں تمہیں گردیزیوں کا خون سمجھتی رہی۔"

(منار نے وہ لفافہ انہیں بھجوایا تھا جس میں لکھا تھا کہ فجر، رئیس کے لیے تحفہ ہے۔۔وہ اس کی موت ہے۔بس تب سے ہی ترنم عالمگیر آنے والے مستقبل کا نقشہ کھینچ کر خوفزدہ ہو چکی تھیں۔)

"مجھے لگتا تھا تم تباہی لاؤ گی۔بالکل ویسے ہی۔۔۔جیسے۔۔۔جیسے تم۔۔۔"ان کی آواز گلے میں ہی گھٹ گئی۔منار کی گردن مزید اونچی ہو گئی۔ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔جیسا اس نے سوچا تھا، ویسا ہی ہوا تھا۔جبکہ فجر حیرانی سے اماں کو دیکھ رہی تھی۔جبکہ اماں کی نگاہیں اس بار منار پر جا رکیں۔

"کہیں نہ کہیں۔۔۔میں جانتی تھی تم ایک دن لوٹ آؤ گی۔میرا دل کہتا تھا۔"

ان کی آنکھوں میں اب نفرت کے جذبات ابھرے۔

"کاش تم مر جاتیں!رئیس کے ہاتھوں!کاش اس رات واقعی تم مر جاتیں!"

منار کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔چہرہ پل بھر کو سفید پڑا۔

"میں جانتی ہوں میں نے تمہارے ساتھ زیادتیاں کی ہیں۔لیکن میں۔۔۔میں آج کہتی ہوں۔"انہوں نے فجر کو دیکھا۔آنسوں ضبط کرنے کی کوشش کی۔

"میری ایک ہی بیٹی ہے۔۔۔اور اس کا نام فجر ہے۔زندہ رہنا، فجر!زندہ رہنا!"

سانس رکنا کسے کہتے ہیں، یہ فجر کو آج محسوس ہوا تھا۔وہ ہنسنا چاہتی تھی۔۔۔مگر نہیں۔۔۔وہ ہنس نہیں پائی۔۔۔لبوں کے درمیان ایک ہلکی سی لکیر ابھری اور پھر وہ منہ بھینچ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔۔۔یوں لگا جلتے تپتے وجود کو سکون مل گیا ہو جبکہ منار نے ہاتھ میں پکڑا ریموٹ پوری طاقت سے اسکرین پر دے مارا۔اسکرین سیاہ ہو گئی۔اماں جا چکی تھیں۔

کمرے میں اب بھی تین لوگ تھے۔رئیس کا ٹپکتا لہو، فجر کی سسکیاں، اور منار کا شدت سے چلتا سانس۔

اس نے ٹائمر دیکھا۔ تیس منٹ۔ صرف تیس منٹ بچے تھے۔

وہ گہری سانس لیتے ہوئے رئیس کی جانب بڑھی۔ جیکٹ کی جیب سے اس نے ایک چھوٹا سا شیشے کا جار نکالا۔۔۔وہ جار جو ذرتاش نے رئیس کے پرائیویٹ کمرے سے چرایا تھا۔ اس نے جار کو میز پر رئیس کے سامنے رکھا۔

"تمہیں میں آپشن دیتی ہوں، رئیس۔ جیسے سالوں پہلے تم نے مجھے دیا تھا۔ چننا تمہیں خود ہے۔" آواز اب برف جیسی سرد تھی۔

"موت چنو۔۔۔یا اپنے ساتھ ساتھ اپنی محبت کی تباہی۔

تو کیوں نہ ماضی کے منظر کو دہرایا جائے؟

زہر کا بدلہ زہر! موت کا بدلہ موت!"

رئیس نے سر اٹھا کر اس شیشی کو دیکھا۔ تو کیا ذرتاش؟ کیا اس کی بہن واقعی چاہتی تھی وہ مر جائے؟ اذیت کی ایک نئی لہر اس کے پورے جسم میں دوڑ گئی۔

یہ زہر کی گولیاں۔۔۔یہ اس نے تب سے جمع کرنی شروع کی تھیں جب سے منار انہیں کھا کر مری تھی۔ اس کے بعد، وہ کسی نہ کسی (دشمن اور دھوکے باز) کی موت پر ہمیشہ اس شیشی میں گولی کا ایک اضافہ کرتا تھا۔۔۔اور آج وہی اس کے سامنے تھیں۔ اس کے اپنے گناہوں کا مجموعہ۔

"ویسے۔۔۔تمہاری بہن شاید تمہاری باتوں میں آگئی تھی۔ آخری ملاقات میں اس نے مجھے یہ شیشی نہیں دی بلکہ چلتی گاڑی سے باہر پھینک دی۔ اس نے مزید اس کھیل کا حصہ بننے سے انکار کر دیا۔" وہ اسکے تاثرات جانچ چکی تھی اس لیے اضافہ کیا۔ جبکہ رئیس کی آنکھوں میں ایک لمحے کو امید جاگی۔

"تمہاری بہن کے دل میں بھائی کی محبت جاگ اٹھی ہے۔"

اس نے شیشی کو اٹھا کر رئیس کے مزید قریب کیا۔

"اب فیصلہ کرو، بادشاہ۔ اعتراف؟ یا موت؟"

اس کی دہشت ناک آنکھیں رئیس پر جمی تھیں۔ اور وقت۔۔۔ وہ تو تیزی سے گھٹ رہا تھا۔

فجر کے ہاتھ کمر کے پیچھے اسکارف سے بندھے تھے، اور وہ انہیں کھولنے کی بے چین کوشش کر رہی تھی۔ اس کی آنکھیں میز پر رکھی اس چھوٹی سی شیشی پر جمی تھیں، جس میں رئیس کے جمع کردہ گناہ قید تھے۔ اس کے سانس خشک ہو رہے تھے۔ اس نے رئیس کو، اس شیشی کو گھورتے پایا۔

"نہیں۔۔۔ نہیں، آپ ایسا نہیں کریں گے!" وہ چلائی۔ اس کی آنکھوں میں ناقابلِ بیان خوف تھا۔ دنیا میں چند ایک لوگ تھے جنہیں وہ اپنی آنکھوں کے سامنے مرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی تھی، ان میں سرِ فہرست رئیس اورنگزیب تھا۔۔۔ اور ایسی موت؟ ایسی بے بسی کی موت؟ ہرگز نہیں۔

"جلدی کرو، رئیس۔۔۔ وقت بہت کم ہے۔"

منار کے الفاظ اس دہشت میں مزید اضافہ کر رہے تھے۔ رئیس کے جبڑے بھنچے ہوئے تھے۔ وہ اس شیشی کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے اسکرین پر دیکھا۔ ایک پر ٹائمر چل رہا تھا۔ دوسرے پر اس کی اپنی ویڈیوز، اس کی تباہی۔ اور تیسرے پر منار کی ویڈیوز، جس میں وہ فجر بنی ہوئی تھی۔ اس کے ہونٹ ضبط سے آپس میں پیوست ہو گئے۔

"آپ ایسا نہیں کریں گے!"

فجر کی بھرائی، التجا بھری آواز ابھری۔ رئیس نے اپنی زخمی ٹانگ سے ہاتھ اٹھایا۔ اس کا خون سے لت پت ہاتھ اس نے اپنی شرٹ سے صاف کیا۔ آج اس کی شرٹ سیاہ نہیں، سفید تھی۔ اور وہ سرخ مائع اس سفید کپڑے پر ایک بھیانک نقش کی طرح پھیلتا چلا گیا۔ پھر اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے وہ شیشی پکڑی۔

منار کی آنکھوں میں سکون اترنے لگا۔ اس کا ساڑھے چھبیس سال کا انتقام پورا ہونے جا رہا تھا۔

"افسوس۔۔۔ کہ تمہیں پانی نہیں ملے گا۔" وہ ظالم ملکہ مسکرائی۔

رئیس نے اپنی تکلیف پر قابو پاتے ہوئے اس شیشی کو کھولا۔

"بگ بی، نہیں!" فجر کی گردن کی نسیں ابھر آئیں۔

"پلیز نہیں۔۔۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"آپ ایسا نہیں کریں گے۔۔۔"

رئیس شیشی کھول رہا تھا۔ آج وہاں کوئی کیوں نہیں تھا؟ بادشاہ کو بچانے والے کہاں چلے گئے تھے؟

وہ اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ اسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

اس نے ہتھیلی پر ساری گولیاں انڈیلیں اور ایک ساتھ نگلنے کی کوشش کی، آدھی باہر گر گئیں۔۔

بالکل ویسے ہی، جیسے سالوں پہلے منار کے ساتھ ہوا تھا۔ وہ زہر کھانے پر مجبور تھی، اور آج رئیس تھا۔ وہ نگلنے کی کوشش کر رہا تھا، مگر گولیاں اس کے حلق میں پھنس گئیں۔ اس کا سانس اٹکنے لگا۔

"اتنے کم ظرف تو نہیں ہو کہ تم انہیں باہر نکالو گے؟" اس نے ایک اور چوٹ کی۔

وہ گلے کو پکڑتا ہوا کرسی سے نیچے اتر آیا، اس نے اپنی زخمی ٹانگ موڑ لی تاکہ درد کو دبایا جا سکے۔ کھانسی کا شدید دورہ پڑا۔۔۔ کچھ گولیاں اندر جا چکی تھیں، کچھ باہر نکل آئیں۔

جبکہ ہاتھوں کو کھولتی فجر کی کوشش کامیاب ہو چکی تھی۔ اسکارف ڈھیلا پڑ کر کھل گیا۔ وہ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر تڑپ کر اس کی جانب بڑھی۔۔

"یہ۔۔۔یہ۔۔۔آپ نے کیا کیا؟ آپ۔۔۔آپ ٹھیک ہیں؟"

چہرہ وحشت زدہ تھا۔اس نے وہ اسکارف کھینچ لیا جس سے اس کے ہاتھ بندھے تھے،اور اب وہ رئیس کی ٹانگ پر جھکی ہوئی تھی۔

چار سال پہلے، پیرس میں،اس نے اپنے اسکارف سے اس کے خون کو روکا تھا۔تب بھی وہ اس کی وجہ سے موت کے منہ میں گیا تھا۔۔۔اور آج پھر وجہ وہی تھی؟ آخر وہ اس کے لیے موت کیوں تھی؟

وہ آنسو ضبط کرتے ہوئے اس کی ٹانگ پر اسکارف باندھ کر خون روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔اس کے بالوں کی چند لٹیں چہرے پر جھول رہی تھیں۔اس کے ہاتھ رئیس کے خون سے بھر گئے۔وہ انہی ہاتھوں سے اپنے بال پیچھے کرتے دوبارہ اس کی ٹانگ پر جھک گئی۔وہ سسکتے ہوئے یہ کر رہی تھی۔۔۔اور رئیس نے،اس ساری اذیت میں، پہلی بار اسے دیکھا۔اس کے سرخ چہرے پر خون لگ چکا تھا۔اس کا وجود کپکپا رہا تھا۔رئیس کی تکلیف دور ہونے لگی۔

بس یہی تو چاہیے تھا اسے اس چہرے سے۔وہ چہرہ۔۔۔کسی تو جہان میں اس سے وفا نبھائے۔کسی تو جہان میں اس کی ذات کو تسلیم کرے۔کسی تو جہان میں، کسی اور پر اسے چنے۔۔۔اور **فجر معراج** سے زیادہ اسے تسلیم کون کرتا تھا؟ اس نے منار معراج پر رئیس اور نگزیب کو چن لیا تھا۔

وہ دونوں گھٹنے موڑے اس کے پاس بیٹھی تھی۔اپنی سسکیوں کو روکنے کی کوشش کرتے ہوئے اس کے کپکپاتے ہاتھ کام کر رہے تھے۔وہ اسکارف اس کی ٹانگ پر باندھنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔اس نے فرش پر پھیلے خون کو دیکھا۔۔۔اور پھر وہ روتے ہوئے جھک گئی۔۔۔اس کا سینہ نیچے گھٹنوں سے جا لگا۔اس منظر کا اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔اس کی زندگی کے دو اہم لوگ یوں اس حالت میں اس کے سامنے ہوں گے۔ایک کو مار نہیں سکتی تھی دوسرے کو بچا نہیں پا رہی تھی۔اس کی چیخیں کمرے میں ہی گھٹ گئیں۔

(جبکہ دوسری جانب باہر، اندھیرے میں ڈوبی رن وے، ایک گہری خاموشی میں لپٹی ہوئی تھی، جو کسی بڑے طوفان سے پہلے کی سکوت ہو۔ تیز روشنی کے جھماکے نے ہر سو ایک عارضی چکاچوند پھیلائی، اور پھر مدھم ہو کر ایک مرکزی نقطے پر ٹھہر گئی۔ یہی وہ لمحہ تھا جب "نائٹ میئر" نے اپنا پہلا قدم رکھا۔ رئیس کے ڈارک اسٹارز کا سب سے خاص پیس، فجر کا ڈیزائن کردہ نائٹ میئر، اور فلک کا لکھا گیا کردار۔۔۔ سب ایک ماڈل پر جڑے ہوئے تھے۔

"اور اب۔۔۔ نائٹ میئر!" اسپیکر سے آواز ابھری۔ (مرکزی زیور فروخت کے لیے نہیں!) ماڈل رن وے پر آئی۔

وہ کوئی عام ماڈل نہیں تھی، وہ ایک مجسم کہانی تھی۔ سر سے پاؤں تک سفید ساڑھی نما گاؤن میں ملبوس، اس کا وجود جیسے کسی پراسرار خواب سے نکل کر حقیقت کا روپ دھار چکا تھا۔ گاؤن کی سفید سطح پر بکھرے سرخ ڈیزائن، دور سے دیکھنے پر کسی ہولناک حادثے کے خونین دھبوں کا گمان پیدا کرتے تھے۔ یہ ڈیزائن، محض رنگ نہیں تھے، وہ ماضی کی کسی ان کہی داستان کے خاموش گواہ لگتے تھے، جو ہر لمحہ اپنی ہولناکی بیان کر رہے تھے۔ اس کے کندھوں سے لے کر ہاتھوں تک، جالی دار سرخ دستانے تھے، جن سے جیسے خون کے قطرے رس رہے ہوں، ہر تارہ جیسے ایک رستا ہوا زخم۔ یہ دستانے، خوبصورتی اور کراہیت کا ایک عجیب امتزاج پیش کر رہے تھے، جو دیکھنے والے کی نظروں کو الجھا کر رکھ دیتے تھے۔ کمر کے مقام سے ایک لمبی، بالکل بلڈ ریڈ ٹیل جڑی تھی، جو اس کے ہر قدم کے ساتھ رن وے پر پھیلتی چلی جاتی تھی۔ کئی فٹ لمبی یہ ٹیل، اس کے پیچھے ایک سرخ دریا کی مانند بہہ رہی تھی، جو اس کی پراسراریت کو مزید گہرا کر رہی تھی۔

اس کے چہرے پر پڑا وہ سرخ گھونگھٹ، ایک گہرا راز چھپائے ہوئے تھا۔ اس کے پار کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا، صرف ایک پراسرار ہیولا، جو تجسس کو حد سے بڑھا رہا تھا۔ یہ گھونگھٹ، اس کے چہرے کی بجائے اس کی روح پر ایک پردہ ڈالے ہوئے تھا، جو صرف محسوس کیا جا سکتا تھا، دیکھا نہیں جا سکتا تھا۔

اس کے ہاتھوں میں، ایک انوکھا زیور تھا، مکڑی کے جال کی طرح، چاندی کی باریک لڑیوں سے بُنا ہوا۔ اور اس کے بیچ میں، ایک بڑا، سیاہ ہیرا جڑا تھا، دنیا کا سب سے نایاب پتھر۔ یہ ہیرا محض ایک پتھر نہیں تھا، وہ ایک کالی آنکھ تھا جو دنیا کے ہر راز کو اپنے اندر سموئے ہوئے تھی۔ جب رن وے کی تیز روشنی اس پر پڑتی، تو وہ ہلکی سرخ جھلک دیتا، جیسے خون کی ایک لہر بہہ گئی ہو۔ یہ منظر کسی دیوی کے خونین عہد کا اعلان کرتا تھا، یا کسی ایسی ملکہ کا جس نے اپنے راستے میں آنے والی ہر چیز کو نگل لیا ہو۔

اس ماڈل کے اسٹیج پر آتے ہی، فرنٹ لائن میں بیٹھی فلک چونک گئی۔ ہوا کا ایک جھونکا اور ایک عجیب سا احساس چھو گیا۔ اس نے گردن گھما کر چاروں جانب دیکھا۔ رئیس وہاں نہیں تھا۔ فجر کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک اٹھا۔ کچھ انہونی کا احساس۔۔ اس کے ذہن میں منار کی اکتیس دسمبر والی دھمکی گھوم گئی۔ فلک نے اپنے ہاتھ پیروں کو سُن ہوتے پایا۔ سیکیورٹی کے کئی لوگ تھے، مگر نہ میثم تھا، نہ ولی، اور نہ وہ دونوں۔۔۔

"کہاں گئے سب؟" اس کا سر چکرا گیا۔ وہ فون اٹھاتے وہاں سے نکلی اور اب سبزہ زار پر کھڑی نمبر ملا رہی تھی۔ مگر کسی کا بھی فون نہیں لگ رہا تھا۔ وہ اب بھاگ رہی تھی، ہجوم میں ان کے چہرے ڈھونڈنے کی کوشش کر رہی تھی۔ میوزک اور عوام کا شور اسے پاگل کر رہا تھا۔)

کمانڈ روم میں، رئیس اب فرش پر ٹانگ موڑے، دیوار سے ٹیک لگائے ہانپ رہا تھا۔ زہر اپنا کام شروع کر چکا تھا۔ وہ سرکتے ہوئے فجر کے قریب آیا، جو ابھی تک سر جھکائے رو رہی تھی۔

"فجر۔۔۔" اس نے گھٹی ہوئی آواز میں فجر کو پکارہ۔ "میری بات سنو۔۔۔"

"مم۔۔۔ میں۔۔۔ میں نے منع کیا تھا آپ کو! آپ جھکیں گے نہیں! آپ۔۔۔" وہ بول نہیں پا رہی تھی۔ چلانے پر اس کی گردن کی نسیں ابھر آتی تھیں۔

"میں لڑ لیتی، ان ویڈیوز۔۔۔ ان کے وائرل ہونے سے مجھے فرق نہیں پڑتا، میں خود کی پہچان کے لیے ساری عمر بھی لڑ لیتی۔۔۔ آپ۔۔۔ آپ نے ایسا کیوں کیا؟" کچھ تھا تو جو اسے اندر سے کاٹ رہا تھا۔ تکلیف حد سے سواء تھی۔ رئیس نے خود پر ضبط کرتے اسے دیکھا۔

"فجر میری بات سنو۔۔۔"

جبکہ منار تاسف سے سر ہلاتی ان کی جانب بڑھی اور پنجوں کے بل ان دونوں کے سامنے بیٹھ گئی۔ وہ تینوں فرش پر تھے۔

"کیا تم جانتی ہو، جس شخص کو تم اپنا سربراہ مانتی ہو، جسے تم سب سے زیادہ عزت دیتی ہو، وہ تمہارے بارے میں کیا سوچتا ہے؟ محبت کا دعویٰ کرتا ہے۔ محبت۔۔۔ تمہیں پتا ہے وہ تمہیں کن نظروں سے دیکھتا ہے؟" اس کا حرف حرف زہر سے لبریز تھا۔ رئیس نے ضبط سے آنکھیں میچ لیں۔ اس کا سر جھک گیا۔ وہ خود کو یوں اس کے سامنے رسوا ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا، ان جذبات کی بدولت جن پر اس کا اختیار نہیں تھا۔ فجر نے تھوک نگلتے ہوئے رئیس کی جانب دیکھا، جس کا سر جھکا ہوا تھا۔ اس کے سینے میں جلن اٹھی۔

"آپ کو سر جھکانے کی ضرورت نہیں۔"

وہ منار کو نہیں دیکھ رہی تھی۔ رئیس نے سر نہیں اٹھایا۔ اس میں ہمت نہیں تھی۔

"مجھے یہ سر جھکا ہوا نہیں پسند! مجھے فرق نہیں پڑتا کوئی کیا کہتا ہے۔ میں جانتی ہوں آپ میرے لیے کیا ہیں۔۔۔ اور۔۔۔ اور اتنا کافی ہے۔"

منار تاسف سے ہنستی اٹھ کھڑی ہوئی، فجر واقعی ڈھیٹ تھی۔ وہ لوگوں کو دوسروں کے ترازو میں نہیں تولتی تھی۔ جبکہ رئیس نے اس بار حیرت سے سر اٹھایا۔

"آپ کو میرے لیے یہ سب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ پلیز۔۔۔ ایسا مت کریں۔۔۔ ہمیں ہیلپ چاہیے۔۔۔"

وہ رئیس کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی، جبکہ وہ خود پر قابو پاتا اس کی جانب مزید سرکا۔

"میری بات سنو۔۔۔" اس کا سانس اکھڑتا محسوس ہوا۔ "تمہیں۔۔۔ تمہیں یہاں سے جانا ہے۔ سمجھ آئی نا؟ تمہیں یہاں سے جانا ہے۔ جاؤ۔۔۔"

وہ اسے جانے کو کہہ رہا تھا۔ جبکہ فجر نے شدت سے نفی میں سر ہلایا۔ وہ اسے اس حال میں چھوڑ کر نہیں جا سکتی تھی۔

ٹائمر اب بھی چل رہا تھا۔

✿••✿••✿••✿

دنیا میں سب سے مشکل کام پتا ہے کیا ہے؟ کسی کی جان بچانا۔ مسیحا ہونا۔ Savior ہونا۔۔۔

جب انسان کے ہاتھ میں وہ اختیار آ جائے جہاں وہ ایک پل میں کسی کو سزا دے سکتا ہو یا اسے زندگی بخش سکتا ہو، تو اس مقام پر انسان کی اصل ذات کا امتحان ہوتا ہے۔ یہ لمحہ نہیں ہوتا، یہ صدیوں پر محیط ایک جنگ ہوتی ہے۔ انصاف اور رحم کے درمیان۔۔۔ انتقام ہمیشہ میٹھا اور آسان ہوتا ہے۔ یہ روح کو عارضی تسکین دیتا ہے، یہ دلیل دیتا ہے کہ **'جیسا کیا ویسا بھرا'**

لیکن رحم۔۔۔ مسیحا ہونا سب سے مشکل اس لیے ہے کہ یہ آپ سے آپ کی سب سے قیمتی چیز کا مطالبہ کرتا ہے۔ آپ کے درد پر قابو۔ یہ کہتا ہے کہ آپ حق پر ہیں، آپ کے پاس حساب برابر کرنے کا جواز ہے، مگر پھر بھی آپ اپنے ذاتی رنج سے بڑے ہو کر فیصلہ کریں اور یہ فیصلہ آج اسے کرنا تھا جس کے ہاتھ اس ڈور کا ایک سرا تھا۔

وہ، کمانڈ روم سے نچلے فلور کے ایک چھوٹے، تاریک سروس روم میں تھا۔ یہ وہ خفیہ سرور روم تھا جو براہ راست کمانڈ روم کے نیچے بنا تھا۔

اس کے سر پر سیاہ کیپ تھی، سیاہ جیکٹ پہنی ہوئی تھی، اور اس کے سامنے ایک بڑا، پیچیدہ سوئچ بورڈ تھا۔ وہ وہاں ایک آخری تار لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ چہرہ پسینے سے بھرا ہوا تھا۔ خوف اور دہشت سے اس کے ہاتھ لرز رہے تھے۔ ہاتھ میں پکڑی ہوئی ننگی تار بار بار سلپ ہو رہی تھی۔ وقت بہت کم رہ گیا تھا۔

"صرف ایک۔۔۔ بس ایک بار۔۔۔"

وہ بڑبڑاتے ہوئے تار لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ جبڑے بھنچے ہوئے تھے اور چہرے کا نشان، دہشت مزید واضح ہو رہا تھا۔ اس کا دل پسلیاں توڑ کر باہر نکلنے کو تیار تھا۔

تار آخری مراحل میں تھی۔۔۔ وہ رو دینے کو تھا جب اس کے عقب میں ایک لہراتا، سرد سایہ ابھرا۔

"ولیم۔۔۔" نینسی کی ایک دکھ بھری خاموشی۔ اس کے ہاتھ تھم گئے۔ آنکھیں اٹھ گئیں، مگر اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ پسینے کی بوند اس کی کنپٹی سے ہوتی ہوئی اس کی آنکھ سے ٹپکی۔

"تم کیا کر رہے ہو، ولیم؟ اسے بچا رہے ہو۔۔۔ جس نے مجھے مارا؟"

وہ جانتا تھا، یہ سچ نہیں تھا۔ یہ اس کا بھرم تھا۔ اس کی اپنی روح کی ٹوٹی ہوئی حالت کا ثبوت اس کے پیچھے کھڑی نینسی کا ہیولہ تھا۔

"تم میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہو، ولیم؟ تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔۔۔" اس کی آواز میں گہرا رنج تھا۔ ملال تھا۔

ولیم کے ہاتھ لرز اٹھے۔ اس کے ہونٹ بھینچ گئے۔ آنکھوں میں نمی ابھر آئی، مگر وہ پلٹا نہیں۔

"تم نے مجھے چھوڑ دیا، ولیم۔۔۔ تم نے مجھے اکیلا کر دیا۔۔۔ اور تم نے۔۔۔ تم نے انہیں چُن لیا۔"

اس کے ہاتھ سوئچ بورڈ پر ڈھیلے پڑ گئے۔ وہ خود پر ضبط نہیں کر پایا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ اس نے منہ بھینچ لیا۔

"میرا ساتھ ایسا مت کرو، ولیم!"

نینسی کے اس ہیولے نے اسے جتنا exploit کیا تھا، شاید ہی کسی نے کیا ہو۔ وہ جا کر بھی اسے تڑپا رہی تھی۔ وہ خود پر ضبط کرتے، بمشکل بولا۔

"پلیز۔۔۔ جاؤ یہاں سے۔۔۔" وہ رو رہا تھا۔ بے بسی سے، اذیت تھا۔

"تمہیں انہیں مت بچاؤ، ولیم! وہ یہ ڈیزرو نہیں کرتے۔ کوئی بھی زندہ رہنا ڈیزرو نہیں کرتا۔"

وہ دھیمے، مگر دکھ بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ ولیم نے سر جھٹکا۔

"نہیں!" اس نے آخری طاقت سے تار فکس کی اور بٹن دبا دیا۔ سرور روم میں ایک کلک کی آواز آئی اور نیلی لائٹس جھپک کر بجھ گئیں۔ پھر وہ پلٹا۔ میز پر رکھا بیگ اٹھایا۔ اس نے نینسی کی جانب نہیں دیکھا۔ بیگ کندھے پر ڈالتے ہی اس نے میز پر رکھا ریموٹ اٹھا لیا۔ اور اسے اٹھاتے ہی وہ باہر کی جانب بھاگا۔ وہ اس وقت اسے نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ اس سے دور جانا چاہتا تھا۔ وہ ان تمام بری یادوں سے دور جانا چاہتا تھا جو اسے تڑپاتی تھیں۔

افق اور نگزیب کی جھولتی لاش نے۔۔۔ نینسی کی بھیگی لاش نے۔۔۔ اس کی زندگی عذاب بنا کر رکھی تھی۔

وقت آ گیا تھا سب کچھ پیچھے چھوڑ دینے کا۔ سب جلا کر راکھ کرنے کا۔

سسٹم پہلے ہی جام ہو چکا تھا۔ لفٹس بند تھیں۔ اسے سیڑھیوں سے جانا تھا، اور وہ اندھا دھند بھاگ رہا تھا۔ ہر قدم پر اس کی سانس ٹوٹتی جا رہی تھی۔ ایک لمحے کی غلطی، ایک سیکنڈ کی دیری، تباہی لا سکتی تھی۔

جبکہ دوسری جانب باہر، فلک کی حالت خراب ہو چکی تھی۔ اس نے فخر کے نمبر پر فون کیا تھا، وہ اس کی کال پر ہجوم سے باہر نکل آیا تھا اور اسے سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"وہ سب۔۔۔ پتا نہیں کہاں ہیں۔ یہاں کوئی نہیں ہے۔ وہ سب۔۔۔ سب۔۔۔ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔" وہ رو دینے کو تھی۔

فخر نے فوراً فون نکالا۔ "تم فکر مت کرو، میں دیکھتا ہوں۔"

اسی پل، فلک کی چاروں جانب گھومتی نگاہیں اچانک ٹھٹک گئیں۔

دور اوپر، داہنی عمارت کے ایک کمرے کی لائٹ جل بجھ رہی تھی۔۔۔ جس کے اوپر رئیس کا لوگو لگا تھا۔ وہ کمانڈ روم تھا۔

لائٹ کا جلنا بجھنا ایسا تھا جیسے کوئی مورس کوڈ میں خطرناک سگنل دے رہا ہو۔

فخر جو فون کرتے ہوئے کچھ فاصلہ پر گیا تھا، فلک اسے وہیں چھوڑ کر اندر کی جانب بھاگی۔ وہ بھاگ رہی تھی۔

پتا نہیں کیوں، اس کا دل ڈر رہا تھا۔ منار کی دھمکی، رئیس کی گمشدگی، فجر کا نہ ہونا۔۔۔ سب کچھ ایک خوفناک کہانی کا حصہ تھا۔

وہ خود پر ضبط کرتے بھاگ رہی تھی۔ میوزک اور عوام کا شور اب کسی خوفناک چیخ کی طرح محسوس ہو رہا تھا۔

✿••✿••✿••✿

کمانڈ روم میں صرف تین وجود تھے۔ ایک موت بانٹ رہا تھا، ایک موت کو گلے لگا رہا تھا، اور ایک موت کو روکنے کے لیے تڑپ رہا تھا۔

"میں آپ کو چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔۔۔ سب کہاں ہیں۔۔۔"

اور پھر، وحشت کے اس لمحے میں، اس نے اس نام کو پکارا جس کی اس وقت سب سے زیادہ ضرورت تھی۔

"عروزہ۔۔۔۔۔"

زندگی میں پہلی بار فجر نے عروزہ کو پکارا تھا۔ اس کے ہوتے ہوئے رئیس کو کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ کاش وہ زندہ ہوتی۔۔۔ کاش وہ یہاں ہوتی۔۔۔ فجر کی تکلیف بڑھتی جا رہی تھی، اور عروزہ کا نام سنتے ہی منار کے چہرے پر ایک سرد، فاتحانہ مسکراہٹ ابھری۔

"یاد آیا، ویسے۔۔۔ تم سے ذہین تو تمہاری وہ روبوٹ **(عروزہ)** تھی۔ مجھ تک پہنچ گئی تھی۔"

اس نے ماضی کا منظر یاد کرتے ہوئے کہا۔ جس دن فجر اور ولی کا نکاح تھا۔ وہ اس تک پہنچ گئی تھی۔ اس مشن کے ذریعے جس پر وہ اور ولی ساتھ کام کر رہے تھے۔

"لیکن میں نے اسے یہی ویڈیوز دکھائیں، اور اسے آپشن دیا کہ تمہیں مار ڈالے۔۔۔ یا تمہیں چھوڑ دے۔"

اس کا رخ رئیس کی جانب تھا، جو اب تکلیف سے بے حال رہا تھا۔

"وہ تمہیں چھوڑ نہیں سکتی تھی۔۔۔ اور نہ مار سکتی تھی۔ تو اس نے اس کہانی سے نکلنا ہی ضروری سمجھا۔"

رئیس کے دانت بھینچ گئے۔ زہر اس کے اندر پھیلنا شروع ہو گیا تھا۔ اس کے اندر جلن سی ہو رہی تھی۔

"لیکن وہ جانتی تھی تمہارے ہاتھوں مرنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ تمہاری کمزوری سے کھیلا جائے۔۔۔"

اگر وہ رئیس کو مارنے آتی تو رئیس خود مر جاتا، مگر اسے نہ مارتا۔ لیکن عروزہ جانتی تھی اگر فجر کو کچھ کیا تو وہ ضبط نہیں کر پائے گا۔۔۔ اور اس نے اسی لیے خود کو راستے سے ہٹالیا، کیونکہ اسے منار نے بلیک میل کیا تھا۔ اس کے پاس وقت کم تھا، بالکل ویسے جیسے آج رئیس کے پاس کم تھا۔

عروزہ کو اپنی بانہوں میں دم توڑتے یاد کر کے رئیس کے اندر تکلیف کی ایک زوردار لہر اٹھی جو حلق چیرتی ہوئی باہر نکل آئی۔۔۔ خون کی ابکائی! وہ آگے کو جھکا۔ فرش کے ساتھ ساتھ اس کے ہونٹ، اس کی سفید شرٹ۔۔۔ سب سرخ مائع سے بھر گئے۔

یہ دیکھتے ہی فجر کا رنگ فق ہو گیا۔ وہ تیزی سے اس کی جانب بڑھی۔

"نہیں۔۔۔ نہیں۔ رئیس آپ ٹھیک ہیں؟" وہ اسے چھو کر دیکھ رہی تھی، جو خود پر ضبط کرنے کی کوشش کر رہا تھا، مگر اس کا جسم ساتھ چھوڑ رہا تھا۔

"جاؤ۔۔۔ فجر۔۔۔"

فجر نے شدت سے نفی میں سر ہلایا۔

"تمہیں یاد ہے نا میں نے تمہیں کیا سکھایا تھا؟ تمہیں کیا چننا ہے؟"

"لیکن میں۔۔۔" وہ کچھ کہنا چاہتی تھی۔

"مجھ سے وعدہ کرو، تم۔۔۔ تم سب سے اوپر اپنی پہچان رکھو گی۔۔۔ ٹھیک ہے؟؟" اس نے فجر کو دیکھتے ہوئے گہری نظروں سے پوچھا۔ گھٹنے موڑے بیٹھی فجر نے نفی میں سر ہلایا۔

"جو پہچان پر حملہ کرے گا؟" وہ سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے بات اُدھوری چھوڑ گیا۔ فجر نے خود پر ضبط کرتے ہوئے اپنی ہچکی روکی۔

"جو پہچان چھیننے آئے گا؟" رئیس نے پھر دہرایا۔

"اسے۔۔۔اسے۔۔۔ نہیں چھوڑوں گی۔"

رئیس نے سر کو ہولے سے خم دیا۔

"ہمیشہ ہر طرح کے حا۔۔۔حالات میں؟"

"کھڑی رہوں گی۔۔۔"

"پوری دنیا سے لڑنا پڑا تو؟"

"لڑوں گی۔۔۔" وہ اذیت سے سر جھکاتے بولی۔رئیس کی آنکھوں میں ایک معدوم سی چمک ابھری۔

"اپنے گھر کو۔۔۔"

"سب سے مضبوط بناؤں گی۔۔۔"

وہ سب سے انوکھا استاد تھا، وہ سب سے مہنگی شاگرد!

"بگ۔۔۔بی۔۔۔" اس سے پہلے وہ مزید کچھ کہتا وہ پھر سے رو دی۔

"آپ کو مدد کی ضرورت ہے۔۔۔ آپ کو۔۔۔ آپ کو۔۔۔" وہ بول نہیں پا رہی تھی۔

"میری بات مانو! آج یہاں بچانے والا کوئی نہیں آئے گا! تمہیں جانا ہو گا۔۔۔میرے لیے!"

وہ اسے وہاں سے بھیجنا چاہتا تھا، جلد از جلد۔

"نہیں۔۔۔میں ایسے نہیں جا سکتی۔۔۔ مم۔۔۔میں۔۔۔ آپ کو۔۔۔" اس کے الفاظ ٹوٹ رہے تھے۔

"تم۔۔۔ تم مجھے برباد ہوتے دیکھ سکتی ہو؟" اس بار وہ غرایا۔

فجر نے نفی میں سر ہلایا۔

"میں آپ کو زندہ دیکھنا چاہتی ہوں۔ میں آپ کو مرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی۔ مجھے آپ کی ضرورت ہے۔۔۔ مم۔۔۔ مجھے۔۔۔ ول۔۔۔ ولی۔۔۔ فف۔۔۔ فلک۔۔۔ ہم سب کو آپ کی ضرورت ہے۔"

"تمہیں جانا ہو گا فجر۔۔۔"

"میرے لیے۔۔۔ خود۔۔۔ خود کو۔۔۔ سزا مت دیں۔۔"

اور اگلے ہی پل، رئیس نے اپنا سرخ مائع سے بھرا ہاتھ اس کے سر پہ رکھا اور پھر جھک کر اپنے ہاتھ کی پشت پر لب رکھے۔

"تمہارے لیے۔۔۔ کچھ بھی۔۔۔۔"

اور فجر کی تکلیف میں ہزار گنا اضافہ ہو گیا۔ وہ تڑپ اٹھی۔۔۔ تڑپ تڑپ کر رو دی تھی۔

"جاؤ۔۔۔ جلدی۔۔۔ جو وہ کہے، وہ کرنا۔۔۔" اس کا اشارہ ولی کی جانب تھا۔

"زندہ رہیے گا بگ بی! زندہ رہیے گا۔"

وہ سمجھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے کسی کو مدد کے لیے بلانا تھا۔ رئیس نے کرسی سے ٹیک لگاتے ہوئے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی کا بٹن دبایا۔۔۔ کلک۔۔۔ دروازہ کھلتا چلا گیا۔ اس نے ایک آخری نظر رئیس پر ڈالی اور کپکپاتی ٹانگوں سے باہر کی جانب بھاگی۔ اس کے باہر نکلتے ہی دروازہ پھر سے بند ہو گیا۔ منار جو جلتی نظروں سے یہ منظر دیکھ رہی تھی وہ طنز کیے بنا نہیں رہ پائی۔

"وہ تمہاری اتنی پیروی کیوں کرتی ہے؟ ایسا کیا ہے تم میں رئیس! کیا ہے تم میں۔۔۔؟"

رئیس کچھ بول نہیں پایا۔ تکلیف نے اس کے الفاظ چھین لیے تھے۔

باہر فجر باہر راہداری میں بھاگتی جا رہی تھی۔ سارے کمرے بند تھے۔ روشنیاں بند تھیں۔ یہاں نیم اندھیرا تھا، وہ اندھا دھند بھاگ رہی تھی اور پھر وہ کسی سے ٹکرا گئی۔۔۔ نہیں، سامنے والا اسے تھام چکا تھا۔ وہ اسے اندھیرے میں بھی پہچان گئی۔ یہ اس کی خوشبو تھی۔ وہ ہسٹریائی انداز میں چلائی۔

"ولی۔۔۔ وہ بگ بی۔۔۔ چلو۔۔۔ پلیز۔۔۔"

اس نے ولی کا ہاتھ پکڑ کر واپس کھینچا، مگر وہ وہیں رکا رہا۔

وہ حیرانی سے پلٹی۔ کھڑکیوں سے آتی روشنی میں وہ اب اسے دیکھنے کے قابل ہو گئی تھی۔

"ہمیں جانا ہو گا۔" اس کی آواز سرد اور فیصلہ کن تھی۔ وہ آنسوں پونچھ چکا تھا۔

"پہ۔۔۔ پر۔۔۔ انہیں ہماری ضرورت ہے۔"

"ہمیں جانا ہو گا۔" اس بار وہ سختی سے بولا۔

"نہیں۔۔۔" وہ چلائی، "ہمیں انہیں بچانا ہے!"

اگلے ہی پل ولی نے اسے کندھوں سے پکڑ کر جھنجھوڑا۔

"انہیں ہماری ضرورت نہیں ہے۔ چلو یہاں سے اگر تم تمہیں زندہ دیکھنا چاہتی ہو۔"

وہ اسے پکڑ کر کھینچ رہا تھا۔ جبکہ فجر بت بن چکی تھی۔

"جو وہ کہے، وہ کرنا۔۔۔"

رئیس کے الفاظ اس کی سماعت سے ٹکرائے۔ حالات ایسے ہو چکے تھے کہ اس کے حواس کام نہیں کر پا رہے تھے۔ یکدم ہی راہداری کی دھیمی روشنیاں جل اٹھیں (ایمرجنسی لائٹس)۔

راہداری نیم روشن ہو گئی۔۔۔ وہ اسے لے کر ایک جانب مڑ گیا اور تبھی دوسری جانب سے (مرکزی سیڑھیوں سے) سفید فراک میں ملبوس فلک بھاگتی آ رہی تھی۔ اس کے گھنگھریالے بال آدھے کھل چکے تھے۔ اس کا رخ اوپر کی جانب تھا۔

وہ ایک پل کو ٹھہر گئی۔ پھولی سانس پر قابو پاتے ہوئے چاروں جانب دیکھا۔ یہاں کوئی نہیں تھا۔ آخر آج یہاں اتنا سناٹا کیوں تھا؟ یہ جہنم کی آنت جتنی بڑی عمارت پہلے اتنی خوفزدہ کبھی نہیں لگی تھی۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا والٹ کھولا۔ اس کے اندر وہ نازک سی چھری تھی، ٹشو میں لپٹی ہوئی، جو اسے فجر نے دی تھی۔ (نرش ریستوران کی چھری، جسے وہ اپنے ساتھ رکھتی تھی)۔ اس نے وہ چھری نکالی اور والٹ وہیں پھینکتے ہوئے سیڑھیوں کی جانب قدم بڑھائے۔ کمانڈ روم اوپر تھا، اور اسے وہاں پہنچنا تھا۔

جبکہ اوپر کمانڈ روم میں، منار کی نظریں اسکرین پر تھیں۔ ٹائمر چل رہا تھا، صرف بیس منٹ باقی تھے۔ وہ مسکرائی، بیس منٹ بعد ایک نیا دھماکہ ہونے والا تھا۔ نیچے راہداری سے نکل کر ہیڈ آفس کے پچھلے حصے کی جانب بھاگتے ہوئے ولی کے کان میں لگے ایئر بڈ میں سنسناہٹ ہوئی۔

"ہیلو سکار۔۔۔ تم سن رہے ہو؟"

"ہاں۔۔۔ میں سن رہا ہوں۔" اس نے فجر کا ہاتھ مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔

"یہاں حالات قابو میں ہیں۔ میں واپس آ رہا ہوں۔ ہمارے تین گارڈ ہلاک ہوئے ہیں۔"

جبکہ ولی نے بھاگتے بھاگتے رک کر اوپر کمانڈ روم کی جانب دیکھا۔ اسکا تنفس پھولا ہوا تھا۔

"جلدی آؤ۔۔۔ تمہاری ضرورت پڑے گی۔"

پھر وہ فجر کو تھامے تیزی سے اندھیرے میں آگے بڑھ گیا۔

✿••✿••✿••✿

رئیس، زہر اور خون کے ملبے میں، فرش پر بیٹھا اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی سفید شرٹ اب سرخ ہو چکی تھی۔

اسی لمحے، کمانڈ روم کے ساؤنڈ پروف گلاس وال کے دروازے پر فلک کا سایہ ابھرا۔ پہلے تو وہ ساکت ہوئی، اندر کا منظر نظر آ رہا تھا۔ اب زور زور سے دروازہ تھپتھپا رہی تھی، اسے کھولنے کے لیے چیخ رہی تھی مگر اس کی آواز اندر نہیں آ سکتی تھی۔

اندر کا منظر دیکھتے ہی اس کی آنکھیں خوف سے پھٹ پڑی تھیں۔ اس کے ہاتھ لرز رہے تھے۔ رئیس فرش پر خون میں لت پت تھا اور منار فاتح بنی کھڑی۔ رئیس کی نظر اس پر پڑی۔ منار نے بھی دیکھا۔

"ماننا پڑے گا، تم پر جان وارنے والوں کی کمی نہیں ہے، رئیس! مگر افسوس، تمہیں آج کوئی نہیں بچا پائے گا۔"

فلک کی آواز اندر تک نہیں آ رہی تھی، مگر وہ چیخ رہی تھی۔

"دروازہ کھولیں، پلیز۔۔۔۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟"

وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی تھی۔ رئیس دروازہ نہیں کھولنا چاہتا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ فلک اس موت کے کنویں میں داخل ہو۔ مگر۔۔۔ اس نے دروازے کے باہر کھڑی لڑکی کی آنکھوں میں وہ وحشت دیکھی تھی جو جان لیوا تھی۔ اس نے کرسی سے ٹیک لگاتے اپنی ڈیجیٹل گھڑی کی جانب دیکھا۔۔۔ اور ایک بٹن دبایا۔ کلک کی آواز سے، دروازہ دائیں جانب کھلتا چلا گیا۔ وہ ایک جھٹکے سے اندر داخل ہوئی۔ چہرہ سفید پڑ چکا تھا جبکہ آنکھیں حیرت سے مزید بڑی ہو چکی تھیں۔

"یہ کک۔۔ کیا ہو رہا ہے؟" وہ رئیس کی جانب بڑھی۔ چھری اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ "آپ۔۔۔ آپ ٹھیک ہیں؟"

اس کی سفید فراک فرش پر پھیلے خون میں پھیل گئی۔ وہ اس کے قریب جھکی۔۔۔ اور تبھی رئیس کو ابکائی آئی۔ وہ اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

فلک نے اس چہرے کو چھوا، جسے چھونے کی تمنا جان نہیں چھوڑتی تھی۔ اس کی انگلیاں لرز رہی تھیں۔ اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئی تھیں۔ رئیس نے آستین سے منہ صاف کیا، آواز گھٹ رہی تھی۔

"میری بات سنو، فلک! غور سے سنو۔۔۔"

"یہ۔۔۔ سب۔۔۔ کک۔۔۔ کیا ہو رہا ہے؟ سیکیورٹی؟ میثم۔۔۔" میثم یہاں ہوتا تو اس پکار پر جان لٹا دیتا۔ وہ اس کے منہ سے خون نکلتے دیکھ کر حواس کھو رہی تھی۔ اس نے اپنے دوپٹے کا پلو پکڑا اور رئیس کا منہ صاف کرنے کی کوشش کی جبکہ رئیس نے فوراً اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ مضبوطی سے۔ تحکم سے۔

"میری بات سنو۔۔۔ میں جو کہہ رہا ہوں۔۔۔ غور سے سنو۔"

جبکہ فلک کی آنکھیں آنسوؤں سے بھرنے لگیں۔

"تم نے جو گھر بنایا ہے۔۔۔ وہ بہت خوبصورت ہے۔ سن رہی ہو نا؟" وہ ہانپتے ہوئے بولا۔ "اسے قائم رکھنا۔ مضبوطی سے۔ تمہاری ضرورت ہے اس گھر کو۔"

وہ مضبوط لہجے میں کہہ رہا تھا، جبکہ فلک نے خوف سے منار کی جانب دیکھا، جو سینے پر بازو باندھے یہ جذباتی ڈرامہ دیکھ رہی تھی۔

"کک۔۔۔ کیا۔۔۔ کیا ہے تم نے ان کے ساتھ؟" اس نے خوف سے پھٹی پھٹی نگاہیں لیے منار سے پوچھا۔

"میں نے کچھ نہیں کیا۔ اس نے زہر کھالیا۔۔۔" منار نے کندھے اچکائے۔

"سادہ الفاظ میں کہوں تو۔۔۔ مر رہا ہے۔ سلو پوائزن۔۔۔ یونو۔۔۔"

فلک کو اپنے آس پاس دھماکے ہوتے محسوس ہوئے۔ پہلے ہی خون سے بھرا ہوا فرش۔۔۔ اس کا دل ڈوب رہا تھا۔

"یہ۔۔۔ کک۔۔۔ کیا۔۔۔ کہہ۔۔۔" اس کے الفاظ دم توڑنے لگے۔

رئیس نے ہنسنے کی کوشش کی، مگر اسے کھانسی کا دورہ پڑا۔

"میں نہیں مروں گا۔ میں جانتا ہوں۔۔۔ میں ایک رائٹر کی محبت ہوں۔ میں زندہ رہوں گا۔ تم۔۔۔ تم مجھے زندہ رکھو گی۔"

فلک صدمے کی سی کیفیت میں تھی۔

"ہاں۔۔۔ ہاں آپ زندہ رہیں گے۔ اٹھیں یہاں سے۔۔۔" وہ اسے اٹھانے کی کوشش کر رہی تھی، جبکہ رئیس نے نفی میں سر ہلایا۔

"زیادہ وقت نہیں ہے۔ وہ دیکھو۔۔۔ ٹائمر لگا ہوا ہے۔"

فلک نے رخ موڑ کر دیکھا۔ ایک اسکرین پر 00:15:00 کا ٹائمر چل رہا تھا، جبکہ باقیوں پر وہ ویڈیوز۔۔۔

"پندرہ منٹ بعد۔۔۔ یہ سب ختم ہو جائے گا، یہ سب ختم کرنا ہو گا۔"

فلک کا دل جیسے ڈوب کر ابھرنا بھول گیا۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"تمہیں یہاں سے جانا ہو گا۔ لیکن۔۔۔ اس کے ساتھ۔۔۔ تمہیں وہ لے کر جانا ہے۔" اس نے بائیں جانب دیوار کے ساتھ لگی شیلف پر رکھی فائل کی جانب اشارہ کیا۔

"اس گھر کو تمہاری ضرورت ہے۔ اب یہاں سے نکلو۔۔۔"

"اب بس بھی کرو رئیس! یہ جذباتی ڈرامہ۔۔۔"

منار اس کی جانب بڑھی جبکہ اگلے ہی لمحے فلک فرش پر گری چھری اٹھا چکی تھی۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھی، پلٹی، اور اگلے لمحے اس نے وہ چھری پوری قوت سے منار کے سینے میں گھونپ دی۔

"STAY AWAY FROM HIM, YOU BITCH!"

(اس سے دور رہو گھٹیا عورت!)

اس نے منار کو پوری قوت سے دھکا دیا۔ منار اس غیر متوقع حملے پر لڑکھڑائی اور پیچھے رکھی کرسی پر گر گئی۔۔۔ تکلیف کی شدت سے اس کے منہ پر بل پڑے۔ اس کا نقلی، میٹل کا ہاتھ کرسی کے آہنی ہینڈل سے چپک (جڑ) چکا تھا۔ اس نے دوسرے ہاتھ سے سینے کے مقام پر لگی چھری کو کھینچ کر نکالا۔ موٹے کپڑے ہونے کے باوجود زخم ہو چکا تھا۔ چھری کی نوک کے باہر نکلتے ہی خون ابل آیا۔ اس کے گلے میں لٹکا سنہری مکڑی کا لاکٹ سرخ ہو گیا۔ وہ ساکت نگاہوں سے کبھی اس چھری کو تو کبھی اپنے زخم کو دیکھ رہی تھی۔

فلک عالمگیر نے اسے زخمی کیا تھا؟ کیا واقعی؟ یہ تو کسی پلان کا حصہ نہیں تھا۔ جبکہ فلک اسی پھرتی سے رئیس کی جانب بڑھی، وہ اسے اٹھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"تم کیا چاہتی ہو فلک کہ فجر ساری عمر ان گناہوں کی سزا کاٹے جو اس نے نہیں کیے؟ کیا تم یہ چاہتی ہو؟"

فلک نے ڈبڈبائی آنکھوں سے نفی میں سر ہلایا۔ رئیس نے دوبارہ اس فائل کی جانب اشارہ کیا۔

"اسے اٹھاؤ۔۔۔ اور جاؤ یہاں سے۔ فجر کی خاطر۔۔ اس گھر کی خاطر۔۔۔ میری خاطر۔۔۔ پلیز۔"

وہ اس سے التجا کر رہا تھا۔ دو گھنٹے پہلے وہ اس کا ہاتھ تھامے اسے اسٹیج پر لایا تھا۔۔۔ اور اب وہ اسے جانے کا کہہ رہا تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا وقت دو گھنٹے میں یوں پلٹ جائے گا۔ ضبط کے باوجود فلک کی سسکی ابھری۔ جبکہ منار اس بھاری کرسی سے اپنا نقلی ہاتھ، جو چپک گیا تھا، چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کے منہ سے غرانے کی آوزایں نکل رہی تھی۔

"وقت بہت کم ہے۔ تمہیں چننا ہو گا، فلک!"

یہاں فلک کی اذیت تھی۔ ایک طرف اس کی محبت، فرش پر مر رہی تھی۔ دوسری طرف اس کا گھر، اس کی دوستی، فجر کی زندگی تھی۔ ہاں وہ کہتی تھی اس کی لو اسٹوری پوری دنیا سے منفرد ہو گی لیکن کچھ ایسی ہو گی وہ نہیں جانتی تھی۔ اس نے منہ بھینچتے ہوئے سر جھکایا۔ دل لرز رہا تھا۔

"میں جانتا ہوں۔۔۔ تم گھر چنو گی۔ کیونکہ تم فلک عالمگیر ہو۔"

اور فلک نے ایک گہری سانس لی۔۔۔ ایک بوجھل سی سسکی۔۔۔ اور پھر وہ خوف پر قابو پاتے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا رخ شیلف کی جانب تھا۔ اس نے وہ فائل اٹھالی۔ پھر وہ رئیس کی جانب آئی۔

"ہم باہر نکل سکتے ہیں۔" اس نے جھک کر منار کی گری ہوئی پستول اٹھالی۔

رئیس نے نفی میں سر ہلایا، اس کی سانسیں اکھڑ رہی تھیں۔

"یہ ٹائمر۔۔۔ یہ ٹائمر تب ہی رُک سکتا ہے۔۔۔ جب میری دھڑکن ساکت ہو گی۔ ورنہ سب تباہ ہو جائے گا۔"

(وہ اس کا 'مڈیڈ مینز سوئچ تھا) فلک نے تڑپتے دل پر قابو پاتے ہوئے سمجھنے کی کوشش کی۔ آنکھیں بند کر کے ایک گہری سانس لی۔۔۔ وہ مصنفہ تھی اور مصنفین لمحوں میں فیصلے کرتے ہیں۔

تب تک منار اپنا نقلی ہاتھ کلائی سے اتارتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ ہاتھ کرسی سے چپکا رہ گیا۔ بنا ہاتھ کے اس کا وجود مزید وحشت زدہ لگا۔ وہ تیزی سے فلک کی جانب بڑھی۔

فلک نے فوراً گن اس پر تان لی۔(اس نے رجب والے حادثے کے بعد تھوڑی بہت چلانا سیکھی تھی۔ فخر نے اسے سکھائی تھی۔)اس وقت وہ خوفزدہ تھی، مگر پھر بھی اس نے گن تان رکھی تھی۔

"دور رہو ورنہ۔۔۔"

مگر منار جھلستی آنکھیں لیے اس کی جانب بڑھی۔۔۔ فلک نے گن نیچے کرتے ہوئے اس کے پیر کا نشانہ لیتے ہوئے ٹریگر دبا دیا۔

شاید منار کو اس کی بھی توقع نہیں تھی۔ گولی پیر پر لگی، اور وہ تڑپ کر جھکی۔ اس کے چہرے پر حیرت اور صدمہ تھا۔ تکلیف الگ سے ابھری۔۔۔ جبکہ فلک کے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔ اس کا پورا وجود پسینے سے نہا گیا۔ ہاں **فجر** اسے مار نہیں سکتی تھی مگر **فلک عالمگیر** مار سکتی تھی۔ رئیس کے چہرے پر، اس اذیت میں بھی، ایک ستائشی چمک ابھری۔

"ہر انسان کو۔۔۔ اپنے حصے کی موت خود جھیلنی ہے۔" رئیس کی آواز سنائی دی۔

"یہ میری جنگ ہے۔ یہ مجھے ہی ختم کرنی ہے۔۔۔ اور یہ تب ہو گی جب میں ختم ہوں گا۔"

اس نے پر اسرار نظروں سے فلک کی جانب دیکھا جو خوفزدہ نظروں سے اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔ وہ جانتی تھی یہ ویڈیوز تباہی لائیں گی۔ نہ رئیس بچتا، نہ اس کی حرمت، اور نہ فجر۔

"تمہیں یہ کرنا ہو گا، فلک! میں جانتا ہوں۔۔۔ تم کر لو گی۔"

فلک نے تھوک نگلتے رئیس کو دیکھا۔ اس کی آنکھیں اس پل خالی اور ویران لگ رہی تھیں۔ وہاں کسی فیصلے کی رمک نہیں تھی۔ وہاں کچھ اور تھا، کچھ غیر متوقع!

"تم کر لو گی فلک۔۔۔" آج اس نے پہلی بار فلک کا نام بار بار دہرایا تھا۔ اور فلک نے اپنا کپکپاتا ہاتھ اٹھتے پایا۔ وہ اس کے سر کا نشانہ لے رہی تھی، نہیں۔ وہ اس کے سینے کا نشانہ لے رہی تھی۔ وہ وہی کرنا چاہتی تھی جس کی رئیس کی

نگاہیں التجا کر رہی تھیں۔۔۔ اس نے ٹریگر دبایا۔۔۔ ہاتھ لرزا اور نشانہ چوک گیا۔ گولی اس کے کندھے کو چھو کر گزر گئی۔ منار پھر سے اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی جبکہ رئیس تکلیف کی شدت سے جھک گیا مگر اس کی دھاڑ سنائی دی۔

"جاؤ۔۔۔۔۔!"

بت بنی فلک میں جان پڑ گئی، وہ فائل اور گن تھامتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔ رئیس نے خون سے بھری انگلیاں گھڑی پر رکھیں۔۔۔ کلک! دروازہ بند ہو گیا۔ دروازر پر فلک نے ہاتھ رکھا اور ڈبڈبائی آنکھوں سے اندر کا منظر دیکھا، اسکی انگلیوں کے ساتھ ساتھ پورا وجود لرز رہا تھا۔۔۔ پھر وہ ہٹ گئی۔ رئیس اب کمرے میں منار اور موت کے ساتھ اکیلا تھا۔

ٹائمر اب بھی چل رہا تھا، مگر اسکرینیں جامد تھیں۔ وہ جو فرش پر خون اور زہر کی اذیت میں لپٹا تھا، اس نے پوری قوت جمع کی۔ وہ اٹھا، اس کی کراہ بھی غراہٹ جیسی تھی اور پھر اپنی زخمی ٹانگ کو گھسیٹتا ہوا، خود کو واپس کرسی پر گرا دیا۔

منار، جو اپنے پیر کے زخم سے کراہ رہی تھی اور ایک ہاتھ کے ساتھ خود کو سنبھالتے ہوئے، اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

اس کی وحشت بھری ہنسی سنائی دی۔

"تمہیں۔۔۔ تمہیں لگتا ہے تم مجھے یہاں قید کر پاؤ گے؟ ہاں پر میں تمہارے مرنے تک۔۔۔ یہیں رہوں گی۔۔۔ تمہیں اپنی آنکھوں سے مرتے دیکھوں گی۔"

اس کی آواز میں تکلیف تھی، نفرت تھی۔

"افسوس، بادشاہ۔۔۔ آج تمہاری رعایا میں سے کوئی تمہیں بچا نہیں پایا۔۔۔"

رئیس کا سر جھکا ہوا تھا۔ اس کی ٹھوڑی سینے سے لگی تھی۔ اس کا جسم زہر اور درد کی اذیت سے کانپ رہا تھا۔

اور پھر۔۔۔ایک دبی دبی آواز ابھری۔ہنسی کی۔۔۔

پہلے ایک ہلکی سی کھانسی، پھر ایک گہری ہنسی۔۔۔اس نے سینے سے لگی اپنی ٹھوڑی دھیرے دھیرے اٹھائی۔خون سے بھرے اس کے ہونٹ، اس کا چہرہ۔۔۔ایک اذیت ناک مسکراہٹ میں ڈھل گیا۔پھر اس کے قہقہے کی آواز کمانڈ روم کے در و دیوار نے سنی۔منار اسے یوں ہنستے دیکھ کر ایک لمحے کو ٹھٹک گئی۔یہ شکست خوردہ آدمی کی ہنسی نہیں تھی۔ رئیس نے چہرہ اٹھالیا اور اسے دیکھا۔ان آنکھوں میں راز ہی راز تھے۔وہ سیاہ آنکھیں، کچھ دیر پہلے والی بے بس آنکھیں نہیں لگ رہی تھیں۔

وہ رئیس کرسی پر بیٹھا زخمی رئیس، کچھ دیر پہلے والا بے بس رئیس نہیں تھا۔پھر اس نے کرسی سے پشت ٹکائی، انداز وہی تھا۔۔۔ازلی، بادشاہ والا !

"لگتا ہے۔۔۔موت قریب دیکھ کر۔۔۔تمہارا دماغ کام کرنا چھوڑ گیا ہے۔"منار کی آنکھیں سرخ پڑ چکی تھیں۔ اسکا چہرہ تکلیف کی شدت سے بگڑ گیا تھا۔

"میں نے کہا تھا نا۔۔۔"رئیس نے مسکراہٹ ضبط کی۔

"میں نے کہا تھا۔۔۔تم خود آؤ گی۔اپنی قبر کے نشان پر قدم رکھتے ہوئے۔۔۔"

وہ سر ہلا رہا تھا۔قہقہہ ضبط کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔منار کی بھنویں سکڑیں۔اسے کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا۔وہ پھر سے ہنس دیا۔اس کی ہنسی بادشاہ جیسی تھی۔وہی غرور، وہی تکبر۔

اب منار فرش پر زخمی تھی، اور وہ کرسی پر۔۔۔یوں کہو اپنے تخت پر۔اس نے پیچھے گردن گرا دی اور اس کی نگاہوں کے سامنے ماضی کے منظر چلنے لگے۔پھر اس نے منار کی طرف دیکھا۔کہانی کا سب سے بڑا راز کھلنے والا تھا۔کہانی کا وہ رخ جو اوجھل تھا، سامنے آ رہا تھا۔کہانی خود اپنا راز کھولنے جا رہی تھی۔

"میں جانتا تھا۔۔۔" اس کی آواز اب بے بس نہیں تھی۔

"میں جانتا تھا تم زندہ ہو!"

اب اس کے چہرے پر استہزاء ابھرا۔ منار کے لیے استہزاء!

یہ سارا کھیل۔۔۔ جسے منار نے پچھلے ساڑھے چھبیس سالوں سے کھیلا، وہ رئیس اورنگزیب کا بھی تھا۔

"جب میں نے ایک سالہ فجر کو دیکھا تھا تب مجھے شک ہوا تھا اس روز، جب میں نے اسے چودہ سال کی عمر میں بس اسٹاپ پر دیکھا تو مجھے یقین ہو گیا۔ یقین ہو گیا کہ تم زندہ ہو۔۔۔۔"

وہ آستین سے اپنے ہونٹوں پر لگا خون پونچھ رہا تھا، کبھی آنکھوں کو، کبھی چہرے کو۔۔۔

"اس کا چہرہ۔۔۔ تم سے ملتا تھا۔ میں جان گیا تھا۔۔۔ اسی پل۔۔۔"

وہ بولنے کی کوشش کر رہا تھا، اپنے ازلی لہجے میں۔ اس کی نظروں کے سامنے منظر گھوما، وہ اس روز جب وہ فجر کے ہاتھ پر پٹی باندھ کر گاڑی میں بیٹھ کر چلا گیا، مراد اسے لینے آیا تھا۔

"کیا تم اب بچوں کے ساتھ دوستیاں کرو گے؟" وہ استہزائیہ انداز میں بولا تھا۔

"وہ منار جیسی کیوں لگی مجھے؟" اس روز فجر نے اپنا نام نہیں بتایا تھا۔ مراد نے اسے ٹالنے کی کوشش کی مگر اس نے کچھ آگے جا کر گاڑی رکوالی اور جب معراج الدین اسے لینے آیا تھا۔۔۔ تو وہ انہیں پہچان گیا تھا۔ وہ معراج الدین کی بیٹی تھی وہی بیٹی جسے وہ مار نے گیا تھا مگر دور کئی اندر، اسکی چھٹی حس چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی، وہ منار کی بیٹی تھی۔ وہ اس کے جیسی تھی۔۔۔ وہ اس سے اتنا کیسے مل سکتی تھی؟ فرش پر گری منار وہیں ساکت ہو گی۔

"فرقان گردیزی اس وقت ہسپتال میں ایک اپاہج اور نفسیاتی مریض کی زندگی گزار رہا تھا اور ڈی این اے رپورٹ کروانا میرے لیے کچھ مشکل نہیں تھا۔"

(فرقان گردیزی اپنے بھائی اور باپ کے خلاف ہو چکا تھا۔ اس نے اپنے بھائی کو دھمکی تھی کہ وہ سب کچھ سچ بتائے گا اور پھر نشے کی حالت میں اسکا ایکسڈنٹ ہوا اور اس کے بعد وہ کبھی ہسپتال سے باہر نہیں آیا۔۔۔ برہان گردیزی نے اپنے بھائی پر اپنے خاندان کو چن لیا تھا اور فرقان گردیزی ہمیشہ کے لیے اس ہسپتال کا حصہ بن گیا۔ اس کا پچھتاوہ اسکی موت تھا۔)

وہ اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا، جبکہ منار کے چہرے پر بے یقینی ابھری۔ وہ پروسیس کرنے کی کوشش کر رہی تھی جو وہ کہہ رہا تھا، کیا وہ سچ تھا؟

"میں جان گیا تھا وہ تمہاری اور فرقان کی بیٹی ہے! میں جان گیا تھا تم ہو، تم کہیں نہ کہیں ضرور ہو۔۔۔ مگر تم چھپی ہوئی تھیں، آنکھوں سے اوجھل۔۔۔"

اس بار رئیس کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہوئی۔ وہ جسم میں اٹھتی تکلیف پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا وہ اس تکلیف پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس نے یہ سب کیسے برداشت کیا تھا۔ یہ جانتے ہوئے بھی اس نے سب کیسے سہا؟

"میں نے تمہارے لوٹ آنے کا انتظار کیا، منار! میں نے ساڑھے چھبیس سال تمہارا انتظار کیا۔۔۔"

اس کی آنکھوں میں اذیت کے گہرے سائے لہرائے۔

"بکواس بند کرو۔۔۔" وہ پوری قوت سے چلائی اور رئیس اذیت سے ہنس دیا۔

"اگر تم جانتے تھے تو تم نے مارا کیوں نہیں اسے (فجر کو)؟"

وہ یقین نہیں کر سکتی تھی۔ ایسا نہیں ہو سکتا تھا۔ رئیس نے اسے کیسے نہیں مارا؟

"ہاں۔۔۔ میں چاہتا تو مار دیتا۔ مگر اس کی زندگی؟ اس کی زندگی تو پہلے ہی جہنم تھی۔ میں اسے مار کر کیا ہی کر لیتا؟"

اس نے تاسف سے آنکھوں سے منار کو دیکھا۔

"ہاں۔۔۔ اسے زندہ رکھ کر۔۔۔ یہ سب کیا جا سکتا تھا۔" اس کی آواز میں زہر تھا۔ وہ تھوڑا سا اس کی جانب جھکا۔

"وہ تمہیں دیکھتی بھی نہیں ہے، منار۔ وہ تمہیں دیکھنا پسند بھی نہیں کرتی۔ وہ تم سے نفرت کرتی ہے۔ وہ تم سے۔۔۔ نفرت کرتی ہے۔۔۔۔"

وہ سر پیچھے گرا کر ہنس دیا۔ کئی سالوں کی اذیت تھی جو اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی صورت بہنے لگی مگر وہ پھر بھی ہنس رہا تھا۔ وہ ہنستے ہنستے رو رہا تھا۔ کوئی اتنا کیسے سہہ سکتا ہے؟

"میں تمہارے لوٹ آنے کا انتظار کیا۔۔۔ لیکن میں نہیں جانتا تھا تم۔۔۔ تم۔۔۔"

منار نے اس کے لیے جال بُنا، کھیل رچایا، چالیں چلیں۔۔۔ وہ شطرنج کا بورڈ بن گئی اور رئیس نے؟ اس نے وہ بورڈ الٹ دیا۔

"کچھ اور دیکھنا چاہو گی؟" اس نے اذیت سے پہلو بدلتے کہا پھر ضبط سے منہ بھینچے، اپنی گھڑی پر کلک کیا۔ دائیں جانب لگی ایک اسکرین جل اٹھی، منار نے اسکرین کی جانب دیکھا اور پھر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اسکرین پر دو چہرے نظر آ رہے تھے۔۔۔ شکور اور اس کا بیٹا وہ بھی زندہ! انہیں اسکرین پر دیکھتے ہوئے وہ پھر سے ہنسا۔۔۔ نمکین پانی آنکھوں سے بہہ رہا تھا مگر وہ اپنے ہی کھیل کا پہلا قدم یاد کر کے ہنس دیا۔ منار کے حالت ویسی ہی تھی، کہ کاٹو تو جسم میں لہو نہیں۔

"انہی کی موت سے تم مجھے برباد کرنا چاہتی ہو نا؟ دیکھو یہ زندہ ہیں۔۔۔"

شکور کے بیٹے کے چہرے پر ٹانکے کے نشان تھے (جو اسے ایک لڑائی کے دوران لگے تھے)۔ وہ دونوں اس کے لیے کام کرتے تھے۔ انڈر کور۔۔۔ گریزی ٹیکسٹائل میں آگ لگانے والا کوئی اور نہیں شکور کا بیٹا تھا۔

منار کے لب پھڑپھڑائے۔ "ایسا۔۔۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔۔۔"

رئیس پھر سے ہنس دیا۔

"تمہیں لگتا ہے۔ ان کی موت سے تم نے میرے خلاف جال بُنا تھا؟ جبکہ ان کی ہی نقلی موت سے۔۔۔ میں نے اس جال میں تمہیں لپیٹنا شروع کیا تھا۔۔"

وہ پھر سے ہنسا۔۔۔ اس کے جبڑے درد کرنے لگے تھے۔ اسکا گلہ چرتا جا رہا تھا، اسکا سینہ پھٹنے کو تھا مگر اس اذیت میں جو راحت تھی وہ پھر کبھی نہ مل پاتی۔

"تم تک۔۔۔ صرف تم تک پہنچنے کے لیے میں جرائم کی اندھیر دنیا تک گیا۔۔۔ مگر تم مجھے نہیں ملیں۔۔۔"

کچھ درد تھا، کچھ اذیت، کچھ پچھتاوہ۔۔۔

"میں نے کہا تھا! میرا دشمن مجھ سے شاطر ہو سکتا ہے، مجھ سے بڑا نہیں!"

اس کے الفاظ تیزاب کا کام کر رہے تھے، اور منار کا وجود جھلس رہا تھا۔ وہ اس کے ہاتھوں بے وقوف نہیں بن سکتی۔

"یہ کہانی تم نے ضرور لکھی ہو گی۔۔۔ مگر یہ کہانی۔۔۔۔ میں ہوں۔"

وہ مسکرایا۔ دلکشی سے۔ تکلیف سے۔ کمانڈ روم کی دیواروں سے ٹکرا کر اس کے، ایک اعتراف نے زلزلہ سا پیدا کر دیا تھا۔ منار کی نظریں اب تک اسکرین پر تھیں جہاں شکور اور اسکا بیٹا ہنستے بولتے نظر آ رہے تھے۔ اس کے پرائیویٹ کمرے میں لگے اس سرخ دل والے بورڈ سے دو سیاہ تیر اتر کر گر گئے۔

"تم نے چھبیس سال مجھے مارنے کا انتظار کیا۔ میں نے۔۔ میں نے بھی تمہارے لوٹ آنے کا انتظار کیا۔ ایک ایک پل۔۔۔۔ میں نے تمہارے لوٹ آنے کا انتظار کیا منار۔۔۔"

اس بار لہجے میں اذیت تھی۔ بے بسی تھی۔ منار نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"یہ سچ نہیں ہے۔" اسکا دماغ یہ پروسیس نہیں کر پا رہا تھا۔ اس وقت جسمانی تکلیف کہیں پیچھے رہ گئی۔ وہ اس سے زیادہ برداشت کرنے کی عادی تھی مگر اندر جو جل رہا تھا؟ وہ ناقابل برداشت تھا۔

"تم کھیل رہی تھیں۔۔۔ اور میں نے تمہیں کھیلنے دیا۔۔۔ لیکن دیکھو۔۔۔ تمہارے ہی کھیل نے سارے پیادے، سارے مہرے۔۔۔ میری جانب کر دیئے۔۔۔"

اس نے منار کو دیکھا، جو فرش پر سکتے کی حالت میں تھی اور اسکا اپنا وجود کرسی پر دھیرے دھیرے بے جان ہو رہا تھا۔

"دیکھو۔۔۔ تم آج بھی اکیلی ہو۔" اس کی آواز سرگوشی نما تھی۔

عنکبوت کی حقیقتیں اتنی گہری ہوتی ہیں کہ کبھی کبھی ان کا سامنا کرنا، دنیا کا سب سے مشکل کام لگتا ہے اور کہانی کا یہ دوسرا رخ ہلا دینے والا تھا۔

وہ فرش سے اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کا خون بہہ رہا تھا۔ تکلیف جسمانی تھی، مگر اس سے کہیں زیادہ تکلیف اسے اس حقیقت سے ہو رہی تھی جسے وہ قبول نہیں کرنا چاہتی تھی۔ رئیس کے چہرے کا فاتحانہ استہزاء اسے جلا رہا تھا۔

"ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم سچ سے واقف ہو اور کچھ نہ کرو؟ تم۔۔۔ تم جھوٹ بول رہے ہو۔" وہ اپنی تکلیف پر قابو پاتے بولی۔

رئیس نے کرسی پر پشت لگائے، ٹھوڑی بلند کیے، ایک سرد، حکمران کی مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔

"میں کیوں کچھ کرتا؟ جب میرے حصے کا سارا کام تم خود کر رہی تھیں؟ میرے حصے کا سارا کام تم نے خود کیا منار۔۔۔ فجر کو نقصان ہمیشہ تم نے پہنچایا۔۔۔ گردیزی خاندان کو تم نے ختم کر دیا۔۔۔ مجھے اپنے ہاتھ گندے نہیں کرنے پڑے۔ وہ پروجکٹ رانیہ۔۔۔۔" وہ مسکرایا۔ "اس نے مجھے فجر کے قریب کیا۔"

"ایسا نہیں ہو سکتا۔ وہ سب۔۔۔ وہ تمہارا رونا۔۔۔ تڑپنا؟" وہ ہیجانی انداز میں چلائی۔

"ہاں۔۔۔ وہ سچ تھا۔ مجھے تکلیف ہوتی تھی، تم نے مجھے تکلیف دی، میں نے سب خاموشی سے سہہ لیا کیونکہ تم مجھے ویسا دیکھنا چاہتی تھیں۔۔"

اس نے اندر کی جلن پر قابو پانے کے لیے آنکھیں بند کر کے ایک لمبی سانس لی۔

"تم نے۔۔۔ تم نے میری زندگی تباہ کی۔ تم نے مجھے اس حال میں پہنچایا۔۔۔۔"

اس نے اپنا کٹا ہوا ہاتھ آگے کیا۔ آنکھوں میں نمی ابھر آئی۔ شاید پہلی بار۔۔۔۔ رئیس کے چہرے پر اذیت ابھری۔ ایک لمحے کو اس کا غرور ڈگمگایا۔

"میں کبھی ٹھیک سے نہیں سویا۔ میں نے تمہارے لوٹ آنے کا انتظار کیا۔۔۔۔"

کبھی کبھی ایک غلطی، ایک گناہ، ہم سے ہمارا سب کچھ چھین لیتا ہے۔ اس نے منار سے بدلہ تو لیا تھا مگر بدلے میں اپنا سب کچھ کھو دیا تھا۔ ایک غلطی کے بدلے اس نے پوری زندگی لٹائی تھی۔

"اگر مجھے۔۔۔ مجھے۔۔۔ پتا ہوتا کہ تم پریگننٹ ہو۔۔۔" اس کے گلے کی گلٹی ڈوب کر ابھری۔ درد کی ایک چمک اس کی آنکھوں سے گزری۔ جس مین اذیت بھی تھی، قرب بھی تھا۔

"بکواس! تم صرف مجھے مارنا چاہتے تھے۔" وہ حلق کے بل چلائی۔

"تم نے۔۔۔ تم نے مجھے سب سے دور کر دیا۔ تم نے مجھے اندھیروں میں پھینکا۔۔۔ میں صرف انیس سال کی تھی! صرف انیس سال کی رئیس۔۔۔"

"اور۔۔۔ میں۔۔۔ میں صرف سترہ کا۔۔۔۔" اس کی آواز گھٹ گئی۔ وہ رونا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے منہ بھینچ لیا تھا مگر سالوں کی اذیت، سالوں کی تکلیف باہر نکل رہی تھی۔

"تمہیں اندازہ بھی ہے میں نے زندہ رہنے کے لیے کیا کچھ سہا؟ آج میں جو بھی ہوں۔۔۔ وہ تم نے مجھے بنایا ہے!"

رئیس نے نفی میں گردن ہلائی۔

"آج جو تم ہو اپنی وجہ سے ہو۔۔۔" اس بار سانس لینے دشواری محسوس ہوئی۔

"میرے پاس اور کوئی چوائس نہیں تھی۔" منار کے لب لرز اٹھے۔

"انسان کے پاس ہمیشہ چوائسز ہوتی ہیں اور یہ میں نے فجر سے سیکھا ہے۔"

تکلیف سے منار کے جبڑے بھنچ گئے جبکہ رئیس نے سانس لینے کی کوشش کی۔

"پتا ہے میں اسے تکلیف دینا چاہتا تھا۔ میں واقعی ایسا چاہتا تھا۔ مگر۔۔۔ جب میں نے دیکھا کہ اس کی اپنی ماں، اس کے اپنے لوگ اسے اپنانے سے انکاری ہیں، اس کے ساتھ کیا کر رہے ہیں، تو میرا ظرف گوارہ نہیں کیا۔۔۔ اور ماں باپ کے گناہوں کا بدلہ ہمیشہ اولاد کیوں چکائے؟"

"تمہیں لگتا ہے تم یہ سب کر کے بچ جاؤ گے؟"

رئیس نے پھر سے نفی میں سر ہلایا۔ اس کے چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ ابھری۔

"تمہیں لگتا ہے میں نے یہ سب خود کو بچانے کے لیے کیا ہے؟ تمہیں لگتا ہے تم با آسانی یہاں چلی آئیں، کیوں کہ تم یہاں آنا چاہتی تھیں؟ تم نے مجھے زہر دیا۔۔۔ کیوں کہ تم دینا چاہتی تھیں؟"

بات کے آخر پر وہ پھر سے ہنس دیا۔

"تم یہاں آئیں۔۔۔ کیونکہ میں چاہتا تھا۔ تم نے میری کمزوریوں کا فائدہ اٹھایا کیونکہ میں نے اٹھانے دیا۔۔۔"

پھر اس نے اسکرین کی جانب دیکھا۔ ٹائمر پر ۰۵:۰۰ منٹ چمک رہے تھے۔ صرف پانچ منٹ۔۔۔۔

"ہاں میں نے چھبیس سال خواہش کی کہ تم لوٹ آؤ مگر تم نے جو کچھ کیا، اس کے بعد تم زندہ رہنا ڈیزرو نہیں کرتیں۔"

اس بار ہنسنے کی باری منار کی تھی۔

"تمہیں لگتا ہے تم مجھے مار سکتے ہو؟"

رئیس نے ایک نظر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں گہری آگ تھی۔

"ہاں۔۔۔۔"

کیوں کہ وہ جانتا تھا وہ کیا کرنا چاہتی تھی۔ وہ فجر کو قید کر لینا چاہتی تھی، تاکہ اس کی پہچان استعمال کر سکے، تاکہ روشنی کی دنیا میں بھی جی سکے۔ عنکبوت کا جال بکھر چکا تھا۔ رئیس اپنے زہر کے ساتھ، صرف منار کو ہی نہیں مار رہا تھا، بلکہ عنکبوت کے سارے وجود کو ختم کر رہا تھا۔ یہ ایک آخری حربہ تھا، جہاں اس نے زہر کا انتخاب کر کے سب سے بڑی فتح حاصل کرنی تھی۔

کمانڈ روم کے در و دیوار میں اب صرف ٹائمر کی دھیمی، خوفناک بیپ گونج رہی تھی۔

"تم ایک کم ظرف انسان ہو۔ تم اچھائی کا ناٹک کرتے ہو، تم گھٹیا ہو، رئیس اور نگزیب! تم نے میرے ساتھ جو کیا، تمہیں اس کا ذرا پچھتاوا نہیں۔۔۔"

رئیس کے چہرے پر اذیت ابھری۔ ایک شدید درد کی لہر اس کی آنکھوں میں گزری۔

"پچھتاوا؟ میں نے پوری زندگی لٹا دی منار۔۔۔ پوری زندگی۔۔۔" اس کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا۔

"اب تمہیں مر جانا چاہیے، تم یہی موت ڈیزور کرتے ہو۔۔۔" وہ لڑکھڑا کر آگے بڑھی۔ وہ نم آنکھوں سے مسکرایا۔

"افسوس۔۔۔ تم مجھے مار کر بھی مار نہیں سکتیں کیونکہ میری Legacy قائم رہے گی۔۔۔"

اسے قائم رکھنے والے اس کے اپنے تھے۔ وہ جانتا تھا، وہ اسے کبھی مرنے نہیں دیں گے۔ اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔ منار کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ ہوئی۔

"تم محبت کا ناٹک کرتے ہو۔ تم جھوٹے ہو۔۔۔" وہ جانتی تھی رئیس نے اسکا پورٹریٹ اتار کر فجر کا لگا دیا تھا۔

"تم چاہتی تھیں کہ میں اپنی کمزوری واضح کروں تاکہ تم مجھے جکڑ سکو۔۔ اور تم چاہتی تھیں میری کمزوری فجر ہو۔۔۔ اور میں نے ایسا ہونے دیا۔۔۔"

وہ کیسے کیسے انکشاف کر رہا تھا۔

"تو پھر؟ وہ سب؟ وہ سب کیا تھا؟ فجر سے محبت؟"

اس کی آنکھیں چیخ چیخ کر سوال کر رہی تھیں۔

"میں نے ویسا خود کو دکھایا کیونکہ تم دیکھنا چاہتی تھیں۔"

(بلقیس بیگم کہتی تھیں، اگر وہ بزنس مین نہ ہوتا تو اداکار ہوتا۔)

"محبت کا ناٹک تمہیں خوب آتا ہے۔ تم لوگوں کو استحصال کرتے ہو۔۔۔" اس نے ایک قدم آگے رکھا۔ خون کے قطرے فرش پر گرتے چلے گئے۔

"محبت تو ایک نام ہے۔ اس جذبے کے بہت سے معنی ہیں۔ جو اہمیت میرے نزدیک فجر کی ہے وہ کبھی کسی کی نہیں ہو سکتی۔۔۔ اس نے میری زندگی روشن کی۔۔۔ اس نے مجھے تمہارے اندھیروں سے نکالا۔۔۔"

ہاں وہ اس کے لیے کسی کی بھی جان لے سکتا تھا۔ پھر چاہے وہ کوئی بھی ہو۔

"مگر افسوس کہ تمہیں یہ چہرہ پھر بھی نہیں ملا۔ اور کبھی نہیں ملے گا۔۔۔ کسی جہان میں نہیں۔۔۔ تم تڑپو گے ہمیشہ۔۔۔ تم تڑپو گے۔۔"

"جانتا ہوں۔۔۔" وہ اذیت کا گھونٹ بھرتے بولا۔ اور پھر اس نے نظریں منار کی نگاہوں میں جمائیں۔

"مگر تم۔۔۔ ہمیشہ۔۔۔ ہر جہان میں۔۔۔ میرے ہاتھوں مرو گی۔"

تکلیف کی ایک زوردار لہر اٹھی، اور رئیس کو لگا اس کی انتڑیاں منہ کے راستے باہر نکل آئی ہوں۔ وہ تکلیف سے جھک گیا۔ پھر بمشکل سیدھا ہوا۔ وہ پھر ہنس دیا۔

"اب سمجھ آیا۔۔۔ اب سمجھ آیا۔۔۔ لوگ مجھے بادشاہ کیوں کہتے ہیں؟"

وہ ہنس رہا تھا۔ منار کو موت سے ڈر نہیں لگتا تھا، مگر ایک بار پھر رئیس کے ہاتھوں موت؟ وہ یہ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

رئیس اپنی آنکھیں کھلی رکھنے کی کوشش کر رہا تھا، مگر اس کی پلکیں بوجھل ہو رہی تھیں۔ اس نے تھکی ہوئی سرگوشی کی۔

"وہ جا رہی ہے۔ تمہاری دسترس سے دور۔۔۔۔"

"وہ نہیں جا پائے گی! میرے لوگ اسے جانے نہیں دیں گے۔" وہ اپنی جیکٹ اتار رہی تھی۔ اسے اپنے پیر کا کچھ کرنا تھا۔

رئیس کے چہرے پر ایک آخری، فاتحانہ مسکراہٹ ابھری۔ اسکے ساتھ ہی منار کی نظر کھڑکی سے باہر آتی روشنی پر پڑی۔۔۔ ہیڈ آفس کے پیچھے حصے سے، جہاں اس کا ہیلی کاپٹر اترتا تھا، وہاں سے اب ہیلی کاپٹر اڑتا دکھائی دے رہا تھا۔

رئیس کا جیٹ؟ اسے لگا تھا رئیس اس جیٹ میں جائے گا؟ اس کے جیٹ تک منار کے ادنیٰ لوگ اسے پہنچنے نہ دیتے۔ مگر وہ اس کی چالوں سے واقف تھا۔ منار کے چہرے پر شدید بے یقینی ابھری۔ جبکہ کرسی پر بیٹھے رئیس کی نبض آہستہ ہو رہی تھی۔ اسے اب سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی۔

وہ پچھلے ساڑھے چھبیس سالوں سے نہیں سویا تھا۔ وہ تھک گیا تھا، وہ سونا چاہتا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے اپنوں کے چہرے گھوم گئے۔۔۔ **فجر، ولی، فلک، حتیٰ کہ عروزہ۔** سب کچھ حاصل کر لیا تھا اس نے، سب کامیاب ہو گیا تھا۔۔۔ مگر ایک خواہش؟ ایک شدید خواہش۔۔۔

منار پوری طاقت لگا کر آگے بڑھی، اور اس نے ایک زوردار دھکا رئیس کی کرسی کو مارا، جو دوسری جانب کرسی سمیت گرا۔۔۔ فرش کے اس حصے پر جو باقی سے مختلف تھا۔ وہ آئیوری حصہ!

"ہم دونوں ساتھ مریں گے۔"

وہ اب نیچے پڑا تھا، اس کی آنکھیں کھلی تھیں۔ وہ چھت کو گھور رہا تھا۔ اس کے کنپٹی سے آنسو پھسل رہے تھے۔ ان آنسوؤں میں حسرتیں ہی حسرتیں تھیں۔

اس ٹوٹے پھوٹے لبوں سے ابھری، ایک شدید خواہش۔

"مجھے۔۔۔ تم سب کے ساتھ۔۔۔ ایک گھر بنانا تھا۔"

وہ اب دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہی تھی، مگر بے سود۔ وہ دوبارہ اس کے ہاتھوں نہیں مرنا چاہتی تھی۔ کمرے میں آخری سیکنڈز کی آواز گونجی۔

بِپ۔۔۔ بِپ۔۔۔ بِپ۔۔۔ (ٹائمر: تیس سیکنڈ)

رئیس کے تصور کے پردے پر اب زندگی کے گزشتہ چند سال گزر گئے۔ وہ ہنسی، وہ لمحے، وہ چند سال جو اس نے اپنے لوگوں کے ساتھ گزارے تھے۔ وہ آنکھیں کھلی رکھنا چاہتا تھا، وہ ان لمحوں کو مزید جینا چاہتا تھا۔ مگر اس کا وجود بے جان ہو چکا تھا، اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔

منار اس پر جھکی ہوئی اسے جھنجھوڑ رہی تھی۔ وہ ایسے نہیں مر سکتی تھی۔ ہرگز نہیں! اس کے ہاتھوں تباہ ہو کر نہیں۔ اس آنکھیں وحشت سے پھٹ پڑی تھیں۔

وہ جال بُنتی رہی منار، مگر بھول گئی۔۔

شکار اگر خود کو قربان کر دے،

تو جال ٹوٹ جاتا ہے۔

"تم۔۔۔ تم ایسا نہیں کر سکتے! رئیس! اٹھو۔۔۔" اس نے پوری وقت سے رئیس کے سینے پر مکا مارا۔ جبکہ رئیس کا وجود بے جان ہو چکا تھا، وہ چاہ کر بھی نہ اٹھ پاتا۔

داستان ختم ہونے والی ہے۔

بِپ!۔۔۔بِپ! (ٹائمر: بیس سیکنڈ)

رئیس نے آنکھیں کھولنے کی آخری کوشش کی، اس کی نظر منار کے چہرے پر ٹھہر گئی۔

داستان ختم ہونے والی ہے۔

وہ اسکا چہرہ دیکھ رہا تھا مگر اسے منار کی بجائے ایک روشن چہرہ نظر آرہا تھا۔۔۔ جو دیکھنے میں ایسا ہی تھا مگر اس کی روح مختلف تھی۔

"تم میری آخری محبت ہو۔۔۔۔"

اور پھر۔۔۔۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔

ہیڈ آفس کے عقبی سبزہ زار پر فلک عالمگیر گھٹنوں کے بل گھاس پر گری ہوئی تھی۔ خون اس کی سفید فراک پر جم چکا تھا۔ اس نے وہ فائل سینے سے لگا رکھی تھی، گویا وہ اس کے گھر کی آخری نشانی ہو۔ اس کا پورا وجود شدید صدمے سے کانپ رہا تھا، اور وہ سسکیاں بھر کر رو رہی تھی۔ نگاہیں اوپر کمانڈ روم پر جمی تھیں۔

نئے سال کا آغاز ہونے والا تھا۔ ڈارک اسٹارز کی لانچ کے بعد عوام کا ہجوم، میڈیا اور باقی سب نئے سال کے جشن میں پر جوش تھے۔ الٹی گنتی گنی جا رہی تھی۔۔۔

"بیس۔۔۔۔ انیس۔۔۔۔ اٹھارہ۔۔۔"

دور سے میثم بھاگتا ہوا آرہا تھا۔اس کی نظریں کمانڈ روم کے لوگو پر جمی تھیں جو رئیس کی زندگی کے ساتھ منسلک تھا۔ وہ جانتا تھا۔۔۔اگر وہ لوگو گر گیا تو وہ خود مر جائے گا۔وہ فل رفتار سے بھاگ رہا تھا۔

ہیلی کاپٹر تیزی سے ہیڈ آفس کے اوپر سے اڑ رہا تھا۔ولی نے فجر کو ساتھ لگا رکھا تھا۔اس کی پشت فجر کی طرف تھی۔

فجر پھٹی پھٹی نگاہوں سے اب کمانڈ روم کو دیکھ رہی تھی، جس کے اندر کی کھڑکیوں میں سرخ بتی جل رہی تھی۔ایک خوفناک خاموشی۔

"وہ ٹھیک ہوں گے نا؟ بگ بی نے وعدہ کیا ہے۔۔۔وہ زندہ رہیں گے۔"

ولی نے اپنے ہونٹ بھینچ لیے۔اس کی آنکھوں میں اذیت تھی۔یہ وہ لمحہ تھا جب سابق محافظ شاید ایک بننے والا تھا۔ اس نے فجر کو ساتھ لگائے، اپنی پینٹ کی جیب سے ریموٹ نکالا، بس ایک بٹن۔۔۔اور وہ مارنے والوں میں شامل ہو جاتا یا بچانے والوں میں؟ ہیلی کاپٹر اب اس بلندی پر تھا جہاں زمین کی آوازیں دھیمی ہو چکی تھیں۔

"تین۔۔۔۔دو۔۔۔۔ایک۔۔۔۔"

ولی کے کپکپاتے ہاتھ ریموٹ پر مضبوط ہوئے۔وہ ایک لمحے کو ٹھہرا۔۔۔

داستان ختم ہونے والی ہے۔

نیا سال شروع ہوتے ہی بے پناہ آتش بازی نے پورے آسمان کو جیسے جکڑ لیا۔لوگ نئے سال کو خوش آمدید کہہ رہے تھے۔

اور اس کے ساتھ ہی، اس نے ریموٹ کا بٹن دبا دیا۔

دھماکہ! ایک زوردار دھماکہ ہوا، جس کی آواز آتش بازی کے شور میں گھل مل گئی۔۔۔ مگر پھر بھی، آواز اتنی زیادہ تھی کہ یوں لگا جیسے زمین ہل گئی ہو۔ **کمانڈروم کا اوپری حصہ۔۔۔ اڑ گیا تھا۔** سیاہ دھویں کا ایک بادل نئے سال کے رنگین آسمان پر پھیل گیا۔

دھماکے سے اڑتے کمانڈروم نے جیسے فجر کو بت بنا دیا۔ اس کی آنکھیں پھٹ پڑیں۔ اس نے زندہ رہنے کا وعدہ کیا تھا۔۔۔ وہ نیچے بیٹھتی چلی گئی اور اس کے ساتھ ہی ولی بھی گر گیا۔ اس کے اعصاب جواب دے چکے تھے۔ ریموٹ اس کے ہاتھ سے گر کر انجن کی دھڑ دھڑ میں کھو گیا۔

فجر کی سسکیاں ہسٹریا میں بدل گئیں، ولی نے اسے بازوؤں میں بھر لیا، اس کے بالوں میں منہ چھپا لیا، وہ سالوں بعد پھوٹ پھوٹ کر، بچوں کی طرح رویا تھا۔

گھاس پر گری فلک کی آنکھیں ساکت ہو گئیں۔ اس کی چیخیں حلق میں ہی گھٹ گئیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔۔۔ یہ کیسا جال تھا جس میں وہ سب جکڑے ہوئے تھے؟ وہ کیسے اسے مرنے دے سکتے تھے؟ فلک کو ڈھونڈتے ہوئے فخر اس تک پہنچ چکا تھا۔ اس نے فلک کے کپڑوں پر لگے خون کو دیکھا۔

"تم ٹھیک ہو؟ فلک، کیا ہوا ہے؟" وہ اسے اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"یہ۔۔۔ یہ کیا ہوا ہے؟ یہ سب؟"

اس نے بھاگتے ہوئے میثم کو دیکھا جو اندر کی جانب بھاگ رہا تھا۔ کمانڈروم اڑ چکا تھا مگر تاج کالو گو اپنی جگہ جمع ہوا تھا۔

"آپ۔۔۔ آپ چاہتے تھے وہ میری زندگی سے چلا جائے؟ وہ۔۔۔ وہ چلا گیا۔۔۔"

فلک نے وہ فائل سینے میں بھینچ لی اور بازو خود کے گرد لپیٹ لیے۔

"وہ چلا گیا، فخر بھائی۔۔۔ وہ چلا گیا۔۔۔"

وہ حلق کے بل چلائی، اور پھر اس کے رونے کی آوازیں، نئے سال کی ہنسی اور میوزک کے شور میں گم ہو گئیں۔ آتش بازی کے شعلے، ہیڈ آفس کے اوپر سے اٹھتے سیاہ دھویں کو چھپانے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔

اور بادشاہ۔۔۔ ایک سلطنت کا مالک ہوتے ہوئے، ایک گھر بنانے کی خواہش کے لیے چلا گیا تھا۔ وہ گھر جو اس نے خود نہیں بنایا، مگر اسے قائم رکھنے کے لیے خود کو مٹا دیا۔

✿••✿••✿••✿

وہ دونوں اسلام آباد سے محوِ پرواز تھے۔ صبح ساڑھے تین بجے جہاز نے ٹیک آف کیا تھا۔ فجر کی سفید شرٹ تبدیل ہو چکی تھی، وہ دونوں ساکت تھے۔ بالکل ساکت۔ نہ ان کے درمیان رئیس پر بات ہو رہی تھی، نہ منار پر، نہ جو ہوا تھا اس پر اور نہ ہی آنے والے کل پر۔ ان کے پاس بات کرنے کو کچھ نہیں تھا۔

ولی، جو اب تک ایک مجسمے کی طرح ساکت بیٹھا تھا، اس نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔ اس کے کندھے پر رئیس کا آخری لمس تھا۔ وہ تو بچانے والوں کے لشکر میں تھا، مگر آج اس نے کیا کیا تھا؟ یہ سچ تھا جو اسے سکون سے سونے نہیں دے گا یا شاید یہی سچ تھا جو اسے اب سونے دے گا۔

فجر کھڑکی سے باہر آسمان کی ویرانی کو دیکھ رہی تھی، اس کے چہرے پر آنسوؤں کے دھاروں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اسے اپنا وہ چہرہ یاد آیا جو اس نے رئیس کے خون سے بھری انگلیاں چھونے کے بعد صاف تھا۔

"اس نے یہ خود کے لیے کیا تھا یا صرف اس کے لیے؟"

وہ اس سوال کا جواب کبھی نہیں ڈھونڈ پائے گی، کیونکہ جواب دینے والا اب اس کی وجہ سے، ایک یاد میں بدل چکا تھا۔

ان کا سفر صرف ملکوں کا نہیں، بلکہ ایک زندگی سے دوسری زندگی کا تھا۔ ایک ایسا برزخ جہاں ماضی کی حقیقتوں نے مستقبل کے سارے خواب جلا دیئے تھے۔ ان کی فلائٹ لمبی تھی۔ انہیں ابھی دوہا میں لینڈ کرنا تھا اور وہ رات میں کسی وقت ایڈنبرا پہنچتے۔ وہ دونوں بالکل خاموش تھے۔ شاید دونوں کو وقت چاہیے تھا جو ہو تھا اسے قبول کرنے کے لیے۔۔۔ اور ہمیشہ ہر انسان کو اس وقت کی ضرورت پڑتی ہے اور اسی خاموشی میں ان کا سفر گزر گیا۔ ولی کا میثم سے فی الوقت کوئی رابطہ نہیں تھا۔

جہاز نے ایڈنبرا میں لینڈ کیا۔ وہاں سے موریفیلڈ تک کا سفر طے کرنے کے بعد، ان کی گاڑی جوزف پیلس کے عظیم و شان احاطے میں داخل ہوئی۔

نیا سال، جنوری کا آغاز تھا، اور جوزف پیلس کے باہر چاروں طرف سفید برف کی نرم چادر سے ڈھکا ہوا تھا۔ کرسمس کی گزر جانے والی روشنیاں اس برف پر ٹھنڈی روشنی ڈال رہی تھیں۔

گاڑی پیلس کے سامنے آکر رکی۔ نیل اور جارج انہیں لے کر آئے تھے اور گاڑی کے باہر پیلس کے تمام ملازمین، جوزف فیملی کے وہ لوگ کھڑے تھے جنہیں وہ عزیز تھے۔ جینی، نسا، اور نینی مسٹر جوزف۔ انہیں دیکھ کر ولی کی آنکھوں میں تکلیف کی لہر آئی۔ وہ ان لوگوں کے پاس آگیا تھا، جہاں اسے سب سے زیادہ سکون ملتا تھا۔ لیکن آج اس کا سکون۔۔۔؟ کوئی نہیں جان پاتا۔

فجر گاڑی سے باہر نکلی۔ برفیلی ہوا کا ایک سرد جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا، مگر وہ بے حس تھی۔ اس کی پہلی نظر ایک بوڑھے، مگر مضبوط وجود پر پڑی۔ نینی۔۔۔ وہ عورت جس سے اس کی کبھی بات نہیں ہوئی تھی، مگر جس کی آنکھوں کی گہرائی میں ایک سکون سا چھپا تھا۔ فجر ایک لمحے کو ساکت رہی۔ نینی کی آنکھوں میں ماں جیسی ممتا تھی۔۔۔ کوئی سوال نہیں، کوئی فیصلہ نہیں۔ صرف ایک ٹھہراؤ۔

اس کا دل تڑپ اٹھا۔ وہ تمام سسکیاں، وہ تمام درد جو اس کے اندر برف بن کر جم چکا تھا، اس وقت پگھلنے لگا۔ وہ تڑپ کر، سب کچھ بھول کر، بھاگتے ہوئے ان کی جانب بڑھی۔

نینی نے فوراً اپنے بازو پھیلائے۔ ان کے وجود میں جانے کیسی کشش تھی کہ فجر خود کو روک نہ پائی۔ اس نے جا کر اس وجود میں خود کو چھپا لیا۔

"اوش۔۔۔ میری بچی۔۔۔" وہ اس کے سر پہ ہاتھ پھیر رہی تھیں۔

نینی نے صرف دو لفظ کہے، مگر ان میں صدیوں کا سکون تھا۔ انہوں نے اسے خود میں بھینچ لیا۔ فجر کے آنسو نینی کے گرم کوٹ میں جذب ہونے لگے۔ وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ وہ رو رہی تھی، شاید اس لیے کہ وہ اب محفوظ تھی۔

ولی، جو گاڑی سے نکل کر کھڑا تھا، نیل نے اسے تھام لیا۔

اس نے نینی کو دیکھا، جس کی گود میں فجر پناہ لے چکی تھی۔ وہ عورت، جو نہ اسے جانتی تھی، نہ اس کے ماضی کو، مگر اس نے اسے اپنی آغوش دے دی۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اذیت کی ایک لہر پورے جسم میں پھیل گئی۔ برفیلے جنوری کے آغاز میں، جوزف پیلس نے فجر کو گلے لگا لیا تھا۔

وہ ایک بادشاہ کے لیے اپنا گھر ہار کر آئی تھی، مگر اسے ایک ایسی آغوش ملی تھی جو گھر سے بھی زیادہ تھی۔ یہ آغاز تھا۔ بہت تکلیف دہ۔۔۔ ایک ایسا آغاز جس کی بنیاد ایک عظیم قربانی پر رکھی گئی تھی۔

✿••✿••✿••✿

سورج کی پیلی روشنی سن روم میں پھیلی تھی۔ اس کے سامنے سبزہ زار تھا، مگر اس وقت سب کچھ دھندلا اور بے رنگ محسوس ہو رہا تھا۔ فلک ایک صوفے پر بیٹھی تھی۔ اس کے ہاتھ میں اس کی نئی پبلش ہونے والی کتاب، **'زہر خوردہ پری'** تھی۔

وہ کتاب ایک غزل کی طرح نازک، مگر اندر سے زہر آلود تھی۔ اس کی جلد پر وہ خود کو دیکھ رہی تھی۔

اس نے آہستہ سے کتاب کا پہلا صفحہ کھولا۔ اس کی پہلی کتابوں کی طرح، اس کا انتساب بھی محبت کے نام تھا۔

"محبت کے نام، جس پر میں نے اپنے گھر کو چن لیا۔"

وہ محبت۔۔۔ جس کی آخری سانسیں اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھیں تھیں۔ وہ محبت۔۔۔ جس کے وجود کو ختم کرنے کے لیے اسے خود کو منطق کے حوالے کرنا پڑا تھا۔

اس کی ذہنی حالت ایک جمود کا شکار تھی۔ اس کا وجود سرد ہو چکا تھا، جیسے ایڈنبرا کی برف اس کے اندر اتر آئی ہو۔ اس کے ہاتھ لرز رہے تھے۔ یہ وہ ہاتھ تھے جن سے وہ خواب بُنتی تھی، کہانیاں لکھتی تھی۔ اور یہی ہاتھ تھے جن سے اس نے کمانڈ روم کے فرش پر پڑی چھری اٹھا کر منار کے سینے میں گھونپی تھی۔ یہی ہاتھ تھے جن سے اس نے پستول تھام کر رئیس پر نشانہ تانا تھا۔

اس کی محبت کی داستان اس قدر انوکھی ہو گی، اسے اندازہ بھی نہیں تھا۔ وہ لڑکی جو ہمیشہ فیری ٹیلز میں رہا کرتی تھی، جہاں محبت کا انجام ہمیشہ فتح ہوتا ہے۔۔۔ آج اس کی اپنی زندگی ایک زہریلی فیری ٹیل میں بدل چکی تھی۔ اس کی کہانی میں، سیاہ حرف نے خود کو ختم کر دیا تھا تاکہ باقیوں کو ان کا گھر مل جائے۔

وہ سسک پڑی تھی۔

”میں نے تو ایسی فیری ٹیل نہیں لکھی تھی، جہاں مجھے محبت کو اپنے ہاتھوں سے مٹانا پڑے۔ جہاں بادشاہ کو بچانے کے لیے اسے ہی قربان کرنا پڑے۔“

باہر کی دنیا معمول کے مطابق چل رہی تھی۔ڈارک اسٹارز کی شاندار لانچ کے بعد چاروں جانب دھوم مچ چکی تھی۔ رئیس اور فجر کے ساتھ ساتھ اس کا نام فیشن انڈسٹری میں لیا جارہا تھا۔

مگر۔۔وہ تینوں کہیں نہیں تھے۔

رئیس ہیڈ آفس کے اوپر سے دھویں کے گہرے بادل اٹھے تھے۔لوگوں نے رئیس کا ہیلی کاپٹر اڑتے دیکھا تھا، اور اس کے پریس سیکریٹری نے یہ خبر دے دی تھی کہ وہ لانچ کے فوراً بعد چھٹیوں پر جا چکا ہے۔

خبریں چھپ رہی تھیں۔ جنہوں نے یہ لانچ کی تقریب اٹینڈ کی تھی، وہ حیرت سے گفتگو کر رہے تھے۔لوگ جاننا چاہتے تھے۔ کیا وہ واقعی چھٹیوں پر جا چکا تھا؟ مگر ایسے کیسے ؟ کچھ کمانڈ روم میں ہونے والے حادثے کی بات کر رہے تھے۔ طرح طرح کی افواہیں تھیں، مگر کسی کو کچھ بھی معلوم نہیں ہو پایا تھا۔

اس کی سلطنت کا نظام جاری تھا۔ سب ٹھیک نظر آتا تھا۔ مگر۔۔۔وہ کیا تھا جو ٹھیک نہیں تھا؟ بھری دنیا میں، کچھ لوگوں کی زندگیاں ہمیشہ کے لیے بدل گئی تھیں۔ فلک اس بدلتی ہوئی دنیا کے مرکز میں تھی۔ وہ ایک ایسے راز کو سینے سے لگائے ہوئے تھی جو اسے ہمیشہ اندر سے ڈستا رہے گا مگر کب تک؟ وہ رونا چاہتی تھی مگر اس کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ ابھر آئی۔

”کچھ فیری ٹیلز ایسی ہی ہوتی ہیں جو ختم ہوتے ہوتے سب کچھ زہریلا کر جاتی ہیں۔“

وہ اب ایک ایسی پری تھی جو محبت کی قربانی کا زہر پی کر، باقی دنیا کے لیے ایک خوبصورت کہانی لکھنے پر مجبور تھی۔

اس کی کہانی میں، کوئی 'اور وہ ہمیشہ خوشی خوشی رہنے لگے' نہیں تھا۔

وہاں صرف ایک ابدی، خاموش سسکی تھی جو دل کی گہرائیوں میں چھپی رہے گی۔

✿··✿··✿··✿

نیا سال شروع ہونے کے بعد بھی، لاہور کی فضا میں ابھی بھی آتش بازی کی بدبو رچی ہوئی تھی، مگر رئیس مینشن میں ایک ایسی خاموشی چھا چکی تھی جو چیخوں سے زیادہ دردناک تھی۔

اورنگزیب صاحب اور زرتاش اب صرف دو وجود تھے جو اس بڑے گھر میں اکیلے رہ گئے تھے۔ یہ نیا سال ان کے لیے اتنا ہولناک ہو گا، انہوں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ وہ ایک چھوٹے سے صوفے پر ساتھ بیٹھے تھے، جس پر کبھی رئیس ٹیک لگا کر اپنی کامیابیوں کی کہانیاں سنایا کرتا تھا۔ انہیں اس کا آخری دیدار بھی کہاں ہوا تھا۔ دھماکوں میں کب کچھ بچتا ہے؟ پھر چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا۔۔۔۔

وہ رو نہیں رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں آنسو نہیں تھے، کیونکہ آنسو بہا دینے سے غم ہلکا ہو جاتا ہے۔ مگر ان کی آنکھیں لبریز تھیں، اور دل اتنا بھاری تھا کہ گویا وہ اب اس بوجھ کو اٹھا ہی نہیں سکتے تھے۔ وہ خاموشی سے چھت کو دیکھ رہے تھے، جہاں ان کے بادشاہ کی یادیں منڈلا رہی تھیں۔

"ہم۔۔۔ ہم اسے ہار گئے۔۔۔" احمد اورنگزیب صاحب کی گھٹی گھٹی سی آواز ابھری۔

رئیس نے ان سے کبھی ہارنا نہیں سکھایا تھا۔ لیکن، ایک ایسا بادشاہ جو خود کو تخت کی خاطر قربان کر دے، اس کا غم کیسے منایا جائے؟

جبکہ شہر کی دوسری جانب، رئیس کی سلطنت کا محافظ، میثم، اپنے عارضی کمانڈ سینٹر میں ساکت کھڑا تھا۔ نئے سال کی پہلی صبح میں اس نے کئی جنازے اٹھائے تھے۔ اس نے وہ سب کچھ دیکھا تھا جو کوئی انسان دیکھ کر ٹوٹ جاتا۔ مگر وہ نہیں ٹوٹا۔ وہ بھاری دل کو اٹھائے نہیں پھر سکتا تھا، کیونکہ اس کے کندھوں پر رئیس اور نگزیب کا پورا کنگڈم کھڑا تھا۔

وہ ایسے کام کر رہا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ یہ ایک روبوٹ نہیں کر رہا تھا۔ یہ وہ روح کر رہی تھی، جسے رئیس نے سالوں پہلے انسانیت دی تھی۔ اس کی آنکھیں ہمیشہ کی طرح ٹھہری ہوئی تھیں، مگر اندر ہی اندر ایک برفانی طوفان چل رہا تھا۔

اس روبوٹ نے اس سلطنت کو بکھرنے نہیں دیا تھا۔

اس نے ایک لمحے کو اس خالی کرسی کی طرف دیکھا جہاں رئیس بیٹھا کرتا تھا۔ اس نے اپنی انگلیوں سے اس کرسی کو چھوا، گویا وہ آخری بار **بادشاہ** کی گرمی محسوس کرنا چاہتا ہو۔

"آپ کی وراثت محفوظ ہے، باس!" اس کی آواز میں خالی پن تھا۔ پھر اس نے فوراً اپنا رخ موڑ لیا اور اگلے حکم پر کام کرنا شروع کر دیا۔ وہ جانتا تھا کہ بادشاہ کا غم منانے کا بہترین طریقہ یہ تھا کہ نہ تخت جانے دیا جائے اور نہ تاج گرنے دیا جائے اور اس نے نہ تخت جانے دیا تھا اور نہ تاج گرنے دیا تھا۔

✿••✿••✿••✿

شہر کی فضا میں ایک عجیب، بھاری خاموشی تھی۔ وہ خاموشی جو ایک عظیم دھماکے کے بعد آتی ہے، جہاں ہر شخص کو علم ہوتا ہے کہ کچھ ناقابلِ تلافی ہو چکا ہے، مگر کوئی اقرار نہیں کرتا۔ جنوری کا دوسرا ہفتہ تھا۔ ہر نیوز چینل کی اسکرین پر سرخ پٹیوں میں خبریں دوڑ رہی تھیں۔ یہ نیا سال اپنے ساتھ صرف جشن نہیں، بہت کچھ لایا تھا۔ نیوز اینکر کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"اور اس سال کی سب سے بڑی بریکنگ نیوز یہ ہے کہ ملک کی ایک جانی مانی یونیورسٹی کی پروفیسر کو انسداد منشیات فورس پولیس نے گرفتار کر لیا ہے۔ ابتدائی تحقیقات کے مطابق، یہ بات سامنے آئی ہے کہ وہ ایک بڑے منشیات کے نیٹ ورک کو چلا رہی تھیں۔۔"

فلک اپنے روم میں بیٹھی تھی، جہاں کتابوں کی خوشبو میں اب زہر کی بو رچ بس گئی تھی۔ اس نے ٹی وی کی آواز کم کر دی تھی۔ رشنا کی گرفتاری، رئیس کی سلطنت کی خاموش صفائی کا پہلا قدم تھا۔ وہ جانتی تھی کہ یہ سب حادثات نہیں ہیں۔ یہ اس بادشاہ کے آخری حربے تھے، جو جاتے جاتے بھی اپنے جال کو الٹ گیا۔

اس کے ذہن میں ہر حقیقت ایک بم کا ٹکڑا بن کر چبھ رہی تھی۔

سونیا سلطان پیرس شفٹ ہو چکی تھی، گویا لکس کی مالکن نے اس تاریک کہانی سے فرار کو چن لیا تھا۔ وہ صرف لوگو بدل کر نہیں گئیں تھی، بلکہ اپنے پیچھے ایک خوف چھوڑ گئی تھی۔

اور سب سے عجیب بات یہ تھی کہ تباہ شدہ سمجھا جانے والا منار فیشنز دوبارہ کھڑا ہو گیا تھا۔ لیکن اس کی روح، فجر معراج، لاہور میں نہیں تھی۔ خبریں تھیں کہ وہ بزنس کے سلسلے میں ایڈنبرا جا چکی ہے، جہاں وہ منار فیشنز کی ایک نئی، عالیشان برانچ کھولنے والی ہے۔

مگر فلک جانتی تھی کہ یہ نئے آغاز نہیں تھے۔ یہ پرانی موت کی قیمت تھی۔

سیاہ دنیا کی خاموشی سب سے زیادہ خوفناک تھی۔ ملکہ عنکبوت کی گمشدگی نے ان کے باقی ماندہ گروہ میں ہلچل مچا رکھی تھی۔ وہ اپنی ملکہ کے بنا بے بس تھے کیونکہ وہ ملکہ کے حکم کے بنا نہیں چلتے تھے اور اس بے بسی کا فائدہ ریون گروپ اٹھا رہا تھا۔ وہ خاموشی سے، ملک کے طول و عرض میں، ملکہ عنکبوت کے ہر پیادے کو ختم کر رہا تھا۔ یہ خون ریزی کسی کو نظر نہیں آ رہی تھی۔

اور رئیس؟ وہ بادشاہ جس نے ایسی سلطنت بنائی تھی جو اس کے جانے کے بعد بھی چل رہی تھی۔ اس کی فوج اس کے سہارے نہیں کھڑی تھی۔ اس نے انہیں اس طرح تربیت دی تھی کہ وہ اپنی جنگیں لڑنا جانتے تھے، چاہے ان کا سربراہ خاک میں مل چکا ہو۔ ہاں رئیس چلا گیا تھا، مگر اس کی legacy زندہ تھی۔ اس نے ٹھیک کہا تھا **'اسکی legacy زندہ رہے گی۔'**

عالمگیر خاندان میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کھانے کی میز پر، ڈرائنگ روم میں، پوری حویلی میں ہر جگہ ایک بوجھل سکوت تھا۔ سب کو فلک کا دکھ نظر آتا تھا۔ لیکن وہ دکھ کیوں تھا؟ یہ وجہ وہ کبھی نہیں جان پائیں گے۔ وہ ایک ایسے راز کو سینے سے لگائے ہوئے تھی جو اسے ہمیشہ تنہا رکھے گا۔

ہاں مگر یہ ایک کہانی کا اختتام نہیں تھا۔ یہ ایک جہنم کی بندش تھی، جس نے سب کو جھلسا دیا تھا۔

فلک کے لیے، زہر خوردہ پری بننا ایک ایسا داغِ وفا تھا جو کبھی نہیں مٹے گا۔ اس نے محبت کو قربان کر کے گھر کو بچایا تھا، مگر اب وہ گھر اس کے لیے ایک قید خانہ تھا مگر کب تک؟ کیا وقت اسے آگے بڑھنے دے گا؟ یا پھر وہ اس قربانی کا مطلب سمجھ نہیں پائے گی؟

ولیم، جو اب اپنے وطن، اپنے جوزف پیلس میں تھا، وہ سکون میں نہیں تھا۔ مگر وہ ضمیر کی عدالت میں بری الزمہ ہو چکا تھا۔ اس نے مارنے والوں کا ساتھ دیا تھا تاکہ بچانے والوں کو بچایا جا سکے۔ یہ کیسی منطق تھی؟ اس کا چہرہ فجر کو دیکھتا، جو خاموشی سے سب قبول کر رہی تھی، اور اسے وہ حقیقت یاد آتی جو وہ اس سے کبھی نہیں کہہ پائے گا۔

یہ وہ برزخ تھا جہاں کئی زندگیاں ایک بادشاہ کی موت کے بعد سسک رہی تھیں، اور دنیا کو یہ یقین دلا رہی تھیں کہ سب کچھ معمول کے مطابق ہے۔

عنکبوت کی ایک داستان ختم ہو چکی تھی۔ مگر اس کا زہر ان کی رگوں میں ہمیشہ کے لیے دوڑ تا رہے گا۔ یہاں سے بقا کا نیا سفر شروع ہوتا تھا۔ ایک ایسا سفر جہاں ٹوٹے ہوئے لوگ، ادھورے خواب، اور گہرے رازوں کے ساتھ زندہ رہنا سیکھیں گے۔

✿••✿••✿••✿

مقام: **جوزف پیلس**، موریفیلڈ، اسکاٹ لینڈ۔

جوزف پیلس کے اوپری کمرے کی کھڑکی سے باہر کا منظر برف کی سفید چادر میں لپٹا ہوا تھا۔ فروری کی صبح کی دھوپ کمزور مگر شفاف تھی، جو ہلکی برف پر پڑ کر ہیروں کی طرح چمک رہی تھی۔

کمرے کے اندر، فجر کھڑی تھی۔ وہ ایک سادہ گلابی ڈریس میں ملبوس تھی۔ زمین کو چھوتی اس نازک میکسی میں وہ کسی اداس پری کی طرح لگ رہی تھی، جو ابھی ابھی اپنے سوگ سے باہر نکلی ہو۔

اس کے سامنے میز پر ایک پارسل رکھا تھا۔ بھیجنے والے کا نام میثم تھا، اور وہ جانتی تھی کہ **'یہ رئیس کی طرف سے اس کا آخری تحفہ تھا۔'**

اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ اس نے پارسل کھولا۔ اندر ایک سیاہ، مخملی باکس تھا۔ اسے کھولتے ہی، اس کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ سامنے ایک نہایت شاندار اور نادر لاکٹ چمک رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ضبط کے باوجود نمی ابھری۔ اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے وہ لاکٹ باہر نکالا۔

یہ ایک ننھا سا لاکٹ تھا۔ مکڑی کی شکل میں۔ جیسے کسی گوتھک داستان کا پرانا، قیمتی ہار ہو۔۔۔۔ اس نے وہ لاکٹ کھولا، اندر مکڑی کے باریک جال جیسی رگیں، خالص ہیروں سے تراشی ہوئی تھیں۔ رگوں کے کناروں پر نایاب نیلم کے قطرے ایسے جھلمل کر رہے تھے جیسے برفانی رات کی اوس۔ مکڑی کے جسم کا درمیانی حصہ ایک بڑا سیاہ ہیرا تھا،

جس کی گہرائی میں روشنی یوں ڈوب جاتی تھی جیسے کسی ان دیکھے سمندر کی تہہ۔ آنکھوں کے مقام پر دو سرخ یاقوت جڑے تھے، جو لاکٹ کو ایک زندہ، خطرناک اور پراسرار وجود بخشتے تھے۔

یہ اس کے لیے تھا۔ صرف اس کے لیے۔

رئیس نے اِسے اُس کے لیے بنایا تھا۔ اس کی گردن خالی رہتی تھی، وہ جانتا تھا۔ اور پھر کچھ وقت پہلے، اس نے اسے بنا کر محفوظ کر لیا تھا۔ اس کی خواہش پر میثم نے اس تک پہنچایا تھا۔ وہ کتنا قیمتی تھا اور اسے بنانے میں کتنے دن لگے تھے، یہ وہ نہیں جانتی تھی۔

وہ صرف یہ جانتی تھی کہ یہ اس شخص کا آخری لمس تھا جس نے اپنی جان دے کر اس کی زندگی بچائی تھی۔

دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے فوراً چہرہ جھکاتے ہوئے اپنے آنسو صاف کیے۔ ولی اندر آیا۔ وہ بھی سفید شرٹ پہنے ہوئے تھا، بازوؤں کو فولڈ کیے ہوئے۔ وہ اچھا لگ رہا تھا، مگر اس کی آنکھوں میں ایک دائمی تھکن تھی۔

وہ قریب آیا اور اس کے عقب میں کھڑا ہو گیا، بالکل قریب۔ اس کی نظریں آئینے میں فجر کے ہاتھ میں موجود اس لاکٹ پر پڑیں۔ آئینے میں اس کی بھیگی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے، نرم آواز میں پوچھا۔

"تو۔۔۔ کیسا لگا جوزف پیلس؟"

فجر نے کھڑکی سے باہر ہلکی برف کو دیکھا جو اب پگھل رہی تھی اور ایک پھیکی سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر ابھری۔

"یہ شاندار ہے، بالکل کسی فیری ٹیل جیسا، اور پراسرار ہے بالکل تمہارے جیسا۔"

وہ بھی ہولے سے مسکرا دیا۔

"لیکن ابھی تک گھر جیسا محسوس نہیں ہو رہا، ہے نا؟"

اس کی نظریں لاکٹ پر جم گئیں۔

"تم جہاں ہو وہی میرا گھر ہے۔"

"ویسے، یہ زیادتی ہے۔ مجھے کچھ بھی نہیں دیا انہوں نے۔" وہ اس کے تحفے پر جیلس ہو رہا تھا۔

فجر کے لبوں پر ایک ہلکی سی، نم مسکراہٹ آئی۔

اس نے لاکٹ فجر کے ہاتھ سے لیتے ہوئے اجازت مانگی اور فجر نے سر ہلایا اور اپنے بال گردن سے ہٹائے۔ ولی نے آہستگی سے وہ لاکٹ اسے پہنایا۔ اس کی انگلیاں فجر کی گردن کی گرمائش کو محسوس کر رہی تھیں۔ وہ لاکٹ اس کی گردن میں اس قدر خوبصورتی سے بیٹھ گیا، جیسے ہمیشہ سے اسی کا حصہ ہو۔

اس نے فجر کے کندھے پر اپنی ٹھوڑی ٹکاتے ہوئے، آئینے میں دونوں کے عکس کو دیکھتے ہوئے۔

"یہ یہیں کے لیے بنا تھا۔"

اس کی آواز میں ایک محبت بھرا سکون تھا۔

جبکہ فجر کو لاکٹ کو چھوتے ہوئے، سرگوشی نما انداز میں بولی۔

"یہ بہت خوبصورت ہے اور بہت بھاری بھی۔۔۔"

"ہم سب بھاری ہیں، فجر۔" اس نے اپنے بازو اس کے گرد مزید مضبوط کیے۔ "مگر اب ہم یہ بوجھ ایک ساتھ اٹھائیں گے۔ تم اکیلی نہیں ہو۔ اب کبھی نہیں ہو گی۔"

اس نے کچھ دیر اسے اپنی پناہ میں رکھا۔ اس کے وجود کی گرمی فجر کے اندر اتر رہی تھی، اس برف کو پگھلا رہی تھی جو منار اور رئیس کے انت نے جما دی تھی۔

"سب انتظار کر رہے ہیں۔ ہمارے لیے۔۔۔" وہ اس کی خوشبو اندر اتارتے ہوئے سرگوشی نما انداز میں بولا اور اپنا بازو اس کے سامنے کیا۔ فجر نے ایک گہری سانس لی اور اپنا ہاتھ اس کے بازو میں ڈال دیا۔

باہر جوزف پیلس کے وسیع احاطے کو سجایا گیا تھا۔ یہ کلاسک اور رائل حیثیت کے لحاظ سے تھا۔ برف سے ڈھکے لان پر، سفید گلابوں، آئیوی اور چاندی کی جھالروں سے ایک راہداری بنائی گئی تھی۔ ہر طرف خاموش وقار اور ایک نئی امید کا احساس تھا۔

آج یہاں دو شادیاں تھیں۔

جینیفر رابرٹ اور جارج جوزف کی۔

نساء جوزف اور آفیسر پال کی۔

جوزف پیلس نے کئی عرصے بعد اپنے ارد گرد ایسی حقیقی خوشیاں دیکھی تھیں۔ دلہا دلہن سے پہلے، ان کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ اس نے فجر کا ہاتھ تھاما، اور وہ دونوں مرکزی دروازے سے باہر نکلے۔

سفید اور گلابی لباس میں ملبوس وہ دونوں، اس سفید روش پر چلتے ہوئے، ہنسوں کے جوڑے کی مانند لگ رہے تھے۔ خوبصورت، پُروقار، اور متانت سے بھرپور۔ جیسے ہی وہ نمودار ہوئے، وہاں موجود مہمانوں کی آنکھوں میں ستائش ابھری۔

"جوزف پیلس کا شہزادہ، اپنی شہزادی لے آیا تھا۔"

ان کے چہروں پر ایک دھیمی سی مسکراہٹ تھی، مگر ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

وہ ان لوگوں کے لیے مسکرا رہے تھے جنہیں وہ عزیز رکھتے تھے، اور ان آنسوؤں کو پی رہے تھے جو ان کے اپنے ٹوٹے ہوئے دلوں سے ابل رہے تھے۔ فجر کی گردن میں وہ مکڑی کا لاکٹ برف پر پڑتی دھوپ میں چمک رہا تھا۔

جوزف پیلس کے اس حصے کو خوبصورتی سے سجا دیا گیا تھا۔ سفید آرک ویز، جنہیں تازہ آئیوی اور فر کے پھولوں سے لپیٹا گیا تھا، ایمان، امید اور وفا کی علامت بن کر کھڑے تھے۔ مہمانوں کی چھوٹی مگر باوقار جماعت خاموشی سے سفید لکڑی کی کرسیوں پر بیٹھی تھی۔ ولی اور فجر، نئے نئے جذباتی بوجھ کے ساتھ، مہمانوں کے درمیان اپنی جگہ پر بیٹھ چکے تھے۔ ان کی خاموش موجودگی میں ایک گہرا وقار تھا۔

اس کے بعد، سب کی نظریں مرکزی دروازے پر ٹِک گئیں۔

مسٹر جوزف ایک نرم مسکراہٹ اور فخر کے ساتھ نمودار ہوئے۔ ان کے بازو میں، نساء کا ہاتھ تھا۔

چیری جیسے بالوں والی نساء، ایک سادہ مگر عالیشان دودھیا رنگ کے گاؤن میں ملبوس تھی، جس پر نفیس لیس کا کام کیا گیا تھا۔ وہ جوزف خاندان کی شہزادی تھی۔ اس کی چال میں وقار، آنکھوں میں چمک، اور چہرے پر ایک خالص، بچکانہ خوشی تھی۔

راہداری کے اختتام پر، آفیسر پال، یونیفارم کی بجائے ٹیل کوٹ پہنے، ایک گہری محبت اور عقیدت کے ساتھ اس کا انتظار کر رہا تھا۔ ہاں وہ جوزف خاندان کی دولت اور جاہ و جلال کے سامنے ایک عام انسان تھا۔ اس کی سب سے بڑی دولت نساء کے لیے اس کی بے لوث محبت اور وفاداری تھی۔ جب مسٹر جوزف نے نساء کا ہاتھ پال کے ہاتھ میں دیا، تو **جوزف** کی آنکھوں میں نمی آ گئی۔

"آج سے، یہ ذمہ داری تمہاری ہے۔ اسے سنبھال کر رکھنا۔" مسٹر جوزف کی آواز نرم مگر حکمیہ تھی۔

پال نے نساء کے ہاتھ کو تھاما، اور اسے انتہائی نرمی اور احترام کے ساتھ اپنے لبوں سے چھوا۔ یہ اس بات کا عہد تھا کہ وہ ہمیشہ اس کے وقار اور محبت کی حفاظت کرے گا۔ وہ دونوں ایک ساتھ پادری کی طرف بڑھے۔ ان کی محبت میں ایک مضبوط سادگی تھی۔

نساء اور پال کے عہد کے بعد، دوسرا جوڑا مرکزی دروازے پر آیا۔

اس بار، جارج جوزف انتظار کر رہا تھا اور ولیم، جینی کو لے کر آیا۔

جینی کے سفید شاندار گاؤن کے کنارے برف کو چوم رہے تھے۔ ولیم کے چہرے پر پہلی بار ایک خالص مسکراہٹ ابھری، جو آنسوؤں سے پاک تھی۔ جب وہ جارج کے قریب پہنچی، تو ولیم نے جینی کا ہاتھ بڑے فخر اور پیار سے جارج کے ہاتھ میں دیا۔

"یہ اسپیشل ہے، اسے سنبھال کر رکھنا۔"

"میری آئس فلاور، آج سے تم میری ہو!" جارج نے زندگی میں پہلی بار اتنا خوش جملہ بولا تھا۔ بولڈ ایکٹرس، جینیفر رابرٹ کا چہرہ سرخ پڑا۔

وہ اب جوزف پیلس کا ایک اور شہزادہ تھا، جسے اس کی خوابوں کی رانی مل چکی تھی۔

پادری کی پُر وقار آواز ماحول میں گونج رہی تھی۔ سفید برف اور پھولوں کے درمیان، وعدے کیے جا رہے تھ، زندگی بھر کے لیے، موت کے جدا کرنے تک۔

فجر نے ولی کا ہاتھ تھاما۔ اس کے ہاتھ پر مکڑی کے لاکٹ کی ٹھنڈک تھی، مگر ولی کے ہاتھ کی گرماہٹ نے اسے یقین دلایا کہ یہ کہانی اب زہریلی نہیں رہے گی۔ جوزف پیلس کی فضا میں ایک خاموش عہد گونج رہا تھا۔ یہ شادیاں صرف دو جوڑوں کی نہیں تھیں، بلکہ یہ اس بات کا عہد تھا کہ تاریکی کے بعد بھی روشنی کو زندگی میں واپس لایا جا سکتا ہے۔ یہ ان دائمی خوشیوں کی بنیاد تھی، جو بہت سی اذیتوں کے بعد جوزف خاندان نے حاصل کی تھیں۔

✿••✿••✿••✿

جامشورو: عالمگیر حویلی

فلک اپنی آبائی حویلی کے اس سن روم میں بیٹھی تھی جو کبھی اس کی سب سے بڑی پناہ گاہ ہوا کرتا تھا۔ آج وہ جگہ بھی ویران لگ رہی تھی۔

اس کے سامنے لیپ ٹاپ کھلا پڑا تھا، مگر کرسر ایک ہی جگہ بے جان ہو کر جھپک رہا تھا۔ وہ کچھ نیا لکھ نہیں پا رہی تھی۔ انگلیوں میں جیسے وہ جادو باقی نہیں رہا تھا جو کہانیوں کو جنم دیتا ہے۔ اس کا ذہن خالی مگر سینہ رازوں کے بوجھ سے بھاری تھا۔

تبھی دروازے پر دستک ہوئی، اور معید (بھتیجا) کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بھاری، باوقار سا پارسل تھا۔

"پھوپھو، یہ ابھی ابھی ایک آدمی دے کر گیا ہے۔ کہہ رہا تھا بہت ضروری ہے۔"

فلک نے سر ہلایا۔ اس کی آنکھوں میں کوئی چمک نہیں تھی۔ مگر جیسے ہی اس نے بھیجنے والا کا نام دیکھا اس کی سانسیں تیز ہو گئیں۔ یہ بھی میثم کی جانب سے تھا۔

میثم۔۔۔ جو اب بادشاہ کا زندہ ضمیر بن چکا تھا۔

اس نے پارسل کو اپنے ہاتھوں میں لیا۔ ایک لمحے کو اس کا دل ڈوبا۔ کیا تھا اس میں؟ کیا آخری یادگار؟ اس نے لفافہ پھاڑا، اور اندر سے ایک بھاری، مخملی، سیاہ رنگ کا ڈبہ نکلا۔

اس نے ڈبہ کھولا اور اس کی آنکھیں حیرت اور ایک شدید، بے اختیار درد سے بھر گئیں۔

اندر ایک نہایت شاندار، سیاہ قیمتی تاج رکھا تھا۔ ملکہ ملعون کا تاج جو کئی سال ادھورا رہا تھا۔

وہ تاج خالص سیاہ سونے سے بنا تھا۔ اس کا ڈیزائن جرات مندانہ اور قدیم رائلٹی کا حامل تھا۔ تاج کے بیچوں بیچ، نہایت نفیس کاریگری کے ساتھ، ایک چھوٹی سی مکڑی بنی ہوئی تھی۔ مکڑی کے جسم پر چمکدار سیاہ ہیرے جڑے تھے، جو

اس کے تکبر اور خطرے کو ظاہر کرتے تھے۔ مکڑی کے جال کی طرح، تاج کے کناروں پر سیاہ رنگ کے قیمتی پتھر جڑے تھے، گویا طاقت اور حکمت اس میں پرو دی گئی تھی۔ یہ ایک ایسا شاہکار تھا، جو کسی ملکہ کو نصیب نہیں ہوا تھا اور اب وہ اس کے لیے مکمل کیا گیا تھا۔

تاج کے نیچے ایک چھوٹا سا ہاتھ سے لکھا ہوا نوٹ تھا۔ یہ رئیس کی آخری ہینڈ رائٹنگ تھی۔ مضبوط، فیصلہ کن مگر اب نرمی سے گوندھی ہوئی۔

"یہ تاج اس عورت کے لیے ہے جس نے سب سے زیادہ مشکل انتخاب کیا۔ جو ایک نرم دل ملکہ ہے، مگر جس نے آگ سے گزر کر اپنے گھر کو بچایا۔ گھر بچانے والی عورتیں اور گھروں کو سنبھالنے والی عورتیں، ملکائیں ہوتی ہیں۔ تاج تمہارا ہوا۔"

فلک کی سسکیاں ٹوٹ کر باہر نکلیں۔ گرم آنسو اس نوٹ پر گرے، اور سیاہی پھیل گئی۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

بنا بادشاہ کے ملکہ۔ اس کی قسمت میں تاج تھا، مگر تاج پہنانے والا خود کو چھپا گیا۔ وہ رو رہی تھی کیونکہ بادشاہ اس کی وفاداری اور قربانی کو سمجھ گیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ صحیح وقت پر، صحیح انتخاب کرے گی۔

اس نے لرزتے ہاتھوں سے وہ تاج اٹھایا۔ اس کا وزن نہیں، بلکہ اس کا فلسفہ بھاری تھا۔

جس فائل کو اسے رئیس نے لے جانے کو کہا تھا وہ فائل سامنے رکھی تھی مگر اس نے ابھی تک کھولی نہیں تھی۔ شاید اب اسے کھولنے کی باری تھی۔ یہ سائبیریا والے گھر کی فائل تھی۔ وہ گھر جو اب ان کا نیا محفوظ ٹھکانہ بن چکا تھا۔

فائل ولی، فجر، فلک اور مراد کے نام تھی۔ یہ گھر انہیں سنبھالنا تھا۔

"کوئی اتنا ظالم کیسے ہو سکتا ہے؟" وہ بھرائی آواز میں بھولی۔۔۔۔

"کک۔۔ کوئی۔۔۔ اتنا مضبوط کیسے ہو سکتا ہے؟"

اسے رئیس سے ہزاروں نہیں لاکھوں شکوے تھے مگر وہ کرتی کیسے؟ وہ جو ہمدم بنایا تھا وہ اب کہاں تھا؟

اس کی کہانی ایک ایسی ملکہ کی تھی، جسے اس کا تخت و تاج تو مل گیا، مگر جس کے دل میں ایک ایسا خلا بن گیا تھا جو کبھی پُر نہیں ہو گا۔

اس نے تاج کو سینے سے لگایا۔ ہاں اب اسے مضبوط ہونا تھا۔ اسے **ملکہ** بننا تھا۔ خاموشی سے، بغیر کسی نمائش کے۔ اسے اپنے آنسو پونچھ کر، گھر کو سنبھالنا تھا، اس کے غم کو، اس کی سلطنت کو، اور اس کے نام کے احترام کو۔ اس نے آنسو پونچھ ڈالے، یہ **ملکہ** کا نیا عہد تھا۔

وہ بادشاہ کے خواب کو ختم نہیں ہونے دے گی۔

✿••✿••✿••✿

جوزف پیلس کا مرکزی کچن آج کسی شاہی ضیافت کی تیاری کر رہا تھا۔ ہوا میں دار چینی، ونیلا اور تازہ ڈبل روٹی کی مہک تھی۔ آج گرلز ڈے تھا۔ نینی، اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ، ایک بڑی سی ترکیب کی کتاب کھولے بیٹھی تھیں، جبکہ باقی تینوں خواتین (**فجر، جینی، نساء**) آٹے اور میدے سے گندھی ہوئی تھیں۔ ملازم ایک جانب ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔

"نینی، یہ بالکل انصاف نہیں ہے۔ میرا نیل پالش خراب ہو رہا ہے!" نساء آٹا گوندھتے ہوئے جھنجھلا رہی تھی۔

"جارج کو یہ پائنا ایپل پیسٹری کتنی پسند آئے گی۔۔۔ وہ کہتا ہے میں۔۔۔" جینی نے آٹے پر مکی مارتے کہا۔

"مگر تم نے آٹے میں نمک کی جگہ چینی ڈال دی ہے۔" فجر نے توجہ دلائی۔ اس نے کوفت سے سر پر ہاتھ مارا۔ جبکہ نینی انہیں دیکھتے مسکرا دیں۔

"محبت میں یہی ہوتا ہے، بچی۔"

وہ چاروں خوش دِکھ رہی تھیں۔ فجر کی مسکراہٹ، جواب بھی نایاب تھی، آج کچن کی گرمائش میں کِھل رہی تھی۔ اور تبھی۔۔۔ دروازہ کھلا۔ پہلے جارج اندر آیا۔

"مائی آئس فلاور! تم یہاں آٹے میں چھپی ہو؟"

اس نے آگے بڑھ کر جینی کے گال پر آٹا لگانے کی کوشش کی۔

اس کے پیچھے پال تھا، جو یونیفارم میں نہیں تھا، مگر اس کا انداز کسی انسپکٹر سے کم نہیں تھا۔

"خواتین، یہ کیا ہو رہا ہے؟ نساء، تم اس میدے کے بادل میں کیا کر رہی ہو؟ یہ تمہاری صحت کے لیے۔۔۔"

"اپنی صحت کی فکر کرو، آفیسر!" اس نے میدے کا بھرا چمچہ اٹھایا۔

اور آخر میں ولی داخل ہوا۔ وہ کچھ نہیں بولا۔ اس نے سیاہ سویٹر پہنا تھا، بازو فولڈ کیے ہوئے، اور وہ سیدھا آ کر کاؤنٹر سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی کتھئی آنکھیں صرف فجر پر ٹکی تھیں، جو اس کی خاموش موجودگی سے ہی گڑبڑا گئی تھی۔ وہ اسے صرف اپنی آنکھوں سے ہی پزل کر رہا تھا۔

"تمہیں یہاں نہیں ہونا چاہیے۔" وہ اسے گھوری سے نوازتے کام میں مشغول ہوئی۔ وہ دھیمی آواز میں، اس کے قریب ہوتے ہوئے گویا ہوا۔

"کیوں؟ کیا میں تمہاری مدد نہیں کر سکتا؟" ایک اسٹرابیری اٹھائی اور اسکا سکون برباد کرتے سکون سے کھانے لگا۔

نینی نے چشمے کے اوپر سے دیکھتے ہوئے انہیں تنبیہہ کی۔

"تم تینوں کو یہاں نہیں ہونا چاہیے، باہر جاؤ۔۔"

"لیکن نینی! ہم تو صرف۔۔۔ کوالٹی کنٹرول کر رہے تھے۔" جارج نے ایک اور پیسٹری اٹھانے کی کوشش کی۔

"میں صرف اپنی بیوی کی حفاظت کو یقینی بنا رہا ہوں۔" پال نے لقمہ دیا۔

"اور میں صرف۔۔۔ بھوکا ہوں۔" ڈیفالٹ پیس نے کس قدر سکون سے کہا۔

"ہمیں تم لوگوں کی ضرورت نہیں ہے برائے مہربانی یہاں سے جاؤ۔" فجر نے تپ کر کہا۔

"یہ ناممکن ہے مائی ٹوائی لائٹ!" وہ ہاتھوں سے نکلتا جا رہا تھا۔

"میں ڈیڈ کو بلاؤں گی۔" نساء نے اپنے دو ڈھیٹ بھائیوں اور تیسرے شوہر کی جانب دیکھتے دھمکی دی۔

"کسے فرق پڑتا ہے۔" ایک اور اسٹابری اٹھاتے ولیم بے نیازی سے بولا۔

"میں نہیں ڈرتا۔۔۔" جارج نے کالر جھاڑے۔

"اور میں تو پولیس آفیسر ہوں۔" پال نے کندھے اکڑائے۔

خواتین نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اب وقت آ گیا تھا آخری ہتھیار استعمال کرنے کا۔

"انکل۔۔۔" جینی کی آواز بند کوئی۔

جارج کا ہاتھ جو پیسٹری تک پہنچنے ہی والا تھا، وہیں اٹک گیا۔ اس کا ہاتھ ہوا میں معلق رہ گیا۔

"جینی۔۔۔ تم۔۔۔" چہرے پر بے یقینی ابھری۔

"انکل! آیئے گا۔۔۔"

"ارے چپ کرو!" ولیم نے تیزی سے آگے بڑھ کر فجر کے منہ پر ہاتھ رکھا۔

اور پھر، آخری دھماکہ ہوا۔

"ڈیڈ۔۔۔۔"

یہ آواز جوزف پیلس کے در و دیوار سے ٹکرا کر گونجی۔

پہلی آواز پر، اسٹڈی روم میں بیٹھے مسٹر جوزف نے کتاب سے نظریں اٹھائی تھیں۔ دوسری آواز پر وہ سیڑھیوں کے اوپر دکھائی دیے تھے۔ اور تیسری آواز پر وہ نیچے تھے۔

وہ کچن کے دروازے پر کھڑے تھے۔ انہوں نے کچھ نہیں کہا۔ ان کا چہرہ سپاٹ تھا، مگر آنکھوں میں وہ ٹھہراؤ تھا جو کسی بھی طوفان سے زیادہ خوفناک تھا۔

تینوں مرد، جو کچھ دیر پہلے اکڑ رہے تھے، اب کسی اسکول کے بچوں کی طرح سیدھے کھڑے تھے۔ جارج نے پیسٹری واپس رکھ دی۔ پال نے اپنے ہاتھ پیچھے باندھ لیے۔ ولیم نے فجر کے منہ سے ہاتھ ہٹا کر، انتہائی معصومیت سے جیبوں میں ڈال لیے۔

"آؤٹ۔۔۔" انہوں نے صرف ایک لفظ کہا۔

تینوں نام نہاد مردوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ کوئی بحث نہیں ہوئی۔ کوئی صفائی نہیں ہوئی۔ وہ چپ چاپ مڑے، اور کچن سے نکل گئے۔

"اور ہاں۔۔۔ شام کے کھانے تک اندر مت آنا۔" وہ عظیم الجثہ دروازے سے باہر نکل رہے تھے جب عقب میں ایک اور آواز سنائی دی۔

دھڑام۔۔! دروازہ بند ہو گیا۔ تین مردوں کو جوزف پیلس سے جلاوطن کر دیا گیا تھا۔

اور اب مرکزی دروازے کے باہر، جوزف پیلس کے وسیع پتھریلے راستے پر، وہ تینوں کھڑے تھے۔ اور ٹھیک اسی لمحے، اسکاٹ لینڈ کے موسم نے اپنا رنگ دکھایا۔ تیز برستی بارش شروع ہو گئی۔

"یہ۔۔۔ یہ میرے ساتھ نہیں ہو سکتا! میں۔۔۔ میں اسٹار لائٹ اسٹوڈیو کا ڈائریکٹر ہوں۔"

"یہ تو سراسر غیر قانونی ہے۔ ہمیں سردی میں مرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے۔ میں۔۔۔ میں اس بات کو اوپر تک لے جاؤں گا۔"

وہ مڑا، مگر دروازے کو دیکھ کر اس کی ہمت نہیں ہوئی۔

جبکہ ولی اطمینان سے ایک ستون سے ٹیک لگائے، بارش کی بوندوں کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"جاؤ۔ مجھے بھی بتانا اندر کیا حالات ہیں۔"

"تمہیں کوئی فکر نہیں ہے؟" جارج کو تپ چڑھی۔

"مجھے بارشوں میں بھیگنے کی عادت ہے۔" اس نے اطمینان سے کندھے اچکائے۔

"مجھے نہیں پتا تھا شادی کے بعد یہ سب بھی ہوتا ہے۔ میں ایک پولیس آفیسر ہوں! لوگ مجھ سے ڈرتے ہیں!"

"اور تم ایک ایسی عورت سے شادی کر کے آ گئے ہو جس کا باپ جوزف پیلس کا مالک ہے۔ دی جوزف پیٹرسن، تمہیں کیا لگا تھا تمہارے آفیسر ہونے کا کوئی اثر ہو گا؟"

کچھ دیر بعد ایک گاڑی جوزف پیلس کے سامنے آ کر رکی۔ یہ نیل تھا۔ اس نے گاڑی روکی اور شیشہ نیچے کیا۔

"تم تینوں یہاں کیا کر رہے ہو؟ بارش میں نہا رہے ہو؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"تم یہاں کیسے؟" جارج کو اسکے اس وقت آنے پر حیرت ہوئی۔

"یہ اس ولیم نے کہا کہ آج یہاں میری ضیافت ہے۔"

جارج اور پال نے حیرت سے ولیم کو گھورا۔

"ہاں، وہ خواتین بنا رہی ہیں۔ اور تم آ گئے ہو۔ اب گاڑی سے اترو۔"

"کیا؟ میں کیوں اتروں؟"

"کیونکہ اگر میں ذلیل ہو رہا ہوں، تو تم بھی ہو گے۔ بلکہ ہم سب ساتھ ہوں گے۔"

اس سے پہلے وہ گاڑی ریورس کرتا وہ اسے گھیر چکے تھے۔

"ولیم! تم ایک نمبر کے جھوٹے اور دھوکے باز انسان ہو! تم پاکستان میں ہی ٹھیک تھے۔ آتے ہی رنگ دکھانا شروع کر دیئے۔" وہ غصے سے بڑبڑایا رہا اور ان کے ساتھ بارش میں بھیگ رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ اس ڈیفالٹ پیس کو یہیں گاڑ دیتا۔

"مجھے نہیں آنا تھا! یہ گھر ہی عجیب ہے۔" نیل کر لایا۔

"نہیں! گھر بہت اچھا ہے۔ بس۔۔۔ بس عورتیں بہت طاقتور ہیں۔" جارج نے اضافہ کیا۔

"مجھے نہیں پتا تھا یہاں ایسا ویسا بھی کچھ ہوتا ہے۔" پال نے افسردہ سانس بھری۔

باقی تینوں نے اسے دیکھا۔ چہروں پر استہزائیہ مسکراہٹ تھی۔

"اوہ، بیچارہ آفیسر۔" ولیم کی ہنسی سنائی دی۔

"تو تمہیں کس نے کہا تھا غیرت اتار کر محبت میں اندھے ہو کر سسرال میں رہنے لگ جاؤ؟" نیل کپکپاتے ہوئے جل کر بولا۔

"میں۔۔۔ میں محبت میں اندھا نہیں ہوں!" اس نے سرخ چہرہ لیے تڑپ کر صفائی۔ "نساء بہت اچھی ہے۔"

"ہاں، وہ سب بہت اچھی ہیں۔ جینی ایک فرشتہ ہے۔ نساء ایک شہزادی ہے۔ اور فجر۔۔۔ وہ ایک معصوم روح ہے۔"

ولیم کے چہرے پر استہزاء ابھرا، باقی تینوں نے اسے دیکھا اور پھر ان کا قہقہہ گونج اٹھا۔

"یہی مسئلہ ہے۔ جب آپ کسی ایسی عورت سے شادی کرتے ہیں جو بہت اچھی ہو، تو آپ کو ان کے ساتھ آنے والے اضافی سامان کو بھی قبول کرنا پڑتا ہے۔" پال نے سنجیدگی سے کہا۔

"اضافی سامان سے تمہاری مراد مسٹر جوزف ہیں؟" نیل کے حیرت سے پوچھا۔

"ڈیڈ، نینی، اور ان کا پورا اصولوں کا نظام۔ یہاں، اس محل میں، ہم بادشاہ نہیں ہیں۔ ہم صرف۔۔۔ خوبصورت ساتھی ہیں جن کا کام تعریف کرنا اور وقت پر بارش میں بھیگنا ہے۔" جارج نے گہری سانس لی۔

"میں یہاں مر جاؤں گا۔" نیل نے دہائی دی۔

"نہیں مروگے۔" ولیم نے اوپر کھڑکی کی طرف دیکھا۔ فجر پردہ ہٹا کر انہیں دیکھ رہی تھی۔

"کیونکہ اگر ہم مر گئے، تو انہیں تنگ کون کرے گا؟"

جیسے ہی اس نے یہ کہا، بڑا سا دروازہ کھلا۔ نینی باہر آئیں، ملازمہ ان کے ساتھ تھیں، وہ دروازے کے پاس ایک ٹرے رکھ کر واپس چلی گئیں۔ چاروں بھاگ کر ٹرے کی طرف لپکے۔

اس میں چار بڑے گرم کافی کے مگ اور تازہ بسکٹ تھے۔

"میں اپنی بیوی سے بہت محبت کرتا ہوں۔" جارج نے کافی پیتے ہوئے کہا۔

"یہاں کا نظام بہترین ہے۔" پال نے بسکٹ منہ میں ڈالا۔

"جوزف پیلس کی تو کیا ہی بات ہے۔" نیل کافی کا مگ دونوں ہاتھوں میں تھامتے بولا۔

"تم لوگ اسی قابل ہو، دہلیز میں بیٹھ کر کھانے والو۔۔" ولیم انہیں پلٹتے دیکھ کر تاسف سے بولا۔ بھوکے مرد!

وہ چاروں اس ٹھنڈی بارش میں، گرم کافی پیتے ہوئے ہنس رہے تھے۔ جوزف پیلس نے آج مردوں کو ان کی اصل جگہ دکھادی تھی۔

✿••✿••✿••✿

اسکاٹ لینڈ کی سرد ہواؤں میں آج موریفیلڈ اسٹیڈیم کی گونج شامل تھی۔ یہ رگبی کا سیزن تھا، اور آج کا میچ سنسنی خیز تھا۔ اسٹیڈیم ساٹھ ہزار سے زائد لوگوں کے شور سے بھرا ہوا تھا، جو ایک ہی لہر کی طرح اٹھتا اور گرتا تھا۔

فجر، جو پہلی بار ایسا منظر دیکھ رہی تھی، سردی سے بچنے کے لیے کئی تہوں والے کوٹ میں لپٹی ہوئی تھی۔ اس نے گرم کافی کا کپ اپنے ٹھنڈے ہاتھوں میں تھام رکھا تھا۔ مگر اس کی نظریں کھیل پر نہیں، اپنے برابر بیٹھے شخص پر تھیں۔

ولی آج وہ محافظ نہیں لگ رہا تھا۔ وہ آج صرف **ولیم جوزف** تھا۔ ایک سابق رگبی پلیئر جس کا دل ابھی بھی اسی سبز میدان میں دھڑکتا تھا۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں، چہرہ جوش سے سرخ تھا۔ وہ اپنی سیٹ پر بیٹھا نہیں تھا، بلکہ کنارے پر جھکا ہوا تھا، جیسے خود میدان میں اترنے کو بے تاب ہو۔

اس نے ایک سخت ٹیکل پر چلایا۔

"Get him! Get him!"

"یہ فاؤل ہے! ریفری سو رہا ہے کیا؟"

فجر ہلکا سا مسکرائی۔ ”مجھے لگتا ہے تم ان کی ٹانگیں یہیں سے توڑ دو گے۔ آرام سے بیٹھو نا۔۔۔“

”آرام سے؟ فجر، تم دیکھ نہیں رہیں وہ کتنی بری طرح کھیل رہے ہیں؟ اس کھلاڑی کو تو میں۔۔۔“ اس نے کھیل پر نظریں جمائے کہا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اٹھ کر جائے اور خود کھیلے۔

فجر اس کے اس جنون پر حیران تھی۔ یہ وہ ولی نہیں تھا جسے وہ لاہور میں دیکھتی تھی۔ وہ جو برف جیسا سرد اور حساب کتاب میں ڈوبا رہتا تھا۔ یہ ایک الگ ہی انسان تھا، جوش اور زندگی سے بھرپور۔ ولیم جوزف!

جیسے ہی ایک کھلاڑی نے ٹرائی اسکور کی، وہ اپنی جگہ سے اچھل پڑا۔

”یہی! میں نے کہا تھا نا! میں نے کہا تھا!“

اس کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔ وہ اجنبیوں سے ہاتھ ملا رہا تھا، تالیاں بجا رہا تھا۔ فجر اس کی اس خوشی کو دیکھ کر، بس مسکراتی رہی۔ اس نے اپنی زندگی میں کبھی رگبی نہیں دیکھی تھی، مگر وہ اس شخص کے لیے خوش تھی، جو اتنی اذیت کے بعد آج کھل کر سانس لے رہا تھا۔

کھیل کے وقفے میں، جب شور کچھ تھما، تو وہ واپس اپنی سیٹ پر بیٹھا۔ اس کا سانس ابھی بھی تیز تھا۔

”اگر تمہیں اتنا ہی شوق تھا، تو تم خود کیوں نہیں کھیل لیتے؟“

”میں کھیلتا تو یہ سب بیچارے کہاں جاتے؟“ وہ ہنسا۔ پھر اس نے فجر کا ٹھنڈا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

”تمہیں یاد ہے؟“ اس کی آواز دھیمی ہو گئی۔ ”تم نے کہا تھا۔۔۔“

”کیا؟“ اس نے اس کے اچانک سنجیدہ ہونے پر اسے دیکھا۔

”کہ ہمارے دو بچے ہوں گے۔۔۔“

فجر کافی کا گھونٹ بھرتے بھرتے رک گئی اس کی آنکھیں حیرت سے اٹھیں۔

"ہاں کہا تھا۔"

ولی نے اس کے ہاتھ کو سہلاتے ہوئے، سنجیدگی سے کہا شروع کیا۔

"وہ میں نے سوچ لیا کہ ایک بیٹی ہو گی اور ایک بیٹا۔۔۔ بیٹی تمہارے جیسی ہو گی۔"

"میرے جیسی؟ مطلب۔۔۔ ضدی اور غصے والی؟" فجر نے کندھے اچکاتے پوچھا۔ وہ مسکرایا۔

"نہیں۔۔۔ مطلب خوبصورت، ذہین، اور اتنی مضبوط کہ کسی کی ضرورت نہ ہو۔ بالکل تمہارے جیسی۔۔۔ وہ وہی کرے گی جو تم کرتی ہو۔۔۔ یعنی راج کرے گی۔"

فجر کے گالوں پر، اس سردی میں بھی، ایک ہلکی سی سرخی دوڑ گئی۔ اس نے اپنی مٹھی پر ٹھوڑی ٹکائی اور دلچسپی سے پوچھا۔

"اور بیٹا؟"

ان کتھئی آنکھوں میں ایک خواب سا اتر آیا۔

"وہ مجھ جیسا ہو گا۔ اسپورٹس مین بنے گا۔۔۔ رگبی یا پھر فٹبال پلیئر۔ ہم اسٹیڈیم میں بیٹھ کر اس کا میچ دیکھا کریں گے۔ میں اسے بچپن سے سے ہی خوب سکھاؤں گا۔ اسے بیسٹ بناؤں گا۔"

ان خوبصورت آنکھوں میں اتنے خواب تھے یہ فجر نے آج دیکھا تھا۔ گھر کا خواب صرف عورت نہیں مرد بھی دیکھتا ہے۔

"اگر وہ سارا دن کھیلتا رہے گا، تو پڑھے گا کب؟" اس نے اہم نکتہ اٹھایا۔

"اس کا ہوم ورک میں کر دیا کروں گا۔" اس نے لاپرواہی سے کہا تو اس جواب پر وہ بے ساختہ ہنس دی۔ ایک حقیقی، گہری ہنسی جو اس کے دل سے نکلی تھی۔

"شاید۔۔۔ شاید اسپورٹس مین ایسے ہی ہوتے ہیں۔"

ولیم جوزف ایک لمحے کے لیے کھیل کو، شور کو، سب کو بھول گیا۔ اس کی نظریں صرف فجر کی ہنسی پر ٹکی رہیں۔ وہ ہنسی جسے سننے کے لیے اس نے ایک دنیا جلا دی تھی۔

"شاید۔۔۔۔" وہ اسے نگاہوں میں جذب کرتے بولا اور پھر فجر کا ہاتھ اٹھایا اور اسے اپنی جیکٹ کی جیب میں ڈال لیا، تاکہ اسے گرم رکھ سکے۔

"مگر وہ خوش رہیں گے۔" وہ وعدہ کر رہا تھا۔

فجر نے س کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"کیا ہم یہ کر پائیں گے؟ ایک۔۔۔ عام زندگی؟"

"ہم عام نہیں ہیں، فجر۔۔۔۔"

فجر کے ہاتھ پر گرفت مضبوط کرتے اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ اس کی savior والی شدت لوٹ آئی تھی۔

"لیکن ہم خوش رہنا ڈیزرو کرتے ہیں۔ اور میں اس بات کو یقینی بناؤں گا۔"

اسٹیڈیم کا شور پھر سے بلند ہونے لگا تھا، مگر اس شور میں، ان دونوں نے اپنی خاموش، عام سی خوشی کا پہلا خواب بُن لیا تھا۔

✿••✿••✿••✿

لٹریری ہال: لندن

تین سال بعد!

ایک تاریخی ہال کی بلند چھت، جہاں لکڑی کے پرانے شہتیروں پر شام کی مدھم روشنی پڑ رہی تھی۔ ہال کے آخر میں بنے اسٹیج پر، اسپاٹ لائٹ کے نیچے، وہ بیٹھی تھی۔

شہد رنگ آنکھوں والی ایک لڑکی، جس کے چہرے پر اب وقت کی پختگی اور دانش مندی کی گہری پرچھائیاں تھیں۔ مگر وہ آج پہلے سے کئی زیادہ حسین لگ رہی تھی۔ فلک عالمگیر!

اس کے ہاتھ میں ایک موٹی سی کتاب تھی اور اس کی آواز مائیک کے ذریعے ہال کے کونے کونے میں گونج رہی تھی، الفاظ اتنے سحر انگیز تھے کہ سینکڑوں لوگوں کا مجمع ساکت بیٹھا تھا، جیسے وہ سانس لینا بھول گئے ہوں۔

وہ عنکبوت کی کہانی کو ایک مختلف انداز میں، ایک فیری ٹیل کے طور پر سنا رہی تھی۔۔۔ ایک زہریلی فیری ٹیل۔

"اور یہ ہمارا عقیدہ ہے کہ ہر شہزادی کو آخر میں اس کا شہزادہ مل جاتا ہے۔ مگر اس کہانی میں، ملکہ کو ایک مشکل انتخاب کرنا پڑا۔"

اس نے اپنے ہاتھ میں تھامی کتاب پر نظر ڈالی، گویا وہ اس کے صفحات میں نہیں، بلکہ ماضی کی گہرائیوں میں جھانک رہی ہو۔

"یہ زہریلی فیری ٹیل ہمیں سکھاتی ہے کہ کچھ کہانیاں Forever After (ہمیشہ کے لیے) ختم نہیں ہوتیں۔ کچھ کہانیاں، In Spite of Everything (ہر چیز کے باوجود) کے ساتھ ختم ہوتی ہیں۔"

اس نے مائیکروفون کے قریب جھک کر اپنی آواز کو مزید دھیما اور سحر انگیز بنایا۔

"تو۔۔ جب دو بادشاہتیں ایک دوسرے سے ٹکرائیں، ایک بادشاہ نے اپنی پوری سلطنت کو بچانے کے لیے خود کو مٹا دیا۔ یہ وہ قیمت تھی جو اس نے امن کے لیے ادا کی۔ اور اس نے ایسا اس لیے نہیں کیا کہ وہ برباد ہو رہا تھا، بلکہ اس لیے کہ وہ جانتا تھا، کہانی کا اصل ہیرو وہ نہیں، بلکہ وہ سب لوگ ہیں جو اس کے جانے کے بعد جینا سیکھیں گے۔"

اس نے اپنا سر اٹھایا، اور اس کی شہد رنگ آنکھوں میں ایک پرانی، گہری چمک تھی۔

"اور یوں، مکڑی کا جال تو ٹوٹ گیا، مگر بادشاہ کی بنائی ہوئی دیواریں مضبوط رہیں۔ وہ بادشاہ چلا گیا، مگر اپنے پیچھے ایک عہدِ وفا چھوڑ گیا۔ وہ جو چلا گیا۔۔۔ اس نے جیت لیا۔ اور جو پیچھے رہ گئے۔۔۔ انہیں بادشاہت کی سب سے بھاری وراثت کو سنبھالنا پڑا۔"

اس نے ایک آخری جملہ ادا کیا اور کتاب بند کر دی۔ اس کے جوڑے میں بندھے شہد رنگ بال اسپاٹ لائٹ کی روشنی میں سونے کی طرح چمک رہے تھے۔ چہرے کے گرد جھولتی دو لٹیں، اسے حسین تر بنا رہی تھیں۔

ہال میں جیسے زندگی کی لہر دوڑی۔ تالیوں کی گونج اتنی شدید تھی کہ جیسے کوئی طلسم ٹوٹا ہو۔ اس نے مسکراتے ہوئے پانی کا گلاس اٹھایا۔ اب سوال و جواب کا سیشن تھا۔

"مس عالمگیر! آپ کی کہانی میں بادشاہ چلا گیا مگر اس نے ملکہ کو کیا دیا؟" پہلا سوال ابھرا۔

فلک مسکرائی۔ یہ ایک اداس، گہری اور پُر فخر مسکراہٹ تھی۔

اس نے مائیک کے قریب ہوتے ہوئے جواب دیا۔

"ایک تاج۔"

"ایک تاج؟ واؤ! اور وہ کرسڈ لڑکی؟ وہ لڑکی جسے وہ بچانا چاہتا تھا۔۔۔ اس کے لیے کیا کیا؟"

ہال میں مکمل خاموشی چھا گئی۔ سب اس جواب کے منتظر تھے۔ فلک نے اپنی آنکھوں کو حاضرین پر گھمایا۔

"اس پر۔۔۔ اس پر ایک عہد لٹا دیا۔"

وہ پھر سے مسکرائی۔ مزید سوالات ہو رہے تھے، وہ جواب دے رہی تھی اور پھر ہال کے پچھلے دروازے سے ایک آواز آئی، جو اس شور میں بھی اپنا راستہ بنا گئی۔

"ماما۔۔۔"

ایک بچے کی باریک، پُرجوش آواز۔ وہ جو ابھی ایک سوال کا جواب دینے لگی تھی، وہیں ٹھٹک گئی۔ اس کا سارا پروفیشنل وقار ایک لمحے میں پگھل گیا۔ اس نے فوراً رخ موڑ کر دیکھا۔

ایک تین سالہ بچہ، نیلے رنگ کا لباس پہنے، بھاگتا ہوا اس کی جانب آ رہا تھا۔

"ماما۔۔۔"

فلک کی شہد رنگ آنکھیں جل اٹھیں۔ وہ کرسی سے اٹھی، اور اسٹیج سے نیچے اتر آئی۔ وہ بچہ آ کر اس سے لپٹ گیا۔ فلک نے اسے اپنی بانہوں میں بھر لیا، اس کی خوشبو میں سانس لی، اور اس کے گالوں کو چوم لیا۔ وہ اتنا پیارا تھا کہ سب اسے دیکھ رہے تھے۔ ہال میں موجود لوگ اس منظر پر مسکرا دیے۔

"آپ بہت اچھی رائٹر ہیں۔ ہم آپ سے ہمیشہ ملنا چاہیں گے، مس فلک عالمگیر!"

لوگ اس کی تعریف کر رہے تھے۔ وہ سر ہلا کر شکریہ ادا کر رہی تھی۔ بچے کے پیچھے، ہال کے دروازے پر، وہ شخص بھی آ رہا تھا جو ہمیشہ آتا تھا۔ سوٹڈ بوٹڈ۔ روبوٹ 0.2۔ **میثم آغا!**

فلک اسے دیکھ کر مسکرائی اور کھڑکی سے باہر جھانکا۔ چھٹیوں کا موسم آگیا تھا، اور انہیں لینے والا بھی آچکا تھا۔

ہاں، وہ **فلک عالمگیر** تھی، جو پچھلے تین سالوں سے لندن میں مقیم تھی۔ اس دوران اس نے دو بہترین کتابیں لکھی تھیں۔ وہ اس وقت کی بیسٹ سیلنگ فینٹسی فکشن مصنفہ مانی جاتی تھی۔ میثم نے آگے بڑھ کر اس کا بیگ اور کتابیں اٹھائیں۔ لوگ اپنی اپنی کرسیوں سے کھڑے ہو چکے تھے، جبکہ وہ بچے کی انگلی تھامے آگے چل رہی تھی۔ میثم دو قدم پیچھے تھا۔

"تو آج آپ نے کیا بنایا، فائیس؟" وہ اس قدر ماما سے پوچھ رہی تھی کہ باقی سب کو اس کے فینٹسی فکشن رائٹر ہونے پر شک سا ہوا۔

"آج۔۔ میں نے۔۔ دایمن (Diamond) بنایا!" فائیس اپنی توتلی زبان میں بتانے لگا۔ فلک لمحہ بھر کو ٹھٹک گئی۔ اس کے قدم رُک گئے۔

"ڈائمنڈ۔۔۔ ڈارک اسٹارز۔۔۔"

فائیس کو ابھی سے ہیروں کا شوق تھا۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور مسکرا دی۔ لوگ انہیں جاتے دیکھ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں اس لڑکی کے لیے عزت و احترام تھا، جس نے اپنی پہچان خود بنائی تھی، اور اڑھائی سال پہلے ایک بچے کو اڈاپٹ کیا تھا اور اسے ماں بن کر پال رہی تھی۔

پتا نہیں وہ خوش قسمت تھی یا اس کے پڑھنے والے۔

وہ روایتی کہانیاں نہیں لکھتی تھی۔ وہ روایت سے ہٹ کر لکھتی تھی۔ وہ محبت کو قربان کرنا جانتی تھی اور پھر بھی محبت پر یقین رکھتی تھی۔

فلک عالمگیر وہ زہریلی فیری ٹیل تھی جس نے اپنی کہانی میں محبت کو قربان تو کیا، مگر خود کو مٹنے نہیں دیا۔

وہ ملکہ تھی جسے بادشاہ کی ضرورت نہیں تھی، مگر جس کی وفاداری نے ایک سلطنت کو ہمیشہ کے لیے زندہ رکھا تھا۔

وہ اپنے بیٹے کا ہاتھ تھامے، میثم کے ساتھ، لندن کی روشن شام میں گم ہو گئی۔

✿••✿••✿••✿

ایڈنبرا کی تاریخی عمارتوں کے درمیان، ایک جدید شیشے کی عمارت میں **'منار فیشنز'** کا نیا ہیڈ کوارٹر تھا۔ تین سال کی انتھک محنت نے اس برانڈ کو انٹرنیشنل بنا دیا تھا۔

فجر اپنے وسیع اسٹوڈیو میں کھڑی تھی۔ اب وہ صرف لاہور کی لڑکی نہیں تھی، بلکہ ایک پر اعتماد بزنس وومن تھی۔ اس کے اسٹوڈیو میں اس وقت ایک بین الاقوامی فلم کی وارڈروب پر کام ہو رہا تھا۔ ہر طرف ریشم، مخمل، اور اسکاٹش ٹارٹن کے کپڑے بکھرے ہوئے تھے، جنہیں وہ بڑی باریک بینی سے دیکھ رہی تھی۔

"نہیں، یہ رنگ نہیں چلے گا۔ ڈائریکٹر کو اصل رائل بلیو چاہیے، یہ نیوی ہے۔ اسے تبدیل کرو۔"

وہ ہدایات دیتے ہوئے، ایک اسکیچ بک پر تیزی سے نئے ڈیزائن کا خاکہ بنا رہی تھی۔ اس کی انگلیاں اب کانپتی نہیں تھیں، ان میں ایک ٹھہراؤ آ چکا تھا۔ تبھی اس کے موبائل پر ایک پیغام ابھرا۔

"میں لینے آ رہا ہوں۔"

فجر کے لبوں پر ایک دھیمی سی مسکراہٹ ابھری، جو فوراً ہی ایک گہری سوچ میں بدل گئی۔ اس نے اسکیچ بک ایک طرف رکھی اور کمرے کی بڑی کھڑکی سے باہر دیکھا۔ باہر گرمیوں کی چھٹیوں کا آغاز ہو رہا تھا۔ ایڈنبرا کی سڑکوں پر شام کی لمبی دھوپ تھی، اور لوگ باغوں میں گھوم رہے تھے۔

اکتیس دسمبر کی وہ رات۔۔۔ وہ دھماکہ۔۔۔ وہ خون۔۔۔ سب کچھ اس روشن شام کے پیچھے دھندلا رہا تھا، مگر مٹا نہیں تھا۔ اسے جانا تھا۔ مگر اس سے پہلے، اسے ولی کی تقریب اٹینڈ کرنی تھی۔ اسکی زندگی پہلے سے زیادہ مصروف ہو گئی تھی۔

وہ سال کے چھ مہینے پاکستان مین گزارتی تھی۔ لاہور میں منار فیشنز کی اصل باگ ڈور صفدر دیکھتا تھا۔ فجر کا وہ گھر، جسکے باہر ترنم ہاؤس کی تختی لگی تھی، اب حقیقتاً اس کا مائیکہ بن چکا تھا۔ اس کی اماں وہاں رہ رہی تھیں، اور بانو بھی اپنے شوہر کے ساتھ اسی گھر میں موجود تھی۔ جب فجر وہاں جاتی تھی، تو اسے یوں لگتا تھا جیسے وہ ایک نئی، پُرسکون اور بے فکر زندگی میں قدم رکھ رہی ہے۔ اماں اور اس کی بحث آج بھی چلتی تھی، ان میں محبت تھی ہاں مگر اس سے زیادہ ضد تھی، ترنم بیگم کو ان کے ٹکر کی نواسی ملی تھیں۔ وہ خوش تھیں۔

جبکہ یہاں وہ انٹرنیشنل فیشن ڈیزائنر تھی۔ یہاں وہ ولی کے ساتھ ایک نئی دنیا بنا رہی تھی۔ وہ جوزف پیلس میں نہیں رہتے تھے۔ وہاں کی کچھ یادیں ولی کو تکلیف بھی پہنچاتی تھیں۔ اس نے اپنوں کو معاف کر دیا تھا مگر کچھ اذیتیں ہم کبھی نہیں بھول سکتے، اس نے اپنا الگ گھر بنا لیا تھا یہاں ایڈنبرا میں اور وہ جوزف پیلس آتے جاتے رہتے تھے۔ کرسمس کی چھٹیاں وہیں گزارتے تھے۔ یہ زندگی چیلنجنگ مگر پُروقار تھی۔ اس کی زندگی کے دو حصے تھے، جو اسے دل و جان سے عزیز تھے اور وہ دونوں میں توازن برقرار رکھنے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔

مقام: نیشنل میوزیم آف اسکاٹ لینڈ، مرکزی ہال!

ہال کسی شاہی تقریب کا منظر پیش کر رہا تھا۔ **'سالانہ اسکاٹش ساؤنڈ اینڈ وژن ایوارڈز'** کی تقریب جاری تھی۔ وہ خوبصورت گہرے نیلے رنگ کے ملبوس، حاضرین کی اگلی صف میں بیٹھی تھی۔ اس کی گردن میں وہ مکڑی کا لاکٹ چمک رہا تھا، جو اب اس کی پہچان بن چکا تھا۔

یہاں پہلی بار ولیم جوزف کو عوامی سطح پر ایوارڈ دیا جا رہا تھا۔

"اور ساؤنڈ ڈیزائن میں بہترین اختراع کا ایوارڈ جاتا ہے اس شخص کو جس کی فیلڈ ریکارڈنگز نے نہ صرف بڑی فلموں کو حقیقت کا رنگ دیا، بلکہ جس کی بنائی گئی تھیراپی ریکارڈنگز پچھلے تین سالوں سے اسکاٹ لینڈ کے مرکزی ہسپتالوں میں ذہنی سکون کا باعث بن رہی ہیں۔۔۔ پلیز ویلکم، مسٹر ولیم جوزف!"

ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔

فجر کی مسکراتی آنکھوں میں نمی ابھری وہ لڑکا، جس کا بچپن اور لڑکپن نفسیاتی بیماری کا شکار گزرا تھا۔ جس نے بہت کچھ کھویا تھا۔۔۔ وہ لڑکا جو کائنات کی ہر آواز سے ڈرتا تھا، آج اسی آواز کو قابو کر کے لوگوں کو شفا دے رہا تھا۔ وہ اسٹیج پر آیا۔ وہ آج بھی سفید شرٹ پہنے ہوئے تھا، اس کی چال میں اب وہ پرانا خوف نہیں تھا۔ وہ اسٹیج پر آ کر مائیک کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ وہ ہجوم کو دیکھ کر ایک لمحے کے لیے ہچکچایا۔

"گڈ ایوننگ، لیڈیز اینڈ جنٹلمین!" (اس نے ایک گہری سانس لی)

"سچ کہوں تو، میں اکثر مشینوں اور سٹوڈیوز میں زیادہ آرام محسوس کرتا ہوں، جہاں خاموشی صرف میرے حکم پر ٹوٹتی ہے۔ مجھے اسٹیج پسند نہیں ہیں۔ میں ہمیشہ پردوں کے پیچھے، یا اندھیرے میں کام کرنے کا عادی رہا ہوں۔"

(ہال میں ایک دھیمی سی مسکراہٹ ابھری، جو اس کی سچائی پر تھی۔)

"لیکن آج۔۔۔ آج مجھے یہ ایوارڈ لینے آنا پڑا۔"

اس نے ایوارڈ کو اپنے ہاتھوں میں تھاما، گویا یہ شیشے کی ٹرافی نہیں، بلکہ تین سال کی مشقت کا ثبوت ہے۔

"یہ ایوارڈ، میرے لیے صرف آواز کی تکنیک یا ریکارڈنگ کا اعتراف نہیں ہے۔ یہ میرے لیے۔۔۔ دوسری زندگی کا اعتراف ہے۔" اس نے اپنی آواز کو مزید دھیما بنایا۔

"میں آج یہ ایوارڈ ان لوگوں کے نام کرتا ہوں جو مجھے اندھیروں سے نکال کر یہاں لائے۔ سب سے پہلے، یہ ان کے نام! جو چلے گئے۔۔ (اس کی آواز ایک لمحے کو بھرائی، اس کی آنکھیں چھلکیں) جنہوں نے میری آواز کو ہمیشہ سنا، چاہے میں انہیں کچھ بھی نہ بتا پایا ہوں۔"

"میری فیملی میرے دوست، آپ سب میری مضبوط ترین دیواریں ہیں۔"

پھر اس نے نظریں اٹھائیں اور سیدھا فجر کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں دنیا جہاں کا شکر گزاری کا سمندر تھا، اور ہال میں موجود ہر شخص کو لگا جیسے وہ دونوں اکیلے ہیں۔

"اور آخر میں سب سے اہم۔۔۔" اس نے گہرا سانس لیا، اس کی آواز کی شدت بڑھ گئی۔

"یہ ایوارڈ اس پارٹنر کے نام!" اس کی آنکھوں میں دنیا جہان کی محبت تھی۔

"جس نے مجھ پر تب یقین کیا جب میں خود پر یقین نہیں کرتا تھا۔ اس نے مجھے تب قبول کیا جب میرا ماضی خون اور رازوں سے بھرا ہوا تھا، اور میری سائیکی کسی بھی وقت ٹوٹ سکتی تھی۔ وہ میرے ہر خاموش لمحے، اور میرے ہر شور بھرے خواب میں میرے ساتھ کھڑی رہی۔" وہ صرف اسے دیکھ رہا تھا جس کے لاکٹ کی چمک دنیا جہان کی روشنیوں کو مات دینے کی طاقت رکھتی تھی۔

"وہ میری محبت کی طاقت بنی۔ وہ امن کا وہ نقطہ ہے جو میری آواز کی دنیا میں سکون لایا۔"

وہ ایک لمحے کو رکا، اور پھر اس کی آواز پورے ہال میں گونجی، عشق اور اعتراف سے بھرپور!

"یہ ایوارڈ۔۔۔ میری سب سے بڑی طاقت، میری وائف فجر معراج کے نام۔۔۔"

اس کی اس باتوں نے ہال میں ایک گہرا تاثر چھوڑا۔ فجر نم آنکھوں سے مسکرا رہی تھی۔

✿••✿••✿••✿

مقام: سائبیریا، روس۔ ایک محفوظ گھر۔

سائبیریا کے گھنے صنوبر کے جنگلات سے کچھ فاصلے پر، ایک وسیع و عریض جھیل کے کنارے، وہ بڑا سا لکڑی کا گھر (Dacha) کھڑا تھا۔ یہ گھر رئیس کی وصیت کا وہ حصہ تھا جو صرف **'گھر'** کے لیے مخصوص تھا۔ یہاں ہر سال گرمیوں کی چھٹیاں منانے وہ سب آتے تھے، جنہیں اس نے اپنی آخری سانسوں تک بچایا تھا۔

ہوا ٹھنڈی، صاف اور تازہ تھی۔ شام ڈھل رہی تھی، اور گھر کے پچھواڑے باربی کیو کی تیاری چل رہی تھی۔

احاطے میں بچھی گھاس پر ایک چھوٹا سا کاٹ رکھا تھا، جس میں مراد کی دو سالہ بیٹی سو رہی تھی۔ اس کے پاس فائیس گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا۔ وہ تقریباً سواء تین سال کا ہو چکا تھا اور اس کی آنکھوں میں اپنی ماں جیسی نرمی اور تجسس تھا۔ اس کے ننھے ہاتھ میں چند موتی تھے جو اس نے صبح جھیل کے کنارے ایک سیپ سے نکالے تھے۔

وہ کاٹ پر جھکتے ہوئے، سرگوشی کر رہا تھا۔

"دیکھو۔۔۔ یہ شمندر سے آئے ہیں۔" وہ موتی اس بچی کی مٹھی میں رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

کچھ فاصلے پر، لکڑی کے بنے آرام دہ صوفوں پر فلک، فجر اور آصفہ (مراد کی بیوی) بیٹھی تھیں۔ ان کے ہاتھوں میں گرم مشروبات کے مگ تھے۔

"مراد کہہ رہے تھے کہ پچھلے مہینے لاہور میں میٹنگز اتنی شدید تھیں کہ میثم نے تین بار سسٹم ری بُوٹ کر دیا۔" آصفہ نے کہا۔

"وہ میٹنگ نہیں، جنگ تھی۔ لیکن فجر کے نئے کاسٹیومز نے سب کو چپ کرا دیا۔" فلک نے اضافہ کیا۔

"کردار تمہارے تھے۔ تم نے سیاہ تتلی کو اتنا خوبصورت لکھا کہ مجھے محنت نہیں کرنی پڑی۔" فجر نے اس کی تعریف کی۔

وہ تینوں ہنس رہی تھیں۔ یہ وہ سکون تھا جس کے لیے رئیس نے سب کچھ داؤ پر لگا دیا تھا۔

باربی کیو گرل کے پاس، دھواں اور شعلوں کے قریب، وہ تین مرد کھڑے تھے جو اس پوری سلطنت کا بوجھ اٹھائے ہوئے تھے۔

مراد، جو آج بھی جی ایم تھا مگر اب آن لائن کام کرتا تھا، گوشت پر مصالحہ لگا رہا تھا۔ اس کا چہرہ مطمئن تھا۔

میثم، روبوٹ 0.2، حیرت انگیز طور پر ایک مکمل انسان کی طرح گرل کو دیکھ بھال رہا تھا۔

اور **ولی**، سیاہ سویٹر پہنے، ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ مراد گوشت پلٹتے ہوئے بولا۔

"کبھی کبھی مجھے یقین نہیں آتا کہ اس نے مجھے یہاں، دنیا کے آخری کونے میں رہنے کو کہا۔"

"صرف گھر کے لیے۔" جواب ولی کی طرف سے آیا تھا۔

میثم نے گرل کی آنچ کو ایڈجسٹ کرتے ہوئے، ہمیشہ کی طرح مدعا بیان کیا۔

"لاہور آفس کی رپورٹ آ گئی ہے۔ ذرتاش میڈم نے فنانس کا نیا آڈٹ مکمل کر لیا ہے۔ رئیس گروپ کے ہیروں کا معیار اس سال بھی مارکیٹ میں سب سے اوپر ہے۔"

رئیس کی وصیت کے مطابق، اس کا ایمپائر ان ہی لوگوں میں بٹا تھا۔ ذرتاش آج بھی فنانس کی ہیڈ تھی۔ افق کا حصہ اس نے ولی کے نام کر دیا تھا، اور باقی سلطنت اس کے ہی نام تھی، جسے میثم اور ولی مل کر سنبھال رہے تھے۔

"میثم۔۔۔ ہم چھٹیوں پر ہیں۔ کیا تم ایک دن کے لیے رئیس گروپ کو بھول سکتے ہو؟" ولی ہنسا۔

"یہ نہیں بھول سکتا۔" مراد نے مسکراتے ہوئے ولی کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "یہی وہ مشین ہے جس نے اس کے جانے کے بعد بھی تخت کو گرنے نہیں دیا۔ تم دونوں نے۔۔"

"یہ صرف ہم نہیں ہیں۔" اس نے گہری سانس لی اور کچھ فاصلے پر بیٹھی فلک اور فجر کو دیکھا۔

"یہ ہم سب ہیں۔ فلک ہر سال ہمارے نئے کلیکشن کے لیے کردار لکھتی ہے۔ فجر ان کرداروں کو کاسٹیومز میں زندہ کرتی ہے۔ ہم سب۔۔ ہم سب سال کے ان مخصوص مہینوں میں لاہور واپس اکٹھے ہوتے ہیں۔"

"اس نے ایک فوج بنائی تھی جو اپنی جنگیں لڑنا جانتی ہے۔ چاہے بادشاہ ہو، یا نہ ہو۔"

"اس نے فوج نہیں۔۔۔" مراد نے باربی کیو سے ایک پکا ہوا ٹکڑا اٹھایا۔

"اس نے ایک خاندان بنایا تھا۔ اس لیے یہ سب آج بھی چل رہا ہے۔"

"وراثت محفوظ ہے۔" میثم کی نگاہیں فائیس کی طرف اٹھیں۔

ولی نے بھی اس بچے کو دیکھا، جو اب مراد کی بیٹی کے سر پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔

دوسری جانب بیٹھی فجر کی نظریں فائیس پر جمی تھیں۔ وہ اس خوبصورت بچے کو دیکھ رہی تھی، جو اب مراد کی بیٹی، میرال کے کاٹ کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا۔

"می۔۔۔ میلا۔۔۔ دایمن" (میرا ڈائمنڈ)

اس کے ننھے ہاتھ میں وہ موتی تھے جو اس نے صبح جھیل کے کنارے سے جمع کیے تھے، اور وہ انہیں ایک ایک کر کے میرال کی ہتھیلی پر رکھ رہا تھا۔

فجر کے چہرے پر ایک نرم، پگھلا دینے والی مسکراہٹ ابھری۔

"ماشاءاللہ وہ دن بدن پیارا ہوتا جا رہا ہے، فلک۔ دیکھو تو سہی، ابھی سے کتنا خیال رکھنے والا ہے۔"

فلک نے اپنے بیٹے کو دیکھا اور مسکرا دی۔ اس کے چہرے پر ایک گہرا، پُرسکون مامتا کا رنگ تھا۔ وہ عورت جو کبھی صرف لفظوں سے کھیلتی تھی، اب ایک وجود کی خالق تھی۔

"اسے ہیروں کا بہت شوق ہے۔" اس کی آواز میں ایک خاص راز تھا۔ "وہ جہاں کہیں کوئی چمکتی ہوئی چیز دیکھتا ہے، رک جاتا ہے۔ بس اسے تکتا رہتا ہے اور پھر اسے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔"

فجر نے فلک کی طرف دیکھا۔ ان دونوں کی آنکھوں میں ایک **مشترکہ راز**، ایک **مشترکہ درد** تھا۔

"اسے ہیروں کا شوق نہیں ہو گا تو کیسے ہو گا؟ آخر وہ فائیس عالمگیر ہے۔"

اس کی بات پر فلک ہنس دی۔ ٹھیک ہی تو کہا تھا۔

رئیس نے کہا تھا، وہ اسے کبھی مرنے نہیں دیں گے۔

اور یہ بچہ۔۔۔ یہ بچہ اسی نہ مرنے والے وجود کا ایک ثبوت تھا۔

فائیس (F-A-I-E-S) ۔ یہ وہ نام تھا جو فلک نے **فلک** اور **رئیس** کو ملا کر رکھا تھا۔

"تم نے اس کا نام بہت سوچ کر رکھا، فلک!" فجر نے صوفے سے پشت ٹکرائی۔

"وہ اس نام کا حقدار ہے۔ پتا ہے، میں اسے دنیا کا بہترین انسان بنانا چاہتی ہوں۔ پھر چاہے وہ ہیروں کا کاروبار کرے یا کہانیاں لکھے مگر وہ ایک بہترین انسان ہو گا۔ ذہین، فطین، اور دنیا میں سب سے آگے۔"

فلک اسے آسمان کی بلندیوں پر دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں تھے، فخر تھا۔

"ہاں وہ راج کرنے کے لیے بنا ہے۔"

فجر نے فلک کے ہاتھ پر اپنی گرفت مضبوط کر دی۔ ان دونوں کی دوستی اب ایک ایسے رشتے میں بدل چکی تھی جو مشترکہ **رازوں**، **قربانیوں** اور اس **نئی نسل** کی بنیاد پر کھڑا تھا، جسے وہ دونوں مل کر پروان چڑھا رہی تھیں۔

✿··✿··✿··✿

شام اپنے جوبن پر تھی۔ گھنے جنگلات سے آتی ٹھنڈی ہوا میں صنوبر کی مہک اور باربی کیو کے کوئلوں سے اٹھتے دھویں کی خوشبو رچی بسی تھی۔ جھیل کا پانی دور تک ساکت تھا، جس پر ڈوبتے سورج کا عکس پڑ رہا تھا۔ ولی، مراد اور میثم گرل کے پاس کھڑے بحث کر رہے تھے کہ کباب مزید پکنے چاہئیں یا نہیں۔ فلک اور آصفہ لان میں بیٹھی فائیس اور میرال کو کھیلتا دیکھ رہی تھیں۔ فجر ان کے پاس سے اٹھ کر جھیل کے کنارے آ کھڑی ہوئی، جہاں سے منظر زیادہ واضح تھا۔

مراد بھی اس کے پیچھے آ گیا۔ وہ دونوں کچھ دیر خاموشی سے ان بچوں کو دیکھتے رہے جو اب گھاس پر لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔ فائیس اپنے موتی میرال کے ننھے ہاتھوں پر رکھ رہا تھا۔ مراد نے ایک گہری، مطمئن سانس لیتے ہوئے بات کا آغاز کیا۔

"کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ وقت یہیں رک گیا ہے۔"

فجر نے کوئی جواب نہیں دیا، بس مسکرا دی۔

مراد نے اسے دیکھتے ہوئے، سنجیدگی سے پکارہ۔

"مکڑی۔۔۔"

فجر نے بھنویں اچکا کر اسے دیکھا۔

"اگلی بار جب تم لوگ یہاں آؤ۔۔۔ تو تمہارے پاس بھی بچے ہونے چاہیئں۔" اس نے فائیس کی طرف اشارہ کیا۔ "تاکہ یہ فیملی مکمل ہو جائے۔"

"کتنا شوق ہے آپ کو نانا بننے کا؟"

مراد نے جھٹکے سے اسے دیکھا۔

"نانا؟" اس کی تیوری چڑھی۔ "کیا مطلب؟"

"مطلب؟ اگر میرے بچے ہوئے تو آپ ان کے نانا ہی لگیں گے نا۔" اس نے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔

"میں تمہارے بچوں کا نانا کیسے ہوا؟"

فجر نے آنکھیں چھوٹی کرتے ہوئے اسے گھورا۔

"آپ مجھے اڈاپٹ کرنا چاہتے تھے نا؟ کر لیتے تو میرے بچوں کے نانا ہی بنتے نا۔"

مراد نے فوراً ہاتھ جھٹکتے۔

"میں کوئی نانا وانا نہیں بن رہا! میری اپنی بیٹی ابھی دو سال کی ہے۔ میں۔۔۔۔"

"تو کیا بنیں گے؟ دادا؟"

"دادا کیوں؟ میں ماموں بنوں گا۔۔۔ بلکہ نہیں۔۔۔" وہ رکا۔ "ماموں تو صفدر بنے گا۔"

"ہاں مگر آپ نانا بنیں گے۔"

"میں تمہارا کچھ نہیں لگتا۔۔۔" وہ تپ گیا تھا۔ "میں۔۔۔ میں تایا بنوں گا! وہ بھی ولی کی طرف سے!"

فجر کے تیور بھی بگڑ گئے۔

"ہر گز نہیں! آپ نانا ہی بنیں گے۔ اور ویسے بھی، یہ بڈھے لوگوں والا رول آپ پر سوٹ کرتا ہے۔ عمر ہو گئی ہے آپ کی۔۔"

مراد آگ بگولہ ہو چکا تھا۔

"میں بڈھا ہوں؟ تم۔۔۔ تم زہریلی مکڑی! تم نے مجھے بڈھا کہا؟"

"بالکل۔۔۔ نانا بننے کی عمر ہو چکی ہے۔"

"چپ کرو!"

اس سے پہلے کہ وہ ایک دوسرے کا گلہ دباتے، مراد نے ذرا فاصلے پر فلک کے پاس کھڑے ولی کو آواز دی۔

"اوئے چھوٹے! سنبھالو اسے! یہ مکڑی مجھے کاٹ لے گی!"

"ہاں ہاں! میں ہی زہریلی ہوں! مگر آپ پھر بھی نانا بنیں گے۔۔۔!" وہ بھی چلائی۔ مراد کی بس ہو گئی۔ اور اگلے چند لمحوں بعد، جب ان کی آوازیں بلند ہوئیں، باقی سب بھاگتے ہوئے ان کی جانب بڑھے۔ ولی نے ایک لمبی آہ بھری، اپنا مگ نیچے رکھا اور فجر کی جانب بڑھا۔ آصفہ اور میثم نے مراد کو سنبھالا، جو اب فجر کی طرف جھپٹ رہا تھا۔

ولی نے فجر کو بازوؤں سے پکڑ کر پیچھے گھسیٹا۔

"بس بس فجر۔۔۔ وہ تم سے بڑا ہے۔ ان سے کیوں لڑ رہی ہو؟"

"بڑا ہے تو پھر نانا بننے سے کیوں انکار کر رہے ہیں؟" وہ اس کی گرفت میں مچلتے ہوئے بولی۔

"میں تمہارے بچوں کا نانا نہیں بنوں گا! سمجھیں تم!" وہ میثم کے پیچھے سے مچلا جبکہ ولی فجر کھینچتا ہوا واپس گرل کے پاس لے آیا۔ فجر کا چہرہ غصے سے سرخ پڑ چکا تھا۔ ولی نے ایک کباب اٹھا کر سیدھا اس کے منہ کی طرف بڑھایا۔

"لڑو مت۔ یہ کھاؤ۔۔۔"

فجر نے غصے سے کباب کو دانتوں سے کاٹا۔

"پانی پیو۔" اس نے دوسرے ہاتھ میں پانی کی بوتل تھمائی۔

جبکہ مراد اپنے بال نوچ رہا تھا۔

"دیکھا تم نے اسے؟ ایک تو میں نے اسے اپنے پاس رکھا تھا، اسکی وجہ سے میں ڈاکٹر نہیں بن پایا اور یہ مجھے بڈھا کہہ رہی ہے!"

فجر کباب چباتے ہوئے، غصے سے لال بھبھو کا چہرہ لیے بڑبڑائی۔

"سمجھتے کیا ہیں یہ خود کو؟ ایک تو مجھے اڈاپٹ نہیں کیا، اور اب نانا بننے سے بھی انکاری ہیں۔ حد ہوتی ہے!"

اس نے ابھی پانی نہیں پیا تھا۔ مراد نے ہانک لگائی۔

"اچھا ہوا میں نے تمہیں اڈاپٹ نہیں کیا! زہریلی مکڑی!"

وہ کباب اور بوتل تھامے تیزی سے اس کی جانب بڑھی، مگر ولی اسے پھر سے تھام چکا تھا۔ اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ اس سے اپنی مسکراہٹ ضبط کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ فجر اس کی گرفت میں غصے سے ہانپ رہی تھی۔

"آپ نانا ہی بنیں گے۔ سن لیا آپ نے۔۔۔" اس بار ولی ضبط نہیں کر پایا اور جھلا کر ہنس دیا۔

وقت تیزی سے اڑ رہا تھا۔ سائبیریا کی اس خاموش، ٹھنڈی شام میں، ان کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

فلک بچوں کے قریب کھڑی ہنس رہی تھی۔ میثم خاموشی سے گرل سنبھال رہا تھا۔ اور ولی، اپنی زندگی کی سب سے بڑی لڑائی (**فجر اور مراد کی لڑائی**) کو روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ تو طے تھا کہ فجر، مراد کو **نانا جی** بنا کر ہی چھوڑے گی۔

یہ وہ گھر تھا جس کی خواہش رئیس نے اپنی آخری سانسوں میں کی تھی۔ وہ خود تو اس گھر میں نہیں تھا، مگر اس کی روح ان سب کے ساتھ، اس سائبیرین ہوا میں زندہ تھی۔

✿••✿••✿••✿

چھٹیاں جو کبھی ختم نہیں ہوں گی!

رئیس ہیڈ آفس پہلے سے زیادہ مضبوط اور بلند کھڑا تھا۔ نئی کلیکشن پر کام شروع ہو چکا تھا اور آج اسی سلسلے میں ایک ٹیم کی تقریب جاری تھی۔ ہال میں ہلکا شور، موسیقی اور کامیابی کا احساس تھا۔ مگر باہر، آسمان پھٹ پڑا تھا۔ بارش کا شور شیشے کی دیواروں سے ٹکرا رہا تھا۔

فلک اس تقریب سے کچھ پل کے لیے نکلی تھی۔ وہ راہداری سے گزر رہی تھی، اس کے ہاتھ میں ایک نوٹ پیڈ تھا، مگر اس کا ذہن کہیں اور تھا۔ شہر وہی تھا مگر اس ایک شخص کے جانے سے خالی کیسے ہو گیا تھا۔ لوگ کہتے تھے لاہور میں اب کچھ نہیں بچا۔ رئیس ٹھیک کہتا تھا اس شہر کی رگوں میں اسکا خون دوڑتا تھا، اس کے جانے کے بعد سب کچھ مردہ لگنے لگا تھا۔

وہ ایک بڑی گلاس وال کے قریب سے گزری۔۔۔ بادل گرجے اور آسمانی بجلی پوری شدت سے چمکی۔ ایک لمحے کے لیے، باہر کا لان دن کی طرح روشن ہو گیا۔ اور اس بجلی کی چمک نے فلک کو ساکت کر دیا۔ لان کے بیچوں بیچ وہ کھڑا تھا۔

وہی انداز، وہی وجود، وہی سیاہ لباس میں ملبوس ہیبت! **رئیس؟**

فلک کے ہاتھ سے نوٹ پیڈ گر گیا۔ اس کا دل جیسے سینے میں دھڑکنا بھول گیا۔

"نہیں۔۔۔"

بجلی دوبارہ چمکی۔

نہیں، یہ اس کی آنکھوں کا دھوکہ نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ وہیں کھڑا تھا، بارش میں بھیگتا ہوا، اسی سلطنت کو دیکھ رہا تھا جسے اس نے بنایا تھا۔

"رئیس۔۔۔"

اس کے اندر کی ملکہ، اس کی پختگی، اس کے تین سال کا ضبط۔۔۔ سب ایک لمحے میں ٹوٹ گیا۔ وہ دوپٹہ سنبھالتی ہوئی بھاگی۔

وہ بھاگ رہی تھی۔ وہ شخص، جسے وہ دیکھ کر جینا چاہتی تھی، آج نظر آ گیا تھا۔ وہ تقریب بھول گئی، لوگ بھول گئی، اپنا مقام بھول گئی۔ وہ راہداریوں سے بھاگ رہی تھی۔ کئی سیڑھیاں، کئی موڑ۔۔۔ اس کا رخ صرف لان کی طرف تھا۔

میثم، جو سیکیورٹی ڈیسک پر کھڑا تھا، اس نے فلک کو اس دیوانگی سے بھاگتے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک لمحے کو شناسائی کی تکلیف ابھری۔ وہ سمجھ گیا تھا۔ وہ اس کے پیچھے نکلا۔

فلک، زمین کو چھوتی اپنی سادہ گھیرے دار فراک اور بڑے سے دوپٹے میں، شیشے کا دروازہ دھکیلتی ہوئی باہر بارش میں نکل آئی۔ اب وہ لان کی جانب بھاگ رہی تھی۔ پھر وہ رک گئی۔ بارش کا ٹھنڈا پانی اس کے وجود کو بھگو رہا تھا، اور اس کے آنسو بارش میں گھل مل گئے تھے۔

اس کے سامنے **رئیس** کا مجسمہ تھا۔

کانسی کا بنا ہوا، زندگی سے بھرپور، وہی تحکمانہ انداز۔ اس کی سلطنت میں اس کا مجسمہ، اعزاز کے طور پر نصب کیا گیا تھا۔ یہ کام رئیس گروپ کے ان ہزاروں ملازمین نے مل کر کروایا تھا جو آج بھی اسے اپنا **بادشاہ** مانتے تھے۔

فلک کئی لمحے اس مجسمے کو دیکھتی رہی۔ اپنے ہونٹ بھینچے۔۔۔ وہ ضبط کر رہی تھی۔۔۔ اور پھر وہ رو دی۔ وہ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔

ہاں، وہ زندگی میں آگے بڑھ آئی تھی۔ وہ فائیس کی ماں تھی، وہ ایک کامیاب مصنفہ تھی، وہ ایک گھر سنبھال رہی تھی۔ مگر وہ اس شخص سے محبت کرنا نہیں چھوڑ سکی تھی۔

"تم۔۔۔ تم واپس کیوں نہیں آتے۔۔۔؟"

پیچھے کچھ فاصلے پر میثم آکر ٹھہر گیا تھا۔ وہ جانتا تھا، وہ سمجھ گیا تھا فلک کو بھرم ہوا تھا۔ اس کے گلے کی گلٹی ڈوب کر ابھری۔ اس روبوٹ کی آنکھوں میں آج نمی تھی۔

تین سال گزر چکے تھے۔ لوگ رئیس کو نہیں بھولے تھے۔ وہ جانتے تھے وہ **'چھٹیوں'** پر گیا تھا، اور وہ سب اس کے لوٹ آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ مگر فلک جانتی تھی۔

"یہ چھٹیاں کبھی ختم نہیں ہوں گی۔۔۔۔"

وہ خود پر ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھی، مگر آج اس کا سارا ضبط ٹوٹ گیا تھا۔ وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

وہ ملکہ تھی، مگر اس کا بادشاہ صرف ایک یاد، ایک مجسمہ بن کر رہ گیا تھا۔

یہ اس کی زہریلی فیری ٹیل کا سب سے بڑا موڑ تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کی اصل فتح یہی تھی کہ وہ آج بھی یہاں کھڑی تھی۔ اس نے اپنے غم، دکھ اور محبت کے زہر کو اپنے فن میں بدل دیا۔ وہ کتنی ہی دیر روتی رہی۔

پھر اس نے مٹی لگے ہاتھوں سے اپنا چہرہ پونچھا، پھر مجسمے کو دیکھا اور نم آنکھوں سے مسکرا دی۔ یہ ایک نئی، پر عزم اور فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔ وہ اٹھی، بارش میں کھڑی رہی، اور اپنے دوپٹے کو اس شان سے سر پر درست کیا، جیسے کسی نے ایک نیا تاج پہنا ہو۔

ہاں فلک عالمگیر ہمیشہ کے لیے وہ مصنفہ رہے گی، جس نے اپنے سب سے بڑے کردار کو اپنی کہانی سے مٹا کر، اسے اپنے ہر لفظ، اپنے ہر خواب، اور اپنے فائیس میں ہمیشہ کے لیے **زندہ** کر لیا تھا۔

میثم اس کے پیچھے، چھتری لیے، خاموشی سے کھڑا رہا۔ فلک نے مڑ کر میثم کو دیکھا، اس کی آنکھوں میں گہرا تشکر تھا۔ سر پر رکھا آنچل، بھیگا چہرہ اور مڑی ہوئی پلکیں، حسن اتنا بلند ہوا تھا کہ فلک بن گیا۔ میثم نے نظریں جھکا لیں۔ کچھ رشتے بنا نام کے ہی حسین ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ ہماری زندگی میں سائے کے لیے ہوتے ہیں۔ وہ ہمارا ساتھ کبھی نہیں چھوڑتے، چاہے آسمان سے آگ برسے یا رحمت کی بارش ہو۔

مجسمے پر آخری نظر ڈالتے، اس نے ایک لمبی سانس لی اور تیز بارش میں میثم سے آگے چل دی، اس کا قدم پختہ تھا، کیونکہ **وہ صرف ملکہ نہیں تھی، وہ خود ایک سلطنت تھی۔**

✿••✿••✿••✿

جوزف پیلس، اپنی تمام تر شاندار خاموشی کے ساتھ، پس منظر میں کھڑا تھا۔ اس کی پتھر کی عمارت پر رات کی مدھم روشنی پڑ رہی تھی، جو اسے ایک طلسماتی ہیولہ دے رہی تھی۔ پیلس کے باہر، سبزہ زار پر، ایک چھوٹی سی گول میز اور دو

کرسیاں رکھی تھیں۔ میز پر سفید ململ کا کپڑا، ایک سادہ گلدان اور درمیان میں ایک خوشبودار کینڈل جل رہی تھی۔ یہ ولی کی طرف سے فجر کے لیے اہتمام کردہ ایک پرائیویٹ کینڈل لائٹ ڈنر تھا۔

اس نے سفید شرٹ پہن رکھی تھی، جس کے کالر پر سلیقے سے سرخ دھاگے کا ایک چھوٹا سا دل کڑھا ہوا تھا۔ اس کے بال ٹھیک تھے، اور اس کی آنکھوں میں آج کوئی گہرا راز نہیں تھا، صرف محبت کی سچائی تھی۔ فجر اس کے مقابل بیٹھی تھی۔ وہ بھی سفید فراک میں ملبوس تھی، جو زمین کو چھو رہا تھا۔

"خادم کو ڈنر کا شرف بخشیں بیگم صاحبہ!"

"بخش دیا۔۔۔"

وہ دونوں ہنس دیئے۔ یہ ان کی زندگی کا معمول بن چکا تھا۔ شدید جذبات اور ہلکا مزاح۔ ڈنر مکمل ہوا۔ وہ پرندے تھے جو طوفان سے نکل کر سکون کے ساحل پر اترے تھے۔ ولی خاموشی سے اٹھا۔ اس نے اپنا ہاتھ فجر کی طرف بڑھایا۔

"May I?"

فجر کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ یہ وہی رقص تھا، وہی خواب جو ولی نے اسے تب بھی دکھایا تھا جب وہ زندگی اور موت کے بیچ لٹک رہے تھے۔

"مسٹر ولی، یہ شرف میرا ہے۔" اس نے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

ولی نے فجر کو اپنی بانہوں میں لیا۔ یہ ایک فیری ٹیل کا وہ منظر تھا جس کا خواب اس نے کئی بار دیکھا تھا۔ عقب میں کھڑا شان سے جوزف پیلس، اور لان میں رقص کرتے وہ دونوں۔

اس کا ہاتھ فجر کی کمر پر تھا اور فجر کا ہاتھ اس کے مضبوط کندھے پر۔ وہ بہت آہستگی سے گھوم رہے تھے۔ نہ کوئی جوش تھا، نہ کوئی بے تابی۔ بس ایک گہرا، پر سکون اطمینان تھا۔

"اس وقت، یہاں۔۔۔مجھے دنیا کی کسی آواز کا شور نہیں سنائی دے رہا۔ صرف تم۔۔"

فجر نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ یہ وہی شخص تھا جس کے شور زدہ بچپن میں صرف خاموشی ہی سب سے بڑا تحفہ تھی اور پھر اس نے آنکھیں کھولیں، اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔ وہ مسکراتی بھی تھی تو اس کی آنکھیں نم رہتی تھیں۔ اس چہرے کا **قرض**؟ اس شخص نے چکایا تھا۔ وہ ان لوگوں کو کیسے بھول جاتی؟ وہ کبھی نہیں بھولے گی۔

دور، پیلس کی اوپری منزل کی ایک کھڑکی میں ہلکی سی حرکت ہوئی۔ مسٹر جوزف نے پردے کو سرکا کر دیکھا تھا۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو دیکھا، جو کبھی ایک پریشانی کا دوسرا نام تھا، آج وہ سکون میں تھا۔ فجر کے ساتھ۔ وہ لمحہ بھر رکے۔ کچھ لوگوں کے حصے میں تنہائیاں آتی ہیں، اور وہ ان میں سے ایک تھے۔ ان کا غم اب پرانا ہو چکا تھا۔ انہوں نے آہستہ سے پردہ چھوڑ دیا اور پلٹ گئے۔ مگر ان دونوں کا رقص جاری رہا۔

"کیا کسی جہاں میں **ان** کو یہ چہرہ ملے گا؟" اس نے ضبط کرتے ولیم سے پوچھا۔

"کسی اور جہاں پھر ایک جیسے دو چہرے ہوں گے، ہاں، وہاں ایک چہرہ ان کے پاس ہو گا اور ایک میرے پاس۔۔۔"

اس نے جواب دیتے فجر کو آہستگی سے ایک جھکاؤ دیا۔ وہ جھکاؤ جو صرف زندگی کا اعتراف ہوتا ہے۔ اس نے فجر کو سیدھا کیا اور اس کے ماتھے پر بوسہ دیا، اس کی آنکھوں میں گہری محبت سے دیکھتے ہوئے، وہی محبت جس کی خاطر ایک **بادشاہ** نے اپنی **سلطنت** لٹا دی تھی۔ ہاں یہ ان کی زہریلی فیری ٹیل تھی۔

یہاں شہزادہ اور شہزادی نہیں ملے تھے، بلکہ دو جنگجو ایک دوسرے کو ملے تھے۔ انہوں نے اپنے غم، خوف اور شکست کے زہر کو آہستہ آہستہ اپنے عزم، محنت اور محبت کی طاقت سے بے اثر کیا۔

ان کی داستان کسی خواب کی تکمیل نہیں تھی، بلکہ ہر صبح اٹھ کر، ہر یاد کو سنبھال کر، اور ہر مشکل کا سامنا کر کے خود کو بچانے کی ایک کامیاب کہانی تھی۔

وہ رات، وہ لان، وہ پیلس، اور ان کا رقص ہمیشہ کے لیے اس بات کا ثبوت بن گیا کہ **ہر کہانی کو خوشگوار انجام کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اسے صرف اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ اس کا ہیرو یا اس کی ہیروئن ہار نہ مانے۔۔۔!**

✿••✿••✿••✿

اختتام

صدیاں بیت گئیں، یا شاید لمحے، وقت کا احساس میرے وجود سے یوں محو ہو گیا تھا جیسے شبنم سورج کی پہلی کرن سے۔ میرا بُنا ہوا چاندی کا جال، جو کبھی میری طاقت اور فن کا مظہر تھا، اب ایک بوسیدہ یادگار بن چکا تھا۔ وہی پتھر جن پر صدیوں نے کہانیاں نقش کی تھیں، اب میری شکست کی داستان بھی اپنے سینے میں سموئے ہوئے تھے۔ میرا بھرم ٹوٹ چکا ہے۔ **میں**، جو خود کو ابدی خاموشی اور گہری تاریکی کا مالک سمجھتی تھی، ایک ایسی حقیقت سے دوچار ہوئی جس نے میرے وجود کی بنیادیں ہلا دیں۔

شکاری خود شکار بن گیا۔ میرا زہر، جو میں نے دوسروں کی رگوں میں اتارنے کے لیے سنبھال رکھا تھا، خود میرے ہی ماحول میں پھیل گیا، میرے اپنے بنائے ہوئے اصول میری ہی تباہی کا باعث بنے۔ وہ تاریکی جس پر مجھے ناز تھا، اب میرے لیے ایک قید خانہ بن گئی۔ وہ آہٹیں جنہیں میں زندگی کی علامت سمجھ کر اپنے جال کی طرف کھینچتی تھی، اب میرے لیے خطرے کی گھنٹیاں بن گئیں۔ میرا فن، میرا صبر، میری عبادت، سب بے معنی ہو گئے۔

لیکن اس زہر آلود ماحول میں، اس اتھاہ گہرائی میں جہاں امید کی ہر کرن دم توڑ چکی تھی، کچھ دیے ٹمٹماتے رہے۔ وہ، جنہوں نے اپنے گھروں کو صرف پتھروں سے نہیں، بلکہ فہم و فراست، اتحاد اور آنے والے کل کی بصیرت سے تعمیر کیا تھا۔ انہوں نے میری طرح اپنی طاقت کو ایک نازک جال پر منحصر نہیں کیا، بلکہ اپنی بنیادوں کو مضبوط کیا۔ وہ جانتے تھے کہ اصل طاقت کسی ایک کونے میں چھپ کر وار کرنے میں نہیں، بلکہ مل کر طوفانوں کا مقابلہ کرنے میں ہے۔ ان کی دیواریں صرف پناہ گاہیں نہیں تھیں، بلکہ ایک نئے آغاز کا اعلان تھیں۔

میرا جال ٹوٹا، میری خاموش سلطنت بکھر گئی۔ غار کی وہ گہری تاریکیاں، جو کبھی میری ہیبت کا گواہ تھیں، اب ان کی استقامت کی گواہ بنیں۔ وہ سسکیاں جو کبھی میرے شکار کی ہوتی تھیں، اب میری بے بسی کا نوحہ تھیں۔ میں نے سیکھا کہ زندگی کا نظام صرف ایک کی موت سے دوسرے کی زندگی کا سبب نہیں بنتا، بلکہ یہ بھی سکھاتا ہے کہ جو خود کو وقت کے ساتھ نہیں بدلتا، جو اپنی کمزوریوں کو پہچان کر انہیں طاقت میں نہیں ڈھالتا، وہ فنا ہو جاتا ہے۔

ہاں، **میں عنکبوت ہوں**، میں نے ہر کردار کو بُنا، ہر ڈرامے کو ترتیب دیا، اور ہر انجام کو اپنے ہاتھ سے لکھا۔ اور یہ میری کہانی کا وہ اختتام ہے جہاں میری تاریکی پر روشنی نے غلبہ پایا، جہاں میرے بُنے ہوئے جال سے زیادہ مضبوط وہ گھر ثابت ہوئے جن کی بنیادیں خوف پر نہیں، حوصلے پر رکھی گئی تھیں۔ غار اب بھی وہیں ہے، پتھر اب بھی کہانیاں سناتے ہیں، لیکن اب ان کہانیوں میں ایک سبق بھی شامل ہے۔ بقا کا سبق، اور یہ کہ حقیقی طاقت، کمزور کو شکار کرنے میں نہیں، بلکہ اپنی کمزوریوں کے باوجود مضبوط رہنے میں ہے۔ میری کہانی کا راز اب مکمل طور پر ظاہر ہو چکا تھا، اور اس کی آخری سطر ان بچ جانے والوں نے لکھی تھی، سروائیورز نے، اپنی مضبوط پناہ گاہوں کی خاموش زبان میں!

"لیکن۔۔۔" ایک حیرت انگیز سرگوشی۔

"لیکن۔۔۔ یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں؟ وہ روشنی جو تاریکی کو بھی نگل جاتی ہے۔ وہ وجود جو کسی اصول کا پابند نہیں ہے۔ میری لکھی ہوئی کتاب میں یہ باب تو نہیں تھا۔

کیا تم دیکھنا چاہو گے ؟ کیا یہ حقیقت ہے، یا محض میرا بھرم۔۔؟ کیا ایک شکست خوردہ بادشاہ دوبارہ تاج پہن سکتا ہے ؟ نہیں! یہ میری سب سے بڑی ہار ہو گی!"

گہرے، خاموش جنگلات۔ ہوا برف کی خوشبو لا رہی تھی۔ چاند کی روشنی برف کی دبیز تہہ پر پڑ کر اسے چاندی کا بنا رہی تھی۔ گھر خاموش تھا۔

اور تبھی، اندھیرے سے ایک سایہ نمودار ہوا۔

دراز قد، مضبوط جسامت!

اس کے قدم برف پر پڑ رہے تھے، مگر کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ اس کا سیاہ لباس رات کی تاریکی میں ضم ہو رہا تھا۔ وہ اندھیرے سے روشنی کی طرف آ رہا تھا۔

جیسے ہی وہ جنگل کی سرحد سے باہر نکلا، چاند کی روشنی اس کے چہرے کو چھو گئی۔ وہ ہیبت، وہ ٹھہراؤ، وہ گہری آنکھیں۔۔۔۔ اس کی آنکھوں کی گہرائی میں وہی ابدی ٹھہراؤ تھا، جو موت نے بھی نہیں چھینا تھا۔ اس کے ہونٹ ایک دھیمی، انتظار کی مسکراہٹ میں مڑے ہوئے تھے۔

اس کے ہاتھ میں ایک لاکٹ تھا۔ مکڑی کی شکل میں۔ یہ ویسا ہی لاکٹ تھا جیسا فجر کے پاس تھا۔

وہ یہ کبھی نہیں جان پائے گی کہ اسے بنانے والے نے دو جڑواں لاکٹ بنائے تھے۔ یہ اس کے وعدے کی آخری شکل تھی۔ ٹھیک اسی لمحے، لاکٹ ایک دھیمی، سرخ روشنی سے جل اٹھا۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ وہ اب ایک مکمل، محفوظ زندگی جی رہی تھی۔ وہ مسکرایا۔

ہر کہانی اپنا Savior خود چنتی ہے۔ اور اس کہانی نے اپنا savior ولیم جوزف کو چنا تھا۔ وہ جانتا تھا اسے مرنے نہیں دیا جائے گا۔

وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔ اس کی آنکھوں میں آج کوئی غم نہیں تھا، کوئی انتقام نہیں تھا۔ صرف ایک کہانی کے تخلیق کار کا اطمینان تھا۔

اس کے ارد گرد کا منظر دھندلا گیا۔ ماضی کے مناظر فلم کے ریل کی طرح تیزی سے اس کے حافظے میں چلنے لگے۔

کمانڈ روم میں آئیوری مربع پر گرا بے جان وجود۔ غصے سے چیختی ہوئی منار معراج۔ اور وہ Savior جو دور ہیلی کاپٹر میں ریموٹ تھامے بیٹھا تھا۔۔۔ اس کے ظرف کا کڑا امتحان تھا۔

"یہ میری داستان کا سب سے بڑا داؤ تھا۔"

کمانڈ روم کے آئیوری حصے پر پڑا اسکا بے جان وجود، وہ ایک ٹریپ ڈور تھا۔ ولی نے پہلا بٹن دبایا۔ اس کی دھڑکن ساکت ہونے سے پہلے ہی، اس بٹن نے آئیوری حصے کو دو پٹ میں کھول دیا تھا۔ اور اسکا وجود کمانڈ روم سے نچلے کمرے میں گر چکا تھا۔

دوسرا بٹن؟ وہ کمانڈ روم کو اڑانے کا تھا، تاکہ کوئی ثبوت نہ بچے اور عنکبوت کا یقین کامل ہو جائے۔

وہ savior تھا! اس نے کہانی کو بچا لیا تھا۔

تین سال؟ تین سال اسکا وجود کوما میں تھا۔ لوگوں نے اسکا یاٹ دیکھا تھا، مگر اسے کسی نے کبھی نہیں دیکھا کیونکہ وہ اسی یاٹ میں موت اور زندگی کی جنگ لڑ رہا تھا۔ اس نے یہ کھیل جان داؤ پر لگا کر کھیلا تھا کیونکہ وہ جان ہار سکتا تھا حرمت نہیں۔

ہاں اس کا منظر عام سے ہٹنا ضروری تھا تاکہ باقی سب نارمل زندگی جی سکیں۔ اگر وہ زندہ رہتا تو جال کبھی نہ ٹوٹتا۔ عنکبوت کے مرنے کے لیے بادشاہ کا مرنا ضروری تھا اور جب تک وہ اندھیرے میں رہے گا باقی سب سکون سے رہیں گے۔

وہ خاندانی رات میں رکا ہوا تھا۔ اس کے گرد ماحول گھوم رہے تھے۔ درد، محبت، اور فتح کے گرد وہ مسکرایا اور چل دیا۔

"وہ اپنی داستان کا مصنف تھا اور اس نے ابھی آخری باب نہیں لکھا تھا۔"

اور جو لکھ چکا تھا اس میں موت تو ہرگز نہیں تھی۔ دوسرے ہاتھ میں پکڑے فون پر ایک نوٹیفکیشن ابھرا۔ اس نے ٹھہر کر دیکھا۔ اس کا انسٹاگرام اکاؤنٹ، جو تین سال سے مردہ تھا، اس کی آخری پوسٹ پر نیا کمنٹ تھا۔

"مسٹر رئیس اور نگزیب، آپ کی چھٹیاں کب ختم ہوں گی؟ میں دو سالوں سے انتظار کر رہی ہوں۔ کیا میں آپ کو یاد ہوں؟ میں نے کہا تھا میں مستقبل کی ڈاکٹر بنوں گی، کیا آپ مجھ سے شادی کریں گے؟ اور آپ نے کہا تھا، میں پہلے ڈاکٹر بن جاؤں۔

میں بتانا چاہتی ہوں، میں ڈاکٹر بن چکی ہوں۔۔۔ اور مجھے میرا پارٹنر مل گیا ہے۔ میں کہنا چاہتی ہوں کہ آپ دنیا کے بہترین مینٹور ہیں۔ آپ کی باتوں نے مجھے لڑنا اور جینا سکھایا۔"

اس کے ہونٹوں پر ایک گہری، معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

"Hey Roza---"

اسکی دھیمی سرگوشی ابھری۔

"یس باس؟" اے آئی کی میکانکی سی آواز، جیسے وہ ہمیشہ اس آواز کا انتظار کر رہی تھی۔

"اسے ریڈ والا ہارٹ بھیجو۔۔۔"

اس نے حکم دیتے ہی فون جیب میں ڈالا۔ اگلے ہی پل، اس کمنٹ کے نیچے سرخ دل چمک رہا تھا۔ وہ دل۔۔۔ جو تین سال سے ساکت تھا۔

یہ محض ایک ہارٹ نہیں تھا، یہ ایک **وعدہ** تھا۔ یہ ایک **سگنل** تھا۔

کچھ خواہشیں کبھی ختم نہیں ہوتیں، وہ گھر کی خواہش آج بھی زندہ تھی، گھر بن چکا تھا مگر وہ اس گھر میں نہیں تھا۔ شاید بادشاہ ہونے کی یہی قیمت تھی، وہ کبھی گھر میں نہیں رہ سکتا۔۔۔

وہ آگے بڑھتا جا رہا تھا۔

اسے وہیں چھوڑ کر وقت تیزی سے اڑا، اسکاٹ لینڈ کی گہری رات میں جوزف پیلس، ایک خاموش اور پر شکوہ ہیولے کی طرح کھڑا تھا۔ سنا ہے جوزف پیلس کی دیواریں رات بھر سرگوشیاں کرتی ہیں، جیسے کسی ڈریکولا نے ایک ڈائن کو قید کر رکھا ہو۔ اور آج کی رات، یہ سرگوشیاں پوری طرح سچ تھیں۔

مسٹر جوزف، وہی سرد، خشک اور باوقار شخص، آہستہ قدموں سے تہہ خانے کی طرف بڑھے۔ ان کے ہاتھ میں چاندی کی ایک چھوٹی سی ٹرے تھی، جس پر ایک سادہ پلیٹ اور پانی کا گلاس رکھا تھا۔

تہہ خانے میں شدید ٹھنڈک اور پرانی لکڑی کی ہلکی سی بدبو تھی۔ انہوں نے ایک بھاری، آہنی دروازہ کھولا، اور اندر قدم رکھا۔

اندرونی کمرہ بڑا تھا، جس میں ایک پتھر کی کرسی اور ایک چھوٹی میز تھی۔ روشنی کا انتظام صرف ایک پرانے لیمپ کے ذریعے تھا، جس کی زرد روشنی دیواروں پر خوفناک سائے ڈال رہی تھی۔

کرسی پر وہ بیٹھی تھی۔ کہانی گر، سیاہ گھنگھریالے بالوں والی **منار معراج۔۔۔۔ دی سروائیور!**

ہاں کمانڈ روم کے دھماکے سے وہ بھی بچ گئی تھی، مگر شدید زخمی ہوئی تھی۔ اس کے گھنگریالے بالوں میں اب جگہ جگہ چند سرمئی بال دکھائی دے رہے تھے، خوبصورت چہرے پر زخموں کے نشان تھے، جو اس کی فطری خوبصورتی کو

بگڑے ہوئے مجسمے جیسا بنا رہے تھے۔ وہ زنجیروں سے کرسی سے بندھی ہوئی تھی۔ اس کا منہ ایک موٹے، کپڑے سے باندھا گیا تھا، جس کی وجہ سے وہ صرف دبی ہوئی کراہیں نکال سکتی تھی۔

مسٹر جوزف نے ٹرے ایک جانب رکھی۔ وہ اس کے سامنے کھڑے ہوئے اور آہستگی سے، مگر پختگی سے، اس کے منہ سے کپڑا ہٹایا۔

کپڑا ہٹتے ہی اس کے چہرے پر ایک زخمی، تکلیف دہ ہنسی پھیلی۔

"تم۔۔۔ تم جانتے نہیں تم کتنی بڑی غلطی کر رہے ہو؟" اس کی آواز کھردری تھی۔ "تمہیں مجھے مار دینا چاہیے تھا!"

"مارنا آسان تھا۔ اور آسانی، میری پسندیدہ نہیں ہے۔ تم زندہ ہو، کیونکہ تمہاری رعایا تب تک کچھ نہیں کر سکتی، جب تک تم گمشدہ ہو۔"

اگر وہ مر جاتی، تو وہ آسانی سے نئی ملکہ چن لیتے۔ یا پھر۔۔۔۔؟

منار کی سرد، زہریلی مسکراہٹ ابھری۔ ایک پراسرار مسکراہٹ!

وہ اسے یہاں غیر قانونی راستوں سے لائے تھے۔ وہ اسمگلنگ کی بے تاج ملکہ تھی، اور اب اسے اسی راستے سے قید میں لایا گیا تھا۔ جہاں سے نکلنا ناممکن تھا۔

منار کی ہنسی گہری ہوتی گئی۔ یہ ایک خوفناک، سسکیوں سے بھری ہنسی تھی۔

"تم پچھتاؤ گے۔۔ تم سب پچھتاؤ گے۔۔۔ جس دن میں یہاں سے۔۔"

”جوزف کی قید سے آج تک کوئی نہیں بھاگ پایا۔ تاریکیاں تمہارا مقدر ہیں۔ تم انہیں پسند کرتی تھیں۔ بھول جاؤ کہ تم باہر کا سورج دیکھو گی۔ تمہیں اندھیروں میں رہنا پسند تھا، اور اب اندھیرے تمہارے لیے مستقل ہیں۔“ ان کی آواز خطرناک حد تک سخت تھی۔

منار کی آنکھوں میں شدید چمک تھی، جیسے اسے اچانک کوئی بڑا راز مل گیا ہو۔ یا وقت پورا ہو گیا ہو۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

”کیا تم جانتے ہو وقت پورا ہو چکا ہے؟ مہلت ختم ہو گئی ہے۔ وہ آ رہی ہے۔۔۔ وہ سب آ رہے ہیں! یہ جال کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔“

مسٹر جوزف کے ماتھے پر ہلکے سے بل پڑے مگر وہ کچھ نہ بولے۔

”میرا سایہ کبھی ختم نہیں ہو گا، میری پرچھائی تم سب کا پیچھا کرے گی۔ سب میرے جال میں ہیں! میں کبھی کسی کو پر سکون زندگی نہیں گزارنے دوں گی!“

مسٹر جوزف نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ ایک لمحے کے لیے بھی نہیں ہچکچائے۔ انہوں نے خاموشی سے کھانا اٹھایا اور میز پر رکھا۔

”یہ تہہ خانہ پیلس کے اصولوں پر چلتا ہے اور یہ پیلس میرا ہے۔“

انہوں نے ایک نیا، صاف کپڑا اٹھایا۔ وہ فوراً چیخ اٹھی۔

”رکو! تم مجھے چپ نہیں کرا سکتے! میری کہانی باقی ہے! میں ان سب کو۔۔۔ ان سب کو۔۔۔“

اس سے پہلے کہ وہ اپنا زہر مزید اگلتی، مسٹر جوزف نے مضبوطی سے اس کے منہ پر کپڑا باندھ دیا۔ ان کے ضبط کی آخری لکیر بھی ٹوٹ گئی۔ وہ دروازہ بند کرنے سے پہلے مڑے اور قید خانے کو دیکھا۔ منار زنجیروں میں جکڑی کرسی پر، ایک دبی ہوئی گھٹی ہوئی آواز میں چیخ رہی تھی۔

"یہ زہریلی فیری ٹیل کو ختم کرنے کا واحد طریقہ تھا۔ قید۔۔۔ کیونکہ موت اکثر ایک نیا شہید پیدا کر دیتی ہے۔"

انہوں نے بھاری آہنی دروازہ بند کیا، اور باہر سے موٹا لوہے کا قفل لگا دیا۔ تہہ خانے میں ایک بار پھر مکمل تاریکی اور منار کی گھٹی ہوئی چیخیں رہ گئیں۔ اسے یہاں قید رہنا تھا ہمیشہ!

وقت پھر تیزی سے اڑا۔۔۔!

سورج کی آخری سنہری کرنیں کمرے کی کھڑکی سے اندر جھانک رہی تھیں۔ کھڑکی کے سامنے ایک چھوٹی لکڑی کی میز رکھی تھی، اور اس کے قریب رکھی کرسی پر ایک لڑکی بیٹھی تھی۔ انیس سالہ لڑکی! وہ کسی دیوی کی طرح خوبصورت تھی۔ اس کی آنکھیں سیاہ، گہری اور ذہین تھیں، بالکل تاریکی کی طرح۔ اس کے بال گھنے، سیاہ اور چمکدار تھے۔ اس کا چہرہ صحت یابی کے بعد نکھر کر چمک رہا تھا۔ وہ اب مکمل طور پر صحت یاب ہو چکی تھی۔

اس کے سامنے میز پر ایک پرانا، سیاہ رنگ کا لکڑی کا باکس رکھا تھا۔ باکس، جس کے ڈھکن پر ابھری ہوئی ایک چھوٹی مگر واضح مکڑی (**عنکبوت**) بنی ہوئی تھی۔ اس نے نہایت آہستگی اور احتیاط سے وہ باکس کھولا۔ اندر کاغذ کی ایک تہہ شدہ پرچی تھی۔ اس نے کاغذ نکالا اور اس کی نگاہیں ایک بار پھر اس پر پھسلنے لگیں۔

یہ ملکہ عنکبوت (**منار معراج**) کا اپنی وارث، نئی ملکہ (**روحی**) کو دیا گیا آخری اور اہم ترین پیغام تھا۔

”میری پیاری بچی! اگر یہ خط تمہارے ہاتھوں میں ہے، تو سمجھ لو کہ میں تمہاری فیری ٹیل کا آخری باب لکھ کر جا چکی ہوں۔ اگر یہ تمہارے ہاتھ میں تو جان لو میں ہار گئی، لیکن یاد رکھنا، عنکبوت کبھی ختم نہیں ہوتی، وہ صرف اپنی جلد بدلتی ہے۔

یہ میرے اصول تھے جنہوں نے مجھے زندہ رکھا، اور یہ اب تمہارے اصول ہوں گے۔ تم سالوں سے میرا سایہ رہی ہو، میری ذہانت، میری پیاس، میری سب سے مضبوط کڑی۔ میری بیٹی، جب تک تمہارے جسم کے تمام زخم مندمل نہ ہو جائیں، جب تک تمہاری ذہانت یہ اعلان نہ کر دے کہ تم ملکہ بننے کے قابل ہو، تب تک خاموشی اختیار کرنا۔ اس دنیا کو تمہاری موجودگی کی اطلاع مت دینا۔ تمہیں اس سلطنت کو سنبھالنا ہے۔ جو نقصان ہوا ہے، اسے پورا کرنا ہے۔ لیکن اب چالیں ٹھنڈے دماغ سے چلنا، جذباتی ہو کر نہیں۔ یاد رکھنا، ہمارا اصل دشمن وہ نہیں جو مر گیا، بلکہ وہ ہے جو بچ گیا ہے۔ میرے اصولوں کو مت بھولنا۔ ہمیشہ آگے بڑھنا۔“

باکس کے اندر جوزف پیلس کے مکینوں کی تصویر تھی۔

”تم یہ کر لو گی نا؟“

اس نے کاغذ کو پھر سے تہہ کیا اور اس کے چہرے پر ایک پر عزم سایہ پھیلا اور آنکھیں بند کر کے آہستگی سے سرگوشی کی۔

”ہاں مما۔ میں یہ کروں گی!“

نئی **ملکہ** کا حلف۔ پھر اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اور تبھی، دروازے پر ایک شخص نمودار ہوا۔

"روحی، چلیں؟" وہ صفدر کی آواز پر اٹھی۔ علاج مکمل ہو چکا تھا۔ اس نے باکس بند کیا، اور اسے احتیاط سے اپنے بیگ میں ڈال لیا۔ ایک آخری نظر کمرے پر ڈالی، اور پھر وہ دھیرے سے پلٹ گئی۔ ایک نئی کہانی کا آغاز کرنے کے لیے۔

وقت پھر سے اڑا۔۔۔۔

ایڈنبرا کی سرمئی گلیوں میں ایک شخص سیاہ جیکٹ پہنے، کانوں پہ ہیڈ فون جمائے آگے بڑھ رہا تھا۔

کہانی کا savior ولیم جوزف!

"ماں کو کھو دیا ہے، ماموں نہیں کھو سکتا۔" اس نے کہا تھا اور اس نے پورا کیا۔

اس کے کان میں لگے ہیڈ فون سے ایک آواز ابھری۔ روبوٹ 0.2 کی آواز۔۔۔

"وہ سب پھر سے شروع ہو رہا ہے۔"

"جانتا ہوں اور اس بار ہم تیار ہیں۔" وہ مضبوط لہجے میں کہتا، سرمئی عمارتوں کے سائے میں گم ہو گیا۔

کہانیوں کا انت ہمیشہ نئی شروعات لاتا ہے، کیونکہ کہانیاں کبھی ختم نہیں ہوتیں۔ سروائیورز کبھی نہیں مرتے۔۔!!

منظر پھر سے بدلہ۔۔۔۔۔

سائبیریا کے جنگلات کے قریب لاکٹ ہاتھ میں تھامے وہ شخص آگے بڑھ رہا تھا۔ اسکے قدم مضبوط تھے۔

کبھی سوچا ہے؟

کیا ہو گر چھٹیاں ختم ہو جائیں؟

اور کیا ہو گر بادشاہ لوٹ آئے؟

✿••✿••✿••✿

(عنکبوت اختتام پذیر ہوا۔)

(بیشک تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں!)

حرف آخر

مصنفہ کی طرف سے!

امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے۔ اگر آپ یہاں پہنچ چکے ہیں تو اس کا مطلب ہے آپ نے عنکبوت مکمل کر لیا ہے۔ اور اب وقت ہے اس کی بیک گراؤنڈ کہانی شروع کرنے کا۔ پہلے اس پر بات کر لیتے ہیں، تاکہ کچھ لوگوں کی الجھنیں دور ہو جائیں۔

عنکبوت پاکستان میں **گوتھک** طرز پر لکھا گیا پہلا ناول ہے۔ یہ ایک ایسی **cursed** کہانی ہے جو سالوں میرے ساتھ چپکی رہی۔ آپ میں سے جو میرے ریگولر قاری ہیں وہ جانتے ہیں **سلفائیٹ**، میری شائع ہونے والی پہلی کتاب 2020 میں لکھی گئی۔ اس وقت میں نے یونیورسٹی شروع کی تھی۔

پھر اس کے شائع ہونے سے پہلے ہی میں نے 2021 میں تین کہانیاں شروع کیں، کچھ کچھ وقفے سے مگر ایک بھی مکمل نہیں ہو پائی۔۔۔

ان میں سے ایک تھی، ستمبر 2021 میں شروع ہونے والی **گناہ زادی**! نام سے آپ کو محسوس ہو گا کہ مرکزی کردار کسی لڑکی کا ہے جس پر یہ کہانی لکھی گئی۔ بالکل ٹھیک کہا اور اگر آپ غور کریں تو **عنکبوت** بھی دراصل ایک فی میل **مکڑی** کی کہانی ہے۔

کہانی شروع ہوتی ہے **میکال ابرام** سے ایک مشہور اور طاقتور عیسائی خاندان کا وارث جو ذہین و فطین تھا۔ اپنے وقت کا **بے تاج مصنف**! پہلا منظر ایوارڈ شو کا تھا جہاں اسے ایوارڈ ملتا ہے اور وہ اسے اپنا حق مانتا ہے۔ میکال کی کہانیوں میں ہمیشہ فوکیت **مرد** کو دی گئی، وہ خود تقوی کے معاملے میں اعلی وارفع تھا۔ عورتوں کو وہ **کمتر** سمجھتا تھا اور اپنی گرینی کے ساتھ اسلام آباد میں اپنی آبائی حویلی میں رہتا تھا۔ ایوارڈ شو میں جو اس نے تقریر کی تھی، اس پر، اس کی گرینی کہتی ہیں کہ کسی کو خود سے کمتر نہیں سمجھتے، تم عورتوں پر لکھو تو جانو یہ کس قدر خوبصورت مخلوق ہے اور میکال انہیں جواب دیتا ہے کہ آپ جانتی ہیں **'میں عورتوں پر نہیں لکھتا'**

تھوڑا زیادہ بیان کروں تو میکال تھوڑی **ٹاکسک** شخصیت کا مالک تھا۔ اسکا غرور اسکا تقوی تھا اور جب اس سے ایک انٹرویو میں پوچھا جاتا ہے کہ آپ سے ملنے کے لیے کیا کرنا ہو گا تو وہ جواب دیتا ہے۔ **'مجھ سے ملنے تمہیں بلندیوں پر آنا ہو گا۔'**

دوسری طرف ہوتی ہے **منت قدیر**۔۔۔ ایک نرم دل اور خواب دیکھنے والی لڑکی جو میکال پر بری طرح فدا ہے اور اس کی کتابوں سے عشق کرتی ہے۔ منت کی آواز بہت خوبصورت ہے۔ سحر انگیز۔۔۔ وہ کچھ کرنا چاہتی ہے۔ کچھ بننا چاہتی ہے مگر اماں سے ڈرتی ہے۔

ایک دن میکال ایک لڑکی پر لکھنا شروع کرتا ہے۔ اس کتاب کا نام تھا **سیاہ تتلی**۔۔۔ ایک **ملعون** لڑکی جس پر بڑی سیاہ تتلی کا سایہ تھا اور وہ اپنے محل میں قید تھی مگر وہ زیادہ لکھ نہیں پاتا۔ عورت پر لکھی جانے والی کتاب۔۔۔ اور پھر اسے ایک دن فون آتا ہے۔ مگر کوئی بولتا نہیں۔۔۔ پھر اس کی حویلی کے لینڈ لائن پر فون آنا شروع ہو جاتا ہے۔۔۔ وہ لڑکی میکال سے بات کرنا چاہتی تھی اور اس کی آواز؟ یہ آواز ویسی تھی، اس لڑکی جیسی، جو میکال کی کتاب میں تھی۔ پہلی بار فون آنے پر وہ اس کتاب کا ایک باب لکھ لیتا ہے اور پھر فون بار بار آنے لگتا ہے۔ وہ لڑکی بتاتی ہے وہ اسے کتنا پسند کرتی ہے اور تیرھویں کال پر میکال اپنے بڑے پن میں اس لڑکی کا دل بری طرح توڑتا ہے وہ اسے ہر فون کال پر تڑپاتا

ہے۔۔۔اور تیرہ کالز میں وہ کتاب کے تیرہ باب لکھ لیتا ہے اور پھر ایک دن کالز آنا بند ہو جاتی ہیں۔۔۔وہ لڑکی کہاں گئی؟

کیا وہ لڑکی منت تھی؟ میکال کا منت سے کیا رشتہ تھا؟ وہ اسے کہتا ہے **مجھ سے ملنے تمہیں بلندیوں پر آنا ہو گا** اور منت؟ جو کچھ حالات سے تنگ آ کر اپنے ایک کلاس فیلو کی بات مان کر سنگر بننے چلتی ہے مگر کچھ اور بن جاتی ہے۔

کیا وہ ان بلندیوں پر پہنچ پائے گی؟

کہانی میں سب سے اہم مرکزی کردار تھا **کیرل** کا۔ ایک بزنس وومن فیشن ڈیزائنر، جسکی شخصیت، اس کے ایک ڈائیلاگ سے جانی جا سکتی ہے۔ **"جس کے تم بیٹے ہو اس کی میں باس ہوں تو زبان سنبھال کر بات کرو۔۔۔"**

کیرل کا فیشن برانڈ تھا **MK** نام کا، اسکا سگنیچر **تتلی** تھا۔ اس کا بزنس کافی پھیلا ہوا تھا۔۔۔وہ بزنس پارٹنر بن جاتی ہے پاشا سیریز کی، کیرل اور دبیر پاشا کی پہلی ملاقات کیسی تھی؟ وہ اسے زخمی کرتی ہے ویسے ہی جیسے **فجر، رئیس** کو کرتی ہے۔

کیرل بدلہ لینے آئی ہے مگر کس چیز کا؟ منت کون تھی؟ میکال کی اصل پہچان کیا ہے؟ کیا وہ پیدائشی عیسائی تھا؟ اس کا منت سے بچپن کا کیا رشتہ تھا؟ اس نے بڑے پن میں کس کو کھویا تھا؟ اور پھر ایک دن وہ منہ کے بل کیسے گرا۔

کیرل کی اینٹری **'مسکانیں جھوٹی ہیں'** اس میوزک سے ہوتی ہے۔ کیا دبیر پاشا، کیرل کا شکار ہو گا؟ کیا میکال ابرام کی کتاب مکمل ہو گی؟ کیا وہ کبھی منت سے ملے گا؟ فیشن شوز کے پیچھے **بقا اور بدلے** کا کونسا کھیل چل رہا تھا؟ کیرل کے کاسٹومیمز ویسے کیوں تھے؟ اس پر سیاہ تتلی کا سایہ کیوں تھا؟ وہ **ملعون** کیوں تھی؟

کہانی یہاں تک لکھی گئی تھی سات سے آٹھ اقساط جو کہ گوگل پر موجود ہیں اور میرے فیس بک پیج پر بھی۔۔۔ آپ چاہیں تو جا کر پڑھ سکتے ہیں۔

پھر میری یونیورسٹی کی وجہ سے کہانی اُدھوری رہ گئی میں اسے مکمل نہیں کر پائی اور 2024 میں جب میں نے **ماثیل** مکمل کیا تو اس کے بعد سوچا اب کونسا ادھورا ناول لکھوں؟

آدم ہوں میں یا **گناہ زادی**؟ پھر میں نے **گناہ زادی** کو rewrite کرنے کا سوچا۔۔۔زیادہ وسیع پیمانے پر زیادہ کرداروں کے ساتھ کیونکہ **گناہ زادی** کی اوریجنل اینڈنگ بہت ٹریجک تھی اور میں فی الوقت ایسا نہیں چاہتی تھی اور پرانے کرداروں کو لے کر چلنا مشکل ہوتا ہے خاص کر اس صورت میں جب **میکال** جیسے ٹاکسک کردار لکھے جا چکے ہوں۔

میں نے کرداروں کی ترتیب وہی رکھی، سارے شعبے وہی رکھے، **فیشن** اور **فلم انڈسٹریز**، ایم کے برانڈ کی جگہ **منا فیشنز**، اور پاشا سیریز کی جگہ **اسٹار لائٹ پروڈکشن ہاؤس**۔۔۔رائٹنگ کی فیلڈ میں نے **فلک** کے حوالے کی اور میکال کو میں نے پازیٹو انداز میں لکھا اور کہیں زیادہ وسیع کر کے لکھا۔۔۔

فلک کی **رئیس** کو تیرہ فون کالز وہی تھیں جو **منت** نے **میکال** کو تیرہ کالز کی تھیں۔ میکال کی ادھوری کتاب کی جگہ **رئیس کا ادھورا تاج** رکھا۔

میکال کی کتاب بھی **ملعون** لڑکی پر تھی، رئیس کا تاج بھی **ملکہ ملعون** کا تھا۔

عنکبوت میں، میں نے **منار** کی وہ ٹریجک اسٹوری نہیں لکھی کہ کیسے اس نے **سروائیو** کیا جبکہ **گناہ زادی** میں اسی پر زیادہ فوکس تھا۔

پھر مجھے **گھر کا فلسفہ** ایڈ کرنا تھا، اور گھر کا فلسفہ **عنکبوت** کے گھر سے بہتر کوئی نہیں تھا اور **عنکبوت** ایک ایسا نام ہے جو **گناہ زادی** سے کئی زیادہ وسیع ہے تو اس لیے مجھے یہ بہتر لگا۔

عنکبوت نام کے پہلے کئی ناول تھے۔ پہلے میں نے **عنکبوت** نہیں رکھا مگر میری کہانی نہیں بن رہی تھی۔ پھر میں نے ساتویں قسط پر **عنکبوت** کی فائنل کر دیا کہ **عنکبوت ناول** اور بہت سے ہوں گے مگر **نور راجپوت** کا **عنکبوت** ایک ہی ہے۔ **گناہ زادی** میں جرائم، قید اور تشدد بہت تھا، **عنکبوت** میں اسے تھوڑا کم کیا گیا۔

اور مجھے خوشی ہے کہ میں نے یہ ناول **اب** لکھا ہے کیونکہ تب میں نے لکھنا **شروع** کیا اور آج الحمد اللہ میں کہہ سکتی ہوں کہ **مجھے لکھنا** آتا ہے۔

2020 میں **گناہ زادی** جیسا تھیم اور آئیڈیا بہت منفرد تھا مگر اپنی پڑھائی کہ وجہ سے نہیں لکھ پائی، زینب (میری ایک دوست جو گناہ زادی شوق سے پڑھ رہی تھیں) نے مجھے بہت کہا کہ اسے مکمل کروں، یہ بہت بہترین ہو گا مگر میں نہیں کر پائی۔ میری رائٹنگ شروع ہوتے ہی تین سال کا وقفہ آ گیا اور پھر **2024** میں **ماثیل** کے ساتھ میں نے دوبارہ کم بیک کیا۔

اور پھر میں نے **گناہ زادی** کو ایک نئی شکل میں مکمل کیا۔ **گناہ زادی** کی شروعات تھوڑی سی مختلف تھی لیکن حالات و واقعات **عنکبوت** والے ہی تھے اور آگے چل کر کہانی وہی تھی جو **عنکبوت** کی ہے۔ جو آپ **پڑھ** چکے ہیں۔

یہاں میں ایک بات واضح کر دوں کہ کچھ لوگوں نے مجھے **عنکبوت** پر برا بھلا بھی کہا مگر میں پوچھنا چاہتی ہوں کہ میں اپنے ہی **2021** کے ناول کو **2025** میں لکھنے پر **بری** کیسے بن سکتی ہوں؟ جبکہ وہ ناول **انٹرنیٹ** پر موجود ہے۔

خیر۔۔۔ **عنکبوت** کا سفر بہت اچھا گزرا۔

عنکبوت کا پلاٹ جیسا **شروع** میں سوچا، **آخر** تک ویسا ہی چلا۔ میں ہمیشہ کہانی کا آخری سین پہلے لکھتی ہوں اور پھر کہانی وہاں تک چل کر جاتی ہے۔

جب میں نے **پہلا** پلاٹ بنایا تو میں نے **رئیس اور عروزہ** کو بہن بھائی رکھا مگر جانتی تھی کہ **عروزہ** اس کے ہاتھوں مرے گی جو کہ زیادہ برا ہو جاتا اور **ولیم** انکا بھانجا تھا تو **عروزہ** کا ڈائیلاگ **"اب پتا چلا محبت کیوں؟"** کیسے فٹ آتا؟ اس لیے میں نے اسے **بہن** کی بجائے، **ساتھی** بنایا۔

مجھے لگتا ہے میں **عنکبوت** پر گھنٹوں بات کر سکتی ہوں۔ سب پوچھتے ہیں **رئیس** کو کیوں لکھا؟ جیسے کہ میں نے بتایا پہلے ایک نہایت منفی کردار تھا مگر پھر میرا اپنا ایک کردار **'امن ملک'** بھی منفی کرداروں میں سے ہے اور منفی کردار بہت سے آچکے ہیں مارکیٹ میں تو ایک ہی طرز کے **کردار** لکھنا ضروری نہیں ہوتا۔ **سرمئی کرداروں** کو مختلف انداز میں بھی لکھا جا سکتا ہے۔

رئیس کو میں نے بہت سوچ سمجھ کر رکھا، وہ شخص جس کے **اصول ظالم** تھے مگر جو آپ کو **لڑنا سکھاتا** ہے۔ جو **بقا سکھاتا** ہے۔ ہاں کرداروں پر کرش آجانا بہت عام سی بات ہے مگر **رئیس** کو میں نے **mentor** کے حوالے سے لکھا، جب اسکا نام آئے تو **ہمت** ملے۔۔۔

رئیس اور **فجر** کا رشتہ ویسا ہی تھا،

جیسا **سلفائیٹ** کے **حشام جبیل** اور **ام حانم** کا تھا، **احترام** کا!

جیسے **ماثیل** کے **عبدل جبیل** اور **ایمانے عبداللہ** کا تھا، **کیئر** کا!

میرا **love triangle** لکھنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا کیونکہ وہ **سلفائیٹ** میں تھی، **حناوے** میں بھی۔۔۔ **عنکبوت** کچھ اور تھا اگر آپ سمجھ چکے ہیں تو پھر شاید مجھے مزید **ڈسکس** کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

نومبر 2024 سے **عنکبوت** کی پوسٹنگ شروع ہوئی تھی اور نومبر 2025 میں یہ **مکمل** ہو چکا ہے۔

ایک سال۔۔۔۔اور یہ سال میں نے **عنکبوت** مین گزارا ہے۔چاہے میں باہر تھی، چاہے آفس، چاہے کسی دورے پر، یا ہسپتال میں۔۔۔۔میرے ارد گرد **عنکبوت** رہا۔مجھے یاد نہیں میں نے کبھی کسی **ناول** میں اتنے **کردار** پڑھے ہوں۔یا پھر میں نے کبھی، ہر **کردار** کو، اس قدر **تفصیل** سے لکھا ہو۔

لیکن میں کہوں گی **عنکبوت** کا سفر بہت خوبصورت رہا۔۔۔۔بہت مشکل تھا مگر میں نے کر لیا الحمد اللہ۔۔۔۔!

کبھی کبھی منفی یا ہیٹ کمینٹس ہمت توڑتے ہیں مگر پھر ہمت بڑھ جاتی ہے۔**فلک** کو میں نے بہت سوچ سمجھ کر لکھا، **فلک** کا سفر، ہر **آنلائن رائٹر** کا سفر ہے۔یہاں بہت سے **رائٹرز** نے یہ سب سہا ہے۔اگر ہم کچھ اصل دکھانے کی کوشش کرتے ہیں تو اسکا مطلب خود کو **جسٹیفائی** کرنا نہیں ہوتا بلکہ **سفر** دکھانا ہوتا ہے اور الحمد اللہ **فلک** نے بہت **grow** کیا۔اس نے ہمت نہیں چھوڑی، میں نے ہر **کردار** کو ہمت کے ساتھ لکھا ہے۔وہ سب **زہریلے** ہو گئے، ان کی **کہانیاں زہریلی** تھیں کیونکہ **عنکبوت زہریلی فیری ٹیل** ہے مگر پھر بھی کسی نے ہمت نہیں ہاری۔۔۔

ہاں **عنکبوت** میں کسی قسم کا **گیان** نہیں ہے لیکن **لڑکیوں کے خوابوں** پر ان کی **پہچان** پر بات کی گئی ہے جو کہ بہت ضروری ہے۔

سب کو مجھ سے شکایت تھی کہ میں نے **سلفائیٹ** میں **ماہین حمدان** کو اکیلے چھوڑ دیا، اس کے ساتھ برا کیا تو میں نے **فلک** کو لکھا، اس کی **یک طرفہ محبت** کے ساتھ ساتھ اس کی **نشونما** اور اس کی **بقاء** دکھائی۔

میں جانتی ہوں بہت سی لڑکیاں **فلک** جیسی یک طرفہ محبت کا شکار ہوتی ہیں، بہت سی لڑکیاں **فجر** کی طرح ٹھکرا دی جاتی ہیں مگر میں کہنا چاہتی ہوں **کچھ بھی دائمی نہیں ہے**۔وقت بدل جاتا ہے۔اپنے آپ کو آگے بڑھائیں، یہی سب سے بہترین عمل ہے اور مجھے یہی **دکھانا** تھا۔

میں **روایتی کہانیاں** نہیں لکھ پاتی میری کہانیوں کے کردار آخر تک ایک **کسک** چھوڑ جاتے ہیں اور میں ایسے ہی لکھتی ہوں مجھے یہ **پسند** ہے۔

مجھے ذاتی طور پر بلاوجہ کے **منہ پھٹ کردار** نہیں پسند، ایسے کردار جو بڑی بڑی باتیں کریں، ڈائیلاگز سنائیں مگر کچھ بھی نہ کریں۔۔ میں ایسے کرداروں کو نہیں پڑھ سکتی۔ اگر آپ اپنے بارے میں کسی بات کا **دعوی** کر رہے ہیں تو اسے پورا کر کے دکھائیں، جیسے **فجر** نے کیا۔

ہاں شروع میں آپ کو سبھی کردار **برے** لگے ہوں گے۔ میں نے انہیں شروع ہی **کیچڑ** سے کیا تھا۔ تمام کردار جیسے **کیچڑ** میں پڑے ہوں اور پھر وہ اٹھ کر اپنا سفر، بارش میں شروع کریں اور جتنا وہ **چلتے** گئے، **نکھرتے** گئے۔

اور سب سے بڑی وجہ جس نے مجھے **عنکبوت** لکھنے کی ہمت دی وہ **ولیم جوزف** ہے!

اسکا وہ ایک خواب جو میں نے بار بار دیکھا، اسکا زنجیروں سے بندھا وجود۔۔۔۔

ایک **مصنفہ** ہونے کی حیثیت سے میں یہاں ایک **راز** شیئر کرنے جا رہی ہوں۔ میں نے ایک شخص کو ہمیشہ **قید** دیکھا اور اسے **قید** کسی اور نے نہیں اسکے **باپ** نے کیا ہوتا ہے (ایک خواب)۔۔۔۔ شاید یہ خواب **ولیم** کے حوالے سے ہی تھا۔ مجھے اسے **لکھنا** تھا۔ میں نے یہ سین اپنے ایک شارٹ ناول **'دی میڈیم'** میں بھی لکھا تھا جس میں باپ نے اپنے ہی بیٹے کو **قید** کر لیا تھا تاکہ وہ انسانوں کی دنیا میں نہ جا سکے۔۔۔۔ خیر!

مصنفین کی زندگی میں بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں وہ اپنی کہانیوں میں بار بار دہراتے ہیں اور وہ چیزیں ان سے کہیں نہ کہیں **جڑی** ہوتی ہیں۔ **ولیم جوزف** نہ ہوتا تو شاید **عنکبوت** بھی نہ ہوتا، اس نے **لکھنے** کی ہمت دی

اور باقی کردار اسے آخر تک لے کر آئے، اس لیے میں نے **عنکبوت** کو **'اللہ کی محبت کے نام'** کیا ہے کیونکہ وہ اللہ کی محبت تھی جو امڈ آئی تھی اور جس نے مجھے **ولیم جوزف** کے وہ حالات لکھوائے۔

مجھ سے بہت پوچھا جاتا ہے آپ کا **پسندیدہ کردار** کونسا ہے تو میں فی الوقت کسی ایک کو نہیں چن سکتی خاص کر **آخری قسط** کے بعد جس میں سب نے اتنا اچھا **پرفارم** کیا۔ **رئیس** نے ہمت دی، **ولیم** نے اللہ کے **قریب** رکھا، **فجر** نے سہنا سکھایا اور **فلک** نے **صبر** کرنا۔۔۔ سب بہت خاص ہیں۔ ایک ولن کی حیثیت سے مجھے **منار** پسند ہے۔

منار جیسا کردار جو عام ولنز سے ہٹ کر ہے، اسے لکھنا تھوڑا نہیں بہت **مشکل** تھا، وہ **کہانی گر** ہے اور **رئیس کہانی!** اور یجنلی یہ کہانی ہر طرح سے **منار** اور **رئیس** کی تھی مگر پھر کردار آتے گئے، پلاٹ بنتا گیا اور پھر **عنکبوت** لکھا گیا۔

میری ممی کو ولیم بہت پسند ہے۔ انہیں وہ بہت عزیز ہے۔ اسے کبھی بھی کچھ بھی ہوتا تھا، یا **فجر** اس کے ساتھ کچھ برا کرتی تھی تو ممی مجھ پر غصہ ہوتی تھیں اور **فجر** کو خوبصورت القابات سے نوازہ جاتا تھا اور۔۔۔ چونکہ یہ حرف آخر، میں قسط **پبلش** ہونے سے پہلے لکھ رہی ہوں تو **میری بہن** مجھے روز رشوت دینے آتی ہے تاکہ میں اسے **قسط** دے دوں۔۔۔ روز مجھ سے **اینڈنگ** پوچھی جاتی ہے مگر نہیں۔۔۔ سب کو ایک ساتھ ملے گی۔

عنکبوت کا سفر ہمیشہ یاد رہے گا کیونکہ **عنکبوت** کا سفر بہت الگ تھا۔ سچ کہوں تو فی الوقت میں ساری تکلیفیں بھول چکی ہوں۔ خوشی ہے تو بس یہ کہ میں نے **عنکبوت** لکھ لیا ہے اور آگے آنے والے **پروجیکٹ** ہر لحاظ سے بہترین ہوں گے ان شاء اللہ!

'کچھ باتیں عنکبوت کی کہانی پر'

ہر کہانی میں ایک **عنکبوت (مکڑی)** ہوتی ہے۔ وہ جو خاموشی سے، صبر کے ساتھ، تنہائی میں اپنا **جال** بُنتی ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ اس کا بُنا ہوا جال ہی کائنات کا سب سے **مضبوط** قلعہ ہے، اور ہر زندہ وجود صرف ایک شکار ہے، جو جلد یا بدیر اس جال میں آ کر پھنس جائے گا۔

مگر **یہ کہانی** ہمیں سکھاتی ہے کہ دنیا کا سب سے **کمزور گھر، مکڑی کا گھر** ہوتا ہے کیونکہ جال صرف کمزور کو پھنسا سکتا ہے۔ یہ ان کو نہیں روک سکتا جنہوں نے اپنی **بنیادیں** پتھر پر رکھی ہوں۔ **قربانی** کے پتھر، **وفا** کے پتھر، اور گھر کی **محبت** کے پتھر۔

یہ کہانی **کہانی گر (منار)** اور **کہانی (رئیس)** کے درمیان ایک **ازلی جنگ** تھی۔ **کہانی گر** نے سوچا کہ وہ انجام لکھ رہی ہے، لیکن **کہانی** نے خود کو مٹا کر، انجام کو ہی بدل دیا۔ **بادشاہ** نے ثابت کیا کہ حقیقی طاقت **تخت** پر بیٹھنے میں نہیں، بلکہ اپنے تخت کو بچانے کے لیے **خود کو قربان** کرنے میں ہے۔

یہ کہانی **فلک** کی تھی۔ وہ **'زہریلی فیری ٹیل'** کی مصنفہ، جس نے سیکھا کہ **ملکہ** بننے کے لیے **بادشاہ** کی نہیں، بلکہ ایک **'گھر'** کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس نے اپنی محبت کو دفن کر کے اپنی **وراثت** کو بچایا، اور یہ ثابت کیا کہ سب سے مضبوط تاج وہ نہیں جو پہنا جائے، بلکہ وہ ہے جو **ذمہ داری** کی صورت میں اٹھایا جائے۔

یہ کہانی **فجر** اور **ولی** کی تھی۔ وہ دو **'سروائیورز'** جنہوں نے سب سے زیادہ **کھویا**، مگر آخر میں **سکون** پا لیا۔ کیونکہ حقیقی سکون **'فتح'** میں نہیں، **'شفا'** میں ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنی اذیتوں کو قبول کیا اور ایک دوسرے کا **مرہم** بن کر جینا سیکھا۔

زندگی ایک Happy Ending والی کہانی نہیں ہے۔

یہ ایک زہریلی فیری ٹیل ہے۔

اس کا زہر آپ کو **مارتا** نہیں، صرف **آزماتا** ہے۔ یہ دیکھتا ہے کہ آپ **گرنے** کے بعد **اٹھ سکتے** ہیں یا نہیں۔ یہ **پرکھتا** ہے کہ کیا آپ اس زہر کو پی کر، اسے اپنے وجود کا **تریاق** بنا سکتے ہیں؟

کیونکہ **'سروائیورز'** کبھی نہیں **مرتے**۔

کیونکہ **کہانیاں**۔۔۔ کبھی **ختم** نہیں ہوتیں۔

وہ بس۔۔۔ **نیا جنم** لیتی ہیں۔

اور اس لیے **عنکبوت** کا انت ایک **نئی شروعات** لایا ہے تاکہ **Survival** کا کھیل جاری رہے۔ امید ہے، **عنکبوت** نے آپ کو کچھ نہ کچھ تو ضرور **سکھایا** ہوگا اور اس لیے **'میں نے عنکبوت کو اللہ کے بعد آپ سب کے حوالے کیا۔'**

جلد ملیں گے ایک **نئے** سفر کے ساتھ جس کا ایک اشارہ **عنکبوت** میں ہی دے دیا گیا ہے۔

ڈھونڈو تو جانیں۔۔۔۔

خدا حافظ!

نور راجپوت۔۔

✿••✿••✿••✿